مکمل ناول

ٹوٹا ہوا تارہ

سمیرا شریف طور

ٹوٹا ہوا تارا" قسط نمبر 1"...... سمیرا شریف طور

قارئین کے نام

السلام علیکم!

مزاج بخیر! "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کے بعد "ٹوٹا ہوا تارا" میرا یہ دوسرا طویل ترین ناول ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ گزشتہ ناول کو جس طرح آپ نے سراہا اور پسند کیا میرا اعتماد کئی گنا بڑھا۔ یہ میری دوسری کاوش ہے۔

"یہ چاہتیں یہ شدتیں" کچی عمر کی لکھی کہانی تھی۔ چار پانچ اقساط پر مبنی کہانی جس کے کردار زرش اور سمعان احمد کے خاندان کے کرداروں پر مشتمل تھے۔ میرے پاس لکھی وہ کہانی اپنی تمام تر منظر نگاری اور مکالمہ بازی سمیت سامنے موجود تھی اور جب قسط وار طویل ناول کی صورت میں لکھنا پڑا تو صرف نویرہ اور دیگر کے کرداروں کے اضافے کے علاوہ مجھے ذرا بھی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا نتیجہ اختتام تک آپ لوگوں کے سامنے تھا ناول بہت پسند کیا گیا۔

جب کہ "ٹوٹا ہوا تارا" اسی دور کی ایک کہانی ہے جس کا خلاصہ تو لکھا مگر اس قدر مختصر کہ...... اب جب کہ قسط وار ناول کا آغاز کر رہی تھی تو مجھے ایک دفعہ پھر اس کا پلاٹ، کرداروں، مکالموں کے ساتھ ساتھ مجموعی تاثر کو برقرار رکھنے میں خاصی جدوجہد کرنا پڑ رہی ہے۔ یہ کہانی بھی فیملی کہانی ہے مگر تھوڑی تبدیلی کے ساتھ۔ وقت اس قدر تیز رفتاری سے بدل رہا ہے کہ قدریں تو ایک طرف انسان اپنی تخلیق کا اصل مقصد فراموش کر گئے ہیں اور گم ہو چکے ہیں اور یہ کہانی آپ کو بتائے گی۔ کہانی کے تعارف سے آپ لوگوں نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ کس قسم کی کہانی ہو سکتی ہے؟

اس کہانی میں اصل میں ٹوٹا ہوا تارا کون ہے؟ اس کا فیصلہ آپ لوگوں نے کرنا ہے۔ میری پوری کوشش ہے کہ کہانی میں آپ لوگوں کی توجہ و دلچسپی برقرار رکھوں اور تجسس آخر تک برقرار رہے۔

یہ تین جنریشنز پر مشتمل کہانی ہے۔

بابا صاحب، تابندہ بوا کا ماضی اور ولید، مصطفیٰ لوگوں کا حال یہ تین ادوار پر بننے والی داستان ہے۔

مصطفیٰ، ولید، زوشا، نے شہوار، سکندر، تابندہ بی بی، ضیاء احمد اور بابا صاحب ان میں ٹوٹا ہوا تارا کون ہے؟

حال و ماضی کی یکساں کہانی...... یا پھر ایک دلچسپ و تجسس کے عناصر سے سجی دلچسپ داستان؟

میرا کوئی دعویٰ نہیں۔ "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کے متعلق دعویٰ تھا کہ وہ شاہکار ہوتا اور اس کے متعلق کوشش کروں گی کہ یہ اس سے بڑھ کر ثابت ہو۔

کہانی کیسی لگتی ہے؟ اپنا فیڈ بیک دیتے رہیے گا۔ آپ کی ہر طرح کی تنقیدی آرا میرے لیے مشعل راہ رہیں گی۔ اچھی بری ہر طرح کی رائے سے نوازتے رہیے گا۔

اللہ حافظ۔

اللہ ہم سب کو دین و ایمان کی دولت سے نوازے آمین۔

دعاؤں کی طالب

آپ کی اپنی

سمیرا شریف طور

☆☆☆

"تم میرے رشتوں کے قاتل ہو۔" کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ نجانے آواز کہاں سے آ رہی تھی ان کے سامنے لق ودق صحرا تھا میلوں تک پھیلا صحرا آگ برساتا سورج سر پر تھا اور تپتی جھلستی ریت پاؤں تلے تھی۔

چوہدری حیات علی کو لگ رہا تھا کہ آج روز قیامت ہے حساب کا دن ہے۔ انہیں آج اپنے کیے کی سزا ملنے والی ہے۔ وہ چیخ پکار رہے تھے۔ اپنی ساری اولاد کو اپنی بیوی کو جو برسوں پہلے منوں مٹی تلے جا سوئی تھی۔ مگر کوئی ان کی آواز سن کر نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ چیخ چیخ کر ان کا حلق دکھنے لگا۔ بھاگتے دوڑتے وہ گر رہے تھے گرم جھلستی ریت ان کا بدن جھلسا رہی تھی۔

"تم نے مجھے گندگی کا ڈھیر بنا دیا ہے تم صرف اور صرف قاتل ہو۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے...... میں تمہارا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" نجانے یہ آوازیں کہاں سے آ رہی تھیں۔ رب کے چوہدری حیات علی چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔

"نواز علی...... شاہ زیب علی...... حسن علی......" وہ اپنے بیٹوں کو چیخ چیخ کر بلا رہے تھے مگر ارد گرد خونخوار آوازوں کے علاوہ ان کی آواز کی صرف بازگشت تھی۔ وہ تھک ہار کر تپتی ریت پر گر گئے تھے اور تبھی انہیں لگا آسمان سے کوئی شعلہ لپکا ہے۔

"نہیں......" کمرے کے در و دیوار ان کی چیخوں سے گونج اٹھے تھے۔

"چوہدری صاحب! کیا ہوا...... کیا ہوا چوہدری صاحب؟" بخشو خواس باختہ انہیں جھنجوڑ رہا تھا وہ ایک دم ہڑبڑا کر آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھنے لگے۔

وہ تو تپتے آگ اگلتے صحرا میں برہنہ پا گرے ہوئے تھے تو پھر یہ کون سی جگہ تھی۔ وہ خالی خالی نظروں سے اپنے سامنے موجود انسان کو دیکھ رہے تھے۔

"چوہدری صاحب لگتا ہے خواب میں ڈر گئے ہیں۔ لیں یہ پانی پئیں۔" اس نے گلاس بھر کر پانی پیش کیا تھا۔

چوہدری صاحب کو لگا ان کا گلا دکھ رہا ہے۔ جیسے چیخ چیخ کر شاید انہیں پڑ چکی ہیں صحرا کی گرمی و تپش اور آگ برساتا سورج انہیں ایک دم شدت سے پیاس کا احساس ہوا۔ انہوں نے ایک ہی سانس میں پانی کا گلاس ختم کیا تھا وہ لاشعور سے شعور کی طرف پلٹ رہے تھے۔ انہیں ماحول اور ارد گرد موجود چیزوں کی شناخت ہو رہی تھی۔

وہ کسی لق ودق صحرا میں نہیں ایک قیمتی ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ کمرے میں اپنے جہازی بستر پر دراز تھے۔ ان کا وفادار ملازم بخشو انہیں تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو وہ دیکھ رہے تھے وہ ایک خواب تھا ایک بھیانک خواب۔

ان بھیانک خوابوں کا سلسلہ پچھلے کئی سالوں سے چل رہا تھا مگر پہلے پہل وہ ڈر کر چیخ کر اٹھتے نہیں تھے یہ تو پچھلے تین چار سالوں سے ان کا احساس ندامت گناہ کا روپ دھارنے کے بعد اب ہر لمحے انہیں دھمکاتے آ جاتا تھا۔ انہوں نے ایک گہری سانس لی تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"بخشو......!" ساتھ ہی نسوانی آواز بھی تھی۔

"جی تابندہ بوا!" بخشو اٹھ کر دروازے تک گیا تھا۔ دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ تابندہ بوا چادر میں منہ چھپائے کھڑی تھیں شاید چوہدری صاحب کی چیخیں سن کر وہ بھی اٹھ کر آ گئی تھیں۔

"کیا بات ہے؟ چوہدری صاحب کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" بڑے شائستہ لب و لہجے میں اپنے اس مخصوص مؤدبانہ انداز میں وہ استفسار کر رہی تھیں۔ بخشو نے سر ہلا دیا تھا۔

"جی بوا! آپ کو پتا ہے وہ اکثر خواب میں ڈر جاتے ہیں۔ ابھی نارمل نہیں ہوئے کچھ وقت لگ جائے گا۔ طبیعت البتہ ٹھیک ہے۔" وہی مخصوص الفاظ تھے تابندہ بوا نے سر ہلا دیا تھا۔

"ان کو نیند کی گولی دے کر سلا دو اور ہاں صبح کسی سے بھی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" تابندہ بوا نے مخصوص ہدایت سے نوازا تو بخشو نے فوراً سر ہلایا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا چوہدری صاحب نیند کی گولی نہیں لیں گے۔ وہ اس خواب کے بعد ہمیشہ وضو کر کے اللہ کے حضور رو رو کر گڑگڑاتے پتا نہیں اپنے کن گناہوں کی معافی

مانگتے رہتے تھے اور پھر کئی ہفتے تک یہ سلسلہ چلتا تھا اور پھر جب چوہدری صاحب نارمل ہو کر دوبارہ زندگی کی دلچسپیوں کو محسوس کرنے لگتے تھے تو پھر یہی خواب آنے لگتا اور پھر وہی اذیت ناک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

اسے اس حویلی میں کام کرتے دس سال ہو گئے تھے۔ ان دس سالوں میں جہاں وہ حویلی کے ہر راز سے واقف ہوا تھا وہیں وہ چوہدری صاحب کی ذات اور تابندہ بوا کے کرداروں سے ضرور الجھا تھا۔ نجانے کیوں اسے یہ دونوں کردار تجسس لگتے تھے۔

تابندہ بوا کون تھیں اسے قطعی علم نہ تھا۔ بس اتنا جانتا تھا کہ نوازعلی اور حسن علی کو ان کے وجود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہاں شاہ زیب علی صاحب کو تابندہ بوا سے خصوصی لگاؤ تھا۔ تابندہ بوا انہیں بھائی صاحب کہتی تھیں۔ تابندہ بوا چوہدری صاحب کی حقیقی بہن تھیں سوتیلی یا کوئی رشتہ دار آج تک علم نہ ہو سکا تھا۔ یہ دونوں کردار خاصے پُر اسرار تھے مگر بخشو کو ان دونوں سے بہت لگاؤ اور محبت تھی۔

تابندہ بوا کو مطمئن کرنے کے بعد وہ اپنے خیالات کو جھٹکتے واپس کمرے میں لوٹا تو ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

چوہدری صاحب اب جائے نماز بچھائے سجدے میں گڑگڑاتے رو رو کر معافی مانگ رہے تھے نجانے کن گناہوں کی۔ ہمیشہ کی طرح اسے چوہدری صاحب کی شخصیت مزید پُر اسرار لگی۔ وہ خاموشی سے جا کر اپنے فرشی بستر پر لیٹ گیا۔ چوہدری صاحب کی حالت کے پیشِ نظر چوہدری شاہ زیب علی کی خصوصی ہدایت تھی کہ وہ ہر وقت ان کے ساتھ رہا کرے سائے کی طرح ان کی حفاظت کرے۔

❁ ❁ ❁

چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

وہ جیسے ہی اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی ساتھ والے ٹیرس سے آتی دھیمے سروں میں خوب صورت الفاظ پر مشتمل آواز نائلہ وقار احمد کی ساری توجہ اپنی جانب کھینچ گئی تھی۔ اس کے قدم بے اختیار ٹھٹکے تھے۔

یہ غزل وقار احمد اور اس کی ماما کو بہت پسند تھی۔ دو سال پہلے ضیاء انکل جب پاکستان آئے تھے تو ان کے کمرے میں دن رات صرف یہی غزل گونجا کرتی تھی۔ نجانے اس غزل میں ایسی کیا خاص بات تھی جو سارے کا سارا خاندان ہی اس کا دیوانہ تھا۔ نائلہ وقار احمد کا تجسس ایک دم بڑھا۔

بڑا دلکش بڑا رنگین یہ شہر کہتے ہیں
یہاں ہیں ہزاروں گھر گھروں میں لوگ رہتے ہیں
مجھے اس شہر کی گلیوں نے بنجارہ بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

نائلہ وقار نے ٹیرس کی سیڑھیوں کی طرف نگاہ ڈالی اور پھر ریلنگ کی طرف ٹیرس کے ساتھ والا کمرہ اگر ولید ضیاء احمد کا نہ ہوتا تو وہ یہی سمجھتی کہ ضیاء انکل کے کمرے میں یہ ریکارڈ بج رہا ہے۔

"حیرت ہے اس غزل کے سارے دیوانے ہمارے ہی خاندان میں پیدا ہو گئے۔" ٹیرس کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے وہ جلدی جلدی اترنے لگی تھی۔

میرے مالک میرا دل کیوں تڑپتا ہے سلگتا ہے

تیری مرضی تیری مرضی پہ کس کا زور چلتا ہے
کسی کو گل اور کسی کو تُو نے انگارہ بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

جلدی سے تیز قدموں سے دوسرے ٹیرس کی سیڑھیاں چڑھ کر اس نے کمرے کے سامنے جا کر دم لیا تھا۔

ضیاء انکل کا یہ پورشن ان کے پورشن کے ساتھ کچھ اس طرح ملحق تھا کہ دونوں پورشنز کے درمیان ہر کمرے کا ٹیرس دوسرے ٹیرس سے سیڑھیوں کی مدد سے اگرچہ جدا تھا تو کمروں کی دیواریں اس طرح ساتھ تھیں کہ دونوں پورشنز علیحدہ محسوس نہیں ہوتے تھے۔ دروازہ نیم وا تھا۔

اس شخص کو پاکستان آئے صرف ہفتہ ہی ہوا تھا۔ مگر انا وقار احمد کو لگ رہا تھا کہ جیسے پچھلے چند سال درمیان میں آئے ہی نہ ہوں۔

میں اس دنیا کو دیکھ کر اکثر حیران ہوتا ہوں
نہ مجھ سے بن سکا چھوٹا سا گھر، دن رات روتا ہوں
خدایا تُو نے کیسے یہ جہاں سارا بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

ریکارڈ بجنا بند ہو چکا تھا۔ کمرے میں اب مکمل خاموشی تھی۔

اس نے دھیرے سے دروازے کو ناک کیا تھا۔

”یس.....!“ بھاری گمبھیر آواز پر انا وقار احمد کو لگا اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی ہیں۔ اس نے آہستگی سے دروازہ دھکیل کر اندر قدم رکھا تھا۔

”میں اندر آ جاؤں؟“ جھجکتے ہوئے استفسار کیا تھا ولید جو ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا نے پلٹ کر دروازے کی سمت دیکھا۔ انا وقار احمد دہلیز پر ایستادہ تھی۔

”محترمہ! آپ اندر آ چکی ہیں۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو چند قدم مزید آگے بڑھ آئی تھی۔

”آپ کہیں جا رہے ہیں؟“ اسے یوں تک سک سے تیار کھڑے دیکھ کر اس نے پوچھا تو وہ خود پر بڑی فراوانی سے پرفیوم کرتا پلٹا۔

”یس.....“ اس نے مختصراً کہہ کر پرفیوم کی شیشی ٹیبل پر رکھ دی تھی۔ لائٹ پنک کلر کی شرٹ اور بلیک پینٹ کوٹ میں اپنے دراز قد سمیت وہ پورے ماحول میں نمایاں تھا۔ تیاری بتا رہی تھی کہ یہ خصوصی اہتمام کسی خصوصی نوعیت کا ہی تھا۔ بطور خاص ڈریسنگ وہ تو عام حلیے میں بھی دلوں پر قیامت ڈھانے کا ہنر جانتا تھا آج تو اور بھی بن ٹھن کیا ہوا تھا خود کو۔ جانے آج قیامت کس دل پر ڈھانی تھی۔

انا وقار احمد کو اپنے اعصاب خاصے مشتعل ہوتے محسوس ہوئے۔ دل کی دھڑکن مس ہوئی تو اسے خود کو سمجھانا مشکل لگنے لگا۔

”کوئی خاص میٹنگ ہے یا.....؟“ سوال خود بخود اس کے لبوں پر در آیا تھا۔ ولید ضیاء نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس کی تیاری مکمل تھی وہ اب اپنا موبائل اور والٹ چیک کر رہا تھا۔

”ایک فرینڈ کے ساتھ ڈنر کا پروگرام ہے۔“ اس نے کل ہی انکل ضیاء کے ساتھ باقاعدہ ان کا آفس جوائن کیا تھا۔ ساری عمر امریکا جیسے ملک میں گزار کر آنے والا شخص ایک دم دوستی کرنے لگا تھا اسے تعجب ہوا تھا۔

”کوئی نیا دوست ہے؟“ دل میں کلبلاتا سوال لبوں پر آ گیا تھا۔ اس نے والٹ چیک کر کے پینٹ کی جیب میں رکھتے اسے دیکھا۔ ہلکے میرون ڈھیلے ڈھالے سراپا میں کھڑی

وہ استفسار کر رہی تھی۔

"نہیں! مصطفیٰ ہے..... مصطفیٰ شاہ زیب علی!"

"اچھا مصطفیٰ بھائی! جن کا اپارٹمنٹ امریکہ میں ہمارے گھر کے سامنے تھا؟ وہی نا جن سے آپ اور احسن بھائی کی بڑی کلوز فرینڈشپ تھی۔" اسے سب یاد آتا چلا گیا تو ولید نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"یس! بڑی اچھی یادداشت ہے تمہاری۔ یہ تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے۔"

"وہ آپ کو یہاں کہاں مل گئے؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ دو سال پہلے ایجوکیشن کمپلیٹ کرنے کے بعد پاکستان شفٹ ہو گیا تھا اس کی ساری فیملی اسی شہر میں رہتی ہے۔ ٹیلی فونک رابطہ تو رہتا ہی تھا ہمارا۔ بس پاکستان آنے کے بعد پہلی بار اس سے ملنے جا رہا ہوں۔" اس نے تفصیلی جواب دیا تو انا وقار احمد نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔

تبھی روشنی دروازہ ناک کرتی اندر آ گئی تھی۔ وہ انا کو دیکھ کر ٹھٹکی پھر دھیرے سے مسکرا دی۔

"وہ صبوحی پھوپو کہہ رہی ہیں کہ چائے تیار ہے آ جائیں۔" اس نے انا کی ماما کا پیغام دیا تھا۔ ولید نے اپنی کلائی پر گھڑی دیکھی شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

"سوری ڈیئر! پھوپو کو منع کر دو، تمہیں بتایا تو تھا کہ میرا مصطفیٰ کے ساتھ پروگرام طے ہے۔ اس وقت میں ادھر ہی جا رہا ہوں اگر چائے پینے رکا تو لیٹ ہو جاؤں گا۔" اس نے سہولت سے منع کیا تھا۔ روشنی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"واپسی کب تک ہوگی۔ اگر بابا پوچھیں تو کیا کہوں؟"

"میں کال کر دوں گا اور بابا اس وقت کہاں ہیں؟"

"انکل اور پھوپو کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ صفری انا کے کمرے میں گئی تھی جب کہ احسن بھائی بھی وہاں آ گئے تھے۔ اس لیے میں آپ کو بلانے آئی تھی۔"

"میں بس یونہی ادھر آ نکلی تو رک گئی تھی۔" انا نے فوراً اپنے رکنے کی وضاحت کی تھی۔

"او کے گڑیا! پھوپو سے معذرت کر لینا۔ روشنی! میں چلتا ہوں دیر سویر ہو گئی تو کال کر دوں گا۔" روشنی نے سر ہلا دیا تھا۔ ولید پیار سے بہن کے بالوں کو چھیڑتے کمرے سے نکلا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ پرفیوم کی مہک ابھی تک جو اس پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ روشنی کے ہمراہ اپنے پورشن میں آ گئی تھی۔

"یہ نا تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا"

نجانے کیا موضوع بحث تھا ضیا ماموں کی آواز پر دونوں چونکی تھیں۔ ضیا ماموں بڑے باذوق انسان تھے۔ اکثر اوقات وہ فی البدیہہ اشعار کا استعمال کرتے رہتے تھے۔ انا کے لبوں پر مسکراہٹ مچل اٹھی تھی۔

"اگر اور جیتے رہتے تو یہی انتظار ہوتا"

اس نے بڑی شرارت سے ماموں کے عقب میں جا کر شعر مکمل کر دیا تھا۔

"ارے ہماری نازن اتنی دیر سے کہاں تھی؟" وہ ضیا ماموں کی بہت چہیتی تھی اسے دیکھ کر فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے کیا تھا۔

"میں کالج سے آنے کے بعد سو گئی تھی اب اٹھی ہوں۔" ماما پاپا اور احسن بھائی کے علاوہ وہ خود روشنی اور ضیا ماموں تھے جو اس وقت چائے پر موجود تھے۔ وہ ماموں کے ساتھ صوفے پر ٹک گئی تھی جب کہ روشنی ماما کے ساتھ جا بیٹھی تھی۔

''ولید نہیں آیا بیٹا!'' سبوحی بیگم نے روشنی کو دیکھا۔

''بھائی کا اپنے کسی دوست کے ساتھ باہر ڈنر کا پروگرام ہے وہ وہاں چلے گئے ہیں۔'' چائے مگ میں انڈیلتے اس نے بتایا تو ضیا صاحب کو بھی جیسے ایک دم یاد آیا۔

''ہاں بتا رہا تھا مجھے کہ وہ آج مصطفیٰ کے ساتھ باہر ڈنر کرے گا۔''

''مصطفیٰ......وہی جو ہمارے ساتھ امریکہ میں تھا۔'' احسن کو بھی بروقت یاد آیا تھا۔

''ہوں......وہ دو سال پہلے تعلیم مکمل ہونے پر پاکستان آ گیا تھا۔ ولید سے ٹیلی فونک رابطہ رکھتا ہے۔ اسے پتا چلا کہ ولید بھی پاکستان میں ہے تو فوراً ہی ملاقات کو مچل اٹھا۔''

''ہاں یاد ہے مجھے بھی وہ لڑکا بڑا ذہین اور لائق لگا تھا۔ کردار کے لحاظ سے بھی بڑا مضبوط تھا ورنہ جس طرح وہ تن تنہا وہاں رہ رہا تھا کسی برائی میں ملوث ہو جانا کون سا مشکل کام ہے۔'' تو تار صاحب کو بھی وہ اچھی طرح یاد تھا۔

''مجھے تو خیر اس کی کم ہی بنتی تھی۔ ہم دونوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے بہت تھے مگر ولید سے اس کی بہت بنتی تھی۔'' انا نے اکتا کر روشنی کو دیکھا۔

وہ بھی یقیناً اس مصطفیٰ نامہ کو سن کر بور ہو رہی تھی۔ احسن بھائی پاپا ماما اور ماموں تفصیلی انداز میں امریکہ میں گزرے ماہ و سال کو ڈسکس کر رہے تھے۔ اس نے چپکے سے روشنی کو اشارہ کیا تھا وہ بھی فوراً سمجھ گئی تھی۔ دونوں اپنا اپنا کپ تھامے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''کہاں......؟'' ماما نے ذرا سا گفتگو سے توجہ ہٹا کر دونوں کو دیکھا۔

''ہم لان میں جا رہی ہیں۔'' انا کے جواب پر وہ سر ہلا کر پھر باتوں میں مصروف ہو گئیں تو دونوں باہر لان میں چلی آئیں۔

''تمہیں پاکستان آ کر یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟'' ساتھ ساتھ چلتے انا نے روشنی سے پوچھا۔

''بہت اچھا......وہاں اور یہاں کے ماحول میں بہت فرق ہے نا وہ آزاد معاشرہ ہے۔ بابا کے ساتھ ہم نے ساری زندگی بھلے وہاں گزاری ہے بے شک ہماری ماں وہاں کی تھیں ہماری جڑیں وہاں سے ہی ہیں مگر بابا کا یہ ملک ہے اور بابا کی وجہ سے یہ ہمیں اپنی جان سے پیارا ہے۔ میں تو یہاں آنے کے لیے دن گن گن کر گزار رہی تھی۔''

''اور ولید......؟'' اس کے دل میں مچلتا سوال لبوں پر آ گیا تھا۔

''ولید بھائی تو مجھ سے بھی زیادہ پُر جوش تھے۔ دس سال پہلے تم لوگ یہاں شفٹ ہو گئے تھے ایسے میں ایک بھرپور فیملی کے ماحول کو بہت یاد کیا۔ بابا نے ہماری تربیت اور پرورش جن خطوط پر کی ہے تو ہم وہاں زندگی نہیں گزار سکتے تھے بہر حال لوٹ کر تو ہمیں یہیں آنا تھا۔''

روشنی بہت پیاری نازک اور سنجیدہ سی لڑکی تھی۔ ضیا ماموں دو سال پہلے پاکستان آ گئے تھے جب کہ ولید اور روشنی اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کر کے وطن لوٹنا چاہتے تھے۔ جیسے ہی ان کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہوئی تھی دونوں آ گئے تھے۔

''احسن بھائی اور ماما کی موجودگی کے باوجود میں نے ہمیشہ تم لوگوں کی کمی محسوس کی ہے خصوصاً تمہاری......میں یہاں ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی تھی۔ وہاں کے ماحول اور یہاں کے ماحول میں بہت فرق تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ سیٹ ہونا ہی پڑا۔ تمہیں بتاؤں میں نے کئی سال تک کسی سے بھی دوستی نہ کی تھی میری کوئی دوست نہ تھی اب دو سال پہلے میری شہوار سے دوستی ہو گئی تھی۔ شہوار سکندر علی بہت اچھی لڑکی ہے میڈیکل کے پہلے دو سال بڑے بور اور بُرے گزرے تھے وہ کالج کی نہایت ذہین لڑکی ہے۔ طلبا تو ایک طرف اساتذہ تک اس کو پسند کرتے ہیں وہ ہر دل عزیز ہستی ہے۔ نجانے اس میں ایسی کون سی کشش ہے کہ میرا دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔

روشنی! اسے میں دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے شہوار اور روشنی میں کوئی فرق نہیں۔ شکل و صورت میں تم سے بھلے مختلف ہی مگر نجانے کیوں مجھے اس میں تمہارے وجود کی خوشبو آتی ہے۔''

''لگتا ہے بہت ہی شاندار ہستی ہیں وہ شہوار سکندر صاحب!''

"وہ بہت اچھی ہے۔ اسے دیکھ کر اس پر رشک کرنے کو جی چاہتا ہے۔ دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا ہے۔"

"واؤ! لگتا ہے اس خاص ہستی سے ملنا ہی پڑے گا۔ کیا خیال ہے بلواؤ نا کسی دن گھر۔ ہم بھی دیکھتے ہیں ایسی کون سی کشش ہے اس ہستی میں کہ لالہ صاحب کو ان میں ہماری ذات دکھائی دیتی ہے۔"

"یہی تو پرابلم ہے وہ جتنی ہر دل عزیز ہے اتنی ہی محتاط طبیعت کی مالک ہے۔ وہ کسی گاؤں کی رہنے والی ہے۔ ایجوکیشن کی وجہ سے اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں رہ رہی ہے۔ کبھی کسی کے ہاں نہیں جاتی۔ میں نے کئی بار اسے آفر کی ہے مگر مانتی ہی نہیں۔" لالہ نے اب کے افسردگی سے بتایا تھا۔

"چلو کوئی بات نہیں 'یار زندہ صحبت باقی' کبھی تمہارے کالج جانے کا اتفاق ہوا تو مل بھی لیں گے۔" روشنی نے فوراً اسے افسردگی سے نکالا تھا۔

"مگر میں نے سوچ رکھا ہے کہ تمہاری اور احسن بھائی کی شادی پر اسے ضرور انوائٹ کروں گی اگر وہ انکار کرے گی تو زبردستی لے کر آؤں گی چاہے مجھے اس کے گاؤں جا کر اس کی والدہ سے اجازت ہی کیوں نہ لینی پڑے۔"

روشنی احسن سے منسوب تھی۔ بڑوں میں یہ بات کافی عرصے سے طے تھی مگر اب جب کہ روشنی ایجوکیشن سے فارغ تھی اور احسن بھی اپنی لائف میں اسٹیبلش ہو چکا تھا تو بڑوں کی رائے تھی کہ اب نیک کام میں تاخیر نہیں کی جائے جلد از جلد شادی کر دی جائے۔

وہ دونوں اندھیرا گہرا ہو جانے پر بھی کتنی دیر تک واک کرتے ادھر ادھر کی ڈھیر ساری باتیں کرتی رہی تھیں۔



ولید ضیا نے جیسے ہی ہوٹل کے ہال میں قدم رکھا تھا اپنی متلاشی نظروں سے اطراف میں نگاہ ڈالی تھی۔ مصطفیٰ اسے سامنے ہی ایک ٹیبل پر بیٹھا نظر آ گیا تھا۔ مصطفیٰ نے بھی اسے دیکھ کر ہاتھ ہلا دیا تھا۔ وہ ایک دم بڑے جوش سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"السلام علیکم!" مصطفیٰ نے بھی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" دونوں بے اختیار ایک دوسرے کے گلے لگ گئے تھے۔

دو سال بعد مل رہے تھے بے شک آواز کا تعلق برقرار رہا تھا نیٹ میٹنگ بھی چلتی رہی تھی مگر دو سال بعد روبرو ملنے پر دونوں ہی خاصے جذباتی ہو گئے تھے۔ چند پل ایک دوسرے کے ساتھ لگے رہنے کے بعد دونوں جدا ہوئے تو ولید نے مسکرا کر مصطفیٰ شاہ زیب علی کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا۔

"زبردست...... ان دو سالوں میں بڑی صحت بنائی ہے تم نے۔"

"امیزنگ......!" ولید کا دراز وجیہہ سراپا ایک دم نمایاں تھا۔ جواباً مصطفیٰ نے ایک زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

"صحت کیوں نہ بنتا ساری عمر پردیس میں کالی چائے اور سڑے توسٹ پر گزارا کرتے رہے ہیں۔ یہاں ماں کی نگرانی میں خالص دیسی خوراک کھانے کو ملتی ہے اور تمہیں ہمارا پتا تو ہے فیوڈل سسٹم سے بی لانگ کرتا ہوں ویسا ہی دبلا پتلا رہتا تو خاندان بھر کی لٹیا ڈبو دیتا۔" دونوں نے اپنی اپنی سیٹ سنبھالی تھی۔

"بالکل نہیں بدلے ویسے کے ویسے ہی ہو۔ سوائے صحت کے۔" ولید اب بھی اسے بڑی محبت سے تک رہا تھا۔ مصطفیٰ پھر ہنس دیا۔

"یہاں آتے ہی وارننگ مل گئی تھی محترم والد صاحب کی طرف سے کہ ان کے دیگر بیٹوں کی طرح ان کا نام نہ ڈبوؤں۔ ان کے تمام خواب اب مجھ سے وابستہ ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے پولیس فورس میں آؤں اور تمہیں تو پتا ہے میں کتنا فرماں بردار ہوں اپنے والدین کا فوراً ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ابا جی نے دھمکی دے دی تھی کہ اگر پولیس ڈیپارٹمنٹ میں آنا ہے تو سب سے پہلے صحت بناؤں لہٰذا جوائن کرنے کے ساتھ اور بھی نہ جانے کیا کیا جتن کرنے پڑے تھے کہ تب جا کر یہ باڈی بنی ہے۔" ولید نے مسکرا کر اس کی ساری بکواس سنی تھی۔

"ہاں اتنے ہی تو تم اپنے ماں باپ کے فرماں بردار ہو والد صاحب نے کہا کہ پولیس فورس جوائن کر لو اور بیٹا صاحب فوراً گردن ہلاتے پیچھے چل دیے۔ یہ مسکینی وہاں چلاتا جہاں کوئی جانتا نہ ہو کہ موصوف دو سال پہلے پاکستان میں CSS کے امتحان کلیئر کرنے کا عزم لے کر لوٹے تھے۔"

"چلو یونہی سہی ......!" مصطفیٰ کھل کر ہنس دیا۔

"انکل کیسے ہیں؟" مصطفیٰ نے ضیا انکل کے بارے میں پوچھا تھا۔

"بابا بالکل ٹھیک ٹھاک اسے ون ہیں۔"

"بہت اچھی بات ہے بڑا یاد کرتے تھے وہ پاکستان کو ساری عمر امریکا۔ جیسے ملک میں گزار کر بھی وہ اندر سے وہی محب وطن انسان رہے ہیں اور روشنی کا سناؤ۔ کمپلیٹ ہو گئی اس کی بھی ایجوکیشن!"

"ہاں میرے ساتھ ہی آئی ہے۔ بابا اور وقار انکل چاہ رہے ہیں کہ اب اس کی شادی کر دی جائے۔ دیکھو کیا ڈیسائیڈ کرتے ہیں۔"

"احسن کے ساتھ نا؟" ولید نے سر ہلا دیا۔

"احسن کا سناؤ وہ کیسا ہے؟ دس سال پہلے تو وہ بڑا جذباتی جھگڑالو سا لڑکا تھا۔ کچھ چینج آیا یا ابھی بھی ویسا ہی ہے۔"

"نہیں یار! بہت بدل گیا ہے وہ انکل اور بابا کے ساتھ مل کر سارا بزنس سنبھالا ہوا ہے بلکہ میرے لیے بھی سارا آفس اسٹیبلش کیا ہے۔ بہت ذمہ دار اور حساس طبیعت کا ملک ہے وہ اور رہی بات جذباتیت کی تو جذباتی تو ہر کوئی ہوتا ہے۔ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔ کوئی جذباتیت کو سرینڈر کر لیتے ہیں اور کچھ اس کے ہاتھوں بے بس ہو کر سرینڈر ہو جاتے ہیں۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ تم ملو گے تو خود بھی یقین کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔" ولید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"ہاں جذباتی تو ہم بھی تھے بلکہ بچپن نام ہی جذباتیت کا ہے وقت اور میچورٹی ہماری جذباتیت کو ساری دیتی ہے اور تمہاری وہ ایک چھوٹی سی کزن بھی تھی نا؟ احسن کی سسٹر! انا نام تھا نا اس کا؟ کیسی ہے وہ؟"

"ہوں وہ بھی ٹھیک ہے۔ میڈیکل کے فورتھ ائیر میں ہے۔"

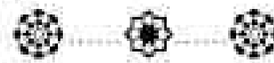
"زبردست! اس کا مطلب ہے خاصی بڑی ہو گئی ہے وہ بھی۔"

"ظاہر ہے اتنے سالوں کا گیپ ہے درمیان میں۔ جب وہ پاکستان لوٹی تھی تو روتی دھوتی اور پونیاں بنانے والی بالکل بچی تھی اب تو ماشاءاللہ سے خاصی بڑی ہو گئی ہے۔" ولید کی آنکھوں میں اس کا دلکش سراپا در آیا تو وہ مسکرایا۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا۔

"خیر ہے نا؟" مصطفیٰ کا انداز شرارتی تھا ولید نے اسے گھورا۔

"خبردار کوئی بکواس کی تو ...... کچھ کھانے کو بھی منگوانے کا ارادہ ہے یا صرف جھوک مارنے کا ارادہ ہے۔" اس نے فوراً بات پلٹ دی تھی مصطفیٰ اسے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہنس دیا تھا۔

"ویٹر ......!" اس نے ویٹر کو آواز لگائی تھی اور پھر اسے اپنا مینیو نوٹ کروانے کے بعد پھر سے گزری باتوں کو تازہ کرنے لگے تھے۔



کاش میرے بس میں ہوتا تجھ سے غافل ہو جاتا
ہم بھی سکون سے رہتے بے خبر تیری طرح

کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد وہ جیسے ہی کاریڈور سے گزرتے سیڑھیوں کے پاس آئی تھی نجانے وہ کس کونے سے نکل کر اس کے عین سامنے آ کر پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کے کھڑا ہو گیا

تھا۔ شہوار نے بروقت اپنے قدم روکے تھے ورنہ تصادم یقینی تھا۔ یہ تو صد شکر تھا کہ اطراف میں کوئی نہیں تھا کسی نے اس بدتمیز ایاز کی حرکت نہیں دیکھی تھی ورنہ صورت حال لمحوں میں بگڑتی۔

"بدتمیز تو سامنے سے..." وہ پھنکاری تھی اسے دیکھ کر شہوار کا بس نہیں چلتا تھا کہ یا تو خود کہیں غائب ہو جائے یا پھر اسے کہیں غائب کر دے۔ یہ دونوں باتیں ہی ناممکنات میں سے تھیں سو وہ ابھی تک صبر و جبر کے ساتھ اسے برداشت کر رہی تھی مگر اب کچھ عرصے سے اس شخص کی بدتمیزیاں حد سے تجاوز کرتی جا رہی تھیں۔

"اگر نہ ہٹوں تو......؟" وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا تھا۔ شہوار کا ضبط سے برا حال ہوا تھا۔

"مجھے مجبور مت کرو ایاز صاحب کہ میں شاہ زیب انکل سے تمہاری شکایت کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔"

شکوے شکایتوں کی نہیں یہ ظرف ظرف کی بات ہے
تیرے وہم و گمان میں بھی ہم نہیں تو لفظ لفظ ہمیں یاد ہے

دوسری طرف اس نے ترنت شعر داغا تھا وہ کلس کر رہ گئی۔

شہوار کا جی چاہا کہ اگر اس کا ممکن نہیں تو اپنا ہی سر پیٹ لے۔ بڑی کوفت و بے چارگی سے اپنے سامنے کھڑے اس شخص کو دیکھا تھا جو اس کی برداشت کو بری بری طرح آزما رہا تھا۔

یہ عادلہ بھابی کا بھائی نہ ہوتا تو وہ کب کا اس درد سر سے چھٹکارا پا چکی ہوتی۔ کچھ نہ بھی کرتی کم از کم وہ چیئر مین صاحب تک اس کی شکایت تو ضرور پہنچاتی مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ عادلہ بھابی کا بھائی تھا اور عادلہ کون ہستی تھیں ان گزرے ماہ و سال میں وہ بہت اچھی طرح نہ صرف اس عورت کو جان چکی تھی بلکہ بہت اچھی طرح پہچان بھی چکی تھی۔ شہوار نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالتے اپنے قدم واپسی کی طرف موڑ دیے تھے۔

"ارے کہاں چل دیں؟" اسے خاموشی سے واپس پلٹتے دیکھ کر وہ سرعت سے اس کے پیچھے آیا تھا مگر شہوار لب پر لب جمائے خاموشی سے اپنے رستے پر چلتی رہی تھی۔ "سچ کہتی ہیں عادلہ باجی تم جیسی لڑکیاں کب تک اپنی اکڑ قائم رکھ پائیں گی۔ بظاہر غرور و تکبر سے گردن اکڑاتے اندر ہی اندر دولت و پیسے پر مر مٹنے والی لڑکیاں...... کس چیز کا غرور ہے تمہیں؟ دو ٹکے کی ہو تم چاہوں تو پل میں اپنے قدموں میں گرا سکتا ہوں تمہیں۔"

اسے کسی بھی طرح اپنی طرف متوجہ نہ پا کر اس نے یہ نیا حربہ استعمال کیا تھا۔ شہوار کا جی چاہا کہ ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے۔ سب لحاظ مروت بالائے طاق رکھتے اس کا منہ نوچ دے۔ شہوار کی کنپٹیاں سلگ اٹھی تھیں۔

"تم" وہ ایک دم پھر کر ٹھہری تھی۔ انتہائی طیش و غضب سے اس کی طرف پلٹی تھی۔ کچھ بعید نہ تھا کہ اس کا ہاتھ اس پر اٹھ بھی جاتا۔

"شٹ اپ!" بڑی مشکل سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر وہ پھنکاری تھی۔

"کیا ہوا شہوار!" وہ اس وقت راہداری میں جس طرف نکل آئے تھے وہاں سامنے ہی لان تھا جہاں کئی طلبا خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ شہوار کو ایک دم اپنے اردگرد ماحول کا ادراک ہوا تو پلٹی۔ انا نہایت تشویش لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ دور سے ہی ایاز کو شہوار کے پیچھے آتے دیکھ چکی تھی سو فوراً بھاگ کر اس تک آئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ایاز شہوار کو پچھلے کچھ عرصے سے خاصا تنگ کر رہا تھا۔ انا نے اسے کئی بار چیئر مین صاحب سے اس مسئلے پر بات کرنے کا کہا بھی تھا مگر نجانے کیوں وہ ہر بار ٹال جاتی تھی۔

"مسٹر ایاز! کوئی پرابلم ہے آپ کو؟" شہوار کو غصے سے بے حال ہوتے دیکھ کر اس نے خاصے تیکھے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ جواباً ایاز نے ایک قہقہہ فضا میں اچھالا تھا۔

"یہ تو آپ کی فرینڈ ہی بتا سکتی ہیں کہ ہمیں کیا پرابلم ہے۔ کئی بار عرضی ان کے روبرو پیش کر چکے ہیں مگر...... خیر دیکھتے ہیں کب تک یہ اپنی اصلیت دکھاتی ہیں۔" اس کی زبان اتنی رکیک اور غلیظ تھی کہ شہوار گم صم سی ہو گئی۔ وہ بغیر ادھر ادھر دیکھے کوئی بات کیے کوئی تلخ جملہ ادا کیے وہاں سے بھاگتی ہوئی نکلی تھی۔

"رکو شہوار...... شہوار...... رکو...... " انا بھی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس کے پیچھے ہی تھی۔

انا نے اسے ہال میں جا ہی لیا۔ وہ بنچ پر بیٹھی ڈیسک پر سر رکھے شاید رو رہی تھی۔

"شہوار...!" اس نے گھبرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ رو نہیں رہی تھی مگر ضبط کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ یہی حالت چہرے کی بھی تھی۔

"کوئی بدتمیزی کی ہے اس نے؟" اس کے پاس ہی بنچ پر بیٹھ کر اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔

"میں بہت نظر انداز کر چکی ہوں اسے انا میری برداشت سے بہت زیادہ ہوتا جا رہا ہے یہ سب۔ یہ عادل بھائی کا بھائی نہ ہوتا صرف ایک کالج فیلو ہوتا تو میں پہلے ہی قدم پر اس کو اچھی طرح نہ صرف سمجھا چکی ہوتی بلکہ اچھا خاصا بندوبست بھی کروا چکی ہوتی۔ مصیبت تو یہ ہے کہ یہ عادل بھائی کا بھائی ہے اور عادل بھائی وہ ہستی ہیں جو اول روز سے ہی میرے ساتھ نفرت کا رشتہ نبھا رہی ہیں۔ ادھر یہ ٹینشن بن کر سوار رہتا ہے اور گھر جاتی ہوں تو وہ زچ کیے رکھتی ہیں۔ مجھے نہیں آتی کہ ان دونوں سے کیسے جان چھڑاؤں؟"

انا کو شہوار پر بہت ترس آیا جن کے سروں پر باپ کا سایہ نہ ہو کیا وہ اسی طرح زمانے کی ٹھوکروں پر آ جاتے ہیں؟ یکا و مال کی طرح جس کی مرضی جب جی چاہے حق جتانے کھڑا ہو جائے۔ بہت زیادہ تو نہیں مگر کچھ حد تک وہ شہوار کی گھریلو حالات سے واقف تھی۔

شہوار کے والد کی وفات اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکی تھی۔ ماں چوہدری حیات علی کی دور کی رشتہ دار تھی۔ بیوگی کے بعد شاہ زیب انہیں بہن بنا کر حویلی لے آئے تھے وہ ابھی تک اپنے قول کو نبھا رہے تھے۔ شہوار کے ماں باپ دونوں اکلوتے تھے مگر منہ بولے رشتے اپنوں سے بڑھ کر تھے مگر بعض اوقات دوسروں کے در پر پڑے رہنے کی ذلت بھی بڑی جان لیوا ہوتی ہے۔ شہوار کو اب اس ذلت کا احساس ہو رہا تھا مگر وہ اپنی ماں کی وجہ سے چپ تھی۔ سب برداشت کر رہی تھی سوائے عادل بھائی کے باقی سب بہت اچھے تھے۔ اسی لیے وہ عادل کو بھی برداشت کرنے کی کوشش کرتی تھی مگر یاور کی حرکتیں ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھیں۔

"تم اپنے انکل سے بات کرنا؟"

"میں نے بھی کئی بار ایسا سوچا ہے مگر انا! جس طرح کا عادل بھائی کا مزاج ہے اور انکل کو جب ساری صورت حال کا علم ہو گا تو یقیناً وہ بھائی سے باز پرس کریں گے اور اس کے بعد جو ہنگامہ ہو گا میں اس ہنگامے سے ڈرتی ہوں۔ عادل بھائی میری ذات کو لے کر اتنی بار اشو بنا چکی ہیں کہ مجھے اب خوف آتا ہے ان سے۔ اتنی گھٹیا اور رکیک گفتگو پر اتر آتی ہیں کہ شرم سے ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں یہ سب امی کی وجہ سے برداشت کر رہی ہوں۔ کیا کیا خواب لے کر میں ادھر آئی تھی مگر اب تو صرف دن رات یہی دعا مانگتی ہوں کہ خیر خیریت سے یہ دو سال گزر جائیں۔ ہاؤس جاب کے دوران یاور سے محتاط رہوں گی۔" وہ یاسیت سے بتا رہی تھی۔ انا کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"یہ عادل بھائی آخر کیا چیز ہیں؟ کیوں کرتی ہیں وہ ایسا؟"

"وہ بہت اعلیٰ چیز ہیں۔ مری کانونٹ کی پڑھی لکھی ہیں۔ باہر سے ہائیر اسٹڈی کر کے آئی ہیں۔ ان کی گردن اس غرور سے نہیں تھکتی کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے کروڑوں کی جائیداد کی مالک ہیں۔ امیر ماں باپ کی اولاد ہیں تعلیم یافتہ مگر از حد خود پسند اور بگڑی ہوئی۔ ان کی خود پسندی کی یہ حد ہے کہ ہم جیسے لوگوں کو وہ کیڑے مکوڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتیں۔ خوب صورت بے پناہ ہیں اور اپنی اس خوب صورتی کا زعم اور انا بھی حد سے زیادہ ہے۔ انکل آنٹی تو ایک طرف وہ اپنے شوہر عباس صاحب کو بھی کسی خاطر میں نہیں لاتیں۔"

"تم سے ان کی نفرت کی بھلا کیا وجہ بنتی ہے؟"

"بہت گہری...... " وہ دھیمے سے مسکرائی تھی ایک ایسی مسکراہٹ جس میں خود اذیتی تھی۔ "وہ اپنی چھوٹی بہن کا مصطفیٰ کا پرپوزل زبردستی مصطفیٰ شاہ زیب کے لیے لائی تھیں۔ ساری عمر بیرون ملک زیر تعلیم رہا۔ مصطفیٰ کا ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جو مٹی کو بھی چھو لیں تو سونا بن جائے۔ وہ منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہونے والوں میں ہیں۔ مصطفیٰ نے

ان کی بدتمیز، منہ پھٹ، زبان دراز بہن کے رشتہ کو فوراً انکار کر دیا تھا دوسری طرف صرف عادلہ بھابی کے سوا کوئی بھی اس پرپوزل کے حق میں نہ تھا اور اس انکار کا سارا ملبہ میری تنہا ذات کو پچھلے دو برسوں سے مسلسل جھیلنا پڑ رہا ہے۔"

"تو اس سارے قصے میں تمہارا کیا قصور؟ وہ تمہیں بھلا کیوں تنگ کر رہی ہیں؟ انکار جس نے کیا ہے وہ اس سے اپنی دشمنی نبھائیں۔ بھلا تم سے کیا لینا دینا۔" انا عادلہ بھابی کی دشمنی کی کوئی ٹھوس وجہ نہ سمجھ پائی تھی شہوار مسکرا دی۔

"بظاہر تو واقعی اس سارے قصے میں میرا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں نکلتا۔ انکار مصطفیٰ نے کیا اور باقی سب نے اس کی تائید کی مگر عادلہ بھابی سمجھتی ہیں کہ اس سارے قصے میں سب سے زیادہ قصور ہی میرا ہے۔"

"وہ کیوں بھلا......؟"

"ان کے نزدیک انکل شاہ زیب اور مہر النساء آنٹی نے میری وجہ سے اس پرپوزل کو قبول کرنے پر اپنے بیٹے پر زور نہیں دیا ورنہ وہ لوگ چاہتے تو مصطفیٰ کبھی کا نصہ کے پرپوزل سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔"

"کیا......؟" انا کا کیا...... چیخ سے مشابہ تھا۔ بے انتہا حیرت زدہ وہ شہوار کی زندگی کے اس رخ سے قطعی بے خبر تھی۔

"آہستہ......" شہوار نے فوراً ٹوکا تو وہ مزید پُرجوش ہوئی۔

"آمیزنگ یار! کیا واقعی ایسا ہے؟" ان کے درمیان اس ٹاپک پر کبھی کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی آج جو شہوار نے یہ انکشاف کیا تو وہ حیرت سے گنگ تھی۔

"نہیں...... بظاہر تو کچھ بھی ایسا نہیں ہاں تفصیلاً آنی لوگوں کے گھریلو ماحول پر میں نے کبھی دھیان نہیں دیا کہ وہ اپنی اولاد کے بارے میں کیا سوچتے یا فیصلہ کرتے ہیں۔ خصوصاً مصطفیٰ کے معاملے میں وہ کیا چاہتے ہیں یا پھر یہ محض بھابی کی سوچ ہے مجھے نہیں پتا۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"اور مصطفیٰ اس کی کیا رائے ہے؟ میرا مطلب ہے اس کا تمہارے ساتھ کیا رویہ ہے۔" انا کی اس معاملے میں ایک دم دلچسپی بڑھ گئی تھی۔

"مصطفیٰ بظاہر تو ایک مغرور اور گھمنڈی انسان ہے۔ مصطفیٰ کی کوالیفز میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ مزید یہ کہ وہ اپنے سے کم اسٹینڈرڈ کے لوگوں سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ جہاں تک میرے ساتھ اس کے رویے کی بات ہے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بظاہر خوش اخلاقی سے ہی پیش آتا ہے۔ تاہم وہ خاصا لیے دیے رہنے والا انسان ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ اپنی جاب کی وجہ سے وہ گھر میں کم ہی دکھائی دیتا ہے اور دوسری بڑی وجہ ہے کہ موصوف بچپن کے چند سالوں کے علاوہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تعلیم کی وجہ سے بورڈنگ اور امریکہ جیسے معاشرے میں گزار کر آئے ہیں۔ وہ ایک وسیع شعور رکھنے والا ایک Vast نظریات کا حامل انسان ہے۔ گھریلو معاملات میں وہ بہت کم الجھتا ہے۔ عباس سجاد اور مصطفیٰ یہ تینوں بھائی ہی علیحدہ علیحدہ مزاجوں کے حامل انسان ہیں۔" اس نے مسکرا کر مختصر تفتیش کیا پھر انا کی دلچسپی دیکھ کر مسکرا دی۔

"عباس بھائی کی بیوی ان پر حاوی ہیں۔ وہ ہر وقت بیوی کا موڈ دیکھ کر چلتے ہیں تاہم ایک خوش مزاج اور سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ سجاد بھائی بھی کافی ہنس مکھ طبیعت کے ہیں ان کی بیوی لائبہ بھابی اوہ خاصی سمجھدار خاتون ہیں پھوپی زاد ہیں۔ خاندان کو جوڑے رکھنے والی اور گھر کو گھر بنانے والی۔ رہ گیا مصطفیٰ تو اس کے بارے میں تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا۔" تفصیلات بتاتے اس نے کلائی پر بندھی ریسٹ واچ کو دیکھا خاصا وقت ہو چکا تھا یقیناً ڈرائیور اسے لینے آ چکا ہوگا۔ اس نے اپنی چیزیں ترتیب دیں۔

انا نے شہوار کے چہرے کو بغور دیکھا اسے مصطفیٰ کا ذکر کرتے دیکھ کر بھی اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہ آیا تھا ہاں ایک سنجیدہ سا تاثر ضرور تھا جو ہمیشہ سے اس کی شخصیت کا خاصہ رہا تھا۔

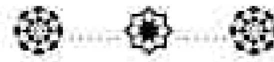
"اور اس سارے سلسلے میں تمہاری مصطفیٰ کے بارے میں کیا رائے ہے؟" انا نے دل میں کلبلاتا سوال لبوں پر لانے میں قطعی تاخیر نہ کی تھی۔ شہوار نے ایک گہری سانس لی۔ اس لیے وہ انا سے کچھ بھی کہنے سے پرہیز کرتی تھی۔

"اب تک مصطفیٰ شاہ زیب علی کے بارے میں میں جو بھی بیان کر چکی ہوں وہ میری اس کے بارے میں رائے ہی تو ہے۔" اس نے پھر سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ پھر مزید کہنے لگی۔ "اس کے علاوہ کوئی خاص رائے نہیں ہے۔ دیکھو انا! عادلہ بھابی کی اپنی ایک سوچ ہے۔ جس پر وہ کاربند ہیں۔ انکل آنٹی ماسوائے عادلہ بھابی کے بھی مجھے گھر کے ایک فرد کی حیثیت دیتے ہیں۔ مجھے اجنبیت کا قطعی احساس نہیں ہونے دیتے اور یہی حیثیت اس گھر میں میری امی کی بھی ہے۔ گاؤں میں پوری حویلی امی کے کنٹرول میں دے دی گئی ہے۔ مصطفیٰ کے دادا جان حویلی میں ہی مقیم ہیں۔ میری امی حویلی میں سیاہ و سفید کا مکمل اختیار رکھتی ہیں۔ مصطفیٰ کے سب چچا تایا وغیرہ بیرون ملک دوسرے شہروں میں رہتے ہیں باقی سب کو جائیداد میں سے اپنا اپنا مخصوص حصہ مل چکا ہے۔ رہ گئی حویلی تو نئے دور کا مزاج رکھنے والے لوگ ہیں یہ سب ان کے لیے حویلی ان کے بزرگوں کی روایات کی ایک نشانی ہے جو امی کی نگرانی میں دے کر سب بری الذمہ ہو چکے ہیں۔" شہوار نے ایک دفعہ پھر گھڑی دیکھی تو انا نے فوراً وہ سوال کر ڈالا جو پچھلے کچھ عرصے سے اس کے دل و دماغ میں تھا۔

"تو تم لوگوں کی اپنی فیملی کہاں ہے؟ میرا مطلب ہے رشتہ دار وغیرہ اور یہ لوگ تمہارے کیا لگتے ہیں؟"

"میری امی کا انکل لوگوں سے کوئی گہرا یا خونی تعلق نہیں ہے ہاں امی انکل کی دور پرے کی رشتہ دار ہیں۔ میرے امی ابو دونوں اپنے اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے شادی کے بعد ابو کچھ عرصہ بعد ہی فوت ہو گئے تو امی کے لیے زمانے کے سرد و گرم سہنا بڑا مشکل کام تھا۔ میری امی ایک پڑھی لکھی نہایت مہذب زمانہ شناس خاتون ہیں۔ میں اپنی امی کی اکلوتی اولاد ہوں۔ ابو کی وفات کے بعد امی لوگوں کے رحم و کرم پر تھیں۔ میری امی ایک نہایت خوب صورت اور صاحب جمال خاتون ہیں۔ ایسے میں لوگوں کی ہمدردیاں بھی ایک خاص معنی لیے ہوئے تھیں۔ امی بتاتی ہیں کہ میں چند ماہ کی تھی جب وہ انکل کے پاس آئی تھیں پناہ کے لیے۔ انہوں نے انہیں بہن جیسا مان اور بابا جان نے انہیں بیٹی جیسا مقام دیا تھا۔ میں حویلی کی چار دیواری میں ہی رہ کر پلی بڑھی ہوں۔ کسی نے آج تک میری یا امی کی طرف میلی نگاہ سے نہیں دیکھا مجھے حویلی کی ایک معزز بیٹی کا مقام دیا گیا ہے۔ شاہ زیب انکل کے علاوہ ان کے باقی بہن بھائی بھی مجھے حقیقی بیٹی کا سا مقام دیتے ہیں۔ ایسے میں میرا نہیں خیال کہ اس خاندان میں کوئی اور بھی عادلہ بھابی کی طرح مصطفیٰ کے سلسلے میں شکوک بھری منفی سوچ رکھتا ہو آنٹی بیٹی کی طرح عزیز رکھتی ہیں دونوں بیٹیاں شادی کے بعد بھی اپنا ہر کام میرے مشورے سے کرتی ہیں یہی حال انکل اور دیگر لوگوں کا بھی ہے۔" اپنے بارے میں اس نے تفصیل سے انا کو بتا دیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی اور سمجھتی تھی کہ پچھلے تین سالوں سے وہ انا کے لیے ایک معمہ سی بنی ہوئی تھی۔ انا اکثر اس کی فیملی کے بارے میں پوچھتی رہتی تھی مگر آج پہلی بار اس قدر تفصیلی انداز میں اس نے اپنی فیملی کے متعلق بتایا تھا۔

"بہت ٹائم ہو گیا ہے۔ کیا خیال ہے چلیں اب!" دوبارہ ریسٹ واچ کی طرف دیکھتے وہ فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔ انا بھی اس کے ہمراہ ہو لی۔ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے گیٹ تک آئی تھیں۔ انا کی بھی گاڑی آ چکی تھی۔ ڈرائیور نے شہوار کو دیکھتے ہی فوراً گاڑی سے نکل کر اس کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہتے اپنی اپنی گاڑی کی طرف ہو لی تھیں۔



"شہوار بیٹا! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" مہر النساء جیسے ہی کچن کے اندر داخل ہوئی تھیں شہوار کو وہاں موجود دیکھ کر ایک پل کو چونکیں۔

شہوار انہیں رات کے اس وقت یوں کچن میں دیکھ کر ٹھٹکی اور پھر گھبرا کر عادلہ کو دیکھا تھا جو آرام سے میز پر براجمان تھیں۔

"کچھ نہیں آنٹی جان! بس چائے پینے کو دل کر رہا تھا۔"

"تمہارا تو ضروری ٹیسٹ تھا نا! رخشندہ کو کہہ دیتیں وہ پورا فلاسک بھر کر تمہارے کمرے میں رکھ دیتی۔" انہیں اس کی اسٹڈی کی بڑی فکر رہتی تھی۔ اب بھی کہا تو عادلہ بھابی کے ماتھے کے تیور بگڑے جب کہ شہوار بس مسکرا دی۔

"سینڈوچ وغیرہ تیار ہو گئے ہیں تو لاؤ اب۔" انہوں نے خاصے رعب سے کہا تھا۔ انداز یوں تھا گویا کسی نوکر سے مخاطب ہوں۔ مہر النساء بیگم نے تعجب سے پہلے عادلہ اور پھر

سلیب پر دھری سینڈوچ کے لوازمات سے سجی ٹرے کو دیکھا۔ عادلہ بھابی نے رات کا کھانا سب کے ساتھ نہیں کھایا تھا وہ کچھ دیر پہلے اپنے والدین کے گھر سے لوٹی تھیں سو کھانا پلی کر آئی تھیں مگر گیارہ بجے کے بعد انہیں بھوک لگی تھی اور شہوار کی بدقسمتی تھی کہ وہ جس وقت کچن میں داخل ہوئی تھی وہ فریج کھولے دیکھ رہی تھیں۔ شہوار کو چائے کا برتن رکھتے دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھیں کہ وہ اپنی اسٹڈی چھوڑ کر آئی ہے انہیں اس پر رعب ڈالنے کا اچھا موقع ملا تھا۔ اسے چائے بعد میں تیار کرنے اور پہلے انہیں سینڈوچ بنا کر دینے کا حکم جاری کر کے وہ خود آرام سے کچن کی میز پر بیٹھ کر مزے سے اس پر مسلسل نکتہ چینی کرتی شہوار کی ساری کارروائی ملاحظہ کر رہی تھیں مگر ایسے میں مہر النساء بیگم کی آمد نے اور ان کی تشویش نے ان کا سارا مزا کر کرا کر دیا تھا۔

شہوار نے ایک دم گھبرا کر مگ میں چائے انڈیل کر ٹرے میں رکھتے ٹرے عادلہ کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔ مہر النساء بیگم کو عادلہ کا یہ انداز خاصا ناگوار لگا تھا' ان کا شہوار سے سینڈوچ تیار کروانا بھی پسند نہ آیا تھا وہ پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی تھیں کہ عادلہ شہوار پر خوامخواہ اطنز کرتی رہتی ہے۔

''شہوار! تمہیں میں نے کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ خود کچن میں مت آیا کرو اتنی ملازمائیں آخر کس مرض کی دوا ہیں۔ اتنا اہم تمہارا ائیر ہے۔ رات کا کھانا تم ملازماؤں کے ساتھ تیار کرتی ہو باقی وقت تو اپنا ضائع مت کیا کرو۔'' جہاں وہ عادلہ کی خود پسند طبیعت سے اچھی طرح آگاہ ہو چکی تھیں وہیں انہیں شہوار کا یوں آرام سے اس کی ہر بات مان جانا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔

''اس نے کون سا احسان کر دیا مجھ پر۔ اپنے لیے چائے بنا رہی تھی میرے لیے دو سینڈوچ کیا تیار کر دیے ہیں مہارانی نے قیامت آ گئی ہے کیا؟'' شہوار کی بجائے عادلہ کی طرف سے جواب موصول ہوا تھا مہر النساء بیگم کے بھی تیور ایک دم بگڑے تھے۔

''عادلہ بہو! تمیز سے بات کرو میں نے شہوار سے کہا تھا۔''

''ہونہہ! شہوار سے کہا تھا' در پردہ تو مجھے سنایا ہے نا۔'' انہوں نے بھی کوئی لحاظ نہ کیا تھا۔ وہ حیران رہ گئیں ایسی بدلحاظی پر۔

''ہاں تو پھر جب سارے گھر والوں کو پتا ہے کہ یہ وقت شہوار کی اسٹڈی کا ہے تو تم نے اس کا وقت کیوں ضائع کیا؟'' عادلہ کی مسلسل بدتمیزی پر ان کا بھی بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا تھا۔

''آنٹی جی! کچھ نہیں ہوتا میں اپنے لیے چائے تیار کر رہی تھی نا۔'' دونوں کے بگڑے تیور دیکھ کر شہوار نے فوراً سہم کر کہا تو انہوں نے اسے گھورا۔

''تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' انہوں نے عادلہ کا سارا غصہ اس پر اتارا تو اس نے فوراً چائے کا مگ تھامے باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے بھابی اور آنٹی کے درمیان کشیدگی کی فضا قائم ہو۔

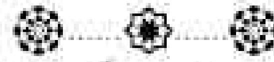
''ہمارا گھرانہ عزت دار گھرانہ ہے۔ ہمارے ہاں ایسی حرکتیں قطعی بری سمجھی جاتی ہیں۔ امید کرتی ہوں کہ تم میری بات سمجھ گئی ہو گی اور آئندہ اپنی دشمنی شہوار سے نبھانے کے بجائے اپنے اندر ہی رکھو گی۔ میں سب اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ تم شہوار کو تختہ مشق کیوں بنا رہی ہو؟ میرے نزدیک تو یہ سب تمہارا ذہنی دیوالیہ پن ہے۔ بہتر ہے کہ اپنے ذہن کا علاج کرو۔ ہمارے لیے مصطفیٰ اور کاشفہ کا رشتہ جوڑنا مشکل نہ تھا مگر تمہارے تیور دیکھ کر ہی ہم نے قدم پیچھے ہٹائے ہیں چھوٹی بہنیں بڑی بہنوں کا پرتو ہوتی ہیں یہ بات مت بھولو۔'' مہر النساء بیگم نے ایک عرصہ حویلی میں حکومت کی تھی ان کی آواز سن کر ہی ان کے ملازم ان کے سامنے مودب کھڑے ہو جاتے تھے۔ آج انہوں نے عادلہ کو صاف اور واضح الفاظ میں سمجھا دینے کی کوشش کی تھی۔ عادلہ ان کا سخت لہجہ دیکھ کر چند پل کو گنگ ہوئی تھی۔

''آئندہ شہوار کو تنگ کرتے ہوئے ہزار بار سوچنا۔ میں نے صرف گھر میں بدمزگی کے خیال سے اسے رات کا کھانا تیار کرنے سے نہیں روکا مگر کل سے وہ رات کا کھانا بھی تیار نہیں کرے گی۔ وہ ہمارے گھر کی بیٹی ہے اور تم اور لائبہ بہو ہیں اس گھر کی ذمہ داری تم دونوں پر ہے۔ آئندہ میں کوئی شکایت نہ سنوں۔'' اپنے اسی سخت لب و لہجے میں کہہ کر وہ عادلہ پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر واپس مڑ گئیں اور عادلہ وہ چند پل تو حیرت زدہ رہی کہ اس کی ہر بدتمیزی کو برداشت کرنے والی اس کی ساس کا لہجہ اس قدر سخت بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے تنفر

سے سر جھٹکا۔

"ہونہہ شہوار......!" اس کی نفرت ایک دم بڑھی۔

"لگتا ہے اب تمہارا کوئی مستقل بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔ گھی اگر سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو عادل کو انگلیاں ٹیڑھی کرنا بھی آتی ہیں۔" انتہائی غصے سے بڑبڑاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔



گاؤں کی کچھ بچیاں ان سے قرآن پڑھنے آتی تھیں انہیں پڑھا کر نماز پڑھ کر وہ ایک دفعہ کچن کا چکر لگا آئی تھیں۔ وہاں عظمت بی بی کھانا تیار کر رہی تھیں وہ مطمئن ہو کر باہر صحن میں آبیٹھیں۔ انہیں وہاں بیٹھے ابھی چند پل ہی گزرے تھے کہ چوہدری صاحب بخشو کے سہارے وہاں صحن میں چلے آئے۔

"تابندہ بیٹی! اکیلی بیٹھی ہوئی ہو؟ خیر ہے نا......؟" پچھلے ایک ہفتے سے انہیں ایسا کوئی خواب نہیں آیا تھا جس سے ان کی طبیعت بگڑتی۔ آج کل ان کی طبیعت نہ صرف ٹھیک ٹھاک تھی بلکہ یادداشت بھی درست کام کر رہی تھی۔ تابندہ نے اٹھ کر ادب سے انہیں سلام کر کے دوبارہ کرسی سنبھالی تھی۔

"جی خیر ہے بابا جان! بس اس وقت یہاں بیٹھنے کو دل کر رہا تھا۔" بخشو انہیں کرسی پر بٹھا کر اب ایک طرف مودب کھڑا تھا تابندہ بوا نے اسے اشارہ کیا وہ فوراً وہاں سے ہٹ گیا۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں بچوں نے حویلی کا چکر نہیں لگایا؟" وسیع و عریض صحن کو دیکھتے انہوں نے بڑی سی چادر میں لپٹے تابندہ کے وجود کو دیکھا اور پھر شفقت سے مسکرا دیے۔

"فون تو سبھی روزانہ ہی کرتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی مصروفیات ہیں۔ ایسے میں کم ہی چکر لگتا ہے۔"

"شہوار بیٹیا کب آ رہی ہے؟" تابندہ کی طرح وہ بھی شہوار کے وجود سے مانوس تھے ایک قلبی لگاؤ سا تھا۔ تابندہ کے چہرے پر شہوار کے ذکر سے ایک روشنی سی بکھرتی چلی گئی تھی۔

"فورتھ ائیر چل رہا ہے اس کا میڈیکل کا۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ کتنی مشکل پڑھائی ہے اس کی۔ اللہ ساتھ خیریت کے یہ سال بھی گزار دے۔ کل فون کیا تھا میں نے کہہ رہی تھی کہ اس کا بھی آنے کو دل چاہ رہا ہے مگر وہاں کوئی فارغ نہیں ہوتا۔ دوسرا اس کے پاس صرف اتوار ہی ہوتا ہے چھٹی کا۔ بھاگ دوڑ میں آنا اور پھر واپس جانا۔ کہہ رہی تھی کہ ایک دو چھٹیاں مل جائیں تو وہ چکر لگانے کی کوشش کرے گی۔"

"اللہ بچی کو کامیاب کرے۔ بڑی لائق و ذہین اور محنتی بچی ہے۔" انہوں نے دل سے دعا دی تو تابندہ نے مسکرا کر بغور ان کو دیکھا۔

وقت و حالات نے ان کے وجود میں بڑے تغیرات پیدا کر دیے تھے۔ گزشتہ چند سالوں سے ان کی زندگی جس مدار میں الجھی ہوئی تھی اس نے ان کی رہی سہی طاقت بھی چھین لی تھی۔ ایسے میں وہ دن بدن کمزور و لاغر ہوتے جا رہے تھے۔ بے شک ان کے تینوں بیٹے نواز علی شاہ زیب علی اور حسن علی بھی دل جوئی کرتے تھے۔ حسن کراچی میں آباد تھے جب کہ نواز بھائی مستقل لینڈ میں رہائش پزیر تھے۔ شاہ زیب اکثر گاؤں کا چکر لگاتے رہتے تھے۔ ان کے تینوں بیٹے آتے رہتے تھے۔ اب بھی اپنے بچوں کا ذکر کرتے ان کے چہرے پر اک روشنی سی تھی۔

"مصطفیٰ سے میری رات ہی بات ہوئی تھی آپ کا پوچھ رہا تھا آپ سو چکے تھے اس نے ڈسٹرب کرنے سے منع کیا تھا۔ پھر بھابی بیگم سے بات ہوئی تھی۔ وہ کافی الجھی ہوئی تھیں عادل بہو کی وجہ سے۔ کہہ رہی تھیں کہ عادل اتنا عرصہ گزارنے کے باوجود اس گھر کے مکینوں میں ابھی تک رچی بسی نہیں ہیں۔ کافی مختلف مزاج ہے اس کا۔ بہت پریشان ہو رہی تھیں؟"

"اچھا...... عبا اس اپنی بیوی کو کچھ کہتا نہیں؟" چوہدری صاحب کو حیرت ہوئی تھی۔ عادل چند بار ہی حویلی آئی تھی مگر جب بھی آئی انداز میں اجنبیت تھی۔

"بھابی بتا رہی تھیں کہ بیوی کی حرکتوں اور مزاج کی برہمی کی وجہ سے وہ کافی پریشان رہتا ہے۔ چند بار تو تکرار بھی ہو چکی ہے مگر بھابی اسے عادل سے الجھنے سے منع کر دیتی

ہیں۔" تابندہ بی بھی عادلہ کے رویوں سے خائف اور پریشان رہتی تھیں۔ جب بھی عادلہ سے ملاقات ہوتی تھی اس کا انداز ہمیشہ طنز اور حقارت لیے ہوتا تھا۔ وجیہ کیا تھی بھابی نے کبھی بتایا نہ تھا مگر وہ محسوس کرتی تھیں کہ شہوار بھی عادلہ سے خوش نہیں ہے۔ یقیناً عادلہ کا رویہ اس کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوگا جبھی بھابی بیگم خاصی پریشان تھیں۔

"یہ تو خاصی پریشانی والی بات ہے۔ شاہ زیب کچھ نہیں کہتا ہو گو۔ ہمارے خاندان میں آج تک کسی نے ایسی بدتمیزی نہیں کی۔ وہ کیسی لڑکی ہے اس لیے تو میں خاندان سے باہر شادی کرنے کے حق میں نہیں تھا۔" تابندہ کی زبانی سب گفتگو جان کر انہیں بھی گہرا صدمہ ہوا تھا۔

"کھلے ڈلے ماحول کی پروردہ لڑکی ہے۔ مزاج و خیالات ہمارے ماحول سے قطعی مختلف ہیں۔"

"تو کیا ضرورت تھی وہاں شادی کرنے کی؟ نواز کی بیٹی تھی، حسن کی تھی، زینت کی بھی دو بیٹیاں تھیں۔ خاندان میں جب لڑکیاں مل گئی تھیں تو باہر کیوں دیکھی اس نے" میں نے تب بھی شہوار کے لیے کہا تھا۔"

"شہوار اور عباس کی عمروں میں خاصا فرق ہے۔ پھر عباس کو عادلہ پسند آ گئی تھی کسی بزنس میٹنگ میں تو بھائی صاحب نے والدین سے مل کر بات طے کر دی کہ بچوں کا دور ہے۔ بچوں کی پسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ہمیں بالکل اندازہ نہ تھا اتنی بدمزاج لڑکی ہوگی۔ بھائی صاحب اب پچھتاتے ہیں عباس بھی الجھا پریشان رہتا ہے۔ ماشاء اللہ سے سجاد اور لائبہ کی جوڑی شاندار ہے۔ اپنی اپنی قسمت اب کیا کیا جا سکتا ہے بھلا۔" انہوں نے سلیقے سے ساری بات سمجھائی۔ شاہ زیب بھائی اور والد سے اپنے گھریلو حالات ڈسکس نہیں کرتے تھے۔ ویسے بھی ان کا بھی اب شہر آنا جانا بہت کم ہو گیا تھا اسی لیے بہت سی باتوں سے وہ قطعی لاعلم رہتے تھے۔ ورنہ کسی دور میں وہ بڑے معاملہ فہم انسان تھے۔ چاق و چوبند ہر معاملے پر گہری نگاہ رکھنے والے۔

"میں تو پچھلی دفعہ جب شاہ زیب بال بچوں کے ساتھ رہنے آیا تھا تو کہا بھی تھا کہ شہوار بیٹی کے بارے میں سوچو۔ کہہ رہا تھا کہ مصطفیٰ کی ابھی نئی نئی جاب ہے سیٹل ہو جائے تو سوچیں گے۔ اب تو مصطفیٰ کو بھی جاب شروع کیے دو سال ہو رہے ہیں۔ خاصا سیٹ ہو چکا ہے۔ اب کس چیز کی دیر ہے گھر کی بچی ہے۔ آنکھوں کے سامنے پلی بڑھی ہے تو کیا سوچ رہا ہے اب وہ؟"

مصطفیٰ اور شہوار کی شادی ہو یہ سب سے بڑی خواہش چوہدری حیات صاحب کی ہی تو تھی جو اب آہستہ آہستہ تابندہ بی کے دل میں بھی جگہ پکڑتی جا رہی تھی۔ مصطفیٰ نے ساری عمر ہاسٹلز اور ملک سے باہر گزاری تھی شروع میں وہ خاصی خوف زدہ بھی رہی تھیں کہ نجانے کیسے کردار کا ہوگا مگر ان دو سالوں میں جس طرح اس نے پاکستان میں سیٹل ہوتے جاب کرتے اپنا امیج بنایا تھا اس سے ان کے دل کے تمام شکوک و شبہات بالکل ختم ہو چکے تھے۔ اب تو ان کے دل کی بھی خواہش تھی کہ مصطفیٰ سے شہوار کی بات طے ہو جائے۔

"بھائی صاحب بتا رہے تھے کہ مصطفیٰ سے انہوں نے سرسری شہوار کا نام لیے بغیر ذکر کیا تھا شادی کا مگر وہ ابھی چند سال شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ اس نے منع کر دیا تھا ورنہ بھابی بیگم کا بھی بڑا ارمان ہے کہ جلد از جلد شہوار سے مصطفیٰ کی بات طے کر دی جائے۔" تابندہ بوا نے مسکرا کر بتایا تو وہ بھی مسکرا دیے۔

"بڑے دن ہوئے ہیں مصطفیٰ کو بھی حویلی کا چکر لگائے ہوئے۔" مصطفیٰ کے ذکر سے انہیں ایک اور بات یاد آئی تھی۔ جبھی بخشو قریب چلا آیا۔

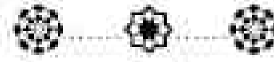
"چوہدری صاحب سراج دین منشی آیا ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔" چوہدری حیات علی نے تابندہ بوا کو دیکھا۔

"میں نے صبح پیغام بھیجا تھا اسے آنے کا۔ کل رات بھائی صاحب سے بھی فون پر بات ہوئی تھی وہ کہہ رہے تھے کہ چند دن تک حویلی کا چکر نہیں لگا پائیں گے مصروف ہیں۔ کسی ملازم کو بھیجیں گے تو سراج دین سے زمینوں کے تمام کھاتے، حساب کتاب کے کاغذات لے کر شہر بھیج دوں اس کے علاوہ وہ کچھ کاغذات بھی منگوا رہے تھے جو آپ کے پاس زمینوں کے متعلق محفوظ ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں آپ سے بات کرنا تھی بس ذہن سے نکل گیا۔" تابندہ بوا نے تفصیلاً بتایا۔

"زمینوں سے متعلق کاغذات کا اس نے کیا کرنا ہے؟"

"یہ تو وہی بتا سکتے ہیں، کہتے ہیں تو میں کال ملا دیتی ہوں تفصیلی بات کر لیں۔" بخشو ابھی تک مودب جواب کا منتظر تھا۔

"ہاں رات کو بات کروں گا۔ تم سراج دین کو بھیجو۔ میں نے بھی اس سے زمینوں سے متعلق کچھ بات کرنی ہے۔" بخشو چلا گیا تھا۔
تابندہ بوا اٹھ کر حویلی کے اندر چلی گئی تھیں انہیں سراج دین اور چوہدری صاحب کے درمیان اپنی موجودگی بے معنی سی لگی تھی۔



"نیم حکیم خطرہ جان!" انا نے خاصی ناراضی سے سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے ولید کو دیکھا۔ وہ ابھی ابھی روشنی کی کال پر گھر لوٹا تھا اور سیدھا باپ کے کمرے میں ہی آیا تھا۔

"ارے خبردار! میری بیٹی کو کچھ کہا تو بہت اچھا چیک کرتی ہے یہ تو۔ بہت اچھی ڈاکٹر ہوگی یہ مستقبل کی۔" وہ خاموشی سے بی پی آپریٹس سے ضیاء انکل کی بلڈ ریڈنگ چیک کر رہی تھی ایک نظر سوئی پر تھی تو دوسری نگاہ ولید پر ڈالی جو اب ضیاء انکل کے دوسری طرف آ بیٹھا تھا۔

"یہ محترمہ مستقبل کی ڈاکٹر ہیں ابھی ہوئی تو نہیں نا؟ اس لیے ان سے ٹریٹمنٹ کروانے کا مطلب خطرہ جان ہی ہے۔" انا خاموشی سے ولید کا طنز جھیل جائے ناممکن سی بات تھی مگر وہ تب بھی خاموش رہی۔

"ماموں جان بہت ہائی ہے آپ کا بلڈ پریشر سچ سچ بتائیں آج کیا کھایا تھا؟" کانوں سے آلہ ہٹا کر اس نے سنجیدگی سے ماموں سے پوچھا تو وہ ذرا سا گھبرائے تھے۔

"اس بڑھاپے میں ہم نے کیا کھانا ہے بچے؟ یہ عمر ہی آنکھ مچولی کھیلنے والی ہے۔ ادھر بلڈ پریشر ہائی ادھر لو۔ ادھر اٹھے ادھر بیٹھے۔ سب چلتا ہے پریشان نہیں ہوتے۔" انہوں نے زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے اس کا دھیان ہٹانا چاہا تھا مگر اس نے برہمی سے روشنی کو دیکھا وہ بھی گھبرا گئی۔

"جی میں نے جان بوجھ کر انہیں کچھ نہیں کھلایا۔ وہ تو انہوں نے صغریٰ ہی سے پکوڑے بنوا کر کھایا ہے۔ پھوپو گھر پر نہ تھیں میں سو گئی تھی اس لیے مجھے پتا نہیں چلا۔" اب کے انا نے شکایتی انداز میں اپنے ماموں کو دیکھا تو وہ ہنس دیے۔ جب کہ ولید بھی روشنی کے منہ سے کھانے کا سن کر سنجیدہ ہوا تھا۔

"کیا واقعی......؟"

"بری بات ہے بابا جان! آپ بچے یا سمجھ تو نہیں ہیں نا کہ آپ کو سمجھانا پڑے کہ آپ کے لیے کیا چیز نقصان دہ اور کیا فائدہ مند ہے۔"

"اف! تم تینوں نے تو بات کا بتنگڑ بنا لیا ہے
ذرا سی بات تھی بڑھا دی فقط زیب داستان کے لیے
میں بھی انسان ہوں روکھے پھیکے کھانے کھا کھا کر میرا دل بھی بھر جاتا ہے اور یہ ڈکٹیٹر کی نانی اپنی ڈاکٹری جھاڑنے کو تیار رہتی ہے کچھ نہیں ہوا مجھے۔" ان کا وہی لاپرواہ انداز تھا تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور آخر میں ولید ضیاء نے باپ کو گھورا۔

"بہت خوب! میرا خیال تھا کہ ان دو سالوں میں خاصے سنبھل گئے ہوں گے مگر اور تم نیم حکیم! تم انہیں منع نہیں کرتیں۔ اپنی ڈاکٹری جھاڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے گوش گزار بداحتیاطیوں کے کچھ نقصانات بھی کر دو تو بہتر ہوگا۔" ولید نے انا کو بھی درمیان میں گھسیٹا۔ انا نے بھی جوابا گھورا اس سے پہلے کہ لب کشائی کرتی ولید کی توپوں کا رخ روشنی کی طرف ہو گیا تھا۔

"اور تم...... تم کہاں تھیں؟" روشنی نے گھبرا کر پھر باپ کے مطمئن اور بھائی کے طنزیہ چہرے کو دیکھا۔

"انکل اور پھوپو نے کسی تقریب میں جانا تھا آپ آفس اور انا کالج گئی ہوئی تھی مجھ سے یہ کتنی بار فرمائش کر چکے تھے کہ میں ان کو چکن روسٹ کر دوں مگر میں نے منع کر دیا تھا جب ان کی فرمائش حد سے بڑھی تو میں نے ویجیٹبل سوپ بنا کر دے دیا۔ میرے سامنے تو کھا پی لیا تھا۔ میں سونے چلی گئی تھی اور جب سو کر اٹھی تو پورے کچن میں مرغ روسٹ کی خوشبو تھی۔ میری غیر حاضری میں صغریٰ سے نہ صرف بنوا کر کھایا گیا بلکہ ہضم بھی کر لیا گیا۔ ہم دونوں بے قصور ہیں یہ سارا ان کا اپنا کیا دھرا ہے انہی سے پوچھیں۔" ولید کے تیوروں سے گھبرا کر اس نے فٹافٹ بات بنا کر اپنی جان چھڑائی تھی۔

"حد ہوتی ہے بابا جان! کتنی غلط بات ہے اس بد احتیاطی سے کچھ نقصان ہو جائے تو پھر؟" ولید کے سنجیدہ انداز پر وہ مسکرا دیے۔

"کچھ نہیں ہوتا یار! اتنی جلدی مرنے ورنے کا ارادہ نہیں ہے۔ تمہاری اور روشنی کی شادی کر کے تمہارے پوتے پڑپوتوں کی شادیاں کرنی ہیں فکر نہیں کرو۔" ادھر وہی بے فکری کا بھرپور انداز تھا جس پر سب سے پہلے انا کو ہی ہنسی آئی تھی اور انا کو ہنستے دیکھ کر ولید نے مزید گھورا۔

"نیم حکیم جی! بابا کے بی پی کو کنٹرول کرنے کے لیے جو میڈیسن ڈاکٹر نے تجویز کی ہوئی ہے وہ براہ مہربانی ان کو دے دیں اس سے پہلے کہ معاملہ زیادہ بگڑے۔" انا نے مسکراتے ہوئے سائیڈ دراز سے میڈیسن کا شاپر نکالا۔

"یہ لاسٹ وارننگ ہے آئندہ ایسی بد احتیاطی کی نا تو بہت برا ہوگا اور آج دیکھیے گا آج ذرا ماما آ جائیں ان کو آپ کی ساری کارگزاری سناتی ہوں پھر نپٹیے گا ان سے اکیلے ہی۔" پانی کے ساتھ ان کو میڈیسن دیتے اس نے بھرپور دھمکیوں سے بھی نوازا تھا۔

"ارے نہیں نہیں ایسا ظلم مت کرنا۔ وہ ہٹلر کی جانشین وہ تو قلع قمع کر دے گی میرا۔ بڑی سخت ہے وہ یار! یعنی اس کو بتانے کا مطلب ہے اگلا سارا مہینہ بدمزہ سی سبزیوں پر گزارا کرنا پڑے گا۔ آہ...... اتنا بڑا ظلم!" ان کی اداکاری شروع ہو چکی تھی۔ وہ ایسے ہی تھے زندہ دل بچوں میں بچے اور بڑوں میں بڑے۔ ولید کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"آپ کا یہی علاج ہے۔" انا نے مزید دھمکایا تھا۔

"یار! تم ہی اس نارزن کو منع کرو۔ وہ تمہاری چھوٹی تو میرا قیمہ بنا دے گی۔" انہوں نے اب ملتجیانہ انداز میں بیٹے کو دیکھا اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"بالکل درست کرے گی انا میرا بھی یہی خیال ہے کہ چھوٹو رپورٹ ضرور کرنی چاہیے۔ اچھی بات ہے آپ کو اگلا مہینہ یا پورا سال ہی انہی سبزیوں پر گزارا کرنا پڑے تو سبق مل جائے گا کہ کیسے بد احتیاطی کی جاتی ہے۔"

"ہائے......

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"

بڑا ہی دہائی دیتا انداز تھا تینوں ہنس دیے۔

"تھوڑی سی معافی شافی کی گنجائش ہو گی نا؟" انہوں نے اب کے امید بھری نظروں سے روشنی کو دیکھا تھا۔ باپ کے معاملے میں بڑی نرم دل تھی۔ فوراً ان کی جذباتی بلیک میلنگ میں آ جاتی تھی۔

"ہرگز نہیں۔" ادھر سے بھی صاف چٹ جواب ملا تھا۔

"ہونہہ۔ بے حس، بے مروت لوگ ہو تم۔ باپ کو دھمکیاں دیتے شرم نہیں آتی۔ بوڑھا بیمار باپ جس پر زندگی کے سارے لطف حرام ہیں۔ کبھی کبھار دل اچھا کھانے کو چاہ ہی جاتا ہے مگر اولاد بھی ایسی جلاد صفت کہ باپ کو آنکھیں دکھاتی ہے۔" اب کے انہوں نے جذباتی بلیک میلنگ کی تھی۔ روشنی کے دل پر فوراً اثر ہوا تھا۔

"آپ بھی تو ایسا نہ کیا کریں نا آپ کے لیے ہی تو یہ سب احتیاط کی تدبیر کرتے ہیں۔ ہم کوئی آپ کے دشمن ہیں۔" روشنی نرم لہجے میں باپ کو سمجھانے لگی تو ولید مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو بھاگو روشنی یہ ان کا معمول ہے۔ اب ان کی کسی بات پر دھیان نہیں دینا۔ اب یہ معاملہ ہائی کورٹ میں جا کر ہی رہے گا۔ چلو انا تم بھی جا کر چینج کرو۔ آپ شام تک اب اپنے بستر سے نہیں ہلیں گے۔ شام کو میرے ساتھ چل کر ڈاکٹر کو چیک کروائیے گا۔ اب آپ کا دھیان میں خود رکھوں گا۔ دیکھتا ہوں کیسے بد احتیاطی کرتے ہیں آپ اب۔" ولید پر ان کے لہجے کا ذرا بھی اثر نہ ہوا تھا روشنی اور انا کو بھیج کر وہ خود بھی اپنے کمرے میں چلا آیا تھا عصر کا وقت تھا اپنے کمرے میں آ کر اس نے پہلے چینج کیا اور پھر پھوپھو والے حصے میں

آ گیا' تالاؤنج میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔

''آپ کھانا کھائیں گے؟'' روشنی نے اسے دیکھا تو پوچھا۔

''نہیں آفس میں لنچ کرلیا تھا تم ذرا اچھی سی چائے پلا دو۔'' روشنی سر ہلاتی کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

''دوپہر میں لنچ نہیں کیا تھا کیا؟'' اسے رغبت سے یوں کھانا کھاتے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں! سارا دن اتنا ٹف شیڈول رہا۔ لیکچر پر پریزینٹیشن اور پھر ہاسپٹل کا وزٹ بچی سارا دن بھاگ دوڑ میں گزرا ہے۔ بڑا ٹف ایئر ہے یہ سارا سارا دن سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔ میں تو دن رات دعا کرتی ہوں کہ اللہ کرے کہ جلد از جلد یہ وقت گزرے۔ باقی تو ہاؤس جاب ہوگی وہ تو جیسے تیسے گزار ہی لیں گے۔'' وہ واقعی آج کی ساری بھاگ دوڑ سے خاصی تھک چکی تھی کھانا ختم کرکے برتن اس نے ٹرے میں رکھے تھے۔

''آپ سنائیں کیسا چل رہا ہے اپنے ذاتی آفس کا تجربہ!'' ٹشو باکس سے ایک دو ٹشو کھینچ کر ہاتھ صاف کرتے اس نے ولید کو دیکھا۔

''بہت اچھا! امریکہ میں رہ کر جاب کا تجربہ اب بہت ہیلپ فل ثابت ہو رہا ہے۔ احسن انکل اور بابا گائیڈ کرتے ہیں میں سوچ رہا ہوں کہ بابا کو فارغ گھر نہ بیٹھنے دوں پہلے کی طرح وہ اب بھی مستقل آفس کا چکر لگاتے رہیں ان کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑے گا ورنہ وہ اپنی طرف سے بے پرواہ ہو جائیں گے۔''

''اچھا خیال ہے اس طرح ماموں جان بزی ہو جائیں گے۔''

''ہوں......!''

''یہ لیجیے گرما گرم چائے۔'' روشنی ولید کے ساتھ ساتھ اپنے اور انا کے لیے بھی چائے لے آئی تھی۔

ولید کو کپ تھما کے سامنے مگ رکھ کر وہ بھی اپنا کپ لیے انا کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔

''آج میں سارا دن گھر میں بہت بور ہوئی ہوں۔'' بیٹھتے ہی اس نے شکوہ کیا تھا۔

''وہ بھلا کیسے......؟'' انا نے اس کے چہرے کی سنجیدگی کو نوٹ کیا۔

''بھائی نے آتے ہی آفس جوائن کرلیا ہے پھوپو کا اپنا بوتیک ہے۔ آج وہ کچھ فارغ ہوئیں بھی تو انکل کے ساتھ تقریب میں چلی گئیں تھی۔ بابا کے ساتھ باتیں کرکے آخر میں کب تک دل بہلا سکتی ہوں اور تم محترمہ سارا دن کالج میں گزار کر گھر آ کر بھی سارا سارا دن کتابوں میں سر دیے رہتی ہو۔'' روشنی نے اپنی بوریت کا تفصیلی رونا رویا تھا۔ وہ ہنس دی۔

''واقعی مسئلہ کافی گمبھیر اور غور طلب ہے۔ چلو انا! اس کا کوئی سلوشن بتاؤ۔'' بہن کی طرف شرارتی نگاہ سے دیکھتے ولید نے انا سے کہا تو وہ بھی مسکرا دی اور پھر ایک شرارتی نگاہ روشنی کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی۔

''سلوشن تو بس یہ ہے کہ ماما پاپا کے سامنے فرمائشی بیان نوٹ کروانا ہوگا۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت مچل رہی تھی روشنی فوراً محسوس کرکے بول اٹھی۔

''خبردار! کوئی الٹی سیدھی بکواس کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تھی۔

''تم سلوشن بتاؤ اس کی دھمکیوں کی پرواہ مت کرو۔ اگر معقول ہوا تو ضرور عمل بھی کریں گے۔'' ولید نے اسے حوصلہ دیا تو وہ ہنس دی۔

''سلوشن تو یہ ہے کہ ماما پاپا ماموں جان کے ساتھ ارجنٹ میٹنگ ارینج کریں اور فوراً سے پیشتر محترمہ کی بوریت کا حل ڈھونڈنے کو ان کی شادی کی ڈیٹ طے کریں۔ شادی کی تیاریوں میں بڑی دلکشی ہوتی ہے۔ یقیناً ساری بوریت دور ہو جائے گی۔'' روشنی نے اس قدر معقول حل پر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا جب کہ ولید نے سراہا۔

''زبردست بہت اچھا سلوشن ہے۔ کیا خیال ہے یہ نیک خیال بزرگوں تک کب پہنچایا جائے۔'' ولید کو بھی بہن کو تنگ کرنے کا موقع ملا تھا۔

''آف کورس! آج ہی یہ نیک کام کرنے کو حاضر ہوں۔'' انا نے فوراً اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

''بھائی پلیز! میں سیریس ہوں۔'' ان دونوں کی نان سیریس باتوں پر اس نے فوراً احتجاج کیا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے ہم مذاق کر رہے ہیں جناب ہم بھی سیریس ہیں۔'' انا نے اسے گھورا۔

''تو اور کیا.....؟'' ولید نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

''میں بابا سے شکایت کروں گی کہ آپ انا سے مل کر مجھے گھر بدر کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ فکر نہیں کریں میں اس وقت تک ادھر سے کہیں نہیں جانے والی جب تک آپ کی بیگم نہ آ جائے۔'' اس نے بھی دھمکانا چاہا تھا۔

''ضرور اپنی یہ خواہش بھی پوری کر دیکھو۔ گھر بدر کی کوئی سازش نہیں بس کم ادھر رہو گی تم اور رہ گئی میری شادی کی بات تو سکون سے بیٹھی رہو چار پانچ سال سے پہلے میں شادی کرنے والا نہیں ہوں۔'' بڑے ریلیکس موڈ میں صوفے پر بیٹھے اس نے اپنے نیک خیالات کا اظہار کیا تھا۔ روشنی اس کے اس شاہانہ انداز پر جل گئی تھی۔

''ایویں نہیں کرنی۔ دیکھتی ہوں آپ کیسے انکار کرتے ہیں۔''

''چلیں دیکھ لیتے ہیں۔ تم اپنی سی کوشش کر دیکھو۔'' مسکراتے ہوئے اس نے کہا تو انا نے بغور دیکھا۔ اس کے اس انداز میں کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ ایک پل کو انا کو اپنی ہتھیلیاں بھیگتی محسوس ہوئی تھیں۔

''تم بھی تو کچھ بولو انا! میرے معاملے میں تو بڑی زبان چل رہی تھی اب بھائی کی باری پر کیوں ہونٹ سی لیے ہیں۔'' وہ چپ چاپ دونوں کو دیکھ رہی تھی روشنی نے ٹوکا تو وہ مسکرائی۔

''میں اس معاملے میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔ تمہارا جہاں تک معاملہ ہے تقریباً فائنل ہی ہے۔ بس شادی کی ڈیٹ طے کرنا ہے جب کہ ادھر کوئی ایسا معاملہ تو کیا لڑکی تک کا کوئی اتا پتا نہیں۔'' اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے حاضر دماغی سے جواب دیا تو ولید مسکرا دیا۔

''بھئی ابھی تک کوئی ایسی لڑکی ملی ہی نہیں کہ انسان شادی کی ضرورت محسوس کرے۔'' اپنے اسی مطمئن انداز میں اس نے پھر انا کے وجود میں ہلچل مچا دی تھی۔

''اتنا عرصہ امریکا جیسے معاشرے میں زندگی گزارنے کے باوجود.....؟'' اس کے لبوں سے سوال پھسلا تھا۔

''ہاں یہی سچ ہے۔''

''چلیں آج بتا ہی دیں کہ آپ کو کیسی لڑکی چاہیے تاکہ لڑکی تلاش کرنے کی مہم شروع کی جائے۔'' روشنی نے فوراً پوچھا تو وہ ہنس دیا۔

''یعنی لڑکی تلاش کرنے کی مہم نہ ہوئی پولیو ویکسین کی مہم ہو گئی۔''

''تو کیں نہیں صاف صاف بتائیں۔'' وہ بھی روشنی تھی اتنی جلدی کیسے ٹل جاتی۔

''بھئی میں سیدھا سادا انسان ہوں۔ کوئی لمبی چوڑی ڈیمانڈ نہیں ہیں میری۔ جو بھی لڑکی ہو جیسی بھی ہو کم از کم اچھی اور سلجھی ہوئی ہو۔ گھر کو گھر بنانے والی اور سب سے بڑھ کر تمہیں اور بابا کو اہمیت دینے والی۔''

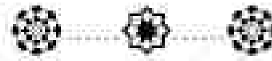
''شکر ہے اس کا مطلب ہے جو بھی لڑکی پسند کروں گی آپ اس کے لیے اوکے کر دیں گے۔'' نہ جانے کس خیال سے روشنی کی آنکھیں ایک دم چمک اٹھی تھیں۔

''جب وقت آئے گا تم مجھے انکاری نہیں پاؤ گی مگر فی الحال یہ ان باتوں کا مناسب وقت نہیں ہے۔'' اسے جواب دیتے وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں بابا کے کمرے میں جا رہا ہوں۔ دیکھوں کیا کر رہے ہیں۔''

اس سے پہلے کہ روشنی مزید کچھ کہتی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔ روشنی آنکھوں میں بے پناہ چمک لیے مسکراتی رہی جب کہ انا ذہن و دل میں ایک عجیب سا

احساس لیے بیٹھی رہ گئی تھی۔



کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اسے ایک کیس کے سلسلے میں کچھ کمپیوٹر ورک کرنا تھا۔ اپنے سامنے مختلف فائلز کھولے اسٹڈی کرتے وہ کمپیوٹر میں ڈیٹا فیڈ کر رہا تھا۔ جبھی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ کام کے وقت کسی کی آمد سے اسے بڑی کوفت ہوتی تھی۔ نظریں مونیٹر سے ہٹائے بغیر اس نے کہا تھا۔

"یس کم ان!" آہستگی سے دروازہ کھلا تھا۔ اس نے فائلوں سے توجہ ہٹانا ضروری نہ سمجھی تھی۔

"آپ کو انکل بلا رہے ہیں۔" اپنے عقب سے غیر متوقع آواز سن کر اس نے گردن گھما کر آنے والی ہستی کو دیکھا تھا۔

شہوار اندر آنے کی بجائے وہیں دروازے میں کھڑی پیغام دے رہی تھی۔

دونوں کا بہت کم سامنا ہوتا تھا شاید کھانے کی ٹیبل پر یا پھر صبح آفس کے لیے نکلتے جب وہ ڈرائیور کے ہمراہ کالج کے لیے نکل رہی ہوتی تھی۔

"خیریت......؟"

"پتا نہیں۔" اپنے انہی مخصوص چند الفاظ میں کہہ کر وہ وہاں سے نکل گئی تھی۔

شہوار سے اس کا جب بھی سامنا ہوا تھا چند مخصوص الفاظ کے علاوہ دونوں کی کبھی بات نہ ہوئی تھی۔ وہ بہت لیے دیئے رہنے والی اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی لگتی تھی اسے بچپن کے چند سالوں کے علاوہ گزرے دو سال مصطفیٰ کو یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آتا تھا کہ اس نے عام بچوں کی طرح کبھی ری ایکٹ کیا تھا۔ وہ بچپن میں بھی بڑی معصوم اور کم گو لڑکی تھی اور اب دو سال پہلے جب ملاقات ہوئی تو بھی پہلے سے زیادہ سنجیدہ لگی تھی۔ چھٹیوں میں جب بھی پاکستان آنے کا اتفاق ہوا تو وہ ہمیشہ اپنی اسٹڈی میں گم اپنی ذات میں مگن ہی ملی تھی اور پاکستان آتے ہی وہ اتنا بزی ہو گیا تھا کہ اسے فرصت ہی نہیں تھی کہ اپنے اردگرد دیکھتا۔

ایک تو وہ تھی اتنی ریزرو دوسرا وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی تو اس نے بھی اسے کبھی پریشان کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔

نجانے شاہ زیب علی صاحب کو اس سے کیا کام آپڑا تھا کہ اسے بطور خاص کمرے سے بلوایا گیا تھا۔ وہ چیزیں دراز میں رکھ کر کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے اپنے کمرے سے نکلا تھا۔

"صاحب جی ادھر لاؤنج میں ہیں۔" رخشندہ (ملازمہ) نے اسے دیکھتے ہی فوراً لاؤنج کی طرف نشاندہی کی تھی وہ ادھر ہی چلا آیا تھا۔

اندر داخل ہوا تو مہر النسا بیگم کے علاوہ وہاب بھائی سجاد اور شہوار بھی بابا سمیت وہاں موجود تھی۔

مہر النساء بیگم صوفے پر دراز تھیں شہوار کے ہاتھ میں کوئی ٹیوب تھی جس میں سے وہ آئنٹمنٹ نکال کر ان کے پاؤں پر لگا رہی تھی وہ قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کی پہلی نگاہ ہی ماں کی طرف اٹھی تھی انہیں اس طرح لیٹے دیکھ کر تشویش ہوئی۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں لیٹی ہیں؟" کھانے کی ٹیبل پر تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ یہ ایک دم انہیں اچانک کیا ہو گیا تھا کہ وہ یوں دراز تھیں۔

"کچھ نہیں پاؤں کے جوڑوں میں درد ہو رہا تھا دو تین دنوں سے۔ شہوار کوئی ٹیوب لے آئی تھی کہ لگا لوں تو فرق پڑ جائے گا۔" وہ انگلیوں سے ان کے پاؤں کے ٹخنوں پر ہلکا ہلکا مساج کر رہی تھی۔ سر جھکائے ہوئے تھی جس کی وجہ سے اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔ وہ باپ کے قریب خالی جگہ پر جا بیٹھا۔

"آپ نے بلوایا تھا؟" شاہ زیب صاحب اپنے سامنے رکھی شیشے کی تپائی پر کئی فائلیں رکھے ادھر متوجہ تھے۔ مصطفیٰ کے پوچھنے پر سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے عینک اتار کر فائل کے اوپر رکھ دی۔

"کیا کر رہے تھے؟"

”کچھ خاص نہیں آفس ورک تھا کچھ۔ کمپیوٹر میں فیڈ کر رہا تھا۔“

”رات اباجی سے فون پر بات ہوئی تھی وہ شکوہ کر رہے تھے کہ بہت دن ہو گئے ہیں تم نے گاؤں کوئی فون کر کے خیر خیریت ہی نہیں پوچھی۔“

”بس وہی جاب کی مصروفیات ہوتی ہیں آپ کے سامنے ہی ہے کہ میں کتنا فارغ ہوتا ہوں۔“

”ہوں!“ انہوں نے ہنکارا بھرا۔

”اب بس کرو اللہ اجر دے تمہیں۔ اتنی دیر میں ہی لگ رہا ہے کہ جیسے سارا درد بھاگ گیا ہے۔ اللہ تمہارے ہاتھوں میں شفا دے۔“ مہر النساء بیگم نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے شہوار کو دعا دی تو وہ ٹیوب پر ڈھکن لگاتے ان کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہ غیر ارادی طور پر اس کی طرف اٹھی تھی۔ وہ ٹیوب ٹیبل پر رکھتے لاؤنج سے ملحق واش روم میں گھس گئی تھی۔

”پتا نہیں یہ لڑکی اتنا کم کیوں بولتی ہے؟“ اس نے سوچا تھا۔

”مجھے گاؤں سے کچھ کاغذات منگوانے ہیں زمینوں کے۔ دو تین ہفتوں سے میرا گاؤں کا چکر نہیں لگ رہا۔ منشی سراج دین کو بھی فون کیا تھا کہ پچھلے سارے کھاتے جمع رکھے حساب کتاب کرنے والے ہیں۔ تمہارے چاچا تایا پھوپوں کو حساب کتاب کی کاپیاں بھجوانی ہیں مگر ادھر جو بزنس کٹ راگ شروع کیا ہے اس میں فرصت ہی نہیں مل رہی۔“ انہوں نے اپنی مصروفیات گنوائی تھیں۔ مصطفیٰ خاموشی سے سنتا رہا۔ گاؤں کی زمینوں اور حساب کتاب سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی سو کوئی رائے نہ دی۔

”کل ہماری ایک میٹنگ ہے سجاد اور میں وہاں ہوں گے۔ عباس کو کنٹریکٹ کے لیے بھیج رہا ہوں کل تمہاری کیا مصروفیات ہیں؟“ شہوار ہاتھ دھو کر واپس آ کر مہر النساء کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ یونہی اپنی مصروفیات بتا کے انہوں نے آخر میں مصطفیٰ کا شیڈول پوچھا تھا۔

”بظاہر تو کچھ خاص نہیں وہی روٹین کے کام ہوں گے۔ ہاں کوئی نیا معاملہ درپیش ہو جائے تو اور بات ہے۔ کیوں خیریت......؟“

”تابندہ بی شہوار سے ملنا چاہ رہی تھیں۔ ویسے بھی دو تین ہفتوں سے گاؤں نہیں گئی اباجی بھی اداس ہو رہے ہیں اس کے علاوہ کاغذات وغیرہ بھی منگوانے ہیں تم کل شہوار کو لے کر گاؤں چلے جانا۔ تمہاری ماں بھی ساتھ ہو گی۔ جانے کو ڈرائیور بھی لے جا سکتا ہے مگر میرا دل نہیں مانتا۔ تم ذرا ٹائم نکالو کل جمعہ ہے شہوار کی تو ویسے بھی چھٹی ہے اتوار کی شام دونوں کو لے کر واپس آ جانا۔“ جہاں مصطفیٰ ان کا پروگرام سن کر چپ ہوا تھا وہیں شہوار بھی چونک کر شاہ زیب صاحب کو دیکھنے لگی۔ اس کے علم میں ان کی یہ پلاننگ نہ تھی۔

”کیوں شہوار بیٹا! ہفتے کو کالج سے چھٹی کر لو گی نا؟“ مصطفیٰ نے بھی اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے کی حیرت دیکھتے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ بھی بے خبر ہے۔ شہوار نے سر ہلا دیا تھا۔

”کل تم کالج جانا ہاف ڈے ہے۔ واپسی پر مصطفیٰ بھی آ جائے گا تو تم دونوں ماں بیٹی کو مصطفیٰ لے جائے گا۔“ انہوں نے گویا سارا پروگرام طے کیا ہوا تھا۔

”تم کو پریشانی تو نہیں ہو گی ان دو دن کی چھٹیوں سے؟“ وہ اب سارا پروگرام طے کرنے کے بعد مصطفیٰ سے پوچھ رہے تھے۔ مصطفیٰ ہلکے سے مسکرا دیا۔

”ڈونٹ وری اگر ہوا بھی تو آئی مینج اٹ۔“ شاہ زیب صاحب اسے بہت کم کوئی ذاتی کام کہتے تھے اس لیے مصطفیٰ نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

”کاغذات کی میں نے اباجی اور تابندہ بی دونوں کو ہدایت کر دی ہے وہ ضرور رلے کر آ نے ہیں۔“ انہوں نے مزید ہدایت دی تو اس نے سر ہلا دیا۔

”یہ عباس اور عادل نظر نہیں آ رہے۔“ انہوں نے اطراف میں نگاہ دوڑائی تو دونوں کو نہ پا کر بیوی کو دیکھا۔

”اپنے کمرے میں ہی ہوں گے۔“ عادل کے ذکر پر ان کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

”اور چائے کا کیا بنا؟ آج چائے نہیں ملے گی کیا؟“ کھانے کے بعد وہ اس ٹائم چائے ضرور پیتے تھے۔ لائبہ کی طرف دیکھتے انہوں نے پوچھا تھا۔

”چائے تیار ہے میں منتظر تھی کہ آپ کب منگواتے ہیں۔ میں ابھی لے کر آتی ہوں۔“ وہ فوراً اٹھ گئی تھی۔

"اور ہاں عادلہ اور عباس کو بھی کہتی آنا وہ بھی ادھر آ جائیں۔" انہوں نے جاتی ہوئی لائبہ کو ہدایت دیں تو وہ سر ہلاتی چلی گئی تھیں۔
رخشندہ کے ساتھ چائے اور دیگر لوازمات ٹرالی میں سجا کر اسے لاؤنج میں لے جانے کا کہہ کر وہ خود عادلہ کے روم کی طرف بڑھیں۔
"میں تنگ آ چکی ہوں اس روز کی چخ چخ بک بک سے۔ میں عباس آپ کو واضح کیے دے رہی ہوں کہ مجھے اب اس قید خانے میں نہیں رہنا۔" لائبہ عادلہ کی آواز سن کر دروازے پر ہی رک گئی تھی۔
"میں کتنی دفعہ تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ اپنی زبان کو لگام دو۔ کنٹرول کرو اپنے جذبات پر۔ جیسا تم سوچ رہی ہو ایسا کبھی بھی نہیں ہونے والا۔" عباس بھائی کی بھی عادلہ سے زیادہ طیش بھری آواز ابھری تھی۔
"مائی فٹ ...... میں بھی دیکھتی ہوں کیا نہیں ہوتا اس گھر میں۔ میں ایک پل بھی اب اس چار دیواری میں نہیں گزارنے والی۔ ہر کام میں آپ کی والدہ محترمہ سے اجازت درکار ہے۔ اٹھنے بیٹھنے ہنسنے بولنے کھانے پینے ہر بات میں ان کا ٹوکنا بولنا لازمی ہے۔ مائی گاڈ یہ گھر ہے کہ قید خانہ؟" پہلے سے زیادہ ڈھیٹ اور بدلحاظ انداز تھا۔
"تم بھول رہی ہو کہ تم نے خود اس قید خانے میں آنے کو ترجیح دی تھی۔ تمہیں کسی نے آفر نہیں کی تھی میں تو پچھتا رہا ہوں اس وقت کو جب تم جیسی لڑکی کو دیکھ کر شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ سچ کہتے ہیں سیانے! دور کے ڈھول سہانے۔ All That Glitters is Not Gold"
"شٹ اپ تم خود کیا تھے؟ بظاہر پالش پرسنالٹی کے اندر ایک قدامت پرست دقیانوسی مرد! پاپا ماما بے بی ایک ڈرپوک سا انسان چھپا ہوا تھا۔ مجھے تمہاری اصلیت کا پتا چل جاتا تو کبھی نگاہ اٹھا کر تمہاری طرف دیکھتی بھی نہیں۔" ایک سیر تھا تو دوسرا سوا سیر۔ لائبہ نے سر تھام لیا۔ بظاہر عادلہ کے تیور پورے گھر کو پریشان کرنے کے لیے کافی تھے مگر اندرونی طور پر دونوں کے حالات اس نہج پر پہنچ چکے تھے وہ ششدر سی کھڑی رہ گئی تھی۔
"میری بھی تمہارے بارے میں یہی رائے ہے۔" عباس بھائی نے بھی عادلہ کو تپانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔
"شٹ اپ ......!" وہ چیخی تھی۔
"یو شٹ اپ!" جواباً وہ زیادہ بلند آواز میں دہاڑے تھے۔ ساتھ میں زوردار تھپڑ کی بھی آواز سنائی دی تھی۔ لائبہ کا چہرہ فق رہ گیا۔ ایک پل کو اندر کی طرف خاموشی چھا گئی تھی پھر اسی خاموشی میں آفاق کی روتی سسکتی آواز گونج اٹھی تھی۔
"اب رونے دھونے کا کیا تک بند کر کے اس کو پکڑو۔" عباس بھائی کی آواز پر بھی کوئی رسپانس نہ ملا تھا۔ لائبہ نے گھبرا کر فوراً دروازے پر دستک دی تھی۔
"میں کہہ رہا ہوں بند کرو یہ ڈرامے بازیاں ......" عباس بھائی کی دبی دبی آواز پر اس نے پھر دروازے پر دستک دی تھی۔
دو منٹ بعد دروازہ کھل گیا تھا۔ عباس بھائی روتے سسکتے آفاق کو کندھے سے لگائے نمودار ہوئے تھے۔
"چاچے پر بابا جان آپ دونوں کو بلوا رہے ہیں۔" اس نے خاموشی سے پیغام دیا تھا۔
"یہ کیوں رو رہا ہے۔ لائیں اسے مجھے دیں۔" اس نے آفاق کو اس کے ہاتھوں سے لے لیا تھا۔
"آپ دونوں کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ ہو سکتا ہے لاؤنج میں موجود لوگ بھی متوجہ ہوئے ہیں۔ بہر حال آپ دونوں فوراً پہنچیں۔" وہ پیغام دے کر آفاق کو کندھے سے لگائے وہاں سے نکل گئی تھی۔ عباس چہرے پر عجیب بے بس تاثرات لیے واپس پلٹا تھا۔ عادلہ ابھی تک بیڈ پر منہ کے بل لیٹی سسک رہی تھی۔
"بابا جان نے بلوایا ہے اٹھو منہ دھوؤ اور چلو میرے ساتھ۔" اپنے تاثرات و احساسات کو کنٹرول کیے اس نے عادلہ کو مخاطب کیا تھا۔
"نہیں جاؤں گی میں۔ اب اس گھر میں بھی نہیں رہوں گی جب تک وہ دو ٹکے کی لڑکی ادھر موجود ہے میں اب ادھر نہیں رہنے والی۔ مسکین، عیار چالباز لڑکی! شکل مومناں کرتوت کافراں۔ اتنے ہی تمہیں اس کے درد اٹھتے تھے تو کیوں مجھے لائے؟ اپنے دادا کی بات مان کر بیاہ لاتے اسے اور وہ ایک نہیں دو دو پھنسائے ہوئے ہیں۔ میں جانتی نہیں تم

لوگوں کے فیصلوں کو۔ کاشفہ کے لیے تمہارے بھائی نے یوں انکار نہیں کر دیا تھا۔'' عباس نے بڑے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔ حادل ایک شکی، منتقم مزاج اور جھگڑالو عورت کی تمام صفات سے مزین عورت تھی جسے گھر بسانے کی بجائے اپنی انا زیادہ عزیز تھی۔ جسے رشتوں کے تقدس کا کوئی احترام نہ تھا۔

''بلکہ اس بندگرہ کو تجانے یہ شک کی گرہ کیسے تمہارے ذہن میں پڑ گئی ہے۔ تمہیں رشتوں کے تقدس احترام کا کوئی پاس نہیں رہا۔ وہ میرے لیے عائشہ اور صبا جیسی ہے۔'' بڑے ضبط سے وہ کہہ رہا تھا۔

''یہ تین سال بہت ہیں برداشت کرنے کے لیے میں صرف اپنے والدین کی عزت کی وجہ سے تمہیں جھیل رہا تھا اب میری برداشت ختم ہو چکی ہے تم اٹھو ابھی میرے ساتھ چلو امی تو جیسے تیسے ہمارے حالات سے باخبر ہیں آج بابا کو بھی پتا چل جائے اور وہ تمہارے جوہر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔'' عباس نے غم و غصے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی وہ اسے کھینچتا ہوا سیدھا لاؤنج میں لیے چلا آیا تھا۔

لاؤنج میں وہاں سب چائے پیتے خشک میوہ جات سے لطف ہوتے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ عباس اور اس کے ساتھ کھنچی چلی آتی حادل کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔

عباس نے لاؤنج کے دروازے میں آ کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ حادل اگر صوفے کی بیک نہ تھام لیتی تو یقیناً گر جاتی۔ وہ پہلے بھی دوپٹہ کو بے پروائی سے لیتی تھی اب تو وہ بھی گلے میں لٹک رہا تھا جب کہ وہاں موجود شہوار، مہر النسا، اور ان تینوں کے دوپٹے بڑے درست اور سروں پر جمے ہوئے تھے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا بدتمیزی ہے عباس!'' بابا جان کے لیے یہ بالکل غیر متوقع بات تھی ایک دم اٹھ کھڑے ہو گئے تھے اور ان کی تقلید میں باقی سب۔

بات تو باقی لوگوں کے لیے بھی غیر متوقع تھی۔ مہر النسا بیگم کا دل دھک سے رہ گیا۔ بیٹے کی ناآسودہ زندگی ان کے سامنے تھی۔ بیوی کی طرف سے ملنے والی پریشانیوں پر وہ ماں کی آغوش میں منہ چھپا کر دل کا بوجھ ہلکا کرتا تھا۔ وہ اپنے تئیں گھر کے ماحول کو خراب ہونے سے بچانے کے لیے تمام کوششیں کر چکی تھیں مگر اب جس طرح عباس حادل کو گھسیٹ کر لے کر آیا تھا انہیں لگا ان کی تمام سعی کوششیں بے کار ٹھہری ہیں۔ انہیں اپنا وجود بے جان سا ہوتا محسوس ہوا۔

''یہ بدتمیزی نہیں بابا جان! ہمارے گھر کی اولین روایت رہی ہے کہ چھوٹی موٹی ہر چپقلش گھر کے رتا دھرتا کے سامنے اپنی جائے اگر وہ نا کام ہو جائے تو گھر کے سربراہ کے سامنے معاملہ پیش کیا جائے۔ ان تین سالوں کی روداد امی جان سے سن لیجیے گا کہ وہ بے خبر نہیں ہیں۔ رہے باقی لوگ تو مجھے نہیں علم کہ وہ کس حد تک باخبر ہیں تاہم میری ہر حال میں یہی کوشش رہی کہ میرے بیڈروم کی چار دیواری سے بات باہر نہ نکلے آج اگر نکلی ہے تو آپ کے پاس آیا ہوں۔'' انتہائی ضبط سے کام لیتے عباس بھائی نے کہا تو وہاں موجود بھی لوگوں کو گویا چند لمحوں کے لیے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''ہوا کیا ہے؟ اور یہ کیوں رو رہی ہے؟''

''یہ علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کر رہی ہے۔'' شہوار خوف زدہ سی بابا جان کا چہرہ دیکھنے لگی جن کے چہرے کی حیرت لحہ لحہ اضطراب میں بدل رہی تھی۔ سجاد بھائی کچھ باخبر تھے مگر عباس بھائی کی بات سن کر وہ بھی گم سم سے رہ گئے تھے۔ مصطفیٰ تو سرے سے گھریلو حالات سے قطعی لاعلم رہنے والا وجود تھا۔ اس کے لیے یہ ساری سچویشن ہی حیران کن تھی۔

''کیوں اس گھر میں کیا تکلیف ہے تم لوگوں کو؟'' کچھ توقف کے بعد وہ سنبھلتو بیٹے سے پوچھا تھا۔

''مجھے کوئی تکلیف نہیں اور نہ ہی میں اس گھر سے کہیں جانا چاہتا ہوں اور نہ ایسا ہو گا۔ تکلیف اسے ہے اس سے پوچھ لیں۔''

مہر النسا بیگم بے دم سی ہو کر صوفے پر گر گئیں تو شہوار نے گھبرا کر ان کا ہاتھ تھاما۔

''آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' اس نے ان کے ہاتھ مسلے تھے۔

''مصطفیٰ مجھے کمرے میں لے جاؤ۔'' ان کی لرزتی آواز پر مصطفیٰ نے فوراً ان کو سہارا دیا تھا۔ مصطفیٰ اور ماں کے جانے کے بعد عباس نے شہوار کو دیکھا

''شہوار جاؤ تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔'' وہ نہیں چاہتے تھے کہ شہوار حادل کے خیالات جان کر تکلیف کا شکار ہو۔

"بیٹھو تم دونوں۔" شاہ زیب صاحب کے کہنے پر عباس صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ "بہو! تم بھی بیٹھ جاؤ۔"

انہوں نے دوبارہ ٹوکا تو عادلہ کو بھی موقع کی نزاکت کا احساس ہوا۔ بہر حال وہ شاہ صاحب کی شخصیت کے سامنے خاصا دبتی اور ڈرتی تھی۔ وہ دوپٹہ درست کرتی دوسری طرف جا کر بیٹھ گئی تھی مگر انداز اب بھی خاصا بگڑا ہوا تھا۔

"تم دونوں جاؤ اپنی ماں کو دیکھو اور دروازہ بند کرتے جاؤ۔ مصطفیٰ کو ادھر آنے سے منع کر دینا۔" لائبہ اور سجاد کو بھی جانے کا کہہ کر وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔

"اب بتاؤ کیا معاملہ ہے؟" شاہ زیب صاحب خود کو خاصا سنبھال چکے تھے۔

عباس بھرا بیٹھا تھا۔ شہوار سے متعلق عادلہ کے شکوک و شبہات سمیت علیحدہ گھر لینے کی ضد تک سب بیان کر ڈالا تھا۔

"دیکھو بہو! عباس علیحدہ نہیں ہوگا یہ طے ہے اب تم اپنے ذہن کو کلیئر کر لو کہ شہوار سے متعلق جو تمہارے خیالات ہیں وہ بھی تفصیلاً واضح کر دیتا ہوں کہ شہوار اس گھر کی بیٹی ہے اس کی وہی حیثیت ہے اس گھر میں جو عائشہ اور صبا کی ہے۔ تابندہ بی ہماری بہن ہے تمہارا یہ "دو ٹکے" کی کا طعنہ دینا یہ تمہاری کم ظرفی ہے اور دھیان سے بات سن لو۔ مصطفیٰ اور شہوار سے متعلق طعنے بازی کی تو ہم بھی بہت اچھے الفاظ میں جواب دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ جب ایک بہن کی طرف سے سکھ نہ ملے تو دوسری سے کیسے امید رکھی جا سکتی ہے پھر بھی تمہارا اپنی بہن کا پروپوزل دینا ایک اہم بات تھی ہم نے غیر جانبداری سے فیصلہ مصطفیٰ پر چھوڑا تھا۔ اس نے انکار کر دیا معاملہ ختم۔ اب اس بات کا ایشو بنا کر تم یوں زبان درازی پر اتر آئی ہو تو ہم اس معاملہ کو حل کرنا بھی جانتے ہیں۔" بڑے غصے سے انہوں نے عادلہ پر حقیقت واضح کی تھی۔

"مجھے آپ کی طرف سے یا آپ کے بیٹے کی طرف سے کوئی ایلیا اور زمین نہیں لینی میں علیحدہ ہونا چاہتی ہوں ورنہ دوسرا آپشن بھی ہے میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں گی اور یہ میرے لیے زیادہ بہتر ہے۔" وہ خود کو خاصا سنبھال چکی تھی اب دوبدو جواب دیا تو شاہ زیب صاحب کافی دیر تک اس کی بدلحاظی پر اسے دیکھتے رہے۔

"تم ہماری نرم مزاجی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو لڑکی اتم ہماری بہو ہو اتنی جرأت تو ہماری بچیوں کو بھی نہیں کہ وہ ہمارے سامنے یوں زبان کھولیں۔ شہوار اور لائبہ تمہارے سامنے ہیں۔ ہم نے ان کے ہنسنے بولنے پر پابندی نہیں لگائی ہر طرح کی آزادی دی ہے۔ باہر آنے جانے کھانے پینے لوگوں سے ملنے ملانے ہر طرح کی آزادی ہے۔ ہماری بچیوں نے ہم سے کبھی شکایت نہیں کی کہ یہ گھر ان کے لیے قید خانہ یا حبس بے جا ہے۔"

"وہ کیسے کر سکتی ہیں ساری پابندیاں تو مجھ پر ہیں۔" عادلہ کی بدلحاظی پر عباس نے انتہائی نفرت سے اسے دیکھا۔ اچھی بھلی زندگی عذاب بنا کر رکھ دی تھی اس عورت نے۔ اب وہ خود بھی ایک فیصلہ چاہتا تھا آر یا پار......

"عباس! تمہاری پسند سے یہ رشتہ کیا گیا تھا ورنہ ہم کیا چاہتے تھے تم بے خبر نہ تھے اگر تمہاری بیوی کے ذہن میں شہوار بیٹی کے متعلق شکوک و شبہات تھے تو اس کو ایشو بنانے کی بجائے آرام و سکون سے ہینڈل کرتے۔" انہوں نے اپنے بیٹے کو ہی تنبیہ کی۔

"بابا! میں تین سالوں سے یہ سب برداشت کر رہا ہوں اور کس طرح ہینڈل کرتا؟"

"مجھے تمہارا طریقہ کار قطعی پسند نہیں آیا اگر تمہارے درمیان کوئی جھگڑا چل رہا تھا تو بھی تمہیں چاہیے تھا کہ آرام و سکون سے معاملہ مجھ تک لاتے یوں ایک دم بیوی کو لے کر سب کی موجودگی میں چلے آنا میں اسے مردانگی نہیں سمجھتا۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہمارے خاندان میں عورت ذات کے ساتھ کبھی زیادتی والا معاملہ پیش نہیں آیا چاہے وہ بیوی ہو بیٹی ہو یا بہن......" عباس نے بے چارگی سے باپ کو دیکھا جو اسے ہی مورد الزام ٹھہرا رہے تھے۔ "تمہارے بھائی بھاوج ماں سب نے کیا سوچا ہوگا تمہیں بیوی کو اس طرح لے کر آتے دیکھ کر؟" انہوں نے عباس کو شرمندہ کر دیا تھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں بابا جان! مگر اس وقت یہ باتیں ہی ایسی کر رہی تھی کہ مجھے ایک دم غصہ آ گیا تھا۔" عباس نے فوراً اپنی غلطی قبول کر لی تھی۔

"غصے کو پچھاڑنا ہی اصل مردانگی ہے عباس! خیر تم بیوی کو لے کر کمرے میں جاؤ ہم اس مسئلے کا حل سوچتے ہیں۔ تمہیں چاہیے تھا کہ پہلے ہمارے پاس آتے تو صورت حال اتنی

خراب نہ ہو چکی ہوتی۔"

"اور بہو......!" عباس کو کہتے انہوں نے عادلہ کو دیکھا تھا۔ "تم ہماری بیٹی ہو یہ اگر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کرے گا تو ہم ہر طرح کا انصاف کریں گے۔ تمہارا ساتھ دیں گے۔ ہم روایت پرست زبان پر جان دینے والے لوگ ہیں مگر تم جو اعتراضات اور الزامات اپنے شوہر پر لگا رہی ہو وہ بالکل ناجائز ہیں۔ شہوار کی حیثیت اس گھر میں بیٹی جیسی ہے اور ہم قطعی گوارا نہیں کریں گے کہ تم اس کے متعلق کوئی غلط بات کرو۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں عادلہ کو بھی کہا تھا۔ عادلہ نے ایک دم تنفر سے سر اٹھایا۔

"چاہے وہ سچ ہی کیوں نہ ہو؟ کیا یہ جھوٹ ہے کہ مجھ سے شادی سے پہلے آپ لوگوں کا خیال عباس اور اس کی شادی کا تھا۔"

"خیال ظاہر کرنے اور عملی جامہ پہنانے میں بہت فرق ہوتا ہے بہو! یہ ہمارے بزرگوں کا خیال تھا ہمارے بچوں کا نہیں۔ تم اس گھر میں بہو کی حیثیت سے عباس کی بیوی بن کر رہ رہی ہو اس حقیقت کو کیونکر جھٹلا سکوگی ہو تم؟" عادلہ کی بات پر اپنے آپ پر بمشکل کنٹرول کرتے وہ ایک دم غصے سے گویا ہوئے تھے۔ "ہم اگر چاہتے تو عباس کی پسند کو جھٹلا کر اپنے باپ کی خواہش کو سر آنکھوں پر رکھتے کہ وہ ہمارے لیے ہر حال میں مقدم تھی مگر ہم تمہیں بیاہ کر لائے۔ تم ہمارے پوتے کی ماں ہو خاندان کی بڑی بہو اور بیٹی ہم رشتوں کو ان کے اصل مقام پر رکھنے اور عزت و تکریم کرنے والے لوگ ہیں۔ افسوس ہو رہا ہے مجھے کہ اتنی تعلیم یافتہ باہر کی یونیورسٹی کی فارغ التحصیل بچی کی یہ سوچ ہے۔" انہوں نے تمسخر سے عادلہ کو دیکھا تھا ایک پل میں ہی عادلہ لاجواب سی ہو کر شرمندہ ہو گئی تھی۔

"ہم کوئی کم حیثیت لوگ نہیں ہیں اگر ہم عام لوگ ہوتے تو تمہارا باپ ہم سے رشتہ داری جوڑنے میں فخر محسوس نہ کرتا۔ تم اگر کم عقلی کا مظاہرہ کرتے علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ پر قائم رہنے یہ گھر چھوڑنے کی حماقت کروگی بھی تو یہ سراسر تمہارا اپنا نقصان ہوگا حیرت ہوتی ہے عبدالقیوم جیسے دانشمند کی اولاد اتنی کم فہم اور سطحی سوچ کی حامل بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تم اپنی ضد کو قائم رکھتے یہاں سے جاؤ گی تو یاد رکھنا پیچھے ہم تیرے گھر۔ رشتوں کے لیے جان بھی دے سکتے ہیں مگر سطحی رشتوں کے لیے ہم پیٹ کر بھی نہیں دیکھتے۔ اگر جانے کی حماقت کروگی تو ساری عمر وہیں رہوگی۔ ہم رشتے نہیں توڑتے مگر چھوڑ دیتے ہیں یہ خیال رکھنا......" عادلہ ان تین سالوں میں یہ ضرور جان چکی تھی کہ یہ لوگ کس مزاج اور اطوار کے مالک ہیں۔ شاہ زیب صاحب کے الفاظ محض دھمکی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی تھے اگر وہ گھر چھوڑنے کی حماقت کرتی تو یہ بھی جانتی تھی کہ جس طرح وہ خود جائے گی واپس بھی آئے گی یہ لوگ کبھی اسے پلٹ کر لانے والے نہیں ہوں گے۔ اسے اپنی ماں کی پڑھائی ہوئی ساری پٹیاں ناکام ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ شہوار کو مورد الزام ٹھہرا کر عباس کی نظروں سے تو گر چکی تھی اب رہی سہی کسر اس خاندان کی نظر سے گر کر پوری ہو جاتی تھی۔ اسے ایک دم اپنی عظیم حماقت کا احساس ہوا۔ اس کا دل چاہا کہ اپنی ماں کی اس ساری تیار کردہ اسکیم پر دل کھول کر ماتم کرے۔

"ہم نے تمہارے سامنے سارے حل کھول کر رکھ دیے ہیں۔ گھر کو بنانے والی عورت ان باتوں کو ایشو نہیں بناتی وہ ہر حال میں گھر کو گھر بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ وہ رشتوں کو جوڑ کر رکھے نہ کہ توڑے۔ اس کے باوجود اگر تم گھر چھوڑ کر جانے کی ضد پر قائم ہو تو ہماری طرف سے تمہیں کوئی روکے گا نہیں۔ مگر یہ طے ہے کہ ہم تمہیں واپس لے کر نہیں آئیں گے پھر جیسے تم جاؤ گی ویسے ہی آؤ گی بھی۔ علیحدہ گھر کے خیال کو بھول جاؤ ہمارے جیتے جی ہماری اولاد علیحدہ نہیں ہو سکتی۔" وہ سخت لب و لہجے میں کہتے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ عباس بھی ان کے احترام میں کھڑا ہو گیا تھا مجبوراً عادلہ کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔

"فیصلہ تم نے کرنا ہے سوچ سمجھ کر گھر سے قدم نکالنا۔ عبدالقیوم وہ شخص ہے جس کی فہم و فراست کی مثالیں دنیا دیتی ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس کی بیٹی اتنی کم عقل ہوگی۔ اس گھر میں تم پر کوئی جبر تختی نہیں پھر بھی ...... تم کسی اور بات کو بنیاد بنا کر علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کرتیں تو ہم سوچتے بھی مگر افسوس تم نے شہوار جیسی بے ضرر معصوم لڑکی کی ذات کو اپنے شوہر کے ساتھ منتھی کرنے کی کوشش کی۔ افسوس ہے مجھے تمہاری سوچ اور عقل پر......" ان کے الفاظ پر عادلہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھتی ان کے سامنے تو بڑے بڑوں کی بولتی بند ہو جاتی تھی پھر وہ کیا چیز تھی۔

وہ جس طرح اس کے والد کا حوالہ دے رہے تھے اس سے اس کے اندر اپنے باپ کے پاس معاملہ بگڑ جانے کا خوف بھی پیدا ہو گیا تھا اگر معاملہ ان تک جاتا تو یقیناً بات بہت

بڑھ سکتی تھی۔

”ہائے ماما! کیسا فضول مشورہ تھا آپ کا اور میں بھی کیسی کم عقل تھی فوراً عمل بھی کر بیٹھی۔“ وہ اندر ہی اندر نادم ہوئی تھی مگر اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اسے امید نہ تھی کہ عباس اسے یوں گھسیٹ کر باپ کے سامنے لے آئیں گے اب تک تو وہ صرف اس کی باتوں اور حرکتوں سے زچ ہوئے تھے مگر آج شہوار کے کام کا دیا گیا طعنہ کسی اور انداز میں ہی کام کر گیا تھا۔

”اپنی بیوی کو کمرے میں لے جاؤ مزید تماشا میں افورڈ نہیں کر سکتا۔ یہ اگر اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہیں تو بصد شوق چلی جائے۔“ وہ آخری حتمی بات کر کے ایک آخری نگاہ دونوں پر ڈال کر باہر نکل گئے تھے۔

باپ کے جانے کے بعد عباس نے ایک سلگتی نگاہ بیوی پر ڈال کر بغیر کچھ کہے باہر کی راہ لی تھی اور نادلہ چند پل بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی تھی۔

اسے گمان تھا کہ عباس اس کی حرکتوں اور طعنوں سے گھبرا کر ہمیشہ کی طرح معاملے کو دبانے کی کوشش کرے گا اور وہ ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر نا صرف اسے مجبور کرے گی کہ وہ اپنے والدین کے سامنے علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے بلکہ اس طرح وہ اپنے دل میں موجود شوہر کے خلاف کینہ باہر نکالتے عباس کو اس حد تک ذہنی ٹارچر کرے گی کہ شہوار خود ہی یہ گھر چھوڑ کر چلی جانے پر مجبور ہو جائے گی۔ مگر وا ہری قسمت ان کی ساری بازی ان پر ہی الٹا دی گئی تھی۔



”ہائے! بہت برا کیا نادلہ نے ان تین سالوں میں اس عورت نے ایک لمحہ بھی سکھ کا نہ گزارنے دیا میرے عباس کو۔ اس کی صورت دیکھتی ہوں تو میرے دل سے ہوک اٹھتی ہے۔ میں اندر ہی اندر پریشان ہوتی رہتی۔ عباس کو ہی سمجھاتی رہی کہ اب جیسی بھی ہے بیوی ہے اس کی نبھا کرے مگر اس لڑکی نے اپنی کرنی کر کے دکھائی۔ میں اسی دن سے ڈرتی تھی۔“ مہر النسا بیگم کے آنسو تھے کہ خشک ہی نہیں ہو رہے تھے۔

مصطفیٰ حیرت زدہ ماں کی ساری باتیں سن رہا تھا وہ دو سال پہلے پاکستان لوٹا تھا۔ اس سے ایک سال پہلے عباس کی شادی تھی تب وہ صرف چند دن کے لیے پاکستان آیا تھا۔ شادی کے فوراً بعد واپس لوٹ گیا تھا اور واپس آنے کے بعد وہ اپنی پاور پلانٹ میں ایسے مصروف ہوا تھا کہ کبھی غور ہی نہ کیا کہ اس کا بھائی ایک ایسی ناآسودہ زندگی گزار رہا ہے۔ جس نے ان کے گھر کے ماحول کو تلخ اور رنجیدہ کر رکھا ہے۔

مصطفیٰ کو اپنی بے خبری پر حیرت کے ساتھ ساتھ دکھ بھی ہو رہا تھا۔

”اچھا! کچھ نہیں ہوتا ٹینشن نہ لیں آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔“ شہوار کو ان کے رونے سے ایک ہی فکر لگی ہوئی تھی اور یہ الفاظ وہ مسلسل وقفے وقفے سے دہرا رہی تھی۔ انہوں نے آنکھیں صاف کیں۔

”میری تو ہر بات اسے چبھتی ہے۔ ذرا لحاظ مروت نہیں ہے اس میں۔ کئی بار وہ بدزبان درازی کر چکی ہے۔ عباس جب بھی دونوں کا کوئی جھگڑا ہوتا تھا ہمیشہ آ کر مجھ سے کہہ سن کر دل کا بوجھ ہلکا کرتا تھا کئی بار میں نے اسے سمجھانے کی کوشش بھی کرنا چاہی مگر اس نے ساس سمجھ کر بھی کبھی ذرا ادب لحاظ کرنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔“

شاہ زیب صاحب کو سب بتاتے ان کے آنسو مسلسل رواں تھے۔

”جب بات اتنی بڑھ چکی تھی تو آپ کو مجھے تو آگاہ کرنا چاہیے تھا نا؟“ وہ ناراض ہو رہے تھے۔

”کیا بتاتی؟ میں تو ہر طرح سے کوشش ہی کرتی رہی کہ وہ خود ہی سمجھ جائے کون سا کم فہم نا سمجھ بچی ہے۔ پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہے مگر......“ انہوں نے پھر سسکی بھری۔

”میں سمجھا چکا ہوں بہت اچھی طرح سے۔ میں کل یا پرسوں عبدالقیوم سے بھی ملوں گا بات کروں گا۔ وہ اور مزاج اور انداز کا بھلا آدمی ہے یقیناً ساری بات سمجھ کر اپنی بیٹی کا دماغ درست کرنے کی کوشش کرے گا۔“ ان کا انداز ساری صورت حال جاننے کے بعد فیصلہ کن تھا۔

''اللہ کرے!'' وہاں موجود بھی کے دل سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے تھے۔
''میں نے اندازہ لگایا ہے کہ عادلہ کی ماں ور اندازی عورت ہے وہ کئی بار ہمارے گھر میں ہی بیٹھ کر عادلہ اور عباس کو علیحدہ گھر میں شفٹ کر دینے کا کہہ چکی ہیں۔ بڑی عجیب اور مشکوک باتیں کرتی ہیں وہ۔ مجھے تو لگتا ہے یہ سارا اس کی ماں کا ہی کیا دھرا ہے۔ ورنہ اب سے پہلے عادلہ نے صرف ہمارے طور طریقوں پر ہی ناک منہ چڑھاتے اعتراضات کیے تھے۔ علیحدہ گھر میں شفٹ ہونے کا کبھی ذکر نہ کیا۔'' انہوں نے مزید آگاہ کیا۔
''ہوں اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے عادلہ کی فیملی کا اب۔ عبدالقیوم خود جتنا شریف النفس انسان ہے اولاد اور بیوی کے معاملے میں خاصا بدقسمت واقع ہوا ہے۔ دیکھتا ہوں اس معاملے وہ اپنی بیوی اور بیٹی کو کیسے سمجھاتا ہے۔''
''میر اور لائبہ کا تو پھر بھی کچھ خیال لحاظ کر جاتی ہے مگر میں نے اکثر دیکھا ہے وہ بلاوجہ خوامخواہ شہوار کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔'' انہوں نے یاد آنے پر ایک اور پوائنٹ میاں کے سامنے رکھا تھا جو سب سے زیادہ قابل غور تھا۔
''دماغ خراب ہے اس لڑکی کا اور کچھ نہیں۔'' بیوی کے منہ سے یہ بات سن کر عباس کو بتائی باتیں اور عادلہ کے طعنے اور شکوک میں لپٹی باتیں یاد آئی تھیں۔
''ایک بات کہوں بابا جان؟'' اتنی دیر کا خاموش بیٹھا مصطفیٰ سب سنتے کچھ سوچتے آخر میں بولا تھا۔ اس کے لیے یہ سب حیران کن ہی نہیں بڑا پریشان کن بھی تھا۔
''ہاں کہو؟''
''آپ عباس بھائی کو علیحدہ کر دیں اگر بھابی علیحدہ ہونا چاہتی ہیں تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ ہمارے پیش نظر عباس بھائی کی آسودہ خوش حال زندگی ہے اگر اس طرح وہ خوش رہ سکتے ہیں تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ ان کی خوشی کے بدلے یہ سودا مہنگا تو نہیں۔'' مصطفیٰ نے آرام سے اپنی بات مکمل کی تھی۔
''بہت اچھا مشورہ دیا ہے تم نے۔ آج اگر عباس کو علیحدہ کرتا ہوں کل کو سجاد اور لائبہ کو ہمارے ساتھ رہنا کھلے گا اور جب تمہاری شادی کریں گے تمہاری بیوی یہ ڈیمانڈ کرے گی پھر؟'' وہ ایک دم غصے میں آ گئے تھے۔ بڑے طنز سے جواب دیا تھا۔
''نہیں ماموں جان! یہ گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جانے والی ہمیں ادھر ہی رہنا ہے بھلے عباس بھائی کو علیحدہ کریں یا نہ کریں اور رہ گیا مصطفیٰ! تو ہم اس کی بیوی ہی اپنی ڈھونڈیں گے کہ جو ہمارے ساتھ رہنے ہمارے طور طریقوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا سلیقہ اور طریقہ جانتی ہو۔'' مہر النساء بیگم کے ایک طرف بالکل خاموش بیٹھی لائبہ نے فوراً شاہ زیب صاحب کے خیال کی تردید کر دی تھی۔
''عباس کی طرح مصطفیٰ نے اگر خود ہی کوئی لڑکی پسند کر لی تو پھر ساری توقعات ہی ختم۔''
شاہ زیب صاحب عباس کے معاملے کو لے کر خاصے الجھ چکے تھے۔ مصطفیٰ ان سب بہن بھائیوں میں اگر مزاج کا مختلف تھا تو اپنی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں اس نے ہمیشہ اپنی پسند اپنی مرضی کو اولیت دی تھی کسی نے اس کے معاملات میں انٹرفیئر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی یہ تو پھر اس کی ساری زندگی کا معاملہ تھا۔
''مصطفیٰ! تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟'' سجاد بھائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔
''پسند کا کیا ہے؟ مگر میرے معاملے میں یہ یقین رکھیں کہ میں عباس بھائی نہیں ہوں میں عورت ذات کو اس کے مقام پر رکھنے کا فن جانتا ہوں اگر ناکام بھی ٹھہرا تو بھی بیوی کو دیگر رشتوں پر حاوی ہونے نہیں دوں گا۔''
''اللہ کرے جو تم عباس جیسی ناآسودہ زندگی گزارو۔ ہم تمہاری دلہن خود لائیں گے اور اب کے صرف شکل و صورت دیکھ کر فیصلہ کرنے والی غلطی نہ کریں گے۔'' مہر النساء بیگم نے دہل کر کہا تھا۔
''تمہاری پسند کا چانس تو پھر مصطفیٰ میں ہو گیا؟'' مہر النساء بیگم کی بات پر سجاد نے مسکرا کر کہا تو ماحول پر چھائی رنجیدگی کا ایک دم خاتمہ ہوا تھا۔ سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر

گئی تھی۔

''کوئی بات نہیں ہماری ماں جی کی پسند ہی ہمارے لیے اوّلیت رکھتی ہے۔ امی جان بے فکر رہیں آپ کا ہر فیصلہ ہی میرے لیے سرآنکھوں پر ہے۔'' مصطفیٰ نے بھی مسکرا کر ماں کے فیصلے کو اہمیت دے کر جیسے ان کو ایک فخر سے دوچار کر دیا تھا۔ مصطفیٰ کے یوں ماں سوچنے پر ان کا سر فخر سے بلند ہوا تھا۔ انہوں نے دعائیں دی تھیں۔

''تم نے پسند کی بات پر اعتراض نہیں کیا' کیا کوئی لڑکی نظر میں رکھی ہوئی ہے؟'' سجاد نے چھیڑا تو مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

''مجھ پر شک نہ کریں۔'' اس نے جھنجلا کر ہاتھ جوڑے تھے سب کے ساتھ شاہ زیب صاحب بھی مسکرا دیے تھے۔

شہوار کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہ بلا ارادہ اس کی طرف اٹھی تھی وہ بھی متوجہ تھی۔ دونوں کی نظریں ٹکرائی تھیں شہوار نے فوراً گھبرا کر سر جھکا لیا تھا۔ ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ فوراً سمٹی تھی۔

''میں سیدھا سادا شریف سا بندہ ہوں۔ ساری عمر امریکہ میں گزارنے کے باوجود تنہا لوٹ آیا ہوں۔ دو سالوں سے اب ادھر ہوں اپنے کام سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ انسان کسی اور جانب سوچے بھی۔''

''ماں جی نوٹ کر لیں اگر اس کو فرصت ملے تو یہ ادھر اُدھر تانک جھانک ضرور کرے گا۔'' سجاد نے فوراً پوائنٹ پکڑا تھا مہر النساء بیگم ہنسنے لگیں۔

''اچھا بس کرو میرا بہت اچھا اور سمجھ دار بیٹا ہے۔ اگر پسند بھی کرے گا تو سوچ سمجھ کر ہی کرے گا میرے بیٹے کو ہیرے اور پتھر کی پہچان ہے۔'' مہر النساء بیگم نے فوراً بیٹے کی طرف داری کی تھی۔ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

''بہت ہوگئی باتیں اب اپنے کمروں میں جاؤ تم لوگ میں اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے مہر النساء بیگم بستر پر بیٹھی ہوئی تھیں ان کے دائیں بائیں شہوار اور رابعہ تھیں جب کہ سائیڈ صوفے پر مصطفیٰ اور سجاد تھے۔ باپ کے حکم پر وہ چاروں ماں باپ کو اللہ حافظ کہتے اپنے اپنے کمروں کی طرف چل دیے تھے۔

''آپ نے کیا سوچا پھر اس سارے معاملے پر؟'' شاہ زیب صاحب بستر پر آئے تو مہر النساء بیگم نے دریافت کیا۔

''چند دن دیکھو یہ عادلہ کیا کرتی ہے اگر میری زبان کا اثر اس پر ہوگیا جب تو ماں باپ کے گھر جانے کی غلطی نہیں کرے گی اگر کرے گی بھی تو ہم معاملے کو سلجھانا جانتے ہیں تم فکر مت کرو۔'' پُرسوچ انداز میں کہتے وہ بستر پر دراز ہوئے تھے۔

''مجھے اس کی حرکتوں اور باتوں سے تکلیف نہیں ہوتی مگر جب وہ شہوار کو تختہ مشق بناتی ہے تو میرا دل لرز جاتا ہے۔ بن باپ کی بچی اس کا ہر حکم بلا چوں چرا کیے مانتی ہے آدھی رات کو بھی وہ اسے کوئی کام کہے تو فوراً کر دیتی ہے۔ مجھے بڑی تکلیف اور شرمندگی ہوتی ہے' تابندہ اپنی بچی کے ساتھ یہ سلوک ہوتا دیکھے تو دکھ سے کٹ کر رہ جائے۔'' انہوں نے بھی دل کا پھپھولا پھوڑا تھا۔

''میں اب سنجیدگی سے مصطفیٰ اور شہوار کی بات طے کرنے کا سوچ رہا ہوں آپ کل گاؤں جا تو رہی ہیں تا' آپا جی سے بھی بات کیجیے گا۔ تابندہ سے بھی باقاعدہ رائے اور مرضی دریافت کر لیں اب میں چاہتا ہوں کہ لوگوں میں باقاعدہ اس رشتے کا اعلان کر دیا جائے تاکہ عادل جیسے لوگوں کی زبان بند ہو جائے۔''

''مصطفیٰ سے پہلے بھی میں نے ایک دو دفعہ شادی کا پوچھا تھا شہوار کا نام نہیں لیا مگر وہ چاہتا ہے کہ کچھ عرصہ تک رک جائیں۔ وہ اپنی جاب میں اچھی طرح سیٹل ہو جائے۔ وہ کہتا ہے چند سال بعد ہی وہ شادی کرے گا۔''

''چلیں ہم نسبت طے کر دیتے ہیں' آپ کا کیا خیال ہے۔''

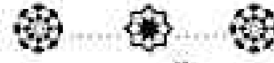
''میں نے تو نکاح کا ہی سوچا ہوا ہے۔ سچی بات ہے آج کل کے لڑکوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بھلے ہماری اولاد ہے مگر کوئی عادلہ جیسی مل گئی تو پھر مصطفیٰ بھی کسی کام کا نہ رہے گا۔''

’’ہوں یہ بھی نیک خیال ہے مگر ذہن میں رکھیں کہ شہوار بیٹی کا فورتھ ایئر ہے بہت قیمتی سال ہے اس کا یہ ہماری پلاننگ تو بس ہم تک ہی رہے تابندہ اس کی ماں ہے اس کے بارے میں ہر طرح کے فیصلے کا اختیار رکھتی ہے وہ جو بھی فیصلہ کریں گی ہمیں ماننا تو وہ ہے۔‘‘

’’جی ......!‘‘ مہر النساء بیگم نے سر ہلا دیا تھا۔

’’آپ کل جاتے ہی باجی اور تابندہ دونوں سے رائے لیجیے گا۔ اب میں اس معاملے میں قطعی تاخیر نہیں کرنا چاہتا۔‘‘ انہوں نے فیصلہ سنایا تھا۔

’’جی ضرور جیسا آپ کہیں۔‘‘ مہر النساء نے فوراً تائید کی تھی۔



’’آ جاؤ!‘‘ انا نے کمرے کے دروازے پر دستک دی تو ماما کی آواز پر اندر داخل ہوئی تھی۔

’’کیا کہہ رہی ہیں؟‘‘ وہ جیولری باکس اپنے سامنے بیڈ پر پھیلائے غور و فکر میں مصروف تھیں انا کو آتے دیکھ کر مسکرائیں۔

’’اچھا ہوا تم آ گئیں یہ دیکھو یہ زیور کیسا ہے؟‘‘ انہوں نے ہاتھ میں تھاما گلوبند اس کی طرف بڑھایا تو انا نے تھام لیا۔ بہت پیارا اور نفیس سیٹ تھا خاصا بھاری بھرکم تھا۔

’’بہت پیارا۔‘‘

’’میں نے یہ احسن کی دلہن کے لیے پچھلے سال خریدا تھا۔ ساتھ میں کنگنوں اور چوڑیوں کے سیٹ بھی ہیں۔ خالص گولڈ ہیں ساتھ میں وائٹ گولڈ اور نگینوں کا کام ہے۔ بہت مہنگے تھے یہ سیٹ۔‘‘ انہوں نے اسے کنگنوں اور چوڑیوں کے باکس بھی کھول کر پکڑائے تو انا دیکھ کر مبہوت ہوئی۔

’’ماما کتنا کمال کا ڈیزائن ہے ان کنگنوں کا۔ روشنی کی کلائیوں میں تو یہ بہت پیارے لگیں گے۔‘‘

’’ہوں...... میں سوچ رہی ہوں کہ آج کل میں روشنی کو ساتھ لے کر جیولر کے پاس چکر لگاؤں شادی سے پہلے تک یہ اہم کام نمٹ جائیں۔ باقی تیاری تو تم نے ہی روشنی کی ساتھ مل کر کرنی ہے۔ میری اور بڑی ذمہ داریاں ہیں شاپنگ کا شعبہ تم اور روشنی سنبھالو۔‘‘ سنبھال کر زیور دوبارہ باکس میں رکھتے انہوں نے کہا تو انا کو ایک دم یاد آیا۔

’’شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کا کیا رہا؟ کب تک ارادہ ہے؟‘‘

’’ارادہ تو نیک ہے اگلے ماہ کی کوئی بھی ڈیٹ رکھ لیتے ہیں میں تو بس تمہارے پاپا کا منہ دیکھ رہی ہوں کہ کب تک فری ہوتے ہیں۔‘‘

’’اگلے ماہ!‘‘ انا حیرت سے چیخی۔

’’مگر ماما یہ تو تیاری کرنے کے لیے بہت کم ٹائم ہے میری اپنی اتنی ٹف پڑھائی ہے میں کیسے وقت نکال پاؤں گی۔‘‘

’’شادی کی ہم نے کون سا لمبی چوڑی تیاری کرنا ہے زیور کپڑے ریڈی ہے۔ میرا اپنا بوتیک کب کام آئے گا۔ کپڑوں کی تم فکر نہ کرو باقی ارینجمنٹ تمہارے بھائی ماموں اور پاپا کی ذمہ داری ہیں۔ یہ ان کا شعبہ ہے وہ خود دیکھ لیں گے۔ سب مینج ہو جائے گا۔‘‘ انہوں نے بڑے آرام و سکون سے بتایا تھا انا نے منہ بنایا۔

’’اور باقی جو دیگر باتیں ہیں اکلوتا بھائی ہے میرا۔ سو ارمان ہیں میرے۔ دن گن گن کر اس موقع کا انتظار کیا ہے۔ اتنی عجلت میں شادی طے کرنے سے تو میں کچھ بھی نہیں کر پاؤں گی۔‘‘

’’ہم نے شادی ملتوی کی تو پھر تمہارا بھائی ہاتھ نہیں آئے گا۔ دراصل ضیاء بھائی کی فکر رہتی ہے مجھے۔ ان کی خواہش ہے کہ جلد از جلد یہ فریضہ طے ہو جائے۔ اگلے ماہ کی ڈیٹ ان کی ہی رائے ہے بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ ساتھ ہی ولید کو بھی نمٹا دیں مگر وہ لڑکا بھی ضد کا پکا ہے صاف انکار کر دیا ہے کہ تین چار سال سے پہلے تک تو اس کے متعلق سوچے گا بھی نہیں۔ دوسرا وہ شادی صرف اپنی پسند اور مرضی سے کرنے کا خواہاں ہے۔ ہمارا تو بہن بھائی کا وہی خیال تھا لیکن خیر......‘‘ انہوں نے بات کرتے کرتے انا کو دیکھا تو اسے مکمل طور پر متوجہ دیکھ کر مسکرا کر بات پلٹ دی اور ان کی ادھوری بات انا کے اعصاب پر سل کی طرح بوجھ بن گئی۔

''اللہ ساتھ خیریت کے وقت لائے۔ روشنی اور احسن کی شادی بخیر وعافیت ہو جائے۔ فی الحال تو ہم نے کب کا ہی کیا ہوا تھا کہ روشنی اور ولید کے وطن لوٹتے ہی ہم نے ڈیٹ فکس کر دینی ہے۔ بس دن سلیکٹ کرنا ہے وہ سب سے مشورہ کر کے طے کر لیتے ہیں۔''

''ہوں......!'' ولید کے ذکر پر وہ کچھ گم سم سی ہو گئی تھی۔

''پاپا نے لگتا ہے آج لیٹ آنا ہے ابھی تک نہیں لوٹے۔'' ماما کو الماری میں جیولری باکس رکھتے دیکھ کر وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی' گھڑی رات کے گیارہ بجا رہی تھی۔

''ہوں' کچھ دیر پہلے کال کی تھی کہ وہ کچھ لیٹ ہو جائیں گے شاید کسی میٹنگ میں بزی ہیں۔'' انہوں نے الماری بند کر کے پٹ کراتے دیکھا۔

''روشنی سو گئیں کیا؟''

''پتا نہیں جب ہی ادھر آئی تھی تو ولید' احسن بھائی اور روشنی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔''

''میں نماز پڑھ لوں تم فارغ ہو گیا؟ پڑھنا نہیں تھا کیا؟'' باتھ روم کی طرف جاتے جاتے وہ رکی تھیں۔

''پڑھ لیا ہے کل جمعہ ہے سو اسٹڈی کی طرف سے ٹینشن فری ہے۔'' ماما باتھ روم میں گھسیں تو وہ آہستہ روی سے چلتی باہر نکل آئی۔

لاؤنج سے ابھی بھی باتوں کی آواز آ رہی تھی وہ اندر جانے کی بجائے راہداری عبور کرتے صحن میں آ گئی تھی آج کل وہ خاصی افسردہ' گم سم ہو رہی تھی۔ نجانے کیوں اسے اپنے احساسات بہت بدلے بدلے سے فیل ہو رہے تھے۔ وہ خاموشی سے سنگی بنچ پر جا بیٹھی تھی۔

''ہمارا تو تمہیں بھائی کا وہی خیال تھا مگر بچے......'' صبوحی بیگم کا ادھورا جملہ اس کے اعصاب پر ایک بوجھ گرا گیا تھا۔

''وہ شادی صرف اپنی مرضی اور پسند سے کرنے کا خواہاں ہے۔'' ماما کے الفاظ اسے نجانے کیوں الجھا گئے تھے۔

''تو کیا وہ کسی کو پسند کرتا ہے؟'' اس کا دل لرز اٹھا۔

اس نے اپنے ذہن کے خیالات کو جھٹکنا چاہا تھا کسی اور جانب توجہ مبذول کرانا چاہی تھی مگر نجانے کیوں ایک ہی خیال اور یہ الفاظ ذہن سے چمٹ کر رہ گئے تھے۔

''بھئی میں سیدھا سادا سا انسان ہوں کوئی لمبی چوڑی ڈیمانڈ نہیں ہیں میری جو بھی لڑکی ہو جیسی بھی ہو کم از کم اچھی اور سلجھی ہوئی ہو۔ گھر کو گھر بنانے والی اور سب سے بڑھ کر تمہیں اور بابا کو اہمیت دینے والی ہو۔''

وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر ایک عجیب یاسیت بھری کیفیت کا شکار کبھی ماما کے الفاظ پر گم سم ہو جاتی تھی تو کبھی ولید کے الفاظ یاد آ کر اس کے دل کی زیر وزبر کیفیت کو پھر سے سہارا دے جاتے تھے۔ اسے لگتا جیسے امید کا دیا پھر سے روشن ہو گیا ہے۔ وہ اپنے بازوؤں پر سر رکھے اپنے ہی خیالات کی جنگ سے نبرد آزما تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس بھنور سے کیسے نکلے؟

''کیا بات ہے؟ یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟'' نجانے اسے اس عالم میں اس کیفیت وحالت میں اپنے خیالات سے الجھتے احساسات وجذبات سے لڑتے کتنی دیر گزری تھی کہ اس آواز پر ایک دم گھبرا کر سر اٹھایا تھا۔ وہ سامنے ہی سادہ شلوار قمیص زیب تن کیے اپنے دراز قامت وجود کو لیے اسے گہری نظروں سے تول رہا تھا۔

انا گھبرا کر سیدھی ہوئی تھی۔ لاپروائی سے کندھوں پر ڈالا دوپٹا گھبراہٹ میں سر پر ڈال کر وہ فورا اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ جو اتنی دیر سے دنیا ومافیہا بھلائے سوچ رہی تھی اب اسے ایک دم روبرو دیکھ کر پزل سی ہو گئی تھی ورنہ وہ تو خاصی پر اعتماد لڑکی تھی۔

''آپ......'' ولید نے اس کی گھبراہٹ اور پزل انداز کو بغور دیکھا۔ ایک گہری نگاہ اس کے سرخ چہرے اور جھکی پلکوں پر ڈالی۔

''میں پانچ دس منٹ سے دیکھ رہا تھا ادھر بیٹھی ہو۔ ہمیں کافی دیر ہو گئی ہے محفل برخاست کیے۔ تم ہمارے پاس آئی نہیں تم ادھر کیا کر رہی ہو؟''

''بس یونہی ہوا خوری کو ادھر نکل آئی تو ادھر بنچ پر بیٹھ گئی۔'' اسے چند سیکنڈ لگے خود کو سنبھالنے میں۔ اب وہ قدرے پرسکون تھی۔

''حیرت ہے اکیلی بیٹھی ہوئی ہو جب کہ روشنی تمہیں اندر ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔''

''یونہی اسٹڈی کرتے کرتے اکتا گئی تو ادھر نکل آئی۔''

''اچھی بات ہے۔''اس نے فوراً یقین کر لیا تھا۔

''ایک کپ کافی پلاؤ مزے دار سی تم کافی بہت اسٹرونگ بناتی ہو۔''انا نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔اس کی اس ذرا سی تعریف سے اسے لگا کہ جیسے اطراف میں گھنٹیاں سی بکھر گئی ہوں۔اس کے یوں حیرانی سے دیکھنے پر وہ مسکرا دیا تھا۔

''میں لاتی ہوں۔''اس نے قدم آگے بڑھائے۔

''ایک نہیں دو کپ۔''انا نے تعجب سے اسے دیکھا مگر پوچھا نہیں کہ دوسرا کیوں؟

''میں اپنے کمرے میں ہوں۔''آواز پر سر ہلاتی وہ کچن میں آ گئی تھی۔

اس نے بڑی توجہ اور دھیان سے کافی تیار کی تھی۔ٹرے میں دو کپ رکھے وہ اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''کم ان!''ناک کرنے پر دروازہ کھلا ملا تھا وہ دھکیلتے اندر چلی آئی تھی۔ولید کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا مسکرا کر اس کی طرف کرسی گھمائی۔

''بڑی جلدی کافی تیار کر لی تم نے۔''بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھی تو مسکرا کر پلٹی۔

''ماما اور پاپا احسن بھائی کبھی تیز چائے پیتے ہیں' کافی کی لت صرف مجھے ہی ہے۔اپنے لیے کافی تیار کرتے کرتے اب میں خاصی ایکسپرٹ ہو چکی ہوں۔''

''یہ تو ہے۔''اس نے ایک کپ اٹھا کر اسے تھمایا تو وہ کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف چلا آیا۔

''بیٹھو۔''ایک سپ لیتے اسے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''نہیں چلتی ہوں۔ویسے بھی نیند آ رہی ہے۔''

''میں نے دوسرا کپ اپنے لیے نہیں تمہارے لیے کہا تھا۔میرے ساتھ کافی میں ساتھ تو دو۔''اس کے انکار پر اس نے ٹوکا تو انا نے خاموشی سے کپ تھام لیا۔اب یوں چلے جانا بد اخلاقی ہی تو تھی۔

''بیٹھو۔''وہ اس کے کہنے پر بستر کے کنارے پر ٹک گئی تھی۔

''کیا بات ہے کوئی پرابلم ہے؟ کچھ دیر پہلے تم یوں اکیلے لان میں کیوں بیٹھی ہوئی تھیں؟ جب کہ رات کے اس پہر جب سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔''

کچھ دیر بعد ولید کے الفاظ پر اس نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔انا کو قطعی اندازہ نہ تھا کہ اس سے کافی کی فرمائش کرنے کے پیچھے یہ محرک تھا ورنہ وہ کبھی ہامی نہ بھرتی۔وہ اتنی سی بات کا اتنی باریک بینی سے جائزہ لے گا۔

''بتایا تو تھا کہ اسٹڈی کے بعد چہل قدمی کو دل چاہ رہا تھا۔''اسے کچھ تو کہنا ہی تھا۔

''مگر تم تو گم سم اردگرد سے بے خبر بنچ پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ہوئی تھیں۔اس طرح بیٹھنے کو کوئی چہل قدمی کرنا نہیں کہتا۔''اب کے انا نے خاصی حیرت سے اپنے مقابل کھڑے وجود کو دیکھا۔وہ چلتا ہوا پھر کمپیوٹر چیئر پر جا بیٹھا تھا۔انا نے خاموشی سے باقی ماندہ کافی حلق میں اتاری۔

''کوئی پرابلم تھی۔میں ٹیرس پر کھڑے کافی دیر دیکھتا رہا تھا۔مجھے زیادہ تشویش ہوئی تو تمہارے پاس چلا آیا تھا۔ایک ہی اسٹائل اور انداز میں بیٹھے رہنا وہ بھی اس قدر افسردہ پورٹریٹ بنے ہوئے۔''

''آپ کو کس بات پر اعتراض ہے میرے وہاں بیٹھنے پر یا افسردہ حالات میں پورٹریٹ بننے پر۔''اس نے بات مذاق میں ٹالی تو ولید نے بغور دیکھا۔

''مجھے تو دونوں پر ہی اعتراض ہے خیر تم کوئی بات شیئر نہیں کرنا چاہتیں تو اور بات ہے۔''

’’نہیں یقین جانیے ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر مجھے کوئی پرابلم ہوتا تو سب سے پہلے ہی ڈسکس کرتی۔‘‘ اس نے مسکرا کر اس کو یقین دلانا چاہا تھا۔

’’تم مجھے ٹال رہی ہو تو ہم ٹل جاتے ہیں۔ یہ بتاؤ اسٹڈی کیسی جا رہی ہے تمہاری؟‘‘

وہ چند پل کو چپ چاپ رہ گئی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اسے ٹال رہی تھی مگر وہ اسے بتاتی تو کیا؟

کیوں دل تنہائی اور افسردگی کا تمنائی ہے؟ کیوں وہ صرف اپنی بات ایک ہی چیز ایک ہی نام کو زندگی کا محور بناتی چلی جا رہی ہے؟ اس نے افسردہ سی سانس خارج کی۔

’’بہت اچھی۔‘‘ وہ صرف یہی کہہ سکی۔ اس کا دل پھر سینے کے اندر شور مچانے لگا۔ نگاہیں ولید ضیاء کی چمکتی روشن ذہانت سے بھرپور نگاہوں کی طرف اٹھیں اور پھر تاب نظارہ نہ لاتے کشادہ گھنی پلکیں روشن ستارہ آنکھوں پر چلمن گرا گئی تھیں۔

’’بڑا مختصر جواب ہے حیرت ہے۔۔۔‘‘ ولید کو نجانے کیوں آج اس کی ذات میں اس قدر دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ مسلسل اس کو موضوع بنائے ہوئے تھا۔

’’مجھے چھوڑیں آپ بتائیں خوش ہیں پاکستان آ کر؟‘‘ اس نے موضوع بدلنا چاہا تھا۔

’’بالکل بہت زیادہ۔۔۔ میں صرف روشنی کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہونے تک وہاں رکا ہوا تھا۔ یہ مختلف کورسز جوبزنس کے حوالے سے کر رہا تھا محض بہانہ تھا ورنہ جس طرح تم لوگ دس سال پہلے اور بابا جان دو سال پہلے یہاں شفٹ ہو گئے تھے وہاں اکیلے رہنا بہت صبر آزما مرحلہ تھا۔ ہم نے ہر مقام ہر ایونٹ پر تم لوگوں کی بہت کمی محسوس کی تھی۔‘‘ انا نے پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھا وہاں گزرے لمحوں کے متعلق بڑا خوب صورت تاثر لیے ایک کیفیت تھی جسے وہ جان نہ سکی کہ افسردگی سے متعلق ہے یا وطن آ جانے کی خوشی سے متعلق۔

’’ہم نے بھی ہر موقع اور ایونٹ پر ماموں اور پھر آپ اور روشنی کی کمی محسوس کی تھی۔ بس اسٹڈی کی مصروفیات نے الجھائے رکھا ورنہ شروع شروع میں تو میرا یہاں آ کر دل ہی نہیں لگا تھا۔ اتنا عرصہ وہاں گزار کر آنا اور پھر مستقل یہاں سیٹل ہونا کچھ وقت لگا تھا اب کچھ سیٹل ہوئے ہیں۔‘‘

’’ہاں پھوپو تمہارے متعلق ایک ایک بات کی رپورٹ دیتی تھیں۔‘‘ ولید نے بھی مسکرا کر کہا تو نجانے کس خیال سے انا کے چہرے پر سرخی سی چھائی تھی۔

’’جب تم یہاں آئی تھیں دو پونیاں بنانے والی چھوٹی سی لڑکی تھیں اب تو ماشاء اللہ میڈیکل کے فورتھ ایئر میں ہو۔ تم نے پچھلے سالوں میں اپنی کوئی تصویر تک نہیں بھجوائی۔ یہاں آنے تک میرے ذہن میں تمہارا وہی دس سال پرانا سراپا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ تم اب بھی چھوٹی چھوٹی بات پر فوراً حساس ہوتے آنکھوں میں آنسو لیے پونیاں ہلاتی بابا کے پاس میری یا روشنی کی شکایت کے لیے آیا کرو گی جہاں اور بہت کچھ بدلا ہے وہاں تم بھی خاصی بدل گئی ہو خصوصاً میچور ہو گئی ہو۔‘‘

وہ ایک دفعہ پھر اپنی ذات موضوع سخن بنتے دیکھ کر جھینپ گئی تھی۔ دہکتے رخساروں کی لالی میں ایک دم اضافہ ہوا تھا۔ ولید نے بڑی دلچسپی سے اس کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا۔

’’کافی ٹائم ہو گیا ہے چلتی ہوں میں اب۔‘‘ اس سے پہلے کہ بات مزید بڑھتی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

’’کافی کے لیے شکریہ! تم واقعی بہت اچھی کافی بناتی ہو۔‘‘ اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے خالی مگ لیا تو اس کی تعریف پر مسکرا دی۔

اسے لگا وہ جو کچھ دیر پہلے اپنی ذات میں الجھی رہی تھی۔ گم سم نجانے کس چیز پر افسردہ ہو رہی تھی۔ ولید کی باتوں سے اس کی ساری فرسٹریشن ختم ہو گئی ہے۔ ذہن و دل پر جو ایک بوجھ تھا وہ اتر گیا ہے۔ ٹرے میں دونوں مگ رکھ کر وہ دروازہ کی طرف بڑھی تھی۔

’’اللہ حافظ اینڈ شب بخیر!‘‘ دروازہ کے پاس رک کر پلٹ کر دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر براجمان اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے کہنے پر مسکرا کر سر تسلیم خم کیا تھا۔

’’سیم ٹو یو!‘‘ اس کے انداز اور لبوں پر کھلتی مسکراہٹ پر انا کو اپنا دل دھڑکتا محسوس ہوا تھا۔

’’شکریہ۔۔۔!‘‘ وہ کہہ کر کمرے سے فوراً نکل آئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

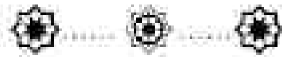


ٹوٹا ہوا تارہ "قسط نمبر 2"...... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

چوہدری حیات علی خواب میں ڈر کے چیخ رہے ہوتے ہیں کہ ان کا خاص ملازم بخشو ان کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیتا ہے اور ان کو پانی پلاتا ہے اتنے میں تابندہ بوا بھی آ جاتی ہیں اور باہر سے بخشو سے چوہدری حیات علی کا پوچھتی ہے جس پر ملازم ان کو بتاتا ہے کہ چوہدری صاحب خواب میں ڈر گئے ہیں۔ اناو تار خوب صورت غزل کی آواز سن کر برابر کے ٹیرس میں ولید کے کمرے کے سامنے آن کھڑی ہوتی ہے یہ سوچتے ہوئے کہ اس غزل کے اس گھر سب ہی دیوانے ہیں اناو تار کے کمرے میں ناک کر کے داخل ہو جاتی ہے اور ولید سے باتیں کر رہی ہوتی ہے کہ تبھی روشنی بھی کمرے میں آ جاتی ہے اور سب کے ساتھ چائے پینے کو کہتی ہے تو ولید انکار کر کے چلا جاتا ہے۔ شہوار یونیورسٹی سے کلاس لے کر جیسے ہی نکلتی ہے کہ اچانک سے ایاز اس کے سامنے آ کر راستہ روک لیتا ہے جس کو دیکھ کر شہوار پریشان ہو اٹھتی ہے اتنے میں لائبہ اس کی مدد کے لیے آ جاتی ہے اور شہوار کو لے کر ایک بیٹھ جاتی ہے اور اس سے ایاز کے بارے میں تفصیل جانتی اور پریشان ہو اٹھتی ہے۔ شہوار کو رات کے وقت چائے طلب ہوئی تو وہ کچن میں آتی ہے کہ عادلہ میں اچانک سے آ جاتی ہے اور اس سے اپنے لیے سینڈوچ بنانے کو کہتی ہے اسی دوران مہر النساء بیگم بھی کسی کام سے کچن میں آ تیں ہیں تو شہوار کو یہاں دیکھ کر اسے ڈانٹ رہی ہوتی ہیں کہ عادلہ ان سے بدتمیزی کرتی ہے جس پر مہر النساء بیگم کو بھی غصہ آ جاتا ہے۔ رات مصطفی اپنے کمرے میں آفس کا کام کر رہا ہوتا ہے کہ شاہ زیب صاحب کا بلاوا آ جاتا ہے جب وہ ان کے پاس آتا ہے تو وہ حویلی سے چوہدری صاحب کے فون کا بتا رہے ہوتے ہیں کہ میاں عادل کو کھینچتے ہوئے لاتے ہیں اور سب کے سامنے اس کی ساری بکواس رکھ دیتے ہیں۔ ولید انا کو پریشان دیکھ کر اپنے کمرے میں کافی کے ساتھ بلواتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے مگر انا کچھ بھی نہیں بتا پاتی اور ولید اس کو سمجھاتا ہے اور اپنا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔

اب آگے پڑھیے



"تم تیار ہو تو ہمیں ابھی گاؤں جانے کے لیے نکلنا ہے۔" وہ کالج سے لوٹی تو مہر النساء بیگم تیار اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اس نے سر ہلا کر اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

"مصطفی بھائی آ گئے ہیں؟" اس نے رک کر پوچھا۔ "ہاں آ گیا ہے کمرے میں تیار ہو رہا ہے۔" وہ مطمئن ہو کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

اپنے گھر ماں سے ملنے جانے کی بھی ایک عجیب سی خوشی تھی۔

تیاری تو وہ رات میں ہی کر چکی تھی۔ تابندہ امی کے لیے اس نے پچھلے دنوں دو سوٹ شالیں اور دیگر اشیاء لی تھیں۔ وہ بیگ ریڈی تھا اس نے فالتو الماری سے لباس نکال کر واش روم کا رخ کیا تھا۔ واش روم سے نکل کر وہ آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی کہ درخشندہ نے دستک دینے کے بعد کمرے میں جھانکا۔

"بیگم صاحبہ آپ کو بلا رہی ہیں۔" شہوار نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اپنے بکھرے گھنے بالوں کو کم از کم دو تین منٹ تو لگنے ہی تھے انہیں سلجھنے میں۔

"میں آتی ہوں تم یہ بیگ لے جا کر گاڑی میں رکھو۔" درخشندہ بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔ اس نے الٹے سیدھے ہاتھ بالوں میں چلائے اور فالتو بالوں کو فولڈ کر کے کلپ میں جکڑا۔ خاص اہتمام تو پہلے بھی نہیں کرتی تھی بس کاجل لگا کر اس نے عجلت میں براؤن چادر اپنے گرد لپیٹی اور سینڈل پہن کر جب وہ باہر آئی تو مہر النساء بیگم گاڑی میں بیٹھ چکی تھیں اور مصطفی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی۔ لائبہ داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑی تھیں۔ شاید الوداع کرنے آئی تھیں۔

"جلدی کرو۔" اسے آتے دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"انکل کہاں ہیں نظر نہیں آ رہے؟" لائبہ سے الوداعی گلے ملتے اس نے پوچھا۔

''انہیں کام تھا وہ چلے گئے تھے اور حادلہ کمرے میں ہیں۔''

''دونوں کو سلام کہیے گا۔'' اس سے ہاتھ ملاتے اس نے یاد دہانی کرائی تھی۔

''ضرور تم بھی نانا جان اور بوا جی کو سلام کہنا۔'' وہ سر ہلاتی متانت سے قدم اٹھاتی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

لائبہ کی نگاہوں میں اس کے دراز ساڑھے پانچ فٹ سے بھی نکلتے قد متناسب سڈول سراپا اور متانت و وقار سے چلتی شہوار کے لیے خاص ستائش تھی۔ اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا وقار اور ٹھہراؤ تھا۔ شاید اس وقار نے حادلہ کی نظروں میں ایک جلن حسد کی کیفیت پیدا کر دی تھی جسے کوئی بھی پڑھ سکتا تھا۔

شہوار نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولنا چاہا پر مہر النساء نے منع کر دیا۔

''تم آگے بیٹھ جاؤ اتنا لمبا سفر ہے مجھ سے بیٹھ کر ٹلتے نہیں ہو گا۔ میں لیٹوں گی تم آگے ہی بیٹھ جاؤ۔'' وہ سر ہلائے جھجکتے ہوئے ہاتھ ہٹا گئی تھی مصطفیٰ نے بھی ماں کی بات پر آگے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ ڈور کھول دیا۔ مصطفیٰ شاہ زیب علی کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنا اس کے لیے زندگی میں پہلا اتفاق تھا۔ وہ جھجکتی ہوئی چادر سنبھالتی بیٹھ گئی تھی۔

''حویلی فون کر دیا تھا ناں مصطفیٰ؟'' گاڑی جیسے ہی روڈ پر آئی مہر النساء بیگم کو اچانک خیال آیا۔

''کیوں آپ نے رات کو اطلاع نہیں دی تھی؟'' بڑے ریلیکس موڈ میں ڈرائیو کرتے مصطفیٰ نے بیک ویو مرر سے ماں کو دیکھا۔

''تمہارے بابا نے کال کر دی تھی تابندہ کو اطلاع دے دی تھی تابندہ کہہ رہی تھی صبح نکلتے ہوئے بھی کال کر دوں تاکہ وہ کھانا وغیرہ ریڈی رکھے۔'' شہوار خاموشی سے دونوں کو سن رہی تھی۔

''چلیں بوا جی کو اندازہ ہے ناہم آ رہے ہیں وہ تو رات سے ہی تیاری میں لگ گئی ہوں گی۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر پہلے مرر سے ماں اور پھر فرنٹ سیٹ پر خاموش بیٹھی شہوار کو دیکھا۔

''ہاں کچھ ایسی ہی کیفیت ہو گی وہ تو صبح ہی سے حویلی کا گیٹ دیکھنا شروع کر دے گی۔'' مہر النساء بیگم نے بھی مسکرا کر کہا تو ماں کی بے قراری یاد کر کے شہوار کے چہرے پر ایک فخر مان اور محبت کا احساس جاگا تھا جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ عظیم ہستی کائنات کا سب سے بڑا سچ اس کے اندر ماں سے ملنے کی طلب مزید گہری ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے برسوں بعد ملنے جا رہی ہو۔

''شہوار بیٹا کیا بات ہے طبیعت ٹھیک ہے نا...... بڑی خاموش بیٹھی ہو؟'' مہر النساء بیگم کو اس کی چپ محسوس ہوئی تو فوراً پوچھا۔

مصطفیٰ نے بھی اسے دیکھا ایک پل کو نگاہیں ملیں مگر وہ فوراً نگاہیں چرا کر چہرہ عقب میں کر کے مہر النساء بیگم کی طرف چہرہ موڑ گئی تھی۔

''جی بالکل ٹھیک بالکل اے ون فٹ فاٹ ہوں۔''

''مگر خاموش کیوں ہو؟'' انہیں فکر ہوئی۔

''میں پہلے کون سی بہت زیادہ باتونی ہوں۔'' مصطفیٰ نے اس کی مسکراہٹ محسوس کی تھی۔ صاف شفاف نکھری نکھری چاندی جیسی مسکراہٹ۔

''پہلے بھی تو بہت کم بولتی تھی۔'' وہی دھیما سلجھا انداز تھا۔ مصطفیٰ نے اسے کبھی غیر ضروری بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

''بولا کرو ہنسا کھیلا کرو یہی عمر تو ہوتی ہے لڑکیوں کی ہنسنے کھیلنے کی۔ تمہیں چپ چاپ دیکھتی ہوں تو میرے دل کو کوئی مٹھی میں لے لیتا ہے۔ خاموش مت رہا کرو۔ کوئی بات کرو اتنا لمبا سفر ہے چپ چاپ کیسے کٹے گا بھلا گھر میں تو سو کام ملازموں سے چیخ چیخ حادلہ کی ہی ٹینشن رہتی ہے اور اب بھی میں ہی بولے جا رہی ہوں مسلسل۔'' وہ گھبرا کر اپنی کیفیت بتا رہی تھیں شہوار ہنس دی۔ مصطفیٰ نے حیرت سے اسے یوں کھل کر ہنستے دیکھا۔

براؤن چادر میں دلکش چہرہ اپنے اندر بھرپور دلکشی رکھتا تھا۔

"آپ خوامخواہ پریشان نہ ہوا کریں پتا ہے نا کتنی جلدی آپ کا بی پی شوٹ کر جاتا ہے۔ میں آپ کی باتوں کو انجوائے کر رہی تھی۔ آپ باتیں کریں میں متوجہ ہوں ڈونٹ وری۔" مصطفیٰ نے اسے پہلی بار اتنا لمبا جملہ ادا کرتے سنا تھا۔

"لو میں بھلا کیا باتیں کروں؟ ہم بوڑھوں کو بھلا اتنی باتیں کہاں آتی ہیں۔ ہماری وہی سادہ سی گھریلو باتیں بہو کی چغلیاں ملازموں کے قصے دال مرچ کی کہانی میں تمہارے اور مصطفیٰ جتنی پڑھی لکھی ہوتی تو تمہیں بولنے کا ہی کیوں کہتی؟"

"آج آپ کا دل باتیں کرنے کو بڑا مچل رہا ہے خیر ہے اماں جی۔" مصطفیٰ نے ماں کی باتوں پر مسکرا کر انہیں چھیڑا تو وہ ہنس دیں۔

"او سنو شہوار! یہ ماں کو چھیڑ رہا ہے۔" انہوں نے بھی مذاق میں حصہ لیا۔

"کوئی بات نہیں آپ ان کو ہدف بنالیں۔" شہوار نے تسلی سے کہا۔

"محترمہ مجھے ہدف بنانا اتنا بھی آسان نہیں ہے۔"

"کیا بہت مشکل کام ہے؟" اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے اس نے براہ راست مصطفیٰ شاہ زیب علی کو دیکھا۔

"آزمائش شرط ہے۔" ماں کے مذاق کو وہ بھی انجوائے کر رہا تھا۔

"تم اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ اس کے لیے تو میں نے سب طے کر لیا ہے۔ بس چند دن رہ گئے ہیں اس کی بھی آزادی کے۔" مہر النساء بیگم نے دونوں کو کبھی ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے نہیں دیکھا تھا آج جو ایک ذرا سے جملے پر شہوار نے اسے چھیڑا تو انہیں بہت اچھا لگا۔

"مطلب کیا ہے والدہ محترمہ آپ کے اس جملے کا؟ ذرا وضاحت فرمانا پسند کریں گی۔"

"ہم شادی کر رہے ہیں مصطفیٰ کی۔" انہوں نے آرام سے بم چھوڑا تھا بلکہ شہوار کو بتایا۔ مصطفیٰ حیران ہوا۔

"ہائیں کیا مطلب؟" مصطفیٰ کا پاؤں ایک دم بریک پر جا پڑا تھا۔

گاڑی ایک دم بیچ سڑک پر رکی تھی گاڑی کے یوں رکنے پر ٹائر چرچرائے تھے۔ پیچھے والی گاڑیوں کے بھی بریک لگے۔ فضا اگلے پل ہارن کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ مصطفیٰ نے فوراً سنبھل کر گاڑی دوبارہ آگے بڑھائی۔

"مذاق کر رہی ہیں نا آپ؟" اس نے مڑ کر ماں کے مسکراتے جھلملاتے چہرے کو بغور دیکھا۔

"مذاق کیسا؟" "سیدھی سادی پلاننگ ہے ہماری۔ ماشاء اللہ سے اب تم سیٹ ہو چکے ہو تو شادی ہو جانی چاہیے اب تمہاری۔"

"خدا کو مانیں ماں جی۔ عباس بھائی اور عادلہ بھابی کا حال آپ کے سامنے ہے۔ ایک اور غلطی کرنے چل دیں آپ۔ آپ کو اچھی طرح واضح کر چکا ہوں کہ چار پانچ سال سے پہلے شادی نہیں کرنے والا میں۔" دوبارہ سبک خرامی سے گاڑی ڈرائیو کرتے اس نے ماں کو صاف انکار کیا تھا۔

"اب انتظار نہیں کرنے والی میں۔ تمہارے باپ سے سب بات کر لی ہے میں نے حویلی جا رہی ہوں بابا صاحب سے بھی صلاح مشورہ کر لوں گی۔ رہ گئی عادلہ والی مثال تو میں اب اس جیسی بہو نہیں لانے والی۔ غلطی ایک دفعہ ہوتی ہے بار بار نہیں۔ اگر غلطی ہی کرنا ہوتی تو کاشفہ اس کی بہن کے لیے ہامی بھر لیتے مگر مجھے صرف اپنے گھر کا ہی سکون درکار نہیں بلکہ اپنے بیٹے کی خوشیاں بھی عزیز ہیں۔ لڑکی ہر لحاظ سے تمہاری سوچ اور ڈیمانڈ کے مطابق ہوگی۔ بے فکر رہو۔"

"او جی ادھر سب طے کیے ہوئے ہیں۔ آپ کو میں اس طرح آزاد پھرتا اچھا نہیں لگتا ہوں؟" کچھ جھنجلا کر اس نے کہا تھا۔ شہوار کے لیے اس کا یہ انداز بالکل نیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر

مسکراہٹ در آئی تھی۔ اسی پل مصطفیٰ کی بھی نگاہ اس پر پڑی تو اسے مسکراتے دیکھ کر اور چڑا۔

''ماں جی میں پریکٹیکل اپروچ رکھنے والا انسان ہوں مجھے اس فیوڈل سسٹم سے بہت چڑ ہے کم عمری میں عائشہ صبا دونوں کی شادیاں کر دیں وہ بھی بھرے پرے گھروں میں۔ لا ئبہ بھابی بھی کم عمر ہیں لے کر اتنی بڑی ذمہ داریوں میں پھنسا دیا۔''

''تمہارے دونوں بھائیوں کی معقول عمر میں ہی شادیاں کی ہیں۔'' ''کاکے تو دونوں ہی نہیں تھے۔'' اس کے اس طرح چڑنے پر انہوں نے اس سے زیادہ چڑ کر جواب دیا تھا۔

''تو ان محترمہ کو ابھی تک کیوں بخشا ہوا ہے؟ میرا خیال ہے اکیسویں سن سے یہ محترمہ بھی تجاوز کر چکی ہوں گی۔'' مصطفیٰ کو شہوار کی مسلسل مسکراہٹ سے چڑ سی ہو رہی تھی۔ فوراً تو یوں کا رخ اس کی طرف کر دیا گیا تو شہوار ٹپٹا کر رہ گئی۔

''ہائے میں نے کیا کر دیا اب؟''

''اس کی عمر مت گنو اپنی عمر دیکھو اٹھائیس انتیس سے تو زیادہ ہی ہوگی۔''

مہر النساء کے یوں کہنے پر شہوار کو پھر ہنسی آ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے گھور کر دیکھا تو اس نے فوراً کھڑکی کی طرف منہ کیا۔

''کوئی حال نہیں ماں جی میری عمر گننے کے بجائے میرا آئی ڈی کارڈ لے کر چیک کر لیں۔ دوسرا میرا ابھی شادی وادی کے جھنجھٹ میں پڑنے کا قطعی ارادہ نہیں۔ اس لیے اس ٹاپک کو فی الحال بند کر دیں۔'' اس نے کچھ الجھ کر اور کچھ جھنجھلا کر انکار کیا۔

''دیکھ رہی ہو شہوار ساری عمر باہر گزار آیا ہے۔ اب شادی کی خوشی دیکھنا چاہتی ہوں تو کیسے منہ پھاڑ کے انکار کر دیا ہے۔'' وہ کچھ سنجیدہ سی ہو گئی تھیں۔

مصطفیٰ ساری زندگی ان سے دور رہا تھا سو ان کے دل میں اس کے لیے بڑی گنجائش تھی۔ باقی اولاد کی نسبت اس کا خیال زیادہ کرتی تھیں۔ اس کے لاڈ اٹھاتی تھیں نخرے سہتی تھیں۔

''ہو سکتا ہے مصطفیٰ بھائی نے کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہو کیوں مصطفیٰ بھائی۔'' مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

''اب تم ان کے دماغ میں ایک نئی بات ڈال دو یہ جو عرصہ بعد کچھ کرنے کا سوچ بیٹھی ہیں فوراً عمل کر دکھائیں گی۔ ماں جی ایسی کوئی بات نہیں اتنا عرصہ باہر رہ کر آیا ہوں۔ اگر خود سے ہی پسند کر لینے کا مسئلہ ہوتا تو وہیں سے ساتھ لے کر آتا، میں بس کچھ عرصہ بغیر کسی ذمہ داری کے لائف انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ جاب کی اپنی بہت سی ذمہ داریاں ہیں میں فی الحال کوئی نئی ذمہ داری افورڈ نہیں کر سکتا۔''

''ماشاء اللہ اپنی زمین جائیداد کے مالک لوگ ہیں چھوٹے موٹے نہیں ہیں ہم ساری عمر بیٹھ کر زمینوں کی آمدنی کھائیں تو کم ہے پھر بھی تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے ہم۔ تمہاری تنخواہ سے تمہارا اپنا خرچ ہی شاید پورا ہو فی الحال میرا ارادہ نکاح یا منگنی کرنے کا ہے۔ رخصتی جب تم کہو گے تبھی کریں گے۔'' مصطفیٰ نے فی الحال خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا شہوار کے سامنے اچھی خاصی بحث ہو چکی تھی۔

''لڑکی ڈھونڈنے میں بھی کچھ وقت تو لگے گا ہی مصطفیٰ بھائی بے فکر رہیں۔ اتنی جلدی شادی کا پروسس انجام نہیں دیا جائے گا۔'' اس کے اس طرح خاموش ہونے پر شہوار نے لب کشائی کی تو اس نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی۔

''لو لڑکی کیوں ڈھونڈوں گی میں بھلا خاندان بھرا پڑا ہے لڑکیوں سے میں جس لڑکی کا بھی نام لوں گی سب خوش ہو کر ہامی بھریں گے۔'' مصطفیٰ نے ایک جتاتی نظر شہوار پر ڈالی تو وہ جھینپ گئی۔

''لڑکی تو ویسے بھی میں نے دیکھ رکھی ہے۔ بس بابا صاحب سے مشورے کے بعد رشتہ ڈالوں گی۔ میرا مصطفیٰ لاکھوں میں ایک ہے۔ خوشی خوشی اقرار ہوگا۔ میرے گھر کی آخری

چھوٹی خوشی ہے تو جو بھی کروں کم ہے۔" شہوار کو پھر ہنسی آ رہی تھی۔ بیا راضی نہیں تھا آنٹی سب طے کیے بیٹھی تھیں۔ مصطفیٰ کی گھوریوں کا احساس تھا ورنہ دل کھول کر ہنستی۔

"کون ہے وہ لڑکی بھلا؟ میں بھی تو پتا چلے؟" مصطفیٰ کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے اس کی خاموشی کو نوٹ کرتے اس نے مہر النساء بیگم سے پوچھا تھا۔ وہ مصطفیٰ کی خاموشی اور شہوار کے اشتیاق کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

"چل جائے گا پتا جب رشتہ کروں گی تو مصطفیٰ سے مشورہ کر کے ہی کروں گی۔ مجھے یقین ہے مصطفیٰ کو بھی لڑکی پسند آئے گی۔"

"خاندان میں سے ہے؟" شہوار کا اشتیاق کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" وہ بھی سسپنس پیدا کر رہی تھیں۔ وہ الجھی۔

"نیر انکل، حسن انکل یا دونوں پھوپھوں کی بیٹیوں میں سے ہے یا پھر دور کی رشتہ داری ہے۔"

"تم اندازہ لگاؤ؟" انہوں نے مسکرا کر کہا تو وہ الجھ گئی۔

آگے پیچھے سب جاننے والی تمام لڑکیوں کے نام ذہن سے یاد کر ڈالے مگر کچھ سمجھ نہ آئی۔

"لڑکی پیاری ہے؟" سوچتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"ہاں بہت زیادہ یوں کہو چندے مہتاب ہے۔" مصطفیٰ بالکل لاتعلق تھا۔

"زبردست۔ اسد لگتا ہے مصطفیٰ بھائی کے ساتھ چلتے ہوئے سوٹ تو کرے گی نا؟" اس کا تجسس کئی گنا بڑھ چکا تھا۔

"قد تو ماشاء اللہ بہت اچھا ہے سوٹ کیوں نہیں کرے گی میں اسے دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ جیسے وہ بنی ہی میرے مصطفیٰ کے لیے ہے۔" ان کے انداز میں اپنی متوقع بہو کے لیے بڑی محبت تھی۔ شہوار بڑی امپریس ہوئی تھی۔

"ایجوکیٹڈ ہے؟"

"تو اور کیا اپنے مصطفیٰ کے لیے اس کے لیول کی لڑکی تو ضروری ہے نا۔"

"اچھا یہ بتائیں بال کیسے ہیں اس کے لونگ ہیں یا بس سو سو۔" اس کی آنکھوں میں لائبہ بھابی کی چھوٹی بہن شافعہ کا عکس ابھر یا جو ان کو الیٹز پر پورا اتر رہی تھی۔ بس بال چھوٹے تھے۔

"ماشاء اللہ بال تو بہت پیارے لمبے اور گھنے ہیں چار فٹ تو ہوں گے۔" شہوار کا ہاتھ بے اختیار اپنے سر پر جا پڑا۔ مصطفیٰ نے اس کی حرکت کو فوراً نوٹ کیا تو وہ جھینپ کر ہاتھ گرا گئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اتنی خوش قسمت نہیں سمجھتی تھی اس کی آنکھوں میں نواز انکل کی دربہ سائی جس کے بال بہت لمبے اور گھنے تھے۔

"اچھا یہ بتائیں کہ وہ پاکستان میں رہ رہی ہیں کہ آؤٹ آف کنٹری۔" یہ اس کے "اندازوں" کی زنبیل کا آخری سوال تھا۔ مصطفیٰ نے چڑ کر اسے دیکھا۔

"تمہیں اتنی دلچسپی کس لیے ہے؟ تم نے رپورٹ لکھنی ہے کیا؟" خاصا ناراضی لیے ڈانٹنے والا انداز تھا۔ وہ اپنی جگہ چپ چاپ سی رہ گئی۔

"ہائے ہائے بچی کو کیوں ڈانٹ رہے ہو۔ ماشاء اللہ اندازے تو اس نے سارے ہی ٹھیک ٹھاک لگائے ہیں۔ چلو مصطفیٰ تم بتاؤ کون ہو سکتی ہے وہ لڑکی؟"

"سوری مجھے پزل کھیلنے کا کوئی شوق نہیں اور آپ کو لینا نہیں ہے۔ آپ شاید بھول رہی ہیں کہ آپ نے ان محترمہ کو اس لیے آگے بھیجا تھا کہ آپ اتنا لمبا سفر لیٹ کر کریں گی نہ کہ باتیں کر کر کے۔"

وہ اچھا خاصا چڑ چکا تھا۔ شہوار تو ایک طرف مہر النساء بیگم تک ہنس دی تھیں۔

"چلو تم پر تسلی کھا لیتی ہوں میں لیٹ جاتی ہوں میں تو ویسے بھی اب بیٹھ بیٹھ کر میں تھک گئی ہوں۔" انہوں نے سیٹ پر پڑا لنچ باکس اٹھا کر پیچھے سے کشن اٹھا کر سیٹ پر رکھا تھا۔
"شہوار تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا ہو گا سیدھا کالج سے آتے ہی گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔ اس لیے کھانا اور شاپر میں بھی چیزیں ہیں کھا لو بھوک لگی ہو گی۔"
انہوں نے شاپر اور لنچ باکس اگلی سیٹ پر بیٹھی شہوار کو تھما دیے تھے اور خود کشن سیٹ کر کے دراز ہو گئی تھیں۔
شہوار کو بھوک تو واقعی محسوس ہو رہی تھی اس نے شاپر دیکھا اس میں چپس نمکو کوک بسکٹ وغیرہ کے لوازمات تھے۔ اس نے لنچ باکس جھولی میں رکھ کر کھولا سب سے اوپر والے ٹفن میں چکن سینڈوچ اور کباب تھے۔
"سینڈوچ لیں گے آپ؟" اس نے کھانے سے پہلے ٹفن مصطفیٰ کی طرف بڑھایا تھا۔
"تھینکس۔" مصطفیٰ نے ایک سینڈوچ اٹھا لیا تھا۔
"کباب بھی ہیں۔"
"نو تھینکس تم نے لنچ نہیں کیا تھا تم کھاؤ یہ بھابی نے تمہارے لیے ہی پیک کر کے دیا ہے۔ میں نے تو گھر آ کر ڈٹ کر لنچ کیا تھا۔ بھابی کہہ رہی تھیں کہ ایک ٹفن میں بریانی بھی ہے۔ شاپر میں انہوں نے کوک کی بوتل رکھی ہوئی ہے وہ بھی نکال لو۔" وہ شاید سارا کچھ چیک کر چکا تھا یا بھابی نے اس کے سامنے پیک کر دیا تھا۔ وہ سر ہلاتی ایک سینڈوچ اٹھا کر بڑی رغبت سے کھانے لگی۔ یہ طویل سفر تھا مہر النسا بیگم تو پیچھے دراز ہو گئی تھیں اور سفر کے دوران اسے کبھی نیند نہیں آتی تھی اب سارا سفر مصطفیٰ کے ساتھ اسی طرح بیٹھ کر گزارنا تھا۔



شہوار کے آنے کی خبر تو رات میں ہی مل گئی تھی مہ ذات سے خاصی پر جوش تھیں۔ حویلی کی صفائی، کچن میں کھانوں کی تیاری تک وہ ہر چیز اپنی نگرانی میں کروا رہی تھیں۔
دو بجے کے قریب انہوں نے کال کی تو لائبہ نے بتایا کہ وہ لوگ حویلی کے لیے گھر سے نکل چکے ہیں۔ لائبہ نے ہی بتایا تھا کہ مصطفیٰ کے ہمراہ مہر النسا، اور شہوار آ رہی ہیں۔
ڈیڑھ گھنٹہ گزرا تو بابا صاحب کو بھی ان کی آمد کے انتظار سے اکتاہٹ ہونے لگی۔
"تابندہ بچے ابھی تک نہیں پہنچے ہیں۔"
"تھوڑی دیر میں آ جاتے ہیں۔"
"اب تو عصر کا وقت بھی آ پہنچا ہے تم کال کر کے پتا کرو میں نماز پڑھ لیتا ہوں۔" ہال سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تو تابندہ بوا نے نمبر ملائے اب کی بار وہ مصطفیٰ شاہ زیب علی کے نمبر پر کال کر رہی تھیں۔
"السلام علیکم!" مصطفیٰ کی آواز سنی تو مسکرا دیں۔
"وعلیکم السلام جیتے رہو۔"
"کب تک پہنچ رہے ہو تم لوگ؟"
"ہم بس آدھے گھنٹے میں پہنچ رہے ہیں۔ آپ سنائیں خیریت ہے نا؟"
"اللہ کا بڑا شکر ہے کرم ہے۔"
"بابا صاحب کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں نماز پڑھ رہے ہیں کہہ رہے تھے کہ پتا کروں کہ کہاں ہیں بچے کب تک پہنچ رہے ہیں؟"

"شہوار سے بات کرواؤں؟" وہ پوچھ رہا تھا وہ مسکرا دیں۔

"رہنے دو آ تو رہی ہے نا! لوں گی باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔ ویسے وہ خیریت سے ہے نا؟"

"جی بالکل جیسے آپ کی مرضی اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" وہ کال بند کرتے ہوئے کچن کی طرف چلی آئیں۔ ہر چیز تیار تھی۔

"عظمت! میں اپنے کمرے میں نماز پڑھنے جارہی ہوں تم تاج کو کہہ دینا کہ دھیان رکھے مہمان آئیں تو مجھے اطلاع کر دے۔"

"جی۔" عظمت کو ہدایت دے کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔ وضو کر کے نماز ادا کرنے کے بعد انہوں نے تسبیح پکڑ لی تھی۔ یونہی تسبیح کرتے ان کا ذہن بھٹکا تھا۔ انہوں نے فوراً اٹھ کر الماری کا جائزہ لیا الماری میں تصاویر کا البم اور دیگر کچھ کاغذات نچلے خانے میں پڑے ہوئے تھے انہوں نے رات یونہی کچھ نکالنے کو باہر نکالے تھے۔ مگر واپس رکھنا یاد نہ رہا تھا۔ انہوں نے کاغذات لاکر میں منتقل کیے تصاویر والا البم لے کر وہ بستر پر آ بیٹھی تھیں۔ اس البم میں گزرے لمحوں کی بہت سی یادیں تھیں۔ ان کا دل بھر آیا۔ ایک تصویر کو دیکھ کر ان کے ہونٹ بے اختیار تصویر پر جھک گئے تھے۔

تصویر میں ایک مرد اور عورت تھے دونوں نے ہی بچوں کو اٹھایا ہوا تھا مرد کے بازو میں بچہ تھا۔ تین چار سالہ خوب صورت صحت مند بچہ جبکہ عورت کے بازو میں ایک ڈیڑھ سال کی بچی تھی۔

"آہ! کیسے قیمتی موتی تھے۔ نجانے کہاں حالات کے سرد وگرم سہہ رہے ہوں گے۔ وہ امانت میں خیانت تو نہیں کرنے والا محبت کو آزما لینے کا دعویدار تھا۔ سائندرا دیکھو میں کسی کی بھی حفاظت نہ کر سکی۔" بے ربط جملے بے ربط انداز لرزتے ہونٹ اور شدت سے بہتے آنسو شبانے کس دکھ کا اظہار تھا یہ۔ ایک دم باہر گاڑی کا شور بلند ہوا تو انہیں احساس ہوا کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ شاید ماہ وسال بیتے تھے۔

اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے خود کو بحال کرتے انہوں نے اٹھ کر وہ تصاویر والا البم بھی لاکر میں رکھ کر چابی سب سے نچلے دراز کی تہہ میں رکھ دی تھی۔ باتھ روم میں جا کر چہرے پر موجود شکستگی کے تمام آثار مٹا کر اپنے مخصوص انداز کو برقرار رکھتے وہ باہر نکل آئی تھیں۔

"مہمان ہال میں ہیں۔" تاج نے اشارہ کیا تو وہ ادھر بڑھ آئیں۔

"السلام علیکم!" یہ لوگ ابھی ہال میں داخل ہی ہوئے تھے بابا صاحب ساتھ ہی تھے۔

"وعلیکم السلام!" مہر النساء بیگم نے بڑی محبت سے تابندہ کو ساتھ لگایا۔

"ٹھیک ہو نا؟" انہوں نے خود سے علیحدہ کر کے بغور اس کا چہرہ دیکھا گیری جھیل سی آنکھوں کی سرخی برقرار تھی۔ تابندہ بوا نے سر ہلا دیا تھا۔

یہ شکستہ عمارت بتاتی تھی کہ کبھی یہ بڑی شاندار تھی۔ اتنی شاندار جو دیکھے وہ نظر ہٹانے کو نہ مانے مگر یہ عمارت اندر ہی اندر دیمک کی طرح کھائی جا چکی تھی۔ اب صرف خالی عمارت تھی اور کچھ بھی نہیں۔

تابندہ بوا کی جوانی کا وہ دلکش پرسوز روپ تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ جوانی حویلی کی چار دیواری میں رل گئی تھی۔

ان کے دل سے اک ہوک اٹھی تھی۔

"السلام علیکم امی۔" مہر النساء کے بیٹے ہی شہوار بڑی بے تابی سے ماں سے لپٹ گئی۔ کتنے دنوں بعد مل رہی تھی آنکھیں بھیگ گئیں تو آنسو رخساروں پر رستہ بناتے چلے گئے۔

"وعلیکم السلام!" انہیں محسوس ہو گیا تھا کہ وہ سسک رہی ہے۔ انہوں نے بھرپور انداز میں اس کا نازک سراپا اپنے بازوؤں میں سمو لیا۔ یوں جیسے کوئی کانچ کو بڑی حفاظت سے تھام لیتا ہے۔

"تو ہو نہ بری بات شہوار ماں کو پریشان نہ کرو چلو ادھر آؤ" مہر النساء کی اس کے چہرے پر نگاہ پڑی تو فوراً ٹوکتے اسے ماں سے علیحدہ کر کے اپنے بازو کے حصار میں لیے صوفے پر جا بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟" مصطفیٰ نے بڑے ادب سے سلام کے بعد حال دریافت کیا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو" اس کے کندھے پر ہاتھ پھیر کر بغور اسے دیکھا۔ مصطفیٰ پر نگاہ پڑتے ہی ان کے دل کا عالم خوشی سے جگمگا اٹھا۔

نقصان بہت ہوا تھا ماضی میں مگر اب سود کے ساتھ وصول لینے کا وقت تھا۔

تمام لڑکوں سے ہٹ کر سلجھا اور سنجیدہ مزاج یہ لڑکا بے پناہ خوبرو جوان تھا۔ انہیں خاندان بھر میں مصطفیٰ کے مقابل کوئی اور نظر نہیں آیا تھا۔

"سفر کیسا گزرا۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟" صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے بیٹی کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے بھائی اور مصطفیٰ پر نگاہ ڈالی۔

"میں تو تھوڑی دیر بعد ہی سو گئی تھی یہ تو شہوار نے ہی تھوڑی دیر پہلے اٹھایا کہ سفر تمام ہونے والا ہے۔"

"اور مصطفیٰ بیٹا آپ کی جاب کیسی جا رہی ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے بوا جی بہت اچھی۔" شہمی عظمت چلی آئی۔

"چائے لے آؤں؟" اس نے پوچھا۔

"میں فریش ہونا چاہتا ہوں پہلے۔" مصطفیٰ فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ڈرائیونگ کے دوران وہ تھک گیا تھا بے شک گاڑی زبردست تھی مگر سفر پھر سفر ہوتا ہے۔

"اچھا بھائی اور شہوار آپ دونوں بھی فریش ہو لیں پھر چائے لگواتی ہوں۔"

فریش ہونے کے بعد چائے پی گئی۔ مغرب ہو چکی تھی نماز کے کچھ دیر بعد تابندہ بوا نے کھانا لگوا دیا تھا کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا اور پھر بابا صاحب تابندہ بوا اور مہر النساء بیگم کے درمیان ایک طویل گفتگو کی نشست جمی تھی۔ مصطفیٰ پاس ہی تھا گاہے بگاہے ٹی وی دیکھتے وہ بھی گفتگو میں حصہ لے رہا تھا۔ جبکہ شہوار کچھ دیر پاس بیٹھنے کے بعد جانے کہاں گم ہو گئی تھیں۔

ٹی وی کی طرف سے اکتا کر وہ باہر نکل آیا تھا۔ گاؤں میں بڑی جلدی رات ہو جاتی ہے۔ ابھی نو ہی بجے تھے مگر لگ رہا تھا کہ جیسے آدھی رات بیت گئی ہے۔ گھر اور فیملی سے دور رہنے کی وجہ سے وہ بہت کم گاؤں کے ماحول میں رہ پایا تھا۔ اسی لیے یہاں آ کر وہ اکثر بور ہو جاتا تھا۔ وہ برآمدہ عبور کر کے صحن میں آ نکلا۔

رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح
رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

انہی لفظوں کی تکرار

مصطفیٰ کے قدم بھٹک گئے تھے۔ وہ ایک دم اپنے قدموں پر گھوما تھا آواز عقب سے یعنی باغ کی جانب سے آ رہی تھی۔ کوئی بڑے ردھم اور لے میں گا رہا تھا۔

رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح
چاند نکلا ہے تجھے ڈھونڈنے پاگل کی طرح

رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

گانے والی کی آواز میں بڑا سوز اور زیرو بم تھا۔ مصطفیٰ کو اس سناٹے میں گونجتی یہ آواز بڑی دلنشیں لگی۔ وہ باغ کی طرف بڑھ آیا۔ اطراف میں اندھیرا تھا۔ صحن میں ایک بلب روشن تھا باقی لائٹس آف تھیں۔ وہ جو کوئی بھی تھی فوارے کی دیوار پر بیٹھی ارد گرد سے بے خبر گا رہی تھی۔ سر گھٹنوں میں تھا اور لمبے دراز بال پشت پر پھیلے زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔

خشک پتوں کی طرح لوگ اڑے جاتے ہیں
شہر بھی اب تو نظر آتے ہیں جنگل کی طرح
رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

وہ آنکھیں بند کیے دنیا و مافیہا سے بے خبر صرف اپنی ذات میں مگن گا رہی تھی۔ مصطفیٰ اس کے عقب میں دونوں بازو سینے پر باندھے کھڑا ہو گیا تھا۔

پھر خیالوں میں تیرے قرب کی خوشبو جاگی
پھر برسنے لگیں آنکھیں میری بادل کی طرح
رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

مصطفیٰ کو حیرت ہوئی کہ یہ لڑکی اس قدر اچھی آواز اور ذوق کی مالک ہے۔

گاڑی میں اس نے اس کا بڑا مختلف روپ دیکھا تھا مگر اس وقت تو وہ کسی اور ہی روپ میں نظر آ رہی تھی۔

بے وفاؤں سے وفا کرتے گزری ہے حیات
میں برستا رہا ویرانوں میں بادل کی طرح
رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح

آخر میں اس کی آواز بالکل مدھم ہوتے ختم ہو گئی تھی۔ فضا میں آخری مصرعے کی بازگشت ٹھہر گئی تھی۔

"زبردست بہت اچھے۔" مصطفیٰ نے بے اختیار سراہا تھا۔ وہ جو کتنے عرصے بعد حویلی آ کر بے تاب سی ہو گئی تھی ایک دم اپنے عقب سے آتی آواز سن کر گھبرا کر اٹھی تھی۔

"آپ؟" اسے ایک دم شرمندگی نے آ گھیرا۔ نجانے یہ کہاں سے نکل آیا ہے۔ وہ کون سی بڑی گلوکارہ تھی نجانے کیا سوچتا ہو گا۔

"بہت اچھی آواز ہے تمہاری۔" وہ جو ہمیشہ اسے ایک ڈھکے چھپے روپ میں دکھائی دی تھی اس وقت اس کے گلے میں دوپٹا تھا بالوں کا آبشار گھٹنوں سے نیچے تک جا رہا تھا۔ مصطفیٰ کو آج تک اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ اس لڑکی کے بال اس قدر لمبے گھنے اور پیارے ہیں۔

چاند کی روشنی میں اس کے وجود سے عجب تابناکیاں سی پھوٹی پڑ رہی تھیں۔ اس نے مصطفیٰ کے انداز پر گھبرا کر فوراً دوپٹا سر پر جمایا تھا مگر چادر اور دوپٹے کا فرق اسے پہلی بار واضح محسوس ہوا چادر اس کے سارے وجود کو چھپا لیتی تھی۔ جس سے بال چھپ جاتے تھے جبکہ دوپٹا اس کے صرف سر کو ہی چھپا سکا تھا۔ اسے جی بھر کر کوفت ہوئی کہ کیوں بال کھول کر وہ ادھر آ نکلی تھی کم از کم ہیئر بینڈ ہی ڈال لیتی۔

"ادھر اکیلی کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟" اس نے اس کے پاؤں کو دیکھا جو وہ قریب پڑی سینڈل میں چھپا رہی تھی۔

"یونہی ادھر آ نکلی تو ادھر بیٹھ گئی۔" مصطفیٰ اس سے کچھ فاصلے پر فوارے کی دیوار پر ہی بیٹھ گیا تھا۔

"تم تو خیر ادھر ہی پلی بڑھی ہو مگر میں ادھر آ کر بہت بور ہو رہا ہوں۔ بہت کم آنا جانا رہا ہے اس لیے شاید بوریت کا احساس ہو رہا ہے۔" وہ پزل سی اسی طرح کھڑی رہی۔ اس

کے ساتھ گفتگو کا بہت کم اتفاق رہا تھا۔ آج بھی گاڑی میں جب تک آنٹی لیٹی تھیں باتیں ہوتی تھیں اس کے بعد تو ایک دو جملوں کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی تھی اور اب۔

وہ انگلیاں چٹخاتی اس طرح کھڑی تھی کہ جیسے ابھی بھاگ جائے گی۔ مصطفیٰ نے نوٹ کیا تو اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔ وہ شاید اس کی تنہائی میں مخل ہوا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا۔

"بیٹھو۔" اس نے کہا تو وہ جھجکتے ہوئے قدرے فاصلے پر دیوار پر ٹک گئی۔

فوارہ بند تھا مصطفیٰ نے اس کے ٹھہرے پانی میں ہاتھ ڈالا تو سرد پانی نے ایک عجیب سا احساس بخشا۔

خنک آمیز تنہائی لیے بڑا دل فریب سا احساس۔

"امی بابا اور آنٹی ہال ہی میں ہیں؟" کچھ بے نام سی خاموشی سے گھبرا کر اس نے پوچھا تو مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

"ہوں ادھر ہی ہیں۔ وہی گھریلو ٹیپیکل خاندانی باتیں عادلہ بھابی کا قصہ۔ بابا صاحب کو سنایا جا رہا تھا۔" عادلہ کے ذکر پر اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے گہرے ہوئے۔

"کیا واقعی انکل عادلہ بھابی کی خواہش پر انہیں علیحدہ کر دیں گے۔"

"حرج تو کوئی نہیں گھریلو سکون اور امن کے لیے یہ اقدام برا نہیں۔"

"مگر عادلہ بھابی کا رویہ تو غلط ہے نا۔" وہ ایک دکھ سے گویا ہوئی مصطفیٰ نے بغور اسے دیکھا۔ چہرے کی لونگ کی چمک نمایاں تھی۔ اس سے پہلے اسے اس لڑکی کو بغور دیکھنے بات کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ آج کا سارا وقت جو اس کے ہمراہ گزرا تھا اس سارے وقت میں شہوار کی ذات کی بہت سی خوب صورتیاں اس پر آشکار ہو رہی تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ عادلہ بھابی کی وجہ سے پریشان ہے۔

"مگر میں نہیں چاہتی کہ وہ علیحدہ ہوں۔ عباس بھائی انہیں اتنی محبت و خواہش سے بیاہ کر لائے تھے اب ان کا رویہ؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کس طرح ان کی غلط فہمیاں دور کروں۔" وہ خود سے الجھ کر تھک چکی تھی وہ کسی سے بھی دل کی بات نہیں کہہ سکتی تھی۔ نجانے کیسے مصطفیٰ کے سامنے اس کے ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلے تھے۔ مصطفیٰ اس کے اس انداز پر بری طرح چونکا تھا۔

"کیسی غلط فہمیاں؟" اس نے گھریلو امور میں کبھی دلچسپی نہیں لی تھی مگر عادلہ والا واقعہ اس کے سامنے ہوا تھا تو اس کا متجسس ہونا لازمی تھا۔

شہوار شش و پنج میں پڑ گئی کہ وہ اس سے کچھ کہے یا نہیں۔

اس کے دل پر اس قدر بوجھ بڑھ چکا تھا کہ دل چاہتا تھا کہ کہیں بیٹھ کر کسی کے سامنے دل کھول کر اپنا غبار نکال لے۔ تا بندہ کو وہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اور کسی اور سے کرتی بھی تو کیا اور کیسے؟

"کوئی سیریس بات ہے شہوار؟" اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر وہ چونکی۔ "میرا خیال ہے کہ تم عادلہ بھابی والے واقعے کو لے کر خاصی پریشان ہو کیا بات ہے اگر بتانا پسند کرو تو بتا سکتی ہو۔" اس کے اس انداز پر مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ بات کچھ ضرور ہے اور سیریس بھی ورنہ وہ اتنی پریشان یا فکر مند دکھائی نہ دیتی۔

"آپ آپ کسی سے ذکر تو نہیں کریں گے؟" بتائے کہ نہ بتائے کے درمیان الجھتے اس نے لب کشائی کرتے ہوئے بھی خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ مصطفیٰ کو اندازہ ہو گیا کہ بات واقعی کچھ سیریس ہے۔

"تم کہو میں سن رہا ہوں۔" وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔ ہونٹ کچلتے اس نے مصطفیٰ کو دیکھا وہ بڑے سنجیدہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"اگر عادلہ بھابی یہ علیحدہ گھر والی بات نہ بھی کرتیں تو بھی میں سوچ رہی تھی کہ آپ سے ضرور ڈسکس کروں گی۔ دراصل مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ اس مسئلے کو کیسے حل کروں۔ کیسے

آپ کو بتاؤں۔" وہ دوبارہ بیٹھ گیا تھا۔
"عادلہ بھابی جب سے اس گھر میں بیاہ کر آئی ہیں انہوں نے نجانے کیوں مجھ سے بیر باندھا ہوا ہے۔ شروع شروع میں تو میں الجھتی رہی مگر اب آ کر ان کے رویوں کی سمجھ آ رہی ہے۔" اس نے آغاز کیا تو وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھنے گیا۔ اس کی نگاہیں اپنے ہاتھوں پر تھیں۔ چہرہ جھکا ہوا تھا۔
"بابا صاحب اور باقی لوگوں کا خیال میری ذات عباس بھائی کے ساتھ انگیج کرنے کا تھا۔" اس نے بہت دھیمے لہجے میں انکشاف کیا تھا۔ مصطفیٰ نے خاصا حیران ہو کر اسے دیکھا۔ اس کے علم میں یہ بات نہیں تھی۔
"مگر عباس بھائی کو عادلہ بھابی پسند آ گئیں اور یہ بات یہیں ختم ہو گئی۔ شادی کے بعد شروع شروع میں عادلہ بھابی کو میری اور امی کی ذات سے ویسے ہی دلچسپی رہی جیسی باقی لوگوں کو ہے پھر آہستہ آہستہ ان کی یہ دلچسپی ناگواری اور نفرت میں بدل گئی۔" وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔
"نجانے انہیں کیسے علم ہو گیا تھا کہ کبھی بزرگ عباس بھائی کے لیے میرا نام لے چکے ہیں۔" وہ بتا کر چپ سی ہو گئی تھی۔
"پھر.....!" اس کے لیے اس سارے معاملے میں دلچسپی خاصی بڑھ چکی تھی۔
"ایک گھر میں ہی رہتے ہوئے میں نے بڑی کوشش کی کہ خود کو محدود کر لوں' عباس بھائی یا آپ کا سامنا نہ ہو مگر ایک گھر میں ہی رہتے ہوئے میں کہاں تک کامیاب ہو سکتی تھی۔ خدا کی قسم میں تنگ آ گئی ہوں ان کی زبان سے نکلنے والے رکیک الزامات اور جملے سن سن کر.....!" وہ کہتے کہتے ایک دم رو دی تھی اور مصطفیٰ وہ جہاں تھا وہیں ساکت رہ گیا تھا۔ اسے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتے دیکھتا رہا۔
"میری ایجوکیشن کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں کبھی حویلی سے باہر قدم نہ نکالتی۔ میں نے کئی بار انکل سے کہا کہ مجھے ہاسٹل شفٹ کر دیں مگر امی نہیں مانتیں۔ میں کسی کو اصل بات نہیں بتا سکتی۔" کافی دیر رونے کے بعد اس نے مزید کہا۔
"وہ مائی گاڈ واٹ اے نان سینس۔"
"مجھے تفصیل سے بتاؤ۔" اس نے کہا۔
"عباس بھائی خود بہت پریشان ہیں مجھے نہیں پتا باقی لوگ ان کی نفرت کی اصل وجہ جانتے ہیں یا نہیں مگر میں نہیں چاہتی کہ امی تک یہ بات پہنچے۔" دوپٹے سے ناک رگڑتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے جیب سے رومال نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔
"شکریہ۔" رومال لے کر اس نے چہرہ صاف کیا۔
"اب کیا نئی بات ہوئی ہے؟" بڑے تحمل سے وہ پوچھ رہا تھا۔ وہ کافی دیر چپ ہی رہی تو اسے ٹوکنا پڑا۔
"انہوں نے اپنی سسٹر کا پرپوزل آپ کے لیے دیا تھا۔" اس نے نئی بات بتائی۔
"تو پھر۔" اسے کچھ سمجھ نہ آئی تھی۔ اس مسئلے کا اس سے کیا تعلق؟
"تو پھر یہ کہ آپ نے انکار کر دیا تھا اور وہ سمجھتی ہیں کہ اس کے پیچھے بھی میری ذات ہے۔" اس نے آخر کہہ ہی دیا تھا۔ جھکے سر سے وہ اپنے ہونٹ کچلنے لگی تھی۔
"نان سینس.....!" وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"اتنی گھٹیا سوچ کی مالک ہیں وہ۔" وہ چپ چاپ ہونٹ کاٹتی رہی۔
"میرے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنے اس فورتھ ایئر میں آ کر اس قدر پریشان ہو چکی ہوں کہ مجھے آرام و سکون سے اسٹڈی کرنے کا وقت ہی نہیں مل رہا۔ گھر

میں وہ خود ہیں اور کالج کے اندر ان کا بھائی ایاز عبد القیوم میری جان اجیرن کیے ہوئے ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس دفعہ میں اب واپس شہر نہ جاؤں۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا مطلب ہے اس کا؟" وہ حیران پریشان اب صحیح معنوں میں ہوا تھا۔

"انہوں نے ایک طے شدہ پلاننگ کے تحت اپنے بھائی کو میرے پیچھے لگا دیا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کسی بھی آوارہ غلط کردار کے حامل شخص سے کسی بھی انسان کو اذیت پہنچ سکتی ہے۔" اس سے زیادہ واضح اور کھلے لفظوں میں وہ اور کیا کہتی۔ مصطفیٰ کئی ثانیے تک اسے دیکھتا رہا۔

"پچھلے ایک سال سے میں یہ عذاب سہہ رہی ہوں۔ میں کبھی اپنی زبان سے ایک لفظ نہ نکالتی اگر اس شخص کی حرکتیں برداشت سے باہر نہ ہو جاتیں۔ کالج کے اندر اس کی غلیظ زبان اور بری حرکتوں سے بچاؤ کا میں ہر حربہ استعمال کر چکی ہوں مگر اب سب کچھ میری برداشت سے باہر ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" مصطفیٰ کے ہونٹوں سے بس یہی نکلا تھا وہ چپ ہو کر رومال سے اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔ اس کا سر مسلسل جھکا ہوا تھا اور ایک ہی زاویے پر تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچے دوبارہ بیٹھ گیا۔

"مصطفیٰ بھائی میں بہت برداشت کرنے کے بعد آپ سے ذکر کر رہی ہوں۔ آپ پلیز مجھے اس کا سلوشن بتائیں ورنہ میں اپنی تعلیم چھوڑ کر گھر بیٹھ جاؤں گی۔" مصطفیٰ نے دیکھا رونے سے اس کی آنکھیں خاصی سرخ ہو چکی تھیں۔

"میں کسی اور سے بھی کہہ سکتی تھی۔ انکل، عباس بھائی سے بھی مگر میں کسی سے نہیں کہہ سکی انکل سے اس لیے نہیں کہ وہ فوراً سے پیشتر جو سلوشن پیش کریں گے وہ میری شادی کا ہوگا اور میں اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ ہونے سے پہلے ایسا نہیں چاہتی اور عباس بھائی جذباتی انسان ہیں مجھے ڈر ہے کہ بھائی اور ان کے تعلقات مزید بگڑ سکتے ہیں۔ آپ کو بتانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے اس کا کوئی حل نکالیں گے آپ کے پاس دن میں کئی کیسز آتے ہیں بہت سے معاملات کو حل کرتے ہیں مجھے بھی کوئی حل دیں۔"

"کیا نام ہے اس کا؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"ایاز عبد القیوم۔" وہ پہلے بھی بتا چکی تھی اب پھر دہرایا تو اس نے سر ہلایا۔

"وہ کالج میں کیوں پایا جاتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کلاس فیلو ہے وہ میڈیکل میں ہمارے ساتھ ہی ہے۔"

"اوہ۔"

"اس کے علاوہ؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"او کے اب یہ میرا مسئلہ ہے تم ٹینشن فری ہو جاؤ اس کے بارے میں مزید معلومات میں خود حاصل کروں گا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ پہلے یہ مسئلہ ڈسکس کر لیتیں خواہ مخواہ اتنا عرصہ پریشان رہیں۔ بے شک ہم میں کوئی خونی رشتہ نہیں ہے مگر لو اور تم سے جو تعلق ہمارے خاندان کا ہے وہ بہت گہرا اور ان مٹ ہے۔ بھائی جیسے کنزرویٹو لوگ اس تعلق کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ دماغی بیمار لوگوں کی سائیکی ہے خیر بھائی کا مسئلہ پہلے ہی بابا کے پاس ہے وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔ رہ گیا یہ مسٹر ایاز والا مسئلہ یہ میری ذمہ داری ہے تم نے مجھ پر اگر بھروسا کیا ہے تو پھر مطمئن ہو جاؤ۔ ان شاء اللہ بہتر حل نکالوں گا۔" وہ رومال سے چہرہ اچھی طرح صاف کرتے اٹھ گئی تھی۔

"تمہاری آواز بہت اچھی ہے تم وہ غزل بہت اچھی گا رہی تھیں۔"

وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا شہوار اپنی اس تعریف پر جھینپ گئی تھی۔

دونوں ہمراہ چلتے صحن کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں سے اندر کی طرف جانے والی راہ داری سے گزر رہا تھا۔
''آپ وعدہ کریں کہ اس سارے قصے کا کسی سے ذکر نہیں کریں گے مجھے اپنا کردار بہت عزیز ہے۔ میں اس لیے کسی سے نہیں کہہ رہی تھی کہ نجانے کوئی معاملے کو کس طرح لے۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ یہ بات اپنے تک رکھیں۔'' وہ ساتھ چلتے چلتے ایک دم رک کر گویا ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے بغور دیکھا جھکے سر سمیت لرزتی پلکیں لیے وہ اس ماحول میں ایک عجیب سی تابندگی بکھیر رہی تھی۔
ساولہ بھائی اگر اس سے خوفزدہ تھیں تو کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا اس لڑکی میں وہ سارے گُن تھے جو مقابل کو چاروں شانے چت کر جانے پر مجبور کردے۔ یہ اور بات تھی کہ عباس بھائی متوجہ نہ ہوئے تھے۔
''کہا نا ڈونٹ وری۔ یوں سمجھو تم نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی۔ پلیز ٹینشن فری ہو جاؤ۔'' وہ ہلکے سے مسکرا دی تھی۔ سرخ رخساروں' بھیگی پلکوں والے چہرے پر یہ مسکراہٹ ایسے تھی جیسے کالی سیاہ گھنگھور بدلیوں میں اچانک چاند نمودار ہو جائے۔
''تھینک یو سو مچ۔''
وہ پھر چلنا شروع ہوگئی تھی تبھی عظمت آتی دکھائی دی تو دونوں رک گئے۔
''آپ کو بی بی صاحب بلا رہی ہیں۔'' اس نے مصطفیٰ کو پیغام دیا۔
''تم چلو ہم اندر ہی آ رہے ہیں۔'' پھر وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ گئے تھے۔



وہ عجلت میں کمرے میں داخل ہوا تھا مگر ٹھٹک جانا پڑا تھا۔
انا وتار احمد روشی کے کمرے میں کارپٹ پر کشن پر بیٹھی گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے منہ گھٹنوں کے اوپر رکھے دنیا و فیہا سے بے خبر تھی اس کے ارد گرد کتابیں اور جرنلز وغیرہ بکھرے پڑے تھے۔ مگر وہ ہر چیز سے لاتعلق نجانے کن سوچوں خیالوں میں گم تھی۔ اس کے ٹھٹکنے کی وجہ اس کی آنکھوں سے بہنے والا پانی تھا۔
انا وتار احمد کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
وہ حیرت زدہ سا کھڑا تھا۔
یہ لڑکی اس کے لیے ایک معمہ بنتی جا رہی تھی۔
وہ ایک دو پل کھڑا رہا تھا انا متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ اس نے دروازے کو انگلی کی مدد سے بجایا تو وہ ہڑبڑا کر چونکی۔
''آپ؟'' ولید کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ شپٹا کر سیدھی ہوئی پھر فوراً اپنے ہاتھ سے رخساروں کو گرد اپانی کے قطرے فوراً صاف کیے تھے۔
''خیریت؟'' نہایت تعجب کا مظاہرہ کرتا وہ آگے بڑھا یا وہ مسکرا دی۔
''آف کورس۔'' بظاہر اس کی مسکراہٹ سے اس کے اندر کی کیفیت کا کچھ بھید نہیں ملا تھا مگر وہ الجھ چکا تھا۔
''تو پھر اتنی رنجیدہ سنجیدہ سی کیفیت لیے کیوں بیٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ تم روئی بھی ہو؟''
''نہیں صبح سے آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ روشی سے پوچھ لیں تھوڑی دیر پہلے آئی ڈراپس ڈالے ہیں۔ شاید قطرے آنکھ سے باہر آگئے ہیں۔'' بظاہر مسکرا کر جواب دیا تھا پھر بھی وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

''روشی کہاں ہے؟'' اطراف میں دیکھا۔
''وہ کافی بنانے گئی ہے۔'' اس نے اپنے سامنے بکھرے پیپرز اکٹھے کیے۔
''وہ تو کافی نہیں پیتی۔''
''اپنے لیے چائے اور میرے لیے کافی۔'' جرنل کھول کر دیکھنے لگی۔
''رات کے وقت اتنی کافی اچھی نہیں ہوتی۔ نیند ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔ دن میں تو گزارا ہو جاتا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ڈنر کے بعد بھی تم نے کافی ہی پی تھی۔'' اس کی طرف بغور دیکھتے اس نے کہا تو وہ ہنس دی۔
''جانے دیں جن کی نیندیں پہلے ہی ڈسٹرب ہوں ان کی مزید کیا ہوں گی۔''
''کیوں تمہاری نیند کو کیا ہوا ہے؟''
''مان جو لیا۔'' ہونٹ دانتوں تلے دبا کر وہ مسکرا رہی تھی۔
''یہ تو خاصی سیریس بات ہے۔ علاج کرواؤ اپنا۔''
''جو حکم جناب کا۔''
''انا مجھے نجانے کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے تم کچھ پریشان ہو۔ کوئی پرابلم ہے تو شیئر کرو، رشتے ناتے کس لیے ہوتے ہیں۔ کل رات بھی تم لان میں تنہا بیٹھی شاید کسی ایسی ہی کیفیت میں مبتلا تھیں۔ میرے پوچھنے پر ٹال گئی تھیں۔'' خاصی سنجیدگی سے ولید کہہ رہا تھا انا و تار کا جرنل پر جھکا سر اسی زاویے پر جھکا رہ گیا۔
''آپ کا وہم بھی ہو سکتا ہے؟'' سر اٹھائے بغیر اس نے کہا۔
''یقیناً مگر تم یہ تو مانتی ہو کہ میری چھٹی حس بہت اچھے انداز میں کام کرتی ہے۔ میں آنکھیں اور کان کھلے رکھتا ہوں۔ وقت و حالات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت مجھ میں خاصی اچھی پائی جاتی ہے۔''
''تو میں نے کب ان تمام صلاحیتوں کے پائے جانے سے انکار کیا ہے؟'' اب کے وہ خاصی الجھ کر تیکھے پن سے گویا تھی۔
''انکار نہیں مگر بے وقوف سمجھ کر ٹال تو رہی ہو۔'' اب کے انداز خفگی بھرا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی روشی ٹرے اٹھائے چلی آئی۔
''یہ لو تمہاری گرما گرم کافی، تمہاری جتنی اچھی بنانی تو نہیں آتی مگر گزارا کرلو۔'' وہ بولتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی مگر ولید کو دیکھ کر رک گئی پھر مسکرا کر آگے بڑھتے ہوئے ٹرے انا کے سامنے رکھ دی تھی۔
''خیریت ہے ولی بھائی؟'' اسے بغور انا کا جائزہ لیتے دیکھ کر وہ چونکی۔
''بالکل میں نے تمہیں گرین کو روالی جو فائل کل دی تھی وہ کہاں ہے۔'' اس نے اٹھ کر ریک سے فائل اٹھا کر اسے تھمائی۔
''تھینکس۔'' ایک سرسری نظر فائل پر ڈال کر اس نے پھر انا کو دیکھا وہ گود میں بک رکھے کافی کا مگ تھام کر سپ لے رہی تھی۔
''اس سے وجہ پوچھو کہ اسے کیا مسئلہ ہے۔ میں ذرا کام دیکھ لوں اپنا، ورنہ اس کا دماغ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' وہ روشی کو تاکید کرتا باہر نکل گیا تو روشی نے بڑی حیرت سے اسے دیکھا۔
''کیا بات ہے بھائی سچ کہہ رہے ہیں کیا؟''

''او ہو یار ایسی کوئی بات نہیں۔ تمہی کو تو پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہونا چاہیے تھا۔ اب آنکھوں سے جلن کی وجہ سے پانی نکل رہا تھا تو میں کیا کرتی۔'' وہ جھنجلا گئی تھی۔

''اور کل رات والا کیا تماشہ ہے؟''

''کچھ نہیں اسٹڈی کرتے کرتے تھک گئی تو دل ہوا خوری کو چاہنے لگا۔ میں باہر چلی گئی تھی ٹہلتے ٹہلتے بنچ پر گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اب اپنے گھر میں اتنی آزادی سے بیٹھنے پر پابندی لگ جائے گی حیرت ہے۔'' روشی نے بغور دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے کے بجائے کتابوں کو اٹھا کر ادھر ادھر کر رہی تھی۔

اس نے کچھ کہنا چاہا پھر ٹال گئی اور پھر خاموشی سے چائے پینے لگی تھی۔



کمرے میں آنے کے بعد وہ خاصی دیر تک ایک مسئلے پر بہت دیر تک سوچتا رہا تھا۔ پھر ایک واضح نکتے پر پہنچنے کے بعد اس نے نمبر ملائے۔

''السلام علیکم سر!'' اس کی کال فوراً پک کر کے کہا تھا۔

''وعلیکم السلام! ٹھیک ہو؟''

''جی سر۔''

''آفس میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا میری غیر موجودگی میں۔''

''نو سر۔''

''اچھا احمد میری بات دھیان سے سنو۔ میں تمہیں ایک شخص کا بایو ڈیٹا سینڈ کر رہا ہوں تمہارے سیل پر اس کے متعلق مجھے صبح تک ساری ڈیٹیل چاہیں۔ اس لڑکے کے متعلق ہر تفصیل بڑی سے بڑی چھوٹی سے چھوٹی گھر کا نمبر ایڈریس کالج دیگر تمام باتوں کی تفصیل میں تمہیں سینڈ کر رہا ہوں۔ یوں سمجھو یہ پرسنل اسائمنٹ ہے جو تمہارے ذمے ہے۔ کل صبح میں کال کروں گا۔'' امجد اس کا ماتحت تھا رائٹ ہینڈ اس شخص پر اس کو بڑا اعتماد تھا۔

''یس سر میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو سب معلومات مل جائیں۔''

''مجھے اس لڑکے کی تمام سرگرمیوں کی فہرست بھی درکار ہے۔ کن لوگوں سے ملتا ہے کب کہاں اور کیوں جاتا ہے؟ کن لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا ہے۔''

''یس سر کام ہو جائے گا۔''

''او کے ویل ڈن۔''

''اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' وہ اپنا لیپ ٹاپ ساتھ لایا تھا۔ کچھ ہی دیر میں امجد نے ڈیٹیل سینڈ کر دیں وہ ان کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''یس کم آن۔'' گمان تھا کہ ملازم ہوگی مگر دروازے سے مہر النساء خاتون کو برآمد ہوتے دیکھ کر اٹھ گیا۔ نظریں فوراً وال کلاک کی طرف اٹھی تھیں۔ رات کے بارہ کے اوپر کا ٹائم تھا۔

''خیریت آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟''

''مجھے تم سے ضروری بات کرنا تھی سوچا ابھی کر کے ہی سوؤں۔'' وہ اس کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی تھیں۔

''خیریت ایسی کیا بات ہے جو آپ نے صبح ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔'' تعجب سے انہیں دیکھا۔

"تم پہلے اس کو بند کرو اور پورے دھیان سے میری ساری بات سنو۔"
مہر النساء بیگم کا انداز بڑا دھیما تھا۔ مصطفیٰ کو محسوس ہوا کہ بات خاصی اہم ہے۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کرنے کے بجائے اٹھا کر ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ نیند نہیں آ رہی تھی خاصی تھکن کے باوجود وہ امجد کی فراہم کی ہوئی معلومات کو پڑھنا چاہ رہا تھا۔
"جی اب کہیے۔"
"میں یہاں بابا اور تابندہ سے ایک نہایت ضروری کام کے سلسلے میں رضامندی لینے آئی تھی۔ تم گھر میں عادلہ والے مسئلے سے باخبر ہونا۔" انہوں نے پوچھا تو اس نے حیرانی سے دیکھا۔
"کل رات جو بھی ہوا اس حد تک تو باخبر ہی ہوں مزید کچھ پتا نہیں۔"
"رات جو بھی ہوا اور تمہیں جو بھی بتایا وہ تو تصویر کا ایک ہی رخ تھا۔ تصویر کا دوسرا رخ تو یہ ہے کہ عادلہ ایک شکی بدمزاج اور جھگڑالو عورت ہے۔ جس نے عباس کی زندگی شہوار کے نام کے طعنے دے دے کر عذاب بنا رکھی ہے۔" انہوں نے لمبی چوڑی تمہید کے بجائے براہ راست بات کی۔
"جی۔" مصطفیٰ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا وہ تو سمجھ رہا تھا کہ عادلہ کے شکوک سے متعلق شہوار نے صرف اس سے ہی ڈسکس کیا ہے مگر یہاں تو ماں جی بھی باخبر تھیں۔
"کیا مطلب آپ کو یہ سب کس نے کہا؟"
"تمہیں تو کسی بات کا ہی علم نہیں ہے شروع میں ہماری مرضی عباس اور شہوار کا رشتہ طے کرنے کی تھی مگر عباس راضی نہ ہوا اور عادلہ یاد آ گئی۔ پھر جانے اسے کس طرح اس بات کی بھنک پڑ گئی۔ اس نے دونوں پر شک کرنا شروع کر دیا۔ شہوار نے مجھے کبھی نہیں کہا مگر عادلہ کی باتیں ہی ایسی گھٹیا تھیں کہ مجھے خود ہی پتا چلتا گیا۔ پھر اس نے اپنی بہن کے رشتے کے لیے کہا تم نے انکار کر دیا بے چاری کی جان اور مصیبت میں گھر گئی۔ وہ سمجھتی ہے کہ تم تمہارا اور شہوار کا رشتہ طے کرنا چاہتے ہیں اس لیے انکار کر دیا۔ عادلہ نے عباس کا ذہنی و روحانی سکون برباد کر دیا ہے۔ اس بات کے طعنے دے دے کر۔ عباس بڑا عرصہ سب سے چھپاتا رہا ہے کچھ عرصہ پہلے مجھے بیوی کی باتیں بتائیں اب تو حد ہی کر دی ہے عادلہ نے شہوار کو بنیاد بنا کر علیحدہ گھر کا مطالبہ کر رہی ہے۔" انہوں نے مختصر اسارا واقعہ بیان کر ڈالا۔
"عادلہ اور اس کے علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کے متعلق تو تمہارے بابا ہی فیصلہ کریں گے مگر ایک فیصلہ ہم نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ یوں سمجھ لو ہمارے دل کی خواہش ہے بابا جی اور تابندہ سے بات کر کے تم سے بات کرنے آئی ہوں۔"
"ایسی کیا خاص بات ہے؟"
"رات میں تم نے ابھی شادی نہ کرنے سے متعلق جو بھی خیالات ظاہر کیے وہ ایک طرف مگر ہمارا متفقہ فیصلہ ہے کہ تم تمہارا شہوار کے ساتھ اب باقاعدہ رشتہ طے کر دیں۔"
"کیا؟" وہ ایک دم حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ شہوار سے متعلق اپنا نام وہ کئی بار پہلے بھی سن چکا تھا مگر کبھی سیریس نہیں لیا تھا اب یہ ایک دم فائنل فیصلہ کن انداز۔ بے شک شہوار میں کوئی کمی نہیں تھی وہ کسی کا بھی آئیڈیل ہو سکتی تھی مگر اس کی ذات کی تمام تر خوبیوں کو جاننے کے باوجود اس نے اس کے متعلق اس انداز میں کبھی سوچا ہی نہ تھا۔
"تابندہ بہت خوش ہے اس نے فوراً ہامی بھر لی ہے مگر ساتھ کہہ بھی دیا ہے کہ مصطفیٰ اور شہوار سے پوچھ کر ہی فائنل جواب ہوگا۔ وہ شہوار سے پوچھ لے اس سے پہلے میں تم سے رضامندی چاہتی ہوں۔ اب ہم اس فیصلے کو مزید نہیں لٹکانا چاہتے جلد از جلد کوئی حتمی فیصلہ چاہتے ہیں تاکہ عادلہ اور عباس کی زندگی میں ناخوشگواریت کی فضا ختم ہو۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔" کچھ توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔
"بظاہر شہوار کے لیے کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے کہ ایسی لڑکیاں کسی بھی انسان کا آئیڈیل ہو سکتی ہیں مگر آپ کو بتا چکا ہوں ابھی میں شادی سے متعلق سوچنا نہیں چاہتا۔"

"ہم فوراً شادی نہیں کرنا چاہتے منگنی کو ہم نے کبھی کوئی شرعی حیثیت نہیں دی تمہارے بابا کا خیال ہے کہ ہم نکاح کر لیتے ہیں جب تم راضی ہو اور شادی کی ضرورت محسوس کرو گے تو وہ بھی ایجوکیشن کمپلیٹ کر کے اپنی زندگی میں سیٹل ہو چکی ہوگی۔" اس نے ماں کو دیکھا یعنی سب طے کر کے گھر سے روانگی ہوئی تھی۔

"پہلے شہوار سے پوچھ لیں کہ اس کی کیا مرضی ہے اگر وہ راضی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں یاد رہے شادی ابھی نہیں ہوگی۔" ساتھ میں اس نے واضح بھی کر دیا تھا مہر النساء بیگم ایک دم نہال ہو گئیں۔

"جیتے رہو خوش رہو بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے شاد و آباد رہو۔" اس کی پیشانی چومتے ڈھیروں دعائیں دے ڈالی تھیں تو وہ ہنس دیا۔

شریک سفر کے لیے اس نے حقیقتاً کچھ نہیں سوچا تھا شہوار جیسی ہر لحاظ سے آئیڈیل لڑکی کچھ بری بھی نہ تھی اس صورت میں کہ جب کوئی ڈیمانڈ بھی نہ تھیں اس کی اپنے دل کی طرف سے تو یہ لڑکی کہاں بری تھی بھلا۔

"بہت رات ہو گئی ہے بس تم سے یہی بات کرنی تھی۔ تابندہ سے ہمارا کوئی خونی رشتہ یا تعلق نہیں مگر سب سے بڑا انسانیت کا ہی تعلق ہے۔ ہم خاندانی لوگ ہیں اور تابندہ جیسی با کردار عورت جس کی جوانی حویلی کی چار دیواری میں گزر گئی ہو اس کی خاندانی پاکیزگی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہے کہ کبھی کسی نے اس کی طرف میلی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ حویلی کی بیٹی کی سی عزت دی اور آج اس کی بیٹی ہماری وجہ سے کسی کی نگاہ میں کھٹک رہی ہے تو بھی ہم کو ہی اس کے سر پر ہاتھ رکھنا ہے مجبور ہے ہونا۔"

"ہوں۔" انہوں نے لگے ہاتھوں تابندہ بوا سے اپنے تعلق کی بھی وضاحت کر دی تھی۔

"آرام کرو اب بہت رات بیت گئی ہے۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپاتے باہر نکل گئیں۔ تو مصطفیٰ نے پرسوچ نگاہوں سے وال کلاک کو دیکھتے ہوئے بستر پر اپنی ٹانگیں سیدھی کی تھیں۔

❁ .... ❁ .... ❁

"السلام علیکم!" وہ ڈائننگ ٹیبل پر موجود افراد کو سلام کرتے اپنی مخصوص کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"صغریٰ ناشتا لے آؤ۔" کچن کی طرف منہ کر کے اس نے آواز لگائی۔ وقار صاحب نے اخبار سے منہ ہٹا کر نا کو دیکھا اور اس کی عجلت پر مسکرا دیے۔

کالج کی تیاری کیے وہ اب ناشتے کی منتظر تھی۔ ناشتے کی ٹیبل پر اس وقت سبھی تھے سوائے روشی کے۔

"یہ لو گرما گرم پراٹھے۔" روشی اس کے سامنے پراٹھا کے ساتھ انڈا اور دودھ کا گلاس رکھ رہی تھی اس وقت صغریٰ کے ساتھ وہ کچن میں تھی۔

"مجھے بس سلائس گرم کر کے لا دو اتنا ہیوی ناشتا نہیں کروں گی میں صبح صبح۔" اس کی آواز میں اکتاہٹ ضرور تھی کہ ولید نے اپنے ناشتے سے انصاف کرتے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ بڑے کھنچے تاثرات لیے ٹیبل پر موجود تھی۔ عجیب سی موڈی تھی یہ لڑکی دل چاہا تو خوش ہو لیا ورنہ کھنچے کھنچے رہے۔

"صغریٰ نا کے لیے سلائس گرم کر لاؤ۔" روشی صغریٰ کو کہہ کر اس کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

اس کے سامنے سے پراٹھا آملیٹ سے کھانے لگی تھی۔ وہ اسی طرح بے زار تاثرات لیے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔

"تمہیں صبح صبح کیا ہوا ہے؟ اتنا موڈ کیوں آف ہو رہا ہے تمہارا؟" صبوحی بیگم نے حیرت سے بیٹی کو دیکھا وہ ایک دم الرٹ ہوئی۔

"کچھ نہیں صغریٰ سلائس گرم کر لیے ہیں تو لے آؤ۔" ماں کو ٹال کر اس نے پھر کچن کی طرف ہانک لگائی تو اگلے ہی پل صغریٰ بھاگم بھاگ پلیٹ میں گرم سلائس لیے چلی آئی تھی۔

"یہ لیں جی۔" اس کے سامنے پلیٹ رکھی تو اس نے خاموشی سے جیم کی شیشی اٹھالی۔ سلائس اور دودھ کا ناشتا کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"صغریٰ میرے روم سے سینڈل لے آؤ پلیز جلدی کرو۔" آرڈر کر کے وہ لاؤنج کے صوفے پر جا بیٹھی تھی۔

"ایک تو اس لڑکی کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چلتا؟ نجانے کیوں اتنی بے زار ہوتی جا رہی ہے۔ ہر وقت صغریٰ کو پھرکی کی طرح گھما رہی ہوتی ہے۔" ولید اٹھ کر لاؤنج میں آیا تو وہ سینڈل پہن کر چادر لپیٹ کر بکس لینے باہر جا رہی تھی پیچھے سے صبوحی بیگم کہہ رہی تھیں۔ احسن کو مارکیٹنگ کے سلسلے میں کہیں جانا تھا سو وہ پہلے نکل گیا تھا وقار صاحب اور ضیاء صاحب لیٹ جاتے تھے آفس۔ وہ بھی اپنا بریف کیس تھامے باہر نکل آیا۔

"تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے کہ رات ہی میں گاڑی چیک کرلیا کرو اب صبح صبح یہ نئی مصیبت ٹائر پنکچر کیے ہوئے ہیں۔ رات کو تو اچھے بھلے تھے۔ عین وقت پر ہی تمہیں ہوش آتا ہے۔ رات بھر میں یہ ٹائر پنکچر ہو کیسے گیا ہے؟" وہ کوفت و بے زاری سے ڈرائیور پر برس رہی تھی ولید کو ایک لمحے میں ہی صورت حال کا ادراک ہوا۔

"کیا پرابلم ہے منصور خان؟" اپنی گاڑی کی طرف جانے کے بجائے وہ انا کے قریب آ گیا تھا۔

"صاحب جی فرنٹ کا بایاں ٹائر پنکچر ہو چکا ہے۔ رات بیگم صاحب کو لے کر کسی رشتے دار کے ہاں گیا ہوا تھا تو شاید تب ہوا ہے۔ صبح میں نے چیک نہیں کیا کہ ٹھیک ہی ہوگا۔" وہ شرمندگی سے بتا رہا تھا۔

"تم ٹائر تبدیل کرو دوسری گاڑی تو احسان لے گیا ہے۔ ابھی بابا اور انکل نے بھی آفس جانا ہے اور پھوپو نے بوتیک پر ابلم ہو جائے گی۔ انا تم ایسا کرو میرے ساتھ آ جاؤ میں ڈراپ کردوں گا۔" انا نے اپنی گھڑی دیکھی وہ خاصی لیٹ ہو چکی تھی۔ ولید کار ڈرائیو وے پر لایا تو وہ خاموشی سے فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔

"خیریت صبح صبح محترمہ کا موڈ کیوں آف ہے؟" کچھ دور آنے کے بعد اسے خاموشی سے بے زار تاثرات لیے بیٹھے دیکھ کر وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ ویسے ہی بے زار ہوں۔"

"پھر بھی کچھ تو ہوا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی موڈی ہو گئی ہو۔"

"کہا نا کچھ نہیں ہوا۔" اس نے بدتمیزی سے کہا تو ولید نے ایک گرم نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد دوبارہ کچھ نہیں کہا۔ اس کا انداز خاصا بدتمیزانہ تھا اور ولید کو حقیقتاً برا لگا تھا۔

گاڑی میں اب بالکل خاموشی تھی۔ انا کو اپنے لہجے کی بدتمیزی اور بے زاری کا بخوبی اندازہ تھا سو وہ ہونٹ کچلتے تب بے چارگی لیے کبھی کبھار ولید کے ازحد سنجیدہ تاثرات کو دیکھتے اندر ہی اندر شرمندہ ہو رہی تھی۔

"ایم سوری۔" کچھ توقف کے بعد اس سے رہا نہ گیا تو شرمندگی سے کہہ دیا وہ پھر بھی خاموش رہا کوئی تاثر نہ دیا۔

"ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ صبح صبح شہوار میری فرینڈ ہے اس کی کال آ گئی کہ وہ آج کالج نہیں آ رہی محترمہ حویلی جا کر بیٹھ گئی ہے۔ آج کا سارا دن اس کے بغیر ازحد کوفت و بے زاری سے گزرنے والا ہے۔ بس اس پر بہت غصہ آ رہا تھا کہ مجھے کل ہی بتا دیتی تو میں آج چھٹی کر لیتی۔" اس نے اپنے رویے کی وضاحت کی۔ ولید نے جب بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔

"پلیز ولید آپ اس طرح خاموش اور چپ رہیں گے تو میں رو دوں گی۔ میرا دل ویسے ہی غم سے بوجھل ہو رہا ہے۔" عجب رنجیدگی لیے وہ کہہ رہی تھی۔ ولید نے بڑی خاموشی مگر متجسس نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ واقعی خاصی اپ سیٹ اور بے چین دکھائی دی۔ بس اگلے ہی لمحے رونے کو تیار۔

اتنے دنوں سے وہ اس کا یہ انداز نوٹ کر رہا تھا آج تو حد تھی۔ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ وہ حیران ہوا اور ساتھ میں پریشان بھی۔

"ساری رات نیند کیوں نہیں آئی؟" سنجیدگی سے اس نے پوچھا۔

''پتا نہیں ولی مجھے نیند کیوں نہیں آئی۔ میں پریشان ہوں بہت زیادہ۔'' وہ تو جیسے رونے کو تیار بیٹھی تھی بس چھیڑنے کی دیر تھی ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

''او مائی گاڈ انا......!'' وہ اس کے رونے سے بہت پریشان ہو گیا تھا اس نے ایک سائیڈ میں گاڑی روک لی تھی۔

''پلیز مجھے بتاؤ تم کیوں اتنی ڈسٹرب ہو؟'' اس کی طرف مکمل طور پر رخ کیے پوچھ رہا تھا۔ انا کے رونے میں اس کی ہمدردی پر اور شدت آ گئی تھی۔

''کسی نے کچھ کہا ہے کوئی خاص مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ پلیز۔'' وہ خاصا پریشان ہو گیا تھا۔

وہ اچھی خاصی میچور اور اپنے حواس پر کنٹرول رکھنے والی لڑکی تھی۔ اس جیسی لڑکی سے ایسی جذباتیت کی توقع حیرت انگیز عمل ہی تو تھا۔

''انا۔'' اس نے اس کے ہاتھ تھامنے چاہے تھے خاموش کروانا چاہا تھا مگر وہ اس کے ہاتھوں پر ہی چہرہ ٹکا کر روتی رہی تھی۔

ولید کے اندر بڑی زبردست اکھاڑ پچھاڑ ہوئی۔ اس لڑکی کا یہ عمل جس قدر شدید تھا اسی قدر بچکانہ بھی تھا۔ وہ ششدر سا اسے دیکھے گیا۔

انا وقار کے اس رویے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس کی آنکھوں میں سوچ کے سائے لہرائے۔

اس نے اسے دوبارہ نہیں ٹوکا تھا وہ جی بھر کر روئی تھی پھر رونے میں کمی آئی تو اس نے اپنا ایک ہاتھ کھینچ کر ٹشو باکس سے کئی لیف کھینچ کر اس کی طرف بڑھا دیں۔

''یہ لو۔'' اس کی آواز پر اس نے بھیگا سرخ چہرہ اٹھا کر ولید کو دیکھا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے صرف سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

اس نے بمشکل خود کو سنبھالتے اس کا دوسرا ہاتھ بھی چھوڑتے ٹشو کے لیف تھام لیے تھے۔

ولید نے اپنا بھیگا ہاتھ دیکھا آنسوؤں سے تر تھا اور پھر اس کا چہرہ دیکھا نجانے کیا بات تھی کہ اس کے آنسو تھمنے میں ہی نہیں آ رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ونڈ اسکرین کے پار نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

''ایم سوری۔'' خاصی دیر بعد وہ سنبھلی تو شرمندہ لہجے میں کہا۔ اس نے اسے دیکھا۔ رو رو کر اس نے چہرہ خراب کر لیا تھا۔

''ایسی کیا بات ہے انا جو تمہیں جذباتیت سے دوچار کرنے شکست وریخت کا مظاہرہ کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہا ہوں مگر تم نے کوئی سرا ہاتھ میں نہیں پکڑایا۔ اس طرح ٹوٹ کر شدت سے بکھر کر رونا کوئی عام وجہ تو نہیں ہوگی۔ پلیز مجھے بتاؤ تم کیوں ڈسٹرب ہو۔ میں تمہارا مسئلہ حل کروں گا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے اپنی طرف سے بے پناہ اپنائیت کا مظاہرہ کیا تھا مگر انا مہر خاموش تھی۔

''انا تم نے اگر مجھے نہ بتایا تو میں تمہاری اس کیفیت کے متعلق انکل اور پھوپو سے ضرور ڈسکس کروں گا۔ ہم کزنز ہی نہیں دوست بھی ہو سکتے ہیں۔ پلیز مجھ پر یقین کرو ایسی کیا بات ہے جو تمہیں اندر ہی اندر مارے دے رہی ہے۔'' ولید کی اپنائیت میں کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

''کوئی بات نہیں۔''

''کسی نے کچھ کہا ہے؟ روشی، بابا جان، پھوپو، انکل یا احسن میں سے کسی نے؟'' وہ اپنے گمان کے گھوڑے دوڑا رہا تھا مگر انا کی چپ نہیں ٹوٹی تھی۔

''انا تم اپنے ساتھ ساتھ میرا ٹائم بھی برباد کر رہی ہو تمہیں اندازہ نہیں کہ تم کتنی لیٹ ہو چکی ہو۔'' آخر میں جھنجلا کر کہا تو وہ ٹشو سے ناک رگڑتے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

''انا! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں کہ اس احمقانہ اور بچکانہ حرکت کی کیا وجہ ہے؟''

''کوئی خاص نہیں بس مجھ پر کبھی کبھار ڈپریشن کا ایسا دباؤ پڑتا رہتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں اب میں نارمل ہوں۔'' ولید کی طرف دیکھ کر اس نے کہا تو ولید نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

''زبردست یہ تو وہی بات ہوئی نا کہ کسی کی جان گئی اور آپ کی ادا ٹھہری۔'' وہ اس کے انداز پر اچھا خاصا چڑ کر بولا۔ اس کے انداز پر نجانے کیسے انا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ

رینگ گئی تھی جس پر وہ لورچ گیا۔
"تھانکس۔"
"آپ گاڑی چلائیں میں اب ٹھیک ہوں۔"
"سامنے کسی چیز سے گاڑی دے ماروں یہ تم پاگل اور الو کسی اور کو بنانا مجھے نہیں اور یہ تم ذہن نشین کرلو کہ گھر جا کر تمہاری اس حماقت کی تفصیلی رپورٹ میں پھوپو جان کے گوش گزار کرنے والا ہوں۔ وہ اب تم سے خود ہی نبٹ لیں گی۔" اس کے دھمکی آمیز انداز پر بھی وہ چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔
ولید کو اب انا پر بے انتہا غصہ آرہا تھا اس نے بڑے جارحانہ انداز میں گاڑی آگے بڑھائی۔
یعنی حد ہوتی ہے جذباتیت کی بھی وہ سیدھا سے الو بے وقوف بنا رہی تھی۔ بڑی تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتے اس کے تیور بھی بڑے جارحانہ اور دو ٹوک تھے۔
انا نے گھبرا اور سہم کر اس کے انداز اور چہرے کے زاویوں کو دیکھا۔
گاڑی اس قدر اسپیڈ میں تھی کہ کئی بار کسی نہ کسی چیز سے ٹکراتے بچی تھی۔ انا ایک دم خوفزدہ ہوگئی تھی۔
"ولی پلیز۔" کچھ نہ سمجھ آیا تو اس نے اس کے اسٹیئرنگ کو تھامے مضبوط ہاتھوں پر اپنے نرم و نازک سبک ہاتھ رکھ دیے تھے۔
"گاڑی کسی سے ٹکرا جائے گی آہستہ۔" اس نے خفگی و نخوت سے اس کے ہاتھوں کو جھٹک کر رفتار مزید بڑھائی اور انا اس کے ردعمل پر ششدر سی سیٹ کے دونوں کناروں کو مضبوطی سے تھام کر بیٹھی رہ گئی۔



"جس طرح زمین کو اچھی خوراک اور آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح سر کو بھی تیل کی ضرورت رہتی ہے۔ ماشاءاللہ سے خوب صورت لمبے بال ہیں تمہارے تیل ڈالا کرو ہفتے میں دو بار تو ضرور واش کرو یا کرو سر میں خشکی نہیں ہوتی اتنی مشکل پڑھائی ہے تمہاری دماغ میں خشکی نہ ہوگی۔" تابندہ بی کے ہاتھ اس کے بال لگ گئے تھے اور وہ بڑے مزے سے کشن زمین پر ڈالے بیٹھی ان سے ماش کروا رہی تھی وہ صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔
"یقین جانو میں بڑی مطمئن ہوں۔ جس طرح بھابی بیگم اور بھائی صاحب تمہارا خیال رکھتے ہیں میرا سارا فکر خوف ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔" نجانے وہ کیا کہہ رہی تھیں شہوار کی ذہنی رو بھٹکی۔
"امی آپ کے بال بھی تو اتنے پیارے لمبے ہیں کیا ابو کے ہوتے ہوئے بھی ایسے ہی تھے؟" اس کا سوال ایسا تھا کہ تابندہ بی کے لبوں سے ایک آہ خارج ہوئی تھی۔ شہوار کو افسوس ہوا کہ اس نے خوامخواہ ابا کا ذکر کرکے ماں کو دکھی کر دیا ہے۔
"تمہارے جیسے ہی تھے۔ تمہارے ابو تو دیوانے تھے میرے بالوں کے اگر کبھی میں باندھ دیتی تو بہت ناراض ہوتے تھے مگر......!" وہ پھر خاموش ہوگئی تھیں۔ ماضی ان کے لیے بڑا تلخ تھا جیسی خوب صورت خوش گوار یادیں تھیں اتنے ہی تکلیف دہ مناظر تھے۔
"اچھا چھوڑیں اس ذکر کو میرے ساتھ شہر چل رہی ہیں نا اس بار۔" اس نے فوراً بات بدلی۔ تابندہ بی نے سکھ کا سانس لیا کہ اس نے مزید نہیں کریدا۔
"ابھی نہیں ہاں چند دنوں بعد چکر لگاؤں گی۔"
"ابھی کیوں نہیں؟ بچی میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔" وہ ایکدم چھوٹی بچی بن گئی تھی تو تابندہ بی مسکرا دیں۔
"بالکل بچی ہو تم؟" ہلکی سی سر پہ چپت لگائی تھی۔

"السلام علیکم!" تبھی باہر سے مصطفیٰ اندر آیا تو دونوں کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکا۔

شہوار کا دوپٹا تخت پر پڑا ہوا تھا اس نے فوراً پکڑ کر گلے میں ڈالا۔

صبح سے مصطفیٰ اور بابا صاحب زمینوں کی طرف گئے ہوئے تھے۔ مہر النساء بیگم بھی بے شمار باتوں کے بعد ابھی اٹھ کر اپنے کمرے میں گئی تھیں۔ گھر میں ملازموں کے علاوہ وہ دونوں ہی تھیں۔ شہوار کے گھبرا کر دوپٹا لینے پر اس نے نوٹ تو کیا مگر پھر نگاہ پھیر گیا۔

"وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو بابا صاحب بھی آ گئے ہیں کیا؟" اسی طرح مصروف انداز میں شہوار کے بالوں میں تیل لگاتے انہوں نے تخت پر اس کے لیے جگہ بنائی تھی۔

مصطفیٰ نے آگے بڑھنا چاہا مگر پھر نجانے کس خیال سے تخت پر ہی بیٹھ گیا۔ دائیں طرف وہ زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بیٹھنے پر وہ مزید گھبرا گئی تھی۔

"نہیں بابا صاحب ڈیرے کی طرف نکل گئے تھے کہہ رہے تھے کہ ایک دو گھنٹے وہاں ٹھہریں گے۔"

"عظمت......!" تابندہ بی بی نے مصطفیٰ کی بات سنتے ہوئے آواز لگائی تو اگلے ہی پل عظمت سر پر تھی۔

"جی بوا جی۔"

"مصطفیٰ صاحب کے لیے پانی لے کر آؤ اور میرے کمرے سے کنگھا بھی لا کر دو۔ میں شہوار کے بالوں میں خود کنگھا کروں گی۔" وہ سر ہلا کر واپس چلی گئی تھی۔ کچھ لمحے بعد وہ دونوں چیزیں لیے پھر حاضر تھی۔ پانی مصطفیٰ کو تھمایا۔ شہوار پر مصطفیٰ کی مسلسل موجودگی اک بوجھل سی تھی گھر میں کبھی اس کے سامنے نہیں جاتی تھی اور اب کیسے نگاہ سر لیے چند انچ کے فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"امی میں باقی خود کر لوں گی آپ رہنے دیں۔" عظمت نے جیسے ہی کنگھا لا کر انہیں تھمایا شہوار نے فوراً کہا اس کا دل فوراً اٹھ کر یہاں سے بھاگنے کو تھا۔

"رہنے دو میں خود کنگھی کروں گی ہمیشہ تم خود ہی کرتی ہو آج ماں کو کرنے دو۔" انہوں نے تیل کی پیالی عظمت کو پکڑا کر کنگھا تھام لیا تھا۔

پانی پیتے مصطفیٰ نے مسکرا کر دونوں ماں بیٹی کو دیکھا۔ شہوار بڑی مجبوری کی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے ابھی اٹھ کر بھاگ جائے گی۔

رات تک اس کے دل و دماغ میں کوئی ایسی سوچ نہ تھی مگر اب اس وقت شہوار کو اس طرح گھریلو انداز میں بیٹھے دیکھ کر اس کے دل میں بڑے خوش گوار سے احساسات پیدا ہوئے تھے۔ بالوں میں کنگھا کرتے بوا اس سے چھوٹے موٹے جاب سے متعلق سوال بھی کر رہی تھیں۔ جن کے جواب وہ پوری توجہ سے دے رہا تھا۔

"سال پہلے اس لڑکی کے کیا لمبے بال تھے پاؤں تک چھوتے لے کے ستیاناس مار لیا ہے یہ ہاتھ بھر رہ گئے ہیں۔ پتا ہے مجھے دن رات کتابوں کو چاٹو گی تو یہ حال تو ہوگا ہی نا۔" اس کے برے برے منہ بنانے پر انہوں نے مصطفیٰ سے بڑے افسوس سے یہ ذکر چھیڑا تھا۔ شہوار کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

"امی......!" وہ احتجاجاً بولی تو مصطفیٰ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"مجھے تو سوچ سوچ کے ہول اٹھتے ہیں کہ اس لڑکی میں اپنی عمر جتنی لڑکیوں والے کوئی طور طریقے نہیں۔ ماسیوں کی طرح تمبو سے بھی بڑی چادر ہر وقت لٹکائے پھرتی ہے سر کو ہوا کیا خاک لگتی ہے؟" بالوں کی چٹیا گوندھتے انہوں نے ایک اور اعتراض کیا تھا۔

"اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں گنجی ہونے والی نہیں میں۔" اس نے ناراضی سے کہا۔

"میں نے سنا ہے بوا جی کہ لمبے بالوں والی عورتوں پر جادو بڑی جلدی اثر کرتا ہے۔" کچھ سوچتے مصطفیٰ نے بڑی سنجیدگی سے کہا تو شہوار نے گردن موڑ کر دیکھا اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ اسے حیرت ہوئی یہ شخص اس طرح کا مزاج بھی رکھتا ہے۔

"اللہ نہ کرے۔" انہوں نے دہل کر کہا تھا۔ "اب ایسی بھی کوئی بات نہیں لمبے بال تو عورت کا سنگھار ہوتے ہیں عزت ہوتی ہے۔"

"اچھا اگر جادو نہیں ہوتا تو کسی پر جادو کر دیتی ہوں گی؟" ماں کے ہاتھوں سے چٹیا کھینچ کر دوپٹا سنبھالتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ صاف سمجھ گئی تھی کہ مصطفیٰ اس کا ریکارڈ لگا رہا تھا۔ بوا مصطفیٰ کی بات پر ہنس دی تھیں۔ جیسے انہوں نے بھی اس کے مذاق کو انجوائے کیا تھا۔

"یہ پرانے زمانے کے لوگوں کی باتیں ہیں تو ہم پرستی ہے نری کہاں کا جادو کیسا جادو؟ بس عورت کے بال اس کا سنگھار ہوتے ہیں۔ اگر مقدر والی ہو اور قدر دان لوگ میسر ہوں تو شوہر کے دل میں گھر کرے ورنہ کون پوچھتا ہے۔"

"ہاں یہ بات بھی ہے۔" اس کی سنجیدگی میں سرمو فرق نہ آیا تھا۔ ایسے سر ہلایا جیسے کسی اسکالر کی بات پر ہلاتے ہیں۔

"میں بادام کا تیل ساتھ دے دوں گی لے جانا تیل کی مالش کرو نا فرق پڑے گا۔ یہ جو جلد خشک ہو رہی ہے ٹھیک ہو جائے گی۔" انہوں نے لگے ہاتھوں اسے بھی مشورہ دیا۔

"جی اچھا۔" وہ عجلت سے کہہ کر وہاں سے نکل گئی۔ بوا تیل والے ہاتھ پاس پڑے کپڑے سے صاف کر رہی تھیں۔ یہ کپڑا کچھ پل قبل شہوار کے کندھوں پر تھا کہ کوئی تیل کا قطرہ کپڑوں پر گر کر داغ نہ ڈال دے۔ اٹھتے ہی کپڑا زمین پر گر گیا تھا۔ جسے بوا نے اٹھا لیا تھا۔

"بڑی بے پرواہ بچی ہے اپنی ذات سے پڑھائی کے علاوہ تو کچھ اور سوجھتا ہی نہیں بھابی شکایت کرتی ہیں کہ کالج سے آنے کے بعد بھی سب وقت کتابوں اور کچن میں گزار دیتی ہے۔ کہیں آتی جاتی ہی نہیں۔"

"اس کا یہ سال بھی تو بہت اہم ہے نا میڈیکل فورتھ ایئر ہے امتحان قریب ہیں۔ بہت محنت طلب ہے ایجوکیشن اس کی۔" اس نے مسکرا کر بوا کے سامنے شہوار کی روٹین کی وضاحت کی۔

"ہم نے بھی کالج یونیورسٹیوں میں وقت گزارا ہے۔ اسکول کے پچھلی طرف سے اندر نہیں آتے ہم مگر وقت کی رفتار بھی تو ہمارے جیسی نہیں رہی ہے۔ ہمارے دور کی نسل اور اب کی نسل میں بڑا فرق ہے بیٹے۔ بہت محنت کرتی ہے شوق بھی بہت ہے اسے ڈاکٹر بننے کا۔ بس دن رات ایک خواب دیکھتی ہے اللہ میری بچی کا ہر خواب پورا کرے۔" وہ اپنے بارے میں کچھ کہتے کہتے بات پلٹ گئی تھیں۔ مصطفیٰ کے اندر اک تجسس نے سر ابھارا۔

"زبردست اس کا مطلب ہے آپ بھی ایجوکیٹڈ خاتون رہ چکی ہیں اپنے وقت کی۔ ویسے آپ کی ایجوکیشن کہاں تک ہے؟" وہ بڑے فریش موڈ میں ان سے استفسار کر رہا تھا۔ تابندہ بی نے بغور مصطفیٰ کی دلچسپی کا مطالعہ کیا۔

"پھر بھی یونیورسٹی میں وقت گزرا آپ نے تو یقیناً ڈگری لیول تک کی تعلیم تو حاصل کی ہوگی؟"

"انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کیا تھا میں نے۔" انہیں بتانا پڑا تھا۔

"کیا.....؟" مصطفیٰ حیرت سے گنگ انہیں دیکھتا رہ گیا۔

"حیرت ہے کبھی لگا نہیں کہ آپ اتنی تعلیم یافتہ رہی ہیں۔" اس نے برملا حیرت کا اظہار کیا۔

"بس وقت و حالات نے ٹھوکروں کی زد پر رکھ دیا۔ تو سب ڈگریاں وقت کی دھول ثابت ہوئیں۔" ان کے لہجے میں دکھ کی آمیزش تھی۔

"تو شہوار کے فادر آئی مین سکندر انکل کی کوالیفکیشن کیا تھی؟" اس کی دلچسپی ایک دم کافی بڑھ چکی تھی۔ تابندہ بوا کے اندر دکھ نے کروٹ بدلی۔

"وہ ابروڈ کے فارغ التحصیل تھے پاکستان میں آکر انہوں نے لیکچرر شپ جوائن کی تھی۔ میں ان کی اسٹوڈنٹ تھی۔ والدین کی وفات کے بعد وہ تنہا رہتے تھے۔ میں ماں اور پھر باپ کی وفات کے بعد تنہا ہاسٹل میں رہ رہی تھی۔ وہ اچھے کردار کے سلجھے ہوئے انسان تھے اور مجھے ایک سہارے کی ضرورت تھی بس کچھ دوستوں کے توسط سے ان کو رشتہ دیا گیا اور پھر ہماری شادی ہو گئی۔" تابندہ بی کی آنکھوں میں گزرے وقت کی فلم چل رہی تھی۔ لہجے میں گزرے وقت کی کرچیاں سمٹ آئی تھیں جیسے.....!

"پھر......؟"

"بس سکندر صاحب کی زندگی نے چند سال وفا نبھائی ان کی وفات کے بعد میں پھر زمانے کے رحم و کرم پر تھی بابا صاحب اور بھائی صاحب لوگوں سے دور کی رشتہ داری تھی مجھے سر چھپانے اور اپنی عزت و کردار کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے چھت جیسے مضبوط سائبان کی ضرورت تھی۔ عقد ثانی کو دل نہ مانا اور پھر یہاں چلی آئی باقی ساری زندگی حویلی کی اس چار دیواری میں گزر گئی۔ پر اللہ میری بچی کی قسمت میری جیسی نہ بنائے۔ اسے دنیا جہاں کی خوشیاں نصیب کرے۔" مصطفیٰ حقیقت میں تابندہ بی کی زندگی سے از حد متاثر ہوا تھا۔ اس کی نگاہوں میں تابندہ بی کے لیے عزت و تکریم مزید بڑھ گئی تھی۔

"آپ نے بڑی اسٹرگل کی ہے آپ کے دیگر رشتہ دار خالہ، چچا، انکل کے رشتہ دار زندہ دلی کوئی تعلق دار نہ تھا؟" تجسس انسان کی فطرت کا حصہ ہے وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"جب ماں باپ نہ رہے تو قریبی کوئی تعلق نہ رہا۔ میں کون سا کسی لینڈ لارڈ کی بیٹی تھی یا سکندر کوئی امیر کبیر تھے۔ محنت اسٹرگل سے جو بھی کمایا تعلیم کی حد تک ہی تھا۔ غریب والدین کی اکلوتی اولاد ہیں آج مرے کل دوسرا دن کوئی خیر خبر رکھنے والا نہ کوئی پوچھنے والا اگر کوئی تھا تو اس کی اپنی غرض تھی۔ کسی خالہ ماموں نے سر پر ہاتھ رکھنا بھی چاہا تو عزت و کردار پر حرف آتا تھا اور مجھ جیسی عورت جسے عزت کے لیے صرف چار دیواری کی ضرورت تھی۔ بس خاموشی سے عزت بچا کر حویلی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئی اور کرتی بھی کیا؟ ایک تنہا عورت چند ماہ کی بچی گود میں لیے کب تک دنیا کی سختیاں سہتی بس یہاں آ کر ماضی بھلا دیا اور زندگی کے دن پورے کرنے لگی۔ سب سے بڑھ کر میرے لیے شہوار کی زندگی اہم تھی اور اس کے لیے سب نام و نسب بھول گئی۔" تابندہ بوا کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی تھی۔

کیا عظیم عورت تھیں اور کیا کمال کا حوصلہ تھا۔ وہ سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہ میں کوئی عام نسب اور خاندان کی عورت تھی اور نہ ہی سکندر بہت اونچے اور اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے مگر وقت نے سب کچھ چھین لیا۔ ماں باپ نے نازوں سے پالا مگر اکلوتے بیٹے کی کوئی خوشی دیکھنا نصیب نہ ہوئی خاندان والوں کے لیے سکندر سے بڑھ کر دولت و جائیداد اہم تھی اور پھر سکندر نے سب کچھ چھوڑ کر معمولی لیکچرار کی جاب حاصل کر لی۔ زندگی کی گاڑی اچھی چل رہی تھی مگر......؟" تابندہ بوا کے آنسو باقاعدہ بہہ رہے تھے مصطفیٰ بس خاموشی سے انہیں دیکھے گیا۔

"امی کیا ہوا ہے آپ کو...... کیوں رو رہی ہیں؟" شہوار اچانک باہر آئی تو ماں کو آنسو بہاتے دیکھ کر تڑپ کر قریب آئی۔

تابندہ نے فوراً آنسو صاف کیے تھے۔ بچی کے سامنے رونے کی وہ کبھی غلطی ہی نہ کرتی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا بیٹا بس ویسے ہی۔"

"ویسے ہی کبھی کوئی نہیں روتا سچ سچ بتائیں مصطفیٰ بھائی کیا ہوا ہے؟ کیوں روئی ہیں امی۔" وہ بے حد پریشان ہو چکی تھی آگے بڑھ کر ماں کے آنسو صاف کرتے اس نے پریشانی سے مصطفیٰ کو بھی دیکھا۔

"میں نے بھلا کیوں رونا ہے اتنی فرماں بردار میری بیٹی ہے ساری عمر کے بعد اب دل کو قرار ملا ہے۔ سکھ پا رہی ہوں بس گزرا وقت یاد آ گیا اور بھلا کیوں روؤں گی۔ تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ کوئی بات نہیں ہوئی ہے دیکھو ذرا عظمت کیا کر رہی ہے دوپہر ڈھل رہی ہے رات کے کھانے کا دیکھو آج کیا پکانا ہے۔" وہ تخت سے اتر گئی تھیں مگر شہوار کی پریشانی کم نہ ہوئی۔

"آپ ہمیشہ مجھے اسی طرح ٹال جاتی ہیں۔ بچی نہیں ہوں میں جو کچھ سمجھ نہ سکوں۔ مصطفیٰ بھائی آپ نے یقیناً امی سے ابو کے متعلق پوچھا ہو گا ہے نا؟" کتنا پکا تھا اس کا اندازہ اور کتنی گہری تھی اس کی نگاہ۔

"اب اس بے چارے کے پیچھے مت پڑ جانا۔ چلو تم بھی میرے ساتھ کچن میں دیکھو بلکہ بتاؤ مجھے کہ آج کیا پکاؤں؟ مصطفیٰ بیٹا تمہیں کیا پسند ہے۔" وہ اسے ٹالتے ہوئے

ساتھ ہی مصطفیٰ سے بھی پوچھ رہی تھیں۔

☆☆☆

اتنی خوب صورت نہایت کوالیفائیڈ خاتون تھیں اور زندگی گزارنے کا کیا کمال حوصلہ اور ضبط رکھتی تھیں ساری زندگی حویلی والوں کی خدمت میں گزار دی۔ وہ نہایت دکھ سے انہیں دیکھے گیا۔

اس عمر میں بھی ان کا حسن حزن و سوز میں ڈوبا دیکھنے والے کو مبہوت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا نجانے ان کی جوانی کیسی تو بہ شکن ہوگی۔ مصطفیٰ ان کو بغور دیکھتا سوچے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"جو مرضی پکالیں آپ جو بھی پکائیں گی میں خوش دلی سے کھالوں گا۔" اس نے محبت سے کہتے ان کا مان رکھا تھا وہ مسکرا دیں۔

"جیتے رہو۔"

"ٹھیک ہے آج شہوار کی پسند کا کھانا بنواتی ہوں تمہیں بھی پسند آئے گا۔ چلو شہوار کچن میں آجاؤ کل تو تم نے چلے ہی جانا ہے ماں کے ساتھ تھوڑا وقت ہی گزار لو۔" وہ بڑے بہانے سے اس کا دھیان ہٹانے کو ہاتھ پکڑ کر کچن کی طرف چل دی تھیں۔ مصطفیٰ پرسوچ نگاہوں سے دونوں کو کچن کے دروازے سے اندر گم ہوتا دیکھتا رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

کالج سے آنے کے بعد وہ باقی سارا وقت روم میں بند رہی تھی۔ ڈنر بھی اس نے بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے جان چھڑا لی تھی۔ بڑی عجیب سی رات گزری تھی۔ وہ اپنی ذات اپنے احساسات سے خود بھی گھبرا چکی تھی۔ وہ خود بھی اس ڈپریشن کا حل چاہتی تھی۔

وہ مسلسل ولید ضیاء سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی اکا دکا دن سنڈے کا تھا۔ جب چھٹی ہونے کی وجہ سے لیٹ ناشتہ کرنے کے عادی تھے تو صبح جلدی ناشتہ کرتے وہ ولید سے سامنا کرنے سے بچ گئی تھی۔

ناشتے کے بعد وہ کمرے میں بند ہوگئی تھی۔ رات سوئی نہیں تھی پچھلی رات کی بھی بے خوابی نیند خود بخود آنے لگی تھی وہ بے خبر سوگئی تھی اور پھر گیارہ بجے آنکھ کھلی تھی۔

اتنا تو وہ جانتی تھی کہ ولید اس کے ڈپریشن کے متعلق گھر والوں سے ذکر نہیں کرے گا مگر اسے جب بھی موقع ملے گا اس سے تفصیلی گفتگو ضرور کرے گا۔

دراصل وہ اپنے اس ڈپریشن کی اصل وجہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ اٹھتے ہی وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ بارہ بجے کے قریب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو روشی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ ٹی وی آن تھا۔

"خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا۔ ہوا کیا ہے تمہیں کل سے کمرہ نشین ہوئے بیٹھی ہو۔ مجھے پتہ تھا کہ اسٹڈی کر رہی ہو مگر اسٹڈی بھی اتنے گھنٹوں پر محیط۔" وہ خاموشی سے روشی کے طنز کو نظر انداز کرتے صوفے پر ٹک گئی اور روشی چینل پر چینل بدل رہی تھی۔

"باقی لوگ کہاں ہیں؟" اس نے گھر کی خاموشی بطور خاص نوٹ کی۔

"ولی بھائی تو احسن کے ساتھ کہیں باہر نکل گئے ہیں۔ انکل بھی پتا نہیں کہاں نکلے ہیں البتہ بابا اپنے کمرے میں ہیں اور پھوپو کا تمہیں پتا ہے کہ سنڈے کو بھی وہ بوتیک میں ہوتی ہیں۔"

"ہوں۔"

"بڑی دیر تک سوئیں تم کیا رات نیند نہیں آئی تھی؟"

''نہیں بس ویسے ہی سستی طاری ہے اور کچھ نہیں تم سناؤ کل ذکر کر رہی تھیں کہ شاپنگ کا موڈ ہے' آج پھر جانا ہے یا نہیں۔''

''جانا تو ہے مگر تمہارا انتظار تھا کہ محترمہ کی نیند کب مکمل ہوتی ہے۔''

''یار دو راتوں سے نہیں سوئی تھی۔''

''اسی لیے تو منع کرتی ہوں کہ اتنی کافی اچھی نہیں ہوتی' وہ بھی رات کے وقت۔''

''تو کیا کریں ڈیئر' کافی نہ پیوں تو لگتا ہے مر جاؤں گی۔'' وہ بے چارگی سے بولی تھی۔

''میڈیکل اسٹوڈنٹ تم خود ہو۔ تمہیں خود ہی اندازہ ہونا چاہیے کہ ہر چیز ایک خاص لمٹ میں ہی اچھی لگتی ہے۔ کافی کون سی بڑی صحت بخش چیز ہے' ایک نشہ ہی تو ہے اور نشہ کوئی بھی ہو صحت کے لیے ہارمفل ہی تو ہوتا ہے' اپنی اس عادت کو چینج کرو' ایک دو کپ تو ٹھیک ہیں مگر اتنی زیادہ پینا بھی اچھی بات نہیں۔'' وہ تشویش سے کہہ رہی تھی لاائبہ دی۔

''او کے ڈونٹ وری اگلی دفعہ خیال رکھوں گی۔''

''ولی نے میرے بارے میں کوئی بات کی۔'' کچھ سوچتے ہوئے اس نے روشی سے پوچھا۔

''نہیں' بس صبح سے ایک دو بار تمہارا پوچھا تھا۔ میں کتنی بار تمہارے کمرے میں گئی' ایک بار وہ بھی گئے تھے مگر تم سو رہی تھیں کیوں خیریت؟''

''ہاں...... بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' روشی پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''تم بیٹھو میں چینج کر کے آتی ہوں پھر شاپنگ کے لیے چلتے ہیں۔ ویسے پھوپو کہہ رہی تھیں کہ ڈریسز کے لیے خوار ہونے کی ضرورت نہیں ہر طرح کی ورائٹی بوتیک سے مل جائے گی۔ ساتھ میچنگ جیولری شوز اینڈ چیزیں بھی۔'' وہ اٹھتے اٹھتے کہہ رہی تھی۔ وہ تیار ہونے چل دی تو وہ اسی طرح سستی لیے ٹی وی دیکھتی رہی۔

''ارے ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہوئی ہو چلنا نہیں ہے؟'' روشی چینج کر کے چادر اور بیگ لے کر لوٹی تو وہ سلمندی سے بیٹھی ملی تھی۔

''تم گاڑی نکلواؤ میں آتی ہوں۔'' اپنے کمرے میں آ کر الماری سے چادر نکال کر بیگ تھام کر مطلوبہ اماؤنٹ چیک کرتی وہ باہر آئی تو وہاں لان میں ولید اور احسن کو کھڑے دیکھ کر چونکی۔ روشی ان کے پاس ہی کھڑی تھی جبکہ ڈرائیور گاڑی نکال چکا تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ جسدروی سے چلتی روشی کے پاس چلی آئی۔ سرسری سا سلام کر کے اس نے بیگ کھول لیا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' ولید نے اسے بغور دیکھا جبکہ وہ ان کے بجائے بیگ کی طرف متوجہ تھی۔ جانے کیا چیک کر رہی تھی وہ کل صبح کے بعد اب دکھائی دے رہی تھی۔

''ہم پہلے ماما کے پاس بوتیک چلیں گے ماما سے مشورہ کر کے پھر کہیں اور چلیں گے۔'' اسی مصروف انداز میں اس نے روشی سے کہا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو ولید نہایت سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر چہرہ موڑا۔

''ہم جا رہے ہیں احسن بھائی۔ صغریٰ گھر میں ہے اسے میں نے سمجھا دیا ہے ماموں اور آپ لوگوں کو وقت پر لنچ کرا دے گی۔ ہم ماما کے پاس جا رہی ہیں ان کو ساتھ لے کر ہی کہیں جائیں گی۔'' ڈرائیور دروازے کھولے منتظر تھا۔

''چلو روشی۔'' وہ ان کو بتا کر گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ روشی بھی بیٹھی تو گاڑی چل دی تھی۔ لا نے آنکھوں پر گلاسز چڑھائے بڑی سستی سے سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا دیا تھا۔



انہیں کچھ دیر بعد واپسی کے لیے نکلنا تھا مصطفیٰ مہر النساء بیگم سمیت اسے بھی تیاری کرنے کا کہہ کر کہیں باہر نکل گیا تھا۔

وہ اس وقت اپنے کمرے میں کھڑی بیگ تیار کر رہی تھی تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"یس......!" عظمت دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔

"بو اجی آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔"

"اچھا میں آتی ہوں۔" اسے بھیج کر بیگ کی زپ بند کرتے وہ دوپٹا سر پر درست کرتے تابندہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ نماز ادا کر کے بستر پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"آؤ بیٹھو ادھر۔" وہ ان کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔

"تیاری کر لی۔"

"جی۔"

"مصطفیٰ بابا صاحب کے ساتھ باہر گیا ہوا ہے؟ پٹواری سے دونوں کو شاید کوئی کام تھا آتے ہی ہوں گے۔" انہوں نے خیال ظاہر کیا تھا وہ چپ ہی رہی۔

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔" انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

"جی کہیے۔" انہیں سوچتا پا کر کہا۔

"تمہارے لیے بھابی بیگم نے مصطفیٰ کا رشتہ دیا ہے۔"

"جی......!" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ اس کے لیے یہ انکشاف کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" وہ بے یقین سی تھی۔

"بڑوں کے درمیان یہ بات کافی عرصے سے چل رہی تھی۔ اصل میں بابا صاحب اور باقی لوگ بھی یہی چاہتے تھے کہ تمہارا رشتہ خاندان کے لڑکوں میں سے ہی کسی کے ساتھ ہو۔" انہوں نے مزید بتایا۔

"مگر امی یہ کیسے ممکن ہے؟ ہمارا کون سا ان لوگوں کے ساتھ کوئی خونی یا نسبی تعلق ہے۔ عادلہ بھابی بے شک خاندان کی نہیں ہیں مگر ان کی ذات برادری ان سے میچ تو کرتی ہے نا۔ ہائی سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہیں اور ہم ان کے ملازم بھی نہیں۔" اس کے دل میں برسوں کی تلخی ایک دم ابھر آئی تھی۔

"ایسی بات نہیں شہوار بیٹا' ان لوگوں نے مجھے ہمیشہ بیٹی کا مان دیا ہے۔ عزت دی کبھی کم نسب یا گھٹیا خاندان کا طعنہ نہیں دیا۔"

"یہ اس لیے کہ آپ واقعی ان کے خاندان کی نہیں تھیں تو دور کی رشتہ داری تو تھی نا جبکہ میرا باپ نجانے کون تھا۔ امی میں نے ہمیشہ اس گلٹ کے ساتھ زندگی گزاری ہے کہ نجانے ہم کون ہیں اور ادھر کیوں ہیں۔ دوسروں کے ٹکڑوں پر زندگی گزارنا بڑا ہی شرمناک عمل ہے اور میں نے ہر لمحے اس شرمناک اذیت کو اپنے وجود میں محسوس کیا ہے۔" تابندہ بی حیرت سے شہوار کے خیالات سن رہی تھیں۔ اس کے اندر ایسا لاوا پل رہا ہے وہ حیرت زدہ تھیں۔

"امی مخمل میں کبھی ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا۔ میں اپنی حیثیت اپنے مرتبے سے واقف ہوں ایسا قطعی ممکن نہیں ساری عمر کے لیے اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں گی۔ ان کے ٹکڑوں پر پلنے والی لڑکی ان کے گھر کا ایک حصہ بنے میں کبھی اپنی ذات سے نظریں نہ ملا پاؤں گی۔ آپ انکار کر دیں پلیز۔" اس کے لہجے میں کوئی لچک نہ تھی۔

''مگر شہوار بھابی یا گھر کے کسی فرد نے ہمیں کبھی اجنبی یا غیر ہونے کا احساس نہیں دیا۔ عباس کے ساتھ تمہارا نام لیا گیا تب مجھے اعتراض تھا کہ تم ابھی کم عمر ہو مگر اب تو مصطفیٰ ہر لحاظ سے پرفیکٹ لڑکا ہے۔ میں ماں ہوں میرا دل ماں کا دل ہے اور ایک ماں اپنی اولاد کے لیے سب سے اچھی اور سب سے بہتر چیز کا انتخاب کرتی ہے میں انکار نہیں کروں گی۔''

''امی پلیز میں بڑی خوددار ہوں اور عزت نفس کا پاس رکھنے والی لڑکی ہوں۔ مجھے یہ رشتہ قبول نہیں۔ آنٹی یا دیگر لوگ اگر ایسا سوچتے یا چاہ رہے ہیں تو یہ ان لوگوں کی محبت اور بڑا پن ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ یہ قطعی بے جوڑ تعلق ہے کہاں وہ لوگ اور کہاں مجھ جیسی لڑکی؟'' تابندہ بی گم صم انداز میں شہوار کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنی ذات پر ہی ہنس رہی تھی۔

وہ تو بہت مطمئن اور پرسکون تھیں کہ شہوار کی تربیت میں کوئی کمی نہیں۔ اس کی شخصیت بہت پرفیکٹ ہے مگر یہ احساس کمتری کہاں سے آ گیا تھا وہ گنگ تھیں۔

''امی پلیز یہ مت سمجھیے گا کہ میں احساس کمتری کا شکار ہوئی ہوں۔ امی میں اپنی حیثیت جانتی ہوں۔ اول روز سے خود کو یہ باور کروایا ہے کہ یہ ہمارے محسن ہیں اور اگر محسن اپنے روبرو اپنے پاس جگہ عنایت کر دیں تو یہ ان کی وسیع القلبی ہے مگر احسان لینے والے کو چاہیے کہ اپنی اوقات یاد رکھے۔ امی میں اپنے ضمیر کے سامنے سرخرو رہنا چاہتی ہوں۔ پلیز آئندہ اس ٹاپک کو مجھ سے ڈسکس نہ کیجیے گا۔''

''شہوار بیٹے تم سمجھنے کی کوشش کرو ایسی بات نہیں تم کسی سے کم نہیں تم تو......!'' انہوں نے کچھ مزید کہنا چاہا مگر شہوار نے ان کی بات کاٹ دی۔

''پلیز امی جی......! میری خودداری کو برقرار رہنے دیں۔ وہ پتا نہیں کس موڈ میں آ کر یہ نیکی کرنا چاہ رہے ہیں۔ مگر مجھے یہ نیکی قبول نہیں نہیں۔ ساری عمر ان لوگوں میں ایک کمپلیکس کا شکار رہتے زندگی نہیں گزار سکتی نہایت کم درجے یا گھریلو ملازمین میں بھی ہمارا درجہ نہیں آتا۔ ہم صرف پناہ گزین ہیں اور پناہ گزین کو صرف پناہ درکار ہوتی ہے مزید حیثیت سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ آئندہ آپ اس موضوع پر بات نہیں کریں گی ورنہ میں اپنی تعلیم وہیں ادھوری چھوڑ کر آ جاؤں گی۔'' اس کا لہجہ نہایت دوٹوک اور اٹل تھا کہ تابندہ بی حیرت سے دیکھ رہی تھیں کہ یہ آیا وہی شہوار ہے یا پھر کوئی اور لڑکی ہے۔

''میں بھابی اور بابا صاحب کو بھلا کس منہ سے انکار کروں گی۔ میں ساری عمر کے احسانات کیسے بھلا دوں؟ بھائی صاحب اتنی عزت کرتے ہیں میری بیٹا تم کچھ بھی نہیں جانتیں جو میں جانتی ہوں یہ انکار محض جذباتیت ہے اور کچھ بھی نہیں۔'' انہوں نے سمجھانا چاہا تھا۔

''تو پھر مجھے بتائیں نا کہ حقیقت کیا ہے؟ کون ہوں میں آپ کو ان لوگوں پر اتنا اعتماد اور بھروسا کیوں ہے؟ کوئی تو رشتہ دار ہوگا نا میرے باپ کا؟ آپ کے رشتہ دار یہ لوگ ہیں تو میرے باپ کا نام و نشان کن لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ آپ آج یہ بھی بتا ہی دیں نا۔'' وہ سوال جو برسوں سے صرف ماں کو دکھنہ ہو کبھی اس کے لبوں پر نہ آیا تھا اب کیسے سنسناتا تیر بن کر تابندہ بی کے دل میں لگا تھا۔ وہ بے اختیار رو دیں۔

''شہوار میں نے ساری زندگی تمہاری پرورش تمہارے بہتر مستقبل کے لیے قربان کر دی اب اس عمر میں تم ماں پر سنگ باری کرو گی؟'' ماں کے آنسو دیکھ کر اس کے اندر اپنی سخت لفظی پر ندامت نے سر اٹھایا۔

''پلیز امی اس ٹاپک کو یہیں دفن کر دیں۔ میں آئندہ کبھی ایسے الفاظ استعمال نہیں کروں گی نجانے کیسے یہ سب کہہ دیا۔ معافی چاہتی ہوں بس آپ منع کر دیں۔'' ماں کے ہاتھ تھام کر وہ خود بھی سسک اٹھی تھی۔ اپنے الفاظ پر خود بھی شرمندہ ہو رہی تھی۔

''میں کیسے منع کر دوں اور منع کرنے کے بعد میں دوبارہ کیسے اس حویلی میں رہنے کی ہمت کر سکتی ہوں۔ شہوار اپنی ماں پر ترس کھاؤ جب مجھ پر زندگی کے دروازے چاروں اطراف سے بند ہو گئے تھے تو ان لوگوں نے مجھے پناہ دی تھی۔ میں کسی عام خاندان کی عورت نہ تھی۔ اپنی ماں کو کانٹوں پر مت گھسیٹو ساری عمر کانٹوں پر سفر کرتے میرا تن من چھلنی

چکا ہے بھسم ہو چکا ہے۔ دولت جائیداد نام و نسب فخر و غرور سب کچھ تھا۔ مگر وقت نے ظالم جلاد کی طرح سب کچھ چھین کر دربدر کر دیا۔ تمہارا باپ کوئی عام انسان یا شخص نہ تھا یقین کرو میری بات پر۔" وہ شدت سے رو دیں۔

"تو پھر ادھر کیوں پناہ لی آپ نے پڑھی لکھی تھیں آپ کہیں بھی رہ لیتی۔"

"ہاں کہیں بھی رہ لیتی میں مگر زندگی صرف سانسیں لینے کا نام نہیں بیٹی زندگی کی چند ور احتیاجات بھی ہیں۔ ایک جوان عورت کب تک چند ماہ کی بچی کو تھامے اپنے آپ کو بھیڑیوں کا شکار بننے سے بچاتی۔ مجھے تحفظ ہی نہیں اپنی عزت بچانے کے لیے چار دیواری بھی درکار تھی اور یہ حویلی ہی آخری امید تھی میری۔" شہوار لب بھینچے بیٹھی رہی۔ اس کی ماں غلط نہ تھی اس کی خواہش غلط نہ تھی۔ مگر وہ اپنی خوددار طبیعت کا کیا کرتی۔

عادلہ جیسی عورتیں تو اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتیں اور وہ ساری عمر کم مرتبہ پناہ گزین ہونے کی زنجیروں میں جکڑی اپنی ہی ذات سے کبھی نظریں نہ ملا پاتی اور وہ طعنے سہتے سہتے اپنی عزت نفس کی قربانی دے جاتی۔

مصطفیٰ شاہ زیب جیسے لوگ تو قسمت والیوں کو ملتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو خوش قسمت نہیں سمجھتی تھی۔

"اگر آپ انکار نہیں کریں گی تو میں خود انکار کر دوں گی مگر امی اس حویلی میں رہنے کے بدلے مجھے اپنی خودداری اور سیلف ریسپکٹ گروی نہیں رکھنی۔ ساری گستاخی کے لیے معافی چاہتی ہوں اللہ حافظ۔" وہ اٹل لہجے میں کہہ کر اپنا فیصلہ سنا کر باہر نکل گئی تھی۔ تاہید بیگم غم زدہ بیٹھی رہ گئی تھیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

❁

ٹوٹا ہوا تارا ۔۔۔ سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شہوار کالج سے واپس آتی ہے تو مہر النساء بیگم اسے اپنے اور مصطفیٰ کے ساتھ حویلی چلنے کا کہتی ہیں۔ سفر کے دوران مہر النساء بیگم مصطفیٰ کو اس کی شادی کرنے کا فیصلہ سناتی ہیں۔ مصطفیٰ کافی حیران ہوتا ہے اور فی الحال شادی نہ کرنے کا کہتا ہے۔ مگر مہر النساء اس کی بات ٹال جاتی ہیں پھر سارا سفر شہوار اور مہر النساء کی باتوں میں گزرتا ہے۔ تابندہ بوا لاکر سے ماضی کا ایک البم نکال کر دیکھ رہی ہوتی ہیں کہ اچانک ایک تصویر پر نظر پڑتے ہی وہ رو پڑتی ہیں۔ مصطفیٰ باغ کی جانب سے آتی خوب صورت غزل کی آواز سن کر ٹھٹک جاتا ہے۔ شہوار کو یوں غزل گاتے دیکھ کر وہ اس کی خوب صورت آواز کی تعریف کیے بنا نہیں رہ پاتا۔ شہوار مصطفیٰ کو عباس اور عادلہ کی ازدواجی تلخیوں کے سبب سے آگاہ کرتی ہے اور جب وہ عادلہ کے رویے کی وجہ اپنی ذات بتاتی ہے تو مصطفیٰ کافی حیران ہوتا ہے اس کے مزید تفصیل پوچھنے پر وہ عادلہ کے بھائی ایاز عبدالقیوم کی حرکتوں کا بتاتی ہے تو مصطفیٰ اسے بے فکر رہنے اور اس کی مدد کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ ولید ادا کو پریشان اور روتا دیکھ کے کافی پریشان ہو جاتا ہے اور اس سے اس کی پریشانی کی وجہ پوچھتا ہے مگر وہ ٹال جاتی ہے اور وہ روشی کو اس سے پوچھنے کی تاکید کر کے چلا جاتا ہے۔ مصطفیٰ لیپ ٹاپ پر ایاز عبدالقیوم کی معلومات دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب ہی مہر النساء بیگم کمرے میں آکر شہوار اور اس کے رشتے کے فیصلہ کا بتاتی ہیں تو وہ رشتہ کے لیے ہامی بھر لیتا ہے۔ گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے ولید ادا کو کالج ڈراپ کرتا ہے راستے میں ادا سے اس کی پریشانی کی وجہ پوچھنے پر ادا شدت سے رو پڑتی ہے جس پر ولید حیران رہ جاتا ہے۔ مہر النساء مصطفیٰ کو تابندہ بوا کی زندگی کے متعلق بتاتی ہیں کہ کس طرح سکندر کی موت کے بعد انہوں نے شہوار اور خود کو سنبھالا تو مصطفیٰ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ شہر جانے سے قبل تابندہ شہوار سے اس کے اور مصطفیٰ کے رشتہ کے متعلق بات کرتی ہیں تو شہوار صاف انکار کر دیتی ہے۔ تابندہ غم زدہ سی رہ جاتی ہیں۔

اب آگے پڑھئے

واپسی کے وقت تابندہ بی ان تینوں کو باہر تک خدا حافظ کہنے آئی تھیں۔ بابا صاحب نے اندر سے ہی انہیں اللہ حافظ کہہ دیا تھا۔

"بہت اچھی طرح سوچ لو میں شام کو فون کروں گی۔" مہر النساء بیگم تابندہ بوا کے گلے ملتے ایک دفعہ پھر ان کو یاددہانی کروا رہی تھیں۔ انہوں نے غائب دماغی سے سر ہلا دیا تھا۔

"مجھے انکار قطعی نہیں سننا۔" انہوں نے محبت بھری دھونس سے کہا تھا۔ شہوار ان کے الفاظ سن چکی تھی اس نے ایک گہری نگاہ چپ چاپ ماں پر ڈالی۔

"اچھا اللہ حافظ امی جان۔ جو بھی گستاخی کی ہو اس کے لیے معاف کر دیجیے گا۔" ان کے گلے لگ کر وہ مسکرا اٹھی تھی کہ بہر حال اس نے ماں کو تکلیف دینے کا سوچا بھی نہ تھا۔ انہوں نے بھی نم آنکھوں سے اس کی پشت تھپتھپائی تھی۔

"ایک دفعہ پھر سوچنا بھائی نے سوچ کر جواب دینے کو کہا ہے۔ یہ عمر بھر کے فیصلے ہیں یوں پل بھر کی جذباتیت میں نہیں ہو جاتے۔" انہوں نے پھر سمجھانا چاہا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے آنکھیں صاف کرتی ان سے جدا ہو گئی تھی۔

"اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔" ان سے نظریں چرا کر وہ گاڑی کی سمت چلی آئی تھی۔

"او کے بوا جی اللہ حافظ۔" مصطفیٰ بھی ان سے پیار لے کر گاڑی کی طرف چلا آیا تھا۔ ملازم سامان رکھ چکا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ماں کے لیے پچھلا دروازہ کھولا تو مہر النساء بیگم بیٹھ گئی تھیں۔

"آپ محترمہ آگے ہی بیٹھیے۔" شہوار نے مہر النساء بیگم کی تقلید کرنا چاہی تو اس نے ٹوک دیا۔ اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کر فرنٹ ڈور کھول چکا تھا۔ شہوار نے لب بھینچے ماں کی طرف دیکھا وہ بھی دیکھ رہی تھیں۔ جانے انہوں نے مصطفیٰ کے الفاظ سنے تھے یا نہیں انہوں نے ہاتھ ہلایا تو وہ بھی مسکرا کر ہاتھ ہلاتی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا تھا۔ شہوار کے اندر ماں کو اس طرح انکار کر کے اذیت دینے پر پہلے ہی ندامت نے ڈیرہ ڈال دیا تھا اوپر سے ان کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی مہر بہ لب رہی۔ تابندہ بی مسلسل ہاتھ ہلا رہی تھیں۔ مصطفیٰ نے بھی ہاتھ ہلاتے گاڑی اسٹارٹ کی۔ تیز رفتاری سے گاڑی کچے سے نکال کر جیسے ہی پکی سڑک پر آئی تو مصطفیٰ نے رفتار نارمل کر لی۔ شہوار ابھی تک کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھتے آنسو بہا رہی تھی۔

"یہ دن گزرنے کا تو پتا ہی نہیں چلا۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے تھوڑی دیر پہلے ہی تو یہاں پہنچے تھے اب واپس جا رہے ہیں۔" ماں جی کی آواز پر مصطفیٰ مسکرا دیا۔

"اب خیر ایسی بات بھی نہیں ہے آپ خواتین کو تو کوئی نہ کوئی مصروفیت مل ہی جاتی ہے بزی ہونے کے لیے۔ مجھے تو لگ رہا تھا کہ جانے کتنے دن ہو گئے ہیں یہاں آئے ہوئے۔" مصطفیٰ نے کہتے ہوئے ان کی طرف توجہ دی تو اسے محسوس ہوا کہ شہوار مسلسل گردن کھڑکی کی طرف موڑے سوں سوں کر رہی ہے۔

"کیا بات ہے شہوار رو رہی ہیں؟" اس نے فوراً متجسس ہوتے پوچھا تو شہوار نے بجائے اس کی طرف دیکھنے کے صرف گردن نفی میں ہلا دی تھی۔

"ظاہر ہے ماں سے مل کر جو آنا تھا، بندہ کو روتے دیکھ کر رونا تو آئے گا ہی نا۔" مہرالنساء بیگم نے فوراً کہا تھا۔

"تم گاڑی روکو شہوار تم میرے پاس پیچھے آ جاؤ۔ آگے بیٹھی تو بس روتی ہی رہو گی۔" محبت بھرے انداز میں بولی تھیں۔

"لو جی کیا منطق ہے، پیچھے بیٹھنے سے محترمہ کے آنسو رک جائیں گے، پچھلی سیٹ میجک سیٹ ہے جو آنسو روک دیتی ہے۔" مصطفیٰ نے پرمزاح انداز میں کہا۔

"تم تو ہو ہی آدم بیزار۔ بات کرو گے نہ بچی کا دل بہلاؤ گے، یوں اسے ماں ہی یاد آئے گی نا۔ روئے گی نہیں تو بہلایا کرے گی۔" انہوں نے کہا تو مصطفیٰ نے اپنی مسکراہٹ بمشکل ہونٹ دانتوں تلے دبا کر روکی۔

"کیا فرمائش ہے والدہ محترمہ کی جانب سے محترمہ کا دل بہلانے کی۔ پوچھ لیں محترمہ سے کہ دل بہلانے پر ناراض تو نہیں ہوں گی۔" اس کا لہجہ انتہائی شرارتی تھا۔ مہرالنساء بیگم بات کو سمجھ کر ایک دم ہنس دی تھیں۔ جبکہ شہوار تو اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی تھی۔ ایسی جملے بازی وہ بھی ماں کی موجودگی میں اس کا دل کانپا۔

"چلو چپ کرو، تنگ نہ کرو میری بچی کو۔" انہوں نے بیٹے کو ڈپٹا۔

"لو جی خود ہی تو کہہ رہی ہیں کہ ان کا دل بہلاؤں۔ اب دل بہلانے کے سو طریقے ہیں اب مجھے نہیں پتا کہ ان کو کس طریقے سے بہلاؤں کہ یہ آنسو بہانا چھوڑ کر مسکرانے لگیں۔"

"تم کچھ نہ کرو بس گاڑی روکو شہوار پیچھے میرے پاس بیٹھے گی۔"

"یہ نیک خیال آتے ہوئے کیوں نہ آیا تھا۔ آپ کے سونے کے بعد تو یہ محترمہ باقی سارا رستہ بور ہی ہوتی رہی تھیں۔" شہوار کو حیرت ہوئی تو کیا اس نے اسے اتنا آبزرو کیا تھا۔

"تب یہ رو تو نہیں رہی تھی۔" انہوں نے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

"اچھی منطق ہے۔" اس نے سائیڈ میں گاڑی روک کر ساتھ ہی فرنٹ ڈور ان لاک کیا تو شہوار آہستگی سے اتر کر پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی تھی۔ مہرالنساء بیگم اس کا ہاتھ محبت سے تھامتے دوسرے ہاتھ سے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر تھپتھپانے لگی تھیں۔

مصطفیٰ نے بیک ویو مرر سے دیکھا، چادر کے ہالے میں صرف چہرے کی نوک سے جھلکتی سرخ ناک ہی دکھائی دے رہی تھی۔

"پریشان کیوں ہوتی ہو؟ جب بھی تمہارا دل چاہے گا شہر سے کچھ وقت نکال کے چلے جائیں گے۔ میں تو آتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ چلے مگر بابا صاحب کی وجہ سے وہ نہیں مانی۔" انہوں نے اسے دلاسا دیا تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے ڈیش بورڈ پر رکھی منرل واٹر کی بوتل اٹھا کر ماں کی طرف بڑھا دی تھی۔

"لو یہ پانی پیو۔" انہوں نے بوتل لے کر اسے کہا تو وہ چادر سے چہرہ صاف کرتی بوتل لے کر پینے لگی۔ مرر سے اس کا رویا رویا سرخ چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی اور جتنا وہ روک رہی تھی آنسو اتنی ہی شدت سے بہتے جا رہے تھے۔ مصطفیٰ کو ایک دم احساس ہوا کہ صرف ماں سے جدا ہونے کے احساس سے اس قدر روانی سے آنسو نہیں بہہ سکتے۔ وہ پہلے بھی بارہا جدا ہوئی تھی ایسی حالت تو کبھی نہ تھی۔ ایک بار پہلے بھی وہ اس کے ساتھ ماں سے مل کر واپس شہر کے لیے روانہ ہوئی تھی تب وہ خاموش ضرور تھی مگر اب اس طرح بڑی شدت سے رونا؟ وہ الجھ کر مرر میں سے گاہے بگاہے دیکھ رہا تھا۔ مہرالنساء بیگم اسے آہستہ آواز میں نجانے کیا سمجھا رہی تھیں۔ وہ سنجیدگی سے دونوں کو وقفے وقفے سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی چپ ہو کر خاموش ہو گئی تھی۔

"کیا بات ہے بوا جی سے کوئی بات ہوئی ہے؟" کافی دیر بعد جب کہ مہرالنساء خاتون کی آنکھ لگ گئی تھی وہ سفر میں ضرور سو جاتی تھیں۔ انہیں سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر سوتے دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔ شہوار جو باہر دیکھ رہی تھی نگاہ ہٹا کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ مرر سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے چہرے کا رخ ایک بار پھر باہر کی طرف کر لیا تھا۔

"مجھے تو یہی لگ رہا ہے کہ کہیں کوئی بات ہوئی ضرور ہے۔ ورنہ پرسوں بھی تم سفر میں ساتھ تھیں ایسی لاتعلق اور اجنبی تو پرسوں نہ تھیں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" اپنے تاثرات پر قابو پاتے خود کو نارمل کرتے اس نے کہا تھا۔

"خیر لگ تو نہیں رہا تم کہتی ہو تو مان لیتے ہیں۔" مرر میں سے مسکراتی نگاہوں کا تصادم عجیب سا تھا وہ پل ہی تھوڑا سا اور دروازے سے لگ گئی تھی۔

"ماں جی نے مجھ سے ایک بات کی ہے۔ یقیناً بوا جی نے تم سے بھی ڈسکس کیا ہو گا۔ کیا خیال ہے...... کیا رائے ہے تمہاری؟" وہ جھجک کر انجان بنتے پھر باہر دیکھنے لگی۔

مصطفیٰ سے اس کی بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی مگر اس سفر کے بیچ اب تک ان کے درمیان جتنی بھی باتیں ہو چکی تھیں اس سے مصطفیٰ کے مزاج و انداز کے تمام رنگوں سے وہ اندازہ لگا رہی تھی کہ مصطفیٰ اس پرپوزل سے بے خبر نہیں ہے ورنہ وہ اب اس سے یہ بات قطعی نہ کرتا۔

"تم نے جواب نہیں دیا؟" اس نے اپنا سوال دہرایا تو اس بار شہوار کے لیے لاتعلق رہنا ممکن نہ ہو سکا۔

"میں سمجھی نہیں۔ ماں جی سے تو میری کئی ٹاپکس پر ڈسکشن ہوتی ہے۔ اسی طرح ممی سے بھی۔ خصوصاً اللہ بخش بھائی والے ایشو پر بھی۔ میں پہلے بھی پوری کوشش کرتی ہوں ان سے لاتعلق رہنے کی اب مزید کروں گی۔" مصطفیٰ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ اس کے تاثرات سے قطعی اندازہ نہ ہو سکا کہ بوا جی نے اس سے دونوں کے رشتے والی بات سے متعلق ڈسکس کیا ہو۔

"اس کے علاوہ کوئی اور بات بوا جی نے تم سے نہیں کی۔" وہ اپنے بارے میں اس کی رائے جاننا چاہتا تھا مگر اس کے تاثرات سے ایسے ہی لگ رہا تھا کہ جیسے وہ سرے سے کچھ جانتی ہی نہ ہو۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔

"ماں جی بطورِ خاص اسی لیے گاؤں آئی تھیں بوا جی سے بات بھی کی تھی اور کیا ممکن ہے کہ بوا جی نے آپ سے ڈسکس نہ کیا ہو؟ آپ کی رائے یا مرضی دریافت نہ کی ہو؟" وہ پر سوچ نظروں سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں آپ سے متعلق بات کی تھی اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔" مصطفیٰ نے اس کی سنجیدگی پر حیرت سے دیکھا۔

"میرے متعلق کیا بات کی تھی؟"

"یہی کہ آنٹی آپ کے لیے کوئی لڑکی پسند کر چکی ہیں جلد ہی آنٹی آپ کا رشتہ طے کر دیں گی اسی سلسلے میں وہ ممی اور بابا صاحب کی مرضی جاننے کے لیے گاؤں آئی تھیں۔"

"اس کے علاوہ میرا مطلب ہے تم نے پوچھا نہیں کہ لڑکی کون ہے؟" بمشکل اپنے آپ پر قابو پاتی شہوار کو اب اپنی ہتھیلیاں بھیگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"پوچھا تھا کہہ رہی تھیں کہ خاندان کی ہی ہے۔ ایک دو دن میں پتا چل جائے گا مجھے بھی۔" ہاتھوں کو مسلتے وہ پھر باہر کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے غور سے دیکھا۔ مرے سے اس کا سایہ پوز ہی دکھائی دے رہا تھا۔

"چلیں ہم بھی دیکھ لیں گے شہوار بی بی۔ اب تک آپ لاعلم رہتی ہیں۔" اس نے اپنی تمام تر توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول کر دی۔



"ہو گئی واپسی بازار کی خاک چھان کر؟" جیسے ہی دونوں نے لاؤنج میں قدم رکھا احسن بھائی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ظاہر ہے واپسی ہوئی ہے تو اس وقت دکھائی دے رہی ہیں۔" صوفے پر گرتے اس نے احسن کو جواب دیتے اطراف میں دیکھا۔ ٹی وی پر کوئی "ٹاک شو" چل رہا تھا۔ ضیا ماموں اور وقار احمد صاحب دونوں ادھر متوجہ تھے۔ احسن اور ولید بھی ایک ہی صوفے پر براجمان ادھر ہی متوجہ تھے مگر اب دونوں کی آمد پر ان کی توجہ اس جانب ہو گئی تھی۔ منصور خان بڑے بڑے شاپنگ بیگز اٹھائے چلا آیا تو اماں نے اسے دیکھا۔

"یہ کہاں رکھوں بی بی صاحب؟"

"ماما کے روم میں رکھ دو وہ آ کر ایک دفعہ چیک کر لیں گی۔" سینڈل سے اپنے پاؤں آزاد کر کے صوفے پر رکھ کر وہ ہاتھوں سے پیروں کی انگلیاں دبانے لگی تھی۔

"عظمت پانی لے آؤ۔" روشی نے آواز دی تو ولی نے دونوں کو دیکھا یعنی کہ شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔

"ولی یار! میں سوچتا ہوں کہ مرد اتنی محنت اور تگ و دو کر کے کماتا ہے یہ عورتیں بازاروں میں یہ ساری کمائی جھونک آتی ہیں بھلا ایسا کیوں ہوتا ہے؟" وہ بظاہر سنجیدہ تھا مگر اس سنجیدگی میں جو شرارت پنہاں تھی اماں نے گھور کے بھائی کو دیکھا۔ عظمت پانی لے آئی تھی اس نے گلاس لے کر لبوں سے لگایا۔

"یار اس میں تمہاری سوچ کا کوئی قصور نہیں۔ عورت کی فطرت ہی یہ ہے مرد کی کمائی کو یہ خرچ کر کے روحانی تسکین حاصل کرتی ہے۔ اگر عورت بازار کا چکر نہ لگائے تو بازار سنسان ہو جائیں چلو مردوں کے کمانے کا ایک فائدہ تو ہوتا ہے کہ کسی کا فائدہ ہو جاتا ہے اور ان کی روحانی حس تسکین پا جاتی ہے۔"

"اوف ولی بھائی یہ آپ دونوں کیا ٹاپک لے کر بیٹھ گئے ہیں؟ کبھی عورتیں یہ کام کرتی ہیں مجبوری اور شوقیہ دونوں صورتوں میں ہم کون سا روز جاتے ہیں۔ شادی کی شاپنگ کی ہے ورنہ تو کچھ نہیں۔" اماں نے ولید کے الفاظ پر اسے گھور کر سامنے ٹی وی کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ روشی نے جواب دیا تھا۔

"کہہ تو تم بھی ٹھیک رہی ہو اپنے ساتھ بیٹھی اس حسین خاتون سے پوچھ کر ذرا بتاؤ کہ ان کا موڈ کیوں آف ہے۔" روشی کو بہلا کر اس نے اماں کو چھیڑا تھا۔ اب کی بار وقار اور ضیا ماموں بھی متوجہ ہوئے تھے۔ وہ سب کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

"کیوں کیا ہوا ہے اماں کو؟" سب سے پہلے ضیا ماموں نے ہی لب کشائی کی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا ماموں جان بس یونہی ایسے ہی کہہ رہے ہیں۔" اس نے فوراً وضاحت دی تھی۔ بہت کم عرصے میں وہ اتنا تو اچھی طرح جان چکی تھی کہ ولید خاصا اسٹریٹ فارورڈ ہے۔

"مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے میں کچن میں جا رہی ہوں۔" اس نے وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی تھی۔

"کیوں بازاروں میں کھانے کی اشیاء دستیاب نہیں تھیں؟" ولی نے پھر چھیڑا تھا۔

"جانے بھی دیں ولی بھائی، بے چاری اتنی مشکل سے تو بازار جانے کے لیے تیار ہوئی تھی اب میں اکیلی پھوپو کے علاوہ اور کیا یاد رکھوں۔" روشی کو ولید کو ٹوکنا پڑا تو وہ ہنس پڑا۔

"مسئلہ کیا ہے؟ لڑائی تو نہیں ہو گئی تم دونوں میں۔" ضیا صاحب کو ولید کا انداز کچھ عجیب سا لگا تو فوراً ٹوکا۔ ان کے ٹوکنے پر وہ فوراً سنبھل گیا۔

"ارے نہیں بابا جان۔ ایسی قطعی کوئی بات نہیں۔ بس اسے یونہی تنگ کر رہا تھا۔"

"ذرا دھیان سے رہنا اسے یونہی چھیڑو یا تنگ کرو گے تو وہ فوراً واک آؤٹ کر جاتی ہے۔" احسن نے اسے ڈرایا تھا۔

"اندازہ ہو رہا ہے۔" اس نے پرسوچ انداز میں کچن کے دروازے کی طرف دیکھا جہاں وہ کچھ پل قبل غائب ہوئی تھی۔

"آئندہ اسے چھیڑنے کی غلطی بھی مت کرنا۔ بمشکل راضی ہوتی ہے جرمانے کے طور پر جیب ہلکی کروانا پڑتی ہے۔" احسن کی بات پر وہ ہنس دیا۔

"ہائیں......!"

"آپ کیا اس کی برائیاں کر رہے ہیں۔ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ موڈی ہے ذرا اور تو کچھ نہیں۔" روشی احسن سے اس کی باتیں سن کر ایک دم بولی تھی۔ ویسے بھی وہ اسے بہت عزیز تھی اس کے بارے میں اتنا سا بھی سن ہی نہیں سکتی تھی۔

"ہاں ٹھیک تھا جن پر وہی بیتے تو وہ دینے لگے۔" وہ اس کے جتاتے انداز پر جھینپ سی گئی تھی۔

"محترمہ ایسی ایویں والا ڈیپارٹمنٹ آپ خواتین کا ہے۔ ہم تو اسٹریٹ فارورڈ قسم کے لوگ ہیں جو بھی کہتے ہیں منہ پر کہتے ہیں۔" وہ کہاں باز آنے والا تھا۔ روشی نے اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔

"روشی! صغراں سے کہو ایک کپ کافی بنا کر بھیج دے۔" اسے اٹھ کر جاتے دیکھ کر ولی نے کہا تو وہ مڑ گئی۔

"آپ کو کیا ہوا ولی اس وقت کیوں لگتی جا رہی ہے؟ کافی بھی کوئی پینے والی چیز ہے۔ نری کڑوی کسیلی بدمزہ سی کافی۔" اس نے فوراً اعتراض کیا تھا۔

"مجھے جس وقت جس چیز کی طلب ہو، وہی مانگوں گا۔ چلو کافی نہیں چائے ہی بھجوا دو کچھ تو ہو۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" وہ کچن میں آئی تو اماں کھانا کھا کر برتن سمیٹ کر سنک میں رکھ رہی تھی۔ جبکہ صغریٰ چائے تیار کر کے باقی لوازمات ٹرالی میں سجا چکی تھی۔

"چلو شکر ہے چائے تیار ہے۔ اماں لاؤنج میں سب چائے مانگ رہے ہیں۔ تم لے جاؤ میں ذرا اپنا حلیہ درست کر آؤں۔" وہ کہہ کر جلدی سے نکل گئی تھی۔ وہ اب دوبارہ ولید کا سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس نے منہ بنایا۔

"صغریٰ سب ریڈی ہے تم خود ہی لے جاؤ۔ میرا پوچھیں تو کہہ دینا میں چائے پی چکی ہوں اور اپنے کمرے میں ہوں۔"



رات کو وہ لوگ واپس پہنچے تھے تھکن سے برا حال تھا کھانا کھا کر سب اپنے اپنے کمروں کو چل دیے تھے اور اب ناشتے کی ٹیبل پر سب بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ عادل بھائی کی وجہ سے غیر محسوس خاموشی کا دورانیہ مزید بڑھ گیا تھا۔

"شہوار بی بی گاڑی تیار ہے۔" ملازمہ نے آ کر ڈرائیور کا پیغام دیا تھا۔

"میں آتی ہوں۔" وہ جلدی ناشتا ختم کر کے وہ ٹیبل پر ہی رکھی اپنی فائل، باکس اور بیگ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اوکے بابا میں بھی چلتی ہوں اللہ حافظ۔" اپنے پیچھے مصطفیٰ کی آواز سن کر بھی وہ بغیر پلٹے باہر نکل آئی تھی۔

"شہوار ٹھہرو۔" وہ گاڑی کے کھلے دروازے میں بیٹھ رہی تھی جب مصطفیٰ کی آواز سن کر ٹھہر گئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اسی کی طرف آ رہا تھا۔

"آج سے تمہیں ڈراپ کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔ تم میرے ساتھ جایا کرو گی رہ گئی پک کرنے کی بات تو وہ ڈرائیور کر لے گا۔" اس کے قریب پہنچ کر اس نے اپنے روکنے کی وجہ بیان کی تو وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"مگر وہ کیوں بھلا؟ میں تو روزانہ ڈرائیور کے ہمراہ ہی جاتی ہوں نا۔"

"آپ نے ایاز والے معاملے میں پاپ کا کہا تھا آئی مین یا اسی سلسلے کا ایک اسٹیپ ہے یا سمجھیں؟"

"سمجھ تو گئی ہوں پر اس سے کیا ہوگا؟" اسے مصطفیٰ کے ساتھ جانے پر اعتراض تھا اسی لیے اس نے کچھا گواری سے کہا تھا۔

"انسان وقت و حالات کو قابو کرنے کے لیے ڈفرنٹ اسٹریٹیجیز اپناتا ہے۔ اسے بھی ایک اسٹریٹیجی سمجھو۔ میرا خیال ہے باقی بحث ہم گاڑی میں بیٹھ کر کر لیتے ہیں۔ اگر اسی طرح کھڑے رہیں تو ہم دونوں ضرور لیٹ ہو سکتے ہیں۔" اس کی آنکھوں کی الجھن کو پڑھتے اس نے مسکرا کر کہا اور ساتھ ہی وہ اپنی گاڑی کی طرف چل دیا جو پورچ میں ہی کھڑی تھی۔

"بیٹھو۔" اس کے قریب گاڑی لا کر فرنٹ سیٹ کھول کر اسے بیٹھنے کا کہا تو عادل ناخواستہ بیٹھ گئی۔

"کچھ دور آنے کے بعد اس نے گردن موڑ کر شہوار کو دیکھا وہ سنجیدہ چہرہ لیے باہر دیکھ رہی تھی اس کے دیکھنے پر بولی۔

"میں ڈرائیور کے ساتھ ہی جاتی ہوں اسی کے ساتھ جانے دیں۔ میں نے آپ سے مدد کا ضرور کہا تھا مگر مجھے آپ کے ساتھ جانا قطعی مناسب نہیں لگ رہا۔"

"تمہیں جب ساری زندگی کے لیے انسان ذمہ داری اٹھا رہا ہے تو یہ ذرا سی زحمت کیا معنی رکھتی ہے؟ بہرحال اس وقت میرے پیش نظر تمہاری حفاظت مقدم ہے؟" وہ اس کے پہلے جملے پر ہی الجھ گئی تھی۔ اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔ یعنی بڑوں میں جو بھی معاملہ طے پا رہا تھا اس کی باقاعدہ رضامندی سے طے ہو رہا تھا۔

وہ خاموش رہی مصطفیٰ نے اس کے سنجیدہ سے چہرے کو دیکھا۔ براؤن بڑی سی کڑھائی والی چادر میں سارا وجود لپیٹے وہ اس وقت خاصی مغرور اور پر وقار سی لگی۔ مصطفیٰ کو طمانیت کا احساس ہوا تھا۔

"میں ایاز عبدالقیوم کی قسم کے لوگوں کو قطعی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ایسے لوگ جسے کاغذ کے شیر ہوتے ہیں۔ ہاں میں اپنے دشمن کو کبھی بزدل سمجھ کر نظر انداز نہیں کرتا۔ ہر آن ہر صورت میں اس کی طرف سے چوکنا رہتا ہوں۔ خصوصاً ایسے بے وقوف قسم کے لوگوں سے ہر قسم کے رویوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔ عادلہ بھابی کا بھائی ہونا ہی اس شخص پر نظر رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ایک دن وہ تمہیں میری گاڑی سے اترتے دیکھ لے گا تو دوسرے دن اسے اتنا احساس ضرور ہے گا کہ وہ تمہاری طرف قدم بڑھاتے ہوئے سو بار ضرور سوچے گا۔" وہ بہت تحمل اور بردباری سے اسے اپنے لائحہ عمل کے فوائد و نتائج سے آگاہ کر رہا تھا۔

"اس لائحہ عمل کے باوجود اس نے کوئی حرکت کی تو؟" اس نے یوں پوچھا جیسے ابھی بھی اس کی وضاحت سے غیر مطمئن ہو تو وہ مسکرا دیا۔

"تو ہم کس لیے ہیں۔ تم نے مجھے سب بتا کر جو اعتماد دیا ہے اس میں مجھے کسی چیلنج میں ڈال دیا۔ ایک مشہور کہاوت ہے کہ گھی اگر سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑتی ہیں۔" یا لیہ ہے کہ انسان کر یہہ قسم کا ہو تو اس کے لیے ہزار او ہوتے ہیں آزمانے کو ہمیں بھی تمام حربے سمجھانے کے لیے ہیں کہ ایسے شخصوں سے کیسے نمٹتے ہیں۔ وہ اگر کوئی اور حرکت کرے گا تو یقیناً ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہم بھی نہیں بیٹھیں گے۔ میں چاہتا تو ڈائریکٹ ایکشن لے سکتا تھا مگر میرے لیے اپنے خاندان کی عزت آبرو کی حفاظت زیادہ مقدم ہے۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کو اس طرح ہینڈل کروں کہ تم پر کوئی حرف آئے اور نہ ہی کوئی اور ایشو اٹھے۔" ٹھہرے لہجے میں کہتے اس نے آخر میں اسے دیکھا تو وہ کچھ سوچتے اپنے ہی کسی خیال میں الجھی ہوئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس کے ملیح روشن تر و تازہ چہرے کو بغور دیکھتے اس نے استفسار کیا تو وہ چونک کر نفی میں سر ہلا گئی۔

"پریشان ہو؟" کل سارے سفر میں اس کا جو رویہ اور انداز رہا تھا وہ ایک طرف اس وقت بھی وہ خاصی الجھی ہوئی دکھائی دی تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہیں میں پریشان نہیں ہوں۔ ہاں آپ کے اس لائحہ عمل سے ضرور الجھ گئی ہوں۔ خیر آپ نے اتنا بڑا اسٹیپ اٹھانے کا ارادہ کیا ہے تو یقیناً سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔"

"جب مجھ پر اعتبار کیا ہے تو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس کے الفاظ میں ایک دم سختی در آئی تھی۔ "عورت جتنی خوف زدہ ہو مرد اسے اتنا ہی آسان شکار سمجھ کر شکار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں تو تمہیں خاصی بہادر لڑکی سمجھ رہا تھا۔"

"کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اس آوارہ بدمعاش انسان کے رویوں کو جس طرح میں نے برداشت کیا ہے وہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کی حرکات اس کے الفاظ اس کے تمام ردعمل آپ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ عادلہ بھابی اور ان کا یہ بھائی میری زندگی کا سب سے بڑا امتحان ہیں۔ کیا بتاؤں آپ کو۔" وہ ایک دم رو دی تھی اور مصطفیٰ حیرت سے گنگ اسی کنارے پر بیٹھا رہ گیا تھا۔

تو کیا وہ شخص تمام حدود پار کر گیا ہے؟ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ بات محض چھیڑ چھاڑ تک ہوگی۔ تو کیا ابھی بتانے کو اور بھی بہت کچھ باقی تھا۔ ایک آوارہ انسان کس طرح کیچ کر قدم اٹھانے والی لڑکی کے پندار کو ٹھیس پہنچا گیا تھا۔ وہ حیرت زدہ تھا۔

"کیا دھمکیاں دیتا ہے تمہیں؟" اس کے لب و لہجے میں ایک دم چٹانوں کی سی سختی در آئی تھی۔ وہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس شخص کا آوارہ پن خلاف کی صورت کس حد تک گیا ہوگا۔

"یہ تو بہت ہی اول درجے کی صورت ہے۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ کالج کی چار دیواری میں پناہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ذلت و رسوائی کے احساس سے مر جانے کو جی چاہتا ہے۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی سسکیاں بھر گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دبا لیے۔

"مجھے مکمل کر بتاؤ شہوار وہ کس طرح کی لینگوئج یوز کرتا ہے اور کیا کیا دھمکیاں دیتا ہے؟" اس کے اندر کا غیور مرد ایک دم بپھر اٹھا تھا گاڑی ایک جھٹکے سے سائیڈ میں روکتے پتھر یلے تاثرات لیے پوچھ رہا تھا۔

"پلیز مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھیں میں نے بہت مجبور ہو کر آپ سے اس مسئلے پر مدد چاہی ہے آپ خود سمجھدار با شعور انسان ہیں۔ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس حد تک جا سکتا ہے اور کن نتائج کی دھمکیاں دے سکتا ہے۔ میں بہت عرصہ چپ رہی ہوں مگر اب مزید کوئی ذلت نہیں سہہ سکتی۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر مکمل رو دی۔

مصطفیٰ کے اندر گویا آتش فشاں ابل پڑا۔ اس نے جھٹکے سے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی تھی۔

اتنے ریش انداز میں گاڑی بھگاتے دیکھ کر شہوار نے خوف زدہ ہو کر اسے دیکھا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے بالکل سیدھ میں دیکھتے گاڑی چلا نہیں رہا تھا بلکہ اڑا رہا تھا۔ اس خاندان کے تمام مرد ہی غیرت وعزت کے نام پر بڑے غیور تھے مر مٹنے والے۔

"کیا میں نے تمام کچھ بتا کر بہت برا کیا ہے؟" خوف سے اس کے آنسو رک گئے تھے چادر سے چہرہ صاف کرتے اس نے نہایت خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر میں اسے نہ بتاتی تو خود ہی مر جاتی۔" وہ خود ہی نڈھال ہو گئی تھی۔ چند منٹ بعد اس کی گاڑی میڈیکل کالج کے سامنے تھی۔

"آپ؟" اس نے اس کے تیوروں سے خائف ہو کر کچھ کہنا چاہا مگر اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اترنے کے بعد اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔

"آؤ اترو۔" اس کے تاثرات ہنوز تھے۔

"تمہیں اس شخص سے خوفزدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس کو کیسے ہینڈل کرنا ہے یہ سب یہ میرا مسئلہ ہے۔ ڈونٹ وری اوکے......" اپنے اسی سنجیدہ انداز میں کہہ کر اس نے اسے اترنے کا اشارہ کیا تو وہ اپنی فائل بکس اور بیگ تھامے اتر آئی۔

"واپسی پر ڈرائیور لینے کے لئے آئے گا میں سمجھا دوں گا۔" وہ اسے یہیں تک چھوڑنے آیا تھا۔

"اللہ حافظ۔" وہ اس کے تیوروں سے خائف ہوتی بس یہی کہہ پائی تھی۔

"اللہ حافظ۔" وہ اندر چلی گئی تھی جب وہ پلٹ کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا اب کے اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے تھے۔ وہ جانے کتنی دیر تک گم صم بیٹھی رہی تھی اسے خود بھی پتا نہیں تھا۔

"شہوار۔" اپنے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس کرتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا اناتھی جو منتظر سی کھڑی تھی۔

"کہاں غائب تھیں۔ میں کتنی دیر سے گیٹ پر نظریں جمائے تمہاری منتظر کھڑی تھی اور تمہیں کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟" ہاتھ ملا کر وہ اس کے ساتھ بینچ پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

"کچھ نہیں بس دو تین منٹ پہلے ہی آئی ہوں۔ میں ادھر بیٹھ کر تمہیں ہی دیکھ رہی تھی۔" انا نے اسے بغور دیکھا آنکھوں کی سرخی سے وہ چونکی مگر شہوار کے اٹھنے پر بغیر کچھ پوچھے خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آنٹی کیسی ہیں اور کیسی چھٹیاں گزاریں؟" ساتھ ساتھ چلتے انا نے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

"امی ٹھیک ہیں بس اچانک آنٹی کا پروگرام بن گیا تھا اس لیے تمہیں بروقت اطلاع نہ کر سکی۔ مجھے یقین تھا کہ اطلاع نہ کرنے پر تم مجھے کوستی ہوگی۔"

"ہاں غصہ تو مجھے بڑا آیا تھا۔ پرسوں سارا دن بہت بور ہوئی میں۔ ذرا دل نہ لگا کالج میں کچھ خاص اسٹڈی بھی نہ ہوئی بس اسپتال کا چکر لگا تھا۔" وہ دونوں باتیں کرتی اپنے کلاس روم کی طرف آ رہی تھیں ان کی کلاس اوپر تھی۔ پہلے زینہ طے کرنا تھا۔

نہ سوچا تھا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی

بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

دونوں کسی بات پر مسکراتے سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جب اچانک کسی کونے سے نکل کر وہ شخص کسی آسیب کی طرح سامنے آیا تھا۔

"اف...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تمہیں تمیز نہیں...... ہٹو سامنے سے۔" انا تو ایک دم غصے سے پھنکاری تھی۔

وہ نگاہوں میں وارفتگی سمیٹے مسکراتے ہوئے شہوار کو دیکھ رہا تھا۔

"اسے بدتمیزی نہیں جذبہ عشق کہتے ہیں۔ کیسی ہیں محترم خاتون شہوار سکندر صاحبہ۔" اس نے انا کو جواب دینے کی بجائے والہانہ نظروں سے شہوار کے چہرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔

شہوار کے چہرے پر بدمزگی کے تاثرات تھے۔ وہ کتنا نظرانداز کرتی اس کو۔

''شٹ اپ ہٹو سامنے سے.... تمہارے جیسے آوارہ لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہتے۔''وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

''محترمہ شہوار صاحبہ آپ منہ نہ لگنے کی بات کرتی ہیں ہم تو خواب و خیال میں روزانہ جمال یار میں وصل خمار کے نجانے کون کون سے مراحل طے کر لیتے ہیں۔ کل تو خیر اتوار تھا پرسوں کہاں تھیں آپ؟''اس کی بکواس پر اس نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

''خیر نہ بتائیں نہیں تو ویسے بھی سب پتا چل ہی جاتا ہے۔ مصطفیٰ شاہزیب کے ساتھ چھٹیاں گزارنے محترمہ گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ شاہزیب علی ملک اعلیٰ عہدے پر ہیں۔ مگر دھیان رکھنا زیادہ اونچا ہاتھ مارو گی تو منہ کے بل بھی گر سکتی ہو۔''انداز دھمکی آمیز تھا۔

''کیا بکواس ہے یہ؟ تم ہوتے کون ہو اس کے ساتھ بدتمیزی کرنے والے۔ اپنی لمٹ میں رہو تم سمجھے ورنہ میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تک تمہاری شکایت پہنچا دوں گی۔''انا کے لیے یہ سب برداشت کرنا ناممکن تھا ایک دم چیختے ہوئے اس نے کہا تھا۔

''بصد شوق انا صاحبہ آپ اپنی عزیز از جان ہستی کے لیے یہ شوق بھی پورا کر دیکھیے گا۔ اس کے بعد ہم جو سین کیری ایٹ کریں گے وہ بھی ملاحظہ کیجیے گا۔ ویسے کچھ کم قیامت تو آپ بھی نہیں۔ کیا خیال ہے کسی دن فرصت میں کینٹین میں بیٹھ کر ملاقات کا خاص اہتمام نہ کیا جائے؟''

''یو شٹ اپ۔''وہ ایک دم آپے سے باہر ہوئی تھی۔ وہ کھل کر ہنس دیا۔

انکار کی یہ لذت اقرار میں کہاں ہے

بڑھتا ہے شوق غالب ان کی نہیں نہیں سے

''کوئی بات نہیں ہم تو عادی ہیں اپنی دوست کو سمجھا ئیں کسی دن ملاقات کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کالج میں نہیں تو باہر کسی ہوٹل میں ہم جہاں بھی چاہیں۔ چاہو اس کی ہونی ان ہیں ہم کریں گے۔ جیسا ماتھ میں ہونا چاہیے دنیا کسی میں ہوتی ہے اور ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم نے کبھی ''انکار'' کا لفظ نہیں سنا۔''وہ نجانے کیا کیا بکواس کر رہا تھا دونوں حیرت سے منہ کھولے اس کی گھٹیا سوچ سن رہی تھیں۔

''ویسے بھی اوروں کے دور پہ پلنے والی لڑکی اپنی ''خودی'' کا ڈھنڈورا پیٹ کر اچھی عزت دار ہو کے الفاظ استعمال کرے کچھ جچتے نہیں۔ ایسی لڑکیاں ہمارے لیے شو پیس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔''

''شٹ اپ۔''برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اس کا ہاتھ بے اختیار اٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ شہوار کا ہاتھ اس کے چہرے پر پڑتا ایاز عبدالقیوم نے نہایت بے دردی سے ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ہمت ہے تمہاری شہوار بی بی ورنہ ہم پر تو آج تک ہمارے ماں باپ نے ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ شکر کرو یہ لگا نہیں اگر لگ جاتا تو تم اپنے قدموں پر واپس چل کر جانے کی ہمت کھو دیتیں۔''وہ ایک دم بپھر کر گویا ہوا تھا۔ انا بھی حیرت زدہ کھڑی رہ گئی تھی کتنا دھمکی آمیز سفاک انداز تھا۔

''تم انتہائی ذلیل کمینے انسان ہو چھوڑو میرا ہاتھ۔''صبح صبح بات اس نہج تک آ جائے گی دونوں کے گمان میں نہ تھا۔ اس نے پوری طاقت لگا کر اس کی گرفت سے ہاتھ کھینچنا چاہا تھا مگر ناکام رہی تھی۔ وہ شخص نہایت مکروہ مسکراہٹ لیے دیکھ رہا تھا۔

''یہ نرم و نازک ہاتھ بنے ہی تو صرف پھولوں کی نزاکت محسوس کرنے کے لیے ہیں۔''اس نے سختی سے ہاتھ کھینچا تھا اور انا کی پروا کیے بغیر بھاگتے ہوئے منظر سے اوجھل ہو گئی تھی۔

''بہت ہو گئی حد ہوتی ہے برداشت کی بھی اب لگتا ہے کوئی معقول بندوبست تمہارا کرنا ہی پڑے گا۔''انا غم و غصے سے اسے کہتے فوراً تیز قدموں سے اسی طرف چل دی تھی جہاں شہوار گم ہوئی تھی۔ اسے ایک دم شہوار کی فکر ہوئی تھی۔



صبح صبح شہوار سے ہونے والی گفتگو نے اسے اس حد تک پریشان رکھا کہ وہ آفس آ کر بھی مکمل توجہ و دھیان سے کوئی کام نہ کر سکا تھا۔ بہت تھک کر خود سے الجھنے کے بعد اس نے امجد کو بلوا لیا۔

''سر آپ نے بلوایا؟''سلام کر کے وہ مؤدب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''ہاں امجد آؤ بیٹھو۔''اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا وہ اٹینشن بیٹھ گیا تھا۔

''میں نے تمہارے ذمے جو کام لگایا تھا وہ کہاں تک پہنچا؟''اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ اور فائلز کو ایک طرف کرتے اس نے مکمل توجہ سے امجد کو دیکھا۔

''سر تقریباً تمام کام مکمل ہے۔''

''ہوں، کیا رزلٹ ہے؟''

"سر میں نے فائل ریڈی کر لی ہے اگر آپ کہیں تو فائل لے آؤں۔"

"ہوں۔" وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ دو تین منٹ بعد وہ دوبارہ فائل لیے اس کے سامنے بیٹھا اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

"سر آپ نے صرف مجھ سے ایاز عبدالقیوم کے متعلق ڈیٹیل جمع کرنے کا کہا تھا مگر سر جب میں نے اس شخص کے متعلق معلومات کروائیں تو اس کے پیرنٹس کے متعلق بھی بڑے عجیب و غریب قسم کے انکشافات سامنے آئے ہیں۔" فائل اس کے سامنے رکھتے اس نے بتایا تو فائل کھولتے مصطفیٰ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مطلب؟"

"سر عبدالقیوم نامی یہ شخص ایک بہت بڑا بزنس مین ہے۔ بزنس کی دنیا میں اس کا بڑا نام ہے۔ اس کا اندرون اور بیرون ملک اچھا خاصا سرمایا انویسٹ ہے۔ ماضی میں اس کا نام ہمایوں تھا۔ غریب ماں باپ کی اولاد تھا۔ ماں باپ بچپن میں ہی کسی حادثے کی وجہ سے انتقال کر گئے تھے۔ اس کے چچا اشفاق احمد نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔ اشفاق احمد ماضی کے مشہور صنعت کار مختار احمد کا داماد تھا۔ یہ اشفاق احمد مختار احمد کی فیکٹری میں ایک معمولی ورکر تھا۔ مگر بلا کا چالباز اور موقع پرست انسان تھا۔ اس نے مختار احمد کو نجانے کس طرح اپنی چالاکیوں سے اپنا گرویدہ بنا لیا کہ اس نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی اشفاق احمد سے کر دی۔ اشفاق احمد اس کے قبضے پرست کاروبار کا مالک بن بیٹھا۔ حقائق بتاتے ہیں کہ بہت جلد مختار احمد پر داماد کی اصلیت واضح ہو گئی مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کن قدم اٹھاتا ایک کار ایکسیڈنٹ میں ان کی ڈیتھ ہو گئی۔ اشفاق احمد کی بیوی اس ایکسیڈنٹ کو قتل کا کیس کہتی تھی۔ انھوں نے اس وقت رپورٹ بھی درج کرائی تھی مگر اشفاق احمد نے معاملے کو نجانے کس طرح ہینڈل کیا کہ تمام معاملہ یکسر ختم ہو گیا۔ اب اشفاق احمد کی بھی ایک بیٹی لالہ رخ ماں کی ساری جائیداد اور کاروبار کی تنہا وارث ......" مصطفیٰ شاہ زیب کے لیے یہ ساری کہانی بڑی دلچسپ تھی۔

"زبردست بہت اچھا ہوم ورک کیا ہے تم نے تمہیں یہ ساری معلومات کیسے دستیاب ہوئیں۔" پچاس سالہ امجد خان بہت فرض شناس اور ذہین انسان تھا بلا کا معاملہ فہم اور زیرک۔

"سر یوں سمجھیں کہ ماضی میں اس ہمایوں نامی شخص سے کئی بار واسطہ پڑا ہے مختلف کیسز کے سلسلے میں ......"

"تمہارا مطلب ہے کہ اس عبدالقیوم سے؟"

"یس سر......؟"

"پھر۔"

"ایاز عبدالقیوم کی انوسٹیگیشن کرواتے ہی پتا چل گیا کہ یہ عبدالقیوم موجودہ اور ماضی کے ہمایوں احمد کا بیٹا ہے تو میرے لیے کیس کی جانچ پڑتال کرنا بہت آسان ہو گیا۔ میں اس شخص پر کئی بار کام کر چکا ہوں میرے پاس اس کے متعلق اچھا خاصا مواد موجود ہے۔ بس المیہ یہ ہے کہ اس شخص کے پاس دولت جیسی طاقت ہے وہ ہر بار اتنی صفائی سے اپنا دامن بچا کر نکل جاتا ہے کہ میری ساری محنت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ سر اس شخص سے میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں ہر مجرم کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کا میں نے مصمم ارادہ کیا ہوا ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ مکمل تعاون کا وعدہ کریں مجھے سپورٹ کریں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ اس کیس سے متعلق آپ کو وہ تمام حقائق مہیا کروں گا جو کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں گے۔" وہ امجد خان کے لہجے میں پلتی نفرت دیکھ رہا تھا۔

"سر یہ شخص جتنا شریف اور معصوم نظر آتا ہے یہ اتنا ہی گھناؤنے کردار کا حامل انسان ہے۔ سر یہ انسان کی کھال میں بھیڑیا ہے۔"

"کول ڈاؤن امجد۔" اس نے فوراً اسے ریلیکس کیا۔ "تمہارا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟"

"سر بس بتاؤں گا آپ کو بس تھوڑے سے حقائق سے نقاب کشائی باقی ہے۔ سر اس ڈیپارٹمنٹ میں میں ایک مقصد لے کر آیا تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ ہمایوں احمد کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانا۔ میرے جمع شدہ حقائق کا ایک اہم مہرہ منظر سے غائب ہے۔ لالہ رخ سر یہ بظاہر برسوں پہلے مر جانے والا کردار ہے مگر حقائق کی تلاش کے دوران مجھ پر واضح ہوا کہ اصل حقائق وہ نہیں جو نظر آ رہے ہیں۔ سر مجھے لالہ رخ کے شوہر اگر وہ مر نہیں گیا اور اس کے بچوں کی تلاش ہے بس۔"

"او ویری بہت الجھی ہوئی کہانی ہے۔ ہم یہ تو سب ہینڈل کر ہی لیں گے مجھے پہلے ایاز عبدالقیوم کے متعلق بریفنگ دو۔ مجھے فی الحال ایاز والا معاملہ ہینڈل کرنا ہے۔" مصطفیٰ کے لہجے میں ایاز کے لیے ایسی ناگواری عود کر آئی تھی کہ امجد خان نے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا۔

"سر کوئی خاص بات ہے؟"

"ہوں۔"

"ایاز کے متعلق تم نے جو بھی حقائق جمع کیے ہیں وہ بتاؤ۔"

"سر ایک بات پوچھوں برا تو نہیں مانیں گے؟" مصطفیٰ نے اسے دیکھا وہ الجھا ہوا تھا۔

"آپ نے ایاز والے معاملے میں سیاپ کا کہا تھا آئی مین یا اسی سلسلے کا ایک اسٹیپ ہے یا سمجھیں؟"

"سمجھ تو گئی ہوں پر اس سے کیا ہوگا؟" اسے مصطفیٰ کے ساتھ جانے پر اعتراض تھا اسی لیے اس نے کچھ اکواری سے کہا تھا۔

"انسان وقت و حالات کو قابو کرنے کے لیے ڈفرنٹ اسٹریٹیجیز اپناتا ہے۔ اسے بھی ایک اسٹریٹجی سمجھ لو۔ میرا خیال ہے باقی بحث ہم گاڑی میں بیٹھ کر کر لیتے ہیں۔ اگر اسی طرح کھڑے رہیں تو ہم دونوں ضرور لیٹ ہو سکتے ہیں۔" اس کی آنکھوں کی الجھن کو پڑھتے اس نے مسکرا کر کہا اور ساتھ ہی وہ اپنی گاڑی کی طرف چل دیا جو پورچ میں ہی کھڑی تھی۔

"بیٹھو۔" اس کے قریب گاڑی لا کر فرنٹ سیٹ کھول کر اسے بیٹھنے کا کہا تو وہ بادل ناخواستہ بیٹھ گئی۔

"کچھ دور آنے کے بعد اس نے گردن موڑ کر شیوار کو دیکھا وہ سنجیدہ چہرہ لیے باہر دیکھ رہی تھی اس کے دیکھنے پر بولی۔

"میں ڈرائیور کے ساتھ ہی جاتی ہوں اس کے ساتھ جانے دیں۔ میں نے آپ سے مدد کا ضرور کہا تھا مگر مجھے آپ کے ساتھ جانا قطعی مناسب نہیں لگ رہا۔"

"تمہیں جب ساری زندگی کے لیے انسان ذمہ داری اٹھا رہا ہے تو یہ ذرا سی زحمت کیا معنی رکھتی ہے؟ بہرحال اس وقت میرے پیش نظر تمہاری حفاظت مقدم ہے؟" وہ اس کے پہلے جملے پر ہی الجھ گئی تھی۔ اپنے اعصاب چٹختے محسوس ہوئے۔ یعنی بڑوں میں جو بھی معاملہ طے پا رہا تھا اس کی باقاعدہ رضامندی سے طے ہو رہا تھا۔

وہ خاموش رہی مصطفیٰ نے اس کے سنجیدہ سے چہرے کو دیکھا۔ براؤن بڑی سی کڑھائی والی چادر میں سارا وجود لپیٹے وہ اس وقت خاصی مغرور اور پر وقار لگی۔ مصطفیٰ کو طمانیت کا احساس ہوا تھا۔

"میں ایاز عبدالقیوم کی قسم کے لوگوں کو قطعی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ایسے لوگ بس کاغذ کے شیر ہوتے ہیں۔ ہاں میں اپنے دشمن کو کبھی بزدل سمجھ کر نظرانداز نہیں کرتا۔ ہر آن ہر صورت میں اس کی طرف سے چوکنا رہتا ہوں۔ خصوصاً ایسے بیوقوف قسم کے لوگوں سے ہر قسم کے رویوں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ عادلہ بھابی کا بھائی ہونا ہی اس شخص پر نظر رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ایک دن وہ تمہیں میری گاڑی سے اترتے دیکھ لے گا تو دوسرے دن اسے اتنا احساس ضرور ہے گا کہ وہ تمہاری طرف قدم بڑھاتے ہوئے سو بار ضرور سوچے گا۔" وہ بہت تحمل اور بردباری سے اسے اپنے لائحہ عمل کے فوائد و نتائج سے آگاہ کر رہا تھا۔

"اس لائحہ عمل کے باوجود اس نے کوئی حرکت کی تو؟" اس نے یوں پوچھا جیسے ابھی بھی اس کی وضاحت سے غیر مطمئن ہو تو وہ مسکرا دیا۔

"تو ہم کس لیے ہیں۔ تم نے مجھے سب بتا کر جو اعتماد دیا ہے اس میں مجھے کسی پیچھے نہیں ہٹاؤں گا۔ ایک مشہور کہاوت ہے کہ گھی اگر سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کرنا پڑتی ہیں۔" یا ایسے ہے کہ انسان کریہہ قسم کا ہو تو اس کے لیے ہزار وہ ہوتے ہیں آزمانے کو نہیں بھی تمام گر سمجھانے کے لیے ہیں کہ ایسے شخصوں سے کیسے نمٹتے ہیں۔ وہ اگر کوئی اور حرکت کرے گا تو یقیناً ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہم بھی نہیں بیٹھیں گے۔ میں چاہتا تو ڈائریکٹ ایکشن لے سکتا تھا مگر میرے لیے اپنے خاندان کی عزت و آبرو کی حفاظت زیادہ مقدم ہے۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کو اس طرح ہینڈل کروں کہ تم پر کوئی حرف آئے اور نہ ہی کوئی اور ایشو اٹھے۔" دھیمے لہجے میں کہتے اس نے آخر میں اسے دیکھا تو وہ کچھ سوچتے اپنے ہی کسی خیال میں الجھی ہوئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس کے صبیح روشن تر و تازہ چہرے کو بغور دیکھتے اس نے استفسار کیا تو وہ چونک کر نفی میں سر ہلا گئی۔

"پریشان ہو؟" کل سارے سفر میں اس کا بجھا بجھا انداز رہا تھا وہ ایک طرف اس وقت بھی وہ خاصی الجھی ہوئی دکھائی دی تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"نہیں میں پریشان نہیں ہوں۔ ہاں آپ کے اس لائحہ عمل سے ضرور الجھ گئی ہوں۔ خیر آپ نے اتنا بڑا اسٹیپ اٹھانے کا ارادہ کیا ہے تو یقیناً سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔"

"جب مجھ پر اعتبار کیا ہے تو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس کے الفاظ میں ایک دم سختی در آئی تھی۔ "عورت جتنی خوف زدہ ہو مرد اسے اتنا ہی آسان شکار سمجھ کر شکار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں تو تمہیں خاصی بہادر لڑکی سمجھ رہا تھا۔"

"کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اس آوارہ بدمعاش انسان کے رویوں کو جس طرح میں نے برداشت کیا ہے وہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کی حرکات اس کے الفاظ اس کے تمام ردعمل آپ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے۔ عادلہ بھابی اور ان کا یہ بھائی میری زندگی کا سب سے بڑا امتحان ہیں۔ کیا بتاؤں آپ کو۔" وہ ایک دم رو دی تھی اور مصطفیٰ حیرت سے گنگ اسی کنارے پر بیٹھا رہ گیا تھا۔

تو کیا وہ شخص تمام حدود پار کر گیا ہے؟ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ بات محض چھیڑ چھاڑ تک ہوگی۔ تو کیا ابھی بتانے کو اور بھی بہت کچھ باقی تھا۔ ایک آوارہ انسان کس طرح آگے آگے بڑھ کر قدم اٹھانے والی لڑکی کے پندار کو ٹھیس پہنچا گیا تھا۔ وہ حیرت زدہ تھا۔

"کیا دھمکیاں دیتا ہے تمہیں؟" اس کے لب و لہجے میں ایک دم چٹانوں کی سی سختی در آئی تھی۔ وہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس شخص کا آوارہ پن شائستگی کی صورت کس حد تک گیا ہوگا۔

"یہ تو بہت ہی اول درجے کی صورت ہے۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ کالج کی چار دیواری میں پناہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ذلت و رسوائی کے احساس سے مر جانے کو جی چاہتا ہے۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی سسکیاں بھر گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دبا لیے۔

"مجھے مکمل کر بتاؤ شہوار وہ کس طرح کی ایٹی ٹیوڈ یوز کرتا ہے اور کیا کیا دھمکیاں دیتا ہے؟" اس کے اندر کا غیور مرد ایک دم بپھر اٹھا تھا گاڑی ایک جھٹکے سے سائیڈ میں روکتے پتھر لیے تاثرات لیے پوچھ رہا تھا۔

"پلیز مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھیں میں نے بہت مجبور ہو کر آپ سے اس مسئلے پر مدد چاہی ہے آپ خود سمجھدار با شعور انسان ہیں۔ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کس حد تک جا سکتا ہے اور کن نتائج کی دھمکیاں دے سکتا ہے۔ میں بہت عرصہ چپ رہی ہوں مگر اب مزید کوئی ذلت نہیں سہہ سکتی۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر مکمل رو دی۔

مصطفیٰ کے اندر گویا آتش فشاں ابل پڑا۔ اس نے جھٹکے سے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی تھی۔

اتنے ریش انداز میں گاڑی بھگاتے دیکھ کر شہوار نے خوف زدہ ہو کر اسے دیکھا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے بالکل سیدھ میں دیکھتے گاڑی چلا نہیں رہا تھا بلکہ اڑا رہا تھا۔ اس خاندان کے تمام مرد ہی غیرت و عزت کے نام پر بڑے غیور تھے مر مٹنے والے۔

"کیا میں نے تمام کچھ بتا کر بہت برا کیا ہے؟" خوف سے اس کے آنسو رک گئے تھے چادر سے چہرہ صاف کرتے اس نے نہایت خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر میں اسے نہ بتاتی تو خود ہی مر جاتی۔" وہ خود ہی نڈھال ہو گئی تھی۔ چند منٹ بعد اس کی گاڑی میڈیکل کالج کے سامنے تھی۔

"آپ؟" اس نے اس کے تیوروں سے خائف ہو کر کچھ کہنا چاہا مگر اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اترنے کے بعد اس کی طرف کا ڈور آ کر کھول دیا تھا۔

"آؤ اترو۔" اس کے تاثرات ہنوز تھے۔

"تمہیں اس شخص سے خوفزدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس کو کیسے ہینڈل کرنا ہے یہ سب بس میرا مسئلہ ہے۔ ڈونٹ وری او کے۔" اپنے اسی سنجیدہ انداز میں کہہ کر اس نے اسے اترنے کا اشارہ کیا تو وہ اپنی فائل بکس اور بیگ تھامے اتر آئی۔

"واپسی پر ڈرائیور لینے کے لیے آئے گا میں سمجھا دوں گا۔" وہ اسے گیٹ تک چھوڑنے آیا تھا۔

"اللہ حافظ۔" وہ اس کے تیوروں سے خائف ہوتی بس یہی کہہ پائی تھی۔

"اللہ حافظ۔" وہ اندر چلی گئی تھی جب وہ پلٹ کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا اب کہ اس کے چہرے پر تفکرات کے سائے تھے۔ وہ جانے کتنی دیر تک گم صم بیٹھی رہی تھی اسے خود بھی پتا نہیں تھا۔

"شہوار۔" اپنے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس کرتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا امامہ تھی جو متفکر سی کھڑی تھی۔

"کہاں غائب تھیں۔ میں کتنی دیر سے گیٹ پر نظریں جمائے تمہاری منتظر کھڑی تھی اور تمہیں کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟" ہاتھ ملا کر وہ اس کے ساتھ بینچ پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

"کچھ نہیں بس دو تین منٹ پہلے ہی آئی ہوں۔ میں ادھر بیٹھ کر تمہیں ہی دیکھ رہی تھی۔" امامہ نے اسے بغور دیکھا آنکھوں کی سرخی سے وہ چونکی مگر شہوار کے اٹھنے پر بغیر کچھ پوچھے خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آنٹی کیسی ہیں اور کیسی چھٹیاں گزاریں؟" ساتھ ساتھ چلتے امامہ نے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

"امی ٹھیک ہیں بس اچانک آنٹی کا پروگرام بن گیا تھا اس لیے تمہیں بروقت اطلاع نہ کر سکی۔ مجھے یقین تھا کہ اطلاع نہ کرنے پر تم مجھے کوستی ہو گی۔"

"ہاں غصہ تو مجھے بڑا آیا تھا۔ پرسوں سارا دن بہت بور ہوئی میں۔ ذرا دل نہ لگا کالج میں کچھ خاص اسٹڈی بھی نہ ہوئی بس اسپتال کا چکر لگا تھا۔" وہ دونوں باتیں کرتی اپنے کلاس روم کی طرف آ رہی تھیں ان کی کلاس اوپر تھی۔ پہلے زینہ طے کرنا تھا۔

نہ سوچا تھا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی

بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

دونوں کسی بات پر مسکراتے سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جب اچانک کسی کونے سے نکل کر وہ شخص کسی آسیب کی طرح سامنے آیا تھا۔

"اف...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟ تمہیں تمیز نہیں...... ہٹو سامنے سے۔" امامہ تو ایک دم غصے سے پھنکاری تھی۔

وہ نگاہوں میں وارفتگی سمیٹے مسکراتے ہوئے شہوار کو دیکھ رہا تھا۔

"اسے بدتمیزی نہیں جذبۂ عشق کہتے ہیں۔ کیسی ہیں محترمہ خاتون شہوار سکندر صاحبہ۔" اس نے امامہ کو جواب دینے کی بجائے والہانہ نظروں سے شہوار کے چہرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔

شہوار کے چہرے پر ہر بے کے تاثرات تھے۔ وہ کتنا نظر انداز کرتی اس کو۔

"شٹ اپ ہٹو سامنے سے...... تمہارے جیسے آوارہ لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہتے۔" وہ غصے سے چیخ پڑی تھی وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"محترمہ شہوار صاحبہ آپ منہ نہ لگنے کی بات کرتی ہیں ہم تو خواب و خیال میں روزانہ جمال یار میں وصل خمار کے نجانے کون کون سے مراحل طے کر لیتے ہیں۔ کل تو خیر اتوار تھا پرسوں کہاں تھیں آپ؟" اس کی بکواس پر اس نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

"خیر نہ بتائیں نہیں تو ویسے بھی سب پتا چل ہی جاتا ہے۔ مصطفیٰ شاہ زیب کے ساتھ چھٹیاں گزارنے محترمہ گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ شاہ زیب علی ملک اعلیٰ عہدے پر ہیں۔ مگر دھیان رکھنا زیادہ اونچا ہاتھ مارو گی تو منہ کے بل بھی گر سکتی ہو۔" انداز دھمکی آمیز تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟ تم ہوتے کون ہو اس کے ساتھ بدتمیزی کرنے والے۔ اپنی لمٹ میں رہو تم سمجھے ورنہ میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تک تمہاری شکایت پہنچا دوں گی۔" انا کے لیے یہ سب برداشت کرنا ناممکن تھا ایک دم چیختے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"بصد شوق انا صاحبہ آپ اپنی عزیز از جان ہستی کے لیے یہ شوق بھی پورا کر دیکھیے گا۔ اس کے بعد ہم جو مین کیری ایکٹ کریں گے وہ بھی ملاحظہ کیجیے گا۔ ویسے کچھ کم قیامت تو آپ بھی نہیں۔ کیا خیال ہے کسی دن فرصت میں کینٹین میں بیٹھ کر ملاقات کا خاص اہتمام نہ کیا جائے؟"

"یو شٹ اپ۔" وہ ایک دم آپے سے باہر ہوئی تھی۔ وہ کھل کر ہنس دیا۔

انکار کی پہ لذت اقرار میں کہاں ہے
بڑھتا ہے شوق غالب ان کی نہیں نہیں سے

"کوئی بات نہیں ہم تو عادی ہیں اپنی دوست کو سمجھائیں کسی دن ملاقات کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کالج میں نہیں تو باہر کسی ہوٹل کسی ریسٹورنٹ جہاں بھی چاہیں۔ چاہو اس کی انا کی تسکین ہم کریں گے۔ پیسا ہاتھ میں ہونا چاہیے دنیا مٹھی میں ہوتی ہے اور ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم نے کبھی "انکار" کا لفظ نہیں سنا۔" وہ نجانے کیا کیا بکواس کر رہا تھا دونوں حیرت سے منہ کھولے اس کی گھٹیا سوچ سن رہی تھیں۔

"ویسے بھی اوروں کے دم پر پلنے والی لڑکی اپنی "خودی" کا ڈھنڈورا پیٹ کر عزت و آبرو کے الفاظ استعمال کرے کچھ جچتے نہیں۔ ایسی لڑکیاں ہمارے لیے ٹشو پیپرز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔"

"شٹ اپ۔" برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اس کا ہاتھ بے اختیار اٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ شہوار کا ہاتھ اس کے چہرے پر پڑتا ایاز عبدالقیوم نے نہایت بے دردی سے ہاتھ تھام لیا تھا۔

"ہمت ہے تمہاری شہوار بی بی ورنہ ہم پر تو آج تک ہمارے ماں باپ نے ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ شکر کرو یہ لگا نہیں اگر لگ جاتا تو تم اپنے قدموں پر واپس چل کر جانے کی ہمت کھو دیتیں۔" وہ ایک دم بپھر کر گویا ہوا تھا۔ انا بھی حیرت زدہ کھڑی رہ گئی تھی کتنا دھمکی آمیز سفاک انداز تھا۔

"تم انتہائی ذلیل کمینے انسان ہو چھوڑو میرا ہاتھ۔" صبح صبح بات اس نہج تک آ جائے گی دونوں کے گمان میں نہ تھا۔ اس نے پوری طاقت لگا کر اس کی گرفت سے ہاتھ کھینچنا چاہا تھا مگر ناکام رہی تھی۔ وہ شخص نہایت مکروہ مسکراہٹ لیے دیکھ رہا تھا۔

"یہ نرم و نازک ہاتھ ہیں یہ ہاتھ تو صرف پھولوں کی نزاکت محسوس کرنے کے لیے بنے ہیں۔" اس نے سختی سے ہاتھ کھینچا تھا اور انا کی پروا کیے بغیر بھاگتے ہوئے منظر سے اوجھل ہو گئی تھی۔

"بہت ہو گئی حد ہوتی ہے برداشت کی بھی اب لگتا ہے کہ کوئی معقول بندوبست تمہارا کرنا ہی پڑے گا۔" انا غم و غصے سے اسے کہتے فوراً تیز قدموں سے اسی طرف چل دی تھی جہاں شہوار گم ہوئی تھی۔ اسے ایک دم شہوار کی فکر ہوئی تھی۔



صبح صبح شہوار سے ہونے والی گفتگو نے اسے اس حد تک پریشان رکھا کہ وہ آفس آ کر بھی مکمل توجہ و دھیان سے کوئی کام نہ کر سکا تھا۔ بہت تھک کر خود سے الجھنے کے بعد اس نے امجد کو بلوایا۔

"سر آپ نے بلوایا؟" سلام کر کے وہ مؤدب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"ہاں امجد آؤ بیٹھو۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا وہ اٹینشن بیٹھ گیا تھا۔

"میں نے تمہارے ذمے جو کام لگایا تھا وہ کہاں تک پہنچا؟" اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ اور فائلز کو ایک طرف کرتے اس نے مکمل توجہ سے امجد کو دیکھا۔

"سر تقریباً تمام کام مکمل ہے۔"

"ہوں کیا رزلٹ ہے؟"

''سر میں نے فائل ریڈی کر لی ہے اگر آپ کہیں تو فائل لے آؤں۔''

''ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ دو تین منٹ بعد وہ دوبارہ فائل لیے اس کے سامنے بیٹھا اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

''سر آپ نے صرف مجھ سے ایاز عبدالقیوم کے متعلق ڈیٹیل جمع کرنے کا کہا تھا مگر سر جب میں نے اس شخص کے متعلق معلومات کروائیں تو اس کے پیرنٹس کے متعلق بھی بڑے عجیب و غریب قسم کے انکشافات سامنے آئے ہیں۔'' فائل اس کے سامنے رکھتے اس نے بتایا تو فائل کھولتے مصطفیٰ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مطلب؟''

''سر عبدالقیوم نامی یہ شخص ایک بہت بڑا بزنس مین ہے۔ بزنس کی دنیا میں اس کا بڑا نام ہے۔ اس کا اندرون اور بیرون ملک اچھا خاصا سرمایا انویسٹ ہے۔ ماضی میں اس کا نام ہمایوں تھا۔ غریب ماں باپ کی اولاد تھا۔ ماں باپ بچپن میں ہی کسی حادثے کی وجہ سے انتقال کر گئے تھے۔ اس کے چچا اشفاق احمد نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔ اشفاق احمد ماضی کے مشہور صنعت کار مختار احمد کا داماد تھا۔ یہ اشفاق احمد مختار احمد کی فیکٹری میں ایک معمولی ورکر تھا۔ مگر بلا کا چالباز اور موقع پرست انسان تھا۔ اس نے مختار احمد کو نجانے کس طرح اپنی چالاکیوں سے اپنا گرویدہ بنالیا کہ اس نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی اشفاق احمد سے کر دی۔ اشفاق احمد اس کے فیملی پرسنٹ کاروبار کا مالک بن بیٹھا۔ حقائق بتاتے ہیں کہ بہت جلد مختار احمد پر داماد کی اصلیت واضح ہو گئی مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کن قدم اٹھاتا ایک کار ایکسیڈنٹ میں ان کی ڈیتھ ہو گئی۔ اشفاق احمد کی بیوی اس ایکسیڈنٹ کو قتل کا کیس کہتی تھی۔ انہوں نے اس وقت رپورٹ بھی درج کرائی تھی مگر اشفاق احمد نے معاملے کو نجانے کس طرح ہینڈل کیا کہ تمام معاملہ یکسر ختم ہو گیا۔ اب اشفاق احمد کی بھی ایک بیٹی لالہ رخ ماں کی ساری جائیداد اور کاروبار کی تنہا وارث......؟'' مصطفیٰ شاہ زیب کے لیے یہ ساری کہانی بڑی دلچسپ تھی۔

''زبردست بہت اچھا ہوم ورک کیا ہے تم نے تمہیں یہ ساری معلومات کیسے دستیاب ہوئیں۔'' پچاس سالہ امجد خان بہت فرض شناس اور ذہین انسان تھا بلا کا معاملہ فہم اور زیرک۔

''سر یوں سمجھیں کہ ماضی میں اس ہمایوں نامی شخص سے کئی بار واسطہ پڑا ہے مختلف کیس کے سلسلے میں......؟''

''تمہارا مطلب ہے کہ اس عبدالقیوم سے......؟''

''یس سر......؟''

''پھر۔''

''ایاز عبدالقیوم کی انوسٹی گیشن کرواتے ہی پتا چل گیا کہ یہ عبدالقیوم موجودہ وہ ماضی کے ہمایوں احمد کا بیٹا ہے تو میرے لیے کیس کی جانچ پڑتال کروانا بہت آسان ہو گیا۔ میں اس شخص پر کئی بار کام کر چکا ہوں میرے پاس اس کے متعلق اچھا خاصا مواد موجود ہے۔ بس المیہ یہ ہے کہ اس شخص کے پاس دولت جیسی طاقت ہے وہ ہر بار اتنی صفائی سے اپنا دامن بچا کر نکل جاتا ہے کہ میری ساری محنت دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ سر اس شخص سے میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں سو مجرم کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کا میں نے مصمم ارادہ کیا ہوا ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ مکمل تعاون کا وعدہ کریں مجھے سپورٹ کریں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ اس کیس سے متعلق آپ کو وہ تمام حقائق مہیا کروں گا جو کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں گے۔'' وہ امجد خان کے لہجے میں پلتی نفرت دیکھ رہا تھا۔

''سر یہ شخص جتنا شریف اور معصوم نظر آتا ہے یہ اتنا ہی گھناؤنے کردار کا حامل انسان ہے۔ سر یہ انسان کی کھال میں بھیڑیا ہے۔''

''کول ڈاؤن امجد۔'' اس نے فوراً اسے ریلیکس کیا۔ ''تمہارا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟''

''سر سب بتاؤں گا آپ کو بس تھوڑے سے حقائق سے نقاب کشائی باقی ہے۔ سر اس ڈیپارٹمنٹ میں میں ایک مقصد لے کر آیا تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ ہمایوں احمد کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانا۔ میرے جمع شدہ حقائق کا ایک اہم مہرہ منظر سے غائب ہے۔ لالہ رخ سر یہ بظاہر برسوں پہلے مر جانے والا کردار ہے مگر حقائق کی تلاش کے دوران مجھ پر واضح ہوا کہ اصل حقائق وہ نہیں جو نظر آ رہے ہیں۔ سر مجھے لالہ رخ کے شوہر اگر وہ مر نہیں گیا اور اس کے بچوں کی تلاش ہے بس۔''

''اوہ یہ تو بہت الجھی ہوئی کہانی ہے۔ ہم یہ تو سب ہینڈل کر ہی لیں گے مجھے پہلے ایاز عبدالقیوم کے متعلق بریفنگ دو۔ مجھے فی الحال ایاز والا معاملہ ہینڈل کرنا ہے۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں ایاز کے لیے ایسی ناگواری عود آئی تھی کہ امجد خان نے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا۔

''سر کوئی خاص بات ہے؟''

''ہوں۔''

''ایاز کے متعلق تم نے جو بھی حقائق جمع کیے ہیں وہ بتاؤ۔''

''سر ایک بات پوچھوں برا تو نہیں مانیں گے؟'' مصطفیٰ نے اسے دیکھا وہ الجھا ہوا تھا۔

"ہاں کہو۔"

"آپ کی تو ان لوگوں سے رشتہ داری ہے آئی مین آپ کے بڑے بھائی عباس علی کی شادی عبدالقیوم کی بیٹی سے ہوئی ہے آپ کو تو ایاز نامی شخص سے متعلق سب باتوں کا علم ہوگا۔ پھر خصوصاً یہ انویسٹی گیشن کیوں کروائی جا رہی ہے۔" وہ جھجکتے ہوئے استفسار کر رہا تھا۔ مصطفیٰ مسکرا دیا۔

"بس ضرورت پڑ گئی ہے تم پہلے حقائق بتاؤ پھر میں تمہیں وجہ بتاتا ہوں۔"

"سر یہ تو فطری بات ہے جو بیج بوئیں گے فصل بھی وہی ہوگی۔ ایاز اپنے ماں باپ کی فطرت سے کیسے ہٹ کر ہو سکتا ہے۔ بلکہ ماں باپ سے دو ہاتھ آگے ہی ہے۔ ہائی سوسائٹی کے بچوں میں موجود تمام اخلاقی و سماجی برائیاں جوان کے لیے طرۂ امتیاز ہوتی ہیں ایاز میں بھی پائی جاتی ہیں۔ کلب جانا، ڈرنک کرنا، صنف مخالف سے دوستی وقت گزاری یہ بہت عام سی باتیں ہیں۔ سر اس کا چار لڑکوں پر مشتمل گروپ ہے۔ یہ گروپ فی الحال کسی بہت بڑی سرگرمی میں ملوث نہیں۔ موبائل فون چھیننا، انجوائے منٹ کے طور پر کسی بھی راہ چلتے کو روک کر نقدی اور قیمتی سامان چھین لینا یا زیادہ سے زیادہ کسی بھی مجبور بے بس لڑکی کی زندگی اجیرن کر دینا اس کی انتہائی حد اغوا یا ریپ کا کیس بھی ہو سکتا ہے۔" مصطفیٰ ششدر سا امجد خان کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بلک بلک کر روتا شہوار کا معصوم و دلکش سراپا در آیا۔

"او مائی گاڈ۔" وہ ایک دم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ امجد بھی فوراً کھڑا ہوا۔

"یہ کم سے کم حد ہے تو اس کی زیادہ سے زیادہ حد کیا ہو سکتی ہے؟" اس کے اندر ایک دم غم و غصے کا ابال اٹھا تھا۔

"سر یہ تو اس کی عام سرگرمیاں ہیں......!"

"اور خاص سرگرمیاں کیا ہیں؟" امجد خان کو لگا جیسے مصطفیٰ خان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہو۔

"سر اس پورے گروپ کے سب لڑکے مل کر یہ کام کرتے ہیں یہ سب لڑکے چھوٹے موٹے جرائم کے شوقین ہیں۔ ان کے لیے یہ سب عام اور روٹین کی بات انجوائے منٹ کی طرح ہے۔ اگر کبھی کسی متاثرہ خاندان یا فرد کی رسائی پولیس اسٹیشن تک ہو جائے اور ان کے خلاف کارروائی کروانا چاہے تو وہ بے چارہ خود ہی کسی جرم یا الزام میں دھر لیا جاتا ہے۔ خصوصاً یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن کی لڑکیوں کو زیادتی یا اغوا کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ وہ بہت غریب یا مجبور گھرانے کے لوگ ہوتے ہیں۔"

"مائی گاڈ۔" اضطراب کے عالم میں ٹہلتے بڑی مشکل سے وہ اپنے اندر اٹھنے والے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"دس از ٹو مچ۔" امجد خان خاموشی سے اس کا اضطراب دیکھ رہا تھا۔

"اور ابھی تک ان کے خلاف کسی نے کوئی ریکشن نہیں لیا۔ کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔" ایک دم رک کر امجد خان کا چہرہ دیکھا۔

"سر کارروائی تو تب کی جائے جب کوئی ثبوت باقی ہو یا معاملہ تھرو پراپر چینل سے پیش کیا جائے۔ ان لڑکوں کے والدین معاملے کو اگلے قدم میں داخل ہونے ہی نہیں دیتے وے دلا کر متاثرہ خاندان کو چپ کرا دیتے ہیں۔"

"کیا تم جانتے ہو ایسے کسی متاثرہ خاندان کو؟"

"سر پتا کرنا مشکل نہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میں اپنی تمام فورس اور ریسورسز اس کیس کو ہینڈل کرنے کے لیے استعمال کرنے کو تیار ہوں۔ تم چند دنوں میں کسی ایسے خاندان کو منظر عام پر لاؤ جو واقعی متاثرہ ہے محض جھوٹ پر مبنی نہ ہو۔ اب عبدالقیوم صاحب کی نیک نامی اور شرافت کا بھانڈا بیچ چوراہے پر میں پھوڑوں گا اور اس ایاز اور اس کے ساتھیوں کو عبرتناک انجام سے دوچار کرنے کو تیار ہوں۔"

"سر یہ کام ہو جائے گا مگر سر مجھے اس کی وجہ بھی بتا دیں تاکہ میں اندازہ لگا سکوں کہ اس شخص کے متعلق اور کس قسم کے ثبوت درکار ہونا چاہیے۔" امجد خان نے دھیمے سے کہا تو مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتا کرسی پر ٹک گیا۔

"بس میڈیکل کالج میں یہ زیر تعلیم ہے وہاں میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ہستی ہیں...... یوں سمجھو امجد خان ایک بدکردار شخص کی غلاظت کے چھینٹے کسی کے وجود کو کس طرح داغدار کر سکتے ہیں۔ میں ڈائریکٹ اس کیس کو ہینڈل کر سکتا ہوں مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنے خاندان کی ذلت کسی طور بھی گوارہ نہیں۔ تم متاثرہ خاندان میں سے کسی ایک فرد کو بھی منظر عام پر لے آؤ باقی معاملے کو ہینڈل کرنا میری ذمہ داری ہے اس شخص کو اپنی بدکرداری کی سزا جھیلنا ہوگی۔"

"اوکے سر......!" امجد خان فوراً سارا معاملہ سمجھ کر سر ہلا گیا۔

"سر ایک مشورہ دوں؟" وہ کچھ جھجکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بولو۔"

"انسپکٹر شہناز ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا وہ مہرہ ہے جس کی ذہانت کے سامنے بڑے بڑے کرمنل گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔ ہم ان پر بھروسہ کر کے ان کو استعمال کریں گے اس شخص کے گھر والوں کے اور پھر ماضی کے تمام حقائق سے پردہ اٹھا سکتے ہیں۔ سر بغیر کسی کے نظر میں آئے ہم اس شخص تک رسائی پا سکتے ہیں۔" امجد خان کے مشورے پر مصطفیٰ نے بڑی ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو امجد خان کہ میں کسی بھی کیس کو حل کرنے کے لیے کسی عورت کو استعمال کرنا مردانگی وغیرت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ وہ عورت ذات ہیں اور مرد ہر حال مرد ہی ہوتا ہے۔"

"سر انسپکٹر شہناز پہلے بھی ایسے بے شمار کیسز بہت کامیابی سے ہینڈل کر چکی ہیں بغیر کسی نقصان کے بس اپنی ذہانت کے بل بوتے پر۔ آپ اس چیز کی فکر مت کریں۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں ان تمام لیڈیز کو ایسے کیسز سے نپٹنے کے لیے تمام گُر سمجھائے اور سکھائے جاتے ہیں۔ اگر کامیابی نہ بھی ہو مگر اپنے آپ کو سنبھالتے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی یہ خواتین بھرپور کوشش کرتی ہیں۔" امجد خان کا انداز قائل کرنے والا تھا وہ چند پل بغور اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"تمہیں یقین ہے کہ انسپکٹر شہناز کے کردار پر کوئی حرف نہ آئے گا۔"

"سر یہ ہماری ڈیوٹی ہے اتنی لڑکیوں کو ذلت بھری زندگی سے بچانے کے لیے کسی نہ کسی ایک کو دلدل میں اترنا ہی پڑے گا۔ مجھے یقین ہے جس میں دلدل میں اترنا کہہ رہا ہوں انسپکٹر شہناز اس دلدل سے بخیر و عافیت نکلتے تمام معاملے کو نمٹانے میں ہماری مدد ضرور کرے گی۔"

"ٹھیک ہے آج سے اس کیس پر کام شروع کر دو اور انسپکٹر شہناز کو تمام صورت حال سمجھا کر اچھی طرح بریف کر کے میرے پاس بھیجو۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد بالآخر اس نے ہاں کہہ دی تھی۔

"یس سر۔" وہ اٹھ کر سلام کرتے باہر نکل گیا تھا۔ اس نے آہستگی سے فائل کھول لی تھی جوں جوں وہ فائل میں موجود حقائق اور دلائل کو اسٹڈی کر رہا تھا اس معاملے کے متعلق تمام ثبوت اور ریکارڈز سمیت حقائق اس فائل میں موجود تھے مصطفیٰ کی دلچسپی ازحد بڑھتی گئی۔

"جبھی یہ امجد خان تو بڑا کام کا آدمی انسان ہے۔ حیرت ہے اتنے کم عرصے میں اتنے دلائل اور تفصیلی معلومات۔" وہ سراہے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ علاوہ وہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ ان معلومات کو حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی ساری زندگی کی خوشیوں سے منہ موڑے صرف اسی ایک کیس کو حل کر رہا تھا۔ یہ معلومات ایک دو دن کا نچوڑ نہ تھیں بلکہ ساری زندگی کی جدوجہد مسلسل تھیں۔ جس سے ابھی مزید حقائق واضح ہونے تھے۔ وہ بڑی باریک بینی سے کیس اسٹڈی کر رہا تھا جب دروازے پر دستک دے کر انسپکٹر شہناز اندر داخل ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام۔" اس نے ایک نظر بغور اس عورت کو دیکھا۔ نہایت خوب صورت اور تیکھے نقوش کی مالک یہ پچھلے دس سال سے اس ڈیپارٹمنٹ میں تھی۔ اس کا گزشتہ ریکارڈ بہت صاف شفاف اور بے داغ تھا۔ یہ اپنی عمر سے کئی سال کم لگتی تھی شاید یہ اس لیے تھا کہ یہ اپنے آپ کو مین ٹین رکھتی تھی۔

"آپ کو امجد خان نے تمام صورت حال سمجھا دی ہے کیا؟"

"جی سر۔"

"آپ کے سامنے ایک نہایت اوباش اور آوارہ مزاج لڑکا ہوگا۔ کس طرح ہینڈل کرنا ہے اندازہ ہے؟" سنجیدہ انداز میں اسے دیکھا وہ مسکرا دی۔

"سر میں نے اس سے بھی زیادہ مکار اور جہاندیدہ مردوں کو ہینڈل کر چکی ہوں۔ ایسے لڑکے تو بس ایک دو ملاقاتوں کی مار ہیں۔ مگر سر میں اپنی پوری کوشش کروں گی کہ آپ کے اعتماد پر پورا اتر پاؤں۔"

مصطفیٰ نے چند پل اسے دیکھا۔ وہ بے پناہ خوب صورت تھی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے بار بار شہوار کا سراپا آ کر لہرا رہا تھا۔

"سر آپ فکر نہیں کریں یہ میری ڈیوٹی ہے۔ ہر سال مجھے اسپیشل ٹریننگ اسی لیے دی جاتی ہے کہ اگر صورت حال ایسی گمبھیر ہو تو کیسے معاملے کو ہینڈل کروں گی۔ سر وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔" اس نے بڑے ریلیکس انداز میں کہا تو مصطفیٰ کے اعصاب بھی قدرے پرسکون ہوئے۔

"آپ کو کیا کرنا ہوگا اور کیسے یہ سب تفصیلات آپ کو عین وقت پر دے دی جائیں گی۔ آپ نے تمام بریفنگ براہ راست مجھے اور امجد خان کو دینا ہوگی۔ کوئی بھی قدم ہماری نالج میں رکھ کر اٹھانا ہوگا۔ چھوٹی سے چھوٹی بات کی تفصیل ہم تک پہنچانا ہوگی۔ میں ذاتی طور پر عورت کو استعمال کرنا بہت غلط سمجھتا ہوں۔ یہ اگر بہت سی جانوں کی ناموس کی بات نہ ہوتی تو میں قطعی آپ کو زحمت نہ دیتا۔" اس نے اس پر صاف واضح کر دیا تھا۔

''ڈونٹ وری سر۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

مصطفیٰ نے سائیڈ پر رکھا لیپ ٹاپ اپنے سامنے کھول لیا تھا۔ کئی کیز پریس کرنے کے بعد اس نے لیپ ٹاپ کا رخ انسپکٹر شہناز کی طرف موڑ دیا تھا۔

''یہ چہرہ آپ غور سے دیکھ لیں۔'' انسپکٹر شہناز نے اسکرین پر جھلملاتے چہرے کو بغور دیکھا اور مصطفیٰ شاہ زیب علی کو جواز حد سنجیدہ تاثرات لیے ہوئے تھا۔

''یس سر۔''

''ایک یہ چہرہ بھی ازبر کریں۔'' اس نے ''کی'' دباتے ایک اور چہرہ سامنے کیا تھا۔

''یس سر کرلیا ہے۔'' وہ بولی تھی۔

''مجھے یقین ہے کہ آپ ہمارے اعتماد پر پورا اتریں گی۔ میں یہ فائل اسٹڈی کرلوں اگلا لائحہ عمل آپ کو بتادوں گا۔ اب آپ جاسکتی ہیں۔'' وہ سلام کرتے الٹے قدموں باہر نکل گئی تھی۔

مصطفیٰ شاہ زیب علی نے لیپ ٹاپ بند کرکے چند منٹ بغور سوچا اور پھر اپنے سامنے رکھی فائل دوبارہ کھول لی تھی۔



وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا ٹھٹک کر رہ گیا۔ وہ کارپٹ پر اپنی کتابیں بکھیرے بظاہر ان میں مصروف دکھائی دے رہی تھی۔ مگر اس کا دھیان اس جانب تھا نہیں۔ اس نے نظر بنا کر اطراف میں دیکھا۔ ٹی وی چل رہا تھا۔ ایک صوفے پر مہر النسا بیگم اور لالہ بھائی آپس میں باتیں کررہی تھیں اور ان کے مقابل بیٹھی عادلہ کی تمام تر توجہ شہوار کی طرف تھی۔ پتا نہیں وہ اسے گھور رہی تھیں یا اس کی محویت کو پڑھ رہی تھیں۔ وہ اندازہ نہ لگا پایا۔ وہ اندر جانے کی بجائے باہر ان کی طرف آ گیا۔

اس پر آج امجد کی تیار کی گئی فائل کو اسٹڈی کرکے عبدالقیوم کی شخصیت کے متعلق عجیب و غریب انکشافات ہوئے تھے۔ اسے تو لالہ بھائی کا اپنے خاندان میں پایا جانا بھی اب کسی ڈرامے کا حصہ لگ رہا تھا۔ وہ جوں جوں اس ضمن کے متعلق سوچ رہا تھا مزید الجھتا جا رہا تھا۔ مگر بہرحال کچھ واضح ہونے کے باوجود بہت کچھ ابھی بھی پس منظر میں تھا۔ کچھ ایسا غیر حقیقی اور پراسرار جس تک ابھی امجد خان کی رسائی نہیں ہو پائی تھی۔ شاید اسی لیے امجد خان کوئی فیصلہ کن قدم نہیں اٹھا پا رہا تھا۔

اگر لالہ رخ واقعی زندہ ہے تو وہ مرنے والی عورت کون ہے؟ وہ جوں جوں سوچ رہا تھا یہ کہانی مزید الجھتی محسوس ہو رہی تھی۔ خشندہ کام نمٹا کر باہر نکلی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہ اس پر پڑی تو پکار لیا۔

''سنو خشندہ۔ شہوار بی بی کو بھیجو انہیں کہو میں بلا رہا ہوں۔''

''جی صاحب۔'' وہ فوراً چلی گئی تھی۔

دو تین منٹ بعد اسے شہوار آتی دکھائی دی تو وہ سیدھا ہوکر کرسی پر ٹک گیا۔

''آپ نے بلایا تھا؟'' اس کے انداز میں الجھن تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''آؤ بیٹھو'' اس نے مقابل پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے ٹک گئی اور پھر اسی خاموشی سے مصطفیٰ کو دیکھنے لگی۔

''کیا کررہی تھیں؟'' بڑی سی چادر میں اپنے آپ کو چھپائے وہ کافی افسردہ تھی۔

''اسٹڈی کررہی تھی۔'' نہایت سنجیدگی سے جواب ملا تھا۔

''آج کالج میں سارا دن کیسا گزرا؟'' اس نے اس کی سنجیدگی محسوس کرکے براہِ راست وہ بات پوچھی جس کے لیے بلوایا تھا۔

''بس ٹھیک تھا۔'' وہ خاصی اکتائی ہوئی لگی اسے۔ وہ چونکا۔

''خیریت؟'' اس نے اس کے رویے کی وجہ جاننا چاہی۔

''جی۔''

''ایاز کالج آیا تھا آج؟'' بغور اس کا چہرہ دیکھتے اس نے پوچھا۔

اسے اپنا ضبط جواب دیتا محسوس ہوا اور آنکھیں بے اختیار چھلک اٹھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔ اور مصطفیٰ اس ردعمل پر حیرت زدہ سے دیکھتا رہ گیا۔

''شہوار..... کیا ہوا..... اس نے تمہیں پریشان کیا ہے یا کوئی الٹی سیدھی حرکت یا بکواس کی ہے تو مجھے بتاؤ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' ایک دم اس کی مردانگی عود کر آئی تھی۔ وہ روتی رہی۔ مصطفیٰ شاہ زیب علی کو اس کا رونا عجیب اذیت میں مبتلا کر گیا۔ وہ بے اختیار اٹھ کر اس کے قریب دوسری کرسی پر بیٹھا تھا۔

"شہوار پلیز روو مت، مجھے بتاؤ تو سہی۔" ملتجی انداز میں کہتے مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھاما تھا مگر وہ فوراً ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آج پہلی بار کسی مرد نے اس کے ہاتھ کو چھوا تھا۔ ورنہ وہ تو خود کو بچت بچت کر رکھنے والی لڑکی تھی۔ اسے اپنا آپ پہلے ہی ان دیکھی آگ میں جلتا محسوس ہو رہا تھا مصطفیٰ کے گرم ہاتھ کی حدت نے اور بری انداز میں اثر کیا تھا۔

"کیا ہوا؟" اسے یوں بدک کر اٹھتے دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

"آپ نے مجھے صرف یہی پوچھنے کے لیے بلوایا ہے یا کوئی اور بات بھی کہنی ہے؟" بمشکل اپنے آپ کو سنبھالتے اپنے آنسو صاف کرتے اس نے کہا تو وہ حیران ہوا۔ شہوار کا انداز بڑا ناراضی لیے ہوئے تھا۔ اسے حیرانی ہوئی۔

"ظاہر ہے اسی پرابلم کے متعلق جاننے کے لیے بلایا ہے۔" اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"مجھ سے اس بارے میں بار بار پوچھ کر مجھے کانٹوں پر مت گھسیٹیں۔ ذلت سے مر جانے کا مقام ہے یہ میرے لیے۔ میرا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ میری ماں آپ لوگوں کی پناہ لینے والی عورت ہے اور میں اس کی بے بس مجبور بیٹی جو آپ کے ٹکڑوں پر پل رہی ہے۔" اس کے اندر تو آگ دہک رہی تھی۔ ایاز اسی لیے تو اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ دن رات کی اذیت عفریت کی طرح اس کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی۔ وہ کسی اچھے گھرانے کی ہوتی تو وہ کیونکر اسے تنگ کرتا۔

"شٹ اپ کیا بکواس ہے یہ؟ خود ترسی کا یہ کون سا انداز ہے اور یہ بکواس کس نے کی ہے؟" اس کے الفاظ پر وہ بھی ایک دم غصے سے گویا ہوا تھا۔

"آپ لوگوں سے کیا کسی نے یہ بکواس کی ہے؟ یہ بکواس محض بکواس تو نہیں ایک اٹل حقیقت ہے۔ یہ خود ترسی کا ایک انداز نہیں وہ بھیانک حقیقت ہے جسے ابھی تک میں جھٹلائے بیٹھی تھی۔ میری ماں محض پناہ حاصل کرنے والی ایک عورت ہے اور میں ان کی بیٹی۔ کسی کے کہنے سے میں یا آپ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے، ٹھیک ہے نا۔" مصطفیٰ نے بڑے غصے سے اسے دیکھا۔

"کیا کہا ہے اس نے تم سے آج؟" اس کے لب و لہجے میں ایک آگ سی در آئی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا اس کے رونے کی وجہ۔

"ایک عام انسان کی حفاظت کی آخری حد کیا ہو سکتی ہے بھلا؟" وہ دھیرے بولی تھی اور مصطفیٰ تو ایک لمحے تک گم صم لرز کر رہ گیا تھا اور پھر کچھ سوچتے اس نے خود کو پرسکون کیا۔

"اتنی ٹینشن کس چیز کی لے رہی ہو تم؟ تم نے اپنا مسئلہ مجھ سے ڈسکس کر دیا مطلب اب یہ میرا ہیڈک ہے۔ تم پرسکون رہو اور پریشان نہ ہو چند دن اس کی بدتمیزیاں چپ چاپ سہہ جاؤ پھر سب نارمل ہو جائے گا پرامس..... وہ اب کچھ نہیں کہے گا اور نہ ہی کر سکے گا۔" وہ نگاہوں پر لوٹ گئی۔

"اتنا آسان ہے کیا۔"

"جب اعتبار کیا ہے تو مکمل کرو یہ بے اعتمادی کیوں بھلا؟ کہا نا اب یہ میرا مسئلہ ہے اور ذرا آرام سے بیٹھ کر مجھے بتاؤ کہ اس نے آج کیا بکواس کی ہے؟" وہ اسے اشارہ کرتے خود بھی بیٹھ گیا تھا۔ وہ بھی بیٹھ کر دھیرے دھیرے سب بتانے لگی۔ ساری بات سننے کے بعد اسے اپنا خون کھولتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس حد تک چلا گیا تھا۔ وہ کتنی دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا تھا اور شہوار سر جھکائے شرم و ندامت سے مر جانے کو تھی۔

"شہوار بی بی آپ کا فون ہے؟" دونوں بغیر ایک دوسرے سے نظریں ملائے سر جھکائے اسی طرح گم صم اپنی اپنی سوچوں میں غرق تھے جب ملازمہ کی آواز نے دونوں کو چونکایا تھا۔ شہوار نے سر اٹھا کر دیکھا۔ رخشندہ اس کا موبائل تھامے کھڑی تھی۔ جو مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے موبائل لے کر اسکرین پر نظر ڈالی۔ حویلی سے کال تھی۔ یقیناً تابندہ بی تھیں۔

"السلام علیکم!" اپنی آواز کو بحال کر کے اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"وعلیکم السلام کدھر تھیں۔ میں کتنی دیر سے کال کر رہی تھی۔"

"موبائل روم میں تھا۔ بس پتا نہیں چلا۔" مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ لب و لہجے سے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ دوسری طرف کون ہے۔

"میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں آپ ٹھیک ہیں ماں اور بابا صاحب کیسے ہیں؟" مصطفیٰ ریلیکس ہو کر کرسی کی پشت گاہ سے کمر ٹکا کر سیدھا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں اور بابا صاحب بھی۔ مجھے تم سے بات کرنی تھی۔ آج بھابی بیگم کی دو دفعہ کال آ چکی ہے وہ مجھ سے میرا جواب مانگ رہی ہیں۔ تم جانتی ہو مجھے کوئی انکار نہیں صرف تمہاری وجہ سے انہیں ٹال رہی ہوں اب بتاؤ کیا سوچا ہے تم نے۔ میں بھابی کو ہاں کہہ دوں۔" اس نے گھبرا کر نگاہ اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھا اس کا دل عجب انداز میں دھڑکنے لگا۔ اسے اپنی ہتھیلیاں بھیگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ ایک دم جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں آپ کو پہلے بھی منع کر چکی ہوں اب بھی انکار ہے۔" وہ ایک دم وہاں سے ہٹ کر قدرے فاصلے پر آ رکی تھی۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو مصطفیٰ سے بہتر تمہیں عمر بھر کوئی رشتہ نہیں ملنے والا۔" دوسری طرف سے انہوں نے خاصا ناراض ہو کر کہا تھا۔

''پاگل پن کی بات نہیں امی یہ مصطفیٰ آخری فرد تو نہیں ہیں امی یہ خاصا بے جوڑ تعلق ہے۔ پہلے ہی دنیا اس کے گھر رہ کر ان کے ٹکڑوں پر پلنے کے طعنے دیتی ہے اور مزید بجانے کیا کیا سننا پڑ جائے۔ سوری امی مجھے اپنی کردار کشی قطعی قبول نہیں۔'' اس کا انداز دو ٹوک تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ میں انکار نہیں کروں گی کان کھول کر سن لو۔ میں ایک عمر گزار چکی ہوں ہر طرح کے لوگ اور رویوں کو جھیل چکی ہوں تم ابھی بچی ہو میں نے تم سے خوامخواہ میں پوچھ لیا تھا۔ چاہیے تو مجھے یہ تھا کہ ڈائریکٹ بھابی کو ہاں کرتی جواب بھی کروں گی۔ تم اپنا بھلا نہیں سوچ سمجھ رہی تو میں احمق نہیں ہوں جو تمہیں کنوئیں میں چھلانگ لگاتے دیکھتی رہوں۔ میں آج بھابی کو ہاں کہہ رہی ہوں۔ اب میں بھابی بیگم کو جلد از جلد اس رشتے کو کسی نام سے منسوب کرنے پر زور دوں گی۔'' ان کا انداز کیسا اٹل اور فیصلہ کن تھا۔ شہوار نے بے چارگی سے موبائل کو دیکھا لائن کٹ چکی تھی۔

''کیا بات ہے معلوم ہوتا ہے بوا جی سے کوئی بحث چل رہی تھی تمہاری۔'' اسے کتنی دیر تک اپنی جگہ سے ہلتے نہ پا کر وہ خود ہی اٹھ کر اس کی طرف چلا آیا تھا۔

''کوئی بحث نہیں چل رہی تھی۔'' بے رخی سے کہہ کر وہ خاصے ناراض تاثرات لیے تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے نکل گئی تھی۔ مصطفیٰ نے حیرت سے اس کا ری ایکشن نوٹ کیا تھا۔

''بڑی لمبی نشست جمی تمہاری مصطفیٰ شاہ زیب علی کے ساتھ۔ ویسے کیا راز و نیاز ہو رہے تھے۔'' عادلہ بھابی کے کافی تیکھے لب و لہجے سے ادا کیے گئے الفاظ نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔ وہ راہداری میں ہی رک گئی تھی۔ انہوں نے بڑے تمسخرانہ تاثرات لیے اسے دیکھا تھا۔ وہ چند قدموں کے فاصلے پر تھیں۔

''آپ سے مطلب؟'' وہ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔ ایک دم تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے بولی تھی۔ عادلہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''یعنی ہماری بلی ہمیں کو میاؤں۔'' اس کا انداز تضحیک آمیز تھا۔ وہ جھلس کر رہ گئی۔

''میں آپ کے سامنے کسی بات کی جواب دہ نہیں ہوں۔ جتنی سامنے سے۔'' وہ بھی غصے سے جوابی کارروائی کر رہی تھی۔ وہ کیوں لحاظ کرتی ان کا بھائی ہر حد پار کرتا جا رہا تھا۔ پھر وہ کیوں لحاظ کرتی۔

''ہماری پیاری ہوو حیرت ہے مسلسل سے ماما کی مصطفیٰ کے لیے تمہارا پروپوزل دیا گیا ہے مگر یہ ذہن میں رکھو کہ کس طرف پروپوزل دیا گیا ہے مصطفیٰ شاہ زیب کی زندگی میں تم جیسی دو ٹکے کی لڑکیاں داخل ہونے لگیں تو پھر ایسے ہی لوگوں کی تو امید ہی نہیں رکھنی چاہیے۔'' انہوں نے گویا اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

''عادلہ بھابی پلیز حد ہوتی ہے کسی بات کی۔ میں ہمیشہ آپ کے طنزیہ جملے برداشت کرتی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کی زرخرید ہوں میری اپنی ایک سیلف ریسپیکٹ ہے۔'' آج تو اس کی گویا برداشت کی ساری حدیں ہی ختم ہو گئی تھیں۔ عادلہ نے بہت تعجب سے اسے دیکھا آج وہ بہت بدلی بدلی محسوس ہوئی یا تو کل فہم ان کے منہ پر دو ٹوک جواب دیتی۔ خاصی بدلحاظ بھی۔

''اور مجھے اپنی اوقات اپنا مقام بہت اچھی طرح از بر ہے آپ خدا را بار بار مجھے یہ مت احساس دلایا کریں کہ میں اس گھر کے ٹکڑوں پر پلنے والی دو ٹکے کی لڑکی ہوں میں جو بھی ہوں مجھے اچھی طرح علم ہے۔'' وہ اس قدر غصے سے بولی تھی کہ اس کے پیچھے آتے مصطفیٰ کے قدم راہداری میں ہی ٹھٹک گئے تھے۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' شہوار کے الفاظ اور عادلہ بھابی کی موجودگی اسے ایک پل لگا تھا صورت حال سمجھنے میں۔ شہوار اس کی آواز سن کر سن رہ گئی اور پھر احساس توہین سے اسے اپنا چہرہ جھلستا محسوس ہوا۔ یعنی یہ شخص سب سن چکا تھا۔ اس کی آنکھیں ابھر آئیں۔ وہ بغیر رکے بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لپکی تھی۔ عادلہ بھابی کے چہرے پر بڑی فاتحانہ تبسم کی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ اس ساری صورت حال پر مصطفیٰ کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ شہوار کیوں اتنی تلخ ہو رہی ہے۔

❀ • ❀

آج کالج میں دونوں کا دن اچھا خاصا خوشگوار گزر رہا تھا۔ شہوار بہت خوش تھی اور اس کی خوشی اس کے چہرے سے صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ ماما بے بکا اسے خوش دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

آج سارا دن انہیں ایاز عبدالقیوم نظر نہیں آیا تھا۔ ایاز اس کے اعصاب پر مسلسل ایک خوف کی طرح چھایا رہتا تھا جسے آج نہ دیکھ کر اندر ایک طمانیت کا احساس جاگا تھا۔ آج دونوں کتنے دنوں بعد کینٹین کی طرف آئی تھیں۔ یہ جگہ ایاز اور اس کے چیلوں کا مرکز تھی سو شہوار اس طرف قدم رکھنے سے گریز ہی کرتی تھی۔ دونوں نے کینٹین آکر گرما گرم سموسوں کے ساتھ چائے کا آرڈر کیا تھا۔

''تم سناؤ احسن بھائی کی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچی ہیں۔''

''ماما اور روشی ہی سب دیکھ رہی ہیں۔ ہاں چھٹی والے دن روشی کی ہیلپ میں کر دیتی ہوں تو ماما کو کچھ فری ہینڈ ملتا ہے۔ ڈریسز سارے کے سارے ماما کے بوتیک سے آرڈر پر بنوائے گئے ہیں۔ ہاں ابھی ویڈنگ ڈریس باقی ہے۔ باقی تیاریاں بھی بس ہو ہی ہیں۔'' تبھی کینٹین کا ورکران کا آرڈر سرو کر گیا تھا۔

''ہیلو کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟'' ماما اور شہوار دونوں نے چونک کر آنے والی ہستی کو دیکھا۔ اچھی خاصی پیاری لڑکی تھی۔ اک ادا سے بالوں کو جھٹکتے ان کے قریب ٹیبل کے پاس کھڑی اجازت طلب کر رہی تھی۔

''سوری آئی ڈونٹ نو...... ہو آر یو؟'' ماما نے صاف چٹا جواب دیا تھا۔ لڑکی مسکرا دی جبکہ شہوار خاموشی سے لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ کالج میں آج سے پہلے انہوں نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا۔

"شفق مرتضیٰ تیو کمر آف دی کالج۔ اسلام آباد سے مائیگریٹ ہو کر ادھر آئی ہوں۔" وہ کھڑے کھڑے ہی اپنا تعارف کروا رہی تھی۔

"اصل میں ساری فری پیریڈز ہیں جو چند ایک ہیں وہ خالی ہیں۔ میں نے سوچا اکیلے بیٹھنے کی بجائے کیوں نہ کسی کی کمپنی کو انجوائے کر لیا جائے۔" شکل و انداز سے وہ خاصی ماڈرن لگ رہی تھی۔ کمال کی ڈریسنگ اور میک اپ کا ذوق تھا مگر اس کے برعکس گفتگو میں بلا کی شائستگی تھی۔

"او کے اگر آپ کو اچھا نہیں لگا تو میں کہیں بھی بیٹھ جاتی ہوں۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔" وہ پلٹی تھی شہوار کو اپنی اور اما کی بد اخلاقی بری لگی۔

"نہیں ......! آپ ہمیں جوائن کر سکتی ہیں۔" اس کے کہنے پر مسکرا کر بیٹھ گئی تھی۔

"تھینکس۔" اما نے بڑی کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آپ یہ سموسے لیں نا؟" شہوار کی اخلاقیات عروج پر تھی۔ اما نے ایک گہرا سانس لیا۔

"واٹ اے سائٹ۔" وہ لڑکی بھی گویا آفر کی منتظر تھی۔ شہوار کی پلیٹ سے سموسہ اٹھا کر آرام سے کھانے لگی تھی۔

"آپ دونوں فرینڈز ہیں؟" بڑی بے تکلفی سے پوچھا تھا۔

"یس۔" اما نے سنجیدگی سے کہہ کر اپنی پلیٹ بھی اس کی طرف کھسکا دی تھی۔

"تھینکس مجھے سموسے بہت پسند ہیں۔" اما خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتی اسے دیکھے گئی۔

"آپ دونوں نے اپنا تعارف نہیں کروایا؟" اما کے سنجیدہ چہرے پر ایک مسکراتی نگاہ ڈالتے اس نے پھر شہوار کو دیکھا۔

"ہم دونوں فرینڈز ہیں۔ فورتھ ایئر میں ہیں میرا نام شہوار سکندر ہے اور یہ اما وقار احمد ہیں۔" شہوار نے سلیقے سے بتایا۔

"ویری نائس۔ آپ دونوں کی طرح نام بھی بہت پیارے ہیں۔" اس نے برملا تعریف کی تھی۔

"آپ کس ایئر میں مائیگریٹ ہو کر آئی ہیں؟" اما کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔

"میں سیکنڈ ایئر میں مائیگریٹ ہو کر آئی ہوں۔ آپ مجھ سے دو سال سینئر ہیں۔" اس نے کہا تو شہوار نے بھی بغور دیکھا۔ لڑکی بلا کی خوب صورت تھی۔

"آپ مائیگریٹ ہو کر یہاں کیوں آئی ہیں؟" اس نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"مجھے ڈاکٹری واکٹری سے کوئی دلچسپی نہیں بس مارے باندھے اس میں داخلہ لیا ہے۔ دو سال سے سیکنڈ ایئر میں ہی ہوئی ہوں۔ فادر کا ٹرانسفر ادھر ہو گیا تو پوری فیملی کو بھی یہاں شفٹ ہونا پڑا ہے۔ میرے والد میڈیسن کی بہت نامی گرامی شخصیت ہیں۔" وہ لڑکی بڑی باتونی تھی۔ اما نے گھڑی دیکھی اور پھر شہوار کو۔

"سرجری کا پیریڈ شروع ہو رہا ہے۔ آج تو پریزینٹیشن ہے اور اس کے بعد اسپتال کا وزٹ۔ چلیں ہال تک پہنچتے ہوئے بھی پانچ منٹ لگ جاتے ہیں۔" شہوار بھی گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"او کے شفق ہم چلتے ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"بائے۔" دونوں اس سے ہاتھ ملا کر ہال کی طرف آ گئی تھیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے اس لڑکی کے بارے میں؟" کچھ دور آنے کے بعد اما نے پوچھا۔

"اچھی ہے۔"

"اچھی ہی نہیں خاصی بولڈ باتونی اور چالاک بھی ہے۔" اما نے منہ بنایا تو شہوار ہنس دی۔

"تمہیں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہونا چاہیے تھا خاصی مشکوک فطرت رکھتی ہو۔"

"پولیس سے مجھے یاد آیا کل وہ ایاز کیا بکواس کر رہا تھا۔ مصطفیٰ شاہ زیب علی والے معاملے پر۔ تم نے بھی ذکر نہیں کیا۔ کیا اس کے ساتھ گاؤں گئی تھیں؟" اما فوراً یاد آنے پر پوچھ رہی تھی۔ ایاز کے ذکر پر شہوار کے اعصاب بری طرح چٹخے تھے۔

"خدا کے لیے اما اگر وہ شخص آج نہیں آیا تو اس کا ذکر کر کے تو موڈ خراب مت کرو۔" اس نے بڑی خفگی سے اسے گھورا تو وہ ہنس دی۔

"او کے نہیں کرتی اس کا ذکر مگر یہ مصطفیٰ شاہ زیب علی کا کیا ذکر ہے؟" وہ باز نہ آئی تھی۔

"شفق مرتضیٰ، نیو کمر آف دس کالج۔ اسلام آباد سے مائیگریٹ ہو کر ادھر آئی ہوں۔" وہ کھڑے کھڑے ہی اپنا تعارف کروا رہی تھی۔

"اصل میں ساری ٹیبلز فل ہیں جو چند ایک ہیں وہ خالی ہیں۔ میں نے سوچا کہ اکیلے بیٹھنے کی بجائے کیوں نہ کسی کی کمپنی کو انجوائے کر لیا جائے۔" شکل و انداز سے وہ خاصی ماڈرن لگ رہی تھی۔ کمال کی ڈریسنگ اور میک اپ کا ذوق تھا مگر اس کے برعکس گفتگو میں بلا کی شائستگی تھی۔

"او کے اگر آپ کو اچھا نہیں لگا تو میں کہیں بھی بیٹھ جاتی ہوں۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔" وہ پلٹی تھی شہوار کو اپنی اور اما کی بد اخلاقی بری لگی۔

"نہیں.....! آپ ہمیں جوائن کر سکتی ہیں۔" اس کے کہنے پر مسکرا کر بیٹھ گئی تھی۔

"تھینکس۔" اما نے بڑی کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آپ یہ سموسے لیں نا؟" شہوار کی اخلاقیات عروج پر تھی۔ اما نے ایک گہرا سانس لیا۔

"واٹ نائس۔" وہ لڑکی بھی گویا آفر کی منتظر تھی۔ شہوار کی پلیٹ سے سموسہ اٹھا کر آرام سے کھانے لگی تھی۔

"آپ دونوں فرینڈز ہیں؟" بڑی بے تکلفی سے پوچھا تھا۔

"یس۔" اما نے سنجیدگی سے کہہ کر اپنی پلیٹ بھی اس کی طرف کھسکا دی تھی۔

"تھینکس مجھے سموسے بہت پسند ہیں۔" اما خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتی اسے دیکھے گئی۔

"آپ دونوں نے اپنا تعارف نہیں کروایا؟" اما کے سنجیدہ چہرے پر ایک مسکراتی نگاہ ڈالتے اس نے پھر شہوار کو دیکھا۔

"ہم دونوں فرینڈز ہیں۔ فورتھ ایئر میں ہیں میرا نام شہوار سکندر ہے اور یہ اما وقار احمد ہیں۔" شہوار نے سلیقے سے بتایا۔

"ویری نائس! آپ دونوں کی طرح نام بھی بہت پیارے ہیں۔" اس نے دل کھول کر تعریف کی تھی۔

"آپ کس ایئر میں مائیگریٹ ہو کر آئی ہیں۔" اما کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔

"میں سیکنڈ ایئر میں مائیگریٹ ہو کر آئی ہوں۔ آپ مجھ سے دو سال سینیئر ہیں نا۔" اس نے کہا تو شہوار نے بھی بغور دیکھا لڑکی بلا کی خوب صورت تھی۔

"آپ مائیگریٹ ہو کر یہاں کیوں آئی ہیں۔" اس نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"مجھے ڈاکٹری واکٹری سے کوئی دلچسپی نہیں بس مارے باندھے اس میں داخلہ لیا ہے۔ دو سال سے سیکنڈ ایئر میں ہی ہوئی ہوں۔ فادر کا ٹرانسفر ادھر ہو گیا تو پوری فیملی کو بھی یہاں شفٹ ہونا پڑا ہے۔ میرے والد میڈیسن کی بہت نامی گرامی شخصیت ہیں۔" وہ لڑکی بڑی باتونی تھی۔ اما نے گھڑی دیکھی اور پھر شہوار کو۔

"سرجری کا پیریڈ شروع ہو رہا ہے۔ آج تو پریزنٹیشن ہے اور اس کے بعد اسپتال کا وزٹ۔ چلیں ہال تک پہنچتے ہوئے بھی پانچ منٹ لگ جاتے ہیں۔" شہوار بھی گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"او کے شفق ہم چلتے ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"شیور" دونوں اس سے ہاتھ ملا کر ہال کی طرف آ گئی تھیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے اس لڑکی کے بارے میں؟" کچھ دور آنے کے بعد اما نے پوچھا۔

"اچھی ہے۔"

"اچھی ہی نہیں خاصی بولڈ باتونی اور چالاک بھی ہے۔" اما نے منہ بنایا تو شہوار ہنس دی۔

"تمہیں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہونا چاہیے تھا خاصی مشکوک فطرت رکھتی ہو۔"

"پولیس سے مجھے یاد آیا کل وہ ایاز کیا بکواس کر رہا تھا۔ مصطفیٰ شاہ زیب علی والے معاملے پر۔ تم نے بھی ذکر نہیں کیا۔ کیا اس کے ساتھ گاؤں گئی تھیں۔" اما فوراً یاد آنے پر پوچھ رہی تھی۔ ایاز کے ذکر پر شہوار کے اعصاب بڑی بری طرح کھنچے تھے۔

"خدا کے لیے اما اگر وہ شخص آج نہیں آیا تو اس کا ذکر کر کے تو موڈ خراب مت کرو۔" اس نے بڑی خفگی سے اسے گھورا تو وہ ہنس دی۔

"او کے نہیں کرتی اس کا ذکر مگر یہ مصطفیٰ شاہ زیب علی کا کیا ذکر ہے؟" وہ باز نہ آئی تھی۔

"کچھ نہیں، مصطفیٰ مجھے اور آنٹی کو لے کر گاؤں گیا تھا۔ انکل کا کوئی ضروری کام تھا وہاں اسی سلسلے میں۔ ساتھ ہمیں بھی لے گیا تھا۔" اس نے مختصراً بتایا۔

"تم نے پریزینٹیشن ریڈی کر لی ہے اور سر یوسف والے اسائمنٹ کا کیا رہا؟" اس نے فوراً بات پلٹی تھی۔ اس کے بعد ہال پہنچنے تک دونوں اسی ٹاپک کو ڈسکس کرتی رہی تھیں۔ لیکچر اور ورکشاپ کے بعد دونوں اکٹھی ہی گیٹ تک آئی تھیں۔

شہوار نے نگاہ دوڑائی پارکنگ میں اس کی گاڑی نہیں تھی اس کا مطلب تھا کہ ابھی اسے ڈرائیور لینے نہیں آیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی نگاہ واپس پلٹ رہی تھی کہ اس کی نظر ایک نہایت وجیہہ، دراز قامت سوٹڈ بوٹڈ خوش شکل نوجوان پر ٹھہر گئی تھی۔ جوان کے پاس آ کر رکا تھا اور اسے دیکھتے ہی انا گڑبڑائی تھی۔

"ارے آپ..."

"السلام علیکم!" آنے والے نے بڑی گرم جوشی سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے پرشوق نظروں سے اسے دیکھا اور پھر گھبرائی گھبرائی سی انا کو۔

"میں تمہیں لینے آیا تھا۔" وہ انا سے مخاطب تھا۔

"ڈرائیور کہاں ہے؟ آپ نے بھلا کیوں زحمت کی؟" انا کا انداز ہنوز ویسا ہی تھا۔ ولید نے اسے گھور کر شہوار کی طرف دیکھا۔

"آپ یقیناً شہوار ہیں؟"

"جی مگر معذرت چاہتی ہوں میں شناسائی کا ایسا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتی۔ آپ کون......؟" انا کا ارادہ تعارف کروانے کا قطعی نہ تھا۔ وہ آنے والی صورت حال کا سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ ولید اس کو مسلسل نظر انداز کرنے کے بعد اب یہ رستہ اپنا رہا تھا۔ یقیناً انا کا بھی اس کے لیے خاصا مشکل تھا۔

"ولید فیاض احمد! انا کا ماموں زاد۔" تعارف اتنا مکمل تھا کہ شہوار کو مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔ وہ انا کی ساری فیملی سے غائبانہ طور پر متعارف تھی۔ شاید اسی طرح ولید بھی تھا۔ انداز تو یہی بتا رہا تھا۔

"اوہ کیسے ہیں آپ؟ روشی کیسی ہے؟" اس نے اخلاق نبھایا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے بلکل ٹھیک ٹھاک ہیں اور روشی بھی۔" پھر اس نے انا کی طرف رخ پھیر دیا۔

"ڈرائیور روشی کو لے کر پھوپو کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلا ہوا ہے۔ احسن بزی تھا سو مجھے ہی تمہیں پک کرنے کی زحمت اٹھانا پڑی۔" انا کے گھبرائے گھبرائے انداز کو نظر انداز کرتے اس نے اپنی آمد کی وضاحت کی تھی۔

"اوہ......!" انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"کیا خیال ہے چلیں۔" اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر کہا تو وہ چونکی۔ مسکرا کر سامنے دیکھا تو الجھ گئی۔ پارکنگ میں ایاز عبدالقیوم کی "زیرو میٹر" کھڑی تھی۔ وہ آج سارا دن دکھائی نہ دیا تھا مگر گاڑی موجود تھی۔ اگر اس نے ایک دو بار خود اپنی آنکھوں سے اسے اس گاڑی سے نکلتے نہ دیکھا ہوتا تو اور بات تھی مگر وہ کالج میں نہیں تھا۔ اب شہوار کو تنہا چھوڑ کر جانے کو اس کا دل نہ مانا۔

"شہوار کا ڈرائیور نہیں آیا ابھی وہ آ جائے تو پھر چلتے ہیں آپ بے شک گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کر لیں۔" انا کے سنجیدہ انداز پر ولید نے کہا۔

"شہوار بھی ہمارے ساتھ چلی جائے ہم ڈراپ کر دیں گے۔"

"نہیں میں ویٹ کر لیتی ہوں آپ دونوں زحمت نہ کریں۔ ڈرائیور بس آنے ہی والا ہوگا۔" اس نے فوراً انکار کیا تھا۔

"ہمیں قطعی کوئی زحمت نہیں ہوگی اگر ہم ڈراپ کر دیں گے دوسری صورت میں ہم ویٹ کر لیتے ہیں ڈرائیور کے آنے تک۔" ولید نے دونوں کو بغور دیکھا۔ انا کے انداز سے واضح ہو گیا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر نہیں جائے گی اور شہوار ان کے ساتھ......!

"او کے میں ویٹ کر لیتا ہوں۔" وہ واپس اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا تھا۔

"تم نے خواہ مخواہ میں زحمت دی۔" شہوار کو اچھا نہیں لگا تھا۔ گیٹ پر کھڑے رہنا بھی مناسب نہ لگا تو دونوں نے واپس اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

"کوئی زحمت نہیں تم فون کر کے اپنے ڈرائیور کا پتا کرو وہ کہاں ہے آ رہا ہے یا نہیں ورنہ ہم ڈراپ کر دیں گے۔" وہ دونوں واپس اندر چلی آئی تھیں۔ بات معقول تھی شہوار نے بیگ سے سیل نکال کر کال ملائی۔ جو ڈرائیور نے فوراً پک کر لی تھی۔

"کہاں ہو تم، میں کتنی دیر سے گیٹ پر کھڑی ویٹ کر رہی ہوں، کیا نام بھول گئے ہو؟"

"نہیں بی بی جی، مصطفیٰ صاحب نے فون کر کے اپنے آفس بلا لیا تھا، آپ بس پانچ منٹ انتظار کریں، میں پہنچ رہا ہوں۔"

"مصطفیٰ نے کیوں بلوا لیا تھا؟" اسے حیرت ہوئی۔

"بس بی بی جی ویسے ہی بلوا لیا تھا۔ ہدایت دینے کو۔" صاف لگا تھا کہ وہ اسے ٹال گیا ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے، فوراً پہنچو۔" اس نے تحکم بھرے انداز میں کہتے کال ڈراپ کر دی تھی۔

"پانچ منٹ میں پہنچنے کا کہہ رہا ہے۔" انا کو بتا کر اس نے موبائل فون بیگ میں ڈالا تھا۔



"ہاں تو اب فرمائیے انا وقار احمد صاحبہ! اتنے دنوں تک مجھ سے چھپنے کی ناکام سی کوشش کے پیچھے کیا وجہ کارفرما تھی؟" شہوار کو رخصت کرنے کے بعد وہ خود بھی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ گاڑی جیسے ہی کالج کی حدود سے باہر نکلی اس نے براہ راست اس سے سوال کیا۔ انا اس جملے پر ٹپٹا کر رہ گئی تھی۔

"کوئی وجہ نہیں...... اور میں کیوں بھلا چھپنے لگی۔ بس اسٹڈی میں بزی تھی۔"

"ہاں تو یہی سوچ سوچ کر میں حیران ہوتا رہا، تم نازک سی جان تھیں بھلا کیوں مجھ سے ڈر کر چھپنے لگیں۔ پچھلے دنوں کوئی مسئلہ تو رہا ہوگا جو مجھ سے پہلو تہی کرنے کا سبب بنا ہوگا۔ میں سوچ سوچ کر الجھا کہ میں نے تمہیں کبھی ماضی میں ایسا کیا دھارے رکھا ہے۔ جس کا تقاضا اب میری طرف سے ہو رہا ہے اور تم دینے کی اہلیت نہیں رکھتیں اور شاید یہی بات مجھ سے چھپنے کی وجہ بن رہی ہے۔" بڑے سبھاؤ اور ٹھنڈے ٹھار لہجے میں وہ طنز کر رہا تھا۔ انا نے ہونٹ دانتوں تلے داب کر ان آنکھوں سے اسے دیکھا۔ بڑی بے نیازی اور مقناطیسی روی سے ڈرائیونگ کی طرف متوجہ تھا۔

خوب صورت مردانہ وجاہت والا جس میں غرور کی آمیزش تھی۔ اس کے گھنے سیاہ بال اس کی کشادہ پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ مضبوط ہاتھوں کی گرفت اسٹیئرنگ پر تھی۔ گندمی خوب صورت ہاتھوں کی رگیں نمایاں تھیں۔

"یہ ہاتھ کسی کے گرد تحفظ کا حصار باندھتے کیسے لگتے ہوں گے۔" اس کے اندر کی شوریدہ سری نے ہلچل پیدا کر دیا تھا۔ گہری مقناطیسی آنکھیں اپنے اندر عجب مقناطیسیت لیے ہوئے تھیں۔ اسے لگا یہ مقناطیسیت اسے اپنی طرف شدت سے کھینچ رہی ہے۔ خوب صورت چہرے پر چہرے کی سرخی بہت نمایاں تھی۔ انا کو اپنا دل کپٹیوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔ نجانے کیوں وہ اس شخص کے سامنے اس قدر بے بس ہو جاتی تھی۔

"جناب کے پاس میرے اس سوال کا جواب محترمہ انا وقار احمد صاحبہ۔" وہی ٹھنڈا میٹھا انداز جو اس کے اعصاب کو عجب خود فراموشی کی کیفیت میں جکڑ لیتا تھا۔

"پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے اپنے اعصاب پر قابو پانا چاہا۔

"بے وقوف نہیں ہوں میں اور نہ ہی مجھے اول فول بکنے کی عادت ہے؟" اس نے برا مناتے اسے گھورا تو بے اختیار انا کی ہنسی بکھر گئی۔

"مائی گاڈ! میں کب آپ کو بے وقوف کہہ رہی ہوں۔ ماشاء اللہ آپ تو خاصے لائق فائق سمجھدار ہیں۔" آخر میں شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھا اس نے بنا اس کی طرف دیکھے گاڑی ایک مشہور معروف ہوٹل کی پارکنگ کی طرف موڑ لی۔

"خیریت ادھر کیوں چلے آئے گھر نہیں جانا کیا؟"

"محترمہ میرا موڈ کسی بہت اچھی جگہ بیٹھ کر پیٹ پوجا کرنے کا ہو رہا ہے۔" گاڑی پارک کر کے اس نے اگنیشن میں سے چابی کھینچی۔

"مگر ہم گھر جا کر بھی تو لنچ کر سکتے تھے۔" وہ تھوڑا سا جھجکی۔

"گھر میں آپ شاید بھول رہی ہیں کہ صغریٰ کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا، پھوپو اور روشی شاپنگ کے لیے گئی ہوئی ہیں۔"

"مگر کھانے کے لیے اس نے کچھ نہ کچھ تو تیار کیا ہی ہوگا۔" احسن بھائی، ضیا ماموں اور پاپا کے علاوہ یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ کسی اور کے ساتھ کسی جگہ کھانا کھانے آئی تھی۔ اس لیے ولید سے لاکھ انسیت و لگاؤ سہی مگر وہ جھجک سی گئی تھی۔

"تو موراے کیسوز پلیز، کم آن۔" وہ اتر گیا تو وہ بھی اپنا بیگ سنبھالتی، کتابیں اور فائل پچھلی سیٹ پر رکھ کر نکل آئی تھی۔

قدرے پرسکون گوشے میں ٹیبل سلیکٹ کر کے ولید نے اس کے لیے چیئر کھینچ کر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گیا تھا۔

"آج آفس میں کرنے کو کوئی کام نہیں تھا۔ لگتا ہے بہت فارغ ہو گئے ہیں۔" اردگرد کا جائزہ لیتے ماحول کو خوب صورت محسوس کر کے وہ بھی ذرا پرسکون ہوئی تھی۔
"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ اتنا فارغ تو میں قطعی نہیں ہوں۔ ہزاروں کام توجہ کے منتظر تھے مگر ذرا تمہاری برین واشنگ کا کام زیادہ اہم تھا سو سب چھوڑ کر صرف اس ایک کام کے لیے آنا ہی پڑا۔"
"میں مجھے کیا ہوا ہے؟ بھلا میری برین واشنگ کیوں کریں گے۔" اس کے سنجیدہ انداز پر فوراً ہی منہ بناتے اس نے مینیو کارڈ تھام کر کھول لیا تھا۔ ولید نے بغور دیکھا۔ چادر میں بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے وہ خاصی لاپروا سی لگی۔ ولید نے بھی کارڈ کھول کر مینیو کا جائزہ لیا۔
"کیا کھاؤ گی؟" اس نے ایک سرسری نظر کارڈ پر ڈالتے اس سے پوچھا تو وہ کارڈ بند کر کے کندھے اچکا گئی۔
"آپ لنچ کروا رہے ہیں آپ کی مرضی ہے جو مرضی کھلا دیں۔"
"ویٹر۔" ولید کے اشارے پر ویٹر فوراً حاضر ہوا تھا۔ ولید نے آرڈر نوٹ کرواتے اس سے بھی پوچھا۔
"چکن چیز کھاؤ گی نا؟" انا نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مزید ایک اور آئٹم لکھوانے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا۔
"ہاں اب اسٹارٹ ہو جاؤ۔ کھانا سرو ہونے تک تم اپنی بات آرام سے کر سکتی ہو۔ یاد رکھنا مجھے ٹالنے کی کوشش کرو گی تو نقصان اٹھاؤ گی۔ تمہیں میری ناراضی کا اندازہ ہے اور نہ ہی میری مستقل مزاجی کا۔ میں جس بات پر ایک دفعہ اڑ جاتا ہوں تو منوائے بغیر چھوڑتا نہیں ہوں۔" انا نے بڑی بے بسی و بے چارگی سے اسے دیکھا۔ اسے ان گراں لمحوں پر افسوس ہوا جب اپنے احساسات و جذبات پر کنٹرول کھو کر اس شخص کے سامنے ترش ہوئی تھی۔
وہ اس شخص کو بتاتی بھی کیا؟ وہ تو خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کیسی سرد جنگ کا شکار ہے۔ اس کے احساسات و جذبات کسی انتشار کی زد پر ہیں۔
"ایک معمولی سی بات تھی بس شہوار سے متعلق معمولی سا ڈپریشن تھا۔ پلیز آپ بار بار ایک ہی بات کر کے مجھے ہراساں مت کریں۔" سنجیدگی سے کہتے وہ گالوں والے بال سے ہٹانے لگی تھی۔
"شہوار سے متعلق ڈپریشن تھا تو بھی بتاؤ...... کیا ہے؟" اس کی ڈھٹائی میں ہرگز فرق نہ آیا تھا وہ ایک دم جھنجلا اٹھی تھی۔
"آپ کا آخر مسئلہ کیا ہے؟ میں جیسا مرضی ری ایکٹ کروں آپ کو تو کچھ نہیں کہہ رہی نا اور پھر شہوار میری دوست ہے۔ دوستوں کی سو باتیں ہوتی ہیں۔ ہر بات بتانے والی تھوڑی ہوتی ہے۔" جھنجلا کر کہتے آخر میں وہ خاصی سخت ہوئی تھی۔

"یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ ایک دم ایسا ہونے کی آخر وجہ کوئی ہے نا؟ کوئی بھی انسان بغیر کسی وجہ کے ڈپریشن کا شکار ہونے سے رہا۔"
"بال کی کھال اتارنا تو کوئی بس آپ سے سیکھے۔ بس کوئی وجہ نہیں اور یہ قیامت تک طے ہے کہ اگر کوئی معقول وجہ ہوتی بھی تو میں آپ کو کبھی نہ بتاتی۔" اس نے کافی زہریلے پن کا مظاہرہ کیا تھا وہ خاصی دیر تک بغور دیکھتا رہا۔
"چلو مجھ سے نہ سہی روشی سے تو ذکر کر ہی سکتی ہو نا۔"
"ہاں ضرور اگر واقعی کوئی وجہ ہوئی تو......!" وہ بمشکل اپنے مزاج و لہجے پر قابو پاتے اس شخص سے مسلسل ہونے والی بحث کو ختم کرنے پر مجبور تھی۔ ورنہ ضبط تو بار بار جواب دے رہا تھا۔
"پلیز اب اس ٹاپک پر مزید ایک لفظ بھی نہ کہیے گا۔ اتنے مسحور کن ماحول میں آپ نے یہی بورنگ ٹاپک ڈسکس کرنا ہے تو میں ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر اٹھ کر چلی جاؤں گی۔" بھینچتے لب و لہجے میں کہتے اس نے وارننگ دی تھی۔ لہجہ و انداز قطعی سنجیدہ تھا۔ ولید نے بغور دیکھا اور پھر اعصاب کو ڈھیلے انداز میں کرسی پر چھوڑ دیا۔
"او کے......!" پھر ہنس دیا۔
"ویسے اس قدر خوب صورت ماحول میں کہنے کو اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی ماحول انسان کو اتنا ریلیکس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ مجھ جیسے خشک بورنگ مزاج کے حامل انسان کے منہ سے تم جیسی حسین خاتون سے کوئی لطیف بات کرنے کے لیے الفاظ جاری ہو جائیں گے۔ ویسے اس مسحور کن ماحول میں اس بورنگ ٹاپک کے علاوہ آپ محترمہ اور کیا سننا پسند کریں گی۔" بظاہر بڑی سنجیدگی میں بڑی غیر سنجیدہ سی بات سن کر انا وقار احمد کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا اور اس کی گھنی دلکش پلکوں کی جھالر خود بخود لرزنے لگی تھی۔
"آپ بھی بس میں نے تو یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔" اس نے اپنی بھیگی ہتھیلیوں کو باہم جکڑا۔
"یونہی تو کوئی بات نہیں ہوتی۔ تم نے کبھی آج تک کسی عمارت کو یونہی بغیر پلر کے کھڑے دیکھا ہے؟ انگریزوں کے ساتھ ایک طویل زندگی گزاری ہے۔ بڑی لوجیکل تھنکنگ کا مالک ہوں۔ تم لاکھ مجھے بنانے کی کوشش کر لو مگر بننے والا میں بھی نہیں ہوں۔" ولید کے ہونٹوں پر خوب صورت مسکراہٹ کا رقص بڑا دل موہ لینے والا تھا۔ انا کو اپنے کمزور اعصاب پر قابو رکھنا مشکل ہونے لگا۔ اس شخص کی مسکراہٹ کتنی جاندار اور دل موہ لینے والی ہے۔ ویٹر کھانا سرو کرنے لگا تو دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی اور اس خاموشی میں وہ غیر محسوس انداز میں اس شخص کے دلکش چہرے کو تکتی رہی تھی۔

"کھانا شروع کرو۔" اسے اپنی ہی کسی سوچ میں گم دیکھ کر ولید نے ٹوکا تو وہ جھنجلا کر خود کو سرزنش کرتے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
"ایک بات کہوں ولی؟" اس کی ذہنی رو بھٹک چکی تھی اب اس کی ساری توجہ بے حد خاموشی سے کھانا کھاتے ولید کی طرف تھی۔
"ہوں۔" مصروف انداز میں اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کی سرخی ماند پڑ گئی۔
یہ شخص ایک نگاہ ڈالتا ہے تو اپنا آپ ہواؤں میں اڑتا محسوس ہوتا ہے اور اگر کسی دن اس نے نظر بھر کر دیکھنے کی جرأت کر لی تو میں تو مر ہی جاؤں گی۔ اس نے اس کی سوالیہ نگاہوں میں دیکھا۔
"آپ کو اپنی زندگی میں آج تک کوئی ایسی لڑکی نہیں ملی جسے دیکھ کر بے اختیار دل نے چاہا ہو کہ کاش اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع مل جائے۔" بڑے دھیمے اور ڈرے ڈرے لہجے میں وہ پوچھ رہی تھی۔ بظاہر وہ کھانا کھا رہی تھی۔ مگر مکمل توجہ اس کی طرف تھی جس نے اس سوال پر بڑا حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔
"اس احمقانہ سوال کا مطلب؟" انا کو اپنا چہرہ بے تاثر رکھنا بڑا مشکل ہو گیا تو وہ لب بھینچ گئی۔ وہ اس وقت حیرت سے اسے بغور دیکھ رہا تھا اور انا کو لگ رہا تھا کہ اس کے وجود سے بس جان نکلنے والی ہے۔
"بس یونہی آپ کو دیکھ کر پہلا خیال تو یہی آتا ہے کہ نجانے کتنی مرتی ہوں گی ویسے بھی سنا ہے فارن لڑکیاں ایشیائی مردوں کے حسن و جمال پر بہت مرتی ہیں، دیوانی ہیں۔" اپنے آپ کو بحال کرتے اس نے دل کی بات کہہ دی تھی۔ اس قدر مسحور کن ماحول میں ایسی بچکانہ بات۔ ولید کا قہقہہ بے ساختہ اور جاندار تھا۔
"او مائی گاڈ۔ زبردست یعنی سیدھے لفظوں میں تم میری وجاہت و حسن کی برملا تعریف کر رہی ہو۔" پانی کا گھونٹ بھرتے اس نے چھیڑا تو وہ بدامان کر چہرہ جھکا گئی۔
"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔"
"آپ نے سیدھے لفظوں میں جواب نہیں دینا تو مذاق بھی مت اڑائیں۔" اسے حقیقتاً اس کا مذاق اڑانا بہت برا لگا تھا۔
"ہزاروں مرتی تھیں۔ مگر کیا کریں ہمارے والد صاحب نے ہمارے ذہن میں ایک بات ڈال دی تھی بیٹا باہر جاتے ہوئے آنکھیں اور دل گھر پر رکھ کر جانا۔" غیر سنجیدگی سے کہے جملے کو سنتے ہوئے انا کا سارا وجود کان بن گیا تھا۔
"کیا آپ کو کبھی کوئی پسند نہ آئی؟" نجانے اسے اتنی دلچسپی کیوں تھی جاننے کی۔
"اب ایسی بھی بات نہیں۔ بہت سوں نے پیش قدمی بھی کی۔ مجھے بہت اچھی بھی لگیں۔ مگر وہ اوری قسمت ابا صاحب کے تمام کیے کے اصول بہت سخت تھے۔ اگر کہیں دل لگا بھی تو لگانے کی نوبت نہ آئی۔" انداز ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔ انا مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھی۔
"کیوں؟" بہت سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ جیسے دنیا جہاں میں اس سے اہم ایک کوئی نہ ہو۔
"اگر ادھر دل لگا آتے تو ادھر آ کر جھک مارتے۔ ماما بابا نے صاف و واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ بہو ان کی پسند اور معیار کی ہوگی اور وہ خود منتخب کریں گے۔ بابا کی وارننگ نے سب خواب ملیا میٹ کر دیے۔" انداز ایسا تھا کہ وہ بھی بے اختیار ہنس دی۔
"کیا وہ بہت پیاری اور خوب صورت تھی؟" اس کے لہجے میں بے پناہ اشتیاق تھا۔ ولید نے گھورا۔
"کیوں تم نے اس کے حسن کے متعلق قصیدہ لکھنا ہے۔ کھانا کھا لیا ہے تو فٹافٹ اٹھو۔" انا نے منہ بنا کر سر جھکا لیا۔ اپنی پلیٹ میں موجود کھانا ختم کرتے ہی وہ ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

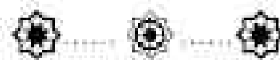
ٹوٹا ہوا تارہ......سمیرا شریف طور' قسط نمبر 4

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شہر جاتے وقت مہر النساء تابندہ بوا کو شہوار اور مصطفیٰ کے رشتے کے بارے میں جلد فیصلہ کرنے کو کہتی ہیں ساتھ ہی تاکید کرتی ہیں کہ ہر حال میں ہاں ہونی چاہیے۔ جس پر تابندہ بوا کی غائب دماغی سے سر ہلا دیتی ہیں اور روتے ہوئے شہوار کو رخصت کرتی ہیں۔ راستے میں مصطفیٰ باتوں باتوں میں شہوار سے جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ بوا نے اس سے رشتے کی بات کی یا نہیں مگر شہوار خود کو جان بوجھ کر انجان ظاہر کرتی ہے۔ جس پر مصطفیٰ خاموش ہو کر اپنی توجہ ڈرائیونگ کی جانب مبذول کر لیتا ہے۔ روشی اور انا جب شاپنگ سے لوٹتی ہیں تو سب لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ولی سب کے سامنے انا کو چھیڑتا ہے جس پر غصہ ہو کے وہ واک آؤٹ کر جاتی ہے۔

کالج جاتے وقت مصطفیٰ شہوار کو روک لیتا ہے اور خود اس کے ڈراپ کرنے کی ذمہ داری اٹھاتا ہے جس پر شہوار کافی پزل ہو جاتی ہے اور مصطفیٰ کو منع کرتی ہے مگر وہ اسے ایاز عبدالقیوم کے خلاف ایک اسٹیپ کہہ کے چپ کرا دیتا ہے۔ راستے میں شہوار مصطفیٰ کے سختی سے پوچھنے پر ایاز کی سنگین دھمکیوں کے متعلق اسے آگاہ کرتی ہے۔ جس پر مصطفیٰ آگ بگولا ہو جاتا ہے اور روتی ہوئی شہوار کو تسلی دے کر کالج چھوڑ دیتا ہے۔ دوسری جانب اتنے دن کے بعد کالج حاضری پر انا اس سے کافی ناراض ہوتی ہے۔ جب ہی ایاز عبدالقیوم شہوار کا راستہ روک کر اس سے خوب بدتمیزی کرتا ہے جس پر شہوار اسے کافی سناتی ہے مگر وہ ڈھٹائی سے سب سن کے اسے تنگ کرتا رہتا ہے جس پر جز بز ہو کے شہوار بھاگ جاتی ہے جبکہ انا ایاز کو وارن کرتے ہوئے شہوار کی تلاش میں نکل پڑتی ہے۔ آفس پہنچتے ہی مصطفیٰ امجد کو بلاتا ہے اور اس سے ایاز کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرتا ہے۔ ایاز کا گھناؤنا روپ جاننے کے بعد اسے شہوار کی بہت فکر ہوتی ہے ساتھ ہی حیرانی بھی ہوتی ہے کہ اتنی جلدی امجد نے اتنی معلومات کیسے حاصل کیں جس کے متعلق وہ امجد سے بھی پوچھتا ہے مگر وہ ٹال جاتا ہے اور ایک شہباز کو اس کیس میں شامل کرنے کا کہتا ہے جس پر مصطفیٰ شہباز سے مل کر اسے بریف کرتا ہے اور کافی حد تک مطمئن ہو جاتا ہے۔ گھر پہنچ کر مصطفیٰ شہوار کو اپنے کمرے میں بلاتا ہے اور اسے مطمئن رہنے کو کہتا ہے جب ہی تابندہ بوا کی کال آ جاتی ہے وہ شہوار کو مصطفیٰ کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرتی ہیں جس پر شہوار غصہ میں اس بے جوڑ تعلق کے متعلق اول فول بولتی ہے۔ جس کو دروازے کے پیچھے کھڑا مصطفیٰ دنگ رہ جاتا ہے۔ وہ اس سے پوچھنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ بنا جواب دیے آگے بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ سامنے سے آتی جادلہ اس پر طنز کے تیر برساتی ہیں مگر آج وہ بھی سارے لحاظ بالائے طاق رکھ کر انہیں جواب دے کے چلی جاتی ہے۔ کالج میں ایاز کی غیر حاضری سے انا اور شہوار دونوں کافی پرسکون دکھائی دیتی ہیں واپسی میں ولید انا کو لینے آتا ہے اور اسے گھر کی بجائے قریبی ریسٹورنٹ میں لے جاتا ہے اور اس سے اس کی پریشانی کے بابت پوچھتا ہے۔ جسے وہ ہمیشہ کی طرح ٹال جاتی ہے۔ کھانے کے دوران وہ اس سے محبت کے بارے میں پوچھتی ہے مگر اس کا انکار سن کر اسے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا خوبرو دلکش نوجوان اب تک محبت کے جذبے سے ناآشنا ہے ساتھ ہی اس کی اپنے بابا کی پسند پر سر جھکانے والی تابعداری اسے کافی پسند آتی اور وہ اس ہی کو سوچنے میں مگن ہوتی ہے کہ ولید گھر چلنے کا کہتا ہے جس پر وہ اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیں)



وہ آفس سے نکل رہا تھا جب اس کے موبائل پر حویلی سے کال آ گئی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام کیسے ہو مصطفیٰ بیٹا؟" دوسری طرف تابندہ بی تھیں۔

"الحمدللہ بالکل ٹھیک ٹھاک اے ون...... آپ سنائیں کیسی ہیں اور بابا صاحب کیسے ہیں؟" تابندہ بی کی کال پر حیرت زدہ ہوتا گاڑی میں آ بیٹھا آج تک تابندہ بی کو براہ راست اس کے موبائل پر رابطہ کرنے کی کبھی ضرورت نہ پڑی تھی۔ نجانے آج انہوں نے یہ زحمت کیوں کر ڈالی۔

"میں ٹھیک ہوں بابا صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے بتایا تو ہیلو فون سیٹ کرتے وہ ٹھٹکا۔

"کیوں کیا ہوا؟" ہیڈ فون کانوں سے لگا کر موبائل جیب میں ڈالتے کچھ تفکر سے پوچھتے اس نے گاڑی کے اگنیشن میں چابی گھمائی تھی۔

"تمہیں پتا ہو شاید وہ اکثر خواب وغیرہ کے کسی سلسلے سے پریشان رہتے ہیں جب بھی وہ کوئی خواب دیکھتے ہیں تو وہ کتنے دن تک گم صم اپنے کمرے میں بند ہو جاتے ہیں۔ پرسوں رات بھی کوئی ایسا خواب دیکھا تھا۔ تب سے وہ کمرے میں بند ہیں۔" انہوں نے بتایا تو گاڑی ڈرائیو کرتے وہ خاصا چونک گیا۔

"ہاں جانتا تو میں بھی ہوں بھلا ان خوابوں کی کیا حقیقت ہے؟ وہ ایسی کنڈیشن میں کیوں چلے جاتے ہیں؟ کبھی کسی سائیکاٹرسٹ سے بھی کنسلٹ کیا؟ کبھی کسی کو بتایا انہوں نے کہ کس قسم کے خواب آتے ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا اس کے لہجے میں ان کے لیے تشویش تھی۔

"شروع میں کبھی کبھار ایک دو دفعہ رات میں چیخ کر ڈر کر اٹھ جاتے تھے اور جب یہ سلسلہ چل نکلا تو ایک بار شاہزیب بھائی ان کو سائیکاٹرسٹ کے پاس شہر لے آئے تھے۔ سائیکاٹرسٹ نے ساری سچویشن اور خوابوں کی نوعیت جاننے کے بعد یہی کہا تھا کہ ان کے لاشعور میں ان کی ذات کی ایک بہت بڑی گرہ ہے جو کھلنے میں نہیں آ رہی اور اب خوابوں کا روپ دھارے انہیں پریشان کرتی ہے۔ انہوں نے مسلسل وزٹ کا مشورہ دیا تھا مگر بابا صاحب پھر دوبارہ سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے پر راضی نا ہوئے۔ پہلے تو وہ صرف پریشان ہوتے تھے اب تو خاصے بیمار اور ابنارمل ری ایکٹ کرنے لگے ہیں مگر اس کے باوجود کسی ڈاکٹر یا ماہر نفسیات سے ملنے پر راضی نہیں ہوتے۔"

"او آئی سی یہ تو بہت کریٹیکل کنڈیشن ہے بواجی انہوں نے کبھی کسی کو بتایا بھی نہیں کہ ان کے لاشعور میں ایسا کیا واقعہ ہے جو اب اس طرح کی سچویشن اختیار کر گیا ہے۔ تھوڑا بہت تو بتایا ہی ہوگا۔"

"نہیں جب سے میں اس حویلی میں ہوں میں یہی دیکھتی آئی ہوں کہ وہ اپنی ذات میں مگن رہنے والے اور تنہائی پسند انسان رہے ہیں۔ بھابی بیگم اور دیگر لوگ بھی بتاتے ہیں وہ شروع سے ہی ایسے ہیں۔ اکثر ڈپریشن کا شکار ہو جاتے تو کئی کئی دن تک سب سے کٹ کر الگ تھلگ ہو جاتے اور پھر خود بخود نارمل ہو جاتے تھے۔ ایسی صورت حال تب سے ہے جب بابا صاحب کی ساری اولاد بہت چھوٹی اور کم عمر تھی۔ جتنا عرصہ وہ باہر رہے ہیں یہ صورت حال رہی۔ پاکستان میں سیٹل ہونے کے باوجود اور تمام بچوں کی شادیاں کر دینے، بیوی کی وفات کے بعد تو اور تنہا ہو گئے تھے۔ بھابی بیگم بتاتی ہیں کہ شروع سے ایسے ہی ہیں انہیں زمین جائیداد سے کوئی دلچسپی نہ تھی بڑے بھائیوں کی وفات کے بعد بابا صاحب پر جب یہ ذمہ داری پڑی تو انہوں نے یہ ذمہ داری شاہزیب بھائی پر ڈال دی تھی۔"

"انٹرسٹنگ۔" مصطفیٰ کے لیے یہ ساری معلومات خاصی حیران کن تھیں۔

"تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"آفس ٹائمنگ ختم ہونے کے بعد گھر جا رہا ہوں۔"

"تبھی میں کہوں اتنا شور کیوں ہے۔ ڈرائیونگ خود کر رہے ہو۔" انہوں نے اندازہ لگایا۔

"جی۔"

"اچھا بزی ہو پھر۔ تم سے بہت ضروری بات کرنی تھی جب گھر پہنچ جاؤ تو مجھ سے رابطہ کرنا۔"

"آپ ابھی کہیں جو کہنا ہے؟"

"نہیں تم دھیان سے ڈرائیونگ کرو ایک وقت میں دو کام اچھے نہیں ہوتے، گھر جا کر کال کرنا اللہ حافظ۔" انہوں نے کال بند کر دی تو کچھ سوچتے مصطفیٰ نے بھی ہیڈ فون اتار کر سامنے ڈیش بورڈ پر ڈال دیا تھا۔

گھر آ کر سب کے ساتھ کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں آیا تو ذہن تابندہ بوا کی طرف ہی تھا۔ نجانے انہوں نے ایسی کیا ضروری بات کرنی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے تو انہوں نے کبھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ کہیں شہوار نے بواجی کو پایا زوالے واقعے سے متعلق بتا تو نہیں دیا۔ ایک دم اس کا ذہن الجھا۔ نجانے اب ایسی کیا بات تھی۔ اس کا ذہن الجھ چکا تھا۔ دروازہ بند کرتے اس نے حویلی کے نمبر ملائے تھے۔

"ہیلو۔"
"السلام علیکم!" دوسری طرف سے شاید کوئی ملازمہ تھی۔
"وعلیکم السلام بواجی کو بلاؤ کہنا مصطفیٰ کی شہر سے کال ہے۔"
"جی ابھی بلاتی ہوں۔" وہ ہولڈ کر کے چلی گئی تھی۔
"السلام علیکم!" تین چار منٹ بعد بواجی کی آواز سنائی دی تو وہ فوراً الرٹ ہوا۔
"وعلیکم السلام۔"
"گھر آ گئے کھانا کھالیا؟" انہوں نے پوچھا تھا۔
"جی۔"
"شہوار کیسی ہے؟" ان کے سوال پر اس کے ذہن پر کچھ دیر قبل کھانے کی ٹیبل پر چپ چاپ کھانا کھاتی شہوار کا عکس ابھرا۔
"بظاہر تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔" مسکرا کر ان کی تسلی کروائی۔
"اور باقی گھر والے؟" ان کے تمہیدی انداز سے وہ کچھ الجھا۔
"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔"
"مجھے تم سے بہت ضروری بات ڈسکس کرنا تھی ذرا دھیان اور توجہ سے سننا۔"
"جی ضرور۔"
"تمہیں علم ہوگا کہ تمہارا پروپوزل شہوار کے لیے دیا گیا ہے۔"
"جی میرے علم میں ہے۔"
"میں نے کل بھائی کو فون کر کے ہاں کہہ دی تھی۔" انہوں نے مزید کہا۔
"جی میری نالج میں یہ بات بھی ہے۔"
"بات یہ ہے کہ بیٹا! شہوار اس رشتے پر خوش نہیں ہے۔ وہ ایسا نہیں چاہتی۔ اس کے انکار کے باوجود میں نے ہاں کہی ہے۔" اس بات پر وہ خاموش ہوگیا تھا۔ تو اس کا شک درست نکلا تھا شہوار بے خبر نہ تھی۔
"اس نے صاف لفظوں میں اس پروپوزل سے انکار کر دیا تھا مگر مجھے اس کا فیصلہ نہایت احمقانہ ہی محسوس ہوا تو میں نے تو یہ ضد کی اور بھائی بیگم کو ہاں کے لیے عندیہ دے دیا۔ اب وہ اس بات پر مجھ سے ناراض اور خفا ہے وہ میری کال بھی ریسیو نہیں کر رہی۔"
"وہ اس پروپوزل سے انکاری کیوں ہے؟" کچھ سوچتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔
"اس کا کہنا ہے کہ رشتہ برابری کی سطح پر ہی اچھا لگتا ہے۔ میاں بیوی میں نام ونسب کا اعلیٰ درجے کا ہونا لازمی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ یہ ایک ان میچ کپل ہے۔ اس کے ذہن میں یہ سوچ ہے کہ ہم حویلی میں پناہ گزین کی حیثیت سے رہ رہے ہیں۔ کسی اور رشتے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی۔" مصطفیٰ حیرت سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔
"یہ سب شہوار نے خود کہا ہے؟"
"ہوں۔" انہوں نے قدرے توقف کیا پھر کہنے لگیں۔
"دیکھو مصطفیٰ تم ایک سمجھدار اور قابل لڑکے ہو شہوار کا کہنا ہے کہ تمہیں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل سکتی ہے جو تمہارے ساتھ ان فٹ محسوس نہ ہوگی۔ مجھے تمہاری ذہانت

قابلیت اور معاملہ فہمی کا بخوبی ادراک ہے۔ اس حویلی نے ہم ماں بیٹیوں کو جو مقام اور مرتبہ دیا ہے وہ عام بات نہیں ہے۔ میں شہوار کی ماں ہوں ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی اچھے سے اچھے اور اعلیٰ گھر میں جائے۔ اس کا داماد ہر لحاظ سے اچھا اور قابل ہو۔ میں نے ماں بن کر فیصلہ کیا ہے مگر اسے لگتا ہے کہ یہ غلط فیصلہ ہوا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اگر تم سے اس کا رشتہ طے ہو گیا تو وہ ساری عمر اپنی ہی نظروں میں گر جائے گی۔ دوسروں کے ٹکڑوں پر پل کر ان کی برابری کرنا یہ بات اس کی ذات کو تکلیف دے رہی ہے۔" انہوں نے بیٹی کے تمام خیالات سے آگاہ کر دیا تھا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی بات؟" اس نے پوچھا انداز خاصا پرسوچ سا تھا۔

"وہ شاید عادلہ اور دیگر لوگوں کی باتوں اور رویوں سے خوفزدہ ہے عادلہ کی باتیں جو بھی بھابی بتاتی ہیں وہ ایک طرف شہوار نے مجھے آج تک محسوس نہیں ہونے دیا کہ عادلہ کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہے؟ مگر عادلہ کے ساتھ میری جتنی بھی ملاقاتیں ہو چکی ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ میرے بعد شہوار کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہو گا؟ عادلہ اور طرح کے مزاج اور اطوار کی مالک ہے۔ شہوار اس کی باتوں اور زبان سے بھی خوفزدہ ہے اور شاید یہی سب سے بڑا خوف ہے جو اسے اس رشتے پر راضی نہیں ہونے دے رہا۔"

مصطفیٰ نے ایک گہری سانس خارج کی۔ یہ شاید نہیں حقیقی بات تھی۔ مگر عادلہ بھابی کو بنیاد بنا کر اس پروپوزل سے انکار کرنا۔ اسے شہوار کی نری بے وقوفی لگی تھی۔ وہ تو اسے اچھا خاصا عقل مند سمجھتا تھا مگر اس وقت وہ اچھی خاصی بے وقوف ثابت ہو رہی تھی۔

"میں نے بھابی کو ہاں کہہ دی ہے اور میں اب اس فیصلے کو نہیں بدلنے والی۔ وہ بے وقوف سمجھتی ہے کہ یہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔

"دیکھیں ہو سکتا ہے یہ ہمارے بزرگوں کا فیصلہ تھا ماں جی نے مجھ سے میری رضامندی پوچھی اور میں نے بالکل ویسے ہی ہاں کی جیسے کوئی بھی اولاد ماں باپ کے فیصلے کو اہمیت دے کر سر جھکا دیتی ہے۔ میں نے کم تر حیثیت مرتبہ دولت جائیداد کے پیمانوں کو پہلے کبھی اہمیت دی تھی اور نہ ہی شہوار کے لیے رضامندی دیتے ہوئے دی تھی۔ میں نے صرف ایک بات دیکھی تھی کہ وہ ایک سلجھی ہوئی پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہے جو صرف ہمارے خاندان کے تمام طور طریقوں کو جانتی ہے بلکہ خاندان کو ملحوظ رکھتے اور انہی اصول و روایات کے اندر رہتے ہوئے زندگی گزارنے کا ہنر رکھتی ہے۔ ہو سکتا ہے میں نے زندگی کا طویل حصہ امریکا میں گزارا ہے۔ وہاں کی پریکٹیکل سوچ اور خاندانی نظام کی توڑ پھوڑ کا بخوبی جائزہ لیا ہے۔ میری سوچ عام لڑکوں جیسی ہوتی تو مجھے عادلہ بھابی کی بہن کا نقشہ میں بہت کشش محسوس ہوتی۔ مگر اتنا عرصہ گھر خاندان سے دور رہتے اس کی ویلیو کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا اور شہوار ان تمام معیار پر بخوبی پورا اتر رہی ہے۔ رہ گئی مالی و نسبی تعلق کی بات تو اس کو میں نے پہلے بھی کبھی اہمیت نہیں دی۔ آپ نے جن حالات سے بھی مجبور ہو کر حویلی میں پناہ لی وہ ایک طرف مگر ہمیں ہمیشہ یہ بات باور کروائی گئی کہ آپ اس حویلی کی بیٹی ہیں ہم سب کے لیے قابل عزت اور مقدم اور ہم سب نے آپ کو وہی مقام اور مرتبہ دینے کی کوشش کی جو حویلی کی ایک بیٹی کا حق تھا ایسے میں شہوار کے اندر یہ احساس کمتری پیدا ہونا حیرت کی بات ہے۔ جبکہ ہماری طرف سے کبھی اس کے ساتھ زیادتی نہیں کی گئی۔ ہمیشہ اسے اس گھر میں عائشہ صبا جیسا مقام دیا گیا ہے۔" کچھ سوچتے سوچتے اس نے تفصیلی اپنے تمام احساسات سے انہیں آگاہ کیا تھا۔

"پتا نہیں اس کے اندر یہ احساس اس قدر شدت سے کیسے پیدا ہو گیا ہے۔ میں بھی حیران ہوں اب ساری صورت حال تمہارے سامنے ہے بیٹا۔ تم ہی بتاؤ کہ کیسے معاملے کو سلجھاؤں؟ وہ تو میری بات ہی نہیں سن رہی۔ کال ریسیو تک نہیں کر رہی۔"

"میں اس سے بات کر کے دیکھوں؟" اس نے پوچھا تو انہوں نے فوراً ٹوکا۔

"نہیں وہ سمجھے گی کہ میں نے تمہیں ساری باتیں بتا دی ہیں۔ وہ اور ناراض ہو گی اور اس کی ایگو (انا) ہرٹ ہو گی۔ وہ سمجھے گی کہ میں نے جان بوجھ کر تمہیں سب بتایا ہے۔ مجھے بس یہ بات کھٹک رہی تھی کہ اپنے تئیں فیصلہ کر کے ہاں کہہ دینا کہیں واقعی اس کے ساتھ زیادتی تو نہیں کر دی۔ مجھے تم پر پہلے بھی بھروسہ تھا اب تمہاری باتیں سن کر تمام تفکرات ختم ہو گئے ہیں۔ ابھی وہ سوچ کا ایک پہلو دیکھ رہی ہے۔ جب میاں بیوی کو ساتھ رہنے زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے تو بہت سی غلط فہمیوں کا تدارک ہو جاتا ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ یقین مانو تم نے اپنے خیالات کا اظہار کر کے مجھے ایک حقیقی خوشی سے دوچار کیا ہے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے مطمئن رہو وہ اب حویلی کا چکر لگائے گی تو خود ہی

سمجھانے کی کوشش کروں گی تم بس اس سے بات نہ کرنا۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ بواجی کے اس طرح اعتماد کرنے تمام حالات ڈسکس کرنے سے اسے ایک حقیقی خوشی محسوس ہوئی تھی۔

یعنی بواجی اسے بہت اچھی طرح اور گہرائی سے سمجھتی تھیں۔ جبھی تو اس کی رضامندی بھی کسی قدر محتاط اور سلجھے انداز میں معلوم کر لی تھی کہ اسے محسوس تک نہ ہونے دیا تھا۔

"آپ بے فکر رہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کن لوگوں کی وجہ سے ایساری ایکٹ کر رہی ہے۔" اس نے انہیں بھرپور تسلی دی تھی۔

"مجھے صرف تمہاری طرف سے تسلی کرنا تھی۔ تمہارے خیالات جان کر شہوار کے تمام خوف باطل لگ رہے ہیں اب تو تمہاری طرف سے میں مطمئن ہو گئی ہوں۔"

"اس قدر عزت افزائی کے لیے شکریہ۔"

"بیٹا! خیال رکھنا شہوار کو ہماری اس ٹیلی فونک گفتگو کا پتا نہ چلے۔ وہ بہت حساس لڑکی ہے۔ فوراً انا کا مسئلہ بنا لے گی۔" انہوں نے ساتھ ہدایت خاص بھی کی تھی۔ وہ مکمل کر مسکرا دیا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میں کسی سے بھی ذکر نہیں کروں گا۔" اس نے انہیں بھرپور تسلی دی تھی۔

"جیتے رہو خوش رہو ہزاروں کامیابیاں تمہارے نصیب میں آئیں۔" اس کی اس درجہ فرمانبرداری پر خوش ہو کر انہوں نے دل سے دعا دی تھی۔

"آمین۔"

"بہت لمبی کال ہو گئی اجازت دو اللہ حافظ۔" انہوں نے کہا تھا۔

"اللہ حافظ۔" دوسری طرف سے بھی ریسیور رکھ دیا گیا تو وہ کئی پل موبائل ہاتھ میں لیے پرسوچ نظروں سے تابندہ بی کی گفتگو کا تجزیہ کرتے ہوئے شہوار کی سوچ اور رویوں کا پس منظر سوچ رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

"کیا بات ہے شہزادے بڑی غمزدہ تصویر بنائے بیٹھے ہو؟"

شہزاد اسے کافی دیر سے خاموش اور گم صم دیکھ رہا تھا وہ بظاہر ان کے ساتھ ہی تھا۔ ہاتھ کی انگلیوں میں دبا سگریٹ اس کو بظاہر اس محفل کا حصہ ہی بنا رہا تھا مگر وہ اس تمام گفتگو حرکتوں اور باتوں کے دوران چپ چاپ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ جس پر چوٹ کستے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"آہ ہاں کیا ہم اور کیا غم کی تصویر۔ ہماری تو بس وہی حالت ہے۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے۔" سگریٹ کا گہرا کش لے کر اطراف میں دھواں بکھرتے اس نے استہزائیہ کہا تھا۔

"بس یہ تو اب کام سے گیا۔ یہ تو سچ مچ کا جوگ لے بیٹھا ہے۔" امین نے بھی اس کی حالت پر استہزائیہ مسکراہٹ اچھالی تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"ہونہہ جوگ مائی فٹ میں کیوں لینے لگا ایسا جوگ؟" سگریٹ کا آخری سرا اپنے پاؤں تلے مسلتے ہوئے وہ کافی حقارت سے گویا تھا۔

"تو پھر کافی دنوں سے تم ہمارے کسی بھی پروگرام میں شامل کیوں نہیں ہوئے۔ پچھلے ہفتے جو ماڈل کا شوٹ کے دوران ہمارا پروگرام تھا تم نے کیسے رو ڈلی بی ہیو کیا تھا۔ اب تم ایک گھٹیا لڑکی کے پیچھے ہمارے سارے پروگرام ہزارت کرنے لگو گے کیا؟" کامران بھی بھرا بیٹھا تھا وہ ہنس دیا۔

"خیر گھٹیا لڑکی تو قطعی نہیں وہ اگر اس کے پیچھے اتنی مضبوط ٹیک نہ ہوتی تو تم لوگ دیکھتے میں کب کا کوئی حتمی فیصلہ کن قدم اٹھا چکا ہوتا۔ تم لوگ جانتے ہو کہ صبر و برداشت میری فطرت کا حصہ نہیں۔ مگر پھر بھی میں دن رات صبر کر رہا ہوں۔" اپنے سامنے پڑا شروب کا بھرا گلاس اس نے اٹھا کر منہ سے لگا لیا تھا۔

"تو لعنت بھیجو ایسی لڑکی پر تم شہزاد کا نام ہو۔ جدھر نظر ڈالو گے ہزاروں تمہارے قدموں میں ہوں گی۔ لیلیٰ زبیری دو دن پہلے جس نے ہمارے پروگرام میں ہمارا ساتھ دیا تھا وہ

تو بری طرح تم پر مرمٹی ہے۔ کئی کالز کر چکی ہے کہ تم سے دوبارہ میٹنگ ارینج کرواؤں اس کی؟" شہزاد اسے گلاس کا مشروب حلق میں اتارتے دیکھ کر قدرے پرسکون ہو کر کہہ رہا تھا۔

"یہی تو مسئلہ ہے، وہ لعنت آنچنے والی چیز نہیں ہے بڑی سے بڑی سے چادر میں ڈھکا چھپا اس کا سراپا تم کیا جانو کیا قیامت ہے اس وجود میں۔" عادلہ باجی کی شادی میں بنا سنورا اس کا وہ روپ تو آج بھی دل پہ نقش ہے۔ یہ گھٹنوں تک سے آتے بال اور اس پر ٹوٹ کر نکھرتی حیا۔" کامران نے اسے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے بڑے مدہوش کن انداز میں آنکھیں موند کر کہتے دیکھ کر شہزاد کو کنپٹی پر انگلی رکھ کر یوں اشارہ کیا کہ جیسے وہ کھسک گیا ہو۔

"اتنا ہی مر رہے ہو تو سیدھے سادے اپنے باپ سے کہہ کر پروپوزل بھیجو تمہارا ابھی مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"ہونہہ پروپوزل اتنے اونچے گھر میں اس کی حیثیت نوکری کی بھی نہیں۔ نجانے کون ہے کہاں کا گند ہے وہ تو ان لوگوں نے عزت دے رکھی ہے ورنہ تو ایسی لڑکیوں کی عزت بیچ چوراہے پر اتار دی جائے تو کوئی انگلی اٹھانے والا نہ ہو۔" پروپوزل والی بات تو سیدھی دل پر لگی تھی۔ اسے اپنے باپ کی دولت مرتبے پر اتنا غرور تھا اور یہی غرور اس کے لب ولہجے سے عیاں تھا۔

"اوف کتنا بور کر رہے ہو تم یار شہزاد اس کو تو اب رہنے ہی دو کسی کام کا نہیں رہا یہ اب تو ..... تم بتاؤ وہ لیلیٰ کیسی ہے؟ میرا کانٹیکٹ اس سے کرواؤ یار وہ پہلی ملاقات تو بھولتی ہی نہیں۔ کیا چیز ہے وہ بھی ایمان سے۔" کامران نے نہایت کمینگی سے کہتے یاز کو آنکھ مار کر کہا تھا تو وہ چاروں لڑکے قہقہہ لگا کر ہنس دیے تھے۔

"وہ اتنی آسانی سے ہاتھ آنے والی نہیں ہے۔ اس نے اپنے منہ سے یاز کا نام لیا ہے تو صاف مطلب ہے اس کی ساری توجہ صرف یاز کی طرف ہے۔ وہ صرف یاز سے ہی رابطہ کرے گی۔ زیادہ خواب دیکھنے کی ضرورت نہیں۔" شہزاد نے صاف بری جھنڈی دکھائی تھی۔

یہ سارے لڑکے دولت مند گھرانوں کے بگڑے رئیس زادے تھے۔ جن کی جیبوں میں قیمتی موبائل، گاڑی کی چابی کے علاوہ پاکستانی اور غیر ملکی کرنسی کا انبار ہر وقت رہتا تھا۔ جن کا مقصد زندگی صرف انجوائے منٹ اور تھرل کا نام تھی۔ وہ اس وقت کلب میں بڑی فرصت و بے فکری سے بیٹھے اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

"خیر پیچھے تو میں بھی نہیں ہٹنے والا۔ اگر عادلہ باجی اور رباجی کی رشتہ داری بگڑنے کا احساس نہ ہوتا تو اس کا بھی وہی حشر ہو چکا ہوتا اب تک جو ایسی کئی لڑکیوں کا ہمارے ہاتھوں ہو چکا ہے۔" اس نے دوبارہ گلاس بھرتے اپنے مذموم ارادوں کا اظہار کیا تو امین نے گہرا سانس لیا۔

"اور تم لیلیٰ زبیری سے کانٹیکٹ کر لینا۔ کہہ دینا کہ وہ مجھ سے ڈائریکٹ رابطہ کرے اب ایک دو ٹکے کی لڑکی کے پیچھے اچھا آفر نظر انداز کر دوں یہ تو کفران نعمت ہے۔ ایسی آفر بھی بار بار بھلا کب ہوتی۔" وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

"حسرت ان غنچوں پر جو بن کھلے مرجھا گئے۔" کامران نے ایک سرد مصنوعی سانس بھری۔

"میرا خیال تھا کہ یہ اپنی پے در پے ناکامیوں کا سوگ مناتے لیلیٰ کی گوٹ ہم میں سے کسی ایک کی طرف اچھال دے گا۔ لیکن خیر ..... یاد رکھو وہ صرف دیکھنے کی چیز ہے چھونے کی غلطی نہ کرنا۔ مجھے بھی وہ کسی اور کے ریفرنس سے ملی تھی۔ بلا کی حسین ہے تو اسی بلا کی ہوشیار بھی ہے۔ عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے اور اب تک جتنی بھی گرلز سے واسطہ پڑا ہے وہ ان جیسی بھی نہیں ہے۔ دھیان سے اور محتاط رہ کر اس سے ڈیلنگ کرنا۔" شہزاد نے اسے سمجھایا تو وہ طنزیہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"جانتا ہوں اس قوم کو محض اپنے دام بڑھانے کو بنتی ہوگی سالی۔ خیر خالی جیب تو کبھی میں بھی نہیں رہا۔ اگر اس میں نخرا یا غرور ہے تو کم میں بھی نہیں۔ پھر ایسی چیز پر تو محنت کرنے کا بھی اپنا ایک مزہ ہے جو مشکل اور جدوجہد سے حاصل ہو۔" اس کے لب ولہجے میں خاصی حقارت تھی۔ تبھی اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے سرسری سی نظر ڈالی مگر وہاں اسکرین پر نظر آنے والے نمبر کو دیکھ کر وہ فوراً سیدھا ہوا تھا۔

"السلام علیکم ڈیڈ۔"

"کدھر ہو؟" بے لچک پتھریلا انداز تھا۔

''میں دوستوں کے ساتھ کلب میں ہوں' کیوں خیریت؟''
''فوراً گھر پہنچو میں اگلے پندرہ منٹ میں تمہیں گھر کے اندر دیکھنا چاہوں گا ہری اپ۔'' ان کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا۔
''مگر ڈیڈ.....!'' اس نے کچھ کہنا چاہا مگر انہوں نے کال ڈراپ کر دی تھی۔
''لو اس کے تو وارنٹ جاری ہو گئے۔'' کامران تمسخر سے ہنسا تھا۔
''نجانے کیا بات ہے جو ڈیڈی نے فوری بلوایا ہے۔'' کرسی سے اٹھ کر اس نے مطلع کیا تھا۔
''بہت ڈرپوک ہے تمہارا باپ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرا جانے والا۔ حیرت ہے اس قدر وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے بزنس کو کیسے سنبھالا ہوا ہے انہوں نے۔'' شہزاد نے بھی اس کے والد پر چوٹ کی تھی۔
''شٹ اپ۔'' وہ غصے سے انہیں گھورتا باہر کی طرف لپکا۔
''کل کنسرٹ کا کیا فیصلہ کیا تم نے۔ چلو گے یا اپنی سترہویں صدی کی محبوبہ کی یاد میں آہیں بھرو گے۔'' پیچھے سے امین نے ہانک لگائی تھی۔
''پروگرام تم ڈن کرلو مجھے کال کر کے انفارم کر دینا۔'' جاتے جاتے اس نے بھی اونچی آواز میں کہتے اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔
گھر آیا تو لاؤنج میں ہی اسے اپنے ماں باپ کے ہمراہ عادل کو دیکھ کر رک جانا پڑا۔
''خیریت۔ آپ نے اتنی ارجنٹلی کیوں بلوایا؟'' ماحول سے اندازہ ہو چکا تھا کہ یہاں کچھ دیر پہلے کسی بات پر خاصی گرما گرمی کی فضا طاری رہ چکی تھی۔
''بیٹھ جاؤ۔'' عبدالقیوم کے کھردرے لہجے پر اس نے ماں اور بہن کو دیکھا۔
''تم نے کل اکاؤنٹ سے پانچ لاکھ روپے نکلوائے تھے؟'' خاصے تیکھے پن سے دریافت کیا تھا۔ وہ ذرا چونکا پھر کندھے اچکائے۔ بڑا بے پروا انداز تھا۔
''سو واٹ۔'' اس کے انداز پر عبدالقیوم صاحب کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔
''میں یہ پیسا تمہاری دن بدن بڑھتی ہوئی عیاشیوں کے لیے نہیں کما رہا۔ کیوں نکلوائے تم نے پیسے ایسی کیا ضرورت تھی تمہاری۔''
''ضرورت تھی ڈیڈ۔ یار دوستوں میں اٹھنے بیٹھنے والا بندہ ہوں اب خالی جیب تو گھومنے سے رہا۔'' اس کی بے پروائی میں سرمو فرق نہ آیا تھا۔
''دیکھ رہی ہو تم دونوں اس کی انہی عیاشیوں اور شاہ خرچیوں سے میں عاجز آچکا ہوں۔ چار سال اس نے ''ایف ایس سی'' میں لگائے۔ میں نے پیسا پانی کی طرح بہا کر اس مقام پر پہلے کارزلٹ بہتر کروانے کی کوشش کی کہ اسے میڈیکل میں داخلہ مل سکے۔ دو سال اس نے انٹری ٹیسٹ کلیئر کرنے میں لگا دیے۔ جھولی بھر کر رقم دی تو اسے داخلہ ملا اب بھی اس کے پتھر سے ختم نہیں ہو رہے۔ جب دل چاہتا ہے ہر دوسرے دن لاکھ دو لاکھ نکلوا رہا ہے۔'' وہ تو بھرے بیٹھے تھے انداز اس قدر غصیلا تھا کہ گویا اس بار اس کی کسی خطا کو بخشنے کا قطعی موڈ نہیں ہے۔
''اس میں ایسی کون سی قیامت آگئی ہے کون سا یہ سارا مال لیگل طریقے سے کمایا ہے۔ آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں بیٹیوں پر خرچ کرتے کبھی تکلیف نہیں ہوتی۔ میرے حساب کتاب کے تمام کالم از بر ہوتے ہیں۔ میری سو ضرورتیں ہیں۔'' جواباً وہ بھی از حد بدتمیزی سے گویا ہوا تھا۔
''ضرورتیں نہیں' عیاشیاں کہو عیاشیاں اب کی بار کسی لڑکی کا مسئلہ کھڑا ہوا اور کسی کے والدین نے کیس کر دیا تو میں اب نہیں چھڑوانے والا۔ میں اس لیے پیسا نہیں کما رہا کہ تم پانی کی طرح بہاتے رہو۔''
''تمہارے ڈیڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہر چیز کی ایک لمٹ ہوتی ہے۔ پرسوں تم نے مجھ سے بھی دس ہزار لیے تھے۔'' مسز عبدالقیوم بھی شامل گفتگو ہوئی تھیں۔
''تو کم آن مام اب کیا میں آپ لوگوں کو دو ٹکے کے لوگوں کی طرح حساب دیتا پھروں۔'' ماں کے الفاظ پر اس کا بھی انداز گستاخانہ ہو گیا تھا۔
''میں تمہارا اکاؤنٹ کینسل کروا دوں گا۔'' انہوں نے دھمکی دی تو وہ ہنس دیا۔

"ضرور.... یہ بھی کر دیکھیں میں اپنی ضروریات اور طریقوں سے پوری کرنا شروع کر دوں گا۔" اس کا انداز دھمکی آمیز تھا۔
"اور کسی دن اپنی انہی سرگرمیوں کی وجہ سے پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو خبر لینے میں بھی نہیں آؤں گا۔" انہوں نے بھی صاف ہری جھنڈی دکھائی تھی۔
"تو نہ آئیں۔" وہ زیادہ بھڑکا۔
"کیا ہو گیا ہے آپ دونوں کو میں یہاں چند گھنٹے سکون کی تلاش میں آتی ہوں مگر یہاں کی وہی چیخ چیخ بک بک ہی ختم نہیں ہوتی۔" عادلہ جو کافی دیر سے چپ چاپ تھی ایک دم چیخ کر گویا ہوئی تھی کا نفسہ اپنے روم میں سو رہی تھی۔
"تم سے بھی میں تفصیلی بات چیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں آرام سے سکون سے بیٹھی رہو۔" عادلہ کو انہوں نے جھڑک کر چپ کروا دیا تھا مگر وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی۔
"مجھے کسی ورکر سے اطلاع ملی ہے کہ پچھلے دنوں پولیس کا کوئی آدمی تمہارے متعلق پوچھ گچھ کر رہا تھا۔ میں اسی بات سے خوفزدہ ہوں پچھلے ماہ جو انہوں نے اپنے گروپ سمیت ایک لڑکی کے ریپ کے سلسلے میں سرگرمیاں انجام دی تھیں اس کی جانچ پڑتال ہو رہی ہے۔ وہ تو ان تمام لڑکوں کے والدین کے ساتھ مل کر لڑکی کے گھر والوں کے ورثا کو دے دلا کر چپ کروا دیا تھا مگر اب کے میں کہہ رہا ہوں کہ کیس پولیس تک پہنچا تو بہت بری صورت حال سے بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔" اپنے غصے پر قابو پاتے اب کی بار انہوں نے کچھ فکر مندی سے کہا تھا۔
"کون سور ما ہے وہ جس کی اتنی مجال ہو گئی ہے کہ وہ ہمارے بارے میں تفتیش کرتا پھرے۔" کچھ چونک کر وہ بھی کچھ دھیما پڑ گیا تھا مگر انداز جوشیلا تھا۔
"پتا تو نہیں لگ سکا پھر بھی تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ احتیاط ضروری ہے۔ اپنے دوستوں میں اٹھتے بیٹھتے خیال رکھو بعض اوقات یہ دوست ہی ہوتے ہیں جو پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا کام بھی سرانجام دے دیتے ہیں جب ان کا اپنا مفاد خطرے میں ہو۔" اب کے اس نے جوش میں آنے کی بجائے تحمل سے ان کی بات سنی۔
"میں اکیلا کسی بھی سرگرمی میں ملوث نہیں ہوں۔ اگر کوئی ایک پھنسے گا تو باقی کی بھی گردن پھنسنے کی دونٹ وری ڈیڈ۔" انہوں نے بغور دیکھا اس کا انداز پرسوچ تھا یعنی اس کی عقل میں کچھ نہ کچھ بات سما ہی گئی تھی۔
"تم بتاؤ تم کیوں ہر روز سسرال سے ادھر آ بیٹھی ہوتی ہو۔" یاز کو مزید سمجھانے کا ارادہ ترک کر کے اب کے انہوں نے عادلہ کی طرف رخ کیا تھا اس نے ماں کو دیکھا اور منہ چڑھا لیا۔
"ہائے ہائے کیا ہو گیا ہے آپ کو بیٹی ہے ہماری۔ اب میکے کا چکر بھی نہ لگائے۔ ایک ہی شہر میں رہتی ہے چلی آتی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔" ماں نے فوراً بیٹی کی طرف داری کی تھی۔
"چند دن پہلے اس کے سسر کی کال آئی تھی مجھے وہ بتا رہا تھا کہ اس نے علیحدہ گھر میں رہنے کی ڈیمانڈ کی ہے۔" اس دن کے بعد اس کا آج چکر لگا تھا وہ اس لیے چکر نہیں لگا رہی تھی کہ ڈیڈ نے ضرور باز پرس کرنی ہے۔
"تو کون سا دنیا سے علیحدہ انوکھی ڈیمانڈ کر دی ہے۔ ساری دنیا کی لڑکیاں علیحدہ ہوتی ہیں۔" عبدالقیوم صاحب نے بیوی کو گھورا۔
"یہ تمہاری ہی شہہ پر اتنا اکڑ رہی ہے۔ میں نے عادلہ تمہیں کیا سمجھایا تھا۔" انہوں نے بیوی کو ٹوک کر بیٹی سے باز پرس کی تھی۔
"ایم سوری ڈیڈ آپ کے فائدے کے لیے میں اپنی زندگی اجیرن نہیں کر سکتی۔ یہ عباس بالکل پینڈو و جاہل انسان ہے۔ ماں باپ سے پوچھے بغیر تو کھانے کا لقمہ بھی منہ میں نہیں ڈالتا۔" وہ تو بھری بیٹھی تھی ایک دم پھٹ پڑی۔
"تم کوشش کرتیں بیویاں کیا کچھ نہیں کر لیتیں۔ اس میں صرف میرے لیے ہی نہیں تم لوگوں کے لیے بھی فائدہ تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک اسٹرانگ بیک گراؤنڈ رکھنے والا مضبوط گھرانا ہے۔ کم عقلی مت دکھاؤ، میں کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر نہیں کرتا۔ تم میری عادت اچھی طرح جانتی ہو۔ یہ تینوں باپ بیٹا جس طرح دن بدن بزنس کی دنیا میں اپنا نام بنا رہے ہیں تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ یہ لوگ کس قدر آگے جا سکتے ہیں۔"

"تو وہ ڈیڈ۔ ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے۔ ہم کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ بزنس مین کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ پھر آپ ان لوگوں کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟" ایاز نے خاصے تنفر سے پوچھا تھا۔

"یہ لوگ آج اس بزنس کی دنیا میں نہیں آئے۔ شاہزیب علی کے باقی دونوں بھائی اور ان کی اولادیں اندرون ملک اور بیرون ملک عرصہ دراز سے اس بزنس میں ان والو ہیں۔ ان کی پروڈکشن کا ایک نام ہے۔ معیار ہے کوالٹی ہے۔ جس طرح تم سب دولت کو لٹا رہے ہو تو وہ دن دور نہیں جب تم تینوں کی وجہ سے میں پچھتاوے کے آنسو بہانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے۔" بیگم نے فوراً دہل کر کہا۔

"ڈیڈ آپ کو نہیں پتا وہ کس قدر اولڈ اینڈ دقیانوسی قسم کا گھرانا ہے۔ کاشفہ کے لیے انکار کر کے انہوں نے صاف لفظوں میں میری انسلٹ کی ہے اور اب اسی دو ٹکے کی شہوار بی بی سے مصطفیٰ کا رشتہ طے کر دیا گیا ہے۔" انکشاف ایسا تھا کہ وہاں موجود بھی چونک گئے تھے خصوصاً ایاز تو کتنی دیر تک گم صم رہ گیا تھا۔

"ان لوگوں کا ارادہ فوراً نکاح کرنے کا ہے۔ مجھ سے نہ پوچھا نہ ہی بڑی بہو ہونے کے ناتے بتایا۔ یہ ویلیو ہے اس گھر میں میری؟ سیدھے صاف لفظوں میں یہ میری توہین ہے۔ وہ اولڈ بی بی چاہتی ہے کہ میں بات بے بات اس سے اجازت لیا کروں۔ کچن سنبھالوں گھر کی ذمہ داری قبول کر کے ملازموں کے سر پر کھڑے ہو کر گھر داری کروں کام کرواؤں نانی فٹ۔" وہ تو گویا آج ادھر دل کی بھڑاس نکالنے کے ارادے سے آئی تھی۔

"تو پھر تم نے کیا سوچا ہے علیحدہ گھر کا؟ وہ شاہزیب علی بھی کہہ رہا تھا کہ تمہیں سمجھاؤں اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اگر تم ایسا چاہتی ہو تو پھر اس گھر میں کوئی گنجائش نہیں تمہاری۔ علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ چھوڑنا ہوگی ورنہ میں اپنے گھر واپس بلا لوں۔"

"نانی فٹ ڈیڈ ہم بھی کوئی اتنے گرے پڑے نہیں ہیں۔ عادل کے نام بینک بیلنس کوٹھی سب کچھ ہے۔ ہم میں اتنی صلاحیت ہے کہ ہم اس کو علیحدہ شفٹ کر سکتے ہیں۔ اس دقیانوسی گھرانے میں عادل جیسی باشعور لڑکی کی شادی کر دینا آپ کی سب سے بڑی غلطی ہے ڈیڈ۔" باپ کے منہ سے تمام بات سن کر وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"وہاں شادی کرنا میری نہیں تمہاری بہن کی اپنی مرضی تھی۔ تب اسے عباس کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں نے تو تب بھی اس گھرانے کا نام و نسب اور خاندانی وقار ملحوظ خاطر رکھا تھا۔" انہوں نے ناراضی سے سب کو دیکھا۔

"یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے مگر ڈیڈ میں اب ادھر نہیں رہنا چاہتی۔ میرا اور اس شہوار کا کیا مقابلہ مگر اس لڑکی کو اپنے مقابل دیکھتی ہوں تو مجھے اپنے چاروں اطراف میں آگ دہکتی محسوس ہوتی ہے۔"

"یہ تو بڑی ناانصافی کی انہوں نے دیکھا تھا ایک بار شہوار آنے پر اس کی ماں کو بھی کوئی دور پرے کی رشتہ دار ہے نا ان لوگوں کی۔" مسز عبدالقیوم نے بھی حصہ لیا تھا۔

"پتا نہیں کیا ہے وہ ان کی؟ مجھے تو یہ ماں بیٹی اپنی جان کا آسیب لگتی ہیں۔" اس نے تنفر سے جواب دیا تھا۔

"انہوں نے ڈیڈ کو بتانے کی دھمکی دی اور میں چپ ہو گئی۔ ورنہ میں اب اس تعلق کو مزید نبھائے رکھنے کے قطعی حق میں نہیں ہوں۔" اس کا انداز خاصا زہریلا تھا۔

"تو کیا مطلب ہے تمہارا؟" عبدالقیوم صاحب نے چونک کر بیٹی کا فیصلہ کن انداز دیکھا۔

"مجھے اول تو آرام سے عباس کے ہمراہ علیحدہ شفٹ ہونے دیں بصورت دیگر میں کورٹ میں جاؤں گی۔ صاف واضح علیحدگی ہوگی۔" اس کے تیور جارحانہ تھے۔

"کم عقلی والی باتیں مت کرو۔ تم اس گھرانے کو نہیں جانتیں۔ وہ طلاق کے لیے کبھی نہیں راضی ہوں گے۔" وہ خاصے متفکر ہو گئے تھے۔

"ڈیڈ عادل ٹھیک کہہ رہی ہے اسے کس چیز کی کمی ہے۔ ابھی بھی لاکھوں ہوں گے جو اس سے شادی کرنے کو بے تاب ہوں گے۔" ایاز نے بھی اس کی حمایت کی تھی۔

"وہ تو ہے ہی جذباتی تم بھی اس کی حمایت کرو گے تم اس گھرانے کو نہیں جانتے میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ علیحدگی کو تو مان جائیں گے مگر طلاق کبھی نہیں۔"

"ہم کورٹ میں جائیں گے ڈیڈ۔" ایاز عادل کو آنسو بہاتے دیکھ کر بھڑکا تھا۔

"سکون سے آرام سے ابھی تو عادل اپنے گھر جائے اس کے سسر سے میں بات کروں گا اگر وہ خود علیحدہ رکھنے پر راضی نہ ہوا تو ہم عادل کو کوٹھی میں شفٹ کر دیں گے۔ ویسے بھی فرشتہ کو بھی اسے جہیز میں اسی لیے دی تھی۔ کب تک عباس اپنے والدین کے ساتھ رہے گا اسے بھی آخر بیوی کی طرف لوٹنا ہی پڑے گا۔" بیٹی کے آنسوؤں سے باپ کا بھی دل پسیج گیا تھا کچھ سوچتے انہوں نے سلوشن پیش کیا تھا۔

"آپ لاکھ کوشش کرلیں وہ بڑے ضدی اور خود سر لوگ ہیں ڈیڈ۔ وہ کبھی علیحدہ شفٹ کر دینے کے لیے نہیں مانیں گے۔" آنسو صاف کرتے اس نے باپ کو وارن کیا تھا۔

"جب لاتوں کے بھوت باتوں سے نہ مانیں تو ہمیں انگلیاں ٹیڑھی کرنا بھی آتی ہیں۔ ڈونٹ وری یہ ریٹائرڈ ڈی آئی جی صاحب کیا کریں گے میں بھی دیکھ لوں گا۔" ایاز جوشیلا خون تھا اس کا لب و لہجہ بھی اس کے جذبات کا عکاس تھا۔ عبدالقیوم صاحب نے حاضرین پر نگاہ ڈالی اور کچھ سوچنے لگے۔

"مصطفیٰ بھی اسی ڈیپارٹمنٹ میں ہے یہ مت بھولو پولیس کی دوستی و دشمنی دونوں ہی خطرناک ہوتی ہیں ...... جیسی تمہاری سرگرمیاں ہیں ان کی موجودگی میں تو تمہیں ان کے سامنے آتے ہوئے بھی سو بار سوچنا ہوگا۔ یہ وقت جوش کا نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے عادلہ کے کسی بھی سلسلے میں تم انٹرفیئر نہیں کرو گے میں خود ہی ہینڈل کروں گا۔" انہوں نے بیٹے کو ٹوک دیا۔



وہ ساری رات عجیب سی کیفیت میں رہی تھی۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر وہ پھر سے لیٹ گئی۔ ساری رات سوئی جاگی کیفیت لیے ہوئے تھی اب جو آنکھ لگی تو بڑی پرسکون نیند آئی۔ نجانے وہ کتنی دیر تک سوئی رہتی دروازہ زور سے بجائے جانے کی آواز پر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے نیند بھری آنکھیں کھول کر ناگواری سے بند دروازے کو دیکھا۔

"شہوار بی بی جی دروازہ کھولیں۔" رخشندہ کی آواز پر اس نے سلمندی سے وال کلاک کی طرف نگاہ ڈالی مگر اس کو اچھل کر اٹھنا پڑا۔ وال کلاک آٹھ بجا رہا تھا۔ یعنی وہ اتنی گہری نیند سوئی تھی کہ کالج جانے کا ٹائم بھی نکلنے والا تھا اس نے فوراً بستر سے اتر کر تیزی سے دروازہ کھولا تھا۔ وقت اس قدر کم تھا کہ وہ تیار ہوتی تو بھی لیٹ ہو جاتا تھا۔ دروازہ کھول کر رخشندہ کو دیکھا۔

"بی بی جی ناشتے پر آپ کو بلا رہی ہیں۔"

"آ رہی ہوں۔ پہلے تم ایسا کرو وومنٹ میں الماری سے میرا کالج کا لباس نکال کر استری کر کے لے آؤ فٹافٹ۔" وہ سر ہلا کر الماری کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کی الماری سے سوٹ نکال کر وہ باہر چلی آئی تو وہ منہ ہاتھ دھو کر دوبارہ کمرے میں آئی اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے بال کھول کر برش اٹھا لیا۔ رخشندہ اس کا لباس لیے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کوفت سے اپنے لمبے گھنے بالوں سے نبرد آزما تھی۔

"یہ لیں بی بی جی استری کر دیے ہیں۔" اس نے اس کا سوٹ لا کر میز پر ڈال دیا۔

"ماشاء اللہ بی بی جی تساں دے بال وڈے خوب صورت نے۔ اے لمبے گھنے بال تساں نوں تو بہت سج دے نے۔" اس کے بالوں کو محبت و ستائش سے دیکھتے وہ کہہ رہی تھی۔

"آدھا گھنٹہ لگتا ہے بال بنانے میں۔ ٹائم ہے نہیں میرے پاس اور ان کے ساتھ چھٹی ہوئی ہوں۔" اس کے کمرے کی چیزیں درست کرتی رخشندہ اس کی بے زاری پر مسکرا دی۔

"لائیں بی بی آپ ادھر اسٹول پر بیٹھ جائیں میں کنگھی کر دیتی ہوں۔" شہوار بازوؤں کو تھکانے کی بجائے فوراً آئینے کے سامنے اسٹول پر بیٹھ گئی تھی۔ ورنہ بال بناتے بناتے اسے اپنے بازو دکھتے محسوس ہوتے تھے۔

"آج کسی لیٹ اٹھے او؟" وہ اپنے خاص اسٹائل میں پوچھ رہی تھی۔

"بس رات نیند نہیں آئی صبح فجر کی نماز پڑھ کر لیٹی تو آنکھ نہیں کھلی۔" وہ بال بنا کر شہوار کے ہاتھ سے کلپ لے کر ان گھنے بالوں کو تھام کر کلپ لگا رہی تھی۔

"نیند کیوں نہیں آئی تھی؟" رخشندہ کی بجائے سوال کسی اور کی طرف سے آیا تھا۔ وہ بے اختیار دروازے کی طرف پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ ایسا کرنے سے رخشندہ کے ہاتھ سے

کلپ پھسل کر نیچے گر گیا تھا اس کے سارے بال پھر بکھر گئے تھے۔ جو زخشندہ کے ہاتھ میں تھے۔ مصطفیٰ بالکل تیار جانے کے لیے کھڑا تھا۔ اسے دروازے کے پاس کھڑا دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ زخشندہ اس کے بال چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس کی پشت پر گھنا آبشار نیچے تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ مصطفیٰ کی نگاہیں بے اختیار اٹھی تھیں۔

''زخشندہ تم ادھر بیٹھ ہی گئی ہو ماں جی تمہیں بلا رہی ہیں۔'' دوپٹے سے بے نیاز خوب صورت دل کش سراپا بہ اختر طراز تھا۔ وہ نظریں ہٹا کر زخشندہ سے مخاطب ہوا تو وہ فوراً سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی۔

''آج کالج جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟'' اس نے سٹپٹا کر بیڈ کے سرہانے سے اپنا دوپٹا اٹھا کر کندھوں پر ڈالتے ایک پلو سر پر بھی ڈالا تھا مگر خوب صورت سیاہ لمبے گھنے بالوں کا آبشار دوپٹے کے ذرا سے تکلف سے چھپ نہ سکا تھا۔ بس ریشم کی مانند لہرا کر رہ گیا تھا۔

''جانا تھا بس لیٹ ہوگئی ہوں۔'' اس کی گہری جائزہ لیتی آنکھوں سے گھبرا کر کہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ ابھی تم نے چینج اور بریک فاسٹ بھی کرنا ہے؟'' رسٹ واچ دیکھتے اس نے اسے یوں ہی کنفیوژ کھڑے دیکھ کر ٹوکا تھا۔

''جی۔''

''آپ چلیں میں ریڈی ہو کر آتی ہوں۔'' اب اس کی موجودگی میں وہ بال بنانے سے تو رہی۔

''میں بریک فاسٹ اور سب کام کر کے فری ہوں۔ گاڑی میں بیٹھ کر تمہارا ویٹ کرنے کی بجائے میں ادھر ہی بیٹھ کر ویٹ کر لیتا ہوں۔ تم ریڈی ہو جاؤ جلدی اپ۔'' اس کی سوچ سے بے نیاز اس نے سرسری سا کہا تھا۔ شہوار اس نئی افتاد پر مزید ہراساں ہوئی۔

''کمرہ تو بہت اچھے انداز میں سیٹ کیا ہوا ہے تم نے۔'' توصیفی انداز میں کمرے کا جائزہ لیتے وہ سائیڈ پر رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر ٹک گیا تھا۔

''تھینک یو۔''

''رات نیند کیوں نہیں آئی تھی؟'' اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر اس نے پوچھا تو وہ خاموشی سے جھک کر ہیئر کلپ اٹھا کر سیدھی ہوئی۔

''بس ویسے ہی۔'' سنجیدگی سے کہتے اس نے ڈریسنگ سے برش بھی اٹھا لیا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کے بیگ فائلز اور بکس کے ساتھ رکھی ایک ڈائری اٹھالی تھی۔ جو اس کے قریب پڑی اسٹڈی ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی۔ شہوار لباس اٹھا کر واش روم میں گھس گئی تھی۔

مصطفیٰ نے ڈائری کھولی تو منہ بنانا پڑا۔ باہر سے ڈائری جس طرح خوب صورت اور دل کش لگ رہی تھی اندر سے خاصی چینج تھی۔ ڈائری کے اندر صاف صفحات پر مختلف ڈایا گرامز اور تصاویر ہاتھ سے بنائی گئی تھی۔ انسانی خدوخال سے متعلق یہ تصاویر اس نے سرسری نگاہ ڈال کر ڈائری بند کر دی۔ ڈائری واپس کتابوں کے ساتھ رکھتے اس نے پھر کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ کمرہ بہت ترتیب سے مزین تھا۔ کہیں بھی کوئی بے ترتیبی نہ تھی بس بیڈ پر پڑے بلینکٹ اور پر شکن چادر کے سوا۔ وہ لباس بدل کر واش روم سے نکلی تو مصطفیٰ کو اسی طرح مستقل مزاجی سے اپنے کمرے میں بیٹھا دیکھ کر الجھی۔

''آپ کو شاید کوئی اور کام ہی نہیں۔'' اپنی طرف اٹھنے والی نگاہ کو نظر انداز کر کے وہ ڈریسنگ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ چہرے پر کچھ لگانے کی ضرورت تو نہ تھی۔ فیس واش سے دھونے کے بعد وہ صرف لوشن یوز کرتی تھی۔ اس نے لوشن اٹھا کر عجلت میں چہرے اور ہاتھوں پر لگاتے ساتھ ساتھ ایک طرف ریک میں رکھا جوتا بھی پہنا تھا۔ اسے چادر الماری سے نکالتے دیکھ کر وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' اس نے چادر کی تہہ کھولتے ہوئے کہا تو وہ باہر نکل گیا۔ اس نے جلدی سے اپنے اوپر سے دوپٹا کھینچ کر بستر پر ڈالتے چادر لپیٹی تھی۔ اپنی کتابیں بیگ اور فائلز لیے وہ خدا حافظ کہنے ڈائننگ ٹیبل کی طرف چلی آئی۔

''زخشندہ بتا رہی تھی کہ تمہاری آنکھ دیر سے کھلی ہے سو ناشتا ریڈی ہے فٹافٹ کرلو۔'' آنٹی اسے دیکھ کر بولیں۔

''نہیں ناشتے کا بالکل وقت نہیں ہے۔'' انکل سجاد اور عباس بھائی بڑے فارغ موڈ میں بیٹھے ناشتے کے ساتھ ساتھ اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔

''آرام سے ادھر بیٹھو۔ یہ دودھ اور انڈا ضرور لو۔ ایسے خالی پیٹ نہیں جانے دوں گی میں۔'' انہوں نے ٹوکا تو وہ گہری سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''لڑکی تمہیں تو خوش ہونا چاہیے اتنی محبت سے تمہیں ہماری بیگم کچھ کھلا پلا رہی ہیں۔ ورنہ ہم خالی پیٹ بھی اٹھ کر چل دیں تو کبھی پوچھا نہیں۔'' شاہزیب انکل کی بات پر دودھ کا گلاس اٹھاتے وہ مسکرا دی تھی۔ بوائل انڈے کے پیس پلیٹ میں اس کے سامنے تھے ایک پیس اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔

''اتنا بڑا الزام لگا رہے ہیں کچھ تو خدا کا خوف کریں۔ ہر وقت آگے پیچھے رہتی ہوں پوچھ لیں لالہ سے کھانا پکواتے ہوئے ہمیشہ آپ کی پسند کو مدنظر رکھا ہے۔'' آنٹی فوراً سنجیدہ ہو گئی تھیں۔ ٹیبل پر موجود بھی افراد مسکرا دیے۔ شہوار دودھ کا گلاس ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا آنٹی جی اللہ حافظ۔'' جھک کر آنٹی سے کہا تو انہوں نے محبت سے دونوں ہاتھوں میں اس کا تر و تازہ روشن چہرہ تھام لیا۔

''جیتی رہو اللہ حافظ۔'' پیشانی چوم کر دعا دی تو وہ مسکراتی باقی لوگوں کو بھی خدا حافظ کہتے باہر نکل آئی تھی۔ مصطفیٰ نارتھ ویئر پر گاڑی ڈالے فرنٹ سیٹ کا دروازہ وا کیے اس کا منتظر تھا۔ انکل آنٹی اور دیگر لوگوں کو اس نے نجانے کیا بتایا تھا کہ کسی نے بھی اسے صبح مصطفیٰ کے ساتھ جانے پر کچھ بھی نہ پوچھا تھا۔

''رات بوا جی کی کال آئی تھی۔'' وہ کھڑکی کی طرف منہ کیے اپنے ہی کسی خیال میں گم تھی کہ مصطفیٰ کی آواز پر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی وہ ونڈ اسکرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''وہ بتا رہی تھیں کہ تم ان کی کالز ریسیو نہیں کر رہیں۔'' اب کی بار وہ حقیقتاً چونکی تھی۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں بزی تھی موبائل وائبریشن پر تھا مجھے ان کی کالز کا پتا نہیں چلا۔'' اپنی حیرت پر قابو پاتے اس نے کہا۔

''مجھے تو انہوں نے کہا تھا کہ تم ان سے کسی بات پر ناراض ہو اس لیے تم کال ریسیو نہیں کر رہی؟'' اب کی بار وہ شدید حیرت سے دوچار ہوئی تھی اور اندر ہی اندر خائف بھی نجانے اب اگلا سوال وہ کیا پوچھنے والا تھا۔ اسے اس شخص سے خوف سا آتا تھا۔

''میں ناراض نہیں ہوں ان سے۔'' اس کا انداز وضاحتی تھا مگر اس انداز میں ایک تلخی سی تھی۔

''تو پھر کیا وجہ ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''کوئی خاص وجہ نہیں ہے بس مجھے وقت نہیں ملا۔ کالج جا کر میں ان کو کال کر لوں گی۔'' کافی زیادہ ہراساں کر اس نے تروٹھے پن سے کہا تھا وہ ہنس دیا۔

''اچھی بات ہے وہ کافی پریشان اور متفکر لگ رہی تھیں۔ تم کال ضرور کر لینا۔ بلکہ اس وقت فری ہو ابھی کال کر لو۔''

''میرے پاس اس وقت کریڈٹ نہیں ہے کالج کی کینٹین سے کارڈ لے کر کال کر لوں گی۔'' اس کے مشورے پر اسے بروقت بہانہ سوجھ گیا تو مصطفیٰ نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کی سرسری نگاہ کی حدت سے اس نے گھبرا کر فوراً نگاہ جھکالی۔

''میرے موبائل سے کر لو وہ رات جتنی پریشان تھیں اگر موقع محل کا مجھے احساس نہ ہوتا تو میں رات ہی تمہارے کمرے میں آ کر ان سے تمہاری بات کرواتا۔'' اس نے ڈیش بورڈ پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ اسے رہ رہ کر تابندہ بی پر غصہ آ رہا تھا وہ ان سے ناراض تھی۔ ان کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی ان سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی تو اس کی وجہ سے مصطفیٰ کو کال کرنے کی کیا تک بنتی تھی۔

''لے لو بھئی۔'' اس نے بڑی بے بسی و بے چارگی سے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔ حویلی کا نمبر ملاتے وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ کچھ توقف کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو۔'' عظمت نے کال ریسیو کی تھی۔

''میں شہوار بول رہی ہوں امی کو بلاؤ۔'' کافی روکھے اور غصیلے لہجے میں مخاطب تھی۔ مصطفیٰ نے اپنی ہنسی ہونٹ تلے دبا کر روکی۔

''السلام علیکم!'' تابندہ دو منٹ بعد لائن پر تھیں۔

''وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ؟'' اپنے لہجے پر قابو پانے کی تمام کوششیں ناکام تھیں۔ غصہ اس کے لہجے سے صاف واضح ہو رہا تھا۔

مصطفیٰ نے اس کے سرخ دہکتے چہرے کو دیکھا۔

"شکر ہے مولا کا بہت ناراض تھیں ذات کو غصے سے موبائل ہی بند کر دیا تم نے۔" وہ کہہ رہی تھیں۔ مصطفیٰ بڑی سلو رفتار میں گاڑی ڈرائیو کرتے اس کی طرف متوجہ تھا۔

"میں ناراض ہوں اور نہ ہی غصے میں۔ میں کالج جا رہی ہوں بارہ بجے کے بعد میں فری ہوں گی تب آپ سے بات کروں گی۔ اس وقت آپ سے یہی بات کرنی تھی۔ اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔"

"ارے ٹھہرو شہوار بیٹا میری بات تو سنو۔" وہ پکارتی رہ گئی تھیں۔ اس نے کال ڈس کنیکٹ کرتے موبائل مصطفیٰ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر اس کے ہاتھ سے موبائل تھام لیا۔ اس کے چہرے پر سرخی رقم تھی جو واضح غماز تھی اس نے اپنے جذبات پر بمشکل کنٹرول رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"تم اور باتیں کر لیتیں اتنی جلدی بات ختم بھی کر دی۔ اس رویے کی کوئی خاص وجہ؟" اس نے اس کے انداز کو نظر انداز کرتے پوچھا۔

"نہیں۔" روکھا نہایت مختصر جواب۔

"تو امی سے پھر کس بات پر ناراض تھیں۔ میرے مجبور کرنے پر اگر کال کر ہی لی تھی تو ٹھیک سے بات بھی کر لیتیں۔"

"میری ان سے کوئی ناراضگی نہیں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے میں کسی غیر کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتی۔" اس نے کہا۔

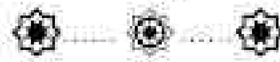
"یہ تم کس انداز اور لب و لہجے میں بات کر رہی ہو۔ ہر کوئی غیر نہیں ہے۔ تمہارا اگر ان سے خون کا رشتہ ہے تو ہمارا ان کا خلوص محبت اپنائیت کا تعلق ہے جو تمہارے تعلق سے کئی درجے مضبوط ہے۔" اس کے الفاظ پر مصطفیٰ نے غصے سے اسے ٹوک دیا تھا۔

"ایم سوری۔" اسے شاید اپنے رویے کا فوراً اندازہ ہو گیا تھا یا مصطفیٰ سے امید نہ تھی کہ فوراً اس کے غلط رویے پر ٹوک دے گا۔ وہ دوبارہ بات کیے بغیر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا تھا۔ وہ بھی ہاتھ مسلتے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے لب کاٹ رہی۔

گاڑی کالج کے سامنے رکی تو اس نے شکر کا سانس لیا۔ ورنہ آج تو یک لگ رہا تھا گویا سفر نے جان سولی پر لٹکا دی ہے۔ ایسے ہی تو بوجھل پل مسلسل الجھے سے تھے ان دونوں کے درمیان۔ اس نے ایک نظر پھر مصطفیٰ پر ڈالی اس کے چہرے پر اس کی بات سے چھا جانے والی سرخی ابھی تک قائم تھی۔ اسے تاسف ہوا کہ اس نے ایسی بات ہی کیوں کی۔ اسے غصہ تو تابندہ کے فیصلے پر تھا یہ شخص کب جانتا تھا کہ وہ کیوں انکار کر رہی ہے۔ بلکہ یہ شخص تو سرے سے اس کے انکار سے ہی بے خبر تھا۔ نجانے امی نے اس سے کیا کہا ہوگا؟ جو صبح صبح اس قدر خیر سگالی کے جذبات لیے فون کروا رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا اس کے کمرے میں آنے کی بھی یہی وجہ تھی۔ وہ خاموشی سے اپنی چیزیں سمیٹ کر گاڑی سے اتر گئی تھی۔ نجانے کیوں اس کے اندر اپنے رویے پر ندامت کے ساتھ ملال بھی اترنے لگا۔

"اللہ حافظ۔" دروازہ بند کرتے دھیرے سے کہا تو اس نے ایک سپاٹ نظر اس پر ڈالی۔ وہ یکدم نگاہ جھکا کر گیٹ کی طرف پلٹ گئی تھی۔

وہ ایک دو سیکنڈ اسی طرح بیٹھا رہا پھر اپنے پیچھے کسی گاڑی کا ہارن سن کر اس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی تھی سائیڈ بیک ویو مرر سے دیکھتے اس نے ٹرن لیا جب سامنے سے آتی گاڑی کی سیٹ پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر چونک گیا تھا۔ اس نے بھی دیکھ لیا تھا اس کے چہرے پر مصطفیٰ کو اس جگہ پا کر استعجاب کی لہر آئی تھی۔ مصطفیٰ نے انتہائی غصے اور طیش کے عالم میں سامنے ایاز پر ایک سلگتی نگاہ ڈالی اور پھر رش انداز میں گاڑی وہاں سے نکال کر لے گیا تھا۔



لگاتار تین چار پیریڈ اور پریکٹیکلز کے بعد وہ بارہ بجے فری ہوئی تھیں۔ شہوار آج غیر محسوس انداز میں ان کو خاصی خاموش اور ڈسٹرب محسوس ہوئی تھی۔ صبح سے لے کر سارا وقت اتنا بزی گزر رہا تھا کہ دونوں کو سلام دعا کے علاوہ کوئی اور بات کرنے کا بھی وقت نہ ملا تھا ورنہ وہ اس سے اس کی خاموشی کی وجہ ضرور پوچھتی۔

"کینٹین چلتے ہیں وہاں جا کر کچھ پیٹ پوجا ہی کر لی جائے۔" اسپتال کے وزٹ کے بعد دونوں واپس کالج کی طرف آئیں تو ثنا نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ اب بریک ٹائم تھا۔ شہوار نے بغیر کچھ کہے سر ہلا دیا تھا۔

''یہاں کوئی سیٹ خالی نہیں ہے'' انتارش ہے۔ چل واپس چلتے ہیں۔'' اس کی توقع کے عین مطابق کینٹین کھچا کھچ بھری ہوئی تھی تمام ٹیبلز فل تھیں۔ انا نے بھی اطراف میں دیکھا، کوئی سیٹ خالی نہ تھی۔

''چلو کچھ لے لیتے ہیں ہال کی طرف چلتے ہیں وہاں کوئی نہیں ہوگا آرام سے بیٹھ کر کھالیں گے۔'' اسے واپس پلٹتے دیکھ کر انا نے کہا تو اس نے صرف سر ہلا دیا۔

''تم لے آؤ میں دروازے میں کھڑی ہوتی ہوں۔''

''برگر اور کوک لے لوں؟'' اس کے الجھن بھرے انداز کو دیکھتے انا نے پوچھا تھا۔

''جو جی چاہتا ہے لے لو ذرا جلدی کرو۔'' دروازے میں سے ایاز اور اس کے چند چیلوں کو داخل ہوتے دیکھ کر وہ ایک دم گھبرا گئی تھی۔ انا نے بھی ان کو دیکھا اور پھر ایک سنجیدہ نگاہ ان پر ڈالتی کینٹین کی طرف چل دی تھی۔ وہ راہداری کے عین وسط میں کھڑی تھی۔ ایاز اور اس کے دوستوں کو آتے دیکھ کر اس نے سائیڈ سے ہو کر باہر نکلنے کا ارادہ کیا تھا۔ ابھی اس نے دو قدم اٹھا کر دروازے کی طرف پیش قدمی ہی کی تھی کہ ایاز نے ایک دم اپنی ٹانگ اڑا کر اس کی راہ مسدود کر دی تھی۔ اس نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈال کر دوسری طرف سے نکلنا چاہا تو وہ اس طرف بھی ہو گیا تھا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' وہ اس شخص سے قطعی الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ کینٹین بھری پڑی تھی۔ اب تک وہ سر عام اس سے سامنا ہونے سے کتراتی رہی تھی مگر اب ایک دم بھرے مجمع میں ذلت و بے عزتی کے احساس سے اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ شہوار نے ایک دم پیچھے ہٹتے بڑی بے بسی و بے چارگی سے کینٹین کی طرف دیکھا۔ انا شاید اندر چلی گئی تھی۔ ورنہ وہ ضرور واپس آجاتی اگر ان کی بدتمیزی ملاحظہ کر لیتی تو۔

''ہٹو ایک طرف میں تمہارے منہ لگنا بھی پسند نہیں کرتی۔'' بہت سے لوگوں کو مزے لیتے دیکھ کر اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ غصے سے کہتے سائیڈ سے ہو کر دیوار کی طرف سے دروازے کی طرف لپکی تھی۔ ایاز کے کسی ایک دوست نے فوراً دروازے میں کھڑے ہو کر اس کی یہ کوشش بھی ناکام بنا دی تھی۔

''مسٹر ایاز مجھے مجبور مت کرو کہ میں پرنسپل صاحب تک تمہاری شکایت کرنے پہنچ جاؤں۔'' اس نے دھمکی دی تھی۔

''ضرور جاؤ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ بدنام اگر ہم ہوئے تو کیا نام نہ ہوگا۔ مجھے تو کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کے لیے تمہاری طرف سے کسی ایسے ہی اقدام کی ضرورت ہے۔'' اس کے کمینے لب و لہجے پر اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب پوری قوت سے اس ذلیل انسان کے منہ پر دے ماری تھی۔ یہ اس کے ضبط کی انتہا تھی۔ کتاب بہت زور سے لگی تھی وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے جھکا تھا۔

''آہ'' وہ کراہا تھا پوری کینٹین میں ایک دم سناٹا چھا گیا تھا۔

''وہ اس کی یہ مجال'' اس کے دوست غصے سے اس کی طرف بڑھے تو وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹی تھی۔ کئی لڑکے اس بار اٹھ کر قریب آ گئے تھے جو پہلے محض تماشائی تھے۔ ایاز نے اپنے منہ سے ہاتھ ہٹایا تو اس کا ہاتھ خون سے تر تھا۔ کتاب پوری قوت سے پھینکے جانے پر اس کی ناک پر لگی تھی۔ ایک دم خون ناک سے بہتا اس کے ہاتھ کو رنگین کر گیا تھا۔

''اس کی یہ مجال میں اسے آج مزہ چکھا کر رہوں گا۔ چھوڑوں گا نہیں اسے۔'' کینٹین میں بیٹھے اسٹوڈنٹس صورت حال شدید نوعیت میں بگڑتے دیکھ کر فوراً اس طرف چلے آئے تھے۔ وہ مغلظات بکتے انتہائی وحشی انداز میں شہوار کی طرف لپکا تھا۔

''غلطی تمہاری ہے تم نے جان بوجھ کر اس کا راستہ روکا تھا۔ یہ انتہائی شریف اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے سارا کالج جانتا ہے اور تم کس قماش کے آدمی ہو یہ بھی کسی سے چھپا ہوا نہیں۔'' فائنل کے ایک اسٹوڈنٹ ہاشم نے اسے اس قدر اشتعال انگیز انداز میں شہوار کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کا راستہ روکنا چاہا تھا۔ بلکہ بازو سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا تھا۔

''وہ یو ایڈیٹ۔'' وہ تو انتقام اور جوابی کارروائی کے لیے بپھرا ہوا تھا ایک دم کھینچ کر ہاشم کے منہ پر مکا دے مارا تھا۔ ہاشم کون سا کسی سے کم تھا کالج میں ایاز لوگوں کے بعد اگر کسی گروپ کے چرچے تھے تو یہ ہاشم لوگوں کا گروپ ہی تھا اور بات بھی کہ ان کی شہرت بری نہ تھی۔ اس نے بھی نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ ایاز کی گردن دبوچ لی۔ ہاشم کے باقی دوست بھی اس کے ساتھیوں پر پل پڑے تھے۔ کینٹین ایک دم میدان کارزار کا نقشہ پیش کرنے لگا تھا۔ انا بھی شور کی آواز پر فوراً بھاگی آئی تھی۔

"نانی گاڈ یہ کیا ہو رہا ہے؟" انا حیرت زدہ تھی ہاشم اور ایاز دونوں گروپس کے لوگوں کو آپس میں گتھم گتھا دیکھ کر ششدر تھی کینٹین کے مالکان بھی میدان میں بیچ بچاؤ کروانے کے لیے کود پڑے تھے۔

"بڑا ہیرو بنا پھرتا ہے تو باپ کے پیسے پر عیاشی کرتا ہے۔ اب اٹھا کر دیکھنا نظر کسی بھی لڑکی کی طرف تیرا تو وہ حشر کروں گا مثال عبرت بن کر رہ جائے گا۔" گھونسوں میں ایاز اور اس کے ساتھیوں کا برا حال تھا۔ مکوں اور لاتوں سے ان کی درگت بنائی تھی ان لوگوں نے۔ اس لڑائی کی خبر لمحوں میں پورے کالج میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ چند پروفیسرز جو نزدیک ہی تھے فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ سر اشفاق کے درمیان میں آنے پر مار کٹائی کا سلسلہ ایک دم رکا تھا۔ کینٹین کے مالکان بزور طاقت ہاشم کو دبوچے ہوئے تھے جو کسی بھی طرح قابو میں نہ آ رہا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے یہ غنڈہ گردی کس سلسلے میں۔" انہوں نے ایاز کا خون سے تر چہرہ دیکھتے اور ہاشم کی پھٹی شرٹ دیکھتے گھورا تھا۔

"سر یہ کالج کی لڑکیوں کو چھیڑتا ہے۔ ان کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے اس نے۔ اس کی اسی غنڈہ گردی کی وجہ سے کوئی اسے ٹوکتا نہیں۔ یہ کالج کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھتا ہے۔ آج میں نے ٹوکا تو اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھا لیا۔" ہاشم کالج کا ایک ہونہار اور لائق اسٹوڈنٹ تھا اس کی بات پر سر اشفاق الجھ گئے۔

"نانی گاڈ اور اس کے چہرے کا یہ حشر کس نے کیا ہے؟"

"سر شہوار نے۔" کسی طرف سے اونچی آواز گونجی تھی۔ انا کو اپنے حواس قابو سے باہر ہوتے محسوس ہوئے۔ شہوار نے تو صرف کتاب ماری تھی ناک سے بہنے والا خون اور مزید مار دھاڑ سے چہرہ اور سنگین اور نیلا ہو گیا تھا۔

"شہوار نے کیوں مس شہوار علوی نے؟" ایاز اور اس کے ساتھی کینہ توز نظروں سے ہاشم اور لڑکیوں کے نرغے میں نڈھال کرسی پر بیٹھی شہوار کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر دیتیں۔

"جی سر۔" شہوار سر اشفاق کی پسندیدہ اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"یہ کیسے ممکن ہے بھلا؟"

"معاملہ کیا ہے؟" کسی اور پروفیسر نے بھی حصہ لیا۔ براہ راست ہاشم کو دیکھا۔

"سر یہ شہوار کو تنگ کر رہا تھا وہ باہر جانے لگی تو اس نے راستہ روک لیا تھا۔ ڈرانے دھمکانے کے علاوہ گھٹیا لینگویج یوز کی تھی۔ سر گالیاں تک دی ہیں اس نے۔ اس نے خاصی بدتمیزی بھی کی ہے اس کے ساتھ۔ سر شہوار نے تو بس اس کے منہ پر بدتمیزی کرنے کی وجہ سے کتاب کھینچ کر ماری ہے میں ہوتا تو اس کی گردن توڑ تا آنکھیں تک نوچ لیتا۔ وہ خاصا جوش میں آ کر کہہ رہا تھا۔" انا نے فوراً شہوار کے بیخ سرد ہاتھ تھام لیے۔

"ان بلیو ایبل۔"

"ہوں۔" سر اشفاق ساری صورت حال سمجھ گئے تھے۔

"سر ساری کینٹین کے سامنے کی صورت حال ہے کسی سے بھی پوچھ لیں۔"

"تم دونوں اپنے اپنے گروپس سمیت چیئرمین صاحب کے آفس میں میرے ساتھ چلو۔ معاملہ مار دھاڑ کا ہے۔ وہ اب خود ہی ہینڈل کریں گے۔" دونوں ہی مالدار گھرانے کے لڑکے تھے انہوں نے معاملہ خود نبٹانے کی بجائے چیئرمین صاحب کے پاس لے جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔

شہوار جو بڑی مشکل سے خود پر قابو پا رہی تھی انا کے گلے لگتے ہی ایک دم رو دی۔ کیسی ذلت کا سامان کیا تھا اس شخص نے۔ وہ اپنی ہی نظر سے گر گئی تھی۔ کسی سے آنکھیں ملانے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔ وہ لوگ سر کے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔ باقی مجمع بھی لمحوں میں چھٹ گیا تھا مگر حادثے کے بعد کے اثرات قائم تھے اب اسٹوڈنٹس شہوار کے گرد جمع ہونے لگے تھے۔ اس نے اپنا سرخ چہرہ اٹھا کر انا کو دیکھا۔

"میں گھر جانا چاہتی ہوں انا۔ ابھی اور اسی وقت۔" اس وقت اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ وہ کسی کا بھی سامنا کرنے کے قابل نہ تھی۔
"مگر ڈرائیور کو تو تم نے چار بجے کی ٹائمنگ دی ہوئی ہے نا؟"
"تم یہ موبائل لے کر گھر کال کرو بلکہ ڈرائیور والے کانٹیکٹ نیم پر کال کر کے اسے آنے کا کہو میں فوراً گھر جانا چاہتی ہوں۔" اس نے بیگ سے موبائل نکال کر اسے تھما دیا تھا۔
شہوار کی حالت واقعی خاصی خراب تھی۔ گھبرا کر انا نے ساتھی لڑکی کو کہا۔ اس کا بی پی خطرناک حد تک لو ہو چکا تھا۔ چہرہ بالکل ہی زرد ہو گیا تھا۔ وہ لوگ اسے ہال میں لے آئی تھیں رو رو کر اس کا برا حال ہو گیا تھا۔
"تمہارے ڈرائیور کا نمبر بند ہے۔" کئی بار کال ملانے پر کوئی ریسپانس نہ ملا تو اس نے کہا۔ اس نے جھجکتی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ رونے کی وجہ سے تو اس کی آنکھیں اور حسین ہو گئی تھیں۔ انا کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ اس نے فوراً نظریں چرائیں۔
"تم شاہزیب انکل والے نمبر پر کال کر لو۔" اس نے کال ملائی تو ایک دو بیل کے بعد ریسیو کر لی گئی تھی۔
"السلام علیکم!"
"وعلیکم السلام شہوار بیٹا خیریت۔" وہ شہوار کے نمبر سے کال دیکھ کر یہی سمجھے تھے کہ شہوار ہے۔
"انکل میں شہوار کی دوست ہوں۔ کالج میں اچانک اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ وہ گھر آنا چاہ رہی ہے۔ ڈرائیور کا نمبر بند تھا آپ پلیز فوراً کسی کو لینے بھیجیں۔" اس نے آرام سے صورت حال بتائی۔ کال بند کر کے اس نے بہت محبت سے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔



چیئرمین صاحب نے اسے ابھی بلوایا تھا مگر اس قدر ذلت کے بعد وہ اب کسی اور کا مزید سامنا کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پا رہی تھی۔ اس نے سر اشفاق سے منع کر دیا تھا۔ کچھ اس کی حالت بھی ایسی ہو رہی تھی کہ انہوں نے پھر دوبارہ نہ کہا تھا۔ آج یہ جو سب کچھ ہوا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اس کے خواب پہلے ہی ساتھ چھوڑ رہے تھے۔
شاہزیب انکل کو وہاں پہنچنے میں آدھا گھنٹہ لگا تھا۔ شہوار کی بجائے کسی اور لڑکی کا پیغام سن کر وہ خاصے پریشان ہو گئے تھے۔ وہ اپنے آفس میں تھے ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھے مگر شہوار کے نمبر سے آنے والی کال سن کر وہ فوراً سب ملتوی کر کے خود ہی کالج چلے آئے تھے۔ کالج کے گیٹ پر پہنچ کر انہوں نے شہوار کے نمبر پر کال کی تھی۔
"میں کالج کے گیٹ پر ہوں۔" شہوار کی بجائے پھر دوسری آواز سن کر وہ اب حقیقتاً متفکر ہوئے ان کا جی چاہا وہ سیدھا کالج کے اندر چلے جائیں۔ کالج کے چیئرمین صاحب کون سا ان کے لیے اجنبی تھے کسی زمانے میں وہ خاصے اچھے دوست رہ چکے تھے۔ وہ تو قسمت انہیں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں لے گئی تھی اور وہ ایڈمنسٹریشن میں آ گئے تھے۔ بہر حال ایف ایس سی دونوں نے ایک ہی کالج سے کیا تھا۔ مگر دوستی برقرار تھی۔
"میں چیئرمین صاحب کے آفس میں آ رہا ہوں آپ شہوار کو ادھر ہی لے آئیں۔"
"نہیں انکل ہم بس گیٹ پر ہی پہنچ رہے ہیں آپ ادھر ہی ٹھہریں۔" عجلت میں کہہ کر اس لڑکی نے کال بند کر دی تھی۔ وہ پریشانی سے وہیں رک گئے۔ نجانے کیا مسئلہ ہوا تھا کہ اس کا سیل بھی کسی اور کو اٹینڈ کرنا پڑ رہا تھا۔
"ایسی خراب طبیعت بھلا کیونکر اور کیسے ہو سکتی ہے؟" شہوار کا صبح صبح کا روشن تر و تازہ چہرہ ان کے ذہن میں جھلملانے لگا۔ دو منٹ بعد شہوار کسی لڑکی کے بازو کے حصار میں گیٹ سے نکلتی دکھائی دی تو وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئے تھے۔
"کیا ہوا ہے بیٹا؟" انہوں نے ایک دم اسے اپنے محبت بھرے حصار میں سمیٹ لیا تھا۔ وہ ان کے ساتھ لگ کر ایک بار پھر سسک اٹھی۔ یوں لگا ایک دم کڑی دھوپ سے گھنی چھاؤں میں آ گئی ہو جیسے۔
"شہوار.... انکل پریشان ہو رہے ہیں۔ پلیز کنٹرول یور سیلف۔" انا کی آواز پر اس نے بمشکل اپنی جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ انا نے اس کا بیگ اور دیگر اشیا بھی

سمیٹے رکھی تھیں۔

”کیا بات ہوئی ہے بیٹا۔ یہ تو بالکل بے سدھ سی ہوتی جا رہی ہے۔“ اس کا بالکل ڈھیلا ڈھالا بے جان وجود جو بہ مشکل حواس میں تھا دیکھ کر وہ پہلے سے زیادہ پریشان ہو گئے تھے۔ انہوں نے ثنا کو دیکھا وہ نظریں چرا گئی۔

”بس یونہی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ بی پی لو لگ رہا ہے مجھے۔“ پتا نہیں شہوار ان لوگوں کو بتاتی بھی ہے کہ نہیں سو وہ ٹال گئی تھی۔ شہوار کچھ بھی بتاتی وہ اس کا مسئلہ تھا مگر وہ اپنی طرف سے اسے مشکل میں نہیں ڈال سکتی تھی۔

”کب سے ہے اس کی طبیعت خراب؟“ اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بٹھاتے انہوں نے پوچھا تو ثنا نے شہوار کا بیگ اور دیگر اشیا انہیں تھمائیں۔

”بس کچھ دیر پہلے ہی ہوئی ہے۔ زیادہ پریشانی والی بات نہیں۔ یہ بس گھر جانے کی ضد کر رہی تھی۔“ اس نے اپنی طرف سے ان کی تشویش کم کرنا چاہی تھی مگر ان کے چہرے پہ چھائی پریشانی ہنوز برقرار تھی۔

”زیادہ خراب ہے تو پہلے ڈاکٹر کے پاس ہی لے کر جاتا ہوں۔“ انہوں نے شہوار کی طرف بھی دیکھا۔

”نہیں مجھے بس گھر جانا ہے۔“ لرزیدہ لہجے میں شہوار گویا تھی۔

”اوکے بیٹا! آپ نے اس کا خیال رکھا بہت بہت شکریہ۔“ انہوں نے اسے تھینکس کہتے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ دوبارہ اندر کی طرف بڑھ آئی تھی۔ ہال میں آئی تو آنسہ اور دیگر لڑکیاں وہیں براجمان تھیں۔

”چلی گئی شہوار؟“ وہ پوچھ رہی تھیں۔

”ہوں۔“ آج جو بھی ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ شہوار جیسی حساس لڑکی اس سارے واقعے سے کس قدر متاثر ہوئی ہوگی۔ جس طرح لمحہ بہ لمحہ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی اسے تشویش ہوئی کہ کہیں وہ گھر جانے تک بالکل ہاتھ پیر نہ چھوڑ بیٹھے۔

”ویسے آج جو بھی ہوا ہے بہت برا ہوا ہے۔ ایسا قطعی نہیں ہونا چاہیے تھا۔“ اپنی چیزیں سمیٹتے اس کے لہجے میں بڑی فکرمندی تھی۔

”ہوں یہ تو ہمارا خیال ہے نا مگر جس طرح ایک لمبے عرصے سے وہ شہوار جیسی محتاط لڑکی کا ضبط آزما رہا تھا اگر ہمارے جیسی عام سی لڑکی ہوتی تو کب کی یہ سچویشن کری ایٹ ہو چکی ہوتی۔ حوصلہ ہے شہوار کا جو اس سارے معاملے کے دوران بھی تحمل جو اس میں تھی۔“ آنسہ نے خیال آرائی کی تھی اس نے خاموشی سے بس اسے دیکھا۔

”اسے لینے کون آیا ہے؟“

”اس کے انکل آئے تھے وہ کسی گاؤں سے بی لانگ کرتی ہے۔ یہاں وہ اپنے رشتہ داروں کے ہاں رہ رہی ہے۔“

”ہائے پھر تو واقعی یہ سب اچھا نہیں ہوا۔ ویسے اس کے انکل نے پوچھا نہیں کہ اسے کیا ہوا ہے۔“ آنسہ کو ایک اور فکر ہوئی تھی۔

”پوچھ رہے تھے میں نے ٹال دیا ہے نجانے شہوار ان لوگوں سے معاملہ ڈسکس کرنا بھی چاہتی ہے کہ نہیں خوامخواہ معاملہ بگڑتا۔ کسی کے ہاں رہ رہی ہے ایک اور پریشانی کھڑی ہو جاتی اس کے لیے۔“

”بہت اچھا کیا تم نے۔“

”ویسے چیئرمین صاحب کے پاس معاملہ پہنچا ہے ہاشم اینڈ گروپ یوں راہ چلتوں پر حملہ کرنے والے بھی نہیں ہیں۔ ایک عرصہ کا ساتھ ہے... یقیناً معاملہ طویل ہوگا۔ چیئرمین صاحب شہوار سے ضرور بات کریں گے۔“ آنسہ کی ساتھی نے بھی حصہ لیا تھا۔

”اللہ کرے سب خیریت رہے۔ یہ ایاز جیسے لوگ زمین پر بوجھ ہیں کالج کی شاید ہی کوئی لڑکی ہو جو اس کی ستائی ہوئی نہ ہو۔ اچھا ہے اس سے سوال جواب ہونے چاہیے۔ مجھ سے اگر کوئی مشورہ مانگیں تو میں صاف کہوں گی کہ اسے کالج سے نکال باہر کریں۔ اگر سر نے اسے ریلیف دینے کی کوشش کی تو ہاشم لوگ یہ برداشت نہیں کریں گے۔ ایاز نے ان

لوگوں پر حملہ کر کے خود اپنے ساتھ دشمنی نبھائی ہے۔ وہ جدی پشتی جاگیردار گھرانے کا لڑکا ہے۔ ان کے ہاں تو دشمنیاں ایسے نبھائی جاتی ہیں جیسے محبوب سے دوستیاں۔" آنسہ کی مثال ایسی تھی کہ ایسے ماحول و گفتگو میں بھی انا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"یہ کیا مثال ہوئی بھلا؟" آنسہ کی فرینڈ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ جھینپ گئی تھی۔

"میرا مطلب ہے کہ ان کی دشمنیاں بڑی لمبی چلتی ہیں۔ ایاز اس کے ساتھ پنگا لے کر ساری عمر پچھتائے گا۔ یہ عام لوگ نہیں ہیں۔"

"تمہیں علم ہے تمہیں ہاشم کے بیک گراؤنڈ کا۔ خیر ہے نا۔" اس کی دوست نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا تو اس نے فائل اٹھا کر اس کے سر پہ دے ماری۔

"بالکل خیر ہے تم لوگوں کو شاید علم نہ ہو کہ ہاشم میرا چچازاد ہے۔ بالکل سگا۔" وہ دھماکہ کر کے کتابیں اٹھا کر مسکراتے ہوئے اپنی دوستوں کی حیرت کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"ہائے واقعی۔" انا ان کی باتوں سے کچھ پرسکون ہوئی تھی ورنہ اسے لگ رہا تھا مسلسل ایک ہی واقعے کو سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے والا ہے بس۔"

"کیسی بےوفا، بےمروت لڑکی ہو تم۔ اتنا عرصہ تم ہمارے ساتھ تھیں اور تم نے منہ سے بھاپ تک نہ نکالی۔" اس کی فرینڈ آستین چڑھا کر اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

"وہ بھی اس لیے کہ ہمارے والد محترم کی اپنے بھائی صاحب سے برسوں سے چپقلش چلی آ رہی تھی اس سال ہی دونوں طرف سے بھائی چارے کی فضا دوبارہ قائم ہونے کے اقدامات کیے گئے ہیں جس کی ایک کڑی ہاشم کے ساتھ میری بات ٹھہرانے کا فیصلہ ہے۔"

"اللہ تم اتنا کچھ ہم سے چھپا کے بیٹھی رہی۔ آج تک ہم سے ایک لفظ نہ کہا۔ ہم تمہیں اس طرح معاف کرنے والی نہیں۔"

"تم لوگوں کو بتانے کا مطلب تھا کہ تم لوگ پورے کالج میں ڈھنڈورا پیٹ دیتیں اب بھی بتانے کا مطلب صرف پوزیشن کلیئر کرنا ہے ابھی مجھے ایگزیمز تک اسی کالج میں گزارا کرنا ہے اس لیے تم لوگ اپنی زبانیں بند رکھو گی۔"

"خواہ مخواہ ٹریٹ لیے بغیر تو ہم چپ رہنے کی نہیں۔" اس کی دوستوں نے رعب ڈالا۔

"اوکے۔ ایاز اور ہاشم والا معاملہ ٹھنڈا ہو جانے دو۔ پھر زبردست ٹریٹ دوں گی۔" اس نے فوراً ہامی بھر لی تھی۔

"لگتا ہے اس سارے ہنگامے کی وجہ سے باقی پیریڈز اب نہیں ہوں گے۔ ویسے بھی کل جمعہ ہے ہاف ڈے ہو گا۔ آج کا دن بھی ضائع گیا۔"

"نجمہ اطلاع دے کر گئی ہے کہ تمام ٹیچرز اینڈ پروفیسرز کی چیئرمین صاحب کے ساتھ فوری میٹنگ ہے۔ جس کا ایجنڈا ہاشم اینڈ ایاز والا قصہ ہے اور نجمہ یہ بھی بتا رہی ہے کہ یہ لوگ بھی پروفیسر اور دیگر لوگوں سمیت میٹنگ روم میں لے جائے گئے ہیں۔" آنسہ کی دوست صائقہ نے بھی بتایا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ نجانے اب یہ قصہ کیا کروٹ بدلتا ہے۔ اسے رہ رہ کر شہوار کا خیال آ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ گھر جا کر وہ روشی کو ساتھ لے کر شہوار کی طرف جائے گی۔ ایک دفعہ اس نے شہوار سے اس کا مکمل ایڈریس لیا تھا۔ یہ فیصلہ کرتے اپنے اعصاب کو ریلیکس کرتے وہ آنسہ وغیرہ کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوئی تھی۔



گھر آ کر انہوں نے گاڑی روکی تو تشویش بھری نظروں سے بیک ویو مرر سے شہوار کی طرف دیکھا وہ آنکھیں بند کیے سارا راستہ سیٹ کی پشت سے سر لگائے خاموش رہی تھی۔

انہوں نے ایک دو بار پریشان ہو کر پکارا بھی تھا مگر اس کی جانب سے جواب تو ایک طرف جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔

انہوں نے جلدی سے دروازہ وا کرتے پچھلی سیٹ کی طرف کا دروازہ کھول کر اندر کی طرف جھکتے اسے پکارا۔

"شہوار، شہوار بیٹا۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا مگر وہ مکمل طور پر بے سدھ تھی۔ انہوں نے جلدی سے اسے باہر نکالتے اندر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"ہائے صاحب جی، بی بی جی کو کیا ہوا ہے؟" رخشندہ باہر ہی تھی۔ ایک دم شور مچانے لگی تھی۔ وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر اندر بڑھے تھے۔

"بیگم صاحبہ کو بھیجو جلدی کرو۔" اپنے کمرے کی طرف بڑھتے انہوں نے رخشندہ سے کہا تھا۔

"پر گھر میں تو کوئی بھی نہیں بڑی بیگم صاحبہ تو لالہ بی بی کی عزیزہ کے گئے ہوئے ہیں عادلہ بھابی تو کل سے ہی اپنے میکے گئے ہوئے ہیں۔" اپنے کمرے میں لا کر

انہوں نے اسے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔
"تم اس کو دیکھو بلکہ پانی لے کر آؤ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔" انہوں نے اس کے پاس ہی بیٹھ کر اس کا چہرہ تھپتھپایا تو رخشندہ نے فوراً سائیڈ میں پڑا گلاس اٹھا کر باتھ روم کا رخ کیا تھا۔ پانی لا کر اس نے گلاس شاہزیب صاحب کو تھما دیا تھا۔ انہوں نے اس کے منہ پر چھینٹے مارے ناک دبائی۔ ہاتھ پیر رخشندہ مسل رہی تھی۔ مگر سب بے سود تھا۔
"اف۔" ان کی تشویش میں مزید اضافہ ہوا تھا۔
"صاحب جی بی پی لو ہو گیا ہے۔" وہ اٹھ کر جیب سے موبائل نکال کر کال ملانے لگے تھے۔ رخشندہ شہوار کو اس طرح دیکھ کر اور بھی پریشان ہو چکی تھی۔
"ہاں زبیری میں شاہزیب بول رہا ہوں۔ ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ نہیں گھر پر ہوں فوراً پہنچو۔ نہیں تمہاری بھابی تو ٹھیک ہیں شہوار بیٹی کی طبیعت خراب ہے۔ ہاں بے ہوش ہے۔ میں تمہارے آنے تک کوشش کرتا ہوں۔" رخشندہ دل جمعی سے اس کو ہوش میں لانے کے جتن کر رہی تھی۔ انہوں نے شہوار پر ایک نگاہ ڈال کر پھر نمبر ملائے تھے۔
"کہاں ہو تم لوگ؟ میں گھر پر ہوں اپنی امی کو لے کر فوراً گھر آؤ۔ شہوار کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ باقی تفصیل گھر آ کر معلوم کر لینا۔" وہ پھر شہوار کی طرف متوجہ ہوئے تھے اس کی نبض رک رک کر چل رہی تھی۔ ایک کراہ کے ساتھ اس کی مسلسل بے ہوشی ٹوٹی تھی مگر حواس میں وہ پھر بھی نہ تھی۔ کراہ کے بعد اس کی طرف سے پھر خاموشی تھی۔
ڈاکٹر زبیری تھوڑی دیر میں پہنچ گئے تھے۔ آتے ہی انہوں نے اس کی ہارٹ بیٹ اور نبض چیک کرنے کے بعد اسے ایک انجکشن لگایا تھا۔
"بچی کے اعصاب پر خاصا دباؤ ہے۔ ہارٹ بیٹ اور نبض ایسے تو یہی لگ رہا ہے کہ اس کے دل و دماغ سخت قسم کے صدمے کی زد پر رہے ہیں۔"
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں صبح کالج گئی تھی۔ ٹھیک ٹھاک تھی۔ خدانخواستہ گھر میں بھی کوئی مسئلہ نہیں کہ یہ پریشان ہو۔ کالج میں ہی اس کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ کسی دوست نے مجھے اس کے نمبر سے کال کی تھی۔ میں فوراً اسے لے آیا تھا۔ تب سے اب تک یہ بے ہوش ہے۔"
"ہوں۔" وہ پھر شہوار کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اسے تھوڑی کوشش کے بعد ہوش تو آ گیا تھا مگر اس کی کنڈیشن ایسی تھی کہ ڈاکٹر زبیری نے اسے انجکشن لگا کر سلا دیا تھا۔
"ٹھیک ہو جائے گی۔ چند گھنٹے اسے آرام کرنے دیں۔ ڈسٹرب نہ کریں۔ جب اٹھے تو بار بار پوچھ کر پریشان نہ کریں آرام اور سہولت سے پوچھیے گا کہ کیوں پریشان ہے۔" اس کی طرف سے مطمئن ہوتے انہوں نے شاہزیب علی صاحب کو بھی تسلی دی تھی جو مسلسل ٹینشن کا شکار تھے۔
"ہوں۔" انہوں نے ہنکارا بھر ابھی گاڑی رکنے اور پھر دو منٹ بعد افشاں لالہ بی اور مہر النساء بیگم کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔
"کیا ہوا ہے؟" ڈاکٹر صاحب کو سرسری سلام کرتے وہ فوراً بستر کی طرف لپکی تھیں۔ سوتی ہوئی شہوار کو دیکھ کر وہ گھبرا گئیں۔
"کیا ہوا ہے اسے۔ یہ کیوں ایسے لیٹی ہوئی ہے؟"
"ٹیک اٹ ایزی بھابی۔ یہ بالکل ٹھیک ہیں بی پی لو ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ میں نے بی پی کنٹرول کرنے کے لیے انجکشن لگا دیا ہے۔ اب اس کے اعصاب نارمل ہو رہے ہیں۔ نیند میں ہے۔ ایک دو گھنٹے کے بعد بیدار ہو گی تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گی۔" ڈاکٹر زبیری نے مہر النساء بیگم کو بھرپور تسلی دی تھی۔
"شکر ہے مولا کا۔ لالہ نے بتایا تو میں تو سن کر ہی پریشان ہو گئی تھی۔ مگر یہ تو کالج گئی تھی نا آپ کو کہاں مل گئی؟" اب کے انہوں نے حواس بحال کرتے صورتحال سمجھتے پوچھا تھا۔
"کالج میں طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ڈرائیور کو تم لوگ لے کر گئی ہوئی تھیں مجھے اس نے کال کی تو میں لینے گیا تھا۔" لالہ بھابی بھی پر تشویش نظروں سے آنکھیں بند کیے لیٹی شہوار کو دیکھ رہی تھی۔
"مگر اس کی طبیعت خراب کیوں ہو گئی صبح تو ٹھیک ٹھاک تھی۔" لالہ بھابی نے شاہزیب علی صاحب کو دیکھا تھا۔
"بی پی لو ہے اسی وجہ سے اس کے اعصاب تناؤ کا شکار ہو گئے اور یہ بے ہوش ہو گئی۔" کرسی پر ٹکتے ڈاکٹر زبیری نے سہولت سے کہا تھا۔

''ہاں صبح ناشتا بھی نہیں کر کے گئی تھی۔ آج کی لڑکیوں میں یہ اتنی سی تو جان ہے بی پی تو خود لو ہونا ہے۔ اوپر سے اتنی مشکل پڑھائی ہے۔ سارا دن موٹی موٹی کتابوں کو چاٹنے اور ہسپتال کے چکر لگاتے یہ حالت تو ہونی ہے نا۔'' مہر النساء بیگم نے فوراً نتیجہ نکالا تھا۔ شاہزیب علی صاحب نے گہرا سانس لیا۔

''ہو سکتا ہے یہی وجہ ہو۔'' انہوں نے خود کو تسلی دی۔



وہ اپنے کمرے میں الماری میں سر دیے چیزوں کی ترتیب درست کر رہی تھی جب لا نے اندر جھانکا تھا۔

''روشی فارغ ہو؟'' روشی نے سر اٹھا کر لا کو دیکھا۔

''الماری درست کر رہی ہوں' کیوں خیریت؟''

''میری ایک دوست ہے نا شہوار جس کا ذکر میں اکثر کرتی ہوں۔'' وہ اندر چلی آئی تھی۔

''ہاں تو۔'' اس نے مصروف انداز میں جواب دیا تھا۔

''اس کی طبیعت خراب ہے۔ کالج سے گھر چلی گئی تھی۔ میرے ساتھ اس کے ہاں چلو گی۔'' روشی نے الماری سے چیزیں نکالتے اسے دیکھا۔

''ابھی۔''

''ہوں۔''

''مغرب ہونے والی ہے۔ پھوپھو گھر آ جائیں تب تک میں بھی الماری درست کر لوں گی۔ ویسے جائیں گے کس کے ساتھ؟''

''ڈرائیور کے ساتھ ہی جائیں گے۔''

''تم یہ چیزیں رہنے دو نا۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں بھی چینج کر لیتی ہوں۔ ابھی مغرب میں آدھا گھنٹا ہے۔ ابھی نکلیں گے تو جلدی واپسی ہو جائے گی۔ میں اس کو فون کر دیتی ہوں۔''

''تم ان کو کال کر کے پہلے پرمیشن لے لو میں اتنی دیر میں یہ سب اندر رکھتی ہوں۔'' وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ ماما کو کال کر کے شہوار کا بتا کر اس نے اجازت لی تو انہوں نے کئی ہدایات کے بعد اجازت دے دی تھی۔ دونوں تیار ہو کر گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔ منصور خان کو ایڈریس دے کر اس کو چلنے کا کہا تھا۔ وہ پہلی بار شہوار کے گھر جا رہی تھی۔ رستے میں اس نے پھولوں کا بکے لے لیا تھا۔ ایڈریس تو آسان تھا آدھے گھنٹے بعد ڈرائیور نے گاڑی ایک خوب صورت پرشکوہ عمارت کے سامنے روکی تھی۔

''شاہزیب پیلس'' کے الفاظ کی تختی سامنے لگی دیکھ کر لا اور روشی باہر نکل آئی تھیں۔ ایک باڈی گارڈ گیٹ پر تھا۔

''تم ماما کو پک کر لینا۔ ایک گھنٹے بعد ہمیں لینے آ جانا۔'' منصور خان کو رخصت کرتے وہ گیٹ کی طرف بڑھی تھیں۔

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' گارڈ پوچھ رہا تھا۔

''اندر پیغام بھیج دیں شہوار سکندر کو کہ لا آئی ہے۔'' اس نے انٹرکام سے اندر اطلاع دی تھی۔ انٹرکام پر انہیں اندر بھیج دینے کی اجازت مل گئی تھی۔ اسے اس انویسٹی گیشن سے بڑی کوفت سی ہوئی تھی۔ روشی اس کے ساتھ خاموشی سے چل رہی تھی۔ دونوں گارڈز کی معیت میں اندر چلی آئی تھیں۔ یہ پرشکوہ عمارت باہر سے جس قدر خوب صورت تھی اندر سے اس سے بڑھ کر تھی۔

''زبردست بہت پیارا گھر ہے۔'' ان کو دیکھتے روشی بے اختیار ہوئی تھی۔ داخلی دروازے پر انہیں ایک باوقار خاتون کھڑی مل گئی تھیں۔

''بیگم صاحبہ یہ مہمان ہیں۔'' گارڈ کہہ کر واپس پلٹ گیا تھا۔

''السلام علیکم!'' خاتون کو دیکھ کر دونوں نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے بڑی شفقت سے جواب دیا تھا۔

"رک کیوں گئیں بیٹا آؤ۔" دو سیڑھیاں چڑھ کر وہ دونوں اوپر آئیں تو انہوں نے دونوں کو محبت سے گلے لگایا تھا۔ لانے انہیں کیک تھما دیا۔ ان کے ساتھ وہ اندر بڑھ گئی تھیں۔ اندر سے بھی گھر کیا تھا وہ اچھی پیلس تھا۔ دونوں ستائشی نظروں سے دیکھتے آگے بڑھ آئیں۔

"شہوار تمہارا ذکر اکثر کرتی رہتی ہے۔ میں تو اسے کئی بار کہہ چکی ہوں کہ تمہیں گھر بلائے۔" ساتھ چلتے وہ کہہ رہی تھیں۔

"آپ مہر النساء آنٹی ہیں نا؟" لانے اندازہ لگایا تو انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے اس لڑکی کو صبح اچھی بھلی کالج گئی تھی۔ کالج میں ہی طبیعت خراب ہوئی تمہارے انکل لینے گئے تو رستے میں ہی بے ہوش ہو چکی تھی۔ سب گھر والوں کو اس نے پریشان کر دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی اٹھی ہے تو لائبہ اسے زبردستی بہلا پھسلا کر کچھ کھلا رہی ہے۔" انہوں نے تفصیل بتائی تھی لا گم صم رہ گئی۔ اس حساس سی پاگل لڑکی نے اس قدر اثر لیا تھا اس سارے واقعے کا۔ رہ رہ کر شہوار کا زرد چہرہ سامنے آ رہا تھا۔ آنٹی کے ساتھ وہ ایک کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"بھابی پلیز ضد نہ کریں۔ کچھ بھی نہیں لگا جا رہا ہے۔ پچی ابھی قے ہو گئی تو سب اگل دوں گی۔" بے چارگی میں وہ لائبہ کا ہاتھ پیچھے ہٹا رہی تھی جو زبردستی اسے سوپ پلا رہی تھی۔

"تھوڑا سا لے لو نا۔ بی پی بھی اسی لیے لو ہوا ہے کہ تم نے صبح بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔" وہ بہلا رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" لا کی آواز پر اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب کے ساتھ ساتھ آنسو بھی سمٹ آئے۔

"وعلیکم السلام۔" اس کے چہرے پر ایک پل کو رونق ہوئی تھی اس نے کمبل ہٹا کر اٹھنا چاہا مگر کمزوری اس قدر تھی کہ اٹھا نہیں گیا۔ لائبہ بھابی پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ لا فوراً جھک کر اس کے گلے لگ گئی۔ شہوار کو لگا جیسے سلگتے صحرا میں وہ ایک دم گھنے سائے تلے آ گئی ہو۔ اس کے آنسو بہہ نکلے اور بے اختیار بہتے چلے گئے۔

"ارے بس چپ کرو۔ کچھ نہیں ہوا تمہاری طبیعت تو خراب ہوئی ہے۔ میں تو تمہاری عیادت کو آئی تھی۔" اسے خود سے جدا کر کے آنسو صاف کرتے اس نے دلاسا دیا تو دوپٹے سے ناک رگڑتے اس نے لا کے ساتھ آنے والی دوسری لڑکی کو بھی دیکھا۔ اس پر ایک نظر ڈال کر وہ چونک گئی۔ اسے لگا روشی میں اسے کسی اور چہرے کی شباہت دکھائی دی ہے۔ اس نے سوالیہ نظروں سے لا کو دیکھا تھا۔ لا نے مسکرا کر روشی کو دیکھا۔

"یہ روشانے ہیں۔"

"او۔ واقعی۔"

"السلام علیکم!" لا ایک طرف ہٹی تو روشی اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔ شہوار کو دیکھ کر روشی کو بھی عجیب سا احساس ہوا تھا۔



بل پے کرنے کے بعد دونوں باہر آ گئے تھے۔ گاڑی میں بیٹھنے تک اس کی سوچ کی ڈور اسی ایک مسئلے میں الجھی ہوئی تھی۔

"اگر فرض کیا کہ آپ کو کوئی لڑکی اچھی لگ گئی ہو... ایز اے لائف پارٹنر پسند آ جائے تو پھر۔"

"خدا کو مانو لڑکی ابھی مجھ پر اتنا برا وقت نہیں آیا اور نہ ہی میری عقل گھاس چرنے گئی ہے۔"

"اور جو پسند کرتے ہیں کیا ان سب کی عقل گھاس چرنے گئی ہوتی ہے۔" اس نے فوراً برا مانا تھا۔

"خیر ایسا تو میں بھی قطعی نہیں کہہ رہا۔ آخر بابا اس مرض کی دوا ہیں۔ یہ ان کا ہیڈک ان کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔ وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔ میں کیوں اپنی انرجی ویسٹ کروں۔" گاڑی ڈرائیو کرتے کندھے اچکا کر خود کو مطمئن کرنے کا خاصا دلکش انداز تھا وہ دیکھے گئی۔

"آپ کا دل نہیں چاہتا۔" اس کا لہجہ بوجھل سا ہو گیا۔

"قطعی نہیں۔" صاف جواب تھا وہ حیرت زدہ ہوئی۔

"کیوں۔"

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ آپ کی لائف میں کبھی ایسا ایونٹ نہ آیا ہو۔ اتنی دل کش زبردست اٹریکٹیو پرسنالٹی رکھتے ہو اور کبھی کسی چھوٹے موٹے فلرٹ کی بھی جگہ نہ رہی ہو۔" اس کا لہجہ ایسا تھا کہ پہلی بار کچھ چونک کر ولید نے اس کی طرف دیکھا وہ متوجہ تھی۔ ولید کی گہری آنکھوں کی بے پناہ چمک محسوس کرتے وہ فوراً سر جھکا گئی تھی۔

"اتنی بحث کس سلسلے میں اور تم سننا کیا چاہتی ہو؟" مسلسل ایک ہی ٹاپک پر اسے جمے مسلسل بحث کرتے دیکھ کر وہ بھی ٹھٹک گیا تھا۔ انا وقار احمد ایک دم گھبرا گئی۔

"بس یونہی۔" وہ منمنائی۔

"خیر یونہی تو کچھ بھی نہیں ہوتا اتنی دلچسپی کس لیے بھلا؟ اگر کوئی ایسی دل کش واردات ہوئی بھی ہو تو بھی وہ بہر حال میری اپنی ذات تک ہی محدود ہوگی۔ چھوٹا موٹا فلرٹ تو ایک طرف کوئی چاند ارلمبا چوڑا افیئر بھی ہو تو اس کا تعلق میری اپنی ذات سے ہوگا۔ تم اس سارے معاملے میں اس قدر سنجیدگی سے دلچسپی کیوں لے رہی ہو آخر؟"

"اوف غلطی ہوگئی وہ بھی بڑی سنگین قسم کی جو آپ سے پوچھ لیا۔ بات ہی پکڑ لی ہے آپ نے۔ نہیں بتانا چاہتے تو مت بتائیں۔ زبردستی تھوڑی ہے۔" اس نے خاصا برا مان کر منہ پھلا لیا تھا۔ اس کو یوں منہ پھلاتے دیکھ کر ولید بے اختیار ہنس دیا تھا۔

"کبھی کبھار تو تم بالکل بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو۔" ہاتھ بڑھا کر اس کے بال پکڑے وہ اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی۔

"آپ نے جو بڑے داد ا ابا جیسا مزاج اختیار کر لیا ہے وہی کافی ہے۔" کافی پل بعد سنبھل کر جواب دیا تھا۔

"شادی کی شاپنگ کہاں تک پہنچی؟" اس نے فوراً موضوع بدل دیا تھا۔ جسے صاف محسوس کرتے انا کا لہجہ خود بخود سنجیدہ ہو گیا۔

"بس ہو رہی ہے۔ ماما روشی تو کر ہی رہی ہیں نا۔" اس نے کھڑکی کی طرف منہ کر لیا تھا۔ ولید اسے باہر کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر خود بھی چپ رہا تھا۔ کبھی کبھار اس شخص کا یہ سنجیدہ بڑے باؤں والا انداز اسے ہرٹ کرتا تھا اور خود بخود اس کی آنکھوں میں نمی آ جاتی تھی اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا آنکھوں کی نمی کو غیر محسوس انداز میں چادر کے پلو سے صاف کیا۔

"پتا نہیں یہ شخص ہی اتنا کم فہم ہے یا میں ہی پاگل ہوں۔" وہ خود سے ہی ناراض ہو چکی تھی۔ اس نے سوچ لیا کہ اب وہ اس شخص سے کچھ بھی پوچھنے کی غلطی نہ کرے گی اور نہ ہی اسے اتنی اہمیت دے گی۔ اپنے جذبات پر بمشکل قابو پاتے اس نے خود سے عہد کیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ قسط 5 ۔۔۔ سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

تابندہ بی مصطفیٰ کو کال کر کے شہوار کی اس رشتے کے لیے ناراضی کی بابت بتاتی ہیں۔ مصطفیٰ کو یہ سن کر اپنا شک درست محسوس ہوتا ہے کہ یہ رشتہ شہوار کی رضا مندی کے بغیر طے ہوا ہے۔ تابندہ مصطفیٰ سے شہوار کو قائل کرنے کا کہتی ہیں اور ساتھ ہی شہوار کی ان سے ناراضی دور کرنے کا بھی کہتی ہیں۔ مصطفیٰ کی باتوں سے وہ کافی حد تک پرسکون ہو جاتی ہیں اور انہیں اپنے فیصلے پر فخر محسوس ہوتا ہے۔ ایاز اپنے دوستوں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوتا ہے جب ہی عبدالقیوم اسے فوراً گھر پہنچنے کا کہتے ہیں جس پہ وہ دوستوں سے معذرت کرتا ہوا گھر آ جاتا ہے گھر پہنچتے ہی عبدالقیوم اس سے بینک سے پانچ لاکھ روپے نکلوانے کی بابت پوچھتے ہیں جس پہ وہ غصے میں آ جاتا ہے اور کافی بدتمیزی کرتا ہے۔ عبدالقیوم اسے اس کی عیاشیوں پہ وارن کرتے ہیں کہ اب اگر وہ کسی مصیبت میں پھنسا تو وہ اس کی مدد نہیں کریں گے ساتھ ہی وہ حاذق کو بھی سمجھاتے ہیں کہ وہ الگ گھر لینے کی ڈیمانڈ چھوڑ کے اپنے سسرال واپس چلی جائے۔ جس پہ سب ہی ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ حاذق سب کو شہوار اور مصطفیٰ کے رشتے کی بابت بتاتی ہے جس پہ تمام نفوس چونک جاتے ہیں۔ کالج ڈراپ کرتے وقت مصطفیٰ شہوار کی بات تابندہ بی سے کرواتا ہے جس پر شہوار نہایت غصے سے رُکھی بات کر کے کال منقطع کر دیتی ہے شہوار کینٹین میں اما کا انتظار کر رہی ہوتی ہے جب ہی ایاز اپنے دوستوں کے ساتھ آ کر اس سے الجھتا ہے جس پہ وہ گھبرا جاتی ہے اور اسے باز رہنے کو کہتی ہے مگر وہ نہایت بدتمیزی پر اتر آتا ہے کینٹین میں رش ہونے کی وجہ سے سب کی توجہ ایاز اور شہوار کی جانب مبذول ہو جاتی ہے ایسے میں فائنل ایئر کا ایک اسٹوڈنٹ ہاشم ایاز کو روکتا ہے جس پہ دونوں گروپ کے مابین مڈبھیڑ ہو جاتی ہے اور معاملہ پرنسپل تک پہنچ جاتا ہے۔ شہوار کو اتنی ذلت سے شدید صدمہ پہنچتا ہے جس سے اس کی طبیعت کافی بگڑ جاتی ہے۔ اما سے سنبھالتے ہوئے شاہ زیب کو فون کر کے بلا لیتی ہے۔ شہوار کی طبیعت کا سن کے وہ کافی پریشان سے کالج پہنچتے ہیں اور فوراً اسے گھر لے آتے ہیں۔ ڈاکٹر اسے آرام و سکون کی تاکید کرتے ہیں جس پہ مہر النساء بیگم کافی پریشان ہو جاتی ہیں اما رمشہ کے ساتھ شہوار کو دیکھنے آتی ہے۔ روشی کو پہلی بار شہوار کو کسی چہرے کی شباہت محسوس ہوتی ہے جبکہ روشی کو بھی شناسائی کا احساس ہوتا ہے۔

اب آگے پڑھئے

"وعلیکم السلام!" شہوار بے اختیار اس کے گلے لگ گئی۔

"مجھے بہت شوق تھا شہوار آپ سے ملنے کا۔ اما نے اتنی تعریفیں کر رکھی ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔" روشی نے بے پناہ محبت و اپنائیت سے کہتے اس کے ہاتھ دبائے۔

مہر النساء اور لالہ مسکراتی نگاہوں سے تینوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"بھابی یہ اما ہے اور یہ روشی۔ اما کی کزن رمشا نے نام بیان کیا۔" لالہ بھابی سے تعارف کرانے پر دونوں نے اٹھ کر فرداً فرداً ان کو گلے لگایا۔

"شہوار بھی بہت ذکر کرتی ہے آپ لوگوں کا بہت خوشی ہوئی آپ دونوں سے مل کر۔" بھابی نے اخلاقاً کہا۔

"یہ اما ہی تمہارے لیے لائی ہے شہوار......!" مہر النساء آنٹی نے ہاتھوں میں تھامے اس کی گود میں رکھ دیا۔ تازہ سرخ گلابوں کو دیکھ کر اس نے بڑی ممنون اور مجروح نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔

روشی نے بغور شہوار کو دیکھا وہ اسے حزن و غم میں ڈوبا نہایت خوب صورتی و دلکشی سے تراشا ایک بلوری (کانچ) مجسمہ لگی۔ جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ سکتا ہو...... وہ پہلی مرتبہ اس سے اتنا متاثر ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کے کالے گھنے بالوں کی چٹیا پر اس کی نگاہ پڑی۔ اما کی زبان سے وہ اس کے حسن کے قصیدے سن چکی تھی مگر اسے لگا وہ سب تو بہت کم تھا۔ وہ حقیقتاً بہت حسین تھی۔ عجیب سی کشش تھی اس کے وجود میں...... بے پناہ مقناطیسیت...... اسے اپنا دل لوہے کا ٹکڑا محسوس ہوا جو اس لڑکی کی طرف کھنچا چلا جا رہا تھا۔

"تم لوگ باتیں کرو میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" بھابی سوپ والا باؤل تھامے باہر نکل گئی تھیں۔ مہر النساء بیگم بھی انہیں بے تکلفی سے بیٹھنے کا کہتے مغرب کی نماز پڑھنے نکل گئی تھیں۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں یار! یہ سب کچھ نیا تو نہیں نا۔ ٹھیک ہے جو بھی آج ہوا ہے یہ بہت زیادہ ہے مگر تمہیں خود کو سنبھالنا ہوگا۔ تمہارے نکل نے تمہاری طبیعت کی خرابی کی وجہ پوچھی اور میں نے کچھ نہ کہا مگر وہ پریشان ضرور ہو گئے تھے۔" وہ اس کے پاس ہی بیٹھی اس کے دونوں ہاتھ تھامے محبت سے کہہ رہی تھی جبکہ روشی انجھی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کیسے سنبھالوں خود کو...... یوں لگتا ہے کہ جیسے سارے زمانے کا گند وہ بد اخلاق شخص میرے چہرے پر مل گیا ہے۔ مر جانے کو جی چاہ رہا ہے...... ایسی ذلت اور رسوائی...... مائی گاڈ......" وہ پھر بری طرح رو دی۔

روشی بڑی حیرانی سے دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔
وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی۔

"میں نے ہمیشہ سر اٹھا کر زندگی گزاری ہے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھا ہے اور آج میری ذات سے متعلق پورے کالج نے وہ ڈرامہ دیکھا ہے جس کا تصور میں مر کر بھی نہیں کر سکتی...... جی چاہتا ہے کہ ابھی موت آ جائے نجانے شیخ صاحب اب اس واقعے کو کس طرح لیتے ہیں۔ وہ انکل کے دوست ہیں اگر بات بڑھ گئی تو انکل تک بھی پہنچے گی اور میں اپنی نظروں سے ہی گر جاؤں گی۔" اس کا آنسوؤں سے لبریز لہجہ اب پھر سسکیوں سے لرزیدہ تھا۔ کسی بید مجنوں کی شاخ کی مانند ہچکولے لے رہا تھا۔ خوب صورت دلکش چہرے پر زردیاں سمٹ آئی تھیں۔ اس کا ڈپریشن پھر انتہا کو بڑھنے لگا تھا۔ انا نے فوراً تھام کر اسے تھاما۔

"شہوار پلیز...... کنٹرول یور سیلف...... آنٹی یا کوئی اور آ جائے گا؟ تمہیں یوں روتے دیکھ کر ان پر کیا بیتے گی بھلا؟" اس نے اسے جذباتی کیفیت سے نکالنے کے لیے کہا۔

اپنے ساتھ لگا کر مزید کچھ کہے بغیر اس سے تسلی آمیز محبت کا اظہار کرتی رہی تھی۔

"تم لیٹ جاؤ تمہاری طبیعت اب بھی بہتر نہیں لگ رہی ہے۔ بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔ آگ کی طرح تپ رہی ہو تم......" اسے محبت سے خود سے جدا کرتے بستر پر لٹا دیا۔ تبھی بھابی چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ درخشندہ کے ہمراہ چلی آئی تھیں۔

"اچھا تم جاؤ چائے میں خود بنا لوں گی......" درخشندہ ٹرالی رکھ کر چلی گئی تھی۔ انہوں نے چائے بنا کر دونوں کو کپ تھمائے۔

"شہوار چائے پیو گی؟" انہوں نے آنکھیں بند کیے شہوار سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پی لو...... صرف ہوتے اعصاب کے لیے چائے بہت مفید رہتی ہے۔ تمہیں افاقہ ہو گا۔" انا نے کہا اور پھر بھابی کو چائے بنانے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے کپ بنا کر اسے تھمایا۔ انا نے کپ لے کر شہوار کو دیکھا جو انہیں کو لیے دیکھ رہی تھی۔

"پی لو...... شاباش۔" وہ خاموشی سے مہر بہ لب تھی۔ پھر ذرا سا اٹھ کر کپ تھام لیا۔

"کمرا تو بہت پیارا ڈیکوریٹ کیا ہوا ہے تم نے شہوار؟" چائے پیتے ہوئے لوازمات سے لطف اندوز ہوتے انا نے طائرانہ نگاہ بھی ہر سو جا ڈالی تھی۔

"یہ ہماری 'ماں جی' کا کمرا ہے۔ شہوار کا کمرا تو دوسرا ہے۔" بھابی خود بھی چائے پیتے بتا رہی تھیں۔

"اوہ ویری نائس......" روشی کی نگاہوں میں توصیف تھی۔

"آپ روشی بالکل خاموش بیٹھی ہوئی ہیں۔ کچھ اپنے بارے میں ہی بتائیے۔" بھابی کے سوال پر شہوار نے بھی اس کی طرف دیکھا۔

"میں انا کے ماموں کی بیٹی ہوں۔ ہم دو بہن بھائی ہیں...... ولید بھائی مجھ سے بڑے ہیں۔ ہماری والدہ کا انتقال بہت کم عمری میں ہی ہو گیا تھا بقول بابا کے تب میں دو سال کی تھی اپنی ساری لائف ہم نے امریکہ میں گزاری ہے۔ بابا دو سال پہلے پاکستان شفٹ ہوئے تھے جبکہ ہم اب کچھ عرصہ قبل ہی آئے ہیں۔ بھائی نے بزنس ایڈمنسٹریشن کیا ہے اور ایجوکیشن کمپلیٹ کرنے کے بعد انہوں نے اسی فیلڈ میں کئی طرح کے کورسز بھی کیے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ وہاں جاب بھی کر چکے ہیں۔ جبکہ میں نے اے لیول کیا ہے۔ ایجوکیشن کی وجہ سے ہم وہاں رکے ہوئے تھے۔ جیسے ہی میری ایجوکیشن کمپلیٹ ہوئی اور ڈگری ملی بھائی نے بھی تمام کورسز ترک کیے اور جاب چھوڑ کر ہم پاکستان آ گئے۔ اب یہاں بھائی اور بابا دونوں انا کے پاپا کے ساتھ مل کر بزنس کر رہے ہیں۔ بابا نے کئی سال پہلے انویسٹمنٹ کی تھی جبکہ باقاعدہ شمولیت اب بھائی کی آمد کے بعد اختیار کی ہے۔" اس نے اپنے متعلق مکمل تفصیل سے بتایا۔

"زبردست۔" تبھی مہر النسا بیگم بھی نماز پڑھ کر آ چکی تھیں۔ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔ اور باتوں کا ایک خوب صورت سلسلہ چل نکلا تھا جس پر انا شرارت سے کہنے لگی۔

"ان محترمہ کا ایک تعارف یہ بھی ہے کہ یہ عنقریب ہمارے اکلوتے بھائی احسن کی دلہن بننے والی ہیں۔ اور اگلے ماہ شادی ہو رہی ہے۔" انا نے شرارتی نگاہوں سے روشی کو دیکھتے کہا تو وہ بری طرح جھینپ گئی۔ شہوار کو اس کا یہ شرماتا روپ بڑا دلکش لگا۔

"ویل ڈن۔ کانگریچولیشن۔" بھابی نے دل سے مبارک باد دی۔

"میں شادی میں انوائیٹ کروں گی آنٹی...... آپ سب نے آنا ہو گا۔" انا نے کہا۔

"جی ضرور بیٹا! تم شہوار کی واحد دوست ہو تم ہمارے گھر آئیں مجھے تو بڑی خوشی ہوئی ہے تمہیں اپنے ہاں دیکھ کر......" مہر النسا بیگم نے بھی بڑے خلوص کا مظاہرہ کیا تھا۔

"آنٹی میں آپ کی اس بیٹی کو کئی بار اپنے گھر آنے کی آفر کر چکی ہوں مگر یہ کبھی ہامی تک نہیں بھرتی۔ آپ اسے لے کر بھابی کے ہمراہ کسی دن آئیے گا۔ یقین مانیے مجھے بہت خوشی ہو گی۔" اس نے

بھی خلوص سے دعوت دی۔

"ہاں ضرور آئیں گے۔ اب تم آ رہی ہونا...... شہوار منع بھی کریں گی تو بھی میں انھیں کھینچ کھانچ کر لے آؤں گی۔" بھابی نے دلاسا دیا۔

اماں کے آنے اور اس کے دلاسا دینے سے شہوار کا ذہن وقتی طور پر بٹ گیا تھا۔

"لاریب تم بچیوں کو گھر دکھاؤ۔ جب سے آئی ہیں ایک ہی جگہ پر ٹک گئی ہیں۔ کوئی تکلف نہیں کرو بچیوں تم لوگوں کا اپنا گھر ہے۔" ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"مرد حضرات کا گھر آنے کا ٹائم ہو گیا ہے۔ میں ذرا کچن دیکھ لوں۔ لاریب تم ان کو گھر دکھاؤ۔" جانے سے پہلے انھوں نے وضاحت کی تھی اور لاریب کو تاکید بھی کی۔

"آؤ شہوار تم بھی ہمارے ساتھ چلو......" اماں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں تم لوگ جاؤ...... میرے جسم میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ میں اٹھ کر بیٹھ جاؤں۔ ہاں تم لوگوں کے ساتھ میں اپنے کمرے تک ضرور چلتی ہوں۔" وہ کمبل ہٹا کر چادر درست کرتے لاریب کے سہارے بستر سے اتر آئی تھی۔

وہ چند گھنٹوں میں ہی بہت کمزور اور بیمار نظر آ رہی تھی۔ بھابی کے ساتھ ساتھ اماں نے بھی ایک طرف سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

اس کے کمرے میں اسے لٹا کر کمرے کا جائزہ لے کر وہ باقی گھر دیکھنے لگ گئی تھیں۔ لاریب بھابی بہت ملنسار اور خوش اخلاق خاتون تھیں۔ ان کے ساتھ گھر دیکھتے ہوئے بوریت نہیں ہوئی تھی محل کی طرح بڑا سارا گھر اور اس کے مطابق آرائش و زیبائش دیکھ کر دونوں متاثر ہوئی تھیں۔

"ماشاءاللہ بہت ہی پیارا گھر ہے آپ کا تو۔" روشی کئی مرتبہ یہ الفاظ دہرا چکی تھی۔ وہ دونوں واپس شہوار کے کمرے میں چلی آئی تھیں تبھی رخشندہ آ گئی تھی۔

"آپ کا ڈرائیور آ گیا ہے۔"

ڈرائیور کا سن کر دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"اپنا بہت سارا خیال رکھنا میری مانو تو تین چار دن کالج سے چھٹی کر لو صحت اچھی رہے گی۔" اس نے واپسی کے ارادے سے اٹھتے اسے نصیحت کی تھی اور پھر گلے لگا کر محبت سے ہاتھ دبائے تھے۔

وہ شہوار سے مل کر بھابی کے ہمراہ باہر آئیں تو مہر النساء بیگم چلی آئیں۔

"تم لوگ اب کھانا کھا کر جانا اب تیار ہے بیٹا۔" وہ بہت محبت سے کہہ رہی تھیں۔

"جی ضرور مگر ہم مزید نہیں رک سکتیں۔ ماما مغرب کے بعد گھر سے باہر نکلنے کے سخت خلاف ہیں۔ یہ تو ڈرائیور ساتھ ہے ورنہ ماما کہیں نہیں جانے دیتیں۔ پھر کبھی پھر کسی دن چکر لگائیں گے۔" اما نے معذرت کی تھی۔

"یہ اچھا نہیں لگتا بیٹا...... گھر آئے مہمان کھانا کھائے بغیر چلے جائیں۔" انھوں نے اصرار کیا تو روشی ہنس کر ان کا ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔

"یقین مانیں آنٹی پھوپھو بہت پریشان ہو رہی ہوں گی۔ کافی ٹائم ہو گیا ہے۔ ڈرائیور کے ساتھ واپس جانا ہے...... ورنہ ساتھ کوئی بھائی ہوتا تو ہم ضرور رک جاتے۔" روشی کے انداز میں یا چہرے پر ایسی دلکشی تھی کہ وہ مبہوت ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگ گئی تھیں۔ روشی ان کے یک ٹک دیکھنے پر جھجک کر ناراضی سے دیکھ رہی ہیں۔

"چلیں وعدہ رہا نیکسٹ ٹائم ہم ڈھیر سا ٹائم آئیں گے اور سارا دن آپ کے ساتھ گزار کر کھانا کھا کر ہی جائیں گے۔" انھوں نے ایک گہرا سانس لیا اور نگاہ چرائی مگر نگاہ بھٹک بھٹک کر صرف اسی ایک چہرے کا طواف کرنے لگ گئی تھی۔ انھوں نے بے پناہ اپنائیت و محبت سے اس کا چہرہ تھام کر چوم لیا۔

انہیں لگا کہ جیسے بے پناہ روشنی سی ان کے وجود میں اتر گئی ہو۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری صورت دی ہے رب نے۔ اللہ مقدر بھی اچھے کرے۔" انھوں نے دعا دی اور روشی اس والہانہ پن پر گھبرا گئی تھی۔ ان کے گلے لگانے پر تھم سی گئی تھی۔

وہ دونوں ان کو گیٹ تک چھوڑنے آئی تھیں۔ ان دونوں کو بے پناہ محبت اور دعا کے ساتھ رخصت کیا تھا۔



"کیا بات ہے شہزادے آج بڑا غمگین بیٹھا ہے۔ لگتا ہے کسی گہرے غم سے آشنائی ہو گئی ہے آج ہمارے جگر کی...... نہ وہ پہلے جیسی چہکار نہ وہ رعب و دبدبہ...... یار یہ کتنا بور ہوتا جا رہا ہے دن بدن۔"

کامران اسے یوں بیٹھے دیکھ کر جیسے ان ہوا تھا مذاق میں چھیڑا تھا۔

"شٹ اپ......" اس کے مذاق پر اس نے سلگتی کھا جانے والی نظروں سے تمام ساتھیوں کو دیکھا۔

اس واقعے کو کتنے گھنٹے گزر چکے تھے مگر لگتا تھا کہ جیسے ابھی کچھ دیر پہلے اس شکست کا سامنا بھری پری کینٹین میں کیا گیا ہے۔ اور وہ ہاشم لوگ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پستول لے اور جا کر اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دے۔

''کس بات پر غصہ آ رہا ہے تو پھر نہیں کیوں کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ کہیں کسی سے جھگڑا وگڑا تو نہیں کر لیا ہے تو نے۔ ویسے جیسی تیری طبیعت ہے لگتا ہے اپنے باپ سے لڑ جھگڑ کر آیا ہے۔ تیرا باپ بھلا تو غصہ کرنے سے رہا کروں۔ دولت پر سانپ بن کر بیٹھا ہے۔'' شہزاد نے بھی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور وہ بھنا اٹھا۔

''بکواس اگر کی نہ تو میں ایک منٹ میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔'' امین نے راز دارانہ نظروں سے شہزاد اور کامران کو دیکھا۔

''تو کچھ منہ سے بھی پھوٹ نے کا یا یہی سوگ والی صورت لیے گلاس پر گلاس چڑھائے گا۔ یار دوست آخر کس مرض کی دوا ہیں۔ تو بول تو سہی۔ آج ہمارے شہزادے کی فیس کیوں روٹھی ہوئی ہے۔'' کامران تھا ہی خبیث ......خباثت سے مسکرا کر بولا تھا۔

''مجھے پتا ہے یہ کیوں شکست خوردہ انسان کی طرح بیٹھا اپنی شکست کا سوگ منا رہا ہے۔'' امین نے طنزیہ و راز دارانہ نظروں سے سب کو دیکھا۔ شہزاد اور کامران کے ساتھ وہ بھی اس کے انداز پر چونکا تھا۔

''اس نے تو قیامت تک منہ سے پھوٹنا ہی نہیں چل تو ہی بتا۔ پتا چل جاتا ہے کہ ابھی تھیلے سے کون سی بلی سامنے آتی ہے۔'' کامران نے اسے آنکھ مار کر امین کا کندھا پکڑا تھا۔ ایاز کا جی چاہا کہ آگے پڑا گلاس اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔

''اس کا آج کالج میں سب سے امیر ترین گروپ کے لیڈر سے جھگڑا ہوا ہے اور جواباً ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں سمیت اس کی خاصی ٹھکائی کر دی تھی ...... آخری خبر آنے تک وہ بیتاڑہ اس کا اپنی محبوبہ کو کینٹین میں چھیڑ رہا اور وہ روک کر بدتمیزی کر رہا تھا جس پر وہ معصوم لیلیٰ جوش میں آ کر اس کے منہ پر تھپڑ مار گئی اور پھر میدان کارزار بن گیا۔'' وہ چونک کر حیران ہوا تھا۔

یہ چاروں لڑکے الگ الگ کالجز میں پڑھتے تھے ...... میڈیکل کالج میں صرف ایاز پڑھتا تھا۔ وہ حیران ہوا کہ اس قدر درست رپورٹ امین کو کہاں سے ملی ہے۔

''ہائے ...... یار واقعی ...... ؟'' کامران اور شہزاد دونوں یکدم اچھل کر اس کے قریب ہوئے تھے اور پھر بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ نیم تاریک کلب کے اس میں کی گئی روشنی خاصی مدھم تھی مگر اس مدھم روشنی میں بھی امین کی نظریں اس کے چہرے کے نیل اور چوٹ کے نشانات کو نہایت تمسخرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''اس کے چہرے سے تم لوگوں کو ساری کہانی کی رپورٹ مل سکتی تھی۔ لگتا ہے زیادہ شراب چڑھا لیا ہے تم لوگوں کو آنکھیں کھول کر دیکھو تو سہی اپنے شہزادے کو۔''

''بکواس نہیں کرو ...... '' ایاز ایکدم طیش سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ''میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اس بلڈی بچ کو ...... نہایت پارسا بنتی ہے جن لوگوں کے سامنے اس نے مجھے ذلیل کیا ہے انہی کے سامنے اسے ذلت کی گہرائیوں میں دھکیلوں گا۔'' وہ غصے و تنفر سے اپنے جذبات آشکار کر رہا تھا امین نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''مگر کیسے ...... ؟ وہ تو تمہیں گھاس ڈالنے پر بھی راضی نہیں۔''

''شہزاد اس کو سمجھا لو ورنہ میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔'' امین کا طنز سیدھا دل پر لگا تھا۔ وہ یکدم بھنا کر اٹھا تھا۔

''امین چپ کرو تم ...... تم ادھر بیٹھو بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟'' شہزاد نے اس کا بازو پکڑ کر اسے پھر کرسی پر بٹھا دیا۔

اس نے ان کے بار بار پوچھنے پر ساری رام کہانی کہہ سنائی۔ امین بڑی مضحکہ خیز نظروں سے اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا اور اس کی نظریں اسے مزید طیش دلاتی رہیں۔

''ہائے ...... تو کیا پرنسپل صاحب نے تمہیں کالج سے نکال دیا۔'' کامران نے حیرت سے پوچھا۔

''ویسے اچھا ہی کیا تو کون سا سنجیدگی سے وہاں پڑھ رہا تھا۔ صرف خوب صورت پریوں کا تعاقب کرنے وہاں داخل ہوا تھا۔ پیسہ ہاتھ میں ہونا چاہیے ایسی ڈگریاں تو یوں چٹکی میں ہاتھ میں آ جاتی ہیں۔'' کامران نے اس کی تسلی کا سامان بھی کیا تو کس انداز میں۔

''ابھی نکالا نہیں ...... نیکسٹ میٹنگ میں سارا معاملہ پیش ہوگا اور پھر ہی کوئی حتمی فیصلہ ہوگا۔'' کامران کے الفاظ سے زیادہ وہ امین کی نظروں سے چڑ کر بولا۔

''بلفو ز پھانسی کی سزا نہ سہی ...... قسطوں میں ہی سہی ویسے سنا ہے کہ قسطوں میں ملنے والی سزا زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔'' وہ بھی امین تھا چوٹ کرنے سے پھر بھی باز نہ آیا تھا۔

''اس سے لڑنے کا بھلا کیا فائدہ ...... تم بتاؤ اگر واقعی نکال دیا تو کیا کرو گے؟'' شہزاد سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا کامران ہنس دیا۔

''لوبیا چنے بیچے گا۔'' اس کی ہنسی اس کی روح پر تازیانے کی مانند لگی۔

''جس طرح میٹرک ایف ایس سی کی ڈگریاں ملی ہیں ویسے یہ لوبیا چنے بھی بیچ لے تو بڑی بات ہے۔'' امین نے تو حد ہی کر دی تھی وہ یکدم بلوریں گلاس اٹھا کر اسے مارنے لگا تو شہزاد نے فوراً ہاتھ

تھام کر اسے روک دیا۔

"غلط کر تے ہو یار...... یہ شروع سے ہی ان لوگوں کا مزاج ہے۔ تو کیوں غصہ کرتا ہے۔"

"میں اس وقت بہت غصے میں ہوں ان کو کہو اپنی بکواس بند کریں نہیں تو یہاں سے دفع ہو جائیں ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"

"تمہارا زور صرف حسینوں کو پٹانے میں چلتا ہے...... مردوں والی کوئی صفت نہیں ہے تم میں سوائے اس کے کہ باپ کے پیسے پر عیاشی کرتے رہو۔"

امین کا سلگتا جملہ اسے مزید سلگا گیا تھا۔ شہزاد نے گھور کر امین کو دیکھا۔

"میں ہاشم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر کالج سے نکالا تو میں قیامت مچا دوں گا...... مجھے کیا کہا ہے ان لوگوں نے......" وہ بپھرا ہوا تھا۔

"ویسے قصور تمہارا ہے...... مٹی ڈالو ایسی لڑکی پر...... کیوں خوار ہو رہے ہو اس کے پیچھے۔ یوں سرعام بھری کینٹین میں اس کا راستہ روکو گے تو کوئی نہ کوئی اس کی حمایت میں آ ہی جائے گا نا......" شہزاد نے حقیقت پر مبنی تجزیہ پیش کیا۔

"ویسے بھی تمہیں کون سا لڑکیوں کی کمی ہے...... اس جیسی ایک چھوڑ دس تمہارے لیے......" کامران نے بھی اس کا حوصلہ بلند کرنا چاہا۔

"بشرطیکہ وہ اس جیسے کم عقل کو گھاس ڈال لیں تو......" امین اب بھی سلگانے سے باز نہ آیا تھا۔ امین کی یہ عادت تھی۔ معاملہ کسی کا بھی ہوتا وہ اسی طرح سلگاتا تھا۔ مگر آج اس کا دل کچھ زیادہ ہی ڈسٹرب تھا تو اسے یہ سب کچھ زیادہ ہی لگ رہا تھا۔

"بھئی ان لڑکیوں کا بھی ایک اسٹینڈرڈ ہے...... پیسہ کا کیا ہے کہیں سے بھی مل سکتا ہے۔ ہماری بھی تعلیمی بھرتی پڑی ہیں۔"

"اس کو یہاں سے دفع کرو۔ ورنہ میں چلا جاتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا تو شہزاد نے گھور کر امین کو دیکھا اور پھر اسے بٹھا لیا۔

"تمہارے والد صاحب کو اس صورتحال کا پتا ہے کیا؟" اس کے چہرے پر ملال کے نشانات بغور دیکھتے ہوئے اس نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں...... میں ابھی فکر کیا ہی نہیں اور اگر پتا چل بھی جائے تو کیا ہو جائے گا بھلا...... وہی کا تو وہی ہو میں چاہوں گا۔"

"تو پھر کالج چھوڑ دے گا؟"

"ہاں...... میرا دل وہاں اب نہیں لگتا...... میں نے زیادہ پڑھ کر بھی کیا لینا ہے۔ باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں جو بھی ہے سب کچھ میرا ہی تو ہے۔ کروڑوں کا بزنس بعد میں بھی میں نے ہی سنبھالنا ہے اور اب بھی تو پھر اب کیوں نہیں...... ویسے بھی یہ انسانیت کی خدمت والا کام ہم سے نہیں ہوتی۔"

"اچھا فیصلہ ہے...... خوامخواہ اتنے سال ضائع کیے تو نے۔ کسی آرٹس سبجیکٹ میں بی اے کر کے ماسٹر کر لیتا تو آج ہماری طرح تمہارے پاس بھی ڈگری ہوتی۔ خیر دیر آید درست آید......" شہزاد نے بھی اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ شہزاد اس کے گروپ میں تینتیس سے اوپر کی عمر کا تھا۔ گھر میں بیوی بچے تھے مگر فطرت نہیں بدلتی امین تیس کا تھا جبکہ کامران اس کا ہم عمر تھا۔ مگر شوق اور دلچسپیاں ایک ہونے کی وجہ سے سب دوست تھے۔

"تو ایسا کر اس لڑکی کو اٹھا لے......" امین نے بڑی سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

"کاش ایسا کر سکتا......" اس نے ایک گہری سانس بھری۔

"کیوں بھلا......؟ ہمارے لیے یہ کون سا مشکل کام ہے۔ اگر ایسی ہی وہ دو ٹکے کی لڑکی ہے تو اس کے لیے تمہیں اتنا خوار ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے چند دن پاس رکھنا دل بھر جائے تو کسی کے ہاتھ آگے ٹرانسفر کر دینا۔ نہ ہی ثبوت بچے گا نہ ہی کوئی مسئلہ ہوگا۔" کامران کا یہ مشورہ تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

"اب وہ اتنی بھی دو ٹکے کی نہیں ہے بڑی مضبوط بیک ہے ڈی آئی جی شاہ زیب حیات علی اسے اپنی بھتیجی شو کرواتے ہیں۔ بھلے وہ ان کے بھائی کی بیٹی نہیں ہے مگر ان کے گھر وہ ان کی بیٹی کی ہی طرح رہ رہی ہے۔ سیکیورٹی میں وہ کالج آتی اور جاتی ہے۔ ان کے گھر کے باہر گارڈ کھڑے ہیں۔ اندر کیمرے نصب ہیں۔ اور مصطفیٰ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں انتہائی اونچی پوسٹ پر بیٹھا یہ شخص اپنے باپ سے کئی گنا بڑھ کر چالاک ہے۔ اتنا آسان نہیں ہے یہ سب۔"

"تو پھر کوئی مار...... کیوں اپنے آپ کو ایک لڑکی کے پیچھے برباد کر رہے ہو۔" شہزاد خاصا جل کر بولا۔

"کاش کوئی ہی مار سکتا۔ لیکن میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ اسے ہر حال میں حاصل کر کے رہوں گا چاہے اب اپنا طریقہ کار ہی بدلنا پڑے۔" اس کے ارادے مصمم تھے۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"مثلاً کیا کرو گے۔"

"میں شادی کروں گا اور ساری عمر اسے اس طرح ستاؤں گا کہ وہ اپنے زخم چاٹتی پھرے گی سالی......" تمایا گالی بکتے ہوئے اس نے اپنے ارادے ظاہر کیے تھے۔

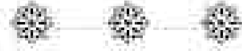
"زبردست...... چلو اچھی بات ہے۔ اگر وہ اتنی مضبوط ایک میں ہے تو تم پھر بھی کھائے کا سودا نہیں کرو گے پھر بھی تمہاری بہن کے سسرال میں اس کو اپنانے کا سب سے بہتر طریقہ ہے اس طرح تمہاری سسٹر کا گھر بھی محفوظ رہے گا۔" شہزاد کو اس کا ارادہ بہت پسند آیا تھا۔ اس نے فوراً سراہا بھی تھا۔

"کیا وہ لوگ تمہیں لڑکی دے دیں گے۔" امین نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر نہ بھی دیں تو بھی اور بہت سے طریقے ہیں...... اب یہ طے ہے کہ مجھے شادی اسی سے کرنی ہے۔" اس کا بے لچک انداز تھا۔

"ویل ڈن...... بیسٹ آف لک۔" کامران نے بھی سراہا تھا جبکہ امین نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھتے کندھے اچکا دیے تھے۔

اوریاز نے جان بوجھ کر اس کا انداز نظر انداز کر دیا تھا۔



وہ اپنی مخصوص اسپیڈ میں گاڑی ڈرائیو کرتا آ رہا تھا۔ آج وہ خلاف معمول لیٹ تھا۔ احسن عموماً میٹنگز وغیرہ اٹینڈ کرتا تھا مگر آج اسے جانا پڑ گیا تھا۔ نو بجے تک وہ فارغ ہوا تھا۔ گھر سے احسن اور بابا کے دو فون آ چکے تھے۔ وہ انہیں جلدی پہنچنے کی اطلاع دینے کے ساتھ ہی اسپیڈ سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ وہ سارا دن کی ازحد مصروفیت و تھکاوٹ کی وجہ سے اب خود بھی جلد از جلد گھر پہنچ کر آرام کرنا چاہتا تھا۔

رات کا وقت تھا اسی وجہ سے ٹریفک بھی کم تھا۔ ابھی وہ گھر سے کچھ فاصلے پر ہی تھا جب ایک تیز رفتار گاڑی کو سامنے سے آتے دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنی گاڑی کی اسپیڈ کم کی تھی۔ ون وے سڑک تھی ہارن دیتے اس نے سامنے والی گاڑی کے ڈرائیور کو متنبہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر لگتا تھا کہ اس گاڑی کا ڈرائیور بہرہ تھا گاڑی کی اسپیڈ کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گئی۔ ممکنہ حادثے سے ڈر کر ولید نے فوراً بریک پر پاؤں رکھا تھا مگر دیر ہو چکی تھی۔ سامنے سے آنے والی گاڑی لہرا کر اس کی گاڑی کے میر سے ٹکراتی لہراتی فٹ پاتھ پر چڑھ کر ایک طرف الٹ گئی تھی۔

ولید نے فوراً اپنا چہرہ نیچے جھکایا تھا مگر ایسا کرنے سے اس کا چہرہ تو ونڈ اسکرین کی تباہ کاریوں کی زد میں آنے سے بچ گیا تھا مگر ولید کو لگا جیسے اس کی گردن اور کندھے شیشے کی نوکوں سے چھل گئے ہیں۔ ونڈ اسکرین اور سائیڈ کی کھڑکی کا شیشہ بری طرح ٹوٹا تھا۔

حادثہ کافی شدید اور فوری تھا۔

اس نے اپنے حواس کو قابو کرتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا تو کئی ٹیسیں درد کی اسے اپنے کندھوں اور بائیں بازو کے ساتھ ساتھ گردن سے بھی اٹھتی محسوس ہوئیں۔

اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے احتیاط سے ٹکڑے پیچھے کرتے دروازے کو کھولا تھا۔ باہر آ کر اس نے دوسری گاڑی کو دیکھا۔ رات کے وقت ٹریفک اس سڑک پر نہ ہونے کے برابر تھی۔ کافی دیر بعد کوئی کوئی گاڑی گزر رہی تھی۔ اس نے گاڑی ٹکراتے ہوئے ایک بھرپور نسوانی چیخ سنی تھی جو یقیناً دوسری گاڑی سے برآمد ہوئی تھی۔ گاڑی جس طرح الٹی پڑی تھی لگتا تھا کہ گاڑی کے افراد خاصے زخمی ہوں گے اگر بچ بھی گئے تو یقیناً چوٹیں تو شدید نوعیت کی ہوں گی۔

وہ اپنے زخموں اور تکلیف کو بھلائے سرعت سے دوسری گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔ گاڑی سائیڈ سے الٹی ہوئی تھی۔ اس نے اس کے ٹوٹے شیشوں سے جھانکا تو گاڑی میں ایک نسوانی وجود کے علاوہ اسے کوئی اور نظر نہ آیا تھا۔ لڑکی ڈرائیونگ سیٹ پر تھی پتا نہیں زندہ بھی تھی کہ مر کھپ گئی تھی۔ خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔

ولید نے سوچا چپ چاپ اپنی خیر منائے اور نکل جائے مگر اس کا دل کسی کو یوں بے یار و مددگار چھوڑ کر جانے کو نہ چاہا۔ اس نے اپنی تمام قوت استعمال کر کے گاڑی کو دھکا لگایا تو وہ لڑکھڑاتی کچھ سیدھی ہوئی تھی اب گاڑی کا دروازہ کھل سکتا تھا اس نے زور سے دروازہ کھولتے اندر سر ڈالا۔

لڑکی کا بازو تھام کر دیکھا نبض چل رہی تھی۔ وہ یقیناً ابھی زندہ تھی بروقت طبی امداد سے وہ بچ بھی سکتی تھی اس نے اس کو دونوں بازوؤں کے حصار میں لے کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ خون اس قدر بہہ رہا تھا کہ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ مگر باہر زمین پر ڈالتے اس نے اندازہ لگایا کہ لڑکی نہ صرف خاصی خوب صورت تھی بلکہ جس طرح کا لباس وہ زیب تن کیے ہوئے تھی وہ خاصی ماڈ اور روشن خیال بھی تھی۔

اس کے برہنہ بازوؤں اور بے ہوش رہا وجود سے نگاہیں چراتے اس نے پھر گاڑی میں سر دیا تھا۔ دوسری سیٹ کے پیچھے پڑا ایک موبائل اور دوسری چیزیں اس نے اٹھا کر بیگ میں ڈالتے ہوئے گاڑی کی چابی بھی اگنیشن سے کھینچ لی تھی۔

لڑکی کو اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر منتقل کر کے اس نے اپنا کوٹ اتار کر اس کے وجود پر ڈال دیا تھا۔

نجانے کس گھرانے کس خاندان کی عزت تھی۔ اسے اپنے اعصاب سلگتے محسوس ہوئے اس کی نگاہوں میں ایک ڈھکا چھپا سراپا در آیا امریکہ جیسے روشن خیال معاشرے میں رہنے کے باوجود وشی

اپنی اقدار نہیں بھولی تھی مگر پلڑی اس نے سر جھٹکا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے کانچ کے ٹکڑے ہٹاتے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

سب سے پہلے اس لڑکی کو ہاسپٹل پہنچانے کا انتظام کرنا تھا۔ وقتی طور پر اسے اپنے زخم اور تکلیف بھول گئی تھی۔ انسانیت کے ناتے ایک بے بس موت کے منہ میں جاتے وجود کی مدد کرنا یہی سب کچھ تو بابا انہیں ساری عمر سکھاتے رہے تھے اور وہ بھلا ان کی تعلیمات کیسے فراموش کر دیتا۔

ہاسپٹل میں لڑکی کو اسٹریچر پر ڈالا اور ایمرجنسی روم میں فوراً منتقل کر دیا گیا تھا۔

"آپ لڑکی کے کیا لگتے ہیں؟" چند منٹ بعد نرس نے آ کر پوچھا تو وہ ٹھٹکا گیا۔

"کچھ بھی نہیں..... لڑکی کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور میں نے انسانیت کے ناتے اس کی مدد کی ہے۔" نرس نے مشکوک نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ جانتے ہیں یہ ایک پرائیویٹ ہاسپٹل ہے لاکھوں لگ جاتے ہیں علاج کے لیے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ آپ اس کے ہزبینڈ ہیں۔"

لڑکی کی ظاہری کنڈیشن بھی کھاتے پیتے گھرانے کی لگ رہی ہے۔ اس کی ٹریٹمنٹ پر آنے والے اخراجات بھلا کون افورڈ کرے گا اب..... "نرس کا انداز ہمدردی کی بجائے پیشہ ورانہ تھا۔ ولید کو تاسف سا ہوا۔ اس سے بہتر تو امریکہ کا معاشرہ تھا جہاں فوراً زخمی کو امداد تو دی جاتی ہے۔

"میں افورڈ کروں گا ظاہر ہے میں ہی لے کر آیا ہوں آپ بتائیں کیا چاہیے؟" اس نے تلخی سے کہا تو نرس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"فوری بلڈ کا بندوبست کرنا ہوگا۔ آپ کو ایک پرخلوص مشورہ ہے لڑکی کسی بڑے گھرانے کی لگ رہی ہے یہ نہ ہو کہ آپ محض جذبہ ہمدردی میں مارے جائیں۔ جتنی جلدی ہو سکے اس کے ورثا کو ڈھونڈیں کریں۔ کیونکہ لڑکی کی حالت خاصی تشویشناک ہے۔" وہ اسے مشورہ دے کر فوراً پھر ایمرجنسی روم میں گھس گئی تھی۔

اسے تشویش نے آ گھیرا تھا۔ اس نے اپنی سفید شرٹ پر ایک نگاہ ڈالی جو لڑکی کو اٹھانے سے خون سے رنگین ہو چکی تھی۔ وہ دوبارہ پارکنگ میں آیا گاڑی میں سے لڑکی کا بیگ نکال کر وہ واپس اندر آ گیا تھا۔

ایک سائڈ کرسی پر بیٹھ کر اس نے اس کا بیگ چیک کرنا شروع کیا تھا۔ بڑے سے جہازی سائز بیگ میں ہر چیز تھی جو عورتوں کو اپنے حسن کو نکھارنے کے لیے استعمال کرنا ہوتی ہے مگر نہیں تھا تو کوئی اس کا اتا پتا نہیں تھا۔ اس نے کوفت سے اس کا موبائل پکڑا۔ کنٹیکٹ لسٹ چیک کرنا شروع کی تھی۔

وہ ابھی موبائل چیک ہی کر رہا تھا کہ اچانک وہی نرس پھر باہر آئی تھی۔

"کچھ پتا چلا لڑکی کے ورثا کا.....؟"

"جی کوشش تو کر رہا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھیں فوری بلڈ چاہیے..... ہاسپٹل میں اس کے گروپ کا بلڈ دستیاب ہے اگر آپ ہر طرح کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں تو ٹریٹمنٹ دیا جا سکتا ہے ورنہ ایم سوری۔"

وہ نرس خالص اپنے بڑوں کی زبان بول رہی تھی۔ اس نے برہمی سے اسے دیکھا۔

"تو کیا آپ لوگ اس کے مرنے کا ویٹ کر رہے ہیں۔ اسے فوری ٹریٹمنٹ دیں۔ میں ہر طرح کی صورت حال کو قبول کرتے اس کی ذمہ داری قبول کر رہا ہوں۔ اور بحیثیت انسانیت ہر طرح کے ڈیوز بھی پے کرنے کو ریڈی ہوں۔ کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ کانٹیکٹ آپ یہاں کے ڈاکٹروں سے میری بات کروائیں۔ حیرت ہے کیسی بے حسی اور سفاکیت ہے؟ انسانیت نام کو نہیں..... گوشت پوست کا بنا انسان آخری ہچکیوں پر ہے اور آپ لوگوں کو اپنے فوائد کی پروا ہے..... وہ بائی گاڈ۔" وہ یکدم غصے میں آ کر تمام چیزیں صوفے پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

نرس فوراً اندر کی طرف بھاگ گئی اور دو منٹ بعد وہ ایک ڈاکٹر سے بات چیت کرتے مختلف پیپرز پر سائن کر رہا تھا۔ اس کی جیب میں جتنے روپے تھے وہ سب جمع کروا کر اس نے ان کو فی الحال مطمئن کر دیا تھا۔ باقی کچھ وقت مختلف چیزیں اور ادویات فراہم کرنے میں لگ گیا تھا۔

"کیا بنے گا اس ملک کا؟ یہ ڈاکٹر نہیں لٹیرے ہیں..... کیسے لوٹتے ہیں یہ لوگ مائی گاڈ....." اس کے لیے یہ صورت حال نئی نہیں تشویشناک بھی تھی۔ وہ غم و غصے سے ٹہلتا رہا تھا اور پھر ایک دم لیفٹ اینڈ رائٹ کرتے چونک گیا تھا۔ لڑکی کے بیگ کے پاس رکھا موبائل بج رہا تھا۔ اس نے فوراً موبائل اٹھایا تھا۔

"ماما....." نام دیکھ کر اس نے فوراً کال پک کی تھی۔

"ہیلو....." اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے جبکہ دوسری طرف نسوانی آواز میں کوئی بری طرح برس رہا تھا۔

"کہاں ہو تم..... ماما کو کچھ ہی ہو گیا ہو رہا ہے بائی گاڈ رات کے بارہ بج رہے ہیں اور تمہارا کہیں نام و نشان نہیں..... ماما پریشان ہو رہی ہیں فوری گھر پہنچو....." جانے کس قسم کی افتاد تھی اس کا ہیلو

سے بغیر ایکدم اسٹارٹ ہوئی تھی اور اپنی بات سنا کر کھٹاک سے فون بند کر دیا گیا تھا۔

''یا اللہ۔۔۔۔۔''

ولید نے گھور کر موبائل کو دیکھا اور پھر آنے والی کال پر ریڈائل کر دیا۔

چند بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی مگر انداز ہنوز پھاڑ کھانے والا تھا۔ اس کی سنے بغیر وہ پھر ''چلتی کا نام گاڑی'' کی مانند فل اسپیڈ سے بول رہی تھی۔

''اب کیا تکلیف ہے۔۔۔۔۔ میری نیند سخت خراب ہوئی ہے صرف تمہاری وجہ سے۔ اور ماما انہیں بھی چین نہیں ہر دو منٹ بعد انہیں تمہارے درد اٹھ رہے ہیں۔ خدا کے واسطے اب یا ایکسکیوز مجھے پیش کرنے کی بجائے ماما کو پیش کرنا۔۔۔۔۔ میں تنگ آ چکی ہوں تمہاری طرف سے بہانے بنا بنا کر۔۔۔۔۔ آج پھر اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ رات بھر کا کسی ہوٹل میں پروگرام ہے تمہارا۔۔۔۔۔''

ولید سن کر ہی پسینوں پسینے ہو گیا تھا۔ وہ تو صرف ہاسپٹل کے عملے کی بے حسی پر کڑھ رہا تھا یہاں تو حقیقی رشتوں میں بے حسی تھی۔ کیسی بے پروائی تھی اور کیا انداز تھا؟

''دیکھیے میم! آپ مجھے بھی کچھ بولنے کا موقع دیں تو عرض کروں کچھ۔۔۔۔۔'' اس سے پہلے کہ وہ کال بند کرتی اس نے فوراً بات کاٹ کر کہا تو دوسری طرف اجنبی مردانہ آواز سن کر ایک پل کو خاموشی چھا گئی تھی اور پھر شروع ہو گئی تھی۔

''خبردار تم اس کی حمایت میں کچھ بولے تو۔۔۔۔۔ میں جانتی ہوں تم لڑکوں کو۔۔۔۔۔ دولت اور حسن دیکھ کر رال ٹپکنے لگتی ہے تمہاری۔۔۔۔۔ اور وہ بھی اتنی کم عقل اور بے وقوف ہے کہ اپنا اسٹینڈرڈ تک نہیں دیکھتی۔ ایسے لوفر ٹائپ تم جیسے دو ٹکے کے لڑکوں کی ڈیمانڈ اور اوقات میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں مسٹر۔۔۔۔۔''

اس عورت کی گفتگو ایسی جاہلانہ اور گھٹیا تھی کہ وہ ایکدم اشتعال میں آ گیا تھا۔

''اوہ۔۔۔۔۔ یو شٹ اپ۔۔۔۔۔'' وہ ایکدم بولا تھا دوسری طرف ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔

''آپ کو صرف یہ اطلاع دینی ہے کہ یہ جس محترمہ کا بھی نمبر ہے وہ اس وقت ایکسیڈنٹ کی وجہ سے زندگی و موت کی جنگ لڑ رہی ہیں۔ اگر آپ کی رشتہ دار ہیں تو رابطہ کر لیجیے گا۔۔۔۔۔ شکریہ۔'' موبائل بند کر کے اس نے بیزار ہو کر صوفے پر پھینک دیا اور اس عورت کے الفاظ پر اسے ابھی تک اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''مائی گاڈ۔۔۔۔۔ کیسے عجیب لوگ ہیں کیا عورت ذات اتنا گھٹیا پن بھی کر سکتی ہے اور وہ بھی مسلمان عورت؟'' وہ سوچ سوچ کر سلگ رہا تھا۔

موبائل ایک دفعہ پھر بجنا شروع ہو چکا تھا اس نے بے دلی سے بجتے موبائل کو دیکھا۔ وہ اب جلد از جلد اس مصیبت سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا دل تو چاہا کہ ایسی بد اخلاق عورت سے بات کرنے کی بجائے موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔

اس نے اپنے اشتعال پر قابو پاتے موبائل اٹھایا آن کرتے خاموشی سے کان سے لگا لیا۔

''میں کاشف کی سسٹر بول رہی ہوں۔۔۔۔۔ آپ نے چند پل پہلے جو اطلاع دی ہے کیا وہ درست ہے؟'' لڑکی کا نام یقیناً کاشف تھا۔

''یس۔۔۔۔۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''اگر یہ آپ کی سسٹر کا نمبر ہے تو ان کا بیگ اور گاڑی کی چابی اس وقت میرے پاس ہے۔۔۔۔۔ ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اور میری بدقسمتی کہ میں انہیں انسانیت کے ناتے ہاسپٹل لے آیا اور اب ان کی سزا بھگت رہا ہوں۔ وہ اس وقت ایمرجنسی میں ہیں۔۔۔۔۔ گاڑی بری طرح ڈیمج ہوئی ہے اگر میں بروقت انہیں ہاسپٹل نہ پہنچاتا تو وہ اب تک مر چکی ہوتیں۔'' اس نے سنجیدہ دو ٹوک انداز میں اطلاع دی تھی۔

''مائی گاڈ۔''

''ایکسیڈنٹ کیسے ہوا۔۔۔۔۔ اور وہ خیریت سے تو ہیں۔۔۔۔۔؟'' اب کے وہ لڑکی خاصی پریشانی سے پوچھ رہی تھی اس کی پریشانی محسوس کرتے وہ بھی تھوڑا اسا دھیما پڑ گیا۔

''شاید گاڑی کی بریک فیل ہو گئی تھیں۔ گاڑی کے انداز سے تو یہی لگتا ہے۔ اور وہ اس وقت ایمرجنسی میں ہیں۔ ڈاکٹر اس کی زندگی بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''کون سے ہاسپٹل میں ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھی اس نے ہاسپٹل کا نام بتا کر کال ڈس کنیکٹ کر دی تھی۔

کوئی آدھ گھنٹے بعد ایک مرد عورت اور لڑکی پریشان گھبرائے ہوئے آتے دکھائی دیے تھے۔ یقیناً وہ ریسیپشن سے اس کے متعلق ہی پوچھ کر آئے تھے۔

وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''میں کاشف کا والد اور یہ اس کی والدہ اور بہن ہیں۔'' آدمی نے آگے بڑھ کر تعارف کروایا تھا۔ فارمیلٹی کے طور پر اس نے ان سے ہاتھ ملاتے حادثے کی وجہ صورت اور اب تک کی تمام تفصیلات

بتا تے ڈاکٹرز کے رویے بھی بتاد یے تھے۔

عبدالقیوم صاحب آتے ہی مختلف ڈاکٹرز اور اسٹاف سے رابطے میں لگ گئے تھے اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد ہی جیسے سارے ہاسپٹل کا اسٹاف ورنمل ایک جگہ سمٹ آیا تھا۔ ولید خاموشی سے کارکردگی دیکھ رہا تھا۔

وہ ڈاکٹرز جو بمشکل لڑکی کو ٹریٹمنٹ دے رہے تھے اب بڑی جانفشانی سے لڑکی کو ہینڈل کر رہے تھے۔

ایک بجے کے قریب ڈاکٹرز نے بتایا کہ لڑکی کی کنڈیشن بہتر ہے اور اب خطرے سے باہر ہے تو اس نے بے اختیار تشکر کا سانس لیا تھا۔

''تھینک گاڈ......اوکے عبدالقیوم صاحب اب مجھے اجازت دیجیے میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے آپ کی بیٹی کو اللہ شفا دے اور ہدایت بھی لمبی زندگی دے۔'' اس نے دل سے دعا دی تھی۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹا! تم نے میری بیٹی کو دوسرے لوگوں کی طرح فٹ پاتھ پر پڑا رہنے نہ دیا......تمہاری بروقت مدد سے وہ بچ گئی ہے۔'' وہ تشکر سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے گویا تھے اور پہلی بار شاید اسے غور سے دیکھا تھا۔

ہاسپٹل میں رات کے وقت وہ اسے دیکھ کر ایک پل کو چونک گئے تھے۔

یہ چہرہ نیا انداز یہ لب و لہجہ وہ بری طرح کھٹکے تھے۔

''ایسی کوئی بات نہیں بحیثیت انسان یہ تو میرا فرض تھا ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو بھی میں اس کی مدد کرتا اور اپنے تمام سورسز استعمال کرتا اس کی جان بچانے کے لیے......'' وہ بغیر پلکیں جھپکائے اس کے روشن خوبرو وجاہت حسین وجمیل چہرے کو تک رہے تھے۔

''کیا نام ہے بیٹا؟'' اپنے کسی خیال سے چونک کر انہوں نے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

اپنی وجاہت سے تو وہ خود بھی باخبر تھا اکثر لوگ اسے دیکھ کر اسی طرح مبہوت رہ جاتے تھے خصوصاً لڑکیاں تو مرتی تھیں۔

''جی ولید ضیا احمد۔''

''اوہ......'' وہ ایکدم بے چین ہوئے تھے اپنے ذہن کو جھٹکتے وہ مسکرائے تھے۔

''تھینک یو بیٹا......تم اب یہیں ہو تم جا کر آرام کرو۔''

ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھے دوسرا اس کے ہاتھ میں ڈالے وہ بہت محبت و شفقت سے کہہ رہے تھے۔ یہ ان کا خاص انداز تھا کسی کو اپنا گرویدہ بنانے کا......ولید قدرے متاثر ہوا۔

''اور تم بھی شاید زخمی ہو......'' اس کی گردن پر نظر ڈالتے قمیص رنگین دیکھ کر وہ تشویش سے بولے تھے۔ ولید مسکرا دیا۔

''نہیں انکل بس ہلکے سے زخم اور خراشیں ہیں ڈونٹ وری۔''

''کسی ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں۔ بینڈیج تو ضرور ہونی چاہیے۔'' گردن پر ہاتھ رکھ کر زخم دیکھتے وہ کہہ رہے تھے۔ ان کا لہجہ پرشفقت ہی نہیں پر تشویش بھی تھا۔

''جی ضرور کرواتا مگر کیا کروں خاصا لیٹ ہو چکا ہوں گھر والوں کے کئی فون آ چکے ہیں اور دوست کے پاس ٹھہر جانے کے بہانے بنا بنا کر اب میں بھی تھک چکا ہوں۔ میں ان شاء اللہ صبح چکر لگاؤں گا۔ یہ کارڈ رکھ لیں کسی بھی سلسلے میں ضرورت ہو تو کال کر لیجیے گا۔ چونکہ یہ ایکسیڈنٹ کا کیس تھا تو کاغذی کارروائی پر میرے ہی دستخط ہیں۔ کوئی پریشانی ہو تو بتا دیجیے گا۔'' عادلہ اپنی ماں کو لیے ساتھ کے صوفوں پر ٹک گئی تھی۔ ولید نے انہیں کار کی چابی بیگ اور موبائل تھما دیا تھا۔

اور پھر وہ ان لوگوں کو خدا حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

''بڑا نیک اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔'' عبدالقیوم صاحب نے اپنی بیگم کو دیکھ کر کہا۔

''کسی نیک اور سلجھے ہوئے گھرانے کا لگتا ہے۔'' بیگم نے بھی تائید کی تھی۔ اور عادلہ بھی قائل ہوئی کہ اس نے ایک دفعہ بھی تو سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔

یہ اس کی شرافت کی گواہی ہی تو تھی۔

عبدالقیوم صاحب ہاتھ میں پکڑا کارڈ جیب میں ڈالتے نڈھال سے انداز میں صوفے پر ٹک گئے تھے۔

❁ ❁ ❁

اسٹڈی کے دوران اسے کافی کی شدید طلب ہوئی۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے روشی اور ولید کی ہدایت کی وجہ سے کافی پینے سے احتیاط برت رہی تھی مگر آج طلب بڑھتے دیکھ کر وہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر باہر نکل آئی تھی۔ ارادہ اس کا کچن کی طرف جانے کا تھا مگر لاؤنج سے ٹی وی کی آواز آتے دیکھ کر وہ ادھر چلی آئی۔
روشی اپنی جمائیاں روکے ٹی وی دیکھتی صوفے پر نیم دراز تھی۔
اس نے وال کلاک کی طرف نگاہ کی۔
رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔
"تم سوئی نہیں روشی؟" وہ اس کے پاس ہی صوفے پر آ بیٹھی منہ پر ہاتھ رکھے جمائی روکتے وہ اٹھ بیٹھی...... نیند سے اس کا برا حال تھا۔ آنکھوں کے ڈورے نیند کی وجہ سے سرخ ہو رہے تھے۔ وہ اس وقت اس حالت میں نہایت پرکشش لگ رہی تھی۔
"ولید بھائی کا ویٹ کر رہی ہوں۔" اپنے جاگنے کی وجہ بیان کی تو وہ چونکی۔
"کیا وہ ابھی تک نہیں لوٹا۔" نہایت حیرت و استعجاب سے پوچھا۔
"نہیں...... میں نے ایک گھنٹہ پہلے کال کی تھی تو کہہ رہے تھے کہ دوست کے پاس ہوں۔ لیٹ ہو جاؤں گا۔ اور اس کے بعد مسلسل خاموشی ہے۔ میں نے کئی بار کال کی ہے مگر وہ اٹینڈ نہیں کر رہے۔"
"لاؤ دو موبائل میں کال کرتی ہوں۔" اس نے روشی کے ہاتھ سے اس کا موبائل لے کر نمبر ملایا۔ بجائے اس کے کہ کال ریسیو کی جاتی فوراً کاٹ دی گئی۔
"کاٹ دی نا؟" روشی اس کے ہاتھ سے موبائل کھینچ کر لینے پر گویا ہوئی۔ اس نے سر ہلا دیا۔
"آپ کدھر ہیں...... اور اب تک گھر نہیں آئے؟" اس نے دوبارہ میسج سینڈ کیا جس کا Reply فوراً مل گیا تھا۔
"میں دوست کے ساتھ ہوں...... ڈونٹ وری...... کچھ لیٹ ہو جاؤں گا...... تم آرام سے جا کر سو جاؤ۔"
میسج پڑھ کر اس نے گہری سانس لیتے روشی کو موبائل تھما دیا تھا۔
"ولی بھائی کا ایسا کون سا دوست ہے جو اتنی رات کو باہر ہیں ابھی تک؟" وہ روشی کو دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔
"کافی پیو گی؟"
"نہیں پہلے ہی نیند سے برا حال ہے۔ اس ٹائم کافی پی کر اپنی نیند خراب نہیں کرنی......" اس کے ساتھ وہ بھی کھڑی ہو گئی تھی۔
"میں سونے جا رہی ہوں اور تم بھی کافی کو چھوڑ کر سونے کی کوشش کرو۔"
"تم چلو میں تمہارے کمرے میں ہی کافی بنا کر آتی ہوں۔"
کچن میں آ کر اس نے اپنے لیے کافی بنائی تھی۔ مگ لیے وہ روشی کے کمرے میں آئی تو وہ محترمہ بستر پر دراز نیند میں تھی۔
"روشی۔" اس کے پاس ہی بیٹھ کر اسے جھنجھوڑا۔
"کیا ہے؟" نیند سے مندی مندی آنکھیں کیسی سحر طراز تھیں۔ اسے ٹوٹ کر روشی پر پیار آیا۔
"تمہیں شہوار کے گھر جا کر کیسا لگا؟" روشی کے ساتھ واپسی پر ڈرائیور کی وجہ سے شہوار والے معاملے پر زیادہ بات چیت نہ ہوئی تھی۔ گھر آ کر ٹائم ہی نہیں ملا تھا کہ وہ دونوں آرام سے بیٹھ کر اس موضوع پر ڈسکشن کرتیں۔
"اچھا لگا...... بلکہ بہت اچھا مگر یار یہ کون سا وقت ہے ان لوگوں کو ڈسکس کرنے کا۔ صبح نہیں ہونی کیا؟" اس کا نیند سے برا حال تھا۔ وہ مسکرا دی۔
"اٹھ کر بیٹھ جاؤ...... ورنہ میں یہ کافی کا بھرا مگ تمہارے اوپر انڈیل دوں گی۔ مجھے نیند نہیں آ رہی اور تمہاری سزا یہ ہے کہ تم بھی میرے ساتھ جاگو گی۔" روشی نے بڑی بڑی آنکھوں سے اسے گھورا اور اسے مسکراتے ہوئے کافی کی چسکیاں بھرتے دیکھ کر کلسی۔
"دفع ہو جاؤ...... اپنے کمرے میں جا کر مرو...... لے کر میری نیند خراب کر رہی ہو۔ پہلے ولی بھائی کی وجہ سے اب تمہاری وجہ سے...... میں پھوپو کو شکایت کروں گی تمہارا اب کوئی پکا بندوبست کریں...... تمہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تمہارے لیے تمہارے ساتھ جاگنے والا ایک انسان ڈھونڈیں اب......" روشی کے الفاظ پر اس کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا تھا۔ شرم سے اس کے گلنار رخساروں پر

پلکوں کا رقص بڑا دلکش تھا۔ وہ یکلخت شپٹا کر رہ گئی۔

"بکواس مت کرو......" اس نے ڈپٹا تھا وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ نیند سے اٹی ہنسی...... ماحول میں ارتعاش سا بکھر گیا۔

"بکواس نہیں حقیقت میں اب ایسا ہی کروں گی اب اگر تم نے میری نیند خراب کی تو...... اچھا ہے تمہیں بھی لگام ڈالنے والا کوئی ہونا چاہیے۔ جس کے سامنے تمہاری بولتی بند ہو۔ وہ تمہاری راتوں کو اپنے وجود کی قربتوں سے منور کرے پھر تمہیں جاگنے کا مزہ آئے گا۔" روشی نے گویا اگلے پچھلے سارے حساب چکائے تھے وہ ایک دم شرم سے کٹ کر رہ گئی۔ خجالت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر اس کے کندھے پر مارا وہ ہائے وائے کرتے کراہ کر رہ گئی۔

"بہت چلتی ہے تمہاری زبان...... لگتا ہے احسن بھائی زیادہ ہی تنگ کرنے لگے ہیں تمہیں...... ویسے انہیں شرم آنی چاہیے شادی سے پہلے ان کی یہ حرکتیں...... ماما سے شکایت کروں گی......" روشی اس کی دھمکی پر یکلخت ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی انا نے بے ساختہ اپنی مسکراہٹ ہونٹوں تلے روکی۔

"خبردار جو پھوپو کو کچھ کہا بھی تو...... ایسی کوئی بات نہیں میری تو کبھی احسن سے ایک دو لفظوں سے زیادہ بات چیت ہی نہیں ہوئی۔" وہ گھبرا کر صفائی پیش کر رہی تھی وہ کھل کر ہنس دی۔

روشی نے ایک زوردار دھموکا اسے جڑ دیا۔

"بہت بری ہو تم؟" وہ منہ پھلا کر کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

"انا شہوار کے ساتھ کیا پرابلم ہے؟ وہ کس شخص کی بات کر رہی تھی کالج میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہے؟" کچھ دیر بعد یاد آنے پر وہ اس کی طرف رخ کیے پوچھ رہی تھی۔ انا فوراً سنجیدہ ہو گئی۔

"بس ہے ایک شخص پورے کالج کے لیے ناسور تقریباً کالج کی تمام لڑکیاں اس سے نفرت اور دور بھاگتی ہیں۔"

"اس کا شہوار سے کیا تعلق ہے؟" کیا یک انا احساس تھا کہ انا سوچنے لگی کہ بات کہاں سے شروع کرے۔

"اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں......" اس نے خاصی حقارت سے کہا۔

اور پھر چیدہ چیدہ مختصر الفاظ میں اسے تمام پچھلی باتوں کے ہمراہ موجودہ صورت حال سمیت سب بتا دیا۔ روشی کو یہ سب سن کر بہت دکھ ہوا۔

"ویری سیڈ۔"

"ویسے وہ لوگ بہت اچھے پر خلوص اور ملنسار ہیں شہوار کے لیے تو بہت مخلص ہیں۔"

"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا اس کی ساری شوخی و شرارت ہوا ہو گئی تھی۔ اسے رہ رہ کر شہوار کا حزن و ملال میں ڈوبا چہرہ یاد آ رہا تھا۔

"ایسے لڑکے کے لیے تو کڑی سے کڑی سزا بھی کم ہے۔ تم فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" روشی تبصرہ کرتے کرتے انا کی افسردگی دیکھ کر رک گئی۔

"ولی بھائی بھی کتنے بے پرواہ ہو گئے ہیں...... اب تو آ جانا چاہیے تھا انہیں۔"

وال کلاک کی طرف دیکھا تو ساڑھے ایک ہو رہا تھا۔ انا کا بھی دھیان جھٹکا۔ روشی پھر لیٹ گئی تھی۔ انا کی توجہ ولید کی طرف ہو گئی۔

"تمہیں تو نیند آنے والی نہیں اب...... میں سو رہی ہوں تم ولی بھائی کا انتظار کر لینا۔ وہ آ گئیں تو کھانا وغیرہ پوچھ لینا پلیز......" نیند سے بھری آنکھیں اس نے پھر بند کر لی تھیں۔ وہ روشی کے پہلو پر بیٹھی چند منٹ کچھ سوچتی رہی اور پھر اٹھ کر باہر ٹیرس پر آ نکلی۔

ڈیڑھ بجے کے قریب گاڑی کے ہارن کی آواز پر وہ چونکی۔

شاید ولید آ گیا تھا۔

وہ سیدھی ہو کر گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ چوکیدار اپنے کمرے سے نکل کر گیٹ کی طرف جا رہا تھا...... ولید گاڑی اندر لے آیا تھا۔ سارا لان اور ارد گرد کا سارا ماحول گہرے تاریک اندھیرے میں غرق تھا وہ اپنی گاڑی سے نکل کر چوکیدار کو نجانے کیا کہہ رہا تھا۔ چوکیدار صرف سر ہلا رہا تھا اور پھر ولید اپنے والے پورشن کی طرف چلا آیا تھا۔

ولید کا کمرا روشی کے کمرے کے ساتھ ہی تھا۔

وہ جیسے ہی سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا تھا سامنے ہی ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ لگی انا کو دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" دراصل اسے یقین تھا کہ روشی کے علاوہ سب ہی سو چکے ہوں گے اور روشی کو بھی اس نے میسج کر کے سونے کا کہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ واقعی سو گئی ہوگی۔ وہ اس کی کچی نیند کے بارے میں اچھی طرح آگاہ تھا۔ مگر روشی کی جگہ انا کو چوکیداری کرتے دیکھ کر چپ ہو گیا تھا۔

ہما تو حیران وششدر سی آنکھیں پھاڑے ولید کی خون آلود شرٹ کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ خون کیسا ہے......؟ ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے کیا؟" حیرت کے سمندر سے نکلتے ہی بہت گھبرا کر نہایت خوفزدہ وہ اس کے قریب آ کر پوچھ رہی تھی وہ جواب دینے کی بجائے کمرے میں چلا گیا تھا۔

ہما بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"ک......کیسے ہوا ہے ایکسیڈنٹ......؟" وہ لاکھ بہادر سہی ایک مستقبل کی لائق فائق ڈاکٹر سہی مگر ولید کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہونے کو تھے۔ ولید نے ہاتھ میں تھاما بیگ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا میں ٹھیک ہوں۔" اس کی بے پناہ گھبراہٹ اور پریشانی دیکھ کر اس نے تسلی دینا چاہی تھی۔

"تو پھر یہ......؟" اس نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتے اس کی خون آلود شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"کچھ نہیں یار! بس کسی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا تو اس کو ہاسپٹل پہنچاتے یہ حالت ہوگئی۔" لفظ ایکسیڈنٹ سن کر ہی ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں وہ تو پھر اس قدر خون آلود شرٹ دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ وہ ایکدم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں نا؟" اس کی آنکھوں میں آنسو سمٹ آئے تھے "سچ سچ بتائیں......کیا ہوا ہے؟" ولید نے خاصا چونک کر اسے دیکھا۔

"ٹھنڈ رکھو یار......اور میں جھوٹ کیوں بولوں گا۔ بس چند خراشوں کے سوا میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ اس کی کیفیت سے خاصا متاثر ہوا تھا۔ دھیمے سے اس کا رخسار تھپتھپا کر اسے ریلیکس کرنا چاہا مگر وہ خون سے بھری شرٹ کو دیکھ کر کچھ بھی ماننے کو تیار نہ تھی۔

ساری شرٹ خون آلود تھی یقیناً کوئی بڑی بات ہوئی ہوگی۔

"میں ماموں اور ماما کو بتاتی ہوں۔" صورت حال کا اندازہ لگاتے اس کا ہاتھ چھوڑ کر باہر نکلنے والی تھی۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو نا......" ولید نے ایکدم اس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا تھا۔

"آپ زخمی ہیں نا......؟" اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف وہراس تھا وہ محسوس کرتے کچھ الجھ سا گیا۔

"ہاں مگر اتنا زیادہ نہیں جتنا تم سوچ رہی ہو......چند ایک چھوٹی خراشیں گردن بازو اور کندھوں پر آئی ہیں......تم تو میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو......بہت کمزور اعصاب کی مالک ہو تم تو؟" اسے ڈپٹ کر آخر میں اس نے جتایا تو وہ خجل سی ہوگئی مگر وہ کیا کرتی کسی اپنے کو خون آلود حالت میں دیکھ کر دل پر کیا بیتتی ہے یہ زندگی کا فرسٹ اور حیران کن ایکسپیرینس تھا۔ مریض کو تو وہ اکثر دیکھتی ہی رہتی تھی بلکہ عادی تھی۔

"آپ نے بینڈیج کروائی؟" وہ مسلسل تھانیداروں کی طرح کھڑی تفتیش کر رہی تھی۔ ولید جو پہلے ہی اعصاب شکن تھکاوٹ کا شکار تھا اوپر سے ایکسیڈنٹ نے رہی سہی طاقت سلب کر لی تھی۔ گردن اور کندھوں سے اٹھنے والی ٹیسیں بڑی تکلیف دہ تھیں۔ وہ آرام سے بستر پر بیٹھ کر پاؤں کو جوتوں سے آزاد کرنے لگا تھا۔

ہما نے دیکھا اس کی گردن بھی زخمی تھی۔ جس کی وجہ سے خون بہنے سے شرٹ کا پچھلا حصہ بھی خون آلود ہو چکا تھا۔

"آپ گھر کیوں آئے......ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں گئے؟" وہ چیخی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہما پلیز! میں چینج کرنا چاہتا ہوں پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می۔" اس کے ان الفاظ نے اس کے دل پر بری طرح چوٹ لگائی تھی۔ اس کے آنسو بے اختیار تھے۔

"مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر آپ کی تکلیف کے احساس سے میرا دل بند ہو جائے گا۔" وہ شدت سے رو دی تھی جبکہ ولید اس ردعمل پر حیران رہ گیا تھا۔

وہ اچھی خاصی میچور لڑکی تھی اس جذباتیت کی اس سے توقع تو نہ تھی۔ ولید کو تو لینے کے دینے پڑ گئے تھے فوراً اٹھ کر اس کے قریب ہوا تھا۔

"مائی گاڈ......یہ کیا طریقہ ہے یار......؟ ڈونٹ وری آئی ایم آل رائٹ۔" تسلی دینے کو اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا مگر وہ تو بے اختیار اس کے قریب ہوتے اس کے کندھے پر پیشانی ٹکاتے رو دی تھی۔ اور یہ سب کچھ اس قدر اچانک تھا کہ ولید بھی اپنی جگہ ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔

"آپ کو کچھ بھی ہوا تو بائی گاڈ میں مر جاؤں گی۔" پتا نہیں وہ حواس میں تھی یا نہیں ولید تو تڑپ کر پیچھے ہوا تھا۔ جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

نہ ہی وہ کوئی نا سمجھ بچہ تھا اور نہ ہی ہما کے الفاظ غیر واضح تھے۔

تو پھر......اس کا یوں رونا......ری ایکٹ کرنا......اور اب بھی وہ اپنے الفاظ کا احساس کیے بغیر ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

"ہما ڈونٹ بی سلی! یہ کیا بیوقوفی ہے یار۔" وہ جھنجلا کر کہہ رہا تھا۔ "تم اچھی خاصی میچور لڑکی ہو......میڈیکل کے فورتھ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہو کر ایسا ری ایکشن حیرت ہے۔ ذرا سا خون دیکھ کر تمہاری یہ

حالت ہے اگر کسی دن خون میں لت پت وجود کو ٹریٹمنٹ دینے کی ضرورت پڑ گئی تو پھر؟" وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"ایم سوری...." اپنی جذباتیت پر خود بھی گھبرا کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ولید نے خاموشی سے اس کی بھیگی نگاہوں سے نظریں چرا لیں۔

ایکدم دل کو کچھ ہوا تھا۔

"فرسٹ ایڈ باکس لے کر آؤ ہری اپ۔" الماری کی طرف بڑھتے اس نے اس کے وجود کو سامنے سے ہٹانا چاہا تھا۔ بڑا سا دوپٹہ لیے جس کا ایک پلو سر پر تھا اس کے سامنے کھڑی روتی آنسو بہاتی اسے عجیب سے احساسات سے دوچار کر گئی تھی۔ اما نے کچن میں آ کر فرسٹ ایڈ باکس نکالا۔

اپنی کیفیت اس کے اپنے لیے بھی بڑی پریشان کن تھی اور اس کے قطعی اختیار سے باہر بھی۔

وہ جتنا بھی خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتی مگر وہ اپنے احساسات وجذبات کے سامنے قطعی بے بس تھی۔

بعض احساسات وجذبات فطری ہوتے اور واقعے کو مدنظر رکھتے انسان کے اندر سے لڈتے ہیں یوں کہ اسے خود بھی اندازہ نہیں ہو پاتا کہ وہ کس قسم کی جذباتیت کا مظاہرہ کر رہا ہے یا سامنے والے انسان پر اس کی جذباتیت کس طرح اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس وقت وہ بھی کچھ ایسی ہی چویشن سے دوچار تھی۔ وہ صرف جذبات کے تابع تھی۔

وہ فرسٹ ایڈ باکس لیے واپس کمرے میں آئی تو وہ چینج کر چکا تھا۔ جسم پر بنیان اور ٹراؤزر تھا۔ کندھوں پر وہ تاول ڈالے جیسے اس کا ہی منتظر تھا۔

اب گردن اور بازوؤں کے زخم خاصی تکلیف دے رہے تھے۔ جنہیں وہ مسلسل معمولی خراشیں اور ٹیسیں کہہ کر نظر انداز کر رہا تھا۔ اس نے لب بھینچ رکھے تھے۔

"میں بینڈیج کراؤں کا تم جاؤ اب....." اس کے ہاتھ سے باکس لے کر وہ کھول رہا تھا جبکہ وہ خاموشی سے اس کی گردن اور بازو کے زخم کو تاسف آمیز تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ خود کیسے کریں گے.....؟ بہتر تھا کہ ہاسپٹل سے ہی کروا کر آتے۔" "میرے آپ کو اما سنبھال چکی تھی باکس سے روئی اور ڈیٹول لے کر ولید کی سوالیہ نظروں کو نظر انداز کرتی اس کی سائیڈ پر آ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے میں کچھ پل قبل ایک کمزور ڈاکٹر ثابت ہوئی ہوں مگر اب کی بار آپ کو ناکامی نہیں ہوگی۔ اب میں اتنی بھی اناڑی نہیں ہوں۔"

مسکرا کر کہتے اس وقت وہ کسی بھی صورت حال کو ذہن میں جگہ دیے بغیر صرف جذبۂ ہمدردی کے تحت یہ سب کرنے پر مجبور تھی شاید اس کے پیشہ وارانہ ڈاکٹری کے جذبات ابھر آئے تھے۔ یا پھر وہ اپنے احساسات وجذبات کے سامنے قطعی بے بس تھی۔

ولید بھی شاید اس کے احساسات سمجھ گیا تھا اس نے دوبارہ ٹوکا نہیں تھا۔

"آپ ادھر چیئر پر آ کر بیٹھ جائیں۔" ولید بستر کے کنارے سے اٹھ کر چیئر پر آ بیٹھا تھا جو اس نے اسٹڈی ٹیبل کے سامنے سے اٹھا کر ڈریسنگ کے سامنے رکھی تھی۔

وہ تاول ہٹا کر اس کی گردن سے بڑی احتیاط سے چپکا کانچ صاف کر رہی تھی۔

"کب ایکسیڈنٹ ہوا تھا؟" وہ نظریں اپنے پاؤں پر جمائے اس کے زخم وکرم پر تھا اس کے سوال پر نظریں اٹھا کر مرر میں اسے دیکھا وہ مکمل توجہ اس کی گردن کی طرف کیے روئی اور ڈیٹول کی مدد سے گردن سے خون کے ساتھ ساتھ شیشے کی کرچیاں بھی چن رہی تھی۔

"شاید نو بجے کی ٹائمنگ تھی۔"

"بلکہ تب سے اب تک آپ اسی حالت میں گھومتے پھر رہے ہیں؟" اس نے حیران ہو کر ولید کے چہرے کی طرف دیکھا جو جھکا ہوا تھا وہ اس کے تاثرات ملاحظہ نہ کر سکی تھی۔

"ہمت ہے آپ کی جس طرح کانچ گردن کی کھال میں گھس گئے ہیں تکلیف تو ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔" کمرے میں پڑا جگ اٹھا کر وہ واش روم میں گھس گئی تھی پانی بھر کر لا کر ڈیٹول کے چند قطرے ڈال کر اس نے پہلے تو اس کے تاول سے کانچ اور جما ہوا خون صاف کیا اور پھر جہاں زخم گہرا تھا وہاں آئنمنٹ لگا کر اس نے پٹی کر دی تھی۔ دائیں بازو دائیں کندھے اور گردن کا پچھلا حصہ دائیں طرف سے زیادہ متاثر ہوا تھا باقی تو خراشیں ہی تھیں صرف۔ مرہم پٹی کر کے اس نے جھک کر باکس میں تمام چیزیں ڈالی تھیں اور پھر تمام چیزیں سمیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کھانا کھائیں گے؟" اس کے سوال پر ولید کو شدید بھوک کا احساس ہوا جو بھاگ دوڑ میں کہیں رفو چکر ہو چکا تھا۔

"تم نے وہ پہلے ہی بہت خدمت کر لی ہے میری..... آج تو نیم حکیم جی کو بھی مجھے تختۂ مشق بنانے کا موقع مل گیا ہے۔ پہلے تو تمہاری ڈاکٹری کی زد میں بس بابا جان ہی آتے تھے۔" بینڈیج کے دوران وہ ایک لفظ بھی نہ بولا تھا اور اب اس کے الفاظ پر وہ مسکرا دی۔

"تم جاؤ..... صبح کالج بھی جانا ہو گا تم نے..... خوامخواہ میری وجہ سے تم نے اپنی نیند برباد کی..... بھوک تو واقعی مجھے لگ رہی ہے اور تھکن سے بھی برا حال ہے اب جی چاہتا ہے کہ پڑ کر سو جاؤں مگر

کھانا کھائے بغیر نیند نہیں آئے گی۔ میں خود ہی کچن سے کچھ نہ کچھ لے لوں گا۔ تمہارا بہت شکریہ تم نے اتنی زحمت کی۔"

"زحمت کیسی ......؟ آپ پلیز آرام سے لیٹ جائیں میں کھانا لاتی ہوں۔" اس نے مسکراکر کہتے باہر نکلنا چاہا کہ ولید نے منع کر دیا۔

"تم رہنے دو پہلے ہی تمہیں خاصا ڈسٹرب کر چکا ہوں ...... تمہیں نیند آ رہی ہوگی۔"

"میری نیند کی آپ فکر نہ کریں۔ وہ تو پہلے ہی گم ہو گئی ہے۔ ساری رات بستر پر کروٹیں بدلنے سے بہتر ہے کہ آپ کی خدمت ہی کر لوں۔ کہتے ہیں کہ مریض کی عیادت اور خدمت میں بھی بڑا ثواب ہے اور میں ٹھہری پکی مسلمان یہ ثواب بھلا کیسے چھوڑ دوں۔" وہ ہنس کر کہتے کمرے سے چلی گئی۔

آج ما کے تمام رویے ولید کے لیے بڑے حیران کن تھے۔ اس نے ڈریسنگ کے شیشے میں اپنے زخموں کو دیکھا جہاں پر اس نے بینڈیج کی تھی۔ اس کی نرم انگلیوں کا لمس ابھی بھی گردن پر محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے اس نے الماری سے قدرے ڈھیلی ڈھالی شرٹ نکال کر پہن لی تھی۔ ہاتھ منہ دھو کر بستر پر آ بیٹھا تو وہ بھی کھانے کی ٹرے اٹھائے چلی آئی۔

"میں دودھ گرم کر کے اس میں ہلدی ڈال کر لائی ہوں۔ یہ گھریلو بہت اچھا ٹانک ہے۔ Pain کے لیے بھی اور صحت کے لیے بھی ...... اس کے علاوہ پلیٹ میں درد اور زخموں کو فوری مندمل کرنے کے لیے ٹیبلٹس ہیں۔ کھانا کھا کر لے لیجیے گا۔" سلیقے سے سر پر دوپٹہ لیے اس نے اس کے سامنے جھک کر بستر پر ٹرے رکھ دی تھی۔

"تھینکس یار ...... تم نے تو اچھا خاصا ٹریٹمنٹ کر ڈالا ہے۔ ڈاکٹر تو فوری علاج کر کے ٹالتے ہیں۔ پہلی ڈاکٹر دیکھی ہے جو ٹریٹمنٹ دینے کے بعد اپنے مریض کی اتنی خدمتیں بھی کر رہی ہے۔" ہلکے پھلکے انداز میں کہتے اس نے ٹرے اپنے قریب کر لی تھی۔ ما مسکرا کر واپس پلٹ گئی تھی۔

"ما ...... اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے نکلتی اس نے پکارا تو ما کو یوں لگا کہ جیسے کسی نے اس کا نام ہی نہیں لیا بلکہ اس کے جسم سے روح تک کھینچ لی ہے۔

"جی ......"

اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتی وہ مڑے بغیر صرف گردن موڑ کر دیکھ رہی تھی۔

"تھینکس ایند پلیز بابا روشی یا گھر میں کسی کو بھی نہیں بتانا۔ خوامخواہ سب پریشان ہوں گے۔ اوکے۔"

"جی ٹھیک ہے۔" وہ سعادت مندی سے ایسے سر ہلا گئی کہ جیسے وہ اس کی معمول ہو۔

کبھی بچارہ والے بڑی ناقابل فہم لگتی تھی جیسے کہ اب؟ وہ اس کے انداز پر چونک گیا۔

پھر وہ دھیمے سے مسکرا دیا تو وہ جلدی سے کمرے کا دروازہ بند کرتے نکل گئی تھی۔



ساری رات وہ سخت بخار میں پھنکتی رہی تھی۔ مہرالنسا بیگم اس کے پاس ہی لیٹی تھیں۔ میڈیسن اور نیند کی گولی کی وجہ سے وہ سوئی رہی تھی مگر نیم غنودگی والی نیند تھی۔ اس کے اعصاب گہری تیز آواز سے بیدار ہوئے تھے۔

چند پل لیٹے رہنے کے بعد اسے صورت حال کا اندازہ ہوا تو اس نے دیکھا اس کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے اس کے بیگ میں پڑا موبائل بج رہا ہے۔

اس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا مگر کمزوری اس کے وجود پر غالب آ گئی تو اس نے بے چارگی سے موبائل کی آواز سن کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

موبائل بج بج کر خود ہی خاموش ہو گیا تھا۔

وہ اسی طرح لیٹی رہی ...... پھر وقت کا تعین کرنے کو اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

دن کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ اس وقت کمرے میں تنہا تھی۔ وہ چند منٹ اسی طرح لیٹی رہی تو مہرالنسا بیگم کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔

"اٹھ گئیں تم ...... اب کیسی طبیعت ہے؟ رات تو بہت تیز بخار تھا۔ ہوش و حواس ہی برقرار نہ رہے تھے۔ رات کے بارہ بجے ڈاکٹر زبیری کو کال کرنا پڑ گئی تھی۔ انہوں نے آ کر انجکشن لگائے اور مختلف دوائیاں دی تھیں۔"

اس کے پاس ہی بیٹھ کر محبت سے اس کی پیشانی چوم کر بال سمیٹے۔

اس والہانہ محبت پر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

اگر ان کو پتا چلے کہ وہ ان کے سب سے چہیتے بیٹے کے لیے ناری ہے تو کتنا دکھ ہوگا انہیں۔

اور مصطفیٰ.....!

پتا نہیں اس کی خراب طبیعت کا سن کر اس کا کیا ری ایکشن رہا ہوگا..... ویسے تو خاصا بے فکرا کزن ہے گری ملا۔ تو بات کی تہہ تک پہنچ جائے گا۔

"بخار تو کم ہوا ہے..... شکر ہے اللہ کا۔" اس کے چہرے اور گردن کو چیک کرتے وہ خاصی مطمئن ہوئی تھیں۔ اور اسی وقت اس کا موبائل پھر بجنے لگا تھا۔

"او دیکھو تمہارا موبائل ساری رات بجتا رہا ہے..... ایک دو بار ماما نے کال کر کے تمہاری خیریت پوچھی تھی..... اور ایک بار تابندہ کی کال تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ تم سو گئی ہو تمہاری طبیعت کا نہ بتایا کہ خوا مخواہ وہ پریشان ہوتی....." اسے بتاتے ہوئے انہوں نے اس کے بیگ سے موبائل نکال لیا تھا۔

"مصطفیٰ کی کال ہے....." سکرین دیکھ کر انہوں نے کہا۔

"آپ سن لیں پلیز.....!"

موبائل اس کی طرف بڑھایا تو اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ ساتھ حیران بھی تھیں۔

"السلام علیکم....."

"وعلیکم السلام.....!" مصطفیٰ کے سلام کا انہوں نے جواب دیا تھا۔ آج جمعہ کا دن تھا۔ یقیناً وہ گھر میں ہی ہوتا تھا تو پھر کال کیوں کی اس کے نمبر پر؟

"کیسی ہیں آپ..... اور شہوار کہاں ہے..... اس کا موبائل آپ کے پاس کیوں ہے؟"

ادھر ادھر الجھنے کی بجائے اس نے ڈائریکٹ پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں شہوار بھی پاس ہی ہے۔ طبیعت ٹھیک نہیں..... کل کالج میں طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ گھر آ گئی تھی۔ ساری رات بخار میں پھنکتی بے ہوش رہی ہے۔ آدھی رات کو ڈاکٹر زیدی آ کر چیک کر کے دوائے کر گئے تھے۔" وہ جانے کیا کیا بتا رہی تھیں ساری صورت حال سے۔ بغیر تھا وہ چونک گیا۔

"اوہ..... کیا ہوا ہے؟" وہ فوراً تشویش کا شکار ہوا تھا۔

"بی پی لو ہو گیا تھا....." شہوار نے ان کی بات پر تھکن سے کچھ نہ سمجھ پائی۔

"کالج سے واپس اکیلی آئی تھی یا..... یا ڈرائیور لینے گیا تھا؟" موبائل سے ہلکی سی آتی آواز پر مہرالنساء شعبی کے کانوں کے علاوہ اس کی سماعت کو بھی فیض یاب کر رہی تھی۔

"ڈرائیور تو ہمیں لے کر خالہ کے گھر گیا تھا۔ تمہارے بابا کو کال کی تو وہ لینے گئے تھے۔"

"اوہ..... اب کیسی کنڈیشن ہے اس کی؟"

"رات سے بہتر ہے۔ بخار بھی اتر گیا ہے اب تو....."

"مگر آپ لوگوں نے پوچھا نہیں کہ یا پانک اسے ہوا کیا ہے کل اچھی بھلی تھی۔ جب میں نے اسے کالج ڈراپ کیا تھا۔"

"لو اس کی طبیعت ہی اتنی خراب رہی ہے کہ پوچھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ اب بھی ابھی جاگی ہے۔" محبت سے اس کی طرف نگاہ کرتے انہوں نے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے پلکیں موندے آنکھوں پر بازو رکھ کر چپ لیٹی رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے..... میں نے یہ پوچھنے کے لیے اسے کال کی تھی کہ کالج کس کے ساتھ جا رہی ہے۔ خیر میری اس سے بات کروائیں میں خود اس سے اس کی طبیعت پوچھتا ہوں۔" انہوں نے موبائل ہٹا کر اس کے بازو کو پکڑ کر اس کو متوجہ کیا۔

"مصطفیٰ سے بات کر لو وہ خیریت پوچھ رہا ہے تمہاری۔" انہوں نے موبائل اس کے چہرے کے قریب کیا۔

"آپ خود ہی بات کر لیں اب میں بھلا ان سے کیا بات کروں گی۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"تو اپنی طبیعت کا بتانا چلو شاباش پکڑو بات کرو۔" انہوں نے موبائل اس کے کان سے لگا دیا تھا۔

"محترمہ! تمہیں میں لینا نہیں جاؤں گا۔" اس کی موجودگی محسوس کرتے وہ کہہ رہا تھا۔

شہوار کو اپنی ہتھیلیاں بھیگتی محسوس ہوئیں۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری..... اور یہ تمہیں اچانک ہوا کیا ہے؟" وہ کہہ رہا تھا۔

"بس خود ہی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ میں نے کون سا خود کر لی ہے۔" وہ جھلائی تھی۔

"جس طرح کی تمہاری حرکتیں ہیں...... اس میں یہ بھی بعید نہیں......" اس کا کل والا طنزیہ انداز تھا۔

مہرالنسا آنی اٹھ کر خود ہی کمرے سے نکل گئی تھیں۔ شہوار کو بڑی سبکی کا احساس ہوا۔

"غصہ تمہاری کل والی حرکت پر اس قدر ہے کہ جی چاہتا ہے کبھی تم سے بات نہ کروں مگر یہ بتاؤ یہ اچانک ہوا کیا تمہیں؟"

"بتا کر طبیعت خراب تھوڑی ہوتی ہے۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"اس قدر شدید نوعیت کی خرابی بھی تو یکدم نہیں ہوتی۔ اور مجھے تو پتا ہی نہیں چلا اور نہ ہی گھر میں سے کسی نے ذکر کیا۔ تابندہ بوا کی کال آئی؟ ان سے کوئی بات ہوئی تمہاری؟" وہ شاید اس کی گفتگو سے اصل صورت حال کا جائزہ لگانا چاہ رہا تھا۔

"پتا نہیں میری بے ہوشی کے دوران شاید انہوں نے کال کی تھی میں تو شام کو ابھی تھی تھوڑی دیر کو اور اب بیدار ہوئی ہوں۔ باقی سارا وقت مجھے کچھ نہیں پتا کہ کیا ہوا ہے؟ اور کہاں ہوں......!"

"مائی گڈنس اتنی خراب طبیعت رہی ہے تمہاری۔" وہ اس کے منہ سے سن کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

"آپ کہاں ہیں اس وقت؟" اس کے کال کرنے کا سوچتے وہ چونکی تو پوچھا۔

"مجھے ایک ارجنٹلی کام سے کل بارہ بجے اسلام آباد آنا پڑ گیا تھا شام تک فری ہوں گا۔ میں نے دو تین بار گھر فون کیا ہے مجھے کسی نے بھی نہیں بتایا۔"

"تو کیا ہو جاتا اگر آپ کو بتا بھی دیتے...... مجھے پرانے والی تکلیف آپ اپنے اوپر لینے سے تو رہے؟" وہ کل صبح اس سے ناراض ہوا تھا اور آج صبح دوبارہ بات ہو رہی تھی۔ کل وہ سامنے تھا آج صرف آواز تھی مگر انداز وہی تھا۔ سو وہ جھنجلائی تھی۔

"ہو سکتا ہے لے ہی لیتا۔" وہ عجیب انداز میں اس نے کہا تو شہوار کو اپنے کانوں کی لوئیں تک تپتی محسوس ہوئیں...... اس نے تو بڑے عام و سادہ لفظوں میں کہا تھا مگر انداز...... تھا کہ وہ بات کو اپنے انداز میں لے گیا۔

"کیا کر رہی ہو؟" اس کی خاموشی محسوس کر کے اس نے بات پلٹ دی تھی۔

"لیٹی ہوئی ہوں۔"

"یعنی کہ مستقبل کی ڈاکٹر صاحبہ اس وقت خود بھی مریضوں والے گیٹ اپ میں ہیں۔"

وہ ہنس دی...... لگا کہ اس شخص سے بات کرتے ہوئے اس کے دل و دماغ پر چھائی تمام کثافت پل بھر کو پس منظر میں چلی گئی ہے۔

ذہن ہلکا پھلکا ہوا تو اعصاب روئی کے گالوں کی مانند لطیف سے ہو گئے۔

"ڈاکٹر بھی تو عام انسانوں کی مانند ہوتے ہیں ان کے اندر بھی عام انسانوں کی طرح ری ایکٹ کرنے والا پرزہ فٹ ہے جو موسم اور ہونے والے واقعات کو دیکھ کر متاثر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے...... ہر چیر پھاڑ کرنے والا وجود اتنا ظالم بھی نہیں ہوتا...... اسی طرح ڈاکٹرز لوگ بھی ہیں۔ میں بھی آپ کی طرح عام سی انسان ہوں۔" اس کے ہلکے پھلکے انداز کو انجوائے کرتے اس نے بھی بات آگے بڑھائی تھی۔

"صبح صبح اتنی کارآمد گفتگو مجھے تو شک ہو رہا ہے کہ اس وقت محترمہ بیماری سے نہیں کسی سیریس قسم کے ڈاکٹری فارمولے میں الجھی ہوئی ہیں...... کیوں ڈاکٹر صاحبہ......" وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنس دی۔

اس کی جھرنوں کی مانند خوشگوار ہنسی دوسری طرف کی سماعت پر میٹھی پھوار کی مانند برسی تھی۔

"آپ کیا کر رہے ہیں...... لگتا ہے خاصی فرصت سے آپ نے فون کیا ہے؟"

"فرصت کیسی؟ اس وقت تیار ہو رہا ہوں اور ساتھ ساتھ بات کر رہا ہوں۔ کچھ دیر بعد کچھ آفیسرز کے ساتھ میٹنگ ہے پھر ایک ضروری کام ہے۔ رات کی فلائٹ سے اپنے شہر پہنچ جاؤں گا۔ پھر گھر آ کر تمہاری خیریت تفصیلی پوچھوں گا۔"

وہ خاموش رہی۔

"تمہارے یہ الفاظ کہ خود ہی طبیعت خراب ہوئی ہے اور بتا کر خراب تھوڑی ہوتی ہے۔ پر ذرا یقین نہیں آیا میں نے گھر آ کر تفصیلی انداز میں بات کروں گا۔ بہتر ہے کوئی معقول قسم کا بہانہ ڈھونڈ

کر رکھنا۔" اس کے الفاظ پر وہ چپ سی ہو گئی۔
"اور یہاں کالج میں کل کا دن کیسا گزرا؟" اس نے وہی سوال کر ڈالا تھا جو اس کی اس خرابیٔ طبیعت کی اصل وجہ تھا۔
"مصروف ہی گزرا، پھر طبیعت خراب ہو گئی تو گھر آ گئی۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا مگر اندر تو ایک آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔ زخم نئے سرے سے ادھڑے تھے۔
"ایاز نے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی نا؟" وہ اصل سوال کی طرف لوٹ آیا تھا اور شہوار کو لگا وہ بس ابھی پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔
اسے اپنے جذبات پر ذرا کنٹرول نہ رہا اور بڑی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بھی ایک سسکی اس کے لبوں سے خارج ہو گئی۔
"کیا بات ہے شہوار...... خاموش کیوں ہو...... تم نے بتایا نہیں......؟"
وہ پوچھ رہا تھا اور اس نے خاموشی سے موبائل کان سے ہٹاتے کال ڈس کنیکٹ کر ڈالی تھی۔ وہ اسے کیا بتاتی بھلا وہ لمحے تو اس کے لیے قیامت سے بڑھ کر تھے۔
وہ شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی...... وہ آنسو بہانے میں اتنی منہمک تھی کہ موبائل پھر بجنے لگ گیا تھا۔ اس نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ "مصطفیٰ" پھر کال کر رہا تھا۔
اس نے آہستگی سے آن کرتے موبائل کان سے لگا لیا۔
"جی......" بغیر سلام دعا کے وہ گویا ہوئی تھی۔
"تم نے کال کیوں کاٹ دی اور میری بات کا جواب نہیں دیا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ خاصی برہمی تھی لہجے میں۔
"تمہاری اس قدر شدید طبیعت خرابی کے پیچھے کہیں ایاز کی کوئی بدتمیزی تو نہیں۔" وہ ذہین تھا جبھی یکدم اصل نکتے تک پہنچا تھا اور وہ اس سے چھپاتی بھی تو کیا؟ وہ ششدر رہ گئی۔
اس کے بہتے آنسو یکدم تھم گئے۔ گویا منجمد ہو گئی ہو۔
"شہوار پلیز بتاؤ...... کیا بات ہے اس قدر خاموش کیوں ہو...... تم رو رہی ہو؟" اس کی مسلسل خاموشی پر وہ جیسے اندازہ لگا رہا تھا جیسے سامنے ہی کھڑا ہے بالکل۔ اور اب کی بار اس نے اپنے آنسوؤں کو روکنے کی قطعی کوشش نہیں کی تھی۔
اس کی سسکیاں بلند ہوتی گئیں تو دوسری طرف مصطفیٰ کی سماعت پر جیسے عذاب اتر آیا تھا۔
"کیا بات ہے شہوار پلیز کچھ بولو...... کیوں رو رہی ہو...... کیا کیا ہے اس ذلیل خبیث انسان نے؟" وہ مسلسل رو رہی تھی۔ وہ دوسری طرف بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ چند پل خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگا۔
"اگر تم خاموش نہ ہوئیں تو ابھی میں بابا اور ماں جی کو کال کر کے سب کچھ بتا دوں گا۔ رونے دھونے کی بجائے تم مجھے اصل بات بتاؤ۔" کافی سختی سے اس نے دھمکی دی تھی۔ شہوار یکدم خاموش ہو گئی۔
"مصطفیٰ آپ آ جائیں بس میں آپ کو سب بتا دوں گی۔ اگر میں نے آپ سے کچھ بھی کہا تو میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔" وہ پھر رو دی تھی۔ اور اس کا رونا مصطفیٰ کے لیے بڑا اعصاب شکن تھا۔
"او کے اپنا خیال رکھنا۔ اس قدر خراب کنڈیشن ہو رہی ہے تمہاری مائی گاڈ۔ کل اور اب تک نجانے کس طرح تم ری ایکٹ کرتی رہی ہو...... میں میٹنگ کے بعد دوپہر تک فوراً پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں تب تک خود کو سنبھالو پلیز۔"
وہ اور بھی نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا اس نے کال بند کر دی تھی۔
نجانے اس نے مصطفیٰ کو بتا کر اچھا کیا تھا یا برا مگر وہ اب تنہا یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کم از کم مصطفیٰ کے سامنے دل کا بوجھ تو ہلکا ہو ہی جائے گا بھلے بعد میں پچھتانا پڑے۔
موبائل ایک طرف رکھ کر اس نے کرب سے آنکھیں موند لی تھیں۔



وہ ابھی تک گم صم موبائل تھامے کھڑا تھا۔
کل اسے ایمرجنسی میں اسلام آباد جانا پڑا تھا۔ بس فوراً گھر آ کر ضروری چیزیں لے کر وہ ایئرپورٹ کے لیے نکل گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے پیچھے وہ کمزور سی لڑکی اس قدر شکست و ریخت سے دوچار ہو جائے گی۔

اس کا یوں ری ایکٹ کرنا......

اس کی لرزتی آواز، سسکیاں شدت سے رونا۔

"مصطفیٰ آپ آجائیں بس تو میں آپ کو سب بتادوں گی۔" کیسا ٹوٹا لہجہ تھا۔ یہ سب اس کے اعصاب پر کسی بم کی طرح لگ رہا تھا۔

کالج میں ایسی کیا بات ہوئی ہوگی کہ وہ اس حالت تک جا پہنچی؟ وہ جوں جوں سوچ رہا تھا اس کا فشار خون بڑھتا جا رہا تھا۔

بہت غصے سے اس نے ایک نمبر ڈائل کیا تھا۔

"السلام علیکم سر......!" دھیمی سی آواز میں سلام کیا گیا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے برہمی سے جواب دیا۔ دوسری طرف اس کی برہمی پر چند پل کو خاموشی چھا گئی تھی۔

"خیریت سر؟"

"کل آپ کہاں تھیں؟"

"سر کل آپ اسلام آباد روانہ ہوئے تو گھر پر ایک ایمرجنسی ہوگئی تھی۔ میری والدہ باتھ روم میں گر گئی تھیں تو میں امجد خان کو اطلاع دے کر گھر چلی گئی تھی۔" انسپکٹر شہناز اس کی برہمی پر تفصیلی بیان دے رہی تھی۔

"اور آپ نے یہ اطلاع مجھے کیوں نہیں دی؟" اس نے بہت غصے سے پوچھا تو دوسری طرف وہ خاموش ہوگئی تھی۔

"آپ کو پتا ہے آپ کی ذرا سی غفلت کے سبب مجھے کتنی تکلیف سہنا پڑ رہی ہے۔" اس نے اپنا سارا غصہ اس پر نکالا تھا۔

"سر میں نے کسی خوشی میں کل چھٹی نہیں کی تھی میری بھی مجبوری تھی اگر کوئی اور والدہ کو دیکھنے والا ہوتا تو میں یوں گھر نہ آتی۔"

"اوکے...... اب کیسی طبیعت ہے آپ کی والدہ کی۔ خیریت تو رہی کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟" انسپکٹر شہناز کے الفاظ پر اسے احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی سخت کہہ گیا ہے۔ فوراً اپنے رویے کی تلافی کرنا چاہی۔

"جی سر خیریت ہی رہی۔ صرف پاؤں میں موچ آئی ہے اب بہتر ہیں۔"

"اوہ......" اس کا انداز سنجیدہ ہوگیا۔

"سر میں آج آن ڈیوٹی ہی ہوں۔" انسپکٹر شہناز نے کہا تو وہ بھی اصل موضوع کی طرف آگیا۔

"کل کیا ہوا آپ سب کچھ ڈیٹیل سے پتا کر کے مجھے آدھ گھنٹے میں انفارم کریں۔"

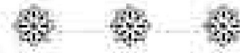
"یس سر۔ سر سب خیریت ہے نا...... کوئی پرابلم؟"

"یس...... آپ فوراً پتا کریں شہوار آج کالج کیوں نہیں گئیں ان کی فرینڈ ہو سکتا ہے آئی ہوں...... آپ براہ راست یا بالواسطہ جس طرح بھی ممکن ہو اصل صورت حال کا پتا کریں۔"

"جی سر میں پتا کرتی ہوں۔"

"اوکے اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ سر۔" اس نے موبائل آف کرتے ہوٹل کے روم میں ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی اس کے اعصاب پر ابھی تک چھوٹ چھوٹ کر روتا لہجہ عجیب شور بپا کر رہا تھا۔ اس نے انتہائی غم و غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔



وہ سو کر اٹھی تو سب ناشتے کی ٹیبل پر تھے۔ وہ فجر کی نماز پڑھ کر سو گئی تھی وہ رات ہی ڈیسائڈ کر کے سوئی تھی کہ جب شہوار جائے گی تو اسی دن وہ بھی کالج جائے گی۔ شہوار کے بغیر اسے کالج جانا اچھا نہ لگا۔ خوامخواہ جا کر بور ہو جاتی۔

منہ ہاتھ دھو کر وہ ناشتے کی ٹیبل پر آ گئی۔ روشی کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر وہ بیٹھی تو نگاہ سیدھی ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ولید پر پڑی۔ سادہ بلیک شلوار قمیص میں ملبوس وہ اس کے ساتھ والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"تم کالج نہیں گئیں؟" اسے رات والے حلیے میں ہی دیکھ کر وہ چونکا۔

"نہیں آج چھٹی کرنے کا موڈ ہو رہا ہے۔" توس پر جیم لگاتے اس نے کہا۔

"پاکستانی قوم بلا کی سست کاہل اور کام چور ہے۔ شاید اسی لیے ہم ترقی نہیں کر پا رہے۔" اس کی پلیٹ میں رکھا دوسرا سلائس اٹھا کر اس کے سامنے رکھی جیم کی شیشی اس نے اپنی طرف کھسکائی تھی۔ ایک تو ان الفاظ اور دوسرا اس دھاندلی پر اس نے اسے گھورا۔

"یہ خوبیاں آپ میں ہوں گی میں ایسی قطعی نہیں ہوں۔" کھا جانے والا انداز تھا وہ مسکرا کر جیم لگاتا رہا۔

"یہ کون سا انداز ہے ہالہ! بڑا ہے تم سے ایسے منہ پھاڑ کر کہتے ہیں۔" ماما نے فوراً سے ٹوکا تو اس نے منہ بنا لیا۔

"صاحب جی! آپ کے لیے پراٹھا لے آؤں گرما گرم۔" صغراں نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"لے آؤ بھئی ان سلائس وغیرہ سے بھی کچھ بنتا ہے یہ تو مریل کمزور لوگوں کی خوراک ہے آج میرا چھٹی کرنے کا ارادہ ہے چلو اسی بہانے پراٹھا کھا لیں گے۔" صبح صبح خاصا جتاتا انداز...... ہالہ نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"کیوں بھئی تم کیوں چھٹی کر رہے ہو۔" احسن نے ناشتے سے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

"ایک ضروری کام تھا۔" ہالہ نے بس اسے دیکھا۔

"ویسے بھی کہتے ہیں خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ پاکستانی کاہل سست کام چور لوگوں کی قسم کے ساتھ رہ رہے ہیں تو صحبت کا کچھ نہ کچھ تو اثر ہونا ہی ہے نا۔" اب کے بار اس نے اس پر چوٹ کی تھی۔ اس کی بات پر سب ہنس دیے تھے۔ ماسوائے ہالہ کے۔

"ولی بیٹا رات تم کب آئے تھے؟" ماما کو یاد آیا تو پوچھا۔

"رات بارہ بجے تک آ گیا تھا پھپھو۔" اس صاف جھوٹ پر ہالہ نے حیران ہو کر پہلے ماما اور پھر بھائی کی صورت دیکھی۔ ایک بجے تک تو وہ ماما کے ساتھ زبردستی باتیں کرنے پر مجبور رہی تھی وہ بھلا کب آیا تھا۔

"ایسا کون سا دوست تھا تمہارا جسے میں نہیں جانتا؟" احسن نے پوچھا۔

"اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔" ہالہ کی بڑبڑاہٹ اتنی واضح ضرور تھی کہ ولید نے اسے گھور کر دیکھا مگر وہ مسکرا کر دودھ کا گلاس لبوں سے لگا گئی۔

"تھا ایک دوست...... بلکہ ہے ملواؤں گا کسی دن۔" احسن ناشتا کر چکا تھا بس بیٹھا اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا۔

"ولید بیٹا صبح واک کرتے مجھے گیراج میں تمہاری گاڑی دکھائی نہیں دی۔" وقار صاحب نے اخبار پڑھتے ایک پل کو رک کر پوچھا۔

"وہ انکل جی کچھ پرابلم ہو گئی تھی تو صبح صبح میں نے چوکیدار کو کہہ دیا تھا کسی ورکشاپ میں لے جائے تو وہ چھوڑ آیا ہوگا۔"

"اچھی بھلی تھی کل تک تو اسے کیا ہوا ہے؟ بالکل نئی گاڑی بھلا کیوں پرابلم ہو گئی۔" ضیا صاحب بھی متوجہ ہوئے تھے۔

"ہو سکتا ہے ایکسیڈنٹ ہو گیا ہو گاڑی کا۔" بڑی معصومیت سے ہالہ نے بم پھوڑا۔

ولید ایک دم گھبرایا تھا۔ اس نے بظاہر تو خود کو نارمل ہی رکھا تھا مگر ٹیبل کے نیچے سے اس نے زور سے اپنا پاؤں ہالہ کے نازک سے پاؤں کے اوپر رکھ کر مسلا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ مذاق کر رہی ہے یہ۔" اس نے ساتھ ہی اطمینان دلایا۔

"ہائے......" وہ اچھلی تھی

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ سب کے دیکھنے پر شرمندہ ہو گئی تھی مگر اس کا پاؤں آزاد نہ ہوا تھا۔

"کچھ نہیں......" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹانگ پیچھے کرنا چاہی تھی مگر اس نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا تھا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ ٹیبل کے نیچے اس کا ہاتھ اور پاؤں دونوں ولید کے آہنی شکنجوں میں تھے۔

"صبح صبح بھلا کون سی ورکشاپ کھلی ہوئی۔ دن چڑھے [illegible] تم۔" وہ خاموش رہا۔ صغراں اس کے لیے گرما گرم پراٹھا اور آملیٹ لے آئی تھی۔

ولید نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تو اس نے جلدی سے کھینچ لیا۔ ہاتھ سخت گرفت سے سرخ ہو چکا تھا۔

وہ اب انڈے پراٹھے کے ساتھ انصاف کر رہا تھا۔ اما نے مزید سلائس پلیٹ میں رکھے۔ ٹیبل کے نیچے وہ مسلسل دوسرے پاؤں کی مدد سے اپنا پاؤں آزاد کروانے کی کوشش میں تھی مگر لگتا تھا کہ وہ آج کی تاریخ میں آزاد ہونے والا نہیں تھا۔ درمیانی دو انگلیوں پر ہونے والی جلن بڑھ گئی تھی۔

"تم تنگ کیوں کر رہے ہو، ایسا کون سا ضروری کام ہے تمہیں؟" احسن نے پھر پوچھا اما کو بروقت بدلہ چکانے کا گویا موقع ملا تھا۔

"بخار ہو گا محترم کو اور ہو سکتا ہے جس دوست کا رات ذکر کر رہے تھے وہ کوئی لڑکی ہو۔"

"تمہیں بڑی انفارمیشن ہے میرے متعلق۔" لقمہ نگلتے اسے گھورا تو اس نے منہ پھیر لیا۔

"ولی کیا واقعی تمہیں بخار ہے۔" ماما کو یکدم تشویش ہوئی۔

"او نہیں پھوپو یہ یونہی کہہ رہی ہے۔" اس نے انہیں مطمئن کیا۔

"لڑکی کا کیا سلسلہ ہے بھائی؟" روشی نے پوچھا۔

"دماغ خراب ہے اس کا اور کچھ نہیں...... چھوٹی سی عقل ہے اس کی وہ بھی غلط موقعوں پر غلط انداز میں استعمال کرتی ہے۔" دودھ پینے کے بعد نیپکن سے منہ صاف کرتے اس نے پھر اما کو ستایا۔

"ہاں...... اور آپ خود تو جیسے بڑے عقل کل ہیں نا۔" وہ سسکی۔ پاؤں میں بری طرح درد ہو رہا تھا مگر وہ بھی آزاد کرنے کو تیار نہ تھا۔

"کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے احسن۔" اسے اس نے مزید ستایا تھا۔

"دیکھ لیجیے گا میں بھی آپ کو بعد میں کیسے پوچھوں گی۔" وہ فوراً روہانسی ہو گئی تھی۔ ولید مسکرا کر اسے دیکھ کر چپ ہو رہا۔

"اما آج آف کیا ہے تو روشی کے ساتھ بازار کا ہی چکر لگا لینا۔ شادی کی کئی چیزیں ہیں جو ابھی خریدنے سے رہ گئی ہیں۔" ماما نے اس کی توجہ اپنی طرف کر لی تھی۔

"مگر ماما شادی کی ڈیٹ کا بھی تو پتا چلے نا...... تاکہ اس کا اندازہ لگاتے تیاری فائنل کریں۔ آج تو ویسے بھی فرائیڈے ہے مارکیٹ بھلا کب کھلی ہوں گی؟" احسن نے بڑی مسکراتی نگاہ روشی کی طرف ڈالی تو وہ جھینپ کر فوراً سر جھکا گئی۔

"ڈیٹ کا کیا ہے پہلے ماہ کا کوئی بھی دن طے کر لو۔ اپنے گھر کی بات ہے۔ تم کون سا باہر سے لا رہے ہیں۔ ابھی بیٹھے بیٹھے ابھی فائنل کر لیتے ہیں۔ کیوں ضیا بھائی کون سی ڈیٹ فائنل کریں۔" روشی اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی تھی۔ اما ہنس دی۔

"بچوں سے پوچھ لو کام والے لوگ ہیں سب...... جن دنوں انہیں فراغت ملتی ہے وہی دن رکھ لیتے ہیں۔" ضیا ماموں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اگلے ماہ کی پچیس تاریخ ٹھیک رہے گی۔" ولید نے کہا تو سب نے تائید کی۔

احسن اٹھا تو ولید بھی اٹھ گیا...... اما نے جاتے ہوئے ولید کی پشت کو گھورتے اپنا پاؤں کرسی پر رکھ کر دیکھا۔ پاؤں کا اگلا حصہ بری طرح سرخ ہو چکا تھا۔ درمیان والی دو انگلیاں چھل گئی تھیں۔

"ظالم......" پاؤں پر نرمی سے انگلی پھیرتے وہ بڑبڑائی تھی۔

وہ اٹھ کر لاؤنج میں آ بیٹھی بائیں ہاتھ سے دایاں بازو بڑی نرمی و محبت سے تھام لیا۔

اس کی آنکھوں میں کئی روز پہلے کے خوابوں کا عکس اتر آیا اور وہ اسی عالم میں کتنی دیر تک بیٹھی رہی۔



وہ کمرے سے باہر آیا تو صغراں شڑاپ شڑاپ پانی بہاتے کوریڈور دھو رہی تھی۔

"سب گھر والے کہاں ہیں۔" ولید کی آواز پر وہ اچھلی تھی۔

"بڑے دونوں صاحب تو احسن بھائی کے ساتھ ہی آفس چلے گئے تھے۔ بی بی جی اپنے بوتیک۔ چھوٹی دونوں بی بیاں اندر ہیں۔" وہ اندر آیا تو اما اسے لاؤنج کے صوفے پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی دکھائی دی۔

آنکھوں میں بڑا خوشنما تاثر تھا۔ ٹی وی چل رہا تھا مگر اس کی توجہ ٹیبل پر پڑے گلدان کی طرف تھی۔ روشی کہیں نہیں تھی۔

وہ بڑے ڈھیلے ڈھالے انداز میں ایسے لگ رہی تھی جیسے وہ یہاں بڑی فرصت سے کافی دیر سے بیٹھی ہوئی ہے۔

ولید نے انگلی کی مدد سے دروازہ ناک کیا اور پھر اندر چلا آیا۔ وہ ناک کی آواز پر ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی تھی۔ خوب صورت خواب کا عکس ٹوٹا تھا۔ ولید کو آتے دیکھ کر سیدھی ہو گئی تھی۔

ولید کی آمد پہ چہرے کے رنگوں میں نئی تنا اضافہ ہوا۔
"کیا بات ہے بڑی گہری سوچوں میں گم تھیں۔ خیریت تو ہے نا۔۔۔۔۔" وہ سامنے صوفے پر آ بیٹھا تھا۔
"روشانے کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہی؟" ارد گرد دیکھتے اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی یوں جیسے اپنی خوشنما آنکھوں کے خوب صورت تاثر کو اس سے چھپانا چاہتی ہو۔
"پتا نہیں۔۔۔۔۔ باہر ہی کہیں ہو گی؟" اپنے پاؤں پر انگلی پھیرتے اس کی پوری توجہ اپنے پاؤں کی ہی طرف تھی۔ ولید نے اس کی توجہ کے مرکز کی طرف دیکھا اور پھر اسے پاؤں کا جائزہ لیتے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔
"کیا ہوا ہے پاؤں میں؟" اس نے صرف ایک پل کو سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس شکایتی نگاہ میں نجانے کیسا تاثر تھا کہ وہ ایک پل کو خود بھی ٹھٹکا گیا تھا۔
"میں نے تو آرام سے ہی پاؤں رکھا تھا۔ کیا زیادہ ہی دباؤ پڑ گیا؟" اس کے معصوم جملے پر اس نے انگلیوں سے اٹھتے درد کو محسوس کرتے پاؤں ٹیبل پر رکھا۔
"تو اور کیا یہ دیکھیں یہ دونوں انگلیاں کیسی چھل گئی ہیں۔ پاؤں ہے کہ ہتھوڑا یوں کھینچ کر مارا تھا۔ ہر ایک کو اپنے جیسا باڈی بلڈر سمجھ رکھا ہے میرا نازک سا پاؤں مسل کر رکھ دیا۔ من سے بھی زیادہ وزن ہے آپ کے پاؤں کا۔"
ولید نے تاسف سے اس کی سرخ چھلی انگلیوں کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

شعرا کے سر سے گزر کیا تھا۔ اس نے حیرت سے اس کے مسکراتے لبوں کو دیکھا اور پھر فوراً ہی مان گئی۔
"کتنے افسوس کی بات ہے کہ میرا نازک پاؤں کا ستیاناس مار دیا ہے اور ذرا بھی اپنے رویے پر تاسف نہیں۔"
"تمہارا کیا خیال ہے زمین پر گر کر تمہارے اس نازک سے پاؤں کی مرہم پٹی کروں اب۔" اس نے مسکرا کر گھورا۔
"تو اب ایسی بھی احمق نہیں کہ آپ سے کسی انسانیت کی توقع کروں۔ یہ تو دل سے محسوس کرنے والے لوگوں کا کام ہے۔ جنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو۔" اس نے گہری چوٹ کی۔
"مرہم لگا لو۔۔۔۔۔ اب ایسی بھی کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ ذرا سا چھل گیا ہے۔" اس کے مشورے پر وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔
ولید نے ٹیبل پر پڑا میگزین اٹھایا تو وہ چونکی۔
"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے میگزین سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟" وہ بن رہا تھا وہ کلسی۔
"میرا خیال ہے کہ اگر میری یادداشت کمزور نہیں تو رات جناب کوئی ایکسیڈنٹ کروا کر آئے تھے۔"
"اوہ۔۔۔۔۔ وہ معمولی سی خراشیں تھیں۔ ایسی معمولی خراشوں کی کیا پروا؟" اس نے بے پروائی سے کہا۔
"ہاں دیکھ چکی ہوں آپ کی ہمت تو پھر آفس سے چھٹی کیوں کی ہے؟" وہ جرح پر اتر آئی۔
"بس دل کر رہا تھا۔" اور پھر کوئی خیال آتے ہی وہ چونک کر سیدھا ہوا۔
"مائی گڈنیس۔"
"میرا خیال ہے کہ مجھے ہاسپٹل کا ایک چکر لگا لینا چاہیے پتا کرنا چاہیے کہ وہ مریضہ اب کیسی ہے؟"
"کیا مطلب رات جس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ کوئی عورت تھی۔۔۔۔۔" اناؤ حقیقتاً چونکی تھی۔
"عورت نہیں لڑکی تھی۔" اس نے تصحیح کی اور انا منہ پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔
خون سے رنگین سفید شرٹ اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی تو اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔
"ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟"

"پتا نہیں..... ویسے میرا اندازہ ہے کہ لڑکی کی کار کی بریک فیل ہو گئی تھیں اور اس کو گاڑی پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔ گاڑی ون وے روڈ ہونے کی وجہ سے میری گاڑی کے دائیں بمپر اور سائیڈ سے ٹکرا کر فٹ پاتھ سے نیچے اترتی ایک طرف لڑھک گئی تھی۔"

"ہانی گاڈ! وہ لڑکی کیسے بچ گئی اور اتنی رات کے وقت وہ تنہا کیا کر رہی تھی؟" سوال کے ساتھ ساتھ اس نے اعتراض بھی کیا تھا۔

"ڈاکٹرز کی محنت اور اللہ کی عنایت کہ وہ بچ گئی۔ مگر جس حالت میں اسے ہاسپٹل لے کر گیا تھا مجھے خود بھی ڈاؤٹ تھا کہ یہ شاید ہی بچ پائے۔"

"اوہ....." پھر پرسوچ انداز میں اسے دیکھا۔

"آپ اکیلے تھے یا اور بھی لوگ تھے آپ کے ساتھ؟" وہ جانے کیا جاننا چاہتی تھی ولید چونکا۔ پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"رات کے اس پہر اکا دکا گاڑی ہی گزر رہی تھی۔ باقی سواری کوئی بھی نہ تھی۔ ظاہر ہے میں اکیلا ہی تھا..... مجھے خود ہی گاڑی سے اسے نکال کر ہاسپٹل پہنچانا پڑا تھا۔"

انا نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ولید بھی کھڑا ہو گیا وہ شاید ہاسپٹل چکر لگانے کے لیے سوچ رہا تھا۔

انا کے اندر سرد مہری اتر آئی۔

"آپ نے اس لڑکی کو ہاسپٹل پہنچا دیا..... اس کی زندگی کی تگ و دو کے لیے اتنی کوشش کی وہ زندہ بچ گئی..... اب دوبارہ ہاسپٹل جانے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔" وہ جانے کس احساس سے سلگتی گویا ہوئی تو ولید نے حیرت سے اس کے لب و لہجے کو دیکھا۔ اسے کچھ گڑبڑ سی محسوس ہوئی آنکھوں کا خوشنما تاثر غائب تھا بلکہ سلگتا سا احساس تھا۔

"بھئی مریض کی عیادت ہمارا فرض ہے۔ بے شک اس کے وارث کچھ دیر بعد پہنچ گئے تھے چونکہ حادثہ میری ہی گاڑی سے ٹکرانے سے پیش آیا ہے تو اخلاقی تقاضا بھی ہے کہ جب تک وہ ٹھیک نہیں ہو جاتی میں ہاسپٹل کا چکر لگاتا رہوں۔"

"اوف..... یہ اخلاقی تقاضے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"آپ نے دیکھا وہ کیسی تھی؟"

"ہائے..... مجھے بھلا کیا ضرورت ہے اسے دیکھنے کی۔ اس وقت تو وہ ایسی تھی کہ خون سے لت پت وجود کو صرف ہاسپٹل پہنچانے کی جلدی تھی وہ جیسی بھی ہو اس سے کیا؟ میں نے تو صرف اپنا فرض ادا کیا تھا۔"

"اونہہ..... بن تو ایسے رہے ہیں کہ جیسے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہوئی۔" انا کے اندر آگ سی جل اٹھی۔

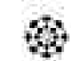
"ساری شرٹ ایویں ہی رنگین ہو گئی تھی۔ وہ کس قدر قریب رہی ہو گی۔" اس تصور سے ہی اس کو اپنی سانسیں جلتی محسوس ہوئیں..... وہ سر جھٹک کر اپنے ہی خیال سے گھبرا کر باہر کی طرف بڑھی۔

"میں ہاسپٹل جانے لگا ہوں چلو گی میرے ساتھ؟" وہ پوچھ رہا تھا اس نے پلٹ کر تعجب سے اسے دیکھا۔ پھر کسی خیال سے اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"او کے....."

"ٹھیک ہے میں چینج کر لوں پھر....." وہ گردن ہلاتے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)





ٹوٹا ہوا تارہ ۔۔۔ سمیرا شریف طور قسط نمبر 6

اپنی شخصیت کے بارے میں آپ کی رائے؟

اللہ کا خاص کرم ہے کہ اس نے ہی نوع انسان بنایا، مکمل تو اس دنیا میں کوئی انسان نہیں۔ خامی کی گنجائش تو ہر جگہ ہے اور میرے اندر بھی بہت خوبیاں اور خامیاں ہیں مگر میں جو بھی ہوں اپنی ذات سے مطمئن ہوں۔ میری فیملی میری شخصیت کو بنانے سنوارنے میں پیش پیش رہی ہے۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں اپنی فیملی کی مرہون منت ہوں، اپنی ذات پر اعتماد رکھتی ہوں اور ہر معاملے میں اصلاحی پہلو کو اولین اہمیت دیتی ہوں اور یہی سوچ میری اپنی شخصیت کے بارے میں بھی ہے۔

تعلیمی قابلیت؟

ماسٹر (ایم اے اردو، ایم اے اسپیشل ایجوکیشن اور ایم اے ہسٹری)

تحریری سفر کب شروع کیا؟

اس کی تفصیل میں بہت ڈیٹیل سے آنچل میں ہی "بہنوں کی عدالت" کے سلسلے میں لکھ چکی ہوں پھر بھی مختصر الفاظ میں یہی کہہ سکتی ہوں کہ اسکول کی عمر سے ہی لکھنا شروع کیا اور بہت کچھ لکھا بھی مگر پہلی کہانی دسمبر 2005 آنچل میں ہی شائع ہوئی اور پھر تحریری سفر چل نکلا جو اب تک جاری ہے۔

موجودہ مصروفیات

موجودہ مصروفیات تو وہی ہیں جو انٹرویو میں لکھ چکی ہوں نئی تازی مصروفیات یہ ہیں کہ اسٹوڈنٹس کے پیپرز چل رہے ہیں تو ان میں مصروف ہوں ساتھ ہی گھر میں 6 اپریل 2013 کو بھائی کی شادی ہے۔ 7 اپریل کو بہن مصباح کی بارات ہے تو اسی سلسلے میں گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں ہیں تو سلائی کا کام بہت اچھا کر لیتی ہوں تو شادی کے سلسلے میں چند ایک سوٹ بنا رہی ہوں اس کے علاوہ پاکستانی پوائنٹ میری ایک اور مصروفیات ہے۔ نیٹ کی دنیا میں یہ واحد فورم ہے جس کو میں سرچ کرتی ہوں اتنی سخت مصروفیات کے باوجود جب بھی وقت ملتا ہے میں نیٹ پر آج کل صرف پاکستانی پوائنٹ کو ہی سرچ کرتی ہوں۔ یہ بہت اچھا فورم ہے اردو ناول اور لٹریچر پڑھنے والوں کے لیے یہ ایک بہت اچھی سائٹ ہے اگر قارئین مجھ سے رابطہ کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے پاکستانی پوائنٹ کے ذریعے کنٹیکٹ کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد گھر کے کام اور بس یہی آج کل کی مصروفیات ہیں۔

مشاغل و شوق

مشاغل و شوق تو وہی ہیں بس لکھنا پڑھنا۔ اک نیا شوق آج کل پاکستانی پوائنٹ سے ناول اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھنا ہے اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ میرا ایکسٹرا اور کوئی مشغلہ نہیں ہے۔

خوبیاں و خامیاں

یہ تو خاصا مشکل سوال کر ڈالا بس ایک عام انسان ہوں ہاں سمجھوتے والی فطرت کی مالک ہوں لوگ کہتے ہیں کہ خاصی خوش اخلاق ہوں۔

خامیاں

خامیاں تو بہت ساری ہیں۔ کافی حساس ہوں حد سے زیادہ جنونی بھی ہوں۔ معصوم بھی ہوں (کوئی بھی مجھے آرام سے پاگل بنا کر اپنا مطلب نکلوا سکتا ہے) اپنی ذات سے آخری حد تک بے پروا رہتی ہوں۔ سست کاہل سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ میں دیر رات تک جاگتی رہتی ہوں اور آج کل گھر میں رہتی ہوں تو صبح دیر سے اٹھتی ہوں (امی کہتی ہیں کہ جس دن تم نے وقت پر سونا اور اٹھنا شروع کر دیا سمجھو کہ تم نے صحت بنانا شروع کر دیا ہے یعنی موٹی ہو جاؤ گی)۔ خامیوں کی یہاں طویل لسٹ ہے اب کس کس کو پوائنٹ آؤٹ کروں۔ قارئین کے سامنے خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانی پڑ جائے گی (ہاہاہا)۔

سالگرہ کا دن کیسے مناتی ہیں

میرے ڈاکومنٹ کے مطابق میری تاریخ پیدائش 26 دسمبر ہے۔ گھر میں سالگرہ نہیں مناتی جیسے عام دن گزارتی ہوں یہ بھی گزر جاتا ہے۔ ہاں فرینڈز وش ضرور کرتی ہیں کال کر کے میسج بھیج کر کے میل کے ذریعے اکثر کارڈز اور گفٹ دیتی ہیں۔ میرے اسٹوڈنٹس بھی وش کرتے ہیں اور اکثر گفٹ بھی دیتے ہیں۔ اس بار بھی سب نے وش کیا فرینڈز کی طرف سے کارڈز بھی ملے۔ اس بار 26 دسمبر اس لیے بھی یادگار رہا کہ 25 کو ویلس (احمد بھائی) پاکستان آیا تھا اور ایک اور اہم بات یہ کہ پاکستانی پوائنٹ کی طرف سے بھی مجھے بڑے اچھے انداز میں وش کیا گیا تھا۔ ایک بہت ہی اچھی اور نائس فرینڈ سدرہ شفیق نے مجھ سے پہلی بار موبائل پر بات کی تھی۔

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ایاز جھگڑے کے بعد اپنے دوستوں سے ملتا ہے اور جھگڑے کی تفصیل بتاتے ہوئے شہوار سے شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ ولید آفس میٹنگ سے واپس آتے ہوئے لیٹ ہو جاتا ہے راستے میں اس کی گاڑی سے ایک گاڑی ٹکرا جاتی ہے جس میں موجود لڑکی کو وہ اسپتال لے جاتا ہے اور پھر اس کے ورثا کو کال کر کے اسپتال آنے کی اطلاع دیتا ہے مگر دوسری جانب لڑکی کے الفاظ ان کے سخت کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ عبدالقیوم اسپتال میں ولید کو دیکھ کر تھوڑا چونک جاتے ہیں اور اس سے اس کے والد کی معلومات لے کے کچھ سوچتے ہیں۔ دوسری طرف انا ولید کے لیٹ ہو جانے پر اس کا انتظار کرتی ہے اور واپسی پر اس کی خون آلود شرٹ دیکھ کے رونا شروع کر دیتی ہے ولید کے تسلی دینے پر وہ کافی حد تک خود کو سنبھالتے ہوئے اس کا ضروری ٹریٹمنٹ و بینڈیج کرتی ہے۔ شہوار ساری رات بخار کی حالت میں بے حواس رہتی ہے صبح مصطفیٰ اسے اسلام آباد سے کال کرتا ہے تو وہ اپنا صبر کھو بیٹھتی ہے اور رو پڑتی ہے جس پہ مصطفیٰ پریشان ہو کے جلد پہنچنے کا کہتا ہے ساتھ ہی انسپکٹر شہباز کو فون کر کے معلومات حاصل کرنے کا آرڈر دیتا ہے۔

صبح ناشتے پہ ولید کی نوک جھونک سے انا کا موڈ یک دم بدل جاتا ہے پھر ولید کی آفر پہ وہ اس کے ساتھ کچھ سوچتے ہوئے اسپتال جانے کی ہامی بھر لیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے



سی گرین لباس اور میچنگ دوپٹہ لیے وہ کھلا ہوا گلاب ہی تو لگ رہی تھی۔ وہ نیچے آئی تو روشی راہداری میں ہی کھڑی ولید سے کسی بات پر بحث کر رہی تھی۔ ولید بھی بالکل ریڈی تھا۔ اس کی تیاری دیکھ کر تو وہ اور بھی جل بھن گئی۔

"آپ دونوں جا کہاں رہے ہیں۔ رات بھی آپ لیٹ آئے پھر صبح پھپھو سے جھوٹ بھی بولا کہ بارہ بجے آ گیا تھا۔ مجھے انا کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا تھا مگر اب آپ انہیں لے جا رہے ہیں۔" وہاں کے قریب آئی تو روشی کو کہتے پایا۔

"ڈونٹ وری ہم بس ایک ہی کام سے جا رہے ہیں۔ تم نے چلنا ہے تو ریڈی ہو جاؤ۔" وہ بہن کو بہلا رہا تھا۔

"مگر پتا بھی تو چلے کہ کام کیا ہے اور آپ کے ساتھ یہ کیوں جا رہی ہے؟" اس نے انا کو گھورا تو وہ مسکرا دی۔

"اس کی بحث آج کی ڈیٹ میں ختم نہیں ہونے والی۔ میں گاڑی نکال رہا ہوں۔ تم فوراً آ جاؤ۔" وہ بہن کے سوال پر گھور کر گیراج کی طرف چلا گیا۔ اس کی گاڑی تو ورکشاپ میں تھی گھر والی گاڑی کی چابی اس نے ڈرائیور سے لے لی تھی۔

"تم یوں بن سنور کر کہاں چلیں؟" بھائی کا غصہ وہ اب انا پر نکال رہی تھی۔

"ہائے میں کب سنوری کہاں ہوں۔ صرف سوٹ ہی تو بدلا ہے۔" بیچارے گھورا۔

"یہ تمہارا بھائی ہی جانتا ہوگا کہ کہاں جا رہے ہیں مجھے تو انہوں نے کہا تھا کہ ایک کام ہے۔ ساتھ چلنا ہے میں ریڈی ہو گئی۔" اپنا نہایت قیمتی خوب صورت بیگ کندھے پر ڈالتے وہ مسکرائی۔

"ہاں اتنی ہی تو معصوم بی بی ہو نا تم انہوں نے ساتھ چلنے کو کہا اور محترمہ فوراً ریڈی ہو گئیں۔"

"ماشاءاللہ میں تمہارے بھائی کے ساتھ کسی ڈیٹ پر نہیں جا رہی اور نہ ہی ان کو بھگا کر لے جا رہی ہوں۔" روشی کی تفتیش پر اسے گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ماشاءاللہ کیسی کیسی حسرتیں پال رکھی ہیں۔ خیر کسی دن ڈیٹ پر بھی چلی جاؤ گی۔ ارادے تو مجھے یہی لگ رہے ہیں اور جہاں تک بھگا کر لے جانے والی بات ہے تو تم تو نہیں مگر ان کی تیاری لگ رہی ہے کہ وہ تمہیں بھگا کر کہیں ضرور لے جا رہے ہیں۔" اس کے معنی خیز انداز پر وہ ایک دم شرم سے سرخ پڑ گئی اور بیگ کھینچ کر اسے دے مارا۔

"بکواس مت کرو مجھے واقعی کچھ نہیں پتا۔" اس نے صاف نظریں چرائیں۔ روشی نے بغور دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی شرارتی مسکراہٹ تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ رات ولی بھائی کب آئے تھے؟"

"ڈیڑھ بجے کے قریب۔" ولید گاڑی کا ہارن دے کر اسے متوجہ کر رہا تھا وہ فوراً لپکی تو روشی نے فوراً اس کا راستہ روکا۔

"مجھے دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔"

"مائی گاڈ ایسی شکی بہن میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اپنے بھائی پر شک کر رہی ہو شرم کرو۔" ولید نے جیسے ہارن پر ہی ہاتھ رکھ لیا تھا پورا لان تیز آواز سے گونج اٹھا تھا۔

"نہیں بھائی اور تمہاری اس تیاری پر صبح صبح یہ کھلا ہوا گلاب بن کر میرے بھائی کے ساتھ نہیں جانا۔ دال میں واقعی کچھ کالا ہے۔"

"تمہاری طرح تمہارا بھائی بھی سڑیل اور بدد ماغ ہے۔ تم دونوں بہن بھائیوں کی قریب کی نظر کمزور ہے۔ کاش میں کہیں لے ہی جاتی تمہارے بھائی کو مگر......!" ایک گہرا سانس کھینچتے اسے ایک طرف ہٹا کر وہ تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھی۔

"روشی اپنے فرنٹ سیٹ پر مسکراتی نگاہوں سے جھینپتے ہوئے دیکھ کر کھل کر ہنس دی تھی۔

"واقعی دل میں کچھ کالا تو ہے......"

"کیا کہہ رہی تھی روشی؟" کچھ دور آنے کے بعد ولید نے اس سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں آپ تو جان بچا کر آ گئے تھے پیچھے وہ میرا دماغ کھا رہی تھی۔"

"ہاں خواتین یہی کام اچھے انداز میں کر لیتی ہیں اور آتا کیا ہے؟" اس کی چوٹ پر اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور مرد عورتوں کو انڈر اسٹیمیٹ کر لیتے ہیں۔" اس نے فوراً حساب برابر کیا۔ باقی رستا دونوں خاموش ہی رہے تھے۔ ولید نے ریڈ روز کا بکے لیا تو اسے سرخ گلاب دیکھ کر پریشان ہوئی اور اس کے اندر عجیب عجیب سے احساسات پیدا ہوتے رہے اور وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔

ولید نے ریسیپشن سے پتا کیا تو معلوم ہوا کہ مریضہ کو ایمرجنسی سے روم نمبر 5 میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ وہ دونوں روم کی طرف چلے آئے بکے ولید نے اسے تھما دیا تھا۔ دستک دینے کے بعد ولید نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو اسے اندر یکدم دھکڑ سی شروع ہوتی محسوس ہوئی۔

"آؤ۔" اسے راہداری میں ہی رکتے دیکھ کر کہا تو وہ اس کے پیچھے روم میں داخل ہوگئی۔

"السلام علیکم۔" کرسی پر بیٹھی لڑکی نے چونک کر آنے والوں کو دیکھا۔

"وعلیکم السلام۔" ولید کو دیکھ کر وہ لڑکی نے فوراً اٹھ کر استقبال کیا اور ولید کے ساتھ ایک نہایت نازک کانچوں کی مانند کھلی کلی سی لڑکی کو دیکھ کر چونک گئی۔ اس نے خاموشی سے لڑکی کو بکے تھما دیا۔

"پلیز بیٹھیں...... آپ یہیں بیٹھیں۔" یہ وی آئی پی روم تھا ایک طرف رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کیا تو دونوں ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی سسٹر کی؟" لڑکی کا چہرہ سفید چادر میں چھپا ہوا تھا اس نے ایک سرسری نگاہ ڈال کر پھر میزبان لڑکی کا جائزہ لیا۔ سادہ شلوار قمیص میں بھی اس کا حسن نگاہیں مار رہا تھا۔ ولید کے سوال پر وہ مسکرا کر خود بھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"اب تو بہتر ہے ظاہر ہے شدید چوٹوں کی وجہ سے سارا وجود متاثر ہوا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ کوئی اندرونی چوٹ نہیں آئی۔ نہ ہی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے۔ مگر ایکسیڈنٹ تو پھر ایکسیڈنٹ ہی ہوتا ہے۔ ڈاکٹرز کافی مطمئن ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" ولید نے کہا۔

"مریضہ کو ہوش بھی آیا تھا کہ ابھی تک رات والی کنڈیشن میں ہی ہیں۔" ولید نے بستر پر لیٹے سفید چادر میں چھپے وجود کو دیکھا۔

"صبح ہوش آیا تھا چار پانچ منٹ کے لیے۔ ڈاکٹرز نے پھر ٹرینکولائزر کے حوالے کر دیا۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ ایک دو دن یہ اسی حالت میں رہے گی۔"

"اتفاق ہی تو ہے آپ نے پتا لگایا کہ ایکسیڈنٹ کی اصل وجہ کیا تھی گاڑی میں فالٹ یا کوئی اور وجہ؟" انا مکمل طور پر خاموش تھی وہ خاموشی سے دونوں طرف کی کلام بازی سن رہی تھی۔

"ولید نے جائے وقوعہ سے معاملے کی پڑتال کروائی ہے۔ گاڑی کی جو کنڈیشن ہے اس سے مکینک نے تو یہی بتایا ہے کہ اوور اسپیڈ ہونے کی وجہ سے کار کا گاڑی پر کنٹرول نہیں رہا اور نتیجتاً وہ سامنے والی گاڑی سے ٹکرا کر حادثے کا سبب بن گئی۔"

"آپ کے والدین نظر نہیں آ رہے؟"

"ماما کی رو رو کر حالت خراب ہو گئی تھی اور ڈیڈی کی آج بہت اہم بزنس اپائنٹمنٹ تھی۔ وہ ماما کو گھر چھوڑ کر چند گھنٹوں کے لیے گئے ہیں۔"

"اور آپ کے باقی بہن بھائی؟"

"بھائی ہے ایک اسے ابھی تک ہم نے اطلاع ہی نہیں دی۔"

"کیا کسی اور کنٹری میں رہائش پذیر ہیں؟" ولید نے استفسار کیا تو وہ ہنس دی۔

"نہیں ہمارے ساتھ ہی رہتا ہے۔ کچھ موڈی ہے اور بے پرواہ بھی۔ گھر سے باہر ہو تو سیل آف کر دیتا ہے۔ رات جب مجھے اطلاع ملی تو اس کا نمبر بند تھا۔ وہ دوستوں کے ساتھ کہیں چلے گئے ہیں

بڑی ہوگا۔" بے پروائی سے وہ کہہ رہی تھی اور ولید نے ایک عام سی نگاہ اپنے سامنے بیٹھی دل کش و حسین سی اس لڑکی کو دیکھا۔

اسے رات اس لڑکی کی گفتگو یاد آئی اور ساتھ ہی اس نے ایک عام سی نگاہ بیڈ پر لیٹے وجود کو دیکھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ شاید یہ ہائی سوسائٹی کے نام نہاد لوگوں کے لیے عام سی بات ہو مگر یہ سب اس جیسے حساس مرد کے لیے بہت زیادہ تھا۔ شاید یہ معاشرتی المیہ تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

"آپ کی سسٹر ہیں؟" عادلہ نے ولید کے ساتھ مسلسل چپ چاپ بیٹھی انا کو دیکھ کر ولید سے پوچھا تو جہاں وہ ایک دم سٹپٹایا وہیں انا بھی خفت سے سرخ ہو گئی تھی۔

"کزن ہیں میری انا وقار احمد۔" اس نے شرمندہ ہوتے تعارف کروایا۔ عادلہ ایک پل کو چونکی پھر بجائے شرمندہ ہونے کے ہنس دی۔

"اف یو ڈونٹ مائنڈ مجھے تو آپ ایک کپل ہی لگ رہے ہیں۔" اس کی مسکراتی نگاہوں سے انا کا سارا اعتماد ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔

"جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" عادلہ کے اس برجستہ تبصرے پر خاصی سنجیدگی سے ولید نے کہا تو انا نے اس کے چہرے کی سنجیدگی دیکھی۔

"آہ......!" سفید چادر کے اندر سے ایک کراہ بلند ہوئی تو عادلہ فوراً اٹھ کر اس کی طرف چلی گئی۔ سفید چادر ہٹا کر اس نے دیکھا وہ آنکھیں بند کیے مسلسل کراہ رہی تھی۔ انا نے لڑکی کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور پھر اپنی جگہ گم صم رہ گئی۔ یہ لڑکی اپنی بہن سے بھی کئی گنا زیادہ حسین اور دل کش تھی۔ چہرے پر کئی خراشیں تھیں مگر اس کے باوجود آنکھیں بند کیے یہ چہرہ اپنے اندر بہت خوب صورتی لیے ہوئے تھا۔

"لگتا ہے پین کلر کا اثر ختم ہو رہا ہے۔ میں ڈاکٹر کو کال کرتی ہوں۔" اس نے فوراً کام تمام کر ڈاکٹرز کو اطلاع دی۔ ڈاکٹر فوراً آ گئے تھے۔ وہ مریضہ کا جائزہ لینے لگے تھے۔

"ولید چلیں؟" وہ ایک دم بے زاری ہونے لگی تو اس نے ولید کو کہا۔ ولید نے اسے دیکھا۔ سنجیدہ چہرے کے تاثرات بڑے عجیب سے تھے۔

"یہ چابی لو تم گاڑی میں جا کر بیٹھو میں آتا ہوں۔" وہ سمجھ گیا کہ انا کو سفید پٹیوں میں جکڑے وجود کو دیکھ کر وہ پریشان ہو رہی ہے۔ گاڑی کی چابی اسے تھمائی تو وہ بغیر ایک لفظ کہے تیزی سے وہاں سے نکل آئی۔ ڈاکٹرز لڑکی کے زخموں کا معائنہ کرتے عادلہ سے بات چیت کر رہے تھے۔ دو منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھول کر ایک بلند قامت خوش شکل نوجوان داخل ہوا تھا۔

"ہائے عادلہ مجھے تو کسی نے بتایا تک نہیں وہ تو میں ابھی گھر گیا تو مام نے بتایا تو فوراً ادھر بھاگا آیا ہوں۔" نوجوان آتے ہی شروع ہو چکا تھا۔ ولید نے نوجوان کو دیکھا۔ نوجوان آج کے لیٹسٹ کلاس کے بگڑے ہوئے رئیس زادوں کے مکمل گیٹ اپ میں تھا۔ بے تکے سے حلیے میں وہ اسے خاصا کھٹکا۔

"تمہیں کوئی بتاتا بھی تو کیسے؟ ساری رات سے تمہارا موبائل آف مل رہا تھا۔" عادلہ نے بھائی کو غصے سے دیکھ کر پھر ڈاکٹر سے بات چیت شروع کر دی۔ کچھ پل بعد ڈاکٹرز چلے گئے تو عادلہ نے ولید کو دیکھا۔

"یہ میرا بھائی ایاز ہے اور ایاز یہ ولید صاحب ہیں۔ یہی کاشی کو ہسپتال لے کر آئے تھے۔" اس نے تعارف نبھایا تو ایاز نے فوراً سلام کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے ولید نے بغیر کسی تاثر کے تھام لیا۔

"ارے آپ کی کزن کہاں گئی؟" وہ ڈاکٹرز کے ساتھ مصروف تھی سو اسے انا کے جانے کا پتا نہیں چلا۔

"وہ گاڑی میں چلی گئیں اور اب میں بھی چلتا ہوں۔" اس نے اٹھ کر کہا تو عادلہ نے اس کے دراز قامت مضبوط ڈیل ڈول کو دیکھا ایک دم اس کی نگاہوں میں ستائش سمٹ آئی۔

"کچھ دیر تو رکیے؟" اس نے اخلاق نبھایا۔

"نہیں وہ گاڑی میں اکیلی ہیں انہیں کہیں کام کے لیے جانا ہے۔"

"اوہ۔"

"او کے اللہ حافظ۔" وہ اب کی بار ایاز سے ہاتھ ملائے بغیر تیزی سے وہاں سے نکلا تھا۔ وہ پارکنگ میں اپنی گاڑی کی طرف آیا تو انا شیشے چڑھائے گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ کر اس نے کھڑکی کا شیشہ بجایا تو انا نے اپنے ہی کسی خیال سے چونک کر ولید کو دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا لاک کھول دیا۔

"کیا ہوا ہے؟ بڑے متفکروں والے انداز میں بیٹھی ہوئی ہو۔" ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی اسے مسلسل خاموش پا کر اس نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں بس ویسے ہی۔" اس نے تناتے ہوئے لہجے میں کہا چند پل اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد کچھ یاد آیا تو اس کی طرف منہ کیا۔

"ولید آپ ہسپتال سے بینڈیج ہی کروا لیتے بے شک زخم اتنے گہرے نہیں مگر زخموں کو کبھی چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"فی الحال تو ڈاکٹر صاحبہ رات آپ کی کی گئی بینڈیج سے گزارا ہو رہا ہے۔ دوبارہ ضرورت پڑی تو کروا لیں گے۔ ڈونٹ وری۔" ولید کی مسکراہٹ پر اس کا دل پھر ایک پل کو بوجھل ہوا تو وہ کھڑکی کی طرف منہ موڑ گئی۔ نجانے وہ ایسی کیوں ہو رہی تھی۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ اس لڑکی کو دیکھ کر اس کے اندر اس قدر اضطراب اور پریشانی کیوں در آئی تھی۔ وہ اپنی کیفیت خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

صبح سے وہ اس قدر خوش تھی کہ حد نہیں اور اب نجانے خوف کی آہٹیں وہ اپنے دل کی دہلیز پر محسوس کر رہی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ تیاگ کر کسی کونے میں جا بیٹھے اور دل کھول کر روئے

کہ ہر طرف جل تھل ہو جائے کوئی بھی کونا خشک نہ بچے۔ اپنی ہی سوچوں اور خیالات سے گھبرا کر اس نے سیٹ کی پشت سے اپنا سر ٹکا دیا۔ اس کے اس طرح گم صم ہونے پر ولید نے بہت حیرت و تعجب سے اسے دیکھا تھا۔ اس نے کچھ پوچھا نہیں تھا۔ مگر اس کے انداز پر متفکر ضرور ہو گیا تھا۔



مینا کے بعد انسپکٹر شہباز کی کال آ گئی تھی اور اس نے جو رپورٹ دی اسے سن کر وہ خاصی دیر تک غم و غصے کا شکار رہا۔ بہر حال کل جو کچھ بھی ہوا بہت برا ہوا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ شہوار جیسی نرم و نازک احساسات کی مالک حساس لڑکی کے اعصاب پر یہ چوٹ کیسی گہری لگی ہوگی۔

اس کا چھوٹ چھوٹ کر رونا سلگاتا تھا...... ابھی تک دل پر بوجھ بنا ہوا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ کس کرب کا شکار ہو کر بیمار ہوئی ہوگی۔ کل صبح کا روشن تر و تازہ صبیح چہرہ اس کے دل و دماغ میں ابھی بھی روشن تھا۔ وہ اپنے تمام ضروری کام نپٹا، پشت ڈال کر ہوٹل سے اپنا سامان لے کر سیدھا ائیر پورٹ آ گیا تھا۔

اپنے شہر آ کر وہ پہلے آفس آیا جہاں چند ضروری امور نمٹانے کے بعد وہ گھر آ گیا تھا۔ لاب بھابی اور ماں جی دونوں لان میں ہی بیٹھی مل گئی تھیں۔ وہ سیدھا انہی کی طرف چلا آیا۔

"السلام علیکم......" مسکرا کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" ماں جی سے جھک کر پیار لے کر کرسی پر ٹک گیا۔

"تم نے تو رات کو آنا تھا۔" ماں جی نے پوچھا تو وہ ہنس دیا اور پھر ہاتھ بڑھا کر لاب بھابی کی گود سے آفاق کو اٹھا لیا۔

"جی پروگرام تو یہی تھا مگر کام جلدی نمٹ گیا تو چلا آیا۔"

"آفس سے آ رہے ہو؟" آفاق کو اچھالتے دیکھ کر بھابی نے بھی پوچھا۔

"جی سیدھا وہیں چلا گیا تھا۔"

"نائلہ بھابی آ گئی ہیں کیا؟" آفاق کے رخسار چوم کر یہاں وہاں دیکھا۔

"نہیں وہ چند دن رہنے کے لیے گئی ہے۔" انہوں نے نفی سے جواب دیا۔

"آفاق ان کے بغیر روتا ہے آپ کو تنگ تو نہیں کرتا۔" کلکاریاں مار کر ہاتھ پیر مارتے اپنے معصوم پیارے بھتیجے کو دیکھتے اس نے لاب بھابی سے پوچھا۔ جو نائلہ بھابی کے ایسے ہر پروگرام میں بڑی خندہ پیشانی سے آفاق کو سنبھالتی تھیں۔

"تنگ تو نہیں کرتا۔ بالکل بھی نہیں بلکہ نائلہ بھابی کے بجائے یہ میرے ساتھ زیادہ خوش ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو مصطفیٰ نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"وہ تو بچہ پیدا کرنے پر ہی کب راضی تھی؟ اللہ کی طرف سے آس لگی تو اس نے ایک قیامت برپا کر دی تھی۔ سب نے سمجھایا مگر وہ ضد کی پکی تھی پھر اس شرط پر راضی ہوئی کہ آفاق کو صرف پیدا کرے گی اس کے لیے ملازمہ رکھنا ہوگی جو اسے پال لے گی۔ فیڈ تک تو اس نے کروایا نہیں۔ نجانے کیسی ماں ہے۔ لاب نے خوش ہو کر پیدا ہوتے ہی اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا ورنہ جانے اس بچے کا کیا حال ہوتا؟ وہ بچوں کو پاؤں کی زنجیر کہتی ہے۔ آفاق کے بعد تو اس نے عباس سے صاف کہہ دیا کہ ایک ہی بیٹا کافی ہے مزید بچے وہ افورڈ نہیں کر سکتی۔" ماں جی نے تو دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔ مصطفیٰ نے جھک کر خوب صورت گل گوتھنے سے بچے کے سر پر بوسہ دیا۔

"بچے تو باغ کے پھول ہوتے ہیں گھروں کی رونق میرے بچے کی زندگی کو دیکھ۔ لگا دی اس عورت نے۔ اس کا دل ویران کر دیا۔" ماں جی کا لہجہ آزردہ ہوا تو مصطفیٰ کے دل کو تکلیف ہوئی۔

"تو عباس بھائی ایک فائنل اسٹیپ کیوں نہیں لے لیتے۔ جب ان کی ہر طرح کی خوبیاں سامنے آ گئی ہیں تو انہیں چھوڑ دیں پھر۔" مصطفیٰ نے جوش سے کہا تو ماں جی نے دہل کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہ بیٹا نہ۔ ہماری بھی بیٹیاں ہیں۔ اللہ اسے ہدایت دے اپنے گھر اور گھر والے کی محبت اس کے دل میں پیدا کر دے بھلا اس سے بڑھ کر ہمیں کیا چاہیے۔ میرا بیٹا بڑی محبت اور خواہش کے ساتھ اس عورت کو بیاہ کر لایا تھا۔" اس نے خاموشی سے سر جھکا۔ بھلا عباس بھائی کب تک ایسے تعلق کو یک طرفہ طور سے کھینچتے رہیں گے۔ اس کے اندر بڑی تلخ سی سوچ ابھری۔

"کھانا کھاؤ گے مصطفیٰ؟" بھابی کو آفاق تھما کر وہ اٹھا تو ماں جی نے پوچھا۔

"جب سب لنچ کریں گے تو مجھے بھی بلوا لیجئے گا میں ذرا چینج کر لوں۔" وہ جاتے جاتے ایک پل کو رکا۔ "شہوار کی طبیعت اب کیسی ہے؟ کہاں ہے وہ اس وقت؟"

"رات سے تو بہتر ہے مگر بخار ابھی بھی ہے صبح کچھ کم تھا مگر ختم نہیں ہوا۔" وہ سر ہلاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

اپنے کمرے میں جانے سے پہلے وہ شہوار کے روم کی طرف آ گیا۔ دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو وہ بستر پر دراز سر تک کمبل اوڑھے دکھائی دی۔ شاید سو رہی تھی۔ وہ گہری سانس خارج کرتا دوبارہ

دروازہ بند کرتے اپنے کمرے میں آ گیا۔ کھانا اس نے ماں جی اور بھائی کے ساتھ ہی کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھا رہا۔ پتا نہیں شہوار اٹھی کہ نہیں۔ درخشندہ ادھر کسی کام سے آئی تو روک لیا۔

"شہوار...... اٹھ گئی کیا؟"

"جی بی بی صاحبہ انہیں کھانا کھلا رہی ہیں۔"

"کون ماں جی؟" درخشندہ سر ہلا کر چلی گئی تو وہ بھی ٹی وی آف کرتا اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ دستک دے کر اس نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔

"السلام علیکم!" شہوار نے سر اٹھا کر مصطفیٰ کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے سر جھکا لیا۔ صبح جذباتیت کا مظاہرہ کرتے اس نے کمزوری کا سامنا تو کر لیا تھا مگر اس کے بعد پچھتاتی رہی تھی کہ اب ضروری تو نہیں کہ اسے ہر بات بتائی جائے۔ ماں جی اس کے لیے دلیہ بنوا کر لائی تھیں جسے پرزور اصرار کے بعد وہ کھا رہی تھی۔ مصطفیٰ ایک طرف رکھی کرسی اٹھا کر بستر کے قریب رکھ کر بیٹھ گیا۔

"تھوڑا سا اور کھا لو۔ صبح بھی صرف ایک سلائس کے علاوہ کچھ نہیں لیا تھا۔ رات بھی صرف چند چمچ سوپ کے لیے تھے۔ اس طرح تو کمزوری ہو جائے گی چلو شاباش یہ پورا پیالہ ختم کرو۔" ماں جی نے اسے چند نوالے لینے کے بعد ہاتھ روک کر بیٹھتے دیکھ کر ٹوکا۔

"پلیز بالکل نہیں کھایا جا رہا اس وقت جب دل چاہا خود منگوا لوں گی ابھی نہیں پلیز۔" ماں جی کا منہ کی طرف جاتا ہاتھ رک گیا۔

"اگر دلیہ کھانے کا دل نہیں چاہ رہا تو اپنی پسند کی کوئی بھی چیز بتا دو وہ بنوا لیتی ہوں۔ مگر پرہیزی چیز بنوا کر دوں گی ایسی ویسی نہیں۔" نرمی سے ہاتھ بڑھا کر رکھتے انہوں نے کہا تو اس نے ذرا سا مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ بھی مت بنوائیں۔ بخار کی وجہ سے منہ کا ذائقہ کڑوا ہو گیا ہے۔ ایسے میں ہر چیز کا ایک ہی ٹیسٹ لگ رہا ہے۔" بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگاتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔ گورے گالوں پر چھایا تا پھیکا پن اس وقت زرد ہو کر کملایا ہوا لگ رہا تھا۔

"اب طبیعت کیسی ہے تمہاری؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

"بہت تنگ کرتی ہے بیماری میں۔ تابندہ ٹھیک اس کی شکایت کرتی ہے کہ بیماری میں یکسر بچے کی طرح بن جاتی ہے۔ تمہارے بابا اور بھائی بھی پریشان ہو رہے ہیں کہ اسے بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا ہے کہ ایک دم تپتی بیمار ہو کر بستر سے آ لگی۔" مہر النساء بیگم نے مصطفیٰ کے سامنے اظہار خیال کیا تو وہ مزید شرمندہ ہوئی۔

"میں تو ایک دن میں ہی بوکھلا کر رہ گئی ہوں۔ کل سے سارا وقت اس کی پٹی سے لگی بیٹھی ہوں۔ ساری رات یہ بے ہوش کراہتی رہی ہے اور میری جان ہولتی رہی ہے۔ کل سے تابندہ کے کئی فون آ چکے ہیں۔ بات نہیں کر رہی کہ اس نے بخار میں کچھ الٹا سیدھا بول دیا تو وہ بچاری عورت وہاں روتی پریشان ہوتی رہے گی۔" انہوں نے اب کے مصطفیٰ کو تفصیل سے بتایا۔

"ہاں میرے پاس بھی دوپہر میں کال آئی تھی پریشان ہو رہی تھیں کہ یہ محترمہ خود کہاں ہیں اور بات کیوں نہیں کر رہی ہیں۔ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔" مصطفیٰ نے بھی بتایا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ماں ہے نا اولاد تکلیف میں ہو اور ماں کو کیسے سکھ ملے تبھی دور بیٹھی بھی محسوس کر رہی ہے۔" مہر النساء بیگم فوراً متاثر ہوئی تھیں۔

"تم یہ دوا لے لو اب میں نیند کی کوئی نکال رہی ہوں۔ بخار پہلے سے قدرے کم ہے۔ اللہ شفا دے۔ تمہیں مسلسل بستر پر پڑے دیکھ کر میرا دل ہول رہا ہے۔" انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی دواؤں میں سے اس کی میڈیسن نکالی تھی۔ پانی کا گلاس بھر کر اسے گولیاں تھما دیں۔ وہ خاموشی سے میڈیسن کھا گئی تھی۔

"اچھا مصطفیٰ تم اس کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرو۔ سارا دن لیٹے لیٹے بھی بندہ بیزار ہو جاتا ہے۔ اب بچے کے ساتھ گھر کے دیگر کام بھی دیکھتی ہے اور میں اکیلی اس کا کہاں تک جی بہلاؤں۔" وہ برتن اٹھا کر کمرے سے نکل گئیں اور شہوار کی جان پر بن آئی تھی۔ مصطفیٰ اب پہلی فرصت میں اس سے یہی پوچھے گا وہ خاموشی سے نظریں جھکائے مصطفیٰ کے بولنے کی منتظر بس بستر کی چادر دیکھے جا رہی تھی۔

"بوا جی سے بات کر لو وہ پریشان ہو رہی ہیں۔ کہتی ہو تو ابھی کال ملا دیتا ہوں۔" اس نے کہا بھی تو کیا اس نے حیرت سے سر اٹھا کر دیکھا جو موبائل کی وائبریشن ہونے پر اس کی اسکرین کو گھور رہا تھا۔ شاید اس کا موبائل سائلنٹ پر تھا۔

"بوا جی کی مسلسل کال آ رہی ہے۔" اس نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا تو اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

"السلام علیکم!" آن کرتے اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔

"وعلیکم السلام!" آنا بندہ ہی اس کی آواز سن کر ایک دم نہال ہو گئی تھیں۔

"کل سے میں نے کتنی کالز کی ہیں۔ کوئی یوں بھی ماں کے دل کو تڑپاتا ہے۔ غصہ ہے یا ناراضگی جو بھی ہے وہ سب ایک طرف مگر ماں ہوں تمہاری۔ کوئی اس طرح بھی ماں سے ناراض ہوتا ہے۔" ان کی آواز میں نمی گھل گئی تھی اور وہ اپنی جگہ مجرم بن گئی تھی کہ ماں کو اتنی تکلیف دینے کا سبب بن رہی تھی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔" اس نے دھیمے سے کہا۔ بخار نے ساری قوت ہی سلب کر لی تھی شاید ماں سے بات کرتے سانس الجھنے لگا۔

"تو پھر بات کیوں نہیں کر رہی تھی مجھ سے۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی ہلکا سا بخار تھا اور جب بھی آپ کی کال آئی میں سو رہی ہوتی تھی مجھے پتا نہیں چلا۔" اس نے کہا تو وہ فوراً پریشان ہو گئیں۔

"میرے اللہ طبیعت خراب کیوں ہو گئی بخار کیوں ہوا؟"

"بس کیا بتاؤں بخار وہ بتا کر تھوڑی آتا ہے۔" مصطفیٰ نے اس کے چہرے پر ایک پل کو چھا جانے والے تاثر کو دیکھا۔ عجب اضمحلال لیا ہوا انداز تھا۔

"مگر مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔ میں نے کتنی کالز کیں۔"

"سب آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہلکا سا بخار تھا اب میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں بالکل فٹ فاٹ اے ون۔" اپنے آپ کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کو وہ قدرے مسکرائی بھی تھی۔

"اللہ کرے۔" ان کے لہجے میں تفکرات تھے۔

"تم نے میرے ہاں کر دینے والی بات کا اتنا اثر لیا ہے۔ اسی لیے اپنی طبیعت خراب کر ڈالی؟" وہ افسردہ لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں......!"

"مگر میں جانتی ہوں تم خوش نہیں ہو۔ مصطفیٰ میری خواہش ہے بیٹا! ایک ماں بھلا اپنی اولاد کے لیے غلط فیصلہ کیسے کر سکتی ہے۔ مصطفیٰ تمہارے لیے دنیا میں سب سے گھنی چھاؤں و مضبوط سہارا ثابت ہوگا۔" شہوار نے خاموشی سے پلکیں اٹھا کر مصطفیٰ کی طرف دیکھا وہ مکمل توجہ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جھٹ گھبرا کر فوراً پلکوں کی جھالر گرا دی۔ دل سینے کے اندر یوں شور مچانے لگا کہ جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"ہم اس ٹاپک پر بعد میں بات کریں گے۔ میں خود کال کروں گی اب بار بار سب لوگوں کو کر کے میری طرف سے پریشان مت ہوں میں ٹھیک ہوں اور اس بات کا میں نے قطعی اثر نہیں لیا بس ویسے ہی بخار ہو گیا ہے۔"

"تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔ مگر مجھے لگتا ہے کہ تم ابھی بھی ناراض ہو مجھ سے۔" ان کی آواز رنجیدہ تھی۔

"نہیں امی میں بھلا آپ سے ناراض ہو کر کہاں جاؤں گی آپ کے سوا میرا ہے کون۔ مانا یا نہ مانا وہ ایک طرف مگر آپ کی بات یا فیصلے کو رد کر سکتی ہوں ناراض نہیں ہو سکتی۔ فکر نہ کریں۔ بالکل مطمئن رہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں آہستہ آہستہ بولتے اپنی سانس کو ہموار کرتی وہ بمشکل کہہ رہی تھی اور مصطفیٰ بڑے صبر و شکر سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا اور مصطفیٰ کے سامنے یہ سب کہنا اس کے لیے بڑا مشکل تھا۔

"اچھا میں خود کال کروں گی۔ رات کو اگر نہ کر سکی تو کل ہفتہ ہے گھر میں ہوں گی سارا دن۔ کسی بھی وقت کر لوں گی پریشان نہ ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ او کے...... اللہ حافظ۔" مصطفیٰ کی نظریں مسلسل اپنے چہرے پر جمے دیکھ کر اس نے جلدی جلدی بات سمیٹتے خدا حافظ کہا تھا۔ کال آف کر کے موبائل مصطفیٰ کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ۔" مصطفیٰ نے موبائل لے کر پاکٹ میں رکھ لیا۔

"بہت پریشان لگ رہی تھیں بوا جی۔"

"جی۔" اپنے ہاتھوں کو آپس میں جکڑتے ہوئے اس نے کہا۔

"یہ ناراضگی والا کیا سلسلہ ہے؟" بغور اس کی طرف دیکھتے اس نے پوچھا۔

"کوئی سلسلہ نہیں ویسے ہی بات ہو رہی تھی۔ آپ سنائیں آپ کب آئے؟ آپ نے تو شاید رات کو آنا تھا۔" اس نے بات بدلنی چاہی۔ مصطفیٰ نے گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"ہاں پروگرام تو یہی تھا مگر صبح تم سے بات کرنے کے بعد میں نے تمام پروگرام کینسل کر دیا تھا۔ اب بتاؤ صبح ایسا شدید ری ایکشن پیش کرنے کی کوئی خاص وجہ؟" شہوار خاموشی سے اپنے ہاتھوں کو

آپس میں مسائل بری بری طرح کشمکش و پیچ میں پڑ گئی تھی۔ صبح جذباتیت کا اظہار تو کر دیا تھا مگر اب اپنی زبان سے سب کہہ دینا دنیا جہاں کا مشکل ترین امر لگ رہا تھا۔

"میں تم پر واضح کر دوں کہ میں اپنے تئیں تمام معلومات حاصل کر چکا ہوں کل کالج میں ایاز لوگوں کی وجہ سے جو بھی ہنگامہ ہوا وہ حرف بہ حرف میرے علم میں آ چکا ہے۔ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے تم سے تمام تفصیل جاننا ضروری سمجھتا ہوں۔" شہوار نے حیرت سے اسے دیکھا اس کے چہرے پر چھائی بلا کی سنجیدگی دیکھ کر اس کا دل دھڑکا اس نے اپنے لرزتے ہاتھوں کو دیکھتے فوراً سر جھکا لیا۔

"آپ کو کیسے علم ہوا؟"

"تمہارے صبح والے ردعمل اور اس شدید ڈپریشن نما بیماری کا اندازہ ہونے کے بعد تمام صورت حال معلوم کرنا میرے لیے قطعی مشکل نہ تھا۔ ہاں تمام کارروائی سے باخبر ہونے کے لیے مجھے تھوڑی دیر کے لیے انتظار کی اذیت ضرور سہنا پڑی تھی۔"

"آپ پلیز جلد از جلد مجھ کو بتا دو۔" اس نے خود کا تو دل ہی خواستہ سے تمام کارروائی اس کے گوش گزار کرنا پڑی۔ مصطفیٰ نے کوئی شدید ردعمل ظاہر کیے بغیر تحمل سے اس کی تمام گفتگو سنی تھی اور سب کچھ کہہ دینے کے بعد شہوار نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا وہ چہرے پر بغیر کوئی تاثر لائے محض خاموشی سے اس کی ساری بات سن کر اب غور و خوض کر رہا تھا۔

"ہوں ٹھیک ہے تم سناؤ ڈاکٹر کیا کہتا ہے تمہاری ڈپریشن نما بیماری کے بارے میں۔" ساری بات سننے کے بعد اس نے اس پر کوئی تبصرہ کیے بغیر موضوع بدل دیا تھا اور شہوار نے بڑی حیرانی سے اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں اب صبح ڈاکٹر زوبی آئے تھے اب وہ بھی مطمئن ہیں۔" اس کے اس طرح نارمل ردعمل شو کرنے پر اس نے بھی سہولت سے جواب دے دیا تھا۔

"یہ جو ہاشم گروپ ہے یہ کس قسم کے لڑکے ہیں۔" کچھ توقف کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا۔

"براہ راست تو کبھی واسطہ نہیں پڑا ظاہر اچھے ہیں۔ ہاں ہاشم خاصا اسٹرانگ بیک گراؤنڈ رکھتا ہے شاید میں زیادہ ڈیٹیل سے نہیں جانتی۔ کالج میں بھی غنڈہ گردی تو نہیں کی مگر ان کا گروپ ایک مضبوط پوزیشن کا حامل ضرور ہے۔ وہ تمام اینٹی گروپ کے طلباء ان سے خائف بھی رہتے ہیں مگر پرامن طبیعت کے مالک ہیں یہ لوگ کوئی بھی مسئلہ ہو کسی بھی قسم کا فوری حل کرنے کے لیے پیش پیش رہتے ہیں یہ لوگ۔" اس نے سہولت سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ہوں..... اور ایاز وغیرہ کے ساتھ ان کا تعلق کیسا رہا ہے؟"

"پہلے بھی چند بار روڈوں میں ہنگامہ ہو چکا ہے دراصل کبھی ہاتھا پائی کی نوبت نہیں آئی۔ ان لوگوں میں تو محض زبانی تلخ کلامی ہو جاتی تھی۔ ہاشم لوگ خصوصاً گرلز کو پروٹیکشن دیتے ہیں پہلے بھی ایاز لوگوں سے ان کا مسئلہ چند ایک بار کسی نہ کسی لڑکی کی ہی وجہ سے خراب ہوا تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں جو اس کی وجہ سے پریشان ہیں۔" وہ سر ہلاتے مزید کہنے لگی۔

"اس جیسے لڑکے جو کیریکٹر کے لحاظ سے زیرو ہوں جو اب تک میڈیکل کالج میں بس باپ کے پیسے کی وجہ سے ٹکے ہوں وہ بھلا کالج کیوں آتے ہیں؟ ہاسٹل اور کالج میں تعلیمی کارکردگی کے معاملے میں زیرو ہونے کے باوجود وہ ابھی تک کالج میں کیوں اٹکا ہوا ہے صرف اس لیے کہ اس کے پاس ایسے بہت سے حربے ہیں جو ٹیچرز اور ڈاکٹر کو خوف زدہ کرنے کے لیے وہ استعمال کرتا ہے۔ کسی کی کوئی نہ کوئی مجبوری ڈھونڈ نکالتا ہے۔" وہ زہر بھرے لہجے میں بتا رہی تھی۔

"اوہ۔" مصطفیٰ نے ایاز کے ذکر پر اس کے چہرے پر چھائی نفرت کا بغور جائزہ لیا تھا۔

"او کے ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو اپنے ذہن پر بوجھ ڈالنے کی قطعی ضرورت نہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور میرا خیال ہے کمرے میں تنہا لیٹے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ماں جی اور بھائی کے پاس بیٹھو ذہن فریش ہوگا۔ بے تکی ڈپریشن زدہ سوچوں کو ذہن میں جگہ دینے کے بجائے تمہیں چاہیے کہ کمرے کی چار دیواری سے باہر نکل کر بیٹھو۔" شہوار نے خاموشی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

"تم اب چند دن قطعی کالج نہیں جا رہیں۔ میں اب اس معاملے کو خود ہینڈل کروں گا۔" وہ مسکرا کر کہتا کمرے سے نکل گیا اور شہوار خاموشی سے دروازے پر ایک نگاہ ڈال کر گرداون سے تکیہ لگا کر گہری سانس لے کر رہ گئی۔

......☆☆☆......

وہ سو کر اٹھی تو طبیعت خاصی فریش اور بہتر تھی۔

چونکہ آج اتوار تھا تو آرام کا بھی خاصا وقت ملا تھا۔ اس کی طبیعت کی خرابی کے سبب ڈسٹرب تو پہلے بھی کسی نے نہ کیا تھا مگر مصطفیٰ سے دل کا بوجھ ہلکا کر لینے کا سبب تھا کہ وہ خود کو ذہنی اور جسمانی طور پر خاصا بہتر محسوس کر رہی تھی۔ صبا اور عائشہ آج ہی آ گئی تھیں وہ سراسنڈے ہونے کی وجہ سے گھر میں کافی رونق تھی۔ عادلہ تو تھیں نہیں اس لیے ہر کوئی انجوائے کر رہا تھا۔ وہ فریش ہو کر کمرے سے نکلی تو لاؤنج سے سب کے بولنے کی آوازیں سن کر ادھر ہی چلی آئی۔

رنگ پیراہن کا، خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

جیسے ہی اس نے کمرے میں قدم رکھا عائشہ نے بڑی برجستگی سے شعر داغا تو وہ تمام لوگوں کو دیکھ کر ایک دم جھینپ سی گئی۔ لاؤنج میں مصطفیٰ اور انکل شاہ زیب کے علاوہ باقی سبھی تھے۔ اسے یوں کھڑے دیکھ کر ماں جی مسکرا دی تھیں۔

"رک کیوں گئیں آؤ ادھر آ جاؤ۔" انہوں نے کہا تو وہ عائشہ کی شرارتی نگاہوں کو نظر انداز کرتے آگے بڑھ آئی۔ ماں جی کے ایک طرف صبا تھی تو انہوں نے دوسری طرف اسے اپنے پاس ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تم آرام کر رہی تھیں میں نے سب کو منع کر دیا تھا کہ تمہیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ ماشاءاللہ لباس بدلنے سے خاصی فریش لگ رہی ہو۔" انہوں نے اس کے سرخ لباس میں چہرے کی زردی کو بڑی محبت سے دیکھا

"جی بہت بہتر ہوں۔"

"ویسے یہ بخار کس سلسلے کا تھا؟" عائشہ نے کہا تو اس نے دیکھا وہ فیضی کو گود میں لیے قالین پر بیٹھی تھی۔

"بھلا بخار کا بھی کوئی سلسلہ ہوتا ہے؟" سجاد بھائی نے بہن کے الفاظ پکڑے۔

"کیوں نہیں ہر ایک چیز کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جیسا کہ شجرہ نسب۔" اس نے بے تکی ہانکی تو وہ ہنس دی۔

"ماں جی مصطفیٰ کہاں ہے؟" یکایک صبا کو خیال آیا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے کوئی کام کر رہا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ ہم اتنی دور سے ان دنوں کے لیے آئی ہیں۔ ان محترمہ کو بھی آج کل میں ہی بیمار ہونا تھا اور وہ جناب ہیں کہ انہیں فرصت ہی نہیں کہ دو گھڑی بہنوں کے پاس ہی بیٹھ جائیں۔" عائشہ نے منہ بنا کر شکوہ کیا تو وہ چونک گئی۔ بھلا یہ احسان کس سلسلے میں فرمایا جا رہا ہے۔

"ماں جی نکاح کا پروگرام پھر کیا ہے؟ آپ نے فون کیا تو ایک پل بھی انتظار نہ ہوا فوراً سامان باندھا اور چلی آئیں مگر ادھر آ کر لگ رہا ہے کہ یہاں دور دور تک کوئی آثار ہی نہیں۔" شہوار نے قدرے حیرت سے سب کو دیکھا۔ اس کے سامنے پہلی بار باضابطہ طور پر اس سلسلے پر گفتگو کی جا رہی تھی۔ ورنہ تابندہ بی نے جس طرح اسے بتایا تھا کہ انہوں نے ہاں کہہ دی ہے تو اس کے بعد کسی نے بھی اس سے بات کرتے یا اشاروں کنایوں میں تذکرہ تک نہ کیا تھا۔

"یہ تو تمہارے والد ہی جانیں کیا پروگرام ہے انہوں نے ہی سب طے کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے اسی ہفتے میں کوئی پروگرام رکھ لیں۔" ایک میٹھی متبسم نگاہ شہوار کے حیران چہرے پر ڈالتے انہوں نے جواب دیا۔

"میں آپ کو صاف اور واضح کہہ دیتی ہوں یہ ہمارے گھر کی آخری خوشی ہے۔ ہر طرح کا ہلا گلا کریں گی ہم باقاعدہ ڈھولک رکھ کر گیت اور گانے گائیں گی۔" عائشہ جو خاصی بے پروا اور من موجی طبیعت کی مالک تھی اس نے فوراً دل کی خواہش بیان کی۔

"اپنے بابا سے اجازت لے لینا تم لوگ جانتی ہو کہ وہ مہندی مایوں ڈھولک وغیرہ کو قطعی اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر یہ تو سب غیر اسلامی رسمیں ہیں۔ ہاں ہلا گلا گھر کی چار دیواری تک ضرور کرنا۔ اس سے کون منع کر رہا ہے۔" صبا نے منہ بنایا۔

"لو جی یہ کیا بات ہوئی بھلا ایسے خاک مزہ آئے گا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں امی جان جب باقی سب کی شادیوں پر یہ سب اہتمام نہیں کیے گئے تو اب بھی کوئی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی یہ محض ابھی نکاح کی تقریب ہوگی شادی یا ڈولی نہیں۔" عباس بھائی نے ٹی وی سے نظر ہٹا کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"ہائیں نہیں میں کیا کیا ارمان لے کر آئی ہوں آپ کی شادی کے ساتھ ہی میری بھی شادی طے کر دی گئی تھی۔ ذرا بھی انجوائے نا کر سکی۔ سجاد اور صبا کی شادی کے موقع پر ننھی پری آ دھمکی تھی۔ اسپتال کے بستر سے اٹھ کر شادی اٹینڈ کی تھی۔ سوچا تھا کہ باقی ارمان مصطفیٰ کی شادی پر پورے کروں گی۔" عائشہ نے فوراً افسردہ شکل بنا ڈالی۔

"وہ تو تم اب بھی پورے کر سکتی ہو۔ گانے گانے کا اتنا ہی ارمان ہے تو اس ٹیبل کو ڈھولک بناؤ اور گانا شروع کرو۔" سجاد نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی تو وہ فوراً سیدھی ہوئی۔

"ہاں میں تو ضرور بجاؤں اور گاؤں گی بھی۔"

"بلکہ ابھی بھی گا سکتی ہو دلہن صاحبہ تمہارے سامنے ہے شروع ہو جاؤ۔" لائبہ نے شہہ دی تو اس نے اپنی ننھی سمیہ کو فوراً سجاد کی گود میں دیا اور اپنے پیچھے پڑی تپائی کو فوراً گھسیٹ کر اپنے سامنے کر لیا۔

"او دیکھو کوئی حال نہیں اس لڑکی کا۔ ذرا بھی نہیں لگ رہا کہ ایک بچی کی ماں ہے۔" اسے ہاتھوں سے ٹیبل بجاتے دیکھ کر مہر النساء بیگم بے اختیار ہنس دیں۔ صبا بھی ان کے پہلو سے اٹھ کر عائشہ کے پاس بیٹھ کر تالی بجانے لگی تھی۔

"بس باتھ ہی تھکا ؤ گی یا پھر گانا بھی گاؤ گی۔" عباس بھائی نے بھی اسے چھیڑا تو وہ ہنس دی۔

"فکر نہیں کریں ابھی شروع کرتے ہیں۔" بھائی کو جواب دے کر ماں جی کی طرف ایک نگاہ ڈالتے اس نے اپنی شرارت سے بھری نگاہیں شہوار پر فٹ کر دی تھیں۔

راجا کی آئے گی بارات رنگیلی ہوئی رات
مگن میں ناچوں گی ہو او مگن میں ناچوں گی

اس نے تان لگائی تھی۔

اور شہوار کے چہرے پر ایک دم کئی رنگ ہی برسات ہوئی تھی۔ لائبہ بھی آفاق کو لیے عائشہ کے پاس آ بیٹھی تھی۔ صبا اور عائشہ مل تالیاں بجانے لگی تھیں۔

"محترمہ نکاح کی تقریب ہو رہی بارات کی نہیں باقی ارمان ناچنے والے تب کے لیے ادھار رکھ لینا۔ ابھی تو صرف گانوں پر ہی اکتفا کرو۔" سجاد بھائی نے اسے چھیڑا تو وہ گانا ادھورا چھوڑ کر ایک دم ہنس دی۔

"تو اور کیا خوامخواہ کسی کے جذبات سے کھیلنے کی ضرورت بھی نہیں۔" عباس بھائی نے بھی ایک شریر نظر شہوار کے چہرے پر ڈالی تو وہ مزید پزل ہوئی۔

"یا اللہ یہ کیا ہو گیا ہے ان سب لوگوں کو......" پچویشن ایسی ہو گئی تھی کہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اٹھ کر چلی جائے یا بیٹھی رہے۔

"میری بچی کو تنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔" مہر النساء بیگم نے ہنس کر اسے بازو کے حلقے میں لیا تو جانے کا پروگرام دھرا کا دھرا رہ گیا۔

"ارے ٹھہرو ایسے تو کوئی مزہ نہیں آئے گا۔ دلہن صاحبہ حاضر ہیں اور دولہا صاحب غائب ان کو بھی پکڑ کر لاتی ہوں۔ پھر صحیح سے ان محترم کی درگت بنائیں گی۔" صبا کو ایک دم خیال آیا تو وہ اٹھ کر فوراً باہر بھاگی۔

کلیاں اچھی جھوا ننھا بنا آوے گا
نور کے تنبو لگوا ننھا بنا آوے گا

عائشہ نے ایک اور گیت شروع کیا۔

جائے کہو مورے بھولے سسر سے
جائے کہو مورے بھولے سسر سے
کلیاں اچھی جھڑوا ننھا بنا آوے گا

اپنی شرارتی نظروں سے اسے مسلسل کنفیوز کرتی وہ گا رہی تھی۔ جبھی صبا مصطفیٰ کا ہاتھ کھینچتی چلی آئی تھی۔ اسے دیکھ کر تو عائشہ کو مزید شرارت سوجھی۔ اس نے فوراً طرز بدلی۔

کالا ڈوریا کنڈے نال اڑیائی اوے
چھوٹا دیورا بھابی نال لڑیائی اوے

مصطفیٰ کو پتا نہیں تھا کہ اندر کیا صورت حال ہے۔ وہ پل میں ہی ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ لائبہ نے جھینپ کر ایک زور کا دھموکا عائشہ کے کندھے پر دے مارا۔

"یہ کیا بکواس ہے اچھا بھلا کافی تم پڑی سے اتر گئیں۔" سجاد کی نگاہوں کی شرارت کو نظر انداز کرتے اس نے احتجاج کیا مگر اس نے اس کا احتجاج ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا۔

نہ لڑ دیورا تیری اور بلائیں وے
نہ لڑ سوہنیا تیری اک بھرجائی وے
کالا ڈوریا کنڈے نال اڑیائی اوے
چھوٹا دیورا بھابی نال لڑیائی اوے

"دیورا ایک نہیں دو۔" سجاد بھائی نے تصحیح کی۔
"بھئی یہ کیا ہو رہا ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو سب کھلکھلا کر ہنس دیں۔
"تمہارا راستہ بند کرنے کی پلاننگ ہو رہی ہے۔" سجاد بھائی نے اپنی بیگم کو دیکھ کر آنکھ دبائی تو وہ فوراً سر جھکا گئیں۔ اطراف میں ہنسی بکھر گئی۔
"ویسے یہ زیادتی ہے۔ مصطفیٰ بھی کسی کے ساتھ نہیں لڑا۔" عباس بھائی نے دفاع کیا۔
"کچھ نہیں مزا آ رہا ہے یار آؤ تم بھی انجوائے کرو۔" عباس بھائی نے کہا ساتھ ہی اس کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور شہوار اس کی موجودگی پر ایک دم ہراساں سی ہو گئی۔

وے بول سانوں وے بول سانوں
نہ رو ہس سانوں نہ رولیں سانوں
گڈی اے رونی وچ سیاں میں مہندیاں سیاں میں کھیریاں
تیرا ڈھولا بڑا سوہنا جھول چھلاں گھنڈیاں

مصطفیٰ بیٹھ تو گیا تھا مگر جس طرح سبا عائشہ کے ساتھ مل کر سب کی مسکراہٹوں پر جا رہا تھا جارحیت کا استعمال کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ ایک دم پچھتا گیا۔ ایک دم جھجک کر اس نے اپنے بھائیوں کے ساتھ ماں جی اور ان کے ساتھ بیٹھے وجود کو دیکھا۔ ایک پل کو لگا کہ نظریں اس سرخ گلابوں کی طرح چمکتے مہکتے وجود پر تھم سی گئی تھیں۔ وہ شرمائی لجائی سمٹی سمٹی بڑی دلنشین دل ربا لگی۔ اس کی نظریں اس کے وجود پر یوں آ رکیں جیسے مقناطیسیت کی کشش سے لوہا تھم جاتا ہے۔
"یہ سب کیا ہے؟" اس نے گھبرا کر نظروں کا زاویہ بدلتے ان کو گھورا تو وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔
"آپ کے نکاح کی تقریب کی خوشی میں گیت گائے جا رہے ہیں۔" لائبہ نے ہنس کر کہا تو اس نے چونک کر ماں جی اور پھر شہوار کو دیکھا جو نظریں جھکائے بڑی کنفیوژ سی بیٹھی ہوئی تھی۔
"بابا جان ڈھولکی کے سخت خلاف ہیں۔ ہم نے سوچا کہ ہم ٹیبل بجا کر اپنے دل کے ارمان پورے کر لیں۔" عائشہ نے بھی لقمہ دیا۔
"بھئی یہ بڑی بے ضرر سی ہستیاں ہیں۔ گانے دو ان کے ارمان پورے ہو جائیں گے۔ تمہیں کیا۔" اس کی حیرت پر عباس بھائی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔ تو وہ جھینپ گیا۔ اس کے لیے یہ ساری صورت حال نئی اور دلچسپ تھی۔
"چلو وہ والا گانا شروع کرتے ہیں جو اس موقع محل کا...... شہوار پر تو خوب ہی جچے گا۔" عائشہ نے ٹیبل بجاتے ہوئے کہا تو لائبہ کی دلچسپی بڑھی۔
"کون سا والا؟"

میری آنکھوں میں سمائی ایک لڑکی
میرے دل کو ہے بھائی ایک لڑکی
وہی تو میرا دل لے گئی
وہی تو میرا دل لے گئی

مصطفیٰ کی موجودگی میں عائشہ پر کیا شرارت ٹوٹ کر رہی تھی۔
"مصطفیٰ کا دل لے کر جاتی تو کوئی بات بھی تھی نہیں تمہارا لے کر اس بے چاری نے کیا کرنا ہے؟" وہ تو سر سے پاؤں تک سرخی سے لال پڑ گئی تھی۔ اوپر سے سجاد بھائی کے شرارت سے بھرپور کمنٹس۔
"مائی گاڈ۔" مصطفیٰ نے بھی ہنس کر اپنی بھنوں اور پھر بے اختیار گھبرائی شرمائی اس دل ربا لڑکی کو دیکھا۔ وہ بغیر کسی کو دیکھے ماں جی کے بازو کے حصار میں لرزتی پلکوں کی جھالر لیے خاصی کنفیوژ لگ

رہی تھی۔ وہ دلچسپی سے سارے ماحول کو انجوائے کرنے لگا۔

کالی کالی زلفوں میں راتوں کی ادائیں ہیں
ریشمی دوپٹے میں بہاروں کی گھٹائیں ہیں
رنگت ہے کرنوں جیسی رفتار ہے لہروں جیسی
وہی تو میرا دل لے گئی وہی تو میرا دل گئی

شہوار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سے کوئی منتر آ ئے اور وہ پل میں غائب ہو جائے۔

"زبردست۔" انھوں نے گانا مکمل کیا تو عباس اور سجاد نے تالیاں بجا کر داد دی۔

"اب لیے نہ گائے جائیں۔" صبا نے کہا تو عائشہ نے فوراً نفی میں گردن ہلا دی۔

"بھئی مجھے تو کوئی لیے ویے نہیں آتے۔" تو صبا نے مدد طلب نظروں سے لائبہ کو دیکھا۔

"اور مجھے بھی صرف شہوار کا نہ صرف ایک ہی پیا یاد ہے۔" لائبہ نے بھی انکار کیا۔

"چلو ایک ہی سہی گاؤ تو سہی۔"

چنا گر بھیرے تے

سرخ دوپٹے والے منڈا عاشق تیرے تے

مصطفیٰ کی بار بار شہوار کی طرف اٹھنے والی نگاہوں کو لائبہ نے فوراً نوٹ کیا تھا۔ بڑی شرارت او ذو معنیت تھی اس کے لہجے میں مصطفیٰ ایک دم ہنس دیا۔

"ہم نے تو کالے دوپٹے کا ذکر سنا ہوا ہے۔ یہ سرخ دوپٹا کہاں سے آ گیا؟" سجاد بھائی نے اپنی بیگم کو دیکھا۔

"جیسے بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی کے پیچھے پیچھے کلر ٹی وی آ گیا تھا۔" صبا کے جواب پر ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

"ویسے سوچنے کی بات ہے منڈا سرخ دوپٹے والی پر ہی عاشق کیوں ہوا۔ کسی نیلے نمبر سے پیلے والی پر کیوں نہ ہوا؟" شہوار کے سرخ دوپٹے کو دیکھتے عباس بھائی نے شرارت سے کہا تو عائشہ نے لقمہ دیا۔

"ہو سکتا ہے نیلے نمبر نے پیلے والی کے اتنے لمبے گھنے بال نہ ہوں۔" شہوار حق دق سی رہ گئی ایک دفعہ پھر زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ یہ لوگ تو اس کا ریکارڈ لگانے کا پورا اہتمام کیے ہوئے تھیں۔

"میں نے تو سنا ہے جن کے لمبے گھنے بال ہوتے ہیں وہ جادو ٹونے میں بھی ماہر ہوتی ہیں۔" مصطفیٰ نے شرارت سے لقمہ دیا۔

"اسی لیے لگتا ہے جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔" لائبہ کی حاضر جوابی نے مصطفیٰ کو برجستہ جواب سے نوازا تو وہ جھینپ گیا۔

"اب بس کرو..... زیادہ تنگ نہیں کرو۔" شہوار کی حالت قابل دید تھی۔ وہ تو آج بری پھنسی تھی۔ نہ جانے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق ان سب کی شرارتوں اور جملے بازی کا شکار ماں جی کو اس پر ترس آ گیا تھا فوراً سب کو ٹوک دیا۔ شہوار کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس صورت حال سے کیسے نکلے۔ اپنی بےبسی پر اس کی آنکھیں گیلی ہو گئیں تو اس نے بے اختیار سر جھکا لیا۔

"ماں جی! ابھی تو موقع ہے بھلا اس کے بعد ان دونوں نے کہاں ہاتھ آنا ہے خصوصاً مصطفیٰ بھائی نے۔" عائشہ کی شرارت ابھی تک قائم تھی۔

"ابھی صرف رشتہ ہی طے ہوا ہے۔ پہلے نکاح کا دن تو طے کر لیجئے وہ پھر کریں ان کو بھی تنگ..... چلو اب اٹھو بچیں دیکھو ذرا۔" آنسو روکنے کی کوشش میں اس کا چہرہ ضبط سے سرخ انار کی مانند دہک رہا تھا۔ مہر النساء بیگم نے اس کا چہرہ دیکھا تو فوراً سے اپنے ساتھ لگاتے انہیں ٹوکا۔

"دو دن یہ مسلسل بستر پر پڑی رہی ہے ابھی اس کی طبیعت ٹھیک سے سنبھلی نہیں۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" ان کے انداز پر عائشہ نے منہ بنایا۔ مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

"اس کی طبیعت کا ہی تو علاج کر رہے تھے ہم۔" عائشہ نے کہا۔ شہوار نے خاموشی سے اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر دیکھا مصطفیٰ بڑی توجہ سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی پلکیں ایک دم لرز گئیں اس نے فوراً نظروں کا رخ بدلا۔ دل ایک دم سینے کے اندر بری طرح شور مچانے لگا تھا۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے میں کمرے میں جاؤں؟" آہستگی سے ماں جی کو کہہ کر ان کا بازو اپنے گرد سے ہٹاتے وہ اٹھ گئی تھی۔

"تم کہاں چلیں؟" صبا نے اسے اٹھتے دیکھ کر فوراً پوچھا۔

"کمرے میں.....آتی ہوں۔" اسے کہہ کر وہ تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہوں نے دروازے تک اس کا پیچھا کیا تھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔

"ماں جی اس بار مجھے شہوار کچھ افسردہ افسردہ اور چپ چاپ سی لگ رہی ہے۔" عائشہ کے دل میں جو بات کھٹک رہی تھی اس نے فوراً کہہ دی۔ مصطفیٰ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"طبیعت جو خراب ہے ناں۔ بھلا ایسے عالم میں وہ قہقہے لگانے سے تو رہی۔"

"ویسے ماں جی! شہوار سے پوچھ کر ہی یہ رشتہ طے ہوا ہے نا؟" عائشہ کے اس سوال پر مصطفیٰ بھی چونکا (تو کیا شہوار نے اس سے کچھ کہہ دیا ہے؟)

"ظاہر ہے اس نے ہاں کہی ہے تو تابندہ نے مجھے مثبت جواب دیا ہے۔ پتا بندہ کی یہی رائے تھی کہ بچوں نے زندگی گزارنی ہے اور بچوں کی مرضی اور رضامندی سے ہی یہ فیصلہ طے ہو۔"

"مصطفیٰ بھائی اور شہوار کا کپل ایک پرفیکٹ کپل ہے۔ میری تو برسوں کی آرزو پوری ہو رہی ہے جیسے ہی آپ نے فون کر کے اطلاع دی کہ تابندہ بوا نے ہاں کہہ دی ہے تو پھر تو مجھ سے ایک پل بھی صبر نہ ہوا کہ میں وہاں رکوں۔" صبا نے اپنے دل کی بات کہی۔

"ویسے مصطفیٰ بھائی آپ سچ سچ بتائیں شہوار کی کس بات یا خوبی سے متاثر ہو کر آپ نے ہاں کہی ہے۔" عائشہ کی توپوں کا رخ اپنی طرف ہوتے دیکھ کر وہ چونکا۔ اس نے معنی خیز نظروں سے عائشہ کو دیکھا تو اس نے کندھے اچکا دیے۔ جیسے کہہ رہا ہو خود ہی ان بلاؤں سے نپٹو۔

"میرا خیال ہے اس نے اس کے لمبے بالوں سے متاثر ہو کر ہاں کہی ہے۔ سنا نہیں تھا کہ لمبے بالوں والی جادو کرنے میں ماہر ہوتی ہیں۔" لائبہ نے اسے چھیڑا تو وہ جھینپ گیا۔

"میں نے تو محض ماں جی کی خواہش اور خوشی ملحوظ خاطر رکھی ہے۔ کہیں نہ کہیں تو شادی ہونا ہی ہے نا جہاں ماں جی نے رضامندی چاہی میں نے ہاں کر دی۔" اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے آرام سے کہا تو عائشہ نے اسے مشکوک نظروں سے گھورا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"ذرا اپنے دل کو سچ کر کے بتائیں یہ بیانات انوں والا بیان نہیں لگ رہا ہے مجھے۔" عائشہ کا انداز آج جان بخشی کرنے والا نہیں تھا۔ مصطفیٰ اچھا خاصا بوکھلا گیا۔ عباس بھائی نے بیچارگی سے اسے دیکھا تو اس کی شریر مسکراہٹ کے ساتھ برجستگی نے مزید کسر پوری کر دی تھی۔

دل پہ قابو ہو تو ہم بھی محفل دیکھیں

یہ تو ظالم نے کیا صورت زیبا کیا ہے...

"مائی گاڈ! ان کی طرح آپ کا دماغ بھی خراب ہو گیا ہے؟ یہ بھلا کیا بدتمیزی ہے؟" اس نے عباس بھائی کو کھلکھلا کر ہنستے دیکھ کر گھورا۔

"اس کو بدتمیزی نہیں برجستگی کہتے ہیں۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

"بات کو ایسے نہیں مصطفیٰ بھائی! سچ سچ بتائیں کہاں تو محترم پانچ سال تک شادی کا نام سننے کو ہی تیار نہ تھے اور اب کہاں فوراً رضامندی دے کے نکاح کی تیاریوں میں ہیں۔ سچ سچ بتائیں کہ یہ حوصلوں کے علم اتنے بلند کیسے ہو گئے ہیں؟" صبا نے بھی اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"خدا کی پناہ! لڑکیوں یہاں جی تمہارے سامنے بیٹھی ہیں میں نے تو ویسے ہی ہاں کی ہے جیسے باقی لوگ کرتے ہیں۔ دنیا سے انوکھا الاکام تو نہیں کر دیا میں نے۔ اگر میری ہاں اتنی غیر یقینی ہے تو کوئی بات نہیں میں اپنی ہاں واپس لے لیتا ہوں۔"

"خبردار تم نے ایسا سوچا بھی تو؟ میرا بس چلے تو کل کی ہوتی آج ہی تمہاری شادی کر دوں۔" ماں جی نے فوراً ہی اسے ٹوکا اس نے سنجیدہ سی صورت بنا کر عائشہ کو دیکھا۔

"ہو گئی تسلی اب؟"

"چلیں اس طرح تو جان آپ کی پھر بھی نہیں چھوٹنے والی آپ کی طرف ایک جاندار قسم کی پارٹی ڈیو ہے۔ انتظام کر رکھیں نام سلیکٹ کر لیں ہم سب کو کسی اچھے ہوٹل میں ڈنر کرانا ہے آپ نے۔" لائبہ نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھایا۔ مصطفیٰ نے ایک بھرپور آہ بھری اور پھر تاسف سے سر ہلایا۔

"آپ لوگوں کا بھی کوئی قصور نہیں موقع سے فائدہ اٹھانا ہی عورت کی سرشت میں شامل ہے۔"

"یہ جذباتی حملے کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ٹریٹ تو آپ کو ہر حال میں دینا ہی ہوگی ہم ایسے تو نہیں ٹلیں گے۔"

"یہ واقعی ایسے نہیں ٹلیں گی ان کا بس چلے تو ساری جائیداد اپنے نام لکھوا لیں ٹریٹ کے نام پر۔" عباس بھائی کی شگفتگی دیکھنے والی تھی۔

"کوئی بات نہیں تم لوگ دن اور نام سلیکٹ کر لو۔" مصطفیٰ مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا لڑکیوں نے خوش ہو کر نعرہ لگایا۔

"مصطفیٰ بھائی دی گریٹ۔" وہ ہنستا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے راہداری میں ایک پل کو ٹھٹک کر رک گیا۔ کچھ پل پہلے کی بھیگی پلکیں ذہن میں ہلچل مچا گئیں۔ شہوار کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا۔ اس نے ذرا سا آگے بڑھ کر دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ آدھے سے زیادہ کھلتا چلا گیا۔ کمرے کا منظر سامنے تھا۔ شہوار اسٹڈی ٹیبل پر بازو کے اوپر چہرہ ٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ پشت پر پھیلے کالے سیاہ بالوں کی گھنی آبشار نیچے تک پھیلی فرش تک بکھری ہوئی تھی۔

مصطفیٰ نے متوجہ کرنے کو انگلی کی مدد سے دروازہ بجایا تو اس نے ایک دم بازو سے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر گھبرا کر فوراً سیدھی ہوئی۔ بھیگی پلکوں اور آنکھوں کی سرخی سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ کچھ دیر قبل یہاں کیا شغل فرمایا جا رہا تھا۔ اس نے فوراً دوپٹہ سر پر جماتے بالوں کو چھپانے کی کوشش کی۔

"تم رو رہی تھیں؟" اس کے سوال پر اس نے لب کاٹتے نفی میں سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ کچھ سوچتا اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گیا تو وہ الجھن میں دیکھنے لگی۔

"طبیعت کیسی ہے اب؟"

"جی بہتر ہے۔" گھبرایا گھبرایا سا انداز تھا۔ وہ اس کی آمد سے مزید مضطرب ہو گئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر مصطفیٰ کو کہنا پڑا تو وہ الجھتی ہوئی کرسی پر ٹک گئی۔

"جی......؟"

"میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم اس رشتے پر خوش نہیں ہو۔" اس کے الفاظ پر وہ بری طرح ٹھٹکی۔

"آپ سے یہ کس نے کہا؟" کچھ پل سنبھلنے کے بعد اس نے تیکھے پن سے پوچھا۔

"بعض اوقات کسی دوسرے انسان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی انسان کے اپنے احساسات اس قدر شارپ اور معاملہ فہم ہو جاتے ہیں کہ وہ مخالف کے رویوں اور انداز و اطوار سے ہی اصل صورت حال کا اندازہ لگا لیتا ہے۔" وہ بہت ہی ریلیکس موڈ میں کہتا اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔

"اگر میں کہوں کہ آپ کو محض غلط فہمی ہوئی ہے تو......؟"

"تو بھی میں یہ کہوں گا کہ تم مجھے محض ٹال رہی ہو۔" اس نے برجستگی سے کہا تو وہ لب بھینچ گئی۔

"حویلی سے واپسی پر تابندہ بوا کے ساتھ تمہارا رویہ اور مسلسل رونے سے مجھے شک تو ہوا تھا مگر میں ٹال گیا کہ کوئی اور وجہ ہوگی مگر جس طرح تم ان کی بات مسلسل نظر انداز کر رہی تھیں اس سے تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ صورت حال سو فیصد یہی ہے۔" اب کے شہوار خاصی پریشان ہو گئی۔

"آپ سے امی نے کچھ کہا کیا؟" لہجہ ایک دم تلخ ہوا۔

"نہیں بوا جی نے نہیں کہا مگر جس طرح وہ تمہاری طرف سے متفکر اور پریشان ہو رہی تھیں اس سے یہی اندازہ لگا پایا ہوں میں۔" وہ خاموشی سے بغیر تردید یا تصدیق کیے اپنے ہاتھوں کی مخروطی انگلیوں کے ناخنوں سے کھیلتی رہی۔

"کیا میرے اندازے درست ہیں؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

وہ اپنے احساسات و جذبات سے الجھتی رہی۔ اس نے سوچا کہ مصطفیٰ نے اگر خود سے ہی بات شروع کی ہے تو ساری صورت حال اس پر واضح کر دینے میں حرج ہی کیا ہے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہوار نے گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ یہ خاصا ان فٹ سا فیصلہ ہے۔" اس نے آخر دل کی بات کہہ دی۔ جو بات کئی دنوں سے دل میں چھپی ہوئی تھی وہ آخر کار لبوں پر آ ہی گئی تھی۔ کہہ دینے کے بعد اس نے خوف زدہ نظروں سے مصطفیٰ کا ردعمل جانچا۔ وہ بالکل نارمل تھا۔

"نہیں مجھے قطعی نہیں لگا کہ یہ قطعی بے جوڑ تعلق ہے۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"کیوں؟" وہ چونکی۔

"میں قطعی اس فیصلے کے حق میں نہیں ہوں نہ میں اس کو ایک ان سوٹ ایبل تعلق ہی سمجھتی ہوں۔ میں کسی بھی لحاظ سے خود کو آپ لوگوں کے مادی و ذہنی معیار پر پورا اترتی محسوس نہیں کرتی۔ ہم پناہ گزین ہیں ہماری اس حویلی میں جو حیثیت جو مقام ہے وہ مجھے ازبر ہے اور میں کسی قسم کی بھی غلط فہمیوں میں مبتلا نہیں ہوں اور نہ ہی خوش فہمیاں پالتی ہوں ٹھیک از ٹھیک۔" مصطفیٰ کے کچھ کہنے سے قبل ہی اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکال دی اور وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ یعنی وہ یہ سب سوچ رہی تھی۔

"مائی گاڈ! یہ تو سراسر احساسِ کمتری ہے۔" بوا جی کے منہ سے سب سن کر اسے برا نہیں لگا تھا مگر شہوار جیسی پڑھی لکھی سمجھدار باشعور لڑکی کے منہ سے سن کر ایک دم اسے غصہ آ گیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم ایسے گھٹیا قسم کے احساسِ کمتری میں مبتلا ہو؟"

"یہ احساسِ کمتری نہیں خود شناسی ہے۔ آپ یا کوئی بھی اس حقیقت سے انکاری نہیں ہو سکتا کہ آپ لوگوں کے ہی ٹکڑوں پر پل کر اس مقام تک پہنچنے والی ایک عام سی حقیر بے مایہ سی ہستی ہوں۔ میری ماں نے ساری زندگی آپ لوگوں کی پناہ میں گزاری کیا اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں؟" شہوار کی آنکھوں میں ایک عجیب سلگتی ہوئی کیفیت تھی۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا تو وہ کس لہجے اور انداز میں مخاطب تھی۔

"تو تابندہ بوا بے جا خوف زدہ نہیں تھیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "بہت غلط انداز میں سوچ رہی ہو تم ہماری محبتوں کو۔ پناہ گزیں کا مطلب سمجھتی ہو؟" اس نے بہت غصے سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ نظریں جھکا گئی۔

"جی بہت اچھی طرح۔"

"اگر واقعی پناہ گزین کا مطلب سمجھتی ہو تو یہ بھی اچھی طرح سمجھتی ہوگی تم کہ پناہ گزین کو کیا مقام اور رتبہ ملتا ہے؟ تابندہ بوا کو حویلی میں جو عزت اور مقام ملا ہے وہ کبھی نہ ملتا وہ ساری حویلی کی کرتا دھرتا ہیں اور تم اس مقام پر کیونکر پہنچ گئیں پناہ گزینوں کو تو سہولیات نہیں ملتیں محترمہ شہوار صاحبہ!"

"یہ بھی آپ لوگوں کا بڑا پن اور اعلیٰ ظرفی ہے مگر حقیقت تو یہی ہے نا کہ ہم اس خاندان کے خاندانی ملازموں میں بھی شمار نہیں ہوتے اگر ملازم سمجھا جاتا تو پھر یہ سہولیات نہ ہوتیں۔ آپ لوگ چاہیں تو یہ واپس بھی لے سکتے ہیں میرے لیے اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑے ہونا آسان ہو جائے گا۔" اس کے غصیلے لہجے پر اس نے بھی برہمی سے اظہار خیال کیا تھا۔

"مائی گاڈ۔" وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ یہ اس لڑکی کے الفاظ تھے یقیناً نہیں۔

"تم ایک پڑھی لکھی مہذب لڑکی ہو مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ایک مستقبل کی ڈاکٹر ایسی سوچ اور خیالات رکھ سکتی ہیں؟" اس نے بے حد تاسف سے اسے دیکھا۔

"آپ یقین نہ کریں یہ آپ کا مسئلہ ہے مگر یہ حقیقت ہے کسی محل میں ٹاٹ کا پیوند جچتے نہیں دیکھا؟ آپ ماشاء اللہ اعلیٰ حسب نسب کے مالک ایک مضبوط اور پروقار انسان ہیں آپ کو لڑکیوں کی کمی تو نہیں ایک سے ایک اعلیٰ خاندان اونچے مالی حسب نسب والی خاندانی لڑکی آپ کو پسند آ سکتی ہے پھر ایک بے مایہ حقیر سی لڑکی کیوں؟ اور لڑکی بھی وہ جو آپ لوگوں کے ہی ٹکڑوں پر پل کر جوان ہوئی ہو جس کا خمیر اسے ساری عمر آپ لوگوں کے احسانات کے بدلے بولنے کی اجازت نہ دے۔ یقین جانیں میں ساری عمر آپ لوگوں کے احسانات کے بدلے سر اٹھا کر زندگی گزارنے کی ہمت نہ کرسکوں گی اگر ایسا ہوا تو......" آخر میں اس کی آواز رندھ گئی تو مصطفیٰ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس سے بڑی اس کی ذات کی تذلیل اور ہتک اور کیا ہوتی کہ ایک لڑکی اس کے ساتھ سے انکاری تھی۔ اس نے تابندہ بوا کی گفتگو کے بعد سوچا تھا یہ لڑکی محض مفروضوں پر قائم غلط فہمیوں کا شکار ہے۔

خالہ بھابی اور ایاز لوگوں کی وجہ سے پیدا ہونے والا احساسِ کمتری ہے بس مگر اس کی ذہنی اپروچ اس قدر خراب خستہ حالت کا شکار ہو چکی تھی کہ وہ بے یقینی سے اس کے الفاظ سن رہا تھا۔ تو بوا جی ناحق پریشان نہ تھیں یقیناً یہ سب الفاظ اس نے ان کے سامنے بھی استعمال کیے ہوں گے۔ مصطفیٰ کو بہت افسوس ہوا کہ اس نے اس کے سامنے یہ ٹاپک ہی کیوں چھیڑا؟

"تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔" وہ برہمی سے گویا ہوا۔

"میری باتوں یا خیالات کو پلیز آپ غلط معنوں میں مت لیجیے کہ اپنی روٹس کی تلاش تو ہر انسان کا حق ہے نا۔ میری امی آپ لوگوں کی دور کی رشتہ دار ہیں مگر مجھے آج تک اس تعلق کی وضاحت نہیں ملی کہ وہ آپ کے والدین کی کس سلسلے کی رشتہ دار ہیں۔ دور کا تعلق ہی سہی پر پتا تو چلے نا کہ اصل رشتے کی جڑ کیا ہے؟ اور میرے والد امی کے الفاظ میں کہ وہ ایک اونچے خاندان کے اعلیٰ سوچ اور کردار کے حامل انسان تھے تو یہ بات بھی مجھے مطمئن نہیں کر سکتی۔ لوگ مجھے میرے اصل حوالے سے نہیں جانتے بلکہ جو لوگوں کو نظر آتا ہے اس کو مانتے ہیں اور یہی حقیقت ہے کہ میں آپ لوگوں کے احسانات کا کبھی بدلہ نہیں چکا سکتی۔ بات ایک دو روز کی ہوتی تو ٹھیک بھی تھا بات نسلوں تک جائے گی آپ کے پاس میرے اس سوال کا جواب ہے تو مجھے بھی مطمئن کریں کہ میں کون ہوں تاکہ دنیا کے سامنے میں بھی سر اٹھا کر جی سکوں؟" اس کے سوالیہ انداز پر وہ بھی ایک دم گڑبڑا گیا تھا۔ اس سارے سلسلے بلکہ تمام تر حقیقت سے تو وہ خود بھی بے خبر تھا۔

"امی کہہ رہی ہیں کہ میں جذباتی ہو رہی ہوں آپ کہتے ہیں کہ یہ احساسِ کمتری ہے۔ اگر یہ احساسِ کمتری ہے تو مجھے اس کا علاج بتائیں مجھے اس کرب اس شرمندگی سے نکالیں کہ میں کیوں آپ لوگوں کے در پر پڑی ہوں۔" وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی یہ اس کی زندگی کا ایک نازک موڑ تھا۔ اس کے لیے ایک ایسا موڑ جو نہ اسے جینے دیتا تھا اور نہ ہی مرنے۔

"تجسس انسان کی فطرت کا حصہ ہے میں بھی متجسس ہوں اگر میں ہوں تو کیوں ہوں؟ امی نے میری ولدیت کے خانے میں محمد سکندر علی لکھوا دیا میرے ہر ایک ریکارڈ میں ولدیت کے لیے محمد سکندر علی استعمال ہوتا ہے مگر المیہ ہے کہ مجھے آج تک اپنے باپ کے متعلق کسی ایک بات کا نہیں پتا۔ امی سے کچھ پوچھا تو ان کی طبیعت بگڑنے لگی نتیجتاً میں نے پوچھنا چھوڑ دیا مگر میری ذات حصوں میں

بٹ گئی ہے۔ عادل بھائی کی تضحیک بھری باتیں اور تذلیل مجھے جینے نہیں دیتی آپ بتائیں آپ کب تک ایک بے نام و نشان لڑکی کو اپنائے رکھنے کا حوصلہ رکھیں گے۔" وہ حیران و ششدر کھڑا تھا اس کے دل و ذہن میں ایسا ایسے طوفان بھی برپا ہو سکتے تھے وہ حیرت زدہ تھا۔

"دیکھو شہوار! میرے لیے یہ سب بے معنی باتیں ہیں تمہارے اعلیٰ کردار و اطوار نے میرا فیصلہ تمہارے حق میں کروایا ہے بوا جی ایک سلجھی اور باکردار خاتون ہیں۔ حویلی کے لیے وہ ایک بیٹی کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا حویلی میں وہی مقام ہے جو بھائی کا ہے نہ ہم لوگوں نے ان کو پناہ گزین کا درجہ دیا اور نہ ہی ملازمین کا۔"

"تو بھی یہ فیصلہ میرے لیے بہت مشکل بلکہ ناقابل قبول ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں مگر مجھے اعتراض ہے میں لوگوں کی طنزیہ نظریں اور حقارت بھری باتیں نہیں سہہ سکتی۔ آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں پلیز۔" وہ ایک دم ملتجی ہوئی تھی۔

"شٹ اپ۔" اس کے انداز پر وہ ایک دم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اس ساری سوچ کو محض بچکانہ سوچ ہی کہہ سکتا ہوں بوا جی نے تم سے اگر کچھ ڈسکس نہیں کیا تو بھی اس میں کوئی مصلحت ہی ہوگی۔ محض عادل اور دیگر لوگوں کی وجہ سے تم ایک اہم پروپوزل سے انکاری ہو رہی ہو حیرت ہو رہی ہے مجھے تمہاری عقل پر۔" غم و غصہ اور تاسف سے اس کا برا حال تھا۔

"میں اب اندازہ کر سکتا ہوں کہ تابندہ بوا تمہاری ان احمقانہ باتوں کی وجہ سے کس قدر پریشان رہی ہوں گی۔" اس نے برہمی سے دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی۔

"یہ احمقانہ باتیں نہیں ہیں۔"

"ہاں بڑی عقل مندانہ گفتگو ہے ناں جو عادل بھائی جیسے لوگوں کی وجہ سے سر لے سکتی ہیں ان سے کسی بھی حماقت کی توقع کی جا سکتی ہے۔" صاف چوٹ کی تھی۔ وہ تڑپ اٹھی۔

"میں اس موضوع پر آپ کے پاس گفتگو کرنے نہیں آئی آپ خود آئے ہیں یاد رکھیں۔" غصے سے بھیگی پلکوں کو اٹھا کر یاد کروایا۔

"اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ تم اس قدر حماقت کا ثبوت دو گی تو قطعی نہ آتا۔" وہ اس صاف واضح تھی۔ پر جھنک ہی تو گئی تھی۔

"تو اب کھڑے کیا تماشا دیکھ رہے ہیں جائیں یہاں سے پھر؟" اسے ایک دم غصے سے جواب دیتے دیکھ کر مصطفیٰ نے ایک پل کو سکون محسوس کیا۔

"مجھے تماشا تو نہیں دیکھنا اور نہ ہی تماشا دیکھنے کی خواہش میں یہاں تک آیا تھا۔" بڑی سنجیدگی سے کہتے وہ ایک پل کو رکا۔

"بوا جی سے بھی تم نے یہی سب کہا اس کی ہوتی تبھی وہ اس قدر پریشان تھیں۔ ایک بات ذہن نشین کرلو تمہاری عقل پر افسوس کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف یہ کہ تم ان خیالات کا اظہار تم نے میرے یا بوا جی کے سامنے کیا نہ کسی تیسرے بندے کے سامنے کر کے اپنی ذہنی پستی دکھائی اب تمہارے خیالات سننے کے بعد یہی کہیں گے کہ تم احساس کمتری کا شکار ہو۔" کچھ لمحے قبل اس کے الفاظ پر اسے کسی قدر تکلیف ضرور ہوئی تھی مگر وہ اب خود کو پرسکون اور نارمل کر چکا تھا آرام سے اس پر طنز کر رہا تھا وہ سلگ اٹھی۔

"کسی پروپوزل پر اقرار یا انکار میرا شرعی حق ہے آپ مجھ پر طنز نہیں کر سکتے۔"

"تمہارے حق کو ضرور اہمیت دی جاتی اگر تم احمقانہ سوچ و خیالات کی مالک نہ ہوتیں۔" تابندہ بوا کی خاص تاکید تھی کہ وہ اس سلسلے میں اس سے بات کرنے میں محتاط رہے گا ورنہ اس کا دماغ درست کرنا قطعی مشکل امر نہ تھا۔ وہ ایک منٹ میں اسے سمجھا سکتا تھا۔

"اور ہاں اپنے دماغ سے فضول قسم کے خیالات کو نکال دو تم کون ہو یا سکندر انکل کون ہیں؟ اس معاملے میں اگر بوا جی پر شک کرو گی تو میں اسے تمہاری کم فہمی اور کم عقلی ہی گردانوں گا میں نے ایک دفعہ بابا جان سے اس سلسلے میں تفصیلی بات کی تھی انہوں نے بتایا تھا کہ وہ سکندر انکل کی فیملی کو جانتے ہیں شروع دنوں میں جب بوا جی حویلی آئی تھیں تو وہ معاملے کو سلجھانے ان کے رشتہ داروں کے پاس گئے تھے تابندہ بوا نے حویلی کی پناہ چاہی تھی مگر وہ کسی بھی لحاظ سے بعد میں پیش آنے والے حالات کی وجہ سے دوبارہ سسرالی رشتہ داروں سے باقاعدہ رابطہ نہ کر پائی تھیں۔ تابندہ بوا نے خود بتایا تھا کہ وہ لوگ خاصے لالچی اور بد فطرت تھے ان کی اور تمہاری زندگی کو ان سے خطرہ لاحق تھا اس لیے انہوں نے کبھی پلٹ کر نہ دیکھا۔" مصطفیٰ کے الفاظ پر بھی وہ بے تاثر چہرہ لیے کھڑی رہی اس کے لیے نہ ہی یہ الفاظ نئے تھے اور نہ ہی یہ بہلاوے۔ پھر وہ مطمئن بھی تو کیسے؟ وہ بچپن سے ہی اس قسم کی کہانیاں سنتی چلی آ رہی تھی مگر اس کے باوجود اس کا اندر مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ کہیں کچھ چھپایا جو مسئلہ ہے اور وہ کیا مسئلہ ہے یہی معمہ حل نہیں ہو پا رہا تھا جس نے اسے الجھا دیا تھا۔

وہ اس پروپوزل سے متعلق اپنی ناپسندیدگی مصطفیٰ پر واضح کر چکی تھی اب مزید کچھ بھی کہنا اسے بیکار لگا تو وہ اپنی جگہ ہونٹوں کو کچلتے چپ چاپ کھڑی رہی۔ انداز گویا یوں تھا کہ وہ اب مزید کچھ بھی کہنے سننے کو تیار نہیں۔ مصطفیٰ نے اس کے بے لچک انداز کو دیکھا۔ سرخ لباس میں رونے سے چہرہ مزید سرخ و آتش ہو گیا تھا آنکھوں کی سرخی سوا تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"چلو اس بات پر پھر کسی دن تفصیلی گفتگو کروں گا اس وقت ایک اہم کام دیکھنا ہے۔" مصطفیٰ کے الفاظ پر اس نے غصے سے دیکھا۔

"میں آپ پر تمام خیالات واضح کر چکی ہوں مجھے آپ سے قطعی بھی اس ٹاپک پر کوئی بھی بات نہیں کرنی اب۔" اس کے غصیلے لب و لہجے پر مصطفی نے بہت بے بسی سے اسے دیکھا۔

اب تک وہ اس کے سامنے ایک سنجیدہ سلجھی ہوئی لڑکی کے روپ میں ہی آئی تھی۔ جس نے اس کے دل و ذہن میں ایک بھرپور تاثر چھوڑا تھا۔ وہ اس کی بے حد عزت کرتا تھا مگر اب اس کا انداز اور یہ احمقانہ انکار اس کے اندر غم و غصے کی ایک تیز لہر ابھری۔ شہوار کا یہ قطعی نیا روپ تھا۔

"شٹ اپ" غصے سے اسے ٹوک کر اس نے اپنے اندر ایک دم اٹھنے والے اشتعال پر بمشکل قابو پاتے اپنے لب بھینچے۔

"میرا اس سلسلے میں کوئی تعلق نہیں ہیں بواجی کی پریشانی کی وجہ سے تم سے بات کرنے پر مجبور ضرور ہوا ہوں مگر تم نے جو بھی کہنا یا سننا ہے بواجی یا بزرگوں سے کہو ان سے بات کرو میرا خیال ہے وہی تمہارے دماغ کا صحیح اور درست علاج کر سکیں گے۔" غم و غصے سے کہتا وہ تیزی سے اس پر ایک تیز سلگتی نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل گیا۔ شہوار نے سخت اشتعال میں آ کر ایک دم دروازہ زور سے بند کیا۔ مصطفی کی تیز سلگتی نگاہ روح میں گویا اتر گئی تھی۔ جی چاہا کہ کمرے کی ہر چیز تہس نہس کر دے۔ وہ بے اختیار سسکتے ہوئے بستر پر گر کر زار و قطار رو دی تھی۔

❁ — ❁ — ❁

"آ گئیں آپ لوگ؟" وہ دونوں جیسے ہی اندر داخل ہوئیں صوفے پر دراز ایاز نے دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں تمہارے ڈیڈ اسپتال گئے ہیں تو ہم آ گئیں۔" وہ دونوں سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"آج تم نے سارا دن اسپتال کا چکر نہیں لگایا؟" ایاز کو ٹی وی کی طرف متوجہ دیکھ کر عادلہ نے ٹوکا۔

"بس ٹائم ہی نہیں ملا۔"

"وہ بہن ہے تمہاری جب بھی ہوش آیا اس نے تمہارا ہی پوچھا۔" نام نے کہا۔

"اف میں اسپتال کے ماحول سے سخت الرجک ہوں پزل ہو گیا تو تھا اب ہر وقت اس کے سرہانے سے لگ کر بیٹھنے سے تو رہا۔" اس نے جھنجلا کر چینل بدلا۔

"میڈیکل پڑھ رہے ہو اور اسپتال کے ماحول سے الرجک ہو..... حیرت ہے۔"

"میں نے میڈیکل کالج چھوڑ دیا ہے پرسوں سے۔" اس نے بے پروائی سے دھماکا کیا۔

"ہیں..... یہ کیا بکواس ہے؟" عادلہ نے زندگی میں کوئی اور کام سنجیدگی سے کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر یہ اس کی خوش قسمتی کہ وہ ایک ذہین اسٹوڈنٹ رہی تھی اور اس نے اپنی ایجوکیشن سنجیدگی سے مکمل کی تھی۔

"میرا موڈ بدل گیا ہے مجھ سے نہیں یہ میڈیسن پڑھی جاتی۔"

"تو اب کیا کرو گے؟ چار سالوں سے تم ادھر لٹکے ہوئے تھے کتنی مشکلوں سے تو تمہیں ایڈمیشن ملا تھا ہر سال تمہارے ڈیڈ نے لاکھوں تمہارے اوپر لگائے ہیں اس کے باوجود تم کلیئر نہیں ہوتے تھے۔" نام کا بھی حیرت سے برا حال تھا۔

"اب میں نے کچھ بھی نہیں کرنا پیسہ ہو تو ڈگریاں یوں مٹھی میں ہوتی ہیں۔ ڈونٹ وری....." اس نے چٹکی میں ان کی تشویش اڑا دی تھی عادلہ نے سر تھام لیا۔

"ڈیڈ کو پتا لگا تو بہت غصے ہوں گے پہلے ہی عائضہ کی وجہ سے وہ پریشان ہیں۔"

"سو واٹ؟ میرا اب انٹرسٹ نہیں رہا اس فیلڈ میں تو کیا کروں؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"تم سے تو دماغ کھپانا ہی فضول ہے ایک وہ کاشی ہے نجانے کیا کیا کرتی پھرتی ہے دیکھا اس کا انجام اس قدر سیریس حالت میں بستر پر پڑی ہوئی ہے۔" عادلہ کے الفاظ پر بھی اس نے توجہ نہ دی تھی۔

"تم جب کہ اب کچھ بھی نہیں کرنا چاہتے تو پھر اپنے ڈیڈ کا بزنس جوائن کرلو۔" نام نے مشورہ دیا۔

"او نو نام..... اب تو مزا آ رہا ہے بے فکری ہو کر زندگی انجوائے کرنے کا۔ اکلوتا بیٹا ہوں ڈیڈ کا ساری عمر یہی کام کرنا ہے تو ابھی تو آزاد زندگی انجوائے کرنے دیں۔" عادلہ نے تاسف سے اسے دیکھا گویا کہہ رہی ہو کہ یہ لاعلاج ہے۔

"تمہارے سسرال میں سے کسی نے چکر نہیں لگایا اسپتال کا۔" نام کو اب عادلہ کا خیال آیا تو پوچھا۔

"میں نے اطلاع ہی نہیں کی خوامخواہ سب دوڑے آتے اور پھر سو باتیں سننا پڑتیں۔"

"تمہیں کیوں وہ لوگ باتیں سناتے؟" ایاز نے پوچھا۔

"تمہیں نہیں پتا ان کے گھر کا ماحول کتنا دقیانوسی اینڈ کنزرویٹو ہے۔ یوں رات گئے اکیلی لڑکی ذات کا گاڑی لے کر باہر گھومنا ان لوگوں کے نزدیک بڑی بے حیائی ہے۔ میں تو پہلوان کے طریقے کار پر عمل نہیں کرتی مگر باقی سب خواتین ڈرائیور اور گھر کے کسی مرد کے بغیر باہر قدم نہیں رکھتیں۔" منہ بنا کر عادلہ نے وضاحت دی۔

"غریب فیملی۔" ایاز نے تمسخر اڑایا پھر اچانک خیال آنے پر وہ اٹھ بیٹھا۔

"ماما مجھے آپ لوگوں سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔" کچھ سوچتے اس نے کہا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر اندر جاتی عادلہ ٹھٹکی۔

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے آرام سے بم پھوڑا۔

"کیا......؟" وہ دونوں حیران ہوئیں عادلہ واپس پلٹ آئی۔

"میں شہوار سکندر سے شادی کرنا چاہتا ہوں عادلہ!" اس نے اب کی بار صرف عادلہ کو دیکھا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ بے اختیار صوفے پر ٹک گئی تھی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا؟ جانتے ہو کس کا نام لے رہے ہو مجھے اس لڑکی سے حد سے زیادہ نفرت ہے اور اس دو ٹکے کی لڑکی کو میں بھابی کے طور پر قبول کروں ناممکن۔" اس نے نخوت و نفرت سے سر جھٹکا۔

"تو میں کون سا اسے ساری عمر دم چھلے کے طور پر لٹکائے رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وہ لڑکی میرے لیے ایک چیلنج ہے اب ہر حال میں اس سے شادی کر کے اس کا غرور توڑنا ہے بڑی مغرور ہے بلکہ ظلم خان مجھے ہر حال میں اس کو حاصل کرنا ہے بس۔" اس کا لفظ لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا ماما حیران ہوئیں۔

"تمہیں کون سا لڑکیوں کی کمی ہے اپنے سرکل میں ایک چھوڑ دس تیار ہیں وہ لڑکی جس کا کوئی آگے نہ پیچھے نہیں اسے بہو نہیں بنانے والی۔" فوراً انکار کیا تھا۔

"او ماما اپنا بانی ہونے کی نوبت کہیں آپ کو نہیں بتا وہ لڑکی کیا ہے اب تو میرے لیے وہ عزت اور موت کا سوال ہے۔ میں اس کا حسن و ناز میں ملانا چاہتا ہوں غرور توڑنا چاہتا ہوں میرا بس چلے تو میں اسے تنکا تنکا کر کے بکھیر دوں۔ اگر وہ دو ٹکے کی لڑکی ریٹائرڈ آرمی آفیسر کی شاہ زیب علی اور موجودہ ایس پی مصطفیٰ کی پناہ میں نہ ہوتی تو کب کا اسے اٹھوا لیا ہوتا مگر اب میں اسے شادی کے نام پر حاصل کروں گا۔" وہ نخوت سے کہہ رہا تھا اور عادلہ حیرانی سے اسے دیکھے گئی۔

"یہ کیا معاملہ ہے بھلا؟"

"بتاؤں گا آرام سے سکون سے؟ شادی تو میں بھی اپنی ہی کلاس کی کسی لڑکی سے بڑی دھوم دھام سے کروں گا بس انتقام لینا ہے اس سے۔"

"مگر اب کوئی فائدہ نہیں اس کا رشتہ مصطفیٰ سے طے کر دیا گیا ہے۔" عادلہ کچھ کچھ معاملہ سمجھ گئی تھی اس نے اپنے آپ کو پرسکون کرتے کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

"سو واٹ؟ ماما آپ عادلہ کے ساتھ کل ہی ان لوگوں کے ہاں جائیں میرا پرپوزل لے کر۔"

"اگر انہوں نے انکار کر دیا تو؟" ماما نے پوچھا۔

"تو پھر میں وہ کروں گا جو یہ لوگ بھی دیکھتے رہ جائیں گے۔" ٹی وی آف کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم جاؤ گی عادلہ کہیں۔" عادلہ نے منہ بنایا۔

"آپ اس دو ٹکے کی لڑکی کے لیے میں اپنی بے عزتی کرواؤں؟ میں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہوں وہ لوگ ہاں نہیں کریں گے۔"

"تو وہ لوگ اچھی طرح مجھے بھی نہیں جانتے کہ میں کیا کروں گا۔ میرے لیے ایسی راہ چلتی لڑکیوں کا حصول قطعی مشکل نہیں۔ عزت کے ساتھ رشتہ بنا رہا ہوں یہ غرور بادر کروا دینا ان کو۔" وہ انتہائی غرور بھرے لہجے میں کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

"یہ سب کیا ہے؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آئی۔" ماما نے عادلہ کو دیکھا۔

"ڈونٹ وری آپ کو پتا تو ہے کہ اسے اپنے فضول سوجھتے رہتے ہیں۔ چند دن کا خمار ہے اتر جائے گا۔"

"مگر وہ تو کہہ گیا ہے کہ کل ہم ان کے گھر جائیں۔"

"ہاں تو چلے جائیں گے ایسی لڑکیوں کی اوقات اچھی طرح از بر ہے گھر میں مصطفیٰ کو پھنسا رہی ہے اور کالج میں اوروں کو۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ اس خاندان کے سامنے اس لڑکی کی اصلیت واضح کروں اچھا موقع ہے مصطفیٰ نے عادلہ کے لیے انکار کیا تھا ابھی تک مجھے وہ ذلت نہیں بھولی۔ میں بدلہ لے کر رہوں گی آپ بھی ریڈی رہیے گا چلیں گے۔ ایاز کون سا کل ہی اس سے شادی کر رہا ہے

محض چیلنج کے طور پر قبول کر رہا ہے ۔ ہم بھی اس ڈرامے میں اپنا اپنا کردار ادا کر لیتے ہیں' کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ طنز و حقارت سے ہنس کر کھڑی ہو گئی۔

''اس لڑکی کی اصلیت سب کے سامنے لانے کا اس سے بہتر اور معقول موقع کوئی اور نہیں ملے گا۔ ماما چلیں گے مزا آئے گا۔'' وہ ہنس کر مطمئن انداز میں ماما سے کہتی اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔



بڑی کسلمندی کے ساتھ وہ بستر سے اتری اور ہاتھ لے کر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خاصی بیزاریت سے تیار ہو رہی تھی تبھی اس کا موبائل بجنا شروع ہو گیا۔ اس نے برش ڈریسنگ پر رکھ کر موبائل اٹھایا۔ شہوار کی کال دیکھ کر اس کو لگا کہ جیسے اطراف میں خوش گوار ہوا کا جھونکا بکھر گیا ہو۔ پرسوں اور کل کا دن اس نے بڑی بیزاریت سے گزارا تھا۔

''السلام علیکم!'' شہوار کی خوش گوار آواز اس کے اعصاب کو لطیف سا احساس بخش گئی تھی۔

''کیسی ہو؟''

''وعلیکم السلام! بالکل ٹھیک ٹھاک' تم سناؤ؟''

''میں بھی ٹھیک ہوں' کیا کر رہی ہو؟'' شہوار نے پوچھا۔

''کالج کی تیاری اور تم؟''

''میں نہیں جا رہی۔'' اس نے بیزاری سے کہا تو وہ چونکی۔

''ہائے...... کیوں؟ طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی ابھی تک یا پا زکی وجہ سے نہیں جا رہی۔''

''بس ویسے ہی آنٹی کا کہنا ہے کہ میں اچھی طرح آرام کر لوں ورنہ کالج جا کر پھر طبیعت خراب ہو اوں گی اس لیے۔''

''اوہ......'' اس کے نہ جانے کا سن کر اس کے اعصاب پر اوس سی پڑ گئی۔

''ہو سکتا ہے میں ایک دو دن مزید نہ جا سکوں' تم ٹیچرز اور نوٹس لے لینا میں تم سے لے لوں گی۔'' اس نے اپنا منصوبہ جلدی سے آگاہ کیا تو وہ چونکی۔

''اس طرح کالج سے غیر حاضر رہ کر یا زکوں کو تو اور شہہ ملے گی کہ تم ڈر گئی ہو ان سے۔''

''ہاں انا! میں واقعی ڈر گئی ہوں اس شخص کے تیوروں اور حرکتوں سے میں خوف زدہ ہو گئی ہوں اب نجانے مزید کیا ہو؟ یہی سوچ کر ہی میرے دل کی دھڑکن بند ہونے لگتی ہے۔ خود کو سنبھالنے اور سمجھانے میں کچھ وقت تو لگے گا۔'' اس نے بھیگے لہجے میں اپنا خوف بیان کیا تو انا کے دل پر چوٹ سی لگی۔

''کچھ نہیں ہو گا اب تمہیں' پرنسپل صاحب تک معاملہ پہنچا ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا' وہ آمنہ اور ہاشم یقیناً اب اس شخص کو کالج میں نہیں گھسنے دیں گے۔'' اس نے حوصلہ دیا۔

''اسی بات کا تو خوف ہے مجھے' پرنسپل صاحب انکل کے دوست ہیں اور ان کو نہیں پتا کہ میرا ان سے کوئی تعلق بھی ہے۔ اگر بات انکل تک پہنچ گئی تو معاملہ بہت خراب ہو جائے گا۔''

''اچھا ہو گا اس طرح انکل تمہاری پروٹیکشن کا بھرپور بندوبست کر لیں گے میرا تو مشورہ ہے کہ تم اپنے اس پولیس آفیسر مصطفیٰ کو سب صورت حال بتا دو وہ یقیناً کوئی بہتر حل ہی نکال لے گا۔'' انا نے مشورہ دیا تو وہ چپ ہو گئی۔

''اچھا دیکھوں گی۔''

''تم سناؤ روشی کیسی ہے؟ آنٹی اور بھائی کو تم دونوں بہت اچھی لگی تھیں خصوصاً روشی کی آنٹی بہت تعریفیں کرتی رہیں کہ بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ اتنا عرصہ امریکہ میں گزارنے کے باوجود مشرقی پن قائم ہے اس کا۔'' اس نے غیر محسوس انداز میں بات بدل دی تا کہ انا کو زرا بھی فیل نہ ہو وہ ہنس دی۔

''ٹھیک ہے۔''

''ہم نے اگلے ماہ شادی کی ڈیٹ فکس کر لی ہے کل اور پرسوں کا سارا دن بہت بزی گزرا شاپنگ کرتے ہوئے۔ تمہیں پتا ہے رات کو میں نے ماما سے زبردستی کہہ کر ڈھولک منگوائی تھی رات کو خوب محفل بھی بہت مزا آیا۔'' ایک دم یاد آنے پر انا کی آنکھوں میں خوش نما سے رنگ اتر آئے تھے مگر اگلے ہی پل ان رنگوں میں سرد پن سا اتر آیا جیسے ساری محبت بجھ گئی ہو۔

''تم ضرور آنا شادی میں آنٹی بھائی سبھی کو انوائٹ کروں گی۔'' اس نے اپنا دامن جھاڑا۔

''کیوں نہیں ضرور آؤں گی۔''

"اماں مجھے کالج کی تمام صورت حال سے خود آگاہ کرنا۔ میرے نجانے پر ایاز لوگوں کا کیا ری ایکشن ہے خود بتانا۔" دھیمے لہجے میں اس نے تاکید کی تو اس نے سر ہلا دیا۔

"میں کالج جا کر تمہیں کال کروں گی ڈونٹ وری۔" چند مزید باتوں کے بعد اس نے کال بند کر دی۔

شہوار کے بغیر کالج جانے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوراً تیار ہوئی۔ اپنا بیگ اور تمام چیزیں سمیٹ کر ڈائننگ ہال میں آئی تو وہاں ابھی ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھے۔ ولید کو دیکھ کر وہ رکی اور پھر اسے نظر انداز کرتے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کل کا سارا دن یہ شخص گھر پر نہیں تھا اور رات کو بھی نجانے کب لوٹا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر وہ کرا ہسپتال کے کمرے میں لیٹا سفید پٹیوں میں جکڑا نہایت خوب صورت و دلکش وجود آ کر ہلچل مچا رہا تھا۔ اسے تو بس یہی بات اذیت دے رہی تھی کہ یہ شخص اس حسین و جمیل لڑکی کو ہسپتال لے کر گیا تھا۔ اس کی شرٹ اس لڑکی کے خون سے رنگین تھی۔ ساری رات اس کی بے چینی و اضطراب میں گزری تھی اور اب بھی ولید ضیا احمد پر نگاہ پڑتے ہی اسے اپنا آپ ایک ان دیکھی آگ میں جلتا محسوس ہو رہا تھا۔

صغراں نے اس کے سامنے لا کر ناشتہ رکھا تو اس نے بے دلی سے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ گلاس خالی کر کے اپنی چیزیں سمیٹ کر وہ اٹھی تو صوفی بیگم نے اسے ناقدانہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ناشتا تو ڈھنگ سے کر لو۔" انہوں نے ٹوکا۔

"بس کر لیا۔" ولید نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ عجیب بے زار انداز تھا وہ اپنی چیزیں لے کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

"اسے کیا ہوا؟" اس نے روشی کو دیکھا تو اس نے کندھے اچکا دیے۔

"موڈ نہیں ہو رہا ہو گا ناشتہ کرنے کا۔" روشی کے جواب پر وہ بھی نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا وہاں سے نکل آیا۔ اس کی گاڑی ابھی تک ورکشاپ میں تھی اور دو دن سے وہ گھر والی گاڑی استعمال کر رہا تھا جب کہ بابا والی گاڑی گھر کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔ وہ اپنا بیگ لے کر پورچ میں آیا تو اندر سے نکل آئی۔ گاڑی میں ڈرائیور کی جگہ ولید کو دیکھ کر وہ رکی تو ولید نے گاڑی اس کے پاس لا کر روک دی۔

"آپ کی گاڑی ابھی تک ورکشاپ سے واپس نہیں آئی؟" قریب آ کر اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"آج آ جائے گی تم بیٹھو میں ڈراپ کر دوں گا۔" فرنٹ ڈور کھولتے اسے کہا تو وہ ایک عجیب سی نگاہ اس پر ڈالتے فرنٹ سیٹ پر ٹک گئی۔

"موڈ کیوں آف ہے؟" اسے اس کا انداز ذرا عجیب سا لگا۔

"آپ سے مطلب؟" جواب اس سے بھی زیادہ عجیب تھا وہ حقیقتاً ٹھٹکا۔

"خیریت؟" وہ اس کے پل پل بدلتے موڈ پر بڑا حیران ہوتا تھا۔ عجیب سی موڈی لڑکی تھی بغیر جواب دیے وہ باہر بدستور دیکھے جا رہی تھی۔

دس سالوں میں کس قدر تبدیلیاں آئی تھیں اس کے اندر۔ اسے اپنے موڈز کے تابع رہنے والی خاصی نخریلی اور موڈی لڑکی لگ رہی تھی۔ ایک پل میں اپنی اپنی سی اور اگلے پل ہی تو بالکل غیر قطعی اجنبی۔

"محترمہ کس بات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آپ رات بارہ بجے تک کہاں تھے میں نے پوچھا نہیں نا؟" ایک دم سنجیدگی سے ولید کو دیکھتے اس نے تیزی سے کہا۔

"اس لیے آپ بھی میری ذات میں انٹرفیئر مت کیا کریں تو بہتر ہے۔" ولید اب کے حقیقت میں حیران رہ گیا تھا۔ اس کا انداز اور تیور خاصے جارحانہ تھے۔ جذبات میں سلگتا ہوا سا احساس تھا وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا جس کے تیور ناقابل فہم تھے۔ اس کے دیکھنے پر وہ اپنی گود میں رکھے بیگ کے اسٹریپ سے کھیلنے لگی۔

"اس بیویوں والی باز پرس کی کوئی وجہ؟" اب پزل ہونے کی باری اس کی تھی۔ وہ ولید کے الفاظ پر خاصی جز بز ہوئی گھبرا کر اسے دیکھا وہ سنجیدگی سے سامنے دیکھ کر ڈرائیو کر رہا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" اس نے ناگواری سے کہا۔

"یہ بکواس نہیں جس طرح کا تمہارا رویہ ہے یہ اسی کے مطابق جواب تھا۔" اب کے ولید نے اس کی طرف دیکھتے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا تو وہ فوراً پلکیں جھکا گئی۔ اس شخص کی آنکھوں میں بے پناہ حدت تھی کہ وہ تاب نظارہ نہ لا سکی۔

"ایسے سوال کرنا آنے جانے کی ٹائمنگ یاد رکھنا یہ تو بیویوں کا ہی کام ہوتا ہے نا۔" اس نے جتایا۔

"مائی گاڈ دماغ خراب ہے آپ کا بس بات نہیں کریں آپ مجھ سے۔" ایک دم صورت حال سمجھتے سوال کی وضاحت جان کر وہ بالکل ہی آؤٹ ہو گئی تھی۔ ولید کے اندازے نے اندر ہی اندر سلگا کر رکھ دیا تھا۔

"میں نے تو محض خراب موڈ کی وجہ پوچھی تھی پھر تو تم نے کھینچ مارا تھا ڈائریکٹ ایک۔"

"میرا موڈ قطعی خراب نہیں ہے بس میرا دل آپ سے بات کرنے کو نہیں کر رہا۔" اب کے تندی سے کہا تو وہ ہنس دیا۔ کیسا بچکانہ انداز تھا بچوں والا۔

"دل کیوں نہیں چاہ رہا بھلا؟" انا نے سر اٹھا کر اس کے چہرے پر پھیلنے والی مسکراہٹ دیکھی یہ مسکراتا شخص اس کے دل کی دنیا زیر و زبر کر گیا تھا۔ اسے اپنا دل اپنی ہتھیلیوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔ کتنی خوب صورت ہیں اس شخص کی آنکھیں اور مسکراہٹ۔

"پتا نہیں۔" وہ ایک دم یاسیت کی زد میں آ گئی۔ اس نے ہونٹ کچل لیے اندر ایک مجروح سی کیفیت پیدا ہوئی تو سیٹ سے ٹیک لگا کر سیدھی ہو گئی۔ دل چاہا اس شخص کو دیکھتی رہے اور بس دیکھتی ہی رہے۔

"آپ دوبارہ ہسپتال گئے؟ کیسی طبیعت ہے اب اس لڑکی کی؟" خود سے ہار کر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہوں کل بھی دو دفعہ گیا تھا اور جمعہ کو تمہارے ساتھ گیا تھا اب تو خاصی بہتر ہے مگر جب بھی چکر لگا وہ نیم غنودگی میں تھی براہ راست ملاقات نہیں ہوئی۔"

"بہت پیاری اور خوب صورت لڑکی ہے نا؟" ولید کے چہرے کو دیکھتے اس نے کہا وہ ہنس دیا۔

"ہوگی میں نے غور سے نہیں دیکھا۔" انا کو لگا اس کے اعصاب ایک دم چٹخنے لگے ہوں۔ تن من ایک دم جھلس اٹھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں لڑکی کو ایکسیڈنٹ کے بعد آپ ہی ہسپتال لے کر گئے تھے۔ اس رات ڈیڑھ بجے واپسی ہوئی تھی اس کے بعد بھی چکر لگائے ہیں کل رات بھی بارہ بجے واپس آئے اور کہہ رہے ہیں کہ میں نے غور سے نہیں دیکھا۔" اس کے لہجے میں نجانے کیا تھا کہ ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک سلگتا ہوا رقیبانہ سا احساس تھا اس کی آنکھوں میں اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا وہ سر جھکا گئی۔

"لگتا ہے خاصی ماڈرن اور ایلیٹ فیملی سے تعلق ہے ان کا۔" اس نے کہا پر ولید خاموش ہی رہا۔ ولید کی خاموشی انا کو اپنی روح پر ایک دم اترنے والا بوجھ لگنے لگی۔ اس کا دل کٹ کٹ کر گرنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور خوب روئے۔

"وی....." کچھ پل بعد اس نے اسے پکارا ولید نے چونک کر اسے دیکھا وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔

"ہوں۔"

"آپ کے زخم کیسے ہیں اب؟ میرا مطلب ہے دوبارہ ڈریسنگ کروائی؟" کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں کل اور پرسوں دونوں بار کروائی تھی اب بہتر ہیں۔"

"کیا گاڑی کا زیادہ ہی نقصان ہو گیا ہے جو ابھی تک گیراج سے نہیں آئی۔" اس نے مزید پوچھا۔

"آ جائے گی آج جاتے ہوئے وہاں سے ہو کر ہی جاؤں گا۔ ایک بات کہوں انا؟" کچھ توقف کے بعد اس نے انا کو دیکھا وہ چونک گئی۔

"جی کہیں۔" وہ کانشیس ہو کر بیٹھ گئی تھی کہ نجانے کیا کہہ دے۔

"ایک دم تمہارا موڈ بدلتا ہے دل چاہا تو بات کر لی ورنہ ناراض بڑا بچکانہ رویہ ہوتا ہے بعض اوقات تمہارا اور میں الجھ جاتا ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی بات ہے جو تمہیں الجھا رہی ہے۔ پریشان کر رہی ہے پچھلے دنوں تمہارا رویہ اور اب اس وقت کا رویہ مجھے الجھا گیا ہے۔ ہم کزنز ہیں اچھے دوست بن سکتے ہیں ایسا کیا پرابلم ہے جو تمہیں ایک دم ڈسٹرب کر دیتا ہے اگر اعتماد کرتی ہو تو پلیز شیئر کرو۔" انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ ولید نے گردن گھما کر بات کرتے کرتے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں کی متانت نے انا کے اوپر بڑے دلکش انداز میں اثر کیا۔

"مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے میں قطعی پریشان نہیں ہوں۔" ہاتھوں کو مسلتے دھیمے سے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں آپ کو خوامخواہ وہم ہو گیا ہے۔" اس نے ٹالا تو ولید نے بڑی خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔

"وہم نہیں بلکہ سو فیصد یقین ہے۔"

"پلیز وی ایسی کوئی بات نہیں بس شروع سے ہی موڈی ہوں۔"

"دس سال پہلے تک تو تم موڈی نہ تھیں۔" اس نے طنز کیا تو وہ ہنس دی۔

"انسان کو بدلتے ایک پل لگتا ہے دس سال پہلے میں بالکل بچی تھی میری ترجیحات اور ضروریات قطعی مختلف تھیں تب کھانے پینے کھیلنے کودنے سے ہی فرصت نہ تھی کہ مجھے دنیا کو دیکھنے پرکھنے کا سلیقہ کیونکر آتا؟ پاکستان آنے کے بعد بہت وقت بدلا ان سالوں میں کئی ماہ دن گھنٹے منٹ اور سیکنڈ آتے ہیں موڈ بدلتا کیا ہے؟ وہ کب بدل جائے؟" ولید نے سنجیدگی سے اس کے خوب صورت گلاب کی طرح ترو تازہ مہکتے کھلے کھلے سے چہرے کو دیکھا۔ کچھ دیر قبل والی کیفیت نہ تھی مگر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا ناقابل فہم سا احساس ضرور تھا جو ہمیشہ کی طرح اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

"موڈ تو میں شروع سے ہی تھی بس پہلے آپ نے کبھی مجھ کو غور سے پڑھا ہی کب تھا۔" ولید نے بغور دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی بہت پیاری دلکش مسکراہٹ تھی اس کی۔

"پلاپ پڑھنا چاہتا ہوں اب کیوں کترا رہی ہو؟ پڑھنے دو پھر مجھے۔" ولید کا انداز بہت سنجیدہ تھا انا کی مسکراہٹ ایک دم تھمی۔ بغور اسے دیکھا وہ سامنے دیکھتے کہہ رہا تھا۔

"مجھ کو پڑھ کر بھلا کیا حاصل ہوگا آپ کو خواہ مخواہ وقت کا زیاں۔"

"کچھ بھی حاصل نہ ہو کم از کم تمہارے بدلتے موڈز کی وجہ تو پتا چل ہی جائیں گی۔"

"لاحاصل۔" وہ مسکرا کر کہہ کر باہر دیکھنے لگی۔

"یہ تو بعد کی بات ہے کہ کچھ حاصل ہوگا کہ نہیں سرورق دیکھ کر کتاب کے نفس مضمون کا اندازہ لگانے کا بھلا کیا فائدہ اصل ادراک تو کتاب پڑھ کر ہی حاصل ہوتا ہے کہ اس کے اندر کیا رقم ہے؟"

"اف وی! آپ بھی نا؟ اب ایسا کچھ بھی نہیں ہے میرے اندر۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"اتنی خوب صورت دلکش کتاب کے اندر کچھ نہ کچھ تو ہوگا ہی نا۔" وہ ہنس دی۔ بڑی معطر اور تر و تازہ دی ہنسی تھی۔

"آپ کو چاہیے تھا کہ بزنس کی بجائے لا پڑھتے جرح آپ بہت اچھی کر لیتے ہیں۔" کالج آتے دیکھ کر وہ کچھ پرسکون ہو کر مستعد بیٹھ گئی تھی۔

"اور تم بہت اچھی طرح بات کو پلٹنے کا ہنر جانتی ہو تمہارے ان بدلتے موڈز کی وجہ بھی ہم کسی نہ کسی دن معلوم کر ہی لیں گے آخر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔" کالج کے گیٹ کے سامنے گاڑی روکتے اسے دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا تو انا کھلکھلا کر ہنس دی۔

صبح اس کا موڈ کتنا خراب تھا مگر اب ولید کی اپنے لیے فکرمندی اپنی ذات کے لیے الجھتا دیکھ کر وہ اندر تک شانت ہو گئی تھی یعنی وہ اس سے بے خبر نہیں تھا۔ اس کی پروا تھی اسے بھی۔ یوں لگا جلتی آگ پر پانی کے چھینٹے پڑ گئے ہوں گویا۔ یوں جیسے کسی نے دل کی بے قراری پر ہولے سے ہاتھ رکھ دیا ہو۔ سارا اضطراب فکرمندی و بے قراری ایک دم ختم ہو گئی تھی جیسے۔

اس نے تھک ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک اتر گئی تاثیر مسیحائی کی

اس نے آنکھوں میں بے پناہ اشتیاق اور والہانہ پن لیے اسے دیکھا تھا۔ اس شخص کے لیے وہ خود کو برف کی طرح پگھلتا محسوس کرتی تھی۔ یوں جیسے تن من دھن پریم کے مندر میں وار کے بیٹھی ہو۔ اک سانس کی ڈوری لگی ہے اب اس کی بھینٹ چڑھاؤں گی۔ نگاہیں سمیٹ کر وہ آہستگی سے گاڑی سے اتر آئی تھی۔

ولید کے ذرا سے التفات سے اسے اپنا آپ ہواؤں میں اڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ جذبوں میں ایک دم سبک خرامی چھا گئی تھی۔ ولید نے اسے گیٹ سے اندر غائب ہوتے دیکھ کر آہستگی سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔



میڈیکل کالج کے سامنے گاڑی روک کر مصطفی شاہزیب علی نے اس وسیع و عریض عمارت کو دیکھا۔ تحسین صاحب کے پاس وزیٹنگ کارڈ بھجوایا تو اگلے ہی لمحے انہوں نے بلوا لیا تھا۔

"السلام علیکم!" پولیس آفیسر کے روپ میں مصطفی شاہزیب علی کو دیکھ کر وہ چونک گئے تھے۔

"وعلیکم السلام!" ایک دم اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس کا والہانہ انداز میں خیر مقدم کیا تھا۔

"کیسے ہو بیٹا!" مصطفی مسکرا دیا تھا۔

"فائن۔"

"اور شاہزیب علی کیسا ہے؟ بھابی بچے باقی لوگ؟" کافی عرصے سے ان لوگوں کی ملاقات نہ ہوئی تھی اب بڑے پرسکون انداز میں وہ سب کا حال احوال دریافت کر رہے تھے۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں بابا اکثر آپ کو یاد کرتے ہیں۔"

"مجھے آپ سے ایک ضروری کام تھا اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔" رسمی باتوں کے بعد مصطفی نے اپنی آمد کا مقصد واضح کیا تو وہ چونک گئے مصطفی کا انداز سنجیدہ تھا۔

"خیریت؟"

"جی۔" مصطفی مسکرا دیا۔

"اسی میڈیکل کالج کے فورتھ ایئر میں میری ایک کزن پڑھ رہی ہیں اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔" تحسین صاحب سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ہوسکتا ہے آپ اسے جانتے بھی ہوں' میڈیکل فورتھ ایئر کی طالبہ ہیں شہوار سکندر علی نام ہے ان کا۔" اب کے وہ قدرے چونک کر متوجہ ہوئے۔

دو دن پہلے کا واقعہ اس قدر غیر اہم بھی نہ تھا کہ وہ اس قدر جلدی بھول بھی جاتے۔ ایک لڑکی کی وجہ سے کالج کے دو گروپ کا آپس میں تصادم ہوا تھا۔ معاملہ سنگین تھا کیونکہ ایک گروپ کی شہرت بدنام زمانہ تھی تو دوسرا گروپ بھی خاصی مضبوط بیک گراؤنڈ رکھتا تھا۔ عام واقعہ ہوتا تو ٹیچرز اور وہ خود بھی توجہ نہ دیتے مگر وجہ یہ تھی کہ ہاشم کا خاندان ایک مضبوط سیاسی پس منظر کا حامل تھا اور ان لوگوں سے ان کے ذاتی مراسم بھی تھے۔ اس لیے وہ ذاتی طور پر اس معاملے میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے تھے اور معاملے کو اپنے طور پر حل کرنا چاہتے تھے۔

"شہوار سکندر علی! دو دن پہلے کالج کے دو گروپس ایاز اور ہاشم کے لوگوں کا جھگڑا ہوا تھا یہ جھگڑا کسی طالبہ کی وجہ سے ہوا تھا کیا یہ وہی بچی تو نہیں؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"جی..." مصطفی نے سر ہلا دیا۔

"اوہ..." انہیں حقیقتاً تاسف ہوا۔

"مجھے قطعی معلوم نہ تھا کہ یہ بچی تم لوگوں کی رشتہ دار ہے۔"

"انکل! دو دن پہلے اس کالج کی چار دیواری میں جو بھی حرکت ہوئی میں اس کو اخلاق سوز حرکت ہی کہوں گا۔ ایسے لڑکوں کو اگر کالج پناہ دینے لگیں تو پھر شرفا لوگ کہاں اپنے بچوں کو ایسی درسگاہوں میں آنے دیں گے؟ یہ تو سراسر دھاندلی اور اخلاق سے عاری حرکات ہیں کہ ایک کمزور بے بس لڑکی عرصہ دراز سے ایک آوارہ بدمعاش ٹائپ لڑکے کی مسلسل دھمکیاں اور حرکات برداشت کر رہی ہے اور کسی کو احساس تک نہیں اگر دو دن پہلے یہ واقعہ ہوتا تو کب کسی کو پتا چلتا کہ ایک شریف باکردار لڑکی کیونکر اپنے کیریئر کو تباہ کر گئی ہے؟" مصطفی کا انداز بظاہر دھیما ہی تھا مگر اس میں شعلوں کی سی لپک تھی۔

"انکل! ایک آوارہ انسان جری نیتوں کے ساتھ ایک باکردار وجود کو پامال کرنے کی کوشش کرے اس کا رستہ روکنے اور کاؤنٹر کرنے سے بڑی انسانیت کی تذلیل کیا ہوگی کہ کوئی اس لڑکے کی بدمعاشی کے خوف سے اٹھ کر اس لڑکی کا ساتھ دینے سے مجبور ہے اسے خود ہی اپنا تحفظ کرنا پڑے۔ ہاشم گروپ درمیان میں کودے بھی تو اس وقت جب اس شخص کی بدتمیزی کی انتہا ہو گئی اور شہوار نے اسے کتاب کھینچ ماری تھی۔" مصطفی کا انداز بہت مدہم تھا مگر اس کے باوجود وحشت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا۔

"یہ مسئلہ اسی وقت میرے علم میں لایا گیا تھا اس کے بعد میں نے کالج کے تمام ٹیچرز اور میڈیکل اسٹاف سے اس سلسلے میں میٹنگ بھی ارینج کی تھی۔ میں نے اس بچی سے بھی ملاقات کرنے کو بلوایا تھا مگر اس کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ گھر چلی گئی تھی۔ جب تک معاملہ ہمارے علم میں نہ تھا ہمیں کچھ پتا نہ تھا اور جب صورت حال سامنے آئی ہم نے فوراً پرابلم کو فیس کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ معاملہ نہ بگڑے۔" چیئرمین صاحب نے صفائی پیش کی تو اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"انکل! اس واقعہ کی وجہ سے شہوار کی طبیعت کس قدر بگڑی آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کئی گھنٹے اس نے مسلسل بے ہوشی اور خوف میں گزار دیئے گزشتہ دنوں وہ جس طرح ذہنی اسٹریس اور اذیت کا شکار رہی ہے اس واقعہ کو لے کر اس کی حالت کس قدر خراب ہوئی ہوگی۔ دو دن وہ کالج نہ آ سکی تھی اور نہ ہی آج آئی ہے۔ انکل مجھے اس مسئلے کا مکمل اور پراپر سولوشن چاہیے۔ میں چاہتا تو اس معاملے کو اپنی ذاتی بیس پر ہی حل کر سکتا ہوں وہ لڑکا اس قدر اوور کریڈ اور مختلف کرائمز میں ملوث ہے کہ اس پر کوئی بھی کیس بنوا کر جیل میں بھجوا سکتا ہوں نہ مجھے اس کے باپ کی دولت کی پروا ہے اور نہ ہی ان لوگوں کے تعلقات کی۔ مگر میں ہر کام تھرو پراپر چینل کرنے کا عادی ہوں۔ میں مجرم کے گرد شکنجہ کسنے سے پہلے پوری اور مکمل تیاری کا قائل ہوں آپ بتائیں اس سلسلے کے فوری حل کے لیے کیا کیا اقدامات کر سکتے ہیں؟"

"ہمارے لیے اسے کالج سے نکال دینا قطعی مشکل امر نہیں ہے مگر ٹیچرز اور دیگر اسٹاف کی رپورٹ کے مطابق اس کا باپ ہائی لیول پر اپروچ رکھتا ہے۔ وہ ابھی تک اپنے بے حد خراب اکیڈمک ریکارڈ کے باوجود کالج میں ٹکا ہوا ہے تو صرف اپنے باپ کی دولت اور اثر و رسوخ کی وجہ سے اگر اس لڑکے کو کالج سے نکال بھی دیا جائے تو بھی اس بچی پر حملہ کر سکتا ہے ہمیں تمام ممکنات کا جائزہ لے کر ہی کوئی حتمی قدم اٹھانا ہوگا بیٹا!"

"یہاں صرف ایک لڑکی کی عزت کا سوال نہیں اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں جو اس بدکردار شخص کی بدکرداری کا نشانہ بنتی رہی ہیں۔" مصطفی نے برہمی سے کہا۔

"ڈونٹ وری بیٹا! وہ بچی شاہزیب کی رشتہ دار ہی نہیں میری اپنی بچی ہی سمجھو میں ذاتی طور پر اس مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہوں اور میری پوری کوشش ہوگی کہ اس لڑکے کو اب مزید اس کالج میں نہ ٹکنے دیا جائے۔ ہاشم گروپ نے جو بھی معلومات اس کے متعلق فراہم کی ہیں ایسے کردار کا حامل شخص وہ بھی میڈیکل شعبے میں ہونا یہ سراسر انسانیت کی توہین ہوگی۔" انہوں نے کہا۔

"جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا میں شہوار کو کالج نہیں آنے دوں گا۔ انکل براہ مہربانی کوشش کیجیے گا کہ یہ مسئلہ جلد از جلد حل ہو جائے میں نہیں چاہتا کہ اس کی تعلیم متاثر ہو وہ ایک ذہین اور محنتی طالبہ ہے۔ جس طرح کے حالات سے دوچار ہیں ایسے حالات سے متاثر ہو کر بہت سی لڑکیاں اپنا کیریئر ختم کر لیتی ہیں میڈیکل فیلڈ میں آنا اور ایجوکیشن مکمل کرنا اس کا شوق تھا مگر میرے علم میں اس کا یہ مسئلہ آیا ہے تو میں یہ مسئلہ مکمل طور پر حل کرنا چاہتا ہوں۔" گھڑی دیکھتے وہ اٹھ کھڑا ہوا اسے اور بھی ایک اہم ضروری کام تھا۔

"آپ بے فکر رہیں بیٹا! میں پوری غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے اپنی مکمل کوشش کروں گا کہ معاملہ خوش اسلوبی سے حل ہو جائے۔"

"شکریہ انکل!" وہ مسکرا کر بولا۔

"ایک اور فیور بھی چاہیے۔" ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے مزید کہا۔

"کیسی فیور؟"

"بابا اس قصے سے قطعی لاعلم ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ہماری فیملی کے کسی بھی شخص کو اس قصے کا علم ہو آپ سمجھ رہے ہیں نا کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔" وہ مسکرا دیے۔

"ڈونٹ وری! میں اب اس مسئلے کو ذاتی بی ہاف پر حل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"شکریہ انکل! او کے اللہ حافظ۔" تمیز الدین صاحب سے ملنے کے بعد وہ خاصا ریلیکس ہوا تھا۔ دل میں ایک اطمینان سا چھایا تھا کہ اب یقیناً کالج آنے پر شہوار کسی بھی قسم کے خوف وغیرہ سے تو محفوظ رہے گی نا۔ اس نے ان پر اعتماد کرتے اگرچہ ساری صورت حال بتائی تھی تو وہ بھی اسے قطعی مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا کہ یہ مسئلہ تو اس کی اپنی عزت وغیرت کے لیے ایک تازیانہ تھا وہ اس سلسلے میں جو بھی اقدامات اٹھانا چاہتا تھا قطعی جذباتیت کا شکار ہوئے بغیر حتمی اقدام کرنا چاہتا تھا۔



عادلہ بھابی اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ بظاہر عادلہ بھابی اور ان کی والدہ کا رویہ نارمل ہی تھا۔ اب نجانے عادلہ رہنے آئی تھیں یا یہ بھی ان کا ایک ہنگامی دورہ تھا جو وہ اکثر میکے کے طویل قیام کے دوران شوہر کی خیر خبر رکھنے کے لیے لگاتی رہتی تھیں۔ شہوار سلام دعا کے بعد ان کے سامنے نہیں گئی تھی۔ کیا تھا کب ان دونوں ماں بیٹی کی زبان کیا گل دے؟

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





ٹوٹا ہوا تارا قسط نمبر 7 ..... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

اماملیحہ کے ساتھ اسپتال آ تو جاتی ہے مگر عاشر کی خوب صورتی دیکھ کے وہ قدرے بےزار ہو کر چلی آتی ہے وہ خود اپنی کیفیت سے انجان ہوتی ہے ولید اس کے عجیب و غریب رویے پر الجھ کے رہ جاتا ہے۔ دوسری جانب مصطفیٰ انسپکٹر شہباز سے تمام رپورٹ لینے کے بعد شہوار سے تفصیلی بات کرتا ہے اور اسے ایاز والے معاملے میں بےفکر رہنے کو کہتا ہے ادھر مصطفیٰ کی بہنیں شہوار اور اس کے رشتے کی خبر سن کر ملنے چلی آتی ہیں اور مصطفیٰ کی موجودگی میں شہوار کو خوب تنگ کرتی ہیں وہ جھینپ کے رہ جاتی ہے۔ مصطفیٰ شہوار کو ڈھونڈتا ہوا اس کے کمرے میں آتا ہے اور اسے روتا دیکھ کے پریشان ہو جاتا ہے اس کے پوچھنے پر شہوار اس رشتے کی مخالفت میں اپنا جواز پیش کرتی ہے جسے سن کے مصطفیٰ چکرا کے رہ جاتا ہے اور اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے مگر اس کی کم عقلی پر نہایت غصے میں آ جاتا ہے۔ دوسری جانب ایاز عادل اور ماما کو شہوار کے لیے رشتہ لے جانے پر رضامند کرتا ہے۔ ایاز کے خیالات جان کر عادل ایک کمینی سی خوشی محسوس کرتی ہے۔ مصطفیٰ کالج کے چیئرمین سے میٹنگ کر کے تمام معاملات ہینڈل کرتا ہے اور قدرے بےفکر ہو جاتا ہے ادھر شہوار عادل اور اس کی والدہ کی آمد پر پریشان ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

وہ صبا کے ساتھ اپنے کمرے میں ہی بیٹھی رہی تھی۔

"کچھ پتا چلا؟ عادل بھائی کی بہن کا بڑا سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور وہ بال بال بچی ہے۔" عائشہ نے ہنگامی انداز میں کمرے میں آئی تھی وہ جو صبا کے ساتھ مل کر میگزین کے اشتہارات پر تبصرہ کر رہی تھی سر اٹھا کر دیکھا۔

"ہائے..... کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟" صبا بھی حیران ہوئی تھی۔

"کاری ڈرائیو کر رہی تھیں محترمہ تو کوئی فالٹ ہو گیا تھا جس سے ان کا کار پر کنٹرول نہ رہا اور دوسری گاڑی سے ٹکرا گئی کہ عادل بھائی ہی بتا رہی تھیں ماں جی کو کہ جس آدمی کی گاڑی سے ٹکرائی تھی وہی اسپتال لے کر گیا انہیں اطلاع دی۔ جس طرح کی سیریس کنڈیشن تھی اگر وہ شخص انسانیت نہ دکھاتا تو وہ بچ نہ پاتی۔"

"یہ واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔" صبا نے کہا۔

"اب کیسی طبیعت ہے محترمہ کی؟"

"آنٹی بتا رہی تھیں کہ پہلے سے کافی بہتر ہے ایک دو ہفتے اسپتال میں رہنا پڑے گا۔"

"چلو چل کر آنٹی سے عیادت ہی کر لیتے ہیں اگر ماں جی کہیں گی تو اسپتال کا بھی چکر لگا لیں گے۔ اب بھائی جیسی بھی ہوں ہیں تو بھابی نا..... "صبا اٹھ کھڑی ہوئی۔ عائشہ سنا کر پھر باہر نکل گئی تھی۔

"تم نہیں چل رہیں شہوار؟" اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر صبا نے کہا۔

"تم چلو میں بعد میں آ جاتی ہوں۔" شہوار کو ثمینہ کے ایکسیڈنٹ کا افسوس تو ہوا مگر عادل اور ان کی ماں کو برداشت کرنا وہ ہمیشہ خوف زدہ ہو جاتی تھی کہ نجانے کچھ کہہ دیں۔ صبا اور عائشہ اب سمیت ماں جی کے پاس ہی تک گئی تھیں۔ یہاں ابھی تک ثمینہ والا موضوع ہی زیر بحث تھا۔

"تم دونوں کب آئیں؟" عادل نے عائشہ اور صبا سے پوچھا جو بڑی پھوپو کے بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں۔ یہ رشتے میں ابا کی بھانجیاں بھی تھیں ان کے ہاں خاندان کے باہر بیٹیاں دینے کا کوئی رواج نہ تھا۔

"ہم کل آئی تھیں۔" صبا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"رہنے آئی ہو؟"

"جی یہی سمجھ لیں ہفتہ ڈیڑھ کی چھٹی ملی ہے۔" عائشہ نے جواب دیا۔

"آپ سنائیں آپ کیسی ہیں یا آنٹی کے ساتھ واپس جائیں گی۔" عادل اپنے موڈ کی مالک تھی اس کے پروگرام بھی اس کے اپنے طے کردہ ہوتے تھے جن میں ان لوگوں کی وجہ سے ردوبدل کی گنجائش نہ ہوتی تھی۔ انہیں میکہ زیادہ عزیز تھا اسی لیے سسرال سے زیادہ وہ میکے میں پائی جاتی تھیں۔

"نہیں میں رہنے تو نہیں آئی مجھے چند چیزوں کی ضرورت تھی ویسے بھی ماما کو ایک ضروری کام تھا تو ان کے ساتھ آنا پڑا۔" اپنے مخصوص نخوت بھرے انداز میں جواب دیا۔ عائشہ نے مسکرا کر ابا کو دیکھا اور پھر عادل کی ماما کو جو ماں جی سے محو کلام تھیں۔

"ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا کہ جی کا اس قدر بری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ورنہ فوراً چکر لگاتے آپ کے لیے تو یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے اللہ ساتھ خیریت و صحت کے ہی گھر لائے ہیں۔" ماں جی بے پناہ تشویش لیے اپنے جذبات کا اظہار کر رہی تھیں۔

"یہ سب تو زندگی کے ساتھ چلتا ہی رہتا ہے۔" بیگم عبدالقیوم کا انداز بے پروا تھا۔

"ہم رات کو خود عیادت کو آئیں گے۔" ماں جی نے خلوص سے کہا۔

"مجھے دراصل آپ سے ایک کام تھا اسی لیے آنا پڑا۔" اپنے انداز سے ہٹ کر انھوں نے کہا تو وہ سب چونکیں۔

"خیریت؟" ماں جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ کے گھر میں جو لڑکی رہتی ہے کیا نام ہے اس کا...... ہاں شہوار! اس کی ماں سے ملنا تھا اسی سے کام تھا۔" سب حیران ہوئی تھیں لائبہ نے گھبرا کر عادلہ کو دیکھا تو وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بڑے بےنیاز انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ شہوار کے نام پر بڑے تمسخرانہ انداز میں مسکرائی تھی۔

"کوئی ضروری کام تھا کیا؟" ماں جی کا وہی پرخلوص انداز تھا۔

"یوں ہی کہہ لیں کام تو اس کی ماں سے ہی تھا کہ بیٹی کی ماں وہی ہے پھر سوچا کہ آپ سے بات کر لوں لڑکی آپ کے گھر میں ہی رہ رہی ہے تو کیا حرج ہے۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ ماں جی الجھ گئی تھیں۔

"میری تو اس کی ماں سے براہ راست کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی کبھی یہاں آتے جاتے دیکھا بھی نہیں۔ عادلہ بتاتی ہے کہ وہ بہت کم کہیں آتی جاتی ہیں حویلی میں ہی رہتی ہیں۔"

"ہاں وہ حویلی کے اندر ہی رہتی ہیں شادی بیاہ میں بھی کہیں نہیں آتی جاتیں۔ پردہ دار عورت ہیں۔" ماں جی نے خوش خلقی سے بتایا۔

"میں ایاز کے لیے اس کی بیٹی کے رشتے کے لیے آئی ہوں۔" آخرکار بیگم عبدالقیوم نے بم چھوڑ ہی دیا۔ اندر آتی شہوار دروازے میں ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔ باقی سب بھی حیرت زدہ ہو کر عادلہ اور اس کی ماں کو دیکھ رہی تھیں۔

"جی کیا مطلب......؟" ماں جی واقعی نہیں سمجھی تھیں۔

"بڑا سادہ اور واضح مطلب ہے نانی جی! ماما میرے بھائی ایاز کا رشتہ شہوار کے لیے لائی ہیں۔" عادلہ نے وضاحت کی۔ انداز وہی مخصوص تمسخرانہ تھا۔

"مگر ہم تو شہوار کا رشتہ مصطفیٰ کے ساتھ طے کر چکے ہیں تابندہ نے ہاں بھی کر دی ہے۔ تمہارے سامنے ہی تو سارا معاملہ طے ہوا تھا۔ تمھیں اچھی طرح علم ہے کہ ہم ان دونوں کے نکاح کا پروگرام بنا رہے ہیں۔" مہرالنساء بیگم نے ایک دم پریشان ہو کر عادلہ کو دیکھا۔

"ابھی ہاں ہی ہوئی ہے کون سا شادی ہو گئی ہے۔" مہرالنساء بیگم کے پریشان ہونے پر وہ بھی ایک دم برافروختہ ہوئی تھی۔

"عزت دار گھرانوں میں کسی کو زبان دے دینا ہی سب سے بڑی بات ہوتی ہے۔ یہ عام بات نہیں ہے شہوار ہمارے خاندان کی بیٹی ہی نہیں اب بہو بھی ہے۔" شہوار گم صم سی کھڑی تھی۔ وہ شخص اسے پورے کالج میں ذلیل کرنے کے بعد اب اس گھر میں اسے ذلیل کروانے کو اپنی ماں بہن کو بھیج رہا تھا۔

"عادلہ نے آپ کو شاید یہ سب نہیں بتایا ہم پہلے ہی شہوار اور مصطفیٰ کا رشتہ طے کر چکے ہیں۔" ماں جی نے بیگم عبدالقیوم کو دیکھا۔ عادلہ تمسخر سے ہنس دی۔

"میں نے تو یہ بات سب کو بتائی تھی مگر شہوار نے لگتا ہے ایاز کو نہیں بتائی ورنہ وہ ہم پر زور نہ دیتا کہ ہم اس گھر میں آ کر اس کا رشتہ مانگیں۔" عادلہ کی ہنسی سب کے اعصاب پر ایک تازیانہ ثابت ہوئی تھی۔

"بھئی صاف بات کیا کرو، ہمیں یہ پہیلیوں میں کہی گئی باتیں سمجھ نہیں آتیں۔" عادلہ کے انداز کو نظرانداز کرتی مہرالنساء بیگم نے قدرے سکون سے کہا۔

"صاف بات یہ ہے کہ ایاز شہوار کے ساتھ کالج میں پڑھتا ہے دونوں میں کیا معاملات طے ہیں یہ مجھے نہیں پتا۔ اگر ایاز نے رشتہ طے ہو جانے کے باوجود سب جانتے بوجھتے ہمیں ادھر بھیجا ہے تو یقیناً شہوار کی رضامندی سے ہی بھیجا ہوگا۔ ہمیں جواب دینے سے پہلے آپ شہوار سے پوچھ لیں کہ وہ کیا چاہتی ہے؟" عادلہ کا مقصد شہوار کو صرف ذلیل کرنا تھا اور قدرت کی طرف سے اسے بہت اچھا موقع بھی مل رہا تھا تو وہ اس موقع سے بھرپور فائدہ کیوں نہ اٹھاتی۔ لاؤنج میں موجود تمام افراد کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ شہوار اپنی جگہ ساکت ہی رہ گئی تھی۔

"شہوار کو ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں اس کا معیار اتنا گھٹیا اور سطحی نہیں ہو سکتا۔ آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے بھابی! شہوار سے ہمیں پوچھنے کی قطعی ضرورت نہیں اسے ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ ایاز اس کے کالج میں پڑھتا ضرور ہے مگر وہ اس کی چوائس نہیں ہو گا۔" تانیہ کو سب سے زیادہ غصہ عادلہ کے انداز پر تھا ایک دم سنبھل کر گویا توپ داغ دی تھی۔

"اچھا تو پھر ایاز اسے ہر قیمت پر یوں ہی حاصل کرنے کو بیتاب ہے؟" عادلہ بھی ایک دم غصے سے بولی۔

"ہمارا اکلوتا بھائی ہے کروڑوں کی جائیداد اور بزنس کا مالک ہماری ایک کلاس ہے مقام ہے۔ ایسی دو ٹکے کی لڑکیوں کو تو ہم نوکر بھی نہیں رکھتے نوکر رکھتے ہوئے بھی ہم اس کا شجرہ نسب کھنگالتے

ہیں۔" عائشہ کے یہ الفاظ کہ اس کا معیار اتنا گھٹیا، سطحی اور عام نہیں ہوگا۔ عادلہ کو یہ الفاظ تیخ پا کر گئے تھے۔

"تو پھر آپ کو ہمارے گھر آنے کی بھی زحمت نہیں کرنا چاہیے تھی بھابی!" عائشہ عادلہ کے اس تکبر بھرے زعم پر اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ بات تم شہوار سے پوچھو کہ اس نے ایاز سے کس قسم کی ڈیلنگ کی ہے۔ جائیداد اور بینک بیلنس میں ایاز سے کتنا مال ہتھیا لیا ہے؟ نجانے اسے کون کون سے سبز باغ دکھائے ہیں کہ وہ ہیں اس کا رشتہ مانگنے پر مجبور ہو گیا۔" شہوار نے سختی سے دروازے کو تھاما۔ عادلہ کے الفاظ اس کے اعصاب کو بم کی مانند پھوڑ گئے تھے۔ لگا کہ وہ ابھی گر جائے گی۔

"عادلہ بہو! بس اب ایک لفظ بھی نہیں شہوار کیا ہے ہم اسے اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں؟ تمہارے بھائی نے یہ فیصلہ کیا یا خواہش کی یہ اس کا مسئلہ ہے۔ ہم نے مصطفیٰ کے ساتھ اس کا رشتہ طے کردیا ہے اگر یہ بھی کیا ہوتا تو بھی ہم نے شہوار کو خاندان سے باہر نہیں بیاہنا تھا۔" مہر النساء بیگم سختی سے گویا ہوئی۔

"وہ اس خاندان کا خون تو نہیں جسے باہر نہیں بیاہا جا سکتا؟" بیگم عبدالقیوم نے اپنی مسلسل خاموشی کو توڑا۔

"یہ تمہاری سوچ اور سمجھ کی باتیں ہیں ہم تمہیں وضاحت دینا پسند نہیں کرتے۔"

"ایسی دو ٹکے کی لڑکیوں کی اوقات کیا ہے بھلا؟" اتنا ہی اسے خاندانی بنانے کا شوق تھا تو پھر اسے کالج میں دوسروں کو سبز باغ دکھانے سے بھی منع کیا ہوتا؟" وہ ایک دم تیخ پا ہو گئی۔

"عادلہ بہو......" مہر النساء بیگم ایک دم غصے سے کھڑی ہو گئیں۔

"کسی سے رشتہ مانگنے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے بیگم عبدالقیوم! ہم عزت دار لوگ ہیں اگر تابندہ کی دی ہوئی قسم کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں بتاتے کہ وہ کون اور کس حسب نسب سے تعلق رکھتی ہے؟ ہمیں اس کی جان و آبرو کی فکر ہے ورنہ ہم ابھی تمہاری تمام باتوں کا جواب دیتے بہرحال تم اپنی ماں کے ساتھ اپنے بھائی کے لیے کہیں اس عزت افزائی کا شکریہ اگر دنیا میں کوئی آخری شخص بھی ہوتا تو بھی ہم تمہارے بھائی کے لیے رشتہ قبول نہ کرتے۔ ہم ایک دفعہ پھر تم لوگوں سے رشتہ کر کے پچھتا رہے ہیں یہ تو وقت ہی فیصلہ کرے گا کہ کون تیخ اور دو ٹکے کا سائل ہے۔ ہم اب مزید ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہتے۔" غصے کی زیادتی کے باعث [illegible] سے وہ بولی تھیں۔

"آپ اچھا نہیں کر رہیں پچھتائیں گی۔" عادلہ بھی نخوت سے گویا ہوئی۔

"تمہیں اس گھر میں لا کر جو پچھتا رہے ہیں اس سے زیادہ اور کیا پچھتانا؟"

"دیکھا ماما! یہ ہے وقعت اس گھر میں میری، ہم نے تو بھلا سوچا تھا مگر ایسے گندے لوگوں کو عزت راس کب آتی ہے نجانے کس کا گندا خون ہے؟"

"عادلہ......" مہر النساء بیگم کی آواز پر وہ تینوں دہل کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"ماں جی پلیز آرام سے سکون سے۔" عائشہ نے فوراً ماں کا غصے سے کانپتا وجود تھاما۔ شہوار ایک دم اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

"آپ پلیز بھابی اس وقت خاموش رہیں۔" صبا بھی غصے سے گویا ہوئی۔ دوسری طرف سے آ کر ماں کو تھاما۔ عادلہ جس قدر بدسلوکی پر اتر آئی تھی اب بولنا ناگزیر ہو چکا تھا۔

"ہاں کسی کو آئینہ دکھائیں تو وہ اسی طرح چیختا چلاتا ہے۔" یہ تو وہ گھر سے ہی طے کر کے چلی آئی تھی کہ بیگم عبدالقیوم صرف رشتے کی بات چھیڑیں گی مگر عادلہ کے معاملے وہ ایک لفظ بھی نہیں کہیں گی اور وہ عادلہ کی پرفارمنس سے مطمئن تھیں۔

"ہاں دوسروں کو آئینہ دکھانا آسان ہے مگر آئینے میں اپنی کریہہ بدصورت شکل دیکھنا مشکل ہوتا ہے بھابی! آپ نے تو آج انتہا کر دی کچھ تو سوچا ہوتا کہ یہ آپ کا اپنا گھر ہے اپنے ہی بچوں کو کھا جانے کی عادت سانپ کی ہوتی ہے آپ کی اخلاقیات نجانے کیا ہیں؟ شاید دوسروں کی کردار کشی کر کے انہیں ذلیل کر کے آپ کو روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اول روز سے آپ نے شہوار کے ساتھ بیر باندھ رکھا ہے مگر افسوس آپ کی ان تمام حرکتوں اور الزامات سے آپ کا کردار بہت کھل کر واضح صورت میں سامنے آ گیا ہے۔" عائشہ نے خاصی تلخی سے جوابی کارروائی کی۔

"شہوار پر ہمیں ایسے ہی اعتبار ہے جیسے کوئی انسان اپنی ذات پر کرتا ہے۔ آپ کو شاید اپنی ذات اپنے کردار یا اپنے بھائی کے معاملات پر شک ہو مگر ہمیں نہیں ہے۔" صبا کو بھی عادلہ کی باتیں زخمی کر گئی تھیں پھر وہ کس طرح خاموش رہتی۔

"میں بھی دیکھتی ہوں کیا کرتے ہو تم لوگ؟ مجھے ذلیل کر کے اچھا نہیں کیا اب دیکھنا شہوار کو کیسے مصطفیٰ کا ہونے دیتی ہوں۔ میری بہن کو ٹھکرا کر ایک دو ٹکے کی لڑکی کو چنا ہے تب ہی وہ اتنے گھٹیا کردار کی نکلی کہ میرے بھائی کو بھی نہ بخشا۔ ہم تو پھر عزت سے بیاہنا چاہتے تھے مگر......"

"چلیں ماما! اب یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہیں تو آپ کو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ یہ لوگ میرے ساتھ کیسا سلوک کرتے رہے ہیں؟ اب آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا یہ بے عزتی اور ذلت سہتی ہوں میں یہاں روزانہ......" عادلہ نے ایک دم پینترا بدلا! چھم چھم روتے ماں کا ہاتھ پکڑے وہ وہاں سے چلی گئی۔ ماں جی بے دم سی ہو کر صوفے پر گر گئی تھیں۔

"ہاں جی ریلیکس کچھ نہیں ہوا۔ آپ کو ان کی طبیعت اور مزاج کا پتا تو ہے نا۔ جب کسی طرح زور نہیں چلا تو یہ نیا ڈرامہ کرنے چلی آئی اور اس کے لوفر آوارہ لفنگے بھائی کو کیا ہم نہیں جانتے۔ کوئی بھی صاحب نظر انسان اس پر ایک نظر ڈال کر ہی اس کی تمام خوبیوں کا ادراک حاصل کر لیتا ہے۔ محض ہم کو اور شہوار کو اذیت دینے کا مقصد تھا اور کچھ نہیں۔" لائبہ نے ان کے دونوں یخ سرد ہاتھ تھام کر تسلی دی تو انہوں نے اپنی بھیگی آنکھیں صاف کیں۔

"وہ شروع سے ہی شہوار سے دشمنی رکھتی ہے۔ شہوار کو پتا چلے تو کتنی تکلیف ہوگی اس کو۔ تجانے اسے کس کس طرح کن کن الفاظ میں ذلیل کرتی رہی ہے اور وہ معصوم شریف لڑکی کبھی ایک لفظ بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتی۔ ایسے خیالات ذرا تابندہ یا شہوار سن لیں تو کبھی آنکھ اٹھا کر بات نہ کریں ہم سے۔" ماں جی اب بہت آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

"دھمکی دے کر گئی ہے ایسے فتنہ پرور لوگوں سے کیا بعید؟ میرے دل میں تو ہول اٹھنے لگے ہیں کیا بدشگونی کر گئی ہے۔ آئیں تمہارے بابا جان بات کرتی ہوں ان سے اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور پینترا بدلے میں اس جمعے کو نکاح کروا دیتی ہوں۔" صبا نے انہیں پانی پلا کر ریلیکس کرنا چاہا۔

"مجھے تو رہ رہ کر شہوار کا خیال آ رہا ہے پہلے ہی خاصی حساس ہے۔ ذرا بھی پتا چلے عادل بھائی اور ان کی باتوں کا تو تجانے وہ کیا کچھ سوچ لے۔" صبا کو بھی عادل کی سوچ پر تاسف تھا۔

"اچھا ہوا وہ ادھر نہیں آئی تم میں سے کوئی بھی اسے عادل یا اس کی باتوں کا نہیں بتائے گا۔ مجھے تو شرمندگی ہو رہی ہے کیسے گھٹیا خیالات ہیں عادل کے ذرا بھی انسانیت نہیں رہی۔ شہوار بچی سن لے تو تجانے کیا سوچے؟"

"ایک بات تو بتائیں ماں جی! تابندہ بوا کا تو پتا چلتا ہے کہ وہ ہماری دور پرے کی رشتہ دار ہیں مگر شہوار کے والد کا تعلق کہاں سے ہے؟" یہ فطری سوال تھا جو بار ہا دل میں اٹھا تھا مگر عادل جس طرح شہوار کی ذات پر کیچڑ اچھال رہی تھی اور مہر النسا بیگم ان کا دفاع کر رہی تھیں تو صبا، عائشہ سب کے دلوں میں تابندہ بوا کے ماضی کو جاننے کی ایک جستجو سی پیدا ہوئی تھی۔ عائشہ نے سوال کیا تو ماں جی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تابندہ نے آج تک کچھ نہیں بتایا جو بتایا وہ تم لوگوں کو بتا دیا ہے۔"

"اور جو آپ عادل بھائی کے سامنے تابندہ بوا کی قسم وغیرہ کا ذکر کر رہی تھیں؟" صبا الجھی تھی یہی سوال لائبہ اور عائشہ کا بھی تھا۔

"وہ تو عادل کا منہ بند کرنے اور زبان کو لگام ڈالنے کے لیے کہا تھا۔ بہر حال تابندہ کے ماضی کے بارے میں ہم بھی زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ ہاں شروع میں جب تابندہ ادھر آئی تھی تو تمہارے بابا سکندر علی کے خاندان والوں سے ملے تھے ان کے ماں باپ وفات پا چکے تھے ایک چچا تھا جو غریب اور کنگال تھا۔ لازم کے رحم و کرم پر تھا باقی اولاد چچا کی باہر کے ملک میں سیٹل ہوئی تھی۔ چچا نے سکندر علی کی وراثت و جائیداد پر قبضہ کر کے اسے بے دخل کر دیا تھا اور پھر شوہر کی وفات پر تابندہ حویلی میں آ گئی تو چچا اپنی بد اعمالی کے سبب قدرت کی گرفت میں آ گئے۔ اولاد سارا مال اسباب سمیٹ کر باہر جا بسی اور بیمار باپ ملازم کے آسرے پر رہ گیا۔ اس کے بعد تمہارے بابا دوبارہ اس شخص کے پاس نہیں گئے تجانے وہ شخص مر گیا یا زندہ ہے۔" مہر النسا بیگم نے ماضی کا ایک واقعہ سنایا تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے سوالات سر اٹھانے لگے۔

"اور انکل سکندر علی جو تھے ان کی وفات کیسے ہوئی؟" صبا نے سوال کیا۔

"تابندہ جب یہاں آئی تھی تو گم صم اور ذہنی توازن کھو چکی تھی پھر آہستہ آہستہ سنبھلنے لگی تو وہ خاموش ہو گئی پھر ہم نے بھی زیادہ بات چیت نہیں کی اس کے ماضی سے متعلق۔ شروع میں تو وہ ذرا سی بات پر چیخ جاتی تھی کئی دنوں تک بے حواس رہی تھی۔ شوہر سے بہت محبت تھی اس کو جب وہ ہمارے پاس آئی تھی تو اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا وہ ہفتوں اسپتال میں رہی تھی۔ ان دنوں میرے ہاں صبا پیدا ہوئی تھی شہوار چند ماہ کی بچی تھی۔ مجھے ہی اسے سنبھالنا پڑا تھا۔ کئی ماہ لگے تھے تابندہ کو سنبھلنے میں تنہا عورت وہ بھی تابندہ جیسی خوب صورت ہو تو بھلا معاشرہ کب جینے دیتا ہے؟ چند ماہ میرے ساتھ رہیں اور پھر اس نے خود ہی کہا کہ اسے حویلی میں رہنے دیں۔ ہماری اپنی ذمہ داریاں تھیں بچے تھے تابندہ حویلی چلی گئی تو وقت کے ساتھ ساتھ اس کا دکھ بھی کم پڑنے لگا۔ کبھی اس نے براہ راست اپنے ماضی کے بارے میں نہیں بتایا۔ شروع شروع میں اس کے شوہر کے بارے میں پوچھتے کہ وہ کون تھا کیا تھا؟ ان سوالوں پر رو پڑتی تھی ہمیں تو شروع میں یہ بھی نہیں پتا چلا تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا فوت ہو گیا پھر سنبھلنے کے بعد تابندہ نے خود ہی بتایا کہ اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں ایک شوہر کا آسرا تھا اب وہ بھی نہیں رہا۔ شروع شروع میں وہ چند نام لیتی تھی حمزہ اور شاہ زیب پھر اس نے یہ نام لینا بھی چھوڑ دیے تجانے کون تھے؟ اب تو وہ بہت بدل گئی ہے ایک پردہ دار اور دین دار عورت بن گئی ہے۔"

"جس طرح ہمارے دلوں میں یہ سب جاننے کی جستجو پیدا ہوئی ہے یقیناً شہوار کے دل میں بھی ہوتی ہوگی۔ اپنے والدین اپنے رشتہ داروں کے بارے میں تو ہر طرح سے ہر کوئی کا تجسس رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا دل بھی کرتا ہو اپنے رشتہ داروں سے ملنے ملانے کو ان کے پاس جانے کو۔" صبا نے خیال آرائی کی۔

"ہاں فطری سی بات ہے مگر شہوار ایک سمجھدار اور پڑھی لکھی لڑکی ہے اپنی ماں کی مجبوریاں اور مسائل سمجھتی ہے جس عمر میں بچے تنگ کرتے ہیں ضدیں منواتے ہیں کھیل کود میں وقت ضائع کرتے

تیں اس عمر میں بھی وہ بہت سمجھدار اور پڑھائی کی طرف متوجہ رہتی تھی۔ کبھی اوٹ پٹانگ حرکت میں شامل نہیں ہوئی، کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ ماشاءاللہ ہر لحاظ سے نیک سلجھی ہوئی بچی ہے خاندان میں یا باہر کہیں سے بھی ہو لاتی مگر شہوار ہی ہوتی۔ عادلہ کے بعد تو دل ڈر گیا ہے ماشاءاللہ اب تے سرپوری کر دی ہے مگر مصطفیٰ جس مزاج اور طبیعت کا مالک ہے تو مجھے شہوار ہی مناسب لگی۔ سچ کہوں تو میں نے شہوار سے زیادہ اپنے خاندان اپنے بیٹے کی خوشیوں اور اولاد کا سوچا ہے آگے ان کی قسمت۔"

"بیگم! بہت اچھی اور پرفیکٹ جوڑی ہے ان شاءاللہ دونوں ایک ساتھ بہت خوش بھی رہیں گے۔" لالہ بھائی نے مسکرا کر مہرالنساء بیگم کو حوصلہ دیا۔

"شہوار کو دیکھو صبا! کہاں ہے؟ مجھے تو فکر لگ گئی ہے عادلہ کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب کیا کہہ دے؟ اس کی ذرا سی دل آزاری ہو مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر ان گزرے دو تین دنوں نے بچی کو بیمار کر کے نڈھال کر ڈالا ہے اسی لیے تو تم لوگوں کو آنے کا کہا تھا کہ اس کے پاس تھوڑا بہت دل بہلاؤ کہ اسے اکیلے پن اور تنہائی کا احساس نہ ہو۔"

"اپنے کمرے میں ہی تھی میں دیکھتی ہوں۔" صبا اٹھ کر شہوار کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

"شہوار....." شہوار چادر سر تک تانے لیٹی ہوئی تھی۔

"سو گئی ہو؟" اس نے پوچھا ایک دو منٹ کھڑی رہی اور پھر کوئی جواب نہ پا کر اسے ڈسٹرب کیے بغیر دوبارہ باہر نکل آئی یہ دیکھے بغیر کہ وہ چادر سر تک تانے سب سے آنسو چھپانے کو عادلہ کی باتوں کا ماتم کرتے رونے کا شغل فرما رہی ہے یا سونے کا۔

❁ ❁ ❁

وہ تھکے ہارے انداز میں گھر میں داخل ہوئی تھی سامنے ہی امی تھیں صحن میں چارپائی پر بیٹھیں سبزی بنا رہی تھیں بھابی بھی پاس ہی تھیں فارہ ان کی گود میں تھی۔

"السلام علیکم!" ثریا بیگم نے سر اٹھا کر بیٹی کو دیکھا۔ جو آج کچھ زیادہ ہی تھکی ماندی دکھائی دے رہی تھی۔

"وعلیکم السلام!" رابعہ ماں کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔

"کیا بنا انٹرویو کا؟" بھابی نے پوچھا تو اس نے منہ کے خاصے برے زاویے بنائے۔

"وہی جو پچھلے تمام انٹرویوز کا بنا آیا ہے کیا فائدہ اتنا پڑھنے کا جب پہلے سے تمام اسامیاں سفارش والوں سے بھری ہوں تعلیم کی اہمیت نہ ہوئی کوئی جادو کی چھڑی ہو گیا۔ سفارش ہاتھ میں آتے ہی جسے بلایا نوکری حاضر جناب اب تین چار ماہ سے جوتیاں چٹخا رہی ہوں تو اپنے ملک میں بے روزگاری کا پتا چل رہا ہے۔" وہ تو خاصی بھری بیٹھی تھی ایک دم شروع ہو گئی۔ ماں جی مسکرا دیں تو بھابی بھی ہنس دیں۔

"تو تمہیں ضرورت بھی کیا ہے نوکری کی آرام سے گھر بیٹھو بلکہ میں تو تمہارے بھائی کو کئی بار کہہ چکی ہوں کہ بس کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر تمہیں اپنے گھر کا کریں۔"

"اف.... پھر وہی باتیں۔" رابعہ نے غصے سے ماں کو دیکھا۔

"آپ کو صاف الفاظ میں کہہ رہی ہوں کہ دو تین سال تک اس سلسلے میں سوچنے کا بھی نہیں ہاں اس کے بعد دیکھوں گی۔" رابعہ کا وہی مخصوص منہ پھٹ انداز تھا۔ ماں جی نے غصے سے دیکھا۔

"بوڑھا کرنا ہے تمہیں بٹھا کر؟ آج کل لوگ ڈگریاں دیکھ کر انگلیوں پر سال گنتے ہیں اور دو سال مزید گزرے تو پھر کوئی مناسب رشتہ بھی نہیں ملنے والا۔"

"تو نہ ملے؟" رابعہ نے بے پروائی سے کندھے اچکائے امی کو بے پناہ غصہ آیا مگر بھابی کے اشارہ کرنے پر چپ ہو گئیں۔

"کھانا کھاؤ گی؟" بھابی فارہ کو سنبھالتے کھڑی ہو گئیں اور ساتھ میں پوچھا بھی۔

"ہاں کھاؤں گی مگر چینج کرنے کے بعد۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ لباس بدل کر بالوں کو کیچر میں جکڑتے منہ ہاتھ دھو کر وہ باہر نکلی تو امی کے پاس صحن میں فیضان ماموں بھی بیٹھے دکھائی دیے۔

"السلام علیکم ماموں!" وہ اسی طرف چلی آئی۔

"وعلیکم السلام!" انہوں نے شفقت بھری نگاہ سے رابعہ کو دیکھا۔

"کیا بنا انٹرویو کا؟" وہ صبح ان کے ساتھ ہی انٹرویو کے لیے گھر سے نکلی تھی ماموں کو بجلی اور گیس کے بل جمع کروانے تھے چند ایک دو اور کام بھی تھے سو متعلقہ جگہ چھوڑ کر خود وہ چلے گئے تھے اور یقیناً اب لوٹے تھے۔

"قورمہ....." ماموں کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی برآمدے سے کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب رکھ کر بیٹھ گئی ماموں اس کے جواب پر ہنس دیے۔

"پھر تو کافی مزے دار بنا ہوگا؟" ماموں کی برجستگی پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"تو اور کیا...... وہ کون سا کسی سے کم تھی فوراً جواب حاضر تھا امی نے گھورا۔

انہیں یوں بات بے بات چٹر چٹر زبان چلاتی لڑکیاں انتہائی زہر لگتی تھیں۔

"آپ بیٹھیں میں خود بھی جا کر کھانا کھاؤ اور ماموں کے لیے بھی لاؤ۔" امی کے کہنے پر منہ بنا کر اٹھنے لگی تو بھابی کو ٹرے میں کھانا لاتے دیکھ کر واپس بیٹھ گئی۔ بھابی نے کھانا ماموں کے سامنے رکھی چھوٹی میز پر رکھ دیا۔ ماموں ہاتھ منہ دھونے گئے تو دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔

"ہاتھ پر ہاتھ دھرے مت بیٹھ جانا میں باہر سے کچھ اخبار لے کر آیا ہوں ان میں مختلف جگہوں پر کچھ ایڈز ہیں وہ دیکھ لو جو مناسب لگے رات کو بیٹھ کر ڈسکس کر لیں گے ملک میں بے روزگاری کا یہی عالم ہے ہمت کرتی رہنا کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں نوکری مل ہی جائے گی۔ تمہارا گریڈ بھی اچھا ہے تھوڑا وقت لگے گا مگر سیٹل ہو جاؤ گی۔" کھانا کھانے کے بعد ماموں نے کہا تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔

"فیضان بھائی اسے ایسی شہہ مت دیں میں تو کہتی ہوں کہ اچھا سا رشتہ دیکھ کر چلتا کریں آگے سہیل کا فون اس سے بھی بات کرتی ہوں پہلے پڑھائی کا مسئلہ تھا تو میں چپ رہی اب یہ نوکری وغیرہ کے چکر چھوڑے آرام سے اگلے گھر کی تیاریاں کرے۔" ماموں بھانجی کی باتیں سن کر امی جی نے فوراً تنبیہی بیان جاری کر دیا۔

"ماموں جی۔" ماں کی بات پر اس نے فوراً ماموں کو دیکھا تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔

"بات تو آپ کی بھی ٹھیک ہے آپا! سہیل سے بھی کہہ لیں میں بھی جاننے والوں کو کسی اچھے سے رشتے کے متعلق کہہ دوں گا مگر جب تک کوئی سلسلہ نہیں شروع ہوتا رابعہ فارغ گھر بیٹھنے کی بجائے جاب کرے تو ذہن بھی بٹا رہے گا اور وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔" ماموں کے سیاسی بیان پر رابعہ نے منہ بنایا۔

"میں نے نہیں کرنی اگلے تین چار سال تک شادی پہلے جاب کروں گی جو پڑھا ہے اس کو عملی زندگی میں اپلائی کروں گی اور پھر شادی کا سوچوں گی۔" کھانا کھایا تھا سو وہ برتن ٹرے میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی امی نے اس کو ماموں کے سامنے یوں صاف بدلحاظ جواب پر کڑے تیوروں سے دیکھا۔

"دیکھ لیا فیضان دن بدن اتنی بدلحاظ ہوتی جا رہی ہے اگر شادی کی بات کروں تو آگے سے جواب دے۔" امی جی کا غصہ ایک دم ساتویں آسمان پر جا پہنچا تھا۔

"جانے دیں آپا! بچی ہے آپ رشتہ دیکھیں ابھی مناسب عمر ہوتی ہے بچیوں کو اپنے گھر بار کا کر دینے والی۔ وقت پر اپنے گھر کی ہو جائیں تو ٹینشن ختم ہو جاتی ہے۔ ابھی بچی ہے جاب کرنے کی ضد ہے کر لینے دیں چند ماہ عملی زندگی میں لوگوں کا سامنا کرے گی تو خود سمجھ جائے گی کہ کس قدر مشکل ہے باہر کی دنیا۔ جہاں تک شادی کی بات ہے جہاں آپ نے رشتہ کر دیا ہوتی تو میں ہے نا۔ ویسے رابعہ کی پھوپی بھی اپنے بیٹے کے لیے کہہ رہی تھیں اس بارے میں کیا سوچا پھر۔" فیضان ماموں نے جیسے بات بدلی اور اطمینان سے کہا تو ثریا بیگم کا غصہ کم ہو گیا۔

"مجھے نہیں پسند وہ خاندان لڑکا پڑھا لکھا ہوتا تو میں سوچتی بھی؟ صرف ایف اے پاس ہے نکھٹو ہے تو کیا کروں باپ کی کپڑے کی چھوٹی سی دکان ہے۔ جس کی آمدنی صرف اتنی ہے کہ جب بھی ملاقات ہو نند صاحبہ تنگی کا رونا روتی نظر آتی ہیں۔ اب رابعہ نے ایم بی اے کر لیا ہے تو انہیں بھی مجھ سے رشتہ داری یاد آ گئی ہے اتنی سی تھی رابعہ جب اس کا باپ مرا تھا دونوں بچیوں کو لے کر آپ اور ابا جی کے پاس آنا پڑا کبھی سسرال میں سے کسی نے پلٹ کر خبر تک نہ لی اور برسوں بعد ملنا ملانا ہوا بھی تو سارے جہاں کے آوارہ کاہل اور کام چور بیٹے کا رشتہ مانگنے چلی آئیں۔ جہاں میں نے سہیل کا غیروں میں ڈھونڈ ڈھانڈ کر کر لیا تھا اب بھی کہیں باہر ہی دیکھ لوں گی۔" امی جی کے جواب پر فیضان ماموں محض سر ہلا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا فیصلہ ہے مجھے بھی وہ فیملی پسند نہیں۔ میرے کچھ جاننے والے ہیں اور پھر اسٹوڈنٹس بھی آتے رہتے ہیں میں دھیان رکھوں گا اگر کوئی لڑکا پسند آتا ہے تو بات چلاتا ہوں۔" فیضان ماموں کی بات پر امی جی ایک دم خاموش ہو گئیں۔

"اور...... میں چاہتی ہوں کہ سہیل کے بعد اب رابعہ کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں ابا جی کے بعد تو اب ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ جانے کب باری آ جائے۔" ثریا بیگم کی بات پر ماموں مسکرا دیے۔

"اللہ بہتر کرے گا میں کوشش کروں گا۔" وہ تسلی دے کر اپنی مخصوص بیٹھک کی طرف بڑھ گئے جہاں تین بجے کے بعد ان کے طالب علم ان سے پڑھنے آتے تھے پھر وہ رات آٹھ بجے کے بعد ہی اپنے کمرے سے باہر نکلتے تھے۔



ماہا اور اس کی والدہ کی روانگی کے بعد وہ باقی سارا وقت کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ عائشہ اور صبا بھی بار بار اس کے کمرے میں جھانک چکی تھیں مگر وہ ہر بار سوتی ہی بنی رہی اور مغرب کے بعد وہ کمرے سے نکلی بھی تو بھابی کچن میں کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ شہوار نے شکر ادا کیا کہ خواہ مخواہ کی جرح سے بچ گئی۔

وہ کچن میں جانے کی بجائے ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی اس دوران تینوں مرد بھی گھر میں آ چکے تھے مصطفیٰ نے فون کر کے آج لیٹ آنے کا بتایا تھا۔ رات کے کھانے پر بھی وہ خاموش رہی صبا اور عائشہ نے

ہی اسے چند ایک بار مخاطب کیا تو اس نے جواب دے دیا مجموعی طور پر وہ خلاف معمول خاموش ہی رہی تھی۔

کھانے کے بعد کچھ دیر سب کے ساتھ بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر اوپر ٹیرس پر چلی آئی۔ وہ اپنے اور مصطفیٰ کے ساتھ طے پائے جانے والے رشتہ پر سنجیدگی سے سوچنا چاہتی تھی۔ بڑوں کا جو بھی فیصلہ تھا مگر حاولہ اور اس کی ماں کی آج کی آمد اور گفتگو کے بعد وہ اس رشتے کے متعلق مزید غیر مطمئن ہو چکی تھی۔ جس طرح حاولہ اور اس کی ماں نے سب کے سامنے ایاز والے معاملے کو اس کی ذات سے جوڑ کے اسے مورد الزام ٹھہرانے کی کوشش کی تھی شہوار کو لگ رہا تھا کہ حاولہ نے اسے ذلت کی انتہا گہرائیوں میں دھکیل دیا ہے جہاں سے اب وہ کبھی نکل نہ پائے گی۔ بے شک مہرالنساء بیگم عائشہ بوا اور لائبہ بھابی نے اس کی ذات کا دفاع کیا تھا مگر شہوار کو لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ہی نگاہوں سے گر گئی ہے۔ یہ تو شکر تھا کہ معاملہ فی الحال بڑوں کی پہنچ سے دور تھا اگر گھر کے مردوں خصوصاً مصطفیٰ کو پتا چل گیا تو وہ جیتے جی مر جائے گی۔ آج اس کی عزت نفس بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ شہوار سکندر علی کو لگ رہا تھا کہ اس ون کینٹین کے احاطے میں دی جانے والی ذلت اس گھر کی چار دیواری میں اٹھائی جانے والی ذلت کا ایک فیصد بھی نہ تھی۔ اصل ذلت تو آج دیکھی تھی۔ اس کے لیے بے نام و نشان ہونے کا طعنہ کیسا اذیت ناک تھا۔ کیسا ذلت آمیز تھا حاولہ کے الفاظ اس کا ثبوت بھرا انداز۔ شہوار کا جی چاہ رہا تھا کہ کہیں اتھاہ گہرائیوں میں جا گرے اور کبھی دنیا کے سامنے نہ آئے۔ حاولہ اور اس کی ماں کے جانے کے بعد وہ بہت شدت سے روئی تھی مگر اب سوچ سوچ کر دماغ بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ بے قراری تھی کہ حد سے بڑھتی ہوئی تھی۔ وہ اذیت سے ٹیرس کی ریلنگ کی دیوار سے کمر ٹکا کر ٹھنڈی زمین پر بیٹھ گئی۔ اب وہ رو رو کے دھوئے جذباتی ہوئے بغیر اس سارے مسئلے کا حل سوچنا چاہتی تھی یوں کہ مصطفیٰ کے ساتھ طے پایا جانے والا یہ نیا رشتہ بھی ختم ہو جائے اور ایاز والا معاملہ بھی سلجھ جائے۔ اپنی کنپٹیوں کو سہلاتے وہ اس معاملے پر سوچ رہی تھی کہ اس کے ہاتھ میں دبے موبائل نے بیپ دینا شروع کر دی اس نے بیزاری سے اسکرین کی طرف دیکھا وہاں تابندہ بی کا نمبر تھا آج سارا دن کئی بار کالز آئی تھیں مگر اس نے ایک بار بھی ریسیو نہیں کی تھی اور اب پھر ان کی کال تھی۔ شہوار چند پل لب بھینچے اسکرین کو گھورتی رہی پھر کچھ سوچتے ایک گہری سانس فضا میں خارج کرتے اس نے یس کا بٹن دبا دیا۔

"السلام علیکم!" اس کا سنجیدہ انداز تھا۔

"وعلیکم السلام!" دوسری طرف تابندہ بی کا پر جوش انداز تھا۔

"کیسی ہو؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہوں...... آپ سنائیں۔"

"اللہ کا بڑا کرم ہے آج میں نے کئی بار کالز کیں مگر تم نے ریسیو ہی نہیں کیں؟ کیا ابھی تک ماں سے ناراض ہو؟" انہوں نے پوچھا تو شہوار خاموش ہی رہی۔

"شہوار بیٹا! ایسا کب تک چلے گا؟" اس کی خاموشی پر انہوں نے رنجیدگی سے کہا تو شہوار کے اندر سے ایک دم تلملاہٹ جاگ گئی تھی۔

"آپ نے جو کرنا تھا کر لیا؟ اب آپ کیا چاہتی ہیں؟ میرے انکار کے باوجود آپ نے اس رشتے کے لیے ہامی بھر لی بلکہ مزید اقدامات بھی طے پا لیے گئے اور مجھے خبر تک ہونے نہ دی؟ میں کیا چاہتی ہوں کیا نہیں آپ کو اس سے کیا غرض بس آپ کی خواہش تو پوری ہو رہی ہے نا۔" وہ خاصی تلخی سے بات کر رہی تھی اس کے اندر کی ساری تلخی اس کی زبان کی نوک میں در آئی تھی۔

"شہوار بیٹا! ماں سے اتنی بدگمانی؟" دوسری طرف تابندہ بی شہوار کے ردعمل پر ششدر رہ گئیں۔ شہوار ناراض ہے خوش نہیں مگر اس حد تک بدگمان ہو جائے گی انہیں توقع نہ تھی۔

"میں بدگمان نہیں ہوں بس! آپ نے مجھے تسلی فائی نہیں کیا میرے کسی اعتراض کسی انکار کو اہمیت نہ دی اور ادھر میں کن کن حالات کو فیس کر رہی ہوں آپ کو کیا خبر؟ آپ کے لیے یہ خاندان اہم ہوگا مگر میرے لیے میرا کردار میری انا اور میری عزت نفس بہت ویلیو رکھتی ہے میں محض ایک رشتے کے عوض ذلت نہیں اٹھانا چاہتی۔" تابندہ بی کے الفاظ پر وہ زود رنج ہوتے کہہ رہی تھی۔

"تم جذباتی ہوتے ہوئے صرف تصویر کا ایک رخ دیکھ رہی ہو جب کہ میں نے بہت عرصہ سوچنے کے بعد یہ انتہائی فیصلہ کیا ہے کیا تمہیں اپنی ماں اس کی زبان پر کوئی اعتبار نہیں یا پھر اب اپنی ماں کے فیصلے کے ساتھ ساتھ اس کے وجود کو بھی جھٹلانے پر کمربستہ ہوں۔" شہوار کے اس قدر جذباتی پن نے تابندہ بی کو حقیقی دکھ سے دوچار کیا تو بہت دکھ و غصے سے بولیں۔

"امی جی پلیز...... میں آپ کے وجود یا آپ کی زبان کو کیونکر جھٹلاؤں گی مگر میری برداشت میری ذات کے لیے یہ فیصلہ بہت زیادہ تلخ ہے آپ اگر یہاں کی صورت حال جان لیں تو خود نظر ثانی کرنے کا سوچ لیں میرا آپ کے سوا اس دنیا میں اور کون ہے؟ دنیاوی رشتے ناطے سب ایک طرف مگر آپ کا وجود ایک طرف......" ماں کے غصے و دکھ سے لبریز الفاظ پر وہ خود بھی از حد آزردہ ہوئی تھی۔ اتنی دور بیٹھی ماں کو اپنے الفاظ سے اذیت دینا اس کا مقصد نہ تھا مگر وہ خود اس وقت جس اذیت کا شکار تھی ان کو اس کے متعلق کیسے بتاتی؟

"تم جذباتی ہو رہی ہو میں نے سب سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے میری جان! تمہیں جو بھی خدشات ہیں وہ سب وقتی ہیں میں اس گھرانے کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں نے تم سے کیا سب سے اپنے ماضی کو چھپانے کی کوشش کی مگر اس کا یہ مطلب نہیں شہوار کہ تم کسی عام خاندان یا عام باپ کی اولاد ہو۔ تم جس شخص کی اولاد ہو وہ کوئی عام شخص نہ تھا مجھے ابھی کانوں پر مت حسینہ وقت و حالات سب تمہارے سامنے واضح کر دیں گے کہ میرا فیصلہ کتنا درست تھا میں صرف تمہاری اور بہت سے لوگوں کی بقا کے لیے خاموش ہوں میری جان ورنہ میں تمہیں بتاتی کہ تمہاری ماں اور باپ کوئی عام انسان نہ تھے

ہمالی نسبتی لحاظ سے۔" شہوار کے الفاظ نے انہیں اس حد تک آزردہ کر دیا کہ وہ شدت سے رو دیں۔ شہوار کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔

"امی جی پلیز......اسی لیے آج تک میں نے آپ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے بچپن سے لے کر آج تک جب بھی اپنا ماضی جاننا چاہا آپ کا یہی ردعمل رہا۔ آج بھی میں اپنی زبان سی لیتی ہوں مگر آپ کو کیا بتاؤں میں ادھر کس اذیت کا شکار ہوں میرے کردار، میری ذات پر مصطفی کو پھنسانے کے الزامات لگائے جا رہے ہیں کہ میں کم نسب و کم حیثیت ہوں۔ بے نام و نشان وجود ہوں۔ آپ تو زبان سی کر بیٹھ گئی ہیں ادھر آکر دیکھیں میں کیا کیا الفاظ سہہ رہی ہوں۔ روز ایک نئی اذیت کا عذاب جھیلتی ہوں۔ روز لفظوں کے نشتروں سے گھائل کی جاتی ہوں۔ میں مصطفی اور اس خاندان کی شرافت، محبت و احسانات کو نہیں بھلا رہی مگر امی جی یہاں ان لوگوں سے ہٹ کر اور لوگ بھی آباد ہیں جو قدم قدم پر مجھے میری حیثیت اور اوقات یاد دلانے کو کمربستہ رہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کی جانب سے آخر کب تک آنکھیں اور کان بند رکھوں؟" ماں کی اذیت ان کا پھوٹ پھوٹ کر رونا اس کے اندر ایسے شگاف ڈال گیا تھا کہ ایک دم دکھ اور غم کی گہری لپیٹ میں آ گئی۔

"ابھی تم مجھ سے کچھ مت پوچھو؟ جس دن مجھے کوئی رستہ مل گیا میں خود ساری دنیا کو بتاؤں گی کہ میں کون ہوں؟ تمہارا باپ کون تھا؟ ابھی وقت کا انتظار کرلو۔ کچھ دیر صبر کی اذیت سہنا ہو گی۔ میرے زندگی کے بہت سے تارے ٹوٹ کر کہیں گم ہو گئے ہیں، ابھی تو انہیں تلاش کرنا ہے۔ جب کوئی نشان مل گیا خود سب کو بتاؤں گی، ابھی اپنی ماں کو اذیت کی اس گہری ہوئی زخم میں مت دھکیلو۔ میں نے بڑی مشکل سے زندگی کی ان سانسوں کو سنبھالے رکھا ہے۔ ایک آس ہے جو مرنے نہیں دیتی، ایک امید ہے جو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ کیا ماں کو ابھی سے مار دینے کا ارادہ ہے تمہارا۔" تابندہ بی کا آج سارا ضبط شہوار کے جذباتی پن نے نکال ڈالا تھا، وہ چاہ کر بھی خود کو نہ سنبھال پا رہی تھیں۔ تابندہ بی کے الفاظ نے شہوار پر تھانے کس انداز پر اثر کیا کہ وہ ایک دم رو دی۔

"اللہ گواہ ہے میرا مقصد آپ کو دکھی کرنا نہیں ہے آپ کچھ نہیں جانتیں یہاں میں کیا کچھ سہہ چکی ہوں؟ مجھے کیا صورت حال درپیش ہے؟ میرے الفاظ نے آپ کو دکھی کیا ہے مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کو کوئی الزام نہیں دے رہی مگر خود کو بھی نہیں سنبھال پا رہی کہ پتی روز کی کشی نے مجھے جذباتی بنا ڈالا ہے مجھے کچھ نہیں آ رہی اسی لیے آپ سے یہ سوال کر ڈالی۔"

"مجھے چند دن اپنے پاس بلا لیں ادھر رہی تو پاگل ہو جاؤں گی۔ امی جی پلیز کچھ عرصہ کے لیے اس رشتے والی بات کو بھی رہنے دیں میری تعلیم مکمل طور پر بتا رہی ہو چکی ہے اگر آپ نے مجھے اتنی فیور دی تو میں آپ کو بچ کہہ رہی ہوں میں پھر مزید تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ پاؤں گی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ کے پاس آ جاؤں گی۔" دوسری طرف تابندہ بی ایک دم سن ہو گئی تھیں۔ تو کیا حالات بہت خراب تھے مگر مصطفی سے بات ہوئی تھی بھابی بیگم سے بھی رابطہ رہتا تھا کسی نے بھی ذکر نہ کیا تھا۔

"میں کئی دن سے کالج نہیں جا رہی اگر یہی سلسلہ رہا تو میں سب کچھ چھوڑ دوں گی آپ نے میری ذہنی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا ہے اس چال میں یہ سب نہیں سہہ پا رہی۔ میں آپ کے فیصلے کو نہیں جھٹلاتی مگر یہاں کے حالات میری برداشت سے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ یہ سلسلہ جہاں ہے ادھر ہی رہنے دیں یا پھر مجھے آکر یہاں سے لے جائیں پلیز......" وہ ازحد تپی ہوئی۔

"ٹھیک ہے میں کچھ سوچتی ہوں۔" تابندہ بی کے الفاظ نے شہوار پر گویا آکسیجن کا سا کام کیا اور وہ ایک دم پرجوش ہو گئی۔

"شکریہ امی جی! میرے الفاظ نے اگر آپ کو ہرٹ کیا ہے تو اس کے لیے معاف کر دیں۔ میرا مقصد آپ کے فیصلے کو جھٹلانا نہ تھا بس میں آپ کے فیصلے کو حد سے زیادہ حساسیت میں جا کر سوچ رہی ہوں اور قبول نہیں کر پا رہی اسی لیے بہت تلخ ہو گئی۔" اپنے الفاظ کی تلخی کا اسے خود بھی اندازہ تھا اس لیے معافی مانگنے میں اس نے ایک پل نہ لگایا۔

"جو ہوا سے جانے دو تم کل سے کالج جاؤ میں کچھ سوچ کر پھر کال کروں گی۔ تم پہلے ہی بیماری سے اٹھی ہو زیادہ سوچنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کچھ بھی تمہاری رضامندی کے بغیر طے نہیں کروں گی۔" شہوار نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔ اتنے دنوں کی اذیت تھی اسے لگا کہ وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی ہے اور مصطفی شاہ زیب سے کل ہونے والی ساری تکرار اور مصطفی کے الفاظ نے جو اذیت دی تھی اسے لگا کہ تابندہ بی کے الفاظ نے کچھ حد تک اس اذیت کا ازالہ کر دیا ہے۔

"آپ سے ایک اور فیور بھی درکار ہے۔" مصطفی کے خیال سے اسے کچھ یاد آیا تو اس نے فوراً کہا۔

"وہ کیا......؟"

"ہمارے درمیان جو بھی بات طے ہوئی ہے یہ ہمارے درمیان ہی رہنے دیں میں نہیں سمجھتی کہ ہماری گفتگو کے متعلق جاننے کا حق مصطفی یا کسی اور فرد کو ہے۔" شہوار کے الفاظ پر تابندہ بی ایک دم چونکی تھیں۔

"کیا مصطفی سے تمہاری اس سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہے؟"

"جی! کل تفصیلی بات ہو چکی ہے۔" اس کے بتانے پر تابندہ بی ایک دم پریشان ہو گئیں۔

"اور تم نے اس سے سب کچھ کہہ دیا؟" وہ غصے سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی......"

"میرے اللہ......" وہ گم صم سی ہو گئیں۔
"تمہیں یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا؟" وہ از حد دکھ سے کہہ رہی تھیں۔
"اور جو آپ نے انہیں میرے متعلق تمام تر بھنک دے رکھی تھی وہ کیا تھا؟ میں اس رشتے سے ناخوش ہوں آپ سے ناراض ہوں۔ آپ سے بات نہیں کر رہی اس سب کا مصطفیٰ کو الہام نہیں ہوا تھا آپ نے اسے بتایا تھا تو وہ وقتاً فوقتاً بہانے بہانے سے استفسار کرتا رہا تھا کل موصوف سے آخر کار رہا نہ گیا تو ڈائریکٹ بات کر لی۔ مجھے اس کے ساتھ ساتھ آپ پر بھی بے حد غصہ تھا وہ تو شکر ہے کہ اس سے گفتگو کے دوران میں نے صرف اپنے احساسات کا اظہار کیا ورنہ تو دل چاہ رہا تھا کہ سیدھا جا کر آنٹی جی کے پاس صاف انکار کر دوں۔ کل مصطفیٰ سے گفتگو کے بعد مجھے بہت غصہ آیا تھا آپ پر بھی اور اس پر بھی۔" شہوار کے صاف الفاظ پر وہ خاموش ہو گئیں۔
"امید کرتی ہوں کہ مصطفیٰ سے آپ ہماری یہ گفتگو ڈسکس نہیں کریں گی اور نہ ہی بار بار کال کر کے اس سے آپ رابطہ کریں گی۔ ہمارے درمیان جو بھی معاملہ طے ہوگا ڈائریکٹ ہوگا بغیر کسی تیسرے کی مداخلت کے ہمارے معاملات صرف ہمارے ہیں۔ مصطفیٰ شاہزیب علی کی مداخلت میں قطعی گوارا نہیں کروں گی۔ اس کے باوجود اگر اس سے کہہ کر آپ میری ذات کو اس کی نظروں میں ہلکا کرنا چاہتی ہیں تو اور بات ہے۔ بہرحال مصطفیٰ کے پرپوزل سے میں انکاری ہوں یہ صاف واضح اور اٹل بات ہے۔" شہوار نے صاف الفاظ میں دل کے جذبات آشکار کر دیے۔
"ٹھیک ہے اب جو بھی معاملہ طے ہوگا یہ ہمارے درمیان ہی ہوگا۔ مصطفیٰ کو بھی میں نے صرف اس لیے انوالو کیا تھا کہ وہ تمہارا خیال رکھے مجھے پتا چلا کہ کالج لے جانے کی ذمہ داری اس نے خود لی تھی میں مجھتی تھی کہ بھائی نے مصطفیٰ کی رضامندی سے ہی تمہارا پرپوزل دیا تھا تو یقیناً مصطفیٰ کی تمہارے بارے میں مثبت رائے ہی ہوگی ایسے میں اگر وہ تمہیں سمجھانے کی کوشش کرے گا تو مجھ سے بہتر وہ تمہارے جذبات و احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ میرا مقصد اور کوئی نہ تھا محض یہ تھا کہ وہ تمہیں قائل کرے۔"
"مگر افسوس وہ اپنی تمام تر قابلیت کے باوجود مجھے قائل نہ کر پائے؟" شہوار کے الفاظ پر تابندہ بی خاموش ہی رہیں۔
"یہ طے ہے کہ اب آپ مصطفیٰ کو ان معاملے میں انوالو نہیں کریں گی آپ میری ماں ہی نہیں دوست بھی ہیں۔ میں نے اپنے دل کی ہر اچھی بری بات آپ سے ہی کی ہے۔ صرف اس لیے کہ کبھی آپ میری ذات کو کسی کی بھی نگاہوں میں ہلکا نہ پڑنے دیں بہرحال جو بھی ہو وہ ایک طرف مگر مزید ہمارے کسی بھی معاملے سے مصطفیٰ کو دور ہی رہنا ہوگا۔"

"ٹھیک۔" تابندہ بی فوراً اس کی بات مان گئیں۔
"میرا کہا سنا معاف کیجیے گا اپنا بہت خیال رکھیے گا میں آپ کے فیصلے کی منتظر رہوں گی۔ آپ کا کافی وقت لیا اب اجازت چاہوں گی۔"
"تم بھی اپنا خیال رکھنا اپنی تعلیم کی طرف توجہ دو اپنی اولاد کو ڈاکٹر بنانے کی خواہش تمہارے باپ کی تھی میں نہیں چاہتی کہ تم اپنی تعلیم کو خیرباد کہہ دو۔ میں جلد ہی کوئی حتمی فیصلہ کر کے تمہیں آگاہ کر دوں گی پریشان نہیں ہونا اور ٹینشن بالکل نہیں لینا جو بھی ہوگا ان شاء اللہ بہتر ہی ہوگا۔"
"جی......ان شاء اللہ!" اس نے بھی فوراً سر ہلایا۔
"اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔"
"اللہ حافظ۔" موبائل بند ہونے پر وہ ایک دم ہلکی پھلکی سی ہو گئی تھی۔ عادل اور اس کی ماں کی آمد کے بعد وہ جس تکلیف اور اذیت کا شکار رہی تھی اب لگا اس اذیت کے شکنجے سے نجات مل گئی ہے۔ وہ بہت سکون اور اطمینان سے نیچے کی طرف جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔



شاہزیب صاحب اور ان کی بیگم دونوں اس وقت اپنے کمرے میں تھے۔ مہر النساء بیگم نے آج عادل اور اس کی والدہ کی آمد کی وجہ سمیت تمام گفتگو ان کے گوش گزار کر دی تھی۔ باقی لوگوں کی طرح شاہزیب صاحب بھی ساری بات سن کر از حد برہم ہوئے۔
"عجیب بد دماغ لڑکی ہے یہ عادل بھی نہیں۔ نفرت کی نئی راہ نکالی اس نے۔ کیا اس کے خاندان کی حرکتوں سے ہم بے خبر ہیں؟ ہم تو ایک دفعہ ہی لاعلمی میں مارے گئے تھے اب بار بار عادل بھی بہن کا اور اب بھائی کا رشتہ لا کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہے اور وہ بے کس خوش فہمی میں ہیں؟ ہم شہوار کی بات مصطفیٰ سے طے کر چکے ہیں وہ بے خبر تو نہیں اور جھوٹے الزام وہ اس پر لگائے جو اس کے بھائی کی حقیقت سے بے خبر ہو۔" تمام صورت حال سن کر شاہزیب صاحب خاصے گرم ہوئے۔
"شہوار کو بھی پتا ہے اس ساری صورت حال کا یا نہیں؟" انہوں نے پوچھا۔
"نہیں! وہ بے خبر ہی ہے۔"

"اچھی بات ہے خواہ مخواہ بچی کو تکلیف ہوتی۔ یہ تو سیدھی سادی کردار کشی کرنے والی بات ہوتی۔ میں سوچتا ہوں اس کا بھی کوئی حل..... کل پرسوں میرا گاؤں جانے کا ارادہ بن رہا ہے اسی سلسلے میں تابندہ اور بابا صاحب سے بات کر کے کوئی حتمی فیصلہ کرتا ہوں۔ اب تابندہ نے ہاں تو کہہ دی ہے مزید معاملے کو لٹکانا نہیں چاہتا۔"

"میں تو سوچ رہی ہوں کہ اس آنے والے جمعہ کو نکاح نہ رکھ لیں گھر کی بات ہے زیادہ شور شرابا نہیں کرتے سادگی سے نکاح کر دیتے ہیں۔ رخصتی تو تب ہی ہوگی جب شہوار کی تعلیم مکمل ہو جائے گی مصطفیٰ بھی شہوار کے دوران تعلیم شادی کے حق میں نہیں ہے۔"

"مشورہ تو اچھا ہے ویسے بھی اصل فیصلہ تو تابندہ اور بابا صاحب سے صلاح مشورے کے بعد ہی ہوگا۔"

"عائشہ اور صبا آئی ہوئی ہیں جو بھی فیصلہ کرنا ہے جلدی کر لیجیے گا نکاح منگنی جو بھی تقریب ہو تیاری تو کرنا ہی ہوگی۔ میری تو رائے ہے کہ جتنی جلدی یہ تقریب ہو جائے درست ہے عادلہ جسے بد طبیعت لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے اور لوگوں کو بھی رشتہ طے ہو جانے کا پتا چل جائے گا۔"

"چلو دیکھتے ہیں کل تو فری نہیں ہوں پرسوں کا پروگرام بنانا ہوں گاؤں جانے کا۔ اصل فیصلہ تو وہاں جا کر ان لوگوں کی رائے کے بعد ہی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے تابندہ نے ہاں تو کر دی ہے میں آج کل میں کوئی تیاری کر لوں پھر؟ کپڑے زیورات تو چاہیے ہوں گے نا؟"

"یہ آپ لوگوں کا شعبہ ہے جو مناسب سمجھیں کریں رقم چاہیے تو بینک سے نکلوا لیجیے گا۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔" مہر النساء بیگم ایک دم مطمئن ہو گئی تھیں۔

"اور یہ عادلہ کا کیا پروگرام ہے کافی دن ہو گئے ہیں اسے میکے گئے ہوئے پوچھا نہیں کہ کب واپسی ہوگی؟" انہوں نے دوسرا موضوع چھیڑا۔

"نہیں ابھی میں نے نہیں پوچھا آپ کو بتایا تھا کہ اس کی بہن کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا دوسرا عباس سے بھی ایک دو بار فون پر بات ہوئی ہے اس کی۔ عباس سے ہر بار ایک ہی بات کرتی ہے کہ علیحدہ ہونے کا ارادہ ہے تو آئے گی ورنہ نہیں۔"

"یہ لڑکی مسئلے کو خواہ مخواہ ابھار رہی ہے اور عباس کی کیا رائے ہے؟"

"وہ تو سرے سے عادلہ کو واپس لانے پر راضی ہی نہیں ایک دو بار میری بات ہوئی ہے لگتا ہے کہ وہ تنگ آ چکا ہے اس عورت سے اب وہ اس کے ساتھ مزید گزارہ نہیں کر سکتا۔" مہر النساء بیگم نے اصل بات گوش گزار کی تو وہ خاصی دیر تک گم صم رہے بہر حال ان کے خاندان میں ایسا انتہائی فیصلہ آج تک کسی نے بھی نہیں لیا تھا۔ حالات جیسے بھی ہوتے تھے نباہ کیا جاتا تھا مگر یہاں صورت حال ہی مختلف تھی لڑکی رہنے پر راضی نہ تھی اور لڑکا رکھنے پر۔ وہ عباس کو مجبور کر لیتے مگر اب بہت سی باتیں ایسی تھیں جو ان کے سامنے آ رہی تھیں خصوصاً آفاق کی ذات سے عادلہ کی بے پروائی اور اجنبیت انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی جو عورت بچوں کے حق میں ہی نہ ہو اور بمشکل اگر بچہ پیدا ہوا تو بھی اس کی کوئی بھی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہ تھی ایسی عورت شمع محفل تو بن سکتی ہے مگر گھر بستی نہیں۔"

"یہ سب عباس کا ہی کیا دھرا ہے پسند کی شادی کرنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے ہم نے تو بس لڑکی دیکھی تھی اور رشتہ طے کر دیا اس وقت ان کا سارا حسب نسب دیکھتے ماں باپ کا کردار اخلاق ہر چیز پرکھتے ہم نے بھی محض مالی اسٹیٹس دیکھا اور فوراً رضا مندی دے کر دونوں کی شادی کروا دی۔ غلطی ہماری بھی ہے جو بھگت رہے ہیں یہ میری زندگی کی سب سے سنگین غلطی ہے وہ لڑکی اس قابل ہی نہ تھی کہ ہمارے خاندان میں داخل ہوتی بہر حال جو ہونا تھا سو ہو گیا آخر کب تک وہ ماں باپ کے گھر رہے گی علیحدہ گھر بھی دوں تو بھی یہی حالات رہیں گے اور عباس کا مسئلہ برقرار رہے گا۔ ہم نے شادی اس لیے کی تھی کہ ہماری نسل آگے بڑھے وہ عورت کسی طور پر تعاون کرنے پر آمادہ ہی نہیں تو کیا کر سکتے ہیں۔ وہ ماں باپ کے گھر جا کر رہنا چاہتی ہے تو رہنے دیں آخر کب تک اس کا باپ اسے اپنے گھر بٹھائے رکھے گا۔"

"یہ سب تو ٹھیک ہے مگر اس نے عباس سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر علیحدہ گھر نہیں تو پھر علیحدگی ہوگی بلکہ مجھے تو لگتا ہے وہ یہ سب حرکتیں صرف اور صرف عباس سے علیحدگی کے لیے کر رہی ہے۔ دراصل عباس نے جو اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ عادلہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت عباس سے ملی تھی مگر پھر عباس سے اس کے فوائد پورے نہیں ہوئے تو اب پینترا بدل رہی ہے۔ وہ کئی بار جائیداد کی تقسیم کی بات کر چکی ہے بلکہ اپنے نام کئی طرح کی اشیا لکھوانا چاہتی ہے۔ علیحدہ گھر میں وہ ڈیفنس والی نئی خریدی کوٹھی مانگ رہی ہے جو اس کے نام کی جائے۔"

"وہ کوٹھی تو خریدی ہی میں نے مصطفیٰ کے نام سے تھی' کیا وہ جانتی نہیں؟"

"سب جانتی ہے اسی لیے تو کاشف کا رشتہ لے کر آئی تھی ہمارے انکار پر ہی تو وہ اب کھل کر سامنے آ رہی ہے۔"

"صد افسوس..... ایسی عورت ہمارے نصیب میں تھی یہ بھی ہماری آزمائش ہے۔" انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اگر اس نے علیحدگی کا مطالبہ زبانی کلامی کی بجائے باقاعدہ کیا تو ہم بھی دیکھ لیں گے ہم بھی گرے پڑے خاندان کے نہیں ہیں۔ ہمارے خاندانی اخلاق و کردار کے بارے میں ایک عالم جانتا ہے۔ عبدالقیوم جیسے لوگ ہوتے ہیں نو دولتیے..... ایسے لوگوں کو جب بھی دولت ملتی ہے پیروں سے نام تلنے کی کرتے ہیں۔ عباس کو سمجھایا کریں پریشان نہ ہوا کرے دیکھ لیں گے ہم بھی اس مسئلے کو۔" اپنی

طرف سے بات مکمل کر کے انہوں نے سائیڈ پر رکھی کتاب تھام لی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب وہ کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گے مہر النساء بیگم ان کی مزاج آشنا تھیں اسی لیے مزید کوئی بات چھیڑے خود بھی اٹھ گئی تھیں۔



رات کے کھانے کے بعد وہ تینوں خواتین لاؤنج میں بیٹھیں شادی کی تیاریوں کو ڈسکس کر رہی تھیں ضیا صاحب کو بلڈ پریشر کی شکایت تھی وہ جلدی اٹھ گئے تھے اس وقت وہ کمرے میں آرام کر رہے تھے وقار صاحب کوئی نیوز چینل لگائے مصروف تھے اور وہ تینوں شادی کے سلسلے میں ہونے والی تیاریوں میں۔

''یہ ولید اور احسن ابھی تک گھر نہیں لوٹے؟'' چیزوں کی لسٹ بناتی اما نے سر اٹھا کر ماما کو دیکھا جو روشی سے پوچھ رہی تھیں۔

''کوئی کام ہوگا؟'' اس نے سرسری سا جواب دیا۔

''کوئی کام نہیں دونوں کسی دوست کے پاس رک گئے تھے'' روشی نے بتایا تو وہ چونکی۔

''کون سا دوست؟'' اس کا لہجہ خود بخود سرد ہوا۔

آج صبح ولید کے رویے کی وجہ سے اس کا مزاج خود بخود خوشگوار ہو گیا تھا جس طرح ولید کی توجہ حاصل ہوئی تھی وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی اور سارا دن بہت خوش رہی تھی اور اسی خوشی میں آج اس نے ولید اور احسن کے لیٹ ہونے پر توجہ نہیں دی تھی پھر یہ بھی خیال تھا کہ ولید احسن کو لے کر اس لڑکی کو دیکھنے کا پتا لگانے سے رہا مگر اب روشا کی زبان سے کسی دوست کا نام سن کر وہ چونک گئی۔

''پتا نہیں ولید بھائی نے کال کر کے بس یہی اطلاع دی تھی کہ وہ اور احسن کسی دوست کے پاس جا رہے ہیں کس دوست کے پاس یہ نہیں بتایا۔'' روشا نے سرسری انداز میں بتایا تو اما نے ایک دم غصے سے نوٹ بک اور قلم ٹیبل پر رکھے۔

''تمہارا بھائی پاکستان آتے ہی کچھ زیادہ ہی دوستیاں نہیں نبھانے لگا ہے؟'' اس کا لہجہ جلا ہوا تھا روشی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مطلب؟'' اس نے پوچھا اما سر جھٹک کر چپ کر گئی ماما کہنے لگیں۔

''تمہیں کیوں غصہ آ رہا ہے؟ مرد ذات ہیں سو دوست اور جاننے والے ہوتے ہیں۔ خواتین کی طرح لڑکے چار دیواری میں مقید ہو کر تھوڑے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے احسن کا ہی کوئی دوست ہو جس کے پاس گئے ہوں دونوں۔'' ماما کے کہنے پر وہ بظاہر خاموش رہی روشی اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی تو اسے خود پر کنٹرول کرنا پڑا۔ دوبارہ نوٹ بک اور قلم تھام کر لسٹ بنانے میں لگ گئی۔ ماما اسے مختلف چیزوں کے نام بتا رہی تھیں جو وہ لکھتی جا رہی تھیں مگر اندر سینے میں جو ارتعاش اٹھا تھا ذہن مختلف سمتوں کی طرف ایک دم گامزن ہو گیا تھا۔

کون سا دوست ہوگا..... کیا وہی لڑکی ہوگی؟ کتنی خوب صورت حسین اور دلکش تھی وہ لڑکی؟ بے ہوشی میں بھی کیا قیامت ڈھا رہی تھی اور دوسری میزبان لڑکی بھی کچھ کم نہ تھی۔ ماما اسے پتا نہیں کیا کہہ رہی تھیں مگر اس کی توجہ کسی اور ہی طرف تھی۔

''یہ کیا لکھ رہی ہو؟'' ماما اسے کئی بار آوازیں دے چکی تھیں مگر اسے متوجہ نہ پا کر آخر کار روشی کو ہی اس کی طرف دھیان دینا پڑا اور نوٹ بک دیکھ کر چیخی۔

''کیا ہوا؟'' اما نے بھی گھبرا کر نوٹ بک دیکھی اور زبان دانتوں تلے دبالی۔ اپنی رو میں نجانے وہ کیا بیل بوٹے بناتی چلی گئی تھی۔

''ساری لسٹ کا ستیاناس کر دیا ہے اتنا ہی پینٹنگ کا شوق ہو رہا تھا تو علیحدہ صفحہ لے لیتی'' روشی لسٹ دیکھ کر خفا ہو رہی تھی اما ایک دم ہنس دی۔

''سوری بس پتا ہی نہیں چلا۔''

''دھیان کدھر ہے تمہارا؟'' روشی نے گھورا ماما بھی صفحہ دیکھ کر ہنس دیں۔

''آج کل چھوٹی آپ کی بیٹی کا دھیان کچھ زیادہ ہی ادھر ادھر نہیں رہنے لگا؟''

''نہیں جی! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں خواہ مخواہ پر کا کوا مت بناؤ۔'' روشی کے ہاتھ سے نوٹ بک واپس لے کر اس نے کہا تو وہ بغور دیکھنے لگی اما کو الجھن ہونے لگی۔

''کیا ہے؟'' روشی کی نگاہوں کو وہ ایک پل سے زیادہ برداشت نہ کر سکی۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ اچھی بھلی لڑکی جب لکھتے لکھتے بیل بوٹے بنانے لگے تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟'' روشی کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''وہ صرف تمہارا سر ہی ہو سکتا ہے۔'' اس کے سر پر نوٹ بک کھینچ کر مارتے اس نے چڑ کر کہا تو روشی ہنس دی۔

''ماما اس کی شادی ہے سارے انتظامات کی لسٹ بھی اسے بنانی چاہیے یوں ہی بیل بوٹے بنائے ہیں یہ ہر صفحے پر احسن احسن لکھتی پھرے گی۔'' اپنی طرف سے اما نے فوراً بدلہ چکایا تو روشی

ایک دم جھینپ گئی۔

"توبہ توبہ......" ماما بھی اسے شرماتے دیکھ کر ہنس دیں۔

"توبہ توبہ کیوں......" ماما نے اپنی طرف سے اس کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" روشی شرما کر رہ گئی تو اما کھلکھلا کر ہنس دی۔ ماما نے ایک تھپڑ اس کے کندھے پر جڑ دیا۔

"شرم کرو بہن کو تنگ کر رہی ہو تمہارے پاپا پاس ہی ہیں سن لیں گے۔"

"میں کافی بنانے جا رہی ہوں کوئی پیئے گا؟" ماما کے کہنے پر وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی ماما نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"توبہ کرو ابھی چائے پی ہے اب کافی......تم پی پی کر تھکتی نہیں۔"

"رہنے دیں پھوپو اسے کون سا اثر ہوتا ہے ساری ساری رات جاگنے کی لت لگ گئی ہے اور کیا؟" روشانے کی بات کو نظر انداز کرتے وہ کچن کی طرف آ گئی۔ وہ کافی بنا رہی تھی جب باہر گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجا۔ وہ چونک اٹھی۔ ولید کی گاڑی کا ہارن تھا یعنی موصوف کی گاڑی ٹھیک ہو چکی ہے ورنہ آج تو اپنی گاڑی میں ہی احسن بھائی کے ہمراہ کہیں گئے تھے۔

"مگر ولید گیا کہاں تھا؟" وہ پھر الجھن کا شکار ہونے لگی۔ کافی بنانا ترک کر کے وہ کچن کی کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ ولید کی گاڑی پورچ میں جا رکی تو دونوں گاڑی سے نکل کر اب اندر آ رہے تھے۔ احسن بھائی نے ولید سے نجانے کیا کہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ ولید بہت خوش لگ رہا تھا وہ دونوں یونہی ہنستے اندر کی طرف چلے آئے۔ اما کے دل میں عجیب سی کیفیت اتر آئی۔ وہ لب بھینچ گئی زور سے کھڑکی بند کر کے دوبارہ اپنی کافی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

اب لاؤنج سے ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں مگر وہ کان بند کیے لب بھینچے کافی کی طرف متوجہ رہی۔ سارا کا کپ کافی سے بھر کر وہ اندر جانے کی بجائے راہداری سے ہوتے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"یہ لوگ کدھر گئے ہوں گے؟" کافی پیتے اس کی سوچ پھر بھٹکنے لگی۔

"یا اللہ! کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کیوں ہر چھوٹی چھوٹی بات کو میں یوں بری طرح اپنے ذہن پر سوار کرنے لگی ہوں میرا کیا تعلق ان سے دونوں جہاں مرضی جائیں میری بلا سے؟" کافی پیتے وہ خود سے ہی ناراض ہو گئی۔ ایک دم اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تو خالی مگ ٹیبل پر پٹخ کر وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ ہاتھ بڑھا کر ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔

"خاموشی میں شور تھا میں نے سنا کچھ بھی نہیں
اس نے سب کچھ دیا لیکن کہا کچھ بھی نہیں"

سارے کمرے میں یہ دلکش آواز گونج اٹھی۔ تکیے پر سر رکھ کر وہ خاموشی سے سننے لگی۔ دل یونہی بھر بھر آنے لگا۔ دل چاہا کہ خوب روئے اور جی بھر کر روئے۔

"تجھ کو کیا معلوم اے جانِ جہاں تیرے بغیر
میرا جیون کٹ گیا اور میں جیا کچھ بھی نہیں"

آنکھوں سے یونہی پانی بہنے لگا تو دل کی دنیا طوفانوں کی زد پر آ گئی۔

"حکم یہ ہم کو ملا اس کے سوا کچھ مانگیے
اٹھ گئے دستِ دعا لب پہ دعا کچھ بھی نہیں"

خوبصورت آواز کا تاثر اتنا بھرپور تھا کہ اس کے اندر کی ساری دنیا میں جل تھل ہو گئی۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

غزل گو کی آواز کا تاثر تھا یا غزل کے بولوں کی تاثیر تھی کہ وہ ایک دم چونکی تھی۔ لفظ سیدھے دل میں اتر گئے اس نے یہ شعر ری وائنڈ کیا۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

اور پھر کئی بار مسلسل ریوائنڈ کرتے وہ بار بار یہی شعر سننے لگی۔ دل کا اضطراب اشکوں میں بہہ نکلا اب حرف بے نام سی کسک باقی رہ گئی تھی تین چار بار مسلسل سننے کے بعد اس نے جب پانچویں بار یہ شعر ریوائنڈ کیا تو کوئی کمرے کی دہلیز پر آ ٹھہرا۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رتجگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

"ایسا کیا ہے اس شعر میں جو بار بار سنا جا رہا ہے؟" وہ جو آنکھیں بند کیے تکیے میں منہ چھپائے حرف حرف شعر کے ان بولوں میں غرق تھی ایک دم چونک گئی۔ تکیے سے منہ نکالنے سے پہلے اس نے فوراً ہاتھ کی پشت سے اپنی نم آنکھوں کو صاف کیا اور پھر سر اٹھا کر دیکھا وہ دروازے کی دہلیز پر ایستادہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اما نے ایک دم اٹھ کر پلیئر بند کر کے سر پر دوپٹہ جمایا۔

"آپ کب آئے؟" بستر سے اتر کر پوچھا۔ اما کو لگا جیسے کوئی شہنشاہ کسی غریب کی کٹیا میں چلا آیا ہو۔ وہ جب سے پاکستان آیا تھا یہ دوسری بار تھا کہ وہ اس کے کمرے میں آیا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب کیا کرے؟

"جب محترمہ کوئی پانچویں بار یہ شعر سن رہی تھیں۔" اما نے نظر جھکا لی۔ وہ اندر تو آ گیا تھا مگر بیٹھنے کی بجائے یونہی کھڑا رہا اور اما کو بغور دیکھتا رہا۔

"کیا بات ہوئی ہے جو تم روئی ہو؟" اگلے ہی لمحے اس نے پوچھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر اسے مکمل توجہ سے اپنا پوسٹ مارٹم کرتے پا کر فوراً سر جھکا گئی۔

"نہ...... نہ...... نہیں تو......"

"پھر مجھے کیوں لگا کہ جیسے تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ یہ روئی روئی سی ہیں؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھے بالکل سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"وہم ہے آپ کا......" وہ نظریں چرا کر رخ پلٹ گئی مگر جانے ولید کو کیا ہوا ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر اگلے ہی پل اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

"اگر وہم ہے میرا تو پھر نظریں کیوں چرا رہی ہو؟" ولید کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں اس کا ایک نرم سا ہاتھ تھا۔ اما کو لگا اس کی جان نکل کر بس ہاتھ میں آ گئی ہو۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ ششدر رہ گئی۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر ولید کی گرفت مضبوط تھی۔

"کیا بات ہے کسی نے کچھ کہا ہے۔" وہ ہاتھ چھوڑنے کی بجائے اسی طرح مضبوطی سے تھامے بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ ولید کے ملبوس سے اٹھتی قیمتی کلون کی مہک اما کے اعصاب پر بوجھ بن رہی تھی۔ جانے وہ کس سے مل کر آیا تھا۔

"کیا اس جلسے میں اس لڑکی کے پاس گیا تھا؟" اس سوال نے اس کے اعصاب کو برف بنا ڈالا۔

"اگر کوئی بات ہے بھی تو آپ کو کیوں بتاؤں...... کون ہوتے ہیں آپ مجھ سے پوچھنے والے......؟" کسی انجانے احساس سے اما وقار کو لگا اس کے اعصاب چیخ اٹھے ہوں۔ وہ ٹوٹ کر بکھری ہو۔ نہایت بدتمیزی اور غصے سے کہتے دوسرے ہاتھ سے اس نے ولید کی مضبوط گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کی مگر ولید نے اس کی بدتمیزی پر اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

"تم میری کزن ہو جانتی ہو کتنی بدتمیزی سے تم مخاطب ہو۔"

"ہاں...... ہوں مخاطب میں رو رہی ہوں افسوس آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟" وہ پہلے سے زیادہ بدتمیزی سے مخاطب ہوئی۔

"اما......" ولید نے غصے سے ٹوکا۔ کوئی جذبہ کوئی احساس اندر ہی اندر سے سلگ رہا تھا اور اب آگ باہر نکل رہی تھی۔

"میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی چلے جائیں یہاں سے......" وہ دہاڑی۔

"زبان سنبھال کر بات کرو۔" وہ بھی آواز میں دہاڑا تو اما نے پوری طاقت لگا کر اپنا دایاں ہاتھ چھڑا لیا۔

"میری ذات سے آپ کا کوئی لینا دینا نہیں ہے آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے باز پرس کرنے والے؟" اما کا گستاخانہ لہجہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔

"شٹ اپ!" ولید نے آج تک اسے اس روپ میں نہیں دیکھا تھا ایک دم غصے سے دہاڑا تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو گئی۔

"آپ کہاں آتے ہیں کہاں جاتے ہیں کس سے ملتے ہیں کبھی میں نے پوچھا ہے؟ اس لیے میری ذات میں انٹرفیئر مت کیا کریں ہر وقت کی باز پرس...... چھوڑیں میرا ہاتھ خبردار آپ نے مجھ سے اس طرح بات کی تو؟" ولید کے غصے نے اس کے اعصاب پر اور ہی انداز میں اثر کیا تھا۔ بہت بدتمیزی سے اس نے ولید کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا تھا مگر ولید کو جانے کیا ہوا تھا ایک دم نہایت غصے سے ہاتھ اٹھا اور اس سے پہلے کہ اما وہ خود ہی کچھ سمجھتا اس کا ہاتھ اما کے رخسار پر اپنی انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔

"ولی......" وہ ششدر رہ گئی ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر سسک اٹھی یوں لگا رخسار کو کسی انگارے نے چھو لیا ہو۔

"بےوقوف...... پاگل......" ایک دم غصے سے اس کو دھکیلا تو وہ منہ کے بل بستر پر جا گری۔ آج تک اس کو تو روشی نے بھی کبھی بدتمیزی سے نہیں پکارا تھا اور ابا...... ولید نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی جو منہ کے بل بستر پر گری سسک رہی تھی۔ وہ بہت کم اس قدر شدید غصے سے دوچار ہوتا تھا' انا کی بدتمیزی نے اسے پل میں نہ صرف غصے سے دوچار کر کے آپے سے باہر ہو جانے پر مجبور کیا تھا بلکہ اگلے ہی پل اس کے الفاظ نے مشتعل ہو کر ہاتھ اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ لڑکی جسے کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا اس وقت اس کے نرم و نازک رخسار پر ولید کی انگلیوں کے نشان چھپے ہوئے تھے اور وہ شدت سے سسک رہی تھی۔

"تم اس قابل ہی نہیں کہ تم سے کوئی مروت یا ہمدردی برتے۔" بہت زہریلے لہجے میں کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے کمرے سے جانے کے بعد بھی وہ اسی طرح منہ کے بل بستر پر گری سسکتی رہی۔ یہ سارا عمل چند پل میں ہوا تھا وہ کمرے میں آیا تھا تو وہ جی اٹھی تھی اور اس پر نگاہ پڑی تو لگا کہ وہ ساری زندگی ہار گئی ہو اور اب کچھ بھی نہیں بچا تھا' کچھ بھی نہیں۔ ایسا کیوں کر ہوا؟ وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر جوں جوں سوچ رہی تھی لگ رہا تھا کہ بس دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔

اذیت تھی کہ حد نہیں...... وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی...... دل اس عجیب سانحے پر ماتم کناں رہا۔

رخسار کی جلن ہو رنگ رلاتی رہی اور دل لگ وہ واویلا کرتا رہا۔ اپنے جذبات کی شدت سے وہ خود ہی ہار رہی تھی۔ کچھ وقت سرکا تو بستر سے اتر کر پہلے دروازہ لاک کیا اور پھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا رخسار دیکھا۔ دائیں رخسار پر انگلیوں کے نشان بہت واضح تھے۔ سرخ جلد سوج رہی تھی۔ انگلیوں نے رخسار کو چھوا تو لگا کہ دہکتے کوئلوں کو چھو لیا ہو۔ آنکھیں پھر جل تھل ہو گئیں۔ وہ دوبارہ بستر پر آ گری' ولید ضیاء نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا وہ جسے کبھی اس کے ماں باپ نے بھی پھولوں سے نہ چھوا تھا جس کا پھولوں سے بڑھ کر خیال رکھا گیا تھا' ولید ضیاء نے اس پر ہاتھ اٹھایا' وہ شخص جس کے سامنے وہ اپنا تن من دھن سب کچھ ہار بیٹھی تھی اس نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا' کیوں......؟

وہ جوں جوں سوچ رہی تھی دماغ الجھ رہا تھا اور پھر بہت ہار کر تکیے پر سر گرا کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ نیند تو شاید اب آنکھوں میں مر کر بھی نہ آتی مگر اذیت سے مر جانے کی خواہش بڑی شدید اور زور آور تھی۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

تیز آواز کی بازگشت کانوں میں ٹکرائی تو سسکتے ہوئے انا نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ کاش وہ کسی کے سامنے اپنے دل کا درد کہہ سکتی۔ تکیے میں منہ چھپا کر یوں سسکی کہ جیسے پھر کبھی گریہ نصیب نہیں ہونا ہو۔

❁ — ❁ — ❁

رات تابندہ بی سے بات کر لینے کا اعزاز تھا کہ صبح اس کا موڈ خاصا بہتر تھا۔ فجر کی نماز اور تلاوت کے بعد ہاتھ لے کر وہ کالج جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ مصطفیٰ نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ وہ چند دن کالج نہیں جائے گی جب تک وہ خود نہیں کہے گا مگر پرسوں مصطفیٰ سے ہونے والی گفتگو کے بعد اس کے الفاظ نے اسے اس کی جانب سے خاصا بد واشتہ کر دیا تھا سو دوسری طرف مصطفیٰ کا اس دن کے بعد سامنا بھی نہیں ہوا تھا۔ اس دن مصطفیٰ کو جو بھی ری ایکشن تھا وہ سب ایک طرف مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اسے مصطفیٰ شاہ زیب علی کی ذات سے کوئی احسان نہیں لینا۔ اپنی ذات کو خود ہی سنبھالنا ہے۔ جو ذلت ایاز کی وجہ سے بھرے کالج کے سامنے اٹھانا پڑی تھی اس کے بعد کالج فیلوز سے سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی مگر کب تک منہ چھپا کر بیٹھ سکتی تھی اور رات جس طرح تابندہ بی نے اسے کالج جانے کا کہا تھا وہ اب مزید ڈر کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ جب یہ طے تھا کہ اسے کل بھی لوگوں کو فیس کرنا ہے تو پھر آج کیوں نہیں سو ہمت کر کے مصطفیٰ کی ہدایت کو نظر انداز کیے وہ اب تیار ہو رہی تھی۔

لباس بدل کر بال بنانے سے پہلے اس نے سوچا کہ انا سے فون پر بات کر لے کہ وہ بھی آج جا رہی ہے یا نہیں' موبائل لے کر وہ بستر کے کنارے آ بیٹھی۔

"السلام علیکم!" چند ایک بیلز کے بعد انا کی آواز سنائی دی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں تم سناؤ؟ طبیعت بہتر ہوئی؟" انا کی آواز کافی بھاری بھاری لگ رہی تھی' کچھ تھکی تھکی سی۔

"میں اب ٹھیک ہوں' تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں' بس یار...... گلا خراب ہے شاید فلو کی شکایت ہو رہی ہے۔"

"میں نے اس لیے کال کی تھی کہ میں آج کالج جا رہی ہوں پھر سوچا کہ تم سے بھی کنفرم کر لوں کہ تم بھی جا رہی ہو یا نہیں۔" شیزا نے پوچھا۔

"اچھا...... ارادہ تو میرا آج چھٹی مارنے کا تھا' چلو تم آ رہی ہو تو میں بھی آ ہی جاتی ہوں' کتنے دن ہو گئے ہیں ملے ہوئے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔"

"او کے پھر اللہ حافظ' کالج میں ملتے ہیں۔" ماہا نے کہا۔

"او کے اللہ حافظ۔" کال بند کر کے موبائل بیگ میں رکھا اور بال بنانے لگی پھر اس کے بعد اپنی فائل اور کتابیں سمیٹیں۔ اس دن کے بعد سے اس نے دوبارہ کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ہر چیز بکھری پڑی تھی چیزیں سمیٹنے کے بعد اپنے کمرے کی چیزیں ترتیب سے رکھیں بستر کی چادر درست کرنے کے بعد چادر اوڑھ کر بیگ اور فائل لے کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ کل صبح وہ مصطفیٰ کے آفس جانے کے بعد کمرے سے نکلی تھی رات وہ لیٹ آیا تھا مگر اب اسے کھانے کی ٹیبل پر سب کے درمیان دیکھ نظر انداز کر گئی تھی۔

"السلام علیکم!" سب کو مشترکہ سلام کر کے وہ ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ مصطفیٰ اسے یوں کالج کے لیے تیار دیکھ کر چونکا تھا۔

"وعلیکم السلام! آج کالج جا رہی ہو؟" ماں جی نے پوچھا تو وہ محض سر ہلا گئی۔

"چلو اچھی بات ہے چھٹیاں بھی تو خاصی کر لی ہیں۔"

"جی! حرج تو خاصا ہو گیا ہے کور کر لوں گی۔" بغیر مصطفیٰ کو دیکھے وہ اپنے ناشتے کی طرف متوجہ تھی ٹیبل پر اس وقت چاروں مرد حضرات کے علاوہ چاروں خواتین بھی تھیں۔

"تمہیں چند دن اور ریسٹ کر لینا چاہیے تھا ابھی اتنی جلدی بھی کیا تھی؟" مصطفیٰ اسے یوں اطمینان سے ناشتہ کرتے دیکھ کر رہ نہ پایا تو بول پڑا۔ شہوار نے محض گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ناشتہ کرنے لگی یوں جیسے اسے اس کے کسی سوال و جواب سے کوئی غرض نہیں۔ شہوار کے رویے پر مصطفیٰ کو ایک دم شدید توہین کا احساس ہوا۔ باقی وقت وہ خاموش ہی رہا۔ ناشتا کرنے کے بعد وہ کمرے سے نکل گیا۔ شہوار نے اطمینان سے ناشتہ کیا اور سب کو سلام کر کے اپنی چیزیں سنبھالتی باہر نکل آئی۔

"رخشندہ! ڈرائیور کو کہو گاڑی نکالے۔" پچھلے دنوں وہ مصطفیٰ کے ساتھ ہی جاتی تھی۔ اس لیے اب ڈرائیور نے گاڑی نہیں نکالی تھی وہ جی اچھا کہتی وہاں سے جانے لگی تو مصطفیٰ بھی وہیں آ گیا۔

"تم جاؤ رخشندہ ڈرائیور کو رہنے دو۔" وہ شاید اس کی آواز سن چکا تھا۔ رخشندہ واپس اندر چلی گئی۔

"میں نے جب تمہیں منع کیا تھا کہ ابھی فی الحال چند دن تم کالج نہیں جاؤ تو آج جانے کی ایسی کون سی خاص ضرورت پڑ گئی؟" مصطفیٰ کا لہجہ خاصا سلگتا ہوا تھا۔

"میں آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں۔" وہ اس سے زیادہ تلخ لہجے میں جواباً بولی۔ مصطفیٰ نے چند پل گھور کر دیکھا۔

"تم کالج نہیں جا رہیں۔" کچھ توقف کے بعد اس نے حکم صادر کیا تو وہ بھنا اٹھی۔

"میں بلاوجہ چھٹیاں کرنے کی قطعی کوئی ضرورت محسوس نہیں کر رہی میں اب خود کو بہتر فیل کر رہی ہوں۔"

"مگر جب تک ایاز والا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں کالج جانا چاہیے۔"

"میرا اپنی فرینڈز سے مسلسل رابطہ رہا ہے وہ بتا رہی تھیں کہ وہ آج کل کالج نہیں آ رہا اب اس کی وجہ سے خواہ مخواہ اپنا ٹائم ویسٹ کرنے سے تو رہی۔" اپنے مزاج کی تلخی پر وہ قطعی قابو نہ کر پا رہی تھی۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس وقت خاصے بدلحاظ گستاخ اور منہ پھٹ تیور لیے کھڑی تھی۔ اس وقت اس سے الجھنا محض ایک طویل بحث کے نتیجے کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ شہوار کے تیور واضح بتا رہے تھے کہ وہ اب اس کے کہنے پر رکنے والی نہیں۔

"او کے میں گاڑی نکالتا ہوں۔" وہ آگے بڑھا۔

"اس عزت افزائی کے لیے شکریہ آپ زحمت نہ کریں میں ڈرائیور کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔" شہوار کے الفاظ پر وہ پلٹا نہایت غصے سے اسے دیکھا۔ وہ صاف الفاظ میں اس کے ساتھ جانے سے انکاری تھی اس سے زیادہ شدید توہین اس کی اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اس کی بجائے شوفر کے ساتھ جانے کو ترجیح دے رہی تھی۔

"میں گاڑی نکال رہا ہوں اگر سارے گھر والوں کے سامنے اپنا تماشا بنوانا مقصود ہے تو شوق سے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا حکم دے سکتی ہو مگر یہ طے ہے کہ کالج تم صرف میرے ساتھ ہی جاؤ گی یا پھر نہیں جاؤ گی اور تمہارا تو پہلے بھی خاصا حرج ہو چکا ہے مزید چھٹیاں تم افورڈ بھی نہیں کر سکتیں۔ کیا خیال ہے پھر ڈرائیور کو کہوں کہ تمہارے لیے گاڑی نکالے؟" شہوار کا جی چاہا کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی موٹی موٹی ساری کتابیں اس شخص کے چہرے پر دے مارے مگر وہ ضبط سے سرخ چہرہ لیے خاموش رہی تو مصطفیٰ اس کی خاموشی کو ہاں کا عندیہ سمجھ کر بڑے مسرور انداز میں گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ گاڑی لا کر فرنٹ ڈور کھولا تو وہ دل پر جبر کرتی گاڑی کی طرف چلی آئی مگر فرنٹ ڈور کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے پچھلے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ لاک تھا۔

"میں پیچھے بیٹھوں گی دروازہ کھولیں۔" بہت غصے سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"سوری بھئی! پچھلے دونوں دروازوں کے لاک خراب ہیں۔" شہوار نے لب بھینچ لیے۔

"تو کیوں ٹھیک ہے اس کو بھی خراب کروا لیتے۔" وہ غصے سے ایک دم آؤٹ ہوئی جب کہ مصطفیٰ نے اس کے الفاظ پر ایک دم قہقہہ لگایا تھا۔

"اندر بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں اگر اسی طرح کھڑی رہیں تو خاصی لیٹ ہو جاؤ گی۔" شہوار کی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی مگر وہ ضبط کیے کھڑی رہی۔

"پچھلا دروازہ کھولیں۔" مصطفیٰ نے اسے دیکھا وہ اسی طرح بے لچک انداز لیے کھڑی تھی۔

"اگر تمہارا قیامت تک اسی طرح کھڑے رہنے کا ارادہ ہے تو شوق سے کھڑی رہو مگر یہ طے ہے کہ جب میرے ساتھ ہی جانا ہے تو اسی سیٹ پر بیٹھنا ہوگا۔ میں تمہارا شوفر نہیں ہوں مائنڈ اٹ۔" شہوار نے نہایت برہمی سے اسے دیکھا وہ چڑانے والے انداز میں کندھے اچکا گیا تو شہوار کا جی چاہا کہ ہر چیز پر لعنت بھیجے اور واپس اندر چلی جائے مگر وہ جانتی تھی کہ یہ شخص یہی چاہتا ہے کہ وہ آج کالج نہ جائے اور وہ خود اس شخص کی وجہ سے اپنا جانا ملتوی نہیں کر سکتی تھی ناچار اسے اگلی سیٹ پر بیٹھنا پڑا مگر اندر بیٹھنے کے بعد اس نے جس قدر زور سے دروازہ بند کیا تھا کوئی چھوٹی موٹی گاڑی ہوتی تو ہل کر رہ جاتی۔ مصطفیٰ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ مصطفیٰ مزید اسے کچھ کہے بغیر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔ شہوار کا موڈ بے حد خراب تھا۔ وہ اندر سے ہمراجان باہر کی طرف منہ کیے بیٹھی رہی۔ گاڑی روڈ پر آئی تو مصطفیٰ رفتار بہت دھیمی رکھتے ہوئے موبائل نکال کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا۔ شہوار نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر باہر دیکھنے لگی۔

"وعلیکم السلام!" کال ملانے کے بعد وہ کسی سے مخاطب تھا۔

"آن ڈیوٹی ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"اوکے ذرا میں میڈیکل کالج کی طرف جا رہا ہوں آپ بھی اسی طرف آ جائیں۔" وہ نجانے کس سے کہہ رہا تھا اور کیوں کہہ رہا تھا چاہتے ہوئے بھی وہ سننے پر مجبور تھی۔

"بس یوں ہی سمجھیں آج سے پھر ڈیوٹی اسٹارٹ۔" نجانے وہ کس ڈیوٹی کی بات کر رہا تھا اس نے پھر پلٹ کر دیکھا تو وہ اس کے دیکھنے پر بڑے دلکش انداز میں مسکرا دیا۔ شہوار کنفیوز ہوتی دوبارہ گردن پھیر گئی۔

"اوکے پھر آ جائیں میں ہیں انتظار کروں گا۔" بات مکمل کر کے چند اختتامی الفاظ ادا کرنے کے بعد مصطفیٰ نے کال بند کر کے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ پرسوں ہونے والی تلخ کلامی کے بعد دونوں کی اب ملاقات ہوئی تھی اور جس طرح شہوار کا اس کے ساتھ رویہ تھا وہ اس کے جذبات احساسات کے متعلق بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا اس وقت بھی وہ بکسر انجان قطع تعلقی کا تاثر دیتی بالکل کی ہوئی تھی۔

"ایک گھر میں ہی رہتے ہوئے شہوار ہمارا سامنا تو کئی بار ہوگا پھر ایسا کب تک چلے گا؟" نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس سے مخاطب ہوا تو شہوار نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ناراضی یا دشمنی کی بنیاد میں نے نہیں رکھی جب آپ میری ذات کو یوں ڈیفائن کریں گے تو لازمی بات ہے میں آپ کو پتھر کے جواب میں پھول نہیں ماروں گی۔" شہوار کی تلخی ہنوز تھی۔

"میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ یہ رشتہ طے پا جانا ہمارے بڑوں کا باہمی فیصلہ تھا جو باہمی رضامندی سے طے پایا گیا۔ ماں جی نے مجھ سے میری رضامندی چاہی تمہارے اندر کوئی ایسی خامی نظر نہ آئی کہ میں انکار کرتا سو ہامی بھر لی۔ اب تمہارے کیا احساسات و جذبات تھے مجھے خبر نہیں تھی؟ بہر حال پرسوں ہمارے درمیان جو بھی گفتگو رہی وہ ایک طرف ہمارا رشتہ طے پا تا ہے یا نہیں وہ سب ثانوی باتیں ہیں مگر اس کالج اور ایاز والے معاملے میں میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اس لیے اپنی ہر کا نہ ضد اور انا کو فراموش کر کے تمہیں میرے ساتھ رہنا ہوگا اور مجھے برداشت کرنا ہوگا۔ یہ طے ہے کہ تم کالج میرے ساتھ ہی جاؤ گی ہو سکتا ہے واپسی پر بھی میں خود ہی پک کر لوں کہ میں ایاز جیسے لوگوں کو غیر اہم سمجھ کر کوئی رسک لینے کا قائل نہیں ہوں۔ دشمن کو کبھی اور کسی بھی حال میں کمزور سمجھنا میری نظر میں نہیں ہے۔ تمہیں یہ پسند آئے یا نہیں وہ سب ایک طرف مگر یہ طے ہے کہ تمہیں مجھے اس سلسلے میں برداشت کرنا ہی ہوگا۔" وہ نہایت اطمینان سے بول رہا تھا شہوار لب بھینچے بیٹھی رہی۔

"اس لیے اعتراض کا ہر پہلو بے بنیاد ہے امید ہے کہ تم اس بچگانہ رویے کا مظاہرہ نہیں کرو گی۔" بہت سنجیدگی سے کہتے مصطفیٰ نے گاڑی کی رفتار کچھ بڑھائی اور باقی سارا راستہ دونوں کے درمیان ایک محسوس کی جانے والی خاموشی حائل رہی۔



وہ ساری رات سو نہیں پائی تھی۔ رو رو کر حالت خراب کر ڈالی تھی سو کالج جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا مگر صبح صبح شہوار کی کال نے پروگرام بدل ڈالا تھا۔ اس نے سوچا کہ کمرے میں پڑے کڑھنے کی بجائے کالج چلی جائے تو بہتر ہے کم از کم کلینہ وہ افیت سے تو نجات مل جائے گی۔ لباس بدل کر وہ جیسے ہی آئینے کے سامنے آئی تو اپنی شکل دیکھ کر پھر رو نے لگا۔ انگلیوں کے نشان کی سرخی دائیں رخسار پر ابھی بھی واضح تھی البتہ سوجن ختم ہو گئی تھی۔ آنکھیں گریہ زاری سے الگ زبان حال بیان کر رہی تھیں آواز کا بھاری پن علیحدہ سے تھا اب اگر ایسی حالت میں گھر میں رہتی تو کس کس کو وضاحتیں دیتی؟ ماما اور رومیتا نے دونوں نے تو پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ پوچھ پوچھ کر بے حال کر دینا تھا اس نے سوچا خاموشی سے تیار ہو کر بغیر ناشتا کیے یا کسی کا سامنا کیے کالج کے لیے روانہ ہو جائے تو بہتر ہے

واپسی پر حالت سنبھل چکی ہوئی۔ وہ خاموشی سے تیار ہوئی۔ آنکھوں کی سرخی ختم ہونے سے تو رہی البتہ رخسار کے نشان ختم کرنے کو اس نے کولڈ کریم یوز کی تھی مگر چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ خاموشی سے اپنی چیزیں اور کتابیں لے کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

کچن سے اٹیچ ڈائننگ ہال سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں وہ ادھر جانے کی بجائے لاؤنج سے ہوتی وہاں سے نکلنے والی تھی کہ ماما کو دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر رک گئی۔

"السلام علیکم!"

"اٹھ گئی تم؟" انہوں نے پوچھا تو وہ محض سر ہلا گئی۔

"باہر کدھر جا رہی ہو؟ ناشتا کر لو کل بھی ناشتا کیے بغیر چلی گئی تھی۔" اسے باہر نکلتے دیکھ کر ماما نے ٹوکا تو اسے رکنا پڑا۔

"فی الحال بھوک نہیں اور ٹائم بھی نہیں۔ کالج سے کچھ نہ کچھ لے لوں گی۔" نہایت بے زاری سے جواب دیا تو ماما ایک دم متوجہ ہوئی۔

"کیا بات ہے؟ تمہارے گلے کو کیا ہوا ہے؟" اس کی آواز نے آخر کار راز فاش کر دیا۔

"کچھ نہیں ہوا اور پلیز بار بار ٹوک کر میرا ٹائم ویسٹ مت کریں جب ایک بار میں نے کہہ دیا کہ مجھے ناشتا نہیں کرنا تو پھر نہیں کرنا۔" ماما جس طرح متوجہ ہوئی تھیں اور بغور دیکھ رہی تھیں اسے ایک دم شدید طیش نے آ لیا تھا۔ نہایت آہستہ مگر بے زاری سے کہا تو وہ حیران ہوئیں۔

"انا کیا پرابلم ہے؟ یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟" ایک دم قریب ہو کر نہایت تشویش سے انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"سوری بس موڈ نہیں ہو رہا۔" خود پر قابو پا کر اس نے نظریں چرائیں۔

"تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے سوئی ہو کیا؟" سرخ آنکھیں اور سوجے پپوٹے پہلی نگاہ سے ہی سامنے والے کو متوجہ کر لینے کو کافی تھے وہ بھلا کیونکر چپ رہ سکتی تھیں۔ سختی سے لب بھینچ لیے۔

"کچھ نہیں ہوا؟ بس وائرل انفیکشن ہو گیا ہے شاید..... شاید فلو۔" اس نے ماں سے نظریں چرائیں۔

"اور یہ رخسار سرخ کیوں ہے؟" انا کا دل دھک سے رہ گیا وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ماما رخسار پہ ہاتھ رکھ کر دیکھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا؟ شاید سوتے میں کوئی چیز چبھ گئی ہوگی۔" ماما نے ایک دو پل اسے بغور دیکھا۔

"اگر اتنا شدید فلو ہے تو کالج مت جاؤ۔" ماما اسی طرح ہاتھ پکڑے کھڑی تھیں وہ محض نفی میں سر ہلا گئی۔

"شہوار کی طبیعت خراب تھی تو آج کئی دن بعد دوبارہ کالج آ رہی ہے اب میں نے بھی چھٹی کر لی تو اکیلی پریشان ہوگی۔" ماما نے محض سر ہلا دیا۔

"ایسے کالج مت جاؤ چلو شاباش تھوڑا سا ہی ناشتا کر لو اتنی خراب طبیعت ہو تو خاک پڑھائی ہوگی آؤ شاباش۔" انہوں نے بازو پکڑ کر ڈائننگ روم کی طرف پیش قدمی کی تو وہ سب سے خصوصاً ولید کے سامنے کے خوف سے لرز اٹھی۔

"نہیں ماما پلیز اس وقت کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا قسم سے بھوک نہیں ہے پرامس جب جی چاہا میں کالج سے کچھ نہ کچھ لے لوں گی۔" ماما نے پھر اسے بغور دیکھا۔

"رخسار پہ کچھ لگایا ہے دیکھو کیسے سارا گال سرخ ہو رہا ہے۔" انہوں نے خاصی تشویش سے رخسار پہ انگلی پھیری تو ہلکی سی چبھن محسوس ہوئی جسے انا دبا کر محض سر ہلا گئی۔

"میں جاؤں اب؟" اسے ڈر تھا کہ کوئی اور ادھر نہ نکلے۔ انہوں نے ہاتھ چھوڑا تو وہ سلام کر کے فوراً وہاں سے نکل آئی۔ منصور خان باہر کھڑی دونوں گاڑیوں کو رگڑ رگڑ کر کپڑا مار کر چمکا رہا تھا۔ ساتھ ہی ولید کی گاڑی کھڑی تھی۔

"منصور خان گاڑی نکالو۔" قریب آ کر کہا تو وہ فوراً مؤدب ہوا۔

"ابھی نکالتا ہوں جی۔" ابھی منصور خان گاڑی نکال رہا تھا کہ اندر سے ولید اور احسن ایک ساتھ آتے دکھائی دیے۔ ولید کو دیکھ کر انا کو اپنا آپ سلگتا محسوس ہوا۔ وہ رخ پلٹ گئی دونوں نزدیک آئے تو بھی وہ بے نیاز انداز میں کھڑی رہی۔

"تم نے ناشتا نہیں کیا انا؟" احسن اس کے قریب رکا جب کہ ولید رکے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ انا نے چادر کا پلو دائیں رخسار پر کر لیا۔

"بس یونہی موڈ نہیں ہو رہا۔"

"تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" احسن کو تشویش ہوئی انا کے اندر ایک سرد پن سا جاگا۔ یہ سب جس شخص کی وجہ سے ہوا وہ ویسے ہی لاتعلق اور انجان ہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ انا کو اپنی آنکھوں میں مرچیں سی چبھتی محسوس ہوئی۔

''جی ...... ''منصور خان گاڑی نکال چکا تھا۔ اب دروازہ کھولے اس کے بیٹھنے کا منتظر تھا۔

''اور تمہاری آنکھوں کو......؟'' احسن بھائی بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ انا سہم سی گئی۔

''کچھ نہیں بس نزلہ کی شکایت ہو رہی ہے تو ناک اور آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔'' نہایت آہستگی سے کہا اور کن انکھیوں سے ولید کو دیکھا وہ بھی اپنی گاڑی نکال رہا تھا۔

''تو ضرورت کیا ہے اس خراب حالت میں کالج جانے کی۔'' احسن کی آواز بلند تھی انا نے لب بھینچ لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ ولید کچھ سنے۔

''میں چلتی ہوں دیر ہو رہی ہے۔'' احسن کی بات کو نظر انداز کیے وہ آگے بڑھ آئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اچانک نگاہ ولید کی طرف اٹھی تو ٹھٹک گئی وہ اسی طرح بے تاثر نگاہ لیے دیکھ رہا تھا۔ نگاہ سے نگاہ چار ہوئی تو وہ لاتعلق بن گیا۔ انا کے اندر شدید طوفان نے کروٹ بدلی تو وہ خود کو سنبھالتی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی جب کہ احسن بھی ولید کی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گیٹ سے نکلی تھیں۔

''منصور خان! گاڑی تیز چلاؤ۔'' دونوں گاڑیاں آگے پیچھے تھیں جب کہ وہ ولید کی نگاہوں سے ایک دم اوجھل ہو جانا چاہتی تھی۔ ایک دم بالکل کہیں غائب۔

''جی بی بی......!'' منصور خان نے رفتار تیز کر لی اور چند منٹ بعد ان کی گاڑی دوسری گاڑی سے جدا ہو گئی تھی۔ انا نے بے دم سا ہو کر سیٹ کی پشت سے کمر ٹکا کر خود کو ریلیکس کرنا چاہا مگر آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر چادر کے پلو میں جذب ہوئے تو اندازہ ہوا کہ اندر کی طغیانی پر اب قابو پانا اتنا بھی آسان نہیں۔



شہوار کالج آئی تو سب سے پہلا تصادم ہی ہاشم اور اس کے ساتھیوں سے ہوا۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟''

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟''

''اللہ کا بڑا کرم ہے سنا تھا آپ کی طبیعت کافی خراب رہی ہے گزشتہ دنوں۔'' وہ مزید استفسار کر رہا تھا اس نے محض سر ہلا دیا۔

''آپ کالج نہیں آ رہی تھیں تو سارے کالج کو خاصی تشویش لاحق ہو رہی تھی۔ خدانخواستہ چند اسٹوڈنٹس کو یہ بھی ڈر تھا کہ آپ کالج چھوڑ چکی ہیں۔'' ہاشم کے ساتھی نے مسکرا کر کہا۔

''بس طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں آ پا رہی تھی۔''

''آپ ہماری بہنوں کی طرح ہیں بے فکر ہو کر آئیں ایاز جیسے لوگوں کی قطعی کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ اس دن کے ہنگامے کے بعد یہاں ہر کوئی محتاط ہو گیا ہے خصوصاً اساتذہ، میڈیکل اسٹاف اور پرنسپل صاحب بذات خود اس معاملے کو ہینڈل کر رہے ہیں تو بے فکر ہو کر کالج آئیں۔ رہ گیا ایاز میں نے کچھ ساتھی اس کی نگرانی پر چھوڑ رکھے ہیں قوی امکان تو یہی ہے کہ وہ اب کالج چھوڑ چکا ہے مگر یہ طے ہے کہ جس دن بھی کالج آیا دھر لیا جائے گا۔ پرنسپل صاحب اسے چھوڑیں گے اور نہ ہی ہم لوگ۔ آپ کے متعلق کوئی سنگین کارروائی اول تو کرنے کی جرأت نہیں کرے گا اگر کرے گا بھی تو یہاں بہت سے لوگ ہیں جو اس کی راہ میں حائل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ویلکم بیک! آپ کو دوبارہ کالج میں دیکھ کر ہمیں دلی خوشی ہوئی ہے۔'' ہاشم نے خاصے سلجھے ہوئے انداز میں اسے خوش آمدید کہتے سمجھایا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''شکریہ آپ سب کا۔ خصوصاً اس معاملے میں خصوصی تعاون کا۔''

''نو مینشن...... میں پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ آپ میری بہنوں کی طرح ہیں کوئی بھی مسئلہ ہو آپ ڈائریکٹ کہہ سکتی ہیں آلویز ویلکم!''

''جی شکریہ۔'' وہ لوگ چند ایک باتوں کے بعد رخصت ہوئے تو وہ چند اور ساتھیوں سے سلام دعا کرتی حال احوال بتاتی ایک طرف آ بیٹھی۔ انا کو آ جانا چاہیے تھا مگر لیٹ تھی وہ ابھی ایک دو منٹ بیٹھی تھی اس کی کالج فیلو زفائل کی آنسہ اس کی دوست صاعقہ اور نجمہ چلی آئی۔ وہی لاسٹ ڈے والی گفتگو کا سلسلہ چل نکلا تبھی اسے گیٹ سے انا داخل ہوتی دکھائی دی تو کچھ ریلیکس ہوئی۔ انا کو ہاتھ ہلا کر متوجہ کیا تو وہ سیدھی اس کے پاس چلی آئی۔

''السلام علیکم! کیسی ہو؟'' دونوں پرجوش انداز میں بغل گیر ہوئی۔

''وعلیکم السلام! میں ٹھیک ٹھاک۔'' انا سے جدا ہو کر بغور اسے دیکھا۔

''تمہیں بخار ہے؟'' انا کے جسم کا ٹمپریچر محسوس کرتے وہ پریشان ہوئی۔

''ہاں بس طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' وہ انا کو لیے ایک طرف آ بیٹھی۔

"کیا ہوا جو اچانک طبیعت خراب ہو گئی۔"

"بس یونہی۔" انا نے ٹشو سے اپنی سرخ ناک رگڑ کر مزید سرخ کی۔ دونوں نسبتاً ایک پرسکون گوشے میں آ بیٹھیں تھیں۔

"اور سناؤ کیسے گزرے یہ دن؟" انا نے شہوار کو بغور دیکھا۔

"بخار کی حالت میں کیسے گزرتے ہیں بھلا؟" انا ہنس دی۔

"گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ٹھاک ہیں تم سناؤ روشانے اور احسن بھائی کی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟"

"اچھی خاصی ہو گئی ہیں کچھ باقی ہیں۔ خواتین کی تو وہی گھر یلو شاپنگ ہی ہوتی ہیں۔ باہر کے سب کام مردوں کے سپرد ہیں۔"

"السلام علیکم! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" دونوں باتوں میں مگن تھیں جب آواز پر چونک کر دیکھا۔ چند دن پہلے کینٹین میں متعارف ہونے والی لڑکی کھڑی تھی' کشف مرتضیٰ نام تھا اس لڑکی کا۔

"جی ضرور۔" شہوار نے ہی اجازت دی انا تو خاموش ہی رہی۔ وہ بیٹھ گئی تو دونوں نے بغور دیکھا۔

"آج آپ بہت دن بعد کالج آئی ہیں آپ کے بارے میں سنا تھا کہ طبیعت ٹھیک نہیں۔ اب دیکھا تو سوچا خیریت دریافت کرلوں۔" وہ کہہ رہی تھی شہوار مسکرا دی۔

"جی شکریہ! میں اب بہتر ہوں۔" اس نے اخلاق نبھایا۔

"آپ بھی تو کافی دن بعد دکھائی دے رہی ہیں اتنے دن آپ بھی کہیں نظر نہیں آ ئیں؟" انا کو یہ لڑکی کچھ خاص پسند نہ آئی تھی اس لیے شہوار کے برعکس اس کے ساتھ اس کا رویہ خاصا لیا دیا سا ہی رہتا تھا۔

"بس کہیں بزی تھی تو آ نہ سکی۔"

"شہوار کی غیر موجودگی میں آپ کو صرف دوبار ہی کالج میں دیکھا تھا وہ بھی ایاز گروپ کے لوگوں کے ساتھ۔ میں سمجھی کہ آپ ان کے گروپ ممبر ہیں۔" انا کے الفاظ پر شہوار نے بھی چونک کر اس لڑکی کو دیکھا۔ وہ ایک پل کو کھلکھلا کر ہنس دی۔

"بس یونہی معلومات لینے رک گئی ہوں گی۔ مجھے یاد نہیں پڑتا آپ نے شاید بھی دیکھا ہو ورنہ میرا ان کے گروپ سے کوئی تعلق نہیں۔" اس لڑکی کا انداز نہایت صاف دل اور مضبوط تھا۔ انا بھی کندھے اچکا گئی۔

"مان لیتے ہیں اگر تعلق نہیں تو ان لوگوں سے دور ہی رہیے گا ان کے گرو صاحب بے شک کالج سے غائب ہیں آج کل مگر اس گروپ کے سارے لڑکوں کی شہرت کچھ اچھی نہیں ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کے معاملے میں۔" انا کا انداز سنجیدہ تھا۔ وہ لڑکی مسکرا دی۔

"جی ضرور۔" وہ فوراً سر تسلیم خم کر گئی تو شہوار مسکرا دی تبھی ہاشم اپنے کسی ساتھی کے ساتھ اسی جانب آتا دکھائی دیا۔

"ہاشم سے ملی تم؟" انا نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"آپ ادھر بیٹھی ہوئی ہیں اپنی یار غار کے ہمراہ تم سارے کالج میں ڈھونڈ آ ئے آپ کو۔" آتے ہی ہاشم نے شہوار کو دیکھ کر کہا۔

"خیریت......؟"

"جی خیریت ہی ہے۔ چیئرمین صاحب کالج آ چکے ہیں اور آپ کی اطلاع اساتذہ کے ساتھ ساتھ چیئرمین صاحب کو بھی مل گئی ہے ابھی سر اشفاق نے بلوایا ہے کہ آپ جہاں کہیں ہیں ڈھونڈ کر چیئرمین صاحب کے آفس روانہ کروں' سر بھی وہیں ملیں گے۔" ہاشم نے پیغام دیا تو وہ اٹھ گئی۔

"مگر چیئرمین صاحب نے مجھے کیوں بلوایا ہے؟"

"ہو سکتا ہے وہی اس دن والا معاملہ ہو اس دن آپ طبیعت خراب ہونے پر گھر روانہ ہو گئی تھیں آپ کی غیر موجودگی میں ہماری اور ایاز لوگوں کی پیشی سارے اسٹاف کے ہمراہ چیئرمین صاحب کے سامنے ہوئی تھی چونکہ اس دن کے بعد آپ آج حاضر ہوئی ہیں تو آپ کو بلوایا جا رہا ہے۔"

"میں اکیلی نہیں جاؤں گی تم بھی میرے ساتھ چلو۔" ہاشم کے کہنے کے بعد اس نے انا کو دیکھا تو دونوں کھڑی ہو گئیں۔ وہ دونوں ہاشم کے ہمراہ ہی چیئرمین صاحب کے آفس آ ئیں مگر اندر وہ دونوں ہی آئی تھیں۔ چیئرمین صاحب کے ہمراہ چند اساتذہ بھی تھے جن میں سر اشفاق بھی تھے۔

"السلام علیکم سر!" دونوں ایک طرف رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔

"سر! یہ شہوار سکندر علی ہیں۔" سر اشفاق نے چیئرمین صاحب سے اس کا تعارف کروایا تو انہوں نے اسے بغور دیکھا۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹا اب آپ کی؟" انہوں نے شہوار سے پوچھا۔

"میں بہتر ہوں اب، شکریہ!"

"آپ شاہ زیب علی کی بھتیجی ہیں مجھے قطعی علم نہ تھا وہ تو کل مصطفیٰ شاہ زیب خود آیا اور اس نے کمپلین کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جس بچی کی بات کر رہا ہے وہ آپ ہیں۔" سر بتا رہے تھے اور شہوار نے خاصی حیرت سے انہیں دیکھا تو کیا مصطفیٰ ادھر آیا تھا۔

"یا زنی الحال کالج نہیں آ رہا اس کے بارے میں خبر ملی ہے کہ وہ کالج چھوڑ چکا ہے تاہم ابھی کنفرم اطلاع نہیں۔ ہم نے اس کے والدین کو لیٹر ایشو کر دیا ہے کہ وہ آج کل میں کالج حاضر ہو ورنہ دوسری صورت میں اس کو کالج سے نکال دیا جائے گا۔ مجھے بہت افسوس ہے بیٹا کہ کالج کی حدود میں ایسا سنگین واقعہ پیش آیا۔ آپ شاہ زیب علی کی بھتیجی ہیں تو میرے لیے اپنی بیٹی جیسی ہیں کوئی بھی پرابلم ہو کوئی بھی مسئلہ ہو یا اساتذہ آپ کے سامنے موجود ہیں ان سے کہیں اگر ان سے ڈسکس نہیں کر سکتیں تو ڈائریکٹ کسی بھی وقت میرے پاس آ جائیں۔ میں نے ان اساتذہ کی ذمہ داری لگا دی ہے کہ کالج کی حدود میں داخل ہوتے ہی یہ گرلز کی سیکیورٹی کا خصوصی بندوبست اور خیال رکھیں گے یہ صرف آپ کا معاملہ ہی نہیں میری کوشش ہوگی کہ اس کالج میں آنے والی ہر بچی کو سیکیورٹی اور تحفظ حاصل ہو۔" سر بہت سنجیدگی اور بردبار انداز میں کہہ رہے تھے۔

"شکریہ سر!" اس خصوصی تعاون سے وہ از حد متاثر ہوئی۔ کچھ دیر تک وہ مزید اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے، شہوار کو خصوصی عزت افزائی دیتے اپنے آئندہ کے لائحہ عمل سے آگاہ کرتے رہے اور کچھ دیر بعد جب وہ ادا کے ہمراہ وہاں سے نکلی تو خاصی مطمئن تھی۔

"واہ بھئی واہ...... یہ مصطفیٰ شاہ زیب والا کیا قصہ ہے بھئی؟" باہر آتے ہی ادا ایک دم اس کے سر ہوئی تو وہ جھینپ گئی۔

"کچھ خاص قصہ نہیں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"ہاں تو مصطفیٰ شاہ زیب علی صاحب کے رشتوں نے انہیں بتایا ہوگا کہ یہاں ایا زوالے معرکے کے متعلق جو موصوف چیئرمین صاحب تک کمپلین لے کر پہنچ گئے تھے۔" اس نے طنزیہ کہا تو شہوار کی ایک دم ہنسی نکل گئی۔

"بکومت! اس دن میری طبیعت خاصی خراب تھی بخار کی حالت میں تجانے کیا بکواس کرتی رہی اور بدقسمتی سے مصطفیٰ نے سن لیا پھر بعد میں ساری تفصیل اگلوا کر ہی دم لیا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ یہاں بھی کمپلین کر کے جا چکا ہے۔" وہ ادا کو ساری تفصیل بتاتی تو اور بھی بہت کچھ بتانا پڑتا پہلے ہی وہ ادا کو عادل بھائی کی نفرت کا سبب بتا کر پچھتا رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ادا اسے مصطفیٰ کے حوالے سے چھیڑے۔ اب بھی اس نے اصل صورت حال بتانے کی بجائے چند الفاظ میں قصہ سمیٹنا چاہا تھا۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے موصوف اعلیٰ عہدے پر ہی فائز نہیں بلکہ اچھی خاصی قابلیت کے بھی مالک ہیں جو فوراً ایکشن لیتے ہوئے چیئرمین صاحب تک رسائی حاصل کر لی۔" ادا متاثر ہوئی تھی شہوار چپ ہی رہی۔

"مصطفیٰ شاہ زیب علی نام سن کر مجھے ایک اور شخص بھی یاد آنے لگا ہے۔ امریکہ میں ہمارے اپارٹمنٹ کے ساتھ فلیٹ ہوتا تھا احسن ولید بھائی کا دوست ہوتا تھا چند لڑکوں کے ساتھ مل کر رہتا تھا پھر ہم لوگ پاکستان آ گئے تو دوبارہ کبھی ملاقات ہی نہ ہو پائی آج کل وہ بھی پاکستان میں اپنی فیملی کے پاس ہوتا ہے۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جانتی مگر نام کی مماثلت ضرور ہے۔" دونوں آپس میں گفتگو کرتے آگے بڑھ آئی تھیں چونکہ مصطفیٰ کے متعلق شہوار کم ہی کسی سے بات چیت کرتی تھی اب بھی ادا کے جواب میں کچھ نہ کہا۔

"ویسے پرسنالٹی کے لحاظ سے کیسا ہے یہ شخص؟" وہ دونوں واپس پہلی والی جگہ پر آ بیٹھی تھیں۔ شہوار نے سنجیدگی سے ادا کو دیکھا۔

"تمہارے کزن ولید اور احسن بھائی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" شہوار نے کہا۔

"رئیلی......"

"واقعی مگر موصوف تو پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہیں وہاں کیسے سلیکٹ ہو گئے اگر اتنی پرسنالٹی کے ہی مالک ہیں تو۔"

"خیر اتنی نارمل پرسنالٹی بھی نہیں احسن بھائی زیادہ ہی گورے چٹے ہیں اور اسمارٹ بھی ہیں اور ولید صاحب کو بھی دیکھ چکی ہوں وہ جس قسم کی شخصیت کے مالک ہیں اس کے مقابل مصطفیٰ کے نمبر تھوڑے سے کم ہو جاتے ہیں۔ قد کاٹھ برابر ہے بس مسکلیکس سے موصوف ولید بھائی سے مات کھا جاتے ہیں۔" ادا بس دیکھ کر رہ گئی۔ ولید مردوں میں کھڑا ایک دم نمایاں ہو جاتا تھا اس کی پرسنالٹی کی

خوبی تھی یا خامی مگر عرصے بعد جب پہلی بار پاکستان آنے پر اسے دیکھا تو وہ خود ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ اس نے کئی مرد دیکھے تھے حسین سے حسین تر مگر ولید کی شخصیت کا وقار رکھ رکھاؤ شائستہ اور مہذب انداز و اطوار خاص طور پر شہزادوں جیسی آن بان رکھنے والی شخصیت کے ہوتے ہوئے مزید ڈریسنگ کا خصوصی انتخابات اس کی شخصیت کو چار چاند لگا دیتا تھا۔ ایسے میں وہ کئی مردوں میں گھرا ہونے کے باوجود بھی خواتین کی توجہ حاصل کرنے کی خصوصی صلاحیت رکھتا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ وہ نہایت زوردار اور شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی شخصیت کا یہ سحر یہ مقناطیسیت ایسی تھی کہ وہ خود بیاہر کوئی برملا اعتراف کرتا تھا جیسا کہ اب شہوار کر رہی تھی۔

”تمہیں ولید پرسنالٹی وائز کیسا لگا؟“ وہ ایک دم مصطفیٰ کو بھول کر ولید کا ذکر چھیڑ بیٹھی۔

”ماشاء اللہ بہت زبردست اور پاورفل پرسنالٹی کے مالک ہیں وہ۔“ شہوار نے ایمان داری سے تجزیہ کیا تو اما لب سی گئی۔ گزری شب ایک دم ذہن کے دریچے پر دستک دینے لگی تو اس نے لب بھینچ لیے۔

”ماشاء اللہ روشنا نے بھی بہت پیاری ہیں مگر اس کو دیکھنے کے بعد مجھے مسلسل یوں لگ رہا ہے کہ جیسے میں کہیں پہلے بھی اس ہستی سے مل چکی ہوں کہیں دیکھ چکی ہوں یہ چہرہ مجھے بڑا شناسا سا لگا۔ روشی اور ولید بھائی دونوں میں کافی مشابہت ہے کیا تمہارے ماموں جان بھی ولید جیسی شاندار شخصیت کے مالک ہیں؟“ شہوار نے پوچھا۔

”نہیں اماموں میرے عام نارمل شخصیت کے حامل ہیں۔ ولی اور روشی دونوں ہی کچھ بہت خاص حسن رکھتے ہیں ناما کے بقول دونوں اپنی ماما پر گئے ہیں ما۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں کی والدہ بھی بہت حسین و جمیل خاتون تھیں۔“

”اچھا......“ شہوار کو ایک دم اس قصے سے دلچسپی پیدا ہوئی۔

”تمہاری ممانی کا کیا نام تھا؟“ اس نے دوبارہ تجسس سے پوچھا۔

”لالہ رخ۔“ اما نے بتایا۔

”زبردست......“ شہوار نے ایک دم سراہا۔

”جس ہستی کا نام اتنا خوب صورت ہو وہ یقیناً خود بھی بہت خاص ہوں گی۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”تم نے اپنی ممانی دیکھی ہیں؟“

”نہیں اولی اور روشی کے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں اور گھر میں کسی کے پاس ان کی تصویر بھی نہیں۔ ماما بتاتی ہیں کہ تب تصویروں کا کوئی خاص رواج نہ تھا۔“

”کیا ہوا تھا انہیں؟“ یونہی سوال در سوال کا سلسلہ چل نکلا تو پوچھا۔

”پتا نہیں ماما زیادہ تفصیل میں اس قصے کو نہیں بیان کرتی شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

”روشی کی عمر تقریباً کتنی تھی؟“

”ماما بیان کرتی ہیں کہ روشی سال ڈیڑھ سال کی تھی جب اس کی ماما کی ڈیتھ ہو گئی تھی تب ہم لوگ اپنی فیملی سمیت باہر شفٹ ہو چکے تھے اور ماموں جو باہر سے ہی یہاں آئے تھے ہمیں لے جانے کے لیے ان کا ارادہ ہمارے جانے کے بعد اپنی فیملی کو لے کر وہاں جانے کا تھا جب ممانی کا انتقال ہوا۔ پھر ماموں بچوں کو لے کر ہمارے پاس آ گئے ماما نے ہی ولی اور روشی کو پالا ہم لوگ اکٹھے ہی پلے بڑھے پھر کچھ عرصے بعد ہم پاکستان آ گئے تو ماموں ادھر ہی رہے یہ لوگ اب شفٹ ہوئے ہیں۔“

”اچھا......“

”لگتا ہے آج ہم نے صرف باتیں ہی کرنی ہیں کوئی کلاس لینے کا ارادہ نہیں۔“ اچانک اما کو یاد آیا تو ہنس کر کہا۔

”پہلے ہی خاصا حرج ہو چکا ہے اب سوچ رہی ہوں کہ سنجیدگی کے ساتھ اسٹڈی کی طرف توجہ دوں۔“ شہوار نے بھی فوراً سنجیدہ ہو کر کہا۔

”چلو پھر کلاس اٹینڈ کر لیتے ہیں اس وقت تو سر زاہد کی کلاس ہو رہی ہوگی۔“ اما کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہوئی تو شہوار بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ٹوٹا ہوا تارا ۔۔۔ سمیرا شریف طور' قسط نمبر 8

گزشتہ قسط کا خلاصہ

عادلہ اور اس کی والدہ ایاز کا پرپوزل شہوار کے لیے لے کر آتی ہیں جس پر ماں جی، صبا اور عائشہ ششدر رہ جاتی ہیں۔ ماں جی عادلہ کو مصطفیٰ اور شہوار کے رشتے کی بابت علم کے باوجود رشتہ لانے پر باز پرس کرتی ہیں جس پر بیگم عبدالقیوم شہوار کی ذات کے پرخچے اڑا دیتی ہیں جس پر مہرالنساء بیگم تخ پا ہو جاتی ہیں جب کہ دروازے کے پاس کھڑی شہوار ان کی باتیں سن کے روتے ہوئے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ تابندہ بی شہوار کی طبیعت پوچھنے کے لیے فون کرتی ہیں جس پر شہوار مصطفیٰ اور اس کے رشتے سمیت اپنی پہچان کے حوالے سے شدید ردعمل کا اظہار کرتی ہے جس پر تابندہ بی ششدر رہ جاتی ہیں جب کہ دوسری طرف مہرالنساء بیگم شاہ زیب صاحب سے عادلہ اور اس کی والدہ کی آمد کا ذکر کرتی ہیں اور ساتھ مصطفیٰ اور شہوار کے جلد نکاح پر زور دیتی ہیں۔ ادا اپنی دلی حالت سے بےخبر غزل سننے میں مگن ہوتی ہے جب ہی ولید بنا اجازت کمرے میں آ جاتا ہے اور اس کے رونے سے متعلق استفسار کرتا ہے جس پر ادا شدید سردمہری کا مظاہرہ کرتی ہے نتیجتاً ولید کا ہاتھ ادا کے گال پر اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے اور وہ ساکت رہ جاتی ہے۔ کافی چھٹیوں کے بعد شہوار کالج جانے کی تیاری کرتی ہے کالج میں ہاشم اور اس کے ساتھی شہوار کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے تعاون کی یقین دہانی کراتے ہیں۔ ادا سے ملنے کے بعد شہوار کا موڈ کافی خوشگوار ہو جاتا ہے جب ہی اچانک کشف مرتضیٰ بھی ان کے پاس چلی آتی ہے۔ تینوں شہوار کو بلوا کر اس سے معذرت کرتے ہوئے ایاز والے معاملے میں اپنے تعاون کی مکمل یقین دہانی کراتے ہیں جس پر شہوار ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے ادھر ادھر کی رسمی گفتگو کے دوران شہوار ادا سے روشی کی فیملی کے متعلق استفسار کرتی ہے ادا کے جواب پر شہوار کافی دلچسپی کا اظہار کرتی ہے۔

اب آگے پڑھیے۔



وہ اپنے آفس میں تھا جب ہی سبائی کال آئی کہ تابندہ بی آج دوپہر میں حویلی کے ملازم شہزاد ملازمت تاق کے ہمراہ آئی ہیں اس قدر اچانک آمد پر وہ چونکا۔ اس نے حیات نے کی وجہ بھی پوچھی تھی مگر وہ خود بھی لاعلم تھی۔ کیا مطمئن کرتی؟ شہوار کالج میں تھی دوپہر والے رویے کے بعد اس سے ناراض بھی تھا شہوار کو قطعی پروا نہ تھی بلکہ آج صبح جس طرح کالاس کا رویہ تھا اس کی جگہ کوئی عام انسان ہوتا تو فوراً سے پیشتر اپنا امیدامت لوز کر جاتا مگر وہ یہ سوچ کر سہہ گیا تھا کہ دوپہر والے رویے کے بعد محض اب اس کی ضد میں جان بوجھ کر ایسا رویہ اپنا رہی ہے۔ جس طرح ایاز کی طرف سے حالات تھے وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ایک طرف بھی نہیں ہو سکتا تھا اور بہر حال اس نے بڑی ایمانداری سے اس کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے وقت دیکھا شہوار کے کالج سے آف ہونے والا تھا صبح اس نے خود آنے کا کہا تھا۔ اب تابندہ بی کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے سوچا کہ شہوار کو لیتے ہوئے گھر جائے تاکہ پتا تو چلے کہ اچانک آمد کس مقصد کے تحت ہوئی ہے یا پھر شہوار نے انہیں بلوایا ہے۔ فرض کرو اگر بلوایا بھی ہے تو کیوں؟

اس نے امجد خان کو بلوا کر اپنی غیر موجودگی میں سب معاملات کو ہینڈل کرنے کی تلقین کی اور آفس کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ شہوار کو پک کرنے چلا آیا۔ اس وقت کالج آف ہونے کا وقت تھا۔ وہ وقت پر وہاں پہنچ گیا تھا۔ اسے دس پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا کہ شاید وہ خود ہی باہر آ جائے۔ وہ نہیں آئی تو اس نے موبائل نکال کر اس کا نمبر ملایا۔ چند بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی گئی۔

''ہیلو۔'' شہوار کی آواز سنائی دی انداز یوں تھا گویا مجبوراً کال ریسیو کرنا پڑی ہو۔

''میں گیٹ پر ویٹ کر رہا ہوں جلدی باہر آؤ۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

''مگر آپ کیوں آئے ہیں؟ ڈرائیور کہاں ہے؟'' اس نے جرح کی۔

''صبح میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں پک کروں گا؟ آفس سے اٹھ کر آیا ہوں میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے جلدی باہر آؤ۔'' مصطفیٰ نے طنز اور تحکم سے کہا۔ تو وہ اس انداز پر سلگ اٹھی۔

''مجھ پر احسان جتانے کی ضرورت نہیں نہ صبح میں نے آپ کو ساتھ چلنے کو کہا تھا اور نہ ہی اب بلوایا ہے۔'' دوسری طرف سے خاصا تلخ جواب ملا تھا۔

''تم آتی ہو یا میں اندر آؤں؟'' اس کی تلخی پر مصطفیٰ کا بھی پارہ ایک دم ہائی ہوا۔ جواباً غصے سے موبائل بند کر دیا۔

مصطفیٰ نے غصے سے موبائل کو گھورا مگر یہ بچت رہی کہ اگلے تین چار منٹ کے انتظار کے بعد شہوار کی شکل گیٹ پر دکھائی دی تو اس نے اطمینان بھرا سانس لیا۔ اسے آتا دیکھ کر اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ صبح کی طرح اس وقت اس نے کوئی بحث و تکرار نہ کی تھی شاید کالج کے باہر رش کی وجہ سے برداشت کر گئی ہو۔

''کیسا گزرا آج کا دن؟'' مصطفیٰ نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔

شہوار نے ایک ناراض سی نگاہ ڈالی اگر صبح والے ایاز والے قصے کے بارے میں وضاحت نہ کر چکا ہوتا تو قطعی جواب نہ دیتی۔

''ٹھیک گزرا۔'' نرا روکھا انداز تھا۔

"ایاز اور اس کے ساتھی آ گئے تھے؟" گاڑی ڈرائیو کرتے سرسری سی نگاہ شہوار پر بھی ڈالی۔

"وہ نظر نہیں آئے۔" اس نے مختصر کہا۔ مصطفیٰ نے پھر دیکھا وہ اس کے بجائے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"اور کوئی خاص بات؟" اس کی ایک ہی ٹون پر مصطفیٰ نے گھورا مگر وہ متوجہ کب تھی جو توجہ دیتی۔

"ضیغم امین صاحب نے اپنے آفس میں بلوایا تھا چند اساتذہ کی موجودگی میں۔"

شہوار نے "خاص بات" کی وضاحت کر دی۔ مصطفیٰ نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ اب بھی متوجہ نہ تھی۔

"کیا کہہ رہے تھے؟" اس نے رفتار آہستہ کی۔

"آپ کے کالج آنے اور کمپلین کرنے کے بارے میں بتایا تھا۔" اس نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔ شہوار کے انداز نے اسے ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تو پھر مزید کیا بات ہوئی؟" شہوار نے سر اٹھا کر دیکھا مصطفیٰ کی ہنسی زہر لگی اس وقت۔

"آپ ضیغم امین صاحب سے دوبارہ جا کر پوچھ لیں۔" مصطفیٰ نے دیکھا وہ خفگی سے جواب دے کر کھڑکی کی طرف منہ موڑ گئی تھی۔ اس نے اپنی ہنسی نچلا ہونٹ دانت تلے دبا کر روکی۔

"ہاں میں بھی سوچ رہا ہوں کہ ہر دوسرے دن ضیغم امین صاحب کے پاس چکر ضرور لگایا کروں۔" شہوار نے خاصی بے چارگی سے دیکھا مصطفیٰ نے بھی اسی وقت دیکھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی وہ سلگ اٹھی۔

"کیا خیال ہے پھر؟" وہ پوری جان سے سلگی۔

یہ شخص جان بوجھ کر اسے ستانے کو کہہ رہا تھا وہ لب بھینچ کر باہر دیکھنے لگے کچھ لمحے اسی طرح خاموشی سے سرکنے لگے۔

"تم نے آج کال میں تابندہ والے سے کوئی بات کی تھی؟" اس نے کچھ دیر بعد چونک کر مصطفیٰ کو دیکھا۔ "تو کیا امی جان نے اسے کال کر کے سب بتا دیا؟ میں نے تو منع بھی کیا تھا۔"

"مطلب؟" وہ سلگ اٹھی۔ انداز یوں تھا گویا اندرون خانہ چنگاریاں سی بھڑک اٹھی ہوں۔

"مطلب تو تم ہی بتا سکتی ہو کیونکہ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس وقت تابندہ واپس آ چکی ہیں۔" مصطفیٰ کی اطلاع پر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"امی شہر آئی ہوئی ہیں کب؟" اس اطلاع پر وہ یکدم حیران رہ گئی۔ اس کی حیرت اتنی نیچرل تھی کہ مصطفیٰ نے بغور دیکھا لیکن وہ تابندہ کی آمد سے بے خبر تھی۔

"لاسٹ اطلاع تو مجھے یہی موصول ہوئی تھی ابھی ملا نہیں ویسے کنفرم اطلاع ہے یہ ضرور کہہ سکتا ہوں۔" شہوار ایک دم پر جوش ہو اٹھی۔

"تو آپ اتنے لیٹ کیوں آئے تھے لینے امی آئی کب تھیں اور مجھے اب کیوں بتا رہے ہیں فوراً اطلاع نہیں دے سکتے تھے۔"

"محترمہ میں وقت پر ہی لینے آیا تھا آپ ہی لیٹ کالج سے باہر نکلی اور آج دوپہر میں ہی وہ آئی ہیں۔" شہوار نے ایک دم سر ہلا دیا وہ ایک دم فراموش کر گئی کہ وہ اس سے کس قدر خفا ہے۔

"رات ہوا جی سے اس کی بات ہوئی تھی مگر تب انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا اس کا مطلب تھا کہ اس سے بات کرنے کے بعد انہوں نے آنے کا پروگرام بنایا تھا مگر وہ آئی کیوں ہیں؟ وہ تو انتہائی ضرورت کے باوجود بہت کم شہر آتی تھیں حتیٰ کہ شادیوں میں بھی وہ نہیں آتی تھیں اس بار کیونکر انہوں نے چکر لگایا تھا وہ ایک دم الجھ گئی تھی۔

"امی کس کے ساتھ آئی ہیں؟" کچھ توقف کے بعد اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔ اب کے انداز پر سوچ تھا۔

"صبا نے کال کی تھی بقول اس کے بختو اور ملازم تاج کے ہمراہ۔" مصطفیٰ کے جواب پر اس نے سر ہلا دیا مگر اندر سے جیسے پکڑ دھکڑ سی شروع ہو گئی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ فوراً اڑ کر ماں کے پاس پہنچ جائے۔

"پرسوں جو ہمارے درمیان بات چیت ہوئی تھی تم نے اس کا تذکرہ کہیں ہوا جی سے تو نہیں کر دیا؟" مصطفیٰ کو جو بات کھٹک رہی تھی اس نے آخر کار پوچھ ہی لی شہوار براہ راست اس سوال پر ایک لمحے کو ٹھٹکی۔

"اگر کر بھی دیا ہو تو؟" چند پل خاموش رہنے کے بعد اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہیں اتنا کم عقل نہیں سمجھتا تھا۔" مصطفیٰ کو تاسف نے آ گھیرا۔

"وہ میری ماں ہیں اور میری ماں سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔" مصطفیٰ کے انداز نے اسے پھر سلگا دیا تھا۔ ایک دم بے مروتی سے بولا۔

"یہ تو اور بھی شدید افسوس کی بات ہے کہ تم ان کی بیٹی ہو کر انہیں اذیت دینے سے باز نہیں آ رہی۔" مصطفیٰ کا لہجہ صرف ملامت ہوتا بلکہ اچھا خاصا طنز یہ بھی تھا وہ تو جیسے ایک دم آگ بگولا ہو گئی۔

''نہیں آپ کو صاف اور واضح الفاظ میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے آپ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی۔'' مصطفیٰ کے طنز نے اسے مزید واضح کر دیا تھا بغیر کسی لحاظ و مروت کے اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا تھا۔

مصطفیٰ نے اسے چند پل دیکھا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر گاڑی کی رفتار ایک دم تیز کر دی وہ خود بھی اس سے براہ راست اس سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چند منٹ بعد ہی گھر کے گیٹ پر تھے۔

شہوار نے بڑی بے تابی سے گیٹ کھلنے گاڑی اندر جانے کا انتظار کیا جیسے ہی گاڑی رکی وہ مصطفیٰ کے باہر نکلنے کا انتظار کیے بغیر ایک دم دروازہ کھول کر تیز تیز قدم اٹھاتے اندر کی طرف بھاگی۔

''کیا ہوا' تمہارے پیچھے کون لگا ہوا ہے جو محترمہ یوں بھاگی آ رہی ہیں؟'' عائشہ نے اسے دروازے میں ہی روک لیا وہ ایک دم جھینپ سی گئی۔ بھاگنے سے سانس اتھل پتھل ہو رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔''

''کس کے ساتھ آ رہی ہو ڈرائیور تو گھر پر ہی ہے؟'' عائشہ نے اسے بغور دیکھا اس کا سانس تیز تیز چلنے سے پھولا ہوا تھا اور چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔

''مصطفیٰ لینے آیا تھا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''ہیں۔'' عائشہ چونکی۔

''اوہ......ہو......!'' عائشہ نے ایک دم شرارت سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''تبھی کہوں یہ سانس کیوں چڑھی ہوئی ہے اور محترمہ یوں بھاگی کیوں آ رہی ہیں؟'' عائشہ کی شرارت پر وہ ایک دم خائف ہوئی۔

''شٹ اپ۔''

''ہمیں شٹ اپ کروانے سے کیا ہوگا؟'' ہمارے سامنے تو محترمہ شرم کی پوٹلی بنی پھرتی ہیں اور پیچھے یہ عیش ہو رہے ہیں۔ میری کنفرم اطلاع کے مطابق آج کل محترمہ جا بھی میرے شوہر والیٹ بھائی کے ساتھ رہی ہیں کہاں یہ ایک دم لڑکی رہال سے پہلے شادی نہیں کروں گا'' کا نعرہ لگا رہے تھے اور مصطفیٰ بھائی ایک دم ڈائریکٹ نکاح تک پہنچ گئے ہیں۔ میں تو کچھ نہیں تھی کہ صرف دال میں کچھ کالا ہے مگر یہاں تو مجھے ساری ہانڈی ہی کالی نظر آ رہی ہے۔'' عائشہ کو موقع ہاتھ لگا اور یہ شہوار کی بدقسمتی تھی کہ اس کا پہلا سامنا ہی اس سے ہو گیا تھا اب بری پھنسی تھی خاصی بے چارگی سے اسے دیکھا۔

''تمہارا بس دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔''

''ایسی کیا ٹھیکری مصطفیٰ بھائی نے گاڑی میں چھوڑ دی کہ محترمہ سرپٹ بندوق سے نکلی گولی کی طرح بھاگی آ رہی تھیں۔ خیر تھی نا کہیں میرے سڑیل مزاج دیور نے کوئی رومینٹک قسم کا ڈائیلاگ تو نہیں مار دیا؟'' ادھر بھی عائشہ تھی شہوار کا چہرہ شرم و خجالت سے ایک دم سرخ ہوا۔

''تم اگر چپ نہیں ہوئی تو میں یہ کتاب تمہارے سر پر ماردوں گی۔'' اس نے عائشہ کے یوں نان اسٹاپ بولنے پر کتاب اٹھا کر دھمکی دی۔

''ہاں ہاں ہم کون سا ایسی دھمکیوں سے ڈرنے والے ہیں۔'' عائشہ پر خاک اثر ہوا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' مصطفیٰ بھی پیچھے آ گیا اور جس طرح شہوار موٹی سی میڈیکل کی کتاب ہاتھ میں پکڑے عائشہ کو مارنے کی دھمکی دے رہی تھی تاثر یہی تھا کہ وہ مارنے کو بالکل تیار کھڑی ہے۔ مصطفیٰ کی آواز پر شہوار نے جھینپ کر ہاتھ نیچے کیا۔

''آپ کی ہونے والی نصف بہتر ابھی سے روایتی بھابی کا کردار ادا کرنے کی پریکٹس کر رہی ہیں اور میں مظلوم نند دیکھیں رہے کتاب مار رہی ہیں محترمہ مجھے۔'' عائشہ بھائی کو دیکھ کر فوراً دبدوبولی انداز بہت شرارتی تھی مصطفیٰ بھی پزل ہو گیا تھا۔

''کوئی نہیں......خواہ مخواہ......میں کب مار رہی ہوں؟'' مصطفیٰ اس کے عقب سے ہوتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔ عائشہ کے الفاظ پر جھنجلا کر اس نے تردید کی۔

''ہاں پریکٹس تو کر رہی ہو نا؟'' شہوار بری طرح پھنسی تھی ایک دم لب بھینچ لیے مصطفیٰ کے سامنے غصہ آنے لگا۔

''کیوں بے چاری کو تنگ کر رہی ہو۔'' مصطفیٰ نے اس کے تاثرات کو سمجھتے بہن کو ٹوکا۔

''او ہو ہو ابھی سے ہونے والی نصف بہتر کی فیور؟'' اس نے آنکھیں مٹکائیں۔

''بکو مت۔'' عائشہ کے الفاظ پر وہ بھی جھینپا گیا جبکہ عائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ویسے یہ خوب صورت جوڑی آج اس وقت ایک ساتھ اکٹھی گھر پر کیسے نظر آ رہی ہے۔'' وہ شرارت کرنے سے بھلا کہاں باز آنے والی تھی اور بدقسمتی سے اس وقت دونوں ایک ساتھ اس کے ہاتھ لگے

تھے۔

''اس کا دماغ خراب ہے تم جاؤ۔'' بہن کو جواب دینے کے بجائے مصطفیٰ نے اسے کہا تو وہ ایک پل بھی وہاں رکے بغیر فوراً اندر کی طرف بھاگی۔

''دیکھیں یہ آپ زیادتی کر رہے ہیں، اسے بھگا رہے ہیں۔'' پیچھے عائشہ دہائی دے رہی تھی۔

''امی کہاں ہیں؟'' رستے میں رخشندہ ملی تو اسے اپنی کتابیں فائل اور بیگ تھماتے پوچھا۔

''ٹی وی والے کمرے میں سبھی بیٹھے ہیں جی۔'' وہ فوراً ادھر آئی تھی امی وہاں بھابی صبا اور ماں کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

''السلام علیکم!'' سب کو مشترکہ سلام کر کے وہ امی کی طرف بڑھی اور وہ بھی اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں وہ ایک دم بڑی گرم جوشی سے ان سے بغلگیر ہوئی۔ انہوں نے بھی بڑی محبت اور شفقت سے خود سے لپٹا لیا۔ چند پل اسے سینے سے لگائے اس کے وجود کو محسوس کرتی رہیں اور پھر خود سے جدا کر کے چہرہ ہاتھوں میں تھام کر پیشانی چوم لی تو شہوار کی اس قدر محبت پر آنکھیں نم ہو گئیں۔

''کیسی ہیں آپ اور اس طرح بغیر اطلاع کے اچانک کیسے آ گئیں؟'' جس سوال نے دل میں ہلچل مچا رکھی تھی فوراً لبوں پر آیا۔

''سکون سے آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔'' مہر النساء بیگم نے اس کی اس قدر بے صبری پر ہنس کر کہا تو وہ جھینپتے ہوئے تابندہ بوا کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بس اچانک پروگرام بنا، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو سوچا تمہیں دیکھ آؤں۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا مگر شہوار کی تسلی نہ ہوئی تاہم مزید کوئی سوال نہ کیا۔ وہ علیحدگی میں ماں سے پوچھنے کا ارادہ باندھ کر ریلیکس ہو گئی۔ تبھی مصطفیٰ بھی عائشہ کے ہمراہ ادھر ہی چلا آیا۔

''السلام علیکم بوا جی کیسی ہیں آپ؟'' قریب آ کر سلام کرتے وہ جھکا تو بوا جی نے نہایت شفقت و محبت سے اس کے سر اور کندھے پر ہاتھ پھیرا۔

''وعلیکم السلام ماشاء اللہ جیتے رہو۔ میں ٹھیک ہوں تم سناؤ خیریت سے رہا؟''

''جی بالکل ٹھیک ٹھاک، بس آپ کی دعائیں ہیں۔'' مسکرا کر کہتے وہ ماں جی کے پاس بیٹھا۔

''آج تم جلدی آ گئے خیر تھی نا؟'' ماں جی نے بیٹے کو دیکھا جس نے سر ہلا دیا۔

''اور شہوار بیٹے تم کس کے ساتھ آئی ہو؟ ڈرائیور تو ابھی تک گھر میں ہی ہے اکیلی آئی ہو کیا؟'' بیٹے کے بعد انہوں نے شہوار سے پوچھا۔

''شہوار میرے ساتھ آئی ہے مجھے میڈیکل کالج کی طرف کسی کام سے جانا تھا، واپسی پر وہاں سے گزرا تو آف ٹائم ہو گیا تھا سو میں نے شہوار کو پک کر لیا۔'' شہوار کے بولنے سے پہلے ہی مصطفیٰ نے جواب دیا تو شہوار اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ سچ کہہ رہا تھا یا یہاں کو ٹال رہا تھا وہ اندازہ نہ لگا پائی۔

''اور سناؤ مصطفیٰ بیٹا جاب کیسی چل رہی ہے تمہاری؟'' بوا جی کے پوچھنے پر وہ ان سے باتوں میں لگ گیا۔

''میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' چند منٹ ماں کے پاس بیٹھنے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ چینج کر کے لوٹی تو وہاں سبھی گفتگو میں مصروف تھے۔

''لو شہوار بھی آ گئی کب کی تابندہ آئی بیٹھی ہے سوائے چائے پانی کے کھانا نہیں کھایا کہ شہوار آئے گی تو ساتھ کھائیں گے۔ رخشندہ اور لائبہ نے کھانا لگا دیا ہے۔ مصطفیٰ اب تم لنچ کر کے ہی واپس جانا۔'' اس کے اندر داخل ہوتے ہی ماں جی نے فوراً کہا، مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔ اور شہوار ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی اس کا ارادہ تھا کہ چینج کرتے ہی وہ امی جان کو لے کر اپنے کمرے میں آ جائے گی اور پھر ان سے اس اچانک اور بنا کہے آمد کی وجہ ضرور دریافت کرے گی مگر لگتا تھا کہ اب اتنی جلدی اس کے دل کی یہ خواہش پوری ہونے والی نہیں تھی۔

❁ — ❁ — ❁

پرسوں ماں اور بہن سے بات کرنے کے بعد وہ کچھ ریلیکس ہو گیا تھا شام میں وہ چند دوستوں کے ساتھ پکنک کے لیے آؤٹ آف سٹی چلا گیا، دوسرے دن صبح واپس آتے ہی کمرا بند کر کے سو گیا تھا اب نیند مکمل کر کے جب کمرے سے نکلا تو نائلہ کو لاؤنج کے صوفے پر بیٹھے پایا وہ اپنے ناخنوں کو نیل پالش سے رنگ رہی تھی۔

''ہو گئی نیند پوری؟'' نائلہ نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''ہیلو کاشف کیسی ہے..... اسپتال کا کوئی چکر لگا؟'' سر ہلا کر وہ بھی صوفے پر ٹک گیا۔

''پہلے سے کافی بہتر ہے۔'' نائلہ نے سرسری سا بتایا۔

''مام اس وقت کہاں ہیں؟''

''اسپتال میں ہی ہیں کاشی کے پاس۔''

"تمہیں ایک کام کہا تھا' کیا ابھی نہیں؟" ادھر ادھر کی مزید ایک دو باتوں کے بعد اس نے پوچھا۔
"کیے تھے کل ہم......!" عادل نے نخوت سے بتایا۔
"تو پھر......!" وہ ایک دم متوجہ ہوا۔
"تم ان لوگوں کے جواب سے بے خبر تو نہیں۔" عادل نے طنز سے اسے دیکھا کر کہا تو اس کے تیور تن گئے۔
"یعنی انکار......؟" اس کے اعصاب ایک دم کشیدہ ہو گئے۔
"اوہ کم آن یار اور اب ایسی بھی حور پری نہیں ہے وہ لڑکی حسین ہے تو کیا ذرا بھی میرٹ نہیں ہیں اس میں۔ ہماری سوسائٹی میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی موجود ہے جو ہماری ایک ہاں کی منتظر ہو گی۔" ایاز کے تیوروں سے ایک دم تاسف کا شکار ہوتے اس نے کہا۔
"بات حسن کی نہیں ہے۔ وہ لڑکی میری ضد بن چکی ہے اب ہزاروں لوگوں کے سامنے میں نے جو ذلت اٹھائی تھی اس کا جب تک بدلہ نہیں لوں گا تب تک چین نہیں ملے گا۔" وہ غصے سے پھنکارا تو عادل نے بغور دیکھا۔
"اصل معاملہ کیا ہے ذرا مجھے بھی تو پتا چلے؟"
"معاملہ اصل سا ہی ہے کالج میں سامنا ہونے پر میں نے ذرا سی چھیڑ چھاڑ کیا کر دی موصوفہ نے تاب کھینچ ماری مجھے بھی غصہ آ گیا منہ سے چند گالیاں نکل گئیں درمیان میں کالج کا ایک اور اسٹوڈنٹ گروپ آ گیا۔ اچھا خاصا ہنگامہ ہوا تو بات اساتذہ اور پرنسپل تک پہنچ گئی محترمہ تو طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے گھر روانہ ہو گئیں اور ہماری دونوں گروپس کی میٹنگ کافی لمبی چلی اس دن یار دوستوں کے سامنے خاصی ذلت اور سبکی کا سامنا کرنا پڑا اور اب تو گویا سینے میں ہر وقت ایک آگ سی دہک رہی ہے اور جب تک بدلہ نہیں لے لیتا چین نہیں پڑے گا۔"
"اوہ آئی سی اس لیے تم نے کالج چھوڑنے کا اعلان کر دیا ہے۔" عادل نے ساری بات ان کر دلچسپی سے پوچھا۔
"ہاں بس میں بھی اب میڈیکل کالج کی ان عف رومینس سے اکتا گیا ہوں۔ میں تو بس یار دوستوں کے اکسانے پر وہاں داخلہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا ایک جگہ ہوتا انجوائے منٹ کا سامان ہر جگہ مہیا ہو جاتا ہے نو ٹینشن۔"
"شہوار کو بھول ہی جاؤ تو بہتر ہے میں تو محض ناشتہ والے پرپوزل کے انکار کا بدلہ چکانے گئی تھی۔ اچھی خاصی اوقات یاد دلا کر آئی ہوں ماں جی صاحبہ کو ایسی نیک پروین بی بی مصطفیٰ جیسے لوگوں کو ہی سوٹ کرتی ہیں۔ رہ گئی ذلت اور بے عزتی کی بات تو کوئی مار دھاڑ کا اس میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی موجود ہے۔ انجوائے یور لائف۔"
"اب ایسی بھی بات نہیں......شہوار جیسی لڑکی بھولنے والی چیز نہیں ہے۔"
"ویسے کہہ کیا رہے تھے وہ لوگ؟" اس نے پوچھا تو عادل نے کل ہونے والی مکمل بات سیاق و سباق کے ساتھ ایاز کو بتا دی۔
"اوہ اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کے ہاں نکاح کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"
"کہہ سکتے ہو؟" عادل نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔
"میرا تو مشورہ ہے کوئی مار دو اس لڑکی کو محض ان لوگوں کو ٹینشن دینے اور کادرد والی انسلٹ کا بدلہ لینے میں چلی گئی تھی ورنہ شہوار جیسی لڑکیاں تمہارا اسٹینڈرڈ نہیں ہیں۔ میں اچھا خاصا سنا کر آئی ہوں شہوار کی اوقات اور حیثیت آئینے کی طرح صاف کر آئی ہوں۔" عادل نے نخوت سے بتایا تو وہ تلخی سے ہنسا۔
"نہیں ایاز عبدالقیوم اتنی جلدی اپنی انسلٹ نہیں بھولتا اور وہ لڑکی بھولنے والی چیز بھی نہیں......!"
"تو پھر کیا کرو گے؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا تو عادل نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔
"تیرے نیک خیالات ہیں کبھی فرصت سے بتاؤں گا مائی ڈیئر سسٹر اس وقت چند دوستوں سے ملنے جانا ہے اور ہاں اپنے سسرال میں یہ پیغام پہنچا دینا کہ ایاز عبدالقیوم اگر کسی چیز کو حاصل کرنا چاہے اور وہ اسے کسی وجہ سے نہ مل سکے تو وہ اس چیز کو توڑ دیتا ہے مگر کسی اور کے لیے کبھی چھوڑتا نہیں۔" وہ کافی زہریلے اور سلگتے لہجے میں کہتے وہاں سے چلا گیا اور عادل کندھے اچکا کر دوبارہ اپنی نیو کلس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔



گزشتہ ساری رات کا رت جگا اور گریہ زاری تو تھی ہی مگر شہوار کے سامنے کالج میں سارا وقت خود کو مکمل طور پر نارمل اور بحال رکھنے کے چکر میں گھر آنے تک اماں کو اس کے جسم کی حرارت ایک دم بڑھ گئی

ہے۔ جسمانی ٹوٹ پھوٹ تھی یا ذہنی اثرات خاصے تکلیف دہ تھے گھر آتے ہی بغیر لنچ کیے سختی سے کسی کو بھی اسے ڈسٹرب نہ کرنے کا کہہ کر کمرہ لاک کر کے وہ لیٹی تو کئی گھنٹے گزر جانے کے باوجود کمرے سے باہر نہ نکلی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھی جب دروازہ زور زور سے پیٹے جانے کی آواز پر آنکھ کھلی۔ کسلمندی سے اطراف میں دیکھا گھر اندھیرے کی گہری تہہ میں کچھ نہ کچھ جھائی نہ دیا یونہی لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ آن کیا تو کمرہ روشن ہو گیا۔

"ما دروازہ کھولو ناں.......؟" روشنا نے کی آواز ان کر وہ اٹھ بیٹھی۔

نجانے کیا وقت ہوا تھا۔ بستر سے اتر کر پہلے لائٹ آن کی پھر وال کلاک دیکھا تو چونک گئی۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ وہ اتنی دیر کمرہ نشین رہی تھی اسے حیرت ہوئی۔ بالوں کو سمیٹتے اس نے دروازہ ان لاک کیا تو روشی کی صورت دکھائی دی۔

"کیا بات ہے؟ میں کافی دیر سے دروازہ پیٹ رہی تھی جب سے آئی ہو کمرہ بند کر کے پڑی ہو؟" روشی کو خاصی تشویش ہو رہی تھی اما نے جواب دینے کے بجائے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹ کر کیچر کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں جو اسے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا نظر آیا۔

"کبھی کبھی مجھے تم پر بہت حیرت ہوتی ہے ایک دم اتنی موڈی ہو جاتی ہو اور بالکل اجنبی بن جاتی ہو۔" ڈریسنگ سے کیچر اٹھا کر بالوں میں لگاتے اس نے پلٹ کر روشی کا شکوہ سنا اس کی سنجیدگی ہنوز تھی۔ خیریت پوچھنے کے بجائے صرف روشی کو دیکھا۔

"سب باہر تمہارا پوچھ رہے ہیں۔" اس کی خاموشی پر اس نے مزید کہا وہ بغیر جواب دیے واش روم میں گھس گئی۔

"آخر تمہیں کیا ہوا ہے؟ صبح بھی نظر نہیں آئیں اور آتے ہی کمرہ بند کر کے ایسی غائب ہوئی کہ اب نظر آ رہی ہو۔" وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی تو روشی نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ وہ بغیر کچھ بولے تولیے سے چہرہ صاف کرتے صوفے پر پڑا اپنا دوپٹا اٹھا کر لپیٹی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا بس کچھ تھکن ہو رہی تھی اور نیند میں پتا ہی نہیں چلا کہ اتنی رات ہو گئی ہے۔" بے پروائی سے جواب دیا تو روشی نے بغور دیکھا۔

"تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟ تم روئی ہو.......؟" خاصی تشویش سے اس کی آنکھوں کے سوجے پپوٹوں کو دیکھتے روشی نے پوچھا۔

"نہیں ساری رات نیند نہیں آئی اوپر سے کالج کی خواری آنکھیں جل رہی تھیں اور شاید اس لیے کوئی انفیکشن ہو گیا ہوگا۔" روشی سے نگاہیں چرا کر جواب دیا۔

"نیند کیوں نہیں آئی تھی؟"

"یار اب پراما مرض بنتا جا رہا ہے پھر کسی وقت ڈسکس کریں گے چلو باہر چلتے ہیں۔" خاصی بے پروائی سے کہہ کر اس نے باہر کی طرف قدم بڑھائے تو روشی نے ایک دم اس کا ہاتھ تھاما۔

"اما کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے تم ایک پہیلی ہو کوئی راز کوئی اسرار چھپا ہوا ہے تمہارے اندر۔ رتجگے یوں ہی کسی کا نصیب نہیں بن جاتے۔ کوئی پریشانی ہے کوئی مسئلہ ہے تو ہم سے کہو۔ یہ رشتے ناتے آخر کس مرض کی دوا ہوتے ہیں۔" روشی نے جھنجلا کر کہا۔ اما روشی کی بات پر ایک دم کھلکھلا کر ہنس دی۔

"یار تمہیں خواہ مخواہ تشویش لاحق ہو رہی ہے۔ ریلی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اما تمہیں بخار ہے اما؟" روشی کو اما کے گرم ہاتھ نے چونکا دیا۔

"نہیں بس ہلکی سی حرارت فیل ہو رہی ہے۔ سیریس بات نہیں یار ڈونٹ وری۔ چلو باہر چلتے ہیں۔" روشی کی تشویش کو اس نے چٹکیوں میں اڑاتے روشی کے ہاتھ پکڑے اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت لاؤنج میں سبھی تھے وہ دونوں ادھر ہی چلی آئیں۔

"السلام علیکم!" سبھی نے اسے دیکھا احسن کے ساتھ کسی فائل پر تبادلہ خیال کرتے ولید نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ سارا دن بعد نظر آئی تھی صبح بھی دکھائی دی تھی مگر جس طرح آدھا چہرہ چادر میں چھپائے گزری تھی وہ صاف رخ سے دیکھ نہیں پایا تھا اور اس وقت بھی وہ روشی کے پہلو میں تھی۔

"وعلیکم السلام اٹھ گئی تم تمہیں ڈسٹرب نہ کرنے کے سخت قسم کے آرڈر تھے ورنہ میں کئی بار تمہارے کمرے کے دروازے پر جا کر واپس آیا ہوں۔ ایسی بھی کیا تھکن کل رات کے بعد اب شکل دکھا رہی ہو۔" ماموں جان کا شکوہ حاضر تھا وہ ہنس دی۔

"بس آنکھ لگ گئی تھی۔" مسکرا کر کہا۔

"بخار ہے محترمہ کو۔" اس کے ہنسنے پر روشی نے جل کر کہا تو وہ مسکرا کر ماما کے پہلو میں جا بیٹھی۔

"ہائے کیا واقعی اما بخار ہو گیا ہے؟" ماما کو بھی ایک دم تشویش ہوئی فوراً ہاتھ پکڑ کر نبض چیک کی۔

''یونہی کہہ رہی ہے بس ہلکی پھلکی سی حرارت فیل ہو رہی ہے اور تو کچھ بھی نہیں۔'' وہ بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی پاپا نے بھی اسے دیکھا جو ماما کے دوسری طرف براجمان تھے۔

''ڈاکٹر ہو کر حرارت کو اس طرح لے رہی ہو؟''

''کچھ خاص حرارت بھی نہیں اب، وہ تو تھکن تھی اور پتا ہی نہیں چلا کہ کب آنکھ لگ گئی تو اتنی دیر تک سوتی رہی ہوں ورنہ میں ٹھیک ہوں۔'' سب کو اپنی طرف یوں دیکھتے پا کر اس نے ہنس کر کہا تو ولید خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم نے صبح ناشتا بھی نہیں کیا تھا گھر آ کر لنچ بھی گول کر دیا۔ ڈنر پر بھی کئی بار صغراں تمہارے دروازے پر جا کر دستک دے کر آئی تو تم اٹھی ہی نہیں۔ اب بھی روشی بار بار نہیں آتی تو اٹھا کر لائی ہے۔'' ماما نے کہا تو وہ کچھ نہ بولی۔

''پہلے کھانا کھا لو ایک تو حرارت اوپر سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں پڑھے لکھوں کو یہ لاپروائی کچھ زیب نہیں دیتا۔ خود ڈاکٹر ہو کر ایسی بے پروائیاں.....'' احسن بھائی نے بھی ڈپٹا تو اس نے منہ بنایا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں کالج میں چائے پی تھی۔'' فوراً زبان سے نکلا۔

''آفرین ہے رات سے اب تک اسی ایک چائے کے کپ پر گزارا کیا ہوا ہے محترمہ نے۔'' ماما نے ایک دم گھورا تو اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

''جاؤ پہلے کھانا کھاؤ پھر ادھر آ کر بیٹھنا۔ روشی بہن کو کھانا دو۔'' ماموں نے روشی کو کہا تو اس نے بھی فوراً اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

''یہ ہنسوں کا جوڑا آج گھر میں وقت پر کیوں کر پایا جا رہا ہے۔'' کھانا کھاتے اس نے روشی کو دیکھا جو سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔

''میں سمجھی نہیں کن کا ذکر کر رہی ہو؟'' چائے بناتے پلٹ کر پوچھا۔

''آپ کے اور تمہارے بھائی صاحب جان کا؟'' اس نے طنز سے کہا تو روشی ہنس دی۔

''تمہارا بھی کوئی حال نہیں میں بھی سمجھی پتا نہیں یہ ہنسوں کا جوڑا کس کو کہہ رہی ہو۔''

''کل رات دونوں غائب تھے پچھلے تین چار دنوں سے تمہارے بھائی صاحب غائب رہتے ہیں آج کل دونوں اکٹھے ہر جگہ جاتے آتے ملے ہیں تو مجھے ہنسوں کا جوڑا کی مثال ان کے لیے فٹ لگی۔'' اما کے اس بیان پر روشی کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ہنسوں کا جوڑا..... بہت خوب.....''

''بخار میں تمہارے تشبیہاتی جملوں میں کافی جدت آ گئی ہے ویل ڈن۔'' اما کلس کر رہ گئی۔

''ہاں بس تمہارے ہنسنے کی کسر رہ گئی تھی۔''

''رات دونوں کافی لیٹ آئے تھے پھوپو اور انکل سے دونوں کو ڈانٹ پڑی تھی دراصل پچھلے دنوں جس دن ولی بھائی خاصے لیٹ ہو گئے تھے ہم سب سو گئے تھے صرف تم ہی جاگ رہی تھیں جس دن ولی بھائی ایک ڈیڑھ بجے آئے تھے پھوپو کو چوکیدار سے علم ہو گیا تھا کہ ولی بھائی آج کل لیٹ آ رہے ہیں۔ انہوں نے انکل سے شکایت کر دی اور رات جب یہ لوگ گھر واپس آئے تو تم شاید کچن میں یا اپنے روم میں تھیں پھوپو جان نے خاصی اچھی کلاس لے ڈالی تھی ان دونوں کی۔ بلکہ رات گئے کی تمام غیر ضروری کارروائیوں پر سنگین قسم کی پابندی بھی عائد کر دی گئی ہے۔'' روشی نے تفصیل سے بتایا تو کھانا کھاتے وہ چونک گئی۔

''رئیلی۔'' جواباً روشی نے سر ہلا دیا۔

''پہلے تو تمہارے بھائی صاحب اکیلے ہی غائب ہوتے تھے رات میں یہ دونوں ہی تھے بتایا نہیں کس قسم کا ہنگامی دورہ تھا؟'' گلاس لبوں سے لگانے سے پہلے اما نے پوچھا۔ انداز بظاہر سرسری سا ہی تھا۔

''مصطفیٰ بھائی کو تو تم جانتی ہی ہو گی جو امریکا میں ہمارے نیبر تھے؟'' چائے کپ میں ڈالتے روشی نے بتایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''ہاں بہت اچھی طرح۔''

''وہ بھی اسی شہر میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں۔ فرسٹ ٹائم ولید بھائی اکیلے ہی مصطفیٰ سے ملنے گئے تھے رات پھر مصطفیٰ نے ولی بھائی اور احسن دونوں کو کھانے پر بلوایا تھا کسی ہوٹل میں میٹنگ تھی بس وہیں لیٹ ہو گئے۔''

''چھن..... چھن.....'' پانی پیتے اما کو صرف اچھو لگا بلکہ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹیبل پر گرا اور وہاں سے پھسلتے پھسلتے فرش پر گرتے ہی چکنا چور ہو گیا۔

"او وہ بھی یعنی اس کی رات والی مصروفیت؟"

"اور وہ خود کیا بھی تھی۔" اس کے دل پر بوجھ آ گرا۔ آصف نے چاروں جانب سے گھیر لیا۔ اسے لگا کہ وہ اب اپنی ہی نظروں سے گر گئی ہے۔ وہ اب کبھی ولید کے سامنے اعتماد سے نہیں ٹھہر سکے گی۔

"کیا ہوا؟" گلاس گرنے پر روشی نے پلٹ کر دیکھا جو چھوٹ کر گرنے سے منہ پر ہاتھ رکھے کھانس رہی تھی۔

"اچھو لگ گیا کیا؟" وہ فورا پانی کے ہاتھ چھوڑ چھاڑ اس کے پاس چلی آئی کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت تشویش سے اس کو دیکھا۔ کھانستے ہوئے اس کی آنکھوں سے پانی بھی بہہ رہا تھا۔

"اتنی جلدی کیا تھی؟" بہتی آنکھوں سے اس فرش پر بکھرے کانچ دیکھ رہی تھی۔ کیا اعتماد اور بھروسہ بھی کانچ کے اس گلاس کی طرح ہوتے ہیں؟ اک ذرا سی ٹھیس لگی اور گر کر چکنا چور ہو جانے والے؟ اس کے اندر آگ سی دہکنے لگی تو وہ روشانے کے ہاتھ ہٹا کر کھڑی ہو گئی۔

"کھانا تو کھا لو نا؟" ابھی تو اس نے تھوڑا سا ہی کھانا کھایا تھا۔ روشانے نے اسے کھڑا دیکھ کر کہنے لگی۔ اس نے روشانے کو دیکھ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں بس جی بھر گیا..." ایک دم کچن میں گھٹن اور حبس کا احساس بڑھ گیا تو وہ اپنی ہی سوچ سے گھبرا کر کچن کے فرش پر بیٹھ کر بکھرے کانچ اٹھانے لگی۔

"کیا کرنے لگی ہو؟ رہنے دو میں صغراں کو کہتی ہوں وہ اٹھا دے گی۔" روشانے نے اسے منع کیا۔

"تو کیا ہوا؟ گلاس تو ٹا بھی تو مجھ سے ہی ہے۔ اب کانچ اٹھانے میں کیا حرج ہے۔" روشانے نے خاموشی سے اسے دیکھا وہ ایک ایک کر کے کانچ بائیں ہاتھ پر جمع کر رہی تھی۔

"رہنے دو ہاتھ میں کانچ لگ جائے گا۔ تم اس میں ڈالو۔" ٹیبل سے پلیٹ اٹھا کر اس کو تھمائی تو اس نے خاموشی سے کانچ پلیٹ میں ڈال دیے۔

کانچ سمیٹتے ہوئے اس کی آنکھیں کا ہے بگا ہے چھلکتی رہیں۔ روشانے کے انکشاف نے اسے احساس جرم کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کانچ ڈسٹ بن میں ڈالے اور ہاتھ دھو کر کچن سے نکلنے لگی تو روشانے نے روکا۔

"کافی بنا دوں؟" اس کے سنجیدہ موڈ پر روشانے نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"موڈ نہیں ہو رہا میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ کوئی بھی یا اس نے میں دروازہ نہیں کھولوں گی اس لیے سب کو کہہ دینا کہ کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔" بہت سنجیدگی اور آزردگی سے کہتے وہ بغیر روشانے کا جواب سنے سختی سے منع کرتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کمرے کی تمام لائٹس آف اور ٹیبل لیمپ روشن کر کے وہ بستر پر آ گری۔

"یہ کیا ہو گیا مجھ سے؟"

"یہ میں نے کیا کر دیا؟" اسے پھر سے رونا آنے لگا۔ رخسار پر انگلیوں کی جلن مزید بڑھ گئی۔

"کیا رقابت و جلن کے احساس نے میری ساری صلاحیتیں زائل کر ڈالی تھیں کہ میں پاگل ہو گئی تھی۔ اور وہ کیا سوچتا ہو گا۔" وہ سوچ سوچ کر ہارنے لگی۔

"میں ایسی کیوں ہوتی جا رہی ہوں؟ اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی کہ اچانک اس شخص کی آمد نے اندرون خانہ آگ لگا دی ہے۔ دل ہے کہ اب اختیار ہی میں نہیں...... کیوں؟" تکیے پر سر رکھ کر وہ سسک اٹھی۔

"ولید ضیاء میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" پہلے ہی نہ جانے کیسے بھلی تھی اور اب پھر سے آگ لگا دی ہے کہنے کو عام سی بات مگر کیسے اپنا ذہن نارمل کروں؟ کیوں اسے دیکھ کر میں نظر انداز نہیں کر پائی؟ کیوں اسے دیکھ کر اپنا آپ بھولنے لگتی ہوں؟ راتیں عذاب بن گئی ہیں۔ بستر پر کانٹے اگ آئے ہیں۔" وہ سسک اٹھی۔

"اور وہ لڑکی بھی کتنی خوب صورت؟ چلو مان بھی لوں کہ رات اس کے پاس نہیں گیا تھا مگر باقی راتوں میں تو جاتا ہی رہا ہے اور کوئی کیا جانے یہ واقعی ایکسیڈنٹ تھا یا کوئی اور تعلق؟" وہ الجھ کر ہارنے لگی تو بستر پر اٹھ بیٹھی۔ رقابت و جلن نے پھر منفی سوچ میں پھنسا دیا اندر تو آگ دہک ہی رہی تھی کسی پل قرار نہ تھا۔

"ولید ضیا احمد عام سے انسان ہی تو ہو بس اضافی خوبی یہ ہے کہ اپنے باپ کے برعکس خوب صورت شاندار شخصیت و کردار کے حامل ہو اور کیا میں اتنی سطحی ہوں کہ تمہاری اس مردانہ خوب صورتی نے مجھے گھائل کر ڈالا؟" اپنے تصور میں وہ ولید ضیاء کے سراپے سے ہم کلام ہوئی تو ایک دم تلخی سی رگ و پے میں بھر گئی۔

"نہیں...... اماں وقار احمد بھی سطحی سوچ و کردار کی حامل نہ تھی۔ برسوں بعد ملے تو وہ پہلی نگاہ کے تاثر نے پاروں شانے چت کر ڈالا۔ ورنہ اماں وقار احمد یوں لمحوں میں اپنی ہستی بھول جانے والی تو نہ تھی۔" وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر سسک رہی تھی۔

"کیوں ہوا میرے ساتھ ایسا؟ جب سے آئے ہو نیندیں حرام ہو گئی ہیں میری۔ دن رات آگ کی بھٹی میں جلتی ہوں ولید ضیا احمد رات میری غلطی تھی مگر کیا تم اتنے ہی بے حس اور کم فہم ہو کہ ایک لڑکی تمہارے سامنے پوری جان سے سلگ رہی ہے مر رہی ہے اور تمہیں ادراک تک نہیں ہو رہا۔ تمہیں ترس نہیں آ رہا وراعلمی کی یہ حد ہے کہ خود ہی آ کر پوچھتے ہو کہ کیوں روتی ہوں؟" اس نے تکیہ اٹھا کر دیوار

پڑوے مارا۔ جی چاہا کہ کمرے کی ہر شے تہس نہس کر ڈالے وہ ولید ضیا سے بہت ناراض تھی اور یہ ناراضی مزید آگ بڑھا گئی۔

"ایک تھپڑ نے کل ساری رات رلایا ہے مجھے پھر بھی میں بھول جاتی ہوں مگر اتنی راتوں کا حساب کیونکر چکاؤ گے ولید ضیا احمد بہت قرض ہیں تم پر ایک تھپڑ مار کر تم سمجھتے ہو کہ تم نے میرے اندر اٹھنے والے احساسات کا گلا گھونٹ دیا ہے تو خام خیالی ہے تمہاری یہ آگ تو عمر بھر جھلسنے والی ہے۔ ایک تھپڑ تو کچھ بھی نہیں۔" بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگا کر وہ خاموشی سے اندھیرے میں گھورنے لگی۔

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ تم میرے اندر ہونے والی ان تبدیلیوں سے بے خبر ہو۔ تم ایک ذہین اور ہوشیار انسان ہو امریکا جیسے معاشرے میں طویل وقت گزارا ہے تم نے۔ تم لاجک کے بغیر بات نہیں کرتے اور تمہاری لاجک کی یہ حد ہے کہ ایک لڑکی تم سے بدتمیزی کرتی ہے تو تم تھپڑ مار کر خاموش کروا دیتے ہو کیوں؟"

"ہاں رات میں غلط تھی میرا رویہ غلط تھا مگر ولید ضیا میں کیسے مان لوں کہ تم بے خبر ہو کیونکر..... تمہارا یہ خوب صورت مردانہ قد کاٹھ لو دیتی وجاہت تمہاری جادو اثر آنکھیں متکلم چال پہ کردار و اخلاق کی حفاظت ولید ضیا۔ سچ بتاؤں تو میری جیسی لڑکی اگر ہار بھی جاتی ہے تو کیا غلط کرتی ہے ایک تھپڑ مار کر خاموش کروا دینا کیا حکمت ہے اس میں؟" وہ سسک رہی تھی۔

ایک ان دیکھی آگ میں بھڑ بھڑ جلتے وہ پھر سے تکیے میں منہ چھپا کر گم صم ہو گئی تھی۔



باقی سارا وقت اس نے پتا نہیں کیسے گزارا۔ سارا وقت تابندہ بی دوسروں کے ساتھ ہی مصروف رہیں۔ رات گھر کے تمام مرد حضرات لوٹ آئے تو پھر گاؤں کے معاملات پر گفت و شنید کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا۔ شہوار صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

رات بارہ بجے کے قریب تابندہ بی اس کے کمرے میں آئیں تو وہ دبے دبے حوصلے سے بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔

"تم سوئیں نہیں ابھی تک؟" اسے منتظر پا کر انہوں نے مسکرا کر کہا تو شہوار نے بس غصے سے دیکھا۔

"بڑی جلدی خیال آیا میرا؟"

"ناراض ہو گئی ہو؟" مسکرا کر کہتے وہ اس کے قریب ہی بستر پر بیٹھ گئیں۔

"دوپہر میں آپ نے کہا تھا کہ آپ میرے لیے شام آئیں گی مگر آپ تو ایک منٹ کے لیے بھی مجھ سے نہیں ملیں غصہ نہ کروں تو کیا کروں؟" اس نے سنجیدگی سے کہا تو تابندہ بی نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے خود سے قریب کر لیا اور بڑی محبت اور نرمی سے پیشانی چومی۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونے لگی ہو تم ایسی تو کبھی بھی نہ تھی۔ تم تو بہت صابر شاکر اور گم صم رہنے والی تھی۔ غصہ اور ناراضی کے الفاظ تو کبھی تمہاری ذات کا حصہ ہی نہ تھے اب کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں میری جان؟ تمہارے اندر روز بروز اس قدر رنجیدگی اور تلخی بھرتی جا رہی ہے کہ کبھی کبھی میں سوچنے لگتی ہوں کہ تم وہی پرانی شہوار ہو یا پھر بدل گئی ہو۔" ماں کے الفاظ پر شہوار ایک دم شرمندہ ہو گئی۔

"ایسی بات نہیں بس کبھی کبھار چڑ ہونے لگتی ہوں مگر میں بدلی تو نہیں۔" تابندہ بی نے بغور بیٹی کو دیکھا۔

شکل و صورت ناک نقشہ ہر چیز اتنی پیاری تھی کہ انہیں ایک دم شدت سے کسی کی یاد آئی تو بے اختیار اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر چوم لیا۔ شہوار اس والہانہ پن پر مسکرا کر رہ گئی۔

"اس قدر ہنگامی دورے کی کوئی خاص وجہ؟ رات ہی آپ سے کافی دیر بات ہوئی تھی تب تو آپ نے اپنے آنے کا قطعی ذکر نہ کیا تھا؟" کچھ دیر بعد شہوار نے پوچھا تو انہوں نے بغور شہوار کو دیکھا۔

"رات تمہاری گفتگو نے مجھے بہت پریشان کر دیا تھا بہت سوچا تو یہی حل نکلا کہ تم سے یہاں آ کر روبرو بات کروں سچ کہوں شہوار مجھے قطعی امید نہ تھی کہ تم یوں شدت سے اس رشتے سے انکار کر کے بدلحاظی کی حد کر دو گی۔ میں تمہاری ماں ہوں تمہاری پرورش کی ہے تمہارے ہر رنگ سے باخبر ہوں تمہارے اندر جو بھی تبدیلیاں رونما ہوئی میرے سامنے تھیں مگر رات جس طرح دھمکی آمیز انداز میں بات کر کے تم نے کہا کہ اگر میں نے اس رشتے پر نظر ثانی نہ کی تو تم اپنی تعلیم کو خیر باد کہتے گاؤں آ جاؤ گی تو مجھے تمہارے اس طرز گفتگو اور انداز نے ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور پھر سوچا کہ پہلی فرصت میں ہی تم سے ملوں تم کیونکر انکاری ہو تمام وجوہات کا خود یہاں آ کر جائزہ لوں۔" تابندہ بی نے سنجیدگی سے ساری صورت حال واضح کر ڈالی تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"میں نے جان بوجھ کر انکار نہیں کیا وجوہات بہت ٹھوس اور مضبوط ہیں میں اب بھی وہی سب کہوں گی جو رات کیا اس سے پہلے انکار کرتے وقت کہہ چکی ہوں۔ یہ ایک بے جوڑ اور قطعی ان سوٹ ایبل تعلق ہے۔ ہمارا اور ان لوگوں کا کہیں بھی اور کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ امی یہ حقیقت روز اول سے روشن ہے کہ ہم ان لوگوں سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق ذہنی یا سماجی نہیں رکھ سکتے تو یہ لوگ ہم سے کسی قسم کی تعلق داری بھی نہیں رکھ سکتے۔"

"مگر بابا صاحب بھائی جان بھائی صاحب اور دیگر لوگوں میں سے کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔" تابندہ بی نے کہا۔

"مگر مجھے اعتراض ہے اور بے حد ہے۔" شہوار نے تلخی سے کہا۔

"میں ان امتحانات کو نہیں مانتی۔"

"تو پھر امی جی یہ طے ہے کہ میں اُدھر نہیں رہوں گی۔" شہوار کا انداز دو ٹوک تھا۔

"مصطفیٰ بہت پیارا، اچھا اور سلجھا ہوا لڑکا ہے بیٹا۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"میں ان موصوف کی اچھائی، سلجھے اور پیارے پن سے انکاری نہیں ہوں مگر میرا انکار ہنوز ہے۔"

"وجہ جانے بغیر تو میں بھی انکار نہیں کروں گی۔" شہوار کے انداز پر انہیں بھی غصہ آ گیا۔

"آپ عادلہ بھابی کی فیملی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتیں مگر میں سب کچھ سہہ کر یہ نئی اذیت نہیں جھیل سکتی۔ آپ کو نہیں پتا میں کس طرح اس گھر میں رہ کر کن کن انداز میں اس عورت اور اس کے متعلقین کو برداشت کر رہی ہوں۔" تابندہ بی نے بغور دیکھا۔ شہوار کے چہرے پر کرب ناک سے تاثرات رقم تھے۔

"میں چند بار ہی عادلہ سے ملی ہوں مگر بھابی اکثر فون کر کے اس کے متعلق بتاتی رہی ہیں اب آج کل کوئی نئی بات ہوئی ہے تو بھی بتا دو۔ اتنا تو مجھے پتا ہے کہ عادلہ نے اپنی بہن کا رشتہ دیا تھا مگر ادھر سے انکار ہونے پر وہ ناراض تھی آج کل وہ علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کر رہی ہے شاید اس بات کو ایشو بنا رہی ہے کہ مصطفیٰ اور تمہارا رشتہ طے ہو رہا ہے۔" انہوں نے رسانیت سے کہا تو شہوار نے لب بھینچ لیے۔

"آپ کے لیے شاید اتنی سی بات ہو مگر میرے لیے بہت اہم ہے۔ عادلہ بھابی اسی حد تک رہتیں تو میں برداشت کر لیتی کہ میں انکار کے باوجود آپ سے ناراضی کا اظہار کر کے خاموش تھی کہ شاید آپ لوگوں کا فیصلہ درست ہی ہو مگر اب نہیں کل عادلہ بھابی اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے بھائی کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔" اس نے اصل بات کہہ ڈالی تو تابندہ بی حیرت سے گم صم رہ گئیں۔

"پھر؟" کچھ توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"امی جی! یہ صورت حال میرے لیے بہت اذیت ناک ہے میری برداشت سے بہت بڑھ کر ہے انہوں نے جس طرح اپنے بھائی کو لے کر میرے کردار اور میرے حسب نسب پر کیچڑ اچھالا کوئی اور لڑکی ہوتی تو شرم سے مر جاتی۔ امی میرے باپ میرے خون تک کو پوائنٹ آؤٹ کیا گیا۔ کیا میں واقعی اس لحاظ سے اس قدر حقیر ہوں کہ آپ کو حقیقت بتاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے؟ کیا لوگ جو میری ذات اور آپ کے حوالے سے مشکوک ہیں تو کیا وہ سب سچ ہے؟ وہیں نا جواب دیں نا؟" اس نے اذیت و تکلیف سے کہتے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تو تابندہ بی حیرت سے گنگ بے حس و حرکت اپنی جگہ ساکت رہ گئیں۔

"بتائیں نا میرے وجود کی حقیقت؟ مجھے بس اپنی نظروں میں سرخرو ہونے کا جواز دیں۔ میں نہ تمہیدی ہوں نہ بے حیا بے شرم اور نہ ہی گستاخ بے ادب۔ بس میں لوگوں کے سوالوں کے سامنے اب مزید نہیں ٹھہر سکتی۔ ان لوگوں کی محبت و خلوص پر کوئی شک نہیں۔ مصطفیٰ کے اخلاق و کردار اچھائی سے میں انکاری نہیں مگر جب میں اپنی ذات سے خود ہی بے خبر ہوں تو کیونکر لوگوں کے سوالوں کا سامنا کر سکتی ہوں۔ میں آپ کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی اس لیے ہمیشہ چپ کی بکل مار رہی اب بھی میں چپ چاپ سب کچھ سہہ لوں گی۔ یا آپ مجھے حقیقت بتا دیں اگر یہ ممکن نہیں تو پھر اس رشتے سے انکار کر دیں پلیز۔ پھر میں کبھی آپ سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔ مگر یہ طے ہے کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔" آنکھوں میں نمی لیے اس نے ماں کو دیکھا وہ گم صم سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"امی جی۔" اس نے ان کو متوجہ کرنے کو ان کے ہاتھ تھامے تو وہ چونک گئیں۔ تابندہ بی کے ہاتھ خطرناک حد تک سرد ہو رہے تھے ان کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ وہ بہت نڈھال و خستہ حال دکھائی دینے لگی تھیں۔ صرف ایک پل میں۔

"امی جان......!" اس نے ایک دم گھبرا کر ان کے ہاتھوں کو دبایا تو انہوں نے بے دم ہوتے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائی۔

"امی آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" انہیں آنکھیں بند کرتے دیکھ کر چیخی وہ ایک دم متوحش ہو گئی تھی۔

"اپنی ماں کو اس امتحان میں مت ڈالو مجھ سے وہ مت پوچھو جس میں خسارہ ہی خسارہ اور نقصان ہی نقصان ہے تمہاری ماں کے پاس تمہارے ہر سوال کا جواب ہے مگر ابھی کوئی رستہ نہیں واپسی کا ابھی کوئی نشان کوئی منزل نہیں مل رہی۔ تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو تمہیں اب کبھی شادی کے لیے مجبور نہیں کروں گی میں اگر اعتبار کر سکتی ہو تو سن لو تم بے نام و نشان نہیں ہو۔ سکندر علی کون تھا اور کہاں سے تعلق رکھتا تھا؟ ایک بڑی لمبی کہانی ہے اور ابھی اس کہانی سے پردہ اٹھانے کا وقت نہیں آیا۔ ابھی تو بہت کچھ سہنا باقی ہے۔ چھپانا باقی ہے کیسے بتاؤں کہ تم کون ہو؟"

بہت دھیمے الفاظ میں وہ کہہ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور گہرا سیال مادہ ان کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔ شہوار کے اندر پشیمانی کا گہرا احساس ابھرا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی اپنے سوال و جواب کے سلسلے میں ان کی حالت ناقابل برداشت تھی۔

"آئم سوری امی جان مجھے معاف کر دیں میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" اس نے ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر چوما تو بھی انہوں نے پلکیں وا نہ کیں۔

"امی جان آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" نبض چیک کرتے پیشانی چھوتے اس کا تشویش سے برا حال تھا۔

"ہاں اب ٹھیک ہوں بس آرام کروں گی۔" وہ نیم دراز ہو گئیں تو شہوار نے فوراً تکیہ درست کر کے ان کو کمبل اوڑھا دیا۔

"آپ تو میری زندگی کا اثاثہ ہیں زندہ رہنے کی بنیاد مگر تجسس تو انسانی فطرت کا حصہ ہے نا؟ امی جان۔" ماں کی آنکھوں سے ابھی بھی خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے شہوار کے اندر احساس جرم نے کروٹ بدلی۔

"آئی ایم سوری۔" ان کے کندھے پر پیشانی ٹکاتے وہ خود بھی سسک اٹھی۔

"میرے اندر ابھرتے تجسس پر پل نہ باندھے گئے تو کسی دن میرے دماغ کی کوئی شریان پھٹ جائے گی۔"

"سو جاؤ شہوار تمہارا مسئلہ میں سمجھ رہی ہوں۔ تم پر کوئی دباؤ' کوئی زبردستی نہیں۔ تمہاری ماں بڑی بدنصیب عورت ہے بڑے پیارے اور خوب صورت رشتے تھے جن کو چھوڑ دیا صبر کر لیا۔ قسمت نے سب کچھ دے کر چھین لیا میں نے صبر و شکر کیا اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ تم کہو گی تو ان رشتوں کو بھی چھوڑ دوں گی تمہاری خاطر بہت کچھ چھوڑ دیا اور اب پھر تمہاری خاطر چھوڑ دوں گی۔" وہ رو رہی تھیں۔ ان کا ہر آنسو شہوار کو اپنے دل پر گرتا محسوس ہوا۔

"امی جان پلیز۔" وہ شدت سے روئی۔

"اپنی جڑ کی تلاش کا حق تو ہر انسان کو ہے نا؟"

"تم بھی لیٹ جاؤ' آرام کرو میری تو عمر آبلہ پائی میں گزر گئی ہے تم سے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں۔"

پتھر کے خدا' پتھر کے صنم' پتھر کے ہی انسان پائے ہیں
تم شہر محبت کہتے ہو' ہم جان بچا کر آئے ہیں

انہوں نے بڑی اذیت میں شعر پڑھا تو شہوار ساکت ہی رہ گئی۔ اف یہ کب یاد ہے کیوں کی باقی تھی؟

وہ بھلا کیا حالات رہے ہوں گے جن سے اس کی ماں گزری ہوں گی اور پھر اذیت و کرب کا یہ مسلسل عالم کہ اس نے جب بھی یہ تذکرہ چھیڑنا چاہا تو امی کا یہی حال رہا تھا۔ وہ ماں کی آزردگی دیکھ کر مزید کوئی سوال نہ کر سکی تھی۔

کچھ نہ کہہ سکی بس خاموشی و آہستگی سے ان کے ہاتھ تھام کر بہت محبت و خلوص سے دبانے لگی۔ ان کا ایک طرف کہ ان سے محبت سے بھی انکار نہ تھا۔ وہ اس کی ماں تھیں اور رویوں اور فیصلوں میں لاکھ اختلافات سہی مگر تابندگی کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا حقیقی اور سچا خون کا رشتہ نہ تھا۔ بس یہی رشتہ اس کی زندگی کی اساس تھا۔ اور یہ رشتہ اس کی زندگی کی بنیاد تھا۔

اور ان کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں تھی' کچھ بھی نہیں وہ بے اختیار جھک کر ان کی پیشانی چومنے لگی۔



وہ کافی عجلت بھرے انداز میں کمرے سے نکلی تھی۔

"بھابی پلیز جلدی سے ناشتا تو دے دیں۔" گھڑی باندھتے وہ کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

"کیوں آج کہاں کی تیاری ہے؟" ثریا بیگم نے اسے یوں نک سک سے تیار دیکھ کر پوچھا۔

"ایک جگہ انٹرویو کے لیے جانا ہے۔" بھابی چھوٹے سے کچن میں چولہے کے سامنے کھڑی دودھ ابال رہی تھیں ناشتا سبھی کر چکے تھے دس بج رہے تھے ایک تو وہ لیٹ اٹھی دوسرا انٹرویو کے لیے نکلنا تھا فوراً نہانے اور تیار ہونے میں وہ دیگر لوگوں کے معمول سے خاصی لیٹ ناشتا کر رہی تھی۔

"ایک تو تمہارے یہ چکر ختم نہیں ہو رہے چھوٹی موٹی نوکری تمہاری ناک کے نیچے جچتی نہیں نجانے کہاں کی مہارانی ہو جو ہزاروں کے خواب دیکھتی ہو یہاں تو بڑی بڑی ڈگریاں ہاتھ میں لیے لوگ پھر رہے ہیں جوتے گھسا گھسا کر ختم نہیں ہوئے کالج سے نکلے اور چلی ہے لاکھوں کمانے روز نئی چخ چخ...... میں کہتی ہوں آرام سے گھر نہیں بیٹھ سکتی۔ اتنا پڑھ لیا ہے کافی نہیں۔" رابعہ نے گہرا سانس لیا۔ آج کل امی کی طرف سے اسے اسی قسم کی گفتگو سننے کو مل رہی تھی۔ وہ تو شکر ماموں بھابی اور حیا کی سپورٹ حاصل تھی جو روز ایک نئی مہم کی تلاش میں نکل جاتی ورنہ امی سے کچھ بعید بھی نہ تھا کہ اسے سختی سے گھر میں بٹھا لیتیں۔

"لو تم کچن میں آرام سے بیٹھ کر ناشتا کر لو۔" امی کے الفاظ پر بھابی نے فوراً اسے ناشتے کی ٹرے دی تو وہ فوراً صحن میں آ بیٹھی اور ناشتا کرنے لگی۔

"آج کس جگہ جا رہی ہو؟" امی کچن سے نکل کر اس کے پاس آئیں۔

''علی انٹرپرائزز کے نام سے کوئی فرم ہے کمپیوٹر سیکشن کے لیے انہیں فی میل اسسٹنٹ کی تلاش ہے میری دوست ہادیہ کو تو آپ جانتی ہیں نا چند دن پہلے اس کے چچا کے ریفرنس سے وہاں جاب ملی ہے اس نے رات کو کال کر کے اپلائی کرنے اور انٹرویو دینے کا کہا ہے کہہ رہی تھی کہ مزید ایک فی میل اسسٹنٹ کی سیٹ خالی ہے ہو سکتا ہے چانس مل جائے۔ اچھا اور ہینڈسم تنخواہ ہے دعا کریں یہاں کام بن جائے۔'' ناشتا کرتے اس نے کہا تو ثریا بیگم نے سر جھٹکا انہیں لڑکی ذات کا سرے سے گھر سے نکلنا ہی پسند نہ تھا جاب کرنا تو دور کی بات تھی۔

''تم اندر نزدیک ہی کوئی اسکول و کالج کیوں نہیں دیکھ لیتیں؟'' انہوں نے مشورہ دیا۔ آفس وغیرہ کے کاموں سے ان کو ویسے ہی چڑ تھی۔

''اسکول و کالج میرے جیسے لوگوں کا اسٹینڈرڈ نہیں ہے میں چند ہزار نہیں بلکہ ہزاروں کمانا چاہتی ہوں۔ کیا فائدہ اتنا پیسہ لگا کر ایم سی ایس کی ڈگری لینے کا اگر وہی کولہو کے بیل کی طرح سارا دن بک بک اور چخ چخ کر کے گزارہ کر مہینے کے آخر میں چند ہزار پہ گزارا کرتے رہو۔'' اس نے فوراً صفا چٹ جواب دیا۔ اس کے دو ٹوک جواب پر ثریا بیگم کا پارہ ایک دم ہائی ہو گیا۔

''تم تو دنیا میں انوکھی پیدا ہوئی ہو نا۔ انسان کو اپنی اوقات نہیں بھولنی چاہیے۔ اللہ بخشے میرے ابا جی کو ایک عام سے گاؤں کے مولوی اور حکیم بھی تھے۔ سارا گاؤں ان کی عزت کرتا تھا گھر میں ہی ابا جی نے جو تعلیم دی وہی ساری زندگی کا زیور ٹھہری۔ قسمت سے جو شخص ملا وہ بھی ایک عام درجے کا ماسٹر تھا پرائمری اسکول کے بچوں کو الف سے انار و ب سے بکری کے قاعدے پڑھاتا تھا ایک ہمارے خاندان میں تم نرالی پیدا ہو گئی۔ ایم سی ایس کی ڈگری کیا لے لی ہے کسی کو کچھ گردانتی ہی نہیں اور ایک تمہارا بھائی ہے وہ ماہر بیٹا بس سر ہلا کر کہہ دیتا ہے کہ امی جی جانے دیں ابھی بچی ہے۔ میں کہتی ہوں یہ چوبیس سن میں پہنچ گئی ہو ابھی بھی بچی ہو۔'' رابعہ نے ایک دم سنجیدگی سے ماں کو دیکھا ان کا مزاج ایسا ہی تھا ایک دم ہائی ہو جانے والا۔

''ساری دنیا کی لڑکیاں نوکریاں کرتی ہیں میری سوچ انوکھی نہیں ہے۔''

''ہاں تو وہ اپنی اوقات نہیں بھولتیں۔ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاتی ہیں۔ مہارانی کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ بازار جاؤ تو تین چار ہزار سے کم کوئی سوٹ نیچے نہیں خریدا ماں بھلے پانچ سو کا عام کاٹن کا سوٹ خرید کر پہن لے تمہاری بلا سے۔ اور شاہانہ مزاج کا یہ عالم ہے کہ بتا یہ نوکری بھی ہزاروں والی مانگتی ہیں۔''

''امی پلیز کبھی تو کوئی موقع ہاتھ سے جانے دیا کریں۔ روز جب بھی کہیں جانے کے لیے نکلتی ہوں آپ کا روز ایک یہی رونا ہوتا ہے اور باہر جا کر بھی زیادہ خواری نصیب ہوتی ہے۔ جانے وہ کونسا دن ہو گا جب آپ خوش ہو کر مجھے رخصت کریں گی اور میرے نصیب میں بھی کوئی معقول نوکری ہو گی۔'' ماں کے انداز پر وہ بھی ایک دم غصے سے اٹھی اور کمرے میں چلی آئی۔

''لو اب میں نے کیا ایسا غلط کہہ دیا ہے جو ناشتا چھوڑ کر چلی گئی ہے۔'' بھابی بھی کچن سے نکل آئی تھیں۔ نند اور بھاوج کا بہت سلوک تھا ناشتا یوں ادھورا دیکھ کر انہیں دکھ ہوا۔

''آپ بھی تو حد کرتی ہیں نا ہر وقت بے چاری کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ اب اس کا مزاج شاہانہ ہے خواب اونچے ہیں اور نوکری وہ اپنے لیول کی تلاش کر رہی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے آج کے دور کا ٹرینڈ ہے ہر کوئی اپنے فوائد محفوظ رکھتا ہے اور ان کی تلاش کے لیے کوشاں ہیں۔'' بھابی امی سے کہہ کر اس کے کمرے میں گئیں تو وہ اپنی چادر اوڑھ کر فائل اور بیگ لے کر تیار تھی۔

''امی کی باتوں پر غصہ مت کیا کرو وہ پرانے مزاج کی خاتون ہیں بس اندر سے خوفزدہ رہتی ہیں۔'' اسے منہ سوجائے کھڑا دیکھ کر بھابی نے مسکرا کر کہا۔

''دعا کریں اس جگہ بات بن جائے ورنہ پھر کہیں اور ٹرائی کروں گی تو امی کو مزید غصہ آئے گا۔'' بھابی نے سر ہلا کر اس کا کندھا تھپکا تو وہ ان کے ساتھ ہی کمرے سے نکل آئی۔

''ناشتا مکمل کر کے جانا بھوکے پیٹ گھر سے نکلنا بھی بدشگونی ہوتی ہے۔ رزق کی تلاش میں نکل رہی ہو پیٹ بھرا ہو گا تو آگے بھی امید ہو گی۔'' ان کا غصہ بس اسی حد تک تھا بھابی ہنس دیں تو وہ بس سر ہلا کر کرسی میں گردن ہلا گئی۔

''جب کھانے لگی تھی تب تو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی میں اب بھی رہنے دیں جہاں جا رہی ہوں کچھ نہ کچھ لے کر پیٹ پوجا کر ہی لوں گی۔'' نخوت سے کہتے چادر سنبھالتی وہ گھر سے نکل گئی تو امی نے بھابی کو دیکھا۔

''دیکھا کتنی بدلحاظ ہوتی جا رہی ہے۔ میں سچ کہتی ہوں یہ تم لوگوں اور سب سے زیادہ فیضان کی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ لو بتاؤ میں نے کیا کہہ دیا تھا اب بھوکے پیٹ نکل گئی ہے اور سارا دن بھوکی رہے گی۔'' وہ تاسف سے کہہ رہی تھیں بھابی ہنس دیں اور کچن میں چلی گئیں جہاں دودھ ابلنے ہی والا تھا کہ انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر چولہا بند کیا۔



وہ آج خلاف معمول آفس سے کچھ جلدی ہی اٹھ گیا تھا دل و دماغ میں اک بوجھ سا تھا۔ شاید اسی لیے کہیں دل نہیں لگ رہا تھا ابھی بارہ بجے تھے مگر وہ سارا کام احسن کے نام کر کے آفس سے نکل آیا۔ کل بھی سارا دن وہ کچھ خاص نہیں کر پایا تھا اور آج بھی ضمیر پر ایک بوجھ تھا۔

''تم اس قابل ہی نہیں کہ تم سے کوئی مروت یا ہمدردی کی جائے۔'' زہریلے انداز میں کہے گئے اپنے الفاظ ہی دل کا چین و سکون غارت کیے ہوئے تھے۔

''ولی'' آنسوؤں سے بھری آنکھوں کی بے یقینی بھولنے سے بھی نہیں بھلائی جا رہی تھی۔ کل صبح وہ اس کو لان میں دکھائی دی تھی اور اس کو دیکھنے کے بعد جس طرح سے اس نے رخ بدلا تھا۔ بظاہر ولید

نے کوئی ری ایکشن تو نہیں کیا تھا مگر اندر ہی اندر پشیمان ضرور ہو گیا تھا۔ بالکل غیر ارادی و غیر اضطراری انداز میں اٹھ جانے والا ہاتھ اب گہرے ملال سے دوچار کرتا جا رہا تھا۔ اتنی بدتمیزی کی تھی وہ تو مرد تھا عقل و برداشت اس کی فطرت کا حصہ تھا ان لمحوں میں کیوں صبر و برداشت کے دامن کو نہ تھامے رکھا کیوں ایک دم ہاپر ہوتے ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا۔

اگر غصہ بھی آیا تھا تو اس کا مسئلہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ پیار سے محبت خلوص سے اس کے رونے کی وجہ جاننے کی جستجو کرنی چاہیے تھی۔ بھلا یہ کہاں کی مردانگی تھی کی ایک دم ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑتے ایک کمزور و بے بس پہلے ہی کسی غم سے نڈھال لڑکی پر ہاتھ اٹھا لیا۔ اب رہ رہ کر سارا ل جاگ رہے تھے۔ رات کا منظر نگاہوں میں جم سا گیا تھا۔ اسے بخار تھا کل سارا دن اور پھر رات ڈنر میں بھی دکھائی نہ دی تھی اور جب رات گئے روشی کے ساتھ دکھائی بھی دی تو کس قدر قطع تعلقی کا مظاہرہ کرتے اس کی موجودگی کو یکسر غیر اہم قرار دے گئی تھی۔ اگر وہ کوشش کرتی تو رات والی صورتحال بہتر ہو سکتی تھی وہ معذرت کر لیتا تو بات نارمل ہو جاتی اور اندر ہی اندر وہ دل میں تہیہ کر رہا تھا کہ وہ جیسے کھانا کھا کر فارغ ہوئی وہ بہانے سے اسے ایک طرف لے جا کر معذرت کر لے گا اور یہ طے کر کے وہ مطمئن بھی ہو گیا تھا مگر وہ کھانا کھانے کے بعد پھر سے اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی اور روشی کے بقول "اسے کوئی ڈسٹرب نہ کرے وہ دروازہ نہیں کھولے گی۔" صبح وہ کمرے سے ہی نہیں نکلی اور خود بہت خواہش کے باوجود وہ بار دہ اس کے کمرے میں نہیں جا سکتا تھا کہ گزشتہ رات کی غلطی وہ دوبارہ دوہرانا نہیں چاہتا۔

نجانے وہ کس موڈ میں ہو اور اسے دیکھتے ہی کس انداز میں پیش آئے۔ بہر حال ایک جگہ غلط تھا کہ وہ گزشتہ رات بغیر اجازت کے اس کے کمرے میں گھسنے کی غلطی کر چکا تھا اور پھر بعد میں جان بوجھ کر کسی کی ذات میں انٹرفیئر ہونے کا خمیازہ بھی بھگت لیا تھا۔

اسے آج آفس جلدی آنا تھا سو صبح ہی گھر سے نکل آیا اب یہ بھی کنفرم نہیں تھا کہ وہ کالج بھی گئی ہے یا نہیں۔ بلا مقصد ہی مختلف سڑکوں پر گاڑی گھماتے وہ اکتا گیا تو ایک سڑک کراس کر کے اس نے بلا ارادہ ہی گاڑی روکی۔ یونہی سر اٹھا کر اطراف میں دیکھا تو چونکا وہ اس وقت جس اسپتال کے سامنے تھا وہاں وہ گزشتہ دنوں ہی چکر لگا چکا تھا سوائے کل والے دن کے اور اس وقت خود کو یہاں دیکھ کر چونکا تھا۔

"اف یہ میں کہاں آ گیا؟" اسپتال کی بلڈنگ دیکھ کر ایک پل کو ولید ضیا شدید کوفت سے دوچار ہوا بلکہ اندر ہی اندر تھوڑا سا ڈسٹرب بھی ہوا۔

"چلیں ادھر آ ہی نکلے ہیں تو لگے ہاتھوں مریضہ کی عیادت ہی کر چلیں۔" یہ سوچ کر اس نے گاڑی اسپتال کے پارکنگ ایریا میں کھڑی کی۔ کچھ پل بعد وہ روم کے دروازے پر ناک کر رہا تھا۔

"لیں کم ان۔" اجازت ملنے پر وہ اندر چلا آیا۔

"السلام علیکم!" کمرے میں مریضہ کے علاوہ اس کی والدہ تھیں۔

"وعلیکم السلام!" بیگم عبدالقیوم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"کیسی ہیں یہ اب؟" ولید صوفے پر بیٹھ گیا تھا وہ جب سے اس لڑکی کو اسپتال لے کر آیا تھا آج پہلا موقع تھا کہ وہ لڑکی اسے حواس میں دکھائی دی تھی۔

تکیوں کے سہارے وہ نیم دراز تھی۔ زرد چہرہ مگر خوابیدہ حسن ایک پل کو وہ ٹھٹک گیا تھا۔

"اتنا مکمل حسن۔"

"یہ اب پہلے سے بہتر ہے۔" لڑکی بھی اسے دیکھ رہی تھی جبکہ اس کی والدہ نے جواب دیا تھا۔

"یہ کون ہیں؟" کاشفہ نے قدرے نقاہت بھری آواز میں ماں سے پوچھا۔

"یہ ولید صاحب ہیں! انہی کی گاڑی سے تمہاری گاڑی ٹکرائی تھی اور پھر بعد میں یہی تمہیں اسپتال لے کر آئے تھے اور ہمیں اطلاع دی تھی۔" ماں نے تفصیل بتایا تو اس نے ہلکی سی مسکراہٹ سے ولید کو دیکھا۔

"تھینکس ولید صاحب۔" وہ ولید کی حقیقتاً مشکور ہوئی تھی وہ آج پہلی بار ہوش میں اپنے محسن کو دیکھ رہی تھی ورنہ یہ شخص جب بھی آتا تھا وہ سوئی ہوتی تھی۔

"نو مینشن۔" آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو میں انسانیت کے ناطے اس کی بھی مدد کرتا۔ یہ میرا اخلاقی فرض تھا۔" ولید نے بھی مسکرا کر کہا تو کاشفہ حقیقتاً از حد متاثر ہوئی اس نے اب کی بار بغور اس نہایت وجیہہ اور شاندار مرد کو دیکھا۔

"یہ تو بیٹا تمہارا ہم پر احسان ہے ورنہ آج کے دور میں کون اتنی انسانیت رکھتا ہے۔" کاشفہ کی ماں نے لگاوٹ سے کہا۔

"اور جس طرح تم مسلسل چکر لگا رہے ہو عیادت کو تو ایسے ہی محسوس ہوتا ہے کسی بہت ہی نیک ہاتھوں نے پرورش دی ہے ورنہ ایسی اخلاقیات کے مظاہرے اب بھلا کون نبھاتا ہے۔" کاشفہ کی والدہ پہلے دن سے ہی اس نہایت وجیہہ اور شاندار لڑکے کی وجاہت سے متاثر ہو گئی تھیں اور جب بھی ان کی موجودگی میں ولید نے چکر لگایا تھا ان کا ولید کے ساتھ خصوصی سلوک ہوتا تھا۔

"ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں کب تک مکمل ریکوری ممکن ہے؟" ولید نے اپنی تعریفوں سے ایک دم گھبرا کر موضوع بدلا۔

"زخم ابھی ٹھیک سے مندمل نہیں ہوا ہے۔ یہ ساری رات درد سے کراہتی رہتی ہے۔ ڈاکٹر کو پین کلر کے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ جیسے ہی زخم قدرے بہتر ہوئے یہاں سے چیک آؤٹ کر دیں گے۔ باقی ٹریٹمنٹ تو گھر میں بھی ہوتا رہے گا۔"

"ہوں۔" ولید نے محض سر ہلا دیا۔

کاشفہ مسلسل اس خوبرو اور ڈیسنٹ شخص کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی بہترین ڈریسنگ لاجواب تھی بلکہ ظاہری شخصیت کے ساتھ ساتھ بات کرنے کا مخصوص انداز رکھ رکھاؤ اور سلجھا پن بھی بے حد دلکش تھا۔ بس چند ایک بار کی اچٹتی نگاہوں کے بعد ولید نے اس کی طرف نگاہ نہیں کی تھی اس کی مکمل توجہ اس کی ماما کی طرف تھی۔ ورنہ اپنی خوب صورتی اور دلکشی سے وہ خود بھی بخوبی آگاہ تھی کہ اس پر پہلی نگاہ ڈالنے والا اس کو بار بار دیکھنے کو ضرور مچل اٹھتا تھا جبکہ یہ شخص ایک بار کے بعد نگاہ ڈالنے کو تیار نہ تھا۔

"کیا لو گے کچھ منگواؤں؟" چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ماما نے پوچھا تو وہ سلیقے سے معذرت کر گیا۔

"نو تھینکس اپنے آفس سے اٹھ کر آیا ہوں بلکہ اب تو اجازت دیں آفس میں اور بھی بہت سے ضروری امور توجہ طلب ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کاشفہ کی آنکھوں میں ایک دم اضطراب چھلکا۔

"بیٹھیے نا۔" ولید نے اس نہایت حسین لڑکی کو دیکھا اور دھیرے سے رسمی انداز میں مسکرا دیا۔

"نو تھینکس میم مجھے واقعی آفس میں ضروری کام ہیں۔"

"پھر کب آئیں گے۔" ولید نے چونک کر دیکھا وہ بڑی بے قراری سے جواب کی منتظر تھی۔

"دیکھیے پھر کب فرصت ملتی ہے۔ پلیز گیٹ ویل سون۔" اس نے رسماً کہا تو لڑکی لب دبا گئی۔

"اوکے میم ٹیک کیئر۔ اللہ حافظ۔" وہ دونوں کو کہتا وہاں سے نکلا تھا۔

"اف لڑکی ہے یا کوئی مورت۔" اپنی گاڑی تک پہنچنے تک اس کے ذہن پر یہی بات سوار تھی۔ پتا نہیں کیا بات تھی جو اسے اندر ہی اندر کلک کر رہی تھی۔ پتا نہیں محسوسات کس نوعیت کے تھے مگر خیال دیر پا تھا۔

"لالہ ٹھیک ہی کہتی ہے یہ لڑکی واقعی بلا کی خوب صورت ہے۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ولید کو ایک دم لالہ یاد آئی تو اور بھی بہت کچھ یاد آ گیا۔

آنسوؤں سے بھری آنکھیں اور اپنا ایک دم ہائپر ہو کر ہاتھ اٹھانا۔

"احمق سلی گرل نجانے کیا کرتی پھر رہی ہے۔ لگتا ہے اب اس سے وہ کوئی بات کرتا ہی نہ ہوگی۔ اب پتا چلا ہی ہوگا کہ کیوں ایسا بی ہیو کر رہی ہے۔ کیا پرابلم ہے؟" لالہ کے تصور سے اور بھی بہت کچھ یاد آنے لگا تو ساتھ میں تکلیف دہ احساس بھی دل میں کروٹ لینے لگا کہ اس نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور کتنی بے یقینی سے اس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اتنی شدید ناراض ہے کہ اپنی شکل دکھانے تک کی بھی روادار نہیں۔" ولید کے اندر ملال بڑھنے لگا تو اس نے فوراً گاڑی کی رفتار تیز کر دی مگر اندرونی اضطراب میں قطعی کمی واقع نہ ہوئی۔

"پہلے مجھے لالہ سے بات کرنا ہوگی اگر وہ پہلے کی طرح پھر ٹال گئی تو پھر روشانے سے ڈسکس کروں گا۔ آخر پتا تو چلے محترمہ کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ ایسا بی ہیو کیوں کر رہی ہے؟ اگر کوئی ریزن بھی ہے تو کچھ تو نظر آئے۔" ایک لائحہ عمل تیار کرنے کے بعد اس نے خود کو قدرے ریلیکس محسوس کیا اور گاڑی کی رفتار مزید بڑھاتے کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔



وہ اپنے آفس میں مختلف فائلز کھولے مصروف تھا جب دروازے پر ناک ہوئی۔

"یس کم ان۔" فاروقی صاحب اندر داخل ہوئے تو عباس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"السلام علیکم سر۔"

"وعلیکم السلام خیریت؟" انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے عباس نے فائل ایک طرف ہٹا دی۔

"سر آپ کے سلیکشن کے کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ کے لیے جو سیٹ خالی تھی اس کے لیے چند امیدوار کو کال کیا تھا انٹرویو سلیکشن میں شاہزیب صاحب بھی موجود تھے یہ امیدواروں کی لسٹ ہے اور ہر امیدوار کی لسٹ کے ساتھ ان کے کوائف بھی درج ہیں اور سلیکشن کمیٹی کا یہ رزلٹ ہے چونکہ یہ آپ کے سلیکشن کے لیے ویکنسی ہے تو سر شاہزیب کا کہنا تھا کہ سلیکٹیو پرسن سے آپ خود بھی ایک بار مل لیں۔" فاروقی صاحب نے عباس کے سامنے ایک فائل رکھ دی اور ساتھ ہی سلیکٹیو پرسن کی رزلٹ شیٹ اور کوائف کی فائل بھی عباس نے چند پل تمام پیپرز کو بغور دیکھا پھر فاروقی صاحب کو۔

"بٹ میں نے بابا جان سے صاف اور واضح لفظوں میں کہا تھا کہ مجھے ایک ایکسپیرینسڈ پرسن چاہیے یہ سلیکٹڈ خاتون تو خود فریش ایم بی اے ہیں اب ان کو پہلے سکھاؤں گا یا کام کرواؤں گا۔" عباس فائل دیکھ کر قدرے برہم ہوا۔

"یس سر میں نے سر سے بات کی تھی عمران کا پوائنٹ آف ویو آپ سے قدرے چینج ہے ان کا کہنا ہے کہ یوتھ فریش اور شارپ مائنڈ کی مالک ہوتی ہے ان کی صلاحیتوں کو ابھی استعمال نہیں کیا گیا اس لیے نیو اسٹاف کو سلیکٹ کرتے ہوئے خیال کیا جائے کہ وہ فریش اور جوان ہوں اینڈ چیک ہوں اس امیدوار کا اکیڈمک ریکارڈ بہت شاندار ہے۔ بی ایس سی تک اسکالرشپ ہولڈر رہی ہیں یہ خاتون اور ایم بی اے میں بھی بہت شاندار پرسنٹیج ہے اور انٹرویو کے دوران میں سب سے زیادہ کانفیڈنٹ اور زبردست پرفارمنس انہی کی رہی ہے۔ پچھلے دنوں سر سجاد صاحب کے سیکشن کے لیے جو خاتون اپائنٹ ہوئی ہیں وہ بھی فریش اور ینگ ہیں۔ یہ دونوں خواتین ایک ہی اداروں کی فارغ التحصیل ہیں ایک جیسا اکیڈمک ریکارڈ ہے۔ مس ہادیہ کی اب تک کی پرفارمنس بہت زبردست ہے یہ مس بھی انہی کے ریفرنس سے آئی ہیں۔" فاروقی صاحب نے تفصیلی و تعریفی بیان جاری کیا تو عباس نے تنگ آکر فائل ایک طرف کر دی۔

"بابا جان مطمئن ہیں ان خاتون سے؟" اس نے پوچھا۔

"یس سر۔" عباس کی سنجیدگی پر فاروقی صاحب نے فوراً سر ہلایا۔

"اوکے بلوائیں ان خاتون کو۔ سلیکشن تو آپ لوگ کر ہی چکے ہیں اب بھی آپ ہی بات کیجیے گا میں بس چیک کروں گا۔" عباس نے انٹرکام فاروقی صاحب کی طرف بڑھایا تو انہوں نے فوراً متعلقہ لائن پر کال ملائی۔

"عباس صاحب کے سیکشن کے لیے جو خاتون سلیکٹ ہوئی ہیں ان کو اندر بھیج دیں۔" فاروقی صاحب نے پیغام منتقل کر کے انٹرکام رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی ساتھ ہی نسوانی آواز آئی۔

"مے آئی کم ان سر؟" نرم اور نہایت پیار سے سلیقے سے اوڑھے وہ لڑکی دہلیز پر کھڑی تھی۔ عباس نے بے زاری سے دیکھا ایسی ڈارک سی لڑکی کی گرے چادر اور دوپٹہ پہنا ہوا ہے اس کے ڈیپارٹمنٹ کے لیے سلیکٹ ہوئی تھی لڑکی کو دیکھ کر عباس کا موڈ سے برا حال ہوا۔

"کم ان۔" اس نے رکھائی سے کہا تو لڑکی اندر بڑھ آئی۔

"تشریف رکھیے۔" فاروقی صاحب نے عباس صاحب کے تیور دیکھتے خود ہی لڑکی کو بیٹھنے کی آفر کی۔ وہ ان میں طرف رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

"تھینکس۔"

"کیا نام ہے آپ کا؟" عباس نے سپاٹ موڈ میں ہی پوچھا۔

"رابعہ نواز۔ سر میری سی وی میں میرے متعلق تمام معلومات درج ہیں۔" نام بتا کر اس نے بڑے سلیقے اور اعتماد سے عباس کے سامنے رکھی اپنی فائل کی طرف نگاہ کرتے ہوئے کہا تو عباس کی بھنویں تن گئیں۔

"جی دیکھ چکا ہوں آپ کی سی وی میں آپ کے متعلق آپ کی زبانی کوائف سننا چاہتا ہوں۔" عباس نے اب کے ناراضی سے کہا۔

"ایم بی اے کیا ہے حال ہی میں میں نے یہاں نیو اپائنٹی مس ہادیہ کے ریفرنس سے آئی ہوں میٹرک ایف اے میں اسکالرشپ ہولڈر رہی ہوں۔ بی بی اے میں کارکردگی اکیڈمک لحاظ سے بظاہر شاندار ہے۔ ہاں ایکسپیرینس کے لحاظ سے فی الحال میں زیرو ہوں۔ یہ میرا کسی بھی فرم کے لیے جاب کا فرسٹ ایکسپیرینس ہوگا۔" وہ بہت ہی اعتماد اور وقار سے وہ بول رہی تھی۔ عباس بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ بظاہر وہ خاصی خوب صورت لڑکی تھی۔ پہلی نگاہ کا تاثر جو بھی تھا مگر لڑکی دقیانوسی نہیں تھی اور سادہ سی آؤٹ آف فیشن تھی بال بڑی سی چادر اور گرے دوپٹہ لپیٹے ہوئے تھی۔

"آپ خود ہی بتا رہی ہیں کہ آپ کا یہ جاب کا فرسٹ ایکسپیرینس ہے جبکہ ہماری فرسٹ ریکوائرمنٹ ایکسپیرینسڈ پرسن ہی تھا جبکہ آپ بالکل فریش ایم بی اے ہیں۔ کیا خیال ہے آپ ہماری فرم کی ریکوائرمنٹ پر پورا اتر سکیں گی؟" عباس نے براہ راست لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"سر میں دعویٰ نہیں کرتی وقت و حالات انسان کی قابلیت کا فیصلہ کرتے ہیں آپ آزما کر دیکھ لیں۔" وہ پراعتماد لہجہ تھا وہ ذرا بھی کنفیوز نہ ہوئی تھی براہ راست عباس صاحب کو دیکھ کر گویا ہوئی تھی۔

"میں اکیڈمک ریکارڈ سے متاثر نہیں ہوتا مجھے انسان کی صلاحیتیں متاثر کرتی ہیں۔ جبکہ آپ میں ہماری ڈیمانڈ کے مطابق صرف کوالیفکیشن ہے تجربہ نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کی سلیکشن کمیٹی میں بھی بددماغ سرپھرے انسان موجود نہیں تھے۔ اگر میرا سلیکشن کیا گیا ہے تو فرم کے رولز اینڈ ریگولیشن کو مدنظر رکھ کر ہی کیا گیا ہوگا۔" عباس کے سوالوں پر اس نے قدرے چڑ کر کہا تو فاروقی صاحب نے اس جواب پر ایک دم سٹپٹا کر عباس صاحب کو دیکھا جس کے چہرے کے عضلات کھنچ گئے تھے۔

"کتنی اسٹریٹ فارورڈ لڑکی تھی یہ۔"

"اس قدر کا نفیڈنس آپ کے حق میں نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے آنی تھنک ابھی آپ کو اپائنٹمنٹ لیٹر ایشو نہیں کیا گیا۔" عباس نے بھی قدرے برہمی سے باور کرایا تو وہ لڑکی مسکرا دی یعنی وارننگ دی گئی تھی۔

"یہی تو آپ کو بتانا چاہ رہی ہوں سر کہ ابھی جب اپائنٹمنٹ لیٹر ایشو نہیں کیا گیا تو پھر صاف اور واضح الفاظ میں کہیں کہ محترمہ آپ اس پوسٹ کے اہل نہیں کیونکہ آپ کے پاس تجربہ نہیں۔ جبکہ آپ کی سلیکشن کمیٹی مجھے سلیکٹ کر چکی ہے اس کے باوجود یہ انٹرویو کا دوبارہ سلسلہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟" اس لڑکی کا اعتماد جوں کا توں تھا۔

اب کے فاروقی صاحب نے اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل روکا جبکہ عباس اس لڑکی سے ایسے جواب کی توقع نہیں کر رہا تھا ایک دم حیرت زدہ رہ گیا۔ کتنی بدتمیز ہے یہ لڑکی۔

"آپ اوور کانفیڈنٹ ہی نہیں بلکہ اچھی خاصی گستاخ بھی ہیں۔" فاروقی صاحب کو مسکراہٹ روکتے عباس نے دیکھ لیا تھا اس کا ٹمپرامنٹ ایک دم لوز ہوا۔ اپنے سینئر ورکر کے سامنے ایسی بے عزتی؟ عباس جھنجلا ہی گیا تھا۔

"بھاڑ میں گئیں فاروقی صاحب آپ کی یہ کمپنی اور بہت میرے لیے اب کیا حکم ہے؟ میں جاؤں؟ کیونکہ آپ کی توقعات پر میری سی وی پورا نہیں اتر رہی سو پلیز مجھے میری فائل واپس کر دیں تاکہ میں جا سکوں۔ میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں کہ میں سلیکٹ ہونے کے بعد دوبارہ انٹرویو کے پراسس سے گزروں۔" عباس کے الفاظ پر وہ لڑکی فوراً کھڑی ہو گئی تھی اور بغیر کسی لحاظ مروت کے اس نے کہا تو دونوں حضرات حیرت زدہ رہ گئے۔

بابا جان کو اس میں ایسا کیا نظر آ گیا جو سلیکٹ کر لیا۔ کیونکہ کسی بھی شعبے سے متعلق سلیکشن وہ خود کرتے تھے اب کے اگر وہ اس لڑکی کو جانے دیتا تو یقیناً بابا جان سے سخت ناراضی کا سامنا بھی ہو سکتا تھا جبکہ یہ لڑکی اسے انتہائی بدتمیز لگی تھی۔

"فاروقی صاحب آپ ان محترمہ کو بابا جان کے پاس لے جائیں ان کا سلیکشن انہی کے انڈر ہوا ہے یہاں جو کارروائی ہوئی وہ بھی بتا دیں۔ میرے پاس آپ آئندہ ایسے پاگل لوگوں کے کیس لے کر مت آئیے گا۔ اب یہ بابا کا ہیڈک ہے وہ جانتے ہیں یا رفیوز کرتے ہیں میری بلا سے۔" عباس نے غصے سے دونوں فائلز اٹھا کر فاروقی صاحب کو تھما دیں اور ساتھ ایک سخت غصیلی نگاہ رابعہ پر بھی ڈالی۔ اس ایک نگاہ سے وہ جیسے جل بھن ہی گئی تھی۔

"آپ جیسے کس خوش فہمی میں ہیں؟ مجھے بھی کوئی شوق نہیں اس جاب کرنے کا۔ ایسے بدتمیز پاگل ال مینرڈ لوگوں کے ساتھ میں کام کروں گی مائی فٹ بڑے جاب میرا شوق ہے مگر مجبوری نہیں ایک چھوڑ ایسی دس جابز تیار ہیں میرے لیے سنبھال کر رکھیں اپنی جاب۔" فاروقی صاحب کے ہاتھ سے اپنی فائل کھینچ کر تن فن کرتی وہ وہاں سے نکل گئی۔

"ارے میم سنیئے تو پلیز رکیے۔" بے چارے ساٹھ سالہ فاروقی صاحب اس کے پیچھے بھاگے جو طوفانی رفتار سے آفس کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔



مہر النساء بیگم کو بتا کر کے وہ آج پہلی بار بازار آئی تھیں۔ عرصہ بعد باہر کی دنیا دیکھی تو دل میں بہت سی بھولی بسری یادیں تازہ ہونے لگیں۔

"محبت اور وفا کی دولت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہوتی۔ احساس زندہ ہوں تو کائنات حسین تر ہو جاتی ہے اور اگر احساس مر جائے تو پھر محبت بھی اس مردہ زمین کو پھر سے شاداب نہیں کر سکتی۔ وفا تو اضافی خصوصیت ہے جیسے مردہ زمین کو پھر سے آباد کرنے کے لیے محنت کے ساتھ ساتھ کھاد بیج وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔" برسوں قبل کسی کے کہے الفاظ انہیں اپنے دل و دماغ میں گونجتے محسوس ہوئے تو آنکھیں نمی سے اٹ گئیں۔

"آہ کاش..... !" دل سے اک ہوک اٹھی تو دل تنہائی راہوں پر چلنے کو کسمانے لگا۔ تابندہ بی نے بڑی بے دلی سے کچھ اشیا خریدیں اور پھر ڈرائیور کو اشیاء دے کر جانے کا کہا تو وہ حیران ہوا۔

"مگر آپ اس طرح اکیلی کیسے آئیں گی۔" تابندہ بی یہاں کے راستوں سے انجان بازاروں سے بے خبر خاتون تھیں ڈرائیور کی پریشانی لازمی تھی۔

"مجھے کچھ اور بھی خریدنا ہے۔ تم جاؤ اور ہاں مہر النساء اور گھر میں دیگر لوگوں سے کہنا کہ پریشان نہیں ہوں میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی میں کوئی رکشہ یا ٹیکسی لے لوں گی اس وقت تو لالہ بہ لا اپنے بھائی کے ہاں جانا ہے اور گھر میں کوئی گاڑی بھی نہیں مجھے کچھ دیر ہو جائے گی وہ خواہ مخواہ انتظار کرے گی تم جاؤ۔" تابندہ بی کے دو ٹوک انداز پر ڈرائیور سر ہلا کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

ڈرائیور کے رخصت ہونے کے بعد انہوں نے ارد گرد دیکھا۔ یوں لگا برسوں بعد باہر کی دنیا میں پھر سے قدم رکھا ہو۔ بہت کچھ بدل گیا تھا اور ابھی بہت کچھ تبدیلی کے مراحل میں تھا۔ انہوں نے ایک دکان سے کچھ پھل وغیرہ لیے۔

ذہن و دل میں کچھ بھی واضح نہ تھا بس آج خود بخود غیر ضروری امور سر انجام پا رہے تھے۔ تابندہ بی نے ایک رکشے والے کو روکا جگہ اور کرائے کا معاملہ طے کر کے بیٹھ گئیں۔ جوں جوں رکشہ آگے بڑھ رہا

تھا ان کے دل و دماغ میں کئی خیالات گردش کرتے چلے جا رہے تھے۔

''اف سکندر! مجھے قطعی اندازہ نہ تھا کہ اوپر سے اس قدر آدم بیزار خواتین سے الرجک دکھنے والا مرد اندر سے اس قدر رومینٹک بھی ہو سکتا ہے۔''

''جس کے نصیب میں تم جیسی حسین خوبصورت دل نواز خاتون ہوں وہ تو خود بخود زندہ دل ہونے لگتا ہے۔'' برجستہ جواب پر کسی کی کھلکھلاتی ہنسی تابندہ بی کے اعصاب کو عجیب پژمردگی کا احساس بخش گئی۔

''یقین نہیں آتا یہ وہی حضرت صاحب مخاطب ہیں جن کے پیچھے میں دیوانہ وار بھاگی ہوں مگر اس ہرجائی نے کبھی قدر نہ جانی۔'' کھلکھلاتی ہنسی تھمی تو کسی کے الفاظ نے پھر تابندہ بی کو اپنے سحر میں جکڑا۔

''چلیں اب تو ہم آپ ہی کو اپنا سب کچھ مان بیٹھے ہیں پھر تو پچھلے گلے شکوے تو بے معنی ہو گئے نا۔ آپ کو دل کی مہارانی ہی نہیں بنایا بلکہ گھر کی مالک بھی بنا دیا ہے۔'' بھاری لب و لہجے میں کہا تو تابندہ بی کو اپنی پلکیں جھپکتی محسوس ہوئیں۔

''نوازش ہے آپ کی مہاراج۔'' شوخ لب و لہجے نے عجیب سی اکتاہٹ سے دوچار کر دیا تھا۔

''لیں بیگم صاحبہ آپ کا گھر آ گیا۔'' وہ جانے کن خیالوں میں غرق تھیں جب رکشے والے کی آواز پر چونک کر متوجہ ہوئیں۔ انجان علاقہ اور جگہ دیکھ کر وہ الجھیں۔ انہوں نے یہاں تو نہیں آنا تھا۔

''تمہیں جس جگہ کا کہا تھا وہیں لے کر آئے ہو نا؟'' باہر نکل کر ارد گرد دیکھتے وہ مطلوبہ مکان نہ پا کر پریشان ہو گئی تھیں۔

''جی بیگم صاحبہ جس جگہ کا کہا تھا وہیں لے کر آیا ہوں کس مکان میں جانا ہے وہ یہاں سے پوچھ لیتے ہیں۔'' تابندہ بی نے چند قدم آگے بڑھا کے ارد گرد دیکھا۔ برسوں پہلے وہ یہاں آئی تھیں۔ تب یہاں آبادی نہ ہونے کے برابر تھی چند ایک گھر تھے اس محلے میں اور اب دونوں اطراف خوب صورت جدید اسٹائل کے گھر آباد تھے۔ ہر گھر کے سامنے ایک خوب صورت باغیچہ تھا۔ انہوں نے اطراف میں دیکھا تو چونک گئیں بائیں طرف اسی والہانہ پرانے گھر کی ابھی بھی خاصی پرانی طرز کا بنا تھا جو جدید اسٹائل انداز میں تعمیر شدہ گھروں میں یوں لگ رہا تھا گویا کوئی کھنڈر آباد ہے۔

''بی بی! وہ گھر کے نہیں؟'' انہیں ارد گرد دیکھتے رکشے والا بھی ان کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

''اس گھر کے سامنے آ جاؤ۔'' رکشے والے کو کہتے وہ اس کھنڈر نما گھر کی طرف بڑھ گئیں۔

گھر اسی پرانی طرز پر تعمیر تھا اس کی تعمیر کی گئی تھی جس کی وجہ سے گھر سڑک کے مقابلے کافی نیچے ہو گیا تھا اور بالائی منزل کافی خستہ حال تھی۔ یقیناً بارش کے دنوں میں سڑک کا پانی گھر کے اندر شور کرتا گھس جایا کرتا ہوگا۔ گھر کے سامنے کھڑی تابندہ بی نے گھر کو دیکھا۔ برسوں بعد گھر کو دیکھا تو لگا برسوں پہلے کا ماضی نگاہوں کے سامنے آ ٹھہرا ہو۔

''سکندر میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آئی ہوں۔ اللہ کا واسطہ ہے مجھے پناہ چاہیے۔ اگر میں یہاں نہ آتی تو پھر کہاں جاتی۔ اس بھری دنیا میں مجھے لگا کہ صرف آپ ہی وہ شخص ہیں جو مجھے پناہ دے سکتے ہیں۔'' ایک ڈری سہمی حالات کی ستائی آواز نے ذہن کے دریچے پر دستک دی تو اور بھی کئی آوازوں کی بازگشت ہونے لگی۔

''چلو بیگم صاحبہ گھر تو آپ کو مل گیا ہے اب مجھے کرایہ دیں میں چلتا ہوں۔'' رکشے والا بھی اتر آیا تھا۔ تابندہ بی نے اندرون خانہ ہونے والے شور و غل کو ذہن سے جھٹکتے رکشے والے کو دیکھا۔ وہ تیس پینتیس سال کا آدمی تھا۔ مگر محنت مزدوری نے اس کی صحت پر کافی اثر ڈالا تھا شاید حالات نے اس کو سخت جان بنا ڈالا تھا جو لہجہ بھی سخت ہو گیا تھا۔

''ہاں اسی گھر میں آنا تھا مگر تم جانا نہیں یہ پیسے رکھ لو کچھ کھا پی بھی لو تھوڑی دیر میں جب تک میں فارغ ہو کر آتی ہوں۔'' انہوں نے اپنا بیگ کھولا۔

''پر بی بی میں اتنی دیر تک انتظار کیوں کروں نجانے آپ کب فارغ ہوتی ہو مجھے کوئی اور سواری مل جائے گی اتنی دیر میں۔'' رکشے والا کا انداز پروفیشنل تھا۔ انہوں نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

''تمہیں تمہارے انتظار کرنے میں جو وقت لگے گا اس کی بھی اجرت دوں گی کچھ وقت لگے گا مجھے فارغ ہونے میں پتا نہیں مکین آباد بھی نہیں یا نہیں ہو سکتا تمہیں انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ بہر حال تم انتظار کرو یہ پیسے رکھو میں آتی ہوں۔'' بیگ سے ہزار کا نوٹ نکال کر رکشے والے کو تھمایا تو اس نے حیرت سے تابندہ بی کو دیکھا۔

''پر میرا کرایہ تو صرف ڈیڑھ سو بنتا ہے۔''

''رکھ لو کچھ کھا پی بھی لو میں کچھ دیر میں آ جاتی ہوں واپسی کا کرایہ سمجھ لینا۔'' تابندہ بی نے اسے نوٹ تھما کر آگے قدم بڑھا دیے تھے۔



ولید اسپتال سے نکلنے کے بعد آفس جانے کے بجائے گھر چلا آیا۔

''رومشا کہاں ہے؟'' لاؤنج میں آیا تو صغراں سے سامنا ہوا۔

"وہ تو انابی بی کے کمرے میں ہیں۔" انا کے نام پر وہ چونکا۔

"کہیں تو بلوا دوں۔" صغراں مزید پوچھ رہی تھی۔

"انا گھر پہ ہے کیا؟" اس کا انداز پر سوچ تھا۔

"جی صاحب۔"

"صبح ان کو کافی تیز بخار تھا تو بڑی بیگم صاحبہ نے انہیں کالج جانے سے منع کر دیا تھا۔"

"اوہ......" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے وہ پلٹا۔

"آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاؤں؟"

"نہیں رہنے دو۔" صغراں کو منع کر کے وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے انا کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ پچھلی غلطی یاد تھی سو اب کی بار دروازے پر صرف دستک دی اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔

"آ جاؤ صغراں۔" روشانے کی آواز آئی ولید نے قدم اندر رکھا تو دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ انا بستر پر بیٹھی ہوئی تھی دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے تھوڑی گھٹنوں پر ٹکائے ولید کو دیکھ کر حیران ہوتی فوراً سیدھی ہوئی جبکہ روشی اس کے بستر پر نیم دراز تھی۔ وہ بھی اٹھ بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم......!" ولید نے سلام کیا تو انا نے حیران ہوتے سائیڈ پر پڑا اپنا دوپٹا اٹھا کر سر پر ڈالا۔

"وعلیکم السلام آپ اس وقت؟" روشی نے ہی پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

"بس کسی کام سے گھر آیا تو صغراں سے پتا چلا کہ تم ادھر ہو۔"

"ہوں۔ بس یہ انا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی رات سے بس کمرے میں ہی بند ہے۔ پھوپھی پریشان ہو رہی تھیں۔ ابھی کال کر کے پوچھا ہے کہ اس نے کچھ کھایا پیا ہے یا کمرے میں ہی بند ہے۔ بابا بھی ادھر ہی تھے ابھی اٹھ کر گئے ہیں۔"

"کیا ہوا ہے محترمہ کو؟" ولید نے براہ راست انا کو دیکھا تو وہ نظر چرا گئی۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے کسی انداز بے نیازی سے بیٹھی تھی ولید کو شدت سے اس کی لاتعلقی محسوس ہوئی۔

"بخار ہے۔" روشی نے ہی بتایا۔

"یہ بخار کس سلسلے کا ہے؟" وہ اسی طرح دروازے کے پاس کھڑا تھا روشی ولید کے سوال پر ہنس دی۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ بھی...... بھلا بخار کا بھی کوئی سلسلہ ہوتا ہے۔" انا ہنوز خاموش تھی۔ اگر وہ خاموش تھی تو کیوں؟

ولید کو اس کے انداز نے عجیب سی تکلیف سے دوچار کیا۔ اگر وہ اپنے رویے پر پشیمان تھا تو کیا انا کو اپنے رویے پر غور کرنے کا حق نہ تھا؟ کیا اسے پشیمانی نہ تھی؟

ٹھیک ہے اس نے ہاتھ اٹھانے کی غلطی کی تھی مگر انا کا اپنا رویہ ہی اس غلطی کا سبب بنا تھا جبکہ وہ سب کچھ فراموش کیے صرف اپنی غلطی کی تلافی اور معذرت کے لیے یہاں تک دوبارہ آ گیا مگر انا کا انداز ہنوز وہی تھا۔ وہ بھلا ایسا کیوں کر رہی تھی؟ ولید کے اندر اس سوال نے ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔

"آخر ایسی کیا وجہ تھی کہ ایک دم اس لڑکی کا رویہ بدل جاتا تھا؟" پرسوچ نظروں سے انا کی طرف دیکھا۔

"ولی بھائی بیٹھیں نا؟" روشی نے آفر کی تو روشی کے قریب ہی بستر پہ آ بیٹھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔" ولید نے براہ راست انا کو مخاطب کیا تو اس نے ایک پل کو نگاہ اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

اس ایک نگاہ میں کیا کچھ نہ تھا؟ شکوہ، اضطراب، ناراضی، پشیمانی، تکلیف، اذیت اور بھی نجانے کیا کچھ تھا۔ وہ بس دیکھتا ہی رہا۔ کیسی سحر طراز آنکھیں تھیں انا وقار احمد کی۔ وہ حیرت زدہ تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ پھر مہر بلب ہوئی تھی۔ روشی نے دونوں کو بغور دیکھا۔

انا تو چپ چاپ تھی ہی مگر آج ولید بھی خلاف معمول خاموش دکھائی دیے۔

"آپ انا کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ رات بھی صرف دس منٹ کے لیے نکلی تھی کمرے سے پھر گھس گئی تھی صبح سے اب تک نہ کچھ کھایا ہے اور نہ ہی ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہے حتیٰ کہ بابا جان نے بھی کتنی بار اس کو کہا وہ ان کے ساتھ کسی ڈاکٹر کے پاس چلے۔" روشی انا کے رویے سے پریشان تھی سو بھائی کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"پڑھے لکھوں کو پڑھا لکھا شاید اسی لیے کہا جاتا ہے۔ ماشاءاللہ یہ خود سمجھدار ہیں۔ ڈاکٹر بن رہی ہیں نقصان صحت کے اصولوں سے باخبر تو ہیں ہی اپنی بیماری میں کیا کرنا چاہیے یہ تو نہیں بے خواہ

تم اس کے ساتھ الجھ رہی ہو۔ ٹھیک ہو جائے گی۔" انا کے رویے پر کچھ الجھ کر خاصی تلخی سے کہا تو انا نے بس ایک پل کو نگاہ ڈالی۔ ولید آنکھوں میں تاسف و ملال لیے دیکھ رہا تھا۔ انا پھر بھی مہر بلب رہی۔

"انا کیا پرابلم ہے یار کچھ تو بولو جب سے تمہارے کمرے میں آئی ہوں ایسے ہی بیٹھی ہوئی ہو بخار ہے وہ تو پتا چل رہا ہے ڈاکٹر کے پاس نہیں چلنا تو نہ سہی کچھ کھا پی تو لو۔" اب کے روشی نے بھی کچھ چڑ کر کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بخار بھی اتر چکا ہے۔ ڈونٹ وری بھوک نہیں جب بھوک ہوگی میرا گھر ہے خود ہی کچن میں چلی جاؤں گی۔" روشنا نے کے جواب میں بہت سکون سے کہا تو ولید اٹھ کھڑا ہوا۔ روشی بھی اس کے صاف الفاظ پر خاموش ہو گئی تھی۔

"آپ کھانا کھائیں گے؟" روشی اسے کھڑا دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"ہوں بھوک لگی ہے۔ تم بابا کو بھی بلوا لو اور کھانا لگوا دو میں چینج کر کے آتا ہوں۔" ایک اچٹتی نظر انا کے ساکت انداز پر ڈال کر وہ کمرے سے نکل آیا۔

روشی نے کھانا لگوا دیا تھا۔ ولید بابا اور روشنا نے تینوں ہی گھر پر تھے مل کر کھانا کھایا۔ کچھ دیر بابا کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا روشی کو کرنے کے سو کام تھے سو وہ اٹھ گئی تھی۔ بابا بھی بخاری آفس جاتے تھے یونہی وقت گزارنے۔ دو تین دن سے ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا تھا تو وہ گھر پر ہی آرام کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ بابا کے پاس سے اٹھا تو ذہن میں ابھی بھی انا کا رویہ تھا۔ اس کا ارادہ اپنے کمرے میں جا کر کچھ دیر لیٹنے کا تھا جب صغراں تیزی سے اسی کی طرف چلی آئی۔

"صاحب جی آپ کو انا بی بی کا پتا ہے وہ کہاں ہیں؟" صغراں کے پوچھنے پر وہ چونکا۔

"کیوں کیا ہوا؟" ابھی کھانا کھانے سے پہلے تو وہ اپنے کمرے میں تھی۔

"یہ ان کا موبائل ان کے کمرے میں کافی دیر سے بج رہا ہے۔" صغراں نے ہاتھ میں پکڑا موبائل اسے دکھایا تو ولید نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اس سے لے لیا۔

"ادھر ہی کہیں ہوگی پھوپو یا احسن کے کمرے میں یا پچھلے لان میں ہوگی۔" ان کا موبائل ایک دفعہ پھر بجنے لگا تو صغراں سے لے کر موبائل کو دیکھا۔ اسکرین پر "شہوار" کے نام کے حروف جگمگا رہے تھے۔

"تم جاؤ میں خود دیکھتا ہوں۔" اسے جانے کا کہہ کر خود پھوپو کے کمرے کی طرف بڑھتے اس نے ساتھ میں ہی کال کا بٹن بھی پش کر کے موبائل کان سے لگایا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" دوسری طرف شہوار مردانہ آواز سن کر چپ ہو گئی تھی۔

"ہیلو۔" خاموشی پر ولید نے کہا۔

"انا سے بات ہو سکتی ہے۔" ولید کے جواب میں اس نے کہا۔

"ان دنوں تو انا بی بی ہمارے ہاتھ نہیں آ رہی ہیں آپ سے کیا بات کروائیں؟" پھوپو کے کمرے میں داخل ہو کر اطراف میں دیکھا وہ کہیں دکھائی نہ دی۔

"آپ کون؟" ولید کے جواب میں شہوار نے پوچھا۔

"میں ولید عرض کر رہا ہوں انا کا ماموں زاد۔" پھوپو کے کمرے سے باہر آ کر اب وہ احسن کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"اوہ کیسے ہیں آپ؟" شہوار نے پوچھا۔

"اللہ کا بڑا کرم ہے۔"

"صبح انا کا فون آیا تھا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ کالج نہیں جا رہی۔ میری بھی امی گاؤں سے آئی ہوئی ہیں تو میں نے بھی آج چھٹی کی تھی اب وقت ملا تو سوچا کہ اس کی خیریت پوچھ لوں ویسے وہ ہے کہاں...... خود کیوں بات نہیں کر رہی؟"

"وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی سو مجھے کال پک کرنا پڑی ڈھونڈنے میں لگا ہوا ہوں شاید آج کی تاریخ میں محترمہ مل ہی جائیں۔" احسن کے کمرے میں داخل ہوتے ولید نے مسکرا کر کہا تو شہوار بھی ہلکا سا ہنس دی۔

"روشی کیسی ہے؟" شہوار نے پوچھا۔

"بالکل اے ون اپنی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہیں محترمہ۔" احسن کے کمرے میں بھی نہ پا کر ولید کچھ الجھا تھا۔

''اما مل گئیں؟'' شہوار کی کون سی ولید سے بے تکلفی تھی بس اما کی وجہ سے تھوڑا بہت تعارف تھا مجبوراً بات کر پا رہی تھی اب اما کو غیر حاضر پا کر مروت برت رہی تھی۔

''نہیں ابھی تک تو اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ آپ شہوار سسٹر ایسا کریں کہ کچھ دیر بعد کال کر لیجیے گا تب تک موبائل محترمہ کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔''

''نہیں میں نے بس اما کی خیریت پوچھنی تھی کل بھی سارا دن کالج میں بہت ڈل اور سست رہی تھی بخار بھی تھا آج شاید زیادہ ہو گیا ہے ورنہ وہ عام روٹین میں چھٹی کرنے والی لڑکی تو نہیں خیر وہ جب بھی فارغ ہو تو اسے کہیے گا کہ وہ مجھے کال بیک کر لے یا پھر شام کو میں خود کال کروں گی۔''

''جی بہتر اور کوئی حکم......؟'' ولید اب دیگر کمروں میں چیک کرنے اور وہاں بھی نہ پا کر باہر آ رہا تھا۔

''نہیں بس یہی کہنا تھا اگر ٹو میٹ یو اینڈ اللہ حافظ۔'' شہوار نے اخلاق نبھایا۔

''جی اللہ حافظ۔'' کال بند کر کے وہ تیزی سے باہر صحن میں آیا۔ اطراف میں دیکھا تو بائیں طرف دیکھ کر رک گیا۔

اما لان کے ایک گوشے میں درخت کے سائے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اندر ہی اندر غصے کا ابال اٹھا مگر وہ پی گیا۔ بہر حال ایک زیادتی وہ کر چکا تھا اور اب مزید بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

''تم ادھر بیٹھی ہوئی ہو یہاں صغراں اور میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈتے رہے ہیں۔'' ولید نے اس کی قریب آ کر کہا تو اما نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے کمرے سے اٹھ کر کیوں چلی آئیں؟'' وہ اس طرح مخاطب تھا گویا پرسوں رات دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اما کے اندر پھر سے جوار بھاٹے کا سا سماں پیدا ہونے لگا۔

''تمہاری دوست کا فون تھا۔'' اسے اس طرح خاموش پا کر اس کے قریب ہی درخت کے سائے میں گھاس پر بیٹھتے ہوئے ولید نے کہا اور ساتھ ہی موبائل بھی اس کی طرف بڑھایا۔ اب کی بار وہ حقیقتاً چونکی۔

''کون......شہوار......؟'' اس کی چپ ایک دم ٹوٹی تھی فوراً موبائل لے کر کال میموری چیک کرتے پوچھا۔

''کس نے کال ریسیو کی تھی؟'' میموری چیک کرنے کے بعد سر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

''میں نے......تمہاری خیریت دریافت کر رہی تھیں۔''

''اور......؟'' اس نے مزید استفسار کیا تھا۔

''شام کو کال کرنے کا کہہ رہی تھیں ساتھ میں کال بیک کرنے کا بھی پیغام تھا۔''

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' کچھ توقف کے بعد ولید نے پوچھا۔

''بہتر ہوں۔'' دو لفظی جواب میں کام نمٹا کر وہ اٹھنے لگی تو ولید نے ایک دم اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر روکنا چاہا۔

''بیٹھو تو سہی۔'' اما نے ولید کی اس حرکت پر ناراضگی سے اسے دیکھا تو ولید نے ایک دم اپنا ہاتھ واپس ہٹاتے ہوئے وضاحت کی۔

''مجھے تم سے معذرت کرنی ہے پرسوں رات تمہارے ایک دم میں کیسے ہائپر ہو گیا تھا۔ ایم سوری یار۔ میں ایک پل بھی چین سے نہیں بیٹھ سکا۔ غصہ، ناراضی سب ایک طرف مگر مجھے تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا یہ میری غلطی ہے۔ ریئلی ایم سوری میں دونوں راتیں ایک پل بھی نہیں سو پایا۔ میں اپنے بی ہیویر پر شدید پشیمان ہوں اور بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔'' اما حیرت سے گنگ رہ گئی تھی ولید اس سے معذرت کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس کا بس یہ خیال تھا کہ ولید اس سے اس لیے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا تا کہ پرسوں رات خراب موڈ کی وجہ جان سکے اسی لیے تو وہ اس سے اجتناب برت رہی تھی مگر اب جس طرح ولید معذرت کر رہا تھا اما کو اپنا دل میں موجود سب گلے شکوے ختم ہوتے لگے ہوں۔ سارے ملال بس معذرت کے لفظوں کو سن کر ڈھلنے لگے تھے۔

''مجھے پتا ہے تم مجھ سے ناراض ہو بٹ یار اس سارے قصے میں میرا بھی کوئی قصور نہیں۔ تمہارا اپنا رویہ بھی تو کتنا بدتمیزانہ تھا۔ میں نے تو کبھی بڑی سے بڑی بات پر ضبط کا دامن نہیں چھوڑا تھا نے پرسوں رات ایسا کیوں ہوا؟ مجھے تم پر غصہ بھی آیا تم گزشتہ دنوں جس طرح کا رویہ اپنائے ہوئے تھی ایک دم پر سکون اور اگلے ہی پل بالکل انجان اور اجنبی انداز مجھے تمہارے اس رویے نے بھی ہرٹ کیا تھا۔ بہر حال میں غلطی پر تھا اور اپنی غلطی پر میں ایکسیوز کرتا ہوں اگر تم قبول کرو تو پلیز۔'' ولید کا انداز بڑا ملتجیانہ تھا۔ اما تصور میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتی تھی ولید اس سے معذرت کرے گا۔

''اٹس او کے۔'' ولید کے رویے پر وہ خود ہی شرمندہ ہوتے وہیں ڈھے گئی۔

''آپ کا بھی تو کوئی قصور نہیں شاید میں ہی غلط تھی۔'' اس کے اندر ملال گھلنے لگے۔ اپنی جذباتیت اپنی کم فہمی پر۔

''میں نے بھی تو آپ کے ساتھ بہت بدتمیزی کی تھی نا؟'' اسے اب اپنی غلطی بھی یاد آنے لگی اور وہ بےچینی سے اضطراب رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔

''ہاں غلطی......تو میری بھی ہے نا مجھے خواہ مخواہ کسی کی ذاتیات میں انٹرفیئر کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ خواہ وہ ہمارا کوئی کتنا ہی قریبی ساتھی کیوں نہ ہو اور اس سے بھی بڑی غلطی یہ تھی کہ میں بغیر اجازت

تمہارے کمرے میں داخل ہوا تھا۔" ولید اپنی ایک اور غلطی قبول کر رہا تھا جس پر انا کی گرفت بھی نہ تھی۔ جو انا وقار کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

"میں نے بھلا ایسا کب کہا تھا؟" ولید کے الفاظ پر اسے رونا آنے لگا۔ وہ ولید کے تھپڑ مارنے پر خفا ضرور تھی مگر وہ معافی مانگے گا ایسا بھی کبھی سوچا بھی نہ تھا بس وہ تو یہ چاہتی تھی کہ وہ بس اسے محسوس کرے۔ اس کی فیلنگز کو سمجھے۔ بس یہ کہ اس کے جذبات کا ادراک حاصل کرے مگر محبوب کو جھکانا اس کی لغت میں کہیں نہ تھا۔ وہ تو ہمیشہ اس شخص کو خود سے بہت بلند، ہمیشہ اونچے مقام پر براجمان دیکھنا چاہتی تھی۔

"آپ معافی مانگ کر مجھے سخت تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ پلیز ایسا مت کریں۔" وہ اپنے جذبوں سے ہار کر ایک دم رو دی۔

اس شخص کے سامنے خود کو سنبھالے رکھنا اب اس کے لیے بہت مشکل کام ہوتا جا رہا تھا۔

"انا ہم آپس میں کزنز ہیں۔ بھلے عمروں کا فرق سہی ہم نے علیحدہ علیحدہ ماحول میں ایک طویل وقت گزارا ہے۔ پھر بھی بابا نے ہماری جو تربیت کی اس کی جڑیں آج بھی مضبوط ہیں۔ میں روایتی مرد نہیں ہوں تم اپنے دل کا بوجھ کہہ سکتی ہو مجھ سے نہیں تو رمشا نے سے ڈسکس کر سکتی ہو۔ کیا پرابلم ہے وجہ بتا سکتی ہو نا؟" انا کے پھر یوں شدت سے رونے پر ولید کو شدید تکلیف ہونے لگی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس نے بہت اپنائیت سے کہا تو وہ جہاں تھی وہیں ساکت ہو گئی۔

وہ بھلا اس شخص کو کیا بتاتی؟ اس کے دل پر کیا بوجھ تھا کیونکر ڈسکس کر سکتی تھی؟ رمشا نے تو ایک طرف ابھی تک تو وہ ٹھیک سے اپنی ذات کے سامنے بھی اپنی ہار کا اعلان نہیں کر پا رہی تھی۔

"مجھے کوئی پرابلم نہیں ہے۔" اس کے سر پر ولید کے ہاتھ کا بوجھ جوں کا توں تھا۔ اس نے سر اٹھایا تو ولید نے ہاتھ ہٹایا اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا جو بخار اور اب رونے سے پھر سرخ ہو رہی تھیں۔

"کسی عمارت کو بغیر بنیاد کے کھڑے نہیں دیکھا کبھی...... تمہیں واقعی پرابلم نہیں مجھے لاجک دو تو مان سکتا ہوں میں پھر بھی تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔" ولید کا انداز دو ٹوک تھا اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ اور بس ایک لمحہ کو اس بھرپور دل کش مرد کو دیکھا۔

دل چاہا اسے چیخ چیخ کر کہے کہ ہاں مجھے پرابلم ہے اور اس پرابلم کی سب سے بڑی وجہ تم خود ہو ولید وقار لیکن انا ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

"میرے پاس آپ کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں؟" نہایت اضطراب اور دکھ سے کہہ کر وہ اٹھنے لگی تو ولید نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ایسے تو کبھی نہیں جانے دوں گا میں اب...... تمہیں میرے سوال کا جواب دینا ہو گا۔ جس دن سے میں پاکستان آیا ہوں صرف چند ایک دن کے علاوہ میں نے ہر بار تمہاری یہی کیفیت محسوس کی ہے کیا بھروسہ نہیں مجھ پر یا اعتماد نہیں؟ اگر تم مجھ سے ڈسکس نہیں کرو گی تو ریلی میں پھوپھو اور احسن سے تمہارے اس رویے کی وجہ ضرور پوچھوں گا۔"

"آپ ہر بات لاجک کے ساتھ قبول کرتے ہیں اگر کسی انسان کے پاس لاجک ہی نہ ہو میں بہت پرسکون اور اطمینان بھری زندگی گزار رہی تھی۔ آپ کو پتا ہے جب میں امریکا میں آپ لوگوں کے ساتھ رہتی تھی اور جب ماما پاپا نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا تھا تو میں نے کتنا شور مچایا تھا میں یہاں نہیں آ رہی تھی۔ مگر زبردستی لائی گئی تھی وہ تو بچپن تھا اگر مجھے بہلنے میں کئی سال لگ گئے تھے اور اب میں نے خود کو اس ماحول یہاں کے رہن سہن میں ڈھال لیا تھا میں مطمئن تھی مگر اب لگتا ہے سارا اطمینان رخصت ہو گیا ہے ایسا کیوں ہوا ہے مجھے نہیں پتا بس مجھ سے کچھ مت پوچھیں اور جب میرے پاس کسی کے سوال کا جواب نہیں تو بار بار سوال دہرا کر مجھے تکلیف مت دیں۔ یوں سمجھ لیں بہت سے معاملات بغیر لوجک اور ریزنز کے بھی ہوتے ہیں۔" انا کے لہجے میں عجیب سا دکھ ہلکورے کھا رہا تھا ولید نے بہت غور سے اسے دیکھا۔

اس کی خوبصورتی دکھ و اذیت کی لپیٹ میں زردی کی ردا اوڑھے ہوئے تھی۔ اس کا خوب صورت چہرہ ماند تھا۔ گویا چاند زرد پڑ گیا تھا۔

"انا کوئی تو وجہ ہوتی ہے نا؟ ایسے کیسے مان لوں کہ تم......" وہ بہت رسانیت سے کہہ رہا تھا۔

"پلیز ولید......" وہ مزید بھی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ انا نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر سختی سے اسے ٹوک دیا۔

"آپ میرے ماموں زاد ہیں۔ میں آپ کی دل کی گہرائیوں سے عزت کرتی ہوں۔ اگر آپ کو مجھے یوں اذیت دے کر کوئی روحانی خوشی حاصل ہوتی ہے تو ضرور پوچھیے میں رکوں گی نہیں۔ مگر یہ آخری بار اور حتمی الفاظ میں کہہ رہی ہوں میں بہت سے معاملات میں بہت شدت پسند ہوں۔ انتہائی حد تک جذباتی؟ آئندہ اگر آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا تو میں صاف کہہ رہی ہوں میں آپ سے بات کرنا آپ کے سامنے آنا تک چھوڑ دوں گی۔ اگر آپ کو لگے کہ یہ شاید ناممکن ہے تو میرے لیے یہ سب ممکن ہے۔ اس کو ایک کزن ہونے کے ناطے ایک ریکویسٹ سمجھ لیں۔ پلیز میں جو بھی ہوں جیسی بھی ہوں اسی حالت میں قبول کر لیں اگر نہیں کر سکتے تو مجھے ایک غیر ضروری چیز سمجھ کر نظر انداز کر دیں پلیز، مجھے کوئی دکھ نہیں کوئی پرابلم نہیں۔" ولید انا کے لب و لہجے اور الفاظ پر گنگ سا رہ گیا۔

"انا؟"

"کسی کو بڑے دکھوں سے بچانے کے لیے میں اگر چھوٹا دکھ سہہ لوں گی تو کوئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں ایک دو دن میں نارمل ہو جاؤں گی۔" اس نے مجروح ہنسی ہنستے ہوئے کہا تو ولید نے لب

کھینچی لیے اور اس نے آہستگی سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالا۔

"میں جانتی ہوں میرے الفاظ آپ کو دکھی کر رہے ہیں مگر میں مجبور ہوں پلیز اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالیں یونہی سمجھ لیں اہنر کوئی ریزن نہیں اگر ریزن ہے تو کوئی سولڈ لوجک نہیں ہے اگر کسی دن مجھے لوجک مل گئی تو آپ کے پوچھے بغیر آپ کے سامنے اپنے دل کا درد آشکار کروں گی مگر ولید بعض درد ایسے ہوتے ہیں جنہیں آشکار کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ محسوس کرنے والی نگاہ خود محسوس کر لیتی ہے۔ سو میری طرف زیادہ توجہ بھی مت دیں یوں سمجھ لیں کسی کی کوئی کل سیدھی ہوتی ہے میری کوئی بھی نہیں۔" ہلکا سا مسکرا کر وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تو بھی ولید کافی دیر تک اس جگہ بیٹھا رہا اس کے الفاظ میں چھپے مفہوم اور دکھ کو تلاش کرتا رہا۔



وہ سو کر اٹھی تو کافی وقت بیت چکا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ کمرے سے نکل آئی۔ آج اس نے تابندہ بی کی وجہ سے چھٹی کر لی تھی وہ لاؤنج میں آئی تو مہر النساء بیگم عصر کی نماز کے بعد کے وظائف میں مصروف تھیں اسے دیکھ کر انہوں نے ہاتھ میں تھامی تسبیح ایک طرف رکھ دی۔

"امی جان آ گئی ہیں؟" انہیں نہ پا کر مہر النساء بیگم کو دیکھا۔

"نہیں ابھی تک تو نہیں آئیں میں خود بھی انتظار کر رہی ہوں۔" مہر النساء بیگم نے کہا۔ وہ آج بازار گئی تھیں انہیں شاید کچھ خریدنا تھا اس نے ان کے ساتھ جانا چاہا تھا مگر انہوں نے منع کر دیا تھا اور پھر کچھ گھنٹے ڈیڑھ بعد ڈرائیور واپس آ گیا تھا۔ انہوں نے اسے واپس بھیج دیا تھا یہ کہہ کر کہ وہ لاپ بھائی کو ان کے میکے لے جائے وہ کچھ شاپنگ کے بعد خود ہی آ جائیں گی۔ اس کے بعد کچھ دیر اس نے ان کا انتظار کیا تھا پھر اماں کی طبیعت دریافت کرنے کو اسے کال کی مگر اس سے بھی بات نہ ہو سکی تو وہ کمرے میں آ گئی اس کا خیال تھا اب تک تابندہ بی واپس آ چکی ہوں گی اب تو انہیں گھر سے نکلے ہوئے بھی کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ مہر النساء بیگم کا جواب سن کر وہ ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔

"اب تو کافی دیر ہو چکی ہے ڈرائیور کو بھی بھیج دیا تھا اب تو شام ہونے والی ہے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں ایسی بھی کیا خاص چیز خریدنا تھی جو ابھی تک خریدی نہیں جا رہی۔"

"انہیں تو یہاں کا کچھ خاص پتا بھی نہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کہیں راستہ بھول گئی ہوں۔" شہوار کو ایک دم طرح طرح کے اوہام ستانے لگے تھے۔

"اللہ خیر کرے ساتھ خیریت کے گھر لائے۔" مہر النساء بیگم نے کہا تو وہ ایک دم اضطراب لیے باہر نکل گئی۔

سپہر بھی اب رخصت ہو رہی تھی مغرب میں ڈوبتے سورج کی لالی گہرے اورنج رنگ میں ڈھل چکی تھی۔ کچھ دیر بعد سورج مکمل طور پر غروب ہو جاتا تھا اور پھر شام کا اندھیرا ہر سو پھیل جاتا تھا۔

"شہوار ادھر ادھر چکر لگانے کا کوئی فائدہ نہیں اندر آ کر بیٹھو آ جاتی ہیں ہو سکتا ہے وہ پہنچی نہیں ہوں راستہ بھول جائیں۔ خدانخواستہ بھول بھی جائیں تو گھر کا ایڈریس انہیں یاد ہی ہوگا۔" اسے یہاں سے وہاں پیدل مارچ کرتے دیکھ کر عائشہ باہر آ کر کہنے لگی تو وہ گم صم انداز لیے اس کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ آئی۔

"حوصلہ رکھو بیٹا آ جائیں گی وہ۔" مہر النساء بیگم نے اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی انہوں نے محبت سے اپنے ساتھ لگاتے کہا۔

"ڈرائیور کو فون کر کے کہو جلدی گھر آئے اس سے پتا چلے کہ اس نے تابندہ کو کہاں چھوڑا تھا۔ وہ پہر بارہ بجے وہ گھر سے نکلی تھی اب شام ہونے کو ہے کوئی پتا نہیں اور اس کے پاس تو موبائل بھی نہیں ہوتا کہ بندہ کال کر کے ہی پوچھ لے۔" ماں جی نے صبا کو کہا تو وہ فوراً اٹھ گئی۔ ڈرائیور کو کال کر کے تابندہ بی کے متعلق استفسار کیا تو اس نے وہی بتایا جو گھر آ کر کہہ چکا تھا۔ چند مزید باتیں پوچھ کر صبا نے کال بند کر دی۔

"تابندہ بوا نے خود اسے گھر چلے جانے کا کہا تھا۔ ڈرائیور بتا رہا ہے کہ انہوں نے لاپ بھائی کو ان کے بھائی کے ہاں چھوڑنے کا کہہ کر ڈرائیور کو گھر بھیج دیا تھا اور جو کچھ انہوں نے خریدا تھا ڈرائیور کے ہاتھ گھر بھیج دیا تھا جو اس نے آ کر شہوار کو سامان دے دیا تھا۔ اس کے بعد کی صورتحال وہ کہتا ہے کہ اس کے علم میں نہیں ہے۔"

"تم دونوں بہنیں کھانے وغیرہ کا انتظام دیکھو آج لاپ بھی نہیں ہے کچن میں رخشندہ اکیلی لگی ہوگی۔ شہوار بیٹا فکر نہیں کرتے آ جاتی ہے ابھی۔" دونوں بیٹیوں کو کہہ کر اس کو بھی تسلی دی تو وہ محض سر ہلا گئی۔ کچھ دیر گزری تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مصطفیٰ کو فون کرو اب تو بہت دیر ہو رہی ہے اللہ خیر کرے اب بھی ابھی تک نہیں پہنچی۔ ڈرائیور بھی ایک ہی ہے اب ہر جگہ اسی کو لے کر جانا ہوتا ہے کیا پتا تھا کہ تابندہ لوٹنے میں اتنی دیر کر دے گی۔ اب تو دل میں وہم سے آنے لگے ہیں۔" اسے بے قراری سے کھڑے ہوتے دیکھ کر مہر النساء بیگم نے کہا تو اس نے بھی ان کے مشورے کو فوراً قبول کرنے کا قصد کیا۔

مغرب کی اذان نہیں ہونے والی تھیں کچھ دیر میں گھر کے مرد آنے والے تھے ایسے میں تابندہ کی غیر موجودگی سب کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی۔ اس نے ایک پل کی بھی تاخیر کیے بغیر فوراً مصطفیٰ

کا ذاتی نمبر ملایا۔

''السلام علیکم۔'' مصطفیٰ کی آواز سنائی دی۔

''وعلیکم السلام۔ میں شہوار بات کر رہی ہوں۔'' اس نے کہا۔ دوسری طرف وہ حیرت سے چونکا تھا۔

''او ہو! زہے نصیب۔ آج تو وی آئی پی قسم کے لوگ ہمیں یاد کر رہے ہیں۔ اللہ خیر کرے آج ہماری قسمت کیسے جاگ گئی ہے؟'' مصطفیٰ تین چار دن کی لاتعلقی کے بعد شہوار کی کال پا کر ایک دم ایکسائیٹڈ ہوا تھا شہوار نے جھینپ کر گھبرا کر ماں جی کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

''ماں جی آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔'' اس نے مصطفیٰ کے خوش فہمیوں کے آگے پل باندھے۔

''اوہ، تبھی میں کہوں ہمیں یوں اچانک کیسے یاد کر لیا ہماری ہونے والی نصف بہتر نے۔'' مصطفیٰ کا گویا اسے پوری طرح ستانے کا موڈ تھا۔

''شٹ اپ۔'' اس کے الفاظ پر سٹپٹا کر کہا تو دوسری طرف مردانہ قہقہہ نہایت جاندار تھا۔

''ہونے والی بیگم کو اردو لغت میں نصف بہتر ہی کہتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟ ویسے اگر تمہاری لغت میں اس کے کوئی اور معنی نکلتے ہیں تو وہ بتا دو ہم وہ کہہ لیا کریں گے۔''

''میں اس وقت بہت پریشان ہوں کوئی اور وقت ہوتا تو آپ کے اس سوال کا بہت اچھا سا جواب دیتی یہ لیں آنٹی جی سے بات کریں۔'' غصے، جھنجلاہٹ، پریشانی اور اضطراب سے کہتے اس نے ساتھ ہی ریسیور ماں جی کو تھما دیا۔

مہر النساء بیگم نے ریسیور تھام کر سلام دعا کے بعد تابندہ بی کی غیر موجودگی کی داستان سنائی تو دوسری طرف مصطفیٰ بھی پریشان ہو گیا۔

''میں ابھی پتا کرتا ہوں آپ فکر مند نہ ہوں۔ انشاءاللہ وہ آ جائیں گی ابھی۔''

''ذرا نیوز بھی ابھی تک لاپتہ کو لے کر آ رہی ہیں اور تم خود پتا کرنا بیٹا شہوار تو بہت پریشان ہو رہی ہے۔ تمہیں خصوصی طور پر اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تم دوسروں کی نسبت جلدی پتا چلا لو گے رابطہ میں رہنا اس دوران اگر تابندہ خود لوٹ آئیں تو اطلاع کر دوں گی۔'' انھوں نے چند مزید ہدایات کے ساتھ کال بند کر دی تھی۔

اسی دوران مغرب کی اذان ہونے لگی تو شہوار گھبرا کر ماں کی سلامتی کی دعا مانگنے فوراً نماز ادا کرنے چل دی تھی۔

(انشاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا ۔۔۔ سمیرا شریف طور 9

گزشتہ قسط کا خلاصہ

تابندہ بی شہوار کے فون سے پریشان ہو جاتی ہیں اور اگلے دن وہ بغیر بتائے شہر چلی آتی ہیں۔ مصطفیٰ ان کی آمد پر متجسس ہو جاتا ہے تو دوسری طرف شہوار بھی ماں سے ان کی آمد کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر سب لوگوں کی موجودگی میں موقع نہیں ملتا۔ ایاز خالہ سے دریافت کرتا ہے کہ کیا وہ لوگ شاہ زیب کے ہاں گئیں یا نہیں جواباً خالہ وہاں پیش آنے والی ساری صورتحال بتا دیتی ہے اور ساتھ میں ایاز سے شہوار سے متعلق اس قدر شدید جذباتیت کی وجہ پوچھتی ہے تو وہ کینٹین میں پیش آنے والا سارا واقعہ سناتا ہے اور آخر میں خالہ کے سمجھانے کے باوجود شہوار سے متعلق کسی سنگین قسم کی کارروائی کی پیش گوئی کرتا ہے۔ انا ولید کے رویے کی وجہ سے شدید ڈسٹرب ہو جاتی ہے اور اگلے دن اس کو بخار ہو جاتا ہے۔ روشانے اسے زبردستی کمرے سے نکالتی ہے اور کھانا کھاتے گفتگو کے دوران اسے بتاتی ہے کہ گزشتہ رات ولید اور احسن اپنے دوست مصطفیٰ سے ملنے گئے تھے تو انا حقیقت جان کر اور بھی جذباتیت کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسے اپنے رویے اور غلط سوچ پر شدید رنج آ گھیرتا ہے۔ شہوار رات ہونے سے پہلے ماں سے اس اچانک آمد کی وجہ پوچھتی ہے تو وہ اس کی رات والی گفتگو کو موضوع بناتی ہیں جواباً شہوار خالہ کی آمد والا واقعہ سنا دیتی ہے اور آخر میں دوٹوک الفاظ میں مصطفیٰ سے رشتے سے انکار کر دیتی ہے اور ساتھ ہی اپنے باپ کی اصلیت جاننے کی کوشش کرتی ہے تو تابندہ بی اس ذکر پر ایک دم نڈھال ہو کر گم صم ہو جاتی ہیں تو شہوار کو احساس جرم آ گھیرتا ہے۔ رابعہ ناشتہ دینے کے لیے جانے سے پہلے بھابی سے ناشتا مانگتی ہے تو ثریا بیگم اسے جاب کرنے پر سخت سست سناتی ہیں تو جواباً وہ بغیر ناشتا کیے ہی گھر سے نکل جاتی ہے۔ جس کا ثریا بیگم کو دکھ ہوتا ہے۔ ولید انا پر ہاتھ اٹھانے کے بعد شدید کرب کا شکار ہو جاتا ہے وہ اسپتال فائقہ کو دیکھنے جاتا ہے اور پہلی بار فائقہ کو خواب میں دیکھ کر اس کا غیر معمولی حسن دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہے دوسری طرف فائقہ بھی ولید کی شخصیت کے سحر کے آگے مسحور ہو جاتی ہے تو ولید فوراً وہاں سے نکل آتا ہے کوئی احساس ہوتا ہے جو اسے وہاں ٹھہرنے نہیں دیتا انا کے رویے کو سوچ سوچ کر وہ شدید الجھن کا شکار ہو جاتا ہے اور گھر آ کر اسے جب انا سے بات کرنے کا موقع ملتا ہے تو اپنے تھپڑ مارنے والی بات پر معذرت کرتا ہے تو انا بھی اپنے رویے پر شرمندگی کا اظہار کرتی ہے اور جب ولید انا سے اس کے رویے کی وجہ پوچھتا ہے تو انا دوٹوک الفاظ میں اسے باور کرا دیتی ہے کہ آئندہ وہ اس سے اس موضوع پر بات نہیں کرے گا اور نہ وہ ولید سے ملنا اور بات چیت تک ترک کر دے گی ولید اس شدید ری ایکشن پر حیران رہ جاتا ہے۔ عباس کے کمپنی میٹنگ کے لیے رابعہ سلیکٹ ہوتی ہے اور عباس جب رابعہ سے انٹرویو کرتا ہے تو دونوں میں تلخ کلامی ہو جاتی ہے جواباً رابعہ غصے سے اپنی سی وی لے کر وہاں سے نکل آتی ہے۔ تابندہ بی شاپنگ کے لیے آتی ہیں تو ڈرائیور کو گھر واپس بھیج دیتی ہیں اور خود رکشہ لے کر کسی سے ملنے آتی ہیں اس دوران انہیں ماضی کے بہت سے واقعات یاد آتے ہیں۔ تابندہ بی شاپنگ سے واپس نہیں آتیں تو شہوار بہت پریشان ہو جاتی ہے۔ مہرالنساء بیگم صبا اور عائشہ بھی فکر مند ہو جاتی ہیں تبھی مہرالنساء بیگم شہوار کو مصطفیٰ کو کال کر کے تابندہ بی کا پتا کرنے کا کہتی ہیں تو شہوار مصطفیٰ کا نمبر ملاتی ہے اور اس کی جھجک بار بار کال پر اٹھانے سے وہ چڑ جاتی ہے تو مہرالنساء کو بیہودہ سمجھا دیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے۔



انہیں واپسی میں کافی زیادہ تاخیر ہو گئی تھی۔ باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا اور جب احساس ہوا تو فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں گھر کے مکین سے اجازت لے کر وہ فوراً وہاں سے نکل آئی تھیں مگر رستے میں رکشہ خراب ہونے سے کچھ وقت لگ گیا تھا اس بے چارے نے اتنا انتظار کیا تھا تو جواباً وہ خود بھی کچھ دیر انتظار کر سکتی تھیں۔

"میاں روک دو بس آگے میں چلی جاؤں گی۔" انہوں نے گھر سے کچھ فاصلے پر رکشہ رکوایا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی انہیں رکشے سے اترتے دیکھے۔ رکشے والے نے رکشہ روک دیا تھا وہ اپنی چادر سنبھالتے اتر آئی تھیں۔ رکشے والے کے جانے کے بعد انہوں نے گھر کی جانب قدم بڑھائے تھے مغرب کی اذان ہو چکی تھی ہر طرف شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا گھر والے ان کی طرف سے یقیناً پریشان ہوں گے انہوں نے تیزی سے گھر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

ابھی گھر سے کچھ فاصلے پر ایک گاڑی نے ان کے پاس ہارن دیا تو وہ سائیڈ پر ہو گئیں گاڑی آگے بڑھ گئی مگر تھوڑی ہی دور جا کر رک گئی۔ تابندہ بی بھی گاڑی پہچان کر ایک پل کو رکی تھیں مگر پھر مصطفیٰ شاہ زیب کے نکلنے سے پہلے خود ہی تیزی سے قریب آ گئی۔

"السلام علیکم آپ کہاں تھیں اور پیدل کیوں آ رہی ہیں؟" مصطفیٰ ماں کے فون کے فوراً بعد گھر آ رہا تھا اور اب تابندہ بی کو یوں راہ چلتے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

"وعلیکم السلام...... یونہی بس ادھر ہی تھی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو مصطفیٰ نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ ان کے لیے وا کر دیا۔

"آپ بیٹھیں میں گھر ہی جا رہا ہوں۔" تابندہ بی خاموشی سے بیٹھ گئی تھیں۔

"آپ تھیں کہاں؟ سب لوگ گھر میں پریشان ہو رہے تھے۔ ابھی ماں جی کی کال آئی تو میں گھر آ رہا تھا۔ خیریت تھی ڈرائیور بھی آپ کے ہمراہ نہیں تھا۔" گاڑی ڈرائیو کرتے مصطفیٰ نے تابندہ کو

بغور دیکھا وہ چادر کے پلو میں منہ چھپائے ہوئے تھیں وہ ہرگز ان کو نہ پہچانتا اگر چند ایک بار اسی مخصوص چادر میں حویلی آتے جاتے انہیں نہ دیکھ چکا ہوتا۔ اس نے شک میں گاڑی روکی تھی مگر جب تابندہ بوا خود ہی پاس آ کر ٹھہریں تو اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

"نہیں یونہی بازار کے لیے نکلی تو رستہ بھول گئی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی بمشکل بازار کے ہجوم سے نکلی تو رکشہ والے نے خوار کر ڈالا۔" تابندہ بی کا انداز پر اعتماد تھا۔ مصطفیٰ نے تعجب سے انہیں دیکھا اگر چادر کے پلو میں ان کا چہرہ چھپا نہ ہوتا تو وہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا کہ ان کے بیان میں کس حد تک سچائی ہے۔

"اتنے گھنٹے کوئی رستہ بھول کر بازار کے ہجوم میں خوار نہیں ہوتا۔" مگر وہ ان سے کچھ نہیں کہہ سکا تھا لیکن الجھ ضرور گیا تھا۔

"آپ شاپنگ کرنے نکلی تھیں تو آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"کیا وہ شاپنگ ہی نہیں کی جو خریدا تھا ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیا تھا۔" گھر آ چکا تھا مصطفیٰ نے ہارن دیا تو چوکیدار نے باہر نکل کر دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو دیکھ کر گیٹ کھول دیا۔

"پھر بھی آپ کو اکیلے بازار نہیں جانا چاہیے تھا اگر گئی بھی تھیں تو ڈرائیور کو گھر نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔" گاڑی اندر لا کر کھڑی کرتے اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس غلطی ہو گئی کئی سال بعد باہر نکلی تھی اندازہ ہی نہیں تھا کہ باہر کی دنیا اتنی بدل چکی ہے۔" ان کے لہجے میں گزرے وقت کا ملال اور گہرا تاسف تھا۔

گاڑی رکنے پر شہوار بڑی تیزی سے باہر آئی تھی۔ وہ تابندہ بی کی شدت سے منتظر تھی تابندہ بی باہر نکلیں تو وہ فوراً بھاگ کر ان کے پاس آ گئی۔

"آپ اتنی دیر تک کہاں تھیں میں اتنی پریشان ہو گئی تھی مجھے تو اب طرح طرح کے اوہام ستا رہے تھے۔" نماز پڑھ کر اٹھی تھی اور اسی حالت میں گاڑی کی آواز سن کر باہر بھاگی تھی۔ قبولیت کی گھڑی تھی جو مصطفیٰ کے ساتھ تابندہ بی کو دیکھ کر ایک دم روہانسی ہو گئی تھی آواز میں ایک دم نمی سی اتر آئی تھی۔

"میں ادھر ہی تھی اللہ خیر کرے میں بس تھوڑی دور ہی گئی تھی تم پریشان ہو گئی ہو۔" بازو کے حصار میں لے کر شہوار کو دلاسا دیا تو مصطفیٰ بھی دوسری طرف سے نکل کر قریب آ گیا۔

"آپ بھی کہیں گئی ہی تو نہیں پہلی بار بازار گئی تھیں ڈرائیور کو واپس بھی بھیج دیا اور خود بھی اکیلیں۔" اس نے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ملال سے کہا۔

"بوا جی تھکی ہوئی ہیں ان کو رستہ دو اور باقی کے گلے شکوے تم اندر جا کر بھی کر سکتی ہو۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو اس نے بگڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کو اس سے کیا، میری امی ہیں؟" خاصا خفگی بھرا انداز تھا بوا نے تعجب سے اسے دیکھا لگتا تھا پہچان انداز تھا مصطفیٰ ہنس دیا۔

"بری بات بیٹا ایسے تم ان سے ایسے بات نہیں کرتے۔ تمیز ادب آداب بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" انہوں نے ٹوکا ہی تو تھا کہ مصطفیٰ کے ہونٹوں پر جیسی ہی مسکراہٹ آ ٹھہری جبکہ شہوار سلگ اٹھی تھی۔

ماں کا ہاتھ پکڑے اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتے وہ اندر کی طرف چلی آئی تھی۔ وہاں بھی پریشان تھے سبھی کی زبانوں پر وہی سوال تھے اور ان کا وہی جواب جو مصطفیٰ کو دے چکی تھیں۔

"اگر ایسی بات تھی تو کسی پی سی او سے کال کر لیتیں۔ نمبر تو یاد ہوگا۔" عائشہ نے تفصیل سن کر کہا۔

"بس خیال ہی نہیں رہا پھر عرصہ بعد باہر نکلی تھی۔ گھومتی رہی دیکھتی رہی سچ پوچھو تو میں نے خود ہی گھر فون نہیں کیا تھا میں کچھ دیر باہر کی دنیا کو بہت قریب سے دیکھنا چاہتی تھی پھر رکشہ والے کا رکشہ خراب ہو گیا تو کچھ وقت ادھر لگ گیا۔" مہر النساء بیگم اور مصطفیٰ دونوں نے بغور تابندہ بی کو دیکھا۔ ان کے لہجے اور چہرے پر عجیب سا تناؤ تھا مگر الفاظ سچے لگ رہے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ بھولی نہیں تھیں بلکہ رستے کو جان بوجھ کر بھلا گئی تھیں۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

"ہاں ایسا ہی کہہ لو۔" انہوں نے گویا بات ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

"اگر ایسی بات تھی تو ڈرائیور کو ہمراہ رکھ لیتیں۔ وہ زیادہ آسانی کے ساتھ آپ کو راستوں کی نشاندہی کروا دیتا۔" مصطفیٰ کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اب کی بار تابندہ بی نے مسکرانے کی بجائے چونک کر اسے دیکھا۔ مصطفیٰ کا انداز کھوجتا ہوا تھا۔

"سارا دن کچھ کھایا پیا بھی کہ یونہی گھومتی ہی رہیں۔" شہوار کو ماں کی فکر تھی مصطفیٰ کے سوالوں کو نظرانداز کرتے پوچھا۔

"ہاں بھوک تو واقعی بہت لگی ہوئی ہے تھکن بھی ہو گئی ہے تم پہلے مجھے پانی پلاؤ کھانا ابھی نہیں کھاؤں گی جب سب کھائیں گے تو کھاؤں گی۔"

"میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" وہ فوراً اٹھی۔

"میں بھی پانی پیوں گا۔" مصطفیٰ نے کہا تو اس نے جاتے جاتے بس مڑ کر ایک نظر ڈالی وہ متوجہ تھا ذرا سا مسکرا دیا تو وہ منہ بنا کر رہ گئی۔ وہ ٹرے میں دو گلاس رکھ کر لائی تھی۔ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر ایک گلاس تابندہ بی کو تھما دیا مصطفیٰ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ خود ہی گلاس تھام کر پانی پینے لگا۔ اس لڑکی سے اسے ایسی ہی امید تھی۔

"تمہارے ابو اور بھائی بھی آنے والے ہیں کھانے کا کیا ارادہ ہے؟" مہر النساء بیگم نے عائشہ کو دیکھا۔

"کھانا تیار ہی ہے ٹیبل لگوا دوں اتنی دیر میں باقی لوگ بھی آ جائیں گے؟"
"پانچ دس منٹ انتظار کر لو اور ادیبہ کو بھی فون کرو کہ کب تک پہنچ رہی ہے؟"
"جی اچھا۔" عائشہ سر ہلا کر فون کی طرف بڑھ گئی۔
"تابندہ تم کچھ دیر آرام کر لو۔ میرا خیال ہے پہلے کھانا کھا لو باقی لوگ تو بعد میں کھا ہی لیں گے تم تھکی ہوئی ہو تمہیں لیٹنا چاہیے۔"
"کھانا تو سبھی کے ساتھ ہی کھاؤں گی تھکن تو واقعی ہے لیٹوں گی ضرور۔"
"شہوار تم ماں کو اپنے کمرے میں لے جاؤ کھانا لگتا ہے تو میں صبا کو بھیج دوں گی۔" شہوار سر ہلا کر ان کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے میں آ گئی۔
"میں تو اتنی پریشان ہو گئی تھی اگر آپ کچھ دیر اور نہ آتیں تو میں کسی کو لے کر آپ کو ڈھونڈنے نکل جاتی۔" تابندہ بی نے بستر پر دراز ہوتے اپنی بیٹی کو بغور دیکھا جس کے چہرے پر پریشانی ابھی بھی درج تھی۔
"مصطفیٰ نے آپ کو کہاں سے ڈھونڈ لیا ابھی تو مغرب کے وقت ان سے فون پر بات ہوئی تھی ابھی نماز پڑھی ہی تھی کہ آپ کو لے کر فوراً گھر بھی آ گئے تھے۔"
"میں مصطفیٰ کے ساتھ نہیں بلکہ اکیلی ہی گھر آئی تھی پتہ باہر سے مصطفیٰ نے مجھے گاڑی میں بٹھا لیا تھا۔"
"اچھا۔" ماں کے جواب پر اسے حیرت ہوئی۔
"میں تو کیا سب یہی سمجھ رہے تھے کہ آپ مصطفیٰ کے ساتھ آئی ہیں۔"
"میں نے ذکر تو کیا تھا کہ میں رکشہ میں ہوں تھی رستے میں رکشہ خراب ہوا تو لیٹ ہوئی۔"
"اوہ......" شہوار کا جی چاہا کہ اپنی عقل پہ ماتم کرے۔
"اگر تھکن ہو رہی ہے تو میں ٹانگیں دبا دوں؟" اس نے ماں کی ٹانگوں پر ہاتھ رکھا۔
"تم پریشان مت ہو اب خیر ایسی بھی تھکن نہیں۔ تم بس لائٹ بند کر دو میں کچھ دیر یونہی لیٹوں گی۔" انہوں نے آنکھوں پر بازو رکھتے کہا تو وہ فوراً سر ہلا گئی۔
لائٹ اور دروازہ بند کر کے وہ پلٹی تو مصطفیٰ کو دیکھ کر ٹھٹکی مصطفیٰ بھی اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔
"لیٹ گئیں امی جی؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔
"جی۔" اس نے لیے دیے انداز میں جواب دے کر نکلنا چاہا۔
"رکو شہوار۔" وہ پلٹی سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔
"انہوں نے کچھ بتایا کہ وہ کہاں تھیں۔" وہ پوچھ رہا تھا انداز پرسوچ تھا۔
"انہوں نے سب کے سامنے بتایا تو تھا اب ان سے بار بار کیا پوچھتی ہیں؟" اس نے نروٹھے پن سے جواب دیا۔
"میرے کمرے میں آؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس کے انداز پر مصطفیٰ نے بھی تیکھے پن سے کہا۔
"کیوں؟ جو بھی کہنا ہے یہاں ہی کہہ لیں۔" مصطفیٰ کا تحکم بھرا انداز خاصا برا لگا تھا خصوصاً "میرے کمرے میں آؤ" کا آرڈر نامہ۔
"راہداری میں کھڑے ہو کر بات کرنا مجھے مناسب نہیں لگ رہا۔ اگر تھوڑی بہت عقل ہے تو میرے کمرے میں آ جانا مجھے تابندہ بوا کے متعلق بات کرنی ہے۔" وہ سابقہ تحکم آمیز انداز میں کہتے وہاں سے چلا گیا تو شہوار نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔
"کمرے میں آ جانا خواہ مخواہ ہی...... بڑے آئے کہیں کے رعب جمانے والے۔" مصطفیٰ کا انداز اسے غصے سے دوچار کر گیا تھا مگر جس طرح وہ تابندہ بوا کا نام لے گیا تھا وہ کشمکش و پیچ میں پڑ گئی تھی۔
"امی جی کے متعلق کیا بات کرنا ہوگی جو کمرے میں بلوا رہے ہیں۔" اگلے ہی پل الجھ گئی تھی۔
"کیا کروں؟ جاؤں کہ نہیں؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"اگر کوئی الٹی سیدھی بات کر دی موصوف نے تو؟ آج کل تو جناب ویسے بھی بلا سوچے سمجھے بولنے لگ گئے ہیں مغرب کے وقت کی بکواس کون سا کم تھی اب نجانے کیا کہنا ہے؟" وہ الجھن میں پڑ گئی تھی۔

”خیر میں کون سا لحاظ کروں گی کوئی اتنا سیدھا بولنے کی جرأت کی تو میں بھی صاف جواب دوں گی۔ اس سلسلے میں اب کچھ ہمارا تو کرنا ہی نہیں ویسے امی کے متعلق ایسا کیا اپنا ہے جو کمرے میں بلوا کر ہی کہا جا سکتا ہے۔“ چند پل سوچنے کے بعد اس نے کمرے میں جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

”یس کم ان۔“ دروازے پر دستک دی تو مصطفیٰ نے اجازت دی۔

متلاشی نظروں سے پہلے کمرے میں جھانکا مصطفیٰ الماری سے کپڑے نکال رہا تھا اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”آ جائیں آپ کا ہی انتظار کر رہا ہوں بیٹھیں۔“ وہ آہستگی سے اندر آئی۔ مصطفیٰ نے کپڑے بستر پر رکھ کر اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

”میں بیٹھنے نہیں آئی آپ نے جو بات کہنی ہے وہ کہیں۔“ اس نے خاصے تیکھے لب و لہجے میں کہا مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔

اچھے خاصے سلجھے لب و لہجے کی مالک لڑکی اب ایک دم کیسی کڑوی کسیلی ہو گئی تھی۔ یا اس دن اس سے بات کرنے کا انجام تھا اب پتا نہیں کوئی محاذ کھولنے پر نجانے کیا ری ایکشن ہوتا ہے۔

”تم نے بوا جی سے پوچھا نہیں کہ وہ اتنی دیر تک ڈرائیور کو بھیجنے کے بعد کہاں رہیں؟“ مصطفیٰ نے بات کا آغاز کیا۔

”انہوں نے بتایا تو تھا کہ وہ رستہ بھول گئی تھیں چلیں فرض کریں وہ رستہ نہیں بھی بھولی تھیں تو بھی وہ بتا چکی ہیں کہ وہ ارد گرد کے علاقے میں گھومتی رہی تھیں۔“ شہوار نے چڑ کر جواب دیا۔

”مگر ان کے رستہ بھولنے یا گھومنے کے بعد کی تھکن تو ان کے جسمانی خدوخال میں کہیں دکھائی نہیں دی۔ ہاں البتہ ذہنی پراگندگی اور انتشار کا شکار ضرور لگ رہی ہیں۔“ مصطفیٰ کا انداز بہت سنجیدہ تھا شہوار نے چونک کر دیکھا۔

”آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں۔“ اس کا انداز جرح کرنے والا تھا۔

”پولیس ڈیپارٹمنٹ میں موجود بندے سے ایسا سوال کچھ عجیب سا نہیں لگا؟“ شہوار نے مصطفیٰ کی برجستگی پر گھور کر دیکھا۔

”مطلب کیا ہے آپ کا؟“ اس نے ناسمجھی الجھن میں استفسار کیا۔

”مجھے لگتا ہے کہ وہ اتنی دیر رستہ نہیں بھولی تھیں بلکہ کہیں گئی ہوئی تھیں؟ کہاں یہ وہ ہی بتائیں گی مجھے وقار سے ذرا فاصلے پر ہی ملی تھیں تو میں نے گاڑی میں بٹھا لیا تھا۔“

”میں نہیں مانتی۔“ اس نے فوراً انکار کیا۔

”مجھے حیرت ہوتی ہے عقلی لحاظ سے تم میں کچھ خاص کمی ہے جس میں تم میڈیکل کے فورتھ ایئر میں کیسے پہنچ گئیں؟“ مصطفیٰ کے الفاظ اسے سلگا دینے کو کافی تھے۔

”شٹ اپ۔“ مصطفیٰ ہنس دیا تو وہ مزید جل بھن گئی۔

”فرض کریں اگر امی کچھ چھپا بھی رہی ہیں یا وہ کہیں گئی ہیں تو اس جرح کا مقصد؟“

”اس کا مطلب ہے وہ تمہیں بتا کر گئی تھیں۔“ شہوار کا جی چاہا کوئی چیز اٹھا کر اس شخص کے سر پر دے مارے۔ کتنا بدتمیز تھا یہ شخص سیدھے سادھے لفظوں میں اسے مورد الزام ٹھہرا رہا تھا۔

”میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ میں آپ کے ساتھ فضول و بے معنی باتوں میں ضائع کروں۔“ غصے سے کہہ کر وہ واپس پلٹی تو مصطفیٰ نے ایک دم سامنے آ کر راستہ روکا۔

”ایک منٹ پلیز۔“ اگر وہ بروقت قدم نہ جما لیتی تو اس سے ضرور ٹکرا جاتی۔

”اف ......کیا بدتمیزی ہے یہ؟“ وہ ایک دم غصے سے کھول اٹھی۔ خفت و شرمندگی نے الگ خجالت سے دوچار کر دیا۔

”آئم سوری۔“ مصطفیٰ کو بھی صورتحال کا احساس ہوا تو چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ شہوار نے بگڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

”اب کیا مسئلہ ہے؟“

”میں نے صرف یہ جاننے کے لیے تمہیں بلوایا ہے کہ بوا جی کو تم نے شہر کیوں بلوایا ہے؟“ مصطفیٰ نے ایک نیا کھاتہ کھولا۔

”میں نے ان کو نہیں بلوایا وہ خود آئی ہیں۔“ شہوار کا انداز زچ ہو جانے والا تھا۔

”اس ہنگامی دورے کی کوئی خاص وجہ؟“ وہ سینے پر ہاتھ باندھے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

”مجھے تو نہیں بتائی کوئی وجہ انہوں نے خود ہی پوچھ لیں۔ ویسے بھی ہر روز فون پر ان سے کئی کئی بار رابطے تو رکھے جاتے تھے۔“ اس نے غصے سے بتایا تو مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

”اوہ......تو تم میرے اور بوا جی کے اس طرح رابطہ رکھنے پر جیلس ہو رہی ہو۔“

”واٹ ان سینس......کم عقل نہیں ہوں۔“ مصطفیٰ کے سلگانے پر فوراً سلگ کر گویا ہوئی۔

"آپ ان سے رابطے رکھیں یا فون کریں میری بلا سے میں کیوں جیلس ہونے لگی۔" غصے سے مصطفیٰ کو دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

"تو اس کا مطلب ہے ہمارے رشتے سے متعلق تمہارے جو بھی تحفظات تھے وہ ختم ہو گئے ہیں۔" شہوار کا جی اب حقیقت میں چاہنے لگا کہ وہ کوئی چیز اٹھا کر مصطفیٰ کے سر پر دے مارے۔

"خوش فہمی ہے جناب کی۔" نخوت سے ناک سکیڑی۔

"اگر خوش فہمی بھی ہے تو حقیقت بتا کر ختم کر سکتی ہو کہ تم نے ان کو یہاں اچانک کیوں بلوایا ہے اور اب آج سارا دن وہ کہاں تھیں؟ میں مان ہی نہیں سکتا کہ تمہیں علم نہ ہو وہ آج سارا دن گھر سے غائب رہیں ڈرائیور کو بھی گھر بھیج دیا۔ بالکل اکیلا اتنے گھنٹے وہ کہیں رہتیں بھول گئے ہیں امپاسبل اور تم نے یہ ساری داستان امیر حمزہ سن کر کوئی ری ایکشن نہ دیا حیرت ہے یا تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ آج سارا دن کہاں رہیں یا پھر تم کو ان کی غیر حاضری کی وجوہات کا علم تھا۔"

"شٹ اپ...... دماغ خراب ہے بس آپ کا پتا نہیں کس پاگل نے آپ کو پولیس ڈیپارٹمنٹ میں بھرتی کر لیا تھا۔ غلط رخ پر غلط انداز میں تفتیش و تحقیق مائی گاڈ۔" مصطفیٰ کے اس قدر بے بنیاد الزامات پر وہ بگڑ کر رہ گئی۔

"میں نے ان کی بات کو اس لیے سچ مان لیا ہے کہ میری امی اول تو جھوٹ نہیں بولتیں اگر کچھ ہے بھی تو مصلحتاً اس بات کو چھپایا ہوگا اور رہی یہ بات کہ وہ اچانک یہاں کیوں آئیں تو برائے مہربانی یہ سوال ان سے ہی کیجیے گا۔ مجھے واقعی ان کی آمد کی اصل وجہ کا نہیں پتا۔ مگر جس طرح آپ بال کی کھال اتار رہے ہیں اس سے یہ ضرور شو ہو رہا ہے کہ انہوں نے آپ کو بتا کر اور آپ کے مشورے سے ہی یہاں آنے کا ارادہ کیا ہوگا۔"

"دیکھو اب تم زیادتی کر رہی ہو۔" مصطفیٰ نے اسے فوراً ٹوکا۔

"ہاں اور یہ جو تب سے مجھے اپنے کمرے میں بلوا کر بے مقصد بے تکے الزامات کی بھرمار کیے جا رہے تھے۔ جو کیا لفظوں کے پھول بچھا رہے تھے۔" اس نے فوراً حساب برابر کیا۔ مصطفیٰ ایک دم ہنس دیا جبکہ وہ مزید بگڑ گئی۔

"امی یہاں کیوں آئی ہیں اور کیا وجہ ہے ان سے دریافت کریں وہ آج کہاں گئی تھیں یہ بھی پوچھیے مگر پلیز مجھے یوں جرح کے کٹہرے میں کھڑا مت کیجیے گا۔" مصطفیٰ کی باتوں پر وہ خاصی اکتا گئی تھی۔ تلخی سے کہہ کر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر وہ سامنے سے ہٹ کر وہاں سے نکلی تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر اسے کمرے سے نکلنے کا رستہ دیا۔

یہ لڑکی ہر گزرتے دن کے ساتھ زندگی کا ایک لازمی حصہ لگنے لگی تھی آج کل جس طرح تیکھا اور بد مزاج انداز اپنائے ہوئے تھی تو مصطفیٰ کو ایسے میں اسے چھیڑنا اس کی خفت اور خفگی سے حظ اٹھاتے میں خاصا مزہ آ رہا تھا اور اس سارے معاملے کو خاصا انجوائے بھی کر رہا تھا اور جس طرح وہ بد لحاظ انداز میں آج کل جوابی کارروائی کر رہی تھی مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ اندرون دل کسی ایسے ہی جیون ساتھی کی شدید طلب تھی جو وقت اور حالات نے پوری کر ڈالی۔

"ہم بھی دیکھتے ہیں شہوار سکندر علی آپ آخر کب تک ہم سے یوں دامن بچائیں گی آخر کب تک یوں پہلو بدلیں گی ہم سے یوں دور دور رہیں گی۔"

کب تک رہو گے آخر......؟

یوں دور دور ہم سے

ماننا پڑے گا آخر......

اک دن ضرور ہم سے

دامن بچانے والے

یہ بے رخی ہے کیسی؟

کہہ دو اگر ہوا ہے

کوئی قصور ہم سے

ہم چھوڑ دیں گے تم سے

یوں بات چیت کرنا

تم پوچھتے پھرو گے

اپنا قصور ہم سے
ہم پوچھیں لیں گے تم سے
یہ شان بے نیازی
تم ہا تکتے پھرو گے
اپنا غرور ہم سے.....!

مصطفیٰ شاہ زیب علی پہ شوخ سی دھن گنگناتے کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔



"گناہ کا وجود کسی ماورائی طاقت کا مرہون منت نہیں ہوتا بلکہ اس کی پیداوار انسان کی اپنی نفسانی خواہشات ہوتی ہیں آسمانوں سے فرشتے غلطیاں کرنے نہیں اترتے بلکہ انسان اپنے نفس کے بے لگام گھوڑے پر سوار سرکش نفس کو اتنی ڈھیل دے دیتا ہے کہ گناہ و ثواب کی باتیں اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ وہ نفس کے سرکش گھوڑے پر سوار اس قدر اپنی خواہشات کی تکمیل میں غرق رہتا ہے کہ اسے پتا ہی نہیں چلتا ہے کہ اس کے گناہوں کی فصل کیسی بار آور ہو چکی ہے اور جب گناہ کا عمل سرزد ہو جاتا ہے تو تلافی کا وقت گزر جاتا ہے اور پھر انسان کا ضمیر کچوکے لگانے کے لیے اس کے نفس کے اندر لاشعوری کھڑکیاں کھول دیتا ہے جو مسلسل کچوکے لگانے کا عمل سرانجام دیے جاتی ہیں اور یہ لاشعوری دروازے کس کس طرح انسان کے اندر تبدیلیوں کا محرک بنتے ہیں یہ صرف وہی انسان جانتا ہے جس پر بیتتی ہے اور گناہ کے بعد توبہ کا عمل کفارے کی ایک قسم بھی بن جاتا ہے۔ بعض اوقات توبہ کا عمل فوراً گناہ کے بعد وقوع پذیر ہو تو قبول ہونے کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں مگر جب وقت گزر جائے گناہ سرزد کیے زمانے بیت جائیں تو پھر توبہ کا عمل بھی طویل تر ہو جاتا ہے۔ بس ایک موہوم سی امید ہوتی ہے۔ جو توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے چلے جانے پر مجبور رکھتی ہے۔"

نماز کے بعد ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے مگر لب سے کوئی دعا جاری نہ ہو رہی تھی بس آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں کی برسات جاری تھی جو دونوں ہاتھوں کو بھگوئے جا رہی تھی۔

"یا اللہ تو میرے گناہوں کو جانتا ہے بخش دے..... بس الٰہی بخش دے.....؟" اور دعا من کے کسی زبان نکلے سے بس آوازیں اور ہی تھیں اور الفاظ ہونٹوں تک آنے پر اٹکی ہی جاتے تھے۔ آوازوں کا ایک لامحدود اور لامتناہی سلسلہ تھا اور سوچ ایسی الجھی ہوئی تھی کہ خیالات پر کوئی گرفت نہ تھی۔

"الٰہی بخش دے سالوں گزر گئے روتے گڑگڑاتے بس الٰہی بخش دے۔" ان کی باریش داڑھی آنسوؤں سے تر تھی نحیف و نزار وجود ہچکیوں سے لرز رہا تھا اور یہ رات ان کے لیے بہت بھاری تھی۔ آج رات بھی انہوں نے خواب دیکھا تھا اور اس کے بعد کا عمل احساس گناہ کے بعد توبہ کا عمل تھا اور ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ جائے نماز بچھائے رب کے حضور اپنے گناہوں پر مغفرت کی دعا کے طالب تھے مگر مغفرت نہیں مل رہی تھی۔

"یا اللہ تلافی کی کوئی صورت تو نکال کہ میں اپنے گناہوں کا ازالہ کر پاؤں وہ زندہ ہوتا تو کوئی امید ہوتی۔ اس کے پاؤں میں جا گرتا رہتا گڑگڑاتا اس کے بیوی بچے ہوتے تو ان کے سامنے ہاتھ جوڑتا الٰہی اب کس کے سامنے معافی کی درخواست کروں کیوں مجھ بدنصیب کو چین نہیں ملتا۔ الٰہی گناہ کیا تھا اور سدباب کی کوشش بھی تو کی تھی۔ نفس کی خواہشات کے آگے مجبور ہوا تھا تو احساس گناہ ہونے پر فوراً پلٹ بھی تو آیا تھا پھر توبہ کا یہ سلسلہ اتنا طویل کیوں ہوتا چلا جا رہا ہے۔ الٰہی بخش دے معاف کر دے...... ان بوڑھی ہڈیوں میں اب دم نہیں تو جانتا ہے نجانے کب قضا آ جائے الٰہی معاف کر دے بخش دے.....بخش دے.....!"

وہ ہچکیوں میں اس قدر شدت سے روئے کہ کمزوری کی وجہ سے ایک طرف ڈھے گئے تھے۔

"بابا صاحب۔" بخشو جو کل تابندہ کو چھوڑنے کے بعد رات تک واپس آگیا تھا وہ فوراً کمرے میں بھاگا آیا تھا آج پھر بابا صاحب نے خواب دیکھا تھا آج پھر ان کی حالت شدید نوعیت کی خراب ہو چکی تھی ہمیشہ کی طرح وضو کر کے انہوں نے جائے نماز سنبھال لی تھی جوں جوں ان کی دعا اور ہچکیوں کی آواز طویل اور بلند تر ہوتی جا رہی تھی بخشو پریشان ہوتا جا رہا تھا کہ آج خواب کے بعد والی حالت سنبھلنے کے بجائے بگڑتی جا رہی تھی۔

"بابا صاحب۔" اس نے جائے نماز پر گرے بابا صاحب کو سیدھا کیا۔

بابا صاحب بے ہوش ہو چکے تھے۔ اس نے ان کو اٹھا کر بستر پر لٹا دیا۔ حویلی میں اس وقت ملازمین کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا تابندہ بی کل کی شہر گئی ہوئی تھیں وہ بہت کم شہر جاتی تھیں اس بار شاید برسوں بعد گئی تھیں وہ حویلی میں ہوتی تھیں تو ایک ڈھارس سی رہتی تھی۔ اب وہ نہیں تھیں اور بابا صاحب کی یہ حالت دیکھ کر بخشو کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے۔ اس نے پانی کے چھینٹے بابا صاحب کے چہرے پر مارے چند حربے استعمال کیے مگر بابا صاحب کی بے ہوشی نہیں ختم ہو رہی تھی۔ وہ مردانے کوارٹر میں جا کر خدا یار کو بلا لایا۔ دونوں مل کر بابا صاحب کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ان

کی کوششیں رنگ لائیں اور بابا صاحب نے آنکھیں کھولیں مگر وہ حواس میں ابھی بھی نہیں تھے ان کی غنودگی ابھی بھی برقرار تھی ان کی یہ حالت خاصی تشویشناک تھی۔

''کیا کریں اب؟'' بخشو نے جوید ار کو دیکھا۔

''میری تو صلاح ہے کہ شہر فون کر دو بابا صاحب کی طبیعت تو خاصی خراب لگ رہی ہے۔ اللہ جانے کیا معاملہ ہو فقنا آنے میں کب دیر لگتی ہے؟ یہ نہ ہو کہ بابا صاحب کی آل اولاد اطلاع نہ کرنے پر ہم پر غصہ کریں؟'' چوکیدار سلیم خان نے کہا تو بخشو سوچ میں پڑ گیا۔ بابا صاحب ضعیف ضرور تھے مگر ایسی بھی حالت نہ تھی کہ ایک دم فقنا آ جاتی مگر قدرت کے کاموں کا بھلا کس کو پتا چلتا ہے۔ شاید سلیم خان درست ہی کہتا ہو۔

''تم ایسا کرو کسی کو بھیج کر ڈاکٹر کو بلواؤ تب تک میں شہر فون کرتا ہوں۔'' بخشو ایک فیصلہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور سلیم خان کسی کو ڈاکٹر کو بلوانے نکل آیا۔



وہ آج لیلیٰ زبیری کے ہمراہ کلب میں موجود تھا۔ لیلیٰ زبیری آج پہلی ملاقات کے برعکس کچھ سنجیدہ روپ میں تھی مگر پہلے دن کے برعکس آج آخری حد تک دلکش اور حسین لگ رہی تھی۔

''بہت انتظار کروایا تم نے؟'' اس وقت ٹیبل پر وہ دونوں ہی تھے شہزاد کے ذریعے متعارف ہونے والی یہ لڑکی ایاز کو خاصی پسند آئی تھی مگر یہاں سے ملنے والی تمام لڑکیوں کے الٹ خاصی موڈی تھی۔

''کیا کروں ایک کام تھوڑی ہے مجھے زندگی میں اور بھی بہت سے کام ہیں جو غور طلب ہیں۔ ملاقات کرنے کی فرصت ہی نہیں مل رہی تھی اگر شہزاد کی بار بار کال نہ آ رہی ہوتیں تو چند دن مزید وقت نہ نکال پاتی میں۔ بڑی مشکل سے وقت نکالا ہے میں نے۔'' ایک ادا سے اپنی کلائی میں پڑے بریسلیٹ کو گھماتے اس نے کہا تو ایاز اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھے گیا۔ یہ لڑکی اسے شہوار سکندر علی کی ہی طرح کچھ الگ سی لگی۔

''تمہاری فیملی کا بیک گراونڈ کیا ہے؟'' ایاز نے کسی سوچ میں الجھ کر پوچھا۔

''کیا میں نے تم سے تمہاری فیملی کا بیک گراونڈ پوچھا؟'' لڑکی اسے لاجواب کر گئی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

''تم جیسی لڑکیوں کا صرف ایک ہی بیک گراونڈ ہوتا ہے۔'' اس کا دل چاہا کہ وہ کہہ دے مگر کچھ سوچ کر چپ رہا کہ کہیں ناراض ہو کر پھر دوبارہ ملنے پر آمادہ بھی نہ ہو پائے۔ یہ لڑکی بہت پسند آئی تھی۔

''تمہارے متعلق دو باتیں سنی تھیں دونوں ہی سچ نکلیں۔'' لڑکی کے جواب میں اس نے مسکرا کر کہا۔

''کون کون سی باتیں۔''

''یہ کہ تم حسین ہی نہیں، بہت ذہین بھی ہو۔'' لیلیٰ زبیری اس تعریف پر مسکرا دی۔

''اگر یہ تعریف ہے تو تھینکس اگر طنز ہے تو میں اس کو تعریف ہی کہوں گی۔ ویسے جانتے ہو جب حسن اور ذہانت یکجا ہوں تو اکثر مقابل کی سدھ بدھ ختم ہو جاتی ہے۔'' وہ لڑکی بولنے کے فن سے آگاہ تھی وہ کھل کر ہنس دیا۔

دیکھا تجھے تو بڑھ گئیں اس دل کی دھڑکنیں
کیا تیرا دل بھی زور سے دھڑکا ہے سچ بتا

ایاز نے بڑے انداز میں شعر پڑھا۔

بہت ناز ہے تجھ کو تیری اس نگاہِ الفت پہ
مگر ہم وہ نہیں پیارے جو نگاہیں چار کرتے ہیں

لیلیٰ زبیری کی برجستگی سوا تھی وہ ایک دم متحیر سا دیکھے گیا۔

''زبردست اس کا مطلب ہے کہ تمہیں شعر و شاعری سے بھی شغف ہے۔'' وہ ہنس دی۔

''نہیں جناب یہ ہمارا انٹرسٹ نہیں یہ تو یونہی فی البدیہہ زبان سے پھسل گیا۔''

''بہت خوب۔'' ایاز نے سراہا۔

''لگتا ہے تمہارے ہاں مہمانوں کی تواضع کا کوئی سلسلہ نہیں بھوکا مارو گے مجھے کیا؟'' لیلیٰ زبیری نے ایک ادا سے اپنے کھلے لمبے سلکی بالوں کو ہاتھوں سے سنوار تے کہا تو وہ گڑبڑا گیا۔

''نہیں...... نہیں ابھی منگواتا ہوں تم مینیو سلیکٹ کرو۔'' ایاز نے فوراً مینیو کارڈ اسے پکڑایا۔

"تھینکس۔" اس نے مینیو کارڈ تھاما۔

ایاز نے ویٹر کو بلوایا تو لیلیٰ نے مینیو لکھوا دیا۔ کھانا آنے تک دونوں کے درمیان باتوں کا سلسلہ چلتا رہا اور کھانے کے بعد دونوں باہر لان میں چلے آئے۔

"تم اپنے گروپ کے باقی تینوں لڑکوں سے ہٹ کر لگے تھے۔ یو نو مجھے آج کل کے چھچھورے ٹائپ لڑکوں سے شدید نفرت ہے۔ تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور یہ ملاقات بھی زبردست رہی۔ میں میل اینڈ فی میل کی روایتی قسم کی دوستی کے بہت خلاف ہوں۔ تھینکس کہ تم عام لڑکوں کی طرح نہیں ہو۔" ایاز کے ساتھ چہل قدمی کرتے لیلیٰ زبیری نے کہا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

"ویسے تمہیں کس قسم کی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"تم جیسی خوب صورت، ذہین اور اسٹریٹ فارورڈ۔" لیلیٰ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"تھینکس۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم دونوں کی دوستی چلے گی۔" کھلکھلا کر ہنستے اس نے اپنا ہاتھ ایاز کی طرف بڑھایا تو ایاز نے فوراً کسی قیمتی شے کی طرح تھام لیا۔

"کیوں نہیں۔" لیلیٰ زبیری نے تو اسے پہلی ملاقات ہی میں اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر ایک بھرپور قسم کی پلاننگ کرنے لگا تھا۔ اگر یہ لڑکی ٹریپ پر آ جائے تو اس سے وہ خوب فوائد حاصل کر سکتا تھا۔

حسن، جوانی، خوب صورتی اور ذہانت ہر چیز اس وجود میں یکجا تھی۔ وہ نزاکت کا مجسمہ تھی تو بولنے کے فن میں بھی لاجواب تھی۔ ایسی لڑکیوں کو تو پھنسانے کے لیے اس کی سوسائٹی کے لڑکے جال بچھاتے تھے اور یہ تتلی خود بخود اس کے جال میں پھنسنے کے لیے تیار تھی۔ بس اس پر بہت صبر اور برداشت سے محنت کرنا تھی۔

"اوکے اب میں چلتی ہوں تم سے ملاقات فون پر ڈیلی بیس کریں گے۔" اگلے ہی پل اپنا ہاتھ کھینچ کر وہ اپنا بیگ اپنے کاندھے پر سیٹ کر رہی تھی۔ اب کے اس کا بالکل روایتی انداز تھا۔

"اوکے بائے بیوٹی۔" اپنی پلاننگ کے مطابق ایاز نے فوراً جی حضوری والا حربہ آزمایا ورنہ وہ اتنی جلدی ہاتھ آئی نعمت کو کبھی جانے نہیں دیتا۔

"سو اِٹس ٹو رومینٹک، اوکے گڈ بائے۔" وہ اسے ہاتھ ہلا کر گڈ بائے کہتے اپنی پارکنگ میں کھڑی کار کی طرف بڑھ گئی تھی۔

• ❀ •

تابندہ بوا کی آنکھ کھلی تو پھر دوبارہ آنکھ نہ لگی۔ ابھی تو رات کے بارہ ہی بجے تھے۔ شہوار سو گئی تھی اس پر کمبل درست کرتے وہ کمرے سے نکل آئی تھیں۔ رات کے پہر وہ بہت کم سوتی تھیں۔ اب تو یہ برسوں سے معمول بن گیا تھا۔ رات کی اولین گھڑیوں میں چند پل سو لیا تو سو لیا ورنہ عمر بھر سے یہ رت جگے نصیب بن گئے تھے اور باقی ماندہ رات کلیوں پر سلگتے گزر جاتی تھی۔ اب تو ایک عرصے سے معمول بنا لیا تھا کہ جیسے ہی آنکھ کھل جائے نماز بچھا کر اللہ سے رابطہ جوڑ لیا کرتی تھیں۔ شاید اسی لیے وہ شب بہت کم آیا کرتی تھیں۔ اب تو ایک عرصے بعد یہاں آئی تھیں مگر لگتا تھا کہ ماضی پلٹ آیا ہے۔ وہ لاؤنج میں آئیں تو چونک گئیں وہاں مہر النساء اور شاہ زیب صاحب موجود تھے۔

"السلام علیکم۔ آپ لوگ جاگ رہے ہیں۔" قریب آ کر استفسار کیا۔

"ہاں یونہی باتیں کرتے کرتے روزانہ اس وقت تک جاگنا معمول بن گیا ہے۔" وہ مہر النساء کے پاس آ بیٹھیں۔

"باقی سب سو گئے؟"

"ہاں کمروں میں تو چلے گئے ہیں۔"

"کیا باتیں ہو رہی تھیں۔"

"بس یہی مصطفیٰ اور شہوار والے رشتے کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔" مہر النساء نے کہا تو وہ سر جھکا گئیں۔

"آپ کل یہاں نہ آ جاتیں تو آج میرا پروگرام گاؤں جانے کا تھا۔ مصطفیٰ اور شہوار کے نکاح یا منگنی وغیرہ کے سلسلے میں فائنل کرنا تھا۔" شاہ زیب صاحب نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"ہمارا تو یہی فائنل ہے کہ منگنی وغیرہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ڈائریکٹ نکاح ہی کریں۔" مہر النساء بیگم نے کہا۔

"اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی تو شہوار پڑھ رہی ہے میڈیکل کی تعلیم مکمل ہو جائے تو پھر دیکھ لیں گے۔"

"بھئی ہمیں شہوار کی تعلیم مکمل کرنے پر کوئی اعتراض نہیں مگر اتنی دیر تک اس رشتے کو نہیں لٹکا سکتے۔ مصطفیٰ بھی دوران تعلیم شادی کے حق میں نہیں مگر نکاح تو طے ہے نا۔ مصطفیٰ کو نکاح پر کوئی اعتراض نہیں۔" شاہ زیب صاحب نے کہا تو انہوں نے دونوں میاں بیوی کو دیکھا۔ یعنی یہ مکمل طور پر رضامند تھے اور شہوار...... ان کے دل سے اک ہوک اٹھی۔

"عائشہ اور صبا بھی اسی سلسلے میں آئی ہوئی ہیں نکاح کا فیصلہ ہمارا آپس میں طے ہے بس بچیاں سے ہوا کیں تو ایک دو دن بعد کوئی تقریب رکھ لیتے ہیں ہم لوگ۔" مہر النساء بیگم بہت محبت سے کہہ رہی تھیں۔

تابندہ بی نے بہت خاموشی سے دونوں میاں بیوی کو دیکھا۔ ان کے جگمگاتے چہروں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ کس قدر خوش و مطمئن ہیں اور کبھی یہی اطمینان شہوار کا روشن مستقبل دیکھ کر ان کے اپنے دل میں بھی اترا تھا اور اب شہوار کے دوٹوک انکار نے اندرون دل سب چراغ گل کر دیے تھے۔

"کیا بات ہے آپ خاموش کیوں ہیں.....کوئی مسئلہ ہے؟" شاہزیب صاحب کو تابندہ ہوا کی خاموشی قدرے غیر معمولی سی لگی۔

"جی خیریت ہی ہے بس ایک مسئلہ تھا شہوار فی الحال کسی قسم کا کوئی ہنگامہ نہیں چاہ رہی۔" انہوں نے چھپے لفظوں میں بات کی تو دونوں میاں بیوی چونکے۔

"آپ کی شہوار بیٹی سے بات ہوئی کیا؟" شاہزیب صاحب نے پوچھا۔

"جی.....بہت تفصیلی ہر پہلو سے بات ہوئی ہے وہ دراصل جادہ اور دیگر لوگوں کے رویوں سے بد ظن ہوئی ہے اسی لیے فی الحال انکاری ہے۔" انہوں نے بغیر مزید بات گھمائے دھیمے لفظوں میں اصل بات کی طرف نشاندہی کرنا چاہی۔

"اوہ.....کیا کہتی ہے شہوار؟" شاہزیب صاحب کا سنجیدہ انداز تھا۔

"جادہ اور دیگر لوگوں کی باتوں سے اس کے ذہن میں ایک بات بیٹھ چکی ہے کہ ہمارا اور آپ لوگوں کا کوئی جوڑ نہیں مصطفیٰ کو بہت اچھے اور اعلیٰ خاندان کے رشتے مل سکتے ہیں۔"

"وہاٹ نان سینس۔" شاہزیب صاحب ایک دم تلخ ہوئے۔

"یا انکار وہ صرف جادہ اور اس کی فیملی کی وجہ سے کر رہی ہے کیا؟" انہوں نے بغور تابندہ ہوا کو دیکھا۔

"اسے اور بھی بہت سارے اعتراضات ہیں۔" دونوں میاں بیوی نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کس قسم کے اعتراضات ہیں؟" شاہزیب کا انداز انتہائی سنجیدہ تھا۔

"سب سے پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ ہم دونوں یہاں کیوں ہیں.....کم عمری میں اس نے زندگی مجھے پریشان نہیں کیا مگر اب ہر وقت اس کے لبوں پر یہی سوال رہتے ہیں کہ اس کا باپ کون تھا؟ ہم اپنے خاندان میں کیوں نہیں رہے؟ ہم یہاں کیوں رہ رہے ہیں؟ مالی اور نسبی لحاظ سے بھی ہم آپ لوگوں کے ہم پلہ نہیں تو پھر یہ رشتہ کیسے جڑ سکتا ہے؟ وغیرہ.....وغیرہ اسی قسم کے اعتراضات ہیں اسے۔"

"اوہ....." شاہزیب صاحب نے بغور تابندہ ہوا کو دیکھا۔

"تو پھر آپ نے اس کے اعتراضات دور کرنے کو اصل حقائق بتانے کی کوشش نہیں کی کیا؟"

"اصل حقائق....." ایک تلخ سی مسکراہٹ تابندہ ہوا کے ہونٹوں پر آٹھہری۔

"اس عمر میں بچے متجسس ہو جاتے ہیں شہوار ایک سمجھدار بچی ہے اگر ایسا ری ایکٹ کر رہی ہے تو یقیناً جادہ یا کسی اور واقعہ نے اس کی شخصیت کو متاثر کیا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ان سب باتوں کو بہت سنجیدگی سے لیا جائے بہر حال میں شہوار سے بات کروں گا۔ اس سلسلے میں سمجھانے کی کوشش کروں گا محض جادہ کی وجہ سے اس طرح انکار کر دینا کوئی عقلمندی والی بات نہیں۔ اس صورت میں کہ جب ہم نے تمام رشتہ داروں کو مصطفیٰ اور شہوار کی بات طے ہو جانے کی اطلاع بھی دے دی ہے عباس نے جادہ کو منتخب کر لیا ورنہ ہماری مرضی تو شروع سے ہی شہوار کو اپنی بیٹی بنانے کی تھی۔"

"نہیں آپ شہوار سے بات مت کیجیے گا میں خود ہی اسے سمجھانے کی کوشش کروں گی۔" انہوں نے فوراً ٹوکا تو وہ سر ہلا گئے۔

"او کے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ شہوار بیٹی کی مصطفیٰ کے متعلق کیا رائے ہے ان اعتراضات سے ہٹ کر وہ کیا کہتی ہے؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"وہ سمجھتی ہے مصطفیٰ اس سے ہر لحاظ سے ایک اعلیٰ شخصیت کا حامل انسان ہے۔ اخلاق و کردار ہی نہیں بلکہ وہ نسبی و مالی پیمانوں کے لحاظ سے بھی مصطفیٰ کو خود سے بہت اونچا محسوس کرتی ہے۔ تمام اعتراضات ایک طرف وہ مصطفیٰ کی شخصیت سے انکاری نہیں ہے۔ بس جب بات مصطفیٰ سے ہٹ کر ہو تو وہ انکار کر جاتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ مصطفیٰ کو ایک سے ایک اعلیٰ سے اعلیٰ خاندان کی لڑکی مل سکتی ہے۔" تابندہ ہوا نے بہت سوچ سوچ کر شہوار کے خیالات کا اظہار کیا تو دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

شاہزیب علی صاحب نے کچھ کہنے کو لب وا کیے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ تینوں نفوس نے ٹیلی فون کی طرف دیکھا۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" شاہزیب صاحب نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور تھام اٹھا لیا۔

"السلام علیکم! میں حویلی سے بخشو بات کر رہا ہوں۔"

"وعلیکم السلام...... خیریت؟" شاہ زیب صاحب نے گھڑی دیکھی ایک بجا رہی تھی۔
"جی صاحب! بابا صاحب کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے ہم نے گاؤں کے ڈاکٹر کو بلوایا تھا۔"
"کیا......" وہ ایک دم پریشانی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"مجھے تفصیل بتاؤ۔" دوسری طرف بخشو انہیں ساری تفصیل بتانے لگا۔
"اوہ...... ڈاکٹر کیا کہتا ہے؟" دونوں خواتین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
"وہ چیک کر رہا ہے بابا صاحب کو ہوش تو آ گیا تھا مگر پھر بھی ان کے حواس بحال نہیں ہو رہے ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ ابھی تو پریشانی والی کوئی بات نہیں اگر کسی اچھے ہسپتال ور ڈاکٹر سے چیک اپ نہ کروایا گیا تو ان کے حواس پر اثر پڑ سکتا ہے۔ وہ ذہنی لحاظ سے ٹھیک نہیں تھے صاحب۔ بے ہوشی سے پہلے انہیں جو خواب آیا تھا اس سے ان کی حالت خراب ہوگئی تھی اور اس کے بعد وہ مسلسل بے ہوش ہیں۔"
"اچھا ٹھیک ہے ہم لوگ آتے ہیں۔ تم ان کا بس خیال رکھو۔ ڈاکٹر کو جانے نہیں دینا۔ کوئی بھی اطلاع ہو تو میرے موبائل پر فون کرنا۔ او کے اللہ حافظ۔" انہوں نے ریسیور رکھ دیا تھا۔
"کیا ہوا؟ کون بیمار ہے؟" مہر النسا بیگم نے پوچھا۔
"بابا صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی ہے وہی خوابوں کا سلسلہ مگر اس بار کچھ زیادہ وہ شاک میں چلے گئے ہیں۔ حواس میں نہیں لوٹ رہے۔"
"اللہ رحم کرے۔" مہر النسا بیگم نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تو تابندہ بوا بھی ایک دم پریشان ہوگئیں۔
"پھر......"
"ہم ابھی اور اسی وقت گاؤں کے لیے نکل رہے ہیں۔ وہاں جا کر صورت حال کا اندازہ ہو گا کہ کوئی حتمی فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر ان کو ہسپتال ایڈمٹ کروانے کی ضرورت پڑی تو پھر ہم ان کو ادھر ہی لیں آئیں گے؟" وہ عجلت میں پروگرام ترتیب دیتے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔
"میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ ویسے بھی میرا کل گاؤں والی جانے کا پروگرام تھا۔" تابندہ بوا کے الفاظ پر وہ محض سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تو مہر النسا بیگم بھی ان کے پیچھے چل دیں تابندہ بوا بھی شہوار کے کمرے میں چلی آئیں۔
شہوار سو رہی تھی انہوں نے لائٹ آن کی اور اپنا بیگ الماری سے نکالا۔ اس وقت تیار کیا ہوا تھا اس بیگ سے چادر نکال کر شہوار پر پھیلائی۔ کل جس کمرے میں وہ گئی تھیں وہاں سے وہ چند چیزیں لے کر آئی تھیں جو ان کے ہینڈ بیگ میں احتیاط سے رکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے شہوار پر نگاہ ڈالتے اپنا ہینڈ بیگ اپنے سفری بیگ میں رکھ لیا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلیں تو شہوار لائٹ آن ہونے کی وجہ سے جاگ چکی تھی۔
"کیا ہوا...... آپ کہیں جا رہی ہیں؟" انہیں چادر لیے دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔
"ہاں گاؤں جا رہے ہیں میں اور بھائی صاحب! بابا صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" سلیپر اتار کر اپنا جوتا پہنتے انہوں نے بتایا تو وہ چونک گئی۔
"کیا ہوا بابا صاحب کو؟"
"بڑھاپا تو خود ایک بیماری ہے اوپر سے وہی خوابوں کا سلسلہ۔ بخشو کا فون آیا تھا عام حالت میں بخشو فون نہیں کرنے والا بھائی صاحب جا رہے تھے مجھے بھی تو کل جانا تھا سوچا کہ ابھی چلی جاؤں۔"
شہوار پریشانی سے بستر سے نکل آئی۔
"کیا زیادہ سیریس کنڈیشن ہے؟" وہ ایک دم فکر مند ہوگئی تھی۔
"پتا نہیں۔"
"اگر ایسی حالت ہے تو میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟" انہوں نے حیران ہو کر بھی کو دیکھا۔
"اس وقت؟ تمہاری پڑھائی کا حرج ہوگا۔"
"بابا صاحب سے زیادہ پڑھائی اہم نہیں ہے ویسے بھی پچھلے کئی دنوں سے میں چھٹیاں کر رہی ہوں چند دن مزید سہی۔" اس نے کندھے اچکائے۔
"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں اب بھائی صاحب کا پتا نہیں کہ وہ ساتھ لے کر جائیں یا نہیں۔"
"کچھ نہیں کہیں گے وہ میں اپنا فرسٹ ایڈ باکس ساتھ لے جاتی ہوں۔ یوں بھی میں بابا صاحب کی تیمارداری میں ہی کروں گی۔" تابندہ بوا پہلے ہی پریشان تھیں۔ محض سر ہلا کر رہ گئیں۔

"میں فوراً تیار ہوتی ہوں پھر؟" اس نے ایک دم بھاگم بھاگ اپنا بیگ تیار کیا۔ چند کتابیں، روزمرہ کی چند اشیا اور کپڑے بیگ میں ٹھونسی تھیں۔ بیگ تیار کرنے کے بعد وہ ایک جوڑا لے کر واش روم میں گھس گئی تھی۔

وہ چینج کر کے نکلی تو مہر النسا تائی تابندہ کو بلا کر لے آئی تھیں اسے تیار دیکھ کر چونکیں۔

"تم بھی جا رہی ہو کیا؟"

"جی......" اس نے سر ہلا دیا۔

"ابھی بابا صاحب کی حالت کے بارے میں کنفرم نہیں ہو سکتا ہے انہیں شہر کی کسی اسپتال میں لے آئیں۔ ویسے شاہ زیب نے زبیری صاحب کو کال کر دی ہے رستے میں انہیں پک کر لیں گے۔ تم ٹھہر کر صورتحال دیکھ کر جاتی تو بہتر تھا۔" شہوار نے ماں کو دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ کیا کرے اب؟

"اب تو تیار ہو گئی ہے ساتھ ہی چلی چلے ویسے بھی بابا صاحب بھی اس کو کافی دنوں سے یاد کر رہے تھے اسے دیکھ کر کچھ بہتر ہوں گے۔" انہوں نے ہاں کا عندیہ دے دیا تھا۔

"ٹھیک ہے شاہ زیب انتظار کر رہے ہیں۔ میں صبح کسی لڑکے کو لے کر آؤں گی۔ اللہ خیر کرے تب تک ہو سکتا ہے بابا صاحب کی طبیعت بہتر ہو جائے۔"

"ان شاء اللہ۔" وہ دونوں مہر النسا کے ہمراہ باہر آ گئی تھیں انکل گاڑی کے پاس کھڑے ان کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ تابندہ کے ہمراہ شہوار کو بھی دیکھ کر ٹھٹکے۔

"شہوار بیٹی بھی جا رہی ہیں کیا؟"

"جی۔" انہوں نے مزید سوال و جواب کیے بغیر دونوں کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

• ۞ •

صبوحی بیگم کی آنکھ کھلی تو پھر نیند نہ آئی وہ یونہی دروازے کھڑکیاں چیک کرنے باہر نکل آئیں۔ اما کے کمرے کے پاس سے گزرتے ٹھٹک گئیں۔ کمرے کی لائٹ روشن تھی۔

"ایک تو یہ لڑکی ہر وقت جاگتی رہتی ہے پتا نہیں سوتی کب ہے؟ جانے دن بدن کیا ہوتا جا رہا ہے؟ اتنی موڈی تو کبھی نہ تھی۔" لائٹ روشن دیکھ کر وہ جھنجلائی تھیں۔

آج کل رمشا نے اما کے ساری ساری رات جاگنے کی اطلاع دی تھی۔ کل بخار تھا آج طبیعت کچھ بہتر تھی۔ سب کے ساتھ بیٹھ کر کافی دیر تک باتیں بھی کرتی رہی تھی۔ انہوں نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو کھلتا ہی چلا گیا۔ اما دریچے میں کھڑی باہر اندھیرے میں نجانے کیا کھوج رہی تھی۔ پہلی نگاہ ڈالنے پر یہی احساس ہوتا تھا کہ کمرے کے دریچے میں ایک نہایت افسردہ اضمحلال و پژمردہ وجود کا پورٹریٹ کھڑا ہے۔

"اما......" انہوں نے گھبرا کر پکارا تو اما نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"آپ......اس وقت؟" ماں کو اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے ابھی تک جاگ رہی ہو؟" انہوں نے قریب آ کر پوچھا تو وہ محض مسکرا دی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"یونہی بس نیند نہیں آ رہی تھی۔" انہوں نے قریب آ کر اس کا ہاتھ تھام کر بستر پر لا بٹھایا اور خود بھی ساتھ ہی ٹک گئیں۔

"نیند نہیں آنے کی بھی تو کوئی وجہ ہوتی نا؟"

"شاید......" اما کا انداز ایسا تھا کہ صبوحی بیگم کے دل کو کسی نے چھوا۔

"کوئی پرابلم ہے اما؟" اما نے بڑی بے چارگی سے ماں کو دیکھا۔

اس کا وجود آگ کی بھٹی بنا ہوا تھا مگر وہ کسی کو بتا نہیں سکتی تھی۔ اپنے جذبات احساسات پر کسی بھی طرح کا کوئی اختیار نہیں رہا تھا مگر لب خاموش تھے۔ اور کبھی کبھار یوں لگتا تھا کہ ایک دن دہکتی آگ میں جھلستے چیخ چیخ کر رو دے گی۔ خود پر ضبط بالکل کھو دے گی اختیار ختم ہو جائے گا۔ وہ ہزار چاہنے کے باوجود خود کو نارمل نہیں کر پا رہی تھی۔ ملیحہ ضیاء نے اس سے معافی مانگ لی تھی معذرت کر لی تھی مگر دل تھا کہ پھر بھی اختیار میں نہیں آ رہا تھا۔

"ماما......میں کچھ دن کے لیے یہاں سے دور جانا چاہتی ہوں۔ اس گھر سے یہاں کے مکینوں سے......بہت دور......ماما ہمارا کوئی رشتہ دار تو ہو گا۔ ہم کبھی کسی کے پاس گئے ہی نہیں صرف ماموں کے علاوہ کسی اور تعلق کا ہمیں پتا ہی نہیں......کیوں......کیا ہمارا کوئی رشتہ دار نہیں ہے؟" یونہی بات کرتے کرتے کچھ خیال آنے پر ماں کو دیکھا۔ صبوحی بیگم کے چہرے کا رنگ ایک دم زرد ہوا تھا۔

"تمہیں یکایک رشتہ داروں کا خیال کیسے آ گیا؟" انہوں نے بغور بیٹی کو دیکھا۔

"پہلے ہم پاکستان سے باہر تھے مگر جب سے پاکستان آئے ہیں کوئی رشتہ دار ملنے ہی نہیں آتا اور نہ ہی ہم کسی کے پاس جاتے ہیں۔ اگر کبھی کسی کے متعلق پوچھا تو آپ ہمیں ٹال گئیں۔ تجسس تو فطرت کا حصہ ہے نا۔ ہمارے بھی تو کوئی رشتہ دار ہوں گے۔ آپ کے بھائی ضیا ماموں ہیں تو ہمارے پاپا کے بھی کوئی بہن بھائی ہوں گے نا؟" اما کہہ رہی تھی سبوحی بیگم لب دانتوں تلے دبا گئیں۔

"تمہارے پاپا اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اور ہم آپس میں کزنز تھے تمہیں بتا تو چکی ہوں یہ رشتہ داری۔" انہوں نے کچھ سنجیدگی سے کہا تو اما نے ماں کو بغور دیکھا۔

"اور آپ کے باقی رشتہ دار مثلاً خالہ ماموں چچا پھوپی پاپا کے بھی یہی رشتہ دار......؟"

"اما ہم لوگ اپنے باقی رشتے داروں کے مقابل مالی لحاظ سے بہت کم درجے پر تھے۔ میری والدہ اور تارکی امی دونوں سگی بہنیں تھیں اس طرح ہمارے باپ بھی سگے بھائی تھے۔ ہمارے والدین نے اپنی زندگی میں بہت جدوجہد کی ہمیں پڑھایا لکھایا۔ میری کم عمری میں ہی اماں ابا انتقال کر گئے تھے تار کے والدین نے ہی ہمیں پالا پوس کر بڑا کیا سب رشتہ دار بڑے بڑے شہروں میں اونچے اونچے عہدوں پر تھے کسی نے ہم سے کبھی ملنا گوارا نہ کیا اور پھر ضیا بھائی کسی نہ کسی طرح امریکا چلے گئے تو حالات بدلنے لگے وقار بھی سیٹل ہونے لگے پھر ضیا بھائی نے ہم سب کو باہر بلوانے کی کوششیں کیں اس وقت ہماری زندگی میں تم اور احسن تھے جبکہ ضیا کے پاس رمشا نے اور ولید ہمیں وہاں بھجوا کر وہ اپنی فیملی کو لے جانے کا بندوبست کر رہے تھے۔ جب ان کی بیگم کا انتقال ہو گیا پھر وہ بچوں کو لے کر امریکا چلے آئے اور ایک طویل عرصہ ہم نے وہاں گزارا حالات بدلنے لگے۔ پھر ہم نے یہاں آ کر اپنے کاروبار کا آغاز کیا اللہ نے مدد کی اور کاروبار ترقی کرتا چلا گیا۔ سچ کہوں تو یہ سب ضیا بھائی کی محنت اور کمائی کا نتیجہ ہے آج جو کچھ بھی ہے اللہ کی عنایت کے بعد انہی کی کوشش و عمل کا نتیجہ ہے۔" انہوں نے بہت رسانیت سے اما کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے محبت و شفقت سے وہی سب کچھ دہرایا جو وہ اما کے سامنے پہلے بھی کئی بار دہرا چکی تھیں۔

"اور ممانی کا انتقال کیسے ہوا تھا؟" اما کو اس موضوع سے ہمیشہ سے دلچسپی تھی۔ ایک دم پھر متجسس ہوئی۔

"رمشا کی پیدائش کے بعد وہ بیمار رہنے لگی تھیں۔ ضیا بھائی باہر ہوتے تھے ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ وہ صحت یاب ہو جائیں اور ضیا بھائی بھی اس لیے پاکستان آئے تھے کہ وہ ان کو باہر لے جائیں تاکہ اچھے ڈاکٹرز کی نگرانی میں ان کا علاج ہو۔ پھر جیسے ہی ہم روانہ ہونے ان کی ڈیتھ ہو گئی۔"

"ان کی کوئی تصویر کوئی نشانی تو ہوگی نا آپ کے پاس؟" سبوحی بیگم نے بہت ضبط سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ اس سلسلے میں وہ اما کے سوالوں سے عاجز آ جاتی تھیں مگر اس کی تسلی و تشفی نہیں ہو پاتی تھی۔

"نہیں اس دور میں لوگ کم ہی تصاویر بنواتے تھے وہ خود بہت ملا ہی تھیں تصاویر نہیں بنواتی تھیں۔" انہوں نے بہت سنجیدگی سے کہا تو اما ایک دم ان کی گود میں سر رکھ کر دراز ہو گئی۔

"اور ممانی کے میکے والے؟ ولی اور رمشا نے ان لوگوں سے کبھی ملنے کی کوشش نہیں کی کیا؟" یہ وہ سوال تھا جس پر آ کر ان کا چہرہ متغیر ہمیشہ لوز ہو جاتا تھا۔

"اما کیا پرابلم ہے بیٹا...... کبھی بھار تم اس سلسلے میں بہت زیادہ انوالو ہو جاتی ہو ولید اور رمشا نے بھی تو کتنے سمجھدار ہیں کبھی انہوں نے اس قسم کے سوالات کیے ہیں کبھی دیکھا ہے انہیں اس سلسلے میں بلاوجہ متجسس ہوتے ہوئے؟" ان کے لہجے میں ہلکی سی ناراضی تھی اما نے ماما کو بغور دیکھا۔

"یا تو ان دونوں کی بہت اچھی طرح برین واشنگ ہو چکی ہے یا پھر انہیں اپنے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر مجھے جو سوال تنگ کرتے ہیں میں ان کے بارے میں ضرور پوچھوں گی۔" اما نے بھی تیزی سے کہا تو سبوحی بیگم ضبط سے اما کو دیکھنے لگیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم اس سلسلے میں جھوٹ بول رہے ہیں؟"

"نہیں مگر لاجک یہ ہے کہ اگر ایک بار ہی کوئی ایسا جواب دیا جائے جس سے آئندہ سوالوں کا سلسلہ بند ہو جائے تو کیا حرج ہے؟" ایک تو اما اور اس کی دلیلیں انہوں نے اپنے اوپر بہت ضبط کیا۔

"ضیا بھائی اور ان کی بیگم کی لو میرج تھی۔ ان کی بیگم اپنی فیملی سے نہیں ملتی تھیں ہو گئی تمہاری تسلی یا کچھ اور بھی جاننا ہے۔"

"واؤ...... امیزنگ۔" اما ایک دم اٹھ بیٹھی تھی۔

"ریلی...... " اسے یقین کرنے میں تامل ہو رہا تھا۔ سبوحی بیگم نے نگاہ چرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہوں ولید کی والدہ کی فیملی نے ان سے بائیکاٹ کر دیا تھا شادی کے بعد دونوں طرف سے کبھی ملنا ملانا ہی نہ ہوا اور ان کی ڈیتھ کی اطلاع پر بھی ان لوگوں نے کوئی رابطہ نہ کیا تو ضیا بھائی بچوں کو لے کر امریکا چلے آئے اور اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود کبھی کسی نے پلٹ کر یہ جاننے کی کوشش ہی نہ کی کہ مرنے والی کی کوئی اولاد بھی ہے یا نہیں۔"

"انٹرسٹنگ۔"

"ولی اور رمشا نے تو اس کے متعلق جانتے ہوں گے یا نہیں؟" اس نے ماں سے پوچھا۔

"وہ دونوں بہت سمجھدار بچے ہیں نہ ضیا بھائی کو کبھی خواہ مخواہ پریشان نہیں کیا انہوں نے یقیناً جانتے ہی ہوں گے اور تم ان سے کوئی الٹا سیدھا سوال مت کر کے بیٹھ جانا۔ بہر حال اپنے والدین کے

ماضی کے بارے میں ہر کوئی از حد حساس ہوتا ہے اور یہ دونوں بھی ہیں تم نے کبھی دیکھا ہے ان دونوں کو بلاوجہ سوال و جواب کرتے؟" انہوں نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں ماما..... اس لیے کہ وہ خود بھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتے اس لیے تم ان سے کچھ پوچھ کر انہیں اذیت مت دینے بیٹھ جانا۔" انا فوراً سمجھ کر سر ہلا گئی۔

"ماما ان کی والدہ کا نام لالہ رخ تھا؟" وہ اپنے نام کی طرح خود بھی بہت خوب صورت ہوں گی جبھی ولی اور رمشا نے دونوں خوب صورت ہیں اور ماموں کو وہ کہاں ملی تھیں؟"

"انا اسی لیے میں اس ذکر کو نہیں چھیڑتی تھی۔ مرنے والی تو مر گئی اب اس کے ذکر کا کیا فائدہ؟ تم ہر وقت گڑے مردے اکھاڑنے مت بیٹھ جایا کرو پلیز۔ تمہیں کوئی اور کام نہیں کیا؟" انا نے لب بھینچ کر کن انکھیوں سے ماں کو دیکھا ان کا چہرہ نجانے غصے سے سرخ تھا یا ضبط سے اس کو تاسف ہوا۔ یقیناً ماما کو بھاوج کی موت کا دکھ ہوتا ہوگا۔

"آپ کو تو وہ بہت پسند ہوں گی؟" اب کی بار صبوحی بیگم خاموش رہیں۔

"او کے اب نہیں پوچھتی۔ ناراض تو مت ہوا کریں۔" اس نے فوراً کہا تو صبوحی بیگم نے ایک گہرا سانس لیا۔

"سونے کی کوشش کرو۔ دیکھو ذرا اتنی سی شکل نکل آئی ہے راتوں کو مت جاگا کرو۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"سونا اپنے بس میں بھلا کہاں ہوتا ہے؟ اگر نیند اپنے بس میں ہو تو میں نیند کی گولیوں کا سارا پیکٹ ایک ہی بار پھانک لوں۔" اس نے اگلے ہی پل بے حسی سے کہا تو صبوحی بیگم ششدر رہ گئیں۔

"تم ٹرینکولائزر یوز کرتی ہو کیا؟"

"نہیں ابھی تو نہیں یوز کر رہی مگر جس طرح نیند نہیں آتی دل کرتا ہے ایک ہی بار پورا پیکٹ پھانک کر ابدی نیند سو جاؤں۔" انا کے لہجے میں کچھ ایسی بے بسی تھی کہ صبوحی بیگم دہل کر رہ گئیں۔

"شٹ اپ انا۔" انا خاموشی سے سر جھکا گئی۔

"خبردار آئندہ ایسی دل دہلا دینے والی بات کی تو۔" انہوں نے ڈانٹا۔

"خود ڈاکٹر ہو کر ایسی الٹی باتیں کر رہی ہو۔" انہوں نے تاسف سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"تو پھر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ میں ساری رات بستر پہ لیٹ کر کروٹیں بدلتی ہوں اور نیند نہیں آتی کیا کروں؟" دوا میں استعمال نہیں کرتی کہ عادی نہ ہو جاؤں۔ ایسے میں آپ سب کے سوال مجھے مزید اکتاہٹ سے دوچار کرتے ہیں۔" نہایت تیز تیز پلکیں جھپکاتے انا نے کہا تو صبوحی بیگم کو اس میں تیزی سے وقوع پذیر ان تبدیلیوں کا پہلی بار شدت سے ادراک ہوا۔

"ڈاکٹر کے پاس میرے ساتھ چلنا۔" انہوں نے حل بتایا۔

"مجھے نہیں جانا کسی ڈاکٹر کے پاس۔" اس نے جل کر کہا۔

"ڈاکٹر کے پاس میرے اس مرض کا علاج نہیں ہے۔ رہنے دیں خوامخواہ وقت ضائع کریں گی۔"

"تو پھر کس کے پاس ہے؟" انا نے ماں کو دیکھا اور پھر ان کی گود میں سر رکھ کر دراز ہو گئی۔

"پتا نہیں۔" اس کے لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔ صبوحی بیگم بغور اس کا چہرہ دیکھتے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی تھیں۔

"احسن کی شادی کی تیاریاں کافی حد تک ہو گئی ہیں۔ تم اس سلسلے میں آج کل کوئی دلچسپی نہیں لے رہی۔ روشی بے چاری اکیلی ہی لگی رہتی ہے۔ تم اس کے ساتھ بیٹھا کرو ذہن بٹے گا۔ مصروفیت ملے گی تو نیند بھی آنے لگے گی۔ ورنہ روشی سمجھے گی کہ تم نجانے کیوں اس کے ساتھ ہاتھ نہیں بٹا رہی۔" انہوں نے اس کا ذہن بٹانے کی کوشش کی۔ وہ محض سر ہلا گئی۔

"اسٹڈی کیسی چل رہی ہے۔" انہوں نے موضوع بدلا۔

"ٹھیک.....!" اکتاہٹ سے جواب دیا۔

"تم چھٹیاں بھی تو کرنے لگ گئی ہو دھیان سے اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔" انہوں نے مزید ہدایت دی تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"جی اچھا اور کچھ۔"

"اب تم نہ ہی کچھ بولو گی اور نہ کچھ سوچو گی بس آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرو میں تمہارے پاس ہی ہوں۔" اس کے بالوں میں بہت محبت سے انگلیاں پھیرتے دوسرے ہاتھ میں ہاتھ تھام کر بوسہ دیتے انہوں نے محبت و شفقت سے کہا تو بھی انا محض سر ہلا کر رہ گئی۔



وہ لوگ ابھی رستے میں ہی تھے کہ بخشو نے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ بابا کی بے ہوشی طویل ہو جانے پر وہ لوگ ان کو قریبی اسپتال لے گئے تھے جو گاؤں سے باہر سرکاری سطح پر واقع تھا۔ شاہ زیب

صاحب مزید پریشان ہو گئے تھے۔

یہ لوگ سیدھا ہسپتال پہنچے۔ زبیری صاحب کو انکل نے رستے سے پک کیا تھا وہ ان کے ساتھ ہی آئے تھے۔

"السلام علیکم صاحب۔" منشو ان لوگوں کو دیکھتے ہی فوراً قریب آ گیا تھا۔

"کیسے ہیں بابا صاحب اور ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟"

"ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ ان کے دماغ کو کوئی شدید صدمہ پہنچا ہے۔ ہم سے زیادہ تفصیل سے بات نہیں کی۔ ڈاکٹرز اِدھر ہی ہیں ہم لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔" منشو کی نشاندہی پر وہ ڈاکٹرز سے ملنے ایک کمرے کی طرف تیزی سے بڑھ گئے ان کے ہمراہ زبیری صاحب اور باقی افراد بھی تھے۔ ڈاکٹرز میں سے ایک دو سینئر ڈاکٹر موجود تھے باقی ورکنگ عملہ ہی تھا۔ ڈاکٹر صاحب انہیں بابا صاحب کے پاس لے گئے وہ بے ہوش ہی تھے۔ ڈرپ لگی ہوئی تھی وہ شاہزیب اور دیگر لوگوں کو بابا صاحب کی کنڈیشن بتانے لگے۔

"سیریس کنڈیشن نہیں ہے بس ان کے دماغ میں کھنچاؤ ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ان کا دل و دماغ شدید صدمے کے زیرِ اثر ہے۔ اگر مکمل طور پر ہوش آ جاتا ہے تو ٹھیک دوسری صورت میں آپ ان کو کہیں اور شفٹ کر سکتے ہیں۔" ڈاکٹرز نے بابا صاحب کی ساری کنڈیشن بتا کر آخر میں کہا تو شاہزیب صاحب نے زبیری صاحب کو دیکھا۔

"ابھی تو یہ انڈر آبزرویشن ہیں تھوڑی سی امپرومنٹ ہوتی ہے تو دیکھتے ہیں کیا کرتے ہیں۔ اہم چیز یہ ہے کہ ان کو ہوش آ جائے۔ جس طرح کی صورتحال بتائی جا رہی ہے اس سے اندازہ تو نہیں ہو رہا کہ ان کو شدید صدمہ پہنچا ہے۔ خوابوں کا سلسلہ جو کچھ بھی تھا ایک عرصے سے یہ سلسلہ چل رہا تھا پھر آج اچانک اس شدید کنڈیشن میں چلے جانا سوچنے کی بات ہے اصل ریزن کیا ہو سکتی ہے۔"

"پتا نہیں بابا صاحب کچھ کہہ بھی تو نہیں رہے تھے میں نے کئی بار کوشش کی کہ کسی سائیکالوجسٹ سے میٹنگ کروا دیں ایک بار گئے بھی تو دوبارہ جانے کا نام ہی نہ لیا۔ ان کے دل و دماغ میں گناہ کے احساس کی ایک ایسی گرہ بندھ گئی ہے جو کھلنے میں ہی نہیں آ رہی۔" شاہزیب صاحب کا فکر و پریشانی سے برا حال تھا شہوار نے فوراً آگے بڑھ کر ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"آپ فکر نہیں کریں ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے آپ اِدھر بیٹھیں ڈاکٹرز ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں اگر ہم مطمئن نہیں ہوئے تو بابا صاحب کو شہر لے جائیں گے۔ فی الحال تو ان کے ہوش میں آنے تک ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔" شہوار ان کا ہاتھ تھامے باہر لے آئی اور سامنے پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بٹھا دیا۔ دوسری طرف تابندہ بھی آ بیٹھی تھی۔

تابندہ بی شاہزیب صاحب سے تسلی و تشفی کی باتیں کرنے لگیں تو شہوار اٹھ کر بابا صاحب کے روم میں آ گئی زبیری صاحب ڈاکٹر کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ ایک نرس بھی کمرے میں تھی۔ وہ بھی بابا صاحب کے بستر کے پاس کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی تھی۔ بابا صاحب سے متعلق اسے بہت سے واقعات یاد آنے لگے تو ایک محبت بھری نگاہ اس نے بابا صاحب کے بارعب چہرے پر ڈالی۔

"مجھے نہیں پتا باپ کی شفقت کیا ہوتی ہے؟ مگر آپ کے وجود میں ہمیشہ مجھے ایک باپ کی محبت ملی آپ نے جس طرح میرے وجود کا خیال رکھا میری ماں کے سر پر دستِ شفقت رکھا آپ کے اس سلوک نے مجھے خرید لیا۔ میرے خیالات میرے احتجاجات سب ایک طرف مگر آپ کا ہر حکم ایک طرف آپ کا وجود ہمارے لیے ایک گھنی چھاؤں ہے ہم ماں بیٹی لوگوں کی ہزار باتوں کا سامنا کرتے لگتیں مگر آپ نے جس طرح ہمیں اس حویلی کے حقیقی مکینوں کا مان دیا لوگوں کی سب زبانیں بند ہو گئیں۔ آپ نے ہمیں ایک عزت بھری زندگی دی۔ آپ کی اولاد نے ہمیں جو مان اور محبت دی اس کا بدلہ تو شاید میں ساری زندگی نہ چکا سکوں۔ کاش میں آپ کے دکھوں کو جان سکتی۔" میں جان سکتی کہ آپ کو آنے والے خوابوں کے اس سلسلے کے پیچھے کیا وجہ ہے تو سچ کہتی ہوں میں اپنی ساری توانائیاں آپ کے اس دکھ کو ختم کرنے میں لگا دیتی۔" وہ بہت محبت بھری نگاہ سے انہیں دیکھتی رہی اور جانے کیا کچھ سوچتی رہی۔



وہ جاگنگ کر کے واپس گھر لوٹا تھا صحن میں پہنچ کر رک گیا۔ اما سرخ لباس میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر رک گئی تھی۔

"السلام علیکم!" اما نے پہل کی۔

"وعلیکم السلام آج صبح صبح کیسے دکھائی دے رہی ہو۔" جب سے پاکستان لوٹا تھا روزانہ جاگنگ کرنے جاتا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اما کو مارننگ واک کرتے دیکھ رہا تھا۔

"بس ساری رات آنکھ ہی نہیں لگی پھر سوچا کہ نماز پڑھ کر کیا لیٹوں واک ہی کر لوں۔" اما کے جواب پر ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ وہ جب سے پاکستان لوٹا تھا تو پہلی نگاہ میں یہ لڑکی بہت خوش گوار سرسبز و شاداب گلاب کی مانند کھلی کھلی تر و تازہ لگی تھی اور اب ہر گزرتے دن کے ساتھ عجیب دل پژمردہ اور سست ہوتی جا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ کوئی غم ہے اندر ہی اندر گھول رہا تھا۔

"اچھی سوچ ہے روزانہ واک کیا کرو صحت پر خوشگوار اثر پڑے گا۔" اما مسکرا دی اور پھر واک کرنے لگی تو ولید اندر جانے کی بجائے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"اب طبیعت کیسی ہے کچھ افاقہ ہوا؟"

"جی..... بہتر ہوں.....!" ولید نے اوراس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا۔ کل وہ اس سے معذرت کر چکا تھا اپنے رویے کی معافی بھی مانگ چکا تھا مگر اندر ہی اندر اب بھی ایک گلٹ تھا جو ختم ہی نہیں ہو پا

رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ ابا اب بھی اس سے خفا ہے۔ لاشعوری طور پر وہ چند قدم پیچھے رہ گیا تھا ابا نے آگے بڑھ کر پلٹ کر دیکھا۔

''کیا ہوا؟'' اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے وہ عجیب سی خوشی محسوس کر رہی تھی اور اب ولید کو رکتے دیکھ کر فوراً ٹھٹکی تھی۔

''کچھ نہیں میں یہ پھول دیکھ رہا تھا بہت پیارے لگ رہے ہیں۔'' ولید نے سامنے گلابوں کے جھنڈ کی طرف اشارہ کیا تو ابا نے مسکرا کر پھولوں کو دیکھا۔ سرخ، سفید اور گلابی کلر کے گلاب کے پھولوں کی ادھ کھلی کلیاں بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔

''ہاں مگر ماما پھول توڑنے پر بہت خفا ہوتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ پھولوں سے محبت کی جائے اور ان سے محبت کا تقاضا ہے کہ ان کو توڑا نہ جائے۔ شروع شروع میں میں نے چند ایک بار پھول توڑ لیے تھے تو بہت خفا ہوئی تھیں۔ یہ ہمارا چھوٹا سا باغیچہ ماما کی کوششوں کے مرہون منت ہے۔'' اطراف میں گھوم کر وضاحت کی تو ولید مسکراتا پھولوں کے جھنڈ کے قریب آ ٹھہرا۔

''لو یہ شاخ کے ساتھ جڑے مرجھا جاتے ہیں اور ان کو قدردانی کی ایک نگاہ بھی میسر نہیں آتی یہ بھی تو زیادتی ہے نا۔'' ولید نے جھک کر گلابی پھول توڑ لیا۔

''ولی..... ماما بہت خفا ہوں گی۔'' اس نے اسے باور کروانا چاہا۔ ''آپ کو نہیں پتا ماما پھولوں کے معاملے میں کس قدر ٹچی ہیں۔'' اس نے مزید بتایا۔

''کچھ نہیں کہیں گی۔'' ولید نے اس کی ہدایتوں کو نظر انداز کرتے ایک ایک کر کے تمام ادھ کھلی کلیوں کو توڑ لیا۔ وہ خاموشی سے قریب کھڑی اسے پھول توڑتے دیکھ رہی تھی۔ پھول توڑنے کے بعد ولید نے بہت احتیاط سے پھولوں کی ٹہنیوں سے اضافی کانٹے توڑے اور پھر تمام پھولوں کو ایک گلدستے کی صورت میں ترتیب دے کر ایک اضافی ٹہنی کی مدد سے گلدستے کو باندھ دیا تھا۔ اس سارے عمل کے دوران ابا بس خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سارا عمل سرانجام دیتے دس پندرہ منٹ تو ضرور لگے ہوں گے۔ اب ادھ کھلی کلیوں کا ایک خوب صورت گلدستہ تیار تھا۔

''کیسا لگ رہا ہے؟'' ولید نے گلدستہ اسے دکھاتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس دی۔ آج بہت دنوں بعد وہ یوں دل سے کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ بڑی معطر اور تازہ دم جھرنوں جیسی ہنسی۔

''بہت ہی پیارا..... لیکن بہت ہی خوب صورت ماما کی ڈانٹ سننے کے لیے بھی تیار رہیے گا۔'' وہ متوقع ڈانٹ سے خوف دلا رہی تھی۔

ولید نے بہت خوش گوار انداز میں اس کو یوں دل سے ہنستے دیکھا۔ یوں لگا گویا اطراف میں گھنٹیاں سی بج اٹھی ہوں۔ دل میں جو کثافت بھی ہوئی تھی یوں لگا وہ دھلنے لگی ہے۔ وہ جو اس کی ناراضی کو لے کر پریشان تھا اس کی یوں صاف شفاف دلکش ہنسی کے جلترنگ سن کر ایک دم پرامید سا ہو نے لگا۔

''تمہیں پسند آیا؟'' ولید نے بہت محبت سے پوچھا وہ فوراً سر ہلا گئی۔

ولید کو اس وقت بڑی اور معصوم اور اپنی اپنی سی لگی۔

''بہت نائس لگ رہا ہے نا۔'' اس نے گلدستہ تھامنے کو ہاتھ بڑھایا تو ولید نے گلدستہ پیچھے کر لیا۔

''یوں..... یوں ایسے نہیں۔'' اس نے چونک کر ولید کو دیکھا وہ مسکراتا بڑا دلکش لگ رہا تھا۔ ابا کو اپنا دل ایک دم دھڑکتا محسوس ہوا۔ اس نے ہاتھ ہٹا کر نگاہیں جھکا لیں۔ آج اس شخص کو بھلا کیا ہوا تھا۔ اس قدر توجہ پر بھلا کیونکر آمادہ ہو گیا تھا؟ وہ حیرت زدہ تھی۔

''یہ تمہارے لیے..... میری طرف سے اس مارننگ واک کا ایک خوب صورت سا گفٹ اس امید کے ساتھ کہ تم مجھ سے ناراض نہیں ہو۔'' وہ جو پلٹنے کا سوچ رہی تھی ایک دم حیرت سے ولید کو دیکھنے لگی۔ ولید ادھ کھلی کلیوں کا یہ چھوٹا سا گلدستہ اس کی طرف بڑھاتے بڑے دلکش انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''ولید.....!'' وہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔

ولید نے یہ گلدستہ بطور خاص صرف اس کے لیے بنایا تھا۔ کیسا خوش کن خیال تھا اسے لگا کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگی ہو۔ کیسا جذبوں کو بے لگام کر دینے والا انداز تھا۔

''میرے لیے.....؟'' وہ بے یقین تھی۔ ولید نے مسکرا کر سر ہلایا تو بھی وہ لینے میں تامل برت گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پیچھے ہٹا لیا۔

''ہاں تمہارے لیے.....!'' ولید نے اسی کے انداز میں کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے گلدستہ تھام لیا۔ اسے لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہو۔ اس نے پھولوں کو اور پھر بے یقینی سے ولید کو دیکھا۔

''میری طرف سے تم بہت برٹ ہوئی ہو بس یہ یقین چاہتا ہوں کہ تم اب مجھ سے خفا نہیں ہو تمہیں نہیں پتا یہ دو دن میں نے کس اذیت کے عالم میں گزارے ہیں۔ اپنے رویے پر میں خود بھی از حد نادم رہا ہوں۔'' وہ مزید کہہ رہا تھا اور ابا کو لگ رہا تھا کہ آج اس کی زندگی میں اک نئی صبح طلوع ہوئی ہے۔ اک نیا موڑ آیا ہے۔

اگر وہ اذیت میں گرفتار رہی تھی تو پریشان وہ بھی تھا۔ پرسکون وہ بھی نہ تھا۔ اگر وہ بخار کی اذیت میں مبتلا رہی تھی تو اس اذیت کو ولید ضیاء نے بھی پل پل محسوس کیا تھا۔ کیسا روح کو معطر کر دینے والا احساس تھا۔ ابا کو لگا کہ ولید ضیاء نے اس کی مردہ روح کو اس چھوٹے سے تحفے کے مول پھر سے سیراب کر دیا ہے۔

''تھینکس..... تھینکس آ لاٹ ولید۔'' پھولوں کو ناک کے قریب لے جا کر سونگھتے اس نے بہت محبت سے کہا۔ ولید مسکرا کر اس کا روشن کھلا کھلا چہرہ دیکھتا رہا۔

''ماما پاپا ناشتہ کر چکے ہیں ماموں نے صرف دودھ کا گلاس لیا ہے اور وہ بعد میں ناشتہ کریں گے اور میں تیار ہوں بس چینج کرنا ہے پہلے یہ سب کام روشی کرتی تھی مگر اب مجھے ہی کرنا پڑ رہے ہیں۔'' ولید مسکرا دیا۔

''بتایا نہیں کیا لیں گے۔''

''پراٹھا و آملیٹ اور دودھ کا گلاس لے آؤ۔''

''بس دو منٹ۔'' وہ کچن میں غائب ہو گئی تو ولید اخبار دیکھنے لگا۔ پانچ منٹ بعد وہ ٹرے لیے چلی آئی ولید کا ناشتہ اس کے سامنے رکھ کر وہ دوبارہ کچن میں جا کر اپنے لیے بریڈ پر جیم، آملیٹ بٹر اور دودھ لا کر ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''آملیٹ تو اچھا بنایا ہے تم نے۔'' ولید نے ناشتہ کرتے کہا تو وہ ہنس دی۔

''میں نے نہیں بنایا صغراں نے بنایا ہے سارا ناشتہ میں نے تو بس سرو کیا ہے اس کی تعریف کریں۔''

''اچھا تمہیں کیا کیا پکانا آتا ہے۔''

''کچھ خاص نہیں گزارا کر لیتی ہوں۔'' اس نے شرمندگی سے کہا۔

''میں تو بڑا خوش خوراک ہوں یار یعنی مستقبل قریب میں صرف گزارا کرنا پڑے گا۔'' ولید نے کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

''نہیں ایسی بات بھی نہیں اگر توجہ اور دل سے پکاؤں تو بہت اچھا پکا لیتی ہوں۔''

''یعنی دل سے پکانا شرط ہے۔'' ولید نے کہا تو انا نے حیرت سے دیکھا۔

پچھلے تین چار دن سے اس کے ساتھ ولید کا رویہ بہت خوش گوار ہو چکا تھا۔

وہ دونوں ابھی ناشتہ کر رہے تھے کہ ٹیبل پر پڑا ولید کا موبائل بجنے لگا تھا۔ انا نے سرسری سا موبائل کو دیکھا مگر چونک گئی تھی۔ ''کاشفہ'' کا نام دیکھ کر اس کے چہرے سے تمام خوشگوار تاثرات ایک دم ختم ہوئے تھے۔ ولید نے موبائل کو دیکھتے اسے بھی دیکھا تھا انا اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''ہیلو۔'' ولید نے کال ریسیو کی۔ انا کا سارا وجود کان بن گیا تھا۔

''یس آئی ایم فائن، اینڈ یو؟'' انداز میں بے تکلفی تھی۔ انا کے حلق میں بریڈ کا ٹکڑا اٹکنے لگا تو اس نے جھٹ دودھ کا گلاس منہ سے لگا لیا تھا۔

''میں کل سے آپ کو بہت مس کر رہی تھی۔'' دوسری طرف سے آتی ہلکی سی آواز انا کے کانوں کو بھی فیضیاب کر رہی تھی۔ ولید نے انا کو دیکھا وہ سر جھکائے ناشتہ کر رہی تھی۔

''ایکسیوز می۔'' وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ انا خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس کا تمام خوشگوار موڈ ایک دم شدید اضطراب کی زد پر آ گیا تھا۔

''باجی کوئی اور چیز چاہیے۔'' وہ گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی جب صغراں نے آ کر پوچھا تو وہ چونکی ولید آدھے سے زیادہ پراٹھا کھا چکا تھا دودھ کا گلاس بھی ختم کر چکا تھا اس نے بے دلی سے اپنے ناشتے کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں، ان سب کو اٹھا لو۔'' وہ اسے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے آج کالج جانا تھا لباس لے کر وہ باتھ روم میں گھسی اور لباس بدل کر اس نے اپنی کتابیں اور بیگ اٹھایا اور چادر لے کر باہر آ گئی ولید اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

''منصور بابا گاڑی نکالو۔'' ولید کی طرف دیکھے بغیر اس نے ڈرائیور کو کہا۔

''آؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' ولید نے پلٹ کر کہا۔

''صرف ڈراپ؟'' اس کے منہ سے تلخی سے پھسلا تھا۔ ولید نے چونک کر دیکھا۔

''کیا پک بھی کرنا ہو گا مجھے۔'' انا نے خود کو سنبھالتے نفی میں سر ہلایا۔

''منصور خان کا تو روز کا کام ہے آپ کو خواہ مخواہ زحمت ہو گی میں چلی جاؤں گی۔''

''زحمت کیوں ہوں گی رستے میں ہی پڑے گا تو تمہیں بھی ڈراپ کر دوں گا۔''

''نہیں آپ جائیں میں منصور خان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تھینکس۔'' اب کے سختی سے کہہ کر اس نے منصور خان کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا تو اس نے دروازہ کھول دیا اور وہ خاموشی سے پچھلی سیٹ پر ٹک گئی۔ ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

وہ گردن پھیرے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا ولید کی گاڑی گیٹ سے نکلی تو ڈرائیور نے بھی گاڑی

"لالہ ہر ایک کے معاملے میں اس قدر حساس تھی اور موڈی تھی یا پھر یہ خصوصی رعایت وہ صرف اس کے ساتھ ہی برت رہی تھی۔" ایک خیال نے بڑی شدت سے اس کے اندر سر ابھارا تھا۔

"میں چلتی ہوں، کالج جانے کے لیے تیار ہونا ہے۔ آپ نے بھی تو آفس جانا ہوگا۔" ولید جو اسے بغور دیکھ رہا تھا لالہ نے اس کی نگاہوں کو محسوس کرتے جھجک کر وہاں سے نکلنا چاہا۔

ولید نے خاموشی سے سر ہلا کر اسے جانے دیا اور وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی تو ولید کئی لمحے اپنے ہی کسی خیال میں الجھا کھڑا رہا اور پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا کہ اس کے اندر جس خیال نے سر ابھارا تھا اس پر دل و دماغ کی گرفت مضبوط نہیں ہو پائی تھی۔



دوپہر میں وہ چند گھنٹوں کے لیے تابندہ بی کے ساتھ حویلی گئی تھی مغرب کی نماز کے بعد وہ بخش دین عرف بخشو کے ساتھ واپس آئی تھی تابندہ واحویلی میں ہی ٹھہر گئی تھیں۔ یہاں آ کر اسے بابا صاحب کی طبیعت کی بحالی کی خبر ملی تو ایک دم خوش ہو گئی۔ بابا صاحب دوپہر میں حواس میں لوٹے تھے اور کچھ دیر حواس میں رہے تھے۔ شاہ زیب انکل سے بات چیت بھی کی تھی شہوار کے لیے یہ خوشگوار تھی۔ شاہ زیب انکل جب سے آئے تھے ہسپتال میں ہی تھے ان کے ساتھ زبیری انکل بھی وہیں تھے۔ شہوار کے پرزور اصرار پر وہ حویلی جا کر آرام کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے چونکہ اردگرد کے تمام علاقے میں بابا صاحب اور ان کی آل و اولاد کو لوگ اچھی طرح جانتے تھے سو ہسپتال میں بابا صاحب اور ان کے متعلقین کو خصوصی توجہ و رعایت دی جا رہی تھی۔ یہ ہسپتال سرکاری سطح پر تھا اور اردگرد کے کئی گاؤں اس ہسپتال کو لگتے تھے باقی سرکاری کلینک کی نسبت اس ہسپتال میں ادویات کے ساتھ ساتھ تمام ضروری سہولیات موجود تھیں۔ ڈاکٹرز بھی اگرچہ بہت تعداد میں نہ تھے مگر جو چند ایک تھے وہ قابل اور لائق تھے زبیری انکل ان ڈاکٹرز اور ہسپتال کی کارکردگی سے مطمئن تھے سو ابھی تک شاہ زیب صاحب بابا صاحب کو یہاں سے کہیں اور شفٹ کرنے والے ارادے پر عمل نہیں کر پائے تھے۔ بابا صاحب ٹرینکولائزر کے زیر اثر اس وقت سو رہے تھے۔

وہ ان کے بستر کے قریب رکھی کرسی پر آ بیٹھی۔ یونہی ادھر ادھر سوچتے اسے لالہ کا خیال آیا تو سوچا اسے مطلع ہی کر دے۔ لالہ آج کالج گئی تھی اور وہ وہاں جا کر اسے بتا کر اس نے کال کی تھی جب لالہ نے اسے بابا صاحب کی طبیعت اور اپنے یہاں آنے کا بتایا تھا تو اس نے تاکید کی تھی کہ وہ اسے بابا صاحب کی طبیعت جیسے ہی سنبھلے مطلع ضرور کرے۔

"بابا صاحب اب پہلے سے کافی بہتر ہیں انہیں ہوش آ گیا ہے۔ اس وقت ٹرینکولائزر کے زیر اثر ہیں۔ میں ان کے پاس ہوں وہ ڈسٹرب نہ ہوں اس لیے کال نہیں کر رہی۔" اس نے یہ الفاظ ٹائپ کر کے لالہ کے نمبر پر میسج سینڈ کر دیا تھا۔

"چلو اچھی بات ہے اور اپنا خیال رکھنا۔" جواباً لالہ کا ٹیکسٹ فوراً آیا تھا۔ شہوار مسکرا دی اور موبائل ہاتھ میں لیے بابا صاحب کو دیکھنے لگی۔

ہسپتال میں ایک محسوس کن خاموشی تھی یہ کوئی شہر کا ہسپتال تو تھا نہیں جہاں رات کے وقت بھی دن کا سماں رہتا۔ یہاں شام ہوتے ہی اندھیرا پھیلنے کے بعد ایک محسوس کن خاموشی چھا جاتی تھی۔ شہوار گزشتہ رات یہاں اکیلی نہیں آئی تھی سو کچھ محسوس نہ کر پائی تھی۔ اس وقت ڈاکٹر بھی نہیں تھے نرس بھی غائب تھی شہوار کو یہ خاموشی کچھ زیادہ ہی شدت سے محسوس ہونے لگی۔

"اف...... کیسا ڈراؤنا ماحول ہو رہا ہے۔ بھلے کوئی چور ڈاکو اندر گھس آئے دیکھو کسی کو پرواہ ہی نہیں کہ یہاں مریض اکیلا ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے کم از کم نرس کو تو چاہیے تھا کہ وہ یہاں روم میں چکر لگا جاتی۔" اردگرد کے ماحول سے پریشان ہوتے وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگی۔ تبھی دروازے پر کھٹکا ہوا تھا پھر اس کا لاشعوری خوف تھا۔ وہ ڈر کر سیدھی ہوئی۔

"ک...... کون......؟" اس نے گھبرا کر دروازے کو دیکھا وہ اسی طرح نیم وا تھا جس طرح پہلے تھا۔ شہوار خوفزدہ نظروں سے دروازے کو گھورے گئی۔ اس کے اندر اتنی سکت نہ ہی کہ اٹھ کر جاتی اور جا کر دروازہ لاک کر دیتی۔

"کوئی مجھ جیسا بھی کوئی بہادر ہوگا۔ حویلی سے امی نے کہا بھی تھا کہ عظمت یا تاج کو لے آؤں مگر تب خیال نہ آیا اور اب خوفزدہ ہو رہی ہوں۔ مجھ جیسے مستقبل کے ڈاکٹروں کا یہ حال ہے تو جانے مستقبل میں کیا کیا کارنامے سرانجام دوں گی۔" اس نے اپنے ہی خوف پر غصے میں آ کر خود کو ہی لتاڑنے کی کوشش کی۔

"چلو آج کی رات یہ ثابت ہو رہا ہے کہ میں کس قدر بہادر ہوں۔" اپنے خوف کو بھگانے کے لیے اس نے حویلی سے ساتھ لائی میڈیکل کی ایک کتاب کھول لی تھی۔

مگر چونکہ لاشعوری طور پر وہ خوفزدہ ہو چکی تھی سو کتاب کی ورق گردانی کرتے وہ گاہے بگاہے نیم وا دروازے کو بھی دیکھے جا رہی تھی۔ وہ پوری طرح اپنی توجہ کتاب کی طرف مبذول کیے ہوئے تھی جب ایک بار پھر دروازے پر کھٹکا ہوا وہ چونک گئی یوں لگا دروازے کے دوسری طرف کوئی ہے۔ اس نے اب بولنے کی بجائے خوفزدہ نظروں سے دروازے کو دیکھا مگر کوئی اندر نہیں آیا تو وہ آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھی اردگرد دیکھا کوئی چیز نہ ملی صرف شیشے کا گلاس تھا اس نے ٹیبل سے وہی تھام لیا آہستگی سے وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کی اوٹ میں ہو کر اس نے باہر کی سن گن لینا چاہی مگر صورتحال واضح نہ ہو پائی بس قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی یوں لگ رہا تھا کوئی روم کی طرف بڑھ رہا ہے۔

"کیا کروں اگر ڈاکٹر یا نرس ہوتی تو اتنا پراسرار انداز نہ ہوتا۔ وہ لوگ سیدھا روم میں آتے۔" جوں جوں قدموں کی آواز نزدیک آ رہی تھی شہوار کو اپنے اوسان خطا ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

"چلو جو بھی ہوگا دیکھ لوں گی۔ اگر کوئی چور ڈاکو ہوا تو اتنی آسانی سے تو قابو نہیں آنے والی۔" اس نے دل میں ارادہ باندھا۔

اب کے قدموں کی چاپ بالکل دروازے کے پاس آ رکی تھی۔ شہوار نے اپنا گلاس والا ہاتھ ایک دم اٹھا لیا تھا۔ تبھی دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا شہوار جو دروازے کی اوٹ میں تھی اس نے بنا دیکھے سوچے سمجھے گلاس کھینچ کر آنے والے کے سر پہ دے مارا اور یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ آنے والا بھی کچھ سمجھ نہ پایا تھا۔

چھناک......کی آواز کے ساتھ گلاس مقابل کے سر پہ لگ کر فرش پر گرتے ہی چکنا چور ہوا تھا اور آنے والے نے فوراً اپنا سر تھاما تھا۔

"اوہ......یو ایڈیٹ۔" مقابل اس حملے کی توقع نہیں رکھتا تھا سو اس نے شیر کی پھرتی سے پلٹ کر حملہ آور کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اپنے بازو میں جکڑا تھا۔

شہوار کی چیخ بے ساختہ تھی اور پھر شہوار تو جانی پہچانی آواز سن کر ہی حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"آپ......!" آنے والے کے چہرے پہ نگاہ پڑی تو لگا کہ بس زمین پھٹے اور اس میں سما جانے کی کسر رہ گئی ہے۔ اس قدر شرمندگی و خجالت۔

"تم......؟" مقابل بھی اسے دیکھ کر چونکا تھا۔

شہوار اپنے مقابل مصطفیٰ شاہزیب علی کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ رات کے اس پہر کوئی اور نہیں مصطفیٰ شاہزیب علی اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"واٹ نان سینس۔" وہ اگلے ہی پل برہم ہوا تھا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔" گلاس لگنے سے مصطفیٰ کے سر سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی تھی مصطفیٰ نے اسے اپنے بازو کے حصار سے نکالا تو وہ سخت شرمندگی سے سر جھکا گئی۔

وہ تو شکر تھا کہ بابا صاحب ٹرینکولائزر کے زیرِ اثر تھے ورنہ وہ اٹھ جاتے تو مزید شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا اور شور کی آواز سن کر ابھی تک کوئی ادھر نہیں آیا تھا۔

"آپ ادھر اسٹیچو بنی کھڑی کیا کر رہی ہیں؟ یہ سب کیا ہے؟" وہ برہمی سے کہتے اس سے فاصلے پر رکھی کرسی پر جا بیٹھا تھا جہاں وہ کچھ دیر قبل بیٹھی ہوئی تھی اور اپنی جیب سے رومال نکال کر سر کے متاثرہ حصے پر رکھ رہا تھا۔

"میں سمجھی کہ کوئی چور یا ڈاکو ہوگا۔" شرمندگی و خجالت سے برا حال تھا وہ ایک طرف بس رونے کی کسر رہ گئی تھی اوپر سے مصطفیٰ کا انداز وہ سر جھکائے مجرموں کی مانند کھڑی تھی۔

"ماشاءاللہ کیا ذہانت ہے آپ کی؟" اس نے طنزیہ نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا وہ مزید شرمندہ ہوئی۔

"محترمہ چور ڈاکوؤں کے لیے یہ چھوٹے موٹے گلاس کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ ویسے آپ کو یہ خیال کیسے آیا مطلب ہے کہ شک کیونکر ہوا کہ اس دروازے سے چور یا ڈاکو ہی داخل ہوں گے۔" شہوار نے اس کے اس طنزیہ الفاظ پر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کافی دیر سے دروازے کے باہر کھٹکا محسوس ہو رہا تھا ادھر کوئی ڈاکٹر ورس نہیں آیا تھا۔ میں سمجھی کہ سبھی اپنے اپنے رومز میں ہوں گے اور جب بار بار شک ہوا تو میں ڈر گئی تھی۔" وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکائے قدرے فاصلے پر کھڑے یہ کہہ گئی۔ مصطفیٰ جو اسے طنزیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اس کا انداز بیاں اور اسٹائل دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ تو شکر تھا کہ شہوار سر جھکائے ہوئے تھی ورنہ اسے مسکراتے دیکھ کر خوب جلتی۔

"آپ کی بلیڈنگ ہو رہی ہے ایم سوری میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا اور مجھے بھلا کیا پتا تھا کہ آپ ہیں؟" وہ اب دروازے سے ہٹ کر نزدیک آ گئی تھی مصطفیٰ نے اسے دیکھا وہ تشویش بھری نظروں سے اس کے سر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ کو پتا ہوتا کہ یہ میں ہوں تو کیا آپ پھولوں کے ہار لے کر میرے استقبال کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔" مصطفیٰ کے جملے پر اس نے ناراضی بھری نگاہ ڈالی۔

"یہاں فرسٹ ایڈ کا سامان تو ہوگا......اف پتا نہیں کیسا کٹ لگا ہے جو بلیڈنگ رک ہی نہیں رہی۔" مصطفیٰ کا سفید رومال خون سے رنگین ہو رہا تھا۔

گلاس کا کانچ کسی خاص زاویے سے لگا تھا جو فوراً زخم بنا گیا تھا۔

"میں فرسٹ ایڈ باکس لے کر آئی تھی مگر وہ تو وہیں حویلی لے گئی تھی۔" مصطفیٰ کے ہاتھ میں رنگین رومال دیکھ کر اس کے اندر احساسِ ندامت بڑھنے لگا۔ ٹیبل پر روئی پڑی ہوئی تھی۔ وہ روئی اٹھا کر مصطفیٰ کے پاس چلی آئی۔

"دکھائیں۔" مصطفیٰ نے ہاتھ ہٹا دیا تھا وہ خاموشی سے گھنے سیاہ بالوں کو ہٹاتے زخم کا معائنہ کرنے لگی۔ زخم اتنا گہرا بھی نہیں تھا بہرحال کٹ لگ گیا تھا اور بلیڈنگ بھی ہو رہی تھی سو تشویش بہرحال تھی۔

"میں باہر سے ڈریسنگ کا سامان لے کر آتی ہوں اتنی دیر میں آپ یہ روئی ایسے ہی دبا کر رکھیں۔"

"باہر کوئی چور ڈاکو بھی ہو سکتا ہے؟" مصطفیٰ کی رگ شرارت پھڑکی تو اس نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں ہر طرح کے حالات سے نمٹنا جانتی ہوں۔ بے فکر رہیں اتنی کمزور نہیں ہوں۔" کچھ دیر قبل وہ کمزور ثابت ہوئی تھی سو اب کے کچھ جز بز کرتے وہ باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر کے روم کا اسے پتا تھا نرس سے بھی اس کی سلام دعا ہو چکی تھی بابا صاحب خاص مریض کی حیثیت سے ایڈمٹ تھے سو ان لوگوں کو عملہ خصوصی پروٹوکول دے رہا تھا اس نے ڈاکٹر کے روم میں آ کر ڈریسنگ کا سامان مانگا تو نرس نے اسے فوراً فرسٹ ایڈ باکس کٹ لا تھمائی۔

"کچھ اور بھی چاہیے؟" نرس نے پوچھا۔

"نہیں ٹھیک ہے۔" متعلقہ تمام اشیاء دیکھ کر اس نے انکار کر دیا۔

"ویسے کرنا کیا ہے ان چیزوں کا؟ اگر ہیلپ کی ضرورت ہو تو میں آ جاؤں۔"

"نہیں میں کر لوں گی۔" رکھائی سے انکار کرتے وہ واپس کمرے میں آ گئی اور مصطفیٰ اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ تم مجھے سزا سنا کر چلی گئی ہو اتنی سخت سزا تو وہ بھی نہیں تھی ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہونے والی جو اسکول ٹیچر دیا کرتی تھی۔ میرا بازو دکھنے لگا ہے اسی طرح رکھے رکھے۔" مصطفیٰ اسے دیکھ کر پھر شروع ہوا تھا اس نے بغیر جواب دیے تمام سامان ٹیبل پر رکھ کر روئی اور ڈیٹول کی شیشی اٹھائی۔

"ہاتھ نیچے کر لیں۔" قریب آ کر کہا تو مصطفیٰ نے فوراً ہاتھ ہٹایا تھا۔ شہوار نے خون آلود روئی پکڑ کر ڈسٹ بن میں ڈالی۔

وہ خاموشی سے مصطفیٰ کے سر کے زخم کو ڈیٹول سے صاف کرنے لگی۔ زخم واقعی گہرا نہیں تھا۔ عام سا کٹ تھا بس یہ تھا کہ بلیڈنگ ہونے پر وہ فکر مند ہوئی تھی۔ زخم صاف کر کے اس نے ڈریسنگ کر دی تھی اور اس سارے عمل کے دوران اگر وہ خاموش رہی تھی تو مصطفیٰ نے بھی جملے بازی سے احتراز برتا تھا۔

"کل تک لگا رہنے دیں ایک دن میں زخم مندمل ہو جائے گا۔ وہاں باتھ روم ہے آپ جا کر ہاتھ دھو لیں۔" ڈریسنگ کرنے کے بعد اس نے تمام چیزیں سمیٹ کر باکس میں ڈالیں۔

مصطفیٰ باتھ روم میں گھسا تو وہ باکس اٹھا کر نرس کو واپس تھما آئی۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی شاید یہی وجہ تھی کہ دروازہ بار بار کھل رہا تھا اور وہ انجانے اوہام کا شکار ہوئی تھی۔ جانے مصطفیٰ بھی کیا سوچتا ہو گا۔

اسے اپنی عقل پر افسوس ہوا اندرونی طور پر شرمندگی سے برا حال ہو رہا تھا۔ وقتی طور پر کمرے میں جانے کے بجائے پانچ دس منٹ بعد کمرے میں واپس آئی تو مصطفیٰ اس کا منتظر تھا۔

"کہاں رہ گئی تھیں تم؟"

"نرس کو فرسٹ ایڈ کٹ دینے گئی تھی۔" وہ کہہ کر بابا صاحب کی ٹیبل کے پاس آ ٹھہری اور دوائیوں والی شیشیاں ادھر ادھر کرنے لگی اور پھر خیال آنے پر فوراً دروازے کے پاس بکھرے کانچ سمیٹنے لگی۔

"بابا صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے اسے دیکھا۔

"پہلے سے بہتر ہیں۔" ایک ایک کر کے کانچ سمیٹتے اس کی مکمل توجہ اس چیز پر تھی کہ کوئی کانچ انگلیوں کو زخم نہ لگا دے۔

"رہنے دو۔ خوامخواہ ہاتھ میں زخمی کر لو گی باہر سے وارڈ بوائے کو کہتا ہوں وہ کسی سوئیپر کو کہہ کر یا خود ہی صاف کر دے گا۔" مصطفیٰ نے اٹھنا چاہا تو اس نے منع کر دیا۔

"رہنے دیں ہو گئے ہیں۔" باریک چھوٹے چھوٹے کانچ کے ٹکڑے موجود تھے۔ بڑے بڑے تمام ٹکڑے ڈسٹ بن میں ڈال کر ٹیبل سے روئی کا ایک ٹکڑا لے کر تمام چھوٹے ذرات اس سے سمیٹ کر ڈسٹ بن میں ڈالنے کے بعد وہ اٹھی اور ہاتھ دھو کر واپس آئی تو مصطفیٰ اس کی کتاب ہاتھ میں لیے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ساری رات ادھر ہی ٹھہریں گے۔" مصطفیٰ کا پرسکون مطمئن انداز دیکھ کر الجھی۔

"آپ کب آئے تھے؟" وہ بات جو اسے آتے ہی پوچھنا چاہیے تھی اب پوچھ رہی تھی۔

"آیا تو میں رات کے دس بجے کے بعد ہی ہوں۔ دراصل ماں جی کو یہاں آنا تھا اور ان کو میں ہی لے کر آیا ہوں۔ رستے میں بابا جان سے بابا صاحب کی کنڈیشن امپرومنٹ کی خبر مل گئی تھی سو چاہا کہ ماں جی کو حویلی ہی چھوڑ دوں وہ کل صبح اطمینان سے یہاں آ جائیں گی۔ ہم سیدھا حویلی گئے وہاں جا کر پتا چلا کہ اسپتال میں اس وقت تم اکیلی ہو۔ سو بابا جان کی ہدایت پر مجھے آنا پڑا۔ مگر یہاں آ کر کمرے میں داخل ہوتے ہی جو عزت افزائی ہوئی ہے وہ ہمیشہ یاد رہے گی۔" مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ ایک بار پھر شرم سے سرخ پڑ گئی۔

فوری طور پر تو کچھ پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کیا ہوا ہے مگر اب جوں جوں ذہن گزشتہ واقعات کو دہرا رہا تھا بہت سی باتیں جزئیات کے ساتھ یاد آ رہی تھیں۔ مصطفیٰ کا کمرے میں داخل ہونا۔ اس کا بلا سوچے سمجھے گلاس کا دے مارنا اور مصطفیٰ کو جوابی حملے کے لیے حملہ آور کو فوراً دبوچ لینا۔ اور اس کے بعد کی صورت حال کس قدر شرمندگی کا باعث بن گئی تھی۔

"گھر میں باقی سب لوگ ٹھیک ہیں؟" گزشتہ واقعہ کے اثر سے نکلنے کو اس نے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔ شاید باقی لوگ کل صبح یا پھر باباصاحب کی طبیعت بحال ہو گئی تو پرسوں چکر لگالیں گے۔" وہ سر ہلا کر خاموش ہو گئی اور سوچنے لگی کہ اب مزید کیا بات کرے...... کمرے میں ایک دوسرا پلنگ بھی تھا جو مریض کے تیمار دار کے لیے تھا۔ مصطفیٰ نے کرسی پر قبضہ جمایا تھا سو وہ آہستگی سے اٹھ کر بستر پہ آبیٹھی۔

"اگر تم لیٹنا چاہو تو آرام سے سو سکتی ہو۔ میں ادھر ہی ہوں رات یہیں ٹھہروں گا۔" اس نے رات ٹھہرنے کا بتایا تو وہ چونکی۔

مصطفیٰ کے الفاظ پہ اسے دیکھا وہ ابھی بھی اس کی کتاب لیے ورق گردانی کر رہا تھا۔

"آپ گھر سے آئے ہیں یا اپنے آفس سے؟" وہ چونکہ رات گئے حویلی پہنچے تھے تو اس نے یونہی پوچھا۔

"آیا تو میں گھر سے ہی ہوں لیکن ڈیوٹی نبھا کر مغرب سے کچھ پہلے فارغ ہو کر ماں جی کو لے کر اب ادھر پہنچا ہوں۔"

"کھانا وغیرہ ہے اگر آپ کو بھوک ہے تو......" مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ متوجہ تھی اسے دیکھ کر نگاہ پھیر گئی۔

"نہیں......حویلی میں بوا جی نے خاصی مہمان نوازی کروائی تھی۔"

"ویسے تمہیں اس وقت اکیلے یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے تھا۔ کسی ملازمہ کو ہی ساتھ لے آتیں۔" کتاب کے اوراق پلٹتے مصطفیٰ نے کہا تو وہ لب بھینچ گئی۔

"سارے دن کی روٹین سے آپ تھکے ہوئے ہوں گے پھر ڈرائیونگ کر کے اتنی دور یہاں پہنچنا۔ اگر آپ کچھ دیر ریسٹ کرنا چاہیں تو ادھر آجائیں۔ ویسے بھی میں دن میں حویلی جا کر کچھ گھنٹے ریسٹ کر آئی ہوں اور مجھے اس وقت خاص نیند بھی نہیں آرہی۔" اس کی موجودگی میں اسے نیند تو ویسے بھی نہیں آنی تھی ہاں اگر وہ سو جاتا تو وہ آرام سے اپنی کتاب اسٹڈی کرتی رہتی سو وہ اپنے ذہن میں آنے والے خیالات کو فوراً زبان پہ لے آئی تو مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

"اب ایسی بھی بات نہیں فزیکلی میں اتنا ویک نہیں ہوں کہ یوں فوراً تھکن کا شکار ہو جاؤں۔ ہاں تمہیں اگر میرا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں لگ رہا اور بہانے سے اٹھانا چاہ رہی ہو تو اور بات ہے۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا تو شہوار نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"توبہ...... کتنا ہوشیار اور بلا کا ذہین انسان ہے یہ بیٹھے بیٹھے فوراً دوسروں کی سوچ تک کو پڑھ لیتا ہے۔"

"میں کیوں بہانے سے اٹھانے لگی میں نے تو آپ کی تھکن کے احساس سے کہا تھا۔ میری بات مناسب نہیں لگ رہی تو ٹھیک کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔" خاصی ناراضی سے کہا تو مصطفیٰ کھلکھلا کر ہنس دیا اور اس کی ہنسی شہوار کو مزید جلا گئی۔

"نہیں خیر زبردستی والی بات تو نہیں ہے۔ اب آپ محترمہ میری تھکن کا اتنا احساس کر رہی ہیں تو اب میرا حق بھی بنتا ہے کہ میں بھی آپ کی فیلنگز کا احساس کروں۔ پھر آجائیں ادھر۔" مصطفیٰ نے ہنسی روک کر کہا تو شہوار کا جی چاہا کہ کوئی گلاس پھر اس کے ہاتھ میں ہو تو اب کی بار دل خوش کرنے کی حد تک تو ضرور اس کا سر پھوڑ دے۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے مصطفیٰ شاہ زیب علی کو گھورا تو وہ مسکراتا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اس طرح گھورنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تھوڑی دیر قبل آپ کی بہادری کا تحفہ میرے سر کی زینت بن چکا ہے۔ ابھی وہی ٹیسیں برقرار ہیں۔ کوئی نئی چوٹ افورڈ نہیں کر سکتا میں اس وقت۔" اس کی نظروں کے تیوروں سے گھبرانے کی ایکٹنگ کرتے مصطفیٰ نے پھر مسکرا کر کہا تو وہ غصے سے پاؤں پٹختے بستر سے اتر آئی تھی۔

"اب اتنا شدید زخم بھی نہیں تھا وہ ایک عام سا کٹ یا لگ گیا ہے۔ فسانہ ہی بنا ڈالا ہے خوامخواہ کا۔" جھنجلا کر غصے سے کہتے وہ کرسی پر جا بیٹھی۔

"محترمہ محبوب کے ہاتھوں سے اگر پھول بھی مارا جائے تو وہ بھی تکلیف دیتا ہے یہ تو پھر گلاس تھا وہ بھی شیشے کا اور زخم چھوٹا ہو یا موٹا بہرحال خون تو بہا ہے اس بات کی آپ چشم دید گواہ بھی ہیں۔" وہ کہاں باز آنے والا تھا نہایت شرارتی انداز میں جملے بازی کی تو وہ بلش کر کے رہ گئی اور سر جھٹک کر رخ موڑا۔

"مردوں کے لیے اتنا ذرا سا خون بہہ جانا کون سا بہت بڑی بات ہے۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ "ویسے تو فزیکلی ویک نہ ہونے کے کچھ دیر قبل دعوے فرما رہے تھے۔"

"خون تو بہرحال خون ہوتا ہے ناں وہ سنا نہیں آنکھ کے بدلے آنکھ کان کے بدلے کان اور خون کے بدلے خون واجب ہے۔" شرارتی مسکراہٹ ہونٹوں پر روکے شہوار کے بگڑے تیوروں کو دیکھتے وہ لینے والے انداز میں کہا تو وہ جھنجلا گئی اور براہ راست مصطفیٰ شاہ زیب علی کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟ بس ہو گئی ایک غلطی مجھے کیا پتا تھا کہ آپ محترم اندر قدم رنجہ فرما رہے ہیں؟" اس نے بہت جل کر کہا تھا وہ ہنس دیا۔

"نہیں چاہ تو میں کچھ نہیں رہا۔ بہرحال آپ ٹینشن نہ لیں میری تھکن کا احساس کرنے کا شکریہ۔ آپ اگر مناسب سمجھیں اور ضرورت محسوس کریں تو دروازہ احتیاطاً بند کر لیں ورنہ جو آپ محترمہ کو مناسب لگے کر لیں آپ کی فیلنگز کا احساس ہو رہا ہے۔ ویسے حویلی سے ہی ارادہ کر کے نکلے تھے کہ آپ محترمہ کی خاطر ہم رت جگا منا لیں گے۔ مگر آپ اچھے میزبان کی طرح ہمیں آرام پہنچانا چاہ رہی ہیں تو موسٹ

وعلیکم۔" وہ اپنے سابقہ شرارتی موڈ میں کہتے بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ شہوار نے اس کے لفظوں پر غصے سے اسے دیکھتے رخ بدلا۔
"ہونہہ..... پتا نہیں خود کو کون سی اعلیٰ وارفع شے سمجھ رکھا ہے جناب نے۔" خاصا جھنجلا کر اس نے سوچا۔
"آپ کی حکمت کا احساس کرتی ہے میری جوتی نان سینس ایک جملہ کیا بول دیا موصوف خوش فہمیوں کی اڑان ہی بھرنے لگ گئے ہیں۔" تبادت تلخی سے سوچتے کتاب اٹھا کر کھول لی تھی مگر اچانک نگاہ دروازے پر پڑی تو چونک گئی۔
"کیا واقعی میرا وہم تھا یا پھر ہوا کی وجہ سے دروازہ ہل رہا تھا۔ اب تو یہ شخص بھی موجود ہے اللہ خیر کرے اس کی موجودگی میں کوئی حماقت سرانجام نہ پا جائے ورنہ تو پورا افسانہ بنا ڈالنا ہے اس نے اور بعد میں جب بھی موقع ملے گا مزے لینے کو ریکارڈ لگانے لگ جایا کرے گا۔" نیم وا دروازے کو گھورتے اس نے مزید سوچا اور کن انکھیوں سے دوسرے بیڈ کی طرف دیکھا وہ اس کی طرف سے کروٹ بدلے رخ دیوار کی طرف کیے آنکھوں پر بازو رکھ چکا تھا۔
"شکر ہے ورنہ تو ساری رات عجیب ٹینشن میں گزرتی۔ ذرا یہ شخص سو لے تو میں دروازہ بھی بند کر لوں گی ورنہ تو موصوف خوش فہمیوں کے سب سے اونچے آسمان پر جا بیٹھیں گے کہ میں نے ان کی بات مان کر دروازہ بند کیا ہے یا وہ بات ہے کہ سابقہ تجربہ کے بعد اب کسی اور کا سر پھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتی ہیں۔" اپنی اوٹ پٹانگ باتوں پر وہ خود ہی مسکرا دی اور حیرت ہوئی۔
"کیا واقعی میں نے اس شخص کا سر پھوڑا ہے؟" اپنے سابقہ کارنامے پر حیرت ہونے لگی تو پلٹ کر دیکھا۔
مصطفیٰ کے سر پر اپنے ہی ہاتھوں کی جانے والی ڈریسنگ ابھی بھی دکھائی دے رہی تھی۔
اور کتنا کول ہے یہ شخص۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ایک تھپڑ تو ضرور میرے اس کارنامے پر میرے منہ پر جڑ دیتا۔ بہرحال میں نے کون سا جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔ اس نے خود کو مطمئن کیا اور پھر قدرے ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی۔ اور کچھ دیر اسی طرح اوٹ پٹانگ سوچیں سوچتے کچھ وقت گزرا تو اس نے اٹھ کر آہستگی سے دروازہ بند کیا اور پھر واپس اپنی کرسی پر آ بیٹھی۔
"چلو اب یہ کوئی آ نہ جائے والی ٹینشن تو ختم ہوئی۔ ویسے اگر مصطفیٰ کی بجائے کوئی ڈاکٹر یا نرس ہوتا کے یہی ہوتا تو اس وقت تک پورے ہسپتال میں میرا کارنامہ مشہور ہو چکا ہوتا۔" مصطفیٰ کی طرف پھر دیکھا وہ اسی سابقہ انداز میں دراز تھا۔ شہوار نے اپنے موبائل پر وقت دیکھا رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اس وقت مصطفیٰ کی موجودگی میں کسی بھی قسم کا کوئی ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا بلکہ مصطفیٰ کی آمد کے بعد تو وہ ایک قسم کے تحفظ کے احساس سے دوچار ہو گئی تھی۔ اب تو بس ذہن میں یہی خیال تھا کہ اگر مصطفیٰ سو بھی رہا ہے تو اسے کوئی آ نہ جانے والی ٹینشن نہ ہوگی اور اگر کوئی آ بھی جاتا ہے تو کم از کم مصطفیٰ تو تھا نا۔ سوئے ہوئے مصطفیٰ کی طرف ایک تشکر بھری نگاہ ڈالتے شہوار نے اپنی کتاب کھول لی تھی۔



صبح فجر کی اذان ہو رہی تھی جب مصطفیٰ کی آنکھ کھلی تھی۔ ہسپتال کے روم کی لائٹ روشن ہونے کی وجہ سے وہ فوراً صورتحال کا اندازہ لگاتے اٹھ بیٹھا تھا۔
"او وہ اتنی دیر سو لیا میں۔" وہ جو رات شہوار کو ستانے کی غرض سے بستر پر لیٹا تھا یہ سچ تھا کہ کل سارا دن آفس پھر اور یہاں کی بھاگ دوڑ میں خاصی تھکن ہو گئی تھی ایسے میں شہوار کی آفر سے فوراً فائدہ اٹھایا تھا اب اپنے سونے پر حیرت ہو رہی تھی۔ بستر سے اتر کر وہ بابا صاحب کے بستر کے قریب آیا تو شہوار دونوں ٹانگیں اوپر کیے کرسی پر بیٹھی ہی سو رہی تھی۔ اس کی میڈیکل کی کتاب اس کے سینے پر ہی اوندھی پڑی تھی۔ وہ خاصی بے آرام حالت میں سوئی ہوئی تھی۔ ایک نظر اس پر ڈالتے مصطفیٰ واش روم میں گھس گیا پھر منہ ہاتھ دھو کر لوٹا تو بھی محترمہ سابقہ انداز میں ہی ملیں۔
"شہوار۔" اس نے پکارا مگر وہ خاصی گہری نیند میں تھی۔
"شہوار۔" اس نے اب کے قریب جا کر پکارا حفظ ماتقدم کے طور پر اسے ہاتھ لگانے سے احتراز برتا کہ رات والی بہادری کا تحفہ ابھی اس کے سر پر موجود تھا۔
"شہوار۔" اس نے پھر پکارا تو اس نے نیند سے مندھی آنکھیں نیم وا کر کے مصطفیٰ کو دیکھا۔
"ہوں۔"
"اٹھو کر بستر پر چلی جاؤ میں اب ادھر بیٹھ جاؤں گا۔" مصطفیٰ کی آواز پہچان کر اس نے فوراً پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا وہ قریب کھڑا کہہ رہا تھا وہ فوراً ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔
"اذان ہو رہی ہے میں اب اٹھ رہی ہوں تم بستر پر جا کر لیٹ جاؤ۔" اس سے چند قدم پیچھے ہٹ کر مصطفیٰ نے کہا تو وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ رات کے تین بجے تک وہ جاگتی رہی تھی پھر پتا نہیں کب آنکھ لگ گئی تھی۔
"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" گردن ایک طرف ڈھلکائے اور ایک ہی زاویے پر اتنی دیر سے رہنے پر اب فوراً سیدھی کرنے پر درد محسوس ہوا تو گردن پر ہاتھ رکھ کر اس نے انکار کیا۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا نیند سے لدی آنکھیں اس وقت بڑی عجیب سی لگیں۔ مقابل کو پوری قوت سے اپنی طرف کھینچ رہی تھیں وہ سر جھٹک گیا۔

"مرضی ہے تمہاری۔" وہ پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ لاک دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر پلٹ کر شہوار کی طرف دیکھا وہ اس کی بجائے بابا صاحب کی طرف دیکھتے اپنی گردن دبا رہی تھی۔

"حد ہوتی ہے۔ ویسے تو محترمہ ہر وقت طرم خان بنی پھرتی ہیں اور خوف کا یہ عالم ہے دروازہ لاک کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔" چٹخنی گرا کر وہ باہر نکل گیا تھا۔

رات تو بیت ہی گئی تھی مصطفیٰ کے باہر جانے پر ایک گونہ سکون محسوس کرتے کتاب ٹیبل پر رکھ کر اپنی گردن دباتے وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ اذان ہو رہی تھی۔ اس نے وضو کیا کل رات حویلی سے آتے ہوئے وہ جائے نماز لے آئی تھی۔ اذان ختم ہوئی تو جائے نماز بچھا کر نماز ادا کرنے لگی۔ نماز ادا کر کے جائے نماز تہہ کر کے بستر پہ آ کر بیٹھی تو بھی مصطفیٰ واپس نہیں آیا تھا۔

"جانے کہاں رہ گیا ہے یہ شخص؟" لاشعوری طور پر مصطفیٰ کی منتظر تھی۔ گردن ابھی بھی دکھ رہی تھی بالآخر دباتے وہ بستر پر دراز ہو گئی اور سر تکیے پر رکھ لیا۔ ایک دھیمی سی کلون کی مہک نے اطراف سے گھیرا تو ابھی مصطفیٰ کا انتظار کرتے کبھی بابا صاحب کو دیکھتے چند پل مزید سرکے تو آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔

"کتنا بے پرواہ ہے یہ شخص پتا بھی ہے کہ میں کمرے میں اکیلی ہوں پھر بھی باہر نکل گیا۔" نیند میں جانے سے پہلے مصطفیٰ کے متعلق یہ آخری خیال تھا جو آیا تھا۔ اور پھر اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کب تک سوتی رہی تھی۔ آنکھ کھلی تو اسپتال کے کمرے کا منظر دیکھ کر چونکی۔

بابا صاحب جاگ رہے تھے ماں جی انہیں کوئی چیز کھلا رہی تھیں۔ ان کے بائیں طرف شاہ زیب صاحب اور مصطفیٰ موجود تھے جبکہ دائیں طرف ماں جی کے ہمراہ تابندہ بی تھیں جو کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ماں جی بابا صاحب کے بستر پر جبکہ باقی دونوں حضرات کھڑے تھے اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا جو دن کے دس بجا رہا تھا۔

"اُف کیا میں اتنی دیر سوتی رہی ہوں۔" وہ ایک دم اٹھ بیٹھی اور ٹھٹک گئی وہ تو یونہی لیٹ گئی تھی پھر یہ اسپتال کی سفید چادر اس کے وجود پر کس نے ڈال دی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔ چادر ہٹا کر وہ بستر سے اتری تو اس کے اٹھنے پر سبھی نے اسے دیکھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام اٹھ گئی تم؟ مصطفیٰ کو بھیجا بھی تھا پھر بھی تم ساری رات جاگتی رہی۔ اس کو اس لیے تو نہیں بھیجا تھا کہ یہ بستر پر لیٹ کر سو جائے۔" ماں جی نے اسے دیکھ کر کہا تو وہ مسکراتی ان کے قریب آئی انہوں نے اس کے جھکنے پر اس کے سر پر پیار کیا تھا۔

"جیتی رہو۔"

"میں آتی ہوں۔" ماں جی سے کہہ کر وہ جلدی سے باتھ روم میں چلی آئی تھی منہ ہاتھ دھو کر بال ہاتھوں سے سنوار کر چادر درست انداز میں سر پر جما کر واپس آئی تو مصطفیٰ اور شاہ زیب صاحب اب بستر پر بیٹھے ہوئے تھے جس سے وہ ابھی اٹھی تھی دونوں کے درمیان کوئی گفتگو ہو رہی تھی مگر آواز دھیمی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے بابا صاحب آپ کی؟" بائیں طرف وہ بابا صاحب کے پاس بستر پر آ بیٹھی تھی۔ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہوں اب تو۔" ان کا انداز دھیما تھا جس کا مطلب تھا ابھی انہیں بولنے میں دقت ہو رہی تھی۔

"آپ پریشان نہیں ہوں ان شاء اللہ ایک دو دن میں آپ مکمل طور پر ریکور کر لیں گے پھر ہم آپ کو واپس حویلی لے چلیں گے۔" اس نے ان کے ضعیف ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو وہ محض سر ہلا گئے۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں مجھے واپس جا کر ایک میٹنگ بھی اٹینڈ کرنی ہے۔" شہوار نے پلٹ کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ اپنے ماں باپ سے مخاطب تھا یقیناً وہ شہر جانے کی بات کر رہا تھا۔

"ہاں مگر جاتے وقت حویلی سے زیدی صاحب کو ضرور ساتھ لے جانا ان کے اپنے بھی بہت ضروری کام ہیں جو وہ ہماری خاطر چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اب تو بابا صاحب کافی بہتر ہیں اور اس اسپتال کے ڈاکٹر بھی کافی لائق ہیں۔" شاہ زیب صاحب نے مصطفیٰ سے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

"مصطفیٰ شہوار کو بھی ساتھ لیتے جانا۔ بابا صاحب کی حالت کا سن کر یہ اچانک آ گئی تھی اس نے ساتھ چلنے کو کہا تو میں نے انکار نہیں کیا تھا اب بابا صاحب بہتر ہیں تو اس کے رکنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ خوامخواہ اسٹڈی کا حرج ہوگا۔" تابندہ نے مصطفیٰ سے کہا تو شہوار نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔ اس کا ابھی واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"جس جس نے بھی جانا ہے ایک دفعہ ہی بتا دیں مجھے واپس جا کر بہت اہم میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔" مصطفیٰ کا احسان جتاتا انداز اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر ماں کو۔

"میں ابھی واپس نہیں جا رہی۔" اس نے تابندہ بی کو اطلاع دی۔

"بچوں والی باتیں مت کرو۔ ابھی تو مصطفیٰ جا رہا ہے اس کے بعد یہاں اتنا کوئی فارغ نہیں بیٹھا جو تمہیں لانے لیجانے میں لگا رہے۔" تابندہ کا انداز دو ٹوک تھا۔

"میں بخشو کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس نے نخوت سے ناک سکیڑی مصطفیٰ کے علاوہ باقی سب بھی ان دونوں ماں بیٹی کی کلامہ بازی سن رہے تھے تابندہ نے اسے کچھ سخت کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا اور

اس کے پاس آ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"اندر آؤ میری بات سنو۔" ہاتھ پکڑ کر وہ اسے باہر لے آئی تھیں۔

"تم مصطفیٰ کے ساتھ واپس جا رہی ہو۔ کل رات میں تمہاری خواہش کا احترام کرتے تمہیں اپنے ساتھ یہاں لے آئی تھی اب تمہارا فرض بنتا ہے کہ چپ چاپ واپس جاؤ اور تم نے رات مصطفیٰ کے سر پر گلاس کھینچ مارا تھا کیا؟ اس بے چارے کے سر پر کتنا بڑا زخم ہو گیا ہے اور تمہیں احساس تک نہیں۔" شہوار تو منہ کھولے ماں کے الفاظ سن رہی تھی۔

"آپ کو یہ کس نے بتایا؟" وہ مان ہی نہیں سکتی تھی کہ مصطفیٰ نے سب کے سامنے خود کر کیا ہو یا اس کا نام لیا ہو۔

"مصطفیٰ نے ہی بتایا ہے کہ تم نے ڈر کر چور سمجھ کر گلاس مارا تھا وہ تو مصطفیٰ نکلا اور بچت ہو گئی۔ ورنہ کوئی اور انسان ہوتا تو کتنی شرمندگی ہوتی۔ تم کو تو میں خاصی سمجھدار اور میچور لڑکی سمجھ رہی تھی اور دن بدن نجانے کیا حرکتیں سر انجام دے رہی ہو۔" ماں کے الفاظ پر شہوار ضبط سے دانت پر دانت جما کر رہ گئی۔ مصطفیٰ سب کو یہ بتائے گا اسے یہ امید نہ تھی۔ بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

"وہ تو شکر ہے کہ مصطفیٰ نے صرف مجھے ہی تمہاری یہ کارگزاری بتائی ہے بھائی اور بھائی صاحب کے سامنے ٹال گیا تھا۔ اگر سب کو پتا چلے تو کتنی شرمندگی ہو کیسی بچکانہ حرکت کی تم نے۔" شہوار کا ضبط انتہائی حالت پر تھا۔

"اب چپ چاپ واپس جاؤ۔ مصطفیٰ حویلی زہری کو لینے جا رہا ہے تم اس کے ساتھ ہی حویلی جاؤ اپنا بیگ لے کر واپس جاؤ۔" امی جی کا انداز فیصلہ کن تھا شہوار کے اندر مصطفیٰ کے حوالے سے اس بدظنی پر چنگاریاں سی بھر گئی تھیں۔

"میں نہیں جا رہی اس شخص کے ساتھ کہیں بھی اگر آپ نے مجھے زبردستی بھیجا چاہا تو پھر یاد رکھیے گا کہ دوسرے لوگ تو ایک طرف میں آپ سے بھی کبھی کلام نہیں کروں گی۔" مصطفیٰ کی حرکت نے اسے اتنا دکھی کیا تھا کہ ایک دم ماں سے انتہائی بدلحاظی سے کہہ کر اندر جانے کے بجائے ایک طرف بھاگ کر نکل گئی تھی اور تابندہ پھپھو نے سر تھام لیا تھا۔

"کیا ہوا؟ شہوار پھر جا رہی ہے کیا؟" عقب سے مصطفیٰ کی آواز سنائی دی تو تابندہ نے ایک گہری سانس لیا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں۔"

"وہ راضی نہیں ہو رہی جانے کو اب بھی ناراض ہو کر غصے سے باہر کی طرف نکل گئی ہے۔ پتا نہیں کیوں دن بدن اتنی چڑچڑی ہوتی جا رہی ہے اچھی خاصی سمجھدار ہوتی تھی اب تو ذرا ذرا سی بات پر کاٹ کھانے کو دوڑنے لگتی ہے۔ تم دیکھو ذرا کہاں نکل گئی۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے تابندہ کو دیکھا وہ خاصی متفکر اور پریشان تھیں۔

"اچھا میں دیکھتا ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔ ویسے کس طرف گئی ہے وہ؟" تابندہ نے باہر کی سمت جاتے رستے کی طرف اشارہ کیا تو وہ ان کو تسلی دیتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس طرف چلا آیا۔ اسپتال کی عمارت تو چھوٹی سی ہی تھی تاہم اس کا صحن بہت کشادہ اور وسیع تھا اور مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے اچھی خاصی گھاس اگی ہوئی تھی۔

عمارت سے باہر نکل کر صحن کے اطراف نگاہ ڈالی تو محترمہ لان میں ایک طرف گھاس پر بیٹھی دکھائی دیں۔ اس کی طرف شہوار کی پشت تھی۔ وہ گہرا سانس کھینچتا تیزی سے اس کی طرف چلا آیا۔ وہ قریب آیا تو پتا چلا کہ محترمہ گھٹنوں میں سر دیے سوں سوں کر رہی ہیں۔

"اب کیا ہوا ہے..... ادھر کیوں آ بیٹھی ہو؟" قدرے فاصلے پر کھڑے اس نے کہا تو شہوار نے بہت غصے سے سر اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا۔ وہ نزدیک ہوتا تو یقیناً کوئی چیز اٹھا کر دے مارتی۔

"آپ انتہائی بدتمیز، ذلیل، بیہودہ واہیات انسان ہیں۔" اپنی سرخ آنکھوں کو مزید سرخ کرتے اس نے انتہائی بدلحاظی سے کہا تو وہ ٹھٹکا۔

"میرے متعلق یہ ارشادات کس لیے بھئی؟"

"میں نے گلاس مارا تھا چلیں غلطی سے مار دیا۔ کیا ضروری تھا کہ امی جی کو بھی بتا دیتے۔" اس کا انداز واقعی بڑا بدلحاظ تھا۔

اسے جس چیز کا بہت زیادہ دکھ ہو رہا تھا سب سے پہلے وہی کہا تو مصطفیٰ ایک دم ہنس دیا۔ یعنی محترمہ کی کوشامت ہو چکی تھی۔

"تو اس میں آنکھیں سرخ کرنے والی کیا بات ہے۔ تم نے گلاس مارا میرا سر زخمی کیا اب پھوپھی جی کو بھی ان کی دختر نیک اختر کے اس شاندار کارنامے کا علم تو ضرور ہونا چاہیے تاکہ انہیں بھی پتا چلے کہ ان کی بیٹی کتنی بہادر ہیں اور آئندہ تمہیں ذرا کیلئے بجھے پر اعتیاط سے کام لیں۔" مصطفیٰ کا انداز نارمل تھا شہوار نے مزید کچھ بھی کہنا اپنی انسلٹ کروانے کے مترادف سمجھا سو وہ سختی سے لب بھینچ گئی۔

وہ بہت سوچ سمجھ کر انداز لگانا چاہتی تھی کہ یہ شخص اس کے ساتھ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔ کیا بھی دونوں کے درمیان سلام دعا سے زیادہ بات چیت نہیں ہوئی تھی اور اب اس دن کی تفصیلی گفتگو اور رشتے سے متعلق صاف انکار کے بعد وہ جس طرح اس کے ضبط کو آزما رہا تھا۔ اسے مصطفیٰ شاہ زیب علی سے ہزاروں شکایات پیدا ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ تو کیا وہ اپنے انکار کی توہین کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ سب کر رہا تھا۔ شہوار کا ذہن الجھا۔

"آپ کیا خیال ہے مجھے دیر ہو رہی ہے واپس بھی جانا ہے۔" اسے اسی طرح سختی سے لب بھینچے بیٹھے دیکھ کر مصطفیٰ نے ٹوکا تو وہ اس پر ایک غصیلی نگاہ ڈالتے ہاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کو آپ کی بوا جی نے جو بھی آرڈر دیا ہے وہ ایک طرف سچ کہتی ہوں اگر آپ نے مجھ سے یہ دوبارہ ایسی والی بات کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اگر آپ کو اپنی بوا جی کے کچھ زیادہ ہی درد اٹھ رہے ہیں تو اپنی بوا جی کو ہی ساتھ لے جائیں مگر مجھے نہیں۔"

"واٹ نان سینس......" اس کے اس انداز پر مصطفیٰ نے بھی برہمی سے کہا مگر وہ وہاں رکی تو جواب دیتی بغیر اس کی طرف دیکھے پلٹ کر واپس اسپتال کی عمارت میں گھس گئی تھی۔

"واٹ آ سلی گرل۔" وہ غصے سے اس کے ری ایکشن کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ ...... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

تابندہ بی شاپنگ سے واپس آتی ہیں انہیں گھر کے قریب مصطفیٰ مل جاتا ہے تو وہ اسی کے ساتھ گھر آتی ہیں اور سب کو یہی بتاتی ہیں کہ وہ رستہ بھول گئی تھیں۔ مصطفیٰ ان کے بیان پر مشکوک ہو جاتا ہے جبکہ شہوار نظر انداز کر جاتی ہے۔ مصطفیٰ شہوار کے طرزِ عمل سے یہ سمجھتا ہے کہ شہوار تابندہ بی کے شہر آنے اور اس طرح سارا دن غائب رہنے کے بارے میں سب جانتی ہے اور جب اپنے انہی خیالات کا اظہار شہوار کے سامنے کرتا ہے تو دونوں کے درمیان پھر خاصی تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ بابا صاحب کو پھر خواب آتا ہے اور اس بار ان کی حالت شدید خراب ہو جاتی ہے اور ان کی مسلسل بے ہوشی سے ملازم بھی پریشان ہو جاتے ہیں۔ یازکی لیلیٰ زبیری سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ مکمل طور پر لیلیٰ زبیری کے سحر میں جکڑ جاتا ہے تو دوسری طرف لیلیٰ زبیری بھی اس سے متاثر ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ تابندہ بوا شاہ زیب صاحب اور مہر النساء بیگم سے شہوار کی مصطفیٰ سے رشتے کے بارے میں غیر رضامندی کا اظہار کرتی ہیں اور ساتھ ہی شہوار کے تمام اعتراضات کا بھی ذکر کرتی ہیں جس پر دونوں میاں بیوی حیران ہوتے ہیں تب گاؤں سے ملازم کی کال آ جاتی ہے وہ انہیں بابا صاحب کی خراب حالت کی اطلاع دیتا ہے تو شاہ زیب تابندہ بوا اور شہوار گاؤں جانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ صوفی بیگم رات کے وقت انا کے کمرے میں آتی ہیں اور اسے جاگتے پا کر پریشان ہوتی ہیں انا ان سے رشتہ داروں کا ذکر کرتی ہے تو صوفی بیگم کا رنگ زرد ہو جاتا ہے تب وہ انا کے اصرار پر انا کو اپنے رشتہ داروں سے نہ ملنے کی وجہ بتاتی ہیں اور ساتھ میں ولید کی والدہ کے متعلق بھی بتاتی ہیں کہ ولید کی والدہ اور ضیاء صاحب کی لو میرج ہوتی ہے جس کی وجہ سے ولید کی والدہ کے تمام رشتے دار ان سے بائیکاٹ کر لیتے ہیں۔ بابا صاحب کو ملازم خراب طبیعت کے باعث قریبی اسپتال لے آتے ہیں اور ایڈمٹ کروا دیتے ہیں۔ ولید جاگنگ سے واپسی پر انا کو واک کرتے دیکھتا ہے تو گزشتہ رویہ یاد آنے پر اندر ہی اندر پشیمان ہوتا ہے تبھی وہ وائٹ گلاب کی کلیوں کا گلدستہ اپنے ہاتھ سے بنا کر دیتا ہے تو انا اس تحفے کی وصولیابی پر ایک دم خوش ہو جاتی ہے اور اسے خوش دیکھ کر ولید کو اپنے اندر خوش گوار سے احساسات پیدا ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ بابا صاحب کی طبیعت بحال ہونے تک ہے اگلی رات شہوار ان کے پاس رکتی ہے کہ اچانک اپنے کمرے کے باہر کھٹکے پر پریشان ہو کر مختلف اوہام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسی کیفیت میں وہ کمرے میں داخل ہونے والے وجود کو سر پر شیشے کا گلاس دے مارتی ہے اور جب آنے والے کو دیکھتی ہے تو شرمندہ ہو جاتی ہے۔

کمرے میں داخل ہونے والا وجود مصطفیٰ شاہ زیب علی کا ہوتا ہے تبھی وہ مصطفیٰ کے سر کی ڈریسنگ کرتی ہے۔ مصطفیٰ اپنی والدہ کو لے کر بابا صاحب کی عیادت کے لیے آتا ہے دونوں وہ رات بابا صاحب کے کمرے میں گزارتے ہیں۔ اگلی صبح شہوار بیدار ہوتی ہے تو تابندہ بوا مصطفیٰ کو شہوار کو بھی اپنے ساتھ شہر واپس لے جانے کا کہتی ہیں جس پر شہوار جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ مصطفیٰ تابندہ بوا سے شہوار کا گلاس مارنے کا تذکرہ کر چکا ہوتا ہے جس پر وہ شہوار کو ڈانٹتی ہیں تو ایک بار پھر شہوار اور مصطفیٰ کے درمیان تلخ کلامی ہو جاتی ہے جس پر شہوار مصطفیٰ کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے



دو دن بعد بابا صاحب کی طبیعت سنبھلی تو ڈاکٹرز نے انہیں او کے کر دیا تھا اور یہ لوگ انہیں واپس حویلی لے آئے تھے۔ شہوار زیادہ تر بابا صاحب کے پاس ہاسپٹل میں ہی رہی تھی اس کے ساتھ مہر النساء آنٹی یا پھر شاہ زیب انکل ہی زیادہ تر رکے تھے۔ جبکہ تابندہ بوا ایک دو چکر کے بعد دوبارہ ہاسپٹل کا چکر نہ لگا سکی تھیں کہ بابا صاحب کی عیادت کرنے والے ہاسپٹل اور حویلی دونوں کے چکر لگا رہے تھے اور ان کو تابندہ بوا ہی ہینڈل کر رہی تھیں۔ بابا صاحب کی دونوں بیٹیاں زینب بی اور زہرہ بی آئی ہوئی تھیں جبکہ حسن علی انکل متواتر فون کر رہے تھے اور یہی حال نوازعلی انکل کا بھی تھا جبکہ شاہ زیب صاحب تو مکمل طور پر بابا صاحب کے پاس موجود تھے اپنے تمام کام اور ضروری امور نظر انداز کیے اس وقت صرف بابا صاحب کی تو جہ دیے ہوئے تھے۔

بابا صاحب کو حویلی شفٹ ہوئے آج دوسرا دن تھا وہ سارا دن ان کے پاس ہی رہتی تھی گاہے بگاہے ان کا بی پی چیک کرتی' ان کے کھانے پینے کا سارا کام وہ خود ہی کر رہی تھی۔ اس دوران اس نے شدت سے محسوس کیا تھا کہ تابندہ بی اس سے شدید خفا ہیں اگرچہ انہوں نے اپنے قول و عمل سے اس کا براہ راست شہوار کو احساس نہیں دلایا تھا مگر جس طرح دوبارہ انہوں نے اس سے شہر جانے کی کوئی بات نہیں کی تھی بلکہ کسی بھی سلسلے میں کوئی استفسار نہیں کیا تھا تو شہوار کے دل میں یقین ہوتا جا رہا تھا کہ تابندہ بی اس سے شدید خفا ہیں مگر بابا صاحب کی طرف وہ سارا وقت اس قدر مصروف رہتی تھیں کہ خود سے ماں کے پاس جا کر ان کی ناراضی ختم کرنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ رات کے دس بجے بابا صاحب

جلدی میڈیسن لے کر سو گئے تھے وہ ان کو ایک نظر دیکھتے ماں کو ڈھونڈنے ہال کمرے کی طرف آئی تو وہاں دونوں پھپھی جان تابندہ بی اور مہر النساء چاروں خواتین عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ شہوار ایک گہرا سانس لیتی ہال سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو مہر النساء تھیں۔

انہیں دیکھ کر وہ فوراً دروازے سے ایک طرف ہوئی۔

"آیئے۔"

"نماز پڑھ رہی تھیں؟" وہ اندر آ گئی تھیں۔

"جی۔" اس نے مختصراً کہا۔

"صبح ہم واپس جا رہے تھے۔ اب اللہ کا شکر ہے کہ بابا صاحب کی حالت قدرے بہتر ہے۔ ڈاکٹر تو دن رات چکر لگا رہا ہے۔ شاہزیب بھی سب کام چھوڑے ادھر رکے ہوئے ہیں۔ ان کی وہاں کل ایک اہم میٹنگ ہے۔ وہ صبح جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ تمہیں بھی کہہ دوں تیار رہنا۔ صبح صبح فجر کے قریب نکلیں گے تو وقت پر پہنچ جائیں گے۔ تمہارا پہلے ہی کالج کا خاصا حرج ہو چکا ہے اگر تم بھی کالج جانا چاہو تو چلی جانا پھر۔" انہوں نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی تو وہ فوراً سر ہلا گئی۔

"جی ٹھیک ہے میں تیار رہوں گی۔" اس نے فوراً سر ہلایا۔

"جیتی رہو..... ان تین چار دنوں میں تم نے جس طرح بابا صاحب کا خیال رکھا ہے شاہزیب اس بات سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اللہ تمہیں اپنی تعلیم میں کامیاب وکامران کرے..... دل خوش کر دیا ہے تو نے۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے مزید کہا تو وہ مسکرا دی۔

"یہ کوئی احسان نہیں میں بھی تو اس حویلی کی ایک فرد ہوں۔ ان کی دیکھ بھال میرا بھی فرض ہے۔" اس کے الفاظ میں اس قدر سچائی تھی بابا صاحب کے لیے محبت تھی کہ مہر النساء بیگم ایک دم متاثر ہوئیں۔

"جیتی رہو..... اللہ تمہیں خوش رکھے..... آباد رکھے..... صبح جلدی نکلنا ہے جاتی ہوں۔ زینب اور زہرہ دونوں ادھر ہی ہیں اب تابندہ اکیلی پر ذمہ داری نہ ہوگی۔ تم بھی سو جاؤ صبح جلدی اٹھنا ہوگا۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تاکید کرتے وہ چلی گئیں تو شہوار گہرا سانس لیتے جائے نماز تہہ کر کے بستر پر آ بیٹھی۔

"امی نے نماز پڑھ لی ہوگی۔ جانے سے پہلے ان سے مل تو لوں صبح شاید وقت ملے کہ نہیں۔" ابھی وہ ارادہ کر کے اٹھی ہی تھی کہ سرہانے پڑا موبائل بج اٹھا۔

اس نے اسکرین دیکھی تو انا کی کال تھی۔

"اسلام علیکم..... "مسکرا کر اس نے کال پک کی تھی۔

"وعلیکم السلام..... کتنی بے وفا لڑکی ہو..... حویلی جا کر ایسے بیٹھ ہی گئی ہو..... تمہارے بغیر کالج کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ کب آ رہی ہو واپس؟" انا تو اس کی آواز سنتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ شہوار ہنس دی۔

"صبح فجر کے قریب گاؤں سے نکلنے کا پروگرام ہے اگر وقت پر شہر پہنچ گئے تو انشاء اللہ کل کالج میں ملاقات ہوگی۔" اس نے اس کی تسلی کرائی۔

"تھینک گاڈ..... اور تمہارے بابا صاحب کا کیا حال ہے؟" اسے اب خیال آیا تھا پوچھنے کا تب وہ ہنس دی۔

"اللہ کا شکر ہے وہ اب بہتر ہیں۔"

"چلو پھر ٹھیک ہے اب کل کالج میں بات ہوگی۔ ٹیک کیئر اینڈ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" اس نے موبائل رکھا تو پھر بج اٹھا اس نے جھنجلا کر موبائل کو دیکھا۔

"اف..... اب کون ہے؟" اس نے جھنجلا کر موبائل اٹھایا وہاں مصطفیٰ کا نام دیکھ کر وہ چونکی۔

مصطفیٰ ان تین دنوں میں پہلی بار اسے کال کر رہا تھا اسے حیرت ہوئی۔ ان حضرت کو اب اس وقت کیا کام آن پڑا ہے؟ اس نے متجسس ہوتے کال پک کی۔

"اسلام علیکم۔" اس کا مخصوص انداز تھا۔

"وعلیکم السلام..... کیسی ہو؟" اس نے پوچھا۔

''اللہ کا بڑا کرم ہے۔'' اس نے سادگی سے کہا۔
''واپسی کب تک متوقع ہے؟'' اس نے اگلا سوال کیا۔ شہوار کو برا لگا گو ار گزرا۔
''آپ سے مطلب؟'' اس نے رکھائی سے کہا۔
''آپ شاید بھول رہی ہیں محترمہ کہ مستقبل قریب میں آپ کے سارے مطلب اب میری ذات سے ہی ہوں گے۔'' دوسری طرف بڑے آرام سے اسے ساکایا گیا تھا۔
''بڑی شدید خوش فہمی میں مبتلا ہیں محترم......'' اس نے حقیقتاً خاصا سلگ کر کہا تو وہ ہنس دیا۔
''یہ تو آپ کے لیے خاصی خوش آئند بات ہونی چاہیے کہ میں خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ کسی غلط فہمی میں نہیں۔'' دوسری طرف سے خاصے ریلیکس انداز میں کہا گیا تھا۔
''میں ایسی بے مقصد باتوں پر خوش نہیں ہوتی۔ مطلب کی بات کریں کہ کال کیوں کی ہے؟'' اس نے فوراً سنجیدگی سے ٹوکا۔
''محترمہ میں نے سب سے پہلے حال احوال دریافت کرنے کے بعد مطلب کی بات ہی تو کی تھی اور اس پر بھی آپ جناب نے ''آپ سے مطلب'' کہہ کر ڈائریکٹ ایک کرارا لگا دیا تھا۔'' دوسری طرف سے خاصے جتائے انداز میں کہا گیا تو شہوار نے لب بھینچ لیے۔
''آ جاؤں گی واپس جب میرا دل کرے گا۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے اپنے سابقہ موڈ میں ہی جواب دیا۔
''اور آپ کا یہ دل کب کرے گا؟''
''کیا اپنا ہر شیڈول آپ سے ڈسکس کرنا بہت ضروری ہے؟'' اس نے اسی بے لچک انداز میں کہا تو دوسری طرف مصطفیٰ شاہزیب گہری سانس لے کر رہ گیا۔
''ضروری تو نہیں مگر ڈسکس کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔''
''گھر میں باقی لوگ کیسے ہیں؟'' اس نے بات بدلی۔ وہ اس سے مزید اپنے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔
''جب آپ کا دل کرے گا اور آپ آئیں گی تب آ کر خود ہی دیکھ لیجیے گا......'' مصطفیٰ نے اس کے بات پلٹنے پر خاصا برا منایا تھا۔ بے فطری انداز میں شہوار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لگ گئی تھی۔ (یعنی یہ شخص اس کی باتوں پر یہ اچھی ہاں ملتا ہے۔)
''اچھا مشورہ ہے عمل کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔'' وہ لوگ سا لحاظ کرنے والی تھی۔ مسکراہٹ دانتوں تلے دبا کر روکتے اس نے اسے مزید ساکایا۔
''اف......'' وہ اچھا خاصا جھنجلایا۔
''ابھی میری ماں جی سے بات ہوئی ہے بابا جان اور ماں جی دونوں کا صبح واپس آنے کا پروگرام ہے۔ تمہاری پڑھائی متاثر ہو رہی ہے میرے ساتھ آنے میں تمہیں اعتراض تھا مگر ان دونوں کے ساتھ آنے میں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔'' مصطفیٰ کے تیکھے الفاظ پر شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
''اپنی اسٹڈی کے بارے میں میں آپ سے زیادہ کانشس ہوں۔ سو ڈونٹ وری۔'' شہوار کا انداز بڑا دھیما تھا دوسری طرف وہ ایک پل کو چپ رہ گیا تھا۔ یعنی اس لڑکی سے کچھ بھی کہنا سننا فضول تھا۔
''اوکے میڈیوش...... گڈ بائے...... اینڈ اللہ حافظ۔'' اگلے ہی پل وہ مزید ایک بھی لفظ کہے بغیر کال بند کر گیا تو شہوار نے حیرت سے موبائل کو دیکھا۔
اسے مصطفیٰ سے اتنی جلدی کال بند کر دینے کی امید نہ تھی۔
ذہن لاشعوری طور پر مصطفیٰ شاہزیب کی ہی طرف ہونے لگا تو وہ سر کو جھٹکتے موبائل ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پہلے الماری سے بیگ نکال کر صبح کی پیکنگ کی اور پھر کچھ سوچتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کا ارادہ تابندہ بی کے پاس کچھ دیر گزارنے کا تھا۔
وہ تابندہ بی کے کمرے میں آئی تو وہاں پہلے ہی سے مہر النساء آنٹی اور شاہزیب انکل موجود تھے۔ اسے دیکھ کر وہ ٹھٹکے۔ وہ تینوں شاید کوئی خاص بات کر رہے تھے اسے دیکھ کر چپ ہو گئے تھے۔
''تم سوئی نہیں بیٹا!'' مہر النساء بیگم نے ہی مسکرا کر پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے اندر بڑھ آئی۔
''بس سونے لگی تھی...... صبح آپ لوگوں کے ساتھ واپس جانا ہے تو سوچا آج کی رات امی کے ساتھ گزار لوں پھر نجانے کتنے دنوں بعد ملنا ہو۔'' وہ تابندہ بی کے پاس ہی بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔

تابندہ بی نے سنجیدگی سے بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ وہ مسکرا کر انہیں دیکھ رہی تھی۔

''اچھی بات ہے۔ چلیں ہم بھی چلتے ہیں۔ صبح جلدی نکلنا ہے ابھی سوئیں گے تو اٹھیں گے۔'' مہرالنساء آنٹی نے انکل سے کہا تو وہ سر ہلاتے اللہ حافظ کہتے وہاں سے نکل گئے تھے۔

''دروازہ بند کر دوں اور لائٹ بھی آف کر دوں نا؟'' ان دونوں کے جانے کے بعد اس نے کھڑے ہو کر ماں کا چہرہ دیکھا۔ تابندہ بی نے اسی سنجیدگی سے سر ہلا دیا۔

شہوار نے دروازہ لاک کر کے لائٹ آف کر کے نائٹ بلب روشن کر دیا تھا۔ اب کمرے میں ہلکی ہلکی سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ تابندہ بی بستر پر دراز ہوئیں تو وہ بھی ان کے ساتھ آ لیٹی۔

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' بہت لاڈ سے ان کے گرد بازو لپیٹتے اس نے ہلکی سبز روشنی میں ماں کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہی پچھلے تین چار دن والا سنجیدہ انداز تھا۔ شہوار کے دل کو کچھ ہوا۔

''پھر مجھے کیوں لگ رہا ہے؟''

''تمہارا وہم ہوگا۔'' وہ اسی طرح دراز تھیں۔ اس کو دیکھنے کی بجائے انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''وہم ایک دن ہوتا ہے یا دو دن ہوتا ہے...... اب چار دن ہو رہے ہیں۔ اس وہم کا شکار ہوئے ہوئے۔ مجھے پتا ہے آپ مجھ سے مصطفیٰ کے ساتھ نہ جانے پر ناراض ہیں۔'' اب کی بار تابندہ بو نے آنکھیں کھول کر ساتھ لیٹی بیٹی کو دیکھا۔

''میں ناراض نہیں ہوں مجھے تمہارے رویے پر دکھ ہوا تھا اور اس دکھ کی وجہ یہ تھی کہ تمہیں اب اپنی ماں پر اعتماد نہیں رہا...... اب تم بڑی ہو گئی ہو۔ تم جو کبھی میرے سامنے آنکھ اٹھا کر بات تک نہ کرتی تھیں اب تمہیں میرے فیصلوں پر اعتراض رہنے لگا ہے۔ میری رائے کو تم نظر انداز کرنے لگی ہو۔ تمہارے اس رویے نے مجھے دکھی کیا ہے شہوار کہ تمہیں اب اپنی ماں پر اعتماد اور اعتبار نہیں رہا۔ تم جس طرح اپنے باپ کے خاندان کی اصلیت جاننے کو بے تابی دکھا رہی ہو اس کا تو یہی مطلب ہے کہ تمہیں میری کسی بات کا کوئی یقین نہیں......'' ان کا لہجہ رندھا ہوا تھا۔ گہرے دکھ کا غماز۔ شہوار تو ساکت رہ گئی۔

''نہیں...... امی جان...... نہیں بالکل نہیں...... میں آپ پر بداعتمادی ظاہر نہیں کر رہی۔ اگر آپ حکم دیں گی تو میں آج بھی آپ کے ہر فیصلے پر ایک فرمانبردار بیٹی کی طرح ری ایکٹ کروں گی...... آپ میری زندگی کا کل اثاثہ و سرمایہ ہیں آپ ہیں تو میں زندہ ہوں۔ آپ کو دیکھتی ہوں تو زندہ رہنے کا مقصد ملتا ہے۔ میں نے محض اس خیال سے مصطفیٰ کے ساتھ جانے سے انکار کیا تھا کہ جس طرح اس رشتے سے متعلق مصطفیٰ کے سامنے صاف اور واضح لفظوں میں انکار کر چکی ہوں اب اس کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مجھے ضرور شرمندگی ہوتی۔ بہرحال وہ ایک اچھا اور قابل انسان ہے مجھے اس شخص کی اچھائی سے انکار نہیں مگر میں خود اپنی ہی نظروں میں مزید نہیں گرنا چاہتی کہ مصطفیٰ اور میرے درمیان اس ٹاپک پر بہت صاف واضح اور تفصیلی بات ہو چکی ہے اور گفتگو کے دوران ہمارے درمیان شدید تلخ کلامی بھی ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اب بار بار مصطفیٰ شاہ زیب کے ساتھ سفر کرنا میرے لیے بہت اذیت ناک تھا۔'' ماں کی باتوں پر اس نے فوراً اپنے دل کی تمام کیفیت کہہ ڈالی تو تابندہ بی نے بہت سنجیدگی سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ اس کے خوبصورت چہرے میں کسی کا عکس جھلملانے لگا تو انہوں نے بڑی ہمت سے آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلا۔

''میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں شہوار میرے سامنے ابھی بہت سے امور ہیں جو حل طلب ہیں بیٹا! میں نے اگر مصطفیٰ کا انتخاب کیا تھا تو بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا وہ ہر لحاظ سے ایک قابل انسان ہے۔ اس گھر کی پناہ میں نے یوں بلا مقصد اختیار نہیں کی تھی اور اب اتنا وقت گزرنے کے بعد بھی اگر ان لوگوں کے ساتھ رشتہ داری بنانا چاہ رہی ہوں تو بھی یہ بلا مقصد نہیں۔ شہوار تم کسی عام خاندان کی لڑکی نہیں ہو بیٹا...... ! مصطفیٰ سے تم کسی طرح بھی کم نہیں ہو۔'' انہوں نے رندھی آواز میں اسے سمجھانا چاہا تو وہ لب بھینچ گئی۔

''امی جان میں آپ سے یہ التماس کرتی ہوں کہ ہمارے درمیان میرے والد اور ان کے خاندان یا آپ کے خاندانی پس منظر کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی بس میں مصطفیٰ کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں بنانا چاہتی۔ پہلے وجہ جو بھی تھی مگر اب جب سے عادلہ بھابی نے اپنے بھائی کے لیے آ کر جو کیچڑ مصطفیٰ اور میرے حوالے سے میرے کردار پر اچھالا ہے اب وہ کیچڑ مجھے جینے نہیں دیتا۔ امی وہ عورت مجھے گندہ خون ہونے کے دن رات طعنے دیتی تھی اور میں چپ چاپ سنتی تھی مگر اب بات کردار کی ہے اور میرا کردار اتنا کمزور نہیں ہے کہ میں مصطفیٰ جیسے لڑکوں کو پھنساتی پھروں۔ یہ میں نہیں کہہ رہی یہ عادلہ بھابی اور ان کی فیملی کہتی ہے اور جس طرح ان کا بھائی میرے رستے میں آ کر میری ذات پر کیچڑ اچھالتا تھا اس کی بدکرداری اور آوارگی کو سہتے سہتے کبھی مجھے لگتا تھا کہ میں کسی بھی لمحے اپنی جان لے لوں گی۔ امی میری ذات میری تکلیف کا شاید آپ اندازہ نہ کر سکیں

کہ عادلہ بھابی اور ان کا یہ بھائی میری زندگی کا سب سے بڑا امتحان ہے۔ میں آپ کے سامنے کبھی ایک لفظ نہ کہتی مگر مصطفیٰ والے واقعے کو لے کر آپ جو رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں اگر یہی صورتحال رہی تو پھر آپ ایک بات طے کر لیجیے گا کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حویلی آ جاؤں گی۔'' ماں کے سامنے سب کہتے وہ شدت سے سسک اٹھی۔

شہوار...... ''یہ حقائق تو خود تابندہ بی کے لیے بہت حیران کن تکلیف دہ اور اذیت ناک بھی تھے۔

''یہ سب کیا ہے بیٹا...... ؟ تفصیل سے بتاؤ مجھے؟'' انہوں نے ایکدم تمام خفگی وہیں دھری ایک طرف ڈالتے اسے بازو کے حصار میں لے کر پوچھا۔

''مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھیں...... میں ابھی تک اس شہر میں ہوں تو محض آپ کے لیے ورنہ جس طرح اس شخص نے مجھ پر زندگی کے دروازے تنگ کرنے کی کوشش کی تھی بخدا میں کب کی سب چھوڑ چھاڑ آپ کے پاس آ چکی ہوتی۔'' تابندہ بی گم صم سی بیٹی کی شکل دیکھے گئیں۔

''امی یہ لوگ محض ہماری کم حیثیتی اور مشکوک بیک گراؤنڈ کو بنیاد بنا کر ہمیں لوٹ کا مال سمجھ کر تھیانا چاہتے ہیں۔ ہمیں اذیت دینا اور حظ اٹھانا چاہتے ہیں۔'' شہوار کے الفاظ پرواکئی تابندہ بی تک گم صم رہی تھیں۔

''ادھر شہر میں کسی اور کو بھی عادلہ کے بھائی کی ان حرکتوں کا علم ہے؟'' انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا لیکن وہ خاموش رہی۔

''تم کب سے یہ سب سہہ رہی ہو؟'' اس سے جواب نہ پا کر انہوں نے مزید پوچھا۔

''جب سے عباس بھائی سے عادلہ بھابی کی شادی ہوئی ہے۔ ان کا بھائی میڈیکل کالج میں ہی ہوتا ہے۔'' اس نے مزید انکشاف کیا تو کتنے لمحوں تک تو تابندہ بی بول ہی نہ سکیں۔

''خاندان اور کردار کے لحاظ سے ان کا گھرانہ کیسا ہے؟'' انہوں نے کچھ سوچتے پوچھا کہ کبھی براہ راست عادلہ کی فیملی سے ان کی ملاقات نہ ہو پائی تھی۔ ہاں عادلہ سے ضرور ملتی رہی تھیں۔

''امی وہ شخص بہت بد کردار ہے اخلاقی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اس کو انسان کہنا ہی انسانیت کی توہین ہے اور انسان کا فقر اور کردار ہی اس کے پورے گھرانے کا عکاس ہوتا ہے۔ عادلہ بھابی آپ کے سامنے ہیں اور ان کا یہ بھائی انسانیت کے نام پر ایک دھبہ ہے۔'' شہوار کا انداز اور لب و لہجہ انتہائی زہریلا ہو گیا تھا۔ تابندہ بی نہایت گم صم انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی یہ احساس سی بچی اتنے عرصے سے یہ سب سہہ رہی تھی۔ ان کے اندر آگ سی جلنے لگی تھی۔ جس لڑکی کی خاطر انہوں نے ساری زندگی گمنامی کی حالت میں گزار دی تھی آج ان کی شہوار حالات کے سرد و گرم کا شکار ہو رہی تھی یہ سب جھیل رہی تھی۔ اس بچی کی خاطر انہوں نے اس حویلی کی چار دیواری کی پناہ قبول کی تھی اور آج ان کی یہ بچی ان کے تمام اتحمل کے باوجود حالات کا شکار ہو رہی تھی۔ شہوار کے دن بدن بدلتے رویوں کے پیچھے یہ وجوہات تھیں۔ ان کا دل دکھنے لگا۔ انہوں نے بہت محبت سے اسے اپنے بازو کے حصار میں جکڑ لیا۔

''کیا اب بھی وہ شخص میڈیکل کالج میں ہوتا ہے؟'' انہوں نے مزید پوچھا۔

''نہیں آج کل نہیں آ رہا...... پتا نہیں وہ کالج چھوڑ چکا ہے یا نہیں مگر امی ایک بدکردار شخص کے شر سے انسان آخر کب تک اور کتنا خود کو بچا سکتا ہے۔ مجھے کالج جاتے ہوئے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ وہ شخص اس قدر بدنام شہرت کا حامل ہے کہ اس سے کوئی بھلائی کی امید نہیں کر سکتا۔''

''تم تو آج کل مصطفیٰ کی ساتھ ہی کالج جا رہی ہو نا؟'' انہوں نے شہوار کی بات پر چونک کر پوچھا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''کیا اتنے دن بیمار رہنے کے پیچھے بھی اس شخص کا کوئی ہاتھ تھا؟'' انہوں نے مزید پوچھا تو وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

''اچھا میں بھائی صاحب سے اس معاملے کو ڈسکس کرتی ہوں۔ وہ ضرور کوئی حل نکالیں گے۔'' انہوں نے اس کو تسلی دینا چاہی تو اس نے ایک دم نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں...... امی پلیز کسی کو مزید کچھ مت بتائیے گا۔ اگر میں نے کسی سے اس معاملے کو ڈسکس ہی کرنا ہوتا تو بہت پہلے کر چکی ہوتی۔ امی اگر اس خاندان میں سے کسی بھی فرد کو علم ہوا تو یقین جانیے میں اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں گی۔ یہ میرے لیے عزت اور موت کا معاملہ ہے اور میں کسی کی نگاہوں کے سامنے ذلت نہیں سہنا چاہتی۔''

''مگر شہوار اس مسئلے کا کوئی حل بھی تو نکالنا ہوگا۔ اگر وہ شخص کوئی سنگین حرکت کرنے پر اتر آیا تو؟ جبکہ جس طرح تم بتا رہی ہو کہ عادلہ اور اس کی ماں رشتہ بھی لے کر آئی تھیں بھائی لوگوں سے میری ابھی اس سلسلے میں بات نہیں ہو پائی۔ چند ایک بار باتوں باتوں میں میں نے کریدا بھی چاہا ہے مگر لگتا ہے کہ وہ مجھ سے اس ٹاپک کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتے۔ بہر حال اگر وہ شخص اس قدر بدکردار اور آوارہ انسان ہے تو اس سے ہر قسم کی حرکت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ایسے حالات میں کسی مضبوط انسان کا ہمارے ساتھ ضرور ہونا

چاہیے کہ کل کلاں کو وہ لوگ اس شخص کی کسی سنگین حرکت پر کوئی ایکشن تو ضرور لے سکیں گے نا۔"
"میں نے مصطفیٰ سے بات کی تھی۔" اس نے نگاہیں چراتے ماں کو بتایا تو تابندہ بی اسے کئی ثانیے بے یقینی سے دیکھے گئیں۔
"واقعی..... کب کی تھی؟" پھر سنبھل کر انہوں نے بغور بیٹی کو دیکھا جو بدستور نگاہیں جھکائے ہوئے تھی۔
"لاسٹ ٹائم جب ہم ماں جی اور مصطفیٰ کے ساتھ حویلی آئے تھے۔ تب ابھی رشتے والی بات آپ نے مجھ سے نہیں کی تھی میں نے سوچا کہ مصطفیٰ اچھی پوسٹ پر ہے یقیناً وہ اس شخص کے سلسلے میں کوئی اقدام ضرور کرے گا پھر جب آپ نے مجھ سے اگلے دن رشتے کی بات کی تو مجھے افسوس ہونے لگا کہ مجھے مصطفیٰ سے یہ مسئلہ ڈسکس نہیں کرنا چاہیے تھا۔ نجانے وہ کیا سمجھتا ہوگا؟ مگر یہ سچ ہے کہ اس سے ذکر کرنے سے پہلے تک میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ بڑوں میں ہم دونوں کا رشتہ طے کرنے کی پلاننگ طے پا چکی ہے۔" شہوار نے دھیرے دھیرے تمام ماجرا کہہ سنایا۔
تابندہ بی کے لبوں پر اس قدر ٹینشن کے باوجود ایک پرسکون سی مسکراہٹ سمٹ آئی۔ شہوار ابھی بھی نگاہیں جھکائے ہوئے تھی۔ ایک طرف وہ اس رشتے سے انکاری تھی تو دوسری طرف وہ مصطفیٰ سے مدد لینے پر مجبور تھی اور یہ مجبوری ہی تھی جو اسے ماں سے سب کہہ دینے پر مجبور کر رہی تھی۔
"میرا خیال ہے کہ اس کے بعد ہی مصطفیٰ نے تمہیں کالج لانے لے جانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی؟" انہوں نے تمام صورتحال کا جائزہ لیتے اندازہ لگایا۔
"جی۔"
"اس سب کے باوجود تم مصطفیٰ کے لیے انکار کر رہی ہو؟" انہوں نے شکوہ کیا اس نے نگاہ اٹھا کر ماں کے پرسکون چہرے کو دیکھا۔
"مجھے مصطفیٰ کی اچھائی اور خلوص نیت سے بھی انکار نہیں مگر امی اپنی ذات اور خودداری کی حفاظت بھی میرا فرض ہے۔ امی یہ سب ایک طرف مگر میرے کردار و خاندانی پس منظر پر کوئی انگلی اٹھائے یہ سب سہنے کی ہمت نہیں ہے۔ یہ ساری صورتحال آپ سے ڈسکس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ سے صرف یہ تعاون چاہتی ہوں کہ جب تک میری تعلیم مکمل نہیں ہو جاتی مجھے اس پرپوزل کے جھنجھٹ میں مت ڈالیں۔ انکل لوگوں کو جیسے بھی مطمئن کریں مگر اب مجھ سے اس سلسلے میں بات مت کریں۔" شہوار کا انداز دو ٹوک تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" تابندہ بی نے ایک گہری سانس لی۔
"آپ شہر کیوں گئی تھیں؟" شہوار کو اچانک مصطفیٰ کی جرح کا انداز یاد آیا تو ماں کا چہرہ دیکھا۔
سبز بلب کی روشنی میں کچھ واضح نہ ہو سکا سوائے سنجیدگی کے۔
"بتایا تو تھا کہ تمہاری اس رات کی ٹیلی فونک گفتگو کے بعد مجھے لگا کہ تم سے خود جا کر مل لوں..... تم شاید مجھے مس کر رہی ہو۔ تمہاری بیماری اور ذہنی کنڈیشن کا اندازہ تھا سو اسی لیے ایک دو دن کے لیے خود آنا پڑا۔" انہوں نے رسانیت سے کہا۔
"اور اس دن جب آپ شاپنگ کے لیے گئی تھیں تو کہاں رک گئی تھیں۔" مصطفیٰ کے الفاظ یاد تھے سو ماں سے پوچھنا ضروری سمجھا۔
"کہیں بھی نہیں..... عرصے بعد شہر کی لمبی چوڑی زندگی کا جائزہ لیا تو کچھ پل کے لیے باہر کی دنیا میں گھومنے کو دل چاہا..... بس اسی چکر میں رستہ بھول گئی تھی اور پھر جب رکشہ لیا تو اس کا رکشہ خراب ہو گیا۔" تابندہ بی کا انداز سادہ اور پراعتماد تھا شہوار انہیں دیکھے گئی۔
(تو پھر مصطفیٰ کو امی کی باتوں پر یقین کیوں نہیں آیا تھا؟) وہ الجھی۔
"کیا بات ہے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" تابندہ بی نے اس کی نگاہوں کے ارتکاز پر مسکرا کر پوچھا وہ نفی میں سر ہلا گئی۔
"نہیں..... بس ویسے ہی..... کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ ہمارا بھی اپنا گھر ہو..... اپنی چھت اور اپنے گھر کی چاردیواری ہو..... یہ لوگ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اتنی اپنائیت اور خلوص..... عادلہ بھابی کے احساس دلانے سے پہلے تک میں بہت مطمئن تھی بھی اپنے گھر اور خاندان کا خیال اس قدر شدت اختیار نہیں کر پایا تھا مگر اب دل چاہتا ہے کہ اپنا گھر ہو..... اپنے خاندان کا حوالہ ہو..... اور جب سے عادلہ بھابی کا بھائی عذاب بن کر سامنے آیا ہے تو دل شدت سے چاہنے لگا ہے کہ کاش میرا بھی کوئی بھائی ہوتا کڑیل جوان مضبوط بھائی جس کی چھاؤں میں ہم دونوں کو کسی عادلہ بھابی جیسی عورت کی طعنہ زنی نہ سہنا پڑتی' ایسا بھائی جو میرے درد کو سمجھ سکتا جو اس آوارہ بدمعاش انسان کا منہ توڑ سکتا اور جب مائشہ اور صبا کو اپنے بھائیوں کے ساتھ وقت گزارتے دیکھتی ہوں تو دل سے اپنی اس محرومی پر ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔"

"شہوار بس کرو بیٹا...... یہ کیسی محرومی والی باتیں کر رہی ہو آج؟" اس کے لہجے میں عجیب سا سوز تھا کتا بندہ ولی نے ایک دم گھبرا کر اسے ٹوک دیا تھا۔
"یہ تمہیں اچانک ایسے خیالات کیونکر سوجھنے لگے ہیں؟" وہ حیران تھیں جبکہ شہوار خاموش۔
"اچھا اب ایک لفظ بھی نہیں کہنا مزید...... صبح تم نے جلدی نکلنا ہے اب سونے کی کوشش کرو...... مجھے بھی سارے دن کی مصروفیت سے اب شدید تھکن ہو رہی ہے۔ تم بھی سو جاؤ......" انہوں نے سنجیدگی سے کہتے اسے ٹوکا تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ (دل اور انہونی خواہشوں پر بھلا کب اختیار رہتا ہے۔) کاش وہ ماں کو بتا سکتی۔ اس کے دل میں صرف یہ ایک محرومی نہ تھی کئی محرومیاں تھیں مگر نجانے آج کیسے ایک محرومی کا ذکر زبان سے نکل آیا تھا مگر اب تابندہ ولی کا انداز دیکھ کر چپ ہو گئی تھی۔
"سو جاؤ...... پریشان نہیں ہوتے...... ان شاء اللہ اللہ بہتر کرے گا۔ مصطفیٰ ایک اچھا سلجھا ہوا اور سمجھدار انسان ہے۔ اگر اس کے علم میں اس شخص کی تمام حرکتیں ہیں تو وہ یقیناً کوئی بہتر قدم ہی اٹھائے گا۔ بے فکر ہو کر مصطفیٰ پر بھروسہ کرو وہ ان شاء اللہ تمام معاملے کو حل کر لے گا۔" اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگاتے انہوں نے کہا تو شہوار محض سر ہلا کر رہ گئی۔
"سو جاؤ اب......" انہوں نے اسے کہتے خود بھی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ بھی گہرا سانس لے کر آنکھیں موند گئی۔



وہ انا کے کمرے سے نکلی تو اپنے کمرے کی طرف جاتے ساتھ والے کمرے کی لائٹ دیکھ کر ٹھٹکی۔
"یہ انا کو تو نہ سونے کی بیماری ہے یہ ولی بھائی آج کیوں جاگ رہے ہیں؟" رات کا ایک بج رہا تھا وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے ولی کے کمرے میں چلی آئی۔ دروازہ نیم وا تھا۔ اس نے ذرا سا دھکیلا تو کھلتا چلا گیا۔
"آپ جاگ رہے ہیں؟" ولید اپنے بستر پر ٹانگوں پر لیپ ٹاپ رکھے مصروف تھا اسے دیکھ کر متوجہ ہوا تو روشانے نے مسکرا کر پوچھا۔ وہ نیم وا دروازے کے پاس کھڑی تھی۔
"تمہیں کیا لگ رہا ہے اس حالت میں بیٹھا بیٹھا سو رہا ہوں کیا؟" ولی نے مسکرا کر جواباً کہا تو وہ ہنس دی۔
"بائی دا وے تم کیوں جاگ رہی ہو؟" ولی نے لیپ ٹاپ کی طرف دوبارہ نظر کرتے سوال کیا تو وہ اندر چلی آئی۔
"انا کے ساتھ دماغ کھپا رہی تھی؟"
"کیوں کیا ہوا انا کو؟" ایکدم چونک کر بہن کو دیکھا جو اس کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ تین چار دن پہلے تک انا سے ناراضی تھی اب تو صورتحال نارمل تھی۔ پھر اب کیا ہوا؟
"پتا نہیں کیا پرابلم ہے اس کے ساتھ...... نہ کچھ ڈسکس کرتی ہے اور نہ ہی کسی کو بولنے دیتی ہے۔ پھپھو بھی خاصی پریشان ہو رہی ہیں۔ دو تین دن پہلے پھپھو سے اس نے نیند نہ آنے اور ٹرینکولائزر یوز کرنے کی بات کی تھی تب سے وہ شدید پریشان ہیں اور بار بار مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں جو اس کے نزدیک ہوں پتا کروں کہ اسے کیا پریشانی ہے۔ نیند کیوں نہیں آتی اسے؟ مگر میں جب بھی اس بات کا تذکرہ کرتی ہوں اس کا ری ایکشن بڑا عجیب سا ہو جاتا ہے۔ بڑے بدلحاظ اور تمسخرانہ انداز میں کہہ دیتی ہے کہ اس کے سونے جاگنے سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ اسے کوئی پرابلم نہیں خوامخواہ اس کا دماغ نہ کھایا جائے......!" وہ شاید اچھا خاصا دماغ انا سے کھپا کر آئی تھی اور ولید کو دیکھ کر فوراً شروع ہو گئی تھی۔
ولید جو پہلے ہی اس ساری صورتحال کو روشانے کے ساتھ ڈسکس کرنے کا سوچ رہا تھا اب روشانے کی تمام بات سن کر فوراً سنجیدہ ہوا۔ لیپ ٹاپ ایک طرف رکھتے اس نے پرسوچ انداز میں ہونٹوں پر ہاتھ رکھا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟"
"پتا نہیں بٹ آئی تھنک وہ کچھ ڈسٹرب ہے۔" روشانے نے اپنا تجزیہ بیان کیا۔
"کوئی خاص ریزن؟" اس نے اسے کریدا...... وہ نفی میں سر ہلا گئی۔
"یہی تو پرابلم ہے کہ وہ اپنی کوئی بھی فیلنگ ہم سے شیئر نہیں کرتی۔ کمرا بند ہو کر رہ گئی ہے۔ یا کالج کی روٹین برقرار ہے...... ان تین چار دنوں میں بہت چپ سی رہنے لگی ہے۔ پہلے تو پھر بھی کالج سے آنے کے بعد مجھ سے بول لیا کرتی تھی مگر آج کل وہ بھی نا پید ہے۔"
"تمہارے خیال میں کیا ریزن ہو سکتی ہے؟ ویسے آج کل تو وہ مجھے نارمل کنڈیشن میں ہی لگ رہی تھی۔ ہاں موڈی ہے اور موڈ نہ ہو تو بدتمیزی بھی خاصی کر جاتی ہے۔"

''آئی ڈونٹ نو...... پھپھو کہتی ہیں وہ شروع سے ہی لاڈلی تھی جب تک وہ ہمارے ساتھ باہر رہی تھی ایسی ہی تھی مگر تب بچپن کا دور تھا سو زیادہ فیل نہیں ہوا مگر پاکستان آنے کے بعد شروع میں تو اس نے ہر پل ہر لمحے ہم لوگوں کو مس کیا پھر وہ اپنی اسٹڈی میں بزی ہوگئی تو اس کی جذباتیت کچھ حد تک کم ہوگئی مگر اس سے اس کی ذات میں یہ تبدیلی آئی کہ وہ ایک دم بہت جلد ہائپر ہو جاتی ہے چھوٹی سی چھوٹی بات پر یکدم چڑ ہو جاتی ہے۔ انکل پھپھو اور احسن سب کی اسے بھرپور محبت اور توجہ ملی ہے مگر اس کے اندر جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں وہ ختم نہیں ہو پا رہیں۔ عجیب موڈی اور حساس لڑکی ہے۔ کبھی کبھار تو پھپھو بھی اس کے موڈ کا اندازہ نہیں لگا پاتیں کہ اگر وہ پریشان ہے خفا ہے تو کیوں ہے؟''

''ہوں......'' ولید نے تفکر بھرا گہرا سانس لیا۔

''آج کل اس کے خراب موڈ کی کوئی خاص وجہ؟'' جبکہ وہ تو خود اس سے اپنے رویے کی بدصورتی پر ایکسکیوز کر چکا تھا۔ پھر اب کیا وجہ تھی؟

''مجھے تو کوئی وجہ سمجھ نہیں آرہی......'' روشانے نے نفی میں سر ہلایا۔

''کہیں وہ کسی میں انوالو تو نہیں......؟'' جو بات اسے چند دن سے کھٹک رہی تھی اب لبوں پر آگئی تو روشانے نے حیرت سے بھائی کو دیکھا۔

''آپ کو یہ اندازہ کیونکر ہوا؟''

''وہ ینگ ہے، کوالیفائیڈ اینڈ خوبصورت ہے...... سوسائٹی میں موو کرتی ہے...... کو ایجوکیشن میں پڑھ رہی ہے ہر طرح کا امکان ممکن ہے۔'' ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔

''مے بی...... بٹ مجھے نہیں لگتا کہ ایسا کچھ ہے...... اگر کہیں انوالو ہوتی تو ذکر کرتی...... سرسری سا ہی...... مجھے نہیں لگتا کہ کوئی ایسا معاملہ بھی ہوگا...... فرض کریں اگر ہو بھی تو انا بہت میچور ڈ اور سمجھدار لڑکی ہے وہ کسی ایسے معاملے میں اپنی فیملی کے ساتھ اس طرح ری ایکٹ نہیں کرے گی۔ جس طرح وہ آج کل ری ایکٹ کر رہی ہے۔ یہ کوئی اور ہی سچویشن ہے۔''

''تو؟'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔ روشانے خاموش رہی۔

''آپ کی انا کے متعلق کیا رائے ہے؟'' چھتا ہے کے بعد روشانے نے پوچھا تو ولید اس کی بات کا مطلب سمجھتے ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

''ابھی اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی تو میں ادھر آیا ہوں...... عرصے بعد اپنوں سے مل رہا ہوں اب اتنی جلدی کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے تو رہا؟ ویسے بھی تمہاری شادی کا سلسلہ چل رہا ہے پہلے یہ اختتام پذیر ہو جائے۔'' ولید نے ٹالنا چاہا۔

''یہ سلسلہ میری شادی کے ساتھ مشروط نہیں تھا۔ یہ علیحدہ فیصلہ تھا جو پھپھو اور بابا کے درمیان طے پایا تھا...... بابا کو بہت جلدی ہے ان کے دل کی خواہش سے آپ بے خبر نہیں ہیں مگر وہ پھپھو کی رائے کو ویلیو دے رہے ہیں آپ کو وقت دے رہے ہیں۔'' روشانے نے سنجیدگی سے بھائی کو کہا۔

''کیا انا کو اس سارے سلسلے کی خبر ہے؟'' ولید نے پوچھا۔

''آئی تھنک نہیں...... اگر اسے خبر ہوتی تو وہ ضرور کوئی ری ایکشن شو کرتی کم از کم مجھ سے ڈسکس تو ضرور کرتی۔'' روشانے کا انداز پُرسوچ تھا۔

''آج کل انا کا جو رویہ ہے میں بہت الجھ گیا ہوں۔ کبھی وہ بہت اپنی اپنی لگتی ہے اور کبھی وہ ایکدم بالکل روڈ اجنبی اور پرائی بن جاتی ہے اور اس کا رویہ آخری حد تک گستاخانہ اور بدتمیزانہ ہو جاتا ہے۔'' ولید کا انداز ایسا تھا کہ روشانے ایکدم ہنس دی۔

''ایسی بھی بات نہیں...... تین دن پہلے فجر کی نماز کے بعد انا واک کرنے لان میں گئی تھی تبھی آپ بھی وہیں آنکلے تھے۔ اس وقت انا جس طرح آپ کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھی مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو اسے آبزرو کرنے میں اتنا وقت لینا چاہیے۔ ویسے انا نے آپ کا دیا گیا پھولوں کا گلدستہ مجھے دکھایا تھا آپ کی طرف سے پھول پا کر وہ بہت خوش لگ رہی تھی اور پھول تھے بھی بہت پیارے......'' روشانے ایکدم بات کو کہاں سے کہاں لے گئی تھی۔ ولید نے اسے گھورا۔

''اس سارے قصے میں پھولوں کا کیا ذکر بھلا؟''

''یہ تو آپ کو ہی پتا ہوگا نا؟ مجھے ویسے آپ پر خاصی حیرت ہوئی تھی...... کہاں لڑکیوں کے معاملے میں ایکدم آدم بیزار رہنے والے ولی بھائی اب ایکدم پھولوں کا گلدستہ پیش کر رہے تھے۔ وہ بھی انا وقار احمد صاحبہ کو......'' اس کا انداز شرارت سے بھرپور تھا۔

''شٹ اپ۔'' روشانے کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ویسے اگر دل میں کوئی فیصلہ کر لیا ہے تو بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں بابا اور پھپھو تک آپ کی رائے پہنچا سکتی ہوں۔ ویسے سچ کہوں بابا کی خواہش میری بھی دلی

خواہش ہے مگر ہم پھر بھی آپ کو وقت دے رہے ہیں۔ آپ کے فیصلے کے منتظر ہیں۔"

"کوئی فیصلہ نہیں کیا میں نے...... میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ بے کار میں ضائع کرتا پھروں...... بھاگو یہاں سے۔" ولید نے اس کی شرارت پر اسے گھورتے اپنا لیپ ٹاپ دوبارہ اٹھا کر اپنی آنکھوں کی سامنے کر لیا تھا۔

"اف اس کو تو ایک طرف بنادیں۔ آپ کے پاس کونسا وقت ہوتا ہے یہاں آتے ہی آفس کی بھاگ دوڑ شروع کر دی ہے' میں تو آپ سے تفصیلی بات کرنے کو ترس گئی ہوں۔ آج اگر چانس ملا ہے تو اس کو ایک طرف رکھ کر پہلے میری بات سن لیں۔"

"اگر اسی طرح کی بے سروپا باتیں کرنی ہیں تو سوری۔" ولید نے صاف ہری جھنڈی لہرائی۔

"ہاں جیسے ہمارے ملک کی مشینری آپ کے اندر ہی تو کام کر رہی ہے نا؟" روشانے نے جل کر کہا تو وہ ہنس دیا۔

"پھر بھی بتائیں نا انا پیاری ہے نا؟" اس کے ہنسنے پر روشانے کو حوصلہ ملا تو اس نے پوچھا۔

"مجھے تو وہ بہت پیاری لگتی ہے۔"

"مادام! میں حسن صورت کی بجائے حسن سیرت کا قائل ہوں۔" ولید نے چڑایا۔

"ہاں ٹھیک ہے پھر میں بابا سے کہتی ہوں کہ کوئی کالی بدصورت آنکھ کی اندھی کان کی بہری اور جسم کی معذور دیکھ لیتے ہیں......" ولید کے چڑانے پر وہ جل بھن گئی تھی۔

"یار! انا وقار احمد ہماری بہت پیاری اور خوبصورت کزن ہے جو حد سے زیادہ حساس اور کچھ حد تک موڈی بھی ہے بدتمیزی تو اس کی علیحدہ صفت ہے۔ میچور' سنجیدہ مزاج اور سلجھی لڑکی ہے مگر اس سب کے باوجود میرے نزدیک وہ میری چھوٹی زوہ ہے۔ اینڈ تھنک مور یار!" روشانے کے جل بھن جانے پر ولید نے رسانیت سے کہا تو روشانے فوراً بے تاب ہوئی۔

"جب آپ اس کی اتنی کوالیز کے بارے میں جان چکے ہیں تو کوئی حتمی فیصلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"واقعی کوئی حرج نہیں مگر میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا۔ ابھی میرے کیریئر کا آغاز ہے۔ میں باہر وہاں کی جاب ہر چیز چھوڑ کر آیا ہوں ابھی مجھے اپنے آپ کو اسٹیبلش کرنا ہے اس کے بعد زندگی کی باقی ترجیحات ہوں گی۔" اب کے ولید نے سنجیدگی کے ساتھ اپنا موقف واضح کیا۔

"یہ سب تو چلتا رہتا ہے نا۔ بعض فیصلے وقت پر ہی بچتے ہیں اور وقت گزر جائے تو صرف پچھتاوے باقی رہتے ہیں۔ انا اگرچہ ہماری کزن ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک لڑکی بھی ہے پھپھو سے کئی بار سرسری بات چیت ہوئی ہے وہ انا کے متعلق انتظار نہیں کریں گی جیسے ہی کوئی اچھا پرپوزل آتا ہے وہ اسے رخصت کر دیں گی پھپھو کے بقول ایجوکیشن تو شادی کے بعد بھی مکمل کی جا سکتی ہے؟" روشانے نے سنجیدگی سے کہا تو ولید نے بغیر کسی تاثر کے بہن کو دیکھا۔

"تم خوامخواہ الجھ رہی ہو...... جو بھی ہوگا دیکھ لیں گے۔ ظاہر ہے پھپھو ماں ہیں اور ہر کوئی اپنی بیٹی کے لیے اچھا ہی سوچتا ہے۔ رہ گئی پرپوزل والی بات ابھی کوئی اچھا پرپوزل منظر عام پر آیا نہیں جب آئے گا تو دیکھیں گے۔" ولید کا انداز بے پروا تھا۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ کیا پتا کب کیا معاملہ طے پا جائے؟ تو کیا بہتر نہیں کہ وقت پر بہتر فیصلہ کر لیں۔ اب تک تو یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے تھا کہ ہم بہرحال باہر سے ایک فیصلہ طے کر کے ہی پاکستان آئے تھے۔" روشانے کا انداز خاصا سنجیدہ تھا تو ولید نے اسے بغور دیکھا۔

"تو کیا تمہاری اس سلسلے میں کسی سے کوئی بات ہوئی ہے۔ ماما پاپا کی طرف سے......؟"

"بابا سے تو تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن یہ موضوع زیر بحث رہتا ہے مگر آج کل انا کے رویے کی وجہ سے جس طرح پھپھو پریشان ہیں تو مجھے لگ رہا ہے کہ وہ اب سنجیدگی کے ساتھ انا کے لیے کوئی اچھا پرپوزل دیکھنے کا سوچ رہی ہیں۔" روشانے نے بتایا۔

"اوہ...... آئی سی......"

"بھائی پلیز! اس معاملے کو سنجیدگی سے لیں۔" روشانے اس سلسلے میں خاصی بے تاب تھی وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد کوئی حتمی فیصلہ ہو جائے۔

"اچھا دیکھیں گے تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟" ولید نے اسے ٹالنا چاہا۔ روشانے نے فوراً بر امانا۔

"اچھا بتائیں کہ وہ کونسی چیز ہے جو آپ کو حتمی فیصلہ کرنے سے منع کر رہی ہے۔" روشانے بھائی کے مزاج کے رنگوں سے آشنا تھی سو اس کے یوں ٹالنے پر برا مان کر کہا۔

"دیکھو روشانے یہ زندگی محض ایک دو لمحوں کا کھیل نہیں کہ میں ایک دم فیصلہ کرلوں باہر کی لائف جیسی بھی گزاری مگر بابا کی تربیت ہمارے ہم قدم رہی اور شاید یہی وجہ تھی کہ کہیں ادھر ادھر تاک جھانک کی نوبت ہی نہ آئی اور پھر سب سے بڑھ کر بابا جان کی یہ نصیحت مجھے یاد رہی کہ یہاں جتنی بھی آزادانہ زندگی گزارلو مگر لائف پارٹنر کا فیصلہ ان کی پسند کا ہوگا اور یہ نصیحت ہر لمحے یاد رہی۔ ہاں انا کے متعلق بابا نے ایک آپشن دیا تھا اور کہا تھا اگر میں بہتر سمجھوں تو وہ پاکستان جا کر بات فائنل کر سکتے ہیں اور پاکستان آکر انا کو دیکھ کر اچھا بھی لگا مگر جیسے جیسے اس کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا تو اس کی شخصیت کی بہت سی باتیں سامنے آئیں۔ ٹھیک ہے وہ میچور ہے مگر میں نے جس طرح کی لائف گزاری ہے تو میرا لائف پارٹنر کے متعلق امیج کچھ اور تھا۔ اور پھر کئی بار جب انا کو بے حد ڈسٹرب دیکھا تو ذہن میں کئی بار خیال آیا کہ کہیں یہ لڑکی کہیں اور انوالو تو نہیں اور ہم انجانے میں اس کے ساتھ زیادتی نہ کر بیٹھیں؟ مگر یہ ایک پوائنٹ ہے جس پر آکر میں ڈبل مائنڈڈ ہو جاتا ہوں۔" ولید نے کچھ توقف کیا تو روشانے چونکی مگر کہا کچھ نہیں۔

"کئی بار جی چاہا براہ راست انا سے بات کروں مگر نجانے وہ کس طرح ری ایکٹ کرے؟ میں نے اس سے اس کا پرابلم جاننے کی کوشش بھی کی مگر چند بار تو وہ مجھے صاف ٹال گئی اور لاسٹ ٹائم اس کا رویہ میرے ساتھ اس قدر روڈ اور بدتمیزانہ تھا کہ میرا دماغ بالکل گھوم گیا اور ایسے میں اچانک لاشعوری طور پر میرا ہاتھ اس پر اٹھ گیا تھا اور بعد میں مجھے شدید شرمندگی و ندامت نے آگھیرا۔" ولید نے مکمل کر بتایا۔

"کیا......" روشانے جو بہت توجہ سے سن رہی تھی بھائی کے آخری الفاظ پر ششدر رہ گئی۔

"میرے رویے کا نتیجہ اگلے دن انا کی خراب طبیعت کی صورت میں سامنے تھا اور میں اپنی جذباتی کیفیت پر بہت گلٹی فیل کر رہا تھا۔" ولید نے سنجیدگی سے مزید بتایا۔

"تو...... انا کے بخار کی اصل وجہ یہ تھی......" روشانے کے لیے یہ انکشاف تھا۔

"اف...... یہ تو انا کے ساتھ آپ نے بہت زیادتی کی...... اور انا بھی کتنی گم صم ہو گئی تھی...... تو...... ویری بیڈ پوزیشن۔ اب کیا ری ایکشن ہے انا کا؟" روشانے نے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

"اس کے بعد میں نے انا سے معذرت کرلی تھی مگر جب اس کے موڈ کی وجہ جاننا چاہی تو وہ پھر ٹال گئی اور اسی بات پر آکر میں اٹک جاتا ہوں اور لگتا ہے کہ کہیں کوئی ہے جو انا کے رستے میں ہے اور اسی پوائنٹ پر آکر میں فیصلہ نہیں کر پاتا...... بہرحال وہ پھولوں کا گلدستہ دینے کا بھی یہی مقصد تھا کہ میں انا سے اپنے رویے کا ازالہ کرنا چاہتا تھا اور انا کو پھول دینے کے بعد مجھے محسوس ہوا تھا کہ انا میرے اس عمل سے بہت خوش ہوئی ہے۔ اس کے چہرے کے وہ تاثرات خوشی کا وہ انوکھا پن میں نہ چاہتے ہوئے بھی بھلا نہیں پا رہا......" دونوں بہن بھائی آپس میں بہت فرینک تھے۔ ولید نے بہن کے سامنے ساری صورتحال واضح کر ڈالی تھی اپنی تمام فیلنگز سمیت۔

"تو...... آئی سی......" روشانے کے لیے یہ ساری تفصیل خاصی دلچسپ تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دل میں انا کے لیے اچھی خاصی گنجائش موجود ہے۔" ولید کے آخری الفاظ پر روشانے نے ایک دم گرفت مضبوط کی تھی۔ ولید ہنس دیا۔

"خیر اب میں نے ایسا بھی کچھ نہیں کہا...... کچھ فیلنگز وقتی بھی ہوتی ہیں۔"

"اور یہی فیلنگز بعض اوقات دل میں ہمیشہ کے لیے گھر بھی کر جاتی ہیں اور آپ تسلیم بھی کر چکے ہیں کہ آپ انا کے چہرے کا وہ تاثر خوشی کا وہ خاص احساس چاہ کر بھی نہیں بھلا پا رہے ہیں۔" روشانے نے فوراً بھائی کے الفاظ پر گرفت سخت کی تو ولید نے اسے گھورا۔

"اپنی یہ وکالت کی مہارت مجھ پر آزمانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں خاصا پریکٹیکل اور لوجیکل اپروچ کا حامل انسان ہوں۔ یہ چھوٹی موٹی فیلنگز اتنی جلدی مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتیں......" روشانے جواباً کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اسی کو کہتے ہیں کہ چور کی داڑھی میں تنکا۔ ویسے میں بھی سوچ رہی تھی کہ انا کے روم کے اتنے چکر موصوف کیوں لگا رہے ہیں؟" وہ اب بھائی کو چھیڑ رہی تھی۔

"ویسے انا کو تھپڑ مار کر اس کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی ہے آپ نے......" اس نے کہا۔

"شٹ اپ......" ولید نے پیار بھری خفگی سے بہن کو ٹوکا۔

"جو بھی ہوا ایک دم اچانک ہوا تھا اور میں خود بھی شرمندہ ہوں۔"

"ویسے جس پوائنٹ کا ذکر آپ کر رہے ہیں اس کا رخ تھوڑا سا چینج کرنے میں کوئی حرج نہیں...... مرکز فوکس تھوڑا سا اپنی طرف کرلیں۔ شاید حتمی فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے۔" وہ اب سنجیدگی سے بھائی کو کہہ رہی تھی۔

''او کے لیو دس ہا پیک۔ تمہیں نیند نہیں آ رہی یا آج رتجگے کا ارادہ ہے؟'' ولید نے بات ختم کرنا چاہی تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''او کے آپ نے صبح آفس بھی جانا ہے۔ آپ کا خاصا وقت لے لیا...... بھئی آج آپ سے بات کر کے دل و دماغ میں موجود اس کشمکش کو ایک فیصلہ کن موڑ ملا ہے۔ ان شاء اللہ مجھے یقین ہے کہ اگر چند بار مزید آپ کے ساتھ ڈسکشن کیا تو یہ فیصلہ بہت جلد ہو جائے گا۔'' بستر سے اٹھتے اس نے بھائی کو چھیڑا تو وہ ہنس دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم مزید بھی میرا دماغ کھانے آؤ گی؟''

''صحیح کر لیں...... دماغ کھانے نہیں بلکہ درست فیصلہ کروانے۔ آپ مجھے اپنا قانونی اور مشاورتی مشیر سمجھ لیں۔'' وہ کہاں باز آنے والی تھی۔ ہنس کر بھائی کو کہا۔

''ہاں تمہاری ساری وکالت تو مجھ پر ہی آزمائی جائے گی؟'' ولید نے مصنوعی بے چارگی سے چھیڑا۔

''آف کورس...... آپ ٹھہرے لوجیکل اپروچ کے حامل انسان اور لوجک کو مشاورتی مشیر ہی اپنی مشاورتی ضربوں سے حتمی اور فیصلہ کن اپروچ میں بدلتا ہے۔'' ولید اس کی برجستگی پر ایکدم ہنس دیا۔

''تمہاری اوچھی کا نہ دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تم مستقبل کی بہت اچھی وکیل ثابت ہو گی...... او کے آئندہ تمہارے مشاورتی مشوروں سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں مگر اس وقت سخت نیند آ رہی ہے یہ پروگرام کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھنے کی جرأت کر سکتے ہیں کیا مادام......؟''

''او کے مائی لارڈ...... آپ نیند انجوائے کریں...... شب بخیر...... اینڈ اللہ حافظ۔'' وہ فوراً ولید کی بات مان کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''اللہ حافظ۔'' ولید اسے مسکراتی نگاہوں سے باہر جاتے دیکھے رہا۔



گاؤں سے یہ لوگ وقت پر ہی روانہ ہوئے تھے مگر گھر آتے ہوئے ٹریفک کی وجہ سے تینوں لیٹ ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے گھر پہنچنے تک ۹ بج چکے تھے۔ سبھی لوگ اپنے اپنے کاموں پر روانہ ہو چکے تھے۔

گھر آتے ہی شاہ زیب صاحب اور شہوار دونوں تیار ہوئے تھے شاہ زیب صاحب شہوار کو کالج اتارنے کے بعد خود ڈرائیور کے ساتھ اپنے آفس آ گئے تھے۔ آج شاہ زیب صاحب چار دن بعد آفس کے کام دیکھ رہے تھے۔ سو بارہ بجے تک وہ خاصے مصروف رہے تھے۔ پھر انہیں ذرا فراغت ملی تو عباس کے کمپیوٹر سیکشن کے لیے انہیں نیو اپائنٹ کی گئی لڑکی کا خیال آیا۔

''عباس کے سیکشن کے لیے جو لڑکی اپائنٹ کی تھی وہ کیسی کارکردگی شو کر رہی ہے۔'' انہوں نے اپنے سامنے بیٹھے فاروقی صاحب کو دیکھا جو ان کے نہ صرف سیکریٹری کے امور سر انجام دیتے تھے بلکہ باقی تمام شعبوں میں بھی وہ اوورآل منتظم اعلیٰ کی حیثیت رکھتے تھے۔

''سر وہ تو اس دن ویسے ہی چلی گئی تھیں......'' اس دن فاروقی صاحب کو شاہ زیب صاحب سے یہ معاملہ ڈسکس کرنا یاد نہیں رہا تھا اس کے بعد وہ اب آفس آئے تھے۔

''کیا مطلب......؟'' وہ چونکے۔

''عباس صاحب کو ان کے نا تجربہ کار ہونے پر اعتراض تھا۔ ان سے بات چیت کے دوران انہوں نے چند ایسے سوالات کیے تھے کہ وہ لڑکی ایکدم برا مان کر اپنی فائل لے کر میرے روکنے کے باوجود وہاں سے چلی گئی تھی۔''

''مائی گاڈ...... عباس کو آپ نے بتایا نہیں تھا کہ میں اس لڑکی کو اپائنٹ کر چکا ہوں۔'' شاہ زیب صاحب ایک دم خفا ہوئے۔

''یس سر...... میں نے بتایا تھا مگر وہاں صورتحال ہی ایسی ہو گئی تھی کہ وہ لڑکی میرے روکنے کے باوجود چلی گئی تھی۔''

''وہ ایک کوالیفائیڈ اور ذہین لڑکی تھی۔ نا تجربہ کار تھی مگر فریش امیدوار تھی...... ایسے لوگ کسی بھی کمپنی کے لیے بہت پازیٹو رول ادا کرتے ہیں۔ اس لڑکی کا اکیڈمک ریکارڈ ایک طرف مگر جو پوٹینشل میں نے اس میں انٹرویو کے دوران محسوس کی تھی وہ اسے ایک بہت زبردست ورکر ثابت کر سکتی تھی اور عباس کو کیا پتا نہیں کہ میں یوتھ کو ہمیشہ آگے رکھتا ہوں۔ آج اگر ہم یوتھ کو موقع نہیں دیں گے تو وہ ایکسپیریئنس کیسے بنیں گے۔'' شاہ زیب صاحب خاصے خفا ہو رہے تھے فاروقی صاحب بالکل خاموش تھے۔

''بلائیں عباس کو......'' انہوں نے غصے سے کہا تو فاروقی صاحب نے فوراً انٹر کام اٹھایا تھا۔

''سر آپ کو شاہ زیب صاحب اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔'' اس نے اطلاع دے کر انٹر کام رکھا تو شاہ زیب خاموشی سے عباس کا ویٹ کرنے لگے۔ پانچ منٹ بعد عباس

ان کے روم میں تھا۔

"خیریت ..... بابا جان ....." سلام دعا کے بعد باپ کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"آپ کے کمپیوٹر سیکشن کے لیے جو لڑکی سلیکٹ کی تھی اس کا کیا کیا آپ نے؟" شاہ زیب صاحب بہت سنجیدگی سے مخاطب تھے۔ عباس نے پہلے باپ اور پھر فاروقی صاحب کو دیکھا۔

"وہ تو اسی دن چلی گئی تھی۔"

"ہاں پتا چل چکا ہے کہ وہ چلی گئی تھی مگر میں ریزن مانگ رہا ہوں۔" انہوں نے خاصی خفگی سے پوچھا۔

"وہ ایک ناتجربہ کار لڑکی تھی ابھی چند ماہ ہوئے بھی ایم سی ایس کیے۔ بے شک سی وی شاندار تھی مگر ہماری کمپنی کی فرسٹ ڈیمانڈ ایکسپیرینسڈ پرسن تھی۔ سو میں نے جب اس لڑکی سے اس کے تجربے کے حوالے سے بات کی تو وہ پریشان ہو گئی اچھی خاصی بد دماغ لڑکی تھی نہ میرا خیال کیا ورنہ ہی ایٹی ٹیوڈز کا فاروقی صاحب سے سی وی فائل چھینی اور ان کے روکنے کے باوجود چلی گئی۔"

"یہ مجھے بھی پتا تھا کہ وہ ناتجربہ کار لڑکی ہے ..... وہ فرسٹ ٹائم کسی بھی آفیشل ورک کے لیے جاب کر رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا اور تمہیں کس احمق نے کہا تھا کہ اس پوسٹ کے لیے مجھے ایکسپیرینسڈ پرسن چاہیے تھا۔ اس لڑکی کی ٹائپنگ اسپیڈ اچھی خاصی تھی میں نے پانچ منٹ اسے دیے تھے پریکٹیکل ورک کے لیے اور اس نے ان پانچ منٹ میں میری سوچ سے بڑھ کر رزلٹ دیا تھا۔ وہ بے شک ناتجربہ کار تھی مگر اس کے اندر لگن تھی کام کرنے کی۔ چند ایک دن اگر اسے ٹریننگ دی جاتی تو وہ بہت جلد ہماری ڈیمانڈ کے مطابق کام کرنے لگتی۔ جلد ہوتی ہے عباس تمہیں کم از کم مجھ سے مشورہ تو کر لینا چاہیے تھا۔ اور رہی بات مینرز اور ایٹی ٹیوڈ کی تو اس لڑکی کا جاب کا پہلا موقع تھا۔ بہت سے لوگوں کا ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ ذرا سی بھی چھوٹی سی بات پر فوراً پریشان ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کو اپنے رویوں پر خود ہی چلانا پڑتا ہے۔ وہ لوگ کم ہی سمجھ پاتے ہیں کہ ہمیں پریشانی اٹھانا پڑی ..... وہ بہت جلد سیکھ جانے والی لڑکی تھی۔" شاہ زیب صاحب کا انداز برہم اور ناراضی لیے ہوئے تھا۔

"او کے ..... میں مان لیتا ہوں مگر بات تو پھر وہی ہوئی نا کہ ایسے لوگوں کو پہلے سب کچھ سکھائیں اور پھر کام کروائیں ....." باپ کے ناراض لہجے پر اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"اب تو جیسے تمہارے سارے کام ہو رہے ہیں نا ..... کم عقلی کی بھی حد ہوتی ہے۔ ان تین چار دنوں میں اس بچی کی اچھی خاصی ٹریننگ ہو چکی ہوتی تھی۔" انہوں نے بیٹے کے الفاظ پر خاصی ناراضی سے کہا۔ فاروقی صاحب کے سامنے ایسی گوشمالی پر عباس کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

"فاروقی صاحب آپ کے پاس اس بچی کا کوئی کنٹیکٹ نمبر تو ہوگا نا؟"

"نہیں وہ جاتے وقت اپنی سی وی ساتھ لے گئی تھیں۔" فاروقی صاحب نے سہولت سے کہا۔

"تو وہ کسی ریفرنس سے آئی تھیں یا خود ہی باقی امیدواروں کی طرح آئی تھیں؟" انہوں نے پھر پوچھا۔

"وہ جاد صاحب کے سیکشن کی مس بادیہ کے ریفرنس سے آئی تھیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ مس بادیہ کے پاس اس بچی کا کوئی کنٹیکٹ نمبر ہوگا۔ ایسا کریں مس بادیہ کو بلوائیں ....." انہوں نے عباس کو مزید کچھ بھی کہنے کی بجائے فاروقی صاحب سے بات کی۔

"جی سر۔" فاروقی صاحب نے انٹر کام اٹھا کر متعلقہ سیکشن پر رابطہ کیا۔

"مس بادیہ آپ کے پاس اس دن جو لڑکی عباس صاحب کے کمپیوٹر سیکشن کے لیے آئی تھیں ان کا کوئی کنٹیکٹ نمبر ہے؟" فاروقی صاحب ہی بادیہ سے بات کر رہے تھے۔ باقی دونوں بس دیکھ رہے تھے۔

"او کے آپ وہ کنٹیکٹ نمبر لے کر شاہ زیب صاحب کے آفس میں آ جائیں۔ ہری اپ۔"

"السلام علیکم سر!" دو تین منٹ بعد وہ شاہ زیب صاحب کے آفس میں تھی۔

"وعلیکم السلام آئیں بیٹھیں ....." شاہ زیب صاحب نے کہا تو وہ سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

بادیہ نے اپنے سیل میں سے نمبر نکال کر فاروقی صاحب کو سیل تھما دیا۔
"آپ ایسا کریں ابھی اس نمبر کو نوٹ کریں اور اس بچی کو کال کریں میں خود اس سے بات کرتا ہوں۔ اب روز روز میں نئے نئے اشتہارات دیتا پھروں اور بے کار میں لوگوں کا انٹرویو کرتے لوگوں کے ساتھ ساتھ اپنا بھی وقت ضائع کرتا پھروں۔ مجھے اپنے انتخاب پر پورا بھروسہ ہے۔ آپ ابھی کال کریں میں دیکھتا ہوں وہ کیا کہتی ہیں۔" شاہ زیب صاحب نے کہا تو فاروقی صاحب نے فوراً سر ہلاتے ٹیبل پر رکھے ٹیلی فونز کے کئی سیٹ میں سے ایک اپنی طرف کھسکا لیا۔ اب بادیہ کے سیل سے نمبر دیکھتے ٹیلی فون سے ڈائل کر رہے تھے۔
"السلام علیکم!" دوسری طرف رابطہ ہو چکا تھا۔
"وعلیکم السلام! جی مس رابعہ سے بات ہو سکتی ہے؟" انہوں نے پوچھا۔
"جی بات کر رہی ہوں...... آپ کون؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔
"میڈم میں علی انٹرپرائزز سے بات کر رہا ہوں، پچھلے دنوں آپ کی سلیکشن ہماری کمپنی میں ہوئی تھی......" فاروقی صاحب نے حوالہ دیا تو دوسری طرف وہ لڑکی فوراً برافروختہ ہوئی۔
"میں اس سلیکشن پر لات مار کر آئی تھی...... اور اس کھڑوس انسان کو صاف جتا کر آئی تھی کہ میں کوئی گئی گزری لڑکی نہیں ہوں اور اب کیا مصیبت آ پڑی ہے جو رابطہ کیا جا رہا ہے۔" وہ لڑکی بغیر کسی لحاظ مروت کے بولی تھی گویا کوئی ایکدم توپ داغ دیتا ہے۔
فاروقی صاحب نے ایک دم خفت کا شکار ہوتے ریسیور کان سے ہٹایا۔ عباس صاحب واقعی نادانستہ تھے اس لڑکی کو وقتی میرٹ نہیں تھے۔
"یہ بیٹی کے اونر شاہ زیب صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے فوراً اپنی جان چھڑائی۔ اب شاہ زیب صاحب بات کر رہے تھے۔
"السلام علیکم! کیسی ہیں بیٹا آپ؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں مخاطب تھے۔
"میں ٹھیک ہوں سر......" آپ کے دوسری طرف موجود رابعہ شاہ زیب صاحب کے انداز پر کچھ الجھ کر دھیمی ہوئی تھی
"بات یہ ہے بیٹا کہ میں پچھلے دنوں بزی رہا...... آپ کی تو سلیکشن ہوئی تھی پھر آفس کیوں نہیں آ رہیں؟"
"سر سلیکشن ہونے اور اپائنٹ لیٹر ایشو ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" دوسری طرف سے رابعہ نے خاصے جتاتے لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیے۔
لہجے میں اچھا خاصا تیکھا پن تھا۔ شاید اسی بات کو عباس میرٹ نہیں آتے وغیرہ کا نام دے رہا تھا۔ یقیناً اسی لب و لہجے میں اس نے عباس سے بھی بات کی ہوگی اور عباس کی نیچر کو وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وہ ایسے لہجوں پر فوراً غصے میں آ جایا کرتا تھا۔
"او کے...... میرے علم میں یہ سچویشن نہ تھی...... آپ ایسا کریں کہ آج ہی آفس آ جائیں آپ کو آج ہی لیٹر ایشو کر دیا جائے گا...... آپ چند دن میرے انڈر کام کریں گی یوں سمجھ لیں ایک طرح سے ٹریننگ ہوگی اور جب آپ سارے کام سیکھ لیں گی تو میں آپ کو آپ کے سیکشن میں منتقل کر دوں گا۔ ٹھیک ہے بیٹا۔" اسے بولنے کا موقع دیے بغیر انہوں نے اپنی بات کہی تو دوسری طرف رابعہ خاموش ہوئی تھی۔
"سر مجھے تو کوئی تجربہ نہیں اور جن کے آفس کے لیے میری سلیکشن ہوئی ہے ان کو اعتراض ہی میرے نا تجربہ کار ہونے پر تھا۔" کچھ توقف کے بعد رابعہ نے کہا تو وہ مسکرا دیے۔
"دیکھیں بیٹا! شروع میں تو کسی کو بھی تجربہ نہیں ہوتا...... ہر انسان کہیں نہ کہیں سے کام کا آغاز کر کے ہی تجربہ حاصل کرتا ہے۔ آپ فریش اور Energetic خاتون ہیں آپ میں ابھی کام کرنے کی لگن اور ول پاور ہے اور میں فریش لوگوں کو بہت اہمیت دیتا ہوں پھر امید کروں کہ آپ آج ہی آفس حاضر ہو رہی ہیں۔"
"او کے سر! میں آ رہی ہوں۔ میں کافی دور رہتی ہوں مجھے آفس پہنچنے میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگے گا۔" شاہ زیب صاحب کے حوصلہ افزا انداز پر وہ لڑکی فوراً مان گئی تھی اور اس کے مان جانے پر شاہ زیب صاحب نے سکون کا سانس لیا تھا۔
"او کے...... ہم ویٹ کریں گے......" انہوں نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔
"فاروقی صاحب آپ اس بچی کا اپائنٹمنٹ لیٹر ابھی ٹائپ کروا لیں اور جیسے ہی وہ بچی آفس پہنچے میرے پاس لے آئیے گا......" ان کے الفاظ پر عباس کے منہ کا ذائقہ کڑوا

ہو گیا تھا۔

"جی سر......" فاروقی صاحب فوراً اٹھ گئے تھے ان کے ساتھ انہوں نے بادیہ کو بھی جانے کا کہا تو عباس اور وہ آفس میں رہ گئے تھے۔

"اس لڑکی سے بات کر کے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ اس کا پی ہو گزشتہ ملاقات میں تمہارے ساتھ کیسا رہا ہو گا...... مگر بیٹا جی یہی تو بزنس کا کام ہے۔ یہاں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور وہ لڑکی ہمارے آفس کی ایک معمولی ورکر ہوئی سو آپ فیل مت کریں۔ رہ گئی بات تجربے کی تو جب تک وہ ٹرینڈ نہیں ہو جاتی میرے انڈر کام کرے گی۔" عباس کے چہرے کے زاویوں سے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے ان کا اس لڑکی سے رابطہ کرنا اچھا نہیں لگا۔ اسے مسکرا کر انہوں نے ریلیکس کرنا چاہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ جیسے اپنے جذبات پر قابو پانا چاہ رہا ہو۔

"نہیں میں فیل نہیں کرتا...... یہ سب بزنس کا حصہ ہے۔ خیر اب وہ آ رہی ہیں تو مجھے اسے برداشت بھی کرنا ہو گا۔ مگر میرا ٹمپرامنٹ آپ جتنا مضبوط نہیں ہے۔ پھر بھی کوشش کروں گا کہ نیکسٹ ٹائم آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔" وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑکی پہلی ہی ملاقات میں اس کے والد صاحب کو شدید متاثر کر گئی ہے اب وہ کچھ بھی اس کے خلاف بولتا تو بابا جان کو شکایت کا موقع فراہم کرنے والا حال تھا۔ سو اس نے فوراً ہار مان لی تھی۔ اور شاہ زیب اس کی بات پر مسکرا دیئے تھے۔



شہوار کو صبح شاہ زیب صاحب کالج چھوڑ گئے تھے۔ سارا دن اس کا کالج میں بہت مصروف گزرا تھا۔ پہلے بیماری کی وجہ سے اور اب بابا صاحب کی وجہ سے اس نے جو چھٹیاں کی تھیں اس کا اچھا خاصا حرج ہو چکا تھا۔ واپسی پر انا کا پروگرام روشانے کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانے کا تھا۔ کالج آف ہوتے ہی روشانے انا کو پک کرنے آ گئی تھی۔ روشانے کے ساتھ شہوار کی یہ دوسری ملاقات تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ شہوار کا ڈرائیور لیٹ تھا اس نے کال کر کے پتا کرنا چاہا تو انا نے منع کر دیا ان کے کہنے پر وہ ان کے ساتھ ہی ان کی گاڑی میں سوار ہو گئی تھی۔ انا اور شہوار نے پہلے اسے ڈراپ کرنا تھا پھر شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ گھر تک کا سارا وقت روشانے کے ساتھ شہوار کا مختلف باتوں میں ہی گزر گیا تھا۔ پہلی ملاقات اس کی بخاری حالت میں ہوئی تھی مگر اب یوں نارمل حالت میں روشانے سے مل کر شہوار کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ایک انجانی سی اپنائیت بھرے احساس نے شہوار کو پھر سے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ سارا راستہ انا کی بجائے روشی کے ساتھ ہی بزی رہی تھی۔ مختلف باتیں پاکستان کی اسٹڈی کی شادی کی تیاریوں اور بھی کئی طرح کی باتیں ہوتی رہیں گھر آیا تو شہوار نے اترنے سے پہلے دونوں کو پرزور اصرار سے اندر آنے کی دعوت دی۔

"اس طرح اچھا نہیں لگتا یوں دروازے تک آ کر چلے جانا...... ماں جی کو علم ہو تو وہ بہت خفا ہوں گی۔" اس کی دعوت پر انکار کر دیا گیا۔

"بھئی ہم کوئی باقاعدہ وہاں اتک کے ساتھ تو ادھر آئے نہیں...... پر امس رہا پھر کسی دن باقاعدہ چکر لگائیں گے۔ اب تو شاپنگ کے لیے جانا ہے۔" انا نے پھر منع کر دیا۔

"ماں جی بہت خفا ہوں گی مجھ پر......" اس نے دوسرا حربہ استعمال کیا تو دونوں ہنس دیں۔

"کوئی بات نہیں ہماری طرف سے معذرت کر لینا۔ تمہارے سامنے ہی تو ہے پہلے ماما کے بوتیک جائیں گے وہاں سے انہیں ساتھ لیں گے پھر کہیں اور چکر لگائیں گے تین تو ہمیں بج گئے ہیں۔" انا نے پھر سہولت سے منع کر دیا۔

"اوکے مگر نیکسٹ ٹائم کوئی ریلیف نہیں دوں گی۔"

"محترمہ آپ بھول رہی ہیں کہ ہم آپ کے ہاں پہلے بھی چکر لگا چکی ہیں۔ اب تمہاری باری ہے۔" روشانے دونوں دوستوں کے درمیان بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

"روشانے کی شادی پر ضرور آؤں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ کارڈ دینے آؤں گی پھر بیٹھیں گے ابھی خدمت کرو۔"

"اوکے میم...... اور یسے روشانے آپ سے یہ دوسری ملاقات ہے مگر آپ کو دیکھ کر آپ سے مل کر ایک روحانی خوشی حاصل ہوئی ہے۔"

"شکریہ۔" شہوار کی اس قدر محبت پر روشانے نے اس کے دونوں ہاتھ دبا دیئے تھے۔ وہ ان دونوں کو اللہ حافظ کہتے اندر چلی آئی تو لاؤنج میں ماں جی سمیت لالہ بھائی صبا اور عائشہ تینوں موجود تھیں۔ وہ اندر جانے کی بجائے پہلے اپنے کمرے میں گئی تھی۔ چینج کر کے منہ ہاتھ دھو کر وہ لاؤنج میں چلی آئی۔

"السلام علیکم!" اندر داخل ہوتے ہی اس نے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام...... تم کس کے ساتھ آئی ہو؟ ڈرائیور تو گھر پر ہی ہے۔" قمر النساء بیگم اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی تھیں۔

''لائبہ اور روشانے کو شاپنگ کے لیے جاتے ہوئے ادھر سے گزر رہا تھا وہی ڈراپ کر گئی ہیں۔'' ماں جی کے پاس بیٹھتے اس نے جواب دیا تھا۔

''اچھا ..... ان کو اندر کیوں نہیں بلو لیا۔'' ماں جی نے فوراً کہا۔

''میں نے تو بہت اصرار کیا مگر دونوں مانی ہی نہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ وہ لیٹ ہو جائیں گی پھر کبھی آئیں گی۔''

''کھانے میں کیا ہے۔ بہت بھوک لگی ہے۔ صبح بھی بھاگ دوڑ میں کچھ نہیں کھایا۔ کالج میں بھی سارا دن اتنی بھاگ دوڑ میں مصروف گزرا ہے کہ کچھ کھایا پیا ہی نہیں گیا۔''

کچن میں جانے سے پہلے اس نے لائبہ بھابی کو دیکھا۔

''کچھ خاص نہیں بنایا ..... بس صبح کا جو کچھ بھی تھا ابھی کھا پی کر فارغ ہوئے ہیں۔ رات ڈنر باہر کرنے کا پروگرام ہے ..... اگر زیادہ بھوک لگی ہے تو میں کچھ بنا دیتی ہوں۔'' بھابی نے مسکرا کر شیڈول بتاتے اٹھنا چاہا تو اس نے منع کر دیا۔

''رہنے دیں ..... فریج میں کچھ نہ کچھ تو پڑا ہوگا ہی میں خود لے لیتی ہوں۔ ویسے یہ رات ڈنر کس خوشی میں ہے اور سب جا رہے ہیں کیا؟'' اس کے سوال پر تینوں کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔ شہوار نے تعجب سے سب کو دیکھا اور پھر ماں جی کو۔ ان کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

''یہ ڈنر کس خوشی میں ہے یہ تمہارے لیے سرپرائز ہے اور ہم سب جا رہے ہیں۔ عباس بھائی اور سجاد دونوں سمیت بس ماں جی اور بابا جان کے سوائے۔ جس میں تم بھی شامل ہو..... اس لیے شاندار طریقے سے ریڈی ہونا ہے مغرب تک سب کو ریڈی رہنے کا الٹی میٹم مل چکا ہے۔'' عائشہ نے ہنستے ہوئے بتایا تو وہ الجھی۔

''میں بھی مگر یہ الٹی میٹم دیا کس نے ہے؟''

''اسی نے جو ڈنر کروائے گا۔'' حبا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر ڈنر کون کروا رہا ہے؟''

''وہی جس نے الٹی میٹم دیا ہے۔'' لائبہ بھابی کا انداز چھیڑنے والا تھا وہ ہنس دی۔

''بھئی یہ سرپرائز ہے اور یہ سرپرائز ہوٹل جا کر ہی کھلے گا۔ سو ڈونٹ وری اور یاد رہے بہت زبردست انداز میں تیار ہونا ہے۔'' عائشہ نے یاد دہانی کروائی تو وہ محض سر ہلا کر کچن میں چلی آئی۔ فریج میں کوفتوں کا سالن موجود تھا۔ اس نے وہاں موجود رخشندہ کو روٹی بنانے کا کہا اور خود سالن نکال کر گرم کرنے لگی۔

کھانا کھاتے ہوئے بھی رات کا سرپرائزنگ ڈنر ذہن پر طاری رہا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ واپس اپنے روم میں آ گئی۔ رات بھی تابندہ لی کے ساتھ باتیں کرتے اور باقی رات سوچتے گزر گئی تھی اور پھر باقی سارا دن کی بھاگ دوڑ اور اب وہ کچھ دیر ریسٹ کرنا چاہتی تھی۔

عصر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹ گئی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ وہ سو لے گی تو فریش ہو جائے گی اور پھر جب سب ڈنر پر جائیں گے تو وہ بھی ریڈی ہو جائے گی۔

اس نے کونسا خاص ریڈی ہونا تھا بس لباس ہی تو بدلنا تھا۔ ہار سنگھار تو وہ پہلے بھی نہیں کرتی تھی۔

وہ بہت گہری نیند سوئی تھی۔ گزشتہ راتوں کا رتجگا تھا یا سارے دن کی تھکن مگر اس وقت نیند بہت بھرپور آئی تھی۔ آنکھ ایک دم زور زور سے دروازہ پیٹے جانے کی آواز پر کھلی تھی۔

''اف ..... اس وقت کون آ گیا؟'' کمرے میں ہر طرف گہرا اندھیرا تھا۔ دروازہ لاک کر کے سوئی تھی اس کے ذہن میں یہی تھا کہ گہری رات ہے اور اس وقت پتا نہیں کون آ گیا ہے؟ اس نے اپنے سرہانے پڑا موبائل اٹھا کر دیکھا تو چونکی۔ شام کا وقت تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت گزر رہا تھا۔ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

موبائل ایک طرف پھینک کر بغیر اپنے حلیے کی طرف دھیان دیئے مسلسل بجتے دروازے کے پاس آ کر دروازہ کھول دیا تھا۔

''اف ..... کیا مصیبت ہے ..... دروازہ توڑنے کا ارادہ ہے کیا؟'' وہ اپنی رو میں بولی تھی مگر سامنے مصطفیٰ شاہ زیب علی کو دیکھ کر سٹپٹائی تھی۔

''میڈم جس طرح سب آپ کے روم کے دروازے پر آ کر طبع آزمائی کر چکے ہیں ایسے عالم میں بس دروازہ توڑ دینے کی کسر باقی رہ گئی تھی۔'' مصطفیٰ نے کہتے ایک نگاہ شہوار پر ڈالی تو نگاہ ٹھہر کر رہ گئی۔ نیند سے بھری آنکھیں سوئے جاگے حواس اس کی آنکھیں بڑی دلنشین اور قاتل سی لگ رہی تھیں۔ مصطفیٰ کو پا کر وہ خود بھی سٹپٹا کر فوراً پلٹی تھی۔ پہلے اس نے سرہانے پڑا دوپٹہ اٹھا کر کندھوں پر پھیلایا اور پھر بالوں کو ہاتھوں سے درست کرتی پلٹی۔

''اگر رات تم صاف لفظوں میں ماں جی اور بابا کے ساتھ آنے کا بتا دیتیں تو کیا فرق پڑ جاتا نہیں .....؟'' وہ مزید کہہ رہا تھا شہوار نے بس ایک نگاہ اس پر ڈالی اور پھر مغرب کا

وقت تک پڑتے دیکھ کراسے جواب دینے کی بجائے واش روم میں جا گھسی۔

وضو کر کے واپس روم میں آئی تو مصطفیٰ جا چکا تھا۔ اس نے آرام سے مغرب کی نماز ادا کی ابھی دعا مانگ رہی تھی کہ عائشہ اور صبا بنک سک سے تیار اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

''کتنی غلط بات ہے شہوار کہ تمہیں کہا بھی تھا کہ مغرب تک ریڈی رہنا پھر بھی تم لیٹ ہو گئیں.....'' عائشہ نے آتے ہی کہا تو وہ دعا ختم کرتے منہ پر ہاتھ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

''جانا کہاں ہے؟ اور یہ سب ڈنر وغیرہ کس خاص ہستی کی طرف سے ہے اور کس خوشی کے اعزاز میں ہو رہا ہے؟''

''بھئی یہ تو خاص سرپرائز ہے اور پہلے سرپرائز بیان کر دینے کی بات وعدہ خلافی ہوئی۔ جو ہم سیکنڈ پارٹی سے فائل کر چکے ہیں۔ عباس بھائی اور سجاد بھائی دونوں بھی تیار ہو چکے ہیں مصطفیٰ بھائی بھی ابھی آفس سے لوٹے ہیں وہ خود بھی تیار ہو رہے ہیں تم بھی اب فٹافٹ تیاری کرو..... مزید ضائع کرنے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔''

مصطفیٰ کا نام سن کر وہ چونکی تھی پہلے جی چاہا کہ انکار کر دے مگر پھر خوامخواہ بچکانہ حرکت کرنے والی بات تھی سو خاموش رہی۔ الماری سے لباس دیکھنے لگی اور پھر ایک سادہ پنک کلر کا لباس نکالا تو عائشہ کپڑے دیکھ کر فوراً بول اٹھی۔

''خبردار! ایسا بے ڈھنگا لباس پہن کر جانے کا سوچنا بھی نہیں۔ ادھر ہٹو میں خود دیکھتی ہوں کوئی خاص لباس.....'' عائشہ اس کے ہاتھ سے لباس لے کر واپس الماری میں لٹکاتے اب خود لباس دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اور پھر اس نے ایک ہلکا پھلکا فینسی امبرائڈری سے سجا سیاہ سوٹ باہر نکالا تو شہوار سوٹ دیکھ کر فوراً بول اٹھی۔

''ہم کسی فینسی ڈریس شو یا شادی میں نہیں جا رہے جو ایسا سوٹ پہن کر جاؤں۔ ہم پبلک پوائنٹ پر جا رہے ہیں۔ ایسی جگہوں پر ایسا سوٹ پہن کر جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی میں۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا تو عائشہ نے گھورا۔

''ابھی تم پر اتنا بڑھاپا نہیں طاری ہوا جتنی تم ایجڈ (بڑی بی) بننے کی کوشش کرتی ہو۔ اپنی ایج کے مطابق حرکتیں کرنا بھی نارمل ہوتی ہے اور جو ایسا نہیں کرتا یا تو وہ سو کالڈ ریسل ہوتا ہے یا پھر یہاں سے کھسکا ہوا ہوتا ہے۔'' عائشہ نے اپنی کنپٹی پر شہادت کی انگلی رکھ کر گھماتے ہوئے اشارہ کیا تو وہ چپ ہو گئی۔

ان لوگوں سے بحث کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ سو اس نے ہار مان لی۔ کپڑے پریس ہی تھے اس لیے بغیر ایک لفظ بھی کہے عائشہ سے لے کر باتھ روم کا رخ کیا تھا۔ چینج کر کے لوٹی تو صبا اس کے بال سنوارنے لگی جبکہ عائشہ اس کی نا.... نا کرنے کے باوجود بھی اس کے فریش چمکتے چہرے پر اپنی مرضی کے مطابق لیپا پوتی کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس زبردستی پر شہوار کے چہرے پر واضح ناراضگی بھی تھی مگر دونوں بہنوں کو پروا ہی نہ تھی۔

''ادھر دیکھو بددماغ لڑکی اک ذرا سے چینج سے کتنی پیاری لگنے لگی ہو۔ سادگی اچھی بات ہے مگر کبھی کبھار چینج اپنے دل کو بھی اچھا لگتا ہے اور جب اللہ نے اتنی پیاری صورت حسین بال دیئے ہوں تو بننے سنورنے میں کوئی حرج نہیں۔'' اس کے کمارنی سے بھرپور چہرے کو آئینے کے سامنے کرتے عائشہ نے کہا تو اس نے محض ایک پل کو خود کو آئینے میں دیکھا۔ وہ بہت کم میک اپ یوز کرتی تھی شاید فنکشنز وغیرہ میں ہی اور اب ایک ڈنر کے لیے اس قدر اہتمام سے تیار ہونا اسے بڑا عجیب سا لگا؟ عائشہ نے ہی اس کے جیولری باکس میں سے سوٹ کے ہم رنگ آویزے نکال کر اس کے کانوں میں سجا دیے تھے اور گلے میں گولڈ کا ایک چھوٹا سا نفیس سا لاکٹ تھا جو تابندہ بی کا تھا مگر اب برسوں سے شہوار کے گلے کی زینت بنا رہتا تھا۔

بقول تابندہ بی کے یہ لاکٹ ان کے والدین کی نشانی تھا اور یہ گفٹ اب شہوار کے گلے کا حصہ تھا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' عائشہ نے بہت محبت سے کہتے اس کا رخسار چوما تو شہوار گل و گلنار ہوتے حیا سے سمٹ سی گئی تھی۔

وہ دونوں بھی اچھی خاصی اہتمام سے تیار ہوئی تھیں مگر شہوار کو اپنی تیاری پر کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے شہوار نے اپنا بیگ موبائل اور چادر ضرور لی تھی۔ سوٹ کے ہم رنگ دوپٹہ بے شک اس کے گلے میں تھا مگر گھر سے باہر وہ چادر کے بغیر نہیں نکلتی تھی۔ اب بھی اس نے چادر اطراف میں پھیلا لی تھی۔ باہر آنے پر ماں جی اور لالہ بھائی نے بھی اسے خوب سراہا تھا کہ وہ مزید جھینپ گئی تھی۔ مصطفیٰ تیار ہو کر وہاں آیا تو سب میں کھڑی کنفیوز جھینپی جھینپی سی شہوار کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ وہ ہر وقت گھر کی چار دیواری میں بھی اس قدر سادہ حلیے میں ہر وقت بڑی سی چادر اطراف میں پھیلائے رکھتی تھی کہ کبھی گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ بج سنور کر اتنی پیاری بھی لگتی ہوگی۔ لالہ، سجاد، عائشہ اور عباس وغیرہ کی شادیوں میں وہ اہتمام سے تیار ہوئی تھی مگر اس دوران دل و دماغ میں ایسا کوئی خاص جذبہ تھا بھی نہیں کہ وہ توجہ دیتا اور اب ذرا سی توجہ دینے پر لگ رہا تھا کہ یہ لڑکی اپنے اندر ایک خاص شعلہ جوالہ حسن محفوظ رکھتی ہے۔ جو دیکھنے والی نگاہ کو چاروں شانے چت

کر دینے والی صلاحیت تو ضرور ہی رکھتا تھا کہ اس جیسا فولادی اعصاب کا مالک انسان جسے باہر کی رنگینیاں بھی اٹریکٹ نہیں کر سکی تھیں ایک بالکل سادہ شرقی حسن کے آگے خود کو کمزور محسوس کرنے لگا تھا۔ اس وقت شہوار کا حسن اس کے دل پر ضربیں لگا رہا تھا۔

"ہوں..... ہوں....." اس کی محویت پر لائبہ بھابی نے شرارت سے کھنکار کر احساس دلایا تو وہ جھینپتا ہوا ہنس دیا۔ پھر اطراف میں دیکھا باقی کوئی متوجہ نہ تھا سوائے بھابی کے۔

"ایوری باڈی از ریڈی.....؟" اس نے اپنی جھینپ مٹانے کو پوچھا..... اس کی آواز پر شہوار نے غیر محسوس انداز میں اس کی طرف سے رخ بدلا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

"ہم تو کب کے ریڈی ہیں..... یہ تو تم دونوں نے ہی دیر کروائی ہے۔" سجاد بھائی نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"جانے کا کیا پروگرام ہے۔ کون کس کی ساتھ جائے گا.....؟" عائشہ نے پوچھا۔

"بھئی میں تو اپنی بیگم کے ساتھ جاؤں گا اور ہمارے ساتھ صبا ہو گی باقی تم لوگ خود ڈیسائڈ کر لو۔" سجاد بھائی نے فوراً پروگرام بتایا تو وہ فوراً سر ہلا گیا۔

"ٹھیک ہے ہم لوگ عباس بھائی کی گاڑی میں ہو جائیں گے۔ ماں جی آپ بھی چلیں ناں.....؟" مصطفیٰ نے ماں سے کہا۔

"نہیں بیٹا باہر کا کھانا ہضم نہیں ہوتا اب..... تم لوگ جاؤ انجوائے کرو۔ مگر خیال رکھنا کہ وقت پر گھر لوٹ آنا۔" انہوں نے محبت سے کہا۔

"جی۔" وہ سب لوگ ماں جی سے اجازت لے کر باہر نکل آئے تھے۔ صبا لائبہ آفاق اور سجاد بھائی پہلے اپنی گاڑی میں روانہ ہوئے تھے۔

عباس بھائی کی گاڑی میں شہوار مصطفیٰ اور عائشہ موجود تھے۔ عباس گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر مصطفیٰ تھا جبکہ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر تھیں۔ گاڑی کے روڈ پر آتے ہی شہوار نے اندھیرا ہونے کے باوجود چادر اپنے چہرے پر کر لی تھی۔ سارا راستہ دونوں بھائی ہی آپس میں باتیں کرتے رہے تھے۔ جن کے درمیان میں عائشہ بھی جملہ بازی کر لیتی تھی تاہم شہوار بالکل خاموش رہی تھی۔ گاڑی ایک شاندار ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں رکی وہاں سجاد بھائی اور باقی لوگ پہلے سے ہی انتظار کر رہے تھے۔

"ہال میں ٹیبل ریزرو کرائیں یا فیملی کیبن لے لیں؟" اندر آکر مصطفیٰ نے لڑکیوں سے پوچھا اور خصوصاً شہوار کو دیکھا وہ نظر پھیر گئی۔

"فیملی کیبن ہی لیں..... ہال میں آتے جاتے لوگوں کی موجودگی میں ایزی نہیں بیٹھا جائے گا۔" عائشہ نے کہا تو وہ سر ہلاتا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ سبھی فیملی کیبن میں موجود تھے۔

"اب تو اس چادر کو پیچھے کر دو۔" عائشہ نے ٹوکا تو شہوار نے چادر چہرے سے سرکا دی۔

شہوار اور عائشہ ساتھ ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں لائبہ بھابی آفاق کو تھامے صبا کے ہمراہ تھیں جبکہ باقی مرد ایک ساتھ براجمان تھے۔

"اب بتا بھی دیں یہ ڈنر کون دے رہا ہے اور کس خوشی کے اعزاز میں.....؟" اس نے آہستگی سے عائشہ کے کان میں کہا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے.....؟" اس کے کھلکھلا کر ہنسنے پر سبھی متوجہ ہوئے تھے۔ شہوار کو بری خفت کا احساس ہوا۔ اس کا چہرہ گلنار ہوا۔

"کچھ نہیں..... بس یہ شہوار پوچھ رہی ہے کہ یہ ڈنر کون دے رہا ہے اور کس خوشی کے اعزاز میں؟ یہ تو وہی حال ہوا کہ

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

عائشہ کی بات پر سبھی ہنسے تھے۔ خصوصاً مصطفیٰ نے بطور خاص شہوار کو دیکھا۔

"ویسے مصطفیٰ بھائی یہ تو زیادتی ہوئی ناں..... یہ آپ دونوں کی طرف سے ہی پارٹی ہے اور آپ ہی دے رہے ہیں اور یہ اعزاز بھی آپ کو ہی جاتا ہے پھر بھی بیچاری کو سرپرائز کے نام پر اب تک الجھائے رکھا..... بتا دیتے تو کیا تھا.....؟" صبا نے بھی ہنس کر کہا تو شہوار نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو اس کے چہرے پر بڑی محظوظ کن مسکراہٹ تھی۔

"ہاں تو رات جب میں نے محترمہ کو کال کی تھی تب تو صاف کہہ دیا تھا کہ "آپ سے مطلب؟" بھئی جب ہم سے مطلب نہیں تو ہم بھی کیوں اعلان کرتے پھرتے۔" سب کے سامنے مصطفیٰ کا اس کی بات کا حوالہ دینے پر وہ سرخ سی ہو گئی۔ وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی تھی۔

"قصہ مختصر یہ ہے مائی ڈیئر کہ تمہاری اور مصطفیٰ کی بات طے ہو جانے پر ہم سب مصطفیٰ کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں کہ ایک شاندار ٹریٹ ہونی چاہیے۔ تین چار دن کے لیے تم گاؤں چلی گئی تو یہ پروگرام ڈلے ہو رہا تھا۔ رات بھی ہم نے مصطفیٰ کو گھیر رکھا تھا تو اس نے کہا کہ کل یعنی آج کا ڈنر پکا ہے مگر تمہارے بغیر ٹریٹ کا مزہ کیسے آتا تو مصطفیٰ نے

تمہیں کال کی تھی تاکہ تمہارے آنے کا پروگرام پتا چلے مگر جو اباً تم نے آپ سے مطلب؟ کہہ کر جس قدر عزت افزائی سے نوازا تو محترم چپ چاپ رہ گئے وہ تو ماں جی سے بات کر کے کنفرم ہو گیا کہ تم بھی ساتھ ہی آ رہی ہو اور صبح تمہارے آنے پر شکر کا سانس لیا۔ حیا نے کال کر کے مصطفیٰ کو تمہاری آمد کا بتا دیا تو ہم سب نے آج کے لیے ڈنر کی اہتمام سیٹ کر لی اور اب اس وقت سب ڈنر پر موجود ہیں۔ چونکہ ڈنر بطور خاص تمہارے لیے تھا سو تمہیں سرپرائز دینا مقصود تھا۔" لاریب نے بڑے مزے سے بتایا تو وہ عجیب سے جذبات میں گھر گئی۔

ایک بے پناہ خفگی سے لبریز نگاہ مصطفیٰ پر ڈال کر وہ لب بھینچ گئی۔ یہ شخص اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اس رشتے کے سخت خلاف ہے پھر بھی محض اسے اذیت دینے کو یہ حرکتیں کر رہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر یہاں سے اٹھ کر چلی جائے۔ سب کے سامنے وہ شدید خفت شرمندگی و خجالت کے جذبات کا شکار ہو رہی تھی۔ اگر اسے علم ہوتا کہ یہ ڈنر کس خوشی میں دیا جا رہا ہے تو وہ کبھی گھر سے نکلنے کی کوشش نہ کرتی۔ چونکہ یہ شخص یہ بات اچھی طرح جانتا تھا سو اسے لاعلم رکھا گیا تھا۔

"آئی ہوپ تم نے بھی اس سرپرائز کو انجوائے کیا ہو گا؟" سجاد بھائی کہہ رہے تھے۔ وہ بغیر کوئی تاثر دیئے سر جھکائے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی۔ انداز یوں تھا کہ اب اسے یہاں موجود کسی بھی انسان سے کوئی غرض نہیں۔ مصطفیٰ کے اس عمل سے اس کی عزت نفس کو رئیلی شدید ہرٹ ہوئی تھی اور اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ اس کے چہرے سے صاف ہو رہا تھا۔ اس کے اس انداز پر سبھی نے کن اکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"شہوار ڈونٹ بی سیریس...... اٹ از جسٹ آ جوک......" عباس بھائی نے متانت و سنجیدگی سے کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

اب اس وقت وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ مصطفیٰ سے خوب الجھتی۔ وہ مصطفیٰ کے پروپوزل سے انکاری تھی یہ بات صرف تابندہ بی یا مصطفیٰ جانتے تھے۔ اب وہ اس طرح ری ایکٹ کرتی تو خود بخود اپنی اصلیت کروانے والی بات تھی۔ خوامخواہ دوسروں کی خوشی بھی ملیا میٹ ہوتی۔ سب نے یہی سمجھا تھا کہ اس کے اندر اس سرپرائز کو انجوائے کرنے والی حس ہی نہیں جبکہ اصل بات تو کسی کے علم میں بھی نہ تھی۔ اس نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"مصطفیٰ بھائی کھانا منگوائیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔" شہوار کے چپ چاپ محض سر ہلا دینے پر عائشہ نے سب سے پہلے سنبھلتے باقی لوگوں کو بھی بحال کیا تھا۔

"مینیو تم لوگ سلیکٹ کر لو، میں آرڈر لکھوا دیتا ہوں۔" کن اکھیوں سے اردگرد دیکھتی شہوار کو دیکھتے مصطفیٰ نے کہا تو وہ سبھی لوگ مینیو کارڈ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جبکہ شہوار اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی تھی۔ سب نے اپنی اپنی پسند کا آرڈر لکھوا دیا تھا۔ شہوار کا سنجیدہ انداز تھا سو سب نے ہی چھیڑ خانی سے پرہیز کیا ورنہ عائشہ کی زبان تو ایسے موقعوں پر خوب چلتی تھی۔ ایک دو بار اس نے کچھ کہنا بھی چاہا تو عباس بھائی نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں منع کر دیا تھا۔

کھانا سرو ہوا تو سبھی کھانے لگے...... شہوار کا موڈ اندرونی طور پر اس قدر آف ہو چکا تھا کہ بس حد نہیں مگر محض دوسروں کے سوالوں سے بچنے کے لیے اس نے بھی اپنی پلیٹ فل کر لی تھی۔ مگر سلاد کے چند ٹکڑوں کے علاوہ ایک لقمہ بھی حلق سے نہیں اتارا گیا تھا وہ یونہی پلیٹ میں چمچ چلاتی رہی۔ لاریب کو آفاق مسلسل تنگ کر رہا تھا نہ بھائی خود کھا پا رہی تھیں اور نہ ہی اسے کھلا پا رہی تھیں۔

"آفاق کو مجھے دے دیں میں کھلا دیتی ہوں۔" اب وہ خود تو کچھ کھا نہیں رہی تھی بے کار میں بیٹھنے کا فائدہ سبھی نے اسے دیکھا۔ اس کی پلیٹ میں موجود چاول جوں کے توں تھے۔

"تم خود تو کچھ کھا لو؟" عائشہ نے ٹوکا وہ سر جھٹک گئی۔

"کھا لوں گی...... لائیں اسے مجھے دیں...... آرام سے آپ کھا لیں......" خود ہی اٹھ کر ان کے پاس آ کر لاریب کی گود سے آفاق کو لے لیا تھا۔ آفاق کو اپنی گود میں بٹھا کر وہ اپنی پلیٹ میں موجود چاول اسے کھلانے لگی۔ مصطفیٰ محض دیکھ کر رہ گیا۔

سویٹ ڈش میں کیک تھا۔ چاول کھلا کر وہ آفاق کو تھوڑا سا کیک لے کر کھلا رہی تھی جب آفاق نے ہاتھ مار کر پلیٹ اس کے ہاتھ سے گرا دی تھی۔ پلیٹ اس کی گود میں گری تھی۔

"اف......" کیک کی ساری کریم اس کی قمیص کے دامن کو سفید کرتی چلی گئی تھی۔ کیک پر لگے چاکلیٹ نے علیحدہ رنگ جمایا تھا۔

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا...... چھوٹے بچے تو ایسے ہی کرتے ہیں...... نہ خود کچھ کھایا ہے اور کپڑوں کا بھی ستیاناس ہو گیا ہے۔" عائشہ اور لاریب دونوں کہنے لگی تھیں۔

"کوئی بات نہیں۔ میں صاف کر لیتی ہوں۔" آفاق کو کرسی پر بٹھا کر ٹشو لے کر اس نے قمیص صاف کرنا چاہی تھی مگر کریم اور چاکلیٹ اور اس پر لگے ایکسٹرا جیلی اور پائن ایپل

نے مل کر دامن کا رنگ بدل دیا تھا۔

"رہنے دو...... ادھر واش روم ہوں گے ادھر چلتے ہیں۔ ٹشو کے ساتھ جتنا صاف کرنے کی کوشش کریں گے اتنا ہی کلر پھیلے گا اور کریم کی چکنائی علیحدہ ہوگی۔" مرد حضرات تو خاموش ہی تھے بھابی نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلاتی بیگ لے کر ان کے ساتھ چل دی۔ بھابی نے آفاق کو بھی ہمراہ لے لیا تھا۔

"آپ لوگ کھانا کھائیں...... ہم ابھی آتے ہیں۔" بھابی نے کہا تو سب نے سر ہلا دیا۔ کیبن سے نکل کر باہر آئی تو ویٹر سے بھابی نے واش روم کا پوچھا۔ اس نے یونہی بال میں نگاہ ڈالی تو چونک گئی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر جو شخص بیٹھا ہوا تھا اسے بے شک کئی دن بعد (کینٹین والے واقعے کے بعد) وہ اب دیکھ رہی تھی مگر اسے دیکھ کر شہوار کو لگا کہ اس کے اوسان خطا ہو گئے ہیں۔ وہ شخص بھی اسے دیکھ رہا تھا، چادر کے پلو میں چھپا چہرہ وہ شاید نہ پہچانتا مگر ایک بھابی اور آفاق کو دیکھ کر وہ پوری طرح شہوار کو پہچان گیا تھا۔ شہوار کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ اس کے چہرے پر انتہائی مکروہ مسکراہٹ دیکھ کر شہوار کے قدموں سے زمین کھسکنے لگی تھی۔ اس نے انتہائی لرز کر بھابی کا کندھا تھام کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔

❁☆❁☆❁

رات کا کھانا تیار تھا۔ ثریا بیگم اور باقی سب نے تو جلدی کھا لیا تھا مگر فیضان ماموں کے پاس کوئی مہمان آیا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ کھانا لیٹ کھا رہے تھے۔ ماموں کا مہمان ان کا کوئی اسٹوڈنٹ تھا وہ گیا تو رابعہ کھانا ٹرے میں رکھ کر ان کے پاس بیٹھک میں چلی آئی۔

"کون آیا تھا ماموں...... ؟" وہ بستر پر بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی ان کے آگے بستر پر ہی ٹرے رکھتے رابعہ نے پوچھا۔

"میرا بہت پرانا اسٹوڈنٹ تھا...... عرصے بعد پاکستان لوٹا تو ملنے چلا آیا۔ لندن میں وکالت کرتا ہے۔ بہت اچھے عہدے پر کام کر رہا ہے آج کل...... بڑا لائق فائق و ذہین بچہ تھا۔ وہاں سے بھی اکثر یاد کرتا رہتا تھا کسی نہ کسی آنے والے کے ہاتھ سلام بھیجتا تھا۔" کتاب ایک طرف رکھ کر انہوں نے ٹرے اپنے سامنے رکھی تھی۔

"ہاں آپ کے اسٹوڈنٹ بھی آپ کی ہی طرح خاصے ذہین ہوں گے۔" ان کے پاس ہی وہ بیٹھ گئی تھی۔

"تم آج کہاں گئی تھیں؟" انہوں نے کھانا کھاتے پوچھا۔

"ہادیہ نے پچھلے دنوں ایک کمپنی کا بتایا تھا وہاں انٹرویو دے کر آئی تو سلیکشن کر لی تھی انہوں نے بھی مالکان میں سے ایک شخص سے تھوڑی تلخ کلامی ہوئی تھی میری آج پھر ادھر سے ہی کال آئی تھی۔ وہ جوائن کرنے کو کہہ رہے تھے تو وہاں گئی تھی انہوں نے اپائنٹمنٹ لیٹر ایشو کرتے فوراً جوائننگ لے لی تھی۔ آج سے ہی انہوں نے ٹریننگ شروع کروا دی ہے۔" اس نے بڑے پرجوش انداز میں انہیں بتایا تو وہ مسکرائے۔

"یہ تو بڑی اچھی بات کہی تم نے...... مگر یہ تلخ کلامی کیوں ہوئی؟"

"بس باس کے بیٹے تھے...... بڑا ہی کھڑوس شخص تھا۔ میرے ناتجربہ کار ہونے پر کوئیشن کر رہا تھا جبکہ باپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس دن مجھے بھی غصہ آ گیا تو میں اپنی فائل واپس لے کر آ گئی۔" اس نے لاابالی پن سے اپنی کارگزاری بتائی۔

"یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوئی بیٹا!" انہوں نے تاسف سے بھانجی کو دیکھا۔

"جب ہم گھر سے رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں تو اپنا مزاج گھر چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔ کتنی جگہوں پر تمہارے اسی مزاج کی وجہ سے بات نہیں بن سکی اور انسان کو ہر حال میں صورتحال دیکھ کر مزاج اپنانا پڑتا ہے۔ ہر وقت غصہ کھانے سے کام نہیں چلتا۔" انہوں نے رسانیت سے سمجھایا تو وہ مسکرا دی۔

"میں جان بوجھ کر کب غصہ کرتی ہوں؟...... وہ تو بالکل اچانک ایک دم آ جاتا ہے۔" اس کے انداز پر وہ ہنس دیے۔

"تمہاری ماں کہتی ہے کہ تمہیں میں نے اور جمیل نے بگاڑا ہے۔"

"امی بھی خوامخواہ کہتی رہتی ہیں۔ بس غصہ آ جاتا ہے اور تو کہیں سے بھی میں بگڑی بچی نہیں ہوں۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"کس فرم میں جاب ملی ہے تمہیں؟"

"اچھی خاصی مشہور کمپنی ہے۔ شاید آپ نے نام بھی سنا ہو۔" علی انٹرپرائزز" کھانا کھاتے کچھ پل کو رک کر انہوں نے بھانجی کو دیکھا۔ ان کا انداز ٹھٹکا ہوا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی کمپنی ہے۔ تمہیں یہاں جاب کیسے مل گئی؟" ان کے ٹھٹکنے کی وجہ شاید یہ حیرانگی ہی تھی وہ ہنس دی۔

"آپ کی یہ بھانجی آپ کی ذہین اسٹوڈنٹ بھی ہے۔ میرا اکیڈمک ریکارڈ ہی مجھے یہاں جاب دلوانے کے لیے کافی تھا۔" اس نے اپنے فرضی کالر کھڑے کیے۔
"پتا ہے ماموں وہاں کے باس شاہ زیب صاحب تو مجھ سے خاصے امپریس ہو چکے تھے اور پھر میرا پریکٹیکل ورک دیکھ کر تو فوراً او کے کر دیا۔ مگر ان کا وہ غصیلا بیٹا مجھے ذرا پسند نہیں آیا۔ بادیہ بتا رہی تھی کہ عباس صاحب کی پسند کی شادی ہوئی تھی مگر ان کی بیگم ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی بلکہ علیحدہ گھر کی ڈیمانڈ کی ہے پتا ہے بادیہ ان کی بیگم کے ریلیٹوز میں سے ہے تو ان کے فیملی کرائسز کا اچھی طرح علم ہے۔"
"یہ کیا بات ہوئی آج تمہارا پہلا دن تھا اور پہلے دن ہی تم نے عورتوں والی مخصوص عادت کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یہ تو بری بات ہے۔ مالکان کی ذاتی زندگی میں انٹرفیئر کرنے یا ڈسکس کرنے کا ملازمین کو قطعی کوئی حق حاصل نہیں۔" انہوں نے فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔
"تو میں کونسا انٹرفیئر کر رہی ہوں وہ تو بادیہ نے بتایا تو میں نے سن لیا۔" اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔
"بعض عادتیں ترک کرنے سے ہی ترک کی جاتی ہیں۔ کوشش کرنا کہ آئندہ ایسی حرکت نہ ہو۔" انہوں نے تنبیہہ کی تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔
"یہ جو شاہ زیب صاحب ہیں ان کے بھائی وغیرہ بھی اسی بزنس میں ہیں نا؟" انہوں نے مزید پوچھا۔
"مجھے زیادہ ڈیٹیل میں نہیں پتا...... ہو سکتا ہے ہوں...... بہرحال ان کے بیٹے ان کے ساتھ برابر کے شیئر ہولڈرز ہیں۔ یہ اچھی خاصی اسٹرونگ فیملی ہے۔ بادیہ بتاتی ہے کہ پہلے شاہ زیب صاحب پولیس ڈیپارٹمنٹ میں تھے اب چند سالوں سے وہ اس بزنس میں آئے ہیں۔ انہوں نے بڑی ینگ ایج میں ہی ڈی آئی جی کے عہدے سے ریٹائرمنٹ لے کر یہ بزنس شروع کر لیا تھا۔ بہت جلد ترقی کی ہے ان لوگوں نے۔ اب ان کی کمپنی کا ایک نام ہے۔"
"ہوں۔" انہوں نے ہنکارا بھرا وہ کھانا ختم کر چکے تھے۔ انہوں نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ٹرے سائیڈ پر کی۔
"بہرحال یہ اچھی کمپنی ہے۔ تمہیں یہاں کام کر کے بہت اچھا ایکسپیرینس حاصل ہوگا۔" انہوں نے بھانجی کی حوصلہ افزائی کی۔
"چائے پئیں گے؟" خالی ٹرے اٹھاتے ہوئے رابعہ نے پوچھا۔
"ہوں...... لے آؤ......" انہوں نے دوبارہ کتاب اٹھاتے کہا تو وہ سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی اور اس کے جانے کے بعد انہوں نے بڑے سنجیدہ انداز میں کتاب کی طرف دیکھا مگر ذہن و دل میں اب ایک طوفان مچل رہا تھا۔ انہوں نے بڑی اذیت سے آنکھیں میچ لی تھیں۔
"آہ......" ان کے لبوں سے ایک آہ خارج ہوئی تو کئی چہرے ذہن کی اسکرین پر واضح ہوتے اور بگڑتے چلے گئے تھے۔



ایاز عبدالقیوم کی مکروہ ہنسی دیکھتے اس کا پورا وجود ہل گیا تھا اس نے فوراً بھابی کا کندھا تھاما تھا۔
"کیا ہوا......؟" وہ صورتحال سے بے خبر تھیں اس کے یوں تھامنے پر حیرت سے پوچھا۔
"کچھ نہیں یہاں سے جلدی چلیں۔" اس کے ساتھ کوئی دوسرا لڑکا بھی تھا۔ وہ اس سے کچھ کہتے جلدی سے اٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ان تک آتا وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔
"ہاں...... ہاں چلو......" انہوں نے ایاز کو نہیں دیکھا تھا وہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا جبکہ وہ بھابی کا بازو تھامے تیزی سے اس طرف بڑھی تھی جہاں ویٹر نے واش روم ہونے کی نشاندہی کی تھی۔
ایاز فوراً ان کے پیچھے نہیں آیا تھا وہ ان کی طرف ضرور بڑھا تھا مگر اب ان کے پیچھے نہیں تھا۔ واش روم کی طرف آ کر شہوار نے سکون کا سانس لیا مگر جسم ابھی بھی لرز رہا تھا۔
"تم تمیمی کا دامن واش کر لو میں ادھر ہی ہوں......" واش روم والا حصہ خالی تھا۔ یہ زنانہ واش روم تھا اور ادھر کوئی بھی نہیں تھا۔
وہ سر ہلاتی لرزتے ہاتھوں سے اپنا بیگ کھولنے لگی تھی۔ ہینڈ واش نکالتے اس کا موبائل گر گیا تھا جسے بھابی نے جھک کر تھام لیا تھا۔
"یہ بیگ مجھے تھماؤ تم دامن دھولو......" وہ سر ہلاتی بیسن کے آگے جا کھڑی ہوئی ابھی اس نے نل کھولا ہی تھا کہ ایکدم ایاز عبدالقیوم اس زنانہ واش روم میں داخل ہوا تھا۔ بھابی بھی اسے دیکھ کر چونکی تھیں۔ اس وقت وہاں وہ دونوں ہی تھیں اور ایاز عبدالقیوم تھا کوئی اور موجود نہ تھا۔
شہوار کا رنگ ایکدم سفید ہوا تھا۔ بھابی نے ایاز کو دیکھ کر کچھ کہنا چاہا تھا مگر اس نے بھابھی کو اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ کروا دیا تھا۔

''تم ......تم یہاں کیوں......؟'' بھابی نے تنبیہہ کے باوجود بولنا چاہا مگر ایاز نے انہیں ایکدم سختی سے دیوار کے ساتھ دھکیل دیا تھا۔
بھابی اس دھکیلے جانے پر ایکدم چیخ اٹھی تھیں آفاق علیحدہ رونے لگا تھا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔
''شٹ اپ......میں نے کہا نا......ایک لفظ بھی نہیں......'' اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے نجانے کہاں سے پسٹل نکال لیا تھا اب اس کا رخ بھابی کی طرف تھا۔
شہوار کو لگا پسٹل دیکھ کر وہ ابھی مر جائے گی۔ یہی حال بھابی کا بھی تھا۔ ان کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو اتھا۔
''میرا آپ سے کوئی لینا دینا نہیں......اصل لینا دینا تو آپ کی اس نام نہاد نند سے ہے......جب تک چپ رہیں گی تب تک خیریت رہے گی۔ بڑے دنوں سے میں نے اس کے پیچھے بندے چھوڑے ہوئے تھے مگر یہ ہاتھ ہی نہیں آئی تھی۔'' اس نے بھابی کے ہاتھ سے آفاق کو چھین لیا تھا۔ اب پسٹل آفاق کی کنپٹی پر رکھے دونوں کو بالکل ساکت رہنے کے اشارے کر رہا تھا۔ وہ دونوں واقعی ساکت ہو گئی تھیں۔
''تم......تم ایسا کیوں کر رہے ہو......؟'' بھابی نے پوچھا تو اس نے انہیں گھورا اور آگے بڑھ کر واش روم کا مین دروازہ لاک کر دیا تھا۔ واش روم میں اندر چار پانچ ٹائیلیٹ تھے۔ یہ زنانہ حصہ تھا مردانہ واش روم دوسری طرف تھا۔
''یہ سوال اپنی اس نند سے پوچھئے گا......ویسے اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے چند دن پہلے رشتہ بھیجا تھا۔'' وہ آفاق کے رونے کی پروا کیے بغیر اسے لیے شہوار کی طرف بڑھ رہا تھا بھابی نے ایک لمحے کو اس شخص کو دیکھا اور پھر ہاتھ میں دبے موبائل کو......ایاز کی اب ان کی طرف سے پشت تھی۔
شہوار کا بیگ ان کے ہاتھ سے ایاز کے دھکا دینے پر گر گیا تھا مگر موبائل ہاتھ میں اسی طرح دبا رہا تھا۔
''او رتم کیا سمجھتی تھیں کہ پری سینٹیں میں تماشا لگوا کر بیاری کا بہانہ کر کے تم غائب ہو جاؤ گی اور میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ تو میڈم یہ تمہاری بھول ہے......میں چاہوں تو دن دہاڑے مصطفیٰ جیسے لوگوں کی موجودگی کے باوجود تمہیں غائب کروانے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔'' شہوار کے پاس جا کر اس نے اس کو بازو سے تھام کر دیوار کے ساتھ دھکیل دیا تو اس کے ہاتھ سے ہینڈ واش چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ جواباً شہوار کی چیخ بڑی واضح تھی۔
بھابی نے ایاز کو دیکھا اور پھر واش روم کے بند دروازے کو۔ انہوں نے چادر کے پلو میں ہاتھ کر کے اندازے سے نمبر ڈائل کیا تھا اور پھر اسی طرح چادر میں ہی ہاتھ دیے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔ یوں جیسے انہوں نے اپنے کان پر ہاتھ رکھا ہو۔
انہیں پتا تھا اس نمبر پر کال جاتے ہی فوراً پک کر لی جائے گی۔
انہوں نے اندازے سے تھوڑا تھوڑا واش روم کے مین دروازے کی طرف کھسکنا شروع کر دیا تھا جبکہ وہ بد بخت ایاز آفاق کو بازو میں لیے ایک ہاتھ میں پسٹل لیے اب شہوار کو دھمکا رہا تھا۔
یہ کیا سلسلہ تھا وہ سمجھ نہیں پائی تھیں مگر صورت حال کیا تھی وہ انہیں بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔
''ہیلو......ہیلو......شہوار......'' دوسری طرف سے کال پک کر لی گئی تھی۔
''اب بولو......نہیں مجھ سے کون چھڑوانے آئے گا......اب اٹھاؤ مجھ پر ہاتھ۔'' ایاز عبدالقیوم نے کھینچ کر پسٹل والا ہاتھ شہوار کے چہرے پر مارا تھا وہ لہرا کر واش روم کے چکنے فرش پر گر گئی۔ وہ بھابی کو یکسر بھولے ہوئے تھا۔ یا شاید اسے گمان تھا یہ کمزور سی عورت آفاق کو اس کی گرفت میں دیکھ کر اب کچھ بھی نہیں کر پائے گی۔ انہوں نے بہت آہستگی سے واش روم کے دروازے کی چٹخنی گرا دی تھی یوں کہ ایاز کو پتا ہی نہیں چل پایا تھا اور پھر واپس پہلی والی جگہ پر آ گئی تھیں۔
انہوں نے پھر موبائل ذرا سا رخ موڑ کر چھپا کر تے کان سے لگایا تھا۔ دوسری طرف مختلف آوازیں آ رہی تھیں۔ شہوار کے نہ بولنے پر وہ سب پریشان تھے۔ بار بار ہیلو ہیلو کی آوازیں آ رہی تھیں۔
''پلیز مصطفیٰ......ہیلپ می......'' انہوں نے بہت آہستگی سے سرگوشی والے انداز میں کہا تھا یوں کہ انہیں اپنی آواز بھی مشکل سے سنائی دی تھی۔ ایاز کے اپنے شور میں ان کی آواز دب گئی تھی۔ وہ شہوار پر متواتر برس رہا تھا۔
''بھابی......'' دوسری طرف شاید پہچان لیا گیا تھا۔
''شہوار کہاں ہے......یہ آوازیں کیسی آ رہی ہیں......؟'' وہ پریشان ہو چکا تھا۔

"آپ کہاں ہیں......؟" انتہائی بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

"واش روم میں...... زنانہ......" چادر کے اندر سے ہی انہوں نے کان کے ساتھ موبائل لگائے رکھے کہا تھا۔

ایاز عبدالقیوم نے اب شہوار کے اوپر سے چادر کھینچ کر ایک طرف اچھال دی تھی۔

بھابی کی تو جیسے موبائل سے ہٹ گئی تھی...... ان کی اپنی چیخ بڑی واضح تھی۔

"بھابی......!" شہوار نے انہیں مدد کے لیے پکارا تو بھابی نے ایک دم ہاتھ نیچے کرتے آگے بڑھنا چاہا مگر وہ چیخ کر پلٹا تھا۔

"خبردار! ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو؟" انتہائی غصے کی حالت میں غراتے اس نے اب کے پسٹل بھابی کی طرف تان لیا تھا۔

"میں اسے یہاں سے لے کر ابھی نکلوں گا...... اور اس بچے کو باہر ڈال جاؤں گا اگر کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو گولی چلا دوں گا۔ یہ بھی ماری جائے گی اور یہ بھی......" اس نے آفاق اور شہوار دونوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"چلو...... اٹھو...... نکلو باہر...... مگر خیال سے اگر کسی کوشش بھی ہوا تو گولی چلا دوں گا۔" ایاز کا انداز ہیجانی تھا۔

اب کے پسٹل کا رخ شہوار کی طرف کرتے وہ کہہ رہا تھا۔ شہوار اٹھتے ہوئے سسکی۔ بھابی نے رحم بھری نظروں سے ایاز کو دیکھا مگر وہاں انسان کب تھا؟ وہ تو رہزن تھا۔ اگر آفاق اس شخص کے بازو میں نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی اس شخص کی بات پر عمل نہ کرتی۔ اس وقت اسے خود سے زیادہ آفاق اور بھابی کی پروا ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ سے کسی کو کوئی تکلیف ہو اسے گوارا نہ تھا۔ سو چپ چاپ اس کی بات مان رہی تھی۔

"تم آفاق اور بھابی کو چھوڑ مت کہنا...... تم جیسا کہو گے میں کروں گی......" شہوار کہہ رہی تھی۔

بھابی نے اپنی مٹھی میں دبا موبائل سامنے کیا تو کال ابھی بھی جا رہی تھی۔ یقیناً دوسری طرف موجود مصطفیٰ یہاں کی گفتگو سن رہا تھا یا پتا نہیں سن بھی رہا تھا کہ نہیں آواز تو خاصی بلند تھی۔

"جب تک تم شرافت کا ثبوت دو گی یہ انگلی ٹریگر نہیں دبائے گی اگر تم میں سے کسی ایک نے بھی ہوشیاری دکھائی تو میں لحاظ نہیں کروں گا......" وہ کہہ رہا تھا۔

"آگے چلو...... میں نہیں چاہتا کہ کسی کو شک تک ہو......؟" اس نے کہا تو شہوار نے بے بسی سے آفاق کو دیکھا جو مسلسل رو رہا تھا وہ آگے بڑھی تو ایاز اس کے پہلو میں اس طرح اس کے نہایت قریب پسٹل والا ہاتھ بغل میں ڈالے چلنے لگا تھا کہ دیکھنے والے کو ذرا بھی فیل نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص پسٹل کی نوک پر اسے لے جا رہا ہے۔

وہ دونوں دروازے کے قریب بڑھ رہے تھے۔ بھابی نے خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔ پتا نہیں مصطفیٰ اور باقی لوگ کیوں نہیں پہنچے تھے؟ جبکہ دروازہ بھی کھول دیا تھا۔ پتا نہیں وہ صورتحال بھی سمجھ پائے تھے کہ نہیں؟

"دروازہ کھولو......" دروازے کے قریب جا کر وہ دہاڑا تھا۔ "چٹخنی گراؤ......" مگر شہوار نے جیسے ہی دروازے پر ہاتھ رکھا وہ کھلتا چلا گیا تھا وہ چونکا اس نے تو دروازہ لاک کیا تھا۔ اس نے بھابی کو دیکھا وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹیں۔

وہ پورے کا پورا بھابی کی طرف پلٹا تھا۔ وہ فوراً سچویشن سمجھا تھا۔

"تم نے دروازہ کھولا تھا۔" وہ بھابی کو دیکھ کر غرایا تھا۔ اس کے پسٹل کا رخ اب شہوار کی بجائے بھابی کی طرف تھا تبھی باہر سے عباس بھائی، سجاد اور مصطفیٰ نے تیزی سے ایک ہی جست میں شہوار کو باہر دھکیلتے ایاز کو دبوچ لیا تھا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ وہ سنبھل بھی نہ پایا تھا۔ آفاق اس کے بازو سے پھسل کر چکنے فرش پر گرا تھا۔

اس کی انگلی نے ٹریگر پر دباؤ ڈالا تو کئی شعلے فضا میں بلند ہوئے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ٹوٹا ہوا تارہ...... سمیر شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بابا صاحب کی طبیعت سنبھلی تو وہ حویلی شفٹ ہو گئے۔ شہوار تابندہ بوا کے پاس رات ٹھہری تو اس نے گفتگو کے دوران ایاز سے متعلق تمام واقعات انہیں کہہ سنائے۔ شہوار نے تابندہ بوا کے سامنے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر اس سب کے باوجود اسے مصطفیٰ کے ساتھ رشتے کے لیے مجبور کیا گیا تو وہ شہر چھوڑ کر حویلی آ جائے گی۔

روشانے اور ولید کے درمیان انا کے دن بدن بدلتے موڈ کو لے کر تفصیلی بات ہوتی ہے۔ جس کے دوران روشانے ولید کو انا کے متعلق ایک حتمی فیصلہ کر لینے کی رائے دیتی ہے اور ولید کو انا کے حوالے سے چھیڑتی ہے۔ شاہزیب صاحب بابا صاحب کی طبیعت سنبھلنے کے بعد شہوار اور مہر النسا کو لے کر واپس آ جاتے ہیں۔ وہ چند دن بعد اپنے آفس آتے ہیں تو انہیں فاروقی صاحب سے رابعہ اور عباس کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کی اطلاع ملتی ہے وہ عباس کو بلوا کر اسے ڈانٹتے ہیں اور ساتھ ہی رابعہ کا نمبر بادیہ سے لے کر اس سے رابطہ قائم کر کے اسے آج ہی آفس جوائن کرنے کو کہتے ہیں۔ شہوار کالج سے لوٹتی ہے تو لائبہ اور صبا اسے رات ڈنر پر چلنے کا کہتی ہیں۔ یہ سرپرائز ڈنر ہوتا ہے۔ شہوار عائشہ اور صبا کی زبردستی پر تیار ہو جاتی ہے۔ مصطفیٰ اسے یوں روٹین سے ہٹ کر سجا سنورا دیکھ کر خوشگوار تاثر کا شکار ہوتا ہے۔ ہوٹل جا کر شہوار کو علم ہوتا ہے کہ یہ ڈنر مصطفیٰ اور اس کی طرف سے دونوں کا رشتہ طے پا جانے کی خوشی میں سب کو دیا جا رہا ہے۔ شہوار ایک دم شدید کوفت کا شکار ہوتی ہے۔ تبھی آفاق کو کھانا کھلاتے اس کے کپڑوں پر کیک گر جاتا ہے۔ لائبہ اسے واش روم میں چل کر دامن دھونے کا کہتی ہیں۔ بادیہ فیضان ماموں کو اپنی جاب کا بتاتی ہے اور فیضان صاحب سے عباس کے گھریلو تنازع کا بھی ذکر کرتی ہے۔ جس پر وہ دوسروں کے معاملات سے دور رہنے کا کہتے ہیں۔ تبھی فیضان صاحب شاہزیب صاحب اور ان کے باقی بھائیوں کے بارے میں بھی استفسار کرتے ہیں۔ شہوار واش روم کی طرف جاتے ہوئے ہوٹل کے ہال میں ایاز کو بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہے۔ ایاز بھی اسے دیکھ کر پہچان جاتا ہے۔ وہ جبراً بھائی کو لے کر فوراً واش روم میں آ جاتی ہے تبھی ایاز بھی وہاں آ جاتا ہے اور دروازہ لاک کر دیتا ہے بھابی سے آفاق کو چھین کر شہوار اور بھابی کو ہراساں کرتا ہے۔ ایاز پسٹل والا ہاتھ شہوار کے منہ پر مارتا ہے اور اسے دیوار کی طرف دھکا دیتا ہے۔ بھابی کے ہاتھ میں شہوار کا موبائل ہوتا ہے جس سے وہ مصطفیٰ کے نمبر پر کال کرتی ہیں۔ اس دوران ایاز آفاق کو یرغمال بنا کر بھابی کو ہراساں کرتے شہوار کو پسٹل کی زد پر باہر لے جانے والا ہوتا ہے کہ اچانک وہاں مصطفیٰ، عباس اور سجاد دھاوا بول دیتے ہیں۔ ایاز اشتعال میں آ کر ایک دم گولیاں چلا دیتا ہے۔

اب آگے پڑھئے



پسٹل سے کئی شعلے نکلے تھے لائبہ نے چیخ کر اپنے ہی بازوؤں میں منہ چھپا لیا تھا۔ شہوار باہر زمین پر گر کر سسک اٹھی تھی۔ باہر سے کئی چیخیں بلند ہوئی تھیں جن میں عائشہ اور صبا کی واضح تھی۔ مصطفیٰ اور عباس ایاز پر پل پڑے تھے۔ مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ سے پسٹل چھین لیا تھا۔ سجاد بھائی نے ایک دم آگے بڑھ کر چہرہ منہ میں چھپائے اپنی بیوی کو دیکھا۔

''لائبہ۔'' سب کو یہی لگا تھا کہ پسٹل سے نکلنے والی گولیاں بھابی کو لگی ہیں۔ مگر سجاد بھائی کے پکارنے پر خوفزدہ بھابی فوراً سیدھا ہوتے ان کے ساتھ لپٹ گئی تھیں۔ گولیاں بس ہوائی فائر تھے شکر تھا کہ کسی کو لگی نہ تھیں۔

''ریلیکس۔'' سجاد بھائی نے عباس اور مصطفیٰ کی ٹھوکروں کی زد پر آئے وجود کو دیکھا۔ پسٹل اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اب وہ بے بس انسان تھا۔ جس کی ساری بہادری صرف ایک پسٹل تک ہی تھی۔ اب وہ بری طرح پٹ رہا تھا۔ عائشہ نے گری ہوئی شہوار کو سیدھا کیا تو صبا نے فوراً آگے بڑھ کر زمین پر گرے آفاق کو تھام لیا۔ گرنے سے آفاق کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ صبا نے اپنی چادر کا پلو اس کے سر پر رکھ کر دبا ڈالا۔

شور کی آواز سن کر ہوٹل کی انتظامیہ اور گارڈ بھی آ گئے تھے۔ اس دوران عباس بھائی اور مصطفیٰ ایاز کی اچھی خاصی درگت بنا چکے تھے۔ اب ہوٹل کا عملہ ایاز کو قابو میں کر رہا تھا۔ مصطفیٰ اور عباس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس شخص کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ ہوٹل کے عملے نے بمشکل دونوں کو قابو کیا اور ان کو ایاز سے دور ہٹایا تھا۔ مصطفیٰ نے بھابی کو دیکھا وہ بھائی کے حصار میں سسک رہی تھیں۔ پھر آفاق کی حالت دیکھی تو اس کے اندر پھر طیش ابل پڑا۔ اس نے ایک دفعہ پھر ایاز کو ٹھوکروں کی زد پر رکھ لیا۔

''پلیز کول ڈاؤن ہمیں دیکھنے دیں کیا صورتحال ہے؟'' ہوٹل کا منیجر آگے بڑھا تھا۔ عباس بھائی نے انتہائی طیش سے اسے دیکھا۔

''آپ خاک کریں گے چھٹیہ سیکیورٹی ہے آپ کے ہوٹل کی۔ کہیں بھی کسی بھی وقت کوئی بھی بدمعاش اسلحہ کے زور پر اندر گھس کر کسی کو بھی ہراساں کرنے کی جرأت کرے

اور آپ کو علم تک نہ ہو۔" آفاق کا خون آلود سر دیکھ کر اور شہوار کو گرنے سے جو چوٹیں لگی تھیں ان کو دیکھ کر ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایاز کو مار ہی ڈالیں۔
"آئی ایم سوری باہر کیا ہوتا ہے ہر طرف کیمرے فٹ ہیں ہمیں خبر رہتی ہے صرف واش روم میں کیمرے فٹ نہیں ہیں۔ سو ہمیں خبر نہیں ہوئی۔" منیجر معذرت کر رہا تھا۔
مصطفیٰ فون نکال کر اب کسی کو کال کر رہا تھا۔ وہ اب تک اس معاملے کو ٹالے ہوئے تھا مگر اب ایاز کی اس حرکت کے بعد وہ اس کو چھوڑنے والا نہیں تھا۔ عائشہ شہوار کو سنبھالے ہوئے تھی جبکہ ہوٹل کا عملہ ایاز کو لے کر ایک کمرے کی طرف چلا آیا۔ آفاق کا خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ مصطفیٰ نے عباس بھائی کو فوراً اسے اسپتال لے جانے کو کہا تو صبا آفاق کو لیے ان کے ساتھ فوراً نکل گئی تھی۔ سجاد بھائی نے واش روم کے فرش سے شہوار کی چادر اٹھا کر اسے تھمائی تھی جسے عائشہ نے اس کے گرد لپیٹ دیا تھا۔ اس کا بیگ بینڈ واش اٹھا کر انہوں نے بیگ تھام لیا تھا۔ عائشہ اسے اور سجاد لائبہ کو سنبھالے ہوئے تھے جو اس ناگہانی مصیبت پر ابھی بھی حواس باختہ تھیں۔ وہ انہیں لے کر منیجر کے روم میں آ گئے تھے۔
"اگر آپ کہیں تو ہم پولیس کو کال کر دیتے ہیں وہ ابھی پہنچ جائے گی۔ ایسے کرمنل کو اب ایسے نہیں چھوڑ سکتے۔" مصطفیٰ فون پر مختلف جگہوں پر رابطہ کر رہا تھا اس کا انداز دیکھتے منیجر نے کہا تو مصطفیٰ نے بغیر اسے ایک لفظ کہے اپنی جیب سے اپنا سیکیورٹی کارڈ نکال کر اس کے سامنے کیا تو منیجر ایک دم مؤدب ہو گیا۔
"کسی کو بھی یہاں اس وقت بلانے کی ضرورت نہیں۔ میں خود ہینڈل کر لوں گا۔ میں بھی اب ایسے کرمنل کو آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے معاملے میں انٹرفیئر مت کریں پلیز۔" مصطفیٰ نے ان کی مار پیٹ سے ادھ موئے ہوئے ایاز پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالی جو سیکیورٹی فورس کی گرفت میں جکڑا ہوا تھا۔
"اور اگر آپ لوگوں کو کوئی مسئلہ ہے تو مجھے ابھی بتا دیں۔ میں خود اس معاملے کو ہینڈل کر لوں گا۔" اس نے منیجر کو دیکھا۔
"آپ ہمارے معاملے میں انٹرفیئر مت کیجئے گا آپ لوگوں سے ہمیں بس یہی تعاون درکار ہے۔"
"نو سر ہم ہر طرح کی خدمت کے لیے تیار ہیں بس اتنی سی گزارش ہے کہ ہمارے ہوٹل کی بدنامی نہ ہو۔ یہ شہر کا سب سے اچھا مہنگا اور اعلیٰ سطح کا ہوٹل ہے اگر ایک دفعہ اس کے متعلق کوئی خبر باہر نکل گئی تو ہماری ساکھ کو بہت نقصان پہنچے گا۔ ہمارے مخالفین کو ہماری ساکھ خراب کرنے کا موقع مل جائے گا آپ نے جو بھی معاملہ طے کرنا ہے ہوٹل کے اندر ہی طے کر لیں۔" منیجر کا انداز خوشامدی تھا۔ مصطفیٰ نے انتہائی غصے سے اسے دیکھا اور ایک لفظ بھی کہے بغیر اس طرف چلا آیا جہاں سجاد بھائی اور عائشہ لائبہ شہوار کے ساتھ موجود تھے۔ عائشہ شہوار کو زبردستی جوس پلا رہی تھی جو ہوٹل کی انتظامیہ نے فراہم کیا تھا۔
اس کی آنکھوں سے بڑی تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جبکہ سجاد بھائی اور لائبہ تمام صورتحال کو ڈسکس کر رہے تھے۔ بھائی کے ہاتھوں میں ابھی بھی شہوار کا موبائل موجود تھا۔ مصطفیٰ نے لائبہ اور سجاد کو شہوار سے قدرے فاصلے پر لا کر پوچھا۔
"آپ دونوں میں سے کسی کو کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔" شہوار کے آنسوؤں سے مصطفیٰ کے اندر ایک بڑی تکلیف دہ اذیت اتر رہی تھی۔ اس نے بھائی سے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ نے پھر شہوار کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے کے بائیں طرف گہرا نیلا زخم تھا۔
"مجھے تو کچھ نہیں ہوا اس بد بخت نے شہوار کو بڑی زور سے زمین پر دھکا دیا تھا اور پھر جب آپ تینوں اندر داخل ہوئے تھے تو آپ تینوں نے اسے باہر دھکیلا تھا اسے چوٹیں لگی ہیں مگر بتا نہیں رہی اور اس نے پسٹل سے شہوار کے منہ پر زوردار ضرب لگائی تھی۔ اتنا گہرا نیل پڑ گیا ہے۔"
"یہ سب کیسے ہوا؟ مجھے تفصیلاً بتائیں۔" شہوار تو سر جھکائے اب بھی نہ بولنے والے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس سے پوچھنے کا ابھی وہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔ کاہے بگاہے اس کی طرف دیکھتے اس کے رونے سے بہتے آنسوؤں پر شدید تکلیف محسوس کرتے لب دانتوں تلے دبائے وہ بھائی کی بتائی تمام باتیں سن رہا تھا۔ جو مکمل تفصیل سے بتا رہی تھیں۔
"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ شخص اس وقت ادھر ہو گا۔" مصطفیٰ کا تاسف سے برا حال تھا۔ اسے رہ رہ کر گزرے لمحے یاد آ رہے تھے۔ جب بھائی نے کال کی تھی اور......
اگر خدانخواستہ بھائی کے پاس موبائل نہ ہوتا تو پھر ان لوگوں کو کیسے علم ہوتا کہ یہاں کیا صورتحال رونما ہوئی تھی۔ جس طرح اس کے پاس پسٹل تھا اگر چلا دیتا تو...... اور اگر فائر بھائی کو لگ جاتا تو؟ اس سے آگے مصطفیٰ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا۔
"ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ شخص اس حد تک پہنچ جائے گا۔ اس دن خالہ بھائی اس کا شہوار کے لیے پرپوزل لے کر آئیں اتنا کچھ سنا کر گئیں ہم سب چپ ہو گئے اور آج

اس شخص نے یہ حرکت کر ڈالی۔" ان کی آواز بہت دھیمی تھی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ شہوار ان کی یہ بات سنے۔ ویسے بھی ماں جی نے اس سے ذکر کرنے سے منع کیا تھا۔ بھابی مزید کہہ رہی تھیں مصطفیٰ اور سجاد دونوں چونکے۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" سجاد بھائی حیرت زدہ ہوئے۔

"کیا مطلب یہ پروپوزل والا کیا معاملہ ہے؟" مصطفیٰ نے بڑی بے تابی سے پوچھا تھا۔

"تابندہ بوا کے شہر آنے سے ایک دن پہلے عادلہ بھابی اپنی والدہ کے ہمراہ ماں جی کے پاس شہوار کے لیے ایاز کا پروپوزل لے کر آئی تھیں۔ اس دن وہ بہت کچھ سنا کر گئی تھیں۔ شہوار سے متعلق اتنی غلط باتیں کیں کہ حد نہیں۔ "گندہ خون" وغیرہ کے طعنے دیے۔ ایاز کے ساتھ شہوار کے کردار کو اچھالنے کی کوشش کی گئی۔ کیا بتاؤں اس دن بہت غلط انداز میں انہوں نے بہت کچھ کہا تھا۔" وہ اس قدر آہستہ آواز میں مخاطب تھیں کہ وہ دونوں بمشکل سن پا رہے تھے۔

"شہوار کو علم ہے؟" مصطفیٰ نے بھی بہت آہستگی سے پوچھا۔

"نہیں اس وقت میں صبا اور عائشہ ماں جی کے پاس تھیں۔ شہوار اپنے روم میں تھی۔ بھابی نے بہت بڑی زیادتی کی شہوار کے ساتھ۔ کمینے پن کی آخری حد ہے۔ ماں جی نے بابا جان سے ذکر کیا تو انہوں نے لڑکوں سے ذکر کرنے سے منع کر دیا تھا۔ خوامخواہ عباس بھائی تک بات پہنچتی تو ان کی اپنی زندگی متاثر ہوتی۔ بابا جان اس بات کو ایشو بنا کر بات بڑھانا نہیں چاہتے تھے سو چپ کر گئے اور ماں جی نے ہمیں بھی شہوار سے ذکر کرنے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔" لائبہ بھابی بہت آہستگی سے سب بتا رہی تھیں ان سے تھوڑے فاصلے پر عائشہ بہت وحشت زدہ انداز میں شہوار سے کچھ کہتے اس کے آنسو بھی ساتھ ساتھ صاف کر رہی تھی مگر اس کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

جوں جوں مصطفیٰ کی اس کے چہرے کے نیل پر نگاہ پڑ رہی تھی اندر کہیں اذیت بڑھتی جا رہی تھی۔

"حد ہوتی ہے اتنا کچھ ہو گیا اور ہمیں بتایا تک نہیں۔" مصطفیٰ دھیمے انداز میں خفا ہوا تو لائبہ نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام کر پرسکون کرنا چاہا۔

"مصطفیٰ پلیز.... آہستہ۔ اس بات سے متعلق شہوار کے سامنے کچھ بھی کہنے سننے سے پرہیز کرنا پلیز۔" مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔

"اب اس شخص کا کیا کرنا ہے؟" سجاد پوچھ رہا تھا۔

"میں نے بابا صاحب کو کال کی ہے وہ بس پہنچتے ہی ہوں گے۔ دراصل یہ معاملہ اگر شہوار کا ہوتا تو میں اس کو یہیں دفن کر دیتا مگر اب بات بھابی اور آفاق کی بھی ہے۔ اس شخص نے شہوار کے ساتھ ساتھ ان دونوں کو بھی یرغمال بنانے کی کوشش کی ہے اور خاندانی عزت کے معاملے میں بابا جان بہت حساس ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا قدم اٹھاؤں کہ بعد میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ بہر حال اس شخص نے پسٹل کے زور پر بھابی اور آفاق کو یرغمال بناتے شہوار کو کڈنیپ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کا یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ اتنی جلدی چھوڑوں گا نہیں۔" مصطفیٰ کا انداز اشتعال آمیز تھا۔

"کول ڈاؤن یار..... کول ڈاؤن۔" سجاد بھائی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

کچھ دیر میں بابا جان آ گئے اور دوسری طرف مصطفیٰ کا ماتحت امجد خان بھی اپنے ساتھیوں سمیت آ چکا تھا۔ بابا جان کو ساری صورتحال کا علم ہوا تو سخت حیرت کے عالم میں سب سنتے گئے۔ ایاز کی گزشتہ بہت سی حرکات تھیں جنہیں اب بابا جان سے چھپانا محض حماقت ہی تھی۔ وہ اب مزید کچھ بھی نہیں چھپانا چاہتا تھا۔ بابا جان نے یہ سب بہت تحمل سے سنا تھا۔

"اس شخص نے ہماری بچیوں پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اس کا جرم تو ناقابل معافی ہے سزا تو ہم ضرور دیں گے مگر سوچ سمجھ کر تم امجد خان کو کہو اس کو حوالات میں لے جائے۔ جتنے کیس اس پر ڈال سکتا ہے ڈال دے۔ پرانے نئے جو بھی کھاتے ہیں سب کھولے۔ میں نے بڑا عرصہ رشتہ داری کا لحاظ کر لیا اب نہیں مگر امجد خان کو باور کرواؤ کہ ہماری بچیوں کا نام کہیں بھی نہیں آئے گا۔ یہ شخص کیوں گرفتار ہوا ہے یہ فائل امجد بنائے گا۔ سچے جھوٹے جو بھی گواہ ہیں وہ نکال لے گا اور ہاں اس ہوٹل کے عملے کو اس میں ملوث کرنے کی ضرورت نہیں۔ یوں سمجھ لو آج جو بھی ہوا اس کا یہاں کوئی وجود نہیں۔ یہ شخص کیوں گرفتار ہوا یہ کیس امجد خود تیار کرے گا وہ ایسے کرمنلز کو ہینڈل کرنے میں بہت قابل ہے۔ بچیوں کو اتنی دیر یہاں ٹھہرائے رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں چاہیے تھا کہ سجاد کے ساتھ ان تینوں کو گھر بھیج دیتے۔" انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو مصطفیٰ فوراً سر ہلا گیا۔

"میں ابھی امجد خان کو بریف کر دیتا ہوں۔ کچھ دیر بعد میں گھر آ جاؤں گا آپ ان لوگوں کو لے کر چلے جائیں۔" بابا جان کا سلوشن مصطفیٰ کی سوچ کے مطابق تھا۔ وہ اب اپنے جذبات پر قابو پا چکا تھا اور بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد ہوٹل کے عملے سے بات کر کے اس کیس کو غیر اہم کرداننے اس شخص کو چھوڑ

دینے کی بات کرتے وہ امجد خان کے ہمراہ اسے لے کر اس شخص کی گاڑی نکلوا کر وہاں سے نکل آیا تھا آگے اسے ابھی بڑی لمبی چوڑی پلاننگ کرنی تھی۔



آفاق اس سارے حادثے سے خاصا سہم گیا تھا۔ بچہ تھا اس کے سامنے فائر کیے گئے تھے وریاز کا وحشی انداز اور مضبوط گرفت نے اس معصوم کو سہا کر رکھ دیا تھا اور اوپر سے گرنے سے جو چوٹ لگی تھی اس سے خون اچھا خاصا بہا تھا اس سے بھی بچہ نڈھال ہو گیا تھا۔

عباس بھائی اور صبا آفاق کی مرہم پٹی کروا کر گھر آئے تو اتنی دیر میں بابا جان اور سب بھی آ چکی تھیں۔ ماں جی جو ویسے ہی بچوں کا انتظار کر رہی تھیں اور پھر بابا جان ایک ضروری کام کا کہہ کر فوراً نکل گئے تھے اب ان کے ساتھ سب کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھیں۔

صورتحال سب کے سامنے تھی خصوصاً آفاق کی حالت اور شہوار کے چہرے پر پڑنے والے نیل دیکھ کر وہ دہل گئی تھیں۔ بابا جان نے رسانیت سے انہیں ساری صورتحال بتائی تو ششدر رہ گئیں۔

"میرے اللہ اتنا کچھ ہو گیا میری بچیوں کے ساتھ اور اس ننھی سی جان کا بھلا کیا قصور تھا؟ اپنا خون تھا اس کا کوئی ایسا شقی القلب ہوتا ہے لے کے بچے کا یہ حال کر ڈالا۔" وہ تو ایک دم آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ دوائیوں کے زیر اثر نڈھال سے آفاق کو خوب چوما سینے سے لگایا۔

"دیکھو ذرا بھی انسانیت نہ تھی۔ منہ پر بھی کوئی مارتا ہے؟" اب کے انہوں نے شہوار کو بازو کے حصار میں لے لیا۔ اس کے بائیں رخسار پر پڑ جانے والا گہرا نیل انہیں سخت تکلیف دے رہا تھا۔ چہرہ اب سوجن کا شکار ہو چکا تھا۔

"ان لوگوں کا خاندان اتنا نیچ اور گھٹیا ہو سکتا ہے آج ایچھی طرح اندازہ ہو رہا ہے۔ ماں جی اور بابا جان صرف آپ دونوں کے کہنے پر ابھی تک جادلہ جیسی عورت کو برداشت کر رہا ہوں۔ بس یہ آخری بار تھا اب میں کسی کی بھی بات نہیں مانوں گا۔ میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔ یہ اب فائنل ہے۔" اس سارے عمل میں عباس بھائی کا ٹینشن سے برا حال تھا۔

"آرام و سکون سے ادھر بیٹھو۔ عائشہ بھائی کو پانی پلاؤ۔ آج کی حرکت کے بعد میرا ذہن بہت متاثر ہوا ہے اس سے پہلے میں سمجھتا تھا کہ شاید دونوں خاندانوں میں پھر سے ایک ہونے کے لیے شاید کہیں گنجائش نکل آئے مگر جادلہ تو ایک طرف اس کی پھپھو تک اس حد تک گر جائیں گی ان بلیو ایبل۔" انہوں نے بپھرے ہوئے بیٹے کو پاس بٹھا کر اس کا کندھا تھپتھپاتے اس کا غصہ کم کرنا چاہا تو وہ لب بھینچ گیا۔ عائشہ نے فوراً پانی لا کر اسے دیا تو وہ چپ چاپ پی گیا۔

"اب ہم بھی ایک حتمی فیصلہ ضرور کریں گے۔ تم فکر مت کرو اب ہم خود اس مسئلے کو حل کریں گے۔ واقعی اب ایک فیصلہ ضرور ہو جانا چاہیے۔" بابا جان کا انداز فیصلہ کن تھا۔ عباس کی حالت جوں کی توں تھی۔

"آفاق کے بارے میں بھی تو کچھ سوچیں نا؟ اس سارے عمل میں سب سے زیادہ نقصان تو میرے بچے کا ہی ہو گا۔ اس عورت کو کیا پروا؟" ماں جی نے دونوں کی باتوں سے دہل کر کہا تو عباس نے خاصے خفا انداز میں کہا۔

"آفاق میرا بیٹا ہے اور ہمیشہ میرے پاس ہی رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ آفاق کی خاطر بھی اب میں اس عورت کو دوبارہ اپنی زندگی میں برداشت نہیں کر سکتا اور یہ طے شدہ بات ہے۔"

"ہم بھی اب تک آفاق اور اس خاندان کی عزت کی خاطر ہی چپ تھے مگر جس طرح یہ لوگ ہمارے خاندان کی عزت سے کھیلیں ہیں۔ اب ہم بھی بتائیں گے کہ ہم کیا ہیں۔ ہم کوئی بے حیثیت اور وہ لٹیے انسان نہیں شہوار بیٹا غم نہ کرو ابھی ہم زندہ ہیں اور ہمارے ہوتے ہوئے ہماری بچیوں کو کوئی میلی آنکھ سے بھی دیکھے یہ ہو نہیں سکتا؟ اس ناعاقبت اندیش انسان نے ہماری بہو بیٹی پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اب اس کی سزا بھی بھگتے گا۔ اب اس کا باپ جتنا بھی پیسا ضائع کر لے ہم بھی تمام زور اس کو سزا دلوانے میں لگائیں گے۔" بابا جان کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔ ماں جی پریشان ہو کر دونوں کے چہرے دیکھنے لگیں۔

"یہ تو دشمنی ہو جائے گی۔ اس کے باپ سے بات کریں اس طرح الجھنے کا کوئی فائدہ؟" ماں جی ہمیشہ ایسے معاملات میں گھبرا جاتی تھیں۔ اب بھی پریشان ہو کر کہا۔

"کچھ نہیں ہو گا ماں جی ہم براہ راست اس کیس کو ہینڈل نہیں کریں گے۔ آپ بس دیکھیے گا مصطفیٰ کیسے اس شخص کو ڈیل کرتا ہے۔" سجاد بھائی نے ماں جی کو حوصلہ دینا چاہا۔

"اللہ خیر کرے مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں۔ مصطفیٰ کب یہاں کے طور طریقے سے باخبر ہے۔ ساری عمر باہر ہوسٹلوں میں گزار دی اس نے تو؟" ماں جی نے نیا نکتہ اٹھایا۔

"ماں جی آپ اس کی فکر مت کریں وہ ہم سے بلکہ بابا جان سے بھی زیادہ ان معاملات کو ہینڈل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ بہت اچھا فائٹر ہے۔ کسی کو سبق سکھانے کے

لیے اس کا بس ایک پیچ ہی کافی ہے۔ امریکا میں رہ کر ساری زندگی اس نے یہی کام تو کیا ہے وہاں کے مقابلوں میں حصہ لیتا تھا تو ہمیشہ اول آتا تھا۔ اس کی فکر مت کریں۔" سجاد نے مسکرا کر بھائی کی تعریفیں کرتے ماحول کو تھوڑا سا نارمل کرنا چاہا۔ مگر ماں جی کے چہرے کے تاثرات ہنوز تھے۔

"عائشہ بہن کو کمرے میں لے جاؤ' اس کے چہرے پر کوئی مرہم لگاؤ۔ دیکھو کیسا گہرا نیل پڑ گیا ہے۔ درد ہو رہا ہے نا؟" ماں جی نے اپنے بازو کے حصار میں مقید شہوار کا چہرہ دیکھتے محبت سے پوچھا تو وہ بغیر کوئی تاثر دیے اسی طرح بیٹھی رہی۔

عائشہ اپنی بیٹی کو گھر پر ہی ماں جی کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ جو اب سو رہی تھی۔ وہ بابا جان کے اشارہ کرنے پر شہوار کا بازو تھام کر اٹھاتے اسے اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔

"بہت برا ہوا بچی کے ساتھ۔ دیکھا کیسے گم صم ہو کر رہ گئی ہے۔ پہلے ہی عادل کو لے کر خاصی پریشان تھی اب تو کسر ہی پوری ہو گئی ہے۔" شہوار کے جانے کے بعد ماں جی نے تاسف سے کہا۔

"اب ہم مصطفیٰ اور شہوار کے رشتے کو مزید نہیں لٹکانا چاہتے۔" تابندہ کی کال آئے تو ان سے بات کیجیے گا آج کل ہی کی کوئی تاریخ دیں نکاح کی۔ ہم جتنی جلدی ہو یہ نکاح کروینا چاہتے ہیں۔" بابا جان نے کہا تو ماں جی نے انہیں دیکھا۔

"اور جو بات شہوار کی مرضی کے متعلق تابندہ کہہ رہی تھیں اس کا بھی تو سوچیں کچھ؟" انہوں نے دھیمی آواز میں شوہر سے کہا۔ آواز صرف اتنی ہی تھی کہ باقی افراد تک نہیں پہنچ پائی تھی۔

"ہم تابندہ اور شہوار سے خود ہی بات کر لیں گے۔ اب یہ اقدام اگزیر ہو چکا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے اتنا ہی اچھا ہے۔ آپ تابندہ بی سے آج کے واقعے کا ذکر نہیں کریں گی اور شہوار کو بھی منع کر دیجیے گا۔" انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو مہر النسا بیگم خاموش ہو گئیں کہ ان کے ایسے انداز پر مزید بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔

"میں ذرا مصطفیٰ کو کال کر کے پتا کر لوں وہ کہاں ہے؟" اپنی بات ختم کر کے بابا جان کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تو ماں جی اٹھ کر شہوار کے کمرے کی طرف چل دیں۔

❀ ☆☆☆ ❀

"اسلام علیکم!" آج اس کی آنکھ ذرا دیر سے کھلی تھی۔ سو تیار ہو کر جب ڈائننگ ٹیبل پر آئی تو تقریباً تمام افراد ناشتا کر چکے تھے۔

"وعلیکم اسلام مجھے لگا تھا کہ تم آج کالج نہیں جا رہی۔" ماما نے کہا تو وہ مسکرا کر روشانے کے ساتھ والی کرسی کھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"بس رات دیر سے آنکھ لگی تو صبح فجر کی نماز پڑھ کر سو گئی تھی مگر اب لیٹ ہو گئی ہوں۔" ماما نے ٹیبل پر رکھے ناشتے کے تمام لوازمات لا کی طرف بڑھائے تو اس نے اپنی طرف رکھ لیے۔

"احسن بھائی اور ولی چلے گئے ہیں کیا؟" ٹیبل پر دونوں کو نہ پا کر اس نے پوچھا جبکہ ماموں اور پاپا یہیں تھے اخبار دیکھ رہے تھے۔

"دونوں نے ناشتا کر لیا ہے اپنے اپنے روم میں ہیں۔" روشانے نے چائے پیتے جواب دیا۔

"دیکھو آج بھی کیسا دور آ گیا ہے کہ اچھے گھرانوں کے لڑکے محض تھرل کے نام پر چوریاں' ڈکیتیاں کرتے پائے جا رہے ہیں۔" ماموں اخبار میں کوئی خبر پڑھ رہے تھے۔ اخبار بابا کے سامنے کرتے انہوں نے افسوسناک تبصرہ کیا۔

"ہاں پڑھ لی ہے میں نے یہ خبر' تقریباً تمام نیوز پیپرز میں ہی درج ہے یہ واردات' کیا کیا جائے آج کل والدین اولاد کی تربیت پر دھیان کب دیتے ہیں؟ محض بچوں کے ہاتھ میں پیسا تھما کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔" پاپا نے بھی اس خبر پر تبصرہ کیا تو ناشتا کرتی لا نے توجہ دی۔

"کوئی خاص خبر ہے کیا؟" اس نے باپ کو دیکھا۔

"نہیں یہ تو عام روٹین کی خبر ہے۔ روز بروز ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔" پاپا کندھے اچکاتے اخبار ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ ماموں بھی وہاں سے نکل گئے تھے۔

روشانے ناشتا کر چکی تھی اب وہ بھی نیوز پیپر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ لا کے ساتھ ہی براجمان تھی۔ سو ناشتا کرتے لا بھی گردن موڑ کر کوئی نہ کوئی ہیڈ لائن دیکھ رہی تھی۔

"ایک منٹ......!" ایک ہیڈ لائن پر نگاہ پڑتے ہی وہ بُری طرح چونکی تھی ہاتھ میں تھاما دودھ کا گلاس فوراً ٹیبل پر رکھتے اس نے روشانے کے ہاتھ سے اخبار لیا۔

''شہر کے مشہور سرمایہ دار بزنس مین عبدالقیوم کا اکلوتا بیٹا ایاز عبدالقیوم کل رات گاڑی اغوا کرنے کی واردات کرتے ہوئے گرفتار۔'' نیچے ہتھکڑیوں میں جکڑے ایاز کی تصویر بھی تھی۔ ہیڈ لائن ایسی تھی کہ انا کا ذہن فوراً اپنے کالج میں پائے جانے والے ایاز عبدالقیوم کی طرف گیا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے بزنس مین کا بیٹا تھا یہ تو سبھی جانتے تھے۔ اس کی جو شہرت اور ریپوٹیشن تھی ایسی غلط حرکات میں ملوث ہونا عام سی بات تھی۔ اب تصویر دیکھ کر کوئی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ انا نے مزید تفصیل جاننے کے لیے متعلقہ خبر تفصیلاً پڑھنا شروع کر دی تھی۔

''رات بارہ بجے کے قریب ایاز عبدالقیوم نے اپنے ایک اور ساتھی کی مدد سے صدر تھانہ کی طرف جاتی شاہراہ پر اپنی گاڑی کے ہمراہ راستے سے گزرنے والی گاڑی کو زبردستی روکنے اور ڈکیتی کی واردات کرنے کی کوشش کی تو گاڑی کے مالک نے شور مچا دیا۔ جس پر دونوں لڑکوں نے مشتعل ہو کر مسٹر حیدر (گاڑی کا مالک) کی اچھی خاصی حالت خراب کر ڈالی۔ اسی دوران وہاں پولیس کی گشتی پارٹی کا گزر ہوا تو پولیس کو دیکھ کر ایاز کا ساتھی فرار ہو گیا جبکہ ایاز عبدالقیوم نے مشتعل ہو کر اندھا دھند پولیس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جس کی زد میں پولیس کا ایک اہلکار آ گیا۔ ایاز عبدالقیوم کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں زخمی اہلکار اور مسٹر حیدر کو اسپتال منتقل کر دیا گیا ہے۔ جہاں ان دونوں کو ضروری ٹریٹمنٹ دیا جا رہا ہے۔ اس وقت ملزم ایاز عبدالقیوم صدر تھانہ کے حوالات میں بند ہے۔ ملزم کے کئی اور وارداتوں میں ملوث ہونے کے شواہد ملے ہیں۔ جن میں موبائل چھیننا، تھرل کے نام پر چھوٹی موٹی وارداتیں کرنا، راہ جاتے لوگوں کو روک کر مال اسباب چھین لینا جیسی وارداتیں عام ہیں۔ ملزم کے متعلق مزید اطلاعات مل رہی ہیں۔ اس کیس کو شعبہ پولیس کی نہایت تجربہ کار و ایماندار آفیسر امجد خان بطور خاص ہینڈل کر رہے ہیں۔'' اخبار میں اور بھی تفصیلات درج تھیں۔

''مائی گاڈ۔'' تمام تر تفصیل پڑھ کر انا کا حیرت سے برا حال تھا۔

''کیا ہوا؟'' ماما اور روشی دونوں نے اسے دیکھا۔ وہ فوراً اخبار پکڑے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں ابھی آتی ہوں۔'' وہ فوراً اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ اس کا انداز بڑا پرجوش تھا۔ اپنے بیگ سے موبائل نکال کر اس کا ارادہ اس خبر کو شہوار کے ساتھ ڈسکس کرنے کا تھا۔

☆☆☆

عبدالقیوم صاحب اس وقت اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے اپنے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھے اپنے وکیل پر بری طرح برس رہے تھے۔
ان کے بائیں طرف صوفوں پر نادر اور ان کی بیگم بیٹھی ہوئی تھیں۔ جبکہ اندر اپنے کمرے میں کل رات ڈسچارج ہو کر گھر آنے والی کائنہ بھی اپنے باپ کو گرجتا برستا سن رہی تھی۔

''ہمت کیسے ہوئے ان اخبار والوں کو ابھی پتا کرو کس نے ان کو دی ہے یہ خبر۔ کسی طرح یہ خبر روکو۔'' وہ غصے سے اپنے وکیل سے کہہ رہے تھے۔

''سر اب یہ ممکن نہیں۔ صبح کے تمام نیوز پیپرز میں یہ خبر ہے۔''

''کون ہے اس سب کے پیچھے؟'' انہوں نے مشتعل ہو کر پوچھا۔

''ابھی تو پولیس ہی اس سارے کیس کو ڈیل کر رہی ہے۔ مزید اطلاعات نہیں مل رہیں۔''

''اور پولیس کو کون ہینڈل کر رہا ہے اور یہ امجد خان کے متعلق ابھی تمام ڈیٹیلز مہیا کرو۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ ایسی نا ہنجار اولاد آئے دن میرے لیے یہ لڑکا نت نئے مسئلے کھڑے کیے رکھتا ہے۔ پچھلے دنوں اس کے کالج سے نوٹس آیا کہ اس کے برے کردار اور مختلف سرگرمیوں کی بدولت کالج والوں نے اسے نکال دیا ہے اور اب یہ نیا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔'' وہ اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلتے خاصے برہم ہو رہے تھے۔

آج تک کسی پولیس والے کو ہمت نہیں ہوئی تھی کہ ان کے بیٹے کو حراست میں لے۔ یہ پہلا موقع تھا ان کا پریشان ہونا فطری بات تھی اور وہ اچھے خاصے گھبرا بھی گئے تھے۔ خود تو وہ جرم بھی ایسے کرتے تھے کہ آج تک ان کے خلاف کسی کے ہاتھ ایک ثبوت بھی نہیں لگا تھا اور اب ایاز کی وجہ سے وہ پھنس رہے تھے۔

''آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ آرام و سکون سے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ یہ معمولی ایشو ہے دے دلا کر ہینڈل کر لیں۔'' نادرہ نے اس چویشن میں بھی اپنے اس مخصوص پر اعتماد انداز میں کہا تو انہوں نے بیوی کو گھورا۔

''تم لوگوں کا کیا جگت رہا ہوں میں کیا کمی آنے دی ہے میں نے اسے...... جتنی رقم چاہتا ہے بینک سے آئے دن نکلوا تا رہا ہے اب ایسے لوگوں پر لاکھوں خرچ کرنا پڑیں

گے پیا میں اسی لیے کمار ہا ہوں کہ تم تینوں بہن بھائی دونوں ہاتھوں سے لٹاتے رہو۔" انہوں نے اچھی خاصی حاولہ کو سنا ڈالی تھیں وہ منہ بنا کر بیٹھ گئی۔

"اور یہ اتنا معمولی ایشو بھی نہیں ہے۔ یہ اسپیشل پولیس ہیں جن کے ساتھ اس نے پنگا لیا ہے۔ اتنی جلدی دے دلا کر یہ کیس ختم نہیں ہونے والا۔"

"آپ ابھی چلیں میرے ساتھ اور امجد خان سے بات کریں میں بات کرتا ہوں کسی نہ کسی سے ایک دو گھنٹوں میں ایاز کو باہر نکلوانے کی کوشش کریں۔" عبدالقیوم صاحب اپنے غصے پر کنٹرول کرتے اب وکیل صاحب سے کہہ رہے تھے۔

"جو بھی خرچہ ہوگا اس کی ٹینشن نہ لیں۔ یہ میری ریپوٹیشن کا سوال ہے۔ پتا نہیں کب اس لڑکے کو عقل آئے گی اور جو لڑکا زخمی ہوا ہے اس کا کیا حال ہے بچ تو گیا ہے نا؟" وہ اب وکیل سے پوچھ رہے تھے۔

"جی گولی اس کی ٹانگ پر لگی تھی اور جو گاڑی کا مالک تھا اس کے بارے میں ابھی کوئی کلیئر کٹ تفصیل نہیں مل رہی اور جو دوسرا ساتھی تھا اس کا بھی کوئی پتا نہیں چل رہا۔ آخری اطلاع یہی تھی کہ ایاز صاحب پر خاصا تشدد ہو رہا ہے۔" وکیل نے بتایا تو تینوں وجود ایک دم خاموش ہو کر رہ گئے۔ حاولہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ بیگم عبدالقیوم تو سسکیوں میں شدت سے رو دیں۔

"ہائے میرا بچہ۔" اور عبدالقیوم صاحب کے چکر لگانے میں ایک دم شدت در آئی تھی۔

"آپ کی اتنی سورسز ہے کسی سے بات کریں گھر بیٹھ کر اس طرح مسئلہ حل تو نہیں ہوگا۔" بیگم عبدالقیوم نے شوہر کو کہا۔

"اس کی جگہ خود جا کر تھانے بیٹھ جاؤں کیا؟" انہوں نے بیگم کو کھا جانے والے انداز میں جواب دیا۔

"آپ میرے ساتھ چلیں وکیل صاحب ایاز کا چند گھنٹوں میں حوالات سے باہر آنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ آج کے اخبارات کی خبر نے جو تہلکہ مچا دیا ہے میرا الیکشن متاثر ہو کر رہ گیا ہے۔ چند ایک لوگوں سے ملتے ہیں وہ دیکھیں گے اس مسئلے کو بھی۔" انہوں نے خود پر قابو پاتے وکیل صاحب سے کہا تو انہوں نے فوراً سر ہلایا۔

"اور جیسے ہی ایاز باہر نکلتا ہے سب سے پہلے تو ان اخبار والوں کی خبر لیتی ہے انہیں جرات کیسے ہوئی میرے خلاف ایسی خبر شائع کرنے کی۔" وہ مزید کہتے وکیل صاحب کو اپنے ہمراہ لیے وہاں سے نکل گئے تو حاولہ نے ماما کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ڈونٹ وری ماما سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کو پتا تو ہے وہ ایسے تھرل کرتا رہتا ہے۔ چند گھنٹوں میں ہمارے ساتھ ہوگا۔ ڈیڈ بس اس لیے پریشان ہو رہے ہیں کہ یہ خبر نیوز پیپرز میں آ گئی ہے ورنہ وہ پہلے بھی تو ایسے بڑے بڑے مسئلوں کو بہت جلد حل کر لیتے تھے۔ اب بھی حل کر لیں گے آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔" حاولہ کی بات پر اس کی ماں نے محض سر ہلا کر اپنے آنسو صاف کیے تھے۔



وہ کل رات والے واقعے کے بعد بالکل گم صم ہو گئی تھی۔ وہ بات جو وہ خود سے بھی چھپانا چاہتی تھی اب ہر کوئی اس کے بارے میں جان چکا تھا۔ شرمندگی ندامت ایسی تھی کہ اس کی زبان بالکل گنگ ہو چکی تھی۔ وہ ساری رات اس قدر روئی کہ لگتا تھا کہ اب زندگی میں کسی اور سانحے کو رونے کے لیے آنسو نہیں بچے ہوں گے۔

وہ اس وقت بھی اپنے بستر پر لیٹی آنکھوں پر بازو رکھے سونے کا تاثر دیتی اپنے اندر اٹھتی ایک قیامت سے نبرد آزما تھی کہ اس کے سرہانے پڑا موبائل بجنے لگا جو رات بھابی اس کے پاس رکھ گئی تھیں۔ رات بھابی نے ہی اسے بتایا تھا کہ کس طرح انہوں نے اس کے موبائل کے ذریعے مصطفیٰ کے نمبر پر کال کی تھی اور وہ لوگ اچانک وہاں نہیں آئے بلکہ صورتحال جان کر انہوں نے دروازے کے عقب میں رہ کر تمام پچویشن کا جائزہ لیتے ہوئے تمام تر دفاعی حکمت عملی کو سامنے رکھ کر بالکل اچانک اندر آنے کے بجائے باہر رہ کر ہی ایاز کے باہر آنے کا انتظار کیا تھا اور پھر جیسے ہی شہوار نے دروازہ کھلوایا تھا وہ تینوں شیر کی تیزی سے اندر داخل ہوئے تھے۔

ایاز جو پہلے ہی دروازہ ان لاک دیکھ کر بھابی کی طرف پلٹا تھا اور اس کی اس ایک لمحے کی بے خبری نے ہی تینوں کو موقع فراہم کیا تھا کہ وہ اسے اپنے شکنجے میں کس لیں۔ گزشتہ شب گزری واردات ایک دفعہ پھر اس کی آنکھوں کی اسکرین پر فلم کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے بہت اکتا کر موبائل اٹھا کر دیکھا تو ابا کا نام دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"اسلام علیکم!" اس نے کال پک کر لی تھی۔

"وعلیکم السلام!"

"کیسی ہو؟" انا پوچھ رہی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ......؟"
"کالج آرہی ہو؟" انا نے مزید پوچھا۔
"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا جس سے ہاں یا ناں کی کوئی تصدیق نہیں ہوئی تھی۔
"تم نے آج کا نیوز پیپر دیکھا۔ بڑی فنٹاسٹک قسم کی خبر ہے۔" وہ جو پہلے ہی الجھی ہوئی تھی انا کے الفاظ پر ایک دم چونک کر ٹھٹک گئی۔ تو کیا اس کی ذلت کی داستان اب ساری دنیا پڑھ رہی تھی۔
"ایاز عبدالقیوم کے متعلق خبر ہے۔" وہ مزید بتا رہی تھی۔ شہوار کو لگا کہ وہ بس ابھی اپنے حواس کھو دے گی۔
"ک...... ک...... کیسی خبر؟" شہوار کو اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔
"وہ...... اس کا مطلب ہے تم نے آج پیپر نہیں دیکھا۔ ایسا کرو تم پیپر دیکھ لو۔ میں کالج کے لیے نکل رہی ہوں۔ باقی ڈسکشن وہاں جا کر ہوگی او کے بائے۔" اس نے کال بند کی اور شہوار کو لگا کہ بس اس کی سانس بند ہونے کی کسر باقی ہے۔
رات بابا جان نے کہا تھا کہ وہ پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہو جائے گا اور اب انا کی کال کے بعد اسے لگا کہ وہ بس مر جانے والی ہے۔ اس کی ذلت و تباہی کی داستان اب ساری دنیا کے سامنے تھی۔ ساری دنیا پڑھ رہی تھی۔ وہ بمشکل اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی تو رخشندہ راہداری سے گزرتی دکھائی دی۔
"رخشندہ۔" اس نے پکارا۔
"جی بی بی۔" وہ فوراً حاضر ہوئی۔
"سب لوگ کدھر ہیں۔" شہوار نے پوچھا۔
"صاحب لوگ تو کاموں پر نکل گئے ہیں، باقی لوگ ابھی ناشتا کر رہے ہیں۔"
"تم باہر سے کوئی اخبار لا دو کاج کا۔" وہ اسے کہہ کر واپس اپنے بستر پر آ بیٹھی تھی۔ وہ رات سے کمرے میں بند تھی ابھی تک اسی لباس اور چادر میں تھی۔ رخشندہ کے بجائے اخبار عائشہ لے کر آئی تھی۔ اسے دیکھ کر شہوار کے اندر احساس ندامت بڑھ گیا۔ وہ اس سے نگاہیں چرا گئی تھی۔
"یہ لو۔" عائشہ نے اسے اخبار تھمایا۔
"ناشتا ابھی کرو گی یا ٹھہر کر؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ وہ رات سے گم صم تھی اور ابھی چند جملے اس کی زبان سے سن کر وہ قدرے ریلیکس ہوئی تھی۔
"ابھی موڈ نہیں ہو رہا۔"
"رات بھی تم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ کچھ کھا لو۔ میں لے آؤں ناشتا؟" اس نے پھر پوچھا۔
"نہیں جب طلب ہوگی میں خود جا کر کچھ لے لوں گی۔"
"او کے۔" عائشہ اس کے پاس ہی بستر پر ٹک گئی تھی اور پھر اس کے ہاتھ سے اخبار کھول کر ایک اندرونی صفحے کو سامنے کرتے اس پر انگلی رکھ کر شہوار کے سامنے کیا وہاں ایک خبر تھی۔
"یہ پڑھو۔"
"شہر کے مشہور سرمایہ دار بزنس مین عبدالقیوم کا اکلوتا بیٹا ایاز عبدالقیوم کل رات گاڑی اغوا کرنے کی واردات کرتے ہوئے گرفتار۔" خبر ایسی تھی کہ وہ چونک گئی تھی ساتھ میں ہتھکڑی میں جکڑے ایاز کی تصویر بھی تھی اس نے فوراً باقی کی تفصیل پڑھنی شروع کر دی تھی۔
وہ جوں جوں خبر پڑھ رہی تھی اس پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ تفصیلات کے ساتھ ساتھ جائے واردات کی تمام تر فوٹو گرافی بھی ساتھ تھی۔ ایک طرف گاڑی کے مالک کی اسٹریچر پر لیٹے تصویر تھی تو دوسری طرف جس اہلکار کو گولی لگی تھی وہ بھی دکھایا گیا تھا۔
"مائی گاڈ۔" شہوار نے سر تھام لیا۔

"یہ سب کیا ہے؟" کچھ پل بعد اس نے عائشہ کو دیکھا۔

کل ساری رات مصطفیٰ گھر سے غائب رہا تھا۔ شہوار ساری رات جاگتی رہی تھی۔ گیٹ پر ہونے والی ذرا سی آہٹ پر بھی وہ چونک جاتی تھی۔ صبح فجر کے قریب وہ گھر لوٹا تھا تو کیا وہ کل ساری رات اسی لیے غائب تھا۔

"بابا نے بھائی کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ اس کیس کو اس طرح ہینڈل کرنا ہے کہ کسی کو شبہ تک نہ ہو کہ اصل معاملہ کیا ہے؟" عائشہ پرسکون تھی۔

"اور وہ ہوٹل کا عملہ اور انتظامیہ؟"

"ان سے بابا جان اور بھائی نے بات کر لی تھی۔ ویسے بھی وہ لوگ خود بھی بعد کے مسائل کا سامان کرنے سے اجتناب برت رہے تھے۔ سو وہ اس کیس میں الجھنا نہیں چاہتے تھے۔" عائشہ نے مزید بتایا۔

"اور جو گاڑی کا مالک تھا وہ کون ہے اور اس اہلکار کو کس نے گولی ماری ہے؟" شہوار کا دماغ یہ ساری صورتحال پڑھ کر اچھا خاصا الجھ گیا تھا۔

"پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایسے لوگ عام مل جاتے ہیں آفیسر کے لیے ایسی صورتحال کری ایٹ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ صدر تھانہ کے نزدیک واردات کوئی پاگل انسان ہی کر سکتا ہے۔ مگر چونکہ کیس بنانا مطلوب تھا سو اب اس کیس کی باقی کڑیوں کو ملانا ان لوگوں کا کام ہے۔ ایاز کے والد کوشش کریں گے کہ کیس لپس لے دے کے ختم ہو جائے کیونکہ اس سے ان کی اپنی ساکھ کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے۔ جبکہ بابا اور دیگر لوگ اس کیس کو آخر تک الجھانے کے چکر میں ہیں۔ آخر ایاز کو بھی تو پتا چلے کہ کسی آفیسر کی بہو بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کی لذت کیا ہوتی ہے؟" شہوار اس سارے عرصے میں پہلی بار پرسکون ہوئی تھی۔

"اور اگر کسی کو پتا چل گیا کہ یہ اصل میں صورتحال کچھ اور ہے تو......؟"

"کیسے پتا چلے گا..... مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو پتا چلے کہ اور اسٹوری کچھ اور ہے؟ ہاں ایاز جب اپنے والدین یا لوگوں کو بتائے گا تو بھی کسی کی زبان پر ہمارا نام نہیں آئے گا کیونکہ رات سے اس پر پہلے ہی کئی طرح سے کیس بن چکے ہیں۔ ان کی روشنی میں اس کا سابقہ ریکارڈ بھی کھلوا جا چکا ہے اور بہت جلد اور بھی واقعات منظر عام پر آئیں گے۔ دیکھنا ان لوگوں کے مخالفین بھی انہیں مواد فراہم کریں گے اور ان سب معاملات کی صورت میں اس کا والد ایک نیا کیس کھولنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا لاکھ چیخ لے انکار کر لے مگر اصل صورتحال کسی کے سامنے نہیں آئے گی۔ کیونکہ ہماری کور اسٹوری بہت جاندار ہے۔" عائشہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھی اور اس کا اطمینان اور سکون دیکھتے ہوئے شہوار کے اندر بھی ایک گہرا اطمینان اترتا چلا گیا تھا۔

بے شک اس کیس کی وجہ سے وہ پریشان تھی مگر اس کا دل پھر انجانے درد میں مبتلا ہو گیا۔ وہ بھلے دنیا کے سامنے ذلت اٹھانے سے بچ گئی تھی مگر اس خاندان کے سامنے تو اب کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکے گی۔ کتنا بڑا قرض لاد دیا تھا ان لوگوں نے اس پر۔ نہ صرف اسے بدنامی کے گہرے گڑھے میں گرنے سے بچایا تھا بلکہ اس قدر مضبوط پلاننگ کر کے اس کے گرد ایک مضبوط تحفظ بھرا جو حصار کھینچا تھا اسے لگ رہا تھا کہ وہ اب ان لوگوں کے سامنے بالکل بے بس ہو گئی ہے۔ اتنا کچھ تو کوئی اپنا بھی نہیں کرتا جتنا یہ لوگ اس کے ساتھ کر رہے تھے۔ کاش وہ اپنی جان دے کر ان لوگوں کے اس عظیم احسان کا بدلہ چکا سکتی۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی بھر آئی۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔ ماں جی تمہارے اس طرح گم صم انداز پر بہت پریشان ہیں۔" اخبار ایک طرف رکھ کر عائشہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو اپنی پوروں سے آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھہرو میں ذرا منہ دھولوں۔" وہ واش روم میں چلی آئی۔ منہ ہاتھ دھوتے آئینے میں اپنی صورت دیکھتے وہ گنگ رہ گئی۔

چہرے کے بائیں طرف رخسار پر بہت بڑا گہرا نیل تھا اب زخم پر سوجن بڑھ گئی تھی۔ رات سے وہ اس قدر رنڈھال تھی کہ ایک بار بھی آئینے میں خود کو نہ دیکھ پائی تھی زخم میں اٹھتے درد اور ٹیسوں کے باوجود اس کا دل آئینے میں اپنی صورت دیکھنے کو نہ کیا تھا۔ آنکھیں الگ گریہ زاری سے سوج کر سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

"کیا میں اس صورت کے ساتھ سب کا سامنا کروں گی؟" اس کے دل سے درد کا ایک لامتناہی سلسلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ لب بھینچ کر ہولے سے آہستہ آہستہ چہرہ صاف کرتے باہر نکل آئی جہاں عائشہ اس کی منتظر تھی۔

"چلو۔" وہ اس کے ساتھ بڑے غیر محسوس انداز میں رخسار کے بائیں طرف چادر کا پلو کیے دروازہ کھول کر نکل رہی تھی جب راہداری سے گزرتا مصطفیٰ ان دونوں کو دیکھ کر رکا تھا۔ شہوار نے فوراً اس کی طرف سے رخ بدلا تھا۔ وہ اس وقت کسی کا سامنا کرنے کی جرأت کر سکتی تھی مگر اس شخص کے سامنے آنے کی ہمت نہ تھی۔

مصطفیٰ نے پہلی نگاہ میں ہی اس کے یوں رخ بدلنے پر بغور دیکھا تھا۔

''کدھر جا رہی ہو؟'' وہ عائشہ سے پوچھ رہا تھا۔

''شہوار نے ناشتا نہیں کیا تو اسی کو لینے آئی تھی۔'' مصطفیٰ نے عائشہ کے جواب پر شہوار کو دیکھا وہ وہاں رکنے کے بجائے واپس کمرے میں جا کر کھڑکی کے پاس پشت کیے کھڑی ہوئی تھی۔

''میری بلیو لائننگ والی شرٹ نہیں مل رہی کافی دیر سے ٹرائی کر رہا تھا تم پلیز ذرا ڈھونڈ دو۔ مجھے آفس بھی جانا ہے۔ پہلے ہی بہت لیٹ ہو گیا ہوں۔'' وہ اپنی بہن سے کہہ رہا تھا۔

''ابھی......؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں ابھی۔'' مصطفیٰ کی نگاہ ابھی بھی شہوار پر تھی۔ عائشہ نے دونوں کو دیکھا اور سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔

مصطفیٰ نے اسے یونہی کھڑکی کے پاس کھڑے دیکھا تو قدم بڑھاتا دروازہ بھیڑتا اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔ وہ اس کی آمد کو محسوس کر گئی تھی مگر پلٹ کر دیکھنے کی ہمت مفقود تھی۔

''کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟'' وہ پوچھ رہا تھا اس کی آواز بہت نزدیک سے آئی تھی وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ مگر پلٹی نہیں تھی۔

''شہوار......'' اس نے پکارا تو وہ مضبوطی سے کھڑکی کا پٹ تھامے کھڑی رہی وہ کسی بھی اس قدر خراب صورت کے ساتھ اس کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ اب تو ہمت ہی نہ تھی۔

مصطفیٰ نے بہت آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ لرز سی گئی۔

''شہوار...... ادھر دیکھو۔'' اس کے لہجے میں سختی تھی۔ وہ اسی طرح جمی رہی تو مصطفیٰ کے اندر ایک شدید سی لہر اٹھی۔ ایک دم اس نے اس کو دونوں کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔ یہ اس قدر اچانک اقدام تھا کہ وہ سنبھل بھی نہ سکی تھی۔

وہ مصطفیٰ کے اس ردعمل کی توقع نہیں کر رہی تھی ایک دم گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی مگر کھڑکی سے ٹکرا کر رہ گئی تھی۔ مصطفیٰ اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اس نے بے اختیار چادر کے پلو پر ہاتھ رکھتے اپنے چہرے کو چھپانا چاہا تھا۔ مگر مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ ہٹاتے چادر کا پلو اس کے رخسار سے پیچھے کر دیا تھا وہ نم آنکھوں سے مصطفیٰ کو دیکھ رہی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کے رخسار کے زخم کو دیکھتے لب سختی سے بھینچ لیے تھے۔ اس کی انگلیوں نے اس کے زخم کو چھوا تھا۔ شدت ضبط سے اس نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

''بہت بڑی سزا جھیلے گا وہ اس ایک زخم کی۔'' وہ پھنکارا۔

اس کے خاندان میں عورت کو بہت عزت و احترام سے رکھا جاتا تھا۔ بہت عزت دی جاتی تھی۔ یوں خیال رکھا جاتا تھا گویا کوئی نازک پھولوں کی کلی ہو۔ اسے یاد تھا کہ اس کے باپ یا بھائیوں میں سے کسی نے کبھی اس کی ماں یا بہنوں کو اونچی آواز سے بھی مخاطب نہ کیا تھا۔ ہمیشہ ادب اور احترام دیا تھا بڑا اسلحھا رویہ تھا۔ ان سب کے دلوں میں عورت ذات کے لیے ایک ایسا احترام ابھر دیا تھا کہ اتنا عرصہ والدین سے دور ایک غیر ملک میں رہتے ہوئے بھی اس کی نگاہ نے اس تقدس کو پامال نہیں کیا تھا اور یہ لڑکی وہ تو اسے بڑی شدت سے اپنے اندر کہیں بہت زیادہ محسوس کرنے لگا تھا بھلا اس کی تکلیف کیسے سہہ جاتا؟ اس کے اندر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

شہوار کی آنکھیں نمی سے بھر گئی تھیں۔ اس کے اندر ایک شدید تکلیف و اذیت سے بھری لہر اٹھی تھی۔ شہوار نے پلٹنا چاہا تو اس نے اس کا بازو تھام کر اس کو ایسا کرنے سے روکنا چاہا تھا۔ مصطفیٰ کی گرفت میں بہت سختی تھی۔

''سی......!'' وہ کراہ کر رہ گئی۔ اس نے ایک دم اپنے دوسرے ہاتھ سے مصطفیٰ کے ہاتھ کو ہٹاتے اپنے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔ شہوار کے چہرے پر بڑے تکلیف دہ احساسات تھے۔

''کیا ہوا؟'' مصطفیٰ نے فوراً اس کے چہرے پر رقم تکلیف پڑھی تھی اور پھر اس کی نگاہوں نے شہوار کے بازو تک سفر کیا تھا۔

''کیا ہوا ہے بازو کو؟'' وہ اپنے اسی مخصوص لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

وہ نفی میں سر ہلا کر پلٹی تھی مگر مصطفیٰ نے اپنے کندھے سے تھام کر ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو تھام رہا تھا۔

''نہ...... نہ...... کچھ نہیں ہوا؟'' وہ گھبرا گئی تھی مگر مصطفیٰ اس کی گھبراہٹ کو نظر انداز کیے اس کا بازو پکڑ کر اس کے بازو کی آستین دوسرے ہاتھ سے الٹ رہا تھا۔ مصطفیٰ کی اس

کے بازو پر گرفت ایک دم سخت ہو گئی تھی کہ وہ چاہ کر بھی بازو نہ چھڑوا پائی تھی۔
''کہا ہے نا...... کچھ نہیں ہوا'' اس نے مصطفیٰ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر رہ کرنا چاہا تھا مگر مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ ہٹاتے اس کی آستین اوپر چڑھا دی تھی۔ اب بازو سیاہ ہو رہا تھا۔ کہنی سے اوپر بازو پر نہ صرف گہرے نیل تھے بلکہ کسی چیز سے رگڑ لگنے کی صورت میں وہاں خراشیں بھی تھیں اور جہاں جہاں گہری خراشیں تھیں وہاں سے اسکن اتر چکی تھی۔ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا تو وہ نگاہیں چرا کر ایک دم بازو چھڑوا کر پیچھے ہٹی تھی۔
''یہ کیسے ہوا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ شہوار نے لب بھینچ کر اپنے بازو کو دیکھا۔
کل جب وہ شخص بھائی کو دھکا دے کر ان سے آفاق کو چھین کر اس کی طرف بڑھا تھا تو اس نے اس کے اس بازو کو اپنی وحشی گرفت میں جکڑا تھا تب اسے لگا تھا کہ اس کا بازو مسل دیا گیا ہے اور پھر اس نے اس کو جب دیوار کی طرف دھکیلا تو اس کا یہی بازو دیوار سے بری طرح رگڑ کھا تھا۔ تب وہ خوف کی وجہ سے کچھ سمجھ نہ پائی تھی مگر اب جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ اس کے جسم کے بہت سے اندرونی و بیرونی درد جاگ اٹھے ہیں اور سب سے بڑا درد تو یوں سرعام ذلت اٹھانے کا تھا جس کی شاید کسی کے بھی پاس کوئی دوا نہ ہی کوئی مرہم نہ تھا۔
''میں کیا پوچھ رہا ہوں یہ کیسے ہوا ہے؟'' وہ اب قدرے اونچی آواز اور خاصے غصے سے بولا تھا۔ اسے رہ رہ کر شہوار کی اس خاموشی پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ وہ کیوں خاموش تھی...... بات کیوں نہیں کر رہی؟
وہ مصطفیٰ کے یوں غصے سے لبریز اونچی آواز پر بے اختیار رو دی۔
''مجھے نہیں پتا'' اس نے روتے ہوئے کہا۔
مصطفیٰ نے چند پل شہوار کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ناقابل فہم غیض و غضب کے علاوہ وہ شدید انتقامی جذبات بھی نظر آ رہے تھے۔ شہوار ایک دم خوف سے کانپ اٹھی۔ مصطفیٰ کے تاثرات بڑے پتھریلے تھے۔ مصطفیٰ کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا وہ اس کے ساتھ ضرور کچھ بہت برا کرے گا۔
''اس نے بہت برا کیا...... بہت برا...... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا'' وہ بہت غیض بھرے انداز میں کہہ کر پلٹا تھا۔ شہوار ایک دم پریشان ہوئی۔
''مصطفیٰ......!'' وہ اب اپنی وجہ سے اس خاندان کو مزید مسئلوں میں نہیں الجھانا چاہتی تھی۔ فوراً بھاگ کر اس کے سامنے آئی اور ایک دم اس کا بازو پکڑا تھا۔
''آپ کچھ نہیں کریں گے'' وہ بہت خوفزدہ ہو گئی تھی۔ مصطفیٰ اس کی پروا کیے بغیر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔
''مصطفیٰ پلیز'' وہ دروازہ کھول رہا تھا جب وہ پھر اس کے سامنے آ کر نہ صرف تیزی سے دروازہ بند کر گئی تھی بلکہ بہت عجلت میں اس نے لاک کا بٹن بھی دبا دیا تھا۔
''شہوار وہ اب تک محض اس لیے بچا ہوا تھا کہ مجھے نہ صرف اس خاندان کی عزت کا پاس تھا بلکہ تمہارے جذبات و احساسات کی بھی فکر تھی۔ آئی سویر اس نے تم پر ہاتھ اٹھا کر بہت برا کیا ہے۔ میں اس کی جان لے لوں گا۔ اس کے ہاتھ توڑ دوں گا'' وہ شدید غیض و غضب کی تصویر بنا ہوا تھا۔ شہوار اس کا ہیجانی انداز دیکھ کر لرز اٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں واضح انتقام کی جھلک تھی۔ یوں جیسے وہ اسے چھوڑے گا نہیں۔
''مصطفیٰ پلیز'' شہوار کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح ہینڈل کرے کہ اس کے یہ انتقامی جذبات سرد پڑ جائیں۔ وہ نارمل ہو جائے۔
مصطفیٰ نے اسے یوں اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر بہت غصے سے ہاتھ دیوار پر مارا تھا۔ شہوار مزید سہم گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک تسلی بھری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی مگر اسے خوف سے لرزتے دیکھ کر وہ ساکت ہوا اور پھر بغیر سوچے سمجھے اس کو دونوں کندھوں سے تھام کر خود سے قریب کر لیا تھا۔
''اس انسان کے لیے اتنا رحم جو نہیں جانتا کہ انسانیت کیا ہے؟'' وہ کہہ رہا تھا شہوار تو پہلے ہی اس کے تیوروں سے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔
''تو پھر کیا کروں میں...... بولیں کیا کروں؟'' اس کے الفاظ پر سسکتے ہوئے وہ بغیر سوچے سمجھے مصطفیٰ کے کندھے پر سر رکھ کر شدت سے رو دی تھی۔ ''میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کسی کو کچھ ہو۔'' مصطفیٰ اس کے اس ری ایکشن پر ساکت کھڑا اس کے ہچکولے لیتے وجود کو دیکھے گیا وہ ابھی تک کل رات والے لباس اور چادر میں ملبوس تھی۔ مگر اس وقت اس کا وجود بری طرح بکھرا ہوا تھا۔ کل جب اس کی نگاہ اس کے سجے سنورے سراپا پر پڑی تھی تو کیسے اس کا حسین جہاں سوز سراپا مصطفیٰ کے دل میں طغیانیاں سی مچا گیا تھا۔ جذبات میں ایک شدید تلاطم سا برپا ہوا تھا۔ جذبوں نے کیسے کیسے رنگوں سے انگڑائیاں لی تھیں۔ یوں کہ وہ دل و نگاہ کی تمام گہرائیوں تک معطر ہو گیا تھا مگر اب......
وہ اسی لباس و چادر میں تھی مگر اس کا وجود کیسے شکست خوردہ لگ رہا تھا...... وہ ہلکان نڈھال خوفزدہ تھی۔ کب اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کا یہ بے نیازی والا انداز ختم کرتے

ہوئے اس کا سارا غرور چھین کر اس کے ادائے بے نیازی کو ختم کر دے گا کیا پتا تھا کہ اس کی ذات پر شہوار کی جان بوجھ کر بے نیاز دکھانے والی یہ ادا کس قدر بھی تھی اور اب وہ کیسے زخمی حالت میں بے بس ہو رہی تھی۔ مصطفیٰ نے بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا تو وہ چونکی تھی۔ وہ اتنی دیر سے مصطفیٰ کے اتنے قریب کھڑی تھی۔ مصطفیٰ کا کندھا اس کے آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"وہ... خدایا وہ یہ کیا کر رہی تھی۔" وہ ایک دم پیچھے ہٹی اور بغیر مصطفیٰ کی طرف دیکھے اپنے بستر پر جا کر گر سی گئی تھی۔ وہ اب شاید زندگی بھر مصطفیٰ سے آنکھیں نہ ملا پاتی۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ کر اس کو دیکھا اور پھر مزید ایک لفظ کہے دروازہ ان لاک کرتا وہاں سے نکل گیا۔

❀......☆☆......❀

وہ کالج آئی اور شہوار کو نہ پا کر حیران ہوئی اس کو کال کی تو پتا چلا کہ وہ آج کالج نہیں آئے گی۔ انا کو اس کی اس چھٹی پر حیرت ہوئی صبح جب بات ہوئی تھی تو اس نے ذکر تو نہیں کیا تھا زیادہ تفصیلا بات تو نہ ہو سکی مگر وہ الجھ ضرور گئی تھی کہ کہاں ہمیشہ ریگولر رہنے والی لڑکی اب ایک دم اپنی ایجوکیشن سے غافل ہوتی یوں ڈھیر ساری چھٹیاں اوپر تلے کر رہی تھی۔ پچھلے دنوں چھٹیوں کی وجہ بتی تھی مگر آج بغیر کچھ بتائے ہی اس نے چھٹی کر لی تھی۔ اس نے سوچا کہ گھر جا کر وہ اسے تفصیلی کال کرے گی۔ ویسے بھی لیاز والے معاملے پر ابھی اس نے اس کے ری ایکشن کا بھی جائزہ لینا تھا۔ چار بجے وہ گھر واپس آئی تو لاؤنج میں روشانے کے ساتھ ولید کو دیکھ کر چونکی وہ آج کل بے وقت اکثر گھر ہی میں پایا جانے لگا تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ روشانے کے پاس ہی آ بیٹھی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" دونوں بہن بھائی نے جواب دیا۔ انا نے دیکھا وہ دونوں کوئی کارڈ تھامے دیکھ رہے تھے۔

"شادی کا کارڈ پرنٹ ہو کر آ گیا ہے کیا؟" اس نے روشانے کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا۔

"ہوں ابھی لے کر آیا ہوں... ڈیزائن دیکھو کیسا ہے؟" ولید نے کہا تو اس نے سادہ مگر خوبصورت کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"بہت پیارا اور ڈیسنٹ ڈیزائن ہے۔" اس نے سراہا۔

"بھلا ڈیسنٹ کیوں نہیں ہوتا آفٹر آل میں نے سلیکٹ کیا ہے۔" ولید نے اپنے کالر کھڑے کیے تو وہ مسکرا دی اور بغور ولید کو دیکھا وہ گھر آنے کے بعد شاید لباس بدل چکا تھا۔ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ خاصے ریلیکس موڈ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے اب چند گھنٹے وہ اسی گھر میں گزارنے والا تھا۔

"ویل ڈن... چوائس اچھی ہے۔" اس نے کارڈ واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ ولید نے اسے دیکھا پچھلے دنوں کے برعکس دو دن سے اس کا موڈ خاصا خوشگوار ہو چکا تھا۔ اب وہ پھر سے سب میں اٹھنے بیٹھنے لگی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو انجوائے کرنے لگی تھی۔

"کھانا کھاؤ گی؟" روشانے نے پوچھا تو وہ سر ہلا گئی۔

"ہاں مگر پہلے چینج کر لوں تم صغراں کو کہو کھانا نکالے بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔ بلکہ ادھر ہی لے آئے۔" اپنا بیگ اور بکس لے کر وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تو ولید نے باہر جانے تک اسے دیکھا تھا۔

"آج انا کا رویہ خاصا خوشگوار لگ رہا ہے؟" اس نے بہن کو بتایا۔

"ہوں کل سے بلکہ ایک دو دن سے وہ پھر پہلے والی روٹین پر آ گئی ہے۔"

"تم نے بات کی پوچھا خراب موڈ کا ریزن؟" ولید نے سوال کیا۔

"نہیں بس موقع ہی نہیں ملا پھر انا کا موڈ بھی بحال ہو رہا تھا تو میں نے خوامخواہ بات چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔" روشانے نے جواب دے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید نے سر ہلا کر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔ پانچ منٹ بعد انا چینج کر کے آئی تو روشانے اس کا کھانا بھی ادھر ہی لے آئی تھی۔

کھانا کھاتے وہ روشانے سے مختلف باتیں کرتی رہی تھی۔ ٹی وی دیکھتا ولید گاہے بگاہے اس کے وجود پر نگاہ ڈال لیتا تھا۔ انا کا اس رات والا رویہ ولید کے لیے ابھی بھی ایک معمہ بنا ہوا تھا۔

"آج تو موڈ بڑا فریش ہے... خیریت ہے؟" وہ روشانے کی کسی بات پر کھلکھلا کر ہنسی تھی اور ولید جس کی توجہ اس کی طرف تھی اس نے پلٹ کر چھیڑا۔

"آپ کو دیکھ لینے کا اعزاز ہے۔" اس نے مذاق کے رنگ میں دل کی بات کہہ دی تھی۔ لہجے میں کھنک تھی دونوں بہن بھائی مسکرا دیے۔

''ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' ولید نے فوراً سر تسلیم خم کیا۔
''اس کا مطلب ہے کہ تمہارے فریش موڈ کو برقرار رکھنے کے لیے مجھے اب چوبیس گھنٹے تمہارے ساتھ رہنا پڑا کرے گا۔'' ولید نے اس کے چمکتے روشن چہرے کو خوشگوار حیرت و تحسین سے دیکھتے مسکرا کر کہا تو وہ جھینپ گئی۔
''میں نے بھلا ایسا کب کہا ہے؟''
''مجھے تو ایسا ہی لگا کہ تم نے مذاق کے رنگ میں دل کی بات کہہ دی ہو۔'' اپنی طرف سے ولید مذاق میں کہہ رہا تھا مگر انا کا پورا چہرہ ایک دم سرخ ہوا تھا۔
تو کیا وہ اس کے دل تک رسائی حاصل کر رہا تھا یا کر چکا تھا۔ انا نے حیران ہو کر ولید کو دیکھا۔
''حیرت ہے مجھے بھی پتا ہی نہیں چلا کہ آپ دل کی باتوں کو بھی جان لیتے ہیں۔'' ولید اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دیا۔
''محترمہ میں دل کی باتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دل کی بات کو جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' روشنا نے دونوں کی باتوں پر مسکرا کر برتن ٹرے میں رکھتے کچن کی طرف چلی گئی تھی۔
''تو پھر میرے دل کے بارے میں کیا جان پائے ہیں عزت مآب ولید ضیا صاحب۔'' وہ کشن گود میں رکھ کر بڑے ریلیکس موڈ میں مخاطب ہوئی تھی۔
''یہی کہ دل کہیں الجھا ہوا ہے۔'' ولید کا انداز خاصا شرارتی تھا۔
''ویسے مجھے دل کے حوالے سے ایک شعر یاد آ رہا ہے۔''

دل تو کہتا ہے کہ شاید ہے افسردہ تو بھی
دل کی کیا بات کریں دل تو ہے نادان جاناں

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔'' وہ ولید کے الفاظ پر بری طرح جھینپی تھی۔
''تو پھر کیسی بات ہے؟'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ اس نے شاید اسی لیے بات چھیڑی تھی۔

دل میں چھیڑیں تھیں اپنی آنکھ میں جاگنے کے خواب
خود کو ہی دھوکا دیا خود سے شرارت کی گئی

انا نے دھیرے سے شعر پڑھا تو وہ ایک دم متاثر ہوا۔
''زبردست۔'' اس کا مطلب ہے میڈیکل پڑھنے والے اپنے اردو ادب سے اتنے بھی بے خبر نہیں۔'' اس نے خوب سراہا تو وہ مسکرا دی۔
''جب ساری عمر باہر گزار کر آنے والے لوگ ہم سے شاعری کی زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں تو کیا ہم جو دن رات پڑھتے اور بولتے ہی اردو ہیں اگر اردو زبان میں جواب دے لیں تو کیا مضائقہ ہے۔'' انا نے دھیرے سے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔
''بہت خوب بٹ ڈیئر کزن یہ تھوڑا بہت ذوق بابا کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ تمہیں بتایا تو ہے کہ بابا نے ساری زندگی دو ہی تو کام کیے ہیں جاب کے بعد ایک ہماری تربیت اور دوسرا اردو ادب کا مطالعہ۔ پاکستان سے دور رہتے ہوئے بھی انہوں نے ہمیشہ پاکستانی لٹریچر خصوصاً اردو لٹریچر کو اپنے گھر میں زندہ رکھا ہے۔ بابا کو شاعر حضرات نقاد مصنفین سے بہت لگاؤ تھا۔ ایسے میں ہمیں بھی تھوڑا بہت انٹرسٹ ہو گیا تھا۔'' ولید نے تفصیلاً بتایا تو وہ دلچسپی سے اسے سننے گی۔
''ہاں آپ کے اور ماموں کے روم میں سے اکثر غزل کی آواز سنائی دیتی ہے۔''
''ہوں...... بابا غزلوں کے بہت شوقین ہیں وہاں بھی وہ بس پاکستانی غزل گو گائیکوں کی اچھی سی ڈیز اور البم اکٹھے کرتے رہتے تھے۔''
''آپ لوگوں کو کبھی خیال نہیں آیا کہ آپ لوگ اپنے ننھیال والوں سے ملیں؟'' ماما نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ ان بہن بھائی سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنی مگر اب اچانک اس کے منہ سے نکلا تو ولید نے بہت تعجب اور حیرت سے اسے دیکھا۔
''تمہیں یہ خیال کیونکر آیا؟'' وہ پوچھ رہا تھا انداز بہت سنجیدہ تھا۔
''یونہی...... بس ویسے ہی۔'' ولید کے سنجیدہ انداز پر وہ بھی کنفیوز ہو گئی تھی۔

"آئندہ ہم سے یہ سوال مت کرنا۔ رشتے وہی مضبوط، اہم اور پائیدار ہوتے ہیں جو خود آگے بڑھ کر اپنے ہونے کا احساس دلائیں اور جس رشتے کو ہم نے دیکھا نہیں محسوس تک نہیں کیا اس پر بات بھی کیوں کریں؟" ولید کا انداز بہت دو ٹوک تھا۔ انا کو لگا کہ اس نے یہ سوال کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"ایم سوری۔"

"اٹس اوکے۔" وہ دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ ولید کا انداز ایک دم سنجیدہ اور لاتعلقی والا ہو گیا تھا۔ انا اسے کن اکھیوں سے دیکھتے خود پر خفا ہو رہی تھی خوامخواہ اس نے ایسا سوال کر کے اسے خفا کر ڈالا تھا۔ کتنے دنوں بعد تو وہ اس سے یوں دوستوں کی طرح بات کر رہا تھا اور وہ خود اپنی ذات کے حصار سے نکل کر اس کی کمپنی کو انجوائے کر رہی تھی۔ انا کو شدید تاسف نے آ لیا۔

"ولی......" انگلیاں چٹخاتے اس نے پکارا۔

"ہوں......" بغیر اسے دیکھے وہ بولا۔

"ناراض ہو گئے ہیں کیا؟" انتہائی خوفزدہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ اس کے انداز پر خود ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا اسے تعجب ہوا۔

"نہیں اس میں بھلا خفا ہونے والی کون سی بات تھی جو ہم تم سے ناراض ہوتا۔ بس جب بھی کوئی ہم سے ایسا سوال کرتا ہے تو مجھے بڑا عجیب لگتا ہے۔ ہم نے صرف ایک رشتہ ہی اپنے اردگرد دیکھا ہے اپنے بابا کا۔ ماں کیا ہوتی ہے ہمیں نہیں پتا۔ بابا نے ہمیں ماں باپ بن کر پالا۔ دونوں کے فرائض پورے کیے۔ ہمارے دلوں میں کسی اور محبت یا رشتے کے متعلق کبھی کوئی فیلنگز ہی نہیں پیدا ہوئی ہاں تم لوگوں کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ محبت، خلوص، اپنائیت کا ایک انمٹ رشتہ ہے۔ بابا اور تم لوگوں کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور رشتے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی تو پھر ملنے یا نہ ملنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔" ولید کا انداز اب کے بے حد اپنائیت آمیز تھا۔ وہ مسکرا دی۔

اس نے دل میں عہد کیا کہ وہ اب کبھی بھی ماما کی دوسرے انسان سے یہ سوال نہیں کرے گی۔ یہ ذکر ولید کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ اب اس نے یہ بات کبھی اپنے دل و دماغ میں بھی نہیں لانی تھی۔ جو بات ولید کو نہیں پسند تھی وہ اس بات کو اب زندگی بھر نہیں دہرائے گی اس نے یہ طے کر لیا تھا۔

"آج آپ جلدی کیوں آ گئے تھے؟" اس نے بات پلٹی۔

"شادی کے لیے کچھ شاپنگ کا ارادہ تھا احسن کے ساتھ مگر وہ عین وقت پر دغا دے گیا کسی سے بہت ضروری ملنا پڑ گیا تھا۔ اب اکیلے جا کر کیا کرتا؟ سو پرنٹنگ ہاؤس سے شادی کارڈ لیے اور گھر چلا آیا۔"

"آپ اکیلے چلے جاتے؟" اس نے کہا۔

"اکیلے جانے میں کوئی حرج نہیں مگر ابھی تک پاکستان آ کر ایک بار بھی جینٹس کی شاپنگ کا موقع نہیں ملا۔ مجھے تو مارکیٹ کا ہی اندازہ نہیں کہ کون سی ورائٹی مارکیٹ میں ان سے اچھی گارمنٹس کہاں دستیاب ہیں؟" وہ ہنس دی۔

"تو اس میں مسئلہ کیا تھا روشی کو لے جاتے ساتھ۔ ان چند دنوں میں شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں اسے ہر جگہ کا علم ہو چکا ہے۔ کون سی ورائٹی کہاں دستیاب ہے۔"

"ہوں...... آئیڈیا تو اچھا ہے۔ چلو آج اگر جلدی آ گیا ہوں تو تھوڑا بہت یہ کام بھی کر لیتے ہیں کیا خیال ہے چلو گی؟ تم تو اس شہر کی رہنے والی ہو تمہیں تو ساری مارکیٹ اور مالز کا علم ہو گا؟"

"میں...... اس وقت؟"

"کوئی حرج نہیں کافی ٹائم ہے ہمارے پاس دراصل احسن کو گفٹ دینے کے لیے کچھ خاص خریدنا تھا۔ تم تو اس کی بہن ہو تمہیں اس کی ہر طرح کی پسند و ناپسند اور چوائس کا علم ہو گا۔ روشی سے پوچھ لو اگر چلنا ہے تو فوراً ریڈی ہو جاؤ میں بھی چینج کر لیتا ہوں۔" ولید نے ریموٹ ایک طرف رکھتے فوراً پروگرام بنایا تھا۔

"اوکے میں روشی سے کہتی ہوں۔" وہ فوراً رضامند ہو گئی تھی۔

❀......☆☆......❀

شاہزیب صاحب آفس سے لوٹے تو کافی پریشان لگ رہے تھے اور گھر آتے ہی سیدھا اپنے بیڈروم میں چلے گئے تو مہر النساء بیگم کے دل کو شدید تشویش نے آ گھیرا۔ وہ فوراً کمرے میں پہنچیں تو دیکھا شاہزیب صاحب بغیر لباس بدلے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے پریشان لگ رہے ہیں؟'' انہوں نے شوہر کے قریب بیٹھتے پوچھا۔
''بس رات والے واقعہ نے ہی الجھا رکھا ہے؟'' انہوں نے سنجیدگی سے بتایا۔
''کوئی پریشانی ہوگئی ہے پھر سے کیا۔ وہ تو حوالات میں بند تھا نا؟''
''وہ تو سب ٹھیک ہے اس کا باپ اور وکیل بڑی کوششیں کر رہے ہیں چھڑوانے کی امجد خان کے پاس کئی چکر لگا چکا ہے وہ شخص مگر مجھے اصل تشویش مصطفیٰ کی طرف سے لاحق ہو رہی ہے۔'' انہوں نے قدرے رسانیت سے بتایا تو وہ چونکیں۔
''کیا ہوا ہے مصطفیٰ کو؟''
''مصطفیٰ کو کچھ نہیں ہوا رات تو وہ اچھا خاصا کنٹرول میں تھا صبح بھی ملاقات ہوئی تھی ٹھیک ہی تھا مگر اب تو اس پر صرف جنون سوار ہے کہ وہ اس شخص کو جان سے مار دے گا۔ کسی بھی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گا۔''
''اچھا..... اب کیا مسئلہ ہوا ہے؟'' وہ شوہر کی باتیں سن کر اچھی خاصی پریشان ہوگئی تھیں۔
''آپ کو پتا تو ہے وہ کتنا گرم مزاج ہے مگر جب کوئی بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تو پھر چین سے تب بیٹھے گا جب تک پوری نہیں کر لے گا؟ رات میری ہدایات کی وجہ سے چپ رہا تھا مگر آج جب واپس آفس کی طرف گیا تو وہ سیدھا امجد خان کے پاس حوالات میں پہنچا تھا۔ وہاں جاتے ہی اس نے اس لڑکے یا زکی اچھی خاصی پٹائی کر ڈالی تھی آپ کو بتایا تو ہے کہ اچھا خاصا فائٹر ہے وہ اس معاملے میں اس کے چند وار ہی مقابل کو ادھ موا کر دینے کو کافی ہیں۔ وہ تو خیر ہوئی کہ امجد خان اور ساتھیوں نے زبردستی اسے وہاں سے نکال دیا تھا مگر جس طرح کے مصطفیٰ کے تیور تھے مجھے نہیں لگتا کہ دوبارہ سامنا ہونے پر وہ اس لڑکے کو زندہ چھوڑے گا۔ امجد خان نے پریشان ہو کر مجھے کال کی تھی تو مجھے وہاں فوراً جانا پڑا۔ بڑی مشکل سے مصطفیٰ کو لے کر آیا ہوں..... مگر اس کا جوش کسی بھی طرح کم نہیں ہو رہا۔'' انہوں نے تاسف سے سب بتایا۔
''اچھا خاصا اس لڑکے پر تشدد کیا ہے اگر اس کے باپ تک بات پہنچ گئی تو اتنا شور بن سکتا ہے ٹھیک ہے وہ ہمارے قبضے میں ہے مگر ہم بھی یہ سب قانون و قاعدے کے تحت کر رہے ہیں تو اب مصطفیٰ کو بھی خود پر کنٹرول کرنا ہوگا مگر اس کے ذہن میں میرے بہت سمجھانے پر بھی یہ بات فٹ نہیں ہو پا رہی۔''
''میرے اللہ..... اب وہ کدھر ہے؟''
''پتا نہیں مجھ سے بھی خفا ہو کر کہیں نکل گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس شخص نے ہمارے خاندان کی خواتین پر ہاتھ اٹھایا ہے یہ جرم نا قابل معافی ہے وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میرے سمجھانے کے باوجود بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔'' وہ مصطفیٰ کو لے کر خاصے پریشان لگ رہے تھے۔
''مجھے چاہیے تھا کہ اسے رات میں ہی گھر واپس بھیج دیتا اور خود ہی سارا معاملہ ہینڈل کرتا۔ شروع سے ہی اس قدر جنونی رہا ہے جو بات ذہن میں بیٹھ گئی وہیں بیٹھ گئی۔ اسے ہوسٹلوں میں اسی لیے تو رکھا تھا کہ اس کی طبیعت کا یہ جنونی پن ختم ہو مگر وہاں جا کر بھی نجانے کیا کچھ کرنے لگ گیا تھا پریشان ہو کر پھر میں نے بلیک بیلٹ فائٹنگ کی ٹریننگ میں لگا دیا۔ یہ جنون تو کم ہوا مگر باہر جا کر بھی یہی کچھ کرتا رہا ہے ہمیں کیا پتا تھا اتنا بڑا فائٹر بن جائے گا۔ پاکستان آتے ہی اس نے کہا کہ وہ یہ جاب کرنا چاہتا ہے اس کا اس چیز میں انٹرسٹ ہے میں نے بھی ہامی بھر لی۔ اس کا شوق دیکھتے اس کی تربیت کروالی۔ امتحان دلوایا اتنا عرصہ نارمل ہی رہا ہے۔ اب ایک دم پھر وہی جنونی پن میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔'' وہ واقعی خاصے پریشان تھے۔
''آپ کے پاس تابندہ کی کوئی کال آئی؟'' انہوں نے بیگم کو دیکھا۔
''نہیں میرے پاس تو نہیں آئی شہوار کا ہمیں پتا نہیں۔''
''اور شہوار کا کیا حال ہے؟ کوئی بات چیت کر رہی ہے کہ نہیں یا ابھی تک کمرے ہی میں بند ہے۔''
''ہاں آپ لوگوں کے جانے کے بعد ناشتا کرنے نکلی تھی۔ رات والی حالت تو نہیں مگر پھر بھی ایک شدید صدمے سے گزری ہے اب آہستہ آہستہ ہی سنبھلے گی۔''
''ہوں..... اور اس کے چہرے کا زخم؟''
''عائشہ کو مسلسل اس کے ساتھ ہی لگایا ہوا ہے میں نے آتے جاتے مرہم لگا رہی ہے نیل قدرے کم ہوئے ہیں۔ اب جو جلد کے اندر زخم ہوا ہے وہ تو آہستہ آہستہ ہی ٹھیک ہوگا نا۔''

''مصطفیٰ کی جو کنڈیشن ہے میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے دیر نہیں کرنی چاہیے اب تابندہ سے بات کرتے ہیں مصطفیٰ کا شہوار کی طرف رجحان میں اچھا خاص محسوس کر رہا ہوں وہ اس قصے میں اس قدر جذباتی شہوار کی ہی وجہ سے ہو رہا ہے۔ تابندہ سے بات کر کے نکاح تو ہو جائے مصطفیٰ کی توجہ بھی بٹ گئی اور اس کا جوش بھی کم پڑ جائے گا۔ مصطفیٰ کے لیے شہوار جیسی لڑکی کا انتخاب کیا ہی اس لیے تھا کہ مصطفیٰ کو اس جیسی لڑکی ہی ہینڈل کر سکتی ہے۔ وہ ٹھنڈے سبھاؤ اور مزاج والی لڑکی ہے۔'' وہ مصطفیٰ والے واقعے کو لے کر خاصے پچھتا رہے تھے انہوں نے تفکر سے سر ہلا دیا۔

''یہ سب تو ٹھیک ہے مگر وہ شہوار بھی تو راضی ہو؟ اس دن تابندہ نے آپ کو بتایا تو تھا۔''

''شہوار کو راضی کرنا اتنا بڑا مسئلہ نہیں وہ میں خود دیکھ لوں گا۔ اس کے اعتراضات عام نوعیت کے ہیں۔ ان کو ہینڈل کرنا مشکل نہیں۔''

''آپ مجھے یہ فون دیں میں ابھی تابندہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' شاہزیب صاحب کا انداز حتمی تھا۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر دھرا سیٹ اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

''ہیلو۔'' انہوں نے کال ملائی تو دوسری طرف کوئی ملازمہ تھی۔

''میں شاہزیب بات کر رہا ہوں تابندہ بی کو بلواؤ۔'' انہوں نے حکم دیا۔

''اسلام علیکم صاحب جی ابھی بلواتی ہوں۔'' وہ فوراً ریسیور رکھ کر چلی گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ہی تابندہ لائن پر تھیں۔

''اسلام علیکم۔''

''وعلیکم اسلام کیسی ہیں آپ؟'' انہوں نے پوچھا۔

''اللہ کا بڑا کرم ہے آپ سنائیں۔''

''ہم بھی سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ بابا صاحب کیسے ہیں..... اب طبیعت کیسی ہے ان کی؟'' انہوں نے مزید پوچھا۔

''طبیعت تو خاصی سنبھل گئی ہے۔ ڈاکٹر دن میں کئی بار چیک کرتا ہے۔ پھر ہم سب توجہ بھی دے رہے ہیں۔ اب تو وہ خود کمرے سے نکل کر حویلی میں گھوم پھر لیتے ہیں۔''

''ویل ڈن..... بہت اچھی امپرومنٹ ہے۔ زینب آپا اور زہرہ موجود ہیں یا چلی گئی ہیں؟''

''زینب آپا تو کل شام میں رخصت ہوئی تھیں زہرہ ابھی موجود ہیں۔''

''مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے ذرا توجہ سے میری بات سنیئے گا۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو دوسری طرف وہ الجھیں۔

''جی کہیے میں سن رہی ہوں۔''

''اس رات جب بابا صاحب کی خراب طبیعت کے متعلق ہمیں اطلاع ملی تھی تو ہم مصطفیٰ اور شہوار کے رشتے کو ہی ڈسکس کر رہے تھے اور آپ ہمیں شہوار کے راضی نہ ہونے کی وجہ بتا رہی تھیں؟'' انہوں نے کہنا شروع کیا۔

''جی۔'' وہ سنبھل گئیں۔ وہ پتا نہیں مزید کیا کہنا چاہتے تھے۔

''مزید اس موضوع پر پھر ہماری بات نہ ہو سکی تھی۔ مگر اب میں آپ سے دونوں کے نکاح کی تاریخ مانگ رہا ہوں۔ اسی ہفتے کی کوئی تاریخ دے دیں۔ بابا صاحب سے بھی صلاح مشورہ کر لیں بلکہ میں خود ان کو کال کر کے پوچھ لیتا ہوں۔ آپ بتائیں آپ کی کیا رائے ہے؟'' انہوں نے ایک دم عجلت میں سب کہا تو وہ حیران رہ گئیں۔

''اتنی جلدی مگر یہ کیسے ممکن ہے اور شہوار وہ تو سرے سے راضی ہی نہیں.....!''

''بچے اس ایج میں ایسے ذہنی کرائسز سے گزرتے رہتے ہیں۔ شہوار سے میں خود بات کروں گا۔ کیا آپ کو ہم پر ہمارے خاندان پر یا مصطفیٰ پر کوئی شبہ ہے؟'' وہ پوچھ رہے تھے دوسری طرف سے تابندہ بی فوراً کہا تھی۔

''نہیں مصطفیٰ تو بہت اچھا لڑکا ہے شہوار کا نصیب ہے میری بھی شدید خواہش ہے مگر شہوار بھی میری ایک ہی بیٹی ہے اس کی مرضی کے بغیر کیسے کچھ کر سکتی ہوں۔ کسی کو پرکھنے کے لیے ایک لمحہ کافی ہوتا ہے میں نے برسوں آپ لوگوں کے ساتھ گزار دیے ہیں پھر بھی شبہ والی گنجائش نکل آئے؟ ناممکن سی بات ہے مجھے آپ لوگوں پر اپنی ذات سے بڑھ کر بھروسہ ہے۔''

''تو پھر بالکل بے فکر ہو جائیے۔ شہوار کے ری ایکشن کو ذہن پر مت لیں۔ وہ آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی۔ میں خود بات کروں گا۔ ہر ایک کو میں نے مصطفیٰ اور شہوار کے

رشتہ طے ہو جانے کی خبر دے دی ہے۔ خاندان میں ہر کوئی باخبر ہے ایسے میں ہم پیچھے ہٹیں گے تو بہت سے سوال اٹھیں گے۔ یہ ہماری زبان اور ہماری آن کی بات ہے۔ پھر بتائیں نکاح کی کون سی تاریخ درست رہے گی۔" ان کا اس قدر حتمی اور قطعی دوٹوک انداز تھا کہ تابندہ بی ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی تھیں۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ شہوار کیسی ہے؟ آج اور کل سارا دن مجھے وقت ہی نہیں ملا کہ اسے کال کرتی۔ وہ ٹھیک تو ہے نا؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"جی بالکل ٹھیک ہے آپ سے ایک اور فیور بھی درکار ہے آپ جب تک یہ سارا پروسس فائنل نہیں ہو جاتا شہوار سے بات نہیں کریں گی۔ وہ بچی ہے اس معاملے میں خاصی جذباتی ہے میں خود ہی ہینڈل کر لوں گا۔"

"جی ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" انہوں نے ہامی بھر لی تھی۔

"اوکے...... پھر شہوار سے بات کر کے اور پھر بابا صاحب سے فائنل بات کر کے میں آپ کو ایگزیکٹ ڈیٹ بتا دیتا ہوں یا پھر آپ تاریخ فائنل کر دیں۔"

"جی ٹھیک ہے آپ ہی فائنل کر لیں۔" انہوں نے ہامی بھری۔

"اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو مہر النساء بیگم نے فوراً کہا۔

"تابندہ مان گئی؟"

"جی...... آپ ایسا کریں میرے ساتھ ابھی شہوار کے پاس چلیں۔ میں اب اس معاملے کو لٹکانا نہیں چاہتا۔ جتنی جلدی فائنل ہو بہتر ہے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

دونوں شہوار کے روم میں آئے تو وہ بالکل اکیلی کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ دونوں کو دیکھ کر وہ بستر پر آ بیٹھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری بیٹا۔" دونوں اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے تھے۔

"جی ٹھیک ہوں۔" وہ ابھی بھی چادر چہرے پر لیے ہوئے تھی ہاں البتہ وہ لباس بدل چکی تھی۔

"ہمیں آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی۔" شاہزیب صاحب نے کہا تو شہوار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"جی کہیے۔"

"آپ ہمیں کیا حیثیت دیتی ہیں؟" انہوں نے پوچھا تو وہ الجھی۔ نجانے وہ ایسا سوال کیوں پوچھ رہے تھے۔

"آپ کی میں بہت عزت کرتی ہوں۔ زندگی کے ہر میدان میں بابا صاحب کے بعد آپ نے جس طرح ایک باپ کی طرح میرے سر پر ہاتھ رکھا ہے میرا خیال کیا ہے مجھے ہمیشہ ایک تحفظ کا احساس دلایا ہے آپ کی ذات میرے لیے بہت اہم ہے۔" اس نے دل میں موجود جذبات کہہ دیئے تو وہ مسکرا دیے۔

"مجھے آپ کے جذبات کے اظہار پر بہت خوشی ہوئی ہے۔ آپ کی زندگی کا کوئی بھی فیصلہ کرنے میں مجھے کس قدر اختیار حاصل ہے آپ مجھے یہ بتائیں۔" بہت شفقت سے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو وہ حقیقتاً چونکی۔

"اس سوال کا کیا پس منظر ہو سکتا ہے؟" وہ اندر ہی اندر الجھی۔

"آپ جو بھی حکم کریں میں آپ کی ہر بات مانوں گی مگر اس سوال کا مطلب؟" شاہزیب صاحب نے اپنی بیگم کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں اب اگلی بات آپ کریں۔

"کل جو بھی واقعہ ہوا اس سے ہمیں بہت تکلیف ہوئی ہے۔ اس لیے ہم نے اسی ہفتے آپ اور مصطفیٰ کے نکاح کا فیصلہ کیا ہے۔"

"جی...... !" مہر النساء بیگم نے بتایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"تابندہ نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ اپنے خاندانی مسئلے کو لے کر خاصی جذباتی ہو رہی ہیں۔ انہوں نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ آپ مصطفیٰ کے ساتھ اس رشتے پر ابھی بالکل راضی نہیں ہیں ہم آپ کے جذبات کو اہمیت دیتے ہیں مگر شہوار بیٹا اس واقعے کی روشنی میں ہمارا یہ فیصلہ بہت ضروری تھا۔ اس لیے ہم آپ سے یہ بات کرنے آئے تھے امید ہے آپ کو اعتراض نہیں ہو گا۔" شاہزیب صاحب کا دوٹوک اور فیصلہ کن انداز دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

وہ جو سرے سے اس رشتے پر ہی راضی نہ تھی ان کا فیصلہ سن کر گم سم ہو گئی۔ بھلا اتنی عجلت میں یہ سب کیسے ہو سکتا ہے؟

''ہمارے لیے ان حالات میں آپ کے تحفظ کے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت ضروری تھا۔ ایاز جیسے لوگوں کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ بس یہ حفاظتی اقدام سمجھ لیں آپ۔'' وہ مزید کہہ رہے تھے۔

''مگر یہ کیسے ممکن ہے میں تو.......!'' اس نے گھبرا کر مزید کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''خاندانی لحاظ سے بعض فیصلے بہت اہم ہوتے ہیں۔ عام طور پر ہم فیصلہ کرتے ہوئے کسی کا مالی و نسبی معیار ضرور دیکھتے ہیں مصطفیٰ ہمارا سب سے لاڈلا اور پیارا بیٹا ہے اس کے لیے ہماری چوائس بھی سب سے اعلیٰ تھی۔ میں نے زندگی میں ہمیشہ اسے سب سے اعلیٰ معیار زندگی مہیا کرنے کی کوشش کی ہے تعلیم ہو شوق ہو لباس ہو یا رہن سہن ہر چیز اس کو بہت اعلیٰ سطح کی مہیا کی ہے تو پھر اس کا لائف پارٹنر ایک عام درجے کا انسان بھلا کیونکر ہو سکتا تھا؟ سو آپ میرا انتخاب ٹھہریں۔ آپ اپنے والدین کے متعلق سوال کرتی ہیں تو ایک سوال کا مجھے بھی جواب دیں کیا آپ کو اپنے والد کے آئی ڈی کارڈ پر کوئی شک ہے؟'' وہ پوچھ رہے تھے اور وہ ایک دم نفی میں سر ہلا گئی۔

ہاں اپنے والد کی شناخت کے لیے اس کے پاس اپنی ذات کو تسلیم کرنے کے لیے صرف آئی ڈی کارڈ ہی تو تھا۔ وہ آئی ڈی کارڈ جو اس کی ماں کے پاس اس کے والد کی ذات کے متعلق واحد ثبوت تھا۔

''تو پھر کس چیز پر آپ کو اعتراض ہے؟'' وہ پوچھ رہے تھے وہ گم صم ہو گئی تھی۔ اس کے اندر سوالات کی ایک بوچھاڑ تھی۔ اگر اس کی ذات کو تسلیم کر لیے جانے کے لیے ایک آئی ڈی کارڈ کافی تھا تو پھر دنیا کے بتائے ہوئے باقی مالی معیارات کہاں تھے؟ ان کو یہ لوگ کیوں نہیں دیکھ رہے تھے؟ وہ اگر قدم قدم پر ذلت سہہ رہی تھی تو کیوں؟ ایاز جیسا بد باطن آوارہ بدمعاش اس کے پیچھے لگا تھا تو کیوں؟ کوئی بھی کہانی بغیر وجہ کے جنم نہیں لیتی تو اس کہانی میں اس کا کردار کیا تھا؟ عادل جیسی خواتین اسے کم حیثیت گندہ خون ہونے کے طعنے کیوں دیتی تھیں؟ کوئی وجہ تو تھی نا اس سارے سیٹ اپ کے پیچھے چھپی تھا؟ اگر وہ ایک آئی ڈی کارڈ کی محتاج تھی تو اس کی ماں باقی کی کہانی کیوں چھپائے ہوئے تھیں۔ آخر کیوں...... اور یہ لوگ اس سے رشتہ جوڑنے پر اتنے بضد کیوں تھے؟ اس کو یہ سارے اعتراضات تھے مگر وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ وہ بالکل گم صم اور گونگی بن گئی۔

''آپ مجھے اپنے والد کی جگہ سمجھتی ہیں۔ تو کیا ایک والد اپنی بیٹی کے لیے کوئی غلط فیصلہ کر سکتا ہے؟'' وہ پوچھ رہے تھے شہوار کو لگا کہ اس کے لبوں پر تالا لگ گیا ہے اس نے بے انتہا اذیت سے انہیں دیکھا وہ چاہ کر بھی انہیں کہہ نہ سکی کہ۔

''اگر یہ فیصلہ ہو گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے اپنی ذات کا سارا مان سارا غرور سارا فخر کھو دے گی اور پھر وہ کبھی بھی اس خاندان کے کسی بھی فرد کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکے گی۔ کسی کے بھی سامنے ٹھہر نہیں سکے گی۔'' یہ کیسی زندگی تھی وہ چاہ کر بھی فیصلے کا اختیار نہیں رکھتی تھی۔ اس کا شدت سے جی چاہا کہ اپنی ذات کو یہیں کہیں ختم کر کے دفن کر ڈالے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ مگر یہ سب اتنا آسان کب تھا؟ وہ تو ہمیشہ سے جانتی تھی کہ اگر بات ان بڑوں تک پہنچی تو وہ ان لوگوں کی محبتوں کے کے قرض تلے دب جائے گی ان کے احسانات کے بدلے ایک لفظ بھی نہ کہہ پائے گی اور اب اس کے اندر ایک طوفان بلاخیز اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر لفظ کو نگے ہو گئے۔

''شہوار بیٹا! پھر میں سمجھوں کہ آپ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں؟'' وہ مزید کہہ رہے تھے وہ لب دانتوں تلے دبائے ایک دم شدت سے رو دی تو مہر النساء بیگم نے اسے بہت تڑپ کر اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''بٹیا...... دل میں کوئی خیال مت لانا۔ یوں سمجھو تمہاری اور مصطفیٰ کی حفاظت کے لیے یہ فیصلہ بہت ضروری تھا۔ تمہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے فیصلے کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔'' اسے شدت سے روتے دیکھ کر ان کے دل کو بھی تکلیف ہوئی تھی مگر خود کو نارمل رکھتے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کے رونے میں مزید شدت در آئی۔

''میں زبردستی نہیں کر رہا مگر یوں سمجھو بعض فیصلوں کو وقت پر کر لینا بہت ناگزیر ہو جاتا ہے۔'' وہ مزید کہہ رہے تھے۔

''اور یہ فیصلہ بھی انہی ناگزیر فیصلوں میں سے ایک ہے۔'' وہ اس کا سر تھپتھپا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

وہ باہر نکلے تو مہر النساء بیگم کے سینے پر سر رکھے وہ شدت سے رو دی۔

❀......☆☆......❀

وہ تینوں شاپنگ کرتے ہوئے کافی خوشگوار موڈ میں تھے۔ ادھر سے ادھر پھرتے مال میں گھومتے ولید نے کافی کچھ خرید لیا تھا۔

''آپ لوگ ادھر دیکھ لیں میں نے ادھر کچھ چیزیں دیکھنی ہیں بابا کے لیے لے لوں۔'' روشی ولی اور انا کو کہتے دوسری طرف چلی گئی تھی۔

''تم بھی کچھ لے لو انسان شاپنگ کے لیے آئے اور خالی ہاتھ جائے ناممکن سی بات ہے۔'' اسے اپنے ساتھ یونہی گھومتے دیکھ کر ولید نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔
''نہیں...... آل ریڈی ہی ماما بھائی پاپا اتنا کچھ لا کر دیتے رہتے ہیں کہ میری الماری منہ تک بھری پڑی ہے۔ ماما کی بوتیک میں جو بھی نیا اسٹائل آتا ہے وہ سب سے پہلے میرے لیے لے آتی ہیں۔ ایسے کئی سوٹ ہیں جن کو میں نے آج تک ہاتھ تک نہیں لگایا۔ پھر ان کے ساتھ میچنگ جیولری جوتے باقی اشیا وغیرہ گنجائش ہی نہیں رہتی اب تو کسی نئی چیز کے لیے۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔
''چلو میری جیب سے ہی کچھ لے لو پھر کہو گی کہ مطلبی انسان ہوں اپنی شاپنگ کر لی تمہیں ایک چیز بھی نہیں لے کر دی۔'' وہ کہہ رہا تھا انا نے جواباً کچھ کہنا چاہا کہ ولید کا موبائل بجنے لگا۔
''ایک منٹ یہ پکڑو ذرا۔'' وہ خالی ہاتھ تھی ولید نے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز اسے تھمائے اور موبائل نکال کر کان سے لگایا۔
''وعلیکم السلام کیا حال چال ہیں؟'' وہ خاصے پرجوش انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز پر چونک کر انا نے اسے دیکھا۔
وہ انا کو اپنی طرف دیکھتا پا کر مسکرا کر ابھی آنے کا اشارہ کرتے چند قدم فاصلے پر جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ کسی سے ہنس ہنس کر بات کر رہا تھا۔ اس کی شخصیت اس قدر سحر طاری ہو رہی تھی اوپر سے اس کی گفتگو کا دلنشیں انداز وہ دنیا کی ہر چیز بھلائے بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔
''یہ کس سے اس قدر مسکرا کر بات کر رہا ہے؟'' کال کافی طویل ہوتی جا رہی تھی۔ انا کے اندر کھد بدی ہونے لگی۔
''کیا دوسری طرف کوئی لڑکی ہے؟'' اس احساس نے گویا اس کے وجود میں زہر گھول دیا تھا۔ وہ پھر وہاں ایک پل بھی نہیں رکی تھی قدم خود بخود ولید کی طرف بڑھنے لگے تھے۔
''او کے پھر کچھ دیر بعد ڈنر پر ملاقات کرتے ہیں۔'' اسے اپنے پاس آتے دیکھ کر ولید کہہ رہا تھا۔
''ڈونٹ وری...... نہیں...... اس وقت تو بزی ہوں۔ روشی کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلا تھا۔'' وہ مزید کہہ رہا تھا وہ ولید کے پاس آ رکی تھی۔
''او کے...... لیٹ سی یو آن ڈنر...... ڈن۔'' نجانے کون تھا یا تھی۔ وہ بس ولید کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے اندر کوئی احساس بڑا تکلیف دہ اور اذیت بخش تھا۔
''وہ...... ہوں...... پھر ملتے ہیں او کے۔'' اپنی طرف انا کو متوجہ دیکھ کر اس نے چند اختتامی جملے کہتے کال بند کر دی تھی۔
''کس کی کال تھی؟'' وہ خود کو کہنے سے نہ روک پائی تھی۔
''تم نے کچھ بھی نہیں لیا یار کچھ لے لو۔'' وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے کہہ رہا تھا۔ انا کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا۔
''مجھے کچھ نہیں لینا۔'' اسے لگا اس کا وجود ایک دم برف کی سل میں ڈھل گیا ہے۔ وہ سختی سے کہتی پلٹی تھی۔ اسے ولید کا نظر انداز کرنا بہت برا لگا تھا۔ وہ اس شخص کے لیے کیا سے کیا ہو رہی تھی اور اس شخص کو پرواہ ہی نہیں تھی۔ کیسے بے پروائی سے اس کا سوال ٹال گیا تھا۔ ایک وجود آپ کے لیے مر جائے اور ہمیں ذرا بھی فیلنگ بھی چھو کر نہ گزریں۔ یہ کیسا تکلیف دہ احساس تھا۔ وہ سلگ اٹھی۔
''ابھی تمہارا گفٹ ابھی تک مجھ پر ڈیو ہے وطن واپسی پر سب کے لیے کچھ نہ کچھ لایا تھا سوائے تمہارے کہ مجھے تمہاری پسند کا علم نہ تھا۔ موقع اچھا ہے۔ لگے ہاتھوں لے لو کچھ۔'' وہ اس کے ساتھ قدم ملاتا مسکرا کر کہہ رہا تھا۔
''گفٹ وہی اچھا لگتا ہے جو وقت پر دیا جائے اور جو چیز وقت گزر جانے کے بعد ملے وہ یا تو بوجھ ہوتی ہیں یا پھر قرض اور میں نے آپ سے کبھی کسی گفٹ کا تقاضا تو نہیں کیا؟ گفٹ تو دل کی تمام تر آمادگی رضا مندی اور خوشی سے دیے جاتے ہیں جبکہ بوجھ اور قرض تو کسی ناخوشگوار احساس کی طرح کندھوں سے اتارے جاتے ہیں۔'' اس کا انداز اتنا سنجیدہ اور دو ٹوک تھا کہ ولید نے نہایت چونک کر اسے دیکھا۔ انا کی آنکھوں میں بڑا اہلکتا سا احساس تھا۔
''مطلب؟'' ولید نے اپنی خوب صورت دل کش آنکھیں انا کے چہرے پر ٹکائیں تو وہ بے چینی سے سر جھکا گئی۔
''مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ کہہ کر چلنے لگی تو ولید بھی ہمقدم ہوا۔
''یہ تمہارے موڈ کو ایک دم کیا ہوا ہے...... یہ اتنی سنجیدہ کیوں ہو رہی ہو؟'' وہ متفکر ہوتے پوچھ رہا تھا۔ انا اب بھی بالکل چپ رہی۔ ولید نے بغور اس کا انداز نوٹ کیا۔
وہ تیکھے تیور لیے چہرے پر بلا کی سنجیدگی طاری کیے تھا اور روڈ تاثرات سمیت بالکل گزرے دنوں والے موڈ میں واپس جاتی محسوس ہوئی تھی اس سے جبکہ آج دوپہر تک بلکہ

کچھ دیر پہلے تک تو وہ بالکل نارمل اور فریش تھی اور اب...... ؟ ایک دم اچانک ایسا کیا ہوا تھا کہ ولید کو پتا بھی نہیں چلا تھا اور انا کا موڈ بدل گیا تھا؟

''کوئی بات ہوئی ہے؟'' وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ درحقیقت انا کو دوبارہ اپنے موڈ میں جاتے دیکھ کر اسے سخت تکلیف ہوئی تھی۔

''زندگی میں حادثے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ آپ کس بات کو جاننا چاہ رہے ہیں؟'' انا کا انداز ایک دم خود اذیتی والا تھا۔ ولید نے بہت الجھ کر اس کی بات پر اسے دیکھا۔

''وہی بات جس سے تمہارا فریش موڈ ایک دم قنوطیت کی زد میں آتا جا رہا ہے۔'' انا نے سر اٹھا کر ولید کے چہرے کو دیکھا وہ واقعی کافی متفکر لگ رہا تھا۔

''آپ کو میری پروا ہے؟'' اس نے بہت روڈلی انداز میں پوچھا تو وہ حیران ہوا۔

''انا......!'' اس نے ٹوکا تو وہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی۔

''او کے...... لیو دس انا پک آئی ایم فائن۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔

''ہم سب کو تمہاری پروا ہے اور بہت زیادہ ہے۔ پھر بھی میں تمہاری اس بدلتی کیفیت کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا؟'' وہ ولید کے سوال کو نظر انداز کیے تیز تیز چلنے لگی۔

ولید نے بہت بے چارگی سے اسے دیکھا۔ یہ اتنی خوش باش فریش تر و تازہ لڑکی ایک دم اتنی روڈ کیسے ہو جاتی تھی یوں کہ پھر وہ سب احساسات کو پس پشت ڈال دیتی اور اپنی ذات میں گم ہو جاتی تھی۔ روشی بھی سامان لیے چلی آئی تو ولید نے پے منٹ کی اور پھر وہ تینوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ روشی فرنٹ سیٹ پر تھی جبکہ انا پچھلی سیٹ پر۔ روشی اس سے مسلسل باتیں کر رہی تھی جبکہ وہ۔ ہوں ''ہوں...... ہاں'' میں جواب دے رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھ کر ولید نے انا کے چہرے کو فوکس کرتے بیک ویو مرر سیٹ کیا تو بھی وہ بغیر توجہ دیے سر جھکائے نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی اذیت ناک سوچیں تھیں۔ یوں جیسے وہ اپنی ذات کے کسی بہت بڑے طوفان سے نبرد آزما تھی۔

''بھائی مجھے جیولری شاپ پر تھوڑی دیر رکنا ہے۔ رستے میں جاتے ہوئے ادھر ضرور جانا۔'' روشی کہہ رہی تھی ولید نے محض سر ہلایا۔

''انا شاید تھک گئی ہے؟'' روشی نے اس کے ڈھیلے انداز پر آہستگی سے بھائی سے کہا۔

''ہے لی۔'' اس نے کندھے اچکا دیے۔ گاڑی روشی کی نشاندہی پر جیولری شاپ کے سامنے رکی تو انا چونکی۔

''ادھر کیوں رکی؟'' وہ روشی سے پوچھ رہی تھی اس نے شاید روشی کی بات نہیں سنی تھی۔

''میں نے پھپھو کے ساتھ پچھلی بار آ کے بریسلیٹ کا آرڈر دیا تھا۔ یہی پتا کرنا ہے اگر ریڈی ہے تو لے لوں گی۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''آؤ...... تم بھی دیکھ لینا اگر بن گیا ہے تو لے لیں گے۔'' وہ کہہ رہی تھی انا خاموشی سے اس کے ساتھ چل دی تو ولید بھی گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے ان کے پیچھے چلا آیا۔

یہ اچھی بڑی جیولری شاپ تھی۔ شوکیسز اور ریکز میں رکھے جیولری باکس دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے۔ ولید انا اور روشی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں کرسیوں پر براجمان تھیں اور جیولر ان کی مطلوبہ چیز انہیں دکھا رہا تھا۔

''بھائی دیکھیں یہ بریسلیٹ بنوایا ہے۔'' روشی نے بریسلیٹ ولید کو دکھایا تو اس نے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''بہت پیارا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''مگر آپ نے جو بریسلیٹ کیتھی کو گفٹ دیا تھا اس جیسا بالکل بھی نہیں اس کا ڈیزائن مجھے نہیں بھولتا۔ میں اس جیسا بنوانا چاہ رہی تھی۔ وہ بہت پیاری اور یونیک سی چیز تھی۔ میں نے اندازاً جیولر کو پیپر پر ڈیزائن بنا کر بتایا تھا مگر پھر بھی وہ چیز نہیں بن پائی۔'' وہ اپنے بھائی کو کہہ رہی تھی انا جبکہ تو روشی کے پہلے جملے پر ہی اٹک گئی تھی۔

''آپ نے جو بریسلیٹ کیتھی کو گفٹ دیا تھا۔'' یہ کیتھی کون تھی؟

''ہاں یاد آیا...... کیتھی کو وہ بریسلیٹ بہت پسند آیا تھا۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو روشی ہنسی۔

''آہا...... پسند کیوں نہ آتا بریسلیٹ سے زیادہ تو گفٹ دینے والی کی شخصیت کا چارم تھا جس میں وہ پوری طرح جکڑی ہوئی تھی۔'' روشی کے انداز میں شرارت تھی ولید بڑے محظوظ کن انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''بکو مت......!''

''کیتھی سے رابطہ رہتا ہے کیا؟'' روشی مزید پوچھ رہی تھی اس کے انداز میں چھیڑنے والی شرارت تھی وہ ہنس دیا۔

''ہوں...... اکثر اس کی کال آ جاتی ہے۔'' انا نے چونک کر ولید کو دیکھا تو کیا تھوڑی دیر پہلے وہ اسی سے بات کر رہا تھا۔

"مگر اس میں ڈنر پر ملنے کا کوئی پروگرام طے ہوا تھا؟" وہ الجھ گئی تھی۔
"یہ کینجی کون تھی۔ کہاں کی رہنے والی تھی اور ولید سے کیا تعلق تھا اس کا۔"
"ہاں بھی کال کیوں نہ کرے محترمہ آفتر آل برسوں کا ساتھ تھا آپ لوگوں کا۔" روشی کہہ رہی تھی۔
انا کو لگا کہ اس ماحول میں وہ چند منٹ مزید رکی تو وہ ضبط کھو دے گی یا پھر اس کا موڈ بہت بری طرح ری ایکٹ کرے گا۔
"روشی.....چلیں.....!" وہ ایک دم اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید اس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر اب اسے کسی چیز کی پروا نہ تھی وہ صرف روشی کی طرف متوجہ تھی۔
"رکو تو.....کچھ پے منٹ کر چکی ہوں اس کے باقی ڈیوز پے کر دوں پھر چلتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی اسے ابھی تک انا کے بدلتے موڈ کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔
"تم پے منٹ کر کے آجانا میں باہر جا رہی ہوں۔" وہ ولید کی نگاہیں مسلسل اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی سو اب رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے وہ فوراً وہاں سے نکل آئی۔ ولید نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔
"اسے کیا ہوا ہے؟" روشی کہہ رہی تھی۔
"چھوڑو اسے تم اپنا کام کرو۔" ولید کی آواز سنائی دی تو اسے اپنی آنکھوں میں نمی اکٹھی ہوتی محسوس ہوئی۔
"یا اللہ.....کیوں ہوتی جا رہی ہوں میں اس قدر ریچی؟" اس کے اندر ایک دم غبار اٹھا۔
"ایسا کیوں ہوتا ہے کیوں مجھے اپنے موڈ اپنے جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ اس شخص کی طرف سے بے پروا کیوں نہیں ہو جاتی؟ اس کی زندگی میں پہلے کوئی بھی ہو مجھے کیا ظاہر ہے وہ ایک عرصہ باہر کی دنیا میں گزار کر آیا ہے شاندار شخصیت کا مالک ہے کسی نہ کسی سے کمٹمنٹ تو ہوگی نا۔ یہ یکطرفہ احساسات بھی بعض اوقات کتنی اذیت دیتے ہیں۔ اچھا ہے نا یہ لوگ بے خبر ہیں کم از کم خود کو سنبھالنا تو آسان ہوگا۔"
گاڑی لاک تھی وہ بس اس کے پاس آکر کھڑی ہوئی آنکھوں کی نمی کو پوروں سے چن لیا۔ شیشے کے پار ولید اور روشی ابھی بھی کھڑے تھے وہ مسلسل ولید ضیاء کو دیکھے گئی۔
"بعض اوقات یہ یکطرفہ جذبات کس قدر اذیت سے دوچار کرتے ہیں۔ بس ثابت ہوا کہ اگر اسی طرح اس جنون میں الجھی رہی تو کسی روز بالکل پاگل ہو جاؤں گی اور مجھے یہ ذلت گوارا نہیں۔ ہاں اب خود کو سنبھالنا ہوگا۔ محبت شاید اسی اذیت کا نام ہے مگر کسی کی نظروں سے گرنا گوارا بھی تو نہیں۔ اب سنبھلنا ہوگا۔ ولید اب پریشان ہونے لگا ہے میرے رویوں سے۔ نجانے کیا کچھ سوچتا ہوگا میرے بارے میں۔ اس سے پہلے کہ بات بہت بڑھے انا بی بی ہوش کے ناخن لو۔" وہ دونوں بہن بھائی پے منٹ کر کے پرسلیف کا ڈبہ لیے باہر آ رہے تھے۔ اس نے رخ موڑتے آنکھوں میں موجود نمی پوروں سے صاف کی اور حتی المقدور خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔
"بس یہ آخری بار اب اور نہیں۔" اس نے خود کو سمجھایا۔
"انا کیا بات ہے تم باہر کیوں آ گئی تھیں؟" روشی قریب آ کر کہہ رہی تھی وہ رخ اس کی طرف کرتے دھیرے سے مسکرا دی۔
"بس یونہی۔" ولید نے گاڑی ان لاک کرتے اس کو دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکراتی عجیب سے غم سے دوچار لگی یوں جیسے کوئی بہت زبردستی اپنی ذات پر جبر کرتے محض دوسروں کا دل رکھنے کے لیے مسکراتا ہے۔ بڑی اذیت ناک ہنسی تھی اس کی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر ساتھ ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔ روشی گاہے بگاہے اس سے بات کر رہی تھی۔ اب کے انا ہوں ہاں کرنے کے بجائے مختصراً جواب دے رہی تھی یوں جیسے خود کو پہلے والے فیز سے نکالنا چاہ رہی ہو۔ ولید بیک ویو مرر سے اس کو گاہے بگاہے دیکھتا رہا تھا۔

گاڑی گھر کے گیٹ پر رکی تو چوکیدار نے گیٹ کھولنا چاہا تب ولید نے منع کر دیا۔
"کیوں.....اندر نہیں جانا کیا؟" روشی پوچھ رہی تھی۔
"نہیں مجھے ایک کام سے کہیں اور بھی جانا ہے۔" ولید کہہ رہا تھا۔ انا خاموشی سے اپنی طرف والا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔
"کدھر جانا ہے؟" روشی پوچھ رہی تھی۔ پتا نہیں اس نے جواب میں کیا کہا تھا اور پھر روشی نے کیا کہا تھا وہ رکے بغیر تیزی سے گیٹ پار کرتے اندر چلی آئی تھی۔ ولید نے اس کے اندر داخل ہونے پر ایک گہرا سانس لیا تھا۔

❁.....☆☆.....❁

ولید نے گاڑی روکی تو مصطفیٰ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔
"السلام علیکم!" سیدھا ہو کر اس نے ولید سے ہاتھ ملایا۔
"وعلیکم السلام!"
"یہاں کہاں گھوم رہے تھے؟" ولید نے سرسری سا پوچھا۔
"بس یونہی موڈ ہو رہا تھا۔" مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔ ولید نے بغور دیکھا۔ اچھی طرح ڈریس اپ تھا مگر چہرے کے تاثرات بہت سنجیدہ تھے۔
"خیریت؟ آج آفس نہیں گئے تھے یا محکمے والوں نے نکال باہر کیا؟" مصطفیٰ نے بس ولید کو ایک نگاہ دیکھا اور سر جھٹک دیا۔
"گاڑی چلاؤ، میرا پوسٹ مارٹم بعد میں کر لینا۔" اسے اپنی طرف مسلسل مشکوک نگاہوں سے دیکھتے پا کر مصطفیٰ نے تنگ کر کہا تو ولید ہنس دیا۔
"شیور۔" ولید نے فوراً گاڑی بڑھائی۔
"ویسے دریافت کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ عزت مآب کا موڈ کیوں آف ہے۔" ولید نے گاڑی ڈرائیو کرتے شرارت سے پوچھا تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرا دیا۔
"نہیں خیر...... موڈ تو آف نہیں تھا۔"
"تو پھر ادھر ادھر کیوں گھوم رہے تھے اور گاڑی کدھر ہے تمہاری؟"
"گاڑی آج کچھ پرابلم کر رہی تھی آفس میں ہی چھوڑ آیا ہوں۔ وہاں سے کوئی کانسٹیبل ورکشاپ لے گیا ہوگا۔ گھر جانے کا فی الحال موڈ نہیں ہو رہا تھا سوچا کہ تم سے ہی مل لیا جائے تو ادھر آ نکلا۔ سامنے موجود پارک میں کچھ وقت گزار لیا، تمہیں کال کر لی۔ تم تو شاید روشی کے ساتھ شاپنگ میں بزی تھے۔" وہ کہہ رہا تھا۔
"ہوں...... آج ذرا جلدی آفس سے نکل آیا تھا۔" وہ مہارت سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔
"کہاں چلیں؟" ولید نے ہی پوچھا۔
"جہاں بھی لے چلو۔ آج اس وقت خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔
"واہ...... صدقے جاواں...... ایک بہت بڑے پولیس آفیسر اور میرے رحم و کرم پر؟" ولید نے نظر بھر کر مسکراہٹ سے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔
"چلو کسی اچھے سے ریسٹورنٹ سے کھانا کھلاؤ مگر ذہن نشین رہے کہ کھانا بہت ہلکا پھلکا ہو۔" مصطفیٰ نے ہنس کر کہا۔
"اپنے گھر ہی نہ لے چلوں؟ اس وقت ڈنر ٹائم ہے۔ بابا بھی کئی بار کہہ چکے ہیں کہ تمہیں اپنے گھر انوائیٹ کروں باقاعدہ کسی دن لے کر آؤں۔ سبھی لوگ تمہیں دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔" وہ کہہ رہا تھا، مصطفیٰ نے پرسوچ نظروں سے دیکھا۔
"آئیڈیا برا نہیں مگر تمہاری فیملی کے لوگ مجھ بن بلائے مہمان کو دیکھ کر پریشان تو نہیں ہوں گے نا؟"
"میری فیملی کس نیچر اور مزاج کی ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ بابا تمہیں مجھ سے کم حیثیت نہیں دیتے۔ روشی تمہیں اس طرح عزت دیتی ہے جیسے وہ مجھے دیتی ہے۔ اس کے باوجود تم اس قسم کے محاورے بولو گے تو مجھے شدید دکھ ہوگا۔" ولید کا انداز ناراضی والا ہوا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔
"میرا کہنے کا مطلب تھا کہ تم لوگ اپنی پھپھو کی فیملی کے ساتھ رہتے ہو ٹھیک ہے دس سال پہلے تک میری ان سب سے اچھی خاصی بے تکلفی تھی تب میں نیا نیا امریکا سیٹل ہوا تھا مگر اس کے بعد یہ لوگ پاکستان آ گئے پھر کبھی ملنا ملانا ہی نہ ہوا۔ اب ہر ایک پرانی باتوں یا حوالوں کو یاد رکھے ضروری بھی تو نہیں۔"
"اف...... کتنے کنزرویٹو ہوتے جا رہے ہو تم؟ مجھے لگتا ہے یہ دو سال تم نے جو اپنے فیوڈل سسٹم میں گزارے ہیں یہ انہی کا اثر ہو رہا ہے تمہارے ذہن پر۔ بالکل خالص جاگیرداروں والا اپروچ ہوتا جا رہا ہے تمہارا۔" ولید نے خاصا جل کر کہا تو مصطفیٰ کا قہقہہ خاصا جاندار تھا۔
"پھپھو کی ساری فیملی بہت اچھی ہے۔ تم چلو تو سہی تمہیں اندازہ ہوگا کہ وہ لوگ کس قدر مخلص، بے لوث اور محبت کرنے والے ہیں۔" ولید اس کے قہقہے کو نظر انداز کرتے کہہ رہا تھا۔
"ہوں...... کچھ کچھ اندازہ ہو رہا ہے؟" مصطفیٰ نے خاصی شرارت سے دیکھا۔
"مطلب......؟" اس کی شرارت ایسی تھی کہ ولید نے گھورا۔

"تم جیسا ویل آف شاندار ڈریسنگ پرسنالٹی والا بھتیجا تمہاری پھپھو کو کہیں اور سے بھلا کہاں ملنے والا ہے۔" مصطفیٰ نے شرارت سے لب دانت تلے دبا کر کہا تو ولید نے غصے سے دیکھا۔

"ساری عمر باہر گزار کر بھی خالص ٹیپیکل پاکستانی تھنکنگ نہیں بدلی تمہاری۔" مصطفیٰ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"کہتے ہیں جہاں کی مٹی ہو وہ کہیں بھی چلی جائے کسی بھی رنگ میں رنگ جائے مگر اپنی خوشبو برقرار رکھتی ہے۔ لیبارٹری ٹیسٹ کروانے پر اس کی اصل شناخت فوراً واضح ہو جاتی ہے۔" مصطفیٰ نے کہا تو اس نے سر جھکا۔

"ویسے تمہاری پھپھو کی دختر نیک اختر تو بہت پیاری اور خوب صورت بچی تھی تب؟" ولید اس کی شرارت سمجھ رہا تھا اس لیے ہنس دیا۔

"وہ اب بھی ماشاء اللہ بہت پیاری خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی ضدی موڈی اور نخریلی بھی واقع ہوئی ہے اور اہم بات یہ کہ وہ اب بچی نہیں رہی۔"

"اس کا مطلب ہے خاصی بگڑی ہوئی ہستی ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں خیر وہ بگڑی ہوئی تو نہیں ہے۔" ولید نے فوراً تصحیح کی۔ "بس یہ انکل احسن اور پھپھو کے لاڈ پیار نے اچھے خاصے اثرات چھوڑے ہیں۔ آج کل میں صرف اس کی طبیعت کے بدلتے رنگوں کو ہی آبزرو کر رہا ہوں۔" ولید اس وقت اپنے گھر کے روڈ پر تھا۔

"تو پھر کیا امپرومنٹ رہی؟" ولید کے کہنے پر مصطفیٰ نے آنکھوں میں خاصی شرارت لیے پوچھا۔

"فی الحال تو تحقیق جاری ہے کوئی حتمی نتائج سامنے نہیں آ رہے۔" ولید نے بھی اس کی شرارت میں انوالو ہوتے کہا۔

"اور احسن کی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟" مصطفیٰ نے موضوع بدلا۔

"تقریباً فائنل ہے ہر چیز۔" اپنے گھر کے سامنے کار کھڑی کرتے ہارن دیتے ہوئے کہا۔

"گھر تو ماشاء اللہ بہت پیارا ہے۔" ولید نے گیٹ کھلنے پر کار پائیں باغ میں لا کر روکی تو مصطفیٰ نے بہت توصیفی نظروں سے دیکھتے کہا۔

"خیر تمہارے جاگیرانہ ٹھاٹ باٹھ کے سامنے تو یہ کچھ بھی نہیں۔" دونوں کار سے نکل آئے تھے۔ ولید کے طنز پر مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

"خیر ٹھاٹ باٹھ میں تم بھی مجھ سے کسی طور کم نہیں ہو۔"

"نہیں یار مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ تم ٹھہرے ٹھیک ٹھاک جاگیردار گھرانے کے چشم و چراغ جو سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں اور ان کے منہ سے نکلی ہر بات ان کی فیوڈل سسٹم سے بی لانگ کرنے والے والدین فوراً پوری کرتے ہیں ہم جیسے لوگ تھوڑی ہو تم۔ ہم لوگ جس کے والدین ساری عمر مسلسل جدوجہد کرتے یہ چھوٹا سا گھر اور اپنا ذاتی کاروبار بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔" ولید کی آنکھوں میں بے پناہ شرارت تھی مصطفیٰ نے تاسف سے سر ہلایا۔

"بہت بری بات ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ پاکستان آتے ہی تم اس قسم کے گھٹیا لیول کے کمپلیکسز کا شکار ہونے لگو گے..... شیم آن یو۔" ولید کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"کیا کریں آپ ٹھہرے لینڈ لارڈ۔ ڈیفنس میں کئی ایکڑ پر پھیلی شاندار کوٹھی کے مالک استعمال کے لیے ذاتی لینڈ کروزر اعلیٰ برانڈ کے ملبوسات پہننے والے انسان جب ہمیں شیم آن یو کہتے ہیں تو کچھ جچتے نہیں۔" ولید کی نوک جھونک برابر جاری تھی۔ مصطفیٰ نے خاصی برہم اور خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"یہی کچھ خیالات میرے بھی تمہارے بارے میں ہیں۔ امریکا جیسے ملک میں زبردست بینک بیلنس اعلیٰ برانڈ کی گارمنٹس امپورٹڈ پرفیومز اور کاسمیٹکس یوز کرنے والا جس کے استعمال میں اعلیٰ قسم کی کرولا ہو وہ دوسروں کو دیکھ دیکھ کر اپنی غربت کے احساس میں مبتلا ہو کسی دن اپنی انہی باتوں سے تم بری طرح پٹ جاؤ گے اور تم جانتے ہو کہ میرا ایک ہاتھ ہی تمہاری طبیعت سیٹ کرنے کے لیے کافی ہوگا۔" مصطفیٰ نے دھمکی دی۔

"اوہ میں تو بھول گیا تھا کہ میں امریکا کے ایک مایہ ناز فائٹر سے بات کر رہا ہوں۔ اوف یار معاف کر دو تم نے ڈرایا اور میں ڈر گیا۔" ولید نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی تو مصطفیٰ نے واقعی کھینچ کر اس کے کندھے پر ایک ہاتھ مارا تھا۔ ولید کراہ کر رہ گیا۔ "بڑے ظالم ہو تم۔" مصطفیٰ ولید کی ہمراہی میں سیدھا لاؤنج کی طرف آیا تھا۔ وہاں انکل اور بابا احسن سمیت موجود تھے۔

"السلام علیکم!" مصطفیٰ نے اندر داخل ہوتے سلام کیا تو تینوں افراد نے چونک کر دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو پہچان کر خوشی کے احساس سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"وعلیکم السلام۔"

"وعلیکم السلام زہے نصیب خوش آمدید۔" احسن نے شرارت سے کہا تو وہ انکل اور ضیاء صاحب سے بغل گیر ہونے کے بعد اس کے گلے لگ گیا۔

"آج جاگیر دار صاحب نے ہمارے غریب خانے پر آنے کی زحمت کیسے گوارا کرلی۔" احسن نے شرارت سے کہا تو اس نے بہت چڑ کر ولید کو دیکھا وہ ہنس دیا۔

"جاگیردار" لفظ مصطفیٰ کی چڑ تھا۔ وہاں امریکا میں بھی وہ اسے اسی نام سے یاد کرتے تھے۔ مصطفیٰ جب کئی سال پہلے پہلی بار امریکا میں ان کے پڑوس میں آ کر آباد ہوا تھا تو اس نے سب سے اپنے گھرانے کا تعارف جاگیردار گھرانہ کہہ کر کروایا تھا۔ اپنے فیوڈل سسٹم اور دولت و پیسے کی فراوانی کے سبب وہ وہاں بڑے عیش سے زندگی گزار رہا تھا ہر قسم کی فکر، غم اور ٹینشن سے آزاد تو وہاں موجود دوستوں میں خاص مقبول ہو گیا تھا۔ خصوصاً ان کی فیملی کے ساتھ وہ گھر کے ایک فرد کی طرح رہتا تھا۔ اکثر وہ احسن اور ولید کے ساتھ ساری ساری رات ان کے گھر میں گزار دیتا تھا پھر احسن وغیرہ تو پاکستان آ گئے مگر ولید کے ساتھ اس کا ریلیشن اسی طرح برقرار رہا تھا اور آج ایک عرصے بعد یہ لوگ اسے اپنے گھر میں دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔

انکل اور ضیاء صاحب اس سے اس کی جاب اور فیملی کے بارے میں سوال کر رہے تھے آنٹی اور روشی کچن میں تھیں دونوں فوراً لاؤنج میں آ گئی تھیں۔

آنٹی کے ذہن میں مصطفیٰ کے مٹے مٹے نقوش تھے ان کو مصطفیٰ بہت پسند آیا تھا بلکہ دس سال پہلے تو وہ ایک نوعمر لڑکا تھا۔ اب ایک بھرپور توانا و مضبوط خدوخال کے مالک مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ خاصی متاثر ہوئی تھیں۔

صبوحی بیگم کچن میں واپس جانے کے بجائے اس کے پاس ہی ٹک گئی تھیں۔ روشی جو کہ ڈنر کی تیاری کروا رہی تھی فوراً مصطفیٰ کے لیے جوس لے آئی تھی۔ دو سال بعد مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ بھی خوش ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کے ساتھ اس کی اچھی خاصی بے تکلفی رہی تھی مگر اس سب کے باوجود اس نے مصطفیٰ کو ولید کی ہی طرح ٹریٹ کیا تھا اور مصطفیٰ کریکٹر وائز اس قدر اچھا تھا کہ کبھی اس نے بھی روشانے کے اعتماد کو توڑنے کی کوشش نہ کی تھی۔ ہمیشہ چھوٹی بہن کی طرح نہ صرف اس کی عزت کی تھی بلکہ اکثر بھائیوں والے مان کے ساتھ ولید کی غیر موجودگی میں اس کے کئی کام کر دیا کرتا تھا۔ خصوصاً ایجوکیشن کے دوران ولید اپنی جاب اور تعلیم میں جس طرح بزی ہوتا تھا تو تب مصطفیٰ ہی ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ روشانے کے کلاس فیلوز اسے روشانے کا باڈی گارڈ کہا کرتے تھے۔ روشانے کو اچھی طرح یاد تھا کہ یونیورسٹی کے فرسٹ ایئر میں اس کے پیچھے ایک امریکن بوائے لگ گیا تھا اچھا خاصا خراب کریکٹر کا مالک وہ لڑکا اس کے پیچھے اس طرح ہاتھ دھو کر پڑا تھا کہ ایک لمحہ ایسا آیا تھا کہ روشانے نے یونیورسٹی چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا تھا وہ بابا کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اور ولید بھائی سے کچھ بیان کرنے کی ہمت نہ تھی۔ انہی دنوں مصطفیٰ کے ساتھ آتے جاتے اسی لڑکے سے مڈبھیڑ ہوئی تھی تب مصطفیٰ اس کا پرابلم اس کے بن کہے ہی سمجھ گیا تھا۔ اس کے بعد مصطفیٰ نے اس سے کوئی بازپرس نہیں کی تھی اور اگلے دن اسے خبر ملی کہ اس شخص کو کسی نے (راہ چلتے کسی چور نے) اس بری طرح زدوکوب کیا تھا کہ حد نہیں۔ اس شخص کے پاؤں کی ہڈی ایسی جگہ سے فریکچر ہوئی تھی جسے اب کسی بھی آپریشن کے ذریعے جوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے بعد اس شخص نے نہ صرف یونیورسٹی کو خیرباد کہہ دیا تھا بلکہ وہ ایسا غائب ہوا تھا کہ پھر کبھی روشانے نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

مصطفیٰ نے کبھی براہ راست اس سے بات نہیں کی تھی مگر اس کے بعد خود بخود اس کو اندازہ ہوتا چلا گیا کہ وہ شخص کیوں غائب ہوا تھا؟ وہ مصطفیٰ کی حد سے زیادہ مشکور ہو گئی تھی۔ یہ ایک ایسی بات تھی جو اس نے کبھی ولید اور بابا سے ڈسکس نہیں کی تھی مگر اس کے بعد اس کے دل میں مصطفیٰ کی عزت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ دو سال پہلے مصطفیٰ پاکستان لوٹ آیا تھا مگر ان لوگوں سے اس کا رابطہ جوں کا توں برقرار تھا اور آج عرصہ بعد وہ اس کو یوں سامنے دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی۔

مصطفیٰ سب کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ انا اپنے کمرے میں بند تھی عجیب موڈی لڑکی تھی جب سے شاپنگ سے واپس آئی تھی کمرے سے باہر ہی نہیں نکلی تھی۔ ڈنر کا ٹائم تھا تقریباً ہر چیز ریڈی ہی تھی۔ روشی نے فوراً صغراں کے ساتھ مل کر ٹیبل سجائی تھی۔ انا کو اگر کسی نے زحمت نہیں دی تھی تو انا نے بھی باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ نکل کر دیکھ ہی لے کہ باہر کون آیا ہے؟ روشانے نے فوراً ٹیبل سیٹ کی تھی اور لاؤنج میں صغراں کو کھانا لگ جانے کی اطلاع دے کر بھیجا تھا۔ کچھ توقف کے بعد سبھی لوگ کھانے کی ٹیبل پر موجود تھے۔

"انا نہیں آئی؟" روشی بھی ٹیبل پہ بیٹھی تو ماما نے پوچھا۔

"میں نے صغراں کو بھیجا تو ہے کہ اسے بلا لائے۔"

"مصطفیٰ بیٹا! آپ کھانا شروع کرو۔" مصطفیٰ کی میزبانی کرنے کو سبھی پیش پیش تھے۔ ماما نے ڈشز اٹھا کر اس کے سامنے رکھیں۔

"آپ تکلف مت کریں پلیز میں لے لوں گا.....!" سبھی جس طرح اسے پروٹوکول دے رہے تھے وہ شرمندہ ہو رہا تھا اور اس کی شرمندگی پر ولید کو ہنسی آ رہی تھی۔ وہ کا بے

بلکہ اسے دیکھ کر شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے جب صغراں منہ بسورتی چلی آئی۔

''کیا ہوا نانا نہیں آئی؟'' روشی نے اس کی رونی صورت دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں ...... نانی بی بی نے بہت ڈانٹا ہے کہہ رہی ہیں کہ خبردار اب کسی نے انہیں کھانے پر بلایا تو؟'' صغراں نے من وعن نانا کا بیان دہرایا تو ماما کا مصطفیٰ کے سامنے شرمندگی سے برا حال ہوا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ جاؤ اسے جا کر کہو کہ فوراً کھانے کی ٹیبل پر آ ئے۔'' مہمان کے سامنے شدید سبکی محسوس کرتے صبوحی بیگم نے صغراں کو کہا۔

''وہ کہتی ہیں کہ اگر میں نے دوبارہ اپنی منحوس شکل دکھائی تو وہ میرا سر توڑ دیں گی۔'' صغراں نے منہ پھاڑ کر کہا تو ولید کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ماما نے صغراں کو گھورا۔

''اسے بتایا نہیں کہ مہمان آئے ہیں۔ کم از کم باہر آ کر مل ہی لے۔'' انہوں نے صغراں کو کہا اب کے آواز ذرا دھیمی تھی کہ مہمان نہ سن لے۔

''میں نے کہا تھا کہ باہر مہمان آئے ہیں تو کہنے لگیں میں کیا کروں باہر جا کر سر پر اٹھا لوں مہمانوں کو باہر اتنے لوگ ہیں تو آ تو خیع کرنے والے۔'' وہ صغراں ہی کیا جو بیان کو ادھر سے اُدھر کرے۔ ماما نے تو دھیمے سے کہا تھا مگر اس نے اسپیکر پر اعلان کر دیا تھا۔ ماما کا جی چاہا کہ اس کی صاف گوئی پر اپنا سر پیٹ لیں۔

''کم عقل۔'' ماما نے اب کے واضح گھورا۔

''میں بہت پریشان رہنے لگی ہوں اس لڑکی سے۔ بڑے ہو کر لوگوں کو عقل آتی ہے اس کی جو تھی وہ بھی ختم ہوتی جا رہی ہے۔'' مہمان کے سامنے انہیں شدید شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''رہنے دو مت فورس کرو ابھی کھانا کھانے کا موڈ نہیں ہو گا جب ہو گا آ کر کھا لے گی۔ صغراں تم جا کر اپنا کام کرو۔'' ماما خود اٹھ کر جانے لگیں تو ماموں نے منع کر دیا تو وہ دوبارہ بیٹھ گئیں۔

''تمہاری تشخیصی رپورٹ پر اتنا تبصرہ پڑھنے کو دل چاہ رہا ہے۔ ویسے حیرت ہو رہی ہے خاصی سے بھی زیادہ موڈی ہیں یہ خاتون تو؟'' مصطفیٰ نے ولید کی طرف جھک کر آہستگی سے کہا تو وہ جو نانا کے اب کی بار شاید موڈی ہونے کی وجہ پر غور کر رہا تھا چونکا۔

''بور کر رہا ہے خاصی بد لحاظ بھی ہیں۔'' ولید نے بس سر ہلا دیا وہ اور کیا کہتا بھلا۔

کھانے کی ٹیبل پر سب موجود تھے وہ اس سے زیادہ اتفاق رائے کر بھی نہیں سکتا تھا۔ مصطفیٰ اس کے انداز پر ہنس دیا۔

''میرے ذہن میں ابھی بھی وہ ہر وقت دو پونیاں بنا کر رہنے والی چھوٹی سی بچی کا عکس ہے۔ اب تو اشتیاق ہو رہا ہے دیکھنے کو۔'' مصطفیٰ نے کھانا کھاتے آہستگی سے کہا تو ولید نے گھورا۔

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ دو پونیاں بنانے والی بچی نہ صرف خاصی بڑی ہو گئی ہے بلکہ خاصی بد لحاظ بھی ہو چکی ہے سو ان محترمہ سے ملنے کی خواہش دل میں ہی دبائے رکھیں تو آپ کی صحت کے لیے کافی بہتر ہو گا۔'' ولید نے گھور کر کہا تو وہ شرارت سے مسکرایا۔

''کیا کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے؟'' انداز بڑا معصوم تھا۔

''کاریڈور کے دائیں طرف پہلا کمرا ان محترمہ کا ہی ہے تجربہ شرط ہے۔ خیریت مطلوب نہیں تو کھانا کھانے کے بعد ادھر پہنچا دوں گا۔'' مصطفیٰ کو ولید کو ستانے میں مزہ آ رہا تھا ایک دم ہنس دیا۔ احسن جو ولید کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا کھانا کھاتے متوجہ ہو گیا۔

''یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟''

''خواتین والا ڈیپارٹمنٹ ابھی تم نے نہیں سنبھالا۔ سو آرام سے کھانا کھاؤ۔'' ولید نے احسن کی مداخلت پر چڑ کر کہا تو مصطفیٰ کی ہنسی دو آتشہ ہو گئی۔

''بہت خوب۔'' مصطفیٰ نے سراہا۔

''سائنس نے کئی معاملات میں اچھی خاصی ترقی کر لی ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید وہاں سے خواتین چغلیاں کرنے والا کوئی پرزہ فٹ کروا کر وطن واپس لوٹے ہو تم دونوں۔'' احسن کون سا کم تھا فوراً آہستگی سے کہا تو وہاں ٹیبل پر موجود سبھی افراد مسکرا دیے۔

''یہ خوب کہی تم نے تو۔'' ضیا ماموں سب سے زیادہ محظوظ ہوئے تھے۔

”اب تم خواتین کے ساتھ دن رات ڈیلنگ کرتے خواتین والی خصوصیات اپنا رہے ہوتو اب ہم سب کو اپنا جیسا تو مت سمجھو۔“ ولید نے فوراً حساب چکایا تو وہ فوراً خجل ہو گیا۔ آج کل احسن کی خواتین سے زیادہ ڈیلنگ ہو رہی تھی سو طنس دیا۔

”بھئی یہ تو ہمارا کاروبار ہے۔“ احسن نے کہا۔

”چغلیاں کرنے کا؟“ روشی جو خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی نے ایک دم سر اٹھا کر دیکھا۔ سب نے زبردست قہقہہ لگایا۔ احسن روشی کی اس مداخلت پر اسے گھورنے لگا وہ مسکراہٹ دبائی فوراً سر جھکا گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





ٹوٹا ہوا تارا...... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ایاز کے فائر کرتے ہی مصطفیٰ اس ساری صورت حال پر شدید اشتعال کا شکار ہوتا ہے۔ وہ ایاز کی اچھی خاصی درگت بنا دیتا ہے۔ تبھی ہوٹل کی انتظامیہ کے درمیان میں آ جانے سے مصطفیٰ شاہزیب صاحب اور امجد خان کو بلوا لیتا ہے۔ شاہزیب تمام صورت حال جاننے کے بعد مصطفیٰ سے ایاز کو امجد خان کے حوالے کر دینے کا کہتے ہیں۔ شہوار اس واقعے سے شدید صدمے کا شکار ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف عباس بھائی اور دیگر لوگ بھی عادلہ بھابی اور ایاز لوگوں کی وجہ سے سخت اذیت برداشت کرتے ہیں۔ انا ناشتے کی ٹیبل پر اخبار کا مطالعہ کرتے ایک خبر دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے وہ فوراً شہوار کو کال کر کے ایاز کے متعلق خبر کے بارے میں بتاتی ہے تو شہوار حقیقت بتاتی ہے کہ رات ہوٹل میں پیش آنے والے واقعے کا ذکر ہے۔ ایاز رات کے کسی پہر گاڑی چھیننے کی کوشش کرتا ہے جس پر وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ یہ خبر اخبار میں شائع ہوتی ہے۔ عبدالقیوم اور ان کی فیملی اس خبر کو لے کر خاصے پریشان ہوتے ہیں اور عبدالقیوم صاحب اپنے وکیل سے ایاز کو باہر نکلوانے کی تدابیر کے متعلق بات چیت کرتے ہیں۔ عائشہ شہوار کو اخبار لا دیتی ہے اور شہوار خبر پڑھ کر حیران ہوتی ہے تو عائشہ اسے بتاتی ہے کہ ایسا صرف خاندان کی عزت کے لیے کیا گیا ہے تاکہ اصل واردات کو سامنے لائے بغیر ایاز کو اس کے جرم کی سزا دی جا سکے۔ تب ہی شہوار کچھ مطمئن ہوتی ہے اور کمرے سے باہر ناشتا کرنے کے لیے نکلتی ہے تو مصطفیٰ کو دیکھ کر رک جاتی ہے مصطفیٰ بھی اس کے چہرے کے زخم کو دیکھ کر ٹھہر جاتا ہے اور پھر شہوار کے پاس آ کر اس کے زخموں کو بغور دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایاز کو یکدم ختم کر دینے کی تحریک برپا ہو جاتی ہے شہوار اس کے تیوروں سے گھبرا کر شدت سے رو پڑتی ہے اور اسے ایسا کرنے سے منع کرتی ہے جس پر وہ غصے سے اس کے کمرے سے نکل جاتا ہے۔ انا ولید اور روشانے کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلتی ہے۔ وہاں ولید کو کسی کی کال آتی ہے تو وہ مشکوک ہو جاتی ہے اور پھر جیولری شاپ پر روشانے کے منہ سے کسی لڑکی کا نام سن کر الجھ جاتی ہے اور اپنے آپ کو برا سمجھا کرتی ہے جبکہ ولید اس کے رویے پر چونک کر حیران ہوتا ہے۔ ولید کو کسی سے ملنا ہوتا ہے وہ فوراً وہاں چلا جاتا ہے۔ شاہزیب صاحب مصطفیٰ کی طرف سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ مصطفیٰ ایاز کو اچھا خاصا زدوکوب کرتا ہے۔ شاہزیب صاحب اس سارے واقعے کو مدنظر رکھتے شہوار اور مصطفیٰ کے فوری نکاح کا فیصلہ کرتے ہیں اور حویلی فون کر کے تا بندہ بوا سے بھی ڈسکس کرتے ہیں اور اس کے بعد شہوار کو اپنے فیصلے کا بتا دیتے ہیں جبکہ شہوار ان کے سامنے بالکل گم صم ہو جاتی ہے۔ وہ چاہنے کے باوجود انکار نہیں کر پاتی۔ ولید مصطفیٰ سے ملنے آتا ہے اور مصطفیٰ کو لے کر گھر آتا ہے۔ راستے میں مصطفیٰ ولید کو انا کے حوالے سے چھیڑتا ہے۔ گھر آ کر بھی سب مصطفیٰ کو خاص پروٹوکول دیتے ہیں۔ کھانے کی ٹیبل پر انا کھانا کھانے سے انکار کر دیتی ہے اور کمرے سے باہر نہیں آتی۔ صبوحی بیگم مصطفیٰ کے سامنے انا کے اس انکار پر شدید بکی محسوس کرتی ہیں۔ جبکہ مصطفیٰ ولید کو چھیڑتے ہوئے محظوظ ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ انا اس سارے عرصے میں ایک بار بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ مصطفیٰ رات گیارہ بجے بھرپور خوشگوار وقت گزار کر اٹھا تو ولید اسے ڈراپ کرنے کو ساتھ ہو لیا۔ احسن بھی خوشگوار موڈ میں تھا سو وہ بھی ولید کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھا۔ مصطفیٰ نے منع بھی کیا کہ وہ باہر جا کر کوئی کنوینس لے لے گا مگر ولید اور احسن نے ایک نہ چلنے دی تھی۔ وہ لوگ اسے اس کے آفس ڈراپ کر کے گئے تھے یہاں سے اسے اپنی گاڑی لے کر واپس گھر جانا تھا اس کی غیر حاضری میں اس کی گاڑی کی ریپئرنگ کا کام بھی تقریباً فائنل ہو چکا تھا۔ مصطفیٰ کو چھوڑنے کے بعد ولید گھر واپس پہنچا تو کچن کے پاس سے گزرتے ٹھٹکا۔ احسن سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا جبکہ وہ ادھر آ گیا۔

محترمہ انا صاحبہ کھانا کھا رہی تھیں۔ اس کے ایک طرف روشی خاصے خراب تیور لیے موجود تھی مگر انا بغیر توجہ دیے صرف کھانے کی طرف متوجہ تھی۔

"کسی دن تم اپنی انہی حرکتوں سے میرے ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گی۔" روشی کہہ رہی تھی۔

"ہیلو موڈی گرل!" ولید دروازے کے پاس رکا تو اس نے کھانا کھاتے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اندر چلا آیا۔

"تمہارا تو کھانا نا کھانے کا پروگرام تھا نا؟" وہ اس کے دوسری طرف کرسی پر آ بیٹھا۔

"تب مجھے بھوک نہیں تھی اب بھوک لگ رہی ہے تو کھانا کھا رہی ہوں۔" اس نے تیکھے لب و لہجے میں کہتے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگایا۔

"اور نہیں کیا ہوا ہے تم کیوں ایسے بیٹھی ہوئی ہو؟" اس نے اپنی بہن کو مخاطب کیا۔

"اس کے دماغ کی خرابی ڈھونڈ رہی ہوں مگر یہ کوئی سرا پکڑا ئے تو سہی۔" روشی بھری بیٹھی تھی۔ سو خراب موڈ میں ہی جواب دیا مگر ارتا نے کوئی توجہ نہ دی۔
"میرا دماغ الحمدللہ بالکل فٹ فاٹ اور اسے عن ہے اور آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔" وہ کھانا مکمل کر چکی تھی برتن اٹھا کر سنک میں رکھتے اس نے کہا۔
"ہاں آج کل جس طرح کے تمہیں دن رات دورے پڑ رہے ہیں اس سے تمہارا اس کا صاف پتا چل رہا ہے۔" روشی نے خاصا جل کر کہا تھا ولید ہنس دیا جبکہ ارتا پرسکون تھی۔ اس نے کیتلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا۔
"کافی پئیں گے؟" اس نے اپنے کھانے والے برتن دھو کر ہاتھ تاول سے خشک کرنے کے بعد پوچھا۔ روشی نے گھور کر دیکھا جبکہ ولید نے مسکرا کر۔
"ہاں پلا دو۔" ولید نے کہا تو اس نے کیبنٹ سے کافی والا ڈبہ نکالا۔
"پتا نہیں مصطفی بھائی بے چارے کیا سوچتے ہوں گے اور یہ کتنی بے حس پتھر دل لڑکی ہے ذرا بھی اپنے غلط رویے کا احساس نہیں اسے۔" روشی نے گھورتے ہوئے کہا تو اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
"وہ آپ لوگوں کے مہمان تھے آئے اور چلے گئے۔ میرا ان سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا کہ ان سے ملنا لازمی شرط ہوتی۔ بس میرا موڈ نہیں تھا ملنے کا سو باہر نہیں آئی۔" اپنے صاف روٹوک انداز میں اس نے کہا اور پھر کیتلی کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"فارمیلٹی بھی کوئی چیز ہوتی ہے؟" روشی نے خاصے غصے سے کہا مگر وہ سر جھٹک گئی۔
"میں نہیں مانتی کسی فارمیلٹی وغیرہ کو جب دل ہی نہ چاہ رہا ہو تو۔"
"ویسے تمہارا اس اچانک موڈ کو کیا ہو تھا؟" ولید نے بھی اس بحث میں حصہ لیا۔
"فارگاڈ سیک ولی پلیز آپ تو اس بحث میں مت کودیں۔ اس وکیل صاحبہ کو بھگت رہی ہوں کافی نہیں کیا؟" کافی پھینٹتے اس نے کافی اکتا کر کہا تو ولید ہنس دیا جبکہ روشی نے منہ پھلا لیا۔
"تم سے تو ہمدردی ہی فضول ہے۔" وہ پاؤں پٹختے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"واقعی تمہاری اس ہمدردی سے میرا سر دکھنے لگا ہے۔ اب کافی پی کر ضرور اسا سکون ملے گا۔" اب کی بار ارتا نے کچھ شرارت سے کہا۔
"بھاڑ میں جاؤ تم میں بھی فضول میں تم سے سر کھپانے بیٹھ گئی تھی۔" وہ ایک دم برا مان کر فوراً واک آؤٹ کر گئی۔
"ناراض ہو گئیں ہیں محترمہ!" ولید کو دیکھ کر مسکرا کر کہا۔
"تمہاری حرکتیں ہی ایسی ہیں۔ وہ کیا میں بھی سنجیدگی سے تم سے ناراض ہونے کا سوچ رہا ہوں۔" ولید نے اطلاع دی تو کافی پھینٹتا اس کا ہاتھ ٹھٹھکا۔
"کیوں بھئی؟"
"اف ـــــ یہ بے خبری اور اس پر یہ انداز بے خبری؟" ولید کے الفاظ پر وہ یکدم ٹھٹکا گئی تھی۔ ولید کا انداز برا اجر پور تھا۔
"اب کیا ہوا ہے؟"
ہم کو ان سے ہے وفا کی امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ولید کے خوب صورت انداز پر ارتا کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔ وہ جھنجلا کر رہ گئی۔
"آج مصطفی آیا تھا بے چارہ کافی دیر تک بیٹھا رہا مگر اس کی قسمت میں ابھی تم سے شرف ملاقات نہیں لکھا۔ تم ضدی ہو ـــــ موڈی بھی ہو مگر آج اندازہ ہو رہا ہے کہ تم بہت ہی نہیں کافی زیادہ بدلحاظ بھی ہو۔" ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔ ارتا نے گہرا سانس لیا۔
"اپنی ان خوبیوں کے متعلق میں اچھی طرح باخبر ہوں۔ یہ میرے لیے کوئی نئی اطلاع نہیں ہے۔" وہ واقعی ڈھیٹ تھی یا اب بن رہی تھی ولید نے گھورا۔
"موڈ کیوں آف ہوا تھا؟" اس نے اب کی بار سنجیدگی سے استفسار کیا۔
"میرے موڈ پر مت جائیے۔ اب تو پاکستان آ کر آپ کو میرے موڈز اور رویوں سے سمجھوتا کرنے کا عادی ہو جانا چاہیے تھا۔" پھینٹی ہوئی کافی میں اس نے گرم ابلتا ہوا پانی

انڈیل دی۔
"بعض اوقات انسان عادی نہیں ہو پاتا۔ وہ چیز جس کا وجود ہو اور محسوس بھی ہو اس کے متعلق متجسس ہو جانا انسانی فطرت ہے۔ موڈز کی تبدیلی بلاوجہ تو کبھی نہیں ہوتی اور انسانی سائیکالوجی کی بیس پر دیکھا جائے تو اندرونی خانہ کہیں ایک گہرا راز تو ضرور مدفون ہوتا ہے۔" انا نے بھاپ اڑاتی کافی کا مگ ولید کے سامنے رکھا اور خاصی خفگی سے اسے دیکھا۔
"اس ٹاپک پر اس وقت میں قطعی بحث کرنا نہیں چاہتی۔ ہاں مصطفیٰ صاحب سے نہ ملنے پر شرمندہ ہوں آپ سے ایکسیوز کرتی ہوں۔ صغراں نے یہ بتایا تھا کہ مہمان آئے ہیں۔ اس نے قطعی وضاحت نہیں کی تھی کہ ان آنے والے مہمانوں کی لسٹ میں کیا نام آتا ہے اگر ذرا بھی علم ہو جاتا تو آئی سویئر میں انتہائی خراب موڈ ہونے کے باوجود حاضر ہوتی اور ان سے شرف ملاقات حاصل کرتی۔ چونکہ یہ سارا سلسلہ غلط فہمی اور لاعلمی میں ہوا ہے تو دل و جان سے آپ کے حضور معافی کی درخواست پیش کرتی ہوں اگر آپ قبول کر لیں تو عین نوازش ہوگی۔" ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان لیے بے پروائی سے دوپٹا کندھے پر ڈالے ڈھیلے ڈھالے لباس میں کہتی وہ اب اپنے لیے کافی نکال رہی تھی۔
ولید نے اسے بغور دیکھا تو ایک پل کو ٹھٹکا۔ وہ حسین تھی۔ اپنے آپ کو مزین رکھنے کے فن سے آگاہ تھی۔ اس کے وجود میں ایسی دلکشیاں پنہاں تھیں کہ نگاہ ایک پل کو ٹھہر کر جم سی جاتی تھی۔ مگر اس کے حسن میں اس وقت عجیب سی تابناکیاں جلوہ گر تھیں۔ اس کا وجود اس سے ماحول کو اپنے سحر میں جکڑ رہا تھا اور ولید کو لگا کہ وہ مسحور ہو رہا ہے۔
"بہر حال مصطفیٰ نے تمہارے رویے کو بہت فیل کیا تھا۔" دھیمے سے ولید نے کہا۔ اس کے لہجے میں آنچ سی سلگنے لگی تھی۔
"میں نیکسٹ ٹائم ان سے معذرت کر لوں گی۔" اس نے رسانیت سے کہا اور ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
"پھر بھی یہ پل میں تولہ پل میں ماشہ موڈ کی کوئی ریزن تو ہوگی نا؟" کافی کا سپ لیتے ولید نے پوچھا اس نے نگاہ اٹھا کر ولید کو دیکھا۔ انا کی آنکھوں میں ولید کو ایک عجیب سا سلگتا احساس کروٹیں لیتا محسوس ہوا تھا اس سے۔
"کیا کریں گے جان کر؟" ولید نے گرم گیلی کافی اندر اتاری اور اسے دیکھا۔
"ہو سکتا ہے مجھے کوئی فیصلہ کرنا آسان ہو جائے۔" ولید نے جس مبہم سے انداز میں کہا تو وہ چونکی۔ ولید کا انداز عام نہ تھا وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔ وہ سنبھلی۔
"کیسا فیصلہ؟" اس کی آواز لرزی تھی۔
"یہی کہ تمہارا دماغ کس حد تک الٹ سکا ہوا ہے؟" ولید کے الفاظ پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
"امپاسبل۔" اس سمے رات کی خاموشی میں انا کی ہنسی نے ولید کے اعصاب پر بڑا خوشگوار تاثر چھوڑا۔ وہ چند پل اسے بغور دیکھے گیا۔
"میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔" اس نے اطلاع دی تھی۔ اندر ہی اندر وہ ولید کی اس قدر توجہ پر حیران بھی ہو رہی تھی۔ انا اپنا مگ لیے ولید کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ اس وقت وہ بہت فریش اور تر و تازہ لگ رہی تھی۔ بالکل دوپہر والے موڈ کی طرح۔
"ولی......" کافی کے سپ لیتے اس نے پکارا۔ وہ جب اسے پکارتی تھی تو ولید کو ہمیشہ عجیب سی فیلنگز ہوتی تھیں اس وقت بھی چونک کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے اپنے مگ کو دیکھ رہی تھی۔
"ہوں......"
"وہ لڑکی جسے آپ اسپتال لے کر گئے تھے وہ اب کیسی ہے؟" وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
"آئی ڈونٹ نو چند دن سے میرا اسپتال جانا نہیں ہوا۔ ویسے ایک بار اس لڑکی کے فادر سے فون پر بات ہوئی تھی وہ بتا رہے تھے کہ وہ آج کل میں اسے ڈسچارج کروا لیں گے۔ مے بی کروا بھی چکے ہوں۔"
"ہوں......وہ بہت خوب صورت لڑکی ہے......ہے نا؟" ولید نے الجھ کر اسے دیکھا۔ اب کے انا کے تاثرات خاصے عجیب سے تھے۔
"ہوگی......بٹ یار تمہیں وہ لڑکی اتنا کیوں یاد آتی ہے؟"
"مجھے اس ایک ملاقات میں اس کا سویا خوابیدہ حسن نہیں بھولتا۔" وہ یہ کہہ نہیں سکی تھی کہ اس کا حسن اسے پریشان کر رہا ہے سو وہ بھول نہیں پا رہی۔
"میں کردار کو اہمیت دینے والا انسان ہوں۔ حسن، خوب صورتی، دولت، قسمت سب فانی اشیاء ہیں میں نے ان کو بھی اہمیت نہیں دی۔" ولید کا انداز بہت سنجیدہ اور دو ٹوک تھا۔ انا نے خوشگوار حیرت سے ولید کو دیکھا۔ اسے لگا کہ ولید کے الفاظ نے اس کے کشیدہ اعصاب پر مسلسل سوار ایک اذیت سے نجات دلا دی ہو۔

"تو...... رئیلی۔" اس کا چہرہ ایک دم چمک اٹھا۔
"آف کورس ایسے مادیت پرست وجود بھی مجھے اٹریکٹ نہیں کر پائے اور حسن تو کبھی میری ترجیح رہا بھی نہیں۔" انا آنکھوں میں ایک دم والہانہ پن لیے اسے دیکھے گئی۔
"ایک سوال پوچھوں؟" اپنے مگ پر انگلی پھیرتے اس نے کہا۔
"شیور۔" اس نے کندھے اچکائے۔
"آپ اس قدر شاندار خوب صورت اور چھا جانے والی پرسنالٹی کے مالک ہیں۔ کیا کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ زندگی میں کوئی بہت اچھا لگا ہو اور دل نے خواہش کی ہو کہ کاش......!" ولید نے بغور اسے دیکھا وہ سر جھکائے ہوئے تھی اس سے کم عمر تھی ایک جذباتی عمر سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے سوال بھی اس کی سوچ کے مطابق ہوتے تھے۔ ان میچور اور لاابالی سے یا پھر شاید اس وقت اسے ہی لگ رہے تھے۔
"ہمارے درمیان ایک بار پہلے بھی اس ٹاپک پر بات ہو چکی تھی تمہیں یاد ہو جب ہم دونوں نے باہر لنچ کیا تھا۔" ولید نے یاد دلایا تو اس نے منہ بنایا۔
"اچھی طرح یاد ہے تب بھی آپ نے مجھے ڈانٹ کر بٹھا دیا تھا۔" اس نے خفا ہو کر کہا تھا۔
"تو میڈم اب بھی میں یہی کام کروں گا۔" ولید نے مسکرا کر کہا۔
"یہ کیا بات ہوئی بھلا کوئی ریزن بھی تو ہونا مجھے اٹلے یا ڈانٹنے کی؟" وہ جھنجلائی۔
"تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔ میں نے بڑی پریکٹیکل لائف گزاری ہے۔ بابا کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانا اپنی جاب اور پھر ساتھ میں اپنی ایجوکیشن دیکھنا۔ اتنی بزی لائف کے ہوتے ہوئے میرے پاس کسی بھی فضولیات کے لیے ٹائم نہیں تھا۔"
"اور وہ کیتھی کون ہے؟" وہ سوال جو اسے کافی دیر سے تنگ کر رہا تھا اس نے آخر کار پوچھ ہی لیا۔
"میری کولیگ تھی اور بہت اچھی دوست بھی۔" انا کے اندر شدید اضطراب پیدا ہوا۔
"آپ کولیگ کرتی تھی کیا؟" اس نے اگلا سوال پوچھا۔
"تم نے اس کیتھی کے متعلق رپورٹ لکھنی ہے کیا؟" اس نے ڈانٹ دیا تو وہ دانت لب پر جما کر سر جھکا کر بیٹھ گئی جیسے ناراض ہو گئی ہو۔
"آپ بہت برے ہیں۔" کچھ توقف کے بعد سر اٹھا کر اس نے کہا تو ولید ہنس دیا۔
"مائی گاڈ...... کتنی بچگانہ حرکات ہیں تمہاری۔" وہ کہہ رہا تھا۔ وہ سر جھٹک گئی۔
"ایک دم بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو...... پل میں تولہ پل میں ماشہ...... کبھی کبھار لگتا ہے جیسے ایک بہت عاقل بالغ عالم فاضل سی لڑکی ہو اور اگلے ہی پل میری عقل جھنجلا کر رہ جاتی ہے جب تم بالکل چھوٹے بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہو۔"
"میں نے اپنے متعلق رپورٹ بیان کرنے کو نہیں کہا۔" اپنے سوال کا جواب نہ پا کر وہ خاصی ناراض ہو گئی تھی۔ اپنا مگ لے کر اٹھنا چاہا تو ولید نے فوراً اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔
"ناراض کیوں ہوتی ہو ڈفر۔" ولید کا انداز بے حد نرم تھا۔
"کیا فائدہ آپ سنجیدگی سے کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔" وہ ہنس دیا۔ اس کے نرم سبک ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا۔
"اتنے عرصے سے میں تمہارے ساتھ دماغ کھپا رہا ہوں۔ تمہارے پل پل بدلتے موڈز کی ریزن جاننے کی کوشش کر رہا ہوں مگر تم ہو کہ کوئی سرا ہی نہیں پکڑاتی۔ اگر میں کسی بات پر نہیں ٹال دوں یا ڈانٹ دوں تو خفا ہو جاتی ہو۔" انا نے ولید کے ہاتھ کے نیچے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔
"آج جب ہم کچھ گھنٹے پہلے شاپنگ کر رہے تھے تو انہی مصطفیٰ صاحب کی کال تھی کیا آپ ہمیں چھوڑ کر انہی کے پاس گئے تھے کیا؟" ایک تو انا اور اس کے سوال۔ ولید نے سر ہلا دیا۔
"ہاں مصطفیٰ نے ہی کال کر کے بلوایا تھا۔" انا کو لگا کہ اس کے کندھوں سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔
کیا تھا اگر یہی بات اسے وقت بتا دیتا کم از کم وہ اتنی دیر پریشان اور خود سے خفا تو نہ ہوتی۔ اچھا خاصا خوشگوار موڈ ایک دم خراب ہو تھا اور اب...... اس کا دل خوشگوار انداز میں

دھڑکنے لگا تھا۔ نجانے اس شخص کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اسے بری طرح کیوں ہرٹ کر جاتی تھیں؟ وہ آہستگی سے کرسی پر جم گئی تھی۔ وہ اب ایک دم ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔ دل پر چھایا اضطراب ختم ہوا تو اپنی طبیعت کی یہ کیفیت محسوس کرتے وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ اب وہ پوری شدت سے ولید کے ہاتھ کے نیچے دبے اپنے ہاتھ پر مضبوط گرفت محسوس کر رہی تھی۔

"آپ کے ان دوست کی شادی ہوگئی کیا؟" اس نے یونہی پوچھ لیا کہ اسے مصطفیٰ کے متعلق ان لوگوں سے زیادہ بات چیت کا موقع نہیں ملا تھا۔

"فی الحال تو نہیں۔" ولید کافی ختم کر چکا تھا اب وہ انا کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیا تھا انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میری دوست شہوار ہے نا اس کے کزن کا نام بھی مصطفیٰ ہے۔ وہ بھی پولیس آفیسر ہیں۔ جب بھی مصطفیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو مجھے امریکا والے مصطفیٰ صاحب یاد آ جاتے ہیں۔"

"نام کی مماثلت ہو جاتی ہے اکثر ویسے تمہاری یہ دوست انگیجڈ ہے کیا؟" ولید نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

"فی الحال تو نہیں۔" کچھ سوچ کر وہ مسکرائی تھی ولید نے بغور دیکھا۔ انا کی ہنسی بڑی محظوظ کن تھی۔

"خیریت؟"

"آپ کو مزے کی بات بتاؤں شہوار کو آپ کی پرسنالٹی بہت پسند آئی ہے۔ چند دن پہلے ہمارے درمیان یونہی بات چیت ہو رہی تھی تو وہ اپنے کزن مصطفیٰ سے آپ کو کمپیئر کرتے آپ کی شخصیت کو بیان کرتے آپ کو اپنے کزن سے زیادہ نمبر دے رہی تھی۔ میں نے اس کے کزن کو نہیں دیکھا اکثر وہ اسے چھوڑنے آتا ہے مگر کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ چونکہ شہوار ایک بار آپ سے مل چکی ہے تو وہ آپ سے خاصی متاثر ہے۔ احسن بھائی سے بھی وہ مل چکی ہے مگر احسن بھائی اور اپنے کزن مصطفیٰ سے زیادہ وہ آپ کو مارکس دیتی ہے اور یہ پلس پوائنٹ آپ کو اپنی اس شاندار اور کلیئر پرسنالٹی کی بدولت ملتے ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا تو ولید ہنس دیا۔ وہ اپنی شخصیت کے اس چارم سے بخوبی آگاہ تھا۔

"وہ خود بھی ایک بہت متاثر کن لڑکی ہے۔ میں نے پارٹی میں اسے نہیں دیکھا اس دن کالج کے گیٹ پر ملاقات ہوئی تھی تب وہ چادر کے پلو میں منہ لیے ہوئی تھی مگر بات چیت کا انداز بہت اچھا تھا۔ کافی سلجھی ہوئی اور مہذب لڑکی لگ رہی تھی۔ اس کے بعد چند دن پہلے تمہارے موبائل پر اس سے بات ہوئی تھی۔ میں بہت متاثر ہوا تھا۔ اس کی میچور اپروچ کافی ہائی لیول کی محسوس ہوئی تھی۔" ولید کی بات پر اس نے فخر سے گردن اکڑائی یوں جیسے ولید اس کی ہی تو تعریف کر رہا ہو۔

"یہ سچ ہے کہ اس کی میچور اپروچ بہت اچھی ہے مگر چونکہ وہ میری دوست ہے تو یہ پلس پوائنٹ بھی مجھے جاتا ہے۔"

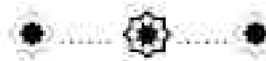
"بٹ...... مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ایک اتنی اچھی اور ہائی لیول کی لڑکی سے تمہاری دوستی کیسے ہوگئی؟ تم ابھی تک موڈی ضدی اور خاصی بدلحاظ ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر بچکانہ حرکات میں ملوث ہوتی ہو جبکہ وہ خاتون کافی سنجیدہ مزاج، سلجھی ہوئی اور باتمیز لگی ہیں۔ یہ شرق و مغرب کا امتزاج بھلا کیونکر ممکن ہوا بھئی۔" ولید چھیڑ رہا تھا وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"یہ دل کے معاملے ہوتے ہیں آپ جیسے روکھے پھیکے لوگ بھلا کیا خبر رکھیں گے ان معاملات کی؟" اس نے جتایا تو ولید اس کے الفاظ پر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کبھی بہت فرصت سے وقت ملا تو یہ روکھا شخص اپنے دل کے معاملات تم سے ڈسکس کرے گا فی الحال تو سخت نیند آ رہی ہے۔" انا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"تو کے چلتا ہوں اللہ حافظ نہیں تو رات بھر نیند نہیں آتی سو تمہارے ساتھ بس اتنی دیر ہی جاگ سکتا ہوں۔ ٹیک کیئر اینڈ شب بخیر۔" وہ ہاتھ ہلاتا لان سے نکل گیا اور انا آج کتنے دنوں بعد لطیف سے احساسات سے دوچار ہوئی تھی دل سے مسکرائی تھی ایک دم ہاتھ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"بےخبری بھی بڑی اچھی چیز ہوتی ہے ولید صاحب۔ سو لیں جی بھر کر نیندوں کے مزے لوٹ لیں۔ ابھی آپ کو وقت ہے اگر قدرت مجھ پر مہربان ہوگئی اور وقت نے کوٹ میرے ہاتھ میں تھمائی تو آپ سے اپنے ایک ایک پل کا حساب لوں گی۔ راتوں کے یہ رت جگے یوں خوشیوں سے سودا نہیں کیا میں نے۔ کانٹوں پر بسر کرتی ہوں اور کلیوں پر لوٹتی ہوں دن رات۔ پھر شکایت کرتے ہیں کہ میں موڈی اور ضدی ہوں۔ جو عذاب میں جھیل رہی ہوں زبان پر بھی اگر آ جاتی ہے تو کیا غلط ہوتا ہے مگر آپ نہیں سمجھیں گے اور اسی بات کا تو رونا ہے۔ کاش آپ تک رسائی پا جاؤں اور جس دن مجھے اندازہ ہوگیا کہ آپ میرے جذبوں سے بےخبر نہیں یوں سمجھ لیجیے گا ولید صاحب کہ وہ دن آپ کا "یوم حساب" ہوگا۔ اپنے ہر پل ہر لمحے کی قیمت وصول کروں گی۔ میں ضدی ہوں موڈی ہوں مگر ایک بات تو آپ بھول جاتے ہیں میں حد سے زیادہ جذباتی بھی ہوں اور جذباتی لوگ ہمیشہ اپنا نقصان کرتے ہیں اور جب نفع و نقصان سے بےپرواہ ہو کر میدان میں کودتے ہیں تو پھر یہ نہیں دیکھتے کہ اندر کی آگ سے صرف انکی اپنی ہستی ہی جل رہی ہے یا کسی دوسرے کا دامن بھی۔ بس وقت کا انتظار کرنا ہے اب میں نے۔" اپنے منہ زور جذبوں کے ساتھ ہم کلام ہوتے دونوں کافی کے خالی مگ سنک میں رکھتے ہوئے بہت کچھ سوچتے بہت سے لائحہ عمل ترتیب دیتے کچن سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔



انکل اور آنٹی کے جانے کے بعد سے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔حتیٰ کہ رات کا کھانا بھی عائشہ اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔وہ انکل کے اس فیصلے پر اس قدر مضطرب تھی کہ عائشہ کے ازحد اصرار پر بھی کچھ نہیں کھا پائی۔عائشہ رات گئے تک اس کے ساتھ رہی تھی۔اس نے اس کے جانے کے بعد کئی بار حویلی کے نمبر ملائے مگر دوسری طرف کوئی اس کی کال ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا۔تھک ہار کر بہت غصے میں آکر اس نے موبائل دیوار پر دے مارا تھا۔

ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔فجر کی نماز پڑھ کر وہ لیٹی تو آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئی۔گاہے بگاہے اس کی آنکھ کھلتی رہی مگر نقاہت صدمے ٹینشن نے ایسا نڈھال کر ڈالا تھا کہ جسم درد اور حرارت سے چور چور ہونے لگا تھا۔

پارو والے واقعہ کے باوجود وہ اپنے آپ کو بحال رکھنا چاہتی تھی مگر انکل کی آمد کے بعد تو اسے لگ رہا تھا کہ اس کے اندر تمام تر قوت مدافعت ختم ہو گئی ہو نتیجتاً اس وقت وہ بخار میں تپ رہی تھی۔عائشہ دن کے گیارہ بجے تک اسے کمرے سے نہ نکلتا دیکھ کر جب کمرے میں آئی تو وہ بخار سے نڈھال بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔

''شہوار۔'' اس کی طبیعت دیکھ کر اس نے پکارا تو اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

''بخار ہو گیا ہے کیا؟'' شہوار نے محض سر ہلایا۔

''تمہارے لیے کھانا لاؤں؟'' عائشہ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''آنٹی کدھر ہیں؟'' اپنے آپ کو سنبھالتے وہ اٹھ بیٹھی تو عائشہ نے اسے تشویش سے دیکھا۔

''ہاں جی باہر ہی ہیں۔''

''مجھے حویلی جانا ہے ابھی اور اسی وقت تم ماں جی کو بلا دو۔'' بخار کی حالت میں ہونے کے باوجود شہوار کا انداز مضبوط اور سنجیدہ تھا عائشہ کھٹکی۔

''اس وقت خیریت ۔۔۔۔ حویلی کا کوئی فون آیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں میں خود ہی جانا چاہتی ہوں۔تم ماں جی کو بلا دو پلیز۔'' اس نے منت بھرے انداز میں عائشہ کا ہاتھ تھاما تو اس نے سر ہلا دیا۔

''او کے۔''

''میں بلا دیتی ہوں مگر تم پہلے کچھ کھا پی تو لو بخار اترے گا تو کہیں جاؤ گی نا اور تمہارے چہرے کا زخم بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا۔خیر نیل تو ختم ہو گئے ہیں مگر سرخی سوجن اور زخم تو برقرار ہے۔'' اس کے زخم کو بغور دیکھتے عائشہ نے کہا۔

''میں کھا پی بھی لوں گی تم پہلے میری آنٹی جی سے بات کروا دو یا پھر میں خود ان کے پاس چلی جاتی ہوں۔'' شہوار کا انداز دو ٹوک تھا اور اس نے اٹھنا چاہا تھا۔

''او کے میں ماں جی کو لے کر آتی ہوں۔'' اس کا کندھا تھپتھپا کر وہ باہر نکل گئی تھی۔کچھ دیر بعد ماں جی عائشہ کے ساتھ چلی آئی۔

''یہ عائشہ کہہ رہی تھی کہ تم گاؤں جانا چاہ رہی ہو؟'' انہوں نے آتے ہی پوچھا۔

''جی۔''

''طبیعت تو تمہاری ٹھیک نہیں۔زخم بھی برقرار ہے۔تابندہ کے سامنے ایسی حالت میں جاؤ گی تو وہ پریشان ہوگی۔'' انہیں اس کے اس فوری فیصلے کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔آپ مجھے گاؤں بھجوا دیں یا مجھے اجازت دیں کہ میں کسی کے ساتھ خود چلی جاؤں۔مجھے اس وقت مت روکیں مجھے ضرور جانا ہے۔'' بخار ہونے کے باوجود شہوار کا انداز ازحد سنجیدہ تھا۔وہ اس کا دو ٹوک انداز دیکھ کر حیران ہوئیں۔

''ابھی دو دن پہلے ہی ہم لوٹے ہیں۔اتنی جلدی جانے کی بھلا کیا تک ہے اور ایسی کوئی خاص وہاں ایمرجنسی بھی نہیں کہ تمہارا جانا لازمی ٹھہرے۔'' انہوں نے اس کے فوری فیصلے کی وجہ جاننا چاہی تو وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

''تم کچھ کھا پی لو پھر ہم دیکھتے ہیں۔'' انہوں نے ٹالنا چاہا تو اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''آپ انکل سے بات کر کے پرمیشن لے لیں بے شک مجھے ڈرائیور کے ساتھ بھجوا دیں مجھے آج ضرور یہاں سے جانا ہے۔'' اس کے انداز میں واضح تلخی اور سختی تھی انہوں نے خاصی الجھن اور پریشانی سے اسے دیکھا۔

"کسی نے کچھ کہہ دیا ہے کیا مصطفیٰ نے کچھ کہا ہے؟" وہ یہی سمجھی تھیں مگر وہ جس وجہ سے جانا چاہ رہی تھیں اس وجہ سے وہ اچھی طرح باخبر تھیں۔ اس لیے بہلانا چاہا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے ساکت رہی تو انہیں اس کا انداز بڑا عجیب سا لگا۔ ورنہ وہ بڑی مؤدب اور بالحاظ بچی تھی۔ کبھی بلاوجہ ضد نہ کی تھی مگر اب اس وقت اس کا انداز نہ صرف ضدی تھا بلکہ اچھا خاصا جذباتی بھی تھا۔

"اس وقت تو گھر میں کوئی مرد بھی نہیں اور ڈرائیور کے ساتھ ان حالات میں تمہیں تنہا بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتی۔ تم کھانا کھاؤ فریش ہو لو میں تمہارے بابا جان سے بات کرتی ہوں۔ تمہیں پہلے ہی بخار ہو رہا ہے اور ذہن پر مزید دباؤ مت ڈالو۔" اس کا سر تھپتھپا کر بہت محبت سے کہتے وہ عائشہ کو اسے کھانا کھلانے کی خاص تاکید کرتے وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ شہوار کی اس ضد کے پیچھے کیا وجہ تھی وہ اچھی طرح آگاہ تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کا موبائل نمبر ملایا۔

"السلام علیکم۔" رابطہ ہوتے ہی انہوں نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام...... جی خیریت؟" وہ کہہ رہے تھے۔

"آپ نے حویلی کال کی؟ بابا صاحب اور تابندہ سے کوئی بات دوبارہ ہوئی؟" انہوں نے دریافت کیا۔

"ہاں آفس آنے کے فوراً بعد میں نے حویلی کال کی تھی۔ تابندہ شہوار کو لے کر پریشان ہو رہی تھیں رات شہوار حویلی کال کرتی رہی ہے مگر ادھر سے میری ہدایت کے مطابق تابندہ نے ریسیو نہیں کی۔ وہ شہوار کی پریشانی کو لے کر فکر مند تھیں۔ بابا صاحب سے بھی بات ہوئی تھی وہ خوش ہو رہے تھے انہیں بھی نکاح کا فیصلہ پسند آیا ہے۔ اپنی طبیعت کے سبب سفر کر کے وہ شہر نہیں آ سکتے مگر وہ تقریب میں ضرور شامل ہونا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ یہ تقریب حویلی میں ہی انجام پذیر ہو۔" انہوں نے تمام تفصیل بتائی۔

"میرا خیال ہے کہ شہوار تابندہ کے کال ریسیو نہ کرنے پر شدید صدمے سے دوچار ہوئی ہے۔ اسے اس وقت بخار ہو رہا ہے مگر وہ اس سب کے باوجود ابھی اور اسی وقت حویلی جانے کی ضد کر رہی ہے۔" انہوں نے کال کرنے کی وجہ بیان کی۔

"زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کو بلوا لیں۔" انہوں نے سلوشن بتایا۔

"وہ تو کر لیں گے مگر وہ جو ضد کر رہی ہے اس کا کیا کروں؟ اس کا انداز بہت ضدی اور سنجیدہ ہے وہ تو کہہ رہی ہے کہ ڈرائیور کے ساتھ اسے بھیج دیں۔"

"اچھا۔" دوسری طرف شاہ زریاب صاحب کا انداز پرسوچ تھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ شہوار ہمارے روکنے پر اب ایک پل بھی ادھر ٹھہرے گی یا تو تابندہ اسے خود کال کر کے بات کر لے یا پھر آپ بتائیں کیا کروں؟ اس کا لب و لہجہ اور انداز بہت اٹل تھا۔" انہوں نے مزید اطلاع دی۔

"آپ ایسا کریں پانچ دس منٹ ویٹ کر لیں۔ میں ذرا اچھی طرح سوچ کر جواب دیتا ہوں پھر آپ کو کال کرتا ہوں۔" دوسری طرف انہیں شاید کوئی ضروری کام آ پڑا تھا۔ انہوں نے کال ڈراپ کر دی تھی۔ مہر النساء بیگم سیل فون کے پاس ہی بیٹھی رہیں۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد دوبارہ فون کی گھنٹی بجی تھی۔

"ہیلو۔"

"ہاں مہر النساء آپ ایسا کریں ڈاکٹر زبیری کو بلوا کر پہلے تو شہوار کا چیک اپ کروائیں۔ کوئی میڈیسن دیں کھانا وغیرہ کھلوائیں۔ میں نے سجاد سے بات کر لی ہے وہ گھر آ جاتا ہے ایک فائنل فیصلہ کن اسٹیپ تو ہم لے ہی چکے ہیں جس میں اب شہوار کے اس ردعمل سے ردوبدل کی گنجائش نہیں نکلتی۔ آپ لائبہ کو سمجھا دیں وہ تیار ہو جاتی ہیں تو لائبہ اور سجاد دونوں کے ساتھ شہوار کو حویلی بھیج دیں۔ رہ گئیں تابندہ تو ان کو میں سمجھا دوں گا کہ شہوار سے کیسے ڈیل کرنا ہے۔ شہوار اگر حویلی جانا چاہتی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بابا صاحب سے بات ہو چکی ہے چونکہ نکاح کی تقریب گاؤں میں ہی کریں گے تو شہوار کو آپ بھیج دیں۔ بابا صاحب آج دن کا ڈیسائیڈ کر دیں گے۔" انہوں نے آرام سے حل بتایا تھا مہر النساء بیگم نے ایک گہرا سانس لیا۔

"شہوار کو ادھر بھیج دیں گے تو اس کی پڑھائی کا جو حرج ہو گا؟"

"میں اس کے کالج میں بات کر لوں گا ویسے بھی آج کل وہ جس طرح پریشان ہے کالج تو جا نہیں سکتی۔ اسے بھیجنے سے پہلے ڈاکٹر سے ٹریٹمنٹ ضرور کروا لیجیے گا۔" انہوں نے کہا۔

"اور نکاح کے سلسلے میں جو ضروری اقدامات ہیں میرا مطلب تیاری وغیرہ سے ہے۔"

”گھریلو خواتین کی تیاری تو آپ کا ہی شعبہ ہے آپ خود دیکھ لیجیے گا۔ باہر کے انتظامات ہمارا مسئلہ ہے۔ زیادہ گیدرنگ نہیں کرنا ہمیں۔ رہ گئی حویلی میں تیاریوں کی بات تو وہ ہم خود دیکھ لیں گے آپ پریشان نہ ہوں۔ سجاد کو میں نے سمجھا دیا ہے وہ اب چند دن ادھر ہی رہے گا۔ ٹھیک ہے اور کوئی مسئلہ تو نہیں۔“ تمام صورت حال جان کر مہر النساء بیگم ایک دم مطمئن ہوئیں۔

”نہیں بس آپ سے یہی پوچھنا تھا۔“ انہوں نے چند مزید ایک دو باتوں کے بعد کال بند کر دی۔ وہ واپس شہوار کے کمرے میں آئیں تو عائشہ کی موجودگی میں وہ کھانا کھا رہی تھی ان کو آتا دیکھ کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

”میں نے تمہارے بابا جان سے بات کی ہے وہ رضامند ہو گئے ہیں۔ ابھی ڈاکٹر صاحب آتے ہیں تم چیک اپ کروا لو۔ پھر تمہارے ساتھ جائے گی اور سجاد بھی۔ عائشہ تمہاری تیاری کروا دیتی ہے۔ جو جو چیز پیک کرونی ہو اسے بتا دو یہ کر دے گی۔“ اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بال سنوارتے انہوں نے کہا تو شہوار ایک گہرا سانس لیتے قدرے ریلیکس ہوئی۔

”پریشان نہیں ہوتے جو بھی ہوگا بہتر ہی ہوگا۔“ وہ اس کی پیشانی چوم کر اٹھ گئی۔ عائشہ نے اس کی پیکنگ کرتے حیران ہو کر دیکھا تو قالین پر اس کا موبائل ٹوٹی پھوٹی حالت میں بکھرا پڑا تھا۔

”اسے کیا ہوا؟“ ٹوٹی اسکرین والا حصہ پکڑے وہ پوچھ رہی تھی۔

”مجھے نہیں پتا۔“ وہ روٹھے پن سے جواب دے کر رخ ہی بدل گئی۔ عائشہ نے حیرت سے اسے دیکھا وہ غصے میں کبھی ہوش کا دامن نہیں چھوڑتی تھی تو پھر اب کیا ہوا تھا؟ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر زبیری آ گئے تھے۔ انہوں نے اس کا بخار چیک کر کے میڈیسن وغیرہ دے دی اور رخسار کے زخم کے لیے ایک مرہم بھی لکھ دیا جسے ماں جی نے فوری منگوا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد سجاد بھائی بھی آفس سے آ گئے تھے انہیں بابا جان نے تمام صورت حال پر یقینا بریف کر دیا تھا۔ بھائی کو ماں جی سمجھا چکی تھیں۔ وہ تمام صورتحال پر حیران ہوئی تھیں۔ تاہم سوال وجواب سے گریز کیا تھا۔ عائشہ نے اس کی پیکنگ کر دی تھی اس نے بس لباس بدلا تھا اور جس وقت وہ لوگ حویلی جانے کے لیے نکل رہے تھے تو سہ پہر شروع ہو چکی تھی۔

گاڑی میں بیٹھ کر شہوار نے آنکھیں موند لی تھیں کچھ دوا کا اثر تھا اور بخار کی کنڈیشن بھی کہ وہ پچھلی سیٹ پر دراز ہو گئی تھی بھابی اگلی سیٹ پر سجاد بھائی کے ہمراہ تھیں آفاق ان کے ساتھ تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں دوا کے اثر سے بند ہونے لگیں تو وہ خود کو سونے سے نہ روک پائی اور پھر سارا رستہ وہ سوتی رہی تھی۔

❋ ……… ۞ ……… ❋

وہ کالج سے لوٹی تو کافی پریشان تھی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ شہوار اسے بغیر بتائے آف کر رہی تھی۔ وہ کل بھی کالج نہیں آئی اور آج بھی۔ انا کے دل میں عجیب سے اوہام آئے جا رہے تھے۔ اس کے موبائل پر سارا دن کال ملا ملا کر اس کی انگلیاں ٹوٹنے لگی تھیں مگر کال تھی کہ لگ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ گھر آ کر بھی اس نے ایک امید دل میں لیے شہوار کا نمبر ڈائل کیا مگر ہمیشہ کی طرح موبائل آف ملا۔

انا نے غصے سے موبائل بستر پر پھینکا وہ ابھی گھر لوٹی تھی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا اگر دونوں میں کوئی ایک آف کرتی تھی تو دوسری کو اطلاع ضرور کر دیا کرتی تھی۔ نجانے وہ کیوں نہیں آ رہی تھی اور موبائل کس وجہ سے بند تھا؟ سوچ سوچ کر انا کا دماغ الجھنے لگا تو وہ ایک دم کچھ سوچ کر کمرے سے نکل آئی۔

”میں شہوار کے گھر جا رہی ہوں…… چلو گی؟“ روشی کے کمرے میں آ کر اس سے پوچھا تو کتاب سے سر اٹھا کر اس نے انا کو دیکھا۔

”کیوں خیریت؟“

”وہ دو دن سے کالج نہیں آ رہی۔ موبائل بھی بند ہے۔ کوئی رابطہ نہیں ہو رہا اور مصیبت یہ ہے کہ اس کے موبائل نمبر کے علاوہ میرے پاس کوئی اور کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں ہے۔“ وہ خاصی پریشان سی لگ رہی تھی۔

”کہیں بزی ہوگی۔“ روشی نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں…… بات کوئی بھی ہو ہم اطلاع تو ضرور کرتی ہیں ایک دوسرے کو سارا دن رابطہ نہ بھی ہو میسج کے ذریعے ایک دوسرے کی خیر خبر رہتی ہے۔“

”تو پھر۔“ اس نے کتاب بند کی۔

"میں ماما سے کال کر کے پرمیشن لے لیتی ہوں۔ صغراں گھر پر ہی ہے ہم کچھ دیر میں ہو آتے ہیں۔ ویسے بھی شادی کا کارڈ دینے تو ان کے ہاں جانا ہی تھا سو اسی بہانے کارڈ بھی دے آئیں گے۔" روشی نے سر ہلا دیا۔

"تم پھپھو کو کال کر کے پوچھ لو پھر جیسا وہ کہیں گی وہی کر لیں گے۔" روشی جانے پر رضامند ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے ماما کو کال کر کے ان سے پرمیشن لی۔ انہوں نے جلدی آنے اور ڈرائیور کو ساتھ ہی رکھنے کی تاکید سمیت پرمیشن دے دی تھی۔ کالج سے آنے کے بعد اس نے ابھی تک چینج نہیں کیا تھا بس منہ ہاتھ دھویا تھا جبکہ روشی نے لباس ضرور بدلا تھا۔ کارڈ لے کر صغراں کو ہدایت دیتے دونوں ڈرائیور کے ہمراہ گھر سے نکل آئی تھیں۔

آدھے گھنٹے میں وہ شہوار کے گھر کے سامنے تھیں۔ پہلے کی طرح اس بار بھی گیٹ پر سیکیورٹی تھی۔ چوکیدار ان کو پہچان گیا تھا اس لیے پہلے کی طرح اس بار تفصیلی باز پرس کرنے کے بجائے اس نے بس انٹر کام پر اندر اطلاع دی تھی اور پھر ان دونوں کو اندر داخلے کی اجازت دے دی۔

"اُوف...... کتنی سیکیورٹی ہوتی ہے ان لوگوں کی؟" روشی نے کہا۔

"اچھا ہے نا آج کل ملک کے جو حالات ہیں کیا پتا کب کون گھر میں گھس آئے اور پھر انسان کے پاس جس قدر دولت ہوتی ہے اتنے ہی کر اسز فیس کرنا پڑتے ہیں۔" انا نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ تبھی اندر سے ایک ینگ سی لڑکی ان کے استقبال کے لیے سیڑھیوں پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" یہ لڑکی دونوں کے لیے اجنبی تھی۔ انا نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام...... آیئے پلیز۔" لڑکی نے بڑی گرم جوشی سے دونوں سے ہاتھ ملایا اور پھر ان دونوں کو اندر لے آئی تھی۔

"ہم شہوار کی دوستیں ہیں...... انا نام ہے میرا وہ آج کالج نہیں آئی کل بھی آف کیا تھا موبائل بھی بند تھا اس کا تو سوچا اس سے مل آؤں۔" وہ لڑکی ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے آئی تھی۔ انا نے بیٹھتے ہی اپنا تعارف کروایا تو لڑکی مسکرائی۔

"میں صبا ہوں...... شہوار کی کزن۔"

"شہوار کدھر ہے؟" انا نے سر ہلاتے پوچھا۔ اسے باقی لوگوں کے متعلق زیادہ علم نہ تھا۔

"وہ تو حویلی چلی گئی ہے۔" لڑکی نے سادگی سے بتایا۔

"حویلی...... وہ چونکی۔ "یو مین گاؤں......؟"

"اچھا...... اتنی جلدی...... دو دن پہلے ہی تو وہ واپس آئی تھی۔" انا حیران ہوئی۔

"دراصل اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ اپنی امی کو بہت مس کر رہی تھی تو کچھ دیر پہلے ہی روانہ ہوئی ہے۔"

"او آئی سی۔" انا کو اپنی آمد کے بے کار جانے پر افسوس ہوا۔

"باقی لوگ کدھر ہیں؟" انا نے یونہی اخلاقاً پوچھا۔

"تاں جی اور عائشہ کو جیولر کے پاس جانا تھا۔ شہوار کے جانے کے بعد وہ لوگ ادھر گئی ہیں۔ لالہ بھائی بھی شہوار کے ہمراہ حویلی چلی گئی ہیں۔" انا نے محض سر ہلا دیا۔ ماں جی اور لالہ سے تو وہ متعارف تھیں باقی عائشہ کون تھی اور یہ صبا شہوار کی کس حساب سے کزن بنتی تھی وہ بے خبر تھیں۔

"ایم سوری میں نے آپ سے پوچھا ہی نہیں آپ کیا کھائیں گی؟" وہ فوراً آداب میزبانی بجا لانے کو تیار ہو گئی تھی۔

"اٹس اوکے...... ہمیں بس شہوار کی طرف سے تشویش ہو رہی تھی وہ کبھی بغیر اطلاع کے آف نہیں کرتی تو مجھے پریشانی ہو رہی تھی۔" صبا نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"آپ بیٹھیں میں آتی ہوں ذرا۔" وہ ان دونوں کو بٹھا کر چلی گئی تھی۔ انا نے روشی کو دیکھا۔

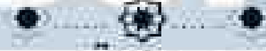
"گھر والوں میں سے تو کسی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی یہ خاتون آتی ہیں تو ان کو شادی کا کارڈ تھما کر واپس چلتے ہیں۔" روشی نے مشورہ دیا تو اس نے فوراً ہامی بھر لی۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی ملازمہ کے ہمراہ ٹرالی میں بہت سے لوازمات سجائے چلی آئی تو دونوں شرمندہ ہوئیں۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی بھلا؟" انا نے کہا تو وہ لڑکی مسکرائی۔

"آپ شہوار کی دوست ہیں ماں جی کو پتا چلا کہ آپ آئی تھیں اور یونہی چلی گئی ہیں تو مجھ پر بہت خفا ہوں گی۔ اس دن بھی آپ شہوار کو باہر ہی سے اتار کر رخصت ہو گئی تھیں۔ ماں

جی نے بڑا مانا تھا۔ شہوار کو ڈانا بھی تھا کہ وہ آپ دونوں کو اندر کیوں نہیں لے کر آئی۔'' دونوں کو شروب کے گلاس تھماتے اس نے کہا۔
''شہوار اس طرح اچانک کیوں چلی گئی۔ کوئی خاص ریزن تھی کیا؟'' انا نے گلاس منہ سے لگاتے ہوئے پوچھا۔
صبا نے مجلس سر ہلایا۔ (یہ شہوار کی دوست تھی پتا نہیں وہ اس کی پرسنل لائف سے باخبر تھی کہ نہیں اب انا کو خود سے کچھ بتا کر وہ شہوار کا امیج خراب نہیں کرنا چاہتی تھی) سوچ رہی تھی۔
''وہ واپس کب آئے گی؟'' پہلے سوال کا جواب نہ پا کر اس نے دوسرا سوال کیا تھا۔
''چند دن میں آ جائے گی۔''
''اور اس کا موبائل کیوں آف ہے؟'' انا نے پوچھا تو صبا نے گہرا سانس لیا۔ یہ بھی اسے تھوڑی دیر پہلے پتا چلا تھا کہ شہوار کا موبائل ٹوٹ گیا ہے۔
جو چوئیشن عائشہ نے بتائی تھی تو صبا کو شہوار جیسی لڑکی سے ایسی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ خود ہی گر کر ٹوٹ گیا ہوگا جبکہ عائشہ کا موقف تھا کہ ضرور شہوار نے کسی بات پر غصے میں آ کر موبائل دیوار پر مار کر توڑا ہے۔ اچھا خاصا موبائل اچانک گر کر ٹوٹنے سے تو رہا۔ یہ عائشہ کا موقف تھا۔
''اس کا موبائل ٹوٹ گیا ہے؟'' صبا نے انا کو اطلاع دی۔
''اوہ......'' انا نے گہرا سانس لیا۔
دونوں اپنا اپنا شروب ختم کر چکی تھیں۔ صبا ان سے مزید کچھ لینے پر اصرار کر رہی تھی۔ مگر دونوں معذرت کر گئی تھیں۔
''شہوار سے رابطہ ہو تو اسے کہیے گا کہ پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کرے۔''
''جی ضرور۔''
''یہ روشانے اور میرے بھائی کی شادی کا کارڈ ہے۔ یہی لے کر آئی تھی میں۔ شہوار کو بتا دیجیے گا۔'' انا نے بیگ سے کارڈ نکال کر صبا کی طرف بڑھایا تو اس نے فوراً تھام لیا۔
''آپ سب لوگوں نے شادی پر ضرور آنا ہے۔ اتنی گھر پر ہوتیں تو ان کو بھی اصرار سے کہتی۔''
''آپ ابھی رکیں ناں اماں جی آ جائیں تو پھر چلی جائیے گا۔''
''نہیں...... شہوار آتی ہے تو پھر کسی دن چکر لگاؤں گی۔'' اس نے سہولت سے منع کیا۔
''او کے اجازت دیں۔'' وہ دونوں کھڑی ہوئیں۔
''ایم سوری میں بہت شرمندہ ہوں آپ کی کوئی خاطر تواضع بھی نہ کی۔ ہاں جی اور شہوار بھی نہیں ورنہ آپ کو تکلف برتنا نہ پڑتا۔'' صبا شرمندہ ہو رہی تھی۔
''اٹس او کے۔'' اس ساری صورتحال میں روشی نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔
''کیا آپ کی......؟'' وہ انا کو دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔
''یہ میری ماموں زاد اور ہونے والی بھابی ہیں انہی کی شادی کا کارڈ ہے یہ۔''
''اوہ آئی سی۔'' صبا نے بغور روشانے کو دیکھا تو چونکی۔
''ہم پہلے بھی کہیں مل چکی ہیں کیا؟'' وہ روشانے سے پوچھ رہی تھی وہ جھینپ گئی۔
''نہیں...... میں پاکستان فرسٹ ٹائم آئی ہوں آپ سے بھی فرسٹ ملاقات ہے یہ میری۔''
''اوہ......'' اس نے فوراً سر ہلایا۔
''آپ کا چہرہ جانا پہچانا لگا یوں لگا کہ آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ بٹ آپ تو پاکستان بھی فرسٹ ٹائم آئی ہیں تو میرا وہم بھی ہو سکتا ہے۔''
''ہو جاتا ہے ایسا بھی۔ اکثر لوگوں کی شکلیں آپس میں مل ہی جاتی ہیں۔'' انا نے ہنس کر کہا۔
''مگر آپ کے فیس کی شیپ اتنی کامن تو نہیں کہ عام لوگوں سے ملتی جلتی ہو ایسے چہرے تو بہت خاص ہوتے ہیں اور کم ہی دنیا میں ہوتے ہیں۔ پہلی نگاہ میں ہی اپنی طرف متوجہ کر لینے والے۔'' صبا نے کہا تو دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔" روشی نے سرتسلیم خم کیا تو وہ بھی مسکرا دی۔
"تو کے اجازت دیں...... نائس ٹو میٹ یو۔" روشی نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے گرم جوشی سے تھام لیا۔
"می ٹو۔"
"ویسے آپ مصطفیٰ صاحب کی کیا لگتی ہیں؟" لانے مصافحہ کرتے پوچھا تو وہ چونکی۔
"آپ مصطفیٰ بھائی کو جانتی ہیں؟"
"نہیں بس بائے نیم تعارف سن رکھا ہے شہوار سے۔ زیادہ نہیں جانتی۔"
"میں اور عائشہ دونوں مصطفیٰ بھائی کی سسٹرز ہیں۔" اس نے رسانیت سے جواب دیا۔
"ویسے آپ کی بات پر غور کرتے ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے بھی آپ کو کہیں دیکھا ہوا ہے۔" روشانے کہا تو لانے سر پکڑ لیا۔ اب یہ شناسائی پتا نہیں کس رنگ میں ڈھلنے والی تھی۔
"اللہ کے لیے کوئی فلمی کہانی نہیں سنانے لگ جانا۔ اچھا صبا ہم چلتے ہیں آپ اپنی ماں جی کو ہمارا سلام کہیے گا اور شہوار سے ضرور کہیے گا کہ پہلی فرصت میں ہی مجھ سے رابطہ کرے۔ میں اس کی کال کی منتظر رہوں گی۔" لا روشی کو لوک کر صبا کو تاکید کرتے وہ اس کے ہمراہ باہر آ گئی تھی۔ منصور خان باہر ہی کھڑا تھا وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھیں تو اس نے گاڑی ڈرائیو کی۔
"ویسے تمہارا یہ دورہ ناکام ہی ٹھہرا۔" روشی نے کہا تو اس نے ماؤسی سے سر ہلا دیا۔
"پتا نہیں اب کیا ہوا ہے کہ اس کی طبیعت یوں اچانک خراب ہو گئی ہے۔" اندر ہی اندر وہ شہوار کے متعلق اندازے لگانے لگی تھی۔



وہ گھر لوٹا تو سامنے لاؤنج میں عائشہ صبا عباس بھائی کے علاوہ بابا صاحب اور ماں جی بھی تھیں۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔" بابا جان نے کتاب پر سے نگاہ اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا۔
"تم کدھر تھے؟ کل بھی رات گئے لوٹے تھے اور آج بھی آفس سے تو کب کے اٹھ گئے تھے۔ اس وقت بھی بارہ بج رہے ہیں۔" انہوں نے بیٹے سے پوچھا تو مصطفیٰ نے انہیں سنجیدگی سے دیکھا۔
کل جس طرح بابا ایاز کے سلسلے میں اس پر خفا ہوئے تھے تو وہ ان سے خفا تھا۔ اب اس کی شعوری کوشش تھی کہ باپ سے سامنا نہ ہو مگر اس وقت اس کا گمان تھا کہ بابا صاحب اپنے کمرے میں جا چکے ہوں گے۔ مگر وہ گھر میں داخل ہوا تو یہاں ایک محفل جمی ہوئی تھی۔ یہاں وہاں کپڑے بکھرے پڑے تھے اور ماں جی کی گود میں زیورات کے بکس تھے۔
"ادھر ہی تھا۔" سنجیدگی سے جواب دیتے وہ عباس بھائی کے پہلو میں آ بیٹھا تھا۔ بابا جان نے اسے بغور دیکھا اور کتاب پر سر جھکا لیا۔
"کھانا لاؤں؟" عائشہ نے پوچھا۔
"نہیں میں کھا چکا ہوں۔" اس نے انکار کیا۔
"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" صبا کپڑے تہہ کر کر کے رکھ رہی تھی جبکہ ماں جی بدستور بکس میں سے زیورات نکال نکال کر دیکھ رہی تھیں۔
پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے
عباس بھائی نے شرارت سے شعر پڑھا تو وہ ٹھٹکا۔
"مطلب؟"
"یہ بھی ہم ہی بتائیں۔" عباس بھائی کا انداز شرارتی تھا۔

ماں جی سمیت وہ دونوں ہنس دیے۔
"تم گھر پر نکلو تو کچھ پتا چلے کہ کیا ہو رہا ہے رات کے بارہ بجے گھر لوٹے ہو اب تمہیں کیا بتائیں کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟" بابا جان نے خفگی سے کہتے ہوئے اس کی اس روٹین پر سرزنش کرتے کتاب بند کر کے اٹھتے ہوئے اپنے کمرے کی راہ لی تو عباس نے ہنس کر مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"بھئی ہمارے مصطفیٰ صاحب تو سب سے الگ ہیں بقول شاعر شمس زبیری کے۔

سب سے ملتا ہوں مگر سب سے الگ ہے اپنی راہ
اپنا انداز نظر سب سے جدا رکھتا ہوں میں

"ایاز والے کیس کا کیا بنا؟" عائشہ نے پوچھا تو اس نے سر جھٹکا۔
"بندے ابھی تک حوالات میں۔"
"ابھی تک اس کے باپ نے کوئی سنگین قسم کے اقدامات نہیں کیے؟" عباس نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
"لگا ہوا تو ہے مگر امجد خان بھی عام انسان نہیں ہے۔ ہر طرح کا پریشر برداشت کر رہا ہے۔ ضمانت کروانے کے چکروں میں ہے مگر ابھی تک کروا نہیں پا رہا۔ دراصل اسپتال میں جو وہ افراد ایڈمٹ ہیں ان کی وجہ سے کیس تھوڑا سا اسٹرونگ ہو رہا ہے۔ ورنہ وہ تو کب کا نکلوا چکا ہوتا۔" مصطفیٰ نے تسلی سے بتایا۔
"طبیعت سیٹ ہو چکی ہوگی موصوف کی۔" عباس بھائی نے خاصی نفرت سے پوچھا تو اس نے بھی سر ہلایا۔
"اچھی خاصی۔ اگر نہ بھی ہوئی تو میں نے کر دینی تھی سیٹ۔ خیر ابھی چھوڑوں گا تو نہیں۔ دیکھتا ہوں اس کا باپ کیا کرتا ہے اور کہاں تک جاتا ہے۔ خاصی دھمکی آمیز کالز امجد خان کو مل رہی ہیں۔ پر وہ نہیں ابھی خاصا سٹار ہا ہے۔ محترم عبدالقیوم صاحب پر واضح ہو چکا ہے کہ اس کیس کے پیچھے ہم لوگ ہیں تاہم اصل معاملے کے بارے میں تو وہ ابھی تک بے خبر ہی ہیں۔ امجد خان نے بھی ابھی تک اسے اس کے بیٹے سے نہیں ملوایا۔ اس کے علاوہ کافی کوشش کر رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ضمانت کروا لے۔" عباس بھائی کو تفصیلی جواب دیتے اس نے بہنوں کو دیکھا۔
"گھر میں ان لوگوں کی طرف سے کسی نے رابطہ کیا؟ حادل بھائی وغیرہ نے؟"
"نہیں فی الحال تو نہیں ہوا ہمیں یقین ہے کہ وہ لوگ ہم سے رابطہ کرنے کی اب حماقت کریں گی بھی نہیں۔ اپنے بھائی کے کرتوتوں سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ جانتی ہیں کہ اگر ہمیں کال کریں گی یا رابطہ کریں گی تو خود ہی منہ کی کھائیں گی۔" عائشہ نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
"چھوڑو کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو تم لوگ۔ تمہارے بابا ہیں نا وہ دیکھ لیں گے ان لوگوں کو اور حادل کو بھی لائن پر لے آئیں گے اور مصطفیٰ تم اب ایاز والے معاملے میں خود سامنے نہیں آؤ گے۔ تمہارے بابا نے اگر امجد خان کو آگے کیا ہے تو اسی کا کام رہنے دو۔ تمہارے بابا نے کل بتایا تھا کہ تم نے ایاز کو اچھا خاصا مارا پیٹا ہے۔" ماں جی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
"شکر کریں کہ صرف مارا پیٹا ہے ورنہ میرا ارادہ تو اس کو جان سے مار دینے کا ہے۔ ہماری خواتین پر ہاتھ اٹھایا ہے یہ کوئی چھوٹا موٹا جرم نہیں ہے۔ سزا تو اس کو بڑی بھیانک ملے گی اس کی۔ بابا اسے قانون کی زد میں لے آئے ہیں ورنہ میرا بس چلتا تو اسے اسی لمحے گولی سے اڑا دیتا جب ہم نے اس کو ہوٹل کے واش روم کے حصے میں بھائی آفاق اور شہوار کو یرغمال بنائے پسٹل لگائے دیکھا تھا۔" وہ ایک دم پھر غم و غصے سے کہنے لگا تو عباس بھائی نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اسے نارمل کرنا چاہا تو ماں جی نے بہت دکھ سے اسے دیکھا۔
"کول ڈاؤن یار..... کول ڈاؤن۔"
"اچھا دفع کریں مجھے تو جب بھی وہ سارا واقعہ یاد آتا ہے شدید ٹینشن ہونے لگ جاتی ہے۔ لیو دس ٹاپک پلیز۔ کوئی اور بات کریں۔" صبا نے فوراً کہا تو ماں جی نے بھی اسے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ اب چپ رہے اور اس نے بمشکل اپنے آپ پر ضبط کیا۔
"یہ کس سلسلے میں سارا اچھا رہا ہو رہا ہے؟" اس نے موضوع بدلنے کو کہا تو عباس سمیت باقی سبھی مسکرا دیے۔
"بوجھیں تو جانیں۔" صبا نے شرارت سے کہا۔
"مجھے پزل کھیلنے نہیں آتے خود ہی بتا دو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کے نکاح کی تیاریاں کر رہے ہیں ہم لوگ۔" عائشہ نے دھیرے سے انکشاف کیا تو وہ چونکا۔
"مطلب؟"
"یہ تو ماں جی سے ہی پوچھو ہمیں بھی گھر آ کر ہی پتا چلا ہے کہ دو دن بعد اتوار کو تمہارا نکاح ہے۔" عباس بھائی نے مزے سے کہا تو وہ کئی پل تک ساکن رہ گیا۔
"اتوار کو...... اس قدر اچانک...... وجہ پوچھ سکتا ہوں اس اچانک فیصلے کی؟" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے ماں جی کو دیکھا۔ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ دھیرے سے مسکرا دیں۔
"جس طرح یہ سارا واقعہ پیش آیا ہے تمہارے بابا نے ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔" انہوں نے پرسکون انداز میں بتایا۔
"اور شہوار؟" اس سارے سلسلے میں وہ اس کے شدید انکار سے اچھی طرح باخبر تھا۔ اگر یہ بابا صاحب کا اچانک فیصلہ تھا تو یقیناً اس کی طرح وہ بھی لاعلم ہی ہوگی۔ اسے یقین کامل تھا۔
"اس سے بھی تمہارے بابا نے کل بات کرلی تھی۔" اب کے وہ شدید حیرت سے دوچار تھا۔
"کل......؟" اس نے دہرایا۔
"ہوں...... انہوں نے کل ہی یہ فیصلہ کیا تھا۔ تابندہ اور بابا صاحب سے تفصیلی گفتگو کے بعد ہی انہوں نے شہوار سے بات کی تھی اور پھر انہوں نے بابا صاحب سے دوبارہ بات کر کے اتوار کا دن طے کرلیا۔" ماں جی کے الفاظ پر وہ کئی پل تک گم صم سا رہا۔
"بابا نے شہوار سے بات کی تھی تو کیا اس نے انکار نہیں کیا ہوگا؟" مصطفیٰ نے ماں جی کے چہرے سے کچھ کھوجنا چاہا مگر وہاں بہت ہی خوشی کے تاثرات رقم تھے۔
"جیسے ہی فیصلہ ہوا تھا ہم تو فوراً ایانک میں لگ گئے تھے آپ کی طرح ہمیں بھی کچھ دیر قبل پتا چلا ہے۔ کل فری ڈے ہے اور پرسوں سنڈے یوں کہ لیں بس ایک دن ہے تیاری کے لیے۔" حبا نے ہنس کر کہا تو اس نے بہت سنجیدگی سے سب کو دیکھا۔
"آپ کو اس طرح اچانک یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس اچانک فیصلے سے پہلے آپ مجھ سے ڈسکس تو کر لیتے۔" مصطفیٰ نے کچھ خفگی سے ماں جی کو دیکھا۔
"کب ڈسکس کرتے؟ کل تم رات گئے لوٹے تھے سب سو گئے تھے اور صبح صبح گھر سے نکل گئے تمہارے بابا نے کئی بار کال کی تم نے ریسیو نہ کی اور پھر اس کے بعد تم اب گھر لوٹ رہے ہو۔" اس کی خفگی پر ماں جی نے بھی خاصی سنجیدگی سے کہا تو وہ لب بھینچ گیا۔
"ہاں تو تم کر ہی چکے تھے۔ عملی طور پر تم اس نکاح کے لیے ریڈی بھی تھے تو پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ کل ہو یا پرسوں۔ ہونا تو ایک دن تھا ہی۔" عباس بھائی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس نے سر جھٹکا۔
"ہاں کرنے اور ایک دم یہ سب ہونے میں بہت فرق ہے۔ آپ کو کل اس واقعے کے بعد آپ کو شہوار سے ضرور پوچھنا چاہیے تھا۔" ماں جی اس کا مطلب سمجھی تھیں یا نہیں مگر ایک بات کا وہ اچھی طرح اندازہ لگا رہی تھیں کہ مصطفیٰ یقیناً شہوار کے انکار سے بے خبر نہیں۔
"کیوں تم سے شہوار نے اس سلسلے میں کچھ کہا ہے؟" انہوں نے اندازہ لگانا چاہا مصطفیٰ ان کے انداز پر ٹھٹکا اور پھر سنبھل گیا۔
"نہیں۔" وہ رکا۔
"میرا مطلب ہے...... اس قدر اچانک وہ ایگری ہوگئی کیا؟"
"یہ بڑوں کا فیصلہ تھا پھر تمہارے بابا نے اس سے خود بات کی تھی۔" ماں جی نے کہا تو وہ چپ رہا۔
"بابا صاحب کی خراب طبیعت کی وجہ سے ان کی خواہش پر گاؤں میں ہی رسم کرنے کا فیصلہ ہوا ہے۔ یوں کہہ لو کہ یہ ان کی خواہش ہے۔ تم بھی اپنی شاپنگ کرلینا۔ سب رشتہ داروں کو ہم نے فون کر دیے ہیں۔ اتنا لمبا چوڑا فنکشن تو نہیں ہوگا۔ اول و آخر یہ کوشش ہوگی کہ سادگی سے یہ سارا پروگرام اختتام پذیر ہو۔ مگر رشتہ داروں کی شمولیت کے بغیر تو کچھ بھی ممکن نہیں۔ تمہاری دونوں پھپھیوں کو فون کر دیے ہیں۔ کراچی بھی کال کر دی ہے۔ یہاں سے ہم لوگ ہفتے والے دن گاؤں روانہ ہو جائیں گے۔ باقی معاملات وہیں جا کر مکمل ہوں گے۔" ماں جی اسے مزید تفصیل فراہم کر رہی تھیں اور وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
یعنی یہاں سارے معاملات طے پا چکے تھے۔ اب اسے محض اطلاع دی جا رہی تھی۔
"اب بھی بتانے کا کیا فائدہ تھا عین وقت پر اطلاع کر دیتے؟" وہ خفگی سے کہہ کر اٹھنے لگا تو عباس بھائی نے فوراً اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر واپس بٹھا لیا۔

"رکو تو...... اتنے خفا کس لیے ہو رہے ہو؟ یہ غیر متوقع تو نہیں تھا نا؟ گھر میں بات چیت چل رہی تھی کہ نکاح ہوگا۔ عائشہ اور صبا آپی بھی اسی سلسلے میں تھیں۔"

"میں خفا نہیں ہوں نہ ہی یہ سارا معاملہ میرے لیے غیر متوقع ہے لیکن موجودہ صورتحال کی وجہ سے میں ابھی اس سارے معاملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کیس ابھی درمیان میں ہے اور امجد خان پر جس طرح کا دباؤ ہے میں اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف متوجہ ہونے کی غلطی افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"تو کون کہہ رہا ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف توجہ دو محض نکاح ہو رہا ہے شادی تو نہیں۔" ماں جی نے بھی اب کے خفگی سے کہا۔

"دیکھو مصطفیٰ ہمیں شہوار سے امید تھی کہ وہ اعتراض کرے گی یا کوئی بات کہے گی مگر اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اب تم بھی کچھ مت کہو۔ جب سے تابندہ ہوا نے رشتے کے لیے ہامی بھری تھی تب سے ہم لوگ تمہارے نکاح کا ہی پروگرام بنا رہے تھے۔ ٹھیک ہے اب ایک دم طے کیا ہے مگر ذہنی طور پر تو تم تیار تھے نا اور اس دن وہ ڈنر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔" عباس بھائی نے بھی کہا۔

"اچھا مصطفیٰ بھائی اس بحث کو چھوڑیں۔ بس یہ بتائیں کہ آپ ناخوش ہیں اس اچانک فیصلے سے؟" عائشہ اور صبا دونوں خاموش تھیں مگر عائشہ نے جھنجلا کر پوچھا تو مصطفیٰ کی نگاہوں میں شہوار سکندر علی کا دل کش سراپا آٹھہرا۔

"بات میری نہیں شہوار کی رضامندی کی ہے۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس سے تمہارے باپ نے خود بات کی تھی۔" ماں جی نے جواب دیا تو وہ ٹھٹکا۔

"بابا نے خود کی تھی؟" اس نے پوچھا تو ماں جی نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر اب اعتراض کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ اچھا یہ دیکھیں ہم آج جیولر کے پاس گئی تھیں۔ ماں جی نے کافی دنوں سے آپ کی دلہن کے لیے کچھ زیورات بنانے کا آرڈر دیا ہوا تھا۔ ہم آج ہی یہ لے کر آئے ہیں۔ آپ یہ دیکھ کر بتائیں کیسے ہیں یہ زیورات؟" عائشہ رسانیت سے کہتے جیولری باکس ماں جی کی گود سے اٹھا کر مصطفیٰ کے قریب آ کر اسے دکھانے لگی تھی۔

"ٹھیک ہی ہیں یہ تو خواتین کو ہی پتا ہوگا۔ مجھے کیوں دکھا رہی ہو؟" اس نے سرسری سا دیکھا۔

"پہننے تو آپ کی ہی دلہن نے ہیں نا؟ اچھی طرح دیکھ لیں اگر پسند نہیں تو بتا دیں ابھی دو دن ہیں ہم چینج کروا لیں گے۔" صبا نے بھی حصہ لیا۔ اس نے محض سر ہلا دیا۔

"زیورات کی سب سے بڑی ٹینشن تھی یہ تو کام ہو گیا۔ ہم لوگ ذات برادری والے ہیں بھلے سادگی سے سب کر رہے ہیں مگر اپنی حیثیت کے مطابق بھی کچھ کریں گے۔ پھر تم تو ہمارے گھر کی آخری خوشی ہو اور یہ موقع کب زندگی میں بار بار آتا ہے کوئی خواہش ہے دل میں تو بتا دو۔ تمہاری پسند اور خواہش کے مطابق ہی سب کریں گے۔" ماں جی نے محبت و شفقت سے کہا تو وہ ذرا سا مسکرا دیا مگر اندر ہی اندر شہوار کا متوقع ردعمل سوچ سوچ کر شدید ٹینس ہو رہا تھا۔

"آپ جو بھی کریں گی مجھے کوئی اعتراض نہیں بس اس قدر عجلت میں سب کرنے پر حیرت ہو رہی ہے اور سب سے زیادہ حیرت تو اس بات پر ہو رہی ہے کہ شہوار راضی کیسے ہو گئی؟"

"لو...... پھر وہی بات؟ ماں جی بتا تو چکی ہیں کہ بابا جان نے خود بات کی تھی اور شہوار کو آخر کیونکر انکار ہوگا۔ کیا کمی ہے آپ میں یا ہمارے خاندان میں؟" عائشہ نے برا مان کر کہا تو ماں جی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"باقی سب تو ہوتا رہے گا ایک اہم چیز نکاح کا جوڑا اور باقی سامان خریدنے کا ہے۔ تم لوگ فہرست بنا لو کل اور پرسوں صبح کے اوقات میں سب کام مکمل کرنا ہے۔ دوپہر کے بعد ہمیں گاؤں کے لیے روانہ ہو جانا ہے یہ ذہن میں ضرور رکھنا۔" اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے دونوں بہنوں کو یاد دہانی کروائی۔

"آپ بے فکر ہو جائیں سب کام ہو جائیں گے۔" صبا نے یقین دہانی کروائی۔

"لاؤ بہو ہوتی تو مجھے ٹینشن نہ ہوتی اب جو کچھ بھی ہے تم دونوں نے ہی دیکھنا ہے۔" ماں جی کہہ کر زیورات کے ڈبے سنبھالتیں اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"لاؤ بھابی کدھر ہیں اور سجاد بھائی بھی غائب ہیں خیریت؟" ماں جی کی بات پر وہ چونکا۔ حاضرین کو دیکھا بھیا اور بھابی نہ تھے۔

اب تک تو وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ دونوں اپنے روم میں ہوں گے مگر اب ماں جی کے الفاظ پر ٹھٹکا۔

"بھابی اور بھیا کے علاوہ ادھر ایک اور ہستی بھی غائب ہیں ان کی کمی محسوس نہیں کی جناب نے؟" عائشہ شرارت سے بولی تو وہ ٹھٹکا۔

''شہوار؟''

''جی جناب۔'' صبا ہنسی۔

''اپنے روم میں ہوگی۔'' اس وقت وہ ہمیشہ اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی اس نے قدرے سکون سے کہا تو تینوں ہنسے۔

''ہماری فلموں میں پاکستانی پولیس کی بالکل ٹھیک عکاسی کی جاتی ہے۔ ہماری پولیس ہمیشہ واردات کے بعد ہی موقع پر پہنچتی ہے۔ آپ پر بھی اثرات غالب آتے جا رہے ہیں۔'' صبا نے ہنس کر لقمہ دیا۔

''شہوار بھابی اور بھیا کے ہمراہ گاؤں جا چکی ہیں۔'' عائشہ نے کہا تو وہ چند پل تک بالکل چپ چاپ رہا۔ یہ اس کے لیے ایک نئی اطلاع تھی۔

''اس قدر اچانک؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''جی......''

''شہوار کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس حادثے سے اچھی خاصی متاثر ہوئی ہے وہ۔ اپنے کمرے میں ہی بند ہو کر رہ گئی تھی۔ اب تو بخار بھی تھا۔ اس نے ماں جی سے گاؤں جانے کی بات کی تو ماں جی نے بابا جان سے پوچھ کر بھیا اور بھابی کے ساتھ بھیج دیا۔'' عائشہ نے تفصیل پہنچائی تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''یعنی محترمہ بالکل بھی راضی نہیں۔'' اس نے فوراً نتیجہ اخذ کیا تھا۔ مصطفیٰ کے احساسات اس وقت بڑے عجیب سے ہو رہے تھے۔ اپنے رد کیے جانے اور ہتک کا احساس شدت سے حاوی ہو اتھا۔ زندگی میں اتنا اہم موڑ آ رہا تھا مگر بالکل اچانک اور غیر یقینی عجیب سے انداز میں۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ دل سے خوش ہوتا اور اس سارے سلسلے کو بہت انجوائے بھی کرتا۔

''وہ آج کالج نہیں گئی تھی؟'' اس نے یونہی سرسری انداز اختیار کیا۔ وہ آج جلدی گھر سے نکل گیا تھا۔ سو اسے علم نہیں تھا کہ پیچھے گھر میں کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔

''نہیں...... رخسار کا زخم ابھی خاصا نمایاں تھا پھر بخار بھی تھا۔'' عائشہ نے ہی جواب دیا تو مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔

''شہوار کی فرینڈ اس کی دو دن کی غیر حاضری کا پتا کرنے آئی تھی اس کے ساتھ اس کی کزن بھی تھی۔ گھر میں امام اور ماں جی دونوں ہی نہ تھیں۔ مجھے تو وہ جانتی نہ تھیں البتہ بھابی کا علم تھا وہ بھی نہیں تھیں تھوڑی دیر بیٹھی تھیں پھر چلی گئیں۔'' صبا کالج کے ذکر پر مزید بتانے لگی تو مصطفیٰ اٹھ کھڑا ہوا اس کے لیے اس موضوع میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

''شادی کا انویٹیشن دے کر گئی ہیں۔ میں نے شہوار کے روم میں رکھ دیا ہے۔''

''کون سی فرینڈ؟'' عائشہ نے پوچھا۔

وہ اور صبا ڈسکشن کرنے لگ گئیں تو وہ نظر انداز کرتا معذرت کرتا وہاں سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اگر درمیان میں یہ حادثہ نہ ہوتا تو وہ یقیناً بہت خوش ہوتا مگر اب عجیب سے احساسات ہو رہے تھے اور ان تمام احساسات پر سب سے بھاری یہ احساس تھا کہ شہوار راضی نہیں ہے۔ مصطفیٰ نے بہت زور سے کمرے کا دروازہ بند کرتے اپنے محسوسات پر قابو پانے کی ایک ہلکی سی کوشش کی تھی۔ مگر لگتا تھا کہ جذبات میں شدید طغیانی آ گئی ہے۔ رہ رہ کر شہوار کے رضامند نہ ہونے کا احساس شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔

◆......❁......◆

رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔ صبح کے تارے تھے مگر وہ غم سے نڈھال تھی۔ وہ جب سے لوٹی تھی اسی طرح نڈھال بستر پر پڑی ہوئی تھی تابندہ بی نے بہت نرمی اور شفقت سے اس کے رخسار کو چھوا۔ وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ مغرب کے بعد یہ لوگ حویلی پہنچے تھے پھر کھانا کھا کر لالہ شہوار کے پاس آ گئی تھی کہ ماں جی کی خصوصی تاکید تھی کہ اسے ایک پل کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑنا اور اب تابندہ بی کمرے میں آ ئیں تو وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی آئی جہاں سجاد ٹھہرے ہوئے تھے۔

شہوار کو لالہ نے میڈیسن اور کھانا کھلا کر اب سلا دیا تھا۔ تابندہ بی نے بغور اس کے رخسار کو دیکھا وہاں زخم کے ساتھ نیلا نشان بھی تھا جیسے کوئی نیل پڑ گیا ہو۔

''یہ زخم کیسا ہے؟'' رات وہ زخم دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں۔ انہوں نے لالہ سے پوچھا بھی تھا۔

''شہوار کا سیڑھیوں سے پاؤں پھسلا تھا اور گری تھی۔'' لالہ نے جواب دیا جبکہ شہوار آنکھیں بند کیے بستر پر لیٹی خاموش رہی تھی۔ وہ تو بابا صاحب کو بھی سلام کرنے نہیں گئی تھی۔ وہ خود ہی اس کے کمرے میں آئے تھے۔ وہ بھی اس کے متعلق متفکر ہو رہے تھے ایک فطری سی پریشانی تھی۔

شہوار نے تابندہ بی سے کوئی بات نہیں کی تھی وہ ناراض تھی تابندہ بی کو بہت اچھی طرح اس کی ناراضگی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اسی طرح اس کے رخسار پر انگلیاں پھیرتے بیٹھی

رہیں تھیں۔ رات بیتی اور فجر کی اذان کی آواز گونجنے لگی۔ انہوں نے جھک کر بہت محبت سے بخار کی حدت میں مبتلا وجود کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''دیکھو..... سکندر کیسے میں نے اپنی محبت کا حق ادا کیا ہے۔ تمہاری بیٹی کو دل کا ٹکڑا بنا کر رکھا ہے۔ کبھی غم کی آنچ نہیں آنے دی اور آج اس کی بنیادیں مضبوط کر رہی ہوں تو یہ مجھ سے خفا ہو رہی ہے۔ آخر تمہاری بیٹی ہے نا تمہاری طرح بلا کی ضدی تم نہ رہے ہم نے تو تمہارے بعد بھی وفا کی ہے۔'' نم پلکوں کو صاف کرتے تابندہ بی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

ان کے کرنے کو اب سو کام تھے۔ پہلے انہوں نے وضو کر کے نماز ادا کی تھی پھر تلاوت میں مشغول ہو گئی تھیں۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ کچن میں چلی آئیں۔ زہرہ بی (پھپھو) بھی حویلی میں ہی تھیں۔ کل یا آج شام تک اور لوگوں نے نکاح کی تقریب کے سبب حویلی آ جانا تھا۔ انہوں نے عظمت اور تاج سے ناشتا تیار کروایا۔ بابا صاحب کا ناشتا ان کے کمرے میں بھجوا دیا۔ سجاد، اب زہرہ بی اور انہوں نے مل کر ناشتا کیا۔ شہوار بخار اور میڈیسن کے سبب غافل تھی کوئی گیارہ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو اماں اس کے پاس ہی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے اب بخار اترا؟'' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''ہوں..... بخار تو اتر گیا ہے۔ بس ہلکا سا باڈی ٹمپریچر ہے جو عام طور پر ہوتا ہی ہے اٹھو منہ ہاتھ دھو لو ناشتا کر و کل سے تو تم بھوکی ہو۔ وہاں سے ابھی ماں جی، عائشہ کبھی کے فون آ رہے ہیں۔ وہ تم سے بات کرنے کو بے تاب ہیں۔'' بھابی کے کہنے پر وہ خاموشی سے اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو بھابی کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

''یہ شہوار منہ ہاتھ دھو کر آ گئی ہے۔ یہ لو اس سے بات کرو۔'' بھابی نے اشارے سے پاس بلا کر اسے موبائل تھمایا تو وہ الجھی۔

''کس کی کال ہے؟''

''تم بات تو کرو ابھی پتا چل جاتا ہے۔'' بھابی کا انداز شرارتی تھا اس نے موبائل کان سے لگاتے بیڈ کے کنارے پر ہی بیٹھ گئی۔

''ہیلو۔''

''السلام علیکم کیسی ہو؟'' دوسری طرف مصطفیٰ تھا۔ شہوار نے لب بھینچ لیے۔

''بھابی بتا رہی تھیں کہ اچھا خاصا بخار تھا تمہیں۔'' پہلے سوال کا جواب نہ پا کر اس نے مزید پوچھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' وہ پوچھ رہا تھا شہوار کو لگا ہو گویا اس کے اندر آگ دہک اٹھی ہو۔

''بس کو چنگاری دکھا کر تماشا دیکھنا شاید آپ کی فطرت ہے۔ میرے جینے مرنے سے اب آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ تو ایک دم بھڑکی تھی بھابی نے بہت چونک کر اسے دیکھا فوراً لپک کر قریب آئیں۔

''واٹ ڈو یو مین؟'' اس کے یوں آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑنے پر دوسری طرف مصطفیٰ بھی حیران ہوا تھا بلکہ غصے سے بولا تھا۔

''اتنے نا سمجھ اور کم فہم بچے نہیں ہیں کہ مجھ سے وضاحتیں مانگتے پھریں۔ میں کیا چاہتی تھی آپ بے خبر نہ تھے اب اس سارے تماشے کے ذمہ دار آپ ہی ہیں۔ خبردار آئندہ مجھ سے بات کی یا رابطہ کرنے کی کوشش کی تو.....!'' غصے سے کال بند کرتے اس نے موبائل بستر پر پھینکا تو بھابی فوراً اس کے پاس آ بیٹھیں۔ ان کے لیے شہوار کا یہ ایک نیا روپ تھا۔ بڑا حیران کن اور حیرت انگیز۔

''شہوار کیا ہوا کچھ کہہ دیا ہے کیا مصطفیٰ نے؟'' وہ ایک دم شدید پریشان ہوئیں۔

شہوار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ضبط کی انتہا سے اس کا چہرہ لال انگارہ ہو رہا تھا۔ وہ خاصی متفکر ہو چکی تھیں اور پریشانی سے شہوار کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تو اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اپنے اندر اٹھتے طوفان پر بند باندھنا چاہے تھے۔ یہ لوگ تو کچھ بھی نہیں جانتی تھیں ان کے سامنے کچھ کہنا اپنا تماشا بنوانا تھا صرف اور اسے اپنا تماشا بنوانا مقصود نہ تھا۔ اس نے ضبط سے ہونٹ بھینچ لیے۔

''کچھ نہیں بس یونہی۔'' اس نے ندامت سے کہتے اپنی جذباتیت پر قابو پانے کی کوشش کی بھابی نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اس کے الفاظ کا بھلا کیا پس منظر ہو سکتا تھا؟ اس نے مصطفیٰ سے ایسے کیوں کہا؟ انہوں نے اس کے چہرے کو کھوجا۔ موبائل پھر بج رہا تھا۔ شہوار نے خاصی تنگی سے موبائل کو دیکھا یہ بھابی کا موبائل تھا۔ اس کا جی چاہا کہ موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔

"پلیز مجھ سے بات مت کروایئے گا۔ میں ابھی کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے تلخی سے کہتے دوبارہ بستر پر دراز ہوتے کمبل سر تک تان لیا۔ بھابی نے خاصا الجھ کر اسے دیکھا۔ اس کا ری ایکشن بڑا حیرت انگیز تھا۔

"وعلیکم السلام۔" بھابی نے کال ریسیو کی۔ سنا چاہتے ہوئے بھی بھابی کی طرف وہ متوجہ ہو گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ شہوار بھی ٹھیک ہے۔ بخار تو اتر چکا ہے۔ بس نارمل ٹمپریچر ہے شام تک ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ پتا نہیں کسے بتا رہی تھیں۔ شاید دوسری طرف اب کوئی اور تھا مصطفیٰ کے علاوہ۔

"نہیں فکر مت کریں جی اٹھ چکی ہے وہ ناشتا ابھی نہیں کیا۔ میں کروا دوں گی آپ فکر مت کریں۔ بات ..... ابھی ..... ؟ مگر وہ تو ..... اچھا ایک منٹ میں دیکھتی ہوں آپ ہولڈ کریں۔" وہ جو ساری باتیں سن رہی تھی کمبل ہٹا کر بھابی کو دیکھا وہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ماں جی ہیں تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" انہوں نے اس کے دیکھنے پر بتایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

بہر حال وہ مہر النساء بیگم اور شاہزیب صاحب سے مر کر بھی بدتمیزی نہیں کر سکتی تھی کہ یہ دونوں ہی اسے از حد عزیز تھے۔ ان سے بدتمیزی کرنا تو دور کی بات کبھی سر اٹھا کر انکار کی جرأت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اب لے دے کر سارا زور مصطفیٰ پر ہی نکلتا تھا یا پھر تا بندہ پر۔

"السلام علیکم۔" اس نے موبائل تھام لیا۔

"وعلیکم السلام ..... جیتی رہو بخار اترا؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی ..... !"

"میں نے کل ہی بار کال کی تھی تابندہ اور ابراہیم سے ہی بات ہوئی۔" وہ خاموش رہی۔

"کھانا کھا لیا؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"جی ابھی کھائی ہوں۔"

"دھیان دو خود پر۔ اپنا خیال رکھو پرسوں رسم ہے۔ زینب آپا اور زہرہ دونوں کی فیملیاں کل تک پہنچ جائیں گی بلکہ شام تو آ رہی ہیں کچھ لوگ آ جائیں گے۔"

شہوار چونکی مہر النساء بیگم اور انکل سے صرف نکاح کی بات ہوئی تھی۔ اتنی جلدی تقریب ہوگی اسے اندازہ نہ تھا اور نہ ہی کسی نے ذکر کیا تھا جبکہ یہاں آ کر بھی کسی نے نہیں بتایا تھا۔

"تمہارے چہرے کا زخم اب کیسا ہے؟" انہوں نے مزید پوچھا تو وہ چونکی۔

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے اپنے رخسار کو چھوا کئی واقعات ذہن کے دریچے پر جاگے ایک ٹیس سی اٹھی۔ زخم پہلے کی طرح تکلیف تو نہیں دے رہا تھا مگر بہر حال درد اور تکلیف تو تھی۔

"ڈاکٹر زبیری نے جو مرہم لکھا تھا وہ ابراہیم نے ساتھ ہی رکھ لیا تھا۔ وہ لگاؤ پرسوں تک چہرہ صاف ہو جائے تو اچھی بات ہے۔ اب تمہاری ماں کو تو کچھ بتایا نہیں۔ تم بھی ذکر نہیں کرنا میں نے بھی ابراہیم اور سجاد بلکہ سبھی کو سمجھا دیا ہے کیا ہے کچھ نہ بتائیں خوامخواہ پریشان ہوگی۔ چہرے کی بات ہے پہلی نگاہ ہی چہرے پر پڑتی ہے زخم دکھائی دیتا ہے۔ اپنا خیال رکھو کھاؤ پیو دھیان سے میڈیسن لو مجھے تو بس تمہاری ہی فکر لگی ہوئی تھی۔ مہر النساء بیگم کے لہجے میں ایک پرخلوص بے ریا قسم کی فکر مندی تھی۔ شہوار کے دل پر ان کے جذبات کا شدید اثر ہوا تھا۔

"جی بہتر دھیان رکھوں گی۔"

"شاباش جیتی رہو۔ اب تو تم ہماری بیٹی ہو۔ مصطفیٰ کی دلہن کا بہت ارمان تھا وہ ایک عرصہ باہر گزار کر آیا ہے۔ میرا تو دل ہی ہولتا رہتا تھا ہر وقت۔ وہ باہر سے کسی کو ساتھ لے آتا تو میں کیا کر لیتی مگر میرا بیٹا جتنا بھی ضدی خود سر اور منہ زور ہو لے مگر ماں باپ سے حقیقی محبت کرتا ہے۔ اپنی شادی کا فیصلہ مجھ پر چھوڑ کر اس نے گویا مجھے خرید لیا۔ تم ہماری بہو بنتی ہمارا تو ارمان تھا مصطفیٰ نے سعادت مندی کا ثبوت دیتے تمہارے لیے ہاں کہی تو دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ اس قدر عجلت میں یہ سب کر رہے ہیں۔ میرے دل میں تو لاکھوں ارمان تھے کہ یہ کروں گی وہ کروں گی خیر کسر تو اب بھی کوئی نہیں رہنے دوں گی۔ اتنے عرصے سے اتنا کچھ مصطفیٰ کی دلہن کے لیے بنا رہی تھی جب سے تمہارا نام مصطفیٰ کے ساتھ لیا

چاہا تھا تو تمہارا خیال ذہن میں رکھتے تمہارے مزاج اور پسند کے مطابق سب کچھ کر رہی تھی۔'' وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں شہوار نے بہت ضبط سے بھابی کو دیکھا وہ بستر پر بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' اس کے دیکھنے پر انہوں نے اشارے سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میں نے کئی دن سے زیورات کا کہا ہوا تھا کل جا کر لے کر آئی ہوں۔ کچھ اور سامان بھی خریدا ہے۔ کپڑے وغیرہ بھی۔ ظاہر ہے سارا خاندان تو نہیں مگر اہم لوگ تو بھی شامل ہوں گے۔ جتنی بھی سادگی سے کریں مگر خاندانی لوگ ہیں اپنی خاندانی روایت تو برقرار رکھیں گے ہی اور پھر مصطفیٰ میرے گھر کی آخری خوشی ہے اور مصطفیٰ کی زندگی کی تو پہلی خوشی ہو تم۔ جو کچھ بھی کروں کم ہے۔ کچھ کپڑے خریدے ہیں۔ آج تو جمعہ ہے بازار بند ہوں گے۔ کل ہفتہ ہے نکاح کا جوڑا ابھی لانا ہے تم اپنی پسند بتا دو کس رنگ اور کس کپڑے میں جوڑا خریدیں؟'' وہ پوچھ رہی تھیں۔ وہ جو اس ذکر سے بھی بھاگ رہی تھی اس سوال پر لب دبا گئی۔

''میں نے مصطفیٰ کو بھی کہا تھا کہ نکاح کا جوڑا خریدنے ہمارے ساتھ چلے۔ اب پتا نہیں کیا کرتا ہے؟ گھر میں تو دو تین دن ہو گئے ہیں ٹک ہی نہیں رہا۔ صبح سویرے نکلتا ہے اور رات گئے لوٹتا ہے۔ رات بھی بارہ بجے لوٹا تھا نکاح کی رسم کا بتایا تو کہنے لگا کہ اتنی جلدی کیا ہے؟ اور اس قدر اچانک کیوں؟'' وہ مزید بتا رہی تھیں۔

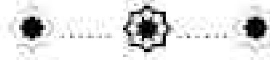
''پھر بتایا نہیں تم نے کہ کس قسم کے کپڑے میں اور کس رنگ میں جوڑا لیں۔'' وہ پھر کہہ رہی تھیں۔

''ہاں جی اس بے چاری سے بھلا کیا پوچھ رہی ہیں یہ بھلا کیا بتائے گی؟ محترمہ اس معاملے میں ساری شرم خود پر اوڑھ چکی ہیں۔'' دوسری طرف سے عائشہ کی شرارتی آواز گونجی تھی۔ شہوار کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں۔

''تم تو چپ کرو ایسے موقعوں پر لڑکیوں کے سو ارمان ہوتے ہیں پھر بتا دینا تم نے ہی پہننا ہے اتنا وقت تو ہے نہیں کہ بھاگ دوڑ کروں۔ پرسوں تقریب ہے آج بازار بند ہیں۔ کل ہی جوڑا خریدا جائے گا۔ ریڈی میڈ لینا ہے سلا سلایا۔ ایک ہی دفعہ اپنی پسند بتا دو کل شام ہم وہاں پہنچ جائیں گے پھر کہاں وقت ہوگا کہ واپس یا بدلوانے آتی رہوں۔'' ماں جی فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

''مجھے نہیں پتا جو دل چاہے کر لیں۔'' اس نے جلدی سے کہتے موبائل بھابی کو پکڑا دیا۔

''آپ خود ہی بات کریں۔'' اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ اضطراب بڑھ رہا تھا۔ ضبط چھلک رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر انکار کر دے کہ اسے یہ سب منظور نہیں مگر اب وقت اس کے ہاتھ سے پھسل چکا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی سوائے پچھتانے کے۔ پرسوں تقریب تھی۔ اس تصور سے شہوار کو اپنا دل منجمد ہوتا محسوس ہوا تو وہ ایک دم بستر سے اتر کر باہر نکل آئی۔ وہ کسی تنہا گوشے میں سب سے نظر بچا کر بہت دیر تک خوب رونا چاہتی تھی۔



عبدالقیوم اور ان کا وکیل اتنے دنوں کی بھاگ دوڑ کے سبب صرف اتنا بندوبست کر سکے تھے کہ کورٹ سے انہیں اپنے بیٹے سے ملاقات کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس سے پہلے یہ لوگ جب بھی تھانے گئے تھے انہیں ایاز سے ملنے نہیں دیا گیا تھا۔ اس وقت یہ لوگ ایاز سے ملنے آئے تھے ان کے ساتھ ان کی بیگم اور بیٹی عادلہ بھی تھیں۔ وہ سیدھا آفس میں آئے تھے وہاں امجد خان فائل کھولے مصروف تھا۔ ان چاروں کو دیکھ کر چونکا۔

''آئیے..... آئیے..... جناب عبدالقیوم! تشریف لائیے۔'' امجد خان نے مسکراتے ہوئے ویلکم کہا تو ان چاروں کے زاویے بگڑ گئے۔

اس شخص نے ان تین چار دنوں میں ان لوگوں کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ عبدالقیوم صاحب کی دولت و امارت کا سارا دم خم نکال کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ایک فون کال سے پہلے کی طرح ان کا بیٹا حوالات سے باہر ہوگا اور جیسے چاہیں وہ پولیس سے سازباز کر کے معاملے کو اپنے طور پر ہینڈل کر لیں گے ان کی یہ ساری سوچ محض خام خیالی ہی ثابت ہوئی تھی۔ ان چند دنوں میں دولت کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

''آئیے بیٹھیے۔'' امجد خان نے آفر کی تو عبدالقیوم صاحب نے لب بھینچ لیے۔

''پچھلے چند دنوں سے تم جس طرح ہمیں ایاز سے ملنے سے روک رہے تھے اس پر ہم آج کورٹ سے یہ اجازت نامہ لے کر آئے ہیں۔ ہمیں ایاز سے ملنا ہے۔'' عبدالقیوم صاحب کے بجائے ان کے وکیل نے کہا اور ساتھ فائل سے ایک پیپر بھی نکال کر امجد خان کے سامنے رکھا۔

''صرف اجازت نامہ کیا ہو گیا ہے عبدالقیوم صاحب آپ کو آپ کی دولت امارت بھی کسی کام نہیں آ رہی۔ اتنے اونچے اونچے لوگوں سے آپ کے تعلقات ہیں مجھے تو گمان

تھا کہ آپ ڈائریکٹ "حماقت" کے آرڈر لے کر آئیں گے مگر افسوس آپ نے تو محض اجازت نامہ لینے پر اکتفا کیا ہے۔" امجد خان نے تمسخر اڑایا۔

"شٹ اپ خبردار ایک لفظ بھی مزید تم نے کہا تو ہمیں ایاز سے ملنا ہے ابھی اور اسی وقت۔" حادلہ نے ایک دم غصے سے بے قابو ہوتے کہا تو امجد خان نے اسے دیکھا۔

"آپ سابق ڈی آئی جی شاہ زیب صاحب کی بہو ہیں آپ کی عزت کر رہا ہوں ورنہ ہمارے تھانوں میں آپ جیسی عورتوں کو جس طرح پرو ٹوکول دیا جاتا ہے آپ بے خبر تو نہیں۔" امجد خان کے الفاظ پر حادلہ کو اپنے وجود میں ایک سنسنی خیز لہر اترتی محسوس ہوئی۔

"ہم زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتے آپ سے بس ہمیں ایاز سے ملوایا جائے۔" وکیل نے مداخلت کی تو امجد خان مسکرا دیا اور سر ہلا کر کھڑا ہو گیا۔

"دل تو نہیں کر رہا ملوانے کا مگر آپ اتنی اونچی جگہ سے یہ آرڈر لے کر آئے ہیں تو اب حرج بھی نہیں۔ آئیں ملواتے ہیں ہم آپ کو آپ کے بیٹے سے۔"

"ہم اکیلے ملنا چاہتے ہیں ایاز سے۔" عبدالقیوم صاحب نے کہا تو امجد خان نے بغور دیکھا۔

"مگر اس اجازت نامے پر ایسی کوئی شرط درج نہیں ہے۔"

"آپ کن باتوں میں الجھ رہے ہیں مجھے ایاز سے ملنا ہے۔ بس جس طرح بھی ہو آپ براہ مہربانی ایاز کے پاس لے چلیں۔" بیگم عبدالقیوم نے شوہر کو کہتے امجد خان سے منت کی تو وہ کندھے اچکاتے آگے چل دیا تو مجبوراً باقی لوگوں کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی تھی۔

"اٹھ اوئے...... تیری ملاقات آئی ہے۔" ایک سیل کے قریب آ کر امجد خان نے پہرہ دیتے کانسٹیبل کو اشارہ کیا تو اس نے فوراً دروازہ کھولتے پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔

"ہائے میرا بیٹا۔" بیگم عبدالقیوم ایاز کو دیکھ کر تڑپ کر آگے بڑھیں تھیں۔ حادلہ وکیل صاحب اور عبدالقیوم تینوں ایاز کی حالت دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے۔

وہ زمین پر چٹائی پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر چند روز پہلے پہنی جانے والی پتلون کے سوا کچھ نہ تھا۔ پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ جسم سارا نیل و نیل تھا اور چہرے کی ساخت ہی بدلی ہوئی تھی۔ بے تحاشا مار پیٹ سے سوج کر پپا بنا ہوا تھا۔ بمشکل اس کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ کانسٹیبل کی ٹھوکر سے وہ بامشکل کہنیوں کے بل اٹھا تھا۔ ہاتھ اور بازو یوں تھے جیسے کام کرنے سے قاصر ہوں۔

"یہ...... یہ کیا حالت بنا دی ہے تم لوگوں نے اس کی؟" عبدالقیوم صاحب کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کے چہیتے بیٹے کی یہ حالت ہوئی۔

"کیوں پسند نہیں آئی؟ عبدالقیوم صاحب! آپ کا بیٹا کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں نہیں بیٹھا ہوا تھانے میں ہے اور تھانے میں خطرناک مجرموں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ شکر کرو یہ تمہیں زندہ حالت میں زمین کے اوپر مل رہا ہے ورنہ جو اس کا قصور تھا اس رات جب یہ گرفتار ہوا تھا اس دن پولیس ان کاؤنٹر میں مار دیا گیا ہوتا اور اب تک تم لوگ اس کو زمین کے اندر دفنانے کے بعد رونے دھونے کے کام سے بھی فارغ ہو چکے ہوتے۔" امجد خان کا لب و لہجہ پتھریلا اور سخت تھا سب ہی کے دل لرز اٹھے تھے۔ بیگم عبدالقیوم اپنے قیمتی ملبوس کی پروا کیے بغیر زمین پر بیٹھ کر بیٹے کا سر سینے سے لگا چکی تھیں۔ بھائی کی حالت دیکھ کر حادلہ بھی قریب بیٹھ گئی تھی اس کی اس وقت ساری اکڑ نکل چکی تھی۔

"میں زندہ نہیں چھوڑوں گا ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ تم سب کو حوالات میں بند کروا دوں گا۔ کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" عبدالقیوم صاحب تو بیٹے کی حالت دیکھ کر پاگل ہوئے جا رہے تھے۔

ایاز مار پیٹ سے اس قدر نڈھال تھا کہ اس نے صرف آنکھیں کھول کر دیکھنے کی ہمت کی تھی باقی اس کا سارا جسم کام کرنے سے قاصر تھا۔ اس کی ٹانگیں اور بازو اکڑے ہوئے تھے گویا ٹوٹ گئے تھے اور چہرے کی جو حالت تھی گویا آگ کی بھٹی میں جلا کر جھلسا دیا گیا ہو۔

"ڈیڈ مجھے یہاں سے نکالو۔ یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔" وہ کراہا تھا۔ کمزوری اور نقاہت سے آواز ایسی تھی کہ بمشکل حادلہ اور ماما سن پائی تھیں۔

"ہائے میرا بچہ!" بیگم عبدالقیوم بیٹے کے سر کو سینے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"میرے بیٹے کا اتنا بڑا قصور نہیں تھا کہ اس کی یہ حالت کر دی جاتی۔" امجد خان ہنسا۔

"قصور؟" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"قصور تو واقعی کوئی چھوٹا نہ تھا۔ مگر اس کو خود پر ترس نہیں آیا اس نے اپنی یہ حالت خود بنوائی ہے۔ بڑی تیز زبان چلتی تھی اس کی چند گالیاں دی تھیں اس نے اور صرف چند ہاتھ لگے تھے اس کو اور یہ حالت ہو گئی اگر ہم واقعی مار دھاڑ کرتے تو اب تک یہ زمین کے اندر ہوتا۔"

"ہم لوگ آپ کے خلاف مقدمہ کریں گے۔" وکیل نے جواباً دھمکی دی۔

''ضرور..... مگر ہمارا ایک اہلکار زخمی ہوا ہے۔'' امجد خان نے مسکرا کر کہا۔

''وہ بچ گیا ہے۔ اس کی صرف ٹانگ پر گولی لگی تھی۔'' عبدالقیوم بھی بیٹے کے پاس جا بیٹھے تھے وکیل ہی مخاطب تھا۔

''وہ مر بھی سکتا ہے۔'' امجد خان کا انداز اس قدر سیریس اور سنجیدہ تھا کہ بھی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کا لب و لہجہ اٹل تھا۔

''یہ جھوٹ بولتا ہے میرے خلاف اس نے جھوٹا کیس بنوایا ہے۔ اس حرامی نے مصطفیٰ اور اس کے باپ کے ساتھ مل کر میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے اس مصطفیٰ نے بہت مارا ہے۔ وہ مجھے مار دے گا میں نے کوئی چوری نہیں کی میرے ساتھ کوئی ساتھی نہ تھا انہوں نے ہوٹل سے مجھے پکڑ اور یہ جھوٹا کیس بنا کر ادھر بند کر دیا۔'' روتے ہوئے ایاز کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز اتنی دھیمی اور نقاہت زدہ تھی کہ یہ تینوں بمشکل اس کے الفاظ سن اور سمجھ پائے تھے جبکہ وکیل اور امجد خان ایک دوسرے سے دھمکی آمیز لہجے میں ہنوز محو گفتگو تھے۔

''یہ سب مصطفیٰ اور اس کے باپ نے کروایا ہے؟'' نادل نے بے یقینی سے پوچھا تو ایاز نے سر ہلایا۔

''مگر کیوں؟'' مام نے بھی پریشانی سے پوچھا۔ انہیں اس کہانی کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''اس مینی شہوار کی وجہ سے۔''

''ہم رشتہ لے کر گئے تھے اس لیے؟'' نادل نے مزید پوچھا تو وہ چپ رہا کہ اس سے اب مزید ایک لفظ بھی کہنا محال تھا۔ وہ آنکھیں موندے محض ماں کے سینے سے سر لگائے ہوئے تھے۔

''یہ رشتے والا کیا قصہ ہے؟'' عبدالقیوم جو بیٹی اور بیوی کی اس معرکہ آرائی سے بے خبر تھے سو حیران ہو کر پوچھا۔

''بعد میں گھر جا کر بات کرتے ہیں۔'' نادل نے لب بھینچ لیے۔ اسے اب ساری کہانی کی سمجھ آ رہی تھی۔

وہ لوگ ان کا شہوار کے لیے رشتہ لے جانے پر اس طرح کا بھی سلوک کر سکتے تھے وہ حیران تھی۔ ایاز کی حالت انتہائی خراب تھی۔ اسے لگا کہ اگر ایاز چند دن مزید حوالات میں رہا تو مر جائے گا۔

''اس کو ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ کسی ڈاکٹر کو بلواؤ اس طرح تو اس کی حالت اور خراب ہو گی۔'' نادل نے امجد خان سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''بڑا ڈھیٹ ہے آپ کا بھائی۔ اتنی جلدی ہمارا ابھی اسے مارنے کا ارادہ نہیں ہے۔ ہم ڈاکٹر کو بلوا دیتے ہیں فکر مت کریں۔'' نادل کے ساتھ وہ دوسروں کی نسبت ذرا تمیز سے بولا تھا۔

''یہ تم لوگوں نے اسے کہاں رکھا ہوا ہے کہیں اور نہیں رکھ سکتے؟''

''بی بی سب مجرموں کو ادھر ہی رکھا جاتا ہے ایسی ہی کوٹھریوں میں۔'' نادل نے بڑی بے بسی سے بھائی کو دیکھا۔ کہاں وہ قیمتی امپورٹڈ قالینوں کو اپنے بوٹوں تلے روندنے والا اس وقت کھجور کی چٹائی پر انتہائی خراب حالت میں پڑا ہوا تھا۔

''اس کو یہاں سے کب نکالا جائے گا؟'' انتہائی ضبط سے اس نے امجد خان سے پوچھا۔

''ہم نے فائل آگے بھیج دی ہے جیسے ہی کوئی پیش رفت ہوئی عدالت نے تاریخ دی تو وہاں پیش کر دیں گے۔'' امجد خان کا انداز بے پروا تھا۔

''تم یہ کیس ختم کرنے اور اسے چھوڑنے کا کیا لو گے؟'' بیٹے کی حالت دیکھ کر عبدالقیوم کا دل رو رہا تھا۔ انہوں نے مفاہمت کا انداز اختیار کیا اور صلح جو انداز میں کہا۔

''لالہ رخ کو جانتے ہو؟'' جواباً ازحد سنجیدگی سے امجد خان نے پوچھا تو عبدالقیوم تو ایک طرف ان کی بیگم اور وکیل صاحب دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کو..... کون لالہ رخ؟'' عبدالقیوم کا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔ امجد خان استہزائیہ مسکرا دیا۔

''لالہ رخ پچیس تیس سال پرانی ایک زندہ کہانی تھی پھر اچانک اس کا شوہر منظر سے غائب ہو گیا۔ لالہ رخ اور اس کے تینوں بچے گھر میں آگ لگ جانے سے مر گئے۔'' امجد خان کا لہجہ ایک دم سنگلاخ ہوا تھا۔ نادل نے حیرت سے کچھ نہ سمجھنے کی طرح اپنی ماں کے سفید ہوتے چہرے کو دیکھا۔

''لالہ رخ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا تمہاری بھی تو دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے نا؟'' امجد خان مزید کہہ رہا تھا۔

''ہمیں نہیں پتا تم کیا کہہ رہے ہو؟'' عبدالقیوم نے ایک دم سنبھل کر کہا تو امجد خان قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''اس کیس کو ختم کرنے کی میری یہی قیمت ہے لالہ رخ۔ کہو سودا کرو گے؟ میں لالہ رخ کے ماضی کو عوام کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔ کیوں منظور ہے؟''

''تم کون ہو؟'' وکیل صاحب نے اپنے حواس پر قابو پا کر امجد خان کو دیکھا۔

''لالہ رخ کی ماں کے ایک وفادار ملازم کا بیٹا۔'' امجد خان نے نہایت تن کر کہا تو تینوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

''وہی وفادار ملازم جس نے لالہ رخ کے حویلی سے بھاگنے میں مدد کی تھی۔ گھبراتے کیوں ہیں آپ لوگ' بے فکر رہیں جب تک سارے حقائق سامنے نہیں آ جاتے ہمارا ابھی آپ کے بیٹے کو مار دینے کا کوئی ارادہ نہیں۔'' امجد خان نے ہنس کر کہا۔

''اچھی خاصی ناجائز دولت جمع کر رکھی ہے۔ تھوڑی بہت غریبوں میں بھی بانٹ دیا کریں۔ کہتے ہیں کہ صدقہ خیرات کرنے سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ ہمارا مقصد آپ کے بیٹے کو تھوڑا سا سبق سکھانا تھا۔ جس دن اس کی عقل ٹھکانے آ جائے گی تو ہم خود ہی اس کو چھوڑ دیں گے۔'' امجد خان کی ناقابل فہم باتیں تھیں۔ عبدالقیوم صاحب نے ایک دم رومال جیب سے نکال کر اپنی پیشانی پر آنے والا پسینہ صاف کیا۔

''اس کے ہاتھ پیر ٹانگیں بازو سب سلامت ہیں۔ آپ لوگوں کو براہ راست یہاں کا درشن اس لیے کروایا ہے کہ آئندہ اپنے ناپاک ارادے لے کر آپ میں سے کوئی ڈی آئی جی صاحب کے خاندان تک گیا تو یہ جو آپ کو زمین کے اوپر دکھائی دے رہا ہے اسے زمین کے اندر کرنے میں صرف ایک پل لگے گا۔'' امجد خان کا انداز خاصا دھمکی آمیز ہوا تھا۔

''رہ گئی لالہ رخ والی کہانی تو کسی دن فرصت سے آیئے گا اپنی بیگم اور ان وکیل صاحب کو لے کر سارے کہانی تفصیل سے سناؤں گا۔'' امجد خان کا مسکراتا انداز بلا کا سنجیدہ تھا۔

''ملاقات کا وقت ختم ہوا اب آپ جا سکتے ہیں۔ ان لوگوں کو باہر کا رستہ دکھاؤ۔'' امجد خان کے اشارہ کرنے پر کانسٹیبل فوراً آگے بڑھا۔

''چلیں جی اب نکلیں یہاں سے۔'' امجد خان کا انداز سنجیدہ اور تیور برے غیض بھرے تھے۔ وہ لوگ باہر نکلتے پیر سے دار کانسٹیبل نے گوری کو تالا لگا دیا۔ امجد خان کے تیور دیکھ کر وہ لوگ مزید ایک لفظ بھی کہے بغیر باہر نکل آئے تھے۔

''وہ شخص کیا بکواس کر رہا تھا اور آپ لوگ ایسے کیسے نکل آئے وہاں سے؟'' عادلہ باہر آ کر ماں باپ سے بولی تھی۔

''میرے بچے کی حالت دیکھی کیسے ظالموں نے بری طرح مارا پیا ہے؟'' بیگم بھی رونے لگیں۔

''یہ رشتہ لے جانے کا کیا قصہ تھا؟'' عبدالقیوم نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''ایاز کو شہوار پسند تھی اس نے ماں جی اور مجھے رشتہ لے جانے کے لیے کہا تھا۔ ہم وہاں گئے تو انہوں نے انکار کر دیا۔'' عادلہ نے آہستگی سے بتایا۔

''تو تم لوگوں نے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا اور ایاز ذکر کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے اسے ہوٹل سے اٹھایا تھا تو کہیں وہ کسی لڑکی کے ساتھ تو نہیں تھا؟'' وہ سب اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے ڈرائیور نے گاڑی وہاں سے نکال لی تھی۔

''پتا نہیں۔'' عادلہ بھائی کی حالت سے خود بھی خاصی رنجیدہ تھی۔

''مصطفیٰ کو اس سارے قصے سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس نے ایاز کو اس جھوٹے کیس میں کیوں الجھایا؟''

''جہاں تک مجھے علم ہے مصطفیٰ شہوار کو کالج لاتا لے جاتا تھا آج کل۔ ایاز اسی کالج میں تھا وہاں اس نے شہوار کو چھیڑا تھا تو اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا تھا۔ ایاز کو چیئرمین اور اساتذہ نے وارننگ دی تھی اس کے بعد ایاز نے کالج چھوڑ دیا تھا۔ مگر شہوار سے متعلق اس کے جذبات وہی تھے۔ پھر اس نے ہمیں رشتہ لے جانے کے لیے کہا وہاں سے انکار ہوا تو ایاز نے بہت برا منایا تھا میرے سامنے اس نے خاصی دھمکی آمیز باتیں بھی کی تھیں۔ اس کے بعد کیا صورتحال ہوئی مجھے نہیں پتا۔'' عادلہ نے ساری تفصیل بتا ڈالی۔

''تو آپ کی؟'' عبدالقیوم صاحب نے ہونٹ سکیڑے۔

''سر ایسا بھی تو ممکن ہو سکتا ہے کہ ایاز صاحب نے جذباتی ہوتے اس لڑکی کو اٹھوا لیا ہو اور اس ہوٹل میں آیا ہو بعد میں پکڑا گیا ہو اور اپنی لڑکی کی وجہ سے انہوں نے اصل معاملہ دبانے کے لیے ایاز پر یہ جھوٹا کیس ڈالا ہو۔'' وکیل صاحب بھی اب عقل کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

''یہ بھی ممکن ہے مگر حتمی طور پر تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بھی ایاز نے کہہ دیا تو ہمیں اندازہ ہو رہا ہے۔ اب پتا نہیں کہ دوبارہ ملاقات ہوتی ہے کہ نہیں۔ ایاز کی حالت بھی تو خاصی بگاڑ دی ہے۔ لالہ رخ کی دھمکی دی ہے اس شخص نے۔ اب اگر میں الٹا سیدھا بے جا میں رکھنے کا کیس کرتا ہوں تو یہ اس مہرے کو میرے خلاف استعمال بھی کر سکتے ہیں۔'' عبدالقیوم صاحب خاصے پریشان تھے۔

"یہ لالہ رخ کون ہے؟" حاولہ نے پوچھا تو تینوں کو احساس ہوا کہ ابھی اس گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے۔

"پتا نہیں کون ہے۔ ہمیں تو خود بھی نہیں پتا۔" عبدالقیوم نے بیٹی کو بہلایا۔

"تو آپ اس پر کیس کریں نا اگر یہ سارا قصہ اسی طرح ہے جیسا کہ وکیل صاحب بیان کر رہے ہیں ہم اگر کیس کرتے ہیں اور اخبار میں اس طرح خبر دیتے ہیں تو ان لوگوں کی ہی بدنامی ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح یہ لوگ ایاز کو چھوڑ دیں۔" حاولہ نے کہا تو عبدالقیوم صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس طرح الٹا ہمیں ہی پرابلم ہوگی۔ اگر اصل قصہ سامنے آئے گا تو یہ لوگ اس کیس کو اور اچھالیں گے بلکہ ایاز کے پچھلے تمام کیسز جو اندراج ہی نہیں ہوئے پولیس تک پہنچنے ہی نہ دیے تھے وہ بھی منظر عام پر آ سکتے ہیں اور ایسے موقعوں پر ہمارے بہت سے مخالفین بھی سامنے آ سکتے ہیں۔"

"تو کیا اب ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ دیکھا نہیں میرے بیٹے کی کیا حالت بنا دی ہے۔ کیسے بری طرح اسے مارا تھا۔ اس سے بولنا بھی محال تھا۔ حتیٰ کہ آنکھیں تک کھولنے میں اسے تکلیف ہو رہی تھی۔" مام ایک دم سسک سسک کر رونے لگیں۔

"تم لوگ چپ کرو کرتا ہوں میں کچھ نہ کچھ۔ یہ لڑکا اول روز سے میرے لیے پرابلم ہی کری ایٹ کرتا رہا ہے۔ کبھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا۔ اس نے الٹا جو معاشرے میں ایک ساکھ تھی عزت تھی وہ بھی ملیا میٹ کر دی ہے۔ یہ لوگ اگر پوری پلاننگ کے ساتھ ایاز کو گرفتار کر سکتے ہیں تو اور بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہر چیز سوچ سمجھ کر رکھی ہوگی۔ ان لوگوں کو اندازہ ہوگا کہ ایاز ہمیں اصل صورت حال ضرور بتائے گا اور اس کے بعد ان لوگوں نے ہم سے کیسے ڈیل کرنا ہے یہ بھی طے کیا ہوگا۔ یہ وقت جذباتیت کا نہیں ہوش کا ہے۔ سوچ سمجھ کر ہی اب کچھ کرنا ہوگا ہمیں۔" عبدالقیوم صاحب نے ڈانٹ کر کہا تو دونوں خواتین چپ ہو گئیں۔

"تم ایک کام کرو حاولہ اپنے سسرال جاؤ۔ ان سے بات کرو۔ وہ تمہارا بھائی ہے۔ اپنے بھائی کے لیے اتنا تو کر سکتی ہو نا؟" مام کچھ دیر خاموش رہی تھیں پھر حاولہ کا ہاتھ تھام کر کہنے لگیں۔

"نو...... نیور مام مجھے وہاں نہیں جانا۔" اس نے فوراً انکار کر دیا۔

"تم وہاں نہ جاؤ مگر عباس سے تو بات کرو۔" مام جی نے نئی راہ دکھائی۔

"اگر وہ سب سچ ہوا جس کی نشاندہی وکیل صاحب نے کی ہے تو میں وہاں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ آپ کو نہیں پتا اپنی خواتین کے معاملے میں یہ لوگ کس قدر ٹچی ہیں۔ اگر وہ سب سچ ہوا تو عباس مجھے دیکھتے ہی میرا گلا دبا دے گا۔" اس نے پھر نفی میں گردن ہلائی۔

"حاولہ بے بی! آپ کی مام کچھ حد تک ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ عباس صاحب سے ان کے گھر جا کر مت ملیں ان کے آفس چلی جائیں۔ باہر کی دنیا سے ہمیں کچھ بھی پتا نہیں چلے گا۔ اتنے دن ہو گئے ہیں ایاز صاحب حوالات میں بند ہیں۔ ہمیں اندازہ ہی نہ تھا کہ اصل کیس کیا ہے؟ اب اگر عباس صاحب کے پاس آپ جاتی ہیں تو آفس میں اپنی عزت کے پیش نظر کسی بھی قسم کی صورت حال کری ایٹ کرنے سے گریز کریں گے ہاں ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہمیں ان کی باتوں سے اپنے کیس کو ہینڈل کرنے میں مدد مل جائے گی۔"

"دیٹس گڈ پوائنٹ۔" وکیل صاحب نے کہا تو بابا نے بھی سر ہلایا۔

"تم آج بلکہ ابھی جاؤ۔ آج ہاف ڈے ہے وہ لوگ ابھی آفس میں ہی ہوں گے۔ تم عباس سے ملنا اور واپس آ جانا بس۔" عبدالقیوم صاحب نے بھی کہا تو اس نے نیم رضامندی سے سر ہلا دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ ہم وہیں چلتے ہیں اور باہر رک کر تمہارا ویٹ کریں گے اوکے۔" عبدالقیوم نے فوراً لائحہ عمل ترتیب دیا۔

●……۞……●

فاروقی صاحب نے اسے چند کاغذات دیے تھے جن کی کچھ کاپیز پرنٹر سے نکال کر مختلف شعبوں میں بھیجنی تھیں۔ مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ان پر عباس صاحب کے دستخط ضرور کروانے تھے یہ کام فوراً اور آج کی ہی تاریخ میں کرنا تھا۔ آفس آف ہونے میں کچھ وقت تھا۔ اس نے جلدی جلدی کمپیوٹر ورک مکمل کرتے تمام پرنٹ نکالے۔ اس نے تمام کاغذات فائل میں لگائے آفس بوائے کو بلا کر فائل عباس صاحب کے آفس میں بھجوا دی۔ جس دن سے اس نے آفس جوائن کیا تھا فاروقی صاحب اور شاہزیب صاحب کے انڈر ہی کام کر رہی تھی۔ ابھی تک براہ راست عباس صاحب سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ کل سے وہ اپنے آفس کیبن میں ہی بیٹھ رہی تھی مگر کام فاروقی صاحب اور شاہزیب صاحب کی نگرانی اور ہدایات کے مطابق کر رہی تھی۔

''عباس صاحب کہہ رہے ہیں کہ ان کاغذات کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی یہ کس سلسلے میں بھیجے گئے ہیں۔ وہ آپ کو آفس بلوا رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ خود آ کر دستخط کروائیں۔''
آفس بوائے نے واپس فائل لا کر اسے تھما دی۔
''اچھے بھلے تو کاغذات سمجھ آ رہے ہیں۔ عباس صاحب کا دماغ خراب ہے جو سمجھ نہیں آ رہی......!'' اس نے فائل کھول کر کاغذات دیکھے۔ چند صفحات الٹے پن اپ ہوئے تھے رابعہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔
''ایک یہ تو شخص ٹھیک باس والا رویہ رکھتا ہے۔ ذرا سا کاغذات کیا غلط انداز میں پن اپ ہوئے ہیں لے کے فائل ہی واپس بھجوا دی ہے۔ باقی سب کتنے اچھے ہیں شاہ زیب صاحب کتنے کائنڈ اور سوفٹ نیچر کے ہیں اور یہ کھڑوس نجانے کس پر چلا گیا ہے ہر وقت غصے ناک پر رہتا ہے۔ کیا تھا خود ہی کاغذات درست کر لیتا اب اس کی شکل جا کر دیکھو۔''
تمام کاغذات دوبارہ پن اپ کرتے احتیاطاً دوبارہ نظر ثانی کرتے اپنی غلطی ڈھونڈنے کی کوشش کی اور پھر مطمئن ہو کر کھڑی ہو گئی۔ آفس بوائے جا چکا تھا اس کا مطلب تھا اب عباس صاحب کے آفس خود جانا تھا۔ وہ فائل لے کر کیبن سے نکلی تو ہادیہ چلی آئی وہ جانے کے لیے تیار تھی۔
''کیا خیال ہے...... ٹائم ہو گیا ہے چلیں؟'' وہ ہادیہ کے ساتھ ہی آدھے رستے تک آتی تھی۔ بعد میں وہاں سے رکشہ لے کر وہ آتی جاتی تھی۔
''میں ذرا فائل پر دستخط کروا لوں فاروقی صاحب کو آج ہی چاہیے۔''
''ٹھیک ہے میں ادھر ہی بیٹھ کر ویٹ کرتی ہوں۔ تم جلدی آنا۔'' ہادیہ اس کے کیبن میں داخل ہو گئی تو وہ فوراً اپنی چادر سنبھالتی فائل لیے عباس صاحب کے آفس کا دروازہ ناک کیا۔
''یس کم ان۔'' وہ اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئی تو عباس نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
''السلام علیکم۔'' اس نے عادت کے مطابق سلام کیا تو عباس نے سر ہلایا۔
''سر...... ان کاغذات پر آپ کے دستخط چاہئیں۔'' اس نے فائل اس کے سامنے رکھی تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
''فائل میرے پاس پہلے آ چکی ہے۔'' اسے لگا کہ عباس نے اسے جتایا ہے۔
''پیپرز میں پن اپ کی غلطی تھی۔ وہ آپ خود بھی درست کر سکتے تھے۔'' اس نے بھی طنز کیا۔
''یہ درستگی کرنے والا کام ہادیہ اور فاروقی صاحب تو آپ کے قصور میں کرتے ہوں گے مگر مجھے ہر کام مکمل اور درست حالت میں اچھا لگتا ہے۔'' عباس نے فائل اپنے سامنے کی تھی۔ رابعہ نے بمشکل خود پر ضبط کیا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ پیپر ویٹ اٹھا کر اس شخص کے سر پر دے مارے۔ نہایت بدمزاج تھا یہ شخص...... وہ گلسی۔
''یہ فائل تو میں نے صبح فاروقی صاحب کو سینڈ کی تھی اب کیوں مل رہی ہے؟'' پیپرز چیک کرتے عباس نے ایک اور اوبجیکشن اٹھایا۔
''کیوں کہ مجھے بھی فاروقی صاحب نے ابھی دی تھی اور پھر فوراً پرنٹ نکالے تھے۔'' اس نے خاصا چبا کر کہا تو عباس نے اسے دیکھا۔ وہ خاصے تیکھے انداز میں کھڑی تھی۔
''یہاں دستخط کرنے ہیں۔'' اس نے قدرے جھک کر کاغذات کے ایک کونے پر انگلی رکھی۔
''مجھے پتا ہے میں نے ہی یہ کاغذات کمپوز کروائے تھے۔'' وہ دستخط کر رہے تھے رابعہ نے غصے سے اس شخص کو دیکھا سر جھکائے دستخط کرتے وہ خاصا پروقار اور ڈیسنٹ لگ رہا تھا چہرے پر بلا کی سنجیدگی رقم تھی۔
''اوف...... کتنا خود پسند ہے یہ شخص؟'' تبھی کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ دستخط کرتے سر اٹھا کر عباس نے آنے والے کو دیکھا۔
سادل کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا اور فائل پر دستخط کرتا اس کا ہاتھ ساکن ہو گیا تھا۔
''ہیلو۔'' رابعہ نے بھی پلٹ کر دیکھا۔
اچھی خاصی خوب صورت کافی ماڈرن لڑکی تھی اور جس طرح مسکرا کر ہیلو کہا تھا اس نے یہی اندازہ لگایا کہ عباس کی کوئی جاننے والی ہے۔ عباس کے اسے دیکھتے ہی چہرے کے زاویے تن گئے تھے۔
''تم......؟'' اس نے قلم فائل پر رکھا۔ سادل اس کے دائیں طرف آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔
''کیا لینے آئی ہو تم ادھر؟'' رابعہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اس نے کافی تیکھے لب و لہجے میں پوچھا۔

"بیوی ہوں تمہاری تم سے ملنے پر پابندی ہے کیا؟" ایک ادا سے کہتے عادلہ نے اپنا پرس ٹیبل پر رکھا۔

"شٹ اپ...... میں ادھر کوئی تماشا افورڈ نہیں کرسکتا۔ گیٹ آؤٹ ان آ ون مومنٹ فرام ہیئر۔" عباس ضبط سے کہتا اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ شہوار والے حادثے کے بعد وہ اب اس عورت کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

"تمہارے بھائی نے میرے بھائی کو حوالات میں بند کروادیا ہے۔ تمہارا کیا خیال تھا کہ مجھے اصل صورتحال کا علم نہیں ہوگا؟ اس دو ٹکے کی لڑکی کی عزت کی اتنی پروا اور ہماری عزت دو کوڑی کی کرواکر رکھ دی ہے تم لوگوں نے؟" جواباً وہ بھی پھنکاری تھی۔

"تم...... یو...... شٹ اپ......!" رابعہ کے سامنے اس تذلیل پر عباس نے ایک دم بھنا کر سامنے پڑی فائل اٹھا کر عادلہ کی طرف اچھال دی۔ فائل میں لگے کاغذات ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ رابعہ کے لیے یہ ساری صورتحال عجیب سی تھی اور عباس کا ردعمل اور بھی حیران کن تھا۔ اس نے اپنی بے ساختہ اٹھتی چیخ کو منہ پر ہاتھ رکھ کر روکا۔

"مجھے تم اس طرح چپ نہیں کرواسکتے۔ میں پولیس میں جاؤں گی اور تمہارے خاندان کی سب حقیقت بتادوں گی۔ کیسے خاندانی بنانے پر تلے ہوئے ہو اس لڑکی کو زمانے بھر میں بدنام نہ کیا تو عادلہ نام نہیں میرا۔" عادلہ بجائے خائف ہونے کے دوبدو بولی تھی۔

"گیٹ آؤٹ...... آئی سے گیٹ آؤٹ اگر تم ایک منٹ میں یہاں سے دفع نہ ہوئی تو میں اپنے گارڈ کو بلوا کر دھکے دے کر یہاں سے باہر پھنکوادوں گا۔" عباس کا انداز اتنا دو ٹوک سخت اور پتھریلا تھا کہ رابعہ تو ایک طرف عادلہ کو بھی اندازہ ہوگیا کہ اگر وہ یہاں سے ایک منٹ کے اندر اندر غائب نہ ہوئی تو وہ واقعی یہاں سے دھکے دے کر نکال دے گا۔ عادلہ کو سامنے کھڑی لڑکی کے سامنے اس درجہ اہانت و ذلت اٹھانے پر شدید ہتک کا احساس ہوا۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے میں بات کیے بغیر نہیں جاؤں گی۔" عادلہ نے اب کے دھیمے انداز میں کہا مگر انداز ہٹیلا تھا۔ عباس نے ایک پل اس کے تاثرات نوٹ کیے اور پھر انٹر کام اٹھالیا۔

"عمر فوراً ہر ایک دو گارڈز میرے روم میں بھیجو۔" اس کا انداز بہت پتھریلا تھا۔ رابعہ تو ایک طرف عادلہ کے چہرے کا بھی رنگ اڑ گیا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اس قدر گھٹیا ہو۔"

"حیرت ہے اتنا عرصہ میرے ساتھ گزارنے کے باوجود میری فطرت کا اندازہ نہیں لگا پائیں تم؟" وہ تمسخر سے ہنسا۔

"میں اس سے بھی زیادہ گھٹیا ہوں سنا تم نے۔" وہ چیخا اور تبھی گارڈز اندر داخل ہوئے تھے۔

"انہی لوگوں کے سامنے تم نے مجھے ذلیل کیا ہے نا؟ دیکھنا اب انہی کے ہاتھوں تمہیں ذلیل کرواؤں گی۔ پچھتاؤ گے تم ایک دن پچھتاؤ گے۔" وہ دھمکی دیتی گارڈز کو نظر انداز کرتے وہاں سے نکل گئی تھی۔ عادلہ کے جاتے ہی عباس اپنی چیئر پر گرا تھا۔

رابعہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ اس کے لیے عباس کا یہ ردعمل بڑا شدید تھا۔

"تم لوگ جاؤ۔" صورتحال کا جائزہ لیتے رابعہ نے گارڈز کو چلتا کیا اور پھر کن انکھیوں سے عباس کو دیکھا وہ کہنیاں میز پر ٹکائے دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر تمام بکھرے کاغذات سمیٹ کر فائل میں لگائے۔ پھر اس نے سائیڈ پر رکھے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

"سر یہ پانی پی لیں۔" عباس اسی طرح سر ہاتھوں پر گرائے بیٹھا تھا۔ چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔ رابعہ گلاس میں پانی لیے کھڑی تھی۔

"تھینکس مس رابعہ آپ جائیں۔" عباس نے پانی لے کر سائیڈ پر رکھا۔

"مگر سر...... یہ فائل؟"

"یہ فاروقی صاحب کو سائن کر کے میں بھیج دوں گا آپ جائیں پلیز۔" اس لڑکی کے سامنے اس سارے ہنگامے کا احساس ہی بڑا شدید تھا۔ اس نے سخت لہجے میں کہا تو رابعہ فوراً فائل اس کے سامنے رکھتے وہاں سے بھاگ نکلی۔

"نانی فٹ۔" عباس نے اس کے جاتے ہی غصے سے پیپر ویٹ دیوار پر کھینچ مارا مگر غصہ ختم ہونے کے بجائے مزید بڑھا تو عباس نے سائیڈ پر رکھا گلاس منہ سے لگالیا۔

"اوف...... اپنے کیبن میں آ کر اس نے ہلکا سا سانس لیا۔

"کیا ہوا؟" نادیہ جو اس کے کمپیوٹر پر گیم کھیل رہی تھی اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں چلو چلتے ہیں۔" سر عباس کے روم میں جو بھی ہوا تھا وہ اب پتا نہیں ہادیہ سے بیان کرنے کے قابل تھا کہ نہیں۔ اس وقت تو دماغ بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔

"یہ سر عباس کتنے نفیس ہیں کیا یہ ان کی بیوی تھی؟ کتنی حسین تھی مگر کتنی بدتمیز بھی مگر ہمیں کیا؟ سر عباس کون سا کم ہیں۔ یقیناً کوئی سیریس بات ہوئی ہوگی جو بیوی یہاں تک آ پہنچی ہے۔" تمام اشیاء سمیٹ کر بیگ میں ڈالتے وہ اسی الجھن شکار رہی۔ پھر سر جھٹک کر وہ ہادیہ کے ہمراہ باہر نکل آئی تھی۔

"کیا بات ہے پریشان ہو؟" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ہادیہ نے پوچھا تو وہ چونکی۔

"آں...... نہیں...... بس کوئی بات نہیں۔"

"سیٹ ہونا؟"

"ہوں......" اس کا دھیان ابھی تک سر عباس کے روم میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

"میں نے ماما کے لیے کچھ میڈیسن لینی ہیں۔ تم ٹھہرو میں آتی ہوں۔" ہادیہ نے ایک بہت مشہور آرتھوپیڈک کلینک کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے کہا تو رابعہ نے سر ہلا دیا۔ کلینک کے ساتھ ہی میڈیکل اسٹور تھا۔ ہادیہ اپنا بیگ لیے اسٹور کی طرف چلی گئی۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر خاتون پہلے ہی موجود تھیں۔ ان کا بازو ٹوٹا ہوا تھا۔ گلے میں لٹکی رسی میں ہاتھ ڈالا ہوا تھا۔ بازو پر پلستر چڑھا ہوا تھا۔

"یہ میڈیسن دے دیں پلیز۔" ہادیہ نے ہاتھ میں تھامی پرچی اور پیسے اسٹور والے کو تھمائے تو خاتون نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ خاتون کا سارا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا صرف آنکھیں عیاں تھیں۔

"تم ہادیہ ہو مشتاق کی بیٹی؟" ہادیہ جس کی توجہ اسٹور والے کی طرف تھی اس نے چونک کر خاتون کو دیکھا۔

"جی...... مگر آپ کون؟"

"میں خالہ بی ہوں پرانے محلے میں تم لوگوں کے ساتھ والا گھر ہمارا تھا۔"

"اوہ...... اچھا...... اچھا...... السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟" ہادیہ نے فوراً پہچان کر سلام کیا اور نہایت ادب سے ان کا ہاتھ تھاما۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے شفقت سے کہا۔

"یہاں کہاں اور اکیلی آپی جان کدھر ہیں؟"

"یہاں ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے آئی تھی۔ پچھلے دنوں بازو ٹوٹ گیا تھا سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔ پورا ہفتہ اسپتال رہی ہوں۔ تمہاری آپی ساتھ ہی رہی تھی۔ آج چیک اپ کروانا تھا۔ اسے بخار تھا تو خود ہی آ گئی۔ تم سناؤ امی ابو کا کیا حال ہے۔"

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

وہ میڈیسن لے چکی تھی اس نے خالہ بی کی دوا بھی لے لی تھی۔ انہیں پیسے دینے نہیں دیے تھے بلکہ خود ہی پے منٹ کر دی تھی۔ پھر ان کو بزور اصرار اپنی گاڑی کی طرف لے آئی تھی۔ اس کا ارادہ ان کو گھر تک ڈراپ کرنے کا تھا۔

انہوں نے کتنا منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانی تھی۔

"یہ کون ہیں؟"

پچھلی سیٹ پر بٹھا کر ہادیہ نے دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تو رابعہ نے پوچھا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارا "قسط نمبر 13" .... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ولید مصطفیٰ کو گھر لے آتا ہے۔ مصطفیٰ سب سے ملتا ہے مگر انا اس کے سامنے نہیں آتی۔ مصطفیٰ کے جانے کے بعد انا کو جب خبر ہوتی ہے کہ ولید مصطفیٰ سے ملنے شام کو گیا تھا تو وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے۔ شہوار بار بار حویلی کال کرتی ہے مگر تابندہ بوا کال ریسیو نہیں کرتیں۔ وہ ان کے کال ریسیو نہ کرنے پر ایک دم جذباتی ہوتے ہوئے مہر النساء سے گاؤں جانے کی ضد کرتی ہے۔ اس دوران شہوار کو شدید بخار ہو جاتا ہے تو مہر النساء بیگم شاہزیب صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد ایاب اور سجاد کے ہمراہ شہوار کو گاؤں کے لیے روانہ کر دیتی ہیں۔ انا شہوار کی غیر حاضری سے سخت پریشان ہوتی ہے۔ وہ روشانے کو لے کر شاہزیب صاحب کے ہاں کارڈ دینے آتی ہے تو حبا سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ باقی لوگ گھر میں نہیں ہوتے۔ حبا روشانے کو دیکھ کر کہتی ہے کہ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے مگر کہاں؟ حبا کو یاد نہیں آتا دوسری طرف روشانے بھی غور کرنے پر کہتی ہے کہ وہ بھی اس کو دیکھ چکی ہے۔ جبکہ انا شہوار کی خراب طبیعت کا سن کر اور پھر اچانک گاؤں روانگی کی اطلاع پا کر اچھی خاصی الجھ جاتی ہے۔ مصطفیٰ کو شہوار سے اچانک نکاح طے پا جانے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ حیران ہوتا ہے کہ اچانک یوں شہوار اس نکاح پر کیسے آمادہ ہو گئی اور پھر جب اسے خبر ملتی ہے کہ شہوار گاؤں جا چکی ہے تو وہ سخت ٹینشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ شہوار اس نکاح پر راضی نہیں ہے۔ شہوار حویلی آ کر تابندہ بی سے سخت خفا ہے اور ان سے بات نہیں کرتی۔ تابندہ بی کو شہوار کا رویہ سخت تکلیف دیتا ہے مگر وہ خاموش رہتی ہیں۔ دوسری طرف مصطفیٰ کال کرتا ہے تو وہ اسے سخت سست سناتی ہے لا اب اس کے رویے سے الجھ جاتی ہے اور پھر مہر النساء بیگم کال کر کے شہوار سے عروسی لباس کے متعلق پسند بتانے کا کہتی ہیں تو وہ ٹال جاتی ہے۔ عبدالقیوم صاحب کورٹ سے ایاز سے ملاقات کی اجازت لے کر ملنے آتے ہیں تو وہ سب لوگ ایاز کی حالت دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ ایاز اپنی ماں کو بتاتا ہے کہ اس پر مصطفیٰ نے جھوٹا مقدمہ بنوایا ہے تو وہ الجھ جاتے ہیں۔ تبھی امجد خان اللہ رکھ کا حوالہ دے کر ان لوگوں کو ساکت ہو جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ لوگ بے بس ہو کر وہاں سے آ جاتے ہیں تو نادلہ باپ اور وکیل صاحب کے مشورے پر عباس سے ملنے اس کے آفس جاتی ہے۔ نادلہ عباس سے ملنے اس کے آفس آتی ہے تو وہاں رابعہ بھی موجود ہوتی ہے۔ عباس نادلہ کی گفتگو اور آمد کی وجہ سے ایک دم مشتعل ہو کر گارڈز کو بلوا کر نادلہ کو آفس سے باہر نکالنے کا کہتا ہے۔ رابعہ ہادیہ کے ہمراہ آفس آف ہونے کے بعد گھر جا رہی ہوتی ہے تو میڈیکل اسٹور کے سامنے ہادیہ کی ایک ضعیف خاتون سے ملاقات ہوتی ہے۔ ہادیہ انہیں گاڑی میں بٹھا لیتی ہے۔ تبھی رابعہ ہادیہ سے پوچھتی ہے کہ یہ خاتون کون ہیں؟

(اب آگے پڑھیے)



"یہ خالہ بی ہیں انہی سے میں نے قرآن پاک پڑھا ہے اور جب تک ہم پرانے محلے میں رہے تب تک میں نے ان ہی کے گھر میں ٹیوشن پڑھتی رہی۔" ہادیہ نے تعارف کروایا اور پھر خالہ بی سے کہنے لگی۔

"اور خالہ بی یہ میری دوست ہے رابعہ! ہم نے اکٹھے ہی پڑھا ہے اب ایک ہی جگہ جاب کر رہی ہیں۔" باقی کا رستہ خالہ بی اور ہادیہ نے کوئی نہ کوئی بات چھیڑے رکھی تھی۔ ہادیہ نے انہیں پرانے محلے میں گھر کے سامنے اتارا تو انہوں نے بہت اصرار کر کے دونوں کو اندر بلا لیا تھا۔

"تم لوگ بیٹھو میں تمہاری آپی کو بلاتی ہوں۔" دروازہ باہر سے لاک تھا انہوں نے خود ہی چابی سے کھولا تھا۔ دونوں صحن میں رکھی کرسیوں پر بیٹھیں تو خالہ بی اپنی بیٹی کو بلانے اندر چلی گئی۔ کچھ پل بعد وہ لوٹیں تو ان کے ہمراہ ایک نہایت حسین پُر وقار سو بری خاتون تھیں۔ وہ مسکرا اٹھی تھیں آنکھوں میں سرخی تھی جس نے ان کی آنکھوں کو بڑا قاتل بنا ڈالا تھا۔ نہایت حسین اور باوقار خاتون تھیں لمبے گھنے بال گھٹنوں تک آ رہے تھے۔ ہادیہ تو ایک طرف رابعہ بھی بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم آپی جان!" ہادیہ نے آگے بڑھ کر کہا تو انہوں نے بہت محبت اور شفقت سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"وعلیکم السلام! کیسے آج ایک عرصے بعد ہمارے ہاں چکر لگانے کو دل کر گیا تمہارا؟" وہ پوچھ رہی تھیں ہادیہ ہنس دی تو خالہ بی بتانے لگیں کہ وہ یہاں کیونکر آئی ہے وہ لوگ

وہیں صحن میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ رابعہ سے بھی ملی تھیں اس کا حال چال پوچھا اور پھر باتیں کرنے لگیں۔
"یہ رابعہ بہت کم بولتی ہیں۔" آپی جان نے پوچھا۔
"مگر جب بھی بولتی ہیں دوسروں کی بولتی بند کر دیتی ہے۔" ہادیہ نے چھیڑا۔
"اس کا مطلب ہے سخن گوئی میں با کمال ہستی ہیں۔" آپی نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔
"اب ایسی بھی بات نہیں۔" رابعہ جھینپ گئی۔ انہیں بغور دیکھا اسے فیصل سفائی کی غزل یاد آنے لگی۔
حسن کو چاند جوانی کو کنول کہتے ہیں
ان کی صورت نظر آئے تو غزل کہتے ہیں
شاید ایسے لوگوں کے لیے ہی شاعر حضرات شاعری کرتے ہیں۔
"تم لوگ بیٹھو میں چائے لاتی ہوں۔" آپی جان اٹھنے لگیں تو ہادیہ نے فوراً ہاتھ تھام کر منع کر دیا۔ خالہ بی بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔
"پلیز اس تکلف کی قطعی ضرورت نہیں۔ ابھی میں نے رابعہ کو بھی ڈراپ کرنا ہے لیٹ ہو جاؤں گی پھر کسی دن فرصت سے آؤں گی تو چائے بھی پیوں گی ابھی اجازت دیں پلیز۔" دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
"او کے۔" انہوں نے فوراً معذرت قبول کر لی تھی۔
"رابعہ آپ دوبارہ ضرور آیئے گا۔" انہوں نے بڑے خلوص سے کہا۔ اس حسن میں عجیب سا حزن تھا رابعہ نے فوراً سر ہلا دیا۔
"وعدہ تو نہیں کرتی مگر کوشش کروں گی۔"
"اچھی بات ہے وعدے تو ٹوٹ جاتے ہیں مگر کوششیں اکثر کامیاب ہو جاتی ہیں۔" انہوں نے سر ہلایا۔ وہ لوگ ان سے اجازت لے کر واپس گاڑی میں آ بیٹھیں۔
"کیسی لگیں تمہیں آپی جان؟" ہادیہ نے پوچھا۔
"بہت حسین نہایت با اخلاق اور پروقار اور نہایت غم زدہ۔" اس نے سادہ لفظوں میں کہا۔
"اچھا حسین تو وہ واقعی بہت ہیں اخلاق و کردار میں بے مثل مگر یہ غم زدہ والی بات سمجھ نہیں آئی۔"
"ان کی آنکھوں میں لگتا ہے کوئی غم ہے جو ہلکورے لے رہا ہے نہایت حسین خوب صورت آنکھیں ہیں مگر اداس رنجیدہ اور غم زدہ بھی ہیں۔ آج میں نے دوسرا اتنا حسین چہرہ دیکھا ہے مگر پہلا چہرہ اب اس چہرے کے آگے کچھ بھی نہیں میں سوچتی ہوں کہ اب بھی اگر یہ اس قدر حسین ہیں تو عین جوانی میں تو غضب ڈھاتی ہوں گی؟"
"ہوں...... بچپن سے ہی یہ ہمارے ہمسائے تھے خالہ بی کی بھانجی ہیں پہلے یہ لوگ کہیں اور رہتے تھے پھر ادھر شفٹ ہو گئے۔ ہوش سنبھالتے ہی میں نے ان لوگوں کو ادھر ہی دیکھا ہے پہلے کرائے دار تھے پھر یہ جگہ خرید لی۔ میں نے میٹرک تک ان سے ٹیوشن پڑھی ہے کمال کی انگلش اسپیکنگ رکھتی ہیں بہت حسین تھیں اب تو وقت کے ساتھ ساتھ حسن ماند پڑ گیا ہے مگر ان کا حزن بڑھاپے جوان کے حسن کو دوآتشہ کر دیتا ہے۔"
"شادی شدہ ہیں؟" وہی عورتوں والا فطری تجسس جاگا۔
"خالہ بی نے ماما سے ایک دفعہ ذکر کیا تھا کہ شادی ہوئی تھی ماں باپ وفات پا گئے تھے اور پھر شوہر بھی اس کے بعد دوبارہ شادی ہی نہیں کی خالہ بی کے پاس ہی ساری جوانی گزار دی بلکہ ہمارے محلے میں چند لوگ تھے جنہوں نے بڑا زور لگایا کہ وہ ان کے بیٹے سے شادی کر لیں مگر ان کی ناں ہاں میں نہ بدلی۔" رابعہ نے محض سر ہلا دیا۔ اس کی نگاہوں میں مجسمہ سراپا گویا چمٹ سا گیا تھا۔ اتنا حسین چہرہ متناسب سراپا اور لمبے گھنے بال۔
"آج تم نے پہلا حسین چہرہ کون سا دیکھا جو ان کے مقابل کچھ بھی نہ تھا؟" ہادیہ نے پوچھا۔

"سر عباس کی بیگم کا۔"

"وہ .....تم نے کہاں دیکھ لیا؟" اسے حیرت ہوئی۔

"ان کے کمرے میں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ چونکی۔

"ان کے کمرے میں مجھے یقین نہیں آ رہا ان لوگوں کا تو آپس میں بڑا زبردست جھگڑا چل رہا ہے تم نے وہاں کیسے دیکھ لیا؟"

"وہ خود ہی آئی تھیں۔" اس نے زیادہ تفصیل بتانے سے گریز کیا۔ اس کی نگاہوں میں سر عباس کا ری ایکشن تازہ ہو گیا۔ کیسے غصے سے فائل اٹھا کر اسے دے ماری تھی اور بعد میں گارڈز کو بلوا لیا تھا۔

"یہ سر عباس کا اپنی بیوی سے کیا جھگڑا ہے؟" اس نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوچھا۔

"دونوں کی پسند کی شادی تھی دراصل عادلہ کے گھر والے کچھ زیادہ ہی ماڈرن ازم کا پرچار کرنے والے ہیں جبکہ سر عباس کی فیملی بہت سادہ مزاج اور رکھ رکھاؤ والی ہے۔ عادلہ فیاض صاحب کے خیالات پر پوری نہ اتریں اور سر عباس عادلہ کے اس کے بعد یہ اکثر ناراض ہو کر کئی ماہ میکے رہنے لگیں آج کل بھی میکے میں ہی ہیں۔ سر عباس بہت اچھے انسان ہیں جب کہ عادلہ کی فیملی خاصی بگڑی ہوئی فیملی ہے چونکہ پاپا کے جاننے والے ہیں تو اکثر ملنا ہوتا ہے اور ان سے متعلق خبریں سننے کو بھی ملتی ہیں جب کہ سر عباس کی طرف سے کبھی ایک لفظ بھی سننے کو نہیں ملا ویسے حیرت ہو رہی ہے کہ عادلہ ان کے آفس کیا لینے آئی تھی؟" اس نے پوچھا تو رابعہ نے کندھے اچکا دیے۔

اسے ماموں کی نصیحت یاد تھی سو اس نے اس موضوع پر بولنے سے گریز ہی کیا ویسے بھی اب اس کا گھر قریب آ گیا تھا اور وہ اتر کر بیٹھ گئی تھی۔



وہ سارا دن خاموش رہی تھی باہر ہال نما کمرے میں سے بچی کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں وہ ادھر جانے کی بجائے راہداری سے ہوتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ لان عبور کر کے وہ باغ میں تالاب کے پاس آ بیٹھی تھی۔ زندگی نے ایک دم پلٹا کھایا تھا اسے وہ گزرے لمحے یاد آنے لگے جب وہ اس باغ میں تتلیاں پکڑتی تھی اور آخر شام کے وقت وہ بابا صاحب کی انگلی تھامے یہاں چہل قدمی کیا کرتی تھی۔ اس کو بابا صاحب سے شروع سے ہی ایک خصوصی لگاؤ محسوس ہوتا تھا وہ گھنٹوں ان کے پاس گزار دیتی تھی۔ وہ یہاں اپنی ماں کے ساتھ تنہا رہتی تھی باقی بھی بچے شہروں میں اپنے والدین کے ساتھ ہوتے تھے اور کبھی کبھار سر دیوں میں جب سب اکٹھے ہوتے تھے تو یہاں وہاں تک ہر طرف رونق لگ جاتی تھی کبھی خوش باش چہرے ماں باپ کے ساتھ بہن بھائیوں کی محبتیں تھیں تب اسے شدت سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ باقی بچوں سے ہٹ کر زندگی گزار رہی ہے۔

اور جب یہ شعور پختہ ہوتا گیا تو اسے اور بھی بہت کچھ فیل ہونے لگا۔ تابندہ بوا کا ہمیشہ سے اس قصے سے ایک گریز چلا آتا تھا۔ وہ کبھی ڈانٹ کر کبھی پیار سے اور کبھی کسی طرح اس کی توجہ کسی اور طرف مبذول کر کے دھیان بٹا لیا کرتی تھیں اور تب وہ بہل بھی جاتی تھی۔ پھر وقت اور سرکا تو وہ کچھ بڑی ہو گئی تھی اب وہ گاؤں کے اسکول میں نہیں بلکہ شہر کے ہائی اسکول میں پڑھتی تھی۔ عائشہ اور صبا کے ساتھ اعلیٰ درجے کے اسکول میں مگر اسے آہستہ آہستہ اپنی ذات کا ادراک ہو رہا تھا وہ اپنی ذات میں سمٹتی جا رہی تھی۔ سب کہتے تھے وہ بولتی نہیں کم گو ہے۔ بہت صابر بچی ہے مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے اندر کیسے کیسے طوفان اٹھا کرتے تھے جو اسے بولنے پر آمادہ کرتے تھے مگر اس نے ہونٹوں پر سختی سے قفل لگا لیے تھے۔

اس کی ماں نے اس کے روز بروز کے بڑھتے سوالوں سے تنگ کر اسے شہر بھیج دیا تھا مگر یہاں آ کر وہ تنہا ہو گئی تھی اس کی ذات احساس کمتری میں مبتلا ہونے لگی تھی اس کی ہر خواہش بن کہے پوری کی جاتی تھی اعلیٰ سے اعلیٰ لباس ہر اچھی چیز کبھی کمی نہ آنے دی مگر جب عائشہ اور صبا اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے فرمائشیں کرتیں اور ضدیں کیا کرتیں تو دل میں شدید حسرت جاگا کرتا تھا کہ کاش اس کی بھی ایک فیملی ہوتی اپنا گھر ہوتا باپ بہن بھائی ہوتے تو کتنا اچھا ماحول ہوتا اور پھر وہ اپنی ذات میں تنہا ہوتی چلی گئی تھی۔

وقت مزید آگے بڑھا تو وہ اب کالج گرل تھی وقت نے اسے اسی طرح اس کی پرورش کی تھی کہ اپنی ذات میں اٹھنے والے طوفان بھی بے معنی ہونے لگے تھے۔ وہ بس اپنی ماں کے لیے زندہ تھی مگر عادلہ بھابی کی عباس سے شادی کے بعد لگا کہ زندگی ایک شدید طوفان سے دوچار ہو گئی ہے میڈیکل کالج میں ایاز سے سامنا ہوتا اور پھر ایاز نام کے مستقل درد

سر نے جان کھائی تو لگنے لگا کہ وہ اب جی نہیں پائے گی۔ بڑی مشکلوں سے اپنی عزت نفس کو کچلنے کے بعد اس نے اپنا یہ مسئلہ مصطفیٰ سے ڈسکس کیا مگر اگلے ہی دن مصطفیٰ کے پروپوزل نے اسے حیرت زدہ کر دیا اور اس دن شدید پچھتاوے کا احساس ہوا کہ کیا تھا وہ کچھ عرصہ اور صبر کر لیتی اور سہہ لیتی کم از کم اس شخص کے سامنے شرمندگی سے تو بچ جاتی۔ اسے مصطفیٰ کی ذات اس کی اچھائی سے قطعی انکار نہ تھا مگر اس کے ساتھ اب یہ جو کچھ ہونے جا رہا تھا اسے یہ کسی بھی طرح قبول نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ان لوگوں کے اس پر کتنے احسانات ہیں کہ وہ زندگی بھر ان کے سامنے سر اٹھا کر جی نہیں سکے گی۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر ایک بار انکل اور آنٹی نے خود اس سے شادی کے سلسلے میں بات کی تو وہ دل میں ہزار ہا طوفان سے تو نبرد آزما ہونے کے باوجود ایک لفظ بھی نہ کہہ پائے گی اور اگر ایسا ہو گیا تو اسے اپنی ذات کو مارنا پڑے گا اور اب یہی تو ہوا تھا۔ وہ مصطفیٰ کے سامنے صاف اور واضح الفاظ میں انکار کر چکی تھی۔ اسے صاف جتا چکی تھی کہ اسے اس کا ساتھ قبول نہیں اور اب مصطفیٰ کے سامنے دوبارہ اس رشتے کی حیثیت سے جانا اسے لگا کہ اس کی عزت نفس ہمیشہ کے لیے گروی رکھ دی گئی ہے۔ یہ اس کی زندگی کا دوسرا اذیت ناک پہلو تھا۔

''شہوار.....'' وہ اسی طرح سر جھکائے اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی اس پکار پر سر اٹھا کر دیکھا تابندہ بی کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں۔

''ادھر اکیلی کیوں بیٹھی ہو چلو اندر چلو۔ سب کے پاس بیٹھو زہرہ تمہارا پوچھ رہی تھیں باقی لوگ بھی۔'' نکاح کے سلسلے میں زہرہ پھوپو کی فیملی حویلی آ چکی تھی جن میں ان کا ایک بیٹا بہو اور دو بیٹیاں تھیں۔ باقی افراد نے کل آنا تھا۔

''میں ادھر ہی ٹھیک ہوں' کچھ دیر ادھر ہی بیٹھنے دیں جب دل کیا اندر آ جاؤں گی۔'' اس نے دوبارہ گھٹنوں پر سر جھکائے خاصی سنجیدگی سے کہا تو تابندہ بی نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ ان سے شدید ناراض تھی۔

ان کا دل چاہا کہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی دلجوئی کریں اس کو سمجھائیں اپنے دل کا راز بتائیں اپنی مجبوری بتائیں یہ رشتہ کیوں ضروری ہے اس کے محرکات کی وضاحت کریں مگر پھر دل کو مار لیا کہ اس وقت شہوار ناراض تھی انکاری تھی شاید ان کی وضاحت کو نہ سمجھ پائے۔ وقت خود بخود ثابت کر دے گا کہ ان کا فیصلہ کس قدر درست تھا انہوں نے لب سی لیے اور اسے بغور دیکھا۔

''ٹھیک ہے شام ہو رہی ہے جلدی اندر آ جانا۔'' وہ اسے ہدایت دیے کر واپس پلٹ گئیں تو شہوار نے از حد دکھ سے انہیں دیکھا۔

وہ بڑے بُرو قار انداز میں اندر کی جانب بڑھ رہی تھیں اس کا جی چاہا کہ خوب روئے۔ اس کے پاس کہنے سننے کو بہت سے رشتے نہ تھے کہ ماں دامن بچاتی تو کسی بہن سے کہہ لیتی یا کسی بھائی کے کندھے پر سر رکھ کر دل کی بھڑاس نکالتی۔ اس کے پاس تو بس یہی ایک رشتہ تھا جو ماں بھی تھی باپ بھی تھا' بہن بھی تھی بھائی بھی تھا' دوست بھی سبھی کچھ تو تھا اس نے تابندہ بی سے اپنی ذات کا ہر مسئلہ ڈسکس کیا تھا تو پھر تابندہ اب کیوں اس سے پہلو بچا رہی تھیں اسے اس وقت شدت سے انا کی کمی کا احساس ہوا ایک حقیقی سچے دوست اور غم گسار کی کمی کا۔ ایک دم شدت سے جی چاہا کہ انا اس کے پاس آ جائے بے شک اس سے کچھ نہ بھی کہہ سکے مگر اس کے کندھے پر سر رکھ کر خوب رو دھو کر دل کی بھڑاس تو نکال لے گی بہت سارا رونے کی کی خواہش تھی جو ایک دم شدت اختیار کرنے لگی۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی اپنا بیگ کھول کر اس میں ہاتھ مار' سارا بیگ کھنگال ڈالا مگر موبائل نہ ملا۔

''اُف.....'' اسے ایک دم یاد آیا کہ موبائل بے پناہ غصے سے دیوار پر مارا تھا جس سے وہ ٹوٹ گیا تھا اور سم بھی موبائل کے اندر ہی تھی اور تمام نمبر سم میں ہی فیڈ تھے۔ وہ اپنی اس جذباتی حرکت پر پشیمان ہوتی سر تھام کر بیٹھ گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ سم کے اندر ہی انا کا نمبر تھا اور آخری بار اس نے ٹوٹا ہوا موبائل عائشہ کے ہاتھ میں دیکھا تھا اور یہاں آتے اس نے کچھ بھی نہ سوچا تھا کہ انا کتنا پریشان ہوئی ہوگی۔

''اب کیا کروں؟'' بیگ بستر پر ڈالتے اس نے چند پل سوچا تھا پھر اٹھ کر وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی وہاں اس وقت کوئی نہ تھا۔ سبھی کمرے میں ہی جمع تھے۔ اس نے فون اٹھا کر شیبا کا نمبر ڈائل کیا۔

''السلام علیکم!'' دوسری طرف سے اسے جو آواز سننے کو ملی اس کو سن کر اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

"کون ہے بھئی؟" جھنجلا کر کہا گیا تھا (شہیر میں پی ٹی سی ایل نمبر پر سی ایل آئی لگی ہوئی تھی) شہوار نے کال ڈراپ کر دی تھی۔
اس نے سوچا کہ رات کو کال کرے گی وہ یہ طے کر کے اٹھی تو فون بجنے لگا اس نے سی ایل آئی دیکھی شہیر کا نمبر تھا یقیناً مصطفیٰ نے کال بیک کی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر سائیڈ پر رکھ کر واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



ولید کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا اس وقت لیپ ٹاپ کھولتے اپنے دوستوں سے چیٹ کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ آفس ورک بھی کر رہا تھا جب اس کا موبائل بجنے لگا۔ ولید نے موبائل کی اسکرین دیکھی۔
"مصطفیٰ......" نام جگمگا رہا تھا۔ ولید نے ٹائم دیکھا رات کے بارہ بج رہے تھے۔
"السلام علیکم!" اس نے کال ریسیو کی۔
"وعلیکم السلام! کیسے ہو؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔
"اللہ کا شکر ہے۔ اے ون تم سناؤ؟" موبائل کان سے لگائے اس نے چیٹ باکس بند کیا اور پھر باقی فائلز بھی کلوز کرتے سیو فائلز کو سیو کرتے اس نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھ کر بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائی تھی۔
"بالکل فٹ فاٹ اچھا یار ایک کام ہے تم سے۔" مصطفیٰ فوراً مطلب پر آیا تھا۔
"خیریت؟"
"ہوں......" مصطفیٰ کا انداز پر سوچ تھا۔
"کل اور پرسوں کی تاریخ میں فارغ ہو کیا؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔
"کیوں......کوئی کام ہے کیا؟"
"کام ہی سمجھ لو۔" مصطفیٰ ہلکا سا ہنسا۔
"اگر فارغ نہ بھی ہو تو تمہارے لیے وقت نکال ہی لوں گا تم کام بولو۔"
"شیور؟" اس نے یقین دہانی چاہی۔
"وائے ناٹ......"
"اوکے کل میں گاؤں جا رہا ہوں سہ پہر کو نکلیں گے شام تک پہنچ جائیں گے اور تم بھی ساتھ چل رہے ہو۔"
"کیوں وہاں کل کوئی کبڈی میچ کھیلا جائے گا؟" ولید نے کہا تو وہ ہنس دیا۔
"ہاں یہی سمجھ لو۔"
"اور ہاں تم اکیلے نہیں آؤ گے بلکہ انکل روشانے اور اپنی پھپھو کی فیملی کو بھی لانا ہے اسپیشلی اپنی کزن اور احسن کو بھی۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا تو وہ چونکا۔
"یہ دعوت کس خوشی میں یار کہیں تمہاری شادی وادی کی کوئی پارٹی تو نہیں۔" ولید نے اپنی طرف سے مذاق کیا تھا مصطفیٰ کھل کر ہنسا۔
"اگر میں کہوں "ہاں" تو؟"
"تم مذاق کر رہے ہو؟" ولید کو یقین کرنے میں تامل ہوا کہ مصطفیٰ نے کبھی اس سلسلے میں کبھی کوئی ذکر ہی نہیں کیا تھا۔
"سنڈے کو میرا نکاح ہو رہا ہے اپنی کزن سے۔" مصطفیٰ نے کہا تو ولید چند پل حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا اس قدر اچانک؟" وہ ایک دم سیدھا ہوا۔

"یہ فیملی کا فیصلہ ہے باقی وضاحت آمنے سامنے ہوگی تو پھر میں یقین رکھوں کہ تم سب آ رہے ہونا؟"

"تم بہت چھپے رستم نکلے اتنی بڑی خبر وہ بھی فون پر سنا رہے ہو۔ میں مان ہی نہیں سکتا کہ یہ اچانک فیصلہ ہوا ہے سچ سچ بتاؤ کہ کب سے یہ سلسلہ چل رہا تھا؟" ولید ایک دم سنجیدہ ہوا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

"کوئی سلسلہ وسلسلہ نہیں ہے وہ میری کزن ہے اور یہ میری فیملی کا فیصلہ ہے۔"

"کیسی ہیں وہ محترمہ؟" ولید کا اشتیاق ایک دم بڑھا۔

"اچھی ہیں۔" مصطفیٰ ہلکا سا ہنسا۔

"ہوں ہوں..... تو یہ سلسلہ ہے دیکھو کیسے ہنسی نکل رہی ہے۔ مصطفیٰ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں اتنی اہم خبر وہ بھی یوں سرسری فون پر سنا رہے ہو ویسے نام کیا ہے؟"

"سیکرٹ ہے پھر کل آ رہے ہونا؟" اس نے پوچھا۔

"کیوں نہیں میں تو سب سے پہلے پہنچوں گا تمہاری شادی ہو اور میں نہ آؤں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" ولید فوراً جذباتی ہوگیا تھا۔

"یہ کلیئر کرلو کہ ابھی نکاح ہو رہا ہے شادی نہیں۔" مصطفیٰ نے وضاحت کی تو ولید نے موبائل کو گھورا۔

"یہ نکاح اور شادی میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

"نکاح ہو رہا ہے مطلب دلہن رخصت نہیں ہوگی محض نکاح پڑھایا جائے گا' سمجھ آیا کچھ میں؟"

"تو وہ رخصتی کیوں نہیں ہو رہی؟" ولید نے پوچھا۔

"محترمہ پڑھ رہی ہیں نا۔" مصطفیٰ نے رسانیت سے بتایا۔

"وہ کس کلاس میں؟"

"کل آ نا سب بتا دوں گا تم مجھے صاف بتا دو کہ تمہارے ساتھ کون کون ہوگا تا کہ میں وہاں انتظام کا کہہ دوں۔ اپنی فیملی کو ساتھ ضرور لے کر آنا ہے اتنا لمبا چوڑا پروگرام نہیں رکھا ہم نے مگر تمہارے بغیر میں یہ تقریب کبھی نہ کرواتا۔ انکل اور روشی اور اپنی کزن اور پھپھو کی ساری فیملی کو ضرور لانا ہے۔"

"مصطفیٰ ایک بات تو بتاؤ کیسا فیل کر رہے ہو ایک نیا رشتہ بنانے جا رہے ہو' کچھ فیلنگز تو ہوں گی نا۔" اس نے اپنی طرف سے چھیڑا تھا' دوسری طرف مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔

اک حقیقت سی ہے جنت میں حوروں کا وجود
حسن انسان سے نمٹ لوں تو وہاں تک دیکھوں

مصطفیٰ نے بڑی ترنگ میں شعر پڑھا تھا۔

"زبردست۔" مصطفیٰ کے انداز پر ولید نے ایک دم داد دی تو دوسری طرف وہ جھینپ گیا۔

"بہت خوب' کیا واقعی بہت حسین ہیں؟" ولید نے پوچھا تو وہ چپ رہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ دل کو لگی ہوئی ہے۔" ولید نے چھیڑا۔

"بکو مت یہ صرف ایک شعر تھا۔" اس نے تصحیح کی۔

"دوسرے معنوں میں کیوپڈ کا تیر بھی کہہ سکتے ہیں ہم یہ سمجھ لیں کہ بہت حسین ہیں وہ۔" ولید کہاں باز آنے والا تھا فوراً جوابی جملہ کسا۔

"تم جانتے ہو حسن میری کمزوری نہیں' حسن تو باہر کی دنیا میں بھی بہت بکھرا پڑا تھا اگر حسن میری ترجیح ہوتا تو واپس آتا ہی نہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ وہاں مجھے کبھی کسی چیز کی کمی نہ تھی نہ پیسے کی۔" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے جتایا تو ولید ہنس دیا۔

''آئی ایگری پھر کس چیز نے متاثر کیا تمہیں؟'' تمہارے رشتے دار ہیں تو یقیناً پہلے کوئی معاملہ تو رہا ہوگا۔''

''یہ بڑوں کا فیصلہ ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو ولید نے موبائل کو گھورا۔

''اتنے شریف تو تم ہو نہیں کہ جہاں بڑوں نے باندھ دیا' بندھ گئے۔'' وہ مشکوک ہوا۔

''تمہیں میری شرافت پر شک ہے؟'' مصطفیٰ اب ولید کو تنگ کر رہا تھا۔

''کوئی ایسا ویسا' خیر آ لینے دو مجھے پھر سارا چکر معلوم کرتا ہوں میں۔''

''وہ محترمہ بڑی باپردہ خاتون ہیں نا کامی ہی ہوگی۔'' مصطفیٰ نے چڑایا۔

''وہ آئی سی تم نے بھی دیکھ رکھا ہے یا نہیں؟ ویسے یار تمہارے منہ سے تمہارے خاندان کی ایجوکیشن کا معیار سن کر اندازہ تو نہیں ہوتا کہ اولاد سے پوچھے بغیر شادی بیاہ کے فیصلے یوں اچانک کر دیے جائیں۔'' ولید کو قدرے حیرت ہوئی۔

''میرا خاندان بہت اچھا روایتی خاندان ہے خود آ کر ل کر دیکھنا' تمہیں سب سے مل کر بہت اچھا لگے گا۔ بابا جان اور بھائیوں سے ملنا' ہمارے بابا صاحب اور دیگر لوگوں سے مل کر تمہیں خوشی ہوگی' ہماری خواتین بھلے ایک محدود ماحول میں زندگی گزارتی ہیں مگر انہیں کبھی کسی حق سے محروم نہیں رکھا جاتا۔ بہت عزت اور احترام دیا جاتا ہے ان کی ہر جائز خواہش کی تکمیل کی جاتی ہے اپنے مردوں کے ہمراہ وہ کہیں بھی آ جا سکتی ہیں۔ اعلیٰ اداروں میں زیر تعلیم رہی ہیں میرے ایک تایا لینڈ لارڈز ہوتے ہیں دوسرے کراچی میں' بھی کے بچے پڑھ رہے ہیں جو فارغ ہیں وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں' نہیں شرح خواندگی خواتین میں بھی ہے مگر اپنی اقدار و روایات کی پاسداری کرتے ہیں ہم لوگ' جائز خواہش ہر حال میں پوری کی جاتی ہے۔'' مصطفیٰ نے بہت وضاحت انداز میں وضاحت کی تو ولید از حد متاثر ہوا۔

''ویل ڈن۔''

''ویسے اس دن میں تو اپنی ہونے والی بھابی کو دیکھنے گیا تھا' افسوس ہو ہے تمہاری طرف سے یا فیصلہ ہوا ہے اس سلسلے میں؟''

''اور اس سے زیادہ تم نے بکواس کی تو میں موبائل بند کر دوں گا' بابا نے تم سے ایک بات عرصہ پہلے کہہ دی' تم نے تو چ' بنا دی ہے وہ صرف میری کزن ہے اور کچھ نہیں' خبردار تم نے کوئی الٹی سیدھی بکواس کی تو۔ میرا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں۔''

''مطلب کہ مستقبل قریب میں بن تو سکتا ہے نا؟'' وہ چھیڑتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''مصطفیٰ پلیز' یہ بہت سیریس معاملہ ہے تم مذاق میں بھی کبھی روشی یا انا کے سامنے یہ مت کہہ دینا' لڑکیاں ان معاملوں میں بہت حساس ہوتی ہیں۔ یہ صرف بابا کی خواہش ہے میرا ابھی تک ایسا کوئی موڈ نہیں نہ ابھی اور نہ ہی مستقبل قریب میں' اور انا تو بہت ہی حساس لڑکی ہے اس کے سامنے تو قطعی نہیں کہنا۔'' اس نے سنجیدگی سے ٹوکا تو دوسری طرف مصطفیٰ چونکا۔

''کیوں؟''

''تم اس معاملے میں آخر اتنا سیریس کیوں ہو جاتے ہو؟ چند سال پہلے تک انا تم سے اچھی خاصی اٹیچ تھی۔ کم عمر تھی مگر تمہارے ساتھ میچ کرتی تھی پھر تمہاری کزن ہے۔ چند سال پہلے تک تو خاصی خوب صورت تھی درمیانی عرصے میں بھی خاصی بہتری آئی ہوگی۔ پھر یوں سیریس ہونے کی کوئی وجہ؟'' مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔

''یار جب میں پاکستان لوٹا تھا تو ذہن میں یہی تھا کہ بابا کی خواہش کو ماننا ہے مگر پاکستان آنے کے بعد ان کو قریب سے دیکھنے ملنے اور سمجھنے کے بعد میں الجھ گیا ہوں۔ وہ خاصی چینج ہوئی ہے بہت موڈی' انتہائی ضدی اور عجیب دھوپ چھاؤں والا مزاج ہے اس کا۔ پتا نہیں کب کون سی بات بری لگ جائے۔ کبھی کبھی تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ خدانخواستہ وہ کہیں ابنارمل تو نہیں۔''

''وہ..... تمہیں یہ کیونکر محسوس ہوا؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

"بس اس کے رویے سے ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو مگر یہ ایک اہم وجہ ہے جو مجھے اس کی طرف بڑھنے نہیں دیتی۔ بابا کئی بار میری رائے مانگ چکے ہیں نہ میں انکار کر پا رہا ہوں اور نہ ہی اقرار۔" ولید نے مصطفیٰ کے سامنے اپنے دل کی کشمکش کھول کر رکھ دی تھی۔

"انکار اس لیے نہیں کر پا رہا ہوں کہ پھپھو جرٹ ہوں گی اور اقرار...... کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔"

"تم لاناسے بات کر کے دیکھ لو کیا وہ باخبر ہے تمہارے بابا کی اس خواہش سے؟" مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آئی تھنک ابھی تو بے خبر ہی ہے اور لانا سے بات کرنے سے میں اس لیے بھی ہچکچا رہا ہوں کہ ابھی تو ہم کزن کا رشتہ نبھا رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے ایک استفسار سے یہ تعلق بھی نہ رہے۔ بہر حال وہ روشی کی نند ہو گی۔ وہ ہماری صرف پھپھی زاد ہی نہیں روشی کے سسرالی رشتے کے لحاظ سے بھی وہ خاصی کلوز ہے اور میں نہیں چاہتا کہ روشی کی زندگی میں بعد میں کوئی پرابلم پیدا ہو۔"

"تو پھر......؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"ابھی تو میں ویٹ ہی کر رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ حالات خود بخود ہموار ہو جائیں اور مجھے لانا سے بات ہی نہ کرنا پڑے بابا بھی مطمئن ہو جائیں اور شاید لانا خود ہی کوئی فیصلہ کر لے۔"

"چلو ان شاء اللہ بہتر ہوگا۔" مصطفیٰ نے فوراً حوصلہ دیا۔

"پروگرام فائنل کر لو روشی اور لانا کو ضرور لانا یہ مکمل فیملی نہیں یاد دہانی ہے۔ روشی میرے لیے صبا اور عائشہ کی ہی طرح ہے اور اس کے بغیر تو یہ فنکشن ممکن ہی نہیں۔ کل بتا دینا جو بھی پروگرام ہو گا میں ویٹ کروں گا۔"

"تم بے فکر رہو میں ضرور آؤں گا اور روشی اور باقی لوگوں کو بھی لانے کی کوشش کروں گا۔"

"او کے ڈن۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" ولید نے کال بند کر کے چند پل موبائل کو دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر ایک دم مسکرا دیا تھا۔ مصطفیٰ کے اس اچانک فیصلے نے خوشگوار حیرت سے دوچار کیا تھا۔



ماں جی، عائشہ اور صبا کے کہنے پر وہ ان کے ساتھ مارکیٹ چلا آیا تھا۔ ان لوگوں کو کچھ کپڑے اور دیگر ساز و سامان کے علاوہ نکاح کا جوڑا خریدنا تھا۔ باقی خریداری تو فوراً کر لی گئی تھی اب صرف نکاح کا جوڑا رہ گیا تھا جو کئی شاپس گھومنے پر بھی مصطفیٰ کو پسند نہیں آ رہا تھا۔ کئی جوڑے ماں جی اور صبا کو پسند تھے حتیٰ کہ عائشہ کو بھی اچھے لگے تھے مگر مصطفیٰ نے یہ کہہ کر ریجیکٹ کر دیے تھے کہ ان جوڑوں میں قمیصوں کی مکمل آستینیں نہیں ہیں۔

"مصطفیٰ یہ اتنا بڑا پرابلم نہیں ہے۔ ہم نے کون سا باقاعدہ اسٹیج بنا کر دلہن کو سب کے سامنے لانا ہے۔ اب اس قدر شارٹ ٹائم میں ایسا لباس تو چل جائے گا ہاف آستین ایسی کوئی بڑی بات بھی نہیں کہ یہ جوڑا ریجیکٹ کر دیں۔ دیکھو کتنا پیارا ہے یہ سوٹ اور کام دیکھو پوری مارکیٹ میں ایسا کام نہیں ہے۔ کتنی صفائی اور نفاست ہے۔" ایک دکان پر سب کو سوٹ پسند آیا تھا اہنگا سیٹ تھا مگر مصطفیٰ نے وہ بھی ریجیکٹ کر دیا۔

"تو آپ تینوں مجھے ساتھ لے کر نہ آتیں اگر آئی ہیں تو پھر میری پسند کا لیں مجھے اس کا کلر پسند نہیں اور بازو کی آستینیں بھی ہاف ہیں۔ میں ایک عرصے سے اوٹھ رہوں میں نے نہیں دیکھا کہ شہوار نے ہاف آستین پہنی ہوں ہو سکتا ہے وہ بھی پسند نہ کرے۔" مصطفیٰ نے اعتراض کیا تو عائشہ نے سر تھام لیا۔

"چلو بازو ہاف ہیں مگر کلر میں کیا خامی ہے؟" صبا نے بھی مداخلت کی۔

"اتنی چھان بین تو شاید شہوار بھی نہ کرے جتنی یہ کر رہا ہے۔" عائشہ نے بھی غصے سے کہا۔

"یہ ڈیپ ریڈ کلرز عموماً ویڈنگ ڈریسز کے طور پر تو اچھے لگتے ہیں مگر نکاح وغیرہ کے لیے ذرا ہٹ کر کلر ہو تو اچھا ہے۔ ہلکا پھلکا لائٹ سا۔"

"ہم تو تمہیں سیدھا سادھا سا انسان سمجھتے تھے تم تو خواتین سے زیادہ مین میخ نکالتے ہو۔" عائشہ نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"ایک عرصہ باہر کی دنیا میں رہ کر آیا ہوں آپ کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے تھی کہ مجھے خواتین کی شاپنگ کے متعلق کوئی نالج نہیں۔" اس نے چڑایا۔

"دیکھو مصطفیٰ وقت بہت کم ہے گھر جا کر تیاری بھی کرنی ہے اور شام سے پہلے ہمیں حویلی بھی جانا ہے۔ جو بھی لینا ہے جلدی کرو۔" ماں جی بھی ان کے ساتھ دکانیں گھوم گھوم کر تھک چکی تھیں۔ مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

"آپ ایسا کریں کہ آپ اور صبا ڈرائیور کے ساتھ گھر چلی جائیں میں اور عائشہ کچھ دیر میں آ جاتے ہیں۔" مصطفیٰ نے کہا تو ماں جی نے سر ہلا دیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد وہ چند اور دکانیں گھوما پھر ایک دکان پر انہیں ہلکا پنک کلر کا سوٹ پسند آ گیا جس پر فیروزی اپلک کے کام نے سوٹ کو خاصا خوب صورت بنا دیا تھا۔

"واؤ......زبردست۔" سوٹ دیکھ کر تو عائشہ کی بھی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ یہ لہنگا سیٹ نہیں تھا بلکہ فراک ٹاپ میکسی تھی جس کی آستینیں بھی فل تھیں۔ یہ ریڈی میڈ سوٹ تھا سلائی کروانے کا جھنجھٹ نہیں تھا عائشہ نے سکھ کا سانس لیا۔

"کیسا لگا آپ کو؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

"بہت پیارا شہوار کو سوٹ کرے گا۔ قد کاٹھ جسمانی ساخت کے لحاظ سے بھی فٹ آ جائے گا جو تھوڑی بہت کمی ہوئی وہ ہم خود پوری کر لیں گے۔"

"یہ پیک کروا لیں پھر؟" مصطفیٰ کے سوال پر اس نے فوراً سر ہلا دیا تھا۔

"مصطفیٰ تم نے شہوار کے لیے خود سے کوئی گفٹ لیا کہ نہیں؟" پے منٹ کر کے وہ باہر آئے تو عائشہ نے پوچھا۔

"وہ کس خوشی میں بھلا؟"

"اب اتنے کودن بھی نہیں ہو شہوار نے کبھی بال باز نہیں چنے یہ تک پتا ہے تو باقی معلومات میں بھی زیرو نہیں ہو نکاح ہو رہا ہے تمہارا اپنی بیگم کو کوئی گفٹ نہیں دو گے۔" عائشہ نے اس کے سوال پر جل کر کہا تو وہ ہنس دیا۔

"اول تو یہ کہ صرف نکاح ہو رہا ہے رخصتی نہیں۔ وہ لڑکی بھی ایسی ہے کہ نکاح سے پہلے اور بعد میں ایسے گفٹ لینے پر قیامت تو کھڑی کر سکتی ہے مگر گفٹ قبول نہیں کرے گی اور نہ ہی مجھے کوئی ایسی خواہش ہے گفٹ وفٹ دینے کی۔" مصطفیٰ نے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔

"ہائے کتنا برا لگے گا کتنا اہم ایونٹ ہے تمہاری زندگی کا کیا خالی ہاتھ اپنی دلہن دیکھو گے۔" دلہن کے لفظ پر مصطفیٰ کے چہرے پر کئی رنگ چھائے تھے۔ عائشہ کے سوال نے دل کو عجیب سے انداز میں چھوا تھا۔

"بھئی نکاح ہو رہا ہے تم نے خود ہی تو کہا تھا سب سادگی سے ہو رہا ہے پھر دلہن دیکھنے کا سوال کہاں سے آ گیا؟" اس نے بہن کو چھیڑا وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ یہ مصطفیٰ کی گاڑی تھی وہ اپنی گاڑی میں ہی آیا تھا۔

"ہونہہ اب اگر تم نے عین موقع پر کہا کہ ہم تمہیں دلہن دکھائیں تو پھر صاف انکار سمجھ لینا۔" عائشہ نے بھنا کر کہا۔

"خالی ہاتھ دلہن تو ہم نہیں دیکھنے دیں گے۔"

"بھئی یہاں بھی ایسی کوئی حسرت نہیں ہے؟" مصطفیٰ کو عائشہ کو چڑانے میں مزہ آ رہا تھا۔

"ہاں نکاح کا جوڑا تو ایسے خریدا تھا گویا سامنے بٹھا کر قصیدہ خوانی تو تم نے ہی کرنی ہے۔" مصطفیٰ اس برجستہ جواب پر گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"بعض خواہشیں بھی انسان کو کتنا خوار کرتی ہیں۔" وہ دونوں گھر آئے تو ماں جی اور صبا ساری تیاری مکمل کر چکی تھیں۔ انہیں نکاح کا جوڑا بہت پسند آیا تھا۔ ماں جی نے جوڑا دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

"ماشاء اللہ بہت پیارا ہے۔ اللہ پہننا نصیب کرے۔"

"ویسے ایک بات ہے کہ مصطفیٰ بھائی کی پسند لاجواب ہے۔" صبا نے بھی سراہا۔

"کب تک جانے کا پروگرام ہے؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

عباس بھائی اور شاہزیب صاحب صبح صبح ہی نکل گئے تھے ان خواتین کا ضروری خریداری کے بعد مصطفیٰ کے ساتھ جانے کا پروگرام تھا۔ اس وقت دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ اس وقت نکلتے تو شام تک پہنچ جاتے یہ لوگ۔

"کھانا کھالو تو پھر نکلتے ہیں۔ ہم تو تیار ہی ہیں۔ تم کہہ رہے تھے کہ تمہارے دوست کی فیملی نے بھی ساتھ چلنا ہے پتا کرلو وہ کب پہنچ رہے ہیں؟" ماں جی نے کہا تو اسے ولید کا خیال آیا۔ صبح سے ولید کی کوئی کال نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں ان کا کیا پروگرام تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آیا چینج کرنے کے بعد اس نے کال ملائی۔

"ہاں یار کیا پروگرام ہے؟ ہم لوگ ریڈی ہیں بس تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" سلام دعا کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا۔

"یار تم لوگ نکل جاؤ مجھے ایڈریس اچھی طرح سمجھا دو ہم کچھ دیر میں نکلیں گے۔"

"کون کون چل رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں سفر نہیں کر سکیں گے انکل بھی نہیں جا رہے تو پھپھو کو گھر میں رکنا پڑا ہے باقی ہم چاروں ہوں گے تم نے رات اتنی لیٹ بتایا تھا صبح مجھے خیال نہ رہا ذکر کرنے کا۔ نا کالج چلی گئی تھی احسن کی بھی میٹنگ تھی ابھی یہ دونوں گھر لوٹے ہیں تیار ہونے میں وقت لگے گا پھر ہم نکلیں گے۔" ولید نے اپنا پروگرام بتایا۔ مصطفیٰ گہری سانس لیتے اسے گاؤں کا ایڈریس سمجھانے لگا۔

"ہمارے ساتھ ہی نکلتے تو بہتر رہتا۔" ایڈریس اچھی طرح سمجھا کر اس نے کہا۔

"ڈونٹ وری ہم آ جائیں گے۔" ولید نے کہا۔

"او کے پھر حویلی میں ہی ملاقات ہوتی ہے اب۔ راستے میں کوئی مسئلہ ہو یا ایڈریس سمجھ نہ آئے تو رابطے میں رہنا او کے اللہ حافظ۔" وہ کال بند کر کے ضروری پیکنگ کر کے باہر آیا تو وہ تینوں کھانا کھا رہی تھیں۔

وہ بھی بیٹھ گیا۔ صبح سے بھاگ دوڑ میں کسی نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اب بھوک زوروں پر تھی۔ کھانے کے بعد صبا اور عائشہ نے برتن سمیٹے تھے۔ یہ تینوں گاڑی میں آ بیٹھیں تو مصطفیٰ کو خیال آیا کہ اس کا موبائل کمرے میں ہی رہ گیا ہے۔ وہ فوراً اندر آیا اور اپنے کمرے میں سے موبائل لے کر نکلا تو سینٹرل ٹیبل پر رکھا موبائل بجنے لگا مصطفیٰ نے دیکھا عائشہ کا موبائل تھا۔ وہ بھی افراتفری میں ادھر ہی بھول کر جا رہی تھی۔ اسکرین دیکھی تو لائبہ کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس نے یس کا بٹن دبا کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ دوسری طرف کی آواز سن کر زبان سل گئی۔

"عائشہ پلیز میری سم ضرور لے کر آنا اس میں میری تمام فرینڈز کے کانٹیکٹ نمبرز ہیں مجھے کالج کے سلسلے میں اپنی دوست سے رابطہ کرنا ہے۔ پلیز ضرور لے کر آنا۔" اسے شاید گمان بھی نہیں تھا کہ کال کوئی اور بھی ریسیو کر سکتا ہے اسپیشلی مصطفیٰ۔ اسی لیے وہ سلام دعا کے بغیر کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ کو یاد آیا کہ اس کے استفسار پر عائشہ نے بتایا تھا کہ شہوار کا سیل ٹوٹ گیا ہے اس لیے اس کا نمبر بند ہے۔ کیسے ٹوٹا ہے عائشہ نے یہ نہیں بتایا تھا۔

"عائشہ سن رہی ہو نا؟" وہ اس کی خاموشی پر جھنجلا کر پوچھ رہی تھی۔

"جی جناب! نا صرف اچھی طرح سن لیا ہے بلکہ ذہن میں فیڈ بھی کر لیا ہے۔۔۔۔ اور کچھ۔۔۔!" مصطفیٰ کی آواز سن کر دوسری طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

"عائشہ کہاں ہے؟" کچھ توقف کے بعد خاصی ناراضی سے سوال ہوا تھا۔

"وہ تو گاؤں روانہ ہو چکی ہے محترمہ عجلت میں اپنا موبائل یہیں بھول گئی ہیں۔"

"کیا؟" وہ چونکی۔

''لو.....'' دوسری طرف سے فوراً موبائل بند ہوا تھا۔

''ایک تو یہ لڑکی بھی نا؟'' اس نے موبائل کو گھورا۔ وہ باہر آیا تو صبا فون پر بزی تھی۔

''یہ لیں اپنا موبائل اندر ہی رکھ آئی تھیں۔'' اس نے عائشہ کو موبائل تھمایا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

''نہیں شہوار ابھی ہم نکلے تو نہیں تم سے کس نے کہہ دیا' ابھی تو ہم گھر پر ہی ہیں یہ لو عائشہ سے بات کرو۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا یعنی محترمہ نے فوراً صبا کے نمبر پر رابطہ کیا تھا۔ اب عائشہ بات کر رہی تھی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''بے فکر رہو رات تمہاری کال سنتے ہی میں نے سم اپنے بیگ میں رکھ لی تھی۔ ہاں موبائل بھی نیا لے لیا ہے۔ ڈونٹ وری ہم نکل رہے ہیں' میں' مصطفیٰ' صبا اور ماں جی..... ہاں شام تک پہنچ جائیں گے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔



ثامنہ بسورے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''بھلا یہ بھی کوئی تک ہے۔ نہ کچھ بتایا' نہ کوئی پروگرام فائنل کیا اب ایک دم کہہ رہے ہیں کہ ان کے ساتھ گاؤں چلو۔'' وہ ابھی کالج سے لوٹی تھی اور جیسے ہی ولید نے اپنے پروگرام کا بتایا اس نے جھٹ انکار کر دیا تھا۔ ماموں روشی سب اسے سمجھا رہے تھے۔

''مجھے خود مصطفیٰ نے آدھی رات کو فون کر کے اطلاع دی تھی۔ صبح میرے گھر سے نکلنے سے پہلے تم کالج کے لیے نکل گئی تھی پھر کب اطلاع دیتا۔'' ولید کے لیے اسے راضی کرنا ایک معرکہ بن گیا تھا۔ وہ مان کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ مسلسل سب سمجھا رہے تھے مگر وہ جانے پر راضی ہی نہ تھی۔

''کال کر لیتے ہم؟''

''محترمہ سارا دن کوئی سو دفعہ تمہارا نمبر ملایا تھا مگر آن ہوتا تو بات ہوتی۔'' ولید نے چڑ کر کہا۔

''تو کالج میں کالز سنتیں یا لیکچرز اٹینڈ کرتی۔'' ولید نے باپ کو دیکھا۔ انہوں نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا۔

''اچھا بیٹا ضد نہیں کرتے شاباش تیار ہو جاؤ۔'' انہوں نے پچکارا۔

''خوامخواہ نہ کوئی تیاری ہے اور پتا نہیں گاؤں کا ماحول کیسا ہے وہاں کے لوگ کیسے ہیں پہلے بتایا ہوتا تو ذہنی طور پر تیار ہوتی مجھے نہیں جانا۔'' اس نے کسلمندی سے کہا اور مزید پھیل کر صوفے پر دراز ہوگئی۔

''روشی بھی تو جا رہی ہے۔'' ولید نے غصے سے کہا۔

''ہاں تو اسے کیا فرق پڑتا ہے وہ تو پیدائشی خوب صورت ہے اب میں اس سڑے ہوئے تھوبڑے کے ساتھ اٹھ کر چل دوں' پتا نہیں کس قسم کا فنکشن ہے کوئی تیاری کی نہیں اور وہاں جا کر شرمندہ ہوں۔'' اصل رونا تو اس بات کا تھا روشی ہنس دی۔ ولید نے خوب گھورا۔

''اب وہ اتنے بھی رورل نہیں ہیں اچھے خاصے اربن ہیں بلکہ تم سے تو کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔''

''تمہیں کیا پتا تم کون سا ملی ہوئی ہو ان سے؟'' اس نے ناک سکیڑی۔

''بھئی مصطفیٰ بھائی سے ان کی فیملی کی بہت ساری باتیں سن رکھی ہیں۔ اتنے کنزرویٹو نہیں ہیں وہ لوگ۔ بس دیہاتی بیک گراؤنڈ رکھتے ہیں ورنہ تو کوئی بات نہیں۔'' روشانے نے وضاحت کی۔

''پھر بھی میں نہیں جا رہی۔'' وہ کالج سے تھکی ہاری آئی تھی اب یوں کہیں بھی اٹھ کر چل دینا اسے بڑی قیامت لگ رہی تھی۔

''تمہارے پاس دس منٹ ہیں چینج کر لو اس کے بعد میں قطعی موقع نہیں دوں گا تم ہمارے ساتھ جا رہی ہو یہ فائنل بات ہے تم تیار ہوئی یا نہ ہوئی میں اٹھا کر گاڑی میں پھینک

دوں گا اس کے بعد بے شک وہاں جا کر مجھے کوتی رہنا کہ تمہیں پیکنگ کا موقع نہیں دیا۔ دس منٹ کا مطلب ہے دس منٹ اس میں تمہیں پیکنگ بھی کرنا ہے اور ریڈی بھی ہونا ہے۔" ولید جو اس بحث سے اکتا گیا تھا ایک دم غصے سے کہہ کر ہاتھ میں تھا میگزین اس پر اچھال کر باہر نکل گیا تھا۔ وہ بہت غصے میں گیا تھا روشی اور احسن دونوں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"اویں اٹھا کر گاڑی میں پھینک دیں گے زبردستی تھوڑی ہے۔" جاتے جاتے ولید نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر بابا کو جو دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"دیکھ رہے ہیں اپنی چہیتی کے انداز پھر کہتے ہیں میں زیادتی کرتا ہوں۔" اس نے شکوہ کیا تھا روشی بھی ہنس دی۔

"جاؤ تم جا کر تیار ہو انا بھی آ جاتی ہے روشی بیٹا تم بہن کی پیکنگ کر دو میں اس کو سمجھاتا ہوں۔" انہوں نے ولید کو چلتا کیا اور روشی کو بھی اور خود اٹھ کر انا کے پاس بیٹھ گئے۔

"ماموں جی پلیز بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھیں جانے کو آپ کو کیا پتا میری دوست شہوار ہے ناوہ کتنے دنوں سے کالج نہیں آ رہی اس کے گھر بھی گئی تو پتا چلا کہ وہ گاؤں چلی گئی ہے پھر اس کی طبیعت بھی خراب تھی میں اس کو لے کر بہت ڈسٹرب ہوں اس نے خود بھی کوئی رابطہ نہیں کیا اس کا نمبر بھی بند ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔" وہ واقعی پریشان تھی۔

"بری بات ہے بیٹا اب ایک ہستی کے لیے تم اتنے لوگوں کو ناراض کرو گی" مصطفیٰ نے اسپیشلی فون کر کے کہا تھا کہ تم اور روشی ضرور آؤ" میں سفر نہیں کر سکتا تمہاری ماں اور باپ بھی نہیں جا رہے ہیں تم بھی نہیں جاؤ گی تو کتنا برا لگے گا؟" انہوں نے اسے بازو کے حصار میں لے کر پیار سے کہا۔

"احسن بھائی تو جا رہے ہیں نا؟" اس نے لاڈ سے کہا۔

"ولید کو بہت برا لگے گا۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو اس کا دل سکڑا ولید کو برا لگے گا یہ اس کا ویک پوائنٹ تھا۔

"اس نے کتنی محبت سے کہا ہے چلنے کو" انہوں نے مزید کہا تو اس نے گہرا سانس لیا۔

"پتا نہیں یہ محبت ہے کہ کیا ہے اگر محبت ہے تو مجھے محسوس کیوں نہیں ہوتی؟" اس کا دل افسردہ ہوا وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

"او کے چلتی ہوں یہ میں صرف آپ کے کہنے پر جا رہی ہوں۔ ولید یا روشی کا اس میں کوئی کریڈٹ نہیں۔ بتا دیں دونوں کو۔" ناراض ناراض سی صورت لیے وہ اٹھ گئی تو انہوں نے سر ہلا کر اسے دیکھا۔ اس کا مان جانا ہی فی الحال کافی تھا۔

روشی کے ساتھ مل کر اس نے پیکنگ کی تھی۔ شادی کے سلسلے میں شاپنگ تو کی ہوئی تھی۔ بس انہی میں سے چند سادہ مگر کام والے جوڑے رکھ لیے تھے۔ تیار ہو کر دونوں باہر نکلیں تو گاڑی میں ولید اور احسن منتظر تھے۔ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھیں تو ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے ڈر تھا کہ انا نہیں جائے گی مگر اب وہ جا رہی تھی تو وہ کچھ مطمئن ہوا تھا۔ اس کا چہرہ ناراض ناراض سا تھا یوں جیسے اسے اس طرح زبردستی کہیں جانا اچھا نہیں لگ رہا۔ ولید نے سر جھٹکا فی الحال اس کا مان جانا ہی کافی تھا۔ بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔

"میں ماموں کے کہنے پر آئی ہوں خبردار آپ تینوں میں سے کسی نے مجھ سے بات کی تو" جان نہ پہچان میں تیرا مہمان۔ دوستی آپ کی تھی آپ جاتے مجھے بھی ساتھ گھسیٹ لیا۔" وہ کافی تپی ہوئی تھی خاصا جتا کر کھڑکی کی طرف منہ پھیر لیا تو ولید نے خاصی بے چارگی سے احسن کو دیکھا اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دیتے فی الحال چپ رہنے کو ہی کہا تھا۔



حویلی میں تقریباً سبھی مہمان آ چکے تھے۔ یہ لوگ مغرب تک پہنچے تھے۔ کراچی سے صرف حسن انکل ہی آ پائے تھے ان کی فیملی نہیں آئی تھی جبکہ زینب پھپھو اور زہرہ پھپھو کی ساری فیملی آ چکی تھیں۔ حویلی میں اچھی خاصی رونق ہو چکی تھی۔ بابا صاحب کی طبیعت خاصی بہتر تھی وہ آرام سے ساری حویلی میں مہمانوں میں گھوم رہے تھے۔ ان میں اٹھ بیٹھ رہے تھے۔ تابندہ بی پر دوہری ذمہ داریاں تھیں۔ ایک حویلی کی نگرانی کی دوسرا بچی کی ماں تھیں مگر اس کے باوجود ان کے دائیں بائیں سب ان کی ذمہ داریاں نبھانے کو تیار تھے۔ شہوار مہمانوں کے آتے ہی کمرے میں بند ہو چکی تھی۔ عائشہ اور صبا نے آتے ہی اس کے کمرے پر دھاوا بول دیا تھا۔

"بجی شہوار مصطفیٰ بھائی نے تمہارے لیے نکاح کا جوڑا اس قدر خوب صورت اور قیمتی سلیکٹ کیا ہے کہ حد نہیں تم ان کی چوائس دیکھو تو دنگ رہ جاؤ۔" عائشہ بہت ایکسائیٹڈ تھی

جبکہ وہ اسی طرح بستر پر بیٹھی رہی۔

''شکر ہے یہ چہرے کا زخم تو ختم ہوا بس ہلکا سا نشان ہے وہ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔'' صبا کو اسی بات کی فکر تھی۔ اس نے آتے ہی سب سے پہلے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''تم اپنا ڈریس پہن کر چیک کر لو کوئی کمی بیشی ہے تو ابھی درست کر لیتے ہیں تا کہ عین وقت پر پریشانی نہ ہو۔'' عائشہ بیگ میں سے اس کا جوڑا نکالنے لگی۔ ارد گرد دوسرے بھی افراد تھے جو بھی جوڑا دیکھنے کو بے تاب تھے۔

''ماشاءاللہ یہ تو بہت ہی پیارا ہے۔'' پھپھو زہرہ کی بڑی بہو ماریہ کی بھابی نے جوڑا کھلتے ہی ایک دم کہا۔ ارد گرد شافعہ اور لائبہ بھابی بھی آ بیٹھیں۔

''اللہ..... شہوار آپی کتنا پیارا کلر ہے آپ پر تو بہت سوٹ کرے گا۔ ابھی پہن کر دکھائیں۔'' بڑی پھپھو کی چھوٹی بیٹی اس کے سر ہو گئی تھی۔

''مجھے نہیں پہننا۔'' اس نے لباس کو ایک طرف کیا تو کئی لوگ ٹھٹکے۔

''شہوار.....'' لائبہ بھابی نے اسے فوراً کندھوں سے تھاما۔

''اتنے افراد میں پلیز سوچ سمجھ کر بولو۔'' انہوں نے سرگوشی کی وہ چند دنوں سے شہوار کا رویہ دیکھ رہی تھیں اس کے ساتھ پل پل تھیں کیسے نہ اندازہ لگاتیں کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔

''چلو شہوار یہ پہن کر دکھاؤ۔'' انہوں نے محبت سے کہا تو اسے اٹھتے ہی بنی۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ واش روم میں گھس کر خوب روئے۔ اور ان کپڑوں سمیت اپنے وجود کو بھی آگ لگا لے۔ وہ کیسے ان لوگوں کی اس قدر محبت کے جواب میں بے اعتنائی اور نفرت کا اظہار کرتی۔ بس دل پر جبر کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ لباس لے کر وہ واش روم میں چلی آئی تھی۔ پہلے تو خوب جی بھر کر روئی پھر اس نے ناچار سوٹ زیب تن کیا تھا۔ دل کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی مگر وہاں سبھی منتظر تھے۔

''شہوار آ بھی جاؤ ہم تو دیدہ و دل تمہاری راہ میں بچھائے بیٹھی ہیں۔'' زینب پھپھو کی بیٹی نے شرارت کی تو وہ سر جھکائے باہر نکل آئی۔

''واؤ۔''

''ماشاءاللہ۔''

''بہت خوب۔'' کئی آوازیں اور کئی جملے تھے عائشہ نے تو والہانہ پن سے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''آخر میرے پیارے بھائی کی چوائس ہے۔'' اس نے گردن اکڑائی۔

''مصطفیٰ بھائی کی تو کل خیر نہیں۔'' اس نے اس کے کان میں شرارت سے سرگوشی کی۔ وہ جھینپ کر رہ گئی۔ چہرہ ایک دم گل رنگ ہوا تھا۔ عائشہ والہانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ باقی سب کے بھی یہی تاثرات تھے اور شہوار گل رنگ چہرہ لیے ساکت کھڑی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس قسم کا ری ایکشن شو کرے۔

''شکر ہے کوئی کمی بیشی نہیں۔ ورنہ تو سارا رستہ مجھے ٹینشن لگی رہی تھی۔'' صبا کوئی کمی بیشی نہ پا کر مطمئن ہو گئی تھی۔ شہوار کا مارے شرم کے برا حال ہو رہا تھا۔ ورنہ جی تو چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو اپنے وجود سمیت آگ لگا لے۔

وہ بس دو تین منٹ سب کے سامنے ٹھہری تھی پھر فوراً واش روم میں جا کر لباس تبدیل کر لیا اور پھر واپس آ کر بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ اب پھر وہی گم صم انداز تھا۔ اسے یہ سب بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ آنسو تھے کہ بس ایک دم بہنے کو بے تاب تھے۔ بڑی مشکل سے وہ سب میں بیٹھی خود پر جبر کیے ہوئے تھی۔



انا کا سارے رستہ موڈ آف رہا تھا۔ ولید روشی اور احسن خوش گپیوں میں مصروف رہے تھے جبکہ وہ منہ بسورے آنکھیں بند کیے سارا رستا سونے کا تاثر دیتی رہی تھی۔ اللہ اللہ کر

کے سفر اختتام پذیر ہوا تھا۔ ولید سارے راستے مصطفیٰ سے رابطہ میں تھا۔ اب کہاں ہے اس وقت کہاں سے گزر رہے ہیں سب اطلاع پہنچائی گئی تھی۔ انا اچھی خاصی تھک گئی تھی۔ سارا دن کالج کی خواری اور اب یہ طویل سفر وہ تقریباً ساڑھے سات بجے وہاں پہنچے تھے۔ مصطفیٰ منتظر ہی تھا جیسے ہی گاڑی گیٹ کے پاس آ کر رکی تو فوراً سامنے آ گیا تھا۔

"السلام علیکم۔" احسن اور ولید دونوں مصطفیٰ سے بغلگیر ہو رہے تھے۔

انا نے ٹیوب لائٹ کی روشنی میں دیکھا اچھا خاصا ڈیسنٹ لمبا چوڑا انسان تھا۔ دس سال پہلے لمبا سا دبلا پتلا وجود تھا اب تو صحت بھی قابل رشک تھی اور اچھی خاصی اٹریکٹیو پرسنالٹی تھی۔ اس نے فوراً اسے پہچان لیا تھا۔

"السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟" روشی کے سر پر ہاتھ رکھا تھا جبکہ انا سے وہ بڑی اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے مختصر سر ہلا دیا۔ وہ ولید کی طرف پلٹا۔

"یہ انا ہے۔" ولید نے تعارف کروانا چاہا۔

"میں پہچان چکا ہوں اتنا خاص فرق تو نہیں پڑا بس کچھ بڑی ہو گئی ہیں۔" ولید کی طرف جھک کر قدرے آہستگی سے کہا۔

"ہاں پہلے کی نسبت خاصی میچور اور حسین بھی لگ رہی ہیں۔" ولید مسکرا دیا۔ اسے اندازہ تھا مصطفیٰ کچھ ایسے ہی کمنٹس دے گا۔ انا کا چہرہ ابھی بھی ناراض تاثر لیے ہوئے تھا۔ وہ ابھی بھی بے نیازانہ تیور لیے ہوئے تھی۔

"ویسے تمہارے بابا کا فیصلہ اتنا غلط بھی نہیں تمہیں تو چاہیے تھا کہ فوراً ہاں کر دیتے۔" وہ انا کی طرف دیکھتے کا بے باک سے ریمارکس دے رہا تھا۔ وہ ہنس دیا۔

"ابھی تم نے اس کی شخصیت کی کمی اور خوبیوں کا جائزہ نہیں لیا۔ اس لیے کہہ رہے ہو میں دن رات ساتھ رہتا ہوں۔ مجھے پتا ہے محترمہ کیا چیز ہیں؟ ابھی یہاں لانے کے لیے کتنی منتیں کرنا پڑی ہیں اس کی۔"

"یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟" احسن فوراً متوجہ ہوا تھا۔

"کچھ نہیں آؤ اندر چلتے ہیں۔ آپ بھی آیئے۔" مصطفیٰ نے کہا تو انہوں نے اس کی ہمراہی میں اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"عظمت! دونوں خواتین کو اندر ماں جی کے پاس لے جاؤ" کہنا شہر سے مہمان آئے ہیں میں ذرا ان کو مردانے میں لے جاؤں۔" رستے میں عظمت نظر آئی تو ان کے ساتھ انا اور روشانے کو بھیج کر وہ خود مردانے کی طرف احسن اور ولید کے ہمراہ چل دیا تھا۔

انا کے چہرے پر ہنوز اکتاہٹ بھرے تاثرات تھے جبکہ روشانے نارمل ہی تھی۔ دونوں ملازمہ کے ہمراہ اندر جاتے حویلی کو بھی دیکھ رہی تھیں۔ تبھی اندر سے کوئی تیزی سے باہر نکلا اور پھر دونوں کو عظمت کے ساتھ آتا دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔

"ارے آپ دونوں؟" انا اور روشانے نے بھی چونک کر دیکھا۔ ان کے سامنے شہوار کے گھر ملنے والی لائبہ بھابی تھیں۔

"بھابی! یہ شہر سے مہمان آئی ہیں۔" عظمت نے فوراً کہا تو لائبہ نے بے اختیار آگے بڑھ کر دونوں کو باری باری گلے لگایا جبکہ دونوں ان کی یہاں موجودگی پر حیران ہی تھیں۔

"بہت اچھا کیا تم جو لوگ چلی آئیں۔ شہوار نے پہلی بار کوئی عقل مندی والا کام کیا ہے۔" لائبہ بھابی ان دونوں کو اپنے ہمراہ لیے اندر جانے کا کہہ رہی تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا کچھ خاک پلے نہ پڑا۔

بھلا یہاں شہوار کا کیا ذکر اور لائبہ بھابی یہاں کیوں تھیں؟

"ماں جی دیکھیں کون آیا ہے؟" ماں جی نے بھی حیران ہو کر دیکھا اور پھر فوراً پہچان لیا۔

"السلام علیکم۔" دونوں صورتحال کچھ نہ سمجھی تھیں بس فوراً آگے بڑھ کر سلام کیا تو انہوں نے بہت محبت سے گلے لگایا۔

"وعلیکم السلام۔"

"بہت اچھا کیا شہوار نے تم لوگوں کو بلا لیا۔ اتنی خاص تم اس کی دوست تھیں تمہیں کیوں نہ بلواتی؟" انہوں نے انا سے بطور خاص کہا تو اس نے روشانے کو دیکھا اس نے

کندھے اچکا دیے۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ پیار میں بھی نہیں سمجھی۔

"شہوار کہاں ہے؟" ماں جی نے لالہ رخ کو دیکھا۔

"اپنے کمرے میں۔" فوراً جواب ملا۔

"تو کیا یہ مصطفیٰ کے رشتہ دار نہیں ہیں۔ کہیں یہ وہی مصطفیٰ تو نہیں انا الجھی۔

"ہائے کیا شہوار بھی ادھر ہی ہے۔" انا پہلی بار ایک دم خوش ہوئی تھی۔

"ظاہر ہے اس کی حویلی ہے یہ اس نے تو ادھر ہونا ہی تھا۔" ماں جی نے بھی ہنس کر کہا۔

"بچیوں کو شہوار کے پاس لے جاؤ۔ انا کو دیکھ کر دل لگ جائے گا اس کا۔" ماں جی نے کہا تو بھابی نے فوراً سر ہلایا۔

آئیں۔" وہ دونوں ناسمجھی سے اس ساری صورتحال پر حیران ہوتے ان کے ساتھ چل دی تھیں۔ شہوار کمرے میں بالکل تنہا اندھیرا کیے بیٹھی تھی۔

"شہوار دیکھو کون آیا ہے؟" بھابی نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا۔ آنکھوں میں نمی کی وجہ سے سامنے کا منظر کچھ دھندلا سا تھا۔

"شہوار....." انا اسے مجسم دیکھ کر فوراً اس کی طرف لپکی تھی۔

"انا تم؟" وہ حیرت زدہ تھی اور پھر ایک دم انا کے گلے لگی تھی۔ وہ جو بمشکل خود پر بند باندھ رہی تھی ایک دم شدت سے رو دی۔ انا تو اس کے یوں بکھر کر رونے سے شدید حیرت زدہ رہ گئی۔

تو کیا شہوار اس قدر بیمار تھی مگر کیوں ایسا کیا ہوا کہ وہ اس طرح ٹوٹ کر بکھری تھی۔ بھابی بھی پریشان ہو گئی تھیں انہوں نے فوراً دوا کا ارادہ کیا تھا۔

"شہوار یہ کیا بچپنا ہے دیکھو انا پریشان ہو رہی ہے۔" انہوں نے بمشکل انا کو شہوار سے علیحدہ کیا۔

"اس کو کیا ہوا ہے؟" انا از حد فکر مند اور پریشان تھی بھابی کو دیکھا شہوار ان کے حصار میں تھی۔

"شہوار خود پر قابو رکھو یار۔" انہوں نے ہلکی سی سرزنش کی تو شہوار نے سر اٹھا کر انا کو دیکھا وہ نہایت بے قرار و فکر مندی سے متوجہ تھی۔ شہوار انا سے علیحدہ ہوئی تو بھابی نے گلاس میں پانی انڈیل کر اسے تھمایا۔

"لو یہ پیو۔" اس نے خاموشی سے پانی پی لیا۔

"تم کیسے آئیں؟" کچھ دیر بعد سنبھل کر اس نے پوچھا۔

"احسن بھائی اور روشی کے ساتھ۔"

"تم لوگوں کو ماں جی نے اطلاع دی ہو گی؟" نگاہیں جھکا کر اس نے پوچھا تو ان دونوں کے ساتھ ساتھ اب بھابی بھی چونکیں۔

"تم نے ان کو اطلاع نہیں کی۔ تم نے نہیں بلایا؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں۔" اس نے مجرموں کی طرح نفی میں سر ہلایا تو بھابی نے اب کے الجھ کر دونوں کو دیکھا۔

"ہمیں تو مصطفیٰ بھائی نے انوائٹ کیا تھا۔" انا کی بجائے روشنا نے کہا تو اب کے بھابی اور شہوار نے ایک دوسرے کو دیکھا وہ بھی کچھ نہیں سمجھ پائی تھیں۔

"بات یہ ہے کہ مصطفیٰ بھائی امریکا میں ہمارے ہمسائے میں رہتے تھے تب کی ہماری سلام دعا تھی۔ اب ہم پاکستان آئے تو مصطفیٰ بھائی رابطے میں رہتے تھے۔ کل ان کا نکاح تھا ہمیں انوائٹ کیا تھا تو ہم آ گئے۔ ہمیں نہیں اندازہ تھا کہ مصطفیٰ بھائی اور آپ لوگوں کے فیملی ٹرمز بھی ہیں۔" روشنا نے کہہ رہی تھی اور انا ایک دم چونکی۔

"ایک منٹ شہوار یہ مصطفیٰ بھائی وہی مصطفیٰ تو نہیں جن کے گھر تم رہ رہی ہو۔" شہوار نے گردن ہلا دی تھی۔

"اوہ آئی سی۔ ہم تو مصطفیٰ صاحب کے نکاح کے لیے آئے تھے کیا پتا تھا کہ تم سے ملاقات ہو جائے گی۔ اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ آج سارا دن اور اب یہاں

آتے میں نے تمہیں اتنا یاد کیا تھا کہ حد نہیں مجھے اگر پتا ہوتا کہ یہاں تم سے ملاقات ہوگی تو میں فوراً آ جاتی۔" انا ساری صورتحال سمجھ کر ایک دم خوش ہوئی تھی جبکہ بھابی ابھی بھی الجھی ہوئی تھیں۔

"تم سے شہوار نے کچھ بھی ڈسکس نہیں کیا ..... کیا؟"

"مطلب؟" انا نے پوچھا اور شہوار کو دیکھا وہ گردن جھکائے ہوئے تھی بھابی پل بھر میں ساری بات سمجھ گئی تھیں۔ انہوں نے خاصی ناراضی سے شہوار کو دیکھا۔

"تمہیں کم از کم اسے تو ضرور انوائٹ کرنا چاہیے تھا انا کو دیکھتے ہی میں سمجھی کہ تم نے بلایا ہے باہر ماں جی بھی یہی سمجھ رہی تھیں۔ بڑی بری بات ہے شہوار جو ہم سے محبت کرتے ہیں ان کو ایسے نہیں آزماتے۔ وہ تو مصطفیٰ کی مہربانی ہوئی کہ اس نے کال کر لی اور یہ دوڑی آ گئیں۔ مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔"

"کیا بات ہے آپ اسے کیوں ڈانٹ رہی ہیں؟" انا اب کے انداز پر حیران ہوئی تھی۔

"تمہیں پتا ہے کہ مصطفیٰ کا نکاح کس سے ہو رہا ہے؟" انہوں نے پوچھا تو اس نے کندھے اچکا دیے اور پھر ایک دم چونک کر بھابی کو دیکھا۔

"ہاں روشی ذکر تو کر رہی تھی کہ ان کا نکاح اپنی کزن سے ہو رہا ہے۔" بھابی نے اب کے خاصی گرم نگاہوں سے شہوار کو دیکھا۔

"مصطفیٰ کی وہ کزن کوئی اور نہیں اپنی یہی شہوار ہے۔ شہوار سے ہو رہا ہے مصطفیٰ کا نکاح۔" انہوں نے گویا انا اور روشانے کے اعصاب پر بم پھوڑا تھا۔

"کیا؟" یہ بم واقعی خاصا اعصاب شکن ثابت ہوا تھا۔ انا کافی دیر تک بے یقینی سے شہوار کو دیکھے گئے جو سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

"ان بلیو ایبل۔"

"باقی کی تفصیل اس سے خود ہی لینا۔ بلکہ میری طرف سے بھی اس کے کان کھینچو۔" وہ یہ ہم سی نگاہ ڈالتے کمرے سے نکل گئی تھیں۔ اب کمرے میں ان تینوں کے سوا کوئی نہ تھا۔

"یہ سب کیا ہے شہوار۔" انا بھابی کی طرح ناراض تو نہ ہوئی تھی مگر حیرت زدہ تھی۔

"انا پلیز مجھ سے ناراض مت ہونا۔ میں پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہوں میں خود تم سے رابطہ کرنا چاہتی تھی مگر موبائل ٹوٹ گیا تھا نمبر سم میں تھا پھر اب نمبر ہاتھ لگا بھی تو موقع نہیں مل رہا تھا۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شہوار جیسی لڑکی کا یہ رونا اسے کچھ سمجھ نہ آئی تو اسے گلے لگا لیا۔

"تم مجھے ساری صورتحال بتاؤ یہ اچانک فیصلہ کیسے ہو گیا۔ کیا پہلے سے کوئی بات چل رہی تھی اگر تھی تو مجھے کیوں نہ بتایا؟" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

انا سے اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ شہوار تو ویسے بھی ایک کندھے کی تلاش میں تھی جس پر سر رکھ کر وہ اپنا سارا دکھ کہہ سکے۔ دل کی بھڑاس نکال سکے۔ اب قدرت نے خود ہی انا کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا تھا تو وہ کیونکر اب خاموش رہتی۔ اس نے اسے آہستہ آہستہ سب بتا دیا کہ کیسے مصطفیٰ کا پروپوزل دیا گیا پھر وہ کیونکر انکاری تھی اور اس کے بعد اچانک ایاز نے کیا کیا اور ایاز کی حرکت کے سبب اب یہ اچانک نکاح کا فیصلہ کیونکر ہو رہا تھا؟ اس نے سب کچھ بتا دیا۔ ایک ایک لفظ ایک ایک حکایت۔

"مائی گاڈ۔ اتنا کچھ ہو گیا تم اندر ہی اندر جھیلتی رہی خود ہی سہتی رہی اور مجھ سے ذکر تک نہ کیا۔ پاگل آخر دوست کس لیے ہوتے ہیں کم از کم مجھ سے تو کہتی؟" انا کے شکوے پر بھی اس کے آنسو بہتے رہے۔ پھر انا نے اس کے آنسو صاف کرتے خود سے لگا لیا۔ تبھی بھابی لوازمات سے سجی ٹرالی لیے چلی آئیں۔

"تم لوگ چائے پی کر فریش ہو لو۔ پھر کھانا کھائیں گے۔" بھابی نے کہا تو مجبوراً وہ دونوں چائے کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"اس کو بھی کچھ کھلاؤ پلاؤ کچھ نہیں کھا پی رہی یہ۔" بھابی نے کہا تو انا نے بہت خفا نظروں سے اسے دیکھا اور پھر چائے کا کپ بنا کر اسے دیا ساتھ میں بسکٹ اور کیک بھی۔ شہوار خاموشی سے چائے پینے لگی۔ ویسے بھی انا سے دل کی بھڑاس نکال کر وہ خاصی ریلیکس ہو گئی تھی۔ ان کے بیگ ملازمہ اندر ہی رکھ گئی تھی۔ انہوں نے چائے پی کر منہ ہاتھ دھویا تھا انا نے ولید کو کال کر کے فوراً لان میں آنے کو کہا تھا۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" روشانے کو کہتے وہ اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ مصطفیٰ اور ولید دونوں لان میں مل گئے تھے وہ اسی کی کال پہ باہر آئے تھے۔

میرا کام ہے لوگوں کو گالیاں دینا
جب کوئی کرتا ہے چھترول رہتا ہوں خواب میں

اس شعر پر تمام شریر شعراء کاشی پر ہنسنے لگے اور اس کا تمسخر اڑانے لگے۔ اس کے بعد صبا نے کلام پیش کیا اور جو صبح سے کلام پڑھنے کے لیے بے چین تھی۔

میں نے اس کو دل دیا دلدار بن کر
اس نے میرے دل پہ ہتھوڑے برسائے لوہار بن کر

صبا کے اس شعر پر داد کے ایسے ڈونگرے بجے کہ کمرا گونجنے لگا اور اس کے بعد مائک نومی کے ہاتھ میں گھس آیا اور نومی کلام پیش کرنے لگا۔

یہ کوئی محفل شعراء نہیں یہ ہے پاگل خانہ
جی چاہتا ہے ماروں ان کے منہ پر تازیانہ

یہ شعر سن کر تمام دوست غصے سے بپھر گئے نومی نے اوپر سے ایک اور شعر پھینک دیا۔

میں نے آج ہوا میں اڑتے دیکھے ہیں پرندے
یہ سب شعراء نہیں ہیں یہ تو ہیں درندے

یہ شعر سن کر تمام شعراء نومی پر ٹوٹ پڑے اور اس کی خوب چھترول کی لیکن نومی بھی ایک شریر لڑکا تھا۔ نومی بھاگ کر کمرے سے باہر آ گیا اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ لوڈشیڈنگ کی وجہ سے بجلی بھی رفو چکر ہوئی جس کی وجہ سے تمام شعراء کو بے ہوشی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے چیخ و پکار شروع کر دی جسے سن کر اہل آنچل اکٹھے ہو گئے اور دروازہ کھول کر شعراء جی کو باہر کھینچا۔ یوں اس مزاحیہ مشاعرے کا اختتام ہوا۔ آپ کو یہ شریر مشاعرہ کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔ آپ سب کی دعاؤں کی طالب۔



''پولیس ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھنے والے لوگ خاصے پتھر دل ہوتے ہیں مجھے نہیں لگتا کہ ان کے پاس جذبات بھی ہوتے ہوں گے۔ پھر آپ فائٹر بھی رہ چکے ہیں۔''

''بھئی آپ ہمیں مفروضوں پر مت پرکھیں۔ ہم جیسے پتھر دل لوگوں میں اور بھی بہت سی کوالیز ہوتی ہیں جذبات کے علاوہ بھی۔''

''اچھا آپ ابھی بھی وہ فائٹنگ وغیرہ کے مقابلوں میں حصہ لیتے ہیں؟'' اسے ایک بات یاد آئی تو فوراً کہا' مصطفیٰ مسکرا دیا۔

''نہیں یہ تو باہر کے مشاغل تھے۔ یہاں آ کر زندگی بہت باؤنڈ ہوگئی ہے جاب گھر' گھر اور جاب بس اور کوئی ایکٹیویٹی ہی نہیں۔''

''مجھے تو آپ سے خاصا ڈر لگا کرتا تھا آپ کو یاد ہوگا کہ تب آپ کو میں دیکھتے ہی بھاگ جایا کرتی تھی دراصل آپ نے وہاں کی اسٹریٹ میں ایک آوارہ لڑکے کی اچھی خاصی پٹائی کی تھی اور بائے چانس میں نے دیکھ لیا تھا سب جب سے میں آپ سے خاصی خوفزدہ ہوگئی تھی جہاں بھی نظر پڑتی تھی میں فوراً ڈر کر بھاگ جاتی تھی آپ نے اس لڑکے کا حلیہ بھی تو خراب کر دیا تھا نا۔'' اس نے پرانی بات کا تذکرہ کیا تو مصطفیٰ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''ہوں...... اچھی طرح یاد ہے' وہ پرانی باتیں تو اب قصہ پارینہ بن گئی ہیں۔ یہاں آ کر زندگی بڑی بزی ہوگئی ہے۔ اب تو کسی فائٹنگ کی گنجائش نہیں رہی۔''

''تب آپ کو غصہ بھی بہت آتا تھا میرا خیال ہے اس لیے فائٹنگ کرتے تھے۔'' اس نے نکتہ اٹھایا۔

''کہہ سکتی ہیں۔''

''اب کیا اندیشہ ہے؟ ویسے شہوار کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے سے کافی سنور گئے ہیں۔'' اس نے مسکرا کر خاصی شرارت سے کہا۔

''لگتا ہے شہوار نے اچھا خاصا بڑ ورک کیا ہوا ہے۔''

''خیر اچھا خاصا تو نہیں' یہ تو میری اپنی بڑروینش ہے جو اس کے چند الفاظ سے ایک پوری کہانی بنا رہی ہوں۔''

''اچھا۔'' مصطفیٰ نے سر ہلایا تو ولید نے اسے دیکھا وہ تب وقت جس قدر اکتائی ہوئی تھی اب اس قدر فریش لگ رہی تھی۔

''روشانے کہاں ہے؟'' ولید نے پوچھا۔

''اندر ہی ہے اوکے مصطفیٰ بھائی چلتی ہوں شہوار کی باتوں سے میں ڈر گئی تھی مگر اب آپ سے بات کر کے دل کو سکون ملا ہے آپ کا جو پرانا امیج تھا وہ ایک فائٹر کا تھا میں خاصی خوفزدہ تھی کہ کہیں خدانخواستہ آپ اب بھی ویسے تو نہیں اللہ کا شکر ہے اب ایسا نہیں ہے۔ شہوار ایک بہت حساس سی لڑکی ہے وہ مجھے بہت عزیز ہے پلیز اس کا خیال رکھیے گا۔'' وہ ایک دم سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''وہ آپ سے پہلے ہماری کزن ہیں۔ اگر آپ ان کی زندگی کے بہت سے حقائق سے باخبر ہیں تو یہ بھی اندازہ لگا لیں کہ ہم نے کبھی ان کو غیر اہم ہونے کا احساس نہیں دلایا۔ اب ہر انسان کی اپنی ایک سوچ ہے۔ وہ جس قسم کے کمپلیکس کا شکار ہیں اب ان کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ رشتہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ بہر حال ہم نے اور ہماری فیملی نے ہر حال میں ان سے محبت خلوص اور اپنائیت کا یہ رشتہ نبھایا ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز بھی سنجیدہ ہوگیا تھا۔

''شکریہ آپ کے احساس نے تو مجھے آپ سے بات کرنے کی جرأت بخشی ہے۔ وہ بہت پریشان ہے بہت زیادہ۔'' کچھ دیر قبل ٹوٹ کر بکھر کر روتی شہوار کا سراپا آنکھوں میں آ سمایا تو دلگرفتگی سے کہا۔

''اب اس کی پریشانیوں کا علاج کیا کیا جائے جبکہ وہ خود ہی اس پریشانی سے باہر آنا نہیں چاہتیں۔'' مصطفیٰ نے قدرے رکھائی سے کہا تو اس نے رنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''مگر آپ اسے اعتماد میں تو لے سکتے ہیں نا۔ وہ کیا اس کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی اس قسم کے حالات کو فیس کرتی تو اس کا بھی یہی ری ایکشن ہونا تھا۔ شہوار غلط نہیں ہے ہاں کچھ زیادہ جذباتی ہو رہی ہے بس۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ نکاح اسی تعاون کی ایک کڑی ہے۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ چپ ہوگئی تھی۔

''مگر وہ یہ سمجھ نہیں پا رہی وہ سمجھتی ہے کہ آپ لوگوں کے اس کی ذات پر اس قدر احسانات ہیں کہ کبھی وہ سر اٹھا کر جی نہیں پائے گی یہ قدم بھی انہی احسانات میں سے ایک سلسلہ

ہے۔" قدرے توقف کے بعد کہا۔
"یہ تو اس کا مینٹلی پرابلم ہے اب اس کا علاج کیا کرسکتا ہوں؟ ہم تو اسے عزت ہی دے رہے ہیں اگر وہ اپنی ذہنی اپروچ کے سبب اس کو بھیک سمجھ رہی ہے تو اس کا علاج کم از کم میرے پاس نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ خود علاج کرنا چاہے تو.......؟" مصطفیٰ کا انداز ایک دم اتنا عجیب سا ہوا تھا کہ انا حیرت سے اسے دیکھے گئی۔
"دل میں گنجائش ہو تو ذہنوں میں بھی گنجائش نکل آتی ہے مصطفیٰ بھائی' کیا آپ کے دل میں کوئی گنجائش نہیں یا محض یہ بھی ایک فارمیلٹی ہے۔" وہ بہت دکھ سے پوچھ رہی تھی۔
"یہ میرے بڑوں کا فیصلہ ہے اور مجھے اپنے بڑوں کا فیصلہ ہر حال میں عزیز ہے۔ اگر اسے انکار ہے تو اس کے پاس رائٹ ہے وہ انکار کردے۔ چونکہ مجھے انکار نہیں سو میں مطمئن ہوں۔ رہ گئی دل کی گنجائش والی بات تو میں خاصا پریکٹیکل بندہ ہوں یہ دل کے عارضے نہیں پالتا میں۔" اس نے بہت دکھ سے مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔
"ایسے رشتوں میں تو دل میں گنجائش خود بخود نکل آتی ہے مصطفیٰ بھائی؟" اس نے قدرے تلخی سے کہا تو مصطفیٰ طنزاً مسکرایا۔
"یہ بات آپ اسے بھی سمجھائیں نا میں تو بہت ہی نارمل انداز میں اس ریلیشن کو قبول کررہا ہوں۔" ولید دونوں کی گفتگو کو حیرت سے کھڑا سن رہا تھا۔
"وہ خوفزدہ ہے پریشان ہے اپنے ماضی کو لے کر بکھری ہوئی ہے اگر آپ اسے تسلی کے چند لفظ سونپ دیں گے تو وہ سنبھل جائے گی آپ پر اعتبار کرے گی۔ اگر آپ ایک بار کوشش تو کریں؟" انا نے کہا تو مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا پھر مسکرایا۔
"وہ ماضی کو لے کر بکھری نہیں ہے ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔" مصطفیٰ نے تلخی سے کہا۔
"تو کیا یہ اس کی ڈیمانڈ ہے؟" اس کا انداز چبھتا ہوا تھا۔
"مصطفیٰ بھائی پلیز' یہ میرا دیا گیا ایک سلوشن ہے۔ وہ بے چاری تو فی الحال صرف ایک ہی تلتے پر متحمل کھڑی ہے جس کا نام 'لیاز' ہے۔" انا نے کافی دکھ سے کہا تو مصطفیٰ نے کندھے اچکا دیے۔
"تو ٹھیک ہے نکاح ہو جانے تا آرام سے ہونے دیں۔" انا نے مصطفیٰ کو دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں نمی سی آتی۔
"یہی شاید عورتوں کا المیہ ہے کہ جذبات مردوں کے نزدیک بہت عام ہوتی ہے وہ ان کے نزدیک بہت خاص ہوتی ہے۔ آپ شاید میری بات سمجھ نہیں پائے یا شاید میں آپ کو سمجھا نہیں پائی۔" وہ بہت دکھ سے کہہ کر پلٹی تھی اور پھر تیزی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔
"یہ سب کیا تھا یار؟" ولید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو مصطفیٰ کے اعصاب ایک دم جھنجلائے تھے تاہم اگلے ہی پل اس نے خود کو کنٹرول کیا۔
"کچھ نہیں خواتین میں ہر وقت کسی نہ کسی بات کو لے کر ٹینشن کری ایٹ کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ وہ محترمہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ آؤ اندر چلتے ہیں احسن ہمیں غائب پاکر خود ڈھونڈنے نہ نکل آئے۔" مسکرا کر کہتے وہ پلٹا تو ولید اچھی طرح سمجھ گیا کہ وہ اب اس معاملے میں اس سے ایک لفظ بھی نہیں کہے گا جب تک خود نہیں چاہے گا۔ اس نے ایک گہری سانس لیتے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ باقی سارا وقت افراتفری میں گزرا تھا۔ ساری حویلی میں رونق پھیلی ہوئی تھی آج ایک عرصے بعد بابا صاحب خوش تھے۔ پورے دل کی آمادگی و گہرائی سے وہ اس سارے فنکشن کو انجوائے کررہے تھے۔
دل پر ایک بوجھ تھا کبھی کبھی دل پر احساس گناہ کا بوجھ اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ اپنا سانس مشکل ہو جاتا تھا اور تابندہ بی کو سہارا دینا بھی شاید اس سلسلے کی ایک کڑی تھا وہ اپنا احساس گناہ کم کرنا چاہ رہے تھے کہ جس سے گناہ کا بوجھ کم ہو جاتا اور اب ایک بے سہارا لڑکی کو اپنے خاندان کا حصہ بنانا۔ یہ بھی ان کی زندگی کا ایک تلخ باب تھا۔ انہیں لگا کہ جیسے انہوں نے برسوں پہلے کی جانے والی ایک غلطی کی تلافی کردی ہے۔ گناہ برقرار تھا ختم نہیں ہوا تھا مگر دل کا بوجھ کسی حد تک کم ضرور ہو گیا تھا۔
حویلی کے اندر ہال میں اچھی خاصی رونق آباد تھی۔ ساری لڑکیاں تمام کاموں سے فارغ ہو کر اب مہندی لگانے کے چکروں میں الجھی ہوئی تھیں۔ بڑی خواتین اپنے اپنے کمروں میں سونے جاچکی تھیں لڑکے باہر مردانے کی طرف تھے اس لیے سب خاصی فارغ ہو کر بیٹھی تھیں۔
شہوار صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اس کے منع کرنے کے باوجود اسے مہندی لگائی جارہی تھی۔ ایک طرف پھپھو زہرہ کی بہو شائستہ بھابی لگی ہوئی تھیں تو دوسری طرف ماریہ تھی۔

دونوں بڑی محنت سے شہوار کے دونوں ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھیں۔ شائستہ بھابی اچھی بیوٹیشن بھی تھیں۔ اب ان کے ہاتھوں کے جوہر شہوار کے دونوں ہاتھوں پر دکھائی دے رہے تھے ماریہ جو خود بھی اچھی مہندی لگا لیتی تھی شائستہ کی ہدایت پر شہوار کے پیروں پر گل و بوٹے بنا رہی تھی۔ شہوار کے دونوں پاؤں سینٹرل ٹیبل پر دھرے ہوئے تھے اور ماریہ قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''ہائے اللہ کتنی پیاری مہندی لگ رہی ہے۔ میں بھی ضرور لگواؤں گی۔'' انا شہوار کی مہندی دیکھ کر فورا دیوانی ہوئی تھی۔

''کیوں تمہارا ابھی ساتھ ہی نکاح کا پروگرام ہے؟'' زہرہ پھپھو کی بیٹی عاصمہ نے لقمہ دیا تو وہ جھینپ گئی۔

''ارے لڑکی شرماتی بھی ہے۔'' لائبہ بھابی نے سب کی توجہ دلائی تو روشا نے کھلکھلا کر ہنس دی انا نے گھورا۔

''آپ سب کی طرح بے شرم نہیں ہوں۔'' اتنے تھوڑے عرصے میں دونوں کی سب سے خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی سو فورا جواب دیا تھا۔

''ان سب میں کون کون شامل ہے یہ بھی وضاحت کر دو۔'' حبا نے جو صبح پہنے جانے والے دوپٹے پر لیس ٹانک رہی تھی فورا پوچھا۔

''تمام شادی شدہ خواتین۔'' ماریہ نے لقمہ دیا۔ عائشہ اپنے ہاتھوں پر خود ہی کون سے ڈیزائن بنا رہی تھی۔ بیچ وہ ساس کو سونپ آئی تھی سو بے فکر تھی اب۔

''ارے بھئی یہ تو بڑی تیز ہوتی جا رہی ہے کیوں شائستہ بھابی اس کے لیے بھی کوئی لڑکا ڈھونڈیں پھر؟'' عائشہ نے گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنستے دوبارہ پاؤں پر جھک گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں نفاست تھی مگر تیزی نہ تھی شائستہ نے اسے باقاعدہ پاؤں کے ڈیزائن نکال کر دیا تھا جو وہ کاپی سے دیکھ کر فالو کر رہی تھی۔

''نیک خیال ہے خاندان میں کنوارا لڑکا دیکھو پھر۔'' شائستہ بھابی نے بھی ہنس کر کہا۔

''ہیلو لیڈیز چائے مل جائے گی؟'' تبھی سجاد بھائی نے دروازے پر آ کر کہا تو شہوار چونکی۔ کندھوں تک فولڈ شدہ آستینیں اور ننگے سر اسے بڑی حیا آئی۔ وہ تو اسی شرط پر باہر آئی تھی کہ لڑکوں کے سامنے نہیں آئے گی باقی سارا وقت وہ انا اور روشی کے ساتھ کمرے میں بند رہی۔

''ارے ارے کیا کر رہی ہو۔'' اس نے رخ موڑنا چاہا تو شائستہ اور ماریہ دونوں چیخ اٹھیں۔

''میری چادر پہلے سر پر دیں۔'' اس نے کہا تو بھابی نے اس کے سر پر چادر ڈالی مگر بازوؤں کی برہنگی ابھی بھی تمام تھی یہ تو شکر تھا کہ سجاد بھائی نے اس طرف نہیں دیکھا تھا۔

''مل جائے گی مگر اس وقت کون جاگ رہا ہے؟'' لائبہ بھابی نے پوچھا۔

''سبھی لڑکے جاگ رہے ہیں۔'' سجاد بھائی وہیں کھڑے تھے۔ سبھی اپنی لڑکیاں تھیں مگر دونئے چہرے تھے سو اندر نہیں آئے تھے شہوار نے شکر ادا کیا۔

''کیوں..... آج رت جگے کا پروگرام ہے کیا؟'' عائشہ نے بھی پوچھا۔

''ایسا ویسا اچھا خاصا ہلا گلا کیا جا رہا ہے مردان خانے میں تو۔'' سجاد بھائی نے اطلاع دی۔

''بلکہ یہاں کچھ دیر بعد دھاوا بولنے کا ارادہ ہے۔'' انہوں نے مزید انکشاف کیا۔

''نہیں..... '' سبھی لڑکیاں چیخیں۔

''بابا صاحب سے جوتے کھانے ہیں کیا؟'' پھپھو زہرہ کی چھوٹی بہو رمشا نے ڈرانا چاہا۔

''بابا صاحب اور بابا جان کبھی سو چکے ہیں۔ ایک بج رہا ہے خیر آپ میں سے چائے کون بنا کر دے گا؟'' انہوں نے اطراف میں دیکھا اور پھر اپنی بیگم کو دیکھا۔

''اس وقت سبھی بزی ہیں آپ کچن میں چلے جائیں وہاں تاج یا عظمت ہوں گی ان کو کہہ دیں۔'' لائبہ بھابی نے مشورہ مفت دیا تھا۔

''تم سے مجھے اس صفاچٹ جواب کی امید نہ تھی۔ خیر سے ذرا ہاتھ لگ جاؤ پھر فرصت سے خبر لوں گا۔ یہاں آ کر تم دو دن سے ہاتھ ہی نہیں آ رہیں۔ آنکھیں ہیں کہ ماتھے پر رکھ لی ہیں۔'' سجاد بھائی نے دھمکایا تو سبھی لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس دیں۔ بھابی جھینپ گئیں۔

''چلیں دھمکائیں مت آتی ہوں دیتی ہوں چائے بنا کر۔'' بھابی سبھی کی معنی خیز ہنسی کو نظر انداز کرتے اٹھ کر سجاد بھائی کے ساتھ باہر نکل گئی تھیں۔

"دیکھا چائے تو بہانہ ہے۔ سجاد بھائی کیسے بہانے سے لے کر گئے ہیں۔" لائبہ کے کہتے ہی صبا نے ہنس کر کہا۔

"تو اور کیا ایک ہمارے میاں ہیں اتنے دن سے میکے بیٹھی ہوئی ہوں پلٹ کر خبر نہیں لی اور یہاں آ کر بھی پوچھا نہیں کہ کیا حال ہے بلکہ صاحب بہادر الٹا ناراض ہو رہے تھے۔" عائشہ نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"اللہ عائشہ بھابی اتنا جھوٹ میں نے خود شام کو دیکھا تھا عاصمہ کو اٹھائے آپ کے پیچھے پیچھے پھر رہے تھے۔ آفاق بھائی جان اور ایک آپ تھیں کہ لفٹ ہی نہیں کرا رہی تھیں۔" عاصمہ نے بھانڈا پھوڑا تو عائشہ نے کھینچ کر تھپڑ اسے مارا۔

"بدتمیز..... تم میری نگرانی کر رہی تھیں۔"

"ہاں..... تو یہی حال عدیل بھائی کا بھی ہے اور امی سے کہتے تھے کہ صبا کو بلوا لیں اس کے بغیر دل نہیں لگ رہا۔" ماریہ نے بھی گل افشانی کی۔ روشانے اور انا کے لیے یہ سارا سلسلہ بڑا محظوظ کن تھا۔ وہ ساری عمر نہ کہیں آئی نہ گئی تھیں اب اتنے سارے لوگوں میں خود کو پا کر بڑا اچھا لگ رہا تھا اور وہ خوب انجوائے بھی کر رہی تھیں۔ شہوار کی مہندی لگ گئی تھی بس پاؤں کی باقی تھی جو ماریہ لگا رہی تھی۔

"اب کسی نے مہندی لگوانی ہے تو آ جاؤ فٹافٹ۔" شائستہ نے کہا تو انا فوراً شہوار کے ساتھ آ بیٹھی تو اس کی اس تیزی پر سبھی ہنس دیں۔

"دیکھو اسے کتنا اشتیاق ہو رہا ہے مہندی لگوانے کا۔" عائشہ ہنسی۔

"تو اور کیا پہلی دفعہ لگوانے جا رہی ہوں۔ وہ بھی شہوار کی مہندی دیکھ کر دل چاہ رہا ہے۔ ورنہ میں نے تو کبھی بچپن میں بھی نہیں لگوائی تھی لگتا تھا کہ ہاتھ گندے ہو جائیں گے۔"

"چلو شائستہ اسے اچھی مہندی لگاؤ کہ دل کی حسرت مٹ جائے اس کی۔" عائشہ نے اپنی مہندی دیکھتے کہا۔

شائستہ مہندی لگانے لگ گئی تھی۔ شہوار کے پاؤں کا کام مکمل ہوا تو وہ وہاں سے اٹھ کر کونے میں رکھے صوفے پر جا بیٹھی۔ جہاں وہ با آسانی نظر نہیں آ سکتی تھی۔ بلکہ وہ کونا اندھیرے میں تھا جہاں وہ سکون سے کافی دیر تک بیٹھ سکتی تھی اور ان کی طرف دیکھ سکتی تھی۔

"لائیں آپ کو بھی مہندی لگا دیں۔" ماریہ نے روشانے کو آفر کی۔

"نہیں روشانے کو رہنے دو چند دن بعد اس کی شادی ہے اب لگوائے گی تو رنگ ٹھیک سے اترے گا نہیں۔ اپنی شادی پر ہی لگوائے گی تاکہ رنگ زیادہ اچھا آئے۔" انا نے فوراً کہا تو صبا ہنس دی۔

"دیکھو نند کو کتنی فکر ہے اپنی بھابی کی۔"

"تو اور کیا ایک ہی بھابی ہے میری۔" اس نے بڑی حسرت سے روشانے کو دیکھا تھا وہ سب مسکرا دیں۔

"ویسے ان کے وہ کیسے ہیں؟" ماریہ اب صبا کو مہندی لگا رہی تھی۔ جس کی لیس کا کام ختم ہو گیا تھا اب وہ تقریباً فارغ ہی تھی۔

"ساتھ ہی آئے ہوئے ہیں صبح دکھا دوں گی۔"

"ہاں سنا تو تھا مردان خانے میں مصطفیٰ بھائی کے دو مہمان آئے ہوئے ہیں۔ اچھے خاصے خوب صورت اور ڈیسنٹ لوگ ہیں۔"

"وہ دو مہمان ہمارے بھائی صاحبان ہی ہیں۔ ایک میرے بھائی اور ایک ان کے۔" انا نے ہنس کر کہا تو تبھی لائبہ بھابی اندر داخل ہوئی تھیں اور ان کے پیچھے لڑکوں کی ایک لائن تھی۔ شہوار جو کونے میں بیٹھی ہوئی تھی اس نے فوراً رخ بدلا۔

"ہائے لائبہ تم چائے بنانے گئی تھیں کہ ان حضرات کو لینے؟" شائستہ نے اس پوری پلٹن کو دیکھ کر ہاتھ روک لیا تھا۔

"بھئی اس میں میرا کوئی قصور نہیں میں نے تو بہت منع کیا تھا مگر یہ سب میرے سر ہو گئے تھے کہ کچھ دیر اندر بیٹھیں گے پھر اٹھ جائیں گے۔ دراصل یہ سب دلہن دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"لو ہو تو دلہا میاں بھی ہیں۔" عائشہ نے سب لڑکوں پر نگاہ دوڑائی تو آفاق کے ساتھ مصطفیٰ بھی دکھائی دیا۔ جبکہ بائیں طرف عدیل تھا وہ دونوں بہنوئیوں کے ہاتھوں کی گرفت میں تھا۔ یوں جیسے زبردستی لایا گیا تھا اسے ہنسی آ گئی۔

"میرا کوئی قصور نہیں یہی لوگ مجھے زبردستی لے کر آئے ہیں۔" مصطفیٰ نے صفائی پیش کی۔

"ماشاءاللہ کندھوں پر اٹھا کر لائے ہیں کیا؟" شائستہ بھابی نے طنز کیا۔

"تو اور کیا؟" سبھی لڑکے باجماعت بولے تھے۔

جس کو جہاں جگہ ملی بیٹھ گیا تھا۔ شہوار کونے میں رخ موڑے بیٹھی رہ گئی تھی۔ انا نے دیکھا ان سب میں ولید اور احسن نہ تھے۔ ان کے اپنے خاندان کے ہی سارے لڑکے تھے۔

"مصطفیٰ بھائی ولی اور احسن بھائی سو گئے ہیں کیا؟" انا نے براہ راست مصطفیٰ سے پوچھا۔

"ہوں وہ ادھر کمرے میں ہی ہیں۔" مصطفیٰ نے سب کی طرف دیکھا۔ شہوار کہیں دکھائی نہ دی۔

"یہ کون ہے؟" مصطفیٰ کے عقب میں بیٹھا حماد پوچھ رہا تھا۔ یہ پھپو زہرہ کا چھوٹا بیٹا تھا اس کی توجہ ان کی طرف تھی جو سید حسے ہاتھوں پر شائستہ سے مہندی لگوا رہی تھی۔

"یہ مہمان ہیں۔ احسن اور ولید کے ساتھ آئی ہیں۔" اسے حماد کا پوچھنا اچھا نہیں لگا تھا مگر سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔ حماد اپنے بہن بھائیوں کی نسبت قدرے چیپ تھا۔ لڑکیوں کے معاملے میں بہت جلد لٹو ہونے والا انسان تھا ہاں خاندانی ماحول اور تربیت کا اثر تھا کہ بات فلرٹ تک نہیں پہنچتی تھی بس دیکھ کر ہی تسکین حاصل کرتا تھا۔

"بڑی حسین لڑکی ہے۔" اس نے برملا تعریف کی تو مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ انا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بڑا اشتیاق تھا۔ مصطفیٰ کے چہرے کے زاویے ایک دم بگڑے۔

"حماد یہ ہماری مہمان ہیں اگر کوئی اونچ نیچ ہوئی تو بہت برا ہو گا۔" اس کا انداز ایک دم بڑا تیکھا اور سنجیدہ ہوا تھا۔ حماد ایک دم صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"ایم سوری میں نے تو یونہی تعریف کی تھی۔" اس نے فوراً کہا۔

"اگر تعریف کا اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو ادھر تمہاری بھابیاں اور بہنیں بھی ہیں ان کی تعریف کر لو۔" اس کا انداز دھیما اور دو ٹوک تھا۔ وہ فوراً سنبھل گیا۔

"ایم سوری۔" اس نے فوراً کہا تھا۔ مصطفیٰ نے سر جھٹکا۔

"کیا بات ہے؟" آفاق نے پوچھا تو مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"حماد نے کوئی بات کی ہے۔" آفاق نے بھی شاید نوٹ کیا تھا۔ حماد جھینپ کر مصطفیٰ کے تیور دیکھتے فوراً وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" عدیل نے بھی کہا تو مصطفیٰ نے کندھے اچکا دیے۔

"دیکھو بھئی یہ خالص زنانہ محفل ہے یہاں مردوں کا خصوصاً نامحرموں کا داخلہ منع ہے۔" شائستہ بھابی نے کہا ان کے میاں صاحب تو تڑپ اٹھے۔

"کیا..... کیا یہ زیادتی ہے اگر ہم نامحرم ہیں تو پھر آپ محترمہ کے محرم کون ہیں؟" زاہد بھائی نے دہائی دی تھی۔

"میں نے آپ کو تھوڑی کہا ہے؟" بھابی ہنس دیں سبھی محظوظ ہوئے۔

"دیکھو آفاق عائشہ کا عدیل صبا کا زبیر رمشا کا سجاد لائبہ کا یہ سبھی محرم ہی تو ہیں باقی ساری بہنیں ہیں ہماری۔" بھابی کہہ کر پچھتائی تھیں۔

"آپ سے تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔"

"عباس بھائی سو گئے ہیں کیا؟" عائشہ کو عباس کا خیال آیا وہ لڑکوں کے ہمراہ نہیں تھا۔

"نہیں ولید اور احسن کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔" عدیل نے جواب دیا۔

"ہم نے ساتھ چلنے کو کہا بھی تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔" عدیل نے مزید بتایا۔

"باقی تو سبھی مہمان صبح ہی تشریف لائیں گے نا؟" ماریہ نے پوچھا۔
"جی جناب! دیکھو میری بیگم کو اچھی اچھی مہندی لگائی ہے۔" عدیل نے ماریہ کو تاکید کی تو صبا جھینپ گئی۔ باقی سب کی تو خیر تھی کہ کزنز تھے مگر مصطفیٰ اور سجاد کی موجودگی میں عدیل کا تبصرہ اسے شرما گیا تھا۔
"بے فکر رہیں آپ کہتے ہیں تو آپ کو بھی لگا دیتی ہوں۔" ماریہ کے کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔ انا کے مہندی لگ گئی تھی اس نے دونوں سیدھی ہتھیلیوں پر مہندی لگوائی تھی تھوڑی تھوڑی سی بیل کی صورت میں فافٹ لگ گئی تھی۔ وہ ایک طرف بیٹھنے کے بجائے شہوار کے ساتھ صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ شہوار نے چادر اچھی طرح اپنے بازوؤں پر پھیلا لی تھی اور وہ رخ موڑے بیٹھی ہوئی تھی۔
مصطفیٰ نے یونہی عقب میں گردن گھما کر دیکھا تھا ادھر رخ موڑے بیٹھی شہوار کو دیکھ کر ٹھٹکا اس کا بس سائیڈ پوز تھا اندھیرے کی وجہ سے واضح دکھائی نہ دی کونے کی لائٹ آف تھی۔ شہوار کی پشت تھی چادر چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی بس۔
"دلہن کہاں ہے؟" زبیر نے پوچھا۔
"اپنے کمرے میں جا چکی ہے۔ ہمیں اندازہ تھا کہ آپ لوگوں نے آنا ہے ہم نے پہلے ہی غائب کر دیا تھا۔" عائشہ نے کونے کی طرف دیکھتے شرارت سے کہا۔ اس طرف کسی کی توجہ نہیں گئی تھی ورنہ سب سے پہلے وہ ادھر ہی جاتے۔
"ہم تو دلہا میاں کو لے کر آئے تھے کہ تھوڑا سا سامنے بٹھا کر انجوائے کریں گے۔" آفاق نے کہا۔
"کیوں یہ دونوں مسخرے ہیں کیا۔" تحسین نے لقمہ دیا ایک بھرپور قہقہہ لگا۔
"دیکھ لو یہ تمہاری بہن کے فرمودات ہیں ہمارا کوئی قصور نہیں تم اسے پولیس آفیسر کے بجائے مسخرے زیادہ لگتے ہو۔" آفاق نے کہا تو پھر سب ہنس دیے۔
"تو بہ کتنے بدتمیز ہو تم لوگ۔ بابا صاحب کو پتا چل گیا نا کہ تم لوگ دلہا صاحب سمیت ادھر آئے ہو تو شامت آ جانی ہے۔" ماریہ نے دھمکایا۔
"کوئی نہیں ایسے موقعوں پر اکثر چھوٹ مل جاتی ہے۔"
"یہی تو غلط فہمی ہے آپ لوگوں کی۔" شائستہ نے بھی دھمکایا۔
"یہ مصطفیٰ آج بڑا خاموش ہے۔" رمشا بھابی نے کہا۔
"بچے بے چارے کی آزادی سلب کی جا رہی ہے۔ احتجاجاً خاموش ہے۔" سجاد نے کہا۔
"لو بھئی ہوئے احتجاجاً ابھی ان بچے صاحب کے سامنے دلہن صاحبہ کو لا کر بٹھا دیں تو سارے احتجاج کی پول کھل جائے گی۔" شائستہ بھابی نے کہا تو کونے میں بیٹھی انا ایک دم کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ وہ ان لوگوں کے جملے انجوائے کر رہی تھی جبکہ شہوار خاموش تھی۔ شہوار نے اسے کہنی ماری تو وہ چپ ہوئی۔
ہنسی کی آواز پر زبیر نے کونے میں دیکھا تو انا کے ہمراہ چادر میں چھپے وجود کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ اس نے شہوار کو فوراً پہچان لیا تھا۔
"ہاں تو ٹھیک ہے نا لائیں بٹھائیں دلہن کو؟" اس کا انداز شرارتی تھا۔ شہوار گھبرا کر رہ گئی تھی۔ ان لوگوں سے کچھ بعید نہ تھا کہ واقعی بٹھاتے۔
"ہمارا بچہ واقعی صابر ہے۔" آفاق نے بھی مصطفیٰ کی کمر تھپکی۔
"ایسا کرتے ہیں ہم اپنے بچے بے چارے کو دلہن کے پہلو میں جا بٹھاتے ہیں پھر تو ٹھیک رہے گا نا۔" زبیر کو بھی اب موقع ہاتھ لگا تھا کیسے جانے دیتا فوراً میدان میں کودا۔
"کوئی نہیں...... کوئی نہیں...... اب نکاح سے پہلے تو دلہن قطعی نہیں دیکھنے دیں گے ہم۔" یہ بات تو سب میں طے تھی اس بات کو طے کر کے انہوں نے شہوار کو مہندی لگانے پر آمادہ کیا تھا کہ وہ کسی کے سامنے نہیں جائے گی۔ اب تک اس لیے تو سب خاموش تھیں ورنہ اس کونے کی نشاندہی کب کی ہو چکی ہوتی۔
"اچھا یہ بات ہے تو ایسے ہی چلو مصطفیٰ چلیں باہر۔" زبیر نے ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا تھا۔

"ہاں تو جائیں ہم نے کون سا دعوت دی تھی۔" لڑکیوں نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔

"اگر تم لوگوں نے دلہن ہمیں نہ دکھائی تو ہمارا دلہا عین وقت پر نکاح سے انکار بھی کر سکتا ہے۔" مصطفیٰ کو شرارت سے آنکھ مار کر زبیر نے کہا۔

"جائیں ...... جائیں ہم آپ کی دھمکیوں میں نہیں آنے والے۔" ماریہ نے ہاتھ اٹھا کر جانے کو کہا تھا۔

"دیکھو ہمارا دلہا مغرب کے وقت سے آیا ہوا ہے اس نے اپنی دلہن کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی یہ زیادتی ہے۔" زبیر آہستہ آہستہ مصطفیٰ کا ہاتھ تھامے عقب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کسی لڑکی نے توجہ نہ دی تھی جبکہ مصطفیٰ سمجھ چکا تھا کہ زبیر کیا کرنا چاہ رہا ہے اس کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"صبح تک صبر کر لے نکاح ہو جائے تو ایک ہی دفعہ دیکھ لے گا۔" شائستہ بھابی نے کہا تو زبیر پیچھے کی طرف پلٹا۔ عائشہ جس کی توجہ اب ادھر ہوئی تھی فوراً چیخی۔

"ہائے ...... زبیر یہ کیا کر رہے ہو؟"

"ارے یہ تم کہاں جا رہے ہو ادھر کیا ہے؟" شائستہ بھی بولیں۔

"دلہن دیکھنے۔" شرارت سے بھرپور آواز تھی۔ شہوار دھک سی رہ گئی آواز اس کے بالکل پاس سے ابھری تھی۔ وہ بڑی تیزی سے درمیانی فاصلہ طے کرتے اس کونے میں آئے تھے اس نے فوراً انا کے بازو میں چہرہ چھپالیا۔

"انا یہ ادھر کیوں آئے ہیں؟" وہ پوری طرح کانپ اٹھی تھی۔

"مذاق کر رہے ہیں۔ تم چادر لپیٹے رکھو کچھ نہیں کریں گے یہ۔"

"ہوئے ہوئے تو ادھر دلہن کو چھپایا ہوا ہے اس اندھیرے میں۔" یہ کونا ذرا تاریکی میں تھا اب بھی لڑکے متوجہ ہوئے تھے ایک ایک کرتے اکٹھا ہو رہے تھے۔ یہ تو شکر تھا کہ شہوار کی مہندی قدرے سوکھ گئی تھی اس کے نیم عریاں بازو چادر کے اندر تھے۔ جس سے مہندی خراب ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ مگر مہندی لگے پاؤں وہ کہاں چھپاتی؟ جو زمین پر ٹکے تھے گیلے بھی تھے اور سبھی کے سامنے تھے۔

"یہ زیادتی ہے بھاگو تم لوگ ادھر سے۔" بھابی اور عائشہ فوراً اس طرف لپکی تھیں۔ مگر اب کون سنتا۔ انا ہنسے جا رہی تھی اس کے لیے یہ ساری سچویشن بڑی مزے دار تھی۔ وہ انا ہاتھ منہ پر رکھے بے حال ہو رہی تھی۔

"کتنے بدتمیز ہو تم لوگ بے چاری کو کنفیوژ کر رہے ہو۔ بھاگو یہاں سے۔" وہ سارے شہوار اور انا کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے۔ عائشہ اپنے میاں کو دھکیل کر جگہ بنا کر شہوار کی طرف لپکی۔

"بھئی دلہن دیکھے بغیر تو نہیں ہلیں گے ہم بھی۔" سارے پھیل کر کھڑے تھے انا نے مکمل طور پر چادر میں چھپی شہوار کو اپنے حصار میں لے لیا۔ مگر انا کی ہنسی اب بھی نہیں رک رہی تھی۔ دوسری طرف بھابی اور عائشہ نے بھی حصار میں لے لیا تھا۔

"یہ زیادتی ہے۔" مصطفیٰ مسلسل مسکرا رہا تھا جبکہ زبیر نے دہائی دی تھی۔

"بھابی ...... شائستہ بھابی ان کو باہر نکالیں ہماری دلہن کو پریشان کر دیا ہے۔" شہوار ان کے حصار میں مسلسل کانپ رہی تھی۔ عائشہ نے کہا تو وہ بھی پاس آ گئیں۔

"دیکھیں بھئی مذاق ایک طرف مگر ہم نکاح سے پہلے دلہن نہیں دیکھنے دیں گے یہ طے شدہ بات ہے۔" شائستہ بھابی نے سنجیدگی سے کہا۔

"قسم کھائی ہے کیا؟" زبیر نے پوچھا۔ سب لڑکوں نے ایک دوسرے کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ اب کیا کریں؟

"یہی سمجھ لیں۔" عائشہ نے بھی کہا۔

"انا تم شہوار کو لے کر یہاں سے جاؤ۔" عائشہ نے آہستہ سے کہا اور روشانے کو بھی اشارہ کیا اس نے بھی دوسری طرف سے آ کر شہوار کو تھام لیا تھا۔ وہ مکمل طور پر بڑی سی چادر میں چھپی ہوئی تھی۔

"دیکھیں آپ دلہن کو فرار کروا کر اچھا نہیں کر رہی۔" زاہد نے دھمکی دی۔ عاصمہ اور ماریہ بھی قریب آ گئی تھیں انہوں نے بھی شہوار کو حصار میں لے لیا تھا۔ اب اتنی خواتین کی موجودگی میں دلہن دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو طے شدہ بات تھی کہ اب نکاح سے پہلے تک دلہن نہیں دکھائی۔ وقتی سجاد بھائی ادھر آ گئے تھے اور سب کو پتا چل گیا تھا کہ دلہن ادھر ہے ورنہ کس کو خیال تھی کہ پتا چلتا۔

"دلہن کو ہم کمرے میں بھیج رہے ہیں فرار نہیں کروا رہے۔ فرار تو یہ دلہا میاں کے ساتھ ہی ہوگی۔" شائستہ نے ہنس کر کہا۔

چاروں لڑکیاں دلہن کو نکال کر لے گئی تھیں۔ ان سب نے بڑی بے چارگی سے ایک دوسرے کو دیکھا وہ مہذب انداز میں انہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اگر بدتمیزی کرتے تو خود دلہن کا گھونگٹ الٹ دیتے مگر شرافت برقرار تھی۔ مصطفیٰ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ بہر حال دلہن کو دیکھنے کے بجائے اس نے صورتحال کو زیادہ انجوائے کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشنما سے مہندی لگے پاؤں جم سے گئے تھے۔ سفید دودھیا پاؤں پر مہندی بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

"یہ بہت بڑی زیادتی کی ہے۔" زبیر نے سب سے زیادہ مشقت کی تھی اب اسے دکھ ہو رہا تھا وہ ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔

"دلہن کے دلہا میاں سے پوچھو کہ یہ واقعی زیادتی ہوئی ہے کیا؟" لائبہ نے چہک کر کہا۔

"کیوں مصطفیٰ؟" شائستہ نے بھی اسے دیکھا۔

"بھئی مجھے کوئی جلدی نہیں ہے دیکھنے کی۔ میں تو بس اس ساری صورتحال کو انجوائے کر رہا تھا۔" مسکرا کر کہتے وہ اسی صوفے پر ڈھیر ہو گیا تھا جہاں چند لمحے پہلے شہوار بیٹھی ہوئی تھیں۔

"تف ہے تم پر اتنی دیر سے ہم تمہارے لیے جنگ لڑ رہے ہیں اور تمہیں ہی کوئی پروا نہیں۔" زبیر نے کہا تو سبھی لڑکیاں ہنس دیں۔

"اسے کہتے ہیں بیگانی کی شادی میں عبداللہ دیوانہ۔" رمشا نے شرارت سے میاں کو کہا تو وہ سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"چلو اٹھو چلتے ہیں اب ہوگئی عزت افزائی دیکھ لی دلہن ہم نے۔" زاہد بھائی جی بد رہے تھے مصطفیٰ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بہر حال اس ہماری صورتحال کو انجوائے سب نے ہی کیا تھا۔ بڑے مہذب انداز میں بڑا مہذب سا مذاق کیا تھا چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور کرنے والے مصطفیٰ کو بھی یہ مذاق بہت اچھا لگا تھا۔ وہ سب کے ساتھ ہنستا مسکراتا باہر نکل آیا تھا۔

"اوف کتنے بدتمیز ہیں یہ سب کیسے سب نے مل کر تنگ کر کے رکھ دیا تھا۔" شائستہ ہنسی تو پھر سبھی موجودہ صورتحال پر تبصرہ کرنے لگیں۔

صبح بڑی افراتفری کا عالم تھا۔ سبھی مرد حضرات مصروف تھے۔ بس ایک دلہا میاں تھے جو احسن اور ولید کے ساتھ صبح صبح ہی کھیتوں کی سیر کو نکل گئے تھے۔ دس بجے کے قریب وہ لوگ واپس لوٹے تو ناشتے کا انتظام تھا۔

"آؤ میں تم لوگوں کو اپنے بابا صاحب سے ملواتا ہوں۔" رات جب وہ لوگ پہنچے تھے تو بابا صاحب اندرونی طرف تھے۔ رات ادھر ہی بسر کی تھی اس وقت وہ اسی طرف سب مردوں کے پاس ہی تھے۔ مصطفیٰ ناشتے کے بعد ان دونوں کو لے کر ان کی بیٹھک میں آ گیا تھا۔

"السلام علیکم بابا صاحب۔" صبح سے اب ملاقات ہو رہی تھی مصطفیٰ نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ کہاں تھے صبح سے نظر نہیں آ رہے تھے۔" انہوں نے مسکرا کر استفسار کیا۔

"بس اپنے ان دوستوں کے ساتھ باہر کھیتوں کی طرف نکل گیا تھا۔" مصطفیٰ نے ولید اور احسن کی طرف اشارہ کیا تو دونوں نے باری باری بابا صاحب سے مصافحہ کیا۔ ولید نے محسوس کیا کہ اس سے ہاتھ ملاتے بابا صاحب چونکے تھے۔

"یہ دونوں تمہارے ساتھ شہر سے آئے ہیں کیا؟" وہ پوچھ رہے تھے مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

"یہ میرا دوست ولید ہے ہم دونوں امریکا میں بھی اکٹھے ہی رہے ہیں۔ ان کی فیملی کے ساتھ ہی ہمارا اپارٹمنٹ تھا اور یہ احسن ولید کا چچا زاد ہے۔" مصطفیٰ نے تعارف کروایا تو

بابا صاحب نے پھر دونوں کو بغور دیکھا۔
''کیا نام ہے تمہارے باپ کا؟'' انہوں نے ولید کی طرف دیکھتے پوچھا۔
''ضیاء احمد ولید ضیاء احمد نام ہے میرا۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو انہوں نے محض سر ہلا دیا۔
اس کے بعد وہ ان دونوں سے مختلف سوالات کرتے رہے۔ چھوٹے موٹے ولید نے محسوس کیا کہ ان کی تمام تر توجہ اس کی طرف ہے۔ وہ مسکرا دیا۔ اپنی شخصیت کی دلکشی سے وہ خود بھی آگاہ تھا مگر اب معاملہ اور تھا یہاں کوئی خاتون نہیں ایک عمر رسیدہ بوڑھا اسے گاہے بگاہے بغور دیکھ رہا تھا۔
''لگتا ہے بابا صاحب تمہاری پرسنالٹی کے سحر میں گرفتار ہو چکے ہیں۔'' احسن نے اس کی طرف جھک کر آہستگی سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ وہ کافی وقت ان کے ساتھ گزار کر باہر نکلے تو ولید ان سے خاصا متاثر ہو چکا تھا۔
''خاصی دلچسپ باتیں کرتے ہیں تمہارے بابا صاحب۔'' ولید کے ریمارکس پر مصطفیٰ ہنس دیا۔
''ابھی تو تم ہماری فیملی کے بہت سے لوگوں سے ملے ہی نہیں ہو۔''
''چلو اب ملنا جلنا تو رہے گا ہی نا آنا جانا رہوں گا تم سناؤ نکاح کی تقریب کب تک ہوگی۔''
''عصر کے بعد کا پروگرام ہے۔ وہ تینوں واپس اسی روم میں آ گئے تھے جہاں ولید اور احسن ٹھہرے ہوئے تھے مگر سامنے ہی روشی اور انا موجود تھیں۔
''کہاں تھے آپ دونوں؟ صبح سے کتنے چکر لگا چکی ہیں ہم ادھر کے مگر تینوں ہی غائب تھے۔'' انا نے پوچھا۔
''باہر واک کے لیے نکل گئے تھے پھر مصطفیٰ کے ساتھ ان کی زمینوں کی طرف چلے گئے واپس آ کر ناشتا کیا اب بابا صاحب کے پاس تھے۔'' احسن نے بتایا۔
''تم سناؤ انجوائے کر رہی ہو نا؟'' احسن نے انا سے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔
''ہوں...... بہت زیادہ۔ زندگی میں کبھی کہیں آنے جانے کا موقع ہی نہیں ملا تو پہلی دفعہ یہاں آ کر بہت اچھا لگ رہا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہاں تم سب اور آپ لوگ ہیں اکیلی ہوتی تو شاید میں انجوائے نہ کر پاتی۔''
''آپ لوگوں کو کوئی پرابلم تو نہیں ہے نا؟ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہیں۔'' مصطفیٰ نے بھی کہا تو دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''نہیں یہاں سب بہت خیال رکھ رہے ہیں۔'' روشانے نے بھی کہا۔
''آپ لوگوں میں زنانہ اور مردانہ علیحدہ ہے کیا؟'' روشانے نے یونہی پوچھ لیا۔
''نہیں اب ایسی بھی بات نہیں ہم سب ایک ہی گھر میں رہتے ہیں بس آج کل فنکشن کی وجہ سے ادھر رکے ہوئے ہیں ورنہ میرا کمرہ اندر حویلی میں ہی ہے۔''
''آپ کو اندر بھی ڈھونڈ رہے تھے خصوصاً آپ کی مدر سب کا یہی خیال تھا کہ دلہا میاں کہیں غائب ہو چکے ہیں۔'' انا نے کہا تو وہ ہنس دیا۔
''ہاں رات کے بعد صبح سے میں نے اندر اپنی شکل نہیں دکھائی اب سب کو میری فکر ستا رہی ہوگی آپ بیٹھیں۔ میں اندر کا ایک چکر لگا لوں۔'' مصطفیٰ دونوں کو کہتے وہاں سے چلا گیا۔ انا اور روشی دونوں اس ڈبل بیڈ پر بیٹھ گئیں۔
''آپ دونوں نے رات اسی کمرے میں گزاری تھی؟'' روشی نے پوچھا۔
''ہوں۔''
''انا...... یہ کپڑے پریس کروا دیا کرے اداو۔ ادھر استری نہیں ہے اب ہر بات پر ان کے ملازمین کو آواز دینا اچھا نہیں لگ رہا۔ مجھے چینج کرنا ہے۔'' احسن نے بیگ سے کپڑے نکال کر اسے دیے تو اس نے روشی کو دیکھا۔
''روشی کو دیں یہ کرلاتی ہے ابھی میرا اندر جانے کا کوئی موڈ نہیں ہو رہا۔'' سلمندی سے کہتے وہ بستر پر دراز ہو گئی تھی۔

''لائیں میں کرلاتی ہوں۔'' روشی فوراً تیار ہوگئی تھی اس نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''بھائی آپ کے بھی کرلاتی ہوں آپ بھی ڈریس نکال دیں۔'' روشی نے ولید سے بھی کہا تو اس نے بھی اسے کپڑے نکال دیے تھے۔

احسن ناول ہاتھ میں لیے واش روم میں بند ہو گیا تھا۔ روشی چلی گئی تو وہ بستر پر نیم دراز نجانے کیا کیا سوچنے لگی۔

''ولی۔'' ولید جو اپنے بیگ میں سے چیزیں ادھر اُدھر کر رہا تھا چونکا سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ہمیشہ اس انداز میں پکارے جانے پر عجیب سی فیلنگز محسوس کرتا تھا۔

''ہوں......''

''آپ مصطفیٰ کو سمجھائیے گا وہ شہوار کے ساتھ نرم رویہ رکھیں۔ وہ بہت پریشان ہے کئی بار رو چکی ہے۔'' ولید بیگ ایک طرف رکھ کر بستر کے قریب چلا آیا۔

''یہ مصطفیٰ اور شہوار کا کیا ماجرا ہے؟'' بستر پر وہ بیٹھا تو انا اٹھ کر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی۔

''آپ کو مصطفیٰ نے کچھ نہیں بتایا؟'' اس نے اپنی خوشنما پلکوں کی جھالر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

''نہیں۔''

''چلیں واپسی پر بتاؤں گی۔ اس وقت بتانے لگی تو بہت لمبی بات ہو جائے گی۔ ویسے بہتر یہ ہے کہ آپ مصطفیٰ سے پوچھ لیں اگر وہ بتا دیتے ہیں تو ٹھیک اگر نہیں بتاتے تو مجھ پر الزام تو نہیں آئے گا کہ میں نے دونوں کی بات لیک آؤٹ کی ہے۔'' انا نے سنجیدگی سے کہا تو وہ کچھ سوچنے لگا۔

''مصطفیٰ بہت کم ہی پرسن ہے وہ اپنی بات کسی سے ڈسکس نہیں کرتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر بھی کوئی تو وجہ ہوگی؟'' ولید نے کہا تو انا نے لب کچلے۔

''دراصل شہوار کے والدین حیات نہیں ہیں۔ اس کی والدہ ان لوگوں کی دور پرے کی رشتہ دار ہیں یہ لوگ شہوار اور اس کی والدہ کو حقیقی رشتوں کی سی اہمیت دیتے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کا یک گونہ بوجھ ذہن میں رکھتے دونوں کو تکلیف دیتے رہتے ہیں۔ بس شہوار اسی بات سے ہرٹ ہوتی ہے۔ وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی حالانکہ سب اس کا پرابلم نہیں سمجھ رہے سب کے نزدیک یہ محض خودسری اور احساس کمتری ہے مگر شہوار اس کو اپنی انا اور عزت نفس کی حفاظت کہتی ہے۔''

''وہ...... جب وہ راضی نہیں تو مجبوراً یہ تعلق کیوں باندھ رہی ہے مجھے نہیں لگتا کہ مصطفیٰ یا اس کی فیملی نے اسے مجبور کیا ہوگا؟''

''اس کے ساتھ کچھ ایسا پرابلم ہوا ہے کہ وہ مجبوراً سب کے فیصلے پر سر جھکانے پر مجبور ہے۔ جبکہ مصطفیٰ شہوار کے اس طرز عمل پر اسے بجائے تسلی فائی کرنے کے مزید تنہا کر رہے ہیں۔'' انا نے الجھے ہوئے الفاظ میں وضاحت کی تو ولید نے اسے بغور دیکھا۔

''اور وہ مجبوری کیا تھی؟''

''میں نہیں بتا سکتی۔'' اس نے انکار کر دیا۔

''مصطفیٰ باخبر ہے؟'' ولید نے اندازہ لگانا چاہا۔

''ہوں...... ان کی پوری فیملی باخبر ہے۔''

''تو پھر معاملہ کیا ہے؟''

''وہ خود کو ان لوگوں کے احسانات تلے دبا محسوس کرتی ہے وہ خود کو اس قدر اعلیٰ درجے کی عزت افزائی کے قابل نہیں سمجھتی۔ اس کا کہنا ہے کہ مصطفیٰ کو ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ خاندانی مالی و نسبی معیار کی لڑکی مل سکتی تھی۔'' انا نے وضاحت کی تو ولید سارا معاملہ سمجھ گیا۔

''تو......''

''اس نے مصطفیٰ سے بات کی تھی۔''

"انہوں دونوں میں براہِ راست بات ہوئی تھی مصطفیٰ شہوار کی فیلنگز سے اچھی طرح باخبر ہے۔ شہوار کی سوچ ہے کہ وہ ایک ملازمہ بن کر تو ان کے احسانات کا بدلہ چکانے کو تیار ہے مگر اس خاندان کی بہو بن کر اس کے لیے ان سب سے نظر ملانا بہت مشکل ہو جائے گا۔"

"کیا یہ لوگ بھی شہوار کو ملازمہ کے طور پر ٹریٹ کرتے ہیں؟"

"نہیں ان لوگوں کا رویہ شہوار کے ساتھ اس قدر اچھا ہے کہ حد نہیں۔ بلکہ شہوار کی والدہ تا بندہ بوا اس پوری حویلی کی کرتا دھرتا ہیں۔ یہ لوگ دونوں کو خاندان کی بیٹیاں کہتے ہیں یہ سب شہوار کو اپنی کزن کہہ کر متعارف کرواتے ہیں۔"

"جب ساری صورت حال بالکل صاف اور واضح ہے تو میں بھی یہی کہوں گا کہ شہوار کو اپنی سوچ بدلنی ہوگی جب یہ لوگ اسے ملازمہ کا درجہ نہیں دیتے تو خود کو وہ کیوں ڈی گریڈ کر رہی ہے۔ جب یہ اتنا اعلیٰ خاندان اسے اپنی بہو بنانے پر شرمندہ نہیں تو اسے چاہیے کہ وہ بھی اپنے تمام کمپلیکسز کو نظر انداز کرے۔ مصطفیٰ جیسا شخص کچھ بھی بغیر سوچے سمجھے نہیں کرتا۔ وہ بہت سمجھدار اور باشعور انسان ہے۔ یقیناً اس نے ہر پہلو سے متعلق سوچ کر ہی اس رشتے کے لیے ہامی بھری ہوگی۔ تمہیں چاہیے کہ اپنی دوست کو سمجھاؤ تا کہ میں مصطفیٰ کو سمجھا تا پھروں مجھے تو وہ کہیں سے بھی غلط نہیں لگ رہا بلکہ شہوار کمپلیکسز کا شکار ضرور لگ رہی ہے۔" ولید کے اس قدر صاف اور تنقیدی انداز پر اس نے بہت برہمی سے اسے دیکھا۔

"ہاں آپ اپنے دوست کی فیور تو کریں گے ہی نا خود جو ایسے ہی ہیں بے حس۔"

"کیا ...... کیا کہا تمہیں میں کہاں سے بے حس لگتا ہوں؟" ولید نے فوراً برا منایا تھا۔

"میرے پاس بہت سی مثالیں ہیں مگر اس وقت آپ کو کچھ بھی نہیں کہنا چاہتی۔" وہ خفا سا منہ بنا کر بستر سے اترنے لگی تو ولید نے فوراً اس کا بازو تھاما۔

"رکو تو میں نے اب ایسی کوئی بات نہیں کہہ دی کہ یوں خفا ہو جاؤ ذرا میری بے حسی کی وضاحت تو کرو ورنہ مجھے ٹینشن لگی رہے گی کہ وہ کون سی مثالیں ہیں جو تمہیں ازبر ہیں اور مجھے علم نہیں۔"

"بس اب آپ مجھ سے بات نہیں کریں۔" وہ ایک دم روہانسی ہوئی تھی۔ ولید کی گرفت سے اپنا بازو کھینچا تو ولید کی نگاہ اس کے ہاتھ پر ٹھہری۔

"مہندی لگا رکھی ہے ...... زبردست۔" ولید نے ہاتھ پر گرفت مضبوط کر لی تھی وہ جو خفا سی ہو رہی تھی ایک دم سٹپٹا سی گئی۔ ولید اس کے ہاتھ پر لگی مہندی دیکھ رہا تھا۔ انا کو لگا کہ اس کا دل بس پسلیاں توڑ کر باہر آنے والا ہے۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہارے ہاتھ اس قدر خوب صورت ہیں۔ مہندی تو بہت سوٹ کر رہی ہے ...... زبردست۔" اس نے دوسرے ہاتھ کی طرف بھی نگاہ کی تو اس نے فوراً مٹھی بند کر کے پشت کی طرف ہاتھ کر لیا تھا۔

"چھوڑیں نا۔" ایک دم گھبرا کر ولید کی گرفت سے ہاتھ کھینچتے وہ فوراً بستر سے اتر گئی تھی۔ ولید نے ہاتھ کی تعریف کی تھی اس کا ذہن اسی بات پر الجھ گیا تھا۔ وہ ڈر کے بغیر اپنے ہی جذبات پر ایک دم گھبراتے ہوئے کمرے سے باہر بھاگی تھی۔



شائستہ بھابی کے ماہر ہاتھوں نے اسے اس طرح سنوارا تھا کہ وہ دلہن کے روپ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ زیور کی آرائش اس نے صرف گلے ہاتھوں اور کلائیوں کی حد تک رکھوائی تھی۔ باقی بندیا وغیرہ رہنے دی تھی۔ اس کے لمبے بالوں کو کوئی اسٹائل بنانے کے بجائے بھابی نے ویسے ہی مانگ نکال کر چٹیا گوندھ کر پھول سجا دیے تھے۔ اس کے ہاتھ پیروں پر مہندی کا بہت پیارا رنگ آیا تھا۔ اس نے زندگی میں فرسٹ ٹائم مہندی لگوائی تھی اور جی بھر کر رنگ آیا تھا۔

"ہائے شہوار! مہندی کا رنگ دیکھ کر لگتا ہے کہ تم سے مصطفیٰ بھائی بہت محبت کرتے ہیں۔" ماریہ تو اس کے ہاتھ پیروں پر ایک دم فدا ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ مکمل طور پر دلہن بنی ہوئی تھی اور سبھی اسے سراہ رہی تھیں۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو؟" انا نے بھی دل کھول کر سراہا۔

"ظاہر ہے پیاری ہے تو پیاری ہی لگے گی۔" عائشہ نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔ وہ اسے پہلے ہی خاصی پیاری تھی اب و عزیز ہو گئی تھی۔

"بس مصطفیٰ کے سامنے لے جاتے ہوئے اتنی احتیاط کرنی ہے کہ اس کا گھونگٹ نکال دینا ورنہ رخصتی کی فرمائش کی ہے۔" کا بیہ بھابی نے بھی چھیڑا۔

کچھ دیر بعد نکاح ہونے کا شور اٹھا تو شہوار نے انا کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا جبکہ روشانے کے سر میں درد ہو رہا تھا وہ دوپہر سے دوسرے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔

"میرے پاس بیٹھی رہو بس۔" وہ کہہ رہی تھی شائستہ بھابی نے اس پر چادر ڈال دی تھی۔

نکاح خواں نے باہر ہی نکاح پڑھوایا تھا مردوں میں۔ نکاح کا رجسٹر اس کے پاس لانے والوں میں عباس بھائی اور سجاد بھائی تھے۔ تابندہ بی قریب آ بیٹھی تھیں۔ باقی خواتین بھی ارد گرد تھیں۔

"ادھر دستخط کرنے ہیں۔" عباس بھائی نے اس کی گود میں رجسٹر رکھتے ہوئے ایک کونے میں انگلی رکھ کر اسے قلم تھمایا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے قلم تھام لیا تھا۔ آنکھوں میں ایک دم اس قدر آنسو آ ٹھہرے کہ اسے کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

"شہوار بیٹا' سائن کرو۔" تابندہ بی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ چونکی آنسو بے اختیار رجسٹر پر گرتے چلے گئے۔ عجیب غم زدہ سا ماحول تھا سبھی کی آنکھوں میں ایک دم آنسو آ ٹھہرے۔

"شہوار دستخط کرو بیٹا۔" تابندہ بی نے اسے دوبارہ پکارا تو وہ بے اختیار رو دی۔ عباس اور سجاد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ عجیب سی سچویشن تھی ان کے اپنے دل نم آلود ہو رہے تھے۔

"شہوار...... ماں جی بھی پاس آ ٹھہریں تو شہوار نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ کی ایک ذرا سی جنبش سے اس کی پوری ہستی بدل جانے والی تھی۔

کل تک جو شہوار سلندر علی کہلاتی تھی ذرا سے دستخط کے بعد شہوار مصطفیٰ کہلائی جانے والی تھی۔ کیا وہ بھی اس خاندان کے سامنے سر اٹھا کر جی سکے گی۔

"نہیں...... نہیں...... نہیں۔" اس کے اندر سے کوئی پر زور انداز میں چیخا تھا۔

"شہوار دستخط کرو۔" ماں جی کا ہاتھ اس کے سر پر آ ٹھہرا تو اس کے آنسو بے اختیار بہتے چلے گئے۔

اس نے آہستہ سے اپنے ہاتھ کو جنبش دی سبھی خواتین اس کے ہاتھ کی حرکت کو دیکھ رہی تھیں۔ اس نے جیسے ہی قلم اٹھایا کئی چہروں پر رونق آ گئی تھی۔ عباس بھائی نے صفحہ پلٹا تو اس نے پھر ہاتھ کو جنبش دی تھی۔ تب اگلا صفحہ پلٹا گیا اور پھر اگلا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ سے قلم گر گیا تھا۔ شہوار کو لگا وہ میلوں کا سفر طے کر کے آئی ہے وہ ایک دم نڈھال سی ہو گئی تھی۔

"مبارک ہو...... مبارک ہو۔" ہر طرف آوازیں گونج رہی تھیں۔ تابندہ بی نے ایک دم اسے سینے سے لگا لیا۔

"دیکھ لو سلندر میں نے اپنا وعدہ پورا کیا' میں نے تمہاری بیٹی کو اس کے اصل حقداروں تک لوٹا دیا ہے۔ دیکھ لو آج میری آزمائش ختم ہو گئی ہے۔ آج میں سرخرو ہوں۔" تابندہ بی کے اندر سے آہیں اٹھ رہی تھیں۔ سسکیاں تھیں...... آنسو تھے...... بین تھے...... شہوار ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

"شہوار...... "انا نے زبردستی روتی مچلتی شہوار کو تابندہ بی سے علیحدہ کیا تو شہوار ایک دم اس کے بازوؤں میں ہی جھول گئی تھی۔

"شہوار......" وہ چیخی تھی۔

"شہوار......"

"شہوار۔" ہر کوئی پکار رہا تھا مگر وہ ہوش و خرد سے بے گانہ ہو چکی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ...... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

بادیہ رابعہ کو خالہ بی کے گھر لے آتی ہے جہاں آپی جان کے دلسوز و دلنشیں حسن کو دیکھ کر رابعہ اس میں کھو سی جاتی ہے واپسی میں رابعہ بادیہ کو سر عباس اور ان کی وائف کے مابین ہونے والے جھگڑے کے متعلق بتاتی ہے پھر ماموں کی نصیحت یاد کر کے چپ سی ہو جاتی ہے۔

مصطفیٰ ولید کو کال کر کے اپنے نکاح کی خبر سناتا ہے ساتھ ہی انا اور روشی اور سب گھر والوں کو ساتھ لانے کی تاکید کرتے ہوئے وہ اسے انوائٹ کرتا ہے۔ ولید اس کے اس طرح اچانک نکاح طے ہو جانے پر حیرت و خوشی کے ملے جلے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ مصطفیٰ ماں جی عائشہ و صباوغیرہ کے اصرار پر نکاح کا سوٹ لینے کی غرض سے مارکیٹ چلا جاتا ہے سب اس کی پسند کو سراہتے ہیں اور نوک جھونک کرتے ہیں۔ ولید مصطفیٰ کو کال کر کے حویلی کا ایڈریس وغیرہ سمجھ لیتا ہے اور ساتھ ہی اسے کسی وجہ سے اپنے بعد میں آنے کے متعلق بتاتا ہے۔ انا کسی طور بھی ولید اور روشی کے ساتھ شادی میں جانے پر آمادہ نہیں ہوتی شہوار کے متعلق سوچ سوچ کر وہ کافی پریشان ہو رہی ہوتی ہے مگر ماموں کے سمجھانے پر بجھے دل کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ حویلی پہنچ کر اسے اور روشی کو لائبہ بھابی مل جاتی ہیں انا انہیں دیکھ کر چونک جاتی ہے سب سمجھتے ہیں کہ انہیں شہوار نے انوائٹ کیا ہے۔ ماں جی انہیں شہوار کے پاس بھیج دیتی ہیں انا کو اس کے نکاح کا سن کر حیرت ہوتی ہے ساتھ ہی وہ حویلی میں اچانک شہوار سے مل کر خوش بھی ہو جاتی ہے شہوار انا کو تمام حالات سے آگاہ کر دیتی ہے۔ انا بڑی مشکل سے شہوار کو سنبھالتی ہے اور ولید کو کال کر کے لان میں آنے کا کہتی ہے ساتھ ہی شہوار اور مصطفیٰ کے نکاح کے متعلق حیرانی کا اظہار کرتی ہے ولید اس کے مزاج کو دیکھ کر الجھ سا جاتا ہے انا مصطفیٰ کو شہوار کے حوالے سے کافی سمجھاتی ہے جبکہ مصطفیٰ اپنے موقف پر ڈٹا رہتا ہے کہ شہوار بالاوجہ ہی احساس کمتری کا شکار ہے جس پر انا خفا سی ہو کر پلٹ جاتی ہے ولید مصطفیٰ سے استفسار کرتا ہے جس پر مصطفیٰ اسے ٹال جاتا ہے۔ نکاح سے ایک رات قبل نوک جھونک اور خوشگوار ماحول میں تمام خواتین ایک دوسرے کو مہندی لگا رہی ہوتی ہیں انا اس جلسے کو کافی انجوائے کر رہی ہوتی ہے جب ہی تمام مرد حضرات اچانک چلے آتے ہیں شہوار مصطفیٰ کی موجودگی میں خود میں سمٹ سی جاتی اور ایک کونے میں چھپ جاتی ہے تاکہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑے۔ انا ولید سے مصطفیٰ اور شہوار کے معاملے کو ڈسکس کرتی ہے جبھی ولید کی نظر اس کے ہاتھ پر لگی مہندی پر پڑتی ہے اور وہ بے ساختہ تعریف کر بیٹھتا ہے جبکہ انا گھبرا کر باہر نکل جاتی ہے۔ دلہن کے انوکھی روپ میں شہوار کا حسن دو آتشہ ہو جاتا ہے انا اس کے ساتھ ہی ہوتی ہے نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے وہ کھوی جاتی ہے اسے رہ رہ کر ملال ہو رہا ہوتا ہے سب کے اصرار پر وہ سائن کر دیتی ہے اور تابندہ بی کے گلے لگ کر بے تحاشا رو پڑتی ہے انا اسے زبردستی ان سے الگ کرتی ہے مگر اگلے ہی لمحے وہ ہوش و خرد سے بے گانہ ہو جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے



کچھ دیر بعد اسے ہوش آ جاتا ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ پھر سے بہت شدت کے ساتھ رونے لگتی ہے۔ اس قدر کہ ہر آنکھ اشکبار ہو جاتی ہے۔ ماں جی نے تابندہ بی کو وہاں سے ہٹا کر باہر لے جاتی ہیں اور پھر خود ہی اس کو سنبھالتیں ہیں اور وہ کچھ دیر بعد سنبھلی تو وہ اسے لڑکیوں کے حوالے کر کے چلی جاتیں ہیں۔

"اس قدر رونا اور بے ہوش ہو جانا کچھ سمجھ نہیں آ رہا خاندان کا سب سے چہیتا لاڈلا اور زبردست لڑکا ملا ہے ان کو۔" ماریہ کی حیرت دو چند تھی۔ لائبہ بھابی نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"تم پر ابھی ایسا وقت آیا نہیں اس لیے بڑی بڑی باتیں کر رہی ہو۔ جب تم پر ایسا وقت آیا تو پھر تمہیں پوچھیں گے؟" شائستہ بھابی نے اسے دھمکایا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"دیکھیں یہ تو طے ہے نا کہ جس سے بھی شادی ہوگی وہ اسی خاندان کا کوئی لڑکا ہوگا پھر میرا جانا پیچانا ہی ہوگا۔ خیر سے نمٹ لیں گے ہم۔" ادھر پرواہ ہی نہ تھی۔ سبھی مسکرا دیں۔

"تمہاری اماں جان کو تمہارے نادر خیالات بتاتی ہوں۔" عاصمہ نے دھمکایا تو وہاں ماحول پر چھائی افسردگی قدرے کم ہوئی۔

"وہاں باہر ساری ینگ جنریشن تیار بیٹھی ہے کہ کب دلہن کی رونمائی ہو اور دلہا کے پہلو کو آباد ہوتا دیکھیں۔ اس کا میک اپ درست کریں اور دوپٹا ٹھیک کریں ابھی عائشہ کو سب

"باہر بھی کہہ رہے تھے کہ دلہن کو باہر لے آئیں اب۔" رمشا بھابی باہر سے آئی تھیں شہوار کے کمرے میں آتے ہی کہنے لگیں تو سبھی چونکیں۔

"نہیں بھئی ہماری دلہن کی طبیعت ایسی نہیں کہ ادھر لے جائیں۔" تاجو مسلسل شہوار کے ساتھ تھی اس نے فوراً کہا۔

"مگر سبھی لڑکے اسی آس میں بیٹھے ہیں۔ باقاعدہ ہاتھوں میں موبائل اور کیمرے لیے کھڑے ہیں۔ ان کا باقاعدہ فوٹو سیشن کا ارادہ ہے۔" رمشا نے مزید بتایا تو تکیے کے سہارے نیم دراز شہوار یکدم اٹھ بیٹھی۔

"میں باہر نہیں جاؤں گی۔" رو رو کر تو پہلے ہی برا حال کر رکھا تھا اس نے۔

"تو کم آن یار تم کون سا اجنبی لوگوں میں جا رہی ہو وہاں سبھی اپنے ہی ہوں گے پھر رات جس طرح ہم نے ان کو تمہیں دیکھنے نہیں دیا تھا تو اس وقت وہ بہت کچھ ڈیسائیڈ کیے ہوئے ہیں۔ باقاعدہ بڑوں سے اجازت لے چکے ہیں۔ ماں جی کہہ رہی تھیں کہ ہمارے گھر کی آخری خوشی ہے بڑے تو سبھی سلامی دے کر ایک طرف ہو جائیں گے کچھ دیر یہ ینگ جنریشن انجوائے کر لیں۔ ہال کمرے میں لے جانے کی تیاری ہو رہی ہے وہاں سبھی اپنے ہی لڑکے ہوں گے باہر کا کوئی نہیں ہوگا۔" رمشا نے تسلی دی تو اس نے انا کو دیکھا اس نے اس کا ہاتھ دبایا۔

"کوئی بات نہیں۔ پھر ایسے موقعوں پر یہ سب تو ہوتا ہی ہے۔"

"میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔" انا کی ہنسی نکل گئی۔

"ہم سب سنبھال لیں گے۔" سبھی پرسکون تھیں شہوار نے انا کو دیکھا۔

"اب تو ایک بار سب کے سامنے جانا ہی پڑے گا نا کچھ نہیں ہوتا ہم سب ایسا کریں گی ایک طرف تمہیں تب تک وہاں بیٹھنے دیں گی جب تک سارے بڑے سلامی دیں گے۔ اس کے بعد رات کی طرح لڑکوں کو موقع دیے بغیر تمہیں نکال لے آئیں گے۔" عائشہ بھابی نے تسلی دی تو وہ چپ ہو گئی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا میک اپ ٹھیک کیا جو رونے دھونے میں کافی بہہ چکا تھا۔ دوپٹہ سر سے سیٹ کر کے گھونگھٹ نکال دیا تھا۔ اس طرح کہ گھونگھٹ اٹھا کر دیکھے بنا دلہن کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس سے شہوار کو قدرے تسلی ہوئی تھی۔ عائشہ اور صبا اسے لینے آئیں اس نے تب بھی انا کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔

"آج تو تم بالکل چھوٹے بچوں والی بی ہیو کر رہی ہو۔ چھوڑ دو بے چاری کا ہاتھ یہ بھی باہر ہمارے ساتھ ہی ہوگی۔" عائشہ نے ڈپٹا تو مجبوراً اسے ہاتھ چھوڑنا پڑا۔ وہ لوگ اسے لے کر ہال میں آئیں تو سبھی نے کھڑے ہو کر اسے ویلکم کیا۔

مصطفیٰ کی آج سج دھج ہی نرالی تھی بلیک تھری پیس اور ٹائی میں ملبوس وہ آج عام روٹین سے بہت مختلف لگ رہا تھا۔ انداز تو ہمیشہ سے زیادہ پراعتماد تھا مگر آج آنکھوں کی چمک سے یوں لگ رہا تھا کہ گویا دنیا فتح کر لی ہو۔ انا نے دیکھ کر سراہا۔

"واؤ......" دلہن کو لا کر مصطفیٰ کے پہلو میں بٹھایا گیا تو لڑکوں نے شرارت سے آوازیں نکالیں شہوار کا سر مزید جھک گیا۔ وہ تو گھونگھٹ تھا ورنہ بدحواسی اس کے چہرے سے صاف نظر آتی۔

بابا صاحب، شاہزیب صاحب، حسن انکل اور دیگر مرد حضرات بھی ادھر ہی تھے اسی لیے لڑکے فی الحال دائرہ تمیز میں ہی تھے۔ باری باری سبھی نے دلہا دلہن کو سلامی دعاؤں اور پیار سے نوازا تھا مرد حضرات سلامی دے کر وہاں سے چلے گئے تو اب خواتین کی باری تھی اور خواتین کے سامنے سبھی شیر ہو جاتے تھے اب بھی ایک دم یہی حال ہوا۔ اس تابندہ بی منظر سے غائب تھیں۔ وہ شاید کسی کام سے باہر ہی تھیں۔

"دلہن کا چہرہ تو دکھا دیں؟" ماں جی نے جیسے ہی جھک کر اس کا چہرہ دیکھ کر اس کی پیشانی چومی تو کہیں سے آواز آئی۔

"دلہا صاحب فرمائش کرتے تو ہم غور بھی کرتے اب ہر ایرے غیرے کو دلہن نہیں دکھانے لگے ہم۔" صبا نے شرارت سے کہا تو ایک زبردست قہقہہ پڑا۔

"مدیل بھائی سن لیں آپ کو آپ کی مسز ایرا غیرا کہہ رہی ہیں۔" زبیر نے کہا تو صبا جھینپ گئی۔

"یہ زیادتی ہے۔" پھر کوئی اور بولا اندازدہائی دینے والا تھا۔

"دلہا میاں کے ساتھ۔" شائستہ نے شرارت سے کہا تو پھر سب ہنس دیے۔

"تو مصطفیٰ یہ دلہن کو پہناؤ۔" ماں جی نے اپنے پرس میں سے دو بہت ہی نفیس اور خوب صورت کنگن نکال کر مصطفیٰ کو تھمائے۔

"تو یہ ہوئے ہم سبھی کے سامنے۔" زاہد بھائی نے کہا تو مصطفیٰ بھی جھینپ گیا۔ اس کے لیے بھی یہ ساری صورت حال خاصی نئی اور دلچسپ تھی۔ خوب صورت بھاری جوڑے میں آج شہوار کا وجود دو آتشہ لگ رہا تھا۔ یوں کہ نگاہ اسی وجود پر جم کر رہ جائے مگر چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"ہاں تو اس کی جائز منکوحہ ہے وہ جو مرضی کرے۔" عائشہ نے لڑکوں کو آنکھیں دکھاتے اور جوش میں آ کر جوابی کارروائی کی تھی۔

"سبھی کے سامنے۔" لڑکے اتنے بدتمیز تھے کہ سبھی لڑکیاں ہنس دیں بلکہ جھینپ کر رہ گئیں۔ عائشہ کہہ کر پچھتائی۔ ماں جی نے شہوار کا ہاتھ پکڑ کر مصطفیٰ کو تھمایا تا کہ وہ کنگن پہنا سکے۔

مصطفیٰ نے دیکھا مہندی گجرے اور کنگن سے سجا اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔ مصطفیٰ نے غیر محسوس انداز میں اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت سخت کی اور نرم سبک مہندی کے گل بوٹوں سے سجا ہاتھ اس وقت بہت دلفریب لگ رہا تھا۔ مصطفیٰ کی نگاہ بے اختیار اس کے پاؤں کی طرف گئی تھی مگر لمبے فراک کے گھیر میں اس کے پاؤں چھپے ہوئے تھے۔ مصطفیٰ نے آہستگی سے اسے کنگن پہنائے بہت احتیاط اور محبت سے۔ سبھی لڑکوں کا اشتیاق دیدنی تھا۔ عباس بھائی اور سجاد مصطفیٰ کے عقب میں کھڑے تھے۔

"دیکھو ہاتھ کیسے تھاما ہوا ہے؟" کوئی شریر لڑکا بولا تو شہوار نے تیزی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ماں جی پلیز دلہن کا گھونگھٹ اٹھا دیں صرف ایک جھلک دیکھنے دیں۔ ہم پر نہیں تو اپنے بیٹے پر ہی ترس کھا لیں بے چارے کے دل کے ارمان پورے ہو جائیں گے ایک جھلک سے ہی۔" آفاق بھائی کی شریر آواز آئی۔ ماں جی بھی ہنس دیں۔ وہ گھونگھٹ اٹھانے لگیں تو انا نے ایک دم آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑا۔

"آنٹی پلیز......"

"نہیں یہ فاول ہے۔ مصطفیٰ بھائی نے اگر دیکھنا ہے تو وہ روم میں اکیلے جا کر دیکھ لیں ادھر نہیں۔" اس کے کہنے پر ماں جی ہنس دیں اور پھر دونوں کو پیار اور دعائیں دے کر اٹھ گئیں۔

"یہ......یہ......زیادتی کی ہے آپ نے ہمارے ساتھ......دلہن کے رخ زیبا کے بغیر تصویریں خاک اچھی لگے گیں۔" لڑکے اب انا کو آنکھیں دکھا رہے تھے۔ انا نے آج گرے اور آف وائٹ رنگوں والا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ میک اپ کے نام پر اس نے صرف ہلکی سی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی مگر وہ اچھی خاصی پیاری لگ رہی تھی۔ دور کھڑے حماد نے کئی بار اسے دیکھا تھا۔ اسے یہ لڑکی بہت اچھی لگ رہی تھی اس نے دور سے ہی اپنے موبائل میں اس کی تصویر کھینچ لی تھی۔

"کوئی بات نہیں کیمرا آپ ہمیں دے دیجیے گا ہم روم میں جا کر تصویریں بنا لیں گی اور پھر واپس کر دیں گی۔" انا کا انداز پر اعتماد تھا لڑکے ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔ اب وہ اس مہمان لڑکی کو بھلا کیا کہتے خاندان کی لڑکی ہوتی تو صاف جواب دیتے۔ اس کے بعد دیگر خواتین نے باری باری آ کر دلہن کا چہرہ دیکھا اور پھر سلامی دی۔ یہ سلسلہ کچھ دیر تک چلا تھا۔ جیسے ہی خواتین باہر نکلیں لڑکیوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ ان کا ارادہ اب دلہن کو یہاں سے نکالنے کا تھا۔

"یہ اشارے بازی کس لیے ہو رہی ہے۔" سجاد بھائی نے فوراً نوٹ کیا۔

"آپ کے لیے تو نہیں ہو رہی ہے۔" انا نے کہا تو وہ لاجواب سے ہو گئے۔ انا نے آگے بڑھ کر شہوار کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا تو سبھی لڑکے چیخ اٹھے۔

"یہ......یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" عدیل فوراً آگے آیا۔

"دلہن کی طبیعت ٹھیک نہیں اس کو کمرے میں لے جا رہی ہوں۔" انا نے ہی جواب دیا۔

"ہرگز نہیں رات بھی آپ لوگوں نے یہی کیا تھا اب تو دلہن دیکھے بغیر ہم جانے ہی نہیں دیں گے۔" زبیر اور آفاق بھائی بھی میدان میں اتر آئے تھے انا نے بھی لڑکیوں کو

دیکھا۔شائستہ بھابی نے نفی میں گردن ہلائی۔ماریہ بھی انا کے دوسری طرف آ گئی تھی لڑکوں کے چیخنے دہائیاں دینے کے باوجود دونوں نے دائیں بائیں سے شہوار کو تھام کر آگے قدم بڑھا دیے تھے۔

"مصطفیٰ یار تم بھی تو بولو تمہارا دل نہیں کر رہا اپنی دلہن دیکھنے کو۔" زبیر نے مصطفیٰ کو میدان میں اتارنا چاہا۔کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس کو ایک طرف کر کے خود ہی گھونگھٹ الٹ دیتے۔مگر وہ مہمان تھی سو اس کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے سبھی لحاظ کر رہے تھے۔

"فی الحال تو کوئی حسرت نہیں دیکھنے کی۔اب ہماری جائز ملکیت ہے ساری عمر انہی کو تو دیکھنا ہے۔کیا فائدہ اب دیکھ کر دل خراب کرنے کا۔" مصطفیٰ بولا تو انا کے قدم رک گئے۔

"کیا......؟ اب ایسی بھی بدصورت نہیں ہے کہ آپ کو دیکھ کر برا لگے۔" اس نے فوراً کہا تو لڑکوں کے قہقہے نے احساس دلایا کہ وہ کچھ غلط کہہ گئی ہے۔اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

"اتنی حسین ہوتی تو تم لوگ چہرہ ہی کیوں چھپاتیں؟" لڑکوں کی طرف سے جوابی حملہ ہوا۔وہ لوگ وہیں جم کر رہ گئی تھیں۔اب بات ان کی عزت کی تھی۔

"یہ گھونگھٹ محض فارمیلٹی تھی۔" ماریہ نے بھی کہا۔ان میں سے کسی کو بھی بدصورتی والا طعنہ ہضم نہیں ہوا تھا۔

"ہاں میں نے سنا ہے کوئی کہہ رہا تھا کہ دلہن خاصی بدصورت لگ رہی ہے۔ذرا بھی روپ نہیں آیا۔" زبیر نے بہت سنجیدگی سے کہا تو شائستہ بھابی نے دل تھاما۔

"ہائے......یہ ہوائی کس نے اڑائی۔" شائستہ چیخیں۔

"یہ شائستہ بھابی کے ہاتھوں کا کمال ہے سنا ہے انہی نے تیار کیا تھا محترمہ کو اب ان کے ہاتھوں کی پول کھل رہی ہے تو دلہن کا چہرہ چھپا دیا ہے۔" عدیل نے کہا اور شرارت سے شائستہ کو دیکھا جس نے انتہائی غصے سے اسے دیکھا۔

"خوامخواہ اتنا برا تیار نہیں کرتی میں۔"

"چلیں مان تو رہی ہیں کہ کچھ حد تک تو برا تیار کر لیتی ہیں۔" وہ سب کون سا کم تھے زچ کر رہے تھے۔

"ہاں اس بات کا تو میں بھی گواہ ہوں روز کمرے سے چیخیں مار کر باہر بھاگتا ہوں۔" زاہد بھائی بھی ان کی شرارت میں شامل ہو گئے تھے اور شائستہ بھابی کے واقعی دل پر لگی تھی یہ بات۔

"کوئی نہیں میرے ہنر کی کسی کو قدر ہی نہیں خود ہی دیکھ لیں کتنی پیاری لگ رہی ہے آج شہوار۔" بھابی نے ایک دم جذبات میں آ کر بغیر سوچے سمجھے شہوار کا گھونگھٹ الٹ دیا۔

"واؤ......"

"ہوئے......ہوئے جیو بھابی۔" لڑکوں نے تو باقاعدہ بھنگڑا ڈالنا اور تالیاں پیٹنا شروع کر دیں تھیں۔مصطفیٰ کی بھی نگاہ اٹھی تو گویا جم سی گئی تھی۔

وہ حسین تو تھی ہی مگر اس وقت رنگ و روپ دو آتشہ ہوا تھا۔روایتی دلہنوں کی طرح زیورات سے اجتناب کیا گیا تھا مگر ہوش ربا حسن دیکھنے والے کو پہلی نگاہ میں ہی مبہوت کر دینے کو کافی تھا۔سبھی مبہوت ہوئے تھے۔

"یہ کیا کر دیا آپ نے؟" لڑکیوں کو لڑکوں کی ساری شرارت جب سمجھ میں آئی تو انہوں نے سر پیٹ لیے۔شائستہ بھابی نے خود زبان دانتوں تلے دبالی اور سب سے برا شہوار کا حال تھا اس نے فوراً چہرہ موڑا اور ماریہ نے تیزی سے دوبارہ گھونگھٹ الٹا دیا۔

"اب کیا فائدہ ہم نے تو دلہن دیکھ ہی لی ہے۔" عباس بھائی نے بھی ہنس کر کہا۔

"آپ سے کیا پردہ آپ تو نکاح نامے پر سائن کروانے آئے تھے۔پردہ تو ان سب سے تھا۔" شائستہ نے اپنی حرکت پر شرمندہ ہوتے کہا۔

''دراصل ہم دونوں دلہن کی طرف سے گواہوں میں شامل تھے اس لیے ہمیں ہی آنا پڑا۔'' سجاد بھائی نے بھی وضاحت دی۔

''چلو تم شہوار کو اندر لے جاؤ اب ادھر ایک منٹ بھی نہیں رکنا۔ بدتمیز کہیں کے لے کر ساری عقل ہی کھا گئے ذرا بھی سمجھ نہیں آئی کہ طیش دلا رہے ہیں۔'' شائستہ نے ناراضی سے لڑکوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو دونوں نے قدم بڑھا دیے۔

''دیکھیں اس میں بھی آپ کا کوئی قصور نہیں ساری بات بلکہ کمال تو زاہد بھائی کا ہے کیا طعنہ دل پر لگا تھا شاہ کر کے۔'' زبیر نے کہا تو وہ جھینپ گئیں۔

''چلو اس بہانے ہمارے دلہا میاں نے اپنی منکوحہ کو دیکھ لیا۔'' مصطفیٰ کا مسکراتا چہرہ عدیل کو اس کی طرف مبذول کر رہا تھا وہ سب دلہن کو نکال کر لے گئی تھیں۔ اب ادھر بیٹھنا فضول تھا جانتا تھا کہ اب سب مل کر اس کا ریکارڈ لگائیں گے۔

''مجھے ویسے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہتے کندھے اچکاتے باہر کی طرف قدم بڑھائے تو کبھی نے اس کا رستا روکا۔

''کدھر......؟''

''میں احسن اور ولید کی خیر خبر لے لوں خواتین کی وجہ سے وہ اندر تو آ نہیں رہے تھے صرف نکاح کے دوران آئے تھے اور پھر نکل گئے تھے مجھے ان کی فکر ہو رہی ہے کہیں بور نہ ہو رہے ہوں۔'' اس نے یہاں سے بھاگنے کا بہانہ بنایا ورنہ جانتا تھا ایک دفعہ اگر ان کے ہاتھ لگ گیا تو بری طرح شامت آئے گی۔

''چلو پھر سبھی ادھر ہی چلتے ہیں ان کے پاس ہی بیٹھ کر محفل جماتے ہیں۔'' آفاق نے فوراً پروگرام ترتیب دیا تو سبھی لڑکے مل کر باہر کی طرف چل دیے۔

❁ ❁ ❁

''دیکھو کتنے بدتمیز ہیں اور میں بھی کتنی پاگل ہوگئی کہ سب اصل میں چاؤ کیا رہے ہیں ذرا بھی اندازہ نہ لگا پائی۔'' بھابی شرمندہ تھیں اور لڑکوں کی شرارت پر ہنس بھی رہی تھیں۔

''اس میں آپ کا بھی اتنا قصور نہیں جتنا زاہد بھائی کی طعنہ بازی کا تھا۔'' حبا نے کہا تو وہ ہنس دیں۔

''ہاں واقعی ان کی بات تو دل پر لگی تھی۔'' انہوں نے برملا اعتراف کیا۔

''مصطفیٰ بھائی کو دیکھا تھا کیسے ان کی نگاہ شہوار کے چہرے پر ہی جم سی گئی تھی اور باقی سارے لڑکے بدتمیز وہ ہنگامہ ڈالتے تالیاں پیٹنے لگ گئے تھے۔'' عاصمہ نے بھی ایک نکتے کو اٹھایا تو انا کی توجہ فوراً اس طرف مبذول ہوئی۔

''کیا واقعی مصطفیٰ بھائی نے دیکھا تھا؟''

''ایسا ویسا...... میری نگاہیں بھی مصطفیٰ پر ہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں ایسی چمک در آئی تھی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔'' رمشا نے بھی ہنس کر کہا تو انا نے شہوار کو دیکھا وہ بغیر توجہ دیے گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے تھی اندر آتے ہی وہ چینج کرنا چاہتی تھی مگر سبھی نے زبردستی بٹھا لیا تھا۔

''مگر ان کے جملے تو بڑا دل توڑنے والے تھے۔'' انا نے کہا۔

''چھوڑو...... یہ سارے مرد جب شوہر بنتے ہیں نا تو ایسے ہی بیویوں کو ستاتے ہیں۔ بلکہ دل جلاتے ہیں تم بتاؤ روشنی کہاں ہے۔'' حبا کی زبان سے زیادہ اس کا تجربہ بول رہا تھا۔

''نکاح کے وقت بھی صرف ایک جھلک دیکھی تھی پھر نظر نہیں آئی۔''

''وہ دوسرے کمرے میں سو گئی ہے۔ پتا نہیں کیا ہوا ہے کہ یہاں آتے ہی اس کے سر میں درد ہونے لگ گیا تھا میں نے ٹیبلٹ دی تو لے کر سو گئی ہے۔ بس نکاح کے بعد ایک دو منٹ باہر آئی تھی۔''

''ہاں میں بھی کہہ رہی تھی کہ رات کو سب کے درمیان تھی آج کدھر ہے۔''

''نکاح کے بعد وہ آئی تھی شہوار کو دیکھا اور پھر جا کر لیٹ گئی تھی۔'' انا نے بتایا۔

"ہاں شہوار کی امی (بوا جی) بھی کہہ رہی تھیں مہمان لڑکیاں ان سے ملیں ہی نہیں کیا واقعی تم لوگوں کی ملاقات نہیں ہوئی؟" صبا نے بھی پوچھا۔

"ہاں ان سے باقاعدہ تعارف نہیں ہوا بس آتے جاتے سرسری نگاہ پڑی ہے وہ خود بھی خاصی بزی رہی ہیں انہوں نے بھی توجہ نہیں دی میں تو ان کی مصروفیت دیکھ کر ہی سمجھی کہ کوئی مہمان خاتون میں سے یا نگران ہوں گی مگر نکاح کے وقت شہوار کے پاس موجود دیکھ کر پتا چلا کہ وہ شہوار کی امی ہیں۔"

"ہاں یوں سمجھو ساری حویلی کا انتظام ان کے ہاتھوں میں ہی ہے تو دو دن سے وہ خاصی مصروف رہی ہیں ہم خود بھی ان کے پاس جا کر مل کر آئی تھیں۔" عائشہ نے بھی بتایا تو اس نے سر ہلایا۔

"میں نے سرسری سا ہی دیکھا ہے دراصل اتنے مہمانوں میں ٹھیک سے دیکھ نہیں پائی روشانے تو سرے سے ان سے واقف ہی ہے۔ اس کا تو ان سے سامنا ہی نہیں ہو پایا۔" انا نے بتایا۔

"ہوں...... وہ فارغ ہوتی ہیں تو میں تم دونوں سے ملواتی ہوں میں۔" عائشہ نے فوراً کہا۔

"پتا ہے عائشہ روشانے کو دیکھ کر لگتا ہے کہ میں نے اسے کہیں دیکھ رکھا ہے یہ تو مجھے کل ان لوگوں کے یہاں آنے کے بعد یاد آیا کہ میں نے روشانے کو کہاں دیکھا ہوا ہے۔" صبا نے انکشاف کیا تو شہوار نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا واقعی۔" انا نے پوچھا۔ روشانے کو دیکھ کر شہوار ماں جی اور لالہ بھائی بھی اسی قسم کی فیلنگز کا شکار ہوئی تھیں۔

"اچھا کہاں دیکھا تھا۔" عائشہ نے پوچھا۔

"مصطفیٰ بھائی کی فوٹو گرافس میں۔" صبا نے انکشاف کیا۔

"مطلب......؟" انا نے الجھ کر پوچھا۔

"مصطفیٰ بھائی جب پاکستان لوٹے تھے تو ان کی وہاں کی بہت ساری تصاویر تھیں۔ ان میں کئی تصاویر میں ولید اور روشانے بھی تھیں۔ شروع ہی کی تصاویر دیکھ کر ماں جی پریشان بھی ہوئی تھیں کہ پتا نہیں اس لڑکی کا کیا سلسلہ ہے؟ ماں جی براہ راست مصطفیٰ سے پوچھ بھی نہیں سکتی تھیں کہ لڑکی محض دوست کی بہن ہی ہے یا کچھ اور بھی ہے بہرحال پاکستان آنے کے بعد وہ ان لوگوں کی بہت تعریفیں کرتے تھے پھر رفتہ رفتہ یہ موضوع دھیما پڑا تو ماں جی سمجھنے لگیں کہ مصطفیٰ بھائی ان کو بھول گئے ہیں۔ یہ تو کل روشانے کو مصطفیٰ بھائی کے حوالے سے یہاں دیکھ کر سارا قصہ یاد آ گیا تھا۔"

"اوہ......" انا بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔ تو یہ وہ سارا سسپنس تھا۔

"مصطفیٰ بھائی کا وہاں ہماری فیملی کے ساتھ بڑا اچھا ریلیشن رہا ہے۔ یوں کہہ لیں ہماری فیملی کے ایک فرد کی حیثیت سے اپنے اپارٹمنٹ کے بجائے ہر وقت ہمارے گھر میں ہی پائے جاتے تھے۔ پھر ہم لوگ پاکستان آ گئے اور روشانے ماموں اور ولی ادھر ہی رہے۔ مصطفیٰ بھائی روشانے کو بہن کہا کرتے تھے اور جب تک وہ وہاں رہے ہیں روشانے بتاتی ہے کہ انہوں نے بالکل ولی کی طرح ہر جگہ ہر مقام پر ایک بڑے بھائی کی ہی حیثیت سے اس کا خیال رکھا۔ حتیٰ کہ باہر آتے جاتے یونیورسٹی بھی وہ لے جایا کرتے تھے۔"

"باقی بھائیوں کی نسبت مصطفیٰ بھائی ان معاملوں میں بڑے ذمہ دار ہیں۔ عباس بھائی اور سجاد بھائی اکثر ہمیں ڈرائیور کی ذمہ داری میں دے جاتے تھے مگر جب سے مصطفیٰ پاکستان آیا ہے کہیں جانا ہو گھر میں ڈرائیور بھی ہو تو خود ہی لے جاتا ہے۔ اس معاملے میں وہ بہت ذمہ دار ہے۔ وہ کہتا ہے اپنی بہنوں کی ذمہ داری جس طرح ہم خود ادا کر سکتے ہیں کوئی نہیں دوسرا نہیں کر سکتا۔ ان کا موقف ہے کہ گھر کی خواتین کو ملازمین کی ذمہ داری میں دے دینا کوئی خوبی نہیں اصل خوبی تو یہ ہے کہ اپنی خواتین کو خود اپنی ذات سے تحفظ فراہم کیا جائے۔" صبا کے الفاظ پر انا ایک دم متاثر ہوئی۔

"بہت اچھی سوچ ہے آج کل کے مردوں میں اب ایسی سوچ بھلا کہاں باقی رہی ہے۔" اس نے دل سے سراہا۔

"میں اب چینج کر لیتی ہوں۔" شہوار جوان کے کہنے پر بیٹھی ہوئی تھی کہ ابھی اکٹھی ہوتی ہیں تو تصاویر بنوائی ہیں۔ اب اکتا کر بستر سے اتری تھی۔

”ابھی رہنے دو میں نے مصطفیٰ بھائی کو بلوایا ہے وہ آ جائیں تو چند تصاویر بنوا لو وہ بھی تمہیں دیکھ لیں گے پھر چینج کر لینا۔“ عائشہ نے شرارتی انداز میں کہا تو وہ سرخ ہو گئی۔

”مجھے نہیں بنوانی کوئی تصویر...... میں بہت تھک گئی ہوں۔“ وہ اندرونی طور پر اس قدر پریشان اور ڈسٹرب تھی کہ یہ چھیڑ خانی بھی اسے متاثر نہیں کر پا رہی تھی۔ بس دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ ایک دم اتار کر منہ لپیٹ کر بستر پر آ لیٹے۔

”شہوار حرج تو کوئی نہیں۔“ انا نے کہا تو اس نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔ پھر بغیر کچھ کہے الماری سے اپنا لباس نکال کر عروسی جوڑے کو سنبھالتی وہ واش روم میں گھس گئی۔

”شہوار کے تیور کچھ عجیب سے نہیں؟“ شائستہ بھابی نے کہا تو انا نے فوراً سر ہلایا۔

”نہیں...... اس کی طبیعت واقعی بہت خراب ہے۔ آپ کے سامنے ہی تو بے ہوش ہو گئی تھی۔ زندگی کا بہت بڑا فیصلہ ہوتا ہے یہ ایک دم ذہن بٹنے سے تو رہا۔ آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ اسے واقعی اس وقت آرام کی ضرورت ہے۔“ انا نے اس کا دفاع کیا۔ تبھی دروازے پر ناک ہوئی تھی عائشہ نے اٹھ کر دیکھا تو مصطفیٰ تھا۔ وہ مسکرا دی اس نے ہی کچھ دیر قبل تاج کو مصطفیٰ کو بلوانے بھیجا تھا۔

”تم نے بلوایا تھا خیر ہے؟“ مصطفیٰ سنجیدگی سے کھڑا پوچھ رہا تھا وہ اندر نہیں آیا تھا دروازے پر ہی کھڑا تھا۔

”ہاں بلوایا تو تھا کہ آ کر اپنی دلہن کو دیکھ لو ساتھ میں تصاویر بھی بنوا لینا مگر شہوار کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ چینج کرنے چلی گئی ہے۔“ اس نے بتایا۔

”وہ...... میں سمجھا کہ پتا نہیں کیا معاملہ درپیش ہے جو تاج کو بھیج کر بلوایا۔ ایسے فضول کاموں کی توقع مجھ سے مت کرو۔“ وہ کچھ خفگی سے کہہ کر پلٹا تو عائشہ فوراً سامنے آ گئی۔

”کیا بات ہے ادھر تم خفا تیور لیے ہوئے ہو ادھر وہ بھی پریشان ہے کوئی بات ہوئی ہے کیا؟ یہ نکاح تو طے تھا نا۔“ دھیمے لہجے میں عائشہ نے کہا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں نارمل ہی ہوں خفا نہیں ہوں اب ان محترمہ کا کیا ری ایکشن ہے مجھے خبر نہیں۔“ اس نے اپنا دفاع کیا۔

”وہ محترمہ اب تمہاری بیوی ہوتی ہیں۔“ عائشہ نے لطیف سی شرارت کرنا چاہی۔

”وہ بھی بالکل جائز ملکیت۔“ شائستہ بھابی بھی قریب آ گئی تھیں اور ہنس کر کہا۔

”اب ادھر آ ہی گئے ہو تو اندر آنے میں کیا حرج ہے۔ اتنے لوگوں میں ایک نظر خاک اچھی طرح دیکھا ہوگا۔ اب دیکھ لو۔“ بھابی نے شرارت کی تو وہ مسکرا دیا۔ مصطفیٰ نے ان کے عقب میں کمرے میں جھانکا وہاں چند ایک کے علاوہ تقریباً سبھی ہی تھیں۔

”اتنے ہجوم میں؟“

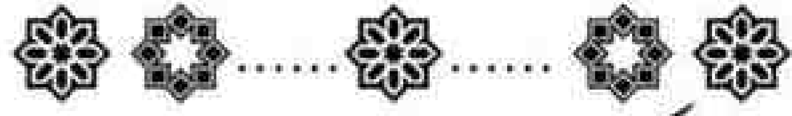
”تو ئے...... ہوئے اب زیادہ خوش فہمیوں میں مت پڑ جانا۔ تمہاری بہن نے بلوایا ہے تو ہم رعایت دے رہے ہیں۔ مائنڈ اٹ ابھی صرف نکاح ہوا ہے رخصتی نہیں۔ علیحدگی میں ملنے کی بات تو رخصتی کے بعد ہی کرنا۔“ بھابی نے اس کے جملے پر گرفت کی تھی عائشہ ہنس دی۔

”اگر میں علیحدگی میں بھی ملنے کی خواہش کروں تو کسی کو اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ فی الحال اب میرے پاس باقاعدہ ملنے کا پرمٹ موجود ہے جس کی ایک چشم دید گواہ آپ بھی ہیں۔“ وہ کون سا کم تھا بھابی کا جملہ ان پر ہی الٹ دیا۔ تبھی لباس چینج کر کے وہ واش روم سے نکلی تھی۔ اس کی لمبی چٹیا پھولوں میں گندھی پشت پر موجود تھی۔ دوپٹے کے تکلف سے بے نیاز عروسی لباس بائیں بازو پر لیے وہ باہر نکلی تو اس بات سے بے خبر تھی کہ مصطفیٰ دروازے کی دہلیز پر کھڑا ہے۔

چہرے پر اب بھی میک اپ موجود تھا۔ زیورات بھی جوں کے توں تھے بس لباس بدلا تھا۔ سادہ سے لباس میں اس سنگھار کے سبب اس کا حسن برقرار تھا۔ مصطفیٰ کی نگاہیں اس کے وجود پر جم سی گئی تھیں۔

”آ جاؤ اب اندر کیا یاد کرو گے کہ ہم نے تمہیں تمہاری دلہن دیکھنے دی ہے؟“ بھابی نے اس کی آنکھوں کی لپک واضح محسوس کی تھی ہلکا سا مسکرا کر شرارت سے کہتے انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ شہوار نے پلٹ کر دیکھا تو ساکت ہو گئی اسے عائشہ کی بات مذاق ہی لگی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مصطفیٰ واقعی یہاں آ جائے گا۔ اس نے فوراً پلٹ کر اسی عروسی جوڑے کا دوپٹا سر پر لیا تھا۔ وہاں موجود سبھی لڑکیاں ہنس دی تھیں۔ انہیں مصطفیٰ کی موجودگی اور شہوار کی بوکھلاہٹ نے بڑا محظوظ کیا تھا۔

رابیل کے آنے سے نوشین کے غصے اور بدلے کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ پرانے زخم پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رابیل کو ہر لمحہ آزمائش میں ڈال رہی تھیں۔ اسے بے عزت کر رہی تھیں۔ دراصل وہ رابیل کو دکھ دے کر تیمور اور افشین کو دکھ دینا چاہتی تھی۔



''نگین آپی' کیا میں آپ کے ساتھ آپ کی یونیورسٹی چل سکتی ہوں؟'' رابیل نے ناشتے کی میز پر نگین سے پوچھا۔

''میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کی یونیورسٹی کیسی ہے میں یہاں کی فوٹوگرافس لینا چاہتی ہوں واپس جا کر نبیل بھائی کو دکھاؤں گی اور آپ مجھے اپنی فرینڈز سے نہیں ملوائیں گی کیا؟ اور آئی ایم شیور آپ اپنی فرینڈز میں سب سے زیادہ پریٹی ہوں گی۔'' رابیل نے بہت نرمی سے طریقے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' نگین نے اتراتے ہوئے کہا۔

''تو پھر میں تیار ہو جاؤں۔'' رابیل نے پر جوش ہو کر پوچھا۔

''ٹھیک ہے مگر جلدی۔'' اس نے جلدی سے جوس ختم کیا اور تیار ہونے کے لیے دوڑی۔

''واؤ اٹس رئیلی گریٹ' کیا شاندار عمارت ہے۔'' رابیل نے یونیورسٹی کی عمارت کو دیکھتے ہوئے سراہا۔

''آؤ میں تمہیں اپنی فرینڈز سے ملواؤں۔'' نگین یہ کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایسے لے گئی جیسے وہ چار پانچ سال کی بچی ہو اور جیسے رش میں کھو جانے کا ڈر ہو۔

''ہیلو نگی۔'' زرین اور مبشرہ نے اسے اور رابیل کو دیکھتے ہی کہا جواباً اس نے بھی ''ہیلو'' کہا اور ساتھ ہی رابیل کا تعارف کرایا۔

''میٹ مائی کزن رابیل فرام لندن۔''

''ہائے رابیل' نائس نیم۔'' زرین نے مصافحے کے لیے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''السلام علیکم۔'' رابیل نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سلام کیا تو ان دونوں کو حیرت بھی ہوئی اور شرمندگی بھی کہ انہیں بھی سلام کرنا چاہیے تھا۔ وہ پردیس میں رہ کر اپنے ملک کے مذہب کے طور طریقے پر عمل کر رہی تھی اور وہ انگریز کی زبان بول رہی تھیں۔

''وعلیکم السلام نائس ٹو میٹ یو۔'' مبشرہ نے خوش دلی سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''سیم ہیئر۔'' رابیل نے بھی اخلاقاً کہا۔

''زرین، تم لوگ رابیل کو یونیورسٹی دکھاؤ میں ابھی آتی ہوں۔'' نگین نے ان دونوں سے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ رابیل اصل میں نگین اور جاوید کے بارے میں ہی کچھ دیکھنے اور سمجھنے آئی تھی' اسے جاوید کو دیکھنا تھا کہ وہ کیسا ہے؟

''نگین آپی کہاں گئیں؟'' رابیل نے ان دونوں سے پوچھا۔

''اپنے بوائے فرینڈ سے ملنے گئی ہے۔'' مبشرہ نے ہنس کر بتایا۔

''تمہارا کوئی بوائے فرینڈ ہے؟'' زرین نے سوال کیا۔

''نہیں تو۔''

''رئیلی، تعجب ہے۔'' زرین نے حیرت سے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہم جہاں کہیں بھی چلے جائیں' دنیا کے کسی بھی خطے' کسی بھی سرزمین پر' کسی بھی ملک میں بس جائیں' ہمیں اپنی اقدار کو اپنی جڑوں کو اور اپنے کلچر کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے یہ مجھے میرے مما پاپا نے بتایا اور سکھایا ہے اور یہ جاوید کون ہے؟'' رابیل نے زرین سے پوچھا۔

''ہائیں تم نے اس خبیث کو کہاں دیکھ لیا؟'' زرین نے حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''دیکھا تو نہیں ہے مگر سنا ہے نگی آپی اور اس کے بیچ کچھ ہے کیا؟''

''بکواس ہے سب' دھوکا' جھوٹ' فراڈ ہے۔'' زرین نے برا سا منہ بنا کر تلخی سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''رابیل تم اگر اپنی اس بے وقوف کزن کو کنویں میں گرنے سے بچا سکتی ہو تو بچا لو وہ جاوید اول درجے کا فلرٹ ہے۔ بیسیوں لڑکیوں کو محبت کا فریب دے کے لوٹ چکا ہے اس کا تو کام ہی یہ ہے نگی جیسی بے وقوف دولت مند لڑکیوں کو اپنے دام الفت میں پھنسانا' شادی کا

دل بھی ولید کے پاس جانے کو چاہ رہا تھا۔

"جی ولی.....؟"

"انابیہ میں ہوں احسن! تم ذرا باہر آؤ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" احسن نے کہتے ہی کال بند کر دی تھی۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" وہ عائشہ سے کہہ کر فوراً باہر آ گئی تھی۔ وہ لان سے گزر رہی تھی جب کوئی ایک دم سامنے آیا تھا وہ ایک دم ٹھٹک کر رکی۔

"ک..... کک.....کون.....؟" شام کا اندھیرا ہر سو پھیل رہا تھا عصر کے بعد نکاح ہوا پھر کھانا کھایا گیا اب تو رات پھیل رہی تھی۔

"السلام علیکم!" انا سامنے والے کو دیکھ کر ابھی۔ یہ انہی لوگوں میں سے کوئی لڑکا تھا رات اور دن میں بھی ایک دو بار دکھائی دیا تھا۔ باقاعدہ کسی لڑکے سے کوئی تعارف تو ہوا نہیں تھا اب ہر کوئی اپنے شوہر یا بھائی کا نام لے کر ذکر کر رہی تھیں اس لڑکے کے بارے میں وہ بے خبر ہی تھی کہ کون ہے۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ باقاعدہ نزدیک آ کھڑا ہوا تھا۔ انا نے ناگواری سے دیکھا۔

"آپ کون.....؟" اس خاندان کا ایسا لڑکا تو کوئی تھا نہیں کہ یوں اچانک روک کر حال چال پوچھتا۔ اب تک تو اچھا خاصا مہذبانہ رویہ رہا تھا جبھی کا مہمان سمجھ کر خاصی عزت سے پیش آ رہے تھے۔

"جی حماد....." لڑکے نے تعارف کروایا تو بھی وہ اسے دیکھے گئی تعارف نامکمل سا تھا۔

"آپ کا نام بہت پیارا ہے بالکل آپ کی ہی طرح بالکل یونیک سا۔ آپ کو پریشان کرنا میرا مقصد نہ تھا آپ کو ادھر سے گزرتے دیکھا تو روک لیا۔ میں زاہد بھائی کا سب سے چھوٹا بھائی ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا انا نے خاصی حیرت اور الجھن سے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود موبائل پھر بجنے لگا تو وہ اسے وہیں چھوڑ کر فوراً وہاں سے بھاگی تھی۔

"پتا نہیں کیوں روکا مجھے اور نام کی تعریف کا بھلا کیا مقصد تھا؟" وہ الجھتے ہوئے ولید اور احسن کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ ولید تھا نہیں احسن موجود تھا۔

"خیریت بھائی..... ولید کہاں ہے..... ان کا موبائل آپ کے پاس کیوں ہے؟"

"ولید مصطفیٰ کے بھائیوں کے ساتھ ذرا باہر نکلا ہے وہ اپنا موبائل یہیں بھول گیا تھا گھر سے کال آئی تھی پاپا چاہ رہے ہیں کہ ہم فوراً واپس پہنچیں۔" احسن نے بلانے کی وجہ بتائی تو وہ چونکی۔

"کیوں خیریت؟ ہمارا تو کل کا دن بھی رکنے کا پروگرام تھا نا۔"

"ماموں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کا بی پی کافی شوٹ کر گیا ہے وہ آج سارا دن اسپتال میں گزار کر آئے ہیں۔" احسن بتا رہا تھا۔

"اوہ....."

"اب کیسی طبیعت ہے؟" وہ فوراً فکر مند ہو گئی۔

"پاپا بتا رہے ہیں کہ پہلے سے بہتر ہے مگر وہ ولید اور روشانے کو یاد کر رہے ہیں اور پاپا کا خیال ہے کہ ہم آج ہی واپس آ جائیں۔" احسن نے مزید بتایا۔

"ولید کو علم ہے؟"

"نہیں ابھی میرے نمبر پر ہی کال آئی تو میں نے اسے کال کی تو پتا چلا کہ وہ موبائل یہیں چھوڑ گیا ہے روشانے کہاں ہے؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"پتا نہیں کیا ہوا ہے اسے رات تک ٹھیک تھی صبح بھی ٹھیک تھی عصر کے بعد سے شدید سر درد ہو رہا تھا اسے میں نے دوائی دی تو لیٹ گئی۔ نکاح کے وقت بھی بس تھوڑی دیر بیٹھی تھی۔ اب بھی سوئی ہوئی ہے۔"

"اوہ..... اچھا ایسا کرو اندر کسی سے مصطفیٰ کے کسی بھائی کا نمبر لے کر ولید کو خبر کرو میں پیکنگ کر لیتا ہوں اتنی دیر میں اور روشانے کی طبیعت زیادہ خراب ہے کیا؟" احسن نے فطری فکر مندی سے پوچھا۔

''بس سر درد ہے۔ اچھا ایسا کریں میں روشانے کو ادھر بھیجتی ہوں خود ہی اس سے بات کر لیں۔ میں بتاؤں گی تو وہ پریشان ہوگی مجھے تو خود ان کر ماموں کی طرف سے اتنی فکر ہونے لگی ہے۔ ماموں کو لے کر تو وہ بہت جلد پریشان ہو جاتی ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ اپنے نمبر سے رابطہ نہیں کرنا یہ ولید کا سیل لے جاؤ اسی سے کال کرنا اوکے۔'' احسن نے اسے ولید کا موبائل تھمایا تو وہ اسے لے کر باہر نکل آئی۔ اب کے اس نے بے پرواہی سے گزرنے کے بجائے احتیاطاً اطراف میں دیکھا تھا کوئی نہ تھا اس نے سکون کا سانس لیا۔ اندر آ کر روشانے کو اٹھا کر احسن کے پاس بھیجا اور خود عائشہ سے اس کے بھائی سجاد کا نمبر لے کر اسی کمرے میں آ گئی جہاں روشانے لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے سجاد کا نمبر ملایا انہوں نے چند بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی تھی۔

''السلام علیکم! میں انا بات کر رہی ہوں ولید کی کزن..... ولید اگر آپ کے ساتھ ہے تو اس سے بات کروا دیں۔'' اس نے فوراً کہا۔

''جی ولید ہمارے ساتھ ہی ہے میں ابھی بات کرواتا ہوں۔'' انہوں نے فوراً ولید کو موبائل تھما دیا۔

''ہیلو کون۔'' وہ لائن پر تھا۔

''میں انا بات کر رہی ہوں۔''

''تو وہ..... خیریت؟'' وہ سجاد کے نمبر پر انا کی آواز سن کر چونکا۔

''جی..... گھر سے پاپا کی احسن بھائی کے نمبر پر کال آئی تھی ماموں کی طبیعت تھوڑی سی خراب ہے پاپا کہہ رہے ہیں کہ گھر پہنچیں۔'' اس نے بتایا تو دوسری طرف حسب توقع ولید پریشان ہو اٹھا۔

''کیا ہوا ہے پاپا کو؟''

''احسن بھائی بتا رہے تھے کہ ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا آج سارا دن وہ اسپتال میں رہے ہیں۔ آپ اپنا سیل ادھر ہی چھوڑ گئے تھے اسی لیے عائشہ سے نمبر لے کر اس نمبر پر کال کرنا پڑی۔'' اس نے تفصیلاً کہا۔

''اوکے..... ہم ابھی واپس آتے ہیں۔'' اس نے کال بند کی۔ موبائل ابھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا کہ بجنے لگا۔ ولید کے موبائل پر کال تھی اس نے اسکرین دیکھی تو وہاں ''کیتھی'' کے حروف جگمگا رہے تھے انا کے چونکنے کی بڑی وجہ نام نہیں بلکہ نام کے ساتھ اسکرین پر جلوہ افروز تصویر تھی۔

اس نے کبھی ولید کا موبائل نہیں پکڑا تھا اسے نہیں خبر تھی کہ اس کا موبائل کیسا ہے کس ماڈل کا ہے اور کس قسم کا ہے؟ مگر اب موبائل پر جلوہ فروز تصویر اسے ساکت کر رہی تھی یہ تصویر کیتھی نام کے نمبر کے ساتھ مخصوص کی گئی تھی۔ بہت ہی خوب صورت امریکن لڑکی اتنی دلکش تو ضرور تھی کہ وہ اسے دیکھ کر ساکت رہ جاتی مگر اس وقت ساکت ہونے کی اہم وجہ لڑکی کے ساتھ کھڑا ولید تھا جس نے ایک بہت خاص انداز میں لڑکی کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے کال ریسیو کی تھی۔

''کہاں تھے میں کب سے کال کر رہی تھی۔'' امریکن لب و لہجے میں کہتی وہ لڑکی انا کو لڑکھڑانے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ ایک دم بستر کے کنارے گری تھی۔

''ابھی مصطفیٰ سے میری بات ہوئی تھی وہ بتا رہا تھا کہ تم اس کے نکاح کے سلسلے میں اس کے ہاں آئے ہوئے ہو۔'' وہ لڑکی انگلش میں کہہ رہی تھی انا نے خاموشی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ یہ لڑکی کون تھی اس کا ولید سے کیا تعلق تھا؟ وہ ولید کے ساتھ اس تصویر میں کیا کر رہی تھی وہ گم صم سی بے اختیار بس کان سے موبائل لگائے سن رہی تھی۔

''ولید..... ویئر آر یو آر یو لسننگ می؟'' وہ کوئی جواب نہ پا کر کہہ رہی تھی۔ انا نے کال بند کی۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سمٹ آئی۔

کال بند ہوتے ہی تصویر غائب ہو گئی تھی مگر انا ابھی بھی اذیت کی گہری کشمکش میں تھی۔ اس نے آج پہلی بار ولید کا موبائل تھاما تھا اور پہلی بار ہی جھٹکا لگا تھا تو کیا ولید اس لیے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا کوئی اس کے اندر سے پکارا۔ کیا یہ کشش تھی جو اس کو ولید کے سامنے بے مایا کر دیتی تھی اور ولید نے کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا کہ وہ بھی کہیں موجود ہے۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے ولید کے موبائل کو تھاما۔ اس کا موبائل دیکھتے مختلف فنکشنز چیک کرتے مختلف فائلز کھولتے بند کرتے اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ پھر ایک فائل کھولتے وہ ٹھٹکی تھی۔ اس میں مختلف تصاویر تھیں۔

ولید کی مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف جگہوں مقامات کی تصاویر تھیں کچھ ماموں اور روشی کے ساتھ بھی تھیں۔ بعض تصاویر کسی پارک کسی جھیل کے کنارے کی تھیں۔ ہر تصویر میں ولید کا ایک الگ انداز تھا۔ ایک خاص اسٹائل میں مگر ہر تصویر میں اس کی شخصیت کی وجاہت وخوب صورتی برقرار تھی اور ایک تصویر دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی تھی یہ وہی تصویر تھی جو کھینچی نام کے نمبر کے ساتھ محفوظ تھی مگر اگلی تصویر ایسی تھی کہ وہ کتنی دیر تک بے حس وحرکت تصویر کو گھورے گئی تھی۔ ولید کی اسی لڑکی کے ساتھ اسی لباس اور ماحول میں کھینچی گئی تصویر تھی مگر تصویر میں یہ خاص بات تھی کہ ولید سر جھکائے لڑکی کا ہاتھ پکڑے اسے کوئی چیز پہنا رہا تھا۔ دونوں کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ انا کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہتے چلے گئے۔ اس سے زیادہ اس کی ہمت نہ تھی کہ وہ کچھ دیکھتی اس نے ایک دم فائلز بند کرتے موبائل ایک طرف ڈال دیا تھا۔ اسے لگا کہ اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ پہلے کوئی امید تھی کوئی آس تھی مگر اب ایک دم لگا کہ جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ اب کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس نے خود کو مزید بکھرنے سے بچانے کے لیے واش روم میں بند کر لیا تھا۔



مصطفیٰ دروازہ بند کر کے پلٹا تو وہ اسی طرح رخ موڑے کھڑی تھی۔ سادہ لباس کے اوپر عروسی دوپٹا اوڑھے وہ خاصی دلکش لگ رہی تھی بڑا سا بھاری کامدار دوپٹا بمشکل سر پر ٹکا ہوا تھا۔ اس دن جب وہ اس کے کمرے میں آیا اور اس کا زخم دیکھا تو بے پناہ غصے میں آ گیا تھا اس کے بعد وہ سیدھا آفس گیا تھا اور ایاز کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا تھا۔ وہ تو اس کے سامنے کچھ بھی نہ تھا چند ضربوں سے ہی ادھ موا ہو گیا تھا۔ تب امجد خان اور باقی ساتھیوں نے زبردستی اس پر قابو پاتے اسے ایاز سے دور ہٹایا تھا ورنہ اس دن ایاز اس کے ہاتھوں مر جاتا۔ اس کے بعد دوبارہ امجد خان نے اسے ایاز کے پاس نہیں جانے دیا تھا بلکہ اس وقت بابا کو بلوا کر اسے باز رکھنے کے اقدامات کر دیے تھے ورنہ ایاز کو مار دینے کی تحریک تو ابھی بھی دل میں اٹھتی تھی۔ اس دن کے بعد وہ دانستہ شہوار کے سامنے نہیں آیا تھا یوں لگتا تھا کہ اس کے آنسو اب بھی انگاروں کی مانند سینے پر دہک رہے تھے۔ پھر اگلے دن وہ گاؤں چلی آئی تھی اور اس کے بعد اب سامنا ہو رہا تھا رات تو وہ چادر میں چھپی ہوئی تھی وہ دیکھ ہی نہیں پایا تھا کچھ دیر قبل اگر گھونگٹ اٹھا بھی تھا تو دل کو سیری نہ ہوئی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے عقب میں آ ٹھہرا تھا۔

”شہوار ——“ اس نے پکارا تو شہوار نے سر سے سرکتے دوپٹے کو ہاتھ سے تھاما۔ وہ سخت پریشان اور کنفیوز تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ مر جائے گی وہ آہستگی سے رخ بدلے بغیر بستر کے کنارے ٹک گئی۔ بہرحال وہ اس شخص کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ کہاں وہ کوئی بھی بندھن باندھنے کو تیار نہ تھی اور اب ایک نئی حیثیت سے اس کے سامنے تھی۔ خجالت و شرمندگی سے برا حال ہو رہا تھا۔ نجانے یہ شخص اس کے بارے میں کیا سوچتا ہوگا؟ جی چاہ رہا تھا کہ شرمندگی وخجالت سے مر جائے۔ مصطفیٰ اس کے بیٹھنے پر دوسری طرف ہوتے اس کے ساتھ ہی کنارے پر ٹک گیا۔ اب اس کا رخ مصطفیٰ کے سامنے تھا۔ مصطفیٰ نے چند پل اسے بغور دیکھا۔

”کوئی بات نہیں کرو گی؟“ مصطفیٰ نے بہت اپنائیت سے پوچھا تو وہ ایک دم نفی میں سر ہلا گئی۔

”آپ جائیں پلیز؟“ جھکے سر سمیت اس نے کہا۔

”اگر میں نہ جاؤں تو؟“ مصطفیٰ کا انداز فوراً سنجیدہ ہوا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ مصطفیٰ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ شہوار کی آنکھوں میں نمی تھی۔ مصطفیٰ کے دل کو ایک عجیب سے احساس نے چھوا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے فوراً پیچھے کر لیا مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔

”شہوار ...... یہ تو سب طے شدہ بات تھی ایک فائنل فیصلہ اب تمہارے اس ری ایکشن کو کیا سمجھوں؟“ مصطفیٰ کے لہجے میں برہمی سی تھی۔ شہوار اسی طرح بیٹھی رہی۔

”شہوار“ مصطفیٰ ایک دم اٹھا۔

”تم جانتی ہو تمہارے اس طرح کے ری ایکشن اور اس بی ہیویئر سے ہمارے ریلیشن میں کس قسم کے مسائل جنم لے سکتے ہیں۔“

”میں نے کسی کو مجبور نہیں کیا تھا کہ میرے ساتھ یہ ریلیشن بنائے۔“ آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلتے شہوار نے حد درجہ تلخی سے کہا تو مصطفیٰ کئی ثانیے اسے دیکھے گیا۔

”مجبوروں کو کوئی نہیں پوچھتا کہ ان کا مسئلہ کیا ہے۔ آپ کے دل میں جو آتا ہے کریں مگر مجھے اس سے زیادہ کچھ کرنے پر مجبور مت کریں۔ میں پہلے ہی آپ لوگوں کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہوں مجھ پر مہربانی ہوگی اگر مجھے مزید کسی امتحان کے لیے نامزد نہیں کریں گے تو۔“ شہوار کے لہجے میں تلخی کے ساتھ ساتھ تنفر بھی تھا۔

"شہوار....." مصطفیٰ نے غصے سے ٹوکا۔

"مجھے اندازہ تھا تمہاری مینٹلی ایبلیٹی کا مگر افسوس ہو رہا ہے کہ تم ہماری محبتوں کو غلط رنگ دے رہی ہو۔" مصطفیٰ نے تاسف سے کہا تو اس نے بہت برہمی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

"جب آپ کو میری مینٹلی ایبلیٹی کا اندازہ تھا تو پھر اس آزمائش گاہ میں کیوں لا کھڑا کیا؟ نہیں چاہیے تھیں مجھے ایسی محبتیں جس میں میری ذات کا سارا فخر، سارا مان، سارا غرور کسی کے احسانوں تلے دب جائے اور میں ساری عمر کسی کے سامنے سر اٹھا کر جینے کی خواہش نہ کر سکوں۔" وہ پھٹ ہی پڑی تھی۔

"شٹ اپ شہوار۔" مصطفیٰ نے درشتی سے اسے ٹوکا۔

"یہ تمہارا ذہنی کمپلیکس ہے بس ورنہ ہم آج بھی وہی ہیں اور ہمارے رویے بھی۔" مصطفیٰ نے بمشکل اپنے اندر سے لڈتے شدید غم و غصے کو روکتے بظاہر ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہا۔

"تمہیں ہم نے مجبور نہیں کیا تھا تم انکار کر دیتی یہ تمہارا رائٹ تھا۔ زبردستی پھر کوئی تمہیں مجبور نہیں کر سکتا تھا کہ تم یہ ریلیشن بناتی۔"

"مجھے اب آپ سے یا کسی سے بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کہنا۔ بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ آئندہ میرے سامنے نہیں آئیں تو؟" شہوار نے صاف اور واضح الفاظ میں جتایا تھا۔ مصطفیٰ کا احساس توہین سے ایک دم چہرہ سرخ ہوا تھا۔ کتنی واضح نفی کی گئی تھی اس سے متعلق رشتے اور تعلق کی۔ وہ جتنا بھی برداشت کرتا مگر اب بات اس کی ذات کی تھی وہ ایک دم اس کی طرف بڑھا تھا۔ بہت برہمی سے اس کا بازو پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے اپنے سامنے کھڑا کیا تو اس کا دوپٹا سر سے پھسل گیا تھا۔

"جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو تم؟" بہت پتھریلے لہجے میں کہتے مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا تھا۔ کانچ سی آنکھوں میں ایک دم نمی سی آئی۔

"میری امی اور آپ کے بڑے جو بھی چاہتے تھے وہ ہو چکا آپ نہ میری ذہنی حالت سے بے خبر ہیں اور نہ میرے اندر پلتے کمپلیکس سے پھر فائدہ لیے دوسرے کے سامنے آنے یا بات کرنے کا۔ آنٹی اور انکل کو پتا تھا کہ میں ان کے سامنے انکار نہیں کر پاؤں گی انہوں نے صرف مجھے فیصلہ سنایا تھا میری مرضی نہیں پوچھی تھی ورنہ میں انکار کر دیتی۔" مصطفیٰ اس قدر واضح اور صاف انکار پر کئی پل تک ساکت رہا تھا۔ کتنی توہین کی بات تھی کہ ایک لڑکی اور وہ اسے رد کر رہی تھی۔

"یہ ایک بے جوڑ رشتہ تھا ہے اور رہے گا نا آپ کی مالی و نسبی حیثیت کو چیلنج کر سکتے ہیں اور نا ہی میری زندگی میں در آنے والے اس احساس کمتری کو آج میرے سامنے ایک سوالیہ نشان ہے کہ میرا ننھیال و ددھیال کون ہے کہاں ہے کیا آپ کے پاس کوئی گارنٹی ہے کہ آپ اپنی آنے والی نسلوں کو اس احساس کمتری سے بچا سکیں گے۔ اگر کسی دن آپ کے سامنے کسی اور نے سوال کیا کہ میں کس خاندان کس باپ کی اولاد ہوں تو کیا آپ کے پاس کوئی جواب ہوگا؟" مصطفیٰ کی برہمی نے اسے اور زیادہ آتش نشاں بنا ڈالا تھا۔

"او یو شٹ اپ۔" مصطفیٰ نے ایک دم گہرے غضب اور تناؤ کا شکار ہوتے اسے بستر پر دھکیل دیا تھا۔ وہ منہ کے بل بستر پر گری تھی۔ عروسی دوپٹا کندھے سے لڑھکتا سائیڈ پر گر گیا تھا لمبے بالوں کی چٹیا بستر پر بل کھا گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالی وہ بستر پر گر کر سسک اٹھی تھی۔ اس کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگیں۔

"ہر رشتے کی بنیاد محض مالی و نسبی معیار پر نہیں ہوتی' کچھ رشتے دل سے بنتے ہیں خلوص' محبت' چاہت اور وفا سے بننے والے یہ رشتے مالی و نسبی معیار سے بلند تر ہوتے ہیں۔ تابندہ بوا سے بننے والا یہ رشتہ انہی بنیادوں پر تشکیل پایا تھا۔" بہت غضب سے ادھر سے ادھر ٹہلتے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے ایک دم سر اٹھا کر دیکھا۔

"آپ کہہ سکتے ہیں آپ کے پاس سب کچھ موجود جو ہے کبھی آپ وہ ذلت وہ پشیمانی سہہ کر دیکھیں جو میں نے سہی ہے نادلہ بھابی اور ریاز جیسے لوگ محض کسی کی صورت دیکھ کر اس کی زندگی عذاب بنانے کو آموجود نہیں ہوئے آج میرے پاس ایک اعلیٰ خاندان کا حوالہ ہوتا تو کس کی مجال تھی جو میرے پیچھے آتا اور یہ تعلق اس کو کیا نام دوں محض ایک مجبوری آج آپ کو پتا چلے کہ سکندر علی کے نام کا حوالہ کچھ بھی نہیں تو آپ کو خود بھی اس تعلق پر ندامت محسوس ہوگی۔" مصطفیٰ نے بمشکل اپنے اندر اٹھتے اشتعال کو اپنی مٹھیاں بھینچ کر کنٹرول کیا ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ اس بدتمیز لڑکی کو ضرور کچھ کہہ دے۔ وہ تو نجانے کن احساسات کے تحت ادھر تک آیا تھا مگر اب لگتا تھا دل میں موجود تمام جذبات بجھ گئے ہیں بالکل نیست و نابود ہوئے تھے۔

"کیا چاہتی ہو تم؟" اپنے اوپر قابو پا کر بہت سرد انداز میں پوچھا۔

"آپ یہاں سے چلے جائیں اور آئندہ مجھ سے کلام مت کیجیے گا۔ آپ جب جب میرے سامنے آئیں گے مجھے اپنے نقصان کا شدید احساس ہوگا۔" شہوار کا انداز دوٹوک تھا بہت سخت اور تنفر بھرا۔

مصطفیٰ نے ایک دم بغیر کچھ کہے فوراً باہر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ اس قدر واضح توہین اور نفی کے بعد وہ اب وہاں رکنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ باہر نکل کر اس نے اپنے پیچھے بڑے زور سے دروازہ بند کیا تھا۔



ان لوگوں کے جانے کا سن کر بھی افسردہ ہو گئے تھے مگر ان کی مجبوری تھی وہاں سے یہ لوگ آٹھ بجے نکلے تھے حویلی کی خواتین سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی بس مہر النساء بیگم سے مل کر وہ دونوں آ گئی تھیں شہوار بھی افسردہ تھی اس کی والدہ سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ دوسری طرف مصطفیٰ بھی ولید اور احسن کو اللہ حافظ کہتے خاموش ہی تھا۔ ورنہ ان سب کا پروگرام تھا کہ یہ چاروں ایک دن مزید تو ضرور رکیں گے۔ ان کی مجبوری جان کر کسی نے بھی مزید رکنے پر اصرار نہ کیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ احسن بھائی نے سنبھال لی تھی۔ آتے وقت تو وہ خفا تھی مگر اب واپسی پر انا بالکل گم صم تھی۔ روشانے نے کئی بار پکارا مگر وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔

"یہ انا کو کیا ہوا ہے اس کی طبیعت ٹھیک ہے؟" ڈرائیونگ کرتے احسن نے پوچھا۔ مگر وہ ہنوز آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔ اس کا دل بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ کسی کونے میں بیٹھ کر خوب سارا رونا چاہتی تھی اپنے دل کی حالت اپنی بے بسی پر خوب ماتم کرنا چاہتی تھی مگر موقع نہیں مل رہا تھا ایسے میں آنکھوں کی طغیانی کو چھپانے کا ایک ہی حل تھا کہ چپ چاپ آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔

"تھک گئی ہوگی نیند آ رہی ہوگی۔" روشانے نے کہا تو وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ ولید نے بھی بیک ویو مرر سے دیکھا گاڑی کی روشنی میں وہ واضح تو نہ دیکھ سکا مگر اس کی پلکوں کی حرکت سے نوٹ کر لیا کہ وہ جاگ رہی ہے۔

"کیسا رہا فنکشن انجوائے کیا تم نے؟" ولید نے روشانے سے پوچھا۔

"اچھا تھا خاصے اچھے پرخلوص اور ملنسار لوگ ہیں۔ بہت مزہ آیا۔ بس یہ ہوا کہ ایک دم میرے سر میں شدید درد ہونے لگا میں ٹیبلٹ کھا کر سو گئی تھی۔ نکاح کے وقت تھوڑی دیر جاگی کھانا کھایا اور پھر لیٹ گئی تھی۔ مجھے جو کمرہ رہنے کو دیا گیا تھا ادھر ہی رہی ہوں گھومی پھری نہیں ہوں ہاں انا نے خوب انجوائے کیا ہے یہ شہوار کے ساتھ ہی رہی تھی۔"

"ہوں......" ولید نے سر ہلایا۔

"اور آپ لوگوں نے؟" "آپ دونوں تو اندر آئے ہی نہیں تھے سارا وقت دوسری طرف مردوں والے حصے میں ہی رہے تھے۔"

"بھئی ہم لوگ تو یہاں مہمان تھے کون سا ان کی فیملی کے ممبرز تھے جو دندناتے پھرتے ہر جگہ جا گھستے۔ ان لوگوں نے کئی بار اندر چلنے کو کہا تھا مگر ہمیں اچھا نہیں لگا۔ ہاں نکاح کے وقت سارا ٹائم میں اور احسن مصطفیٰ کے پاس ہی رہے تھے کھانا بھی اکٹھے کھایا تھا اس کے بعد ان لوگوں کے خاندان کی عورتیں اندر آنا شروع ہوئیں تو ہم وہاں سے نکل آئے تھے۔" ولید نے تفصیلاً بتایا۔

"خاصی روایتی قسم کی فیملی ہے۔" احسن نے تبصرہ کیا۔

"ہوں......"

"آپ دونوں نے مصطفیٰ بھائی کی دلہن دیکھی؟" روشانے نے مزید پوچھا۔

"نہیں اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ویسے کیسا عجیب اتفاق ہے یہ شہوار انا کی دوست ٹھہری ایک بار انا کو کالج سے پک کرتے ملا تھا مگر تب وہ خاتون چہرہ چھپائے ہوئے تھیں۔ ان کے بعد ایک بار انا کے موبائل پر بات بھی کی تھی اس کے علاوہ موقع ہی نہیں ملا دیکھنے یا ملنے کا۔"

"شہوار بہت پیاری لڑکی ہے جب بھی اس سے ملی ہوں عجیب سی فیلنگز ہوتی ہیں ویسے شہوار کی والدہ سے باقاعدہ ملاقات نہیں ہو سکی ایک دفعہ آتے جاتے دیکھا تھا۔ خاصی

سوبر سی خاتون لگی ہیں مگر ساری تقریب میں بہت کم ان رہی ہیں وہ زیادہ تر اپنے مہمانوں میں کمرے یا کچن میں مصروف رہی ہیں۔ہم سے تو ملی بھی نہیں براہ راست تعارف کا موقع ہی نہیں ملا ہاں آتے جاتے دیکھا ضرور ہے۔"

"کیوں کیا کچھ مغرور ہیں؟" احسن نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"نہیں ......دور سے ہی سرسری سا دیکھا ہے ایسی خاص مغرور تو نہیں لگیں ہاں خاموش اور کم گو ضرور لگی تھیں۔زیادہ تر کسی نہ کسی کام میں بزی دکھائی دی تھیں۔"

"چلو چھوڑو ہوتے ہیں بہت سے لوگ ایسے بھی۔ مجھے تو بابا کی فکر ہو رہی ہے گھر میں تم تو ہر وقت ان کا خیال رکھنے کو موجود ہوتی تھی اب نجانے ایسا کیوں ہوا ہے کہ بی پی اس حد تک شوٹ کر گیا اور نوبت اسپتال لے جانے تک پہنچ گئی تھی۔" ولید متفکر تھا تبھی بیک ویو مرر پر یونہی نگاہ پڑی تو چونکا۔اسے لگا کہ انا نے بہت آہستگی سے غیر محسوس انداز میں اپنے رخسار صاف کیے تھے یوں وہ جیسے روئی تھی۔اس کے اندر کچھ ہوا وہ فوراً پلٹا تھا۔

یہ اس قدر زندہ دل لڑکی ایک دم بیٹھے بٹھائے نجانے کیوں اس قدر زود رنج اور بدحال سی لگنے لگتی تھی۔نجانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔کوئی وجہ تو تھی؟ کوئی ایسی بات یا کوئی سنگین دکھ جو اسے اندر ہی اندر کاٹ رہا تھا۔اس طرح کہ آنکھوں سے آنسو بہتے تھے مگر وہ کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی۔کسی کے سامنے رو نہیں سکتی تھی۔ولید کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچا تھا۔

"انا......؟" وہ پچھلی طرف مڑ گیا تھا وہ خاموش رہی تھی۔

"انا......" اس نے دوبارہ پکارا تو اس کی آنکھوں میں جنبش ہوئی۔صرف پلکیں لرزیں تھیں۔

"ہوں......؟"

"سو رہی ہو کیا؟" اس نے پوچھا۔

"ہوں۔" انداز ہنوز وہی تھا اسی طرح آنکھیں بند تھیں۔گویا وہ کسی سے بھی کلام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ولید کو لگا کہ وہ بولنا نہیں چاہتی اگر وہ بولے گی تو سب کے سامنے رو دے گی اور اس وقت وہ رونا نہیں چاہتی تھی تو سونے کا بہانہ کر رہی تھی۔وہ ایسا کیوں کر رہی تھی وہ کون سی بات کون سا دکھ تھا جو اسے رلا رہا تھا۔

ولید نے بہت ضبط سے خود پر کنٹرول کیا۔وہ اس کی چھوپی زاد تھی کوئی غیر نہ تھی اگر کوئی غیر ہوتی تو بھی اس کا دکھ بانٹنے کی کوشش کرتا۔نجانے کیا بات تھی کہ وہ اسے یوں بکھرتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔اس کا دل چاہا کہ وہ اسے جھنجھوڑ کر رکھ دے اور اس کو اس حد تک مجبور کرے کہ جب تک وہ اس کے سامنے دل کی بات نہ کہہ لے اپنا دکھ نہ آشکار کر لے وہ اسے چھوڑے نہیں مگر یہ تو دیکھتا کہ وہ اس سے کیا کسی سے بھی اپنے دل کی بات کہنے کو تیار ہی نہ تھی اپنے دل کا درد کھولنے پر آمادہ ہی نہ تھی۔ولید نے بہت دکھ سے چہرہ واپس موڑتے اندھیرے میں نظریں گاڑھ دی تھیں۔



تابندہ بی کو بخار تھا پچھلے تین چار دن سے وہ مسلسل جس طرح مصروف رہی تھیں اس سے ان کی طبیعت مزید بگڑ گئی تھی اوپر سے شہوار کی ناراضی کی ٹینشن وہ خفا تھی ان سے بات تک نہیں کر رہی تھی ان کے لیے یہ اور بھی اذیت بھرے لمحات تھے۔کل جس طرح شہوار نکاح کے وقت ٹوٹ کر بکھری تھی ایک لمحے کو انہیں لگا تھا کہ یہ انتہائی انتہائی قدم اٹھا کر انہوں غلط کیا ہے؟ انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ ایک عمر گزاری تھی اب یہ لوگ ان پر اعتبار کرتے تھے انہوں نے جو بتا دیا تھا وہی سب جانتے تھے اور شاہزیب بھائی ماضی میں بھی اتنے اعلیٰ عہدے پر ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی ان کی ذات کو نہیں کریدا تھا۔کبھی ثبوت نہیں مانگے تھے۔انہوں نے سب کو جو بتا دیا تھا سب نے اس پر ہی یقین کر لیا تھا اور کبھی کسی کو حقیقت پتا چل گئی تو؟ تابندہ بی کا دل کانپ اٹھا۔ان کی آنکھوں کے سامنے شہوار کا معصوم چہرہ گھوم گیا۔وہ تو جیتے جی مر جائے گی۔وہ بلک بلک کر روتی لڑکی عین نکاح کے وقت ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی اور اس کے بعد تابندہ بی کو لگا تھا کہ وہ کبھی خود سے بھی نگاہیں نہ ملا پائیں گی۔برسوں کی ریاضت ضائع ہوتی لگ رہی تھی اور یہ خاندان ان لوگوں نے ان کو اس قدر عزت دی تھی محبت خلوص وفا ایثار کا رشتہ بنایا تھا اور انہوں نے بھی ان کا اعتبار حاصل کرنے کے لیے ایک عمر لگا دی تھی اور اگر کسی دن حقیقت روز روشن کی طرح

سامنے آ کھڑی ہوئی تو کیا وہ پھر ان کا اعتبار کریں گے؟ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا۔

ان کے دل کو پتنگے لگ گئے تھے وہ نکاح کے بعد سے تقریباً کمرے میں بند تھیں اور اس سے پہلے تک انہوں نے خود کو کچن اور باہر کے کاموں کی حد تک مخصوص کر لیا تھا کون آ رہا ہے کون جا رہا ہے کس نے شرکت کی ہے انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ تو بس غائب دماغی سے چل پھر رہی تھیں اور گزری رات نے ان کی ساری ہمت نچوڑ لی تھی۔ اور بابا صاحب وہ جس امتحان سے گزر رہے تھے ان کی وہ اذیت ان کے خوابوں کی وہ حقیقت وہ تو سب کچھ جانتی تھیں اور جان بوجھ کر انجان بن رہی تھیں۔

''کیوں.......؟'' کوئی ان کے اندر سے چیخا۔

''تو کیا مجھے شہوار کو سب بتا دینا چاہیے۔ اسے بتا دینا چاہیے کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے اس کا باپ کون ہے اور......اور میں کون ہوں؟'' ان کے اندر اس سوال کے ساتھ طوفان سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں لگا کہ ان کے بستر پر انگارے دہک اٹھے ہوں۔

''اور اگر ساری حقیقت جان کر اس خاندان نے کچھ بھی قبول نہ کیا مجھ جیسی بے سہارا عورت کو پناہ دینا تو دوسری بات ہے اگر سب کو علم ہو گیا کہ شہوار کون ہے اس کا باپ کون ہے اور میں اس حویلی میں کس مقصد کے تحت آئی تھی تو کیا یہ قبول کر لیں گے۔ شہوار کو سب جان کر اتنی اعلیٰ ظرفی سے دوبارہ قبول کریں گے۔'' وہ نہایت بے قراری سے بستر سے اتر گئی تھیں مگر انہیں لگ رہا تھا کہ ان کا سر چکرا رہا ہے۔ دل کانپ رہا ہے اور ان کے پیروں سے زمین کھسک رہی ہے۔

''نہیں...... مصطفیٰ قبول نہیں کرے گا وہ کبھی قبول نہیں کرے گا۔'' ان کے اندر کا خوف چیخیں مار مار کر کہنے لگا۔ وہ رو رہی تھیں۔

''ہائے...... میں نے کیا کر دیا شہوار تو مر جائے گی۔'' یہ خیال ایسا تھا کہ ان کا دل بالکل بند ہونے لگا۔ ان کو لگا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے بالکل اندھیرا چھا گیا ہے اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتیں وہ مسلسل ذہنی اذیت اور ٹینشن کے سبب بے ہوش ہو کر گر گئی تھیں۔



''وہ لڑکا کون تھا؟'' بابا صاحب اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے مگر ان کی نگاہوں کے سامنے کل والے نوجوان کی تصویر ٹھہری تھی۔ اونچا لمبا نہایت خوب صورت وجیہہ اور شاندار سا لڑکا اور اس کے ساتھ ایک اور نوجوان یہ دونوں مصطفیٰ کے شہری مہمان تھے ان دونوں کو دیکھتے خصوصاً اس لڑکے کو دیکھنے کے بعد وہ کئی لمحوں تک بے حواس سے رہے تھے گم صم اور سوچوں میں غلطاں۔

''تم زندہ ہوتے تو میں سمجھتا کہ تم میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہو ہاں میں مان بھی لیتا کہ یہ تم ہی ہو اگر درمیان میں سالوں کا یہ طویل فاصلہ نہ ہوتا۔'' وہ اپنے تصور میں کسی سے ہم کلام تھے۔

''مجھے تو ازالے کا موقع بھی نہیں ملا میں تو اپنی جاہی پچھتاوؤں کی آگ میں خود ہی جل کر مر رہا ہوں۔ راکھ ہو رہا ہوں مگر کوئی شنوائی ہی نہیں۔'' انہوں نے بہت دلگرفتگی سے اپنے دل کو سنبھالا۔

''آہ......'' ان کے ہونٹوں سے یہ آہ جاری ہوئی تو لگا کہ وہ ابھی چیخ چیخ کر رونے لگیں گے گریبان چاک کر کے باہر نکل جائیں گے۔ بالکل دیوانے ہو جائیں گے۔

''یہ میں کس امتحان میں پھنسا ہوا ہوں یا اللہ اگر یہ آزمائش ہے تو عمریں بیت گئی ہیں اس آگ میں جلتے اب تو معاف کر دے۔ وہ مر گیا تھا میں نے صبر کر لیا تھا اس کا سارا گھر اجڑ گیا تھا یہ بھی مان لیا تھا اپنے گناہوں کا بوجھ خود ہی اٹھائے پھرتا ہوں اور ندامت کا عالم یہ ہے کہ کسی سے کہنے سے ڈرتا ہوں۔'' وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔

اس اونچے لمبے خوب صورت نہایت باوقار نوجوان نے انہیں پھر سے ایک جان لیوا عذاب نما اذیت سے دوچار کر دیا تھا۔

''اپنی لغزشیں اپنی غلطیاں اس عمر میں اپنی اولاد اور اس کی اولاد کے سامنے کیسے بیان کر دوں کہ مجھ سے جوانی میں ایک گناہ سرزد ہوا تھا اور اس گناہ کی پاداش میں آج بھی اپنی لاش اپنے کندھوں پر اٹھائے چلتا ہوں۔ سب مر گئے مگر میں زندہ ہوں کوئی معاف کرنے والا نہیں کہ سوچوں کہ نزع کے عالم میں کوئی معاف کر دے گا اور مجھ بوڑھے پر تو کئی سالوں سے اک مسلسل نزع کا عالم طاری ہے اور کوئی نظر نہیں آتا کہ اس سے معافی مانگوں۔'' ان کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ وہ جو پچھلے دنوں اسپتال سے آنے کے بعد کچھ

سنبھل رہے تھے ایک دم پھر بکھرنے لگے تھے اور اس بار انہیں لگ رہا تھا کہ وہ اب اتنی جلدی سنبھل نہ پائیں گے۔



وہ لوگ رات گئے واپس لوٹے تھے۔ تب تک ماموں سو چکے تھے وہ ماموں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی تھی جبکہ روشانے اور ولید ان کے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔ دونوں باپ کو دیکھ کر خاصے پریشان ہو گئے تھے۔ انا کی باقی ماندہ رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ صبح وہ ناشتا کیے بغیر کالج چلی گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کچھ وقت اپنوں سے اور اپنی ذات سے نکل کر اپنی سوچوں سے بے نیاز ہو کر گزارے تو شاید سنبھل جائے۔ شہوار کے بغیر تو کالج میں ویسے بھی دل نہیں لگ رہا تھا مگر آج تو حد ہی تھی اس کے باوجود وہ سارا دن کالج میں رہی تھی وقت پر گھر لوٹی تھی۔ چینج کر کے برائے نام کھانا کھا کر ماموں کے کمرے میں آئی تو وہاں ولید اور روشانے دونوں موجود تھے۔ روشانے ماموں کو زبردستی جوس پلا رہی تھی جبکہ ولید ان کے قریب بستر پر بیٹھا ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔ بڑا گھریلو سا ماحول تھا اور بڑا محبت سے لبریز انداز۔

”ادھر کیوں کھڑی ہو.... آؤ نا؟“ ماموں کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ اندر بڑھ آئی۔

”تم تو نظر ہی نہیں آئی سارا دن؟“ وہ ان کے بستر پر پاس بیٹھی تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نہایت شفقت سے پوچھا۔

”کالج چلی گئی تھی۔“ اس نے سنجیدگی سے بتایا تو ولید نے دیکھا وہ خاصی بے زار اور گم صم لگ رہی تھی۔

”آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“ اس نے یونہی پوچھا۔

”شکر ہے میں ٹھیک تھا بس تم تینوں کو مس کر رہا تھا یہ تو روحی ایک دم پریشان ہو گئی تھی تو ڈاکٹر سے منع کرنے کے باوجود ہسپتال لے گیا۔ بالکل بھلا چنگا ہوں مگر انہوں نے ایک نہ چلنے دی بمشکل سارا دن گزار کر واپس آیا تھا۔“ انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

”ہم پہلی بار تو جدا نہیں ہوئے تھے پچھلے دو سالوں سے آپ ہم سے دور پاکستان میں ہی تھے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ آپ اپنی طرف سے بہت بے پروا ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لیے اتنی جلدی طبیعت خراب کر لیتے ہیں۔“ روشانے نے کہا تو وہ ہنس دیے۔

”تم لوگوں کا فنکشن خراب کر دیا میں نے؟“

”نہیں.... وہ تو ہمیں واپس آنا ہی تھا کل رات نہ آتے تو آج رات آ جاتے مگر مجھے دکھ ہوتا ہے جب آپ اپنی طرف سے یوں بے پروائی برتتے ہیں پھپھو اور انکل خوامخواہ آپ کو ہسپتال لے کر نہیں بھاگے ہوں گے کوئی شدید ٹینشن ہوئی ہو گی تو لے کر گئے ہوں گے۔“ ولید نے بھی سنجیدہ انداز میں کہا تو انہوں نے مسکراتے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب کر لیا۔

”کہاں کی کوئی ٹینشن نہیں بس تم لوگوں کی فکر تھی۔“ ان کے انداز میں بے پناہ محبت تھی انا کو رشک نے آ لیا۔

”ہم کوئی کوہ قاف نہیں گئے تھے کہ جہاں سے ہماری واپسی ناممکن تھی۔“ ولید نے کہا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

”تم دونوں کو میں نے بڑی مشکل سے پالا پوسا ہے اس مقام پر لایا ہوں اب اک ذرا سا بھی وہم ہو تو دل رکنے لگتا ہے۔“ وہ ایک دم ٹینشن میں آ گئے تھے۔ ان کے اعصاب کھنچ گئے تھے۔

”کیسا وہم؟“ روشانے نے چونک کر پوچھا۔

”بوڑھا ہو گیا ہوں بڑھاپے میں عجیب سے وہم ستاتے ہیں اب لگتا ہے کہ تم لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ اتنی ناراضگی سے کہ آوازیں بھی دوں گا تو تم دونوں لوٹو گے نہیں۔“ ان کا انداز عجیب سا تھا انا اور دونوں نے خاص چونک کر انہیں دیکھا۔

”حد ہوتی ہے الٹی سیدھی باتیں سوچتے رہتے ہیں۔ ہم کیوں آپ کو چھوڑ کر جائیں گے۔ روشی کی شادی احسن کے ساتھ ہو رہی ہے ہمیشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ رہ گیا میں تو میں تو ہمیشہ آپ کے پاس ہوں آپ کے ساتھ۔“

”ہم بھی جان جاؤ تو میرے دل میں جو ایک خوف ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ دیکھو عمر کا کوئی بھروسہ نہیں کب یہ نفتری ختم ہو جائے۔ میں نے زندگی میں بہت کچھ جھیلا اور برداشت کیا ہے۔ صرف ایک آس تھی ایک امید تھی جو جینے کے لیے کافی تھی۔ مگر اب اس مقام پر آ کر لگنے لگا ہے کہ جیسے میں نے کبھی کچھ پایا ہی نہیں جو پایا ہے وہ بھی ایک دن کھو دوں گا۔ روشانے کو تو یادوں کا مگر تمہارے چھن جانے کا خطرہ رہے گا۔ اپنے باپ کی اتنی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے کیا؟“ روشانے اور ولید ان کی خواہش کے پس منظر سے بخوبی آگاہ تھے سو مجبور سے تھے جبکہ انا سرے سے بے خبر تھی وہ بس نا سمجھی سے سب سن رہی تھی۔

”آپ ایسی باتیں مت کیا کریں انشاءاللہ کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کو ہزاروں سال جینا ہے ہمارے لیے۔ روشی کے لیے ہم سب کے لیے۔ آپ ایسی باتیں مت سوچا کریں۔ یہ بالکل سارا دن گھر بیٹھنے کا نتیجہ ہے آپ کل سے میرے ساتھ آفس چلیں۔ وہاں جا کر بھلے کچھ نہ کریں مگر دھیان تو آپ کا بٹ جائے گا نا وہم کا کوئی علاج نہیں ہوتا اور آپ کا پرابلم یہ ہے کہ آپ لاتعداد بے معنی اوہام کا شکار ہیں۔“ ولید نے سرے سے ہی ان کی خواہش کو ایک طرف کرتے بہت محبت سے کہا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

کاش وہ اپنے دل میں پلتے خوف کو اس سے بیان کر سکتے۔ وہ بتا سکتے کہ وہ کس طرح ایک مسلسل کرب اور اذیت سے دوچار ہیں۔ بس اب تو ان کی یہی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح روشانے اور احسن کے بعد ولید اور انا کی بھی شادی کر دیں۔ اسی بہانے ولید ان سے دور نہیں جا سکے گا اور اگر کبھی دور ہوا تو انا کے بہانے ان سے ملنے کا سبب تو بنا رہے گا مگر وہ اس کو مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ محض خوف میں لپٹی اپنی خواہش بار بار بیان کر سکتے تھے سو اب بھی کر دی تھی مگر ہمیشہ کی طرح وہ ایک بار پھر ٹال گیا تھا۔

”مصطفیٰ کیسا ہے؟ دلہا بن کر تو بہت اچھا لگ رہا ہوگا؟“ انہوں نے خود ہی موضوع بدل دیا تھا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا ورنہ انا کے سامنے اسے بات سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

”مصطفیٰ کی تو کیا بات ہے؟ دلہا بن کر تو کیا شان تھی اس کی بالکل پرنس چارمنگ لگ رہا تھا۔ بہت ڈیسنٹ اور بہت خوب صورت۔“ ولید نے مسکرا کر بتایا۔

”میں نے تصاویر بنائی ہیں ٹھہریں میں آپ کو دکھاتا ہوں۔“ ولید نے ہاتھ مار کر اپنی جیبیں ٹٹولی تھیں اور پھر سامنے والی جیب سے اپنا موبائل نکال لیا تھا۔ ٹچ سسٹم والا یہ موبائل جدید ٹیکنالوجی پر مشتمل تھا تقریباً پورا البم ویڈیو فیڈ تھا اس میں۔

”یہ دیکھیں مصطفیٰ ہے۔“ اس نے ایک تصویر نکال کر باپ کے سامنے کی تھی۔

”یہ اس کے والد ہیں۔ یہ دونوں اس کے بھائی عباس اور سجاد ہیں۔ یہ بہنوئی ہیں آفاق اور عدیل یہ کزنز ہیں۔“ وہ ایک ایک کر کے انہیں ساری تصاویر دکھا رہا تھا ایک تصویر پر آ کر وہ رکے تھے۔

”یہ ..... یہ کون ہیں؟“ ولید تصویر کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

”یہ مصطفیٰ کے بابا صاحب ہیں یعنی دادا جان۔“

”دادا جان؟ مصطفیٰ کے دادا ابھی حیات ہیں کیا؟“ تصویر کو بغور دیکھتے انہوں نے پوچھا۔

”مجھے ان سے مل کر بڑا اچھا لگا تھا۔ خاصے زبردست انسان ہیں اس عمر میں بھی بڑے ذمہ دار ہیں۔ سب فیصلے خود ہی کرتے ہیں۔ مصطفیٰ کا نکاح بھی انہی کے فیصلے کے تحت ہوا ہے ویسے مجھے دیکھ کر ایسے لگا کہ وہ کچھ چونک گئے تھے ان کا ساکت ہو کر کچھ دیر بغور دیکھتے رہنا میں نے واضح محسوس کیا تھا۔“ ضیاء صاحب کے ہاتھ میں موبائل لرز گیا تھا جو ولید نے فوراً تھام لیا۔

”کیا .....؟“ ان کا رنگ ایک دم سفید ہوا تھا۔

”جی ..... بالکل۔“

”کیا نام ہے ان کا؟“ وہ پوچھ رہے تھے۔

”آئی تھنک چوہدری حیات علی نام ہے۔“ ولید نے بتایا تو ان کا سانس بحال ہوا وہ قدرے پرسکون ہوئے۔ انہوں نے اپنے ذہن کو دوڑایا اور دور تک انہیں اس نام کا کوئی شخص

یاد نہ آیا۔

''مصطفیٰ نے ہمارا تعارف کروایا تو انہوں نے مجھ سے میرے والد کا نام پوچھا تھا۔''

''پھر۔۔۔ تم نے کیا بتایا؟'' وہ ایک دم پھر گم صم ہوئے تھے۔

''جیسی جو آپ کا نام تھا وہی بتایا تھا مگر وہ پھر بھی مجھے دیکھتے رہے تھے اور جب تک میں وہاں رہا تھا محسوس کرتا رہا کہ ان کی نگاہیں مجھ پر ہی تھیں۔'' ولید نے ہنس کر کہا تو روشانے بھی ہنسی۔

''ہاں جی شہزادہ عالم جیسی پرسنالٹی رکھتے ہیں نا جو بھی دیکھتا ہے دل تھام کر رہ جاتا ہے۔'' بابا بھی ہنس دیے۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں میرا ولید تو لاکھوں میں ایک ہے۔'' ولید بابا کے اس انداز پر ایک دم جھینپا تھا۔ روشانے نے شرارت سے گلا کھنکارا جبکہ اما اسی طرح سنجیدہ تاثرات لیے بیٹھی ہوئی تھی۔

''بابا ایک بات پوچھوں؟'' کچھ سوچتے ولید نے کہا۔

''ہاں پوچھو؟'' وہ اب موبائل میں مزید تصویریں دیکھ رہے تھے نکاح کے وقت کی کئی تصویریں تھیں۔ مصطفیٰ کے نکاح پر دستخط کرتے وقت کی مختلف لوگوں سے گلے ملتے وقت کی کھانا کھاتے وقت کی۔ وہ دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

''ہماری امی کا تعلق کس خاندان سے تھا؟'' ولید کا سوال اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ موبائل ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر جھولی میں جا گرا تھا۔

''تم نے یہ سوال کیوں پوچھا؟'' وہ حیرت زدہ تھے۔ ان کے اندر اذیت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر وہ ضبط کیے بیٹھے رہے اور پھر کچھ دیر بعد سنبھل کر پوچھا۔

''کل تک مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مگر کل وہاں جا کر اتنے لوگوں میں کچھ وقت گزار کر مجھے لگا کہ ہماری زندگی میں کوئی چیز گم ہے۔ ہمارے بھی اپنے رشتہ دار ہوں گے ایسے ہی پیارے اور خوب صورت رشتے دار۔ وہاں پل پل وقت گزارتے محسوس ہوا کہ ہم ایک عجیب سی زندگی گزار رہے تھے جس کا مدار آپ اور صرف پھپھو کی فیملی تک ہی ہے۔''

''ولید کیا میں نے کبھی کہیں کوئی کمی آنے دی ہے جو تم یہ سب پوچھ رہے ہو؟'' وہ ایک دم بہت ہی زیادہ نڈھال لگنے لگے تھے۔ روشانے نے ایک دم ولید کا ہاتھ تھام کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''دفع کریں بابا اس سارے سلسلے کو ہماری ماما کی ڈیتھ کے بعد انہوں نے ہی سارے رشتے ختم کیے تھے جب کسی کو ہماری پروا نہیں تو ہم کیوں کسی کے بارے میں جاننے کی جستجو کریں۔ ہمارے لیے بس آپ اور پھپھو کی فیملی ہی کافی ہے باقی کسی تعلق، کسی رشتے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔'' روشانے نے فوراً بہت محبت سے کہتے باپ کے کندھے سے لگ کر انہیں احساس دلایا تو ان کی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی۔

شاید یہی خوف تھا جو اب انہیں دن بہ دن نڈھال کرتا چلا جا رہا تھا اور ہر لحظہ ہر آن انہیں مختلف اوہام گھیرے رکھتے تھے۔ نجانے کیوں انہیں لگنے لگ گیا تھا کہ وہ جتنی بھی کوشش کر لیں اس نادیدہ طوفان کے آگے بند باندھنے کی مگر ایک نہ ایک دن طوفان آئے گا اور ان کا سب کچھ بہا لے جائے گا یوں کہ پھر زندہ رہنے کا کوئی بہانہ نہ رہے گا۔

''کہاں کھو گئی ہو اے زندگی دیکھو کہ ہم محبت نبھاتے نبھاتے کیسے نڈھال ہو گئے ہیں۔ زندہ رہنا چاہتے ہیں مگر ہاتھوں سے عمر بھر کی پونجی پھسلتی جا رہی ہے بالکل ریت کے ذروں کی طرح۔'' وہ بڑی دلگرفتگی سے ہنسے تھے۔ روشانے نے بڑے دکھ سے بھائی کو دیکھا اس کی نگاہ میں ناراضی تھی۔ ولید کے اندر بھی ایک احساس ندامت سا ابھرا۔ وہ فوراً سنبھلا۔

''آئی ایم سوری میں آپ کو قطعی ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا آپ ٹینشن نہ لیں میرا مقصد صرف صورتحال جاننا تھا کسی سے ملنا ملانا نہیں۔ اتنی خودداری تو ہم میں بھی ہے کہ برسوں جنہوں نے ہم سے پلٹ کر ہمارا حال نہیں پوچھا ہم خود ان سے کیوں ملیں؟ یہ محض ایک تجسس تھا یا ایک سوال اس سے زیادہ اس خواہش میں کوئی اور عمل کارفرما نہیں تھا۔ آپ بالکل ٹینشن نہ لیں۔'' اس نے فوراً بابا کے ہاتھ تھام کر از حد محبت سے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیے اور پھر ایک دم وہ سنجیدہ ہو گئے۔

"ولید میری خواہش ابھی بھی قائم ہے۔ بہت اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ ایک بات یاد رکھنا یہ زندگی کا چراغ نجانے کب گل ہو جائے مگر اس وقت سے پہلے مجھے انتظار کی اس کشمکش سے نکال لینا۔ اس لیے میں وطن نہیں لوٹتا تھا۔ یہاں بہت دکھ ہیں۔ بہت پچھتاوے ہیں اور تم دونوں میری عمر بھر کی جمع پونجی ہو اور یہ عمر رسیدہ شخص اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی ساری جمع پونجی لٹتے نہیں دیکھ سکتا۔" بابا کا لہجہ نم آلود تھا۔ ولید کے اندر احساس جرم سا کروٹیں لینے لگا کہ اس کے سوال نے باپ کو جذبات تکلیف اور اذیت سے دوچار کیا تھا۔

"تم دونوں بہن بھائی میرے جینے کا آسرا تھے۔ تم دونوں کو پا کر میں نے عمر بھر خود پر ہر خوشی ہر نعمت حرام کر لی۔ تنہائی کی چادر اوڑھ کر نہایت ایمانداری سے تم دونوں کو پالا پوسا پڑھایا لکھایا اس مقام تک لایا ہوں۔ تم دونوں کو دیکھتا تھا تو مجھے جینے کی خواہش ہوتی تھی۔ اب تم میں سے کسی کو بھی کھونے کا حوصلہ نہیں ہے۔"

"ایم سوری بابا۔" ولید ایک دم ان کے سامنے بچوں کی طرح جھکا تھا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کا چہرہ تھام کر پیشانی کو چوما تھا۔

"بعض رشتے خون کے نہیں ہوتے پر خونی رشتوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں بیٹا۔ محبت خلوص اور وفا کے رشتوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ مجھے فخر ہے کہ میری اولاد بہت فرمانبردار اور باتمیز ہے۔ بس ایک خواہش ہے...... اگر پوری کر دو تو دل میں کوئی حسرت نہیں رہے گی میں سکون سے مر سکوں گا۔"

"جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا مگر ابھی کچھ وقت دیں مجھے پلیز۔" وہ فوراً باپ کی حالت دیکھ کر پگھلا تھا ان کے چہرے پر ایک دم خوشی کی لہر ابھری تھی۔

"تم سچ کہہ رہے ہو نا۔" ولید نے سر ہلا دیا۔ انہوں نے دوسری طرف بیٹھی انا کو دیکھا تو ان کے چہرے پر کھلی مسکراہٹ ایک دم نمایاں ہوگئی۔

"اتنی دیر سے خاموش بیٹھی ہو کیا بات ہے بیٹا ادھر آؤ میرے پاس۔" انہوں نے کہا تو نا سرک کر ان کے پاس ہوگئی تھی۔ انہوں نے بہت شفقت سے اس کو بھی اپنے بازو میں سمیٹ لیا تھا۔ ولید نے دیکھا بابا انا کو اپنے حصار میں لے کر بہت خوش تھے جبکہ انا بہت سنجیدہ تھی۔ بالکل بے زار چہرہ لیے۔ ولید کے اندر ایک عجیب سا طوفان اٹھا۔ ولید فوراً اٹھا تو بابا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ آرام کریں میں آتا ہوں اور پلیز بالکل ریلیکس رہنا ہے کوئی ایسی ویسی ٹینشن والی بات نہیں کرنی او کے۔" وہ تاکید کر رہا تھا۔ بابا کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"جو حکم بیٹا جی۔ آپ ہماری ایک خواہش مان رہے ہیں تو اب ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم بھی آپ کی تمام باتوں کو مانیں۔" بابا کا انداز شرارتی تھی۔

"آپ کی خواہش ابھی صرف ہمارے درمیان ہی رہے گی او کے۔" انا کو مکمل طور پر نظر انداز کرتا وہ صرف بابا سے مخاطب تھا۔ انہوں نے سر ہلا دیا۔ وہ اس کا اشارہ سمجھ چکے تھے اور انہیں ماننے میں کوئی تامل نہ تھا۔

"بالکل...... مگر خیال رہے انتظار طویل نہ ہو جائے۔" انہوں نے سرزنش کی تو وہ سر ہلاتا باہر نکل گیا تھا۔

"یہ کوڈ ورڈز میں کیا بات ہو رہی تھی۔ کیسی خواہش کا ذکر ہو رہا تھا۔" اس نے ماموں سے پوچھا تو روشانے مسکرا دی۔ اس کا مسکرانا معنی خیز تھا۔ انا کو خاصا عجیب سا محسوس ہوا۔

"یہ ہماری یعنی ولید اور میری بڑی سیکرٹ قسم کی بات ہے تم سناؤ آج کالج میں وقت کیسا گزرا۔" نئے ماموں نے اسے ٹالا تو اس کے دل پر ایک عجیب سا بوجھ آ گرا۔ وہ چند پل تو کچھ نہ بول سکی تھی اور پھر آہستگی سے آج کی روٹین سنانے لگی۔



"تابندہ بی کی طبیعت خراب ہے۔ ان کو بخار تھا اور وہ بے ہوش ہوگئی ہیں۔" یہ وہ بات تھی جسے سن کر دل میں ماں سے لاکھ ناراضگی و بدگمانی سہی مگر وہ دل کو پتھر نہ بنا سکی۔ وہ فوراً ان کے کمرے میں پہنچی تھی۔ تبھی ان ہی کے پاس تھے وہ بستر پر دراز تھیں۔ اس وقت ہوش میں تھیں مگر نڈھال تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"کیا ہو اتھا آپ بے ہوش کیسے ہوگئیں؟" وہ ان کے پاس ہی ہاتھ تھام کر بیٹھ گئی تھی انہوں نے نم آلود آنکھوں سے اسے دیکھا کہہ نہ سکیں کہ تمہاری ناراضگی کے خوف نے مجھے نڈھال کر ڈالا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا بس یونہی چکر آ گیا تھا۔" انہوں نے کہا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھے گئی۔ اس وقت عصر کا وقت تھا زینب پھپھو اور زہرہ پھپھو دونوں کی فیملیاں صبح روانہ ہوگئی تھیں۔ ان کے ساتھ عائشہ اور صبا بھی جا چکی تھیں۔ حسن انکل بھی دوپہر کو نکل گئے تھے باقی کے مہمان رات اور صبح کو چلے گئے تھے اس وقت حویلی میں صرف شاہزیب صاحب کی

فیملی تھی۔

''پتا نہیں کیا ہوا تھا کمرے میں ہی تھی یہ کچھ دیر پہلے مجھے تابندہ سے کوئی بات کرنے کا خیال آیا تو ادھر آئی تھی دیکھا تو یہ زمین پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ وہ تو شکر ہے کہ میرے بلانے پر جلال نے پانی پلانے پر فوراً ہوش آ گیا۔ ماں جی اسے بتا رہی تھیں جبکہ ماسوائے شاہ زیب انکل اور بابا صاحب کے باقی سبھی اردگرد موجود تھے۔ سبھی متفکر تھے۔ اس نے ان کا ہاتھ تھام کر نبض چیک کی۔ بخار کی حالت میں نبض کی رفتار بڑھ گئی تھی۔

''کھانا کھایا آپ نے؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔

''کہاں سارا وقت یا تو کمرے میں بند رہی ہیں یا پھر کسی نہ کسی کام میں مصروف۔ صبح بھی بھوک نہیں کہہ کر انکار کر دیا دوپہر میں بھی منع کر دیا۔'' ماں جی نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ تو خود کمرے میں بند تھی اسے نہیں خبر تھی کہ باہر کیا ہو رہا ہے اور کیا نہیں۔

''میں کھانا لاتی ہوں پہلے وہ کھالیں پھر میڈیسن دیتی ہوں۔'' اس نے اٹھنا چاہا تو تابندہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تم بیٹھو میرے پاس ابھی بھوک نہیں۔'' انہوں نے منع کر دیا۔

''میں لے آتی ہوں کھانا تم بوا جی کو اچھی طرح ٹریٹ کرو۔'' لائبہ مسکرا کر کہتے باہر نکل گئی تھی۔

سجاد بھائی اور عباس ایک طرف کھڑے تھے جبکہ مصطفیٰ سنجیدگی سے دونوں کو دیکھتا پلٹا تھا۔ رات کے بعد دونوں کا یہ پہلا سامنا تھا مگر شہوار نے صاف نظر انداز کر دیا تھا۔ یوں جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ رات شہوار کے رویے کے بعد شجاع نے اس نے خود کو کس طرح کمپوز کیا مگر اب یہ حالت تھی کہ شہوار پر نگاہ پڑتے ہی اس کے اندر اپنے یوں اس قدر صاف اور واضح انداز میں رد کیے جانے پر ایک آگ بھڑک اٹھی تھی۔ وہ بہت تنفر سے اسے دیکھتا باہر نکل گیا تھا۔

لائبہ کھانا لائی تو اس نے زبردستی انہیں کھانا کھلا کر میڈیسن دی تھی اور پھر انہیں کچھ دیر سو جانے کا کہا۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ شہوار کو قریب پا کر ان کا اضطراب قدرے کم ہوا تھا۔ سو وہ کچھ دیر پرسکون ہوئی تھیں۔ سبھی ایک ایک کر کے وہاں سے چلے گئے تھے پھر تابندہ بی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ ان کی طرف کافی دیر تک وہ بڑی بے چینی سے دیکھتی رہی تھی۔

''امی کی یہ حالت کیا میری اس لاتعلقی کی وجہ سے ہوئی ہے؟'' اس نے خود سے پوچھا۔

''مگر میں کیا کروں میرے یہ رویے خود میرے بھی اپنے بس کی بات نہیں رہے اب۔'' وہ انہیں بغور دیکھتی اور الجھتی رہی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد تابندہ بی کے کمرے سے باہر آئی تو لاؤنج سے سبھی کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ سب کل صبح صبح روانگی کے پروگرام کو ڈسکس کر رہے تھے۔ وہ اندر جانے کے بجائے باہر برآمدے کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔ کوریڈور کے ستون سے سر ٹکا کر وہ تاحد نگاہ پھیلے نیلے آسمان کو دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہو چکا تھا وہ سب ایک فلم کی طرح ذہن کے پردہ پر چلنے لگا تو وہ نہایت اذیت سے آنکھیں میچ گئی۔ وہ نہایت سخت لب و لہجے میں رات مصطفیٰ کی ذات کو رد کر گئی تھی۔ وہ لمحے رہ رہ کر یاد آنے لگے تو اندر کی اذیت ایکدم شدت اختیار کر گئی۔ پتا نہیں اس نے اچھا کیا تھا یا برا مگر اس کے بعد تو وہ خود بھی پرسکون نہ تھی۔ ایک مسلسل عذاب سے دوچار تھی۔

''اس رشتے کا کیا انجام ہوگا؟'' وہ سوچ سوچ کر تھکنے لگی۔ اور پھر تھک کر الجھنے لگی مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

''کیا واقعی میں مینٹلی طور پر اس قدر ڈسٹرب ہو چکی ہوں کہ یہ ساری باتیں محض میرے کمپلیکسز ہیں اور کچھ نہیں۔'' اس نے اپنا محاسبہ کرنا چاہا مگر خیالات پر گرفت نہیں ہو پا رہی تھی۔

''کیا اب مجھے سمجھوتا کر لینا چاہیے جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا سب ایسے ہی قبول کر لوں مقدر کا لکھا سمجھ کر۔'' اس نے خود کو بہلانا چاہا مگر اندر درد کا یہ عالم تھا کہ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور اس نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

''اور اگر عادل بھائی جیسے لوگوں نے کسی مقام پر آ کر پھر سے مجھے آئینہ دکھاتے میرے اصل کی نشاندہی کر دی تو......؟'' یہ سوال ایسا جان لیوا تھا کہ وہ بس خالی خالی نظروں سے

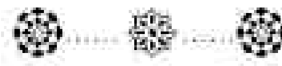
اپنی مہندی سے رچی ہتھیلیوں کو دیکھنے لگی جن پر بہت گہرا رنگ آیا تھا اور ابھی بھی یہ رنگ موجود تھا۔
''بہت مشکل ہے یہ سب ۔سہنا بہت مشکل ......'' اس نے نہایت کرب سے زمین پر ہاتھ مارا۔
''کیا میں نے واقعی مصطفیٰ کے ساتھ زیادتی کی ہے؟'' کچھ دیر قبل مصطفیٰ کو تابندہ کے روم میں دیکھ کر وہ انجان بن گئی تھی اس کے بعد مصطفیٰ وہاں سے چلا گیا تھا اور جب وہ کمرے سے نکل رہا تھا تو اس نے دیکھا تھا کہ وہ بہت غصے میں تھا اب رہ رہ کر اسے وہ لمحے یاد آنے لگے۔
''زیادتی تو میرے ساتھ بھی ہوئی ہے نہ میرے دل میں اس رشتے کے لیے کوئی جذبہ ہے اور نہ ہی کوئی احساس محض خالی خولی وجود کب تک دوسروں کو دھوکے میں رکھ سکتا ہے ۔آخر ایک نہ ایک دن سب کو پتا چل ہی جانا تھا کہ میں راضی نہیں ہوں۔ چلو میرے رویے سے یہ تو ہوا ہے کہ کسی کو اب میری ذات سے کوئی خوش فہمی نہیں رہے گی۔ یہ تعلق بنتا ہے یا بگڑتا ہے چلتا ہے یا ٹوٹتا ہے کم ازکم میں تو اپنے ضمیر کے آگے سرخرو ہوں گی کہ میں نے کسی کو کوئی آس نہیں دلائی تھی۔'' وہ اپنے خیالوں میں اس قدر غلطاں تھی کہ اس کے عقب میں مضبوط قدموں کی دھمک گونجی تو وہ چونک کر پلٹی۔ مصطفیٰ کندھے پر بیگ ڈالے ادھر ہی آ رہا تھا اس کے ساتھ عباس بھائی اور ماں جی بھی تھے۔
''ایک رات کا کیا ہوتا ہے بھلا رک جاتے کل ہم سب اکٹھے ہی نکلتے۔'' ماں جی کہہ رہی تھیں شہوار ان کو اسی طرف آتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے ماں جی کا ادب لحاظ ابھی بھی تھا۔
''نہیں ...... میرے آفس کے بہت سے کام رکے ہوئے ہیں پہلے ہی بہت سا وقت ضائع کر دیا ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز دو ٹوک تھا۔
''خالی گھر میں جا کر کیا کرو گے؟'' ماں جی نے پھر کہا۔
''خالی کیوں ملازم تو ہوں گے نا؟'' وہ شاید واپس شہر جا رہا تھا۔
''کچھ نہیں ہوتا جانے دیں واقعی اس کے آفس کے کام ہوں گے۔'' عباس بھائی نے اس کی طرفداری کی تھی وہ شہوار کے قریب آ گئے تھے۔ ماں جی شہوار کے قریب ہی رک گئی تھیں مجبوراً مصطفیٰ کو بھی قدم روکنے پڑے۔ تب تک اس نے شہوار پہ نگاہ نہیں ڈالی تھی۔
''چلو ٹھیک ہے اپنا خیال رکھنا۔ گھر پہنچتے ہی اطلاع کر دینا۔'' اس کا اٹل انداز دیکھ کر آخر کار ماں جی کو بھی ماننا پڑا تھا۔
''او کے پھر اللہ حافظ۔'' وہ خود سے تھوڑا سا ماں جی کے قریب ہوا تھا ایسا کرنے سے اس کی نگاہ ماں جی کے پاس کھڑی شہوار کی طرف اٹھی تھی۔ شہوار جو اسے ہی دیکھ رہی تھی اس نے فوراً نگاہ کا زاویہ بدل لیا' مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔
''اللہ حافظ۔'' ماں جی نے مصطفیٰ کا چہرہ تھام کر پیشانی چومتے اسے الوداع کہا تو وہ ہاتھ ہلاتا تیزی سے قدم اٹھاتا پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عباس بھائی باتھ روم جا چکے تھے۔ مصطفیٰ نے گاڑی نکال کر ان کے پاس لا کر روکی تھی دونوں میں کوئی بات چیت ہوئی تھی' مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ شہوار لاشعوری طور پر متوجہ ہوئی تھی' مصطفیٰ گاڑی وہاں سے نکال کر لے گیا تھا۔ شہوار چند ثانیے تک اس خالی گیٹ کو تکنے لگی۔
''چلو آؤ اندر چلتے ہیں۔'' ماں جی نے کہا تو وہ ان کے ساتھ ہولی۔
''کل صبح سویرے ہم واپس چلے جائیں گے تم بھی تیار رہنا۔'' ساتھ چلتے ماں جی نے کہا تو وہ ٹھٹکی۔ پھر اس نے سختی سے لب دبا لیے۔
''پیکنگ کر لینا۔'' انہوں نے مزید کہا۔
''میں ابھی رکنا چاہتی ہوں امی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' غصہ دبا کر اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''تابندہ کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں بلکہ میں کہہ رہی تھی کہ چند دن بابا صاحب بھی ہمارے ساتھ چلیں ہوا بدلی ہو جائے گی۔'' انہوں نے اپنا پروگرام بتایا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''نہیں میں ابھی کچھ دن یہاں رکنا چاہتی ہوں چند دن امی کے پاس۔'' اب کے مہر النساء بیگم نے چونک کر شہوار کے جھکے سر کو دیکھا تو کیا وہ نکاح کی وجہ سے یہ کہہ رہی تھی۔ وہ

اس کے جذبات سے بے خبر تھیں مگر انکار سے تو نہیں۔

"ضرور کو مگر اس طرح تمہاری پڑھائی کا حرج ہوگا۔" انہوں نے نحیف لہجے میں کہا تو وہ چپ رہی اور پھر کچھ توقف کے بعد کہا۔

"چند دن رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔" اس کا انداز دو ٹوک تھا مہر النساء بیگم نے سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" انہوں نے کہا تو وہ بھی خاموش رہی۔ اندر ہی اندر وہ آئندہ دنوں کے متعلق حساب کتاب لگانے میں مگن ہوگئی تھی۔



"ہیلو..." ولید جو بابا کو لے کر اسپتال آیا تھا ڈاکٹر سے اپائنمنٹ تھی کچھ ٹیسٹ بھی کروانے تھے شام کے وقت وہ اور احسن ان کو لے کر ادھر آئے تھے احسن بابا کے ساتھ ویٹنگ روم میں تھا جبکہ ولید بابا کی رپورٹس لینے لیبارٹری روم میں آیا تھا جب آواز سن کر پلٹا۔ اس کے سامنے جو لڑکی کھڑی تھی اسے دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا تھا۔

"آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔" وہ پوچھ رہی تھی ولید نے ایک گہرا سانس لیا وہ اس لڑکی کو بہت اچھی طرح پہچان گیا تھا۔

"جی نہیں میں نے پہچان لیا ہے آپ کو کیسی ہیں آپ؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں آپ سنائیں یہاں کیسے؟" اس لڑکی کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اسے ولید کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے اور بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے۔

"آئی ایم فائن میرے بابا کی طبیعت خراب تھی انہی کے ساتھ آیا تھا اور آپ؟ میرا خیال تھا کہ آپ تو ڈسچارج ہو چکی تھیں۔" اس نے اخلاقاً پوچھا وہ مسکرائی۔

"ادھر سے رپورٹس لینی تھیں تو میری میڈ اندر گئی ہوئی ہے۔" اس کی اس لڑکی سے کیا اس کی فیملی کے کسی ممبر سے بھی برائے نام ذرا بھی بے تکلفی تک نہ ہوئی تھی بڑا الیا دیا انداز رکھتا تھا وہ۔

"میں نے آپ کو بہت مس کیا ہے۔ میں نے کافی انتظار کیا آپ اس کے بعد آئے ہی نہیں پھر میں گھر شفٹ ہوگئی۔ ڈیڈ سے ابھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں ورنہ میں آپ سے ملنے ضرور آتی۔" وہ لڑکی مزید بے تکلفی سے بولی تھی ولید چونک گیا۔

"مجھ سے ملنے وہ کیوں بھلا؟"

"آپ میرے محسن ہیں مجھے ہسپتال لے کر آئے اب مجھ پر فرض تھا کہ آپ کے پاس آکر آپ کا شکریہ ادا کرتی۔" وہ لڑکی مسکرائی تھی وہ دیوار کے سہارے کھڑی تھی شاید اسے کھڑے ہونے میں تکلیف تھی۔

"جی ایسی کوئی بات نہیں آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا میں اس کی مدد کرتا۔" ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہی بات تو مجھے اٹریکٹ کی ہے ورنہ آج کے دور میں کون ایسے اخلاق نبھاتا ہے۔"

"جی اپنی اپنی سوچ ہے میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔" ولید نے کندھے اچکائے۔ تبھی اس کی میڈ رپورٹس لیے اس کے پاس آگئی تھی اور اس کا بازو تھام کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"آپ کو شاید چلنے میں دشواری ہے؟" ولید نے یونہی پوچھ لیا۔

"جی بس ٹانگ کی چوٹ پرابلم کر رہی تھی اسی لیے تو آج ٹیسٹ کروائے ہیں۔" اپنی میڈ کے سہارے کھڑی وہ بتا رہی تھی۔

"ولید صاحب آپ کا کوئی وزیٹنگ کارڈ ہے تو پلیز مجھے دے دیں میں جب بھی ٹھیک ہوئی آپ سے ملنے آؤں گی۔ آپ کا ایک وزیٹنگ کارڈ ڈیڈ کے پاس ہے تو سہی مگر آپ مجھے دے دیں تو مہربانی ہوگی۔" ولید بھلا کیا کہہ سکتا تھا بس مسکرا دیا۔

"وائے ناٹ۔" ولید نے اپنی پاکٹ میں سے اپنا والٹ نکال کر اپنا اور احسن کا مشترکہ وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس لڑکی کو تھما دیا۔

"شکریہ۔"

"اس میں آپ کا سیل نمبر کون سا ہے؟" کارڈ کو غور سے دیکھتے اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے۔" شہوار کا اٹل انداز تھا۔
"شہوار میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں میرے لیے اور پریشانیاں مت بڑھاؤ۔" انہوں نے بہت دکھ سے اسے دیکھا۔
"میں آپ کی پریشانی کی وجہ نہیں پوچھوں گی کیونکہ اول روز سے آپ نے نہ مجھے اپنی پریشانیوں میں شامل کیا اور نہ ہی اپنے رازوں میں اس لیے میں اب آپ سے کیا کسی سے بھی اب کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی ہوں۔"
"شہوار..... تمہارے اس طرح کے رویے سے تمہیں خود کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے جانتی ہو۔ خاص طور پر تمہاری تعلیم تمہارا اتنا قیمتی سال ہے نکاح سے پہلے یہاں آ کر رکنا چلو ٹھیک تھا مگر اب رکنے کا کوئی جواز نہیں۔ تمہاری تعلیم کا حرج ہو رہا ہے۔" انہوں نے سمجھانا چاہا۔
"اول تو یہ کہ میں آپ پر واضح کر دوں کہ میں اگر یہاں آئی تھی تو یہ سوچ کر نہیں آئی تھی کہ یہاں آ کر مجھے نکاح کروانا ہے بلکہ جب نکاح کا فیصلہ مجھے سنا دیا گیا تو میں یہ طے کر کے آئی تھی کہ مجھے اب واپس نہیں جانا جب رشتے ناطوں میں بھروسہ اعتماد اعتبار ہی نہ ہو تو وہاں تعلیم کچھ کام نہیں آتی۔ میرا اعتماد میرا بھروسہ اور اعتبار ہر جذبہ صرف آپ کی ذات سے تھا جب آپ نے اس رات میری کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی تو میں وہاں کیوں رکتی اور کس لیے؟ وہ میرے خون کے رشتے نہ تھے میرا خون کا صرف ایک رشتہ تھا اور وہ آپ تھیں جب آپ نے مجھے غیروں کی طرح ٹریٹ کیا تو وہاں رک کر میں کیا کرتی؟ ان لوگوں کے مجھ پر اس قدر احسانات ہیں کہ میں مر کر بھی اس کا بدلہ نہیں چکا سکتی ہاں بس احسان شناسی کی یہ حد نبھائی کہ اس نکاح کے لیے گردن جھکا دی۔ اس سے زیادہ نہ میرے بس کی بات تھی اور نہ کر سکتی ہوں۔" شہوار کے لب و لہجے میں اس قدر تلخی تھی کہ تابندہ بی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"تم...... واپس نہیں جاؤ گی۔ تمہاری تعلیم تمہارا کالج......؟" وہ ایک دم خوف زدہ ہوئی۔
"میں آپ کو اس رات جب بابا صاحب کی وجہ سے اندر آئی تھی اور اگلی صبح ماں جی وغیرہ کے ساتھ واپس جا رہی تھی تب بہت تفصیل سے کہہ چکی تھی کہ اگر آپ لوگوں نے یہ فیصلہ کرنا ہے تو پھر میں اپنی تعلیم چھوڑ کر چلی آ جاؤں گی۔ وہ سب میں نے محض کہا ہی نہیں تھا مجھے اب واپس نہیں جانا مزید نہیں پڑھنا۔ اس رات اگر آپ میری کال ریسیو کر لیتیں تو شاید میں یہاں نہ آتی مگر اب واپس جانا میرے لیے ممکن نہیں۔" اس کا انداز بہت حتمی تھا۔
"تم پڑھائی چھوڑ چکی ہو؟" وہ حیرت زدہ تھیں۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک ایسا انتہائی فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔
"یہی سمجھ لیں۔" شہوار کا لہجہ قطعی تھا۔ تابندہ بی کے اندر شدید اذیت نے سر ابھارا۔
"تم اپنا نقصان کر رہی ہو؟" ان کی آواز شدت کرب سے کپکپا اٹھی تھی۔
"جب عزت نفس جیسے نقصان گوارا کر لیے ہیں تو پھر یہ تو کوئی نقصان ہی نہیں۔ امی! مجھ جیسے لوگ جو دوسروں کے ٹکڑوں پر پلتے ہیں یا تو ان کے اندر انا خودداری اور عزت نفس جیسے جذبات سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے اگر کسی میں پیدا ہو جائیں تو انتہا کی حد تک زور آور ہوتے ہیں اور ان لوگوں کا احسان کیوں جتلاؤں ان لوگوں نے ہمیں اپنے احسانات کے نیچے اس قدر دبا لیا ہے کہ اب عزت نفس کا سودا بہت تکلیف دے رہا ہے۔ امی! میں نے آج تک ان لوگوں کو سر اٹھا کر بھی غور سے نہیں دیکھا اس لیے نہیں کہ میرے اندر احساس کمتری تھا صرف اس لیے کہ ان لوگوں کے احسانات نے مجھے کبھی گردن اٹھانے ہی نہیں دی انہوں نے پہلے دل خریدے تھے احسانات کی بدولت اور میں نے ان کو بہت اونچا مقام دیا تھا اب بھی مقام برقرار ہے مگر مجھے یا تو عزت نفس کا سودا گوارا نہیں اگر کر بھی لوں تو پھر یہ رشتہ گوارا نہیں۔" کتنی مشکل باتیں کر رہی تھی شہوار۔ تابندہ بی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ کیا یہ وہی شہوار تھی جو کبھی ان کے سامنے سر اٹھا کر کلام نہ کرتی اور آج ان کا دل دکھ سے بھر گیا۔ ان کا دل چاہا کہ اس کے سامنے ہر بات آشکار کر دیں مگر اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا یہ وہ جوا تھا کہ اسی کھیل میں انہوں نے اپنی جوانی، اپنے جذبات، اپنے احساسات ہر چیز داؤ پر لگا دی تھی اور آج حاصل حصول زیرو تھا۔ محض ایک محبت کے لیے انہوں نے ہر چیز قربان کر دی تھی مگر آج خالی ہاتھ تھیں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں انہیں لگ رہا تھا کہ ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے کئی چہرے آ رہے تھے بہت سے چہرے اور ایک چہرہ ان کی خالہ بی کا تھا۔

”یہ غلطی مت کرو واپس آ جاؤ کس کے لیے یہ سب کر رہی ہے جس کے لیے کر رہی ہے وہ تو رہا نہیں پھر کس نے تیرے احسانوں کو دیکھا ہے؟ ایک بہت لمبا اور طویل سفر ہے تھک جائے گی تو نجانے راہ میں کیا کیا دکھ سہنا پڑیں؟“ کوئی آواز اب بھی کہہ رہی تھی۔

”نہیں خالہ میں کراوں گی میں سب سہہ لوں گی محبت میں نفع نقصان نہیں دیکھا جاتا۔ محبت تو بس دینے کا نام ہے وہ نہیں رہا مگر اس کی اولاد ہے اور اس جو کو میں دشمنوں میں چھوڑ نہیں سکتی مجھے اب اس کا سہارا اچھا ہے اور یہ حویلی ہی مجھے پناہ دے گی باہر کی دنیا میں اب میرے لیے کچھ نہیں رہا۔ مجھے بار بار مت اکسائیں میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور فیصلے بدلا نہیں کرتے۔“ برسوں پہلے کی کہی ان کی اپنی آواز کی بازگشت ان کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ آج ان کو بیتا وقت یاد آ رہا تھا۔ انہوں نے ایک مرد سے محبت نبھائی تھی مگر زندہ وجود ان کی قربانیوں سے بے خبر تھا۔ انہوں نے بہت دکھ سے شہوار کو دیکھا وہ نظریں جھکا گئی۔ کہنے کو ان کے پاس بہت سی باتیں تھیں بہت سی دلیلیں مگر انہوں نے لب سی لیے۔ شہوار نے انہیں یوں لرزتے قدموں سے چلتے دیکھا تو اس کا دل کانپا اسے احساس ہوا کہ وہ بہت سخت الفاظ استعمال کر چکی ہے۔

”امی......!“ وہ فوراً آگے بڑھی تھی ماں کا بازو تھاما تھا۔

”تمہارے باپ کے لیے میں نے ایک زندگی وار دی میں نے وعدہ وفا کیا میرا مقصد پورا ہوا خوش رہو آباد رہو۔“ انہوں نے اس کا بازو ہٹاتے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔

”امی! آپ میرے لیے سب کچھ ہیں آپ اگر مجھے نہیں سمجھیں گی تو پھر میں کس سے جا کر کہوں؟ یہ سودے انسان تب قبول کرتا ہے جب کہیں دل میں گنجائش نکلتی ہو۔ اس گھر میں رہتے ہوئے ہر آن ہر لمحہ میرے ذہن نے مجھے صرف یہی باور کروایا کہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں بہت اونچے مرتبے والے اور عزت دار لوگ ہیں ہم جوان کے ملازمین میں بھی شمار نہیں ہوتیں ہم پر اگر احسان کیا جا رہا ہے تو اس کے عوض آپ نے ہر آن ہر لمحہ اس حویلی کا خیال بھی تو رکھا ہے بابا صاحب کا دھیان رکھا مگر ذہن میں کبھی وہم و گمان نہ کیا ان سے کوئی نیا رشتہ بنانا پڑے گا کیونکہ اندر دل میں گنجائش نہیں تھی میں ان لوگوں کو آقا کے طور پر قبول کر کے ساری عمر غلامی قبول کرنے کو تیار تھی مگر یہ رشتہ داری طلب نہ کی؟“ ماں کے سامنے دوبارہ کھڑے ہو کر ان کے دونوں ہاتھ تھام کر کہا تو آنسو بے اختیار بہہ نکلے تھے۔

”شہوار میں نے کبھی نہیں سوچا کہ زندگی میں ایک ایسا موڑ بھی آئے گا آج مجھے لگ رہا ہے کہ اس حویلی میں آنے کا برسوں پہلے جو فیصلہ میں نے کیا وہ غلط تھا۔ آج مجھے شدت سے اپنے فیصلے کے غلط ہونے کا احساس ہو رہا ہے۔“ تابندہ بی ایک دم رو دیں تو شہوار کو لگا کہ اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا ہے۔

”امی واپس چلیں وہیں جہاں سے ہم آئی تھیں۔“ ماں کو روتے دیکھ کر وہ خود بھی ضبط کھو بیٹھی تھی ایک دم ان کو بازوؤں کے حصار میں لے کر کہا۔

”نہیں ......بہت مشکل ہے اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا۔ اب کچھ نہیں رہا......اب ناممکن ہے وہاں صرف راکھ باقی ہے کوئی نشان باقی نہیں کن رستوں پر چلوں مجھے تو خود علم نہیں؟“ وہ سسک اٹھی تھیں۔

”میرے باپ کا خاندان......؟“ شہوار نے کہا تو تابندہ نے اسے دیکھا۔

”کیا ابھی ہر سوال کا جواب چاہیے تمہیں؟“ انہوں نے خود کو سنبھالا۔

”امی آپ میری ذہنی کنڈیشن کا اندازہ نہیں لگا سکتیں مجھے لگتا ہے کہ اگر مجھے میرے سوالوں کا جواب نہ ملے تو میرا دماغ پھٹ جائے گا۔“ وہ بڑی بے بس تھی اس معاملے میں۔ تابندہ نے اسے دیکھا تو اس پر ترس آیا۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیتے خود کو پرسکون کرنا چاہا۔

”تم واپس نہیں جا رہیں پھر؟“ انہوں نے پھر وہی بات کی تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔ تابندہ بی چند پل اسے دیکھتی رہیں اور پھر آہستگی سے اس کا بازو ہٹا کر حصار ختم کرتے وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

شہوار بس خاموشی سے انہیں باہر جاتا دیکھتی رہی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

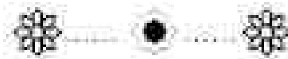
۞

ٹوٹا ہوا تارا..... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

آفس میں مصطفیٰ کے نمبر پر تابندہ بوا کا فون آتا ہے اور وہ نہایت رنجیدہ لہجے میں شہوار کی ناراضگی اور اس کے کالج چھوڑنے کے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے مدد کی درخواست کرتی ہیں۔ مصطفیٰ اس تمام صورت حال پر شہوار کے کالج کے چیئرمین سے بات کرتا ہے۔ مصطفیٰ کے کہنے پر ہی وہ شاہ زیب صاحب کو شہوار کے ہر حال میں کالج آنے اور پڑھائی کے حرج ہونے کا ذکر کرتے ہیں اس معاملے کو لے کر شاہ زیب فوراً ہی مصطفیٰ کو بلوا کر اسے شہوار کو گاؤں سے لانے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ دوسری طرف وہ شہوار کو بھی کالج سے آئے ہوئے فون کا حوالہ دے کر اسے فوراً واپس آنے کا کہتے ہیں۔ مصطفیٰ وہاں پہنچتا ہے تو بابا صاحب اس سے ولید اور اس کے ماں باپ کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس پر مصطفیٰ حیرت کا شکار ہوتے انہیں ضیا احمد کا نام بتاتا ہے۔ شہوار شاہ زیب صاحب کی کال کے بعد خود کو انتہائی بے بس محسوس کرتی ہے اور نا چاہتے ہوئے بھی اسے خود کو واپسی کے لیے آمادہ کرنا پڑتا ہے لیکن گاڑی میں مصطفیٰ کو دیکھ کر اس کا ضبط جواب دے جاتا ہے اور وہ غصے میں اسے نہایت سخت الفاظ سے نوازتی ہے جس پر مصطفیٰ بھی تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے اسی سخت لہجے میں اسے اچھا خاصا خوف زدہ کر دیتا ہے جس پر شہوار عجیب خدشات دل میں لیے نہایت خوفزدہ انداز میں باقی کا راستہ طے کرتی ہے۔ گھر پہنچ کر وہ ماں جی کے گلے لگتے ہی رونا شروع کر دیتی ہے جس پر وہ ناسمجھی کے عالم میں مصطفیٰ کو دیکھتی ہیں لیکن وہ نہایت سرد تاثرات لیے اندر بڑھ جاتا ہے۔ دوسری طرف انا شہوار کے کالج نہ آنے پر متفکر ہوتی ہے وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس کا نمبر بند ملتا ہے آخر کار ولید سے مصطفیٰ کا نمبر لے کر وہ اس کے بارے میں دریافت کرنا چاہتی ہے لیکن ولید کے نمبر پر تب ہی کاشفہ کی کال آ جاتی ہے اس کے فون سے آتی نسوانی آواز سنتے ہوئے انا بوجھل دل لیے خاموشی سے واپس آ جاتی ہے۔ وہ کیتھی کے بارے میں روشی سے دریافت کرتی ہے اور کیتھی کی ولید سے محبت اور خودکشی کے بارے میں جان کر اندر تک ٹوٹ جاتی ہے گھر میں شادی کے ہنگاموں کو یکسر نظر انداز کر کے وہ اپنی دنیا کے برباد ہونے پر ماتم کناں رہتی ہے۔ اگلے دن وہ کالج آتی ہے تو شہوار سے ملاقات ہوتی ہے شہوار انا کو دیکھ کر تمام صورت حال سے اسے آگاہ کرتی ہے جس پر انا اسے سمجھاتی ہے کہ وہ ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر اپنی نئی زندگی میں قدم رکھے لیکن شہوار کے لیے یہ سب آسان نہیں تھا۔

اب آگے پڑھیے



''مس رابعہ آپ کو عباس صاحب نے کل ایک فائل دی تھی زبیر انڈسٹری کے ساتھ اگیری منٹ کی؟'' وہ اپنے کمپیوٹر پر کام کرنے میں مصروف تھی جب فاروقی صاحب آئے۔ وہ جو صبح سے خاصی الجھی ہوئی تھی فائل کا سن کر ایک دم چونکی۔

''جی سر...... دی تو تھی انہوں نے اس کی چند کاپیز نکالنے کو کہا تھا۔'' اس نے فوراً کھڑے ہو کر بتایا۔

''او کے...... وہ فوراً مجھے دیں۔'' انہوں نے کہا تو اس کی الجھن ایک دم تشویش میں بدلی۔

''ابھی؟'' اس نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

''جی فوراً دراصل زبیر انڈسٹری کے ساتھ گارمنٹس کے کچھ معاہدے چل رہے ہیں ہماری ایک دو دن بعد میٹنگ طے تھی مگر وہ لوگ ابھی میٹنگ چاہ رہے ہیں جبکہ عباس صاحب آل ریڈی کسی سے ملنے گئے ہیں انہوں نے ہی کال کر کے کہا ہے کہ میں زبیر انڈسٹری سے معاہدے کے تمام پیپرز اور اگیری منٹ کی فائل لے کر وہاں پہنچوں وہ

جبھی وہاں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔" انہوں نے تفصیلاً بتایا تو اس کا رنگ اڑا۔
وہ صبح سے اسی فائل کی وجہ سے تو الجھی ہوئی تھی کل واپسی پر وہ فائل گھر لے گئی تھی اسے کچھ ضروری دستاویز کمپیوٹر میں فیڈ کرنا تھی اور وہ صبح افراتفری میں گھر سے نکلتے وقت وہ فائل گھر پر ہی بھول آئی تھی۔ یہ بہت ضروری فائل تھی اگر اِدھر اُدھر ہو جاتی تو اس کی شامت آ جاتی تھی اور اپنی اسی غلطی کا ابھی تک اس نے کسی سے ذکر بھی نہیں کیا تھا آج عباس صاحب آفس نہیں آئے تھے تو اس نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا گھر فون کر کے اس نے کنفرم کیا کہ فائل گھر میں ہی ہے اب ایک الجھن تھی کہ کہیں اور کوئی نہ پوچھے اور اس کا ڈر اب سچ نکل آیا۔

"وہ ایکچوئیلی سر اس فائل کی کچھ کاپیز نکالنی تھیں آفس میں کام مکمل نہ ہوا تو میں فائل گھر لے گئی تھی اور صبح جلدی میں گھر بھول آئی ہوں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا تو فاروقی صاحب ایک دم حیران ہوئے۔

"کیا..... آپ فائل گھر لے گئی تھیں۔" اس نے فوراً سر ہلایا۔

"آپ کو پتا ہے یہ کس قدر ضروری فائل تھی اور یہاں کا رول ہے کہ کوئی بھی ورکر آفس ورک سے متعلق ایک کاغذ بھی گھر لے کر نہیں جائے گا۔ آپ کو ٹریننگ کے پہلے دن ہی یہ بات باور کروائی تھی ہم نے اور پھر بھی آپ نے ایسی سنگین غلطی کی۔ آپ نے عباس صاحب سے پوچھا تھا اس بارے میں؟" فاروقی صاحب ایک دم غصے ہوئے تو اس نے لب دانتوں تلے دبا لیا۔

"وہاں جو زیپر انڈسٹری والوں نے کال کی ہے ارجنٹ میٹنگ کی عباس صاحب وہاں پہنچ چکے ہوں گے اور ویٹ کر رہے ہوں گے اور ایک آپ ہیں کہ فائل گھر چھوڑ آئی ہیں۔ جانتی ہیں آپ کی اس حرکت کا علم شاہ زیب صاحب یا عباس صاحب کو ہو گیا تو وہ آپ کے ساتھ کیسا ایشو کریں گے؟" فاروقی صاحب اس کی سنگین غلطی پر سخت سست سنا رہے تھے۔

"سر میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا عباس صاحب کو آج ہر حال میں اس فائل کی پانچ کاپیز درکار تھیں اور اس فائل سے متعلقہ کوئی بھی مواد کمپیوٹر میں پہلے سے فیڈ نہیں تھا سو پہلے مجھے تمام مواد کمپیوٹر میں فیڈ کرنا تھا یہ فائل مجھے آفس آف ہونے سے صرف آدھا گھنٹہ پہلے ملی تھی۔ سو مجبوراً مجھے فائل گھر لے جانا پڑی تھی۔" اس نے وضاحت دی تو فاروقی صاحب نے سر جھٹکا۔

"آپ نے پرمیشن لی تھی فائل لے جانے کی؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اندازہ ہے آپ کو اگر عباس صاحب کو اس حرکت کا علم ہو گیا تو ان کا کیا ری ایکشن ہو گا؟" انہوں نے کافی سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی سر۔" چونکہ وہ غلطی کر چکی تھی سو اب یہ سب برداشت کرنا پڑ رہا تھا اس نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا۔

"اور جو کاپیز نکالنے کو کہا تھا وہ نکال لیں کیا؟" اس کے سر جھکانے پر فاروقی صاحب نے کچھ دھیمے ہو کر پوچھا۔

"جی سر۔"

"او کے دیکھیں مجھے آپ پر ترس آ رہا ہے یہ آپ کی پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر میں چپ رہوں گا۔ کسی سے ذکر نہیں کروں گا امید کرتا ہوں کہ آئندہ آپ ایسی کوئی سنگین غلطی نہیں کریں گی اگر کوئی فائل گھر لے جانے کی ضرورت پڑی بھی تو مالکان کے علم میں لا کر ہی کوئی قدم اٹھائیں گی۔"

''جی سر۔'' اس نے فاروقی صاحب کی اس فیور پر فوراً سر ہلایا۔

''اب آپ نے جو کاپیز نکالی تھیں ان میں سے ایک کاپی مجھے دیں اس وقت میٹنگ پلیس پر میرا پہنچنا بہت ضروری ہے۔ عباس صاحب کو میں کسی نہ کسی طرح ہینڈل کرلوں گا۔'' انہوں نے مزید کہا تو رابعہ کو لگا کہ اب اس کا بچ نکلنا محال ہے۔

''سر وہ کاپیز بھی فائل کے ساتھ ہی تھیں۔''

''مائی گاڈ۔'' فاروقی صاحب نے ایک دم اپنا سر تھاما۔

جبکہ وہ سر جھکائے کھڑی تھی فاروقی صاحب چند پل اس کو سر جھکائے کھڑے دیکھتے رہے۔

''آپ کا گھر کدھر ہے؟'' انہوں نے مزید سخت سست کہنے کے بجائے کچھ توقف سے پوچھا۔

''سر شہر کے مغربی طرف نئی کالونی میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا فاصلہ ہوگا۔''

''اوہ......'' انہوں نے اپنی گھڑی دیکھی۔

''عباس صاحب تو اتنی دیر ویٹ نہیں کریں گے؟ انہوں نے ایک گھنٹے کے اندر اندر فائل لے کر پہنچنے کو کہا تھا۔'' وہ خاصے فکر مند ہو گئے تھے۔ وہ خاموشی سے فاروقی صاحب کو دیکھے گئی۔

''آپ میرے ساتھ چلیں اب جو بھی ہو چکا ہے ہینڈل تو کرنا ہی ہے ناں یہ میٹنگ بہت ارجنٹ ہے میں عباس صاحب کو کسی نہ کسی طرح سنبھال لوں گا۔ آپ فائل مجھے لا کر دیں۔'' اس نے فوراً سر ہلایا۔ مگر پھر کچھ یاد آنے پر ایک دم رک گئی۔

''سر میں مس ہادیہ کو ساتھ لے لوں دراصل جس ایریا میں ہم رہتے ہیں وہاں کا ماحول بہت مختلف ہے تو......!'' باقی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے فاروقی صاحب کو دیکھا۔ وہ فوراً اس کی بات کا پس منظر سمجھ گئے تھے۔

''اوکے آپ مس ہادیہ کو ساتھ لے لیں جلدی کریں میں گاڑی نکالتا ہوں۔'' وہ کہہ کر نکل گئے تھے اس نے جلدی سے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا اپنا بیگ اور چادر سنبھال کر ہادیہ کے کیبن کی طرف بھاگی تھی وہ کام میں بزی تھی اس کے ساتھ شاہ زیب صاحب کے آفس کے ہمایوں صاحب تھے وہ دونوں کوئی اہم مسئلہ ڈسکس کر رہے تھے۔

''ہادیہ فوراً ابھی میرے ساتھ چلو بہت ارجنٹ کام ہے فاروقی صاحب کے ساتھ جانا ہے یہاں کا کام ہمایوں صاحب دیکھ لیں گے تم جلدی کرو۔'' اس نے بغیر وجہ بتائے فوراً افراتفری مچائی تو ہادیہ پریشان ہوگئی۔

''مگر کدھر......؟''

''پلیز جلدی کرو جو بھی پوچھنا ہو رستے میں پوچھ لینا۔'' اس نے فوراً اس کا بیگ تھاما اس کا موبائل اس کے ہاتھ میں تھمایا اور ہاتھ کھینچتے ہوئے اسے باہر لے آئی تھی۔ فاروقی صاحب گاڑی نکال کر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ بھی پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھی تو ساتھ میں ہادیہ کو بھی گھسیٹ لیا۔

''کیا پرابلم ہے کہاں لے جا رہی ہو مجھے اور اتنی حواس باختہ کیوں ہو؟'' ہادیہ نے آہستگی سے پوچھا تو اس نے گہرا سانس لیتے اسے ساری بات بتا دی۔

''مائی گاڈ...... تمہیں اندازہ ہے کہ تم آفس کی فائل گھر لے جا کر کتنی بڑی غلطی کر چکی ہو۔'' ہادیہ نے کہا تو اس نے محض سر ہلا دیا جبکہ ٹینشن سے برا حال ہو رہا تھا۔

''اب ایسا بھی کوئی بڑا جرم سرزد نہیں ہو گیا مجھ سے ایک ذرا سی فائل ہی تو ہے۔'' اس نے کافی غصے سے کہا۔

''یہ ذرا سی فائل کتنی اہم ہے تمہیں اندازہ نہیں۔ تمہیں بتادوں کہ یہاں جس سیٹ پر اس وقت تم ہو وہاں پہلے ایک شخص کافی سالوں سے کام کررہا تھا ملکان کا قابلِ اعتماد شخص تھا مگر نجانے کیسے اس نے چند کاغذات ادھر سے اُدھر کردیے اور چند ماہ قبل شاہ زیب صاحب کو اس کی اصلیت کا علم ہوا تو اس پر مقدمہ کردیا۔ اس شخص نے شاہ زیب صاحب کے مخالفین کے ساتھ مل کر شاہ زیب صاحب کو کافی لمبا ہاتھ مارنے کی کوشش کی تھی مگر قسمت اچھی تھی کہ شاہزیب صاحب کو وقت پر اصل حقیقت کا علم ہوگیا اور انہوں نے فوری کارروائی کرتے ہوئے اس شخص کو پولیس کی تحویل میں دے دیا تب سے اس فرم کے اندر یہ قانون ہے کہ کوئی ورکر کچھ بھی گھر لے کر نہیں جا سکتا۔ سب جگہ کیمرے یونہی فٹ نہیں کروائے گئے ہماری ایک ایک حرکت پر انتظامیہ کی نگاہ ہوتی ہے اور اس قانون پر سختی سے عمل درآمد کروایا جاتا ہے اس شخص کے بعد ایک دو دفعہ پھر اس سیٹ پر چند اور چہرے بھی آئے تھے مگر انتظامیہ کی نگاہ سے ان کی چھوٹی موٹی کوتاہیاں چھپ نہیں سکیں سو نتیجتاً تم اب ادھر ہو اور تمہاری اس غلطی کے بعد مجھے نہیں یقین کہ اب تم ادھر تک سکو گی یا نہیں۔'' بادیہ نے آہستگی اور دکھ سے کہا تو رابعہ بھی چند پل کے لیے بالکل گم صم ہوگئی تھی۔

''اللہ...... اتنے سخت ہیں یہ لوگ؟'' وہ سخت ہراساں ہوگئی تھی۔

باقی کا سفر بہت خاموشی سے گزرا۔ فاروقی صاحب نے بہت رش ڈرائیونگ کی تھی سو آدھے گھنٹے میں وہ اس کے گھر کی گلی میں پہنچ گئے تھے گاڑی گلی میں نہیں جا سکتی تھی سو رابعہ فوراً باہر نکل کر بھاگی اور بہت تیزی سے وہ گھر میں داخل ہوئی تھی۔ بھابی گھر میں ہی تھیں۔

''تم اس وقت۔'' اسے یوں افراتفری میں آتے دیکھ کر چونکیں۔

''وہ فائل کدھر ہے؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''تم نے جب فون کیا تھا تو تب ہی میں نے کمپیوٹر ٹیبل سے اٹھا کر تمہاری الماری میں رکھ دی تھی۔'' بھابی کی بات پر وہ فوراً اندر بھاگی۔ فائل الماری میں ہی تھی۔ اس نے عجلت میں کھول کر تمام پیپرز اور کاغذات چیک کیے۔ ساتھ میں وہ ساری کاپیز تھیں جو اس نے رات ہی پرنٹ کرلیں تھیں۔ وہ جلدی سے فائل لے کر باہر نکلی تھی۔

''رکو تو سہی۔'' بھابی اسے یوں عجلت میں دیکھ کر سامنے آئیں۔

''رک نہیں سکتی ٹائم نہیں ہے امی کدھر ہیں؟''

''وہ سامنے والوں کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔'' انہوں نے بتایا۔

''ان کو مت بتائیے گا کہ میں آئی ہوں بس فائل لینے آئی تھی۔'' وہ جلدی سے گھر سے نکل آئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

''یہ لیں سر۔'' فاروقی صاحب کو فائل تھما کر وہ قدرے ریلیکس ہوئی تھی۔ انہوں نے فائل کھول کر اسے بغور دیکھا۔ چند صفحات پلٹے اور پھر مطمئن ہو کر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

''دیکھیں پہلے ہی میرا کافی ٹائم ویسٹ ہو چکا ہے عباس صاحب کی کال پر کال آرہی ہے اور میں مسلسل گاڑی کی خرابی کا بہانہ بنا رہا ہوں۔ یہاں وہاں آپ کو ڈراپ کرنے کا رسک نہیں لے سکتا کہ آپ کو یہاں سے کوئی ٹیکسی نہیں ملے گی سو آپ مجبوراً آپ کو میرے ساتھ میٹنگ پلیس تک جانا پڑے گا۔ آپ دونوں عباس صاحب کے سامنے مت آئیے گا۔'' انہوں نے ڈرائیو کرتے ہوئے کہا تو ان دونوں نے سر ہلا دیے۔ کچھ دیر بعد فاروقی صاحب نے گاڑی ایک ہوٹل کے سامنے روکی تو وہ دونوں بھی باہر نکل آئیں۔

''میں سیکنڈ فلور پر جا رہا ہوں وہیں میٹنگ ارینج کی گئی ہے آپ فرسٹ فلور پر چلی جائیں بے شک لنچ کرلیں پے منٹ میں کردوں گا اوکے.....؟'' انہوں نے چلتے چلتے

کہا۔

''بس او کے سر۔ ہمیں بھوک نہیں ہے اور ہم ادھر ہی ٹھیک ہیں۔''

''او کے ایز یو وِش۔'' رابعہ نے فوراً انکار کر دیا تو فاروقی صاحب نے کندھے اچکا دیے تھے۔

''میں میٹنگ کے بعد آپ دونوں کو پک کرلوں گا۔'' وہ چلے گئے تو دونوں ہوٹل کے صحن میں بنے چھوٹے سے لان میں چلی آئیں۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کہ فاروقی صاحب سر عباس یا کسی اور سے ذکر کریں گے؟'' رابعہ نے ایک بینچ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''جس طرح کا ان کا رویہ ہے مجھے تو نہیں لگتا ہاں بعد میں کیمرے تمہاری غلطی ظاہر کر دیں تو اور بات ہے۔'' ہادیہ بھی ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

''فرض کرو انتظامیہ کو پتا چل جاتا ہے تو پھر کیا کریں گے۔''

''اس کا فیصلہ تو انتظامیہ ہی کر سکتی ہے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ہادیہ بھی فکرمند تھی وہ گم صم سی ہو گئی۔

ان چند دنوں میں وہ اپنی اس جاب سے خاصی مطمئن ہو گئی تھی عباس صاحب سے پہلی ملاقات میں ہونے والی تلخ کلامی کے بعد دوبارہ کوئی ناخوشگوار واقعہ بھی رونما نہیں ہوا تھا کہ وہ بدظن ہوتی پھر یہاں کا ماحول بہت اچھا تھا اور وہ خود پوری ایمانداری اور دلجمعی سے یہاں کام کرنے کا قصد کیے ہوئے تھی کہ یہ سنگین غلطی ایک دم رونما ہو گئی تھی۔

''اچھا دفع کرو جو ہو گا دیکھیں گے۔ چلو چل کر لنچ کرتے ہیں اس ہوٹل کا کھانا تو لذیذ ہوتا ہے۔ یہاں آ کر لنچ نہ کرنا بڑی حماقت ہے۔ فاروقی صاحب نے ہامی بھری ہے تو وہ کچھ نہ کچھ کریں گے چلو اندر چلتے ہیں۔'' ہادیہ نے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

''صرف بریانی اور کوک منگوانا۔'' وہ اور ہادیہ ایک ٹیبل سیٹ کر کے بیٹھ گئی اور پھر جب ویٹر پاس آیا تو رابعہ نے دھیمے سے کہا۔

''یہاں کی مٹن کڑاہی بہت اچھی ہوتی ہے اور بیف کباب کی تو کیا بات ہے۔'' ہادیہ نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''موڈ نہیں ہو رہا بس ایک دو چیزیں منگوانا اور کچھ بھی نہیں۔''

ہادیہ نے کباب، سیلڈ، بریانی اور کوک کا آرڈر لکھوا دیا تھا۔

''ہیلو۔'' وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے لنچ کر رہی تھیں جب اس آواز پر سر اٹھا کر دیکھا۔

''آپ۔'' اپنے سامنے کھڑی عادلہ کو دیکھ کر دونوں ہی چونکی تھیں مگر بولی صرف ہادیہ تھی۔

''کیا میں آپ کے ساتھ بیٹھ سکتی ہوں۔'' اسٹائلش سے سوٹ میں بیگ کندھے سے لٹکائے وہ کافی پر اعتماد انداز میں کھڑی تھی۔ جبکہ رابعہ کی نگاہ اس کی حسین صورت پر جم سی گئی تھی۔

''واے ناٹ۔'' ہادیہ فوراً سنبھلی عادلہ سے اس کی سلام دعا تھی سو اسے اخلاق نبھانا پڑا۔

''ایکچوئیلی میں یہاں کچھ فرینڈز کے ساتھ آئی تھی۔ تم لوگوں پر نگاہ پڑی تو ادھر چلی آئی۔'' بیٹھتے ہوئے اس نے وضاحت کی تو ہادیہ کو مسکرا کر سر ہلانا پڑا۔

''تم عباس کے آفس میں کام کرتی ہو نا اس دن جب میں آفس گئی تو تم ادھر ہی تھیں؟'' عادلہ نے رابعہ سے کہا تو وہ چونکی عادلہ کی یادداشت کمال کی تھی۔

''جی۔'' وہ عادلہ کی یادداشت پر حیران ہوئی تھی۔

''ہم دونوں شاہ زیب صاحب کے آفس میں ہی کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتی ہیں میرا کام سجاد صاحب کے کمپیوٹر سیکشن میں ہوتا ہے جبکہ رابعہ کا عباس صاحب کے۔''

بادیہ نے سنجیدگی سے بتایا تو وہ مسکرائی۔
''اوہ پھر تو تم دونوں کافی اہم ورکرز ہو ان لوگوں کی فرم کی۔'' عادلہ نے فوراً متاثر ہونے کا تاثر دیا مگر انداز بڑا استہزائیہ تھا۔ رابعہ نے الجھ کر بادیہ کو دیکھا۔ نجانے کیوں اسے عادلہ کی آمد اچھی نہیں لگی تھی اور اوپر سے اس کی آنکھوں کا تاثر۔
''جی کیا کہہ سکتے ہیں ابھی تو ہم نیو ہیں ٹریننگ سیشن میں ہیں۔'' بادیہ نے سنجیدگی سے کہا تو رابعہ اس کی اس غلط بیانی پر الجھی۔
''عباس جیسے قدامت پرست شخص کے کمپیوٹر سیکشن کے لیے ایک فی میل ورکر کام کرے امیزنگ مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے۔'' عادلہ نے خاصے تمسخرانہ انداز میں کہا تو دونوں خاموش رہیں رابعہ کو برا لگا مگر مصیبت یہ تھی کہ سامنے بیٹھی خاتون مالکان میں سے تھیں اس کے ساتھ کیسے بی ہیو کرنا ہے اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔
''محترم عباس صاحب کو او پر سیکنڈ فلور پر دیکھ کر آ رہی ہوں یعنی محترم کسی کے ساتھ میٹنگ میں آئے ہوئے ہیں اپنے وفادار دم ہلاتے فاروقی صاحب کے ہمراہ۔ یہ لوگ اپنی سیکرٹری تا چپ کی چیزوں کو لے کر ایسی جگہوں پر آ گئیں؟ ان لوگوں کا وطیرہ تو نہیں مگر تم دونوں کو ادھر دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ کیا واقعی ان لوگوں کے بھی اصول بدل رہے ہیں جو ہمیشہ سے کنویں کے مینڈک تھے انہوں نے اپنے کنویں کے مدار سے باہر نکل کر جھانکنا شروع کر دیا ہے..... امیزنگ..... ویسے اس جیسی لڑکی ہو اور اسے اپنے ساتھ میٹنگ میں لانے اور اس کی ویلیو کیش کرانے کو کوئی کافر ہی ہوگا جو انکار کرے گا۔''
''شٹ اپ۔'' رابعہ کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ یہ عورت اپنے گفتار اور خیالات کے اظہار میں اس قدر گھٹیا بھی ہو سکتی ہے۔ اس نے برملا اس کی ذات پر اٹیک کیا سو وہ آؤٹ ہو گئی۔
''اوہ..... یو شٹ اپ۔'' رابعہ کے یوں چیخنے پر وہ اس سے زیادہ اشتعال میں آ کر چیخی تھی بادیہ دہل کر رہ گئی۔
''عادلہ آپی پلیز۔'' بادیہ کو اندازہ نہیں تھا کہ صورت حال ایسی ہو گی اس نے فوراً عادلہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔
''عباس جیسے کنزرویٹو انسان کا انتخاب تو تم جیسی دو ٹکے کی لڑکیاں تو ہو سکتی ہیں مگر مجھے شٹ اپ کہہ کر چپ نہیں کرا سکتیں۔ میرے سامنے ویلیو کیا ہے تمہاری تمہارے سامنے اس دن اس نے مجھے ذلیل کر کے یہ سمجھ لیا ہو گا کہ میں ڈر گئی ہوں تو غلط فہمی ہے تم دونوں کی۔ تمہاری جیسی بے حیثیت گلی گلی ٹھوکریں کھاتی لڑکی سے اپنے جوتے صاف کروانے کا بھی میں سوچ نہیں سکتی۔'' عادلہ نے اسے اس قدر ذلیل کیا تو رابعہ حیرت سے ششدر رہ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عادلہ کو دیکھے گئی۔ یہ سامنے بیٹھی عورت اسے یہ سب کیوں اور کس لیے سنا رہی تھی وہ حیران تھی۔ وہ جو فوراً غصے کا شکار ہو جاتی تھی اب حیرت سے ساکت تھی۔
''عادلہ آپی پلیز یہ میری دوست ہے خبردار آپ نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو آپ پلیز یہاں سے چلی جائیں۔'' اردگرد کے لوگ متوجہ ہو رہے ہیں بادیہ نے ایک دم غصے سے کہا تو عادلہ تمسخرانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اٹھ گئی۔
''مجھے بھی یہاں بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں۔'' اس نے تنفر سے کہا۔
''بتا کر جا رہی ہوں میں تمہارا۔ اس دن کی اپنی ذلت میں قطعی بھولی نہیں اور نہ ہی بھولوں گی جا کر بتا دینا اپنے مسٹر عباس کو۔'' تنفر اور نخوت سے کہتی وہ وہاں سے چلی گئی۔
رابعہ نے اپنا سر تھام لیا۔
''مائی گاڈ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ عورت سائیکی کیس ہے۔'' رابعہ نے بہت دکھ سے کہا تو بادیہ نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما۔
''دفع کرو خوامخواہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنا ان جیسے لوگوں کا محبوب مشغلہ ہے۔ تم پریشان مت ہو؟'' بادیہ نے سمجھایا تو وہ محض سر ہلا گئی اور خاموشی سے پانی کا گلاس اٹھا کر

منہ سے لگا لیا۔

تبھی ان دونوں نے عباس صاحب کو فاروقی صاحب اور چند اور اشخاص کے ہمراہ زینہ اترتے دیکھا وہ لوگ آپس میں باہم گفتگو میں مصروف تھے۔ فاروقی صاحب نے سیڑھیاں اترنے کے بعد عباس صاحب سے کچھ کہا تبھی وہ محض سر ہلاتے وہاں سے نکل گئے تھے جبکہ فاروقی صاحب نے پہلے کھڑے کھڑے یونہی سارے ہال میں نگاہ ڈالی اور پھر ان لوگوں پر نگاہ پڑی تو وہ اسی طرف چلے آئے۔

''کیسی رہی میٹنگ سر۔'' وہ دونوں بھی کھڑی ہو گئی تھیں ہادیہ نے پوچھا۔

''بہت اچھی۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''عباس صاحب کو پتا تو نہیں چلا؟'' رابعہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''نہیں...... میں نے ذکر نہیں کیا مس رابعہ آپ نیو ہیں آپ کی کارکردگی اور تو جہ دیکھ کر آپ کے جذبے کا اظہار ہوتا ہے۔ میں آپ کے کام سے مطمئن ہوں سو اسی لیے یہ معاملہ دبا گیا ہوں۔ احتیاط کیجیے گا کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔ شاہ زیب صاحب نرم خو دکھائی دیتے ہیں بعض معاملات میں بہت سخت بھی ہیں۔ دغا بازی جھوٹ اور فریب تو قطعاً برداشت نہیں کرتے۔'' فاروقی صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''سر عباس تو چلے گئے ہیں آئیں ہم بھی چلتے ہیں۔'' انہوں نے ویٹر کو بلوا کر بل پے کر کے وہ ہوٹل سے نکل آئے تھے۔



''آپ نے بتایا نہیں پھر کیا بنا ایاز کی ضمانت کا...... کب ہوگی؟'' بیگم عبدالقیوم نے پوچھا۔

''ہو جائے گی کل تک؟''

''اتنے دن ہو گئے ہیں بس آج کل آج کل کی گردان سن رہی ہوں۔ کہاں گئے آپ کے وہ سارے دوست احباب؟ کوئی کام نہیں آ رہا اس کی حالت یاد آتی ہے تو میرا اپنے دل پر ہاتھ پڑتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ جب تک آپ ضمانت کروائیں گے وہ لوگ میرے بیٹے کا حشر نشر کر دیں گے۔'' بیگم عبدالقیوم نے غصے سے کہا۔

''تو کیا کروں؟ وہ لوگ ہر بار کوئی ایسی چال چل جاتے ہیں کہ ہمارا کوئی بھی حربہ کامیاب نہیں ہو پاتا اور چند بندے جو ان لوگوں کے اندر چھوڑے تھے میں نے ان لوگوں نے جو اطلاعات دی ہیں یوں سمجھ لو کہ ان لوگوں نے ساری پلاننگ کر کے ہی ایاز کو حوالات میں بند کیا تھا ایاز کے اوپر جو بھی کیس ہے سب جھوٹ ہے اور اگر اصل حقیقت میں سامنے لاتا ہوں تو اس میں بھی خود ہی پھنستا ہوں۔ ایاز کے پچھلے سارے کھاتے کھلتے ہیں پھر۔'' بیگم کے جواب پر انہوں نے بھی اشتعال میں آ کر جوابی کارروائی کی تھی۔

''اور ایاز وہاں ٹھیک ہے میڈیکل ٹریٹمنٹ ہو رہا ہے اس کا ایک دفعہ کے بعد دوبارہ اس پر کسی نے ہاتھ نہیں اٹھایا اب اس کی حالت کافی بہتر ہے۔'' انہوں نے مزید بتایا۔

''ملاقات کی بھی تو اجازت نہیں دے رہے وہ لوگ ڈیڈ آخر ہم کب تک یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔'' حاملہ نے بھی خاصی بے زاریت سے کہا تو عبدالقیوم نے بیٹی کو گھورا۔

''مجھے تو لگتا ہے یہ ساری مصیبت محض تمہاری وجہ سے آئی ہے کتنی بار تمہیں سمجھایا تھا کہ فی الحال ان لوگوں سے بگاڑنا ٹھیک نہیں۔ تم سسرال چلی جاؤ۔ حالات دیکھ کر ہیں

کچھ نہ کچھ کروں گا۔ تم اگر وہاں ہوتی تو شاید وہ لوگ کوئی سنگین قدم اٹھانے سے گریز کرتے۔''

''نو ڈیڈ..... ڈونٹ بلیم می۔ ایاز کے ساتھ آج جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے اپنے کارنامے ہیں۔ میں اب مر کر بھی اس گھر میں نہیں جاؤں گی۔ میں عباس اور اس کے باپ کو تباہ و برباد کر دوں گی۔ نفرت ہے مجھے ان لوگوں سے ایاز والے واقعے کے بعد تو اب وہاں جانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی..... آپ مجھے بلیم کرنے کے بجائے ایاز کی ضمانت کیسے کروائی جائے اس کے بارے میں سوچیں؟'' حادلہ نے خاصی بدتمیزی سے جواب دیا تو عبدالقیوم صاحب کو ایک دم خاموش ہو جانا پڑا۔

''حادلہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ڈیڈ اب ایک دوسرے کو بلیم کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔ حادلہ محض آپ کے کہنے پر اور صرف ان لوگوں کی مالی حالات دیکھ کر ان لوگوں سے رشتہ داری پر راضی ہوئی تھی ورنہ وہ کتنے قدامت پرست ہیں یہ تو صاف اور واضح دکھائی دے رہا تھا۔ تب آپ کو ان لوگوں کی خاندانی پوزیشن بزنس میں دن بدن ہوتی ترقی اور مالی حیثیت اٹریکٹ کر رہی تھی مگر اس کے باوجود حادلہ کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ چند لاکھ حق مہر کے سوا نافٹ۔'' کاشفہ نے بھی نخوت سے کہا تو عبدالقیوم صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔

اس بات کا تو انہیں بھی قلق تھا کہ ہمیشہ نفع کا سودا کرنے والے اس بار گھاٹے کا سودا کر بیٹھے تھے۔

''ہمارے پاس ابھی آفاق کی صورت میں ایک مہرہ ہاتھ میں ہے حادلہ راضی ہو تو ہم آفاق کو لینے کی کوشش کر سکتے ہیں۔'' انہوں نے پھر ہمت کی۔

''اوہ.....نو ڈیڈ۔ آپ کو پتا ہے ہمارا کیس کتنا کمزور ہے اور آفاق جیسے ورڈ کو میں نہیں افورڈ کر سکتی۔ وہ ان لوگوں کا خون ہے ادھر ہی رہے تو ٹھیک ہے۔'' حادلہ نے بہت بیزاریت سے کہا۔

''وہ تمہارا بیٹا ہے تمہارا اس پر حق ہے وہ وارث ہے اس خاندان کا تمہاری دیورانی کی ابھی تک کوئی اولاد نہیں جو کچھ بھی ہے آگے چل کر وہ آفاق کا ہی ہوگا۔ آفاق کو بنیاد بنا کر ہم دعویٰ کر سکتے ہیں۔'' تام نے بھی کہا تو وہ ہنسی۔

''نجانے آپ دونوں کس دنیا میں رہتے ہیں۔ میں ان لوگوں میں خاصا وقت گزار کر آئی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں وہ کبھی بھی آفاق کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے چاہے ہم کسی بھی عدالت میں چلے جائیں وہ ایسے ایسے حقائق اور دلائل سامنے لے آئیں گے کہ ہمیں خود ہی کیس ختم کرنا پڑے گا اور آپ دونوں جانتے ہیں کہ مجھے دولت سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کل جو ذلت میں نے ان لوگوں کی وجہ سے سہی ہے اس کا بدلہ تو میں ضرور لوں گی بلکہ یوں کہہ لیں آج سے میں نے باقاعدہ پہلا قدم اٹھا لیا ہے۔ عباس اور اس کے باپ کی بربادی کا آغاز سمجھیں ہو چکا ہے۔'' حادلہ نے مسکرا کر کہا تو ڈیڈ چونکے۔

''مطلب؟'' حادلہ کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

''کچھ خاص نہیں۔ جو بھی رزلٹ ہوگا آپ کے سامنے ہی آئے گا۔'' حادلہ نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

''پھر بھی آج کل جو حالات ہیں کوئی بھی جذباتی قدم اٹھانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ جو کچھ بھی ہو میرے سامنے ہو ایاز کا کیا میں بھگت رہا ہوں یہ نہ ہو کہ تمہاری طرف سے بھی مجھے پریشانی اٹھانا پڑے۔'' ڈیڈ نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا تو اس نے خفگی سے منہ بنا لیا۔

''اوہ ڈیڈ میں اب اتنی بچی بھی نہیں ہوں اپنا اچھا برا بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ ڈونٹ وری ایسا کچھ نہیں ہوگا جس سے آپ کو پریشانی ہو۔'' اس نے قدرے اطمینان سے کہا تو ڈیڈ نے گہرا سانس لیا۔

اپنے ان تینوں بچوں کو سمجھانا قطعی فضول تھا۔ یہ تینوں جو ایک دفعہ طے کر لیتے تھے پھر کر کے ہی رہتے تھے۔

''مجھے ایاز کے سلسلے میں کسی سے ملنا ہے چلتا ہوں۔'' ڈیڈ اپنی گھڑی دیکھتے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی بیگم ان کے ہمراہ باہر تک آئی تھیں۔

''امجد خان کے بارے میں کوئی اتا پتا کروایا کون ہے؟ یہ واقعی لالہ رخ کی ماں کا ملازم تھا یا پھر محض ہمیں دھمکا رہا ہے۔'' بیگم عبدالقیوم کے چہرے پر خاصی تشویش تھی۔ عبدالقیوم صاحب نے رک کر بیگم کو دیکھا۔

''چند بندے چھوڑے ہوئے ہیں اس امجد خان کے پیچھے بھی حالیہ اطلاعات تو صرف اس حد تک ہی ملی ہیں کہ یہ شخص پچھلے بیس سال سے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔ تعلیم صرف بی اے ہے مگر اپنی ذہانت اور اعلیٰ کارکردگی کی بدولت اس جگہ تک پہنچا ہے۔ اس شخص کو ہمیشہ اسپیشل کیسز ہینڈل کرنے کو دیے جاتے ہیں۔ اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے ایک دو دن میں پتا چل جائے گا۔''

''اور جو وہ لالہ رخ کی بات کر رہا تھا وہ؟'' عبدالقیوم نے دیکھا ان کی بیگم سخت متوحش تھیں پریشان تو وہ بھی تھے مگر ہر بار یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتے تھے کہ لالہ رخ مر چکی ہے اور اس کی زندگی سے متعلق ہر انسان ہر ثبوت قبر کی گہری تہہ میں دفن ہو چکا ہے اور امجد خان جیسے لوگ اتنی جلدی قبر کی گہرائی تک رسائی حاصل نہ کر پائیں گے۔

''محض دھمکی دے رہا ہوگا۔ ورنہ ہم کو مطمئن کرنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ لالہ رخ اور اس کی زندگی میں متعلق ہر ثبوت ختم ہو چکا ہے۔'' عبدالقیوم صاحب نے کہا تو ان کی بیگم خاموش ہو رہیں۔

''پھر بھی اس شخص کو نظر انداز مت کریں۔ ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے اس انسان کی بھی تو کوئی کمزوری ہوگی نا؟'' کچھ پل بعد ان کی بیگم نے کہا تو وہ مسکرائے۔

''ہاں اس شخص کا ایک بیٹا ہے۔ بیرون ملک ہوتا ہے۔''

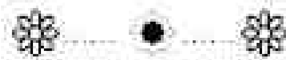
''اگر یہ وہی امجد خان ہے جو لالہ رخ کی ماں کی کوٹھی میں ہوتا تھا وہ پھر اس شخص کی بیوی وہی لڑکی تھی نا جس کی مدد سے لالہ رخ کوٹھی سے بھاگی تھی۔ اس کا بیٹا تو تبھی ایک سال کا تھا۔'' بیگم عبدالقیوم کو اور بھی بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

''ہاں وہی لڑکی تھی۔ مگر بعد میں یہ دونوں میاں بیوی ایسے غائب ہوئے تھے کہ کبھی دوبارہ خبر ہی نہ ملی کہ کہاں روپوش ہوئے۔ اس لیے کبھی میں نے لالہ رخ کے اور اس کے خاندان کے مرنے کے بعد بھی سوچا تک نہ تھا کہ لالہ رخ کی زندگی سے متعلق کچھ اور لوگ ابھی باقی ہیں اور کبھی یہ لوگ ہمارے سامنے بھی آ سکتے ہیں؟''

''تو اب کیا ہوگا اور وکیل صاحب کیا کہتے ہیں؟'' بیگم عبدالقیوم نے کچھ توقف کے بعد پوچھا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئے۔

''خیر ہاتھ تو اب ہم بھی باندھ کر نہیں بیٹھے ایاز کی وجہ سے مجھے امجد خان جیسے انسان کے منہ لگنا پڑ رہا ہے ورنہ ایسے لوگوں کو کیسے مزہ چکھاتے ہیں اب تک اس شخص کو پتا چل چکا ہوتا۔'' کچھ تنفر اور غرور سے کہا تو بیگم عبدالقیوم خاموش رہیں انہوں نے بیگم کو دیکھا اور پھر دھیرے سے مسکرائے۔

''فکر نہیں کرو ایک دو دن میں ایاز باہر ہوگا بس ایک دفعہ ایاز باہر آ جائے تو پھر اس امجد سے بھی اچھی طرح نمٹ لوں گا۔'' انہوں نے بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیے۔



وہ کالج سے آنے کے بعد چینج کر کے واپس لاؤنج میں آئی تو لالہ بھابی کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے تیزی سے لاؤنج سے ملحقہ واش روم میں گھسی تھیں۔

''کیا ہوا خیریت؟'' وہ فوراً ان کے پاس آئی۔ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا لالہ کو وامیٹنگ ہو رہی تھی۔ وہ چند پل انہیں بغور دیکھے گئی۔

''کیا پھر سے آنا شروع ہو گئی ہے؟'' ماں جی بھی ادھر ہی آ گئی تھیں۔

بھابی نل بند کر کے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسٹینڈ سے کھینچ کر منہ صاف کرنے لگی تھیں۔ پھر شہوار کو دیکھ کر مسکرائیں۔ بڑی شرمیلی سی مسکراہٹ تھی۔

''میں نے منع بھی کیا تھا یہ کچن کا کام رہنے دو میں ملازمہ کے ساتھ مل کر کر لوں گی تم پھر بھی کچن میں جا گھسی تھیں؟'' ماں جی نے لائبہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس صوفے پر بٹھایا تھا بھابی دھیرے سے مسکرائی تھیں۔ شہوار نے جو صورت حال سمجھی تھی اسے زبان پر لانے سے اس نے گریز کیا۔ کیا پتا اس کا محض وہم ہی ہو۔

''تم نے کھانا کھا لیا کیا؟'' ماں جی نے اسے یوں کھڑے دیکھ کر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں ابھی کچن میں ہی جانے والی تھی کہ بھابی کو دیکھ کر رک گئی۔'' ماں جی اس کی بات پر دھیرے سے مسکرائیں۔

''عباس کی اولاد کے بعد اللہ میرے سجاد کو بھی اولاد سے نواز رہا ہے۔'' انہوں نے شہوار کو بتایا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا یعنی اس کے خیالات کی تصدیق ہو چکی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔

''مبارک ہو۔''

''خیر مبارک۔ اللہ ساتھ خیریت کے دن لائے۔ عائشہ کی سمعہ اور عباس کے آفاق کے بعد یہ تیسرا بچہ ہو گا ہمارا۔'' شہوار بھابی کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''حویلی میں تو آپ بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں۔ یہاں آتے ہی طبیعت خراب کر ڈالی۔'' اس نے آہستگی سے کہا تو وہ ایک دم جھینپ گئیں جبکہ ماں جی ہنس دی تھیں۔

''بدتمیز۔'' ان کا چہرہ شرم سے سرخ ہو رہا تھا شہوار ہلکا سا ہنس دی۔

''مجھے کئی دن سے شک تھا۔ بس تمہارے اور مصطفیٰ کے نکاح پر اتنی مصروفیت رہی کہ میں نے زیادہ دھیان نہ دیا مگر شہر آتے ہی یہ وامیٹنگ کا سلسلہ چل نکلا۔ لیڈی ڈاکٹر سے تصدیق کروائی تو پتا چلا کہ میرا شک درست ہے۔''

''ماشاءاللہ...... خوش ہیں نا؟'' اس نے کافی محبت سے پوچھا تو وہ کھل کر مسکرائیں۔

''ظاہر ہے مگر مجھ سے زیادہ تو سجاد خوش ہیں۔ سجاد کو تو ویسے بھی بچے بڑے پسند ہیں۔ آفاق کی وجہ سے کمی نہیں محسوس ہوتی تھی مگر وہ شدت سے منتظر تھے۔'' بھابی نے خوش ہو کر بتایا۔

''آفاق ہے کدھر؟'' آفاق کا نام سن کر اسے اچانک خیال آیا۔

''اندر سو رہا ہے۔'' ماں جی نے بتایا اور پھر اٹھ گئیں۔

''اب تم کچن میں نہیں جاؤ گی۔ شام کا کھانا میں اور رخشندہ تیار کر لیں گی۔'' ماں جی نے ہدایت دی تو لائبہ نے سر ہلا دیا۔

''آپ رہنے دیں میں تیار کر لوں گی۔'' شہوار نے ماں جی کی بات پر کہا تو وہ مسکرائیں۔

''نہیں تم رہنے دو...... پہلے ہی اتنے دن کالج سے غیر حاضر رہی ہو تمہارا وقت بہت قیمتی ہے تم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کر لو ویسے بھی سارا دن کالج میں گزار کر آتی ہو تھک گئی ہو گی۔ اب آتے ہی کچن میں نہ گھس جانا۔ ملازمائیں ہیں وہ دیکھ لیں گی۔'' انہوں نے رسان سے کہا۔

''میں مینج کر لوں گی مگر ہمارے ہوتے ہوئے آپ کچن میں کام کریں اچھا نہیں لگتا۔''

''تمہارے ہاتھوں کی مہندی ابھی اتری نہیں اور تمہیں میں کچن میں گھسا دوں۔ تم کھانا کھاؤ کام تو ہوتے رہتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر کہتے واپس کچن کی طرف چل دی تو

شہوار نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جہاں مہندی کا رنگ ابھی بھی برقرار تھا۔ اس نے سر جھکایا۔ بھابی نے سر جھکنے پر بغور دیکھا۔

''تمہاری مصطفیٰ سے صبح کس بات پر لڑائی ہوئی تھی۔'' وہ کچن کی طرف جانے لگی تو بھابی کی آواز پر رکی۔

''میری کسی سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔'' اس نے ایک دم سنجیدگی سے کہا۔

''پھر صبح روئی کیوں تھیں؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں آنا نہیں چاہتی تھی اور وہ مجھے زبردستی لے کر آئے تھے۔'' اب لہجے میں کچھ تلخی بھی در آئی تھی۔

''تم مصطفیٰ سے نکاح سے خوش نہیں ہو کیا؟ تمہارا اس سارے سیٹ اپ کے دوران جو بھی ری ایکشن رہا ہے اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کہ مصطفیٰ تمہارے درمیان کوئی سیریس قسم کا ایشو چل رہا ہے ورنہ مصطفیٰ جیسے شخص سے شادی سے انکار کوئی وجہ نہیں بنتی۔'' بھابی سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔ وہ ایک دم لب دانت تلے دبا گئی۔

''اب کیا فائدہ پوچھنے کا اب تو وقت گزر چکا ہے۔'' اس نے کچھ توقف کے بعد خاصی تلخی سے کہا تو بھابی نے اسے بغور دیکھا ان کے دل کے اندر عجیب سے اوہام سر اٹھانے لگے۔

''تمہیں اعتراض کیوں تھا؟'' انہوں نے مزید پوچھا۔

''اعتراض نہیں میں اس رشتے سے صاف انکاری تھی۔ اور وجہ کیا ہے یہ آپ کے دیور صاحب بخوبی جانتے ہیں۔'' وہ تلخی سے کہہ کر وہاں سے کچن کی طرف چلی آئی۔ جبکہ بھابی نے بہت سنجیدگی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا اور کچھ حیرت سے کہ اس لب و لہجے میں بات کرنا شہوار کا مزاج تو نہ تھا۔

کچن میں آ کر اس نے کھانا کھایا پھر ماں جی کے منع کرنے کے باوجود ان کے ساتھ مل کر رات کے کھانے کا اہتمام کرنے لگ گئی۔ اس گھر میں ہر ایک کی الگ الگ پسند ہوتی ہے۔ شاہ زیب انکل کے لیے پرہیزی کھانا پکتا جبکہ باقی سب کے لیے ان کی پسند کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ مصطفیٰ چائنیز قسم کے کھانوں کا شوقین تھا جبکہ عباس اور سجاد بھائی دونوں پاکستانی کھانوں کے۔ سو رات کے کھانے میں چاروں مرد حضرات کی پسند کے مطابق مینیو ترتیب دیا جاتا تھا۔ ایک بھابی ژشین انالین چائنیز اور پاکستانی سبھی کھانے بنانے میں ماہر تھیں۔ جبکہ شروع سے ہی ماں جی نے اسے کچن کی ذمہ داری دے دی تھی۔ عادلہ کبھی کبھار جب اس کو موقع ملتا تھا تو وہ اسے کچھ نہ کچھ پکانے کا آرڈر دے دیتی تھیں اور وہ کوئی بدمزگی نہ ہو فوراً حکم کی تعمیل میں جت جاتی تھی اور ایسے میں اکثر ماں جی عادلہ بھابی سے الجھ پڑتی تھیں کہ وہ اسے کچن میں کام کیوں کراتی ہیں۔ مجموعی طور پر وہ کچن کے معاملات میں اتنی سگھڑ بی بی نہ تھی بس نارمل روٹین کے مطابق ہی سادہ کھانا پکانے میں ٹرینڈ ہو سکی تھی۔

اس گھر میں ہر کام کے لیے ملازم تھے مگر کچن کے کام گھر کی خواتین کی ذمہ داری تھے۔ ایک دو ملازمائیں ہمہ وقت کچن میں رہتی تھیں مگر کھانا اپنی نگرانی میں ہی تیار کروایا جاتا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں سبھی اچھا اور گھر کی خواتین کے ہاتھ کا پکا کھانے کے عادی تھے تو گھر کی خواتین اس معاملات میں قطعی بے پروائی نہ برتتی تھیں۔ شہوار نے ملازمہ اور ماں جی کے ساتھ مل کر کھانا تیار کروایا تھا۔ مغرب کی نماز تک اچھا خاصا کام سمٹ گیا تھا مغرب کی نماز پڑھ کر اس نے ماں جی کو زبردستی کچن سے باہر نکال دیا تھا۔ مغرب کے بعد گھر کے مرد حضرات واپس آنا شروع ہو گئے تھے۔ آٹھ بجے تک کھانا لگا دیا جاتا تھا جبکہ مصطفیٰ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ماں جی کا خیال تھا کہ مصطفیٰ آ جائے تو ٹیبل سیٹ کی جائے۔ سجاد بھائی نے کال کی تو پتا چلا کہ مصطفیٰ کسی کام میں مصروف ہے اور لیٹ آئے گا شہوار نے سکھ کا سانس لیا۔ اندر ہی اندر وہ مصطفیٰ سے سامنا کرنا پر قطعی تیار نہ تھی۔

انا سے ایک طویل کشمکش کے بعد شہوار نے سوچا تھا کہ اب وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ جو ہونا تھا ہو چکا تھا آئندہ کے لیے اسے بس مصطفیٰ کی ذات

اور معاملات سے ایک حد تک محتاط ہو جانے کی اشد ضرورت تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب مصطفیٰ سے الجھنے کے بجائے وہ اپنے رویے سے اسے احساس ضرور دلانے کی کوشش کرے گی کہ یہ جو بھی کچھ ہوا تھا وہ غلط تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ مصطفیٰ کے سامنے اب کم سے کم آئے۔ کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا شاہ زیب صاحب شہوار سے گاہے بگاہے اس کے کالج سے متعلق سوالات کرتے رہے اور وہ سنجیدگی سے جوابات دیتی رہی۔ کھانے کے بعد اس نے چائے تیار کر کے سب کو دی تھی۔

''کچن اب ملازمہ دیکھ لے گی۔ تم اب کچھ بھی مت کرنے ویسے بھی تمہارا بہت ٹائم ضائع ہو گیا ہے اب کچھ دیر بیٹھ کر پڑھ لو۔'' سب کو چائے دے کر وہ واپس کچن کی طرف جانے لگی تو ماں جی نے فوراً ٹوکا تو وہ مسکرا دی۔

''جی میں اپنے روم میں ہی جا رہی ہوں۔'' خالی ٹرے کچن میں رخشندہ کو کچن سمیٹنے کی ہدایت دیتے وہ اپنا چائے کا مگ لیے اپنے روم میں آ گئی۔ اتنے دن کی غیر حاضری کے باوجود اس کا روم صاف ستھرا تھا۔ چائے کے گھونٹ بھرتے اس نے بیگ سے موبائل نکالا۔

وہ بستر کے کنارے ٹک کر چائے کے گھونٹ بھرتی موبائل آن کر کے اس کے مختلف فنکشنز چیک کرتی رہی تھی۔ سم آن کرتے اس نے سوچا کہ عائشہ سے کال کر کے ضرور پوچھے گی کہ اس سیل کی کیا قیمت ہے اگر عائشہ نے اپنے پیسے سے خریدا تھا تو اتنا مہنگا موبائل لینے پر اس کی اچھی طرح خبر لے گی۔ موبائل چیک کرتے اسے اندازہ ہوا کہ موبائل پہلے سے استعمال شدہ تھا۔ شاید عائشہ کا اپنا موبائل تھا یہ۔ چائے ختم کر کے اس نے عائشہ کا نمبر ملایا۔

''السلام علیکم۔'' کچھ پل بعد عائشہ نے کال پک کی۔

''وعلیکم السلام۔ کیسی ہو تم؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے تم سناؤ کیسی ہو..... کیا حویلی میں ہی ہو ابھی تک؟'' عائشہ نے پوچھا۔

''نہیں میں آج صبح شہر آ گئی تھی۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا ماں جی اور باقی سب وہاں ٹھیک ہیں نا؟''

''ہوں۔'' اس نے ہنکارا بھرا۔

''عائشہ میں نے آج ہی موبائل آن کیا ہے۔ تمہیں میں نے کوئی بھی عام سا موبائل خریدنے کو کہا تھا اتنا قیمتی سیٹ لانے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو عائشہ ہنس دی۔

''میں نے نہیں خریدا۔ دراصل اس دن جب ہم شاپنگ کے لیے نکل رہے تھے تب تم نے موبائل لانے کو کہا تھا جب تمہارا برائیڈل ڈریس خریدنا تھا اس دن مصطفیٰ بھائی بھی ساتھ تھے میں نے جب انہیں بتایا کہ ہمیں ایک موبائل بھی خریدنا ہے تمہارے لیے تمہارا پرانا موبائل ٹوٹ گیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ مت خریدیں ان کے پاس دو تین موبائل کے سیٹ موجود ہیں ان میں سے ایک تمہارے لیے لے جائیں۔ یہ نیو سیٹ تھا انہوں نے چند دن پہلے ہی لیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ یہ تمہیں دے دیں تو میں وہ تمہارے لیے لے آئی تھی۔'' عائشہ نے بتایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

''یعنی یہ مصطفیٰ کا موبائل تھا۔'' وہ بے یقین تھی۔

''تو اور کیا؟'' عائشہ نے ہنس کر بتایا۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' اسے یک دم شدید تم کا غصہ آیا اسے مصطفیٰ کا صبح والا رویہ بھولا نہیں تھا اندر ایک دم اشتعال کی لہر اٹھی۔

اتنے دن سے سیٹ اس کے پاس تھا اور مصطفیٰ سمجھ رہا ہوگا کہ اس کا دیا گیا سیٹ قبول کر لیا ہے اور استعمال کر رہی ہوں۔ اس کے اندر شدید ابال اٹھا۔

"یہ اتنی اہم بات نہ تھی کہ تمہیں بتاتی۔" عائشہ نے خاصی بے پروائی سے کہا۔

"یہ اتنی غیر اہم بات بھی نہ تھی۔" اس نے اپنی طرف سے خاصے غصے میں کہا تھا مگر دوسری طرف عائشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

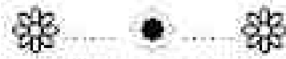
"اوہو...... یعنی غصہ آ رہا ہے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ بھئی تمہارے مزاجی خدا کا موبائل تھا جو اب تمہاری تحویل میں ہے سوچنے کو بہت سے خوب صورت خیالات دل و دماغ میں جگہ بنا سکتے ہیں۔" عائشہ چھیڑ رہی تھی وہ ایک دم جھنکی یعنی عائشہ کچھ اور سمجھ رہی تھی۔

"شٹ اپ۔ میرے ساتھ الٹی سیدھی مت کرو۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں اس بے معنی سے موبائل کو لے کر کچھ الٹا سیدھا سوچوں۔" اس نے فوراً تنفر سے کہا۔

"تمہیں جب میں نے سیٹ تھمایا تھا اور تم نے چپ چاپ تھام لیا تھا تو مجھے یہی لگا تھا کہ تمہیں ضرور علم ہوگا کہ یہ مصطفیٰ کا سیٹ ہے ورنہ تم موبائل سے متعلق ضرور پوچھتیں۔" شہوار لب دانت تلے دبا گئی۔

اب عائشہ سے اس موبائل سے متعلق کچھ بھی کہنا فضول تھا۔ وہ اسے مزید کچھ بھی کہتی تو وہ اسے کسی اور ہی معنوں میں لیتی۔ سو اس نے بغیر مزید ایک لفظ بھی ادا کیے کال ڈراپ کر دی تھی۔ اس نے تو آج تک کبھی اس چیز پر توجہ دینے کی کوشش نہیں کی تھی کہ مصطفیٰ کیا پہنتا ہے کیا کھاتا پیتا ہے اس کے ذاتی استعمال میں آنے والی اشیا کے متعلق تو بہت دور کی بات تھی۔ اسے اگر علم ہوتا کہ یہ مصطفیٰ کا موبائل ہے تو وہ کبھی مر کر بھی عائشہ سے نہ لیتی۔ اس نے ایک دم غصے سے موبائل آف کر کے اس میں سے سم نکال لی تھی۔ اسے رہ رہ کر ٹینشن آ رہا تھا کہ اتنے دن اسے یہ موبائل اس کے پاس تھا۔ موبائل بہت غصے سے اس نے بیڈ پر پٹخ دیا۔ پھر کچھ سوچتے وہ ایک دم اٹھی تھی۔ موبائل بیڈ سے اٹھا کر وہ باہر آئی اور اب اس کا رخ مصطفیٰ کے کمرے کی طرف تھا۔

مصطفیٰ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا ورنہ اس کی گاڑی کا مخصوص ہارن ضرور سنائی دیتا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر آئی۔ وہ اس کمرے میں بہت کم آئی تھی ہاتھ میں پکڑا موبائل اس نے بستر پر پھینکا اور پھر جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اسے اپنی بچکانہ حرکت کا احساس تو تھا مگر غصے کے سبب کچھ سوچنے سے قاصر تھی۔



جیسے ہی اس نے قدم اندر رکھا ایک دم ٹھٹک گیا۔ انا گلوں میں چائے انڈیل رہی تھی۔ اسے قطعی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ولید اسے دیکھ کر دہلیز پر ہی جم گیا ہے وہ تو اپنے ہی دھیان میں مگن تھی۔ باہر ڈھولک اور ایک بھرپور شور کی آواز رہی تھی۔ وہ آج آفس کچھ لیٹ سے آیا تھا' گھر میں ایک ہنگامہ برپا تھا وہ ان سب سے بچتا بچاتا چینج کر کے سیدھا کچن میں آیا یہاں انا پر نگاہ پڑتے ہی وہ وہیں رک جانے پر مجبور ہو گیا۔ وہ جب سے پاکستان لوٹا تھا اسے آج قدرے روٹین سے ہٹ کر نک سک سا تیار دیکھ رہا تھا۔

بے بی پنک لانگ شرٹ اور پاجامے کے ہمراہ وہ آج معمول سے ہٹ کر تیار ہوئی تھی۔ دائیں کندھے پر دوپٹہ بے پروائی سے جھول رہا تھا۔ آدھے بال رومال میں جکڑے ہوئے تھے کانوں میں آویزے ہونٹوں پہ ہلکی سی لپ اسٹک تھی۔ وہ خلاف معمول آج خاصی پیاری لگ رہی تھی۔ ایک دم اپنی طرف کھینچتی ہوئی۔ ورنہ اس نے تو اسے ہمیشہ خود سے بے پروا بے زار اور بے حس ہی پایا تھا۔ جبکہ صبح انا کا جو رویہ تھا وہ ولید کو ابھی بھی یاد تھا۔ صبح وہ انا کا چادر میں لپٹا چہرہ اور آنکھوں کی سرخی دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ اس کے دل میں شک پیدا ہوا تھا کہ وہ کسی بات پر کافی شدت سے روتی رہی ہے۔ اس کے بار بار کہنے پر بھی اس نے اپنا چہرہ اس کی طرف نہیں کیا اور اب صبح والی کیفیت سے یکسر مختلف ایک نئے روپ میں نظروں کے سامنے تھی۔

''السلام علیکم۔'' وہ مگوں میں چائے انڈیل کر پلٹی تو ولید کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ ولید نے اس کے متوجہ ہونے پر مسکرا کر سلام کیا تو وہ سنجیدگی سے رخ موڑ گئی۔

''وعلیکم السلام۔'' ولید اندر آ گیا تھا جبکہ وہ رخ موڑے ایک دوسری ٹرے میں کھانے پینے مٹھائی اور بسکٹ کے لوازمات سیٹ کر رہی تھی۔

''خیریت...... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' وہ پاس آ کھڑا ہوا۔

''کیوں آپ کو نظر نہیں آ رہا؟'' اس نے ٹرے سے نظر ہٹا کر ولید کو دیکھا۔ انداز ہنوز سنجیدگی لیے ہوئے تھے۔ ولید ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ یعنی صرف ظاہری طور پر صرف لباس بدلا گیا تھا باقی اندرونی طور پر وہی صبح والا موسم برقرار تھا۔

''نظر تو آ رہا ہے صرف ظاہری تبدیلیاں ہی نہیں بلکہ اندرونی طور پر وقوع پذیر ہونے والی کیفیت بھی دکھائی دے رہی ہے۔'' اس نے کہا تو انا کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر لب بھینچ گئی تبھی صغراں اندر آتی دکھائی دی۔

''کہاں مر گئی تھی تم پتا نہیں تھا کہ یہاں اتنا کام ہے۔'' اس نے صغراں کو کافی تلخی سے ڈانٹا تو ولید متعجب ہوا۔

''وہ جی باہر اتنا مزہ آ رہا تھا ساتھ والے گھر کی لڑکیاں اتنے اچھے اچھے گانے گا رہی تھیں تو میں وہاں رک گئی۔'' صغراں اسے غصے میں دیکھ کر فوراً صفائی دینے لگی۔

''اچھا یہ سب لے جاؤ اگر چائے کم ہے تو مجھے فوراً بتاؤ پھر میں نے بار بار کچن میں نہیں آنا۔'' ولید کو مکمل طور پر نظر انداز کیے اس نے کہا تو صغراں فوراً سر ہلاتی ٹرالی میں سب سامان رکھ کر فوراً باہر نکل گئی۔ اس نے پلٹ کر چولہے پر رکھا چائے والا برتن اتار کر سائیڈ پر رکھا اور دودھ والا پان فریج میں رکھ کر ادھر ادھر رکھے پتی اور چینی کے ڈبے اٹھا کر کیبن میں رکھنے لگی۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے ولید وہاں موجود نہیں اور وہ اکیلی کچن میں ہے۔ بالکل لاتعلقی اور اجنبیت والا انداز تھا۔

''مجھے کھانا نکال دو۔ سخت بھوک لگ رہی ہے۔ آج سارا دن بہت بزی گزرا ہے تو تھکن اور بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔'' وہ ڈبے رکھ کر پلٹی تو ولید نے کہا انا نے بس ایک نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا وہ متوجہ تھا۔ وہ فوراً رخ پلٹ کر چولہوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

''آپ بیٹھیں میں گرم کر کے نکال دیتی ہوں۔'' اس کا انداز وہی سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔ وہ پھر الجھا۔

''انا کیا پریشانی ہے یار؟'' اس نے بیٹھنے کے بجائے قریب آ کر پوچھا۔

''مطلب؟'' شوکیس سے کھانے کے برتن نکالتے اس نے بس سر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

''مطلب تو تمہیں خود پتا ہونا چاہیے۔ مگر ایک بات تو میں بہت شدت سے نوٹ کر رہا ہوں کہ تمہارا یہ رویہ صرف میرے ساتھ ہی چینج ہوتا ہے باقی لوگوں کے ساتھ تمہارا مزاج اور رویہ اس قدر قطع تعلق والا نہیں ہوتا۔ وجہ......؟'' ولید کے الفاظ پر اس کے چہرے کے زاویوں میں ایک کھنچاؤ سا در آیا۔

''غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔'' اس کے پاس سے ہٹ کر وہ اب اس کے لیے برتنوں میں کھانا نکالنے رہی تھی۔

''تو پھر تمہارے صبح والے رویے کو کیا نام دوں؟'' کھانا نکالتے وہ ایک پل کو ٹھہری تھی۔

''صبح میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' ٹرے میں برتن رکھ کر وہ پتیلی کی طرف بڑھی۔

''اور اب بھی مزاج درست نہیں۔'' اس نے ٹرے میز پر رکھی تو ولید قریب آ گیا۔

اس نے پلٹ کر خاصی خفگی سے ولید کو دیکھا وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ کھل کر مسکرایا۔

''بیٹھو۔'' اپنے سامنے ٹرے درست کرتے اس نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''تھینکس میں کھانا کھا چکی ہوں۔'' اپنے اسی روکھے انداز میں کہہ کر وہ پلٹی۔
''تمہیں پتا ہے کہ میں اکیلے کھانا نہیں کھاتا۔ مجبوراً ہی سہی تمہیں مجھے کمپنی دینا ہوگی۔'' ولید نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ رکی۔
''کیا مسئلہ ہے آپ کو؟ آپ چھوٹے بچے تو نہیں کہ منہ میں نوالے بنا بنا کر ڈالنے کی ضرورت پڑ جائے۔'' اس نے بہت جھنجلا کر کہا تھا ولید ہنس دیا۔
''پھر بھی میرے پاس بیٹھو تو سہی۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے کسی اور بھی چیز کی ضرورت پڑ جائے اور پھر کہاں میں بار بار تمہیں آوازیں دیتا پھروں گا۔''
''آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ محترم امریکا جیسے معاشرے سے نکل کر آئے ہیں اس معاشرے میں اپنا ہر کام خود سے ہی سرانجام دیا جاتا ہے۔'' اس نے خاصا چڑ کر کہا تو ولید کھل کر ہنس دیا۔
''مگر ان چند ماہ کے پاکستان کے قیام کے دوران تم لوگوں نے ہماری تمام عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ شروع میں اتنی خدمتیں کی گئی کہ ہل کر پانی پینے تک کی زحمت نہیں دی گئی اب جب عادتیں بگاڑ دی ہیں تو اجتناب برتا جا رہا ہے دس از ناٹ فیئر یار۔'' انا نے خاصا تپ کر گھورا تو ولید نے ایک دم ہونٹوں پر مچلتی مسکراہٹ کو دانت تلے روکا۔ انا کا تپا تپا انداز اسے ایک دم اچھا خاصا لطف دے گیا تھا۔
''اچھا بے شک نوالے توڑ کر منہ میں مت ڈالنا مگر بیٹھ تو سکتی ہونا... کھانے کے بعد تم چائے بھی بنا کر پلاؤ گی اگر تمہاری فرمائش ہوئی تو آج تمہارے ساتھ کافی کا بھی شغل فرما سکتا ہوں۔'' اس نے چھیڑا وہ سر جھٹک گئی۔
انا جو گزشتہ ساری رات اذیت کی بھٹی میں جلتے بے تحاشا آنکھوں کی قیمتی متاع گنوانے کے بعد صبح ایک اٹل فیصلہ کر چکی تھی کہ اب ولید کی طرف دھیان نہیں دینا۔ بھلے اس کی زندگی میں کوئی بھی ہو اس کا کسی کے بھی ساتھ تعلق ہو اب وہ اپنے آپ کو مزید خوار نہیں کرے گی۔ اپنی سوچوں اپنے خیالات پر سختی سے پہرہ بٹھا لے گی۔ وہ اپنے آپ کو واپس نارمل حالت میں لانے کی سعی میں تھی۔ مگر ولید کا انداز دیکھ کر اس کے دل میں ایک دم شدید اضطراب پھیلا۔
''کیا اس شخص سے اب پہلو تہی کر لینا اتنا آسان ہوگا؟'' ولید کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی بے بسی سے سوچ رہی تھی۔ ولید سے دامن بچا کر چلنا اسے لگا زندگی کا سب سے مشکل کام ہے۔
''بیٹھو نا پلیز۔'' ولید نے دوبارہ کہا تو اس کی برابر والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی مگر بیٹھنے کے بعد وہ ولید کی طرف توجہ دینے کے بجائے اوون کی طرف دیکھنے لگی۔ ولید نے بغور اس کے تنے تنے سنجیدہ تیور ملاحظہ کیے پھر دھیرے سے مسکرایا۔
''تمہاری دوست اب کالج آ رہی ہے؟'' ولید نے پوچھا تو اس نے محض سر ہلا دیا۔ اس نے یونہی سرسری ٹیبل پر دیکھا تو چونکی اس نے پانی تو رکھا ہی نہ تھا۔ فوراً اٹھی۔
''کدھر۔'' نوالہ منہ میں ڈالتے اسے یوں تیزی سے اٹھتے دیکھ کر پوچھا وہ بغیر جواب دیے فریج کی طرف آئی تھی۔ سادہ پانی کی بوتل نکال کر ریک سے گلاس لے کر واپس ٹیبل پر آ گئی۔ گلاس میں پانی انڈیل کر ولید کے پاس رکھا۔
''تھینکس۔'' اس نے گلاس اٹھا لیا تھا۔
''اب تمہاری دوست کی کنڈیشن کیسی ہے؟ کچھ فرق پڑا اس کی سوچ میں۔'' انا کو ولید کا سوال پسند نہ آیا۔
''وہ بیمار تو نہیں۔'' اس نے قدرے برا مان کر کہا تو وہ مسکرایا۔
''جس طرح کی تم نے سچویشن بتائی تھی وہ نارمل بھی نہیں تھی۔'' ولید کی بات پر اس نے گھورا۔

''کسی کے اوپر کمنٹس پاس کرنا آسان ہوتا ہے مگر جب یہی کیفیت خود پر بیتتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔'' اس کے لہجے میں خاصی تلخی در آئی تھی۔

''اگر آج آپ کی شادی آپ کی مرضی کے بغیر کردی جائے تو تب آپ کا بھی سیم یہی ری ایکشن ہوگا ویسے بھی مصطفیٰ بھائی آپ کے دوست ہیں نا آپ لامحالہ ان کو ہی فیور کریں گے۔ یہ تو مردوں کا کام ہے عورتوں کے احساسات و جذبات کو محض جذباتیت کا نام دے کر ان کو انڈر اسٹی میٹ کرنا۔'' وہ خاصی بھنائی ہوئی تھی۔

''مصطفیٰ نے اس سے نکاح کرکے اس کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ اس طرح وہ مزید محفوظ ہوگئی ہے۔ مصطفیٰ کے خاندان نے یہ اسٹیپ اس کی بہتری کے لیے تو اٹھایا ہے۔ ورنہ آج کل کے دور میں کون ہے جو بغیر کسی خونی تعلق کے اپنے یہاں پناہ بھی دیں تحفظ بھی فراہم کریں اور زمانے کے سرد و گرم سے بچانے کے لیے نکاح جیسے بندھن کا بھی اہتمام کریں۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں ایسے مصطفیٰ کے خاندان اور والدین کا یہ فعل قابل ستائش ہے۔'' ولید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر جھٹک گئی۔

وہ گزشتہ دنوں سے ولید سے جس حد تک بدگمان تھی اور کل روشانے سے کیتھی کا ذکر سن کر جس طرح وہ بکھری تھی اور صبح تک اس نے جس طرح خود کو سنبھالا تھا ایسے عالم میں یوں ولید کے سامنے بیٹھ کر گفتگو کرنا اور اخلاقیات برتنا اسے سخت گراں گزر رہا تھا۔ اندر ہی اندر دل میں ایک بوجھ بڑھ رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا ولید بس فٹافٹ کھانا ختم کرے تو وہ اسے اس کی فرمائش پر چائے یا کافی جو بھی وہ چاہتا ہے بنا کر دے کر یہاں سے نکل جائے۔ ویسے بھی باہر ڈھولک رکھی ہوئی تھی پڑوس کی خواتین کو صغراں بلا لائی تھی ماما روشانے سب وہیں تھیں اس کے علاوہ ماما کی چند دوستوں کی فیملیز بھی تھیں۔ یہ اس کے اکلوتے لاڈلے بھائی کی شادی تھی۔ سو دل کی جو بھی کیفیت تھی مگر وہ یہ شادی بھرپور انداز میں انجوائے کرنا چاہتی تھی اسی لیے تو آج سرشام ہی لباس بدل کر ہار سنگھار سے تیار ہوئی تھی۔ اس کی اس تبدیلی پر ماما اور روشانے بہت خوش ہوئی تھیں۔ دونوں نے بہت سراہا بھی تھا اور آج وہ خود کو بھی باقی کچھ دنوں سے بہتر اچھی بھی لگی تھی مگر اب ولید کے ساتھ گزرنے والے یہ چند پل اس کے دل کی زمین کو پھر سے گیلا کرتے جارہے تھے مگر وہ اب پھر سے پہلے والی کیفیت میں جانے کو تیار نہ تھی۔ سو وہ اب کسی بھی بحث میں ملوث ہونے کو تیار نہ تھی۔

''تم نے مصطفیٰ کے دادا صاحب کو دیکھا ہے حویلی میں۔'' ولید نے مزید پوچھا تو وہ چونکی۔

''نہیں..... مگر مصطفیٰ بھائی کے والد صاحب کو ضرور دیکھا ہے۔''

''میرے موبائل میں تصویر ہے اچھے خاصے بارعب شخصیت کے مالک ہیں۔ ان سے مل کر میں بہت متاثر ہوا تھا۔''

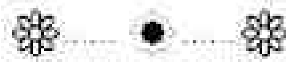
''مصطفیٰ بھائی کا سارا گھرانہ بلکہ خاندان ہی بہت ملنسار اور با اخلاق ہے۔ ان کی والدہ بھی بہت نائس نیچر کی مالک ہیں۔ ان کے دونوں بھائی ان کی منجھلی بھابی اور دونوں بہنیں بھی بہت اچھے لوگ ہیں۔ میں بہت کوشش کے باوجود شہوار کی والدہ سے نہیں مل پائی۔ بس جو ایک دن وہاں رہے ایسا گزرا کہ ان سے ملاقات کا اتفاق ہی نہ ہوسکا مگر جب شہوار کا نکاح ہوا تو تب وہ پاس ہی تھیں مگر تعارف نہ ہوسکا۔ سنا ہے وہ خود بھی بہت سلجھی ہوئی خاتون ہیں بقول شہوار کے حویلی کی ساری ذمہ داری ان ہی کے سپرد ہے۔'' مصطفیٰ کے نکاح کے بعد وہ کیتھی والے واقعے کو لے کر اس قدر ہرٹ ہوگئی تھی کہ وہ لاشعوری طور پر ولید سے سامنا کرنے سے گریز کررہی تھی اور اب آج جب موقع ملا تھا تو ولید تفصیلاً یہ موضوع چھیڑ بیٹھا تھا تو اب اسے بھی بات کرنا پڑ رہی تھی۔

''مصطفیٰ بھائی شادی پر آرہے ہیں نا؟'' ولید کھانا کھا چکا تھا اس کے پوچھنے پر مسکرا کر سر ہلایا اور نیپکن سے ہاتھ صاف کیے۔

''روشانے کی شادی ہو اور مصطفیٰ نہ آئے ناممکن سی بات ہے۔ میں نے تو وہ فیملی ہی انوائٹ کیا ہے دیکھتے ہیں کون کون آتا ہے۔'' ولید نے کہا تو وہ سر ہلا کر اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی اب مزید بیٹھنا بے کار تھا۔ تبھی روشانے اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔

''تو یہ تم ادھر بیٹھی ہوئی ہو اور میں تمہیں ہر جگہ دیکھ آئی ہوں۔ وہاں باہر ہر کوئی تمہارا پوچھ رہا ہے۔ ساتھ والے گھر سے جو آنٹی آئی ہیں انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں بلا

کرانا خود غائب ہوگئی ہے؟" آتے ہی وہ شروع ہوگئی تھی انا مسکرائی۔
"میں بس اب آنے ہی والی تھی۔" خالی برتن سنک پر رکھتے وہ پلٹی۔
"ولی آگئے تھے چائے بھجوا کر ان کو کھانا دینے لگ گئی تھی۔" اس نے کہا تو روشانے نے اپنے بھائی کو دیکھا۔
"آج آپ لیٹ ہوگئے تھے؟" وہ بھائی کے پاس آبیٹھی تھی۔
"ہاں احسن کی جگہ ایک جگہ میٹنگ میں مجھے جانا پڑ گیا تھا۔" ولید بہت ریلیکس انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔
"بابا بھی کئی بار پوچھ چکے تھے۔" روشانے نے اطلاع دی۔
"ہاں انا چائے پلوا رہی ہے۔ وہ پی کر ادھر ہی جا رہا ہوں۔" اس نے کہا تو انا نے گہرا سانس لیتے چولہے کی طرف رخ موڑا۔
"بابا آپ سے کوئی بہت ضروری بات کرنا چاہ رہے تھے بار بار مجھے کہہ چکے تھے کہ جب بھی آپ گھر لوٹیں ان کے پاس بھیج دوں۔" روشانے بھائی کو کہہ رہی تھی۔
"کیا بات کرنی تھی؟" ولید مکمل طور پر بہن کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔
"وہی اسی دن والی۔" روشانے نے اب کے دھیمی آواز میں کہا تو ولید سنجیدہ ہوگیا انا نے پلٹ کر دیکھا۔
"میں کہیں بھاگا تو نہیں جا رہا بابا کو آخر جلدی کس بات کی ہے۔" وہ جھنجلایا۔
"مجھے نہیں پتا خود ہی ان کے پاس جا کر پوچھ لیں ویسے بھی آپ نے اس دن بابا کے سامنے اپنی رضامندی ظاہر کردی تھی۔ مجھے تو سمجھ نہیں آرہی ہے کہ آپ کو اعتراض کیا ہے اب۔" پتا نہیں دونوں بہن بھائیوں میں کیا معاملہ تھا انا کچھ خاص نہ سمجھ پائی تھی۔
"لگتا ہے بابا نے کچھ فائنل کر دیا ہے وہ شام سے پہلے مجھے کچھ ایسی ہی خبر دے رہے تھے۔" روشانے نے دھیمے سے کہا۔ ولید نے چونک کر دیکھا۔
"کیا مطلب؟"
"چائے پی کر بابا کے پاس چلے جائیں وہ آپ کو بتا دیں گے۔"
"لاؤ انا چائے میں بھائی کو دے دوں گی۔ تم اندر جاؤ وہاں وہ سب لوگ تمہیں بلا رہے ہیں۔" بھائی سے کہہ کر وہ انا کے پاس آ گئی تھی۔
"رہنے دو۔ ماما نے تمہیں چولہے کے آگے دیکھ لیا تو مجھے سخت ڈانٹ پلائیں گی۔ ویسے بھی چائے بس تیار ہی ہے۔" انا کی آواز پر ولید نے اسے پر سوچ نظروں سے بغور دیکھا۔ چمکتا دمکتا دلکش سراپا نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ ولید کے دل و ذہن میں ایک جنگ سی چھڑ گئی۔ انا کے پچھلے تمام رویے اور اپنا ردعمل۔
"لگتا ہے اب اس آنکھ مچولی کے کھیل کو بند کرتے بابا سے دو ٹوک فیصلہ کن بات کرنے کا وقت آ گیا ہے۔" ولید کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔
"یہ لے جائیں۔" وہ اپنی سوچوں میں اس بری طرح غرق تھا کہ انا نے چائے کا مگ اس کے آگے لا رکھا تو وہ چونکا اور پھر مسکرا دیا۔
"تھینکس۔" اس نے کہا پر انا بغیر کوئی تاثر دیے پلٹی تو ولید نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا وہ انا کا بدلتا موڈ پوری شدت سے محسوس کر رہا تھا۔



فیضان کمرے سے باہر نکلتے رابعہ کے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر چونکے۔
"یہ لڑکی ابھی تک جاگ رہی ہے۔" وہ اس کے کمرے کی طرف چلے آئے۔ دروازہ ادھ کھلا تھا جس کی وجہ سے کمرے کے اندر کی روشنی باہر آرہی تھی۔ انہوں نے

دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں ایک بستر پر ثریا بیگم سوئی ہوئی تھیں جبکہ رابعہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی۔

''رابعہ۔'' انہوں نے پکارا تو وہ چونکی۔ پلٹ کر ماموں کو دیکھا اور مسکرائی۔

''ارے نہیں ماموں آپ سوئے نہیں۔''

''میں تو سونے لگا تھا باہر نکلا تو تمہارے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھ کر ادھر چلا آیا۔'' وہ اندر آ گئے تھے۔

''بس یہ تھوڑا سا کام تھا۔ یو ایس بی میں سیف کر رہی تھی اور کچھ پرنٹس نکالنے تھے۔'' اس نے کہا تو وہ اس کے پاس آ رکے۔

''بہت کام کرواتے ہیں تمہارے آفس والے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کل ساری رات بھی تم جاگتی رہی ہو۔''

''نہیں ماموں آفس والے تو گھر کام لانے کی پرمیشن نہیں دیتے یہ تو میری ایک فرینڈ کا کام ہے وہ آج شام گھر آئی تھی اس کی اسائنمنٹ تھا کہہ رہی تھی کہ تیار کر دوں۔ کل اسے ہر حال میں جمع کروانا تھا۔'' وہ جلدی جلدی پرنٹ نکال رہی تھی۔ ماموں اسے دیکھے گئے۔

''آپ بیٹھیں نا۔'' اس نے قریب پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ اس کے قریب ہی رکھ کر بیٹھ گئے۔

''آفس کیسا جا رہا ہے تمہارا؟ کوئی پریشانی تو نہیں۔'' انہوں نے یونہی پوچھ لیا۔

''آفس تو ٹھیک چل رہا ہے مگر ان لوگوں کے چند رولز ایسے ہیں کہ مجھے بڑی سخت ہچکچاہٹ ہو رہی ہے۔ جیسے کہ کچھ بھی ہو جائے تمام کام آفس میں ہی مکمل کرنا ہے۔'' اس نے منہ بنا کر کہا تو وہ مسکرا دیے۔

''یہ تو اچھی بات ہے نا۔ اس طرح گھر کو بھی آفس بنانے کی زحمت سے انسان بچ جاتا ہے۔''

''پتا ہے مجھے ان کے اس رول کا قطعی علم نہ تھا اور کل میں کچھ بہت اہم پیپرز گھر لے آئی تھی۔ آج میٹنگ تھی فاروقی صاحب نے صبح جب مجھ سے پیپرز مانگے تو میرے سارے طوطے اڑ گئے۔ وہ سخت ناراض ہو رہے تھے پھر ہادیہ کے ہمراہ گھر سے آ کر کاغذات لے کر گئی تو جان چھوٹی تھی۔ مجھے نہیں علم تھا میری یہ چھوٹی سی غلطی اتنا بڑا ایشو بن جائے گی وہ تو فاروقی صاحب کے دل میں رحم آ گیا کہ انہوں نے بات صرف اپنے تک رکھی تو جان کی خلاصی ہوئی۔ ورنہ تو میں سخت ٹینشن میں آ گئی تھی۔'' وہ آج کا تازہ ترین واقعہ سنا رہی تھی۔ فیضان صاحب نے بڑی دلچسپی سے سنا۔

''ظاہر ہے ہر ادارے کے کچھ رولز ہوتے ہیں۔ خیال رکھا کرو ان رولز کو فالو کیا کرو اسی طرح تجربہ حاصل ہوتا ہے اعتماد آتا ہے۔ ماشاء اللہ ذہین تو تم ہو ہی مگر جو بے پروائی برتتی ہو اس سے کام بگاڑ لیتی ہو۔''

''میں جان بوجھ کر تو کچھ بھی نہیں کرتی۔ بڑی کوشش کرتی ہوں کہ محتاط رہا کروں مگر کہیں نہ کہیں غلطی ہو ہی جاتی ہے۔'' اس کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا اس نے کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا۔

''آپ کدھر تھے جب سے میں آفس سے لوٹی تھی آپ نظر ہی نہیں آئے تھے؟''

''کہیں نہیں بس باہر نکل گیا تھا ویسے ہی۔''

''ماموں آجیل بھائی کی کال آئی تھی۔ وہ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے تھے مگر پھر ٹال گئے۔ مجھے لگا کہ جیسے وہ کچھ پریشان ہیں۔ امی سے بات کی تھی انہوں نے پھر بھائی سے بھائی کو بتایا تھا کہ ان کے ساتھ جولز کا ہوتا ہے نا ابوبکر اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہے تو بھائی ہی سب اخراجات کر رہے ہیں شاید انہیں کچھ

قم کی ضرورت تھی مگر وہاں کسی سے بھی بندوبست نہیں ہو پایا تو شاید اسی لیے آپ سے بات کرنا چاہتے تھے۔" اس نے تفصیلات بتائی تو وہ فکر مند ہو گئے۔

"او وہ کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟"

"پتا نہیں مجھے تو ٹال گئے تھے بھابی کو ہی سب بتایا تھا۔"

"بڑا نیک اور سلجھا ہوا لڑکا تھا یہ ابوبکر بھی پچھلی بار جب وہ چھٹی پر پاکستان آیا تھا تو سہیل کا کچھ سامان لے کر گھر بھی آیا تھا تم تو نہیں ملی تھیں مگر ہم سب سے ملا تھا بہت ہی نیک لڑکا ہے وہ تو...... اللہ خیر کرے...... نجانے کن ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور پردیس میں تو اپنے اور بھی شدت سے یاد آتے ہیں۔" وہ ایک دم فکر مند ہو گئے تھے۔

"میں کال کرتا ہوں ایسے عالم میں تو جتنی بھی رقم ہو کم لگتی ہے۔ میرے وہاں کچھ جاننے والے میں سہیل سے کہتا ہوں ان سے رابطہ کرے۔ ان سے تو اسے ضرور رقم مل جائے گی۔" وہ فوراً متفکر ہو کر اٹھنے لگے تو رابعہ نے انہیں بغور دیکھا۔

"ماموں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ آپ جو نظر آتے ہیں آپ وہ ہیں نہیں۔ نجانے کیوں مجھے کبھی کبھار عجیب وغریب سے وہم ستاتے ہیں۔" فیضان صاحب جو اٹھ کر جانے لگے تھے ایک دم پلٹ کر اسے دیکھنے لگے۔

"پاگل ہو تم تو؟" وہ مسکرا دیے۔

"آپ اور امی اکثر چھپ چھپ کیا باتیں کرتے رہتے ہیں؟" اس نے ایک نیا سوال کیا تو وہ کھل کر ہنس دیے۔

"تمہاری ماں تمہاری طرف سے خاصی فکر مند رہتی ہے۔ اسی فکر میں رہتی ہے کہ کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر تمہیں اپنے گھر بار کا کر دوں۔"

"ماموں۔" ماموں کے الفاظ پر اس نے ایک دم منہ بنایا۔

"مجھے ٹال رہے ہیں؟"

"اچھا بتائیں سہیل بھائی کو آپ نے باہر بھجوایا تھا تب تو ہمارے حالات بہت خراب تھے نا تو پھر آپ نے یہ سارے انتظامات کہاں سے کیے تھے۔ نا صرف بھائی کو باہر بھجوایا بلکہ وہاں کام کا بھی بندوبست کروا دیا تھا؟"

"بیٹا میرے کچھ جاننے والے وہاں کے رہنے والے تھے بس ان سے رابطہ کیا اور تمام انتظامات ان لوگوں نے ہی کیے تھے۔ ہمارے پاس اتنا پیسہ کہاں تھا کہ ہم خود کچھ کرتے۔" ماموں نے رسانیت سے کہا تو وہ انہیں بغور دیکھنے لگی۔

"میں نے سہیل بھائی کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ جیسے آپ کی وہاں کچھ پراپرٹی تھی جو اب سہیل بھائی کے پاس ہے۔"

"میری پراپرٹی؟ حد ہوتی ہے قیاس آرائی کی بھی بیٹا میں تو ساری عمر اپنے گھر اور پھر اس علاقے سے باہر نہیں نکلا وہاں سات سمندر پار کیسے جا سکتا تھا اور پھر پراپرٹی بھی بنانا نجانے تم کیا کیا سوچتی رہتی ہو۔" انہوں نے قدرے ہنس کر کہا تو وہ جھکی۔

"تو پھر جو ابھی آپ نے کہا کچھ جاننے والوں سے سہیل بھائی کو رابطہ کرنے کا کہتا ہوں تو ان لوگوں سے آپ کے کیا ریلیشن ہیں آپ کے تعلقات ان لوگوں سے کیسے بن گئے پھر؟ جبکہ بقول آپ کے کہ آپ اس علاقے سے باہر بھی نہیں نکلے کبھی۔" اب کے فیضان صاحب نے بغور اسے دیکھا۔

"تمہاری والدہ بالکل ٹھیک کہتی ہیں کہ تم ہر بات کی کھال اتارتی ہو۔" انہوں نے کہا تو وہ ہنس دی۔

''نہیں خیر ہر بات کی تو نہیں اتارتی مگر صرف ان باتوں کی جو مجھے متجسس کر دیتی ہیں۔'' وہ ہلکا مسکرا دیے۔
''ماموں ایک بات کہوں؟'' وہ پلٹنے لگے تو اس نے پھر کہا وہ رک گئے۔ سوالیہ نظروں سے رابعہ کو دیکھا۔
''آپ ماشاء اللہ اتنے ہینڈسم ہیں آج بھی لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں لڑکیاں تو دیکھ کر ہی آپ پر مر مٹنے کو تیار ہو جائیں گی اتنے شاندار اس قدر قابل پھر آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟'' ایک تو یہ رابعہ اور اس کے یہ سوالات انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔
''تم واقعی بہت الٹا سیدھا سوچنے اور بولنے لگ گئی ہو میں بھی سوچ رہا ہوں کہ تمہاری والدہ کے مشورے پر عمل کرنے میں اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔'' انہوں نے بہت سنجیدگی سے کہا تو رابعہ بس دیکھ کر رہ گئی۔ وہ جب بھی ایسی کوئی بات کرتی تھی ان کا رویہ ایک دم بے انتہا سنجیدہ دوٹوک اور قطعی ہو جاتا تھا۔
''آپ نے ساری زندگی ہم لوگوں پر ضائع کر دی کیا کبھی بھی آپ کے دل میں خیال نہیں آیا کہ آپ کی بھی بیوی اور بچے ہوتے؟''
''رابعہ.....!'' کچھ توقف کے بعد اس نے پھر کہا تو ماموں نے اسے ایک دم ٹوک دیا۔
''او کے ٹھیک ہے اب کچھ نہیں کہتی بس آپ اپنا موڈ ٹھیک کریں۔'' ماموں کے ٹوکنے پر اس نے ایک دم مسکرا کر کہا تو ماموں ایک گہرا سانس لے کر رہ گئے۔
''میں سہیل کو کال کرتا ہوں اور تم بھی اب سب سمیٹ کر سونے کی تیاری کرو صبح آفس بھی جانا ہے تمہیں۔'' وہ اسے سنجیدگی سے کہتے باہر نکل گئے۔

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا بابا کو کتاب پڑھتے پایا۔
''السلام علیکم۔'' ضیاء صاحب نے کتاب سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
''وعلیکم السلام آ و میں کافی دیر سے روشی سے تمہارا پوچھ رہا تھا۔''
''جی ابھی روشی نے بتایا تھا آپ سنائیں طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ ان کے پاس بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔
''الحمد للہ تم آج لیٹ آئے ہو۔'' انہوں نے کتاب بند کر کے سائیڈ پر رکھ دی۔
''بس احسن کا کچھ کام تھا وہ تو جلدی آ گیا تھا سو میں مکمل کر کے ہی آیا ہوں۔''
''میں نے تم سے اس دن ایک بات کی تھی میں چاہتا ہوں کہ اب روشی کی مہندی کے فنکشن کے دوران ہی تم دونوں کی منگنی کی رسم بھی کر دوں۔'' بابا نے براہ راست کہا تو وہ چونکا۔
''اتنی جلدی کیا ہے؟'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔
''تمہیں جلدی نہیں ہے مگر مجھے تو ہے نا زندگی کا کیا بھروسہ کب دغا دے جائے۔'' ان کا انداز بھی ایک دم سنجیدہ ہو اٹھا۔
''خواہ مخواہ کے خدشے پالنے کی قطعی ضرورت نہیں اور پلیز بابا جان ابھی میں ایسے کسی بھی جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتا۔'' بابا نے بغور اسے دیکھا ولید کا انداز انہیں عجیب سا لگا۔
''تمہیں ناپسند نہیں ہے کیا؟'' ان کے انداز میں ایک دم ڈھیروں خدشے آ ٹھہرے۔
''نہیں بابا..... ایسی بات نہیں ـــــ وہ ایک اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے کچھ حد تک جذباتی ہے مگر ناپسندیدگی والی بات قطعی نہیں۔''

''تو پھر......؟'' باباب کے مکمل طور پر سنجیدہ ہوئے تھے۔

''پتا نہیں بابا کبھی کبھار میں بہت الجھ جاتا ہوں کچھ دھند لے سے نقوش ادھوری سی یادیں دل و دماغ کو عجیب طرح سے الجھانے لگتی ہیں اور ایسے میں لگتا ہے کہ جیسے کہیں کوئی بہت بڑا اسرار پوشیدہ ہے بابا روشی کی شادی اور اب آپ کا فیصلہ مجھے بہت الجھانے لگا ہے۔'' ضیا صاحب نے بہت چونک کر اسے دیکھا۔ وہ واقعی الجھا ہوا تھا۔ انہوں نے ایک دم اس کا ہاتھ تھاما۔

''تم ایسا کیوں سوچتے ہو؟ میں تمہارا باپ ہوں کیا میں تم لوگوں کے حق میں کچھ غلط کر سکتا ہوں۔'' ولید نے انہیں بغور دیکھا اور پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں مگر میں عجلت میں کوئی بھی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔ پلیز ابھی آپ اس کے لیے مجھے فورس مت کریں۔'' ''مگر میں تو اب صبوحی سے بات کر چکا ہوں۔ اس دن تم نے رضامندی دی تھی تو مجھے یہی لگا تھا اب تمہیں انکار نہیں۔'' بابا کے الفاظ پر ولید ٹھٹکا۔

''اف......کیا کہا آپ نے پھوپو سے۔''

''انا کے لیے صبوحی کی کوئی دوست اپنے بیٹے کا آج رشتہ لے کر آئی تھی تب صبوحی نے مجھ سے بات کی صبوحی میری چپ اور تمہارے ٹال مٹول سے شاید یہ سمجھی تھی کہ ہمارا ارادہ رشتہ کرنے کا نہیں۔ سو وہ سنجیدگی کے ساتھ دوسرے سلسلے پر سوچ رہی تھی۔ پھر میں نے صبوحی سے بات کر کے مہندی والے دن منگنی کا فنکشن فائنل کیا۔ وہ ہماری بچی ہے اور ہمارے ہوتے ہوئے باہر کیسے چلی جائے۔''

''اف......آپ مجھ سے پہلے پوچھ تو لیتے۔'' وہ اچھا خاصا الجھ گیا۔

''تم نے اس دن رضامندی دی تو مجھے لگا کہ تمہیں اب انکار نہیں ہوگا۔'' بابا نے سادہ سے انداز میں کہا تو وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ ضیا صاحب نے اسے بغور دیکھا۔

''اگر تم راضی نہیں تو میں انکار کر دیتا ہوں۔'' ولید کے اندر ان کا لہجہ ایک دم دھیما پڑا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اب تو آپ فائنل کر چکے ہیں۔''

''تم راضی نہیں ہو تو یہ رشتہ بھلا کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔'' بابا کا لہجہ بہت شکست خوردہ ہو گیا تھا۔

''میں صبوحی کو انکار کر دوں گا۔'' ''تم دونوں بھائی بہن میری زندگی کا حاصل ہو میں تم دونوں کو ہمیشہ خوش و خرم شاد و آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا کیا ہے آج مر جاؤں تو کل دوسرا دن زندگی تو تم لوگوں نے ہی گزارنی ہے۔ ابھی تو بات میرے صبوحی اور روتار کے درمیان ہی ہے۔'' بابا کا لہجہ ایک دم رزدہ ہوا تھا۔ ولید کے اندر ایک تاسف نے سر اٹھایا۔

''ایم سوری بابا میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ آپ کا ہر فیصلہ میرے لیے مقدم ہے۔ مگر میں اندر سے مطمئن نہیں ہوں اس فیصلے سے۔'' اس نے ضیا صاحب کا ہاتھ تھام کر چوما تو وہ دھیرے سے مسکرائے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''مجھے تمہاری خوشی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اگر تم میری بات کا مان رکھو گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ میں صبوحی سے بات کر چکا ہوں اب ان دونوں میاں بیوی کو انکار کرتا ہوں تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔'' بابا جان کے الفاظ پر وہ کئی ثانیے تک گم صم رہا اور پھر ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

''ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی مگر جو بھی کریں وہ بس رسمی سا ہو میرا مطلب ہے کہ زیادہ دھوم دھڑکا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' بابا ہلکا سا مسکرا دیے۔

''خوش رہو......جیتے رہو۔'' ولید نے محض سر ہلایا۔ بابا نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔

''ایک بات بتاؤ، وہ تمہیں انا پسند نہیں ہے کیا؟ میں نے بہت بار نوٹ کیا ہے کہ جب بھی کوئی ایسی بات ہوتی ہے تمہارا رویہ بہت تبدیل ہو جاتا ہے مگر عام روٹین میں تمہارا انا کے ساتھ رویہ قابل گرفت نہیں ہے خاصا دوستانہ ہوتا ہے۔'' بابا کی بات پر وہ قدرے چونک کر سیدھا ہوا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ بس فی الحال اس رشتے کے حق میں نہیں ہوں تو اس لیے بھی میرے انکار سے آپ کو ایسا فیل ہوا۔''

''میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ انا تمہارے بارے میں خاصی پوزیسو ہے شاید پسند بھی کرتی ہے تمہیں۔ ہو سکتا ہے وہ تمہارے اور اپنے اس رشتے کے سلسلے سے باخبر ہو اور اسی لیے خاص خیال رکھتی ہو۔'' بابا نے اب کے مسکرا کر دوستانہ انداز میں کہا تو ولید چونکا۔

''آپ کو یہ کیسے اندازہ ہوا؟''

''تم لوگ میرے سامنے کے بچے ہو ایک عمر گزاری ہے میں نے۔ انا جیسی سادہ مزاج لڑکی تو ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ کوئی بھی انسان جو ذرا دھیان دے تو فوراً نوٹ کر سکتا ہے اور میرا خیال ہے کہ تم بھی نوٹ کر چکے ہو کہ آج کل اس کے دم بدم بدلتے رویوں اور مسلسل خاموش طبیعت کا اصل محرک کیا ہے؟'' بابا نے مسکرا کر کہا تو ولید نے سر جھکا لیا۔

''آپ کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے؟'' اس نے بات ٹالنا چاہی۔

''میں نے ایک عمر گزاری ہے آج اس مقام پر ہوں تو ایک طویل جدوجہد پر مبنی زندگی کے بعد یہ سب حاصل کر پایا ہوں۔ نہ میری نظر کمزور ہے اور نہ ہی ابھی میں اتنا سٹھیا ہوں کہ سامنے کی بات نہ سمجھ سکوں۔'' ان کے الفاظ پر ولید خاموش ہی رہا تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ تم انا کے ساتھ بہت خوش رہو گے۔'' انہوں نے محبت سے کہتے اس کے بال بکھیرے۔

''وہ بہت پیاری بچی ہے اور مجھے وہ شروع دن سے ہی تمہارے لیے پسند تھی۔ شادی تو جب تم کہو گے کریں گے مگر رشتہ طے کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے نا۔''

''اور انا اس سے بھی کسی نے پوچھا کہ نہیں؟''

''یہ تو صبوحی ہی جانتی ہو گی اس معاملے میں مجھے علم نہیں۔''

''آہم......'' ولید نے ہنکارا بھرا ابھی اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ ولید نے پاکٹ سے موبائل نکال کر اسکرین دیکھی۔ نامعلوم مگر کچھ کچھ مانوس سا نمبر تھا ولید کو دو سیکنڈ لگے تھے نمبر پہچاننے میں۔

''کون ہے؟'' اس نے جیسے ہی کال ڈسکنیکٹ کی بابا نے پوچھا۔

''پتا نہیں کوئی رانگ نمبر ہے۔'' اس نے ٹالا ابھی دوبارہ موبائل بجنے لگا۔

''سن لو شاید کوئی جاننے والا ہی ہو۔'' وہ دوبارہ کال کاٹنے لگا تھا جب بابا نے کہا اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''آپ نے مجھ سے کوئی اور بات تو نہیں کرنی اس سلسلہ میں۔'' بستر سے اٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''نہیں......بس یہی پوچھنا تھا۔''

''اوکے پھر میں چلتا ہوں۔'' کال مسلسل آ رہی تھی وہ بابا کو عجلت میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

''ہیلو۔'' اس نے کال پک کی۔

''کہاں تھے آپ؟ میں جب بھی کال کرتی ہوں آپ پک ہی نہیں کرتے۔'' دوسری طرف وہی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟''

''کیا آپ سے بات کرنے کے لیے کسی کام کا ہونا ضروری ہے۔'' دوسری طرف وہ لڑکی خاصی حاضر دماغ تھی۔ ولید ہلکا سا مسکرایا۔

''اچھا جواب ہے مس کاشفہ صاحب مجھ جیسے انجان شخص سے آپ کی کوئی اتنی گہری رشتہ داری بھی نہیں کہ آپ دن میں کوئی دس دس بار کال کرتی پھریں۔''

''شکر ہے ہر بار کی طرح اس بار مجھے اپنا تعارف نہیں کروانا پڑا ہے اور رہ گئی رشتہ داری کی بات تو آج کے دور میں کسی سے بھی رشتہ داری بناتے کون سا دیر لگتی ہے بس مزاج ملنا چاہئیں۔'' وہ لڑکی خاصا مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

''پھر تو آپ کو یہ جان کر خاصا افسوس ہوگا کہ ہمارے مزاج قطعی نہیں ملتے 'ایک فیصد بھی نہیں۔'' ولید راہداری کا دروازہ عبور کرتے انا والے حصے میں آ کر بالکونی میں آ کھڑا ہو گیا۔ نیچے لاؤنج کا منظر واضح تھا۔ ڈھیر سارے چہرے' ڈھولک کی لے پر گیت اور شور۔

''آپ مزاج ملنے پر آمادہ تو ہوں پھر دیکھتے ہیں کہ کیسے نہیں ملتے۔ آپ کی طرف بہت شور برپا ہے کیا کوئی پرابلم ہے؟'' اس لڑکی کی حسیات شاید بہت شارپ تھیں فوراً نوٹ کر کے پوچھنے لگی تھی۔

''نہیں گھر میں شادی کا فنکشن ہے' یہ اسی سلسلے کا ہنگامہ ہے۔'' ولید نے نیچے ڈھولک کے ارد گرد بیٹھے چہروں پر نگاہ ڈالی۔

تبھی انا کا مسکراتا چہرہ اس کی نگاہوں کی گرفت میں آیا تھا۔ تالی بجاتی وہ نجانے کس بات پر مسکرائی تھی' ایک پل کو ولید کی نگاہ اس کے چہرے پر جم سی گئی تھی۔ بے بی پنک لباس میں اس کا وجود بڑا خیرہ کن لگ رہا تھا۔ ایک عجیب سی چمک دمک تھی آج اس کے وجود میں اور اٹھتی گرتی پلکوں کا رقص بھی کچھ بڑا ہی سحر انگیز تھا۔ انا کے لیے صبوحی کی امی اپنے بیٹے کے بیٹے کا آج رشتہ لے کر آئی تھی۔'' اسے اپنے کانوں میں کچھ دیر قبل کے بابا کے الفاظ گونجتے محسوس ہوئے۔

''ہیلو...... کہاں کھو گئے' کیا ہوا؟'' دوسری طرف موجود لڑکی کہہ رہی تھی اور ولید کی نگاہ مسکراتے سحر انگیز وجود پر ٹھہری گئی تھی۔

''تب صبوحی نے مجھ سے بات کی صبوحی میری چپ اور تمہارے لاابالی موڈ سے شاید یہ سمجھی تھی کہ ہمارا ارادہ رشتہ کرنے کا نہیں ہے سو وہ سنجیدگی کے ساتھ دوسرے رشتے پر سوچ رہی تھی۔'' ولید کی نگاہوں کے سامنے انا کا مسکراتا چہرہ تھا۔

''تو محترمہ اس قدر اہتمام سے آج اس لیے تیار ہوئی تھیں۔''

''ہیلو ولید! کیا تم مجھے سن رہے ہو۔'' دوسری طرف موجود لڑکی پکار رہی تھی ولید نے اپنی مکمل توجہ اس جانب مبذول کی۔

''میں سن رہا ہوں' کیا کہہ رہی تھیں آپ؟''

''کس کی شادی ہو رہی ہے؟'' دوسری طرف موجود لڑکی نے پوچھا۔

''میری سسٹر کی۔''

''اوہ۔'' لڑکی نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''آپ کے گھر میں اور کون کون ہے؟''

''میری بہن میرے والد اور پھوپو کی فیملی۔'' ولید نے اب بھی گاہے بگاہے انا کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ کی پھوپو کی فیملی بھی آپ لوگوں کے ساتھ رہتی ہے؟''
''نہیں ہم لوگ ان کے ساتھ رہتے ہیں۔'' انا نے یونہی تالیاں بجاتے سر اٹھا کر دیکھا تبھی وہ چونک سی گئی تھی ولید مکمل توجہ سے اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ ایک پل کو ٹھٹکی تھی۔ اس نے گھبرا کر اطراف میں دیکھا اور پھر ولید کو وہ ریلنگ پر جھکتے ہوئے مسکرائے۔
''کیوں؟'' دوسری طرف کاشفہ نے پوچھا تھا۔
''اس لیے کہ ہم کمبائن فیملی میں رہتے ہیں۔''
''اوہ......'' انا نے ولید کی مسکراہٹ کو خاصا حیران ہو کر دیکھا تھا۔
''آپ کی پھوپو کی فیملی میں اور کون کون شامل ہے؟''
''میری پھوپو ان کے شوہر بیٹا اور بیٹی۔''
انا اب دوبارہ تالیاں بجا رہی تھی مگر اس کے انداز میں اب اطمینان مقصود تھا وہ پل پل بعد کبھی چہرے پر آئی لٹ کو سمیٹ رہی تھی تو کبھی دوپٹہ درست کر رہی تھی پھر اس نے بہت اکتا کر ہاتھ جھولی میں رکھتے ولید کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ابھی بھی مکمل توجہ سے ادھر ہی دیکھ رہا تھا اس کے دیکھنے پر پھر مسکرایا تھا۔ انا کی آنکھوں میں اک خفگی سی در آئی۔
''او کے خاتون میری فیملی مجھے بلا رہی ہے پھر بات ہوگی۔'' انا نے روشانے کی طرف رخ موڑ لیا تھا جو پاس ہی براجمان تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
''او کے پھر کب؟''
''دیکھئے کب موقع ملتا ہے اصل میں میری سسٹر کی شادی ہے تو میں ادھر بزی ہوں آج کل۔''
''ہمیں شادی پر نہیں بلوائیں گے آپ؟'' کاشفہ نے خاصی بے تکلفی سے کہا۔
''آپ شامل ہونا چاہیں گی۔'' ولید نے مروتاً کہا۔
''کیوں نہیں کس دن ہے فنکشن؟''
''میں آپ کو کارڈ بھجوا دوں گا پھر۔'' اب دیگر خواتین بھی اسے دیکھ چکی تھیں۔
کچھ لڑکیاں تو پلٹ پلٹ کر دیکھنا شروع ہوگئیں تو ولید کو مزید یہاں اپنا کھڑے رہنا اچھا نہ لگا وہ فوراً وہاں سے پلٹا تھا۔
''میں انتظار کروں گی۔''
''او کے پھر بات ہوگی اللہ حافظ۔''
''اللہ حافظ۔'' ولید نے کال بند کر کے موبائل اپنی جیب میں رکھا اور پھر پھوپو والے حصے کی طرف جانے کی بجائے کچھ سوچتے وہ واپس اپنے کمرے کی طرف آ گیا۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





ٹوٹا ہوا تارا.....قسط نمبر.....17 .....سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

آفس میں فاروقی صاحب رابعہ سے فائل طلب کرتے ہیں جبکہ وہ فائل رابعہ گھر بھول آتی ہے جس پر انہیں مجبوراً پہلے گھر جانا پڑتا ہے اور وہیں سے وہ میٹنگ اٹینڈ کرنے کی غرض سے جاتے ہیں۔ وہیں عادلہ ہوٹل میں انہیں دیکھ کر خاصی برہمی کا اظہار کرتی ہے وہ رابعہ پر عباس کے حوالے سے الزام عائد کرتی ہے جس پر رابعہ کا ضبط جواب دے جاتا ہے۔ وہ ان تمام باتوں کا مقصد سمجھ نہیں پاتی۔ ایاز والے معاملے کو لے کر عبدالقیوم اور ان کی بیگم خاصی متفکر ہوتی ہیں لیکن اس کی ضمانت کسی طور پر نہیں ہو پاتی۔ وہ عادلہ کو واپسی کے لیے کہتے ہیں تاکہ وہ آفاق کو بھی حاصل کر سکے لیکن عادلہ اس معاملے میں صاف انکار کر دیتی ہے ویسے بھی اسے آفاق سے کوئی دلچسپی نہیں۔ امجد خان لارخ کے حوالے سے عبدالقیوم کو جو دھمکی دیتا ہے اسی کو لے کر وہ خاصے پریشان رہتے ہیں۔ لائبہ بھابی شہوار سے مصطفیٰ کو لے کر بات کرتی ہیں لیکن وہ انہیں کوئی تسلی بخش جواب دیے بغیر خود کو دیگر کاموں میں مشغول کر لیتی ہے۔ عائشہ کی زبانی جب اسے علم ہوتا ہے کہ زیر تصرف موبائل مصطفیٰ کا ہے تو وہ شدید غصے کے عالم میں اس کا فون واپس اس کے کمرے میں رکھ آتی ہے۔ ولید انا کے اضطراب اور پل پل بدلتے رویوں کو سمجھ نہیں پاتا اسی موضوع پر وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن انا لاتعلقی اختیار کر لیتی ہے اسی دوران ضیاء صاحب ولید کو اندر بلاتے ہیں اور انا کے بارے میں اس کی حتمی رائے جاننا چاہتے ہیں ان کا ارادہ روشانے کی مہندی کے فنکشن میں ہی دونوں کی منگنی کا ہوتا ہے جبکہ یہ سب سن کر ولید خاصا الجھ جاتا ہے۔ لیکن ضیاء صاحب کے اصرار پر وہ بالآخر اس فیصلے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتا ہے۔ دوسری طرف رابعہ اپنے ماموں فیضان صاحب کو سہیل کی کال اور دوست کے ایکسیڈنٹ کی خبر سناتی ہے جس پر وہ خاصے فکرمند نظر آتے ہیں اور وہاں اس کے لیے پیسوں کا بھی انتظام کرتے ہیں جس پر رابعہ خاصی الجھ جاتی ہے کہ وہ بیرون ملک یہ سب انتظامات کیسے کروا پائیں گے اسی بارے میں وہ ان سے پوچھ گچھ بھی کرتی ہیں لیکن وہ اسے نظر انداز کرتے باہر آ جاتے ہیں۔ ولید کے نمبر پر کاشفہ کی کال آ جاتی ہے وہ بے دلی سے جواب دینے پر مجبور ہوتا ہے اس کی ساری توجہ انا پر مرکوز ہوتی ہے جو کہ شادی کے ہنگامے میں مصروف تھی۔ ولید اپنی بہن کی شادی کا ذکر اور مصروفیت کا حوالہ دیتے فون بند کرنا چاہتا ہے جس پر کاشفہ بھی شادی میں شریک ہونے کا کہتی ہے اور آخر کار ولید اس کے ہاں کارڈ بھجوانے کا کہہ کر فون بند کر دیتا ہے کاشفہ کے بارے میں سوچتے وہ نیچے جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



شہوار تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو ملازمہ راستے میں ہی مل گئی۔

”ناشتا کر لیں' بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ جلدی آئیں صاحب لیٹ ہو رہے ہیں۔“

”کون صاحب؟“ وہ چونکی۔

”مصطفیٰ صاحب' آپ پہلے بھی تو ان کے ساتھ ہی جاتی تھیں۔“ رخشندہ ان کے نکاح سے باخبر تھی اپنی طرف سے اس نے مسکرا کر کہتے شرارت کرنا چاہی۔

”مگر میں اب نہیں جا رہی۔“ رخشندہ کی مسکراہٹ تھی یا صبح صبح مصطفیٰ کا ذکر تھا وہ ایک دم اسے غصے سے کہتی آگے بڑھ گئی۔ وہ ڈائننگ روم میں آئی تو وہاں سبھی موجود تھے ماسوائے عباس اور سجاد کے۔

”میں آپ کو کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ ڈرائیور کس مرض کی دوا ہے۔ ابھی دو گھنٹے پہلے ہی تو آپ کے سامنے گھر آیا ہوں۔ اب پھر ضروری کام سے جانا ہے۔ آپ کسی اور کو کہہ دیں۔“ دودھ کا گلاس ختم کر کے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار دہلیز پر ہی رک گئی۔ یقیناً یہ اسی کا ذکر ہو رہا تھا۔

”مصطفیٰ میں دیکھ رہا ہوں کہ جب سے یہ نکاح ہوا ہے تمہارا رویہ شہوار کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں ہے' وہ اس گھر کی بہو ہے پہلے میں سمجھتا تھا

کہ شہوار محض اپنے پس منظر کو لے کر انکاری ہے مگر اب محسوس ہو رہا ہے کہ اس کے انکار کے پیچھے تمہارا رویہ بھی وجہ بنا ہوگا۔'' ناشتے کی ٹیبل پر صبح صبح بحث چل رہی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک دم گلاس ٹیبل پر رکھا۔

''آپ زیادتی کر رہے ہیں بابا جان' میں نے ایک بار بھی اس نکاح کو لے کر آپ کے سامنے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ نہ پہلے اور نہ اب' مجھے موردِ الزام ٹھہرانے سے پہلے آپ مہربانی فرما کر دوسری طرف کی صورتِ حال پر بھی غور کر لیں تو بہتر ہوگا۔''

''وہ بھی تمہارے ہی کسی رویے پر انکاری ہوگی۔ ورنہ وہ ہمارے سامنے پلی بڑھی ہے ہم اس کو تم سے بہتر سمجھتے ہیں۔'' ان کا انداز دوٹوک تھا۔

''اچھا......!'' مصطفیٰ غصے سے مسکرایا تو ماں جی فوراً بولیں۔

''کیا ہو گیا ہے آپ دونوں کو...... مصطفیٰ کے پاس ٹائم نہیں ہوگا' شہوار کسی اور کے ساتھ چلی جائے گی۔'' انہوں نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا تھا۔

''عباس اور سجاد جا چکے ہیں مجھے بھی ایک کام سے ابھی نکلنا ہے ڈرائیور کے ساتھ نہیں بھیجوں گا میں' اب اس کو لے جاتے ہوئے کیا پریشانی ہے اسی طرف سے تو ہو کر جانا ہے اس نے۔'' بابا نے غصے سے کہتے ہاتھ میں پکڑا نیپکن ٹیبل پر ڈال رکھ دیا۔

''اتنا بڑا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا' ایسے عالم میں ڈرائیور پر چھوڑ کر کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ یہ نکاح عجلت میں اسی لیے کیا گیا تھا شہوار ہماری ذمہ داری ہے مکمل طور پر اور نکاح کے بعد اب اس کی......!'' بابا کا انداز قطعی تھا۔

''ابھی صرف نکاح ہوا ہے' رخصتی باقی ہے۔ ایسے عالم میں وہ محترمہ ابھی میری مکمل ذمہ داری قرار نہیں دی جا سکتیں۔'' مصطفیٰ کا وہی دوٹوک انداز تھا مسلسل بحث کو ہوا دیتا ہوا۔

''یہ تم کس لہجے میں شہوار کا ذکر کر رہے ہو' رخصتی جیسی فرسودہ رسمیں اس نکاح کے سامنے بے معنی ہیں۔ میں چاہوں تو کل ہی رخصت کروا دوں۔''

''اوکے...... جب رخصتی ہوگی تو میں لے بھی جاؤں گا اس وقت تو اجازت دیں کہ میں جا سکوں، خوامخواہ مجھے لیٹ کروا رہے ہیں۔''

''مصطفیٰ......'' مصطفیٰ اٹھا تو بابا نے بہت سختی سے ٹوکا۔ شہوار کو لگا کہ وہ یقیناً کچھ سخت کہنے لگے ہیں وہ گھبرا کر فوراً اندر بڑھ گئی۔

''السلام علیکم!'' مصطفیٰ کی طرف دیکھے بغیر اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا۔

مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پھر باقی لوگ بھی متوجہ ہوئے۔

''وعلیکم السلام...... آؤ ناشتا کرو۔'' ماں جی نے فوراً ماحول کی کشیدگی کم کرنا چاہی تھی۔

شہوار محض سر ہلا کر بھابی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ دوسری طرف مصطفیٰ کھڑا تھا۔ مصطفیٰ نے بڑی سلگتی نگاہوں سے شہوار کو دیکھا تھا۔

''شہوار کو ڈراپ کرتے جانا' سنا تم نے......!'' مصطفیٰ وہاں سے جانے لگا تو شاہزیب صاحب نے پھر کہا۔

''بابا میں لیٹ ہو رہا ہوں۔'' مصطفیٰ نے زچ ہو کر کہا۔ ماں جی نے شہوار کے سامنے دودھ انڈہ اور دیگر لوازمات رکھتے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''مگر شہوار کو ڈراپ کرنا اس سے زیادہ اہم ہے' تم جا کر اپنی گاڑی نکالو' شہوار ناشتا کر کے آتی ہے۔'' بابا کا انداز فیصلہ کن تھا۔

''مگر بابا......!'' مصطفیٰ نے بولنا چاہا۔

''مصطفیٰ میں نے جو کہا ہے وہ کرو۔'' بابا نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ مصطفیٰ بہت غصے سے پلٹا تھا۔ شہوار کو بھی کے سامنے شدید سبکی کا احساس ہوا۔

''انکل میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی۔ اس میں کوئی اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے۔'' شہوار نے شاہزیب صاحب کو بھی اٹھتے دیکھ کر کہا۔

''آپ کل ڈرائیور کے ساتھ اکیلی کالج گئیں اور واپس آئی تھیں مجھے ابھی تک اس بات پر بہت غصہ ہے۔ ایاز کی کسی بھی وقت ضمانت ہو سکتی ہے اور میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ آپ ہماری ذمہ داری ہو بیٹا اور ہم اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں برتنا چاہتے۔ آپ ناشتا کر لیں مصطفیٰ آپ کو چھوڑ آئے گا۔ واپسی پر میں خود پک کروں گا۔'' ان کا انداز حتمی اور دوٹوک تھا۔ شہوار نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

''میں کمرے میں جا رہا ہوں آپ شہوار کو خود گاڑی تک چھوڑ کر آئیں اور مصطفیٰ کو بھی اچھی طرح سمجھا دیں کہ آئندہ میں ایسی بے معنی بحث برداشت نہیں کروں گا۔'' بابا ماں جی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ شہوار ان کو جاتا دیکھتی رہی۔

''ناشتہ کرلو...... مصطفیٰ کو دیر ہو رہی ہے۔'' اسے اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے دیکھ کر لائبہ بھابی نے ٹوکا۔
''موڈ نہیں ہو رہا۔'' اس نے ٹرے پیچھے کر دی۔
''تو یہ دودھ ہی پی لو اور انڈہ لے لو۔'' ماں جی نے کہا اور گلاس اٹھا کر اسے تھمایا تو اس نے خاموشی سے تھام لیا کبھی کبھی وہ ان کی محبتوں کے آگے بے بس ہو جاتی تھی۔ دودھ پی کر انڈہ اور سلائس کھا کر وہ جب باہر نکلی تو ماں جی اس کے ہمراہ ہی تھیں۔ مصطفیٰ پاتھ وے پر گاڑی لیے منتظر تھا اور مسلسل ہارن پر ہارن دیے جا رہے تھا۔
''تو یہ! تم نے تو گھر سر پر ہی اٹھا لیا ہے۔ آ گئے ہیں ہم اب اٹھا لو ہاتھ۔'' ماں جی نے قریب آ کر کہا تو شہوار نے بہت کوفت سے گاڑی کو دیکھا جو اسٹارٹ تھی۔
''مجھے دیر ہو رہی ہے ماں جی۔'' مصطفیٰ نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔
''ناشتا کر رہی تھی بچی! عجلت میں تو کچھ کھایا بھی نہیں۔ اب دروازہ تو کھولو۔'' وہ جو پچھلے دروازے کی طرف بڑھی تھی ماں جی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اور مصطفیٰ کو دروازہ کھولنے کو کہا۔
مصطفیٰ نے پتا نہیں نوٹ کیا تھا کہ نہیں مگر فرنٹ ڈور کھول دیا اور ماں جی کے اشارہ کرنے پر شہوار اپنے اوپر ضبط کرتی سیٹ پر بیٹھ گئی تو ماں جی نے مسکرا کر دونوں کو دیکھتے دروازہ بند کر دیا۔
''واپسی پر تمہارے بابا شہوار کو پک کر لیں گے۔ شہوار ان کو وقت پر بتا دینا۔'' ماں جی نے دونوں کو کہا تو شہوار نے سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ نے فوراً گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔
مصطفیٰ نے بہت ہی ریش انداز میں گاڑی گیٹ سے نکالی تھی انداز اس قدر جارحانہ تھا کہ شہوار نے سختی سے ڈیش بورڈ پر ہاتھ رکھ کر خود کو گرنے سے بچائے رکھا۔
''یہ کیا بدتمیزی ہے آپ گاڑی نارمل اسپیڈ میں نہیں چلا سکتے؟'' وہ ضبط کیے بیٹھی رہی تھی مگر مین روڈ پر آ کر بھی گاڑی کی اسپیڈ جوں کی توں برقرار رہی تو وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ مصطفیٰ نے سر گھما کر اسے دیکھا۔
''شوفر نہیں کسی کا کہ نا کسی کے حکم کا پابند ہوں۔'' انداز بیان اس سے زیادہ جارحانہ تھا۔
''تو پھر مجھے یہاں اتار دیں میں خود جا سکتی ہوں۔'' وہ کون سا سکون سے بیٹھی تھی ایک دم بدلحاظی پر اتر آئی۔
''آپ کی یہ جسارت میرے لیے تو عین خوشی کا مقام ہوگا کہ ایک ناپسندیدہ بوجھ سے جان چھوٹے گی۔'' وہ تو سیر کو سوا سیر ثابت ہو رہا تھا۔ شہوار کا ضبط سے برا حال ہونے لگا۔ اس نے بہت غصہ سے مصطفیٰ کو دیکھا۔
''مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ آپ اتنے روڈ انسان ہیں۔''
''مجھے بھی قطعی اندازہ نہیں تھا کہ آپ جیسی بظاہر بے ضرر دکھنے والی لڑکی اندر سے مکمل طور پر احساس کمتری کی ماری ہوئی ہوگی۔'' دوسری طرف سے فوراً جوابی کارروائی ہوئی۔
''آپ فوراً گاڑی روکیں مجھے آپ کے ساتھ قطعی نہیں جانا کہیں۔''، مصطفیٰ کے الفاظ نے گویا شہوار کے اندر آگ بھڑکا دی تھی۔
''میں کسی کے حکم کا پابند نہیں ہوں۔ اگر میرے ساتھ سفر کرنا اتنا ہی اذیت ناک مرحلہ لگ رہا ہے تو بابا کے سامنے انکار کیا ہوتا پھر میں دیکھتا کہ ایک ناپسندیدہ بوجھ کیسے میرے سر پر سوار ہوتا؟'' وہ کون سا کم تھا فوراً دوٹوک جواب دیا۔
''میں انکل کو آج ہی منع کر دوں گی مجھے بھی کسی کے سر پر مسلط ہونے کا کوئی شوق نہیں۔''
''آہا...... اس صدی کا سب سے نایاب جھوٹ۔'' مصطفیٰ استہزائیہ ہنسا تو وہ غصے سے کھڑکی کی طرف رخ موڑ گئی۔
''آپ محترمہ مجھ پر احسان عظیم فرمائیں گی اگر بابا کو منع کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو......!'' شہوار نے ضبط سے لب بھینچ لیے۔ اسے لگا کہ جیسے اس قدر احساس توہین پر ضبط سے اس کی آنکھیں جلنے لگی ہوں۔
''اور موبائل واپس کرنے کا کیا قصہ ہے اگر اتنا ہی ناگوار لگ رہا تھا تو پہلے دن ہی واپس کر دیا ہوتا اتنے دن بعد واپس کرنے کی ضرورت خوامخواہ پیش آ گئی؟'' شہوار نے بہت چونک کر اسے دیکھا۔

اسے لگا کہ آج کا یہ سارا غصہ صرف اور صرف اس کی موبائل واپس کمرے میں رکھ کر آنے والی حرکت کی وجہ سے ہوا ہے۔ مصطفیٰ کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور وہ سامنے دیکھ کر ڈرائیو کر رہا تھا۔

''میں نے موبائل یوز نہیں کیا اور نہ ہی کل سے پہلے مجھے علم تھا کہ یہ آپ کا موبائل ہے۔'' مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''اور پھر ایک دم اچانک الہام ہو گیا تھا کہ یہ میرا موبائل ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز ایک دم طنزیہ تھا۔

''میں اس سلسلے میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''مگر میں کرنا چاہتا ہوں۔'' مصطفیٰ کا انداز دوٹوک تھا۔

''جب تک ساری بات کلیئر نہیں ہو گی یہ گاڑی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گی۔'' مصطفیٰ نے بہت برہم انداز میں کہتے گاڑی سائیڈ میں روک دی تھی۔ شہوار تو حیرت زدہ رہ گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ غصے سے بولی۔

''اب آپ کو دیر نہیں ہو گی؟'' اس نے کوفت سے کہا۔

''میں اپنے والدین کے سامنے مزید کوئی الزام افورڈ نہیں کر سکتا۔ آپ محترمہ مجھے صاف اور واضح بتائیں کہ آپ کیا ارادہ رکھتی ہیں۔'' اس نے فوراً دوٹوک بات کرنا چاہی۔

''میں کیا چاہتی تھی آپ لوگ قطعی بے خبر نہ تھے۔ اب میں کچھ بھی سوچوں آپ لوگوں کو میرے ارادوں کی کیا پروا؟'' شہوار نے سابقہ انداز میں کہا تو مصطفیٰ مکمل طور پر اس کی طرف پلٹا۔

''میں ہر چیز برداشت کر سکتا ہوں مگر اپنی فیملی کی بے اعتباری نہیں' یہ نکاح تمہاری مجبوری تھا میری نہیں۔'' شہوار احساس توہین سے سلگ کر رہ گئی۔

''میں نے صاف انکار کیا تھا۔'' شہوار نے مصطفیٰ کے الفاظ پر ایک دم غصے سے کہا تو مصطفیٰ نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔

''اور اب کیا چاہتی ہو؟'' مصطفیٰ نے کچھ توقف کے بعد کہا تو وہ ہونٹ بھینچ گئی۔

''شہوار میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔''

''میں کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی' مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''مگر جب تک یہ بات فائنل نہیں ہو گی تم کہیں نہیں جاؤ گی۔'' مصطفیٰ بہت ریلیکس ہو کر بیٹھا تھا۔ شہوار اضطراب کا شکار ہوئی اس نے گھڑی دیکھی نو بج رہے تھے وہ دونوں ہی لیٹ ہو رہے تھے۔

''یہ رشتہ میرے بڑے کرنا چاہتے تھے اس میں میری فیملی' بابا صاحب اور تابندہ بوا سب کی رضامندی شامل تھی اور میں نے اس کو دلی آمادگی کے ساتھ قبول کیا اور اب تمہارا رویہ میں قطعی برداشت نہیں کروں گا اور جس قسم کی کمپلیکس کا تم شکار ہو میرے نزدیک ان کی تو قطعی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اگر مجھے کوئی چیز متاثر کر رہی ہے تو وہ بابا جان کا رویہ ہے۔ تم صاف اور واضح الفاظ میں بابا جان کو اپنا ارادہ بتاؤ ورنہ اس کے بعد جو میں کروں گا اس سب کی ذمہ دار تم ہوں گی۔''

''میں کیوں ہوں گی ذمہ دار جب میں نے صاف اور واضح الفاظ میں آپ کے سامنے انکار کیا تھا تب تو آپ کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا میرے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی اب انکل کچھ بھی سمجھیں میں کیوں صفائیاں پیش کرتی پھروں اپنے رویوں کی؟ میں کسی سے کوئی بات نہیں کروں گی آپ گاڑی چلانا چاہتے ہیں تو ٹھیک ورنہ مجھے یہیں ڈراپ کر دیں میں اب ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتی۔''

''تم.....تم.....!'' مصطفیٰ نے ایک دم غصے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

''کیا سمجھتی ہو تم خود کو' کوئی اعلیٰ و ارفع شے مافوق الفطرت ہستی یا کوئی سپر لیڈی...... میں عورت کی بہت عزت کرتا ہوں مگر صرف اس کی جو عزت کروانا جانتی ہو آئندہ مجھ سے اس انداز و لہجے میں بات کی تو حشر نشر کر دوں گا میں تمہارا' یہ مت بھولو کہ تم میری بیوی ہو بھلے تم نے جن حالات میں اقرار کیا تھا مگر ایک مجمع گواہ ہے کہ تمہارے سر پر کوئی گن لے کر نہیں کھڑا تھا۔'' مصطفیٰ نے اس کا نازک بازو اپنے آہنی شکنجے میں جکڑا تو وہ مارے تکلیف کے سلگ اٹھی۔

''مصطفیٰ پلیز...... چھوڑیں مجھے...... کیا بدتمیزی ہے یہ۔''

''آئندہ تم نے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو بہت بری طرح پیش آؤں گا میں۔'' مصطفیٰ کا یہ کوئی نیا ہی روپ تھا۔ شہوار کے لیے بالکل نیا اور قطعی انجان۔ مصطفیٰ کی سخت گرفت میں اس کا بازو بری طرح مسلا گیا تھا۔ مارے تکلیف کے اس کے آنسو بہہ نکلے۔

''چھوڑیں مجھے انتہائی بدتمیز انسان ہیں آپ میں انکل سے شکایت کروں گی۔'' مصطفیٰ کا یہ روپ وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

''کیا کہو گی تم اپنے انکل جی کو۔'' اس کے آنسوؤں سے قطعی متاثر ہوئے بغیر مصطفیٰ نے کہا تو وہ دوسرا ہاتھ چہرے پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''بس یہیں تک تھی تمہاری ہمت' لگی تھیں مجھ سے محترمہ بدتمیزی کرنے۔'' اس کے رونے کا اثر ہوا تھا مصطفیٰ نے ایک قہر آلود نگاہ ڈال کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔

''انتہائی زہر لگتی ہیں مجھے وہ خواتین جو ہر طرح کے سود و ضیاع سے بے پروا ہو کر غلطی کرتی ہیں اور پھر رونے دھونے بیٹھ جاتی ہیں۔'' مصطفیٰ نے برہمی سے کہا تو اس کے بے اختیار بہتے آنسو ٹھٹھر سے گئے۔

''میں اب تک بہت لحاظ و مروت سے پیش آ رہا تھا ورنہ تم جیسی خر دماغ خواتین کا دماغ مجھے سیدھا کرنا آتا ہے۔'' شہوار نے لب دانتوں تلے دبا کر اپنی سسکیاں روکیں۔

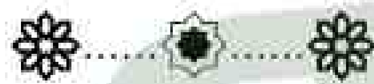
''تم سے نکاح صرف میرے بڑوں کا فیصلہ تھا' تم بار بار انکار کا لفظ استعمال کر کے یہ سمجھ رہی ہو کہ تم میری توہین کر رہی ہو تو مائی فٹ' میں اب تک تمہیں بہت زیادہ رعایت دے چکا ہوں اب نہیں، میں سب برداشت کر سکتا ہوں مگر اپنی توہین نہیں۔'' انتہائی غصے سے کہتے مصطفیٰ نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''آئندہ میرے ساتھ بات کرتے' ہمارے درمیان موجود رشتے کا خیال رکھنا میں صرف اس عورت کی عزت کرتا ہوں جو عزت دینا اور لینا جانتی ہو، نہ میں ایسے بدتمیزانہ لہجوں کا عادی ہوں اور نہ ہی رویوں کا۔ اتنے دنوں سے برداشت کر رہا تھا تو یہ میری شرافت تھی۔ آئندہ مجھ سے کلام کرتے ہوئے یہ کبھی فراموش نہیں کرنا کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے۔ ورنہ کسی دن تمہارا یہ رویہ میری ضد بن گیا تو تم اس رشتے کو لے کر بہت پچھتاؤ گی۔'' مصطفیٰ بری طرح گرج رہا تھا اور وہ حیرت سے گنگ بیٹھی رہی۔

اب تک وہ اسے ایک مہربان اور متحمل مزاج انسان کے روپ میں دیکھتی آئی تھی مگر اب مصطفیٰ کے اس روپ نے اسے سہما کر رکھ دیا تھا۔

''انکار کرنے کے بھی کچھ فطری اصول ہوتے ہیں مگر تم تو سب کچھ فراموش کیے محض میری ذات کو جھٹلانے پر تلی ہوئی ہو۔'' مصطفیٰ نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارے تو شہوار مزید خوفزدہ ہو گئی۔ آج تک اس کے ساتھ کسی نے بھی اس انداز اور لہجے میں بات نہ کی تھی۔ اسے تو بھرپور عزت اور تحفظ دیا گیا تھا۔ حویلی میں خاص حیثیت اور مقام حاصل تھا اور اب ایک دم مصطفیٰ کا یہ اس قدر لاتعلقی سے بھرپور انجان رویہ...... وہ سسک کر رہ گئی۔

دل ہی دل میں اس نے پکا تہیہ کر لیا کہ آئندہ مصطفیٰ کے ساتھ کہیں بھی نہیں آئے جائے گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ دل میں پکا ارادہ باندھ کر اس نے چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔



ڈھولک کا پروگرام کافی دیر تک چلا تھا۔ بارہ بجے کے قریب جا کر آنے والے مہمان اور دوست احباب رخصت ہوئے تو وہ روشی کے ساتھ مل کر دیگر کاموں میں لگی رہی تھی۔ رات دیر سے سوئی تو صبح وقت پر آنکھ نہیں کھلی۔ منہ ہاتھ دھو کر اس نے سب سے پہلے شہوار کا نمبر ملایا مگر وہ ہنوز بند تھا۔

''اف...... پتا نہیں یہ لڑکی کب نمبر آن کرے گی۔ میں نے چھٹی کرنی ہے اب پتا نہیں کہ محترمہ کالج بھی گئی ہیں یا نہیں'' وہ سوچتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ بھوک لگ رہی تھی تو وہ سیدھا کچن کی طرف آئی۔ کچن میں ماما موجود تھیں۔

''بہت دیر تک سوئیں تم؟'' ماما نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''جی بس کل سارا دن کالج کی تھکن اور پھر رات گئے تک ڈھولک وغیرہ اسی سے تھکن ہو گئی تھی۔''

''ہوں...... کالج بھی نہیں گئیں تم؟''

''ہاں اب شادی تک آف کرنے کا موڈ ہے' آپ بھی بوتیک نہیں گئیں؟'' فریج کھول کر چیک کرتے اس نے ماما سے کہا۔
''ہاں چکر لگاؤں گی بس ایک دو گھنٹے کے لیے' گھر میں اتنے کام ہیں روشی کو تو میں نے صاف منع کر دیا ہے کہ اب وہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گی۔ بلکہ آج تم اسے لے کر پارلر چلی جانا۔ اپائمنٹ میں لے چکی ہوں۔''
''جی اچھا۔'' وہ سلائس' جیم' انڈہ نکال کر چولہے کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔
''پارلر سے واپسی پر مجھ سے ضرور ملنا۔ مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات بھی کرنی ہے۔'' کچن سے باہر نکلتے ہوئے ماما نے کہا تو وہ پلٹی۔
''خیریت...... کیا بات کرنی ہے؟''
''کافی تفصیلی بات ہے تم آرام سے ناشتا کر لو اور پھر روشی کو لے کر پارلر چلی جانا جب ٹائم ہوگا تو کریں گے۔'' ماما نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''آج کوئی خاص کام ہے تو بتا دیں میں کر لوں گی۔'' وہ تمام اشیاء لے کر ٹیبل پر آ بیٹھی تھی۔
''تم آرام سے ناشتا کرو بعد میں بات ہوگی۔'' ماما کہہ کر باہر نکلی تو وہ کندھے اچکا کر ناشتہ کرنے لگی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ روشی کے پاس آ گئی۔ ماما روشی کو بھی تیار رہنے کا کہہ چکی تھیں سو وہ تیار ہی ملی تھی اسے دیکھ کر چونکی۔
''تم نے چینج نہیں کیا یا موڈ بدل گیا ہے؟''
''نہیں موڈ تو نہیں بدلا مگر کچھ ٹھہر کر نکلتے ہیں۔'' وہ اس کے بستر پر آ بیٹھی تھی۔
''رات تم نے انجوائے کیا؟'' اس نے روشی سے پوچھا۔
''بہت زیادہ' ساری زندگی باہر رہے ہیں ایسی انجوائے منٹ دیکھی اور نہ سنی پہلی بار دیکھ رہی ہوں بہت مزہ آیا۔''
''ہوں......''
''وہ پھپھو کی دوست قدسیہ آنٹی تم پر کچھ خاص مہربان نظر آ رہی تھیں۔'' روشی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ چونکی۔
''مجھ پر...... مطلب؟''
''بابا بتا رہے تھے کہ وہ خاتون تمہارے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لائی ہیں۔'' روشی نے بتایا تو وہ ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔
''کب؟''
''کل جب تم کالج گئی ہوئی تھیں تو وہ آئی تھیں اپنی بیٹی کے ساتھ۔ جنید نام ہے لڑکے کا۔'' روشی نے مسکرا کر مزید بتایا تو وہ ہونٹ کچلنے لگی۔
''قدسیہ آنٹی کو تو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں ماما کی بیسٹ فرینڈ ہیں اور اکثر ان کے ہاں آنا جانا رہتا ہے۔ سبھی فیملی ممبرز سے متعارف ہوں اور جنید تو ان کا سب سے چھوٹا بیٹا ہے۔ باقی سب بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔''
''کیسا ہے وہ لڑکا؟'' روشی بھی قریب آ بیٹھی۔
''اچھا ہے' گڈ لکنگ' ہینڈسم بھی ہے۔'' انا نے سادگی سے کہا۔
''مطلب کہ تمہیں کوئی اعتراض نہیں؟'' روشی نے مسکرا کر پوچھا۔
''نہیں اب ایسا بھی نہیں کہا میں نے۔'' وہ فوراً سنجیدہ ہوئی۔ روشی ہنس دی۔
''مما نے کیا کہا قدسیہ آنٹی کو پھر؟'' انا نے پھر پوچھا۔
''انہوں نے سوچ کر جواب دینے کو کہا ہے۔''
''ہوں......'' انا کو یاد آیا کہ ماما نے کچھ دیر قبل اس سے ضروری بات کرنے کو کہا تھا۔ تو کیا ماما اسی سلسلے میں کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ وہ ایک دم شدید اضطراب کا شکار ہو گئی تھی۔
''پھپھو تو سنجیدہ ہیں اور انہوں نے بابا سے بھی ذکر کیا تھا مشورہ مانگا تھا میں پاس ہی تھی۔'' انا نے ایک دم خوفزدہ انداز میں اسے دیکھا۔
''مگر ماما نے مجھ سے ایسا کچھ خاص ذکر نہیں کیا۔''
''ہو سکتا ہے کہ آج کل میں کریں۔'' روشی نے پرسکون انداز میں کہا تو وہ متوحش انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ویسے تمہاری کیا رائے ہے اس رشتے کے بارے میں؟'' روشی پوچھ رہی تھی۔
''میں چینج کرلوں پھر پارلر چلتے ہیں۔'' وہ روشی کو کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔
''کیا واقعی ماما سنجیدہ ہیں؟ رشتے تو پہلے بھی کئی بار آتے رہے ہیں۔'' الماری میں سے لباس نکالتے وہ سخت ٹینشن میں تھی۔
''اگر ماما نے واقعی ہاں کہہ دی تو؟'' انا کو اپنے ہاتھ پاؤں یخ ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔
''قدسیہ آنٹی تو ماما کی بیسٹ فرینڈ ہیں اور ان کی فیملی سے تو ماما بہت امپریس بھی ہیں۔'' انا نے اپنا سر پکڑ لیا۔
''مگر رات ولید کا جو رویہ تھا وہ ایسا کیوں تھا؟'' اسے رہ رہ کر ولید کا رویہ یاد آنے لگا وہ ریلنگ کے پاس کھڑے ہو کر دیکھنا پھر اس کے متوجہ ہونے پر مسکرا دینا۔ روشی سے ولید اور کیتھی کے بارے میں مکمل تفصیل سن لینے کے بعد تو اس نے واضح طور پر طے کر لیا تھا کہ اب اسے ولید کے بارے میں قطعی نہیں سوچنا اور وہ کل سے اس سلسلے میں کافی کوششیں بھی کر چکی تھی۔
''نہیں مجھے اب کمزور نہیں پڑنا۔ اگر ماما نے جنید کو اہمیت دی تو میں ان کی بات مان لوں گی۔'' اس نے خود کو سمجھایا۔
''قدسیہ آنٹی تو بہت اچھی خاتون ہیں وہ مجھ سے شروع سے ہی بہت محبت کرتی ہیں۔'' اس نے اپنے آپ کو بہلانا چاہا مگر آنکھوں میں ایک دم ڈھیر ساری نمی آ ٹھہری۔ جسے وہ ہاتھوں کی پشت سے صاف کرتے باتھ روم میں گھس گئی۔ لباس بدل کر وہ باہر نکلی تو روشی تیار تھی تو وہ خاموشی سے روشی کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔ پارلر میں انہیں کافی ٹائم لگ گیا تھا۔ وہاں سے نکلتے نکلتے دو بج گئے تھے۔
''بہت بھوک لگی ہے کچھ کھا پی نہ لیا جائے۔'' روشی ٹریٹمنٹ کے بعد بہت ہی پیاری اور فریش لگ رہی تھی۔
وہ کسی ہوٹل میں جانے کے بجائے کے ایف سی آ گئی تھیں۔ سینڈوچ، چپس اور کوک لے کر وہ دونوں ٹیبل پر آ بیٹھی تھیں۔
''شہوار شادی پر آئے گی نا؟'' روشی نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔
''ہاں کہہ تو رہی تھی۔ ظاہر ہے ولید نے مصطفیٰ بھائی کی فیملی کو انوائٹ کیا ہے اگر وہ لوگ آئیں گے تو وہ بھی ساتھ ہو گی۔''
''ہوں۔'' دونوں باتوں کے ساتھ ساتھ کھا بھی رہی تھیں جب کوئی ان کی ٹیبل کے پاس آ رکا۔
''السلام علیکم۔'' دونوں نے چونک کر آنے والے کو دیکھا۔ جانا پہچانا چہرہ تھا انا پہچان نہ پائی۔
''وعلیکم السلام۔'' دونوں نے الجھ کر سر ہلایا۔
''کیسی ہیں آپ؟'' آنے والا بظاہر دونوں سے ہی مخاطب تھا مگر اس نے دیکھا انا کو تھا۔
''میں حماد ہوں۔ مصطفیٰ بھائی کا کزن۔'' دونوں کی الجھن دیکھ کر اس نے فوراً تعارف کروایا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ شہوار کے نکاح کے اور ان کی حویلی میں اس شخص کو دیکھ چکی تھی۔
''جی الحمدللہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ آپ کے گھر والے کیسے ہیں؟'' روشی خاموش تھی انا نے ہی پوچھا۔
''جی سبھی ٹھیک ٹھاک ہیں سسٹر زاور بھابی اکثر آپ کا ذکر کرتی ہیں۔ میں نے آپ کو دیکھا تو ادھر چلا آیا۔ آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا نا؟'' وہ شخص کافی شائستگی سے مخاطب تھا انا محض مسکرا دی۔
''اٹس او کے۔''
''آپ بیٹھیں نا پلیز۔'' انا نے اخلاقاً کہا تو وہ نفی میں سر ہلا گیا۔
''نہیں میں فرینڈز کے ساتھ آیا ہوا تھا آپ کو دیکھ کر رک گیا۔ چلتا ہوں۔ نائس ٹو میٹ یو۔'' انا نے محض سر ہلا دیا۔ وہ چلا گیا تو اس نے روشی کو دیکھا۔
''حیرت ہے اس شخص کو ہم سب یاد تھے میں تو بھول بھال گئی تھی سب۔''
''سب نہیں مگر لگتا ہے صرف تم ہی یاد تھیں۔'' روشی نے کہا تو وہ چونکی۔
''مطلب......''
''وہ مکمل طور پر صرف تم سے ہی مخاطب رہا ہے۔ ویسے یہ شخص مصطفیٰ بھائی کا کس حساب سے کزن لگتا ہے؟''
''زیادہ ڈیٹیل تو مجھے بھی نہیں پتا شاید پھوپھو زاد ہے۔ شہوار کے نکاح کے دوران ایک دو بار سامنا ہوا تھا اور ایک بار اس نے خود اپنا تعارف بھی

کروایا تھا تو پتا چلا تھا کہ یہ مصطفیٰ بھائی کا کزن ہے۔"
"اوہ......."
"ویسے یادداشت کمال کی ہے۔ وہ محض رسمی سی ملاقات اس شخص کو اچھی طرح یاد ہے۔" انا نے کہا تو روشی مسکرا دی۔
"مگر لڑکا ہے گڈ لکنگ۔" روشی نے شرارت سے کہا۔
"تو ہمیں کیا؟" انا نے نخوت سے کہا۔
"مگر احسن اور ولید بھائی کے مقابل کا پھر بھی نہیں۔" روشی نے مزید کہا تو انا نے اب کے بغور دیکھا۔
"تم اس شخص کا ذکر بار بار کیوں کر رہی ہو؟ وہ کچھ بھی ہو ہمیں کیا؟"
"وہ اس لیے کہ اس شخص کے انداز مجھے کچھ چونکا گئے ہیں۔" کوک کے سپ لیتے اس نے مسکرا کر کہا۔
"وضاحت کرو۔" انا نے سنجیدگی سے کہا۔
"مجھے محسوس ہوا کہ وہ لڑکا تم سے خاصا امپریس ہوا ہے۔ ورنہ جس سے ہمارا ٹھیک سے تعارف بھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے نا صرف ہمیں یاد رکھا بلکہ اب یوں اچانک دیکھ کر سلام دعا کرنے بھی آ پہنچا اور مخاطب بھی تمہی سے ہوا۔"
"اف...... اندھے کو اندھیرے میں دور کی سوجھی۔" انا نے منہ بنایا تو روشی کھل کر ہنس دی۔
"نہ مانو مگر میں نے ایک نظر میں ہی اندازہ لگا لیا تھا۔"
"اب بس کرو کسی اور سے قطعی ذکر نہ کرنا ورنہ مذاق بن جائے گا مصطفیٰ بھائی ماشاء اللہ سے اتنے نائس انسان ہیں ان کے نکاح پر ان کے سارے گھرانے سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ کوئی بھی غیر مہذب اور نظر باز انسان نہیں لگا۔ سبھی مہذب تھے۔" انا نے اپنا سینڈوچ ختم کرنے کے بعد کہا۔
"تم سے امپریس ہونا کیا غیر مہذب ہونے کی علامت ہے؟" روشی بھی سینڈوچ ختم کر چکی تھی اب چپس اور کوک سے نبرد آزما تھی۔
"میں نے یہ بھی نہیں کہا؟" انا نے کوک کا سپ لیا۔
"تو تم کس قسم کے انسان کو اپنا لائف پارٹنر پسند کرتی ہو؟" روشی نے اب قدرے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ انا نے بغور اسے دیکھا۔
"ہم ایک چھوٹی سی بات کو کچھ زیادہ ہی ڈیپلی نہیں ڈسکس کرنے لگے۔"
"مجھے تو ایسا فیل نہیں ہوا۔"
"اوکے...... پلیز ختم کرو اس بات کو، کوئی اور بات کرو۔"
"مسٹر جنید کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟"
"ماما نے مجھے ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ جب بتائیں گی تو دیکھوں گی۔"
"اور ولید بھائی کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔ انا کوک کا سپ لے رہی تھی اسے ایک دم اچھو لگ گیا۔ وہ بری طرح کھانسنے لگی۔
"کیا ہو گیا؟ یہ ٹشو لو۔" روشی نے ایک دم اپنے بیگ سے ٹشو کا پیکٹ نکال کر اسے تھمایا۔
بار بار کھنکار کر گلہ صاف کرتے انا اپنی آنکھیں بھی صاف کر رہی تھی۔ روشی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
"کافی دیر ہو گئی ہے چلیں اب؟" آنکھیں صاف کر کے اس نے روشی کو دیکھا۔
"ہوں......"
"میں کوک بہت کم پیتی ہوں، گلے میں چبھنے لگتی ہے۔"
"تم میری بات کو ٹال رہی ہو۔" روشی کی بات پر اس نے سنجیدگی سے دیکھا۔
"کون سی بات؟"
"پھپھو نے کل بابا کو جنید والے پروپوزل کا بتایا تھا تو بابا نے ان کے سامنے ولید بھائی کا بھی پروپوزل رکھا ہے۔" روشی نے سنجیدگی سے بتایا تو انا

حیرت سے منہ کھولے روشی کو دیکھنے لگی۔
''ولید کا پروپوزل......؟'' اسے لگا کہ جیسے اسے سننے میں غلطی ہو۔
''بالکل......اور میرا نہیں خیال کہ تم ولید بھائی کو ناپسند کرتی ہو۔ اصل میں بابا کی تو بہت عرصہ سے یہ مرضی تھی مگر ولید بھائی کوئی رسپانس نہیں دے رہے تھے تو وہ پھپھو سے بات نہیں کر رہے تھے کل پھپھو نے جنید والے پروپوزل کا ذکر کیا تو انہوں نے بھی فوراً رشتہ مانگ لیا۔''
''کیا......؟'' انا حیرت زدہ سی رہ گئی۔
''تم میرے ساتھ مذاق کر رہی ہو؟'' انا ابھی بھی بے یقینی تھی۔
''مذاق کیوں؟ پھپھو اور بابا میں تو یہ شروع سے ہی طے تھا۔ احسن اور میرے رشتے کے بعد تم دونوں کا رشتہ طے کرنا' ہم تو امریکا سے یہ ڈیسائڈ کر کے ہی لوٹے تھے۔'' انا بے یقینی سے دیکھنے لگی تو روشی نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔
''کیا تمہیں واقعی علم نہ تھا کہ بڑے کیا چاہ رہے ہیں۔''
''نہیں۔'' انا نے نفی میں سر ہلایا۔
''پھپھو نے اس سلسلے میں کبھی بھی تم سے کوئی بات نہیں کی تھی کیا؟'' انا نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔
''ہمارے گھر میں ہمیشہ تمہارے اور احسن بھائی کے پروپوزل کی بات چلی تھی کسی اور ٹاپک پر کبھی بات ہی نہ ہوئی۔''
''اوہ......پتا نہیں بعض اوقات مجھے بڑی شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ تم ولید بھائی کو پسند کرتی ہو مگر تم سے کبھی ذکر نہ کیا کہ کہیں تم برا نہ مان جاؤ۔'' انا اب کے از حد حیرانگی سے روشی کو دیکھے گئی۔
''تمہیں کس نے کہا کہ میں ولی کو پسند کرتی ہوں۔''
''تمہارے رویوں، انداز و اطوار نے۔'' روشی نے مسکرا کر کہا تو وہ کئی ثانیے تک اسے دیکھے گئی۔
''اور کیا ولی اس رشتے والی بات سے باخبر ہے؟''
''بالکل......وہ تو شروع سے ہی باخبر تھے۔ بلکہ بابا نے شروع سے ہی ہم دونوں کو یہ اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ہم وہاں امریکا میں جیسی بھی لائف گزار لیں واپس پلٹ کر ہمیں پاکستان ہی آنا ہے۔ سو ہم نے ہمیشہ بابا کے وضع کردہ اصولوں کے تحت زندگی گزاری۔ تو پھر بتاؤ نا کہ تمہیں ولی بھائی کے پروپوزل سے کوئی انکار تو نہیں نا۔'' وہ بتانے کے فوراً بعد پوچھنے لگی۔ انا نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔
ولید شروع سے ہی اس رشتے والی بات سے باخبر تھا، یہ بات اس کے اعصاب شل کر دینے والی تھی۔ وہ پچھلے ایک عرصے سے سخت اذیت و تکلیف میں جھلس رہی تھی۔ اپنے جذبات و احساسات سے لڑ رہی تھی اور ولید اس کا تماشا دیکھتا رہا۔ اسے سخت ذلت کا احساس ہونے لگا۔ اس کا جی چاہا کہ خوب روئے روشی اگر اس کے احساسات سمجھ گئی تھی تو ولید جیسا شارپ انسان کیسے بے خبر رہ سکتا تھا؟ اسے شدید توہین کا احساس ہونے لگا۔ انا کا جی چاہا کہ وہ جادو کے زور سے کہیں غائب ہو جائے۔
''تم نے بتایا نہیں۔'' روشی نے اپنا سوال دہرایا تو اس نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔
''ہاں باحیثیت کزن میں ولید کو ضرور پسند کرتی ہوں باقی معاملات کا نہ مجھے علم ہے اور نہ ہی کبھی سوچا۔'' اس نے کافی سنجیدگی سے کہا۔
''مگر پھر مجھے ایسا کیوں لگا کہ تم ولید بھائی کو پسند کرتی ہو؟''
''غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔'' اس نے اب کے قدرے رکھائی سے کہا۔
''تو کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو۔''
''تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟'' وہ الجھ کر متوجہ ہوئی تھی۔
''ولید بھائی کو لگا تھا کہ تم کسی اور میں انوالو ہو انہوں نے ایک بار مجھے تم سے ڈسکس کرنے کا بھی کہا تھا میں نے کئی بار سوچا کہ تم سے بات کروں مگر نجانے تمہارا کیا ری ایکشن ہوتا سو میں چپ کر جاتی تھی۔''
''مائی گاڈ......'' روشی کے الفاظ پر انا نے اپنا سر تھام لیا۔
''ولی نے خود تم سے یہ سب کہا میرے بارے میں؟'' وہ بے یقین تھی۔

''ہوں......انہیں لگتا تھا کہ تمہارے اس روز بروز بدلتے موڈز کے پیچھے تمہاری کسی کے ساتھ انوالمنٹ ہو سکتی ہے۔'' انا نے لب بھینچ لیے۔
وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ولید اس کے بارے میں ایسا بھی سوچتا ہوگا۔
''تم بتاؤ ناولی بھائی تمہیں کیسے لگتے ہیں؟'' روشی نے پھر پوچھا۔
''بھئی میرا خیال ہے کہ ہمیں کافی دیر ہوگئی ہے اب واپس چلنا چاہیے ماما ویٹ کر رہی ہوں گی۔'' وہ روشی کے سوال کو نظر انداز کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔
روشی نے اسے بغور دیکھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر انا کو دیکھ کر لب دانتوں تلے دبا لیے۔
''ہاں کافی دیر ہوگئی ہے، پھپھو واقعی ویٹ کر رہی ہوں گی۔'' وہ دونوں باہر نکل آئی تھیں ڈرائیور ان کا منتظر تھا۔



وہ آفس میں کام میں مصروف تھی جب کال آئی۔
''السلام علیکم!'' مصروفیت کے عالم میں اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔
''مجھے مسٹر عباس سے بات کرنی ہے ان سے بات کراؤ۔'' دوسری طرف کافی نخوت بھرے انداز میں کہا گیا تو وہ فوراً متوجہ ہوئی۔
''آپ کون؟'' اس نے پوچھا۔
''مسز عباس۔'' رابعہ کو ایک پل لگا سمجھنے میں۔
''ہولڈ کریں۔'' اس نے پرسکون انداز میں کہا اور انٹر کام پر عباس سے رابطہ کیا۔
''سر آپ کی مسز آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔'' اس نے کہا۔
''ان سے کہہ دیں مجھے ان سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' دوسری طرف سے کافی تلخی سے کہا گیا تھا۔
''جی سر۔'' اس نے انٹر کام رکھ کر دوبارہ دوسرا ریسیور اٹھا لیا تھا۔
''سوری میم سر بات نہیں کرنا چاہتے۔'' اس نے رسانیت سے کہا۔
''مائی فٹ وہ سمجھتا ہے کیا ہے خود کو۔ صبح سے اس کے موبائل پر کالز کر رہی ہوں اسے کہو وہ کال پک کرلے ورنہ نتائج کا ذمہ دار خود ہوگا۔'' رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے کل جھیلا جانے والا عادلہ کا رویہ یاد آنے لگا۔
''ایم سوری میڈم انہوں نے صاف انکار کر دیا ہے۔''
''تم وہی ہونا جو عباس کے آفس میں کام کرتی ہو اور کل ہوٹل میں بھی تھی۔'' رابعہ نے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اور غصے سے ریسیور پٹخ دیا۔ اسے رہ رہ کر کل اس عورت سے ہونے والی ذلت یاد آنے لگی۔ وہ ابھی دوبارہ کمپیوٹر کی طرف گھومی ہی تھی کہ دوبارہ فون بجنے لگا۔
''ہیلو۔'' اس نے ریسیور اٹھایا۔
''تم خود کو سمجھتی کیا ہوں تمہارے جیسی سیکڑوں میری جوتے کی نوک پر ہوتی ہیں۔ عباس سے بات کرواؤ میری۔''
''میں جو بھی ہوں، مجھے بہت اچھی طرح اپنی شناخت کا علم ہے آپ اگر اپنی شناخت فراموش کر بیٹھی ہیں تو وہ اچھی طرح یاد کرلیں کہ عباس صاحب آپ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔'' نخوت سے کہتے اس نے کال بند کر دی تھی۔ اس کے بعد کال نہیں آئی۔ وہ چند منٹ تک بھینچے اعصاب لیے مونیٹر کی اسکرین کو گھورے گئی۔
''کیا بات ہے اسکرین میں سے کچھ نکل کر سامنے آنے والا ہے؟'' اسی دوران ہادیہ چلی آئی تھی۔ اسے یوں ساکت بیٹھے دیکھ کر کہنے لگی تو وہ گہرا سانس لے کر سیدھی ہوئی۔
''کچھ نہیں بس ویسے ہی۔''
''شاہزیب صاحب نے ہم دونوں کو آفس میں بلایا ہے۔'' ہادیہ نے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔
''کیوں......خیریت؟''
''یہ تو وہاں جا کر ہی علم ہوگا۔'' ہادیہ نے کہا۔ وہ شاہزیب صاحب کے آفس میں پہنچیں تو وہاں عباس اور سجاد بھی موجود تھے۔

''السلام علیکم سر۔'' دونوں نے سلام کیا۔ شاہزیب صاحب نے سر ہلا کر دونوں کو بیٹھنے کا کہا۔ وہ دونوں سے ان کے کام پر بات چیت کر رہے تھے۔ چونکہ دونوں سجاد اور عباس کے انڈر کام کر رہی تھیں تو ساتھ ساتھ ان دونوں سے بھی ان کے کام اور کارکردگی سے متعلق سوال و جواب کر رہے تھے۔ رابعہ چونکہ شاہزیب صاحب کے سامنے ایسے سوال و جواب کی پیشی پہلی بار بھگت رہی تھی تو کچھ گھبرا رہی تھی جبکہ ہادیہ پر اعتماد تھی۔ ابھی وہ سب بات چیت ہی کر رہے تھے کہ کوئی ایک دم دھماکے سے دروازہ کھول کر اندر آیا۔ سبھی چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہوئے۔

عادلہ کو دیکھ کر سبھی چونکے تھے۔ وہ بگڑے ہوئے تیور لیے عباس کو گھور رہی تھی۔

''یہ کیا طریقہ ہے کہیں آنے کا؟'' شاہزیب صاحب نے بہت ناگواری سے اسے دیکھا۔

''میں آپ سے الجھنے یا بحث کرنے نہیں آئی اور نہ ہی طور طریقے سیکھنے مجھے عباس سے بات کرنی ہے۔'' شاہزیب صاحب کے سامنے وہ ہمیشہ دھیمی پڑ جاتی تھی اب بھی کچھ دھیمے لہجے میں کہا۔

''عباس تم عادلہ کو لے کر اپنے روم میں چلے جاؤ۔'' شاہزیب صاب اس کے رویے سے سمجھ گئے کہ وہ کسی اچھے ارادے سے تو نہیں آئی ہوگی۔ انہوں نے مصلحتاً اس کے رویے کو نظر انداز کرنا چاہا۔

''مگر مجھے اس عورت سے کوئی بات نہیں کرنی آپ اس سے کہہ دیں کہ یہ یہاں سے چلی جائے۔''

''مگر میں بات کیے بغیر نہیں جاؤں گی اور بات بھی ادھر ہی کروں گی۔'' وہ نخوت سے کہہ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

''یہ گھر نہیں ہے ہمارا آفس ہے۔ ہم یہاں کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔ جو بھی بات ہے آپ گھر آ کر یا کہیں باہر بیٹھ کر کریں۔'' شاہزیب صاحب نے اب کے کچھ برہمی سے کہا تو وہ طنزیہ ہنسی۔

''کیوں آفس میں بات کرنے سے کیوں ڈرتے ہیں اس لیے کہ آپ لوگوں کے ایشوز لوگوں کے سامنے نہ آ جائیں۔'' عادلہ نے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔

''شٹ اپ تم کیسی گھٹیا عورت ہو تمہیں اپنی عزت ذلت کا ذرا بھی پاس نہیں۔ میں صبح سے تمہیں اگنور کر رہا ہوں تمہاری کالز ریسیو نہیں کر رہا تو اس بات کا صاف مطلب تھا کہ میں تم جیسی عورت سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تم ایک منٹ میں یہاں سے نہ گئیں تو میں گارڈز کو بلوا کر تمہیں دھکے دے کر نکلوا دوں گا۔'' عباس اس کے رویے پر ایک دم کرسی گھسیٹ کر غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''عباس......'' شاہزیب صاحب نے اسے ٹوکا۔

''آپ دونوں جائیں بیٹا'' انہوں نے رابعہ اور ہادیہ سے کہا تو وہ دونوں فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہ کہیں نہیں جائیں گی آخر دنیا کو بھی تو پتا چلے کہ اصل میں آپ لوگوں کا اصل چہرہ کیا ہے؟'' وہ فوراً دونوں کے سامنے کھڑی ہوگئی تھی۔ عباس نے بہت غصے اور زہر بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

''تمہارے گھٹیا خاندان سے تو کئی درجے بہتر ہے ہمارا خاندان۔''

''اور تم......تم اس سے میری بات نہیں کروا رہی تھیں اور مجھے شناخت باور کروا کر سمجھ بیٹھی تھیں کہ تم مجھ سے بچ جاؤ گی۔'' وہ عباس اور باقی سب کو نظر انداز کیے رابعہ کو دیکھ کر زہر خند لہجے میں کہنے لگی۔

''مجھے عباس صاحب نے کہا تھا کہ وہ آپ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ رہ گئی شناخت کی بات تو آپ کا رویہ غلط تھا میں نے تو محض جوابی کارروائی کی تھی۔''

''عادلہ......'' عادلہ کو اس طرح رابعہ سے بات کرتے دیکھ کر شاہزیب صاحب نے بہت غصے سے اسے ٹوکا تھا مگر عادلہ نے توجہ نہ دی۔

''تمہیں تو تمہاری اوقات میں اب دکھاتی ہوں، تم ہو کیا میری نظر میں۔ اس شخص کے ساتھ کام کر کے تم سمجھتی ہو کہ تم بہت اعلیٰ وارفع چیز بن بیٹھی ہو میرے ساتھ زبان چلاتی ہو مجھے میری شناخت بتاتی ہو۔'' عادلہ بہت غصے سے رابعہ کی طرف بڑھی تھی کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اسے نوچ ڈالتی عباس فوراً دونوں کے درمیان آ گیا تھا۔ رابعہ سن سی کھڑی رہ گئی تھی جبکہ باقی سب ششدر۔

''کیا مسئلہ ہے تمہیں کیوں ڈرامہ کر رہی ہو؟'' عباس نے بہت تنفر سے اس کا بازو جکڑا تھا۔

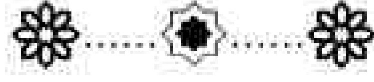
''تمہارا بھائی ایاز کی ضمانت نہیں ہونے دے رہا۔ اس کی ضمانت نہ ہوئی تو میں تم لوگوں کو بدنام کر دوں گی۔'' وہ غصے سے پاگل ہوئے جا رہی

تھی۔
''مس ہادیہ آپ رابعہ کو لے کر جائیں۔'' سجاد نے کہا تو ہادیہ سن کھڑی رابعہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ جبکہ روم میں شاہزیب صاحب اور سجاد کے علاوہ عباس اور عادلہ رہ گئے تھے۔
''ہمیں تمہاری خالی خولی دھمکیاں متاثر نہیں کر سکتیں۔ بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے کہ کس قسم کا اور کس قماش کا ہے تمہارا خاندان۔''
''عباس تم خاموش رہو'' شاہزیب صاحب بھی قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔
''اور عادلہ ہمیں بڑی شرمندگی ہو رہی ہے کہ تم ہمارے خاندان کا حصہ بنی ہو اور ابھی تک اس خاندان کی بہو کے طور پر جانی جاتی ہو۔ میں آج تک سمجھتا رہا کہ عباس کی بھی کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو گی مگر اب ایک حتمی فیصلہ ہو جانا ہی بہتر ہے۔'' انہوں نے بہت سرد لہجے میں کہا۔
''ایاز جیل کی سلاخوں کے پیچھے کیوں ہے تم لوگ بے خبر نہیں۔ اس پر بہت سے کیسز ہیں۔ رہ گئی اس کی ضمانت کی بات تو ہماری عزت اچھالنے کے بجائے عدالت سے رجوع کرو اور اپنے باپ کو کہو کہ مجھ سے بات کرے اگر وہ مسئلہ سلجھانا چاہتا ہے تو' دوسری صورت میں ہم تمہارے اس طرح یہاں آ کر یوں بدتمیزی کرنے پر کوئی سنگین کارروائی بھی کر سکتے ہیں اور تم جانتی ہو کہ ہمیں کوئی روکے گا بھی نہیں۔ مگر ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم یوں سرعام عورت ذات کی توہین کریں مگر تم یہاں آ کر اس طرح بدتمیزی کرنے سے پہلے شاید بھول گئی تھیں کہ تم عورت ذات ہو اور ابھی تک اس خاندان کی بہو کے طور پر جانی جاتی ہو۔''
''میں لعنت بھیجتی ہوں اس خاندان پر اور اس رشتے پر۔'' اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔
''اور آپ لوگوں کی اصلیت کیا ہے، ہم لوگ بھی اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔'' اس نے مزید کہا۔
''بابا آپ اس کو یہاں سے نکالیں ورنہ میں گارڈ کو بلوا لوں گا۔'' عباس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خود اس فتنہ پرور لڑکی کو اٹھا کر باہر پھینک دے۔
''اب ہم بھی اس رشتے سے متعلق ایک حتمی فیصلہ کرنے پر تیار ہیں اپنے باپ کو میرے پاس بھیجنا ہم خاندانی لوگ ہیں۔ وعدہ خلافی نہیں کریں گے۔ رہ گیا تمہارا بھائی تو اس کا فیصلہ قانون اور عدالت کرے گی۔ تمہارا باپ ضمانت کروا سکتا ہے تو کروا لے۔'' شاہزیب صاحب نے واضح الفاظ میں کہا چند پل کو عادلہ بالکل لاجواب ہو گئی تھی۔
''اس رشتے سے گلوخلاصی میرے لیے عین مسرت کا کام ہو گا۔ عدالت کی طرف سے نوٹس مل جائے گا آپ کو، میں بھی اب اس رشتے کو مزید برداشت نہیں کروں گی۔'' بابا صاحب کو جواب دیتے تمسخرانہ نظروں سے عباس کو دیکھا تھا۔
''کورٹ کچہری کی دھمکیاں ان کو دو جو ان سے ناواقف ہوں۔'' عباس نے زہریلے لہجے میں کہا تو وہ اس کی طرف پلٹی۔
''میرا خیال ہے اب تم چلی جاؤ' ہم نے تمہاری بہت سی باتیں سنیں تو یہ ہمارا ظرف تھا۔ اس سے زیادہ ہم کچھ بھی سننا پسند نہیں کریں گے۔'' اس سے پہلے کہ وہ عباس سے کچھ کہتی شاہزیب صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے جانے کو کہا۔
''اگر میں نہ جاؤں تو؟'' اس نے چیلنجنگ انداز میں ان کو دیکھا۔
''تو پھر مجھے عباس کی بات پر عمل کرنا ہو گا اور گارڈز کو بلوانا ہو گا۔ بہرحال ہم عورت کی عزت کرتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تم عزت کے ساتھ یہاں سے رخصت ہونے کو ترجیح دو گی بصورت دیگر ہم بھول جائیں گے کہ ہمارا آپس میں کبھی رشتہ تھا۔'' شاہزیب صاحب کا انداز سرد ہو گیا تھا۔
عادلہ نے چند پل بغور انہیں دیکھا پھر نخوت سے سر جھٹکتے وہاں سے نکل گئی تھی۔ شاہزیب صاحب نے گھنٹی بجا کر پیون کو بلایا۔
''بلا اجازت یہ خاتون اندر کیوں آئی تھیں۔ جبکہ تمہیں علم تھا کہ یہاں میں میٹنگ میں بزی ہوں۔'' ان کا انداز سخت تھا۔
''سر وہ عباس صاحب کی بیگم ہیں میں بھلا ان کو کیسے روک سکتا تھا۔'' شاہزیب صاحب نے اسے گھورا۔
''وہ پہلے اوپر گئی تھیں اور پھر عباس صاحب کو نہ پا کر ادھر آئی تھیں۔ مجھ سے پوچھا تھا کہ عباس صاحب اندر ہیں تو میں نے ہاں کہہ دیا پھر میں نے بتایا بھی تھا کہ اندر میٹنگ ہو رہی ہے مگر وہ مجھے نظر انداز کیے اندر چلی آئیں۔'' ملازم وضاحتیں دے رہا تھا۔
''اوکے..... آئندہ کوئی بھی آئے بھلے ہمارا فیملی ممبر ہی کیوں نہ ہو تم نے اندر نہیں آنے دینا پہلے اطلاع کرنی ہے۔''
''جی سر۔'' شاہزیب صاحب کی ہدایت پر سر ہلاتا وہ چلا گیا تھا۔
''عادلہ نے رابعہ کے ساتھ کیوں مس بی ہیو کیا؟'' انہوں نے اب کے عباس سے پوچھا تھا۔

”مجھے نہیں علم، کچھ دیر قبل آفس کے نمبر پر عادلہ کی کال آئی تھی رابعہ نے مجھے بتایا تو میں نے بات کرنے سے منع کر دیا تھا اس کے بعد کا مجھے علم نہیں۔“

”بہر حال رابعہ کے ساتھ عادلہ کا رویہ بہت غلط تھا۔ عادلہ اور اس کی فیملی دن بدن اوچھی حرکتوں پر اترتی آ رہی ہے۔ تم رابعہ کو بلوا کر معذرت کر لینا بہر حال اس کے ساتھ ہماری وجہ سے زیادتی ہوئی ہے۔“ بابا نے کہا تو عباس نے سر ہلا دیا۔

”باقی معاملات پر میں وکیل سے بات کرتا ہوں اور عادلہ کے والد سے بھی اب عادلہ کا دوبارہ ہماری فیملی میں شامل ہونا ناممکن ہو گیا ہے۔ اب اس معاملے کا حل ہو جانا ہی بہتر ہے۔“ شاہزیب صاحب نے کہا تو اس نے ایک پرسکون سانس خارج کیا۔ بہر حال وہ خود بھی اب جلد از جلد اس معاملے کو حل کر لینا چاہتے تھا۔



اپنے کیبن میں آ کر وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائی رو دی تھی۔

”چھوڑو یار تمہیں عادلہ کی سائیکی کا پتا تو ہے نا جو ایک بار اس کی نظر میں آ جائے وہ اس کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کرتی ہے۔ اس کی عادت بن گئی ہے ہر کسی کو اس طرح ڈیل کرنے کی۔ تم نے دیکھا نہیں کہ کیسے سر لوگوں کے ساتھ بھی بدتمیزی کر رہی تھی۔“ ہادیہ اسے سمجھا رہی تھی اس نے ٹشو کے ساتھ چہرہ صاف کیا۔

”بہر حال میرا اس کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے ایسے مس بی ہیو کرتی میں تو سرے سے اسے جانتی تک نہیں ہوں کل ہوٹل میں بھی وہ اتنی بدتمیزی کر گئی اور اب ادھر بھی۔“

”اچھا دفعہ کرو نا، وہ مینٹلی ہے ہی ایسی......تم کیوں پروا کرتی ہو۔“ ہادیہ نے جھنجلا کر کہا اور پھر اس کو کچھ دیر تک سمجھاتی رہی تبھی انٹر کام بج اٹھا تھا۔ ہادیہ قریب تھی اس نے اٹھا لیا۔

”جی سر......!“

”لیس سر......!“ ہادیہ نے انٹر کام رکھا تو اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”سر عباس تمہیں اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔“

”کیوں؟“ وہ سیدھی ہو گئی۔

”پتا نہیں وہ اپنے آفس میں آ چکے ہیں تم جاؤ، میں بھی اپنے کیبن میں جاؤں گی اب پھر بات کریں گے۔“ وہ کہہ کر چلی گئی تھی۔

وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ کیا کرے اب؟ عباس صاحب سے تو وہ خود بھی خائف رہتی تھی۔ وہ چہرہ صاف کرتے اپنے آپ کو نارمل کرتے ان کے آفس کی طرف چلی آئی۔ دروازے پر ناک کرتے وہ اجازت ملنے پر اندر چلی آئی۔

”آئیں مس رابعہ بیٹھیں۔“ انہوں نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ عباس نے اسے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر ٹھٹک گیا رابعہ کی آنکھوں کی سرخی واضح تھی۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔؟“ عباس نے نرمی سے پوچھا۔

”جی سر۔“ وہ اپنے آپ کو کمپوز کر چکی تھی سو مطمئن انداز میں کہا۔

”عادلہ کی جب کال آئی تھی تو اس نے آپ سے کیا کہا تھا؟“

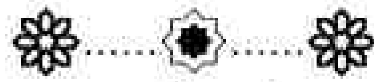
”وہ آپ سے بات کرنا چاہتی تھیں۔“

”اور اس کے بعد؟“ عباس نے اسے بغور دیکھا۔

”وہ مجھ پر آپ سے بات نہ کروانے پر خفا ہو رہی تھیں، مس بی ہیو کیا مجھے بھی غصہ آ گیا مگر ان کا رویہ زیادہ قابل مذمت تھا۔ اس دن جب وہ آپ کے آفس آئی تھیں تو میں وہاں موجود تھی۔ میرے سامنے وہ سارا واقعہ پیش آیا تھا ان کو میں اچھی طرح یاد رہ گئی تھی۔ اس بات کو لے کر وہ میرے ساتھ جتنا بھی مس بی ہیو کر لیں ان کے نزدیک وہ کم ہے۔“ عباس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”حیرت ہے اس بات کو لے کر اس طرح کا رویہ رکھا اس نے۔“ عباس کو از حد افسوس ہوا کہ ان کی اندرونی چپقلش کی وجہ سے یہ لڑکی متاثر ہو گئی

تھی۔
''ایم سوری ہماری وجہ سے آپ کو یہ سب برداشت کرنا پڑا'' عباس کہہ رہا تھا۔ رابعہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
پہلے دن والی چپقلش کے بعد اس کے دل میں سر عباس کے متعلق بھی کوئی اچھی فیلنگز نہ تھیں۔ مگر اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عباس اس بات پر ایکسکیوز کرے گا جس میں اس کا قطعی قصور نہ تھا۔
''نہیں سر آپ کیوں معذرت کر رہے ہیں۔ اس سارے قصے میں بھلا آپ کا کیا قصور۔'' اس نے دل میں موجود تمام بدگمانیاں مٹا کر کہا۔
''مگر ہماری وجہ سے آپ پریشان ہوئی ہیں اور میرا خیال ہے کہ آپ روئی بھی ہیں۔'' عباس نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چونکی۔ اسے پہلی بار اس مرد میں ایک عجیب سی کشش محسوس ہوئی۔
''میں جاؤں سر۔'' وہ اپنی ہی کیفیت پر گھبرا کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔
''جی ضرور، مگر ایک بات سن لیں، اب کوئی بھی کال آئے آپ نے کوئی بات نہیں کرنی ڈائریکٹ مجھ ملا دیں میں خود دیکھ لوں گا۔'' عباس کی بات پر اس نے فوراً سر ہلا دیا تھا۔
وہ عباس صاحب کے آفس سے نکلی تو اس کا ذہن پر سکون تھا۔ وہ اپنے کیبن میں آ کر ہر بات کو ذہن سے جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔



''نواز ماموں کی دریہ آ رہی ہے۔'' وہ گھر آئی تو بھابی نے اسے یہ خبر سنائی۔
''اچھا کب؟'' وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔
''کل رات آٹھ بجے کی فلائٹ ہے۔'' لائبہ بھابی نے بتایا۔
''اور کون کون آ رہا ہے؟'' اس نے آفاق کو گود میں لیتے ہوئے پوچھا۔
''فی الحال وہ اکیلی ہی آ رہی ہے۔ نواز ماموں کا فون آیا تھا کہ وہ دریہ کی شادی پاکستان میں ہی کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اس لیے وہ دریہ کو بجھوا رہے ہیں کہ ہم یہاں خاندان میں رشتہ دیکھیں۔ اگر خاندان میں ممکن نہیں تو پھر اپنی برادری میں کوئی لڑکا دیکھیں جو ہمارے معیار اور سلجھے ہوئے خاندان کا ہو۔''
''ہوں...... اچھی بات ہے دریہ پہلے ہی کافی پیاری اور خوبصورت ہے اسے بھلا کیا کمی ہے ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ موجود ہوگا اور سب سے بڑھ کر کینیڈین نیشنلٹی ہولڈر رہے۔'' شہوار نے ہنس کر کہا تو بھابی بھی ہنس دیں۔
''مگر میں دریہ کی آمد سے کچھ اتنی خوش نہیں ہوں۔'' بھابی نے منہ بنا کر کہا تو وہ چونکی۔
''وہ کیوں بھلا؟''
''وہ کسی بھی طرح عادلہ بھابی کے مزاج سے کم نہیں ہے۔ دیکھا نہیں تھا کہ لاسٹ ٹائم وہ عباس بھائی کی شادی پر آئی تھی ہر کسی پر رعب جما رہی تھی حکم جمانا اور اپنے سامنے باقی سب کو حقیر سمجھنا جیسے وہ کسی ملک کی مہارانی ہو۔'' بھابی نے اس قدر جلے بھنے انداز میں کہا کہ شہوار بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔
''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے وہ ناز و نعم میں پلی بڑھی ہے تو کچھ نخرہ زیادہ ہے ویسے تو کافی پیاری ہے۔'' شہوار نے اس کا دفاع کرنا چاہا۔
''خوب صورتی کو چاٹنا ہے ہم نے جب بات کرنے کا سلیقہ ہی نہیں، تم شاید بھول گئی ہو کہ لاسٹ بار جب وہ محترمہ آئی تھی تو اس کے بے وقت فرمودات کا سب سے زیادہ نشانہ تم ہی بنی تھی۔'' بھابی نے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دی۔
اسے وہ سب اچھی طرح یاد تھا۔ تب اسے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔ اس نے خود کو اس خاندان کا فرد کبھی نہیں سمجھا تھا سو دریہ کے رویوں کو ہمیشہ ہنس کر ٹال گئی تھی کہ وہ صرف ایک ماہ کے لیے آئی تھی۔ مگر اس کے بعد عادلہ بھابی کا رویہ اسے ہمیشہ احساس کمتری میں دھکیل دیتا تھا۔ عادلہ بھابی کے ساتھ اس کا مستقل ساتھ تھا سو ان کا رویہ اس کے دل و دماغ پر حاوی ہوتا گیا تھا۔ اور اب...... اس نے سر جھٹکا۔
''ماں جی کدھر ہیں؟'' وہ کچھ دیر قبل کالج سے آئی تھی۔ شاہزیب انکل نے اسے خود پک کیا تھا اور باہر سے ہی چھوڑ کر واپس چلے گئے تھے۔

''ماں جی ڈرائیور کو لے کر زاہد بھائی کے ہاں گئی ہیں۔ اسی لیے تو ڈرائیور کے بجائے ماموں تمہیں خود لینے گئے تھے۔'' بھابی کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''چینج کر لو میں رخشندہ کو کہتی ہوں تمہارے لیے کھانا نکال دے۔'' بھابی نے کہا تو اس نے ٹوک دیا۔

''ابھی نہیں کینٹین سے کھا لیا تھا اب نماز پڑھ کر لیٹوں گی اور آج انا بھی نہیں آئی تھی۔ ان کے گھر بھی شادی ہے تو میرا خیال ہے آج سے وہ چھٹیوں پر ہے۔'' وہ بھی اپنا بیگ اور کتابیں لے کر کھڑی ہوئی۔ کالج سے آنے کے بعد وہ سیدھی بھابی کے پاس ہی آ بیٹھی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے، سنو مصطفیٰ گھر پر ہے۔ دو بجے گھر آ گیا تھا دو تین دن مسلسل بزی رہا ہے آج اس کی طبیعت کچھ خراب تھی تو جلدی آ گیا تھا۔ شام میں اسے پھر کہیں جانا تھا کہہ رہا تھا کہ چار بجے اسے اٹھا دیں اس وقت چار بج رہے ہیں تم جاتے جاتے اسے بھی جگا دینا۔ اس نے لنچ بھی کرنا ہے ابھی۔'' بھابی نے کہا تو وہ ٹھٹک گئی؟

''وہ گھر پر ہیں؟''

''ہوں...... اپنے کمرے میں ہے تم جگا دو ذرا۔'' شہوار کے چہرے کے تاثرات ایک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔ اسے صبح ہونے والی مصطفیٰ کے ساتھ تلخ کلامی ایک دم شدت سے یاد آنے لگی۔

''آپ رخشندہ کو بھیجیں وہ اٹھا دے گی۔''

''شہوار بری بات ہے یار۔ اب اس سے تمہارا بہت گہرا تعلق ہے آخر کب تک اس طرح خفا رہو گی۔ صبح ماموں بھی مصطفیٰ پر ہی خفا ہو رہے تھے اگر تم دونوں میں آپس میں کوئی بات ہوئی بھی ہے تو خفا ہونے کے بجائے مل بیٹھ کر مسئلہ حل کر لو سمجھدار ہو اس طرح سب گھر والوں کے سامنے بات آئے گی تو بعد میں تم دونوں کو خود ہی شرمندگی ہوگی۔'' بھابی نے رسانیت سے کہا تو وہ لب دانتوں تلے دبا گئی۔

''جاؤ پلیز خود جا کر اٹھاؤ اسے میں رخشندہ کو کھانے لگانے کا کہتی ہوں۔ اس نے ابھی لنچ بھی کرنا ہے آتے ہی کمرے میں گھس گیا تھا۔'' بھابی نے کہا تو وہ محض سر ہلا کر پلٹ آئی۔ پہلے اپنے کمرے میں آ کر بیگ اور بکس بستر پر رکھیں اور پھر باہر نکل آئی۔ اس کا ارادہ محض دروازہ بجا کر پلٹ آنے کا تھا۔ اس نے ابھی دروازے پر ہاتھ رکھا تھا کہ ایک دم دروازہ مکمل طور پر کھل گیا۔ وہ ٹھٹک کر پیچھے ہٹی تھی۔ اپنی رو میں کف کے بٹن بند کرتا مصطفیٰ اسے دیکھ کر رک گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم حیرانی نے ڈیرہ جمایا اور پھر اگلے ہی پل اس نے شہوار کو دیکھ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ شہوار حیرت سے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

''حد ہے بھئی۔'' اس کے اندر بھی شدید اشتعال کی لہر اٹھی تھی۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے زور سے دروازہ پیٹ ڈالا۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' اس کی توقع کے عین مطابق ردعمل ہوا تھا۔ مصطفیٰ نے دروازہ کھول کر اسے گھورا۔

''بھابی کھانے پر بلا رہی ہیں۔'' اس نے بھی غصے سے کہا۔

''یہ کام رخشندہ بھی بہتر طور پر کر سکتی تھی خوامخواہ آپ نے آنے کی زحمت اٹھائی۔'' مصطفیٰ نے استہزائیہ کہا تو شہوار بھک سے اڑ گئی۔ یعنی وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ادھر آئی ہے۔

''مجھے بھی کوئی شوق نہیں تھا آپ کے درشن کرنے کا۔ بھابی نے کہا تو ادھر آئی ہوں بلاوہ لے کر۔''

''اچھا......'' مصطفیٰ کا انداز استہزائیہ تھا وہ جل بھن گئی۔

''دماغ خراب تھا میرا جو دل نہ چاہنے کے باوجود محض بھابی کے کہنے پر ادھر آ گئی تھی۔'' وہ خود کو کوستی پلٹی۔

''اب آنے کی زحمت کر ہی لی ہے تو ایک کام تو کرتی جائیں۔'' وہ ٹھٹک گئی۔ پلٹ کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔

''کیسا کام؟'' وہ وہیں کھڑی رہی۔

''محترمہ کام چل کر خود باہر نہیں آئے گا آپ کو اندر آنے کی زحمت کرنا ہوگی۔'' شہوار نے اسے گھورا اور بغیر کچھ کہے اس کے قریب سے گزرتے اندر آ گئی۔ مصطفیٰ بھی اندر آ گیا۔ شہوار کمرے کا جائزہ لے رہی تھی جبکہ مصطفیٰ آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ شہوار نے دیکھا بستر پر کپڑوں کا ایک ڈھیر بکھرا پڑا تھا یوں جیسے ساری الماری بستر پر الٹا دی گئی ہو۔

''ان کپڑوں کو تہہ کر کے الماری میں سیٹ کر دیں ماں جی سے دو تین بار کہہ چکا ہوں مگر ماں جی بھی پتا نہیں کن کاموں میں بزی ہیں۔'' وہ برش

لے کر بال بناتے کہہ رہا تھا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
مصطفیٰ اپنے روم کے معاملے میں کافی کانشس تھا اس کا کمرہ ماں جی یا بھابی اپنی نگرانی میں صاف کراتی تھیں۔ مصطفیٰ کی غیر موجودگی میں کسی ملازم کو بھی اس کے روم میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔
''اس طرف میری آفس فائلز ہیں ان کو نہیں چھیڑنا اسی وجہ سے میں کسی ملازم کو نہیں کہہ رہا تھا'' برش واپس ٹیبل پر رکھتے وہ شہوار کی طرف پلٹا تھا جو کپڑوں کے اس ڈھیر کو دیکھ رہی تھی۔
''اسی وقت؟'' اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔
''نہیں جب بھی آپ کو سہولت ہو بھلے اپنی نگرانی میں کسی ملازمہ سے کروالیں۔''
''اوکے شام تک کرلوں گی۔'' مصطفیٰ بیڈ کی سائیڈ پر رکھے اپنے موبائل اور والٹ کو اٹھانے کے جھکا تو پاس ہی پڑے دوسرے موبائل کو دیکھ کر رک گیا اس نے سر اٹھا کر شہوار کو دیکھا وہ اطراف میں کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ مصطفیٰ نے تینوں چیزیں اٹھالیں۔
''کالج سے واپسی کس طرح ہوئی؟'' اس کے قریب آ کر سنجیدگی سے پوچھا تو شہوار نے کمرے کا جائزہ لینا ترک کرتے خفگی سے اسے دیکھا۔
''آپ سے مطلب۔'' اسے ابھی تک مصطفیٰ کا صبح والا رویہ نہیں بھولا تھا ایک دم تلخی سے بولی۔
''میں اس طرح کی ٹون برداشت نہیں کرتا جو پوچھا ہے وہ بتائیں۔'' مصطفیٰ کا انداز بھی ایک دم تلخ ہو گیا تھا۔ شہوار نے بہت برہمی سے اسے دیکھا۔
''انکل کو فون کر کے بلوالیا تھا میں نے۔'' اسے مجبوراً بتانا پڑا۔
''موبائل تو تھا نہیں کال کہاں سے کی؟''
''دوست کے نمبر سے۔'' مصطفیٰ نے چند پل اسے گھورا۔
''انا کی پاسداری اچھی چیز ہوتی ہے مگر ہر وقت جھوٹی انا کا پرچم بلند کیے رکھنا کسی اور کو تو نہیں مگر ہماری اپنی ذات کو نقصان پہنچا دیتا ہے یہ لیں موبائل اس کو یوز کریں۔ اس میں ہم نے لوکیشن ٹریس کی ہوئی ہے۔ ایاز کی ضمانت ابھی تک ہم نے نہیں ہونے دی مگر آنے والے دنوں میں ہم بہت دیر تک اس معاملے کو نہیں رکوا سکتے۔ اس کا کیس چل رہا ہے۔ ایسے میں وہ کسی بھی وقت باہر آ سکتا ہے۔ اس کے باپ سے بھی مجھے کوئی اچھی امید نہیں۔ وہ کسی بھی وقت کوئی بھی اوچھا ہتھکنڈہ استعمال کرسکتا ہے اب جبکہ ان لوگوں کو علم بھی ہو چکا ہے کہ ہم نے ایاز کو کیوں اریسٹ کیا تھا یہ موبائل پاس رکھیں کالج ٹائمنگ میں اس کا آپ کے پاس ہونا بہت ضروری ہے اس طرح ہمیں بھی سہولت رہے گی اور آپ کو بھی' کچھ سمجھ بھی آئی ہے میری بات کہ نہیں؟'' ہاتھ میں پکڑا دوسرا موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے دیکھے گئی۔
''شہوار میں قطعی لوز ٹمپرامنٹ کا مالک نہیں ہوں مگر آپ کا یہ رویہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں کچھ سخت کہوں۔'' اس نے اس کی چپ پر جھنجلا کر کہا۔
''آپ کو مجھ سے یا میری سیفٹی سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میں جو ہوں جیسی ہوں ٹھیک ہوں۔ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچے گا تو آپ کا کیا جائے گا۔'' شہوار کا وہی انداز تھا مصطفیٰ نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔
''اتنی نان سینس اور کم فہم ہستی میں نے آج تک نہیں دیکھی دس از ٹو مچ۔'' وہ جھنجلایا۔
''آپ محترمہ شاید بھول رہی ہیں کہ میرا اور آپ کا بہت گہرا رشتہ بن چکا ہے اب۔''
''ہاں بدقسمتی سے۔'' اس کی وہی ٹون تھی۔
''شہوار......'' مصطفیٰ نے ڈپٹ کر کہا۔
''اس کو پکڑیں اور استعمال کریں ورنہ آپ جانتی ہیں کہ میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔'' بہرحال آپ مقابل کو خود مجبور کررہی ہیں کہ وہ سخت اقدامات کرنے پر مجبور ہو جائے۔'' مصطفیٰ نے الجھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس پر موبائل رکھتے غصے سے کہا۔
''آ......آ......پ......!'' شہوار نے کچھ کہنا چاہا کہ مصطفیٰ نے ایک دم انگلی اٹھا کر اسے روک دیا۔
''بس......اب ایک لفظ بھی نہیں آپ میری شرافت اور نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھائیں۔ میرے پاس اس وقت بالکل بھی وقت نہیں ورنہ میں جس طرح آپ اس وقت میرے پاس میرے کمرے میں موجود ہیں تو بہت اچھی طرح اپنے رشتے کی نوعیت سمجھاتے آپ کی برین واشنگ

یہی تو پرابلم ہے کہ وہ کسی سے کچھ کہہ نہیں رہی اور اندر ہی اندر گھل رہی ہے۔'' ولید نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔

''کیا بات ہے بھائی' کیا آپ کو انا اس رشتے کے حوالے سے پسند نہیں' آپ تو اس کا بہت خیال رکھتے ہیں تو پھر اس حوالے سے ایسا رویہ کیوں؟'' روشی نے بہت سنجیدگی سے پوچھا تو ولید نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے' ہر لحاظ سے آئیڈیل مگر میں خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتا۔ اگر بابا کی مرضی ضد اور پسندیدگی کی بات نہ ہوتی تو شاید میں کبھی بھی ہاں نہ کہتا۔''

''کیوں آپ میں کیا کمی ہے جو آپ خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتے؟'' روشی کو ولید کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی' ایک دم ٹوک دیا تھا۔

''جب ہم امریکہ شفٹ ہوئے تھے تو میں تقریباً پانچ سال کا تھا اور جانتی ہو پانچ سال کا بچہ اگر اچھی ذہانت کا مالک ہو تو بہت سی باتیں اور واقعات کبھی بھول نہیں پاتا۔'' ولید نے بہت سنجیدگی سے کہا تو روشنی نے الجھ کر بھائی کو دیکھا۔

''تو......ان باتوں کا انا سے کیا تعلق؟'' ولید نے اسے دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھی وہ مسکرا دیا۔

''ہاں ان باتوں کا واقعی انا سے بھلا کیا تعلق؟ اچھا تم کیا کہتی ہو کیا کروں میں؟'' ولید نے موضوع بدل دیا تھا' روشنی نے گہرا سانس لیا اکثر ایسی بات کے بعد ولید خود ہی موضوع بدل دیتا تھا۔

''انا بہت ہی اچھی' پیاری اور محبت کرنے والی لڑکی ہے' یہ محض بابا کی مرضی اور ضد نہیں بلکہ میرے دل کی بھی خواہش ہے کہ وہ آپ کی دلہن بنے۔'' اس نے بہت لاڈ سے ولید کے کندھے پر بازو رکھ کر کہا تھا۔

''وہ آپ کے رویوں سے ہرٹ ہو کر بدگمان ہوگئی ہے اگر وہ ایک دفعہ آپ سے منسوب ہوگئی تو اس کی ساری بدگمانیاں ختم ہو سکتی ہیں۔ آپ اگر اسے اس رشتے کا مان اور یقین دلائیں تو......'' ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

''اچھا آپ یہ بتائیں کہ آپ یہ رشتہ محض بابا کے فیصلے کی وجہ سے قبول کر رہے ہیں یا پھر آپ کی بھی ذاتی مرضی موجود ہے اس میں؟'' وہ سوال کر کے جواب کی منتظر تھی۔

''کافی رات نہیں ہوگئی' باقی سب سوگئے ہیں یا ابھی جاگ رہے ہیں؟'' ولید نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے پوچھا تو روشی نے اسے گھورا۔

''مجھے ٹالیں مت صاف صاف بتائیں' آج سارا دن انا کا رویہ بہت مختلف رہا ہے' میں نے اسے آپ سے رشتے کے متعلق بتا دیا ہے' کل کے فنکشن کے بارے میں اسے پھپھو سے پتا چل گیا ہوگا' اس وقت بھی بالکل گم صم سب کے ساتھ موجود تھی مگر میں جانتی ہوں کہ اس کی فیلنگز اس وقت کیا ہو رہی ہوں گی۔''

''تو اسے کون کہتا ہے خاموشی اختیار کرنے کو جو دل میں ہے وہ بتائے نا......تاکہ دوسروں کو بھی اندازہ ہو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔''

''ہاں وہ لڑکی ہو کر سب کو بتاتی پھرے اور آپ سے ایک سوال کیا ہے اس کا تو جواب دیا نہیں۔'' روشی نے خفگی سے کہا تو ولید ہنس دیا۔

''تم اس کی وکیل بن کر آئی ہو میرے پاس؟'' ولید نے چھیڑا۔

''یہی سمجھ لیں' انا ہمیں بہت پیاری ہے' اس کے ساتھ کوئی زیادتی ہو میں قطعی برداشت نہیں کروں گی خصوصاً آپ کی طرف سے تو بالکل بھی نہیں۔'' ولید ہنس دیا۔

''اچھا بھائی بتائیں نا' انا تو ہماری اپنی ہے' ایک ساتھ رہتے کیا آپ کو اس کے متعلق ذرا بھی دلچسپی اور کشش محسوس نہیں ہوئی یا جان بوجھ کر نظر انداز کرتے رہے۔''

''روشی بعض سوال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے جواب نہیں ہوتے' کیا تمہارے اطمینان کے لیے اتنا کافی نہیں کہ میں بابا کی پسند کو مان رہا ہوں اور کل کے فنکشن کے لیے تیار بھی ہوں۔''

''اور آپ کے دل کی خواہش؟'' روشی نے سنجیدگی سے بھائی کو دیکھا۔

''میں ایک پریکٹیکل اپروچ رکھنے والا انسان ہوں' یہ دل کے امراض نہیں پالتا۔'' ولید کا رویہ نان سیریس تھا۔

''دیکھئے گا انا آپ کے انہی رویوں کی وجہ سے کسی دن آپ سے شدید بدگمان ہو جائے گی۔'' روشی نے جھنجلا کر کہا۔

''اگر اسے مجھ سے حقیقی لگاؤ ہوا تو ایسی نوبت کبھی نہیں آئے گی۔'' ولید کا انداز پراعتماد تھا' روشی نے گھورا۔

''آپ کا مطلب ہے کہ وہ محض آپ سے دل لگی کر رہی ہے؟''
'اب ایسا بھی نہیں کہا میں نے۔'' ولید نے پھر ہنس کر کہا۔
''آپ کو اصل میں ہر جگہ حد سے زیادہ پذیرائی ملی ہے' لڑکیوں نے آپ کے آگے پیچھے گھوم گھوم کر آپ کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ایک لڑکی آپ کے لیے خوار ہو رہی ہے اور آپ کو اس کی پروا ہی نہیں۔'' روشی کا جلا بھنا بیان جاری ہوا تھا' ولید بے اختیار ہنس دیا۔
''اس لڑکی کے ساتھ منگنی جیسے رشتے کے لیے تیار ہو گیا ہوں کیا یہ کافی نہیں؟''
''آپ بہت زیادہ مغرور اور حد سے زیادہ خود پسند ہیں۔'' روشی نے جل بھن کر کہا۔
''اچھا بیان ہے مگر پرانا ہو چکا ہے کوئی نئی بات کہتیں۔'' ولید نے چھیڑا تو روشی خفا ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''کسی دن پچھتائیں گے' ساری دنیا میں بھی دیوانہ وار ڈھونڈنے نکلیں تو آپ کو کبھی بھی انا جیسی پیاری محبت کرنے والی اور پرخلوص لڑکی نہیں ملے گی۔''
''تو مجھے ڈھونڈنے کی ضرورت بھی کیا ہے' بابا کی مرضی پر سر جھکا دیا ہے اب وہ کسی بھی ایسی ویسی کے پلے باندھ دیں مجبوری ہے قبول تو کرنا ہی ہے نا'' روشی نے ولید کی بات پر گھورا۔
''میں مصطفیٰ بھائی کو کال کر کے بتاتی ہوں ساری بات' اب وہ ہی خود آ کر آپ سے نبٹیں گے۔'' روشی نے دھمکی دے کر دروازے کی طرف قدم بڑھائے تو ولید سٹپٹا کر ایک دم اس کے سامنے آیا تھا۔
''توبہ کرو لڑکی! وہ تو جان کو آ جائے گا' خبردار اس سے ایک لفظ بھی کہا تو۔'' ولید نے اسے دونوں کندھوں سے تھام لیا تھا وہ ہنس دی۔
''میں تو ضرور بتاؤں گی انہیں' آپ دونوں دوست ہی ایک جیسے ہیں' خود پسند' مغرور اور بے حس۔''
''توبہ...... مصطفیٰ نے اپنے بارے میں تمہارے یہ القابات سن لیے تو پھر تمہاری خیر نہیں۔''
''ہاں آپ میں اور ان میں کچھ فرق رہ گیا ہے آپ حد سے زیادہ بے حس ہیں اور وہ ایک حد تک۔ جہاں بات ان کی ذات کی ہوتی ہے وہ فوراً نرم ہو جاتے ہیں اور آپ ہمیشہ خود کو ہی نقصان پہنچا لیتے ہیں۔'' روشی کا تجزیہ ایسا تھا کہ ولید ہنس دیا۔
''میں ان کو صبح ہی کال کروں گی' آپ کی زندگی کا اتنا اہم فنکشن ہو گا ان کو ضرور شامل ہونا چاہیے ورنہ وہ آپ سے جتنا بھی خفا ہوں کم ہو گا۔''
''ہوں...... میں بھی سوچ رہا تھا کہ صبح کال کروں گا مگر تم کال کر کے کچھ بھی نہیں کہو گی ورنہ اس نے چھوڑنا نہیں مجھے کہ اسے پہلے کیوں نہیں بتایا جبکہ اسے کون سمجھائے کہ کل کا فنکشن بابا کا اچانک فیصلہ ہے۔''
''انا سے بھی بات کر لیجیے گا' اس بے چاری کے دل کو بھی تسلی دے دیجیے گا ورنہ پھر مجھے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا' آپ تو ٹھہرے بے حس نمبر ون۔'' ولید نے گھورا۔
'رات بہت ہو گئی سو جائیے اب' چلتی ہوں' شب بخیر اینڈ اللہ حافظ'' وہ چلی گئی تو ولید ہلکا سا سر کو خم کرتا دوبارہ کھلی کھڑکی کی طرف پلٹ گیا تھا۔



وہ کالج میں تھی صبح اس کی انا سے بات ہوئی تھی' انا سے بات کرتے ہوئے وہ بڑی ڈل ڈل سی لگی تھی اس نے سوچا کہ گھر جا کر وہ اس سے تفصیل سے بات کرے گی ویسے بھی آج ان لوگوں کے ہاں مہندی کا فنکشن تھا' اس کا ارادہ صرف برات اور ولیمہ کے فنکشن میں جانے کا تھا۔ انا کے بار بار اصرار کے باوجود اس نے آج کے فنکشن میں شامل ہونے سے معذرت کر لی تھی جواباً انا نے خفا ہو کر کال بند کر دی تھی۔ باقی کا سارا وقت اس کا کالج میں انا کی خفگی کو ہی سوچتے گزرا تھا۔ نو بجے کے قریب وہ دوستوں کے ساتھ کینٹین میں آ گئی تھی' ابھی ان لوگوں نے آرڈر ہی کیا تھا کہ شہوار کا موبائل بجنے لگا تھا۔ یہ کل مصطفیٰ کا دوبارہ دیا جانے والا موبائل تھا' اس نے بات بگڑنے کے ڈر سے رکھ لیا تھا مگر موبائل کی موجودگی سے وہ خوامخواہ سارا وقت جھنجلاتی بھی رہی تھی۔ اس نے بیگ سے موبائل نکال کر دیکھا تو مصطفیٰ کا نام دیکھ کر اس نے دوستوں سے کہا۔
''ایکسکیوز می' میں آتی ہوں۔'' وہ سائیڈ پر آ گئی تھی۔
''السلام علیکم!'' اس نے بہت سنجیدگی سے کال ریسیو کی تھی۔
''وعلیکم السلام!'' دوسری طرف مصطفیٰ نے کہا تھا۔

''کیا کر رہی ہیں، بزی تو نہیں؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔
''نہیں۔''
''کہاں ہیں اس وقت؟'' مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔
''کیوں آپ کی لوکیشن ٹریس کرنے والی چیپ نے آپ کو بتایا نہیں کہ میں اس وقت کہاں ہوں؟'' وہ طنزیہ لب و لہجے میں خود کو کہنے سے باز نہیں رکھ پائی تھی۔
''اچھی بات ہے اور خوش آئند بھی، اس مفاہمتی عمل سے اندازہ ہوا ہے کہ ابھی آپ اتنی عقل سے پیدل نہیں ہوئیں جتنا آپ شو کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔'' دوسری طرف سے طنزیہ لب و لہجے کی حد کی گئی تھی وہ جل کر راکھ ہوگئی۔ شہوار کا ضبط سے بُرا حال ہونے لگا۔
''کیوں کال کی ہے؟'' وہ سلگ اٹھی تھی جی تو چاہ رہا تھا کہ فوراً موبائل آف کر کے گھر جا کر واپس اس کے روم میں پھینک دے، مگر کل صبح والا مصطفیٰ کا رویہ اسے ازبر تھا ورنہ.......
''کس کے ساتھ آئی تھیں کالج؟'' وہ اس کے سوال کو نظر انداز کیے پوچھ رہا تھا۔
''انکل کے ساتھ۔''
''سارا دن خیریت سے گزرا؟'' وہ مزید پوچھ رہا تھا۔
''کچھ دیر پہلے تک تو خیریت ہی تھی۔'' اس نے بھی سلگ کر طنزیہ کہا۔
''مجھے آپ کو یہ بتانا تھا کہ آج ولید لوگوں کے ہاں مہندی کا فنکشن ہے، ولید نے بطور خاص رات کو شامل ہونے کا کہا ہے ویسے تو میرا رات کو واپسی کا پروگرام تھا مگر اب کوشش کروں گا کہ شام تک لوٹ آؤں۔ بھابی کو میں فون کر کے بتا چکا ہوں آپ نے بھی ساتھ چلنا ہے ساتھ بھابی ہوں گی۔ سجاد بھائی چھوڑ آئیں گے، میں سیدھا وہیں سے ولید کے ہاں آؤں گا، ماں جی گھر پر رہیں گی کہ دریا آ رہی ہے، ورنہ وہ بھی ساتھ چلتیں، سن رہی ہیں نا میری بات؟'' وہ بات کرتے کرتے اس طرف سے مکمل خاموشی پا کر پوچھنے لگا۔
''جی سن رہی ہوں۔''
''کاش آپ باقی باتیں بھی اسی توجہ سے سن لیتیں تو اتنے مسئلے نہ اٹھتے۔''
''اگر میرے ساتھ اسی طرح کی کوئی بات مزید کی تو میں کال بند کر دوں گی۔ مجبوری نہیں ہے مجھے کہ میں آپ کی طنزیہ باتیں سنوں۔'' وہ کون سا کم تھی ایک دم چٹک کر کہا۔
''ہاں بہت اچھی طرح آپ کی خود مختاری کا اندازہ ہو چکا ہے اور ایک بات میں آپ کو بار بار کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کی اس ٹون کا عادی نہیں ہوں، میرے ساتھ دھمکیوں والا سلسلہ نہ رکھیں۔ جوابی کارروائی کے طور پر میں محض دھمکیوں پر گزارہ نہیں کرتا بلکہ عملی مظاہرہ کرتا ہوں۔'' مصطفیٰ کے طنزیہ لب و لہجے پر اس نے سلگ کر کال بند کر دی تھی۔
''پتا نہیں خود کو کیا سمجھتے ہیں؟'' اس کا دل جلنے لگا۔ وہ واپس پلٹی کہ موبائل پھر بجنے لگا اس نے کوفت سے مصطفیٰ کے نام کو دیکھا۔
''کال بند کیوں کی تھی؟'' اس نے نا چاہتے ہوئے بھی کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگایا تو مصطفیٰ کی سخت آواز سنائی دی۔
''آپ کے شاہی فرمودات اس قدر بھی نادر و نایاب نہیں تھے کہ میں اپنا وقت ضائع کرتی۔''
''شہوار......'' مصطفیٰ نے ٹوکا وہ سر جھٹک گئی۔
''آپ تیار ہو کر ضرور چلی جایئے گا، بابا کو میں کہہ دوں گا وہ آپ کو تین بجے کالج سے پک کر لیں گے، گھر جا کر تیار ہو کر رانا کے ہاں چلی جایئے گا۔'' وہ دوبارہ یاد دہانی کروا رہا تھا۔
''آپ نے کہہ دیا اور میں نے سن لیا مگر میرا فی الحال آج کے فنکشن پر جانے کا قطعی موڈ نہیں، برات اور ولیمہ پر چلی جاؤں گی۔'' اس نے قطعیت سے کہا تھا۔
''آپ نے آج جانا ہے اور ضرور جانا ہے، میں انکار نہیں سنوں گا۔ یہ بات فائنل ہے۔''
''مگر میں کہہ چکی ہوں کہ میرا موڈ جانے کا بالکل بھی نہیں، اس لیے آپ لوگ مجھے فورس مت کریں، رہ گئی انا تو صبح اسے کال کر کے ایکسکیوز

کر چکی ہوں۔‘‘اس نے صاف انکار کیا۔
’’او کے اب میں دیکھتا ہوں کہ آپ کیسے نہیں جاتیں؟‘‘ مصطفیٰ نے تلخی سے کہہ کر خود ہی کال کاٹ دی تھی۔ شہوار نے لب بھینچ لیے۔ ابھی وہ دوستوں کے ساتھ کھا پی ہی رہی تھی اس کے موبائل پر شاہزیب صاحب کی کال آنا شروع ہوگئی تھی۔
’’السلام علیکم!‘‘
’’وعلیکم السلام! بیٹا میں آپ کو پک کرنے آیا ہوں آپ جلدی باہر آ جائیں۔‘‘
’’اُف.....‘‘ انہوں نے کال کاٹ دی تھی‘ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا وہ دوستوں کو بتا کر باہر آ ئی تھی۔
’’میں ادھر سے گزر رہا تھا ایک میٹنگ کے لیے جانا تھا سوچا کہ تمہیں پہلے پک کرلوں۔‘‘ اس کے گاڑی میں بیٹھنے پر انہوں نے بتایا تو وہ سر ہلا گئی۔
وہ اسے گھر ڈراپ کر کے خود چلے گئے‘ وہ اندر آئی تو سبھی اپنے اپنے کمروں میں تھے‘ کینٹین سے وہ کھا کر آئی تھی۔ چینج کر کے نماز ادا کر کے وہ لیٹ گئی‘ اس نے سوچا کہ وہ رات میں انا کو کال کر کے ایک بار پھر اپنے نہ آنے کی معذرت کے ساتھ اس کے ڈل رویے کی وجہ بھی ضرور پوچھے گی۔



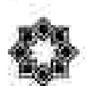
رات دیر تک ڈھولک کا پروگرام رہا تھا اور نیند نہ آنے کی وجہ سے وہ ساری رات جاگی تھی‘ فجر کے بعد وہ سوئی تو صبح صبح شہوار کی کال سے آنکھ کھل گئی تھی۔ شہوار سے بات کرتے ہوئے بھی وہ بس ہوں ہاں کرتی رہی تھی‘ شہوار نے آج کے فنکشن کی طرف سے معذرت کرلی تھی‘ وہ اس سے خفا ہوگئی تھی اس کا خیال تھا کہ شہوار اسے کال بیک کرے گی مگر شہوار کی کال نہ آئی تو اس نے سنجیدگی کے ساتھ اس کے ساتھ ناراض ہونے کا سوچا۔
وہ بارہ بجے کے قریب سو کر اٹھی تھی‘ آج گھر میں مہندی کا فنکشن تھا‘ سب گھر پر ہی تھے۔ لان کو سجایا جارہا تھا ایک طرف اسٹیج بنوایا جارہا تھا‘ فنکشن ارینج کرنے والے ورکرز سارے گھر کو سجا رہے تھے‘ دو بجے تک وہ ماما کے ساتھ گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں الجھی رہی تھی۔ شام کو مہمان آنا شروع ہوجانے تھے‘ وہ رات میں پہنے جانے والے سب کے ڈریسز استری کروا کر ان کے کمروں میں بھجوا کر فارغ ہوئی تو نہانے گھس گئی۔ نہا کر نکلی تو ماما اس کے روم میں موجود تھیں۔
’’میں کب سے تم سے بات کرنے کا سوچ رہی تھی مگر سارا دن مصروفیت میں وقت ہی نہیں ملا۔‘‘
’’تم ادھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔‘‘ ماما نے کہا تو وہ گیلے بال ٹاول میں لپیٹ کر ان کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی۔
’’رات میں نے تمہیں سوچنے کو کہا تھا‘ تم بتاؤ کیا سوچا بیٹا! تم پر کوئی زبردستی نہیں اگر دل نہیں مانتا تو بھی بتادو میں بھائی صاحب کو منع کردوں گی۔‘‘ ماما نے کہا تو وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
یہ رشتہ طے پاتا یہ تو خود اس کی خواہش تھی مگر اب سب کی باتوں سے جب یہ علم ہوا تھا کہ ولید اس کے جذبات واحساسات سے بے خبر نہیں تھا گویا دل مرجھا سا گیا تھا۔
’’ولید نے اسے جان بوجھ کر نظر انداز کیا تھا۔‘‘ کیسا تکلیف دہ احساس تھا اور وہ خود لڑکی ہو کر کیسے اس کے سامنے کھل جاتی اور روشانے سے کیتھی کے بارے میں سن کر تو وہ ولید کی طرف سے مکمل طور پر مایوس ہوگئی تھی خود کو سمجھا لیا تھا‘ بڑی مشکل سے دل کے جذبات پر بند باندھا تھا تو اب یہ نیا سلسلہ چل نکلا تھا۔
’’کیا ولید محض بڑوں کے فیصلے کو قبول کر رہا ہے یا اس کے جذبات واحساسات کو سمجھتے ہوئے دل سے رشتہ بنا رہا ہے۔‘‘ اس سوال نے انا کے دل ودماغ میں قیامتیں برپا کر رکھی تھیں۔
’’ماما جو آپ لوگوں کو مناسب لگے کریں۔‘‘ دل بہک کر اس رشتے پر سر جھکانے پر تیار تھا مگر عزت نفس اور خودداری کے مسئلے روک رہے تھے اس نے سب باتوں کو ایک دم نظر انداز کرتے دل کی بات مان لی تھی۔ ماما ایک دم مسکرا دیں۔
’’خوش رہو..... جیتی رہو۔ ولید ہم سب کی خوشی تھا‘ مجھے یقین ہے تم دونوں کے لیے یہ رشتہ بہت مناسب رہے گا۔‘‘ ماما نے کہا تو وہ محض سر جھکا گئی۔ ماما نے بہت محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔
’’رات روشی اور احسن کی مہندی کا ہی فنکشن ہوگا‘ تم اچھی طرح تیار ہوجانا بلکہ میں روشی کو کہتی ہوں وہ تم کو تیار کردے گی۔ شام تک تم دونوں کی

منگنی کی رسم ہوگی اور پھر رات میں احسن کی مہندی۔'' ماما نے طے شدہ پروگرام بتایا تو اس نے سر ہلا دیا۔
''اور ہاں تم اپنی دوست شہوار کو بھی بلا لیتی۔'' ماما نے اٹھتے ہوئے کہا تو اسے ایک دم شدت سے شہوار کی کمی محسوس ہونے لگی۔
''میں نے اسے آج کہا بھی تھا آنے کو مگر اس نے منع کر دیا برائت اور ولیمہ پر آئے گی۔''
''آ جاتی تو اچھا تھا تمہارا بھی دل بہل جاتا' روشی کی تو خود رسم مہندی ہوگی۔ تم تنہا سب کیسے کرو گی۔'' ماما نے کہا تو وہ مسکرا دی۔
''کوئی بات نہیں ماما' کافی لوگ ہوں گے اتنی لڑکیاں ہو جاتی ہیں۔ جاننے والوں کی اور ارد گرد کی بھی۔'' اس نے تسلی دی تو ماما نے سر ہلایا۔
''ٹھیک ہے' تمہارے لیے میں نے خصوصی طور پر بوتیک سے سوٹ اور دوسری اشیاء منگوائی تھیں' تین بج رہے تھے مغرب کے بعد منگنی کی رسم ہوگی' روشی کو کہتی ہوں بیوٹیشن بھی گھر آ جائے گی' وقت پر تیار ہو جانا۔'' ماما کی ہدایت پر اس نے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔



وہ سو کر اٹھی تو مغرب کا وقت ہو رہا تھا اس نے موبائل دیکھا تو انا اور مصطفیٰ دونوں کی ان گنت کالز تھیں۔ شہوار کے اندر ایک بار پھر انا کی شدید خفگی کا ملال جاگا۔
''کچھ نہیں ہوتا' برائت والے دن جاؤں گی تو خود ہی مان جائے گی۔'' اس نے خود کو تسلی دی ابھی اس نے انا کو کال بیک کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ دھڑام سے کوئی روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ نمبر ڈائل کرتی فوراً متوجہ ہوئی تھی۔
''آپ......؟'' اپنے سامنے مصطفیٰ کو دیکھ کر ٹھٹکی۔
''میں پچھلے دو گھنٹوں سے کالز پر کالز کر رہا تھا پک کیوں نہیں کر رہی تھیں؟'' وہ آتے ہی بم کی طرح پھٹا تھا' وہ جو نیم دراز تھی فوراً سیدھی ہوئی۔ شہوار نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھا' سونے سے پہلے وہ موبائل کو سائلنٹ پر لگا چکی تھی۔
''میں سو گئی تھی' مجھے کال کا علم نہیں ہو سکا تھا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کے جواب پر اسے دیکھا۔
وہ ابھی بستر پر ہی تھی' دوپٹہ بے پروائی سے کندھے پر تھا اور بالوں کی چٹیا ایک طرف جھول رہی تھی۔ مصطفیٰ کے یوں دیکھنے پر شہوار نے ٹپٹا کر اپنا دوپٹہ درست کرتے بستر چھوڑا تھا۔
''جلدی سے تیار ہو جائیں ہمیں کچھ دیر بعد ولید کی طرف جانا ہے' بھابی کو میں کہہ آیا ہوں وہ تیار ہو رہی ہیں' آپ بھی جلدی کریں۔ اتنی دیر میں میں بھی چینج کر لوں گا۔'' وہ کہہ کر پلٹا۔
''مگر میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں نہیں جا رہی۔'' اس نے بے پروائی سے کہا تو پلٹتا مصطفیٰ رک گیا۔
''آپ مجھ سے بحث کرنا چاہ رہی ہیں کیا؟'' اچانک وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
''دماغ خراب نہیں ہے میرا' میں نے سادہ انداز میں جانے سے معذوری ظاہر کی ہے ویسے بھی میں انا سے معذرت کر چکی ہوں۔'' اس نے دوبدو کہا تو مصطفیٰ نے ایک دم غصے سے اس کو گھورا۔
''میں آپ کو کہہ چکا تھا کہ تیار ہو کر مغرب تک بھابی کے ہمراہ چلی جایئے گا' میں کال پر کال کرتا رہا اور آپ نے ریسیو تک نہیں کیں' مجبوراً مجھے سب کچھ وہیں چھوڑ کر گھر آنا پڑا' آپ جانتی ہیں کہ میرا کتنا ٹائم ضائع ہوا ہے آپ کو بار بار کال ملانے کے چکر میں؟'' وہ سخت برہم ہو رہا تھا۔
''میں تو آپ کو تبھی انکار کر چکی تھی' خوامخواہ آپ نے زحمت کی۔'' اس کا انداز ہنوز تھا۔ مصطفیٰ کا جی چاہا کہ کھینچ کر ایک ہاتھ تو ضرور جڑ دے اس کو۔
''شہوار میرا دماغ خراب نہ کریں' میں چینج کرنے جا رہا ہوں تب تک آپ مجھے ریڈی ملیں۔'' انگلی اٹھا کر اسے وارن کرتے وہ جس قدر تیزی سے آیا تھا اسی تیزی نکل بھی گیا۔
''خوامخواہ۔'' وہ کلسی اور ہاتھ میں پکڑا موبائل غصے سے بستر پر پھینک دیا' مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔
وہ سر جھٹکتے واش روم میں گھس کر وضو کرنے لگی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ...... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شاہزیب صاحب کے حکم پر مصطفیٰ کو مجبوراً شہوار کو کالج ڈراپ کرنا پڑتا ہے۔ راستے میں دونوں کے درمیان پھر سے تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ شہوار کے موبائل واپس رکھنے اور ہر بار اپنی ذات کی توہین برداشت نہ کرتے مصطفیٰ سخت الفاظ میں اسے وارننگ دیتا ہے کہ وہ آئندہ اس کا لحاظ نہیں کرے گا جس پر شہوار اس کے رویے سے خائف آنسو بہاتی رہتی ہے۔ روشی قدسیہ آنٹی کے بیٹے جنید کے پرپوزل کے بارے میں انا کو بتاتی ہے اور ساتھ ہی ولید کے بارے میں اس کی پسندیدگی دریافت کرتی ہے جس پر وہ روشی کو ٹال دیتی ہے۔ انا کی ماما کا ارادہ ولید اور انا کی منگنی کا ہوتا ہے اسی لیے وہ دونوں پرپوزل انا کے سامنے رکھتے اس کا جواب چاہتی ہیں ان کا اپنا ارادہ ولید کے لیے ہوتا ہے کیونکہ ان کے خیال کے مطابق انا بھی ولید میں دلچسپی لیتی ہے جبکہ انا یہ سن کر نہایت شرمندگی محسوس کرتی ہے۔ اپنی انا کو کچلتے وہ ولید کے لیے ہاں کر دیتی ہے اگرچہ کیتھی والے معاملے کو لے کر اس کے دل میں ہزاروں خدشات موجود ہوتے ہیں۔ دوسری طرف ولید بھی ان کی تمام باتیں سن لیتا ہے۔ عادلہ عباس سے بات کرنا چاہتی ہے لیکن عباس کے انکار پر وہ آفس پہنچ کر طوفان کھڑا کر دیتی ہے۔ وہ رابعہ کو بھی بات نہ کرانے پر سخت سناتی ہے اور اس پر مختلف الزامات عائد کرتی ہے شاہزیب صاحب کی موجودگی کو بھی یکسر نظرانداز کیے ایاز والے معاملے پر ان سے الجھتی ہے جس پر عباس اور شاہزیب صاحب اب ان کے درمیان موجود رشتے کو کسی حتمی صورت تک پہنچانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ عباس عادلہ کے رویے پر رابعہ سے معذرت کرتے ہیں جس پر رابعہ شرمندہ ہو جاتی ہے۔ شہوار گھر پہنچتی ہے تو لائبہ بھابی اسے دریہ کی آمد کے بارے میں بتاتی ہیں اور مصطفیٰ کو جگانے کا کہتی ہیں جس پر ناچار اسے مصطفیٰ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مصطفیٰ کے رویے سے خائف ہوتے وہ موبائل واپس رکھ لیتی ہے۔ مصطفیٰ اسے ولید کے ہاں مہندی کے فنکشن میں جانے کا کہتا ہے لیکن وہ صاف انکار کر دیتی ہے۔ روشی منگنی کے بارے میں ولید سے سوال کرتی ہے اور اس رشتے کے بارے میں اس کے احساسات جاننا چاہتی ہے ساتھ ہی انا کی پسندیدگی اور کیتھی والے معاملے کو بھی ولید سے شیئر کرتی ہے جس پر ولید انا کے پل پل بدلتے رویوں کی وجہ بخوبی سمجھ جاتا ہے۔ روشی کے اس سوال پر کہ وہ انا کے لیے کچھ خاص جذبات رکھتا ہے یا صرف بابا جان کے حکم پر سر جھکا رہا ہے ولید اسے کوئی جواب نہیں دیتا۔ بہرحال وہ اسے انا کی دلی کیفیات کا تفصیلاً بتاتے انا سے بات کرنے کا کہتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁ ❁ ❁

بیوٹیشن نے دونوں کو تیار کر دیا تھا' روشی تو بس ہلکا پھلکا میک اپ ہی کیا گیا تھا۔ ماما نے بوتیک سے جو سوٹ منگوایا تھا وہ کافی ہیوی تھا' اس نے میک اپ بہت لائٹ کروایا تھا۔ جیولری سے اس نے گریز کیا تھا' بس کانوں میں ٹاپس اور ہاتھوں میں چوڑیوں پر ہی اکتفا کر لیا گیا تھا اس سے بھی اس کا حسن نکھر گیا تھا۔

''ماشاء اللہ بہت ہی پیاری لگ رہی ہو' مجھے ڈر ہے کہ کہیں ولید بھائی ڈائریکٹ شادی کا ہی نہ کہہ دیں۔'' بیوٹیشن نے جیسے ہی دوپٹہ سیٹ کر کے روشی کے سامنے کیا تو اس نے فوراً کہا۔

''بکومت۔'' ولید کے نام پر اس کا چہرہ ایک دم بلش ہوا تھا۔

''اوہو...... لڑکی شرما رہی ہے۔'' اس نے مزید چھیڑا۔

''تم ولی بھائی کی دلہن بنتی یہ بابا کی ہی نہیں میری بھی شدید خواہش تھی۔'' روشی نے کہا تو اس نے اسے دیکھا۔

''اور تمہارے بھائی کی خواہش کیا تھی؟'' انا کا جی چاہا کہ اس سے پوچھے مگر بس مسکرا کر رہ گئی۔

''تم نے شہوار کو نہیں بلایا؟ اسے بتایا کہ یہ فنکشن ہے۔'' بیوٹیشن اپنا سامان سمیٹنے میں لگ گئی تھی' روشی کو یاد آیا تو پوچھا۔

''کل تب تو مجھے خود کب علم تھا اور آج سہ پہر خود بھی ڈسٹرب تھی' اس کے بعد شہوار کو اتنی کالز کیں' کل تک تو اس کا سیل ہی بند تھا اب آج صبح اس نے آن کیا تو اب کالز ہی پک نہیں کرتی۔

''ہوں...... مصطفیٰ بھائی تو ضرور آئیں گے نا' ہو سکتا ہے وہ ان کے ساتھ ہی آ جائے۔''

''اس نے صبح مجھے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ آج نہیں آئے گی' ہاں برات اور ولیمے پر آنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''چلو میں ولید بھائی سے پوچھتی ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھی۔

''تم اس حلیے میں اب باہر جاؤ گی' باہر احسن بھائی اور باقی لوگ بھی ہوں گے' نجانے وہ خود کہاں ہوں' تم خود کال کر کے پوچھ لو۔'' انا نے کہا تو وہ رک گئی۔

''اوکے...... یہ ٹھیک ہے' میں کال کر لیتی ہوں۔'' وہ فوراً متفق ہوئی اور کال ملائی۔

''ہاں ولید بھائی مجھے کنفرم کرنا تھا کہ آج کے فنکشن میں مصطفیٰ بھائی آ رہے ہیں نا؟'' روشی نے کال ملتے ہی پوچھا۔

''کال تو میں اسے بار بار کر رہا ہوں، وہ اصل میں کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ وعدہ تو اس نے کیا ہے کہ اگر وقت پر پہنچ گیا تو ضرور آئے گا۔'' ولید نے بتایا۔

''کہا تو تھا کہ ساری فیملی کو لے کر آئے اسپیشلی شہوار بھابی کو۔'' ولید نے بتایا۔

''کیوں خیریت؟'' وہ مزید پوچھ رہا تھا۔

''نہیں بس یہ انا شہوار کی وجہ سے پریشان ہو رہی تھی اور شہوار اس کی کال بھی پک نہیں کر رہی تھی تو میں نے سوچا کہ آپ سے ہی پوچھ لوں۔''

''کیوں انا کیوں پریشان ہو رہی تھی؟'' ولید نے پوچھا۔

''شہوار آج آنے کے لیے معذرت کر چکی تھی نا تو اس لیے۔''

''اوہ خیر میں نے مصطفیٰ کو خاصے اصرار سے کہا تھا کہ شہوار کو ساتھ ضرور لے کر آئے۔ اب دیکھو کیا کرتے ہیں وہ دونوں۔'' ولید نے کہا۔

''آپ نے مصطفیٰ بھائی کو یہ بھی بتایا کہ آج آپ کی منگنی کی رسم بھی ہوگی۔'' انا روشی کو دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر سرخی پھیلی۔

''ابھی نہیں بس موقع ہی نہیں ملا مجھے یہ تھا کہ وہ جب آئے گا تو اسے یہاں آ کر خود ہی پتا چل جائے گا۔''

''اُف.....'' روشی کا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''پتا نہیں کیا بنے گا آپ دونوں کا؟ اُدھر ان محترمہ نے شہوار سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا ورنہ شہوار تو ضرور آتی۔ مصطفیٰ بھائی تو ضرور ناراض ہوں گے اب ان کو خود ہی بھگتیے گا۔'' اس نے کہا اور ساتھ ہی کال بند کر دی۔ بیوٹیشن سامان سمیٹ چکی تھی، باہر ابھی مہمان آنا شروع ہوئے تھے وہ دونوں انا والے کمرے میں تھیں۔

''تم ایک بار پھر شہوار کو کال کر کے دیکھو۔'' روشی نے کال بند کر کے مشورہ دیا تو وہ سر ہلا کر اپنے موبائل سے شہوار کا نمبر ملانے لگی۔ کال جا رہی تھی مگر شہوار پک نہیں کر رہی تھی۔

''پتا نہیں کدھر ہے یہ لڑکی۔'' انا کا کوفت سے بُرا حال ہوا۔

''ولی بھائی کہہ تو رہے تھے کہ مصطفیٰ بھائی کو تاکید کی تھی کہ وہ شہوار کو ساتھ لائیں، اب دیکھو کیا کرتے ہیں؟'' روشی نے کہا۔

''اب ایک دفعہ یہ لڑکی میرے ہاتھ لگ جائے پھر اسے اچھی طرح دیکھتی ہوں۔''

❁.......❁.......❁

وہ نماز پڑھ کر اٹھی تو بھابی تیار ہو کر اس کے کمرے میں ہی چلی آئیں۔

''تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟'' بھابی اسے اسی حلیے میں دیکھ کر چونکیں۔

''بھابی پلیز! آپ مصطفیٰ کو کسی طرح قائل کر لیں آج میرا جانے کا قطعی موڈ نہیں ہو رہا، بارات والے دن ضرور چلوں گی۔'' جائے نماز تہ کر کے رکھتے اس نے کہا تو بھابی نے گھورا۔

''تمہیں اندازہ ہے مصطفیٰ آؤٹ آف سٹی تھا، محض اس فنکشن کے لیے وہ سارے کام ادھورے چھوڑ کر پہنچا ہے اور تم ہو کہ انکار کر رہی ہو پھر اسے غصہ آئے گا اور بات بڑھے گی۔''

''وہ جان بوجھ کر بات بڑھانا چاہ رہے ہیں، ورنہ میں نے تو صاف انکار کر دیا ہے اور انا سے بھی ایکسکیوز کر چکی ہوں۔'' اس نے بے چارگی سے کہا تھا۔

''نہیں، میں تمہارے کپڑے نکالتی ہوں، تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔'' بھابی اسے گھور کر الماری کی طرف بڑھی تھیں۔ شہوار نے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

''یہ لباس کیسا رہے گا؟'' انہوں نے بلیک لباس جس پر نفیس سا کالر کی صورت نگینوں کا کام ہوا تھا نکالا یہ نکاح کے جوڑوں میں سے ایک تھا۔ اس کے سامنے کیا تو اس نے نروٹھے پن سے انہیں دیکھا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ کہہ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو بھابی کمرے میں نہ تھیں۔ وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی بالوں کی چٹیا کھول کر ان کو آگے ڈال کر وہ ان میں برش پھیرنے لگی، اتنے لمبے گھنے بال، اسے کوفت ہونے لگی۔

''اُف یہ بال بھابی! میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ان کو کٹوا دوں۔'' دروازہ کھلا تھا اس کا خیال تھا کہ بھابی ہوں گی اس نے پلٹے بغیر ہی کہا تھا۔

''آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟'' مصطفیٰ کی آواز پر وہ فوراً پلٹی تھی۔ وہ سفید کلف لگی شلوار قمیص میں بے حد نمایاں لگ رہا تھا، وہ بہت کم شلوار قمیص استعمال کرتا تھا، اس وقت بہت جچ رہا تھا، دروازے کے پاس کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''میرا جانا اب اتنا بھی ضروری نہ تھا؟'' مصطفیٰ کو دیکھ کر اسے پھر غصہ آنے لگا، ایک کندھے پر دوپٹہ جھول رہا تھا اور دوسرے پر بال بکھرے ہوئے تھے جن سے وہ نبرد آزما تھی، اوپر سے مصطفیٰ کی آمد۔

’’بحث کا وقت نکل چکا ہے۔‘‘ اس کے تیکھے انداز پر مصطفیٰ نے ٹوکا تو اس نے سر جھٹک کر برش ٹیبل پر پٹخا اور دوپٹہ سر پر ڈالتے آئینے کے سامنے سے ہٹی۔

’’نجانے بھابی کہاں چلی گئی اور کپڑے بھی کدھر تھے۔‘‘ اس نے بستر پر دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو نظر انداز کرتے وہ الماری کھول کر دیکھنے لگی‘ وہاں بھی وہ بلیک سوٹ نہیں تھا اور ہینگ شدہ لباس سبھی سادہ تھے جو وہ کالج پہن کر جاتی تھی جبکہ تقریب کے حوالے سے کوئی بھی لباس استری شدہ نہ تھا۔

’’اب کتنا وقت لینا ہے محترمہ آپ نے؟‘‘ اس نے پلٹ کر مصطفیٰ کو دیکھا وہ سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

’’آپ کو جلدی ہے تو آپ بھابی کو لے کر چلے جائیں۔‘‘ الماری کا پٹ بند کرتے اس نے غصے سے کہا تو مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

’’اگر ولید کا اصرار نہ ہوتا تو یقیناً میں ایسا ہی کرتا۔‘‘

’’آپ......‘‘ اس نے کچھ کہنا چاہا کہ ٹیبل پر رکھے موبائل کی وائبریشن نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا‘ وہ مصطفیٰ پر غصیلی نگاہ ڈالتے موبائل کی طرف بڑھی تھی‘ انا کی کال تھی۔

’’السلام علیکم!‘‘ اس نے کال ریسیو کرلی تھی۔

’’وعلیکم السلام‘ کہاں ہو؟‘‘ انا نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

’’میں گھر پر ہی ہوں‘ کیوں خیریت؟‘‘ اس نے بات کرتے مصطفیٰ کو بھی دیکھا وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا وہ نظر پھیر گئی۔

’’میں تین بجے سے لے کر اب تک اتنی کالز کرچکی ہوں‘ کم از کم انسان کال ہی ریسیو کرتا ہے۔‘‘ دوسری طرف انا بھی کافی گرم تھی‘ وہ مسکرائی۔

’’ایم سوری! میں موبائل وائبریشن پر لگا کر سوگئی تھی‘ کچھ دیر قبل اٹھی تھی‘ تم بتاؤ کالز کیوں کررہی تھیں؟‘‘

’’تم کب آرہی ہو؟ مجھے تمہیں بہت ضروری بات بتانی ہے۔‘‘ دوسری طرف انا نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

’’کیا بات کہنی ہے؟‘‘

’’فون پر نہیں ہوسکتی‘ بس تم آجاؤ نا۔‘‘ انا نے اصرار کیا۔

’’مگر میرا موڈ نہیں بن رہا آنے کو۔‘‘ اس نے کہا۔

’’دیکھو اگر تم نہ آئیں تو میں سنجیدگی کے ساتھ تم سے ناراض ہوجاؤں گی۔‘‘ انا نے دھمکی دی۔

’’انا پلیز میں بارات والے دن آجاؤں گی نا؟‘‘ اس نے پھر کہا۔ ’’اور تم نے جو بات بھی کہنی ہے تم فون پر کرلو۔‘‘ اس نے مزید کہا تبھی مصطفیٰ نے قریب آکر اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔

’’اُف‘ کیا بدتمیزی ہے؟‘‘ مصطفیٰ کی اس حرکت پر وہ ایک دم غصے سے بولی تھی جبکہ مصطفیٰ اسے نظر انداز کرتے موبائل کان سے لگا چکا تھا۔

’’السلام علیکم!‘‘ مصطفیٰ نے کہا تھا‘ شہوار اسے گھورنے لگی۔

’’وعلیکم السلام‘ آپ......؟‘‘ انا سمجھ نہ پائی تھی کہ کون مخاطب ہے۔

’’مصطفیٰ بات کررہا ہوں‘ آپ فکر نہ کریں میں آرہا ہوں اور شہوار میرے ساتھ ہی ہوں گی۔‘‘ مصطفیٰ نے تسلی دی تو انا ریلیکس ہوگئی۔

’’مگر وہ تو صاف انکار کرچکی ہے نا۔‘‘

’’اسے ساتھ لانا میرا مسئلہ ہے آپ پریشان نہ ہوں۔‘‘ مصطفیٰ نے کہا تو انا ایک دم مطمئن ہوگئی اور شہوار مصطفیٰ کو گھورتی رہی۔ مصطفیٰ نے اس سے ایک دو اور بات کرکے کال بند کی ہی تھی کہ وہ پھٹ پڑی۔

’’یہ کیا طریقہ تھا؟‘‘ وہ خونخوار تیور لیے متوجہ تھی۔

’’اگر آپ احمق ہیں تو آپ کی طرح میری عقل گھاس چرنے نہیں گئی ہوئی‘ بحث سے کچھ حاصل وصول نہیں ہوگا آپ ہمارے ساتھ چل رہی ہیں‘ یہ فائنل بات ہے۔ اب بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ تیار ہونے کی زحمت گوارا کرلیں؟‘‘ مصطفیٰ نے ازحد سرد لہجے میں کہا۔

’’آپ......؟‘‘ شہوار نے کچھ کہنے کو لب وا ہی کیے تھے کہ بھابی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر چپ ہوگئی‘ ان کے ہاتھ میں سیاہ لباس تھا۔

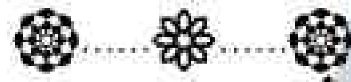
’’یہ لو شہوار! کپڑے میں پریس کرلائی ہوں اور تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟‘‘ اسے دیکھ کر انہوں نے کہا۔

’’پلیز بھابی! میرے پاس زیادہ وقت نہیں کہ میں انتظار کروں‘ آپ دونوں ذرا جلدی تیار ہوکر باہر آئیں‘ میں لاؤنج میں بیٹھا ہوں۔‘‘ مصطفیٰ بھابی کو کہہ کر نکل گیا اور شہوار کو نہ چاہتے ہوئے بھی تیار ہونا پڑ رہا تھا‘ اس نے بھابی کو دیکھا وہ ہنس دیں۔

’’اس طرح ظالم نظروں سے دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں‘ جانا تو تمہیں ہر حال میں ہے کہ یہ مصطفیٰ کا حکم ہے‘ اگر خوشی سے نہیں تو زبردستی ہی‘ وہ لے کر ہی جائے گا۔‘‘

’’بس اب مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔‘‘ وہ غصے سے کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی تھی‘ بھابی ایک دم ہنس دیں۔

''پاگل لڑکی......''



عشاء کا وقت ہو رہا تھا' کافی مہمان آ چکے تھے' ہر طرف شور ہنگامہ' روشنی اور وہ دونوں انا والے روم میں تھیں۔ ارد گرد لڑکیاں موجود تھیں' انا شدت سے شہوار کی منتظر تھی کہ مصطفیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے لے کر آئے گا' مگر ابھی تک کوئی بھی نہیں پہنچا تھا۔

''روشی پتا تو کرو کہ باہر کون کون آیا ہے۔'' وہ جو ولید کے ساتھ متوقع رشتے کو لے کر خاصی کنفیوز تھی اب شہوار کو نہ پا کر روشی سے کہا جو بڑے اعتماد سے ایک لڑکی سے محو گفتگو تھی۔

''بھئی مجھے کیا پتا کہ کون کون تم لوگوں کا جاننے والا ہے' ایسا کرو کہ کھڑکی کے پاس جا کر خود دیکھ لو وہاں سے تو لان کا سارا منظر واضح دکھائی دیتا ہے۔'' روشی نے کہا تو وہ سر ہلا کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

لان میں اسٹیج بنا ہوا تھا ارد گرد ٹیبلز لگائی ہوئی تھیں اور جو مہمان آ چکے تھے وہ ٹیبلز کے گرد موجود کرسیوں پر براجمان تھے۔ ماما' پاپا' ماموں اور احسن بھائی سبھی کسی نہ کسی کے پاس بیٹھے دکھائی دیئے تو اس کی نگاہ بے چین ہو کر ولید کو ڈھونڈنے لگی۔ وہ اسے آج سارا دن ایک بار بھی نظر نہ آیا تھا اور کل بھی نہ دیکھا تھا' نجانے کہاں تھا۔ اس نے ارد گرد دیکھا اور پھر اس کی نگاہ مایوس ہو کر پلٹ آئی تھی' وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹنے والی تھی کہ کھلے گیٹ سے مصطفیٰ کو داخل ہوتے دیکھ کر چونکی تھی' مصطفیٰ کے ساتھ دو خواتین تھیں' دونوں کے چہرے چادروں میں چھپے ہوئے تھے یقیناً ان میں سے ایک شہوار تھی' انا کا دل ایک دم خوشی سے بے قابو ہونے لگا۔ شہوار ان کے ہاں پہلی بار آئی تھی۔

''روشی شہوار آ گئی ہے اور مصطفیٰ بھائی بھی۔'' وہ جلدی سے کہہ کر باہر نکلی تھی۔ اپنے فراک کو سنبھالتے وہ تیزی سے راہداری عبور کرتے باہر کی طرف بھاگی تھی' پاؤں میں سینڈل تھی اس کا توازن ایک دو بار ان بیلنس ہوا تھا مگر شہوار کی آمد کی ایسی خوشی تھی کہ وہ بغیر سوچے سمجھے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی' لان کی طرف جاتی یہ چار پانچ سیڑھیاں عبور کرنا تھیں۔ دوسری طرف ولید کو بھی کسی نے مصطفیٰ کی آمد کی اطلاع دے دی تھی وہ بھی اسی طرف آ رہا تھا دونوں کا تصادم سیڑھیوں پر ہوا تھا' انا بُری طرح لان کے فرش پر گری تھی۔

''اُف......'' ہاتھ اور پاؤں بُری طرح رگڑے گئے تو اس نے ایک دم سنبھل کر مقابل کو دیکھا۔

''ٹھیک ہو؟'' ولید بڑے سکون سے پوچھا' انا کی جان جل کر راکھ ہو گئی۔

''کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔'' وہ سیڑھیاں پھلانگتے اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا' انا اپنے ہاتھوں پر وزن ڈالتے فراک سنبھالتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں ٹھیک ہوں۔'' ہاتھوں پر لگی مٹی جھاڑتے اس نے کہا' ولید نے اسے دیکھا۔ پنک فراک میں وہ حد سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی' ہاتھوں کو جھاڑ کر وہ لباس پر لگی مٹی جھاڑنے لگی تھی۔

''کہاں غائب تھیں تم کل سے نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔'' ولید نے پوچھا تو اس نے ولید کو دیکھا وہ بغور اسی کو دیکھ رہا تھا وہ ایک دم کنفیوز ہوئی۔

''گھر میں ہی تھی؟''

''مگر لگ تو نہیں رہا تھا۔'' ولید نے قدرے فاصلے پر بیٹھے لوگوں پر ایک نظر ڈال کر اسے پھر دیکھا' خوب صورت لباس اور ہلکے پھلکے میک اپ نے اس کا روپ ہی بدل ڈالا تھا۔

''آپ بھی تو کل سے غائب تھے۔'' انا نے تیزی سے کہا اور پھر زبان دانت تلے دبالی۔

''شہوار اور مصطفیٰ بھائی آ گئے ہیں۔'' وہ تیزی سے کہہ کر وہاں سے بھاگی تھی۔ مصطفیٰ بھائی' احسن بھائی' پاپا اور ماما سے مل چکے تھے' ضیاء ماموں بھی ان کے پاس تھے دونوں خواتین ابھی تک چادر کے پلّو میں چہرہ چھپائے ہوئے تھیں۔

''السلام علیکم!'' وہ فوراً شہوار کی طرف بڑھی تھی' شہوار کی ہائٹ اور قد سے ہی اس نے اسے پہچان لیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ فوراً شہوار کے گلے لگ گئی تھی۔

''بڑی بے وفا اور بے مروت لڑکی ہو تم' اگر تم آج نہ آتیں تو میں سچ تم سے ناراض ہو جاتی اور پھر کبھی کلام نہ کرتی۔'' اس کے گلے لگ کر اس نے کہا تھا۔

''اب آ تو گئی ہوں۔'' شہوار جس کا موڈ اس طرح زبردستی لائے جانے پر بُری طرح خفا تھا اس نے کہا تو انا نے اسے گھورا۔

''بڑا احسان کیا تم نے۔'' وہ اس سے علیحدہ ہو کر لائبہ بھابی سے گلے ملی تھی۔

''اور آپ سنائیں آپ کیسے ہیں مصطفیٰ بھائی!'' ولید بھی وہاں آ چکا تھا' وہ بھی مصطفیٰ سے بغلگیر ہوا تھا۔ لائبہ اور شہوار سے ملنے کے بعد انا نے مصطفیٰ کو مخاطب کیا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے آپ سنائیں؟'' مصطفیٰ نے بھی پوچھا تو وہ مسکرا کر سر ہلا گئی۔

''انا تم مہمانوں کو اندر لے جاؤ' بچیاں یہاں ایزی فیل نہیں کریں گی۔'' ماما نے دونوں کو اسی طرح چادر کے پلّو میں چہرہ چھپائے دیکھ کر کہا تھا۔
''جی ماما......'' وہ ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں آئی تو روشی بھی دونوں سے گلے ملی' اندر آ کر دونوں نے چادریں اتار دی تھیں۔ شہوار بلیک لباس میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھی اس کے لمبے گھنے بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے' ہلکے پھلکے میک اپ اور جیولری میں وہ کمرے میں موجود تمام خواتین میں نمایاں لگ رہی تھی۔
''ماشاء اللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' انا نے کہا تو وہ جھینپی۔
''تم خود بھی تو بہت پیاری لگ رہی ہو آج پہچانی ہی نہیں جا رہی کہ یہ تم......'' شہوار نے اس کی توجہ خود سے ہٹانا چاہی' روشی ہنس دی۔
''یہ اس لیے پیاری لگ رہی ہے کہ آج محترمہ کے لیے بہت ہی اسپیشل دن ہے۔'' روشی نے شرارت سے کہا تو وہ جھینپ گئی۔
''اس کے بھائی کی شادی کا فنکشن ہے' چھوٹی موٹی بات تھوڑی ہے۔'' لائبہ بھابی نے بھی کہا تو وہ مسکرادی۔
''آپ لوگ بیٹھیں ذرا میں کسی کو کھانے پینے کا کہتی ہوں۔'' وہ روشی کی شرارت سے بچنے کے لیے فوراً کمرے سے نکل گئی تھی۔ کچن میں آئی تو وہاں ملازمہ کو کولڈ ڈرنک نکالنے کا کہا' خود ریفریشمنٹ کے لیے کینٹ سے بسکٹ' نمکو' چپس وغیرہ نکال کر ٹرے تیار کرنے لگی۔
''یہ باہر لے جاؤ وہاں ولی بھائی کے دوست ہوں گے ماما کو دینا وہ ان کو سرو کردیں گی۔'' ایک ٹرے تیار کر کے کولڈ ڈرنک کے لوازمات کے ساتھ ملازمہ کو دے کر باہر بھیجا۔ باقی ٹرے تیار کر کے وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ شہوار روشی اور دیگر لڑکیوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی' اسے دیکھ کر مسکرائی۔
''روشی بتا رہی تھی کہ آج کے فنکشن میں ولید بھائی کی بھی منگنی ہو رہی ہے۔'' اس نے ٹرے جیسے ہی ان لوگوں کے سامنے رکھی تو اس نے پوچھا پر وہ کنفیوز ہوگئی۔
''مگر کس کے ساتھ ہو رہی ہے ابھی یہ نہیں بتایا۔'' لائبہ بھابی نے بھی کہا تو اس نے روشی کو دیکھا وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔
''روشی کہہ رہی تھی کہ انا آ کر بتاتی ہے' لڑکی تمہاری جاننے والی ہے کوئی؟'' شہوار نے بھی کہا تو اس نے روشی کو گھورا وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
''مجھے نہیں پتا کس سے ہو رہی ہے؟ یہ ان لوگوں کی ہی کوئی جاننے والی ہے' مجھے تو خاک علم نہیں۔'' اس نے بھی کہا تو روشی کی ہنسی پھر بے اختیار ہوئی۔
''مہندی کی دلہن ہو اس طرح منہ پھاڑ کر ہنستے ہوئے شرم تو نہیں آ رہی۔''
''میں جس ماحول سے آئی ہوں وہاں شرم گھول کر پی لی جاتی ہے۔'' روشی نے بھی چڑایا۔
''اچھا بتایا نہیں کون لڑکی ہے وہ؟'' شہوار نے کولڈ ڈرنک کے سپ لیتے پھر پوچھا تھا۔
''مجھے نہیں پتا' تھوڑی دیر بعد فنکشن ہوگا تو خود ہی تم لوگوں کو علم ہو جائے گا۔''
''کمبائن فنکشن ہوگا؟'' لائبہ بھابی نے بھی پوچھا۔
''پتا نہیں۔''
''یہ کیا بات ہوئی' لڑکی کا ہی علم نہیں تمہیں۔ روشی کہہ رہی تھی کہ تمہاری کوئی جاننے والی ہے جسے میں بھی جانتی ہوں' کون ہے وہ لڑکی یار! بتاؤ تو سہی۔'' روشی پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔
''چلو شہوار! کچھ دیر کے لیے انتظار کرلو جب فنکشن ہوگا تو خود ہی علم ہو جائے گا' انا بے چاری کو تو خود نہیں پتا۔'' روشی نے بات پلٹ دی تھی' انا اپنی انگلیاں مسلنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ شہوار کو کس طرح بتائے۔
نو بجے کے قریب ماما انا کے کمرے میں آئی تو کمرے میں وہ چاروں ہی تھیں جبکہ باقی سبھی باہر لان میں جا چکی تھیں۔
''ماما یہ شہوار ہے اور یہ مصطفیٰ بھائی کی بھابی...... لائبہ بھابی......'' ماما ان لوگوں کو دیکھ کر رک گئی تھیں تو انا نے مسکرا کر بتایا۔
''کیسی ہیں آنٹی آپ' آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔'' شہوار نے کھڑے ہو کر کہا تو وہ مسکرادیں' باہر دونوں چہروں پر نقاب تھے اصل تعارف تو اب ہو رہا تھا۔
''انا گھر میں ہر وقت تمہارا ہی ذکر کرتی ہے۔'' ماما نے اسے بے اختیار ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دی۔
''مصطفیٰ تو امریکہ میں زیادہ تر ہمارے گھر ہی رہتا تھا' بالکل ولید اور احسن کی طرح ہمیں پیارا تھا' جب انا اور روشی نے آ کر بتایا کہ مصطفیٰ کی دلہن انا کی دوست ہے تو یقین مانو بہت خوشی ہوئی' بہت خواہش تھی تم سے ملنے کی' ماشاء اللہ بہت ہی پیاری ہو تم تو۔'' صبوحی بیگم تو فوراً اس پر فدا ہوئی تھیں۔
''یہ محترمہ آج آنے پر راضی کب تھیں' وہ تو مصطفیٰ اور میں زبردستی لائے ہیں۔'' لائبہ بھابی نے کہا تو شہوار شرمندہ ہوئی۔
''کیوں بیٹا! ہمارے گھر آنا اچھا نہیں لگ رہا تھا آپ کو؟'' صبوحی بیگم نے پوچھا' لہجے میں مسکراہٹ تھی۔
''نہیں' بس ویسے ہی......'' وہ اچھی خاصی شرمندہ ہوگئی تھی اب ان لوگوں کو کیا بتاتی کہ وہ محض مصطفیٰ کی ضد میں آنے سے انکار کر رہی تھی۔

''باہر سبھی مہمان آ چکے ہیں' میرا خیال ہے کہ پہلے منگنی کی رسم کر لیں پھر کھانا وغیرہ کھلا کر مہندی کی رسم ہو جائے گی۔'' ماما نے پروگرام بتایا تو انا کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

وہ اب تک بڑے اعتماد کے ساتھ سب کچھ فیس کر رہی تھی مگر اب ایک دم ولید کے حوالے سے اتنے لوگوں کو فیس کرنا' وہ کنفیوز ہونے لگی۔

''نجانے ولید کا کیا ری ایکشن ہوگا'' اس کی سوچ بھٹکی۔ اب تو وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ وہ اس کے جذبات واحساسات سے بے خبر ہوگا۔

''بیٹا! آپ لوگ ہمارے ساتھ چلو گی باہر لان میں۔'' ماما نے لائبہ اور شہوار سے پوچھا' وہ جس طرح چہرہ چھپائے ہوئے یہاں آئی تھیں تو ماما نے یہی سمجھا تھا کہ یہ کمبائن فنکشن اٹینڈ نہیں کریں گی۔

''ہم آپ کے ساتھ ہی چلتے ہیں۔'' بھابی نے کہا۔ دونوں نے اپنی چادریں پھر سے اوڑھ لیں۔

''انا تم تیار ہو نا؟'' ماما نے اب کے انا کو دیکھا' وہ پنک فراک میں بالکل تیار تھی اور بہت پیاری بھی لگ رہی تھی' وہ کنفیوز ہوگئی تو ماما نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ شہوار نے چونک کر انا کا ری ایکشن دیکھا۔ ولید کی منگنی ہو رہی ہے روشنی نے بتایا تھا کس کے ساتھ یہ نہیں بتایا تھا'' روشی نے کہا تھا انا اس لڑکی کو جانتی ہے اور وہ بھی۔

''تو کیا ولید کی منگنی انا کے ساتھ ہو رہی تھی۔'' اس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔

''روشی اس کا دوپٹہ درست کر دو' میں لڑکیوں کو بھیجتی ہوں' ان کے ساتھ اسے باہر لے آؤ۔'' ماما کہہ کر باہر نکل گئی تھیں۔

''انا مجھے صاف صاف بتاؤ کہ کیا بات ہے' ولید بھائی کی منگنی تم سے ہو رہی ہے کیا؟'' شہوار نے فوراً پوچھا تو روشی ہنس دی انا کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔

''یہ سب کیسے ہوا اور کب...... تم نے مجھے بتایا بھی نہیں؟'' وہ اس پر گرم ہوئی۔

''اس پر ناراض ہونے کا کوئی فائدہ نہیں' اس بے چاری کو تو خود علم نہیں تھا بلکہ کل ہی بڑوں کے اس اچانک فیصلے کا علم ہوا اور آج سہ پہر میں یہ خبر ملی کہ اس کی منگنی بھی ساتھ ہی ہو رہی ہے۔'' روشی نے مزے سے بتایا۔

''میں مان ہی نہیں سکتی کہ تمہیں پہلے سے علم ہی نہ ہو۔'' شہوار بے یقین تھی۔

''ماما نے مجھے کل بتایا تھا آج کے فنکشن کا۔ میں آج سارا دن تمہیں کالز کرتی رہی مگر تم سے بات ہی نہ ہو سکی۔'' انا نے بھی وضاحت دینا چاہی۔

''اور میں ادھر آ چکی ہوں تب بھی تم نے نہیں بتایا۔'' اس نے خفگی سے کہا۔

''پتا تو تمہیں چل ہی جانا تھا اسی لیے تو ولی نے مصطفیٰ بھائی کو بار بار کالز کر کے تمہیں بھی ساتھ لانے کی تاکید کی تھی۔'' روشی نے بھی کہا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔ تبھی باہر سے لڑکیاں آ گئی تھیں روشی نے انا کا دوپٹہ درست کرتے ہلکا سا گھونگھٹ بھی نکال دیا تھا۔

''آپ دونوں ہمارے ساتھ ہی آئیں۔'' روشی نے انا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ دونوں ان کے ساتھ ہی باہر آئی تھیں' لان روشنیوں میں نہایا بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ روشی انا کو اسٹیج پر بٹھا کر پلٹنے لگی تو انا نے اس کا ہاتھ تھام لیا' ساتھ ہی ولید بیٹھا ہوا تھا۔

''تم میرے پاس ہی بیٹھو یا شہوار کو بھیجو' میں نے اکیلے نہیں بیٹھنا۔'' ہلکے سے گھونگھٹ میں بھی وہ اتنے لوگوں کی نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی۔

''بس اب چپ کر کے بیٹھو کچھ نہیں ہوتا۔'' لیکن انا نے پھر بھی اس کا ہاتھ نہ چھوڑا مجبوراً روشی اس کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔

ولید بڑے اعتماد سے بیٹھا ہوا تھا جبکہ ساتھ والے صوفے پر مصطفیٰ تھا' دونوں گاہے بگاہے کوئی نہ کوئی بات بھی کر رہے تھے۔ ولید مصطفیٰ کو سب بتا چکا تھا' حیران تو وہ بھی ہوا تھا مگر اس نے نہ بتانے پر کوئی سوال نہ کیا تھا بلکہ اس ہونے والے فنکشن پر بہت خوش ہو کر مبارک باد دی تھی۔

''میں ذرا اپنے گھر والوں کو دیکھ لوں تم فنکشن انجوائے کرو۔'' مصطفیٰ ولید کے کندھے کو تھپکتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اب صوفوں پر صبوحی بیگم' وقار احمد اور ضیاء صاحب آ بیٹھے تھے جبکہ احسن ولید کی پشت پر کھڑا تھا۔

''چلیں بھائی پہلے آپ بسم اللہ کریں۔'' صبوحی بیگم نے کہا تو انہوں نے مسکرا کر ہلکا سا جھک کر گھونگھٹ میں سے انا کا چہرہ دیکھا۔

''انگوٹھی ولید خود پہنائے گا' چلو پکڑو ولید یہ انگوٹھی۔'' بابا نے مسکرا کر اپنی جیب سے انگوٹھی نکال کر ولید کی طرف بڑھائی۔ ولید نے مسکرا کر انگوٹھی تھام لی' اس کا چہرہ بڑا مطمئن اور پرسکون تھا۔

''چلو پہناؤ اب۔'' ضیاء صاحب نے خود ہی انا کا ہاتھ پکڑ کر ولید کی طرف کیا تھا' ولید نے ایک ہاتھ سے انا کا ہاتھ تھام کر دوسرے سے انگوٹھی پہنا دی تھی۔ انا کے ہاتھ میں ایک واضح کپکپاہٹ تھی' انگوٹھی پہنائے جاتے ہی اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ ولید کو انگوٹھی وقار صاحب نے خود پہنائی تھی' انگوٹھی پہنانے کے بعد منہ میٹھا کروانے کی رسم ہوئی تھی' روشی بھی اسٹیج پر آ گئی تھی۔ بڑے منہ میٹھا کروا کر اتر گئے تھے اب باقی لوگوں کی باری تھی۔

''مجھے اب یہاں سے جانا ہے۔'' اس نے پاس آ کر بیٹھنے والی روشی سے کہا۔

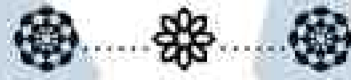
''مگر ابھی تو ہم نے کچھ بھی نہیں کیا' ابھی تو ولی بھائی کو بھی تنگ کرنا ہے ان سے نیگ لینا ہے میں نے منگنی کا۔'' روشی نے کہا۔

''شہوار کدھر ہے اسے کہو مجھے یہاں سے لے جائے' تم جو مرضی لیتی رہنا پھر اپنے بھائی سے۔'' اس نے پھر آہستگی سے کہا۔
''تم کیا پٹیاں پڑھا رہی ہو اسے۔'' ولید نے فوراً دونوں کا بولنا نوٹ کیا تھا' بڑے تو تھے نہیں جو چپ رہتا فوراً متوجہ ہوا تھا۔
''کاش میں پڑھا سکتی۔'' اس نے ولید کو گھورا۔
''شہوار کو میں نے کہا تھا اور آنے کو مگر وہ دونوں معذرت کر گئی ہیں' ادھر ہی ایک ٹیبل پر بٹھا کر آئی ہوں میں۔'' روشی نے بتایا تو اسے قدرے اطمینان ہوا۔
وہ ان لوگوں کے ہاں ایک فنکشن اٹینڈ کر کے آ چکی تھی' جانتی تھی کہ کس قدر فرق ہے ان دونوں کے گھریلو ماحول میں شاید شہوار اسی لیے آنے سے انکار کر رہی تھی۔
''آپ میرا نیگ نکالیں جلدی سے پھر کھانا وغیرہ شروع ہو جائے گا۔'' روشی نے دونوں کا منہ میٹھا کروا کر ولید سے کہا۔
''نیگ تو لوگ شادی وغیرہ پر لیتے ہیں تم منگنی پر ہی مانگ رہی ہو۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔
''آپ کی اکلوتی بہن ہوں' نیگ لیے بغیر تو میں یہاں سے ہلوں گی ہی نہیں۔'' روشی نے کہا تو ولید کے دوسری طرف احسن آ بیٹھا۔
''دے دو یار! تم نے کون سا روز روز منگنی کروانی ہے۔'' احسن نے کہا۔
''دلہا صاحب تو ابھی سے ہی دلہن کی طرف داریوں میں لگ گئے ہیں۔'' اسٹیج سے قدرے فاصلے پر موجود ایک لڑکی نے کہا تو احسن جھینپ گیا۔
''اچھا جلدی کریں نا۔'' روشی نے پھر کہا تو ولید نے جیب سے والٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔
''ہائے یہ پورا والٹ؟'' اس نے حیرت سے والٹ کو دیکھا۔
''بالکل۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔
''پہلے تسلی کر لو کہ اندر سے کہیں خالی تو نہیں۔'' احسن نے شرارت سے کہا تو روشی نے اسے گھور کر والٹ کے اندر جھانکا جو اچھا خاصا بھرا ہوا تھا۔
''خیر تو ہے نا۔'' روشی نے ولید کو دیکھا اس نے والٹ نے مٹھی میں دباتے کہا تو ولید مسکرا دیا۔
''تمہیں کیا لگتا تھا؟'' ولید نے ایک نظر قدرے فاصلے پر بیٹھی انا کو دیکھا جس کا گھونگھٹ برقرار تھا۔
''بہت خوش اور مطمئن لگ رہے ہیں۔'' وہ مسکرا کر کہتی کھڑی ہو گئی تھی۔
''چلیں انا اب ہم چلتے ہیں۔'' انا کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔
''لے جاؤں نا؟ چہرہ تو دیکھنے کی کوئی فرمائش نہیں نا۔'' روشی نے شرارت سے پوچھا۔
''ہزار بار دیکھا ہوا ہے یہ چہرہ' اب دیکھ کر کیا کرنا ہے میں نے؟'' ولید نے کہا تو انا ایک دم ساکت ہوئی۔ (کیا ولید مذاق کر رہا تھا یا سنجیدہ تھا' وہ الجھ گئی)
''ہاں جانتی ہوں میں اچھی طرح' اس حوالے سے تو بعد میں بات کروں گی آپ سے۔'' وہ انا کا ہاتھ تھامے اسٹیج سے اتر آئی۔ شہوار اور لائبہ بیٹھی ہوئی تھیں ان کے ساتھ ایک دو اور خواتین بھی تھیں' روشی انا کو لے کر ادھر آ گئی تھی۔
انا شہوار کے ساتھ والی کرسی پر ٹک گئی تھی۔
''توبہ......'' گھونگھٹ پیچھے کرتے اس نے کہا تو شہوار مسکرا دی۔
''کتنا مشکل کام تھا یہ سب فیس کرنا۔'' اس نے اپنے چہرے کو تھپتھپاتے کہا۔
''تم اوپر نہیں آئیں' عین موقع پر روشی بھی چلی گئی میں اتنی کنفیوز ہو رہی تھی۔'' وہ اب بھی کنفیوز تھی۔
''تم لوگوں کا فیملی فنکشن تھا مجھے ادھر آنا کچھ اچھا نہیں لگا۔ روشی نے تو کہا بھی تھا مگر میں نے خود ہی انکار کر دیا تھا۔ اپنی رِنگ تو دکھاؤ کیسی ہے؟'' شہوار نے کہا تو انا نے اس کے سامنے ہاتھ کر دیا تھا' بھابی اور شہوار دونوں نے رِنگ دیکھی تھی۔
''ولید بھائی بہت ہی زیادہ ہینڈسم لگ رہے ہیں آج تو۔'' شہوار نے اسٹیج پر پورے اعتماد کے ساتھ بیٹھے ولید کو دیکھتے ہوئے کہا تو انا نے بھی اسی طرف دیکھا۔ ولید احسن اور جنید اور دیگر لڑکوں کے ہمراہ کافی مطمئن خوش باش اور پُر اعتماد لگ رہا تھا۔
''تو کیا ولید اس رشتے سے خوش ہے۔'' اس کے دل کے اندر سوال اٹھنے لگے۔
''مصطفیٰ بھائی نظر نہیں آ رہے؟'' روشی نے پوچھا تو انا چونکی اس نے ولید سے نظر ہٹا کر شہوار کو دیکھا۔
''وہ ابھی ادھر ہی تھے پھر ان خواتین کے آ کر بیٹھنے پر اٹھ کر چلے گئے۔'' بھابی نے ہی بتایا۔
''تم خوش ہو انا؟'' انا اپنے ہاتھ کی انگلی میں پہنی انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی جب شہوار نے آہستگی سے اس کی طرف جھکتے پوچھا۔
''تمہیں کیا لگ رہا ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے شہوار کو دیکھا۔
''مجھے تم کچھ پریشان' الجھی الجھی اور کنفیوز لگ رہی ہو۔''

''شاید اس لیے کہ یہ فیصلہ بہت اچانک ہوا ہے اور میں ابھی تک اس سلسلے میں بے یقینی کا شکار ہوں' ماما نے کل مجھے بتایا اور آج فیصلہ مانگا اور میں کل تک اتنی بے خبر تھی کہ اب یقین کرنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''مجھے تو تم دونوں کا کپل بہت پسند آیا' ان شاء اللہ آئندہ بھی سب بہتر ہی ہوگا۔ میری دعا ہے کہ ولید بھائی تمہارے لیے لکی ثابت ہوں۔'' شہوار نے پورے دل سے دعا دی تھی۔

''آمین۔'' انا نے کہتے پھر اسٹیج کی طرف دیکھا تھا جہاں مصطفیٰ بھی اب موجود تھا اور اب تینوں نجانے کس بات پر کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔



مہندی کا فنکشن علیحدہ علیحدہ ہوا تھا پہلے احسن کو مہندی لگائی گئی اس کو نپٹایا تو اس کے دوست احباب اس کو لے کر مردانے والے حصے کی طرف چلے گئے تھے اس کے بعد روشی کی مہندی کا سلسلہ چلا اور ابھی یہ سلسلہ چل رہا تھا کہ مصطفیٰ ان دونوں کو لینے آ گیا۔

''کیا پروگرام ہے واپسی کا کوئی موڈ نہیں؟'' وہ اسی ٹیبل پر موجود تھیں دونوں' ابھی روشی کو مہندی لگا کر لوٹی تھیں۔ مصطفیٰ نے پاس آ کر پوچھا تو شہوار نے اسے دیکھا۔

''ہم تو تیار ہیں' تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔'' بھابی نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے پھر اجازت لیں ان لوگوں سے' ساڑھے بارہ ہو رہے ہیں پھر رستے میں بھی وقت لگے گا۔'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ صبوحی آنٹی انا اور روشی سے ملنے اسٹیج پر چلی آئی تھیں۔

''اوکے آنٹی جی اب چلتے ہیں' کافی رات ہوگئی ہے فنکشن بہت اچھا تھا بہت انجوائے کیا ہم نے مگر اب اجازت دیں۔'' بھابی نے صبوحی آنٹی کے پاس آ کر کہا تو انہوں نے رکنے پر اصرار کیا۔

''آپ لوگ ہمارے ہاں ہی رات رک جاتیں تو اچھا لگتا۔''

''کوئی بات نہیں زندگی رہی تو انا کی شادی پر بھی آئیں گے نا؟''

''بارات اور ولیمے والے دن تو آئیں گی نا۔'' ماما نے مزید پوچھا تو بھابی نے سر ہلا دیا۔ وہ سب سے مل کر نیچے اتر آئی تھیں انا ان لوگوں کو گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔

''مصطفیٰ بھائی بہت بہت شکریہ آپ شہوار کو لے کر آئے۔'' گیٹ کے پاس آ کر انا نے کہا تو مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ منہ پھیر گئی۔

''ولید کو منگنی کی مبارک باد دے چکا ہوں' آپ کو بھی بہت بہت مبارک ہو۔ آپ نے اپنی دوست صاحبہ کو بتایا تھا کہ نہیں مگر ولید سے میں اس بات کو چھپانے پر بہت ناراض ہوں' اس کی زندگی کا اتنا اہم فنکشن تھا اور مجھے یہاں آ کر پتا چل رہا تھا کہ محترم کی منگنی ہو رہی ہے تاہم آپ دونوں کا گفٹ مجھ پر ادھار ہے' اب بارات والے دن آؤں گا تو ضرور لاؤں گا۔'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ ہنس دی۔

''گفٹ کے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں' آپ لوگ آئے میرے لیے تو یہی بہت بڑی بات ہے۔'' مصطفیٰ مسکرا دیا تھا تبھی مردانے کی طرف سے ولید بھی ان کے پاس آ رکا تھا۔

''تم آج رات رکتے' کچھ انجوائے کرتے' احسن کی درگت ہی بناتے ہم۔'' ولید نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''میں آ گیا ہوں یہ بھی بڑی بات ہے' اب بارات والے دن ہی ملاقات ہوگی اور ہاں اس طرح اچانک منگنی کا بتانے والی بات پر بخشوں گا نہیں' یہ تو روشی کی مہندی کا فنکشن تھا تو معاف کر رہا ہوں مگر اس سلسلے میں سارا حساب کتاب تیار رکھنا۔ بُری طرح خبر لوں گا اب تمہاری میں۔'' ولید کے گلے لگتے مصطفیٰ نے کہا تو ولید مسکرا دیا۔

''محترمہ تمہارے سامنے کھڑی ہیں' پوچھ لو ان سے جتنی یہ بے خبر تھیں اتنا ہی میں بھی باخبر تھا۔'' انا کی طرف دیکھ کر ولید نے کہا تو انا جھینپ سی گئی۔

''انا کو درمیان میں مت لاؤ' اور تمہاری اس بات پر اعتبار تو تب کروں گا جب تمہیں سرے سے جانتا ہی نہ ہوں' خواتین ساتھ ہیں ورنہ تمہیں جواب بہت اچھی طرح دیتا۔'' مصطفیٰ نے گھور کر کہا تو ولید قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔ مصطفیٰ نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تو بھابی پچھلی سیٹ پر بیٹھیں تو شہوار بھی ساتھ ہی بیٹھ گئی آتے ہوئے بھی وہ پچھلی سیٹ پر ہی تھی بھابی کے ساتھ۔ مصطفیٰ بھی انا اور ولید کو اللہ حافظ کہتے بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی گیٹ سے نکلی تو انا پلٹی۔

''انا.....'' ولید نے پکارا تھا۔ انا ایک دم رک گئی۔

''روشی کی مہندی کا فنکشن ہوگیا؟'' وہ اس کے سامنے آ کر پوچھ رہا تھا' انا سر سے پھسلتا دوپٹہ ہاتھ سے جماتے سر ہلا گئی۔ کچھ دیر پہلے اس کے نام کی انگوٹھی پہنی تھی اب اسے سامنے دیکھ کر حیا سی تھی۔

''نہیں ابھی ہو رہا ہے۔''

''مجھے چائے چاہیے، بہت اسٹرونگ سی۔'' ولید نے مزید کہا۔
''میں کسی کو کہتی ہوں۔'' وہ دیکھے بغیر کہہ کر آگے بڑھی تھی۔
''نہیں، تم خود چائے بنانا' دو دن سے بہت بزی رہا ہوں اور اب فنکشن کی تھکن' تم چائے بہت اسٹرونگ بناتی ہو' اگر زحمت نہ ہو تو پلیز۔'' ولید نے مزید کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ واقعی کافی تھکا تھکا سا لگ رہا تھا مگر اس حلیے میں بھی شاندار لگ رہا تھا۔
''آپ نے کھانا کھایا؟'' اسے تشویش سی ہوئی' دل فوراً نرم ہوا تھا۔
''نہیں' مہمانوں کو اٹینڈ کرتے وقت ہی نہ ملا۔ بس تم چائے پلا دو تو مہربانی ہوگی۔''
''چائے تو میں بنا دیتی ہوں مگر آپ کچھ کھا لیں تو زیادہ اچھی بات ہے۔'' ولید مسکرا دیا۔ اس نے بغور انا کو دیکھا اس حلیے میں اس کے وجود سے روشنیاں سی پھوٹ رہی تھیں۔
''میں اپنے روم میں جا رہا ہوں' چائے بن جائے تو کسی کے ہاتھ ادھر ہی بھجوا دینا۔'' وہ کہہ کر چلا گیا اور انا چند ثانیے تک اسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔
''کیا ولید اس رشتے سے مطمئن ہے؟'' اگلے ہی پل اس سوال نے ایک دم اُدھم مچایا تھا۔
''اور وہ جو روشی کیتھی کے بارے میں بتا رہی تھی اگر ایسا کوئی سلسلہ ہوا تو؟'' کچن کی طرف جاتے اس کے دل میں پھر ایک دم سناٹا چھایا تھا۔
''نہیں ولید' میں ایسا کوئی صدمہ نہیں سہہ سکتی' میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر اس دریا میں کودی ہوں' اپنی نسوانیت' اپنی انا سب مار کر صرف دل کی بات مان کر اس رشتے پر سر جھکایا ہے' اگر تمہاری طرف سے میری ذات کو رد کر دیا گیا تو میں جیتے جی مرجاؤں گی۔'' اس کے اندر جذباتیت کے ایک شدید طوفان نے سر ابھارا تھا۔
نجانے کیوں ولید کا رویہ دیکھ کر' محسوس کرتے اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ دل سے راضی نہیں۔ نجانے وہ اس رشتے پر کیونکر راضی ہوا تھا مگر اسے ولید کے وجود میں اس کی آنکھوں میں وہ خوشی دکھائی نہیں دے رہی تھی جو وہ اس کی ذات میں اپنے حوالے سے' اپنے نام سے دیکھنا چاہتی تھی' اس کا دل پھر ایک دم غم کا پھوڑا بننے لگا تو اس نے سختی سے لب دانت تلے دبا لیے۔

وہ لوگ ابھی گھر لوٹے تھے' ان کا خیال تھا کہ سبھی لوگ سونے جا چکے ہوں گے مگر یہاں شاہزیب کے علاوہ سجاد بھائی' عباس بھائی' ماں جی اور دریہ سمیت سبھی جاگ رہے تھے۔
''السلام علیکم!'' مصطفیٰ کار پارک کرنے رک گیا تھا جبکہ وہ دونوں اندر آ گئی تھیں' دونوں نے مشترکہ سلام کیا۔
''وعلیکم السلام۔'' سبھی نے جواب دیا تھا لائبہ بھابی دریہ کی طرف بڑھی تھیں۔
''کیسی ہو دریہ تم؟'' دریہ اٹھ کر ان کے گلے لگی۔
''فائن' تم سناؤ تم کیسی ہو؟'' لائبہ اور دریہ ہم عمر تھیں۔
''اللہ کا شکر ہے۔'' دریہ نے شہوار کو دیکھا' شہوار بھی مسکرائی۔
''السلام علیکم!'' وہ بھی بھابی کی طرح اس سے ملنے آگے بڑھی تھی مگر دریہ نے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔
''ہیلو۔'' شہوار اپنی جگہ ٹھٹک کر جم سی گئی۔
''ہیلو..... پتا نہیں کسی اور نے غور کیا تھا کہ نہیں مگر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی اس نے بھی ہاتھ بڑھا دیا تھا۔
''کیسی ہیں دریہ آپ؟'' اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا تو وہ کندھے جھٹکتے پلٹی اور شہوار کو اس کا رویہ بڑا دل کو لگا۔
''می فائن۔'' تبھی مصطفیٰ بھی آ گیا۔
''ہیلو مصطفیٰ! کیسے ہو؟'' وہ مصطفیٰ کو دیکھ کر مسکرائی تو شہوار ایک طرف ہوگئی۔
''اللہ کا شکر ہے تم سناؤ' سفر خیریت سے گزرا۔'' وہ اسٹائلش سے لباس میں کافی پیاری لگ رہی تھی' شہوار اس کو دیکھتے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔
''اوہ نو..... سفر کا مت پوچھو دو گھنٹے فلائٹ لیٹ تھی۔'' اس نے بے تکلفی سے کہا تو شہوار نے بغور اس کا جائزہ لیا۔
اس کے لمبے گھنے بال پشت پر تھے' جنہیں ہیئر بینڈ میں جکڑا ہوا تھا تاہم نیچے سے وہ کھلے ہوئے تھے نفاست سے کیا گیا میک اپ' اونچی ہیل اور جدید تراش خراش کا مغربی طرز کا لباس اور دوپٹہ ضرور لیا ہوا تھا مگر سر ڈھانپنے کا تکلف نہیں کیا گیا تھا۔
''ہاں یار جب میں اور ماں دریہ کو لینے پہنچے تو وہاں فلائٹ دو گھنٹے لیٹ تھی' اللہ اللہ کر کے فلائٹ آئی۔'' سجاد بھائی نے بھی مصطفیٰ کو بتایا۔
''اور سناؤ وہاں سب ٹھیک ٹھاک تھے نا' تایا جان' تائی اماں اور باقی لوگ۔'' مصطفیٰ سجاد کے ساتھ ہی ٹک گیا تھا۔

''لیس سب ٹھیک ہیں۔'' وہ مصطفیٰ اور لائبہ کے پوچھنے پر ایک ایک کر کے سب گھر والوں کی خیریت کی اطلاع دینے لگی تو شہوار وہاں سے اٹھی وہ ابھی تک خاموش تھی۔

''شہوار۔'' وہ پلٹی تو عباس بھائی نے پکارا۔

''جی بھائی۔'' وہ رکی۔

''اگر زحمت نہ ہو تو چائے مل جائے گی؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی میں لاتی ہوں' سبھی چائے پیئیں گے نا؟'' اس نے حاضرین پر نگاہ ڈالی۔

''میں تو اپنے کمرے میں جا رہی ہوں بس تم لوگوں کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔'' ماں جی اٹھ کر چلی گئیں تو اس نے باقی سب کو دیکھا۔

''ہم نے کھانے کے بعد چائے پی تھی' اب طلب نہیں۔ عباس بھائی کو ہی ہر گھنٹے بعد چائے کی طلب ہوتی ہے۔ ویسے بھی اب نیند آ رہی ہے چائے پی لی تو پھر سویا نہیں جائے گا۔'' سجاد بھائی بھی اٹھ گئے تھے۔

''آفاق کدھر ہے.....سو گیا کیا؟'' لائبہ بھابی بھی ان کے ساتھ اٹھ گئی تھیں۔

''ماں جی نے سلا دیا تھا۔'' وہ دونوں میاں بیوی بھی اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تو اس نے دریہ کو دیکھا۔

''دریہ آپ چائے پیئیں گی؟'' اس نے دریہ سے بھی پوچھ لینا مناسب سمجھا۔

''ہاں بالکل' ضرور پیئوں گی۔'' اس نے کہا تو وہ پلٹی۔

''مصطفیٰ سے بھی پوچھ لیتیں؟'' عباس بھائی نے شرارت سے کہا تو وہ رکی۔ مصطفیٰ نے بھی اسے دیکھا تھا اس کی نگاہوں میں گرم سا تاثر تھا وہ بے اختیار پلٹ کر کچن کی طرف چلی آئی۔

انا کے ہاں جاتے اور آتے ہوئے تمام وقت اسے مصطفیٰ کی گرم نگاہوں کا احساس اپنے گرد محسوس ہوتا رہا تھا' پچھلی سیٹ پر بیٹھے وہ تمام وقت بے چین رہی تھی اب پھر وہی بے چینی طاری ہونے لگی تھی۔ اس نے تمام خیالات کو جھٹک کر مکمل دھیان سے چائے بنائی بلیک سوٹ میں اور میک اپ اور جیولری کی بدولت وہ آج خود کو بھی کچھ مختلف محسوس کر رہی تھی۔ وہ چائے لے کر آئی تو عباس بھائی مصطفیٰ اور دریہ خوش گپیوں میں مصروف تھے' ٹی وی بھی چل رہا تھا۔ اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اس میں چار کپ تھے۔ ایک کپ عباس کو تھمایا دوسرا دریہ کو تیسرا لے کر وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ کیا کرے اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کپ مصطفیٰ کے سامنے کیا تو وہ بغیر متوجہ ہوئے دریہ کے ساتھ بات کرتا رہا۔

''یہ چائے لے لیں۔'' مجبوراً شہوار کو کہنا پڑا تو وہ مسکرا دیا۔

''اچھا' مجھے تو یہ لگا کہ شاید آپ مجھے چائے نہیں پلا رہیں۔'' طنزیہ انداز تھا' شہوار نے لب بھینچ لیے۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر کپ تھام لیا' شہوار کا دل جل کر راکھ ہو گیا۔

''تو پھر کیسا فیل کر رہی ہو تم دریہ! یہاں پاکستان آ کر؟'' مصطفیٰ نے دریہ سے پوچھا' شہوار اپنا کپ لے کر ایک طرف آ بیٹھی اس کا ارادہ صرف چائے ختم کرنے تک یہاں رکنے کا تھا۔

''لاسٹ ٹائم میں عباس بھائی کی شادی پر آئی تھی اور اب آئی ہوں' ابھی یہاں کچھ وقت گزار لوں پھر ہی کوئی حتمی رائے دے سکوں گی۔''

''اوکے گڈ لک۔'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ مسکرا دی' شہوار تو غیر محسوس انداز لیے دریہ کو ہی دیکھ رہی تھی اس کی مسکراہٹ دیکھ کر چونکی۔

دریہ کی مسکراہٹ بہت خوب صورت تھی' اس کی خوب صورتی اس کے وجود سے پھوٹی پڑ رہی تھی اس کے بال' بات کرنے کا اسٹائل' خوب صورت سراپا اور لباس ہر چیز اسے بہت نمایاں کر رہی تھی' وہ چائے کے گھونٹ بھرتی مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی۔ مصطفیٰ اور وہ دونوں بات کر رہے تھے' دریہ کو گفتگو میں کمال حاصل تھا اس کی نالج کمال کی تھی' وہ مصطفیٰ اور عباس بھائی سے بڑے پرسکون انداز میں بات کر رہی تھی۔

''اوکے جی' اب ہم بھی چلتے ہیں۔'' عباس بھائی چائے ختم کرتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

وہ چلے گئے تو شہوار کو بھی اب بیٹھنا مناسب نہ لگا ویسے بھی تھکن محسوس ہو رہی تھی اور ابھی عشا کی نماز بھی ادا کرنا تھی' مصطفیٰ اور دریہ بھی چائے ختم کر چکے تھے اس نے خاموشی سے ان دونوں کے آگے سے خالی کپ اٹھائے' چاروں کپ ٹرے میں رکھ کر وہ وہاں سے نکلی تو دریہ کی آواز پر رک گئی۔

''شہوار کو دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے اور سب سے بڑی حیرت مجھے تب ہوئی جب میں نے تمہارے اور اس کے نکاح کے بارے میں سنا۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''کیوں تمہیں کیوں حیرت ہوئی؟'' مصطفیٰ پوچھا۔

''کتنی دقیانوسی ہے یہ لڑکی! نہ ہی بات کرنے کا فن آتا ہے اسے اور نہ ہی پہننے کا سلیقہ اور تم خود اتنے ماڈ ہو۔ تم نے اس سے نکاح کیسے قبول کر لیا؟'' وہ دریہ

تھی جو جی چاہتا بول دینا اس کی عادت تھی۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''کہاں تم اور کہاں وہ ملازمہ کی بیٹی؟ اب بھی اسے دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے' نجانے چچا اور چچی نے اس میں ایسا کیا دیکھ کر اتنا بڑا فیصلہ کر لیا؟ خاندان تک کا تو پتا نہیں۔'' دریہ بہت سنگدلی سے کہہ رہی تھی' شہوار کو لگا کہ وہ ابھی یہاں گر جائے گی۔ وہ کسی ایسی ہی صورتحال سے ڈرتی تھی اور زندگی اسے اسی موڑ پر لے آئی تھی جس سے وہ خوفزدہ تھی' وہ مزید ایک بھی لفظ سنے بغیر وہاں سے نکلی تھی۔ ٹرے سنک میں رکھ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ آنکھوں سے بے اختیار کم مائیگی کے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ نجانے مصطفیٰ نے دریہ کے جواب میں کیا کہا تھا' کیا نہیں مگر اسے لگ رہا تھا کہ اس کا دل پھٹ جائے گا' وہ بغیر کپڑے بدلے بستر پر گر کر منہ میں چھپا کر شدت سے روئی' اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ دنیا کی ہر چیز کو تہس نہس کر دے یا پھر اپنے وجود کو ہی ختم کر ڈالے۔

''اتنی بڑی ذلت۔'' اسے لگا کہ جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ وہ رو رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے بھیگی آنکھوں سے دروازے کو دیکھا' وہ کھلا ہوا تھا اور پھر مصطفیٰ کو دیکھ کر اس کے اندر اشتعال کا ایک گہرا طوفان اٹھا تھا' اس نے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کیے اور نفرت سے چہرہ موڑ گئی تھی' مصطفیٰ اندر آ گیا تھا۔

''دریہ کی باتوں پر میں معذرت کرنے آیا ہوں' مجھے اندازہ ہے کہ اس کی گفتگو آپ نے سن لی تھی۔ اسے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' مصطفیٰ نے پاس آ کر کہا تو وہ غصے سے ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے آپ کی کوئی معذرت نہیں چاہیے' آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' دروازے کی طرف اشارہ کرتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''شہوار! ہم لوگوں کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا' آپ اپنے ذہن میں اس بات کو کیوں جگہ نہیں دے رہیں مجھے ماں جی' بابا جان کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی ہم لوگوں نے آپ لوگوں کو اس حویلی کے ملازم سمجھا ہے اگر ایسا ہوتا تو بابا یا باقی لوگ کبھی آپ لوگوں کو برابری کے حقوق نہ دیتے۔'' اس کے غصے کو صاف نظر انداز کرتے مصطفیٰ نے تحمل سے کہا۔

''آپ نے شاید سنا نہیں میں کہہ رہی ہوں کہ آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں۔'' وہ اب کے بار غصے سے چیخی تھی۔

''شہوار تمیز کے ساتھ' آپ جانتی ہیں کہ میں ایسے رویوں اور لہجوں کا عادی نہیں ہوں اور نہ ہی پسند کرتا ہوں۔'' مصطفیٰ نے اب کے کچھ برہمی سے کہا۔

''تو...... کیا کروں میں؟ میں اسی بات سے ڈرتی تھی کتنی بار آپ سے کہا امی سے کہا مگر سب کے نزدیک میں احساس کمتری کا شکار ہوں' کم فہم اور ناسمجھ ہوں۔ مجھ پر کیچڑ اچھالنے کی ابتدا تو آپ کے خاندان سے ہی شروع ہوئی ہے' آپ باہر والوں کا منہ کیسے بند کریں گے؟'' مصطفیٰ کی خفگی نے اس پر الٹا ہی اثر کیا تھا' ایک دم سامنے کھڑے ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''شہوار لوگوں کو ہینڈل کرنا ہمارا ہیڈک ہے' دریہ پر ہمارا کوئی زور نہیں وہ صرف یہاں چند دنوں کی مہمان ہے مگر پھر بھی میں اسے سمجھا آیا ہوں آئندہ اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔'' مصطفیٰ نے پھر تحمل سے کہا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رو پڑی۔

''آپ وہ اذیت نہیں جانتے جو میں محسوس کر رہی ہوں' آپ کس کس کو سمجھائیں گے' کس کس کو میرے خاندان کی اصل کے بارے میں وضاحتیں دیتے پھریں گے۔'' اب کے اس کے رونے میں غصہ نہیں بلکہ خود اذیتی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک دم اس کا بازو تھام لیا۔

''شہوار پلیز مجھے اندازہ ہے کہ آپ ہرٹ ہوئی ہیں مگر اس طرح رونے سے تو مسائل حل نہیں ہوں گے نا۔'' شہوار کے رونے نے مصطفیٰ پر خاطر خواہ اثر کیا تھا بہت دھیمے لہجے میں کہتے اسے چپ کرانے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

''آپ...... آپ...... میرے دکھ کا اندازہ نہیں لگا سکتے' کوئی بھی نہیں لگا سکتا۔'' دریہ کے چند الفاظ نے اسے اس بُری طرح ہرٹ کیا کہ اس کا سارا اعتماد بکھر کر رہ گیا تھا۔

مصطفیٰ پر اس کے الفاظ نے بُری طرح اثر کیا تھا کچھ وہ جس طرح رو رہی تھی سارے گلے شکوے پچھلی تمام باتوں کا سارا غصہ ہوا ہوا تھا۔ اس نے دونوں بازوؤں سے تھام کر خود کے قریب کر لیا تھا۔

''رونے سے اگر یہ سب ٹھیک ہو سکتا ہے تو میں رونے سے نہیں روکوں گا مگر اتنا ضرور کہوں گا تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے......'' ایک بازو کے حصار میں لے کر دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ صاف کرتے جھک کر مصطفیٰ نے کہا تو شہوار ایک دم رونا دھونا بھول کر مصطفیٰ کو دیکھنے لگی۔

''شہوار آپ کے لیے سب سے اہم بات تو یہ ہونی چاہیے تھی کہ مجھے آپ کی پروا ہے' میں نے بہت فیئر ہو کر اپنے دل کی تمام تر آمادگی کے ساتھ اس رشتے کو قبول کیا' یہ نکاح کوئی مذاق نہیں تھا۔ بابا جان' بابا صاحب کی خواہش تھی یہ......'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ لب بھینچ گئی اور مصطفیٰ کے بازو کو ہٹا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

وہ مصطفیٰ کی طرف سے پشت کیے کھڑی تھی مصطفیٰ نے اس کے پلٹتے وجود کو دیکھا' دوپٹہ کندھے پر تھا۔ بالوں کی آبشار پشت پر تھی۔

بلیک لباس میں وہ آج سارا وقت نگاہ کو اتنی اچھی لگتی رہی تھی کہ وہ اس سے لاکھ خفا ہونے کے باوجود اسے گاہے بگاہے دیکھتا رہا تھا اور اب...... مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر اس کا رخ اپنی طرف پلٹ لیا تھا۔

''آپ جائیں یہاں سے۔'' وہ مصطفیٰ کی موجودگی سے ایک دم ہراساں ہو گئی تھی آنکھوں میں ایک دم خوف سمٹ آیا تھا اوپر سے مصطفیٰ کی آنکھوں کے تاثرات......اور رات کے اس پہر کی خاموشی وپُر اسراریت......وہ ڈر سی گئی تھی اس نے پیچھے ہٹنا چاہا کہ مصطفیٰ کی گرفت سخت ہو گئی۔

''آپ جائیں پلیز۔'' خوف اس کی آنکھوں میں پھیل گیا تھا۔ زبان لڑکھڑا سی گئی تھی

''اگر نہ جاؤں تو۔'' اس کی طرف دیکھتے مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اور ڈر گئی۔

''مصطفیٰ پلیز مجھے چھوڑیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔ مصطفیٰ نے اسے ایک پل دیکھا اور پھر اس کے کندھے سے اپنے بازوؤں کا حصار ہٹا لیا۔

''اس رشتے کو قبول کرنا سیکھو شہوار، لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دو۔'' مصطفیٰ نے نرمی سے کہا تو شہوار نے اسے دیکھا۔

''کہنا بہت آسان ہے اور عمل کرنا بہت مشکل، لوگ جب قدم قدم پر روک کر مجھے میری کم مائیگی، کم نسبتی اور لاوارثی کا احساس دلائیں گے تو پھر احساس کمتری ہی پیدا ہوگا آپ میرے جذبات واحساسات کبھی نہیں سمجھ پائیں گے کہ آپ نے لوگوں کے وہ طنز نہیں سہے جو میں نے سہے ہیں وہ اذیت نہیں دیکھی جو میں نے جھیلی ہے۔ آپ تو ایک خاندان اعلیٰ حسب ونسب کا نشان لے کر دنیا میں آئے تھے اور میں مجھے ایسی نصیحتیں مت کیا کریں میں اس وقت ادھر ہوں تو میری مجبوری ہے اور میری مجبوری کو میری زندگی کا طوق مت بنائیں۔'' وہ زہر سے بھی زیادہ کڑوی تھی یا پھر دریہ کی باتوں نے بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ جو بھی تھا اس وقت مصطفیٰ کی یہ پیش رفت بھی اسے نہ پگھلا سکی تھی۔

''شہوار اپنے رویے میں لچک پیدا کرو ورنہ زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔'' اس کے الفاظ پر مصطفیٰ نے سختی سے کہا تھا۔

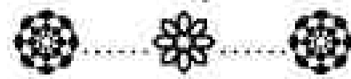
''جو جھیل رہی ہوں یہ بھی کوئی آسان زندگی نہیں ہے۔'' مصطفیٰ نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

''میں نے شاید اس وقت کمرے میں آکر بہت بڑی غلطی کی۔'' مصطفیٰ نے کہا تو زہرخند ہوئی۔

''بڑی دیر بعد احساس ہوا آپ کو؟'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔

''شہوار اس رشتے کو اپنے لیے اتنا مشکل مت بناؤ کہ جب واپس پلٹنا پڑے تو کوئی راستے دکھائی نہ دے۔ میں آج سب کچھ بھلا کر یہاں آیا تھا یہ سوچ کر کہ دریہ کی باتوں نے تمہارے دل کو ہرٹ کیا ہے تم پریشان ہو گی مگر......!'' مصطفیٰ نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

ایک دو پل شہوار کو دیکھا وہ بے تاثر چہرہ لیے کھڑی رہی تو مصطفیٰ اس پر ایک نگاہ ڈالتا تیزی سے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔



رات گئے پروگرام ہونے کی وجہ سے سبھی جاگتے رہے تھے۔ کچھ لوگ رسم کے بعد ہی واپس روانہ ہو گئے تھے اور کچھ لوگ ڈھولک کی محفل میں بھی شامل رہے تھے۔ جبکہ مرد حضرات کی علیحدہ گیدرنگ رہی تھی۔ فجر کے وقت یہ شور ہنگامہ سرد پڑا تو جس کو جہاں جگہ ملی جا پڑا اور رات لیٹ سونے کی وجہ سے صبح دس بجے سے پہلے کوئی بھی نہیں اٹھا تھا۔ صبوحی بیگم البتہ جلدی اٹھ گئی تھیں۔ گیارہ بجے کے قریب باقی لوگوں نے بھی اٹھنا شروع کر دیا تو صبوحی بیگم کچن میں چلی آئیں۔ کافی مہمان تھے اور ناشتے کا بندوبست گھر پر ہی کرنا تھا۔ آج کے دن کوئی فنکشن نہیں تھا لیکن اگلے دن بارات تھی انہوں نے ملازمہ کو بھیج کرانا کو بھی کچن میں بلوا لیا تھا۔ شادی کے سلسلے میں رکھی جانے والی دو تین کام والیوں کی مدد سے گھنٹے ڈیڑھ میں حلوہ پوری کا ناشتہ تیار ہو گیا تھا البتہ پوریاں ساتھ ساتھ تل کر بھیجی جا رہی تھیں۔ صبوحی بیگم انا کو کچن میں بھیج کر خود باہر مہمانوں کو دیکھنے چلی گئی تھیں۔

ولید کچن میں داخل ہوا تو انا مصروف دکھائی دی تھی۔

''اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بازار سے ریڈی میڈ منگوا لیتے۔'' فریج سے جوس نکالتے ولید نے کہا تو انا نے چونک کر اسے دیکھا وہ چھوٹے چھوٹے پیڑے بنا رہی تھی جبکہ باقی سب بیلنے اور تلنے میں لگی ہوئی تھیں۔

''بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ حلوہ پوری کا ناشتہ گھر میں ہی تیار کریں۔'' صغراں نے جواب دیا جبکہ انا ولید کی طرف سے رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔ جبکہ ولید کا انداز نارمل ہی تھا۔

''آپ بھی ناشتہ کریں گے صاحب۔'' دوسری کام والی نے پوریاں تل کر ٹرے میں نکالتے پوچھا۔

''ہاں ناشتہ تو کروں گا مگر اپنے کمرے میں۔ جوس گلاس میں انڈیل کر گھونٹ گھونٹ پیتے ولید نے انا کو بھی دیکھا وہ رخ موڑے کھڑی تھی وہ اس کے سامنے آرکا۔

''روشی کدھر ہے؟'' اٹھنے کے بعد اسے ابھی تک روشی دکھائی نہیں دی تھی سو پوچھنے لگا۔

''میرے کمرے میں سو رہی تھی۔'' انا نے جواب دیا۔

''وہ اٹھے تو کہنا میرے کمرے میں آئے مجھے اس سے کوئی بات کرنی ہے۔''
''کہہ دوں گی۔'' اس نے کہہ کر صغراں کو دیکھا۔
''جاؤ باہر پتا کرو کہ اور کون کون ناشتہ کرنے سے رہ گیا ہے۔ یہ کام مکمل ہو تو کچھ اور بھی کرنا ہوگا پھر......''
''جی اچھا...... میں ابھی پتا کرتی ہوں۔'' وہ فوراً باہر نکل گئی۔
''میں روشی کو اٹھا کر بھیجتی ہوں۔'' ولید کو ادھر ہی جمے دیکھ کر اس نے وہاں سے ہٹنا چاہا۔
''روشی نے بھی ابھی ناشتہ کرنا ہوگا؟ ایسا کرو تم ناشتہ لے کر آؤ میں خود اسے اٹھا لیتا ہوں۔'' جوس ختم کرتے خالی گلاس اسے تھماتے وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ انا نے لاشعوری طور پر اسے باہر نکلتے دیکھا تھا۔
''ماشاء اللہ آپ دونوں کی جوڑی تو بہت شاندار ہے۔'' ایک کام والی نے کہا تو وہ ٹھٹک گئی اور گلاس سلیب پر رکھ دیا۔
''میرا خیال ہے بہت ہوگئی ہیں پوریاں، باقی رہنے دو اور پھر جو بھی ناشتہ مانگے تو ساتھ ساتھ تیار کر کے بھیج دینا۔'' کام والی کو کہہ کر وہ ٹرے میں ناشتہ لگانے لگی تھی۔ چائے بھی تیار تھی اس نے وہ بھی رکھ لی۔ ٹرے لے کر وہ اپنے کمرے کی طرف آ گئی کمرے میں داخل ہوئی تو ولید اور روشی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ روشی کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ دیکھ کر ٹھٹکی۔
''کیا ہوا رو کیوں رہی ہو؟'' ٹرے بستر پر رکھتے وہ ایک دم پریشان ہوئی۔
''کچھ نہیں۔'' وہ کہہ کر باتھ روم میں چلی گئی انا نے پریشانی سے ولید کو دیکھا جو بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔
''کیا ہوا روشی کو؟'' ولید نے اسے دیکھا اور پھر سر جھٹکتے مسکرا دیا۔
''کچھ نہیں ہوا؟ بس ویسے ہی شادی کے حوالے سے جذباتی ہو رہی تھی۔''
''اوہ......'' ولید کے جواب پر اس نے گہرا سانس لیا۔
''آپ ناشتہ شروع کریں روشی بھی آ جاتی ہے۔'' ٹرے ولید کے سامنے کرتے اس نے کہا۔
''تم ناشتہ کر چکی ہو؟'' ولید نے پوچھا تو وہ ٹھٹکی۔
''نہیں ابھی کرتی ہوں۔''
''تو پھر آ جاؤ، اچھا خاصا ناشتہ ہے ہم تینوں کے لیے کافی ہے۔'' ولید نے کہا تو وہ ولید کو دیکھنے لگی۔
ولید کا انداز بہت نارمل تھا جبکہ وہ اس کے نام کی انگوٹھی پہننے کے بعد مسلسل اس کے سامنے سے بچ رہی تھی۔ شرم و جھجک علیحدہ۔ اور ولید اتنا پرسکون تھا جیسے کل ان دونوں کے درمیان کوئی رشتہ طے نہ پایا ہو۔ جبکہ وہ اس کے چہرے پر کچھ اور دیکھنا چاہتی تھی۔
اپنے نام سے متعلقہ جذبات...... اور شاید اس رشتے سے متعلقہ احساسات جبکہ......
''کیا بات ہے موڈ نہیں ناشتا کرنے کا۔'' اسے اسی طرح سوچ و بچار میں دیکھ کر ولید نے ٹوکا تو وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر سر نفی میں ہلا گئی۔ ولید کے رویے پر اس کا دل بجھ گیا تھا۔
''ولید اس رشتے کے بعد بھی اتنا نارمل کیوں ہے؟'' یہ سوال اس کے اندر سر پٹخنے لگا تھا۔
''نہیں ابھی موڈ نہیں میں بعد میں کر لوں گی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر پلٹی۔
''بعد میں کب؟ بارہ تو بج رہے ہیں پھر تو لنچ ٹائم ہوگا۔'' ولید نے کہا تو روشی بھی منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گئی تھی۔
''آ جاؤ ابھی تو ہمارے ساتھ کر لوگی بعد میں ادھر ادھر کے کاموں میں لگ گئی تو سب گول ہو جائے گا۔'' روشی نے بھی کہا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ بستر پر آ بیٹھی تھی۔ ناشتہ کرتے ہوئے وہ خاموش ہی تھی جبکہ ولید اور روشی رات والے فنکشن کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔
''کیا بات ہے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟'' اسے بالکل خاموش دیکھ کر روشی نے پوچھا۔ تو ولید نے بغور دیکھا۔
''کیوں کیا ہوا ہے مجھے؟'' اس نے چونک کر سنجیدگی سے روشی کو دیکھا۔
''بہت خاموش ہو نا؟''
''تو پھر؟'' اپنے لیے کپ میں چائے ڈالتے اس نے کہا تو روشی نے الجھ کر ولید کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا گیا۔
''ویسے ہی پوچھ رہی ہوں، صبح صبح مزاج برہم کیوں ہے۔''
''کوئی برہم نہیں ہے مزاج میرا۔'' سنجیدگی سے کہہ کر نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''کسی اور چیز کی ضرورت ہے کیا؟'' دونوں سے پوچھا تو روشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں۔''

''میں چلتی ہوں ماما کوئی کام بھی کہہ رہی تھیں۔ ناشتا کرلو تو صغراں آ کر برتن لے جائے گی۔ تم خود کچن میں نہیں آنا، اوکے۔'' وہ روشی کو کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

ماما کے کمرے کی طرف جانے کی بجائے وہ باہر لان کی طرف نکل آئی رات کی تقریب کا پھیلاوا ابھی بھی برقرار تھا۔ وہ ایک طرف کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے اندر ایک دم بہت حبس سا ہونے لگا تو وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

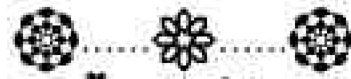
''ولید کیا مجھے ناپسند کرتا ہے۔'' اس کے اندر سوالات کی ایک یلغار تھی۔

''ولید کا رویہ ایسا کیوں ہے؟'' اس کی آنکھوں میں ایک دم پانی سمٹ آیا تھا۔ ''وہ اس رشتے کو ویسے کیوں نہیں لے رہا جیسے میں لے رہی ہوں۔ کیا ماموں نے اس کے ساتھ زبردستی کی ہے اگر ایسی بات ہوتی تو روشی مجھے بتاتی تو سہی۔''

سوچوں واوہام کا ایک طوفان تھا جو اُمڈتا چلا آ رہا تھا اس نے سر تھام لیا۔

''کیا یہ خوشی، یہ لمحے صرف وقتی تھے کیا مجھے خوش ہونے کا کوئی حق نہیں۔'' ہاتھ میں پہنی ہوئی رنگ کو دیکھتے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔

''ولید کا رویہ ایسا کیوں ہے میں روشی سے ضرور پوچھوں گی۔ ورنہ یہ زبردستی کا تعلق مجھے قبول نہیں۔'' رخساروں پر پھیل آنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے اس نے دل میں ارادہ باندھا تھا۔



وہ ابھی آفس سے لوٹی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ وہ کپڑے چینج کر رہی تھی جب ثریا بیگم کی آواز آئی۔

''رابعہ تمہاری مہمان آئی ہے۔'' وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ کمرے سے باہر آئی تو برآمدے میں پلاسٹک کی رکھی کرسیوں پر امی اور بھابی کے ساتھ وہ عادلہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

''آپ؟'' وہ حیرت سے گنگ ہوئی۔

''ہیلو کیسی ہو؟'' عادلہ بھی اسے دیکھ کر مسکرائی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم کشیدہ ہو گئے تھے۔

''جی فرمائیے۔'' اس کے لہجے میں بھی تلخی تھی۔ جبکہ امی اور بھابی عادلہ کی ظاہری شخصیت اور ماڈ اسٹائل دیکھ کر متاثر ہو چکی تھیں۔

''رابعہ ان کو اندر بیٹھک میں لے جاؤ میں کچھ پینے کو بھیجتی ہوں۔'' بھابی نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ قصداً مسکرائی۔

''ہاں کیوں نہیں ہم ادھر ہی چل کر بیٹھتے ہیں۔'' عادلہ نے بھی اٹھتے ہوئے کہا تو مجبوراً اسے عادلہ کی بیٹھک تک رہنمائی کرنا پڑی۔

''جی فرمائیے کیسے آنے کی زحمت کی؟'' عادلہ ایک طرف پڑے صوفے پر بیٹھ چکی تھی جبکہ رابعہ کے تاثرات ناخوشگوار تھے۔

''تم بیٹھو گی تو ہم بات بھی کریں گے اور فرمائیں گے بھی کیا خیال ہے۔'' عادلہ نے کہا تو اس نے اسے دیکھا۔

''میرے اور آپ کے درمیان ایسے کوئی خاص تعلقات نہیں کہ آپ میرے گھر تک آنے کی زحمت گوارا کریں اور نہ ہی دوستی جیسا تعلق ہے کہ میں دوست سمجھ کر گفت وشنید شروع کروں آپ اپنے آنے کا مقصد واضح کریں پلیز۔'' رابعہ کے انداز میں فرق نہیں آیا تھا۔ عادلہ نے اسے گھورا۔

''سوچ لو مجھ سے بات کرو گی تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا؟'' اس نے کہا تو رابعہ نے چونک کر اسے دیکھا اسے عادلہ کے تاثرات ناقابل فہم لگے۔

''بیٹھو آرام وسکون سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ عباس اور اس کی فیملی کے ساتھ ہمارے تعلقات کی خرابی کا سبب تم نہیں جانتی۔ تم اس کے آفس میں ایک اہم پوسٹ پر ہو اس سے پہلے ہماری جو بھی ملاقات ہوئی میں اپنے ان تمام رویوں پر شرمندہ ہوں اس لیے تم سے معافی مانگنے آئی ہوں ان کے آفس آتی تو اچھا نہ لگتا سو کسی نہ کسی طرح تمہارے گھر تک تمہارا پیچھا کرتے مجھے یہاں تک آنا پڑا۔'' عادلہ کا انداز ایسا تھا کہ وہ ازحد حیران ہوئی۔

''آپ بھلا مجھ سے کیوں معافی مانگ رہی ہیں؟'' وہ مشکوک ہوئی۔

''میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں بس اتفاقیہ طور پر عباس کا غصہ تم پر نکالتی رہی اصل میں تم نہیں جانتی کہ عباس لوگوں کی فیملی کیسی ہے۔ ان لوگوں نے میرے ساتھ کیسا برا سلوک کیا ہے اور اب مجبوراً مجھے وہ گھر چھوڑنا پڑا اپنا بیٹا چھوڑنا پڑا' بھلا کون عورت اپنا بسا بسایا گھر چھوڑتی ہے اور وہ لوگ اتنے ظالم ہیں کہ مجھ سے میرے چند سال کے چھوٹے سے بیٹے کو بھی نہیں ملنے دیتے۔ ترس گئی ہوں میں اس کی شکل دیکھنے کو۔'' عادلہ اب رونا شروع ہو گئی تھی۔ رابعہ جو مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایک دم گھبرا کر آگے بڑھی۔

''پلیز آپ روئیں نہیں۔'' اس کا دل ایک دم پگھلا تھا۔

''مگر لگتا تو نہیں کہ وہ لوگ ایسے ہیں ورکرز تک کو بہت عزت دیتے ہیں اور ہادیہ جو میری دوست ہے وہ تو کچھ اور ہی بتاتی ہے۔'' وہ عادلہ کی باتوں اور رونے سے الجھ گئی تھی۔

''دکھاوا ہے ان لوگوں کا دنیا کے سامنے اپنی واہ واہ بنا رکھی ہے مگر اندر کی کہانی تو صرف میں جانتی ہوں اور وہ عباس وہ مجھے طلاق تک دینے کو تیار نہیں۔ اتنا ظالم اور دقیانوس ہے ان کا گھرانہ کہ حد نہیں۔ مگر مجھے تو صرف اپنے بیٹے کی پرواہ ہے تم کو شاید علم نہیں مگر ان لوگوں نے میرے بھائی کو بھی جیل میں بند کروادیا ہے۔ ان کا ایک بھائی پولیس آفیسر ہے تو اس لیے ضمانت بھی نہیں ہونے دے رہے یہ لوگ۔'' عادلہ روتے ہوئے مزید بتا رہی تھی رابعہ حیرت سے سن رہی تھی۔

''مگر ہادیہ تو کچھ اور کہتی ہے؟''

''ہادیہ کو کیا پتا' اصل میں ہادیہ کے والدین کی ان لوگوں سے اچھی خاصی سلام دعا ہے تو اس لیے یہ لوگ ان کے خلاف بولتے نہیں۔ ویسے بھی باہر کی دنیا میں ان لوگوں نے میرے بارے میں نجانے کیا کیا کہانیاں مشہور کر رکھی ہیں۔'' عادلہ نے مزید بتایا۔

''آپ کے بھائی کو ان لوگوں نے کیوں جیل میں بند کروایا ہے۔'' رابعہ نے پوچھا۔

''یہ لوگ مجھے میرے بیٹے سے ملنے نہیں دیتے میرا رونا اور میری بربادی میرے بھائی سے برداشت نہ ہوئی تو وہ ان لوگوں کے ہاں چلا گیا وہاں ان لوگوں سے تلخ کلامی ہوگئی اور میرا بھائی ٹھہرا جذباتی ان کی خواتین سے کچھ بدتمیزی کر ڈالی بس اسی بات کو بنیاد بنا کر جھوٹی واردات کا کیس بنا کر جیل میں بند کر ڈالا۔'' عادلہ ایک بار پھر رونا شروع ہوگئی تھی۔

''آپ لوگوں کی اتنی اپروچ ہے ایک وسیع بزنس ہے کوئی چھوٹی موٹی فیملی تو آپ لوگوں بھی نہیں پھر ان لوگوں کے خلاف کیس کیوں نہیں کرتے؟'' رابعہ اس کی باتوں پر یقین کرتے فوراً ایمان لے آئی تھی۔

''بس میرے بابا بہت شریف انسان ہیں ان لوگوں کی خاندانی پوزیشن دیکھتے ان لوگوں سے الجھنے سے ڈرتے ہیں بلکہ اب میں عدالت میں خلع کا کیس دائر کروانے کا سوچ رہی ہوں ساتھ میں اپنے بیٹے کو اپنی تحویل میں لینے کا بھی۔''

''اوہ.....'' عادلہ کے بتانے پر رابعہ نے سر ہلایا۔

''اچھا میں امید رکھوں نا کہ تم مجھے معاف کر چکی ہو۔'' عادلہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے پوچھ رہی تھی رابعہ مسکرا دی۔

''جو بھی ہوا غلط فہمی کی بنیاد پر ہوا آپ نے بھی کون سا جان بوجھ کر ایسا کہا کوئی بات نہیں؟'' وہ فوراً دل صاف کر گئی تھی عادلہ مسکرا دی۔

''شکریہ بہت بہت۔ ورنہ مجھے اپنی یہ زیادتی بہت شرمندہ کرتی رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے ایسا اکثر۔'' رابعہ نے کہا۔

''اچھا آپ بیٹھیں میں ذرا آپ کے لیے کچھ کھانے پینے کو لے آتی ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ عادلہ نے بہت پرسوچ نظروں سے اسے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔

''شکر ہے یہ مسئلہ تو حل ہوا دیکھنا عباس اب کیسے تمہیں میں مزہ چکھاتی ہوں۔'' چہرے پر ایک دم مکروہ مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

کل سے بابا صاحب کی طبیعت پھر خراب تھی۔ وہی خوابوں کا سلسلہ۔ تابندہ بوا ان کے کمرے میں آئیں تو وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے پشت دروازے کی طرف تھی۔ تابندہ بوا نے دستک دی تو ان کے ہاتھ میں پکڑی تصویر نیچے گر گئی تھی انہوں نے سر گھما کر تابندہ بوا کو دیکھا اور پھر تصویر گود میں رکھی کتاب میں رکھ دی۔

''اب کیسی طبیعت ہے بابا صاحب۔'' تابندہ اندر آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔

''اللہ کا شکر ہے بیٹے۔'' وہ ہلکا سا مسکرائے۔

''شاہزیب بھائی کا فون آیا تھا ابھی وہ آپ کی طبیعت کے بارے میں بہت پریشان ہو رہے تھے۔'' تابندہ نے بتایا۔

''ہاں مجھے بھی کال کی تھی کچھ دیر پہلے۔''

''تو پھر آپ ان کی بات مان کیوں نہیں لیتے؟'' تابندہ نے کہا۔

''اس عمر میں اس حویلی کو چھوڑ کر وہاں شہر میں جا کر مرنا نہیں چاہتا۔'' انہوں نے ہمیشہ والی بات کہی تھی۔

''اچھی امید رکھنا چاہیے۔ آپ کو وہاں وہ علاج کے لیے بلا رہے ہیں اور آپ کے باقی بیٹے بھی تو آپ کو کئی بار بلا چکے ہیں۔ آپ سبھی کو انکار کر دیتے ہیں۔''

''میرا مرض اب لاعلاج ہو چکا ہے۔ اس کا کسی کے پاس اب کوئی بھی علاج نہیں۔ وہ سب چاہتے ہیں کہ میں ان کے پاس جاؤں علاج کراؤں مگر اب دل نہیں مانتا۔'' تابندہ بوا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''آپ کے خوابوں کا یہ سلسلہ اب کچھ زیادہ ہی بڑھتا جا رہا ہے اب۔ کسی اچھے سے سائیکاٹرسٹ سے ملنے کی اشد ضرورت ہے۔ ضروری نہیں کہ سائیکاٹرسٹ کے پاس صرف پاگل لوگ ہی جاتے ہیں اندر سے ہم سب کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے ایک مرض موجود ہے اور یہ لوگ تو بس ذہن میں الجھی ہوئی گرہیں کھولتے ہیں ہماری ذات کے بند دروازوں میں موجود گرد صاف کرتے ہیں۔ کچھ دوا دیتے ہیں اور کچھ دعا کام آتی ہے کہ اندر کی بند کھڑکیوں سے گرد صاف ہونے لگتی ہے۔'' تابندہ بوا نے بڑے آرام وسکون سے کہا تو وہ مسکرائے۔

''سب اپنی جگہ درست ہے مگر میں خود ہی کسی ایسے ماہر کی مدد لینا نہیں چاہتا۔ میرے ذہن کی گرہوں کا تعلق کسی بھی ذہنی مرض سے نہیں بلکہ اپنے گناہوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میرے پروردگار نے جس دن مجھے معاف کر دیا اسی دن یہ خوابوں کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا شاید۔ میں تو صرف معافی کی امید پر جی رہا ہوں۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

تابندہ بوا نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ ان کا جی چاہا کہ ان سے صاف کہہ دیں کہ وہ ایک بار ان پر اعتبار کریں وہ ان کے ہر خواب کا سبب بتائیں گی پھر......مگر انہوں نے لب سختی سے دانتوں تلے دبائے رکھے کہ مبادا جذبات میں آ کر کچھ کہہ دیں اور پھر ساری عمر کی محنت اکارت جائے گی۔

''شہوار بیٹی کیسی ہے بات ہوئی اس سے؟'' انہوں نے پوچھا تو تابندہ بوا نے گہرا سانس لیا۔

''جی اس سے بھی آج بات ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح خفا اور ناراض، مگر اللہ کا شکر ہے کہ کالج جا رہی ہے اور ہاں یاد آیا نواز بھائی کی بیٹی دریہ پاکستان آئی ہوئی ہے شاہزیب بھائی کے ہاں ٹھہری ہوئی ہے۔''

''ہاں شاہزیب نے آج مجھے بتایا تھا کہہ رہا تھا کہ چند دن میں کچھ وقت نکال کر وہ دریہ اور شہوار کو لے کر آئے گا شہوار بھی تم سے مل لے گی اور دریہ بھی ہم سے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔''

''شہوار اور مصطفیٰ کے نکاح میں شہر سے مصطفیٰ کے کچھ مہمان آئے تھے ان میں ایک لڑکا تھا ولید......اسے دیکھ کر بڑی اپنائیت کا احساس ہوا تم ان لوگوں سے ملی تھیں کیا؟'' بابا صاحب کے ذہن میں ابھی بھی ایک تشبیہ تھی جو روز انہیں سونے سے جگا دیتی تھی انہوں نے تابندہ سے پوچھا۔

''نہیں، میرا ان مہمانوں سے ملنا نہیں ہوا۔ ہاں لڑکیوں کو دیکھا تھا۔ وہ بھی سرسری بس آتے جاتے نظر پڑ گئی تھی۔ شہوار کی دوست انا بھی ان میں سے ایک اور دوسری اس کی کوئی کزن تھی۔ بس انا کو نکاح کے وقت دیکھا تھا دوسری بچی کو کم ہی دیکھا۔ صرف ایک بار وہ بھی میں کافی مصروف تھی کہ باقاعدہ ان لوگوں سے تعارف نہ ہو سکا اور لڑکے دونوں باہر کی طرف ہی رہے نکاح کے وقت اندر آئے تھے مگر میں شہوار کے پاس تھی تب۔'' تابندہ بوا نے تفصیل سے بتایا۔

''ہوں میری ان دونوں لڑکوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ اچھے خاندان کے تھے۔ دونوں لڑکے اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔''

''مصطفیٰ کے دوست بھی تھے اور لڑکی انا کی دوست تھی۔ اتفاقاً دونوں کو یہیں آ کر پتا چلا تھا لائبہ نے مجھے بتایا تھا کہ شہوار نے تو نکاح پر انا کو نہیں بلایا تھا وہ لوگ مصطفیٰ کی طرف سے ہی آئے تھے۔''

''ہوں، بڑا دل چاہتا ہے کہ میں ان دونوں بچوں سے دوبارہ ملوں؟'' بابا صاحب نے کہا تو تابندہ بوا نے حیران ہو کر دیکھا۔ ان کے لہجے میں حسرت بھی تھی۔

''یہ تو کوئی مشکل بات نہیں۔ شہوار بتا رہی تھی کہ ان میں سے ایک کی شادی ہو رہی ہے۔ کل وہ لائبہ اور مصطفیٰ کے ساتھ ان کے ہاں گئی ہوئی تھی صبح بارات ہے ان کی۔''

''اچھا، مصطفیٰ سے بھی کافی دن ہو گئے ہیں کوئی بات نہیں ہوئی۔ اچھا تابندہ بیٹا ایک کام کرنا تم صبح شہر فون کر کے شاہزیب کو کہنا کہ وہ مجھے کال کرے۔''

''جی کہہ دوں گی۔'' بابا صاحب کے کہنے پر انہوں نے ہامی بھر لی تھی۔

''اور شاہزیب مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کا بھی کہہ رہا تھا۔'' بابا صاحب نے کہا تو تابندہ بوا نے ایک گہرا سانس لیا۔ یہ بات تو ان سے بھی کی تھی انہوں نے مگر وہ شہوار کے مزاج کو دیکھ کر سوچ میں پڑ گئی تھیں کہ کیا کریں۔

''میری اپنی خواہش ہے کہ جلد از جلد اس ذمہ داری سے فارغ ہو جاؤں مگر شہوار کی تعلیم کو بھی دیکھنا ہے مجھے۔'' انہوں نے کہا تو بابا صاحب نے سر ہلا دیا۔

''تعلیم تو ساتھ ساتھ بھی چلتی رہے گی۔ شاہزیب کی خواہش ہے کہ نکاح ہو چکا ہے اب معاملے کو لٹکانا نہیں چاہیے بس رخصتی کر دیں۔ پڑھائی تو ساتھ ساتھ ہوتی رہے گی۔ مصطفیٰ سمجھدار بچہ ہے وہ تعلیم کی اہمیت جانتا ہے انکار نہیں کرے گا۔''

''چلیں میں شہوار سے بات کروں گی دیکھتے ہیں وہ کیا کہتی ہے؟''

''ہاں بات کر لیں پھر میں شاہزیب کو ہاں کہہ دوں گا۔''

''جی ٹھیک ہے۔''

''میں اب نماز پڑھ لوں۔'' بابا صاحب اپنے دھیان سے اٹھے تو گود میں رکھی کتاب نیچے قالین پر گر گئی اور کتاب میں رکھی تصویر تابندہ بوا کے قدموں میں گری تھی۔ تصویر الٹی گری تھی۔ بابا صاحب ساکت سے ہو گئے تھے انہوں نے ابھی تصویر اٹھانے کے لیے جھکنا ہی چاہا تھا کہ تابندہ بوا نے تصویر اٹھالی تھی۔ ابھی وہ تصویر کا رخ اپنی طرف کر رہی تھیں کہ بابا صاحب نے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

''یہ مجھے دے دیں آپ کے کام کی نہیں ہے۔'' ان کا انداز تیزی لیے ہوئے تھا۔ تابندہ بوا نے تصویر کو دیکھا اور پھر بابا صاحب کو۔

انہوں نے تصویر بابا صاحب کو تھما دی تھی اور پھر کتاب بھی انہوں نے تصویر کتاب میں رکھ دی تھی۔ تابندہ بوا نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر سوچ کر چپ ہو گئیں۔

''میں بھی نماز پڑھ لوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

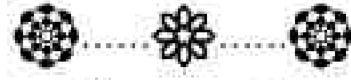
''تابندہ آپ ایسا کرنا کہ شاہزیب کو فون پر اطلاع دے دیں کہ میں صبح ڈرائیور کے ساتھ شہر آ رہا ہوں۔ مجھے وہاں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا سو مجھے مجبور نہ کرے ہاں بس ملنے جاؤں گا۔'' تابندہ بوا نے حیران ہو کر ان کے فوری فیصلے کو سنا۔

''اس قدر اچانک فیصلے کی کوئی خاص وجہ؟'' وہ حیران تھیں کہ کہاں وہ جانے پر ہی راضی نہ تھے اور اب وہ فوری طور پر جانے کے لیے تیار تھے۔

''نہیں بس میں موسم کی تبدیلی دیکھنے جا رہا ہوں۔ پھر زمین وغیرہ کے سلسلے میں شاہزیب سے کچھ بات چیت بھی کرنا ہے۔ آپ بھی چلو گی ہمارے ساتھ؟'' انہوں نے بتا کر پوچھا۔

''اگر ہم دونوں ہی چلے گئے تو پھر حویلی کی خیر خبر کون رکھے گا۔ آپ چلیں جائیں میں پھر کبھی چلی جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔'' بابا صاحب سر ہلا کر آگے بڑھ گئے تھے۔



وہ آج کالج نہیں گئی تھی اس نے سجاد بھائی سے بات کی تھی وہ اسے انا کے ہاں لے آئے تھے۔ وہ صبح نو بجے کی آئی تھی وہ سارا وقت روشی اور انا کے ساتھ رہی تھی۔ انا کے مہندی والے دن اس کے نہ آنے کے سارے گلے شکوے ختم ہو گئے تھے۔

اس کے علاوہ اسے انا کے ساتھ باتیں کرنے کا کافی موقع ملا تھا۔ تین بجے کے قریب انا اور روشی نے پارلر جانا تھا وہیں سے ان دونوں نے میرج ہال جانا تھا پارلر جاتے ہوئے انا نے اسے بھی ساتھ گھسیٹ لیا وہ منع کرتی رہی تھی مگر اس نے اس کی نہ چلنے دی اور اس وقت وہ انا کی فرمائش پر پارٹی میک اپ کروا رہی تھی۔ جبکہ انا سر پر موجود بیوٹیشن کو مسلسل ہدایات دے رہی تھی۔ آف وائٹ فراک اور پاجامہ، فراک کے گلے پر بہت خوبصورت کام بنا ہوا تھا اسی مناسبت سے جیولری اور میک اپ تھا بیوٹیشن نے اسے تیار کر دیا بالوں کو ہیئر بینڈ سے جکڑ کر پیچھے سے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

''ماشاءاللہ، بہت پیاری لگ رہی ہو؟'' انا نے کہا تو وہ جھینپ گئی۔ وہ تیار ہو کر ایک طرف بیٹھ گئی تھی۔ جبکہ اب انا میک اپ کروا رہی تھی۔ دوسری طرف بیوٹیشن روشی کو تیار کر رہی تھی۔ انا کا بلیک لباس تھا۔

''مصطفی بھائی آ رہے ہیں کیا؟'' میک اپ کرواتے انا نے پوچھا۔

''پتا نہیں، جب میں گھر سے نکلی تھی مصطفی آفس جا چکا تھا۔ میں نے آنٹی سے ادھر آنے کی بات کی تھی تو انہوں نے سجاد بھائی کے ساتھ بھجوا دیا تھا۔''

''ہوں......'' باقی کا کام دونوں نے خاموشی سے کروایا تھا۔ وہ تقریباً سات بجے تک فارغ تھیں۔

انا نے گھر فون کر کے ڈرائیور کو بھیجنے کو کہا تھا ان لوگوں نے اب سیدھا میرج ہال ہی پہنچنا تھا۔ آٹھ بجے بارات آ جانی تھی۔ ان کی گاڑی آ گئی تھی۔ وہ دونوں روشی کو سہارا دے کر باہر لائیں تو وہاں ڈرائیور کی جگہ ولید کو دیکھ کر انا رکی تھی۔

نجانے کیوں ولید کے رویے کو لے کر وہ اس قدر جذباتی ہو رہی تھی کہ نجانے کیسے اس سارے فنکشن میں خود کو سنبھال پا رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ لب بھینچ کر خود کو سنبھال گئی تھی۔ شہوار اور روشی سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں۔

''تم آگے چلی جاؤ۔'' روشی نے کہا تو انا خاموشی سے دروازہ بند کرتے فرنٹ سیٹ کا ڈور کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ ولید نے گاڑی اسٹارٹ کر لی تھی۔

''ڈرائیور کہاں تھا؟'' کچھ توقف کے بعد انا نے ولید سے پوچھا۔

''کیوں خیریت؟'' ولید نے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بہت سنجیدہ تھے۔

''میں نے ماما کو ڈرائیور کو بھیجنے کا کہا تھا۔''

''تمہیں میرا آنا ناگوار گزر رہا ہے یا پھر ڈرائیور کے نہ آنے کا غصہ ہے۔'' ولید نے مدہم لہجے میں پوچھا تو وہ چونکی اور پھر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''مجھے کسی بھی بات کا غصہ نہیں۔'' وہ کھڑکی کی طرف چہرہ موڑ گئی تھی۔

''مگر لگ تو نہیں رہا تمہارے چہرے کے تیور دیکھ کر تو لگتا ہے جیسے تم میرا سر پھاڑنے کو تیار بیٹھی ہو بالکل۔'' ولید کے الفاظ پر انا نے گھور کر اسے دیکھا۔

''اتنی غیر مہذب نہیں ہوں۔''

''یعنی مان رہی ہو کہ دل چاہ رہا ہے سر پھاڑنے کو۔'' ولید نے کہا تو وہ گھور کر شہوار کو دیکھنے لگی جو روشی کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھی۔ دونوں کا اس کی طرف کوئی دھیان نہ تھا یا پھر شاید جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی۔

''مصطفیٰ بھائی آ گئے ہیں کیا؟'' شہوار کسی بات پر مسکرائی تھی چادر کے پلو سے چھلکتا اس کا روشن چہرہ دیکھتے انا نے پوچھا۔

''نہیں ابھی تک تو میرج ہال میں نہیں دیکھا اس کو۔''

''فون کر کے پتا کر لیتے۔''

''کر رہا تھا فون۔ وہ ڈیوٹی پر تھا اس کے بعد اس نے گھر جانا تھا اور پھر ہال میں پہنچنا تھا۔''

''مگر شہوار تو صبح ہی سے آ گئی تھی۔''

''آ جاتا ہے وہ بھی۔''

''وہ اکیلے ہوں گے یا ان کی فیملی میں سے کوئی اور بھی ہوگا۔''

''یہ تو اس کی آمد کے بعد ہی علم ہوگا۔'' ولید نے کندھے اچکا دیے تو وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''موڈ کیوں خراب ہے تمہارا؟'' کچھ توقف کے بعد ولید نے پوچھا تو وہ چونکی۔

''میرا موڈ خراب نہیں ہے۔'' اس نے فوراً تردید کی۔

''تو پھر خفا ہو کسی بات کو لے کر۔'' ولید کی ساری توجہ ڈرائیونگ کی طرف تھی انا نے اس کو دیکھا اس نے بھی چہرہ موڑ کر دیکھا اور پھر مسکرا دیا انا کے اندر ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اس سارے عرصے میں یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو اسے صرف اور صرف اپنے لیے محسوس ہوئی تھی۔

''اگر میں کہوں ہاں تو؟'' اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔

''تو پھر وجہ بھی بتا دو کہ کس بات سے خفا ہو اور کس لیے؟'' ولید کی بات پر اس کے دل میں موجود خوشگوار تاثرات پھر راکھ کا ڈھیر بننے لگے۔

''میں خفا نہیں ہوں کسی سے بھی۔'' وہ خفگی سے کہہ کر پھر چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ گئی تھی۔

''کبھی کبھی تمہارا رویہ بڑا بچکانہ سا لگتا ہے۔'' ولید نے کہا تو اس نے پلٹ کر ولید کو دیکھا۔ بلیک تھری پیس سوٹ میں وہ کافی ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ اپنی تمام تر وجاہت سمیت۔

انا کا دل ایک بار پھر اس کی طرف جھکنے لگا۔ دل میں موجود سارے گلے شکوؤں کے باوجود وہ اس سے منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔ اسے اپنی یہ کمزوری اس وقت شدت سے محسوس ہوئی۔

''آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔'' شکوہ اس کے لبوں پر آ ٹھہرا۔ ولید نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ دونوں ہاتھوں کو مسلتے باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کبھی کبھی ہماری ججمنٹ غلط بھی ہو جاتی ہے اور جو نظر آ رہا ہوتا ہے ویسا ہوتا نہیں ہے۔ انسان کے ظاہری حلیے پر مت جاؤ کبھی اندر کو بھی پڑھنے کی کوشش کرنا بہت سی گتھیاں سلجھنے لگیں گی۔''

''مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔'' وہ الجھ گئی تھی۔

''اچھا چھوڑو تم یہ بتاؤ کہ تم میرج ہال سے گھر جاؤ گی بارات کے ساتھ آؤ گی یا پھر ادھر ہی رکو گی۔''

''آپ گھر جائیں گے۔'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔ میں بابا کے ساتھ ریسپشن پر بارات کا انتظار کروں گا۔''

''ٹھیک ہے میں روشی کو وہاں چھوڑ کر گھر چلی جاؤں گی ویسے بھی اب روشی کے پاس شہوار تو ہے نا۔''

''جاؤ گی کس کے ساتھ؟''

''کیوں ڈرائیور مہمانوں کو چھوڑنے نہیں آ رہا کیا؟''

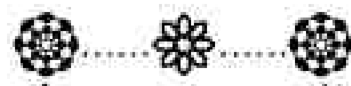
''وہ دو چکر تو لگا چکا ہے اب وہ آتا ہے کہ نہیں کنفرم نہیں اب باقی کے لوگ بارات کے ساتھ ہی آئیں گے۔''

''اوہ! پھر میں ادھر ہی رک جاتی ہوں بارات کے استقبال کے لیے خواتین کا بھی تو ہونا لازمی ہے۔'' ''وہاں ماما کے ساتھ کافی لوگ ہوں گے ماما ارینج کر لیں گی۔'' اس نے کہا تو ولید مسکرا دیا۔

''اوکے جیسے تمہاری مرضی، ویسے اگر گھر جانے کا موڈ ہے تو میں چھوڑ آتا ہوں۔'' ولید نے آفر کی۔

''نہیں پھر آپ کو آنے جانے میں پریشانی ہوگی بس اب ادھر ہی رکوں گی۔''

''اوکے..... ایز یو وش۔'' میرج ہال آ چکا تھا ولید نے ان کو مین گیٹ پر اتار کر گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر دی۔



بارات اپنے وقت پر آئی تھی مصطفیٰ بارات کے ساتھ ہی آیا تھا۔ مصطفیٰ کے ساتھ سجاد بھائی، مہر النساء بیگم، لائبہ بھابی اور دریہ بھی تھی۔

''یہ دریہ کیا چیز ہے۔'' نکاح اور کھانے کے بعد انا برائیڈل روم میں آئی تو روشی بھابی اور ماں جی کے ساتھ دریہ کو دیکھ کر اس کے کان میں بولی تھی۔ ''تم خود ہی پوچھ لو اچھی طرح بتا دے گی کہ وہ کیا چیز ہے۔'' شہوار نے کہا تو انا ہنس دی۔

''ویسے ماں جی اور بھابی بہت نائس ہیں۔'' ماں جی روشی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ ماں جی نے روشی کو ایک بہت ہی خوب صورت بریسلٹ گفٹ کیا تھا۔ بھابی نے رقم دی تھی۔

''یہ کافی تیز لڑکی ہے نا؟'' وہ دوبارہ دریہ کو دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

''تو یہ کروا بھی دوسرا دن ہوا ہے اسے ادھر آئے اور تم سے تو پہلی بار مل رہی ہے اور تم اس کے بارے میں ایک رائے بھی قائم کر چکی ہو۔''

''پہلی نظر میں ہی علم ہو رہا ہے کہ کس مزاج کی لڑکی ہے۔''

''چھوڑو کوئی اور بات کرو۔'' اس نے ٹالا تو انا ہنس دی۔

''دھیان رکھو اس کا جب بارات آئی تھی تو یہ محترمہ مصطفیٰ بھائی کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر موجود تھیں۔''

''تو......!'' اس نے سنجیدگی سے انا کو دیکھا۔

''ایسی باتیں وہاں اٹریکٹ کرتی ہیں جہاں دل میں کوئی احساس، کوئی جذبہ باقی ہے مصطفیٰ کے ساتھ اس کی فرنٹ سیٹ پر کوئی بھی بیٹھے میری بلا سے۔''

''ہیں...... یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ ولید کے ساتھ اگر میں کسی کو دیکھ لوں تو سمجھ لو وہ سارا دن میرا کڑھ کڑھ کر گزرنے والا ہوگا'' انا نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں اندازہ ہو رہا ہے مجھے ویسے ایک بات تو بتاؤ۔ ولید بھائی سے صرف پسندیدگی ہے یا پھر سنجیدگی کے ساتھ انوالو ہو چکی ہو۔'' انا نے اس کے معاملے کو کریدنا چاہا تو انا کے چہرے پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ آ ٹھہری تھی۔

''شہوار پتا نہیں کیوں جب سے ولید کو پاکستان آنے کے بعد سے دیکھا ہے تو میں اپنے دل کو اس کی طرف متوجہ ہونے سے روک ہی نہیں پائی۔ بڑی کوشش کی میں نے خود سمجھانے کی اور جب بھی ولید پر نگاہ پڑی ہر بار دل دغا دے گیا اور ولید مجھے نہیں علم کہ اس کے دل میں میرے لیے کیا ہے مگر اس کی ذرا سی بھی بے اعتنائی مجھے مار دینے کو کافی ہے۔ میں سب برداشت کر سکتی ہوں مگر وہ مجھے نظر انداز کرے یہ قطعی برداشت نہیں ہوتا مجھ سے۔''

''مائی گاڈ، اتنی سیریس ہو تم، میں اب تک سمجھ رہی تھی کہ ولید سے یہ رشتہ محض تمہارے بڑوں کی مرضی سے تھا۔'' شہوار حیران ہو رہی تھی۔ انا کی زبان سے یہ اقرار اس کے لیے بڑا حیرت انگیز تھا۔

''اور ولید بھائی جانتے ہیں کہ تم ان کو پسند کرتی ہو۔''

''پتا نہیں مگر اندازہ ہے کہ وہ بے خبر نہیں۔ پتا نہیں وہ اس منگنی پر کیسے راضی ہوئے مگر دو دن سے لے کر ان کے کسی بھی رویے سے نہیں لگ رہا کہ وہ اس رشتے میں میرے ساتھ موجود ہیں۔'' انا کی آنکھوں میں اک نمی سی آ ٹھہری تھی۔ شہوار نے بے اختیار اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔

''ڈونٹ وری، تم اتنی پیاری ہو وہ تمہیں کبھی نظر انداز کر ہی نہیں سکتے۔'' انا مسکرا دی تھی۔

''تم لوگ بیٹھو میں باہر کا ایک چکر لگا لوں۔'' وہ باہر نکل آئی تھی۔

خواتین اور مرد حضرات کے لیے بیٹھنے کا علیحدہ علیحدہ انتظام تھا۔ مکمل طور پر علیحدہ علیحدہ ہال تھے۔ وہ برائیڈل روم سے نکل کر خواتین والے ہال کی طرف آ رہی تھی کہ درمیانی رستے پر وہ ولید کو ایک لڑکی کے ساتھ دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ لڑکی کی اس کی طرف پشت تھی دونوں آپس میں بات کر رہے تھے تبھی ولید کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ مسکرا دیا۔

''انا ادھر آؤ۔'' ولید نے ہاتھ کے اشارے سے پاس بلوایا تو وہ چونک کر اس کی طرف چلی آئی تھی۔

''انا یہ کاشفہ ہیں تم ایک بار پہلے بھی ان سے مل چکی ہو نا۔'' ولید اس لڑکی سے اس کا تعارف کروا رہا تھا اور انا حیرت سے اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پٹیوں میں جکڑا وجود وہ بھلا کیونکر بھول سکتی تھی۔

تب وہ لڑکی بے ہوش تھی اور اب ہوش و حواس میں تھی۔ وہ تب بھی ہوشربا حسن کی مالک بجلیاں گرا رہی تھی اور اب بھی۔

''ہیلو۔'' لڑکی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے بھی ہاتھ ملایا۔

''اور کاشفہ یہ میری پھپھو زاد ہیں انا وقار احمد نام ہے ان کا۔'' ولید مسکرا کر بتا رہا تھا انا نے چونک کر ولید کو دیکھا ولید نے دوسرا تعلق کیوں نہیں بتایا وہ الجھ گئی۔

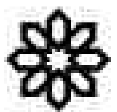
''نائس ٹو میٹ یو۔'' کاشفہ کہہ رہی تھی مجبوراً انا کو مسکرانا پڑا۔

''روشی کی شادی میں، میں نے ان کو بھی انوائٹ کیا تھا۔ یہ کچھ لیٹ ہو گئی تھیں ابھی آئی ہیں تم ان کو اندر لے جاؤ اور کھانے پینے کو منگوا دینا۔'' ولید اسے

ہدایات دے رہا تھا تو انا نے سر ہلا دیا۔
''کیا آپ میرے ساتھ اندر نہیں آئیں گے؟'' وہ ولید سے پوچھ رہی تھی۔
''سوری کاشفہ مرد حضرات کی طرف میری زیادہ ضرورت ہے، انا آپ کو بہت اچھی کمپنی دیں گی۔ بالکل بھی بور نہیں ہونے دیں گی۔ کیوں انا ٹھیک کہہ رہا ہوں میں۔'' انا نے سر ہلا دیا تھا۔
''او کے میں چکر لگا تا رہوں گا آپ بے فکر ہو کر اندر جائیں۔'' ولید کہہ کر پلٹ گیا تھا کاشفہ نے ستائشی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا تھا اور انا کاشفہ کو دیکھ رہی تھی۔
''آیئے میں آپ کو اپنی ماما اور باقی لوگوں سے بھی ملواتی ہوں۔'' انا نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اس کے ساتھ چل دی۔
''کب سے آپ کی ولید سے دوستی ہے؟'' اس نے چلتے چلتے پوچھا۔
''میرا ایک بار ایکسیڈنٹ ہو گیا تو ولید نے کافی ہیلپ کی تھی بس تب سے ہی دوستی ہو گئی ہماری۔''
''ہوں۔'' انا کے اندر ایک دم جیسے سناٹے سے اترے تھے۔
وہ اس کو لے جا کر باقی لوگوں سے ملوانے لگی تھی اور پھر کچھ لڑکیوں کے پاس بٹھا کر ان کو کاشفہ کو کمپنی دینے کا کہہ کر وہ واپس ہال سے نکل آئی تھی۔ اس کے اندر ایک دم شدید حبس پیدا ہوا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں ہی برائیڈل روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب برائیڈل روم سے نکلتے ولید سے بری طرح ٹکرائی تھی۔
''اف......'' اس نے اپنا سر تھاما تھا۔
''اوہ...... چوٹ تو نہیں لگی۔'' ولید نے پوچھا تو وہ ولید کی آواز سن کر چونکی نفی میں سر ہلا دیا۔
''کاشفہ ٹھیک ہے۔'' وہ کچھ اور پوچھ رہا تھا انا کے اندر ایک شدید طوفان برپا ہوا اس نے سختی سے لب دانتوں تلے دبا لیے۔
''کیا بات ہے پریشان ہو؟'' وہ اس کا چہرہ دیکھتے پوچھ رہا تھا۔ انا نفی میں سر ہلاتے تیزی سے اس کی سائیڈ سے ہوتے برائیڈل روم میں گھس گئی تھی۔
''حیرت ہے اسے کیا ہوا؟'' ولید پر سوچ نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

رخصتی ایک بجے کے قریب ہوئی تھی۔ ماں جی سجاد بھائی کے ساتھ جلدی چلی گئی تھیں۔ جبکہ بھابی اور دریہ رک گئی تھیں۔ انا نے مہر النساء بیگم سے شہوار کو رات اپنے ہاں ٹھہرانے کی اجازت لے لی تھی۔
کاشفہ جلدی چلی گئی تھی وہ جب تک وہاں موجود رہی تھی انا کو اپنے اندر ہول سے اٹھتے محسوس ہوتے رہے تھے۔ کاشفہ کے جاتے ہی اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ دودھ پلائی کی رسم میں انا نے اپنے ساتھ شہوار کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔ شہوار منع کرتی رہ گئی تھی مگر صبوحی بیگم کے اصرار پر پھر اسے آگے بڑھنا پڑا تھا۔ احسن نے دونوں کو تیس ہزار دیے تھے جو صبوحی بیگم کے اصرار پر دونوں نے بانٹ لیے تھے۔ شہوار ان لوگوں کے خلوص پر بہت حیران ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر یہ شادی بڑی خوشگوار سی گزری تھی۔ رخصتی کے بعد یہ لوگ گھر آ گئے تھے جبکہ مصطفیٰ ہال سے ہی دریہ اور بھابی کو لے کر گھر چلا گیا تھا۔
گھر آ کر دونوں چینج کر کے روشی کے پاس لاؤنج میں آ گئی تھیں۔ زیادہ تر مہمان ہال سے ہی رخصت ہو گئے تھے جو چند ایک تھے گھر آتے ہی وہ سونے کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ روشی کنفیوژ تھی شہوار اس کے پاس کافی دیر تک بیٹھی اس کا دل بہلاتی رہی تھی جبکہ انا مہمانوں کے سونے کے انتظامات میں لگ گئی تھی۔ اڑھائی بجے جا کر روشی کو کمرے میں پہنچانے کا مرحلہ آیا تھا۔
''تم میرے ساتھ ساتھ رہنا دیکھنا احسن بھائی سے کیسے نیگ نکلواتی ہوں۔'' روشی کو کمرے میں بٹھا کر وہ دروازے کے پاس جم گئی تھی۔ شہوار بے اختیار ہنس دی تھی۔
''تم پہلے ہی ان سے اتنے نکلوا چکی ہو کچھ اللہ کا خوف کر لو انہوں نے گھر سے ہی نکال دینا ہے۔'' اس نے ڈرانا چاہا۔ تبھی احسن اپنے کمرے کی طرف آ گیا تھا۔
''تم ادھر کیا کر رہی ہو۔'' انا کو کمرے کے دروازے پر جمے دیکھ کر اس نے گھور کر کہا۔
''پہلے کمرے میں داخل ہونے کا نیگ نکالیں پھر اندر جانے دوں گی۔'' انا نے تقاضا کیا تھا احسن نے گھورا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

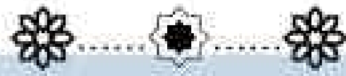


ٹوٹا ہوا تارہ...... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شہوار کے لاکھ انکار کے باوجود لائبہ بھابی اور مصطفیٰ کے کہنے پر اسے مہندی کے فنکشن میں شریک ہونا پڑا یہاں آ کر اسے پتا چلا کہ انا کی منگنی ولید سے ہو رہی ہے۔ جبکہ دوسری طرف مصطفیٰ بھی ولید سے خاصی برہمی کا اظہار کرتا ہے کہ اس نے اسے تمام بات سے آگاہ نہیں کیا جبکہ ولید اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے اسے منا لیتا ہے۔ ولید کا لیا دیا رویہ انا کو خدشات میں مبتلا کیے رکھتا ہے۔ فنکشن کے ختم ہونے پر وہ سر درد کا کہہ کر وہاں سے ہٹ جاتا ہے جبکہ انا اس کے رویے کو اس کی ناپسندیدگی پر محمول کرتی ہے۔ دریہ شہوار اور مصطفیٰ کے نکاح کو لے کر شدید حیرت ہوتی ہے اور وہ مصطفیٰ کے سامنے واضح الفاظ میں اس کا اقرار کرتی ہے جبکہ دوسری طرف شہوار بھی اپنی تذلیل محسوس کرتے وہاں سے ہٹ جاتی ہے۔ دریہ کی باتوں پر مصطفیٰ شہوار کو سمجھانے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ خود ترسی کا شکار ہوتے اپنی ذات کی تضحیک پر مصطفیٰ کی ایک بھی نہیں سنتی۔ دوسری طرف مصطفیٰ بوجھل دل ہے وہاں سے پلٹ آتا ہے۔ رابعہ آفس سے لوٹتی ہے تو عادلہ کو اپنا منتظر پاتی ہے۔ وہ رابعہ کو اپنی مظلومیت کی داستان اور اپنے بچے کی علیحدگی کے قصے سنا کر اس سے اپنے غلط رویوں کی معافی مانگتی ہے۔ ساتھ ہی عباس سے خلع لینے کا ذکر بھی کرتی ہے جس پر رابعہ ان کی حقیقت جان کر شدید حیرت کا شکار ہوتی ہے اور نا صرف عادلہ کو معاف کر دیتی ہے بلکہ اس سے ہمدردی کا نرم گوشہ بھی اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف عادلہ اپنی چال میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ بابا صاحب کے خوابوں کے متعلق تابندہ بوا انہیں سائیکاٹرسٹ سے ملنے کا مشورہ دیتی ہیں لیکن وہ ان خوابوں کو اپنے گناہوں پر محمول کر کے ٹال جاتے ہیں۔ ولید کے چہرے میں انہیں ایک خاص کشش نظر آتی ہے اور تابندہ بوا سے یہ سن کر کہ آج کل مصطفیٰ کے اس دوست کے ہاں شادی کا فنکشن ہے وہ فوراً ہی شہر جانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ روشانے اور احسن کی شادی کی تقریب میں جہاں انا خوش ہوتی ہے وہیں ولید کو کاشفہ کے ہمراہ دیکھ کر اس کا دل کسی انہونی کے خوف سے لرز اٹھتا ہے۔

〈اب آگے پڑھیے〉



''شرم کرو دو تین دن سے تم مجھ سے ایک لاکھ تک نکلوا چکی ہو۔ ابھی تم بہن بنی ہوئی ہو پھر ایک دم پینترا بدل کر سالی کا کردار ادا کرنے لگ جاتی ہو۔ میں تو پھنس گیا یہ شادی کروا کر۔'' احسن منہ بنا رہا تھا انا نے گھورا۔

''بھابی بھی تو اتنی اچھی دے رہی ہوں آپ کو۔''

''محترمہ یہ مجھ پر میرے اللہ کا کرم ہوا ہے ورنہ تم ڈھونڈتی تو اب تک مجھے کنگال کر دیتی۔'' احسن نے کہا۔

''شرم کریں آپ کی اکلوتی بہن ہوں شادی تو زندگی میں ایک بار ہی ہوتی ہے اتنی کنجوسی کیوں کر رہے ہیں۔'' اس نے آنکھیں دکھائیں۔

''جلدی کریں پہلے ہی بہت رات ہو گئی ہے جتنی تاخیر کریں گے آپ کا ہی نقصان ہوگا۔'' احسن نے کلائی میں بندھی گھڑی دیکھی پونے تین ہو رہے تھے۔

''اب کیا لینا ہے تم نے۔'' احسن نے گھورا۔

''جو دل چاہے دے دیں۔'' انا نے فراخ دلی دکھائی تو احسن نے منہ بناتے ہوئے پاکٹ میں ہاتھ ڈالا۔

''یہ لو بھوکی کہیں کی۔'' احسن نے منہ بنا کر بند مٹھی اس کے سامنے کی تھی۔

''اس میں کیا ہے، خالی تو نہیں ہے؟'' اس نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

''دیکھ لو۔'' احسن مسکرایا اور بند مٹھی انا کی طرف کی تھی انا نے مشکوک نظروں سے ہاتھ بڑھایا تھا احسن نے مسکراتے ہوئے مٹھی کھول دی۔ انا نے چیخ مارتے ہوئے اپنا ہاتھ پیچھے کیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے چھپکلی نیچے فرش پر گر گئی تھی۔

''احسن بھائی۔'' اس نے خوفزدہ نظروں سے چھپکلی کو دیکھا تھا احسن ایک دم کمرے میں گھس گیا۔

''ارے یہ تو پلاسٹک کی ہے۔'' شہوار چھپکلی کو بے حس و حرکت دیکھ کر بولی۔

''احسن بھائی......'' انا تاؤ کھاتے کمرے کی طرف لپکی مگر احسن نے فوراً دروازہ بند کر لیا تھا۔

''بھائی یہ فاؤل ہے۔'' وہ چیخی تھی۔

''آپ مجھے میرا نیگ دیے بغیر دروازہ بند نہیں کر سکتے۔'' اس نے دروازے پر ہاتھ مارا جبکہ شہوار کا ہنس ہنس کر برا حال ہو رہا تھا۔

''تم کل سے مجھے اتنا تنگ کر چکی ہو بس ایک پائی بھی نہیں دینی میں نے اور اب یہ دروازہ تو صبح ہی کھلے گا۔'' اندر سے احسن نے کہا تو انا نے بند دروازے کو گھورا۔

''یہ اچھی رہی، احسن بھائی کو علم تھا کہ تم ''جگا ٹیکس'' لیے بغیر نہیں ہٹو گی سو یہ انتظام کر کے آئے تھے۔'' شہوار نے چھپکلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''معاف تو اب ان کو نہیں کروں گی دیکھنا صبح کیسے بدلہ لیتی ہوں۔'' بند دروازے کو گھورتے وہ شہوار کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف بڑھیں مگر لاؤنج سے

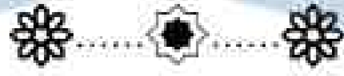
ولید کو نکلتے دیکھ کر رک گئیں۔
''روشی ٹھیک ہے نا؟'' روشی نکاح اور رخصتی کے وقت دونوں بار بہت روئی تھی سو وہ اسی بارے میں پوچھ رہا تھا۔
''جی۔'' انا نے سنجیدگی سے کہا۔
''آپ کدھر تھے؟''
''میں اور بابا ابھی ہوٹل سے لوٹے ہیں۔ سب مہمانوں کے جانے کے بعد وہاں کے باقی معاملات دیکھنے رک گئے تھے ہم لوگ۔'' ولید کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔
''ماموں ٹھیک ہیں نا؟'' بیٹی کو رخصت کرتے ماموں کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔
''ہوں..... ان کو کمرے میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ وہ لیٹ گئے ہیں مجھے ایک کپ چائے چاہیے کسی سے کہہ کر بنوا دو۔'' ولید نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
''اور سنائیں شہوار آپ ٹھیک ہیں، فنکشن کو انجوائے کیا؟'' اس نے انا کے پاس کھڑی شہوار سے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔
''جی بہت زیادہ۔ قطعی احساس نہیں ہوا کہ آپ لوگوں سے پہلی بار مل رہی ہوں۔ ذرا بھی اجنبیت محسوس نہ ہوئی۔''
''مصطفیٰ سب فیملی کو لے کر آیا مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ویسے آپ بتا دیں آپ کو کیا کہوں۔ مصطفیٰ کے حوالے سے بھابی یا انا کے حوالے سے سسٹر۔'' ولید نے مسکرا کر پوچھا تو شہوار کے چہرے پر گلال سا نکھر گیا۔
''جو آپ کا دل چاہے، ویسے سسٹر مناسب رہے گا۔''
''یعنی مصطفیٰ کا حوالہ پسند نہیں۔'' ولید نے چھیڑا تو نہ چاہنے کے باوجود بھی وہ شرمندہ ہوگئی۔
''اب ایسا بھی نہیں کہا۔'' ولید مسکرایا۔
''اوکے..... آپ اپنی دوست کے ساتھ انجوائے کریں انا چائے بن جائے تو روم میں بھجوا دینا۔'' ولید کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔
''ولید بھائی کو دیکھتی ہوں تو مجھے تمہاری قسمت پر رشک آنے لگتا ہے۔ ریئلی یو آر سو لکی یار۔'' کچن کی طرف آتے اس نے کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔
نجانے کیوں وہ ولید کے حوالے سے ان دیکھے خدشات کا شکار تھی جو اسے دل سے خوش نہیں ہونے دے رہے تھے۔ کچن میں آ کر اس نے چائے والا برتن چولہے پر رکھا۔ تبھی شہوار کے ہاتھ میں پکڑا موبائل بجنے لگا تھا۔ لائبہ بھابی کا نام دیکھ کر اس نے کال ریسیو کرلی۔
''السلام علیکم۔''
''وعلیکم السلام۔''
''خیریت سے ہو۔'' بھابی نے پوچھا۔
''جی بالکل بلکہ انا کے پاس بہت مزے سے ہوں۔'' وہ واقعی دل سے ایک عرصہ بعد خوش ہوئی تھی سو اس کا اظہار بھی کر رہی تھی انا اسے خوش دیکھ کر مسکرائی تھی۔
''ٹھیک ہے ماں جی کتنی بار کہہ چکی تھیں کہ تمہیں کال کر کے تمہاری خیریت پوچھ لوں۔ بہرحال انا سے تمہاری جتنی بھی دوستی ہو مگر ہیں تو یہ اجنبی لوگ نا۔ مصطفیٰ مطمئن تھا بار بار ماں جی کو مطمئن کر رہا تھا مگر ان کی تاکید تھی کہ پھر بھی تم سے ایک بار کال کر کے کنفرم کرلوں۔'' شہوار ماں جی کی اس قدر محبت پر مسکرا دی۔
''بھابی، آنٹی جی کو کہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے قطعی فیل نہیں ہو رہا کہ میں اجنبی لوگوں میں ہوں بلکہ ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے میں اپنوں میں رہ رہی ہوں۔ آپ ان کو اطمینان دلائیں میں خوش ہوں اور صبح گھر آؤں گی۔ وہیں سے پھر ولیمہ میں شامل ہوں گی۔''
''چلو شکر ہے اور ہاں یاد آیا آج ہمارے گھر آنے سے پہلے حویلی سے بابا صاحب شہر آئے ہوئے تھے وہ بھی تمہارا پوچھ رہے تھے۔''
''اچھا..... زبردست، پھر امی بھی ساتھ آئی ہیں کیا؟'' وہ بابا صاحب کا سن کر ایک دم پرجوش ہوئی تھی۔
''نہیں بوا جی تو نہیں آئیں۔ بابا صاحب ڈرائیور کے ساتھ ہی آئے ہیں۔ ان کی طبیعت پچھلے چند دن سے ٹھیک نہ تھی ماموں نے ہی بلوایا ہے ان کو۔''
''اوہ اچھا۔'' بھابی نے اس سے چند ایک باتیں کرنے کے بعد کال بند کر دی تھی۔ اس دوران چائے بھی بن گئی تھی۔
''ملازمائیں تو سب سونے جا چکی ہیں ولی کو چائے کون دینے جائے گا؟'' رات کے تین بج رہے تھے۔ مہمان سب سونے جا چکے تھے اس وقت یہ دونوں ہی جاگ رہی تھیں۔
''تم خود چلی جاؤ۔''
''نہیں، پہلے اور بات تھی مگر اب مناسب نہیں لگتا۔'' انا نے جھجکتے ہوئے کہا تو شہوار ہنس دی۔ اسے انا کی یہ بات بہت اچھی لگی تھی۔
''اچھا چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں تم چائے دے کر آ جانا میں باہر ہی رکوں گی۔'' شہوار نے کہا تو انا مان گئی۔
وہ ولید کے کمرے کی طرف آئی تو شہوار باہر ہی رک گئی تھی جبکہ انا نے دروازے پر دستک دی تھی۔

''آجاؤ'' ولید نے کہا تو وہ اندر چلی گئی۔ ولید لباس بدل چکا تھا۔ انا کو دیکھ کر بستر سے اٹھ بیٹھا۔
''تم نے خوامخواہ زحمت کی کسی ملازمہ کو کہہ دیتی۔'' چھوٹی ٹرے میں چائے کا مگ دیکھ کر اس نے کہا تو انا مسکرادی۔
''ملازمہ اور باقی سب لوگ سونے جا چکے تھے ویسے مجھے اور شہوار کو بھی چائے کی طلب ہو رہی تھی اتفاقاً آپ نے بھی کہہ دیا۔''
''نائس۔'' ولید نے اس کے ہاتھ سے ٹرے لے لی تھی۔
''شکریہ۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔
''ویلکم۔'' وہ جانے کے لیے پلٹی۔
''انا...... ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ولید نے پکارا تو وہ رکی۔ ولید اس کے سامنے آ ٹھہرا۔
''کیا بات ہے پریشان ہو؟'' وہ پوچھ رہا تھا انا نے چونک کر اسے دیکھا۔
''کوئی بات ہے کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' اس نے مزید پوچھا۔
انا کا جی چاہا کہ کہہ دے کہ ہاں مسئلہ ہے اسے کہہ دے کہ اس کا یہ رویہ اور اس کی اس چپ نے اس کے اندر ایک طوفان برپا کر رکھا ہے اور وہ کاشفہ اس نے اسے جب سے دیکھا تھا وہ خود کو ہر پل ہر لمحے گیلی لکڑی کی طرح سلگتا محسوس کر رہی تھی۔ مگر انا نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔
''میں چلتی ہوں شہوار انتظار کر رہی ہوگی۔'' جب وہ اس کو اس حد تک سمجھ رہا تھا کہ اس کو اس کی پریشانی تک نظر آ رہی تھی تو وہ بھلا اس کے جذبات واحساسات سے کیسے نظر بچا سکتا تھا؟ وہ اس سے ایک دم شاکی ہوئی تھی۔ ولید پر ایک خفا سی نظر ڈال کر تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ شہوار باہر کھڑی تھی اسے دیکھ کر مسکرائی۔
''بڑی جلدی آ گئیں تم مجھے تو گمان تھا کہ شاید ولید بھائی تمہیں روک لیں گے۔'' اس نے شرارت سے کہا مگر انا قصداً بھی اس کی شرارت پر مسکرا نہ سکی تھی۔
''کیا ہوا ولید بھائی نے کچھ کہہ دیا کیا؟'' اس کی خاموشی پر شہوار نے پوچھا تو وہ ایک گہرا سانس لے کر مسکرادی۔
''نہیں۔ بس ویسے ہی۔'' اس نے کہا تو شہوار نے بغور دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا مگر پھر اسے اس وقت انا کو چھیڑنا مناسب نہ لگا اسے انا بہت زیادہ ڈسٹرب محسوس ہوئی تھی۔



اگلے دن ولیمے کی تقریب تھی انا نے شہوار کو گھر جانے نہیں دیا تھا بلکہ ڈرائیور کو بھیج کر ولیمہ پر پہنا جانے والا شہوار کا لباس بھی منگوا لیا تھا۔ کل والے ہوٹل میں ہی انتظام تھا۔ روشی برأت والے دن کی طرح ولیمہ پر بھی بہت خوب صورت لگ رہی تھی اور خوش بھی۔ احسن کی طرف سے اسے لاکٹ منہ دکھائی میں ملا تھا۔ انا احسن سے اس کی رات والی شرارت پر خوب لڑی تھی پہلے تو وہ اسے خوب تنگ کرتا رہا تھا مگر جب وہ خفا ہونے لگی تو اس نے اسے بہت ہی خوب صورت سا لاکٹ گفٹ کیا تھا انا ایک دم خوش ہوگئی تھی۔ وہ سارا وقت شہوار اور روشی کے ساتھ ہی رہی تھی۔
مصطفیٰ ولیمہ پر کچھ لیٹ ہی پہنچا تھا۔ اس کے ساتھ بابا صاحب اور عباس بھائی بھی آئے تھے جبکہ لائبہ بھابی خراب طبیعت کے سبب گھر پر ہی رک گئی تھیں۔ شہوار بابا صاحب سے ملی اس کے بعد مصطفیٰ ان کو لے کر باقی لوگوں سے ملوانے لگا۔
''بابا صاحب یہ ولید کے والد ہیں ضیاء انکل۔'' آج جب مصطفیٰ اور عباس ولیمہ میں آنے کے لیے تیار ہو رہے تھے تو بابا صاحب نے خود ساتھ چلنے کا کہا تو مصطفیٰ بہت خوش ہوا فوراً ساتھ لے آیا تھا اور اب ضیاء انکل سے ملوا رہا تھا۔
''السلام علیکم!'' ضیاء صاحب بہت احترام سے ملے تھے۔ بابا صاحب نے انہیں بغور دیکھا اور پھر ان کی آنکھوں میں ناامیدی سی پھیل گئی۔
''وعلیکم السلام!'' بابا صاحب نے ضیاء صاحب کا کندھا تھپکا ہاتھ ملایا۔
ولید بھی پاس ہی تھا وہ بار بار دونوں کو دیکھ رہا تھا مگر ان کے اندر موجود بے چینی ایک دم بڑھ سی گئی تھی۔
''بہت پیارا بیٹا ہے آپ کا ماشاء اللہ۔'' انہوں نے ولید کو دیکھ کر کہا تو ضیا صاحب نے بہت محبت سے ولید کو دیکھا۔
''جی اس میں کوئی شک نہیں۔''
''آپ لوگوں کا خاندان کس جگہ سے ہے؟'' بابا صاحب نے مزید پوچھا۔
''جی ہمارے والدین کا تعلق کسی گاؤں سے تھا وہ لوگ شہر منتقل ہوگئے تھے، ہم لوگ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے ہیں۔'' ضیا صاحب نے بتایا۔
''کس گاؤں سے؟'' وہ پوچھ رہے تھے ضیاء صاحب نے چونک کر انہیں دیکھا۔
''علم نہیں۔ اصل میں کبھی بڑوں سے پوچھنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئے تھے۔
''اور آپ کی بیگم؟'' بابا صاحب نے مزید پوچھا۔

''ہماری والدہ کا ہماری کم عمری میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔'' جواب ضیاء صاحب کے بجائے ولید نے دیا۔
''کتنے بہن بھائی ہو آپ؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔
''ایک ہی بہن ہے جس کے ولیمہ میں آپ موجود ہیں۔'' ولید نے مسکرا کر بتایا۔
''مصطفیٰ بابا صاحب کو ادھر بٹھاؤ بیٹا، یہ تو ہمارے خصوصی مہمان ہیں۔'' اس سے پہلے کہ بابا صاحب مزید سوال و جواب کرتے ضیاء انکل نے کہا۔
''آپ ادھر تشریف رکھیں بابا صاحب ہم ذرا باقی مہمانوں کو دیکھ لیں۔ آؤ ولید۔'' وہ ولید کو لے کر چلے گئے۔ بابا صاحب نے ولید کو ضیا صاحب کے ساتھ جاتے اور مہمانوں سے سلام دعا کرتے کافی دیر تک دیکھتے رہے تھے۔



کھانا کھاتے ہی وہ لوگ بابا صاحب کی وجہ سے نکل آئے تھے۔ بابا صاحب، وقار صاحب اور صبوحی دونوں سے ملے تھے۔ عباس بھائی نے شہوار سے اس کا پروگرام پوچھا تو اس نے بھی ساتھ چلنے کو ترجیح دی۔ وہ انا اور صبوحی سے مل کر باہر آئی تو بابا صاحب اور عباس بھائی مصطفیٰ کی گاڑی میں پچھلی سیٹ پر موجود تھے جبکہ مصطفیٰ ولید کے ساتھ باہر کھڑا تھا۔
''شہوار آپ آگے ہی بیٹھ جائیں۔'' وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول رہی تھی جب عباس نے کہا۔
وہ خاموشی سے اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی مصطفیٰ بھی ولید سے ہاتھ ملاتا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ مصطفیٰ نے ساتھ بیٹھی شہوار پر ایک نظر ڈالی اور پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔
''اچھے لوگ تھے یہ۔'' بابا صاحب نے بات چھیڑی۔
''جی، اور بہت با اخلاق اور پر خلوص بھی۔'' عباس بھائی ان کے رویوں سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ ورنہ وہ اتنی جلدی لوگوں سے متاثر ہونے والے انسان نہ تھے۔
''ولید اور اس کے والد دونوں میں کافی فرق دکھائی دے رہا تھا۔'' بابا صاحب نے کہا۔
''خیر ایسی بھی بات نہیں، بس یہ کہہ لیں کہ ولید ان سے میچ نہیں کرتا۔'' مصطفیٰ نے کہا۔
''ولید کی جو والدہ تھی ان کی وفات کیسے ہوئی۔''
''علم نہیں۔ اصل میں ولید سے لاکھ بے تکلف سہی مگر اس قدر پرسنل معاملے پر گفتگو کا موقع کبھی نہیں ملا اور نہ ہی ولید نے خود اس موضوع پر بات کی۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔
''ہوں......'' بابا صاحب کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔
مصطفیٰ بیک ویو مرر سے انہیں دیکھنے لگا۔ بابا صاحب اسے کچھ الجھے الجھے سے لگے۔
''کیا ہوا بابا صاحب خیریت تو ہے نا؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو بابا صاحب نے چونک کر اسے دیکھا۔
''ہاں خیریت ہی ہے۔'' وہ کہہ کر دوبارہ کھڑکی کی طرف متوجہ ہو گئے۔
''بابا صاحب آپ امی کو بھی ساتھ لے آتے۔'' شہوار نے کہا تو بابا صاحب مسکرائے۔
''میرا تو اچانک پروگرام بنا تھا۔ میں نے تمہاری والدہ کو کہا تھا مگر وہ کہنے لگیں کہ اگر وہ بھی آ گئیں تو پھر حویلی اور دیگر معاملات کو کون دیکھے گا۔''
''میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ایک دو دن کے لیے حویلی کا چکر لگا لوں۔'' اسے یاد آ رہا تھا کہ وہ کس طرح بری طرح ان سے خفا ہو کر حویلی سے آئی تھی۔ یہاں آ کر اس کا غصہ اترا اور خفگی بھی ختم ہوئی تھی سو موبائل پر ان سے بات تو کر لیتی تھی مگر دل میں اپنے برے رویوں کے متعلق ایک گلٹ تو برقرار تھا اس لیے وہ سوچ رہی تھی کہ ایک بار جا کر ان سے مل آئے۔ اس کی بات پر مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔
''ہاں میں ایک دو دن میں واپس چلوں گا تو تم بھی ساتھ چلنا۔''
''کوئی ضرورت نہیں، ویسے بھی اب سنجیدگی سے پڑھائی پر توجہ دو۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار نے اسے دیکھا۔
''اور دو دن جانے سے میری پڑھائی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' مصطفیٰ کی مداخلت اسے بڑی ناگوار گزری تھی۔
''ہاں...... ہاں کیوں نہیں، واپسی پر میرے ساتھ ہی چلنا۔ دریہ بھی ساتھ چلنے کا کہہ رہی تھی۔ دونوں ہی چلنا اسے بھی حویلی میں کوئی ساتھی مل جائے گا۔'' بابا صاحب نے از حد شفقت سے کہا تو دریہ کے نام پر اس کے چہرے کے عضلات کھنچ گئے۔ جواباً وہ خاموش ہو گئی تھی۔
''نواز کی فیملی بہت بدل گئی ہے۔ دریہ کو دیکھ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔ ساری زندگی انگلینڈ میں گزارنے کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ انسان اپنی اقدار اپنی تہذیب ہی بھول جائے۔'' بابا صاحب کو دریہ کے نام سے کچھ اور بھی یاد آیا تو انہوں نے مایوسی سے کہا۔

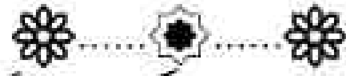
''بس بابا صاحب ہر انسان کی زندگی کو برتنے کی اپنی ایک سوچ ہے۔ ہم کسی پر کوئی زبردستی نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی وقت بہت بدل چکا ہے نواز انکل کی فیملی نے ساری عمر جس ملک میں گزاری اب اسی کے تحت زندگی گزار رہے ہیں اس میں پریشانی کیا؟'' عباس بھائی نے کہا تو بابا صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو تم ہر انسان کو اپنی سوچ اور خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ملنا چاہیے۔ بعض اوقات ہم بوڑھے اپنی برسوں کی قائم کردہ اقدار اور اپنے نام نہاد اصولوں کی وجہ سے اولاد کے ساتھ بڑی زیادتی کر جاتے ہیں اسی لیے میں نے اپنی ساری اولاد کو ان کی سوچ اور خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دیا تھا۔ کبھی کسی پر اپنے فیصلے کی تلوار نہیں چلائی اور نہ ہی کسی کو مجبور کیا۔ بہرحال اس معاملے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔'' بابا صاحب کے لہجے میں آزردگی سی تھی۔ شہوار نے ان کو دیکھا وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے کسی اور ہی خیال میں گم محسوس ہوئے تھے۔

''آپ کیوں ٹینشن لے رہے ہیں اس بات کی۔ دریہ اپنے ہر عمل کی جوابدہ اپنے والدین کو ہے اس کی تعلیم و تربیت جس ماحول اور سوسائٹی میں ہوئی ہے ایسے میں آپ اس سے ہماری اقدار کی پاسداری کی توقع کریں گے تو غلط ہوگا۔'' وہ جو بھی ہے اور جیسی بھی ہے اپنے ماحول کے مطابق درست ہے۔'' سو اس پر تنقید کرنا یا اسے کچھ سمجھانا قطعی فضول ہے۔'' عباس بھائی نے ہمیشہ والا دوٹوک انداز اختیار کیا تھا۔

''ہوں۔'' بابا صاحب نے ہنکارا بھرا۔

مصطفیٰ نے پرسوچ نظروں سے انہیں دیکھا اور پھر ساری توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول کر دی تھی۔



وہ لوگ گھر آئے تو عباس بھائی نے اسے چائے کا کہہ دیا۔ وہ چینج کیے بغیر ہی کچن میں آ گئی۔ اس وقت بھی جاگ رہے تھے اور لاؤنج میں موجود تھے۔ سو اس نے سب کے لیے چائے بنائی۔

''تم نے چینج نہیں کیا۔'' لائبہ بھابی بھی ادھر آ گئی تھیں اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

''چائے بنالوں تو پھر کرتی ہوں۔''

''کیسا رہا آج کا فنکشن انجوائے تو خوب کیا ہوگا تم نے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''بالکل بہت مزہ آیا ہمارے اور ان کے لیونگ اسٹائل میں بہت فرق ہے مگر اس کے باوجود ان کے گھر میں ایک رات گزارنا کافی اچھا لگا۔ قطعی اجنبیت کا احساس نہ ہوا۔''

''ہوں...... ماں جی تو سارا وقت پریشان ہی ہوتی رہیں کہ نجانے کیسے لوگ ہیں وہ تو تم سے رات بات کے بعد اور مصطفیٰ کے سمجھانے پر انہیں کچھ تسلی ہوئی۔''

''بہت اچھے لوگ ہیں۔ ان کی والدہ اور ماموں سبھی بہت سلجھے ہیں۔'' شہوار ان سے کافی متاثر ہوئی تھی سو بلا جھجک کہا۔

''اچھا ایک بات کہوں؟'' بھابی کا انداز ایک دم دھیما ہوا تو اس کے قریب ہو کر پوچھا تو چائے میں دودھ ڈالتے اس نے سر گھما کر انہیں دیکھا۔

''جی...... خیریت؟''

''یہ جو اپنی دریہ ہے نا اس پر نظر رکھو۔'' ان کا انداز مزید دھیما تھا۔ وہ حیران ہوئی۔

''وہ کیوں بھئی؟''

''جب سے آئی ہے مصطفیٰ کے پیچھے پھر رہی ہے۔'' بھابی نے جل کر کہا تو وہ چونکی۔

''مطلب؟''

''خود ذرا دھیان سے دیکھنا تو مطلب صاف نظر آئے گا۔'' بھابی نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''مجھے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون، کیوں اور کس کے آگے پیچھے پھر رہا ہے۔'' چائے میں چینی ملاتے اس کا انداز ایک دم بے گانہ ہو گیا تھا۔

''بے وقوف لڑکی، اختلافات ایک طرف مصطفیٰ تمہارا شوہر ہے باقاعدہ نکاح ہوا ہے تمہارا اس سے۔'' بھابی کو اس کا انداز ذرا بھی نہ بھایا تھا کچھ غصے سے کہا۔

''رشتے دل سے ماننے اور قبول کرنے سے بنتے ہیں اور ایک بات تحریک چاہے کتنی ہی جاندار کیوں نہ ہو جب تک انسان خود بھٹکنا نہ چاہے دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے اس کے محور سے ہلا نہیں سکتی۔ بہتر ہے کہ آپ میری بجائے دوسری طرف سمجھانے کا کام سرانجام دیں۔ مجھے دریہ یا کسی بھی ایکس وائی زیڈ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اب کے شہوار نے تلخی سے کہا تو بھابی نے انتہائی تعجب سے اسے دیکھا۔ پہلے انہیں شہوار اور مصطفیٰ کے درمیان جھگڑے کی نوعیت کا علم نہیں تھا مگر شہوار کے تیوروں سے ایک دم الجھ گئی تھیں۔

''شہوار واقعی مصطفیٰ کے ساتھ نے تمہارے دل میں کوئی جگہ نہیں بنائی۔'' لائبہ حیران ہو کر پوچھ رہی تھیں شہوار ابلتی چائے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''شہوار بولو نا؟''

''میرے اور آپ کے اس خاندان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے اس خاندان کا حصہ بنا لیا پتا نہیں اس کو آپ لوگوں کی بلند ظرفی کہوں

خود سے برتی جانے والی ہمدردی یا پھر کیا کہوں مگر یہ سچ ہے کہ اس رشتے نے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں بنائی اور سب سے اہم بات اگر دل آمادہ ہو بھی جاتا دنیا کے لالچ میں آ کر ان محبتوں، ان رشتوں کو برتنے پر آمادہ ہو بھی جاتی اگر دل میں گنجائش محسوس کرتی تو......!'' چائے بن گئی تھی وہ کہہ کر کپ نکال کر ٹرے میں رکھنے لگی۔

بھابی نے از حد حیرت سے اسے دیکھا۔

''مصطفیٰ جیسا جیون ساتھی قسمت والیوں کو ملتا ہے شہوار۔'' لائبہ نے ٹوکا۔

''کاش میں خود کو اتنی قسمت والی سمجھ کر فخر کر سکتی؟'' اس نے استہزائیہ کہتے ٹرے سیٹ کی تھی۔

''پہلے جو بھی اختلافات تھے مگر اب تو ایک رشتہ بن گیا ہے۔'' بھابی نے کہا تو وہ خاموش رہی۔ خاموشی سے کپوں میں چائے ڈالنے لگی۔

''پھر بھی میں تمہیں یہی کہوں گی کہ دریہ پر نظر رکھوا بھی اسے یہاں آئے صرف دو دن ہوئے ہیں اور اس کے لائف اسٹائل اور باتوں سے مجھے اس کے انداز بالکل اچھے نہیں لگے۔ ماں جی نے ابھی توجہ نہیں دی مگر وہ جس طرح مصطفیٰ کے گھر آتے ہی اس کے آگے پیچھے پھر رہی ہے مجھے وہ سب مناسب نہیں لگ رہا۔'' شہوار کپوں میں چائے انڈیل چکی تھی مسکرا کر بھابی کو دیکھا ان کے چہرے پر تشویش تھی۔

''تو پھر کیا کروں جا کر دریہ کو منع کر دوں یا مصطفیٰ کو؟'' بھابی نے غصے سے گھورا۔

''کچھ نہیں کرو بس دریہ کے بجائے خود مصطفیٰ کے آگے پیچھے پھرنا شروع کر دو۔'' ان کی بات پر شہوار کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ناممکن بات...... آپ جانتی ہیں کہ میں یہ کبھی نہیں کرنے والی۔ میری تربیت، میری سوچ اور میری خودداری مجھے ایسا کبھی بھی نہیں کرنے دے گی اور نہ ہی میں ایسا کروں گی۔'' ٹرے اٹھا کر وہ کچن سے باہر نکلی تو بھابی بھی ساتھ ہو لیں۔

''میں تمہیں آگاہ کر رہی ہوں ابھی سے توجہ دو ورنہ پچھتاؤ گی۔''

''مصطفیٰ کو سمجھائیں ان پر شاید آپ کی یہ نصیحتیں اثر کر جائیں مگر مجھ پر فضول میں ٹائم ضائع کر رہی ہیں۔'' شہوار کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک کہا تم نے مصطفیٰ اتنا کم عقل تو نہیں کہ گھاٹے کا سودا کرے۔ مگر دریہ جیسی لڑکیوں کا کچھ بھروسہ بھی نہیں۔ اس میں مجھے عادلہ بھابی کی سی فطرت دکھائی دیتی ہے۔ سو ڈرتی ہوں کہ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔'' شہوار مسکرا دی۔

وہ لاؤنج میں آئی تو ماں جی، بابا صاحب اور شاہزیب تینوں ایک ہی صوفے پر تھے جبکہ سجاد بھائی اور عباس بھائی ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے دوسری طرف مصطفیٰ قالین پر بیٹھا ہوا تھا اور عقب کے صوفے پر دریہ تھی۔ جو بظاہر ٹی وی دیکھ رہی تھی مگر عباس، سجاد اور مصطفیٰ کے ساتھ باتوں میں بھی مگن تھی۔

''دیکھا کیسے وہ سب کے ساتھ باتوں میں لگی ہوئی ہے۔'' بھابی نے پھر اس کے کان میں سرگوشی کی شہوار مسکرا دی۔ اس نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھی اور سب کو کپ تھمانے لگی۔ بھابی بھی سجاد بھائی کے ساتھ آ بیٹھی تھیں۔

''نو تھینکس میں رات میں چائے نہیں پیتی۔ تم مجھے کافی بنا دو پلیز۔'' شہوار نے جیسے ہی مصطفیٰ کو کپ تھما کر دریہ کو تھمایا تو اس نے کہا۔

''او کے میں بنا دیتی ہوں۔'' دریہ والا کپ واپس ٹرے میں رکھتے اس نے کہا تو لائبہ کو کافی ناگوار گزرا۔

''کافی ختم ہو گئی ہے تم چائے ہی پی لو۔'' بھابی نے کہا تو شہوار نے انہیں دیکھا۔ لائبہ کے چہرے کے زاویے بدلے ہوئے تھے۔

''اوہ نو...... مگر میں اس وقت چائے نہیں پیتی۔'' دریہ نے بڑے نخریلے انداز میں کہا۔ شہوار کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ سمٹ آئی جسے چھپانے کو وہ ایک دم پلٹی مگر مصطفیٰ کو اپنی جانب متوجہ پا کر سٹپٹائی۔

''مگر مجبوری ہے پی لو آج۔ کل کافی کا انتظام کر رکھوں گی۔'' بھابی کہہ رہی تھیں شہوار اپنا اور لائبہ کا کپ لیے ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''کیا ضرورت تھی جھوٹ بولنے کی؟ میں کافی بنا دیتی۔'' اس نے کپ انہیں تھما کر دھیمے سے کہا۔

''تم اس کی ملازمہ نہیں ہو، اتنی طلب ہو رہی ہے تو خود جا کر بنا لے سب چائے پی رہے ہیں تو وہ بھی چائے ہی پیئے گی۔ کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس طرح رات گئے تم اس کی فرمائش پوری کرتی پھرو۔'' بھابی کا ناراض انداز تھا وہ ہنس دی۔

''بعض اوقات بعض لوگ تلخ ہی سہی مگر حقیقت واضح کر دیتے ہیں۔ وہ اگر ملازمہ سمجھ کر حکم چلا لیتی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔''

''شہوار مجھ سے تم بری طرح سے پٹ جاؤ گی۔'' بھابی نے گھورا تو وہ سر جھٹک گئی۔

''شہوار بیٹے کیا پروگرام ہے میں کل واپس جا رہا ہوں ساتھ چلو گی پھر؟'' بابا صاحب نے پوچھا تو اس نے ان کو دیکھا۔

''جیسا آپ کہیں؟''

''آپ ابھی نہیں جا رہے۔ دو تین دن رکیں میں نے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے رکھا ہے وہاں سے چکر لگا لیں پھر میں خود چھوڑ آؤں گا۔'' شاہزیب صاحب نے فوراً کہا تو وہ مسکرائے۔

''میں تو اچانک یونہی بغیر اطلاع کے چلا آیا ڈاکٹر کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں اچھا بھلا ہوں میں۔'' بابا صاحب کا انداز ٹالنے والا تھا۔
''جو بھی ہے مگر آپ کو اس بار ڈاکٹر سے ضرور چیک اپ کروانا ہوگا۔'' شاہزیب صاحب کا انداز دوٹوک تھا۔
''تم ناحق ضد کر رہے ہو۔''
''اگر یہ ضد ہے تو پھر آپ میری ضد کے سامنے ہتھیار کیوں نہیں ڈال دیتے۔ میں آپ کو بالکل نارمل اور صحت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔'' شاہزیب صاحب کے لہجے میں باپ کے لیے فکرمندی اور محبت تھی وہ مسکرائے۔
''جیتے رہو مگر تم جانتے ہو کہ ان ڈاکٹروں کے پاس اچھا بھلا بندہ بھی جا کر خود کو پاگل محسوس کرنے لگتا ہے۔ مجھے تو بڑا خوف آتا ہے ایسے لوگوں سے خوامخواہ ہماری سیدھی سادی باتوں کو بھی ہمارا پاگل پن سمجھنے لگتے ہیں۔'' بابا صاحب نے کہا تو شہوار مسکرا دی۔
''بابا صاحب یہ سائیکاٹرسٹ ہوتے ہیں انسانی دماغ میں موجود گرہوں کو کھولنے کا کام کرتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ صرف پاگلوں کا علاج کریں ہمارے جیسے بالکل نارمل لوگوں کو بھی اکثر اوقات ان ڈاکٹروں کی ضرورت پڑتی ہی جاتی ہے۔'' شہوار نے کہا تو بابا صاحب مسکرائے۔
''مگر میں ان میں سے کسی کے بھی پاس نہیں جانا چاہتا میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں بیٹا۔''
''مگر اس خوابوں کے سلسلے کی بھی تو کوئی وجہ ہوگی نا؟'' مصطفیٰ نے بھی کہا تو ان کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔
''آپ کچھ بھی کہہ لیں بابا صاحب مگر یہ طے ہے کہ اس بار آپ کو ہماری بات ماننا ہوگی۔ ہم کل آپ کو سائیکاٹرسٹ کے پاس لے کر جا رہے ہیں اور یہ فائنل ہے بس۔'' شاہزیب صاحب کا انداز دوٹوک تھا انہوں نے گہرا سانس لیا۔
''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' انہوں نے بھی گویا ہتھیار ڈال دیے۔
''میں تھک گیا ہوں چلتا ہوں اب نیند آ رہی ہے۔'' بابا صاحب چائے ختم کر کے کپ شاہزیب کو تھما کر اٹھ کھڑے ہوئے تو مہرالنساء نے انہیں سہارا دیا۔
''آئیں میں آپ کو کمرے میں لے جاتا ہوں۔'' کپ ٹیبل پر رکھ کر شاہزیب صاحب ان کا ہاتھ تھام کر چل دیے۔
''بابا صاحب کو کیا پرابلم ہے۔ سائیکاٹرسٹ کے پاس کیوں لے جا رہے ہیں آپ لوگ؟'' دریہ نے پوچھا۔
''کیوں آپ لوگوں کو نہیں علم کہ ان کو کیا پرابلم ہے؟'' لائبہ نے تیکھے انداز میں پوچھا۔
''نہیں، ہمارے ہاں بھی اس ٹاپک پر بات ہی نہیں ہوئی۔ یہ تو ادھر آ کر علم ہو رہا ہے کہ ان کو کوئی مینٹلی پرابلم ہے۔'' دریہ نے کہا۔
''ان کو کوئی مینٹلی پرابلم نہیں ہے بس کچھ خوابوں کا سلسلہ ہے جس کی وجہ سے وہ اکثر رات میں سوتے میں ڈر جاتے ہیں اور کتنے دن تک گم صم اور بیمار رہتے ہیں بس اسی لیے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانے کی بات کی اور وہ جانے سے انکاری ہیں۔'' شہوار کو دریہ کی مینٹلی پرابلم والی بات اچھی نہیں لگی تھی سو اس نے فوراً کہا۔
''اوہ......'' دریہ نے ہونٹ سکیڑے۔
''چلو خواب ہی سہی مگر ہے تو یہ بھی مینٹلی پرابلم ہی۔''
''اللہ نہ کرے کہ بابا صاحب کو کوئی ذہنی مسئلہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے ماضی کا کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ ہو جس نے انہیں الجھا کر رکھ دیا ہو اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ اذیت بڑھتی چلی گئی ہو۔'' شہوار نے کہا تو دریہ نے کندھے اچکا دیے۔
''مے بی۔''
''مگر جو بھی پس منظر ہے مجھے لگتا ہے کہ بابا صاحب ان سے اچھی طرح واقف ہیں اور ہم میں سے کسی سے ذکر نہیں کرتے مگر اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ واقعات خوابوں کا سلسلہ اختیار کرتے ان کے لاشعور میں اب بھی زندہ ہیں۔'' عباس بھائی نے بھی پرسوچ انداز اختیار کیا تو لائبہ بھابی نے سر ہلا دیا۔
''ہاں...... مجھے بھی یہی لگتا ہے مگر جب بھی بابا صاحب سے ذکر کیا جائے تو ٹال جاتے ہیں کسی سے دل کی بات کرتے بھی تو نہیں۔''
''ہوں۔'' ماں جی نے بھی سر ہلایا۔
''اچھا اس ٹاپک کو اب یہیں رہنے دو۔ کوئی ضرورت نہیں اس پر بحث کرنے کی۔ کل تمہارے والد لے کر تو جا رہے ہیں سائیکاٹرسٹ کے پاس اللہ کرے کہ کوئی مثبت پہلو ہی نکلے۔'' ماں جی نے کہا تو سبھی نے سر ہلا دیا۔
''شہوار بیٹے شادی میں پھر خوب انجوائے کیا تم نے؟''
''جی۔'' اس نے کہا تو مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ سی گرین لباس میں ہلکے پھلکے میک اپ میں سر پر سوٹ کے ہم رنگ دوپٹا ڈالے وہ اچھی خاصی جاذب نظر لگ رہی تھی۔
''سبھی بہت اچھے تھے انا کی والدہ بہت ہی نائس خاتون ہیں وہاں قطعی اجنبیت کا احساس نہ ہوا۔ پھر انا ہر پل ساتھ رہی تھی۔ اس طرح پہلی بار شادی اٹینڈ

کرنے کا موقع ملا تو وہ کافی اچھا بھی لگا۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ نے محسوس کیا کہ اس کا انداز بہت پر اعتماد تھا۔

''ہاں مجھے بھی بارات والے دن وہ لوگ بہت اچھے لگے تھے مگر تمہارے ان کے ہاں رک جانے پر مجھے کچھ پریشانی بھی تھی بار بار مصطفیٰ کو بھی کہہ رہی تھی مگر ولید کو یہ اچھی طرح جانتا تھا ہر بار تسلی دی اور جب مجھ سے رہا نہ گیا تو لائبہ کو کہہ کر فون کروایا۔'' ماں جی کی محبت پر وہ ہنس دی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ ان کے ساتھ گزرا وقت بہت اچھا تھا۔ سب ہی بہت اچھے تھے۔ ولید اور احسن بھائی دونوں ہی بہت سلجھے ہوئے ہیں ان کے والد صاحب سے تو کم ہی سامنا ہوا مگر یقیناً وہ لوگ بھی اچھے ہی ہوں گے۔''

''روشانے تو دلہن بنی بہت پیاری لگ رہی تھی یقیناً آج بھی اچھی لگ رہی ہوگی۔'' لائبہ بھابی نے پوچھا۔

''ہاں میں نے موبائل میں کافی ساری تصاویر کھینچی تھیں موبائل بیگ میں ہے صبح دکھاؤں گی۔''

''تمہاری والدہ سے میں نے بھی تمہاری اور مصطفیٰ کی رخصتی کی بات کی ہے دیکھیں کب تک ہمیں مثبت جواب ملتا ہے۔'' ماں جی نے مسکرا کر کہا تو شہوار کا مسکراتا چہرہ ایک دم بجھا۔

''نکاح ہو چکا ہے اب اس کو لٹکانا کیا؟ ویسے بھی میں شروع سے ہی تمہاری شادی کے حق میں تھی مگر پھر تمہاری پڑھائی کا بھی سوچنا پڑا۔'' شہوار ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھی۔

اس کی ماں سے بات ہوئی تھی انہوں نے ایسی کسی بات کا ذکر نہیں کیا تھا وہ جو ابھی تک اس نکاح کو قبول نہیں کر پا رہی تھی ایک دم اس رخصتی کو کیسے قبول کر لیتی وہ ایک دم اٹھی تھی۔

''میں چینج کرلوں۔ پھر نماز بھی پڑھنی ہے۔'' وہ تیزی سے کہہ کر وہاں سے نکلی تھی۔

''شہوار کا رویہ رخصتی کا سن کر کچھ عجیب سا نہیں ہوگیا۔'' دریہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھی اچھی طرح نوٹ کرتے اس نے پوچھا تھا۔

''جی نہیں جناب وہ ایک مشرقی لڑکی ہے اور مشرقی لڑکیاں سب کے سامنے اپنی شادی بیاہ کی بات پر اسی طرح ری ایکٹ کرتی ہیں۔ تم نے تو ساری زندگی باہر کے ملک میں گزاری ہے تم کیا جانو کہ مشرقی لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں۔'' لائبہ بھابی نے مسکرا کر کہا تھا انہیں دریہ کے الفاظ پسند نہیں آئے تھے۔ دریہ کے چہرے کے اعصاب کشیدہ ہوئے۔

''میں نے بھلے ساری زندگی باہر گزاری ہے مگر چہرہ پڑھنے کا فن مجھے بھی آتا ہے۔''

''ارے تم دونوں کس بحث میں الجھ گئی ہو۔ مصطفیٰ تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے رخصتی کے بارے میں۔'' ماں جی نے فوراً بات پلٹی۔ لائبہ دریہ کو دیکھ کر استہزائیہ مسکرائی تھی۔ نجانے کیوں انہیں اپنی یہ ماموں زاد قطعی پسند نہیں تھی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے شہوار ابھی پڑھ رہی ہے۔ اتنے ٹف شیڈول میں میرڈ لائف کو بھی دیکھنا وہ مینج کرلے گی۔'' وہ سنجیدہ تھا۔ ماں جی ہنس دیں۔

''جب رخصتی ہوگی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ ابھی اس ٹاپک کو رہنے دیں بعد میں بات ہوگی۔'' مصطفیٰ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہیں یہ کیا، پہلے تمہاری زوجہ محترمہ منظر سے غائب ہوئی ہیں اب تم بھاگ رہے ہو۔'' اسے بھاگتے دیکھ کر سجاد بھائی نے کہا اور پھر بازو پکڑ کر اسے بٹھا لیا۔

''بیٹھو آرام سے ماں جی آپ بتائیں کب شادی کر رہی ہیں پھر اس کی۔'' مصطفیٰ نے سجاد کو گھورا مگر اس نے توجہ نہیں دی۔

''جس طرح ان دونوں کے رویے ہیں میرا تو بس چلے کہ کل کے بجائے آج ہی رخصتی کروا ڈالوں۔ مصطفیٰ صاف صاف بتاؤ شہوار کے ساتھ کیا جھگڑا ہے تمہارا۔'' ماں جی ایک دم سنجیدہ ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

''میرا تو کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں۔'' مصطفیٰ نے ناراضی سے کہا۔

''میں کسی کی نہیں تمہاری بیوی کی بات کر رہی ہوں۔''

''اسے بلوالیں اور خود ہی پوچھ لیں میرا تو کوئی جھگڑا نہیں۔''

''اسے بھی میں پوچھ لوں گی بلکہ اچھی طرح خبر لوں گی زندگی کوئی بچوں کا کھیل ہے میں سب سے بات کر چکی ہوں اور جس طرح کے تم لوگوں کے رویے ہیں اب نکاح کے بعد رخصتی ہو جانا ہی بہتر ہے۔'' ماں جی کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔

''مگر میں ابھی ایسا کوئی بھی دردسر قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی تیار نہیں ہوگی۔'' مصطفیٰ بھی سنجیدہ ہوگیا تھا۔

''اور پلیز اس ٹاپک کو ابھی مت چھیڑیں۔ آپ لوگوں کا جو بھی ارادہ ہے فی الحال اس کو ملتوی ہی سمجھیں۔ میں ابھی رخصتی کے جھنجٹ میں پڑنے کو تیار نہیں ہوں۔'' مصطفیٰ کہہ کر پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ماں جی نے بغور دیکھا۔

”وجہ بتا دو تو زیادہ بہتر ہے تاکہ جب تمہارے والد صاحب کو انکار بتاؤں تو تمہارے انکار کی وجہ بھی ان کے علم میں ضرور ہونی چاہیے۔“ ان کا لب ولہجہ کافی سنجیدہ تھا مصطفیٰ نے ایک نظر سب کو دیکھا اور پھر دریہ کو۔ وہ بڑی توجہ سے سب کچھ سن رہی تھی۔ اس کے سامنے اتنی پرسنل گفتگو ہونا مصطفیٰ کو کافی عجیب لگ رہا تھا۔

”اس وقت تو تھکن ہو رہی ہے پھر کبھی اس پر بات کر لیجیے گا میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا اور نہ ہی کسی بھی رشتے سے انکاری ہوں۔ فی الحال تو جانے دیں۔“ وہ کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔

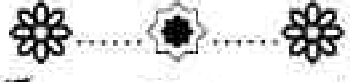
”کیا مصطفیٰ اس رشتے پر راضی نہ تھا؟“ دریہ ساری گفتگو سے یہی سمجھ پائی تھی اس نے پوچھا تو لائبہ کو برا لگا۔

”اللہ نہ کرے وہ تو بہت خوش تھا بس شہوار کی پڑھائی کو لے کر ابھی رخصتی پر راضی نہیں ہو رہا۔“

”مگر شہوار کے تیور بھی کچھ اچھے نہیں تھے۔ مجھے تو وہ بھی اس رشتے سے خوش نہیں لگی۔“ دریہ کا انداز کھوج لگانے والا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ بھابی نے ضبط سے کہا تو مہر النساء خاتون اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”میں نے بھی بہت اچھی طرح سوچ لیا ہے اب جلد از جلد رخصتی کروا لینی ہے تابندہ سے بات کر چکی ہوں رہ گئے مصطفیٰ اور شہوار جب تک تاریخ طے ہو گی تو خود ہی مان جائیں گے۔“ ماں جی کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی تھیں۔ دریہ نے انہیں وہاں سے جاتے بغور دیکھا تھا۔



میرج ہال سے واپسی پر سبھی تھکے ہوئے تھے مگر اپنے کمروں میں جانے کے بجائے سبھی لاؤنج میں آ بیٹھے تھے صغراں سب کو چائے بنا کر دے رہی تھی روشانے بھی لباس بدل کرانا کے ساتھ لاؤنج میں ہی آ گئی تھی۔

”شکر ہے اللہ کا سب کچھ خیر خیریت سے ہو گیا۔“ ماموں کی کسی بات پر صبوحی بیگم نے کہا تھا۔ انا ماموں کے ساتھ آ بیٹھی تھی اور اس کے ساتھ روشی۔

”تو اور کیا، ایک عرصہ باہر گزار کر آنے کے بعد یہاں کے طور طریقوں کو جیسے بھول ہی گیا تھا میں۔ بس یہی فکر تھی کہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔“ چائے پیتے ضیاء ماموں نے بھی کہا جو ساتھ والے صوفے پر براجمان تھے۔

”ماما سارے فنکشن میں چند ایک دور پرے کے رشتہ داروں کے علاوہ نزدیکی کوئی بھی رشتہ دار انوائٹ نہیں تھا بس دوست احباب ہی اکٹھے تھے۔ کیا واقعی کوئی ہمارا نزدیکی رشتہ دار موجود نہیں ہے۔“ انا نے جو بات سارے فنکشن میں شدت سے محسوس کی تھی اس نے کہہ ڈالی تھی۔ ضیاء صاحب نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ وہ صبوحی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ باقی لوگ متوجہ نہیں تھے۔

”تمہیں اتنی بار رشتہ داروں کے متعلق تفصیل سے بتا تو چکی ہوں اب مزید کیا کہوں، جن کو انوائٹ کیا تھا وہ لوگ آ گئے تھے اور جو چند ایک اس شہر میں موجود تھے وہ نہیں آئے اور دور کے شہروں میں رہنے والوں کو ہم نے بلایا ہی نہیں۔“ ماما نے کچھ اکتا کر کہا تو ان کی آواز دھیمی تھی۔

”کیوں آپ انوائٹ کرتے ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں اپنے رشتہ داروں سے متعارف ہونے کے۔ مجھے تو بڑا شوق ہے کہ میرے بھی یہ ڈھیر سارے رشتہ دار ہوتے مصطفیٰ بھائی لوگوں کی بہت بڑی فیملی ہے۔ ان کے نکاح پر اتنی رونق تھی کہ حد نہیں اور ایک ہمارے ہاں رونق تو تھی مگر پرائے لوگوں سے۔ اپنا تو کوئی بھی نہیں تھا کہ جس سے اپنائیت کا احساس ہوتا۔“ انا نے کہا تو صبوحی نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ اکثر انا کے ان بے موقع سوال و جواب سے اکتا جاتی تھیں۔

”اب تمہارے کہنے پر ڈھیر سارے رشتہ دار ڈھونڈ کر لانے سے تو رہی اور جو ہیں ان ہی پر گزارا کرو۔ ہر وقت مجھ سے ایسے بے موقع سوال کر کے مجھے پریشان مت کیا کرو۔“ ماما نے کچھ سختی سے کہا تو سبھی نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا۔

”کیا ہوا؟“ ولید اور احسن قدرے فاصلے پر اپنی ہی باتوں میں مصروف تھے دونوں نے دیکھا انا کا منہ بن گیا تھا احسن نے ماں سے پوچھا۔

”کچھ نہیں ہوا؟“

”بچی ہے اس کے ذہن میں ایسے سوال تو آئیں گے ہی نا۔ تم آرام سے سمجھا دو۔“ ماموں نے دھیمے سے کہا تو صبوحی نے لب دانت تلے دبا لیے۔

”ولید، مصطفیٰ کے والد فنکشن میں شامل نہیں ہوئے کیا؟“ ماموں نے موضوع بدلا۔

”نہیں وہ کافی بزی تھے۔ باقی لوگ بھی آئے تھے دونوں دن۔“

”ہوں..... کافی سلجھی ہوئی فیملی ہے ان کی۔ دونوں بھائی ملے تھے اور اس کے دادا بھی۔“ انہوں نے کہا تو ولید مسکرا دیا۔

”ہوں..... اس کے دادا بھی کافی انسپائر کرنے والی شخصیت رکھتے ہیں مجھ سے بھی کافی اچھے انداز میں ملے تھے۔“ احسن بھائی نے بھی کہا۔

”مجھے تو بہت الجھے الجھے سے لگے تھے۔ ہر ایک کو چونک چونک کر دیکھتے رہے تھے۔“ وقار صاحب نے بھی اظہار خیال کیا تو ضیاء صاحب چونکے۔

”وہ شاید بیمار ہیں۔ مصطفیٰ کے والد صاحب نے یہاں بلوا لیا تھا اور مصطفیٰ اور اس کے بھائی آتے ہوئے انہیں بھی ساتھ لے آئے تھے میرے ساتھ تو کافی اچھے انداز میں ملے تھے۔“ ولید نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں تمہاری شخصیت کا تیر جوان پر چل گیا ہے یاد ہے وہ مصطفیٰ کے نکاح پر ہونے والی ملاقات۔'' احسن نے ہنس کر کہا تو ولید بھی ہنس دیا۔
''اب ایسی بھی بات نہیں انہیں اچھے لوگوں کی پہچان ہے ورنہ تم بھی تو وہیں تھے۔'' ولید نے چھیڑا تو احسن نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا۔
وہ لوگ بات کو مزاح کے رخ پر لے گئے تھے ضیاء صاحب نے گہرا سانس لیا۔ جب سے انہوں نے مصطفیٰ کے دادا کو دیکھا تھا ان کے اندر ایک عجیب سی ان کہی سی بے چینی تھی جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکے تھے۔ اب بھی بے چین ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
''بہت تھکن ہوگئی ہے چلتا ہوں۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے تھے۔
''کل کا کیا شیڈول ہے؟'' وقار صاحب نے بیگم سے پوچھا۔
''اہم فنکشنز تو نبٹ گئے اب باقی کا کیا سوال؟''
''بچوں سے پوچھ لو گھومنے پھرنے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟'' وقار صاحب نے روشانے کو دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا دی۔
''یہ تو ان دونوں نے ہی ڈیسائیڈ کرنا ہے ان ہی سے پوچھیں۔'' ماما نے محبت سے روشانے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرمیلی مسکراہٹ لیے سر جھکا گئی۔
احسن اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نیا نیا رشتہ سب کے سامنے آتے ہوئے بھی وہ گھبرا رہی تھی مگر انا زبردستی اسے یہاں لے آئی تھی۔
''بھئی مجھے تو شمالی علاقہ جات دیکھنے جانا ہے۔ روشی نے پاکستان آنے کے بعد بھلا کہاں کوئی ایسی جگہ دیکھی ہے۔ کیوں روشی؟'' احسن نے فوراً کہا تو وہ جھینپ گئی۔
''چلو ٹھیک ہے پھر تم دونوں مل کر ڈیسائیڈ کر لو پھر گھوم آؤ بعد میں کاروبار میں لگ گئے تو پھر وقت نہیں ملنا۔'' وقار صاحب بھی کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
احسن نے سر ہلایا۔ وہ وہاں سے گئے تو ماما بھی ان کے پیچھے چلی گئیں۔
''ماما کس بات پر ڈانٹ رہی تھیں۔'' انا کی خاموشی اور سنجیدگی محسوس کرتے احسن نے پوچھا۔
''کچھ نہیں۔'' اس نے اکتا کر کہا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی پر چینل سرچ کرنے لگی۔ احسن نے سوالیہ نظروں سے روشی کو دیکھا۔
''یہ فنکشن میں رشتہ داروں کی غیر موجودگی کی بات کر رہی تھی جس پر پھپھو نے ڈانٹ دیا۔'' روشی نے دھیمے سے کہا۔
''اوہ اچھا۔'' احسن قدرے پرسکون ہوا وہ رشتہ داروں سے متعلق انا کے سوال و جواب سے باخبر تھا سو مطمئن ہو گیا تھا۔
ولید نے انا کو دیکھا وہ چینل پر چینل بدل رہی تھی پاؤں اضطراری انداز میں مسلسل ہل رہا تھا اور لب بھینچ رکھے تھے۔ وہ اسے دن بدن چڑچڑی اور تلخ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔
''کیا یہ ایسی صرف میری وجہ سے ہو رہی ہے۔'' ولید کے اندر اس سوال نے سر اٹھایا تو وہ سر جھٹکتے اٹھ کھڑا ہوا تبھی اس کا موبائل بجنے لگا۔
''بیٹھو یار کہاں چل دیے۔'' احسن نے کہا تو ولید نے پاکٹ سے موبائل نکال کر دیکھا جانا پہچانا نمبر تھا۔ اس نے کال کاٹ دی۔
''تھکن ہو رہی ہے کل سے واپس پرانی روٹین پر آ جانا ہے۔ تم تو لیو پر ہوں گے مجھے ہی اب سب دیکھنا ہے۔'' ولید نے کہا تو اس کا موبائل پھر بجنے لگا تو انا نے ولید کو دیکھا جو ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔
''کس کی کال ہے؟'' احسن نے پوچھا۔
''کچھ نہیں بس ایک دوست ہے۔''
''تو سن لو۔'' احسن نے کہا تو ولید سر ہلاتا یس کا بٹن دبا کر موبائل کان سے لگائے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ انا اسے بغور دیکھ رہی تھی۔
''ہیلو۔''
''سوری میں فیملی کے ساتھ بزی تھا۔'' وہ کہہ رہا تھا اس کے بعد وہ باہر نکل آیا تھا انا نے ٹی وی کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی ٹاک شو چل رہا تھا۔
وہ خالی الذہنی کیفیت لیے اسے دیکھنے لگی۔
''کس کی کال ہو سکتی ہے؟'' اس کا ذہن الجھنے لگا۔
''کیا تھی کی یا کسی اور کی؟'' اس کی سوچ بھٹکنے لگی۔ دل ایک دم ہر چیز سے اچاٹ ہوا تو اس نے ٹی وی بند کر کے ریموٹ صوفے پر ڈال دیا۔
''آپ بیٹھیں میں چلتی ہوں اور روشی کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہہ دینا میں بھیج دوں گی۔'' اٹھتے ہوئے اس نے کہا تو روشی مسکرائی۔
وہ کمرے میں جانے کی بجائے باہر اندرونی دروازہ کھول کر لان کی طرف آ گئی۔ وہ وہاں سیڑھیوں پر بیٹھی تو چونک گئی۔ اپنے کمرے کے ٹیرس پر ٹہلتا ولید فون پر ابھی بھی بات کر رہا تھا کمرے کی روشنی ٹیرس پر پڑ رہی تھی اور سیڑھیوں سے ٹیرس کا فاصلہ بہت زیادہ نہ تھا اس کی آواز (اگر کچھ توجہ دیتی تو) صاف سنائی دے رہی تھی۔
''میری فیملی کنزرویٹو نہیں ہے ہم ایک عرصہ باہر گزار کر آئے ہیں تو پھپھو کی فیملی کے ساتھ ہی اب رہ رہے ہیں اور روشی کی شادی بھی پھپھو کے بیٹے

سے کی ہے۔ ہمارے بابا نے بے شک ایک عرصہ باہر گزارا ہے مگر وہ اندر سے وہی ٹپیکل پاکستانی ہیں اور ہم لوگوں کی تربیت بھی اسی ماحول میں ہوئی ہے۔'' ولید نجانے کس سے کہہ رہا تھا اس نے بغور بھی کچھ سنا تھا۔

''ارے وہ، اچھا انا کی بات کر رہی ہو؟'' اگلے الفاظ پر وہ چونک اٹھی۔

''وہ میری پھپھو کی بیٹی ہے میڈیکل کی اسٹوڈنٹ۔''

نجانے کون تھی؟ کسے بتا رہا تھا وہ اس کے اندر کی بے چینی بڑھنے لگی تھی۔

''نہیں تمہارے حوالے سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔ اصل میں سبھی بہت بزی رہے ہیں تو کسی نے بطور خاص ذکر نہیں کیا۔ ویسے بھی تمہیں میں نے انوائٹ کیا تھا تم میری گیسٹ تھیں اور سب نے تمہیں گیسٹ کے طور پر ہی ٹریٹ کیا تھا۔'' ولید کے الفاظ پر انا نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے بارات والے دن ولید کے ساتھ کھڑی وہ لڑکی شدت سے یاد آئی۔ وہ کچھ دیر ہی ہال میں رکی تھی شاید ایک گھنٹہ اور پھر ولید سے مل کر اور روشی کو دیکھ کر چلی گئی تھی۔ وہ جب واپس گئی تھی تب روشی اسٹیج پر بیٹھی ہوئی تھی اور وہ خود شہوار کے ساتھ برائیڈل روم میں تھی۔ بعد میں ماما نے ہی اسے بتایا تھا کہ کاشفہ نامی لڑکی ولید اور روشی سے مل کر واپس چلی گئی ہے تب اس نے بے اختیار پر سکون سانس لیا تھا اور اب...... اسے لگا اس کے اندر جذبات کے گہرے طوفان نے سر اٹھا لیا ہے۔

''ولید کا اس لڑکی سے بھلا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟'' اس کی سوچیں بھٹکنے لگیں۔

''اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ولید نے اس کی مدد کی بس سلسلہ ختم تو پھر یہ دوستی اس قدر کیسے بڑھ گئی کہ نہ صرف وہ فنکشن میں انوائٹ تھی بلکہ اس وقت وہ ولید سے رات کے اس پہر موبائل پر بات بھی کر رہی تھی۔'' انا نے دیکھا ولید ٹہلتے ٹہلتے کمرے میں واپس چلا گیا تھا۔ انا کے اندر حبس ایک دم بڑھنے لگا تو اس کا جی چاہا کہ وہ شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اس نے خود پر ضبط کرتے مٹھیاں بھینچ لیں تبھی وہ بائیں ہاتھ کی انگلی میں موجود رنگ میں الجھی۔ اس کے اندر کی جذباتیت بڑھنے لگی۔

''ولید یہ رشتہ میری مجبوری مت بنانا' میں اپنے جذبوں سے ہار کر تمہارا نام اپنے مقدر میں لکھوانے کے جنوں میں ہوں۔ اگر کبھی تم نے دامن چھڑا لیا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں اپنے جذبوں کے سامنے بالکل بے بس ہو چکی ہوں ورنہ اپنا یوں اس طرح نظر انداز کیا جانا کوئی بھی لڑکی برداشت نہ کر پاتی۔'' وہ گھٹنوں میں سر رکھ کر شدت سے سسک اٹھی تھی۔

وہ شاہزیب کے آفس سے نکل کر اور اپنے کیبن میں آ کر بیٹھی تو اس کا موبائل بجنے لگا۔ انجان نمبر تھا' اس نے کال پک کر لی۔

''ہیلو......'' دوسری طرف کوئی خاتون تھیں۔

''جی کون؟''

''رابعہ بول رہی ہو؟''

''جی بول رہی ہوں مگر آپ؟''

''میں عادلہ بات کر رہی ہوں۔'' ایک لمحے کو تو رابعہ خاموش ہو گئی تھی۔ عادلہ کل اس سے اس کا موبائل نمبر لے کر واپس گئی تھی۔ وہ اس کے آنسوؤں کو دیکھتی تو اسے لگتا تھا کہ یہ لوگ غلط ہیں مگر یہاں کام کرتے ان کے رویوں کو دیکھتی تو اسے یہ لوگ کہیں سے بھی ظالم نہیں لگ رہے تھے۔

''کیسی ہو کیا کر رہی تھی؟'' عادلہ نے بے تکلفی سے پوچھا۔

''میں آفس میں ہوں اور ظاہر ہے کام ہی کر رہی ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا ایک بات تو بتاؤ عباس کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟'' عادلہ نے پوچھا۔

''ویسا ہی ہے جیسا باس کا اپنے ایمپلائر کے ساتھ ہوتا ہے۔'' رابعہ نے الجھ کر کہا۔

کل تو وہ اس کے آنسوؤں سے نرم پڑ گئی تھی مگر یہاں آ کر صبح سے وہ شدید ذہنی ٹینشن کا شکار ہو رہی تھی۔ ایک پل کو جی چاہا کہ ہادیہ سے بات کر لے۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ کس کی بات پر یقین کرے عادلہ کی یا ہادیہ کی۔

''تم عباس کی ظاہری شخصیت پر مت جانا' میں اس کے ساتھ وقت گزار کر آئی ہوں اور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ خواتین کے معاملے میں کس قدر گھٹیا سوچ کا مالک ہے۔'' عادلہ مزید کہہ رہی تھی وہ چونک گئی۔

''مطلب؟''

''تم سے میں نے ایک دو بار بدتمیزی کی اور پھر مجھے اس بات کا گلٹ رہا کہ ناحق میں نے تمہاری دل شکنی کی ہے سو تم سے معافی مانگنے تمہارے گھر چلی آئی۔ اب تم مجھے بہت اچھی لگی ہو' معصوم سی۔ اسی لیے تمہارے بھلے کے لیے تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ عباس اچھا انسان نہیں ہے وہ اوپر سے جو نظر آتا ہے ایسا کچھ بھی

نہیں سو اس کے آفس میں آتے جاتے اس سے بات کرتے کیئرفل رہنا۔ وہ قطعی قابل بھروسہ انسان نہیں ہے۔'' عادلہ کے الفاظ پر وہ ایک دم شاکڈ رہ گئی۔

''آپ کیا کہہ رہی ہیں' میں اتنے دنوں سے ان لوگوں کے ساتھ ہوں' میں نے ان لوگوں میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ مجھے تو یہ لوگ عورت کو بہت زیادہ عزت دینے والے ہی لگے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''سب دکھاوا ہے' ابھی تم نئی ہو' چند دن گزر جانے دو وہ شخص اپنی اصلیت پر آ جائے گا۔ میرے کہنے پر عمل کرو گی تو فائدے میں رہو گی۔'' عادلہ نے کہا تو وہ گم صم ہو گئی۔

''اگر ایسی بات ہے تو میں یہ جاب ہی چھوڑ دوں گی۔'' اس نے ایک دم کہا تو دوسری طرف موجود عادلہ فوراً گھبرا گئی تھی۔

''ارے..... ایسا مت کرنا۔ بس تم ذرا دھیان سے رہنا' ڈرنے ورنے کی کوئی ضرورت نہیں' میں تمہارے ساتھ ہوں بس تم اس کی ہر بات مجھے بتانا۔ پھر دیکھنا کیسا سیدھا کروں گی اسے۔'' عادلہ نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

''آپ بھلا کیا کریں گی' بقول آپ کے آپ کا بیٹا انہوں نے چھین کر گھر سے نکال دیا ہے اور طلاق تک دینے کو تیار نہیں بھائی آپ کا جیل میں ہے۔'' رابعہ نے قدرے ٹھہر کر کہا۔

''میں صرف اپنے باپ کی وجہ سے خاموش ہوں ورنہ مجھ میں اتنی صلاحیت موجود ہے کہ اسے بتا سکوں میں کس حد تک جا سکتی ہوں۔'' عادلہ کا انداز ایک دم زہریلا ہو گیا تھا۔

''مجھے آپ کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی' سچی بات تو یہ ہے کہ عباس صاحب کے متعلق یہ بات ماننے کو دل آمادہ ہی نہیں ہو رہا۔ خیر پھر بات ہو گی میں ابھی مصروف ہوں۔'' ایک دم عادلہ کے رویوں سے اکتا اس نے کال کاٹ دی۔

رابعہ نے سر تھام لیا۔ وہ عادلہ کی باتوں پر یقین کرنے پر آمادہ نہ تھی مگر اس کے اندر بے چینی پیدا ہونے لگی تو وہ نا چاہتے ہوئے بھی عادلہ کی تمام باتوں کو سوچنے لگی۔ کرنے کو بہت سارا کام تھا وہ کام کرتے ہوئے بھی الجھی الجھی رہی کچھ دیر بعد اس کا انٹر کام بج اٹھا۔

''مس رابعہ! آصف گروپ والوں کی فائل لے کر آئیں۔'' عباس نے کہہ کر انٹر کام رکھ دیا تو وہ اپنی جگہ ساکت سی ہو گئی۔

''کیا کروں' جاؤں کہ نہیں؟'' وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ کچھ پل سوچنے کے بعد اس نے حوصلہ کیا۔ وہ فائل لے کر ان کے روم میں آ گئی' عباس لیپ ٹاپ پر بزی تھا۔

''بیٹھیں۔'' اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ رابعہ نے نفی میں سر ہلا کر فائل اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ فائل لے لیں۔'' عباس نے فائل تھام لی۔

''آپ بیٹھیں' مجھے اس فائل پر کچھ پوائنٹس کے سلسلے میں ڈسکس کرنا ہے۔'' عباس نے کہا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کرسی پر ٹک گئی۔ انداز ایسا تھا کہ گویا ابھی بھاگ جائے گی۔

''آصف گروپ کے ساتھ جو اس ویک میں ڈیل ہوئی تھی اس کے پیپرز اٹیچ ہیں اس میں۔'' فائل کھول کر دیکھتے ہوئے عباس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی سر۔'' اس نے سر ہلایا۔

''گڈ۔'' عباس سر ہلاتے چند اور پیپرز بھی دیکھے۔

''اوکے یہ دونوں فائلز اپنے سامنے اوپن کر لیں میں کچھ پوائنٹس ادھر سے دہراؤں گا آپ نوٹ کرتی جائیں' دونوں فائلز میں سے جس میں بھی فگرز کی اغلاط ہیں ان کو انڈر لائن کرتی جائیں۔'' اپنے پاس رکھی دوسری فائل اٹھا کر اسے تھمائی تو اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ اس نے دونوں فائلز اپنے سامنے کھول لی تھیں جبکہ عباس نے لیپ ٹاپ سامنے کر لیا تھا۔ اور وہ خالی الذہنی کیفیت لیے بس فائلز کو گھور رہی تھی جبکہ دل و دماغ میں عادلہ کے الفاظ گونج رہے تھے۔

''کیا بات ہے آپ نوٹ نہیں کر رہیں۔'' اسی طرح خاموش دیکھ کر عباس نے ٹوکا تو اس نے فوراً عباس کو دیکھا۔

''اس فائل میں یہ پوائنٹس نوٹ کریں۔'' عباس نے اس کے سامنے رکھی فائل پر انگلی رکھ کر کہا' وہ قدرے ٹیبل پر آگے کی طرف جھک آیا تھا۔

رابعہ نے عباس کے صاف ستھرے ہاتھ کو دیکھا اس نے کف فولڈ کیے ہوئے تھے' وہ اچھا خاصا ہینڈسم انسان تھا کہیں سے بھی شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ نہیں لگتا تھا۔

''کیا بات ہے آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' اسے اسی طرح خاموش دیکھ کر عباس نے پوچھا تو اس نے فوراً سر اٹھا کر عباس کو دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔

''جی سر۔'' اس نے خود کو سنبھالنا چاہا۔ عباس نے اسے بغور دیکھا اس کے چہرے سے ہوائیاں اڑتی محسوس ہوئی تھیں۔

''مگر آپ کے چہرے سے تو نہیں لگ رہا۔''

''بس وہ سر میں درد ہو رہا تھا تو.....'' اسے بروقت بہانہ سوجھا تو عباس نے ایک گہرا سانس لیا۔

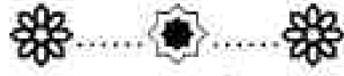
''اوکے ٹھیک ہے آپ جائیں اور باہر سے کسی ورکر کو بھیج دیں مجھے ان فائلز کو آج کی تاریخ میں ری چیک کر کے فائل کرنا ہے۔'' عباس نے کہا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اگر زیادہ طبیعت خراب ہے تو آپ گھر جاسکتی ہیں۔'' عباس نے مزید کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''اٹس اوکے سر! میں ٹھیک ہوں۔''

''اوکے' جیسے آپ کی مرضی۔'' عباس نے کندھے اچکائے تو وہ تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔ اپنی چیئر پر آ کر بیٹھی تو دل ٹھکانے آنے لگا۔

''کیا مصیبت ہے؟ اچھی بھلی میں یہاں سیٹ ہو رہی تھی اور اب اس عورت نے یہ ٹینشن پال دی ہے' نجانے کون سچ ہے اور کون جھوٹ؟ اگر عباس صاحب کرداری لحاظ سے ایسے ہی کرپٹ انسان ہوتے تو کم از کم کوئی اور ورکر تو ذکر کرتا۔'' وہ سوچ سوچ کر الجھنے لگی تھی۔



وہ کسی کام سے کہیں آیا ہوا تھا جب امجد خان کی کال آئی تھی اس نے ریسیو کی تو وہ سلام دعا کے بعد بتانے لگا۔

''سر یہ ایاز کی ضمانت کے آرڈر آ گئے ہیں' اس کے والد اس وقت میرے پاس دفتر میں موجود ہیں آپ بتائیں کیا کروں۔'' امجد پوچھ رہا تھا' مصطفیٰ ایک پل کو خاموش ہو گیا۔

''تو آخر کار انہوں نے ضمانت کروالی۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''بابا کو بتایا؟'' اس نے مزید پوچھا۔

''جی سر ابھی ان کو بھی کال کی تھی۔''

''پھر؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ کہہ رہے ہیں کہ جانے دوں۔ سر میں مزید ان کو نہیں روک سکتا' ضمانت کے تمام پیپرز لے کر یہ لوگ آئے ہیں۔''

''ہوں۔'' مصطفیٰ نے ہنکارا بھرا۔

''تو پھر جانے دو' پیپرز کلیئر کروالو۔ باقی کیا کرنا ہے بعد میں سوچیں گے۔''

''اوکے سر۔'' امجد نے کال بند کر دی تھی۔ مصطفیٰ نے کچھ دیر سوچا اور پھر شاہ زیب صاحب کو کال ملائی تھی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔''

''آپ کدھر ہیں؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''میں بابا صاحب کو لے کر ڈاکٹر کے پاس آیا ہوا ہوں' بابا صاحب ڈاکٹر کے پاس ہیں اور میں ویٹنگ روم میں ہوں۔''

''ہوں' امجد نے آپ کو کال کی۔'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''ہاں ابھی کال کی تھی' بتا رہا تھا کہ ایاز کی ضمانت ہو گئی ہے اس کا باپ اور وکیل کاغذات لے کر اس کو لینے آئے تھے۔''

''اس کی ضمانت کیسے ہو گئی جبکہ آپ نے خود کہا تھا کہ آپ ضمانت نہیں ہونے دیں گے۔'' مصطفیٰ کا انداز ایک دم تیز ہوا تھا۔

''بعض اوقات تعلقات سے زیادہ پیسہ کام کر جاتا ہے' تم ٹینشن مت لو۔ اس کی صرف ضمانت ہوئی ہے' ہم اس پر مکمل نگاہ رکھیں گے اس کی تمام سرگرمیوں کا ریکارڈ بھی۔ تم جانتے ہو اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل کام نہیں ہے مگر اس طرح ہاتھ ڈالو کہ تمہاری مکمل تیاری ہو اور پھر وہ کبھی ضمانت پر رہا بھی نہ ہو سکے۔''

''وہ تو بعد کی باتیں ہیں' آپ کی وجہ سے میں اس کو کچھ نہیں کہہ رہا تھا' ورنہ اس کا وہ حشر کرتا کہ اس کی سات پشتیں یاد رکھتیں کہ اس نے کس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔'' مصطفیٰ کا انداز ایک دم پتھریلا تھا۔

''مصطفیٰ تمہارے اسی جذباتی انداز سے مجھے خوف آتا ہے' اس نے ہماری خواتین پر ہاتھ اٹھایا تھا یہ ہم بھی نہیں بھولے مگر اس طرح ملزم کو سزا دو کہ ہمارے ہاتھ بالکل صاف رہیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو' امجد خان کو ہدایات دے دو کہ ایاز پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور ہاں تم نے اس کے پیچھے جو لڑکی چھوڑ بھی اس کو پھر سے اس کے پیچھے لگا دو۔ اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کرو اور کوئی موقع دیکھ کر گرفت سخت کر لو۔ مگر ابھی جانے دو۔'' بابا نے سمجھایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اور اگر اس نے پھر کوئی بدتمیزی کی' شہوار کالج جا رہی ہے اگر اسے پھر کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو......؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تو تب ہم بھی کوئی حتمی کارروائی کریں گے مگر ہمارا پہلا اقدام شہوار کو سیکورٹی دینا ہے۔ گھر آؤ گے تو اس ٹاپک پر تفصیلی بات ہو گی اس وقت تو مجھے ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں' آفس سے سیدھا گھر جا کر بابا صاحب کو لے کر ادھر آیا ہوں' اب پھر واپس گھر جاؤں گا' اوکے۔'' انہوں نے کہہ کر

کال بند کر دی۔ مصطفیٰ نے چند پل کچھ سوچا اور پھر ایک نمبر ملایا۔

''السلام علیکم سر!'' کال ریسیو ہوتے ہی کہا گیا۔

''وعلیکم السلام! کدھر ہیں آپ؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''سر آفس میں۔''

''آپ ابھی شہوار کے کالج پہنچیں' ایاز کی ضمانت ہو گئی ہے' امجد خان کو میں بریفنگ دے دوں گا۔ وہ آپ کو باقی سب کچھ سمجھا دیں گے۔ دھیان سے رہنا ہے اور اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اس معاملے میں' میں کوئی کوتاہی پسند نہیں کروں گا۔'' مصطفیٰ کا انداز دوٹوک تھا۔

''یس سر۔''

''او کے ٹیک کیئر۔'' مصطفیٰ نے کال بند کر دی۔ وہ اب شہوار کا نمبر ملا رہا تھا۔ کتنی بیلز ہو چکی تھیں مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی' مصطفیٰ کے اندر ایک دم شدید غصے کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''اُف یہ لڑکی......'' اس نے پھر کال ملائی اور پھر کچھ بیلز کے بعد کال ریسیو کر لی گئی۔

''کیا پرابلم ہے آپ کو؟'' دوسری طرف شہوار کا انداز بھی کافی غصیلا تھا۔

''تمیز سے بات کریں۔'' مصطفیٰ نے سختی سے ٹوکا۔

''میں ادھر وارڈ کی طرف آئی ہوئی ہوں' اتنا اہم راؤنڈ ہے ہمارا' جب میں کال ریسیو نہیں کر رہی تو اس کا مطلب ہے کہ میں بات نہیں کرنا چاہ رہی اور اس لیے نہیں چاہ رہی کہ میں اس وقت راؤنڈ کی وجہ سے بزی ہوں۔'' مصطفیٰ کے سخت انداز پر اس نے بھی سختی سے کہا۔

''میرا دماغ پہلے ہی بہت خراب ہو رہا ہے' اگر مزید ایک لفظ بھی کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔'' مصطفیٰ نے اس کے الفاظ پر سختی سے جھڑکا تھا۔

''آئندہ جب بھی میں کال کروں تو آپ کہیں بھی ہوں کیسی بھی بزی ہوں فوراً کال ریسیو کریں گی۔'' مصطفیٰ نے حتمی انداز میں کہا تو دوسری طرف شہوار اس شاہی فرمان پر جل کر رہ گئی۔

''ہاں آپ پرنس چارمنگ جو ٹھہرے۔'' اس نے جل کر کہا۔

''شٹ اپ۔''

''کال کیوں کی؟ فٹافٹ بتائیں میری فیلوز مجھے بلا رہی ہیں' ٹائم ویسٹ ہو رہا ہے میرا۔'' اس نے اکتا کر کہا۔

''ایاز کی ضمانت ہو گئی ہے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے بتایا۔

''کیا؟'' دوسری طرف وہ ایک دم حیران ہوئی تھی۔ ''کب؟'' کچھ توقف کے بعد اس نے پھر پوچھا۔

''آج ہی' بس یہی اطلاع دینا تھی میں نے اور ایک اہم بات بہت دھیان سے رہنا ہے اب' تنہا کہیں بھی نہیں نکلنا' ہسپتال کی طرف آتے ہوئے بھی دوستوں کو ساتھ رکھنا ہے' سمجھ رہی ہیں نا میری بات؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

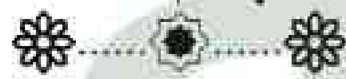
''جی۔'' شہوار ایک دم سارا غصہ بھول بھال کر نئی فکر میں مبتلا ہو گئی تھی۔

''اور کالج سے واپسی پر مجھے یا بابا کو کال کرنی ہے' ہم ہی پک کریں گے' او کے۔''

''ہوں۔''

''بس یہی بتانا تھا مجھے۔'' مصطفیٰ نے کہہ کر کال کاٹ دی۔

موبائل پاکٹ میں ڈالے وہ کچھ دیر سوچتا رہا تھا اور سر ہلاتا وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔



وہ اس وقت بھی ایاز کے ہمراہ اپنے گھر میں موجود تھے' وکیل صاحب ابھی رخصت ہوئے تھے' نام اسے دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں۔ اس کی صحت کافی ڈاؤن تھی وہ صوفے پر لیٹا ہوا تھا اور سر مام کی گود میں تھا۔

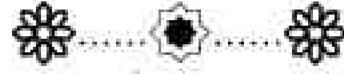
''اب دھیان سے کان کھول کر سن لو' لاکھوں ادا کیے ہیں میں نے تمہاری ضمانت کے لیے۔ اب کوئی سرگرمی نہیں ہو گی' دوستوں کے ساتھ کوئی ایکٹیوٹی بھی نہیں ہو گی۔ لڑکیوں سے دوستی کلب جانا اور دیگر تمام سرگرمیاں کینسل۔'' عبدالقیوم کا انداز بہت حتمی اور دوٹوک تھا۔ ایاز نے بُرا سا منہ بنایا۔

''میں کوئی بچہ نہیں ہوں جو آپ مجھے یوں ڈکٹیٹ کر رہے ہیں' میں سمجھ سکتا ہوں سب میٹرز۔''

''اگر سمجھ سکتے تو یہ نوبت ہی کیوں آتی؟'' عبدالقیوم نے غصے سے کہا۔

''اچھا بس کریں نا اور کتنا ڈانٹیں گے۔ بتا تو چکا ہے یہ ساری بات آپ کو جھوٹا کیس ڈالا تھا میرے بیٹے پر اور صحت دیکھیں اتنا سا منہ نکل آیا ہے' مجھے تو وہ

حالت نہیں بھولتی جو سلاخوں کے پیچھے دیکھ کر آئی تھی۔" مام نے فوراً اس کی طرف داری کی۔
"بس تمہاری انہی طرفداریوں کی وجہ سے مجھے آج یہ دن دیکھنا پڑ رہے ہیں۔" عبدالقیوم صاحب نے اب بیگم کو گھورا تھا۔
"او ڈیڈ لیو دس ٹاپک۔" کاشفہ نے اکتا کر کہا۔
"میں چھوڑوں گا تو نہیں اس سالی کو اور اس کے اس ہیرو کو بھی۔ بس ایک بار مجھے دوبارہ فارم میں آلینے دیں وہ مزہ چکھاؤں گا کہ ساری عمر یاد رکھیں گے یہ لوگ۔" ایاز نے اپنے ارادوں کا اظہار کیا۔
"سن لیں اس کی باتیں اس کی انہی جذباتی حرکتوں کا خمیازہ میں آئے دن بھگتتا رہتا ہوں۔ ایاز یہ وہ لوگ نہیں کہ جن کا منہ میں پیسوں سے بھر دیتا تھا تو کوئی تمہارے خلاف بولتا نہیں تھا' یہ سب قانون قاعدے جاننے والے لوگ ہیں تمہارا کیا خیال ہے تمہاری ضمانت ان لوگوں نے آرام سے قبول کر لی ہوگی؟ ہر گز نہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ کس طرح تمہاری انکوائری کریں گے' تم پر نظر رکھیں گے۔ عادلہ اس کو سمجھاؤ میں اب کوئی رسک نہیں لے سکتا اگر کوئی ثبوت ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا تو پھر اس کی ضمانت بھی نہیں ہو پائے گی۔" عبدالقیوم نے خاموش بیٹھی عادلہ کو بھی کہا تو اس نے گہرا سانس لیا۔
"ڈیڈ ٹھیک کہہ رہے ہیں ایاز! تمہیں اب بہت سوچ سمجھ کر رہنا ہوگا اس وقت تک جب تک ڈیڈ یہ کیس ختم نہیں کروا لیتے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم شہوار یا مصطفیٰ کو چھوڑ دینا' جس طرح مصطفیٰ نے تمہاری حالت کی تھی میرا تو اپنا خون کھولتا ہے مگر اب جذباتی اقدامات کی بجائے دماغ کا استعمال کرو' ان کو ایسی تکلیف دو کہ اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہو جائیں مگر ابھی نہیں ابھی صبر و سکون سے حالات کا جائزہ لو اور جب صورتحال تمہارے حق میں موافق ہو تم بغیر کسی کو شک میں ڈالے اپنا کام کر جانا۔" عادلہ نے سمجھایا تو مام نے بھی سر ہلایا۔
"عادلہ ٹھیک کہہ رہی ہے' ابھی کوئی ضرورت نہیں خود کو عذاب میں ڈالنے کی۔ اپنے ڈیڈ کے ساتھ ان کا بزنس دیکھو دوستوں میں جاؤ مگر پرانی تمام سرگرمیوں کو چھوڑ دو۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کچھ ہو۔"
"اُف..... آپ سب نے تو ان لوگوں کو ہوا بنا لیا ہے' میں نہیں ڈرتا کسی سے میرے اندر ایک آگ جل رہی ہے' جی تو چاہتا ہے کہ ابھی سب کچھ تہس نہس کر ڈالوں۔" وہ غصے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔
"دیکھا تم نے۔" عبدالقیوم نے بیگم کو گھورا۔
"ابھی واپس آیا ہے' کچھ سکون لینے دیں پھر سمجھا لیجیے گا۔" بیگم بھی غصے سے کہتی وہاں سے چلی گئی تھیں انہوں نے عادلہ کو دیکھا۔
"ڈونٹ وری ڈیڈ' میں اس کو سمجھا لوں گی۔ کچھ نہیں کرے گا وہ۔" اس نے تسلی دی تو عبدالقیوم نے تشکر سے سر ہلا دیا۔



وہ ساری رات نہیں سو سکی تھی اور پھر اگلے دن وہ ناشتا کر کے کمرہ لاک کر کے سوئی تو نجانے کتنے گھنٹوں تک سوتی رہی۔ اتنے دنوں کی بھاگ دوڑ اور تھکن اور سب سے بڑھ کر ذہنی اذیت وہ ایک بھرپور نیند لے کر 2 بجے کے قریب اٹھی تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ اسے کسی نے ڈسٹرب بھی نہیں کیا تھا۔ فریش ہو کر اس نے موبائل کی طرف توجہ دی' شہوار کی کئی کالز اور میسجز تھے۔
"میں اسپتال میں ہوں' آج اِدھر کا وزٹ تھا' تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔" شہوار کا میسج پڑھ کر وہ مسکرائی۔
"میں ابھی سو کر اٹھی ہوں' میں بھی کالج اور تم سب کو بہت مس کر رہی ہوں۔ کل سے ان شاء اللہ تم سب کو جوائن کرتی ہوں دوبارہ۔" کال کی بجائے اس نے بھی میسج سینڈ کیا اور پھر موبائل لے کر وہ کچن میں آ گئی' فریج میں سے جوس نکال کر اس نے پیا اور پھر پیٹ پوجا کے لیے دیگر چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔ تازہ بریانی موجود تھی' اس نے پلیٹ میں نکال لی' فریج میں سے اسے سیلڈ اور رائتہ بھی مل گیا تھا۔ وہ ٹرے میں نکال کر لاؤنج میں آ گئی تھی۔
وہاں ماما' ماموں اور روشی موجود تھے' روشی تیار خوب صورت لباس میں ملبوس تھی وہ اسے دیکھ کر رک گئی تھی۔
"کہاں کی تیاری ہے۔" ٹرے ٹیبل پر رکھتے اس نے پوچھا۔
"احسن باہر گھومنے جانے کا کہہ رہے تھے۔" روشی نے بتایا۔
"اس وقت؟"
"ہاں رات میں ان کے کسی دوست نے ڈنر پرائیوٹ کر لیا ہے تو وہ کہہ رہے تھے کہ اس وقت چلتے ہیں شام میں واپس آ کر پھر اُدھر چلے جائیں گے۔"
"زبردست..... گڈ لک۔" وہ مسکراتی ہوئی کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
"تم بہت دیر تک سوئیں' میں کئی بار تمہارے کمرے میں گئی مگر تمہیں سوتا دیکھ کر واپس آ گئی۔ احسن بھی دس بجے سو گئے تھے میں باقی سارا وقت بور ہوتی رہی' ایک بجے اٹھے تھے وہ۔"
"ہاں بس رات نیند نہ آئی اور اتنے دنوں کی تھکن میں آنکھ ہی نہ کھلی' ویسے تم کیوں بور ہوئیں؟ ماما' ماموں بھی لوگ گھر پر ہی تھے۔"

''کہاں، صرف بابا گھر پر تھے، ولید اور انکل آفس چلے گئے تھے۔ پھپھو بھی دس بجے بوتیک کے لیے نکل گئی تھیں، احسن سو گئے اور بابا بھی۔'' روشی بوریت سے اچھی خاصی اکتائی ہوئی تھی وہ ہنس دی۔

''احسن بھائی نظر نہیں آ رہے؟''

''تیار ہو رہے ہیں۔'' روشی نے کہا تو تبھی احسن اندر داخل ہوا تھا۔

''میں تیار ہو چکا ہوں، جناب!'' انا نے احسن کو دیکھا وہ نک سک سا تیار تھا، وہ مسکرا دی۔

''انا تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔'' روشی نے کہا تو اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''آپ لوگ جائیں مجھے کباب میں ہڈی بننے کا کوئی شوق نہیں۔'' اس نے ہنس کر کہا تو سبھی ہنس دیئے روشی نے گھورا۔

''ویسے جا کہاں رہے ہو تم دونوں؟'' ماما نے بھی پوچھا۔

''بس لانگ ڈرائیو کا موڈ ہو رہا ہے پھر کسی اچھی جگہ لنچ کریں گے۔'' احسن نے کہا۔

''چلیں پھر۔'' احسن نے کہا۔

''پھپھو جائیں ہم۔'' روشانے نے ماما سے پوچھا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

''ضرور بیٹا!'' انہوں نے اٹھ کر روشی کی پیشانی چومتے اجازت دی تھی۔

وہ دونوں وہاں سے نکلے تو کچھ دیر بعد انا کھانا مکمل کر کے برتن لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''انا......'' ماما نے بلایا تو وہ رکی۔

''جی ماما......''

''بیٹا! ولید صبح کہہ رہا تھا کہ اس کا کمرہ بے ترتیب ہو رہا ہے اس کی ڈسٹنگ کی ضرورت ہے، صغراں سے میں نے گھر کی صفائی کروائی ہے، تمہیں ڈسٹرب نہ کیا کہ تم تھکی ہوئی ہو گی۔ اب فریش ہو تو تم صغراں سے خود ولید اور بھائی صاحب والے کمروں کی صفائی کروا لو۔'' ماما نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

برتن سینک میں رکھ کر اس نے صغراں کو بلوا لیا تھا پہلے اس نے ماموں کے کمرے کی صفائی کروائی پھر پردے وغیرہ خود تبدیل کیے تھے، ولید کے کمرے میں آئی وہاں واقعی چیزوں پر جگہ جگہ ڈسٹ دکھائی دی۔

''تم ڈسٹنگ کرو میں باقی کام دیکھ لیتی ہوں۔'' اس نے صغراں کو کہا اور خود چیزیں سمیٹنے اور ان کی جگہ پر ترتیب سے رکھنے لگی تھی، شادی کی تیاریوں میں ماموں والے اس حصے کی ٹھیک سے صفائی نہیں ہو پائی تھی۔ ان دونوں کا کافی وقت لگا تھا، کمرے کی صفائی میں۔ کمرہ صاف کر کے صغراں تو باقی حصے کی صفائی میں جت گئی تھی جبکہ وہ فرنیچر کے کورز تبدیل کرنے لگ گئی تھی تبھی ولید کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ چونکی۔ ولید آج جلدی آ گیا تھا۔ وہ کھڑکیوں کے پردے تبدیل کر رہی تھی جب ولید نے کمرے میں قدم رکھا تھا اور اسے دیکھ کر چونکا تھا وہ اسٹول رکھے کھڑکیوں کے ہک میں پردہ لٹکا رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' ولید نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

''صغراں کو کہتیں وہ یہ سب کر لیتیں۔'' ولید نے لیپ ٹاپ اور ہاتھ میں پکڑی فائلز ٹیبل پر رکھیں۔

''صغراں ساتھ ہی تھی۔'' وہ اب باہر کے کاموں میں لگ گئی ہے۔'' وہ کہہ کر پھر پردے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ ہک میں پردہ لٹکاتے اس کا توازن بے قابو ہوا تھا۔

''سنبھل کے۔'' وہ جو گرنے والی تھی ولید نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ فوراً خود کو سنبھال گئی تھی، اسٹول سے اتر کر اس نے ولید سے ہاتھ چھڑوایا اس کے انداز میں الجھن تھی ولید چونکا۔

''پیچھے ہٹو میں کر دیتا ہوں۔'' ولید نے کہا۔

''نہیں میں صغراں کو کہتی ہوں وہ کر لے گی۔'' وہ پیچھے ہٹ کر بیڈ کی طرف آ کر بیڈ شیٹ بدلنے لگی تھی۔ ولید نے اس کی پشت کو دیکھا وہ اسے کافی سنجیدہ لگی۔ بیڈ شیٹ بچھا کر وہ سرہانے اور تکیے کے کور بدلنے لگی تھی۔

''کیا بات ہے اتنی سنجیدہ کیوں ہو؟'' ولید نے اس کے پاس آ کر اس کے ہاتھ سے سرہانہ کھینچ لیا تھا۔

انا نے چونک کر حیرت سے ولید کو دیکھا وہ از حد سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

''میں جو بھی ہوں، آپ سے مطلب؟'' اس نے خفگی سے کہہ کر ولید کے ہاتھ سے دوبارہ سرہانہ کھینچ لیا۔ ولید نے بہت تحمل سے اسے دیکھا۔

''اس رویے کی وضاحت کرو پھر یہ کام کر لینا۔'' ولید نے اس کے ہاتھ سے کور کھینچ کر دور پھینک دیا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، نہ ہی میرا رویہ بدلا ہے اور نہ ہی انداز البتہ آپ کے اندر ہونے والی تبدیلیوں سے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' اس نے غصے سے کہہ

کر سرہانہ بستر پر پھینکا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آئندہ میرے ساتھ اس قسم کے رویے کی قطعی ضرورت نہیں' مجھے یہاں ماما نے بھیجا تھا' اس لیے مجھے میرا کام کرنے دیں۔'' وہ ولید کو دیکھ کر بہت خفگی سے کہہ رہی تھی۔

''کس بات پر ناراض ہو؟'' ولید نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہلکا سا مسکرا کر پوچھا۔

''میری آپ سے کوئی خفگی نہیں۔'' انا اندر ہی اندر چڑنے لگی تھی سو بہت غصے سے کہا۔

''تو پھر اس غصے کا مقصد؟'' ولید نے سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے بغور دیکھتے پوچھا۔

''دماغ خراب ہے میرا؟'' وہ غصے سے کہہ کر وہاں سے جانے لگی تھی کہ ولید نے اس کے سامنے آ کر اس کا رستہ ایک دم روکا۔

''وہ تو میں بھی ایک عرصے سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا دماغ اچھا خاصا خراب ہو چکا ہے اور اب تو زیادہ ہی خراب لگ رہا ہے۔ ویسے یہ بتاؤ کہ آج کس وجہ سے مطلع ابر آلود ہے؟'' ولید کا انداز استہزائیہ تھا انا کو ایک دم شدید ہتک کا احساس ہوا۔ اسے لگا کہ در پردہ ولید اسے اس کے احساسات و جذبات کے متعلق طعنہ دے رہا ہے۔

''مطلب کیا ہے آپ کا اس بات سے؟'' وہ ایک دم چیخی۔

''یہ تو تم بتاؤ کہ کس وجہ سے موڈ خراب ہے اور یہ بات تو پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سارا نزلہ میری ذات پر ہی گرنے والا ہے۔'' ولید نے کہا تو اس نے لب بھینچ لیے سر جھکا ہوا تھا۔

''آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ خود پر ضبط نہ کر پائی تھی ایک دم سر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

''کیا کر رہا ہوں میں؟'' ولید کا انداز از حد سنجیدگی لیے مطمئن تھا۔ انا کے اندر ایک سرد کیفیت سی ابھری۔

وہ اس کے سب جذبات و احساسات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا' اس کے مزاج کے بھی رنگوں سے آشنا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے مزاج کی برہمی اور خفگی تک سے باخبر تھا اور اب اس کے سامنے اس طرح انجان بن رہا تھا تو پھر وہ کیوں اس کے سامنے اپنی نسوانیت پامال کرے؟ وہ کیوں اسے بتائے کہ وہ اس کے لیے کس شدت انگیز محبت میں مبتلا ہے۔ وہ کیوں بتائے وہ اندر ہی اندر سسک اٹھی تھی۔ وہ لب بھینچ کر ایک دم سائیڈ سے نکل کر دروازے کی طرف لپکی تھی' اس کی آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر نمکین پانی نے ڈیرہ جما یا تھا۔

''انا......'' وہ پیچھے لپکا تھا۔

''یار کیا ہو گیا ہے رکو تو سہی۔'' وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''سامنے سے ہٹیں۔'' آنسو انا کے رخساروں پر بہہ نکلے تھے اس نے بغیر سر اٹھائے رندھی آواز میں کہا۔

''ایم سوری۔'' ولید نے جھک کر کہا وہ شدت سے رو دی۔

وہ اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی پر قطعی قابو نہ رہا تھا۔ وہ اسے ایک دوسری لڑکی سے بات کرتے سن کر ساری رات روئی تھی۔ گزشتہ ساری رات اس نے کانٹوں پر چلتے' سلگتے اور سسکتے گزاری تھی اور اب......؟ ولید کا وہی انداز تھا نجانے وہ ایسا کیوں کر رہا تھا؟

''انا...... یار کیا بات ہے؟'' وہ ایک دم اس کے یوں شدت سے رونے سے گھبرا گیا تھا۔

''مجھے جانے دیں۔'' انا کسی بھی طور اپنے آنسوؤں کو نہ روک پائی تو غصے سے کہا۔

''اوکے' مگر اس خفگی کی کوئی وجہ تو بتاؤ؟'' وہ قطعی پریشان ہو چکا تھا۔ انا نے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ولید کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ ساتھ تفکر بھی تھا۔

''جب آپ کو میرے پل پل بدلتے موڈ کا اچھی طرح پتا چل رہا ہے' میں خفا ہوں' پریشان ہوں' تکلیف میں ہوں ہر چیز ہر کیفیت کا اندازہ لگا رہے ہیں آپ تو پھر ان کے اسباب اور وجہ سے بھی بے خبر نہیں ہوں گے آپ؟ آپ میرے منہ سے کیا سننا چاہتے ہیں یہ کہ میں آپ کو......'' وہ جذباتی ہوتے کچھ کہتے کہتے ایک دم رکی تھی' وہ ایک دم نڈھال ہو گئی تھی۔ ولید اس کے اس ردعمل سے ایک دم ٹپٹایا تھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر تیزی سے وہاں سے نکلی تھی' ولید نے بے بسی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ اسے پتا تھا کہ وہ اس سے شدید خفا ہو گئی ہے۔



وہ اس کے بعد ولید کے سامنے نہیں آئی تھی' روشی اور احسن گھر آ کر تیار ہو کر دعوت میں چلے گئے تھے۔ رات گئے وہ لوگ واپس آئے تھے روشی گھر آتے ہی ولید کے کمرے کی طرف آئی تھی' ولید لیپ ٹاپ کھولے مصروف تھا' اسے دیکھ کر مسکرایا۔

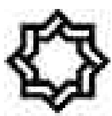
''کیا بات ہے کیوں بار بار کال کر رہے تھے؟ میں پریشان ہو گئی تھی اس کے بعد وہاں مجھ سے رکا بھی نہیں گیا۔'' وہ بستر پر آ بیٹھی' اسکن کلر کی فراک میں ملبوس'

ہلکے پھلکے میک اپ اور زیورات میں وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔
''مجھے انا کے بارے میں بات کرنی ہے۔''ولید نے لیپ ٹاپ ایک طرف کر دیا تھا۔
''کیا؟''وہ حیران ہوئی۔
''تم نے انا سے کوئی بات کی میرے حوالے سے اس رشتے کو لے کر یا پھر کوئی بھی بات؟''روشی نے حیران ہو کر دیکھا ولید کچھ الجھا ہوا تھا۔
''کب؟''
''آج کل یا پھر ان دو تین دنوں میں؟''
''نہیں بس رشتے کا بتایا تھا تب جب آپ سے بھی بات کی تھی' کیا ہوا کسی نے کچھ کہا؟''
''نہیں مگر انا کا رویہ بہت بدلا ہوا ہے میرے ساتھ۔''
''کیسے؟''ولید نے بہن کو دیکھا کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک دیا۔
''نہیں کچھ بھی نہیں' مجھے وہم ہو سکتا ہے۔''
''کیا انا نے کچھ کہا ہے آپ سے؟''ولید نے نفی میں سر ہلایا۔
''پہلے وہ صرف مجھ سے بھاگ رہی تھی میں نے سمجھا کہ وہ اس منگنی کو لے کر ایسا کر رہی ہے مگر اب مجھے اندازہ ہوا ہے کہ وہ مجھ سے اچھی خاصی خفا اور بدگمان بھی ہے۔''ولید نے کہا۔ روشانے نے بغور بھائی کو دیکھا۔
''ایک بات بتائیں ولی بھائی؟''ولید نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''انا آپ کی زندگی میں کس مقام پر ہے؟''ولید خاموش ہو گیا تھا۔
''وہ آپ کے بارے میں کیا سوچتی ہے' کیسے جذبات رکھتی ہے آپ بے خبر نہیں مگر آپ کے نزدیک وہ کس مقام پر ہے یہ جاننا ضروری ہے میرے لیے۔ سچ سچ بتائیں آپ اس کو پسند کرتے ہیں نا؟''وہ پوچھ رہی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا' وہ بستر سے اتر کر کھڑکی کے پاس جا رکا۔
''وہ ہماری کزن ہے اس لحاظ سے وہ میرے لیے اہم ہے۔''روشی نے بھائی کی پشت کو گھورا۔
''اور فیانسی کی حیثیت سے؟''
''میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا یہ پاپا کا فیصلہ تھا اور بس۔''ولید کا انداز ایک دم دوٹوک تھا تو روشی نے بھائی کو گھورا۔
''اب تو وہ آپ کی زندگی میں شامل ہو چکی ہے نا' اب تو آپ کو اس کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑے گا۔ اچھا یہ بتائیں آپ کسی اور کو پسند کرتے ہیں کیا؟''
''میں اس کا جواب دینا پسند نہیں کرتا۔''ولید نے ایک دم سختی سے کہا تو روشانے حیرت زدہ رہ گئی۔
''کیا واقعی ولید کی زندگی میں کوئی اور لڑکی بھی تھی۔''وہ لرز کر گئی۔
''بھائی انا بہت ہی حساس اور شدت پسند لڑکی ہے' اگر کوئی ایسی بات ہے تو ابھی کلیئر کر دیں۔ ابھی اس کا بہت نقصان نہیں ہوا' مگر بعد میں وہ آپ کی طرف سے ایسی کوئی بھی زیادتی سہہ نہیں پائے گی۔''اس کا انداز ایک دم کڑوا ہوا تھا۔
''تم بھی نا' جس بات کے لیے میں نے تمہیں بلوایا ہے وہ پتا کر کے بتاؤ کہ وہ اب کس بات پر مجھ سے خفا ہے۔''
''میں کیوں پتا کروں' آپ کا اپنا مسئلہ ہے آپ خود ہینڈل کریں اور ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اگر انا کے ساتھ ذرا سی بھی زیادتی ہوئی تو میں قطعی لحاظ نہیں رکھوں گی کہ میں آپ کی بہن ہوں۔''روشی نے بڑی بد لحاظی سے کہا تو ولید نے اسے گھورا۔
''تم خواتین بس عقل سے پیدل ہو' اس سے کوئی بات مت کرنا' میں خود دیکھ لوں گا۔''ولید نے جھنجلا کر کہا اور کھڑکی میں جھک گیا مگر پھر ایک دم چونکا۔ انا لان میں بیٹھی ہوئی تھی وہ اس کے بعد اب دکھائی دے رہی تھی۔
''ہاں ٹھیک ہے نا' ہم خواتین عقل سے پیدل ٹھہریں اور آپ لوگ عقل مند ترین مخلوق۔ بہتر ہے خود ہی اس سے بات کریں' اگر خفا ہے تو وجہ پوچھیں میں درمیان میں نہیں آؤں گی۔ ویسے بھی میرا اور اس کا رشتہ اب ایسا ہے کہ میں آپ کے حوالے سے اس سے کوئی بات نہیں کروں گی۔''روشانے کہہ رہی تھی وہ توجہ دیئے بغیر کھڑکی میں مزید جھک گیا تھا۔
وہ چیئر پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی ہوئی تھی' لان کے بلب کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ وہ ایک دم کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کی طرف لپکا۔
''کدھر؟''روشی حیران ہوئی۔
''تم جا کر آرام کرو' اگر وہ میری وجہ سے پریشان یا خفا ہے تو میں خود ہی دیکھ لوں گا۔''وہ اس کو کہہ کر کمرے سے نکل آ گیا اور پھر تیزی سے راہداری کراس کرتے دوسرے پورشن میں آ کر وہ لان میں نکل آیا تھا۔ انا ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''اگر اس طرح کمرہ بند کر کے یا افسردہ بیٹھ کر رونے سے مسئلے حل ہوتے تو ساری دنیا اس فارمولے پر عمل کرتی۔'' اس نے اس کے عقب میں آ کر کہا تو انا حیران ہو کر پلٹی اور پھر اسے موجود پا کر اس کے چہرے کے زاویے تن گئے تھے۔ ولید اس کے عقب سے سامنے آ گیا تھا۔
انا نے لب بھینچ لیے وہ ٹانگیں نیچے کر کے جوتا پہننے لگی تھی۔ تبھی ولید نے اس کے ساتھ ہی بیٹھتے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
''ناراضی' غصہ' خفگی سبھی بہت اچھی چیزیں ہیں مگر ساتھ ہی سیکنڈ پارٹی کو پتا بھی تو چلے کہ کوئی اس سے خفا ہے اس کے لیے رو رہا ہے تو کیوں رو رہا ہے؟'' ولید نے مسکرا کر کہا۔ انا نے اپنا ہاتھ چھڑوانا چاہا تو ولید نے دباؤ ڈالتے مزاحمت سے روکنے کی کوشش کی تھی۔
''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' ولید کو سامنے دیکھ کر اس کی آواز پھر رندھ گئی تھی۔
''تو مت کرو میں تم سے کر لیتا ہوں۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو اس نے ولید کو دیکھا اس کی مسکراہٹ بڑی اٹریکٹو تھی' دل کو کھینچ لینے والی۔
ایک دفعہ پھر اسے اپنا دل اپنے بس سے باہر ہوتا محسوس ہوا۔ ولید نے ہاتھ میں تھاما اس کا ہاتھ اپنے سامنے کیا' اس کے ہاتھ کی تیسری انگلی میں جگمگاتی انگوٹھی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ انا دوسرے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں میں در آنے والی نمی صاف کر رہی تھی۔
''بابا کی چوائس بڑی لاجواب ہے۔'' ولید نے کہا تو اس نے چونک کر ولید کو دیکھا وہ اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا تو اس نے گرفت مزید سخت کر دی۔ ولید نے دوسرے ہاتھ سے اس کی انگوٹھی کو چھوا تھا۔
''جب بابا نے مجھے یہ انگوٹھی دکھائی تھی تو مجھے کوئی خاص اچھی نہ لگی تھی مگر اب یہ تمہارے ہاتھ میں آ کر سج سی گئی ہے۔'' اس کے الفاظ پر انا ساری ناراضی بھول کر گھبرا سی گئی تھی۔
''ناراضی کے لیے کسی سبب کا ہونا ضروری ہوتا ہے مائی ڈیئر! اب جلدی سے بولو کہ یہ سارا نزلہ مجھ پر کیوں گر رہا ہے۔'' ولید نے اگلے ہی پل سنجیدگی اختیار کی تھی۔
''آپ کو اس سے کیا میں ناراض ہوں' کیوں ہوں' کیا وجہ ہے' آپ سے مطلب؟'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
''سچ کہتے ہیں کہ کسی بھی عورت کو راضی کرنا زندگی کا مشکل ترین کام ہے۔''
''آپ نے مجھے راضی کیا ہی کب ہے؟'' اس نے خفگی سے کہا۔
''چلو اب خود چل کر آیا ہوں تمہارے پاس' تم سے معافی مانگنے' کہو کیا لوگی راضی ہونے کا؟ کہو تو تمہارے قدموں میں جھک کر معافی مانگ لوں۔'' بہت زیادہ سنجیدگی سے کہا تھا' انا حیرت سے دیکھنے لگی۔
ولید کی گرفت میں اب بھی اس کا ہاتھ تھا جو وہ بہت آہستگی سے سہلا رہا تھا۔ وہ ایک دم موم کی طرح پگھلنے لگی۔ پلکوں کی جھالر عارضوں پر جھکی تو چہرے پر ایک دم حیا کی اداسی سی چھا گئی۔ ولید ایک دم حیرت زدہ رہ گیا' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بغور تکتا چلا گیا تھا۔ ایک فسوں تھا جو اس رات کی خاموشی اور اردگرد کی تنہائی نے دونوں کے گرد پھیلا دیا تھا۔
''انا بعض اوقات جو دکھائی دیتا ہے وہ قطعی سچ نہیں ہوتا۔ تم بہت اچھی ہو اتنی کہ کبھی کبھار مجھے لگتا ہے کہ......'' ولید بھی ایک لمحے کو اس فسوں کا شکار ہو گیا تھا وہ نجانے کیا کہنا چاہ رہا تھا مگر پھر سنبھل گیا۔
اس نے انا کو دیکھا' اس کا حسن خیرہ کن تھا' اس کا وجود مثل ماہتاب تھا۔ اس کی پلکوں کی جھالر اس کی حیا کی گواہی دے رہی تھی۔ اس کے عارضوں کی لالی اس کے اندر کے موسم کا پتا دے رہی تھی اس کے ہاتھ کی لرزش اس کی کمزوری سب دکھا رہی تھی۔ ولید نے اس کا ہاتھ ایک دم چھوڑ دیا تو وہ چونکی۔
''آ...... آپ......'' اس نے کچھ کہنا چاہا تو ولید اٹھ کھڑا ہوا۔
''بہرحال جو بھی ہے مگر تمہاری ناراضی' تمہاری خاموشی مجھے تکلیف دیتی ہے۔'' ولید ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اس کی طرف سے پشت کیے کہہ رہا تھا۔ وہ حیرت زدہ تھی۔
''آؤ ذرا ٹہلتے ہیں' بڑے دن گزرے تم سے کوئی تفصیلی بات ہی نہیں کی۔'' اس کی طرف چہرہ کرتے ولید نے مسکرا کر کہا تو وہ ایک دم سر ہلا گئی۔ ولی کی اتنی سی توجہ سے ہی وہ کھل اٹھی تھی۔ ولید کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے وہ خود کو ہر قدم پر معتبر سی محسوس کر رہی تھی۔
''انا......'' چند قدم چلنے کے بعد ولید نے پکارا تو وہ رک گئی۔
''تم زندگی میں میرے ساتھ کس حد تک چلوگی؟'' ولید اب اس کے سامنے آ رکا تھا۔ ولید کے پوچھنے پر وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔
''یہ کیسا سوال ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''اگر کبھی میں تمہیں کہوں کہ ان سب کو چھوڑ کر میرے ساتھ چلو تو چلوگی؟'' وہ ساکن رہ گئی تھی۔ وہ ایسا کیوں پوچھ رہا تھا۔ کیا چل رہا تھا اس کے دماغ میں۔
''بولو دوگی ساتھ میرا۔'' وہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ انا نے دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔

''آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوئی۔
ولید نے چند پل اسے بغور دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔
''چھوڑو...... میں مذاق کر رہا تھا۔'' یہ کہہ کر اس نے پھر سے چلنا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ انا ابھی بھی حیرت زدہ اسی جگہ ساکن کھڑی تھی...... اس نے ایسا کیوں کہا تھا؟ وہ اسے کیا سمجھ رہا تھا؟
''ولی......'' اس نے پکارا تو ولید رک گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا وہ ابھی بھی اسی جگہ کھڑی تھی۔ وہ پلٹا اور پھر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
''آپ نے ایسا مذاق کیوں کیا؟'' وہ سنجیدہ تھی ولید مسکرا دیا۔
''چھوڑو کہا نا صرف مذاق تھا...... بس یونہی اوٹ پٹانگ باتیں اکثر دماغ میں آ سماتی ہیں۔ جن کا کوئی واضح مطلب نہیں ہوتا۔''
''جب کوئی واضح مطلب نہیں ہوتا تو پھر ایسی باتیں دماغ میں سماتی ہی کیوں ہیں؟'' وہ ابھی بھی پریشان تھی۔ ولید نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما اور چلنا شروع کر دیا۔
''رات آپ کس سے بات کر رہے تھے؟'' چلتے چلتے اچانک اس نے پوچھا تو ولید ٹھٹک کر رکا۔
''کب؟'' اس نے انا کو دیکھا وہ ارد گرد دیکھتے اس سے نظر بچا رہی تھی۔
''رات میں...... آپ ادھر ٹیرس پر تھے میں لان کی سیڑھیوں پر تھی۔''
''اوہ......'' ولید نے اسے بغور دیکھا۔ ''کاشفہ تھی۔''
''اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا پھر آپ نے اس کی مدد کی مگر اب آپ دونوں کی دوستی کیسے ہو گئی؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوال کر گئی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
''دوستی ہونے کے لیے کیا کسی خاص وجہ کی ضرورت ہوتی ہے؟'' ولید نے پوچھا۔
''ہو سکتا ہے، جس طرح کی وہ لڑکی ہے میں نہیں سمجھتی کہ آپ خود چل کر اس سے دوستی کرنے گئے ہوں گے۔''
''وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔'' ولید نے ٹالا۔
''مگر مجھے وہ اچھی نہیں لگی، بالکل بھی نہیں۔'' انا نے کہا تو ولید مسکرا دیا۔
''اب بتاؤ ناراض کیوں تھیں؟'' ولید نے قطعی مختلف بات کی تھی۔ انا کو لگا کہ جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ اس کے چہرے پر ایک دم سرخی سی چھا گئی تھی۔
''میں کوئی ناراض وراض نہیں تھی۔'' وہ کہہ کر پھر چلنے لگی تو ولید بھی ہم قدم ہوا۔
''اوکے تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں مگر مجھے لگتا ہے کہ وہ شام سے پہلے تمہارا ہم شکل کوئی بھوت ووت تھا جو آنسو بہاتا وہاں سے نکلا تھا۔'' ولید کے انداز میں شوخی تھی، وہ شرمندگی سے سر جھکا گئی۔ اسے اپنی جذباتیت پر غصہ بھی آنے لگا۔ خوامخواہ اس کے سامنے جذباتیت دکھانے کی ضرورت کیا تھی۔
''چلو اب تو یقین دہانی کروا دو کہ محترمہ اب ناراض نہیں ہیں نا؟'' وہ ساتھ چلتے تسلی چاہ رہا تھا۔ وہ ہنس دی۔
یہ پہلی بار بے اختیار ہر تکلیف واذیت سے آزاد ہنسی تھی جو اس کے ہونٹوں پر آئی تھی۔ ولید نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔
''نہیں میں آپ سے ناراض نہیں تھی اور اب بھی نہیں ہوں۔''
''اور اگر کبھی ہو گئیں تو؟''
''تو مجھے منانا کون سا مشکل ہے آپ منا لیجیے گا نا۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی ولید بس اسے دیکھنے گیا۔
دل پر پڑا بوجھ پتا نہیں کم ہوا تھا یا مزید بڑھ گیا تھا، ولید کو کچھ سمجھ نہ آئی تو وہ لب بھینچ گیا اور پھر انا کے ساتھ قدم ملانے لگا تھا مگر اب کی بار اس کا رخ اندر کی جانب تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



گزشتہ قسط کا خلاصہ

بابا صاحب مصطفیٰ اور دیگر گھر والوں کے ساتھ ولید کے ہاں شادی کے فنکشن میں جاتے ہیں تو ولید کے والد ضیاء صاحب سے ان کے بیک گراؤنڈ اور اہلیہ کی وفات کے متعلق پوچھتے ہیں جس پر ضیاء صاحب کچھ الجھ جاتے ہیں۔ دوسری طرف بابا صاحب کچھ تسلی بخش جواب نہ ملنے پر افسردہ ہوجاتے ہیں۔ شہوار شادی کے فنکشن میں انا کے ساتھ خواب انجوائے کرتی ہے اور وہیں رات گزارتی ہے جبکہ انا' ولید اور کاشفہ کی بے تکلفی پراز حد رنجیدہ رہتی ہے۔ بابا صاحب ولید اور اس کے گھر والوں سے مل کر واپسی کا ارادہ کرتے ہیں لیکن شاہزیب اور مصطفیٰ کے اصرار پر رک جاتے ہیں وہ انہیں سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جانا چاہتے ہیں اور بابا صاحب بھی ان کی بات پر بالآخر رضامند ہوجاتے ہیں۔ ماں جی شہوار اور مصطفیٰ کی رخصتی کے متعلق بات کرتی ہیں تو شہوار منظر سے غائب ہوجاتی ہے دوسری طرف مصطفیٰ بھی انہیں فی الحال اس بات سے منع کردیتا ہے۔ مصطفیٰ اور شہوار کے برہم انداز پر دریہ یہی اندازہ لگاتی ہے کہ دونوں ہی اس رشتے سے ناخوش ہیں جبکہ لائبہ بھابی دریہ کی مصطفیٰ سے بے تکلفی دیکھ کر شہوار کو محتاط رہنے کا مشورہ بھی دیتی ہیں لیکن شہوار اپنے ذاتی اختلافات کی بنیاد پر لائبہ بھابی کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دیتی۔ انا شادی کے فنکشن میں رشتہ داروں کی غیر موجودگی سے متعلق ایک بار پھر صبوحی بیگم سے سوال کرتی ہے لیکن وہ اسے ڈانٹ کر خاموش کرادیتی ہیں لیکن انا کچھ الجھ جاتی ہے اسی دوران ولید کو کاشفہ سے بات کرتے سن کر اس کی جانب سے بداعتمادی کا شکار ہوتی سسک پڑتی ہے لیکن ولید اس بات سے بے خبر رہتا ہے۔ ایاز کی ضمانت ہوجانے پر مصطفیٰ شدید اشتعال کا مظاہرہ کرتا ہے اور شہوار کو بھی محتاط رہنے کا کہتا ہے جبکہ شہوار اس کا نام سن کر ہی خوفزدہ ہوجاتی ہے۔ عادلہ، رابعہ کو اپنے مقصد کی خاطر استعمال کرتے اسے عباس کے خلاف ورغلاتی ہے اور اس سے وہاں کی تمام معلومات حاصل کرتی ہے جس پر رابعہ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔ ایاز رہا ہوکر گھر پہنچتا ہے تو مصطفیٰ اور شہوار کے خلاف سخت اقدام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے جس پر عادلہ اسے جذباتی ہونے کی بجائے ہوش وحواس سے کام لینے کا کہتی ہے۔ انا کا سامنا ولید سے ہوتا ہے تو کاشفہ کو لے کر سخت جذباتی ہوجاتی ہے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ولید اس سے بات کرکے اپنے گزشتہ رویوں کی معافی مانگ کر اسے منالیتا ہے۔ ساتھ ہی نہایت سچائی کے ساتھ وہ اسے کاشفہ کی دوستی کے متعلق بتاتا ہے، جس پر انا اسے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ اچھی لڑکی نہیں ہے لیکن ولید اس کی بات پر کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

〈اب آگے پڑھیے〉

❀.......❀.......❀

وہ بہت پریشان تھی، عادلہ کی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اسے اس کے آنسو نہیں بھولتے تھے اور اپنے بیٹے کے لیے اس کی تڑپ اسے رہ رہ کر وہی یاد آتی تھی۔ آفس سے واپسی پر وہ سارا وقت خاموش رہی۔

''کیا بات ہے کوئی الجھن ہے؟'' ہادیہ نے پوچھا۔ ایک لمحے کو اس کا جی چاہا کہ ہادیہ سے کہہ دے مگر پھر ٹال گئی۔

''کوئی بات نہیں۔''

''آج ہمارے گھر چلو۔'' ڈرائیو کرتے ہادیہ نے کہا۔

''نہیں.....گھر میں کسی کو نہیں بتایا۔''

''فون کردو۔''

''نہیں پھر کسی دن، چھٹی والے دن چکر لگاؤں گی۔''

''او کے.....''

''ہادیہ یہ سر عباس کا بے بی کس کے پاس ہے ماں کے یا باپ کے؟''

''سر عباس کے پاس' کیوں کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' وہ سوچنے لگی۔

''اور یہ سر عباس کریکٹر وائز کیسے ہیں؟''

''کیوں تم اتنے دن سے ان کے ساتھ کام کررہی ہو ابھی تک تمہیں اندازہ نہیں ہوا۔'' ہادیہ نے حیرانی سے پوچھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

''بعض اوقات اندازے غلط بھی ثابت ہوجاتے ہیں۔'' ہادیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مطلب۔''

''پتا نہیں، میں بہت الجھن میں ہوں۔'' ہادیہ حیران ہوئی اس نے ایک طرف سائیڈ میں گاڑی روکی۔
''کیا ہوا......انہوں نے کچھ کہا یا ڈانٹا ہے تمہیں؟'' رابعہ سنبھلی پھر مسکرا دی۔
''نہیں۔''
''تو پھر؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
رابعہ کا جی چاہا کہ عادلہ کی اپنے گھر آمد اور کالز سمیت سب بتادے مگر پھر خاموش ہو کر نفی میں سر ہلا گئی۔
''ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ پہلے دن سے ہی ان سے تلخ کلامی ہوگئی تھی تو ذہن میں ایک عجیب سا امیج بن گیا ہے جو مجھے ان کے بارے میں مطمئن نہیں ہونے دیتا۔''
''اف......میں تو ڈر گئی تھی کہ نجانے کیا بات ہوگئی ہے اور تم ایسی لڑکی تو نہیں ہو جو ان سے ڈرنے کی کوشش کرے اور اب تو رویہ بھی تمہارے ساتھ کافی بہتر ہے۔'' ہادیہ کے الفاظ پر اس نے سر ہلا دیا۔
''ویسے بے فکر رہو سر عباس بہت ہی ریزرور ہنے والے کائنڈ ہرٹڈ پرسن ہیں وہ تو عادلہ کے ساتھ ان کی نہیں بنی ورنہ اب بھی لڑکیاں ان کی زندگی میں شامل ہونے پر فخر محسوس کریں گی۔''
''اچھا کہیں تم بھی تو ان میں شامل نہیں ہو۔'' اپنے ذہن کو بٹانے کے لیے رابعہ نے چھیڑا تو وہ مسکرا دی۔
''اگر میں ابوبکر کے بارے میں سنجیدہ نہ ہوتی تو شاید سوچتی......'' ہادیہ افسردہ ہوگئی تھی۔ رابعہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔
''چھوڑو، سمجھ لو وہ بھی عام لڑکوں جیسا ایک انسان تھا۔ اگر اسے تمہاری پروا ہوتی تو اب تک کچھ کرتا، کم از کم تم سے اتنے سالوں میں رابطہ تو کرتا۔ نجانے کہاں ہے ایک تن تنہا لڑکا جس کا کوئی اتا پتا نہ تھا تمہیں بھی ساری دنیا چھوڑ کر ایک وہی ملا تھا۔''
''میں بہت بار سوچتی ہوں کہ اسے بھول جاؤں مگر اب یہ میرے بس میں نہیں اور مجھے کبھی بھی یہ گمان نہیں ہوتا کہ اس کو میں ناپسند تھی۔ مجھے تو ہمیشہ یہی لگتا تھا کہ وہ بھی مجھے پسند کرتا ہوگا۔'' ہادیہ کی افسردگی میں کئی گناہ اضافہ ہوا تھا۔
''''صرف لگتا تھا نا اس نے کبھی اپنی زبان سے اظہار تو نہیں کیا تھا جس طرح وہ تم لوگوں کی زندگی میں آیا چلا بھی گیا تھا۔''
''خان بابا بتاتے ہیں کہ وہ اپنے والد سے کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے نکلا تھا اس کا باپ پولیس میں تھا تب اپنے باپ سے بھی نہیں ملتا تھا۔ ان کے پاس مدد مانگنے آیا تھا اس کی ماں اس کے بہن بھائیوں کو لے کر بچپن میں کہیں کھوگئی تھی وہ اپنی ماں اور اپنی فیملی کی تلاش میں نکلا تھا اور پھر نجانے کیا ہوا ہمارا گھر بھی چھوڑ کر چلا گیا۔''
''ہوسکتا ہے وہ اپنے باپ کے پاس واپس چلا گیا ہو۔'' رابعہ نے خیال آرائی کی۔
''نہیں، اگر وہ ادھر جاتا تو خان بابا کو تو ضرور علم ہوتا اور پھر میں اس کی لگتی بھی کیا تھی جو وہ مجھے کچھ بتا کر جاتا، مجھے تو لگتا ہے کہ اسے خبر ہوگئی تھی کہ میں اسے پسند کرنے لگی ہوں اور وہ مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے بھاگ گیا۔'' ہادیہ اس ٹاپک کو لے کر ہمیشہ سیریس ہو جاتی تھی اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا رابعہ نے اس کا ہاتھ تھام کر دبایا۔
''اچھا چھوڑو، تم کیوں اب اپنی زندگی کو ضائع کر رہی ہو، ایک شخص پر تو زندگی ختم نہیں ہو جاتی نا، نہ کوئی وعدہ، نہ میل نہ ملاقات بس اب سب بھول جاؤ۔ آنٹی بھی کئی بار مجھ سے شکوہ کر چکی ہیں کہ جو بھی اچھا پروپوزل آتا ہے تم انکار کر دیتی ہو۔'' ہادیہ نے ایک گہرا سانس لیتے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کردی۔
''بس ابھی میں اس ٹاپک پر سوچنا نہیں چاہتی نجانے مجھے کیوں یقین ہے کہ ابوبکر ضرور آئے گا پتا نہیں کیوں اس کی طرف سے میرا دل مایوس نہیں ہوتا۔'' ہادیہ بہت پر امید تھی رابعہ مسکرا دی۔
''اللہ کرے۔''
''آمین۔'' ہادیہ نے کہا تو وہ بھی سر ہلا گئی۔
''نجانے بات کہاں سے کہاں چلی گئی تم ٹینشن فری ہو کر جاب کرو، سر عباس اور عادلہ دونوں کی فیملیز کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں بہت اچھے لوگ ہیں سر وغیرہ۔ عادلہ تو بدقسمت ہے جو سر کو چھوڑ کر چلی گئی۔'' ہادیہ کے الفاظ پر رابعہ پھر الجھی۔
مگر وہ عادلہ کے آنسو۔
اپنے بیٹے کے لیے اس کی تڑپ۔

''ہوسکتا ہے عادلہ اتنی غلط نہ ہو، سر عباس یا ان کی فیملی کی ہی کوئی سازش ہو۔ دنیا کے سامنے عادلہ کو غلط بنا کر پیش کر رہے ہوں۔''

''مائی گڈنیس۔'' ہادیہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''یہ تم کہہ رہی ہو، ان بلیوایبل ابھی چند دن پہلے عادلہ سب لوگوں کے سامنے تمہیں برا بھلا کہہ گئی تھی۔''

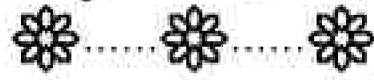
''ہوسکتا ہے عادلہ کو کسی بات کا غصہ ہو اور مجھ پر نکل گیا ہو۔'' ہادیہ کافی حیران تھی۔

''امیزنگ وہ عورت تمہیں کئی بار برا بھلا کہہ چکی ہے اور تم اس کی فیور کر رہی ہو۔''

''میں کسی کی فیور نہیں کر رہی۔ میں بس یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ اگر عادلہ واقعی کرپٹ ہے تو اس کرپشن میں سر لوگوں کی فیملی کا کیا رول ہے۔''

''سر لوگوں کی فیملی اوور آل ایمانداری کے ساتھ چل رہی ہے۔ عادلہ اس کا بھائی اور ایک بہن پیسے کی فراوانی نے سب کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے ہر بری عادت ان تینوں میں موجود ہے اور بھائی تو نمبر ایک فلرٹ، لوفر اور غنڈہ ہے۔'' ہادیہ نے پھر سکون سے سب کہا تو رابعہ لب دانت تلے دبا گئی۔

''جو بھی ہو میں اب عادلہ کی کسی بات پر یقین نہیں کروں گی مجھے کیا سر عباس اس سے جیسا بھی سلوک کریں یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے میں کیوں اس قدر انوالو ہو رہی ہوں بھاڑ میں جائیں دونوں۔'' مسلسل ایک ہی بات کو سوچتے بہت چڑ کر اس نے تنفر سے سوچا۔



شہوار گھر آئی تو بابا صاحب گاؤں جانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ شاہزیب صاحب منع بھی کر رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر سے دو تین اور سیشن کروالیں مگر وہ کسی بھی طرح آمادہ نہ ہوئے مجبوراً شاہزیب صاحب کو ڈرائیور کے ساتھ ان کو بھیجنا پڑا تھا۔ انہوں نے دریہ کو ساتھ چلنے کو کہا مگر وہ انکار کر گئی سو شہوار نے ایک دم بابا صاحب کے ساتھ جانے کا پروگرام بنالیا تھا۔ ایک تو مہرالنساء کی شادی کی تاریخ طے کرنے والی بات پر وہ پہلے ہی پریشان تھی اوپر سے ایاز کی ضمانت ہوجانے والی اطلاع نے بھی اسے خوفزدہ کردیا تھا ایسے میں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر کسی کونے میں جا کر چھپ جائے۔ اسے جانے پر تیار دیکھ کر انکل اور ماں جی دونوں نے منع کیا تھا مگر اس نے ایک دو دن کا پروگرام کہہ کر رضامندی لے لی تھی۔ سوا سی وقت وہ دونوں ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ 9 بجے تک وہ لوگ گاؤں میں تھے۔

دو تین گھنٹوں کا سفر آرام و سکون سے گزرا تھا۔ حویلی پہنچنے پر تابندہ بوا اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں مگر وہ ان کے ساتھ نارمل ہی رہی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آرام کرنے لیٹ گئی تھی سارا رستہ اس نے موبائل بند رکھا تھا کمرے میں آتے ہی آن کیا تھا۔ وہ ابھی گہری نیند میں تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا اس نے غنودگی میں موبائل تھاما اور کال ریسیو کی۔

''ہیلو۔'' وہ ابھی بھی نیند میں تھی۔

''بغیر اطلاع کے اس طرح بابا صاحب کے ساتھ جانے کا مقصد؟'' دوسری طرف مصطفیٰ تھا جو بہت سنجیدگی سے مخاطب تھا شہوار کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔

''آپ؟'' اس نے موبائل کو دیکھا مصطفیٰ کے نمبر سے کال تھی اس نے دوبارہ موبائل کان سے لگایا۔

''امی سے ملنے کو دل کر رہا تھا۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ کمرے میں سائیڈ لیمپ کی روشنی تھی وہ اسی طرح لیٹی رہی۔ ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا کہ وہ رات کے اس پہر اسے کال کرے گا۔

''موبائل کیوں بند تھا؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''میری مرضی اور مائنڈ اٹ میں آپ کو اطلاع دینے کی پابند نہیں ہوں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''شہوار۔'' مصطفیٰ نے ٹوکا۔

''کال کیوں کی؟'' اس نے اس کے غصے کو نظر انداز کردیا۔

''تم اچھی طرح جانتی تھی کہ ایاز باہر آچکا ہے پھر بھی تم نے تنہا آنے کی غلطی کی؟'' دوسری طرف مصطفیٰ نے غصے سے کہا۔

''بابا صاحب ساتھ تھے۔'' اس نے جتایا۔

''اگر کوئی پرابلم ہوجاتی تو تنہا بابا صاحب کیا کرسکتے تھے اوپر سے تم نے موبائل بھی بند کر رکھا تھا۔''

''موبائل کی بیٹری چارج نہیں تھی۔'' اس نے بہانہ بنایا۔

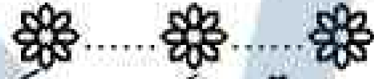
''واپس کب آنا ہے؟'' دوسری طرف مصطفیٰ نے گہرا سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

''دو تین دن رکوں گی۔'' اسے بادل نخواستہ بتانا پڑا۔

"کیا کر رہی تھیں اس وقت؟" مصطفیٰ کا موڈ اب نارمل تھا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
"آدھی رات کو لوگ کیا کرتے ہیں بھلا؟"
"لوگوں کا تو پتا نہیں میں تمہارا پوچھ رہا ہوں۔" مصطفیٰ شاید بہت فری ہو کر کال کر رہا تھا شہوار نے گھور کر موبائل کو دیکھا اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔
"مجھے نیند آ رہی ہے...... میں کال بند کر رہی ہوں۔"
"رکو شہوار۔" مصطفیٰ نے فوراً کہا تو کال ڈراپ کرتے وہ رک گئی۔
"اب کیا ہے؟" آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔
"ماں جی رخصتی کا کہہ رہی ہیں تابندہ بوا سے ابھی میری بات نہیں ہوئی اس لیے مجھے نہیں علم کہ وہ کیا چاہتی ہیں کل تک میں بھی رخصتی کے حق میں نہیں تھا مگر آج بہت سوچنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب جلد از جلد رخصتی ہو جانی چاہیے۔" شہوار ایک دم چونک گئی۔ نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔
"مگر میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔" اس نے تیزی سے کہا۔
"میں تم سے تمہاری رائے نہیں مانگ رہا بلکہ اپنا فیصلہ سنا رہا ہوں۔" دوسری طرف مصطفیٰ کا تحکم بھرا انداز تھا وہ ساکت ہوئی۔
"آپ مجھ پر زبردستی کریں گے؟" اس نے کچھ توقف کے بعد کہا۔
"اگر آپ محترمہ میں عقل نام کی کوئی چیز ہوتی تو شاید کچھ اور سوچتا۔" مصطفیٰ کا انداز از حد سلگا دینے والا تھا۔
شہوار نے ایک دم شدید طیش میں آ کر موبائل بند کر دیا۔
"نجانے خود کو کیا سمجھ رہے ہیں۔" وہ بستر سے اٹھ بیٹھی۔ موبائل ایک طرف پٹخا تو دوبارہ بجنے لگا اس نے غصے سے اسے دیکھا۔ مصطفیٰ کا نام جگمگا رہا تھا جی میں آیا کہ اگنور کر دے مگر اس نے دوبارہ تھام لیا۔
"اب کیا ہے؟" اس نے لہجے میں بہت تلخی تھی۔
"میرے قریب ہوتی تو بتاتا بھی کہ مجھے کیا ہے؟" مصطفیٰ کا بہت سنجیدہ انداز تھا وہ چٹک کر رہ گئی شرم سے چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔
"مجھے یہ فضول سے مکالمے نہیں سننے جو کہنا ہے صاف کہیں۔"
"بوا جی سو گئیں؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔
"انہوں نے حویلی میں کوئی کارخانے نہیں کھول رکھے کہ وہ اس وقت آدھی رات کو ان کی سپرویژن کریں۔" اس نے بہت سلگ کر کہا۔
"دیکھیں مجھے بہت نیند آ رہی ہے آج سارا دن کالج میں بہت بزی گزرا اور پھر اس کے بعد یہ گاؤں کا سفر، میں اس وقت بہت تھک گئی ہوں آپ نے جو بھی کہنا ہو صبح کال کر لیجیے گا۔" اپنے غصے پر قابو پاتے اس نے کہا تو دوسری طرف مصطفیٰ ہنسا تھا۔
"ٹھیک ہے، تم آرام کرو پھر بات ہو گی، اللہ حافظ۔" شہوار نے جواباً کچھ بھی کہے بغیر کال بند کر دی تھی۔ موبائل دوبارہ سرہانے پر ڈالتے وہ بستر سے اتر آئی تھی۔
مصطفیٰ نے رخصتی کی بات کی تھی اب اسے خاک نیند آنی تھی۔ وہ لائٹ آن کرتے کھڑکی کھول کر باہر حویلی کے وسیع و عریض صحن کی طرف دیکھنے لگی جس کے دوسری طرف چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ جہاں رات کی رانی کی مہک سارے ماحول میں رچی ہوئی تھی۔
"کیا کروں، اگر امی نے میری بات مانی ہی ہوتی تو وہ اس نکاح کو ہی کیوں ہونے دیتیں نجانے وہ کس سوچ میں ہیں بھلا کبھی مخمل میں بھی ٹاٹ کا پیوند لگا دیکھا ہے امی ایسے پرسکون ہیں جیسے ساری دنیا فتح کر لی ہو کوئی مجھ سے پوچھے کہ میری جان کن عذابوں میں ہے۔" کھڑکی پر جھک کر باہر دیکھتے وہ ایک دم سسک اٹھی۔
"اور وہ دریہ اس کی باتیں کس کس چیز کو نظر انداز کروں۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی آ ٹھہری۔
اسے کچھ دیر قبل مصطفیٰ کا فیصلہ کن انداز یاد آنے لگا۔ شہوار کی بے قراریاں ایک دم بڑھنے لگیں۔
"آخر امی بتا کیوں نہیں دیتیں کہ میرا اصل کیا ہے کون ہوں میں، مجھے یقین ہے وہ سب جانتی ہیں نجانے کون سی مصلحت انہیں زبان کھولنے سے روک دیتی ہے۔" وہ اضطراب سے کھڑکی بند کرتے کمرے میں ٹہلنے لگی۔
"اور اب یہ نیا درد سر، ایاز پولیس کسٹڈی میں تھا تو کتنا سکون تھا کم از کم اس کی طرف سے تو کوئی خوف نہ تھا اور اب اس کی وجہ سے مصطفیٰ کو بھی

جھیلنا پڑے گا۔'' دوبارہ بستر پر آ کر بیٹھتے موبائل کو گھورتے اس نے سوچا، میں صبح امی سے حتمی بات کروں گی۔ مجھے یہ ذلت کی زندگی منظور نہیں میں عزت کی زندگی جینا چاہتی ہوں چاہے کسی جھونپڑی میں ہی کیوں نہ ہو، ایک آخری اور حتمی بات ہوگی اب امی سے۔ ورنہ پھر میں بھی بھول جاؤں گی کہ میرا ''ماں'' جیسا کوئی رشتہ موجود تھا۔''

اس نے بہت جذباتی ہوتے ایک حتمی اور فیصلہ کن سوچ پر خود کو کاربند کرتے گہرا سانس لیا تھا۔



اگلے دن وہ سارا وقت تابندہ بوا سے بات کرنے کا وقت ڈھونڈتی رہی مگر بوا اسے کسی بھی وقت تنہا نہ ملیں عصر کے وقت وہ نماز پڑھ کر لاؤنج میں آئیں تو شہوار بھی فوراً وہیں آ گئی۔

''امی مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' تابندہ بوا نے اس کے بہت دوٹوک انداز کو دیکھا اٹل اور فیصلہ کن انداز تھا۔

''بیٹھو۔'' وہ ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

''مہرالنساء آنٹی نے آپ سے رخصتی کی بات کی ہوگی؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ تابندہ بوا نے گہرا سانس لیا۔

''ہاں کی تھی۔''

''تو پھر آپ نے کیا کہا؟''

''نکاح ہو چکا ہے تم اب ان کی امانت ہو میں بھلا کیا کہتی؟'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار نے لب بھینچ لیے۔

''میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اس کے باوجود آپ نے ان کو ہاں کہہ دی۔'' وہ ایک دم شدید غم و غصے سے گویا ہوئی تھی۔

''ہاں اس کے باوجود، میں چاہتی ہوں کہ تم جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جاؤ، زندگی موت کا کوئی بھروسہ نہیں میں اس نکاح کو لٹکانا نہیں چاہتی۔'' تابندہ کا صاف اور سنجیدہ انداز تھا۔

''اور وہ جو میرے کچھ ذاتی مفادات تھے ان کے بارے میں نہ آپ نے پہلے سوچا اور نہ ہی اب...... امی میں آپ کو واضح کہہ چکی ہوں کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتی۔''

''شہوار یہ خوامخواہ کی ضد چھوڑ دو جو ہو رہا ہے اسے اللہ کی مصلحت سمجھ کر قبول کر لو جب کسی کو ہمارے ماضی وغیرہ سے کوئی لینا دینا نہیں تو پھر کیوں بار بار اس مسئلے کو الجھا رہی ہو۔''

''میں الجھا نہیں رہی بلکہ بعد میں آنے والے مسائل سے بچنا چاہ رہی ہوں۔ آپ چاہتی ہیں کہ میں ساری زندگی ایک کمپلیکس کے ساتھ گزاروں ہمیشہ سر جھکا کر لوگوں کے طنز و حقارت سہہ کر۔'' وہ ایک دم جذباتی ہوگئی۔

''یہ سب تمہارے مفروضے ہیں یہ لوگ تمہیں بہت محبت سے اپنا رہے ہیں۔'' شہوار نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔ جی چاہ رہا تھا کہ درپہ کے الفاظ و جملے کہہ ڈالے مگر ضبط کر گئی۔

''تو آپ نے یہ فائنل کر لیا ہے۔'' وہ ایک دم غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم مصطفیٰ کی بیوی ہو وہ چاہے تو اسی وقت آ کر لے جا سکتا ہے اصل بات تو نکاح ہوتا ہے باقی سب تو محض فارمیلٹیز ہیں۔''

''یہ نکاح بھی محض آپ کی ضد کی وجہ سے ہوا تھا۔'' اس نے تلخی سے کہا تو تابندہ بوا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تمہارا باپ تو بہت صابر اور قناعت پسند انسان تھا بحث اس کی عادت نہیں تھی نجانے تم کس پر چلی گئی۔'' شہوار نے بغور تابندہ بوا کو دیکھا وہ اس کے باپ کی بات کر رہی تھیں۔

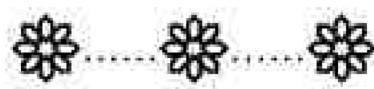
''میرے باپ کا ماضی کیا تھا؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ تابندہ بوا نے اسے دیکھا۔

''وہی سچ ہے جو تمہیں بار ہا بتا چکی ہوں۔'' شہوار نے لب دانت تلے دبا لیے۔

''آپ مہرالنساء آنٹی کو انکار کر دیں میں یہ رخصتی نہیں چاہتی۔ میں آپ سے ہی بات کرنے حویلی آئی ہوں موبائل پر تو آپ مل نہیں رہی تھیں میرے انکار کے باوجود آپ نے ان کو ہاں کہی تو پھر میں آپ سے ملنے کبھی واپس نہ آؤں گی۔ میں بھی سمجھ لوں گی کہ باپ اور خاندان کے ساتھ ساتھ میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر نم آنکھیں لیے وہاں سے چلی گئی۔

''شہوار بات سنو...... بیٹا...... شہوار......!'' تابندہ بوا نے آوازیں دی مگر وہ رکے بغیر وہاں سے چلی گئی۔ تابندہ بوا نے پریشان ہو کر سر تھام لیا۔

''نجانے کیا بنے گا اس لڑکی کا۔ سمجھتی کیوں نہیں کہ میں بھی مجبور ہوں۔''



روشی اور احسن آج صبح ہی ہنی مون کے لیے شمالی علاقہ جات کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ دونوں نے اسے بھی ساتھ چلنے کی آفر کی مگر وہ سہولت سے انکار کر گئی تھی۔ شہوار گاؤں جا چکی تھی وہ بھی کالج نہیں گئی تھی۔ سارا دن گھر میں تنہا بیٹھی بور ہوتی رہی۔
رات آٹھ بجے تک ولید کے علاوہ باقی سبھی گھر آ چکے تھے۔
اس نے ماموں سے کہیں باہر چلنے کا کہا تو وہ فوراً مان گئے تھے دونوں کا ارادہ باہر ڈنر کرنے کا بھی تھا۔ وہ دونوں تیار ہو کر باہر آئے تو ولید کی گاڑی بھی گیٹ پر آ کر رکی تھی۔ ڈرائیور گاڑی نکال رہا تھا دونوں کو دیکھ کر وہ حیران ہوا۔
''آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟''
''انا بور ہو رہی تھی میں نے سوچا کہ کہیں آؤٹنگ پر چلیں ڈنر بھی ساتھ کر لیں گے۔'' ماموں نے بتایا۔
''پھپھو اور انکل نہیں جا رہے کیا؟'' ولید نے پوچھا۔
''نہیں ماما اور پاپا گھر پر ہی ہیں۔ صرف میں اور ماموں جا رہے ہیں اگر آپ کا موڈ ہے تو آپ بھی ہمیں جوائن کر سکتے ہیں۔'' انا نے آفر کی۔
''ہاں ولید یار آ جاؤ تم بھی۔'' ضیا صاحب نے بھی کہا۔
''او کے پھر ایسا کریں آپ میری گاڑی میں آ جائیں۔'' ولید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو انا ایک دم خوش ہو اٹھی۔
دونوں ولید کی گاڑی میں آ گئے تھے۔ بابا پچھلی سیٹ پر اور انا فرنٹ پر ڈرائیور گاڑی واپس اندر لے گیا تھا۔
''آپ اگر فریش ہونا چاہتے ہیں تو ہم ویٹ کر لیتے ہیں۔'' انا نے مسکرا کر کہا تو ولید نے نفی میں سر ہلایا۔
''میں ٹھیک ہوں، کہاں جانا ہے؟'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ولید نے پوچھا۔ انا نے ماموں کو دیکھا۔
''پہلے تو ڈنر کریں گے پھر کہیں اور جہاں انا کہے گی۔'' ماموں نے کہا تو ولید نے انا کو دیکھا۔
''ڈنر کے لیے کہاں چلیں پھر؟''
''جہاں آپ کا موڈ ہو۔'' اس نے سوٹ کے ہم رنگ دوپٹا لے رکھا تھا ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک تھی پنک لباس میں کافی دل موہ لینے والا تاثر دے رہی تھی۔ ولید کی نگاہ پچھ پل کے لیے اس پر ساکت سی ہو گئی تھیں۔
''او کے۔'' ولید نے گاڑی روڈ پر ڈال دی۔
انا سی ڈیز دیکھنے لگی پھر ایک سلیکٹ کر کے اس نے پلے کا بٹن پش کر دیا تھا گاڑی میں گلوکار کی آواز گونجنے لگی تھی۔

چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آواز نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا
بڑا دلکش بڑا رنگین ہے یہ شہر کہتے ہیں
یہاں پر ہیں ہزاروں گھر، گھروں میں لوگ رہتے ہیں
مجھے اس شہر کی گلیوں کا بنجارہ بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا

انا نے آواز دھیمی کرتے ولید کو دیکھا۔
''لگتا ہے آپ کو یہ غزل بہت پسند ہے اکثر سنتے دکھائی دیتے ہیں۔'' اپنے دھیان میں ڈرائیو کرتے ولید نے چونک کر انا کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔
''بابا کو یہ غزل بہت پسند تھی وہ اسے بہت سنتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی مجھے بھی اچھی لگنے لگی۔'' انا نے بیک ویو مرر سے ماموں کو دیکھا وہ بھی ہلکا سا مسکرائے تھے۔
''ویسے شروع شروع میں، میں بہت حیران ہوئی تھی کہ پیور امریکن ماحول میں پرورش پانے والوں کو اردو کلاسیکل غزل سننا پسند ہے۔'' انا نے کہا تو ماموں ہنس دیے۔
''بالکل اپنے ملک، اس کی زبان اور اس کے لٹریچر کی تو اور ہی بات ہے ایک عرصہ باہر گزار دیا مگر یہاں کی ہر چیز کو بہت مس کیا ہم نے۔'' ماموں نے کہا۔

''باباکے پاس بہت اچھی اچھی غزلوں کا اسٹاک موجود ہے امریکہ میں بھی بہت سنتے تھے اب پاکستان میں آ کر تو سننا بند ہی کر دیا ہے۔'' ولید نے مسکراتے ہوئے بتایا تو انا ہنس دی۔

''ویسے یہ غزل بہت ہی اچھی ہے آپ لوگوں کی دیکھا دیکھی لگتا ہے کہ میں بھی اس کی دیوانی ہو جاؤں گی۔''

انا نے آواز قدرے بلند کرتے کہا۔

یہی آغاز تھا میرا، یہی انجام ہونا تھا
مجھے برباد ہونا تھا مجھے ناکام ہونا تھا
مجھے تقدیر نے تقدیر کا مارا بنا ڈالا
چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

گائیک کی آواز نے ایک عجیب سا سحر طاری کر دیا تھا۔

ہوٹل میں کافی گہما گہمی تھی، ولید کا رویہ اتنا خوشگوار تھا کہ انا کے دل میں موجود تمام وسوسے اور خدشات کہیں جا سوئے تھے۔

''ہیلو۔'' وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے جب انا نے اس آواز پر چونک کر پلٹ کر دیکھا۔ ان سے چند قدم کے فاصلے پر کاشفہ کھڑی تھی جو مسکرا کر ولید کو دیکھ رہی تھی۔

''واؤ، امیزنگ......وات آ سرپرائز......!'' وہ کہہ رہی تھی۔ انا کا منہ کی طرف جاتا ہاتھ رک گیا تھا۔ اس نے فوراً ولید کو دیکھا۔

''ہائے۔'' ولید مسکرا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''کیسی ہیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا کاشفہ ٹیبل کے پاس آ رکی تھی۔ انا نے ماموں کو دیکھا وہ بھی کھانا ترک کیے لڑکی کو ہی دیکھ رہے تھے۔

''می فائن، اینڈ یو؟'' وہ کافی بے تکلفی سے پوچھ رہی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے۔''

''آیئے بیٹھیں۔'' کاشفہ نے نظریں ہٹا کر ضیا صاحب اور انا کو دیکھا ولید نے فوراً تعارف کروایا۔

''یہ میرے بابا ہیں اور یہ انا سے تو آپ مل چکی ہیں نا۔'' کاشفہ نے سر ہلا کر ضیا صاحب کو دیکھا۔

''ہیلو انکل۔'' انہوں نے بھی سر ہلا دیا۔

''پلیز بیٹھیں۔'' اس نے انا کی طرف دیکھا تو انا کو کہنا پڑا۔ ورنہ کاشفہ کو دیکھ کر اس کا سارا موڈ غارت ہو چکا تھا۔

''تھینکس۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی ولید نے بھی اپنی سیٹ سنبھال لی تھی۔

''بابا ایک بار کاشفہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو میں نے ہیلپ کی تھی تب سے ہماری سلام دعا ہو گئی۔'' ضیا صاحب نے ولید کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے بتایا۔ انہوں نے سر ہلایا جبکہ انا سر جھکائے اپنی پلیٹ کو گھورنے لگ گئی۔

''آپ شادی والے دن جلدی چلی گئی تھیں اور پھر ولیمہ میں بھی نہیں آئیں۔'' ولید نے کاشفہ سے پوچھا۔

''بس ایک کام تھا سو نہ آ سکی ویسے آپ کی سسٹر بہت پیاری لگ رہی تھی۔'' دونوں کے درمیان کافی بے تکلفی تھی انا کا دل جلنے لگا۔

''تھینکس۔''

''آپ بھی کچھ لیں نا بیٹا۔'' بابا نے کہا۔

''تھینکس انکل، میں ادھر کچھ دوستوں کے ساتھ آئی ہوئی ہوں ولید کو دیکھا تو ادھر آ گئی ڈنر ان کے ساتھ ہی کروں گی۔'' کاشفہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''او کے ولید نائس ٹو میٹ یو، سی یو اگین، بائے۔'' وہ کہہ کر چلی گئی اور انا سلگتی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

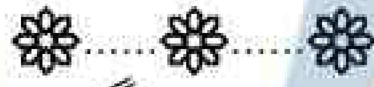
''کافی آزاد خیال گھرانے کی لڑکی لگتی ہے۔'' ضیا صاحب نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

''ہوں......'' ولید نے انا کو دیکھا وہ خاموش تھی۔

''مجھے حیرت ہو رہی ہے تمہاری اس سے دوستی کیسے ہو گئی۔ مجھے تو یہ کسی بھی طرح سے تمہاری دوستی کے قابل نہیں لگی، اس سے بہتر تو کیتھی تھی۔ غیر مسلم ضرور تھی مگر تھی کافی مہذب سی۔'' ضیا صاحب نے صاف کہا تو ولید نے گہرا سانس لیا۔

''بابا میری اس سے دوستی نہیں بس سلام دعا ہے۔''
''مگر اس لڑکی کے انداز سے کچھ اور ہی ظاہر ہو رہا تھا۔'' انہوں نے کہا تو انا نے سر اٹھا کر ولید کو دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔
''لیو دس بابا، جسٹ علیک سلیک ہے، اینڈ نتھنگ مور۔''
''آج احسن کے بغیر کام کیسا رہا؟'' ضیا صاحب نے بھی بات پلٹی۔ ولید ان کو آج کے دن کی تفصیل بتانے لگا تھا اور انا خاموشی سے پلیٹ میں موجود چاولوں سے کھیلتی رہی۔
''کیا بات ہے تم کچھ کھا نہیں رہی ہو۔'' ضیا صاحب کی نظر اس کی پلیٹ پر پڑی تو انہوں نے ٹوکا اس نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔
''نہیں میں کھا رہی ہوں۔'' حقیقت میں کاشفہ کو دیکھ کر تو اس کی ساری بھوک ہی مر گئی تھی۔
نجانے کیوں اسے پہلی نظر سے ہی یہ لڑکی اچھی نہ لگی تھی۔ اوپر سے اس کا بے پناہ حسن۔
''تم نے کچھ اور تو لیا نہیں، یہ ڈش اسپیشلی تمہارے لیے ہی منگوائی تھی میں نے۔'' فرائیڈ فش کی ڈش انا کے سامنے کرتے ولید نے ٹوکا تو اس نے ایک گہرا سانس خارج کرتے اس کے ہاتھ سے لے لی۔
''تھینکس۔'' فش کا ایک چھوٹا سا پیس اپنی پلیٹ میں منتقل کرتے وہ کھانے لگی۔
''کیا بات ہے بیٹا، چپ کیوں ہو بول کیوں نہیں رہی؟'' کھانا کھاتے ضیا صاحب کو اس کی خاموشی محسوس ہوئی تو کہا۔
''کیا بولوں آپ دونوں تو اپنی باتیں کر رہے ہیں میں بھلا اس میں کیا بات کروں۔'' اس وقت اس کا کسی سے بھی بات کرنے کا جی نہیں کر رہا تھا۔
''آج سارا دن احسن اور روشی کے جانے کے بعد سے یہ بور ہوتی رہی ہے اس کا موڈ بدلنے کو میں اسے لے کر باہر آیا تھا مگر کوئی خاص فرق نہیں لگ رہا۔'' ماموں نے ولید کو بتاتے کہا تو وہ ہنس دی۔
''میں ٹھیک ہوں ماموں جان۔'' ولید نے کھانا کھاتے اسے بھی دیکھا۔
پنک لباس میں ہلکی سی لپ اسٹک ہونٹوں پر لگی ہوئی تھی بہت خاص اہتمام نہ تھا مگر وہ کافی اٹریکٹیو لگ رہی تھی۔ دوپٹا سر پر موجود تھا اس نے کئی بار نوٹ کیا تھا کہ انا باہر آتے جاتے چادر یا دوپٹا کا خاص خیال رکھتی تھی۔ اس وقت بھی بائیں ہاتھ سے پلو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔
''آج مصطفیٰ کی کال آئی تھی۔ وہ روشی، احسن اور ہمیں ڈنر پر انوائٹ کر رہا تھا۔'' ولید نے بتایا تو اس نے چونک کر دیکھا۔
''پھر۔'' ضیا صاحب نے پوچھا۔
''میں نے کہہ دیا کہ فی الحال تو دونوں گھومنے پھرنے نکل گئے ہیں واپس آئیں گے تو دیکھیں گے۔''
''آپ نے مصطفیٰ بھائی کا گھر دیکھا ہے آئی مین کبھی گئے ہیں۔'' انا نے سادگی سے پوچھا۔
''نہیں کبھی اتفاق نہیں ہوا۔''
''بہت پیارا گھر ہے ان کا مگر جب ان لوگوں سے ملیں تو ذرا بھی امارت وغیرہ نہیں کرتے۔ مصطفیٰ بھائی کی والدہ بہت ہی نائس خاتون ہیں روشی کو شادی پر گولڈ کی جیولری گفٹ کی تھی۔'' انا نے ماموں کو بتایا۔
''مصطفیٰ کے دونوں بھائی اور دادا سے تو میں بھی ملا ہوں اچھے لوگ تھے۔'' ضیا ماموں نے سرسری سا کہا۔
''ویسے مصطفیٰ کے دادا کافی پراسرار شخصیت کے مالک لگے تھے مجھے۔'' ضیا صاحب نے اپنے خیالات کا بھی اظہار کیا۔
''ہاں سنجیدہ سنجیدہ اور کچھ کھوج رکھنے والا مزاج لگا تھا مجھے بھی۔'' ولید نے ویٹر کو بل لانے کو کہا۔ وہ لوگ بل پے کر کے باہر آ گئے۔
''اب کہاں جانا ہے؟'' گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ولید نے انا کے پاس رک کر پوچھا تھا ماموں دروازہ کھول کر بیٹھ چکے تھے۔
''گھر چلتے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو ولید نے اسے بغور دیکھا۔
''موڈ کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا ہے۔'' دھیمے سے کہا تو اس نے جھجک کر ولید کو دیکھا وہ متوجہ تھا نجانے آنکھوں میں کیسا تاثر تھا کہ وہ بے اختیار پلکیں گرا گئی تھی۔
''غلط فہمی ہے آپ کی؟'' دھیمے سے کہہ کر اس نے گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا تو ولید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔
انا نے گھبرا کر ماموں کو دیکھا وہ ادھر متوجہ نہیں تھے وہ باہر کی طرف دیکھ رہے تھے انا نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔
''میں بھی دروازہ کھولنے لگا تھا۔'' ولید کہہ کر دروازہ کھولتے اس کے پاس سے ہٹ کر دوسری طرف ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھی تو ولید

نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ انا فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اپنے ہاتھ پر ہاتھ رکھے انہیں گھور رہی تھی۔ ولید نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر گاڑی پارکنگ سے نکال لی تھی۔



اسے حویلی آئے دو راتیں گزر چکی تھیں۔ تابندہ بوا سے اس کا رویہ بہت ہی بگڑا ہوا تھا۔ وہ ان سے بات نہیں کر رہی تھی۔ اپنا موبائل بھی اس نے بند کر رکھا تھا اور شہر سے آنے والی وہ کوئی کال بھی نہیں سن رہی تھی۔ وہ اکیلی بیٹھی خود سے اور اپنی سوچوں سے لڑتے لڑتے اکتا گئی تو بابا صاحب کے کمرے میں چلی آئی مگر وہ کمرے میں موجود نہ تھے۔

''نجانے کدھر گئے ابھی تو حویلی میں ہی تھے۔'' اس نے ارد گرد دیکھا۔ باتھ روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

وہ یونہی ان کی سائیڈ دراز میں رکھی لاتعداد کتابوں کے پاس آ رکی۔ بابا صاحب کو کتابوں کا بہت شوق تھا وہ اکثر مطالعہ کرتے دکھائی دیتے تھے۔ شہوار نے سب سے پہلی کتاب اٹھالی۔

''زاویہ..... اشفاق احمد۔'' اس نے یونہی کھڑے کھڑے کتاب کا ٹائٹل دیکھا اور پھر کتاب لے کر کرسی پر آ بیٹھی تھی۔

اس نے جیسے ہی کتاب کھولی تب ہی کوئی چیز گری تھی شہوار نے کتاب سے نظر ہٹا کر دیکھا یہ کوئی تصویر تھی۔ وہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''چار پانچ سال کے کسی بچے کی بہت پیاری تصویر تھی۔ بلیک اینڈ وائٹ کافی پرانی لگ رہی تھی۔

''یہ کون ہوسکتا ہے بھلا؟ وہ غور سے تصویر کو دیکھنے لگی۔ اسے بچے کے نقوش کچھ مانوس سے محسوس ہوئے۔

''کیا میں نے اس بچے کو کہیں دیکھا ہے؟'' وہ تصویر کو گھورتے سوچ رہی تھی کہ بابا صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ بابا صاحب اسے اور پھر اس کے ہاتھ میں تصویر دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے۔

''یہ.....!'' کچھ لمحوں بعد وہ شہوار کے سامنے آ رکے تھے۔ شہوار کھڑی ہوگئی تھی۔

''یہ تصویر اس کتاب میں تھی یہ کون ہیں بابا صاحب؟'' تصویر ان کے سامنے کرتے اس نے پوچھا تو بابا صاحب نے تصویر اس کے ہاتھ سے تیزی سے لے لی تھی۔

''پتا نہیں، یہ کتاب میرے کسی دوست کی تھی تو تصویر بھی اس کے اندر ہی تھی کسی دن واپس بھجوا دوں گا بھلا میرے کس کام کی۔'' انہوں نے تصویر آگے بڑھ کر الماری میں رکھ دی تھی۔ شہوار مسکرا دی۔

''پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگا کہ میں اس بچے کو دیکھ چکی ہوں مگر یہ تو کافی پرانی لگ رہی ہے۔ بلیک اینڈ وائٹ ہے۔''

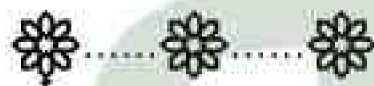
''کہاں دیکھا آپ نے اس بچے کو۔'' انہوں نے پوچھا۔

''پتا نہیں یاد نہیں آ رہا۔ بس ایسے لگا کہ کہیں دیکھا ہے ہوسکتا ہے میرا وہم ہو۔'' شہوار نے سادگی سے کہا تو بابا صاحب سر ہلا کر بستر پر ٹک گئے۔

''میں بور ہو رہی تھی تو سوچا کہ آپ سے ہی باتیں کرلوں۔'' شہوار نے کہا۔

''میں تھک گیا ہوں بیٹا ابھی کچھ دیر لیٹوں گا آپ شام کو تیار رہنا مل کر باہر چہل قدمی کرنے چلیں گے۔'' انہوں نے کہا تو شہوار نے فوراً سر ہلا دیا۔

''کیوں نہیں، آپ آرام کرلیں پھر۔'' شہوار کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی بابا صاحب نے دلبرداشتہ انداز میں اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھا تھا۔



آج ہادیہ چھٹی پر تھی سو وہ خود ہی آ گئی تھی اور اب واپسی پر خود ہی جانا تھا وہ آفس سے نکلی تو مین روڈ پر آ گئی ارادہ تھا کہ یہاں سے کوئی لوکل کنوینس لے لگی جو اسے اس کے روڈ تک ڈراپ کردے۔ وہ دو تین منٹ کھڑی رہی تھی جب سیاہ کرولا اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''ہائے۔'' عادلہ نے شیشہ نیچے کرتے کہا تو وہ متوجہ ہوگئی۔

''آپ ادھر؟'' اس نے حیران ہوکر کہا۔

''ہاں ادھر سے گزر رہی تھی تمہیں دیکھا تو رک گئی سواری کا ویٹ کر رہی ہو؟''

''جی۔'' وہ جو سوچے بیٹھی تھی کہ اب وہ اس عورت کو نہیں سوچے گی مگر اسے دیکھ کر پھر بات کرنا پڑ رہی تھی۔

''آؤ بیٹھو میں ڈراپ کردیتی ہوں۔'' عادلہ نے آفر کی۔

''نہیں میں چلی جاؤں گی۔''
''کم آن یار، تم ہادیہ کے ساتھ آتی جاتی ہو اور آگے تم رکشہ لے کر اپنے گھر جاتی ہو، مجھے تمہاری روٹین کا علم ہے پلیز بیٹھو۔'' دروازہ کھول کر وہ اصرار کر رہی تھی۔ رابعہ نے الجھ کر دیکھا۔
''لیٹس کم آن یار۔'' وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔
''تمہارا نمبر آج کل بند جا رہا ہے؟'' کچھ دیر بعد عادلہ نے پوچھا تو وہ چونکی اس نے عادلہ سے بچنے کے لیے اپنا نمبر بند کیا ہوا تھا۔
''جی موبائل خراب ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''جاب کیسی جا رہی ہے۔'' عادلہ نے اگلا سوال کیا۔
''گڈ۔'' عادلہ نے اسے بغور دیکھا۔ وہ سامنے ونڈ اسکرین کو گھور رہی تھی۔
''او کے اور تمہارے وہ عباس صاحب۔'' رابعہ نے عادلہ کو دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔
''مطلب میں سمجھی نہیں؟''
''مطلب یہ کہ وہ کیسے ہیں تمہارے ساتھ ٹھیک ہیں انہیں علم تو نہیں ہوا کہ میں تم سے ملتی ہوں۔'' عادلہ پوچھ رہی تھی۔
''جی نہیں، اگر آپ مجھ سے ملتی ہیں تو بھلا اس بات سے انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' سنجیدگی سے عادلہ کو دیکھتے اس نے پوچھا۔
''تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ کس قدر شارپ انسان ہے۔ اسے کبھی مت بتانا کہ تم مجھ سے ملتی ہو۔ ورنہ تمہاری طرف سے بھی مشکوک ہو جائے گا۔'' رابعہ حیران ہوئی۔
''میری طرف سے کیوں؟''
''وہ سمجھے گا کہ میں تم کو ان لوگوں کی طرف سے بدظن کر رہی ہوں۔'' چہرے پر لاچاری کے تاثرات لاتے عادلہ نے کہا۔
''کیا آپ واقعی مجھے بدظن کر رہی ہیں۔'' رابعہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔
''تمہیں کیا لگتا ہے؟'' وہ اسے بغور دیکھنے لگ گئی تھی۔ رابعہ نے کندھے اچکا دیے۔
''آئی ایم ٹوٹلی کنفیوز، میری آپ سے پہلی ملاقات جن حالات میں ہوئی اور آپ کا جو بھی رویہ تھا اس کو سوچوں تو مجھے آپ پر بالکل بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ مگر آپ کی کہانی سنوں تو آپ پر ترس آتا ہے اور جب لوگوں سے آپ اور عباس سر لوگوں کے ریلیشنز کا سنوں تو کنفیوز ہو جاتی ہوں کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ؟'' رابعہ نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔
''تمہیں لگتا ہے کہ میں جھوٹ بولتی ہوں، ایک ماں اپنے بچے کے معاملے میں بھلا کیسے جھوٹ بول سکتی ہے۔ میں تڑپ رہی ہوں اپنے بچے سے ملنے کے لیے مگر وہ لوگ ملنے نہیں دیتے۔'' وہ ایک سائیڈ میں گاڑی روک کر رونے لگی۔ رابعہ نے الجھ کر اسے دیکھا وہ ٹشو سے آنکھیں مسل رہی تھی۔
''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ جھوٹ بول رہی ہیں مگر ایسی صورت حال میں ایک ہی سلوشن ہے کہ آپ کورٹ میں جائیں اور کیس دائر کر دیں اتنے چھوٹے بچے اور ایک ماں کو اس سے دور کیسے رکھ سکتے ہیں۔''
''میں نہیں کر سکتی۔ میرے بھائی کو حوالات میں بند کروایا ہوا ہے ان لوگوں نے اور جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے ہیں بلکہ میرا حق مہر اور میرے نام لکھوائی گئی پراپرٹی پر بھی قبضہ کیا ہوا ہے۔'' عادلہ کے رونے میں تیزی آ گئی تھی۔
رابعہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟
''تم میری ایک ہیلپ کر سکتی ہو؟'' ٹشو سے آنکھیں صاف کرتے عادلہ نے کہا۔
''جی کہیے۔''
''تم عباس کے آفس میں کام کرتی ہو تم اس سے چند سادہ پیپرز پر سگنیچرز لے کر مجھے دے سکتی ہو کیا؟'' عادلہ نے کہا تو رابعہ نے چونک کر دیکھا۔
''کیا مطلب کیسے پیپرز۔''
''کچھ بلینک پیپر ہوں گے بس ان پر دستخط لینے ہیں جو کہ میں عباس کے خلاف اپنے بیٹے کو بازیاب کرانے کے لیے استعمال کر سکتی ہوں۔''
''ہرگز نہیں۔ میں ان کی ورکر ہوں جو بھی ایشوز ہیں آپ دونوں کے درمیان ہیں میں آپ لوگوں کے کسی بھی معاملے میں انوالو نہیں ہونا

چاہتی۔ ایم سوری۔'' رابعہ نے ایک دم سختی سے انکار کیا۔ عادلہ نے سپاٹ تاثرات سے اسے دیکھا۔

''انکار کرنے سے پہلے ایک بار اچھی طرح سوچ لو تم جتنی بھی ڈیمانڈ کرو گی میں دوں گی۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتی کہ میں تمہیں کس قدر خوش کر سکتی ہوں۔'' عادلہ کی ٹون ہی بدل گئی تھی رابعہ حیران رہ گئی۔ رابعہ نے عادلہ کو بغور دیکھا اسے چند پل لگے تھے اس عورت کو سمجھنے میں۔

''آیم سوری۔'' وہ کہہ کر اپنا بیگ سنبھالتی گاڑی سے اترنے لگی۔

''رکو......'' عادلہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مجھے نہیں علم کہ آپ کے کیا ارادے ہیں مگر یہ بات فائنل ہے کہ میں آپ کے کسی بھی پلان میں آپ کی معاون نہیں بن سکتی۔'' رابعہ کا انداز سخت تھا۔

''اوکے، مگر ایک بات سن لو، میں تمہارے گھر گئی اس کے بعد فون پر بھی ہماری بات چیت ہوتی رہی اور اب اس گاڑی میں بھی ایک کیمرہ فٹ ہے جس میں تمہاری ویڈیو لی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ تمہاری آواز بھی سیف ہے میرے پاس۔ ٹیکنالوجی نے بہت ترقی کر لی ہے اگر تم میری آفر نہیں مانو گی تو سوچ لو اس ویڈیو کو کس طرح استعمال کروا سکتی ہوں۔'' عادلہ نے پتھریلے لہجے میں کہا تو رابعہ ساکت رہ گئی۔

''آپ مجھے بلیک میل کر رہی ہیں؟''

''نہیں، تمہارے انکار کے بعد کی سچویشن کا بتا رہی ہوں۔'' عادلہ نے بہت ہی مطمئن اور پرسکون لہجے میں کہا تو رابعہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا عادلہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''گھبراؤ نہیں اگر تم میرا کام کرو گی تو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ دیکھو تم تو مجھ پر اب احسان کرو گی۔ ایک تڑپتی مامتا کی ماری ماں سے اس کے بچے کو ملوانا بھی تو ثواب کا کام ہے نا۔'' عادلہ نے کہا تو رابعہ نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور وہ بغیر کچھ کہے گاڑی سے نکل گئی۔

''میں پھر رابطہ کروں گی بہت اچھی طرح سوچ کر جواب دینا۔'' پیچھے سے عادلہ نے اونچی آواز میں کہا۔ رابعہ بغیر مڑے اور دیکھے تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔

❀.........❀.........❀

وہ بابا صاحب کے ہمراہ باہر کھیتوں کی طرف چہل قدمی کرنے چلی آئی تھی۔ کافی عرصہ بعد یوں گھومنا اسے بڑا اچھا لگا۔ دل و دماغ میں جو ایک کشمکش چل رہی تھی وہ سب بھلا کر بابا صاحب کے ساتھ تھی۔

مغرب کی نماز بابا صاحب مسجد میں پڑھنے چلے گئے۔ مسجد کے ساتھ والا گھر امام مسجد کا تھا ان کی بیٹی زبیدہ اس کی بچپن کی دوست تھی۔ وہ ان کے ہاں چلی آئی۔ مغرب کی نماز اس نے ان کی فیملی کے ساتھ ہی پڑھی اور پھر مغرب کے بعد بابا صاحب کا حویلی چلنے کا پیغام آیا تو زبیدہ نے اسے روک لیا۔ بابا صاحب واپس حویلی چلے گئے تھے۔

رات کا کھانا اس نے زبیدہ کے ساتھ اس کے گھر میں ہی کھایا تھا کھانے کے بعد وہ اور زبیدہ ان کے صحن میں ٹہلتی رہی تھیں۔

نو بجے تو شہوار کو واپسی کا خیال آیا مولوی صاحب اور زبیدہ اسے خود چھوڑنے آئے تھے ابھی وہ تینوں حویلی سے دور تھے جب عقب سے آتی گاڑی کا ہارن سن کر رک گئے۔

''یہ کون آ گیا؟'' اندھیرے میں انہوں نے گاڑی کی جلتی ہیڈ لائٹس کو گھورا۔ گاڑی کا ہارن دوبارہ گونجا تو شہوار چونک گئی۔

یہ تو مصطفیٰ کی گاڑی تھی گاڑی بھی ان کے پاس آ کر رک گئی۔ مصطفیٰ گاڑی سے باہر نکل آیا۔

مصطفیٰ مولوی صاحب سے سلام دعا کرنے لگا تو شہوار نے چہرے کا رخ بدلا۔ وہ مصطفیٰ کو اس وقت یہاں دیکھ کر حیران تھی۔

''شہوار بچی ہمارے یہاں آئی ہوئی تھی تو ہم دونوں باپ بیٹی چھوڑنے جا رہے تھے۔'' مولوی صاحب کی آواز سنائی دی تھی۔

''آئیں گاڑی میں بیٹھیں میں حویلی جا رہا ہوں۔''

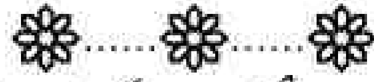
''نہیں اب ہم چلتے ہیں شہوار بٹی اپنے ساتھ لے جائیں۔'' مولوی صاحب نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

''اوکے مصطفیٰ بھائی آ گئے ہیں میرا خیال ہے تمہیں لینے ہی آئے ہیں تم ان کے ساتھ جاؤ اب۔'' زبیدہ نے شرارت سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

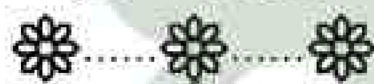
''بیٹھیں۔'' وہ دونوں واپس چلے گئے تو مصطفیٰ نے گاڑی میں بیٹھ کر فرنٹ ڈور کھولا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی چادر کا پلو اس کے چہرے کے گرد مسلسل لپٹا ہوا تھا۔

''رات کے اس وقت کسی کے ہاں جانے اور واپس آنے کا کوئی معقول ٹائم نہیں ہے۔'' مصطفیٰ نے گاڑی اسٹارٹ کرتے اپنی ناگواری کا اظہار

کیا تھا۔
"میں بابا صاحب کے ساتھ تھی ان کی اجازت سے ادھر رکی تھی۔"مصطفیٰ کی ناگواری پر اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔
مصطفیٰ نے گاڑی کی ہلکی سی روشنی میں دیکھا چادر کا پلو منہ کے آگے کیے وہ بڑی بے زاری بیٹھی ہوئی تھی مصطفیٰ پھر خاموش ہی رہا تھا۔حویلی پہنچ کر وہ فوراً گاڑی سے نکل کر اندر چلی گئی تھی۔
"بہت دیر لگا دی آنے میں، میں تاج کو بھیجنے ہی والی تھی لینے کو۔کس کے ساتھ واپس آئی ہو؟"تابندہ بوا ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھیں فکرمندی لہجے سے عیاں تھیں وہ خاموشی سے جواب دیے بغیر آگے بڑھی تھی۔
"کھانا تو کھالو۔"انہوں نے کہا۔
"میں کھا چکی ہوں۔کمرے میں جا رہی ہوں اب کوئی ڈسٹرب نہ کرے پلیز۔"وہ تیزی سے کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



"کیا بات ہے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔"وہ رات کے دس بجے صحن میں چکر لگا رہی تھی سبھی اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔وہ عادلہ اور اس کی باتوں کو لے کر پریشان تھی کہ آرام و سکون سے سوچ کر اس نئی افتاد کا حل نکالے گی مگر عین وقت پر فیضان ماموں آ گئے تھے۔
"کچھ نہیں ماموں جان بس ویسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی تو ادھر آ گئی۔"اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔
"نیند کیوں نہیں آ رہی۔"
"بس ویسے ہی۔"اس نے مسکرا کر کہا۔
"جاب ٹھیک چل رہی ہے۔"ماموں نے پوچھا تو وہ سنجیدہ ہو گئی جی چاہا کہ وہ ان کو سب کہہ دے مگر پھر ٹال گئی۔
"جی۔"
"آج سہیل سے بات ہوئی تھی میری اس کا دوست اب ٹھیک ہے وہ چند دنوں میں پاکستان آ رہا ہے، ہمارے ہاں رکے گا۔"ماموں بھی اس کے ساتھ ٹہلنے لگے۔رابعہ نے چونک کر ماموں کو دیکھا۔
"ہمارے یہاں......؟"
"ہوں۔"ماموں نے سر ہلایا۔
"اماں مان گئیں۔"اس نے ماموں کو بغور دیکھا کچھ سوچتا انداز تھا۔
"ہاں بلکہ سہیل نے ماں سے ایک اور بات کی تھی۔لڑکا پڑھا لکھا سلجھا ہوا ہے سہیل چاہ رہا تھا کہ ہم لوگ اسے اچھی طرح دیکھ اور پرکھ لیں اگر ہم مطمئن ہو جاتے ہیں تو وہ تمہارے رشتے کی اس سے بات کرے گا۔ابوبکر تنہا ہے والدین اور بہن بھائی نہیں ہیں۔پچھلے چار سال سے باہر تھا کافی کچھ کمایا ہے اب پاکستان میں سیٹل ہونا چاہتا ہے۔"ماموں نے بتایا تو وہ حیرانی سے انہیں دیکھے گئی۔
"تمہیں اس لیے سب بتا رہا ہوں کہ تمہاری زندگی کا ایک اہم فیصلہ ہونے جا رہا ہے تم ابوبکر کو دیکھ پرکھ لینا۔میں تمہاری خواہش کے مطابق ہی فیصلہ ہونے دوں گا۔"ماموں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ سر جھکا گئی۔
شادی اور جیون ساتھی کے حوالے سے اس نے کئی لمبے چوڑے خواب نہیں دیکھ رکھے تھے۔مگر پھر بھی ماموں کے الفاظ نے اس کے دل کو عجیب سے احساسات سے چھوا تھا۔
"رات کافی گہری ہو رہی ہے جاؤ جا کر سو جاؤ۔پھر صبح آفس بھی جانا ہے۔"ماموں نے کہا تو وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔
وہ جو عادلہ کو لے کر پریشان تھی وقتی طور پر ذہن سے وہ بات نکل گئی تھی وہ اس بات کو لے کر بہت کچھ سوچنے لگ گئی تھی۔



کمرے میں آ کر اس نے نماز پڑھی اور پھر مصطفیٰ کے آنے کا سوچنے لگی کہ پتا نہیں وہ کیوں آیا ہے۔وہ اندر ہی اندر الجھتی رہی تھی۔تمام لائٹس آف کیے بستر پر لیٹ تھی اور وہ مصطفیٰ، شادی، رخصتی کسی بھی چیز کو سوچنا نہیں چاہتی تھی وہ ہر بات کو ذہن سے جھٹکتے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔
پچھلی دو راتیں اس نے عجیب کشمکش میں گزاری تھیں کل کی ساری رات وہ سوئی نہیں تھی لہٰذا اب لیٹتے ہی وہ سو گئی تھی۔رات کا نجانے کون سا پہر تھا اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔اندھیرے کمرے میں اس نے اندازے سے سائیڈ لیمپ جلانا چاہا مگر جل نہ پایا شاید لائٹ چلی گئی تھی۔کسی نے یوپی

ایس آن نہیں کیا تھا وہ بستر سے اتر کر سوئچ بورڈ کے پاس آئی اپنی تسلی کو چیک کیا مگر لائٹ واقعی آف تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھولی تو ہلکی سی چاند کی روشنی سے کمرہ کی تاریکی کم ہوگئی تھی۔ اس نے بستر سے اپنا دوپٹا اٹھا کر گلے میں ڈالا اور کچھ سوچتے ہوئے باہر آ گئی۔ باہر بھی ویسے ہی اندھیرا تھا اور وہ اپنے اندازے سے چل رہی تھی جب راہداری سے گزرتے وہ کسی سخت چیز سے ٹکرائی۔

''اوف۔'' اس کی چیخ نکلی۔

وہ شاید کسی ستون سے ٹکرائی تھی پاؤں اور پیشانی پر بری طرح چوٹ لگی تھی وہ اپنا سر تھام کر زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے پاؤں تھاما تھا۔

''کون ہے......ادھر......کون ہے؟'' مصطفیٰ کی آواز سنائی دی اور پھر اس کے ہاتھ میں تھامے موبائل کی روشنی شہوار پر پڑی۔

شہوار نے سر سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا مصطفیٰ اس کے پاس کھڑا تھا۔

''شہوار......کیا ہوا؟'' اسے زمین پر بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

''اٹھو کیا ہوا ہے؟'' مصطفیٰ نے جھک کر اس کا بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا تو اس کے پاؤں سے ٹیس اٹھی تھیں۔

''اوہ......نو۔'' وہ پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی۔

مصطفیٰ نے موبائل کی روشنی اس کے پاؤں پر ڈالی تو وہاں انگوٹھے کے ناخن سے بلیڈنگ ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے، کیسے لگی چوٹ؟'' وہ بھی اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ شہوار ننگے پاؤں ہی کمرے سے نکلی تھی۔

''پتا نہیں۔'' شہوار نے جھنجلا کر کہا اور اپنا دوپٹہ ناخن پر رکھ دیا۔ ایک تو درد کی وجہ سے دوسرا مصطفیٰ کے سامنے کی وجہ سے وہ سخت جھنجلا رہی تھی۔

''اچھا اٹھیں تو سہی، اس طرح بیٹھے رہنے سے کیا ہوگا، کوئی چیز لگائیں زخم کے اوپر۔'' مصطفیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے لگی۔ مصطفیٰ نے دوسرا بازو تھام کر سہارا دیا۔

''میں چل سکتی ہوں اب اتنا بھی گہرا زخم نہیں ہے۔'' مصطفیٰ کے وجود سے پرفیوم کی مہک اٹھ رہی تھی۔ اندھیرے اور اس قربت کے عالم میں ایک دم کنفیوژ ہو کر اس نے اپنا بازو چھڑایا تھا۔

مصطفیٰ نے دیکھا وہ پاؤں کے زخم کی وجہ سے لڑکھڑا کر چل رہی تھی۔ وہ واپس کمرے میں آئی تو مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ اندر آ کر بستر پر بیٹھ گئی اور بستر پر پاؤں رکھ کر اس نے دیکھنا چاہا۔

''زخم کیسے لگا؟'' مصطفیٰ نے موبائل کی روشنی اس کے پاؤں پر ڈالتے پوچھا۔

''اندھیرے میں پتا نہیں چلا اور راہداری کے ستون سے ٹکرا گئی۔'' وہ سر جھکائے اپنے زخم کا جائزہ لے رہی تھی۔

انگوٹھے کا ناخن تھوڑا سا ٹوٹ گیا تھا جس کی وجہ سے بلیڈنگ ہو رہی تھی۔

''یہ لیں زخم صاف کریں۔'' مصطفیٰ نے جیب سے رومال نکال کر تھمایا تو شہوار نے خاموشی سے لے کر ناخن صاف کیا۔

''بینڈیج کا سامان تو ہوگا حویلی میں۔''

''ہوں......کچن کی کسی دراز میں ہوگا فرسٹ ایڈ باکس۔''

''میں لے آتا ہوں۔''

مصطفیٰ کہہ کر چلا گیا تھا موبائل بھی ساتھ لے گیا تھا کمرے میں پھر اندھیرا چھا گیا تھا صرف کھڑکی سے آتی چاند کی روشنی تھی۔ شہوار نے اپنی پیشانی مسلی، وہاں ہلکا سا ابھار محسوس ہوا۔

''اب یہ نئی مصیبت کیا ضرورت تھی مجھے کمرے سے نکلنے کی نجانے کیا وقت ہوا ہے اور یہ بھی ابھی تک جاگ رہے ہیں۔'' وہ خود کو کوسنے لگی تو مصطفیٰ باکس لیے واپس آ گیا۔

مصطفیٰ نے اسے باکس تھمایا تو اس نے خاموشی سے لے لیا اور ڈیٹول نکال کر روئی کی مدد سے پہلے خون صاف کیا پھر پٹی باندھ لی۔ مصطفیٰ قریب ہی موبائل لیے کھڑا رہا تھا۔

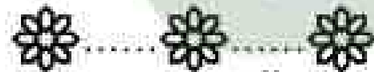
''زیادہ گہرا زخم تو نہیں۔'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ٹائم کیا ہوا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''دو بج رہے ہیں۔''

''آپ سوئے نہیں۔'' مصطفیٰ کو اسی طرح کھڑے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

''نہیں ایک کال تھی وہ سن رہا تھا جب تمہاری چیخ پر متوجہ ہوا تھا میں باہر راہداری میں ہی ٹہل رہا تھا اس وقت۔'' وہ خاموش ہو گئی مگر مصطفیٰ اس کے قریب سے ہٹ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ شہوار کو اس کی یہاں موجودگی سے الجھن ہونے لگی۔
''آپ حویلی کیسے آئے؟'' معنی خیز خاموشی سے گھبرا کر شہوار نے پوچھا۔
''میں ایک کام سے یہاں نزدیکی علاقہ میں آیا تھا واپسی پر کال آ گئی کہ تمہیں بھی لیتا آؤں، سو ادھر چلا آیا صبح صبح نکلیں گے ہم مجھے رستے میں ایک دو جگہ رکنا بھی ہے۔'' شہوار خاموش ہو گئی تھی پچھلی بار کی طرح وہ مصطفیٰ کے ساتھ جانے یا واپس شہر جانے سے انکار نہ کر پائی تھی۔
''آپ کو نیند نہیں آ رہی؟'' وہ اسے اسی طرح کھڑکی کے پاس جمے دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ موبائل کی ہلکی سی روشنی کچھ واضح نہ کر پائی تھی۔
''کیوں تمہیں نیند آ رہی ہے؟''
''ہاں۔'' شہوار نے سنجیدگی سے کہا۔
''باہر کیا لینے گئی تھیں؟'' وہ اب اس کے قریب آ کھڑا ہوا تو شہوار کے خدوخال واضح ہو گئے تھے۔
''مجھے پیاس لگی تھی۔''
''موبائل کیوں بند کر رکھا ہے۔''
''صبح کس وقت نکلنا ہے۔'' مصطفیٰ کے سوال کا جواب دیے بغیر اس نے پوچھا۔
''پانچ بجے بتایا نہیں کہ موبائل کیوں بند کر رکھا ہے۔''
''یہاں آ کر موبائل کی کچھ خاص ضرورت محسوس نہ کی تھی تو دراز میں ڈال دیا تھا شاید بیٹری آف ہو گئی ہو گی۔''
مصطفیٰ نے چند پل اسے دیکھا اور پھر اس کے ساتھ ہی بستر پر بیٹھ گیا تو شہوار ایک دم گھبرا گئی مگر مدھم سی روشنی میں مصطفیٰ اس کی گھبراہٹ نہ دیکھ پایا تھا۔
''مجھے نیند آ رہی ہے میں سونے لگی ہوں۔'' اس نے وہاں سے ہٹنا چاہا تھا جب مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر بازو رکھ کر اس کے حرکت کرتے وجود کو ساکن کر دیا تھا۔
''مگر مجھے تو نیند نہیں آ رہی۔ ویسے بھی پانچ بجے نکلنا ہے تو اس وقت سوئیں گی تو وقت پر اٹھ نہیں پائیں گی۔'' مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا وہ ایک دم پلکیں گرا گئی تھی۔
''میں اٹھ جاؤں گی۔ ڈونٹ وری۔'' وہ مصطفیٰ کا بازو ہٹا کر دوسری طرف ہو کر لیٹ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا وہ سر تک چادر تان چکی تھی۔
''مگر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' رات کا فسوں تھا یا کیا تھا مصطفیٰ پر جذبات کا اثر ہو رہا تھا یا اپنے رشتے کا وہ ایک دم کہہ گیا تھا۔
''آپ کے ساتھ جا تو رہی ہوں جو بھی کہنا ہے صبح کہہ لیجیے گا۔'' شہوار نے چادر ہٹائے بغیر کہا تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرا دیا۔
وہ موبائل کی مدھم سی روشنی میں اچھی طرح محسوس کر چکا تھا کہ شہوار اس سے گھبرا رہی ہے۔ ورنہ اس کی موجوگی میں اس کو نیند تو کبھی بھی نہیں آنے والی تھی۔
''اوکے...... صبح وقت پر باہر آ جائیے گا ہمیں جلدی نکلنا ہے۔'' مصطفیٰ کہہ کر پلٹ گیا اور جاتے ہوئے وہ دروازہ بند کر گیا تھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی شہوار نے سر سے چادر ہٹا کر دیکھا تو کمرے میں پھر سے تاریکی تھی بس کھڑکی سے در آنے والی ہلکی سی روشنی تھی۔
''اف توبہ...... انہیں یہ آج ہو کیا رہا تھا اور میں بھی کتنی پزل ہو رہی تھی۔'' وہ اندھیرے میں چھت کو گھورتے خود کو کوسنے لگی۔
''کیا میں خود بھی اس رشتے کے زیر اثر آ رہی ہوں۔ قبول کر رہی ہوں اس کو......؟'' اس نے بہت الجھ کر خود کو ٹٹولنا چاہا۔ مگر اس کے اندر تو ایک گہرا سناٹا تھا بس دل کے دھڑکنے کی رفتار بہت تیز تھی۔ شہوار نے لب بھینچ کر آنکھیں میچ لی تھیں۔



ولید تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو وہاں انا صغراں کے ساتھ موجود تھی۔ باقی ابھی کوئی نہیں آیا تھا یا شاید ناشتہ کر چکے تھے۔
''کیا لیں گے بریڈ یا پراٹھا؟'' انا نے اسے بیٹھتا دیکھ کر پوچھا۔
''کیوں تم کالج نہیں جا رہیں؟ کافی دن ہو گئے ہیں چھٹیاں کرتے اور باقی لوگ کہاں ہیں۔''

''ماما پاپا ناشتہ کر چکے ہیں ماموں نے صرف دودھ کا گلاس لیا ہے اور وہ بعد میں ناشتہ کریں گے اور میں تیار ہوں بس چینج کرنا ہے پہلے یہ سب کام روشی کرتی تھی مگر اب مجھے ہی کرنا پڑ رہے ہیں۔'' ولید مسکرا دیا۔

''بتایا نہیں کیا لیں گے۔''

''پراٹھا و آملیٹ اور دودھ کا گلاس لے آؤ۔''

''بس دو منٹ۔'' وہ کچن میں غائب ہوگئی تو ولید اخبار دیکھنے لگا۔ پانچ منٹ بعد وہ ٹرے لیے چلی آئی ولید کا ناشتہ اس کے سامنے رکھ کر وہ دوبارہ کچن میں جا کر اپنے لیے بریڈ پر جیم، آملیٹ بٹر اور دودھ لا کر ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''آملیٹ تو اچھا بنایا ہے تم نے۔'' ولید نے ناشتہ کرتے کہا تو وہ ہنس دی۔

''میں نے نہیں بنایا صغراں نے بنایا ہے سارا ناشتہ میں نے تو بس سرو کیا ہے اس کی تعریف کریں۔''

''اچھا تمہیں کیا کیا پکانا آتا ہے۔''

''کچھ خاص نہیں گزارا کر لیتی ہوں۔'' اس نے شرمندگی سے کہا۔

''میں تو بڑا خوش خوراک ہوں یار یعنی مستقبل قریب میں صرف گزارا کرنا پڑے گا۔'' ولید نے کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

''نہیں ایسی بات بھی نہیں اگر توجہ اور دل سے پکاؤں تو بہت اچھا پکا لیتی ہوں۔''

''یعنی دل سے پکانا شرط ہے۔'' ولید نے کہا تو انا نے حیرت سے دیکھا۔

پچھلے تین چار دن سے اس کے ساتھ ولید کا رویہ بہت خوش گوار ہو چکا تھا۔

وہ دونوں ابھی ناشتہ کر رہے تھے کہ ٹیبل پر پڑا ولید کا موبائل بجنے لگا تھا۔ انا نے سرسری سا موبائل کو دیکھا مگر چونک گئی تھی۔ ''کاشفہ'' کا نام دیکھ کر اس کے چہرے سے تمام خوشگوار تاثرات ایک دم ختم ہوئے تھے۔ ولید نے موبائل کو دیکھتے اسے بھی دیکھا تھا انا اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''ہیلو۔'' ولید نے کال ریسیو کی۔ انا کا سارا وجود کان بن گیا تھا۔

''یس آئی ایم فائن، اینڈ یو؟'' انداز میں بے تکلفی تھی۔ انا کے حلق میں بریڈ کا ٹکڑا اٹکنے لگا تو اس نے جھٹ دودھ کا گلاس منہ سے لگا لیا تھا۔

''میں کل سے آپ کو بہت مس کر رہی تھی۔'' دوسری طرف سے آتی ہلکی سی آواز انا کے کانوں کو بھی فیضیاب کر رہی تھی۔ ولید نے انا کو دیکھا وہ سر جھکائے ناشتہ کر رہی تھی۔

''ایکسیوز می۔'' وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ انا خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس کا تمام خوشگوار موڈ ایک دم شدید اضطراب کی زد پر آ گیا تھا۔

''باجی کوئی اور چیز چاہیے۔'' وہ گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی جب صغراں نے آ کر پوچھا تو وہ چونکی ولید آدھے سے زیادہ پراٹھا کھا چکا تھا دودھ کا گلاس بھی ختم کر چکا تھا اس نے بے دلی سے اپنے ناشتے کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں، ان سب کو اٹھا لو۔'' وہ اسے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے آج کالج جانا تھا لباس لے کر وہ باتھ روم میں گھسی اور لباس بدل کر اس نے اپنی کتابیں اور بیگ اٹھایا اور چادر لے کر باہر آ گئی ولید اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

''منصور بابا گاڑی نکالو۔'' ولید کی طرف دیکھے بغیر اس نے ڈرائیور کو کہا۔

''آؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' ولید نے پلٹ کر کہا۔

''صرف ڈراپ؟'' اس کے منہ سے تلخی سے پھسلا تھا۔ ولید نے چونک کر دیکھا۔

''کیا پک بھی کرنا ہوگا مجھے۔'' انا نے خود کو سنبھالتے نفی میں سر ہلایا۔

''منصور خان کا تو روز کا کام ہے آپ کو خوامخواہ زحمت ہوگی میں چلی جاؤں گی۔''

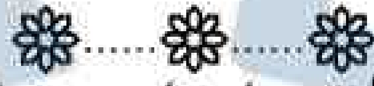
''زحمت کیوں ہوں گی رستے میں ہی پڑے گا تو تمہیں بھی ڈراپ کر دوں گا۔''

''نہیں آپ جائیں میں منصور خان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تھینکس۔'' اب کے سختی سے کہہ کر اس نے منصور خان کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا تو اس نے دروازہ کھول دیا اور وہ خاموشی سے پچھلی سیٹ پر ٹک گئی۔ ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

وہ گردن پھیرے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا ولید کی گاڑی گیٹ سے نکلی تو ڈرائیور نے بھی گاڑی

نکال لی تھی۔ انانے لب بھینچ کر خود سے آگے والی گاڑی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی سمٹ آئی۔ اس نے انگلی سے پلکوں کو چھوا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ خود پر ضبط کرتی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

نجانے ایسا کیوں ہوتا تھا وہ جب بھی دل سے خوش ہونا چاہتی تھی ولید سے متعلق اپنے رشتے کو لے کر مطمئن ہونا چاہتی تھی کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی تھی کہ وہ ٹوٹ کر رہ جاتی تھی۔ مکمل طور پر بکھر جاتی تھی۔ اس وقت بھی ہاتھ کی انگلی میں موجود انگوٹھی کو گھماتے خود پر ضبط کے گہرے پہرے بٹھانے کی کوشش کر رہی تھی جو کہ ناممکن لگ رہا تھا۔



''آخر آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں؟'' ان دونوں کو حویلی سے نکلتے نکلتے چھ بج گئے تھے۔ آٹھ بجے مصطفیٰ نے ایک بہت ہی خوبصورت گھر کے سامنے گاڑی روکی تو وہ چونکی۔

''یہ میرے سینئر زوہیب شاہ کا گھر ہے مجھے ان سے کچھ کام ہے اور کچھ ڈسکس کرنا ہے کل بھی میں ان کے پاس ہی آیا تھا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

مصطفیٰ نے کال کر کے ان کو اپنی آمد کی اطلاع دی تو وہ باہر ان کو لینے آئے۔ مصطفیٰ اور وہ دونوں بڑے تپاک سے ملے تھے درمیانی عمر کے چاک و چوبند انسان تھے۔

''یہ میری مسز ہیں۔'' مصطفیٰ نے بتایا تو شہوار نے سلام کیا۔

''آجائیں اندر۔'' وہ ان کے ہمراہ گھر میں آ گئے تھے۔

زوہیب شاہ کی مسز بھی موجود تھیں زوہیب صاحب نے اپنی مسز کا تعارف کرایا تھا۔ سوبر سی درمیانی عمر کی خاتون بہت خوش ہو کر ملی تھیں۔ بڑے تپاک سے شہوار کو گلے لگایا تھا۔

''آپ لوگ ادھر بیٹھ جائیں ہم اندر چلتے ہیں۔'' وہ اپنے شوہر کو کہہ کر شہوار کو اپنے روم میں لے آئی تھیں۔ شہوار ان کے کہنے پر چادر ذرا ڈھیلی کرتے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

''ماشاءاللہ تم تو بہت پیاری ہو، اصل میں میرے ہزبینڈ اور مصطفیٰ کی جاب کے دوران ہی دوستی ہوئی ہے دونوں ایک ہی ڈیپارٹمنٹ کے ہیں تو مصطفیٰ اکثر ہمارے ہاں آتا رہتا ہے مجھے تو علم ہی نہ تھا کہ وہ ایک عدد بیوی بھی رکھتا ہے وہ بھی اس قدر پیاری سی۔'' وہ بے تکلف سی خاتون تھیں شہوار مسکرا دی۔

''یہ تو کل علم ہوا۔ جب مصطفیٰ کے پاس اس کے فادر کی کال آئی تھی تو اس نے رات رکنے سے ایکسکیوز کرتے بتایا کہ وہ گاؤں جا رہا ہے اپنی وائف کو لینے۔''

''آپ کا نام کیا ہے۔'' شہوار نے پوچھا۔

''ماریہ۔'' شہوار نے سر ہلا دیا۔

''اچھا بتاؤ کیا کھاؤ گی میں پھر وہی آرڈر کرتی ہوں۔''

''ہم حویلی سے ناشتہ کر کے نکلے تھے پلیز کوئی تکلف نہ کریں۔'' اس نے منع کیا۔

''ارے ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ابھی ملازم کو چائے پانی کا کہہ کر آتی ہوں۔'' وہ فوراً باہر نکل گئی تھیں۔

شہوار نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سادگی و نفاست سے سجا کمرہ بہت پیارا تھا فرنیچر بھی قیمتی تھا۔

''پتا نہیں اب ادھر کتنا وقت لگتا ہے۔'' وہ بالکل انجان جگہ آئی تھی سو کچھ جھجک رہی تھی۔ ماریہ آرڈر دے کر واپس آ گئی تھیں۔ واپس آ کر وہ شہوار سے باتوں میں لگ گئی تھیں۔

''اچھا تم نے بتایا نہیں کہ کتنے بچے ہیں تمہارے؟'' یونہی بات کرتے کرتے رک کر انہوں نے پوچھا تو شہوار نے چونک کر دیکھا۔ اس کے رخسار ایک دم سرخ ہوئے تھے۔

''ہمارا ابھی نکاح ہوا ہے باقاعدہ رخصتی نہیں ہوئی۔'' اس نے جھجکتے ہوئے بتایا تو وہ حیران ہوئیں اور ایک دم ہنس دیں۔

''اوہ آئی سی۔ مصطفیٰ نے جس طرح وائف کہا تو مجھے لگا کہ تم لوگوں کی شادی ہو چکی ہے تم اپنے میکے اپنی امی سے ملنے گئی ہوئی ہو تو وہ لینے جا رہا ہے۔ ویسے تم کہیں سے بھی مجھے بچوں والی لگی تو نہ تھی پھر بھی میں نے سوچا کہ پوچھ ہی لوں۔''

"میں ان کے ہاں شہر میں ہی رہتی ہوں اسٹڈی کی وجہ سے امی سے ملنے حویلی گئی ہوئی تھی تو یہ لینے آئے تھے۔"شہوار نے وضاحت کی تھی اسی دوران چائے بھی آ گئی۔

"اندر صاحب لوگوں کو بھی چائے دے دی ہے نا؟"انہوں نے ملازمہ سے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"تم مصطفیٰ کی رشتہ دار ہو؟"ان کے سوال پر اس نے لب بھینچ کر سر ہلا دیا۔

"یہ مصطفیٰ کب فارغ ہوں گے۔"اس سے پہلے کہ ماریہ رشتے کی نوعیت کی وضاحت مانگتی اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں آج کل یہ دونوں مل کر کوئی کیس حل کر رہے ہیں۔ اکثر اکٹھے بیٹھے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی کسی پولیس والے کی بیوی ہونا بھی بڑے دل گردے کا کام ہے یہ ذرا بھی مجھے ٹائم نہیں دیتے ہر وقت آفس آفس اور آفس۔"ماریہ نے شہوار کو چائے کا کپ دیتے شکوہ بھرے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

"آپ کے کتنے بچے ہیں؟"تھوڑی دیر بعد اس کا دھیان بٹا تو اس نے پوچھا۔

"تین بچے ہیں۔ بڑے دو بیٹے اور ایک بیٹی بیٹی اسکول گرل ہے اور بیٹے دونوں کالج بوائز۔"انہوں نے بتایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

دونوں نے چائے بھی پی لی اور ڈھیر ساری باتیں بھی کر لیں۔ شہوار نے وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ انہیں یہاں آئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا ہے۔ مصطفیٰ اسے کسی اجنبی کے گھر اتنی دیر تک کیسے رکھ سکتے تھے۔ وہ پریشان ہوئی تھی۔

"کافی دیر ہو گئی ہے آپ مصطفیٰ سے کہہ دیں کہ چلنا نہیں۔"اس نے ماریہ سے کہا۔

"آپ آئیں مصطفیٰ کے پاس ہی چلتے ہیں۔"ماریہ نے کہا تو وہ اپنی چادر درست کرتی ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی۔ مصطفیٰ اور زوہیب سر جوڑے کسی فائل پر بات کر رہے تھے ان کو دیکھ کر رکے۔

"کافی دیر ہو گئی ہے واپس نہیں جانا۔"مصطفیٰ کے دیکھنے پر شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ نے زوہیب صاحب کو دیکھا۔

"او کے ایسا کرتے ہیں میں دو بجے تمہارے آفس آ جاؤں گا۔ باقی ڈسکشن وہاں کر لیں گے۔"زوہیب صاحب نے فائل بند کر دی تھی۔ مصطفیٰ کھڑا ہو گیا تھا شہوار ماریہ سے ملی اور وہ دونوں جب ان کے گھر سے نکلے تو پونے دس ہو رہے تھے۔

"کیا ضرورت تھی اتنی دیر کسی اجنبی کے گھر لا کر بٹھا دینے کی؟"مصطفیٰ نے جیسے ہی گاڑی اسٹارٹ کی شہوار نے ناگواری سے کہا۔

"میں ان لوگوں کو پچھلے دو سال سے جانتا ہوں میرے لیے یہ قطعی اجنبی نہ تھے۔"مصطفیٰ نے بھی کہا۔

"مگر میرے لیے تو اجنبی تھے نا، توبہ اتنا بولتی ہیں ان کی مسز۔"اس کو بچوں والی بات یاد آئی تو کچھ خفگی سے کہا۔

"ہاں آپ کے مقابلے میں تو وہ کچھ زیادہ ہی بولتی ہیں مگر کسی کو بور نہیں ہونے دیتیں۔"مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموش رہی۔

"اس بار پھر بوا جی سے ناراض ہو کر آئی ہیں۔"کچھ توقف کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا۔ واپسی کے وقت وہ کمرے سے نکل کر سیدھا گاڑی میں جا بیٹھی تھی تابندہ سے نہیں ملی تھی مصطفیٰ نے اس کا یہ سرد انداز بطور خاص نوٹ کیا تھا۔ شہوار خاموش رہی۔

"اس بار کس بات پر ناراض ہوئی ہیں؟"مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

"جہاں تک میرے علم میں تھا پچھلے دنوں بوا جی سے دوبارہ بات چیت بحال ہو چکی تھی اور باقی حالات بھی سازگار تھے۔"مصطفیٰ نے مزید کہا تھا شہوار توجہ دیے بغیر کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

"ایسا کب تک چلے گا شہوار؟"مصطفیٰ نے پوچھا تو وہ لب بھینچ گئی۔ مصطفیٰ نے سائیڈ مرر سے اسے دیکھا وہ لب بھینچے خود پر ضبط کر رہی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک طرف سائیڈ میں گاڑی روکی تو شہوار نے حیران ہو کر دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی سی تھی۔ مصطفیٰ بغور دیکھ رہا تھا۔

"یہاں گاڑی کیوں روکی۔"نمی کو اندر اتارتے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ مصطفیٰ نے سیٹ کی پشت سے کمر ٹکاتے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ شہوار گھبرا کر رہ گئی تھی اس کے چہرے پر کئی رنگ آ ٹھہرے تھے۔

"کبھی کبھی عقل کو کھلا چھوڑ کر دل کی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا شہوار۔ وہ جو شروع شروع میں نرم خو صلح جو سی شہوار تھی جس کو دیکھ کر میں متاثر ہوا تھا وہ کہیں کھو سی گئی ہے تمہارا یہ روپ یہ انداز کچھ بھی قبول نہیں کر پا رہا ہوں میں کیوں کر رہی ہو اپنے اوپر یہ ظلم؟"مصطفیٰ نے بہت دھیمے لہجے میں اس کے ہاتھ کو سہلاتے نرمی سے کہا تو شہوار جو خود پر ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی ایک دم رو دی۔

"میں سطحی سا مرد نہیں ہوں اگر مجھے کسی عام عورت کی تلاش ہوتی تو باہر سے ہی کوئی ساتھ لے آتا کہ بابا اور ماں جی کی طرف سے میرے اوپر کبھی کوئی پابندی نہ تھی مگر وہ سب میری ڈیمانڈ نہ تھی۔"مصطفیٰ نے اس کی طرف جھکتے اس کے آنسو صاف کیے تو وہ لب دانت تلے دبا گئی۔ وہ چہرہ

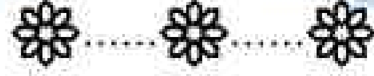
موڑ کر خاموش رہی۔ اس نے آہستگی سے مصطفیٰ کی گرفت سے اپنا ہاتھ بھی نکال لیا تھا۔ کچھ توقف کے بعد وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

''بہت دیر ہوگئی ہے اب چلنا چاہیے۔'' مصطفیٰ اسی طرح بیٹھا رہا شہوار نے چہرہ موڑ کر دیکھا وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

''بوا جی ماں ہیں ان سے خفا ہو کر ان کو مزید اذیت سے دوچار کر کے بھلا تمہیں کیا حاصل ہوگا۔'' مصطفیٰ نے کہا۔ شہوار دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلنے لگی لب دانتوں تلے دبا رکھے تھے گویا اس نے اس بارے میں اب مصطفیٰ کے سامنے کچھ بھی نہ بولنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

''گھر چلیں یہ ساری ڈسکشن اب گھر جا کر کرلیجیے گا۔'' اسی طرح رخ موڑے اس نے کہا تھا۔

اب کے مصطفیٰ نے کافی غصے سے دیکھتے بڑے ریش انداز میں گاڑی ڈرائیو کی تھی۔ شہوار اسی طرح لب بھینچے چہرہ موڑے بیٹھی رہی تھی۔



وہ آفس میں کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہی تھی جب فون بجنے لگا اس نے مصروف سے انداز میں ریسیور اٹھایا تھا۔

''ہیلو۔''

''تو پھر کیا سوچا تم نے میری آفر کے بارے میں؟'' وہ یک دم چونکی دوسری طرف عادلہ تھی۔ اس نے موبائل بند کر رکھا تھا وہ اس عورت سے اب کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی مگر اسے قطعی امید نہ تھی کہ وہ عورت آفس کے نمبر پر اسے کال کرے گی۔

''آپ کون؟'' اس نے اندر ہی اندر خوفزدہ ہوتے پوچھا تھا۔

''اتنی جلدی بھول گئیں عادلہ بات کر رہی ہوں میں۔''

''میں آپ کو آپ کی اس گھٹیا آفر کا جواب اچھی طرح دے چکی ہوں۔'' اس نے خود کو سنبھالتے دوٹوک انداز میں کہا۔

''تو میں نے تمہیں سوچنے کا وقت دیا تھا مائی ڈیئر۔''

''میرا اب بھی انکار ہے۔ میں عباس صاحب سے کسی بھی قسم کے کوئی سگنیچر نہیں لوں گی۔''

''سوچ لو تمہارے متعلق بہت سارا مواد میرے پاس موجود ہے؟'' اس نے دھمکانا چاہا تھا رابعہ نے لب بھینچ لیے۔

''وہ سب جھوٹ ہے۔''

''مگر سچ بننے میں دیر نہیں لگے گی ٹیکنالوجی کا دور ہے دنیا میں اتنا کچھ ہو رہا ہے تم تو خود اسی فیلڈ کی ہو بے خبر تو نہیں ہوں گی نا۔'' رابعہ نے غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

وہ بے انتہا پریشان ہوگئی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اتنا تو واضح ہو چکا تھا کہ عباس سر اور ان کی فیملی بالکل فیئر ہے مگر اب عادلہ کی یہ دھمکیاں ان کا وہ کیا کرتی؟

''آر یو اوکے۔'' وہ اسی طرح سر تھامے بیٹھی ہوئی تھی جب قریب سے آواز سنائی دی تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔ سر عباس کھڑے تھے وہ ایک دم سیٹ سے کھڑی ہوگئی تھی۔

''جی سر۔'' اس نے فوراً سر ہلایا۔

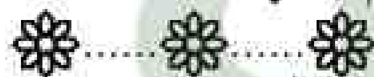
''لیکن آپ کا چہرہ تو بہت پیلا ہو رہا ہے۔'' سر عباس نے کہا تو رابعہ نے ایک دم اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

''میں ٹھیک ہوں سر، بس سر میں درد ہو رہا ہے۔'' اس نے ٹالنا چاہا۔

''اس دن بھی درد ہو رہا تھا آپ اپنا ٹریٹمنٹ کروائیں یہ ہر دوسرے دن کا درد صحت کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔'' عباس صاحب نے سرسری انداز میں کہا تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔

''آفس بوائے کے ہاتھ نئے پروجیکٹ والی فائل بھجوائیں میں بابا کے آفس میں جا رہا ہوں۔''

''جی سر۔'' اس نے فوراً سر ہلایا۔ عباس چلا گیا تو وہ ایک دم کرسی پر ڈھے گئی تھی۔



''اگر مصطفیٰ تمہیں لینے گیا تھا تو مجھے بھی بتا دیتا میں بھی ساتھ چلتی۔'' مصطفیٰ اور وہ ابھی گھر آئے تھے در یہ دیکھ کر حیران ہوئی تھی مصطفیٰ تو ریڈی ہونے کمرے میں چلا گیا جبکہ شہوار لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی تھی ماں جی گھر پر نہیں تھی اب در یہ کہہ رہی تھی لائبہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''اس دن بابا صاحب نے ساتھ چلنے کا کہا تھا تب تو تم گئی نہیں تھیں۔''

''وہ تو بابا صاحب خود آ کر مل لیے تھے تو وہاں اتنے دن جا کر بور ہوتی یہ تو مصطفیٰ کے ساتھ جانا تھا اور واپس آ جانا تھا مصطفیٰ کے ساتھ جانے میں

کم از کم بور تو نہ ہوتی۔'' شہوار خاموشی سے دریہ کو دیکھے گئی۔

''بوریت کیسی، تابندہ بوا تھیں وہاں اور پھر شہوار بھی تو ساتھ تھی۔'' لائبہ بھابی نے مزید کہا۔

''یہ لوگ ہمارے خاندان کا حصہ نہیں ہیں کہ میں ان کے ساتھ اپنا وقت برباد کرتی پھرتی۔'' دریہ نخوت سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ بھابی نے حیرانی سے اسے جاتے دیکھا۔

''دیکھا اس کا رویہ؟'' بھابی کو بہت غصہ آ گیا تھا۔

''تو غلط کیا کہہ رہی ہے سچ ہی تو ہے۔'' اس کے اندر کی تلخی ایک دم پھر سے ابھر آئی تھی۔

''اپ خدا کے لیے تم کوئی ایسی ویسی بات مت کہہ دینا مجھے پہلے ہی دریہ پر بہت غصہ ہے۔ تم یہاں تھی نہیں ورنہ دیکھتی کیسے مصطفیٰ مصطفیٰ کرتی پھر رہی تھی۔'' شہوار خاموش رہی تھی۔

''بارہ بج رہے ہیں مصطفیٰ کھانا کھا کر ہی آفس جائے گا کھانا ریڈی ہے میں نکالتی ہوں تم بھی منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔''

وہ ہاتھ منہ دھو کر آئی تو بھابی کھانا ٹیبل پر لگا چکی تھیں۔

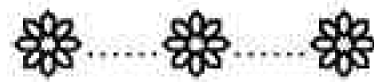
''تم مصطفیٰ کو بلا لاؤ اور دریہ کو بھی کہہ دو۔'' بھابی نے کہا تو وہ خاموشی سے مصطفیٰ کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

''توبہ مصطفیٰ مجھے تم پر ترس آتا ہے جانے تم کیسے شہوار جیسی لڑکی برداشت کر رہے ہو۔ اتنی کنزرویٹیو لڑکی ہے۔ لائبہ ہر وقت اس کی فیور کرتی رہتی ہے ورنہ کہاں تم اور کہاں وہ دقیانوسی لڑکی۔ مائی گاڈ۔'' دریہ نخوت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا مصطفیٰ شوز پہن رہا تھا اور دریہ پاس کھڑی تھی شہوار دروازے میں ہی رک گئی۔ مصطفیٰ نے شوز پہنتے سر اٹھایا تو پہلی نگاہ شہوار پر پڑی۔

''کھانا ریڈی ہے بھابی ٹیبل پر بلا رہی ہیں۔'' وہ آہستگی سے کہہ کر وہاں سے پلٹ آئی تھی۔

آنکھوں میں نمی سی آنے لگی تو اس نے سر جھٹکا۔

''میں بھلا کیوں انسلٹ فیل کروں، سچ ہی تو کہہ رہی ہے وہ بھلا کہاں مصطفیٰ جیسا مرد اور کہاں میں جوان لوگوں کے پیسے پر پلی بڑھی اور آج کس چیز پر غرور کروں نہ میرے پاس اعلیٰ خاندان کا ٹیگ ہے اور نہ ہی اپنی شناخت کوئی بھی تو قابل فخر بات نہیں ہے میرے اندر۔'' وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی اس نے رات مولوی صاحب کے یہاں سے برائے نام کھانا کھایا تھا اور صبح اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا راستے میں ماریہ کے ہاں سے چائے پی تھی گھر آتے آتے اسے بہت بھوک لگ رہی تھی مگر اب دریہ کے الفاظ سن کر اسے لگا جیسے ساری بھوک مر گئی ہو۔ دروازہ لاک کر کے وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گئی۔



دن اپنی رفتار میں گزر رہے تھے وہ کالج جا رہی تھی روشی اور احسن دو ہفتے بعد ہنی مون ٹرپ سے واپس آ گئے تھے احسن اگلے دن ہی آفس جانے لگا تھا روشی پہلے سے کہیں زیادہ نکھر چکی تھی انا اسے آتے جاتے چھیڑتی تو وہ ہنس دیتی وہ آج کالج سے واپس آئی تو ولید گھر پر ہی تھا۔

''آج آپ جلدی آ گئے۔'' بیگ اور کتابیں سینٹرل ٹیبل پر رکھتے اس نے پوچھا۔

''ہاں ایک کام تھا تو آنا پڑا۔'' ولید اسے جواب دے کر پھر روشی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''تم فائنل بتاؤ تم میرے ساتھ چل رہی ہو کہ نہیں؟''

''سوری بھائی میں اس لڑکی کے لیے آپ کے ساتھ کہیں بھی نہیں جا رہی۔'' دونوں میں کوئی بحث ہو رہی تھی انا نے چونک کر دیکھا۔

''کہاں جانا ہے اور کیا بات ہے؟''

''وہ ولی بھائی کی ایک فرینڈ تھی نا کاشفہ؟'' روشانے نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔

''آج اس کا برتھ ڈے ہے اس نے بھائی کو بھی انوائٹ کیا ہے وہ میری شادی پر آئی تھی اب بھائی کہہ رہے ہیں کہ اگر اس کے انوی ٹیشن پر نہیں گئے تو اچھا نہیں لگے گا۔ پھر وہ کچھ گفٹ بھی دے کر گئی تھی مگر میرا دل نہیں کر رہا جانے کو نجانے کیوں مجھے وہ لڑکی اچھی نہیں لگتی۔'' روشانے نے تفصیلات بتائی تو انا نے ولید کو دیکھا۔

''اوکے تم نہیں جانا چاہتی تو نہ جاؤ انا تم چلو گی میرے ساتھ؟'' ولید روشانے کے ساتھ مسلسل بحث سے اکتا کر اب اس سے پوچھ رہا تھا وہ حیران ہوئی۔

''اس نے آپ کو انوائٹ کیا ہے آپ جائیں ہمیں کیوں ساتھ باندھ رہے ہیں؟'' اس نے ناگواری سے کہا۔

''اصل میں ان لوگوں کو میں بہت زیادہ نہیں جانتا صرف کاشفہ سے ہی ہیلو ہائے ہے وہ روشانے کو گفٹ دے کر گئی تھی اب میں نہ جاؤں تو اچھا نہیں لگتا اور مجھے نہیں علم کس قسم کی گیدرنگ ہوگی اور کس قسم کے لوگ ہوں گے یوں کہہ لو مصطفیٰ کے نکاح اور اپنے گھر کی شادی کی تقریب کے علاوہ پاکستان کے دیگر فنکشن میں کیسے آتے جاتے ہیں اور کیا کرتے ہیں قطعی علم نہیں اسی لیے کہہ آیا تھا۔'' ولید نے تفصیل سے بتایا تو وہ سر ہلا گئی۔

''اب جانا اتنا ضروری بھی نہیں پھر بھی ملے تو گفٹ دے دیجیے گا اگر شکوہ کرے تو کہہ دیجیے گا کہ ضروری کام تھا نہیں آ سکا۔'' روشانے نے مشورہ دیا۔

''اب میں تمہاری طرح اتنا بے مروت نہیں ہوں۔'' ولید نے روشانے کو گھورا اور پھر انا کو دیکھا۔

''چلو گی میرے ساتھ یا پھر تم بھی انکار کر رہی ہو۔''

''جانے میں تو کوئی حرج نہیں مگر میں بھلا وہاں جا کر کیا کروں گی میری تو کسی سے کوئی سلام دعا بھی نہیں۔'' اس نے ٹالنا چاہا۔

''میں چل رہا ہوں تمہارے سلام دعا کے لیے میں کافی ہوں۔'' ولید نے فوراً کہا تو روشانے ہنس دی۔

''ابھی سے شوہروں والا رعب جمانا شروع کر دیا ہے بے چاری پر، یاد رکھیں ابھی صرف منگنی ہوئی ہے۔'' روشانے کی بات پر انا کا چہرہ گلنار ہوا تھا۔

''شٹ اپ۔'' ولید نے گھور کر کہا تو انا بھی ہنس دی۔

''پلیز بتا دو ساتھ چل رہی ہو یا پھر میں اکیلا ہی چلا جاؤں۔'' ولید نے پھر پوچھا تو وہ رکی۔

بغور ولید کو دیکھا وہ آفس گیٹ اپ میں تھا بڑا شاندار لگ رہا تھا اگر وہ اکیلا چلا جاتا تو؟ انا کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے کب چلنا ہے؟'' اس نے ہامی بھرتے کہا ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تھینکس گاڈ مائی تو۔'' وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

''اچھا گفٹ بتا دو کیا دینا ہے اسے؟'' وہ کتابیں لے کر اٹھنے لگی تو ولید نے پوچھا وہ پھر بیٹھ گئی۔

''جو آپ کو مناسب لگے دے دیں۔ ویسے روشی سے پوچھ لیں۔''

''او کے مغرب کے وقت تیار رہنا جو بھی گفٹ دینا ہو تم میرے ساتھ چل کر دیکھ لینا اس وقت تو میں ایک کام سے جا رہا ہوں پھر شام ہی میں ملاقات ہوگی۔'' ولید کہہ کر چلا گیا تھا انا نے روشی کو دیکھا۔

''کیا ضرورت تھی ہامی بھرنے کی؟ شادی پر میں ملی ہوں اس سے کافی شو آف لڑکی ہے مجھے تو کہیں سے بھی اچھی لڑکی نہیں لگی۔ جتنی دیر میرے پاس بیٹھی رہی کسی نہ کسی لڑکے سے فون پر بات کرتی رہی تھی۔''

''مگر ولی کی تو وہ دوست ہے نا۔'' اس نے مسکرا کر کہا گزشتہ دنوں سے وہ ولید کے اکثر معاملات میں خود کو بہت مضبوط کرنے کی کوشش کر چکی تھی۔

''تمہیں جیلسی نہیں ہو رہی اچھی خاصی خوب صورت لڑکی ہے۔'' انا کے گزشتہ رویوں کو لے کر روشی نے کریدنا چاہا تھا۔

''نہیں بس خوف آتا ہے۔'' انا نے سادگی سے کہا۔

''کیوں؟''

''پتا نہیں، او کے میں ذرا چینج کر کے کھانا کھا لوں۔'' وہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

ولید کے کاشفہ جیسی لڑکی سے تعلقات دن بدن بڑھ رہے تھے وہ کوئی نیگیٹیو بات نہیں سوچنا چاہتی تھی مگر اس کے باوجود وہ لڑکی اس کے دماغ سے نہیں نکل پا رہی تھی شاید اسی لیے وہ ولید کے ساتھ جانے کی ہامی بھر چکی تھی۔ شام تک وہ سخت اضطراب کا شکار رہی تھی۔ ولید نے فون کر کے اسے تیار رہنے کو کہا تھا۔

لاشعوری طور پر اس نے اپنی تیاری میں اچھے لباس جدید اسٹائل وغیرہ کا خیال رکھا تھا میک اپ اس نے نہیں کیا مگر اس ذرا سی تبدیلی سے ہی وہ جگمگ جگمگ کرنے لگی تھی۔ ولید گھر لوٹا تو وہ مکمل طور پر تیار اس کے سامنے چلی آئی تھی۔ ولید اسے دیکھ کر چونکا تھا۔ بڑی محویت سے اس نے انا کو دیکھا تھا۔

''اس قدر اہتمام کی کیا ضرورت تھی بھلا؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو انا چونکی۔

''کیا ہوا، اچھی نہیں لگ رہی کیا؟'' ولید کی سنجیدگی سے وہ خائف ہو گئی تھی۔

”نہیں خیر، نجانے کیسے لوگ ہوں اور کس قسم کی گیدرنگ ہو۔ تم سادگی میں بھی اچھی لگتی ہو خوامخواہ اتنا اہتمام کیا۔“ انا جھینپ گئی تھی۔
”میں نے تو سوچا کہ نجانے کیسے لوگ ہوں گے وہ لڑکی اچھی خاصی خوب صورت اور امیر گھرانے کی لگتی ہے۔ تو اسی مناسبت سے ذرا اچھا ڈریس پہن لیا تھا چادر تو میں نے ساتھ لے لی ہے دوپٹہ نہیں لے رہی۔“
”تم اتنی اسٹیٹس کانشس کب سے ہوگئی ہو؟“
”اگر مناسب نہیں لگ رہا تو میں چینج کر لیتی ہوں۔“ ولید کے سوال کو نظر انداز کرتے اس نے کہا۔
”رہنے دو اب کافی دیر ہوگئی ہے چلتے ہیں۔“
”آپ چینج نہیں کریں گے۔“
”نہیں۔“ ولید انکار کر کے گاڑی کی طرف چلا آیا تھا انا نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔
”آپ نے گفٹ لے لیا ہے یا لینا ہے ابھی۔“ اس نے راستے میں پوچھا۔
”لے لیا ہے۔“
”کیا لیا؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔
”بیک سیٹ پر پڑا ہوا ہے دیکھ لو۔“
انا نے پلٹ کر دیکھا سفید اور ریڈ پھولوں کا گلدستہ تھا اور ساتھ میں پیکنگ شدہ کوئی چیز تھی۔
اس کے اندر گفٹ کیا ہے انا کا تجسس بڑھنے لگا تھا۔
”کوئی گلاس میڈ آرٹیفیشل پیس تھا۔“ ولید نے بتایا تو وہ سر ہلا گئی۔ باقی کا رستہ خاموشی سے کٹا تھا۔
پارٹی کا ارینج ہوٹل میں تھا اچھی خاصی گیدرنگ تھی۔ کاشفہ ان کو ریسپشن پر ہی مل گئی تھی۔
ان لوگوں کو آتے دیکھ کر وہ فوراً بھاگ کر قریب آئی تھی۔
”ہیلو۔“ اس نے ولید اور انا دونوں سے ہاتھ ملایا تھا انا نے اس کو گفٹ اور پھولوں کا بکے تھمایا تھا وہ بہت خوب صورت سلیولیس فراک میں ملبوس تھی۔ دوپٹے کا تکلف اس نے نہیں کیا تھا وہ مسکرا کر ولید کو دیکھ رہی تھی۔
”ان بلیوایبل، میں سوچ رہی تھی کہ آپ نہیں آؤ گے آئی ایم سرپرائزڈ۔“ وہ ولید کو دیکھ کر بہت خوش لگ رہی تھی۔ انا اس کا جگمگاتا حسن دیکھ کر گم صم ہوگئی تھی۔
کاشفہ ان کو اپنے ساتھ اندر لے آئی تھی وہ ہر کسی سے ولید کو ملوا رہی تھی جبکہ انا ایک ٹیبل کے گرد بیٹھ گئی تھی وہ خاموشی سے ولید کو لوگوں سے ہاتھ ملاتے دیکھ رہی تھی۔ پارٹی کافی بڑے پیمانے پر کی گئی تھی انا خود کو وہاں خاصا مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ولید اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔
”لگتا ہے کافی دوستی ہوگئی ہے آپ دونوں کی۔“ اب کاشفہ کچھ اور لوگوں کے ساتھ محوِ کلام تھی اس نے اسے دیکھتے کہا تو ولید مسکرایا۔
”خیر ایسی بات بھی نہیں۔“
”مگر وہ جس طرح آپ کو پروٹوکول دے رہی ہے اور ملوا رہی ہے مجھے تو ایسا ہی لگ رہا ہے۔“ وہ جو اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی اب ایک دم کہہ دیا تھا لہجے میں تلخی تھی۔
”تو تم جیلیسی فیل کر رہی ہو؟“ ولید نے بڑے سکون سے اس کا سکون درہم برہم کیا تھا ایک پل لگا اسے خود کو پرسکون کرنے میں۔
”بڑی خوش فہمی ہے اپنے بارے میں۔“ اس نے جل بھن کر کہا تھا۔ ولید ہنس دیا۔
”شکر کرو غلط فہمی نہیں ہے جہاں سے گزر جاؤں لوگ دیدہ و دل فرشِ راہ کیے رہتے ہیں۔“
”ان لوگوں کی آئی سائیڈ یقیناً ویک ہوگی۔“ ویٹر ان کی ٹیبل پر کولڈ ڈرنک کے گلاس رکھ گیا تھا۔
”یہ جو کاشفہ کے ساتھ کھڑے ہیں یہ کون ہے؟“
”یہ کاشفہ کے والد اور والدہ ہیں اور ساتھ میں اس کی بہن۔“
”ہوں۔ یہ صرف دو ہی بہنیں ہیں؟“
”نہیں اس کا ایک بھائی بھی ہے۔ ایک بار اسپتال میں ہی دیکھا تھا شاید آج کے فنکشن میں وہ شامل نہیں ورنہ ملواتی ضرور۔“
”کافی حسین فیملی ہے اور کاشفہ سب سے بڑھ کر لگ رہی ہے۔“

"میں جس جگہ سے آیا ہوں وہاں اس سے زیادہ رچ اور خوب صورت لوگ موجود تھے۔" ولید نے بہت سنجیدگی سے کہا تو انا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں ایک سلگتا سا احساس تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

"تو پھر ان سے متاثر ہونے کی خاص وجہ؟"

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں ان لوگوں سے متاثر ہوں؟" ولید نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ ٹپٹا سی گئی۔

"آپ کے رویوں سے تو یہی لگتا ہے۔" ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اندازہ ہو رہا ہے کہ تم میرے بارے میں کس حد تک نیگیٹیو سوچتی ہوگی۔"

"ولید آئیں میں آپ کو کچھ اور لوگوں سے ملواؤں۔" انا جواباً کچھ کہنے ہی والی تھی کاشفہ درمیان میں آ ٹپکی تھی۔ انا نے کافی ناگواری سے اس کی اس مداخلت کو دیکھا تھا۔

ولید مسکرا کر کھڑا ہو گیا انا اس کے کھڑے ہو جانے پر جل بھن گئی تھی۔

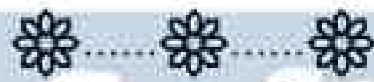
"آپ بھی آئیں انا۔" اس نے انا کو بھی آفر کی تھی۔

"نو تھینکس، میں ایسی مکس گیدرنگ کی عادی نہیں ہوں۔"

"اوہ...... پھر تو آپ کو آنا بھی نہیں چاہیے تھا ہمارے ہاں تو ایسی مکس گیدرنگ بہت عام بات ہے۔" کاشفہ نے کافی منہ بگاڑ کر کہا تھا۔

"میرا خیال ہے ہم آپ کے مہمانوں سے مل لیتے ہیں انا یہیں ٹھیک ہے وہ یہاں زیادہ ایزی فیل کرے گی۔" انا جواباً کچھ سخت کہنے والی تھی ولید نے درمیان میں مداخلت کر دی تھی انا لب بھینچ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"پلیز ریلیکس میں ابھی واپس آتا ہوں۔" ولید کہہ کر چلا گیا تھا۔ انا نے خفگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔



شاہزیب صاحب نے بابا صاحب اور تابندہ دونوں سے بات کر کے شادی کی تاریخ فائنل کر دی تھی۔ شہوار گم صم سی ہو گئی تھی عائشہ شادی کی تاریخ طے پانے کا سنتے ہی شہر آ گئی تھی لائبہ تو اپنی پریگنینسی کی وجہ سے کہیں آ جا نہیں پا رہی تھی عائشہ ہی ساری شادی کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ روز ماں جی اور دریہ کے ساتھ بازار کے لیے نکل جاتی تھی۔

شہوار صبح کالج کے لیے نکلی تو عائشہ نے اسے شاپنگ کے لیے ساتھ چلنے کا کہا تھا وہ سنی ان سنی کرتے شاہزیب صاحب کے ساتھ کالج چلی آئی تھی آج کل وہی اسے پک اینڈ ڈراپ کر رہے تھے۔ واپسی پر عائشہ اور دریہ ڈرائیور کے ساتھ اس کے کالج کے باہر موجود تھیں۔ موبائل پر باہر آنے کا کہا تھا۔ اور اس وقت وہ ان دونوں کے ساتھ شاپنگ مال میں گھوم رہی تھی۔ ادھر سے ادھر گھومتے کئی بار شہوار کو محسوس ہوا کہ جیسے وہ کسی کی نگاہوں کے حصار میں ہے اس نے چادر کو اچھی طرح چہرے پر کر لیا۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا شاپنگ تمام مکمل تھی شہوار نے سکون کا سانس لیا تھا اب تھکن کے ساتھ ساتھ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی۔

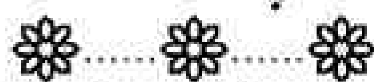
"شہوار میں نے اس طرف بیگز دیکھے ہیں بہت پیارے ہیں وہ دیکھ لیں پھر گھر چلتے ہیں۔" وہ جو بار بار واپس چلنے کی رٹ لگائے ہوئے تھی عائشہ نے کہا تھا۔

"تم لوگوں نے جانا ہے تو جا کر دیکھ لو میں اب ادھر سے ایک قدم بھی نہیں ہلنے والی۔ بھوک سے میری جان نکلنے والی ہے۔" اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ ایک تو ان چاہی شادی کا عذاب اور اوپر سے یہ شاپنگ وہ نجانے یہ سب کیسے برداشت کر رہی تھی۔

"اچھا تم ادھر ٹھہرو میں دیکھ کر آتی ہوں۔" عائشہ نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں مجھے بھی وہ بیگز اچھے لگ رہے ہیں۔" دریہ بھی ساتھ ہو لی تھی۔ ان دونوں کے جانے کے بعد وہ اطراف میں دیکھتے شاپنگ بیگ ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کرتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور پھر ایک دم چونک گئی۔ لوگوں کے درمیان سے نکل کر آنے والے شخص کو دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم خوف سے زرد ہوا تھا۔

"ایاز......!" اس کے لب ملے تھے اس نے ہلنے کی کوشش کرنا چاہی تھی مگر اس کا جسم جامد ہو گیا تھا۔



سہیل بھائی کے ساتھ رہنے والا لڑکا ابوبکر پاکستان آ چکا تھا وہ آج کل ان لوگوں کے ہاں رہ رہا تھا اچھا، سلجھا ہوا اور ملنسار لڑکا تھا امی اور ماموں دونوں کو وہ بہت پسند آیا تھا۔ پرسنالٹی کے حساب سے بھی وہ بہت زبردست انسان تھا پھر کئی سالوں سے باہر سہیل بھائی کے ساتھ رہ رہا تھا وہ اس کی

ہر طرح کی گواہی دے رہے تھے مگر اس کے باوجود رابعہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی ماموں اس سے ایک دو بار اس کی رائے مانگ چکے تھے مگر وہ ہر بار انہیں ٹال رہی تھی۔

دوسری طرف عادلہ کی فون کالز اور دھمکیوں کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا وہ عجیب مصیبت میں خود کو گرفتار محسوس کر رہی تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح اس مسئلے کو حل کرے۔ کبھی جی چاہتا ہے کہ جاب چھوڑ دے اور کبھی عقل روک دیتی اور سب حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے پر اکساتی تھی۔

دو تین دن سے وہ اور ہادیہ لیٹ آف ہو رہی تھیں۔ اس وقت بھی آفس سے نکلتے نکلتے مغرب ہو گئی تھی ہادیہ نے اسے آدھے رستے تک ڈراپ کر دیا تھا پھر یہاں سے رکشہ لے کر وہ روانہ جاتی تھی۔ وہ رکشے کے انتظار میں کھڑی تھی اس کی بیک پر پراپرٹی اسٹیٹ ایجنسی کی بہت بڑی بلڈنگ تھی تبھی اس کے سامنے گاڑی آ رکی تھی۔

''آ جاؤ میں ڈراپ کر دوں گی۔'' وہی مخصوص انداز تھا رابعہ نے نفرت سے چہرہ موڑ لیا۔ آج کل اسے یہ عورت دنیا کی انتہائی کریہہ، مکروہ اور بد صورت عورت لگتی تھی۔

''میں تمہیں بہت وقت دے رہی ہوں اس لیے کہ تم کام کی لڑکی ہو ورنہ نہ میں نے کبھی کسی کے اتنے نخرے سہے ہیں اور نہ ہی کسی کو اس کی اوقات سے بڑھ کر امپورٹنس دی ہے کم آن یار، ہم مل بانٹ کر ڈیل کر لیتے ہیں جو تمہاری ڈیمانڈ ہو گی پے کر دوں گی۔'' عادلہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی یہ سب کہہ رہی تھی۔

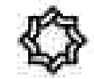
''میں نے تمہیں پہلے دن بھی نہ کہا تھا اب بھی کہتی ہوں اور آئندہ بھی میرا یہی جواب ہو گا۔ میں تمہارے کسی بھی شیطانی عمل میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی۔ تم نے جو کرنا ہے کر لو میں تمہاری دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں ہوں۔'' اس نے بہت نفرت سے کہا تھا۔ عادلہ گاڑی سے باہر نکل آئی تھی۔

''جانتی ہو تمہیں تمہاری یہ اکڑ بہت مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔'' انگلی اٹھا کر وارن کر رہی تھی۔

''تم ہو کیا ایک گندی، غلیظ عورت، جاؤ جو کرنا ہے کر لو، رابعہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔'' بغیر ڈرے اس نے بھی سختی سے کہا۔

''اوہ یو شٹ اپ۔'' اس نے اس کا بازو پکڑ کر دھکیلا تھا۔ عادلہ اپنی گاڑی کے ساتھ جا کر ٹکرائی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ...... سمیرا شریف طور

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

عادلہ کی بے قراری اور بچے کے لیے اس کی تڑپ دیکھ کر رابعہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دونوں فریقین میں سے کسی ایک پر اعتبار کرنا اسے بے حد مشکل لگتا ہے جب ہی وہ ہادیہ سے مدد چاہتی ہے لیکن ہادیہ ابوبکر نامی لڑکے کو لے کر پہلے ہی ٹینشن کا شکار ہوتی ہے اس کا دل آج بھی اس شخص کے لوٹ آنے کی گواہی دیتا ہے۔ دوسری طرف شہوار بابا صاحب کے ہمراہ گاؤں چلی جاتی ہے اس کا ارادہ تابندہ بوا سے بات کر کے رخصتی رکوانے کا ہوتا ہے لیکن تابندہ بوا اس معاملے میں اس کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیتی ہیں۔ بابا صاحب کے کمرے میں ایک پرانی تصویر شہوار کو چونکا دیتی ہے، تصویر میں موجود بچہ اسے جانا پہچانا معلوم ہوتا ہے جبکہ بابا صاحب تصویر اس کے ہاتھ سے لیتے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔ مصطفیٰ شہوار کے اس اقدام پر خائف ہوتا اسے لینے گاؤں پہنچ جاتا ہے جس پر وہ ناچار مصطفیٰ کے ہمراہ لوٹ آتی ہے۔ وہ مصطفیٰ سے اپنی رخصتی کو فی الحال موخر کرنے کی بات کرتی ہے لیکن مصطفیٰ اس کی بات پر برہم ہوتا اس کی ایک نہیں سنتا۔ احسن اور روشی کے ہنی مون پر جانے کے بعد گھر میں بالکل سناٹا ہو جاتا ہے ایسے میں ولید انا کو ڈنر کرانے باہر لاتا ہے وہیں کاشفہ ولید کو دیکھ کر بنا کسی تکلف کے ان کی ٹیبل پر آ جاتی ہے ضیاء صاحب بھی ولید کی اس نئی دوست کو دیکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں جبکہ انا کا سارا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ وہ فوراً ہی واپسی کا ذکر کرتی اٹھ جاتی ہے گھر آ کر بھی اس کا موڈ برہم ہی رہتا ہے کاشفہ کی کال آنے پر ولید کا پر اسرار انداز اسے مزید تپا دیتا ہے ولید کاشفہ کی برتھ ڈے پارٹی میں انا کو اپنے ساتھ چلنے کی درخواست کرتا ہے دل کے ہاتھوں مجبور انا آ تو جاتی ہے لیکن مکس گیدرنگ اور کاشفہ کا انداز اسے مشتعل کیے دیتا ہے۔ کچھ ہی ملاقاتوں میں عادلہ کا اصل چہرہ اس وقت رابعہ کے سامنے آ جاتا ہے جب وہ کچھ پیپرز پر عباس کے سائن لینے پر رابعہ کو مجبور کرتی ہے رابعہ کے انکار پر وہ دھمکی آمیز رویہ اپناتے ویڈیو کے ذریعے رابعہ کو رسوا کرنے کی دھمکی دیتی ہے جبکہ رابعہ اس کا یہ روپ دیکھ کر بھونچکا رہ جاتی ہے۔ رابعہ کا واضح انکار عادلہ کو مشتعل کر دیتا ہے دونوں میں اچھی خاصی تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ ادھر سہیل کے کسی دوست ابوبکر کا رشتہ رابعہ کے لیے آتا ہے جبکہ رابعہ فی الحال اپنی ہی الجھنوں میں گرفتار کوئی فیصلہ نہیں کر پاتی۔ ادھر عائشہ زبردستی شہوار کو شاپنگ کی غرض سے مارکیٹ لاتی ہے جبکہ شہوار یہاں عدم تحفظ کا شکار رہتی ہے اس کا خوف اس وقت اس کے سامنے آتا ہے جب ایاز اسے تنہا پا کر اچانک اس کے روبرو ہوتا ہے اور خوف کے مارے شہوار کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾



''حرام زادی۔'' عادلہ بہت غصے میں آ گئی۔

''دیکھنا میں تمہارا حشر نشر کر دوں گی۔'' وہ بہت طیش کے عالم میں رابعہ کی طرف بڑھی۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' سائیڈ سے نکل کر ایک دم وہ شخص سامنے آیا تھا۔ عادلہ وہیں رک گئی تھی رابعہ نے دیکھا وہ کوئی اور نہیں اس کے سامنے ابوبکر کھڑا تھا۔

''کیا ہوا ہے......کون ہیں یہ خاتون؟'' وہ شاید ساری کارروائی دیکھ چکا تھا اسی لیے رابعہ سے پوچھا۔

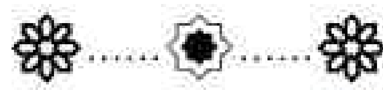
''ہے ایک پاگل گھمنڈی عورت جسے اپنی بے پناہ دولت اور حسن پر حد سے زیادہ غرور ہے، مگر بھول گئی ہے کہ جب نمرود جیسے لوگوں کے سروں میں نمرود کا کیڑا آ سماتا ہے تو اس کا علاج اللہ مچھر جیسے حقیر سے کیڑے سے کرتا ہے۔ عادلہ بیگم اس بھول میں مت رہنا کہ میں تم سے ڈر گئی بھی پاؤں کی جوتی بھی سر پر لگ جاتی ہے۔'' رابعہ بہت غصے اور تنفر سے کہہ کر وہاں سے پلٹ جاتی ہے۔

''اوکے......ایسا ہے تو ایسا ہی سہی تم بھی اب اس حرکت کے نتیجے کے لیے تیار رہنا۔'' عادلہ پھنکارتی گاڑی میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا ہوئی۔

''کون تھیں یہ محترمہ؟'' ابوبکر نے پوچھا تو اس نے ایک گہرا سانس خارج کرتے اسے دیکھا۔

''کیا کریں گے جان کر بس سمجھ لیں ایک پاگل عورت تھی۔'' ابوبکر نے اسے بغور دیکھا اور پھر ایک رکشے کو ہاتھ دے دیا۔

''آپ بیٹھیں، مجھے یہاں اسٹیٹ ایجنسی میں کام تھا باہر نکلا تو آپ دونوں کو الجھتے دیکھا تو چونک گیا اب واپسی پر مجھے بھی گھر ہی جانا ہے۔'' رابعہ سر ہلا کر رکشے میں بیٹھ گئی جبکہ ابوبکر رکشہ ڈرائیور کے ساتھ ٹک گیا تھا۔



''تم کیا سمجھتی تھی کہ میں تا عمر مصطفیٰ کے لاک اپ سے باہر نہیں نکلوں گا۔ میں تو اس دن سے تمہارے پیچھے لگا ہوا تھا اور آج مجھے تم سے براہ راست بات کرنے کا آخر کار موقع مل ہی گیا۔'' ایاز اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں وحشیانہ سی چمک تھی، شہوار ساکت سی ہو گئی تھی۔

''آج دیکھنا بھرے بازار کیسے تمہارا تماشا لگاتا ہوں، مصطفیٰ اور اس کا وہ خبیث ریٹائرڈ باپ ہاتھ ملتے نہ رہ گئے تو کہنا۔'' وہ خباثت سے مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہوا تھا۔ شہوار نے سختی سے چادر تھام لی تھی۔

''انکل تمہیں چھوڑیں گے نہیں اور نہ ہی مصطفیٰ، اگر تم نے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تو......!'' خود کو سنبھالتے اس نے کہا ارد گرد لوگ شاپنگ میں مصروف تھے اس کا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر لوگوں کو مدد کے لیے پکارے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

''ہاہاہا۔'' ایاز نے قہقہہ لگایا۔

''جب تک تمہارا وہ نام نہاد شوہر اور اس کا باپ ایکشن میں آئیں گے تم اپنے انجام کو پہنچ چکی ہوں گی خبردار اب کوئی حرکت کی تو آرام سے سیدھی چلتی جاؤ۔'' ایک دم پینترا بدلتے اس نے جیب سے پسٹل نکال کر شہوار کے بازو پر رکھ دیا تھا۔ پسٹل دیکھ کر شہوار بالکل نڈھال سی ہو گئی۔

''تم نے جو کرنا ہے کر لو، میں کہیں نہیں جاؤں گی، میں اکیلی نہیں ہوں میں چیخ چیخ کر لوگوں کو اکٹھا کر لوں گی۔''

''بڑی خوش فہمی ہے تمہیں، تمہارے وہ دونوں باڈی گارڈز اس وقت یہاں موجود نہیں اور یہ پسٹل دیکھ کر لوگوں کی ہمت نہیں ہوگی کہ تمہاری مدد کر سکیں اسی لیے اب خاموشی سے چلتی رہو۔'' اس نے پسٹل اس کے بازو میں گھسا کر کہا۔

شہوار نے دیکھا ٹریگر پر اس کی انگلی نہیں تھی اس نے دونوں ہاتھوں سے پسٹل تھام رکھا تھا ارد گرد لوگ حیران ہو کر دونوں کو دیکھ رہے تھے پسٹل دیکھ کر کسی کے اندر ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ آگے بڑھ سکے۔ شہوار نے ہاتھ میں تھاما شاپنگ بیگ کھینچ کر اس کے ہاتھ پر مارا تو وہ لڑکھڑا سا گیا۔

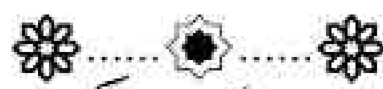
پسٹل اس کے بازو سے ہٹ گیا تھا اس نے دوبارہ شاپنگ بیگ اس کے منہ پر مارا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا وہ شاپنگ بیگ پکڑ کر بھاگ اٹھی ایاز کے ہاتھ سے پسٹل گر گیا تھا وہ کچھ نہیں سمجھ پایا تھا اس نے فوراً پسٹل اٹھایا اور سنبھل کر فائر کر دیا۔ ہوائی فائر تھا وہ اندھا دھند سیڑھیوں کی طرف بھاگی تھی چادر اس کے چہرے اور سر سے اتر چکی تھی، بیگ کندھے پر تھا اور ہاتھ میں شاپنگ بیگ۔ ایاز نے ایک اور اسٹیٹ فائر کیا اور بلٹ اس کے بہت قریب سے گزرا جبکہ وہ سیڑھیاں پھلانگتے جو پہلی دکان نظر آئی اس میں گھس گئی۔

یہاں لوگوں کا رش تھا ایاز اب فائر نہیں کر رہا تھا وہ شاید پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ لوگوں کو چیرتے ایک اسٹیچو کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ ایاز نے اسے اس دکان سے گھستے دیکھا بھی ہے یا نہیں دکاندار حیران تھے مگر خاموش تھے۔ اسی طرح پانچ منٹ گزر گئے تھے وہ کچھ دیر بعد وہاں سے اٹھی تو دروازے کی طرف لپکی۔

''ایک منٹ بیٹا' آپ ادھر سے نکل جاؤ یہ ڈور باہر روڈ کی طرف کھلتا ہے ابھی باہر گولی چلی ہے شاید کوئی ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔ آپ کو اس طرف خطرہ ہوگا۔'' باریش دکاندار نے کہا تو وہ سر ہلاتے دوسرے دروازے کی طرف لپکی تھی۔

وہ چادر خود پر درست کرتے بیگ کو مضبوطی سے تھامے سڑک کے دوسری طرف کھڑی اپنی گاڑی کی طرف جانے کو جیسے ہی سڑک کی طرف بڑھی تھی مخالف سمت سے آتے رکشے سے بری طرح ٹکرا کر بیچ سڑک پر گر پڑی تھی۔ وہ جو پہلے ہی نڈھال اور خوف سے بے حال تھی اس ٹکر نے اس کے تمام اعصاب کو پوری طرح مفلوج کر دیا تھا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں۔'' مکمل طور پر بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے رکشے سے ایک مرد اور عورت کو تیزی سے نکل کر اپنی طرف آتے دیکھا تھا۔



وہ آفس میں مصروف تھا جب اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے اسکرین دیکھی عائشہ کا نمبر تھا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام، مصطفیٰ بھائی میں عائشہ بول رہی ہوں میں، دریہ اور شہوار کو لے کر آج شاپنگ کے لیے آئی تھیں نا......'' عائشہ تیزی سے بتا رہی تھی۔

''ہاں تو پھر؟''

''یہاں ایک ایمرجنسی ہوگئی ہے یہاں کچھ لوگوں نے فائرنگ کی ہے جس کی وجہ سے بہت افراتفری پھیل گئی ہے اصل صورتحال کیا ہے پتا نہیں چل رہا ہم سے شہوار بچھڑ گئی ہے ہم کتنی دیر سے تلاش کر رہے ہیں مگر کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''

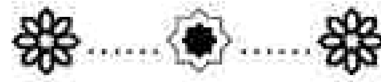
''کیا؟'' وہ ایک دم سے سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''شاید کوئی چور تھے لوگ بتا رہے تھے کہ کسی عورت سے کچھ چھیننے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر وہ عورت بھاگ نکلی تو ان لوگوں نے فائرنگ شروع کر دی۔''

''شہوار کے نمبر پر کال کر کے پتا کرو وہ کہاں ہے۔''

''میں کال کر رہی ہوں مگر وہ ریسیو ہی نہیں کر رہی، دریہ بھی کوشش کر رہی ہے مگر ناٹ رسپانس۔''

''او کے ڈونٹ وری میں پتا کرتا ہوں ٹریسر چپ لوکیشن تو بتا دے گی کہ وہ اس وقت کہاں ہے میں پتا کرتا ہوں۔'' مصطفیٰ نے اسے تسلی دی اور پھر اگلے پانچ منٹ میں لوکیشن کا علم ہو چکا تھا وہ اس کے نمبر پر کال کر رہا تھا مگر کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی وہ فوراً آفس سے اپنی گاڑی لے کر نکلا پڑا۔



شہوار کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک کلینک میں موجود پایا اور ایک مہربان خاتون کا چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔

''میں کہاں ہوں۔'' وہ جو ایاز کے خوف سے بھاگی تھی ان اجنبی خاتون کو دیکھ کر سب یاد آیا تو بے اختیار اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر خوف سمٹ آیا تھا۔

''یہ کلینک ہے، تم ہمارے رکشے سے ٹکرا گئی تھی چوٹ کوئی نہیں آئی بس تم بے ہوش ہوگئی تھی اور کچھ معمولی سی خراشیں ہیں بس۔''

''اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' اس عورت نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔

عورت کی بات سن کر وہ قدرے پرسکون ہوئی کہ وہ غلط ہاتھوں میں نہیں ہے۔

''میرا بیگ کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا کمرے میں ایک ڈاکٹر اور نرس بھی تھی۔

''یہ رکھا۔'' خاتون نے ایک طرف رکھا بیگ اٹھا کر اسے تھما دیا۔ اس نے جلدی سے کھول کر موبائل نکالا۔

کالج میں عائشہ کی کال سننے کے بعد اس نے موبائل سائلنٹ پر لگا دیا تھا اور اس وقت عائشہ، دریہ، بھابی، گھر، مصطفیٰ اور انکل سب کے نمبرز سے بے شمار مسڈ کالز تھیں۔

وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اس کو وہاں شاپنگ مال میں موجود نہ پا کر عائشہ پر کیا گزری ہوگی اور پھر عائشہ نے سب کو اطلاع کر دی ہوگی۔

ابھی وہ مسڈ کالز دیکھ رہی تھی کہ مصطفیٰ کی کال آنے لگی۔ اس نے فوراً ریسیو کی۔

''ہیلو۔''

''کال پک کیوں نہیں کر رہی تھیں؟'' اس کی آواز پہچان کر مصطفیٰ نے تیزی سے پوچھا۔

''موبائل سائلنٹ پر تھا اور میں......!'' وہ بتاتے بتاتے ایک دم رک گئی اس کے ذہن میں ایک دم مصطفیٰ کا وہ جنون تازہ ہو گیا جب ایاز نے ہوٹل میں اس کو مارا تھا اور اب......!

''تمہارے گھر سے کال ہے؟'' خاتون پوچھ رہی تھی اس نے سر ہلا دیا۔

''شہوار بول کیوں نہیں رہیں کدھر ہیں آپ؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''آپ پلیز بتا دیں کہ یہ کون سی جگہ ہے۔'' اس نے موبائل خاتون کو تھما دیا۔

وہ خاتون مصطفیٰ سے بات کرنے لگیں تھی۔ جبکہ ڈاکٹر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ ابھی کال بند ہی ہوئی تھی کہ مصطفیٰ کلینک میں داخل ہوا

تھا وہ بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔
''کیا ہوا؟'' مصطفیٰ فوراً بے اختیار اس کی طرف لپکا۔
شہوار جو پچھلے تھوڑے سے وقت میں اتنا کچھ دیکھ اور محسوس کر چکی تھی نجانے اللہ نے کس کی نیکی کے عوض اسے اس شیطان کے ہاتھوں میں جانے سے بچا لیا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھتے ہی وہ بے اختیاری سے بستر سے اتر کر اس کی طرف بڑھی اور اگلا لمحہ مصطفیٰ کو بھی اپنی جگہ ساکت کر دینے والا تھا۔
شہوار اس کے ہاتھ مضبوطی سے تھام کر بے اختیار رو پڑی تھی۔ مصطفیٰ پہلے تو حیرت سے گنگ رہ گیا اور پھر ایک دم اس کے گرد اپنے بازو کا حصار مضبوط کر دیا۔
''ایم سوری۔'' آنسو رکے تو اپنی جذباتیت کا احساس ہوا تو وہ ندامت سے ہاتھ چھوڑتے بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی تھی دوپٹا آہستگی سے سر پر ڈالتے وہ چہرہ جھکا گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا۔ سرخ چہرہ لیے ہونٹ کچلتی وہ سر جھکا گئی تھی۔
مصطفیٰ نے اطراف میں دیکھا یہ تین چار کمروں والا اسٹیبلش سا کلینک تھا کمرے میں ایک درمیانی عمر کی خاتون کے علاوہ ایک نرس بھی تھی۔
''آپ تو عائشہ کے ساتھ شاپنگ پر نکلی تھیں پھر یہاں کیسے پہنچیں؟'' مصطفیٰ نے دوبارہ شہوار کو دیکھا جس کی گھبراہٹ میں کچھ کمی واقع ہو گئی تھی۔
''میری طبیعت خراب تھی سر چکرا رہا تھا میں گاڑی میں جا کر بیٹھنے کے لیے شاپنگ مال سے نکلی ہی تھی کہ رکشے سے ٹکرا گئی اس کے بعد مجھے نہیں پتا۔'' وہ ایاز کی حرکت کو گول کرتے سر جھکائے بتا رہی تھی۔
''یہ ہمارے رکشے سے ٹکرائی تھیں میرے ساتھ میرا بھائی بھی تھا ہم اس کو یہاں لے آئے تھے بھائی کو کام تھا تو وہ باہر سے ہی چلے گئے تھے میں بچی کے پاس رک گئی تھی زیادہ چوٹیں نہیں آئی بس بچی بے ہوش ہو گئی تھی ڈاکٹر نے انجیکشن لگایا تو فوراً ہوش آ گیا۔'' خاتون نے بتایا تو مصطفیٰ نے ایک پرسکون سانس لیا ورنہ پچھلے چند منٹس سے وہ بے انتہا پریشان ہو چکا تھا عائشہ کے بتانے کے فوراً بعد اسے ایاز کا خیال آیا تھا مگر پھر لوکیشن چیک کرنے پر جو لوکیشن ٹریس ہو رہی تھی وہ کچھ اور ہی شو کر رہی تھی وہ فوراً آفس سے نکلا تھا راستے میں بار بار نمبر بھی ملا رہا تھا اور شکر ہے کہ مطلوبہ جگہ پہنچے سے پہلے ہی شہوار نے کال پک کر لی تھی۔
''موبائل کی ٹون تو بندہ آن رکھتا ہے، اندازہ ہے سب کس قدر پریشان ہیں عائشہ نے سبھی کو کال کر دی تھی آپ کو وہاں مال میں نہ پا کر۔'' شہوار خاموش رہی۔
''اور ہاں وہاں جو فائرنگ ہوئی تھی وہ کیا سلسلہ تھا؟'' شہوار نے چونک کر دیکھا۔
''تو کیا عائشہ لوگوں کو پتا چل گیا ہے؟'' اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔
''فائرنگ؟''
''ہاں عائشہ بتا رہی تھی شاید کوئی ڈکیتی ہونے والی تھی جو ناکام ہو گئی۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ پرسکون ہوئی۔
''مجھے نہیں علم میں باہر نکل آئی تھی۔ میرے بعد میں کچھ ہوا ہو تو کنفرم نہیں۔''
''آپ کی تو ابھی کال آئی تھی آپ پہلے سے ادھر موجود تھے جو فوراً یہاں پہنچ گئے تھے۔'' اس نے ٹالتے ہوئے بات بدلی تھی۔
''ہوں...... آپ کے موبائل میں موجود چپ کی مدد سے لوکیشن ٹریس کی تھی۔'' شہوار نے سر ہلا دیا۔
''آپ کا نام کیا ہے؟'' مصطفیٰ نے خاموش کھڑی خاتون سے پوچھا۔
''ثریا بیگم۔'' خاتون نے مسکرا کر بتایا۔
''اور جو آپ کے ساتھ صاحب تھے۔''
''فیضان۔''
''آپ اسی علاقے کی ہیں؟''
''نہیں ہم یہاں کسی کام سے آ رہے تھے کہ رستے میں بچی سے رکشہ ٹکرا گیا میں تو اس کے پاس کلینک میں رک گئی فیضان کو کام تھا وہ چلا

گیا۔‘‘

’’آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ان کا اتنا خیال رکھا اور ساتھ دیا۔‘‘

’’شکریہ کی کیا بات ہے بیٹا یہ میری بچی کی طرح ہے ہمارے رکشے سے ٹکرائی تھی اسے بیچ سڑک پر تو نہیں چھوڑ سکتی تھی نا۔‘‘ خاتون محبت سے کہہ رہی تھیں۔

’’میں ڈاکٹر سے مل لوں پھر چلتے ہیں اور آپ کو میں خود ڈراپ کروں گا جہاں بھی آپ نے جانا ہوگا۔‘‘ وہ کہہ کر روم سے نکل گیا۔



’’وہ عورت کیا کہہ رہی تھی؟‘‘ وہ ابوبکر کو چائے دینے آئی تو اس نے پوچھا' سارا رستہ دونوں میں کوئی بات نہ ہوئی تھی اور اب وہ پوچھ رہا تھا۔

’’کچھ خاص نہیں بس ویسے ہی۔‘‘

’’وہ آپ کو دھمکیاں دے رہی تھی۔‘‘ چائے کے سپ لیتے ابوبکر نے بغور دیکھا وہ کچھ پریشان سی لگ رہی تھی مگر ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھی۔

’’اگر مناسب سمجھیں تو مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں شاید وہ عورت آپ کو حراساں کر رہی ہے اور شاید بلیک میل بھی۔‘‘ رابعہ ابوبکر کے اتنے درست اندازے پر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

’’حیران مت ہوں مجھے فیس ریڈنگ آتی ہے میرے والد پولیس میں تھے ان کے ساتھ رہتے مختلف جگہوں پر ٹرانسفر ہوتے ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا تھا۔‘‘ ابوبکر نے بے تکلفی سے بتایا تو وہ چونکی۔

’’آپ کے والد، آپ نے کبھی اپنی فیملی کے بارے میں نہیں بتایا میں سمجھتی رہی کہ شاید آپ کا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں۔‘‘

’’نہیں رشتے تو سبھی موجود ہیں باپ بھی، بہن بھائی بھی اور گھر بھی۔‘‘ ابوبکر شاید اچھے موڈ میں تھا سو بتا رہا تھا وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

’’تو پھر آپ یہاں کیوں رہ رہے ہیں؟‘‘

’’میرے اپنی فیملی کے ساتھ کچھ ایشوز ہیں ایک عرصہ ہوا ان کو اللہ حافظ کہا ہوا ہے کم عمری اور جذباتیت کی پیداوار وہ ایشوز اب دوبارہ لوٹنے نہیں دیتے اس لیے سب سے کٹ کر خود کو سزا دے رہا ہوں۔‘‘ ابوبکر کے الفاظ پر وہ سر ہلا گئی۔

’’مجھے چھوڑیں آپ بتائیں کیا مسئلہ ہے آپ کے اور اس عورت کے درمیان اور وہ تھی کون؟‘‘

’’وہ میرے باس کی وائف ہے دونوں میں علیحدگی ہو چکی ہے مگر ابھی باقاعدہ ڈائی ورس نہیں ہوئی میں ان کے آفس میں کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتی ہوں اور یہ خاتون چاہتی ہیں میں اپنے باس سے بلینک پیپر پر کچھ دستخط لے کر ان کو دوں وہ ان کا کیا کریں گی مجھے نہیں علم جس کی پے منٹ وہ منہ مانگی کرنے کو تیار ہیں جبکہ میں نے انکار کر دیا ہے تو وہ اب دھمکیاں دے رہی ہے۔‘‘ رابعہ نے آرام سے ساری بات بتا دی۔

’’اوہ...... کس قسم کی دھمکیاں دے رہی ہیں وہ خاتون؟‘‘ ابوبکر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

’’ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے کی ایک بار غلطی کر چکی ہوں اور چند بار ان کی فون کالز ریسیو کر چکی ہوں اس کے علاوہ وہ ہمارے گھر میں آئی تھیں تو میں ملی تھی شاید وہ میری وائس کنورسیشن اور گاڑی میں بیٹھنے کی حماقت کو مس یوز کرنا چاہ رہی ہیں۔ گاڑی میں اس عورت نے کوئی کیم سیٹ کیا ہوا تھا اب میری ویڈیو اس کے پاس ہے جو وہ مس یوز کر رہی ہے۔‘‘ رابعہ نے تفصیل سے بتایا تو ابوبکر حیرت سے دیکھے گیا۔

’’اوہ...... پھر تو یہ عورت واقعی کافی خطرناک ہے۔‘‘

’’مگر اس کی دھمکیوں کے باوجود میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں میں نہیں پھنس سکوں گی مگر اس کی دھمکیوں کے بعد سمجھ نہیں آتی کہ اس پرابلم سے کیسے نکلوں گھر میں کسی سے ذکر نہیں کر سکتی کہ امی اور بھابی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی اور ماموں وہ ان کرمنلز مائنڈ لوگوں سے اکیلے نہیں نبٹ سکتے اور تیسرا کوئی آپشن دکھائی نہیں دے رہا سوائے اس کہ میں یہ جاب چھوڑ دوں۔‘‘ ابوبکر اس کی ساری بات سن کر کچھ دیر خاموشی سے کچھ سوچتا رہا۔

’’اچھا اگر آپ کو میں اچھا سا مشورہ دوں تو کیا اس کو قبول کریں گی؟‘‘ رابعہ اس کے انداز پر مسکرا دی۔

''جی بالکل بشرطیکہ وہ اچھا مشورہ ہوا تو؟''
''آپ کے باس کیسے انسان ہیں؟'' رابعہ کو آفس کے اولین دنوں سے لے کر اب تک کی ہر بات یاد آنے لگی۔
''انفرادی اختلافات ایک طرف مگر کرداری لحاظ سے وہ ایک اچھے انسان ہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا تو ابوبکر نے سر ہلا دیا۔
''او کے تو پھر آپ ایسا کریں کہ ان سے پہلی فرصت میں یہ سب ڈسکس کریں اور ان کو کہیں کہ اپنی وائف کو جیسے مرضی ہینڈل کریں مگر آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔'' ابوبکر نے مشورہ دیا تو وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔
''اور اگر اس سلسلے میں میری کوئی بھی مدد درکار ہو تو میں حاضر ہوں۔'' ابوبکر نے خلوص دل سے کہا تھا وہ بس مسکرا دی اور پھر کمرے سے نکل آئی۔



مصطفیٰ نے پہلے ان خاتون کو گھر ڈراپ کیا اور ان خاتون کے اصرار کے باوجود وہ دونوں گھر کے اندر نہیں گئے تھے۔
وہ دونوں جب گھر پہنچے تو سبھی متفکر ان دونوں کے منتظر تھے گو مصطفیٰ نے فون کر کے اطلاع تو دے دی تھی کہ وہ لوگ پریشان نہ ہوں مگر اس کے باوجود شہوار جب گھر پہنچی اور اس کی ہلکی پھلکی بینڈ یج دیکھ کر الجھ گئے تھے۔
وہ سب کو وہی سب بتا رہی تھی جو مصطفیٰ سے کہہ چکی تھی ماں جی اسے اس کے کمرے میں لے آئی تھیں۔
''جب ہم نے تمہیں کہا تھا کہ تم ادھر رکو تو تم ہمیں کم از کم میسج ہی کر دیتی اور جب فائرنگ کی آوازیں سن کر اور لوگوں کی بھگدڑ دیکھ کر ہم وہاں پہنچیں سمجھو تمہیں نہ پا کر میرے تو پاؤں سے زمین ہی نکل گئی تھی اوپر سے ہم کال پر کال ملا رہی تھیں اور تم ریسیو ہی نہیں کر رہی تھیں۔'' عائشہ نے فکر مندی سے کہا تو وہ ذرا سا مسکرائی مرد حضرات اپنے اپنے رومز میں چلے گئے تھے۔
''مجھے وہاں کھڑے کھڑے چکر سے آنے لگے تو میں باہر نکل آئی تھی کہ گاڑی میں بیٹھتی ہوں مگر رکشے سے ٹکرا گئی اور پھر پتا ہی نہ چلا ہوش آیا تو کلینک میں تھی۔'' نظریں چراتے اس نے یہ سب کہا تو ماں جی پرسکون ہوئیں۔
''اللہ بھلا کرے ان لوگوں کا، میرا تو دل ہول رہا تھا کہ پتا نہیں کہاں ہو تم۔ دل ایسا خوفزدہ تھا کہ پہلا دھیان ہی ایاز کی طرف گیا تھا۔'' ماں جی نے بھی کہا تو وہ لب بھینچ گئی وہ اس وقت اپنے بیڈروم میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔
''یہ ایاز کون ہے اور یہ کیا معاملہ ہے؟'' دریہ نے پوچھا تھا وہ ایاز والے معاملے سے یکسر بے خبر تھی اب یہ نام سن کر فوراً پوچھنے لگی۔
''کچھ بھی نہیں ہے ایک شخص......!'' لائبہ نے فوراً ٹالا۔
''ویسے تمہاری طبیعت خراب تھی تو بتا دیتی خوامخواہ ہمارا پروگرام خراب کر دیا۔'' دریہ نے نخوت سے کہا۔
''پروگرام خراب ہونے کی کیا بات ہے شاپنگ ہی تو ہے پھر کسی دن ہو جائے گی۔'' لائبہ کو اس کی بات بے حد چبھی تھی فوراً کہا۔
''نچی یہاں آ کر میں بہت بور ہو رہی ہوں کوئی بھی ایکٹی ویٹی نہیں۔ سبھی اپنی اپنی لائف میں بزی ہیں میرے لیے کسی کے پاس ٹائم ہی نہیں۔'' دریہ نے کہا۔
''ہمارے ہاں تفریح بھی موقع محل دیکھ کر کی جاتی ہے بلاوجہ منہ اٹھا کر کوئی بھی کہیں نہیں چل دیتا۔ ویسے بھی مصطفیٰ کی شادی ہو رہی ہے اس کی تیاریاں چل رہی ہیں اگر تمہیں گھومنے جانا ہے تو گاؤں چلی جاؤ۔'' لائبہ نے جل کر کہا۔
''مائی گاڈ، بابا صاحب سے میں مل چکی ہوں اگر گاؤں جاؤں گی تو صرف انہی سے ملنے کیوں جاؤں وہاں کون ہے ہمارا سوائے بابا صاحب کے اور گاؤں بھی کوئی تفریحی جگہ تھوڑی ہے۔'' دریہ نے طنزیہ انداز میں کہا تھا ماں جی اور عائشہ کے سامنے یہ گفتگو لائبہ کا پارہ بڑھا رہی تھی۔
''وہاں بابا صاحب کے علاوہ بوا جی بھی ہیں ان سے مل آتیں وہ کئی بار تمہارا پوچھ چکی ہیں ان سے مل کر تم بہت خوش ہوتیں۔'' عائشہ نے سنجیدگی سے کہا۔
''بوا جی سے کون سا کوئی خونی رشتہ ہے ہمارا جو میں اتنا سفر کرتی۔'' اس کی بات پر شہوار کا چہرہ زرد ہوا تھا باقی تینوں خواتین کو بھی دریہ کی بات اچھی نہ لگی تھی۔
''ضروری نہیں رشتے خون کے ہوں بعض رشتے خلوص، محبت اور وفا کے بھی ہوتے ہیں جو خون کے رشتوں سے بڑھ کر ثابت ہوتے

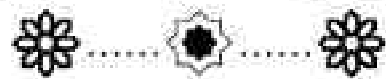
ہیں۔'' ماں جی نے دھیمے سے ٹوکا تو دریہ محض سر ہلا گئی۔
''میں کہوں گی کسی کو تمہیں کہیں گھمانے لے جائے۔ تم ہماری مہمان ہو ہمیں بھی خیال نہ آیا کہ تمہیں یہاں کی سیر کرا دی جائے خیر اب تو مصطفیٰ کی شادی کا سلسلہ چل رہا ہے جیسے ہی فرصت یا درمیان میں وقت نکالا تو ہم کوئی پروگرام رکھ لیں گے۔'' ماں جی تحمل سے کہتے وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔
''اوکے۔'' دریہ بھی اپنے روم میں چلی گئی تھی۔
''دیکھا تم نے دریہ کا رویہ۔'' لائبہ نے فوراً عائشہ کو متوجہ کیا۔
''ہاں۔''
''بالکل عادلہ بھابی والا انداز ہے۔'' لائبہ نے مزید کہا شہوار خاموشی سے آنکھیں بند کر گئی۔
پلکوں کے دوسری طرف آج شام ہونے والا واقعہ یاد آیا تو اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔
''مجھے خود حیرت ہو رہی ہے دریہ کا ایٹی ٹیوڈ دیکھ کر ماں جی کا بھی ذرا لحاظ نہیں کیا۔'' عائشہ حیران تھی۔
''اچھا بس کریں میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' دریہ کے ٹاپک کو لمبا ہوتے دیکھ کر شہوار نے ناگواری سے ٹوک دیا۔
''کیوں بس کریں عائشہ یہ دریہ کی نیت مجھے ٹھیک نہیں لگتی کئی بار میں اپنے کانوں سے مصطفیٰ کو شہوار کے خلاف زہر اگلتے سن چکی ہوں۔'' لائبہ نے کہا عائشہ نے حیرت سے دیکھا شہوار لب بھینچ گئی۔
''واقعی۔''
''تو اور کیا اور اسے کوئی پروا نہیں شادی ہو رہی ہے اور اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی سمجھاؤ اسے مصطفیٰ اس کا شوہر ضرور ہے مگر اب اتنی بھی بے پروا نہ ہو جائے کہ کسی دن دریہ ہی لے اڑے۔'' لائبہ کا تبصرہ دل دہلا دینے والا تھا شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
''اللہ نہ کرے مصطفیٰ بھائی کو انسانوں کی پہچان ہے اگر ایسی ویسی ہی پسند ہوتی تو باہر سے ساتھ لے کر آتے یہاں ہماری چوائس پر ہاں نہ کرتے۔''
''بھابی...... دریہ اگر زہر اگلتی ہے تو کچھ غلط نہیں کہتی وہ حقیقت بیان کرتی ہے میرے متعلق اور میرے بیک گراؤنڈ کے متعلق۔'' شہوار نے سنجیدگی سے کہا۔
''میں ہوتی تو منہ توڑ دیتی خوامخواہ دوسری عادلہ بھابی سر پر آ کر بیٹھ گئی ہے۔'' لائبہ تو سر سے پاؤں تک بھری بیٹھی تھی۔
''میں ماں جی سے بات کروں؟'' عائشہ نے دونوں کو دیکھا۔
''نہیں۔'' شہوار نے فوراً ٹوک دیا۔
''میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کوئی بات بڑھے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو اتنے میں دروازے پر دستک دیتا مصطفیٰ اندر داخل ہوا تھا مگر کمرے میں عائشہ اور لائبہ کو دیکھ کر رک گیا۔
''یہ میڈیسن گاڑی میں ہی رہ گئی تھیں۔'' مصطفیٰ نے ہاتھ میں پکڑے شاپر کی طرف اشارہ کیا تو عائشہ نے اٹھ کر شاپر لے لیا۔
''زخم کیسے ہیں۔''
''ٹھیک ہوں۔ اتنے گہرے زخم نہیں ہیں بس ہلکی پھلکی خراشیں ہیں ایک دو دن میں کور ہو جائیں گی، وہ تو بس رکشے سے ٹکرا کر بے ہوش ہو گئی تھی ورنہ چوٹ تو کوئی خاص نہیں آئی۔'' مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا اور پھر سر ہلا کر پلٹا تھا تبھی دریہ سجی سنوری فریش موڈ میں دروازے کے پاس آ رکی تھی۔
''چلیں مصطفیٰ۔'' اس نے کہا تو تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔
''کہاں کا ارادہ ہے؟'' لائبہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''میں بور ہو رہی تھی آنٹی سے لانگ ڈرائیو کی پرمیشن لی ہے۔'' دریہ چہک کر کہہ رہی تھی لائبہ نے گھور کر دیکھا۔
''ابھی تو تم شاپنگ سے لوٹی ہو پھر بھی بور ہو رہی ہو۔''
''شاپنگ تو بورنگ کام ہے میں مینٹلی فریش ہونے کے لیے ڈرائیو پر ہی جاتی ہوں مصطفیٰ فارغ ہی تھا ویسے بھی سوچا مصطفیٰ کو ہی ساتھ

لے جاؤں۔'' شہوار نے ایک گہرا سانس لے کر پلکیں موند لی تھیں وہ سمجھ گئی تھی کہ دریہ محض اسے چڑانے آئی ہے۔
''چلیں مصطفیٰ۔'' شہوار کو دریہ کی چہکتی آواز اپنے دل و دماغ پر ہتھوڑے کی طرح محسوس ہوئی تھی۔ دونوں چلے گئے تھے لائبہ اور عائشہ دونوں نے شہوار کو دیکھا وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھی پلکیں لرز رہی تھیں۔
''دیکھا کیسی چالباز لڑکی ہے۔'' لائبہ ایک دم پھر شدید غصہ آ گیا تھا اور عائشہ نے منہ پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کرتے شہوار کی طرف دیکھا تو لائبہ چپ ہوگئی تھی۔
''شہوار کھانا کھاؤ گی بھوک تو لگی ہوگی نا۔'' عائشہ نے محبت سے پوچھا تو شہوار نے آنکھیں بند کیے ہی اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔
''میں کھانا لے کر آتی ہوں تم شہوار کے پاس ہی رکو۔'' عائشہ لائبہ کو اشارہ کرتے باہر نکل گئی۔



''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ عباس کے آفس فائل لے کر آئی تھی، عباس نے چونک کر دیکھا۔ اسے چند دن سے رابعہ بہت الجھی الجھی لگ رہی تھی اور آج کچھ عجیب سی تھی۔
''جی فرمائیے۔''
''مجھے آپ سے آپ کی وائف کے بارے میں بات کرنی ہے۔'' عباس نے حیرت سے رابعہ کو دیکھا وہ سر جھکائے ہوئے تھی عباس نے فائل بند کر دی۔
''کیا بات کرنی ہے؟'' اس کا انداز ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔
رابعہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر اس نے ابوبکر کی ہدایت کے مطابق شروع سے لے کر آخر تک سب کہہ سنایا اور عباس حیرت سے دیکھ رہا تھا۔
''مائی گاڈ...... آپ یہ سب کچھ برداشت کرتی رہیں اور مجھ سے کیوں نہ کہا۔'' رابعہ خاموش رہی تھی۔
''اس عورت سے اسی قسم کے گھٹیا پن کی امید کی جاسکتی ہے۔'' عباس کھڑا ہو گیا تھا۔
''وہ مجھے مسلسل دھمکا رہی ہیں اور اس آخری ملاقات کے بعد تو واضح طور پر دھمکی بھی دی گئی ہے مجھے اس سے کسی بھلائی کی کوئی امید نہیں۔'' رابعہ نے تلخی سے کہا تو عباس نے لب بھینچ لیے۔
''مجھے بہت افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے وہ عورت آپ کے ساتھ اس طرح پیش آ رہی ہے آپ نے بہت اچھا کیا جو سب کچھ مجھ سے کہہ دیا اب اس پرابلم کو حل کرنا ہمارا کام ہے آپ پلیز ٹینشن فری رہیں۔'' عباس نے اسے بیٹھنے کو کہا۔
''اور وہ جو دھمکیاں دے رہی ہیں۔''
''میں ہینڈل کرلوں گا کہا نا آپ پریشان نہ ہوں۔'' عباس نے نرمی سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔
''آپ نے ذکر کیا کہ وہ آپ کے گھر آ چکی ہے کیا آپ کی فیملی بھی یہ سب جانتی ہے؟'' رابعہ نے نفی میں سر ہلایا۔
''او کے اس کرپٹ عورت کو ہینڈل کرنا اب میری ذمہ داری ہے۔'' عباس نے تسلی دی تو رابعہ نے سر ہلا دیا۔
وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تو عباس کچھ دیر سوچتا رہا پھر اٹھ کر نچلے فلور پر آیا جہاں شاہزیب صاحب کا آفس تھا اس نے ان سے تمام بات ڈسکس کی تو ان کا بھی عباس جیسا ہی ری ایکشن تھا۔
''اوہ تو یہ عبدالقیوم کی فیملی اخلاقی لحاظ سے اس حد تک دیوالیہ ہو چکی ہے کہ بیٹا تو ایک طرف اب بیٹی بھی ہر حد عبور کر چکی ہے افسوس وہ ہمارے خاندان کا حصہ تھی۔'' شاہزیب صاحب نے بہت افسوس سے کہا۔
''اس نے جو کرنا تھا کر چکی ہے اب سوال یہ ہے کہ مس رابعہ کو وہ جس طرح مس یوز کرنے کی دھمکیاں دے رہی ہے ان دھمکیوں کو کیسے ہینڈل کیا جائے بہرحال رابعہ یہ سب کچھ ہماری وجہ سے ہی سہہ رہی ہے۔''
''ہاں سب سے پہلے تو مس رابعہ کو اس پریشانی سے نکالنا ہی اصل ٹاسک ہے۔ میں وکیل صاحب کو بلواتا ہوں اور کوئی حل ڈھونڈتا ہوں تم ایسا کرو عادلہ کو کال کرو، اس سے اس کے ارادوں کو جاننے کی کوشش کرو تاکہ علم ہو سکے وہ ہمیں ٹارگٹ پر رکھتے رابعہ کے معاملے میں کس حد تک جا سکتی ہے۔ وہ اس سلسلے میں کوئی عملی قدم بھی اٹھائے گی یا محض رابعہ کو ڈرا دھمکا کر اپنا مقصد حاصل کرنا ہے۔'' شاہزیب صاحب نے

رائے دی تو عباس نے سر ہلا دیا۔
چند مزید باتوں کے بعد وہ اپنے آفس میں واپس آ گیا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے عادلہ کے نمبر پر کال ملائی۔
''ہیلو۔'' عادلہ نے کال ریسیو کی۔
''عباس بول رہا ہوں۔'' عباس نے تلخی سے کہا۔ دوسری طرف عادلہ حیران ہوئی تھی۔
''تم؟''
''کیوں کال کی ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔
''کال تو تمہیں بہت کچھ سنانے کے لیے کی تھی مگر اس وقت سب سے اہم سوال کروں گا تم رابعہ کو کس مقصد کے لیے استعمال کر رہی ہو؟'' دوسری طرف عادلہ ایک دم چونک اٹھی تھی۔
''کیا مطلب؟''
''اب یہ مت کہنا کہ کون رابعہ، تم اسے میرے آفس میں آ کر بہت سنا کر ہمارے سامنے دھمکا کر گئی تھی رابعہ کو تو اچھی طرح جانتی ہو گی۔'' عباس نے تلخی سے کہا۔
''رابعہ کے گھر جانا، اسے میرے خلاف بھڑکانا، فون کالز کرنا، بلینک پیپرز پر دستخط وہ بھی میرے لینے کا کہنا، دھمکانا، ہراساں کرنا اور اب اسے بلیک میل اس سب کی تفصیل میں بتاؤں کہ تم بتاؤ گی۔''
''میں کسی رابعہ کو نہیں جانتی۔'' عادلہ نے تیزی سے کہا۔
''تم اسے اچھی طرح جانتی ہو یہ وہی رابعہ ہے، جس کی تم بابا کے آفس میں آ کر انسلٹ کر کے گئی تھی اور فون کالز بھی کرتی رہی تھی۔'' عباس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ دوسری طرف بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔
''عادلہ بیگم ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو تم اور تمہارے باپ کے پاس چاہے جتنا بھی اختیار اور پیسہ ہو وہ کبھی بھی میری مالی حیثیت یا میری فیملی کے اسٹیٹس کو چیلنج نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈے ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' عباس نے سختی سے کہا۔
''اور تم جو بھی کرنا چاہتی ہو الٹا تمہیں ہی نقصان پہنچے گا تمہارے ساتھ میں نے جتنا بھی عرصہ گزارا ہے اس نے مجھے یہی سکھایا ہے کہ تم کبھی بھی قابل اعتبار عورت نہیں ہو، تمہاری رگ رگ سے واقف ہو چکا ہوں میں یاد رکھنا رابعہ صرف ہماری ورکر نہیں بلکہ وہ ہماری کمپنی کی ساکھ ہے اگر اسے کچھ ہوا تو تمہارا حشر بھی بہت برا ہو گا۔'' عباس نے سرد انداز میں کہا۔
''تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو اپنے اسٹیٹس سے ڈرانا چاہتے ہو؟'' وہ بھڑک اٹھی تھی۔
''نہیں آسان زبان میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں سمجھ جاتی ہو تو تمہارا فائدہ ہے نہ سمجھو گی تو نقصان اٹھاؤ گی، رابعہ کو ہماری وجہ سے کوئی نقصان پہنچتا ہے یا پھر اس کے کریکٹر پر کوئی حرف بھی آتا ہے تو پھر سب سے پہلے تمہیں انجام تک پہنچانے میں آؤں گا ایک ایسا انجام جہاں سے تمہارا بچ نکلنا ناممکن ہے۔'' عباس نے غصے سے کہا۔
''میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرنے والی تم سے کہہ کر وہ مڈل کلاس لڑکی سمجھتی ہو گی کہ وہ تمہیں ڈھال بنا کر بچ جائے گی تو غلط فہمی ہے میں بھی اب اسے مزہ چکھا کر رہوں گی۔'' عادلہ نے تنفر سے کہا۔
''تو پھر تم بھی سنگین نتائج کے لیے تیار رہنا یہ کبھی مت بھولنا کہ اس مڈل کلاس لڑکی کی بیک پر ہم ہوں گے۔'' عباس کا لہجہ برف کی طرح سرد ہو گیا تھا۔
''تمہاری لڑائی یا بگاڑ ہم سے ہے تو ڈائریکٹ ہم پر حملہ کرو کسی اور کو مس یوز کرو گی تو ہم بھی اچھی طرح نبٹ لیں گے۔''
''مائی فٹ...... کیا کر لو گے تم۔'' دوسری طرف وہ چیخی تھی۔
''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہم کیا کر سکتے ہیں کسی غلط فہمی میں مت رہنا۔'' عباس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔



وہ دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ہاتھ میں ڈرنک کا گلاس تھا۔

''تم اب اسے بھول کیوں نہیں جاتے وہ لڑکی آخری لڑکی تو نہ تھی دیکھو وہ لیلیٰ زبیری اتنی بار تمہارا پوچھ چکی ہے تم اس کی کال بھی ریسیو نہیں کرتے نہ ہی اس سے مل رہے ہو۔'' اس کے دوست شہزاد نے کہا۔

''میں نہیں بھول سکتا وہ لڑکی اب میری ضد بن گئی ہے جب تک اسے اس کے انجام تک نہیں پہنچا دیتا اب کسی اور لڑکی کی طرف نہیں دیکھوں گا۔'' ایاز نے طیش میں گلاس ٹیبل پر پٹختے ہوئے کہا۔ تینوں دوستوں نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

''تم نقصان اٹھاؤ گے یاد رکھنا ہم تمہارے دوست ہیں تمہیں مشورہ دے رہے ہیں ابھی صرف ضمانت پر رہا ہوئے ہو کیس ختم نہیں ہوا تمہارا جو لوگ تم پر کاروادات کا کیس ڈال سکتے ہیں وہ کل کو تم پر قتل کیس ڈال کر ساری عمر کے لیے جیل کی سلاخوں میں بھی قید کر سکتے ہیں۔'' احسن نے سمجھانا چاہا۔

''مائی فٹ۔'' ایاز نے ہاتھ مار کر گلاس زمین پر پٹخ دیا۔

''میں اس مصطفیٰ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا تم لوگ دیکھنا حشر نشر کر دوں گا اس کا اور وہ اگر سخت سیکیورٹی میں نہ ہوتی تو کب کا اس کا حشر بگاڑ چکا ہوتا۔'' سب نے کندھے اچکائے جیسے اسے سمجھانا بے سود ہو۔

''اور شاپنگ سینٹر میں تو وہ تنہا تھی تمہارے پاس پسٹل بھی تھا مگر تم پھر بھی کچھ نہ کر سکے اور وہ تمہارے ہاتھوں سے بچ نکلی۔'' احسن نے تمسخر سے کہا تو ایاز نے سرخ نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

''آخر کب تک بچ نکلے گی میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا اسے ایسا ذلیل کروں گا کہ ساری عمر یاد رکھے گی کہ کس سے پالا پڑا ہے۔''

''ہونہہ تم کچھ نہیں کرنے والے بلکہ اپنی خیر مناؤ، اب تمہارا حشر اس کا کزن جو کرے گا اس کو یاد کرو۔'' اس نے سلگ کر کہا تو کامران نے اسے گھورا۔

''تم میرے دوست ہو یا اس مصطفیٰ کے؟'' ایاز نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''دوست تو تمہارا ہی ہوں مگر مشورہ تمہیں اچھا دے رہا ہوں مان لو گے تو فائدہ نہ مانو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔'' احسن نے سنجیدگی سے کہا پر ایاز اسے گھورتا ہی رہا تھا۔

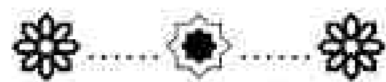
''تم اس کو گھورنا بند کرو اس کا ہی نہیں، ہم سب کا یہی مشورہ ہے کہ اس لڑکی کو بھول جاؤ جس طرح وہ لڑکی مضبوط پناہ گاہ میں ہے تم کچھ نہیں کر سکتے۔ تم اس وقت انتقام میں اندھے ہو رہے ہو مگر عقلمندی کا تقاضا ہے کہ ابھی کچھ مت کرو اور جب موقع ملے تو وار کر دینا۔'' کامران نے بھی مشورہ دیا۔

''کامران ٹھیک کہہ رہا ہے بلکہ جو بھی پلان بناؤ ہمیں بتا کر بناؤ، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں مگر اس وقت بالکل کول ہو جاؤ یقیناً مصطفیٰ تم سے بے خبر نہیں ہو گا وہ تو اس لڑکی کی خوش قسمتی کہ وہ بچ نکلی ورنہ اسے کچھ ہو جاتا تو تم مارے جاتے۔'' شہزاد نے بھی سمجھایا۔

''یقیناً اب تک وہ لڑکی اپنے گھر میں بتا چکی ہو گی اور مصطفیٰ نے اس کی بربادی کی تیاریاں بھی کر رکھی ہوں گی جب تک یہ ہمارے پاس ہے تو سیو ہے باہر نکلا تو گیا۔'' اس نے بھی کہا تو وہ لب بھینچ گیا۔

وہ واقعی بے بس تھا اس دن تو خوش قسمتی سے شہوار نظر آ گئی تھی اور اس نے فوراً پسٹل نکال لیا تھا بلکہ شاپنگ سینٹر میں اس کا پیچھا کرتا رہا تھا اور جیسے ہی تنہا ملی اس نے حملہ کر دیا تھا مگر اس کے پاس پسٹل ہونے کے باوجود وہ ڈرے بغیر بچ نکلی تھی اور وہ ابھی تک اس ہار کا ماتم کر رہا تھا جان بوجھ کر اس نے ہوائی فائر کیے تھے خیال تھا کہ لوگ اس سے ڈر کر اس کو پکڑنے کی کوشش نہ کریں گے اور پھر شہوار کا تعاقب کرنے کے بجائے وہ بھاگ آیا تھا اور اب مسلسل ایسے منصوبے بنا رہا تھا جس سے شہوار کو نقصان پہنچایا جا سکے۔

''بلکہ میرا تو مشورہ ہے اس وقت کسی بھی ایکٹیویٹی میں ملوث مت ہوں اپنے فادر کو کہو جیسے بھی ممکن ہو تمہیں ایسی جگہ بھیج دیں جہاں مصطفیٰ یا اس کے ساتھیوں کی تم پر نگاہ نہ ہو کچھ عرصہ پرسکون رہو تب تک تمہارا کیس بھی ختم ہو جائے گا پھر کوئی حملہ کرنا۔'' کامران نے مشورہ دیا تو اس کے انتقام کے لیے مچلتے دل پر کچھ سکون کے چھینٹے پڑے اور اس کا دماغ کچھ اور سوچنے کے قابل ہوا تھا۔ اس نے پرسوچ نظروں سے ان سب کو دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔



مصطفیٰ آفس میں تھا جب اسے اس کے ایک ماتحت نے آ کر کچھ اطلاعات دی تھیں وہ سنتے ہی ایک دم چونکا اٹھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ کل ایاز شاپنگ سینٹر میں تھا۔'' اس نے دہرایا۔
''یس سر میں نے اس کے تعاقب میں جو لوگ چھوڑے ہیں ان کی یہی اطلاع تھی۔''
''ٹائمنگ کیا تھی؟'' مصطفیٰ نے اپنا شک رفع کرنا چاہا۔
''شام کے بعد کی۔''
''مائی گاڈ۔'' مصطفیٰ کو ایک دم عائشہ کی کالز اور شہوار کی گمشدگی کی اطلاع یاد آنے لگی تھی۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو شہوار ذکر تو کرتی۔ اس نے ماتحت کو گھورا تھا۔
''خبر بالکل سچ ہے؟''
''یس سر۔'' ماتحت پر یقین تھا مصطفیٰ کا رنگ ہی بدل گیا۔
''مجھے ابھی ڈیٹیل چاہیے فوراً۔'' اگلے ہی پل مصطفیٰ کا چہرہ پتھریلا ہو گیا تھا۔ ''تو پھر اتنی لیٹ کیوں اطلاع ملی ہے مجھے۔''
''یس سر میں ابھی ان دونوں آدمیوں کو بلا لیتا ہوں انہوں نے جیسے ہی اطلاع دی میں نے آپ کو بتا دیا۔'' وہ چلا گیا اور مصطفیٰ نے بہت اضطراب سے ہاتھ میں پکڑا قلم ٹیبل پر رکھا اب وہ شدت سے ماتحت کی واپسی کا منتظر تھا۔
کچھ دیر بعد مصطفیٰ کو شاپنگ سینٹر میں ہوئی تمام کارروائی کی تفصیل مل چکی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی ایاز کا حشر بگاڑ دے اس نے امجد خان کو کال کر کے کچھ ہدایات جاری کی تھیں اور پھر آفس سے اٹھ آیا۔
کل والے حادثے کے بعد شہوار اپنے کمرے میں ہی بند تھی صبح وہ کالج بھی نہیں گئی تھی۔ وہ گھر آ کر سیدھا شہوار کے روم میں ہی چلا آیا۔
وہ کوئی بک پڑھ رہی تھی ارد گرد سلیبس کی بکس موجود تھیں اسے دیکھ کر چونکی۔
''آپ......!'' وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔
مصطفیٰ نے دروازہ بند کیا اور شہوار اس کے انداز پر ٹھٹک گئی تھی۔
''خیریت؟''
''کل شاپنگ سینٹر میں کیا ہوا تھا؟'' وہ شہوار کو بغور دیکھتے پوچھ رہا تھا شہوار کا دل ایک لمحے کو ساکت ہوا تھا یعنی اسے خبر ہو گئی تھی۔ وہ فوراً نظریں چرا گئی تھی۔
''میں تفصیل بتا چکی ہوں۔'' دھیمے سے کہہ کر وہ بستر سے اتر آئی تھی۔
''میں اس وقت صرف سچ سننے آیا ہوں جھوٹ نہیں۔'' مصطفیٰ نے سختی سے کہا تو شہوار کا رنگ بدلا۔
''کیسا جھوٹ؟''
''میں نے ایاز کے تعاقب میں کچھ آدمی چھوڑ رکھے تھے اس کے پل پل کی رپورٹ مجھے مل رہی ہے مجھے افسوس ہے کہ یہ اطلاع مجھے لیٹ ملی میں نے امجد خان کو کہہ دیا ہے وہ کچھ دیر میں اریسٹ ہو جائے گا اور اس بار اس کی ضمانت بھی نہیں ہو گی۔'' مصطفیٰ نے کہا تو شہوار لب بھینچ کر واپس بستر پر بیٹھ گئی۔
''کیوں چھپایا یہ سب؟'' مصطفیٰ نے قریب آ کر سنجیدگی سے پوچھا شہوار خاموش ہی رہی تھی۔
''میں کچھ پوچھ رہا ہوں شہوار؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی و سختی سے کہا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
''میں اپنی وجہ سے کوئی خون خرابہ نہیں چاہتی۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔
''اور اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو پھر؟'' مصطفیٰ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ شہوار نے سر اٹھا کر دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔
''میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ لوگ اس سے الجھیں کوئی مسئلہ ہو، میں نہیں چاہتی وہ شخص مزید کسی خوفناک ری ایکشن پر اتر آئے۔'' اپنی نمی کو اندر ہی اندر اتارتے شہوار نے سنجیدگی سے کہا۔
مصطفیٰ نے چند پل بغور شہوار کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی تھی۔
''مجھے تمام ڈیٹیل سننی ہے۔'' مصطفیٰ نے کہا تو اس نے ہاتھ مسلتے تمام باتیں تفصیل سے بتا دیں مصطفیٰ سنجیدگی سے سن رہا تھا۔

''ہم سے چھپا کر بہت برا کیا اس بار وہ شخص قطعی نہیں بچ سکتا۔ جان سے مار ڈالوں گا اسے یہ دوسری بار ہوا ہے اس نے ایسی حرکت کی ہے۔'' مصطفیٰ تو غصے سے ایک دم پاگل ہوا اٹھا تھا۔ شہوار اس کا غصہ دیکھ کر ایک دم گھبرا گئی تھی وہ اسی لیے اسے کچھ بتانا نہیں چاہ رہی تھی۔

''میں بچ گئی ہوں کچھ نہیں ہوا مجھے آپ پلیز اس بات کو رہنے دیں۔'' اس نے گھبرا کر کہا تو مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

''اسے جانے دوں تا کہ کل کو پھر وہ کوئی حرکت کرے اب کی بار تو اسے ایسی جگہ ڈالوں گا کہ اس کا باپ بھی اس کی شکل نہیں دیکھ سکے گا۔'' مصطفیٰ غصے سے کہہ کر پلٹا تھا۔ شہوار گھبرا کر اس کے سامنے آئی تھی۔

''پلیز اس طرح دشمنی کی بنیاد پڑ جائے گی میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے اس خاندان کو کوئی نقصان پہنچے۔'' اس نے لجاجت سے کہا تھا۔

''اول تو اب اس کے اندر اتنی ہمت نہیں رہنے دوں گا کہ وہ ہمارے خاندان کے سامنے آسکے۔ دوسرا شہوار اب آپ ہمارے خاندان کا حصہ ہیں ہماری عزت ہیں اور ہم اپنی عزت کی حفاظت کرنا خوب جانتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے تلخی سے کہا تو وہ مٹھیاں بھینچ گئی۔

''میں بار بار سب کے سامنے تماشا بننے کی ذلت نہیں سہہ سکتی۔ ٹھیک ہے میں نے چھپایا مگر میرا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی کا میری وجہ سے کوئی نقصان نہ ہو، آپ پلیز کسی سے ذکر نہیں کریں گے یہاں سب جانتے ہیں مگر دریہ نہیں جانتی، وہ پہلے ہی مجھے بہت کچھ سناتی رہتی ہے میں اب کسی اور کی زبان سے ذلت بھرے الفاظ نہیں سن سکتی۔'' شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

''میں آپ کے خاندان کا کبھی بھی حصہ نہیں رہی ہاں آپ لوگوں کو مجھ جیسی لڑکی کو ایک اعلیٰ مقام نوازنے کا حوصلہ ہے مگر میں اپنی حیثیت اچھی طرح جانتی ہوں میں ایاز والے معاملے کو نظر انداز کر رہی ہوں تو وہ صرف اس لیے کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ بغیر مصطفیٰ کی طرف دیکھے کمرے سے نکل گئی تھی۔ مصطفیٰ بھی بہت غصے سے اس کے پیچھے باہر آیا تھا۔

''شہوار بات سنیں۔'' مصطفیٰ نے پکارا تو وہ ان سنی کرتے لاؤنج میں داخل ہونے لگی تھی جب مصطفیٰ نے ایک دم طیش میں آتے اس کا بازو پکڑا۔

''اسٹاپ اٹ شہوار۔'' شہوار رک گئی تھی۔

''ہماری شادی طے ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ احساس کمتری اب تک دماغ سے نکل جانا چاہیے۔'' مصطفیٰ نے سختی سے کہا۔

''ایک مجبور کو بے بس کر کے کہا جائے کہ وہ زندگی کی خواہش کرے اور آپ کی خواہش کے مطابق زندہ رہے اگر اس کو احساس کمتری کہتے ہیں تو ٹھیک ہے میں اسی کمپلیکس میں رہنا چاہتی ہوں تو رہنے دیں آپ لوگوں نے چاہا شادی ہو تو ہو رہی ہے میں کب انکار کر رہی ہوں۔'' بہت تلخی سے اس نے مصطفیٰ کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑایا۔

''کیا ہو رہا ہے تم دونوں لڑ رہے ہو؟'' اس سے پہلے کہ مصطفیٰ اس کے جواب میں کچھ کہتا دریہ ایک دم سامنے آئی تھی حیرانی سے دیکھ کر پوچھا۔ شہوار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''تم ہر وقت ہماری مخبری کرنے کے بجائے اپنی خیر خبر رکھ لو تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' مصطفیٰ کی پروا کیے بغیر بہت غصے سے اس نے دریہ کو سنایا تو دریہ حیرت سے گنگ رہ گئی تھی۔

اسے جیسے شہوار سے ایسی بدتمیزی کی امید نہ تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، میں تمہاری انویسٹی گیشن کر رہی ہوں کیا؟'' ایک دم بھنا کر اس نے کہا۔

''یہ تو تمہیں ہی علم ہوگا کہ تم کیا کر رہی ہو ہم لوگ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں تمہیں کیا پرابلم ہے جو تم ہر وقت بیچ میں گھس آتی ہوں۔''

اپنے اندر کا سارا ابال اس نے ایک دم دریہ پر نکالا تھا۔

''کیا ہوا شہوار؟'' لائبہ بھابی بھی ادھر آ گئی تھی۔

شہوار کو ایک دم احساس ہوا کہ وہ اس وقت کہاں کھڑی ہے۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے دیکھا مصطفیٰ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

شہوار ایک تلخ نگاہ دریہ پر ڈال کر کچن کی طرف چلی گئی، مصطفیٰ نے اسے جاتے دیکھا تھا تبھی مصطفیٰ کا موبائل بجنے لگا تو وہ پاکٹ سے موبائل نکال کر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

''ہاں امجد خان بولو' کیا رہی پروگریس۔'' امجد خان کا نام دیکھ کر مصطفیٰ فوراً اٹینشن ہوا تھا۔

''سوری سر! ایاز اپنے تمام ٹھکانوں پر موجود نہیں' اس کے گھر میں بھی چکر لگایا ہے وہ وہاں سے بھی کل سے غائب ہے۔ شاپنگ سینٹر سے نکلنے کے بعد سے وہ غائب ہے۔'' امجد خان مزید بتا رہا تھا۔

''کیسے غائب ہو سکتا ہے وہ' مجھے ہر حال میں چاہیے۔ کہیں سے بھی پتا کرو' اس کے دوستوں کے ٹھکانوں پر ریڈ کرواؤ۔''

''سر مجھے لگتا ہے اسے ہماری ریڈ کا اندازہ تھا وہ کہیں چھپ گیا ہے' اس کا موبائل بھی بند ہے' ہم نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے جہاں پایا جا سکتا تھا۔'' امجد خان بتا رہا تھا مصطفیٰ نے بہت غصے سے دیوار پر ہاتھ مارا۔

''امجد خان کہیں سے بھی اسے دریافت کرو وہ مجھے ہر حال میں چاہیے۔'' مصطفیٰ نے سختی سے کہہ کر موبائل بند کر دیا۔



تابندہ بی کب سے شہوار کا نمبر ملا رہی تھیں مگر ہر بار موبائل بند مل رہا تھا۔ انہوں نے آخری بار کوشش کی اور اس بار کال مل گئی تھی جب سے شہوار مل کر گئی تھی وہ ان سے بات نہیں کر رہی تھی انہوں نے شادی کی تاریخ بھی طے کر دی تھی مگر تب بھی شہوار نے کوئی ری ایکشن شو نہیں کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ شہوار ان سے بہت خفا ہے' ان کا دل اس کی خفگی جان کر دکھ رہا تھا۔

''السلام علیکم۔'' ان کی توقع کے برعکس آج کال ریسیو کر لی تھی' بھیگی سی آواز ان کا دل کٹنے لگا۔

''وعلیکم السلام' کیسی ہو؟'' اس کی آواز سن کر وہ ایک دم خوش ہو گئی تھیں۔

''آپ کی توقع کے برعکس بہت خوش ہوں۔'' تلخی سے کہا' تابندہ بی کی ساری خوشی ماند پڑ گئی تھی۔

''اللہ تمہیں ہمیشہ خوش و خرم اور شاد و آباد رکھے' میں روز کال کرتی تھی مگر تم اٹینڈ ہی نہ کرتی تھی۔'' انہوں نے شکوہ کیا۔

''بات ان سے کی جاتی ہے' جن سے کوئی تعلق ہو' آپ نے تو مجھ سے ہر تعلق ختم کر ڈالا ہے اب بار بار ان دروازوں پر کیوں دستک دے رہی ہیں' جن کو آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا۔'' اس کی تلخی ہنوز تھی۔

''میرے دل سے نہ کھیلو' میں مجبور ہوں۔'' انہوں نے نم لہجے میں کہا۔

''میں نے ہر بار پوچھا لیکن اس بار نہیں پوچھوں گی کہ مجھے اپنی مجبوری بتائیں۔'' دوسری طرف کی تلخی و سرد پن اسی طرح تھا۔

''شادی کی تیاریاں کر رہی ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''اتنے حسب نسب والے' امیر جاگیر دار لوگوں میں بیٹی بیاہ دی ہے آپ نے' ان کے لیے پیسہ عام سی بات ہے' کر رہے ہوں گے تیاریاں بھی۔'' شہوار کی تلخی اسی طرح تھی' تابندہ نے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کی۔

''بہت زیادہ ناراض ہو؟ لیکن مجھے یقین ہے تم بہت جلد حقیقت کو قبول کر لو گی۔ تم بہت خوش رہو گی ایک عمر لگا کر میں نے ان لوگوں کو پرکھا ہے۔ ان کا اعتماد حاصل کیا ہے بس چند دن اور پھر تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔'' انہوں نے ایک عزم سے کہا تو دوسری طرف شہوار خاموشی ہی رہی تھی۔

''میں کچھ رقم بھیجوں گی چیزیں خرید لینا' اپنی پسند کی۔'' انہوں نے مزید کہا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے جو چاہیے تھا آپ کا اعتماد آپ نے نہیں دیا' اب دل میں کسی اور چیز کی طلب نہیں رہی۔'' انہوں نے لب بھینچ لیے شہوار خفگی کی انتہا پر تھی۔

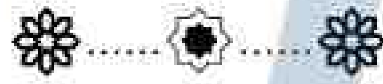
''اب جو بھی ہے قبول تو تمہیں کرنا ہی ہوگا' تاریخ طے کر دی ہے میں نے' یہ زبان دے کر زبان پھرنے والے لوگ نہیں۔ خوش رہنے کی کوشش کرو' مجھے یقین ہے یہ لوگ تمہارے حق میں بہت اچھے ثابت ہوں گے۔ رخصتی تو حویلی سے ہی ہوگی یہ بابا صاحب کی خواہش ہے۔'' انہوں نے مزید کہا تو دوسری طرف سے کال کاٹ دی گئی تھی' انہوں نے ریسیور کو دیکھا۔ آنکھوں کی نمی رخساروں پر آ ٹھہری۔

''کیا واقعی میں نے یہ گھاٹے کا سودا کیا تھا؟'' ان کے اندر لاتعداد سوالات اٹھنے لگے تھے' ہاتھ اضطراب سے کانپنے لگے تھے۔

''اگر میں حقیقت بتاؤں تو کون یقین کرے گا اور بابا صاحب ......'' انہوں نے دکھ سے سوچا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بے حد اضطراب اور گھبراہٹ میں وہ بابا صاحب کے کمرے کی طرف آئی تھیں' دروازہ کھلا ہوا تھا۔

بابا صاحب کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے' گود میں کتاب دھری ہوئی تھی اور وہ خود آنکھیں بند کیے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

''مجھے کسی ایک کو تو سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا' شاید بابا صاحب کو ہی......'' بغور بابا صاحب کو دیکھتے ان کا ذہن الجھ رہا تھا۔ ''نہیں...... شاید پھر یہ لوگ مجھے حویلی میں کبھی رہنے نہ دیتے اور شہوار......'' وہ لب دانت تلے دبا کر بڑے خستہ حال قدموں سے واپس لوٹ آئی تھیں۔



''میں نے آج عباس صاحب کو سب بتا دیا۔'' ابوبکر صحن میں بیٹھا ہوا تھا تو وہ بھی ادھر آ گئی تھی۔ ابوبکر نے چونک کر اسے دیکھا وہ بھی دوسری طرف بیٹھ گئی تھی۔

''پھر کیا کہا اس نے؟''

''بہت اعتماد دلایا ہے انہوں نے' کہہ رہے تھے اب یہ ہمارا پرابلم ہے میں ٹینشن فری ہو جاؤں۔ سچی بات یہ ہے میں ان سے بات کر کے بہت مطمئن ہو گئی ہوں' اب جیسے بھی وہ ہینڈل کرتے ہیں ان کا مسئلہ ہے۔''

''یہ بہت اچھی بات ہوئی پھر تو......''

''میں خود بہت دن بعد ریلیکس فیل کر رہی ہوں' ورنہ وہ عورت ایک خوف کی طرح میرے اعصاب پر سوار تھی۔''

''کیا بات ہو رہی ہے۔'' بھابی بھی ادھر ہی آ رکی تھیں۔ دونوں نے پلٹ کر دیکھا وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''کچھ نہیں بس آفس کی بات ہو رہی تھی۔'' رابعہ نے فوراً کہا مبادا ابوبکر کچھ نہ کہہ دے۔

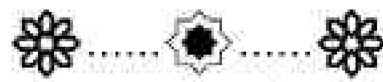
''آپ جو جگہ دیکھ رہے ہیں' پسند آئی۔'' وہ اب ابوبکر سے مخاطب تھیں جو رہنے کے لیے اپنا گھر دیکھ رہا تھا۔

''ہاں ایجنٹ نے ایک دو جگہ دکھائی تو ہیں' ایک گھر پسند بھی آیا ہے کوشش کر رہا ہوں بس سودا میری مرضی کا ہو جائے۔'' ابوبکر نے بتایا تو وہ شعوری طور پر اسے دیکھنے لگی۔ اچھی خاصی پرسنلٹی کا مالک سلجھا ہوا مہذب نوجوان تھا۔

ماموں اس سے مسلسل اس کے متعلق رائے مانگ رہے تھے۔ ابوبکر سے بات کرتے اس نے سوچا کہ وہ آج ماموں کے پوچھنے پر ضرور اپنی رائے دے دے گی۔ لائف پارٹنر کے متعلق اس کے کوئی خاص نظریات نہ تھے بس اچھا اور سلجھا ہوا ہو۔

وہ ان کے گھر رہ رہا تھا' مہذبانہ انداز تھا۔ عزت سے کلام کرتا تھا اور ان جیسے گھروں میں کسی مرد کے انتخاب میں شرافت اور کردار کی پختگی ہی تو دیکھی جاتی تھی۔ ابوبکر کو دیکھتے وہ ایک حتمی فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔

''آپ لوگ بات کریں میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' ماموں بھی ان کے ساتھ آ بیٹھے تو اس نے کہا اور پھر اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ آج بہت دنوں بعد وہ خود کو فریش محسوس کر رہی تھی۔



ایاز روپوش تھا وہ کہیں بھی نہیں مل رہا تھا' مصطفیٰ نے اس واقعے کا ذکر شاہزیب سے نہیں کیا تھا' مگر وہ مسلسل ایاز کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ شاید اسے بھی خبر ہو گئی تھی جو وہ کہیں چھپ گیا تھا' اس کے گھر والے بھی اس کی طرف سے لاعلم تھے۔

جیسے ہی چند دن گزرے مصطفیٰ کی ٹینشن بڑھنے لگی' شہوار کالج جا رہی تھی مگر اس نے اس کے اردگرد سیکورٹی مزید سخت کروا دی تھی۔ گھر میں شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں' اس دن کے بعد شہوار دوبارہ شاپنگ پر نہیں گئی تھی۔ صبا بھی شادی کی سلسلے میں یہیں آ گئی تھی۔

شہوار کا انداز اسی طرح برقرار تھا' مصطفیٰ نے ولید کی فیملی روشانے اور احسن کو ڈنر پر بلایا تھا۔ وہ ان کو ان کی شادی کی دعوت دینا چاہتا تھا' پہلے وہ لوگ ہنی مون پر چلے گئے تھے بعد میں ولید فارغ نہیں ہو رہا تھا۔ اتنے دنوں بعد ولید نے ہاں کہی تو مصطفیٰ نے گھر والوں کو بھی بتا دیا تھا۔

اگلی صبح شہوار کالج جانے کے لیے کمرے سے باہر نکلی تو ماں جی نے اطلاع دی' وہ حیران ہوئی' وہ بے خبر تھی۔ مصطفیٰ آفس جا چکا تھا اس وقت صرف خواتین تھیں یا شاہزیب انکل۔

''تم کالج مت جاؤ' کھانے پینے کا اچھا سا مینیو مل کر بنا لیں گے ویسے مصطفیٰ نے باہر سے منگوانے کی آفر کی تھی مگر جب گھر میں ہم پانچ چھ خواتین موجود ہیں تو پھر باہر سے منگوانے کی بھلا کیا ضرورت؟'' ماں جی نے مزید بتایا تو وہ خاموشی سے سر ہلا گئی۔

وہ خاموشی سے کمرے میں آئی اور انا کو اپنے نہ جانے کا بتانے کو وہ اسے کال ملانے لگی تھی' سلام دعا کے فوراً بعد اس نے اصل بات کی۔

''تم لوگ آج ہمارے ہاں ڈنر پر آ رہے ہو؟''
''اچھا مگر مجھے تو علم نہیں تمہیں کس نے کہا؟''
''آنٹی بتا رہی تھیں کہ مصطفیٰ نے ولید روشی اور احسن بھائی کو شادی کی دعوت پر بلوایا ہے آج رات۔''
''مجھے تو نہیں بتایا کسی نے۔'' وہ حیران ہو رہی تھی۔
''ہو سکتا ہے ان دونوں دوستوں میں اچانک پروگرام بنا ہو۔''
''اچھا' کون کون انوائٹڈ ہے۔'' انا نے پوچھا۔
''آنٹی تو ساری فیملی کا ہی ذکر کر رہی تھیں' اسی لیے تو میں آج گھر پر ہی ہوں' کالج سے آف کر رہی ہوں۔''
''اوہ...... مگر میں تو بس نکلنے لگی تھی۔''
''تم چلی جانا' میری وجہ سے اپنا حرج مت کرو' مجھے تو پتا نہیں اور کتنی چھٹیاں کرنا پڑیں۔'' شہوار کے منہ سے نکلا تھا۔
''کیوں خیریت؟'' انا اس کی شادی کی ڈیٹ فائنل ہو جانے والی بات سے بے خبر تھی' شہوار خاموش رہی تھی۔
وہ اب اسے کیا بتاتی جس طرح کے حالات تھے' ایاز کی اس حرکت کے بعد تو وہ اب کالج جاتے ہوئے بھی بہت خوفزدہ ہوتی تھی۔ وہ تو انکل ہی پک اینڈ ڈراپ کرتے تھے مگر کالج کی چار دیواری میں داخل ہوتے ہسپتال کی طرف جاتے اسے ایسے لگتا تھا کہ جیسے کوئی مسلسل اسے زچ کر رہا ہے' وہ اندر ہی اندر خوفزدہ ہو چکی تھی۔
کبھی دل چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گاؤں چلی جائے' کم از کم وہ اس خوف کی زندگی سے تو باہر نکلے گی۔
اس نے انا سے مزید چند اور باتوں کے بعد کال ڈراپ کی اور پھر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔



وہ شہوار کی کال بند ہونے پر باہر نکلی ولید کو دیکھ کر فوراً اس کی طرف آئی۔
''مجھے آج ڈراپ کر دیں گے؟'' ولید آفس جانے کے لیے بس نکل ہی رہا تھا اس کے کہنے پر مسکرا کر دیکھا۔
''آج ڈرائیور کے ساتھ جانے کا پروگرام نہیں ہے کیا؟''
''میں نے سوچا آج کے دن آپ کو ہی ڈرائیور بنا لوں' کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے' مجھے اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے۔'' ولید کی مسکراہٹ پر اس نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
''اتنا ہینڈسم بندہ تمہیں ڈرائیور لگ رہا ہے۔'' ولید نے گھورا تو وہ ہنس دی۔
''بڑے خود پسند ہیں آپ' ہر وقت اپنی تعریفوں میں رطب اللسان رہتے ہیں۔'' ولید کے ساتھ اس کی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔
''اس کو خود پسندی نہیں خود شناسی کہتے ہیں میڈم!'' ولید نے گاڑی ڈرائیو کرتے مزید کہا۔
''میں نہیں جانتی۔'' اس نے ناک سکیڑی' انا کا موڈ بہت فریش تھا' ولید مسکرا دیا۔
''آج صبح صبح موڈ بہت فریش ہے' خیریت ورنہ اکثر تمہارا موڈ آف ہوتا ہے۔'' ولید نے اسے بغور دیکھا تھا' کالج جانے والے مخصوص حلیے میں تھی بلکہ اب کچھ دنوں سے وہ اچھی خاصی زندہ دل لگنے لگی تھی اس کے موڈ میں یہ خوشگوار تبدیلی ولید کو بڑی اچھی لگ رہی تھی۔
''ابھی شہوار کی کال آئی تھی وہ بتا رہی تھی آپ روشی اور احسن بھائی' مصطفیٰ بھائی کے ہاں آج رات ڈنر پر انوائٹڈ ہیں۔'' ولید نے مسکرا کر دیکھا۔
''ہاں' تمہیں بتانا یاد نہیں رہا تھا' کل ہی مصطفیٰ نے انوائٹ کیا تھا اس نے تو پوری فیملی کو انوائٹ کیا ہے مگر بابا' انکل اور پھوپو نے چلنے سے انکار کر دیا ہے' اب تم بتاؤ تم ہمارے ساتھ چل رہی ہو؟'' ولید نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔
''شہوار کے ہاں جانے میں مجھے تو کوئی حرج نہیں' دیکھ لیں مناسب رہے گا اتنے سارے افراد کا جانا؟ انہوں نے پوری فیملی کہا تو ضروری نہیں ہم سبھی چل دیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''ہم چاروں ہی تو جا رہے ہیں' کون سا سب لوگ ہیں۔''
''اوکے' جیسے آپ کی مرضی۔'' انا نے کندھے اچکا دیئے۔

''مغرب سے پہلے وہاں پہنچنا ہے' میں اور احسن وقت پر گھر آ جائیں گے بس تم اور روشی وقت پر تیار رہنا۔'' سگنل پر گاڑی روکتے ولید نے کہا تھا' انا نے گاڑی سے باہر دیکھا تو چونکی۔

کاشفہ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھی اور اس کے ساتھ کوئی اور لڑکا ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھا' دونوں کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔ کاشفہ کی نظر انا پر پڑی تو اس کی مسکراہٹ ختم ہوگئی تھی۔ وہ اس کے بعد ولید کو دیکھ رہی تھی جو سامنے سگنل کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ کاشفہ کے ساتھ کون ہے؟'' انا نے کہا تو ولید نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ کاشفہ نے مسکراہٹ پاس کی تھی اور ہاتھ ہلایا تھا۔

''میں نہیں جانتا۔'' ولید نے کہا تبھی کاشفہ اونچی آواز میں بولی۔

''ہیلو' کیسے ہو تم دونوں؟''

''فائن' آپ سنائیں؟'' انا خاموش رہی تھی ولید نے ہی جواب دیا۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھی' انا کو صبح صبح اس کا مخاطب ہونا ذرا بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

''آفس...... اینڈ یو؟'' ولید نے بھی مروتاً کہا۔

''ہاں میں ایک کام سے جا رہی ہوں' او کے بائے پھر بات ہوگی۔ میں کال کروں گی۔'' فوراً سگنل کھل گیا تھا' کاشفہ نے تیزی سے کہا تھا۔ ان کی گاڑی آگے بڑھ گئی تھی ولید نے بھی گاڑی ٹرن کر لی تھی۔ انا اب خاموش تھی ولید نے اسے دیکھا۔

''اب کیا ہوا؟''

''مجھے یہ لڑکی بالکل اچھی نہیں لگتی' آپ اس سے رابطہ ختم کیوں نہیں کر لیتے۔'' بہت الجھ کر اس نے کہا تھا۔

''ہیں...... تمہیں اچھی کیوں نہیں لگتی۔''

''بہت بے باک انداز ہوتا ہے اس کا' پتا نہیں مجھے یہ لڑکی باقی لڑکیوں جیسی نہیں لگتی کچھ بگڑی ہوئی' کچھ کریکٹر لیس وغیرہ ہو جیسے......'' اس نے صاف کہہ دیا تھا۔

''اُف اچھی خاصی لڑکی ہے خوامخواہ تم اسے مشکوک کریکٹر بنا رہی ہو۔''

''میں مشکوک نہیں بنا رہی' آپ کی اس کے ساتھ دوستی مجھے مشکوک بناتی ہے۔'' وہ ابھی تک کاشفہ کی برتھ ڈے پارٹی کو نہیں بھولی تھی وہاں بے باک انداز میں لوگوں سے ملنا' ہاتھ ملانا...... اسے قطعی اچھی نہ لگی تھی اور پھر سب سے بڑھ کر ولید کو حد سے زیادہ امپورٹنس دینا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس لڑکی کی طرف سے بدظن ہو چکی تھی۔

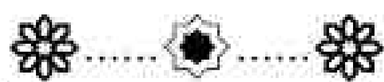
''وہ صرف میری دوست ہے یار! خوامخواہ پریشان مت ہو۔'' اسے یوں الجھتے دیکھ کر ولید نے مسکرا کر کہا تو وہ ایکدم کنفیوژ ہوگئی۔ وہ ولید کے سامنے کاشفہ کے متعلق اس واضح ناگواری کا اظہار کر کے اپنے جذبات دکھا رہی تھی۔ نجانے ولید کیا سوچ رہا تھا' وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔

''میں کیوں پریشان ہوں گی' بس جو محسوس کیا' کہہ دیا۔'' اس نے خود کو بے پروا ظاہر کرنا چاہا۔

''لیکن مجھے کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے۔'' ولید نے ہنس کر کہا۔

''اوہیں...... خوامخواہ......'' اس نے گھورا تو ولید ہنس دیا تبھی اس کا کالج آ گیا تھا انا نے تشکر کا سانس لیا ورنہ نجانے ولید مزید کیا کچھ کہتا۔

''کالج سے جلدی آف کر لینا اور گھر جا کر روشی کو بھی ریڈی کروا دینا۔ ہم مغرب سے پہلے جائیں گے۔'' ولید نے کالج کے گیٹ کے سامنے گاڑی روکی تھی۔ ولید نے کہا تو وہ سر ہلا کر اللہ حافظ کہہ کر گاڑی سے اتر گئی اور ولید نے چند پل اسے مسکراتی نگاہوں سے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا اور پھر گاڑی آگے بڑھا دی۔



تین بجے تک سب کچھ ریڈی تھا' مصطفیٰ کئی بار کال کر کے پوچھ چکا تھا' انا سے بھی شہوار ایک دو بار بات کر چکی تھی' ان لوگوں نے مغرب سے پہلے پہنچنا تھا۔ وہ کمرے میں آ گئی تھی چونکہ انا آ رہی تھی سو وہ دل سے خوش تھی آج سارا دن موڈ بہت خوشگوار رہا تھا' عصر کی نماز پڑھ کر

وہ لیٹ گئی تھی چونکہ سارا دن بزی رہی تھی سو جلدی آنکھ لگ گئی تھی‘ وہ پتا نہیں کب تک سوئی رہتی اگر عائشہ آ کر اسے اٹھا نہ دیتی۔

’’توبہ مہمان گھر سے نکل چکے ہیں اور تم سو رہی ہو‘ مصطفیٰ گھر آ چکا ہے۔‘‘ عائشہ نے کہا تو وہ مسکرا کر اٹھ گئی۔

’’آپ چلیں میں بس ابھی ڈریس اپ ہو کر آتی ہوں۔‘‘

’’صرف ڈریس اپ ہی نہیں ہونا ہلکا پھلکا میک اپ بھی کر لینا اگر ہم کچھ اچھے اور خوب صورت دکھائی دے جائیں تو ذرا ٹیکس نہیں لگتا۔‘‘ عائشہ نے جاتے جاتے کہا تو وہ ہنس دی۔

وہ فٹافٹ کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی اور نہا کر لباس بدل کر وہ باہر آئی تو وہ فوراً بال سلجھائے تبھی گیٹ پر ہارن بجنے لگا تھا یقیناً وہ لوگ آ چکے تھے۔

وہ فوراً دوپٹہ صحیح کرتی کمرے سے باہر نکلی آئی‘ وہ راہ داری میں آئی تو دوسری طرف لاؤنج سے مصطفیٰ بھی نکل رہا تھا‘ وہ اپنے دھیان میں تھی اچانک مصطفیٰ سے ٹکرا گئی تھی۔

’’اُف...... ‘‘ اس نے غصے سے مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔ ’’دیکھ کر نہیں چلا جاتا۔‘‘ مصطفیٰ کو دیکھ کر اس نے کہا اور اپنے بازو سے مصطفیٰ کا ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہوئی تھی جبکہ مصطفیٰ ساکت میں اسے دیکھ رہا تھا۔

موتیوں سے سجا بلیک لباس اور اس پر شہوار کا جگمگاتا حسن‘ دوپٹہ گلے میں تھا۔ لمبے گھنے بالوں کا آبشار آگے پیچھے پھیلا ہوا تھا‘ ورنہ تو اس کے سامنے بھی بغیر دوپٹہ کے نہیں آتی تھی‘ بڑا ترتیب والا حلیہ ہوتا تھا۔

شہوار ایک دم اس کی محویت نوٹ کر گئی تھی۔ کچھ بھی تھا ان کے درمیان ایک بڑا خوب صورت سا رشتہ تھا‘ وہ فوراً سر جھکا گئی تھی‘ چہرہ شرم و حیا سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ وہاں سے فوراً باہر نکلی تھی مصطفیٰ بھی ایک گہرا سانس لیتا پیچھے آیا تھا۔ وہاں مہمانوں کے استقبال کے لیے آنٹی‘ عائشہ صبا سبھی لوگ تھے۔ وہ بھی آنٹی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی تھی۔

گاڑی گیٹ کے اندر جا کر گیراج میں رکی تھی‘ تو مصطفیٰ آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ لوگ باہر آئے تو مصطفیٰ آگے بڑھ کر گلے ملا تھا۔ انا اور روشی سے حال چال پوچھا تھا‘ وہ ان کو لے کر آگے آیا جہاں وہ سب سیڑھیوں پر کھڑی تھیں‘ شہوار بے اختیار آگے بڑھ کر انا کے گلے لگ گئی۔

’’ریلی تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔‘‘ انا کے کان میں کہا تھا‘ وہ روشانے سے بھی ملی تھی۔

سبھی خواتین نے ان کا ویلکم کیا تھا‘ مصطفیٰ ولید اور احسن کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلا گیا تھا جبکہ وہ دونوں ان سب کے ساتھ لاؤنج میں آ بیٹھی تھیں۔ روشانے نئی دلہن کی طرح سجی سنوری بہت پیاری لگ رہی تھی‘ جبکہ انا بھی ہلکے پھلکے لباس اور میک اپ میں دل کو چھو رہی تھی۔

’’میں تو کئی بار مصطفیٰ کو کہہ چکی تھی کہ تم لوگوں کو انوائٹ کرے مگر پہلے تم لوگ ہی یہاں نہ تھے پھر بعد میں ولید فارغ نہ تھا۔ ہم نے تو ساری فیملی کو کہا تھا مگر مجھے گلہ رہے گا ہم شادی میں سب آئے تھے اور آپ میں سے صرف آپ لوگ ہی آئے ہو۔ انا بیٹا آپ کی امی کو تو ضرور آنا چاہیے تھا۔‘‘ ماں جی نے روشانے اور انا دونوں سے کہا تھا‘ روشانے تو مسکرا دی۔

’’ماما پاپا اور ماموں کو چھوڑ کر نہیں آ سکتی تھیں پھر وہ بوتیک سے مغرب کے بعد فارغ ہوتی ہیں جبکہ پاپا کسی میٹنگ میں مصروف تھے ماموں کم ہی کہیں آتے جاتے ہیں۔‘‘ انا نے سہولت سے کہا۔

پہلے دریہ اپنے کمرے میں تھی اب وہ بھی وہیں چلی آئی تھی۔ وہ روشانے کے ساتھ باتوں میں لگ گئی تھی جبکہ شہوار اور صبا نے مل کر کولڈ ڈرنک سرو کی تھی۔

’’شہوار کے نکاح والے دن ملاقات ہوئی تھی اور اب ہو رہی ہے‘ مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے۔‘‘ انا صبا سے بات کر رہی تھی جب کہ اس نے مسکرا کر کہا۔

’’اب اس کی شادی کے سلسلے میں آئی ہوئی ہیں۔ لائبہ کی تو طبیعت ایسی ہے شادی کی تیاری ہم لوگ ہی کر رہی ہیں۔‘‘ عائشہ نے بھی کہا تو انا چونکی۔

’’کس کی شادی......؟‘‘

''شہوار کی اور کس کی؟'' انا نے حیران ہو کر شہوار کو دیکھا وہ سر جھکا گئی تھی۔
''مائی گاڈ..... شہوار کی شادی ہو رہی ہے اور مجھے بتایا بھی نہیں۔'' اس نے شہوار کو فوراً آڑے ہاتھوں لیا۔
''بس دو ہفتے بعد کی تاریخ ہے' اب تو کارڈز بھی پرنٹ ہو کر آنے والے ہیں۔'' انا نے سخت غصے سے شہوار کو دیکھا۔
''مجھے یاد نہیں رہا' ورنہ ضرور بتاتی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو انا سب کی موجودگی کی وجہ سے خاموش ہو گئی تھی۔
''شادی ادھر ہی ہو گی یا گاؤں میں؟'' روشانے نے بھی پوچھا۔
''گاؤں میں ہی ہو گی' سارا انتظام وہیں ہو گا' ہاں ولیمہ ادھر شہر میں ہی ہو گا۔'' ماں جی نے بتایا۔ وہ لوگ پھر باتوں میں لگ گئی تھیں' مصطفیٰ کے دونوں بھائی اور والد صاحب بھی آ گئے تھے وہ ڈرائنگ روم میں ہی چلے گئے تھے۔
انا کو ان کے گھر کا یہ ماحول بہت اچھا لگا تھا اور انہی سا ماحول اور انداز' رکھ رکھاؤ' سلیقہ' خواتین نے ڈنر علیحدہ کیا تھا جبکہ مرد حضرات نے ڈرائنگ روم میں کیا تھا۔
کھانا بہت پر تکلف تھا' بڑے خوشگوار موڈ میں کھایا گیا تھا۔
کھانے کے بعد عائشہ اور صبا ماں جی کے کہنے پر شادی کے سلسلے میں کی گئی تیاری دکھانے لگیں تھیں۔ بری کے ملبوسات زیورات اور دیگر چیزیں۔ ہر چیز اس قدر پیاری اور خوب صورت تھی اور سب سے بڑھ کر جس قدر محبت سے تیار کی گئی تھی' انا اور روشانے دل سے متاثر ہوئی تھیں جبکہ شہوار کا رویہ و انداز خاموش اور سنجیدہ تھا۔
اس کی خاموشی انا کے اندر مختلف سوالات اٹھانے لگی مگر وہ یہ سوال پھر کسی وقت کے لیے اٹھا کر خاموش رہی۔
''چلو آؤ ذرا کچھ دیر لان میں ٹہلتے ہیں۔'' شہوار انا کی خاموشی اور ناراضگی محسوس کر رہی تھی سو خود ہی اسے آفر کی۔ انا بھی اٹھ کر اس کے ساتھ باہر آ گئی تھی جبکہ باقی سبھی اندر ہی تھیں۔
''مجھے تم سے بہت گلہ ہے۔'' اس کے ساتھ چلتے انا نے خفگی سے کہا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
''میں جانتی ہوں مگر میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہو رہی کہ میں اس ٹاپک پر تم سے ڈسکس کرتی۔'' انا نے رک کر دیکھا بلیک موتیوں سے سجے سوٹ کے ہمرنگ دوپٹہ لیے وہ خاصی پیاری لگ رہی تھی۔ انا نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔
''تم ایسا کیوں سوچتی ہو' بی پازیٹو یار! اس قدر محبت کرتے ہیں یہ لوگ تم سے' اس قدر خلوص اور محبت سے یہ سب کر رہے ہیں اور پھر مصطفیٰ بھائی جیسا قدر دان تمہیں تو مطمئن ہو جانا چاہیے۔'' وہ دونوں چلتے ہوئے لان میں رکھے ہوئے تخت پر آ بیٹھی تھیں' لکڑی سے بنا منقش تخت بہت پیارا تھا۔
''دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے۔'' شہوار مسکرائی تو انداز طنزیہ تھا۔
''میں اب بہت ماروں گی تمہیں' کیوں تمہارا کوئی حق نہیں ان خوشیوں پر۔ دل سے ہر بات نکال کر ان لمحوں کو انجوائے کرو' زندگی میں یہ پل صرف ایک بار ہی آئیں گے۔'' انا نے ڈپٹا۔
''انا میں بہت ڈسٹرب ہوں' ہو سکتا ہے اب آنے والے دنوں میں کالج نہ آ سکوں یا شاید میں اسٹڈی چھوڑ دوں۔ میں امی کی وجہ سے مجبور ہو گئی ہوں اور سب سے بڑھ کر ایاز کے خوف سے ورنہ میں کبھی بھی اس تعلق کو قبول نہ کرتی۔'' اس کی آواز رندھ گئی تھی۔
''میں بہت خوش قسمت ہوں جو مجھے تم جیسی دوست ملی' ان لوگوں جیسا گھرانہ ملا' خیر ایک بات تو طے ہے کہ میں کسی بھی طرح سے ان لوگوں کے قابل نہیں ہوں۔ یہ لوگ مجھے اہمیت دیتے ہیں' محبت جتاتے ہیں' مجھے مان دیتے ہیں اور میں ان کی محبتوں کے سامنے خود کو بے بس پاتی ہوں۔ امی کے سامنے جا کر لڑ لیتی ہوں' مصطفیٰ کے سامنے غصہ نکال لیتی ہوں مگر ان لوگوں کے سامنے آ کر میری زبان سل جاتی ہے۔ کاش تم اندازہ لگا سکو میں اس وقت کس اذیت سے گزر رہی ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں نمی آ ٹھہری تو انا نے بہت محبت سے اس کے گرد بازو پھیلا لیا۔
''میں جانتی ہوں میں مصطفیٰ کے ساتھ غلط کر رہی ہوں مگر میں کیا کروں وہ سامنے آتا ہے تو میرے اندر کی ساری کشمکش غصے کی صورت نکلنے لگتی ہے' ہر بار میں سوچتی ہوں کہ اس کے ساتھ بدتمیزی نہیں کروں گی مگر میں ہر بار خود کو بے بس پاتی ہوں۔'' وہ اتنے دنوں سے خود اندر ہی اندر گھل رہی تھی اب اسے کوئی کندھا ملا تو وہ دل کا سارا بوجھ اتارتی چلی گئی تھی۔

''پلیز ٹینشن نہ لو' بس جو ہو رہا ہے ہونے دو' ذہن کو نارمل کرو' ورنہ یہ رشتہ خراب ہو جائے گا۔'' انا نے ہاتھ تھام کر محبت سے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

''ہاں میں بہت کوشش کرتی ہوں مگر ہر بار ناکام ہو جاتی ہوں' مجھے اپنے جذبات و احساسات پر کوئی اختیار نہیں رہتا اب' لے دے کے ایک مصطفیٰ ہی بچتا ہے یا امی' ان دونوں کے سامنے دل کی بھڑاس نکال دیتی ہوں۔ امی میرے رویوں پر دکھی ہوتی ہیں اور بعد میں پچھتاتی ہوں۔ ان کا میرے علاوہ اور کون ہے میں جانتی ہوں مگر پھر غلطی کر جاتی ہوں۔'' شہوار نے کہا تو انا مسکرائی۔

''تم ان دونوں سے اپنے رویوں کی معافی مانگ لو' یہ دونوں تم سے محبت کرتے ہیں' تمہیں نظرانداز نہیں کریں گے' بس اپنے ذہن کو مختلف سوچوں کی آماجگاہ بننے سے بچالو پھر سب نارمل ہونے لگے گا۔'' انا نے رسانیت سے کہا۔

''تمہیں بتاؤں جب سے یہ در یہ پاکستان آئی ہوئی ہے اس کی باتیں' اس کے طنز' بہت تکلیف دیتے ہیں۔ میں جب بھی سب کچھ بھول کر آگے بڑھنے کا سوچتی ہوں یہ کوئی ایسی بات کر جاتی ہے کہ میں اپنی جگہ فریز ہو جاتی ہوں۔'' شہوار نے مزید بتایا تو انا حیران ہوئی۔

''مطلب......؟''

''عادلہ بھابی والا سیم ایٹی ٹیوڈ ہے اس کا بھی اور اسپیشلی مصطفیٰ کی طرف دلچسپی رکھتی ہے۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''مائی گاڈ......شکل سے تو اچھی خاصی اور مہذب لگتی ہے پھر ایسی حرکتیں کیوں کر رہی ہے۔''

''وہ میری نیچر کا اندازہ لگا چکی ہے شاید وہ چاہتی ہو میں پیچھے ہٹ جاؤں' ویسے بھی وہ پاکستان اسی لیے آئی ہے کہ کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر بات چلائی جائے۔''

''اوہ......تو اس نے مصطفیٰ بھائی کو ہی اپنا آسان ہدف سمجھ کر کوششیں شروع کر دی ہیں۔'' شہوار محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''تو تم کیوں خاموش رہتی ہو' جب بھی وہ کوئی ایسی چیپ حرکت کرے' تم بھی جواب دیا کرو اور مصطفیٰ بھائی سے جائز رشتہ ہے آگے بڑھ کر احساس دلاؤ کہ تم ان کی زندگی میں کتنی اہم ہو؟''

''کاش میں دلا سکتی' بس اسی پوائنٹ پر آ کر میری ہمتیں دم توڑ دیتی ہیں جب وہ مجھے میرے خاندان یا بے نام ونشان ہونے کا طعنہ دیتی ہے۔''

''اوہ......'' انا کو شدید دکھ ہوا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ ایسی صورت حال میں شہوار کا ری ایکشن کیا ہوتا ہوگا۔

''میں اپنی وجہ سے کوئی لڑائی نہیں چاہتی' کوئی جھگڑا نہیں چاہتی' ہاں بس ذہنی سکون چاہتی ہوں۔'' شہوار نے کہا تو انا نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کیا بات ہے تم دونوں تو ادھر آ کر جم سی گئی ہوں۔'' وہ دونوں باتوں میں مصروف تھیں جب صبا چلی آئی' دونوں کھڑی ہوگئی تھیں۔

''ہم آنے لگی تھیں بس۔'' وہ دونوں صبا کے ساتھ اندر چلی آئی تھیں۔

ولید اور احسن واپسی کا کہہ رہے تھے' وہ اندر آئیں تو ماں جی منتظر تھیں' انہوں نے کچھ تحائف اس کے اور روشانے کے حوالے کیے تھے۔

''ارے آنٹی جی بھلا ان کا کیا تکلف......'' انا نے فوراً انکار کیا۔

''تم لوگ ہمارے گھر دعوت پر آئے تھے اور یہ ہماری رسم ہے ہم نو بیاہتا جوڑے کو تحفے دے کر رخصت کرتے ہیں چونکہ تمہاری منگنی بھی ہوئی ہے تو اس کا بھی تحفہ بنتا ہے' ہم پیار اور تحفوں سے انکار نہیں کرتے۔''

''مگر آنٹی جی......'' روشانے نے بھی کچھ کہنا چاہا۔

''بس......یہ تم لوگوں نے لے کر جانے ہیں' انکار نہیں سنوں گی۔'' انہوں نے محبت سے کہتے منع کیا تو دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

''اچھا آپ احسن یا ولید بھائی سے پوچھ لیں اگر وہ مان گئے تو ہم لے لیں گے۔'' روشانے نے جھجکتے کہا۔

''ٹھیک ہے' ہم ان سے بھی بات کرلیں گے۔'' وہ کہہ کر ڈرائنگ روم کی طرف چلی گئی۔ مہرالنساء نے ان دونوں سے خود بات کی تھی' نجانے انہوں نے کیا کہا تھا ولید کو انکار کے باوجود ان سے تحائف قبول کرنے پڑے تھے۔ ان لوگوں کو رخصت ہوتے ہوئے رات کے بارہ بج گئے تھے۔

''آپ سب کے آنے کا میں شکر گزار ہوں مگر انکل اور باقی لوگوں کے نہ آنے پر خفا بھی ہوں۔'' وقتِ رخصت مصطفیٰ نے روشا نے اور انا کو دیکھ کر کہا تو وہ لوگ ابھی واپسی کے لیے باہر نکلی تھیں۔

''ہم لوگ آنٹی جی کو ایکسکیوز کر چکے ہیں۔'' انا نے مسکرا کر کہا تھا' شہوار ان کو رخصت کرنے باہر آئی تھی۔ باقی لوگوں نے اندر سے ہی اللہ حافظ کہہ دیا تھا۔

''ویسے آپ سے گلہ ہے' آپ کی شادی کی ڈیٹ فائنل ہو چکی ہے اور ہمیں علم بھی نہیں۔ انا نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔

''تو پھر یہ غلطی آپ کی دوست کی ہے میری نہیں' ولید کو تو علم ہے۔'' مصطفیٰ نے کہا تو انا نے ولید کو دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

''مگر انہوں نے بھی مجھ سے ذکر نہیں کیا۔''

''مجھے یہ لگا کہ شاید تمہیں علم ہو' شہوار نے ذکر کیا ہو۔'' شہوار شرمندہ ہو گئی تھی' انا ہنس دی۔

''اس سے تو پتا نہیں کون کون خفا ہے' آج کل اس کے ستارے گردش میں ہیں۔''

''زندگی سے خفگی اچھی خوبی نہیں' بعض اوقات یہ ہمیں اپنوں سے بہت دور بھی کر دیتے ہیں۔ گلے شکوے کرنا فطرت انسانی ہے اور اس سے انحراف موت کی طرف قدم بڑھانا کہلاتا ہے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تھا شہوار کو بغور دیکھا تھا تو وہ نظر چرا گئی تھی۔ شہوار خاموش رہی وہ سمجھ رہی تھی مصطفیٰ اسے کیا سمجھانا چاہ رہا ہے۔

''اوکے' آپ کی شادی کے لیے نیک دعائیں' رات کافی ہو گئی ہے اب چلنا چاہیے۔'' روشا نے کہا۔

مصطفیٰ نے سر ہلا دیا تھا انا اور روشی دونوں شہوار سے گلے ملی اور محبت و خلوص کا مظاہرہ کرتے وہ لوگ رخصت ہوئے تھے ان کی گاڑی گیٹ سے نکلتے ہی شہوار اندر کی طرف بڑھ گئی تھی' مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔



وہ آفس میں تھی جب اسے ایک کوریئر سے پیکٹ موصول ہوا تھا' آفس کے ایڈریس پر اس نے بہت تعجب سے اپنے نام آنے والے اس پیکٹ کو دیکھا تھا جو آفس بوائے اسے پکڑا گیا تھا۔ اس نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا بھیجنے والے کا نام درج نہیں تھا۔ اس نے پیکٹ چاک کیا تو اندر سے نکلنے والی چیز نے اس کے اوسان خطا کر ڈالے تھے وہ حیرت و اضطراب سے اپنے ہاتھوں میں موجود تصاویر کو دیکھ رہی تھی۔

چہرہ بلاشبہ اس کا تھا مگر تصاویر اس کی نہ تھیں اور ان تصاویر میں اس کے ساتھ موجود جو انسان تھا وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ رابعہ کو لگا اس کے وجود پر ایک قیامت سی ٹوٹ گری ہے' تصاویر کے ساتھ ایک کاغذ کا ٹکڑا بھی تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے اس کاغذ کو کھولا تھا۔

''یہ تصاویر جسٹ ایک ٹریلر ہے' اپنے انجام کی فکر کرو' ابھی پوری فلم باقی ہے۔ میرے اگلے اسٹیپ کے لیے ریڈی رہو' مجھ سے بگاڑ کر بہت برا کیا تم نے اب بھگتو بھی۔'' رابعہ ایک دم رو پڑی تھی۔

یہ ناقابل اعتراض حد تک لی گئیں تصاویر پر بالکل جھوٹ کا پلندہ تھا نجانے اب اس عورت کا اگلا قدم کیا ہوگا۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ تصاویر غلط ہیں...... وہ ابھی آنسو بہاتے تصاویر کو دیکھ رہی تھی جب ایک دم فون کی گھنٹی بجی تھی اس نے دزدیدہ نظروں سے فون کو دیکھا تھا۔

''ہیلو......'' خود کو سنبھالتے اس نے ریسیور تھاما تھا۔

''مل گئیں تصاویر؟'' دوسری طرف وہی عورت تھی۔

''یو چیٹر...... جھوٹ ہے وہ سب' بکواس ہے۔'' وہ ایک دم چیخ اٹھی تھی۔

''یہ تم جانتی ہو یا ان تصاویر میں تمہارے ساتھ موجود شخص۔'' دوسری طرف وہ ہنسی تھی' رابعہ نے لب دانت تلے دبا لیے۔

''بتا دینا اس شخص کو' میں ان تصاویر کو سوشل میڈیا پر چڑھا رہی ہوں' وہ بدنام ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ تم بھی...... تم اس کو بتا کر سمجھ رہی تھیں کہ جیسے تم کسی پناہ میں آ گئی ہو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔'' وہ کہہ کر کال بند کر گئی تھی' رابعہ اپنی جگہ ساکت بیٹھی رہ گئی تھی اس کے آنسو تک ٹھہر گئے تھے۔

''کیا بات ہے' کیا ہوا؟'' ہادیہ کسی کام سے اس طرف آئی تھی اسے اپنے کیبن میں یوں ساکت دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی' بہت پریشانی سے

پوچھا تھا۔ رابعہ نے اسے دیکھا کچھ سمجھ نہ آئی کہ کیا کہے۔ اس نے ٹیبل پر بکھری تصاویر کو دیکھا تو ہادیہ نے بھی دیکھا تھا اس کی رسوائی کا ثبوت سب کے سامنے کھلا پڑا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' ہادیہ نے دو تین تصاویر ایک ساتھ اٹھالی تھیں۔

''مائی گاڈ......'' وہ بھی ساکت سی رہ گئی تھی۔ رابعہ سر جھکا کر پھر شدت سے رو دی۔

''یہ...... یہ...... کیا ہے...... یہ تمہاری اور سر عباس کی تصاویر؟'' وہ ششدر کھڑی پوچھ رہی تھی۔ رابعہ نے ٹیبل پر اپنا چکراتا سر رکھ دیا تھا۔

وہ عادلہ کی طرف سے کسی سنگین کارروائی کی ہی منتظر تھی مگر وہ ایسا وار کرے گی اس کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہ تھا اسے اپنے حواس جاتے محسوس ہو رہے تھے۔

''رابعہ...... رابعہ......'' ہادیہ اسے پکار رہی تھی۔

رابعہ کی آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئی تھیں' اس کے ذہن کے لیے یہ جھٹکا بہت بڑا تھا وہ جو ہمیشہ سوچ سوچ کر قدم اٹھانے کی قائل تھی کوایجوکیشن میں پڑھنے کے باوجود وہ اعلیٰ کردار اخلاق کی مالک رہی تھی اب اس کی ذات پر یہ حملہ اس کے حواس پر ایک کاری ضرب لگا گیا تھا۔

''رابعہ......'' ہادیہ کچھ بھی نہ سمجھ پا رہی تھی' اس نے رابعہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو ایک دم گھبرا گئی۔ رابعہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

ہادیہ کے ایک دم ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے' اس نے فوراً رابعہ کو چیئر پر سیدھا کیا اور ٹیبل پر بکھری تمام تصاویر اس نے جلدی سے رابعہ کے بیگ میں ڈالی اور خود انٹرکام پر آفس بوائے کو جلدی سے پانی لانے کا کہہ کر رابعہ کے ہاتھ مسلنے لگی تھی۔



''اسے زمین کھا گئی ہے یا آسمان نگل گیا ہے' حد ہے اس کا کہیں بھی کوئی بھی سراغ نہیں مل پا رہا۔'' امجد خان مصطفیٰ کے سامنے تھا اور وہ برہم ہو رہا تھا۔

''اسے اطلاع مل چکی ہے کہ ہم اسے تلاش کر رہے ہیں اور وہ روپوش ہو چکا ہے' آخری اطلاع کے مطابق وہ شاپنگ سینٹر میں دیکھا گیا تھا اور اس کے بعد وہ جب وہاں سے رفو چکر ہوا تو کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ اس کی مخبری پر مامور افراد بھی بے خبر ہیں۔'' مصطفیٰ نے بہت برہمی سے امجد خان کو دیکھا تھا۔

''تو پھر اب ایک ہی حل ہے اس کے باپ کو پکڑا جائے۔'' مصطفیٰ نے کہا تھا۔

''ہم اس پر بغیر کسی ثبوت وشواہد کے ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔''

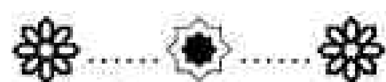
''اور وہ لالہ رخ والا کیس وہ کب کام آئے گا۔'' مصطفیٰ نے کہا۔

''وہ ثبوت ناکافی ہیں' بہت کچھ ابھی مخفی ہے میں ایک عرصے سے اس کیس پر کام کر رہا ہوں محض اپنے مفروضوں کی بنیاد پر اسے گرفتار نہیں کرسکتا۔'' مصطفیٰ نے چندپل امجد خان کو دیکھا تھا۔

''او کے' میں خود اب اس کیس کو ہینڈل کرنا چاہتا ہوں' مجھے اس کے متعلق تمام تفصیلات اور میٹریل درکار ہے' آپ تمام فائلز کی ایک ایک کاپی مجھے دے دیں میں اب ان لوگوں کو آزاد نہیں چھوڑ سکتا' عبدالقیوم اگر مجرم ہے تو اس کا سارا خاندان اس کے نقش قدم پر چل رہا ہے یقیناً وہ بھی اسی کی لائن پر ہوں گے' اب ان کو معاف نہیں کرنے والا۔''

''او کے پھر میں تمام فائلز ریڈی کروا دیتا ہوں۔'' امجد خان نے فوراً سر ہلا دیا۔

''اور ایاز کو تلاش کرنے کا کام بند کردیں' چند دن گزرنے دیں' وہ اگر باخبر ہے تو اسے اطمینان حاصل کرنے دیں کہ ہم اسے بھول چکے ہیں اور پھر جیسے ہی وہ اپنے بل سے باہر نکلے اس پر حملہ کردیں' وہ ہر صورت میں مجھے زندہ گرفتار حالت میں چاہیے۔'' مصطفیٰ نے بہت سرد لہجے میں کہا تھا' امجد نے اثبات میں سر ہلایا۔



ہادیہ رابعہ کو ہوش لائی اور رابعہ اپنے اردگرد آفس کے اسٹاف کو دیکھ کر چونکی تھی' شاہ زیب صاحب اور عباس صاحب دونوں اس کی کیبن

میں موجود تھے وہ صدمے کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے بے حواس ہوئی تھی اور ہادیہ نے اس کی حالت سے پریشان ہو کر فوراً عباس کو بتایا تھا اور پھر شاہزیب صاحب بھی آ گئے تھے۔

وہ تو شکر ہے کہ اسے چند منٹ بعد ہوش آ گیا تھا مگر ہوش میں آتے ہی اسے پھر وہ تصاویر اور عادلہ کی کال یاد آئی تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

''رابعہ بیٹا آپ ٹھیک ہیں؟'' شاہزیب صاحب پوچھ رہے تھے۔ رابعہ نے ان کو خالی نگاہوں سے دیکھا۔

''میرے خیال میں ان کی حالت ابھی بھی بہتر نہیں' ہادیہ آپ ان کو میرے آفس میں لے چلیں' وہاں آرام سے لٹائیں میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔'' عباس نے کہا تو رابعہ کی آنکھوں میں پھر نمی آنے لگی اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ٹھیک ہوں سر! میں بس گھر جانا چاہتی ہوں۔'' اس پر جو بیتی تھی وہ کسی سے کہنے سننے والی بات نہ تھی' آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' وہ سخت ہراساں ہوئی تھی' عباس نے اسے بغور دیکھا تھا۔

ہادیہ بھی الجھی ہوئی تھی' تاہم اس وقت اس کی حالت کے بارے میں فکر مند تھی۔

''اوکے میں ڈرائیور کو کہتا ہوں' ہادیہ! آپ ان کو گھر لے جائیں۔'' شاہزیب صاحب نے کہا تو ہادیہ نے فوراً سر ہلا دیا۔

کچھ دیر بعد وہ ہادیہ کے ساتھ شاہزیب صاحب کی گاڑی میں موجود تھی۔ وہ ابھی گم صم تھی' ہادیہ نے بھی ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ سے کچھ بھی کہنے سننے سے گریز کیا تھا۔

گھر پہنچنے پر گھر میں رابعہ کی والدہ اور بھابی ہی تھیں' دونوں پریشان ہو گئی تھیں تاہم رابعہ نے ان کو اطمینان دلایا تھا گھر آ کر اس کے حواس قدرے سنبھل چکے تھے اور اپنی قوت ارادی کے بل پر وہ خود کو نارمل کر چکی تھی۔

''یہ سب کیا ہے یار! میں بہت پریشان ہوں۔'' وہ رابعہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی تھی' رابعہ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''یہ تصاویر...... یہ سب کیا ہے؟'' وہ بہت الجھی ہوئی تھی۔

''یہ تصویر عادلہ نے بھجوائی ہیں۔'' رابعہ نے کہا تو وہ حیران ہوئی۔

''تمہارا مطلب ہے...... سر عباس کی وائف عادلہ نے؟'' رابعہ نے سر ہلایا۔

''پر کیوں؟'' وہ حیرت زدہ تھی۔ رابعہ نے لب بھینچے۔

''تم بیٹھو میں تمہیں ساری بات بتاتی ہوں۔'' رابعہ نے آہستگی سے اسے سب کچھ کہہ ڈالا تھا۔

''اوہ نو......'' تمام صورتحال سن کر وہ سخت ہراساں ہو چکی تھی۔ ''سر عباس اور ان کی وائف کے جھگڑے میں تم تو خوامخواہ ہی پھنس گئی ہو' تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا یہ عورت تو ایک نمبر کی فراڈ ہے۔ مائی گاڈ......'' رابعہ خاموش رہی تھی وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی۔

''وہ تصاویر بھیج چکی ہے اس کا مطلب ہے وہ ان تصاویر کو استعمال ضرور کرے گی' وہ صاف کہہ بھی چکی ہے' اب کیا کرو گی؟''

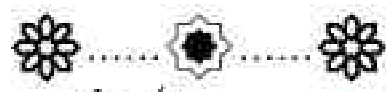
''میں کیا کروں گی یار' میں تو کسی کے سامنے سر نہیں اٹھا سکوں گی۔ ابا جی کو پتا چل گیا تو میں مر جاؤں گی' میری اماں بہت مذہبی خاتون ہیں۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اس جاب کی اجازت دی تھی۔'' وہ خود پریشان تھی۔

''تم سر عباس سے پھر بات کرو' یہ تصاویر ان کو دکھاؤ اور کہو وہ تمہارا یہ پرابلم حل کریں' آخر انہی کی وجہ سے تو وہ عورت تمہارے پیچھے پڑی ہے' ان کی بیوی ہے جیسے مرضی ہینڈل کریں۔''

''یہ اتنی واہیات تصاویر' یہ ان کو دکھانے کے قابل ہیں بھلا' میں تو شرم سے ڈوب مرنے والی ہوں۔ بھلا ان کے سامنے جا کیسے سکتی ہوں اور وہ عورت اس نے مجھے نہتی کیا بھی کس کے ساتھ؟ سر عباس کا تو میں نام بھی نہیں سوچ سکتی' میں اب ان کے سامنے بھی نہیں جا سکتی۔'' وہ سخت اذیت میں تھی رونے لگی تو ہادیہ نے ساتھ لگا کر تسلی دی۔

''اوکے تم مت کرنا بات میں آفس واپس جاتی ہوں تو جاتے ہی یہ تصاویر سر کے سامنے رکھتی ہوں' یہ شو کروں گی کہ مجھے علم نہیں ہے۔ بس جا کر پیکٹ ان کو تھما دوں گی کہ یہ تم نے دیا تھا پھر وہ خود ہی معاملہ سمجھ جائیں گے' نہ بھی سمجھیں تو بھی تصاویر کے سلسلے میں فوراً رابطہ تو کریں گے' سامنے ہو کر بات کرنے کی بجائے موبائل پر بات کر لینا زیادہ مناسب رہے گا۔ تم اپنا موبائل آن رکھنا' اوکے۔''

رابعہ نے سر ہلا دیا اسے ہادیہ کا مشورہ پسند آیا کم از کم اس طرح وہ عباس صاحب کی سامنے سہی جانے والی ذلت سے تو بچ جائے گی نا۔



ہادیہ واپس آفس آ گئی تھی آتے ہی وہ عباس صاحب کے روم میں چلی آئی۔

''اب کیسی ہیں مس رابعہ؟'' عباس صاحب نے پوچھا۔

''وہ بہتر ہے اب لیکن کچھ پریشان تھی۔اس نے مجھے لفافہ دیا تھا کہ آپ کو دے دوں۔'' سنجیدگی سے کہتے عباس صاحب کو لفافہ بڑھایا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' عباس نے تعجب سے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم بس اس نے کہا تھا کہ آپ کو دے دوں۔'' عباس نے تعجب سے لفافہ تھام لیا' وہ لفافہ دیکھنے لگے تو وہ فوراً کھڑی ہوگئی تھی۔

''میں جاؤں سر۔'' عباس نے سر ہلا دیا وہ باہر نکل گئی تھی۔عباس نے لفافہ کے منہ پر اسٹیپلر سے لگی پنوں کو اتارا اور لفافے کا منہ پہلے کسی نے چاک کیا ہوا تھا پھر دوبارہ اسٹیپلر سے پن اپ کیا ہوا تھا۔عباس نے لفافے کو ٹیبل پر الٹ دیا۔اس میں سے نکلنے والی تصاویر عباس کو ساکت کر گئی تھیں' رابعہ اور عباس کی تصاویر وہ بھی اس قدر غیر اخلاقی۔عباس کو اپنے خون کھولتا محسوس ہوا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' عباس نے تصاویر پھینک دی تھیں۔''مائی گاڈ۔'' وہ غضب بھری نگاہوں سے تصاویر کو دیکھ رہا تھا اس نے فوراً انٹر کام اٹھایا تھا۔

''مس رابعہ کے موبائل پر کال کریں اور مجھ سے ابھی بات کروائیں۔'' غصے سے کہہ کر ریسیور پٹخ دیا تھا' وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا تھا جب انٹر کام بجا تھا اس نے فوراً ریسیور اٹھا لیا تھا۔

''مس رابعہ لائن پر ہیں بات کریں۔'' عباس نے لب بھینچ لیے تھے۔

''ہیلو......'' رابعہ کی آواز سنائی دی تو غصے کا گراف بڑھنے لگا۔

''یہ تصاویر کس مقصد کے تحت بھجوائی گئی ہیں؟''

''یہ میں نے نہیں آپ کی وائف نے بھجوائی ہے' آج صبح جب میں آفس میں تھی۔اس لفافے کے اندر ایک صفحہ بھی ہوگا وہ دیکھ لیں پتا چل جائے گا کہ کیا مقصد تھا۔'' رابعہ کی آواز رندھی ہوئی تھی یوں جیسے وہ کافی دیر تک روتی رہی ہو۔عباس کا سارا غصہ اڑنچھو ہوا تھا۔وہ بڑے بے بس انداز میں کرسی پر گرا تھا۔

''اوہ تو وہ عورت اس حد تک چلی گئی ہے۔'' وہ بڑبڑایا تھا۔

''سر میں بدنام ہو جاؤں گی' عادلہ کی کال آئی تھی وہ کہتی ہے وہ مجھے بدنام کر دے گی وہ ان تصاویر کو سوشل میڈیا پر لگا دے گی' سر پلیز ان سے بات کریں' میرا آپ دونوں کی لڑائی میں بھلا کیا قصور ہے جو وہ مجھے بے گناہ اپنے جرم میں شریک کر رہی ہیں۔'' وہ پھر رونا شروع ہو گئی تھی اور عباس پہلی بار شرمندہ ہوا تھا۔عادلہ ایسی غیر اخلاقی حرکت کر سکتی تھی وہ خود بھی حیرت زدہ تھا۔

''ایم سوری......ایم سو سوری......'' عباس نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔دوسری طرف وہ روتی رہی تھی۔

''سر میں ایک مذہبی مڈل گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں' ہمارے جیسے گھروں میں عزت و کردار ہی سب کچھ ہوتا ہے' اس پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا ہم نے۔سر میں بدنام ہو جاؤں گی۔''

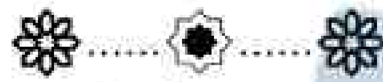
''او کے......آپ پلیز حوصلہ رکھیں اور پریشان نہ ہوں۔میں عادلہ سے رابطہ کرتا ہوں خود بات کرتا ہوں۔ہم دونوں جانتے ہیں یہ تصاویر فیک ہیں۔میں ابھی کچھ کرتا ہوں' پلیز ٹیک اٹ ایزی۔'' اس کے آنسوؤں اور الفاظ نے شاید اضطراب کا شکار کیا تھا۔

ایک لڑکی اس کی وجہ سے رسوا ہو رہی تھی اگر یہ تصاویر واقعی سوشل میڈیا پر چڑھا دی جاتیں تو کس حد تک رسوائی ہو سکتی تھی۔دوسری طرف رابعہ نے کال بند کر دی تھی' عباس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔کچھ دیر تو وہ بے حس و حرکت کرسی پر بیٹھا سوچتا رہا تھا اور پھر ایک دم ایک حتمی فیصلہ کرتے وہ اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

تمام تصاویر واپس لفافے میں ڈالی اور اس میں سے پیپر نکال کر پڑھا تو رگوں میں خون کی جگہ شرارے دوڑنے لگے تھے۔

''عادلہ بی بی! بہت لحاظ کر لیا میں نے تمہارا' اب تم بھی اپنے انجام کے لیے تیار رہو۔'' عباس بہت نفرت سے سوچتے کمرے سے باہر

نکل گیا تھا۔



وہ آج کالج سے جلدی نکل آئی تھی' اسے کچھ چیزیں اور اسٹڈی سے ایک کتاب کی تلاش تھی' وہ اردو بازار کی طرف آ گئی تھی آج ڈرائیور ساتھ نہیں تھا۔ اسے کتاب تلاش کرنے کے لیے دو تین دکانوں پر جانا پڑ گیا تھا۔ ایک دکان پر وہ مطلوبہ کتاب کی چِٹ دکاندار کو تھما کر اپنے سبجیکٹ سے متعلقہ کچھ اور کتابیں دیکھنے لگ گئی تھی۔ کتابیں دیکھتے وہ دوسری روم میں آ گئی تھی تبھی وہاں کچھ سی ڈیز چیک کرتے وجود کو دیکھ کر انا کا موڈ ایک دم خراب ہوا تھا' کاشفہ اسی چند دن پہلے والے لڑکے کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ بھی انا کو دیکھ کر رکی تھی۔

''ہائے' تم بھی ادھر؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''بس' مجھے ایک کتاب چاہیے تھی تو آنا پڑا۔'' انا کو مروتاً بات کرنا پڑی۔

''آج ولید تمہارے ساتھ نہیں؟'' ارد گرد دیکھتے اس نے پوچھا۔

''نہیں' وہ اس وقت اپنے آفس میں بزی ہوتا ہے۔''

''اوہ...... وہ اکثر تمہارے ساتھ ہوتا ہے تو میں نے پوچھ لیا۔'' کاشفہ کا انداز کچھ عجیب سا تھا انا کو اچھا نہ لگا۔

''ویسے تمہاری اپنے کزن سے خاصی بے تکلفی لگتی ہے؟'' وہ جیسے تمام کام چھوڑ کر بالکل فارغ ہو کر اس سے بات کر رہی تھی' انا کو اس کی بات سے تپ چڑھ رہی تھی۔

''ہاں بالکل بہت بے تکلفی ہے' تمہیں شاید ولید نے بتایا نہیں ہم صرف کزنز ہی نہیں فیانسی بھی ہیں۔'' اس نے جھینپتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا......؟'' وہ اپنی جگہ ایکدم ساکت ہو گئی تھی۔

''تم ولید کی فیانسی ہو؟'' وہ بے یقین تھی۔

انا نے اپنا بایاں ہاتھ اس کے سامنے کیا اور تیسری انگلی میں موجود رنگ اس کی آنکھوں کے سامنے کی تھی' کاشفہ کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

''یہ رنگ ہماری منگنی کی ہے' ہم ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں۔ یہ رشتہ ہماری پسند سے طے پایا ہے۔'' کاشفہ کے رنگ بدلتے چہرے نے انا کو بہت لطف دیا تھا' اس کے جلانے کو اس نے مزید بڑھا چڑھا کر کہا تھا۔

''لیکن ولید نے تو مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا......'' اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

''ہو سکتا ہے خیال نہ رہا ہو' ویسے ہماری شادی پر ضرور آنا۔ ماموں کا تو بہت جلد موڈ بن رہا ہے ہماری شادی کروانے کا۔'' انا نے آج دل کھول کر اس لڑکی کے ارادوں کو ملیامیٹ کرنے کا ارادہ باندھ لیا تھا۔

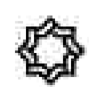
اس کے الفاظ پر وہ ہونٹ کچلنے لگی تھی' وہ آنکھوں میں ایکدم نفرت لیے دیکھنے لگی تھی۔

''اوکے میں چلتی ہوں' سی یو۔'' انا اسے کہہ کر کاؤنٹر کی طرف آ گئی تھی۔ اس کی مطلوبہ کتاب دکاندار نے نکال رکھی تھی اس نے پے منٹ کی تھی اور جانے سے پہلے پلٹ کر کاشفہ کو دیکھا تھا۔

وہ اسی طرح کھڑی تھی' انا کے ہونٹوں پر ایکدم مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''خس کم جہاں پاک...... تھینکس اب کم از کم ولی کی جان تو چھوڑے گی۔'' وہ اپنے کارنامے پر بہت خوش اور مطمئن تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)





ٹوٹا ہوا تارہ...... سمیرا شریف طور

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

رابعہ کے انکار پر عادلہ اشتعال میں آ جاتی ہے اور اسے سخت نتائج کی دھمکیاں دیتی ہے جب ہی ابوبکر وہاں پہنچ کر عادلہ کو فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ رابعہ سے عادلہ کے متعلق پوچھتا ہے جس پر رابعہ تمام معاملہ اس کے گوش گزار کرتی ہے جواب میں وہ سر عباس کو بتانے کا مشورہ دیتا ہے جس پر رابعہ عمل کرتے انہیں عادلہ کی دھمکیوں سے آگاہ کرتی ہے۔ دوسری طرف عباس، عادلہ کی اس جرأت پر حیران رہ جاتا ہے۔ ادھر ایاز پسٹل کے زور پر شہوار کو ہراساں کرنے کی کوشش میں ناکام رہتا ہے، وہاں موجود بھیڑ کا فائدہ اٹھاتے شہوار اس کے ہاتھوں سے بچ نکلتی ہے لیکن جب ہی اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور وہ ثریا بیگم سے ٹکراؤ کی صورت میں اسپتال پہنچ جاتی ہے اس دوران وہ اس کا خیال رکھتی ہیں جب ہی مصطفیٰ انتہائی پریشان حالت میں اس تک پہنچتا ہے لیکن وہ ایاز والے معاملے کو اس سے شیئر نہیں کرتی لیکن یہ بات امجد خان کی زبانی مصطفیٰ تک پہنچ جاتی ہے، جس پر شہوار بھی حامی بھر لیتی ہے وہ صرف اپنی بدنامی اور دشمنی کی بڑھنے کے پیش نظر اس بات کو چھپاتی ہے لیکن مصطفیٰ اس کے خدشات کو نظر انداز کرتے ایاز کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ دوسری طرف ایاز کو بھی بھنک مل جاتی ہے اور وہ روپوش ہو جاتا ہے۔ رابعہ عباس صاحب کو بتا کر قدرے مطمئن ہو جاتی ہے لیکن عادلہ عباس اور رابعہ کی قابل اعتراض تصاویر بنا کر اس کے آفس بھیج دیتی ہے، ساتھ ہی دھمکی بھی دیتی ہے کہ یہ تصاویر سوشل میڈیا تک فراہم کر دے گی اس پر رابعہ نہایت خوفزدہ ہو جاتی ہے جب ہی وہ ہادیہ کے کہنے پر تمام تصاویر عباس صاحب کے حوالے کر دیتی ہے اور خود کو اس رسوائی سے بچانے کے لیے ان سے التجا کرتی ہے، جواب میں عباس عادلہ کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ دریہ، شہوار پر طنز کرنے سے ہرگز باز نہیں آتی، وہ ہر صورت عادلہ کا کردار ادا کرتی ہے جس پر لائبہ بھابی اور عائشہ بھی عجیب شرمندگی محسوس کرتی ہیں، دریہ اور شہوار کے درمیان تلخ کلامی بھی ہو جاتی ہے جبکہ مصطفیٰ کوئی کوئی مداخلت کیے بغیر خاموش رہتا ہے۔ احسن اور روشی ہنی مون سے لوٹتے ہیں تو مصطفیٰ ان سب کو اپنے گھر دعوت پر بلاتا ہے یہیں آ کر انا کو شہوار کی رخصتی کا علم ہوتا ہے جس پر وہ سخت خفا ہوتی ہے لیکن شہوار اپنے جذبات و احساسات اس پر ظاہر کر کے اس کے سامنے ٹوٹ جاتی ہے جس پر انا اسے تمام خدشات کو دور کرنے اور نئی زندگی کو اچھے طریقے سے شروع کرنے کا مشورہ دیتی ہے لیکن شہوار کے احساس کمتری کے خدشات اسے ہلکان کیے رکھتے ہیں، تابندہ بوا سے بھی اس کی ناراضگی بدستور قائم رہتی ہے۔ انا، کاشفہ اور ولید کی دوستی سے متعلق بدگمانی کا شکار رہتی ہے وہ ولید سے کاشفہ جیسی لڑکی سے دوستی ختم کرنے کا کہتی ہے مگر ولید اسے جذبہ رقابت کا نام دے کر مذاق میں ٹال دیتا ہے جب ہی ٹک شاپ پر انا کا سامنا کاشفہ سے ہو جاتا ہے اور ولید کے متعلق استفسار کرتی ہے جس پر انا باتوں کے دوران اسے ولید اور اپنی منگنی دونوں کی پسندیدگی سے طے ہونے اور بہت جلد شادی ہو جانے کا ذکر کر کے کاشفہ کو مایوس کر دیتی ہے جبکہ کاشفہ یہ سب جان کر عجیب بے یقینی کے عالم میں گھر جاتی ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾



عباس کو بہت زیادہ ویٹ نہیں کرنا پڑا تھا۔

کچھ دیر بعد عادلہ کی گاڑی گیٹ سے باہر نکلی تھی عباس نے اس کے پیچھے اپنی گاڑی لگا دی تھی۔ کچھ دور جا کر عباس نے اوورٹیک کر کے اس کے گاڑی روک لی تھی۔ عادلہ کو بروقت بریکس لگا کر خود کو حادثے سے بچانا پڑا تھا۔

''واٹ نان سینس۔'' عادلہ بہت غصے سے گاڑی سے نکلی مگر سامنے عباس کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ عباس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈرائیور تھا عادلہ ساکت ہو گئی۔

اس نے اسے کچھ کہا تھا اور پھر وہ ڈرائیور گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی لے گیا تھا جبکہ عباس کار کے پاس آ رکا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو بڑی نفرت سے دیکھا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' عباس نے سرد لہجے میں کہا۔

''میرے پاس تمہاری کسی بھی فضول گوئی کے لیے وقت نہیں ہے۔'' وہ غصے سے کہہ کر پلٹی تھی جب عباس نے ایک دم اس کا بازو پکڑ کر جھٹکے سے اسے روک لیا تھا۔

''میں تم سے تمہاری اجازت نہیں مانگ رہا! آرام سے گاڑی میں بیٹھو۔'' آگے بڑھ کر اس نے اسے دوسری طرف لا کر فرنٹ سیٹ پر دھکیل دیا تھا عادلہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''یہ تم کیا کر رہے ہو؟'' وہ چلائی مگر عباس پروا کیے بغیر خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا اور دروازہ بند کرتے اس نے عادلہ کو دیکھا تھا جو اسے گھور رہی تھی۔ اور پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے بڑھا دی۔

''تم میری گاڑی لے کر کہاں جا رہے ہو؟'' وہ چیخی تھی عباس نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میں پاپا کو بتاتی ہوں تمہاری یہ جرأت کیسے ہوئی؟'' اس نے ڈیش بورڈ پر رکھا اپنا موبائل اٹھانا چاہا تھا جب عباس نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

''تم نے اب اگر ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہیں بیچ سڑک پر دھکیل دوں گا یا پھر یہ گاڑی کسی چیز سے دے ماروں گا۔ سمجھیں تم۔'' عادلہ ایک دم ساکت ہو گئی۔

عباس کے تیور انتہائی جارحانہ اور سفاکانہ تھے جس میں کسی بھی قسم کی قطعی کوئی گنجائش نہ تھی۔

''تم ہوتے کون ہو مجھ پر رعب ڈالنے والے چیخ چیخ کر لوگوں کو اکٹھا کر لوں گی۔''

''تم ایسا کرو گی تو خود کو ہی مصیبت میں ڈالو گی اس وقت میری جیب میں نکاح نامہ کے علاوہ شادی کی تصاویر بھی موجود ہیں۔'' عادلہ کو پہلی بار صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا تھا اس کے چہرے پر پریشانی کی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' غصے کو دبا کر پوچھا۔

عباس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا اور ساری توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول ہی رکھی تھی گاڑی انجان راستوں پر رواں دواں تھی۔ عادلہ نا سمجھی سے عباس کو دیکھ رہی تھی۔

''تم کدھر لے کر جا رہے ہو مجھے؟'' عادلہ پھر بے صبری سے پوچھا۔

''تم نے اب ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں بہت برا پیش آؤں گا۔ میں اب وہ عباس نہیں جو اپنی عزت کی خاطر ہر جائز و ناجائز سہنے پر مجبور تھا میں سب کچھ تہس نہس کر دوں گا اگر اب تم خاموش نہ ہوئیں تو۔'' عباس کا انداز اس قدر سفاکانہ تھا کہ عادلہ یک دم چپ ہو گئی تھی۔

کوئی ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد عباس نے ایک بہت ہی خوب صورت گھر کے سامنے گاڑی روکی تھی۔

''یہ کہاں لے آئے ہو تم مجھے۔'' عادلہ مزید چپ نہ رہ سکی۔

عباس نے ایک سرد نگاہ اس پر ڈال کر خود گاڑی سے اتر کر جیب سے چابی نکال کر گیٹ کھولا تو عادلہ حراساں سی اسے دیکھ رہی تھی بالکل نئی آبادی تھی جو ابھی زیر تعمیر تھی صرف ایک ہی گھر مکمل تیار اور پینٹ شدہ تھا۔ عباس دوبارہ گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی اندر لے آیا اور گاڑی کا انجن بند کرتے اس نے چابی کھینچ لی تھی۔

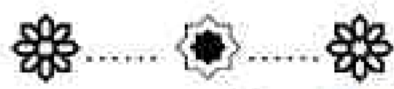
''اترو۔'' عباس نے کہا تو عادلہ مزید پریشان ہو گئی۔

''کیوں اتروں...... تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''

''تم سے کچھ مذاکرات کرنے ہیں اگر تم تعاون کرتی ہو تو ٹھیک ورنہ میں اندر جا رہا ہوں پھر خود آ جانا۔'' عباس کے سرد الفاظ میں کہہ کر گاڑی سے اتر گیا پھر اس نے پہلے گیٹ بند کر کے لاک لگایا اور عادلہ کو دیکھے بغیر اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

عادلہ کو پہلی دفعہ سنسان جگہ پر خوف آنے لگا تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھی رہی مگر پھر اعصاب بھٹکنے لگے تو غصے سے اپنا بیگ لے کر باہر نکل آئی وہ اندر آئی تو عباس بڑے آرام سے لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہا تھا گھر نیا ضرور تھا مگر ڈیکوریٹڈ اور فرنشڈ تھا عادلہ نے بڑی بے بسی سے اندر قدم رکھا تو عباس نے سرسری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''تم کیا چاہتے ہو۔'' وہ غصے سے پھنکاری تو عباس نے نفرت سے دیکھا اور ٹی وی بند کر کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
''رابعہ کے ساتھ تم نے جو کیا ہے اس کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔'' عباس اٹھ کر دروازے کے پاس چلا گیا۔اس نے لاؤنج کا دروازہ بھی لاک کر دیا تھا۔
''تمہارے ارادوں کو جاننا چاہتا ہوں اور تم رابعہ کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو وجہ تو علم میں ہے مگر مقصد کیا ہے اس کے بارے میں تم سے پوچھوں گا چونکہ تمہیں تمہاری حرکت پر سبق سکھانا مقصود تھا سو تمہیں یہاں لانے کے علاوہ کوئی اور جگہ مناسب نہ لگی تھی۔'' واپس اس کے سامنے آ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو وہ نفرت سے دیکھنے لگی۔
''تمہارا کیا خیال تھا کہ تم یہ کرو گی اور بچ جاؤ گی؟''
''میں تم کو اس وقت تک اس جگہ بند کردوں گا جب تک تم رابعہ سے متعلق کی گئی اس حرکت کی تفصیل نہیں بتاؤ گی اور مزید کیا ارادے ہیں جان نہ لوں۔''
''میں تمہاری ان دھمکیوں سے ڈرتی نہیں ہوں میں ابھی ایک کال کروں گی اور میرے پاپا یہاں پہنچ سکتے ہیں۔'' عادلہ نے نفرت سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔
تم بھول رہی ہو کہ تمہارا موبائل میرے پاس ہے اور اب یہ بیگ بھی۔'' عباس نے اس کے ہاتھ سے بیگ بھی چھین لیا تھا۔
''یو چیٹر تم مجھے یہاں قید کرو گے۔'' وہ ایک دم آپے سے باہر ہوگئی تھی۔
''تم یہاں قید ہو چکی ہو۔'' عباس نے مسکرا کر کہا۔
''یہاں سب کمرے لاک ہیں باہر جانے والے دروازے کی چابی میرے پاس ہے اور جب تک تمہاری عقل ٹھکانے نہیں آ جاتی تب تک تم یہاں بند رہو گی۔ مجھے یہ سب بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا مگر مجھے میری خاندانی شرافت نے ہمیشہ مغلوب رکھا لیکن اب نہیں اب تم سے ایک ایک غلطی کا بدلہ لوں گا۔'' عباس نے سرد لہجے میں کہا۔
''یو بلیڈی باسٹرڈ، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ ایک دم غصے سے عباس کی طرف بڑھی اور اس نے عباس کا گریبان پکڑ لیا۔
''شٹ اپ۔'' عباس نے ایک زوردار تھپڑ مارا تو وہ لہرا کر فرش پر گری اور اونچی آواز میں چیخنے عباس کو برا بھلا کہہ رہی تھی عباس نے اس پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالی تھی۔
''میں جا رہا ہوں یہاں فرار ہونے کا کوئی رستہ نہیں ہاں اگر کوئی ایسی حماقت کرو گی تو نقصان اٹھاؤ گی کیونکہ میں جاتے ہوئے یہاں کے محافظ کتے کھول کر جاؤں گا تمام کمرے بند ہیں کچن کھلا ہوا ہے اس میں اتنا سامان ضرور ہے جو تمہاری خاطر تواضع کے لیے کافی ہوگا۔'' سخت لہجے میں کہتے عادلہ کا بیگ پکڑے وہ دروازے کی طرف بڑھا تو عادلہ ایک دم حواس میں آئی، پہلی بار وہ پریشان ہوئی تھی۔ اتنا بڑا تنہا گھر سنسان علاقہ اور وہ تنہا۔
''تم ایسا نہیں کر سکتے میں ادھر نہیں رکوں گی۔'' فوراً بھاگ کر عباس کے سامنے آئی تھی۔
''سوری میم آپ کی فرمائش پوری نہیں کر سکتا۔ اب مجبوری ہی سہی اور ناگوار بھی گزرے گا مگر رکنا تو ہوگا جب تک آپ محترمہ کا دماغ ٹھکانے نہیں آ جاتا۔'' عباس طنز سے کہتے دروازے کو ان لاک کرنے لگا تھا۔
''پلیز مجھے یہاں چھوڑ کر مت جاؤ۔'' اس نے عباس کا بازو تھام لیا تھا عباس نے نفرت سے اسے پیچھے دھکیلا وہ پھر ایک بار گری تھی۔
''تمہیں اور تمہارے سارے خاندان کو یہ سبق سکھانا اب بہت ضروری ہو گیا ہے میں اپنے ساتھ کی گئی ہر زیادتی برداشت کر تا رہا ہوں مگر اب بات میری ایمپلائی کی ہے میری عزت اور میرے کردار کی ہے۔'' وہ اسے غصے سے کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ عباس نے دروازے کو باہر سے لاک کر دیا تھا۔ عادلہ حیرت سے گنگ دیکھتی رہ گئی تھی۔
وہ عباس شاہزیب کی قید میں تھی وہ ایک دم اونچی اونچی آواز میں چیخنے لگی تھی دروازے کو زور زور سے پیٹنے لگی تھی مگر بے سود تھا کچھ دیر بعد گیٹ کھلنے اور گاڑی کی آواز سنائی دی تو وہ اپنی جگہ ساکت سی ہوگئی تھی۔



وہ اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی جب بھابی کمرے میں داخل ہوئیں۔

''رابعہ۔'' رابعہ نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر انہیں دیکھا۔

''جی۔''

''تمہارے آفس سے کوئی آیا ہے؟'' بھابی نے بتایا تو وہ اٹھ بیٹھی۔

''کون ہے؟''

''پتا نہیں ماموں نے ہی دروازہ کھولا تھا اور اندر لے گئے تھے بس مجھے ابوبکر نے بتایا کہ تمہیں بھیج دوں۔''

''کون ہوسکتا ہے؟'' وہ الجھنے لگی۔

''میں چائے تیار کرنے جارہی ہوں، تم ماموں کے روم میں ہی چلی جاؤ'' وہ بستر سے نکل آئی تھی۔ وہ سادہ گھریلو حلیے میں تھی اس نے ہاتھ سے بال سنوارتے دوپٹہ اچھی طرح اوڑھا اور ماموں کے کمرے میں آ گئی۔

''السلام علیکم۔'' وہ دستک دے کر اندر آئی تو عباس کو دیکھ کر چونکی۔

''وعلیکم السلام۔'' عباس کھڑا ہوگیا تھا۔ ماموں اور ابوبکر بھی وہیں موجود تھے۔

''کیسی ہیں آپ؟''

''اللہ کا شکر ہے...... آپ پلیز بیٹھیں نا۔'' وہ بہت حیران تھی۔

سر عباس اور ان کے گھر میں، عباس بیٹھ گیا تو وہ بھی ماموں کے ساتھ آ بیٹھی۔

''آفس میں اچانک آپ کی طبیعت خراب ہوئی تھی بابا اپنے ایمپلائز کے بارے میں بہت پٹی ہیں وہ خود بھی عیادت کو آنا چاہ رہے تھے مگر ضروری کام تھا نہ آسکے سو مجھے آنا پڑا۔'' عباس اپنے آنے کی وجہ بتا رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''تھینک یو سر، آپ نے خوامخواہ زحمت کی ورنہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''مگر آفس میں تو آپ ٹھیک نہیں تھیں سو آپ کی عیادت ہمارا فرض بنتا ہے۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا تو اس نے ماموں اور ابوبکر کو دیکھا۔

''یہ سر عباس صاحب ہیں میں انہی کے انڈر کام کرتی ہوں یہ ہماری فرم کے اونر شاہزیب صاحب کے بیٹے ہیں۔''

اس نے ابوبکر اور ماموں کو بتایا تو دونوں نے بغور عباس کو دیکھا۔

''اور سر یہ میرے ماموں ہیں اور یہ ابوبکر۔'' رابعہ نے تعارف کروایا تو عباس نے سر ہلایا عباس ماموں سے بات کرنے لگ گیا تھا بھابی نے چائے بجھوا دی تھی۔

''آپ نے جو فائل بھجوائی تھی مجھے اس سلسلے میں آپ سے ڈسکشن کرنا تھا کیا ہم کچھ دیر تنہا بیٹھ سکتے ہیں اصل میں ضروری فائل تھی تو سوچا آپ سے تفصیلی بات کرلوں۔'' عباس نے چائے ختم کرتے ہی کہا تو رابعہ نے چونک کر دیکھا۔

ماموں اور ابوبکر عباس کی بات کا مطلب نہیں جانتے تھے مگر رابعہ کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا وہ عباس کے سامنے اس لمحے سے ڈرتی تھی۔

''کیوں نہیں، آپ بیٹھیں ہم باہر چلتے ہیں۔'' ماموں نے عباس سے کہا اور ساتھ ہی اٹھ کر ابوبکر کے ہمراہ باہر نکل گئے تھے رابعہ ہاتھ مسلتے دونوں کو باہر جاتا دیکھتی رہی۔

''مجھے اندازہ ہے آپ کس حد تک پریشان ہوں گی اس لیے میں نے کال کرنے کے بجائے خود آنے کی زحمت کی۔'' رابعہ سر جھکائے لب بھینچے خاموش رہی۔

''مجھے آپ کو تسلی دینا تھی۔ عادلہ کی طرف سے آپ بے فکر رہیں اب وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گی جو کچھ وہ کرچکی ہے صرف اسی کا خمیازہ بھگت

لے تو کافی ہے۔'' رابعہ نے سر اٹھا کر دیکھا عباس سر جھکائے کہہ رہا تھا۔
''میں بہت شرمندہ ہوں آپ ہمارے ہاں کام کرتی ہیں مگر ہماری وجہ سے آپ کو یہ سب سہنا پڑا' آپ کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے جو بھی ہوا میں اس کی معافی مانگتا ہوں ہماری آپس کی چپقلش آپ کے لیے نقصان کا باعث بن گئی۔'' رابعہ حیرت سے دیکھتی رہی۔ اسے عباس سے ہونے والی اپنی پہلی ملاقات یاد آ گئی وہ اس شخص کی طرف سے کئی دن تک بدگمان رہی تھی اور اب...... انہی نے سر جھکا۔
''جو ہونا تھا ہو گیا سر...... اس میں بھلا آپ کا کیا قصور؟'' عباس نے اسے دیکھا اور گہرا سانس لیا۔
''اینی وے آئی ایم رئیلی سوری عادلہ میری بیوی ہے بھلے ہمارے درمیان اب کوئی ریلیشن نہیں رہا مگر جو بھی ہوا میری وجہ سے ہوا۔''
''آپ نے عادلہ سے بات کی؟'' اس نے عباس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''ہوں...... اس سے بات کرنے اور تمام انتظامات کرنے کے بعد ہی آپ کے سامنے آیا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں اب عادلہ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گی رہ گئیں وہ تصاویر وہ بھی معاملہ ٹھیک ہو جائے گا میں سوشل میڈیا تک معاملہ نہیں پہنچنے دوں گا۔'' عباس کے الفاظ پر رابعہ کو تسلی ہو گئی تھی۔
''اور ہاں یہ بات ہمارے یعنی میرے اور آپ کے درمیان ہے ہمارے درمیان ہی رہے گی۔''
''جی سر۔'' اس نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ عباس نے پہلی بار اسے بغور دیکھا۔
گھریلو حلیے میں سادہ سے لباس اور سر پر دوپٹہ جمائے ہوئے وہ کافی زیادہ اٹریکٹیو لڑکی لگ رہی تھی خوب صورت بھی تھی اور رکھ رکھاؤ کی مالک بھی تھی۔
''آپ کل سے آفس آ رہی ہیں؟'' رابعہ عباس کی نگاہیں محسوس کرتے ادھر ادھر دیکھنے لگی تو عباس نے پوچھا۔
''نہیں سر میں اب جاب نہیں کر سکتی میں کوئی رسک نہیں لے سکتی۔ میں ریزائن کرنے کا سوچ رہی ہوں۔'' اس نے سادگی سے کہا عباس چونک اٹھا۔
''کیا...... نو...... آپ ایسا نہیں کریں گی میں آپ کو آپ کی تمام سیکیورٹی کی ضمانت دیتا ہوں وہ عورت اب آپ پر کوئی حملہ نہیں کرے گی۔''
''بات سیکیورٹی کی نہیں سر، بلکہ کردار کی ہے میں اپنے کردار پر کوئی الزام نہیں سہہ سکتی۔ ابھی میری فیملی بے خبر ہے مگر بعد میں کوئی ایشو کھڑا ہو جائے تو میں کس کس کو مطمئن کرتی پھروں گی؟'' اس نے سنجیدگی اور دوٹوک انداز میں کہا تو عباس نے چند پل اسے دیکھا۔
''یہ آپ کا فائنل فیصلہ ہے؟'' رابعہ نے سر ہلا دیا تھا۔
''اوکے...... میں بابا کو کہہ دوں گا، آپ کو اپائنٹ بھی انہوں نے کیا تھا آپ ریزائن بھیج دیے گا وہی فیصلہ کریں گے۔'' عباس سنجیدگی سے کہتے اٹھ کھڑا ہوا تو رابعہ بھی کھڑی ہو گئی تھی۔
''بہر حال آپ نے ہمارے ساتھ بہت اچھا کام کیا ہے آپ ریزائن کریں گی تو ہمیں افسوس ہوگا۔ مگر آپ کو مجبور بھی کیا نہیں جا سکتا۔ آپ ہماری کمپنی کے ساتھ ایگریمنٹ کر چکی ہیں اور ایگریمنٹ کے مطابق 6 ماہ سے پہلے آپ ریزائن نہیں کر سکتیں ہاں کمپنی نکال دے تو اور بات ہے۔'' عباس نے مزید کہا تو وہ چونکی۔
وہ بھول ہی گئی تھی اس کے چہرے پر گھبراہٹ کی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔
''لیکن میں جان بوجھ کر تو نہیں ریزائن کر رہی میری پرابلم آپ کے سامنے ہے اس کے باوجود آپ لوگ ایگریمنٹ کو اہمیت دیں گے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔
''اب بابا ہی کچھ کہہ سکتے ہیں اوکے کوئی بھی مسئلہ ہو آپ مجھے ان نمبرز پر کال کر سکتی ہیں۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہتے پاکٹ سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ رابعہ نے خاموشی سے تھام لیا تھا۔ وہ بیرونی دروازے تک سر عباس کو سی آف کرنے آئی تھی سر عباس کو رخصت کر کے واپس آئی تو ماموں صحن میں مل گئے تھے۔
''چلے گئے تمہارے باس؟''

''جی۔''

''خیریت سے آئے تھے نا؟''

''جی بالکل آفس کا کام تھا۔''اس نے اعتماد سے کہا۔

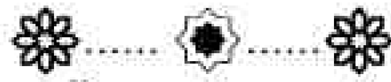
''اچھا اندر چلو مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''وہ اسے اپنے روم میں لے آئے تھے۔

''تم نے ابوبکر کے بارے میں کیا سوچا؟''بستر پر بیٹھتے انہوں نے پوچھا تو رابعہ چند پل کے لیے خاموش رہ گئی تھی۔

''اتنے دنوں میں جو بھی رائے قائم کرسکی ہوں اس کے مطابق ان میں کوئی برائی دکھائی نہیں دی مزید جو آپ کو مناسب لگے۔''سنجیدگی سے اس نے اپنی رائے دی۔

''تو میں تمہاری امی سے بات کرلوں؟''رابعہ نے سر ہلایا تو ماموں مسکرا دیے۔

''خوش رہو میں کل سہیل کو فون کروں گا وہ خود ہی اب ابوبکر سے بات کرے گا۔''رابعہ نے سر ہلا دیا تھا۔اس کے علاوہ بھی انہوں نے اس سے چند اور باتیں کی تھیں رابعہ خوش دلی سے ان کے ساتھ محو گفتگو رہی تھی۔



ولید آفس کے کام میں مصروف تھا تب ہی اس کے سیل پر کاشفہ کی کال آئی تھی۔ہیلو ہائے کے فوراً بعد کاشفہ نے سوال کیا۔

''ولید تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا کہ تم انگیجڈ ہو۔''کافی تیزی سے کہا تھا ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ہوسکتا ہے یاد نہ رہا ہو مگر تمہیں کیسے علم ہوا؟''

''بک شاپ پر تمہاری فیانسی ملی تھی اس سے باتوں کے دوران علم ہوا میں ابھی تک شاکڈ ہوں تم انگیجڈ ہو؟''

''اوہ......انا نے بتایا ہے۔''ولید مسکرایا۔

''یہ تو خوشی کی خبر ہے تم کیوں شاکڈ ہوگئیں؟''

''ولید تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہیں لائک کرتی ہوں اس کے باوجود تم نے مجھ سے یہ سب چھپایا تم نے مجھے چیٹ کیا۔''وہ کافی غصے میں تھی ولید نے سنجیدگی سے موبائل کو گھورا تھا۔

''میں نے کسی کو کوئی چیٹ نہیں کیا اور تم نے کبھی ذکر بھی نہیں کیا کہ تم مجھے لائک کرتی ہو۔تم میری اچھی دوست ہو اور میں نے ہمیشہ اچھے دوستوں کی ہی طرح تمہیں ٹریٹ کیا ہے۔''

''میں جو تمہیں کالز کرتی تھی تم سے ملنے کو بے تاب رہتی تھی تمہیں اپنی برتھ ڈے پر انوائٹ کیا ہر ایک سے ملوایا جب بھی ملی خصوصی سلوک کیا اور تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں علم ہی نہیں تم سب فیل کرتے رہے ہو مجھے یقین تھا۔''

''پلیز کاشفہ وہ جو بھی تھا وہ سب ون سائیڈ تھا انا از مائی کزن اینڈ ناؤ شی از مائی فیانسی ہمارا ریلیشن ہمارے والدین کی خواہش تھی تم میری بہت اچھی دوست ہو اور میں ہمیشہ اس ہی ریلیشن سے تم سے ملا ہوں۔''

''اب تمہیں علم ہوگیا ہے نا اب سوچ لو، میں تم سے محبت کرتی ہوں'آئی لو یو سو مچ۔''بے باکی سے اظہار محبت کرتی کاشفہ ولید کو ایک دم بہت بری لگی تھی۔

''پلیز کاشفہ ڈونٹ ریپیٹ اگین دس ٹاپک، یو آر جسٹ مائی فرینڈ اینڈ نتھنگ مور۔''اس نے سختی سے ٹوکا۔

''تمہاری جو بھی فیلنگ ہیں میرا ان سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی میں نے تمہیں چیٹ کیا ہے ڈونٹ بلیم می اگین۔''اس بار ولید سختی سے تنبیہہ لہجہ اختیار کیا۔

''بٹ ولید آئی لو یو سو مچ۔''دوسری طرف وہ پریشان ہوکر کہہ رہی تھی۔

''دس از ناٹ مائی ہیڈک۔''ولید نے غصے سے کہا۔

''ولید تم یہ کس لہجے میں بات کررہے ہو۔''دوسری طرف وہ حیران ہوئی تھی۔

''یہ تو تمہیں خود سمجھنا چاہیے میں ایک انگیج پرسن ہوں تمہیں چاہیے تھا کہ تم شروع میں ہی میرے متعلق تمام معلومات حاصل کر لیتی۔'' ولید کا انداز دوٹوک تھا۔

دوسری طرف بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔

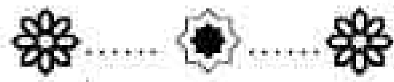
''تم انا سے محبت کرتے ہو؟'' کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

''شاید......'' ولید نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

''اور تمہاری وہ فیانسی۔''

''یقیناً وہ بھی کرتی ہے۔''

دوسری طرف چند پل خاموشی طاری رہی اور پھر ایک دم کال کٹ گئی تھی۔ ولید نے لب بھینچتے موبائل ٹیبل پر رکھ دیا۔



موبائل ٹیبل پر رکھتے وہ لب بھینچے خود پر ضبط کر رہی تھی جب اس کے ساتھ بیٹھی دوست نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کیا ہوا؟''

''اس نے مجھے ریجیکٹ کر دیا ہے۔'' دوست اسے دیکھتی رہی۔

''چھوڑو، تم میں کون سی کمی ہے ایک سے بڑھ کر ایک لڑکا تمہیں مل سکتا ہے۔''

نہیں ڈیئر وہ ایسا نہیں ہے کہ اسے بھول جاؤں پہلی بار کسی مرد کی طرف میرا دل انوالو ہوا ہے میں تو ابھی تک اسی شاک میں ہوں کہ وہ انگیجڈ ہے اور وہ بھی اس عام سی لڑکی سے جو میرے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ میں چاہوں تو ایک پل میں اسے برباد کر کے رکھ دوں۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں دیوانوں کی حد تک میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا تو لگا تھا کہ پہلی بار زندگی میں لوٹی ہوں میں نے رفتہ رفتہ اسی سے تعلق بڑھایا تھا کہ کہیں اسے شک نہ ہو جائے اور اب جبکہ مجھے یقین تھا کہ میں جیت جاؤں گی وہ کسی اور کے نام منسوب نکلا۔'' وہ شدت سے روتے خفگی سے اسے دیکھتی رہی۔

''تو اس میں رونے والی کیا بات ہے؟ تمہیں پہلے ہی چاہیے تھا کہ اس سے شروع میں ہی سب پوچھ لیتی یہ دھچکا تو نہ لگتا اب وہ شاید تم سے ملنا بھی بند کر دے۔''

''نہیں، اگر اس نے مجھ سے رابطہ ختم کیا تو میں پاگل ہو جاؤں گی تم یقین کرو مجھے اس سے شدید محبت ہو گئی ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتی۔'' ایک دم آنسو صاف کرتے اٹل لہجے میں کہا۔

''مجھ میں کیا کمی ہے خوب صورت ہوں جوان ہوں اچھی فیملی سے ہوں اسے تو مجھ پر مرمٹنا چاہیے تھا؟''

''مگر وہ مرمٹنے کو تیار نہیں ہوا تمہاری تمام تر کوششوں کے باوجود۔''

''ہاں وہ ابھی جانتا نہیں کہ وہ کس کو انکار کر رہا ہے۔ میں کاشفہ ہوں میں ہار نہیں مانوں گی پہلی بار میں خود سے کسی مرد کی طرف بڑھی ہوں اس کی خواہش میرے دل میں جاگی ہے اب کیسے اسے کھو دوں، امپاسیبل۔'' لہجے میں ایک دم نخوت اور سرد پن آ گیا تھا۔

''میں اسے اس حد تک مجبور کر دوں گی کہ اسے مجھے قبول کرنا ہی ہوگا میں اب پیچھے نہیں ہٹوں گی۔'' پتھریلے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے دوست اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''چھوڑو یار مجھے نہیں لگتا یہ لڑکا تمہارے پیچھے آنے والے باقی تمام پاگلوں جیسا ہوگا ہی از اے چیلنج مین۔''

''اسی لیے تو وہ مجھے دل و جان سے بھا گیا تھا اس میں کسی کو بھی مسحور کر لینے والی بات ہے میں ابھی بھی نا امید نہیں ہوئی میں کوشش کرتی رہوں گی جب تک وہ مجھے قبول نہیں کرے گا دیکھنا اسے مجھے قبول کرنا ہی ہوگا ایسا کبھی ہوا ہی نہیں کہ کاشفہ کو کوئی چیز پسند آ جائے اور وہ اسے نہ مل سکے امپاسبل۔'' لہجے میں اٹل پن تھا اس کی دوست تاسف سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''کہاں تھیں تم؟'' وہ جیسے ہی چابی گھماتے گھر میں داخل ہوئی عبدالقیوم کی آواز نے روک لیا' اس نے دیکھا اس کی مام اور ڈیڈی دونوں موجود تھے۔

''دوستوں کے ساتھ تھی مام کو بتا کر گئی تھی۔''

''کل سے تم غائب ہو کچھ ہوش بھی ہے۔'' عبدالقیوم نے گھورا۔

''اوہ ڈیڈ آپ مڈل کلاس لوگوں کی طرح بی ہیومت کیا کریں رات کسی شو میں جانا تھا اب ہر بات آپ کو بتا کر کرنے سے تو رہی۔''

''ادھر تم غائب ہو ادھر کل سے عادلہ کا کوئی اتا پتا نہیں نہ اس کا موبائل لگ رہا ہے اور نہ ہی گاڑی کا کہیں نام ونشان ہے ہم رات بھر پریشان ہوتے رہے تمہیں بار بار کال ملاتے رہے تمہارا نمبر بند تھا۔'' مام نے غصے سے کہا تو وہ چونک اٹھی۔

''اس کی دوستوں کو کال کریں۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''سب کر چکی ہوں بلکہ بہانے سے اس کے سسرال بھی کال کرلی تھی۔ ملازمہ نے بات کی کہیں بھی کوئی خبر نہیں ملی۔''

''تو اتنا پریشان ہونے کی کون سی بات ہے وہ کوئی چھوٹی بچی ہے اس کا دوستوں کے ساتھ کہیں پروگرام بن گیا ہوگا آ جائے گی شام تک۔''

''وہ تمہاری طرح ابھی اتنی آزاد خیال نہیں ہوئی کہ مجھے بتائے بغیر کہیں نکل جائے۔ کل شام سے پہلے شاپنگ کا کہہ کر نکلی تھی۔ اس کے بعد اس کا کوئی پتا نہیں۔'' مام کے جواب پر کاشفہ کا منہ بنا گیا۔

''اوکے اب میں کیا کرسکتی ہوں۔'' غصے سے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

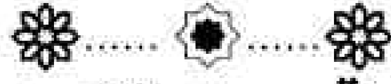
''میں تم تینوں کی وجہ سے بہت پریشان ہوں ایاز نے علیحدہ میرے لیے پرابلمز کری ایٹ کر رکھی ہیں تمہاری اپنی سرگرمیاں ہیں ایک عادلہ میرے کہنے میں تھی اب وہ بھی شروع ہو گئی ہے۔'' عبدالقیوم نے ایک دم غصے سے کہا۔ کاشفہ خاموش ہی رہی۔

''وہ مصطفیٰ پاگل کتے کی طرح اس کی بو سونگھتا پھر رہا ہے اس کے ساتھی ہر جگہ اسے تلاش کر رہے ہیں وہ تو شکر ہے اس کے دوستوں نے بروقت اس کی کارروائی کا بتا دیا تھا جو میں اسے ان کے پاس سے نکال لایا مگر اس نے خود کو اور مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور اب عادلہ اس کا کوئی اتا پتا نہیں۔''

''اوہ ڈیڈ، ڈونٹ بی وری، وہ آ جائے گی وہ کوئی نان سینس بچی نہیں ہے جو آپ یوں بی ہیو کر رہے ہیں۔'' نخوت سے کہہ کر ٹک ٹک کرتی وہ اپنے کمرے کی طرف چلی دی۔

''دیکھ لیا تم نے اپنی اولاد کی حرکتوں کو میں ادھر کچھ کہہ رہا ہوں اور وہ کچھ سنے بغیر نکل گئی۔'' غصے سے بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہیں شروع سے ہی لمٹ میں رکھا ہوتا تو آج یہ دن کیوں دیکھنا پڑتا۔ مجھے تو عادلہ کی فکر ہو رہی ہے۔ نجانے کہاں رہ گئی وہ بغیر کچھ کہے سنے کبھی گئی تو نہیں۔'' عبدالقیوم نے بیگم کو گھورا اور موبائل پر نمبر ڈائل کرتے باہر چلے گئے۔



وہ ایک مریض کی کیس ہسٹری پر ڈاکٹر سے ڈسکس کر رہی تھی جب مصطفیٰ کی کال آ گئی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے ڈاکٹر سے معذرت کرتے کال پک کی۔

''وعلیکم السلام کہاں ہیں؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''میں اسپتال میں ہوں۔''

''میں پانچ منٹ میں آ کر آپ کو پک کروں گا۔''

''مگر میں تو اس وقت بزی ہوں۔'' اس نے انا اور باقی گروپ فیلو کو دیکھا وہ سب ڈاکٹر کی بات بڑے دھیان سے سن رہی تھیں۔ آج ان کا اسپتال کا وزٹ تھا ایک مریض کی فائل ان کو ملی تھی۔

اوکے..... جلدی فارغ ہو لیں میں ویٹ کرلوں گا۔'' مصطفیٰ نے کہہ کر کال بند کردی۔

شہوار نے غصے سے موبائل بیگ میں ڈالا تھا۔

وہ غصہ نہیں کرنا چاہتی تھی ان سب حالات میں نارمل انداز میں نبٹنا چاہتی تھی مگر پھر ایک دم غصہ آنے لگا۔ اسے فارغ ہونے میں آدھا گھنٹہ لگا تھا مصطفیٰ کے میسج کے مطابق وہ گیٹ کے باہر ویٹ کر رہا تھا۔

وہ انا اور باقی سب کو اللہ حافظ کہہ کر جلدی سے باہر آ گئی تھی مصطفیٰ گاڑی میں موجود تھا اسے آتے دیکھ کر فرنٹ ڈور کھول دیا وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

''آج کا دن کیسا گزرا؟''

''اچھا تھا بزی اور تھکن سے بھرپور۔'' وہ اپنے آپ کو ان سب حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر چکی تھی مگر وہ پرانے رویے اب ایک دم بدلنے سے تو رہی تھی۔

''عائشہ کو شاپنگ کے لیے جانا تھا مجھے کال کی تھی کہ تمہیں بھی ساتھ چلنا ہے سو مجھے لینے آنا پڑا اس دن والی ایاز کی حرکت کے بعد اب تنہا بھیجنے کا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا سو مجھے خود لینے آنا پڑا۔'' شہوار خاموش ہی رہی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک دوبارا سے دیکھا۔

''ہم گھر نہیں جا رہے کیا؟'' گاڑی نے جیسے ہی یوٹرن لیا شہوار چونکی۔

''بتایا تو ہے شاپنگ کے لیے جانا ہے پہلے؟'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ ٹھٹکی۔

''میں سمجھی تھی کہ شاید پہلے گھر جانا ہے۔'' اس نے کہا۔

''مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے آج کا دن بہت بزی گزرا تھا تو دوپہر میں کچھ کھانے کا وقت ہی نہ مل سکا۔'' اس نے جھجکتے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔

''کسی ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے کہا۔

''نہیں...... نہیں۔'' اس نے فوراً انکار کر دیا۔

دوسرے معنوں میں وہ مصطفیٰ کے سامنے یوں بھوک کا کہہ کر شرمندہ ہو رہی تھی۔

''یہیں کہیں سے اگر کچھ کھانے کو مل جاتا ہے تو ٹھیک ہے میں کسی ریسٹورنٹ میں نہیں جاؤں گی۔''

''اوکے۔'' مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھتے سر ہلایا۔

کچھ دیر بعد مصطفیٰ نے کے ایف سی کے سامنے گاڑی روکی تھی۔

''یہیں بیٹھیں گی یا پھر اندر چلیں گی۔'' مصطفیٰ نے اس سے پوچھا۔

''یہیں منگوا لیں۔'' ''اوکے گاڑی کا دروازہ لاک کر لیں میں آتا ہوں۔'' باہر نکلتے مصطفیٰ نے کہا۔

وہ خاموشی سے دروازہ لاک کیے بیٹھی رہی کچھ دیر بعد مصطفیٰ شاپر لیے واپس آیا اور شیشے کو ناک کیا تو اس نے لاک کھولا۔ مصطفیٰ نے اسے شاپر تھما دیا تھا۔

شہوار نے شاپر کے اندر دیکھا ڈرنکس کے علاوہ تین جمبو سائز برگر تھے ساتھ میں چپس اور سلاد بھی۔

''آپ لیں گے؟'' اپنے لیے برگر اور بوتل نکال کر باقی شاپر مصطفیٰ کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''ضرور لنچ تو میں نے بھی نہیں کیا۔'' مصطفیٰ نے شاپر تھام لیا۔

''ویسے کہیں باہر اکیلے ساتھ مل کر کچھ کھانے پینے کا ہمارا یہ پہلا اتفاق ہے نا۔'' برگر کھاتے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار چونکی۔

''ہو سکتا ہے۔'' مصطفیٰ اسے ہی مسکرا کر دیکھ رہا تھا اس کی مسکراہٹ میں بڑی عجیب سی اٹریکشن تھی اس نے فوراً گھبرا کر سر جھکا لیا تھا۔

''ہو سکتا ہے نہیں بلکہ یقیناً یہ پہلا اتفاق ہے۔'' مصطفیٰ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی شہوار خاموش ہی رہی۔ وہ بھلا اس سے کیا کہتی۔ مصطفیٰ کا موڈ نارمل اور خوشگوار تھا اور وہ کوئی ایسی ویسی بات کہہ کر اس کا موڈ خراب کرنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ اب سب کچھ نارمل روٹین میں لینے اور سب نبھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے کولڈ ڈرنک پی رہی تھی جب ہی مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔ اس نے حیرت سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''میں ایک ہی گلاس لایا ہوں۔'' مصطفیٰ مسکرا کر کہتے کولڈ ڈرنک پینے لگا۔ جبکہ شہوار ایک دم کنفیوز ہوگئی۔

''بھئی یہ بھی لو نا یہ سب میں کھانے کے لیے لایا ہوں دیکھنے کے لیے نہیں۔'' باقی کھانے کی اشیا کی طرف اشارہ کر کے مصطفیٰ نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

''ویسے آج موڈ کچھ بہتر ہے خیریت ہے نا؟'' مصطفیٰ نے اسے آرام وسکون سے اپنی بات مانتے دیکھ کر شرارت سے پوچھا۔

شہوار خاموشی سے فنگر چپس کھاتی رہی۔

''ویسے آج ہوا کیا ہے؟'' اتنی بڑی تبدیلی بلاوجہ تو نہیں ہوسکتی کوئی جھگڑا نہیں کوئی ایشو نہیں سب خیریت ہے نا۔'' مصطفیٰ اپنا برگر ختم کر چکا تھا اس نے شہوار کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تو اس نے گرفت سخت کر دی۔

''کیا خیال ہے آج سورج مشرق سے ہی نکلا تھا نا؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم پلکیں گرا گئی۔

''آپ مجھے کنفیوز کر رہے ہیں پلیز ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا تو مصطفیٰ کھل ہنس دیا۔

''ارے ابھی تو میں نے کچھ کیا بھی نہیں۔'' شرارت سے بولا۔

شہوار کی بھوک پیاس سب ایک دم مٹ گئی تھی اس کی آنکھوں میں نمی سی آٹھہری تھی۔ مصطفیٰ نے اسے بغیر دیکھے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ اب ایک لفظ بھی نہیں کہے گی اور سب کچھ خاموشی سے جھیلنے کی کوشش کرے گی مگر اب یہ سب خاموشی سے جھیلنا بڑا مشکل لگ رہا تھا۔

اسے مصطفیٰ کی محبت اور خلوص سے انکار نہیں تھا مگر وہ خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے آہستگی سے آنکھوں کی نمی کو صاف کیا اور آہستگی سے باقی کا برگر کھانے لگی مصطفیٰ کے نمبر پر کال آنے لگی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''ہاں عائشہ...... نہیں ہم راستے میں ہیں بس پہنچ رہے ہیں...... تم کدھر...... اوکے...... ہم آرہے ہیں۔'' مصطفیٰ نے کال بند کر دی تو اس نے برگر ختم کرتے تمام چیزیں واپس شاپر میں ڈال دی تھیں۔



''کہاں تھے تم دونوں میں اتنی دیر سے کال کر رہی تھی۔'' وہ دونوں جیسے ہی عائشہ کے پاس پہنچے اس نے پوچھا۔

''ہم لنچ کرنے لگ گئے تھے۔''

''یعنی ہوٹلنگ کر کے آئے ہو تم دونوں۔'' دریہ نے تیکھے تیوروں سے شہوار کو دیکھتے طنزیہ پوچھا تھا۔

''میں نے تو آفر کی تھی مگر یہ محترمہ مانی ہی نہیں مجبوراً ہمیں کے ایف سی سروس سے گزرنا پڑا۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر کہتے شہوار کو دیکھا شہوار سب کو نظر انداز کرتے ماں جی کے پاس جا رکی تھی۔

''ہم نے عروسی لباس اور کچھ اور اشیا خریدنا تھیں سوچا کہ شہوار کو بھی بلا لیں۔'' ماں جی نے محبت سے کہا تو شہوار ہلکا سا مسکرا دی۔

کچھ دیر بعد وہ مارکیٹ کی کئی شاپس دیکھ چکے تھے مگر مصطفیٰ کو کوئی لباس پسند ہی نہیں آرہا تھا بعض سوٹ تو اچھے خاصے تھے شہوار کو اچھے بھی لگے تھے مگر مصطفیٰ نے کوئی نہ کوئی نقص نکال کر رد کر دیے تھے۔

''توبہ کتنے مشکل پسند ہو تم ابھی ہم نے اور بھی بہت کچھ لینا ہے اور تمہیں کوئی سوٹ پسند ہی نہیں آرہا ہر ایک میں کیڑے نکال رہے ہو۔'' ایک اچھے خاصے سوٹ کو ریجیکٹ کرنے پر عائشہ نے ٹوکا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

''تم ایسا کرو شہوار کو لے جاؤ اور سوٹ پسند کر لو ہم تینوں اتنی دیر میں کچھ اور خرید لیتی ہیں جوں، جوں دن کم ہو رہے ہیں کام بڑھتا جا رہا ہے۔ بس ایک دو دن میں یہ بازاروں کے چکر ختم کرنا چاہتی ہوں۔'' ایک دو اور جگہوں سے بھی ناکام اٹھنے پر ماں جی نے کہا تو شہوار ایک دم پریشان ہوگئی تھی۔

''میں نہیں جا رہی، جو بھی لینا ہے خود ہی لے لیں۔'' اس نے فوراً کہا' مصطفیٰ نے گھورا تو عائشہ ہنس دی۔

''گھور کیوں رہے ہو، جتنی دیر سے تم خوار کروا رہے ہو ہم سب کو یہ بے چاری کیا ہم سب کی ہمت بھی جواب دے چکی ہے ویسے سچ سچ بتاؤ اب تک کتنی خواتین کو شاپنگ کرا چکے ہو۔ بڑی اپ ٹو ڈیٹ معلومات ہیں خواتین کی خریداری سے متعلق اللہ معاف کرے اتنے تو ہم بھی با خبر نہیں ہیں۔'' عائشہ نے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

''سیدھا سادھا مجھ پر اٹیک کر رہی ہیں بس یہ ہے کہ مجھے ان میں سے کوئی بھی لباس پسند نہیں آیا۔''

''ہائے اتنے پیارے سوٹ تو تھے۔'' عائشہ نے آنکھیں دکھائیں۔

''اچھا اب بحث بند کرو، ادھر کھڑے ہونا فضول ہے جو بھی پروگرام ہے وہ بتاؤ۔'' ماں جی نے ٹوکا۔

''ادھر ایک بوتیک ہے وہاں دیکھ لیتے ہیں اگر مصطفیٰ کو پھر بھی پسند نہیں آیا تو یہ خود ہی کچھ کرے گا۔'' عائشہ نے کہا تو مصطفیٰ نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

''او کے۔''

''تم تینوں چلے جاؤ، میں اور دریہ باقی چیزیں دیکھ لیتے ہیں اتنی دیر میں۔'' ماں جی نے کہا تو دریہ کے چہرے کے زاویے ایک دم بگڑے تھے تاہم وہ ان کے سامنے خاموش ہی رہی تھی۔ عائشہ کے بتائے گئے بوتیک میں بھی اچھی ورائٹی تھی اور کلرز بھی یونیک تھے ایک سے بڑھ کر ایک ڈریس تھا۔

''اب بتاؤ کون سا پسند آیا ہے؟'' مختلف ڈریس چیک کرنے کے بعد عائشہ نے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''یہ دونوں کلرز کیسے ہیں؟ اور ڈریس بھی اچھے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ دونوں ڈریس سلیولیس بھی نہیں۔'' مصطفیٰ نے ایک ڈیپ ریڈ کلر اور دوسرا لائٹ گریپ کلر کے لباس پسند کیے تھے۔

عائشہ نے فوراً سر ہلایا تھا دونوں سوٹ ایک سے بڑھ کر ایک تھے اور کام اس قدر زبردست تھا کہ چند پل کے لیے آنکھیں چندھیا جائیں۔

''شکر ہے تمہیں پسند تو آیا، میرا خیال ہے دونوں پیک کرا لیتے ہیں کمی بیشی بعد میں بھی کرا سکتے ہیں۔ بارات اور ولیمہ دونوں کے لیے کلرز اچھے ہیں۔'' عائشہ کو بھی یہی کلرز بہت پسند آئے تھے وہ ایک دم مطمئن ہوئی تھی۔

''تمہیں کیسے لگے، اچھے ہیں نا؟'' عائشہ نے شہوار سے پوچھا جو مسلسل خاموش تھی۔

''اچھے ہیں بٹ۔'' اس کے سامنے پرائس ٹیگ تھے دونوں ڈریس بہت زیادہ مہنگے تھے۔

''اس کی قیمت دیکھ لو۔'' اس نے آہستگی سے عائشہ سے کہا۔

''دیکھ چکے ہیں مصطفیٰ کو پسند آئے ہیں تو پھر قیمت کیوں دیکھیں ویسے بھی تم کسی سے کم ہو کیا۔ تم سے زیادہ ایکسپینسو نہیں ہیں۔'' عائشہ نے بھی آہستگی سے کہا تو وہ پھر خاموش ہو گئی تھی۔ سب خوش تھے مطمئن پرسکون جبکہ وہ خود ایک عجیب سی کشمکش میں مبتلا تھی۔

مصطفیٰ نے پے منٹ کی اور وہ لوگ گاڑی میں آ بیٹھے۔

''شکر ہے یہ بڑا مسئلہ تو حل ہوا، ویسے بھی چند دن بعد شہوار نے گاؤں چلے جانا ہے، باقی کی تیاریاں تو ہوتی رہیں گی۔'' عائشہ نے کہا تو شہوار نے سنجیدگی سے دونوں کو دیکھا مصطفیٰ کا موڈ سارا وقت خوش گوار رہا تھا اس وقت بھی عائشہ کی بات پر مسکرا دیا تھا۔

''کارڈ پرنٹ ہو کر آ گئے ہیں شہوار تم نے جس جس کو بھی انوائٹ کرنا ہے بتا دینا اپنی دوستوں وغیرہ کو۔'' عائشہ اب اس سے مخاطب تھی وہ عائشہ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھی تھی۔

''انا کے علاوہ میری کوئی ایسی خاص دوست نہیں کہ اسے انوائٹ کروں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''مگر پھر بھی کالج فیلوز تو ہوں گی؟''

''نہیں...... کسی کو بھی نہیں بلانا ہاں ان کو کارڈ دینا ہے۔'' آہستگی سے کہہ کر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

''اب کہاں جانا ہے ماں جی کے پاس یا گھر؟'' مصطفیٰ نے گاڑی ڈرائیو کرتے پوچھا۔

''میں تو ماں جی کے پاس جاؤں گی تم البتہ شہوار کو گھر ڈراپ کر دو، کالج سے آئی ہے تھکی ہوئی ہو گی ہم آرام سے اپنی شاپنگ مکمل کر کے آئیں گی۔'' عائشہ کے جواب پر مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

عائشہ نے فون کر کے دریہ سے پوچھا تھا کہ وہ لوگ کہاں ہیں پھر مصطفیٰ نے اسے مطلوبہ جگہ ڈراپ کر دیا۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ گردن موڑے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ شہوار کا آج کا رویہ چینج تھا وہ اگر خوش دکھائی نہیں دے رہی تھی تو ناخوش بھی نہیں لگ رہی تھی اس کے رویے نے مصطفیٰ کے اندر خوشگوار تاثرات پیدا کر دیے تھے۔

''کیا سوچا جا رہا ہے۔'' اسے اس طرح گم صم انداز میں دیکھ کر مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے چہرہ موڑ کر مصطفیٰ کو دیکھا۔

''کچھ نہیں۔'' کہہ کر وہ شولڈر بیگ کی اسٹریپ سے کھیلنے لگی تھی۔

''ایاز کا کیا بنا؟'' کچھ توقف کے بعد اس نے اسی طرح سر جھکائے پوچھا۔

''تلاش جاری ہے وہ کہیں روپوش ہو چکا ہے میرا خیال ہے اس کی فیملی اس کے ٹھکانے سے باخبر ہے مگر بغیر کسی سولڈ ریزن کے اس کے والد پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا ورنہ اب تک وہ لاک اپ میں بند ہوتا۔'' مصطفیٰ نے تفصیلاً بتایا۔

''ایک اور خبر ہے؟'' ڈرائیو کرتے مصطفیٰ کو اچانک یاد آیا تو چونکا شہوار نے سوالیہ اسے دیکھا۔

''عادلہ بھابی کا بھی کہیں اتا پتا نہیں مل رہا، عبدالقیوم کے گھر کا فون ٹریس کیا جا رہا ہے جس کے مطابق اطلاع ملی ہے کہ عادلہ چند دن سے کہیں غائب ہیں کہاں، کوئی خبر نہیں فون کنورسیشن کے مطابق تو گھر والے بھی بے خبر ہیں مگر میرا اندازہ ہے کہ یہ بھی ان لوگوں کی کوئی چال ہے ان کو علم ہے کہ ہم ایاز کو تلاش کر رہے ہیں ہو سکتا ہے ہماری توجہ ہٹانے کو عادلہ اور ایاز دونوں کو کہیں اور منتقل کر دیا گیا ہے آفٹر آل عادلہ بھابی سے ابھی بھی ہمارا ریلیشن برقرار ہے شاید ان کو ڈر ہو کہ ہم عادلہ کو بنیاد بنا کر کوئی ایکشن نہ لے لیں بہرحال یہ ہمارا تجزیہ ہے جو غلط ثابت بھی ہو سکتا ہے۔'' مصطفیٰ نے بتایا تو وہ حیرت سے دیکھے گئی۔

''اوہ...... ان لوگوں نے عادلہ بھابی کو تلاش کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی؟''

''فی الحال تو نہیں کر رہے اور یہی بات ہمیں مشکوک کر رہی ہے۔ کسی کا بیٹی غائب ہو اور چند دن گزر جائیں اور وہ پھر بھی نارمل زندگی گزار رہے ہوں امپاسبل ہے۔''

''اور ان کے باقی گھر والے؟'' شہوار کے لیے یہ بڑی حیران کن خبر تھی۔

''اندرونی حالات کا تو ہمیں بھی نہیں علم بہرحال مجھے اس سب میں بھی ان لوگوں کی کوئی چال لگ رہی ہے۔ عادلہ بھابی ہمارا ہیڈک نہیں ہیں۔ فرض کریں اگر وہ واقعی غائب ہیں یا کہیں روپوش ہیں تو یقیناً ان کی فیملی بے خبر نہیں ہو گی ورنہ کہیں نہ کہیں یہ لوگ کوئی ایف آئی آر درج کراتے تلاش کرتے سرچ کرتے مگر یہ لوگ نارمل روٹین کی طرح زندگی گزار رہے ہیں جیسے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس سے تو ایک بات ہی ظاہر ہوتی ہے یا تو عادلہ اپنی فیملی کو بتا کر کہیں غائب ہے یا پھر فیملی نے خود کہیں روپوش کر دیا ہے۔'' شہوار حیرت سے سب سن رہی تھی۔

''کیا گھر میں کسی اور کو بھی ان کی گمشدگی کا علم ہے میرا مطلب ہے عباس بھائی یا انکل وغیرہ......؟'' کچھ توقف کے بعد اس نے مزید پوچھا۔

''نہیں اگر علم ہوتا تو میرا خیال ہے مجھ سے ذکر تو ضرور کرتے۔'' اس نے آہستگی سے سر ہلایا۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا وہ پھر سابقہ کیفیت میں چلی گئی تھی یعنی گم صم اور سنجیدہ۔

''سوٹ پسند آئے؟'' مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔

''میری پسند کا کیا عمل دخل اتنا کچھ ہو رہا ہے مجھ سے پوچھ کر تو نہیں ہو رہا۔'' وہ ایک دم تلخی سے کہہ گئی تھی مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔ یعنی ابھی تک اسی مقام پر تھی وہ۔

''اب ان اعتراضات کا کیا فائدہ ہماری شادی ہو رہی ہے۔'' مصطفیٰ نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

''میں اعتراض کر بھی نہیں رہی۔ آپ نے ایک سوال پوچھا تھا اور میں نے جواب دے دیا سو سمپل۔'' سابقہ تلخی سے کہہ کر وہ باہر دیکھنے

لگی۔

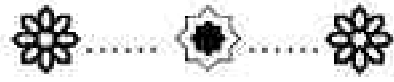
”ویسے بھی میرے اعتراضات کو کون سا کسی نے مان لینا ہے۔“ وہ اگلے ہی پل خود ترسی کی کیفیت کا شکار ہونے لگی تھی۔

”جب علم ہے تو پھر بحث کا فائدہ؟“ مصطفیٰ نے بھی سنجیدگی سے کہا تو شہوار نے پلٹ کر دیکھا آنکھوں میں تلخی برقرار تھی۔

”زبردستی کے ریلیشن میں ہمیشہ بحث ہی جنم لیتی ہے۔ اعتراضات تنقید وغیرہ کے ایشوز اٹھتے ہیں یہ اور بات ہے کہ آپ اس کو ایکسپٹ نہیں کر پا رہے۔“

”لڑنے کا موڈ ہو رہا ہے؟“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ لب بھینچ کر چہرہ موڑ گئی۔

”اچھا ہوا تم نے میری غلط فہمی دور کر دی ہے ورنہ تمہارے بدلے رویے کو دیکھ کر میں خوامخواہ ہی خوش فہم ہونے لگا تھا۔“ مصطفیٰ کا انداز طنزیہ ہوا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ بہرحال اپنے اندر کی اکھاڑ پچھاڑ کے سامنے وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ وہ لب بھینچے باہر دیکھتی رہی گاڑی کچھ دیر بعد گھر کے گیٹ کے سامنے رکی تو چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔



اسے یہاں بند ہوئے آٹھ دن گزر گئے تھے اس دن کے بعد سے عباس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی تھی۔ شروع کے دو دن وہ بغیر کچھ کھائے پیے پڑی رہی تھی مگر اس کے بعد بھوک و پیاس کے سامنے ہمت ہار گئی تو کمرے سے نکل کر کچن میں آئی کچن میں کھانے کا تمام سامان موجود تھا مگر رہائی کا کوئی راستہ نہ تھا کھا پی کر وہ نئے سرے سے گھر سے نکلنے کا رستہ تلاش کرنے لگی تھی مگر اس لاؤنج نما کمرے اور کچن کے علاوہ کوئی اور رستہ نہ تھا باہر سے ہر وقت کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اسے خوفزدہ کرتی رہتی تھیں۔ نہ ہی اس کے پاس کوئی موبائل تھا اور نہ ہی کوئی اور ذریعہ، ان گزرے آٹھ دنوں نے اس کے اندر کی ساری اکڑ ختم کر دی تھی۔

نجانے اس کے گھر والے کیا سوچتے ہوں گے۔ اس کو تلاش بھی کرتے ہوں گے یا پھر خاموشی اختیار کر لی ہو گی۔ وہ عجیب سے خدشوں میں مبتلا تھی۔ وہ چیخ چلا کر توڑ پھوڑ کر کے بھی دیکھ چکی تھی مگر یہاں کوئی بھی نہ تھا جو اس کی مدد کو آتا اور سب سے بڑھ کر اس تنہائی کا خوف اور اذیت اسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ چند دن مزید اس قید خانے میں رہی تو ضرور اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

یہاں ایک ٹی وی کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا اور وہ ٹی وی دیکھ دیکھ کر بھی اب پاگل ہو چکی تھی۔ وہ روز عباس کی آمد کی منتظر رہتی تھی اور روز رات کو مایوس ہو کر گر جاتی تھی یہاں مضبوط دیواروں اور کھڑکیوں کی فصیل تھی جس کے پار اس کا بھاگ کر نکل جانا ناممکن تھا۔

”اگر ایک بار میں یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی تو رابعہ اور عباس تم دونوں دیکھنا میں کیسے نبٹوں گی تم دونوں سے وہ تصاویر تو محض ایک دھمکی تھی اصل بدلہ تو اب لوں گی۔“ نفرت سے سوچتے سوچتے وہ ایک دم لب بھینچ گئی تھی۔



ماموں نے سہیل سے بات کی اور سہیل نے ابوبکر سے ابوبکر رابعہ کے پرپوزل کا سن کر کئی لمحے تک گم صم رہا تھا۔

رابعہ ایک اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی مگر وہ ایک عجیب سی کشمکش و پنج میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اس نے زندگی میں بہت سی مشکلات دیکھی تھیں۔ اب اس کا بھی دل چاہنے لگا تھا کہ وہ ایک گھر، ایک چھت اور کچھ اپنے حقیقی رشتوں کا سکھ دیکھے اور اس کی خواہش اس گھر میں رہتے ہوئے مزید بڑھنے لگی تھی مگر رابعہ کا پرپوزل سننے کے بعد وہ عجب دوراہے پر آ کھڑا ہوا تھا۔ ایک طرف اس کا ماضی تھا اور ایک طرف یہ گھرانہ ان لوگوں کی محبتیں اور خلوص وہ زیادہ تر گھر سے باہر رہتا تھا وہ اپنے لیے گھر بنانے کے لیے جگہ تلاش کر رہا تھا اس کا ارادہ جگہ لے کر گھر بنانے کا تھا اور وہ اس وقت بھی مختلف سائٹس دیکھ کر گھر آیا تھا ماموں گھر پر موجود تھے۔ وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔

”کہاں رہتے ہو سارا دن؟“ انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

”آپ کو بتایا تو ہے کہ مختلف جگہیں دیکھ رہا ہوں۔“

”پھر کوئی جگہ پسند آئی؟“

”ایک دو لوکیشن اچھی لگی ہیں مگر ان پر گھر بنانے کے لیے کافی مالیت درکار ہیں میرے پاس جو سرمایہ ہے میں اس سے ابھی اپنا بزنس بھی

اسٹارٹ کرنا ہے ابھی لمبا چوڑا کوئی پلان نہیں مگر چھوٹا موٹا کوئی کاروبار تو ہو۔" ابوبکر نے کہا تو ماموں نے سر ہلایا۔

"تم کوئی بنا بنایا فلیٹ دیکھ لو گھر بعد میں بھی بن سکتا ہے۔ رہ گئی کاروبار شروع کرنے کی بات تو تم ابھی اپنا بزنس شروع کرنے کے بجائے کسی کے ساتھ مل کر کام کر لو تو بہتر ہے تم یہاں کے لیے نئے ہو کسی کو بھی نہیں جانتے تو کسی کے ساتھ کام کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔" ماموں کے مشورے پر اس نے انہیں دیکھا۔

"مگر میرے ساتھ شراکت داری کرے گا کون، میں تو کسی کو بھی نہیں جانتا۔"

"میرے چند اسٹوڈنٹس ہیں جنہوں نے تھوڑے بہت سرمایہ سے اپنا اپنا کام شروع کیا تھا اب کافی ترقی کر چکے ہیں تم کہتے ہو تو تمہیں ان سے ملوا دیتا ہوں۔" فیضان صاحب کے مشورے پر اس نے چند پل بغور سوچا تھا۔

"ٹھیک ہے مل لیتا ہوں اگر میری دلچسپی اور فائدے کا معاملہ ہوا تو مزید تعلقات بنانے میں کوئی حرج نہیں۔" اس نے ان کی بات مان لی تھی۔ فیضان صاحب ایک دم خوش ہوئے تھے۔

"جیتے رہو، ہم کل ہی مل لیں گے۔"

"اوکے۔" وہ سر ہلا کر اٹھنے لگا تو انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ابھی بیٹھو مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا ہے۔" ابوبکر رک گیا تھا۔

"سہیل نے تم سے رابعہ کے رشتے کے سلسلے میں بات کی ہوگی۔" انہوں نے بلاتمہید بات شروع کی تو ابوبکر سر جھکا گیا۔

"جی۔"

"تو پھر کیا سوچا تم نے؟"

"بظاہر تو کوئی اعتراض نہیں مگر آپ لوگ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے بہتر ہے آپ لوگ میرے بارے میں اچھی طرح جان لیں۔ پھر کوئی حتمی فیصلہ کریں۔" ابوبکر نے کہا تو وہ مسکرا دیئے۔

"ہم نے تمہارا اخلاق اور کردار دیکھا ہے اس سے بڑھ کر تمہاری ذات کی اور کیا گواہی ہو سکتی ہے کہ ان چند دنوں میں ہمیں تم میں کوئی خامی نظر نہیں آئی اور یہ فیصلہ سہیل کا تھا اور وہ تمہیں سالوں سے جانتا ہے پھر مزید جاننے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔"

"مگر میرا ماضی۔" ابوبکر نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے روک دیا۔

"یہاں ہر انسان کا کوئی نہ کوئی ماضی ہے۔ ہم حال میں زندہ ہیں اور تمہاری ذات کو حال کے آئینے میں دیکھ رہے ہیں ماضی سے ہمیں کوئی سروکار نہیں اس گھر کے لوگوں کے دل بہت وسیع ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو ابوبکر خاموش ہو گیا۔

"آپ بڑے ہیں اور یقیناً تجربہ کار بھی میں نے برسوں بعد ایک گھر اور گھر جیسی محبتیں دیکھی ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر آپ لوگ پھر بھی کوئی فائنل فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لیں۔" ابوبکر کے الفاظ نے فیضان کو ایک دم خوش کر دیا تھا۔ انہوں نے بے اختیار اس کا کندھا تھپکا تھا۔

"جیتے رہو، یقیناً ہم سبھی باتیں سوچ کر ہی کوئی فیصلہ کریں گے میں سہیل کو تمہارے خیالات بتا دیتا ہوں پھر وہ اور اس کی ماں جو فیصلہ کریں گے وہی حتمی ہو گا۔" ابوبکر نے مسکرا کر سر ہلا دیا تھا وہ اس سے مزید ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

❀.......❀.......❀

ولید کو آفس کے کام کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی جانا پڑ گیا تھا وہاں اسے دس بارہ دن لگ گئے تھے آج مغرب سے پہلے واپسی ہوئی تھی گھر پر روشی اور ملازمہ کے علاوہ کوئی نظر نہ آیا تو حیران ہوا۔

"ہاں بھئی کہاں ہیں یہ تمہاری نخریلی نند صاحبہ اور باقی لوگ۔" کچھ دیر سب کا انتظار کرنے کے بعد ولید نے پوچھا تو روشی ہنس دی۔

"پھپھو بوتیک، انکل اور احسن آفس بابا ویسے ہی واک کے لیے باہر نکلے تھے کہہ رہے تھے نماز پڑھ کر ہی لوٹیں گے اور انا کالج سے آنے کے بعد سو رہی ہے۔ آپ سنائیں کیسا رہا یہ وزٹ اور باقی پراسس؟"

''اے ون، آفس کا کام تھا کچھ دن لگ گئے میں ذرا چینج کرلوں بہت تھکن ہو رہی ہے کچھ چائے وغیر کا بندوبست کردو۔'' وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف آ گیا تھا وہ ابھی الماری سے لباس نکال رہا تھا کہ اس کا موبائل بجنے لگا اس نے موبائل دیکھا تو نمبر دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا ان دس بارہ دنوں میں وہ کوئی سو کے قریب اس نمبر سے کالز اٹینڈ کر چکا تھا۔

''ہیلو۔'' اس نے کال پک کی۔

''کیسے ہو؟''

''فائن۔'' ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

''گھر پہنچ گئے؟''

''آف کورس۔''

''کب مل رہے ہو پھر؟'' اگلا سوال ہوا تھا انداز ہمیشہ کی طرح بے تکلف تھا۔ ولید نے گہرا سانس لیا۔

''ایم سوری ابھی تو فیملی کے پاس آیا ہوں کچھ دن بزی رہوں گا۔ اگر کچھ فارغ وقت ملا تو بتا دوں گا۔''

''ولید جس دن سے میں نے تم سے اپنی پسندیدگی کی بات کی ہے تم مجھے مسلسل نظرانداز کر رہے ہو میں تم سے ملنے کو جتنی بے چین ہوں تم مجھے اتنا ہی نظرانداز کر رہے ہو۔'' دوسری طرف سے خاصی خفگی سے کہا گیا تھا لہجے میں تندی و تیزی تھی۔

''کاشفہ پلیز میں مسلسل بزی رہا ہوں اس دن سے آج ہی گھر لوٹا ہوں رہ گئی پسندیدگی کی بات بعد میں ہوگی۔ ابھی تو میں فارغ نہیں ہوں پلیز ڈونٹ مائنڈ اٹ۔'' اس نے سنجیدگی سے کہہ کر کال بند کر دی۔

کال بند کر کے وہ چند پل کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر موبائل بستر پر ڈالتے وہ لباس لے کر واش روم میں گھس گیا۔ وہ فریش ہو کر باہر آیا تو روشی چائے اور دیگر لوازمات لیے لاؤنج میں موجود تھی۔

وہ دونوں چائے پی رہے تھے جب انا اپنے کمرے سے نکل کر ادھر ہی آ گئی۔ ولید کو دیکھ کر رکی۔ اس کے چہرے پر خفگی کے تاثرات پیدا ہوئے تھے ولید نے بھی دیکھا تھا سو اب سلام دعا کرنا لازم ہو گیا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام، کیسی ہو؟'' ولید نے پوچھا تو وہ بغیر جواب دیے وہاں سے نکل گئی۔

''اسے کیا ہوا؟'' ولید بڑا حیران ہوا۔

''مجھے کیا پتا؟ کچھ کہا ہوگا آپ نے ہی۔'' روشی نے ہنس کر کہا تو وہ اسے گھورتے چائے کا کپ خالی کرتے کھڑا ہوا تھا۔

''یہ بھی تو لیں۔'' روشی نے باقی چیزوں کی طرف اشارہ کیا۔

''آتا ہوں ابھی تمہاری نند کو دیکھ لوں اچھا بھلا چھوڑ کر گیا تھا ہوا کیا ہے اسے؟'' وہ کہہ کر وہاں سے نکلا تو روشی مسکرا دی۔

انا کچن میں تھی وہ سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔

''کیا بات ہے موڈ بڑا خراب ہے؟'' وہ فریج میں سے کھانے پینے کو کچھ دیکھ رہی تھی ولید سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''اتنی فارغ نہیں ہوں جو بے کار لوگوں کے لیے اپنا موڈ خراب کرتی پھروں۔'' غصے سے کہہ کر وہ جوس کا پیک نکال کر پلٹی تھی۔

''میں وہاں سے بار بار کال کرتا رہا ہوں اپنا موبائل چیک کرو کوئی سو سے اوپر کالز تو ہوں گی۔'' ولید نے بھی غصے سے کہا۔

''میں نے نہیں کالز کرنے کو کہا تھا۔'' تلخی سے کہہ کر وہ کچن سے باہر نکل آئی تھی ولید نے اسے گھورا۔

''بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے، اچھا بھلا چھوڑ کر گیا تھا۔ وہاں سے کالز بھی کرتا رہا ہوں وہ اور بات ہے کہ تم نے اٹینڈ نہیں کیں۔ اب کس بات کا غصہ ہے کچھ بتاؤ تو سہی؟'' وہ اس کے ساتھ چلتا لان میں آ گیا تھا۔

''میں نے آپ کو دو تین کالز کی تھیں تب تو آپ نے اٹینڈ نہیں کی تھیں پھر میں کیوں اٹینڈ کرتی۔'' غصے سے اس نے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔ ولید کو ایک دم یاد آیا جس دن کاشفہ کی کال آئی تھی۔

چہرے پر خفگی اور ناراضی کا تاثر تھا ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اوہ......سوسوری یار اس دن میں بہت بزی تھا کسی کی بھی کال اٹینڈ نہیں کر سکا تھا۔'' انا خاموش رہی تھی۔

''اوکے......وعدہ رہا اب کہیں بھی گیا کتنا بھی بزی رہا کسی اور کی کال اٹینڈ کروں یا نہ کروں تمہاری ضرور کروں گا اوکے اب خوش۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو انا نے سنجیدگی سے دیکھا۔

''آپ کو اندازہ نہیں میں کتنا ہرٹ ہوئی تھی۔'' انا کے الفاظ پر ولید ہنس دیا۔

''اندازہ ہے تو اس وقت تمہارے سامنے بیٹھا تم سے معافیاں مانگ رہا ہوں نا۔''

''تو مت مانگیں میں نے کہا تو نہیں نا۔''

''چلو آج کا سارا دن تمہارے نام۔'' ولید نے مسکرا کر کہا کر انا کے چہرے کی سنجیدگی میں ذرا فرق پڑا۔

''دن تو گزر چکا ہے شام ہو رہی ہے اب رات ہونے والی ہے۔'' انا نے کہا تو ولید ہنس دیا۔

''آج بڑی ہنسی آ رہی ہے بات بے بات، خیر ہے نا۔'' انا نے مشکوک نظروں سے گھورا ابھی ولید کا موبائل بجنے لگا۔

ولید نے پاکٹ سے موبائل نکال کر دیکھا کاشفہ کی کال تھی اس کے چہرے کے زاویے بدلے تھے۔

''کس کی کال ہے؟'' انا نے پوچھا۔

''کسی کی نہیں۔'' اس نے کال کاٹ دی تھی انا مشکوک نظروں سے موبائل اور اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری دوست کی شادی کہاں تک پہنچی؟'' ولید نے اس کی مشکوک نظروں کو صاف نظر انداز کیا۔

''آپ کے دوست کی بھی شادی ہے آپ کو بھی علم ہوگا کہ کہاں تک پہنچی ہوگی۔'' ولید کے ٹالنے پر اس کا موڈ ایک دم پھر بدلا۔

''بہت بزی رہا ہوں اتنے دن کسی سے بھی رابطہ نہیں رہا۔''

''کاشفہ میڈم سے بھی نہیں رہا گیا؟'' انا نے سنجیدگی سے پوچھا تو ولید چونکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا اس کا موبائل پھر بجنے لگا۔

''سن لیں کال۔ ہوسکتا ہے یہ کال میرے ساتھ ٹائم ویسٹ کرنے سے زیادہ امپورٹنٹ ہو۔'' تلخی و طنز سے کہہ کر وہ اٹھ کر جانے لگی تھی جب ولید نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

دوسرے ہاتھ سے کال کاٹتے موبائل آف کر کے جیب میں ڈالا تھا۔

''آج ٹمپریچر بہت زیادہ ہائی نہیں ہو رہا ہے میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو اپنے لیے بھی کوئی میڈیسن تجویز کرلو۔'' اسے دوبارہ اپنے مقابل بٹھاتے ہوئے ولید نے کہا تو وہ خاموش رہی۔

ولید نے اس کا ہاتھ سامنے کیا تیسری انگلی میں جگمگاتی انگوٹھی ساری توجہ کھینچ گئی تھی۔ وہ انگوٹھی دیکھ رہا تھا جب اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''بعض اوقات اپنی تجویز کردہ میڈیسنز خود پر اپلائی کریں تو فائدہ مند نہیں ہوتیں۔'' ولید کے ہاتھ پکڑنے سے اسے لگا کہ جیسے ابھی ساری ناراضی ختم ہو جائے گی مگر وہ ابھی ختم کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔

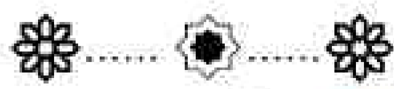
وہ ولید کے لیے اپنے آپ کو مزید کمزور کرنے کو تیار نہ تھی۔ تبھی مغرب کی اذان ہونے لگی تو دونوں خاموش ہو گئے۔

''میں نماز پڑھ لوں۔'' اذان ختم ہوئی تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''نماز پڑھ کر ریڈی ہو جانا آج میرے پاس تمہارے لیے بہت سارا ٹائم ہوگا۔ کہیں باہر چلیں گے اگر موڈ ہوا تو ڈنر بھی کرلیں گے کیا خیال ہے؟'' ولید نے کہا تو اس نے چند پل ولید کو دیکھا۔

''ماما سے پرمیشن لے لیں روشی بھی جائے گی ساتھ؟''

''تم روشی کو بھی لے جانا چاہو تو تمہاری مرضی ہے ورنہ ہم دونوں تو ہوں گے اور پھپھو سے میں بات کرلوں گا بس تم ریڈی رہنا۔'' ولید بھی کہہ کر چلا گیا تھا انا نے اسے چند پل جاتے ہوئے دیکھا تھا کچھ سوچتی رہی اور پھر اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔



وہ مغرب کی نماز ادا کر کے پلٹی تو اس کا موبائل بج رہا تھا۔ انجان نمبر تھا اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔
''ہیلو۔''
''السلام علیکم مس رابعہ بول رہی ہیں؟''
''وعلیکم السلام، آپ کون؟''
''عباس بول رہا ہوں آپ کے آفس سے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا تھا رابعہ ایک پل کو پرسکون ہوئی تھی۔
''جی سر خیریت؟''
''آپ کافی چھٹیاں کر چکی ہیں بہت حرج ہو رہا ہے ہمارا۔ آفس کب سے آ رہی ہیں آپ؟'' بڑا تحکمانہ انداز تھا۔
''مگر سر! میں کہہ چکی ہوں میں نہیں آ سکتی۔''
''میں نے بابا سے بات کی تھی وہ آپ کے جاب چھوڑنے کے حق میں نہیں ہیں دوسرا آپ جو ایگریمنٹ کر چکی ہیں اس کے مطابق بھی ابھی جاب چھوڑنا آپ کے لیے ناممکن ہے۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا تو رابعہ گم صم ہو گئی تھی۔
''لیکن سر! آپ کی بیگم؟''
''رابعہ وہ عورت اب کچھ نہیں کر سکتی اس چیز کی میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں۔''
''اور اگر ایسا کچھ ہوا تو......؟''
''تو پھر آپ کے ہر نقصان کا ذمہ دار میں ہوں گا میں ہر طرح کا تعاون کروں گا۔ مس رابعہ میں نے اپنے ایمپلائی کو کبھی اتنی اہمیت نہیں دی مگر آپ کو دے رہا ہوں تو اس لیے کہ آپ کو پہنچنے والی اذیت میری ذات تھی وہ عورت ابھی بھی میری ذات سے منسلک ہے اور میں آپ سے ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ آپ دوبارہ جاب پر آنے پر راضی ہوں تو۔'' عباس کے الفاظ پر رابعہ بے حد شرمندہ ہو گئی تھی۔
''نہیں سر اب ایسی بھی بات نہیں میں کل سے دوبارہ جوائن کر لوں گی۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔
''دیٹس آ گڈ گرل...... آئی لائک اٹ......تو پھر میں کل آپ کی آمد کا منتظر رہوں گا......ٹھیک......!''
''جی سر......!''
''اوکے پھر اللہ حافظ۔'' عباس نے کال ڈراپ کی' کال بند ہونے پر رابعہ نے موبائل ایک طرف رکھا۔
وہ کمرے سے نکلی تو ابوبکر اوپر سے آتا دکھائی دیا اسے دیکھ کر رک گیا۔ چند دن سے دونوں کا سامنا نہیں ہو رہا تھا ابوبکر صبح کا نکلا رات گئے واپس لوٹتا تھا بعض اوقات کھانا بھی باہر سے کھا کر آتا تھا۔
''السلام علیکم!'' ابوبکر نے پہل کی۔
''وعلیکم السلام۔'' رابعہ نے بھی مسکرا کر کہا۔
''کیسی ہیں آپ؟'' ابوبکر نے پوچھا۔
''میں ٹھیک ہوں۔''
''مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی اگر آپ کے پاس کچھ وقت ہے تو ہم بات کر لیتے ہیں۔'' ابوبکر نے سنجیدگی سے کہا تو وہ چونکی۔
''جی کہیے۔'' وہ صحن میں رکھی پلاسٹک کی کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ ابوبکر اس کے سامنے کرسی پر آ بیٹھا۔
''آپ کی اس پرابلم کا کیا بنا اپنے باس سے بات کی آپ نے؟'' ابوبکر نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔
''جی، سر نے اطمینان دلایا ہے کہہ رہے تھے اپنی بیگم کو وہ خود ہینڈل کر لیں گے۔''
''چلیں یہ تو بہت اچھا ہوا یقیناً وہ اپنے ایمپلائی کو بہتر انوائرمنٹ دے سکتے ہیں۔'' رابعہ مسکرا دی تھی۔
''شاید آپ کو بھی علم ہو کہ آپ کی فیملی کی طرف سے آپ کا پروپوزل میرے لیے دیا گیا ہے۔'' ابوبکر اصل بات کی طرف آیا تھا رابعہ سر

جھکا گئی اس کے وہم وگمان میں نہ تھا کہ ابوبکر یہ سوال بھی کرسکتا ہے۔
''جی۔''
''دیکھیں میری آپ کے ماموں سے بھی بات ہوئی ہے میں ان کو اپنے ماضی سے متعلق بتانا چاہتا تھا مگر انہوں نے منع کردیا یہ کہہ کر کہ انہیں میرے ماضی سے زیادہ حال سے لگاؤ ہے۔ یہ ان کا بڑا پن ہے مگر آپ کے سامنے میں اپنی ذات کو ڈکلیئر کرنا چاہتا ہوں۔'' ابوبکر نے مزید کہا تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
''مطلب؟''
''آپ کو میں نے بتایا تھا ناکہ میرے اپنی فیملی سے کچھ ایشوز چل رہے ہیں جس کی وجہ سے میں اپنی فیملی سے علیحدہ رہ رہا ہوں۔''
''جی، مگر یہ سب باتیں تو آپ ماموں یا امی سے کریں دیکھیں میری فیملی آپ کے متعلق یا کسی کے بھی متعلق کوئی فیصلہ کرتی ہے تو وہ شخص میرے لیے بہت معتبر ہوگا کیونکہ وہ میری فیملی کا فیصلہ ہوگا اگر ماموں نے آپ کو ماضی کو جاننا نہیں چاہا تو مجھے بھی کوئی انٹرسٹ نہیں میں بھی انسان کے ماضی سے زیادہ اس کے حال کو دیکھتی ہوں۔''
''یعنی آپ میں سے کوئی بھی یہ جاننے کا متمنی نہیں ہے کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں کہاں سے تعلق رکھتا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔'' رابعہ مسکرا کر کھڑی ہوگئی۔
''کہا نا یہ سب جاننا بڑوں کا کام ہے آپ اگر کچھ بتانا ہی چاہ رہے ہیں تو ان سے ذکر کریں۔'' مسکرا کر کہتی رابعہ کو ابوبکر نے چند پل بغور دیکھا۔
''کوئی اور کام ہے تو میں حاضر ہوں۔'' رابعہ نے کہا تو ابوبکر نے نفی میں سر ہلا دیا تھا وہ وہاں سے کچن میں چلی گئی تھی ابوبکر کچھ دیر تک کرسی پر بیٹھا رہا تھا یہاں تک کہ باہر سے فیضان صاحب اور تسبیح ختم کرکے ثریا دونوں اس کے پاس آ بیٹھے تھے وہ اپنے ذہن میں موجود تمام سوچوں کو جھٹکتے ان سے بات چیت میں مصروف ہوگیا۔



وہ چاروں پارک میں آئے تھے احسن اور روشی باتیں کرتے آگے چلے گئے تھے۔ وہ دونوں خاموشی سے چہل قدمی کررہے تھے۔
''تم نے کاشفہ سے کیا کہا تھا؟'' چلتے چلتے ولید نے رک کر پوچھا تو انا چونک کر رک گئی تھی۔
''کب؟''
''جس دن میں آؤٹ آف سٹی گیا تھا اس دن۔'' ولید نے اسے بغور دیکھا۔ ولید نے کہا تو وہ سوچنے لگی اور پھر ایک دم یاد آیا تھا۔
''اوہ...... آپ کو کس نے کہا کہ میں نے اسے کچھ کہا ہے؟''
''اس کی کال آئی تھی۔''
''یہ کچھ زیادہ ہی بے تکلف نہیں ہوگئی آپ سے...... میں نے تو اسے کچھ خاص نہیں کہا تھا وہ اس دن بک شاپ پر ملی تھی، سرسری سی سلام دعا ہوئی تھی۔ آپ سے متعلقہ طنزیہ لہجہ میں پوچھا تھا کہ آپ میرے ساتھ کیوں ہر وقت ساتھ ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔''
''تم نے اسے ہماری انگیجمنٹ کا بتایا تھا؟'' ولید نے بغور دیکھا تو وہ تلخ ہوگئی۔
''اس کا طنزیہ انداز مجھے اچھا نہیں لگا تھا میں نے جسٹ آپ کے اور اپنے ریلیشن کو واضح کرنا چاہا تھا کیا میں نے غلط کیا؟'' ایک دم سنجیدگی سے ولید کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا تھا ولید مسکرا دیا۔
''میں نے کب کہا کہ تم نے غلط کیا؟''
''تو پھر اس انویسٹی گیشن کا مطلب؟'' وہ چڑ گئی۔
''میں بس اصل صورت حال جاننا چاہ رہا تھا۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔
''ایک بات تو بتائیں؟'' اس نے کہا تو ولید نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''کاشفہ میڈم چاہتی کیا ہیں؟''

''یہ تو تم اس سے ہی پوچھ لیتی۔'' ہنس کر چڑایا تھا وہ واقعی چڑ گئی تھی۔

''جس طرح کی چھچھوری حرکتیں ہیں اس سے تو واضح پتا چل رہا ہے کہ محترمہ کے ارادے کیا ہیں مگر آپ بتا دیں تو مہربانی ہوگی۔'' ولید کھل کر ہنسا۔

''جیلسی کی بو آ رہی ہے؟''

''میں اور جیلس ہوں گی اس فیشن کی پڑیا سے مائی فٹ۔'' وہ حقیقتاً برا مان گئی۔

''مجھے وہ لڑکی انتہائی بری لگتی ہے خوب صورتی اور دولت کے علاوہ اس کا کوئی بھی پلس پوائنٹ نہیں کہ جس کو بنیاد بنا کر میں اس سے جیلس ہوں گی۔'' اس نے نخوت سے کہا۔

''ویسے بائے دا وے آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ اس کو اتنی امپورٹنس کیوں دے رہے ہیں وہ کہیں سے بھی تو آپ کے اسٹینڈرڈ کی نہیں لگتی۔'' ولید کے مسکرانے پر وہ اور چڑ گئی تھی طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''خیر میں تو اسے اتنی امپورٹنس نہیں دے رہا تھا تمہارے رویے سے لگ رہا ہے کہ تم نے خوامخواہ ہی اسے سر پر سوار کر لیا ہے۔'' ولید کے الفاظ پر اس نے اسے گھورا۔

''میں نے اسے اعصاب پر سوار نہیں کیا مگر جس طرح آپ نے سوال کیا تھا تو مجھے برا لگا۔''

''ہاں یہ میری غلطی ہے میں نے پوچھ لیا، چلو سوری کرتا ہوں پلیز تم اپنا موڈ خراب مت کرو۔'' ولید کی بات پر وہ خاموش رہی تھی وہ پھر سے چلنا شروع ہو گئی تھی۔ ولید بھی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا رہا تھا۔

''کچھ کھاؤ گی۔'' ولید نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''ناراض ہو؟'' اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر بول کیوں نہیں رہی؟''

''کوئی فائدہ ہی نہیں۔''

''کیوں؟''

انا نے خفا نظروں سے دیکھا تو ولید نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور انا خاموشی سے سر جھکا گئی۔ ہر بار کی طرح وہ اس بار بھی ولید کے سامنے خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی وہ ہزار چاہنے کے باوجود بھی ولید سے ناراض نہیں ہو پائی تھی۔

''دیکھو انا بعض اوقات ہمیں جو نظر آ رہا ہوتا ہے وہ ایسا نہیں ہوتا کاشفہ جسٹ ایک فرینڈ ہے تم اپنے دل و دماغ کو مت الجھاؤ...... اوکے۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو انا نے الجھ کر دیکھا۔

یہی بات تو اسے الجھاتی تھی کہ اگر کاشفہ جسٹ فرینڈ تھی تو بھی ولید سے اتنی اہمیت کیوں دے رہا تھا۔

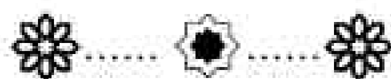
''تم بتاؤ تمہاری دوست کیسی ہے؟'' ولید نے ٹاپک چینج کیا تو غیر محسوس انداز میں اس نے ولید کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکال کر دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔

''ٹھیک ہے وہ۔'' سنجیدگی سے کہا۔

''کالج آ رہی ہے؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آئس کریم کھاؤ گی؟'' ولید نے پوچھا تو اس نے انکار نہیں کیا۔

''چلو آؤ پھر؟'' انا نے ولید کے ساتھ قدم بڑھا دیے۔



وہ آج اپنے آفس آئی تھی سبھی ورکرز اسے دیکھ کر حال احوال دریافت کر رہے تھے سبھی کا خیال تھا کہ اس دن آفس میں طبیعت خراب

ہونے کی وجہ سے وہ چھٹیوں پر تھی ہادیہ کو بھی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ دس بجے کے قریب عباس اپنے روم کی طرف جاتے اسے کیبن میں دیکھ کر چونکا تھا۔

''السلام علیکم۔ سرپرائزنگ یعنی میری بات اثر کر گئی۔ کیسی ہیں آپ؟'' رابعہ مسکرادی۔

''اوکے ٹیک یور سیٹ۔'' عباس کہہ کر آگے چلا گیا تھا رابعہ واپس سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد شاہزیب صاحب نے بھی بلوایا تھا انہوں نے حال احوال دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ عادلہ کے حوالے سے بات کی تھی اور اسے بے خوف ہو کر آفس آنے کا کہا تھا اور یہ بھی یقین دلایا تھا کہ اول تو عادلہ ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرے گی اگر کی بھی تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچنے دیں گے وہ ان کی باتوں سے کافی پر اعتماد ہوئی تھی اور پھر اپنی سیٹ پر واپس آئی تو عباس صاحب نے کمرے میں طلب کر لیا تھا۔

''ویلکم بیک۔'' وہ ان کے کمرے میں آئی تو انہوں نے مسکرا کر کہتے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''تھینکس۔'' وہ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

''بابا نے بلایا تھا؟'' رابعہ نے سر ہلا دیا۔

''کیا کہہ رہے تھے؟''

''اطمینان دلا رہے تھے کہ بے فکر ہو کر کام کروں عادلہ کچھ نہیں کرے گی وغیرہ وغیرہ۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو پھر کچھ اثر ہوا؟'' عباس کا موڈ آج بہت فریش تھا مسکرا کر پوچھا تو وہ بھی مسکرادی۔

''جی۔''

''نائس۔'' عباس نے کرسی کی پشت سے کمر ٹکا دی۔

''ایک بہت ذاتی سا سوال ہے؟'' عباس نے کہا تو اس نے سوالیہ دیکھا۔

''آر یو انگیجڈ؟'' اس کے چہرے پر ایک دم سرخی پیدا ہوئی تھی۔

''فی الحال تو نہیں۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''یعنی امکان ہے؟'' عباس نے مسکرا کر کہا تو وہ پزل سی ہو گئی تھی۔ ایک مرد کی زبان سے اس حوالے سے گفتگو اس کو پہلی بار ایسا اتفاق ہوا تھا وہ خاموش رہی۔

''آپ کی فیملی کافی اچھی لگی ہے مجھے آپ کے ماموں بہت ہی نائس انسان ہیں اور وہ ابوبکر بھی کافی ذہین انسان لگے ہیں۔'' وہ خاموش رہی۔

''کافی پئیں گی۔'' عباس نے پوچھا تو وہ چونکی۔

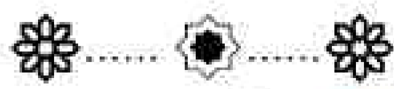
''سوری سر میں کافی نہیں پیتی۔'' اس نے انکار کیا۔

''چائے تو پیتی ہوں گی۔'' وہ سر ہلا گئی تو عباس نے انٹر کام پر دو کپ چائے بھجوانے کا آرڈر کیا۔

''میں ذاتی طور پر اس سارے مسئلے پر بہت اپ سیٹ ہوا ہوں۔ یقین جانیے میرے لیے اس کمپنی کی ہر خاتون اسی طرح قابل عزت ہے جس طرح میرے لیے گھر کی خواتین ہیں۔'' عباس نے کہنا شروع کیا تو وہ خاموشی سے سنے گئی۔

''شروع میں آپ کے ساتھ مجھے کچھ کلیش رہا تھا آپ مکمل طور پر بابا کی مرضی سے یہاں اپائنٹ ہوئی تھیں اور بابا کی وجہ سے میں آپ کو اتنے ماہ سے برداشت کر رہا تھا مگر اس پرابلم پر آ کر مجھے رئیل میں آپ کو بہت اچھی طرح جاننے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے۔'' عباس کے الفاظ پر وہ حیرت سے اسے دیکھے گئی۔

''میں آپ سے پرسنلی اپنے پرانے رویوں کے لیے معذرت کرنا چاہ رہا تھا۔'' عباس نے مسکرا کر اسے دیکھا تو اس کی حیرت آمیز نگاہوں کو دیکھ کر مسکرا دیا۔



وہ مغرب کی نماز ادا کر کے پلٹی تو اس کا موبائل بج رہا تھا۔ انجان نمبر تھا اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔
''ہیلو۔''
''السلام علیکم مس رابعہ بول رہی ہیں؟''
''وعلیکم السلام، آپ کون؟''
''عباس بول رہا ہوں آپ کے آفس سے۔'' دوسری طرف سے کہا گیا تھا رابعہ ایک پل کو پرسکون ہوئی تھی۔
''جی سر خیریت؟''
''آپ کافی چھٹیاں کر چکی ہیں بہت حرج ہو رہا ہے ہمارا۔ آفس کب سے آ رہی ہیں آپ؟'' بڑا تحکمانہ انداز تھا۔
''مگر سر! میں کہہ چکی ہوں میں نہیں آ سکتی۔''
''میں نے بابا سے بات کی تھی وہ آپ کے جاب چھوڑنے کے حق میں نہیں ہیں دوسرا آپ جو ایگریمنٹ کر چکی ہیں اس کے مطابق بھی ابھی جاب چھوڑنا آپ کے لیے ناممکن ہے۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا تو رابعہ گم صم ہو گئی تھی۔
''لیکن سر! آپ کی بیگم؟''
''رابعہ وہ عورت اب کچھ نہیں کر سکتی اس چیز کی میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں۔''
''اور اگر ایسا کچھ ہوا تو......؟''
''تو پھر آپ کے ہر نقصان کا ذمہ دار میں ہوں گا میں ہر طرح کا تعاون کروں گا۔ مس رابعہ میں نے اپنے ایمپلائی کو کبھی اتنی اہمیت نہیں دی مگر آپ کو دے رہا ہوں تو اس لیے کہ آپ کو پہنچنے والی اذیت میری ذات تھی وہ عورت ابھی بھی میری ذات سے منسلک ہے اور میں آپ سے ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ آپ دوبارہ جاب پر آنے پر راضی ہوں تو۔'' عباس کے الفاظ پر رابعہ بے حد شرمندہ ہو گئی تھی۔
''نہیں سر اب ایسی بھی بات نہیں میں کل سے دوبارہ جوائن کر لوں گی۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔
''دیٹس آ گڈ گرل...... آئی لائک اٹ...... تو پھر میں کل آپ کی آمد کا منتظر رہوں گا...... ٹھیک......!''
''جی سر......!''
''اوکے پھر اللہ حافظ۔'' عباس نے کال ڈراپ کی، کال بند ہونے پر رابعہ نے موبائل ایک طرف رکھا۔
وہ کمرے سے نکلی تو ابوبکر اوپر سے آتا دکھائی دیا اسے دیکھ کر رک گیا۔ چند دن سے دونوں کا سامنا نہیں ہو رہا تھا ابوبکر صبح کا نکلا رات گئے واپس لوٹتا تھا بعض اوقات کھانا بھی باہر سے کھا کر آتا تھا۔
''السلام علیکم!'' ابوبکر نے پہل کی۔
''وعلیکم السلام۔'' رابعہ نے بھی مسکرا کر کہا۔
''کیسی ہیں آپ؟'' ابوبکر نے پوچھا۔
''میں ٹھیک ہوں۔''
''مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی اگر آپ کے پاس کچھ وقت ہے تو ہم بات کر لیتے ہیں۔'' ابوبکر نے سنجیدگی سے کہا تو وہ چونکی۔
''جی کہیے۔'' وہ صحن میں رکھی پلاسٹک کی کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ ابوبکر اس کے سامنے کرسی پر آ بیٹھا۔
''آپ کی اس پرابلم کا کیا بنا اپنے باس سے بات کی آپ نے؟'' ابوبکر نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔
''جی، سر نے اطمینان دلایا ہے کہہ رہے تھے اپنی بیگم کو وہ خود ہینڈل کر لیں گے۔''
''چلیں یہ تو بہت اچھا ہوا یقیناً وہ اپنے ایمپلائی کو بہتر انوائرمنٹ دے سکتے ہیں۔'' رابعہ مسکرا دی تھی۔
''شاید آپ کو بھی علم ہو کہ آپ کی فیملی کی طرف سے آپ کا پروپوزل میرے لیے دیا گیا ہے۔'' ابوبکر اصل بات کی طرف آیا تھا رابعہ سر

جھکا گئی اس کے وہم وگمان میں نہ تھا کہ ابوبکر یہ سوال بھی کر سکتا ہے۔
''جی۔''
''دیکھیں میری آپ کے ماموں سے بھی بات ہوئی ہے میں ان کو اپنے ماضی سے متعلق بتانا چاہتا تھا مگر انہوں نے منع کر دیا یہ کہہ کر کہ انہیں میرے ماضی سے زیادہ حال سے لگاؤ ہے۔ یہ ان کا بڑا پن ہے مگر آپ کے سامنے میں اپنی ذات کو ڈکلیئر کرنا چاہتا ہوں۔'' ابوبکر نے مزید کہا تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
''مطلب؟''
''آپ کو میں نے بتایا تھا نا کہ میرے اپنی فیملی سے کچھ ایشوز چل رہے ہیں جس کی وجہ سے میں اپنی فیملی سے علیحدہ رہ رہا ہوں۔''
''جی، مگر یہ سب باتیں تو آپ ماموں یا امی سے کریں دیکھیں میری فیملی آپ کے متعلق یا کسی کے بھی متعلق کوئی فیصلہ کرتی ہے تو وہ شخص میرے لیے بہت معتبر ہوگا کیونکہ وہ میری فیملی کا فیصلہ ہوگا اگر ماموں نے آپ کو ماضی کو جاننا نہیں چاہا تو مجھے بھی کوئی انٹرسٹ نہیں میں بھی انسان کے ماضی سے زیادہ اس کے حال کو دیکھتی ہوں۔''
''یعنی آپ میں سے کوئی بھی یہ جاننے کا متمنی نہیں ہے کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں کہاں سے تعلق رکھتا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔'' رابعہ مسکرا کر کھڑی ہوگئی۔
''کہا نا یہ سب جاننا بڑوں کا کام ہے آپ اگر کچھ بتانا ہی چاہ رہے ہیں تو ان سے ذکر کریں۔'' مسکرا کر کہتی رابعہ کو ابوبکر نے چند پل بغور دیکھا۔
''کوئی اور کام ہے تو میں حاضر ہوں۔'' رابعہ نے کہا تو ابوبکر نے نفی میں سر ہلا دیا تھا وہ وہاں سے کچن میں چلی گئی تھی ابوبکر کچھ دیر تک کرسی پر بیٹھا رہا تھا یہاں تک کہ باہر سے فیضان صاحب اور تسبیح ختم کرکے ثریا دونوں اس کے پاس آ بیٹھے تھے وہ اپنے ذہن میں موجود تمام سوچوں کو جھٹکتے ان سے بات چیت میں مصروف ہوگیا۔



وہ چاروں پارک میں آئے تھے احسن اور روشی باتیں کرتے آگے چلے گئے تھے۔ وہ دونوں خاموشی سے چہل قدمی کر رہے تھے۔
''تم نے کاشفہ سے کیا کہا تھا؟'' چلتے چلتے ولید نے رک کر پوچھا تو انا چونک کر رکی تھی۔
''کب؟''
''جس دن میں آؤٹ آف سٹی گیا تھا اس دن۔'' ولید نے اسے بغور دیکھا۔ ولید نے کہا تو وہ سوچنے لگی اور پھر ایک دم یاد آیا تھا۔
''اوہ...... آپ کو کس نے کہا کہ میں نے اسے کچھ کہا ہے؟''
''اس کی کال آئی تھی۔''
''یہ کچھ زیادہ ہی بے تکلف نہیں ہوگئی آپ سے...... میں نے تو اسے کچھ خاص نہیں کہا تھا وہ اس دن بک شاپ پر ملی تھی، سرسری سی سلام دعا ہوئی تھی۔ آپ سے متعلقہ طنزیہ لہجہ میں پوچھا تھا کہ آپ میرے ساتھ کیوں ہر وقت ساتھ ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔''
''تم نے اسے ہماری انگیجمنٹ کا بتایا تھا؟'' ولید نے بغور دیکھا تو وہ تلخ ہوگئی۔
''اس کا طنزیہ انداز مجھے اچھا نہیں لگا تھا میں نے جسٹ آپ کے اور اپنے ریلیشن کو واضح کرنا چاہا تھا کیا میں نے غلط کیا؟'' ایک دم سنجیدگی سے ولید کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا تھا ولید مسکرا دیا۔
''میں نے کب کہا کہ تم نے غلط کیا؟''
''تو پھر اس انویسٹی گیشن کا مطلب؟'' وہ چڑ گئی۔
''میں بس اصل صورت حال جاننا چاہ رہا تھا۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔
''ایک بات تو بتائیں؟'' اس نے کہا تو ولید نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''کاشفہ میڈم چاہتی کیا ہیں؟''

''یہ تو تم اس سے ہی پوچھ لیتی۔'' ہنس کر چڑایا تھا وہ واقعی چڑ گئی تھی۔

''جس طرح کی چھچھوری حرکتیں ہیں اس سے تو واضح پتا چل رہا ہے کہ محترمہ کے ارادے کیا ہیں مگر آپ بتا دیں تو مہربانی ہوگی۔'' ولید کھل کر ہنسا۔

''جیلسی کی بو آ رہی ہے؟''

''میں اور جیلس ہوں گی اس فیشن کی پڑیا سے مائی فٹ۔'' وہ حقیقتاً برا مان گئی۔

''مجھے وہ لڑکی انتہائی بری لگتی ہے خوب صورتی اور دولت کے علاوہ اس کا کوئی بھی پلس پوائنٹ نہیں کہ جس کو بنیاد بنا کر میں اس سے جیلس ہوں گی۔'' اس نے نخوت سے کہا۔

''ویسے بائے دا وے آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ اس کو اتنی امپورٹنس کیوں دے رہے ہیں وہ کہیں سے بھی تو آپ کے اسٹینڈرڈ کی نہیں لگتی۔'' ولید کے مسکرانے پر وہ اور چڑ گئی تھی طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''خیر میں تو اسے اتنی امپورٹنس نہیں دے رہا تھا تمہارے رویے سے لگ رہا ہے کہ تم نے خوامخواہ ہی اسے سر پر سوار کر لیا ہے۔'' ولید کے الفاظ پر اس نے اسے گھورا۔

''میں نے اسے اعصاب پر سوار نہیں کیا مگر جس طرح آپ نے سوال کیا تھا تو مجھے برا لگا۔''

''ہاں یہ میری غلطی ہے میں نے پوچھ لیا، چلو سوری کرتا ہوں پلیز تم اپنا موڈ خراب مت کرو۔'' ولید کی بات پر وہ خاموش رہی تھی وہ پھر سے چلنا شروع ہو گئی تھی۔ ولید بھی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا رہا تھا۔

''کچھ کھاؤ گی۔'' ولید نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔

''ناراض ہو؟'' اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

''تو پھر بول کیوں نہیں رہی؟''

''کوئی فائدہ ہی نہیں۔''

''کیوں؟''

انا نے خفا نظروں سے دیکھا تو ولید نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور انا خاموشی سے سر جھکا گئی۔ ہر بار کی طرح وہ اس بار بھی ولید کے سامنے خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی وہ ہزار چاہنے کے باوجود بھی ولید سے ناراض نہیں ہو پائی تھی۔

''دیکھو انا بعض اوقات ہمیں جو نظر آ رہا ہوتا ہے وہ ایسا نہیں ہوتا کاشفہ جسٹ ایک فرینڈ ہے تم اپنے دل و دماغ کو مت الجھاؤ...... او کے۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو انا نے الجھ کر دیکھا۔

یہی بات تو اسے الجھاتی تھی کہ اگر کاشفہ جسٹ فرینڈ تھی تو بھی ولید سے اتنی اہمیت کیوں دے رہا تھا۔

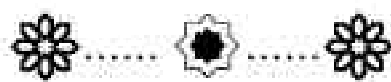
''تم بتاؤ تمہاری دوست کیسی ہے؟'' ولید نے ٹاپک چینج کیا تو غیر محسوس انداز میں اس نے ولید کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکال کر دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔

''ٹھیک ہے وہ۔'' سنجیدگی سے کہا۔

''کالج آ رہی ہے؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آئس کریم کھاؤ گی؟'' ولید نے پوچھا تو اس نے انکار نہیں کیا۔

''چلو آؤ پھر؟'' انا نے ولید کے ساتھ قدم بڑھا دیے۔



وہ آج اپنے آفس آئی تھی سبھی ورکرز اسے دیکھ کر حال احوال دریافت کر رہے تھے سبھی کا خیال تھا کہ اس دن آفس میں طبیعت خراب

ہونے کی وجہ سے وہ چھٹیوں پر تھی ہادیہ کو بھی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔دس بجے کے قریب عباس اپنے روم کی طرف جاتے اسے کیبن میں دیکھ کر چونکا تھا۔

''السلام علیکم۔سرپرائزنگ یعنی میری بات اثر کر گئی۔کیسی ہیں آپ؟''رابعہ مسکرا دی۔

''اوکے ٹیک یور سیٹ۔''عباس کہہ کر آگے چلا گیا تھا رابعہ واپس سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد شاہزیب صاحب نے بھی بلوایا تھا انہوں نے حال احوال دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ عادلہ کے حوالے سے بات کی تھی اور اسے بے خوف ہو کر آفس آنے کا کہا تھا اور یہ بھی یقین دلایا تھا کہ اول تو عادلہ ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرے گی اگر کی بھی تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچنے دیں گے وہ ان کی باتوں سے کافی پر اعتماد ہوئی تھی اور پھر اپنی سیٹ پر واپس آئی تو عباس صاحب نے کمرے میں طلب کر لیا تھا۔

''ویلکم بیک۔''وہ ان کے کمرے میں آئی تو انہوں نے مسکرا کر کہتے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''تھینکس۔''وہ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

''بابا نے بلایا تھا؟''رابعہ نے سر ہلا دیا۔

''کیا کہہ رہے تھے؟''

''اطمینان دلا رہے تھے کہ بے فکر ہو کر کام کروں عادلہ کچھ نہیں کرے گی وغیرہ وغیرہ۔''اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو پھر کچھ اثر ہوا؟''عباس کا موڈ آج بہت فریش تھا مسکرا کر پوچھا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''جی۔''

''نائس۔''عباس نے کرسی کی پشت سے کمر ٹکا دی۔

''ایک بہت ذاتی سا سوال ہے؟''عباس نے کہا تو اس نے سوالیہ دیکھا۔

''آر یو انگیجڈ؟''اس کے چہرے پر ایک دم سرخی پیدا ہوئی تھی۔

''فی الحال تو نہیں۔''اس نے آہستگی سے کہا۔

''یعنی امکان ہے؟''عباس نے مسکرا کر کہا تو وہ پزل سی ہو گئی تھی۔ایک مرد کی زبان سے اس حوالے سے گفتگو اس کو پہلی بار ایسا اتفاق ہوا تھا وہ خاموش رہی۔

''آپ کی فیملی کافی اچھی لگی ہے مجھے آپ کے ماموں بہت ہی نائس انسان ہیں اور وہ ابوبکر بھی کافی ذہین انسان لگے ہیں۔''وہ خاموش رہی۔

''کافی پئیں گی۔''عباس نے پوچھا تو وہ چونکی۔

''سوری سر میں کافی نہیں پیتی۔''اس نے انکار کیا۔

''چائے تو پیتی ہوں گی۔''وہ سر ہلا گئی تو عباس نے انٹر کام پر دو کپ چائے بھجوانے کا آرڈر کیا۔

''میں ذاتی طور پر اس سارے مسئلے پر بہت اپ سیٹ ہوا ہوں۔یقین جانیے میرے لیے اس کمپنی کی ہر خاتون اسی طرح قابل عزت ہے جس طرح میرے لیے گھر کی خواتین ہیں۔''عباس نے کہنا شروع کیا تو وہ خاموشی سے سنے گئی۔

''شروع میں آپ کے ساتھ مجھے کچھ کلیش رہا تھا آپ مکمل طور پر بابا کی مرضی سے یہاں اپائنٹ ہوئی تھیں اور بابا کی وجہ سے میں آپ کو اتنے ماہ سے برداشت کر رہا تھا مگر اس پرابلم پر آ کر مجھے رئیل میں آپ کو بہت اچھی طرح جاننے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے۔''عباس کے الفاظ پر وہ حیرت سے اسے دیکھے گئی۔

''میں آپ سے پرسنلی اپنے پرانے رویوں کے لیے معذرت کرنا چاہ رہا تھا۔''عباس نے مسکرا کر اسے دیکھا تو اس کی حیرت آمیز نگاہوں کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

''میرا خیال ہے آپ بھی میرے بارے میں شروع میں ایسے ہی جذبات رکھتی تھیں میں فیس ریڈنگ میں ایکسپرٹ نہیں ہوں مگر آپ کے چہرے کے تاثرات اتنے واضح ہوتے تھے کہ کوئی بھی عام ذہانت والا انسان ان کو با آسانی پڑھ سکتا تھا۔'' وہ ایک دم شرمندہ ہوگئی۔

''ایم سوری سر۔''

''ارے سوری ووری نہیں جب شروع میں ہم ایک دوسرے کو جانتے نہیں تھے تو مختلف غلط فہمیوں کا شکار تھے اب دل سے وہ تمام گلے شکوے ختم کرتے ہیں۔'' عباس نے مسکراتے ہوئے کہا تبھی آفس بوائے چائے کی ٹرے لے آیا تھا۔

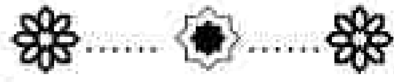
عباس نے اسے ٹرے رکھ کر جانے کا اشارہ کیا اور خود ہی ٹرے اپنے سامنے کرتے چائے بنا کر اسے دیکھا۔

''چینی کتنی لیں گی؟''

''ایک چمچ۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ وہ ابھی تک سر عباس کے ان رویوں پر حیران تھی۔

''ویسے آپ فرسٹ خاتون ہیں جنہیں میں اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر پلا رہا ہوں۔'' وہ ہنس دی تھی عباس صاحب کا بے تکلف انداز اس کے اندر بے اختیار بہت سارا اعتماد بڑھا گیا۔

عباس کا یہ انداز یہ گفتگو اور بے تکلفی رابعہ کے لیے کافی حیران کن چیز تھی۔ وہ مسکرا کر چائے پیتی رہی اور سر عباس کی گفتگو سنتی رہی۔



بڑی تیز رفتاری سے شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے کارڈز بانٹ دیے گئے تھے حویلی میں بابا صاحب نے پھپھو زہرہ کو بلوا لیا تھا۔ پھپھو زہرہ اور ان کی ساری فیملی حویلی میں آچکی تھی اور روز شہر فون کر کے یہاں کے حالات اور تیاریوں کی تفصیل دریافت کی جا رہی تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق شہوار کو حویلی چلے جانا تھا۔ گھر میں ہر وقت تیاریوں کا سلسلہ برقرار تھا۔

شہوار آج شادی سے پہلے لاسٹ ڈے کالج گئی تھی۔ اس نے پچھلی بار کی طرح اس بار بھی کسی سے شادی کا ذکر نہیں کیا تھا ہاں کارڈ صرف انا کو دیا تھا۔ صبا اور مصطفیٰ خود ولید کے ہاں جا کر کارڈ دے کر آئے تھے۔

سبھی کچھ نارمل روٹین میں چل رہا تھا مگر ایک شہوار تھی جس کے اندر ہر گزرتے دن کے ساتھ عجیب سی سراسیمگی اور وحشت بھرتی جا رہی تھی۔ وہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ اور سہہ رہی تھی وہ کالج سے لوٹی ہی کمرے میں گھس گئی۔

کل اسے حویلی کے لیے روانہ ہو جانا تھا نجانے اس کے ساتھ یہاں سے کون کون جا رہا تھا وہ چینج کر کے کمرے سے باہر نکلی تو وہاں لاؤنج میں ہر طرف کپڑوں کا مینا بازار سجا ہوا تھا ایک طرف زیور، کاسمیٹک کی چیزیں، جوتے اور بھی نجانے کیا کچھ کام والی خواتین کے ساتھ عائشہ اور صبا مل کر پیکنگ کروا رہی تھیں۔

''دیکھو یہ سب کچھ کیسا اچھا لگ رہا ہے۔'' ہر چیز ایک سے بڑھ کر ایک اور لاجواب تھی۔ شہوار خاموشی سے دیکھ رہی تھی جب لائبہ بھابی اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

''ادھر آؤ یہ دیکھو یہ زیور آج ہی جیولر دے کر گیا ہے پہن کر دکھاؤ کیسا لگ رہا ہے۔'' ماں جی نے بھی اسے دیکھ کر کہا۔

انہوں نے قریب بیٹھنے کا کہا تو وہ خاموشی سے ان کے پاس ٹک گئی تھی۔

''صبا ذرا یہ پہنا کر تو دیکھو۔'' ماں جی نے ڈبے میں سے زیور نکال کر صبا کو تھمائے تو وہ اٹھ کر شہوار کے پاس آ رکی تھی شہوار خاموشی سے بیٹھی رہی۔

صبا نے اس کے گلے ہاتھوں، کانوں سب میں ایک ایک کر کے تمام زیور سجایا اور پھر ماتھے پر بندیا اور جھومر۔

''ماشاءاللہ...... ہماری دلہن تو بغیر کسی مزید سولہ سنگھار کر کے ایسے ہی سج گئی ہے۔'' عائشہ نے بھی شرارت سے کہا تو شہوار ان کے ریمارکس پر کنفیوژ ہونے لگی تھی۔

''لو یہ دوپٹا بھی ڈالو پتا تو لگے کیسا لگتا ہے۔'' لائبہ بھابی نے بھی برائیڈل جوڑے کا دوپٹا اٹھا کر عائشہ کو تھمایا تھا۔

صبا اور عائشہ نے فوراً اس کے سر پر دوپٹہ ڈال دیا تھا اس قدر بھاری زیور اور دوپٹے کے بوجھ سے شہوار کی گردن جھکنے لگی۔

''ٹھہرو میں کچھ تصویریں لے لوں۔'' شہوار نے کنفیوژ ہوتے دوپٹہ ہٹانا چاہا تو عائشہ نے ٹوک دیا۔

دوسرے صوفے پر بیٹھی دریہ یہ ساری صورت حال دیکھ کر اندر ہی اندر جل بھن گئی۔ اسے مہرالنساء، صبا' عائشہ اور لائبہ کا یہ پیار وہ بھی دو ٹکے کی لاوارث لڑکی کے لیے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

''دلہا کی کمی ہے اسے بھی لا کر پہلو میں بیٹھا لیں۔'' اپنی طرف سے دریہ نے بہت طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

''ہاں تو مصطفیٰ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا ہے اپنے کمرے میں ہے اسے بھی بلا لیتے ہیں۔'' لائبہ کو اس کا طنزیہ انداز بہت چبھا تھا غصے سے کہا تو دریہ نے ناک چڑھا کر چہرے کا رخ بدل لیا۔

''ہاں مصطفیٰ سے یاد آیا بلواؤ تو سہی اسے پتا تو چلے کہ اس کی اپنی تیاری کہاں تک پہنچی ہے جب بھی دیکھو آفس میں ہی بزی ہے۔ آج کل تو رات کے اوقات میں بھی گھر پر نہیں آتا آج نجانے کیسے گھر کا رخ کر لیا ہے۔ بلاؤ تو سہی پوچھوں تو ذرا آخر اپنی خریداری کب کرنی ہے اسے۔'' ماں جی نے فوراً صبا کو کہا تھا۔

''میں ابھی بلاتی ہوں۔'' وہ تو خود موقع کی تلاش میں تھی فوراً باہر بھاگ گئی تھی۔ شہوار مصطفیٰ کا نام سن کر سر سے دوپٹا اتار کر باقی لوازمات بھی اتارنے لگی تھی۔

''رکو تو سہی، کچھ تصویریں تو لینے دو۔'' لائبہ نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مجھے الجھن ہو رہی ہے اس سب سے۔'' اسے مصطفیٰ کی آمد کا خوف تھا۔ تلخی سے کہا تھا لائبہ ہنس دی۔

''ہاں تو اچھی بات ہے نا ابھی سے پریکٹس کرو، شادی والے دن تک ان سب چیزوں کی عادی ہو جاؤ گی۔'' اس کے سر پر دوبارہ دوپٹہ درست کرتے اس نے باقی زیور بھی درست کیا تھا۔ شہوار نے اس کے جواب پر لب بھینچ لیے تھے۔ وہ انگلیاں چٹخانے لگی وہ لائبہ کی پلاننگ سب سمجھ رہی تھی۔

''آپ نے بلایا ماں جی۔'' مصطفیٰ صبا کے ساتھ ہی چلا آیا تھا سادہ لباس میں ملبوس گویا نیند سے اٹھ کر لایا گیا تھا تین چار دن سے مسلسل رات دن گھر سے غائب تھا اور آج دکھائی دے رہا تھا۔

مصطفیٰ جیسے ہی ماں جی کے پاس آ کر رکا تھا ان کے ساتھ بیٹھی شہوار کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

پہلی نظر بے اختیاری کی تھی اور وہ گویا جم سا گیا تھا۔

پھر صبا، عائشہ اور لائبہ کی دبی دبی ہنسی پر ان کو گھور کر ماں جی سے گویا ہوا تھا۔

''ہاں کیا بنا تمہاری اپنی شاپنگ کا یہاں سبھی فارغ ہو چکے ہیں اور دلہا صاحب ابھی تک بے فکر پھر رہے ہیں۔'' ماں جی نے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

''ہاں بس ایک دو دن میں لے لیتا ہوں آپ کے سامنے ہی تو ہے کتنے بزی دن گزر رہے ہیں۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا تھا شہوار نے آہستگی سے دوپٹا اتار کر پیچھے ہٹاتے اپنے سر پر سوٹ کے ہمرنگ دوپٹہ درست کیا تھا۔ اس نے بغیر کسی کی طرف دیکھے سر سے جھومر اور بندیا وغیرہ بھی اتار لی تھی بیٹھے بیٹھے ہی اس نے ہاتھ اور بازوؤں کو بھی آزاد کیا تھا اب صرف گلے میں موجود زیور باقی تھے۔ وہ سب سمجھ رہی تھی کہ لائبہ وغیرہ نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔

''ارے تم نے تو سب کچھ اتار دیا ہے ابھی رہنے دیتی اتنی پیاری تو لگ رہی تھی۔'' عائشہ نے شرارت سے کہا تو اس نے اسے خفگی سے گھورا۔ سارا زیور اٹھا کر اس نے ماں جی کی جھولی میں ڈال دیا۔

''پسند آیا سب، اچھا بنا ہے نا؟'' ماں جی نے محبت سے پوچھا تو اس نے محض سر ہلا دیا تھا۔

''چلو شکر ہے ویسے تو ہر چیز مکمل ہے پھر بھی لڑکیوں کوئی کمی رہ گئی ہے تو ابھی سے دیکھ لو، بعد میں نہ کہتی پھرنا کہ فلاں چیز نہیں ہے فلاں چیز نہیں ہے۔'' ماں جی نے عائشہ اور صبا کو دیکھا تھا یہ ساری شاپنگ انہی لوگوں نے کی تھی۔

''آپ لوگوں نے یہ کیا پھیلاوہ پھیلا رکھا ہے؟'' اردگرد دیکھتے مصطفیٰ نے پوچھا۔

''شادی والے گھروں میں یہ سب پھیلاوہ ہی بکھرا ہوتا ہے تم نے کون سا پاکستان کی شادیاں اٹینڈ کی ہیں۔'' عائشہ نے ہنس کر کہا۔

''مگر میں نے پاکستان میں اپنے گھر کی ساری شادیاں تو اٹینڈ کی ہیں۔ وہ بھی صرف عین وقت پر آتے تھے۔ کتنا خجل خوار ہونا پڑتا ہے مردوں کو کیا پتا اتنے دن سے لگے ہوئے ہیں مگر ابھی بھی لگ رہا ہے کہ نجانے کیا کچھ رہ گیا ہے۔'' ماں جی نے بھی بولیں۔

شہوار نے یونہی بیٹھے بیٹھے گلے میں موجود زیور اتار کر بھی ماں جی کی گود میں رکھ دیا تھا۔

وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی تھی دوپہر میں کھانا تازہ بنتا تھا فریج میں ہر چیز موجود تھی اس نے اوون میں کھانا گرم کیا وہ تمام چیزیں ٹیبل پر رکھ کر پانی بھی لے کر بیٹھی تو دریہ بھی کچن میں چلی آئی۔

''ایک بات تو بتاؤ۔'' شہوار نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جب تم اس شادی پر خوش نہیں ہو تو پھر یہ شادی ہی کیوں کر رہی ہو؟'' شہوار کے حلق میں لقمہ پھنسنے لگا۔

وہ دریہ سے بڑے لیے دیے انداز میں رہتی تھی صرف اس لیے کہ وہ اس کو براہ راست مخاطب نہ کرے مگر آج وہ اس سے براہ راست مخاطب تھی ورنہ اب تک ان ڈائریکٹ ہی حملے کرتی رہتی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں اس شادی سے ناخوش ہوں۔'' اس نے تیکھے چتونوں سے دریہ کو دیکھا۔

''تمہارے ہر انداز سے لگ رہا ہے کہ تم ناخوش ہو۔''

''مثلاً......'' شہوار نے سرد نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جو خوش ہوتے ہیں ان کے چہروں پر ہر وقت بارہ نہیں بجے رہتے۔'' دریہ نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔

''تم نے ساری عمر باہر کے ملک میں گزاری ہے تمہیں کیا پتا یہاں پاکستان میں لڑکیاں اپنی شادی پر کس طرح رہتی ہیں۔'' اس نے بھی سرد انداز میں کہا۔

''مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے نہ تمہارا کوئی خاندان نہ باپ کا علم نہ کوئی معاشی معیار اس کے باوجود اس گھر میں باعزت زندگی گزار رہی ہو، کیا جادو کیا ہے تم نے ان پر کہ یہ تمہارے خلاف کچھ سننے پر آمادہ ہی نہیں۔'' دریہ کا سوال ایسا تھا کہ اسے لگا وہ اندر تک ادھڑتی گئی ہے۔ اس نے اذیت سے لب بھینچ لیے۔

''میں جو بھی ہوں اپنی ذات سے اچھی طرح باخبر ہوں اخلاقی لحاظ سے کسی گراوٹ کا شکار نہیں ہوں اور نہ ہی اپنے مطلب کے لیے کسی کی ذات کو کھلونا بنا رہی ہوں یہ سب محبت سے مجھے اپنا رہے ہیں تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔'' اس نے دوبدو دریہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''تم مجھ پر طنز کر رہی ہو؟'' وہ ایک دم غصے سے بولی۔

''نہیں...... میں تمہیں آئینہ دکھا رہی ہوں، میرے ساتھ اعلیٰ حسب ونسب کا کوئی ٹیگ نہیں لگا مگر تمہارے ساتھ تو لگا ہوا ہے نا تو پھر تم کیوں اخلاقی پستی کا شکار ہو رہی ہو اعلیٰ خاندان اور حسب ونسب سے ہو پھر کیوں دوسروں کی ذات کے بخیے ادھیڑنے پر لگی ہوئی ہو۔'' اس نے دوٹوک انداز میں دریہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

''شٹ اپ......'' وہ ایک دم ٹمپرامنٹ لوز کرتی چیخی تھی شہوار استہزائیہ ہنسی تھی۔

''تم اتنے دن سے ہر وقت مجھ پر طنز کر رہی تھیں آتے جاتے استہزائیہ فقرے میں نے تو کبھی بھی تمہیں شٹ اپ نہیں کہا انسان جب کسی کی ذات پر اٹیک کرتا ہے تو پھر اسے جوابی کارروائی کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔''

''تم ہو کیا، میں چاہوں تو تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکلوا دوں تمہیں اتنا غرور کس چیز کا ہے۔'' وہ اونچی آواز میں چیخنے کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اول تو مجھے کسی بھی چیز پر کوئی غرور نہیں، رہ گئی دھکے دے کر نکالنے کی بات تو وہ بھی کر کے دیکھ لو پتا چل جائے گا کہ یہاں سے کون نکلے گا میں یا تم؟'' وہ یہ سب برداشت کرتے کرتے اب تھک گئی تھی اس کے چیخنے انداز پر وہ بھی ایک دم غصے سے بولی۔

''اوہ یو......تم مجھے نکلواؤں گی......میں تمہیں......؟'' وہ غصے سے آگے بڑھی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' ایک دم مصطفیٰ دریہ اور شہوار کے رستے میں آیا تھا۔ دریہ جو بہت غصے سے شہوار کی طرف لپکی تھی اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔ شہوار نے بہت برہم نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

''تم دونوں کس بات پر الجھ رہی ہو، کیا بات ہو رہی تھی؟'' اس نے سنا تو کچھ بھی نہ تھا بس کچن کی طرف آتے دریہ کو تیزی سے شہوار کی طرف لپکتے دیکھ کر فوراً سامنے آیا تھا۔

سوالیہ اور استہزائیہ نگاہوں سے شہوار کو دیکھا تو شہوار نے ضبط سے لب بھینچ لیے۔

دریہ کے انداز و تیوروں سے آگاہ تو وہ بھی تھا مگر شہوار کے تیور دیکھ کر بھی الجھ گیا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس نے دریہ کو چھوڑ کر شہوار سے پوچھا۔

''مجھے تو کچھ نہیں ہوا ہے اس کے پیٹ میں ہر وقت مروڑ اٹھتی رہتی ہے اسی سے پوچھیں؟'' بہت غصہ سے کہہ کر وہ ٹیبل پر رکھے برتن سمیٹنے لگی تھی مصطفیٰ نے ناسمجھی سے دونوں کو دیکھا۔

''کوئی اصل بات تو بتائے؟'' شہوار دونوں کو نظر انداز کرتے برتن اٹھا کر سنک اور فریج میں رکھتے باہر نکل آئی تھی مصطفیٰ بھی پیچھے آیا تھا۔

''شہوار ہوا کیا ہے؟'' وہ فوراً اس کے رستے میں آ کھڑا ہوا تھا۔

شہوار جو دریہ کے سامنے بڑے ضبط سے کھڑی تھی اب مصطفیٰ کو دیکھ کر ضبط کھو گئی تھی آنکھوں میں بے اختیار نمی سی آ ٹھہری تھی۔

''میں کچھ کہوں تو سب کو لگتا ہے کہ میں احساس کمتری کا شکار ہوں میں جو بھی کہوں اعتراض کے ہزار پہلو نکلتے ہیں اور جب دوسرے لوگ وہی حقیقت بیان کرتے ہیں تو پھر آپ لوگ نظر انداز کرتے ہیں۔ ہر کوئی جس طرح مرضی میری ذات پر کیچڑ اچھالتا پھرے آپ لوگوں کا کیا جاتا ہے اپنی نظروں سے تو میں دن بدن گرتی جا رہی ہوں آپ لوگوں کا گراف تو لوگوں کی نظروں میں دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ایک بے سہارا لاوارث لڑکی کو سہارا دے کر اب اتنا اونچا مقام دے رہے ہیں ہر طرف واہ واہ تو ہو رہی ہے آپ لوگوں کی۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑی تھی۔

مصطفیٰ نے بغور اسے دیکھا تھا وہ دونوں اس وقت راہداری میں کھڑے تھے کوئی بھی ادھر آ سکتا تھا۔ مصطفیٰ نے آہستگی سے اس کا بازو تھاما تھا۔

''ادھر آئیں، ادھر چل کر بات کرتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے آگے بڑھنا چاہا تھا شہوار نے سختی سے اس کی گرفت سے اپنا بازو نکال لیا۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی میں نے خود دیکھا تھا دریہ آپ کے کمرے میں کھڑی آپ کے سامنے میرے خلاف بول رہی تھی اور آپ خاموش تھے۔ وہ کئی بار آپ کے سامنے میرے خلاف زہر اگل چکی ہے آپ تب بھی خاموش رہے میں نے کبھی بھی نہیں چاہا تھا کہ میں اس سے الجھوں مگر مجھے اس رویے پر آپ نے مجبور کیا ہے میں اب تک خاموش رہی ہوں سب حالات دیکھتی رہی ہوں مگر اب نہیں دیکھوں گی عادلہ بھابی کے بعد یہ دریہ میں اب کسی کی حقارت آمیز باتوں پر خاموش نہیں رہوں گی۔'' بہت زیادہ غصے سے کہہ کر وہ وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

مصطفیٰ نہایت حیرانی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ شہوار کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ان آنسوؤں نے اس پر بڑے عجیب انداز سے اثر کیا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ...... سمیرا شریف طور

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

ولید اور انا کی منگنی کا سن کر کاشفہ شدید اشتعال کا مظاہرہ کرتی نہایت جارحانہ انداز میں ولید سے استفسار کرتی ہے جس پر ولید بھی حامی بھر لیتا ہے کہ وہ انا کو پسند کرتا ہے اور کاشفہ کی حیثیت صرف ایک دوست کی تھی۔ ولید کے منہ سے یہ حقیقت جان کر کاشفہ اپنی ذات کی توہین برداشت نہ کرتے ہر صورت ولید کو حاصل کرنے کے درپے ہو جاتی ہے جبکہ ولید کاشفہ کے اصل ارادوں کو جان کر صدمے سے دوچار ہوتا ہے۔ رابعہ کو عادلہ کی دھمکیوں اور بدترین نتائج سے بچانے کی خاطر عباس عادلہ کو زبردستی ایک کمرے میں بند کر دیتا ہے اور رابعہ سے تمام معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن عادلہ صاف انکار کرتے ہوئے عباس کو بھی دھمکیاں دیتی ہے جس پر عباس کا ہاتھ اس پر اٹھ جاتا ہے۔ وہ عادلہ کو تاریک کمرے میں بند کر کے رابعہ کو ہر طرح کے تحفظ کا یقین دلاتا ہے لیکن رابعہ استعفیٰ دینے کی بات کرتے آئندہ آفس نہ آنے کا کہتی ہے جس پر عباس اسے چھ ماہ سے پہلے جاب نہ چھوڑنے کا ایگریمنٹ یاد دلاتا ہے اور گزشتہ تمام رویوں کی معافی مانگتا ہے جس پر رابعہ آفس آنے کی حامی بھر لیتی ہے۔ ابوبکر رابعہ کے پروپوزل کو لے کر حیرت کا شکار ہوتا ہے وہ ان لوگوں کو اپنے ماضی اور زندگی کے اصل حقائق سے آگاہ کرنا چاہتا ہے لیکن وہ سب اس کے عمدہ اخلاق کے قائل ہوتے ان باتوں سے عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ شہوار، مصطفیٰ اور دیگر گھر والوں کے ہمراہ شاپنگ پر جاتی ہے اور کافی دیر بعد انہیں شادی کے ڈریسز پسند آتے ہیں گھر آ کر وہ زبردستی شہوار کو ڈریسز اور زیور ٹرائی کرنے کا کہتے ہیں جس پر شہوار خاموشی کا مظاہرہ کرتے ان کی بات مان لیتی ہے درّیہ کے لیے یہ سب برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے موقع ملتے ہی وہ شہوار کی ذات کو تحقیر کا نشانہ بناتی ہے جواباً شہوار بھی دوبدو جواب دیتی درّیہ کو حیران کر دیتی ہے جب ہی وہ کڑے تیور لیے شہوار کی جانب لپکتی ہے لیکن عین وقت پر مصطفیٰ وہاں پہنچ کر درّیہ کے ارادے کو ناکام بنا دیتا ہے مصطفیٰ کو دیکھ کر شہوار کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور وہ اپنا تمام غصہ مصطفیٰ پر نکالتے کمرے میں آ جاتی ہے جبکہ مصطفیٰ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

مصطفیٰ سیدھا درّیہ کے پاس اوپر ٹیرس پر چلا آیا تھا۔

”کیا کہا ہے تم نے شہوار سے؟“ مصطفیٰ نے آتے ہی پوچھا تو درّیہ چونک کر پلٹی۔

”کیا کہہ سکتی ہوں میں اس سے۔“ انداز استہزائیہ تھا۔

”دیکھو درّیہ میں اب تک تمہارے رویوں پر خاموش رہا تھا تو صرف اس لیے کہ تم ہماری تایازاد ہو، ایک عرصے بعد میں تم سے مل رہا تھا مگر اس کا یہ مطلب قطعی نہیں کہ میں اب ہر جائز و ناجائز خاموشی سے برداشت کروں گا۔“ مصطفیٰ کا انداز قطعی تھا۔

”مجھے اندازہ ہے تم نے شہوار سے کیا کہا ہو گا مگر ایک بات میں بہت اچھی طرح واضح کر دوں میں ذرا اور ٹائپ کا بندہ ہوں زندگی کا ایک طویل حصہ امریکیوں کے ساتھ گزارا ہے اگر مجھے بے باکی اور بے حجابی اٹریکٹ کرتی تو میں کبھی سنگل پاکستان نہ آتا اور تمہارے دل و دماغ میں کوئی غلط فہمی ہے تو وہ نکال باہر کرو، تمہارے یہ انداز میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اب تک خاموش تھا تو صرف تمہاری عزت کی خاطر کہ تم انسلٹ فیل نہ کرو۔“ مصطفیٰ کا سرد تلخ انداز تھا درّیہ یکدم چیخ گئی۔

”مصطفیٰ تم میری توہین کر رہے ہو۔“

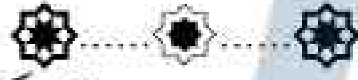
”نہیں میں حقیقت بیان کر رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ شہوار میری بیوی ہے اور اس کی عزت میری عزت ہے۔ جو کوئی اسے کچھ کہے گا میں اس سے پھر کوئی مروت نہیں رکھوں گا میں حسن اور دولت سے زیادہ اخلاق اور کردار کو ترجیح دیتا ہوں اور اپنے مائنڈ میں اچھی طرح فٹ کر لو کہ آئندہ تم شہوار سے کچھ نہیں کہو گی، سنا تم نے.......!“ مصطفیٰ نے بہت غصے سے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

”شہوار...... مائی فٹ...... تم اس دو ٹکے کی لڑکی کا مجھ سے مقابلہ مت کرو، میں ایک ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی ہوں اور وہ خود کیا ہے جس کا ایک ماں کے علاوہ کوئی نام و نشان ہی نہیں۔“ درّیہ استہزائیہ انداز اور طنز سے کہہ رہی تھی۔

”شٹ اپ۔“ مصطفیٰ نے یک دم اسے ٹوکا۔

”تمہارے انہی الفاظ اور ایٹی ٹیوڈ نے اسے یقیناً ہرٹ کیا ہے دیکھو درّیہ تم میری کزن ہو اگلی بار تم نے شہوار کے ساتھ کوئی مس بی ہیو کیا تو میں لحاظ نہیں کروں گا۔ رہ گئی شہوار اس کی ذات کا حوالہ میں ہوں۔ مجھے وہ ہر لحاظ سے قبول ہے۔ مجھے فرق نہیں پڑتا کہ اس کا خاندان کون تھا اور وہ کہاں سے تھی۔ وہ میری فیملی کی چوائس اور میری پسند ہے۔“ بہت سخت انداز میں مصطفیٰ نے اسے گھورا تو درّیہ لب بھینچ گئی۔

"تم جس کام کے لیے پاکستان آئی ہو آرام وسکون سے وہ کام کرو، نہ کہ دوسروں کی ذات کے بخیے ادھیڑو تم میری تایازاد اور ہماری مہمان نہ ہوتیں تو میں اچھی طرح سمجھاتا کہ دوسروں کی ذات پر کیچڑ اچھالنا کسے کہتے ہیں۔ شہوار میری بیوی ہے یہ بات تم کبھی مت بھولنا۔" تلخی سے کہتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ دریہ مٹھیاں بھینچے بڑے ضبط سے اسے وہاں سے جاتا دیکھتی رہی تھی۔



عبدالقیوم ایاز کے پاس آئے تھے ایاز اس جبری قید سے مکمل طور پر اکتا چکا تھا باپ کو دیکھتے ہی وہ کنٹرول سے باہر ہو گیا۔

"او ڈیڈ مجھے کیوں آپ نے یہاں قید کر دیا ہے۔ میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس ساری روٹین سے موبائل فون کوئی بھی چیز نہیں میرے پاس۔ مجھے آخر کب تک اس طرح ایک جگہ قید ہو کر رہنا پڑے گا۔" عبدالقیوم نے بیٹے کو گھورا۔

"یہ سب تمہارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ تم ہر بار ایک ہی تقاضا کر کے میری مشکلات میں مزید اضافہ کر دیتے ہو، ایک طرف عادلہ کی گمشدگی نے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں ختم کر دی ہیں اور اوپر سے تمہاری یہ ضد۔"

"کیا ابھی تک عادلہ کا علم نہیں ہوا؟" بہن کا سن کر ایاز قدرے دھیما ہوا۔ عبدالقیوم نفی میں سر ہلاتے صوفے پر بیٹھ گئے۔ بڑا تھکا تھکا سا انداز تھا۔

"نہیں...... سمجھ نہیں آتا اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ میں نے ہر جگہ اسے تلاش کر کے دیکھ لیا مگر کوئی سراغ نہیں مل رہا۔"

"تو پھر کہیں کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا اس کے ساتھ۔" ایاز نے پوچھا۔

"اتنے دن ہو چکے ہیں اگر ایسا ہوتا تو کوئی اطلاع تو ملتی، کوئی خیر خبر، میں نے تو اس شہر کے ہر اسپتال، ہر تھانے ہر جگہ تلاش کروا دیکھا ہے سوائے مصطفیٰ کے آفس کے۔"

"آپ نے ایف آئی آر درج کرائی؟" عبدالقیوم نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں...... میں اگر ایف آئی آر درج کراتا تو بات بہت پھیل جاتی تھی اور مصطفیٰ کے گھر تک بھی یہ بات پہنچتے تو نجانے وہ لوگ کیا کریں، میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں جو بھی ہے عادلہ اب بھی ان کی بہو ہے اور میں ان کے مزید ری ایکشن کو افورڈ نہیں کر سکتا۔" پریشانی سے کہا تھا۔

"مگر میں اس طرح کب تک قید رہ سکتا ہوں، موبائل فون تک نہیں ہے کسی دوست سے کوئی رابطہ نہیں، مجھے لگتا ہے کہ میں کسی جیل میں بند ہوں۔" اس کا انداز اکتایا ہوا تھا۔

"تم شہوار پر حملہ کرنے سے پہلے سوچتے تو یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔ مصطفیٰ کے ساتھی ہر وقت ہماری تلاش میں ہیں تمہیں اندازہ نہیں کہ میں کس طرح تمہارے پاس آتا ہوں تمہاری ماں کو بھی کہہ رکھا ہے کہ تمہیں ملک سے باہر بھجوا دیا ہے مگر دن رات مصطفیٰ کا گھیرا بہت سخت ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں بہت دن تک تمہیں یہاں بھی چھپا کر رکھ سکوں گا۔" ایاز ایک دم خاموش ہو گیا۔

"مصطفیٰ پچھلی تمام فائلز کھلوا چکا ہے اور بھی بہت سے کیسز اوپن ہو رہے ہیں میں بس اسی کوشش میں ہوں کہ کسی نہ کسی طرح تمام اثاثے بیرون ملک منتقل کر دوں۔ جو تھوڑا بہت رہ گیا وہ بعد میں دیکھیں گے فی الحال تو جان بچانا مقصد ہے۔"

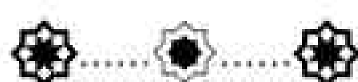
"اوہ نو...... کیا واقعی صورتحال بہت زیادہ گمبھیر ہو چکی ہے۔"

"ہاں، ہو سکتا ہے اب میں ایک ماہ تک یہاں نہ آ سکوں۔ یہ بظاہر ہر لحاظ سے محفوظ جگہ ہے مگر پھر بھی اگر میں نہ آ سکوں اور کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو تم تیار رہنا کہیں اور منتقل کرا دوں گا پھر۔" ایاز نے سر ہلا دیا تھا۔

وہ ایک بار مصطفیٰ کی مار کھا چکا تھا دل میں لاکھ انتقام کا جذبہ تھا مگر فی الحال وہ اپنی پوزیشن مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ اپنی جان بچانا چاہتا تھا اور اس کے بعد ہی وہ کسی اور طرف دیکھنے کی ہمت کر سکتا تھا۔

"او کے میں چلتا ہوں کوئی حماقت مت کرنا، میں حالات دیکھ کر ہی کوئی حتمی قدم اٹھاؤں گا۔ بس دعا کرنا تمہاری بہن مل جائے یا کوئی خیر خبر ہی آ جائے پھر ہی میں باقی معاملات کو آسانی سے دیکھ سکتا ہوں ورنہ بہت پرابلم ہو جائے گی۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے ایاز نے خاموشی سے سر ہلایا۔

انہوں نے وہاں سے نکلنے سے پہلے اپنا حلیہ بدلا اس وقت وہ ایک عام گھریلو ملازم کے حلیے میں تھے گھر سے نکلتے ہی عبدالقیوم آدھی رات کی گہری تاریکی میں گم ہو گئے تھے۔



اگلے دن وہ حویلی کے لیے روانہ ہو گئی تھی سجاد بھائی چھوڑنے آئے تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ان سب نے محض شادی سے دو دن پہلے گاؤں پہنچنا تھا اور پھر وہیں سے دلہن کو رخصت کروا کر واپس شہر والے گھر میں لانا تھا اور ولیمہ دن میں میرج ہال میں تھا۔

زہرہ پھپھو وہاں پہلے سے ہی فیملی سمیت موجود تھیں۔ زاہد بھائی، زبیر بھائی، شائستہ بھابی، رمشا بھابی کے علاوہ عاصمہ بھی موجود تھے۔ البتہ پھپھو زینب کی فیملی کا ارادہ (کچھ لوگوں کا) شہر روانہ ہونے کا تھا اور کچھ کا یہاں گاؤں آنے کا حسن انکل اور ان کی فیملی کا بھی عین وقت پر آنے کا پروگرام تھا۔

جسمانی تھکن کے ساتھ ساتھ ذہنی تھکن زیادہ ہوتی ہے وہ سارا راستہ خود سے لڑتی الجھتی رہی تھی اور گاؤں آنے کے بعد وہ سب سے مل کر کمرے میں چلی آئی۔ وہ کچھ دیر کے لیے لیٹی تو یونہی لیٹے لیٹے آنکھ لگ گئی تھی کہ موبائل کی ٹون سے نیند ٹوٹ گئی۔ اس نے لیٹے لیٹے ہی موبائل دیکھا اور پھر نام دیکھ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ اسے دریہ کی وجہ سے مصطفیٰ کے ساتھ اپنا رویہ یاد آنے لگا تو دل میں ندامت کا بوجھ بڑھنے لگا۔ وہ مصطفیٰ کے ساتھ کبھی بھی بدتمیزی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر نجانے کیوں ہمیشہ ایک جیسی ہی غلطی کر جاتی تھی۔ اس کے بعد تو وہ مصطفیٰ کے سامنے بھی نہیں گئی تھی ویسے بھی آج کل اس سے سامنا کم ہی ہو رہا تھا صبح وہ آفس چلا گیا تھا اور دوپہر میں وہ لوگ نکلے آئے تھے اور اب اس کی کال آ گئی تھی۔

اس نے خاموشی سے کال پک کی تھی۔

"السلام علیکم۔" اس نے لیٹے لیٹے ہی کہا نیند کی وجہ سے آواز بوجھل سی ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام، خیریت طبیعت ٹھیک ہے۔" دوسری طرف مصطفیٰ آواز کی تبدیلی فوراً محسوس کر گیا تھا۔

"جی......" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر آواز سے لگ تو نہیں رہا۔" مصطفیٰ کی آواز میں تشویش تھی شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میں ٹھیک ہوں سوئی ہوئی تھی اس وجہ سے آواز بھاری ہو رہی ہے۔"

"اوکے......سفر کیسا گزرا؟"

"ٹھیک گزر گیا، سجاد بھائی سے رابطہ تو رکھا ہوا تھا آپ نے کیا انہوں نے نہیں بتایا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا دوسری طرف مصطفیٰ ہنس دیا۔

"بتایا تو تھا مگر جس طرح ایاز غائب ہے تو بس مجھے ہر وقت ہی خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں وہ کوئی کارروائی نہ کر ڈالے۔ بس سارا وقت دھیان ادھر ہی رہا تھا۔" مصطفیٰ نے مسکرا کر بتایا تو شہوار کے اندر ایک عجیب سا دکھ سرائیت کر گیا۔

مصطفیٰ کے اس قدر محتاط اور کیئرنگ انداز سے اس کے ہونٹ منجمد ہو گئے تھے وہ جو کوئی نہ کوئی اعتراض کا پہلو نکال کر اس سے الجھنے لگی تھی ایاز کی اس حرکت کے بعد وہ گم صم ہو گئی تھی۔

"اچھا خیر چھوڑیں یہ بتائیں باقی لوگ کیسے ہیں علم ہوا تھا زہرہ پھپھو و فیملی آ چکی ہیں۔" مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

"جی، سبھی موجود ہیں۔"

"سجاد بھائی بتا رہے تھے کہ خوب رونق لگا رکھی ہے سبھی نے۔"

"ہو سکتا ہے، میں آتے ہی کمرے میں آ کر سو گئی تھی کسی سے بھی ابھی تفصیلی بات چیت نہیں ہوئی۔" اس نے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

وہ لوگ حویلی عصر کے وقت پہنچے تھے وہ نماز پڑھ کر لیٹی تھی اور اب مغرب ہو رہی تھی۔

"اوکے مغرب کی اذان شروع ہو گئی ہے، پھر بات ہو گی۔" اس نے کہا۔

"تیرے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جاناں

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

مصطفیٰ کے انداز پر سٹپٹا کر اس نے خاموشی سے موبائل بند کر دیا۔

وہ ہمیشہ اس رشتے سے انکار کرتی آئی تھی اور اب یہ سب خاموشی سے سہنا بھی بڑا تکلیف دہ امر لگ رہا تھا۔

شہوار نماز پڑھ کر باہر آ گئی۔

"دلہن صاحبہ تو آتے ہی غائب ہو گئی تھیں میں نے ایک دو بار تمہارے کمرے میں آنا بھی چاہا مگر امی نے منع کر دیا کہ سفر کی وجہ سے تھکی ہوئی ہو گی آرام کرنے دو۔" وہ باہر آئی تو عاصمہ نے کہا تھا وہ مسکرا کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"اور سناؤ، وہاں شادی کی تیاریاں کیسی چل رہی ہیں؟"

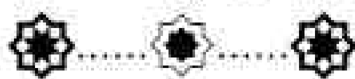
"یہ تو تم ان لوگوں سے ہی پوچھنا، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں تمہارے سامنے تیاریاں نہیں کرتے تھے یا تم سے کوئی پردہ تھا۔" رمشا بھابی بھی وہیں موجود تھیں انہوں نے شرارت سے پوچھا۔

"میں اپنی اسٹڈی میں زیادہ تر بزی رہی ہوں، شاپنگ وغیرہ پر بھی کبھی نہیں گئی صرف ایک دو بار کے علاوہ، سو مجھے اندازہ نہیں کہ کیا کیا تیاریاں کی ہوں

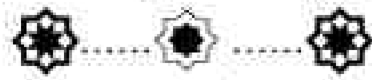
گی۔‘‘اس نے آرام سے کہا تو عاصمہ نے منہ بنایا۔
’’ہاں جس طرح تم آدم بے زار رہتی ہو تم سے کسی ایسے ہی ردعمل کی توقع کی جاسکتی ہے۔ تمہاری جگہ میں ہوتی تو ہر جگہ پیش پیش ہوتی۔‘‘
’’بس اپنا اپنا مزاج ہے، کیا کر سکتے ہیں۔‘‘ اس نے جواباً مسکرا کر کہا۔
’’امی کدھر ہیں؟‘‘ یہاں آنے کے بعد اس نے تابندہ بوا سے صرف سلام دعا کی تھی اب ان کی غیر موجودگی محسوس کی تو رمشا اور عاصمہ کو دیکھا۔
’’بوا جی امی اور بھائی کے ہمراہ نزدیکی بازار گئی ہیں۔ اب تو آنے والی ہیں کہہ تو رہی تھیں مغرب سے پہلے آجائیں گی۔‘‘ عاصمہ نے ہی جواب دیا۔
وہ اٹھ کر کچن میں آگئی یہاں ملازمائیں کھانا تیار کر رہی تھیں۔
’’کچھ چاہیے شہوار بی بی۔‘‘ تاج اسے کچن میں دیکھ کر فوراً قریب آئی۔ بالکل مالکوں کی طرح عزت دی جاتی تھی۔ شہوار کے اندر ایک پھانس سی چبھی تھی۔
’’نہیں پانی پینا تھا بس۔‘‘ اس نے دھیمے سے کہا۔
تاج نے فوراً گلاس میں پانی بھر کر اسے تھمایا اور وہ خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ کر پانی پینے لگی۔
’’حویلی میں تو بڑی رونق ہے آج کل شہوار بی بی اور عاصمہ بی بی ڈھولک لے کر بیٹھ جاتی ہیں گاؤں کی خواتین اور لڑکیاں بھی آجاتی ہیں۔ پھر خوب رونق لگتی ہے، ہم تو روزانہ آپ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اب آپ آگئی ہیں تو دیکھیے گا کیسا مزا آتا ہے۔‘‘ تاج اسے دیکھ کر بے تکلفی سے کہہ رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیا۔
ہر جگہ بس یہی ایک ٹاپک چل رہا تھا شادی کی تیاریاں، مصروفیات منصوبے، وہ خاموشی سے گلاس رکھ کر اٹھ گئی۔
’’ویسے شاہزیب صاحب اور باقی لوگ کب آئیں گے۔‘‘ تاج نے اس سے مزید پوچھا۔
’’پتا نہیں، اگر زیادہ جاننے کی جستجو ہے تو امی سے پوچھ لیں شاید ان کے علم میں باقی تفصیل ہو۔‘‘ سنجیدگی سے کہہ کر وہ کچن سے نکل آئی اور کمرے میں آکر اس نے موبائل لے کر کال ملائی تھی دوسری طرف انا تھی۔
’’کیسی ہو؟‘‘ سلام دعا کے بعد پوچھا۔
’’ٹھیک ہوں تم خیریت سے پہنچ گئیں؟‘‘ انا نے پوچھا۔
’’ہاں۔‘‘
’’تم کب تک آؤ گی؟‘‘
’’جب سب آئیں گے میرا مطلب ہے ولید وغیرہ کا جب پروگرام بنے گا۔‘‘
’’تم جانتی ہو کہ میں آج کل کس اذیت سے گزر رہی ہوں میں بہت تنہائی اور اکیلا پن محسوس کرنے لگی ہوں پلیز تم جلدی آجاؤ میں آ یہاں اگر اسی طرح اذیت کا شکار رہی تو شاید پاگل ہو جاؤں۔‘‘ شہوار نے بہت تکلیف سے کہا۔
’’کیا ہوا، خیریت؟‘‘ دوسری طرف انا پریشان ہوئی۔
’’پتا نہیں، جوں جوں دن گزر رہے ہیں میں بہت پریشان ہو رہی ہوں میں بہت کوشش کر رہی ہوں کہ کسی نہ کسی طرح نارمل ری ایکٹ کروں لیکن نہیں کر پا رہی۔‘‘ شہوار کے انداز میں بے بسی تھی۔
’’کسی نے کچھ کہا ہے؟‘‘
’’میں نے ہمیشہ مصطفیٰ کے سامنے اس رشتے سے بے زاری، اکتاہٹ کا اظہار کیا ہے اور اب اس کو اگر مان لیتی ہوں تو نجانے وہ کیا سوچے؟ میں بہت گلٹی فیل کر رہی ہوں اپنی بہت سی باتوں کے لیے۔‘‘
’’دیکھو شہوار ڈونٹ بی ایموشنل یار، تم یہ بھی تو سوچو کہ مصطفیٰ بھائی نے کبھی بھی تمہیں تمہارے رویے کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا وہ ایک میچورڈ شخص ہیں وہ تمہاری فیلنگز کو جسٹی فائی کرتے ہیں تم ان کے بارے میں اچھا اچھا سوچو باقی سب بھول جاؤ۔‘‘ انا نے رسانیت سے سمجھایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
’’یہی تو پرابلم ہے کہ میں کچھ بھی اچھا نہیں سوچ پا رہی۔ دنیا جہان کی منفی سوچوں نے میرے دل و دماغ میں ادھم مچا رکھا ہے اور میں کسی سے کچھ شیئر بھی نہیں کر سکتی پلیز جلدی سے آنے کی کوشش کرو میں بہت تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔‘‘ اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔
’’اوکے ڈونٹ وری میں ماما اور ولی سے بات کروں گی اگر ابھی آنا ممکن ہوا تو ضرور آؤں گی۔‘‘ انا نے فوراً حامی بھر لی۔
’’تھینکس، تم آنٹی سے آج ہی بات کر لینا میں ویٹ کروں گی، اگر آنے جانے کا پرابلم ہے تو اس بات کی تم فکر مت کرو میں کسی کو کہہ دوں گی تمہیں

گاؤں لے آئیں گے یا پھر میں گھر میں فون کر دوں گی کوئی نہ کوئی معقول ارینج ہو جائے گا۔'' شہوار نے فوراً کہا تو انا ہنس دی۔
اوکے میں ماما سے بات کر کے بتا دوں گی تم پریشان مت ہو۔'' انا نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو شہوار کے دل کو کچھ تسلی سی حاصل ہوئی۔
''تھینکس ڈیئر۔''
''میرے پاس ایک اور بھی سلوشن ہے کہو تو بتا دیتی ہوں۔'' انا نے مسکراتے ہوئے کہا اور شہوار چونکی۔
''کیسا سلوشن؟''
''جتنے دن شادی کے باقی ہیں ان میں تم دن رات مصطفیٰ بھائی سے بات کیا کرو، کچھ انہیں تمہارے اوہام وخدشات کا علم ہوگا اور کچھ تمہیں ان کی طرف سے ملنے والی محبت اور پیار سے اعتماد حاصل ہوگا۔ پھر تمہیں میری ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔'' انا کا انداز شرارتی تھا وہ جھینپ گئی۔
''بکومت، تم جانتی ہو کہ اگر ہمارے درمیان یہ سب ایشوز نہ ہوتے تو بھی میں ان سے بات کبھی بھی نہ کرتی۔''
''توبہ......وہ تمہارے شوہر ہیں مضائقہ کیا ہے؟''
''ابھی صرف نکاح ہوا ہے مجھ پر ان کے حقوق وفرائض کی ابھی کوئی شق واجب العمل نہیں ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''بس اسی پوائنٹ پر آ کر تم مار کھا جاتی ہو۔ ابھی تم ان سے متعلق اپنے رویوں پر نادم ہو رہی تھی اور ابھی ایک دم سخت پتھریلا بے لچک انداز اپنا لیا ہے۔ اٹ از ناٹ فیئر یار، نکاح ہوا ہے یار خصتی بہر حال حقیقت تو یہ ہے کہ وہ تمہارے قانونی اور شرعی شوہر ہیں اور رہ گئی حقوق وفرائض کی بات تو تم ان کی پابند ہو۔'' انا نے حقیقت بیان کی تھی وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
''پتا نہیں، بس میں کوشش تو کر رہی ہوں تا کہ پرانے رویوں کو بھول کر نئے انداز اپناؤں کچھ وقت تو لگے گا نا اب ایک دم بدلنے سے تو رہی۔''
''دل کو مت بدلو، بس دل میں ان سے متعلق اچھے اچھے جذبات پیدا کر لو اور شادی کے اچھے خواب دیکھو۔'' انا نے ہنس کر کہا تو وہ جھینپ گئی۔
''ایک بات تو بتاؤ؟'' انا نے پوچھا۔
''کیا؟''
''اتنے ماہ نکاح رہا ہے تمہارا، یہ درمیانی ایشوز نکال کر ایک طرف رکھ کر سچ سچ بتاؤ محبت کرتی ہو مصطفیٰ بھائی سے؟'' انداز میں شرارت تھی۔
''نکاح کے بول، نکاح کا احساس کسی بھی ایسے دل کو متوجہ کر لیتا ہے۔ جس دل میں پہلے سے کوئی مکین آباد نہ ہو، میں نے ایک صاف ستھری زندگی گزاری ہے شاید ایک نارمل انسان کی طرح زندگی میں ایاز، عادلہ بھابی اپنا فیملی بیک گراؤنڈ جیسے واقعات وکمپلیکسز نہ ہوتے تو میں مصطفیٰ کی پروقار شخصیت سے متاثر ہو کر دل کو کوئی روگ لگا لیتی۔ میں ان کی عزت کرتی ہوں مصطفیٰ کے لیے نیک جذبات رکھتی ہوں مگر محبت وجت کے بارے میں میں نے کبھی نہیں سوچا۔'' شہوار نے آہستگی سے سوچ سوچ کر جواب دیا۔
''توبہ، اچھی لڑکیاں اسی طرح کی محبت کرتی ہیں فلمی وڈرامائی محبت ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا لڑکی۔ محبت ان کے اندر جنم لیتی ہے اور ان کی حیا وکردار کی چادر میں ہی چھپی رہتی ہے وہ اپنی زبان کے اظہار تک اس محبت کو نہیں لاتیں محبوب کی عزت کر لی اس کی ہر بات مان لی اور اس کے لیے نیک جذبات رکھ لیے۔ اس سے زیادہ نیک اور اچھی لڑکیاں کچھ نہیں کر پاتیں۔'' انا نے ہنس کر کہا تھا تو شہوار بھی ہنس دی۔
''تم محبت کی بہت اچھی تشریح کر لیتی ہو۔''
''ذرہ نوازی ہے تمہاری۔'' انا نے ہنستے ہوئے کہا تو شہوار بھی ہنس دی۔ اس کا موڈ انا سے بات کر کے کافی حد تک فریش ہو گیا تھا۔
''اب تم مصطفیٰ بھائی کے دن رات اچھے اچھے خواب دیکھو، میں بھی اگر ماما نے اجازت دے دی تو فوراً آنے کی کوشش کرتی ہوں، ٹھیک ہے۔''
''اوکے......میں ویٹ کروں گی۔'' اس نے بھی حامی بھر لی تھی۔
''اور ہاں میرے دوسرے مشورے پر بھی عمل کر سکتی ہو ساری بے زاریت، فرسٹریشن اور قنوطیت سر پر پاؤں رکھ کر دم دبا کر بھاگ جائے گی۔''
''کون سا مشورہ۔''
''یار یہی جو ابھی بتایا ہے مصطفیٰ بھائی سے دن رات فون پر بات کرنے والا طبیعت میں افاقہ ہوگا پیار بھری باتیں اور مستقبل کے سہانے خواب تمہیں تو میں پھر یاد ہی نہیں ہوں گی۔'' انا نے ہنستے ہوئے کہا تو شہوار کانوں تک سرخ ہو گئی تھی۔
''بدتمیز، بہت فضول بولتی ہو تم، اب بات نہیں کرنا مجھ سے۔'' اس نے خفگی سے کہتے کال ڈراپ کر دی مگر چہرہ ابھی بھی سرخ ہو رہا تھا۔
''کتنی فضول لڑکی ہے یہ انا بھی۔'' موبائل بستر پر ڈالتے وہ انا کی باتوں کو یاد کرتے ایک بار پھر پزل سی ہونے لگی تھی۔



مصطفیٰ نے ولید کو فون کیا کہ وہ اس کے ساتھ شاپنگ کرنا چاہتا تھا ولید اپنے تمام کام پس پشت ڈال کر اس کے ساتھ آ گیا تھا۔
ولید اور مصطفیٰ شادی کے لیے مختلف چیزیں خرید رہے تھے تین چار دن بعد ان سب کو حویلی روانہ ہونا تھا اور مصطفیٰ کو اپنی جاب سے ہی فرصت نہیں مل رہی تھی۔ سو آج خصوصی طور پر وقت نکال کر وہ ولید کے ہمراہ آیا تھا۔ ولید اپنے لیے مختلف شرٹس دیکھ رہا تھا جب ایک طرف سے نکل کر کاشفہ ولید کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
''ہیلو۔'' ولید نے چونک کر دیکھا کاشفہ کو دیکھ کر حیران ہوا۔
''ہیلو، تم ادھر؟''
''مجھے اپنے بھائی کے لیے کچھ شاپنگ کرنی تھی بس اسی سلسلے میں یہاں آئی تھی۔ تم سناؤ کیسے ہو، میری کال کیوں نہیں پک کر رہے؟''
وہ فوراً سوال و جواب پر اتر آئی تو ولید نے ایک گہرا سانس لیتے اطراف میں دیکھا مصطفیٰ دوسری طرف جینٹس واچ کی شاپ میں کچھ واچز دیکھ رہا تھا۔
''بس بہت بزی تھا سوچا تھا کہ فرصت ملتے ہی تم سے خود ہی رابطہ کروں گا۔'' مسکرا کر کہا تو کاشفہ نے بغور دیکھا۔
ولید کی مسکراہٹ بڑی اٹریکٹو تھی۔
''تم مجھ سے اس دن کی کال کے بعد ناراض ہو نا؟'' کاشفہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''نہیں، وہ تمہارے ذاتی سوال و جواب تھے۔ میں ناراض نہیں ہوں۔''
''تو پھر تم مجھ سے مسلسل اوائیڈ کیوں کر رہے ہو، اول تو کال ہی پک نہیں کر رہے اور اگر کر بھی لو تو ٹال جاتے ہو۔'' اس نے خفگی سے کہا۔
''بتایا تو تھا کہ بزی تھا۔'' اس نے اسے جواب دے کر اس جانب دیکھا جہاں مصطفیٰ تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر اسی طرف آ رہا تھا۔ کاشفہ کی مصطفیٰ کی طرف پشت تھی۔
''تو پھر کب ملو گے، دیکھو مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ اگر آج پاسبل ہے تو ہم کہیں باہر ملتے ہیں۔'' کاشفہ کہہ رہی تھی۔
''دیکھیں میں اس وقت کسی دوست کے ساتھ ہوں میں آپ کو فارغ ہوتے ہی کال کروں گا۔ اس وقت چلتا ہوں۔'' مصطفیٰ نزدیک آ رہا تھا ولید نے مسکرا کہا تو کاشفہ نے سر ہلا دیا۔
''اوکے، میں ویٹ کروں گی۔ سی یو۔'' وہ کہہ کر دوسری طرف بڑھ گئی تھی۔ ولید بھی مصطفیٰ کی طرف چلا آیا۔
''کون تھی وہ! کس کے ساتھ کھڑے تھے؟'' مصطفیٰ لڑکی کو دیکھ چکا تھا مگر صرف پشت سو مشکوک نظروں سے ولید کو دیکھا۔
''بس ایک جاننے والی تھی۔ مجھے یہاں دیکھا تو سلام دعا کرنے لگی۔'' مصطفیٰ نے مشکوک نظروں سے ولید کو چند پل دیکھا۔
''ایسے کیوں گھور رہے ہو؟'' ولید نے ٹوکا تو وہ ہنس دیا۔
''دیکھ رہا ہوں پاکستان آ کر بھی تمہاری متاثرین کی تعداد برقرار ہے۔''
''شٹ اپ، ایسی کوئی بات نہیں۔'' مصطفیٰ کی بات پر جھینپ کر ولید نے ٹوکا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔
''مجھے تو لگ رہا ہے خیر تم سناؤ انا کیسی ہیں؟''
''وہ ٹھیک ہے۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔
''اور شادی کا کب تک ارادہ ہے۔'' مصطفیٰ نے چلتے چلتے پوچھا۔
''مجھے ابھی کوئی جلدی نہیں، انا کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہو جائے پھر دیکھیں گے۔'' وہ دونوں کاؤنٹر کی طرف آ گئے تھے۔ شاپنگ تقریباً ساری کر چکے تھے۔ دونوں نے پے منٹ کی تھی۔
''آؤ تمہیں اچھا سا لنچ کراتا ہوں۔'' مصطفیٰ نے باہر آ کر کہا۔
''مگر اس گاڑی کا کیا ہوگا؟'' ولید نے اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔
''اسے کسی سائیڈ پر پارک کر دو واپسی پر دیکھ لیں گے۔'' ولید نے سر ہلا کر ایک جگہ پر گاڑی پارک کی تھی اور خود مصطفیٰ کے ساتھ آ گیا۔
''میں نے اس لڑکی کا سائیڈ پوز دیکھا تھا یوں لگا کہ جیسے کہیں دیکھا ہوا ہے، سائیڈ پوز اور فاصلہ تھا پہچان نہیں پایا کون تھی وہ۔'' مصطفیٰ نے ڈرائیو کرتے پھر پوچھا۔
''بتا تو رہا ہوں ایک جاننے والی تھی۔''
''اس جاننے والی کا حدود اربعہ کیا تھا یہ بھی بتا دو، میرا نہیں خیال کہ ہمارے درمیان کبھی کسی بھی معاملے میں پردہ داری رہی ہے۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا

تو ولید بھی مسکرا دیا۔
''تمہیں یاد ہے کچھ عرصہ قبل میری گاڑی سے ایک لڑکی کی گاڑی ٹکرا گئی تھی اور پھر میں اسے اسپتال لے گیا تھا۔''
''ہاں، تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کافی خوب صورت اور ویل آف فیملی سے تھی۔'' مصطفیٰ نے مزید اضافہ کیا تو ولید ہنس دیا۔
''ہاں، بس وہی لڑکی تھی۔'' ولید نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ مصطفیٰ نے گھورا۔
''حیرت ہے ابھی تک رابطہ رکھا ہوا ہے سچ سچ بتاؤ یہ رابطہ تم نے رکھا ہوا ہے یا اس نے؟''
''تمہیں کیا لگتا ہے۔'' ولید نے مسکرا کر پوچھا۔
''کیتھی والے تجربے کو سامنے رکھ کر جواب دوں تو مجھے اس لڑکی پر ترس آ رہا ہے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو ولید کھل کر ہنس دیا۔
''وہ تو شکر ہوا کہ کیتھی پر میرے روشانے اور انکل کے سمجھانے کا اثر ہو گیا تھا جو اس سے ابھی تک دوستی برقرار ہے ورنہ وہ جس طرح سوسائیڈ کر چکی تھی کچھ بھی بعید نہ تھا کہ تم پر قتل کا مقدمہ بن جاتا تھا۔'' مصطفیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''تم جانتے ہو کیتھی والے معاملے میں میرا ایک پرسنٹ بھی کوئی قصور نہ تھا۔ وہ تو شروع سے ہی ایموشنل لڑکی تھی اور میں نے ہمیشہ اس کی حوصلہ شکنی ہی کی تھی۔''
''ویسے اس لڑکی کا حدود اربعہ کیا ہے؟'' مصطفیٰ نے سر ہلا کر پوچھا۔
''کس کا، یہ کاشفہ کا؟'' ولید نے کہا۔
''تو لڑکی کا نام کاشفہ ہے؟'' مصطفیٰ نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی پارک کر دی۔
''چھوڑو اس ٹاپک کو، تم بتاؤ تمہارا کیا پروگرام ہے ہمارے ساتھ چلو گے یا فیملی کے ساتھ۔'' ولید نے سوال ٹال دیا تھا۔
''پتا نہیں بابا کا کیا آرڈر ہوتا ہے میرے متعلق تم بتاؤ تمہارے ہاں سے کون کون جا رہا ہے گاؤں؟'' مصطفیٰ نے بھی دوبارہ نہیں پوچھا۔
''ابھی تو ہم چاروں یعنی میرا، انا، روشی اور احسن کا ہی پروگرام ہے باقی کسی کا ابھی موڈ نہیں بنا۔'' مینو کارڈ دیکھتے ولید نے کہا مصطفیٰ چونکا۔
''کیوں......انکل اور باقی لوگ نہیں چل رہے؟''
''بابا کی طبیعت کا تو تمہیں پتا ہے نا، طویل سفر منع ہے پھر پھپھو کو بھی ان کی وجہ سے رکنا ہو گا اور انکل بزنس کی وجہ سے نہیں جا رہے۔''
''لیکن انکل کو تو ضرور آنا چاہیے تھا میں بہت ناراض ہوں گا۔'' ویٹر آ گیا تو مصطفیٰ خاموش ہو گیا تھا انہوں نے مینو لکھوایا تو ویٹر چلا گیا پھر مصطفیٰ نے ولید کو گھورا۔
''انکل کو صاف کہہ دینا وہ اگر نہیں آئے تو میں خود آ کر زبردستی لے جاؤں گا۔''
''او کے کہہ دوں گا، ابھی ایک دن باقی ہے شاید ان کا موڈ بن ہی جائے۔'' ولید نے ٹالا تو مصطفیٰ نے گھورا تھا ولید کھل کر ہنس دیا۔



شاہزیب صاحب نے اپنے تمام اسٹاف کو انوائٹ کیا تھا سر عباس نے بھی بطور خاص رابعہ کو اپنے بھائی کی شادی میں شمولیت کا کارڈ دیا تھا۔
رابعہ نے گھر والوں سے بات کی تھی مگر کوئی بھی اس کے اتنی دور جانے کے حق میں نہ تھا اگلے دن وہ سر عباس کے روم میں کسی فائل پر دستخط کرانے آئی تو عباس نے روک لیا۔
''ہمارا تقریباً سارا اسٹاف ریڈی ہے کچھ لوگ تو صرف فنکشن والے دن ہی آئیں گے اور کچھ لوگ صرف ولیمہ میں شرکت کریں گے آپ بتائیں آپ کا کیا پروگرام ہے۔'' عباس نے براہ راست پوچھا۔
''ایم سوری سر مجھے اتنی دور جانے کی پرمیشن نہیں ملے گی ہاں میں ولیمہ اٹینڈ کر لوں گی۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔
''لیکن مس ہادیہ تو جا رہی ہیں اور چند اور خواتین بھی کل ہماری فیملی کے ساتھ ہی روانہ ہوں گی اور واپسی بھی ساتھ ہی ہو گی۔'' عباس نے کہا تو وہ سر جھکا گئی۔
''ہادیہ اور ہمارے فیملی بیک گراؤنڈ میں بہت فرق ہے سر۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''تو ہمارا گھرانہ بھی بہت روایتی قسم کا ہے اور جو خواتین جا رہی ہیں وہ سب ہمارے فیملی فنکشن اٹینڈ کر چکی ہیں ہاں اس بار فنکشن ہمارا گاؤں میں ارینج ہے تو دو دن پہلے ہی موو کرنا پڑ رہا ہے لیکن یہ خواتین بے فکر ہو کر جا رہی ہیں۔'' عباس کی بات پر وہ دھیمے سے مسکرائی۔
''سر ایسی بات نہیں ہے۔''

''مجھے تو یہی لگا کہ آپ بے اعتمادی کا اظہار کر رہی ہیں۔''

''نو سر، بٹ میری فیملی میں کبھی بھی کوئی لڑکی تنہا اتنی دور کبھی نہیں گئی۔''

''اوکے....... ایز یو وش۔'' عباس نے سر ہلایا اور مزید کچھ نہیں کہا تو وہ کمرے سے باہر آئی تو ہادیہ اس کے کیبن میں موجود تھی۔

''سنا ہے تم سب لوگوں کے ہمراہ ان کے بھائی کی شادی کے سلسلے میں ان کے گاؤں جا رہی ہو۔'' اپنی سیٹ پر بیٹھتے اس نے ہادیہ سے پوچھا۔

''کیوں تم نہیں جا رہی؟'' ہادیہ نے الٹا سوال کیا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو میں ایسے فنکشنز اٹینڈ نہیں کرتی اور سب سے بڑی بات میں خود بھی نہیں جانا چاہتی اتنے بڑے اور اسٹیٹس والے لوگ ہیں میں تو سوچ کر ہی پریشان ہو رہی ہوں کہ اگر ولیمہ اٹینڈ کروں گی تو گفٹ کیا دوں گی۔'' اس نے ہادیہ کے سامنے دل کی بات کہی تھی۔

''توبہ ہے، شاہزیب صاحب نے میٹنگ میں صاف کہہ دیا تھا کہ جو بھی ان کے اسٹاف میں سے جائے گا وہ کوئی بھی گفٹ لے کر نہیں آئے گا۔ میں ان کے ہاں کے کئی فنکشنز اٹینڈ کر چکی ہوں اور ان کے اسٹاف ممبرز بھی وہ کسی سے بھی گفٹ نہیں لیتے کوئی لے کر جائے تو تب بھی نہیں۔'' ہادیہ نے بتایا۔

''پھر تو اور بھی شرمندگی والی بات ہے خالی ہاتھ جاتے ہوئے تو بندہ اور بھی برا لگتا ہے۔'' وہ واقعی حیران تھی۔

''یہ باتیں چھوٹے گھروں میں سوچی جاتی ہیں سر جیسے لوگ نہیں سوچتے۔'' رابعہ حیران تھی۔

''تم بتاؤ تم جا رہی ہو نا، پورے اسٹاف میں ہم پانچ خواتین تیار ہیں۔ باقی لوگ ولیمہ یہاں سے ہی اٹینڈ کریں گے۔''

''گھر والے اتنی دور بھیجنے پر کبھی راضی نہ ہوں گے۔''

''میں تو جا رہی ہوں۔''

''تمہاری بات اور ہے تم لوگ عادی ہو مگر امی کبھی نہیں مانیں گی ماموں کو منانا مشکل کام نہیں مگر امی ذرا پرانے خیالات کی ہیں وہ کبھی راضی نہیں ہوں گی۔''

''تم کہو تو میں بات کروں آنٹی سے۔'' ہادیہ نے آفر کی۔

''فائدہ ہی نہیں۔''

''حرج ہی کیا ہے۔ واپسی پر تمہارے ہاں ہی چلتی ہوں اگر وہ راضی ہو گئیں تو بہت اچھی بات ہے ورنہ صبر کر لوں گی۔'' گھڑی دیکھتے اس نے فوراً پروگرام سیٹ کیا۔

''ایک گھنٹے بعد آف ہونے والا ہے تم ریڈی رہنا میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔'' وہ اسے کہہ کر چلی گئی تھی اور وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ ایک گھنٹہ بعد وہ دونوں آفس سے نکل آئی تھیں۔

ہادیہ اس کے ساتھ ہی اس کے گھر آئی تھی۔ وہ تو اسے امی اور بھابی کے پاس بٹھا کر روم میں چینج کرنے چلی گئی تھی ابوبکر اور ماموں گھر پر نہیں تھے۔ وہ چینج کر کے لوٹی تو ہادیہ کولڈ ڈرنک پی رہی تھی اور امی نماز ادا کرنے جا چکی تھیں ہادیہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

''مبارک ہو تم خوامخواہ مجھے ڈرا رہی تھیں میں نے آنٹی سے بات کی اور وہ مان گئیں۔''

''امپاسبل؟'' وہ واقعی حیران تھی بھابی نے بھی مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

''یہ سارا کریڈٹ مجھے جاتا ہے میں نے آنٹی سے بات ہی اس انداز میں کی ہے کہ آنٹی نے چند سوال کیے تھے کون کون جائے گا، کیسے لوگ ہیں، فلاں فلاں، میں نے بھی اچھے سے جواب دے دیا اب تم ریڈی رہو کل تم ہمارے ساتھ جا رہی ہو، اوکے۔''

''حیرت ہے مجھے تو امی نے انکار کر دیا تھا۔'' وہ پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

''یہ سب میری وکالت کا نتیجہ ہے۔ میں نے آنٹی کو اچھی طرح یقین دلایا کہ آپ اپنی اس ننھی منی بیٹی کی طرف سے بالکل بے فکر رہیے گا میں ہوں نا اس کی انگلی تھام کر اپنے پلو سے باندھ کر رکھوں گی۔ سائے کی طرح ساتھ رہوں گی اور بحفاظت صحیح سالم پوری کی پوری ان کو واپس لوٹا دوں گی۔'' اس نے مذاق کے انداز میں کہا تو وہ بھی ہنس دی۔

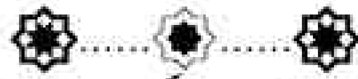
''دفع ہو جاؤ۔''

''اب تم تیاری کرو جانے کی میں نے آنٹی سے وعدہ کیا ہے۔ تمہاری ذمہ داری اب میری ہے۔''

''لیکن سر لوگوں کو تو میں انکار کر چکی ہوں اگر میں اتنے دن غائب رہی تو میری جگہ وہ کس کو رکھیں گے۔''

''یہ سر لوگوں کا ہیڈک ہے، سبھی اہم لوگ جاب پر موجود ہوں گے اور ہم جو جا رہی ہیں نا ہماری جگہ دوسرے لوگ کام کریں گے سبھی ایک ساتھ غائب

نہیں ہوں گے۔'' ہادیہ نے کہا تو وہ سر ہلا گئی تھی۔
''تمہیں پتا ہے، ہم نے اس کا رشتہ طے کر دیا ہے۔'' بھابی ان دونوں کے خاموش ہوتے ہی فوراً بولی تو ہادیہ فوراً چونکی تھی۔
''ہیں...... واقعی؟''
''بالکل۔'' رابعہ جھینپی تھی اس نے اس بات کا ذکر ابھی تک ہادیہ سے نہیں کیا تھا۔
''کب، کس سے اور تم نے تو مجھے بتایا ہی نہیں۔''
''بس یاد ہی نہیں رہا۔'' رابعہ نے فوراً صفائی دی۔
''اتنی بڑی بات اور یاد نہیں رہی۔'' اس نے فوراً ناراضی سے گھورا۔
''لڑکا کیسا ہے، کیا نام ہے؟'' ہادیہ نے بھابی سے پوچھا۔
''لڑکا اچھا ہے، نام ابوبکر ہے، عرصہ دراز سے باہر سیٹل تھا اب پاکستان آیا ہے اور یہیں گھر دیکھ رہا ہے۔''
''اوہ...... اچھا۔'' ہادیہ ابوبکر نام سن کر ایک پل کو خاموش ہوئی اور پھر مسکرا کر کہا۔
''کوئی تصویر وغیرہ ہوگی؟'' اس نے یونہی پوچھا۔
''نہیں، لڑکا پاکستان میں ہی ہے۔'' بھابی نے ہی بتایا۔
''رشتہ دار ہیں آپ لوگوں کے۔''
''نہیں اس کے بھائی کا دوست ہے۔'' ہادیہ نے سر ہلایا۔
''باقی معلومات اس سے ہی لو میں ذرا گڑیا کو دیکھ لوں۔'' بھابی کہہ کر چلی گئی تھیں۔ ہادیہ نے رابعہ کو گھورا تو وہ مسکرا دی۔
''بہت بری ہو اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی تم نے۔''
''نہیں، خیر چھپائی تو نہیں میں سوچ رہی تھی کہ تم سے کیسے ذکر کروں؟''
''تم نے دیکھا ہے لڑکے کو۔'' رابعہ نے گردن ہلائی۔
''بڑی چھپی رستم نکلی ہو، ذکر تک نہ کیا۔'' رابعہ ہنس دی۔
''ابھی جسٹ بڑوں میں ہی فیصلہ ہوا ہے باقاعدہ کوئی منگنی ونگنی نہیں ہوئی۔ سہیل بھائی کو اپنے یہ دوست بہت پسند آئے تھے امی اور ماموں سے ذکر کیا اور ماموں بھی اس سے مل کر متاثر ہوئے تو اس سے باقاعدہ بات کی۔ براہ راست تو میری بات نہیں ہوئی مگر ماموں ہی ذکر کر رہے تھے کہ ابوبکر رشتے کے لیے راضی ہے وہ اپنا گھر دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ منگنی کے بجائے شادی ہو فی الحال امی اور ماموں خاموش ہو گئے ہیں کہ پہلے وہ سیٹل ہو جائے پھر شادی کی بات چھیڑیں گے۔'' رابعہ نے تفصیل سے ساری بات کہہ سنائی تو ہادیہ نے سر ہلا دیا۔
''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔''
ہادیہ نے مسکرا سر ہلایا تو رابعہ اسے مزید تفصیل سے ابوبکر کے بارے میں بتانے لگی۔



وہ کالج سے آ کر سو گئی تھی سو کر اٹھی تو ہاتھ منہ دھو کر باہر آئی مگر ماما کے ساتھ کسی خاتون کو دیکھ کر رک گئی تھی۔ وہ خاتون ماما سے سلام دعا کر کے رخصت ہوئیں تو وہ ماما کے پاس آ رکی تھی۔
''خیریت یہ خاتون کیوں آئی تھیں اور آپ بھی آج جلدی گھر آ گئی ہیں۔'' اس کے لہجے میں تشویش تھی یا ماما مسکرا دی۔
''ہاں سب خیریت ہے۔'' ماما کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ وہ حیران ہوتی کچن میں آ گئی تھی۔
مگر ماما کی مسکراہٹ اور اس عورت کی آمد کا مقصد رات میں کھل گیا تھا جب انا پیکنگ کرنے اٹھی تھی اور روشی کو بھی کہا تھا جس پر ماما نے کہا تھا کہ وہ نہیں جا رہی تو وہ حیران ہوئی اس وقت لاؤنج میں وہ تینوں ہی تھیں۔
''کیوں بھئی؟'' اس نے ماما اور روشی کو دیکھا روشی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔
''طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔'' ماما نے ہی جواب دیا۔
''کیا ہوا ہے طبیعت کو؟'' وہ ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔ ماما نے مسکرا کر بہو کو دیکھا۔
''ماشاءاللہ سے روشی پریگنٹ ہے۔'' ماما نے کہا تو وہ ہونق ہو کر دیکھنے لگی روشی کے چہرے پر بڑی شرمیلی سی مسکراہٹ تھی۔

"اس کی طبیعت چند دن سے مسلسل خراب تھی۔ مجھے کہہ بھی رہی تھی آج بھی تمہارے سونے کے بعد خراب ہوئی تو مجھے فون کیا تھا میں فوراً گھر آ گئی تھی ساتھ ہی ڈاکٹر کو بھی لے کر آئی تھی۔ شک تو ہم دونوں کو تھا ہی ڈاکٹر نے تصدیق بھی کر دی ہے۔"

"اوہ...... مبارک ہو بھئی۔" ماما کی زبانی تفصیل سن کر خوش ہو کر وہ روشی کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔

"اف...... یعنی میں اب پھپھو بن رہی ہوں، کتنی ایکسائیٹڈ نیوز ہے نا۔" اس نے گرم جوشی سے روشی کو ساتھ لگایا تو ماما ہنس دیں۔

"مگر اب نہیں چاہتی کہ روشی شہوار کی شادی پر جائے شروع کے دن ہیں روشی کو اسپیشل کیئر کی ضرورت ہے۔ تم ولی اور احسن چلے جانا۔" ماما نے کہا تو اس نے منہ بسور کر کہا۔

"روشی کے بغیر خاک مزہ آئے گا۔"

"تین چار گھنٹوں کا سفر ہے میں کوئی رسک نہیں لے سکتی۔" ماما نے صاف انکار کر دیا۔

"احسن کی پیکنگ میں کر چکی ہوں ولی بھائی سے پوچھ لو کیا لے کر جا رہے ہیں اور جانے کا کیا پروگرام ہے اور کل کس وقت نکلیں گے؟" روشی نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"گفٹ کیا دے رہی ہو شہوار کو؟" وہ اٹھی تو ماما نے پوچھا۔

"آپ بتائیں کیا دوں، شہوار سے بھی پوچھا تھا میں نے وہ تو صاف منع کر چکی ہے مگر اب خالی ہاتھ جانا بھی تو اچھا نہیں لگتا نا۔"

"وہ لوگ روشی کے لیے گولڈ کی جیولری لائے تھے تم بھی اسی حساب سے کوئی چیز لے جاؤ، پچھلے دنوں میں تمہارے لیے جو بریسلیٹ لائی تھی وہ دیکھ لو اگر مناسب لگتا ہے تو لے جاؤ ولید تو مصطفیٰ کا دوست ہے وہ کچھ بھی دے دلائے اس کی مرضی تم کوئی اچھی سی چیز ہی دو۔" ماما کے کہنے پر اس نے سر ہلایا۔

ماما نے اسے بریسلیٹ لا دیا تھا جو اسے پسند آیا تھا اس نے رکھ لیا تھا شاپنگ کی اسے کوئی خاص ضرورت نہ تھی ہر چیز موجود تھی اس نے اپنا سامان بیگ میں پیک کیا اور پھر وہاں سے نکل کر ماموں کے پورشن کی طرف چلی آئی تھی ولید اور احسن گھر آ چکے تھے اور کھانا کھانے کے بعد اپنے کمروں میں تھے۔ اس نے ولید کے روم کے دروازے پر دستک دی۔

"یس۔" ولید کے کہنے پر وہ اندر داخل ہوئی تو ولید موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا اسے دیکھ کر فوراً پلٹا۔

"روشی کہہ رہی تھی آپ سے پوچھ لوں پیکنگ کیا کرنا ہے اور کل کیا پروگرام ہے۔" ولید کے سوالیہ دیکھنے پر اس نے فوراً کہا۔

"او کے کیتھی میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں آئی ایم جسٹ بزی، او کے سی یو اگین۔" انا کیتھی کا نام سن کر ٹھٹک گئی تھی۔

"ہاں کیا کہہ رہی تھی تم؟" کال بند کر کے ولید اس کی طرف متوجہ ہوا۔

انا نے سنجیدگی سے دیکھا۔

"کل کا کیا پروگرام ہے، شہوار کئی بار کال کر چکی ہے، ہم وہاں کب جائیں گے۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کل مصطفیٰ اور اس کی فیملی اور باقی لوگ جا رہے ہیں۔ ہم بھی انہی کے ساتھ ہوں گے۔ جب وہ نکلیں گے ہم بھی روانہ ہوں گے ہم اپنی گاڑی میں جائیں گے۔" ولید نے مسکرا کر کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"اور پیکنگ۔" "روشی بیگ میں کافی کچھ رکھ چکی ہے باقی تم دیکھ لو۔" ولید نے سائیڈ پر رکھا بیگ نکال کر اس کے سامنے کیا۔

"آپ کا سامان ہے آپ کو ہی علم ہو گا کہ آپ کو وہاں کس چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ آپ خود چیک کر لیں میں تو یاد دہانی کرانے آئی تھی کہ روشی ہمارے ساتھ نہیں جا رہی۔" روکھے انداز میں کہہ کر وہ پلٹی تھی۔

"کیوں...... وہ کیوں نہیں جا رہی۔" ولید نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا کل شام تک تو وہ تیار تھی۔ اب انا کے چہرے پر ولید کے سوال سے ایک دم سرخی سی چھائی تھی۔

"اسی سے ہی ریزن پوچھ لیں مجھے کیا پتا۔" وہ کہہ کر جانے لگی اور پھر کچھ یاد آنے پر پھر پلٹی تھی۔

"آپ کی وہ دوست ہے نا کاشفہ، نجانے اسے مجھ سے ایسا کیا کام آ پڑا ہے، جو وہ آج ہمارے کالج آئی تھی میں اسپتال گئی ہوئی تھی ملاقات تو نہ ہو سکی مگر دوستوں نے بتایا تھا کہ کوئی کاشفہ عبدالقیوم نامی لڑکی مجھے ڈھونڈ رہی تھی۔" ولید حیران ہوا۔

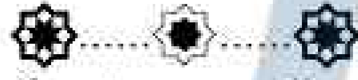
"کیوں، وہ تمہیں کیوں تلاش کر رہی تھی۔" انا نے کندھے اچکا دیے۔

"یہ تو آپ اپنی دوست سے ہی دریافت کیجیے گا۔ وہ تو آپ کی دوست ہے میری تو سلام دعا بھی آپ کے ریفرنس سے ہے مجھے کیا پتا؟"

"حیرت ہے، مل کر بھی نہ گئی تم سے۔" وہ حیران ہوا۔

میں اسپتال میں کافی دیر لگا کر آئی تھی۔ بے چاری کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ میرا انتظار کرتی دوست بتا رہی تھی کچھ وقت رکی تھی اور چلی گئی۔" ولید نے انا کو بغور دیکھا اور سر ہلایا انا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"اوکے، تھینکس میں پتا کروں گا کہ وہ کیوں گئی تھی وہاں؟" انا رسماً مسکرائی اور جلدی سے باہر نکل گئی ولید نے خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔



آج شہر سے سبھی نے آنا تھا وہ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس کی انا سے بات ہوئی تھی وہ لوگ اپنے گھر سے نکل چکے تھے اور ادھر سے مصطفیٰ اور باقی لوگ بھی عائشہ پل پل کی خبر دے رہی تھی۔

وہ صبح سے کمرے میں بند تھی دوپہر سے سہ پہر گہری ہونے لگی تو کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

"دلہن صاحبہ، کدھر جا رہی ہے؟" جیسے ہی کوریڈور سے گزری رمشاء بھابی سے سامنا ہو گیا تھا وہ قصداً مسکرائی تھی۔

"کچھ نہیں ویسے ہی چہل قدمی کا سوچ رہی تھی۔"

"بواجی کہہ رہی تھیں تم سے پوچھ لوں گی کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، جب سے آئی ہو گم صم اور خاموش سی ہو، بواجی پریشان ہو رہی ہیں۔" بھابی نے کہا تو وہ مسکرائی۔

"آپ امی کو کہہ دیں ٹینشن نہ لیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ خاموشی سے لان والے حصے میں آ گئی تھی۔ حویلی کے اطراف میں ایک چھوٹا سا باغیچہ بنا ہوا تھا وہ وہاں ٹہلنے لگی تھی۔

جوں جوں شادی کا وقت قریب آ رہا تھا وہ سارے اعتراضات فراموش کیے مسلسل بس یہ سوچ رہی تھی کہ وہ مصطفیٰ کو کیسے فیس کرے گی اور حویلی آتے ہی وہ اب مصطفیٰ کی کالز ریسیو نہیں کر رہی تھی۔

یہاں بڑی پھپو اور چھوٹی پھپو دونوں کی فیملیاں آ چکی تھیں قرب و جوار کے باقی رشتہ دار بھی آ چکے تھے اور کچھ ابھی آ رہے تھے۔ حویلی میں اچھی خاصی رونق ہو چکی تھی تابندہ بوا اتنی خاموش تھیں اور ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف وہ خاموشی سے ان کو دیکھتی رہی تھی۔

وہ کافی دیر تک وہاں ٹہلتی رہی تھی مغرب سے ذرا پہلے مہمانوں کی آمد کا شور اٹھا تو وہ چونکی تھی۔

شہر سے سبھی لوگ آ چکے تھے وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آ کر کھڑکی کھول کر کھڑی ہو گئی تھی۔

ایک ایک کر کے گاڑیاں آ کر رک رہی تھیں۔

مہر النساء بیگم، عائشہ، صبا، لائبہ بھابی، دریہ، انا اور ان کے علاوہ کچھ اور خواتین بھی تھیں۔ ان کے علاوہ مرد حضرات بھی تھے شاہ زیب صاحب اور عباس موجود نہ تھے باقی سبھی آئے تھے۔ وہ ان کو اندر داخل ہوتے دیکھ رہی تھی جب ایک دم کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

"شہوار مہمان آ گئے ہیں جلدی سے باہر آؤ۔" عاصمہ بولی۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔" اس نے اسے ٹالا تو عاصمہ فوراً چلی گئی تھی وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی، مصطفیٰ ولید اور احسن کو لے کر اندر آنے کے بجائے مردانے کی طرف بنے کمروں کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑکی بند کر کے بستر پر بیٹھ گئی تھی اور پھر کچھ دیر بعد اس کے کمرے میں ایک دم دھاکہ ہوا تھا سبھی اس کے کمرے میں گھس آئی تھیں۔

"ہم باہر دلہن کو ڈھونڈ رہی ہیں اور دلہن کمرے میں بند بیٹھی ہوئی ہیں۔" عائشہ مسکرا کر کہتے اس کے گلے لگی۔ وہ جھینپ کر مسکراتے سب سے گلے ملنے لگی۔ انا سے گلے ملتے اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

"میں تمہیں بہت مس کر رہی تھی تھینکس تم آ گئیں۔" انا ہنس دی۔ دریہ اندر نہیں آئی تھی۔

"چلو باہر نکلو ماں جی کو آتے ہی بہو نظر نہ آنے پر اس کی فکر لگ گئی ہے۔" لائبہ نے کہا تو وہ ہنس دی۔

وہ ان سب کے ساتھ باہر آئی تو ماں جی خصوصی طور پر بڑی گرم جوشی سے ملی تھیں۔ شاہزیب صاحب کے اسٹاف کی پانچ خواتین تھیں سبھی سے متعارف ہوئی تھی۔ مغرب کی اذان ہونے لگی تو وہ نماز ادا کرنے کمرے میں آ گئی تھیں۔

"روشی کیوں نہیں آئی؟" نماز ادا کر کے شہوار کمرے میں ہی بیٹھی رہی تو انا بھی وہیں آ گئی۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں، پریگنٹ ہے، وومیٹنگ کی وجہ سے ماما نے اتنی دور آنے سے منع کر دیا۔" انا نے مسکرا کر کہا تو وہ حیران ہوئی تھی۔

"زبردست، سرپرائزنگ نیوز ہے، بہت بہت مبارک ہو۔"

"تھینکس۔"

"تم امی سے ملی ہو؟"

"ہاں سلام دعا ہوئی ہے۔ ٹھیک سے تعارف نہیں ہوا۔"

"چلو امی فارغ ہو کر آتی ہیں تو میں تم سے ملواتی ہوں۔" انا نے اسے بغور دیکھا۔

"خوش ہو۔"

"پتا نہیں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں امی کی مجبوریوں اور ان لوگوں کی محبت کو دیکھتی ہوں تو خود پر شرمندگی ہوتی ہے مگر جب اپنا آپ دیکھتی ہوں تو میری انا، میری خودداری احتجاج کرتی ہے ساری زندگی ان لوگوں کے گھر میں رہ کر پلی بڑھی ہوں تو اب یہ انا اور خودداری کی باتیں بھی ندامت کا احساس دلانے لگی ہیں۔" وہ آزردگی سے بولی تھی انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تم بس ذہن سے ساری منفی سوچوں کو نکال کر آنے والے خوشگوار لمحوں کو یاد کرو اور باقی سب بھول جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔" شہوار نے انا کو دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"ہاں کوشش تو کر رہی ہوں۔"

دونوں کافی دیر تک ساتھ ساتھ رہی تھیں کھانا بھی ایک ساتھ کھایا تھا اور پھر عائشہ چلی آئی تھی دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر فوراً ٹوکا۔

"بس کرو تم دونوں اب باہر آ جاؤ، باہر سبھی دلہن صاحبہ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"خیریت۔" انا نے مسکرا کر دیکھا۔

"ہم نے بابا صاحب اور بابا جان سے ڈھولک رکھنے کی وہ بھی کمبائن اجازت لی ہے ہال میں سارا ارینج ہو چکا ہے سبھی وہاں موجود ہیں اب دلہن کو بھی لانے کا تقاضا ہو رہا ہے۔ سو میں لینے آئی ہوں۔"

"کیا مطلب، ڈھولک تو روز بج رہی تھی۔" شہوار حیران ہوئی۔

"مطلب یہ کہ وہاں خواتین کے ساتھ ساتھ تمام ینگ پارٹی کے ساتھ ساتھ دلہا صاحب بھی تشریف فرما ہوں گے بڑی مشکل سے اجازت ملی ہے۔" عائشہ نے شرارت سے کہا تو شہوار ایک دم جھینپ گئی۔

"پھر میں نہیں جا رہی۔" اس نے فوراً انکار کیا۔

"انکار تو بالکل نہیں چلے گا اپنے قدموں پر چل کر نہیں جاؤ گی تو اٹھا کر لے جائیں گے ہم، آفٹر آل لڑکے والے ہیں شرافت سے یہ لباس بدلو، اور انا تمہیں تیار کر دیتی ہے، جلدی سے ہری اپ۔"

عائشہ نے ہاتھ میں تھاما بڑا سا شاپنگ بیگ اس کے بستر پر رکھا۔

بہت ہی خوب صورت یلو اور گرین لباس تھا جس پر مہندی کی مناسبت سے کام ہوا تھا۔ ساتھ میں چوڑیاں، پھولوں کا زیور اور باقی لوازمات تھے۔

"دیکھو یہ سب میں نہیں پہنوں گی۔" شہوار نے سارا سامان دیکھتے ہی فوراً انکار کیا۔

"تم اگر شرافت سے نہیں پہنو گی تو ہم زبردستی بھی کر سکتے ہیں۔ کیوں انا۔" عائشہ نے فوراً انا کو بھی ساتھ ملایا۔

"بالکل۔" انا نے بھی کہا تو شہوار گھورنے لگی۔

"بس جلدی سے یہ کپڑے پہنو اسے بعد میں گھور لینا۔" عائشہ نے لباس تھام کر شہوار کے ہاتھوں میں دیا۔

"دیکھو میں باہر نہیں جاؤں گی وہاں تم سب ہوتیں تو اور بات تھی۔" وہ دہائیاں دے رہی تھی عائشہ نے زبردستی اسے واش روم کی طرف دھکیلا تھا۔

"جلدی سے بدل کر باہر نکل آؤ۔" دروازہ بند کر کے عائشہ نے کہا تو انا ایک دم ہنس دی۔

"ہنسو مت اس کے ساتھ ایسی زبردستی کی ہی ضرورت تھی ورنہ یہ خالی باتوں سے نہیں ماننے والی۔" واپس بستر پر بیٹھ کر پھولوں کا زیور لفافوں میں سے نکال کر رکھنے لگی۔

"تم بھی چینج کر لو، سبھی بہت اچھی طرح تیار ہو رہی ہیں تب تک میں بھی اس محترمہ کے ساتھ دو دو ہاتھ کر لیتی ہوں۔" عائشہ نے کہا تو انا مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی اس کا قیام ساتھ والے روم میں تھا۔

اس روم میں دو اور لڑکیاں بھی تھیں یہ دونوں آفس اسٹاف سے تھیں اور مصطفیٰ کی فیملی کے ساتھ ہی گاؤں آئی تھیں۔ وہ دونوں تیار ہو رہی تھیں اسے روم میں داخل ہوتے دیکھ کر مسکرائی۔

''آپ بھی اسی روم میں ہیں؟''ایک نے پوچھا۔
''ہاں ابھی تو ادھر سامان شفٹ ہوا ہے میں سوچ رہی ہوں دلہن کے روم میں ہی شفٹ ہو جاؤں، اپنا بیگ اٹھا کر بستر پر رکھ کر وہ کھولنے لگی۔
''آپ دلہن کی کیا لگتی ہیں۔''دوسری لڑکی نے پوچھا۔
''دوست ہوں، انا نام ہے میرا۔''
''نائس نیم، میں ہادیہ ہوں اور یہ میری دوست رابعہ ہے، ہم شاہزیب صاحب کی اسٹاف ممبرز ہیں ہمارے ساتھ تین اور خواتین ہیں جو دوسرے روم میں ہیں۔''ہادیہ نے بتایا تو انا نے سر ہلا دیا۔
وہ دونوں چینج کر چکی تھی۔ انا بھی لباس نکال کر دیکھنے لگی۔
''ہم نے باہر سے ملازمہ کو کہہ کر استری منگوالی ہے لائیں میں پریس کر دیتی ہوں۔''رابعہ نے آفر کی تو اس نے انکار کر دیا۔
''نہیں تھینکس میں کرلوں گی۔''انہوں نے ٹیبل پر کپڑا ڈال کر کپڑے استری کیے تھے انا بھی استری کرنے لگی تھی دونوں آپس میں باتیں کرنے لگی۔ انا خاموش ہی رہی لباس استری کر کے واش روم میں گھس گئی۔
چینج کر کے وہ باہر آئی تو روم خالی تھی۔ ڈبل بیڈ تھا کھلا اور روشن کمرہ تھا۔ مگر وہ اپنا بیگ اٹھا کر شہوار کے کمرے میں آ گئی۔
عائشہ اسے ڈریسنگ کے سامنے بٹھا کر پھولوں کا زیور پہنا رہی تھی۔
''ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو تم۔''انا اس کے عقب میں آ رکی تھی شہوار جھینپی۔
''تم اس کی چٹیا بنا دو اور ساتھ ہی یہ پھولوں کی لڑیاں بھی پرو دو۔''عائشہ نے انا سے کہا تو وہ فوراً کام میں لگ گئی۔
''شہوار نے میک اپ کے نام پر لپ اسٹک تک نہ لگانے دی تھی۔ بس پھولوں کا زیور تھا اور لباس تھا جس سے اس کی سج دھج دیکھنے والی تھی۔
''میں گھونگھٹ نہیں اٹھاؤں گی اور خبردار کسی نے چہرہ دیکھنے کی فرمائش کی۔''شہوار نے کوئی دسویں بار یہ جملہ دہرایا تو عائشہ نے گھورا۔
''اوکے ہم منع کر دیں گے سب کو، اب چپ کر کے بیٹھو میں بھی ذرا چینج کر کے تمہیں لے جاتی ہوں۔ انا پاس ہی ہے تمہارے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے وہاں سب اپنے ہی لوگ ہوں گے۔''عائشہ کہہ کر چلی گئی تھی انا خود بھی تیار ہونے لگی تھی۔ اس نے سوٹ کی مناسبت سے ہلکا پھلکا میک اپ کیا تھا۔
کچھ دیر بعد عائشہ کے ساتھ ماریہ، لائبہ، صبا بھی آئی تھیں۔
''مہندی وہندی نہیں ہوگی بس وہاں جا کر تھوڑا بہت ہلا گلا کرنے کا موڈ ہے۔ کنفیوز نہیں ہونا، اوکے۔''لائبہ بھی اسے سمجھا رہی تھیں شہوار کو مجبوراً سر ہلانا پڑا تھا۔
بڑے سے بلو رنگ کے دوپٹے کے سائے تلے انہوں نے اسے لے لیا تھا۔
''آفاق بھائی کو صبا بلا لائی تھی۔ انہوں نے فوٹو گرافی میں بہت سے ڈپلومے کر رکھے تھے۔ اپنی شادی بیاہ میں مووی میکر وہ خود ہی ہوتے تھے۔
''تم میرے ساتھ ساتھ رہنا۔''
''جیسے ہی آفاق بھائی نے کیمرے کا فلیش آن کیا تھا شہوار نے سختی سے انا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ یوں کہ انا بھی دوپٹے کے سائے تلے آ گئی تھی۔
شہوار کے چہرے پر دوپٹے کا گھونگھٹ تھا۔ باقی دوپٹے کے چاروں پلو صبا، عائشہ، لائبہ بھابی اور ماریہ نے تھام لیے تھے۔
وہ لوگ جیسے ہی روم سے باہر نکلے تھے دونوں اطراف میں کھڑی باقی لڑکیوں نے گلاب کی پتیاں برسانا شروع کر دی تھیں۔
راہداری کے اختتام تک جا کر آفاق بھائی نے رکنے کا اشارہ کیا تو سبھی رک گئی تھی۔ آفاق دوسری طرف چلا گیا تھا۔ بالکل اسی انداز میں پھولوں کی برسات میں مصطفیٰ کو کزنز کے گھیرے میں اندر لایا گیا تھا۔
انا کو مصطفیٰ کے دائیں طرف ولید کو دیکھ کر خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی ورنہ اب تک یہاں کسی مرد حضرات سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ باقی لوگوں کے ساتھ احسن بھائی بھی تھے۔ مصطفیٰ کی ہلکی سی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ ولید کے ساتھ مسکرا کر بات کرتے وہ دھیمے تھے۔ دھیمے قدم اٹھائے آفاق کی ہدایت پر چل رہا تھا۔ وہ لوگ ان سب کے پاس آ کر رک گئے تھے۔
اب دلہا دلہن باری باری اندر آئیں۔''آفاق بھائی ساتھ ساتھ ہدایات دے رہے تھے۔ شہوار نے سختی سے انا کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔
پہلے وہ شہوار کو لے کر ہال کمرے میں آ گئی تھیں اور انا نے شہوار کو صوفے پر لا بٹھایا تھا پھر بالکل اسی انداز میں مصطفیٰ کو بھی، مصطفیٰ جیسے ہی شہوار کے پاس بیٹھا تھا شہوار کے پاس بیٹھی انا نے اٹھنا چاہا تھا مگر شہوار کی گرفت ہاتھ پر سخت ہو گئی تھی۔

"سب دیکھ رہے ہیں۔ میں جانے لگی ہوں ہاتھ چھوڑو میرا۔" انا نے دھیمے سے کہا۔
"میں اکیلی نہیں بیٹھوں گی پلیز میرے پاس رکو تم۔" شہوار واقعی خاصی کنفیوز تھی یہ سرپرائزنگ پروگرام تھا اور ان سب نے اس کی لاعلمی میں ارینج کیا تھا انا کو اس پر ایک دم ترس آیا تو اس کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔ جبکہ باقی سب لوگوں نے ہال کمرے میں سفید چادریں بچھا کر بیٹھنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ مرد حضرات کی نشست آمنے سامنے تھی۔ ہال کو گیندے اور گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔
لڑکیوں کے علاوہ باقی خواتین بھی تھیں ہاں مرد حضرات اس محفل میں نہ تھے۔ کچھ گاؤں کی خواتین اور بچیاں اور لڑکیاں بھی تھیں۔ عاصمہ ڈھولک لے کر آ گئی تھی۔
وہ درمیانی نشست پر بیٹھ گئی تھی اس کے ساتھ گاؤں کی ہی دو تین لڑکیاں بیٹھ گئی تھیں۔ کمپیئرنگ کے لیے زبیر بھائی آ گئے تھے۔
"السلام علیکم خواتین و حضرات۔" زبیر نے باقاعدہ ہاتھ کا مائک بنا کر منہ کے سامنے کر کے بولا تو سبھی ہنس دیے تھے۔ سبھی نے سلام کا جواب دیا تھا۔
"ہمارے خاندان میں شروع سے ہی اپنی روایات واقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی بھی فنکشن یادگار بنانے کی کوشش کی جاتی ہیں۔ چونکہ یہاں کمبائن فنکشن سختی سے منع ہے مگر ہم نے بھی اس بار اجازت لے کر ہی چھوڑی۔ اب یہ ایک چھوٹا سا فنکشن ہے۔ دلہا دلہن چیف گیسٹ ہیں اور باقی ہم سب ان کے میزبان سو اب باقاعدہ فنکشن کا آغاز کیا جاتا ہے اور خواتین کی پرزور فرمائش پر ڈھولک کمپٹیشن رکھا گیا ہے یہاں موجود سب لوگوں کو کچھ نہ کچھ گانا ہوگا اور کسی سے کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" زبیر بھائی نے مسکرا کر کہا۔
ولید اور احسن سجاد بھائی کے ساتھ بیٹھ چکے تھے ارد گرد کشنز اور گاؤں تکیے رکھ کر بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔
زبیر بھائی کمپیئرنگ کر کے بیٹھ چکے تھے اور اب عاصمہ باقاعدہ ڈھولک بجا رہی تھی اور باقی لوگ تالیاں بجا بجا کر خوش ہو رہے تھے اور کچھ لڑکیوں نے اپنی سریلی آواز میں تان اڑائی تھی۔

مہندی رچے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات
جا کے تو ساجن کے ساتھ
بھول نہ جانا یہ دن رات

بڑی زبردست تان تھی۔ سبھی متوجہ ہوئے تھے۔ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ سر جھکائے گود میں رکھے ہاتھ مسل رہی تھی۔

"جا کے تو ساجن کے ساتھ
بھول نہ جانا یہ دن رات"

مصطفیٰ کے اندر بڑی خوشگوار سی کیفیت پیدا ہوئی تھی وہ پھیل کر بیٹھ گیا تھا۔ شہوار ایک دم انا کی طرف بڑھی تھی مصطفیٰ کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

تجھ کو دیس پیا کا بھائے
تیرا پیا تیرے گن گائے
آئے خوشیوں کی بارات
لے کے رنگوں کی برسات
مہندی رچے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات

انا کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ شہوار کی گرفت ڈھیلی ہو چکی تھی۔ وہ اپنا ہاتھ نکال کر تالی بجانے لگی تھی۔
اس کی نگاہوں نے کئی بار ولید کی طرف سفر کیا تھا۔ وہ مصطفیٰ کے کزنز وغیرہ کے ساتھ بیٹھا باتوں میں لگا ہوا تھا۔

کنگنا بانہوں میں جب کھنکھے
کھولے بھید یہ تیرے من کے
چاہے کرو نہ کوئی بات
سب نے جان لیے جذبات
مہندی رچے گی تیرے ہاتھ

ڈھولک بجے گی ساری رات
لڑکوں نے اس قطعے پر بڑی زبردست انداز میں وسلنگ کی تھی۔
تیرا گھونگھٹ جو اٹھائے
روپ تیرا سہہ نہ پائے
چاند کو وہ بھول جائے
دیکھ کے تیرا سنگھار
''اوئے ہوئے۔''لڑکوں کی طرف سے بھرپور شرارت ہوئی تھی لڑکیاں ہنس دی تھیں۔
''اتنا اچھا تو حدیقہ کیانی نے بھی نہیں گایا ہوگا جتنا ان بے سریوں نے گالیا۔''زاہد بھائی نے ہنس کر اونچی آواز میں کہا۔لڑکیوں نے فخر سے گردن اکڑالی تھی۔
''یاد رکھیے ان بے سریوں میں آپ کی بیگم بھی ہیں۔''رمشا بھابی نے فوراً جوابی کارروائی کی تھی۔
''ہاں تو میں کون سا اس ''بے غم''سے ڈرتا ہوں۔''''بے غم''کو کھینچ کر کہا تھا۔لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔
''اب لڑکوں کی باری ہے،چلو جلدی سے کوئی اچھا سا گانا شروع کرو بات کو الجھاؤ نہیں۔''عائقہ نے فوراً ٹوکا۔
''مگر ہمیں تو کچھ نہیں آتا۔''لڑکوں نے باجماعت بلند کہا تھا۔
''گانا تو پڑے گا ورنہ اس محفل سے باہر نکال دیا جائے گا سب کو بقول شاعر۔
''بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔''
شائستہ بھابی نے کہا تو لڑکے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔
''جو بھی ہوگا جیسا بھی ہوگا برداشت کر لینا پھر۔''عدیل بھائی نے کہا تھا لڑکیوں کی طرف سے فوراً اجازت مل گئی تھی۔
''اوکے ڈن۔''لڑکوں نے ایک دو منٹ کھسر پھسر کی تھی اور پھر عدیل بھائی نے ہی تان اڑائی تھی۔
''متھے دے چمکن وال میرے بنڑے دے''
آواز ایسی سریلی تھی کہ لڑکیاں تو ایک طرف لڑکے تک گلہ پھاڑ کر ہنس پڑے تھے۔بھی نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس دی تھیں۔
''یہ گانا ہے۔''صبا نے میاں کو آنکھیں دکھائیں۔
''تو اور کیا ہے،تم کو کیا یہ قومی ترانہ لگ رہا ہے؟''عدیل نے بیوی کو گھورا۔
''اس سے بہتر ہے ہم ہی کچھ بے سرا گالیں۔''عاصمہ نے دہائی دی۔لڑکوں کی باچھیں کھل گئیں۔
عاصمہ نے سب کے ساتھ دیر کھسر پھسر کی تھی اور پھر سب نے لڑکوں کو شرارتی نظروں سے دیکھا تھا۔
''اللہ خیر کرے خطرے کی بو آ رہی ہے۔''
زاہد بھائی نے دہائی دی تھی مگر کسی نے سنی نہ تھی آج سبھی کو چھوٹ ملی ہوئی تھی۔
ہم شادی پہ آئے شاوا
یہاں پہ لڑکے دیکھے شاوا
کچھ تھے غنڈے لوفر شاوا
ہم نے غور سے دیکھا شاوا
وہ تو نکلے دیور شاوا......بھئی شاوا
ان کے قہقہے بے ساختہ تھے۔زبیر بھائی نے اٹھ کر فوراً احتجاج کیا تھا ہاتھ بلند کر لیے تھے۔
''خبردار کسی نے ہمیں غنڈے لوفر کہہ کر ہماری غیرت کو للکارا تو۔''سلطان راہی والی بھڑک تھی۔
''تو کیا کر لیں گے؟''لڑکیوں نے آنکھیں دکھائی تھیں۔
''تو ہم بھی جوابی کارروائی کریں گے۔''زاہد بھائی بھی فوراً میدان میں کود گئے تھے۔
ہم تو منتظر ہیں آپ کی جوابی کارروائی کے۔پھر کب کر رہے ہیں یہ کارروائی۔''شائستہ بھابی نے بھی طنزیہ کہا تھا۔

''اب تو غیرت کا سوال ہے اب جوابی کارروائی ہوگی اور ضرور ہوگی۔'' زاہد بھائی تن کر کھڑے ہو گئے تھے۔
''تم ڈھولکی بجاؤ ہم ذرا سوچ لیں۔'' زبیر نے بھی گردن اکڑائی تھی پھر سبھی نے سر جوڑ لیے تھے آخر میں زاہد بھائی ہی آگے ہوئے تھے۔
''ہم یہاں مہندی پر آئے۔''
زاہد بھائی نے آواز لگائی تھی۔ سب لڑکوں نے باآواز بلند شاوا کہا تھا۔ لڑکیوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا تھا واقعی جوابی کارروائی ہونے والی تھی۔

ہم مہندی پر آئے شاوا
یہاں پر ہم نے لڑکیاں دیکھیں شاوا
کچھ تھیں کالی کلوٹی شاوا
کچھ تھی لنگڑی لولی شاوا
ہم نے جو غور سے دیکھا شاوا
وہ تو نندیں نکلیں شاوا بھئی شاوا

انا تو منہ پر ہاتھ رکھ کر رہ گئی تھی اس کو ہنسی ہی کنٹرول نہیں ہو رہا تھا...... سبھی نے خوب تالیاں پیٹ پیٹ کر داد دی تھی۔
''یہ انا ادھر صرف ہنسنے آئی ہے۔'' عائشہ نے کہا تو انا فوراً موقع کی تلاش میں تھی ایک دم اٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھی تھی کب سے فاصلے پر بیٹھے حماد کی نظریں انا پر جمی ہوئی تھیں اس نے ستائشی نظروں سے انا کو عائشہ کے قریب بیٹھتے دیکھا تھا۔
''کیا حال ہے؟'' مصطفیٰ نے انا کے جانے کے بعد مسکرا کر پوچھا۔ شہوار نے ایک دم اپنے ہاتھ جکڑ لیے۔
''مزاج بخیر ہیں۔'' عاصمہ کوئی اور گانا شروع کر چکی تھی مصطفیٰ نے سامنے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''ٹھیک ہوں۔'' شہوار نے دھیمے سے کہا۔
''اور مزاج۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا تو شہوار لب دانت تلے دبا گئی۔
''یہ اتنے گز بھر لمبا گھونگھٹ نکال رکھا ہے اور اوپر سے اتنی خاموشی کم از کم چہرے سے تاثرات کا تو اندازہ ہو ہی جاتا تھا۔'' مصطفیٰ نے مزید کہا لیکن وہ خاموش ہی رہی تھی۔
''خیر چند گھنٹے ہی تو رہ گئے ہیں دیکھتا ہوں کب تک یہ پردہ حائل رہتا ہے ہمارے درمیان۔'' مصطفیٰ کی بات پر ایک دم وہ پسینے میں نہا گئی۔
سبھی گانے کی طرف متوجہ تھے۔ شہوار بار بار دونوں ہاتھ مسل رہی تھی مصطفیٰ نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تو شہوار نے چونک کر سر اٹھایا مگر گھونگھٹ میں دیکھ نہ پائی تھی۔ اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا تو گرفت مضبوط تھی۔
''ان ہاتھوں نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا کہ آپ ان کو مسلسل مسل رہی ہیں۔''
''آپ ہاتھ چھوڑیں ورنہ میں یہاں سے اٹھ جاؤں گی۔'' اس نے کچھ سنجیدگی سے کہا تھا۔
وہ پہلے ہی پریشان تھی کنفیوژ تھی اوپر سے مصطفیٰ کی یہ جسارت۔
''میں نے اپنی منکوحہ کا ہاتھ پکڑا ہے۔ چھڑا سکتی ہو تو چھڑا لو۔'' مصطفیٰ نے شرارت سے کہا تھا شہوار ضبط سے لب بھینچ گئی۔
رمشاء اور عاصمہ دونوں گانا گا رہی تھیں۔

سیاں چھیڑ دیوے
نند چٹکی لیوے
سسرال گیندا پھول

سبھی لڑکیاں تالیاں بجا رہی تھیں خواتین بول سے بول ملا رہی تھیں۔

ساس گالی دیوے
دیور سمجھا لیوے
سسرال گیندا پھول

شہوار نے ایک دو بار ہاتھ نکالنا چاہا تھا مگر گرفت مضبوط تھی۔

چھوڑا بابل کا انگنا

بھاویں ڈیرہ پیا کا ہو
سسرال گیندا پھول
سیاں چھیڑ دیوے
نند چٹکی لیوے
سسرال گیندا پھول

شہوار نے دوبارہ ہاتھ کھینچنے کی کوشش نہیں کی تھی بس خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر ہاتھ چھوڑ دیا پھر مصطفیٰ اٹھ کر ولید اور احسن کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''تم ادھر کیوں آ گئے؟'' ولید نے پوچھا۔

''تم دونوں خاموش تھے مجھے لگا تم دونوں کو مجھے کمپنی دینا چاہیے۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا۔

''یہاں سبھی ہیں اور ہم خوب انجوائے کر رہے تھے۔ تم بھابی کو کمپنی دیتے ہم یہاں مزے میں تھے۔'' ولید نے چھیڑا۔

مصطفیٰ نے سب کی طرف دیکھا اور پھر شہوار کی طرف تابندہ بوا اس کمرے میں نہیں تھیں۔ وہ جب سے اندر آ کر بیٹھا تھا ان کو ایک بار بھی نہ دیکھا تھا۔ نجانے وہ کہاں تھیں۔

ان سے بس سلام دعا ہوئی تھی پتا نہیں شہوار کا اب ان کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟ مصطفیٰ کے اندر گہری پریشانی کی لہر اٹھی تھی باقی سبھی خواتین موجود تھیں۔ ماں جی دونوں پھوپھیاں کزنز، بھابیاں، وغیرہ مگر بوا جی نہ تھیں۔

''تمہاری فیملی بہت روایتی سی اور نائس ہے آئی ایم ایمپریسڈ۔'' ولید نے کہا تو مصطفیٰ چونکا تھا مسکرا کر سر ہلایا۔

''ہاں یہ سب باباصاحب اور پھر باباجان کی اصول پرستی کا نتیجہ ہے وہ ایسے تمام کمبائن فنکشن کو بے حیائی کہتے ہیں، جس میں مرد و زن کی تمیز ختم ہو جائے باباصاحب آج بھی اپنے بڑوں کی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ آج بھی پتا نہیں انہوں نے کیسے اس فنکشن کی اجازت دے دی ہے ورنہ اصول کے بہت پکے ہیں۔'' مصطفیٰ نے بڑے فخر سے اپنی خواتین کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میرے بڑے دونوں تایا وغیرہ کی فیملیز کافی ایڈوانس ہو چکی ہیں مگر دونوں پھوپیوں اور ہمارے فادر باباصاحب کی روایات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ہاں ایڈوانس تو ہر کوئی ہو چکا ہے مگر یہاں باباصاحب کے حکم کو ترجیح دی جاتی ہے۔''

''ویری نائس۔'' ولید واقعی متاثر ہو چکا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سب کے درمیان بیٹھی انا کو دیکھا جو لڑکیوں میں بیٹھی تالیاں بجا رہی تھی۔

چہرے پر بلا کی چمک اور رونق تھی۔ خوشی کی کرنیں پھوٹی پڑ رہی تھیں جس سے اس کا حسن اور نکھر گیا تھا۔ اس کے انگ انگ سے ظاہر تھا کہ وہ ان سب میں آ کر بہت خوش ہے۔

وہ چند دن سے اس کاشفہ والے واقعہ کو لے کر اس سے خفا خفا سی تھی مگر آج اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔

بلکہ سارے راستے میں بھی اس کا موڈ خوشگوار تھا۔ مصطفیٰ نے فوراً ولید کی محویت کو محسوس کیا تھا۔

''آج انا بھی کافی ایمپریسیو لگ رہی ہے۔'' مصطفیٰ نے شرارت سے کہا تو ولید نے مسکرا کر دیکھا۔

''وہ تو ہمیشہ سے اچھی لگتی ہے۔''

''اوہ، یعنی تم مکمل طور پر لٹو ہونے کا ارادہ کر چکے ہو؟''

''وٹ ڈو یو مین لٹو؟'' ولید کے لیے یہ لفظ نیا تھا۔ مصطفیٰ ہنسا۔

''مطلب مکمل طور پر ایمپریس ہو چکے ہو۔'' مصطفیٰ نے وضاحت کی تھی۔

''ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا مجھ پر ایز آ کزن وہ کبھی بری نہیں لگی۔'' انا کو دیکھتے ولید نے کہا تھا احسن سجاد سے بات کر رہا تھا سو ان دونوں کی طرف کوئی متوجہ نہ تھا۔

''یعنی مستقبل قریب میں امکان ہے۔''

''تم میری فکر چھوڑو اپنی سناؤ، پرسوں تو ویسے بھی عمر قید مل جائے گی تمہیں۔'' ولید نے کہا تو مصطفیٰ نے سر گھما کر شہوار کو دیکھا۔ اب صوفے پر اس کے پاس ماں جی آ بیٹھی تھیں دونوں کوئی بات کر رہی تھیں۔ ماں جی نے اسے بازوؤں کے حصار میں لیا ہوا تھا۔

''شہوار بھابی کو کہوں گا گن گن کر بدلے لیں۔ اتنے دل توڑ کر پاکستان آئے تھے اب لگ رہا ہے کسی کی آہ لگی ہو گی جو شہوار کا رویہ ایسا ہے۔'' ولید نے

بھی چھیڑا تھا۔
''وہ ایک مشرقی لڑکی ہے اور ساری مشرقی لڑکیاں شادی سے پہلے ایسا ہی بی ہیو کرتی ہیں میں بہت کانفیڈنٹ ہوں میں شہوار کو اپنے مزاج سے میچ کر لوں گا۔''
''اوئے ہوئے بڑے دعوے ہو رہے ہیں۔'' ولید نے مزید چھیڑا۔
''دعویٰ نہیں تجربہ ہے۔'' مصطفیٰ پر اعتماد تھا۔
''تمہارا تجربہ اور کیا کیا کہتا ہے۔'' ولید نے پوچھا تھا۔ مصطفیٰ نے گھورا۔
''تم کچھ زیادہ ہی پھیل رہے ہو۔''
''کیا کروں تمہارا دوست جو ہوں تم پر ہی جاؤں گا۔'' ولید کی بات پر اس نے کندھے پر مکہ دے مارا۔
''روشی کو بھی ساتھ لے آتے وہ بھی انجوائے کر لیتی۔ میری اور تمہاری شادی کے بارے میں اس نے اتنے پلانز بنا رکھے تھے۔''
''میں نے تو کئی بار کہا تھا مگر پھپھو ہی نہیں مانیں خود اس کا بھی دل کر رہا تھا ابھی فون پر بات کی تھی کہہ رہی تھی کہ وہ بہت مس کر رہی ہے ہم سب کو۔''
''چلو تمہاری شادی پر سارے ارمان پورے کر لے گی۔'' ولید مسکرایا۔
''تم بیٹھو مجھے ایک کام ہے میں ذرا آتا ہوں۔'' مصطفیٰ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔
''میں بھی چلوں۔'' ولید نے پوچھا۔
''نہیں مجھے بوا جی سے ملنا ہے جب سے آیا ہوں صرف سلام دعا ہوئی ہے یہاں بھی نظر نہیں آ رہی ہیں میں ذرا باہر دیکھ کر آتا ہوں۔'' مصطفیٰ کہہ کر جانے لگا تھا۔
''کدھر؟'' زاہد اور زبیر دونوں نے روکا تھا۔
''ویٹ آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر باہر نکل آیا۔ تاج مٹھائی کا تھال لیے ادھر ہی آ رہی تھی اس نے روک لیا۔
''بوا جی کدھر ہیں۔''
''اپنے کمرے میں گئی تھیں۔'' مصطفیٰ سر ہلا کر ان کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ دروازے پر دستک دی تھی کچھ کھلا ہوا تھا اس نے جھانکا وہ جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں شاید عشا کی نماز ادا کی تھی دعا مانگ رہی تھیں۔ مصطفیٰ اندر آ گیا تھا۔
کچھ دیر بعد انہوں نے منہ پر ہاتھ پھیر کر اسے بھی دیکھا تھا وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔
''سب ادھر ہال کمرے میں موجود ہیں آپ نہیں آئیں۔''
''میں نے سوچا پہلے نماز پڑھ لوں، ویسے بھی اور بھی بہت کام دیکھنے والے ہیں۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا مصطفیٰ نے انہیں بغور دیکھا آنکھوں میں سرخی اور نمی سی تھی۔ یوں جیسے کافی دیر تک روتی رہی ہیں۔ مصطفیٰ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔
''کیا ہوا؟'' تابندہ مسکرا دیں۔
''کچھ بھی نہیں۔''
''شہوار نے کچھ کہا؟'' انداز مشکوک تھا وہ ہنس دیں۔
''نہیں، اس نے اس بار کچھ نہیں کہا۔''
''حیرت ہے وہ اتنی آسانی سے اس سب کے لیے مان رہی ہے میں تو یہ سمجھا تھا کہ شاید آپ دونوں میں کوئی بات ہوئی ہے۔''
''نہیں، ہماری کوئی بات نہیں ہوئی، وہ جب سے شہر سے آئی ہے اسی طرح سے ہے اور میں یہ سمجھی کہ شاید تم نے سمجھا بجھا کر بھیجا ہوگا۔''
''یعنی محترمہ کی عقل ٹھکانے آ چکی ہے۔'' ان کی بات سن کر وہ مسکرا کر بولا تھا تابندہ ہنس دی تھیں۔
''وہ سمجھدار لڑکی ہے۔ ساری مخالفت ایک طرف مگر ہماری عزت پر کوئی حرف نہیں آنے دے گی۔ اس کے جو بھی ایشوز ہیں وہ صرف میری خاموشی تک ہیں اور جس دن اس کے خاندان کی ساری اصلیت واضح ہوگئی وہ سب کچھ قبول کر لے گی جذباتی ہے مگر کم فہم نہیں۔'' انہوں نے شہوار کی محبت میں کہا تو مصطفیٰ نے انہیں بغور دیکھا۔
''یہ وقت مناسب تو نہیں اس بات کے لیے مگر اب میں خود بھی چاہتا ہوں کہ آپ مجھ پر اعتماد کرتے، مجھے وہ سب کچھ بتائیں جس کے سبب آپ اپنے خاندان سے علیحدہ ہوئیں یا سکندر انکل کی فیملی کے بارے میں سب جاننا چاہتا ہوں۔'' مصطفیٰ کا انداز مضبوط تھا۔

تابندہ بواء نے چند پل اسے بغور دیکھا اور پھر وہ الماری کی طرف بڑھی تھیں' وہاں سے انہوں نے بہت پرانا بیگ نکالا تھا۔ مصطفیٰ فاصلے پر کھڑا خاموشی سے ان کو دیکھ رہا تھا' انہوں نے بیگ میں سے ایک چیز نکالی اور باقی بیگ واپس الماری میں رکھ دیا' الماری بند کر کے وہ واپس اس کے پاس آ رکی تھیں۔

''میرے پاس شہوار کے ماضی سے متعلق اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ایک بہت پرانا آئی ڈی کارڈ اس کے سامنے کیا تھا' مصطفیٰ نے وہ کارڈ تھام لیا تھا۔

''نام سکندر علی

ولدیت: سبحان احمد

تاریخ پیدائش 1955ء

مصطفیٰ نے دوبارہ تابندہ کو دیکھا تھا۔

''یہ تو سکندر انکل کا آئی ڈی کارڈ ہے نا؟'' تابندہ نے سر ہلایا۔

''لیکن یہ سب تو میں جانتا ہوں مگر میں تو یہ جاننا چاہ رہا ہوں کہ آپ نے اپنی فیملی کو کیوں چھوڑا اور یہاں کیسے آ ئیں؟''

''میں یہ سب بہت بار بتا چکی ہوں' سکندر کی وفات کے بعد اس کی فیملی جائیداد وغیرہ کے سلسلے میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی چونکہ سکندر کے بعد میں اور سکندر کی بیٹی ہی رہ گئے تھے تو ان لوگوں کا ظلم جب بڑھنے لگا تو مجھے وہاں سے نکلنا پڑا۔ بے سروسامانی کا عالم تھا ایسے میں میرا اور تمہارے والد کی گاڑی کا حادثہ ہو گیا وہ مجھے اسپتال لے گئے میرے دماغ پر چوٹ لگی تھی کئی ماہ میں زیر علاج رہی اور پھر جب میں ٹھیک ہوئی تو میری ساری کہانی سن کر بھائی صاحب اور بابا صاحب نے مجھے حویلی میں پناہ دی' اور تب سے اب تک میں ادھر ہی ہوں۔'' مصطفیٰ نے ان کو بغور سنا تھا۔

''جب سب کچھ سے واضح ہے تو شہوار مزید کیا جاننا چاہتی ہے اور آپ کی اپنی فیملی میرا مطلب بہن بھائی' والدین وغیرہ آپ ان کے پاس کیوں نہ گئیں؟'' مصطفیٰ کے سوال پر وہ بستر پر بیٹھ گئیں۔

''میرا سکندر کے علاوہ اپنا اس دنیا میں اور کوئی نہیں' سب وفات پا چکے تھے۔''

''مجھے میری پھوپی نے پالا تھا ان کی وفات کے بعد میں ان کے ہی گھر میں ایک ملازمہ کے ساتھ رہتی تھی' سکندر میری خالہ کا بیٹا تھا خالہ اور خالو بھی زندہ نہیں ہیں۔ مجھے جب سکندر کی فیملی کی طرف سے جائیداد کے تنازعے کے بعد جان کا خطرہ ہوا تو میں وہاں سے نکلی تھی اور پھر یہ بدقسمتی سے بھائی صاحب کی گاڑی سے ٹکر ہو گئی۔ جب علاج کے بعد سنبھلی تو مجھے اس حویلی سے بڑھ کر کوئی اور بہتر جائے پناہ نہ لگی اور میں نے ادھر ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا۔''

وہی کہانی تھی جو وہ ہمیشہ سے سنتا آ رہا تھا' نیا تو کچھ بھی نہ تھا۔

''سوال تو پھر بھی وہی رہا شہوار مزید کیا جاننا چاہتی ہے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ چاہتی ہے کہ ہم دونوں واپس چلیں' اس کے باپ کے خاندان میں' وہ اپنے باپ کی شناخت حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اپنے رشتہ داروں کی پہچان لینا چاہتی ہے تا کہ وہ بھی لوگوں کو بتا سکے کہ اس کا بھی ایک خاندان موجود ہے' وہ کوئی بے نام ونشان لڑکی نہیں ہے۔'' انہوں نے وضاحت کی تھی' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''نان سینس ہے وہ تو...... اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود کسی نے پلٹ کر خبر نہیں لی آپ دونوں کو ان کی طرف سے جان کا خطرہ رہا تو پھر اب واپس جانے کی بھلا کیا تک ہے؟ کیا وہ لوگ جانتے تھے کہ آپ کدھر ہیں؟'' مصطفیٰ نے سوالیہ دیکھا انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں...... میں واپس کبھی اس طرف نہیں گئی' آپ کے پاس ان لوگوں کا ایڈریس ہو گا۔'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''یہ آئی ڈی کارڈ میں درج ہے۔'' انہوں نے کہا تو مصطفیٰ نے دوبارہ شناختی کارڈ کو دیکھا تھا' وہاں ایڈریس موجود تھا۔ تصویر میں ایک بہت ہی خوبرو اور ڈیسنٹ شخص تھا' چہرے پر بلا کا اعتماد تھا' چمکتی ذہانت سے پُر آنکھیں اور مسکراتا چہرہ تھا۔ مجموعی طور پر ایک صاحب جمال اور پُروقار شخص کی تصویر تھی یہ۔

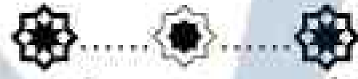
''سکندر انکل تو کافی خوب صورت انسان رہے ہوں گے۔'' ایڈریس اور تصویر کو دیکھتے مصطفیٰ نے کہا تو تابندہ کے چہرے پر ایک آزردہ سی مسکراہٹ سمٹ آئی۔

''ہاں خوش قسمتی ہے' میری خالہ بہت خوب صورت تھیں۔ وہ بالکل اپنی ماں پر گیا تھا۔'' مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

''یہ کارڈ میں اپنے پاس رکھ سکتا ہوں؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تھا وہ چونکی تھیں اور پھر سر ہلا دیا۔

''سکندر انکل کی وفات کے بعد ان کی تھوڑی جائیداد پر ان کی بیوی اور بیٹی کا حق بنتا ہے' آپ کو وہاں سے نکال کر ایک ظلم تو کیا ان لوگوں نے بہر حال میں شادی سے فارغ ہو لوں تو پتا کرتا ہوں ان لوگوں کا بھی' رہ گیا شہوار کا تقاضہ' اب اس کو ہینڈل کرنا میرا کام ہے۔ اگر شہوار کا تقاضہ برقرار رہا تو پھر ان لوگوں

سے ملوانے بھی لے چلوں گا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔‘‘ مصطفیٰ نے کہا تو تابندہ نے سر ہلا دیا تھا۔
’’آپ ہال کمرے میں نہیں آئیں گی وہاں خوب رونق لگی ہوئی ہے سبھی انجوائے کر رہے ہیں۔‘‘ مصطفیٰ نے ٹاپک بدلا۔
’’نہیں تم لوگ انجوائے کرو مجھے بہت تھکن ہو رہی ہے اب سوؤں گی۔ صبح پھر جلدی اٹھنا ہوگا اور پھر پرسوں تو ویسے بھی بارات ہے۔‘‘ مصطفیٰ نے سر ہلایا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔



’’عباس آج جلدی اٹھ گیا تھا آفس کی وجہ سے وہ اور بابا جان نہیں جا سکے تھے کل بارات تھی اور آج دوپہر کو دونوں نے گاؤں کے لیے روانہ ہونا تھا آفس کا سارا کام فاروقی صاحب اور ایک دو قابل اعتماد لوگوں پر ڈال کر وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ گاڑی لے کر نکل آیا تھا۔ جس دن سے عادلہ کو لے کر وہ آیا تھا دوبارہ وہاں نہیں گیا تھا وہ دوبارہ اس قابل نفرت عورت کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا مگر اب اسے آنا پڑا تھا۔ گاڑی اندر لا کر گیٹ بند کر کے وہ وہاں موجود محافظوں کو دیکھتے اندر کی طرف چلا آیا تھا دروازہ ان لاک کر کے وہ اندر آیا تو چونکا۔
کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اس نے اندازے سے بٹن آن کیے تھے کمرہ روشن ہو گیا تھا۔ عادلہ قالین پر اوندھے منہ گری پڑی تھی اردگرد ہر چیز ٹوٹی پڑی تھی وہ چیزوں سے بچتا بچاتا اس تک پہنچا تھا اس کو سیدھا کیا تو وہ بے ہوش تھی پیشانی پر چوٹ لگی ہوئی تھی جس پر خون جم چکا تھا اس نے کلائی دیکھی وہ نارمل تھی۔ اس کو اٹھا کر صوفے پر لیٹاتے ہوئے وہ کچن کی طرف آیا تھا باقی تو سارا گھر لاک تھا برتن بکھرے ہوئے تھے شیشے کے برتن ٹوٹے ہوئے تھے۔ فریج اور باقی ساز و سامان خالی ہو چکا تھا۔
عباس کے اندازے کے مطابق جتنی خوراک وہ اسٹاک کر کے گیا تھا وہ سب پانچ دن پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔
وہ گلاس میں پانی لے کر واپس عادلہ کے پاس آیا تھا اس کے منہ پر چھینٹے مارے چند اور حربے استعمال کیے تھے مگر وہ سب بے سود تھے۔ نجانے کب کی بے ہوش پڑی تھی اسے ہوش نہیں آیا تھا ہر وقت نک سک سے تیار رہنے والی عادلہ اس وقت حال سے بے حال پڑی تھی۔ بکھرے گرد سے اٹے بال گرد آلود لباس بُرا حال ہو چکا تھا۔ عباس نے کچھ دیر سوچا اور پھر اسے اٹھا کر باہر گاڑی میں لا کر ڈالا تھا وہ اسے لے کر ایک کلینک میں آیا تھا۔ کچھ دیر کی تگ و دو کے بعد اسے ہوش آ گیا تھا عباس کو سامنے دیکھ کر وہ چیخنے چلانے لگی تھی۔
’’حرام زادے کمینے...... تم نے مجھے قید کیا میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میرے ڈیڈی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔‘‘ وہ چلا رہی تھی عباس خاموشی سے اسے چلاتے دیکھ رہا تھا وہ تو شکر تھا کہ اس کمرے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔
جب وہ چیخ چلا کر نڈھال ہو کر گر گئی تو عباس اس کی طرف بڑھا تھا۔
’’میرا خیال تھا کہ تمہارے لیے اتنی سزا کافی ہے مگر اب لگتا ہے تمہیں واپس اسی قید خانے میں ڈالنا ہوگا۔‘‘ عباس نے کہا تو عادلہ کی آنکھوں میں ایکدم خوف کے سائے لہرائے تھے۔
’’نہیں پلیز میں وہاں واپس نہیں جاؤں گی میں وہاں کچھ دیر اور رہی تو مر جاؤں گی۔‘‘ وہ رونے لگی تھی۔ قید تنہائی نے اس کے سب انتقامی جذبات کو سرد کر دیا تھا ایکدم وہ منتوں پر اتر آئی تھی۔
’’پلیز مجھے جانے دو مجھے معاف کر دو۔ میں تمہیں یا اس رابعہ کو کچھ نہیں کہوں گی پلیز مجھے جانے دو۔‘‘
’’تم مجھے یا اس لڑکی کو نقصان تو تب پہنچاؤ گی جب میں تمہیں کسی قابل چھوڑوں گا۔ تم کیا سمجھتی ہو صرف پلاننگ کرنی تمہیں آتی ہے تم ایک بار مجھے دھمکی تو دے کر دیکھو پھر دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں؟‘‘ عباس نے نفرت سے کہا تو وہ سہم سی گئی۔
’’کل مصطفیٰ اور شہوار کی شادی ہے اور آج میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تم کیا کچھ کرتی ہو مگر یاد رکھنا میرے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو تمہیں دوبارہ مہلت نہیں دوں گا کہ تم کہیں اور جا سکو۔ یہ تمہارا موبائل اور بیگ ہے تمہارے والدین کو اطلاع مل چکی ہے کہ تم اس کلینک میں زخمی حالت میں موجود ہو اور کچھ نامعلوم لوگ تمہیں یہاں لے کر آئے تھے میں جا رہا ہوں اور جانے سے پہلے پھر اچھی طرح باور کروا رہا ہوں کہ خبردار میرے یا رابعہ کے متعلق کوئی کارروائی کی تو ورنہ......‘‘ انگلی اٹھا کر وارن کرتے وہ وہاں سے نکل گیا تھا عادلہ شاک کی کیفیت میں اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔
اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ آزاد ہو چکی ہے کچھ دیر بعد ڈیڈ کے ساتھ مام اور کاشفہ بھی وہاں آ چکے تھے وہ ان کو دیکھ کر خوب رو رہی تھی۔
’’مجھے ابھی کلینک سے کال آئی تھی تم کو کوئی نامعلوم آدمی بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لائے ہیں تمہارے موبائل سے کال کی تھی میں تو حیران رہ گیا تھا فوراً ہم لوگ پہنچے ہیں۔ تم کہاں تھیں اتنے دن سے اور یہ کیا حالت ہو گئی ہے تمہاری؟‘‘ ڈیڈ پوچھ رہے تھے۔
عادلہ کا جی چاہا کہ رو رو کر ڈیڈ کو سب بتا دے مگر پھر عباس کی دھمکی یاد آنے لگی تو لب سی گئی تھی اور ہچکیوں میں رو دی تھی۔

''تم بتا کیوں نہیں رہیں، تم کہاں تھیں؟'' مام اور کاشفہ بھی بار بار پوچھ رہی تھی۔
''پتا نہیں کچھ لوگوں نے مجھے اغواء کرلیا تھا اور پھر خود ہی چھوڑ دیا اور اب ہوش آیا ہے تو خود کو اس کلینک میں پایا۔'' وہ جو کسی سے بھی نا ڈرنے والی تھی عباس سے ڈر گئی تھی۔
''مگر کیوں اغواء کیا بتایا نہیں ان لوگوں نے؟'' ڈیڈ نے پوچھا۔
''مجھے کچھ نہیں پتا۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر آنکھیں بند کر گئی تھیں تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔
''ابھی پریشان ہے نارمل ہوتی ہے تو پھر پوچھتے ہیں۔'' مام نے دونوں کو تسلی دی تھی ڈیڈ نے بھی سر ہلا دیا تھا۔
''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ ہو کیا رہا ہے کون لوگ ہیں جنھوں نے یہ حرکت کی ہے اور کیا مقصد تھا ان کا؟'' ڈیڈ نے سر پکڑ لیا تھا۔
''ادھر ایاز دن بہ دن میرے لیے پرابلم کا سبب بنتا جا رہا ہے اور ادھر یہ لڑکی آخر کون لوگ تھے وہ اور گاڑی کدھر ہے؟'' ڈیڈ نے پوچھا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔
''مجھے نہیں علم۔'' ڈیڈ نے چند پل اسے دیکھا تھا۔
''تمہارے ساتھ کسی نے کچھ کیا تو نہیں۔'' مام نے آہستگی سے پوچھا تھا۔ عادلہ ان کا مفہوم اچھی طرح سمجھ گئی تھی نفی میں سر ہلا دیا تھا۔
''تو پھر کیا مقصد تھا ان کا؟'' کاشفہ بھی حیران تھی۔
''میں کہہ رہی ہوں نا کہ مجھے کچھ علم نہیں۔'' عادلہ نے تلخی سے جواب دیا تھا۔
''خوامخواہ کسی کو کوئی بھی اغواء نہیں کرتا یقیناً کوئی بات تو ضرور ہوگی۔'' کاشفہ نے بڑے بے حس انداز میں تبصرہ کیا تھا عادلہ نے بہن کی بے حسی دیکھی تو ایک دم چیخ اٹھی تھی۔
''تمہارا مطلب ہے کہ میں خود کہیں غائب ہوئی ہوں خود سے کہیں چلی گئی تھی۔''
''ہو بھی سکتا ہے۔'' کاشفہ نے بے حسی سے کہا۔
''شٹ اپ۔'' عادلہ کا صبر ایک دم ختم ہو گیا تھا۔
''ان لوگوں نے کوئی ڈیمانڈ بھی نہیں کی نہ ہی تمہیں کچھ کہا جس حالت میں گئی تھیں واپس آ رہی ہو تو پھر اتنے دن اپنے پاس رکھ کر کیا تمہاری مہمان نوازی کرتے رہے تھے وہ لوگ۔'' کاشفہ کا تجزیہ آگ لگا دینے والا تھا۔
''ڈیڈ پلیز اس کو چپ کروائیں میں پہلے ہی بہت پریشانیوں سے گزر کر آ رہی ہوں۔'' بہن کی باتوں پر عادلہ چیخ اٹھی تھی۔
''کاشفہ چپ کرو تم عادلہ کو میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ خود سے کچھ بھی مسئلہ پیدا کرنے والی نہیں ہے یقیناً کسی اور پرابلم کی وجہ سے اغواء کیا گیا ہے ورنہ رقم کا مطالبہ ہوتا تو وہ بنا لیے دیئے کیوں چھوڑتے؟'' ڈیڈ کے کہنے پر کاشفہ ''ہونہہ'' کہہ کر خاموش ہو گئی تھی۔
''ایاز کیسا ہے اس کے مسئلے کا کیا بنا؟'' مام اس کا سر دبانے لگ گئی تھیں کچھ وقت کے بعد اس نے پوچھا تھا۔
''کچھ نہ پوچھو دماغ خراب ہے اس لڑکے کا مجھے اطلاع ملی تھی کہ پرسوں مصطفیٰ کی شادی ہے وہ سب لوگ گاؤں جا چکے ہیں وہیں تقریب ہوگی۔ میں ایاز سے جب ملنے گیا تو اس کے سامنے ذکر کرنے کی غلطی کر دی تب سے اس پر جنون سوار ہے وہ ہر حال میں اتنا محفوظ ٹھکانہ چھوڑ کر باہر آنا چاہتا ہے۔ وہ مصطفیٰ اور شہوار سے بدلہ لینا چاہتا ہے انتقام نے اس کے حواس پر قبضہ کر لیا ہے۔ میری کوئی بات اس پر اثر نہیں کر رہی۔'' عبدالقیوم صاحب سر سے پاؤں تک بھرے بیٹھے تھے۔
غصے سے سب بتایا تو عادلہ کو عباس کی بات یاد آ گئی وہ بھی تو مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کا ذکر کر رہا تھا۔
''ان لوگوں نے ہمیں بھی مدعو کیا تھا کیا؟'' عادلہ نے پوچھا۔
''نہیں، کسی جانے والے سے علم ہوا ہے مجھے بھی۔'' اس نے سر ہلایا۔
''میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں تمہاری طبیعت ٹھیک ہے تو گھر چلتے ہیں۔'' عبدالقیوم کہہ کر باہر نکل گئے تھے کاشفہ اپنا موبائل نکال کر اس میں مصروف ہو گئی تھی جبکہ مام بڑی محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ وہ ابھی عباس کے بارے میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر وہ عباس کو اس حرکت پر کبھی معاف بھی کرنے والی نہ تھی۔ وہ مکمل طور پر ذہنی لحاظ سے سیٹ ہونے کے بعد عباس اور اس رابعہ کے بارے میں کوئی کارروائی کرنے کا سوچنے لگ گئی تھی۔

❁......❁......❁

رات تین بجے تک ہنگامہ ہوتا رہا تھا پہلے گیتوں کا مقابلہ ہوا پھر شعروشاعری کا اور اس کے بعد جب مرد حضرات مردانے کی طرف چلے گئے تو گاؤں کی خواتین کا علاقائی رقص ہوا پھر جس کو جہاں بھی جگہ ملی وہیں پڑ کر سو گیا۔

صبح دس بجے سے پہلے کوئی بھی اٹھنے کو تیار نہ تھا دس بجے کے بعد اٹھنا شروع ہوئے تھے بارہ بجے تک حلوہ پوری اور چنوں کے سالن کا ناشتا کیا۔ ولید اور احسن ابھی ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ بابا صاحب ان کے کمرے میں آ گئے۔ دونوں نے اٹھ کر بڑی عزت واحترام سے ان کو ویلکم کیا پھر سلام دعا کے بعد وہ ان کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئے تھے۔

''آپ نے خوامخواہ زحمت کی آپ بلوا لیتے کسی سے کہہ کر ہم آ جاتے۔'' بابا صاحب کا خود سے خصوصی طور پر ان سے آ کر ملنا دونوں کو متاثر کر گیا تھا' ولید نے کہا تو بابا صاحب نے محبت سے اسے دیکھا۔

''زحمت کیسی تم ہمارے مہمان ہو' اپنے مہمانوں کا خیال رکھنا ہمارا فرض بنتا ہے۔'' ولید مزید اس محبت سے متاثر ہوا۔

''تمہارے والد کیسے ہیں ان کو بھی لے آتے۔'' بابا صاحب نے پوچھا۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی' لمبا سفر نہیں کر سکتے۔''

''کیا بیماری ہے ان کو؟''

''بلڈ پریشر رہتا ہے دل کے مریض ہیں۔'' بابا صاحب نے سر ہلایا۔

''اوہ اچھا...... شادی میں خواب انجوائے کر رہے ہو؟'' بابا صاحب نے پوچھا۔

''جی۔'' ولید نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

بابا صاحب نے اسے بغور دیکھا اور پھر ان کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔

''تم لوگوں کے والدین شامل نہیں ہوئے کیا؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''ماموں تو طبیعت خرابی کی وجہ سے نہیں آ سکے اور پاپا کاروبار کی وجہ سے۔'' احسن نے ہی جواب دیا۔

''تمہاری بہن کیسی ہے' جس کی شادی پر ہم گئے تھے؟'' انہوں نے براہ راست ولید سے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے وہ بہت خوش ہے۔'' احسن کو مسکرا کر دیکھتے ولید نے کہا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

''وہ شادی میں شامل ہے؟'' انہوں نے کچھ سوچتے پوچھا تو احسن نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''وہ نہیں آ سکی البتہ میری سسٹر آئی ہے۔'' احسن کی بات پر بابا صاحب کا چہرہ ایک دم بجھ سا گیا تھا۔

وہ دونوں سے ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ انا دروازہ ناک کرتی اندر داخل ہوئی تھی' تینوں نے چونک کر اسے دیکھا تھا انا بھی چونکی تھی۔

''السلام علیکم!'' بے اختیار کہتے اس نے سر پر دوپٹہ بھی درست کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' بابا صاحب نے اسے بغور دیکھا۔

''یہ میری بہن ہے۔'' احسن نے تعارف کروایا تو بابا صاحب نے سر ہلایا' انا احسن کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

بابا صاحب انا سے اس کی تعلیم اور دیگر سوال کرنے لگے تھے وہ یہ جان کر بہت حیران اور خوش ہوئے تھے کہ انا نہ صرف شہوار کی کلاس فیلو ہے بلکہ دوست بھی ہے۔ وہ مزید کچھ دیر تینوں کے پاس بیٹھے پھر ان کو کوئی بلانے آ گیا تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔

''بڑے نائس انسان ہیں' اتنے بڑے جاگیردار ہیں مگر غرور نام کا نہیں۔'' ان کے جانے کے بعد انا نے تبصرہ کیا' احسن مسکرا دیا جبکہ ولید کا انداز پر سوچ تھا۔

''ایک راز کی بات سنو' یہ بابا صاحب پہلی نظر میں ولید کے معاملے میں کیوپڈ کے تیر کا شکار ہو چکے ہیں اور جب بھی ملنا ہو بڑے تپاک سے ملتے ہیں۔'' احسن کی بات پر انا نے حیران ہو کر ولید کو دیکھا وہ ذرا سا مسکرا دیا۔

''بکومت' وہ انسان شناس آدمی ہیں انہیں ہیرے اور پتھر کی پہچان ہے ورنہ تم بھی تو اسی محفل میں تھے میرے بجائے تم بھی نظر آ سکتے تھے۔'' ولید نے جملہ کسا تو احسن نے آنکھیں دکھائی۔

''دیکھو تم مجھے احساس کمتری میں مبتلا مت کرو' تمہارے مقابل کا نہیں تو کیا ہوا لڑکیوں کے ہجوم میں سو میں سے نوے نمبر تو ہمیں بھی مل ہی جاتے ہیں۔'' انا ہنس دی۔

''ویسے مجھے یہ بابا صاحب کافی پراسرار انسان لگتے ہیں جب بھی ملتے ہیں لگتا ہے کچھ کھوج رہے ہیں' بغور دیکھتے رہتے ہیں۔'' ولید نے اپنا تجزیہ بیان

کیا۔
''کیوپڈ کے تیر والا مذاق ایک طرف ہوسکتا ہے تمہارے وجود میں انہیں اپنی کوئی سالوں پرانی بچھڑی ہوئی محبوبہ نظر آتی ہو۔'' احسن نے پھر چھیڑا تو ولید ہنس دیا۔
''بہرحال کچھ بات ضرور ہے ورنہ ہزاروں لوگوں سے ملتا ہوں یوں کسی سے بھی اپنائیت کا احساس نہیں جاگا۔ ان سے مل کر دل خود بخود ان کی طرف مائل ہونے لگتا ہے یوں جیسے لوہے کو مقناطیس آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔'' ولید کا سوچتا انداز تھا۔
''ہاں ہوسکتا ہے کسی محبوبہ کی اولاد وغیرہ کا چکر ہو۔'' احسن نے پھر چھیڑا۔ ولید نے ایک ہاتھ کندھے پر جڑ دیا۔
''بکواس کی نہیں ہورہی' میں ریئلی ان سے امپریس ہوں۔''
''ہاں تو اتنی گریس فل پرسنالٹی ہیں' نرم خو اور شفقت آمیز رویہ رکھتے ہیں' انسان خود بخود امپریس ہو جاتا ہے۔'' احسن نے مذاق سے ہٹ کر کہا۔
''اچھا اس ٹاپک کو چھوڑیں' مجھے آپ دونوں اپنے ڈریسز نکال دیں' میں فارغ ہوں پریس کر دیتی ہوں۔'' انا نے کہا تو ولید نے دیکھا وہ رات والے لباس میں ہی تھی' ہلکا پھلکا میک اپ تو اتر چکا تھا مگر دلکشی ابھی بھی برقرار تھی۔
''ہاں نکال دیتا ہوں۔'' احسن اٹھ پر ولید اسی طرح بیٹھا رہا۔
''آپ نے پریس نہیں کروانے؟'' انا نے اسے دیکھ کر پوچھا۔
''احسن نکال دیتا ہے۔'' وہ پھر سے نیم دراز ہو گیا۔
''رات کا فنکشن تم نے تو خوب انجوائے کیا ہوگا؟'' ولید نے اسے دیکھتے پوچھا۔
''کیوں...... آپ نے انجوائے نہیں کیا۔''
''پوچھو مت' یہاں سب لڑکوں نے وہاں سے آنے کے بعد مصطفیٰ کی جو درگت بنائی تھی' مصطفیٰ ہمیشہ یاد رکھے گا۔'' احسن نے کپڑے نکالتے کہا تو وہ چونکی۔
''کیا مطلب؟''
''ولید تصویریں دکھاؤ ذرا اسے۔'' احسن نے ہنستے ہوئے کہا تو ولید نے سائیڈ پر پڑا موبائل اٹھا کر انا کو تھما دیا۔
''وہاں تو صرف گانا گانے تک لڑکے بے چارے شرافت دکھاتے رہے' یہاں آ کر مصطفیٰ کو خوب نچوایا۔'' احسن نے ہنس کر کہا تو وہ بھی ہنس دی۔
وہ تصویریں دیکھنے لگی' مصطفیٰ اس کے سب کزنز مل کر بھنگڑا ڈال رہے تھے' مختلف لوگوں کی مختلف انداز میں مختلف تصویریں تھیں' ایک دوسرے کو مٹھائی کھلاتے' ایک دوسرے کا حلیہ بگاڑتے بھنگڑا ڈالتے اتنے مختلف پوز تھے۔ ایک تصویر پر آ کر وہ ٹھٹک گئی تھی' مصطفیٰ کے ساتھ ولید بھنگڑا ڈال رہا تھا' بال پیشانی پر گرے ہوئے تھے ہاتھ مصطفیٰ کے ہاتھ میں تھے۔ ولید اس تصویر میں حد سے زیادہ ڈیسنٹ اور اٹریکٹو لگ رہا تھا۔
''کیا ہوا؟'' ولید نے ایک ہی تصویر دیکھ کر پوچھا تھا۔
وہ ذرا چونکی تھی پھر مسکرا کر اسکرین کو ٹچ کرتے اگلی تصاویر دیکھنے لگی تھی اور اگلی کچھ تصاویر پر وہ واقعی چونکی تھی۔ شہوار کے ساتھ صوفے پر بیٹھے اس کی اور شہوار کی تصویر تھی' اگلی دو تصاویر میں مصطفیٰ شہوار کے ساتھ وہ خود بھی تھی۔
وہاں اور بھی کافی لوگوں نے تصاویر لی تھیں عموماً لڑکیوں نے' اندازہ نہ تھا کہ ولید نے لی ہوں گی۔ اگلی تصاویر ہال کمرے کی ہی تھیں کچھ ڈیکوریشن کی تھی کچھ سب لڑکوں کی تھیں اور کچھ لڑکیوں کی اور چار پانچ تصاویر میں صرف اس کے چہرے کو فوکس کیا گیا تھا' جب وہ عائشہ کے کہنے پر اٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھی تھی اور خوش ہو کر تالیاں بجا رہی تھی' ہنس رہی تھی۔ مختلف انداز میں مختلف پوز تھے' تصاویر کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر ایک دم خوش گوار سی کیفیت پیدا ہوئی تھی' اس نے مسکرا کر سر اٹھا کر ولید کو دیکھا' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کے دیکھنے پر مسکرا کر سر ہلایا' جیسے پوچھ رہا ہو کہ ''کیا ہوا ہے؟'' انا نے نفی میں سر ہلا دیا' مگر چہرے کی مسکراہٹ ایک دم گہری ہوئی تھی۔
''کیسی لگیں تصاویر؟'' احسن بھی قریب آ گیا تھا اس نے جلدی سے بیک کو ٹچ کیا تھا اور موبائل سے نظریں ہٹالی تھیں۔
''بہت اچھی تصاویر ہیں یعنی وہاں سے آنے کے بعد آپ لوگوں نے خوب انجوائے کیا تھا پھر؟'' اس نے موبائل واپس بستر پر ڈالتے مسکرا کر کہا تھا۔
''ایسا ویسا...... مصطفیٰ کے سب کزنز ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں' کوئی بھی بخشنے کو تیار نہ تھا اسے۔'' احسن نے اپنے اور ولید کے کپڑے لا کر اس کو تھمائے تھے' کپڑے لے کر وہ کھڑی ہوئی تھی۔
''گھر سے کسی نے کال کی؟''

''ہاں' ماما اور پاپا دونوں نے کال کی تھی' ماموں بھی کرتے رہے ہیں۔'' اس نے سر ہلایا تھا یہاں آنے کے بعد اس کی صرف روشی سے ہی ایک دو بار بات ہوئی تھی۔

''او کے میں کپڑے پریس کر کے کسی کے ہاتھ بھجواتی ہوں۔'' وہ وہاں سے نکل کر حویلی کے اندر آئی تو وہاں سے کسی کام سے باہر نکلتے حماد نے اسے دیکھ لیا تھا' وہ خود قریب آیا تھا۔

''السّلام علیکم!''

''وعلیکم السّلام!'' انا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' اس نے اب بھی سنجیدگی سے کہا تھا' وہ ذرا ٹھٹکا تھا۔

''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں' میں مصطفیٰ بھائی کا کزن ہوں۔ ان کی پھپھو کا بیٹا' زاہد بھائی کا بھائی۔'' اس نے تفصیل سے تعارف کروایا۔

''جی میں نے پہچان لیا۔'' اب کی بار انا کا رویہ قدرے چینج تھا۔ حماد کے چہرے پر ایک دم رونق آئی تھی۔

''یعنی میں آپ کو یاد ہوں۔'' انا نے الجھ کر دیکھا۔ اس نے کندھے اچکا دیئے تھے۔

''آپ کو ادھر دوبارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی' میں بڑی شدت سے آپ کا منتظر تھا۔'' حماد نے کہا تو انا حیران ہوئی۔

''کیوں؟'' اس کا لہجہ ایک دم بدلا۔

''بس ویسے ہی آپ اچھی لگی تھیں اس لیے کہہ دیا۔'' انا کے ایک دم بدلتے تیوروں سے گھبرا کر اس نے فوراً وضاحت کی۔

''مگر آپ مجھے ذرا بھی اچھے نہیں لگے۔'' اس کے الفاظ پر انا نے ناگواریت سے کہہ کر قدم آگے بڑھا دئے۔

''لیکن کیوں......؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''میری مرضی......'' وہ کہہ کر گھور کر وہاں سے چلی گئی تو حماد حیرت سے اسے جاتے دیکھ رہا۔

وہ انا کے ایک دم بدل جانے والے رویے پر غور کرتے پلٹا تو مصطفیٰ کو کچھ فاصلے پر کھڑے دیکھ کر ٹھٹکا۔

''کیا کہہ رہے تم انا سے؟'' مصطفیٰ قریب آیا اس کا انداز مشکوک تھا۔

''کچھ بھی نہیں بس سلام دعا ہوئی ہے۔''

''بس سلام دعا تک ہی رہنا' وہ ایسی لڑکی نہیں جو ہر آتے جاتے سے کھڑے ہو کر بات چیت کرے۔'' مصطفیٰ کا انداز طنزیہ تھا۔

''تو میں بھی اس سے کھڑے ہو کر بات چیت کرنے کے موڈ میں نہیں تھا' وہ موقع دیتی تو کہیں بیٹھ کر اچھی طرح تعارف حاصل کرتا۔'' انداز پر اعتماد تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔

''مطلب؟'' مصطفیٰ اب کے مکمل طور پر چونکا تھا۔

''وہ مجھے پہلی نگاہ میں ہی اچھی لگی ہے اور میں بھی محض اس سے سلام دعا نہیں رکھنا چاہتا بلکہ میرا ارادہ اسے باقاعدہ پرپوز کرنے کا ہے۔'' مصطفیٰ نے چند پل بغور حماد کو دیکھا اس کے چہرے پر جھوٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔

''وہ صرف شہوار کی دوست ہی نہیں بلکہ میرے دوست ولید کی کزن بھی ہے۔'' مصطفیٰ نے اب کے کافی رکھائی سے کہا۔

''میں جانتا ہوں۔'' حماد کا اعتماد جوں کا توں تھا۔

''تو پھر یہ بھی جان لو کہ وہ محض ولید کی کزن ہی نہیں اس کی فیانسی بھی ہے اور عنقریب دونوں کی شادی بھی ہونے والی ہے۔'' مصطفیٰ طنز سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا اور حماد اپنی جگہ حیرت سے ساکت رہ گیا تھا' بالکل گم صم اور بے یقین......!



جب سے اس نے عبدالقیوم کی زبان سے مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کی خبر سنی تھی وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کسی حد سے گزر جائے اس کا ذہن ہر وقت جولاہے کی طرح الجھا ہوا تھا اور ڈیڈ کی ہدایت نے الگ اس کے پاؤں باندھ رکھے تھے۔ بہت زیادہ سوچنے کے بعد اس نے اپنے ذہن میں ایک پلان تیار کیا۔ دوپہر میں اس کا ملازم کھانا لے کر آیا تو وہ اسے وہاں رکنے پر آمادہ کرتے اس کا لباس پہن کر اپنا حلیہ بدلتے وہاں سے نکل آیا تھا۔

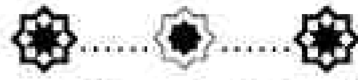
وہ سیدھا شہزاد کے گھر آیا وہ اس کے موبائل پر رابطہ نہیں کر سکتا تھا کہ عبدالقیوم نے اسے سختی سے کسی بھی دوست سے رابطہ کرنے سے منع کر رکھا تھا اس کی

خوش قسمتی تھی کہ شہزاد گھر پر ہی تھا اور فوراً اس کے ساتھ نکل آیا تھا اب دونوں کسی غیر معروف جگہ پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
''ہاں فون تو ہمارا ٹریس ہو رہا ہے اور سادہ کپڑوں میں کچھ لوگ ہمارا پیچھا کرتے بھی دکھائی دیئے ہیں' ویسے تم تھے کہاں؟'' شہزاد نے اس سے پوچھا۔
''میں جہاں بھی تھا اس بات کو چھوڑو' بس مجھے تم سے ایک کام ہے باقی کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا سو تم سے رابطہ کرنا پڑا بلکہ اپنا حلیہ بدل کر تم تک آنا پڑا۔'' ایاز نے کہا۔
''تمہیں اس حلیے میں دیکھ کر میں فوراً پہچان بھی نہیں سکا' ایسا کون سا ضروری کام تھا جو تمہیں خود آنا پڑا۔'' شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔
''تم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں پتا کرواؤ کہ مصطفیٰ' شاہزیب علی اور شہوار کب آ رہے ہیں' ویسے سنا تو ہے کہ دونوں کی کل بارات ہوگی اور پرسوں ولیمہ اور یہاں سے یہ لوگ گاؤں جائیں گے' کل واپسی پر شہر آئیں گے ولیمہ بھی یہیں ہوگا۔'' شہزاد اس کی بات بغور سن رہا تھا ایک دم چونکا۔
''تمہارا ارادہ کیا ہے؟''
''تم بس یہ کنفرم کر دو باقی پلان بعد میں بتاتا ہوں' مثلاً وہاں سے بارات کب واپس لوٹے گی' ٹائمنگ وغیرہ اور باقی روٹین......'' شہزاد کے سوال پر اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''وہ تو معلوم کر دیتا ہوں مگر اپنا ارادہ تو بتاؤ آخر سوچ کیا رکھا ہے تم نے......''
''پہلے آرام و سکون سے تم یہ اہم اطلاعات مجھے پہنچا دو باقی سب بھی بتاتا ہوں۔'' شہزاد نے سوال کے جواب میں اس کو پراسرار انداز میں مسکراتے کہا تو شہزاد نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔



عباس اور شاہزیب علی صاحب جب حویلی پہنچے تو شام ہو رہی تھی' رابعہ اور ہادیہ باقی لڑکیوں کے ساتھ گاؤں کی سیر کر کے لوٹے تھیں' انا اور کچھ لڑکیاں اندر چلی گئی تھیں۔ وہ دونوں وہیں لان میں تھیں جب شاہزیب صاحب اور عباس کی گاڑی آ کر رکی تھی' دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔
''آؤ سر سے سلام دعا کر لیں۔'' ہادیہ نے کہا تو وہ دونوں اسی طرف چلی آئیں' دونوں نے شاہزیب صاحب اور عباس سے سلام دعا کی تھی۔ عباس رابعہ کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔
''میں آپ کو یہاں دیکھ کر بہت سرپرائز ہو رہا ہوں۔'' شاہزیب صاحب آگے بڑھ گئے تو عباس نے رابعہ سے کہا تھا تو وہ جھینپ گئی۔
''سر یہ سارا کمال میرا ہے' یہ تو اویں ٹال رہی تھی اس کی والدہ سے بات کی تو آنٹی نے فوراً ساتھ چلنے کی اجازت دے دی کل ہم لوگ آپ لوگوں کی فیملی کے ساتھ ہی یہاں آئی تھی۔'' ہادیہ نے مسکرا کر کہا تو عباس مسکرا دیا۔
''میں کل گھر پر نہیں تھا' میٹنگ میں مصروف تھا سو مجھے علم نہیں ہو سکا کہ کون کون آ رہا ہے' میں آج آفس گیا تھا مگر رابعہ موجود نہیں تھیں' مجھے یہی لگا کہ شاید چھٹی پر ہیں۔''
''میں نے شاہزیب صاحب کو اطلاع تو دے دی تھی انہوں نے ہی گاڑی بھیج کر پک کروایا تھا' آپ کے گھر آپ کا ڈرائیور ہی لے کر گیا تھا۔'' رابعہ نے بھی بتایا۔
''نائس' فاروقی صاحب کو علم ہوگا انہوں نے ہی کسی اور لڑکی کو آپ کی جگہ بھیجا ہوگا ورنہ مجھے یہی لگا کہ آپ چھٹی پر ہیں۔'' عباس کی بات پر وہ مسکرا دی۔
''ویسے آپ کو یہاں دیکھ کر بہت اچھا لگا' امید ہے آپ دونوں اچھی طرح انجوائے کر رہی ہوں گی۔''
''بالکل سر!'' ہادیہ نے کہا۔
''آپ دونوں ہماری مہمان ہیں' کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک کہیے گا۔''
''جی سر!'' رابعہ نے بھی سر ہلا دیا۔
''ایک بات' یہاں آپ ہماری مہمان ہیں یہ سر ور کے خطاب آفس تک ہی رکھیں۔'' عباس نے مسکرا کر کہا تو ہادیہ ہنس دی۔
''او کے سر!'' عباس نے گھورا تو وہ کھل کر ہنس دی۔
''جو عادت پڑ جائے تو مشکل سے ہی چھوٹتی ہے سر!''
''مگر یہاں تو کوئی آفس والا ماحول نہیں ہے۔'' عباس نے مسکرا کر کہتے اندر کی طرف اشارہ کرتے خود بھی قدم بڑھائے تھے دونوں ساتھ چلنے لگی تھیں۔
''مس رابعہ بہت خاموش ہیں' لگتا ہے کہ ان کو مزہ نہیں آ رہا۔'' ساتھ چلتے چلتے عباس نے کہا تو رابعہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔
''نہیں سر! ہم بہت انجوائے کر رہے ہیں' کچھ دیر پہلے ہی ہم آپ کی کزنز کے ساتھ گاؤں کی سیر کر کے آئی ہیں۔ ماشاء اللہ بہت خوب صورت گاؤں

ہے آپ کا۔'' رابعہ نے کہا تو عباس ہنسا۔
''اس کا مطلب ہے صرف گاؤں ہی پیارا ہے، ہم لوگ پیارے نہیں ہیں۔'' انداز شرارتی تھا۔
''نہیں سر! ایسا بھی نہیں کہا میں نے۔'' وہ جھینپی۔
''مطلب کہ ہم پیارے ہیں؟'' عباس کا انداز روٹین سے ہٹ کر تھا۔ رابعہ پزل سی ہوگئی تھی۔
''سر! اپنی تعریفیں کروانے کا موڈ ہو رہا ہے؟'' ہادیہ نے بھی شرارت سے کہا۔
''بالکل۔'' وہ لوگ اندر آ چکے تھے۔
عباس نے اردگرد دیکھا عائشہ پر نظر پڑی تو فوراً پکارا۔
''عائشہ......'' عائشہ فوراً قریب آئی تھی۔
''جی بھائی؟''
''بہت لیٹ پہنچے آپ دونوں، ہم کب سے انتظار کر رہے تھے۔''
''ہاں بس آفس کا کام تھا، نکلتے نکلتے دیر ہوگئی۔'' عباس نے بہن کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ کر کہا۔
''عائشہ! یہ دونوں ہماری مہمان ہیں، ان دونوں کا خاص خیال رکھنا ہے، ہادیہ تو پہلے بھی ہمارے ہاں آتی جاتی رہی ہیں۔ یہ رابعہ فرسٹ ٹائم آئی ہیں ان کا خصوصاً خیال رکھیں، کسی بھی قسم کی پریشانی اور شکایت نہ ہو ان کو اوکے۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا، ہادیہ رابعہ کو دیکھ کر مسکرائی تھی، عائشہ نے بھی فوراً سر ہلایا تھا۔
''آپ بےفکر رہیں، یہ کل سے آئی ہوئی ہیں، مکمل طور پر خیال رکھ رہے ہیں ہم۔'' عائشہ کے الفاظ پر عباس نے سر ہلا دیا تھا۔
''اوکے آپ لوگ انجوائے کریں۔'' عباس کہہ کر چلا گیا تھا رابعہ نے عباس کو جاتے دیکھا تو چند پل کو وہ جاتے عباس کی طرف سے نگاہیں نہ ہٹا پائی تھی۔
ہر لحاظ سے ایک مکمل مرد جو کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا ہے اس کے اندر عادلہ جیسی عورت کے لیے عجیب سا دکھ پیدا ہوا تھا پھر وہ خاموشی سے سر جھٹک کر ہادیہ کے ہمراہ چلتے اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔



سب لڑکوں کا باہر مردانے کی طرف ہلے گلے کا پروگرام تھا۔ ڈیک لگا کر خوب بھنگڑا ڈالا جا رہا تھا، لڑکیوں کو ملازمائیں وہاں کی پل پل کی رپورٹ دے رہی تھیں۔ اندر حویلی کی طرف سب لڑکیوں کا رتجگے کا پروگرام تھا، ہال کمرے میں ہی سب نے انتظام کیا تھا۔
سب مل کر شہوار کو بھی وہیں کھینچ لائی تھیں، سب کا مہندی لگانے کا پروگرام تھا۔ شائستہ بھابی کی شامت آئی ہوئی تھی، ساتھ میں ماریہ بھی لگ گئی تھی۔ دلہن کو مہندی لگانے کی ذمہ داری شائستہ بھابی کے ذمہ تھی سبھی رات دس بجے تک تمام کاموں سے فارغ ہوتے ہی ہال میں آ چکی تھیں اور اب خوب ہلہ گلہ ہو رہا تھا۔
''دیکھو بھئی کوئی خاموش نہیں بیٹھے گا، سبھی کو کچھ نہ کچھ سنانا ہوگا۔'' شائستہ بھابی نے کہا۔
''یہ سزا ہے یا فرمائش؟'' انا نے پوچھا۔
''جس کے جو جی میں آئے مرضی تجھے۔'' رمشاء نے بھی صدا بلند کی تھی۔
''تو پھر ڈیک لگا لیں، سنا ہے باہر بھی ڈیک لگا کر لڑکے خوب بھنگڑا ڈال رہے ہیں۔'' ہادیہ نے بھی کہا۔
ہادیہ اور رابعہ کل سے یہاں سب کے ساتھ خوب گھل مل گئی تھیں ان کی باقی کولیگز کا بھی یہی حال تھا، سبھی کی کسی نہ کسی سے دوستی ہو چکی تھی۔
''نہیں بھئی کل بول بول کر تو ہمارا گلہ خراب ہو گیا ہے اب مزید بولا نہیں جائے گا۔'' عاصمہ نے فوراً انکار کیا۔
''ہاں کل ڈھولک پیٹنے کے ساتھ ساتھ تم اپنے والیوم کا بے دریغ استعمال بھی تو کر رہی تھی۔'' صبا نے بھی ہنس کر کہا۔
''کل یہاں سے جانے کے بعد وہاں مردانے کی طرف سنا ہے رات سب لڑکوں نے خوب رونق لگائی تھی۔'' عائشہ نے بتایا۔
''ایسی ویسی میں نے ساری تصویریں دیکھی تھیں مصطفیٰ بھائی کو بھی نچوایا تھا ان لوگوں نے۔'' انا نے بھی ہنس کر کہا۔
''واقعی......'' کئی آوازیں گونجی تھیں۔
''بالکل میں نے اپنی آنکھوں سے تصاویر دیکھی تھیں مصطفیٰ بھائی کو بھنگڑا ڈالتے ہوئے۔'' شرارت سے شہوار کو دیکھتے اس نے کہا۔

شہوار آرام وسکون سے خاموش بیٹھی ہوئی تھی رات والا پیلا جوڑا ابھی بھی پہن رکھا تھا ان لوگوں کی رسم کے مطابق اب یہ جوڑا بارات والے دن ہی اترنا تھا۔

شائستہ بہت نفاست سے اس کے ہاتھوں کو مہندی سے سجا رہی تھی۔ دوسری طرف ماریہ صبا کو مہندی لگا رہی تھی اور رابعہ دریہ کو۔ باقی بھی اردگرد بیٹھیں مہندی لگتے دیکھ رہی تھیں۔

''یار کچھ بولو نا ایسے مزا نہیں آ رہا۔'' عائشہ بھی ایک دم بور ہونے لگی تھی۔

''کل جن لوگوں نے اپنے گلے کے سروں کو زحمت نہیں دی تھی وہ آج گائیں گی۔'' لائبہ نے کہا تو سبھی لڑکیوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''عاصمہ شروع کرے اس کی آواز اچھی ہے۔'' رمشاء بھابی نے کہا تو سبھی کے اصرار پر اسے گانا ہی پڑا۔

''بابل کی دعائیں لیتی جا
جا تجھ کو سکھی سنسار ملے''

عاصمہ نے تان اڑائی تھی سبھی متوجہ ہوئی تھیں۔

میکے کی کبھی نہ یاد آئے
سسرال میں اتنا پیار ملے

شہوار کا دل ایک دم کسی نے مٹھی میں بھینچا تھا اس نے ضبط سے لب دانت تلے دبا لیے اس لمحے اسے شدت سے کسی بہت اپنے کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ میکے کے نام پر اس کے پاس صرف تابندہ بی کے علاوہ اور کوئی حوالہ نہ تھا۔

نازوں سے تجھے پالا میں نے
کلیوں کی طرح پھولوں کی طرح
بچپن میں جھلایا ہے تجھ کو
بانہوں نے میری جھولوں کی طرح
میرے باغ کی اے نازک ڈالی
تجھے ہر پل نئی بہار ملے

عاصمہ کی آواز کا اثر تھا یا گیت کے بولوں کا شہوار کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں تھیں۔

جس گھر سے بندھے ہیں بھاگ تیرے
اس گھر میں سدا تیرا راج رہے
ہونٹوں پر خوشی کی دھوپ کھلے
ماتھے پر خوشی کا راج رہے
کبھی جس کی جوت نہ ہو پھیکی
تجھے ایسا روپ سنگھار ملے

گیت کے بول ایسے تھے کہ شہوار بہت ضبط کے باوجود اپنے آنسوؤں کو نہ روک پائی تھی۔ اس کے آنسو جیسے ہی گرے تھے شائستہ نے فوراً دیکھا تھا۔

''ارے تم تو رو رہی ہو۔'' شائستہ نے ایک دم ساتھ لگا لیا تو عاصمہ خاموش ہو گئی۔ شہوار کے اندر تو گویا طوفان اٹھا تھا وہ شدت سے رو رہی تھی۔

''کیا ضرورت تھی اتنا دکھی گانا گانے کی۔'' لائبہ بھابی نے فوراً ٹوکا' سبھی اٹھ کر فوراً شہوار کے قریب آ بیٹھی تھیں انا بھی پاس آ گئی تھی۔ شائستہ کے کندھے سے جدا کیا تو وہ اس کے ساتھ لگ کر رونے لگی تھی۔

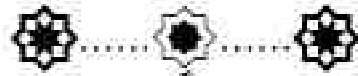
''ارے بس کرو یار! سب کو رلاؤ گی۔'' عائشہ بھی روہانسی ہو گئی تھی۔

''یہ سارا قصور عاصمہ کا ہے اس نے چن کر یہ رونے دھونے والا گیت گانا شروع کر دیا تھا' کل گاتی ہمارے بھی بہانے سے دو چار آنسو نکل آتے۔'' ماریہ نے ماحول کو خوشگوار کرنے کے لیے عاصمہ کو ڈانٹا۔

''لو بھئی میرا کیا قصور خود ہی تو کہا تھا گانا گاؤ۔''

''یہ تو نہیں کہا تھا لے کے بچی کو رلا ہی دو۔'' انیقہ نے بھی ڈانٹا۔ انا بہت محبت سے اس کا سر تھپتھپاتے تسلی دے رہی تھی۔

چند منٹ بعد وہ سنبھل گئی مگر رونے سے چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔
"اب کوئی کچھ نہیں گائے گا' ورنہ ہماری دلہن پھر رو پڑے گی۔" صبا نے فوراً وارننگ دے دی۔
"بڑی فکر ہے نند کو بھاوج کی۔" رمشاء نے چھیڑا۔
"تو کیوں نہ ہو' میرے سب سے پیارے بھیا کی پیاری سی دلہن ہے۔ اتنے ارمانوں سے ہم بیاہ کر لے جا رہے ہیں' کبھی بھی آنکھ میں آنسو نہ آنے دیں گے ہم ان شاء اللہ۔" صبا نے بہت محبت سے شہوار کو دیکھتے کہا تھا۔
"دلہن سے بھی پوچھ لو اس کے بھی کچھ ارمان ہیں یا نہیں۔" رابعہ سے مہندی لگواتی دریہ نے چوٹ کی۔
"ہماری دلہن شرم وحیا اور رکھ رکھاؤ والی ہے' وہ ہر آئے گئے کے سامنے اپنے جذبات وارمانوں کی نمائش نہیں لگائے رکھتی۔" لائبہ بھابی کو دریہ کی چوٹ ایک دم بُری لگی تو فوراً جواب دیا۔
دریہ "ہونہہ" کہہ کر پھر سے اپنی مہندی میں مشغول ہو گئی تھی۔
"فٹافٹ شہوار کے مہندی لگائیں پھر میں بھی لگواؤں گی۔" انا نے کہا تو سب دوبارہ مہندی کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔
"ہاں بھئی جلدی کرو' ابھی یہاں ایک لائن لگی ہوئی ہے۔ سب کو اچھی اچھی مہندی لگانی ہے' جلدی ہاتھ چلاؤ گی تو باقی لوگوں کی بھی باری آئے گی نا۔" عائشہ نے بھی کہا تو سبھی کو اپنے اپنے بہت سارے کام یاد آنے لگے تھے جو بارات آنے سے پہلے تک مکمل کرنے تھے۔



صبح کا دن بڑی افراتفری میں طلوع ہوا تھا' شاہ زیب صاحب نے شادی فنکشنز ارینج کرنے والوں کو بلوا رکھا تھا جو پچھلے تین دن سے حویلی کے ساتھ کھلی ہموار زمین پر بارات کا ارینج کر رہے تھے۔
اسٹیج لائٹنگ اور ساری جگہ پر بچھا قالین کہیں بھی کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی' ارینجمنٹ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا خواتین کے لیے علیحدہ اور مردوں کے لیے علیحدہ' اسی طرح کھانے وغیرہ کا بھی خصوصی انتظام تھا۔ بڑے روایتی سے ماحول میں شادی ہو رہی تھی' بارات کی روانگی کا وقت پانچ بجے کا تھا۔ حویلی کے اندر ایک افراتفری سی تھی' کیونکہ رخصتی کے بعد سبھی لوگوں نے شہر روانہ ہونا تھا اور کل ولیمہ میں شرکت کرنی تھی' یہاں موجود بھی لوگ اسی کے مطابق تیار ہو رہے تھے' صبح ناشتا لیٹ ہوا تھا پھر دوپہر کے کھانے کے بعد سبھی کو تیار ہونے کا الٹی میٹم مل گیا تھا۔
خواتین میں سے جو جو تیار ہوتی جا رہی تھیں وہ پنڈال میں خواتین والے حصے کی طرف آ رہی تھیں۔ انا نے آف وائٹ سوٹ پہنا تھا' جس پر نگینوں کا بہت ہی خوب صورت کام تھا' وہ تیار ہونے کی بعد شہوار کے پاس ہی ٹک گئی تھی' شہوار کو شائستہ بھابی تیار کر رہی تھیں۔
"شائستہ! جاؤ تم ایسا کرو جلدی تیار کرو پھر انا کے ساتھ دلہن کو ادھر پنڈال میں لے آنا۔ بارات بس نکلنے والی ہے یہاں سے پورے گاؤں کا چکر لگا کر واپس پنڈال میں آ جائے گی' نکاح تو ہونا نہیں ہے باقی رسمیں بھی بابا صاحب کی مرضی کے مطابق ہوں گی سو تم لوگ جلدی لے آنا' ٹھیک ہے۔" عائشہ تیار تھی فوراً شہوار کے کمرے میں آئی تھی بطور خاص ہدایت دینے۔
"تیار ہی ہے' بس زیور وغیرہ سیٹ کرنا ہے۔" شائستہ بھابی نے کہا تو عائشہ ایک دو اور ہدایتیں دے کر چلی گئی۔
کچھ دیر بعد شہوار مکمل تیار تھی' شائستہ بھابی نے اپنی تمام مہارت اور محنت استعمال کی تھی۔ لباس زیور' میک اپ کی مہارت نے شہوار کو اس قدر حسین بنا ڈالا تھا کہ انا بے اختیار اس سے چمٹ گئی تھی۔
"شہوار رئیلی تم بہت پیاری لگ رہی ہو' میں نے اپنی زندگی میں آج تک اتنی پیاری کوئی دلہن نہیں دیکھی۔" اس نے بے اختیار اس کے رخسار کو چوم لیا تھا۔
شہوار بہت زیادہ کنفیوز اور نروس ہو رہی تھی' صبح سے گاہے بگاہے وہ کئی بار رو چکی تھی' اب بھی انا کے الفاظ پر سمٹ سی گئی تھی۔
"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے انا کے جواب میں کہا تو انا ہنس دی۔
"بھئی ڈر کس بات کا' سبھی لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔" شائستہ بھابی نے سامان سمیٹتے کہا تو شہوار نے لب دانت تلے دبا لیے۔
"کچھ نہیں ہوگا' ڈونٹ وری۔ مصطفیٰ بھائی بہت نائس ہیں' وہ تو تمہارا یہ روپ دیکھ کر ہی سب بھول جائیں گے اور گھونگھٹ اٹھاتے ہی پٹ سے گر جائیں گے۔" انا کو شرارت سوجھ رہی تھی جبکہ شہوار از حد پریشان تھی۔
"میں کسی کو بلواتی ہوں پھر ہم شہوار کو باہر لے چلتے ہیں۔" شائستہ سامان سمیٹ کر چلی گئی۔
شہوار مسلسل ہاتھ مسل رہی تھی' اس کے ہاتھوں پر لگی مہندی کا رنگ بہت گہرا آیا تھا' ہاتھ پاؤں سج سے گئے تھے اور اوپر سے یہ دلہناپے کی سج دھج۔

''میں مصطفیٰ کے ساتھ کئی بار زیادتی کر چکی ہوں میں بہت ڈر رہی ہوں' پتا نہیں کیا ہوگا۔'' شہوار کا وہی ڈر تھا' انا نے گھورا۔

''کچھ نہیں ہوگا' کہہ تو رہی ہوں' مصطفیٰ بھائی کوئی کم عقل' کم فہم انسان نہیں ہیں جوان چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر بدلہ لینگے' ہی از آ نائس مین۔ وہ سب سمجھتے ہیں کچھ نہیں ہوگا۔''

''اسی بات کی تو شرمندگی ہے' ہمیشہ مصطفیٰ کے سامنے اس رشتے سے انکار کیا اور اب کس منہ سے سامنے جاؤں گی۔'' اس کی پریشانی بے جا نہ تھی۔

''او کے آسان سا حل ہے' جیسے ہی مصطفیٰ بھائی سے سامنا ہو گا تم فوراً معافی مانگ لینا۔ دیکھو جو بھی ہوا جیسے بھی ہوا' نہ تم غلط ہو اور نہ ہی وہ۔ تم حالات سے مجبور تھیں تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی جس کے نزدیک اپنی عزت اور خاندان کا وقار اہم ہوتا ہے وہ یقیناً ایسا ہی ری ایکٹ کرتی' او کے۔'' انا نے ہاتھ تھام کر سمجھایا تو وہ سر ہلا گئی تھی۔

''اب گلٹی فیل کرنا بند کرو' مکمل طور پر اعتماد کے ساتھ سب کو ہینڈل کرو' یہ تمہاری زندگی کا سب سے اہم دن ہے بلکہ اچھی اچھی باتیں سوچو' ہوں......'' شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

کچھ دیر بعد شائستہ بھابی نے آ کر بتایا تھا کہ بارات پنڈال میں پہنچ چکی ہے' انہوں نے زاہد بھائی کو بلوا لیا تھا وہ سب شہوار کو بھی ادھر ہی لے آئے تھے۔

گاؤں ہونے کے باوجود بہت زبردست ارینجمنٹ کیا گیا تھا' ذرا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ لوگ کسی گاؤں کی شادی اٹینڈ کر رہے ہیں۔ شہوار کو وہ سیدھا اسٹیج پر ہی لے آئی تھی مرد و خواتین کا علیحدہ علیحدہ انتظام تھا تو شہوار کو پردے میں رکھنے کی بجائے ویسے ہی بٹھا دیا تھا۔ انا مسلسل ساتھ تھی ولید کی کال آئی تو وہ اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔

''خیریت......؟'' ولید باہر کھڑا تھا فوراً متوجہ ہوا تھا' اچھا خاصا ڈیسنٹ لگ رہا تھا ولید۔

''ہاں خیریت ہی ہے' تم بتاؤ واپسی کا کیا پروگرام ہے؟''

''جیسا سب کریں گے وہی ہم بھی دیکھ لیں گے۔'' یہاں مردوں کی آمد و رفت تھی' دوپٹہ سر پر جمائے اس نے کہا۔

''مصطفیٰ کہہ رہا تھا کہ ہم لوگ اس کے ساتھ جائیں گے' احسن کو میں نے کہہ دیا ہے وہ باقی لوگوں کے ساتھ گاڑی لے آئے گا' تم ہمارے ساتھ جاؤ گی ٹھیک ہے۔'' ولید نے اپنا پروگرام بتایا۔

''او کے' یہ تو بہت اچھی بات ہوگی شہوار تو پہلے ہی بہت پریشان ہے اس طرح اسے تسلی ہوگی۔'' وہ ایک دم خوش ہو گئی تھی۔

ولید نے ذرا بغور دیکھا تو آف وائٹ سوٹ میں وہ بہت ہی دلکش لگ رہی تھی' اس وقت وہ دونوں جہاں کھڑے تھے وہ مردوں کی گزرگاہ کی جگہ تھی۔ ولید محسوس کرتے فوراً اس کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ سمجھ نہیں پائی تھی چونک گئی تھی' ولید اسے قدرے فاصلے پر پرسکون سی جگہ پر لے آیا تھا' یہاں دونوں اطراف درختوں کی روتھی حویلی کے باہر کا بیرونی احاطہ تھا۔

''رستے میں کھڑے تھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔'' ولید نے ہاتھ چھوڑا۔ انا نے اردگرد دیکھا یہاں کوئی بھی نہ تھا' وہ دونوں وہاں چلنے لگ گئے تھے۔

''ان لوگوں کا گاؤں بہت ہی پیارا ہے' ہم کل گاؤں کی سیر کرنے گئے تھے تو عائشہ' صبا نے بہت سی جگہیں دکھائی تھیں۔'' انا نے کہا ویسے بھی اس کا موڈ آج بہت خوشگوار تھا' ولید مسکرا دیا۔

''چلو آ دَ پھر واک کر لیتے ہیں۔'' اس نے آفر کی۔

''اتنی اونچی ہیل پہن کر وہ بھی گاؤں کے رستوں پر چلنا' توبہ کریں۔'' اپنی ہیل ولید کے سامنے کی' ولید نے اسے بغور دیکھا۔ اس کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ عام روٹین میں تو تم اچھی خاصی لگتی ہو اس وقت کیا اوٹ پٹانگ حلیہ بنا رکھا ہے۔'' ولید نے کہا تو وہ چونکی' اس نے فوراً اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ پریشان ہوئی۔

وہ تو بطور خاص شائستہ بھابی سے تیار ہوئی تھی' بال بھی بہت اچھے سے سیٹ کرائے تھے سبھی نے اس کی خوب تعریف کی تھی۔

''بالکل بھوتنی لگ رہی ہو۔'' ولید سنجیدہ تھا۔ ''ضرورت کیا تھی اتنا تیار ہونے کی؟''

''خوامخواہ...... میں اتنی پیاری لگ رہی ہوں' یہ آف وائٹ فراک مجھ پر اتنا سوٹ کر رہا ہے سبھی تعریفیں کر رہی تھیں۔ شائستہ بھابی نے اتنے پیار سے

تیار کیا ہے مجھے۔'' وہ ایک دم بُرا مان گئی۔

''میڈم ہم گاؤں کی شادی اٹینڈ کر رہے ہیں' یہ تمہارا شہر نہیں ہے جہاں لڑکیوں کا اوٹ پٹانگ حلیہ بھی ان کا فیشن کاؤنٹ ہوتا ہے۔''

''ایویں بلاوجہ ہی ڈانٹ رہے ہیں' آپ ذرا مصطفیٰ بھائی کی فیملی کی باقی خواتین کو آج کے حلیے میں دیکھ لیں ذرا اتنی ایڈوانس لگ رہی ہیں' مجھے قطعی احساس نہیں ہو رہا کہ میں ایک گاؤں کی شادی اٹینڈ کر رہی ہوں' ویسے اس حلیے میں خرابی کیا ہے اتنی اچھی تو لگ رہی ہوں۔''

''سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ تم حد سے زیادہ نمایاں ہو رہی ہو۔'' ولید نے کہا تو وہ قدرے ریلیکس ہوئی تھی ورنہ وہ تو پریشان ہی ہو گئی تھی۔ ''کیا ضرورت تھی اتنے اہتمام سے تیار ہونے کی۔''

''توبہ میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ کہیں واقعی تو بہت بُری نہیں لگ رہی' میری عزیز از جان دوست کی شادی ہے' میں نے تو بطور خاص یہ سب کیا ہے' سب کو پتا تو چلے کہ میں شہوار کی اکلوتی دوست ہوں۔''

''اُف..... خواتین کا یہ شو آف والا انداز بہت زہر لگتا ہے مجھے۔'' ولید نے کہا تو وہ چونکی اسے ایک دم لگا کہ ولید خوامخواہ باتوں میں الجھا رہا ہے۔ اس نے اردگرد دیکھا مغرب کا وقت تھا' اندھیرا بڑھ رہا تھا۔

''چلیں۔''

''کیوں یہاں رکنا بُرا لگ رہا ہے۔'' ولید نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

ہلکے پھلکے رنگوں سے سجی آنکھیں اس کے چہرے کی دلکشی کو بڑھا رہی تھیں' ولید کے دیکھنے پر وہ فوراً نگاہیں جھکا گئی تھی۔

''نہیں..... وہاں شہوار ویٹ کر رہی ہوگی' وہ آج بہت کنفیوژ ہو رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ اس کے پاس ہی رہوں' آپ کی کال آئی تو اٹھ آئی تھی۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔

''اوکے چلو۔'' ولید فوراً واپس پلٹا تھا۔ انا بھی ساتھ چل رہی تھی اونچی ہیل میں اس کے قدم ایک دو بار لڑکھڑائے تو ولید نے ہاتھ تھام لیا تھا' انا کو لگا اس کے دل کو سکون سا مل گیا ہے۔

ولید کی یہ توجہ' اس کے ساتھ یہ چند لمحے گزارنا' اسے سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اگر دل کے اندر اٹھتی آوازوں سے خوفزدہ نہ ہو جاتی تو شاید ان لمحوں کو اور بھی شدت سے محسوس کرتی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے پنڈال کی طرف آ گئے تھے۔

''پیکنگ وغیرہ ابھی دیکھ لو' احسن کی گاڑی میں بیگ رکھوا لینا۔ ہمیں تو مصطفیٰ کے ساتھ ہونا ہے' مصطفیٰ کے ہاں جا کر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے مزید وہاں رکیں یا گھر چلیں۔'' ولید نے اس کا ہاتھ چھوڑتے کہا تو وہ دھیمے سے سر ہلا گئی تھی۔ ولید کہہ کر چلا گیا تو وہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی مگر وہاں سے حماد کو نکلتے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی' حماد بھی شاید اسے ولید کے ساتھ دیکھ کر رکا تھا۔

''ہیلو۔'' حماد نے مسکرا کر کہا تو وہ محض سر ہلا گئی تھی' وہ جانے کو پلٹی تھی۔

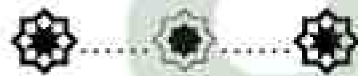
''یہ آپ کے فیانسی ہیں' مصطفیٰ بھائی کے دوست ولید۔'' حماد کہہ رہا تھا وہ رک گئی تھی' ٹھٹک کر اسے دیکھا۔

''مصطفیٰ بھائی نے بتایا تھا۔'' اس کی حیرانی پر اس نے وضاحت دی۔

''سنیئے۔'' وہ جانے لگی تو اس نے روکا تھا' وہ پھر رک گئی۔

''میں کبھی کسی سے اتنا امپریس نہیں ہوا مگر آپ کو ولید کے ساتھ کھڑے دیکھ کر جیلسی فیل ہو رہی ہے کیونکہ آج آپ بہت ہی پیاری لگ رہی ہیں۔'' وہ کہہ کر تیزی سے چلا گیا تھا۔

انا کو اس کے الفاظ پر ایک دم ناگواریت کا احساس ہوا تھا' اس نے بختی سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔ اسے ایک دم ولید کی بات یاد آ گئی تھی واقعی ٹھیک ہی تو وہ کہہ رہا تھا اسے بھلا کیا ضرورت تھی اس قدر اہتمام سے تیار ہونے کی۔ اندر ہی اندر کلستے ہوئے وہ پھر سے شہوار کی طرف بڑھی آئی تھی جو شدت سے اس ہی کی منتظر تھی۔



بارات نے رخصت ہو کر چونکہ شہر جانا تھا تین چار گھنٹوں کا سفر تھا سو بابا صاحب کی ہدایت کے مطابق لمبی چوڑی رسموں میں پڑنے کے بجائے کھانے کے فوراً بعد ٹھیک آٹھ بجے رخصتی کا شور بلند ہو گیا تھا' شہوار کو بڑی سی چادر اوڑھا دی گئی تھی۔

مصطفیٰ کو عورتوں والے حصے میں شہوار کے برابر میں اسٹیج پر بٹھایا گیا تھا' رسموں میں صرف دودھ پلائی اور جوتا چھپائی کی رسم ہوئی تھی' جو مصطفیٰ کی کزنز اور انا وغیرہ نے کی تھی سبھی کو بھاری بھرکم نیگ ملا تھا' کیمرہ مین اور موی میکر باقاعدہ تصاویر لے رہے تھے۔

لڑکیاں تو اور بھی کچھ رسمیں کرنا چاہتی تھیں مگر بابا صاحب کے سخت آرڈر کے بعد فوراً رخصتی کا عمل ادا کیا گیا اور رخصتی کے وقت شہوار تابندہ بی سے گلے لگتے ہی شدت سے رو پڑی تھی۔

''دل میں کوئی بھی بدگمانی مت لانا' میں نے اپنی زندگی میں بہت فیئر ہو کر تمہارے ساتھ اس تعلق کو نبھایا ہے' میں اپنے ساتھ بُرا کر سکتی ہوں مگر تمہارے لیے نہیں۔ تم سکندر کی اولاد ہو اور آج سکندر کا وعدہ پورا کر دیا ہے' ہمیشہ خوش رہنا۔ مصطفیٰ بہت اچھا لڑکا ہے' تم بہت سکھی رہو گی' اگر میری طرف سے کوئی کمی بیشی یا کوتاہی رہ گئی ہو تو معاف کر دینا۔'' اس کے گلے لگتے تابندہ بی دھیمے سے کہہ رہی تھیں۔ ماں نے زبردستی شہوار کو ان سے جدا کیا تھا' شائستہ بھابی کی ہدایتیں ساتھ ساتھ تھیں۔

''رو نہیں' میک اپ خراب ہو جائے گا۔'' مگر اس کے آنسو تھمنے میں ہی نہیں آ رہے تھے' بابا صاحب نے اسے بازو کے حصار میں رکھتے بیٹی کی طرح سنبھالا تھا۔ وہ جو کل سے شدت سے باپ کی کمی محسوس کر رہی تھی اسے ایک دم لگا وہ کسی گھنی چھاؤں کے حصار میں آ گئی ہے۔ اتنے سارے لوگ تھے اس کو سنبھالنے والے' اس کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی تو آنسو بھی سمٹنے لگے۔

دلہا کی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ولید موجود تھا' انا بھی بیگ احسن بھائی کے حوالے کر کے شہوار کے ساتھ آ بیٹھی تھی' دوسری طرف مہر النساء خاتون تھیں' جو سسکیاں بھرتی شہوار کو ساتھ لگا کر تسلی دے رہی تھیں۔ رخصتی ہوتے ہوتے بھی نو بج گئے تھے' دلہا دلہن کی گاڑی روانہ ہوئی تو باقی لوگ بھی اپنا اپنا سامان سمیٹ کر گاڑیوں میں آ بیٹھے تھے۔

رابعہ اور ہادیہ حویلی کے اندر سے اپنا اپنا بیگ لیے باہر آئیں تو عباس منتظر تھا۔

''دوسری خواتین دوسری گاڑی میں جا چکی ہیں' آپ دونوں ادھر آ جائیں۔'' عباس نے کہا تو وہ گاڑی کی طرف آ گئی تھیں' گاڑی کی پچھلی سیٹ پر صبا اور عائشہ موجود تھیں' ہادیہ بھی ساتھ ٹک گئی تھی۔

''تم آگے بیٹھ جاؤ۔'' ہادیہ نے فرنٹ سیٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ چونکی' نجانے کس کی گاڑی تھی ڈرائیونگ سیٹ پر کون ہو گا وہ جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔ عباس ان کو بٹھا کر اندر چلا گیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد عباس ہی ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا تو رابعہ قدرے پرسکون ہوئی ورنہ وہ الجھتی رہی تھی کہ نجانے کس کی گاڑی میں عباس بٹھا گیا ہے۔

''کیسا لگا آپ دونوں کو آج کا یہ فنکشن؟'' گاڑی جیسے ہی روانہ ہوئی تو عباس نے دونوں سے پوچھا۔

''بہت زبردست سر! ہم نے بہت انجوائے کیا۔'' ہادیہ نے فوراً جواب دیا۔

''مگر لگتا ہے رابعہ نے انجوائے نہیں کیا۔'' عباس نے اس کی خاموشی پر کہا۔

''نہیں سر! مجھے بھی بہت اچھا لگا' میں نے پہلی بار کسی گاؤں کی شادی اٹینڈ کی تھی مگر قطعی فیل نہیں ہوا کہ یہ کسی گاؤں کی شادی تھی' بہت اچھا ریسپشن اور ارینجمنٹ تھا یہاں۔'' رابعہ نے بھی مسکرا کر کہا تو عباس نے مسکرا کر دیکھا مگر ٹھٹکا تھا۔

ہمیشہ یہ لڑکی چادر لپیٹے سادہ سے حلیے میں دکھائی دی تھی مگر آج لائٹ پنک کلر کے کام والے جوڑے میں ہلکے پھلکے میک اپ میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ سر پر سوٹ کے ہمرنگ دوپٹہ تھا ہاتھوں پر مہندی سجی ہوئی تھی۔

عباس پہلی بار اس کو اس روپ میں دیکھ کر چونک گیا تھا' وہ بمشکل اپنی نگاہیں اس کے وجود سے ہٹا پایا تھا۔

''یہ لڑکی اپنے اندر ایسی اٹریکشن بھی رکھتی ہو گی۔'' وہ حیرت زدہ تھا۔

وہ بڑے رکھ رکھاؤ والے انداز میں سیٹ پر موجود تھی' عائشہ اور صبا سے کافی بے تکلفی ہو چکی تھی سو چاروں کوئی نہ کوئی بات کرتی رہی تھیں اور عباس نہ چاہتے ہوئے بھی گاہے بگاہے اس پر نگاہ ڈالنے پر مجبور ہوتا رہا تھا۔ وہ کوئی نظر باز' دل پھینک انسان تو نہ تھا' اس کا اپنا ایک بیٹا تھا ایک پریکٹیکل لائف گزار رہا تھا مگر نجانے اس لڑکی میں ایسی کون سی دلکشی تھی جو نگاہ بار بار اس کے وجود کی طرف اٹھ رہی تھی۔

عادلہ کے بعد تو ویسے بھی وہ عورت ذات سے مکمل طور پر متنفر ہو چکا تھا مگر اب رابعہ کو دیکھتے ایک عرصہ بعد اس کے دل دماغ پر چھائی کثافت مٹنے لگی تھی۔

''سفر بہت لمبا ہے آپ لوگ آرام سے سو سکتی ہیں۔'' اپنی ہی نگاہ کی بے ایمانی سے الجھ کر عباس نے فوراً گاڑی کی لائٹس آف کر دی تھیں' کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ سبھی تھکی ہوئی تھیں۔ عباس پرسکون انداز میں گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا مگر رابعہ کے وجود سے اٹھتی ہلکی سی کلون کی مہک بار بار اس کی توجہ کو منتشر کرنے کا سبب ضرور بن رہی تھی۔

❁......❁......❁

شہوار کے آنسو خشک ہو گئے تھے ماں جی کی محبت اور انا کی حوصلہ دیتی باتیں وہ قدرے پرسکون تھی۔ وہ فی الحال آنے والے لمحات سے متعلق کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی' ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ولید اور ساتھ بیٹھے مصطفیٰ مسلسل کوئی نہ کوئی بات کرتے رہے تھے' انا اور مہر النساء بھی ان کی گفتگو میں شامل رہی تھیں۔

سفر کافی لمبا تھا بیٹھے بیٹھے سر جھکائے بھاری جوڑے اور میک اپ میں اب شہوار کی کمر تختہ ہو چکی تھی' شروع میں تو وہ روتی رہی تھی مگر اب تو رونا بھی نہیں آ رہا تھا۔ ذہن دوسری طرف ہو چکا تھا وہ آنے والے لمحات کو سوچ سوچ کر الجھ رہی تھی اوپر سے حلق خشک ہو رہا تھا' سارے رستے ماں جی' انا دونوں گاہے بگاہے اسے پانی کا پوچھتی رہی تھیں مگر وہ ہر بار انکار کر دیتی تھی۔ وہ لوگ شہر میں داخل ہو چکے تھے' گھر سے ابھی کافی فاصلے پر تھے۔

''مجھے پانی پینا ہے' بہت پیاس لگ رہی ہے۔'' اس نے انا کو آہستگی سے کہا۔

''مصطفیٰ بھائی پانی کی بوتل تو دے دیں۔'' انا نے کہا۔

''پانی ختم ہو چکا ہے' انتظار کریں آپ کوئی سی این جی اسٹیشن دیکھتے ہیں تو لے لیتے ہیں۔ گھر پہنچنے میں تو ابھی ٹائم لگے گا۔''

''اوہ...... شہوار کو پیاس لگ رہی تھی۔'' انا نے کہا تھا' مصطفیٰ نے چادر میں سر جھکائے وجود کو دیکھا۔

''انتظار...... ابھی یہاں نزدیک کوئی دکان نہیں' ارینج کر دیتے ہیں۔'' تبھی کوئی بائیک ان کے پاس سے تیزی سے گزری تھی۔

''جب سے ہم شہر کی حدود میں داخل ہوئے ہیں' یہ بائیک تب سے آگے پیچھے ہے' نجانے ڈرائیونگ سینس ہی نہیں ہے ان کو' ابھی گاڑی ٹکرا جاتی تو سارا الزام ہم پر آنا تھا۔'' ولید نے کچھ تلخی سے کہا۔

''ہاں نوٹ تو میں بھی کر رہا ہوں' اب کی بار ایسا کریں تو ان کو کراس کر کے گاڑی رکوا لینا پھر پوچھوں گا مسئلہ کیا ہے۔'' مصطفیٰ نے بھی کہا تھا۔

''دفع کرو' خوامخواہ الجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ آج کل کے نوجوانوں کو کہاں اثر ہے' ون ویلنگ کرنے کا شوق ایسا ہے کہ نہ اپنی جان کی پروا ہے اور نہ ہی کسی اور کی۔'' ماں جی نے منع کرتے کہا۔

''بائیک پر میرا خیال ہے دو نوجوان ہیں حلیے تو دکھائی نہیں دیئے مگر چادریں اوڑھ رکھی ہیں دونوں نے۔'' ولید نے کہا۔

''تم ذرا آگے جو بھی سی این جی آتا ہے گاڑی روکنا۔'' مصطفیٰ نے کہا تو ولید نے سر ہلا دیا۔

''دس منٹ بعد ایک سی این جی کے پاس آ کر ولید نے گاڑی روکی تھی۔''

''گاڑی کے دروازے بند کر لیں' ہم آتے ہیں۔'' مصطفیٰ اور ولید دونوں اتر گئے تھے' مصطفیٰ روایتی دلہا کے روپ میں تھا شیروانی پہن رکھی تھی سر پر کلاہ تھا جو گاڑی میں بیٹھتے ہی اتار دیا تھا۔

''اور لائٹس بھی بند کر لیں۔'' مصطفیٰ نے مزید کہتے دروازہ بند کر دیا تھا' انا نے آگے ہو کر لائٹس آف کر دی تھیں اور ساتھ ہی دروازے بھی لاک کر دیئے تھے۔

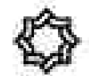
''تم رکو میں لے آتا ہوں۔'' سی این جی پر بہت رونق نہیں تھی' لائٹس روشن تھیں اور ایک طرف گارڈز چکر لگا رہا تھا' گارڈ کے کندھے پر رائفل تھی تبھی وہ بائیک ان کے پاس سے تیزی سے گزری تھی' مصطفیٰ کے تیور بگڑے تھے۔

''نجانے کیا مسئلہ تھا ان نوجوانوں کو۔'' وہ گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا' ولید سی این جی کی ٹک شاپ کی طرف چلا گیا تھا۔

مصطفیٰ ارد گرد دیکھ رہا تھا تبھی وہ ہی بائیک واپس ان کے پاس سے گزری تھی اس سے پہلے کہ مصطفیٰ کچھ سمجھتا بائیک کی پچھلی طرف بیٹھے آدمی نے اپنی چادر سے پسٹل نکال کر ان کی گاڑی پر فائر کھول دیئے تھے' خواتین کی چیخیں ایکدم بلند ہوئی تھیں۔ ولید فائرنگ کی آواز سن کر فوراً بھاگا تھا' گارڈ نے بھی فائر کیے تھے مگر وہ نوجوان کسی کو بھی موقع دیئے بغیر زن سے بائیک بھگا کر لے گئے تھے۔ ولید گاڑی تک پہنچا تو ایکدم ساکت ہو گیا تھا۔

''مصطفیٰ......'' وہ چیخا تھا۔ وہ فوراً زمین پر گرے مصطفیٰ کی طرف لپکا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

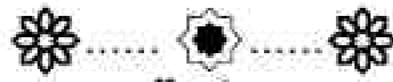


ٹوٹا ہوا تارا...... سمیرا شریف طور

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

شہوار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مصطفیٰ کڑے انداز میں دریہ سے استفسار کرتا ہے اور آئندہ اسے شہوار کی ذات کی تحقیر نہ کرنے کی وارننگ دیتا ہے جس پر دریہ مزید خائف ہو جاتی ہے۔ شہوار کو رخصتی کے لیے تابندہ بوا کے پاس گاؤں لے جایا جاتا ہے وہاں ہر طرف شور وغل اور تیاری دیکھ کر شہوار پھر خوف و خدشات کا شکار ہونے لگتی ہے مصطفیٰ کے ساتھ اپنے ہتک آمیز سلوک پر وہ نہایت شرمندگی محسوس کرتے ہوئے آنے والے وقت پر مضطرب رہتی ہے جبکہ دوسری طرف مصطفیٰ اور ولید شاپنگ کی غرض سے جاتے ہیں تو وہیں ولید کی ملاقات کاشفہ سے ہو جاتی ہے جبکہ مصطفیٰ کاشفہ کو دیکھنے میں ناکام رہتا ہے۔ البتہ ولید کی زبانی اس کی دوستی کا سن کر اسے چھیڑنے سے باز نہیں آتا ولید کے ساتھ انا اور احسن شہوار کی شادی میں شرکت کرتے ہیں۔ انا کے لیے یہ سب خوشگوار ماحول بہت ہی انوکھا ہوتا ہے۔ جبکہ روشی طبیعت کی خرابی کی بنا پر شادی میں شریک نہیں ہو پاتی۔ عباس گاؤں جانے سے پہلے عادلہ کے پاس آتا ہے اور اسے بے ہوش دیکھ کر کلینک لے آتا ہے عادلہ ہوش میں آتے ہی نہایت جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھتی ہے لیکن عباس اس کے عزائم کو ناکام بنا دیتا ہے۔ مصطفیٰ اور شہوار کی شادی کا ذکر کرتے وہ اسے رہائی کا اذن دیتا ہے۔ دوسری طرف اس کے والدین جلد ہی وہاں پہنچ کر عادلہ کی حالت پر ششدر رہ جاتے ہیں۔ عباس کے خوف سے وہ فی الحال انہیں حقیقت سے لاعلم رکھتی ہے اور اپنے اغوا ہو جانے کی کہانی سناتی ہے۔ جبکہ کاشفہ ان باتوں پر یقین نہیں کرتی۔ عبدالقیوم حلیہ بدل کر ایاز سے ملنے جاتے ہیں اور اسے مصطفیٰ کے عزائم سے آگاہ کرتے شادی کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ شہوار کی شادی کا سن کر ایاز سخت اشتعال کا مظاہرہ کرتے عبدالقیوم کے جاتے ہی ملازم کے حلیے میں شہزاد سے مل کر مصطفیٰ کی گاؤں سے واپسی اور دیگر انفارمیشن فراہم کرنے کا کہتا ہے جبکہ شہزاد اس کا ساتھ دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ہادیہ کے بے حد اصرار پر رابعہ بھی دیگر کولیگ کے ہمراہ مصطفیٰ کی شادی میں شرکت کے لیے گاؤں پہنچ جاتی ہے۔ عباس اسے دیکھ کر انوکھی خوشی محسوس کرتا ہے۔ ہادیہ کو رابعہ کا رشتہ ابوبکر سے طے ہونے کا پتا چلتا ہے جب ہی وہ ابوبکر کے نام پر چونکتی ہے۔ مہندی کے فنکشن میں جہاں سب گہما گہمی میں مصروف ہوتے ہیں وہیں مصطفیٰ تابندہ بوا سے ان کے ماضی کے متعلق دریافت کرتا ہے جس پر وہ سکندر علی کا شناختی کارڈ اس کے حوالے کر دیتی ہیں باقی تمام باتیں مصطفیٰ کو پہلے سے معلوم ہوتی ہیں۔ دیگر تمام رسموں کے بعد شہوار کی رخصتی عمل میں آتی ہے۔ ان کی گاڑی جیسے ہی شہر کی حدود میں داخل ہوتی ہے تو کچھ لوگ باقاعدہ ان کا پیچھا کرتے ہیں جب ہی ولید گاڑی سے باہر نکلتا ہے اور اسی دوران موٹر سائیکل سوار مصطفیٰ کو تنہا دیکھ کر اس پر فائرنگ کر دیتے ہیں۔

〈اب آگے پڑھیے〉



''تمہارا کل کا کیا پروگرام ہے؟'' ہادیہ نے اس سے پوچھا تو وہ چونکی تھی اس نے پلٹ کر ہادیہ کو دیکھا۔

''جو تم کہو ویسے میں نے سوچا ہے کہ سیدھا گھر چلیں وہیں سے کل ولیمہ میں شامل ہو جائیں گے۔'' رابعہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' ہادیہ نے بھی کہا۔

''ارے آپ دونوں واپس ہمارے ساتھ گھر نہیں چلیں گی؟'' عائشہ نے فوراً پوچھا۔

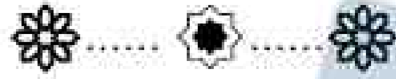
''پہلے تو یہی سوچ رہی تھی کہ آپ کے گھر چلیں گے مگر اب سوچا کہ ہمارا گھر تو آپ کے رستے میں ہی پڑے گا کیوں نہ وہیں اتر جاؤں، رابعہ کو بھی آپ ڈراپ کر دیں گھر۔'' ہادیہ نے کہا تو رابعہ نے بھی سر ہلا دیا۔

''گھر چلتیں تو مزہ آتا ویسے بھی واپس جاتے جاتے بھی بارہ تو بج ہی جانے ہیں۔'' صبا نے کہا۔

''کوئی بات نہیں ہم کل پھر آ جائیں گی۔'' رابعہ نے کہا تو عباس نے اسے دیکھا۔ رات کی تاریکی میں مسکرا کر بات کرتی یہ لڑکی اپنے پروقار انداز سے کافی اٹریکٹیو لگ رہی تھی۔

''اوکے ٹھیک ہے، جیسے آپ کی مرضی۔'' عائشہ نے بھی ہار مان لی تھی۔ عباس خاموش ہی رہا تھا۔

ہادیہ کا گھر تو رستے میں ہی پڑتا تھا جبکہ رابعہ کا روٹ سے ہٹ کر تھا۔عباس خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔



مصطفیٰ کے دائیں کندھے اور بائیں بازو پر گولی لگی تھی۔

ولید فوراً اس کے پاس پہنچا تو شیروانی خون سے رنگین ہو چکی تھی۔

سی این جی اسٹیشن کا گارڈ اور ورکر بھی اکٹھے ہو گئے تھے بائیک تو فائر کرتے ہی بھاگ گئی تھی سبھی فوراً مصطفیٰ کے گرد جمع ہو گئے ایک افراتفری کا عالم برپا تھا۔

''مصطفیٰ......'' ولید مصطفیٰ کو سہارا دیتے بڑی بے قراری سے پکار رہا تھا۔

''مصطفیٰ آر یو آل رائٹ؟'' لہجے میں خوف وہراس سبھی کچھ تھا۔

مصطفیٰ نے بمشکل آنکھیں کھولی تھیں مگر اسے لگ رہا تھا کہ بایاں کندھا اور بازو جسم سے اتر گئے ہیں دوسری طرف ماں جی اور انا بھی گاڑی سے نکل کر اس کے پاس آئی تھیں ماں جی تو ایک دم مصطفیٰ کو دیکھ کر ساکت ہو گئی تھیں۔انا نے فوراً ان کو سہارا دے کر گرنے سے بچایا۔

''میرا بچہ۔'' وہ خوف سے بے ہوش ہو گئیں۔

''مصطفیٰ حوصلہ کرو، ہم ابھی اسپتال لے جاتے ہیں۔''، مصطفیٰ کو آنکھیں بند کرتا دیکھ کر ولی چیخا تھا۔انا ماں جی کو سہارا دیتے واپس اگلی سیٹ پر بٹھا چکی تھی وہ فوراً مصطفیٰ کی طرف جھکی تھی۔

مصطفیٰ کی نبض دیکھی تھم تھم کر چل رہی تھی۔اسپتال میں وہ اکثر ایسے کیسز دیکھتی رہتی تھیں مگر آج کسی اپنے کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

''بہت بلیڈنگ ہو رہی ہے فوری اسپتال لے جانا ہوگا۔'' خوف زدہ اور کپکپاتی آواز میں کہتے اس نے ولید کو دیکھا تو اس نے فوراً گارڈ کی مدد سے مصطفیٰ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور شہوار حیرانی سے سب دیکھ رہی تھی۔

''تم مصطفیٰ کے زخم دیکھو میں اتنی دیر میں کسی اور سے رابطہ کرتا ہوں۔'' وہ فوراً موبائل نکال کر سجاد سے رابطہ کرنے لگا۔جبکہ انا مصطفیٰ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔کندھے اور بازو پر گولیاں لگی تھیں خون تیز رفتاری سے بہہ رہا تھا۔شہوار اس سارے لمحے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے چادر چہرے سے ہٹائے سب دیکھ رہی تھی۔گولیوں کی آواز سنی تھی پھر مصطفیٰ کی تکلیف زدہ چیخ۔وہ تینوں بھی خوف سے چیخی تھیں مگر مصطفیٰ کو اس حالت میں دیکھ کر بے حس وحرکت تھی۔اس نے ڈرتے ڈرتے مصطفیٰ کو چھونا چاہا مگر پھر ہاتھ پیچھے ہٹا لیے۔

''مصطفیٰ......''، مصطفیٰ کو اس کے ساتھ ہی سیٹ پر بٹھا دیا گیا تھا وہ ابھی حواس میں تھا۔آنکھیں بند تھیں مگر تکلیف سے لب بھینچ رکھے تھے۔اس نے بڑی وحشت میں مصطفیٰ کا بازو تھاما تھا۔

''انا......یہ کیسے ہوا؟'' وہ انا سے پوچھ رہی تھی۔

انا کی نگاہ اس کے سجے سنورے روپ پر پڑی تو وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔آنسو تو شہوار کی آنکھوں سے بھی بہہ رہے تھے مگر اس صورت حال کو دیکھ کر اس کا دماغ بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔

''مصطفیٰ......'' انا کو یوں روتے دیکھ کر اس نے بڑی وحشت سے مصطفیٰ کا دایاں بازو تھام کر جھنجوڑا تو مصطفیٰ نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔

کچھ دیر قبل وہ ماں جی اور انا کے درمیان بیٹھی مکمل طور پر چادر کے گھونگٹ میں منہ چھپائے ہوئے تھی مگر اس وقت اس کا چہرہ اس کے سامنے تھا روشن جگمگاتا چہرہ۔

''آپ ٹھیک ہیں نا؟'' آنکھوں میں ہراس تھا آواز کپکپا رہی تھی۔مصطفیٰ نے بمشکل آنکھیں کھولتے وحشت وخوف سے سجا دلہن کی تمام تر سجاوٹ سے مزین چہرہ دیکھا تھا۔

اس نے گردن ہلا کر مسکرانے کی کوشش کرنا چاہی تھی مگر آنکھوں کے سامنے مکمل طور پر اندھیرا چھا گیا تھا۔

”ولید بھائی جلدی کریں پلیز اسپتال لے چلیں۔“ مصطفیٰ کی گردن ایک طرف ڈھلکی تو وہ وحشت سے چیخی۔ ولید گھبرا کر قریب آیا تو انا نے بھی فوراً مصطفیٰ کی کلائی تھامی تھی نبض کی رفتار پہلے سے بھی دھیمی تھی۔

”میں نے سجاد کو کال کی ہے وہ ابھی پہنچ رہا ہے پھر آپ اور آنٹی ان کے ساتھ گھر چلی جایئے گا میں مصطفیٰ کو اسپتال لے جاؤں گا۔“ ولید کہہ رہا تھا وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

دل میں لاکھ خفگی و شکوے سہی مگر اس نے مصطفیٰ کو کبھی بھی نقصان اٹھائے دیکھنا نہیں چاہا تھا۔ اس حال میں تو کبھی بھی نہیں۔

”ہم لوگ اسپتال چلتے ہیں اتنی دیر میں سجاد بھائی بھی وہیں پہنچ جائیں گے ولی مزید دیر کی تو بہت نقصان ہو جائے گا۔“ مصطفیٰ کی نبض پر مسلسل ہاتھ رکھے انا نے کہا تو ولید نے فوراً سر ہلاتے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی انا بھی مصطفیٰ کے بائیں طرف بیٹھ گئی تھی۔ دائیں طرف تو ویسے بھی شہوار تھی۔

”شہوار مسلسل خوف زدہ نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھ رہی تھی...... ایسا کڑیل، مضبوط اعصاب کا مالک انسان اس وقت بالکل بے بس تھا...... گولیاں گاڑی کے شیشے پر بھی لگی تھیں مگر معجزاتی طور پر وہ تینوں بچ گئی تھیں۔

یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ کوئی کچھ سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ شہوار نے مصطفیٰ کے خون ابلتے کندھے پر اپنے ہاتھ رکھ دیے تھے انداز ایسا تھا کہ جیسے خون روکنا چاہ رہی ہو اور پھر اچانک اس نے اپنی چادر اتار کر وہ اس کے زخموں پر رکھ دی تھی۔

ولید نے کئی بار مڑ مڑ کر شہوار کو دیکھا۔ انا خود اس قدر بلیڈنگ ہوتے دیکھ کر ہاتھ پاؤں چھوڑ چکی تھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ مصطفیٰ کی نبض ہر لمحے بعد دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔ ولید گاڑی ڈرائیو کرنے کے ساتھ ساتھ سجاد سے بھی بات کر رہا تھا اسے اسپتال پہنچنے کا کہہ رہا تھا۔ شہوار سر سے پاؤں تک ہل کر رہ گئی وہ مسلسل خوف سے لرزاں تھی۔

کل تک وہ اپنے آپ سے خوف زدہ تھی اور آج مصطفیٰ کو اس حالت میں دیکھ کر اسے لگ رہا تھا کہ اگر اس شخص کو کچھ ہوا تو جی وہ بھی نہیں پائے گی۔ ہر گزرتا لمحہ اس کے وجود سے جان نکالتا جا رہا تھا۔

کبھی وہ اس کے زخموں سے بہتے خون پر اپنی چادر رکھ دیتی تھی اور کبھی مصطفیٰ کے ہاتھ تھام لیتی تھی اور پھر کچھ سمجھ نہ آئی تو مصطفیٰ کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنے چہرے سے لگا کر وہ شدت سے رو پڑی تھی اور انا نے ضبط سے دیکھتے ہونٹ کچل لیے تھے۔

مصطفیٰ کے ہاتھوں پر لگا خون اب شہوار کے چہرے پر لگ چکا تھا۔ ولید بہت ریش انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا اور کچھ ہی دیر بعد وہ ایک قریبی اسپتال کے سامنے تھے دوسری طرف سجاد بھی پہنچ چکا تھا مصطفیٰ کو فوراً ایمرجنسی میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ سجاد کے ساتھ لائبہ شائستہ بھابی ماریہ اور عصمہ تھیں سبھی فوراً شہوار کے پاس پہنچی تھیں۔

ماں جی کی مسلسل بے ہوشی بھی تشویش ناک تھی انا تو ولید کے ساتھ ہی اسپتال کے اندر چلی گئی تھی جبکہ شہوار بڑے لیے دیے انداز میں گاڑی میں ہی بیٹھی رہی تھی۔ ماں جی کو وہ لوگ اندر لے گئے تھے اور ڈاکٹر فوراً طبی امداد دے رہے تھے مگر اس کی بے ہوشی ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی کچھ دیر میں حماد، زاہد بھائی زبیر اور باقی لوگ بھی اطلاع ملتے ہی پہنچ گئے تھے اسپتال میں اچھا خاصا رش ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر مصطفیٰ کو فوری آپریشن تھیٹر میں لے گئے تھے پورا ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد ماں جی کو تو ہوش آ گیا تھا مگر ان کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہاں رکتیں۔ سجاد بھائی نے زبردستی انہیں لائبہ اور شہوار کو امجد کے ہمراہ گھر بھیج دیا تھا جبکہ باقی خواتین ابھی وہیں تھیں۔

جس جس کو اطلاع مل رہی تھی بھی اسپتال ہی پہنچ رہے تھے۔ ڈاکٹر نے خون کا بندوبست کرنے کا کہا تھا اتنے لوگ تھے خون کا مسئلہ نہ ہوا تھا مگر ایک گھنٹے کے آپریشن کے باوجود مصطفیٰ کی حالت خطرے سے باہر نہ تھی۔ مصطفیٰ کو دو گولیاں بائیں بازو اور ایک کندھے پر لگی تھی۔ شاہزیب صاحب کا تو صدمے سے برا حال تھا۔

امجد خان بھی شادی میں شامل تھا۔ اس نے فوراً پولیس فورس بلوا لی تھی۔ کچھ دیر میں ہادیہ اور رابعہ کو ڈراپ کرنے کے بعد اطلاع ملتے ہی عباس بھی وہیں آ گیا تھا سبھی سخت صدمے میں تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سب کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔

ڈاکٹرز نے آپریشن تو کر دیا تھا مگر مصطفیٰ ابھی بھی آئی سی یو میں تھا اور ہر گزرتا لمحہ ان سب کے جسموں سے جان نکالتا جا رہا تھا۔

❁ ...... ✺ ...... ❁

شادی والا گھر جہاں دلہن کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں ملازم بڑے اشتیاق سے دلہن کی آمد کے منتظر تھے پورے گھر کو پھولوں اور روشنیوں سے سجا رکھا تھا مگر ماں جی کی حالت اور شہوار کو دیکھ کر سبھی ساکت ہو گئے تھے۔

ماں جی تو گھر آتے ہی مصلے پر بیٹھ گئی تھیں جبکہ شہوار ابھی بھی خوف و ہراس کی کیفیت مبتلا تھی۔

لائبہ خود مسلسل رو رہی تھی وہ لائبہ کے روکنے کے باوجود اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ نجانے اب کیا صورت حال ہونے والی تھی لوگ کیا کہتے؟ اس کا دل ہر لمحہ بند ہونے کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

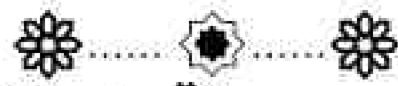
اسپتال سے مسلسل رابطہ تھا۔ وہ چینج کرنے واش روم میں گئی اور پھر چیج کرنے بعد تمام زیور اتارے اور اس کے آنسو بھی پوری رفتار سے بہہ رہے تھے۔ لباس بدل کر وضو کیا اور پھر جائے نماز بچھا کر اللہ کے حضور جھک گئی...... اس گھر کے اس پر بہت احسان تھے اور آج ان لوگوں کی خوشیوں کی تکمیل کا دن تھا تو یہ حادثہ پیش آ گیا...... وہ گڑگڑا کر اللہ کے حضور رحم و مصطفیٰ کی جان کی بھیک مانگ رہی تھی۔ ماں جی کو ایک دم شہوار کا خیال آیا تو انہوں نے لائبہ سے پوچھا۔

''وہ تو اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔'' لائبہ نے بتایا تو وہ جائے نماز سے اٹھ کر ہمت کرتیں لائبہ کے سہارے شہوار کے کمرے میں آئی مگر سامنے ہی اسے رو رو کر دعا مانگتے دیکھ کر ان کا سینہ درد سے پھٹنے لگا تھا۔ لائبہ نے ان کو شہوار کے بستر پر لٹا دیا تو شہوار دعا مانگ کر ان کے پاس آئی تو انہوں نے اسے شفقت سے اپنے سے لگا لیا۔

''تم میرے مصطفیٰ کی دلہن تھیں کیوں سب اتارا، اس نے تو تمہیں ایک نظر دیکھا بھی نہیں تھا ابھی تک۔'' ماں جی پھر رو دی تو وہ خود آنسو بہاتے ان کے ساتھ لگی رہی۔

کچھ دیر بعد باقی لوگ بھی گھر آتے جا رہے تھے صبا اور عائشہ بھی گھر آ گئی تھیں۔ سبھی پریشان و متفکر تھے۔ ہر ایک کے لبوں پر اسی حادثے کا ذکر تھا۔ ہر کوئی بری گھڑی ٹل جانے کی دعا کر رہا تھا۔ ماں جی کی حالت مزید بگڑنے لگی تو عائشہ نے ان کو آرام دہ حالت میں رکھنے کے لیے نیند کی گولیاں دے کر سلا دیا۔

جبکہ شہوار ایک بار پھر جائے نماز پر بیٹھ گئی تھی ماں جی اسی کے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں جبکہ صبا اور لائبہ باقی لوگوں کو ان دونوں کے پاس بیٹھا کر باہر نکل گئی تھیں۔



کوئی دو گھنٹے بعد ڈاکٹر نے تسلی دی تو سب کی جان میں جان آئی تھی۔ مصطفیٰ کو ڈاکٹر نے خطرے سے باہر قرار دیتے روم میں شفٹ کر دیا تھا۔

احسن بھی اسپتال آ گیا تھا ولید ڈاکٹر سے خوش خبری سن کر احسن اور انا کے پاس چلا آیا۔ باقی ساری خواتین گھر جا چکی تھیں یہاں صرف اہم اہم فرد تھے باقی مرد حضرات بھی جا چکے تھے مگر انا تب بھی ادھر ہی رہی تھی۔

''احسن تم انا کو لے کر چلے جاؤ میں مصطفیٰ کے پاس ہی رکوں گا۔'' قریب آ کر ولید نے کہا تو احسن اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں شہوار کے ہاں جاؤں گی نجانے اس کی کیا حالت ہوگی اس وقت شہوار کے پاس جانا زیادہ ضروری ہے میں اب تک کوئی تسلی بخش خبر لینے کے لیے رکی ہوئی تھی۔'' انا نے کہا تو ولید نے سر ہلا دیا۔

صبح کے چار بج رہے تھے ان لوگوں کی ساری رات اسپتال میں ٹہلتے اور دعائیں مانگتے گزری تھی۔

ولید نے انا کو دیکھا رونے سے اس کی آنکھیں سوج چکی تھی۔ سارا میک اپ بہہ چکا تھا۔ سر پر نماز کے اسٹائل میں دوپٹا لپیٹ رکھا تھا وہ سارا وقت کچھ نہ کچھ پڑھتی رہی تھی۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہیں مناسب لگے۔'' ولید نے کہا۔

احسن اسے مصطفیٰ کے گھر چھوڑ کر واپس گھر کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ وہ سیدھی سبھی کو ملتی مصطفیٰ کی خیریت کی اطلاع دیتے ان سے پوچھ کر شہوار کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ شہوار ابھی بھی جائے نماز پر تھی جبکہ ماں جی اس کے بستر پر سوئی ہوئی تھیں۔

وہ بھی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد فجر کی اذان ہونے لگی تو وہ بھی وضو کر کے شہوار کے ساتھ ہی نماز ادا کرنے کھڑی ہو گئی تھی۔

نماز ادا کر کے دعا مانگتے پھر شہوار کے آنسو بے اختیار تھے سسکیاں گونجنے لگی تو انا نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے ساتھ لگالیا۔

''انا...... ایسا کیوں ہوا۔ میں نے تو کبھی بھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا میں نے تو کبھی بھی مصطفیٰ کو بددعا نہیں دی تھی۔ مصطفیٰ نے ہمیشہ ہر اچھے برے وقت میں میری ڈھال بننا چاہا تھا ہر بار میری حفاظت کی تھی اور جواباً میں نے اسے ہمیشہ رویوں کی مار ماری نظر انداز کرتی رہی مگر میں نے کبھی بھی یہ نہیں چاہا تھا۔'' وہ سب کہتے شدت سے رو دی تھی۔

''تمہارا بھلا اس میں کیا قصور؟ پتا نہیں کون تھا اور کس نے یہ حرکت کی۔ انکل تو ساری صورت حال سن کر پریشان ہو گئے تھے وہ جو لوگ بھی تھے انہوں نے باقاعدہ پلاننگ کے تحت یہ سب کیا تھا جیسے ہی ہم شہر کی حدود میں داخل ہوئے تھے وہ بائیک ہمارے پیچھے لگی تھی انہوں نے پچھلی سیٹ کے شیشوں پر بھی فائرنگ کی تھی وہ تو شکر ہے کہ کسی کو گولی نہیں لگی۔''

''میرا دل کہتا ہے یہ سب ایاز نے کیا ہے یا کروایا ہے اور بھلا کس سے دشمنی تھی۔'' شہوار نے روتے ہوئے کہا تو انا نے سر ہلایا۔

''ہاں یہ بھی ممکن ہے انکل' عباس بھائی اور ولید سب کا شک اسی پر ہے۔''

''تم نے دیکھا اب وہ کیسا تھا؟'' انا سے علیحدہ ہوتے چہرے دوپٹے سے صاف کرتے اس نے پوچھا۔

''ہاں روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا مصطفیٰ بھائی کو ظاہر ہے تین گولیاں لگی ہیں زخم گہرے ہیں اب کچھ دن لگیں گے مندمل ہونے میں۔'' شہوار لب بھینچ گئی تھی۔

تبھی عائشہ اندر آ کر ان ہی کے پاس جائے نماز پر بیٹھ گئی تھی۔ اس گھر میں کوئی بھی نہیں سویا تھا سبھی جائے نماز پر بیٹھیں دعائیں مانگتی رہی تھیں اور مہمان بھی ان کے ساتھ غم میں برابر کے شریک تھے۔

''انسان کیا کیا پلانز بناتا ہے اور سب ایک دم ختم ہو جاتا ہے۔ کب کسی نے سوچا تھا کہ یہ سب ہوگا اور مصطفیٰ بھائی مجھے تو سوچ سوچ کر رونا آتا ہے اپنی شادی کی رات وہ اس حادثے سے دوچار ہو گئے۔'' عائشہ کہتے کہتے رونے لگی تو شہوار نے لب بھینچ لیے تھے۔

''لیکن شکر ہے اللہ نے ہمارے بھائی کو پھر سے زندگی دی ہے ہم تو اس انسان کو بددعا بھی نہیں دے سکتے نجانے کس نے یہ دشمنی نبھائی ہے۔''

''ماں جی تو مسلسل صدمے سے دوچار ہیں دن نکلتا ہے تو پھر ہم اسپتال چلیں گے۔'' عائشہ جو بات کہنے آئی تھی اس نے کہا تو شہوار نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیوں؟'' عائشہ کو اس انکار کی امید نہ تھی۔

''اللہ نے میرے بھائی کو نئی زندگی دی ہے تم کیوں نہیں چلو گی؟''

''میں نہیں سامنا کر سکتی اس کا، بس نہیں جا سکتی۔ مجھے فورس مت کریں پلیز۔''

''مگر مصطفیٰ بھائی کو تو انتظار ہوگا نا۔'' عائشہ نے کہا تو وہ پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

''میں ان کو فیس نہیں کر سکتی، آپ سب چلی جائیں پلیز۔'' اس کے انکار پر عائشہ خاموش ہو گئی تھی۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔''

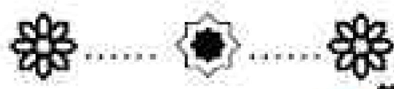
''پتا نہیں اب کب مصطفیٰ گھر آتا ہے عام حالات ہوتے تو آج تم دونوں کا ولیمہ ہونا تھا مگر اب لگتا ہے سب کچھ ملتوی کرنا ہوگا۔'' عائشہ نے کہا تو وہ خاموش ہی رہی۔

''حویلی اطلاع کی کسی نے؟'' اس نے بات بدلنے کو پوچھا۔

''نہیں، بابا جان نے سب کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ خوامخواہ وہاں بابا صاحب اور بوا جی پریشان ہوں گے۔ ویسے بھی وہاں جو مہمان رات کو رک گئے تھے انہوں نے آج ولیمے پر آنا تھا اب اللہ جانے کیا پروگرام بنتا ہے بابا نے تو وہاں اطلاع دینے سے سختی سے منع کر دیا۔

شہوار خاموش رہی تھی اس کا موبائل تو کل سے بند تھا رخصتی کے وقت بھی بند تھا۔ اسے یقین تھا کہ تابندہ بی نے اس کے نمبر پر بار بار کال کی ہو گی۔

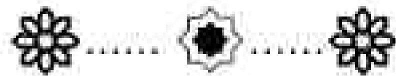
اس وقت خود بھی دل چاہ رہا تھا ان سے بات کرنے کو مگر اب عائشہ کی بات سن کر بمشکل دل کو سنبھال لیا تھا۔



فجر کی نماز پڑھ کر وہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگیں تھیں۔
رات شہوار کو رخصت کرنے کے بعد وہ ایک دم پرسکون ہوگئی تھیں گویا کندھوں پر موجود منوں بوجھ اتر گیا تھا۔ یہاں ابھی کچھ مہمان رات رک گئے تھے اور پھر ان لوگوں کو آج یہیں سے ولیمے کے لیے جانا تھا۔
بابا صاحب بھی نماز پڑھ کر آگئے تھے۔ پچھلے کئی دن سے شادی کے سلسلے کا جو خاص اہتمام ہو رہا تھا آج وہ نہ تھا۔
تابندہ بی اپنی نگرانی میں سب کام کروا رہی تھیں مہمانوں کو ناشتہ کرانے کے بعد وہ ان کو مزید ہدایات دیتے اپنے کمرے میں آ گئی تھیں۔
باہر مہمان شہر روانگی کی تیاریاں کر رہے تھے اور وہ خاموشی سے اپنی الماری کی اشیا کھنگال رہی تھیں۔ انہوں نے ایک بہت پرانا ہینڈ بیگ نکالا اور پھر اس میں موجود کچھ کاغذات بھی۔ سب کو بغور دیکھتے انہوں نے ترتیب اور احتیاط سے واپس ہینڈ بیگ میں رکھ دیا اور پھر اس کے بعد انہوں نے ایک بڑے سائز کا بیگ نکالا اور احتیاط سے اپنے کپڑے اور دیگر اشیا رکھنے لگی تھیں۔ اس دوران ملازمہ مہمانوں کا پیغام لیے چلی آئی تھی۔
وہ بیگ بند کرتے باہر آ گئی تھیں۔ یہاں رک جانے والے دس بارہ مہمان اب شہر جانے کو بالکل تیار تھے جن میں زہرہ پھپو اور زینب بھی تھیں جو رات ادھر ہی رک گئی تھیں۔ وہ ان سب کے پاس آ گئی تھیں۔
''تم بھی چلتی تابندہ، شہوار تم کو دیکھ کر خوش ہوتی۔'' زہرہ نے کہا تھا وہ مسکرا دیں۔
''شہوار کو میری طرف سے بہت پیار دیجیے گا بس اتنا لمبا سفر کرنے کو دل آمادہ نہیں کچھ دن بعد میں چکر لگا لوں گی۔''
''بابا صاحب بھی نہیں جا رہے وہ بھی سفر کا کہہ کر انکار کر چکے ہیں۔'' زینب نے بھی کہا تو تابندہ نے گہرا سانس لیا۔
''مصطفیٰ اور شہوار کو بہت بہت پیار دیجیے گا شہوار کو کہیے گا کہ ایک دو دن میں چکر لگا لے۔'' انہوں نے کہا تو زہرہ اور زینب پھپو نے سر ہلایا تھا۔

پھر ان لوگوں کے رخصت ہونے کے بعد وہ ملازمین کے پاس آ گئی تھیں۔ وہ ان کو کچھ ہدایات دیتے پھر کمرے میں آ گئی تھیں۔ انہوں نے سائیڈ دراز سے ایک لیٹر پیڈ اور قلم نکالا اور پھر بستر پر بیٹھ کر کچھ لکھنے لگیں۔ دوپہر تک وہ اپنے کمرے میں ہی رہی تھیں۔
اس کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آئی اور انہوں نے سب ملازمین کو ایک جگہ بلا کر ان سب کو چند خاص ہدایات دی تھیں سب نے نہایت حیرانی سے ان کی ہدایات سنی تھیں۔ ظہر کی اذان ہوئی تو بابا صاحب نماز پڑھنے نکل گئے تھے۔ وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی اور اپنا بڑا سا بیگ لے کر اچھی طرح چادر اوڑھ کر وہ باہر نکلی تھیں ڈرائیور کو گاڑی نکالنے اور سامان رکھنے کا کہا تھا۔
''آپ کہیں جا رہی ہیں۔'' تاج تابندہ کی تیاری دیکھ کر الجھ گئی تھی تابندہ نے سر ہلا دیا تھا۔ اتنا بڑا بیگ اور تابندہ کی تیاری یہی ظاہر کر رہی تھی۔ یقیناً وہ کہیں بہت دنوں کے لیے جا رہی تھیں۔
''بابا صاحب نماز پڑھ کر آئیں تو ان کو کھانا دینا ہے اور جب وہ کھانا کھا لیں تو ان کو یہ لفافہ دے دینا میرا پوچھیں تو کہہ دینا تمہیں علم نہیں۔'' ڈرائیور گاڑی نکال کر اندر سامان لینے آیا تو تابندہ نے تاج کو ہدایت کی اور تاج نے ناسمجھی کے عالم میں لفافہ تھام لیا تھا۔ تابندہ ڈرائیور کے ہمراہ گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔
''کہاں چلنا ہے بی بی جی؟'' گاڑی ڈرائیو کرتے ڈرائیور نے پچھلی سیٹ پر بیٹھی تابندہ سے پوچھا تو تابندہ نے اپنی نم آنکھوں کو چادر کے پلو سے رگڑا۔
''بسوں کے اڈے کی طرف چلو۔'' ڈرائیور نے حیرانی سے اس حکم نامے کو سنا تھا۔
''مگر آپ وہاں جا کر......!''
''جو کہا ہے وہ کرو۔'' ڈرائیور نے کچھ کہنا چاہا تھا تابندہ نے سختی سے ٹوکا تو وہ فوراً سر ہلا کر رہ گیا۔
آدھے گھنٹے میں وہ ان کو بس اڈے کی طرف لے آیا تھا۔

''یہاں سے پتا کرو شہر کی طرف کون سی گاڑی جا رہی ہے۔'' تابندہ نے کہا تو وہ چونکا۔
''آپ چھوٹی بی بی کے یہاں جا رہی ہیں۔'' ڈرائیور نے پوچھا تو تابندہ نے سر ہلا دیا۔
''تو میں چھوڑ آتا ہوں بلکہ کچھ دیر پہلے تو سب لوگ گئے تھے آپ ان کے ساتھ ہی چلی جاتیں۔'' ڈرائیور نے کہا تو تابندہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
''تب میرا پروگرام نہیں تھا اب اچانک پروگرام بنا ہے۔'' انہوں نے کہا اور پھر ڈرائیور کو دیکھا جس کے چہرے پر ابھی بھی الجھن قائم تھی۔
''ویسے بھی بابا صاحب کو بھی ڈرائیور کی ضرورت پڑتی ہے تم گاؤں ہی رکو میں خود چلی جاؤں گی۔'' ڈرائیور نے سر ہلایا۔
وہ شہر جانے والی گاڑی کا پتا کر آیا تھا۔ وہ ابھی آنے ہی والی تھی۔ ان کو دس پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا تھا اور پھر بس آ گئی تو ڈرائیور ان کو آرام دہ سیٹ پر خود بٹھا کر بس سے اترا تو بس فوراً چل پڑی تھی تابندہ بی نے کھڑکی سے باہر کھڑے ڈرائیور کو دیکھا تو ان کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونا شروع ہو گئی تھیں۔



مصطفیٰ خطرے سے باہر تھا مگر وہ قطعی اس حالت میں نہیں تھا کہ رات ولیمے کا پروگرام منعقد کیا جاتا۔
صبح ماں جی، عائشہ صبا اور باقی لوگ جا کر اس سے مل آئے تھے۔ وہ ہوش میں تھا اور ان سب سے اس نے بات بھی کی تھی۔
ولید، شاہزیب صاحب اور عباس مسلسل اس کے پاس ہی تھے۔ ماں جی مصطفیٰ سے مل کر آنے کے بعد کچھ پرسکون تھیں۔ گھر آ کر انہوں نے صدقہ وخیرات کا خصوصی اہتمام کیا اور اب گھر میں موجود مہمانوں کی طرف بھی توجہ دے رہی تھیں۔ ان کے کھانے کا اہتمام کروا رہی تھیں ورنہ رات سے تو انہیں خبر بھی نہ تھیں۔
سب لوگوں کی طرف توجہ دیتے انہیں شہوار کا خیال آیا تو وہ اس کے کمرے میں آ گئی دوپہر کا وقت تھا شہوار کمرے میں اندھیرا کیے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے لائٹ روشن کی تو شہوار نے بھی فوراً بازو ہٹا کر دیکھا پھر ان کو دیکھ کر فوراً بیٹھ گئی اور سر پر دوپٹہ اوڑھ لیا۔ انہوں نے دیکھا اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ ستا ہوا تھا۔
انا اس کے پاس ہی تھی ابھی کچھ دیر پہلے وہ احسن کو بلوا کر گھر گئی تھی شام کو پھر چکر لگانے کا کہہ کر۔
''طبیعت ٹھیک ہے؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ سر ہلا گئی۔ انہوں نے بغور دیکھا۔
کل وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی ایک بار بھی اسے نظر بھر کر دیکھنے سے ڈرتی رہی تھیں۔
اور رات اس نے اپنا سارا بار سنگھار ختم کر دیا تو ان کے دل کو بہت تکلیف ہوئی تھی اور اب اسے یوں گم صم دیکھ کر ان کا دل کٹ رہا تھا۔
''ایسے کمرہ بند ہو کر کیوں بیٹھی ہو اللہ میرے مصطفیٰ کو لمبی زندگی دے۔ بس معمولی سی تکلیف تھی وہ بھی ختم ہو جائے گی ان شاء اللہ۔ اس کی زندگی بچ گئی ہمارے لیے یہی کافی ہے۔'' ماں جی نے محبت سے پیشانی چوم کر کہا تو اس کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔
''اپنے دل میں کوئی بدگمانی مت لانا جو بھی ہوا وہ قسمت میں لکھا ہوا تھا۔'' ماں جی نے اس کے بال سمیٹتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔
کچھ دیر پہلے اس نے غسل کیا تھا بال یونہی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔
''اگر مصطفیٰ کی حالت تھوڑی بہت بھی اچھی ہوتی تو آج ہی ولیمہ کر لیتے مگر ڈاکٹرز نے سختی سے اسپتال سے آنے سے منع کر دیا ہے اب اللہ مصطفیٰ کو ساتھ خیریت سے گھر لائے تو ولیمہ بھی ہو جائے گا ٹھیک ہے نا۔'' انہوں نے کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔
''ابھی گاؤں میں کسی کو بھی اطلاع نہیں دی۔ زہرہ کا فون آیا تھا بتا رہی تھی کہ وہ لوگ شہر آنے کے لیے نکل چکے ہیں میں نے بھی سب کو منع کر دیا ہے کہ ابھی کچھ نہ بتائیں یہاں آ جائیں پھر تسلی سے سب کچھ پتا چل ہی جائے گا۔''
''امی اور بابا صاحب بھی آ رہے ہیں کیا؟'' ماں جی سے دونوں کا سن کر اس نے پوچھا۔
''اس کا تو مجھے بھی نہیں پتا ہو سکتا ہے دونوں ساتھ ہوں۔ تم اپنی امی کے سامنے رونا بالکل نہیں، ورنہ ان کو تکلیف ہو گی۔'' ماں جی نے سمجھایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

اس وقت اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ تابندہ بی ایک دم اس کے سامنے آ جائیں اور وہ ان کی گود میں منہ چھپا کر شدت سے رو دے۔

''ابھی اٹھو سب کے ساتھ چل کر بیٹھو، کچھ ذہن بہلے گا۔'' ماں جی نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا کر ان کے ساتھ ہی اٹھ آئی تھی۔

''ویسے بھی اب اس کمرے کے بجائے تمہیں مصطفیٰ کے کمرے میں ہونا چاہیے تھا۔'' ماں جی نے کہا تو وہ نظر چرا گئی۔

دوپٹہ درست کرتے وہ ان کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ مصطفیٰ کے کمرے کے پاس سے گزرتے مہر النساء ایک دم رکی تھیں۔ انہوں نے شہوار کو بھی دیکھا تھا وہ بھی کمرے کے دروازے کو دیکھ کر کنفیوژ ہو گئی تھی۔ کمرے کے دروازے پر پھولوں کے ساتھ بڑا سا ویلکم لکھا تھا اور دیوار پر بھی پھولوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔

عباس آرڈر دے گیا تھا ہماری غیر موجودگی میں ہی آفس کے کچھ لوگ آ کر ڈیکوریٹ کر گئے تھے عباس فون پر ان کو ہدایات دیتا رہا تھا اس کو اسکائپ پر سارا کمرہ دکھا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ مجھے بھی اور کل سے کمرہ لاک تھا کوئی گیا ہی نہیں۔'' مہر النساء نے کہا تو وہ لب بھینچ گئی۔

''تم رکو میں چابی لاتی ہوں۔ کسی ملازمہ کے پاس ہوگی۔'' وہ کہہ کر چلی گئی تو شہوار خاموشی سے خوب صورت انداز میں سجی دیواروں اور دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔

مہر النساء چابی لے آئی اور انہوں نے خود ہی دروازہ کھولا تھا۔ شہوار کے اندر عجیب سی کیفیات پیدا ہونے لگی تھیں۔

اگر سب کچھ نارمل ہوتا تو وہ کس انداز میں اس کمرے میں داخل ہوتی۔

''آؤ'' ماں جی نے کہا تو وہ خاموشی سے ان کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ پھولوں کی پھوار ان دونوں پر برسی تھی۔

اس نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا تو دیوار کے ساتھ لٹکتی پھولوں کی باسکٹ سے پھول ان پر گر رہے تھے۔ وہ خاموشی سے چلتی ماں جی کے ساتھ کمرے کے وسط میں آ رکی تھی۔

بیڈ خوب صورت ریڈ روز سے سجا ہوا تھا دیواروں پر بڑے خوب صورت انداز میں سجاوٹ کی گئی تھی پھولوں کی مہک سے کمرہ مہک رہا تھا۔ قالین پر پھول کی پتیوں نے اور ہی بہار بکھیر رکھی تھی۔ وہ گم صم انداز میں سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ مہر النساء بیگم کی آنکھوں میں بھی آنسو آنے لگے اگر سب کچھ نارمل ہوتا تو صورت حال کتنی مختلف ہوتی۔ شہوار نے بستر پر نگاہ ڈالی اور لب بھینچ لیے۔

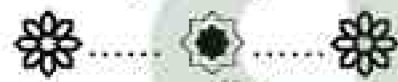
''کیا تب وہ خوش ہوتی؟''

کوئی اس کے اندر سے بولا تو وہ دکھ سے مٹھیاں بھینچ گئی۔

''شاید تب اس کا ری ایکشن کچھ اور ہوتا، تب وہ کبھی بھی اس سجاوٹ کو نگاہ بھر کر نہ دیکھتی۔ تب تو وہ شاید مصطفیٰ سے لڑتی جھگڑتی یا پھر وہی پرانی باتیں دہراتی مگر اب سب کچھ مختلف تھا۔'' اس کے دل پر شدید چوٹ لگی تھی۔

وہ بے دم انداز میں ایک طرف رکھے صوفے پر گر گئی تھی۔ وہ کل سے بہت حوصلے سے یہ سب جھیل رہی تھی۔ برداشت کر رہی تھی۔ حتیٰ کہ مصطفیٰ کے خون آلود وجود کو دیکھ کر بھی اس نے حواس نہیں کھوئے تھے مگر اب لگا کہ وہ ایک پل کو بھی یہاں نہ ٹھہر پائے گی ابھی گر جائے گی۔ اس کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا تھا۔ مہر النساء فوراً اس کی طرف لپکی۔

''کیا ہوا شہوار؟'' انہوں نے اس کا کندھا ہلایا' اس نے بمشکل آنکھیں کھولنا چاہی تھیں مگر اسے لگا کہ زمین و آسمان اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گئے ہیں اس نے بڑے بے دم انداز صوفے کی پشت پر اپنا سر ٹکا دیا تھا۔



بابا صاحب حویلی پہنچے تو ملازمہ ان کے کمرے میں کھانا لے آئی تھی۔ دوپہر کا کھانا وہ اپنے کمرے میں ہی کھاتے تھے۔ ابھی وہ کھانا کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ ملازمہ برتن اٹھانے آئی تھی۔

''تابندہ بی آپ کے لیے دے کر گئی ہیں۔'' ملازمہ نے برتن اٹھانے سے پہلے ایک سفید بند لفافہ ان کی طرف بڑھایا تو وہ چونکے۔

''تابندہ......''

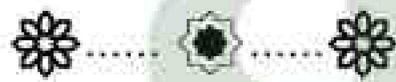
''جی......'' ملازمہ نے سر ہلایا۔
انہوں نے مزید کسی سوال و جواب کے بغیر لفافہ تھام لیا تھا۔
''ٹھہرو۔'' ملازمہ برتن اٹھا کر جانے لگی تو انہوں نے روک لیا۔ تاج وہیں رک گئی۔ انہوں نے سائیڈ پر رکھی عینک اٹھا کر آنکھوں پر لگائی اور لفافہ چاک کیا تو سفید کاغذ ان کے سامنے تھا اور پھر انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔
السلام علیکم!
میں جانتی ہوں یہ خط پڑھ کر آپ حیران ہو رہے ہیں اس حویلی میں برسوں پہلے میں جب داخل ہوئی تھی تو اس حویلی نے مجھے بیٹی جیسا مان دیا تھا اور آج میں اس حویلی کو چھوڑ کر جا رہی ہوں۔
کہاں؟
مجھے خود علم نہیں ہاں آپ سب کے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہو گا کہ جہاں جا رہی ہوں وہ جگہ میرے لیے پہلے کبھی انجان نہ تھی۔ میں اس حویلی میں شہوار کے لیے پناہ لینے پر مجبور ہوئی تھی مجھے بس شہوار کی شادی کا انتظار تھا اور اس کو رخصت کرتے ہی مجھے لگا کہ اب یہاں رہنا بیکار ہے۔ آپ لوگوں کے احسانوں کا بدلہ نہیں چکا سکتی رہ گئی شہوار اسے کہہ دیجیے گا کہ میں اس سے ملنے آؤں گی اور جب آؤں گی تو اس کے تمام سوالوں کے جواب لے کر آؤں گی اسے اطمینان دلا دیجیے گا کہ میں جہاں جا رہی ہوں وہاں مجھے کوئی نقصان نہیں ہو گا اور میری تلاش کی کوشش بھی مت کیجیے گا میں جیسے خاموشی سے جا رہی ہوں کسی دن ایسے ہی خاموشی سے آپ سب سے ملنے آ بھی جاؤں گی۔
اللہ حافظ
فقط تابندہ
انہوں نے انتہائی حیرت سے خط پڑھا اور عجیب سی تحریر تھی انہوں نے بے قراری سے دوسری بار پڑھا تو متن وہی تھا۔ انہوں نے بے اختیار ملازمہ کو دیکھا تو وہ ان کے حکم کی منتظر تھی۔

''کب گئی تھی تابندہ؟''
''جب آپ نماز پڑھنے گئے تھے۔''
''اکیلی گئی تھیں؟'' انہوں نے بے قراری سے اگلا سوال پوچھا۔
''نہیں، ڈرائیور چھوڑنے گیا تھا۔''
''کچھ بتایا تھا کہاں جا رہی ہیں؟'' انہوں نے پھر پوچھا ملازمہ نے نفی میں سر ہلایا۔
''بس یہ لفافہ دیا اور اس سے پہلے سب ملازموں کو بلوا کر کچھ ہدایات کی تھیں کہ حویلی کا خاص خیال رکھنا ہے کوئی کوتاہی نہیں کرنا آپ کا بھی خاص خیال رکھنا ہے وقت پر کھانا وغیرہ دینا ہو گا ہر چیز کی نگرانی کرنا ہو گی۔'' انہوں نے بے اختیار لفافے کو پھر دیکھا۔
''ڈرائیور جب واپس آئے تو میرے پاس بھیجنا۔'' وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔
تابندہ بی کا ایک عرصہ کا ساتھ تھا انہیں ایک بیٹی کا سا مان دیا تھا ہمیشہ زہرہ زینب کی طرح سمجھا اور اب اچانک وہ بغیر کچھ بتائے کہیں چلی گئی تھیں۔ انہوں نے بے قراری سے ٹہلتے ٹہلتے کچھ وقت گزارا اور جب ایک گھنٹے بعد ڈرائیور ان کے سامنے آیا اور اس سے ساری تفصیل سن کر وہ چونکے تھے۔ تابندہ نے خط میں کچھ اور لکھا تھا اور ڈرائیور انہیں شہر جانے والی بس پر بٹھا کر آیا تھا۔ وہ الجھ گئے تھے جب ہی شاہزیب صاحب کو کال کر رہے تھے۔
''السلام علیکم بابا صاحب۔'' دوسری طرف شاہزیب صاحب نے فوراً کال پک کی تھی۔
''وعلیکم اسلام مجھے تمہیں ایک اطلاع دینی ہے تابندہ حویلی چھوڑ کر چلی گئی ہے۔'' انہوں نے کہا تو دوسری طرف شاہزیب صاحب ایک دم چونکے تھے۔
''کیا مطلب؟''
''اس کا خط ملا ہے وہ حویلی سے چلی گئی ہے ڈرائیور اسے شہر جانے والی گاڑی میں بٹھا کر آیا تھا ڈرائیور کا کہنا ہے کہ وہ تم لوگوں کی طرف

آ رہی ہے مگر اس کے خط کے مطابق وہ کہیں اور گئی ہے۔ کہاں، اس کا ذکر نہیں کیا۔'' انہوں نے تفصیل سے بتایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔
''اوہ......''
''یہ تو بہت پریشانی والی خبر دی آپ نے؟''
''مصطفیٰ کا ولیمہ ہو جائے تو مجھے تابندہ کے بارے میں پتا کر کے بتاؤ۔ وہ اکیلی عورت بھلا کہاں جا سکتی ہے۔'' بابا صاحب نے دکھی لہجے میں کہا تو شاہزیب صاحب نے دوسری طرف گہرا سانس لیا تھا۔
''جی بابا صاحب میں دیکھتا ہوں۔''
انہوں نے چند اور ہدایات دے کر کال بند کر دی مگر شاہزیب کو بتانے کے باوجود پریشانی کم نہ ہوئی تو وہ ایک بار پھر خط اٹھا کر پڑھنے لگے تھے۔



ہادیہ کو رابعہ کی کال آئی تھی۔
''تمہیں پتا چلا رات بارات جب واپس آ رہی تھی تو کسی نے دلہے کی گاڑی پر فائرنگ کر دی تھی شاہزیب صاحب کے بیٹے کو کافی گولیاں لگی ہیں۔ رات سے اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔'' ہادیہ بتا رہی تھی رابعہ ایک دم حیران رہ گئی تھی۔
''اوہ......ویری بیڈ۔''
''ہوں بہت برا ہوا یہ سب اور ولیمہ بھی کینسل کر دیا ہے مجھے فاروقی صاحب نے کال کر کے کہا تھا کہ اب کچھ دن تک شاید یہ لوگ آفس نہ آ سکیں سو ہمیں کل ہی آفس واپس آنا ہوگا۔''
''اوہ......ٹھیک ہے کل میں آ جاؤں گی تم مجھے پک کر لینا۔''
''ٹھیک ہے، ویسے مجھے بار بار ان لوگوں کا خیال آ رہا ہے دلہا دلہن دونوں کی جوڑی کیا شاندار لگ رہی تھی نجانے ان لوگوں کی فیملی کا کیا حال ہوا ہوگا کتنا خوش تھے سب لوگ اور شہوار دلہن بن کر کتنی پیاری لگ رہی تھی۔'' ہادیہ کے لہجے میں افسوس تھا رابعہ کو بھی شدید دکھ ہو رہا تھا۔
''چلو میں پھر رات میں کال کروں گی او کے۔'' ہادیہ نے کال بند کر دی۔ وہ بھی بڑے افسردہ انداز میں پلٹی تھی۔ امی اور بھابی کو بتا رہی تھی۔ جب اپنے کمرے سے نکلتے ماموں بھی اس کی بات سن کر ٹھٹکے تھے۔
''کیا ہوا؟''
''شاہزیب صاحب کے جس بیٹے کی شادی میں ہم گئے تھے اس کو واپسی پر گولیاں لگ گئی ہیں وہ اسپتال میں ہے۔''
''اوہ......'' فیضان کو شدید صدمہ ہوا تھا۔
''دلہا دلہن کی جوڑی اتنی شاندار لگ رہی تھی کہ حد نہیں سب لوگ اتنے خوش تھے مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔'' رابعہ کہہ رہی تھی فیضان نے سر ہلایا تھا۔
''بس اللہ کی مرضی کے سامنے کب کسی کی چلی ہے۔'' ماموں کہہ کر باہر چلے گئے۔
ان دونوں کی سب سے اچھی سلام دعا ہو گئی تھی اسے رہ رہ کر شہوار کا خیال آ رہا تھا اس کے بعد بھی وہ کافی دیر تک امی اور بھابی کے ساتھ شادی کا احوال بیان کرتی رہی تھی۔



''مجھے تو رہ رہ کر شہوار کا خیال آ رہا ہے اس نے ہمیشہ مصطفیٰ بھائی کے سامنے بے پروائی کا اظہار کیا مگر اس حادثے نے اسے بہت ٹینس کر دیا ہے میں تو ابھی تک بے یقین ہوں ہمارے سامنے یہ سب ہوا۔'' گھر آ کر وہ بار بار روشی کو وہاں کے حالات بتا رہی تھی۔ ابھی ولید گھر آیا تھا اس نے مصطفیٰ کی اس وقت کی حالت سے آگاہ کیا۔
''اللہ کا شکر ہے مصطفیٰ اب بہتر ہے۔ ایک دو دن تک گھر شفٹ ہو جائے گا انکل اور عباس تو بہت ٹینس تھے سجاد بھی بے چارا الجھا ہوا

تھا۔ان لوگوں کے کزنز اس وقت مصطفیٰ کے پاس تھے باقی لوگ گھر چلے گئے تھے۔'' ولید نے سنجیدگی سے بتایا۔

''مصطفیٰ بھائی کی کسی کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟'' روشی نے پوچھا۔

''وہ جس فیلڈ میں ہے وہاں نہ چاہتے ہوئے بھی ہزار دشمنیاں بن جاتی ہیں تاہم ان لوگوں کا شک ایاز کی فیملی پر ہے۔'' ولید نے کہا تو انا نے بھی سر ہلایا۔

''شہوار بھی یہی کہہ رہی تھی بہر حال ہوا بہت برا ہے مگر شکر ہے' ورنہ کوئی جان چلی جاتی تو کوئی کیا کر سکتا تھا۔''

''مگر جس طرح فائرنگ کی گئی ہے اس سے یہی لگتا ہے کہ ان لوگوں کا ٹارگٹ مصطفیٰ کے ساتھ ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے والی سواریاں بھی تھیں وہ تو شکر ہے کہ پچھلی سیٹ پر موجود کسی کو بھی گولی نہ لگی۔'' ولید نے کہا تو روشانے نے سر ہلایا۔

''آپ ایسا کریں جا کر فریش ہو جائیں میں اتنی دیر میں کھانا نکالتی ہوں۔'' روشانے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ولید اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔انا بھی روشی کے ساتھ کچن میں آ گئی دونوں نے مل کر کھانا لگایا تھا۔ماموں گھر پر ہی تھے احسن بھی آج گھر پر ہی تھا اور ماما بوتیک اور بابا آفس جا چکے تھے۔

ماموں، احسن اور ولید سبھی ٹیبل پر آ گئے' دوپہر کا وقت تھا سبھی مل کر کھانا کھا رہے تھے۔

کھانا کھاتے ہوئے بھی مصطفیٰ کی ذات موضوع بنی رہی تھی۔کھانے کے بعد انا چائے بنا لائی تھی۔

ولید کھانا کھا کر اپنے روم میں چلا آیا وہ کل سارا دن کا تھکا ہارا رات بھر کا جاگا ہوا تھا اور آدھا دن بھی اسپتال میں ہی تھا۔اب مصطفیٰ کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو اسے نزدیکی اور اچھے اسپتال میں منتقل کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بھی گھر آ گیا تھا۔انا ولید کو چائے دینے اس کے کمرے کی طرف آئی تھی۔دروازے پر دستک دی تو ولید نے اسے دیکھا۔

''آؤ۔'' وہ ٹرے لیے اندر آ گئی تھی چائے کا مگ ولید کے آگے کیا تو اس نے ٹرے میں سے مگ اٹھا لیا۔

''تھینکس۔'' اس وقت چائے کی شدید طلب محسوس کر رہا تھا۔بیٹھو۔'' انا نے مسکرا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ تھکے ہوئے ہیں آرام کریں میں بس چائے دینے آئی تھی۔''

''نہیں کھانا کھا کر اب نہیں لیٹوں گا۔چلو آؤ باہر بیٹھتے ہیں ویسے بھی مصطفیٰ کو لے کر میں بہت ٹینس ہوں نیند نہیں آئے گی۔''

چائے کا سپ لیتے اس نے کہا تو وہ سر ہلاتے اس کے ساتھ ہی ٹیرس کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی ولید نے اسے بغور دیکھا دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''پتا ہے انا میں نے کبھی بھی موت کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی مگر کل رات جس طرح مصطفیٰ جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کو یوں بے بس حالت میں دیکھا تو محسوس ہوا کہ زندگی بہت بڑی نعمت ہے اور ہم کتنے کم عقل ہیں محض اپنے مفروضوں کو بنیاد بنا کر زندگی کی اہم خوشیوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔'' ولید کا انداز یاسیت بھرا تھا۔انا نے اسے بغور دیکھا۔اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت تھی دکھ، تکلیف بے بسی۔

''اور اس وقت مجھے مصطفیٰ سے زیادہ شہوار کی بے چارگی اور تکلیف دیکھ کر دکھ ہوا تھا۔'' انا نے دیکھا ولید کے چہرے پر کرب و دکھ رقم تھا۔

''نجانے کیوں میرا دل دکھا تھا حادثہ تو کسی کے بھی ساتھ ہو سکتا ہے اور پھر ایک ایسی لڑکی جو ابھی رخصت ہو کر آ رہی ہے اور پھر ایسی صورت حال پیش آ جائے کیا کیفیت ہو گی اس کی۔'' ولید ایک پل کو رکا۔

''اور سب سے بڑھ کر مصطفیٰ کی حالت دیکھ کر مجھے اس پل لگا تھا کہ جیسے میں مصطفیٰ کو کھونے والا ہوں پھر کبھی بھی اسے نہیں دیکھ پاؤں گا ہمارا کوئی ایک دن کا ساتھ تو نہیں تھا جب سے وہ امریکا تھا ہم اکٹھے تھے۔شاید میرا کوئی حقیقی بھائی ہوتا تو وہ بھی مجھے اتنا عزیز نہ ہوتا جس قدر مصطفیٰ مجھے عزیز ہے کل رات میں نے اپنی زندگی کے سب سے بھیانک اور تکلیف دہ لمحے گزارے ہیں۔'' وہ اپنی کیفیت بتا رہا تھا۔

ولید کے دل میں عجیب سی اذیت تھی دل چاہ رہا تھا کہ وہ انا کے سامنے سب کچھ کہہ دے ورنہ یہ تکلیف اس کے دل کو اسی طرح تڑپاتی رہے گی اور انا وہ خود بھی کل رات ولید کو مصطفیٰ کے لیے بھاگ دوڑ کرتے دیکھ چکی تھی جس طرح وہ پریشان، تکلیف زدہ حالت میں سب

کر رہا تھا مصطفیٰ سے اس کی گہری محبت ظاہر ہوتی تھی۔
''ان شاء اللہ مصطفیٰ بھائی بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے آپ ٹینس نہ ہوں۔'' ولید کو حوصلہ دینے کو اس نے کہا۔
''ہاں ٹھیک تو اسے ہونا ہی ہے اتنے لوگ ہیں اس کے لیے دعائیں مانگنے والے محبت کرنے والے۔ ہوش میں آتے ہی وہ ہم سب کو تسلی دیتا رہا۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا کتنا خون بہا تھا۔'' ولید نے کہا تو وہ خاموش رہی۔
''وہ بہت باہمت انسان ہے بہت سی خوبیوں کا مالک ہے بے شک اس کے پیچھے بہت مضبوط بیک گراؤنڈ ہے مگر اس نے کبھی اپنے اس بیک گراؤنڈ پر فخر محسوس نہیں کیا۔''
''یہ تو ہے، ان کی ساری فیملی بہت نفیس ہے ورنہ کوئی ایسے ویسے لوگ ہوتے تو اپنے گھر میں پناہ لینے والی عورت کی بیٹی سے رشتہ ہی کیوں جوڑتے، شہوار بہت خوش قسمت ہے اسے مصطفیٰ بھائی جیسے انسان ملے ہیں۔'' ولید کی بات کے جواب میں اس نے کہا۔
''میں سوچ رہا ہوں اگر مصطفیٰ کی جگہ گولی کسی اور کو لگ جاتی میں اگر کنٹین کی طرف نہ جاتا فرض کرو پچھلی سیٹ پر بیٹھے لوگوں میں سے کسی کو یا پھر مجھے لگ جاتی تو۔''
''اللہ نہ کرے۔'' انا نے ایک دم دہل کر کہا۔
ولید نے اسے دیکھا تو پہلی بار اس کے چہرے پر یاسیت کی جگہ مسکراہٹ پیدا ہوئی تھی۔
''فرض کرنے میں کیا حرج ہے۔ واقعی مصطفیٰ کی جگہ میں ہوتا تو۔''
''پلیز ایسا سوچیے بھی مت۔'' انا نے فوراً ٹوکا۔
''میں تو ابھی تک ان لمحوں کے خوف سے نہیں نکلی۔'' اس نے بختی سے کہا تو ولید مسکرا دیا۔
''ویسے بھی جس کے مقدر میں تکلیف لکھی ہوتی ہے وہ اسے مل کر ہی رہتی ہے۔ کوئی دوسرا لاکھ زور لگا لے اس مصیبت کو ٹال نہیں سکتا۔ ورنہ آپ سے بھی زیادہ مصطفیٰ بھائی سے محبت کرنے والی ان کی والدہ بھی ہمارے ساتھ موجود تھیں ان کا بس چلتا تو کبھی مصطفیٰ بھائی کے ساتھ ایسا نہ ہونے دیتیں۔ مگر تقدیر کے سامنے تو سبھی بے بس ہیں۔ بھلا کس کا زور چلتا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''سبھی مصطفیٰ کی عیادت کو آتے رہے تھے مگر شہوار نہیں آئی میں نے فیل کیا مصطفیٰ اس کی آمد کا منتظر تھا۔'' ولید چائے کا خالی مگ سائیڈ پر رکھتے ہوئے بولا۔
''وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اس حالت میں مصطفیٰ کا سامنا نہیں کر سکتی۔ وہ مصطفیٰ سے شرمندگی محسوس کر رہی تھی سو کسی نے زور بھی نہیں دیا۔ ویسے بھی ان کے گھر میں اس قدر مہمان تھے نجانے کون کیا کہتا اور کیسے بولتا وہ تو سارا وقت کمرے سے باہر بھی نہیں نکلی تھی۔'' انا نے ایک گہرا سانس لیتے یہ سب بتایا تو ولید نے پوچھا۔
''تم پھر ان کے ہاں جاؤ تو شہوار کو سمجھانا کہ مصطفیٰ سے جا کر مل آئے۔'' ولید نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
''ہاں میں کال کرتی ہوں تو بات کروں گی۔'' وہ کہہ کر خالی مگ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ابھی بیٹھو نا۔'' ولید ابھی وہاں اس کے ہمراہ کچھ دیر اور بیٹھنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا تو وہ ٹھٹکی۔
''آپ تھک گئے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔''
''نہیں ابھی موڈ نہیں ہو رہا۔ تم پلیز بیٹھو۔'' ولید نے اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر دوبارہ ہاتھ پکڑ کر اپنے سے اوپر والی سیڑھی پر بٹھا لیا جہاں وہ پہلے بیٹھی ہوئی تھی۔
''آج آپ بہت عجیب سے ہو رہے ہیں۔'' انا نے ولید کے ہاتھ سے ہاتھ نکال کر کہا تو وہ مسکرایا۔
''مثلاً کیسا ہو رہا ہوں؟''
''بہت حساس اور بچے۔'' انا نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ہاں اس سے پہلے کبھی موت کو اتنے قریب سے جو نہیں دیکھا تھا۔ اب دیکھا ہے تو زندگی کی قدر معلوم ہوئی ہے۔'' انا کو بغور دیکھتے مسکرا کر کہا۔ انا نے چونک کر دیکھا تو وہ مسکرا کر چہرہ پھیر گیا۔

وہ اس کے الفاظ زندگی کی قدر معلوم ہونے والی بات پر الجھ گئی تھی۔
''اور ایسی کیفیات میں انسان کا دل چاہتا ہے کہ وہ کسی اپنے سے اپنے دل کی ہر بات شیئر کرے ویسے کیا تمہیں برا لگ رہا ہے میری باتیں سننا۔'' ولید نے کہتے پھر اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔
انا تو اس کے الفاظ ''کسی اپنے سے'' ہی پر اٹک گئی تھی مزید کیا سنتی اس کے دیکھنے پر فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔ اس کا دل ایک دم بے پناہ خوشی سے بھرنے لگا تھا۔
ولید اور بھی کچھ کہہ رہا تھا وہ اپنی تمام سوچوں کو جھٹکتے مکمل توجہ کے ساتھ اس کے دل کی تمام باتوں کو سننے لگی تھی۔



بس نے ان کو اڈے پر اتارا' ان کے ساتھ ان کے دو بیگ تھے تابندہ نے بمشکل وہ بیگ گھسیٹے تھے۔ اڈے کے اندر سے ہی ان کو ایک رکشہ مل گیا وہ اس رکشے والے کو اچھی طرح ایڈریس سمجھا کر بیٹھ گئی تھیں۔ مغرب کے وقت وہ اپنی منزل کے سامنے پہنچی تھیں۔ رکشے والے نے ان کو مطلوبہ مکان کے سامنے اتار دیا۔ وہی ارد گرد اونچے اونچے شاندار گھروں میں ایک پرانا گھر تھا جس میں وہ چند ماہ پہلے بھی آ چکی تھیں۔ رکشے والا ان کے بیگ اتار کر گھر کے دروازے کے سامنے رکھ کر اپنا کرایہ لے کر چلا گیا تھا۔
انہوں نے دروازے پر دستک دی تھی دروازہ بارہ تیرہ سال کے بچے نے کھولا تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔
''آپ کون ہیں؟''
''میں تابندہ ہوں، اندر سے کسی بڑے کو باہر بھیجو۔'' انہوں نے کہا تو وہ سر ہلا کر چلا گیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد اس بچے کے ساتھ ایک خاتون بھی چلی آئی تھیں۔
''السلام علیکم۔'' انہوں نے سلام کیا تو وہ خاتون چونکی تھی سر ہلا کر جواب دیا۔
''کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟'' عجیب وقت تھا ان کو اپنے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت درکار تھی خاتون نے الجھ کر دیکھا۔
''مگر آپ کون؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔
''بیٹا میں کچھ عرصہ پہلے آئی تھی شاید آپ کو یاد ہو۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔
''اچھا، آپ وہی ہیں نا جو چند ماہ پہلے اماں جی سے ملنے آئی تھیں۔'' تابندہ نے سر ہلایا۔
''اچھا آپ آ جائیں اندر۔'' عورت نے اندر آنے کے لیے جگہ دیتے ہوئے کہا۔
''یہ میرا سامان بھی ہے۔'' انہوں نے اپنے دو بڑے بڑے بیگز کی طرف اشارا کیا۔
''میرا بیٹا رکھ لیتا ہے اندر۔'' وہ اندر آ گئی تھیں۔
بالکل ویسا ہی گھر تھا جیسا وہ برسوں پہلے چھوڑ کر گئی تھیں۔ بس صحن میں موجود پودوں کی جگہ پکی اینٹوں کا فرش تھا اور اندر کی طرف بڑھتے انہوں نے بے اختیار سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔
اوپر والی منزل پر بنے کمرے دیکھ کر ان کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔
''دیکھیں اماں جی کون آیا ہے؟'' وہ اس عورت کے ساتھ ایک کمرے میں آ گئی تھیں عورت نے کہا تھا۔ بستر پر بیٹھی خاتون نے پلٹ کر دیکھا۔ نظر کمزور تھی شام کا وقت تھا لائٹ آف تھی اندھیرے میں کچھ سجھائی نہ دیا۔
''کون آیا ہے۔'' اس ضعیف خاتون نے پوچھا۔
''السلام علیکم، خالہ بی میں تابندہ ہوں۔'' تابندہ نے خود ہی آگے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا۔
''تابندہ......'' وہ ضعیف خاتون ایک دم چونکی' دوسری خاتون نے جلدی سے سرہانے پڑی عینک اٹھا کر ان کی آنکھوں پر لگائی۔
''وعلیکم السلام۔'' تابندہ کو عینک کی مدد سے دیکھتے ہی انہوں نے فوراً بانہیں وا کر دی تھیں۔
تابندہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے تھے۔ ضعیف خاتون بھی رو رہی تھیں دوسری خاتون خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔
تابندہ ان کی چارپائی پر ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں خالہ بی۔''

''اور تمہاری بیٹی کا کیا حال ہے؟''

''اس کی کل رخصتی تھی اور آج ولیمہ ہے خوش ہوگی اپنے گھر۔'' دوسری خاتون کمرے سے نکل گئی تھیں۔

اب دونوں تنہا تھیں۔

''اور باقی لوگوں کا کیا حال ہے؟''

''سب ٹھیک ہیں۔''

''میں ہمیشہ کے لیے واپس آ گئی ہوں خالہ بی، وہ امانت جس کا ذمہ میں نے لیا تھا اور جس کے لیے ایک لمبا بن باس کاٹا آج وہ ذمہ داری اس کے مالک کو سونپ کر میں واپس اپنے اصل میں واپس آ گئی ہوں۔'' تابندہ نے کہا تو خالہ بی نے گہرا سانس لیا۔

''کتنا سمجھایا تھا میں نے تمہیں اور تم نے آخر اپنی ضد پوری کر کے ہی دم لیا۔ ساری زندگی رول دی تم نے' میں نے تمہیں اور تم نے میری کوئی بات نہ سنی۔''

''خالہ بی وقت گزر چکا ہے اللہ کا شکر ہے میں اپنے ضمیر کے سامنے سرخرو ہوں خود سے کیے تمام وعدے میں نے پورے کیے ہیں۔ گزرے وقت کو میں دہرانا نہیں چاہتی۔ آج واپس آ گئی ہوں یوں سمجھ لیں میرا کبھی کوئی ماضی تھا ہی نہیں۔''

خالہ بی نے جواباً کچھ کہنا چاہا مگر خاموش ہو گئیں۔ دوسری خاتون ٹرے میں کولڈ ڈرنک کا گلاس نمکو اور بسکٹ لیے چلی آئی تھیں۔

''ساجدہ سے تو تم مل ہی چکی ہو پچھلی بار جب تم آئی تھیں نا یہ میری بہو ہے۔'' خالہ بی نے تعارف کرایا۔

''جی آپ نے تب تعارف کرایا تھا۔'' ساجدہ نے ٹرے ایک چھوٹی سی ٹیبل پر رکھ دی تھی۔ تابندہ نے خاموشی سے گلاس لے لیا تھا۔ اسی وقت لائٹ آ گئی تھی۔ کمرہ روشن ہو گیا تو تابندہ نے اطراف میں دیکھا۔

پچھلی بار والی ہی صورت حال تھی وہی خستہ حالی وہی کسمپرسی۔ کمرے میں ایک بان کی چارپائی تھی جس پر خالہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک الماری تھی لکڑی کی دائیں دیوار کے ساتھ پلاسٹک کی دو کرسیاں تھیں اور ایک عدد ٹیبل جس پر ساجدہ نے اب ٹرے رکھ دی تھی۔ کمرے کی حالت سے مکینوں کی مالی حالت کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔

''فرید کا کیا حال ہے؟'' تابندہ نے پوچھا۔

''ویسا ہی ہے، فالج نے سارے بائیں حصے کو ختم کر دیا ہے بستر پر ہی رہتا ہے زبان ہل نہیں سکتی ساجدہ ہی سب کچھ کرتی ہے۔'' بیٹے کی حالت بیان کرتے خالہ بی کے آنسو بہنے لگے تھے۔ تابندہ نے لب بھینچ لیے تھے۔

اس بیٹے کے آسرے پر انہوں نے ساری عمر بیوگی میں گزار دی تھی اور اب کچھ سالوں سے بیٹا بھی معذوروں کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔

پچھلی بار جب تابندہ یہاں آئی تھیں تو ان کے حالات دیکھ کر تو انہوں نے اتنا بڑا فیصلہ لیا تھا واپس آنے کا اور خالہ بی کے اس کی ذات پر بہت سے احسانات تھے اور اب ان کا فرض تھا کہ وہ ان احسانوں کو چکا تیں۔

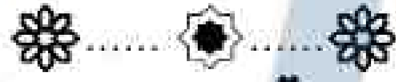
''اب میں آ گئی ہوں خالہ بی، آپ پریشان نہ ہوں۔'' تابندہ نے ان کو تسلی دی تھی۔ مغرب کی اذان ہونے لگی تو وہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگ گئی تھیں۔

نماز ادا کر کے وہ باہر نکل آئی صحن میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی تابندہ نے صحن میں کھڑے ہو کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا تو ذہن و دل میں کئی واقعات گردش کرنے لگے۔ جنہیں بمشکل جھٹکتے وہ سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گئی۔

اوپر اندھیرا تھا یونہی بند تالے لگے دروازوں کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھتی رہیں کچھ وقت گزار کر وہ واپس نیچے آ گئی۔ خالہ بی کی چارپائی اب صحن میں بچھا دی گئی تھی۔ وہ ان کے پاس رکنے کے بجائے سامنے والے کمرے میں چلی آئیں وہاں کچھ ماہ پہلے والا منظر جوں کا توں موجود تھا۔ فرید اسی طرح بے بسی کی حالت میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔

''کیسے ہو فرید؟'' انہوں نے قریب آ کر پوچھا تو وہ چونکا۔
سر ہلا کر جواب دیا، زبان فالج کے حملے سے قوت گویائی سے محروم ہو چکی تھی۔
''میں بھی ٹھیک ہوں اور میری بیٹی بھی، اب میں ہمیشہ کے لیے واپس آ گئی ہوں، بیٹی کی شادی کر دی ہے۔'' تابندہ کرسی گھسیٹ کر اس کی چارپائی کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔
''تم اب پریشان نہیں ہونا' تمہارے دونوں بیٹوں کی دیکھ بھال اب میری ذمہ داری ہے بلکہ اب تمہارے علاج کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہے۔'' تابندہ نے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔
اپنی بے بسی پر آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' تابندہ کا دل اس کی بے بسی پر پگھلنے لگا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر ساجدہ کا بڑا بیٹا کھانا لگ جانے کا پیغام لے کر آیا تو وہ باہر آ گئی۔ مرغی کا سالن اور روٹیاں تھیں' ساجدہ شوہر کا کھانا لے کر کمرے میں چلی گئی تھی' بچوں' خالہ بی اور تابندہ نے اکٹھے ہی کھانا کھایا تھا۔
فرید کے دو لڑکے تھے بڑے بیٹے کی عمر 13 سال تھی اور چھوٹے کی دس سال۔ سلجھے ہوئے بچے تھے' کھانا کھاتے ہوئے تابندہ ان سے چھوٹے چھوٹے سوالات کرتی رہی تھیں' کام' تعلیم' مصروفیات۔ کھانے کے بعد ساجدہ نے تابندہ کا بستر بھی خالہ بی کے ساتھ صحن میں لگا دیا تھا' عشاء کی نماز پڑھ کر وہ بستر پر لیٹ گئی تھیں۔ ان کا ذہن بار بار حویلی والوں کی طرف جا رہا تھا' وہاں پتا نہیں سب کیا سوچتے ہوں گے؟ ان کا خط پڑھ کر بابا صاحب یقیناً پریشان ہو چکے ہوں گے اور شاید انہوں نے شہر والوں کو بھی خبردار کر دیا ہو اور شہوار...... پتا نہیں اس کا کیا ری ایکشن ہوگا؟ وہ سوچے جا رہی تھیں جب خالہ بی نے ان سے پوچھا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔
''تم نے سب کو حقیقت بتا ڈالی پھر......''
''نہیں۔'' خالہ بی حیران ہوئی تھیں۔
''کیوں......؟''
''شاید اس لیے کہ ابھی مجھے یہ وقت حقیقت بتانے کے لیے مناسب نہیں لگا تھا۔''
''اور بابا صاحب......؟'' اگلا سوال ہوا۔
''کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا' میں نے سب کی غیر موجودگی میں بغیر بتائے حویلی چھوڑنے کی اطلاع دی تھی اور باقی کچھ بھی نہیں بتایا۔'' تابندہ نے بتایا تو خالہ بی نے ایک گہرا سانس لیا۔
''اور یہاں میری تلاش میں کبھی کوئی آیا؟'' تابندہ نے بڑی آس سے پوچھا تھا' پچھلی بار بھی انہوں نے یہ سوال کیا تھا مگر تب بھی مایوسی ملی تھی۔
''نہیں' کوئی نہیں پلٹا۔ کبھی کسی نے آ کر نہیں پوچھا سوائے ان بدبختوں کے جب تم چند دن کے لیے غائب ہوئی تھیں تب...... پھر کسی نے بھی چکر نہیں لگایا تھا۔''
''ہوں......'' مایوسی سے تابندہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔
''جب تک وہ یہاں تھا روز آتا تھا پاگلوں کی طرح تمہارا پوچھتا رہتا۔ میں سمجھی کہ ان مرنے والوں میں تم بھی مر چکی ہو' اگر وہ مجھے اصل حقیقت بتاتا تو شاید میں کوئی اتا پتا ہی پوچھ لیتی۔ پھر وہ چلا گیا اور تم آ گئیں۔'' خالہ بی گزرے وقت کو یاد کرتے بتا رہی تھیں۔ تابندہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
''آپ کی بہو کو علم ہے؟''
''نہیں میرے اور فرید کے علاوہ کبھی کسی کو میں نے اصل حقیقت نہیں بتائی۔'' وہ خالہ بی کی مشکور ہوئیں۔
''اللہ تمہیں اس نیکی کا اجر دے' آج کے دور میں بھلا کون کسی کے لیے کچھ کرتا ہے۔ تمہاری پھوپی کے سسرالی رشتہ دار ایک عرصہ تک ہمیں تنگ کرتے رہے تھے' تم نے یہ جگہ ہمارے نام نہ لکھ دی ہوتی تو آج نجانے ہم کہاں ہوتے۔''
''خالہ بی آپ کے بھی مجھ پر بہت احسان ہیں پھوپو کی وفات کے بعد آپ نے میرا بہت ساتھ دیا تھا میں تو آپ کے ان احسانوں کو

نہیں بھول سکتی۔'' تابندہ نے تشکر سے کہا۔
''احسان کیسے...... تم نے بھی تو مجھ بے سہارا' معاشرے کی ٹھکرائی بیوہ عورت کو پناہ دی تھی۔'' تابندہ مسکرادی اور پھر خاموشی سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔



ایک دم اس کی آنکھ کھلی تھی پہلے تو وہ خاموشی سے لیٹی رہی تھی اور پھر اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے۔ گلاب کے پھولوں کی مہک اسے کمرے کی نشاندہی کروارہی تھی۔
کمرے کی تمام لائٹس آف تھیں' صرف سائیڈ لیمپ روشن تھے ہلکی پنک رنگ کی خواب ناک سی روشنی نے کمرے کو بھی خواب ناک سا بنا ڈالا تھا اوپر سے پھولوں کی مہک' سجی سیج اور بستر کی نرماہٹ۔ وہ سب کچھ شدت سے محسوس کررہی تھی۔
اسے یاد آیا وہ ماں جی کے ساتھ مصطفیٰ کے کمرے میں آئی تھی' کل رات اور دن بھر کی اعصابی شکست رنگ لائی تھی وہ بے دم سی ہوکر صوفے پر گرگئی تھی۔ ماں جی اس کی حالت پر پریشان ہوگئی تھیں ان کی آواز پر لائبہ عائشہ فوراً آگئی تھیں۔ ان سب نے اسے بستر پر لٹادیا' عائشہ دودھ لے آئی تھی اور پھر عائشہ نے اسے کوئی میڈیسن دی تھی اور اس کے بعد اس کی آنکھیں خود بخود بند ہوگئی تھیں۔ شاید عائشہ نے اسے اعصابی سکون کی گولی دے دی تھی جو وہ کئی گھنٹوں تک سوئی رہی تھی۔
کسی نے بھی اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا' ایک بھرپور نیند کے بعد اس کی آنکھ اب خود ہی کھلی تھی۔ وہ کسلمندی سے بستر پر لیٹے گزرے لمحوں کو یاد کرنے لگی تو سارا دھیان مصطفیٰ کی طرف چلا گیا۔ دلہن بنتے وقت وہ عجیب متضاد کیفیت کا شکار تھی' نجانے آنے والے وقت میں اس کا کیا ری ایکشن ہوتا۔
وہ کس طرح مصطفیٰ کا سامنا کرتی؟ رخصتی کے بعد وہ سارا راستہ یہی سوچتی رہی اور پھر وہ خوفناک حادثہ رونما ہوا تھا۔ مصطفیٰ کو خون میں لت پت دیکھ کر اسے لگا تھا کہ اس کے وجود سے جان نکل گئی ہے۔ وہ کیا کررہی ہے؟ کیا کہہ رہی ہے؟ مصطفیٰ کو کس قدر شدت سے پکار رہی ہے؟ وہ ماحول وواقعات ہر چیز سے بے خبر ہوکر اس وقت صرف اور صرف اپنے دل کی آواز سن پائی تھی۔
تب اسے لگا تھا کہ اگر مصطفیٰ کو کچھ ہوا تو اس کے جسم سے بھی روح نکل جائے گی۔ مصطفیٰ کے لیے ساری رات رو رو کر دعائیں مانگتے ہوئے بھی اپنے آپ کو نہیں سوچ رہی تھی اور اب...... ان پھولوں سے سجی اس سیج پر لیٹے وہ خود کو سوچ رہی تھی' اپنے تمام جذبات واحسات کو۔ اس کا مصطفیٰ سے نکاح ہوا تھا' وہ اس کا شوہر تھا۔ دل میں جذبات واحساسات کا یہ تعلق خود بخود وقت کے ساتھ پروان چڑھا تھا۔
وہ آنکھوں پر بازو رکھے نجانے کیا سے کیا سوچ رہی تھی جب اچانک دروازہ کھلا تو وہ چونک اٹھی پھر کمرہ روشن ہوگیا تھا۔
عائشہ تھی' وہ فون پر کسی سے بات کررہی تھی اسے جاگتے دیکھ کر بستر کے گرد لٹکتی پھولوں کی لڑیوں کو ہٹاتے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔
''شہوار جاگ رہی ہے یہ لیں بات کریں۔'' وہ ابھی بستر سے اٹھنے لگی تھی جب عائشہ نے موبائل اسے تھمادیا۔
''کون......؟'' موبائل پکڑ کے اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔
''مصطفیٰ بھائی ہیں۔''
''مصطفیٰ......'' وہ چونکی پھر حیرت سے موبائل کو دیکھا۔
''تمہارا نمبر بند تھا تو میرے نمبر پر کال کی' انہوں نے تمہاری خیریت پوچھ رہے ہیں میں نے کہا اگر تم جاگ رہی ہو تو بات کروادیتی ہوں۔'' عائشہ نے بتایا۔
''مگر میں کیا بات کروں گی بھلا؟'' اسے ایک دم شرم نے آگھیرا تھا۔
''اُف...... بات کروگی تو پتا چلے گا نا' تم بات کرو میں آتی ہوں۔'' عائشہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی اور جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کرگئی تھی۔ شہوار نے آہستگی سے موبائل کان سے لگایا تھا' دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔
''السّلام علیکم!'' اس نے دھیمے سے کہا۔
''وعلیکم السّلام! کیسی ہیں؟'' دوسری طرف سے مصطفیٰ نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں اور آپ......؟'' اس نے بھی آہستگی سے پوچھا۔
''تین گولیاں لگی تھیں بقول باقی لوگوں کے موت کو ہرا کر آیا ہوں' اس وقت کیسا ہو سکتا ہوں۔'' مصطفیٰ کا وہی انداز تھا' مطمئن و پراعتماد۔ اس کے اندر جیسے سکون سا اتر آیا۔
''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا' اندر کی جو بھی حالت تھی مگر وہ اپنی آواز کو نارمل ہی رکھے ہوئے تھی۔
''باقی ڈاکٹرز کا تو پتا نہیں مگر اس وقت مجھے صرف ایک ہی ڈاکٹر کی مسیحائی کی طلب ہو رہی ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز پر جوش تھا' وہ ایک دم چپ ہو گئی تھی دوسری طرف سے بھی صرف سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
''شہوار......'' اس کی طرف سے مسلسل خاموشی مصطفیٰ کی آواز نے ہی توڑی تھی' شہوار خاموش رہی تھی۔
''شہوار......'' مصطفیٰ نے پھر پکارا۔
''جی سن رہی ہوں۔''
''کیا ہو رہا ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔ شہوار نے لیٹے لیٹے ہی اطراف میں دیکھا' تیز روشنی میں جگمگاتا پھولوں سے سجا کمرہ وہ اس وقت کیا کر سکتی تھی بھلا؟
''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے پھر سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈاکٹرز آپ کی کنڈیشن کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور پوچھتا اس نے خود ہی جلدی سے پوچھ لیا۔
''ڈاکٹرز مجھ سے کوئی بات نہیں کر رہے' بابا اور باقی لوگوں سے ہی بات چیت کی ہے۔ ویسے اپنی کنڈیشن کے بارے میں میں خود بتا سکتا ہوں کہ میں ٹھیک ہوں' خطرے کی کوئی بات نہیں۔ میری کوشش ہوگی کہ میں جلد از جلد کور کر لوں اور اس ہسپتال کا قیام لمبا نہ ہو۔'' مصطفیٰ نے تفصیل سے بتایا' مصطفیٰ کا لہجہ ہموار تھا۔
جس قدر خون بہا تھا اس کے باوجود مصطفیٰ کی کنڈیشن اس کو الجھانے لگی تھی۔
''ڈاکٹرز نے آپ کو بات کرنے کی اجازت دے دی کیا؟''
''اس وقت آپ محترمہ سے بات کر رہا ہوں ابھی بھی شک......'' مسکراتا انداز تھا' وہ گھبرائی۔
''نہیں میرا مطلب ہے آپ اتنی سیریس کنڈیشن میں رہے ہیں ابھی تو انسان مکمل طور پر حواس میں بھی نہیں آ پاتا۔ ڈاکٹرز بات چیت سے منع نہیں کرتے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''ڈاکٹرز کی ایسی کی تیسی......منع کر کے تو دیکھیں' ویسے بھی میں اعصابی طور پر اتنا کمزور نہیں ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو خود پر حاوی کر لوں۔ یہ تو کل رات ان تین گولیوں کا اثر تھا جو کسی بھی بات کا ہوش نہ رہا تھا ورنہ ایک گولی کو میں کچھ بھی نہیں مانتا۔'' انداز پراعتماد تھا' شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
دل ہی دل میں اس کے اس طرح روانی سے بولنے پر مطمئن ہو گئی تھی۔
''لیکن احتیاط اچھی ہوتی ہے' ڈاکٹرز بھی تو انسان کے فائدے کے لیے ہی ہدایات جاری کرتے ہیں۔'' اپنے مخصوص سنجیدہ انداز میں اس نے کہا۔
''بشرطیکہ وہ ڈاکٹر تم جیسا ہو۔'' مصطفیٰ کا انداز ابھی بھی جذبوں سے پُر تھا۔ وہ ایک دم جھینپی۔
''تو کیا خیال ہے' آ رہی ہیں مجھے ہدایات دینے پھر؟''
''میرا خیال ہے آپ کو ان فضول باتوں کی بجائے آرام کی زیادہ ضرورت ہے۔'' ابھی اس کا دل بدلا تھا مزاج نے بھی آہستہ آہستہ نارمل روٹین میں آنا تھا۔
''سچ کہتے ہیں لوگ انسانوں کی چیر پھاڑ کرنے والے ڈاکٹرز دل کے بھی پتھر کے ہوتے ہیں' حالات کچھ بھی ہوں کوئی اثر نہیں ہوتا۔'' مصطفیٰ نے تجزیہ کیا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
''سچ کہہ رہے ہیں مگر حالات و واقعات ہی انسان کو پتھر بننے پر مجبور کرتے ہیں ورنہ پتھر دل تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔'' اس کی سنجیدگی جوں

کی تو تھی۔

''مگر میرے معاملے میں تو ہمیشہ ایک ہی موسم اور ایک جیسا ہی سرد رویہ برقرار رکھا گیا ہے اور شاید اب بھی وہی رویہ ہے' اتنے بڑے حادثے کے بعد بھی۔''

''میرا خیال ہے کافی بات ہوگئی ہے' آپ آرام کریں۔'' مصطفیٰ کی باتوں پر اس نے جھنجلا کر کہا تو دوسری طرف مصطفیٰ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

''شہوار ہمارا جو رشتہ ہے اس میں سب سے زیادہ جذبات اور رویوں کو محسوس کرنے یا نظر انداز کر دینے کی گنجائش نکلتی ہے۔ مجھے نہیں لگتا میں نے کبھی اس تعلق کو نظر انداز کیا ہو' ہمیشہ سب کچھ نظر انداز کرتے پیش قدمی کی ہے اور آج جب کہ میں جذبات واحساسات کی اس سطح پر تھا جہاں مجھے شدت سے اگر کسی کا انتظار رہا تھا تو وہ تمہارا وجود تھا مگر میں نے ہر بات کو فراموش کر کے خود کال کی تو صرف اس لیے کہ میں اپنے اور تمہارے رشتے کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہتا تھا مگر تمہارا وہی انداز اور وہی رویہ ہے' ایسا کب تک چلے گا؟'' مصطفیٰ کی باتوں پر ایک لمحے کو اس کا دل رکا تھا مگر اگلے ہی پل وہ جھنجلا گئی تھی۔

وہ بے شک اس حادثے کے بعد دل سے اس تعلق کو قبول کر رہی تھی مگر دل کی کیفیت سے ہٹ کر وہ اپنے اس مزاج کا کیا کرتی جو اس پل بھی عجیب سی کیفیت میں گھرا ہوا تھا۔ دل بدلتے دیر نہیں لگی تھی مگر شاید مزاج کو ابھی بدلنے میں کچھ وقت چاہیے تھا۔ اسے یہ سب سہنے برتنے اور نبھانے کے لیے شاید کچھ وقت درکار تھا۔ اس نے مصطفیٰ کے سامنے ہمیشہ اس رشتے کی نفی کی تھی اب ایک دم کیسے سب کچھ ایک طرف کرتے آگے ہو جاتی۔

''شہوار......'' اس کی طرف سے مسلسل خاموشی پر مصطفیٰ نے پکارا۔

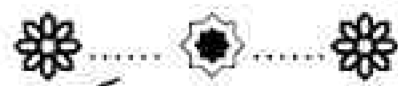
''جی......'' اس نے آہستہ انداز میں کہا۔

''مجھے شاید فون نہیں کرنا چاہیے تھا' میری آواز بھی تمہارے مزاج پر شاید بہت گراں گزر رہی ہوگی۔'' مصطفیٰ کا لہجہ ایک دم بدلا تھا' تلخی و شکایت در آئی تھی۔

''نہیں ایسی بات نہیں میں......'' وہ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک دم مصطفیٰ نے کال بند کر دی تھی۔

اس نے خاموشی سے موبائل کو دیکھا اور پھر اٹھ بیٹھی تھی۔ سر گھٹنوں پر رکھ کر وہ لاشعوری طور پر مصطفیٰ کو ہی شدت سے سوچنے لگی تھی۔ مصطفیٰ کی باتیں ایک دم یاد آنے لگیں تو وہ بے اختیار بستر سے اتر گئی۔

ننگے پاؤں' دبیز قالین پر چلتے پھولوں کی پتیوں کی نرماہٹ' شدت سے محسوس ہونے لگی تو وہ لائٹ آف کرتے وہاں سے نکل آئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ واش روم میں جا کر منہ ہاتھ دھونے لگی۔



مصطفیٰ کال بند کرنے کے بعد اسی طرح لیٹا رہا۔ اس نے اس سے پہلے کبھی بھی شہوار کے رویوں کو اہمیت نہ دی تھی مگر آج جبکہ وہ سب سے زیادہ اس کی کمی محسوس کر رہا تھا تو اس کی طرف سے وہی مخصوص انداز پا کر اس کا دل عجیب سے انداز میں متاثر ہوا تھا۔ اس نے کال بند کر دی تھی مگر ذہن کی سطح پر کل رات والا شہوار کا عکس لہرانے لگا تھا' اس کے زخمی ہونے پر کس قدر بے قراری اور شدت سے اس نے اس کا نام پکارا تھا۔

درد سے بے حال ہونے کے باوجود اس نے آنکھیں مکمل طور پر وا کی تھیں' دلہن بنا وہ خوب صورت چہرہ اور اس پر اس کی بے قراری...... تب اس کے ذہن نے تاریکی میں ڈوبنے سے پہلے مکمل اور پوری شدت سے اس کی بے قراری محسوس کی تھی اس کے ہاتھوں کا لمس اس کے بازوؤں پر تھا اور پھر ہوش میں آنے کے بعد سب سے پہلا خیال اسے پھر شہوار کا ہی آیا تھا۔ دلہن بنا وہ خوب صورت چہرہ اس کے وجود کی سج دھج' بے قرار لہجہ' کانپتے ہونٹوں سے تڑپ تڑپ کر نکلتا اس کا نام۔

''مصطفیٰ......'' اور تب مصطفیٰ کے اندر شدت سے اس کو اپنے سامنے پھر اسی انداز میں دیکھنے کی تڑپ جاگ گئی تھی۔

وہی بے قراری و تڑپ کر اس کا نام لینے کی خواہش' اس کے کانپتے ہونٹوں کی لرزش اور ہاتھوں کا لمس اور آنکھوں سے گرتا سیال مادہ۔ وہ

باقی سارا وقت شدت سے اس کا منتظر رہا تھا اور پھر سارا دن گزر گیا تھا' گھر والوں میں سے سبھی لوگ اس سے مل کر جا چکے تھے مگر وہ نہیں آئی تھی۔

اس کا موبائل اور تمام سامان بابا جان کے پاس تھا' پھر رات ہونے پر ولید آ گیا تھا ساتھ میں اس کے والد' انا' روشی احسن اور باقی لوگ بھی تھے۔ وہ لوگ عیادت کے بعد چلے گئے تھے جبکہ ولید اس کے پاس رات رک گیا تھا۔ وہ اب بہتر تھا ولید نے باقی سب کو اطمینان دلا کر گھر بھیج دیا تھا' تاہم امجد نے اپنے کچھ ساتھی بطور سیکورٹی ہسپتال میں ہی چھوڑ دیئے تھے' بابا جان کی سخت ہدایات تھیں۔

اس پر جان لیوا حملہ ہوا تھا وہ بال بال بچا تھا امجد خان مسلسل حملہ آوروں کی تلاش میں تھا۔ آج ڈاکٹرز کی رپورٹ بھی مل گئی تھی' گولیاں ایک ہی پسٹل سے چلائی گئی تھیں اور پسٹل کے بارے میں امجد تحقیق کر رہا تھا۔ باقی ابھی کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ ان سب لوگوں کے جانے کے بعد اس نے ولید سے موبائل لے کر گھر کال کرنے کا سوچا اس کا ایک بازو بالکل بھی ہلنے کے قابل نہ تھا' دوسرے پر ڈرپ لگی تھی سو ولید اس کے کانوں میں ہینڈ فری لگا کر موبائل اسے دے کر فوراً باہر نکل آیا تھا مگر شہوار سے بات کرنے پر اس کا وہی سنجیدہ' اکتایا ہوا پہلو بچاتا انداز تھا۔ اسے بے ہوشی سے پہلے محسوس کی جانے والی شہوار کی وہ تڑپ اب اپنی خوش فہمی لگنے لگی تھی۔ وہ ابھی اپنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ ولید نے کمرے میں جھانکا اور اسے کال سے فری دیکھ کر اندر آ گیا تھا۔

''ہو گئی بات......؟'' مسکرا کر پوچھتے اس کے پاس ہی آ کھڑا ہوا تھا۔

''ہوں......''

''کیا ہوا' خیریت......؟'' مصطفیٰ کے سنجیدہ انداز پر ولید نے چونک کر بغور دیکھا تو مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلا کر مسکرا کر اسے دیکھا۔

ولید نے اس کے سینے پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر اس کے کانوں سے ہینڈ فری نکالی تھی۔

''یہ ڈرپ کب ختم ہوگی' مجھے لگتا ہے میں معذور ہو کر رہ گیا ہوں۔'' مصطفیٰ نے اکتاہٹ سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''اتنی جلدی......؟ ابھی تو ایک دن ہی ہوا ہے۔'' اس کے پاؤں کے قریب بیڈ کے کنارے بیٹھا۔

''ویسے تھوڑی سی رہ گئی ہے' ختم ہونے والی ہے۔''

''کسی نرس کو بلاؤ یہ اتارے یا اسپیڈ تیز کرے۔'' اس نے اکتاہٹ سے کہا۔

''رہنے دو' ہو جاتی ہے آدھا گھنٹہ انتظار کر لو۔'' مصطفیٰ خاموش ہو گیا۔

''ویسے تمہیں کیا لگتا ہے یہ گولیاں کس نے چلائی ہوں گی۔'' مصطفیٰ نے کبھی بھی ولید سے ایاز کے متعلق بات نہیں کی تھی' ایاز کے متعلق تو اسے انا سے ساری رپورٹ ملی تھی' مصطفیٰ کے نکاح والے دن۔ جب اس نے شہوار کے انکار کا پس منظر بتایا تھا اور اب اس نے بھی براہ راست نام نہیں لیا تھا۔

''ہے میرا ایک بڑا دشمن' خیر چھوڑوں گا تو اب میں بھی اسے نہیں۔ چھپ کر وار کیا ہے سامنے آ کر وار کرتا تو میں بھی دیکھتا وہ کیسے بچ کر جاتا ہے۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں ایک دم نفرت اور تنفر سمٹ آیا تھا۔

''ایاز کی بات کر رہے ہو؟'' ولید نے پوچھا تو مصطفیٰ چونکا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''انکل اور باقی لوگ ذکر کر رہے تھے ان سب کو اسی پر شک ہے۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''بس اتنا ہی جانتے ہو یا اور بھی بہت سی باتوں سے باخبر ہو۔'' ولید کو دیکھ کر پوچھا تو وہ مسکرایا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟''

''انا نے بتایا ہوگا؟'' اس نے سوال کیا تھا۔ ولید نے سر ہلا دیا' مصطفیٰ خاموش ہو گیا۔

''ایک بات مانو گے؟'' ولید نے کہا مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔

''جو بھی ہوا اور جس نے بھی کیا یہ کام اپنے ڈیپارٹمنٹ والوں پر چھوڑ دو وہ خود ہی ملزم کا سراغ لگا لیں گے۔ تم آرام و سکون سے پہلے ٹھیک ہو جاؤ پھر اس بارے میں سوچنا۔''

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟'' ڈاکٹرز سے اس کی براہ راست بات نہیں ہوئی تھی وہ زیادہ وقت سوئی جاگی کیفیت میں رہا تھا۔
''فی الحال تو مکمل طور پر بیڈ ریسٹ کا ہی کہہ رہے تھے' زخم ایسے ہیں کہ تین چار دن مسلسل ان کی نگہداشت میں رہنا ہوگا۔ بازو کے زخم جلد مندمل ہونے کا امکان ہے مگر کندھے کا زخم گہرا ہے۔'' ولید کی بات پر مصطفیٰ نے سر ہلایا اور اب نظر اپنے بازو اور کندھے پر ڈالی تھی' جہاں ڈریسنگ کی گئی تھی۔
''تم کل بھی ادھر ہی خوار ہوتے رہے تھے آج بھی آدھے سے زیادہ دن ادھر گزارا تم اب گھر آرام کرتے یہاں کوئی اور رک جاتا' اتنے تو لوگ موجود ہیں یہاں۔'' مصطفیٰ کو ولید کا خیال آیا تو اس نے کہا ولید ہنس دیا۔
''ڈونٹ وری' تمہاری محبت میں بہت سارا وقت گزارا ہے اب تمہاری طرح مضبوط اعصاب ہوتے جارہے ہیں میرے بھی۔'' مصطفیٰ مسکرایا تو تبھی نرس وہاں چکر لگانے آئی تھی ولید نے اسے جانے کا کہا ورنہ وہ مسلسل کمرے میں ہی موجود تھی۔
''کوئی پرابلم تو نہیں۔'' اس نے اندر آکر پروفیشنل انداز میں پوچھا۔
''نہیں لیکن کائنڈلی اس سے میری جان چھڑوا دیں' اب اپنے بازو کو اسی طرح رکھے رکھے میرا بازو بھی شل ہونے لگا ہے۔'' مصطفیٰ نے اکتا کر ڈرپ کی طرف اشارہ کیا۔
''مگر یہ تو آپ کی صحت کے لیے بہت ضروری ہے ویسے بھی اب یہ ختم ہونے والی ہے۔'' نرس نے کہا۔
''صبح سے یہ کوئی چوتھی ڈرپ ہے جو آپ مجھے لگا چکی ہیں۔'' مصطفیٰ نے خفگی سے کہا۔
''سسٹر اتار دیں پلیز۔'' ولید نے بھی کہا تو سسٹر نے ڈرپ اتار دی۔
''تھینکس ......'' مصطفیٰ نے ہاتھ آزاد ہونے پر ایک دم شکریہ ادا کیا۔
''آپ پلیز کم بولیے یہ میڈیسن لے لیں اور آرام کریں۔'' مصطفیٰ کی میڈیسن کا ٹائم تھا اس نے ڈرپ اتارنے کے بعد گولیاں نکال کر پانی کا گلاس بھر کر اسے دیا۔
مصطفیٰ نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے پکڑ لے لی' اس کے میڈیسن کھانے کے بعد نرس اسے ایک بار پھر کم بولنے اور آرام کرنے کی نصیحت کر کے چلی گئی۔
''کیا مصیبت ہے یار! نجانے کب جان چھوٹے گی اس بستر سے۔'' وہ ہر وقت متحرک رہنے والا انسان تھا اب ایک دم ہی اس بستر سے اکتا گیا تھا محض چند گھنٹوں میں ہی۔
''کچھ نہیں ہوتا' بس آرام و سکون سے گزار لو چند دن کی بات ہے' ویسے بھی شادی کی چھٹیوں پر ہو' انجوائے کرو۔'' ولید نے ہنس کر چھیڑا تو مصطفیٰ کے اندر ایک دم عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی' نجانے کیا کیا سوچ رکھا تھا اس نے۔
''ویسے اگر یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو آج رات اس وقت ہم تمہارے ولیمے کا کھانا کھا کر فارغ ہو چکے ہوتے۔''
''تم لوگوں کی قسمت میں ابھی میرے ولیمے کا کھانا نہیں لکھا ورنہ ہماری طرف سے کوئی کمی نہ تھی۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔
''چلو خیر ہے یار زندہ صحبت باقی۔ زندگی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوتی۔ انکل نے ولیمہ ملتوی کیا ہے کینسل تو نہیں' پھر ہو جائے گا۔'' مصطفیٰ مسکرایا۔
نرس شاید اسے کوئی خواب آور گولی بھی دے گئی تھی' مصطفیٰ کو نیند آنے لگی تھی۔
''تمہیں نیند آرہی ہے؟'' ولید نے فوراً محسوس کیا تھا۔
''پتا نہیں' غنودگی سی چھا رہی ہے شاید میڈیسن کا اثر ہے۔''
''اچھا ہے کچھ دیر سو لو گے ورنہ میرے ساتھ باتیں کرتے رہو گے اور اگر نرس آ گئی تو مجھے ہی کمرے سے باہر کر دے گی کہ میں تمہارے آرام میں خلل ڈال رہا ہوں۔'' مصطفیٰ مسکرایا تھا۔
اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگی تھیں تو اس نے بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد وہ خود بخود ہی نیند میں چلا گیا تھا۔ ولید اسے سوتے دیکھ کر خود اٹھ کر سائیڈ پر رکھے صوفے پر آ کر نیم دراز ہو گیا تھا۔ دروازے کے باہر سیکیورٹی گارڈ کھڑے تھے مگر اس کے باوجود ولید نے سونے کی

کوشش نہیں کی تھی وہ اپنا موبائل نکال کر اس میں موجود بارات اور باقی دنوں کی بھی لی گئیں تصاویر دیکھنے لگا تھا۔ ڈھولک والے دن کی انا کی کتنی تصاویر اس کے پاس تھیں، لاشعوری طور پر وہ ان تصاویر کو دیکھے گیا تھا بار بار آگے پیچھے کر کے۔ اس وقت اسے انا یاد آنے لگی تو اس نے انا کو مسیج کر دیا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ یقیناً وہ اس وقت تک جاگ رہی ہوگی، اگلے ہی پل اس کا مسیج آ گیا تھا۔

''آپ کو یاد۔'' ساتھ منہ چڑانے والی اسمائل تھی۔ ولید مسکرا دیا۔

''اچھا مجھے نہیں پتا تھا میں اتنا خوش قسمت ہوں، محترمہ انا افتخار صاحبہ مجھے یاد فرما رہی ہیں۔'' جواباً ولید نے بھی منہ چڑانے والی اسمائل کے ساتھ مسیج کا جواب دیا۔

''ہاں آپ کے خوش قسمت ہونے کا تو مجھے پتا نہیں مگر میں ضرور حیران ہو رہی ہوں کہ محترم ولید صاحب نے رات کے اس وقت مجھے کیسے یاد کرنے کی زحمت گوارا کر لی۔'' گھورنے والی اسمائل کے ساتھ جواب ملا۔

''اف...... یہ خود ترسی۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

''خود ترسی نہیں ہے حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ یہ بتائیں کیا کر رہے ہیں؟''

''موبائل پر مصطفیٰ کی شادی پر لی گئیں تصویریں دیکھ رہا تھا، تمہاری تصویر سامنے آئی تو سوچا تم سے ہی بات کر لی جائے۔'' دوسری طرف بالکل خاموشی چھا گئی تھی ولید نے چند پل اس کے ریپلائی کا انتظار کیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے پھر مسیج کیا۔

''آپ چند دنوں سے مجھے کافی بدلے بدلے لگ رہے ہیں اور کل سے تو بالکل چینج لگ رہے ہیں۔'' انا کا جواب ملا تو ولید پڑھ کر مسکرا دیا۔

''وہ کیسے؟''

''مجھ سے بات کر رہے ہیں، میرے ساتھ وقت گزار رہے ہیں اور کل تو آپ نے کتنی دیر تک مجھ سے اپنی فیلنگز تک شیئر کی تھیں۔'' انا نے تبدیلی کی نشاندہی کی تو وہ ہنس دیا۔

''وہ تو میں تم سے پہلے بھی اسی انداز میں بات کرتا رہتا ہوں، تمہارے ساتھ جب بھی موقع ملتا ہے وقت گزارنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں اور رہ گئی فیلنگز والی بات تو مصطفیٰ کے حادثے کے بعد میری بہت سی فیلنگز بے قرار تھیں سو تم سے شیئر کر لیں۔''

''مگر اس سے پہلے آپ کے کسی بھی انداز نے مجھے ایسا احساس نہیں دلایا، اب آپ کے رویوں کو دیکھ کر مجھے لگتا ہے آپ بدل رہے ہیں۔'' ولید اس کا جواب پڑھ کر مسکرایا تھا۔

''لگتا ہے بڑی گہرائی سے آبزرو کر رہی ہو مجھے۔'' دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی، ولید نے چند منٹس اس کے جواب کا انتظار کیا تھا۔

''پھر غائب؟'' اس نے مسیج کیا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' ولید کے پوچھنے پر ایک دو منٹ بعد جواب ملا تھا۔

''تمہیں تو ساری ساری رات نیند نہیں آتی تھی، یہ کمال کیسے ہو گیا؟'' اس نے چھیڑا۔

''جیسے آپ تبدیل ہو رہے ہیں، شاید میں بھی بدل رہی ہوں۔'' کچھ دیر بعد جواب ملا تھا، ولید ہنس دیا۔

''او کے تم پھر سو جاؤ، میں تو ویسے ہی فارغ ٹائم گزار رہا تھا، میری وجہ سے تم اپنی نیند کیوں خراب کرو، سویٹ ڈریمز، شب بخیر۔'' ولید نے مسیج کیا۔

''شب بخیر!'' دوسری طرف سے بھی جواب ملا تھا۔

اور اس کے بعد ولید موبائل ایک طرف ڈالتے ان گزرے دو دنوں کے واقعات یاد کرنے لگا۔



شاہزیب صاحب مصطفیٰ کو لے کر بہت پریشان تھے مگر اب بابا صاحب کی فراہم کی گئی اطلاعات ایسی تھیں کہ انہوں نے بہت کوشش کی

تھی کہ پتا لگوائیں کہ وہ کہاں گئی ہیں مگر کچھ علم نہ ہو سکا تھا۔ بابا کئی بار ایک امید کے ساتھ کال کرتے تھے اور ادھر سے مایوس کن جواب سن کر رہ جاتے تھے۔

''ہم نے اسے ہمیشہ ایک بیٹی کی طرح عزت دی' نجانے کہاں چلی گئی ہے وہ۔'' اس وقت بھی صبح صبح انہوں نے شاہزیب کو کال کی تھی اور پوچھا تھا۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''بابا صاحب! تابندہ کی تلاش بے کار ہے' آپ کے بتائے الفاظ کے مطابق وہ خود گئی ہیں اور ان کے خط والے الفاظ کے مطابق وہ جہاں بھی گئی ہیں وہاں انہیں کوئی خطرہ نہیں اور انہوں نے یہ بھی تو کہا ہے کہ وہ خود ملنے آئیں گی ویسے بھی شہوار ہمارے پاس ہے اس سے ملنے تو ضرور آئیں گی۔ کوئی بھی انسان بغیر کسی بھروسے اور اعتماد کے اپنی اولاد کو اس طرح چھوڑ کر نہیں جاتا' مجھے لگتا ہے' ہمیں انہیں سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے' ان کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی کہانی ہے۔'' شاہزیب صاحب نے کہا تو بابا صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''ہاں پہلے تو نہیں مگر مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔''

''بہر حال یہ شادی کے کام ختم ہو جائیں تو ہم ان کی طرف توجہ دیتے ہیں' نظر انداز تو نہیں کر سکتے نا۔'' شاہزیب صاحب نے کہا۔

''رات خیر و عافیت سے ولیمہ بھی ہو گیا۔'' بابا صاحب نے پوچھا تو شاہزیب صاحب نے گہرا سانس لیا۔

''جی۔'' انہوں نے ان کو مصطفیٰ کے حادثے کی اطلاع نہیں دی تھی۔

''شہوار کا خاص خیال رکھنا ہے وہ بہت حساس بچی ہے ابھی کچھ دن تک اسے قطعی علم نہ ہونے پائے کہ تابندہ حویلی چھوڑ کر جا چکی ہے۔ میں بھی یہاں سب ملازمین کو سمجھا چکا ہوں کہ شہوار کی کال آئے تو کچھ نہیں بتائیں گے۔ تم نے بھی ابھی اس سے ذکر تو نہیں کیا نا؟'' بابا صاحب نے مزید پوچھا۔

''نہیں ابھی تو میں نے مہر النساء کو بھی نہیں بتایا' میں پوری کوشش کروں گا کہ شہوار کو علم نہ ہونے پائے۔'' انہوں نے تسلی دی اور پھر چند اور باتوں کے بعد انہوں نے کال بند کر دی۔ کال بند کرنے کے بعد وہ کافی دیر تک سوچتے رہے تھے۔

تابندہ بی کہاں جا سکتی تھیں؟ اگر ان کا کوئی رشتہ دار یا جاننے والا تھا بھی تو انہوں نے کبھی بھی کسی کو نہیں بتایا تھا اور اس طرح خاموشی سے بغیر کسی کو بتائے یوں حویلی چھوڑ جانا' آخر اور کوئی تو وجہ تھی؟

ان کے ذہن میں کئی سوالات تھے مگر انہیں ابھی کسی بھی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ تابندہ بی کا کردار ان کی وہ ساری زندگی جو حویلی میں گزری تھی ہر پہلو ایسا تھا کہ شک کا کوئی پہلو نہیں نکل رہا تھا مگر کہیں نہ کہیں کوئی چیز مس تو ضرور تھی جو اب انہیں الجھا رہی تھی۔

شہوار ہمیشہ اپنے والدین کے ماضی کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتی رہی تھی اور تابندہ ہر بار ٹال جاتی تھیں مگر اب ان کا یوں منظر عام سے غائب ہو جانا ان کے اندر کئی طرح کے سوال اٹھا رہا تھا' کیا واقعی شہوار کے سوال برحق تھے؟

کیا واقعی تابندہ بی کے ماضی میں کچھ ایسا تھا جو اُن کے علم میں نہیں تھا؟ انہیں یاد آ رہا تھا کئی برسوں پہلے جب ان کے پاس تابندہ آئی تھی تو وہ ان کے بتائے گئے ایڈریس پر گئے تھے۔ وہاں ایک مفلوک الحال شخص رہتا تھا' اتنا بڑا اور خوب صورت گھر اور وہ شخص' اکیلا ایک نوعمر ملازم کے ساتھ رہتا تھا۔

''کیا یہ سکندر سبحان احمد کا گھر ہے؟'' انہوں نے اس مفلوک الحال شخص سے پوچھا تھا۔ وہ سکندر کا نام سن کر انہیں گھورنے لگا تھا۔

''کون سکندر؟''

''تابندہ کا شوہر......؟'' انہوں نے الجھ کر پوچھا تھا۔

''کون تابندہ......؟''

''صاحب ان کا ذہنی توازن خراب ہو چکا ہے' آپ ان سے کچھ بھی مت پوچھیں۔'' ایک نوعمر لڑکے نے کہا تو وہ اس شخص کے سامنے سے اٹھ گئے۔

''تم سکندر کو جانتے ہو؟''

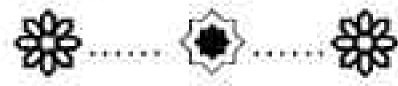
''جی زیادہ تو نہیں مگر صاحب ہی بتاتے ہیں وہ ان کے بڑے بھائی کا بیٹا تھا۔ بڑا لائق فائق باہر سے تعلیم حاصل کر کے آیا تھا پھر

والدین کے انتقال کے بعد ان لوگوں نے اس کی جائیداد اور گھر پر قبضہ کرلیا تھا اسے گھر سے نکال دیا تھا۔صاحب کی باقی اولاد باہر کے ملک میں شفٹ ہو چکی ہے اور صاحب ادھر تنہا رہ گئے ہیں جن کی خاطر انہوں نے بھائی کی اولاد کا حق مارا تھا وہی ان کو چھوڑ گئے تھے تب سے ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔بس ہر وقت خود سے باتیں کرتے ہیں۔'' ملازم کے منہ سے تمام صورت حال سن کر وہ حیران ہوئے تھے۔

''اوہ......جب سکندر کو اس گھر سے نکالا تھا تب اس کی شادی ہو چکی تھی کیا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''صاحب کہا نا مجھے زیادہ علم نہیں شاید ہو چکی ہو۔میں چند ماہ پہلے ملازم ہوا ہوں' صاحب کی دیکھ بھال کے لیے ان کے بیٹوں نے مجھے یہاں چھوڑا تھا۔''

ملازم کے الفاظ پر تسلی تو نہ ہو سکی تھی مگر ان کے دل میں شک بھی پیدا نہیں ہوا تھا' واپس آ کر انہوں نے تابندہ بی کو بے فکر ہو کر حویلی میں رہنے کا کہا تھا اور پھر انہوں نے کبھی دوبارہ پلٹ کر تابندہ کے ماضی میں جھانکنے کی کوشش نہ کی تھی اور اب تابندہ چلی گئی تھی اس کی بیٹی ان کی بہو تھی مگر تابندہ کے یوں چلے جانے نے انہیں الجھا دیا تھا اور وہ شدت سے الجھ رہے تھے۔



وہ ابھی ایک کلائنٹ سے مل کر اپنے آفس میں آ کر بیٹھا تھا جب ایک دم اس کے روم کا دروازہ کھلا اور ولید نے سر اٹھا کر دیکھا تو چونکا۔ کاشفہ بگڑے تیور لیے اسے گھور رہی تھی' ولید کے اندر عجیب سا کھنچاؤ پیدا ہوا تھا۔

''ارے تم......آؤ نا!'' اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے مسکرا کر کہا تو وہ گھورتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔

''کیسی ہو؟'' ولید نے پوچھا۔

''تم مجھے کیوں نظر انداز کر رہے ہو' میں اتنے دنوں سے مسلسل تمہیں فون کر رہی ہوں' ملنے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم مجھے مسلسل نظر انداز کرتے رہے ہو۔'' اس کے سوال کے جواب میں کاشفہ نے بہت تلخی سے پوچھا تھا۔

''میں بزی تھا میرے دوست کی شادی تھی' وہاں گیا ہوا تھا۔'' ولید نے اس کے تیوروں کے جواب میں سنجیدگی سے بتایا۔

''مگر ایک کال سننے میں کتنا وقت لگتا ہے' تم میری کال تو پک کر سکتے تھے نا؟'' اس نے دکھ سے کہا۔

''میں بزی تھا' بتا تو رہا ہوں۔'' اب کے ولید کا لہجہ بھی روکھا پھیکا ہو گیا تھا۔وہ چند پل ولید کو دیکھتی رہی تھی۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' وہ بیٹھی نہیں ابھی بھی ٹیبل کے پاس آ کر کھڑی تھی' ولید نے اسے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔

''کیا کہا ہے میں نے......؟'' سخت انداز تھا۔

''جب سے میں نے تم سے اپنے دل کی بات کہی ہے تم مجھے نظر انداز کر رہے ہو۔'' ولید نے گہرا سانس لیا تھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں انگیجڈ ہوں۔'' کاشفہ لب بھینچ گئی۔

''مجھ سے زیادہ تو وہ تمہیں نہیں چاہتی ہو گی' ولید ریئلی آئی لو یو سوچ۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے کہا۔ولید کے چہرے پر اس کی بے باکی نے ایک ناگواری کی لہر پیدا کر دی تھی۔

''مس کاشفہ!'' ولید نے ایک دم ناگواری سے کہا۔کاشفہ اسے دیکھنے لگی تھی۔''مجھے اپنے رشتے بہت عزیز ہیں اور میں کمٹمنٹ نبھانے والا انسان ہوں۔وہ مجھے تم سے زیادہ چاہتی ہے یا نہیں میں نہیں جانتا مگر میں یہ بات ضرور جانتا ہوں کہ وہ بے باک نہیں ہے۔اس کے اندر رشتوں کا رکھ رکھاؤ اور تقدس موجود ہے۔وہ اگر مجھ سے محبت بھی کرتی ہے تو اس نے کبھی میرے پاس آ کر اظہار نہیں کیا اور مجھے اس کی یہی بات سب سے زیادہ پسند ہے کہ وہ ہمارے رشتے کو جاننے کے باوجود ہمیشہ ایک لمٹ میں رہتی ہے۔'' ولید کے الفاظ ایسے تھے کہ کاشفہ ایک دم ساکت رہ گئی تھی۔

اسے لگا ولید نے اسے بے باکی کا کہہ کر اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہے اس کے چہرہ پر ایک دم انا کے لیے نفرت کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''تم میری بے عزتی کر رہے ہو ولید!'' وہ ایک دم نفرت سے بولی تھی۔

''نہیں' میں تمہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔'' ولید کا انداز سنجیدہ اور دو ٹوک تھا۔

''تو پھر تم نے مجھ جیسی بے باک سے دوستی کیوں کر لی؟'' وہ ایک دم تنفر سے گویا ہوئی۔

''ہاں یہ میری غلطی ہے اس کے لیے تم سے ایکسکیوز کرنے کو تیار ہوں۔'' ولید کا انداز سنجیدہ تھا' وہ چند پل اسے دیکھتی رہی اور پھر ایک دم آنکھوں میں آنسو آتے چلے گئے تو آگے بڑھ کر ٹیبل پر رکھے ولید کے ہاتھ پر اس نے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''ولید پلیز مجھے یوں ریجیکٹ مت کرو' میں تم سے دل کی تمام تر شدتوں سے محبت کرتی ہوں۔ جیسا تم کہو گے تمہارے لیے میں خود کو ویسا ہی بدلنے کو تیار ہوں۔ میں تمہارے لیے ٹوٹلی چینج ہو جاؤں گی' جیسی تمہاری خواہش ہے ویسی بن جاؤں گی۔'' اس کے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے' ولید اس ری ایکشن کے لیے تیار نہ تھا ایک دم سٹپٹا گیا۔

''تم پلیز آرام سے ادھر بیٹھو اس طرح ایموشنل ہونے کی کیا بات ہے۔'' اس کا بازو پکڑ کر دوسری کرسی پر بٹھایا تو کاشفہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑ لیا۔

''تم مجھے اگر اس طرح ریجیکٹ کرو گے تو میں قسم سے خودکشی کر لوں گی۔'' انداز ایسا تھا کہ ولید نے لب بھینچ لیے تھے' پہلی بار ایسی بے باک جذباتی لڑکی سے واسطہ پڑا تھا۔

کیتھی اس کی زندگی کا ایسا ہی کیس تھا کہ جس کو لے کر وہ دوستی جیسا جذبہ ضرور پیدا کر بیٹھا تھا مگر اس نے کیتھی کو بھی اپنی طرف سے کوئی آس نہ دلائی تھی جبکہ یہاں تو کیس ہی مختلف تھا۔

''تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہیں' یہ ممکن نہیں ہے۔ میری فیملی تمہیں کبھی قبول نہیں کرے گی۔'' ولید نے اسے سمجھانا چاہا۔

''تم مجھے قبول کر لو گے تو میں تمہارے لیے ساری دنیا' ہر رشتہ' ہر چیز چھوڑنے کو تیار ہوں۔'' اپنے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے کہہ رہی تھی۔

''ایم سوری' یہ نہیں ہو سکتا۔'' ولید نے ایک دم اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر دوٹوک انداز میں کہا۔

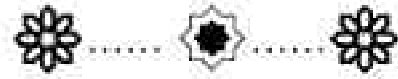
''ولید پلیز......'' وہ بضد تھی۔

''کاشفہ جو چیز ممکن نہیں اس پر ضد کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں' میں کہہ رہا ہوں نا کہ ہم دونوں ٹوٹلی چینج پرسنز ہیں۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو انا میری کزن ہے' میری سسٹر کی نند ہے' ہمارا گہرا رشتہ ہے پھر وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اسے کوئی دھوکا دینا نہیں چاہتا۔'' ولید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ چند پل اسے دیکھتی رہی تھی۔

''تو تم مجھے صاف انکار کر رہے ہو؟'' اس کا لہجہ ٹوٹ گیا تو پھر رونے لگی۔ ولید نے بہت بے چارگی سے اسے دیکھا تھا' ایسی لڑکی کو ہینڈل کرنا اس کے بس کا کام نہیں تھا۔

''اوکے چلتی ہوں میں۔'' پھر ایک دم اپنے آنسو ٹشو سے صاف کرتے وہ اٹھ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

ولید خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا اور پھر اس کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔



رات سے وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی' مصطفیٰ کی باتیں رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں۔ آج بھی سب لوگ ہسپتال گئے تھے عائشہ نے اسے بھی ساتھ چلنے کا پوچھا تو وہ عجیب کشمکش سے دوچار ہو گئی تھی۔

وہ جانا چاہتی تھی' دل اسے ایک بار دیکھنے پر مچل رہا تھا مگر اس کی انا گزشتہ رویے اسے روک رہے تھے اور پھر وہ بے بس ہو کر خاموش ہو گئی تھی' وہ نہیں گئی تھی۔ اس نے عائشہ کو انکار کر دیا تھا' عائشہ نے بس خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر وہ باقی سارا وقت یونہی بے چین رہی تھی۔

اب شام ہونے لگی تو اس کے اندر اس کا دل ملامت کرنے لگا' وہ آہستگی سے اپنا موبائل لیے باہر نکل آئی۔ لان میں لگے جھولے پر آ بیٹھی تھی' اس نے بہت کشمکش کے بعد مصطفیٰ کا نمبر ڈائل کیا۔ عائشہ نے ہی آ کر بتایا تھا کہ آج مصطفیٰ کی طبیعت کل سے بہتر ہے اور آج اس کا موبائل اس کے پاس ہے۔ وہ نمبر ملا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی مگر اسے ایک دم شاک لگا تھا' کچھ بیلز کے بعد اس نے نمبر کاٹ دیا تھا۔ وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے سوچا کہ شاید غلطی سے ایسا ہوا ہو اس نے پھر نمبر ڈائل کیا اور اس بار پھر کال کاٹ دی گئی تھی' وہ بالکل گم صم ہو گئی تھی۔

''تو مصطفیٰ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے بہت دکھ سے سوچا۔ ''ہاں وہ بھی اپنے رویوں میں حق بجانب ہے' میں نے بھی تو اجنبیت و بے پروائی کی حد کردی تھی جب سے یہ رشتے کا سلسلہ چلا تھا ایک جنگ کی کیفیت برپا کی ہوئی تھی مجھ جیسے لوگوں کی یہی سزا ہونی چاہیے۔'' اس کے اندر گہرے سناٹے گردش کرنے لگے تھے۔

''مگر میں بھی غلط نہیں تھی' مجھے بھی تو کسی نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔'' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔ آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو ہاتھوں پر گرے تو اسے علم ہوا کہ وہ رو رہی ہے' اس نے سختی سے اپنے تمام آنسو صاف کیے۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اندر آ گئی' وہ راہداری سے گزر رہی تھی جب دریہ سے سامنا ہو گیا تھا۔ دریہ اسے دیکھ کر طنزیہ مسکرائی تھی۔ اس دن کی تلخ کلامی کے بعد دونوں کا پھر کبھی سامنا نہیں ہوا تھا' تاہم وہ شادی کے تمام فنکشنز میں شریک ضرور تھی مگر آپس میں بات چیت کا موقع نہیں ملا تھا۔ شہوار اسے نظر انداز کرتے آگے بڑھی تھی' وہ اس لڑکی کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی۔

''سنو......'' دریہ کی پکار پر وہ رکی۔ ''مصطفیٰ کو دیکھنے نہیں گئیں تم؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

شہوار نے اس کی بات سنی اور پھر بغیر جواب دیئے قدم آگے بڑھائے تھے۔

''ویسے مجھے اس حادثے کا دکھ بہت ہے مگر تمہیں اسی طرح نامراد دیکھ کر جو ایک سکون ملا ہے اس کا بھی کوئی بدل نہیں۔'' سلگتا انداز تھا' شہوار نے بہت دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

''نامراد میں نہیں شاید تم ہو' میں تو اس گھر میں ایک بہت ہی باعزت رشتے کے ساتھ موجود ہوں' رہ گئی حادثے کی بات تو اللہ نے مصطفیٰ کو زندگی دی ہے تو اس سے بڑھ کر مجھے کچھ اور چاہیے بھی نہیں۔ اگر تم کسی غلط فہمی میں ہو تو اس سے باہر نکل آؤ' مصطفیٰ جلد ہی صحت یاب ہو کر گھر بھی آ جائیں گے۔'' سنجیدگی سے اسے کہہ کر وہ تیزی سے وہاں سے آگے بڑھ آئی تھی۔

کافی مہمان آ چکے تھے کچھ ابھی بھی موجود تھے' وہ لاؤنج کی طرف آئی تو پھپھو زہرہ کی نگاہ اس پر پڑی انہوں نے اشارے سے پاس بلایا تو وہ ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

وہ سادہ سے حلیے اور لباس میں تھی دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کو بغور دیکھتے اس کی آنکھوں کی نمی محسوس کی تو ان کے دل کو کچھ ہوا تھا' کتنے ارمانوں سے پرسوں رات اسے رخصت کیا تھا مگر کیا پتا تھا یہ انہونی ہو جائے گی۔

''تم روئی ہو؟'' وہ خاموش رہی تھی۔

''فکر نہیں کرو وہ ٹھیک ہے' بس ایک دو دن میں گھر آ جائے گا۔'' ان کے الفاظ پر اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''مہر النساء بھابی! شہوار صبح سے ایسے ہی ہے' آپ نے بھی اسے چینج کرنے اور کوئی اچھا لباس پہننے کو نہیں کہا۔ ہمارے ہاں نئی نویلی دلہنیں بھلا ایسے کب رہتی ہیں۔'' اس کی سونی کلائیاں خالی ہاتھ پیر' کان گلہ دیکھ کر دل میں ہول اٹھا تھا۔ بس ہاتھ پاؤں کی مہندی بتا رہی تھی کہ وہ نئی نویلی دلہن ہے ورنہ کوئی سنگھار ہی نہ تھا۔

زہرہ نے زینب کے ساتھ محو گفتگو مہر النساء خاتون سے کہا تو انہوں نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''ہاں بس صبح صبح مصطفیٰ کے پاس چلی گئی تھی پھر اس کے پاس سے عصر کے وقت گھر آئی تو یہ سو رہی تھی۔ اس کے بعد یہ اب دکھائی دے رہی ہے' مصطفیٰ کی طرف ہی سارا دھیان رہا میں بھی بھول گئی تھی۔'' مہر النساء نے فوراً کہا۔

''جاؤ لائبہ! بہن کو لے جاؤ اچھے سے کپڑے پہناؤ' زیور دو۔ اللہ میرے مصطفیٰ کو صحت دے' اس کی دلہن کے لیے میرے دل میں نجانے کیا کیا ارمان تھے اس حادثے نے تو سب کچھ بھلا ڈالا' خیر سے مصطفیٰ گھر آ جائے تو ساری رسمیں کریں گے ہم۔'' ماں جی نے قریب آ کر جھک کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ وہ اس قدر محبتوں پر ایک دم شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

لائبہ بھابی اسے اس کے کمرے میں لے آئی تھیں' انہوں نے ایک اچھا سا خوب صورت کام والا لباس نکال کر اسے تھما دیا تو اس نے بھی بغیر انکار کے تھام لیا تھا' زیور اس کے روم میں ہی تھا۔ اس نے ہلکی پھلکی جیولری بھی پہن لی تھی۔

دل آمادہ ہو تو سب کچھ خود بخود ہونے لگتا ہے' لائبہ کے کہے بغیر اس نے آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک بھی لگا لی تھی۔ اسی سے ہی وہ جگمگ کرنے لگی تھی۔

وہ تیار ہونے کے بعد کمرے میں بیٹھنے کی بجائے باہر آ گئی تھی۔ وہ اب اپنے رویے سے کسی کو بھی احساس نہیں دلانا چاہتی تھی کہ وہ دو دن پہلے تک اس شادی سے ناخوش تھی۔ ماں جی اس کی تیاری سے بہت خوش ہوئی تھیں۔

کھانا سب کے ساتھ مل کر کھایا تھا' وہ رات گیارہ بجے تک سب کے پاس بیٹھی رہی تھی اور پھر ایک ایک کر کے سبھی سونے چلے گئے تھے تو وہ بھی اٹھی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی جب ماں جی اس کے پیچھے آئی تھیں۔

''شہوار......'' وہ رکی تھی۔

''جی۔''

''رات تم اپنے کمرے میں سوئیں تو مجھے بڑی تکلیف ہوئی تھی اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو پھر بھی تم نے مصطفیٰ کے کمرے میں ہی رہنا تھا تو اس کے کمرے میں ہی رہو' ویسے بھی ایک دو دن میں وہ گھر آ جائے گا تو پھر بھی وہاں رہنا ہی ہے نا۔'' مہرالنساء نے محبت سے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھتے کہا تھا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

''جی چلی جاتی ہوں۔''

''یہ لو چابی' کمرہ میں نے بند کر دیا تھا کہ خراب نہ ہو تمہیں پتا تو ہے مصطفیٰ اپنے کمرے کے بارے میں کتنا حساس ہے' ویسے بھی میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ تمہارے یا مصطفیٰ کے علاوہ کوئی اور کمرے میں جائے۔'' ماں جی کے اپنے وہم تھے ویسے بھی ان کے بیٹے کی شادی کی رات اتنا بڑا حادثہ ہو گیا تھا' اس نے سر ہلا دیا تھا۔

وہ ان کے ہاتھ سے روم کی چابی لے کر کمرے کی طرف چلی آئی تھی' انہوں نے مسکرا کر اسے جاتے دیکھا اور پلٹ گئی تھیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی تو اسی طرح کمرہ پھولوں کی مہک سے مہک رہا تھا اگرچہ پھول اب مرجھا چکے تھے ان کا رنگ بھی بدل گیا تھا مگر ان کی مہک ابھی بھی برقرار تھی۔

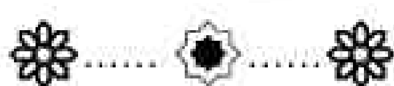
وہ دروازہ بند کرتے خاموشی سے کمرے کے وسط میں آ کھڑی ہوئی تھی' وہ یونہی چلتے ایک ایک چیز کو چھو چھو کر دیکھ رہی تھی۔ الماریاں اور دراز سب لاک تھے شاید گاؤں جانے سے پہلے لاک کیے گئے تھے۔ وہ چلتی ہوئی آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی' اس کا دراز سراپا خوب صورت لباس میں نمایاں تھا۔ وہ آئینے سے ہٹ کر بستر پر آ کر بیٹھ گئی۔

پھولوں کی لڑیاں ابھی بھی مسہری کی صورت موجود تھیں' وہ خاموشی سے بیڈ کی کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوئی تو نظر ہاتھ میں تھامے موبائل پر پڑی۔ دل سے اک ہوک اٹھی تھی' وہ اس آس پر گاہے بگاہے موبائل کو کئی بار دیکھ چکی تھی کہ شاید وہ اب کال بیک کرے گا مگر موبائل بالکل خاموش تھا۔ اس نے موبائل کا لاک کھولا وہ ایک بار پھر ڈائل نمبرز میں سے مصطفیٰ کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ اس نے کان سے موبائل لگالیا' بڑے خوف زدہ انداز میں وہ دوسری طرف ہونے والی بیلز کو سن رہی تھی اور پھر پانچ بیلز کے بعد کال کاٹ دی گئی تھی۔

اس کا دل ایک لمحہ کے لیے بالکل بند ہوا تھا' اس نے ڈرتے ڈرتے پھر نمبر ڈائل کیا مگر پہلی بیل پر کال کاٹ دی گئی' شہوار کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی سمٹ آئی تھی۔ اس نے پھر نمبر ڈائل کیا تو موبائل بند تھا' آگے سے کمپیوٹر وائس بولنے لگی تو اس کی آنکھوں کی نمی اس کے رخساروں کو بھگونے لگی تھی۔

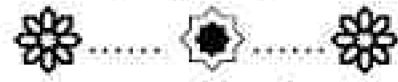
اس نے مصطفیٰ سے لاکھ بار بے اعتنائی برتی تھی مگر اب جب اس کی طرف سے وہی ردعمل سہنے کو مل رہا تھا تو اس کا دل کٹنے لگا تھا' اس نے سوچا وہ اب کال نہیں کرے گی' اس سے رابطہ نہیں کرے گی۔

ٹھیک ہے وہ اگر اس کے گزشتہ رویوں کی سزا دینا چاہتا ہے تو وہ چپ چاپ سہہ لے گی۔ وہ اس کے ساتھ رخصت ہو کر آئی تھی تو عجیب متضاد کیفیات میں مبتلا تھی مگر ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہیں تھا کہ وہ اسے رد کرے گی' اس نے تو خود کو قسمت کے سہارے چھوڑ دیا تھا مگر اس حادثے نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔

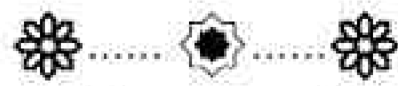


''اس نے مجھے پھر ریجیکٹ کر دیا ہے' میں اس کے پاس گئی' پاگلوں کی طرح اس کے سامنے گڑگڑاتی رہی اور اس نے میری ایک التجا نہ سنی۔'' وہ اپنی دوست کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔

''تو پھر تم اسے بھول جاؤ' دفع کرو تمہیں کوئی کمی ہے لڑکوں کی۔'' دوست اس کی حالت دیکھتے کہہ رہی تھی۔
''ہاں میں نے کئی بار ایسا سوچا مگر میں اسے بھول نہیں سکتی' میں مردوں کو انگلیوں پر نچانے کا کھیل سمجھتی تھی اور آج ایک مرد جس کو میں پانا چاہتی ہوں' حاصل کرنا چاہتی ہوں وہی مجھ سے متاثر ہونے کو تیار نہیں۔'' اس کی حالت بہت شکستہ تھی۔
''وہ کہتا ہے میں بے باک ہوں اور اسے اپنی فیانسی سے اس لیے محبت ہے کہ وہ بے باک نہیں ہے' میری طرح نہیں ہے۔'' مزید کہہ رہی تھی۔ ''میں نے اسے کہا بھی تھا کہ میں تمہارے لیے بدل جاؤں گی' ساری دنیا چھوڑ دوں گی مگر اس نے پھر بھی مجھے ریجیکٹ کر دیا۔'' اس کی دوست اسے ساتھ لگا کر دلاسہ دے رہی تھی۔
''یہ سب اس کی فیانسی کا کیا دھرا ہے' وہ اگر درمیان میں نہ ہوتی تو مجھے یقین ہے وہ تمہیں کبھی بھی انکار نہ کر پاتا۔'' اس کی دوست نے کہا۔ کاشفہ کے اندر ایک دم انا کے لیے بے پناہ نفرت پیدا ہوئی تھی۔
''ہاں یہ سب اسی کا قصور ہے' وہی ہے ہمارے درمیان' وہ اگر نکل جائے تو ولید مجھے قبول کر لے گا۔'' دوست سے جدا ہو کر اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔ ''میں اس لڑکی کو جان سے ماردوں گی' زندہ نہیں چھوڑوں گی' وہ مجھ سے میرا ولید چھین رہی ہے۔'' غصے سے وہ اونچی اونچی آواز میں چیخ چیخ کر کہنے لگی تھی' اس کی دوست نے اسے عجیب ترحم بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔



ولید گہری نیند میں تھا جب اس کا موبائل بجنے لگا' اس نے سوئی سوئی کیفیت میں کال ریسیو کی تھی۔
''ہیلو......''
''ولید میں بول رہی ہوں کاشفہ!'' کاشفہ کا نام سن کر اس کی آنکھیں ایک دم کھل گئی تھیں۔
''تم اس وقت؟''
''تم سے میں نے کہا تھا نا کہ اگر تم نے مجھے قبول نہ کیا تو میں اپنی جان لے لوں گی۔'' ولید ایک دم چونکا' ہڑبڑا کر بستر پر بیٹھا تھا۔
''کیا کہہ رہی ہو تم؟'' وہ ایک دم پریشان ہوا تھا۔
''ہاں میں نے نیند کی گولیاں کھالی ہیں' تم نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تھا نا اور پھر تمہارے بغیر میں جی کر کیا کروں گی میں نے خودکشی کر لی ہے۔'' اس نے بتا کر کال بند کر دی تھی' ولید تو حیرت سے اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔
''کاشفہ نے خودکشی کر لی۔'' وہ زیرلب بولا تھا۔



وہ رات کے اندھیرے میں سب سے چھپتا چھپاتا مقررہ جگہ پر پہنچا تھا' شہزاد پہلے ہی اس جگہ پر موجود تھا۔
''کہاں تھے تم...... اتنی دیر کر دی؟'' شہزاد اسے دیکھتے ہی برہم ہوا۔
''کیا ہوا...... رات کا انتظار کر رہا تھا' تم سناؤ کیا خبر ہے؟'' اس دن کے بعد وہ لوگ اب مل رہے تھے۔
''کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔'' شہزاد نے کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگا۔
''مطلب......؟''
''اس رات گولیاں صرف مصطفیٰ کو لگی تھیں اور پچھلی سیٹ پر موجود خواتین بالکل محفوظ رہی تھیں' مصطفیٰ کافی سیریس کنڈیشن میں تھا مگر اب وہ خطرے سے باہر ہے۔'' شہزاد نے سب تفصیل سے بتایا۔
''کیا...... یہ کیسے ممکن ہے......؟''
''دیکھ لو' بالکل سچی خبر ہے' ایک فیصد بھی جھوٹ نہیں۔''
''اس کا باپ اور اس کا پورا ڈیپارٹمنٹ حرکت میں آچکا ہے چونکہ پہلا شک تم پر ہی کیا جاسکتا تھا سو زور و شور سے تمہاری تلاش جاری ہے۔'' شہزاد نے بتایا تو وہ قدرے الجھا۔
''اب کیا حالات ہیں؟''

''پولیس والے ہر وقت تمہاری تلاش میں ہیں ان کے کچھ بندے دو تین بار مجھ سے بھی ملے ہیں' میں تو صاف ٹال گیا مگر ہمارے گھر کے اردگرد چند لوگ ضرور دکھائی دیے ہیں ایک بار تو میں نے کسی کو چوکیدار سے بات کرتے بھی دیکھا تھا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ تمہارا پوچھ رہے تھے۔''

''اوہ......'' وہ غصے سے ٹہلنے لگا۔ ''بڑی قسمت ہے اس لڑکی کی ہر بار میری کوشش ناکام کر دیتی ہے۔ اس بار مجھے پکا یقین تھا کہ دونوں نہیں بچ پائیں گے اور دونوں ہی بچ گئے۔'' وہ کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگ گیا۔

''تم نے اس پسٹل کا کیا کیا؟'' ایک پل رک کر پوچھا۔

''ضائع کر دیا ہے۔'' شہزاد کے جواب پر وہ قدرے مطمئن ہوا۔

''تمہارے باہر جانے کا کیا بنا؟'' شہزاد نے پوچھا۔

''پتا نہیں' ڈیڈ دوبارہ ملنے نہیں آئے۔ انہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ میں تم سے مل رہا ہوں یا یہ سب کر چکا ہوں۔ انہوں نے ہی کچھ کرنا ہے خود سے تو کہیں روپوش ہونا ناممکن سی بات ہے' جس جگہ مجھے ٹھہرا رکھا ہے کافی محفوظ ہے۔ مصطفیٰ کے آدمی اتنی جلدی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔''

''میں یہاں کے حالات دیکھ رہا ہوں اسی لیے میں کچھ ماہ کے لیے دبئی جا رہا ہوں۔'' شہزاد کی بات پر وہ حیران ہوا۔

''اچھا' کب......؟''

''آج کل میں ہی۔''

''اتنی جلدی......''

''ویزا تو میرا آل ریڈی لگا ہوا ہے بس ٹکٹ کنفرم کروانی ہے۔'' ایاز نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میری مانو تو تم بھی کہیں نکلنے کی کوشش کرو' مجھے نہیں لگتا کہ مصطفیٰ یا اس کا باپ اب تمہیں آسانی سے چھوڑیں۔'' ایاز نے طنزیہ دیکھا تھا۔

''چھوڑوں گا تو میں بھی نہیں' مجھے بھی اپنی وہ توہین نہیں بھولتی اس لڑکی کو اس کے انجام تک جب تک نہ پہنچاؤں مجھے سکون نہیں آنے والا۔'' وہ ایک دم پھر انتقام کی آگ میں جل اٹھا تھا۔ شہزاد اسے خفگی سے دیکھا۔

''تو پھر انجام بھی خود بھگتنا' اب میں تمہارے کسی بھی کام میں ملوث نہیں ہوں گا ویسے بھی میرے فادر مجھ سے بہت ناراض رہتے ہیں۔ ایک بار خیریت سے دبئی چلا جاؤں پھر بچت ہی بچت ہے' ورنہ مصطفیٰ اور اس کے ساتھیوں نے تو جینا حرام کر رکھا ہے' آج بھی نجانے کیسے بچ بچا کر یہاں تک آیا ہوں۔ جیسے ہی تمہارے اس ملازم کا پیغام ملا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چلتا ہوں اور میری مانو ابھی کچھ عرصہ تک یہ انتقام وغیرہ کی باتیں بھول جاؤ' اپنے ڈیڈ کو کہو تمہارے ویزے کا جلد از جلد بندوبست کریں اور یہاں سے نکل چلو ورنہ ایک بار مصطفیٰ کے ہاتھ لگ گئے تو پھر دوبارہ ضمانت بھی نہیں ہونے دے گا۔ سیدھا قتل کے کیس میں جا پھنسائے گا ویسے بھی تمہاری پرانی ساری فائلز پہلے ہی کھل چکی ہیں۔''

''میں کہیں بھی اکیلا نہیں تھا تم سب لوگ میرے ساتھ تھے۔'' ایاز نے خفگی سے کہا۔

''مگر میرے یار سبھی اچھے وقت کے دوست ہوتے ہیں' برے وقت میں کوئی بھی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ میں پھر بھی تمہارے ساتھ ہوں مگر ہر بار ساتھ نہیں رہوں گا' اس لیے سمجھا رہا ہوں ابھی بھی وقت ہے سنبھل جاؤ تو بہتر ہوگا۔'' وہ کہہ کر اس کا کندھا تھپتھپا کر چلا گیا تھا' ایاز نے لب بھینچ کر اسے جاتے دیکھا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

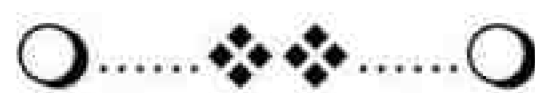
ٹوٹا ہوا تارہ......قسط نمبر 25......سمیر شریف طور

مجھے یقین تو نہیں ہے مگر یہی سچ ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتی ہوں
یہی نہیں کہ تجھے جیتنے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی ہار سکتی ہوں

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

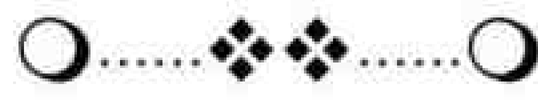
مصطفیٰ کے گولی لگنے پر سب ہی خوف کا شکار ہو جاتے ہیں ایسے میں شہوار بالکل ساکت رہ جاتی ہے انتہائی بے قراری کے عالم میں وہ مصطفیٰ کو پکارتی ہے جبکہ مصطفیٰ ہوش وحواس سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس کی حالت کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتے وہ عجیب کیفیت کا شکار ہوتی ہے۔ بروقت طبی امداد ملنے پر مصطفیٰ کی حالت خطرے سے باہر ہو جاتی ہے اس دوران گھر کے سب ہی لوگ اسپتال میں اسے ملنے کی خاطر آتے ہیں جبکہ شہوار ایک بار بھی مصطفیٰ کی عیادت کی غرض سے نہیں جاتی دوسری طرف مصطفیٰ از خود فون کر کے شہوار سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن فون پر بھی شہوار کے رویے میں عجیب لاتعلقی محسوس کر کے مصطفیٰ اس عمل کو ناپسندیدگی پر محمول کرتے فون منقطع کر دیتا ہے۔ مصطفیٰ کی خراب حالت کے پیش نظر ولیمہ کا پروگرام ملتوی کر دیا جاتا ہے گاؤں سے آنے والے مہمان اس خبر سے آگاہ نہیں ہوتے دوسری طرف بابا صاحب کو بھی اطلاع نہیں دی جاتی۔ شہوار کی رخصتی کے اگلے دن تابندہ ملازمین کو ضروری ہدایات دے کر حویلی چھوڑ جاتی ہیں۔ وہ اپنے پیچھے بابا صاحب کے لیے پیغام چھوڑ جاتی ہیں کہ وہ از خود لوٹ آئیں گی اور شہوار کے تمام سوالوں کے جواب بھی دیں گی بابا صاحب تابندہ کا خط پڑھ کر الجھ جاتے ہیں وہ شاہزیب کو فون کر کے انہیں تابندہ کے حویلی چھوڑنے کا بتاتے ہیں جبکہ دوسری طرف شاہزیب بھی متفکر ہو جاتے ہیں۔ ولید اس حادثے کے بعد خود میں کافی تبدیلیاں محسوس کرتا ہے وہ انا سے اپنے دل کی بہت سی باتیں شیئر کرتا ہے جس پر انا اس تبدیلی پر بہت مسرور ہوتی ہے موت کو اس قدر قریب سے دیکھ کر اس کی سوچ کا انداز یکسر بدل جاتا ہے۔ تابندہ حویلی چھوڑ کر خالہ بی کے پاس آ جاتی ہیں اور انہیں شہوار کی رخصتی کا بتا کر اپنے یہاں قیام کا بھی کہہ دیتی ہیں۔ خالہ بی کا بیٹا فرید فالج کا شکار قوت گویائی سے محروم ہے اور گھر کی حالت نہایت ابتری کا شکار ہوتی ہے تابندہ تمام ذمہ داری خود پر لیتے ان کی مشکلات کا مداوا کرنے کا ارادہ کرتی ہیں۔ وہ خالہ بی سے اپنی تلاش میں کسی کے یہاں آنے کا پوچھتی ہیں جس پر خالہ بی ایک شخص کے آنے کا بتا کر خاموش ہو جاتی ہیں لیکن اب اس شخص کا انہیں بھی کچھ اتا پتا معلوم نہیں ہوتا تابندہ ماضی کے دھندلکوں میں گم ہونے لگتی ہیں۔ اصل میں یہ گھر تابندہ کا تھا جو انہوں نے خالہ بی کے نام کر دیا تھا اور خود شہوار کو لے کر حویلی چلی گئی تھیں۔ بابا صاحب کو بھی انہوں نے سکندر سے اپنی شادی اور اس گھر کے بارے میں بتا دیا تھا تب بابا صاحب نے معلومات حاصل کی تھیں تو ان کی باتوں کی صداقت کی گواہی مل گئی تھی مگر آج تابندہ کا اچانک حویلی چھوڑ جانا بابا صاحب کو خدشات میں مبتلا کر دیتا ہے دوسری طرف شہوار کو اس تمام صورت حال سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔ ولید کے مسلسل نظر انداز کرنے پر کاشفہ آفس پہنچ کر اسے اپنی محبت کا یقین دلاتی ہے جبکہ اس بے باک رویے پر ولید مزید مشتعل ہوتے صاف انکار کر دیتا ہے اس انکار پر کاشفہ خودکشی کر لیتی ہے اور اس کا ذمہ دار ولید کو ٹھہراتی ہے۔ شہزاد کی زبانی ایاز کو مصطفیٰ کے زخمی ہونے اور باقی سب کے بچ جانے کی اطلاع ملتی ہے جس پر وہ نہایت برہم ہوتا ہے شہزاد آنے والے حالات سے ایاز کو آگاہ کرتے اسے محتاط رہنے کا کہتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف شاہزیب اور امجد خان بھی ایاز کی تلاش کا کام تیز کر دیتے ہیں۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾



وہ تیزی سے بستر سے اترا اور لائٹ جلائی، ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، پھر اس نے ایک دم سے موبائل نکالا

اور کاشفہ کے باپ عبدالقیوم کا نمبر ڈائل کیا۔ یہ نمبر اس کے پاس تب سے تھا جب کاشفہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور انہوں نے اسے یہ نمبر دیا تھا اور اس نے اس نمبر پر کئی بار کال کر کے ان سے کاشفہ کی طبیعت دریافت کی تھی۔



''السلام علیکم سر۔'' عباس آج آفس آیا تو اپنے کیبن میں بیٹھنے کی بجائے شاہزیب صاحب کے کیبن میں آ بیٹھا۔ رابعہ کو اطلاع ملی تو وہ وہیں چلی آئی۔ عباس نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

''سر یہ پیپرز چیک کر لیں تا کہ باقی ڈیپارٹمنٹس میں فارورڈ کیے جا سکیں۔'' اس نے کہا تو عباس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے فائل لے لی۔

''سر آپ کے بھائی کے بارے میں سنا بہت دکھ ہوا۔'' اس نے رسماً کہا۔ عباس نے سر ہلا دیا۔

''بس اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔ ورنہ کب سوچا تھا کہ یہ حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا۔ عباس نے پیپرز چیک کرتے اسے فائل تھمائی۔

''آپ نے آج جوائن کیا تھا یا کل؟'' عباس نے پوچھا۔

''ہم نے کل ہی جوائن کر لیا تھا۔'' اس کا انداز پر اعتماد تھا۔

''آپ سنائیں آپ ٹھیک ہیں نا؟'' عباس کے سوال پر وہ چونکی۔

''جی سر، الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔'' مسکرا کر اس نے کہا۔

''دوبارہ عادلہ کی طرف سے کوئی رابطہ وغیرہ ہوا؟'' عباس نے مزید پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''چلو اللہ کا شکر ہے اس عورت کو عقل تو آئی۔''

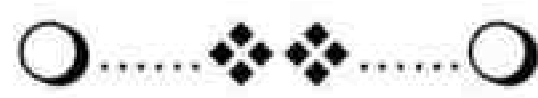
''میں حیران ہوں سر وہ ایک دم سے پیچھے ہٹی ہیں ورنہ میں تو اس عورت کی کالز اور دھمکیوں سے سخت خوف زدہ ہو چکی تھی۔''

''ایسے لوگوں کی کچھ برین واشنگ کی ضرورت ہوتی ہے جتنا ہم خوف زدہ ہوں اتنا ہی یہ لوگ ہماری شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں آپ بالکل نارمل رہیں کوئی ضرورت نہیں ایسے لوگوں سے ڈرنے کی امید تو ہے کہ وہ کوئی رابطہ نہیں کرے گی مگر پھر بھی ایسی ویسی کوئی بات ہو بھی تو آپ پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کیجیے گا۔'' عباس نے سختی سے ہدایت کی۔

''جی سر۔'' وہ خاموشی سے سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی تو عباس نے خاموشی سے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

عادلہ کے بعد پہلی بار کسی لڑکی نے اپنی طرف توجہ کھینچنے کی کوشش کی تھی عادلہ سے جڑا تعلق اب اس نہج پر تھا کہ جہاں اب واپسی کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی پہلے آفاق کی وجہ سے اور پھر خاندانی شرافت کے سبب بہت عرصہ تک وہ خاموش رہا تھا اور یہ خاموشی عادلہ کو اور شہ دیتی تھی۔ مگر اسے یقین تھا کہ اس کے اب کے اٹھائے جانے والے اقدام سے عادلہ کی عقل ضرور ٹھکانے آئی ہوگی۔ اگر نہ بھی آئے تو بھی اس کے متعلق کوئی بھی منتقمانہ کارروائی کرنے سے پہلے اپنے انجام کے بارے میں ضرور سوچے گی۔ اسے اب عادلہ کی طرف سے کوئی خوف نہ تھا مگر وہ بس اس لیے محتاط تھا کہ کہیں اس کی اندرونی چپقلش کے سبب کسی لڑکی کی زندگی برباد نہ ہو جائے۔ مگر شادی میں کئی بار جس طرح رابعہ سے سامنا ہوتا رہا وہ اسے دیکھ کر چونکتا رہا تھا۔ وہ اسے اچھی لگی تھی مگر یہ پسندیدگی صرف ایک خاص حد تک تھی اس سے زیادہ وہ اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اب پھر رابعہ سے سامنا ہوا تو لاشعوری طور پر اسے سامنے دیکھ کر پھر اپنائیت کا احساس جاگا تھا۔ عباس کو اپنی کیفیات عجیب سی لگیں تو وہ سر جھٹکتے گہرا سانس لیتے اپنے سامنے کھلی فائل کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ شاہزیب صاحب اور ساجد آفس نہیں آئے تھے اور ان دونوں کی غیر موجودگی میں اسے ہی سارا کام دیکھنا تھا۔



رات کے اس پہر ولید کی کال سن کر عبدالقیوم ایک دم چونک اٹھے تھے' کاشفہ رات گئے گھر لوٹی تھی اور آتے ہی کمرے میں بند ہو گئی تھی وہ بھی سونے لیٹ چکے تھے اب ولید کی کال پر بے دار ہوئے اور ولید نے جو بتایا اسے سن کر وہ پریشان ہو گئے تھے۔ ولید کی بات سچ تھی کاشفہ نے واقعی نیند

کی گولیاں کھالی تھیں مگر وہ لوگ اسے فوراً اسپتال لے آئے تھے۔
عادلہ اور مسز عبدالقیوم ساتھ ہی تھیں اور باقی کی ساری رات اسی بھاگ دوڑ میں گزر گئی تھی۔ خودکشی کی کوشش کی گئی تھی پولیس کیس بنتا تھا مگر ان کا پیسہ کام آ گیا تھا ولید نے کئی بار کال کر کے کاشفہ کی خیریت پوچھی تھی۔ اب دوپہر کے گیارہ بج رہے تھے وہ صبح فجر کے وقت گھر چلے گئے تھے مگر اب پھر آ گئے تھے۔
کاشفہ خطرے سے باہر تھی اور اب سو رہی تھی جب ولید نے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔ وہ اندر آ گیا تھا ان سے سلام دعا کے بعد کاشفہ کی خیریت پوچھنے لگا تھا۔
''تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ کاشفہ نے ایسا کیوں کیا ہے؟'' عبدالقیوم صاحب نے سوئی ہوئی بیٹی کو دیکھتے ولید سے پوچھا۔
''کیوں کاشفہ نے کچھ نہیں بتایا؟'' اس نے سنجیدگی سے ان کو دیکھا۔
''ہوش میں آنے کے بعد میں نے پوچھا تھا بلکہ سب نے پوچھا تھا مگر یہ خاموش ہی رہی کچھ نہیں بتایا'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
''میں نے سوچا شاید تمہیں بتایا ہو۔'' ولید خاموش ہی رہا تھا۔
اس لڑکی کے پاگل پن نے اسے اندر ہی اندر پریشان کر دیا تھا۔
''رات اس نے تمہیں کال کیوں کی تھی؟'' وہ ولید کو بغور دیکھتے پوچھ رہے تھے۔
''میں تو سو چکا تھا آدھی رات کو کال آئی تھی۔ مجھے نہیں پتا اس نے ایسا کیوں کیا؟'' ولید نے اب بھی سنجیدگی سے کہا۔
عبدالقیوم نے اسے بغور دیکھا...... کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہو گئے ولید کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد عبدالقیوم صاحب سے رخصت لیتا واپس آ گیا تھا وہ آفس جانے کے بجائے مصطفیٰ کی طرف آ گیا تھا۔
مصطفیٰ قدرے بہتر تھا مہر النساء اس کے پاس موجود تھیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے کھانا کھلا رہی تھیں۔ اس وقت دوپہر کا ایک بج رہا تھا وہ کاشفہ کے پاس کافی وقت گزار کر آیا تھا مگر وہ ہوش میں نہ آئی ورنہ وہ اسے اس کی اس حرکت پر ضرور دوٹوک انداز میں بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔
''کل کہاں تھے؟'' مصطفیٰ نے ماں جی کو کھانا کھلانے سے منع کرتے خود چمچ کی مدد سے چاول کھاتے پوچھا۔
''بس کل آفس میں ہی سارا وقت گزر گیا تھا۔ شام کو سوچا کہ چکر لگالوں مگر پچھلے دنوں کی تھکن تھی سو نہیں آ سکا۔'' ولید اس کے پاس ہی ٹک گیا تھا۔
''تم سناؤ کیسا فیل کر رہے ہو اور زخم کیسے ہیں اب؟'' اس نے پوچھا تو مصطفیٰ نے کھانا کھاتے اپنے بازو کی طرف دیکھا۔
''ٹھیک ہے مگر کندھے کا زخم کچھ تکلیف دے رہا ہے آج ڈاکٹر سے بات کی تھی اس نے چیک کیا تھا ویسے تو تسلی دے رہا تھا کہ پریشانی والی کوئی بات نہیں بس بازو کو حرکت نہ دوں۔'' وہ بستر کی کراؤن کے ساتھ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔
ولید نے متفکر نظروں سے اس کے بازو کو دیکھا۔
''زیادہ پریشانی والی بات تو نہیں۔''
''نہیں یار، اب ایسی بھی بات نہیں میں تو فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس سزا سے پتا نہیں کب یہ ڈاکٹرز مجھے ڈسچارج کرتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تو ولید مسکرایا۔
وہ کھانا ختم کر چکا تھا مہر النسا آنٹی نے اس کے سامنے سے برتن اٹھا لیے تھے۔
''ولید ادھر ہی ہے میں نماز پڑھ آؤں۔'' برتن سمیٹ کر ماں جی نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ چلی گئی تو ولید نے مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔
''کیا بنا کچھ پتا لگا کس نے یہ حرکت کی تھی؟'' ولید نے پوچھا اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا مصطفیٰ کا موبائل بجنے لگا تھا۔ موبائل دائیں طرف ٹیبل پر رکھا ہوا تھا ولید نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھا لیا تھا ارادہ صرف یہ تھا کہ موبائل اٹھا کر مصطفیٰ کو تھما دے گا۔ یونہی سرسری سا اسکرین کی طرف دیکھا۔
''شہوار۔'' نام دیکھ کر وہ مسکرایا۔ مصطفیٰ اس کی حرکت دیکھ چکا تھا۔

ولید نے مسکرا کر اسے موبائل تھما دیا تھا مصطفیٰ اسکرین دیکھتے ہی ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا اس نے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی مدد سے فوراً کال ریجیکٹ کر دی تھی۔ بیپ بند ہو گئی۔ مصطفیٰ نے موبائل آف کرتے اسے سرہانے رکھ لیا تھا۔ ولید نے بہت حیران ہو کر اس کی اس حرکت کو دیکھا تھا۔

''خیریت؟'' مصطفیٰ نے ولید کو حیرت سے دیکھا تو مسکرایا۔

''بالکل۔''

''تو کال کیوں نہیں پک کی۔''

''تمہارے سامنے تو کبھی نہ کرتا۔'' پراعتماد انداز تھا ولید نے گھورا۔

''شیور یہی بات ہے نا؟''

''کیوں تمہیں کوئی شک ہے؟''

''لیکن تمہارے چہرے کے تاثرات تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں۔ لڑائی ہو گئی ہے تم لوگوں میں کیا؟'' شرارتی چھیڑنے والا انداز تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر نفی میں سر ہلایا۔

''میں ادھر بیٹھا ہوا ہوں اور وہ گھر پر ہماری کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔'' انداز سنجیدہ تھا ولید نے بغور دیکھا۔

''شہوار اسپتال آئی تھیں تمہیں دیکھنے؟'' اس نے پوچھا تو مصطفیٰ کے چہرے پر ایک دم سختی چھانے لگی۔

''لیو دس ٹاپک یار تم سناؤ انا کیسی ہے اور انکل کا کیا حال ہے۔'' مصطفیٰ نے پوچھا تو ولید کچھ پل تک خاموش رہا تھا۔

''انا بھی ٹھیک ہے اور بابا بھی۔''

''روشی کیسی ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''کب تک شادی کا پروگرام ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''شاپنگ والے دن میں تمہیں سب بتا چکا ہوں اچھی طرح، تم مجھے الجھاؤ نہیں اور نہ میں ٹاپک بدلنے کی کوشش بھی نا کرو، بس یہ بتاؤ کس بات پر یوں ری ایکٹ کر رہے ہو؟'' ولید نے پھر پوچھا۔

''آئی تھنک تم بہت پرسنل ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو ولید نے تاسف سے گھورا۔

''ہمارے درمیان کبھی کوئی بات پرسنل نہیں رہی۔ بہر حال اب نہیں پوچھوں گا اور ہاں آئندہ خبردار تم نے بھی میری ذاتیات میں دخل اندازی کی کوشش کی تو۔'' اس نے چڑ کر کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

''لڑاکا بیویوں والے انداز ہیں، خفا ہو گئے ہو؟'' ولید گھور کر کھڑا ہو گیا۔

''بکو مت۔''

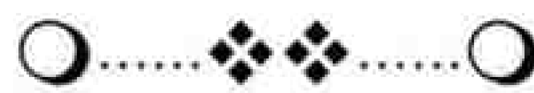
''آفس سے اٹھ کر آیا ہوں چلتا ہوں۔'' ماں جی نماز پڑھ کر ابھی نہیں آئی تھیں۔

''بیٹھو یار، ماں جی آتی ہیں تو پھر چلے جانا۔''

''کیا فائدہ رکنے کا میں پھر کوئی ایسی ویسی بات پوچھوں گا اور تم کہو گے کہ میں پرسنل ہو رہا ہوں۔'' مصطفیٰ مسکرا دیا۔

''خیر ایک بار گھر چلے جاؤ تب اچھی طرح بات ہو گی اس اسپتال کے بستر پر لیٹے ہوئے ہو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔''

''شکریہ، نوازش۔'' وہ فوراً کورنش بجا لایا تھا۔ ولید نے اسے گھور کر دیکھا پھر مسکرا کر دوبارہ بستر پر بیٹھ گیا۔



وہ پریشانی میں کمرے سے نکلی تھی۔ زہرہ پھپھو لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے اسے پریشان دیکھا تو پوچھ لیا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے ہاتھوں میں موبائل پکڑ رکھا تھا ان کے سوال پر ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''میں پچھلے دنوں سے کئی بار امی کو کال کر چکی ہوں مگر وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتیں۔'' وہ پریشان تھی زہرہ پھپھو چونکی تھیں لاؤنج کے دروازے سے

اندر داخل ہوتے شاہزیب صاحب بھی وہیں رک گئے تھے۔

''کیوں؟''

''پتا نہیں، پہلے دن تو میرا موبائل بند تھا مگر جب سے آن کیا ہے کئی بار حویلی کال کر چکی ہوں مگر وہ ریسیو نہیں کر رہیں۔ تاج یا کوئی ملازم ہوتا ہے ہر بار کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ مصروف ہیں نماز پڑھ رہی ہیں، واش روم میں، سو رہی ہیں میں ہر بار کہتی ہوں کہ جب وہ فارغ ہوں انہیں کہیے گا کال بیک کریں مگر انہوں نے ایک بار بھی کال نہیں کی۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''بابا صاحب سے بات ہوئی؟'' پھپو نے پوچھا۔

''جی کئی بار مگر وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں۔'' وہ فکرمند تھی۔

ادھر مصطفیٰ کی ٹینشن تھی اور ادھر ان کے کال ریسیو نہ کرنے کی۔

''ہو جاتا ہے ایسا تم پھر کال کر لینا۔'' پھپو نے تسلی دی تبھی شاہزیب صاحب اندر آئے تھے۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' شہواران کو دیکھ کر احتراماً کھڑی ہوگئی تھی۔

''اپنی امی کی طرف سے پریشان ہو رہی ہے تابندہ سے بات نہیں ہو پا رہی اس کی۔'' پھپو نے ہی شاہزیب صاحب کو بتایا۔

''تو اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے کہیں بزی ہوں گی۔'' انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''مگر ایسا پہلے کبھی بھی نہیں ہوا نا وہ جتنی بھی بزی ہوں میری کال کے بعد کال بیک ضرور کرتی ہیں۔'' وہ واقعی ازحد پریشان تھی۔

''اچھا اس الجھن کو چھوڑو بیٹا، میں اسپتال جا رہا ہوں چلیں گی میرے ساتھ؟'' انہوں نے اس کا دھیان بٹانے کو فوراً کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیتے انہیں دیکھا۔

''میں نے سنا ہے سبھی مصطفیٰ کو دیکھنے گئے ہیں مگر آپ ایک بار بھی نہیں گئیں۔'' وہ انکل کے اس سوال پر ایک دم شرمندہ ہوگئی تھی۔

وہ تو مصطفیٰ کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت نہیں پاتی تھی مگر انکل سے یہ کیسے کہہ دیتی۔

''سوری انکل اس وقت تو میری دوست انا آ رہی ہے۔ اس کی ابھی کال آئی تھی تو آنے کی اطلاع دے رہی تھی۔'' انکل کو اس نے بتایا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

''کوئی بات نہیں کل یا پرسوں مصطفیٰ کو ڈسچارج کرا کر لے آئیں گے ہم، پریشان نہیں ہوتے تابندہ کہیں بزی ہوں گی۔'' انہوں نے تسلی دی تو وہ سر ہلا گئی تھی۔

وہ زہرہ پھپو کو ہمراہ لیے چلے گئے تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی رات وہ مصطفیٰ والے کمرے میں تھی مگر صبح سے اپنے ہی کمرے میں تھی۔ کچھ دیر بعد ملازمہ اس کی دوستوں کی اطلاع کے ہمراہ آ گئی تھی۔

وہ صبح سے عام سے حلیے میں تھی مگر ملازمہ کو ان کو بٹھانے کا کہہ کر فوراً واش روم میں گھس گئی تھی اچھا سا لباس پہن کر ہلکی پھلکی جیولری کے ہمراہ جب وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو انا کے ساتھ دو تین اور کلاس فیلوز کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''کیسی ہو؟'' وہ فرداً فرداً سب سے گلے ملی تھی۔ ان کے سوال پر سر ہلا کر بیٹھ گئی تھی۔

''تم نے ذکر ہی نہیں کیا کہ تم کالج گئی ہوئی تھی۔'' اس نے انا سے کہا۔

''ہاں میں اگلے دن ہی سے کالج جا رہی ہوں آج بھی کالج سے جلدی وقت نکال کر ان لوگوں کے ساتھ ادھر آئی ہوں۔'' انا نے اپنی کلاس فیلوز کو دیکھ کر کہا۔

وہ تینوں پہلے تو اس سے یوں چھپ چھپا کر شادی کر لینے پر خوب خفا ہوئی تھیں اور پھر مصطفیٰ کے حوالے سے حال احوال پوچھنے لگی تھیں۔

''یار ہم دونوں کالج سے غائب ہیں اور پھر دوبارہ کالج جانے پر ان لوگوں نے پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ تمہاری شادی اٹینڈ کر رہی تھی ویسے بھی اب اس میں چھپانے والی کوئی بات تھی نہیں جو میں چھپاتی۔'' انا نے بھی وضاحت کی تھی وہ خاموش ہو گئی تھی۔

صبا، عائشہ اور لائبہ بھی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں باقی مہمان جا چکے تھے صرف دونوں پھپھو عائشہ اور صبا موجود تھیں۔ ان کا ارادہ چند دن ٹھہر کر جانے کا تھا۔ ملازمہ ان لوگوں کے لیے کھانے پینے کے لوازمات لے آئی تھیں۔

اس کے بعد عائشہ کے کہنے پر شہوار ان سب کو گھر دکھانے لگی تھی۔ سارا گھر دکھانے کے بعد وہ ان کی فرمائش پر ان کو مصطفیٰ والے روم میں لے آئی تھی پنک رنگ کی کلر اسکیم کے تحت سارا کمرہ ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔ انا بھی پہلی بار مصطفیٰ کا کمرہ دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

''ماشاءاللہ تم تو بہت لکی ہو شہوار اتنا اچھا سسرال ملا ہے تمہیں۔'' اس کی دوستیں اس پر رشک کر رہی تھیں۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

''مصطفیٰ بھائی کا کمرہ تو بہت ہی پیارا ہے۔'' مرجھائے ہوئے پھولوں کی ڈیکوریشن جوں کی توں تھی۔ کسی نے بھی ان کو اتارنے کا نہیں کہا تھا اور نہ ہی شہوار نے سوچا تھا۔ انا نے اطراف میں دیکھتے مسکرا کر کہا تھا۔

''تم مصطفیٰ بھائی سے ملنے اسپتال گئی تھیں۔'' اچانک اسے یاد آیا تو اس نے پوچھا تو وہ ایک دم گھبرائی تھی فوراً دوستوں کی طرف پلٹی۔

''آؤ تم سب کو باہر لان دکھاؤں۔'' وہ انا کا سوال ٹال گئی تھی انا نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تو کیا شہوار ابھی بھی اسی مقام پر ہے۔'' اس کے اندر بے چینی سی پیدا ہونے لگی تھی۔ جی تو چاہا کہ فوراً اس سے سوال و جواب شروع کر دے مگر اس کے ہمراہ دوستوں کو دیکھ کر وہ خاموش رہی تھی۔ وہ سب کچھ دیر مزید رکی تھیں اور پھر چلی گئی تھیں۔ ان کو رخصت کر کے وہ اندر آئی تو عائشہ اس کا موبائل تھامے کھڑی تھی باقی سب دریہ سمیت لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''میں تمہارے نمبر سے مصطفیٰ کے سیل پر کال کر رہی ہوں پہلے تو اس نے کال ریسیو ہی نہیں کی اور اب اس کا نمبر ہی بند ہے۔'' عائشہ نے حیران ہوتے کہا تو وہ اپنی جگہ پر چور سی بن گئی۔

دریہ نے استہزائیہ مسکرا کر اسے دیکھا جبکہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

''پتا نہیں میری صبح تو بات ہوئی تھی۔'' اس نے بہانا کیا۔

''تو اب نمبر کیوں بند ہے میرے سیل میں بھی کریڈٹ نہیں ہے۔'' عائشہ بار بار نمبر ملا رہی تھی۔

''تو گھر والے نمبر سے کال کر لو۔'' آفاق کو کھانا کھلاتے لائبہ بھابی نے کہا۔

''ہاں دیکھتی ہوں۔'' وہ لینڈ لائن سے کال کرنے لگی۔

''اب بھی بند ہے۔'' اس نے کریڈل رکھتے کہا۔

''بیٹری کی چارجنگ ختم ہوگئی ہوگی۔'' صبا نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

وہ خاموشی سے سیل اٹھا کر اپنے روم میں آ گئی۔

کل رات کے بعد اس نے مصطفیٰ کے نمبر پر کال نہیں کی تھی اور اب عائشہ نے نمبر ملایا اور مصطفیٰ سمجھا ہوگا کہ وہ کال کر رہی ہے اور اس نے کال بند کر دی۔ وہ سوچتے ہوئے بستر پر لیٹ گئی۔

مصطفیٰ کے اس رویے نے اسے ایک دم اندر سے بے چین کر دیا تھا۔

''کیا واقعی وہ اس قدر خفا ہو گیا ہے کہ اب مجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا مگر اس رات میں نے اس سے ایسا کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ جس کو لے کر اس قدر شدید ری ایکٹ کرتا کہ بات کرنا بند کر دی جاتی۔'' وہ تکلیف سے کڑھ رہی تھی۔

❍..........❖❖❖..........❍

تابندہ بوا صبح صبح گھر سے نکلی تھیں۔ ایک دو دن میں ہی اس گھر کے مکینوں کی مالی حالت بہت اچھی طرح ان کے سامنے آ گئی تھی۔ ان کے پاس بھی ایسا کچھ خاص سرمایہ نہ تھا کہ ان کی مدد کرتیں جو کچھ بابا صاحب اور دیگر لوگ حویلی کے اخراجات کے نام پر دیتے تھے وہ ایمان داری سے حویلی کی ضروریات پر لگا دیا کرتی تھیں اور جو اضافی خرچ کے لیے ان کو دیا جاتا تھا وہ جمع کرتی رہی تھیں کچھ شہوار کی شادی میں خرچ کر دیا تھا اور کچھ رقم وہ ساتھ لے آئی تھیں۔

انہوں نے گھر کے لیے کچھ سامان خریدا تھا فرید کے لیے ادویات اور پھل لیے تھے ساری فیملی کے لیے لباس اور گھر کی ضروریات کے لیے چند ضروری ساز وسامان خرید کر انہوں نے رکشے میں رکھا گھر کی طرف چل دی یہاں مرکزی سڑک زیر تعمیر تھی رکشے والا ان کو اندرونی علاقے کی ذیلی سڑکوں سے گزار کر لا رہا تھا تبھی ایک جگہ سے گزرتے ان کی نگاہ پڑی تو وہ ساکن ہوگئی تھیں۔

''رکو۔'' انہوں نے رکشے والے کو کہا تو اس نے رکشہ روک دیا۔ انہوں نے بے چین نگاہوں سے سامنے موجود ویران اور سنسان عمارت کو دیکھا دیواریں اور چھتیں گر چکی تھیں۔ ٹوٹی پھوٹی یہ عمارت کبھی بڑی شان اور خوب صورتی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی تھی اور آج عہد رفتہ کی کوئی داستان سنا رہا تھی۔ تابندہ کی آنکھوں میں نمی آنے لگی تو ہونٹ بھینچ لیے۔

ڈھیر اینٹیں، دروازے ندارد تھے اور جڑی بوٹیوں کی بہتات نے عمارت کو بالکل ہی سنسان اور بنجر بنا ڈالا تھا جبکہ اردگرد موجود بڑی بڑی عمارتیں بڑی شان کے ساتھ اپنی جگہ ایستادہ تھیں۔

''ادھر اترنا ہے کیا؟'' انہیں اس طرح گم صم دیکھ کر رکشے والے لڑکے نے پوچھا تو تابندہ چونک کر اپنے حواسوں میں لوٹ آئیں تھیں۔

''نہیں، چلو۔'' دل پر گویا ایک قیامت سی برپا ہوگئی تھی۔ رکشے والے نے پھر رکشہ اسٹارٹ کیا تھا۔ باقی سارا رستہ وہ غائب دماغی سے ہی بیٹھی رہی تھیں۔ رکشے والے کو کرایہ ادا کر کے اندر آ گئی تھیں لڑکا ان کا سامان اتار کر گھر کے اندر رکھ گیا تھا ساجدہ اتنا سارا ساز وسامان دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''اس سب کی کیا ضرورت تھی آپا؟''

''لو ضرورت کیوں نہیں، مجھے تو یہ دیکھ دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے نجانے کیسے گزارا کرتی ہو تم، کوئی روزگار بھی نہیں ایسے زندگی چلتی ہے بھلا؟'' تابندہ نے کہا تو ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''فرید کے فالج کے بعد اس کے اسکول والوں نے مل ملا کر کافی مدد کی تھی اور پھر افسروں سے کہہ سن کر پنشن لگوا دی تھی بس اسی سے گزر بسر ہو جاتی ہے۔'' ساجدہ نے کہا تو تابندہ نے گہرا سانس لیا۔

فرید کو میٹرک کے بعد پرائمری اسکول میں کلرک کی گورنمنٹ جاب ملی تھی مگر فالج کی وجہ سے اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ اس کے ساتھیوں نے مل ملا کر پنشن کا انتظام کرا دیا تھا۔

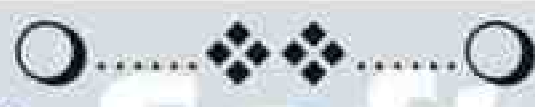
''خیر اب میں آ گئی ہوں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، پنشن کی رقم تم بچوں کی پڑھائی پر لگا لیا کرو گھر کے اخراجات اور دوسری ضروریات میری ذمہ داری ہے۔'' تابندہ کے محبت بھرے انداز پر ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیتے سر ہلا دیا تھا۔

''فرید نے ایک بار بتایا تھا کہ یہ گھر آپ کا تھا جو آپ نے اماں جی کے نام لکھ دیا تھا اور خود کہیں اور چلی گئی تھیں۔'' ساجدہ نے کہا تو انہوں نے چونک کر دیکھا۔

''اور کیا کچھ کہا تھا فرید نے۔''

''اور تو کچھ نہیں، بس یہی بتایا تھا۔'' تابندہ نے سر ہلایا۔

ساجدہ سامان سمیٹنے لگی تو وہ اٹھ کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔



ولید شام میں دوبارہ اسپتال آیا تو اس بار بھی کاشفہ سو رہی تھی اس کی بہن عادلہ موجود تھی وہ کافی خوش اخلاقی سے ملی تھی۔ درحقیقت وہ بھی اپنی بہن کی طرح ولید سے اچھی خاصی متاثر ہو چکی تھی اور پہلی بار عادلہ کو کاشفہ کی پسند اچھی لگی تھی۔ ورنہ اس کی جن جن لڑکوں سے دوستیاں تھیں عادلہ کو وہ سب ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ مگر ولید سے ہر بار ملنے پر وہ ضرور خوش ہوتی تھی۔

ولید وہاں کچھ دیر رکا تھا کاشفہ بیدار نہیں ہوئی تو وہ اس کی بہن سے اجازت لے کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

وہ گھر پہنچا تو سبھی موجود تھے وہ سلام دعا کرتا اپنے کمرے کی طرف آ گیا پھر چینج کر کے دوبارہ لاؤنج میں آیا تو وہاں انا کو تنہا بیٹھے دیکھ کر رک گیا انا صوفے پر نیم دراز کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

”کیابات ہے، کیا سوچ رہی ہو؟“ اندر آ کر پوچھا تو وہ ولید کو دیکھ کر فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
”کچھ نہیں، ویسے ہی۔“
”روشی کدھر ہے؟“ وہ اس کے سامنے والے صوفے پر ٹک گیا۔
”اپنے روم میں۔“ ولید نے سر ہلا دیا۔
”تم کالج گئی تھی؟“ اس نے پوچھا۔
”ہوں، میں شہوار کے ہاں بھی گئی تھی چند دوستوں کے ساتھ۔“ اس نے بتایا۔
”اچھا کیسی ہے وہ؟“
”ٹھیک ہے۔ مصطفیٰ بھائی کا سنائیں کب گھر شفٹ ہو رہے ہیں؟“ اس نے بھی پوچھا۔
”مے بی کل یا پرسوں۔“ ولید نے کہا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہو گئی۔ ولید نے اسے سوالیہ دیکھا۔
”آتی ہوں میں۔ ماما نے کھانا لگانے کا کہا تھا وہ دیکھ لوں ذرا۔“ وہ کہہ کر کچن میں آ گئی تھی ماما اور صغراں کھانا دیکھ رہی تھیں کھانا تقریباً تیار ہی تھا۔
اس نے اور صغراں نے کھانا لگایا پھر سبھی کھانے کی ٹیبل پر آ گئے تھے۔ کھانے کے بعد حسب روٹین انا نے صغراں کے ساتھ مل کر ٹیبل سمیٹی تھی۔ صغراں برتن دھونے لگی اور انا چائے بنانے لگی تھی۔ چائے بنا کر سب کو سرو کی تھی ولید باہر لان کی طرف چلا گیا تھا وہ اپنا اور اس کا مگ لیے لان میں چلی آئی تھی۔ ولید کسی سے موبائل پر بات کر رہا تھا۔
”ہاں آیا تھا میں اور تم دونوں بار میڈیسن لے کر سوئی ہوئی تھیں۔“ ولید کسی سے کہہ رہا تھا انا ایک دم ٹھٹک کر اپنی جگہ پر ہی کھڑی ہو گئی تھی۔
”اوہ کاشفہ ڈونٹ بھی سلی اگین۔“ ولید نے جھنجلا کر کہا تھا کاشفہ کا نام سن کر انا کے اندر ایک دم شدید اضطراب کی لہر اٹھی تھی۔
”ڈونٹ بی ایموشنل، اگر تم سمجھتی ہو کہ تمہاری اس حرکت نے مجھ پر کوئی اثر کیا ہے تو تم نے سراسر بے وقوفی کی ہے میں ان حرکتوں سے متاثر نہیں ہونے والا۔“ ولید کے لہجے میں عجیب سی سختی تھی۔
وہ نجانے کس بارے میں بات کر رہا تھا مگر انا کے اندر توڑ پھوڑ کرنے کے لیے بس یہ بات ہی کافی تھی کہ دوسری طرف کوئی اور نہیں کاشفہ تھی۔
”میرے لیے انسانیت کی خاطر نیکی کرنا زیادہ اہم تھا ورنہ جس طرح تم نے ری ایکٹ کیا تھا میری جگہ کوئی اور ہوتا تو کبھی پلٹ کر نہ دیکھتا۔“ ولید کے الفاظ میں غصہ تھا۔
”فار گاڈ سیک کاشفہ، یہ محبت وحبت کا اظہار پلیز رہنے دو، تم جتنا ان الفاظ کو دہراؤ گی مجھے اتنا ہی فیڈ اپ کرو گی۔“ ولید کے انداز میں اب کے خاصی تلخی اور ناگواری تھی غصے سے کہتے وہ ایک دم پلٹا تھا مگر اپنے سامنے دونوں ہاتھوں میں چائے کے مگ لیے کھڑی انا کو دیکھ کر رک گیا تھا۔
”تم......“ اس نے فوراً کان سے موبائل ہٹایا تھا۔ اس نے جلدی سے کال کاٹی تھی۔ انا لب بھینچ کر پلٹی تھی۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔
”انا رکو، کیا ہوا؟“ وہ انا کے اس ری ایکٹ پر گھبرا کر فوراً پیچھے آیا تھا۔
”انا......“ اس نے فوراً انا کے سامنے آ کر اس کا راستہ روکا۔
”کیا ہوا؟“ وہ پوچھ رہا تھا اطراف میں اندھیرا تھا مگر اندر کی جانب کی روشنیوں نے پھر بھی لان کے حصے کو کچھ حد تک روشن کر رکھا تھا۔ انا نے بڑے ضبط سے خود پر قابو پایا تھا۔
اس نے بڑی شکایتی نگاہوں سے ولید کو دیکھا تو وہ ایک دم گہرا سانس لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔
”چلو آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔“ اس نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا تو انا نے لب بھینچ لیے۔
ولید نے خود ہی اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر سیڑھیوں پر بیٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ضبط سے ہونٹ بھینچے مگ کو گھور رہی تھی۔

''پوچھوگی نہیں میں کس سے بات کر رہا تھا۔'' ولید نے خود ہی بات کا آغاز کیا تو وہ خاموش ہی رہی۔
''کاشفہ تھی اس نے کل رات نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔ مگر بروقت امداد سے اس کی جان بچالی گئی تھی۔'' ولید نے کہا تو اس نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حیران ہوگئی تھی مگر کچھ بھی پوچھنے سے احتراز برتا تھا۔
''بس میں اسے یہی سمجھا رہا تھا مگر وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔'' ولید نے مزید بتایا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی تھی۔
''اس نے نیند کی گولیاں کیوں کھائیں تھیں؟'' اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا تو ولید نے چائے کا مگ سائیڈ پر رکھا۔
''وہ کہتی ہے وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔'' ولید نے سنجیدگی سے بتایا تھا جبکہ انا کو لگا کہ اس کا سانس رکنے لگا ہو۔
''محبت......'' اس کے ہونٹ ہلے تھے اس کی آنکھوں میں ایک دم بے یقینی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔
''وہ چاہتی تھی کہ میں اس کی محبت قبول کرلوں۔'' انا کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا تو اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ گر گیا۔
''ولی......'' اس نے ولید کو دیکھا۔
''لیکن میں نے انکار کردیا تھا۔'' انا کو اگلے پل لگا کہ اس کے اعصاب کو لگنے والا یہ جھٹکا پہلے سے زیادہ شدید ہے۔
''وہ بہت ایموشنل ہو رہی تھی اور اس نے نیند کی گولیاں کھالیں تھیں۔'' انا نے لب بھینچ لیے۔ وہ چند پل تک تو بالکل گم صم رہی تھی۔ اسے لگا کہ ولید کے اس انکشاف نے اس کی قوت گویائی کو بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔
''کچھ نہیں کہو گی اس بارے میں؟'' اس کی خاموشی پر ولید نے پوچھا تو انا لب بھینچ کر ایک دم کھڑی ہوگئی تھی۔
''انا؟'' ولید نے پکارا تو وہ بہت ضبط سے رکی تھی۔
''وہ آپ کی دوست ہے میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔'' لہجے میں تلخی تھی۔
''مگر پھر بھی کوئی رائے تو ہوگی نا تمہاری؟'' ولید نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''اس سے روابط بڑھاتے وقت آپ نے مجھ سے میری رائے تو نہیں پوچھی تھی۔'' انا نے غصے سے کہا تو ولید نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہوگیا۔
انا پھر کے بغیر وہاں سے چلی آئی تھی۔ وہ چائے کا مگ سنک میں رکھتے سیدھا اپنے کمرے میں آئی تو ولید کے اس انکشاف نے گویا اس کے اندر ایک آگ سی جلا ڈالی تھی، کیتھی کے بعد اب یہ کاشفہ۔ اس نے خود کو بہت کمپوز کرلیا تھا مگر آج کی ولید کی گفتگو سن کر وہ جیسے پھر سے اندر تک ادھڑ گئی تھی وہ پھر سے نئے سرے سے اسی اذیت کی آگ میں جلنے لگی تھی۔



مصطفیٰ اسپتال کے قیام سے تنگ آچکا تھا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی ساری ایکٹیویٹیز ختم ہوکر رہ گئی ہیں۔ ڈاکٹرز کا خیال تھا کہ وہ ایک دو دن اور اسپتال میں رہ لے مگر مصطفیٰ ڈسچارج ہونے کی ضد پکڑے ہوئے تھا مصطفیٰ کے تیور دیکھتے شاہزیب صاحب نے ڈاکٹر سے بات ڈسچارج کی کرلی تھی اور پھر اس طرح وہ ان کے ہمراہ گھر جا رہا تھا۔ شاہزیب صاحب نے گھر اطلاع کردی تھی کہ مصطفیٰ آج ڈسچارج ہوکر گھر آرہا ہے۔ مہرالنساء کی خوشی دیدنی تھی۔
خوش تو شہوار بھی تھی مگر اسے ان چند دنوں میں روا رکھا گیا مصطفیٰ کا رویہ اندر ہی اندر خوف زدہ کیے ہوئے تھا۔
ماں جی نے اسے اچھی طرح ڈریس اپ ہونے کا کہا تو اس نے ان کی ہدایت کے مطابق لباس بدل لیا تھا ہلکی پھلکی جیولری پہلے ہی وہ پہنے ہوئے تھی سو باقی اہتمام کرنے سے اس نے گریز ہی کیا تھا۔ دوپہر ایک بجے کے قریب شاہزیب صاحب کے ہمراہ مصطفیٰ گھر آ گیا تھا۔
''شہوار مصطفیٰ بھائی آگئے ہیں۔'' وہ اپنے کمرے میں ہی تھی جب صبا نے آکر بڑے پرجوش انداز میں اطلاع دی تھی۔ شہوار کا چہرہ ایک دم رنگ بدلنے لگا تھا۔ سینے کے اندر موجود دل الگ اودھم مچانے لگا تھا۔ صبا فوراً کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی وہ لب کاٹتے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ نجانے باہر کس طرح مصطفیٰ کا استقبال کیا گیا تھا۔
کون کون تھا، وہ بھلا باہر جا کر سب کو کیسے فیس کرتی؟ اور سب سے بڑھ کر مصطفیٰ کو فیس کرنا۔ اسے ابھی سے پسینے چھوٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ

خاموشی سے اسی طرح بستر پر بیٹھی رہی تھی۔ باہر لاؤنج میں سبھی مصطفیٰ کے گرد اکٹھے تھے۔
ماں جی کو تو بس اس کی فکر ستائے جارہی تھی۔ گولی بازو اور کندھے پر لگی تھی جہاں ابھی بھی بینڈیج موجود تھی مگر ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھ لیتیں۔
انہوں نے فوراً ملازمہ کو پرہیزی قوت بخش کھانا پکانے کا آرڈر کیا تھا جب سے مصطفیٰ کے ساتھ یہ حادثہ ہوا تھا وہ کئی بار صدقہ وخیرات کر چکی تھی اب پھر اس کے گھر آنے پر انہوں نے ملازمین کو پیسے دیے تھے۔
''ماں جی میں ٹھیک ہوں، خدانخواستہ بالکل مفلوج نہیں ہوا، بس یہ بازو ابھی کام کاج کرنے سے قاصر ہے باقی میں بالکل فٹ ہوں۔'' ماں جی کوئی دسویں بار ''تم ٹھیک تو ہونا تھک تو نہیں گئے لیٹنا تو نہیں۔'' پوچھا تھا آخر کار مصطفیٰ نے جھنجلا کر کہا۔
''اللہ نہ کرے، یہ خوشیوں کے دن تھے نجانے کس بدخواہ کی نظر لگی ہے ورنہ تمہاری شادی سے متعلق کیا کیا ارمان نہیں تھے دل میں، اللہ نے تمہیں صحت وتندرستی دی ہے میں تو دن رات اس کا شکر ادا کرکے نہیں تھکتی اور تم ایسی بدعائیں منہ سے نکال رہے ہو۔'' مصطفیٰ چڑ چڑا ہو گیا تھا ماں جی کے ڈانٹنے پر خاموش ہو گیا تھا۔
''شہوار کدھر ہے بتایا نہیں کہ مصطفیٰ گھر آیا ہے؟'' اسے کہہ کر انہوں نے باقی لوگوں کو دیکھا تھا۔ مصطفیٰ نے بھی نظر اٹھا کر حاضرین کو دیکھا تھا۔
''ماں جی میں چینج کرلوں اتنے دنوں سے اسپتال اور میڈیسن کی اسمیل نے حشر نشر کر رکھا ہے میرا۔'' کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
''نہانا مت بس کپڑے بدل لو، زخم ابھی تازہ ہیں۔'' ماں جی نے کہا تو مگر وہ سنی ان سنی کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔
وہ روزانہ باتھ لینے والا شخص اس طرح چند دن سے مجبوراً خود کو بہلا رہا تھا مگر اب گھر آتے ہی وہ اپنے حلیے کو بدلنا چاہتا تھا۔ وہ کمرے میں چلا آیا تھا۔
ماں جی نے اسے متفکر نظروں سے اندر جاتے دیکھا تھا۔ کچھ سوچتے وہ شہوار کے کمرے کی طرف چلی آئی تھیں وہ ابھی تک عجیب کشمکش میں گرفتار بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا۔
ہلکے نیلے رنگ کے لباس میں وہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔
''شہوار......'' انہوں نے پکارا تو وہ ان کو دیکھ کر فوراً کھڑی ہوگئی۔
''جی۔''
''مصطفیٰ گھر آیا ہے تم باہر ہی نہیں آئیں۔'' قریب آکر انہوں نے محبت سے کہا تو وہ خاموشی سے سر جھکا گئی۔
''جاؤ شاباش وہ کمرے میں گیا ہے اسے دیکھو۔ وہ باتھ لینا چاہتا ہے میں نے منع بھی کیا ہے کہ زخم تازہ ہے مگر مانا ہی نہیں۔ تم جاؤ دیکھو اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا تو شہوار اپنی جگہ سٹپٹا سی گئی تھی۔
''چلو آؤ۔'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کا دل ایک دم شور مچانے لگا تھا۔
اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے وہ مہرالنساء کے ہمراہ چلتے مصطفیٰ کے کمرے تک پہنچی تھی۔
ماں جی ادھ کھلے دروازے کو دھکیلتے اندر داخل ہوئیں تو اسے بھی اندر داخل ہونا پڑا تھا ماں جی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ ابھی تک تھا۔
مصطفیٰ جو کمرے کے درمیان کھڑا سنجیدہ نظروں سے کمرے کی تمام سجاوٹ دیکھ رہا تھا اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ شہوار کی نگاہ اس کی نگاہوں سے ٹکرائی تھی اس نے ایک دم سٹپٹا کر پلکیں جھکا لی تھیں۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔
''السلام علیکم۔'' شہوار نے جھکے سر سمیت ہی کہا۔
مصطفیٰ پھر بھی خاموش رہا تھا۔
ماں جی نے بہو اور بیٹے کو بغور دیکھا تھا مصطفیٰ شہوار کو نظر انداز کیے کمرہ دیکھ رہا تھا۔ مرجھائے ہوئے پھولوں کی سجاوٹ ابھی بھی برقرار تھی۔
''ماں جی کم از کم میرے گھر آنے سے پہلے کمرہ ہی صاف کرادیتیں۔''

”ایسے کیسے صاف کرادیتی اتنے ارمانوں سے سجایا گیا تھا کمرہ تم نے تو ابھی دیکھا بھی نہ تھا میں تو لاک کیے رکھتی تھی کہ کوئی تمہارے آنے سے پہلے خراب نہ کردے۔“ شہوار خاموش کھڑی تھی ماں جی نے ہی کہا۔

”بہرحال جو بھی ہے کسی کو بھیجیں یہ سب صاف کرائیں، یہ سب کچھ تو فریش اور وقتی طور پر اچھا لگتا ہے۔“ مصطفیٰ سنجیدگی سے کہہ کر ڈریسنگ کے پاس جا کر مختلف درازیں کھولنے اور بند کرنے لگا تھا۔

اس نے سلیولیس شرٹ پہنی ہوئی تھی بازو پر بینڈیج کی ہوئی تھی کندھے پر بھی پٹی تھی مگر وہ نظر نہیں آ رہی تھی سادہ ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔

مصطفیٰ ایک دراز سے چابیاں نکال کر الماری کی طرف بڑھا تھا لاک کھول کر اس نے سادہ سی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر نکالا تھا۔

”میں واش روم میں جا رہا ہوں پلیز میرے نکلنے سے پہلے یہ سب اتروا دیجیے گا الجھن ہو رہی ہے مجھے یہ سب دیکھ کر۔“ اس نے الماری بند کرتے ماں جی کو دیکھا تھا اس کا انداز ایسا تھا کہ گویا کمرے میں ماں جی کے علاوہ کوئی نہ ہو۔

”نہانا مت زخم گیلے ہو جائیں گے۔“ ماں جی نے فوراً ٹوکا۔

”سوری ماں جی اتنے دنوں بعد تو آزادی نصیب ہو رہی ہے میں وہاں ترس گیا تھا باتھ لینے کو۔“ وہ کہہ کر اپنا ٹاول لے کر واش روم میں گھس گیا۔

ماں جی نے بے چارگی سے شہوار کو دیکھا۔

”مجال ہے جو میری بات مان لے اب زخم گیلے کر لے گا پٹی بھی اتار دے گا۔“ وہ فکرمند ہو رہی تھیں۔

شہوار کے دل کا موسم پہلے ہی عجیب سا ہو رہا تھا وہ کچھ بھی کہے بغیر خاموش کھڑی رہی تھی۔

”میں کسی کو بھیجتی ہوں کمرہ صاف کرا دینا اور ہاں اگر مصطفیٰ پٹی اتار دے تو مجھے بتانا ابھی زخم تازہ ہیں اور بداحتیاطی نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔“ وہ شہوار کو کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد صفائی والی ملازمہ آ گئی تھی۔

”کیا کیا اتارنا ہے چھوٹی بی بی۔“ وہ پوچھ رہی تھی شہوار نے اسے پھولوں کی سجاوٹ اتارنے کا کہا۔

بلکہ اس کے ساتھ مل کر خود بھی اس کی مدد کرنے لگی تھی۔ ملازمہ نے تمام سجاوٹ اتار دی تھی قالین پر جا بجا سوکھے پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ساری اٹھا کر اس نے ڈسٹ بن میں ڈالی تھیں۔

بستر کی چادر جھاڑ کر دوبارہ چادر بچھا دی تھی دیواروں پر لگی سجاوٹ بھی اتار دی تھی پانچ دس منٹ بعد کمرہ دوبارہ اپنی اصل حالت میں تھا۔

”تم یہ قالین اچھی طرح صاف کردو۔“ وہ ملازمہ کو ہدایات دے رہی تھی جب مصطفیٰ واش روم سے باہر نکلا تھا۔ اس نے کندھوں پر ٹاول ڈال رکھا تھا اور جسم پر ٹراؤزر تھا شہوار اسے اس حلیے میں دیکھ کر سٹپٹا گئی تھی مصطفیٰ بھی دونوں کو دیکھ کر چونکا تھا۔

”تم جاؤ یہاں سے۔“ شہوار نے فوراً ملازمہ کو چلتا کرنا چاہا تھا ملازمہ جلدی جلدی بکھری پتیاں سمیٹ کر ڈسٹ بن میں ڈال کر باہر نکل گئی تھی۔

ملازمہ کے باہر نکلتے ہی مصطفیٰ ڈریسنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

شہوار رخ موڑے انگلیاں چٹخانے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کمرے سے باہر نکلتی تو ماں جی نے نوٹ کرنا تھا اور اگر اندر رکتی تو......وہ ابھی اسی شش و پنج میں کھڑی تھی کہ کیا کرے ماں جی پھر کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

”تمہیں منع کیا تھا کہ نہانا نہیں پھر بھی تم نے بات نہیں مانی۔“ مصطفیٰ کو دیکھتے ہی انہوں نے خفگی سے کہا۔

”نہایا کب ہوں ماں جی۔“

”یہ خود ہی دیکھ لیں بینڈیج ویسی ہی خشک ہے۔“ ٹاول سے سر کے بال خشک کرتے اس نے کہا۔

مہرالنساء نے اسے مسکرا کر دیکھنے کے ساتھ اس کے ہاتھ سے ٹاول لے لیا تھا۔

”اچھا کیا ویسے بھی احتیاط بہت اچھی چیز ہے۔“ اس کے سر کو خود خشک کرتے انہوں نے کہا۔

شہوار نے کن اکھیوں سے مصطفیٰ کو دیکھا اس کی اس کی طرف پشت تھی۔

”شہوار بیٹا کھڑی کیوں ہو، بیٹھو نا۔“ مصطفیٰ کی ٹی شرٹ پہننے میں مدد کرتے ماں جی نے کہا تو وہ چونکی۔ مصطفیٰ نے بھی سر گھما کر دیکھا۔

دونوں کی نگاہ ملی تھی شہوار فوراً نظر جھکا گئی تھی۔ وہ آہستگی سے بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔
''کھانا تیار ہے ادھر ہی کھاؤ گے یا پھر سب کے ساتھ۔'' شرٹ پہن کر مصطفیٰ اپنے بالوں میں برش پھیرنے لگا تھا ماں جی نے پوچھا۔
''سب کے ساتھ ہی کھاؤں گا، اتنے دن ہوگئے ہیں اکیلے پرہیزی کھانا کھاتے کھاتے۔'' وہ واقعی اس چند دن کے اسپتال کے قیام کی وجہ سے سخت بے زار ہو چکا تھا۔
''ٹھیک ہے میں کھانا لگواتی ہوں پھر تم دونوں آجانا۔'' ماں جی اسے کہہ کر پھر باہر چلی گئی تھیں۔
شہوار نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اس کا عکس سامنے آئینے میں دکھائی دے رہا تھا اور مصطفیٰ آئینے کے سامنے ہی کھڑا تھا اس کا دل ایک دم دھڑکنے لگا۔
وہ مصطفیٰ کی خیریت پوچھنا چاہتی تھی اس کی طبیعت کے بابت دریافت کرنا چاہتی تھی مگر ایک جھجک اور شرم آڑے آرہی تھی۔
''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔'' مصطفیٰ جیسے ہی آئینے کے سامنے سے ہٹا اس نے ہمت کرکے پوچھ ہی لیا۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔
''بددعائیں تو بہت کی ہوں گی مگر بدقسمتی سے بچ گیا ہوں۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں بے پناہ سنجیدگی تھی۔
شہوار نے چونک کر دیکھا وہ پلٹ کر الماری کا پٹ کھول کر کھڑا ہوگیا تھا۔
''میں کیوں بددعائیں کرنے لگی آپ کے ساتھ ایسا حادثہ رونما ہو میں نے کبھی بھی ایسا نہیں چاہا تھا۔'' اس نے بہت دکھ سے کہا تھا مصطفیٰ نے سر گھما کر دیکھا۔
''بعض بددعائیں ضروری نہیں لفظوں کی صورت ہی ادا کی جائیں بعض اوقات دل سے نکلے لفظ بھی قبولیت کی سند پا جاتے ہیں میں اس حادثے سے پہلے تمہارا ایک ایک رویہ نہیں بھولا کہ خوش گمانیوں میں مبتلا ہو جاؤں۔'' مصطفیٰ کا انداز ایک دم سخت پتھریلا ہوگیا تھا۔ شہوار نے لب دانتوں تلے دبا لیے۔
وہ جو کچھ بھی تھا وہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی مگر مصطفیٰ کو کیسے سمجھاتی اس کے لیے سب سے اہم اور مشکل مرحلہ ہی بس یہی تھا کہ دل کے اندر جو جذبات تھے ان کو اس نے کبھی بھی زبان پر لانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔
''ایم سوری فار دیٹ۔'' اس نے خود پر جبر کرتے کہہ ہی دیا تھا۔ مصطفیٰ نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔
''آپ شاید اس بات پر خفا ہے کہ میں اسپتال نہیں آئی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا تھا مزید بھی کچھ کہنے والی تھی جب مصطفیٰ نے بہت برہمی سے الماری کا پٹ بند کیا تھا۔ شہوار ایک دم ساکت رہ گئی۔
''خفا؟'' وہ بہت غصے سے پلٹا تھا۔ شہوار نے لب بھینچ لیے۔
''میں سوچتا تھا کہ تمہارا جو بھی رویہ ہے یہ سب وقتی ہے جب رشتوں کا مان ملے گا تو سب نارمل ہو جائے گا میں نے بہت فیئر ہوکر یہ رشتہ نبھانا چاہا تھا مگر دوسری طرف ہمیشہ سرد رویہ ہی ملا تم اسپتال نہیں آئی اس رات میں نے کال کی تب بھی وہی گزشتہ رویہ برقرار تھا کیوں؟'' مصطفیٰ ایک دم اس کے سامنے آکر پوچھا تھا۔ شہوار نے کچھ کہنا چاہا اور پھر لب بھینچ لیے۔
''میں نے ہمیشہ اس رشتے کو انا نیت کا شکار ہونے سے بچایا ہے مگر اب اس مرحلے پر آکر جب مجھے سب سے زیادہ شدت سے تمہارے ساتھ اور تمہارے مثبت رویے کی ضرورت تھی تمہارا وہی سرد پن دیکھ کر میرے اندر پلتے تمام خوش گوار احساسات اور جذبات راکھ کا ڈھیر بن چکے ہیں ہر بار میں کیوں یہ ذلت برداشت کروں؟'' مصطفیٰ نے سرد لہجے میں یہ سب کہا تھا شہوار نے بہت گھبرا کر اسے دیکھا تھا۔
''مصطفیٰ میں......!'' مصطفیٰ کے کال ریسیو نہ کرنے پر اسے اندازہ تو تھا کہ وہ خفا ہوگا مگر اس قدر بدگمان ہوگا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔
اس نے کچھ کہنا چاہا تھا جب ملازمہ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی تھی۔ شہوار خاموش ہوگئی۔
''کھانا لگ گیا ہے بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔'' وہ اطلاع دے رہی تھی۔
مصطفیٰ ایک سرد نگاہ اس پر ڈالے کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف چل دیا تھا۔

○……❖❖……○

کاشفہ کو گھر شفٹ کر دیا گیا تھا اس کے باپ نے اس سے کئی بار اس کی حرکت کی وجہ پوچھی تھی مگر وہ ہر بار خاموش رہی تھی جواباً وہ اس پر چیخ چلا کر خاموش ہو گئے تھے۔

اس نے کل رات ولید کو کال کی تھی اس سے بات ہو رہی تھی پھر کال کٹ گئی تھی اور اس کے بعد ولید نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی وہ اس کی کال پک ہی نہیں کر رہا تھا۔ ایسے میں کاشفہ کو لگ رہا تھا کہ اس کے اندر شدید اضطراب اور جنونیت پیدا ہو رہی ہے اسے لگ رہا تھا کہ اگر ولید نے اس کی کال پک نہ کی تو وہ کچھ کر بیٹھے گی۔

وہ مسلسل نمبر ملا رہی تھی جب ایک بار کی کوشش آخر کار کامیاب ہو گئی تھی۔

''ولید......'' ولید کی آواز سن کر وہ ایک دم رونے لگی تھی۔

''آخر کیا مسئلہ ہے کاشفہ تمہیں؟'' وہ بہت غصے سے کہہ رہا تھا۔

''پلیز ڈونٹ اگنور می۔ میں مر جاؤں گی۔'' وہ ایک دم سے فریاد کناں ہوئی تھی۔

''ڈونٹ بی ایموشنل کاشفہ۔'' ولید نے ڈانٹ دیا۔

''میں نے کبھی بھی زندگی میں کسی مرد کے لیے ایسی فیلنگز محسوس نہیں کیں تم میری زندگی میں آنے والے واحد مرد ہو بے شک میری بہت سو سے دوستیاں رہی ہیں مگر تمہارے بعد کسی سے بھی نہیں میں تم سے سچی محبت کرتی ہوں پلیز تم مجھے ایسے مت دھتکارو۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تم جانتی ہو میری زندگی میں ایسی کسی بھی بات کی کوئی گنجائش نہیں۔''

''تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم اپنی فیانسی سے محبت کرتے ہو۔'' ولید کی بات پر اس نے بہت غصے سے کہا۔

''ہاں، آئی لو ہر، اینڈ شی لومی۔ بس یا اور بھی کچھ کہوں۔'' ولید نے بہت غصے سے کہا تھا۔

''تو تم نے مجھے کیوں بچایا مرنے دیتے، مر رہی تھی نا میں۔''

''میں تم لوگوں کی طرح بے حس نہیں ہوں، لیکن تم سے سلام دعا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ میں بہت زیادہ برداشت کر چکا ہوں اب نہیں کروں گا بھلے اب تم جو مرضی کرو۔'' کاشفہ کے چیخ چیخ کر کہنے پر ولید نے بھی کافی رکھائی سے کہا تھا۔

''وہ بلیڈی بچ تم مجھے اس کے لیے انکار کر رہے ہو اس ایک عام شکل وصورت والی لڑکی کے لیے، کیا ہے وہ میں چاہوں تو تباہ و برباد کر کے رکھ دوں اسے۔'' وہ انا کو گالیوں اور کوسنوں سے نوازنے لگی۔

''شٹ اپ، اب بہت ہو گیا، بہت برداشت کر لیا میں نے، میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن انا کے لیے ایک لفظ بھی نہیں۔'' بہت غصے سے کہہ کر کال بند کر دی گئی تھی۔

''ولید......ولید......!'' وہ پکارتی رہ گئی اس نے بہت غصے سے موبائل دیوار پر دے مارا تھا کمرے کی ہر چیز اٹھا اٹھا کر توڑنے لگی۔ شور کی آواز سن کر ڈیڈ، مام اور عادلہ تینوں آ گئے تھے۔ اسے جنونی انداز میں سب کچھ توڑتے دیکھ کر عبدالقیوم نے فوراً اسے تھاما تھا۔

''کاشفہ ہوش کرو، کیا کر رہی ہو تم؟'' انہوں نے سختی سے اسے اپنے شکنجے میں لیا تھا۔

''میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گی وہ مجھ سے میرا ولید چھین رہی ہے میں مار ڈالوں گی اسے وہ کہتا ہے وہ اس سے محبت کرتا ہے وہ مجھے اس لڑکی کے لیے ریجیکٹ کر رہا ہے میں ختم کر دوں گی اسے بھی اور خود کو بھی۔'' وہ جنونی انداز میں چیخ و پکار کر رہی تھی۔ مزاحمت کر رہی تھی۔ مام اور عادلہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ پوچھتے وہ بے ہوش ہو کر عبدالقیوم کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

○……❖❖……○

سارا دن تو جیسے تیسے گزر چکا تھا۔ مصطفیٰ کا رویہ وہی تھا اور وہ کمرے میں بند رہی تھی۔ شام ہوئی اور پھر رات، وہ کھانا کھانے باہر نکلی تھی کچھ وقت

سب کے ساتھ گزارا۔ مصطفیٰ اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ وہ صبا اور عائشہ کے ہمراہ لاؤنج میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ رات کے دس بج رہے تھے ماں جی کا وہاں سے گزر ہوا تو ان کو وہاں دیکھ کر رکیں ان کے ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ تھا۔

"رات ادھر ہی گزارنی ہے سونا نہیں کیا۔" انہوں نے ٹوکا تھا لائبہ بھابی اپنے کمرے میں جا چکی تھی دونوں پھپھو بھی اور باقی لوگ بھی جبکہ اسے ان دونوں کے پاس دیکھ کر انہیں اچھا نہیں لگا تھا۔

"جانے لگے تھے ماں جی۔" صبا فوراً کھڑی ہو گئی۔

"جاؤ شہوار مصطفیٰ انتظار کر رہا ہوگا۔" انہوں نے سنجیدگی سے اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر ٹوکا تو وہ ایک دم سرخ پڑ گئی تھی۔

انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں اسے جتایا تھا صبا اور عائشہ نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا وہ نظر چرا گئی تھی رخسار دہکنے لگے تھے۔

"جی۔" وہ خاموشی سے اٹھ گئی تھی۔ وہ لاؤنج سے نکلی تو ماں جی بھی پیچھے چلی آئیں۔

"چلو میں چھوڑ آتی ہوں۔" انہوں نے کہا تو شہوار کو اپنے قدم من من بھر کے لگنے لگے تھے۔

"شادی کے بعد یہ حادثہ ہو گیا، کوئی رسم کوئی نیگ کچھ بھی نہ کر سکے۔ مگر اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ تم مصطفیٰ سے دور رہو، میں دیکھ رہی ہوں تم دونوں میں بڑا کھنچاؤ ہے بیٹا جو بھی بات ہے اس کو بھول کر بس یہ یاد رکھو کہ تم اب ہمارے خاندان کا حصہ ہو، ہماری عزت ہو۔" انہوں نے ساتھ چلتے چلتے کہا تھا۔ شہوار خاموشی ہی رہی تھی۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئیں تو دیکھ کر چونک گئیں مصطفیٰ اپنے بازو اور کندھے کے زخموں کو صاف کر رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" شہوار تو وہیں رک گئی تھی ماں جی فوراً مصطفیٰ کی طرف بڑھی تھیں۔

"کچھ نہیں ویسے ہی زخم دیکھ رہا تھا ڈاکٹر نے مرہم دیا تھا وہ لگانا تھا۔" شہوار کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے مصطفیٰ نے کہا۔

"تو ڈاکٹر کو بلا لیتے خود کیوں کر رہے ہو۔" انہوں نے تشویش زدہ نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا جو ڈیٹول سے اپنے کندھے کا زخم صاف کر رہا تھا۔ بازو کا زخم اچھا خاصا خشک ہو چکا تھا۔

"اب رات کے اس وقت ڈاکٹر کو کیوں زحمت دیتا۔ چھوٹا سا کام تھا صرف مرہم ہی تو لگانا تھا۔ ماں جی۔" اس کا انداز سنجیدہ تھا۔ ماں جی نے سر گھما کر خاموش کھڑی شہوار کو دیکھا۔

"شہوار بھی تو ڈاکٹری پڑھ رہی ہے وہ لگا دیتی۔" انہوں نے کہا تو مصطفیٰ کا ہاتھ ایک لمحے کو رکا تھا۔ ایک سرد نگاہ کچھ فاصلے پر کھڑی شہوار پر ڈالی تھی۔

"میں کر لوں گا۔" سنجیدگی سے کہا۔

"شہوار تم خود دیکھو ذرا احتیاط سے میرا تو دل لرز رہا ہے زخم دیکھ کر ہی۔" ماں جی واقعی پریشان ہو رہی تھیں۔ شہوار تو خود ان کی بات پر گھبرا گئی تھی۔

"آؤ نا، دیکھو ذرا۔" ماں جی نے پھر کہا تو وہ آہستگی سے چلتی ہوئی قریب آ رکی تھی۔

"چھوڑو، شہوار میڈیسن لگا دیتی ہے۔" ماں جی نے مصطفیٰ کے ہاتھ سے روئی اور ڈیٹول کی شیشی لے لی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گرم نگاہ شہوار پر ڈالی تھی ماں جی کی بدولت وہ خاموش ہو گیا۔

شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا بغیر شرٹ کے اس کا سڈول جسم نمایاں تھا۔ اس نے آہستگی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو اپنے وجود میں ہی سرسراہٹ سی پیدا ہونے لگی تھی۔

اگر مہر النساء پاس کھڑی نہ ہوتیں تو شاید وہ کبھی بھی ہاتھ نہ لگا پاتی اس نے لرزتے ہاتھوں سے مصطفیٰ کے زخم کو چیک کیا تھا بازو کے زخم خشک ہو چکے تھے گولی جلد میں ہی لگی تھی سو مسئلہ نہیں ہوا تھا جبکہ کندھے پر لگنے والی گولی ہڈی کو لگی تھی ڈاکٹر نے آپریٹ کیا تھا اب چند دن تو لگنے ہی تھے زخم مندمل ہونے میں۔

شہوار نے احتیاط اور دھیان سے کندھے کے زخم کے سوراخ میں روئی کی مدد سے میڈیسن فل کی تھی اور پھر اس کے اوپر بینڈ ایج کر دی تھی جبکہ بازو کے زخموں پر ویسے ہی مرہم لگا کر پٹی باندھ دی تھی۔ اس سارے عمل کے دوران اس کے ہاتھ مسلسل کانپتے رہے تھے۔

وہ اسپتال میں یہ کام آسانی سے کر لیتی تھی مگر آج پہلی بار وہ یوں کنفیوژ ہو رہی تھی مصطفیٰ لب بھینچے سر جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ ماں جی نہ ہوتیں تو شاید اس کا ردعمل کچھ اور ہی ہوتا۔

”کل وقت پر اپنے بابا کے ساتھ جا کر زخم چیک کرا آنا۔“ جیسے ہی مرہم پٹی کا کام نمٹا ماں جی نے بیٹے کو کہا۔

”دیکھوں گا۔“ مصطفیٰ بھی جیسے مارے باندھے بیٹھا ہوا تھا شہوار کے ہاتھ رکتے ہی وہ اٹھ کر بستر کی طرف بڑھا اور وہاں پڑی شرٹ اٹھا کر پہن لی۔

”ویسے بھی میں نے بہت دن آرام کر لیا ہے کل سے میرا ارادہ آفس جوائن کرنے کا ہے۔“ شرٹ پہنتے اس نے ماں جی کو اطلاع دی تھی۔

”لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ تم نے دس پندرہ چھٹیاں لی ہوئی ہیں۔“ ماں جی نے حیرت سے کہا۔

”میں نے آفیسرز سے بات کر کے کینسل کرا دی ہیں۔“ شرٹ پہننے کے بعد اس نے کہا۔

شہوار نے خاموشی سے میڈیسن مرہم اور فرسٹ ایڈ کا سامان اکٹھا کر کے ڈریسنگ پر ایک جگہ رکھ دیا اور خود واش روم میں ہاتھ دھونے چلی گئی تھی۔

”ابھی تو تمہارے زخم بھی کچے ہیں ایسے کیسے آفس جوائن کر لیا تم نے تمہارے بابا سے بات کرتی ہوں میں، ابھی شادی کو چند دن ہوئے ہیں اور تم آفس جانا شروع کر رہے ہو۔“ مہر النساء کو اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ سو ناراضگی سے بولیں۔

”ماں جی میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس بیڈ ریسٹ سے پلیز کوئی بحث نہیں ہو گی اب وہاں بہت سارا کام میرا منتظر ہے، ویسے بھی اب پہلی فرصت میں مجھے یہ پتا کرانا ہے کہ آخر کس نے اتنی جرأت کر لی مجھ پر رات کے اندھیرے میں گولیاں چلانے کی۔“ اس کے لہجے میں تلخی تھی ماں جی نے ایک گہرا سانس بھرا۔

شہوار ہاتھ دھو کر باہر آئی تو مصطفیٰ ہاتھ دھونے واش روم میں گھس گیا۔

”بیٹھو ادھر، تم سے بات کرنی ہے۔“ ماں جی نے کہا تو وہ ان کو دیکھتی بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

”دیکھو بیٹا! شادی کے بعد اس حادثے کی وجہ سے جو بھی حالات ہوئے مگر یہ سچ ہے کہ ہم بہت ارمانوں سے بیاہ کر تمہیں لائے تھے اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو سبھی دیکھتے ہم کیسے تمہارا سواگت کرتے مگر اب جو بھی ہے اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔ ویسے بھی اللہ نے مصطفیٰ کو زندگی دی ہے اللہ صحت سے نوازے باقی ارمان تو ساری عمر پورے ہوتے ہی رہیں گے۔“ ماں جی بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔

مصطفیٰ بھی ہاتھ دھو کر باہر آ گیا تھا چہرے کے عضلات میں واضح کھنچاؤ تھا۔

ماں جی نے ہاتھ میں پکڑے بیگ سے دو کنگن نکال کر اس کے دونوں ہاتھوں میں پہنائے تھے۔

”بہت سارے ارمان ہیں ان شاء اللہ سارے پورے کریں گے۔ یہ تمہارا میری طرف سے رونمائی کا تحفہ، بس چند دن گزر جائیں پھر مصطفیٰ بھی مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے گا تو ولیمے کی تقریب بھی کر لیں گے۔“ اس کے بازوؤں میں کنگن پہنائے انہوں نے محبت سے کہا۔

”ماشاء اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے اور ڈھیروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔“ انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسا لیا اور پھر اٹھ کر خاموش کھڑے مصطفیٰ کے پاس جا رکی تھیں۔

”ہم نے تابندہ سے وعدہ کیا تھا کہ شہوار کو کبھی کوئی کمی محسوس نہ ہونے دیں گے۔ حقیقی بیٹیوں سے بڑھ کر چاہیں گے۔ آج سے شہوار تمہاری ذمہ داری ہے اس کا بہت خیال رکھنا بیٹا۔“ مہر النساء نے مصطفیٰ کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ مصطفیٰ خاموش رہا تھا کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔ انہوں نے بغور دونوں کو دیکھا اور پھر آرام کرنے کا کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔

ان کے جانے کے بعد مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور واپس پلٹتے اس نے شہوار کو دیکھا وہ سر جھکائے اپنے ہاتھوں میں موجود کنگنوں کو دیکھ رہی تھی۔ تبھی اس کا موبائل بجنے لگا تھا مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا تھا۔

”ہاں امجد خان کیا خبر ہے؟“ وہ کہہ کر کچھ پل دوسری طرف کی بات سننے لگا تھا۔ شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا وہ بستر کے دوسرے کنارے پر بیٹھ گیا تھا۔

"تو" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اگر یہ اطلاع کنفرم ہے تو وہ کہاں غائب ہے پھر امجد کچھ بھی کرو مجھے وہ شخص ہر حال میں چاہیے مجھ پر حملہ کرنا اتنا آسان نہ تھا اس نے ساری پلاننگ کے بعد حملہ کیا تھا۔" مصطفیٰ کے لہجے میں تلخی تھی۔

"وہ جانتا تھا کہ ہم اس رستے سے گزرنے والے ہیں اور وہ اکیلا نہ تھا پتا کراؤ اس کا اس کے ساتھ اور کون کون شامل تھا۔" مصطفیٰ نے ایک دم افسرانہ تحکم سے کہا۔ شہوار نے فوراً اندازہ لگایا کہ کس بارے میں بات ہو رہی ہے۔

"ہاں میں صبح آفس جوائن کر رہا ہوں، چھوڑو امجد اتنے دن آرام ہی تو کر رہا تھا تم جانتے ہو مجھے یہ چھوٹے موٹے زخم کچھ نہیں کہتے۔" مصطفیٰ کا انداز بے پروا تھا۔

"بابا سے میں بات کر لوں گا۔ ڈونٹ وری، میں سیکیورٹی میں رہ کر اپنے آپ کو پابند نہیں کر سکتا۔ میں نے آج بابا سے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ سیکیورٹی ختم کرائیں میرے دشمن سمجھیں گے کہ میں کوئی ڈرپوک انسان ہوں جو اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔" تلخی سے کہتے اس نے سرسری سی نگاہ شہوار کی طرف ڈالی جو ابھی تک اپنے ہاتھ مسلتے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

اسے دیکھتے مصطفیٰ کے چہرے کے عضلات کھنچاؤ کا شکار ہو گئے تھے۔

"اوکے ٹھیک ہے صبح تفصیلی بات ہو گی، اس کے دوستوں پر کڑی نگاہ رکھو خصوصاً اس شہزاد پر اگر اس کی سرگرمیاں مشکوک ہو رہی ہیں تو کوئی وجہ تو ہو گی نا۔" مصطفیٰ نے کہہ کر کال بند کر دی تھی اور پھر شہوار کو دیکھا اس نے بھی کال بند ہونے کے بعد سر اٹھا کر دیکھا مگر مصطفیٰ کو متوجہ پا کر فوراً سر جھکا گئی تھی۔ رخسار ایک دم سرخ ہو گئے تھے مصطفیٰ کے اندر پھر ابال اٹھا تھا۔

"زندگی میں اگر بعض فیصلے اتنے ناگوار لگ رہے ہوں تو انسان کو وقت پر حتمی فیصلہ کر لینا چاہیے۔" مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھتے تلخی سے کہا۔ شہوار نے ایک دم چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔

"مجھے نفرت ہے ایسے لوگوں سے جو اپنی نفرت میں اوروں کی زندگیوں سے کھیل جاتے ہیں۔" مصطفیٰ نے سلگتے انداز میں کہا تو شہوار نے حیرانی سے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ تو مصطفیٰ کے تیور دیکھ کر ہی حیران رہ گئی تھی۔

"مطلب تو آپ اچھی طرح سمجھ چکی ہوں گی میں حیران ہوں کوئی انسان اس قدر بے حس بھی ہو سکتا ہے کہ کسی موت کی سرحد پر پہنچے ہوئے شخص کے سامنے دنیاداری کے لیے نیک خیالات کا اظہار کرنا تو دور کی بات بے حسی کی انتہا کر دی جائے۔" مصطفیٰ تو اندر سے بھرا ہوا تھا۔ ایک دم اس کے الفاظ پر پھٹا تھا۔ شہوار ایک دم سٹپٹا سی گئی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لب وا کیے مگر پھر بھینچ لیے۔

"میں نے نجانے کن خوش فہمیوں کے سائے میں چلتے یہاں تک کا سفر طے کیا تھا اور پھر تمہارے رویوں نے میرے دل میں موجود تمام خوش کن جذبات و احساسات کو ان گزرے چند دنوں میں اس طرح نوچ کر باہر پھینک دیا ہے کہ اب میں تمہیں سامنے دیکھتا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہیں اس گھر سے ہی نہیں اپنی زندگی سے بھی بے دخل کر دوں۔" مصطفیٰ کا لہجہ ایک دم سخت اور غصیلا تھا۔

وہ پچھلے تین چار دنوں سے نجانے خود پر کیسے جبر کر رہا تھا اپنے غصے کو دبا رہا تھا شہوار نے ایک دم ڈر کر اسے دیکھا۔

اتنا غصہ؟ وہ حیرت زدہ تھی۔

"مگر مجھے اپنے والدین کی محبت یہ سب سہنے پر مجبور کر رہی ہے شہوار بیگم ورنہ جس طرح تم نے ان تین چار دنوں میں میری ذات کو بری طرح رد کیا ہے میری جگہ کوئی عام ضبط کا مالک انسان ہوتا تو ایک پل میں فیصلہ کرتا۔" مصطفیٰ کی تلخی آگ کے شعلوں میں لپٹی ہوئی تھی۔

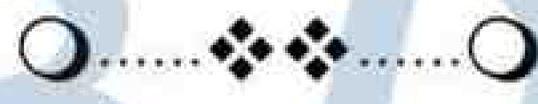
شہوار تو گم صم سی ہو گئی تھی وہ مصطفیٰ کا یہ روپ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک عرصہ سے ناگواری، بدگمانی و احساس کمتری والے رویے لیے ہوئے تھی شادی کے نزدیک آ کر اس نے خود کو سمجھا کر خود کو بدلنا شروع کیا تھا مگر اس حادثے نے تو جیسے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا اب دل کی حالت جو بھی تھی مگر اس کے باوجود وہ اپنے پرانے خول سے باہر نہیں نکل پا رہی تھی چاہ کر بھی نہیں۔

وہ تو بس اسی مڈ بھیڑ میں رہی کہ وہ مصطفیٰ کا سامنا کیسے کرے گی؟ کیسے اس کی زخمی حالت کو برداشت کرے گی۔ ایک عرصہ ناگواری کی فضا قائم رکھی تھی اب ایک دم محبت کے رستے پر کیسے چل دیتی اسے سنبھلنے اور سب کچھ قبول کرنے کو کچھ وقت چاہیے تھا اور اب جبکہ وہ سب کچھ قبول کر رہی تھی تو مصطفیٰ کا یہ رویہ۔ اس نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

اس کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے بہت کچھ تھا مگر اس وقت مصطفیٰ کے تیوروں کے سامنے وہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے اسی طرح لب دبائے دیکھا تو ایک دم لب بھینچ کر اپنا موبائل اٹھا کر تیزی سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

شہوار نے از حد بے یقینی سے مصطفیٰ کو باہر جاتے دیکھا تھا۔ وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی تھی۔ وہ ہمیشہ غلطی کرتی تھی اور اب جبکہ وہ واپس اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی تو مصطفیٰ کے اس رویے نے اسے ساکن کر دیا تھا۔

مصطفیٰ اسے کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر اپنے دل کی بھڑاس نکال کر کمرے سے جا چکا تھا اور اندر وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے شدت سے سسک اٹھی تھی۔



پتا نہیں رات کیسے گزری تھی وہ تو ساری رات اسی طرح گم صم بستر کے کنارے بیٹھی رہی تھی فجر کی اذان ہونے لگی تو وہ واش روم میں گھس گئی۔

فجر کے قریب مصطفیٰ کمرے میں آیا اور کمرے میں اسے موجود نہ پا کر ایک پل کو چونکا اور پھر واش روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر وہ لب بھینچ کر لائٹ آف کرتے بستر پر لیٹ گیا۔ شہوار وضو کر کے کمرے میں لوٹی تو لائٹ آف دیکھ کر چونکی تھی۔ یعنی مصطفیٰ کمرے میں آ چکا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر نائٹ بلب روشن کیا تو مصطفیٰ نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ شہوار اس کمرے میں ایک دو بار ان پچھلے تین چار دنوں میں نماز ادا کر چکی تھی سو آرام سے ایک طرف دراز میں رکھا جائے نماز نکال کر وہ بچھا کر نماز ادا کرنے کھڑی ہو گئی تھی۔

مصطفیٰ اس طرح لیٹا رہا تھا گویا رات وہ دل کی بھڑاس نکال کر اب خاموشی اختیار کر چکا تھا۔ نماز ادا کر کے وہ کافی دیر تک جائے نماز پر ہی بیٹھی رہی تھی۔ دعا مانگتے اس کی آنکھیں کئی بار بھیگی تھیں۔

مصطفیٰ کی موجودگی کا احساس کرتے وہ خود کو رونے سے بمشکل باز رکھ رہی تھی۔ ورنہ مصطفیٰ کے رات والے رویے نے اسے بے چین کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ جائے نماز لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی جائے نماز اس کی جگہ پر رکھتے اس نے مصطفیٰ کی طرف نگاہ کی۔

وہ چہرے پر دایاں بازو رکھے چت لیٹا ہوا تھا۔ نجانے سو گیا تھا یا جاگ رہا تھا۔ اس نے ایک دو پل اسے دیکھا تھا اور پھر آہستگی سے چلتے نائٹ بلب آف کرتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

اسے یاد آ رہا تھا نکاح کے بعد جب اس کا مصطفیٰ سے سامنا ہوا تھا تو مصطفیٰ اس کی تمام باتوں کے جواب میں بہت بری طرح پیش آیا تھا اور پھر وہ کمرے سے واک آؤٹ کر گیا تھا اور اس کے بعد جب بھی سامنا ہوا اس کا رویہ بہت غصیلا تھا۔ پھر وہ شہر واپس آ گئی تھی اور پھر آہستہ آہستہ مصطفیٰ کا غصیلا انداز ختم ہو گیا تھا مگر رات مصطفیٰ کا جو رویہ تھا وہ اس رویے سے زیادہ تکلیف دہ تھا جو وہ اس کے ساتھ رکھتی رہی تھی۔ وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھی رہی اور پھر اندھیرا مکمل طور پر ختم ہوا تو وہ اٹھ کر اندر کی طرف آ گئی تھی۔

راہداری سے گزرتے وہ لاؤنج کی طرف آئی تو وہاں مہرالنساء قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔

''السلام علیکم!'' اس نے سلام کیا تو انہوں نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا تھا وہ آہستگی سے ان کے پاس آ کر رکی تھی انہوں نے قرآن پاک بند کرتے اسے دیکھا۔

''مصطفیٰ اٹھ گیا؟'' وہ شاید سمجھ رہی تھیں کہ وہ کمرے سے آئی ہے اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ انہوں نے ایک دو پل اسے بغور دیکھا۔

''سب ٹھیک ہے نا۔'' انہوں نے تشویش سے پوچھا تھا وہ چونکی تھی انہیں متوجہ دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔

''جی۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

وہ پھر تلاوت کرنے میں لگ گئی تھیں۔ انہوں نے زیادہ کرید نہیں کی تھی۔ کچھ دیر بعد معمول کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ وہ دوبارہ کمرے میں

بھی نہیں گئی تھی اسی طرح کسی نہ کسی کے پاس بیٹھی رہی تھی نئی نویلی دلہن تھی کوئی کام تو تھا نہیں۔اس نے سوچا مصطفیٰ تو گھر آ گیا ہے اور کوئی کام بھی نہیں وہ کالج ہی چلی جائے خوامخواہ لایعنی سوچوں سے تو کم از کم چھٹکارا ملے گا۔

وہ یہی پوچھنے کچن میں چلی آئی تھی مہر النساء ملازمہ کو ناشتہ تیار کرنے کی ہدایت دے رہی تھیں۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ میں آج کالج چلی جاؤں۔''اس نے مہر النساء سے کہا۔

''ابھی تو شادی کو چند دن ہوئے ہیں بیٹا۔''انہوں نے محبت سے کہا۔

''مگر میں فنکشن سے پہلے بھی کافی چھٹیاں کر چکی ہوں بہت حرج ہو رہا ہے میرا۔''اس نے کہا۔

''مصطفیٰ کل ہی اسپتال سے آیا ہے ایک دو دن تک مت جاؤ پھر چلی جانا۔''انہوں نے کہا۔

''مگر وہ بھی آج آفس جا رہے ہیں رات آپ کو بتا تو چکے تھے کہ چھٹیاں کینسل کروادی ہیں انہوں نے۔''اس نے دھیمے سے کہا۔

''ایسے کیسے کروادی، ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوا ہے میں نے منع بھی کیا تھا اسے۔''وہ پریشان ہوگئی تھیں۔شہوار خاموش رہی تھی۔

''میں اس کے بابا سے بات کرتی ہوں۔وہ ہی سمجھائیں گے۔''

''میں پھر آج سے کالج چلی جاؤں نا۔''اس نے پھر کہا تھا انہوں نے بغور دیکھا کچھ کہنا چاہا اور پھر خاموش ہوگئیں۔

''میں مصطفیٰ سے بات کرلوں پھر بتاتی ہوں۔''کچھ توقف کے بعد انہوں نے کہا۔

''ویسے مصطفیٰ سے پوچھا وہ کیا کہہ رہا ہے۔''

''نہیں ابھی ان سے بات نہیں کی سوچا پہلے آپ سے اجازت لے لوں۔''

''جیتی رہو۔''وہ ایک دم اس کی فرمانبرادری پر نہال ہوگئی تھیں۔ساتھ لگا کر پیشانی چوم لی۔

''چلو ٹھیک ہے کالج چلی جانا مگر مصطفیٰ سے بھی پوچھ لینا۔''انہوں نے مشروط اجازت دے دی تھی۔

وہ اپنے روم میں آ گئی تھی۔

اس نے تمام چیزیں تلاش کرکے ایک جگہ اکٹھی کی اور لباس نکال کر رکھا۔اس نے سوچا کہ وہ ذرا ٹھہر کر کالج جائے گی۔

رات والے مصطفیٰ کے رویے کے بعد وہ مصطفیٰ کا سامنا کرنے سے خوف زدہ تھی مگر اس نے سوچا کہ ایک بار اس کو بتانا تو ضرور چاہیے نا۔وہ کمرے میں آئی تو ماں جی اور شاہزیب صاحب پہلے سے ہی وہاں موجود تھے مصطفیٰ شاید آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کوئی بحث چل رہی تھی۔

''بابا جان کچھ نہیں ہوتا، پھر امجد خان بھی ساتھ ہوگا، گھر رہ کر بھی میں کیا کرتا۔''اسے دیکھ کر مصطفیٰ نے جھنجلا کر کہا۔شہوار اندر آ گئی تھی۔

''بھلے کچھ نہ کرے، تمہاری دونوں پھوپیاں ابھی موجود ہیں بہنیں ادھر ہیں سب کے ساتھ وقت گزارتے سب سے بڑھ کر شہوار کے ساتھ۔''شاہزیب صاحب نے صاف بات کی تھی، مصطفیٰ کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

''مگر میں چھٹیاں کینسل کرا چکا ہوں۔''اس نے ضبط کرتے کہا۔

''یہ اتنا بڑا ایشو نہیں ہے میں آفیسرز وغیرہ سے بات کر لیتا ہوں ویسے بھی تمہاری صحت سے بڑھ کر تو کچھ بھی اہم نہیں ہے۔''شاہزیب کا انداز دو ٹوک تھا۔

''چلیں وعدہ جلدی گھر لوٹ آؤں گا مگر آفیسرز سے بات مت کریں۔''شاہزیب صاحب کے حتمی انداز پر وہ کچھ دھیما پڑا تھا۔

''دیکھو، مصطفیٰ میں اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتا مجھے تمہارے اس رویے سے بہت خوف آتا ہے۔ہر کام بہت غصے سے کرنے والا نہیں ہوتا۔میں جانتا ہوں تم ایاز کو تلاش کرا رہے ہو، امجد مجھے پل پل کی رپورٹ دے رہا ہے مگر جلد بازی میں، میں نہیں چاہتا کہ تمہیں پھر سے کوئی نقصان پہنچے۔''شاہزیب صاحب کا انداز مصالحت پر مبنی تھا۔مصطفیٰ نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔وہ ہماری لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھا گیا ہے مگر ہر بار اس کا وار کامیاب ہو ضروری بھی نہیں۔''اس کے لہجے میں تنفر تھا غصے کی لپٹیں تھیں جیسے بمشکل خود پر قابو پا رہا ہوں۔''

"مگر اپنے دشمن کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔" شاہزیب صاحب نے کہا۔

"باقی بحث بعد میں اٹھا رکھیے گا۔ میں جلدی گھر آ جاؤں گا۔" مصطفیٰ کا انداز حتمی تھا۔ وہ بستر پر پڑا اپنا لباس لے کر واش روم میں گھس گیا۔

شاہزیب صاحب نے اسے اور پھر مہر النساء کو دیکھا جن کے چہرے پر تشویش تھی۔

"پریشان نہ ہو، مصطفیٰ کوئی بچہ نہیں، میں سیکیورٹی کا خاص خیال رکھوں گا بس ہماری لاعلمی میں یہ حادثہ ہو گیا مگر اب ایسا نہیں ہو گا آپ بھی جانے دیں وہ جو ٹھان چکا ہے کر کے ہی رہے گا۔" انہوں نے تسلی دی تھی مہر النساء بیگم نے سر ہلا دیا۔

"شہوار بھی کالج جانا چاہ رہی ہے جانے دوں یا رہنے دوں۔" انہوں نے شہوار کو دیکھتے پوچھا۔

"ظاہر ہے کالج تو جانا ہے نا۔"

"مگر مجھے تو اس ایاز سے ڈر لگا رہتا ہے۔ دونوں گھر سے باہر چلے گئے تو سارا دن میرا دل ہی ہولتا رہے گا۔ جس طرح اچانک اس نے یہ سب کیا ہے نجانے اب کیا کر دے ہے بھی روپوش کوئی سراغ بھی تو نہیں مل پا رہا، بد بخت کا۔"

"ہم اپنی نگرانی میں شہوار کو پک اینڈ ڈراپ کروا لیں گے جب تک مصطفیٰ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتا، پھر وہ خود تو ہو گا ہی خود ہی خیال رکھ لے گا۔" شاہزیب صاحب نے کہا۔ مصطفیٰ بھی لباس بدل کر واپس کمرے میں آ گیا تھا۔ اس نے شوز پہنے، پھر بال سنوارنے لگا سبھی نے خاموشی سے دیکھا۔

"امجد کو میں کال کر دیتا ہوں وہ خود ہی تمہیں پک کر لے گا۔ ابھی تم ڈرائیو کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو اور نہ ہی میں رسک لے سکتا ہوں۔" شاہزیب صاحب نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

"اور ہاں شہوار بھی آج سے کالج جا رہی ہے۔" بالوں میں برش چلاتا مصطفیٰ کا ہاتھ ایک پل کو ٹھٹکا تھا۔

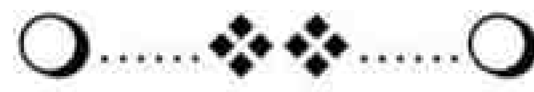
"اسے میں خود ڈراپ کر دوں گا اور جب تک تمہارا بازو ٹھیک نہیں ہو جاتا یہ پک اینڈ ڈراپ میری ذمہ داری ہو گی بعد میں تم خود دیکھ لیا کرنا۔" انہوں نے مزید کہا تو مصطفیٰ نے بغیر کچھ کہے برش ڈریسنگ پر زور سے رکھا۔ شہوار نے چونک کر دیکھا ایک پل کو نگاہ ملی تھی۔ برہمی، غصہ اور جھنجلاہٹ سبھی کچھ تو تھا۔ مصطفیٰ نے غصے سے نگاہ پھیر لی تھی۔

"میں ریڈی ہوں آپ امجد کو کال کر دیں مجھے آدھ گھنٹے میں پک کر لے۔" سنجیدگی سے باپ کو کہا۔

"ناشتہ کرو گے نا؟" ماں جی نے محبت سے پوچھا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے ہاں میں سر ہلایا۔ وہ شہوار کو مکمل طور پر نظر انداز کر رہا تھا۔ گویا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

"چلو آؤ، ناشتہ تیار ہے تم کر لو۔" انہوں نے کہا تو مصطفیٰ ایک طرف بستر پر پڑا اپنا موبائل، والٹ، لیپ ٹاپ اور کچھ فائلز اٹھا کر باہر نکل گیا تھا۔

"تم بھی آ جاؤ......مل کر ناشتہ کر لو۔" مصطفیٰ کے ساتھ جاتے جاتے پلٹ کر انہوں نے کہا تو وہ محض سر ہلا گئی تھی۔



وہ آج ذرا لیٹ اٹھی تھی۔ ناشتے کے لیے روم سے باہر آئی تو ماما کے سوا سبھی جا چکے تھے وہ سارا دن گھر رہ کر بوریت کا شکار ہونے کا سوچتے تیار ہونے چلی گئی تھی۔ اتنی دیر میں ڈرائیور بابا اور احسن بھائی کو چھوڑ کر واپس آ چکا تھا۔ ماما کا بوتیک بارہ بجے کے قریب کھلتا تھا۔ سو وہ ڈرائیور کو لے کر کالج چلی آئی تھی۔

آج کل اس کا ایک بار پھر سے ولید سے موڈ تبدیل ہو چکا تھا۔

وہ ولید سے بات نہیں کر رہی تھی اور ہمیشہ کی طرح بار بار پوچھنے کی بجائے ولید بھی اس بار خاموش تھا۔ اس بار اس کے اندر یہ تبدیلی ضرور رونما ہوئی تھی کہ اس کے موڈ کی خرابی صرف ولید کی ذات تک محدود رہی تھی۔ باقی لوگوں کے ساتھ وہ اپنا موڈ درست رکھے ہوئے تھی۔

وہ کالج آئی تو شہوار کو دیکھ کر ٹھٹک گئی وہ ساری کلاس فیلوز میں گھری ہوئی تھی۔ وہ ایک دم بے قرار ہو کر اس کی طرف بڑھی تھی شہوار بھی گویا اس کی منتظر تھی یوں ملی جیسے برسوں کی بچھڑی ہوئی ہوں۔

''کیسی ہو؟'' اس نے شہوار سے پوچھا۔
ہاتھ پاؤں کی مہندی کے مدہم سے نقوش اور خوب صورت لباس وہ بہت دل کش لگ رہی تھی۔
''ٹھیک ہوں چلو آؤ کہیں سکون سے بیٹھتے ہیں۔'' وہ کافی دیر سے کلاس فیلوز میں پھنسی ہوئی تھی۔ ہر کوئی اس کی غیر موجودگی کی وجہ جان کر حیران ہو رہا تھا وہ کب سے ان کے سوالوں کے جوابات میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ باقی لڑکیوں سے معذرت کر کے انا کو لیے ایک علیحدہ گوشے میں آ بیٹھی تھی۔
''کہاں تھیں تم میں کب سے ویٹ کر رہی تھی؟'' اس نے انا کو پوچھا۔
''میرا آج موڈ نہیں بن رہا تھا پھر اچانک بنا تو چلی آئی یہ تو اب جان پائی ہوں کہ تمہارے وجود کی کشش یہاں تک کھینچ لائی تھی۔'' محبت سے شہوار کو دیکھتے اس نے کہا شہوار اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔
''مصطفیٰ بھائی کا سنا تھا وہ گھر شفٹ ہو گئے ہیں تم سناؤ کیسے ہیں وہ اب؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا تو اس کی بات پر نسبتاً اس کا چہرہ ایک دم ماند پڑا تھا۔
''ٹھیک ہیں وہ۔'' اس نے بمشکل مسکرانے کی کوشش کی تھی۔
''اتنی جلدی انہوں نے تمہیں کالج آنے کی اجازت دے دی کیا؟'' انا نے مسکرا کر پوچھا۔
''وہ خود بھی آج آفس چلے گئے تھے میں گھر رہ کر کیا کرتی ویسے بھی بور ہو رہی تھی۔''
''ہائے اتنی جلدی، ابھی تو میرا خیال ہے ان کے زخم بھی ٹھیک سے مندمل نہیں ہوئے ہوں گے۔'' انا کو مصطفیٰ کے آفس جانے کا سن کر حیرت ہوئی تھی۔
شہوار خاموش رہی تھی۔ وہ اپنی ہر بات انا سے ڈسکس کرتی رہی تھی مگر اب اس مقام پر آ کر مصطفیٰ کا رویہ اس سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔
''تم سناؤ اسٹڈی کیسی جا رہی ہے۔''
''تمہارے بغیر بہت بوریت ہو رہی تھی بس یہ لیکچر اور وارڈ کی ڈیوٹی اسی طرح کی روٹین تھی۔ پھر پیشنٹ ہسٹری پر کام، بس بہت ڈل ہو رہی ہوں میں آج کل تم آ گئی ہو تو پھر روٹین اسٹارٹ ہو جائے گی۔''
''ہاں اب روزانہ آیا کروں گی ہو سکتا ہے ایک دو بار امی سے ملنے گاؤں جاؤں اس کے علاوہ اور کوئی غیر ضروری چھٹی نہیں کروں گی اب، ویسے بھی اس ایئر میں آ کر میں بہت چھٹیاں کر چکی ہوں انکل نے اٹینڈنس کی طرف بے فکر ہونے کو کہا تھا کچھ چیئرمین صاحب بھی جاننے والے ہیں تو مسئلہ نہیں ہو گا مگر ان چھٹیوں کے دوران جو حرج ہوا ہے سیکھنے کا جو کام تھا وہ اب مشکل ہی کور ہو گا۔''
''ہو جائے گا کور، سب گروپ ممبرز مل کر کر لیں گے تم ٹینشن نہ لو۔''
''مگر جو چیز پریکٹس سے سیکھی جا سکتی ہے وہ ڈسکشن سے تو حاصل نہیں ہو سکتی نا۔''
''اور کچھ پتا چلا کہ کس نے حملہ کیا تھا؟'' انا نے ٹاپک بدل دیا تھا۔
''ایاز کے سوا کون ہو سکتا ہے بھلا؟'' شہوار نے تلخی سے کہا۔
''سبھی کو یقین ہے کہ یہ کام کرنے والا صرف اور صرف ایاز ہی ہے اور اس کے خلاف ہی تمام شواہد اکٹھے ہو رہے ہیں مگر وہ کہیں غائب ہے ہاتھ نہیں لگ رہا۔''
''مجھے یقین ہے اگر اب کی بار مصطفیٰ بھائی کے ہاتھ لگ گیا تو بچ نہیں پائے گا۔'' انا نے کہا۔ اس نے سر ہلایا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔
''تم لوگوں نے لیکچر اٹینڈ نہیں کرنا؟'' ان لوگوں کے گروپ کی ہما ادھر ہی آ گئی تھی۔
''ہاں بس جانے ہی والے تھے۔'' انا نے کہا۔
پہلا لیکچر بنک ہو گیا تھا سو اب دوسرا شروع ہو رہا تھا دونوں ہی اکٹھی کھڑی ہوئی تھیں۔

○……❖❖……○

مصطفیٰ اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا امجد اس کے سامنے موجود تھا اور تمام معلومات ڈسکس کر رہا تھا۔

''ایاز اور اس کے تمام ساتھیوں پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی ہے۔ بس صرف شہزاد ہی ہے جس کے متعلق آج کل مشکوک رپورٹ ملی تھی۔ اس کے چوکیدار اور ڈرائیور وغیرہ سے بھی معلومات لی گئی ہیں مجھے لگتا ہے شہزاد جانتا ہے کہ ایاز کہاں ہوگا۔''

''تو شہزاد کو خاموشی سے اٹھوا لو اور باز پرس کر لیتے ہیں۔'' مصطفیٰ کا دوٹوک انداز تھا۔

''پہلے میرا بھی یہی ارادہ تھا مگر آج مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ آج صبح کی فلائٹ سے دوبئی روانہ ہو چکا ہے صبح پانچ بجے کی فلائٹ تھی۔''

''اوہ......'' مصطفیٰ ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔

''آپ نے لالا رخ کے کیس کی فائل مانگی تھی سب ڈیٹیلز اس میں موجود ہیں۔ آپ چیک کر لیجیے گا۔'' امجد نے فائل مصطفیٰ کے سامنے رکھ دی تھی۔

مصطفیٰ نے فائل کھول لی تھی۔ سب پیپرز پر نظر دوڑائی تھی اور پھر امجد خان کو دیکھا تھا۔

''او کے میں اس کو فارغ وقت میں دیکھوں گا۔ ابھی تو ان چند دنوں میں ہونے والی تمام کارروائیوں کی ڈیٹیلز دو اور جو لوگ ملنا چاہتے ہیں ان کو بھیج دو۔'' مصطفیٰ نے فائل دراز میں رکھ دی۔

وہ آج کتنے دن بعد آفس آیا تھا اس سے ملنے والوں اور باقی لوگوں کی کافی تعداد بھی جو صبح سے کال کر رہی تھی۔ کچھ کے کیسز تھے کچھ کے مسائل۔ وہ صبح سے بزی تھا۔

''وہ تو سب ہو ہی جائے گا مگر شاہزیب صاحب نے سختی سے کہا تھا کہ آپ کو زیادہ کام نہیں کرنے دیا جائے، آپ ملاقات وغیرہ رہنے دیں میں دیکھ لوں گا آپ نے چیک اپ کے لیے بھی جانا تھا شاہزیب صاحب کا فون آیا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ آپ کو گارڈز کے ہمراہ اسپتال بھیجوں وہ بھی وہاں پہنچ رہے ہیں۔'' امجد کو اس کی حقیقی طور پر فکر تھی مصطفیٰ نے اسے سنجیدگی سے دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔

......❖......

ساجدہ گھر کی صفائی کے بعد مشین لگا کر کپڑے دھونے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر خالہ بی کے پاس بیٹھی رہی اور پھر خالہ بی سے اوپر والے حصے کی چابیاں لیے سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گئی تھی۔ وہ جب سے واپس آئی تھیں آج پہلی بار ان بند دروازوں کو کھول رہی تھیں۔

دو کمرے تھے انہوں نے لاک کھول کر دروازے کھولے تو بند کمروں کے اندر سے حبس اور سیلن کی بو سے فوراً باہر کی راہ لی تھی۔ شاید کافی دن سے ان کمروں کو کھولا نہیں گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے کے اندر چلی آئی تھیں۔ لائٹ جلائی تو اندازہ ہوا کہ لائٹ موجود نہ تھی۔ انہوں نے ویسے ہی کمرے میں بغور دیکھا۔

پلنگ، کرسیوں، میز ہر چیز پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی کمرے میں جگہ جگہ جالے لگے ہوئے تھے انہوں نے چند پل کھڑے ہو کر بڑے کرب سے ہر چیز کو دیکھا تھا۔

''یہ چھوٹا سا گھر میرے لیے کسی جنت سے کم نہیں، یہاں میں ہوں سکندر اور ہمارے بچے ہیں ایک عورت کو اور کیا چاہیے، دنیا کی ہر خوشی تو میرے پاس موجود ہے۔'' ایک خوشی سے جگمگ کرتی کھلکھلاتی آواز ماضی کے پردوں سے نکل کر کانوں سے ٹکرائی تو تابندہ بی کی آنکھوں کی زمین گیلی ہونے لگی تھی۔ انہوں نے وہاں سے نکل کر دوسرے کمرے کو دیکھا اس کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ کمرے سے نکل آئی تھیں۔

''ساجدہ۔'' ریلنگ سے جھک کر انہوں نے صحن میں لگے نل پر کپڑے دھوتی ساجدہ کو پکارا۔

''جی۔''

''دونوں کمروں میں بلب وغیرہ کچھ بھی نہیں۔'' انہوں نے ریلنگ پر جھکے جھکے ہی پوچھا۔

''مجھے نہیں پتا، اصل میں ان دونوں کمروں کی چابیاں صرف اماں کے پاس ہی ہوتی ہیں وہی اندر جاتی ہیں۔'' ساجدہ نے بتایا۔

''اچھا تم ایسا کرو مجھے دو بلب منگوا دو میں ان کمروں کی صفائی کر لیتی ہوں۔'' انہوں نے کہا۔

ساجدہ نے کچھ دیر بعد دو بلب منگوا دیے تھے، جھاڑ پونچھ کا سامان لیے وہ اوپر آ گئی تھی۔ حویلی میں رہتے ہوئے انہوں نے بہت سے کام اپنے ذمہ لے رکھے تھے مگر ایسے تمام کام ملازمین کے سپرد تھے۔

اوپر والے حصے میں دو کمروں کے علاوہ ایک طرف برآمدے میں کچن سیٹ کیا ہوا تھا اور بائیں طرف واش روم تھا۔

انہوں نے کھڑکیاں کھول دی تھیں کچھ دیر بعد ساجدہ بھی اوپر آ گئی تھی دونوں نے مل کر پورشن صاف کیا تھا۔ الماریاں، کھڑکیاں دروازے، چھتیں سبھی کچھ روشن روشن سا ہو گیا تھا۔ کم ازکم ان کو دو تین گھنٹے لگ گئے تھے ہر چیز کی صفائی میں۔ پرانا سامان نکال کر اس نے باہر رکھا تھا کچھ کو دھوپ لگوائی تھی بہت سارا سامان خالہ بی ان گزرے ماہ سال میں نکال نکال کر استعمال کر چکی تھیں بس چیدہ چیدہ چیزیں موجود تھیں۔

ساجدہ نے دوپہر کا کھانا تیار کرنا تھا اس کے دونوں بیٹوں نے دو بجے اسکول سے آ جانا تھا جبکہ تابندہ خود چیزوں کو دھوپ میں پھیلا کر کمروں سے نکلنے والا ساز وسامان ردی، کاغذات اور چند اور چیزیں چیک کرنے لگی تھیں۔

گھر کی تعمیر کے سلسلے میں خریدے جانے والے سامان کی کئی رسیدیں تھیں مختلف مختلف اوقات میں مختلف جگہوں سے خریدا جانے والا ساز وسامان، حساب کتاب کی ڈائری، پاسپورٹ کالج کی ڈائری، نوٹس، کتابیں ادب اور لٹریچر کی کتابیں ڈائریاں اور تعلیمی اسناد انہوں نے بہت احتیاط سے تمام چیزوں کو صاف کرتے ایک شاپنگ بیگ میں ڈالا تھا۔

”یہاں سے صرف کپڑے ہی لے کر جاؤ گے تم لوگ باقی ساز وسامان کا کیا کرو گے؟“ ماضی کے جھروکوں سے پھر کوئی آواز گونجی تھی۔

”سکندر کہتے ہیں سب کچھ بنا لیں گے، کپڑے وغیرہ روزمرہ کی ضرورت ہیں باقی سب کچھ تو ارینج ہو سکتا ہے۔“

”اور کچن کے لیے برتن بھی درکار ہوں گے تب تک باقی سیٹنگ نہیں ہو جاتی ان کی تو ضرورت ہے۔“

”بالکل ابھی تو میری اپنی طبیعت ایسی ہے کہ میں شاپنگ نہیں کر سکتی ذرا جو سنبھلتی ہے تو پھر کر لیں گے مل کر، سکندر نے گھر کی سجاوٹ کا سارا کام مجھ پر چھوڑ رکھا ہے۔“ تابندہ نے نم آنکھوں سے برآمدے میں بنے اوپن کچن کی طرف دیکھا۔ ان کے دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تو وہ اٹھ گئی تھیں۔

سامان وغیرہ کو اسی طرح دھوپ میں چھوڑ کر وہ نیچے آ گئی تھیں نماز پڑھ کر کھانا کھا کر وہ پھر سے اوپر آئی تھیں ساجدہ کے دونوں بیٹے آ چکے تھے وہ بھی اوپر آ گئے تھے۔ ان کے ساتھ مل کر انہوں نے پھر سے کمرے کی سیٹنگ کی تھی۔ بچے بہت خوش تھے جن کمروں کو تالا لگا دیکھتے تھے اب ان کمروں میں چل پھر رہے تھے۔

ساجدہ ایک خاموش طبع خاتون تھیں۔ وہ سوال جواب نہیں کرتی تھی جبکہ اس کے بچے بہت متجسس تھے وہ مختلف سوال وجواب کر رہے تھے۔

”اگر یہ آپ کا گھر تھا تو پھر ہم ادھر کیوں رہ رہے ہیں۔“ چھوٹے بچے نے ایک سوال کا جواب ملنے پر پھر پوچھا تھا۔

”اس لیے کہ میں نے یہ گھر تمہاری دادی کو دے دیا تھا۔“

”اور آپ اتنا عرصہ کہاں تھیں، امی کہتی ہیں کہ آپ کہیں نوکری کر رہی تھیں اب واپس آ گئی ہیں۔“ سوال کا جواب ملنے پر اس نے جھٹ اگلا سوال کیا تھا انہوں نے مسکرا کر دیکھا۔

”ہاں میں واقعی کہیں نوکری کر رہی تھی۔“

”آپ کے بچے کدھر ہیں؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”چپ، امی نے منع کیا تھا نا کہ آنٹی سے زیادہ سوال کر کے تنگ نہیں کرنا۔“ بڑے بھائی نے چھوٹے کو ڈانٹا۔

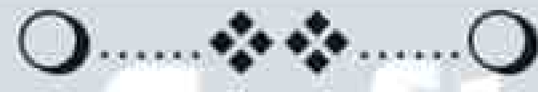
”ہاں میں بھول گیا تھا۔“ چھوٹا ایک دم مودب ہو گیا تھا۔

تابندہ خاموش رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کمرے سیٹ ہو گئے تھے۔

”یہ ایک کمرہ تمہارا ہے اور ایک چھوٹے کا، جب تم دونوں کچھ اور بڑے ہو جاؤ گے تو ادھر رہنا۔“ تابندہ نے بچوں سے کہا تو دونوں حیران ہو گئے۔

”واقعی؟“ چھوٹے کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"ہم اب ان کمروں میں آیا جایا کریں گے نا کوئی منع تو نہیں کرے گا نا؟" وہ پوچھ رہے تھے تابندہ نے سر ہلا دیا تھا۔
"بالکل یہ اب تم دونوں کے کمرے ہیں۔"
"میں امی کو بتا کر آتا ہوں۔" چھوٹا ایک دم خوش ہو کر نیچے کی طرف بھاگا تھا بڑا بھی پیچھے لپکا تھا۔
تابندہ بی نے ایک گہرا اطمانیت بھرا سانس لیا اور پھر کمرے کی طرف دیکھا تھا۔



وہ گھر لوٹی تو سیدھا اپنے کمرے میں آئی تھی، کتابیں اور بیگ رکھ کر لباس بدل کر وہ باہر آ گئی تھی اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ آج کا سارا دن کالج میں بہت بزی رہا تھا۔ وہ ابھی فریج کھول کر دیکھ ہی رہی تھی جب لائبہ بھابی اندر داخل ہوئی تھیں۔
"شادی کے بعد آج کالج میں پہلا دن کیسا گزرا؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔
"بہت بزی۔" اس نے کہا تو وہ آگے بڑھی تھیں۔
"ہٹو تم میں کھانا نکال دیتی ہوں۔" انہوں نے کہا تو وہ چیئر پر ہی بیٹھ گئی۔
"بڑی خاموشی ہے گھر میں باقی لوگ کدھر ہیں۔" اس نے پوچھا۔
"صبا اور عائشہ دونوں چلی گئی ہیں دونوں پھوپھی ساتھ گئی ہیں دریہ اور اماں اپنے اپنے کمرے میں جب کہ مصطفیٰ اور ماموں جان کے ساتھ چیک اپ کرا کر ابھی اپنے کمرے میں گیا ہے۔"
"اوہ......" مصطفیٰ کے ذکر پر وہ ایک دم چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔
لائبہ نے اوون میں سالن گرم کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگی تھی۔ کھانا کھا کر وہ لائبہ کے پاس کچھ دیر رکی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی تھی بیگ سے موبائل نکال کر اس نے حویلی کے نمبر ملائے تھے۔
بابا صاحب سے بات ہوئی تھی۔ اس نے تابندہ سے بات کروانے کا کہا تو پتا چلا کہ وہ گاؤں میں کسی کے گھر گئی ہوئی ہیں۔ اس کا دل ایک دم سکڑا۔ جب سے وہ رخصت ہو کر آئی تھی ایک بار بھی تابندہ سے بات نہیں ہوئی تھی نجانے وہ کیوں اسے نظرانداز کر رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ جان بوجھ کر اس سے بات نہیں کر رہی ہیں۔ اس کے اندر ایک دم حساسیت کے طوفان اٹھنے لگے تو خود کو سمجھاتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ مصطفیٰ والے کمرے کی طرف نگاہ اٹھی تو قدم من من بھر کے ہو گئے۔
وہ ادھر جانے کے بجائے ماں جی کے کمرے کی طرف چلی آئی ابھی اس نے دستک دینے کو ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ایک ادھ کھلے دروازے سے آتی آواز سن کر ساکت ہو گئی۔
"تابندہ حویلی چھوڑ کر چلی گئی ہے اور آپ یہ بات مجھے اب بتا رہے ہیں۔" شہوار کو لگا جیسے اس نے سننے میں غلطی کی ہے۔
"اتنے دن ہو گئے اور آپ نے کچھ خبر بھی نہ لی، کوئی پتا نہ کرایا؟" مہر النساء فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔
"پتا تو تب کراتا جب وہ انجانے میں گم ہوتیں وہ خود سے حویلی چھوڑی کر گئی ہیں۔ باقاعدہ بابا صاحب کے نام خط لکھ کر۔"
"میرے اللہ۔" شہوار کو لگا کہ جیسے اس پر گھر کی چھت آ گری ہے۔ اس نے ساکت نظروں سے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔
"پتا نہیں وہ کہاں گئی ہوں گی ان کا تو اس دنیا میں کوئی بھی نہ تھا۔" مہر النساء از حد پریشان ہو چکی تھیں۔
"نہیں، مجھے لگتا ہے تصویر کے دو رخ ہیں ایک وہ رخ جو تابندہ نے ہمیں دکھایا ہے اور دوسرا کوئی اور رخ ہے۔ جس سے صرف وہی واقف ہے آپ کو یاد ہو گا ماضی میں جب بھی تابندہ سے اس کے رشتہ داروں کے بارے میں سوال کیا وہ گھبرا جایا کرتی تھی میں نے ہمیشہ یہ سمجھا کہ وہ اپنے دشمنوں سے خوف زدہ ہے مگر اب مجھ لگ رہا ہے کہ ہم بے وقوف بنائے گئے ہیں۔ تابندہ بی کے ماضی میں بہت کچھ چھپا ہوا ہے۔" شاہزیب صاحب کہہ رہے تھے۔
اور دروازے کے پاس کھڑی شہوار کو لگا کہ جیسے لمحہ لمحہ اس کے جسم سے جان نکلتی جا رہی ہے۔

”یہ کیسے ہوسکتا ہے، تابندہ کا ہمارے ساتھ کوئی ایک دن کا ساتھ نہ تھا، برسوں ہم نے ساتھ گزارے تھے کسی کے کردار کی پہچان ایک لمحہ میں ہو جاتی ہے وہ کوئی ایسی ویسی خاتون نہ تھیں۔“ مہرالنساء کے لہجے میں ایک دم خوف سمٹ آیا تھا۔

”میں بھی کرداری لحاظ سے انہیں غلط نہیں کہہ رہا۔ مگر مجھے لگتا ہے انہوں نے ہم سے بہت کچھ چھپا رکھا تھا۔“

شہوار کو لگا وہ ابھی ندامت وشرمندگی سے پورے قد سمیت گرنے والی ہے اس نے ایک دم دیوار کو تھاما۔

وہ نجانے کیوں اپنی پہچان کے حوالے سے ہمیشہ خوف زدہ رہی تھی تو کیا اس کے وہ سارے خوف، سارے واہمے اور سارے خدشات اب درست ثابت ہونے والے تھے۔

شہوار کو لگا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔

”میں تو اب شہوار کے حوالے سے بھی شک کا شکار ہو رہا ہوں۔“ شاہزیب صاحب کی آواز اسے لگا یہ آخری کیل تھی جو اسے تابوت میں بند کرنے کو کافی تھی۔

”کیا مطلب، کیسا شک؟“ مہرالنساء نے بے تابی سے پوچھا تھا۔ جواب میں نجانے شاہزیب صاحب نے کیا کہا تھا۔ شہوار نے ایک دم اپنا چکراتا سر تھاما تھا مگر سب بے سود تھا۔ آج وہ بھری دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔

اس کی ذات کا سارا مان،

ساری اکڑ

سارا غرور

آج خاک میں مل گیا تھا۔

اس کی ذات کا نشان آج پھر شک کی لپیٹ میں تھا اس کے سر پر ہمیشہ چادر ڈالنے والے بھی آج مشکوک تھے۔ اسے لگا اس کو سانس بہت گھٹ گھٹ کر آ رہا ہے۔ وہ بس مرنے والی ہے۔ وہ بس ابھی ٹوٹی ہوئی عمارت کی طرح زمین بوس ہو جائے گی۔ اس نے خود کو سنبھالنا چاہا تھا۔

بمشکل واپسی کے لیے قدم بڑھائے تھے مگر اب کی بار ذہن پر چھانے والا اندھیرا ایسا تھا کہ وہ پورے قد سے زمین پر گر گئی تھی۔

بند ہوتی آنکھوں سے اس نے بس یہ دیکھا تھا کہ اس کی چیخ اور بند ہوتی آواز سن کر مہرالنساء اور شاہزیب صاحب فوراً کمرے سے باہر آئے تھے اور تیزی سے اس کی طرف لپکے تھے۔

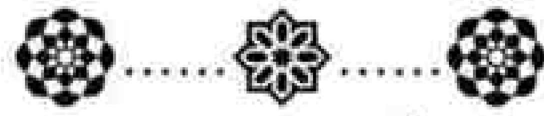
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



ٹوٹا ہوا تارہ...... سمیرا شریف طور
گزشتہ قسط کا خلاصہ

پولیس کی پیش رفت اور آنے والے خطرات کے پیش نظر شہزاد ملک چھوڑ دیتا ہے جبکہ دوسری طرف ایاز اپنے منصوبے میں ناکام ہونے پر ایک مرتبہ پھر انتقام کی آگ میں بھڑک اٹھتا ہے۔ دوسری طرف گھر والوں کے بروقت اسپتال لے جانے پر کاشفہ کی جان بچ جاتی ہے۔ عبدالقیوم کے اثر و رسوخ کی بدولت پولیس کیس بننے سے رہ جاتا ہے۔ عادلہ اسپتال میں ولید کو دیکھ کر کافی متاثر نظر آتی ہے اسے اپنی بہن کا انتخاب پسند آتا ہے۔ شہوار اپنے رویے کی بدصورتی محسوس کرتے مصطفیٰ کی بدگمانی دور کرنے کی غرض سے اسے فون کرتی ہے جبکہ مصطفیٰ اس کا نمبر دیکھتے ہی فون آف کر دیتا ہے۔ شاہزیب اسپتال جانے سے پہلے شہوار کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے ہیں تاکہ وہ مصطفیٰ سے مل سکے لیکن شہوار اپنی دوستوں کی آمد کا ذکر کرتے جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ انا بھی شہوار کے رویے میں موجود لاتعلقی مصطفیٰ کے لیے محسوس کر کے تاسف کا شکار نظر آتی ہے۔ مصطفیٰ کی حالت قدرے سنبھلتی ہے تو اسے ڈسچارج کر دیا جاتا ہے۔ اس کے گھر آنے پر سب ہی باہر موجود ہوتے ہیں جبکہ مصطفیٰ شہوار کو نا پا کر ایک مرتبہ پھر بدگمانی کا شکار ہونے لگتا ہے ماں جی مصطفیٰ کے کمرے میں شہوار کو بھی لے آتی ہیں جبکہ مصطفیٰ ماں جی کے سامنے خود پر ضبط کیے رکھتا ہے لیکن ماں جی کے باہر جاتے ہی وہ شہوار کو سخت سناتا ہے۔ اپنے والدین کی خوشی کی خاطر مصطفیٰ اس رشتے کا بھرم قائم رکھتا ہے اور شہوار کی خاموشی کو وہ اس کی ناپسندیدگی اور زبردستی کے رشتے کا مفہوم دیتا ہے جبکہ شہوار اس کے بگڑے تیور دیکھ کر بھونچکا رہ جاتی ہے۔ دوسری طرف تابندہ بوا غیر موجودگی پر اس کا دل عجیب خدشات میں گھر جاتا ہے۔ مصطفیٰ خرابی طبیعت کو یکسر نظر انداز کیے آفس جوائن کر لیتا ہے۔ گھر والوں کے سمجھانے کے باوجود وہ آفس پہنچ کر تمام حالات کا نئے سرے سے جائزہ لیتا ہے اور ایاز اور اس کے دوستوں کے متعلق تمام معلومات حاصل کرتا ہے۔ جب ہی اسے شہزاد کے بیرون ملک جانے کا علم ہوتا ہے۔ امجد خان لالارخ کیس کے متعلق تمام معلومات کی فائل بھی مصطفیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔ ان حالات میں شہوار بھی کالج جانا شروع کر دیتی ہے اگرچہ اماں جی ابھی ایاز والے واقعے کو لے کر خاصی فکرمند ہوتی ہیں۔ کاشفہ کی حالت سنبھلنے پر اسے ڈسچارج کر دیا جاتا ہے۔ ولید سے بات ہونے پر وہ ایک مرتبہ پھر اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے جبکہ اس کے یہ انداز واطوار ولید کو بالکل بھی پسند نہیں آتے۔ خودکشی کی اس کوشش پر بھی وہ اسے سخت سناتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف انا یہ تمام باتیں سن لیتی ہے۔ ولید کے منہ سے کاشفہ کی محبت اور پھر خودکشی کا سن کر اس کا دل خون کے آنسو روتا ہے وہ ان حالات میں کاشفہ کے ساتھ ولید کو بھی ذمہ دار ٹھہراتی ہے جبکہ دوسری طرف کاشفہ، انا کو مار ڈالنے کی باتیں کرتے ولید کو طیش میں مبتلا کر دیتی ہے۔ تابندہ خالہ بی کے گھر کا خرچہ خود برداشت کرتی اوپر کے دونوں کمرے جہاں ان کی بہت سی یادیں وابستہ ہوتی ہیں ساجدہ کے حوالے کر دیتی ہیں۔ شاہ زیب، تابندہ کے حویلی چھوڑنے کی بات مہرالنساء کو بتاتے ہیں جس پر مہرالنساء بھی خدشات کا شکار ہونے لگتی ہے۔ اب شہوار کی ذات بھی ان کے لیے مشکوک ہونے لگی ہے کہ نجانے اس کے پیچھے کیا ماضی ہے۔ جبکہ دروازے کے باہر کھڑی شہوار اپنی ذات کی شناخت پر انگلیاں اٹھتے دیکھ کر ہوش وحواس سے بیگانہ ہو جاتی ہے۔ اس کے تمام خوف حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔

〈اب آگے پڑھیے〉



وہ کچن میں کھڑی اپنے لیے چائے بنا رہی تھی جب ولید بازو پر کوٹ ڈالے دروازے پر آ رکا تھا۔ انا اس کی موجودگی سے لاعلم چائے کی طرف متوجہ تھی۔ بال کیچر میں جکڑے پشت پر بکھرے ہوئے تھے ڈوپٹا کندھے پر تھا اور چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

پچھلے کچھ دنوں سے اس کا رویہ مسلسل لاتعلقی والا تھا اور ولید کو اس کا یہ رویہ اندر ہی اندر پریشان کیے ہوئے تھا۔ ولید نے ہلکے سے ناک کیا تو وہ بے اختیار پلٹی اور ولید کو دیکھ کر اس کے چہرے پر گزرے دن والے تاثرات پیدا ہوئے تھے۔

''کیا حال ہے؟'' ولید مسکرا کر آگے بڑھا جبکہ وہ خاموشی سے آنچ دھیمی کرتے ٹرے میں مگ رکھنے لگی تھی۔

''میں سمجھ نہیں پا رہا تم ایسا ری ایکٹ کیوں کر رہی ہو؟ سب کچھ اچھی طرح سمجھنے اور جاننے کے باوجود۔'' ولید نے جھنجلا کر کہا۔

''میں کوئی ری ایکٹ نہیں کر رہی، آپ کو خوامخواہ فیل ہو رہا ہے۔'' سنجیدہ انداز میں کہہ کر وہ مگ میں چائے انڈیلنے لگی۔

''تو پھر مجھ سے بات چیت کیوں بند ہے؟'' ولید نے ٹوکا۔

''غلط فہمی ہے آپ کی۔'' چائے انڈیل کر خالی پاٹ سنک میں رکھ کر وہ ٹرے اٹھا باہر چل دی۔

''چائے پینی ہے تو لاؤنج میں آ جائیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔
''رکو۔'' ولید نے کہا تو وہ رک گئی۔
''میں فریش ہو کر آتا ہوں مصطفیٰ کے پاس جانا ہے تم بھی ریڈی ہو جاؤ چلتے ہیں۔'' ولید نے اپنا پروگرام بتایا تو وہ الجھی۔
''کیوں خیریت؟'' اس نے پریشان نظروں سے ولید کو دیکھا۔
''ہاں ویسے ہی مصطفیٰ کی عیادت کو جانا ہے گھر شفٹ ہونے کے بعد میں اس سے رابطہ نہیں کر پایا۔'' ولید نے کہا۔
''آج تو وہ آفس بھی گئے تھے شہوار بھی کالج آئی تھی اس نے ذکر کیا۔'' انا نے سرسری کہا۔
''اوہ اچھا، یعنی کہ وہ اب کافی کور کر چکا ہے۔'' انا خاموش رہی۔
''میں فریش ہو کر آتا ہوں تم بھی ریڈی ہو جانا۔'' ولید کہہ کر اس کے پاس سے گزر کر چلا گیا تو انا نے خود کو خاصا بے بس سا محسوس کیا۔
وہ اس رات ولید کے منہ سے کاشفہ کے متعلق سننے کے باوجود اس سے نہ تو ٹھیک سے خفا ہو پا رہی تھی اور نہ ہی بدظن۔ اندر ہی اندر وہ نجانے کیا کیا سوچ کر گھائل ہوتی رہی تھی اور اب ولید کے پکارنے پر وہ ایک دم اپنی ساری انا بھلا کر اس کو انکار نہ کر پائی تھی۔ وہ روشی اور ماموں کو چائے دے کر اپنا مگ لے کر کمرے میں آ گئی تھی چائے پینے کے دوران وہ جلدی جلدی ڈریس اپ بھی ہوئی تھی اور چینج کر کے وہ دوبارہ لاؤنج میں آئی تو ولید موجود تھا۔ اسے دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا۔
وہ روشی اور ماموں کو بتا چکا تھا۔ سو وہ خاموشی سے اس کے گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ خاموش ہی رہی تھی۔
کچھ دیر تک گاڑی میں خاموشی رہی تھی ولید کو اس کی خاموشی بڑی شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔
''اتنی خاموشی کیوں؟'' گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ولید نے کہا تو وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔
''آپ کی طرف سے یا میری طرف سے؟'' انا کے الفاظ پر وہ ہلکا سا مسکرایا۔
''شاید میری طرف سے ہی ہے۔'' انا خاموش رہی وہ یونہی باہر دیکھتی رہی مگر جیسے ہی گاڑی کو ٹرن ہوتے دیکھا وہ چونکی۔
''کدھر جا رہے ہیں؟''
''بس یونہی لونگ ڈرائیو کا موڈ ہو رہا ہے۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔
''مگر ہم تو مصطفیٰ بھائی کے ہاں جا رہے تھے نا؟''
''مصطفیٰ سے میں مل چکا ہوں اس وقت تمہارا موڈ دیکھتے میرا موڈ آؤٹنگ کا بنا تھا تمہیں کہتا تو شاید تم انکار کرتیں سو مجھے مصطفیٰ کا نام لینا پڑا۔'' انا نے لب بھینچ کر گھورا۔
''آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا۔'' اسے رہ رہ کر اپنے اوپر تاؤ آنے لگا۔ ولید نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔
''آپ کس قدر جھوٹے ہیں میں آئندہ آپ کی کسی بات پر اعتبار نہیں کروں گی۔'' اپنے حلیے کو دیکھتے وہ پچھتائی شہوار کے ہاں جانے کے خیال سے وہ اچھی طرح ڈریس اپ ہوئی تھی اور لپ اسٹک بھی لگائی تھی۔
''تمہیں بے وقوف بنانا کوئی مشکل کام تو نہیں۔'' ولید نے ہنس کر کہا تو انا نے لب بھینچ کر گھورا۔
''ویسے لگ تو کافی پیاری رہی ہو، بس اس طرح منہ پھلا کر بیٹھو گی تو ساری خوب صورتی ماند پڑ جائے گی۔'' ولید چھیڑ رہا تھا انا غصے سے گھور کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔
''کیتھی پاکستان آئی ہوئی ہے کل سے وہ ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے اس وقت ہم اسی سے ملنے جا رہے ہیں وہ تم سے ملنا چاہتی تھی میں نے تو بہت اصرار کیا تھا کہ وہ ہمارے گھر رک جائے مگر وہ مانی ہی نہیں اس وقت بھی کال کی کہ ڈنر اکٹھے کرتے ہیں تمہیں بھی لے آؤں۔'' ولید نے مسکرا کر بتایا تو وہ چونک گئی۔
ابھی تو کاشفہ والا مسئلہ دل قبول نہیں کر رہا تھا اور اب یہ کیتھی نامی نئی مصیبت ٹپک پڑی تھی۔ انا کے اندر ایک دم شدید اضطراب سر ابھارنے لگا تھا۔
''وہ پاکستان کیوں آئی ہے؟'' اسے لگا جیسے اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آ رہی ہے۔
''اسے یہاں کوئی کام تھا، اکیلی نہیں ہے وہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن میں جاب کرتی ہے ان کی کمپنی کے کچھ لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں اپنی ٹیم کے ساتھ وہ بھی آئی ہے اسی لیے اپنی ٹیم کے ساتھ ہوٹل میں مقیم ہے۔'' ولید نے تفصیل سے بتایا۔ ولید نے ایک فلاور شاپ کے

سامنے گاڑی روک دی تھی۔

''جسٹ ون منٹ میں ابھی آیا۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تبھی ان کی گاڑی کے ساتھ ایک اور گاڑی بھی آ کر رکی تھی۔ انا نے سرسری سا دیکھا تو چونکی ساتھ والی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی کاشفہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ کاشفہ کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی اور لڑکی بھی تھی۔ چند پل وہ اسے گھورتی رہی اور پھر ان کی گاڑی وہاں سے چلی گئی۔ دو تین منٹ بعد ولید ایک خوب صورت ریڈ روزز کے بکے کے ہمراہ شاپ سے نکل کر گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ انا نے خاموشی سے بکے کو دیکھا تھا۔

''کئی ماہ بعد ملاقات ہو رہی ہے اب اس طرح خالی ہاتھ جاتیں تو اچھا نہیں لگتا۔'' ولید نے بھی اس کو پھولوں کو دیکھتے محسوس کیا تو کہا وہ خاموش رہی۔

گاڑی کچھ دیر بعد ایک شاندار سے ہوٹل کی پارکنگ میں جا کر رکی تھی۔

''ہاں کیتھی کہاں ہو تم؟'' گاڑی پارک کرنے کے بعد ولید نے کیتھی سے رابطہ کیا۔ انا باہر دیکھنے لگی۔ دونوں ابھی بھی گاڑی میں ہی تھے۔

''اوکے، میں پارکنگ میں ہی ہوں، آ رہا ہوں۔'' اس نے انا کو اترنے کا اشارہ کیا تھا وہ باہر نکل گئی تو وہ بھی ڈور لاک کرتا باہر نکل آیا اور پھر اس کے ہمراہ عمارت کے اندر آئی تو کیتھی بھی تیزی سے سیڑھیاں اترتے ان کی طرف آئی تھی۔

''ہیلو ولید۔'' وہ ایک دم بے قراری سے ولید کی طرف بڑھی تھی۔

انداز ایسا تھا کہ جیسے ابھی ولید سے لپٹ جائے گی مگر ولید کے پاس پہنچ کر وہ ایک دم رکی تھی گویا خود پر قابو پالیا تھا اور بے تحاشا بے قراری سے اس نے ولید کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ولید اِٹس آ گریٹ سرپرائز فار می یو آر ہیئر، آئی ڈونٹ بلیواٹ۔'' وہ بے قراری سے کہہ رہی تھی ولید مسکرایا۔

''ہاؤ آر یو؟'' ولید نے پوچھا تھا انداز نارمل تھا۔

''می فائن اینڈ یو؟'' وہ پوچھ رہی تھی انا عجیب سی کیفیت میں گھری بس دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

انتہائی خوب صورت ویسٹرن لک کی مالک یہ کیتھی اس قدر اٹریکٹو اور پیاری بھی ہو سکتی ہے انا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کیتھی اپنی تصاویر سے بڑھ کر خوبصورت تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کر رہے تھے انا خالی الذہنی کیفیت سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

ولید کے چہرے پر مسکراہٹ تھی جبکہ کیتھی تو اس قدر پر جوش و خوش ہو رہی تھی کہ گویا اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔

''کیتھی لیٹس میٹ انا اینڈ انا یہ کیتھی ہے۔'' ولید نے دونوں کا تعارف کرایا تو کیتھی نے پہلی بار ولید سے توجہ ہٹا کر اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی انا کو بغور دیکھا اور اگلے پل ہی اس کے چہرے کی رنگت بدلی تھی اور پھر وہ مسکرا کر انا کی طرف بڑھی تھی۔

''ہیلو۔'' انا نے سنجیدگی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر کیتھی بہت اپنائیت و محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کے گلے لگ گئی تھی۔

انا ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

''میں نے روشی اور انکل سے تمہارا بڑا ذکر سنا تھا یو آر سو کیوٹ اینڈ پریٹی۔'' وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہہ رہی تھی اور انگلش لہجہ انا حیران ہوئی۔

''آپ کو اردو آتی ہے۔'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی ولید مسکرایا۔

''بالکل...... ولید، مصطفیٰ اور روشی سے سیکھی تھی میں نے بس بولنا آتی ہے لکھنا نہیں۔'' وہ کہہ رہی تھی انگلش لہجے میں اردو بولتی وہ کافی پیاری لگ رہی تھی۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کیتھی اِٹس فار یو۔'' ولید نے ہاتھ میں پکڑا بکے اسے دیا تو وہ ایک دم پر جوش سی ہو گئی۔

''تھینکس ولید۔ یو نو ریڈ روزز مائی فیورٹ فلاور۔'' بکے کو چہرے کے قریب کرتے اس نے کہا۔

''آئی نو۔'' ولید نے کہا تو کیتھی کے چہرے پر ایک دم رنگوں کی برسات اتری تھی۔ انا ایک بار پھر الجھنے لگی تھی۔

وہ کیتھی کے ساتھ میٹنگ ہال میں آ گئے تھے۔ جہاں پہلے سے ہی ٹیبل ریزرو تھی کیتھی نے ویٹر کو سرو کرنے کا آرڈر کیا اور اس کے بعد وہ اور ولید نجانے کہاں کہاں کی باتیں لے کر بیٹھ گئے تھے۔ یونیورسٹی جاب اور بھی نجانے کیا کیا۔ انا ایک دم اکتاہٹ محسوس کرنے لگی۔ اسے رہ رہ کر ولید پر غصہ آ رہا تھا خوامخواہ وہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لایا تھا۔ وہ ایک دم چہرے پر بیزاریت لیے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی

تھی۔
''تم روشی کو بھی لے آتے میں تو اپنی ٹیم کے ساتھ ہوں خود سے نکل نہیں سکتی میں اس سے بھی مل لیتی۔'' کیتھی ولید سے کہہ رہی تھی انا نے اسے دیکھا اور پھر بغور دیکھنے لگی۔
وہ بے حد خوب صورت لڑکی تھی ڈریسنگ بھی اس کے کلچر کے مطابق تھی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ خاصی اٹریکٹیو لگ رہی تھی۔
''ولید نے بتایا آپ میڈیکل پڑھ رہی ہیں؟'' اس نے پوچھا تو انا نے محض سر ہلایا۔
''ولید مصطفیٰ اور روشی کے ساتھ میرا بہت سارا وقت گزرا ہے اور بہت اچھا بھی پہلے مصطفیٰ پاکستان آ گیا اور پھر یہ لوگ بھی میں ان کو بہت مس کرتی رہی ہوں۔'' وہ مسکرا کر بتا رہی تھی انا محض سر ہلا گئی۔
''مصطفیٰ کی شادی کا پتا چلا تھا اس کو بھی میں نے پاکستان پہنچتے ہی کال کی تھی۔ بٹ اس نے پک ہی نہیں کی۔ وہ شاید اپنے ہنی مون ٹرپ پر ہے؟'' وہ اس سے بات کرتے کرتے ولید سے پوچھنے لگی تھی۔
ولید اسے مصطفیٰ کی شادی اور پھر ایکسیڈنٹ کا بتانے لگا تو کیتھی کو سن کر بہت صدمہ پہنچا تھا جس کا اظہار وہ بار بار کر رہی تھی۔ پھر ویٹر کھانا لے آیا تو کیتھی ان کو سرو کرنے لگی۔
کھانا کھاتے ہوئے بھی وہ دونوں مسلسل اپنی باتوں میں لگے رہے تھے۔ ولید تو گویا اسے یہاں لا کر بھول ہی گیا تھا۔ انا کے اندر عجیب وغریب ابال سے اٹھنے لگے تھے۔ وہ پہلے ہی کاشفہ کو لے کر از حد چڑی ہو رہی تھی اور اب کیتھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ جو بمشکل اپنے آپ کو سنبھال رہی ہے ایک دم پھٹ پڑے گی۔ اس نے کیتھی کے اصرار کے باوجود بہت جلد کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔
''کیا ہوا کھانا پسند نہیں آیا؟'' کیتھی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''نہیں کھانا تو بہت اچھا ہے بٹ اس وقت مجھے بھوک محسوس نہیں ہو رہی۔'' ولید نے بھی اسے دیکھا تو اس کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا تھا۔
''انا اتنی جلدی ہر کسی سے بھی فرینک نہیں ہوتی، یو ڈونٹ وری۔'' وہ اس سے اور بھی سوال کر رہی تھی جب ولید نے کہا تھا وہ بھی کھانا ختم کر چکا تھا انا اب فوراً سے بیشتر یہاں سے اٹھنا چاہتی تھی۔
''یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔''
''ولی چلیں۔''
''ارے اتنی جلدی کچھ دیر اور رکتے نا پلیز۔'' وہ ولید سے مخاطب تھی۔ انا ایک دم کھڑی ہو گئی۔
''نہیں، کافی دیر ہو گئی ہے۔'' تنے تنے اعصاب لیے اس نے کہا تو ولید کو بھی اٹھنا پڑا تھا۔
''او کے کیتھی، کھانا بہت اچھا تھا پھر ملیں گے انا کو علم نہ تھا کہ میں یہاں آ رہا ہوں میں اسے مصطفیٰ کے گھر کا کہہ کر لایا تھا۔'' مسکرا کر کہتے انا کی سنجیدگی کی وجہ بیان کی۔
انا نے ولید کو سنجیدگی سے دیکھا۔
''او کے، میں مصطفیٰ سے بھی ملنے جاؤں گی تم بھی وقت نکال کر چکر لگانا دونوں چلیں گے۔'' کیتھی نے مسکرا کر کہا۔
''او کے۔'' اس نے بھی کہا۔
پھر کیتھی نے ولید سے ہاتھ ملایا اور انا سے گلے ملی اور انہیں باہر تک سی آف کرنے آئی تھی۔

❁......❁......❁

اسے ایک دم چکر آیا تھا انکشاف ہی ایسا تھا کہ جس نے اس کے حواس مختل کر دیے تھے وہ دھڑام سے گری تھی۔ ہاتھ لگنے سے دیوار کے ساتھ رکھا اسٹینڈ گرا تھا شہوار کے گرنے کی آواز سن کر اپنے روم سے مہرالنساء فوراً باہر نکلی تھیں۔ وہ شہوار کو گرد دیکھ کر ایک دم گھبرا گئی تھیں۔
''شہوار'' وہ فوراً اس کے پاس آئی۔ شاہزیب صاحب بھی ان کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر آ گئے تھے۔
''کیا ہوا؟''
''پتا نہیں۔'' انہوں نے شہوار کو سیدھا کیا وہ بے ہوش تھی۔
''کہیں اس نے ہماری باتیں تو نہیں سن لیں۔'' شاہزیب صاحب نے از حد پریشانی سے بیگم کو دیکھا تو وہ بھی پریشان ہو گئی۔

شاہزیب صاحب نے اسے بہت احتیاط سے اٹھایا تو مہر النسا نے بھی ساتھ سہارا دیا تھا وہ اس کو اپنے روم میں لے آئے تھے۔
''شہوار بیٹا......اٹھو......ہوش کرو۔'' بستر پر لٹا کر انہوں نے اس کے رخسار تھپتھائے تھے۔ مہر النساء نے خوفزدہ نظروں سے دیکھا۔
''پانی لائیں۔'' شہوار کی نبض دیکھی جس کی رفتار نارمل تھی انہوں نے بیگم کو کہا تو مہر النساء فوراً باہر چلیں گئیں۔
واپسی پر ان کے ساتھ لائبہ بھی تھی۔ پانی کے چھینٹے مارے اور چند اور حربے آزمانے کے بعد شہوار کو ہوش آ گیا تھا۔
''آہ......!'' وہ کراہ رہی تھی اور آنکھیں کھول دی تھیں۔ خالی خالی آنکھوں سے اس نے خود پر جھکے چہروں کو دیکھا۔
''شہوار کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے؟'' مہر النساء نے از حد شفقت سے پوچھا۔
شہوار کچھ پل قبل کی تمام باتیں یاد آئیں تو اس کے اندر اذیت و تکلیف کا طوفان امڈ پڑا تھا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہے نکلے تھے۔
''مجھے بتائیں میری امی کدھر ہیں؟'' اس کے لبوں سے سوال نکلا تو مہر النساء نے گھبرا کر شوہر کو دیکھا اور شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تب لائبہ نے بڑی حیرانی سے سب کو دیکھا تھا۔
''شہوار بیٹا گھبراؤ نہیں وہ آ جائیں گی۔'' شاہزیب صاحب نے کہا تو وہ شدت سے رونے لگی تھی۔
اس کے پاس خون کے بہت سارے رشتے نہیں تھے کہ وہ یہ خبر سن کر صبر کر لیتی اسے تو لگ رہا تھا کہ اس خبر نے گویا اس کے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔
''مجھ سے کوئی جھوٹ نہیں بولیں، میں نے آپ کی تمام باتیں سنی ہیں پلیز مجھے بتائیں میری امی کہاں ہیں؟'' وہ نڈھال سے انداز میں بستر پر اٹھ بیٹھی تھی۔ مہر النساء کے ہاتھ تھام کر اس نے دونوں میاں بیوی سے پوچھا۔
''وہ حویلی سے جا چکی ہیں۔'' شاہزیب صاحب نے آہستگی سے کہا تو لائبہ نے حیران ہو کر دیکھا۔
''کہاں؟'' شہوار نے پوچھا۔
''ہمیں علم نہیں، تابندہ نے بابا صاحب کے نام جو خط چھوڑا تھا اس میں بھی بس یہی ذکر کیا تھا کہ وہ واپس آ جائیں گی اور آ کر آپ کے تمام سوالوں کے جواب دیں گی۔'' شاہزیب صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار کے اندر جیسے بھانبھڑ جلنے لگے تھے۔
''ایسے کون سے سوال تھے جن کے لیے انہیں حویلی چھوڑنا پڑی۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ مہر النساء نے فوراً اسے ساتھ لگا لیا تھا۔
''صبر کرو، تابندہ نے اگر کہا ہے کہ وہ واپس آئے گی تو ضرور آئے گی۔''
''ایسا کون ہے جس کے پاس وہ گئی ہیں۔ میں نے جب بھی پوچھا ہمیشہ یہی جواب ملا کہ میرا کوئی بھی رشتہ موجود نہیں سوائے ان کے مجھے ہمیشہ وہ ٹالتی رہیں۔'' وہ ہچکیوں سے روتے کہہ رہی تھی۔
''ہم نے کبھی بھی تابندہ یا تمہارے ماضی کے بارے میں بہت گہرائی سے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی بس تابندہ نے جو کہا ہم نے یقین کر لیا تھا۔'' مہر النساء نے کہا تو اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔
''مگر مجھ سے تو ہمیشہ یہی کہا گیا انکل کہ آپ ددھیال والوں کے پاس گئے تھے ان سے ملنے، امی کو ان لوگوں سے خطرہ تھا تو انہوں نے وہ جگہ چھوڑ دی تھی اور حویلی میں پناہ لے لی تھی۔'' اس نے مہر النساء اور شاہزیب دونوں کو دیکھا تھا۔
''ہاں گیا تو میں واقعی تھا مگر تب مجھے کچھ خاص سراغ نہ ملا تھا کہ میں شک کرتا۔ سکندر اس شخص کا بھتیجا تھا جس سے میں ملا تھا اور وہ ایک مفلوک الحال شخص تھا اس نے سکندر کی دولت و جائیداد پر قبضہ کیا تھا اور اس کی اولاد ساری دولت و جائیداد سمیٹ کر اس شخص کو ایک ملازم کے آسرے پر چھوڑ کر باہر چلی گئی تھی۔ اس کے بعد پھر میرا دوبارہ کبھی اس جگہ جانا ہی نہ ہوا۔'' شاہزیب صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو شہوار کے رونے میں شدت در آئی۔ اس کی ماں اس کے وجود کو ایک سوالیہ نشان بنا کر جا چکی تھیں۔ نجانے لوگ اب اس کی ذات کو کس کس طرح ڈسکس کرنے والے تھے۔
''تم ٹینشن نہ لو سب ٹھیک ہو جائے گا، تابندہ واپس آ جائے گی۔'' مہر النساء نے تسلی دینا چاہی تھی مگر شہوار کی کسی بھی طرح تسلی و تشفی نہیں ہو پا رہی تھی۔
اسے لگ رہا تھا کہ وہ دنیا کے سامنے ایک تماشہ بننے والی ہے۔
''تابندہ نے ہم سے کبھی بھی دل کی بات نہیں کی تھی کہ جس سے اندازہ ہوتا کہ اس کا کوئی رشتہ دار یا جاننے والا موجود ہے۔ نجانے کہاں

گئی ہوگی؟'' مہرالنساء نے مزید کہا۔ لائبہ تمام صورتحال سمجھ چکی تھی اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
''میں نے کچھ لوگوں کو ہدایات دی ہیں کہ وہ پتا کرائیں کہ تابندہ کہاں جاسکتی ہیں ہوسکتا ہے کوئی سراغ مل ہی جائے۔'' شاہزیب صاحب نے بھی کہا مگر شہوار کے دل کو جو زخم لگا تھا وہ اب تسلی کے ان چند بولوں سے نہیں بھرنے والا تھا۔
اس کے ساتھ نجانے اب کیا ہونے والا تھا۔ یہ سوال ایسا تھا کہ وہ شدت سے رو دی۔ وہاں موجود تینوں نفوس ایک دوسرے کو دیکھ کر نظریں چرا رہے تھے۔

وہ عجیب سے ہارے ہوئے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔
''وہ اس کے ساتھ تھی میں اس کی خاطر سوسائیڈ کرتی ہوں اور اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا، اس نے ایک بار بھی میرا حال تک نہ پوچھا میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں ساری دنیا کو آگ لگادوں۔'' شدت سے روتے ہوئے کہا تو دوست نے ترحم بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔
''تم اسے بھول کیوں نہیں جاتیں کیوں خود کو تکلیف دے رہی ہو۔''
''نہیں بھول سکتی میں اسے..... اسے بھولنے کا سوچتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ میری سانسیں تھم جائیں گی۔''
''تو پھر کیا کروگی، وہ تمہیں صاف جواب دے چکا ہے تم نے اس کے لیے سوسائیڈ کی کوشش کی تم بچ گئی مگر تمہارے جان پر کھیل جانے کے باوجود وہ تمہارے پاس تمہاری خیریت تک پوچھنے نہیں آیا۔'' دوست نے سنجیدگی سے کہا تو اس کے رونے میں شدت آگئی۔
''میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' روتے ہوئے اس نے کہا تو اس کی دوست نے بڑی ترحم آمیز نگاہ اس پر ڈالی تھی۔
''اور وہ تمہیں صاف انکار کرچکا ہے اس کی ایک منگیتر ہے اور وہ اسے لائیک بھی کرتا ہے۔''
''بات مت کرو اس لڑکی کی۔'' اس نے ایک دم پھٹ پڑنے والے انداز میں ٹوکا تھا۔
''وہ میرے ساتھ بالکل ٹھیک چل رہا تھا کہیں بھی اس نے یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی منگیتر ہے اور اب ایک دم جب میں اس کے معاملے میں اس حد تک جاچکی ہوں وہ کہتا ہے وہ اسے پسند کرتا ہے۔'' روتے ہوئے اس نے کہا۔
''میں اس لڑکی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی میں زندگی میں پہلی بار خود سے ہاری ہوں اور میں اس لڑکی کی وجہ سے خاموش نہیں بیٹھوں گی۔'' روتے روتے ایک دم آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے کہا تو دوست نے چونک کر دیکھا۔
''وہ تمہارے اس رویے کی وجہ سے تم سے اب بدظن ہوچکا ہے میرا نہیں خیال کہ وہ اب تم سے دوبارہ ملنے کی کوشش بھی کرے گا۔'' دوست کا تجزیہ تلخ تھا۔ کاشفہ کے چہرے کے عضلات ایک دم کشیدہ ہوگئے تھے۔
''وہ اگر مجھے نہ ملا تو میں کسی کو بھی اسے پانے نہیں دوں گی، میں نے پہلی نگاہ میں اسے پسند کیا تھا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار خود سے کسی کو چاہا ہے اور اسے مجھے قبول کرنا ہی ہوگا ورنہ پھر میں جو کروں گی وہ بھی سب دیکھیں گئیں۔'' رونے کے بعد اس کے انداز میں اب ایک دم سختی سی در آئی تھی۔
''اور وہ لڑکی میں اسے اس قابل ہی نہیں رہنے دوں گی کہ وہ اسے لائیک کرے میں اسے اس کی نظروں سے گرادوں گی۔ ایسے کہ وہ خود اس سے دور ہوکر مجھے اپنانے پر مجبور ہوجائے گا۔ میں اسے مجبور کردوں گی دیکھنا تم۔''
شدید جذباتیت میں وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ اس کی دوست نے اس کی بات پر اسے دیکھتے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

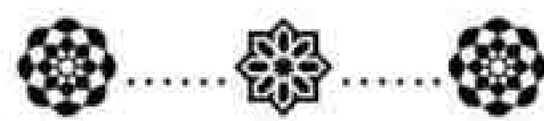
کیتھی سے مل کر وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔ دونوں کے درمیان بالکل خاموشی تھی۔ ولید نے کئی بار نگاہ انا کے خاموش وجود پر ڈالی تھی۔
''کیسی لگی تمہیں کیتھی؟'' انا نے گردن گھما کر ولید کو دیکھا۔
''اچھی ہے۔'' لفظی جواب دے کر وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔
''مصطفیٰ کی طرف چلیں؟'' اس نے پوچھا۔
''نہیں مجھے گھر جانا ہے۔ اگر آپ کا موڈ ہے تو پھر مجھے گھر ڈراپ کردیں۔'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ پھر خاموش ہوگئی تھی۔
''آئس کریم لوگی۔'' انا نے الجھ کر ولید کو دیکھا اسے لگا ولید اسے محض جان بوجھ کر ان باتوں میں انوالو کر رہا ہے۔

''نہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''کیا بات ہے موڈ کیوں خراب ہو رہا ہے۔'' ولید نے مسکرا کر پوچھا۔ انا نے اسے دیکھا۔
''غلط فہمی ہے آپ کی۔'' وہ پہلے ہی کیتھی کو لے کر الجھی ہوئی تھی ایسے میں ولید کا اس طرح چھوٹے موٹے سوالات کرنا اس کے اندر کے اضطراب کو ہوا دے رہا تھا۔
''بعض اوقات غلط فہمی بھی خوش فہمی میں مبتلا کر دیا کرتی ہے مگر جو آپ کے مزاج کے تمام رنگوں کو پڑھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کو پھر غلط فہمی لاحق نہیں ہوتی۔'' ولید نے ہنس کر کہا۔
انا کے اندر عجیب سی جنگ چھڑ گئی تھی اور وہ لب بھینچ کر بیٹھی رہی۔
پچھلے دنوں شہوار کی شادی کے دوران وہ ولید کا رویہ دیکھ کر نجانے خود کو کیا کیا سمجھنے لگی تھی مگر اب پھر وہی سرد مہری سی کیفیت میں خود کو ڈوبتا محسوس کر رہی تھی۔
ولید نے اسے بغور دیکھا...... انا کا ہر انداز چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ ان لمحوں میں مارے باندھے بیٹھی ہوئی ہے۔
ولید نے ایک گہرا سانس لیا...... وہ جان سکتا تھا کہ اسے کیا چیز تنگ کر رہی ہوگی۔ وہ دونوں کچھ ہی دیر میں گھر پہنچ گئے تھے۔ انا کو لگا وہ جیسے ایک دم سکون میں آ گئی ہو۔
ولید نے جیسے ہی گاڑی روکی تھی انا تیزی سے نکل کر اندر چلی گئی تھی۔ ولید بھی کی چین لہراتا اندر چلا آیا تھا۔ اس کا ارادہ لاؤنج کی طرف جانے کا تھا مگر پھر اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے سیل دیکھا کاشفہ کی کال تھی۔ اس نے لب بھینچ لیے تھے۔
اسے یہ لڑکی اپنی زندگی کی سب سے بھیانک غلطی لگ رہی تھی۔ اس نے کال کاٹ دی تھی اور اپنے کمرے میں چلا آیا تھا اور چینج کر کے وہ واش روم سے نکلا تو اپنے بستر پر ضیاء صاحب کو دیکھ کر ٹھٹکا۔
''مصطفیٰ کیسا ہے اب؟'' ولید ان کے پاس بیٹھا تو انہوں نے پوچھا وہ مسکرایا۔
''بہتر ہے گھر شفٹ ہو چکا ہے۔''
''اچھی بات ہے، تم مصطفیٰ کو انوائٹ کر لینا دعوت پر اگر گھر میں کرنا ہے تو بھی ٹھیک ہے اگر باہر کسی ہوٹل میں بلوانا ہے تو بھی سوچ لو۔''
''جی میں بھی سوچ رہا تھا وہ آج آفس بھی گیا تھا اس کا مطلب ہے وہ اپنی روٹین لائف میں آ رہا ہے میں بات کروں گا دیکھیے کب مانتا ہے جس دن راضی ہوا بلا لیں گے۔''
''اس کے علاوہ مجھے تم سے ایک اور بات بھی کرنا تھی۔''
''جی کہیے۔''
''میں چاہتا ہوں اب تمہاری اور انا کی شادی ہو جائے؟'' بابا نے کہا تو ولید چونکا۔
''اتنی جلدی کیا ہے، منگنی تو ہو چکی ہے انا بھی ابھی پڑھ رہی ہے آرام سے اس کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہو جائے تو دیکھیں گے۔'' ولید نے ٹالنا چاہا۔
''لیکن میں منگنی کے بعد رشتہ لٹکانے کے حق میں نہیں ہوں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔
''انا بتا رہی تھی کہ تم دونوں کیتھی سے مل کر آئے ہو، وہ پاکستان آئی ہوئی ہے تم نے بتایا ہی نہیں۔'' انہوں نے مزید کہا تو ولید ٹھٹکا۔
وہ جانتا تھا کہ ضیاء صاحب کو کبھی بھی کیتھی پسند نہیں رہی تھی۔
''جی، وہ کسی کام سے آئی ہوئی ہے ہوٹل میں ٹھہری ہے مجھے بھی کال کر کے اس نے اطلاع دی تھی تو میں ملنے چلا گیا۔''
''تمہیں انا کو لے کر نہیں جانا چاہیے تھا۔'' ضیاء صاحب نے سنجیدگی سے کہا ''وہ لڑکی ذات ہے نجانے کیا کیا سوچے وہ جس وقت سے گھر آئی ہے اس کا انداز بہت بدلا ہوا ہے میں تو پریشان ہو گیا ہوں۔''
''بابا کیتھی اب وہ والی کیتھی نہیں رہی وہ بہت بدل چکی ہے وہ جانتی ہے انا مجھ سے انگیجڈ ہے وہ انا سے ملنا چاہتی تھی اور بس۔''
''پھر بھی مجھے کیتھی کا یہاں آنا اور انا کو ملوانے لے جانا اچھا نہیں لگا مجھے تو یہی پتا تھا کہ تم دونوں مصطفیٰ کی طرف جا رہے ہو۔'' ضیاء صاحب نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو وہ خاموش ہی رہا۔
''لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں وہ بہت جلد چھوٹی چھوٹی باتوں کو فیل کر لیتی ہیں اور انا تو ہے ہی بہت بچی اور حساس میں نہیں چاہتا کہ

تمہاری طرف سے اسے کوئی دکھ ملے۔''
''کیا انا نے آپ سے کچھ کہا ہے؟'' ولید سے سنجیدگی سے پوچھا۔
''نہیں خود ہی یہ احساس ہو رہا ہے تو تمہارے پاس چلا آیا۔''
''ایسا کچھ نہیں بابا کیتھی کو کل بھی میں جسٹ فرینڈ سمجھتا تھا اور آج بھی۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔
''اور انا؟'' انہوں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔
''آپ کو کیا لگتا ہے؟'' مسکرا کر ان کا ہاتھ تھاما تو وہ مسکرائے۔
''مجھے تم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ملی بس چاہتا ہوں کہ انا ہمیشہ خوش رہے۔'' ولید نے گہرا سانس لیا۔
''آپ بے فکر رہیں میری طرف سے کبھی کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔'' ولید نے رسانیت سے کہا۔
''تو پھر میں صبوحی سے شادی کی بات کروں؟'' انہوں نے پھر وہی بات چھیڑی۔
''ابھی نہیں دیکھیں میرے لیے اپنی خواہش سے زیادہ اہم انا کی اسٹڈی ہے اسے اسٹڈی کمپلیٹ کرنے دیں پھر جو کہیں گے وہی ہوگا۔'' ولید نے کہا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ٹھیک ہے لیکن اگر درمیان میں صبوحی یا وقار نے شادی کی بات کی تو پھر میں انکار نہیں کروں گا۔'' انہوں نے بستر سے اٹھتے ہوئے ولید کو باور کروایا۔
''او کے جیسا آپ چاہیں گے وہی ہوگا۔ لیکن ابھی ویٹ کریں۔'' انہوں نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا۔
''مصطفیٰ سے بات کر کے ٹائم لے لینا۔'' انہوں نے باہر نکلنے سے پہلے پھر کہا۔
''جی میں کال کروں گا۔'' ولید نے جواب دیا تو وہ مسکرا کر باہر چلے گئے اور ولید نے مسکرا کر ان کو جاتے ہوئے دیکھا۔



وہ گھر آئی تو عجیب ہیجانی انداز میں مبتلا تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو تہس نہس کر دے۔ اس نے اپنا بیگ اپنے بستر پر اچھال دیا تھا۔
ہاتھ میں موبائل لے کر وہ نمبر ملانے لگی تھی کچھ دیر بعد اس کی کال کاٹ دی گئی تھی۔ کاشفہ کو لگا وہ احساس توہین سے جل اٹھی ہے۔ اس نے موبائل بستر پر پھینکا اور خود زمین پر گر گئی۔ وہ آج ولید کی گاڑی میں انا کو دیکھ کر فنا ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔
اس کے بعد سے وہ مسلسل ایک ان دیکھی آگ میں جل رہی تھی۔ اس کو وہ لمحے بھول نہیں پا رہے تھے جب انا ولید کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا انداز کتنا استحقاق بھرا تھا۔
کاشفہ اپنے اندر ایک ان دیکھی آگ جلتے محسوس کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر پھر ٹہلنے لگی۔ اب کی بار ذہن مختلف باتوں کو سوچ رہا تھا۔
ولید اس سے مکمل طور پر برگشتہ ہو چکا تھا وہ اس کو اپنی زندگی میں پھر کیسے لائے سوچ سوچ کر پاگل ہونے لگی تو بے اختیار بستر پر گر کر سسکنے لگی تھی۔



مصطفیٰ کمرے سے باہر آیا تو ملازمہ نے اسے بتایا کہ ڈنر پر سب اس کا انتظار کر رہے ہیں تو وہ اسی جانب آ گیا تھا۔
وہاں سبھی موجود تھے وہ بھی سجاد بھائی کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے سب کو دیکھا مگر متلاشی نظریں کسی اور کو بھی تلاش کر رہی تھیں۔
وہ آج آفس سے واپسی پر ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے کے بعد جلدی آ گیا تھا۔ وہ گھر پہنچ کر مغرب تک سوتا رہا تھا پھر کچھ وقت تک وہ لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ مگر اس سارے عرصے میں لاشعوری طور پر وہ شہوار کا منتظر رہا تھا مگر وہ کمرے میں نہیں آئی تھی اور اب ڈائننگ ٹیبل پر بھی موجود نہ تھی۔
''شہوار نہیں آئی؟'' مہر النساء کو دیکھ کر ملازمہ سے پوچھا۔
''میں بلانے گئی تھی وہ کہتی ہیں انہیں بھوک نہیں۔'' ڈائننگ ٹیبل پر اس وقت سبھی موجود تھے مہر النساء لائبہ کو دیکھ کر ایک گہرا سانس لے کر خاموش ہو گئی تھیں۔

شہوار اپنی ماں کے متعلق یہ انکشاف سن کر بہت بکھری ہوئی تھی وہ ان کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور اس کے بعد وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی اور اب کھانے کے لیے بھی نہیں آئی تھی۔

''میں خود دیکھتی ہوں۔'' مہر النساء اٹھنے لگی تھیں۔

''رہنے دیں، وہ ابھی کافی بکھری ہوئی ہے شاید سب کے سامنے آنا بہتر فیل نہ کرے آپ یوں کریں کھانا اس کے کمرے میں ہی بجھوا دیں۔'' شاہزیب صاحب نے آہستگی سے کہا۔

مصطفیٰ جوان کے بائیں جانب بیٹھا ہوا تھا اس نے چونک کر ان کی نہ صرف بات سنی تھی بلکہ حیران ہو کر دیکھا بھی تھا۔

''ٹھیک ہے میں کھانا وہیں لگوا دیتی ہوں۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا اور پھر ملازمین کو بلوا کر اسے شہوار کے کمرے میں بھی کھانا لے جانے کا کہا۔

''کیا ہوا شہوار کو؟'' عباس بھائی نے پوچھا۔

''بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' ماں جی سہولت سے کہہ کر کھانا کھانے لگی تھیں ابھی تابندہ کی غیر موجودگی کی خبر شاہزیب صاحب، مہر النساء، لائبہ اور شہوار کے علاوہ مردوں میں سے کسی کو بھی نہ تھی۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے سب کو دیکھا تھا۔

صبح کالج جاتے وقت اس نے اسے دیکھا تھا اور اس کے بعد سے نظر نہیں آئی تھی اب اس کی طبیعت کا سن کر اک تجسس سا ابھرا تھا۔ مگر براہ راست کسی سے پوچھنا اچھا نہ لگا تو خاموش ہی رہا۔

کھانا کھا کر سب سے پہلے مہر النساء اٹھی تھیں۔ باقی لوگ بھی اٹھ گئے تھے، مصطفیٰ بھی نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا اٹھ گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے ایک پل کو شہوار کے کمرے کے پاس سے گزرتے رکا تھا دروازہ نیم وا تھا۔

وہ سارا دن اس کے کمرے میں نہیں آئی تھی یقیناً کالج سے آنے کے بعد وہ اسی کمرے میں ہی تھی کچھ سوچتے وہ دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

''میں کیا کروں میرا دل نہیں مان رہا وہ میری ذات کو سب کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنا کر چلی گئی ہیں، میں کیسے یقین کرلوں۔'' شہوار کی آواز پر وہ ایک دم رکا تھا۔

شہوار شاید رو رہی تھی اس کی سسکیوں میں ادا کیے گئے الفاظ مصطفیٰ کے کانوں میں اترے تھے وہ چونک اٹھا تھا۔

''پھر بھی میں یہی کہوں گی کہ خود کو سنبھالو، ابھی ہم کسی کو بھی یہ بات نہیں بتا رہے مگر لوگوں کو پتا تو چلے گا ہی نا۔ اس طرح حوصلہ ہار کر کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ گی تو بیٹا بیمار پڑ جاؤ گی۔'' مہر النساء کی دلاسہ دیتی آواز آئی تھی اور پھر اس کی شدت سے رونے کی آواز آئی تھی۔

''تو میں کیا کروں، کیسے خود کو سنبھالوں، میرے پاس جینے کے لیے صرف یہی ایک رشتہ تھا بہت سارے جواز نہ تھے میں تو ان کی خاطر سب نبھا رہی تھی۔'' ہچکیوں میں کہنے لگے ناقابل فہم جملے تھے۔ مصطفیٰ الجھ گیا تھا نجانے کیا بات تھی وہ کیوں ایسے رو رہی تھی۔

''ایسے نہیں کہو ہم سب ہیں تمہارے ساتھ۔ جہاں تک تابندہ کی بات ہے ہمارا برسوں کا ساتھ رہا ہے۔ میں اندازہ لگا سکتی ہوں بغیر کسی ٹھوس وجہ اور مصلحت کے تابندہ نے اتنا بڑا قدم نہیں اٹھایا ہوگا۔'' تابندہ کے نام پر مصطفیٰ مزید الجھ کر رہ گیا تھا۔

''تھوڑا سا کھانا کھا لو باہر سبھی تمہارا پوچھ رہے تھے مصطفیٰ بھی پریشان ہوگا چلو اٹھو منہ ہاتھ دھوؤ خود کو سنبھالو اچھا سا لباس پہنو اور کھانا کھاؤ اور اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''میرا ابھی دل نہیں کر رہا کھانا کھانے کو۔'' روتی آواز میں شہوار نے کہا تھا۔

''اوکے منہ ہاتھ دھو کر آؤ، میں اب تمہیں روتے نہ دیکھوں ورنہ میں سمجھوں گی کہ تمہیں میری پروا نہیں۔'' مہر النساء کے لہجے میں محبت بھری سرزنش تھی۔ مصطفیٰ اندر جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

ذہن بار بار انہی باتوں میں الجھنے لگا تو کچھ سوچتے اس نے حویلی کا نمبر ملایا۔ بارات سے واپسی کے بعد مصطفیٰ کی تابندہ بی سے ایک بار بھی بات نہیں ہوئی تھی ورنہ تو وہ اس کو دن میں ایک بار کال ضرور کرتی تھیں۔

چند دن تو وہ اسپتال میں رہا تھا ان کی غیر حاضری پر غور نہ کر سکا تھا مگر اب شہوار کی باتیں سن کر اسے ایک دم ان کی یاد شدت سے آئی تھی۔

تاج نے کال ریسیو کی تھی مصطفیٰ نے اس کو تابندہ کو بلانے کا کہا تو وہ کہنے لگی۔
''وہ اس وقت یہاں نہیں ہیں۔''
''کہاں گئی ہیں؟''
''جی معلوم نہیں، بابا صاحب کو خبر ہو گی۔''
''ٹھیک ہے بابا صاحب کو بلاؤ۔'' بہت دن ہوئے مصطفیٰ کی ان سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔
کچھ دیر بعد اس کی بابا صاحب سے بات ہو رہی تھی اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد مصطفیٰ نے ڈائریکٹ بات کی تھی۔
''تابندہ بوا کہاں گئی ہیں؟''
''تمہیں کس نے بتایا؟'' بابا صاحب نے چونک کر پوچھا۔
''کیا مطلب اتنے دن سے ان کا کوئی رابطہ ہی نہیں تو سوچا ان سے بات کر لوں مگر تاج کہہ رہی تھی کہ وہ یہاں نہیں ہیں آپ کو بتا کر کہیں گئی ہیں۔''
''اچھا ہاں وہ کہیں باہر گئی ہیں شاید کسی کے گھر۔'' مصطفیٰ کو صاف لگا کہ بابا صاحب کا انداز ٹالنے والا تھا وہ اگر شہوار کی مہر النساء سے ہونے والی بات چیت نہ سن چکا ہوتا تو شاید ٹال جاتا۔
''کب تک آئیں گی؟''
''آ جاتی ہے کچھ دیر میں تم سناؤ شہوار بیٹی کیسی ہے؟ جب سے رخصت ہو کر گئی ہے ایک بار بھی بات نہیں ہوئی۔ کال تو کرتی رہی ہے میں کہیں باہر ہوتا تھا خوش تو ہے نا وہ تمہارے ساتھ۔'' بابا صاحب نے بات پلٹ دی تھی مصطفیٰ الجھا۔
''جی ٹھیک ہے وہ۔''
''گاؤں کب چکر لگا رہے ہو؟'' انہوں نے محبت سے پوچھا۔
''جی ابھی تو فارغ نہیں ہوں، آج سے آفس بھی جوائن کر لیا ہے۔ دیکھیں کب وقت ملتا ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''چلو ٹھیک ہے جب بھی سہولت ہو چکر لگا لینا اور شہوار بیٹی کا بہت خیال رکھنا کبھی بھی اسے احساس نہیں ہونے دینا۔'' آخر میں بابا صاحب کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔
انہوں نے مصطفیٰ سے چند اور باتیں کی اور پھر ان سے ملنے کوئی آ گیا تو کال بند کر دی تھی۔
مصطفیٰ شہوار کے رونے کی وجہ سوچنے لگا۔ کل وہ غصے میں تھا مگر آج قدرے مزاج کی گرمی کم ہوئی تھی لیکن شہوار کی طرف سے دل میں جو بدگمانی آ چکی تھی وہ ابھی بھی قائم تھی۔ وہ کال بند کر کے اپنا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا تھا۔ اگر اس کے ساتھ یہ حادثہ نہ ہوتا تو کیا وہ پھر بھی اس طرح کمرے میں اس وقت تنہا ہوتا۔
دماغ میں عجیب و غریب خیالات آنے لگے تو اس نے یونہی کوفت سے سر اٹھایا مگر پھر ٹھٹک گیا شہوار کمرے میں داخل ہوئی تھی دونوں کی پہلی نگاہ بے ساختہ تھی۔
سرخ سوجی ہوئی آنکھیں تھیں شہوار کی وہ فوراً نگاہ جھکا گئی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہوں میں برہمی سی اترنے لگی۔
''شہوار کا وہ رونا ماں جی سے سب کہنا اس کے پس منظر میں کہیں اس رشتے سے متعلق ناپسندیدگی کا معاملہ تو نہیں۔'' مصطفیٰ کے دل و دماغ میں سوالات نے اودھم مچایا تھا۔
شہوار جھجکتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔ سر جھکا ہوا تھا اس نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا تھا۔
چہرے پر سرخی تھی یوں جیسے وہ گھنٹوں روتی رہی ہے ناک بھی سرخ انار کی طرح دہک رہی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔
ہلکے بلو کلر کے فینسی لباس میں ملبوس تھی۔ یقیناً ماں جی نے کمرے میں بھیجا ہو گا۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے تھے۔ شہوار آہستگی سے چلتی ہوئی بستر کے قریب آئی تھی۔
''ماں جی کہہ رہی تھیں آپ کی بینڈیج دیکھ لوں اگر آپ۔'' کچھ جھجکتے ہاتھ مسلتے اس نے بھاری ہوتی آواز سے کہنا چاہا تھا۔
''مجھے نہیں ضرورت کسی بھی بینڈیج کی۔'' مصطفیٰ کا انداز رکھائی لیے ہوئے تھا لہجے میں تلخی بھی تھی۔ وہ پھر لیپ ٹاپ سامنے رکھ کر دیکھنے لگا تھا۔

شہوار جو پہلے ہی شدت سے پریشان تھی مصطفیٰ کے اس رویے پر ایک دم ہرٹ ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم آنسو جمع ہو گئے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ مصطفیٰ اسے اس کے گزشتہ رویوں کی سزا دے رہا ہے۔

پہلے ہی وہ تابندہ کو لے کر گم صم تھی اوپر سے مصطفیٰ کا رویہ وہ نڈھال سے انداز میں صوفے پر جا بیٹھی تھی۔ مصطفیٰ نے لیپ ٹاپ سے توجہ ہٹا کر دیکھا تو چونکا وہ صوفے پر بیٹھی ہونٹوں کو دانتوں تلے دبائے آنسو بہا رہی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے کیوں آئی ہیں آپ کمرے میں؟'' لیپ ٹاپ سائیڈ پر کرتے مصطفیٰ نے سختی سے ٹوکا تو شہوار کے رونے میں ایک دم تیزی در آئی۔

وہ کبھی بھی ایسے لہجوں کی عادی نہ تھی اور یہاں کبھی بھی کسی نے اس طرح سختی سے مخاطب نہ کیا تھا اور اب مصطفیٰ کا یہ سلوک۔

''آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' ہتھیلی سے آنسو صاف کرتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو مصطفیٰ سرد تاثرات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ مصطفیٰ کا یہی رویہ سوچتے ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی مگر اب۔

''کیا کر رہا ہوں میں؟'' وہی تلخی اور سرد پن لیے پوچھا تو شہوار نے لب بھینچ لیے۔

وہ پچھلے دو تین گھنٹوں سے تابندہ بی کو لے کر اس قدر آنسو بہا چکی تھی کہ اب آنکھیں بھی دکھ رہی تھیں۔

وہ خاموش رہی تھی بمشکل اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی خاموشی پر مصطفیٰ کے اندر نجانے کیسی آگ جلنے لگی تھی کہ اسے لگا کہ اگر وہ چند پل شہوار کے سامنے رہا تو یقیناً خود پر ضبط نہیں کر پائے گا۔

غصے سے بستر سے اتر کر ایک تلخ اور جامد سی نگاہ شہوار پر ڈالی اور کمرے سے نکل گیا تھا۔ شہوار اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ مصطفیٰ اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھے گا۔ اس کا دل پھوڑے کی طرح دکھنے لگا۔

ماں جی کے کہنے پر وہ منہ ہاتھ دھو کر لباس بدل کر اس کمرے تک آئی تھی۔ مگر مصطفیٰ کے اس رویے نے اس کے دل میں موجود احساس کو بجھا ڈالا تھا۔

وہ تو پہلے ہی بداعتمادی اور بے نام ونشاں والی فضا میں جی رہی تھی اوپر سے مصطفیٰ کے اس رویے نے ادھ موا کر ڈالا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بے اختیار سسک اٹھی تھی۔

کل شب مصطفیٰ رات بھر کمرے میں نہیں آیا تھا اور وہ ساری رات تکیے سے ٹیک لگائے جاگتی رہی تھی اور اب بھی مصطفیٰ کمرے سے جا چکا تھا۔ وہ کتنی دیر تک صوفے پر بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھنے لگی تھی۔

نماز ادا کرنے کے بعد وہ کتنی دیر تک بستر کے کنارے بیٹھ کر مصطفیٰ کا انتظار کرتی رہی تھی مگر بارہ بجے کے بعد اس کے دل میں موجود ہر احساس گویا اپنی موت آپ مرنے لگا تھا۔

وہ گزشتہ ساری رات جاگی تھی صبح کالج اور اس کے بعد وہ تابندہ کے متعلق جاننے کے بعد شدت سے روتی رہی تھی اس وقت اس کے اندر مزید رونے کی بھی طاقت نہ رہی تھی۔ اسے اپنا سر بھاری بھاری لگنے لگا تھا۔ اس نے آہستگی سے اٹھ کر لائٹس آف کر دی تھیں بستر پر جانے کو اس کا دل نہیں کر رہا تھا مگر وہ اب اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں آنے دینا چاہتی تھی۔

اس کی ماں اس کے تمام سوالوں کا جواب دیے بغیر اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ اس کی اپنی ذات اس کے اپنے لیے ایک سوالیہ نشان بن چکی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ذات کا تمام تر مان اور غرور کھو چکی ہے وہ بے مایا ہو چکی ہے۔ مصطفیٰ کے بستر پر ایک کنارے پر لیٹ کر وہ پھر سسک اٹھی تھی۔

کتنی دیر تک وہ مصطفیٰ کا انتظار کرتی رہی اور پھر اس کی پہلے سے ہی سوجی بھاری آنکھیں مزید جلن سے بند ہونے لگیں۔ تو وہ خود کو سونے سے نہ بچا سکی تھی۔

کوئی دو بجے کے قریب مصطفیٰ نے کمرے میں قدم رکھا تو وہاں مکمل اندھیرا تھا اس نے نائٹ بلب جلایا تو ہلکی روشنی نے اندھیرے کی فضا کو توڑ دیا تھا۔

وہ کتنی دیر تک ٹی وی کھولے بیٹھا رہا تھا اور پھر ماں جی کے ٹوکنے پر وہاں سے اٹھ کر اوپر ٹیرس پر چلا گیا تھا گزشتہ ساری رات وہاں گزری تھی۔ مگر اب تھک ہار کر وہ واپس کمرے میں چلا آیا تھا۔ بستر کے دوسرے کنارے پر شہوار لیٹی ہوئی تھی۔

دوپٹہ نماز کے سے اسٹائل میں لپٹا ہوا تھا وہ سیدھی لیٹی ہوئی تھی بغیر بلینکٹ لیے ایک ہاتھ سینے پر تھا اور دوسرا پہلو میں مصطفیٰ ایک گہرا

سانس لیتا بستر پر آ بیٹھا۔ لاشعوری طور پر وہ شہوار کو دیکھنے لگا تھا۔
اس کا حسن ایسا سحر انگیز تھا کہ رات کی تاریکی میں مصطفیٰ کو مکمل طور پر اپنی طرف مائل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ سوئی ہوئی تھی مضطرب اور بے چین سی نیند تھی۔ چہرے پر سرخی اور آنسوؤں کے نشان واضح تھے۔ کھڑی ناک اور اس میں چمکتی لونگ۔
مصطفیٰ کو لگا اس نے بہت دن بعد اسے بغور دیکھا ہو اور وہ لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔ وہ اس کے سلوک سے بہت زیادہ ہرٹ ہوا تھا اور گھر آنے کے بعد سے تو دل و دماغ مسلسل ایک جنگ سے دوچار تھا اور اب اس پر نگاہ پڑتے پھر سے اسپتال کے بستر پر لیٹے پل پل شہوار کی آمد کے انتظار سے جھیلی جانے والی اذیت یاد آنے لگی تو وہ لب بھینچ کر کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔
ابھی وہ بمشکل سویا تھا کہ ایک دم عجیب سے احساس سے آنکھ کھل گئی تھی۔
''امی ...... امی ...... آپ مجھے چھوڑ کر مت جائیں، پلیز مت جائیں۔'' تیز گھبرائی ہوئی آواز کانوں سے ٹکرائی تو مصطفیٰ فوراً اٹھا۔
شہوار شاید نیند میں بڑبڑا رہی تھی اس کی آواز بہت واضح تھی۔
''امی پلیز مت جائیں ...... میں مر جاؤں گی، آپ کے بغیر کیسے رہوں گی۔'' وہ شہوار کے قریب جھکا تو وہ نیند میں کہہ رہی تھی لہجے میں تکلیف تھی۔ وہ اذیت سے سرہانے پر اپنا سر پٹخ رہی تھی۔
''شہوار ......'' مصطفیٰ نے فوراً پکارا۔
''شہوار کیا ہوا؟ اٹھو۔'' مصطفیٰ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر جھنجوڑا تو وہ ایک دم آنکھیں کھول کر خود پر جھکے مصطفیٰ کو دیکھنے لگی۔ اس کا حلق بالکل خشک ہو رہا تھا۔
یوں جیسے حلق میں کانٹے سے اگ آئے ہوں۔ چہرے پسینہ سے تر تھا اور سانس غیر معمولی رفتار سے تیز تھی۔
وہ تو شاید خواب دیکھ رہی تھی۔ تابندہ بوا اسے چھوڑ کر جا رہی تھیں اور وہ دیوانہ وار ان کے پیچھے بھاگی تھی اور ان کی چادر کا پلو تھام لیا تھا مگر اس کے باوجود وہ چلی گئی تھیں۔
خواب یاد آیا تو وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔
''امی ...... امی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔'' مصطفیٰ سیدھا ہوا اور حیرت سے اسے دیکھا۔
وہ شاید ابھی بھی خواب کے زیر اثر تھی۔ آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہہ رہے تھے اس کی حالت اس وقت قابل رحم ہو رہی تھی۔
''تم نے شاید کوئی خواب دیکھا ہے۔'' مصطفیٰ نے قدرے نرمی سے کہا۔
''میں سچ کہہ رہی ہوں امی چلی گئی ہیں۔ میں ان سے پوچھتی تھی میں کون ہوں اور وہ میرے سوالوں کے جواب دیے بغیر چلی گئیں۔'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو مصطفیٰ چونکا۔
''تم خواب میں ڈر گئی ہو؟'' مصطفیٰ نے پھر کہا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس شدت سے روتی رہی۔
وہ تابندہ بوا کو یاد کرتے سوئی تھی اور تابندہ بوا کے خواب ہی اسے ستانے لگی تھیں اس کا ذہن اس وقت بالکل خالی ہو چکا تھا۔
''میرا خیال ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں، پانی پیو گی؟'' اسے اس طرح شدت سے روتے دیکھ کر مصطفیٰ الجھا تھا۔
پھر خود ہی بستر سے اتر کر لائٹ آن کی اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ شہوار کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنا چاہ رہی تھی مگر سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ اس کے دل کو ایک پل بھی قرار نہ تھا۔
کچھ پل بعد مصطفیٰ واپس کمرے میں آیا تھا ہاتھ میں گلاس اور جگ تھا۔
''یہ لو پانی پیو۔'' گلاس میں پانی ڈال کر اس کی طرف بڑھایا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔
سرخ متورم چہرہ کپکپاتے لرزتے ہونٹ، بھیگی پلکیں اور سوجی آنکھیں اور آنسوؤں سے تر رخسار ایک پل کو مصطفیٰ ساکت ہوا تھا۔
شہوار کی حالت بہت عجیب سی تھی۔ اس نے زندگی بھر شہوار کو اس حال میں نہ دیکھا تھا کبھی بھی نہیں۔ شہوار نے پانی کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا اس نے بس نفی میں سر ہلایا تھا۔ رو رو کر اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔
''پانی پی لو۔'' مصطفیٰ کو اس کی حالت نے پریشان کر دیا تھا خود بخود لہجہ نرم نرم ہو گیا تھا اس نے پھر نفی میں سر ہلایا تو دوبارہ کہے بغیر گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا تھا مجبوراً اس نے چند گھونٹ بھرے تھے۔ مصطفیٰ نے ڈریسنگ پر رکھا ٹشو باکس اٹھا کر اس کے سامنے رکھا۔
''چہرہ صاف کرو، بلکہ منہ دھو آؤ تو بہتر ہے۔'' پانی پی کر وہ سر جھکا گئی تھی۔

مصطفیٰ کی بات پر بھی اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی تھی مصطفیٰ نے پانی اور گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا دوبارہ بیڈ پر بیٹھ کر اسے دیکھا۔

وہ اب بھی سر جھکائے رو رہی تھی آنسو اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔ مصطفیٰ نے محسوس کیا بے تحاشا رونے سے اس کا وجود لرز رہا تھا۔ وہ حقیقتاً شاکڈ ہوا تھا۔

''شہوار۔'' اس کے قریب ہوتے اس کا بازو تھامنا چاہا تو احساس ہوا وہ حدت سے تپ رہی تھی۔

''تمہیں بخار ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''مجھے امی کے پاس لے چلیں میں اگر ان سے نہ ملی تو میرا دل بند ہو جائے گا۔'' اس نے مصطفیٰ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔

تابندہ بی کی طرف سے ملنے والا صدمہ ایسا تھا کہ اسے لگ رہا تھا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام تر صلاحیتیں سلب ہو چکی ہیں اسے خود پر کوئی اختیار نہ رہا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی شہوار، کیا پرابلم ہے؟'' مصطفیٰ نے تمام تر غصہ بھلائے اس کے لرزتے وجود کو بازو کے حصار میں لے لیا تھا وہ تو گویا پہلے ہی ٹوٹی ہوئی شاخ تھی اس کا حصار پاتے ہی ایک بار پھر شدت سے سسک اٹھی۔ مصطفیٰ کا یہ عمل بے ساختہ تھا۔ اس کا گریہ ایسا تھا کہ مصطفیٰ بے چین ہو گیا تھا۔

''مصطفیٰ امی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں میرے تمام اوہام سچ ثابت ہوئے ہیں انہوں نے ہمیشہ مجھ سے سب چھپایا اور پھر وہ چلی گئیں۔'' لرزتے لہجے میں اس کے سینے کو اپنے آنسوؤں سے بھگوتے وہ ایسا انکشاف کر رہی تھی کہ مصطفیٰ گم صم رہ گیا تھا۔ ایک دم اسے احساس ہوا وہ خواب کی بات نہیں حقیقت بیان کر رہی ہے۔

''کہاں گئی ہیں وہ؟'' مصطفیٰ نے چونک کر پوچھا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تمہیں کس نے بتایا کہ وہ چلی گئی ہیں اور کیوں گئی ہیں تم سے بات کی تھی انہوں نے۔'' وہ پھر نفی میں سر ہلا گئی تھی۔ رونے کی شدت سے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی اور سانس ناہموار۔

مصطفیٰ چند پل اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا تھا اور پھر اسی طرح حصار میں لیے آگے جھک کر پانی والا گلاس اٹھا لیا تھا۔

''یہ پانی پی لو۔'' اس کے ہونٹوں سے گلاس لگایا۔ اب کی بار اس نے گلاس خالی کر دیا تھا۔

''اور لو گی؟'' محبت، نرمی و توجہ سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ مسلسل گریہ وزاری سے بے انتہا سرخ ہو رہا تھا۔

''تمہیں بخار ہے؟'' اس کا وجود آگ اگل رہا تھا مصطفیٰ کو اس کی حالت سے تشویش ہونے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموش رہی وہ بے انتہا نڈھال لگ رہی تھی۔ مصطفیٰ کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور ماں جی سے بات کرے۔

اس کے ذہن میں شہوار والے کمرے میں دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو گونج رہی تھی مگر رات کے اس پہر وہ باہر جاتا تو یقیناً سبھی ڈسٹرب ہوتے۔

''لیٹ جاؤ، تمہیں بہت بخار ہے۔ اس طرح روؤں گی تو طبیعت مزید خراب ہو گی۔'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے لیٹ گئی تھی ویسے بھی بے تحاشا رونے سے اب سر چکرا رہا تھا۔ مصطفیٰ نے بلینکٹ کھول کر اس پر ڈال دیا تھا۔

''میڈیسن لو گی تمہیں تیز بخار ہے؟'' مصطفیٰ نے کہا تو اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔

دونوں کی نگاہیں ملی تھیں اور پہلی بار اتنی خراب طبیعت کے باوجود اس پہر مصطفیٰ کے ساتھ اپنے اس رشتے نے ایک عجیب سا احساس بخشا تھا۔

''میں سوؤں گی۔'' وہ مصطفیٰ سے نگاہ چراتے کروٹ بدل گئی تھی۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

کروٹ کے بل وہ پھر بغیر آواز پیدا کیے رونے لگی تھی آنکھوں سے آنسو خشک ہی نہیں ہو پا رہے تھے وہ جتنا صبر کرنے کی کوشش کر رہی تھی آنسو اتنے ہی بے اختیار تھے۔ مصطفیٰ نے اس کے لرزتے وجود اور ہلکی ہلکی سسکیوں کو سنا تو اندر اضطراب برپا ہونے لگا۔

''شہوار۔'' مصطفیٰ نے پکارا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

”یا تو ساری بات مجھے بتاؤ، یا پھر رونا بند کرو، میں پریشان ہو رہا ہوں۔“ مصطفیٰ نے جھنجلاتی آواز میں کہا۔ مصطفیٰ کو لگا کہ اگر وہ اسی طرح روتی رہی تو صبح تک اس کی طبیعت بہت خراب ہو جائے گی وہ بستر سے اٹھا۔
دراز سے اپنی میڈیسنز نکال کر چیک کرنے لگا اور پھر ایک گولی لے کر گلاس میں پانی ڈال کر قریب آ گیا تھا۔
”یہ میڈیسن لے لو۔“ مصطفیٰ نے کہا تو وہ ٹھٹھکی تھی۔
”یہ لے لو تمہارے نروز کو کچھ سکون ملے گا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو وہ بڑے نڈھال سے انداز میں اٹھ بیٹھی تھی۔
مصطفیٰ نے دیکھا اس سے گلاس لیتے اس کا ہاتھ لرز رہا تھا۔
مصطفیٰ کی ہتھیلی سے گولی لے کر اس نے منہ میں رکھ دی اور لرزتے ہاتھ سے پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔ مصطفیٰ نے گلاس واپس لے کر ٹیبل پر رکھا وہ دوبارہ لیٹ گئی تھی۔ اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ مصطفیٰ نے نائٹ بلب کے علاوہ تمام لائٹس گل کر دی تھیں۔
وہ واپس بستر پر آ کر بیٹھا تو چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ ایک نظر ملگجے سے اندھیرے میں شہوار کو دیکھا اور پھر لب بھینچ کر ایک گہرا سانس لیا تھا۔
”تابندہ بوا کیوں اور کہاں گئی ہیں؟“ ذہن و دل پر بس اسی سوال نے ایک ہلچل مچا دی تھی۔
وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا اور نجانے کیا کیا سوچتا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد شہوار کی طرف جھک کر اس کی آنکھوں سے بازو ہٹایا تو وہ سو چکی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے نیند کی گولی دی تھی۔
تبھی وہ کچھ پل میں ہی غافل ہو گئی تھی۔ شہوار کا بازو جل رہا تھا یقیناً اسے بخار تھا۔ مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتے اس پر بلینکٹ درست کرتے خود بھی اس کے قریب ہی نیم دراز ہو گیا تھا۔ شہوار کا رویہ اور تابندہ بوا کی ذات ایسے سوال تھے کہ اب اسے خاک نیند آنا تھی۔
وہ سو کر اٹھا تو کافی وقت ہو چکا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی تو دن کے نو بجا رہی تھی مصطفیٰ کو یاد آیا وہ رات تابندہ بی کے بارے میں سوچتے سوچتے سو گیا تھا۔ وہ فوراً اٹھا مگر پھر رک گیا۔ اس کے پہلو میں شہوار ابھی بھی موجود تھی اور بے خبر سو رہی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کا بازو تھاما تو پریشان ہوا وہ ابھی بھی تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔
”شہوار۔“ مصطفیٰ نے اس پر جھکتے ہوئے پکارا تو اس نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا مصطفیٰ نے اس کا رخسار تھپتھپایا اور جھنجوڑا تو اس نے کراہ کے ساتھ آنکھ کھولی اور پھر بند کر لی تھی۔
”شہوار۔“ شہوار کو پکارا۔
”ہوں۔“ اس نے صرف ہنکارا بھرا تھا۔ مصطفیٰ نے چند پل اسے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر بستر سے اتر آیا۔
مصطفیٰ نے پہلے منہ ہاتھ دھویا اور پھر کمرے سے نکل آیا تھا۔ وہ کچن کی طرف آیا تو ماں جی وہاں موجود تھیں اسے دیکھ کر مسکرائیں۔
”بہت لیٹ اٹھے تم آفس جاؤ گے یا نہیں؟“ انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔
”جی بس آنکھ دیر سے کھلی، کچھ لیٹ جاؤں گا۔“
”شہوار بھی کمرے سے باہر نہیں آئی۔ رات اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی تو مجھے تشویش ہو رہی تھی۔“ ماں جی نے مزید پوچھا۔
”ساری رات بخار سے نڈھال رہی ہے ابھی بھی بخار کی غنودگی میں ہے۔“
”اوہ......اچھا، اگر ایسی بات تھی تو رات میں ہی بتاتے ڈاکٹر کو کال کر لیتے۔“ ماں جی فوراً پریشان ہو اٹھی تھیں۔
”میں نے سوچا کہ کیا رات گئے پریشان کروں آپ چل کر اسے دیکھیں میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔“ مصطفیٰ کے کہنے پر وہ فوراً کمرے میں چلی گئی اور مصطفیٰ نے کال کر کے امجد کو لیٹ آنے کی اطلاع دی اور پھر ڈاکٹر کو کال کر کے فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔ وہ کمرے میں دوبارہ آیا تو ماں جی شہوار کے ماتھے پر کپڑا گیلا کر کے رکھ رہی تھیں اور شہوار نیم غنودگی میں تھی۔
”دیکھو اتنی طبیعت خراب کر لی اس نے، رات میں ہی بتایا ہوتا تو گھر میں بخار کی دوا تو ہوتی ہی ہے وہی دیتے کچھ افاقہ تو ہوتا۔“ ماں اسے اس طرح لیٹے دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔
”میں نے ڈاکٹر کو اطلاع کر دی ہے وہ آ جاتا ہے۔“ وہ شہوار کے دوسری طرف آ بیٹھا تھا۔
”مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے شہوار رات تابندہ بوا کے کہیں چلے جانے کا ذکر کر رہی تھی یہ کیا کہانی ہے اور آپ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا، کیا معاملہ ہے، کہاں گئی ہیں اور کیوں؟“ شہوار کے ماتھے پر گیلا تولیہ رکھتے ہوئے ان کے ہاتھ رک گئی تھیں۔ انہوں نے

ایک گہرا سانس لیا تھا۔
شاہزیب صاحب نے مصطفیٰ کی طبیعت اور زخموں کے سبب اسے ابھی کچھ بھی بتانے سے گریز کیا تھا مگر اب جبکہ شہوار بتا چکی تھی تو وہ کیونکر چھپاتیں۔ انہوں نے شاہزیب صاحب سے جو بھی سنا تھا سب مصطفیٰ کو بتا دیا۔
''اوہ...... ان بلیوایبل...... کہاں جاسکتی ہیں وہ؟'' مصطفیٰ حیرت زدہ تھا۔
''میں تو خود سوچ سوچ کر پاگل ہو چکی ہوں، کبھی کبھی دل میں عجیب سے خیال آنے لگتے ہیں تابندہ سے برسوں کا ساتھ رہا۔ مجھے نہیں لگتا وہ کوئی ایسی ویسی عورت ہوں گی خاندانی وقار اور رکھ رکھاؤ کے ہر انداز سے چھلکتا تھا اور جس طرح ہر نفع ونقصان سے بے نیاز ہو کر اس نے حویلی کے لیے ساری زندگی وقف کر دی تھی کوئی ایسی ویسی عورت ہوتی تو قطعی نہ کرتی، میں تو خود حیران ہوں کہ نجانے کہاں چلی گئی ہے وہ۔''
''اور بابا صاحب کیا کہتے ہیں؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''وہ خود الجھے ہوئے اور پریشان ہیں، ویسے کہہ رہے تھے کہ چند لوگوں کے ذریعے پتا کرا رہے ہیں مگر ایسی باتوں کا ایک دم کیسے پتا چلتا ہے۔'' مصطفیٰ نے جواباً کچھ کہنا چاہا تو شہوار کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔
شہوار کی آنکھیں بخار کی حدت سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں کھولی تھیں مصطفیٰ سے پہلی نگاہ ٹکرائی تھی اور اسے مکمل طور پر متوجہ دیکھ کر وہ پھر آنکھیں بند کر گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
کچھ دیر بعد ڈاکٹر آ گیا تھا چیک اپ کرانے کے بعد اس نے انجیکشن لگایا تھا۔ کچھ میڈیسن لکھ دی تھیں جو ماں جی نے اسی وقت ڈرائیور کو بلوا کر لانے بھی بھیج دی تھیں۔ لائبہ بھابی بھی آ گئیں تو مصطفیٰ بھی کمرے سے نکل گیا تھا۔
ڈاکٹر چلا گیا تو کچھ دیر بعد مہر النساء نے اسے توس زبردستی کھلایا تھا رات بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اس کے بعد ڈرائیور میڈیسن لے آیا تھا انہوں نے خود میڈیسن کھلائی تھیں۔ بخار اور صدمے نے شہوار کو بری طرح نڈھال کر دیا تھا۔
مصطفیٰ دوبارہ کمرے میں آیا تو ماں جی اور بھابی کمرے سے جا چکی تھیں اور شہوار لیٹی ہوئی تھی آنکھیں بند تھیں۔ چہرے سے نقاہت اور کمزوری صاف عیاں تھی میڈیسن لے کر وہ سو رہی تھی شاید۔ مصطفیٰ نے الماری سے اپنا ڈریس نکالا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔
وہ خاموشی سے تیار ہوا اور اپنا لیپ ٹاپ لینے وہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف آیا تو ایک پل کو شہوار کو دیکھ کر رک گیا تھا۔ آہستگی سے اس کے پاس بیٹھا تھا۔
رات وہ جس طرح شدت سے روئی تھی مصطفیٰ کے اندر تمام تر ناراضی ختم ہو چکی تھی مصطفیٰ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ ہلکے ہلکے پسینے کے قطرے تھے بخار میں کمی ہو چکی تھی مگر ابھی بھی برقرار تھا۔ یقیناً میڈیسن کا اثر تھا۔ مصطفیٰ ایک دم مطمئن ہوا تھا۔ وہ کمرے سے نکلا تو ماں جی اسے دیکھ کر رک گئیں وہ بھی کمرے میں ہی آ رہی تھیں۔
''آفس جا رہے ہو؟''
''جی۔''
''احتیاط سے جانا، ڈرائیور چھوڑ آئے گا اور گارڈ کو ساتھ رکھنا۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔
شاہزیب صاحب کی طرف سے یہ سخت ہدایات تھیں کہ وہ خود ڈرائیو نہیں کرے گا اور گارڈ ساتھ ضرور ہو گا۔
''آپ ٹینشن نہ لیں ان شاء اللہ اب کچھ نہیں ہو گا، ایک بار ہماری بے خبری میں ہم پر حملہ ہوا ہے یقیناً دشمن دوسری بار ایسی حرکت نہیں کرے گا۔'' مسکرا کر کہا۔
''اللہ اپنی امان میں رکھے، اتنا بڑا حادثہ ہوا میں تو ابھی تک اس سے ہی سنبھل نہیں پائی، دھیان سے رہنا۔''
''جی ضرور۔'' مصطفیٰ مسکرا کر باہر نکل آیا تھا بابا نے گارڈ کو گاڑی نکالنے کا کہا۔
وہ پہلے اسپتال گیا۔ ڈاکٹر سے بازو اور کندھے کا ٹریٹمنٹ کرایا تھا بازو بہتر تھا مگر کندھے کا زخم ٹھیک ہونے میں کچھ دن لگنے تھے۔
وہاں سے فارغ ہو کر وہ آفس آ گیا تھا وہاں بہت سارے امور اس کی توجہ کے طالب تھے۔ وہ ان میں لگ گیا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے کچھ فرصت ملی تو گھر سے ساتھ لائے کچھ اہم کاغذات وہ دیکھنے لگا۔ تبھی کسی ضرورت کے تحت اس نے والٹ کھولا تھا اور ایک پل کو رکا تھا۔ تابندہ بوا سے اس نے ایک آئی ڈی کارڈ لیا تھا جو اس نے اپنے والٹ میں رکھ لیا تھا۔ گولیاں لگنے تک والٹ اس کے پاس تھا۔ پھر اس کی

تمام اشیا شاہزیب صاحب کے پاس چلی گئی تھیں جو گھر واپسی پر مل گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے کارڈ دیکھا اور پھر کچھ پل سوچا۔ کارڈ واپس والٹ میں رکھتے اس نے جلدی سے تمام کاغذات سمیٹ کر لاکر میں رکھتے گھنٹی بجائی تھی۔ کانسٹیبل فوراً چلا آیا تھا۔ ڈرائیور کو گاڑی ریڈی کرنے کا کہو۔

''کوئی پوچھے تو کہنا صاحب ضروری کام سے گئے ہیں۔'' کانسٹیبل سلام کر کے چلا گیا تھا۔ مصطفیٰ نے چند جگہوں پر ایک دو ضروری کالز کی اور پھر گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔

ڈرائیور کو ایڈریس سمجھا کر وہ خاموشی سے بیٹھ گیا تھا اگلی سیٹ پر گارڈ بھی موجود تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد گاڑی مصطفیٰ کے مطلوبہ ایڈریس پر جا رکی تھی مصطفیٰ نے بغور علاقے کو دیکھا۔ علاقہ جدید اور ایڈوانس رہائشی گھروں پر مشتمل تھا۔ ان کو مطلوبہ مکان پر پہنچنے میں کچھ وقت لگا تھا مگر جیسے ہی آئی ڈی کارڈ پر لکھے ایڈریس کے سامنے گاڑی رکی تو مصطفیٰ گاڑی سے باہر نکل آیا تھا گارڈ کو باہر نکلنے سے منع کر دیا تھا۔ گھر کے گیٹ پر بیل دی تھی کچھ دیر بعد ایک خوش پوش ضعیف عمر کا شخص برآمد ہوا تھا۔

''جی فرمائیے۔'' بوڑھے نے سر سے پاؤں تک مصطفیٰ اور پھر کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی کو دیکھا تھا۔

''سکندر احمد ولد سبحان احمد کا گھر یہی ہے۔'' اس نے مصافحہ کرنے کے بعد براہ راست پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' بزرگ نے سنجیدگی سے بتایا۔

''تو پھر یہ کس کا گھر ہے؟'' مصطفیٰ نے نیم پلیٹ کو دیکھا جہاں فیاض لکھا ہوا تھا۔

''یہ تو ہمارا گھر ہے۔ فیاض میرے بیٹے کا نام ہے۔''

''آپ کب سے یہاں ہیں؟'' مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا۔

''مجھے سکندر احمد ولد سبحان احمد سے ملنا ہے یہ ان کا آئی ڈی کارڈ ہے اور یہ ان کا ایڈریس ان سے ایک کام تھا سو اسی لیے حاضر ہوا تھا۔'' سکندر صاحب تو کب کے وفات پا چکے تھے وہ جانتا تھا مگر یونہی بوڑھے کو ٹالنے کو اس نے کہہ دیا اور کارڈ بھی دکھایا۔

''دیکھیں ہم نے دو سال پہلے یہ گھر کرائے پر لیا تھا ہمیں نہیں پتا اس سے پہلے یہاں کون لوگ رہائش پذیر تھے۔'' بزرگ نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔

''ہو سکتا ہے مالک مکان کا نام سکندر وغیرہ ہو۔''

''نہیں ان کا نام تو کچھ اور ہے اصل میں وہ لوگ پاکستان میں نہیں رہتے۔ یہ گھر ان کے کچھ رشتہ داروں کی ذمہ داری میں ہے انہی کے توسط سے ہم یہاں پر رینٹ پر آئے تھے۔'' بزرگ نے تفصیلاً بتایا۔

''جی بہتر ہے۔ کیا مجھے ان رشتہ داروں یا مکان مالکان کا کونٹیکٹ نمبر مل سکتا ہے۔''

''مجھے زبانی تو یاد نہیں مگر اندر کسی سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔'' بزرگ کہہ کر واپس اندر چلے گئے تھے مصطفیٰ خاموشی سے وہاں کھڑا رہا۔ ماں جی سے سکندر صاحب کے بارے میں جان کر اور تمام تفصیل سننے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب خود اس سارے مسئلے تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔

شہوار ایک عرصے سے اپنی شناخت اور نجانے کیا کیا کہتی رہی تھی مگر ہمیشہ سے اس کے لیے ان باتوں کی کوئی اہمیت نہ تھی مگر رات جس طرح تابندہ بی کے بارے میں انکشاف سنا تھا اور اس سے بڑھ کر شہوار کی وہ حالت مصطفیٰ نے ایک دم فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب خود اس سارے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرے گا۔ تابندہ بوا کے اس طرح منظر سے غائب ہو جانے پر اب مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہاں کوئی چیز مس ہے۔ وہ صرف اس گمان میں یہاں تک آیا تھا کہ شاید تابندہ بوا یہاں آئی ہوں۔ بزرگ اندر سے واپس آ گئے تھے۔

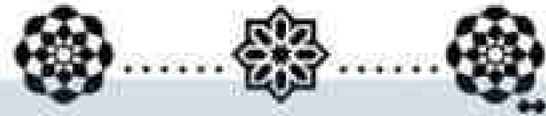
انہوں نے ایک چٹ مصطفیٰ کی طرف بڑھائی تھی۔

''مالکان کا تو ہمیں نہیں پتا۔ لیکن جن کی ذمہ داری پر یہ گھر ہے ان کا یہ ایڈریس ہے ہر ماہ کرایہ لینے آتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے چٹ تھام لی تھی۔

''شکریہ بہت بہت۔''

''ایک اور سوال پوچھوں گا؟'' مصطفیٰ نے کہا تو بزرگ نے سوالیہ دیکھا۔

''یہاں چند دن پہلے تابندہ نامی کوئی خاتون آئی تھیں۔''
''تابندہ۔'' بزرگ نے سوچنے کی کوشش کی تھی اور پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا۔
''نہیں یہاں اس نام کی کوئی خاتون نہیں آئیں۔'' مصطفیٰ نے سر ہلا دیا اور مسکرا کر ایک بار پھر بزرگوار کا شکریہ ادا کرتے وہ واپس گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔



وہ آفس میں تھی اپنے کیبن میں بیٹھی کوئی فائل دیکھ رہی تھی۔ جب وہاں ماموں کے ساتھ بھابی کو آتے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔
''آپ دونوں ادھر؟'' آفس بوائے ان کو اس تک پہنچا کر پلٹ گیا تھا۔
''ہاں ابوبکر نے ایک فلیٹ پسند کیا ہے وہ دکھانا چاہ رہا تھا ہم نے سوچا رستے میں تمہیں بھی لے لیتے ہیں۔'' بھابی نے بتایا تو اسے حیرانی ہوئی۔
''آپ دونوں بیٹھیں تو۔'' وہ پہلی بار اس کے آفس میں آئے تھے وہ تو خوش ہو رہی تھی۔ سائیڈ پر رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔
''ابوبکر گاڑی رینٹ پر لے کر آیا ہے تم اپنے باس سے چھٹی لے لو تو چلتے ہیں۔'' ماموں نے کہا تو اس نے جلدی جلدی ارد گرد بکھرے کاغذات سمیٹے۔
''وہ باہر گاڑی میں ہی ہیں کیا، ان کو بھی اندر لے آتے؟'' اس نے بھابی سے کہا وہ مسکرا دی۔
''میں بس یہ کام سمیٹ لوں، عباس صاحب کو ارجنٹلی چاہیے۔'' وہ جلدی جلدی کمپیوٹر پر انگلیاں چلانے لگی تھی اس دوران آفس بوائے کو کہہ کر ان کے لیے کچھ لانے کو کہا تھا۔ اور کچھ دیر بعد وہ ان کو کولڈ ڈرنک تھما گیا تھا اس نے جلدی جلدی کاغذات کا پرنٹ نکال کر فائل بنائی تھی۔
''میں عباس صاحب سے بات کر کے آتی ہوں آپ ویٹ کریں۔'' وہ فائل لے کر عباس صاحب کے کمرے میں چلی آئی تھی۔
''سر مجھے چھٹی چاہیے۔'' عباس نے جیسے ہی اس کے ہاتھ سے فائل تھامی تھی اس نے فوراً کہا تھا۔
''خیریت؟'' فائل ٹیبل پر رکھتے عباس نے پوچھا۔
''جی، بس ایک ضروری کام ہے کہیں جانا تھا۔'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔
''لیکن یہ فائل تو بہت ضروری تھی آج ہی تمام جگہوں پر اس کی ایک ایک کاپی پیپرز ارسال کرنی ہیں۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا۔
''بٹ سر مجھے انفارم کیے بغیر ماموں اور بھابی لینے آ گئے ہیں اتنا لمبا چوڑا کام نہیں ہے میں واپسی پر آ کر کر لوں گی۔ مجھے بس تھوڑی دیر کے لیے جانا ہے۔'' اس نے کہا تو عباس نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
اور نجانے کیوں مصطفیٰ کی بارات والے دن واپسی پر وہ نگاہ کو بہت خاص لگی تھی اور تب سے بالکل اچانک نگاہ بھٹکنے لگی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی نظر باز شخص تھا۔ مگر اس لڑکی میں ہی شاید کچھ خاص بات تھی جو وہ اپنی تمام تر سادگی اور احتیاط کے باوجود اپنی تمام تر توجہ اپنی طرف کھینچنے لگ گئی تھی۔
''اوکے، مس ہادیہ کو بھیج دیں میں ان کو بریف کر دوں گا وہ کور کر لیں گی آپ ریلیکس ہو کر جائیں۔''
''آپ اپنا کام نبٹا کر آرام وسکون سے گھر جا سکتی ہیں مس ہادیہ کر لیں گی۔'' عباس نے مسکرا کر کہا تو وہ ایک دم خوش ہو گئی تھی۔
''ویسے آپ نے اپنے ماموں سے ملوایا ہی نہیں آپ ان کو ادھر آفس میں ہی لے آتیں۔'' عباس نے مزید کہا۔
''وہ ذرا جلدی میں ہیں تو......'' اس نے فوراً کہا۔
''آپ کے ہاں ان سے ملاقات ہوئی تھی بہت ہی نائس انسان ہیں مجھے تو ان کی بات چیت اور رکھ رکھاؤ نے بہت متاثر کیا تھا۔'' سر عباس کے منہ سے ماموں کی تعریف سن کر وہ ایک دم خوش ہوئی تھی۔
''اگر آپ ملنا چاہتے ہیں تو میں ان کو یہیں بلوا لیتی ہوں۔'' اس نے فوراً کہا۔
''نہیں میں بابا کے کمرے میں جا رہا ہوں ان سے بھی ملتا ہوں ویسے بھی وہ ہمارے بزرگ ہیں اور اچھا نہیں لگتا کہ وہ خود چل کر یہاں آ کر مجھ سے ملیں بھلے میں آپ کا باس ہوں۔'' عباس مسکرا کر کہتا اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا اس نے اس کی فائل بھی اٹھا لی تھی۔
''اور وہ ہادیہ سے بات۔''

وہ میں خود کہہ دوں گا۔'' وہ ایک دم ریلیکس ہوئی تھی۔ وہ سر عباس کے ہمراہ روم سے نکلی تھی۔
''سر آپ کے بھائی اب ٹھیک ہیں؟'' یونہی چلتے چلتے اس نے پوچھا تو عباس نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ عباس کے ہمراہ اپنے کیبن کی طرف آئی تھی۔
ماموں اور بھابی سر عباس کو دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے تھے۔
''السلام علیکم، کیسے ہیں آپ؟'' ماموں سے ہاتھ ملاتے عباس نے گرم جوشی سے پوچھا۔
''وعلیکم السلام، اللہ کا کرم ہے آپ کیسے ہو بیٹا، رابعہ سے آپ کے بھائی کے حادثے کا سنا تھا وہ اب ٹھیک ہیں؟'' جواباً ماموں نے بھی خلوص سے پوچھا۔
''جی الحمدللہ مصطفیٰ بہت بہتر ہے اب تو آفس بھی جا رہا ہے۔ آئیے آپ کو بابا جان سے بھی ملواتا ہوں۔'' بھابی کو سلام کرتے وہ ماموں سے کہہ رہا تھا۔
''نہیں بیٹا! اس وقت کچھ ضروری کام سے جانا ہے ان شاء اللہ پھر ضرور ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔'' ماموں نے کہا۔
''ویسے بھی رابعہ بیٹی شاہزیب صاحب کی بہت تعریفیں کرتی ہے۔'' عباس نے مسکرا کر دیکھا۔
''یعنی صرف بابا کی تعریفیں کی جاتی ہیں ہمارا کہیں کوئی ذکر نہیں ہوتا۔'' انداز پر مزاح تھا ماموں مسکرا دیے۔
''چلیں پھر بیٹا جی پھر ملاقات ہو گی چلتے ہیں۔'' ماموں نے پھر ہاتھ ملایا تو وہ ان دونوں کے ہمراہ چلتی باہر آ گئی تھی۔ ابوبکر موجود تھا۔
ابوبکر نے جو فلیٹ منتخب کیا تھا بہت اچھا تھا سیکنڈ فلور پر تھا۔ تین بیڈ روم ایک کچن اور لاؤنج تھا۔ سبھی کو فلیٹ پسند آیا تھا۔ ماموں کے مشورے پر وہ ماموں کے ایک اسٹوڈنٹ کے ساتھ مل کر اسپورٹس کا کاروبار شروع کر رہا تھا۔ ماموں اور امی اس رشتے سے بہت خوش تھے۔ سو وہ بھی مطمئن تھی۔
فلیٹ دیکھ کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھے تو رابعہ کو ایک دم چونکنا پڑا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتی عادلہ اسے دیکھ کر تنفر سے رکی تھی۔ ماموں اور ابوبکر اوپر ہی تھے وہ ایک دم رک گئی تھی۔
عادلہ ایک بار ان کے گھر نہ آ چکی ہوتی تو وہ بھی تنفر سے دیکھ کر گزر جاتی مگر مشکل یہ تھی کہ بھابی ساتھ تھیں وہ بھی عادلہ کو دیکھ کر فوراً پہچان گئی تھیں۔
''ارے رابعہ دیکھو تمہارے سر کی وائف۔'' بھابی نے کہا تو رابعہ نے لب بھینچ لیے۔
''او مس رابعہ، کیسی ہیں آپ؟'' عادلہ نے پاس آ کر طنز سے کہا تھا۔ رابعہ نے تنفر سے رخ بدلا۔
''چلیں بھابی۔'' وہ کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی تو بھابی الجھ گئی تھیں۔ رابعہ اپنے باس کی بیوی کو نظر انداز کر کے جا رہی تھی۔
''رکو۔'' عادلہ رابعہ کے اس انداز پر ایک دم غصے سے پکار رہی تھی۔ رابعہ نے پلٹ کر دیکھا۔ عادلہ سیڑھیاں پھلانگتی واپس اس تک آئی تھی۔
''تم سمجھتی ہو عباس جیسے مرد کو سب بتا کر تم میری پہنچ سے دور نکل جاؤ گی یہ مت بھولو وہ کلپس ابھی بھی میرے پاس ہیں اور تم تصور نہیں کر سکتی میں کس حد تک جا سکتی ہوں۔''
''میں تم جیسی عورت کے منہ نہیں لگنا چاہتی، جو کر سکتی ہو کر لو میں تم جیسی دو نمبر عورت سے ڈرتی نہیں ہوں۔'' عادلہ کے آگ اگلتے لہجے پر اس نے بہت سرد لہجے میں کہا تھا۔
''اوہ یو شٹ اپ۔'' وہ چیخی تھی۔
تبھی ماموں کے ساتھ ابوبکر بھی وہاں تک چلا آیا تھا۔
''کیا بات ہے بیٹا؟'' ابوبکر تو عادلہ کو دیکھ کر فوراً ٹھٹکا تھا ماموں نے عادلہ کو کہا۔
عادلہ نے ایک قہر بھری نگاہ رابعہ پر ڈالی اور پھر کسی کو بھی دیکھے بغیر وہاں سے چلی گئی تھی۔ رابعہ نے سر جھٹکتے باقی سیڑھیاں بھی تیزی سے طے کر گئی تھیں۔
''کیا بات ہے رابعہ وہ تو تمہارے باس کی وائف تھی نا۔'' بھابی اس کے پاس آ گئی تھیں انہوں نے حیرت سے پوچھا۔
''یس وہ باس کی وائف ضرور تھی مگر دونوں میں علیحدگی ہو گئی ہے۔''

''اوہ۔'' ماموں اور ابوبکر بھی آ گئے تھے۔
''تو تم سے کیوں الجھ رہی تھی۔''
''دماغ خراب ہو چکا ہے اس عورت کا باس کے آفس میں کام کرتی ہوں تو اس بات پر دشمنی نکال رہی ہے۔'' بمشکل خود پر ضبط کرتے اس نے کہا۔ ماموں نے خاموشی سے بات سنی تھی۔
''عجیب عورت ہے جا کر اپنے شوہر سے بات کرے تم پر کیوں زور چلا رہی تھی۔'' بھابی نے حیرت کا اظہار کیا۔
''چھوڑیں بھابی ہوتی ہیں دنیا میں ایسی عورتیں بھی۔'' ابوبکر نے اسے مشکل میں دیکھ کر بھابی کو ٹالا تو وہ سر ہلا گئی تھی۔
واپسی کے سفر میں رابعہ کے اندر عجیب وغریب سی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی تھی۔ یہ عورت اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا عذاب لگ رہی تھی۔ وہ لب بھینچے باقی کا سارا رستہ خاموش بیٹھی رہی تھی۔



شہوار بیمار تھی انا کو کالج جا کر اسے نہ پا کر فون کرنے پر علم ہوا تھا۔ وہ سارا وقت مصروف رہی تھی واپسی پر ڈرائیور لینے آیا تو اس نے سوچا رستے سے شہوار کے ہاں بھی چکر لگائے گی۔ یہی سوچ کر اس نے ڈرائیور کو رستے سے کسی فلاور شاپ سے بکے لینے کا کہا تھا۔ ڈرائیور نے ایک شاپ کے سامنے گاڑی روکی تو گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی تھی۔
''انا۔'' وہ اپنی پسند کا بکے بنوا رہی تھی جب اپنا نام پکارنے پر چونک کر پلٹی تو حیرت زدہ رہ گئی۔ اس کے سامنے کاشفہ کھڑی تھی۔
''مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی انا کے زاویے کشیدہ ہوئے۔
اس لڑکی کی وجہ سے اس کے اور ولید کے درمیان تعلقات خراب ہو رہے تھے۔ وہ اچھی بھلی گزشتہ تمام سوچوں کو بھلا کر ولید کو قبول کر چکی تھی۔ مگر اب ایک بار پھر یہ لڑکی ایک طوفان بن کر اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔
''جی کہیے۔''
''ادھر نہیں، سامنے ہوٹل ہے، ہم وہاں کچھ دیر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔'' وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
''ایم سوری۔ مجھے کہیں جانا ہے آپ نے جو بھی کہنا ہو وہ ولی سے کہہ دیجیے گا وہ مجھے بتا دیں گے۔'' انا نے سنجیدگی سے کہا۔
''میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں تم تھوڑی دیر میری بات سن لو تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔'' اب کے کاشفہ نے قدرے تیزی سے کہا۔ وہ مسلسل انا کے پیچھے رہی تھی مگر انا نے اس کے الفاظ سن کر ناپسندیدگی سے دیکھا۔
''مجھے کہیں جانا ہے ایم سوری میں کہیں نہیں چل سکتی۔ جو بھی کہنا ہوا سے ہی کہہ دینا میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' ناگواریت سے گھڑی دیکھتے انا نے کہا تو کاشفہ نے انا کو دیکھا۔
اس کی آنکھوں میں جلتے شعلوں کی لپک تھی۔
''او کے تم اپنا سیل نمبر دے دو تو میں تم سے کانٹیکٹ کر لوں گی۔''
''بٹ وائے؟'' انا حقیقتاً الجھ گئی تھی۔
''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''
''آپ ابھی کہہ دیں جو کہنا ہے۔'' اس نے اب کے کافی ناگواری سے کہا تھا۔
''بات طویل ہے لیکن تمہارے پاس وقت نہیں ہوگا۔'' کاشفہ نے تیکھے انداز میں کہا۔
''او کے ولی کا نمبر آپ کے پاس ہوگا ان سے میرا نمبر لے لیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''ایکسیوزمی۔'' وہ پلٹی تھی شاپ کیپر کو پے منٹ کر کے اس نے بکے لے لیا تھا۔
''سنو۔'' وہ شاپ سے باہر نکلی تو کاشفہ پھر ایک دم اس کے رستے میں آ گئی تھی۔ انا نے بہت تیکھے انداز سے اسے دیکھا تھا۔
''تم ولید اور میرے درمیان سے ہٹ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا ورنہ تم جانتی نہیں ہو کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔'' انا نے کاشفہ کے الفاظ پر ایک دم متوحش ہو کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کے سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے پتھریلے انداز میں کہہ رہی تھی۔
''تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟'' انا ایک دم سنبھل کر نفرت سے بولی۔

''نہیں اپنے لفظوں میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔'' کاشفہ کے انداز میں بے حسی اور نفرت تھی۔ انا نے اسے دیکھا وہ جامد و سرد تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ولید کسی کی جاگیر نہیں کہ تم زبردستی چھین جھپٹ لو، وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔'' انا نے ایک دم غصے میں آتے ہوئے کہا۔

''وہ مجھ سے ہی محبت کرتا ہے اور پھر بہت جلد وہ تمہیں چھوڑ دے گا دیکھ لینا، تم سے تو وہ محض اپنی بہن کی خاطر تعلق نبھا رہا ہے۔'' انا کو لگا وہ زمین بوس ہونے والی ہے۔ کاشفہ کے الفاظ نے اس کے اندر زلزلوں کی سی کیفیت پیدا کر ڈالی تھی۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' انا نے کپکپاتے الفاظ و لہجے میں کہا تھا۔ کاشفہ استہزائیہ ہنسی تھی۔

''تم غلط فہمی کا شکار رہنا چاہتی ہو تو بے شک رہو، ولید اور میری دوستی اس نہج پر ہے کہ میں اس کی خاطر خودکشی تک کر سکتی ہوں۔'' کاشفہ نے کہا تو انا چونکی۔

چند دن قبل ولید نے کہا تھا اس نے اس کی خاطر خودکشی کر لی ہے مگر وہ بچ گئی تھی ولید تو کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔

''ولید تم سے محبت نہیں کرتا وہ صرف مجھ سے محبت کرتا ہے مگر اپنی بہن کی خاطر تمہیں اپنا رہا ہے۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ جو چیز مجھے نہیں ملتی میں اسے اس قابل بھی نہیں رہنے دیتی کہ کوئی دوسرا اسے استعمال کر سکے۔ یہ تو پھر ایک جیتا جاگتا وجود ہے۔'' انا گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

''بہتر ہوگا کہ تم میرے اور ولید کے درمیان سے خود ہی نکل جاؤ، وہ تم سے محبت تو کرتا نہیں خوامخواہ خود کو ذلیل کیوں کروا رہی ہو۔'' کاشفہ اسے کہہ کر مسکرائی تھی۔ استہزائیہ اور طنزیہ ہنسی۔

انا کو لگا وہ گونگی بہری ہوگئی ہے۔ اسے لگا کہ کاشفہ کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آ رہی ہے۔

''نہیں ولید ایسا نہیں کر سکتا۔'' اس نے کہنا چاہا مگر آواز حلق میں پھنس گئی۔

وہ اتنی احمق نہ تھی کہ اس لڑکی کی باتوں میں آ جاتی مگر اس کے پاس ولید کی طرف سے کبھی محبت یا پسندیدگی کا کوئی لمحہ بھی تو نہ تھا کہ اس کی محبت ایک فخر اور مان سے اس کے وجود میں جھوم اٹھتی۔

''ولید ایسا کر چکا ہے اور عنقریب تمہیں چھوڑ کر میرے پاس آ جائے گا۔'' وہ کہہ کر ہنسی تھی۔

''میرا خیال ہے تم میری باتوں کو اچھی طرح سوچو گی اور ہاں میری باتوں کی تصدیق ولید سے بھی کر سکتی ہو۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ انا کو لگا وہ پتھر کا بت بن گئی ہو۔ وہ بڑے لرزتے کانپتے قدموں سے گاڑی میں آ کر بیٹھی تھی۔

''انا بی بی اب کدھر جانا ہے۔'' ڈرائیور پوچھ رہا تھا وہ چونکی تھی۔

''گھر چلو۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''مگر آپ تو اپنی دوست کے گھر جانے کا کہہ رہی تھیں۔''

''کہا نا گھر چلو۔'' اس نے تلخی سے کہا تو ڈرائیور نے ایک دم سر ہلا کر گاڑی کا رخ موڑ لیا تھا۔



وہ آج بہت دن بعد ایاز سے ملنے آئے تھے۔ ایاز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر ایک دم خفا ہوا۔

''ڈیڈ کہاں عذاب میں پھنسا دیا ہے آپ نے مجھے، میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس سارے سلسلے میں، میں اب یہاں چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا پلیز مجھے یہاں سے باہر نکلوائیں۔''

''میں نے تمہارے پیپرز تیار کرا دیے ہیں پاسپورٹ بھی نیا بنوا دیا ہے جیسے ہی سیٹ کنفرم ہوتی ہے تمہیں بتا دوں گا تمہاری شناخت یہاں تک کہ ہر چیز بدل دی گئی ہے۔ بہت کیئرفل ہو کر تمہیں رہنا پڑے گا۔ میں نہیں چاہتا عین وقت پر کوئی گڑبڑ ہو۔'' ڈیڈ کے الفاظ پر وہ ایک دم پرسکون ہوا تھا۔

''اوہ......''

''گھر میں سب کیسے ہیں، مام...... کاشی اور عادلہ؟''

''سب ٹھیک ہیں۔''

''عادلہ کا کچھ پتا چلا؟''

''ہاں کچھ لوگوں نے اغوا کرلیا تھا اور پھر چھوڑ بھی دیا تھا میں تو بہت پریشان تھا کہ اس کے سسرال والوں نے ہنگامہ کھڑا کر دینا ہے مگر بچت رہی ان لوگوں کو شاید علم نہیں ہوسکا اور اس سے پہلے ہی عادلہ واپس بھی آ گئی۔''

''کن لوگوں نے اغوا کیا تھا اسے؟''

''پتا نہیں چل سکا اس کو کسی نے اسپتال پہنچا کر ہمیں اطلاع کی تھی اور گاڑی ہمیں شہر سے باہر ملی تھی۔ وہ بالکل ٹھیک حالت میں تھی عادلہ بھی بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ میں تو ابھی تک اس اغوا پر الجھا ہوا ہوں آخر کیا مقصد تھا۔ ان لوگوں کا کوئی ڈیمانڈ اور نہ ہی کوئی نقصان ہوا۔''

''اوہ......انٹرسٹنگ سچویشن ہے۔'' ایاز نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''میں آج کل کاشفہ کی وجہ سے پریشان ہوں۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' ایاز نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ایک لڑکا ہے ولید تم شاید اسے جانتے ہو۔'' ایاز نے سر ہلایا۔

''وہی جس نے کاشی کی جان بچائی تھی۔''

''ہاں وہی، وہ اس میں بہت زیادہ انوالو ہو چکی ہے جبکہ اس کی منگنی ہوگئی ہے جس پر کاشی نے اس لڑکے سے بات کی لڑکے نے کاشی کو انکار کر دیا تو اس نے سوسائیڈ کرلی، لڑکے کو کال کی اس نے مجھے کال کی بمشکل کاشی کو بچا سکے ہیں ہم' اب کاشی پر ایک ہی دھن ہے کہ وہ ہر حال میں اس لڑکے کو پانا چاہتی ہے۔''

''اوہ آئی سی۔ تو پھر آپ اس لڑکے سے بات کریں اسے سمجھائیں کہ وہ کاشی سے شادی کرلے، اچھا لڑکا ہے وہ سب سے بڑھ کر شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔'' ایاز نے سہولت سے مشورہ دیا۔

''ہاں بات تو کرلوں مگر مجھے وہ لڑکا اس سارے معاملے میں انوالو نہیں لگ رہا میں اس سے کئی بار مل چکا ہوں اور ہر بار میں نے اندازہ لگایا وہ کاشی میں انوالو نہیں یہ کاشی کی یک طرفہ فیلنگز ہیں۔ پھر اب وہ لڑکا انگیجڈ ہے وہ کسی طور پر نہیں مانے گا۔ ہمارے اور ان کے اسٹیٹس میں بھی بہت فرق ہے امپاسبل ہے یہ سب۔'' ایاز خاموش ہی رہا۔

''خیر چھوڑو اس بات کو، تمہیں ایک خبر دینی تھی۔''

''کیسی خبر؟''

''مصطفیٰ کو اس کی بارات والے دن واپسی پر کچھ انجان لوگ گولیاں مار کر چلے گئے تھے وہ بمشکل بچا تھا اور ان لوگوں کا شک تم پر ہے پولیس پورے زور و شور سے تمہیں تلاش کر رہی ہے اور تمہارے تمام دوستوں پر کڑی نظر ہے تمہارا دوست شہزاد بھی دوبئی چلا گیا ہے ان لوگوں کا شک اور پختہ ہو گیا ہے۔'' عبدالقیوم صاحب بتا رہے تھے جبکہ ایاز ہلکا سا مسکرایا۔

''تلاش کرنے دیں ہمیں کیا میں کون سا ان لوگوں کے ہاتھ آنے والا ہوں۔''

''جو بھی ہے جس نے بھی گولیاں ماریں اب شک تو تم پر ہے نا، اسی لیے میں نہیں آ رہا تھا۔'' ایاز نے سر ہلا دیا۔

مصطفیٰ کو گولیاں مارنے والا واقعہ تو اس نے اپنے باپ کو کبھی نہیں بتایا تھا اور نہ ہی اس کا بتانے کا ارادہ تھا۔

''اب تم کو بہت احتیاط سے رہنا ہوگا۔ جب تک سیٹ کنفرم نہیں ہو جاتی میں تمہیں یہاں سے قطعی نہیں نکال سکتا جیسے ہی سیٹ اوکے ہوگی میں تمہیں بتا دوں گا۔''

''اوکے لیکن ذرا جلدی کیجیے گا مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں کسی قید خانے میں بند ہوں۔'' اس نے نخوت سے کہا تھا عبدالقیوم نے سر ہلا دیا تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁

مصطفیٰ کی آفیسرز کے ساتھ میٹنگ تھی فارغ ہوتے ہوتے بھی رات کے دس بج گئے تھے امجد ساتھ ہی تھا وہ خود اسے گھر ڈراپ کرنے آیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آیا تو پہلی نگاہ بستر پر لپٹے وجود پر پڑی تھی وہ شاید سوئی ہوئی تھی اس نے ایک نظر ڈالی اور ہاتھ میں تھامی تمام اشیاء ایک طرف ٹیبل پر رکھ دی اور آہستگی سے چلتا ہوا وہ شہوار کی طرف آیا تھا۔ بلینکٹ اوڑھ کر وہ کروٹ سے سوئی ہوئی تھی۔ چہرے پر بازو تھا وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کے ماتھ پر ہاتھ رکھ کر حرارت چیک کرنا چاہیے۔ ٹمپریچر نارمل ہی تھا وہ قدرے ریلیکس ہوا تھا۔

وہ میں خود کہہ دوں گا۔'' وہ ایک دم ریلیکس ہوئی تھی۔ وہ سر عباس کے ہمراہ روم سے نکلی تھی۔
''سر آپ کے بھائی اب ٹھیک ہیں؟'' یونہی چلتے چلتے اس نے پوچھا تو عباس نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ عباس کے ہمراہ اپنے کیبن کی طرف آئی تھی۔
ماموں اور بھابی سر عباس کو دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے تھے۔
''السلام علیکم، کیسے ہیں آپ؟'' ماموں سے ہاتھ ملاتے عباس نے گرم جوشی سے پوچھا۔
''وعلیکم السلام، اللہ کا کرم ہے آپ کیسے ہو بیٹا، رابعہ سے آپ کے بھائی کے حادثے کا سنا تھا وہ اب ٹھیک ہیں؟'' جواباً ماموں نے بھی خلوص سے پوچھا۔
''جی الحمدللہ مصطفیٰ بہت بہتر ہے اب تو آفس بھی جا رہا ہے۔ آئیے آپ کو بابا جان سے بھی ملواتا ہوں۔'' بھابی کو سلام کرتے وہ ماموں سے کہہ رہا تھا۔
''نہیں بیٹا! اس وقت کچھ ضروری کام سے جانا ہے ان شاء اللہ پھر ضرور ملاقات کا شرف حاصل کروں گا۔'' ماموں نے کہا۔
''ویسے بھی رابعہ بیٹی شاہزیب صاحب کی بہت تعریفیں کرتی ہے۔'' عباس نے مسکرا کر دیکھا۔
''یعنی صرف بابا کی تعریفیں کی جاتی ہیں ہمارا کہیں کوئی ذکر نہیں ہوتا۔'' انداز پر مزاح تھا ماموں مسکرا دیے۔
''چلیں پھر بیٹا جی پھر ملاقات ہو گی چلتے ہیں۔'' ماموں نے پھر ہاتھ ملایا تو وہ ان دونوں کے ہمراہ چلتی باہر آ گئی تھی۔ ابو بکر موجود تھا۔
ابو بکر نے جو فلیٹ منتخب کیا تھا بہت اچھا تھا سیکنڈ فلور پر تھا۔ تین بیڈ روم ایک کچن اور لاؤنج تھا۔ سبھی کو فلیٹ پسند آیا تھا۔ ماموں کے مشورے پر وہ ماموں کے ایک اسٹوڈنٹ کے ساتھ مل کر اسپورٹس کا کاروبار شروع کر رہا تھا۔ ماموں اور امی اس رشتے سے بہت خوش تھے۔ سو وہ بھی مطمئن تھی۔
فلیٹ دیکھ کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھے تو رابعہ کو ایک دم چونکنا پڑا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتی عادلہ اسے دیکھ کر تنفر سے رکی تھی۔ ماموں اور ابو بکر اوپر ہی تھے وہ ایک دم رک گئی تھی۔
عادلہ ایک بار ان کے گھر نہ آ چکی ہوتی تو وہ بھی تنفر سے دیکھ کر گزر جاتی مگر مشکل یہ تھی کہ بھابی ساتھ تھیں وہ بھی عادلہ کو دیکھ کر فوراً پہچان گئی تھیں۔
''ارے رابعہ دیکھو تمہارے سر کی وائف۔'' بھابی نے کہا تو رابعہ نے لب بھینچ لیے۔
''او مس رابعہ، کیسی ہیں آپ؟'' عادلہ نے پاس آ کر طنز سے کہا تھا۔ رابعہ نے تنفر سے رخ بدلا۔
''چلیں بھابی۔'' وہ کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی تو بھابی الجھ گئی تھیں۔ رابعہ اپنے باس کی بیوی کو نظر انداز کر کے جا رہی تھی۔
''رکو۔'' عادلہ رابعہ کے اس انداز پر ایک دم غصے سے پکار رہی تھی۔ رابعہ نے پلٹ کر دیکھا۔ عادلہ سیڑھیاں پھلانگتی واپس اس تک آئی تھی۔
''تم سمجھتی ہو عباس جیسے مرد کو سب بتا کر تم میری پہنچ سے دور نکل جاؤ گی یہ مت بھولو وہ کلپس ابھی بھی میرے پاس ہیں اور تم تصور نہیں کر سکتی میں کس حد تک جا سکتی ہوں۔''
''میں تم جیسی عورت کے منہ نہیں لگنا چاہتی، جو کر سکتی ہو کر لو میں تم جیسی دو نمبر عورت سے ڈرتی نہیں ہوں۔'' عادلہ کے آگ اگلتے لہجے پر اس نے بہت سرد لہجے میں کہا تھا۔
''اوہ یو شٹ اپ۔'' وہ چیخی تھی۔
تبھی ماموں کے ساتھ ابو بکر بھی وہاں تک چلا آیا تھا۔
''کیا بات ہے بیٹا؟'' ابو بکر تو عادلہ کو دیکھ کر فوراً ٹھٹکا تھا ماموں نے عادلہ کو کہا۔
عادلہ نے ایک قہر بھری نگاہ رابعہ پر ڈالی اور پھر کسی کو بھی دیکھے بغیر وہاں سے چلی گئی تھی۔ رابعہ نے سر جھٹکتے باقی سیڑھیاں بھی تیزی سے طے کر گئی تھیں۔
''کیا بات ہے رابعہ وہ تو تمہارے باس کی وائف تھی نا۔'' بھابی اس کے پاس آ گئی تھیں انہوں نے حیرت سے پوچھا۔
''یس وہ باس کی وائف ضرور تھی مگر دونوں میں علیحدگی ہو گئی ہے۔''

''اوہ۔'' ماموں اور ابوبکر بھی آ گئے تھے۔
''تو تم سے کیوں الجھ رہی تھی۔''
''دماغ خراب ہو چکا ہے اس عورت کا بایں کے آفس میں کام کرتی ہوں تو اس بات پر دشمنی نکال رہی ہے۔'' بمشکل خود پر ضبط کرتے اس نے کہا۔ ماموں نے خاموشی سے بات سنی تھی۔
''عجیب عورت ہے جا کر اپنے شوہر سے بات کرے تم پر کیوں زور چلا رہی تھی۔'' بھابی نے حیرت کا اظہار کیا۔
''چھوڑیں بھابی ہوتی ہیں دنیا میں ایسی عورتیں بھی۔'' ابوبکر نے اسے مشکل میں دیکھ کر بھابی کو ٹالا تو وہ سر ہلا گئی تھی۔
واپسی کے سفر میں رابعہ کے اندر عجیب وغریب سی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی تھی۔ یہ عورت اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا عذاب لگ رہی تھی۔ وہ لب بھینچے باقی کا سارا رستہ خاموش بیٹھی رہی تھی۔



شہوار بیمار تھی انا کو کالج جا کر اسے نہ پا کر فون کرنے پر علم ہوا تھا۔ وہ سارا وقت مصروف رہی تھی واپسی پر ڈرائیور لینے آیا تو اس نے سوچا رستے سے شہوار کے ہاں بھی چکر لگائے گی۔ یہی سوچ کر اس نے ڈرائیور کو رستے سے کسی فلاور شاپ سے بکے لینے کا کہا تھا۔ ڈرائیور نے ایک شاپ کے سامنے گاڑی روکی تو گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی تھی۔
''انا۔'' وہ اپنی پسند کا بکے بنوا رہی تھی جب اپنا نام پکارنے پر چونک کر پلٹی تو حیرت زدہ رہ گئی۔ اس کے سامنے کاشفہ کھڑی تھی۔
''مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی انا کے زاویے کشیدہ ہوئے۔
اس لڑکی کی وجہ سے اس کے اور ولید کے درمیان تعلقات خراب ہو رہے تھے۔ وہ اچھی بھلی گزشتہ تمام سوچوں کو بھلا کر ولید کو قبول کر چکی تھی۔ مگر اب ایک بار پھر یہ لڑکی ایک طوفان بن کر اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔
''جی کہیے۔''
''ادھر نہیں، سامنے ہوٹل ہے ہم وہاں کچھ دیر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔'' وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
''ایم سوری۔ مجھے کہیں جانا ہے آپ نے جو بھی کہنا ہو وہ ولی سے کہہ دیجیے گا وہ مجھے بتا دیں گے۔'' انا نے سنجیدگی سے کہا۔
''میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں تم تھوڑی دیر میری بات سن لو تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔'' اب کے کاشفہ نے قدرے تیزی سے کہا۔
وہ مسلسل انا کے پیچھے رہی تھی مگر انا نے اس کے الفاظ سن کر ناپسندیدگی سے دیکھا۔
''مجھے کہیں جانا ہے ایم سوری میں کہیں نہیں چل سکتی۔ جو بھی کہنا ہوا سے ہی کہہ دینا میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' ناگواریت سے گھڑی دیکھتے انا نے کہا تو کاشفہ نے انا کو دیکھا۔
اس کی آنکھوں میں جلتے شعلوں کی لپک تھی۔
''اوکے تم اپنا سیل نمبر دے دو تو میں تم سے کانٹیکٹ کر لوں گی۔''
''بٹ وائے؟'' انا حقیقتاً الجھ گئی تھی۔
''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''
''آپ ابھی کہہ دیں جو کہنا ہے۔'' اس نے اب کے کافی ناگواری سے کہا تھا۔
''بات طویل ہے لیکن تمہارے پاس وقت نہیں ہوگا۔'' کاشفہ نے تیکھے انداز میں کہا۔
''اوکے ولی کا نمبر آپ کے پاس ہوگا ان سے میرا نمبر لے لیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''ایکسیوزمی۔'' وہ پلٹی تھی شاپ کیپر کو پے منٹ کر کے اس نے بکے لے لیا تھا۔
''سنو۔'' وہ شاپ سے باہر نکلی تو کاشفہ پھر ایک دم اس کے رستے میں آ گئی تھی۔ انا نے بہت تیکھے انداز سے اسے دیکھا تھا۔
''تم ولید اور میرے درمیان سے ہٹ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا ورنہ تم جانتی نہیں ہو کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔'' انا نے کاشفہ کے الفاظ پر ایک دم متوحش ہو کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کے سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے پتھریلے انداز میں کہہ رہی تھی۔
''تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟'' انا ایک دم سنبھل کر نفرت سے بولی۔

''نہیں اپنے لفظوں میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔'' کاشفہ کے انداز میں بے حسی اور نفرت تھی۔ انا نے اسے دیکھا وہ جامد و سرد تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ولید کسی کی جاگیر نہیں کہ تم زبردستی چھین جھپٹ لو، وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔'' انا نے ایک دم غصے میں آتے ہوئے کہا۔

''وہ مجھ سے ہی محبت کرتا ہے اور پھر بہت جلد وہ تمہیں چھوڑ دے گا دیکھ لینا، تم سے تو وہ محض اپنی بہن کی خاطر تعلق نبھا رہا ہے۔'' انا کو لگا وہ زمین بوس ہونے والی ہے۔ کاشفہ کے الفاظ نے اس کے اندر زلزلوں کی سی کیفیت پیدا کر ڈالی تھی۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' انا نے کپکپاتے الفاظ و لہجے میں کہا تھا۔ کاشفہ استہزائیہ ہنسی تھی۔

''تم غلط فہمی کا شکار رہنا چاہتی ہو تو بے شک رہو، ولید اور میری دوستی اس نہج پر ہے کہ میں اس کی خاطر خودکشی تک کر سکتی ہوں۔'' کاشفہ نے کہا تو انا چونکی۔

چند دن قبل ولید نے کہا تھا اس نے اس کی خاطر خودکشی کر لی ہے مگر وہ بچ گئی تھی ولید تو کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔

''ولید تم سے محبت نہیں کرتا وہ صرف مجھ سے محبت کرتا ہے مگر اپنی بہن کی خاطر تمہیں اپنا رہا ہے۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ جو چیز مجھے نہیں ملتی میں اسے اس قابل بھی نہیں رہنے دیتی کہ کوئی دوسرا اسے استعمال کر سکے۔ یہ تو پھر ایک جیتا جاگتا وجود ہے۔'' انا گم صم سی اسے دیکھے گئی۔

''بہتر ہوگا کہ تم میرے اور ولید کے درمیان سے خود ہی نکل جاؤ، وہ تم سے محبت تو کرتا نہیں خوامخواہ خود کو ذلیل کیوں کروا رہی ہو۔'' کاشفہ اسے کہہ کر مسکرائی تھی۔ استہزائیہ اور طنزیہ ہنسی۔

انا کو لگا وہ گونگی بہری ہو گئی ہے۔ اسے لگا کہ کاشفہ کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آ رہی ہے۔

''نہیں ولید ایسا نہیں کر سکتا۔'' اس نے کہنا چاہا مگر آواز حلق میں پھنس گئی۔

وہ اتنی احمق نہ تھی کہ اس لڑکی کی باتوں میں آ جاتی مگر اس کے پاس ولید کی طرف سے کبھی محبت یا پسندیدگی کا کوئی لمحہ بھی تو نہ تھا کہ اس کی محبت ایک فخر اور مان سے اس کے وجود میں جھوم اٹھتی۔

''ولید ایسا کر چکا ہے اور عنقریب تمہیں چھوڑ کر میرے پاس آ جائے گا۔'' وہ کہہ کر ہنسی تھی۔

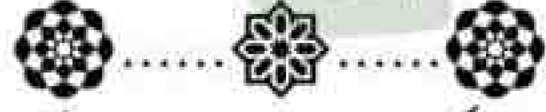
''میرا خیال ہے تم میری باتوں کو اچھی طرح سوچو گی اور ہاں میری باتوں کی تصدیق ولید سے بھی کر سکتی ہو۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ انا کو لگا وہ پتھر کا بت بن گئی ہو۔ وہ بڑے لرزتے کانپتے قدموں سے گاڑی میں آ کر بیٹھی تھی۔

''انا بی بی اب کدھر جانا ہے۔'' ڈرائیور پوچھ رہا تھا وہ چونکی تھی۔

''گھر چلو۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''مگر آپ تو اپنی دوست کے گھر جانے کا کہہ رہی تھیں۔''

''کہا نا گھر چلو۔'' اس نے تلخی سے کہا تو ڈرائیور نے ایک دم سر ہلا کر گاڑی کا رخ موڑ لیا تھا۔



وہ آج بہت دن بعد ایاز سے ملنے آئے تھے۔ ایاز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر ایک دم خفا ہوا۔

''ڈیڈ کہاں عذاب میں پھنسا دیا ہے آپ نے مجھے، میں فیڈ اپ ہو چکا ہوں اس سارے سلسلے میں، میں اب یہاں چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا پلیز مجھے یہاں سے باہر نکلوائیں۔''

''میں نے تمہارے پیپرز تیار کرا دیے ہیں پاسپورٹ بھی نیا بنوا دیا ہے جیسے ہی سیٹ کنفرم ہوتی ہے تمہیں بتا دوں گا تمہاری شناخت یہاں تک کہ ہر چیز بدل دی گئی ہے۔ بہت کیئر فل ہو کر تمہیں رہنا پڑے گا۔ میں نہیں چاہتا عین وقت پر کوئی گڑ بڑ ہو۔'' ڈیڈ کے الفاظ پر وہ ایک دم پرسکون ہوا تھا۔

''اوہ......''

''گھر میں سب کیسے ہیں، مام...... کاشی اور عادلہ؟''

''سب ٹھیک ہیں۔''

''عادلہ کا کچھ پتا چلا؟''

''ہاں کچھ لوگوں نے اغوا کرلیا تھا اور پھر چھوڑ بھی دیا تھا میں تو بہت پریشان تھا کہ اس کے سسرال والوں نے ہنگامہ کھڑا کردینا ہے مگر بچت رہی ان لوگوں کو شاید علم نہیں ہوسکا اور اس سے پہلے ہی عادلہ واپس بھی آ گئی۔''

''کن لوگوں نے اغوا کیا تھا اسے؟''

''پتا نہیں چل سکا اس کو کسی نے اسپتال پہنچا کر ہمیں اطلاع کی تھی اور گاڑی ہمیں شہر سے باہر ملی تھی۔ وہ بالکل ٹھیک حالت میں تھی عادلہ بھی بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ میں تو ابھی تک اس اغوا پر الجھا ہوا ہوں آخر کیا مقصد تھا۔ ان لوگوں کا کوئی ڈیمانڈ اور نہ ہی کوئی نقصان ہوا۔''

''اوہ......انٹرسٹنگ سچویشن ہے۔'' ایاز نے گہرا سانس لیتے کر کہا۔

''میں آج کل کاشفہ کی وجہ سے پریشان ہوں۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' ایاز نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ایک لڑکا ہے ولید تم شاید اسے جانتے ہو۔'' ایاز نے سر ہلایا۔

''وہی جس نے کاشی کی جان بچائی تھی۔''

''ہاں وہی، وہ اس میں بہت زیادہ انوالو ہو چکی ہے جبکہ اس کی منگنی ہو گئی ہے جس پر کاشی نے اس لڑکے سے بات کی لڑکے نے کاشی کو انکار کر دیا تو اس نے سوسائیڈ کر لی، لڑکے کو کال کی اس نے مجھے کال کی بمشکل کاشی کو بچا سکے ہیں ہم' اب کاشی پر ایک ہی دھن ہے کہ وہ ہر حال میں اس لڑکے کو پانا چاہتی ہے۔''

''اوہ آئی سی۔ تو پھر آپ اس لڑکے سے بات کریں اسے سمجھائیں کہ وہ کاشی سے شادی کر لے، اچھا لڑکا ہے وہ سب سے بڑھ کر شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔'' ایاز نے سہولت سے مشورہ دیا۔

''ہاں بات تو کرلوں مگر مجھے وہ لڑکا اس سارے معاملے میں انوالو نہیں لگ رہا میں اس سے کئی بار مل چکا ہوں اور ہر بار میں نے اندازہ لگایا وہ کاشی میں انوالو نہیں یہ کاشی کی یک طرفہ فیلنگز ہیں۔ پھر اب وہ لڑکا انگیجڈ ہے وہ کسی طور پر نہیں مانے گا۔ ہمارے اور ان کے اسٹیٹس میں بھی بہت فرق ہے امپاسبل ہے یہ سب۔'' ایاز خاموش ہی رہا۔

''خیر چھوڑو اس بات کو، تمہیں ایک خبر دینی تھی۔''

''کیسی خبر؟''

''مصطفیٰ کو اس کی بارات والے دن واپسی پر کچھ انجان لوگ گولیاں مار کر چلے گئے تھے وہ بمشکل بچا تھا اور ان لوگوں کا شک تم پر ہے پولیس پورے زور و شور سے تمہیں تلاش کر رہی ہے اور تمہارے تمام دوستوں پر کڑی نظر ہے تمہارا دوست شہزاد بھی دوبئی چلا گیا ہے ان لوگوں کا شک اور پختہ ہو گیا ہے۔'' عبدالقیوم صاحب بتا رہے تھے جبکہ ایاز ہلکا سا مسکرایا۔

''تلاش کرنے دیں ہمیں کیا میں کون سا ان لوگوں کے ہاتھ آنے والا ہوں۔''

''جو بھی ہے جس نے بھی گولیاں ماریں اب شک تو تم پر ہے نا، اسی لیے میں نہیں آ رہا تھا۔'' ایاز نے سر ہلا دیا۔

مصطفیٰ کو گولیاں مارنے والا واقعہ تو اس نے اپنے باپ کو کبھی نہیں بتایا تھا اور نہ ہی اس کا بتانے کا ارادہ تھا۔

''اب تم کو بہت احتیاط سے رہنا ہوگا۔ جب تک سیٹ کنفرم نہیں ہو جاتی میں تمہیں یہاں سے قطعی نہیں نکال سکتا جیسے ہی سیٹ او کے ہو گی میں تمہیں بتا دوں گا۔''

''او کے لیکن ذرا جلدی کیجیے گا مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں کسی قید خانے میں بند ہوں۔'' اس نے نخوت سے کہا تھا عبدالقیوم نے سر ہلا دیا تھا۔

❁.......❁.......❁

مصطفیٰ کی آفیسرز کے ساتھ میٹنگ تھی فارغ ہوتے ہوتے بھی رات کے دس بج گئے تھے امجد ساتھ ہی تھا وہ خود اسے گھر ڈراپ کرنے آیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آیا تو پہلی نگاہ بستر پر لیٹے وجود پر پڑی تھی وہ شاید سوئی ہوئی تھی اس نے ایک نظر ڈالی اور ہاتھ میں تھامی تمام اشیاء ایک طرف ٹیبل پر رکھ دی اور آہستگی سے چلتا ہوا وہ شہوار کی طرف آیا تھا۔ بلینکٹ اوڑھ کر وہ کروٹ سے سوئی ہوئی تھی۔ چہرے پر بازو تھا وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کے ماتھ پر ہاتھ رکھ کر حرارت چیک کرنا چاہیے۔ ٹمپریچر نارمل ہی تھا وہ قدرے ریلیکس ہوا تھا۔

اس کے پاس سے ہٹ کر وہ الماری سے اپنا لباس لے کر باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ ابھی وہ چینج اور فریش ہو کر باہر نکلا ہی تھا کہ ماں جی دستک دے کر وہاں چلی آئی تھیں۔

''بڑا لیٹ آئے تم؟'' وہ آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا تو مسکرا کر پلٹا۔

''بس ایمرجنسی آفیسرز سے میٹنگ تھی۔''

''کھانا یہیں کھاؤ گے یا باہر؟'' باقی سبھی کھانا کھا چکے تھے سو انہوں نے پوچھا تھا۔

''یہیں منگوا دیں۔'' ماں جی کو جواب دے کر پھر شہوار کی طرف دیکھا۔

''شہوار کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''بہتر ہے اصل میں صدمے سے نڈھال ہے تابندہ سے بہت محبت کرتی ہے اتنا بڑا ذہنی صدمہ ہے اب آہستہ آہستہ ہی سنبھلے گی۔'' انہوں نے دکھ سے کہا۔

''ڈاکٹر نے دوبارہ چیک کیا تھا کیا؟''

''ہاں شام میں چیک کر کے گیا تھا کھانا اور میڈیسن کھلائی تھی ابھی کچھ دیر پہلے سوئی ہے۔'' ماں جی کی بات پر مصطفیٰ نے سر ہلا دیا تھا۔ ماں جی کھانے کا کہنے باہر نکل گئی تھیں۔

کھانا کھانے کے بعد مصطفیٰ کچھ دیر باہر آ کر بھائیوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد وہ واپس اپنے روم میں آیا تھا۔ شہوار ابھی بھی سو رہی تھی۔ مصطفیٰ اپنے ساتھ لائی ہوئی فائلز میں سے ایک اٹھا کر بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ امجد لالہ رخ کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا تھا۔ اب وہ خود اس کیس کو تفصیل سے اسٹڈی کرنا چاہتا تھا۔

''امی......'' مصطفیٰ نے ابھی فائل اوپن کی ہی تھی کہ شہوار ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ بالکل کل والی حالت تھی۔ شاید کل کی طرح وہ پھر خواب میں ڈر گئی تھی۔ مصطفیٰ فائل بند کرتے اس کے قریب ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ جو گہرے گہرے سانس لے رہی تھی مصطفیٰ کی آواز پر فوراً اسے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک دم سرخی چھائی تھی اس نے اپنے سر پر دوپٹہ جمایا تھا۔ شہوار نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''طبیعت کیسی ہے؟''

''بہتر ہے۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ آواز میں ابھی بھی نقاہت تھی۔

''بخار اترا؟''

''جی۔''

''گڈ۔'' مصطفیٰ خاموش ہو گیا۔

پچھلے دو دنوں کے درمیان جو کھنچاؤ والی کیفیت اور ماحول تھا وہ ایک دفعہ پھر مصطفیٰ کو یاد آنے لگا تو اس نے سر جھٹکا کہ بہر حال یہ سچ تھا کہ رات شہوار کی حالت اور رونا دیکھ کر اس کے اندر ناراضگی اور خفگی کی جو بھی کیفیت تھی وہ ایک دم زائل ہو گئی تھی۔

''گاؤں سے بوا جی کے متعلق کوئی اطلاع ملی؟'' مصطفیٰ کے سوال پر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''رونے اور اس طرح سے ہمت ہارنے سے مسائل حل نہیں ہوتے، ہمت کرنا ہو گی ورنہ صدمے اور ٹینشن سے تمہارا اپنا ہی نقصان ہو گا۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ ایک دم شدت سے روئی تھی۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس وقت جس گرداب میں پھنسی ہوئی تھی اس میں سے فی الحال نکلنا بہت مشکل مرحلہ تھا۔

''مرنے والوں پر صبر آ جاتا ہے مگر جان بوجھ کر کھو جانے والوں پر دل راضی نہیں ہوتا، میں کیا کروں؟ میرے لیے تو میری اپنی ذات ہی سوالیہ نشان بن چکی ہے۔'' روتے ہوئے اس نے کہا۔ جس طرح وہ اس وقت ذہنی کشیدگی کا شکار تھی ایسے میں اس کے سامنے ہمت کرو، صبر کرو کے الفاظ بے معنی تھے۔

''تو رونے سے بھی تو مسائل حل نہیں ہوتے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا، اس نے مصطفیٰ کو دیکھا مصطفیٰ کا لہجہ نارمل تھا۔ کل والی بے زاری نہ تھی۔

بلکہ آدھی رات میں جس طرح مصطفیٰ نے اس کا خیال رکھا تھا وہ ابھی تک سوچ سوچ کر اپنی رات والی جذباتیت پر نادم ہو رہی تھی۔

''اگر رونے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں تو میں کبھی بھی رونے سے منع نہیں کروں گا۔''مصطفیٰ کی سنجیدگی پر اس نے بمشکل اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

''مجھے گاؤں جانا ہے۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔

''کیوں؟''شہوار خاموش رہی تھی۔

''فرار ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتا تابندہ بوا چلی گئی ہیں چلو مان لیتا ہوں کہ یہ ان کی غلطی ہے کہ وہ کچھ بھی بتا کر نہیں گئیں لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں وہ کوئی بھی قدم بلا سوچے سمجھے نہیں اٹھا سکتیں ہو سکتا ہے نہ بتا کر جانے کی کوئی سولڈ سا ریزن بھی ہو۔''مصطفیٰ نے تحمل سے کہا۔

''کیا ریزن ہو سکتا ہے؟''اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔ شہوار کو بغور دیکھا۔

چہرہ سرخی لیے ہوئے تھا آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے اور بھاری ہو رہے تھے ناک علیحدہ سرخ انگارے کی طرح دہک رہی تھی لباس بھی وہی تھا۔ یعنی آج سارا دن بستر پر رہنے اور رونے کے سوا کوئی کام نہ ہوا تھا۔

''یہ تو اب بوا جی ہی بتا سکتی ہیں۔''

''ویسے میں آج ایک جگہ گیا تھا کوشش کرتا ہوں ایک دو دن میں ان تک رسائی حاصل ہو جائے۔''اس کی پریشانی دیکھتے مصطفیٰ نے کہا تو اس نے ایک دم چونک کر دیکھا۔

''کہاں، مطلب کہاں گئے تھے آپ؟''

''سکندر انکل کے آئی ڈی کارڈ پر جو ایڈریس تھا اسی کو تلاش کرنے نکلا تھا۔''

''تو پھر کچھ پتا چلا؟''اس کے لہجے میں ایک دم بے قراری سمٹ آئی تھی۔

''جس گھر کا ایڈریس لکھا ہوا تھا وہاں کچھ لوگ رینٹ پر رہ رہے ہیں اور گھر کے مالکان ملک سے باہر ہیں۔''شہوار کو لگا جیسے اس کی ساری امیدیں ایک دم' دم توڑ گئی ہیں۔

''مجھے یقین ہے وہ ایسی کسی بھی جگہ پر نہیں گئی ہوں گی جہاں ہمیں شک ہو یا ہم پہنچ سکیں مجھے لگتا ہے وہ اب کبھی بھی واپس نہیں آئیں گی۔''وہ مایوسی کی انتہا پر تھی۔

''انسان کو کبھی بھی اور کسی بھی عالم میں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ وہ مل جائیں گی میں خود ہر ممکن کوشش کروں گا۔''مصطفیٰ نے کہا تو وہ پھر سسک اٹھی۔

''اگر نہیں ملنا ہی ہوتا تو کم از کم مجھے تو بتا کر جاتیں وہ مجھ سے سب تعلق توڑ کر گئی ہیں۔''مصطفیٰ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

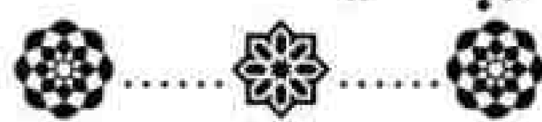
ایک دم اس پر رحم آنے لگا۔ مصطفیٰ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ارادہ اس کا ہاتھ تھام کر دلاسہ دینے کا تھا۔ مگر پھر ہاتھ پیچھے ہٹا لیا تھا۔

شہوار نے بڑی شدت سے مصطفیٰ کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا۔ کل جب وہ کمرے میں آئی تھی تو مصطفیٰ کا انداز از حد برگشتہ تھا مگر رات جس طرح وہ پیش آیا تھا اور اب جس طرح نرمی سے مخاطب تھا وہ سمجھ رہی تھی کہ مصطفیٰ پچھلی تمام ناراضگی کو بھول چکا ہے مگر اب جس طرح مصطفیٰ نے ہاتھ پیچھے ہٹایا تھا اس کے اندر تابندہ بوا سے ہٹ کر پہلی بار ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا تھا۔

''رونے سے طبیعت مزید خراب ہو گی بہتر ہے پرسکون ہو کر سونے کی کوشش کرو اور ذہن سے فی الحال ہر طرح کی سوچ نکال دو۔''مصطفیٰ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

شہوار خاموشی سے آنکھیں صاف کرتے پھر نیم دراز ہو گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک پل اسے دیکھا تھا۔

وہ آنکھیں بند کر چکی تھی، اس کی پلکیں ہلکا ہلکا لرز رہی تھیں۔ مصطفیٰ نے دوبارہ فائل کھولی مگر پھر لگا جیسے موڈ بدل گیا ہے اس نے آہستگی سے اٹھ کر فائلز الماری میں رکھیں اور لائٹ آف کرتے بستر پر آ گیا تھا۔

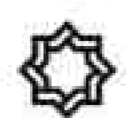


مصطفیٰ آفس میں تھا جب ولید اس سے ملنے آیا تھا۔ ولید نے مصطفیٰ کو اپنے ہاں انوائٹ کیا تو وہ الجھا۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ ابھی تو آفس کے علاوہ اور کہیں جانے کا وقت ہی نہیں مل پا رہا عائشہ کی بھی کالز آئی تھیں چند دن رک جاؤ پھر

انوائٹ کرلینا۔'' مصطفیٰ نے کہا۔
''بابا نے بطور خاص تمہیں انوائٹ کرنے بھیجا ہے بلکہ وہ کہہ رہے تھے کہ رات تم لوگ ڈنر پر آ جاؤ، اگر انکار کرتے ہو تو میں بابا سے بات کرا دیتا ہوں وہ خود ہی تم کو ہینڈل کرلیں گے۔'' ولید نے کہہ کر کال ملا کر مصطفیٰ کو سیل تھما دیا تھا۔
مصطفیٰ پہلے تو ٹالتا رہا مگر پھر ایک دم مانتے ہی بنی۔
''چلو پھر طے ہوا کہ تم لوگ رات ڈنر پر ہماری طرف آ رہے ہو۔'' مصطفیٰ نے بابا سے بات کر کے سیل اسے تھمایا تو ولید نے مسکرا کر پوچھا۔
''ہاں انکل کو انکار نہیں کرسکتا۔''
''انکل آنٹی اور باقی سب لوگ بھی انوائٹڈ ہیں سبھی کو لے کر آنا ہے اوکے۔'' ولید جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔
''اوکے کوشش کروں گا بیٹھو چائے پی کر جانا۔''
''نہیں آفس سے آیا ہوں تم لوگ وقت پر پہنچ جانا۔'' وہ کہہ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔ وہ جیسے ہی اپنے آفس میں آیا تو چونکا کاشفہ اس کے آفس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ولید کی بھنوئیں تن گئی۔
''ہیلو۔'' کاشفہ اسے دیکھ کر مسکرا کر کھڑی ہوئی تھی۔
ولید نے اس پر ایک سرد سی نگاہ ڈالی تھی۔ یہ لڑکی دن بدن اس کی نظروں میں اپنے مقام سے گرتی جا رہی تھی۔
''کیسے ہو؟'' وہ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھا تو اس نے پوچھا۔
''تم کیوں آئی ہو یہاں؟'' ولید نے سرد لہجے میں پوچھا۔
''تم مسلسل مجھے اگنور کر رہے ہو، میری کال تک پک نہیں کر رہے، میں تمہارے لیے پاگل ہو رہی ہوں، تم ایسا کیوں کر رہے ہو ولید۔'' اس کے سوال پر وہ بھی ایک دم تنفر سے گویا ہوئی تھی۔
''میں نے محض تم سے سلام دعا کا تعلق رکھا تھا رہ گئی دوستی کی بات وہاں بھی میں نے اپنی لمٹس کراس کرنے کی قطعی کوشش نہ کی تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ میرے کسی بھی عمل سے تمہیں شہ ملی ہو۔'' ولید نے سرد انداز میں کہا۔
''ولید میں تمہاری خاطر بالکل بدلنے کو تیار ہوں۔'' وہ عاجزی سے بولی۔
''مگر مجھے تمہارے بدلنے سے کوئی سروکار نہیں۔'' ولید نے کہا تو کاشفہ آنکھوں میں غضب لیے اسے دیکھے گئی۔
''تو تم مجھے انکار کر رہے ہو۔'' وہ ایک دم پھنکاری تھی ولید نے استہزائیہ دیکھا۔
''انکار تو میں بہت پہلے سے کر رہا ہوں تم خود ہی اس حقیقت کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہو۔'' ولید کا انداز اب بھی تمسخرانہ تھا۔
کاشفہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھی کھڑی ہوئی تھی۔
''ولید یاد رکھنا میں بہت فیئر ہو کر تمہاری طرف بڑھی تھی اس لیے کہ میرے دل نے خود سے پہلی بار کسی مرد کی طلب کی تھی اور میں نے اپنی طلب میں پاگل ہو کر تمہاری خاطر خودکشی کی کوشش تک کرلی کہ شاید تم پگھل جاؤ، لیکن ولید میں اب خود کو ڈی گریڈ نہیں کروں گی۔ اب میں وہ کروں گی جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ ایک عورت سب کچھ برداشت کرسکتی ہے مگر اپنی تذلیل نہیں، یاد رکھنا ولید مجھ سے دوستی تو کی تھی تم نے اور اسی دوستی کو میں معاف نہیں کروں گی۔'' وہ نخوت و تنفر سے کہتے وہاں سے نکل گئی تھی۔
ولید نے ازحد اضطراب میں گھرتے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ پھر غم و غصے سے سامنے پڑی فائل اٹھا کر ایک طرف پٹخ دی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

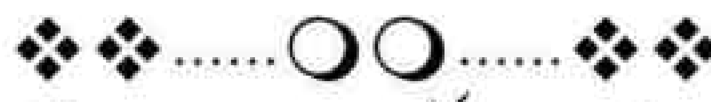


ٹوٹا ہوا تارہ ......سمیرا شریف طور

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

شاہ زیب اور مہر النساء کے سامنے اپنی ذات کی تحقیر ہوتے دیکھ کر شہوار صدمے سے نڈھال ہوش وخرد سے بیگانہ ہو جاتی ہے۔ تابندہ بی کے اچانک غائب ہو جانے سے اس کو اپنے تمام خدشات درست محسوس ہوتے ہیں۔ دوسری طرف مصطفیٰ کا سخت رویہ اسے کلفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ان حالات میں شدید بخار میں مبتلا وہ مصطفیٰ کے رحم و کرم پر ہے جب ہی مصطفیٰ ان تمام حقائق سے آگاہ ہوتے اسے دلاسہ دیتا اور اپنے رویے کو شہوار کے لیے نرم کر لیتا ہے۔ دوسری طرف مصطفیٰ کے لیے بھی تابندہ کا یہ عمل کافی حیران کن ہے جبکہ دیگر گھر والوں کو اس بات سے آگاہ نہیں کیا جاتا۔ انا، کاشفہ کو لے کر سخت اضطراب میں مبتلا ہے جب ہی اس دوران کیتھی بھی پاکستان چلی آتی ہے۔ ولید کیتھی سے ملنے جاتا ہے اور انا کو بھی ملانے کی غرض سے ساتھ لے جاتا ہے جبکہ اس ملاقات کے دوران انا خود کو نہایت غیر اہم تصور کرتی ہے ایک مرتبہ پھر ولید اور اس کے تعلقات ابتری کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ رابعہ دیگر گھر والوں کے ہمراہ ابوبکر کے ساتھ فلیٹ دیکھنے آتی ہے جب ہی اس کی ملاقات عادلہ سے ہو جاتی ہے عادلہ ایک مرتبہ پھر دھمکی آمیز رویہ اپناتی ہے جبکہ ماموں اور بھابی کے سامنے رابعہ شدید خفت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ شہوار کی علالت کا سن کر انا اس سے ملنے جاتی ہے لیکن راستے میں کاشفہ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ ولید کی جانب سے دستبرداری کا کہتے انا اور ولید کے رشتے کو زبردستی کا تعلق قرار دیتی انا کو ولید کی طرف سے بدگمان کرنے کی بھرپور سعی کرتی ہے ایسے میں انا انتہائی پریشانی کے عالم میں گھر لوٹ آتی ہے۔ دوسری طرف عبدالقیوم ایاز کو باہر بھیجنے کی پوری تیاری کر لیتے ہیں اپنی ملاقات کے دوران وہ مصطفیٰ پر ہونے والے حملے سے بھی ایاز کو آگاہ کرتے ہیں جبکہ ایاز اپنے باپ کو تمام حقیقت بتانے سے گریز کرتا ہے۔ وہ کاشفہ والا تمام معاملہ بھی ایاز کے سامنے رکھتے ہیں۔ مصطفیٰ اپنے طور سکندر علی کے گھر کے ایڈریس پر پہنچ کر تابندہ بوا سے متعلق معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے اب وہاں کرایہ دار کی حیثیت سے کچھ لوگ مقیم ہوتے ہیں۔ وہاں سے مالک مکان کا نمبر لے کر مصطفیٰ نئے سرے سے کوشش شروع کر دیتا ہے۔ کاشفہ ایک مرتبہ پھر ولید کے آفس پہنچ کر اپنی محبت کا یقین دلاتے اسے قائل کرنا چاہتی ہے۔ جبکہ کاشفہ کے دھمکی آمیز رویوں کی بدولت ولید کی نظروں میں کاشفہ کا مقام گر جاتا ہے۔

〈اب آگے پڑھیے〉



اس کی طبیعت کافی سنبھلی ہوئی تھی۔ وہ میڈیسن لے کر باہر نکلی تو ماں جی نے کمرے میں بلوالیا۔ وہ مہر النساء کے کمرے میں آئی تو انہوں نے اسے ولید کے ہاں دعوت کا بتایا۔

''اتنی جلدی، کچھ دن بعد چلے جاتے تو......'' وہ ابھی تک تابندہ بی والے انکشاف کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ ایسے عالم میں وہ کیسے چلی جاتی جبکہ یہ سلسلے تو دل کی خوشی سے مشروط ہوتے ہیں۔ جبکہ اس کا دل ہی بجھ گیا تھا۔

''میں نے مصطفیٰ کو کہا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ ولید کے والد صاحب نے خود بات کی تھی سو اسے ہامی بھرنا پڑی۔'' شہوار خاموشی ہوگئی۔

''انہوں نے سب ہی کو انوائٹ کیا ہے میں اور شاہ زیب بھی تمہارے ساتھ چلیں گے مصطفیٰ نے ان کو بھی کال کر دی ہے۔ وہ وقت پر گھر آ جائیں گے۔ شام سے پہلے نکلنا ہے۔'' شہوار نے سر ہلایا۔ وہ ان کے پاس سے اٹھ کر واپس مصطفیٰ والے کمرے میں آ گئی۔

دو دن کے بخار نے جسم میں نقاہت سی بھر دی تھی اب تھوڑا بہت چلنے پھرنے سے ہی تھکن کا احساس ہونے لگا تھا۔ کمرے میں آ کر الماری کھول کر لباس دیکھنے لگی تو موبائل بجنے لگا۔ شہوار نے سیل دیکھا۔

مصطفیٰ کا نام جگمگا رہا تھا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیتے کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔''

''طبیعت کیسی ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''جی بہتر ہوں۔'' آواز میں تھکن اور نقاہت تھی۔

''بخار اترا۔'' مصطفیٰ کا انداز نارمل تھا۔

''جی۔''

''نائس اور میڈیسن لی؟''
''جی۔'' وہ الماری کے پٹ کھلے چھوڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔
''بات یہ ہے کہ ولید کی فیملی کی جانب سے ڈنر پر انوائٹ کیا گیا ہے میں نے ماں جی کو فون کیا تو تھا لیکن پھر سوچا آپ کو بھی کہہ دوں۔''
''جی ابھی انہوں نے بتایا ہے۔''
''او کے پھر امید کروں کہ آپ وقت پر تیار ہو جائیں گی؟'' مصطفیٰ پوچھ رہا تھا۔ انداز سنجیدہ تھا۔
''جی۔'' دوسری طرف ایک پل کو مصطفیٰ چونکا۔
''او کے، میں مغرب سے پہلے گھر آ جاؤں گا، ٹھیک ہے۔''
''جی۔'' شہوار کی وہی فرماں برداری تھی۔ دوسری طرف مصطفیٰ دوبارہ چونکا تھا۔
''یہ بیماری تو بڑی فائدہ مند ثابت ہوئی ہے، نہیں...... نہیں کی جگہ جی...... جی کا کلمہ پڑھا دیا ہے اس نے تو۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ شہوار ایک دم جھینپی گئی۔
''خیریت ہے نا۔ اتنی فرماں برداری مجھے ہضم نہیں ہو رہی۔'' مصطفیٰ کا انداز چھیڑنے والا تھا۔
وہ لب دانتوں تلے دبا کر خاموش رہی۔ مصطفیٰ کا وہی سابقہ انداز تھا کیئرنگ اور پر جوش۔
''شہوار؟'' اس کی خاموشی پر مصطفیٰ نے پکارا۔
وہ پھر بھی خاموش رہی تھی دوسری طرف مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔
''او کے بزی ہوں گھر آ کر بات ہوگی وقت پر ریڈی ہو جایئے گا، او کے۔'' دوسری طرف مصطفیٰ کے پاس کچھ لوگ چلے آئے تو اس نے جلدی سے بات سمیٹی تھی۔
''جی۔'' اس نے پھر آہستگی سے کہا۔
''اللہ حافظ۔'' مصطفیٰ نے کال بند کر دی۔
وہ جو اسپتال سے واپسی کے بعد والے مصطفیٰ کے رویے پر پریشان تھی اور اب پھر اس کو پرانے رویے میں دیکھ کر ایک دم پر سکون ہو گئی تھی۔ یوں لگا جیسے دل و دماغ ایک دم ہلکے پھلکے سے ہو گئے ہوں۔ جسمانی کمزوری کے باوجود وہ پھر سے اٹھ کر الماری کی طرف بڑھی اور انا کے ہاں جانے کے لیے کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی۔

❖❖......○○......❖❖

ناشتہ کرنے کے بعد وہ کالج نہیں گئی تھی۔ ذہن اتنا الجھا ہوا تھا کہ وہ خود کو کالج جانے کے لیے آمادہ نہیں کر پا رہی تھی کچھ دیر تو وہ کتابیں لے کر بیٹھی رہی مگر پھر ذہن الجھا رہا تو وہ لیٹ گئی۔ آج کل پھر اس کے اندر کی بے چینیوں نے آنکھوں کو رت جگے سونپ رکھے تھے ذہن اتنا تھکا ہوا تھا کہ وہ خود کو سونے سے نہ روک پائی تھی۔ نجانے کب تک سوتی رہی کہ روشانے کے جھنجوڑنے پر آنکھ کھلی تھی۔
''کیا بات ہے، کالج بھی نہیں گئی اور نہ ہی کمرے سے نکلی ہو۔'' اسے اسی طرح لیٹے دیکھ کر روشنی نے پوچھا۔
''میرا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔''
''موڈ کیوں نہیں ہو رہا تھا۔'' روشانے نے اس کا چہرہ دیکھا۔ بڑا اسپاٹ سا انداز تھا۔
''ضروری نہیں کہ ہر بات کی کوئی وجہ ہو۔'' وہ کچھ سختی سے کہہ کر بستر سے اتر کر واش روم میں گھس گئی۔ روشانے نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا۔ چند دن سے وہ اسے بڑی گم صم اکھڑی اکھڑی اور بے زار سی لگ رہی تھی۔
''وہ منہ ہاتھ دھو کر ٹاول سے چہرہ خشک کرتی واپس لوٹی تو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو دیکھنے لگی۔
آنکھیں سوجی سوجی اور سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے بے دردی سے لب بھینچ کر ٹاول سے آنکھوں کو مزید رگڑا۔
''تمہیں پتا ہے بابا اور ولید نے مصطفیٰ اور اس کی فیملی کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔'' روشانے نے بتایا تو وہ چونک کر پلٹی۔
''اچھا کب؟'' اس کے لیے یہ خبر بالکل غیر متوقع تھی۔
''رات کو آئیں گے۔''
''اوہ......''

''ہمیں بھی ابھی بابا نے بتایا ہے۔ پھوپو بوتیک نہیں جا رہیں گھر پر رات کو مہمان ہوں گے تو وہ گھر پر ہی رک گئی ہیں۔''
''شادی کی دعوت دی ہے کیا؟'' وہ ٹاول واپس غسل خانے میں لٹکا کر روشانے کے سامنے آ بیٹھی۔
''ہاں مصطفیٰ بھائی بھی اب ٹھیک ہو چکے ہیں جاب پر جا رہے ہیں بابا کہہ رہے تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے یہ ڈنر نبٹا لیا جائے۔''
''شہوار بھی آئے گی؟'' شہوار کے تصور سے ہی اس کا موڈ ایک دم فریش ہو گیا تھا۔
''بالکل ظاہر ہے اسی کی شادی کے اعزاز میں ڈنر ہوگا۔'' انا نے گردن ہلائی۔
''پھوپو کہہ رہی تھیں کہ تمہیں اٹھا دوں۔ کھانے پینے کی کچھ ڈشز ریڈی میڈ ہوں گی اور کچھ گھر پر بنانا ہوگا۔ ٹائم تھوڑا ہے اور کام کافی سارا ہے تم ایسا کرو صغراں کو ساتھ لے کر گھر کی صفائی کرا لو۔'' روشانے نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔
''اوکے میں کرلوں گی۔'' اس کے کہنے پر روشانے مسکرائی اور پھر بغور اس کو دیکھا اور پھر چونکی۔
''تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟''
''کیا ہوا ہے؟'' انا نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''ریڈ ہو رہی ہیں۔''
''ہاں صابن چلا گیا تھا آنکھوں میں، جلن ہو رہی ہے۔''
''اوہ......لیکن تمہارا چہرہ بھی سرخ سرخ ہو رہا ہے۔''
''میرا چہرہ قدرتی طور پر ریڈ کلر رکھتا ہے، عام روٹین میں بھی یہ سرخ ہی رہتا ہے۔''
''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اتنا ریڈ بھی نہیں ہوتا۔'' روشانے کے لہجے میں تشویش تھی۔
''میرا خیال ہے وقت کم ہے اور کام بہت زیادہ ہے باہر چلتے ہیں رہ گیا میرا چہرہ اس پر ایسے اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ تم سب کو تو اب تک عادی ہو جانا چاہیے تھا۔'' سنجیدگی سے کہہ کر بستر سے اٹھ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔
روشانے نے اسے بڑی سنجیدگی سے جاتے دیکھا تھا۔

❖❖......○○......❖❖

عباس کو شاہزیب صاحب نے اپنے آفس میں بلایا تھا وکیل صاحب وہیں موجود تھے انہوں نے عباس کو ایک فائل دی۔ عباس نے فائل دیکھی تو ایک دم لب بھینچ لیے تھے۔
''ہمارے خاندان میں آج تک ایسا سانحہ نہیں ہوا لیکن اپنے بزرگوں کی قدروں کو توڑ کر اب ہم یہ سب کرنے پر مجبور ہیں۔ فائل ریڈی ہے تم دستخط کر دو آج ہی وکیل صاحب پیپرز بھیج دیں گے پہلے ہی اس معاملے کو بہت لٹکا چکے ہیں اب مزید تاخیر نہیں چاہتے ہم۔'' شاہزیب صاحب نے کہا۔
عباس نے ایک بار پھر پیپرز کو دیکھا۔ نگاہوں میں معصوم سے آفاق کی شبیہہ لہرائی تو ہونٹ دانتوں تلے بھینچ لیے۔
''اس رشتے کا انجام شاید یہی تھا۔'' عباس کے اندر ماضی کے کئی واقعات نے اُدھم مچا ڈالا تھا۔ عادلہ کو بہت محبت اور دھوم دھام سے وہ لوگ بیاہ کر لائے تھے۔ لیکن عادلہ جو کچھ کر چکی تھی ان جیسے خاندان میں ایسی عورتیں کم ہی نبھاہ کر پاتی ہیں ورنہ اتنے سال عباس نے تو پوری کوشش کی تھی کہ اس رشتے کو برقرار رکھے۔
اس نے سنجیدگی سے تمام پیپرز سائن کر دیے تھے۔
''ابھی اپنی والدہ سے ذکر مت کرنا وہ کچھ پریشان ہیں اوپر سے مصطفیٰ والا حادثہ، میں خود ہی موقع دیکھ کر بات کرلوں گا۔'' شاہزیب صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا تو وہ بغیر کچھ کہے وہاں سے نکل گیا اور انہوں نے بہت دکھ سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔
عباس اپنے کمرے میں آیا اور پھر اپنی تمام چیزیں سمیٹ کر وہ موبائل اور کی چین اٹھا کر رابعہ کی کیبن کی طرف چلا آیا۔
''مس رابعہ میرے ساتھ چلیں پلیز۔'' عباس کی آواز سن کر وہ ایک دم کھڑی ہو گئی تھی۔
''جی سر؟'' وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔
''میں باہر ویٹ کر رہا ہوں۔'' عباس کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔

وہ کہہ کر چلا گیا تھا جبکہ وہ ایک دم چونکی تھی وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی اس نے آفس بوائے کو بلا کر سر کے ساتھ جانے کی اطلاع دی اور خود کمپیوٹر بند کر کے تمام چیزیں سمیٹ کر بیگ اٹھا کر چادر درست کرتی باہر آ گئی تھی۔

عباس گاڑی میں بیٹھا اس کا منتظر تھا اسے دیکھ کر فرنٹ ڈور کھول دیا۔ وہ الجھ گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی عباس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے بڑھا دی تھی۔ عباس کا انداز بہت سنجیدہ تھا آنکھوں پر گلاسز لگا رکھے تھے رابعہ نے بغور دیکھا۔

''سر ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا تو عباس چونکا۔ رابعہ کے چہرے پر پریشانی تھی۔

عباس نے خاموشی سے ایک طرف گاڑی روک دی تھی۔

''میں سمجھتا تھا کہ میں بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہوں مگر جب سے عادلہ میری زندگی میں آئی تو مجھے لگا ہر دن میرا امتحان کا دن ہے اور ہر روز میں نے اس عورت سے اذیت اٹھائی تھی اس عورت نے مجھے اور میری فیملی کو صرف ذہنی اذیت کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔'' عباس نے گہرا سانس لیتے سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے کہا' اتنی بے مقصد گفتگو وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''سر ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''آپ پریشان ہو رہی ہیں۔'' عباس نے چہرہ موڑ کر پوچھا تو وہ خاموش ہی رہی۔

وہ کل سے عادلہ کو لے کر خود بھی پریشان تھی صبح آفس آتے ہی عباس سے سامنا ہوتے ہی اس نے عادلہ کا رویہ سنا ڈالا تھا اس کے بعد عباس شاہزیب کے پاس چلا گیا تھا اور ان سے کہہ کر اس مسئلے کا اب باقاعدہ حل چاہا تھا جو اگلے چند گھنٹوں میں انہوں نے وکیل کو بلوا کر اس سے کاغذات پر دستخط لے لیے تھے۔ درحقیقت عباس خود سے زیادہ رابعہ کو لے کر شرمندہ تھا اور اب جبکہ ایک فیصلے پر وہ مہر ثبت کر آیا تھا تو دل و دماغ توڑ پھوڑ کا شکار ہو رہے تھے۔

''ایم سوری مجھے آپ کو اس طرح اپنے ساتھ نہیں لانا چاہیے تھا۔'' عباس نے کہا تو وہ چونکی اسے پہلی بار محسوس ہوا عباس پریشان ہے۔

''عادلہ نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا اس کو لے کر میں بہت ٹینس ہوا ہوں آپ کو جو بھی اذیت سہنا پڑ رہی ہے اس کی اہم وجہ صرف میں ہوں اس لیے میں وہ سارا قصہ ہی تمام کر آیا ہوں۔''

''جی سر۔'' اس نے حیرانگی سے کہا۔

''میں عادلہ کو ڈائیورس دے چکا ہوں۔'' عباس نے مزید کہا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''مجھے لگا آفس میں بیٹھ کر میں آپ سے بات نہیں کر پاؤں گا اور نہ ہی تسلی دے پاؤں گا اسی لیے آپ کو باہر لے کر آنا پڑا۔'' عباس کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔

''میں اب تک اس عورت کو محض اپنے بیٹے کے لیے برداشت کرتا رہا تھا۔ اس عورت نے ہمارے خاندان کو ایسے ناقابل تلافی نقصان دیے ہیں جس کا کوئی ازالہ ہی نہیں۔'' عباس کے لہجے میں دکھ تھا۔

''ہم نے بہت محبت سے عادلہ سے رشتہ جوڑا تھا۔ ہمیں اندازہ ہی نہ تھا کہ عادلہ اور اس کا خاندان اول درجے کے گھٹیا لوگ ہیں میں نے ہر مرحلے پر عادلہ کے ساتھ کمپرومائز کی کوشش کی تھی۔ اس کو میری فیملی اور اس کی قدریں قید خانہ لگتی تھیں اور پھر وہ رشتہ نبھانا چاہتی ہی نہ تھی۔'' عباس دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔

''آپ کو بہت دکھ ہو رہا ہے نا سر؟'' رابعہ کو عباس کے رویے سے محسوس ہوا تو فوراً پوچھا۔

''مجھے خوش ہونا چاہیے کہ دکھی میں خود بھی اندازہ نہیں کر پا رہا۔''

''لیکن میں مطمئن ضرور ہوں کہ اب میرا ایسی گھٹیا عورت سے کوئی ریلیشن نہیں رہا۔'' عباس نے ایک دم مطمئن لہجے میں کہا۔

''آپ نے آفاق کو دیکھا ہے؟'' ایک دم بات بدلتے عباس نے پوچھا۔

''آپ کا بیٹا؟''

''ہاں......!''

''جی آپ کے بھائی کی شادی پر دیکھا تھا ماشاءاللہ بہت کیوٹ ہے۔''

''وہ اتنا پیارا ہے کہ خود بخود اس کی طرف متوجہ ہونے کو دل کرتا ہے اور وہ سنگ دل عورت اس نے اس کی ایک بھی ذمہ داری نبھانا پسند نہیں کی بلکہ وہ تو اسے پیدا کرنے پر ہی آمادہ نہ تھی لیکن میری وجہ سے مجبور ہوئی اور پھر اس نے اسے لاوارثوں کی طرح پھینک دیا اور پھر

میرے دل میں عادلہ کے لیے کچھ باقی نہ رہا۔ جب بھی آفاق کو دوسروں کے پاس دیکھتا ہوں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس عورت کو شوٹ کردوں جو ماں کے نام پر محض ایک دھبہ ہے۔'' عباس نے ایک دم مشتعل ہوتے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا تو رابعہ سہم گئی تھی۔

''سر پلیز۔'' اس نے بے اختیار عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو عباس نے لب بھینچ لیے۔

وہ کچھ پل ایسے ہی بیٹھا رہا تھا رابعہ نے اپنا ہاتھ ہٹالیا تھا۔ اور پھر خود پر قابو پاتے اپنے اعصاب کو نارمل کرتے اس نے گہرا سانس لیا تھا۔

''ایم سوری۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میرے اندر ایک دم غبار سا بھر گیا ہے۔ میں نے اگر کسی سے کچھ شیئر نہ کیا تو واقعی کچھ غلط کر بیٹھوں گا۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں سر۔'' وہ محسوس کر رہی تھی کہ عباس اس وقت خاصا ڈسٹرب ہے۔

''مجھے آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''کوئی بات نہیں سر، اگر آپ مجھ سے کچھ شیئر کریں گے تو یہ میری خوش بختی ہوگی۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو عباس نے اسے دیکھا۔

چند دن پہلے عباس کے اندر اس لڑکی کو دیکھ کر عجیب سے احساسات پیدا ہوئے تھے اور اب پھر اسے دیکھ کر دل میں عجیب سا سکون اترا تھا۔ ورنہ وہاں تو آگ لگی ہوئی تھی۔ سب کچھ بھسم کر دینے والی آگ جس پر اب چھینٹے سے پڑنے لگے تھے۔

''آپ بہت ڈیفرنٹ ہیں مس رابعہ۔'' عباس نے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرادی۔

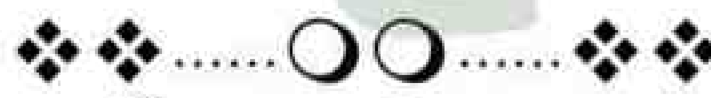
''مجھے بہت افسوس ہے کہ ہمارے اولین تعلقات خاصے ناخوش گوار رہے تھے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں عادلہ کی ذات سے آپ کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔ میری ذات کو بنیاد بنا کر عادلہ نے آپ کو نقصان پہنچانے کا جو بھی سلسلہ شروع کیا ہے اس کو ختم کرنا میری ذمہ داری ہے۔'' عباس نے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

''تھینکس سر لیکن آپ کی ڈائیورس کے سلسلے میں مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے کہ میری وجہ سے آپ کو یہ سب......!'' وہ کچھ مزید بھی کہنے والی تھی عباس نے ایک دم روک دیا۔

''نہیں رابعہ...... میں نے عادلہ کو ویسے بھی چھوڑنا ہی تھا بس یہ تھا کہ جو کام مجھے کل کرنا تھا وہ آج کر ڈالا اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں آپ گلٹی محسوس نا کریں بہر حال مجھے یہ سب کچھ کرنا ہی تھا۔'' عباس کے کہنے پر وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

''بہر حال مجھے دکھ ہوا ہے۔ ریلیشن جو بھی ہو بڑی مشکل سے بنتا ہے ہزاروں قربانیاں دینا پڑتی ہیں یہ تعلق تو ایک کچے دھاگے کی طرح ہے جو ذرا کھنچاؤ لگا اور دباؤ آ گیا فوراً ٹوٹ گیا ایسے تعلق کو صرف محبت ہی مضبوط بناتی ہے اور اگر محبت نہ رہے تو تعلق ٹوٹنے میں لمحہ نہیں لگتا۔''

''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں رابعہ، ہر تعلق کو محبت ہی مضبوط بناتی ہے ورنہ تعلق تو لمحوں میں ٹوٹ جاتے ہیں۔'' عباس کے لہجے میں ایک دم پھر تلخی سی اتر آئی اور رابعہ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔



ماں جی اور شاہزیب صاحب تیار ہو گئے تھے شاہزیب صاحب کچھ دیر پہلے گھر لوٹے تھے مصطفیٰ نے کچھ دیر میں پہنچ جانے کا کہا تھا اور شہوار کا دل عجیب سا ہو رہا تھا۔

ایک طرف تابندہ کا غم دوسری طرف مصطفیٰ کا رویہ۔ وہ چاہنے کے باوجود خوش نہیں ہو پا رہی تھی لایعنی سوچوں نے اس کے اعصاب کو شل کر رکھا تھا اور پھر بیماری سے پیدا ہو جانے والی نقاہت نے اس کے اندر سے گویا ہر امنگ ہی چھین لی تھی۔

ماں جی کے کہنے پر اس نے لباس بدل لیا تھا لائبہ مصطفیٰ کے کمرے میں اس کے منع کرنے کے باوجود اسے میک اپ کر رہی تھی کہ مصطفیٰ چلا آیا۔

''السلام علیکم!'' مصطفیٰ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ شہوار جھینپ گئی تھی دوپٹہ بستر پڑا ہوا تھا اور پشت پر بالوں کا آبشار۔

''وعلیکم السلام کیسے ہیں دیور جی۔'' بھابی نے چھیڑا تو وہ مسکرایا۔

''اے ون۔'' مصطفیٰ نے بیگ اور دوسری چیزیں بستر پر رکھ دی تھیں۔ ایک نگاہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی شہوار پر ڈالی۔ وہ سر جھکائے ہوئے بھی خوب صورتی بے مثال تھی مصطفیٰ کی نگاہ ایک دم جم سی گئی تھی لائبہ اس کا میک اپ کر چکی تھی اور اب چیزیں سمیٹ رہی

تھی۔
''کیسی لگ رہی ہے شہوار؟'' لائبہ مصطفیٰ کی نگاہ کی وارفتگی دیکھ چکی تھی شرارتاً پوچھا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔
''مجھے تو کبھی بھی بری نہیں لگی، خوامخواہ تکلف کیا اتنے رنگ ضائع کر کے میں تو بہت پہلے سے قبول کر چکا ہوں۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر شہوار ایک دم سمٹ سی گئی تھی۔ بھابی کھلکھلا کر ہنسی تھیں۔
''یعنی کہ ڈائیلاگ مار رہے ہو؟''
''میں یہ کام نہیں کرتا۔''
''حیرت ہے پولیس آفیسر ہو کر مار دھاڑ سے خود کو بری الذمہ قرار دے رہے ہو۔'' بھابی چھیڑ رہی تھیں وہ ہنس دیا۔
وہ الماری کی طرف بڑھا تو شہوار نے اٹھ کر بستر سے دوپٹا اٹھا کر خود پر ڈال لیا تھا یوں کہ بالوں کا آبشار بھی چھپ گیا تھا۔
''میں چلتی ہوں باقی تیاری تو تم آرام سے کر لوگی۔'' بھابی نے اسے چھیڑا تو اس کا رنگ سرخ پڑ گیا تھا اس نے سر ہلا دیا۔ اس کے دل کو کچھ سکون ہوتا تو شاید وہ بھی اس چھیڑ چھاڑ کو کچھ انجوائے کرتی مصطفیٰ الماری کھولے کھڑا تھا وہ شاید کوئی لباس دیکھ رہا تھا۔
''تم دونوں میں بول چال بند ہے کیا؟'' بھابی نے ایک دم نوٹ کیا تو فوراً کہا مصطفیٰ اپنا لباس خود نکال رہا تھا انہیں عجیب لگا تھا۔ شہوار اپنی جگہ چور سی بن گئی۔
''آپ کے کپڑے واش روم میں لٹکا دیے ہیں۔'' بھابی کی بات کو نظر انداز کرتے اس نے مصطفیٰ سے کہا مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا وہ ڈریسنگ پر جھکی مختلف چیزیں سمیٹنے میں لگی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ واش روم میں گھس گیا۔
بھابی اسے مختلف جملوں سے چھیڑتے وہاں سے چلی گئیں تو وہ بڑے نڈھال سے انداز میں بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔ اسے اپنا سر چکراتا محسوس ہو رہا تھا اوپر سے فینسی لباس، میک اپ، جیولری اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اوپر سے ڈنر پر جانے کی ٹینشن۔
مہرالنساء کو اس نے بتایا بھی تھا کہ وہ نہیں جا پائے گی مگر پھر مصطفیٰ کے رویے کو سوچ کر تیار ہو گئی تھی۔ لیکن کمزوری اعصاب پر غالب تھی۔
مصطفیٰ واش روم سے نکلا تو اسے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکا اور اس کے قریب چلا آیا۔
''طبیعت ٹھیک ہے؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے ایک دم پلکیں وا کی تھیں۔
''جی۔'' فوراً سر پر دوپٹہ جمایا۔
''بخار اترا؟''
''جی۔'' وہ کہہ کر بیڈ سے اتر آئی اور صوفے پر بیٹھ کر وہ سوٹ کے ہم رنگ ہلکی ہیل والی جوتی پہننے لگی۔
مصطفیٰ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا ہو کر ٹاول سے اپنے بال خشک کر رہا تھا ٹاول سائیڈ پر ڈال کر وہ بال بنانے لگ گیا تھا۔ شہوار جوتا پہن کر کھڑی ہوئی تو اپنا سر پھر چکراتا محسوس ہوا۔ وہ لب دباتی مصطفیٰ کی طرف آئی اور گیلا ٹاول اٹھانے کو جھکی تو پھر ایک دم آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔
اس نے فوراً اسٹول پر ہاتھ رکھا مگر پھر بھی لڑکھڑا گئی تھی مصطفیٰ جو آئینے میں اسے دیکھ رہا تھا ایک دم پلٹا تھا۔
''کیا ہوا؟'' مصطفیٰ نے فوراً اسے تھاما۔
اس کا دل تو پہلے ہی پھوڑا بنا ہوا تھا۔ آنکھوں میں ایک دم نمی سی سمٹ آئی تھی مصطفیٰ نے کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا اور پھر اس کی کلائی چیک کی تو چہرے پر تشویش کی کیفیت پیدا ہوئی۔
''بخار تو ابھی بھی ہے۔'' وہ سر جھکائے آنسو روکنے کی کوشش میں تھی جو ایک دم بہنے کو بے تاب تھے۔
''کیا ہوا ہے؟'' مصطفیٰ پریشان ہو گیا۔
وہ خود پر ضبط کرتی پلٹنے لگی تو مصطفیٰ نے کندھوں پر دباؤ ڈال کر روک لیا۔
''میڈیسن لی؟'' اس نے سر جھکائے سر ہلا دیا تھا مصطفیٰ نے بغور دیکھا وہ ہلکا ہلکا لرز رہی تھی ایک پر اعتماد لڑکی کا اس وقت سارا اعتبار ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔
''لگ تو نہیں رہا۔ میڈیسن لی ہوتی تو اس کا اثر بھی ہوتا بخار تو پھر بھی محسوس ہو رہا ہے۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں تشویش تھی۔
''میں ٹھیک ہوں ہلکی سی حرارت ہے بس جس کی وجہ سے سر چکرا رہا تھا۔'' وہ مصطفیٰ کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ خود کو سنبھالتے

نارمل انداز میں کہنا چاہا مگر آواز کی لڑکھڑاہٹ برقرار تھی۔
''اگر زیادہ طبیعت خراب ہے تو ہم ڈنر کینسل کر دیتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے کہا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔
مصطفیٰ کی آنکھوں اور چہرے پر اس کے لیے تشویش تھی۔
''نہیں میں ٹھیک ہوں بس ہلکی سی کمزوری ہے ورنہ میں خود انکار کر دیتی۔'' مصطفیٰ ہلکا سا مسکرا دیا۔
''اوکے۔''
شہوار نے سر اٹھا کر دیکھا تو مصطفیٰ کو مکمل طور پر اپنی جانب متوجہ پا کر اس کا دل ایک دم تیز رفتاری سے دھڑکنے لگا تھا۔
''آپ تیار ہو جائیں دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے کانپتی لڑکھڑاتی آواز میں بمشکل کہا۔
''تیار بھی ہو جائیں گے پہلے تو مجھے یہ بتاؤ ہمارے درمیان یہ کشیدگی کب تک چلے گی؟'' مصطفیٰ کا انداز بہت سنجیدگی سے پوچھا تو شہوار ایک دم ہی کنفیوژ ہو گئی۔
''خفا تو آپ ہیں؟'' نظریں چرا کر اس نے مصطفیٰ کے ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹنا چاہا تھا۔
لہجے میں ہلکی سی خفگی در آئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس کی وہاں سے ہٹنے کی کوشش ناکام بنا دی۔
''کیا مجھے خفا نہیں ہونا چاہیے تھا؟'' مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے پوچھا تو وہ ایک دم پلکیں گرا گئی۔ خوشنما رنگوں سے سجی آنکھیں بڑی دلکش لگ رہی تھیں اور خوب صورت کام سے مزین لائٹ پنک سوٹ نے اس کی سہانی رنگت کو مزید دو آتشہ کر ڈالا تھا وہ اس وقت نگاہوں کو خیرہ کرتی جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔
''میں اسپتال میں جس حالت میں تھا وہاں میں نے سب سے زیادہ تمہارا انتظار کیا تھا سبھی لوگ آئے تھے سوائے تمہارے کیا اب بھی میں دل میں بدگمانی نہ لاتا۔'' مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔
''میں آپ سے سوری کر چکی ہوں۔'' وہ پہلے ہی نڈھال سی تھی اس طرح مسلسل کھڑے رہنے سے اسے لگا کہ جیسے اس کی ٹانگیں شل ہو جائیں گی۔
''میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا میں جانا چاہتی تھی لیکن......!'' وہ کہتے کہتے رکی پھر اس نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔
''میں ایسا مرد نہیں ہوں کہ خوامخواہ دل میں بدگمانی رکھوں اگر یہ تابندہ بوا والا معاملہ نہ ہوتا تو میں نے تم سے بہت بری طرح نبٹنے کا سوچ رکھا تھا لیکن تمہاری یہ بیماری اور حالات دیکھ کر دل پسیج گیا ورنہ تو وہ حالت کرتا کہ تم خود مجھ سے پناہ مانگتی۔'' لہجے میں نرمی بھی تھی لیکن خفگی بھی۔
شہوار کا دل ایک دم اتھل پتھل ہونے لگا اس نے مصطفیٰ کو دیکھا......وہ بڑی مشکل سے خود پر قابو پائے ہوئے تھی ورنہ لگتا تھا کہ گویا ابھی گر جائے گی اوپر سے مصطفیٰ کے تیور وہ مسلسل خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔
''ایم سوری۔'' اس نے پھر کہا۔
''میں جانتی تھی کہ میں غلطی کر رہی ہوں لیکن میں جن حالات سے گزر کر آئی تھی پھر ایک دم بدلنا کچھ وقت تو لگتا ہے نا آپ بھلے مجھ سے خفا ہو لیں لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں میں نے جان بوجھ کر ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ بس اس وقت میں آپ سے سامنا کرنے کی خود میں ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔'' اس نے آہستگی سے دل کی بات کہہ ڈالی۔
وہ مصطفیٰ کی ناراضی دیکھ چکی تھی اس کے دل میں ایک دم خوف بیٹھ گیا تھا۔ مصطفیٰ کا رویہ اب بدلا تھا تو وہ دل ہی دل میں اسے اب شکایت کا کوئی بھی موقع نہ دینے کا ٹھان چکی تھی۔
''میں نے تو کئی بار آپ سے موبائل پر رابطہ کرنا چاہا آپ تو میری کال تک ریسیو نہیں کرتے تھے۔'' اس کا دل دکھا ہوا تھا۔ ایک دم آواز میں نمی آ ٹھہری تھی۔
''ہاں تو کیوں کرتا، کوئی اتنے خلوص سے، بے پناہ محبت سے تمہاری طرف بار بار بڑھے اور تم بار بار نظر انداز کرو میں بھی انسان تھا آخر کب تک برداشت کرتا۔'' مصطفیٰ نے کہا تو اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سمٹ آئی تھی۔
''مجھ جیسی لڑکی آپ جیسے انسان کے قابل نہیں ہے، میں ایک ایسی لڑکی جس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی ماں تک اس کو چھوڑ کر چلی گئی ہے اس سے اس قدر محبت کی جائے۔'' اس کا دل تو پہلے ہی غم سے لبریز تھا مصطفیٰ کے الفاظ نے گویا اور زخم لگا دیے تھے آنسو بہنے لگے تھے۔

مصطفیٰ نے بہت محبت سے دونوں کندھوں سے تھام کر اسے اپنے قریب کر لیا تھا۔
''میرے لیے صرف تم اہم ہو، مجھے کسی بھی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ بات میں کئی بار کہہ چکا ہوں۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں نرمی تھی اور بہت محبت سے اس کو سمیٹا تھا رخساروں پر بہنے والے آنسو صاف کیے تھے۔
''امی نے ایسا کیوں کیا...... کیوں؟'' تابندہ کے اس عمل نے اس قدر توڑ دیا تھا کہ اسے لگتا تھا کہ اس کی ساری انا، ساری اکڑ سارا زعم پانی کے جھاگ کی مانند بیٹھ چکا تھا وہ اس سارے خاندان کے سامنے آنکھیں چرانے پر مجبور ہوگئی تھی۔
''وہ آجائیں گی میں خود ان کو تلاش کروں گا۔'' مصطفیٰ نے دلاسہ دیا۔
''میرے لیے اپنی پہچان کا واحد سہارا وہی تھیں۔ اب میں دونوں ہاتھوں سے خالی ہوں کس کس کے سوالوں کے جواب دوں گی۔''
''شہوار میرے لیے یہ سب باتیں بے معنی ہیں۔ میں جتنا بھی تابندہ بوا کو جانتا ہوں اس کی روشنی میں یہی کہوں گا کہ انہوں نے بلا سوچے سمجھے ایسا قدم نہیں اٹھایا ہوگا رہ گئی بغیر بتائے یوں چلے جانے والی بات تو میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً اس کی بھی کوئی ٹھوس وجہ ہوگی اور میں بہت جلد اس وجہ تک پہنچ جاؤں گا مجھ پر یقین کرو میں انہیں تلاش کرلوں گا۔'' مصطفیٰ نے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔ انداز میں محبت اور توجہ کی آمیزش تھی۔ شہوار کا وجود اس توجہ پر پگھلنے لگا اس سے پہلے کہ وہ پیچھے ہٹتی دروازہ بجا اٹھا۔
''شہوار......'' لائبہ بھابی کی پکار تھی وہ اپنا چہرہ صاف کرتے مصطفیٰ سے دور ہوئی تو مصطفیٰ پھر آئینے کے سامنے ٹھہر گیا تھا لائبہ اندر آگئی تھیں۔
''جی بھابی۔'' خود کو سنبھالتے اس نے کہا۔
''اگر تم دونوں تیار ہوگئے ہو تو باہر آجاؤ ماں جی بلا رہی ہیں۔'' انہوں نے کہا۔
''جی آتے ہیں۔ بس یہ تیار ہوجائیں۔'' شہوار نے کہا تو انہوں نے اسے بغور دیکھا اور پھر مصطفیٰ کو۔
شہوار کا چہرہ سرخ اور آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں میک اپ بھی کاجل سمیت بھیگا بھیگا سا تھا وہ بستر کے کنارے بیٹھ گئی تھی انداز نقاہت لیے ہوئے تھا۔
''کیا بات ہے تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟'' اس کا نڈھال انداز دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی تھیں انہوں نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''بخار ہو رہا ہے پھر سے۔'' مصطفیٰ نے کہا۔
بال بنا کر اس نے کوٹ پہنا تو بھابی نے تشویش زدہ نظروں سے دیکھا۔
''میڈیسن لے لو، وہاں جا کر بیٹھنا پڑے گا طبیعت زیادہ خراب ہوجائے گی پھر سے۔'' انہوں نے قریب آکر ہاتھ تھام کر فکرمندی سے کہا تو وہ مسکرائی۔
''جی لے لیتی ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو مصطفیٰ نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا۔

❖❖......○○......❖❖

ولید کے ہاں ڈنر پر مصطفیٰ کے گھر والوں کے علاوہ کیتھی بھی انوائٹڈ تھی۔ جہاں سب ہی اسے دیکھ کر چونکے تھے مصطفیٰ ایک دم خوش ہوا اور وہیں انا کا دل ایک دم بجھ سا گیا تھا۔ ضیاء صاحب کو بھی کیتھی کا آنا اچھا نہ لگا تھا تاہم انہوں نے ولید سے کچھ نہ کہا۔
''مجھے ولید نے قطعی نہیں بتایا تھا کہ تم پاکستان آچکی ہو۔'' مصطفیٰ نے کہا۔
''ولید مجھے منع کر چکا تھا۔ وہ تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔'' کیتھی نے مسکرا کر کہا۔
''سرپرائز تو واقعی مجھے ملا ہے۔ تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز پرجوش تھا۔ ولید مسکرا رہا تھا۔
''ولید نے بتایا تھا تمہارے ایکسیڈنٹ کے متعلق، میں نے سوچا تھا کہ تم سے ملوں گی مگر ولید نے منع کر دیا تو میں رک گئی تھی۔'' وہاں سبھی موجود تھے۔ کیتھی سے سبھی ملے تھے۔ روشانے بھی بڑی خوش اخلاقی اور گرم جوشی سے ملی تھی۔ بس انا اور ضیاء صاحب کا انداز ہی سنجیدہ تھا۔ چائے کے بعد کھانے کا دور چلا تھا۔
شہوار آج کل پرہیزی کھانوں پر تھی اس کی طبیعت کے سبب کسی نے اسے کچھ کھانے کو اصرار بھی نہ کیا تھا تاہم وہ ان سب کے ساتھ کچھ نہ کچھ لیتی رہی تھی۔ کھانے کے بعد سب بڑے محفل جما کر بیٹھ چکے تھے سب ہی لاؤنج میں آگئے تھے۔ کھانے کے بعد انا نے چائے بنا

کر بڑوں کو پہنچائی اور ان سب کے لیے کافی بنا کر جب وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں ایک رونق لگی ہوئی تھی۔

''مصطفیٰ ریئیلی یو آر سو لکی، یور وائف از سو پریٹی۔'' کیتھی کہہ رہی تھی سبھی مسکرا دیے تھے مصطفیٰ نے مسکرا کر شہوار کو دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی۔ انا نے خاموشی سے سب کو کافی سرو کی اور پھر شہوار کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''تم اگر لیٹنا چاہو تو میرے کمرے میں چل کر آرام کر سکتی ہو۔'' انا نے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی بیمار ہو تم کالج نہیں آ رہی تھی تو میں سمجھی کہ نارمل روٹین کا بخار ہے میں کال کرتی رہی ہوں تم نے بھی ذکر نہ کیا۔''

''بس یونہی میں نے سوچا تمہیں کیا پریشان کروں۔ ایک دو دن میں سنبھل جاؤں گی لیکن یہ بخار تو لمبا ہی ہوتا جا رہا ہے۔'' اس نے دھیمے سے کہا اور پھر سامنے دیکھنے لگی۔ روشانے کے ساتھ بیٹھی کیتھی وہاں امریکہ کی باتیں شیئر کر رہی تھی۔

''کیتھی بہت پیاری لڑکی ہے...... ہے نا۔'' کافی کا سپ لیتے شہوار نے کہا تو انا نے بغور کیتھی کو دیکھا۔ وہ خوب صورت ڈریسنگ اور میک اپ نے اسے بہت ہی پیارا انداز دیا تھا۔

''یہ مصطفیٰ اور ولید بھائی کی فرینڈ تھی۔ مجھے سن کر بڑی حیرت ہو رہی ہے۔ ان کے انداز کو دیکھ کر لگتا ہے کہ ان کی آپس میں کافی بنتی رہی ہے۔'' شہوار نے مزید کہا تو انا نے سنجیدگی سے سر ہلا دیا۔

''تم یہ جان کر شاید حیران ہو کہ یہ کیتھی ولید کو پسند کرتی تھی اور شادی کرنا چاہتی تھی لیکن ماموں نہ مانے تو یہ لوگ واپس آ گئے تھے پھر......!'' انا نے آہستگی سے کہا تو شہوار نے چونک کر دیکھا۔

''اوہ...... ریئلی......!'' انا نے سر ہلا دیا۔

''انٹرسٹنگ۔''

''کیا ولید بھائی بھی ایسا چاہتے تھے؟''

''مے بی۔'' اس نے کہا تو شہوار نے اب کے بہت غور سے کیتھی کو دیکھا۔

''یہ تو بہت ہی پیاری ہے۔'' اس کے لہجے میں تشویش پیدا ہوئی تھی۔

''تم دونوں کیا سرگوشیاں کر رہی ہو۔'' مصطفیٰ نے ان دونوں کو آپس میں بات کرتے دیکھ کر ٹوکا تو انا نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کی برائیاں کر رہے تھے ہم۔''

''اوہ...... واقعی؟'' مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ جھینپ کر چہرہ پھیر گئی۔

''شہوار سے کیا پوچھتے ہیں میرے کہنے پر یقین نہیں ہے۔''

''شہوار سے مجھے یہی توقع تھی۔'' مصطفیٰ نے مصنوعی تاسف سے کہا تو شہوار ایک دم گھبرا گئی۔

''میں نے کوئی برائی نہیں کی۔ بلکہ ہم تو کوئی اور ہی بات کر رہی تھیں۔'' اس کا صفائی پیش کرنے کا انداز اتنا بے ساختہ تھا کہ سبھی کھلکھلا کر ہنس دیئے تو شہوار ایک دم پزل ہو گئی تھی۔

''مصطفیٰ بھائی پلیز شہوار کو کنفیوژ مت کریں اس کی طبیعت پہلے ہی خراب ہے۔'' انا نے فوراً اس کی فیور کی۔

''کاش میں ان محترمہ کو کچھ کہہ سکتا۔ کنفیوژ کرنا تو بہت دور کی بات......'' سبھی ہنس دیے تھے۔ شہوار کے لیے مصطفیٰ کا یہ روپ بڑا انوکھا سا تھا۔

آج سارا وقت مصطفیٰ کا رویہ اس کے لیے بڑا مہربان رہا تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد اس کا ذہن کافی حد تک پرسکون ہوا تھا۔

''کیتھی تم جانتی ہو یہ ولید اور انا آپس میں فیانسی بھی ہیں؟'' مصطفیٰ نے روشانے کے ساتھ باتوں میں مصروف کیتھی کو ایک دم پکار کر کہا تھا وہ چونکی۔ اس نے ولید اور انا دونوں کو دیکھا تھا۔

''یس...... ولید نے بتایا تھا جب روشی کی شادی تھی تبھی بتایا تھا۔'' انا نے چونک کر دیکھا۔ ولید مسکرا رہا تھا۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی تھی۔'' کیتھی نے مسکرا کر کہا۔

''کچھ عرصے سے کیتھی سے رابطہ نہیں رہا تھا اس لیے مجھے کنفرم نہیں تھا کہ یہ جانتی بھی ہے کہ نہیں۔''

''جانتی تو میں بہت پہلے سے ہی تھی تب سے جب انکل نے بتایا تھا کہ وہ ولید کی شادی پاکستان میں اپنی بھانجی انا سے کریں گے۔''

کیتھی نے مزید کہا۔
''کیتھی سے متعلق ایک خبر میرے پاس بھی ہے۔'' ولید نے مسکرا کر کہا تو کیتھی بھی مسکرائی تھی اس کا انداز بہت پراعتماد تھا۔
''یہ بھی انگیجڈ ہو چکی ہے۔'' اس کی اطلاع پر سبھی حیران ہوئے تھے روشانے اور انا بھی۔
''رئیلی......؟'' روشانے نے پوچھا تو وہ مسکرائی۔
''کون ہے وہ؟'' روشانے نے مزید پوچھا۔
''میرا کولیگ ہے، تم لوگ نہیں جانتے اسے۔'' روشانے نے سر ہلا دیا تھا۔
''کانگریجولیشن۔ اٹس آ گڈ نیوز۔'' مصطفیٰ نے بھی کہا تو وہ نے مسکرا دی۔
''تھینکس۔''
انا نے بہت الجھ کر سب کو دیکھا۔ سبھی کا انداز بہت نارمل سا تھا اور سب سے زیادہ حیرت اسے مسکراتے ہوئے ولید کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔
تو کیا وہ سب جو اسے علم ہوا تھا وہ سب غلط تھا وہ جو روشی نے کیتھی کے بارے میں بتایا تھا اس کے اندر عجیب سی بے سکونی نے بسیرا کیا تھا۔
''اگر وہ سب محض جھوٹ تھا تو پھر یہ لڑکی یہاں کیوں آ گئی ہے۔'' اس دن کیتھی سے ہونے والی ملاقات ایک دم اس کے ذہن کی سطح پر روشن ہوئی تو ساتھ ہی کیتھی کا والہانہ و پرجوش خیر مقدم بھی یاد آیا۔ کیسے وہ ولید کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھی تھی اور کتنی خوش تھی وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔
کیتھی جو تھی سو تھی سب سے زیادہ تو اسے کم بخت کاشفہ کی باتوں نے الجھا کر رکھ دیا تھا نجانے وہ خود پر کیسے کنٹرول کر رہی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ ایک دم ولید کے سامنے جا کھڑی ہو جائے اور تمام حساب بے باق کر دے۔ اس نے سنجیدگی سے مصطفیٰ، احسن اور کیتھی کے ساتھ مصروف گفتگو ولید کو دیکھا جبکہ روشی اب شہوار سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے ولید کو چند ثانیوں تک بغور دیکھا تھا۔
ہمیشہ کی طرح نک سک سا تیار وہ اس وقت بھی اس کے دل کی دھڑکنوں کو منتشر کر گیا تھا انا کے اندر ایک دم سرد مہری سی اترنے لگی تھی۔ وہ لب بھینچ کر خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔
مصطفیٰ کی کسی بات کا جواب دیتے ولید نے خاموشی سے اسے باہر جاتے دیکھا تھا۔ وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی بلکہ دو دن سے اس کے سامنے بھی نہیں آ رہی تھی اس کے انداز میں وہ اپنے لیے بڑی سرد مہری سی محسوس کر رہا تھا۔ اس کا انداز سنجیدہ سنجیدہ سا تھا کئی بار ولید کا دل چاہا کہ اس سے بات کرے مگر پھر ہر بار رک جاتا۔ اب بھی اسے باہر جاتے دیکھ کر وہ دوبارہ مصطفیٰ سے باتوں میں لگ گیا تھا لیکن اندر ہی اندر انا کا رویہ اسے تکلیف دے رہا تھا۔

❖❖......○○......❖❖

وہ نماز پڑھ کر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گئی تھی کچھ دیر وہ نیٹ سرچنگ کرتی رہی تھی پھر اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے موبائل اٹھا لیا تھا' انجان نمبر تھا۔
''ہیلو۔'' اس نے کال ریسیو کی۔
''رابعہ بول رہی ہو نا۔'' دوسری طرف سے تصدیق چاہی تھی وہ چونکی۔
''آپ کون؟''
''میں عادلہ بات کر رہی ہوں۔'' نخوت سے کہا تو رابعہ نے گہرا سانس لیا۔
سر عباس اسے طلاق دے چکے تھے شاید اس کو اطلاع پہنچ چکی ہوگی جب بھی اب پھر اس کو تنگ کرنے کے لیے کال کی تھی۔
''جی فرمائیے۔''
''تم سمجھتی ہو عباس کے ساتھ اس کے آفس میں کام کرتے اس کے ساتھ گاڑیوں میں گھومتے اپنی اوقات بھول گئی ہو تو میں تم جیسی لڑکیوں کو ان کی اوقات بہت اچھی طرح یاد کرا سکتی ہوں۔'' دوسری طرف وہ زہریلے ناگ کی طرح پھنکاری تھی۔
''نہ میں اپنی اوقات بھولی ہوں اور نہ ہی حیثیت۔ میں شاہزیب کے آفس میں کام کرنے والی ایک ورکر ہوں اگر میں ان لوگوں کے ساتھ ان لوگوں کی گاڑی میں موجود ہوں تو بھی میرا کردار آپ جتنا گرا ہوا نہیں ہے۔'' وہ کیوں اس عورت سے ڈرتی' ایک دم نفرت سے کہا۔

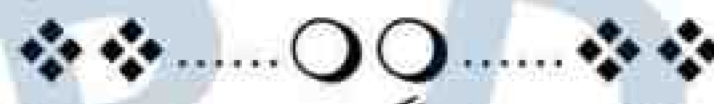
’’پتا تو تمہیں اب چلے گا کہ کس کا کردار گرا ہوا ہے اور کس کا نہیں بڑی پارسا بنی پھرتی ہو لمبی چادر اوڑھ کر دنیا والوں کو دھوکہ دیتی ہو آج میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں اس فراڈ انسان کے پہلو میں عیاشیاں کرتے دیکھا تھا۔‘‘ دوسری طرف تو وہ گویا پھٹ پڑی تھی۔

’’شٹ اپ۔‘‘ رابعہ بھی پھنکاری تھی۔

’’تمہاری یہ نام نہاد نیک نامی میں ساری پبلک کے سامنے کھول دوں گی کہ تم اپنی شکل سے بھی نفرت کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔ عباس نے تمہارے کہنے پر مجھے اتنے دن قید کیا۔ تم سمجھتی ہو کہ تم نے مجھے یوں ذلیل کرا کر کوئی معرکہ سر کر لیا ہے تو بھول ہے تمہاری۔ اصل میں ذلالت کیا ہوتی ہے تمہیں پتا اب چلے گا۔‘‘ انتہائی غصے سے کہتے وہ پھنکاری تھی۔

’’انتظار کرنا تم۔‘‘ رابعہ نے کال بند کر دی تھی۔ وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی تھی۔

اچھی بھلی زندگی تھی نجانے کہاں سے یہ نحوست آٹپکی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ ابھی کال کر کے سر عباس کو اس کی دھمکیوں کے بارے میں بتا دے مگر وہ پھر ارادہ بدل گئی۔ وہ پہلے ہی اس کو طلاق دینے کی وجہ سے ہرٹ تھے وہ انہیں یہ بتا کر مزید پریشان ہی کرتی۔ وہ بہت نڈھال انداز میں دوبارہ کرسی پر گر گئی تھی اور خود ہی اس عورت کی دھمکیوں سے نبٹنے کا حل سوچنے لگی تھی۔



گھر واپسی پر شہوار کو لگا تھا کہ اس کے جسم کی حرارت کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے تک وہ لوگ گھر واپس آ گئے تھے، وہ لوگ آنے ہی نہیں دے رہے تھے مگر شہوار کی طبیعت کی وجہ سے انہوں نے آنے کی اجازت دی تھی۔ گھر آتے ہی وہ کپڑے بدل کر بستر پر گر گئی تھی وہاں مسلسل بیٹھے رہنے سے جسم کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے پلکیں موند لی تھیں۔ مصطفیٰ کمرے میں آیا تو اسے بستر پر دراز دیکھ کر رکا اور پھر گہرا سانس لیتے اپنا لباس لے کر واش روم میں گھس گیا۔

شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لی۔ مصطفیٰ واپس کمرے میں آیا اور موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھتے وہ بستر کی طرف آ گیا تھا۔ سرہانہ شہوار کے قریب رکھتے وہ اس کی طرف جھکا تھا۔

’’شہوار۔‘‘ اس نے پکارا تو اس نے فوراً پلکیں وا کر کے دیکھا۔

مصطفیٰ اس کے قریب ہی بستر پر موجود تھا اس کی طرف جھکا بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا وہ پلکیں جھکا گئی تھی۔

’’آتے ہی بستر میں گھس گئیں کم از کم میرا انتظار تو کیا ہوتا اور یہ کیا لباس بھی بدل لیا۔‘‘ مصطفیٰ کہہ رہا تھا شہوار کے چہرے کا رنگ ایک دم سرخ ہونے لگا۔

’’میری طبیعت خراب ہو رہی تھی۔‘‘ اس نے آہستگی سے کہا۔ ’’سر میں درد ہو رہا تھا۔‘‘ آواز میں نقاہت اور تھکن موجود تھی۔

’’مجھے تو لگ رہا ہے مجھ سے بچنے کے بہانے ہیں یہ سب ورنہ بخار وخار تو کچھ بھی نہیں۔‘‘ مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا جبکہ آنکھوں میں چمک سی تھی۔

شہوار ایک دم گھبرا گئی تھی وہ مصطفیٰ کی شرارت سمجھ نہ پائی تھی۔

’’میں جھوٹ نہیں بول رہی خود چیک کر لیں۔‘‘ اس نے اپنا ہاتھ مصطفیٰ کی طرف بڑھایا جسے اس نے تھام لیا تھا۔ مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر نرمی سے دبانا شروع کر دیا تھا۔

مٹے مٹے میک اپ سے اس کے خوب صورت نقوش مزید اجاگر ہو رہے تھے مصطفیٰ کے لہجے میں خود بخود نرمی در آئی تھی۔ شہوار نے سر ہلا دیا تھا۔ اس نے اٹھنا چاہا تو مصطفیٰ نے ایک دم روک دیا۔

’’لیٹی رہو۔‘‘ شہوار دوبارہ لیٹ گئی تھی لیکن وہ مصطفیٰ سے نگاہیں چرا رہی تھی۔

’’آپ کا زخم کیسا ہے اب؟‘‘ چند پل نظریں چرانے کے بعد اسے کچھ نہ سوجھا تو اپنی طرف مسلسل دیکھتے مصطفیٰ کی توجہ ہٹانے کو اس نے پوچھ تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا۔

’’میرے زخم کا کچھ جلدی خیال نہیں آ گیا؟‘‘ وہ شرمندہ ہوئی۔

’’ابھی تو بہت جلدی پوچھ لیا ہے کچھ عرصہ انتظار کر لیتیں جب پھر کوئی نیا زخم لگتا پھر پوچھ لیتیں۔‘‘ انداز میں شرارت تھی وہ ہاتھ مسلنے لگی۔

’’میں آپ سے بار بار ایکسیوز کر چکی ہوں آپ مجھے بار بار شرمندہ مت کریں۔‘‘ مارے شرمندگی کے اسے ایک دم رونا آنے لگا تھا اور آواز بھی رندھ گئی تھی۔

''کوئی بھی میری کیفیت نہیں سمجھ سکتا میرے جیسی لڑکیاں اندر سے کیسی توڑ پھوڑ کا شکار ہوتی ہیں۔ مجھے امی نے کبھی بھی میری پہچان کے حوالے سے کوئی اعتماد نہیں دیا ایسے میں اگر میں کچھ منفی رویوں کا اظہار کر رہی تھی تو غلط کیا تھا؟ ان کی محبت ان کے خلوص پر شک نہیں لیکن میری ذات کی تسکین کے لیے جو حوالے درکار تھے وہی مجھے میسر نہ تھے تو کیا میں بداعتمادی اور احساس کمتری کا شکار نہ ہوتی کیا میں منفی رویے اختیار نہ کرتی؟'' وہ ایک دم رو پڑی اور اس کے رونے پر مصطفیٰ پریشان ہو گیا تھا۔

''ارے......ارے یہ کیا ہو رہا ہے۔'' وہ رونے لگی تو مصطفیٰ نے فوراً اسے کندھوں سے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''مجھے آپ کی محبت، آپ کے خلوص پر کوئی شک نہیں لیکن جس طرح قدم قدم پر میری ذات کے حوالے سے سوال اٹھائے گئے ہیں کیا میں منفی نہ سوچتی؟ کیا میں سبھی سے بدظن نہ ہوتی؟ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں نے آپ سے شادی کی پھر وہ واقعہ ہو گیا۔ میں نے خود مہمانوں میں سے کچھ لوگوں کو کہتے سنا تھا کہ دلہن منحوس ہے آپ کے ساتھ جو بھی حادثہ ہوا اس کی وجہ میں تھی اور میں نہیں چاہتی تھی کہ میری ذات پھر آپ کے کسی نقصان کا سبب بن جائے۔ امی کے علاوہ قدرت کی طرف سے میں نے کوئی حقیقی رشتہ نہیں دیکھا مگر آپ سب لوگوں کی محبتوں کی مقروض تھی۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ حیران ہو رہا تھا۔

''لوگوں کی تو عادت ہے باتیں کرنے کی سبھی جیلس تھے تم خوامخواہ خود کو پریشان کرتی رہیں کم از کم مجھ سے کہا تو ہوتا۔'' مصطفیٰ نے نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس کو دلاسا دینے کی کوشش کی۔

کچھ پل رونے کے بعد شہوار کو اپنی کنڈیشن کا احساس ہوا تو اس نے دور ہونا چاہا تھا مگر مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ نظریں چرا گئی تھی۔

''ابھی کچھ دیر اور رو لو، اسی بہانے مجھے احساس تو ہوگا کہ میرے پہلو میں میری نئی نویلی دلہن ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز گمبھیرتا لیے ہوئے تھا۔ وہ پزل ہو گئی تھی۔

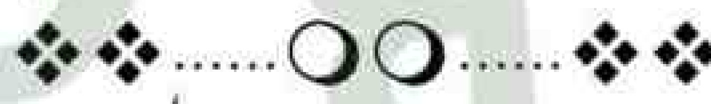
''دیکھیں مجھے تنگ نہیں کریں میری طبیعت پہلے ہی بہت خراب ہے۔'' اس نے نروٹھے پن سے کہا تو نگاہیں جھکی ہوئی تھیں مصطفیٰ ہنسا دیا۔

''یہ پہلوتہی نہیں چلے گا اب، پہلے جو بھی حالات تھے جو بھی وجوہات تھیں ان کو رہنے دیتا ہوں لیکن اب تو صلح ہو جانی چاہیے ہماری۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ ایک دم شرما گئی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کی گرفت سے نکلنا چاہا تھا مگر مصطفیٰ کے تیور تو کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔

''آپ جانتے ہیں کہ میری طبیعت کتنی خراب ہے اگر آپ نے مجھے تنگ کیا تو میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔'' مصطفیٰ نے اسے گھورا۔

''مجھے دھمکی دے رہی ہو؟'' شہوار خاموش ہی رہی۔

''اوکے، چلو دیکھتا ہوں یہ بہانے کب تک چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے بازو ہٹا لیے تھے۔ شہوار سرخ چہرہ لیے نظریں چراتی پیچھے ہٹی تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا تو وہ لب دباتی اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے نظریں چرا رہی تھی۔



کیتھی رات ان کے ہاں ہی رک گئی تھی صبح اس نے جانا تھا انا تیار ہو کر کالج کے لیے نکلی تو وہ بھی سب سے الوداعی کلمات کہتے ولید کے ساتھ جانے کو تیار تھی۔ انا سے بھی وہ گرمجوشی سے ملی تھی۔

''تم سے مل کر اور تم لوگوں کے گھر میں وقت گزار کر بہت اچھا لگا۔'' مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ انا نے بھی مسکرا کر سر ہلا دیا۔

''آؤ انا میں تمہیں بھی ڈراپ کر دوں گا میں اسی جانب جا رہا ہوں۔'' ولید نے اسے کالج جانے کے لیے تیار دیکھ کر کہا۔

''نو تھینکس میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' انداز میں رکھائی تھی۔

صبوحی نے چونک کر اسے دیکھا وہ چند دنوں سے انا کا رویہ محسوس کر رہی تھی ولید کے ساتھ اس کی بول چال تقریباً بند تھی۔

''چلی جاؤ نا ولی کے ساتھ ہی مجھے کچھ دیر بعد ڈرائیور کو لے کر روشی کے ہمراہ ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔'' ماما کے کہنے پر اس کے چہرے پر ناگواری چھائی تھی۔

ماما، ولید اور کیتھی کو رخصت کرنے باہر آئی تھیں جبکہ باقی لوگ اندر سے ہی سلام دعا کر چکے تھے۔

''تو کچھ دیر بعد چلی جائیے گا آپ دونوں۔'' اس کے الفاظ پر ولید نے اسے بغور دیکھا۔

''نہیں مجھے آج بوتیک ذرا جلدی جانا ہے اس لیے میں یہ کام جلدی کروں گی۔ ڈاکٹر سے ٹائم لے چکی ہوں۔'' انا کے زاویے بگڑے

تھے۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ کہہ کر اپنی چادر سنبھالتی بہت خفگی سے گاڑی کی طرف بڑھی تھی ولید بھی ساتھ تھا ولید نے اس کے لیے فرنٹ ڈور کھولا تھا مگر وہ نظر انداز کرتے پچھلے دروازے کی طرف بڑھی تھی جو لاک تھا۔

''تم آگے بیٹھو نا۔'' ولید نے آہستگی سے کہا تو اس نے سنجیدگی سے دیکھا۔ کیتھی ماما کے گلے مل کر ان کی طرف آ رہی تھی۔

''کیتھی کو بٹھا لیجیے گا یہ دروازہ کھولیں۔'' لہجے میں تلخی تھی۔

کیتھی ان کے قریب آ گئی تھی انا پچھلی سیٹ کے دائیں دروازے کے پاس کھڑی تھی ولید نے کیتھی کے لیے پچھلا بایاں دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ بیٹھ گئی تھی۔ ولید نے اسے پھر فرنٹ سیٹ کی طرف آنے کا اشارہ کیا تو وہ سلگ اٹھی اور ماما اسے اس طرح کھڑے دیکھ کر قریب چلی آئیں۔

''کیا بات ہے انا بیٹھ نہیں رہی تم۔'' انہوں نے ٹوکا تو وہ ولید کو غصیلی نگاہوں سے دیکھتے گھوم کر بائیں طرف فرنٹ سیٹ کے کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گئی تو ولید نے مسکرا کر دروازہ بند کیا اور خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

انا کا موڈ سخت آف تھا مگر وہ کیتھی کی وجہ سے صبر کیے ہوئے تھی۔ ولید نے گاڑی گیٹ سے نکال کر رستے پر ڈال دی تھی۔ ایک نظر اسے دیکھا اور پھر بیک ویو مرر سے کیتھی کو۔

''کیسا لگا کیتھی تمہیں ہمارے یہاں رات رکنا۔'' ولید نے ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

''بہت اچھا اور مصطفیٰ سے ملاقات کو بہت انجوائے کیا میں نے ڈنر بھی بہت اچھا تھا اور اسپیشلی یہاں سب کا رویہ اور پیار، مجھے بہت امپریس کیا ہے اس سب نے۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ انا نے اس کی طرف دیکھا وہ خوش مزاج لڑکی تھی۔

''کب تک پاکستان میں رکنے کا ارادہ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''مے بی نیکسٹ ویک میں ہم لوگ چلے جائیں۔'' کیتھی کی بات پر انا نے اسے الجھ کر دیکھا۔

''انکل بتا رہے تھے کہ وہ اب جلدی ہی تمہاری شادی کر رہے ہیں تم نے تو ذکر ہی نہیں کیا۔'' کیتھی نے مسکرا کر انا کو دیکھتے پوچھا تو انا چونکی تھی ولید نے مسکرا کر انا کو دیکھا تھا۔

''کہہ تو وہ مجھے بھی رہے تھے چونکہ ابھی ایسا کچھ فائنل نہیں ہوا تو میں نے بھی ذکر نہیں کیا۔'' انا پریشان ہو گئی تھی۔ اس کے علم میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔

''چلو جب بھی فنکشن ہو مجھے بتا دینا میں انا کے لیے اچھا سا گفٹ سینڈ کر دوں گی۔'' انا کو دیکھ کر مسکرا کر اس نے کہا۔

ولید نے انا کو دیکھا وہ الجھی ہوئی تھی لیکن کیتھی کی بات پر محض مسکرائی تھی۔

''انا بہت کم بولتی ہیں؟'' وہ کہہ رہی تھی۔ ولید ہنسا دیا۔

''میرے لیے یہ نئی اطلاع ہے۔'' انا کو اس کا یہ مذاق قطعی نہ بھایا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں آپ دونوں بات کر رہے تھے میں سن رہی تھی۔'' اس نے مروتاً کہا تو کیتھی مسکرائی۔

''ولید، روشی اور مصطفیٰ تینوں کے ساتھ میرا بہت اچھا وقت گزرا ہے ان لوگوں سے بے تکلفی بھی ہے یہ لوگ تو پاکستان آ گئے تھے اور پھر میں نے بہت مس کیا سب کو۔'' کیتھی بتا رہی تھی اس نے سر ہلا دیا۔ نا اس نے محسوس کیا کیتھی واقعی ان سب سے خاصی بے تکلف تھی۔

خصوصاً ولید سے جبھی اس کا رویہ اب بھی ویسا ہی تھا بے تکلف اور اپنائیت سے لبریز۔

''پھر کب پاکستان کا چکر لگاؤ گی؟'' ولید نے کیتھی سے پوچھا۔

''کنفرم نہیں ابھی بھی آفس کی جانب سے ٹیم کے ساتھ آئے ہوں جب سے یہ نیو جاب شروع کی ہے اکثر کسی نہ کسی ملک کے ٹور پر رہتے ہیں۔ کبھی یہاں کبھی وہاں۔'' وہ بتا رہی تھی انا نے توجہ سے اس کی بات سنی تھی۔

''اوکے جب بھی دوبارہ پاکستان کا چکر لگا ہم سے ملنے ضرور آنا۔'' ولید نے کہا۔

''وائے ناٹ، تم دونوں بھی شادی کے بعد امریکا کا چکر لگانا، نا۔'' کیتھی نے کہا تو ولید نے مسکرا کر انا کو دیکھا وہ نگاہ چرا گئی۔

''شیور۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

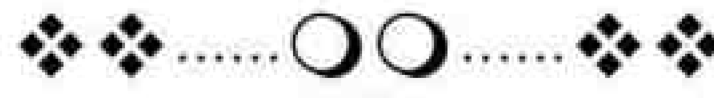
''تمہارا موڈ کیوں آف ہے؟'' کیتھی کو جواب دے کر اس نے آہستگی سے اسے ٹوکا۔

''آپ سے مطلب؟'' ولید کے سوال پر اس نے سلگ کر کہتے رخ بدل لیا تھا۔
''کیتھی موجود نہ ہوتی تو میں بتاتا کہ میرا تم سے کیا مطلب ہے؟'' ولید تین چار دنوں سے اس کا رویہ برداشت کر رہا تھا اب ایک دم سنجیدگی سے کہا۔
''مجھے تم سے کسی عقل مندی کی پہلے بھی توقع نہیں تھی لیکن میں ان گزرے ایک دو دن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم حد سے زیادہ روڈ ہوتی جا رہی ہو۔'' کیتھی کی وجہ سے آہستگی سے بول رہا تھا۔
''میں آپ سے کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ آپ کے ساتھ آپ کی مہمان موجود ہے میں نہیں چاہتی کہ کوئی بدمزگی ہو۔ بہتر یہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ مجھے کالج ڈراپ کر دیں۔'' انا کے لہجے میں بڑی گستاخانہ سی تلخی تھی۔ ولید نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔
جس دن سے کاشفہ کے بارے میں بتایا تھا اس کا رویہ بدل گیا تھا لیکن اس کے بعد وہ اس سے کیتھی سے ملنے گئی تھی کچھ نارمل ہوگئی تھی لیکن اس کے بعد اس کا رویہ بالکل بدل ہی گیا تھا بلکہ وہ فیل کر رہا تھا کہ وہ اسے دیکھتے ہی منظر سے غائب ہو جاتی تھی وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی۔ کل بھی وہ اس سے بہت متنفر اور اکھڑی اکھڑی سی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ناگواری چھانے لگی تھی۔ ولید نے اسے دیکھا وہ بیگ کے اسٹریپ سے کھیلتی اس کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے باہر کی طرف متوجہ تھی۔ کچھ دیر بعد اس کا کالج آ گیا تھا وہ کیتھی کو اللہ حافظ کہہ کر گاڑی سے اتر گئی تھی۔
اس کے اترنے کے بعد کیتھی پچھلا دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی انا سنجیدگی سے دیکھتے کالج کے گیٹ سے اندر گھس گئی تھی۔

❖❖……○○……❖❖

وہ کمرے سے نکلی تو چوکیدار اس کے لیے ایک لفافہ لیے چلا آیا۔
''یہ پوسٹ مین آپ کے لیے دے گیا تھا۔'' عادلہ نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے لیا تھا۔ خاکی لفافہ جو رجسٹر کروا کر بھیجا گیا تھا۔ عادلہ نے حیران ہو کر الٹ پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ سٹنگ روم میں چلی آئی تھی مام وہاں موجود تھیں۔ اس نے ان کے پاس صوفے پر بیٹھ کر لفافہ چاک کیا تھا۔
''کیا ہے یہ؟'' انہوں نے پوچھا تو عادلہ نے کندھے اچکائے۔
اس نے اندر سے برآمد ہونے والے کاغذات کو بغور دیکھا جوں جوں اس کی نظر ان کاغذات پر پھسلتی جا رہی تھی اس کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔
''کیا ہوا، کیا ہے یہ؟'' مام نے پوچھا۔ عادلہ کو لگا اس کے اندر ایک آگ بھڑک اٹھی ہو۔
''عباس نے ڈائی ورس پیپرز بھجوائے ہیں۔'' اس نے کاغذات سینٹرل ٹیبل پر پھینکتے ہوئے کہا۔
''اوہ……'' مام ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھیں۔ وہ عباس کے ساتھ خود بھی رہنا نہیں چاہتی تھی مگر اب ان کاغذات کو دیکھ کر عادلہ کو لگ رہا تھا کہ جیسے عباس نے اسے بھری بزم میں ذلیل کر دیا ہو۔ اس کے منہ پر تمانچہ مار دیا ہو۔ وہ طیش کے عالم میں اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی۔
''میں جانتی ہوں اس نے ایسا کیوں کیا ہے؟'' کاغذات پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر وہ بھڑکی تھی۔
''وہ کنزرویٹیو، جاہل انسان میں نے ہمیشہ اسے اس کی اوقات میں رکھا تھا اس کی اتنی جرأت۔'' وہ طیش میں تھی۔
''دفع کرو، تم خود بھی تو ایسا ہی چاہتی تھی۔'' مام نے اس کے غصے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''ہاں چاہتی تھی لیکن میں اس کو بتانا چاہتی تھی کہ میں کس حد تک جا سکتی ہوں۔ میں خود کورٹ میں اس کی عزت نیلام کرنا چاہتی تھی۔'' اسے رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے یہ کام پہلے کیوں نہیں کیا۔ عباس اس سے برتری لے گیا تھا۔
''گولی مارو، تمہیں کون سا رشتوں کی کمی ہے بلکہ کورٹ میں تو تم اب بھی جا سکتی ہو۔ آفاق کو لینے کا کیس کر دو، دیکھو کیسے ان لوگوں کی عزت نیلام ہوتی ہے۔'' مام نے اسے نئی راہ دکھائی تو ایک دم ٹھٹکی۔
عباس نے اسے کئی دن ایک ویران سنسان گھر میں قید کر رکھا تھا اس کے اندر انتقام کی ایک آگ بھڑک رہی تھی اس کو لے کر وہ رابعہ کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ عباس نے بے شک اسے طلاق دے دی تھی لیکن تڑپ کا پتا تو اس کے اپنے ہاتھ میں بھی تھا۔
''چھوڑوں گی تو میں بھی نہیں اسے دیکھے گا کیا حالت بناتی ہوں میں اس کی۔'' وہ تنفر سے کہہ کر کاغذات تھام کر کمرے میں چلی گئی۔

مام نے اس کے جانے کے بعد ایک گہرا سانس لیا اور ایک بار پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔



ابوبکر نے جو گھر لیا تھا وہ اس کی ڈیکوریشن کرا رہا تھا وہ ہر کام ان لوگوں کے مشورے سے کر رہا تھا ماموں اور ثریا بیگم اس سے بہت خوش تھے۔ وہ آفس سے لوٹی تو امی نے اسے پاس بٹھا لیا۔

''یہ جاب چھوڑو اور گھر داری سیکھو۔ ابوبکر گھر سیٹ کر رہا ہے میں اور تمہارے ماموں سوچ رہے ہیں کہ اس یا اگلے ماہ میں تمہیں رخصت کر دیں آج سہیل کی بھی کال آئی تھی وہ اس ماہ میں پاکستان آ رہا ہے چھٹی لے کر پھر شادی کر کے ہی جائے گا۔'' امی کہہ رہی تھیں اور اسے حیرت ہو رہی تھی۔

''اتنی جلدی کس بات کی ہے اور جاب چھوڑنا ضروری ہے کیا؟'' اس نے کہا تو امی نے گھورا۔

''مجھے جاب کرنے والی لڑکیاں بالکل بھی پسند نہیں لیکن تمہارے ماموں کی وجہ سے خاموش ہوں سہیل ایک ماہ کی چھٹی پر آ رہا ہے پھر پتا نہیں کب چکر لگے ویسے بھی ابوبکر سے بات کر لی ہے میں نے وہ بھی لمبا چوڑا کھڑاک نہیں پالنا چاہتا سادگی سے نکاح اور رخصتی ہو گی۔'' امی نے سنجیدگی سے اسے کہا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ یعنی سب طے ہو چکا تھا۔ اس کے اندر خوش گوار سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔

''جاؤ جا کر اپنی بھابی کا ہاتھ بٹاؤ جاب اور کمپیوٹر کے سوا تمہیں کوئی اور کام دکھائی ہی نہیں دیتا کل آفس جانا اور اپنے سر سے بات کر لینا۔ میں نہیں چاہتی تم اب جاب کرو۔'' امی کا دوٹوک انداز تھا وہ منہ بسورتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بجائے کچن میں جانے کے وہ دوبارہ اپنے کمرے میں چلی آئی' شام کے وقت کمرے سے نکلی تھی' ابوبکر آ چکا تھا۔

بھابی نے اس کی چائے اس کے کمرے میں پہنچانے کا کہا تو وہ کچھ سوچتی ٹرے لیے اوپر چلی آئی تھی۔ اس نے دستک دی اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔

''آ جائیں۔'' وہ اندر داخل ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر چونکا۔

''ارے آپ نے کیوں زحمت کی؟ میں خود نیچے آنے والا تھا۔''

''کوئی بات نہیں، ماموں گھر پر نہیں تھے میں نے سوچا کہ خود چائے دے آؤں۔'' اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دی۔

''تھینکس۔''

''مجھے آپ سے ایک بات کہنی تھی۔'' کچھ سوچتے اس نے کہا تو وہ چونکا۔

''جی کہیے۔''

''امی چاہ رہی تھیں کہ میں جاب چھوڑ دوں۔'' اس نے کہا تو وہ سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔

''امی کی خواہش ہے کہ شادی سے پہلے میں یہ جاب چھوڑ دو جبکہ میں فوراً یہ جاب نہیں چھوڑ سکتی۔ پہلے مجھے نوٹس دینا ہو گا اس کے بعد ہی کچھ ہو گا۔''

''نہیں میں ایسا کچھ نہیں چاہ رہا اگر آپ جاب کرنا چاہ رہی ہیں تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ خوشی سے جاب جاری رکھ سکتی ہیں۔'' رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تھینکس۔ میں جاب چھوڑ دوں گی لیکن ابھی فوری نہیں چھوڑ سکتی پہلے نوٹس دوں گی پھر جو سر لوگ فیصلہ کریں گے۔''

''اٹس اوکے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ مسکرائی۔

''آپ اپنے گھر کا سنائیں کہاں تک کام پہنچا۔'' ابوبکر نے چائے کا مگ لے لیا۔

''ابھی تو رینٹ پر ہی لے رہا ہوں ساتھ ساتھ کوئی مناسب جگہ دیکھ کر ذاتی گھر بناؤں گا سیٹنگ کر رہا ہوں کچھ دن میں یہ کام بھی ہو جائے گا ایک سیکنڈ ہینڈ گاڑی لینے کا سوچ رہا ہوں پبلک ٹرانسپورٹ میں پرابلم ہوتی ہے۔'' وہ پر عزم تھا مضبوط ارادوں کا مالک۔ رابعہ نے اس کے الفاظ پر سر ہلا دیا تھا۔

''آپ سنائیں آپ کے سر کی وائف نے پھر تو تنگ نہیں کیا نا، اس دن کے بعد۔''

''نہیں کال آئی تھی مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا سر نے اسے ڈائیورس پیپر بھجوا دیے ہیں۔''

''اوہ عجیب عورت ہے اگر وہ چاہتی تو گھر بسا سکتی تھی۔''

''جتنا میں اس عورت کو سمجھی ہوں وہ خود پسند اور مغرور عورت ہے ایسی عورتوں کے لیے کسی کی عزت بے عزتی کوئی معنی نہیں رکھتی اور نہ ہی ایسی عورتیں گھر بناتی ہیں۔'' رابعہ کے لہجے میں سنجیدگی در آئی تھی۔
''بہرحال عباس اور ان کی فیملی نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے۔ وہ عورت واقعی ان کو ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔'' ابوبکر نے بھی اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ محض سر ہلا گئی تھی۔
''او کے چلتی ہوں۔'' ابوبکر چائے پی چکا تھا خالی مگ ٹرے میں رکھے وہ پلٹی تھی ابوبکر نے اسے بغور دیکھا سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے مناسب قد و قامت کے ساتھ وہ کافی اٹریکٹیو لگی تھی۔
ابوبکر نے خاموشی سے اسے کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترتے نیچے جاتے دیکھا تھا۔

❖❖❖......○○......❖❖❖

وہ ساجدہ کے دونوں بیٹوں اسجد اور شایان کے ساتھ مارکیٹ آئی تھیں انہوں نے اسجد اور شایان کے لیے کپڑے خریدے جو بہت اچھے اور قیمتی تھے اور ان کپڑوں کو دیکھ کر دونوں بے انتہا خوش ہوئے تھے انہوں نے ان کی پسند کے اسپورٹس بیٹ اور دوسرا سامان بھی خریدا تھا شایان نے کیرم اور لیڈو بھی لیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ان کے باپ فرید کے لیے بھی کچھ سامان لیا تھا۔ وہ اس وقت ان کی ماں اور دادی کے لیے کچھ دیکھ رہی تھیں جب ان کی نگاہ گلاس وال کے دوسری طرف کھڑے وجود پر پڑی تھی۔ وہ چونک گئی تھیں۔ انہیں لگا کہ انہوں نے اس وجود کو کہیں دیکھا ہے۔ وہ بے اختیار گلاس وال کے قریب ہوئی تھیں۔ اس وجود کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا۔ دونوں کوئی بات کر رہے تھے پھر دوسرے وجود نے سر ہلایا تھا لڑکے نے ہاتھ سے کسی رکشے کو اشارہ کیا تو تابندہ بوا کو لگا ان کے وجود ایک دم ساکت ہو گیا ہے۔ وہ دونوں رکشے میں بیٹھ رہے تھے۔
وہ ایک دم حرکت میں آئی تھیں تیزی سے بھاگنے والے انداز میں وہ سب ساز و سامان وہیں چھوڑ کر باہر کی طرف بھاگی تھیں۔ لوگوں نے حیران ہو کر ان کو دیکھا تھا۔ اسجد اور شایان بھی گھبرا گئے تھے۔ وہ بھی تیزی سے سڑک کی طرف آئی تھیں لیکن اب وہاں کچھ بھی نہ تھا۔
رکشہ اپنی سواریوں سمیت جا چکا تھا تابندہ بی کو لگا کہ جیسے ان کا وجود ایک دم برف کے تودے میں دب گیا ہے۔ وہ کچھ پل نہایت اضطراب سے ارد گرد دیکھتی رہی تھیں اور پھر انتہائی مایوسی کی کیفیت میں واپس دکان کی طرف چلی آئی تھیں۔
وہ برسوں بعد اسے دیکھ رہی تھیں لیکن آنکھوں پر یقین نہیں تھا۔ شاید ان کو کوئی غلط فہمی ہوگئی تھی وہ وجود شاید کوئی اور تھا۔ وہ جیسا سوچ رہی تھیں ویسا کچھ نہ تھا۔ وہ نہایت مایوسی کی کیفیت میں سارا ساز و سامان سمیٹتے بل پے کر کے بچوں کو لے کر باہر نکل آئی تھیں۔ اب ان کا ذہن مزید شاپنگ کے لیے پر سکون نہ تھا۔
بچے ان کے گم صم انداز پر پریشان ہو رہے تھے لیکن کچھ پوچھ نہیں رہے تھے۔ گھر آنے کے بعد بھی وقفے وقفے سے انہیں وہ سین یاد آ رہا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کی نظر کو دھوکا ہوا ہے۔ انہوں نے پہچاننے میں کوئی غلطی کر ڈالی ہے۔ وہ وجود شاید کوئی اور تھا۔ وہ سارا وقت عجیب خالی الذہنی کیفیت میں غرق رہی تھیں۔ ساجدہ بچوں اور فرید کا ساز و سامان دیکھ کر خفا ہوئی تھی۔ اسے یہ سب تکلفات شرمندہ کر رہے تھے۔ وہ اس کو ٹال کر اوپر چلی آئی تھیں۔
وہی کمرے، وہی در و دیوار تھے۔ لیکن یہاں کے مکین زندگی کا سفر مکمل کر چکے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ وہ جب سے آئی تھیں بہت حوصلے سے رہ رہی تھیں مگر اب انہیں لگ رہا تھا کہ اگر چند دن تک وہ مزید اسی کیفیت میں رہیں تو ان کا دل پھٹ جائے گا۔ انہیں رہ رہ کر شہوار کی یاد آ رہی تھی۔ وہ کیسے ہر وقت اپنے اصل کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین رہا کرتی تھی۔ کیسے کیسے سوالات کیا کرتی تھی اور وہ ہر بار اسے ٹال جاتی تھیں۔
وہ اسے بھلا کیا جواب دیتی کہ سچ کیا ہے، وہ کون ہے؟ وہ بھلا کیسے اس کو بتا دیتیں اور اب اتنے دن گزر جانے کے باوجود انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوا تھا۔ انہیں تو ہر چہرے میں ماضی کے چہرے نظر آنے لگے تھے۔ وہ رک رک کر لوگوں کے چہرے دیکھنے کی کوشش کرتی تھیں کہ شاید کوئی بچھڑا ہوا لوگوں کی بھیڑ میں نظر آ جائے۔
''کیا مجھے واپس چلے جانا چاہیے اور جا کر شہوار کو سب حقیقت بتا دینی چاہیے؟'' وہ سوچ سوچ کر ہارنے لگیں تو دل نے کہا۔
''ایسے کیسے چلی جاؤں؟'' ان کے دماغ نے نئی تکرار کی۔
''ابھی تو میرے ہاتھ کوئی جواب نہیں آیا اس الجھتے ہوئے ریشم کا ایک سرا تک تو ملا نہیں محض گمان پھر کیسے جا کر ان لوگوں پر ایک نئی

قیامت توڑ دوں؟ ویسے بھی نجانے اب تک میری گم شدگی سے ان لوگوں نے نجانے کیا کیا اندازے لگا لیے ہوں گے۔'' دماغ کی جنگ بڑھنے لگی تو ان کے آنسوؤں کی رفتار میں تیزی آتی چلی گئی تھی۔ آج جس چہرے کا گمان کرتے ہوئے باہر بھاگی تھیں وہ چہرہ تو ان کے دل و دماغ کے اب کسی گوشے میں نہ تھا اور جو تھا اس کا کہیں سراغ ہی نہیں مل رہا تھا۔

''یا اللہ عمر بیت گئی اس آبلہ پائی میں یا میرے مالک میری مشکل آسان فرما اور میرے لیے سچ کی راہیں کھول دے میری بچی کی زندگی کا سوال ہے۔ میرے مالک، میرے پروردگار مجھے سیدھا رستہ دکھا۔'' وہ شدت سے رونے لگیں تو خود بخود دل محو مناجات ہوتا چلا گیا تھا۔

❖❖ ...... ○○ ...... ❖❖

ولید اپنے آفس میں تھا جب اس کے نمبر پر بار بار کاشفہ کی کال آ رہی تھی وہ مسلسل اگنور کر رہا تھا لیکن جب پھر کال آئی تو اس نے بہت غصے سے کال پک کی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے تمہیں؟'' وہ پھٹ پڑا۔

''تم کیسی بے حس لڑکی ہو تمہیں ذرا بھی اندازہ نہیں کہ تم اپنی ان حرکتوں سے صرف اور صرف میرے دل میں اپنے خلاف نفرت پیدا کر رہی ہو۔''

''ولید مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' دوسری طرف کاشفہ سختی سے بولی۔

''شٹ اپ میں تم سے بات کرنا تو دور تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ اب خبردار جو تم نے مجھے ڈسٹرب کیا تو، اٹس مائی لاسٹ وارننگ۔'' وہ سختی سے بولا۔

''بٹ ولید۔'' کاشفہ نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن ولید نے بغیر کچھ سنے کال کاٹ دی تھی اور اپنا موبائل ٹیبل پر پٹختے اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ لب بھینچے ہوئے تھے۔

کاشفہ سے سلام دعا بڑھانا اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی بھول لگی تھی۔ کاشفہ کسی آسیب کی طرح اس کی ذات سے چمٹنے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی۔ دوسری طرف انا کا رویہ بھی بدل چکا تھا۔ جس دن سے اس نے کاشفہ کی سیوسائیڈ کی وجہ بتائی تھی وہ اس سے بہت زیادہ بدظن لگ رہی تھی۔ بے شک انا نے آج تک اس کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اپنی طرف اٹھنے والی اس کی ہر نگاہ سے وہ اس کے اندر کا احوال ضرور پڑھ لیا کرتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اسے بولنے پر اکساتا رہتا تھا لیکن انا کے اندر چھڑی جنگ کا عکس صاف اس کے چہرے پر دکھائی دیتا تھا۔

ان کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ رشتہ قائم ہونے کے بعد انا کے اندر ہونے والی تبدیلیوں پر وہ بہت مطمئن ہو چکا تھا لیکن اب اس کاشفہ کی وجہ سے اسے لگ رہا تھا کہ بہت کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے۔

ولید نے اپنا سر اپنے ہاتھوں سے اٹھایا تو انداز پرسوچ تھا۔ کاشفہ سے تو وہ دوٹوک بات کر ہی چکا تھا لیکن اب انا سے بھی تفصیلی بات چیت کرنے کا موقع آ چکا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر اس نے انا سے ابھی کوئی بات نہ کی تو وہ مزید خفگی کا شکار ہوتی چلی جائے گی۔

بہرحال اس کی حساس طبیعت کا وہ اچھی طرح اندازہ لگا چکا تھا وہ اب ایک واضح حل چاہتا تھا۔ ایک فیصلہ کرتے ولید نے اپنے اعصاب کو پرسکون کرتے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

❖❖ ...... ○○ ...... ❖❖

مصطفیٰ کو ایمرجنسی کیس کے سلسلے میں ایک دن کے لیے اسلام آباد جانا پڑ گیا تھا۔ وہ آفس سے ہی چلا گیا تھا وہ بزی تھا کسی ساتھی کو بھیج کر اس نے کپڑے وغیرہ منگوا لیے تھے وہاں جا کر تین دن لگ گئے' وہ ادھر سے فارغ ہوا تو آفیسرز سے میٹنگ کی کال آ گئی تھی ایمرجنسی میں اسے ہیڈ آفس بلا لیا گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ شہوار کو کال کر دے۔

ولید کے ہاں دعوت سے واپسی کے بعد اگلی صبح وہ آفس سے ہی اسلام آباد چلا آیا تھا۔ اس نے کال ملائی تو شہوار کال پک نہیں کر رہی تھی شہوار کی بیماری کی وجہ سے وہ سارا غصہ بھول چکا تھا لیکن تین چار بار نمبر ملانے پر بھی کال ریسیو نہ ہوئی تو اس کا غصہ پھر بڑھنے لگا تھا۔ اس نے ایک بار پھر کال کی تھی۔ بیل جا رہی تھی اور پھر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' شہوار بولی۔

''کال پک کیوں نہیں کر رہی تھیں۔'' مصطفیٰ نے غصے سے پوچھا۔

''وہ میں کلاس میں بزی تھی۔'' شہوار نے پرسکون لہجے میں کہا تو مصطفیٰ چونکا۔
''کہاں ہیں اس وقت؟''
''کالج آئی ہوئی ہوں۔''
''اوہ......'' مصطفیٰ ایک دم پرسکون ہوا تھا۔
''کس کے ساتھ آئی ہیں؟'' مصطفیٰ کا پھر وہی انداز تھا کیئرنگ۔
''انکل چھوڑ گئے تھے۔''
''گڈ اور طبیعت کیسی ہے۔''
''جی بہتر ہوں اسی لیے تو آج کالج آئی ہوں۔''
''نائس، اکیلے کہیں بھی آنے جانے کی ضرورت نہیں، ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے باور کرایا تھا۔
''جی بہتر۔''
''اور سناؤ، اور کیا ہو رہا ہے۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔
''کچھ نہیں بس اتنے دن بعد کالج آئی ہوں تو کافی حرج ہو چکا ہے۔ سوچ رہی ہوں وہ سب کیسے کور ہوگا۔'' شہوار نے تفصیلی جواب دیا۔
''اور اس کے علاوہ؟'' مصطفیٰ نے پھر پوچھا۔
''کچھ بھی نہیں۔'' شہوار کی وہی سنجیدگی تھی۔
''اور......'' مصطفیٰ نے جان بوجھ کر کہا تو دوسری طرف وہ سوچنے لگی کہ اور کیا بتائے۔
''اور آپ کیسے ہیں؟'' جب کچھ نہ سوجھا تو یہی پوچھ لیا۔
''ہاں، وہ پوچھیں ہمارا حال اور ہم حیرت سے مر ہی نہ جائیں۔'' مصطفیٰ کا انداز ایک دم شرارتی ہوا تھا۔ شہوار جھینپ سی گئی تھی۔ بڑا برجستہ انداز تھا۔
''اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔'' دوسری طرف سے جب شہوار سے کچھ بھی نہ بن پڑا تو چڑ کر کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔
''تو پھر کیسی بات ہے؟'' مصطفیٰ نے چھیڑا تو وہ مزید چڑی۔
''آپ نے کال کیوں کی؟''
''کیوں بھئی بغیر کسی ریزن کے اپنی نئی نویلی بیگم کو کال نہیں کر سکتا ہوں۔'' شہوار کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔
مصطفیٰ ان دو تین دن میں اس کو کئی بار کال کر چکا تھا لیکن تب وہ بزی تھا بس حال احوال کی حد تک بات ہوئی تھی۔
''آپ جس کام کے لیے گئے ہوئے تھے وہ کمپلیٹ ہو گیا۔'' اس نے پوچھا تو مصطفیٰ کو ایک دم احساس ہوا کہ اس نے شہوار کو کیوں کال کی ہے۔
''ہاں کام تو ہو گیا ہے لیکن آفیسرز کی طرف سے ایک ارجنٹ میٹنگ کی کال آ گئی ہے ہو سکتا ہے میں آج واپس نہ آ سکوں۔'' مصطفیٰ نے بتایا تو دوسری طرف شہوار چونکی۔
''لیکن پہلے تو ذکر نہیں کیا تھا آپ نے؟''
''ہاں ابھی کچھ دیر پہلے کال آئی تھی۔'' مصطفیٰ کے بتانے پر شہوار خاموش رہی تھی اس نے ایک دو پل کو کچھ سوچا تھا اور پھر کہا۔
''آپ نے امی کے بارے میں کچھ پتا کرایا۔'' اس کے لہجے میں ایک آس تھی۔
''اس سے اگلے دن تو یہاں آ گیا تھا اب یہاں سے واپس آ کر پتا کراؤں گا امجد خان تو خود بزی ہے ورنہ اسے کہتا۔'' مصطفیٰ کی بات پر وہ ایک دم بجھ سی گئی تھی۔
''پتا نہیں وہ کہاں ہوں گی اور کس حال میں ہوں گی میرا دل ہر وقت پریشان رہتا ہے۔ میں جب بھی ان کے بارے میں سوچتی ہوں تو دل رکنے لگتا ہے آج بھی آنٹی جی نے زبردستی کالج بھیج دیا ورنہ میرا دل نہیں مان رہا تھا آنے کو۔'' ایک دم اس کا لہجہ بجھ سا گیا۔
''پریشان نہیں ہوتے وہ ٹھیک ہوں گی میں ان شاء اللہ جلد ہی پتا کر لوں گا۔ ڈونٹ وری سب ٹھیک ہو جائے گا اور کالج آ کر بہت اچھا

کیا گھر رہ کر سوچ سوچ کر بیمار ہونے سے بہتر ہے کہ اسٹڈی میں بزی ہو کر ٹینشن ریلیف کی جائے ویسے بھی وقت کے ساتھ ہر چیز نارمل ہونے لگتی ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز دلاسے سے بھرپور تھا۔

''کاش میرا دل ٹھہر جائے میں اس صدمے کو جھیلنے کی طاقت پیدا کرلوں۔ میں جب بھی یہ سوچتی ہوں کہ امی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔'' اس کی آواز میں نمی سمٹ آئی تھی مصطفیٰ ایک دم پریشان ہوا۔

''سوچنے سے اور پریشان ہونے سے کرائسز ختم نہیں ہوجاتے۔'' مصطفیٰ نے پھر ہمت بندھانا چاہی تو دوسری طرف شہوار نے ایک دم خود کو حوصلہ دیا۔

''ہاں ان کے بغیر زندگی گزر رہی ہے لیکن میرے دل کو تو ایک مسلسل روگ لگا گئی ہیں وہ، کاش وہ مجھے ایک بار مل جائیں اور پھر میں ان کو کبھی بھی نہیں جانے نہ دوں۔ ان سے اپنی ہر خطا کی معافی مانگ لوں۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

ابھی زخم ہرا تھا سو ہر پل ٹیس دے رہا تھا اسے اس کی حالت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ شاید کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ سنبھل جائے اور اسے بھی سکون آجائے۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اس وقت تو میٹنگ کے لیے نکلنا ہے پھر بات ہوگی۔ اوکے اپنا بہت سارا خیال رکھنا، ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ کے پاس وقت کم تھا اس نے فوراً بات سمیٹی تھی۔

''جی۔''

''آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔'' اس نے کہا تو مصطفیٰ مسکرادیا جو بڑی بھرپور مسکراہٹ تھی۔

''کاش میں اس جملے کو ریکارڈ کر کے اپنے پاس محفوظ رکھ سکتا۔'' اس کی بات پر دوسری طرف شہوار ہلکا سا جھینپی تھی۔

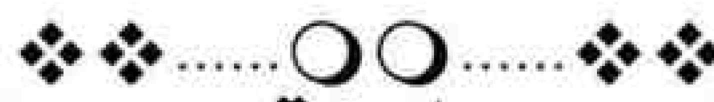
''اوکے میں کال بند کر رہی ہوں، اللہ حافظ۔'' جھینپ کر اس نے کہا تو مصطفیٰ کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

''سنو تو۔'' دوسری طرف شہوار رک گئی تھی۔

''جی۔''

''آئی مس یو ویری مچ، ول یو مس می؟'' لہجے میں جذبات کا رچاؤ تھا دوسری طرف سے شہوار نے کال کاٹ دی تھی مصطفیٰ نے موبائل کو کان سے ہٹا کر اسے گھورا اور پھر ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''ایک تو یہ لڑکی بھی نا۔'' وہ بڑبڑایا۔



شہوار چلی گئی تو وہ بھی ڈرائیور کا انتظار کرتے گیٹ کی طرف چلی آئی تھی ڈرائیور ابھی تک لینے نہیں آیا تھا اس نے اسے کال کی تو علم ہوا کہ گاڑی خراب ہے اور اسے خود ہی واپس جانا ہوگا یا پھر کچھ وقت انتظار کرنا ہوگا۔ انا کا کوفت سے برا حال ہونے لگا تھا۔

جاننے والی سبھی لڑکیاں جاچکی تھیں ورنہ وہ کسی سے لفٹ ہی لے لیتی۔ گھر میں صرف دو گاڑیاں تھیں ایک ولید کی اور ایک ان کی۔ ولید گاڑی خود یوز کرتا تھا جبکہ ان لوگوں کی گاڑی سبھی کے استعمال میں تھی ڈرائیور پہلے اسے پھر باقی لوگوں کو لاتا لے جاتا تھا۔

اس نے سوچا کہ ولید کو کال کرلے کہ وہ اسے پک کرلے مگر پھر ارادہ ترک کرنا پڑا پچھلے چند دنوں سے ولید کے ساتھ وہ اس قدر کھنچاؤ اور تناؤ کا شکار ہوچکی تھی کہ اب خود سے اس سے رابطہ کرنے پر اس کی انا آڑے آگئی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ خود ہی روڈ تک چلی جائے گی اور پھر وہاں سے کوئی سواری لے گی۔ وہ ساتھی لڑکیوں کے ساتھ روٹ بس کا ویٹ کر رہی تھی جب ایک گاڑی ان کے پاس آکر رکی تھی۔

وہ جو اپنے ہی دھیان میں کھڑی تھا گاڑی سے نکلنے والے وجود کو دیکھ کر چونکی تھی۔

''کیسی ہو انا؟'' اس کے سامنے مصطفیٰ کے کزن کی بیوی شائستہ کھڑی تھی۔

''آپ؟''

''میں شائستہ زاہد کی وائف، زاہد مصطفیٰ کا کزن، شہوار کی شادی میں ہم ملے تھے۔'' شائستہ نے اس سے ہاتھ ملاتے اپنا تعارف کرایا تو وہ مسکرائی۔

''جی بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں۔'' ان کو دیکھ کر اسے دلی خوشی ہوئی تھی۔ فوراً خوش اخلاقی سے کہا۔

''میں حماد کے ساتھ یہاں کسی کام سے آئی تھی گھر واپس جارہے تھی کہ یہاں تمہیں دیکھا تو حماد کو گاڑی روکنے کا کہا۔'' شائسہ نے خلوص

سے کہا۔
''آپ یقیناً اسی شہر میں رہتی ہیں نا۔''
''بالکل ہم ادھر ہی رہتے ہیں جبکہ باقی فیملی گاؤں میں ہوتی ہے۔'' انا نے مسکرا کر گاڑی کی طرف دیکھا فرنٹ سیٹ پر بیٹھا مصطفیٰ کا کزن حماد اسے ہی دیکھ رہا تھا اس نے فوراً شائستہ کو دیکھا۔
''تم یہاں کہاں کھڑی تھی؟''
''دراصل گاڑی خراب تھی روٹ کی بس کا انتظار کر رہی تھی۔''
''آؤ ہمارے ساتھ ہم ڈراپ کر دیں گے۔'' شائستہ نے خلوص سے کہا۔
''ارے نہیں، آپ کو خوامخواہ زحمت ہوگی۔''
''زحمت کیسی آؤ تکلف مت کرو پلیز آؤ نا۔'' شائستہ نے اصرار کیا تو وہ بادل ناخواستہ اس کے ساتھ پچھلی سیٹ کی طرف آ بیٹھی تھی۔ حماد گاہے بگاہے اس کو دیکھتا رہا تھا اور وہ اسے نظر انداز کیے شائستہ کے ساتھ باتوں میں لگی رہی تھی۔
گھر پہنچ کر وہ بصد اصرار ان دونوں کو اندر لے آئی تھی۔ ماموں اور روشی گھر پر ہی تھے وہ ان کے ساتھ لاؤنج کی طرف آئی تو وہاں ولید کو بھی دیکھ کر چونکی۔
ولید اس وقت گھر پر نہیں ہوتا تھا وہ حماد سے خوش اخلاقی سے ملا تھا۔ وہ خود کچن کی طرف چلی آئی تھی۔ ان لوگوں کے لیے چائے اور دیگر لوازمات صغراں کے ساتھ تیار کرنے لگ گئی تھی۔
''ارے تم تو خوامخواہ تکلفات میں پڑ گئی ہو آؤ بیٹھو ادھر۔'' وہ شائستہ کے ساتھ بیٹھ گئی تھی روشی چائے سرو کرنے لگ گئی تھی۔
وہ یونہی شائستہ کی کسی بات پر ہنسی تو حماد فوراً متوجہ ہوا تھا۔ لاشعوری طور پر اس کی نگاہ انا پر جم سی گئی تھی ولید جو اس کے قریب ہی تھا اس نے بہت ناگواری سے انا کو دیکھا تھا۔ وہ ایک لمحے میں حماد کی نگاہ کا ارتکاز محسوس کر گیا تھا۔
''انا ایک گلاس پانی کا لا دو ذرا۔'' اس کے بعد بھی گاہے بگاہے حماد کی نگاہ اس کی طرف اٹھی تو انا کو وہاں سے اٹھانا ہی مناسب سمجھا تھا۔ فوراً بہانے سے کہا تو انا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔
''روشی لا دیتی ہے۔'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ پھر شائستہ کے ساتھ بات کرنے لگی تھی۔
''میں لا دیتی ہوں۔'' روشی فوراً وہاں سے چلی گئی تھیں۔ ولید نے بڑے ضبط سے انا کو دیکھا۔ وہ بالکل عین حماد کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔
چائے پیتا حماد گاہے بگاہے اسے دیکھ رہا تھا روشی نے اسے پانی لا دیا تھا۔ ولید ضبط کیے بیٹھا ہوا تھا ضیاء صاحب حماد سے بات چیت جاری رکھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو انا بھی کھڑی ہوگئی تھی۔
''ایک بار پھر شائستہ بھابی آپ کا اور حماد صاحب آپ دونوں کا بہت بہت شکریہ۔'' وہ خوش اخلاقی سے کہہ رہی تھی ولید نے سنجیدگی سے دیکھا تھا۔
''اٹس اوکے، اٹس آنر فارمی۔''
''پھر بھی آپ لوگوں نے آؤٹ آف وے جا کر میری ہیلپ کی ہے ورنہ میں روٹ بس کے انتظار میں نجانے کب تک خوار ہوتی۔'' وہ مسکرا کر حماد کے سامنے کھڑی براہ راست مخاطب تھی۔ ولید کو مکمل طور پر نظر انداز کر رکھا تھا۔
ولید نے وہیں حماد سے ہاتھ ملا لیا تھا جبکہ وہ شائستہ کے ساتھ گیٹ تک آئی تھی۔
''اب تو آپ کو ہمارے گھر کا ایڈریس معلوم ہوگیا ہے آتی رہیے گا۔'' انا نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا تو وہ دونوں مسکرائے تھے۔
''ہم تو آجائیں گے لیکن کسی دن آپ بھی ہماری طرف چکر لگائیے گا نا۔'' حماد نے کہا تھا وہ ہنس دی۔
''اوکے کسی دن شہوار کے ساتھ آؤں گی۔''
''ہم انتظار کریں گے۔'' شائستہ نے کہا تو وہ مسکرا کر سر ہلا گئی تھی۔ وہ دونوں چلے گئے تھے۔
ان کو سی آف کر کے وہ لاؤنج کی طرف جانے کی بجائے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔ کاریڈور سے گزرتے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

''انا......'' ولید کی پکار پر وہ ایک دم رکی۔
''یہ مصطفیٰ کے کزن کی وائف اور اس کا بھائی کہاں مل گئے تھے تمہیں۔'' انداز تفتیشی تھا انا نے چونک کر دیکھا۔
''کیوں انہوں نے بتایا نہیں آپ کو۔'' انا نے سرد مہری سے پوچھا۔
''میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔'' ولید قریب آ رکا تھا لہجے میں تلخی تھی۔
وہ پہلے ہی کاشفہ کے رویے کو لے کر ٹینس تھا اور اب مزید انا کے یہ تیور؟
''میں آپ کے کسی بھی سوال و جواب کی پابند نہیں ہوں۔'' ولید کے تحکم بھرے انداز پر وہ ایک دم بھنا کر بولی۔
''شٹ اپ انا۔'' ولید کو ایک دم غصہ آ گیا تو انا بغیر کچھ کہے سنے جانے لگی تو ولید فوراً سامنے آ گیا تھا۔
''تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے، جس دن سے کاشفہ کے متعلق تمہیں بتایا ہے تمہارا تو رویہ ہی بدل چکا ہے آخر کیوں کر رہی ہو تم ایسا۔'' ولید نے دوٹوک انداز میں پوچھا تو انا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
''میں کسی بھی ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ رستہ چھوڑیں میرا۔'' لہجے میں تلخی و ناگواری تھی۔
''جب تک بات کلیئر نہیں ہو گی تم یہاں سے ہل بھی نہیں سکتی۔'' ولید مزید پھیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ انا نے غصے سے دیکھا۔
''اول تو مجھے آپ کی کسی بھی راہ چلتی فرینڈ کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے وہ کاشفہ ہو یا کیتھی اور دوسرا یہ کہ آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ اس طرح میرا رستہ روک کر مجھ سے باز پرس کریں۔'' وہ اندر سے بھری بیٹھی تھی ایک دم پھٹ پڑی۔
''فرق نہیں پڑتا تو کیوں اس طرح بی ہیو کر رہی ہو؟ کاشفہ کے بارے میں جو بھی تھا تمہیں سب بتا دیا تھا جب سب کچھ کلیئر تھا تو ایسی حرکتوں کا مقصد۔''
''میں کہہ چکی ہوں کہ میں آپ کے سامنے آپ کے کسی بھی سوال کی جواب دہ نہیں ہوں۔'' وہ تلخی سے کہہ کر سائیڈ سے ہو کر جانے لگی تھی ولید کا دماغ ایک دم گھوم گیا تھا۔ اس نے بہت جارحانہ انداز میں انا کا بازو پکڑ کر دھکیلا تو وہ دیوار کے ساتھ جا ٹکرائی۔
''آہ......'' اس کا بازو بری طرح دیوار سے ٹکرایا تھا وہ کراہ کر رہ گئی تھی۔
''بی ہیو یور سیلف ولی۔'' وہ تکلیف سے ایک دم چیخ اٹھی تھی۔ ولید نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔
''جب میں تم سے بات کر رہا ہوں تو میری بات کا جواب دو اور خبردار تم یہاں سے ہلی بھی تو۔'' اندر کا سارا ابال نکل گیا تھا۔
اس کے قریب ہو کر دیوار پر ہاتھ رکھ کر اس نے کہا تو انا کے چہرے پر پانی بہنے لگا
''کیا مسئلہ ہے تمہیں کیوں دماغ خراب کر رہی ہو تم اپنا بھی اور میرا بھی۔'' وہ اس کی تکلیف اور آنسوؤں کو مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھا۔
''آپ ایک انتہائی مغرور اور خود پسند انسان ہیں میں کیوں جواب دوں آپ کو؟ میں جس کے ساتھ مرضی آؤں جاؤں آپ کو کیا فرق پڑتا ہے خبردار آئندہ میرے کسی بھی معاملے میں انٹرفیئر کرنے کی کوشش کی تو۔'' بازو کو دوسرے ہاتھ سے دباتے وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔ ولید نے غصے سے اسے گھورا۔
''دماغ خراب ہو چکا ہے تمہارا۔ کون سا غرور اور خود پسندی دیکھ لی تم نے میرے اندر؟'' ولید کا انداز بے انتہا سنجیدہ تھا۔
''ہاں ہو چکا ہے، آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ بالکل بدلحاظی سے مخاطب تھی۔ ولید نے چند لمحے تاسف سے اسے دیکھا۔
''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی بد دماغ لڑکی ہو سکتی ہو۔''
''چلیں اب تو پتا چل گیا ہے نا ویسے بھی زبردستی گلے پڑا ڈھول بجانا پڑ رہا ہے آپ کو میری تمام خامیوں کا علم ہو چکا ہے فیصلہ کر کیوں نہیں لیتے پھر۔'' وہ تو جیسے ایک دم دوٹوک انداز پر اتر آئی تھی۔
''شٹ اپ۔'' اس کے الفاظ پر ولید ایک دم بھنا اٹھا تھا۔
''واٹ آ نان سینس، کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟'' تلخی سے باز پرس کی تھی انا کے چہرے کی طرف بغور دیکھا تھا شاید کوئی سراغ ہی مل جائے۔
''میرے رستے سے ہٹ جائیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' چہرہ پھیرتے اس نے تلخی سے کہا۔
ولید چند لمحے بہت تاسف سے کھڑا دیکھتا رہا اور پھر لب بھینچ کر تیزی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔ انا نے غصے سے اسے جاتے دیکھا تھا اور

پھر تیزی سے وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی آئی تھی۔

❖❖......○○......❖❖

ولید کا غصہ سے برا حال تھا وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور بڑی شدت سے انا کے رویوں کو محسوس کر رہا تھا۔ انا پہلے بھی اس کی طرف سے خفگی کا اظہار کرتی تھی لیکن کبھی بھی ایسا بد لحاظ بدتمیزی والا انداز نہ تھا۔ جبکہ آج تو وہ مکمل طور پر بدلی ہوئی تھی۔ تو صرف اس بات کو لے کر بدظن ہو چکی تھی کہ اس نے انا کو کاشفہ کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا ڈالا تھا۔ اگر ایسی بات تھی تو کم از کم وہ اظہار تو کرتی۔ جبکہ وہ کیتھی کے پاس اس کے ہمراہ گئی تھی تب تک وہ اس قدر خفا تو نہ تھی جس قدر اب محسوس ہو رہی تھی۔

ولید کو اس کی اس درجہ شدید خفگی کی کوئی خاص وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی سوائے اس کے کہ وہ اس کو کاشفہ کے بارے میں بتا چکا تھا۔ وہ بہت دیر تک الجھتا رہا تھا لیکن انا کی خفگی کا کوئی سرا ہاتھ نہ لگا تو وہ کمرے سے نکل آیا تھا۔ شام کا وقت تھا بابا لان میں بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں کوئی اخبار تھا۔ وہ ان کے پاس آ گیا' وہ آج آفس سے جلدی اٹھ گیا تھا صرف اپنے اس ذہنی خلجان سے بچنے کے لیے لیکن گھر آ کر انا کے رویے کو لے کر اور ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے بابا؟'' ان کے پاس بیٹھتے اس نے مسکرا کر پوچھا۔

انہوں نے اخبار سائیڈ پر رکھتے اسے مسکرا کر دیکھا۔

''کچھ خاص نہیں، صبح کا باسی اخبار ایک بار پھر دیکھ رہا تھا۔''

''نائس' اچھا مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں کہو۔'' ولید ایک پل رکا' انداز سوچنے والا تھا' ضیاء صاحب نے بغور دیکھا تھا۔

''کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے کیا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر۔''

''آپ نے مجھ سے انا کے بارے میں بات کی تھی نا۔'' اس نے ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔

''انا کے بارے میں؟'' انہوں نے ناسمجھی سے دیکھا۔

''آپ شادی کا ذکر کر رہے تھے۔''

''ہاں تو؟''

''میں ریڈی ہوں۔ آپ پھوپو سے بات کر لیں اور جب بھی آپ کا موڈ ہو تاریخ رکھ لیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا ضیاء صاحب ایک دم خوش ہو گئے تھے۔

''کیا واقعی؟'' وہ بے یقین تھے۔

''بالکل۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''جیتے رہو، تم نے تو میرے دل کی خواہش پوری کر دی ہے میں آج ہی صبوحی اور وقار سے بات کرتا ہوں۔'' وہ ایک دم پر جوش ہو گئے تھے۔ ولید مسکرا دیا۔

''میں نے آپ کو کہا تو تھا کہ میں سوچ کر آپ کو بتا دوں گا۔''

''بہت اچھا فیصلہ کیا تم نے۔'' وہ واقعی بہت خوش تھے۔ وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔

''او کے مجھے کسی کام سے کہیں جانا ہے پھر بات ہو گی۔'' وہ کہہ کر کھڑا ہوا تو انہوں نے سر ہلایا' وہ کی چین ہلاتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا تھا وہ مسکرا کر اسے جاتا دیکھتے رہے تھے۔

❖❖......○○......❖❖

وہ آف ٹائم سے پہلے سر عباس کے روم میں آئی تھی۔

''سر مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے اگر آپ فری ہیں تو میں بات کر لوں۔'' اس نے کہا تو عباس نے اسے دیکھا۔

''بیٹھیں۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

''جی کہیے......کیا بات ہے آپ کچھ الجھی ہوئی ہیں۔''
''وہ مجھے آپ کو انفارم کرنا تھا کہ میں یہ جاب چھوڑنا چاہتی ہوں۔'' عباس چونکا۔
''کیوں بھئی خیریت؟''
''جی سر، وہ دراصل میری شادی کا سلسلہ چل رہا ہے تو امی چاہتی ہیں کہ میں اب جاب چھوڑ دوں۔'' جھجکتے ہوئے اس نے کہا تو عباس خاموش رہ گیا' بہت سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا تھا۔
''کب ہے شادی؟''
''شاید اسی یا نیکسٹ منتھ۔''
''لیکن ارجنٹلی تو جاب نہیں چھوڑ سکتیں آپ۔'' عباس کا لہجہ ایک دم پروفیشنل ہو گیا تھا۔
''اسی لیے تو نوٹس دے رہی ہوں۔'' عباس خاموش ہو گیا۔
''کہاں ہو رہی ہے آپ کی شادی؟'' کچھ توقف کے بعد عباس نے پوچھا۔
''آپ ابوبکر کو جانتے ہیں ان سے ملے بھی ہیں وہی ہیں۔'' عباس نے سر ہلایا۔
''نائس مین ہیں ابوبکر تو، اوکے گڈ لک۔'' عباس نے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔
''اوکے آپ نوٹس ٹائپ کر کے دے دیں میں بابا کو فارورڈ کر دیتا ہوں۔ آپ کی موجودگی میں ہی کسی اور ایمپلائی کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ آپ اسے ٹرینڈ کر دیجیے گا لیکن آپ سے ایک گلہ ہے؟'' عباس نے بات کرتے کرتے ایک دم سنجیدگی سے کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔
''جی سر۔''
''آپ کی شادی کا سلسلہ چل رہا تھا آپ بروقت انفارم کر دیتیں اب ایک دم بتا رہی ہیں تو حیرانی ہو رہی ہے مجھے۔''
''ایم سوری سر لیکن یہ ہمارا گھریلو ایشو تھا آفس میں اپنے ایشوز ڈسکس کرنا مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ اب جبکہ میں بتا چکی ہوں اور نوٹس بھی دے رہی ہوں فوری نہیں چھوڑ رہی۔ جب تک آپ کے رولز کے مطابق ڈوریشن کمپلیٹ نہیں ہو جاتا میں جاب پر آتی رہوں گی۔'' اس نے سنجیدگی سے سب کہہ دیا تھا عباس خاموش ہو گیا تھا۔
''سر میں جاؤں اب؟'' وہ کھڑی ہو گئی تو عباس نے سر ہلا دیا۔ وہ اٹھ کر نکل آئی۔
یہ لڑکی اپنے انداز و اطوار سمیت دل کو اچھی لگی تھی لیکن اب اس کی شادی کا سن کر دل کو ناگواری سی ہو رہی تھی۔ ایک دم عباس کا موڈ نارمل ہوا تھا۔ وہ لب بھینچ کر سر جھٹک کر دوبارہ اپنی فائلز کی طرف جھک گیا تھا۔

❖❖......○○......❖❖

اس کی گھر آ کر بھی مصطفیٰ سے بات ہوئی تھی اس نے کل واپسی کا بتایا تھا وہ چینج کر کے روم سے باہر آ گئی تھی۔ آج دوپہر میں شائستہ بھابی اور حماد آئے ہوئے تھے گھر واپسی تک وہ لوگ جا چکے تھے وہ کچن میں آئی تو ماں جی موجود تھیں۔
''السلام علیکم۔''
''وعلیکم السلام جیتی رہو کیسا گزرا آج کا دن؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔
''اچھا گزر گیا۔''
''طبیعت ٹھیک رہی۔''
''جی۔''
''کچھ کھاؤ گی؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔
''میں خود لے لیتی ہوں آپ آرام کریں۔''
''تم بیٹھو میں نکال دیتی ہوں۔'' انہوں نے محبت سے کہا تو وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔
''مصطفیٰ سے بات ہوئی۔'' انہوں نے کھانا گرم کرتے ہوئے پوچھا۔
''جی۔''

''کب تک واپس آ رہا ہے؟''

''کل صبح آنے کا کہہ رہے تھے۔''

''ایک تو میں مصطفیٰ کی اس جاب کے حق میں نہ تھی۔ صرف اس کے باپ کی وجہ سے خاموش رہی اور اب نہ دن کا پتا نہ رات کا۔ ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں کچھ چھٹیاں بڑھا لیتا تو کیا جاتا اوپر سے ہر وقت دھڑ کا لگا رہتا ہے مجھے اللہ اپنی امان میں رکھے، آمین۔'' کھانا گرم کرتے ہوئے وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتی رہی تھیں۔

بہر حال مصطفیٰ کو مس تو وہ بھی کر رہی تھی لیکن سب کی طرح برملا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

''واپس آتا ہے تو میں اسے کہتی ہوں چند چھٹیاں لے لے اور تمہیں گھمانے پھرانے لے جائیں۔ سبھی لوگ رشتہ دار دعوتوں پر بلا رہے ہیں میں تو تمہاری اور مصطفیٰ کی طبیعت کی وجہ سے ٹال رہی تھی عائشہ اور صبا بھی کہہ رہی تھیں کہ تم کو ان کے ہاں ایک دو دن کے لیے بھیجوں، تمہاری طبیعت بھی سنبھل جائے گی۔'' گرم کھانا لا کر اس کے سامنے رکھتے انہوں نے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''جی ٹھیک ہے وہ آئیں گے تو کسی چھٹی والے دن چلے جائیں گے۔'' انہوں نے محبت سے شہوار کو دیکھا۔ ذاتی طور پر انہیں شہوار بہت پسند تھی۔

دھیمے سے بولنے والی اپنی ذات تک محدود رہنے والی عادلہ کے بعد تو انہوں نے ہمیشہ شہوار کو مصطفیٰ کا سوچا تھا حقیقی طور پر تابندہ کے چلے جانے سے شہوار جس طرح بکھری تھی ان کا دل اس کے لیے مزید نرم ہو گیا تھا۔

''خوش رہا کرو، تم میرے بیٹے کی خوشی اور میرے گھر کی رونق ہو۔'' اس کے پاس ہی بیٹھے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو شہوار کی آنکھیں بھیگ گئیں تھی۔

''آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ اور لائبہ بھابی نہ ہوتیں تو شاید امی کے جانے کا سن کر جس طرح میں بکھری ہوں کبھی سنبھل نہ پاتی امی نجانے کہاں ہوں گی۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر ایک دم رو دی تھی۔ یہ حادثہ تو اس کے دل کا روگ بنتا جا رہا تھا۔

''ارے...... ایسا نہیں کہتے۔'' انہوں نے ساتھ لگا لیا۔

''تم ہمیں ہمیشہ سے ہی عزیز ہو اور رہو گی رہ گئی تابندہ کی بات میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ اس نے بلا سوچے سمجھے کوئی قدم نہ اٹھایا ہو گا وہ کوئی ایسی ویسی عورت نہ تھی۔ وہ باعزت اور حیادار عورت تھی ایک عرصہ ہمارے ساتھ گزارا ہے اس نے۔ بہنوں کی طرح عزیز تھی وہ مجھے تم فکر نہیں کیا کرو وہ آ جائے گی۔'' اس کو دلاسہ دیتے آنسو صاف کرتے انہوں نے کہا تو وہ خاموش ہی رہی۔

''آپ بہت اچھی ہیں اگر آپ نہ ہوتیں تو میرے لیے ان حالات میں جینا مشکل ہو جاتا۔'' وہ دل سے ان کی اچھائی کی معترف تھی۔

''سب کے ساتھ نیکی کرنے والی بس اللہ کی ذات ہے، میں تو اس کی عام سی بندی ہوں۔ بس تم اور مصطفیٰ مجھے بہت عزیز ہو بہت ارمانوں سے میں تمہیں بیاہ کر اپنے گھر لائی ہوں میری دعا ہے اللہ تمہیں ہمیشہ ہنستا مسکراتا اور آباد رکھے، آمین۔'' انہوں نے دل کی گہرائیوں سے دعا دی۔ شہوار کو لگا کہ وہ ایک دم نہال ہو گئی ہو۔ سرکتی ہوئی زمین پھر سے اس کے پاؤں تلے آ گئی ہو۔

''کبھی بھی خود کو تنہا مت سمجھنا، تم میرے لیے بہو سے بڑھ کر میری بیٹی ہو کبھی بھی یہ خیال مت کرنا کہ تمہارا کوئی میکہ نہیں ہے مصطفیٰ کوئی زیادتی کرتا ہے تو ڈائریکٹ مجھ سے کہنا فوراً اس کے کان کھینچوں گی۔ کوئی زیادتی نہیں ہونے دوں گی تمہارے ساتھ۔'' ان کی اس قدر محبت کی وجہ سے آنکھیں بھر آئی تھیں۔ انہوں نے محبت سے اس کی آنکھیں صاف کی تھیں۔

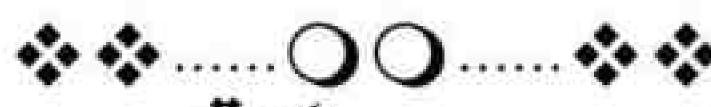
''کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے پہلے یہ کھا لو اتنے دنوں میں دیکھو کیسی کمزور ہو رہی ہو یہ سارا ختم کرنا ہے اور اپنی صحت کا خاص خیال رکھا کرو میرا مصطفیٰ ہمیشہ فریش رہنے والا انسان ہے میں چاہتی ہوں میری بہو بھی اسی طرح فریش اور ترو تازہ رہے۔'' وہ جھینپ گئی۔

وہ واقعی خوش قسمت تھی کہ ماں کے بعد اسے واقعی ماں کی طرح محبت کرنے والی ہستی ملی تھی۔

''آپ بہت اچھی ہیں۔'' وہ بے اختیار کہہ اٹھی تھی وہ ہنس دی تھیں۔

''جلدی سے کھانا ختم کر لو میں ملازمہ کو بھیجتی ہوں وہ تمہیں چائے بنا کر دیتی ہے۔'' وہ کہہ کر چلی گئی۔

دل و دماغ سے تمام بوجھ سرکتے محسوس ہوئے تھے۔ اسے لگا کہ جیسے ماں جی کی محبت نے اس کے دل کو بہت سارا نہال کر ڈالا ہے۔ وہ ایک دم فریش ہوئی تھی۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی ان حالات میں ان جیسے پر خلوص محبت کرنے والے لوگوں کا ساتھ میسر آنا بھی ایک نعمت سے کم نہ تھا۔



وہ دل دماغ سے تمام بوجھ ہٹا کر کھانے کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو چکی تھی۔ ولید شادی کے لیے راضی ہے ماموں نے ماما پاپا سے بات کر لی تھی ان کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا انا کو علم ہوا تو وہ ایک دم ساکت ہو چکی تھی۔ وہ ولید سے لاکھ بدظن سہی لیکن دل میں کبھی بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ تعلق ختم ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔

وہ تو ایسی دیوانی تھی کہ ہر حال میں ولید کو پانا چاہتی تھی لیکن اب ایسے عالم میں اس کو لگ رہا تھا کہ اس کا دل بالکل ویران بنجر گھر کی طرح ہے جہاں کوئی احساس کوئی جذبہ باقی نہیں رہا۔ ولید کے منہ سے کاشفہ کے متعلق سن کر وہ شاک میں آئی تھی لیکن بدظن نہ ہوئی تھی مگر کاشفہ کی زبان سے وہ سلگتے زہریلے الفاظ سن کر وہ بالکل ہی ڈھے گئی تھی۔

ولید کاشفہ کو پسند کرتا ہے اس کو محض اپنی بہن کی خاطر قبول کر رہا ہے یہ ایسی حقیقت تھی جس نے اس کے اندر گویا ہر احساس ختم کر ڈالا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر رو ئے، چلائے اپنے اندر کا سارا غبار نکال دے لیکن وہ اپنی ذات سے لڑ لڑ کر ہار گئی تھی جو کسی بھی طور ولید سے دستبرداری کے لیے آمادہ ہی نہ تھی۔ اور اب یہ شادی کا سلسلہ کیا ولید واقعی جسٹ کمپرومائز کر رہا ہے وہ اصل میں کاشفہ کو پسند کرتا ہے اور محض روشی کے لیے اسے قبول کر رہا ہے۔

اگر یہ سچ ہوا تو کیا ہوگا کیا وہ واقعی ہمیشہ کے لیے ولید کی محبت سے محروم رہے گی کاشفہ نے ولید کے لیے خودکشی کی تھی ولید نے خود بتایا تھا۔ کاشفہ ولید کی محبت میں اتنا آگے بڑھ چکی تھی تو کیا واقعی اس سارے میں ولید بھی انوالو تھا۔ وہ سوچ سوچ کر الجھنے لگی تو کمرے سے نکل آئی تھی۔ رات کا وقت تھا سبھی اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ وہ راہداری سے گزرتے رک گئی تھی ولید ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر لیٹا ہوا تھا سامنے ٹی وی چل رہا تھا وہ کئی ثانیے تک وہیں منجمد کھڑی دیکھتی رہی تھی۔ ٹی وی پر کوئی ٹاک شو چل رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اندر آ گئی تھی۔ ولید اسی طرح لیٹا ہوا تھا وہ قریب آئی تو پتا چلا وہ سو چکا ہے اس کا موبائل ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔

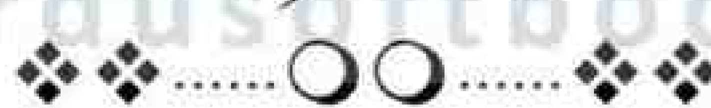
وہ خاموشی سے سائیڈ صوفے پر بیٹھ گئی تھی اس نے اس کا موبائل اٹھا لیا تھا کچھ سمجھ نہ آئی تو وہ موبائل چیک کرنے لگی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ موبائل چیک کرتے وہ ولید کو بھی دیکھ رہی تھی وہ مکمل طور پر نیند میں تھا۔ کاشفہ کی کئی کالز تھیں ریسیو مسڈ کالز اس کا دل پھر ایک دم اچاٹ ہونے لگا تھا۔ کاشفہ کے ان گنت میسجز ان باکس میں تھے۔ بہت ساری شاعری تھی ایک میسج پر وہ ٹھٹک گئی تھی۔

''مجھے اس طرح تم اس مقام پر آ کر چھوڑ نہیں سکتے تم مجھے چھوڑ بھی دو تو بھی میں اب تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی تم نے مجھے غلط جج کیا ہے میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھے ہو اور میں جو ہوں وہ تمہیں بہت جلد پتا چل جائے گا۔'' عجیب سا میسج تھا۔ وہ الجھ گئی تھی۔ اس نے ولید کو دیکھتے اگلا میسج اوپن کیا تھا۔

''میں تمہاری خاطر بدلنے کو تیار ہوں ولید پلیز ایک بار تم میری بات سن لو آئی سویئر میں تمہاری خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں پلیز مجھے اس طرح ریجیکٹ مت کرو۔'' وہ الجھ گئی تھی اس دن کاشفہ کچھ اور انداز میں کہہ رہی تھی اور آج اس کے الفاظ کچھ اور تھے۔ اس نے ایک اور میسج اوپن کیا تو ٹھٹھکی۔

''تم یہ سب اس لیے کر رہے ہو کہ وہ تمہاری بہن کی نند ہے ورنہ تم نے ہمیشہ مجھ سے فرینڈشپ رکھی تھی اب اپنی بہن کے لیے تم مجھے چھوڑ رہے ہو۔'' انا کا دل خراب ہونے لگا تھا۔

وہ کاشفہ کا نمبر نوٹ کرتے موبائل واپس ٹیبل پر رکھتے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ولید کو دیکھا وہ سو رہا تھا۔ اس نے لب بھینچ کر ٹی وی آف کیا تھا اور باہر نکلنے سے پہلے لائٹ آف کی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ بند کرتے وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ بستر پر اس کا موبائل پڑا ہوا تھا۔ اس نے ذہن میں نوٹ شدہ نمبر سیل پر ڈائل کیا اور خاموشی سے دوسری طرف ہونے والی کال بیل سننے لگی تھی۔



اس کی مصطفیٰ سے بات ہوئی تھی مصطفیٰ نے بتایا تھا کہ وہ کل لیٹ ہو جائے گا شاید صبح نہیں شام کو آئے۔ شہوار کا دل مصطفیٰ کی یہ بات سن کر ایک دم بجھ سا گیا تھا۔ تین چار دن ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے اسے لگ رہا تھا کہ جیسے صدیاں بیت گئی ہیں اس نے مصطفیٰ سے کچھ نہیں کہا بس خاموش ہو گئی تھی۔

اس کا پچھلے دنوں سے بہت سارا حرج ہو چکا تھا وہ اپنی بکس لے کر بیٹھ گئی تھی۔ تین چار گھنٹے وہ اپنی بکس کے ساتھ دماغ کھپاتی رہی تھی۔

وہ سونے کا سوچ کر اٹھی تو اس کے موبائل پر میسج ٹون بجنے لگی۔ کتابیں سمیٹتے اس نے سیل دیکھا مصطفیٰ کا میسج تھا۔ مصطفیٰ کا نام دیکھ کر اس کے ہونٹ مسکرائے تھے۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''کچھ نہیں بس پڑھ رہی تھی۔'' اس نے ریپلائی کیا۔

''کیا پڑھ رہی تھیں۔''

''اسٹڈی کر رہی تھی۔'' اس نے کراؤن کے تکیے سے کمر ٹکاتے بڑے ریلیکس موڈ میں جواب دیا۔

کچھ پچھلے دنوں سے مصطفیٰ کی غیر موجودگی کا احساس اور کچھ آج ماں کی باتوں کا اثر تھا اس کا رویہ ایک دم بڑا مفاہمت آمیز تھا۔

''میرا بہت سارا حرج ہو چکا تھا سوچا اسٹڈی کو بھی اب پراپر ٹائم دیا کروں'' اس نے ٹیکسٹ میسج کیا۔

''سبھی کی فکر ہے صرف میری ہی فکر نہیں ہے۔'' مصطفیٰ کا میسج آیا تو وہ خاموش ہوگئی اب بھلا جواب میں کیا لکھتی' کتابیں اٹھا کر اس نے سائیڈ پر رکھ دیں نماز وہ پڑھ چکی تھی سو وہ وہیں نیم دراز ہوگئی تھی۔

''ریپلائی تو کرو۔'' اس کی خاموشی پر دوسرا میسج آیا۔

''مجھے ڈسٹرب مت کریں آرام سے اسٹڈی کرنے دیں۔'' مسکرا کر ٹائپ کرتے اس نے سینڈ کیا۔

''او...... ظالم لڑکی...... کیا میں تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہوں؟'' ناراضی والی اسمائیلز تھیں وہ ہنس دیں۔

''تو اور کیا، دھیان سے پڑھنے ہی نہیں دے رہے۔'' وہ بھی ایک دم بہادر بنی تھی۔

''کبھی اتنے دھیان سے میری جان مجھے پڑھو نا۔'' عجیب سا میسج تھا وہ ایک دم سرخ پڑ گئی' وہ کئی ثانیے تک موبائل کی اسکرین پر جگمگاتے لفظوں کو دیکھے گئی تھی۔ میسج ٹون ایک بار پھر بجی تو وہ چونکی۔

''کیا ہوا؟'' ایک میسج پھر آ گیا تھا۔

''کیا مجھے پڑھنے کا موڈ نہیں۔'' ساتھ خوب صورت اسمائیلز تھیں۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''آپ تو اتنی دور بیٹھے ہوئے ہیں آپ کو کیسے پڑھوں؟'' وہ جانتی تھی وہ کیا ٹائپ کر رہی ہے لیکن اس وقت اس پر مصطفیٰ کا احساس مکمل طور پر حاوی تھا اس نے میسج سینڈ کر دیا۔

''اف...... کیا ڈائیلاگ مارا ہے۔ دل تو کر رہا ہے اڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں پھر دیکھوں محترمہ شہوار صاحبہ مجھ کیسے پڑھتی ہیں۔'' شہوار کا رنگ ایک دم سرخ انار کی طرح دہکنے لگا تھا کافی دیر تک خاموشی رہی تھی۔

''اچھا بس اب مجھے نیند آ رہی ہے۔'' کچھ سوچتے اس نے ریپلائی کیا۔

''لیکن ابھی تو تم خود ہی کہہ رہی تھیں کہ پڑھ رہی ہو اور میں تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہوں۔'' جواب فوراً حاضر تھا۔

''لیکن اب نیند آ رہی ہے سونے لگی ہوں آپ بھی سو جائیں اللہ حافظ۔'' اس نے فوراً بات ختم کرنا چاہی۔

ابھی وہ سیدھی ہی ہوئی تھی موبائل بجنے لگا تھا اب کے مصطفیٰ کی کال تھی۔ وہ ایک دم سرخ پڑ گئی تھی۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے کال ریسیو کی اور خاموشی سے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

''شہوار۔'' مصطفیٰ نے پکارا۔

''جی۔'' وہ ایک دم بہت کنفیوژ ہوئی تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

''تم شرما رہی ہو؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ شہوار کو خوامخواہ برا لگنے لگا۔

وہ اتنی دور تھا کون سا قریب تھا جو وہ ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی کم از کم بات تو کر ہی سکتی تھی۔

''نہیں تو۔'' اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''اچھا میں سمجھا کہ شاید میرے ڈائیلاگز مارنے پر تم شرما رہی ہو، سوچا کال کر لوں علم تو ہو کہ کیسے شرماتی ہو تم، میرے سامنے تو تم ہمیشہ خونخوار بلی کی طرح ری ایکٹ کرتی رہی ہو سوچا یہ شرمانے والا پچ بھی نوٹس کروں کیسا لگ رہا ہے۔'' اف یہ مصطفیٰ اور اس کی باتیں وہ حقیقتاً شرمندہ ہوگئی تھی۔

''آپ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔'' وہ فوراً برا مان گئی۔

''واللہ......اتنا بڑا الزام......اتنے دور بیٹھے شوہر پر ایسا الزام لگا رہی ہو اب تو حسرت ہی ہے۔'' مصطفیٰ رات کے اس لمحے اس قدر پر جوش تھا کہ شہوار کی تمام حساسیات یک دم فیل ہو گئی تھیں۔

''اچھا یہ بتاؤ مجھے مس کر رہی ہو؟'' وہ بالکل خاموش تھی اس کی خاموشی فیل کرتے مصطفیٰ نے ٹریک بدلا تھا۔ وہ اور کنفیوژ ہو گئی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے خود کو سنبھالتے کہا تھا۔ مصطفیٰ ہنس دیا تھا۔ بڑی جاندار اور کھنکتی ہنسی تھی شہوار کا دل ایک دم بے انتہا شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔

''جو جھوٹ بولتا ہے وہ سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔ کبھی دل کی بات بھی کہہ دیا کرو۔'' مصطفیٰ نے چھیڑا۔

''میرا دل مکمل طور پر میرے کنٹرول میں ہے مجھے خوامخواہ پزل نہیں کریں۔'' وہ کون سا قریب تھا خود کو سنبھالتے چڑ کر بولی۔

''ذرا یہی ڈائیلاگ دل پر ہاتھ رکھ کر کہونا۔'' مصطفیٰ کے لب و لہجے میں ایک دم ہزار ہا جذبوں کی گرماہٹ اور نرماہٹ در آئی تھی۔ وہ مکمل طور پر پزل ہو گئی تھی۔

''مصطفیٰ پلیز۔'' وہ ہنس دیا تھا پر جوش زندگی کی حرارت سے بھرپور ہنسی۔ شہوار کا دل جیسے بے قابو ہو گیا تھا۔

''تو پھر کہو نا ول یو مس می؟''

''مجھے نیند آ رہی ہے، اللہ حافظ۔'' اس نے فوراً کال بند کرنا چاہی تھی۔

''بڑی ظالم ہو خیر واپس آ کر اچھی طرح خبر لوں گا اتنی دور تڑپتے سلگتے شوہر کے لیے دو لفظ بھی بولنے کو تیار نہیں، یار شوہر ہوں تمہارا تمہاری ذات پر پورا اختیار ہے میرا اب ایسی بھی کیا بے گانگی۔'' مصطفیٰ کا انداز ایک دم روٹھا روٹھا سا تھا۔

شہوار کا دل ایک دم بے چین ہو گیا تھا تاہم وہ لب کچلتے خاموش رہی تھی۔

''او کے کل واپسی پر بات ہو گی اپنا خیال رکھنا خوامخواہ کی کوئی بات نہیں سوچنا ٹھیک ہے۔'' اگلے ہی پل مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ پریشان ہو گئی تھی مصطفیٰ کی سنجیدگی اس کے دل میں ایک دم بوجھ بڑھانے لگی تھی۔

''آپ خفا ہو گئے ہیں۔'' اپنی تمام انا کو پس پشت ڈالتے اس نے فوراً پوچھا۔

''تمہیں میری خفگی کی کوئی پروا ہے کیا؟'' سنجیدہ انداز تھا۔ وہ فوراً پریشان ہو گئی۔

''دیکھیں مصطفیٰ ایسے مت کریں آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کس مزاج کی ہوں آپ اس طرح ناراض ہو کر کال بند کریں گے تو میں ساری رات سو نہیں پاؤں گی۔'' وہ لاشعوری طور پر اتنا بڑا اظہار کر گئی تھی کہ دل میں مصطفیٰ کی خفگی کا احساس ایسا شدید تھا کہ اسے خود بھی پتا نہیں چلا تھا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے۔

''ارے......پھر کہو ذرا کیا کہا ہے؟'' مصطفیٰ تو ایک دم نہال ہو گیا تھا۔ ''شہوار، کہو نا پھر سے؟'' وہ فورا بے قرار ہوا تھا پھر پکارا تو شہوار چونکی تھی۔ شہوار کو ایک دم احساس ہوا تھا وہ کیا کہہ گئی ہے۔

''مجھے نہیں پتا اب مجھ سے بات نہیں کیجیے گا۔'' وہ ایک دم خود سے بھی خفا ہو گئی تھی فوراً کال بند کر دی تھی اتنی شرمندگی فیل ہونے لگی تھی اسے اب خود پر غصہ آ رہا تھا نجانے مصطفیٰ نے کیا سوچا ہو گا۔ اگلے ہی پل مصطفیٰ کا میسج آ گیا تھا۔

''تھینک یو سو مچ سویٹ ہارٹ......لو یو......!'' ساتھ اسمائیلز بھیں خوب صورت بھرپور وہ اور سرخ ہو گئی تھی پھر میسج آیا تھا۔

''ہیو یو سوئیٹ ڈریمز، مس یو۔'' وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے اس اظہار پر مصطفیٰ کس قدر خوش ہوا ہو گا مصطفیٰ کا سوچتے اس کے لبوں پر مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔

❖❖......○○......❖❖

وہ موبائل کان سے لگائے سُن رہی تھی۔

''ہیلو! کون......!'' نسوانی آواز پر وہ سنبھلی تھی۔

''کاشفہ بول رہی ہیں؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں......لیکن تم کون؟''

''انا بات کر رہی ہوں، ولید ضیا احمد کی کزن۔''

''اوہ......'' دوسری طرف فوراً پہچان لیا گیا تھا۔

''ولید اور میری شادی کی بات چل رہی ہے لیکن اس سے پہلے میں تم سے چند باتیں پوچھنا چاہتی ہوں تم نے اس دن پھولوں کی دکان پر جو کچھ کہا وہ کس حد تک سچ ہے۔''انا کا انداز سنجیدہ تھا۔

''ولید سے پوچھو۔وہ بتائے گا ہمارے درمیان کیا کچھ تھا۔'' دوسری طرف کے جواب نے انا کو ساکت کر دیا تھا۔

''کیا کچھ تھا؟''

''ایک لڑکی کسی لڑکے کے لیے جان سے ہاتھ دھونے کی کوشش کیوں کرتی ہے۔'' سلگتا انداز تھا۔انا کو لگا اس کے جسم سے جیسے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

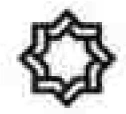
''مجھے یہ بتاؤ ولید بھی تم سے محبت کرتا تھا یا نہیں۔'' اسے اپنی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''تمہارے درمیان میں آنے سے پہلے تک مجھے بھی یہی یقین تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' الفاظ ایسے تھے کہ انا ایک دم بستر پر گر گئی تھی۔

''وہ اب تمہاری وجہ سے مجھے رد کر رہا ہے لیکن اب میں کسی بھی صورت اسے نہیں چھوڑوں گی۔ بہت فیئر ہو کر ولید کی طرف بڑھی تھی اس کی خاطر میں اپنی فیملی اپنی سوسائٹی اپنا سرکل سب کچھ چھوڑنے کو تیار تھی اور اس نے مجھے چیٹ کیا۔ میں کئی بار اس کی طرف گئی۔اس کے سامنے گڑگڑائی جب تم جیسی لڑکی متبادل مل رہی ہو تو پھر کون ماضی کی غلطیوں کو یاد رکھتا ہے۔'' وہ بے انتہا نفرت سے کہہ رہی تھی۔

''ولید کو کہہ دینا اب اس کے برے دن شروع ہو چکے ہیں۔میرے ساتھ دھوکہ کر کے اچھا نہیں کیا۔کاشفہ لوگوں کے دلوں سے کھیلتی تھی لیکن کوئی اس کے دل سے کھیل جائے اور وہ چپ چاپ سہہ لے ایسا نہیں ہوگا۔اب وہ بھی انجام کے لیے تیار رہے،ایک ایک کر کے اس کے سب رشتے اس سے چھینوں گی تم بھی دیکھنا اور وہ بھی دیکھے گا۔'' نفرت و تنفر سے وہ کہہ رہی تھی ادھر کال بند ہو گئی تھی۔انا کو لگا جیسے اس کا وجود بالکل ساکت ہو گیا ہے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

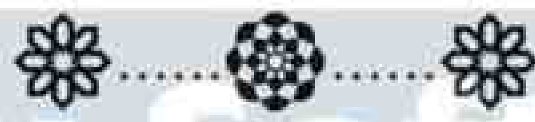


ٹوٹا ہوا تارا......سمیرا شریف طور

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

مصطفیٰ ولید کے کہنے پر دعوت قبول کرلیتا ہے شہوار بھی وہاں شرکت پر بغیر کسی انکار کے حامی بھرلیتی ہے جس پر مصطفیٰ اس کے مصالحت آمیز انداز پر حیران رہ جاتا ہے جب ہی وہ اپنے درمیان حائل ناراضگی کو دور کرنے کی سعی کرتا ہے ایسے میں شہوار بھی مصطفیٰ کے بدلتے روپ کو دیکھ کر ساری تلخی کو ختم کر کے اس رشتے کو نئے انداز میں آگے بڑھانے کا ارادہ کرلیتی ہے۔ انا کی بدگمانی ولید کو سخت مضطرب کر دیتی ہے۔ دعوت پر کیتھی کو مدعو دیکھ کر وہ پھر سے خود ترسی کا شکار ہونے لگتی ہے دوسری طرف ولید کی زبانی اسے کیتھی کی منگنی طے ہوجانے کا پتا چلتا ہے لیکن اس کا دل پھر بھی کیتھی کی طرف سے صاف نہیں ہو پاتا۔ عباس اور عادلہ کے بڑھتے تنازعات کے پیش نظر شاہ زیب وکیل کے ذریعے طلاق کے کاغذات عادلہ کو بھجوا دیتے ہیں۔ اپنے رشتے کے اس انجام پر عباس نہایت مضطرب حالت میں رابعہ سے اپنے حالات شیئر کرتے اسے ہر طرح کے تحفظ کا یقین دلاتا ہے جبکہ رابعہ اس علیحدگی کا ذمہ دار خود کو گردانتی شرمندگی محسوس کرتی ہے۔ دوسری طرف عادلہ انہیں ایک ساتھ دیکھ کر بھڑک اٹھتی ہے اور فون پر رابعہ کی پارسائی پر طنز کرتے اسے دھمکیوں سے نوازتی ہے جبکہ رابعہ عباس کی پریشانی کے خیال سے اسے کچھ بھی بتانے سے گریز کرتی ہے۔ طلاق کے کاغذات دیکھ کر عادلہ انتقام کی آگ میں مزید بھڑک اٹھتی ہے۔ کیتھی رات ولید کے گھر ہی قیام کرتی ہے صبح انا کو کالج چھوڑنے کے دوران کیتھی بھی ان کے ہمراہ ہوتی ہے۔ ولید اس دوران بھی انا سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اسے بغیر کوئی موقع دیے چپ چاپ اتر جاتی ہے واپسی پر اسے تنہا گھر آنا پڑتا ہے جب ہی راستے میں مصطفیٰ کے کزن حماد اور شائستہ اسے گھر ڈراپ کرنے کی آفر کرتے ہیں ناچار وہ ان کے ہمراہ گھر آتی ہے جبکہ حماد اور انا کو دیکھ کر ولید حماد سے متعلق پوچھ گچھ کرتا ہے جس پر انا نہایت بدتمیزی سے اس کے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے انکار کرتے مشتعل انداز میں اس زبردستی کے بندھن کو ختم کرنے کی بات کرتی ہے جبکہ ولید بھونچکارہ جاتا ہے ضیاء صاحب کے پوچھنے پر وہ فوراً ہی انا سے شادی پر آمادگی ظاہر کرتا ہے جبکہ انا اس کے دہرے رویے پر شدید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔ مصطفیٰ کام کے سلسلے میں اسلام آباد چلا جاتا ہے ایسے میں شہوار اس کی کمی شدت سے محسوس کرتی اپنی بدلتی حالت پر خود بھی حیران رہ جاتی ہے۔ تابندہ بوا شاپنگ کے دوران اجنبی کو دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہیں انہیں وہ چہرہ بے حد شناسا سا لگتا ہے لیکن جب ہی وہ بھیڑ میں ان کی نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے شہوار کی یاد محسوس کرتے وہ واپسی کا ارادہ کرتی ہیں لیکن اس کے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے پانے پر وہ ایک مرتبہ پھر اپنی کوششوں میں مصروف ہوکر اپنا ارادہ ترک کر دیتی ہیں۔ رابعہ اپنی شادی کے متعلق عباس کو انفارم کرتے اپنی جاب چھوڑنے کی بات کرتی ہے جبکہ عباس یہ سب جان کر عجیب سی کشمکش کا شکار ہوجاتا ہے۔ انا ایک آخری کوشش کے طور پر ولید کے نمبر سے کاشفہ کا نمبر لیتی ہے۔ اسی دوران کاشفہ کی مسڈ کالز اور ڈھیروں محبت بھرے میسجز دیکھ کر اس کا شک یقین میں بدلتا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف کاشفہ سے بات ہونے پر وہ ولید کے بڑھتے ہوئے تعلقات اور محبت کی داستان سنا کر انا کو موردالزام ٹھہراتی ہے کہ اب وہ صرف اس کی وجہ سے دھوکا کر رہا ہے اور وہ ولید کو اس کے لیے کبھی معاف نہیں کرے گی جبکہ انا مزید خوف کا شکار ہوجاتی ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾



ولید آفس جا رہا تھا گاڑی ابھی تک ٹھیک نہ ہوئی تھی ماما نے اسے کہہ دیا تھا کہ ولید کے ساتھ کالج چلی جائے‘ وہ ڈراپ کردے گا۔ اس نے انکار کرنا چاہا مگر ماما نے دوٹوک انداز میں کہا تو وہ کلستی جھلستی ولید کی گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔ ولید جب باہر آیا تو اسے پچھلی سیٹ پر دیکھ کر ٹھٹکا۔ دونوں کے درمیان کل جو منہ ماری ہوچکی تھی اس کو لے کر وہ خود بھی انا سے کافی کھچاؤ محسوس کر رہا تھا اب اسے دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ بہت سنجیدگی کے عالم میں وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو انا بھی بگڑے تیوروں سمیت چہرہ موڑے باہر دیکھتی رہی تھی۔

ماما کا اصرار نہ ہوتا تو شاید وہ آج اپنا کالج جانا ہی موقف کردیتی۔ وہ بالکل سرد وسپاٹ تاثرات لیے باہر دیکھتی رہی‘ انداز بالکل لاتعلق اور سرد مہر تھا‘ گویا سرے سے کوئی آشنائی ہی نہ ہو۔ ولید نے کئی بار بیک ویو مرر سے اسے دیکھا تھا۔

''ایسا کب تک چلے گا؟'' ولید اس سے لاکھ خفا سہی لیکن انا کی طرح بہت دیر تک دل میں غصہ دبا کر نہیں رکھ پاتا تھا آخر کار مخاطب کر ہی لیا۔ انا ولید کے الفاظ پر چونکی اور پھر لب بھینچ گئی۔

وہ رات کاشفہ سے بات نہ کر چکی ہوتی تو شاید اس کی پہل سے پگھل جاتی لیکن اب تو دل بھانبڑ کی طرح جل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ بے تاثر۔

''انا! میں تم سے مخاطب ہوں۔'' اس کی خاموشی پر ولید نے غصے سے زچ ہو کر ایک دم تلخی سے کہا۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی' آئندہ مجھے مخاطب کرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔'' وہ تلخی سے کہہ کر خاموش ہو گئی۔

ولید کے اندر ایک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی اور اس نے ایک دم گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور پلٹ کر اسے دیکھا۔ گاڑی رکنے پر انا نے بھی چونک کر اسے دیکھا' ولید کی آنکھوں سے آنکھیں ملی تھیں۔ ولید بے انتہا غصے سے دیکھ رہا تھا وہ تنفر سے دیکھ کر چہرہ موڑ گئی۔

''یہ سب کیا ہے' کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟'' وہ خاموش رہی تھی۔

''جہاں تک میں جانتا ہوں تم کاشفہ کی وجہ سے ری ایکٹ کر رہی ہو۔ کاشفہ کو لے کر اگر ایسا کر رہی ہو تو حماقت کا ثبوت دے رہی ہو۔'' ولید نے خاصے ضبط سے کہا تھا' دل چاہ رہا تھا کہ اس پتھر کے بُت کو جھنجوڑ کر رکھ دے۔

''ایک لڑکی آپ کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے کی کوشش کرے اور آپ کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ آپ کے لہجے میں کوئی افسوس بھی نہیں۔'' وہ بولی تو ولید نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''میں کلیئر کر چکا ہوں کہ میرا کاشفہ کے کسی بھی ری ایکشن سے کوئی تعلق نہیں' اپنے ہر نفع و نقصان کی ذمہ دار وہ خود ہے۔'' ولید نے کہا تو انا نے استہزائیہ دیکھا۔ ولید نے دیکھا انا کی آنکھیں سرخ اور بوجھل تھیں گویا وہ ساری رات روتی رہی تھی۔

''وہ ایک جذباتی لڑکی ہے جو دوسروں کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے اس کے کسی بھی عمل کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔''

''اس سے دوستی تو کی تھی نا آپ نے؟''

''ہاں لیکن اس کی بھی کوئی وجہ تھی اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ وہ اس طرح انوالو ہو جائے گی تو شاید میں کبھی بھی ایسی حماقت نہ کرتا۔'' ولید نے کہا تو انا کے ہونٹوں پر استہزائیہ تبسم لہرایا۔

''پھر بھی خود کو بری الذمہ سمجھ رہے ہیں' ایک لڑکی سے دوستی کرتے ہیں اس کے ساتھ وقت گزرتے ہیں اس کو اہمیت دے کر اس سے پھر بے زاری کا اظہار کرتے ہیں اس سے بڑھ کر بے حسی کیا ہوگی۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ بہت اچھے انسان ہیں لیکن مجھے کبھی اندزہ ہی نہ تھا کہ آپ نے ایسے شقی القلب اور ظالم انسان بھی ہیں کہ ایک لڑکی آپ کی خاطر اس حد تک آ چکی ہے اور آپ خود کو بے گناہ کہہ رہے ہیں۔'' وہ بولی نہیں پھٹی تھی جو دل میں آیا کہہ دیا۔

''شٹ اپ۔'' ولید اس کے لب و لہجے اور الفاظ پر ایک دم مشتعل ہوا۔

''خبردار! مزید تم نے ایک لفظ بھی کہا تو......؟'' ولید اس کے الفاظ پر ایک دم بھڑک اٹھا تھا۔ ''دس از ٹو مچ۔'' انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''کیوں چپ رہوں' سچ اتنا بُرا کیوں لگ رہا ہے؟ حقیقت کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھیں نا' اب کیوں چلا رہے ہیں؟''

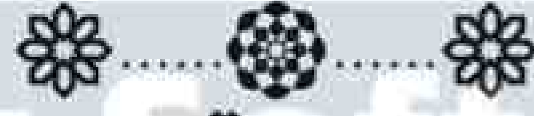
''انا خبردار! اٹس انف......'' ولید اتنے غصے میں بولا کہ وہ چپ ہو گئی۔ ولید اسے دیکھتے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا گویا خود پر بمشکل قابو پا رہا ہو۔

''میرے الفاظ جھوٹ تو نہیں ہیں سچ ہی تو کہا ہے' پہلے کیتھی پھر کاشفہ اور اب میں۔ پتا نہیں کتنوں کو دھوکہ دیں گے آپ۔'' وہ سر سے پاؤں تک بدظن ہو چکی تھی' رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ولید نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔

''بات اعتبار اور بھروسے کی ہوتی ہے' تم نے تو اول روز سے ہی مجھ پر بھروسہ کب کیا تھا جو تمہیں دھوکہ دیتا میں۔'' کچھ لمحے سنبھلنے کے بعد ولید نے کہا۔

''ہمیشہ شک کے تناظر میں دیکھا' تم کیا سمجھتی ہو میں نا سمجھ تھا کچھ اندازہ نہ لگا سکتا تھا۔ تم جو مرضی سمجھتی رہو اب تمہارے سامنے ایک لفظ بھی اپنی صفائی میں نہیں کہوں گا۔'' ولید نے سرد مہری سے کہتے تیزی سے گاڑی ڈرائیو کی۔

انا نے تلخی سے اسے دیکھ کر چہرہ موڑ لیا تھا۔ آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع ہو گیا تھا' وہ سوچتی رہی تھی کہ شاید ولید سب بیانات کی تردید کر دے مگر ولید تو خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے دل پر ایک دم بوجھ بڑھ گیا تھا' باقی رستہ دونوں کے درمیان بالکل ہی خاموشی رہی تھی۔



تابندہ بی کا دل بڑا بوجھل سا ہو رہا تھا' انہیں شہوار شدت سے یاد آ رہی تھی۔ ایک پل کو ان کا جی چاہا کہ وہ ایک بار جا کر اس سے مل آئیں' وہ کون سا بہت دور تھی' اسی شہر میں تو تھی ان کے نزدیک۔ لیکن پھر یہ سوچ کر رہ گئیں کہ وہ اتنے سارے لوگوں کے سوالوں کے بھلا کیا جواب دیں گی۔ وہ کچھ سوالوں کی تلاش میں یہاں آئی تھیں لیکن اب لگ رہا تھا کہ ان کے ہاتھ بالکل خالی ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنے سوالوں کی تلاش کا کام کہاں سے شروع کریں' کوئی سرا ہی نہیں مل رہا تھا۔

کچھ سوچ کر وہ ساجدہ کو بتا کر ایک دفتر میں چلی آئی تھیں' یہ ٹریول ایجنسی کا دفتر تھا برسوں پہلے وہ کسی کے ساتھ اس دفتر کے چکر لگا چکی تھیں لیکن اس وقت یہاں ٹریول ایجنسی کی جگہ کاروباری مراکز کا دفتر تھا۔ دفتر نہ دیکھ کر وہ بے حد مایوس ہوئی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے ان کی ہر کوشش ناکام ہو رہی ہے' گزرے دنوں میں وہ مختلف جگہوں پر جا چکی تھیں لیکن کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ رکشے میں بیٹھ کر ایک اور جگہ چلی آئی تھیں' دو تین دنوں میں وہ یہاں مسلسل آ رہی تھیں۔

بہت ہی خوب صورت گھر تھا' تعمیر سے لگتا تھا کہ جیسا چند سال پہلے ہی تعمیر کیا گیا تھا۔ ہر بار کی طرح چوکیدار گیٹ پر موجود تھا' وہ تابندہ کو دیکھ کر فوراً پہچان گیا تھا۔

''ہاں بی بی آج ہی آئے ہیں' ٹھہرو تم میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں۔'' چوکیدار اندر چلا گیا اور کچھ دیر بعد واپس آیا۔

''آؤ۔'' وہ کہہ کر پھر اندر کی طرف بڑھ گیا تو تابندہ اس کے ہمراہ چلتے اندر کی طرف چلی آئی تھیں۔ وہاں ڈرائنگ روم میں صوفے پر ایک درمیانی عمر کی خاتون موجود تھیں۔

''بیگم صاحبہ! یہ وہ بی بی ہیں جن کا میں نے آپ کو بتایا ہے۔'' چوکیدار نے کہا۔

''السّلام علیکم!'' تابندہ نے سلام کیا۔

''وعلیکم السّلام! جی آئیں بیٹھیں۔'' خاتون نے بغور دیکھتے ہوئے کہا تو تابندہ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''معذرت چاہتی ہوں میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''جی ہم لوگ پہلی بار مل رہے ہیں' میرا نام تابندہ ہے۔ یہ گھر جس میں آپ لوگ رہ رہے ہیں' پچیس چھبیس سال پہلے یہ ہمارا گھر تھا۔ پھر میرے شوہر نے یہ گھر بیچ دیا تھا۔'' تابندہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

''اوہ اچھا۔''

''اب تو آپ لوگوں نے گھر کا نقشہ ہی بدل دیا ہے بہت ہی پیارا بن چکا ہے یہ گھر تو۔'' تابندہ نے اطراف میں دیکھتے کہا۔

''شکریہ۔''

''آپ کی باقی فیملی؟'' تابندہ نے اطراف میں دیکھتے خاتون سے پوچھا۔

''یہ گھر ہمارے سسر صاحب نے خریدا تھا ہم لوگ پنڈی میں رہتے تھے۔ میرے شوہر کی وہاں جاب تھی پھر ریٹائرمنٹ کے بعد ہم لوگ واپس یہاں شفٹ ہو گئے۔ سسر انتقال کر گئے ہیں اور باقی لوگوں کو حصہ دے دلا کر ہم نے یہ گھر رکھ لیا اور دوبارہ اس کی کنسٹرکشن کروائی ہے۔''

''اوہ......''

''اور آپ کی ساس اور باقی لوگ؟''

''دونندیں ہیں وہ اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں' ایک دیور ہے وہ باہر شفٹ ہوگیا ہے اور ساس کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔'' تابندہ کو لگا جیسے وہ ایک دم ناامید ہوگئی ہیں۔

''مجھے کچھ معلومات چاہیے تھیں اسی لیے میں یہاں آ رہی تھی۔'' تابندہ نے بتایا تو لہجے میں مایوسی تھی۔

''ہاں چوکیدار بتا رہا تھا۔'' خاتون نے کہا۔

''بات اصل میں یہ ہے کہ.....'' تابندہ نے آہستگی سے خاتون کے سامنے کچھ کہنا شروع کیا' خاتون بہت دھیان سے ان کی بات سن رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

انا شہوار کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی' اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے موبائل دیکھا۔ کاشفہ کا نام دیکھ کر وہ الجھی تھی' وہ رات کاشفہ سے بات کرنے کے بعد اس کا نمبر سیو کر چکی تھی۔

''ہیلو۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کال ریسیو کی۔

''کاشفہ بول رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''تو......؟'' وہ ولید کے ساتھ ساتھ کاشفہ سے بھی بدظن ہو چکی تھی' رکھائی سے بولی۔

''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔'' کاشفہ نے کہا تو وہ چونکی۔

''وہ کیوں؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''ہاں کہو۔''

''ایسے نہیں تم جب ملو گی تو پھر تب ہی بات ہوگی۔'' وہ نخوت سے کہہ بولی۔

''ایم سوری میں تم سے نہیں مل سکتی اور نہ ملنا چاہوں گی۔'' اس نے تلخی سے انکار کر دیا۔

''مجھ سے مل لیتیں تمہارا ہی فائدہ تھا۔ خیر ولید میری کالز پک نہیں کرتا' اسے کہہ دینا کاشفہ اتنی جلدی ہار نہیں مانے گی۔ میں نے کھیل شروع کر دیا ہے اب انجام بھی دیکھے۔'' دھمکی آمیز انداز میں کہتے اس نے کال بند کر دی تھی۔ انا ایک دم ساکت رہ گئی۔

''کیا ہوا؟'' اسے گم صم دیکھ کر شہوار نے پوچھا تو وہ سنبھلی پھر نفی میں سر ہلا کر اس نے موبائل کان سے ہٹا لیا۔

''کس کی کال تھی؟''

''ویسے ہی ایک جاننے والی تھی' ملنے کا کہہ رہی تھی تو میں نے منع کر دیا۔'' اس نے خود پر قابو پاتے کہا تو شہوار نے سر ہلا دیا۔

''مصطفیٰ بھائی آ گئے اسلام آباد سے؟'' اپنے ذہن کو اس نے بزی کرنا چاہا۔

''صبح بات ہوئی تھی تب تک تو نہیں آئے تھے پھر میں کالج آ گئی تھی اس کے بعد ابھی تک کوئی رابطہ نہیں ہوا۔'' شہوار نے مسکرا کر بتایا۔

''وہ اب ٹھیک ہیں نا؟''

''ہاں۔''

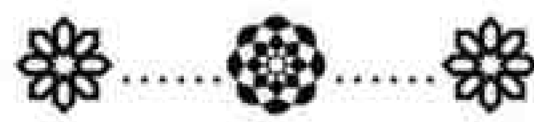
''تم لوگوں کا ولیمہ کب ہوگا؟''

''پتا نہیں اس پر تو ابھی گھر میں کوئی ڈسکشن نہیں ہوا پھر مصطفیٰ بھی مسلسل بزی ہیں' پتا نہیں انکل یا فیصلہ کرتے ہیں۔''

''مصطفیٰ بھائی بھی بے چارے کیا سوچتے ہوں گے' زندگی کا اتنا اہم ایونٹ تھا اور وہ بھی اس حادثے کی نذر ہوگیا۔'' انا نے کہا تو شہوار نے ایک گہری سانس لی۔

''ہاں شاید اس میں بھی کوئی مصلحت تھی ورنہ.....'' تابندہ بوا کا خیال آیا تو وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔

''ایاز کا کوئی پتا چلا؟'' انا اس کا خاموش ہو جانا محسوس نہ کر پائی تھی۔ شہوار نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''مجھے نہیں علم' مجھ سے اس ٹاپک پر کوئی بھی بات نہیں کرنی۔''
''ایاز نے جو بھی کیا ہے' بہت بُرا کیا ہے' خیر بچے گا تو وہ بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے مصطفیٰ بھائی اسے نہیں چھوڑیں گے۔'' اس کی بات پر شہوار خاموش ہی رہی تھی۔
''کیا بات ہے میں کل سے محسوس کر رہی ہوں تم الجھی الجھی سی ہو۔ مصطفیٰ بھائی تو تمہارے ساتھ ٹھیک ہیں نا؟'' وہ جو خود الجھی ہوئی تھی اس کے باوجود شہوار کی خاموشی اور مزاج کو نوٹ کر گئی تھی۔
''ہاں ٹھیک ہوں میں' بس ویسے ہی طبیعت ڈل سی ہو رہی ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا تو انا نے بغور دیکھا۔
''اور مصطفیٰ بھائی؟'' اس نے پوچھا تو مصطفیٰ کے نام پر اس کے چہرے پر بے اختیار سرخی سی چھائی تھی۔
''وہ بھی ٹھیک ہیں۔''
''مصطفیٰ کے ساتھ جو حادثہ ہو چکا ہے ایسے عالم میں' میں پرانی باتوں کو لے کر بیٹھی رہتی تو شاید میں بہت خسارے میں رہتی۔ میرے پاس تو ویسے بھی بہت سارے رشتے نہیں ہیں اس رشتے کو بھی کھو دیتی تو پھر میرے پاس بچتا کیا۔'' انا کے بغور دیکھنے پر شہوار نے دھیمی آواز میں کہا تو انا ایک دم پرسکون ہو گئی تھی۔
''بہت ہی اچھا فیصلہ کیا تم نے' میں جتنا بھی مصطفیٰ بھائی کو جان سکی ہوں اس میں سرفہرست یہی ہے کہ وہ ہمیشہ تمہاری ڈھال بن کر رہیں گے بس تم ان کو دل سے قبول کر لو۔'' شہوار مسکرا دی۔
''ہاں وہ بہت اچھے ہیں۔'' مصطفیٰ نے جس طرح گزرے دنوں میں ہر لمحہ' ہر پل اس کا خیال رکھا تھا وہ ایک دم بدل گئی تھی۔
''میں نے کبھی بھی ان کی ذات سے انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کی اچھائیوں کو جھٹلایا تھا میں تو بس اپنی ذات کی تسکین چاہتی تھی۔ اپنی پہچان کے بارے میں جاننا تو سب ہی کا حق ہے نا؟ میری سوچ اب بھی وہی ہے لیکن مصطفیٰ کے ساتھ ہونے والے حادثے نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ بعض رشتے قدرت کی طرف سے انعام بن کر ملتے ہیں اگر جان بوجھ کر ناشکری کریں تو کھو بھی جاتے ہیں اور میں مصطفیٰ کو اب کھونا نہیں چاہتی۔'' کہتے کہتے اس کی آواز میں نمی گھل گئی تھی' انا نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
''ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا' تم آنٹی اور باقی لوگوں کا سناؤ سب ٹھیک تو ہیں نا؟'' انا کے سوال پر اس نے سر ہلا دیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ انا کے سامنے تابندہ بی کے چلے جانے کا ذکر کر دے لیکن پھر دل مسوس کر رہ گئی۔
''نجانے انا کیا سوچتی۔'' اس کے دل میں ہوک سی اٹھنے لگی ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔
''اٹھو کلاس میں چلتے ہیں مجھے ابھی عطیہ سے نوٹس بھی لینے ہیں اور سر سے ڈسکشن بھی کرنا ہے۔'' اپنا دھیان بٹانے کو کہا تو انا بھی سر ہلا کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔



''کچھ پتا چلا؟'' تابندہ بی گھر آئیں تو بہت مایوس تھیں۔ بے جان انداز میں چارپائی پر بیٹھیں تو خالہ بی نے پوچھا تھا۔ تابندہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''نہیں۔'' لہجے میں صدیوں کی سی تھکن تھی۔
''خالہ بی کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں برسوں سے غلطی پر غلطی کرتی آئی ہوں۔ مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ کم از کم بابا صاحب کو سب سچ سچ بتا دینا چاہیے تھا۔ میں ہمیشہ اس خوف میں رہی کہ نہیں وہ سب جاننے کے بعد مجھے اور شہوار کو دھتکار نہ دیں اور میری بچی نجانے کن حالوں میں ہوگی۔ ایک عمر تڑپتے سلگتے گزار دی میں نے۔ اتنے خط لکھے لیکن کسی ایک کا بھی جواب نہ آیا۔ تھک ہار کر میں نے امید ہی چھوڑ دی تھی لیکن شہوار کے سوالوں نے مجھے پھر مجبور کر دیا اور اب لگ رہا ہے کہ مجھے حویلی نہیں چھوڑنا چاہیے تھی' نجانے وہاں میرے بارے

میں اب کیا رائے قائم ہو چکی ہوگی اور سب سے بڑھ کر نجانے شہوار کیا سوچتی ہوگی۔ میری ممتا کی تسکین تو شہوار کے وجود سے ہوگئی تھی لیکن میری بچی......'' وہ بات چھوڑ کر سسکنے لگی تھیں۔ خالہ بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تم واپس چلی جاؤ' شہوار کا شوہر پولیس میں ہے اس کو سب بتادو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ تم خود ہی تو کہتی ہو کہ وہ ایک اچھا انسان ہے۔'' خالہ بی نے مشورہ دیا تو وہ چہرہ صاف کر کے انہیں دیکھنے لگیں۔

''اور اگر اس نے سب جاننے کے بعد بھی ہمیں قبول نہ کیا تو؟'' ان کے لہجے میں خدشے واندیشے بول رہے تھے۔

''شہوار اس کی بیوی ہے اب اس کو چھوڑے گا تو نہیں۔''

''وہ بہت خاندانی لوگ ہیں حسب و نسب پر جان دینے والے۔ وہ تو عباس کی شادی غیروں میں کردی تھی اور شہوار بھی انہی کے سامنے پلی بڑھی تھی کچھ مہر النساء کا خصوصی لگاؤ بھی تھا اور پھر میں نے ان کو یقین بھی دلا رکھا تھا کہ شہوار کسی چھوٹے موٹے خاندان سے نہیں ہے انہوں نے اس کو بہو بنا لیا تھا لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں حقیقت جاننے کے بعد اس بچی کی زندگی برباد نہ ہو جائے۔ میں نے ساری زندگی اسی کی خاطر تو برباد کی ہے اور اب آ کر سب کچھ تباہ نہیں کرسکتی۔'' تابندہ بی عجیب کشمکش میں تھیں' خالہ بی خاموشی سے دیکھنے لگی تھیں۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ اسے کال کروں اس سے بات کروں' نجانے وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی' ہے بھی تو بہت حساس۔'' ان کے لہجے میں شہوار کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ خالہ بی نے سر ہلا کر ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''اللہ تمہیں کامیاب کرے اور اس بچی کی بھی مشکلات آسان کرے' بڑی بدنصیب ہے وہ بے چاری تو' اللہ اسے بھی صبر دے۔''

''آمین۔'' تابندہ بی نے دکھے دل سے آمین کہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی' ان کا ارادہ کسی پی سی او شہوار کو کال کرنے کا تھا۔



شہوار ابھی کالج سے لوٹی تھی' چینج کر کے وہ ابھی کمرے سے نکلنے والی تھی جب اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے اسکرین دیکھی' اجنبی نمبر تھا۔

''ہیلو۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کال پک کی تھی۔

''السّلام علیکم!'' آواز سن کر وہ ایک دم الجھی تھی۔

''وعلیکم السّلام! کون؟''

''کیسی ہو شہوار؟''

یہ آواز...... یہ آواز تو تابندہ بی کی تھی' وہ فوراً پہچانی تھی۔

''امی جی آپ؟'' وہ چیخ اٹھی تھی فرطِ مسرت سے اس کی آواز قدرے بلند ہوگئی تھی۔

''کہاں ہیں آپ......اور آپ کیسی ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں' ادھر ہی ہوں تم بتاؤ کیسی ہو؟ مصطفیٰ کیسا ہے؟'' انہوں نے نم آواز میں کہا تو شہوار کا دل بھر آیا۔ وہ شدت سے رو دی۔

''پلیز جہاں بھی ہیں آپ واپس آجائیں' میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے' کوئی سوال وجواب نہیں کروں گی پلیز لوٹ آئیں۔'' وہ ایک دم جذباتی ہوگئی تھی۔ دوسری طرف تابندہ بی کا دل اس کے آنسوؤں سے پگھل گیا تھا۔

''میں آجاؤں گی......ضرور آؤں گی لیکن جس مقصد کو لے کر حویلی سے نکلی تھی اس کو پورا کر کے ہی اب لوٹوں گی۔''

''کہاں ہیں آپ؟'' اپنے آپ کو سنبھالتے اس نے سوال کیا۔

''اسی شہر میں ہوں۔''

''مجھے ایڈریس دیں میں آجاتی ہوں آپ کو لینے۔''

''نہیں شہوار ابھی یہ ممکن نہیں' میں پہلے ہی پریشان ہوں بس تم سے بات کرنے کو دل بے قرار تھا تو کال کرلی۔ تم پریشان نہیں ہونا میں

جہاں بھی ہوں محفوظ ہوں۔ مجھے بس تمہارا خیال تھا کہ میرے اس طرح چلے آنے سے تم خفا ہوگی اور نجانے کیا کیا سوچ لوگی۔ بیٹا کچھ غلط مت سوچنا بس یہ سمجھ لو کہ تمہاری ماں مجبور تھی میں جو بھی کر رہی ہوں تمہارے لیے اور اپنے لیے ہی تو کر رہی ہوں۔ میری ممتا تڑپ رہی ہے لیکن میں اپنی بیٹی سے نہیں مل سکتی اس سے زیادہ میری بے بسی اور کیا ہوگی۔'' وہ رونے لگیں تھیں۔ شہوار بے دم ہو کر بستر کے کنارے پر ٹک گئی تھی۔

''ایسے مت کریں میں پہلے بھی لوگوں کے لیے ایک سوالیہ نشان تھی۔ پہلے لوگ میرے باپ کا حوالہ پوچھتے تھے اور اب ماں کا بھی پوچھا کریں گے، پتا نہیں میں کس کس کو جواب دوں گی۔'' وہ اذیت سے چیخ گئی تھی۔

''آپ نے اتنے حسب نسب والے' اونچے لوگوں میں میرا رشتہ جوڑ دیا کس کس کو کیا جواز پیش کروں یہ سب ہی سوال کرتے ہیں۔ یہ تو شکر ہے کہ یہ لوگ اتنے اچھے ہیں کوئی اور جگہ ہوتی تو ایک لمحہ نہ لگاتے مجھے گھر سے باہر نکال دینے میں۔'' روتے ہوئے اس نے کہا تو تابندہ بی کا دل کٹنے لگا۔

''شہوار بیٹا بس تھوڑا اور صبر کر لو' اگر مجھے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا تو بس لوٹ آؤں گی۔ وعدہ ہے آ کر سب کو سب کچھ بتا دوں گی بس چند دن اور۔'' انہوں نے التجا کی تو شہوار نے اپنے آنسو صاف کیے۔

''مجھے بتا تیں تو سہی اتنی راز داری کس چیز کی ہے؟ کہاں ہیں آپ اور کن لوگوں میں ہیں؟''

''وقت آنے پر سب بتا دوں گی' بہت ہی اچھے لوگ ہیں' میرے اپنوں سے بڑھ کر میرا ساتھ دیا تھا انہوں نے ہر دکھ سکھ میں۔ تم فکر نہیں کرو میں محفوظ جگہ پر ہوں۔'' شہوار خاموش ہوگئی تھی۔

''چلتی ہوں پھر موقع ملا تو کال کروں گی تم بس پریشان نہیں ہونا اور باقی لوگوں کو بھی تسلی دینا میں جلد ہی آ جاؤں گی۔ اپنا بہت سارا خیال رکھنا' اللہ حافظ۔'' انہوں نے کال کاٹ دی تھی۔ شہوار نے اپنے آنسو صاف کرتے موبائل بستر پر ڈال دیا۔

تابندہ بی سے بات کر لینے سے اسے لگ رہا تھا کہ اس کا دل ٹھہرنے لگا ہے' اس کو قرار آنے لگا ہے ورنہ دل تو ہر وقت پریشان رہتا تھا۔ کچھ سوچتے اس نے فوراً مصطفیٰ کا نمبر ملایا' مصطفیٰ نے کال کاٹ دی تھی شاید وہ کہیں بزی تھا۔ وہ بعد میں کال کرنے کا سوچتے اٹھی تو میسج ٹون بج اٹھی تھی۔ مصطفیٰ کا میسج تھا۔

''میں کچھ بزی ہوں' ابھی آفس پہنچا ہوں' شام میں گھر آؤں گا پھر بات ہوگی۔'' مصطفیٰ کا میسج پڑھ کر وہ مزید خود کو ریلیکس محسوس کرنے لگی تھی۔

منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر وہ باہر آئی تھی۔ شادی کی تصویریں آ گئی تھیں۔ لائبہ' مہر النساء اور دریہ وہی دیکھ رہی تھیں' آفاق ماں جی کی گود میں تھا۔ وہ ان کو سلام کرتے ماں جی کے پاس ہی بیٹھ گئی اور آفاق کو گود میں لے لیا تھا۔

''دیکھو شہوار کتنی پیاری تصویریں آئی ہیں۔'' لائبہ نے اس کے سامنے البم کیا تو وہ تصویریں دیکھنے لگی' سب ہی تصویریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں خصوصاً مہندی اور بارات کی' مصطفیٰ کی چھب ہی نرالی تھی۔

''مصطفیٰ کو دیکھو کتنا شاندار لگ رہا ہے۔'' دلہا بنے مصطفیٰ کی تصویر دیکھتے بھابی نے کہا تو وہ مسکرائی دی۔ مصطفیٰ واقعی بہت شاندار لگ رہا تھا۔

''شہوار بھی تو کسی سے کم نہیں' دیکھو کیسی شہزادیوں والی آن بان ہے اس کی۔'' ماں جی نے بہت محبت سے کہا تو وہ جھینپی۔ دریہ طنزیہ مسکرائی نہ چاہتے ہوئے بھی شہوار نے نوٹ کیا تھا' وہ اس کے بائیں طرف تھی۔

''شہزادیوں والی آن بان رکھنے کے باوجود حسب نسب تو نہیں بدل جاتے۔'' وہ طنزیہ بڑبڑائی تھی' ماں جی نے نہیں سنا تھا جبکہ اس کے قریب بیٹھی شہوار کے کانوں نے اس کا جملہ مکمل طور پر گونج گیا تھا۔ اس کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑنے لگا تھا۔ خود بخود البم پر سے اس کی گرفت ڈھیلی ہوگئی تھی۔

''میں کھانا کھالوں پھر آتی ہوں۔'' وہ آفاق کو واپس ماں جی کی گود میں بٹھا کر کچن میں آ گئی۔

وہ تابندہ کی کال کے بارے میں ماں جی کو بتانا چاہتی تھی لیکن دریہ کی وجہ سے خاموش رہی تھی۔ کھانا کھا کر وہ یونہی اِدھر سے اُدھر گھومتی رہی تھی۔ مغرب ہوئی تو وہ نماز پڑھ کر اچھا سا لباس پہن کر شدت سے مصطفیٰ کا انتظار کرنے لگی۔ عشاء کے بعد مصطفیٰ کی آمد ہوئی تو وہ کچن میں تھی۔ ملازمہ سے چائے بنوا رہی تھی' ابھی سب ہی نے کھانا کھایا تھا۔ ملازمہ سے ہی اطلاع ملی تھی کہ مصطفیٰ آ گیا ہے' اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا' عظمت چائے بنا چکی تھی وہ ٹرے لے کر جانے لگی تو اس نے منع کر دیا۔

''مجھے دو میں لے جاتی ہوں۔'' وہ خود لاؤنج میں چائے لے کر آئی۔

آج کتنے دنوں بعد گھر میں رونق لگی ہوئی تھی' سبھی لاؤنج میں موجود تھے۔ خوش گپیاں لگائی جا رہی تھیں' وہ اندر داخل ہوئی تو ماں جی کے پاس بیٹھے مصطفیٰ نے فوراً اسے دیکھا تھا۔ زنگ اور زیک کمبی نیشن کے لباس میں وہ جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔

''السّلام علیکم!'' قریب آنے پر اس نے آہستگی سے مصطفیٰ کو سلام کیا۔ مصطفیٰ نے سر ہلا کر جواب دیا' وہ سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔

''مصطفیٰ تو کھانا کھائے گا۔ شہوار بیٹا! ملازمہ کو کہو وہ کھانا گرم کر دے۔'' وہ چائے دے کر پلٹی تو ماں جی نے کہا۔

وہ سر ہلا کر کچن میں آئی اور عظمت کو کھانا لگانے کا کہا پھر خود اس کے ساتھ لگ گئی تھی۔ مصطفیٰ کچن میں آیا تو وہ ٹیبل پر اس کے لیے برتن رکھ رہی تھی۔ مصطفیٰ کی نگاہوں نے اسے پلکیں جھکا دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ مصطفیٰ مسکرایا اور ٹیبل تک چلا آیا۔ وہ دوپٹہ درست کرتے پلٹی تھی' وہ جب گیا تھا تو وہ بستر پر دراز تھی اور آج اس کے آمنے سامنے چل پھر رہی تھی' مصطفیٰ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ شہوار نے پانی کا جگ لا کر رکھا تو مصطفیٰ نے ملازمہ کو دیکھا۔

''تم جاؤ کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو ہم لے لیں گے۔'' مصطفیٰ نے کہا تو ملازمہ مسکراتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔

''کیسی ہو؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے محض سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہوں۔''

''بیٹھو......'' اس نے کھڑے کھڑے ہی مصطفیٰ کی پلیٹ میں کھانا نکالا تو مصطفیٰ نے کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''کھانا کھالیا؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔ مصطفیٰ کھانا کھانے لگا اور وہ خاموشی سے انگلیاں مسلتی بیٹھی رہی۔ مصطفیٰ گاہے بگاہے اسے دیکھ رہا تھا اور ہر نگاہ پر اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''کوئی بات کرو یار!'' مصطفیٰ نے ٹوکا تو اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' کچھ نہ سوچا تو خیریت پوچھ لی۔

''تمہارے سامنے ہوں' کیسا لگ رہا ہوں۔''

''اور آپ کا زخم؟''

''میرے زخم سے کچھ زیادہ لگاؤ نہیں ہو گیا جب بھی خیریت دریافت کرو گی صرف اسی کا پوچھو گی۔'' مصطفیٰ کی برجستگی پر وہ جھینپ سی گئی۔

''میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔''

''کبھی ویسے ہی میرے دل کی حالت کے بارے میں بھی پوچھ لیا ہوتا تو کیا تھا۔'' مصطفیٰ کی بات پر اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

''میں چائے بنا لیتی ہوں' آپ پئیں گے نا۔'' وہ فوراً بات بدل کر اٹھی تو مصطفیٰ نے گھورا۔

''اگر کبھی ہمارے درمیان لڑائی ہوئی تو اس کی سب سے بڑی وجہ تمہارا یہ رویہ ہو گا۔'' مصطفیٰ نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیتے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''میں نے کیا کیا ہے اب؟''

''یہ بے رخی اور اس پر یہ اندازِ لاعلمی کہیں دکھ سے میں گزر ہی نہ جاؤں۔'' مصطفیٰ کا انداز غیر سنجیدہ تھا' وہ مسکرائی تھی۔ وہ پلٹ کر ساس پین میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھنے لگی تھی۔

مصطفیٰ نے اس کی پشت کو گھورا تھا' لمبی چٹیا پشت پر جھول رہی تھی۔ دوپٹہ سلیقے سے سر پر جما ہوا تھا کہیں بھی کوئی بے ترتیبی نہیں تھی' انداز پُراعتماد تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے کھانا ختم کیا' شہوار دل جمعی سے چائے بنا رہی تھی مصطفیٰ کرسی گھسیٹتا اٹھ کر اس کے قریب میں آ کھڑا ہوا۔

''مجھے یاد کیا؟'' اس کی طرف جھک کر کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے مصطفیٰ نے کہا تو وہ ایک دم کنفیوز ہوگئی۔

''پلیز چائے بنانے دیں مجھے۔'' وہ منمنائی۔

''چائے سے زیادہ کسی کو تمہاری چاہ کی ضرورت ہے اور تم ہو کہ لفٹ ہی نہیں کروا رہیں۔'' مصطفیٰ نے چولہا بند کر دیا اور اسے کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کر لیا۔

''کتنی ظالم ہو تم شوہر اتنے دن بعد گھر آیا ہے اور تم ہو کہ کوئی رسپانس ہی نہیں دے رہی ہو۔'' مصطفیٰ نے شکوہ کیا تو وہ سر سے پاؤں تک سرخ ہوگئی تھی۔

''پلیز کوئی آجائے گا۔'' مصطفیٰ کی نگاہوں کی وارفتگیوں سے وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

''تو......؟''

''آپ بیٹھیں نا' میں چائے لاتی ہوں۔'' اس نے ٹالنا چاہا تن مصطفیٰ نے سنجیدگی سے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواباً کچھ کہتا دریہ وہاں چلی آئی تھی۔ مصطفیٰ ایک دم گہرا سانس لیتا پلٹا اور شہوار بھی رخ موڑ گئی تھی۔

دریہ نے خاموشی سے یہ سب دیکھا تھا اس کے دل و دماغ پہلے ہی نیگیٹو رہتے تھے اب بھی تنفر سے شہوار کو دیکھا' وہ دوبارہ چولہا جلا کر چائے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''مصطفیٰ ایک کام ہے تم سے؟'' شہوار کو نظر انداز کر کے دریہ نے کہا تو مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔

''ہاں کہو۔''

''مجھے زاہد بھائی کے ہاں جانا ہے' تم ڈراپ کر دو گے ذرا؟'' اس نے کہا تو شہوار نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔

''اس وقت؟'' مصطفیٰ نے گھڑی دیکھی' نو بج رہے تھے۔

''ہاں شائستہ بھابی سے ایک کام تھا تو ابھی جانا ہے۔''

''یہ ابھی لوٹے ہیں تھکے ہوئے ہوں گے' تم کسی اور سے کہو۔'' شہوار کو دریہ کا اس بے وقت کہیں جانا ایک آنکھ نہ بھایا تھا اس نے فوراً کہا تو مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

''کوئی بات نہیں' میں کر دیتا ہوں ڈراپ۔'' محض شہوار کو ستانے کا مقصد تھا' شہوار نے حیران ہو کر دیکھا۔

''کب تک واپسی ہوگی؟'' مصطفیٰ نے دریہ سے پوچھا۔

''یہ تو وہاں جا کر پتا چلے گا۔ میں بیگ لے آتی ہوں۔'' بڑے فاتحانہ انداز میں شہوار کو دیکھتے دریہ نے کہا۔ شہوار لب بھینچ کر ابلتی چائے کو دیکھنے لگی تھی۔

''اوکے' میں چائے پی لوں پھر چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے کہا' دریہ بیگ لینے چلی گئی تھی۔ شہوار نے خاموشی سے چائے کپ میں انڈیلی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا' شہوار نے کپ اس کی طرف بڑھایا تو مصطفیٰ نے تھام لیا۔

''تم بھی چلو۔'' اس نے بغور دیکھتے کہا۔

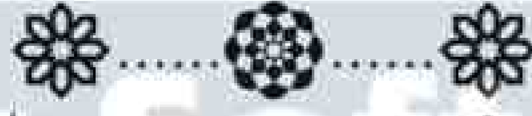
''نہیں مجھے اسٹڈی کرنی ہے' میرے پاس وقت نہیں۔'' شہوار کا انداز سنجیدہ تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا یار آ کر کر لینا' آؤٹنگ ہو جائے گی۔'' مصطفیٰ نے سپ لیتے ہوئے کہا تو اس نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''آپ دریہ کو لے کر جائیں، مجھے واقعی اسٹڈی کرنی ہے۔'' کہہ کر وہ ٹیبل سے برتن سمیٹنے لگ گئی تھی تب ہی دریہ بھی اپنا بیگ لیے چلی آئی تھی۔

''چلیں مصطفیٰ۔''

''یہ چائے پی لوں، چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے کہا تو شہوار برتن سمیٹ کر سنک میں رکھنے لگی تھی، مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔



وہ اپنے کمرے میں بکس کھولے بیٹھی ہوئی تھی جب صبوحی بیگم اس کے پاس آ بیٹھی تھیں اس نے بکس سے توجہ ہٹا کر انہیں دیکھا۔

''کیا بات ہے میں کچھ دن سے نوٹ کر رہی ہوں تم بہت اکھڑی اکھڑی سی ہو رہی ہو۔ کالج سے کمرے تک اور کمرے سے کالج تک' کوئی ایکٹیویٹی ہی نہیں۔'' انہوں نے بیٹھتے ہی کہا تو انا نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں، اسٹڈی کا بہت حرج ہو چکا ہے بس اسی لیے بزی ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا، صبوحی بیگم نے بغور دیکھا۔

''تمہیں پتا تو چل گیا ہوگا کہ ضیاء بھائی تمہاری اور ولید کی شادی کی تاریخ فائنل کرنے کی بات کی ہیں۔'' انہوں نے کہا تو وہ سر جھکا گئی تھی۔

''جی۔''

''وہ تاریخ مانگ رہے ہیں میں نے سوچا تم سے بھی پوچھ لوں۔ تمہاری اسٹڈی کا شیڈول دیکھ کر ہی کوئی تاریخ رکھتے ہیں۔'' انا کچھ پل کے لیے بالکل ساکت بیٹھی رہی۔

''ہاں تو پھر کون سی تاریخ ٹھیک رہے گی؟'' انہوں نے پوچھا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ماما میں ابھی اس شادی کے حق میں نہیں ہوں پلیز ماموں کو منع کر دیں۔'' اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ صبوحی بیگم نے چونک کر بیٹی کو دیکھا۔

''کیوں؟''

''میں بس ابھی اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں۔'' اسے بس یہی بہانہ سوجھا۔

''ایجوکیشن بعد میں بھی مکمل ہو سکتی ہے۔''

''نہیں ماما میں ابھی کسی بھی قسم کے بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ میرے لیے سب سے پہلے میری ایجوکیشن ہے پلیز آپ منع کر دیں۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔ صبوحی بیگم نے بہت الجھ کر اس کے رویے کو نوٹ کیا تھا۔

''انا! کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو، کیا مسئلہ ہے بیٹا! ولی نے کچھ کہا ہے کیا؟''

''ماما میں کہہ چکی ہوں نا کہ کوئی اور بات نہیں اور میں بس اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں پلیز آپ ماموں کو کہہ دیں اگر پھر بھی وہ اصرار کریں تو میں خود ان سے بات کر لوں گی۔'' اس کا انداز بے لچک تھا، صبوحی بیگم پریشان ہو گئی تھیں۔

منگنی کے بعد سے وہ انہیں خوش خوش دکھائی دینے لگی تھی لیکن پھر کچھ عرصے سے وہ پرانے مزاج میں لوٹ گئی تھی۔ نجانے کیا بات تھی وہ اپنی فیلنگز بھی تو کسی سے شیئر نہیں کرتی تھی۔ وہ کتنے دنوں سے اس کے انداز و اطوار نوٹ کر رہی تھیں۔ نجانے کیوں انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ انا کے انکار کے پیچھے کوئی اور وجہ ہے۔

''ٹھیک ہے میں بھائی صاحب سے بات کرتی ہوں اور تمہارے پاپا سے بھی۔ تمہاری رخصتی ہو جاتی یہ ہم سب کی خواہش ہے۔ وہ دونوں خود ہی اب تم سے بات کریں گے جو بھی کہنا ہے اپنے پاپا کو ہی کہنا وہ تو مکمل طور پر شادی پر رضامند ہیں۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''ایک دفعہ پھر سوچ لو کوئی جلدی نہیں۔ دو تین دن کا وقت ہے پھر جو بھی فیصلہ ہو بتا دینا۔'' وہ کہہ کر چلی گئی تھیں۔

ان کے جانے کے بعد وہ ایک دم لب بھینچ گئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا پین کتابوں پر پھینک دیا۔

صبح ولید کے ساتھ ہونے والی تلخ کلامی کے بعد اس کا دل جل کر ایسا راکھ ہو چکا تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ولید ضیاء سے جڑا نہ صرف ہر رشتہ ختم کر ڈالے بلکہ ساری زندگی کے لیے خود کو اس کی نظروں سے دور کر لے۔ وہ کچھ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر آئی تو لاؤنج میں ایک محفل جمی ہوئی تھی سبھی موجود تھے۔

ماما، پاپا، احسن، روشی، ماموں اور ولید......سب سے پہلے ولید کی ہی نگاہ اس پر پڑی تھی وہ لاؤنج کے دروازے میں کھڑی تھی۔ ولید کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی چھا گئی تھی اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔

انا کے اندر سلگتی آگ کا الاؤ مزید بھڑکنے لگا تھا۔ دوسری نگاہ ماموں کی اس پر پڑی تھی وہ اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔

''انا بیٹا! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔'' انہوں نے کہا تو وہ لب بھینچ گئی تھی، یعنی ماما نے اس کا انکار سب تک پہنچا دیا تھا۔

''ادھر آؤ میرے پاس۔'' انہوں نے بلایا تو وہ ان کے پاس صوفے پر آ بیٹھی تھی، انہوں نے اسے بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔ سبھی نے ان دونوں کو دیکھا تھا ماسوائے ولید کے۔ وہ ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔

''صبوحی بتا رہی تھی کہ تم نے ابھی شادی کے لیے انکار کر دیا ہے۔'' انہوں نے پوچھا تو وہ سر جھکا گئی، ولید نے بھی اسے دیکھا انا نے سر ہلایا تھا۔

''کیوں بیٹا!'' انہوں نے پوچھا۔

''میں ماما کو وجہ بتا چکی ہوں۔'' اس نے جواباً کہا۔

''یہ اتنا بڑا پرابلم نہیں ہے کہ تم اس کو وجہ بنا کر شادی سے انکار کرو۔ تم شادی کے بعد ایجوکیشن جاری رکھ سکتی ہو، تمہاری دوست بھی تو شادی کے بعد پڑھ رہی ہے نا۔'' انہوں نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''شہوار کے ساتھ مسئلہ تھا اس لیے اس کی شادی ہو گئی تھی جبکہ میرے ساتھ کوئی پرابلم نہیں، میں اپنی ایجوکیشن مکمل کرنا چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے کوئی بھی مجھے فورس نہیں کرے گا۔'' اس کا لہجہ اب بھی قطعی تھا۔

''لیکن شہوار......'' صبوحی بیگم نے کچھ کہنا چاہا تو ضیاء صاحب نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''تمہاری بات ٹھیک ہے، ہم تمہیں فورس نہیں کر رہے لیکن یہ میری خواہش تھی کہ تمہاری اور ولید کی شادی ہو جاتی۔'' ماموں نے رسانیت سے کہا۔

''میں آپ کی خواہش کا احترام کرتی ہوں ماموں لیکن میں خود کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں کر پا رہی۔ پلیز مجھے بار بار مت کہیں میرا جواب یہی ہوگا۔'' وہ بہت سنجیدگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ایکسکیوز می۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی ولید نے بہت ضبط سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟

انا کے انکار پر اس کی انانیت پر ایک گہری چوٹ لگی تھی۔ وہ پہلے ہی اس کے رویوں کو لے کر دکھی تھا اور اب اس کے انکار نے اس کے دل و دماغ کو الجھا دیا تھا۔ اس نے دیکھا انا کے انکار کے بعد ضیاء صاحب کا چہرہ مرجھا گیا تھا۔ ولید کے اندر ایک دم شدید اضطرابی کیفیت نے جنم لیا تھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں میں اس سے خود بات کروں گا وہ انکار نہیں کرے گی۔'' وقار صاحب نے کہا تو ضیاء صاحب مسکرا دیئے۔

''کوئی بات نہیں، وہ اگر ابھی راضی نہیں تو کوئی زبردستی نہیں۔ یہ تو بس میری خواہش تھی ولید بھی کہاں راضی تھا وہ خود چاہتا تھا کہ پہلے انا کی ایجوکیشن مکمل ہو جائے اور اب وہ بھی یہی کہہ رہی ہے، بچوں کی یہی خواہش ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔'' ضیاء صاحب نے خود کو سنبھال لیا تھا جبکہ ولید خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بیٹھے رہنے کے بعد وہاں سے اٹھ گیا۔

اس کے اندر ایک عجیب سا طوفان اٹھ رہا تھا، وہ اپنے والے پورشن کی جانب جانے کی بجائے انا کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اس نے

دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔انا بستر کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی ارد گرد بکس موجود تھیں' دروازہ کھلنے پر وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ ولید کو دیکھ کر اس نے فوراً اپنا چہرہ صاف کیا تھا۔ ولید کمرے میں چلا آیا تھا۔

''کیوں انکار کیا تم نے؟'' اسے دیکھتے ولید نے پوچھا' لہجے میں تیزی تھی۔

''میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔'' انا کے لہجے میں تیزی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے تمہیں؟ سب کچھ سیدھا سیدھا چل رہا ہے کیوں سب خراب کرنے پر تلی ہوئی ہو۔''

''میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی' آپ چلے جائیں میرے کمرے سے۔'' انا کی برہمی کا وہی عالم تھا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔'' ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کھینچ کر ایک تھپڑ اس کے منہ پر لگا دے' اس کے اندر آتش فشاں پھٹ پڑنے کو تھا۔ وہ کمرے میں ٹہلنے لگا' انا تنے اعصاب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

چند پل اپنے غصے پر قابو پاتے وہ پلٹا' انا اسی طرح بستر کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی' پھر وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ انداز صلح جو تھا۔

''دیکھو انا! جو بھی ہو رہا ہے اچھا نہیں ہو رہا' تم جو بھی سوچ رہی ہو وہ سب بے معنی ہے۔'' ولید نے انا کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

''میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی۔'' انا کا انداز بے لچک تھا۔ ولید نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

''تم میرے اور اپنے لیے بہت سے مسائل پیدا کر رہی ہو۔'' ولید نے تلخی سے کہا۔

''میں سب اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں کیا کر رہی ہوں اور کیوں کر رہی ہوں؟ میں آپ جیسے دھوکے باز' فلرٹی انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی سو میں انکار کر چکی ہوں' مجھے کوئی مجبور نہیں کر پائے گا۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''شٹ اپ۔'' ولید اس کے الفاظ پر ایک دم آپے سے باہر ہو گیا تھا' اس کا ہاتھ بے اختیار اٹھا تھا۔

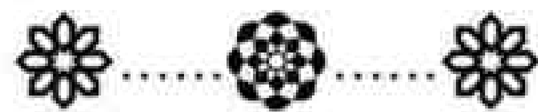
انا کے چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشان ثبت ہو چکے تھے انا نے بے یقینی سے ولید کو دیکھا تھا۔

''آئندہ میرے بارے میں ایسا کچھ کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ تم ایک شکی مزاج اور بدتمیز لڑکی ہو' دماغ خراب تھا میرا جو تم سے بات کرنے چلا آیا۔ تم میرے ساتھ زندگی گزارنے سے انکار کیا کرو گی میں خود تم سے متعلق ہر تعلق کو رد کرتا ہوں۔'' ولید کے اندر کا آتش فشاں ایک دم پھٹ پڑا تھا۔ انا بے اختیار رخسار پر ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''میں پاگلوں کی طرح تم کو وضاحتیں دیتا پھر رہا ہوں' دماغ خراب ہے تمہارا۔ تم کیتھی یا کاشفہ سے متعلق جو بھی سوچتی ہو وہ صرف تمہارے دماغ کا فتور ہے اور کچھ نہیں۔'' تلخی سے کہہ کر وہ پلٹا اور پھر دروازے کے پاس جا کر رکا اور پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ شدت سے رو رہی تھی اور زندگی میں پہلی بار اسے روتے دیکھ کر کوئی افسوس نہیں ہوا تھا' غصے سے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن پھر لب بھینچ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔ انا کے منہ سے دھوکے باز اور فلرٹی کے الفاظ سن کر ولید کو لگ رہا تھا کہ فشارِ خون ایک دم بڑھ گیا ہے۔

ولید کو اپنے ہاتھ اٹھانے پر کوئی شرمندگی نہ تھی' وہ ایک دم اپنی انا کے حصار میں مقید ہو گیا تھا۔ وہ اپنے پورشن کی طرف آ گیا تھا' اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے وہ ٹیرس پر ٹہلتا رہا تھا۔ اس کے اندر سے رہ رہ کر انا کے لیے غم و غصے کے بادل اٹھ رہے تھے۔ وہ دھیمے مزاج کا انسان تھا لیکن انا کے الفاظ نے گویا اس کے سارے ٹمپرامنٹ کا حشر نشر کر دیا تھا۔ اس کے اندر گویا ایک دم بھانبھڑ جل اٹھے تھے۔

انا کس قدر واضح الفاظ میں اس کی تذلیل کر چکی تھی اس کے اندر رہ رہ کر ملال اٹھ رہا تھا کہ وہ کیونکر اس کے روم میں گیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اس سے بات کرنے کی؟ ٹہلتے ٹہلتے وہ تھکنے لگا تو بے دم سا ہو کر ٹیرس کی سیڑھیوں پر جا بیٹھا تھا۔



رات کے بارہ بج رہے تھے مصطفیٰ ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ مصطفیٰ اور دریہ کے جانے کے بعد وہ کمرے میں چلی آئی تھی' عشاء کی نماز پڑھ کر وہ اسٹڈی کرنے لگی تھی لیکن بار بار ذہن مصطفیٰ کی طرف راغب ہونے پر وہ سب کچھ سمیٹ کر لیٹ گئی تھی لیکن نیند کوسوں دور تھی۔ وہ لائٹس

آف کیے سونے سے زیادہ مصطفیٰ کی آمد کی منتظر تھی۔ مصطفیٰ کے دریہ کے ساتھ چلے جانے سے اس کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی بارہ بجے کے قریب گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا تھا۔ یہ مصطفیٰ کی گاڑی تھی یقیناً وہ آ گیا تھا۔

بہت دنوں بعد وہ اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر کے گیا تھا۔ شہوار آنکھوں پر بازو رکھے سوتی بن گئی تھی۔ مصطفیٰ کچھ دیر بعد کمرے میں داخل ہوا تھا۔

لائٹس آن کیں تو نگاہ سیدھی بستر کی طرف اٹھی تھی۔ شہوار کمبل میں لپٹی سو چکی تھی۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا دریہ کو ڈراپ کرنے کی ہامی بھرنا تو محض شہوار کو ستانے کی خاطر تھا لیکن وہاں جا کر اندازہ ہی نہ ہوا تھا کہ اتنی دیر لگ جائے گی۔ مصطفیٰ اپنا نائٹ ڈریس الماری سے نکال کر واش روم میں گھس گیا تو شہوار نے دروازہ بند ہونے کی آواز پر بازو ہٹا کر دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

درحقیقت مصطفیٰ کے اس طرح چلے جانے سے وہ اندر ہی اندر سخت خفا تھی' مصطفیٰ لباس بدل کر آیا تو شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا تھا' خود پر پرفیوم اسپرے کیا اور پھر بستر کی طرف چلا آیا۔ شہوار سر تک کمبل اوڑھے ہوئی تھی۔ وہ اس کے قریب نیم دراز ہو گیا تھا۔

''شہوار......'' اس نے پکارا تھا لیکن وہ بے حس و حرکت رہی۔

''شہوار......'' اس نے اس کے منہ سے کمبل کھینچا۔

''اٹھ جاؤ یار مجھے پتا ہے تم جاگ رہی ہو۔'' اس پر جھکتے ہوئے اس نے شرارتی لہجے میں کہا تھا۔ شہوار نے آنکھیں کھول کر سنجیدگی سے دیکھا اور پھر پلکیں موند کر کروٹ بھی بدل لی۔

''مجھے تنگ نہ کریں' سونے دیں۔ صبح کالج جانا ہے خوامخواہ لیٹ ہو جاؤں گی۔'' آواز میں خفگی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

''ناراض ہو۔''

''آپ کو میرے ناراض ہونے کی کیا پروا؟'' لہجے میں بے پناہ خفگی تھی۔ مصطفیٰ یک دم مسکرایا۔

''سوری' دریہ کو ڈراپ کرنے گیا تھا زاہد اور شائستہ بھابی نے روک لیا۔ بس باتوں ہی باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔''

''آپ سو جائیں تھک گئے ہوں گے۔'' شہوار نے کہا تو مصطفیٰ نے گھورا۔

''ہاں گاڑی تو میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر لایا ہوں نا۔'' مصطفیٰ کا انداز مسکراتا ہوا تھا' شہوار اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''دریہ بھی آ گئی واپس یا وہیں رک گئی ہے۔''

''وہیں رک گئی ہے' کل آ جائے گی۔'' اس نے کہا۔

''آپ جس کام سے گئے تھے وہ ٹھیک ہو گیا۔''

''بہت ہی اچھا ہو گیا۔''

''آج امی کی کال آئی تھی۔'' وہ جو ابھی تک کسی کو بھی بتا نہ پائی تھی ایک دم مصطفیٰ کے سامنے کہہ گئی' مصطفیٰ ایک دم چونکا۔

''کب......؟''

''آج جب میں کالج سے لوٹی تھی تب۔''

''ویری گڈ...... کیا کہا تھا' کچھ بتایا کہ کہاں ہیں وہ؟''

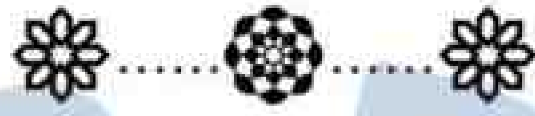
''نہیں' بس مجھ سے بات کی تھی' میں نے کئی بار پوچھا لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ بتایا۔'' بتاتے بتاتے اس کی آواز میں نمی گھل گئی تھی۔

''وہ کیوں کر رہی ہیں ایسا؟ میں نے کہا بھی تھا وہ آ جائیں واپس۔ میں کچھ بھی نہیں پوچھوں گی لیکن انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔'' وہ رو دینے کو تھی' مصطفیٰ نے بہت محبت سے اسے ساتھ لگا لیا۔

''اور کیا بات ہوئی؟'' شہوار دھیرے دھیرے سب بتاتی گئی' مصطفیٰ نے بغور سنا تھا۔

''نمبر نوٹ کیا جہاں سے کال آئی تھی۔'' تمام تفصیل سننے کے بعد مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔
''موبائل میں ریسیو کالز کے اندر ہی ہے۔'' سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر نمبر نکال کر اس نے مصطفیٰ کو دیا۔ مصطفیٰ نے چند پل نمبر کو بغور دیکھا تھا۔
''یہ تو لینڈ لائن نمبر ہے۔'' مصطفیٰ نے نمبر دیکھتے ہی کہا۔ وہ اپنے موبائل پر نمبر ڈائل کر کے چیک کرنے لگا تھا' شہوار خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ رات کے اس پہر کال جاتی رہی تھی لیکن کسی نے ریسیو نہ کی تو مصطفیٰ نے پھر کسی اور جگہ کال کی تھی۔
''کیسے ہو؟ ہاں اللہ کا شکر ہے' ایک کام ہے چھوٹا سا' ایک لوکیشن ٹریس کروانی ہے۔ نمبر لکھو مجھے صبح بتا دینا کہ یہ کس جگہ کا نمبر ہے' اوکے نمبر لکھو۔'' مصطفیٰ نے اسے نمبر لکھوا دیا تھا۔ شہوار خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔
''جب کال آئی تھی اسی وقت مجھے کال کرتی' اکیس منٹ اور 15 سیکنڈ کال چلی ہے تب تک فوراً لوکیشن ٹریس ہو جاتی تھی۔ خیر اب کل پتا چلے گا میں خود دیکھتا ہوں۔''
''میں نے کال کی تھی آپ بزی تھے' آپ نے کال کاٹ دی تھی۔''
''ہاں اس وقت میں واقعی بزی تھا' بس تم فکر نہیں کرو ان شاءاللہ سب پتا چل جائے گا۔''
''اور جہاں آپ پہلے گئے تھے وہاں کا کچھ پتا چلا؟''
''نہیں اب کل ہی وہاں کا چکر لگاؤں گا' دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔'' وہ سر ہلا رہ گئی تھی۔ لیکن چہرے پر گہرے تفکر اور سوچ کے سائے تھے' مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر دبایا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
''سب ٹھیک ہو جائے گا ڈونٹ وری۔'' اس نے سر ہلا دیا تھا۔
''میں تمہارے لیے کچھ گفٹس لایا تھا' دیکھو گی؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو وہ چونکی نفی میں سر ہلایا تو مصطفیٰ نے خود ہی اٹھ کر اپنے ساتھ لائے ہوئے بیگ کو کھول کر اس میں سے کچھ چیزیں نکالی تھیں۔
''میں وہاں شاپنگ کے لیے گیا تو سوچا تمہارے لیے بھی کچھ لیتا چلوں۔'' پرفیوم' ایک خوب صورت ڈریس کے علاوہ ایک چھوٹا سا جیولری باکس تھا۔ مصطفیٰ نے تینوں چیزیں اسے تھما دی تھیں' سبھی کچھ بہت ہی پیارا تھا اور قیمتی بھی۔ شہوار کے چہرے پر خوش گوار سا تاثر ابھرا تھا۔ مصطفیٰ نے جیولری باکس اٹھا لیا تھا۔
''میں نے وہاں جیولری کی شاپ دیکھی تو یہ پسند آ گیا تھا سوچا کہ تمہارے لیے لیتا چلوں۔'' مصطفیٰ نے باکس کھول کر اس کے سامنے کیا' ایک خوب صورت نفیس سا بریسلیٹ تھا۔
''کیسا لگا؟''
''بہت ہی پیارا۔'' شہوار کو بریسلیٹ واقعی پسند آیا تھا اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اٹھاتی مصطفیٰ نے خود ہی باکس سے بریسلیٹ نکال کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
''اجازت ہے نا۔'' انداز شریر سا تھا' وہ جھینپ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کی کلائی میں وہ بریسلیٹ سجا دی تھی۔ ایک کلائی میں گولڈ کے کنگن تھے' جو ماں جی نے پہنائے تھے اب دوسرے میں بریسلیٹ اس کے دونوں ہاتھ سج سے گئے تھے۔
''میرا خیال ہے کہ اب ہماری پکی والی صلح ہو گئی ہے۔'' مصطفیٰ نے چھیڑا تو سر سے پاؤں تک سرخ پڑ گئی تھی۔
''خیر تمہارا تو وہ رونمائی والا گفٹ بھی مجھ پر ڈیو ہے' بابا کہہ رہے تھے کہ ولیمے کا فنکشن ارینج کرنا ہے تب تک ڈیو ہی سمجھو۔ اب تو مجھ سے کوئی گلہ نہیں ہے نا۔'' وہ بار بار اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جب مصطفیٰ نے پوچھا۔
''مجھے پہلے بھی کوئی گلہ نہیں تھا۔''
''ارے......!'' مصطفیٰ حیران ہوا پھر ہنس دیا۔ ''اتنا بڑا جھوٹ؟''

''اور وہ جو مجھ سے الجھنا' لڑنا وہ سب تو محض شوقیہ تھا نا۔'' وہ شرمندہ ہو گئی تھی۔
''میں اپنے ان سب رویوں کی وجہ بتا چکی ہوں اگر آپ نے دوبارہ ان کا ذکر کر کے شرمندہ کیا تو پھر میں واقعی آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔'' مصطفیٰ کی محبت نے اس کے اندر عجیب سا احساس تفاخر پیدا کر دیا تھا اس نے بڑے مان سے کہا تو مصطفیٰ کھلکھلا ہنس دیا۔
''تمہارا ہر روپ سر آنکھوں پر' ناراض ہو کر دیکھو تو سہی' دیکھنا کیسے مناتا ہوں تمہیں۔'' مصطفیٰ نے والہانہ انداز میں کہتے اسے گرم جوشی سے خود میں سمیٹ لیا تھا۔
شہوار نے مصطفیٰ کو دیکھا اس کی آنکھوں میں اس کے لیے بے پناہ محبت اور جذبوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا وہ بے اختیار نگاہیں جھکا گئی تھی۔ مصطفیٰ اپنے گزرے دنوں کی دل پر بیتی ایک ایک واردات سنانے لگا تھا اور وہ شرمیلی مسکراہٹ لیے پوری توجہ سے اس کی تمام حکایات سن رہی تھی۔



وہ سو کر اٹھی تو سر سے پاؤں تک نہال تھی' مصطفیٰ کی محبتوں اور شدتوں نے اسے گویا سر سے پاؤں تک خرید لیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکان تھی' اس نے بڑی محبت آمیز نگاہوں سے مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔ مصطفیٰ اس کے پہلو میں بے خبر سو رہا تھا' چہرے پر مغرور نقوش اپنی تمام تر آن و بان سے اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔
شہوار نے جھک کر اس کی پیشانی پر بکھرے بال نرمی سے پیچھے ہٹائے تھے۔ ایسے عالم میں جب وہ اپنی ذات کے اعتماد سے محروم ہو چکی تھی مصطفیٰ کی محبتوں نے اسے خرید لیا تھا۔ وہ تو سر سے پاؤں تک اس کی محبت کی پھوار میں بھیگ چکی تھی۔ مصطفیٰ پر کمبل درست کرتے اپنے لمبے بال سمیٹتے وہ بستر سے اتر آئی تھی۔
نماز ادا کر کے وہ باہر نکلی تو ماں جی لاؤنج میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں' وہ ادھر ہی آ گئی تھی۔
''السّلام علیکم!'' اس نے سلام کیا تو انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پچھلے تمام تر دنوں کے برعکس شہوار مکمل طور پر نکھری اور تر و تازہ دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے ایک مسکراتی گہری نگاہ اس کے وجود پر نچھاور کی' ان کا دل اک اطمینان سے بھر گیا تھا۔
''وعلیکم السّلام!'' انہوں محبت سے کہا۔ ''جیتی رہو' سدا سہاگن رہو۔'' انہوں نے دعا بھی دی تھی۔ شہوار جھینپ گئی۔
''میں باہر لان میں جا رہی ہوں۔'' وہ انہیں بتا کر کچھ دیر تک لان میں ٹہلتی رہی تھی۔
اس وقت اس کے ذہن و دل میں مصطفیٰ کے علاوہ اور کوئی بھی احساس نہ تھا۔ چلتے چلتے اس نے گلاب اور موتیا کے پودوں سے پھولوں کو اکٹھا کیا اور دوبارہ روم میں آئی تو مصطفیٰ ابھی بھی سو رہا تھا۔
شاید گزشتہ دنوں کی بھاگ دوڑ کی تھکن تھی۔ اس نے دوپٹہ میں مقید تمام پھولوں کی کلیاں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی تھیں' کمرے میں پھولوں کی بھینی بھینی معطر سی مہک پھیل گئی تھی' بڑا خواب ناک سا ماحول تھا۔ اس نے وقت دیکھا سات بج رہے تھے' پھر وہ مصطفیٰ کی طرف چلی آئی تھی۔
''مصطفیٰ......'' اس نے مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے فوراً پلکیں وا کر دی تھیں' شہوار کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ تمام تر دلکشی و معطر پن لیے۔ مصطفیٰ نے ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہا تو سیدھی ہو گئی تھی۔
''آپ نے آفس نہیں جانا' سات بج رہے ہیں۔'' وہ کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے لیٹے لیٹے ہی دیکھا۔ شہوار کے انداز میں وقار اور رکھ رکھاؤ تھا۔
لمبے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے جنہیں دوپٹے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ شرم و حیا اور جھجک ضرور تھی لیکن عام لڑکیوں کی طرح چھچھورا پن نہ تھا۔
''آپ ناشتے میں کیا لیں گے؟'' چیزیں سمیٹ کر وہ بستر کی طرف چلی آئی تھی۔

آج میرا موڈ تمہاری پسند سے ناشتا کرنے کا ہے جو دل چاہے کھلا دو۔'' مصطفیٰ کمبل ہٹا کر بستر سے اتر کر اسے قریب کر کے اپنی محبت کا مظاہرہ کرتے مسکرا کر کہا تھا وہ سرخ پڑ گئی تھی۔

''آپ فریش ہو لیں میں ناشتہ تیار کرواتی ہوں۔''

مصطفیٰ سے نگاہیں چرائے پیچھے ہٹتے اس نے کہا تھا۔ الماری سے اس کا لباس نکال کر وہ واش روم میں لٹکا آئی تھی۔ مصطفیٰ واش روم میں گھسا تو وہ باہر آ گئی تھی۔ کچن میں لائبہ بھابی ملازمہ سے ناشتا تیار کرا رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

''مصطفیٰ رات کب لوٹا تھا؟'' وہ فریج کھول کر دیکھ رہی تھی جب بھابی نے پوچھا۔

''سوا بارہ بجے کے قریب آئے تھے۔''

''ذرا اس دریہ پر نظر رکھنا اچانک ہی بیٹھے بٹھائے اس کا پروگرام شائستہ کے یہاں جانے کا بن گیا تھا عباس بھائی نے کہا بھی تھا کہ وہ ڈراپ کر دیں گے لیکن منع کر دیا کہ وہ مصطفیٰ کے ساتھ جائے گی مجھے تو بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا لیکن چپ رہی کہ خوامخواہ ایشو نہ بن جائے، ماں جی کو بھی اچھا نہیں لگا تھا۔'' بھابی کی بات سن کر وہ الجھ گئی تھی۔

''نہیں مصطفیٰ بہت اچھے ہیں میرا نہیں خیال کہ وہ دریہ جیسی لڑکیوں پر توجہ بھی دیں۔'' شہوار نے کہا تو بھابی نے گھورا۔

''اتنا اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا دریہ جیسی لڑکیوں کا کوئی بھروسا بھی نہیں' ہے تو ہمارے خاندان کا حصہ لیکن ہمارے خاندان والی کوئی خوبی اس میں موجود نہیں ہے۔ مصطفیٰ بھی مرد ہے نجانے کب دریہ کا جادو چل جائے۔'' لائبہ کے الفاظ پر وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''اور ہاں اچھی لگ رہی ہو مصطفیٰ سے نظر ضرور اتروانا۔'' اس کے سراپے کو دیکھتے لائبہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

ناشتہ سب ہی نے ایک ساتھ کیا تھا ناشتے کے بعد وہ کمرے میں تیار ہونے آئی تو مصطفیٰ بھی چلا آیا تھا۔

''وہ آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی جب مصطفیٰ نے اسے عقب سے تھام لیا۔

''آج کالج مت جاؤ۔'' لہجے میں فرمائش تھی۔ بالوں میں برش کرتا ہاتھ رک گیا تھا۔

''کیوں؟''

''مجھے آفس میں کچھ کام ہے وہ دیکھ لوں پھر آؤٹنگ پر چلتے ہیں آج سارا وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔'' مصطفیٰ کے پروگرام پر وہ حیران ہوئی تھی۔ رات تک تو مصطفیٰ کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔

''کیا خیال ہے؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''گڈ گرل میں تیار ہو کر آفس کا چکر لگا لوں پھر گھر آتا ہوں تم بھی تیار رہنا۔'' مصطفیٰ اپنی محبت کا والہانہ اظہار کرتا وہاں سے واش روم کی طرف چلا گیا تھا جبکہ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی مسکرا کر مصطفیٰ کو دیکھتی رہی تھی۔

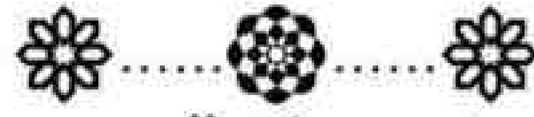
آفس کا چکر لگا کر مصطفیٰ ایک اور جگہ چلا آیا تھا۔ مصطفیٰ نے اپنا تعارف کرایا تو مقابل شخص فوراً چوکنا ہو گیا تھا۔ مصطفیٰ نے اس سے سکندر اور اس کی فیملی کے بارے میں پوچھا تو جواباً اس شخص نے جو انکشافات کیے تھے مصطفیٰ سن کر ششدر رہ گیا تھا۔ مصطفیٰ اس سے مختلف سوال کرتا رہا اور وہ شخص مختلف جواب دیتا رہا تھا۔ اس سے بات کرنے کے بعد مصطفیٰ بہت الجھ گیا تھا ہر جواب غیر یقینی تھا۔

مصطفیٰ کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہ تھا کہ یہاں آ کر اسے ایسی معلومات ملیں گی۔ وہ جو ہمیشہ کچھ اور ہی سوچتا رہا تھا اس مقام پر آ کر اس کی سوچ یکسر بدلی تھی۔ وہ اس شخص کا شکریہ ادا کرتے وہاں سے نکل آیا تھا۔ وہ اب ایک اور جگہ جا رہا تھا۔ کافی سارا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ جس جگہ پر آیا تھا وہ پی سی او تھا۔ مصطفیٰ نے پی سی او کے مالک سے باز پرس کی تو وہ پریشان ہو گیا تھا۔

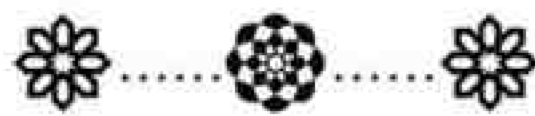
''صاحب یہاں روز کئی لوگ کال کرنے آتے ہیں اب ہمیں کیا علم کہ کون کیا ہے، کل دو تین عورتوں نے کال کی تھیں اور جو وقت آپ بتا رہے ہیں ایک عورت آئی تو تھی تنہا تھی کچھ دیر بات کی تھی اور پھر پے منٹ کر کے چلی گئی تھی۔''

''تم جانتے ہو کہ وہ عورت کہاں سے آئی تھی؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تھا اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں صاحب، میں نہیں جانتا۔“
”او کے اب اگر وہ عورت آئے تو تم نے فوراً مجھے اس نمبر پر کال کرنی ہے تم نے کوئی کوتاہی نہیں کرنی۔“
”جی صاحب؟“ مصطفیٰ نے اسے اپنا کارڈ دیا تو وہ فوراً رضامند ہو گیا تھا۔
”دوبارہ وہ عورت آئے تو تم پہچان لو گے نا؟“ مصطفیٰ نے پوچھا۔
”جی صاحب فوراً پہچان لوں گا۔“
”او کے......اپنا نمبر لکھواؤ مجھے۔“ مصطفیٰ نے اس کا سیل نمبر لے لیا تھا۔
گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مصطفیٰ کا ذہن تابندہ بوا اور سکندر کے بارے میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔



عبدالقیوم ایاز کے پاس آئے تھے دو دن بعد کی اس کی سیٹ کنفرم ہو گئی تھی۔ ایاز بہت خوش تھا جبکہ عبدالقیوم سنجیدہ۔
آج کل ان کے گرد پولیس کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا ان کے کچھ ذرائع نے انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ جلد از جلد اپنا سب کچھ سمیٹ کر کہیں اور شفٹ ہو جائیں اگر ایک بار ان پر گرفت ہو گئی تو بہت سخت ہو گی۔ ایاز کا معاملہ ہینڈل ہو گیا تھا بس اس کے یہاں سے نکلنے کی دیر تھی اب باقی معاملات وہ جلد از جلد نبٹانے کی کوشش میں تھے۔
”تم یہاں سے جانے کے بعد ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کرو گے مجھے بھی دو تین ماہ لگ جائیں گے یہاں سے شفٹ ہونے میں اس کے بعد دیکھیں گے کیا کرنا ہے ہمیں۔“ وہ ایاز کو سمجھا رہے تھے اس نے محض سر ہلایا۔ ورنہ اس کے دل و دماغ میں یہ پھانس رہ گئی تھی کہ وہ شہوار اور مصطفیٰ سے انتقام نہیں لے سکا تھا۔
مصطفیٰ کا بچ جانا اور شہوار کا بالکل محفوظ رہ جانا اس کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتا تھا اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ ایک بار تو ضرور یہاں سے نکل کر مصطفیٰ پر حملہ کرے لیکن عبدالقیوم سے باہر کے حالات سن کر وہ خاموش تھا۔
”تم تیار رہنا پرسوں تمہیں وقت پر پک کر لوں گا اور خبردار باہر نکلنے کی کوشش کی مجھے خبر ملی ہے تم ایک بار باہر نکلے ہو یہاں میں تمہارے لیے اتنی کوششیں کر رہا ہوں یہ نہ ہو کہ سارا کیا کرایا مٹی میں ملا دو۔“ وہ اسے تنبیہ کر رہے تھے۔ اس نے خفگی سے باپ کو دیکھا۔
”نہیں کچھ کرتا اب تک بچا ہوا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ احتیاط سے ہی رہ رہا ہوں آگے بھی کچھ نہیں ہوگا۔“ اس نے کہا تو وہ اسے بس دیکھ کر رہ گئے تھے۔ ذہن پہلے ہی الجھا ہوا تھا ورنہ اس کو سمجھانے کی مزید کوشش کرتے۔
”میں چلتا ہوں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو میں انتظام کر دوں گا۔“ انہوں نے کہا تھا اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔
وہ اس کو مزید چند ہدایات دے کر چلے گئے تھے وہ کچھ دیر کچھ سوچتا رہا اور پھر ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے کر مسکرا کر بستر پر گر گیا تھا۔



آج کا سارا دن بہت اچھا گزرا تھا مصطفیٰ کے ساتھ گزرا ایک ایک پل اس کی زندگی کا یادگار لمحہ تھا وہ بہت عرصے بعد خود کو ہر طرح کے ذہنی دباؤ سے محفوظ تصور کر رہی تھی۔ دونوں کئی جگہوں پر گھومے تھے مصطفیٰ نے اسے ڈھیر ساری شاپنگ کرائی تھی اور پھر رات کے وقت دونوں نے ڈنر بھی باہر ہی کیا تھا۔ ڈنر کے بعد مصطفیٰ اسے لونگ ڈرائیو پر لے آیا تھا۔
”اب گھر چلیں۔“ وہ مصطفیٰ کے پہلو میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی مصطفیٰ خود ڈرائیو کر رہا تھا پچھلے دنوں کے برعکس آج نہ دونوں کے ساتھ کوئی باڈی گارڈ تھا اور نہ ہی کوئی ڈرائیور وہ سارا وقت تنہا رہے تھے۔ مصطفیٰ نے اس کو دیکھا۔
”کیوں تھک گئیں۔“
”ہاں، میں کبھی اتنا سارا وقت گھر سے اس طرح باہر نہیں رہی۔ بہت تھکن ہو رہی ہے۔“ مصطفیٰ مسکرا دیا۔
”ابھی آفس میں کچھ ضروری کام چل رہے ہیں ادھر سے فارغ ہو لوں تو چھٹیاں لے کر کسی جگہ ہنی مون ٹرپ کے لیے چلتے ہیں۔“ مصطفیٰ

نے کہا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے میری اسٹڈی کا پہلے ہی بہت حرج ہو چکا ہے۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔

''آپ محترمہ کو بھلے ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مجھے تو فیل ہو رہی ہے میں اپنی پیاری سی اور خوب صورت بیوی کے ساتھ ڈھیر سارا وقت گزارنا چاہتا ہوں یار۔'' مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھوں کے نیچے اسٹیئرنگ پر رکھ لیا تھا۔

شہوار سرخ ہو گئی تھی۔ اس کے لیے یہ سب کچھ بہت نیا نیا سا تھا...... وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہر بار پزل ہو جاتی تھی۔ مصطفیٰ کی محبتیں اس کا والہانہ انداز اور سب سے بڑھ کر اسے اہمیت دینا۔ وہ تو دل سے اس کے لیے ہار چکی تھی۔

''لیکن میری اسٹڈی۔''

''وہ بھی ہو جائے گی مجھے یقین ہے تم کور کر لو گی تم کون سا نالائق ہو۔'' وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''یار یہی وقت ہے لائف انجوائے کرنے کا اگر ایک بھی بے بی آ گیا تو تم نے پھر کہاں ہاتھ آنا ہے۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ تو جھینپ کر رہ گئی تھی ایک دم چہرہ کھڑکی کی طرف کر لیا تھا وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا سارا وجود ہولے ہولے لرز رہا ہے۔ خصوصاً مصطفیٰ کی گرفت میں دبا اس کا دایاں ہاتھ۔

''بابا کا ارادہ فی الحال ولیمے کے فنکشن کا ہے وہ ہو جائے تو پھر چلتے ہیں تم ڈیسائیڈ کرنا کہ کہاں چلیں گے۔'' جواباً وہ خاموش رہی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

''گھر چلیں؟'' کچھ توقف کے بعد شہوار نے پھر کہا تو مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''بھاگنا چاہ رہی ہو مجھ سے یا میرا ساتھ اچھا نہیں لگ رہا؟''

''ایسی بات نہیں ہے ہم کئی گھنٹوں سے گھر سے نکلے ہوئے ہیں ماں جی اور باقی لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔'' اس نے سنبھل کر کہا۔

''سبھی کی فکر رہتی ہے تمہیں ایک سوائے میرے۔'' مصطفیٰ نے مظلومیت بھرا شکوہ کیا۔

''اب میں نے کیا کیا ہے۔''

''میرے اس معصوم سے دل پر یہ ستم تھوڑی ہے کہ اتنے دن شادی کو ہونے کے باوجود تم مجھ سے اول دن کی دلہن کی طرح شرماتی پھرتی ہو کبھی کھل کر بات نہیں کی، کبھی میرے دل کی کہانی نہیں سنی، کبھی میری آنکھوں میں دیکھ کر میرے جذبوں کو پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔'' مصطفیٰ نے شرارتی آواز میں کہا تو اس کے ہاتھ بھیگنے لگے تھے۔

''آپ کے ساتھ ہوں کیا یہ کافی نہیں۔'' دھیمی آواز میں کہا۔

''بالکل بھی نہیں، میں سیدھا سادا بندہ ہوں جو دل میں ہے کہہ دیتا ہوں جواباً مجھے بھی ایسی ہی گرم جوشی چاہیے۔''

''میں تو ایسی ہی ہوں شادی سے پہلے سوچنا چاہیے تھا آپ کو۔'' اس نے اپنی طرف سے بہت ہمت کر کے کہا تو مصطفیٰ کھلکھلا ہنس دیا۔

''تب تمہارے ساتھ اتنے خوش گوار تعلقات کب قائم تھے۔ سوچا تھا بیوی ہو گی تو میری محبت کا اثر پڑے گا لیکن یہاں تو وہی کیفیت ہے۔''

''اب پچھتا رہے ہیں۔'' پہلی بار مصطفیٰ کی طرف سنجیدگی سے دیکھا تھا۔

''اگر کہوں ہاں پچھتا رہا ہوں تو۔'' آنکھوں میں جذبوں کا ایک جہاں لیے والہانہ پن سموئے کہا تو شہوار کے لیے مصطفیٰ کی آنکھوں میں دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ رخسار گرم ہونے لگے تو پلکوں کی جھالر خود بخود گرنے لگی تھی۔

''تو پھر آپ پر افسوس ہی کر سکتی ہوں۔'' اپنی طرف سے اس نے چھیڑا تھا۔

''تم اپنا یہ افسوس بھی اپنے پاس ہی رکھو، مجھے محبت کرنا بھی آتی ہے اور کرانا بھی۔''

''لگتا ہے بڑا تجربہ ہے اس معاملے میں۔''

''بالکل ایک عرصہ امریکہ جیسے ماڈرن ملک میں گزار کر آیا ہوں تمہیں مجھ پر اس معاملے میں ڈاؤٹ نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' مصطفیٰ بھی فوراً سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ فوراً ٹھٹکی تھی۔

''مذاق کر رہے ہیں؟''

''نہیں بھئی تین چار افیئر ز کی کہانیاں تو میں تمہیں سنا سکتا ہوں ہاں باقی تین چار ایسی نہیں ہیں کہ تمہیں سنا سکوں۔'' مصطفیٰ کا انداز ہنوز سنجیدہ تھا۔ شہوار کا دل ڈرنے لگا۔

''مذاق مت کریں مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا۔''

''ایک بالکل تنہا شخص امریکہ جیسا ملک دولت کی بھی فراوانی ہو تو تمہارا کیا خیال ہے بگڑنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔'' شہوار کا دل ڈوبا تھا مصطفیٰ نے اسے ڈرا کر رکھ دیا تھا۔

''میں ولید بھائی سے پوچھوں گی مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوا ہوگا۔'' وہ ابھی بھی ماننے کو تیار نہ تھی مصطفیٰ کھل کر ہنس دیا تھا۔

''حیرت ہے بھئی اتنا یقین ہے اپنے شوہر نامدار پر؟'' محبت سے پوچھا تھا۔

شہوار قدرے ریلیکس ہوئی تھی اور اسے خفگی سے دیکھا تھا۔

''شرم تو نہیں آتی اگر میں سچ مان لیتی تو۔''

''لیکن مانا تو نہیں نا۔'' مصطفیٰ نے چھیڑا تھا وہ سر جھٹک کر باہر دیکھنے لگی۔ مصطفیٰ گھر کے رستے پر گاڑی ڈال چکا تھا۔

''اور اگر واقعی یہ سچ ہوتا تو؟'' مصطفیٰ نے پھر پوچھا۔

''تو میں آپ سے کبھی شادی نہ کرتی۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اور اگر شادی کے بعد تمہیں پتا چلتا کہ میرے دھواں دھار قسم کے چند افیئر تھے تو؟''

''تو میں آپ کو چھوڑ دیتی۔'' اس کی سنجیدگی برقرار تھی مصطفیٰ نے گہرا سانس بھرا۔

''بڑی ظالم ہو پھر تم تو کیا مجھ جیسا فرماں بردار، سعادت مند شوہر چھوڑنا ممکن ہوتا تمہارے لیے۔''

''میں نے ہمیشہ ایک صاف ستھری زندگی گزاری ہے پھر اللہ میرے ساتھ ناانصافی کیسے کر سکتا تھا۔'' اس کا یقین کامل تھا۔

''میں نے ساری زندگی آپ لوگوں کے درمیان گزاری ہے مجھے کبھی بھی کسی نے میلی نگاہ سے نہیں دیکھا عائشہ اور صبا کا سا مقام ملا تھا حتیٰ کہ آپ کے کسی کزن تک نے میرے ساتھ مس بی ہیو نہیں کیا پھر میں بھلا کیسے سوچ سکتی تھی آپ ایسے ہوں گے۔'' شہوار کے الفاظ پر مصطفیٰ نے بہت سراہتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میری زندگی میں سوائے ایاز کے اور کوئی تلخ حادثہ نہیں ہے اور جب آپ پاکستان آئے آپ نے بھی مجھے وہی مقام اور عزت دی جو باقی لوگ دیتے تھے کسی کے کردار کو جج کرنے کے لیے یہ بات کافی ہوتی ہے کہ اس کی نگاہوں میں ہمارے لیے کیا مقام ہے اور اس کے لفظوں میں ہمارے لیے کتنی عزت ہے۔'' شہوار کی سوچ کی پختگی نے مصطفیٰ کو ایک دم اٹریکٹ کیا تھا۔

''ویل ڈن، اتنا یقین ہے مجھ پر۔'' وہ اس پر نثار ہی تو ہو گیا تھا۔

''مجھے آپ سے زیادہ اللہ کے فیصلے اور آنٹی جی کی تربیت پر یقین ہے۔'' وہ صاف دامن بچا گئی تھی۔ مصطفیٰ ہنس دیا تھا۔

''بڑی ڈپلومیٹ ہو تم تو۔'' وہ مسکراتی رہی تھی۔

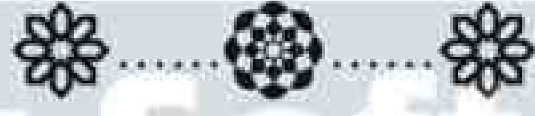
''اور محبت کے معاملے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کر دو ذرا۔''

''اتنی جلدی کیا ہے آپ کو آہستہ آہستہ پتا چل ہی جائے گا۔'' انداز شرارتی تھا۔ مصطفیٰ نے گھورا۔

''ہماری بلی ہمی کو میاؤں۔'' شہوار کی ہنسی بے اختیار تھی مصطفیٰ نے بے اختیار اسے دیکھا تھا وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''دھیان سے گاڑی چلائیں ایکسیڈنٹ کرا دیں گے ابھی تو پرانے زخم ہی مندمل نہیں ہوئے ہوں گے۔'' پاس سے ایک گاڑی زن سے

گزری تو اس نے ٹوکا تھا۔
''ٹالو مت، گھر چلو پھر بات کرتے ہیں۔''مصطفیٰ نے کہا تو اس نے سر ہلا کر سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا دیا تھا۔ وہ آج اپنی زندگی کا سب سے خوب صورت اور سب سے یادگار دن گزار رہی تھی۔ اس کا ذہن بالکل فریش اور تروتازہ تھا وہ دھیمے سے مسکرائی تو مصطفیٰ اسے مسکراتے دیکھ کر ایک دم مطمئن ہوا تھا وہ شہوار کا ذہن بٹانے میں سو فیصد کامیاب رہا تھا۔



وہ عشاء کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی جب ساجدہ بجتا ہوا موبائل لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔
''آپ کی کال ہے۔''اس نے موبائل ان کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ ٹھٹکی تھیں۔
''میری؟''
''جی ایک خاتون ہیں پہلے بھی کال کی تھی آپ نماز پڑھ رہی تھیں انہوں نے کہا تھا کہ وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں میں نے کہا تھا کہ پھر کال کرلیں۔''تابندہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔
''السلام علیکم!''انہوں نے کال ریسیو کی تھی۔
''وعلیکم السلام۔ تابندہ بی بات کر رہی ہیں؟''دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔
''جی لیکن آپ کون؟''انہوں نے پوچھا تھا وہ جائے نماز سے کھڑی ہوگئی تھیں ان کے ہٹتے ہی ساجدہ نے مصلا تہہ کیا تھا۔
''آپ ہمارے گھر آئی تھیں آپ نے خود ہی یہ نمبر دیا تھا رابطہ کرنے کے لیے۔''
''جی......جی یاد آ گیا۔''وہ فوراً سمجھ گئی تھیں کہ دوسری طرف کون ہوسکتا ہے۔
''کوئی اطلاع ملی، کوئی خیر خبر۔''
''جی میری اپنے شوہر سے بات ہوئی تھی انہوں نے بتایا تھا کہ ان کے والد صاحب نے ان سے ذکر کیا تھا بہت سالوں پہلے تک کچھ لوگ یہاں جو نام آپ نے بتائے تھے ان کی تلاش میں آئے تھے میرے سسر کو اطلاع کرنے کا بھی کہا تھا لیکن جو رابطہ نمبر دیا تھا تو سسر صاحب کو ہی علم ہوگا اور وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''تابندہ بی جو دم سادھے سن رہی تھیں ایک دم نڈھال سے انداز میں بستر پر گر گئی تھیں۔
''کوئی تو رابطہ ہوگا، کوئی حل؟''انہوں نے لرزتی آواز میں پوچھا۔
''معذرت چاہتی ہوں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔''انہوں نے ایک گہرا سانس لیا تو آنکھوں میں نمی آ ٹھہری تھی۔
''پھر بھی اپنے شوہر سے کچھ اور پوچھیئے گا شاید کوئی نکتہ مل جائے میں برسوں سے تڑپ رہی ہوں برسوں سے صبر کیے ہوئے ہوں میں اب سب کشتیاں جلا کر نکلی ہوں کسی کا مستقبل تاریک ہو جائے گا اگر مجھے کوئی رستہ نہ ملا۔''وہ رو دی تھیں دوسری طرف موجود خاتون نے شدت سے ان کا دکھ محسوس کیا تھا ساجدہ جو لاشعوری طور پر وہیں کھڑی رہ گئی تھیں الجھ گئی تھیں۔ وہ ابھی تابندہ بی کی کہانی سے یکسر انجان تھیں۔
''آپ امید رکھیں اللہ بہتر کرے گا۔''دوسری طرف سے تسلی دی تھی۔
''ہاں اللہ سے ہی تو سب امیدیں لگا رکھی ہیں آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے اتنا تعاون کیا ایک امید تو بندھی کہ کوئی کسی کی تلاش میں آیا تھا اپنے شوہر سے پوچھیئے گا کہ وہ کون تھا اور کس کا پوچھتا رہا تھا۔''انہوں نے ایک امید سے کہا تھا۔
''جی میں ضرور پوچھوں گی۔''
''میں انتظار کروں گی۔''ان کی زندگی تو آج کل شب و روز کا انتظار بن چکی تھی۔ دوسری طرف اللہ حافظ کہہ کر کال بند ہو چکی تھی انہوں نے بھی موبائل کان سے ہٹا لیا تھا۔ اپنے آنسو صاف کیے تو ساجدہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔
''ایک بات پوچھوں؟''انہوں نے سر ہلا دیا۔
''میں نہیں جانتی کہ آپ کی کہانی کیا ہے اور نہ کسی نے مجھ سے ذکر کیا لیکن آپ کو اس طرح پریشان دیکھ کر میں الجھ گئی ہوں آپ کس کو تلاش

کررہی ہیں ساجدہ نے پوچھا۔

''بہت لمبی کہانی ہے کہاں سے شروع کروں کیا بتاؤں؟ میرے بہت سے رشتے کھوگئے ہیں جن کا سراغ نہیں مل رہا۔''

''لیکن آپ کی بیٹی تو آپ کے پاس تھی جسے آپ خود چھوڑ کر آئی ہیں۔''

''ہاں وہ میری بیٹی تھی میری بیٹی ہے اور ہمیشہ بیٹی ہی رہے گی اس کے وجود نے ہمیشہ مجھے کم مائیگی کے احساس سے بچایا تھا لیکن جن کو تلاش کرتی ہوں وہ لوگ تو میری ذات کا حصہ تھے۔'' وہ رونے لگی تھیں ساجدہ کے دل کو تکلیف ہوئی تھی۔ان چند دنوں میں اسے ان سے ایک خصوصی لگاؤ ہوچکا تھا۔

''یہ گھر تو آپ کا تھا اگر کوئی موجود ہوتا تو آپ کو یہاں تلاش کرنے آتا۔''

''آیا تھا وہ لیکن تب میں یہاں موجود نہیں تھی خالہ بی موجود تھیں انہوں نے بتایا کہ میں یہاں نہیں ہوں وہ سمجھتا رہا کہ میں مرچکی ہوں تب میں کہیں غائب تھی اور جب واپس لوٹی تو وہ چلا گیا تھا خالہ بھی مجھے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں وہ بھی سمجھتی رہیں کہ میں مرچکی ہوں پھر میں نے تلاش کیا اسے کئی جگہ لیکن ناامید ہوکر واپس لوٹ آئی اس کے بعد کئی خط لکھے اس کے پتے پر جو مجھے معلوم تھا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا شاید ایڈریس غلط تھا خط واپس ملتے رہے اور سال بیتتے گئے میری شہوار اب مجھ سے سوال کرتی ہے اور میرے پاس اس کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں اس کی شناخت گم ہے اور میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ اسے بتادوں کہ وہ کون تھی کن لوگوں کی عزت ہے میں بہت مجبور ہوں اب مجبور ہوکر یہاں آ تو گئی ہوں لیکن کوئی سرا ہاتھ ہی نہیں لگ رہا۔''

''اس شخص سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟'' سوال ایسا تھا کہ تابندہ بی کو لگا کہ جیسے کسی نے دل کو زخم زخم کردیا ہو۔

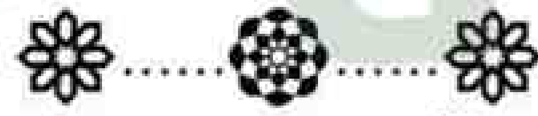
''وہ میرے شوہر تھے۔'' ان کی آواز سسکی نما تھی۔

''اوہ......'' ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''خدانخواستہ اس کے ساتھ کہیں کچھ ہو نہ گیا ہو وہ زندہ ہوتے تو آپ کے خطوط کے جواب تو ضرور دیتے۔'' ساجدہ کی بات پر وہ اضطراب سے نفی میں سرہلا گئی تھیں۔

''بس اسی بات پر آ کر میری ہمت ٹوٹ جاتی ہے لیکن ان کی فیملی۔'' وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئی تھیں، اور پھر نفی میں سرہلا کر کھڑی ہوگئی تھیں۔

''شاید میری قسمت میں ہی آزمائش لکھی تھی۔'' وہ سسکتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھیں ساجدہ نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔ نجانے اصل کہانی کیا تھی؟ لیکن ساجدہ کا دل ان کے غم پر ایک دم رنجیدہ سا ہوگیا تھا۔



وہ آج کالج نہیں گئی تھی سارا وقت اپنے کمرے میں بند رہی تھی شام کو صبوحی بیگم نے ہی آ کر اس کا دروازہ کھلوایا تھا لیکن اسے بخار سے پھنکتے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔انہوں نے احسن کے ہمراہ اسے ڈاکٹر کے پاس بھیجا لیکن درحقیقت وہ اس کے رویوں سے پریشان ہوچکی تھیں۔

عشاء کے بعد احسن اسے لے کر گھر آیا تھا ولید اور باقی سبھی لوگ گھر میں ہی تھے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔صبوحی بیگم نے ہی زبردستی اسے میڈیسن دی اور کھانا بھی کھلایا تھا۔اس کی آنکھیں سرخ انگارہ تھیں اور جسم بخار سے دہک رہا تھا۔

''کیا بات ہے......کوئی برڈن ہے دل ودماغ پر؟'' وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی صبوحی بیگم نے پوچھا تو اس نے ہاتھ ہٹائے تھے۔

''کیا برڈن ہوسکتا ہے بھلا۔'' نقاہت سے بھری آواز تھی۔

''تو پھر کیا بات ہے ایسی حالت تو تمہاری کبھی بھی نہ تھی گم صم، بے زار۔'' انہوں نے تشویش سے دیکھتے پوچھا تو وہ چڑی۔

''میں ٹھیک ہوں ماما کچھ نہیں ہوا مجھے۔'' انہوں نے خاموشی سے اسے چند پل دیکھا اور پھر باہر نکل گئی تھیں۔ انا خاموشی سے لیٹی رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی سمٹنے لگی تو اس نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ آنکھوں کا پانی بازو کی آستین میں جذب ہونے لگا تو اس نے لب بھینچ کر اپنی سسکیوں کو روک لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ دیر پہلے کا منظر تازہ ہونے لگا تھا۔

احسن کے سہارے چلتی وہ گھر میں داخل ہوئی تھی ولید راہداری میں تھا جب وہاں سے گزرتے ان کا سامنا ہوا تھا۔

''آج تم جلدی چلے آئے تھے؟'' ولید نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے پوچھا تھا۔

''ہاں انا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو ماما نے کال کی تھی ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا۔''

''تم کم از کم بتا کر تو جاتے وہاں تمہیں پتا تو ہے میٹنگ تھی تمہیں کل جو فائل دی تھی مل ہی نہیں رہی تھی سارا شیڈول خراب ہو گیا تھا اب کل پر میٹنگ ملتوی کی ہے میں نے۔''

''چلو کوئی بات نہیں، انا کی طبیعت اتنی خراب تھی صبح سے کمرے میں بند تھی اور کسی کو علم ہی نہ تھا روشی نے ہی عصر کے قریب دیکھا تو یہ بخار سے تپ رہی تھی۔ اس نے ماما کو کال کی تھی ماما گھر آ گئی تھیں لیکن ڈاکٹر سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا تو مجھے ماما نے بلوا لیا تھا شکر ہے بخار کا زور قدرے کم ہوا ہے۔'' احسن نے بتایا تھا لیکن اس کے باوجود ولید نے اس کی طرف نہ دیکھا اور نہ ہی حال دریافت کیا تھا۔

''میں چلی جاتی ہوں بھائی آپ بات کر لیں۔'' بخار سے نڈھال اس سے کھڑا ہونا ہی دوبھر تھا۔ وہ بھیگی پلکوں کو جھکاتی رندھی آواز میں کہہ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی اور اب دل جل رہا تھا آنکھیں بہہ رہی تھیں لیکن دل کو کسی بھی پل قرار نہ تھا۔ روشی کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اسی طرح لیٹی ہوئی تھی۔

''انا......'' اس نے ہاتھ میں پکڑا سوپ کا پیالہ سائیڈ پر رکھ کر اسے پکارا تھا وہ ساکت ہو گئی تھی۔

غیر محسوس انداز میں آستین سے اپنی آنکھیں صاف کی تھیں۔ روشی اس کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

''اٹھو یہ سوپ پی لو۔'' اس نے کہا تو انا نے اپنی بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ روشی ٹھٹک گئی تھی بھیگی آنکھیں تھیں اس کی۔

''کیا ہوا رو رہی تھیں تم۔''

''بس بخار میں آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔'' اس نے کہا تو روشی قدرے مطمئن ہوئی۔

''لو یہ سوپ پی لو، بخار میں کچھ افاقہ ہو گا کھانا بھی بس تم نے برائے نام ہی کھایا ہے۔'' روشی کے انداز میں اپنائیت تھی وہ نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

''نہیں، کسی بھی چیز کے لیے دل نہیں مان رہا۔''

''کھاؤ گی تو پتا چلے گا نا میں صبح لیٹ اٹھی تھی سمجھی کہ تم کالج جا چکی ہو وہ تو اچانک ادھر سے گزر ہوا تو پتا چلا کہ تم بخار میں تپ رہی ہو مجھے بہت افسوس ہوا کہ پہلے کیوں نہ دیکھا ادھر۔ چلو اب اٹھو تھوڑا سا پی لو۔'' اس کے لہجے میں اصرار تھا۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

روشی نے اسے سوپ کا پیالہ تھما دیا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سپ لینے لگی تھی۔

''تم نے شادی سے انکار کیوں کیا؟'' وہ پوچھ رہی تھی انا کا ہاتھ ساکت ہو گیا وہ سوپ کے پیالے میں چمچ گھمانے لگ گئی تھی۔

''کیا کوئی بات ہوئی ہے۔'' اسے بغور دیکھتے روشی نے پوچھا تھا۔

''کیا میں بغیر کسی وجہ کے محض اپنی ایجوکیشن کو لے کر انکار نہیں کر سکتی۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو روشی نے سر ہلا دیا۔

''لیکن یہ بابا کی خواہش ہے ان کی طبیعت خراب رہتی ہے وہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد تمہاری اور ولی کی شادی ہو جائے۔'' روشی نے کہا۔

''جو بھی ہے میں خود کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں کر پا رہی۔''

''لیکن انا......''

''پلیز روشی۔'' روشی نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن انا نے ٹوک دیا۔

''پلیز میرا سر پہلے ہی دکھ رہا ہے میں اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اب۔''اس کے لہجے میں قطعی پن تھا۔

''تم کچھ اور کھانا پینا چاہو تو میں بنا دیتی ہوں۔''اس کے قطعی انداز پر روشی نے فوراً بات بدل دی تھی۔

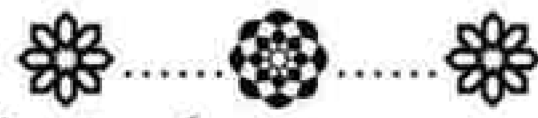
''نہیں، ابھی کچھ دیر پہلے ماما نے کھانا کھلا کر میڈیسن دی ہے۔ اب یہ سوپ پی رہی ہوں بہت ہے یہ۔''اس نے پیالے میں موجود سوپ مکمل کیا تو روشی نے اس کے ہاتھ سے خالی پیالہ لے کر سائیڈ پر رکھا۔

''سر میں اگر درد ہو رہا ہے تو میں دبا دوں۔''روشی کا پرخلوص ومحبت آمیز انداز برقرار تھا انا کو ایک دم اپنے قطعی انداز کا احساس ہوا تو ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں میڈیسن لی ہے ڈاکٹر نے انجیکشن بھی لگایا تھا کافی بہتری آئی ہے میں لیٹوں گی تو آرام آجائے گا۔''نقاہت زدہ آواز میں کہا تو روشی نے بغور دیکھا۔

''اوکے ٹھیک ہے تم آرام کرو اگر کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو بتانا۔''محبت سے کہہ کر وہ اٹھ گئی تھی۔

انا نے سر ہلا دیا تھا وہ خاموشی سے اسے کمرے سے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ وہ جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کر گئی تھی انا خاموشی سے دوبارہ بستر پر لیٹ گئی تھی کچھ دیر تک وہ مختلف لایعنی سوچیں سوچتی رہی تھی لیکن پھر دوا کا اثر غالب آنے لگا تو وہ خود کو سونے سے نہ روک پائی تھی۔



مصطفیٰ گہری نیند میں تھا جب اس کی آنکھ موبائل کی مسلسل بجتی بیپ سے کھل گئی تھی۔ نائٹ بلب روشن تھا مصطفیٰ نے اٹھنا چاہا تو ایک دم رک گیا۔ شہوار اس کے بازو پر سر رکھے سو رہی تھی۔ وہ اسی طرح لیٹا رہا اور ہاتھ بڑھا کر مسلسل بجتے موبائل کو سائیڈ دراز سے اٹھا لیا تھا۔ اسکرین پر امجد خان کا نام جگمگا رہا تھا اس نے فوراً کال پک کی۔ رات کے اس پہر یقیناً کوئی ایمرجنسی تھی جو وہ کال کر رہا تھا ورنہ وہ کبھی اس وقت ڈسٹرب نہ کرتا۔

''ہاں بولو امجد خان......خیریت......!''اپنی آواز کو دھیما رکھتے اس نے پوچھا۔

''ایک اچھی خبر ہے سر۔''دوسری طرف سے امجد خان نے کہا۔

مصطفیٰ نے آہستگی سے اپنے بازو کے حصار میں مقید شہوار کے وجود کو پیچھے ہٹایا اور خود اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''کیسی خبر؟''

''ایاز کا پتا چل گیا ہے۔''امجد کی پرجوش آواز سنائی دی۔ مصطفیٰ فوراً ٹھٹکا۔

''واقعی۔''

''یس سر۔''

''کہاں چھپا ہوا ہے وہ؟''

''سر وہ عبدالقیوم کے ایک ٹھکانے میں موجود ہے ابھی ایک مخبر کی اطلاع ہے آج دن کے اوقات میں عبدالقیوم وہاں گیا تھا اس کا پیچھا کرتے پتا چلا کہ وہاں ایاز بھی موجود ہے۔''

''وری گڈ۔ کنفرم اطلاع ہے نا۔''

''یس سر ہنڈرڈ پرسنٹ۔''

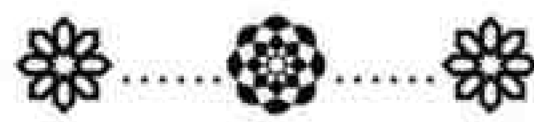
''اوکے۔''

''سر میں نے چند آدمیوں کو اس کے ٹھکانے کی نگرانی پر لگا دیا ہے بس آپ کو اطلاع کرنا تھی اور پوچھنا تھا کہ نیکسٹ کیا کریں۔''

''اور کون کون جانتا ہے اس خبر کے بارے میں؟''

''سر میں، آپ اور اطلاع دینے والا مخبر۔''

"اوکے ابھی ریڈ کی تیاری کرو مجھے ایڈریس بتاؤ میں بھی نکلتا ہوں۔" مصطفیٰ نے فوراً لائحہ عمل تیار کیا تھا۔
"یس سر۔" امجد خان سے ایڈریس سمجھ کر مصطفیٰ نے کال بند کی اور ایک نظر شہوار کو دیکھا جو بے خبر سو رہی تھی۔ خوب صورت وجود اپنے تمام تر حسن کی تابناکیوں سمیت محو خواب تھا۔
مصطفیٰ کے اندر ایک دم جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تو اس نے جھک کر بہت نرمی سے اس کی پیشانی پر مہر ثبت کی تھی۔ وہ ذرا سا کسمسائی اور پھر سو گئی تھی۔
مصطفیٰ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھا اور ملگجے اندھیرے میں ہی اس نے اپنا لباس نکالا تھا شب خوابی کا لباس بدل کر وہ واش روم سے نکلا تو شہوار بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔
"کیا ہوا، آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔" مصطفیٰ کو دیکھتے ہی پوچھا تھا وہ مسکرا دیا۔
"بس آفس کی طرف سے ارجنٹ کال ہے مجھے فوراً پہنچنا ہے۔"
"کیوں خیریت ہے نا؟" وہ فوراً فکر مند ہوئی تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔
"بالکل خیریت ہے رات کے اس پہر اس طرح اٹھ کر جانا ہماری لائف کا حصہ ہے یو ڈونٹ وری۔"
"لیکن پھر بھی پتا تو چلے کہ کہاں جا رہے ہیں؟" وہ شب خوابی کے لباس میں تھی۔
گھنے بالوں کو سمیٹتے خود پر دوپٹا لپیٹتے وہ اٹھ کر مصطفیٰ کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی جو سائیڈ دراز میں سے اپنی گن نکال کر اس کا چیمبر چیک کر رہا تھا۔
"ایک پرانا مجرم ہے کافی عرصے سے لاپتا تھا ابھی ایک مخبر سے اس کے ٹھکانے کی اطلاع ملی ہے۔ میرا وہاں پہنچنا بہت ضروری ہے۔" گن پاکٹ میں ڈال کر باقی ضروری چیزیں بھی لے لی تھیں۔
"کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے نا۔" اس کے لہجے میں فکر مندی تھی۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔
"بالکل بھی نہیں۔ میرا جانا تو محض فارمیلٹی ہے امجد خان ساتھ ہوگا اور کچھ اور ساتھی بھی سو ہر طرح کی ٹینشن سے فری ہو کر سو جاؤ میں فارغ ہو کر دن میں گھر کا چکر لگاؤں گا۔" اس کا رخسار سہلا کر کہا تو شہوار خاموش ہو رہی۔
مصطفیٰ نے اسے گرم جوشی سے ساتھ لگا کر خود سے جدا کیا تھا۔
"اب جاؤں اگر تمہاری اجازت ہو تو؟" شریر سے لہجے میں پوچھا تو وہ جھینپ کر مسکرا دی تھی۔
"جی۔"
"مجھے دیر سویر ہو سکتی ہے تم آرام سے سو جانا اور کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں صبح خود ہی سب کو علم ہو جائے گا۔" شہوار نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ مصطفیٰ اس کا رخسار تھپتھپاتے وہاں سے چلا گیا تھا۔ شہوار نے خاموشی سے اسے جاتے دیکھا اور اس کی کامیابی اور حفاظت کی دعا کی۔



انہوں نے ایاز کے ٹھکانے پر ریڈ کی تھی وہ سو رہا تھا انہوں نے بے خبری میں اسے جا لیا تھا وہ اکیلا تھا اور ساتھ ایک کم عمر ملازم لڑکا ان کے سامنے تھا وہ فوراً بے بس ہو گئے تھے۔
ایاز کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی ایسے اس طرح آ کر پکڑ لے گا اور خصوصاً مصطفیٰ وہ تو رات نجانے مصطفیٰ کو ٹھکانے لگانے کے کیا کیا منصوبے بنا تا رہا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔
"میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم مجھے اچھی طرح نہیں جانتے میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔ تم مجھے گرفتار کر کے اچھا نہیں کر رہے۔" وہ ہذیان بک رہا تھا۔ مصطفیٰ کے اندر ایک دم غصے کا ابال اٹھا تھا۔
اس نے کھینچ کر اس کے منہ پر تھپڑ مارا تو وہ لڑکھڑا کر رہ گیا تھا ایاز کے منہ سے خون نکلنے لگا تھا۔

''لے چلواسے اس کے ہوش حواس تو میں ٹھکانے لگاتا ہوں۔'' مصطفیٰ کا لہجہ سخت اور آنکھوں میں سرد پن تھا۔ ایاز کے اندر ایک دم خوف اتر آیا تھا۔ وہ پہلے ہی سے مصطفیٰ کے ہاتھوں پٹ چکا تھا اسے اندازہ تھا کہ مصطفیٰ کے ہاتھوں پکڑے جانے پر اب اس کا کیا حال ہونے والا ہے۔

''تم گھٹیا ذلیل انسان، میں زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں میرا باپ تمہیں چھوڑے گا نہیں۔'' وہ غصے وصدمے سے پاگل ہو رہا تھا۔

''اسے لے چلو۔'' مصطفیٰ نے سختی سے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا تو وہ اسے گھسیٹ کر باہر لے گئے تھے۔

ایاز کا ملازم ہاتھ باندھے کھڑا کانپ رہا تھا جبکہ امجد خان کمرے کی تلاشی لے رہا تھا۔

''کب سے ہو یہاں؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''صاحب بہت عرصے سے ہوں صاحب نے کافی عرصے سے یہاں کی دیکھ بھال کے لیے رکھا ہوا تھا۔'' ملازم نے فوراً بتا دیا۔

''امجد خان اسے بھی لے چلو، اگر کوئی قابل مذمت بات نکلی تو ایاز کے ساتھ ہی ڈال دینا اسے بھی ورنہ ضروری کارروائی کر کے چھوڑ دینا۔'' مصطفیٰ نے امجد کو آرڈر کیا تو وہ فوراً الرٹ ہو گیا تھا۔

''یس سر۔'' کمرے کی تلاشی سے انہیں اس کا پاسپورٹ ٹکٹ اور کچھ ضروری چیزیں مل گئی تھیں انہوں نے وہ سب تحویل میں لے لیں تھیں۔ وہاں سے نکل کر مصطفیٰ ابھی گاڑی میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ شہوار کی کال آ گئی تھی۔

''کیسے ہیں آپ؟'' اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ مصطفیٰ مسکرا دیا تھا۔

''بالکل اے ون۔''

''اور جس کام کے لیے گئے ہوئے تھے وہ ہو گیا۔'' مصطفیٰ نے دوسری گاڑی میں موجود ایاز کو دیکھا۔

''ہاں الحمدللہ ہو گیا۔''

''شکر ہے میں تو بہت پریشان ہو رہی تھی۔'' اس کے لہجے میں تشویش تھی مصطفیٰ ہنس دیا۔

''یہ سب تو میری جاب کا حصہ ہے کبھی دن کبھی رات نجانے کون سی گولی کب آ لگے۔''

''اللہ نہ کرے...... اللہ آپ کا حامی و ناصر رہے ہمیشہ آمین۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ تڑپ ہی تو گئی تھی مصطفیٰ بے اختیار ہنسا تھا۔

''محبت ہو گئی ہے کیا؟'' انداز چھیڑنے والا تھا دوسری طرف وہ خفا ہو گئی تھی۔

''آپ کی فکر کرنا ایک فطری سی بات ہے بیوی ہوں آپ کی۔'' خفگی بھرا لہجہ مصطفیٰ کے اندر گویا کسی نے جذبات کی تاروں کو چھیڑ دیا تھا۔

''ذرہ نوازی ہے آپ کی، اتنے سے بھی نواز دیتی ہیں، نہ نوازتیں تو ہم نے کون سا کوئی گلہ شکوہ کر لینا تھا۔'' مصطفیٰ نے مصنوعی بے چارگی سے کہا۔ اس کے ساتھی بھی اس کے اگلے حکم کے منتظر کھڑے تھے وہ فوراً باہر نکلا تھا۔ اس نے سب کو دیکھا اور پھر فوراً بات سمیٹی تھی۔

''او کے ابھی ضروری کام ہے آفس ہی جا رہا ہوں جب فارغ ہوا تو گھر کا چکر لگا لیتا ہوں ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ نے کہا اور پھر اللہ حافظ کہہ کر کال بند کر دی۔

''ایک ساتھی میرے ساتھ آ جائے باقی سب کو امجد خان تم لے چلو میں بھی آفس ہی چلتا ہوں۔'' کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے روزانہ ہوئی تھیں۔

❁ ❁ ❁

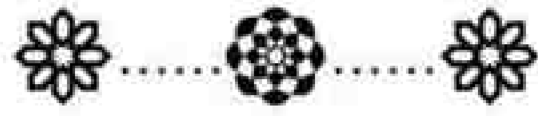
ماما اور سب کے منع کرنے کے باوجود وہ کالج آ گئی تھی۔ بخار تو رات بھر میں اتر چکا تھا لیکن نقاہت سے زیادہ اس پر کسلمندی اور بیزاریت نے غلبہ پا رکھا تھا۔

شہوار بھی کالج آ گئی تھی اسے دیکھ کر تشویش ہوئی تھی۔

''تمہیں بخار تھا اور مجھے علم ہی نہیں کل سارا دن مصطفیٰ کے ساتھ گزرا سو کالج نہ آ سکی تھی ورنہ پتا تو چل جانا تھا۔''

''ہاں بس معمولی سا بخار تھا آج کل میں کور کرلوں گی۔'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ اپنی بکس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔
پھر دوپہر کے بعد دونوں کو کچھ ریلیف ملا تو لان کے گوشے میں اپنی مخصوص جگہ پر آ بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ دو تین اور لڑکیاں بھی آ بیٹھی تھیں۔ اسٹڈی پر ڈسکشن ہوتی رہی تو دونوں مصروف رہی تھیں۔ شہوار کو کسی سر سے ملنا تھا وہ چلی گئی تو وہ بیزاریت سے بیٹھی رہی۔ نجانے کیا کیا سوچ رہی تھی موبائل بجا تو چونکی۔ کاشفہ کی کال تھی۔ نجانے کیوں یہ لڑکی اس کے پیچھے آسیب کی طرح چمٹ چکی تھی۔
''میں تمہارے کالج کے سامنے موجود ہوں مجھے تم سے ملنا ہے تم باہر آؤ گی یا پھر میں اندر آ جاؤں۔'' چھوٹتے ہی وہ کہہ رہی تھی انا کے تیور بگڑے تھے۔
''کیا چاہتی ہو؟''
''ملو گی تو بتا بھی دوں گی ویسے تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہوں۔'' دوسری طرف بلا کی سنجیدگی تھی۔
''میرا تم سے کوئی لینا دینا نہیں براہ مہربانی مجھے ڈسٹرب مت کرو، میں نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ کی تھی کہ تمہیں کال کی تھی۔'' وہ یک دم پھٹ پڑی۔
وہ تو شکر تھا کہ اس وقت سبھی لڑکیاں ادھر ادھر ہوگئی تھیں وہ اس وقت یہاں تنہا موجود تھی۔
''سوچ لو اگر میں اندر آ گئی تو پھر بات بڑھ بھی سکتی ہے۔'' انداز دھمکانے والا تھا۔
''کیا کہنا ہے تم نے۔'' اس کی دھمکی پر وہ ایک دم ٹھٹکی تھی۔
''میرا اور تمہارا مشترکہ مسئلہ ولید ضیاء ہے اگر تم آرام وسکون سے میری بات سن لو گی تو اس میں دونوں کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے اور خصوصاً تمہارا۔'' کاشفہ کی بات پر وہ کچھ دیر کے لیے ساکت ہوگئی تھی۔
ولید تو واقعی اس کی ذات کا ایسا مسئلہ بن چکا تھا جس سے دستبردار ہونا زندگی سے منہ موڑنے کے مترادف تھا اور اسے ان حالات میں اپنا لینا ساری عمر کانٹوں پر لوٹنے کی اذیت سہنا تھا۔
''تو پھر آ رہی ہو تم؟'' انا نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ شش و پنج میں تھی ذہن کوئی بھی بات سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا۔ بس وہ چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس اذیت سے نکل جائے۔
''ہاں، ویٹ کرو میں آتی ہوں۔'' اس نے ایک دم حتمی فیصلہ کیا اور دوسری طرف کاشفہ نے کال بند کردی تھی۔
وہ کچھ دیر پریشان سی بیٹھی رہی اور پھر اردگرد دیکھتے وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کاشف سے جان لے گی کہ ولید اور اس کا تعلق کس حد تک ہے اس کے بعد ہی وہ کوئی فیصلہ کرے گی۔ وہ اپنی بکس، فائل اور بیگ لیے باہر نکلی تو کاشفہ نے اپنی بلیک گاڑی اس کے عین سامنے لا کھڑی کی تھی۔ کاشفہ کے ساتھ ایک لڑکی اور بھی تھی شاید اس کی دوست۔ وہ اتر کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی جبکہ کاشفہ کے کہنے پر انا فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔
''بولو کیا کہنا ہے؟'' اس کا انداز بہت بگڑا ہوا تھا کاشفہ مسکرائی تھی۔
''اتنی جلدی بھی کیا ہے آرام وسکون سے کسی جگہ بیٹھ کر بات کریں گے بی کول یار۔'' انا چونکی۔
''لیکن کہیں اور جانے کی ہمارے درمیان بات طے نہیں ہوئی۔''
''تو کوئی بات نہیں اب طے کرلیتے ہیں تم میرے ساتھ چل رہی ہو اور جب تک میں نہیں چاہوں گی تم واپس نہیں جاسکتی۔'' کاشفہ کا انداز بلا کا سنجیدہ تھا۔ انا نے حیرت سے دیکھا تھا۔
''کیا مطلب ہے تمہارا میں تمہارے ساتھ کہیں بھی نہیں جارہی میں صرف تمہاری بات سننے آئی ہوں۔'' وہ اندر ہی اندر پریشان ہوچکی تھی۔
''پریشان مت ہو ہم بھی صرف بات ہی کریں گے بس آرام وسکون سے بیٹھ کر۔'' اب کی بار کاشفہ کی بجائے اس کی دوست بولی تھی۔

انا نے ناسمجھی سے دونوں کو دیکھا تھا اور خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ جبکہ گاڑی تیزی سے سڑک پر رواں دواں تھی۔



مصطفیٰ سارے امور نمٹا کر لوٹا تو گھر میں مہر النسا اور شاہزیب دونوں موجود تھے شاہزیب صاحب آج شاید آفس نہیں گئے تھے باقی لائبہ اور آفاق نظر نہیں آرہے تھے۔ مصطفیٰ نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے بغور دیکھا۔

''امجد خان کا فون تھا وہ بتا رہا تھا کہ رات کے آخری پہر ایاز کو گرفتار کرلیا ہے تم لوگوں نے۔'' انہوں نے پوچھا' امجد خان مصطفیٰ سے زیادہ ان کا وفادار تھا ہر چھوٹی موٹی بات ان کو ضرور بتاتا تھا مصطفیٰ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا اور ساری کارروائی کے متعلق ان کو بتانے لگا تھا مہر النسا نے بھی خاموشی سے سب ہی کچھ سنا تھا۔

''چلو اچھا ہوا اب کچھ عرصہ تک سکون رہے گا۔ ورنہ جب تک مصطفیٰ گھر سے باہر رہتا تھا میرا دل ہولتا رہتا تھا۔'' ماں جی نے ساری بات سن کر کہا تھا مصطفیٰ مسکرا دیا۔

''ایسے لوگوں کا آخر کار یہی انجام ہوتا ہے۔'' شاہزیب صاحب نے تبصرہ کیا۔

''اللہ سب کی اولاد کو ہدایت دے ماں باپ کے لیے تو دکھ کی بات ہوتی ہے۔'' ان کا دل پھر بھی نرم تھا۔

''ہاں اس کے باپ اور گھر والوں تک اطلاع پہنچ چکی ہے وکیل کے ہمراہ اس کا باپ آج آفس آیا تھا لیکن اس بار کیس ایسا ہے کہ اس کی ضمانت بھی نہیں ہونے دوں گا میں۔'' مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا۔ ماں جی نے اسے دیکھا اور گہرا سانس بھرا۔

''آپ عادلہ کے باپ سے ملیں اور اسے سمجھائیں نا کہ خوامخواہ کی دشمنی پالنے سے کیا فائدہ۔ عادلہ ہمارے بچے آفاق کی ماں ہے ہم سب بھول کر اسے واپس لانے کو تیار ہیں اس کے باپ کو کہیں نا کہ وہ اپنی بیٹی کو سمجھائے۔'' مہر النساء کی بات پر شاہزیب صاحب ایک پل کو ٹھٹکے تھے۔

''اب یہ ممکن نہیں۔'' انہوں نے کہا تو مہر النساء نے انہیں دیکھا۔

''لیکن آفاق کے لیے تو کرنا پڑے گا نا جو بھی ہے جیسی بھی ہے ماں ہے اس کی۔''

''وہ سب ٹھیک ہے لیکن عباس اسے طلاق کے پیپرز بجھوا چکا ہے۔'' انہوں نے دھیمے سے انکشاف کیا تو مصطفیٰ اور مہر النساء دونوں چونک اٹھے تھے۔

''کیا؟'' ماں جی نے گویا سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''کب؟''

''کچھ دن پہلے کی بات ہے۔''

''اور مجھے بتایا بھی نہیں۔'' ان کی زبان سے شکوہ پھسلا تھا۔

''باقی لوگ پریشان ہوتے ہم نے عباس کو منع کر دیا تھا۔'' شاہزیب صاحب کا لب ولہجہ پرسکون تھا۔

مہر النساء کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو مصطفیٰ نے آہستگی سے انہیں ساتھ لگا لیا تھا۔

''میرا بیٹا، میں جانتی ہوں اس نے کس طرح عادلہ کے ساتھ گزارا کیا تھا لیکن آفاق کا کیا قصور تھا وہ تو ساری عمر کے لیے ماں کی ممتا سے محروم ہوگیا۔'' ان کے رونے میں شدت آگئی تھی۔ لائبہ آفاق کو لیے ادھر آئی تو ٹھٹکی تھی۔

''کیا ہوا؟'' پریشان ہو کر پوچھا۔

''عباس نے عادلہ کو طلاق دے دی ہے۔'' انہوں نے روتے ہوئے بتایا تو لائبہ بھی ساکت رہ گئی انہوں نے اٹھ کر آفاق کو اٹھا لیا اور ساتھ لگا کر چوما تو بچہ اس قدر پیار پر بوکھلا کر رونے لگا تھا۔ مصطفیٰ نے اسے تھام لیا تھا۔

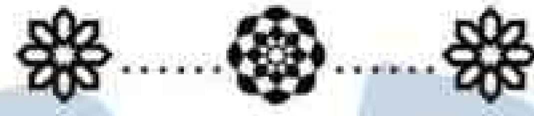
''ماں جی پریشان نہ ہوں یہ سب شاید ایسے ہی ہونا تھا ہم سے عادلہ بھابی کے حوالے سے ایک غلطی ہوئی تھی رہ گیا آفاق تو اللہ بہتر کرے

گا ان شاءاللہ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔ ہم سب موجود ہیں۔ رہ گئے عباس بھائی اللہ نے ان کے لیے بھی کوئی نہ کوئی خوشی لکھی ہی ہوگی۔" مصطفیٰ نے ساتھ لگا کر تسلی دی۔

لائبہ نے اپنی نم آنکھوں کو دوپٹے سے صاف کیا تھا۔

"عباس کے سامنے اب بار بار یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ زبان سے کچھ نہیں کہتا لیکن میں سمجھ سکتا ہوں کہ اندرونی طور پر خود بہت ہرٹ ہوا ہے۔ اس کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھیں چاہے خاندان سے باہر اب میں اس کے معاملے میں مزید تاخیر نہیں کروں گا۔" شاہزیب صاحب کہہ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"میرا بچہ۔" مہرالنساء کے دل سے پھر ایک ہوک اٹھی تو انہوں نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑنا شروع کر دی تھیں۔ سب نے خاموشی سے ان کو دیکھا تھا۔



وہ ان دونوں کے ہمراہ جس جگہ آئی تھیں وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا ان کے ہمراہ چلتی وہ ایک کمرے میں آ گئی تھیں۔ انا کو رہ رہ کر اپنے فیصلے پر پچھتاوے کا احساس ہو رہا تھا کہ اسے ان دونوں کے ہمراہ نہیں آنا چاہیے تھا۔ اسے ان دونوں لڑکیوں کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی کاشفہ اور اس کی ساتھی نے اس سے بکس اور بیگ لے لیا تھا۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو۔" انا ایک دم حیران رہ گئی تھی۔

"تم ہماری مہمان ہو آرام وسکون سے بیٹھ جاؤ چائے منگواتی ہوں وہ پیو اور ہماری بات سنو۔" کاشفہ کا انداز از حد سنجیدہ تھا۔ اس نے اس کے بیگ کو کھول کر دیکھنا شروع کر دیا تھا اور پھر ایک کونے سے موبائل نکال کر اس کا سوئچ آف کر دیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" وہ چیخی۔

وہ سمجھ سکتی تھی کہ وہ ان دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں دھوکہ کھا چکی ہے نجانے اب ان دونوں کا کیا ارادہ تھا اور اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ وہ ایک دم اپنا چکراتا سر تھام کر بستر پر گری پڑی تھی۔

"ارے ابھی تو ہم نے کچھ کیا ہی نہیں تم ابھی سے ہمت ہار گئی۔" کاشفہ طنزیہ انداز میں کہتے اس کے قریب آئی تھی۔ وہ جو پہلے ہی نڈھال سی تھی ایک دم بے دم سی ہو گئی تھی۔

"کیا چاہتی ہو تم؟" اس کی آواز بالکل لرز رہی تھی۔

"ولید کو۔" وہ گھٹیا انداز میں ہنسی تھی۔

"مجھے یہاں کیوں لائی ہو۔"

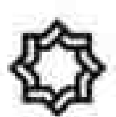
"اپنی تصحیح کر لو میں لائی نہیں تم خود اپنی مرضی سے چل کر آئی ہو۔" انا کو لگا اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے ہوں۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، جا رہی ہوں میں۔" بے یقینی کے سحر سے نکلی تو ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ کاشفہ ایک دم اس کے رستے میں آئی اور اس کی دوست نے آگے بڑھ کر دروازہ لاک کر دیا تھا۔

"اب تم ہماری قید میں ہو اور تم تب تک یہاں سے نکل نہیں سکتی جب تک میں نہیں چاہوں گی۔" کاشفہ کا لب ولہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا۔ انا کو لگا کہ جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر آن گری ہے۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو گھورے جا رہی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

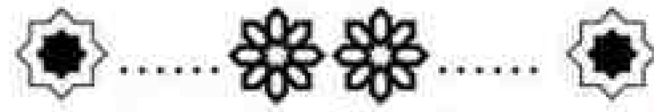


ٹوٹا ہوا تار ...... سمیرا شریف طور

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

شہوار اور مصطفیٰ خوش گوار ازدواجی زندگی کی جانب گامزن ہیں جبکہ دریہ کے لیے مصطفیٰ کے والہانہ انداز اور شہوار کی محبت برداشت کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ جب ہی انہیں دور کرنے کی خاطر وہ مصطفیٰ کو اپنے سنگ الجھائے رکھتی ہے۔ دوسری طرف شہوار دریہ کے اس عمل کو محسوس کرکے مصطفیٰ سے برہمی کا اظہار کرتی ہے جبکہ شہوار کے رویے میں جیلسی محسوس کرتا مصطفیٰ خوش گوار حیرت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ ولید اور انا کے تعلقات مزید ابتری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ انا واضح طور پر ولید کی کیتھی اور کاشفہ سے دوستی کو اس کے مشکوک کردار سے وابستہ کرلیتی ہے جبکہ اپنی اس تذلیل پر ولید بھی کوئی صفائی نہ دینے کا عزم کرتے ہوئے ترک تعلق کرلیتا ہے۔ دوسری طرف تابندہ اپنی شناخت حاصل کرنے میں ناکام ٹھہرتی ہیں۔ ایسے میں ممتا کے ہاتھوں مجبور وہ شہوار سے بات کرکے اسے تسلی دیتی ہیں جبکہ شہوار ان کے واپس لوٹ آنے اور ایڈریس کے متعلق دریافت کرتی ہے لیکن وہ ٹال جاتی ہیں۔ تابندہ کی کال کے متعلق مصطفیٰ کو بتا کر وہ مدد طلب کرتی ہے ایسے میں مصطفیٰ نمبر کے ذریعے مطلوبہ جگہ ٹریس کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے لیکن مزید کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ امجد خان کی مدد سے مصطفیٰ رات کی تاریکی میں ایاز کے ٹھکانے پر چھاپا مار کر اسے گرفتار کرلیتا ہے جبکہ ایاز اس افتاد پر بوکھلا جاتا ہے۔ اپنے اور ولید کی تاریخ ٹھہرنے کی بات سن کر انا صاف لفظوں میں پڑھائی کا بہانہ کرکے ٹال دیتی ہے جبکہ اس کے انکار پر ضیاء صاحب اور دیگر گھر والے حیران رہ جاتے ہیں۔ ولید اس انکار کی وجہ دریافت کرتا ہے جس پر انا اس کے کردار کو مشکوک ٹھہراتے اس رشتے کو ختم کرنے کی بات کرتی ہے ایسے میں ولید کا ہاتھ انا پر اٹھ جاتا ہے جبکہ ولید کا یہ جارحانہ انداز انا کو مزید متنفر کردیتا ہے۔ ماں جی آفاق کے مستقبل کے متعلق سوچ کر عادلہ کو واپس لانے کی بات کرتی ہیں جب ہی انہیں شاہ زیب کی زبانی عادلہ اور عباس کی طلاق کے متعلق علم ہوتا ہے یہ سب جان کر وہ ازحد رنجیدہ ہوجاتی ہیں۔ انا اپنی بیماری کو نظرانداز کیے کالج چلی آتی ہے لیکن یہاں بھی کاشفہ کی کالز اسے تنگ کیے رکھتی ہیں جب ہی وہ اس تعلق کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی خاطر کاشفہ کی بات مانتی اس کے سنگ چلی جاتی ہے۔ کاشفہ کے ساتھ انجان جگہ پر پہنچ کر انا کو کسی خطرے کا احساس ہوتا ہے جب ہی کاشفہ اپنی اصلیت دکھاتے انا کا موبائل چھین کر اسے اپنی قید میں کرلینے کی نوید سناتی ہے۔ کاشفہ کی اصل حقیقت جان کر انا کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوتی ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾



عبدالقیوم پریشانی سے بار بار موبائل پر نمبر ملا رہے تھے ان کی بیگم اور بیٹی عادلہ خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھیں اور ان دونوں کے چہروں پر پریشانی رقم تھی۔

”کوئی تو حل ہوگا؟ تم آفیسر سے بات کرو جتنی بھی رقم لگتی ہے میں لگانے کو تیار ہوں ایک بار ایاز باہر تو آئے‘ خود اسی لیے گیا تھا مگر وہ مصطفیٰ کچھ سننے پر آمادہ ہی نہیں۔“ غصے سے عبدالقیوم نے کہا تو بیگم نے پریشانی سے دیکھا۔

”ٹھیک ہے میں کسی اور سے بات کرتا ہوں۔“ تلخی سے کہہ کر انہوں نے کال بند کردی۔

”یہ سب ہوا کیسے؟ آخر پولیس کو کیسے اطلاع مل گئی۔“ بیگم نے پریشانی میں پوچھا تو عبدالقیوم نے بیوی کو دیکھا۔

”مجھے خود خبر نہیں، یہ تو اردگرد کے لوگوں اور اس ملازم لڑکے کے والدین نے اطلاع دی مجھے کہ رات پولیس نے چھاپہ مارا تھا اس لڑکے اور ایاز دونوں کو پکڑ کر لے گئے تھے اب اس جگہ پر پولیس کے آدمی قبضہ کیے ہوئے ہیں۔“ انتہائی نڈھال حالت میں عبدالقیوم صوفے پر گر سے گئے تھے۔

”اور وکیل صاحب کیا کہہ رہے تھے؟“ عادلہ نے سنجیدگی سے پوچھا تو انہوں نے بیٹی کو دیکھا۔

”وکیل اب کچھ نہیں کرسکتا پہلے ہی وہ ضمانت پر رہا تھا اب کی بار اس پر مصطفیٰ پر قاتلانہ حملہ کرنے کا بھی کیس ہے۔ وکیل بتا رہا ہے کہ سارے شواہد ایاز کے خلاف جارہے ہیں۔ ابھی تک ایاز نے اقرار تو نہیں کیا مگر خاموش نہیں رہے گا اب۔“

”لیکن اس طرح ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بھی تو نہیں بیٹھ سکتے نا۔“

''تو کیا کروں خود تھانے میں جا کر پیش ہو جاؤں۔'' بیٹی کے الفاظ پر عبدالقیوم نے تڑپ کر کہا۔
''کہا بھی تھا کہ ایسی ویسی کوئی حرکت نہ کرنا اب ایک دو دن میں فلائٹ تھی باہر چلا جاتا نجانے پولیس کو کیسے اطلاع ہوگئی ورنہ وہ جگہ جہاں وہ تھا میرے علاوہ کوئی دوسرا بندہ اس جگہ کے بارے میں نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ تم لوگوں کو بھی نہیں بتایا تھا۔'' انداز نڈھال سا تھا۔ بیگم کے آنسو بہنے لگے تھے۔
''پہلے ہی مار مار کر برا حال کر دیا تھا میرے بچے کا اب نجانے کیا بیت رہی ہوگی اس پر۔'' بیگم عبدالقیوم کو ایاز سب سے زیادہ عزیز تھا اسی لیے وہ ایاز کے پکڑے جانے کا سن کر مسلسل رو رہی تھیں۔ عادلہ نے لب بھینچ کر ماں باپ کو دیکھا۔
''لیکن کچھ تو کرنا ہوگا؟'' باپ کو تلخی سے کہا تھا جو ہمت ہار چکے تھے۔ لیکن وہ خاموشی سے نہیں بیٹھ سکتی تھی اس کے اندر ایک آگ جل رہی تھی دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ جلا کر بھسم کر ڈالے۔
''وکیل کو کہا تو ہے وہ جائے اس امجد خان سے بات کرے پیسے سے اگر کام بنتا ہے تو میں کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن جہاں تک مجھے اندازہ ہے وہ آدمی پیسے وغیرہ سے ماننے والا نہیں ہے۔'' عبدالقیوم کی یہی تو پریشانی تھی۔ وہ پہلے ہی مصائب میں گھرے ہوئے تھے کاروباری پریشانیاں علیحدہ تھیں۔ اوپر سے عادلہ کی طلاق اور ایاز کی گرفتاری انہیں ایک دم کاشفہ یاد آئی نجانے وہ کہاں تھی۔
''کاشفہ کہاں ہے؟''
''پتا نہیں صبح کی گاڑی لے کر نکلی ہوئی ہے۔'' ماں کی بجائے عادلہ نے ہی تلخی سے کہا۔
جب سے ایاز کی گرفتاری کے بارے میں سنا تھا دل و دماغ پر ایک غبار سا چھا گیا تھا۔
''ایک تو میں اس لڑکی کی حرکتوں سے عاجز آ چکا ہوں ساری اولاد ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔'' کاشفہ کا سن کر عبدالقیوم ایک دم غصہ ہوئے۔
''اسے میں نے اتنا سمجھایا لیکن کچھ نہ سمجھ پائی جو اب طلاق لے کر بیٹھی ہوئی ہے۔'' ان حالات نے ان کے دماغ پر اس قدر اثر کیا تھا کہ بہت تلخی سے عادلہ کو دیکھا۔
''مجھے الزام مت دیں ایک دن بھی میرے علاوہ کسی اور کو ان کے ہاں جا کر رہنا پڑتا تو پتا چل جاتا کہ کس قدر کنزرویٹو تھے وہ لوگ۔'' باپ کے الفاظ پر اس نے بھی تلخی سے جواب دیا۔
''کچھ عرصہ برداشت کیا ہوتا تو کیا چلا جاتا لوگ اپنے فائدے کے لیے نجانے کیا کیا کر لیتے ہیں۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے حالات اس حد تک خراب ہو چکے ہیں۔ ورنہ رشتہ داری کا ہی خیال کر لیتے۔'' انہوں نے غم و غصے سے سارا الزام بیٹی پر دھرا۔
عادلہ نے بہت غصے سے ماں اور باپ کو دیکھا اور لب بھینچ کر تیزی سے کمرے سے چلی گئی۔
''اس کا کیا قصور ہے اسے کیوں ڈانٹ رہے ہیں آپ کے کہنے پر شادی کی تھی اس نے اس کے لیول اور مزاج کے لوگ نہیں تھے جان چھوٹی، ان سے اب اس کو کیوں الزام دے رہے ہیں۔'' بیگم نے فوراً بیٹی کی طرف داری کی۔
''آج یہ دن صرف تمہاری شہہ کی وجہ سے دیکھنا پڑ رہا ہے۔'' انہوں نے بیوی کو بھی اپنے غصے کی لپیٹ میں لیا۔
''تم نے اگر ذرا بھی اولاد کی طرف توجہ دی ہوتی تو کم از کم آج یہ حالات نہ ہوتے سارا سارا وقت پارٹیز اور دعوتوں کی نذر کر دیا تم نے اور آج یہ دن دیکھ رہا ہوں میں۔ کاشفہ کی نت نئی دوستیاں اور جذباتی فطرت، بدزبانی اور نااہلی سے تو میں ویسے ہی مایوس ہو چکا تھا ایاز پر بھی پیسہ خرچ کر کے اس مقام تک لایا تھا ایک عادلہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتی تھی وہ بھی تمہاری باتوں میں آ کر سب تباہ کر بیٹھی۔'' وہ شروع ہوئے تو سب حساب گنواتے چلے گئے۔
''بہت خوب مجھے الزام دے لیں خود توجہ دے لیتے ساری عمر دولت اکٹھی کرنے میں گزار دی، نہ کرتے۔'' سب رونا دھونا بھول کر بے مروتی سے جواب دیا۔ درحقیقت عبدالقیوم کو اس کا اصل چہرہ دکھانا چاہا تھا۔
''ہاں دولت اکٹھی کرنے میں گزار دی ساری عمر میں نے اور اس دولت پر عیش تم لوگوں نے کیا۔ جو بھی کمایا دونوں ہاتھوں سے لٹایا ہے تم لوگوں نے اور کاشفہ اور ایاز کے لیے آئے دن کے نت نئے کارنامے برباد کر کے رکھ دیا ہے تم لوگوں نے مجھے۔'' صوفے سے اٹھ کر چیخ

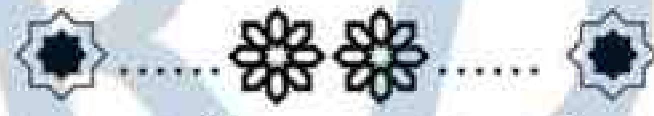
کر کہا تو عادلہ نے اپنے کمرے سے نکل کر ان کو آ کر دیکھا۔اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ تھا۔ اس کے ماں باپ جاہلوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو طعنے دے رہے تھے۔

''کیا کر رہے ہیں آپ دونوں بیٹھ کر آرام وسکون سے مسئلہ حل ہوسکتا ہے کیوں لڑ رہے ہیں۔''اس نے ناگواری سے مداخلت کی۔

''کاش یہ سب میں نے پہلے سوچ لیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔'' بیوی کو گھور کر بیٹی کو جواب دے کر وہ چلے گئے۔بیگم ان کے جانے پر بے تحاشا بڑبڑانے لگیں تھیں۔

''سٹھیا گیا ہے تمہارا باپ اب اس عمر میں آ کر مجھے طعنے دے رہا ہے خود تو ساری عمر دولت کے لالچ میں لگا دی اب کہتا ہے کہ سارا قصور میرا ہے۔'' چیخ کر کہتے عادلہ کو سنا کر وہ بھی وہاں سے چلی گئی۔

عادلہ نے سرخ چہرے اور از حد سنجیدگی کے ساتھ انہیں جاتے دیکھا تھا اس کے ذہن و دل میں ایک طوفان کی سی کیفیت برپا تھی۔دل چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو تہس نہس کر دے۔عباس کی طرف سے موصول ہونے والے طلاق کے کاغذات کے بعد سے اس کے اندر یہ کیفیت مسلسل برپا تھی۔



ڈرائیور انا کو پک کرنے گیا تھا لیکن کافی انتظار کے بعد بھی وہ باہر نہ آئی تو اس نے کال کی مگر انا کا نمبر بند تھا اس نے پریشان ہو کر گھر کال کی۔

روشی اور ضیاء صاحب گھر پر ہی ہوتے تھے روشی نے کال ریسیو کی تھی۔دونوں سن کر پریشان ہو گئے۔

''وہ کالج میں ہی ہو گی یا اپنی دوست کے ساتھ اس کے ہاں چلی گئی ہو گی تم ویٹ کر لو۔'' روشی نے ڈرائیور کو کہا اور خود کال بند کر کے انا کو نمبر ملانے لگی پر اس کا نمبر بند جا رہا تھا اس کو شدید پریشانی نے آ لیا' کچھ سوچتے ہوئے اس نے ولید کو کال کی۔

''آپ کے پاس مصطفیٰ بھائی یا شہوار کا نمبر ہو گا؟''سلام دعا کے بعد اس نے فوراً بھائی سے پوچھا۔

''ہاں مصطفیٰ کا ہے کیوں خیریت؟''ولید نے پوچھا۔

''بس ایک کام ہے، مجھے مصطفیٰ بھائی سے شہوار کا نمبر لے کر دیں مجھے فوراً اس سے بات کرنی ہے۔'' روشی کو یقین تھا کہ انا شہوار کے ساتھ ہو گی اسی لیے ولید کو بتانے سے احتراز کیا۔

''اچھا میں لکھواتا ہوں۔'' ولید نے کہا تو وہ انتظار کرنے لگی۔کچھ توقف کے بعد ولید نے اسے نمبر لکھوا دیا تو روشی نے کال بند کر کے شہوار کا نمبر ملایا پھر چند بیلز کے بعد شہوار کی آواز سنائی دی۔

''میں روشی بات کر رہی ہوں انا کی کزن اور ولید کی بہن۔'' روشی نے سلام دعا کے بعد اپنا تعارف کرایا تو دوسری طرف شہوار کو خوش گوار سی حیرت ہوئی۔

''ارے......آپ......کیسی ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں۔''

''ایم سوری تمہیں ڈسٹرب کیا مجھے کچھ پوچھنا تھا۔'' روشی ایک لمحے کو رکی۔

''ڈرائیور انا کو لینے گیا تھا لیکن وہ کالج میں نہیں ہے کیا وہ تمہارے ساتھ ہے۔'' روشی نے پوچھا تو دوسری طرف شہوار چونکی تھی۔

''نہیں تو وہ تو کب کی کالج سے جا چکی ہے تقریباً تین چار گھنٹے ہو چکے ہیں میں بھی گھر آ چکی ہوں۔''شہوار نے بتایا تو روشی الجھی۔

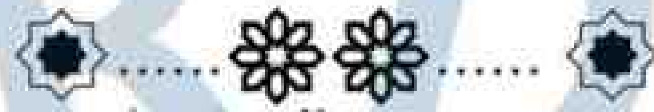
''لیکن وہ تو ابھی تک گھر نہیں لوٹی۔''

''یہ کیسے ممکن ہے پچھلے تین چار گھنٹوں سے تو وہ کالج یا اسپتال کی طرف بھی نہیں تھی میں سمجھی کہ وہ گھر جا چکی ہو گی ویسے مجھے بتا کر تو نہیں گئی تھی یہ تو میرا اندازہ ہے۔''شہوار بھی پریشان ہوئی۔

''اوکے، ہوسکتا ہے وہ کہیں شاپنگ کرنے نکل گئی ہو اصل میں پریشانی یہ ہو رہی ہے کہ اس کا سیل بھی بند ہے' اوکے تم پریشان مت ہونا ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ دیر میں گھر آ جائے۔''

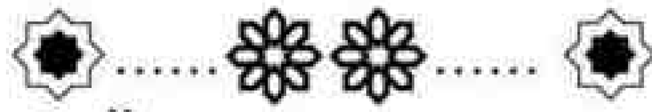
''جیسے ہی وہ گھر آئے مجھے کال کر دیجیے گا۔''
''بالکل۔'' روشی نے اختتامی جملے کہہ کر کال بند کر دی۔
ضیاء صاحب بھی پریشان تھے اگلے ایک گھنٹے میں انا گھر نہیں پہنچی تو روشنی نے گھبرا کر ولید کو کال کی اور اسے ساری بات بتا دی۔
''مائی گاڈ......وہ اتنے گھنٹوں سے غائب ہے اور تم اب بتا رہی ہو۔'' دوسری طرف ولید ایک دم متفکر ہوا۔
''مجھے یہ تھا کہ وہ کچھ دیر میں پہنچ جائے گی۔''
''پھوپو کو کال کی کہیں ان کے پاس نہ چلی گئی ہو۔'' ولید کو خیال آیا تو روشی نے ایک گہرا سانس لیا۔
''میں سب سے کال کر کے پتا کر چکی ہوں وہ وہاں بھی نہیں۔'' اب کے ولید حقیقتاً پریشان ہوا تھا۔
''اوہ اب تو......شام ہو رہی ہے کہاں رہ گئی ہو گی وہ۔''
''پلیز ولی بھائی پتا کریں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ ابھی سب لوگ گھر آ جائیں گے وہ نہ پہنچی تو سب نے پریشان ہو جانا ہے ابھی کسی کو بھی نہیں خبر کی میں نے۔'' روشنی روہانسی ہو رہی تھی۔
''اوکے ڈونٹ وری میں خود دیکھتا ہوں۔'' ولید نے اسے تسلی دے کر کال بند کر دی تھی۔ شہوار کی بار بار کالز آ رہی تھیں مغرب کے بعد تک سبھی گھر پہنچ گئے اور سبھی انا کی غیر موجودگی کا سن کر از حد خوف زدہ ہو چکے تھے۔ کچھ دیر بعد ولید اور چوکیدار بھی لوٹ آئے تھے۔
''کہاں جا سکتی ہے وہ تو دوست کے ہاں بھی جائے تو مجھے کال کر کے بتا دیتی ہے اجازت لے کر جاتی ہے۔ کہیں خدانخواستہ کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا۔'' ضیاء صاحب کے دل میں طرح طرح کے اندیشے جاگ رہے تھے۔
''شہوار نے بتایا تھا کہ وہ کالج سے بھی کافی پہلے نکل گئی تھی اس نے کسی سے بھی ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔'' روشی نے بتایا تو صبوحی بیگم اور شدت سے رونے لگی۔ احسن اور وقار صاحب مسلسل اس کے نمبر پر کال ملا رہے تھے جو مسلسل بند تھا۔ ولید لب بھینچے ایک طرف کھڑا تھا۔
''اسے بخار بھی تھا منع بھی کیا تھا کہ کالج مت جائے رات بھی بخار میں تپتی رہی تھی۔ اللہ میری بچی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے میرا تو دل ہول رہا ہے۔''
''میرا خیال ہے پولیس کو رپورٹ کر دینی چاہیے خدانخواستہ اگر کوئی حادثہ بھی ہو چکا ہے تو کم از کم ہمیں اطلاع تو ملنی چاہیے۔'' احسن نے موبائل ایک دم صوفے پر ڈالتے بہت ضبط سے کہا تو صبوحی بیگم اور بھی شدت سے رو دیں۔
''مصطفیٰ کو کال کرو ولید اتنے گھنٹوں سے وہ غائب ہے اب مزید تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔'' احسن نے ولید کو دیکھا تو اس نے سر ہلا کر موبائل نکالا۔
''ٹھہرو، یہ چھوٹی بات نہیں ہے میں نہیں چاہتا کہ کوئی بدنامی ہو ہم خود ہی اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' وقار صاحب نے نڈھال سے لہجے میں کہا تو ولید نے گہرا سانس لیا۔
''اتنے گھنٹوں سے ہی کوشش تو کر رہے ہیں اگر وہ ادھر ادھر ہوتی تو اب تک گھر پہنچ چکی ہوتی۔ اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو نہیں بیٹھ سکتے نا۔'' ولید کے انداز میں کافی تیزی تھی۔ احسن نے بھی سر ہلا کر اتفاق کیا تھا۔
''لیکن ولید بیٹا بات پولیس تک پہنچنے کا مطلب ہے کہ بات گھر سے نکل کر لوگوں کے علم میں آ جائے گی۔ وقار ٹھیک کہہ رہا ہے یہ پاکستان ہے یہاں ایسی باتیں بہت تیزی سے پھیلتی ہیں۔ یہ وقت جذبات کا نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے۔'' ضیاء صاحب نے بھی کہا تو اس نے تلخی سے سر ہلایا۔
''مصطفیٰ کوئی غیر نہیں میرا دوست ہے وہ بات اپنے تک رکھے گا اس کی مدد لینے میں کوئی حرج نہیں۔''
''وہ سب ٹھیک ہے لیکن کچھ دیر اور انتظار کر لو، پھر بھلے مصطفیٰ کو بلوا لینا۔'' وقار صاحب کا انداز ملتجی تھا۔
ولید لب بھینچ کر باہر نکلا تو احسن بھی اس کے پیچھے فوراً لپکا تھا۔
''میرا خیال ہے ہمیں پھر ادھر ادھر دیکھ لینا چاہیے ہو سکتا ہے وہ اپنے اسپتال وغیرہ میں ہو۔'' اس کے سامنے آ کر احسن نے ایک امید

سے کہا تو ولید نے محض سر ہلایا۔
درحقیقت وہ اس قدر پریشان تھا کہ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب ہو چکی تھیں اس نے انا پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ دل میں انا کے خلاف بے حد غصہ بھرا ہوا تھا۔ اس کی کم عقلی و بے وقوفی پر اس کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا تھا لیکن اس سب کے باوجود دل کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے یا وہ اس طرح نظروں سے اوجھل ہو جائے جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ دل کی ہر دھڑکن مدھم پڑتی جا رہی ہے۔
انا اس سے لاکھ بدظن اور بدگمان سہی مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ انا سے منگنی کی ہامی بھرنے کے لیے اس کے دل و دماغ میں صرف اور صرف انا کی محبت نے جگہ بنائی تھی۔ اس کے تمام تر بچکانہ رویوں کے باوجود وہ ہمیشہ اسے اس کی جذباتیت کا مارجن دے جاتا تھا لیکن وہ قطعی نہیں جانتا تھا کہ زندگی میں ایک ایسا مقام بھی آئے گا جب وہ انا کی بے اعتباری کے سامنے بے بس ہو جائے گا اور اب اس کی اس طرح گمشدگی کا سن کر دل گویا سب احتیاطیں بھول بیٹھا تھا۔ سب ناراضگی بھول کر اس کی تلاش کے لیے سرگرداں تھا مگر اس کا تو کوئی نام و نشان ہی نہیں مل پا رہا تھا۔ وہ لب بھینچے اپنے چٹختے اعصاب کو سنبھالتے احسن کے ساتھ اس کی گاڑی کی طرف بڑھ آیا۔



انا کی طرف سے وہ بے حد پریشان تھی جب سے روشی کی کال آئی تھی وہ مسلسل تمام دوستوں سے رابطہ کے انا کے بارے میں پوچھ چکی تھی کوئی بھی اس کے بارے میں خصوصاً اس طرح بغیر کچھ کہے چلے جانے سے متعلق کچھ نہ جانتا تھا۔ اس نے اپنے جاننے والوں سب ہی سے اس کے بارے میں پوچھا تھا وہ مسلسل روشی سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ آٹھ بجے مصطفیٰ کی گھر واپسی ہوئی تھی۔ وہ دوپہر گھر آیا تھا اور پھر واپس چلا گیا تھا اور اب آیا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہ روشی سے موبائل پر بات کر رہی تھی۔
''جس جس لڑکی سے ممکن ہو سکا ہے میں نے رابطہ کیا ہے اور مختلف لڑکیوں سے نمبرز لے کر دوسروں سے رابطہ کیا پر کوئی بھی انا کے بارے میں نہیں جانتا۔''
''تم دعا کرو اس کا پتا چل جائے وہ خیریت سے ہو پھوپو کا تو ٹینشن سے برا حال ہے۔'' روشی رو رہی تھی۔ شہوار کی آنکھوں میں بھی نمی آ ٹھہری۔ انا اس کی نہ صرف بہت اچھی دوست تھی بلکہ بہنوں کی طرح عزیز تھی۔ وہ بھلا کیسے سکون سے بیٹھ سکتی تھی۔ مصطفیٰ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے سر ہلا کر سلام کیا۔
''پریشان نہیں ہوں، ان شاء اللہ سب خیر رہے گی او کے میں بعد میں کال کرتی ہوں۔'' اس نے اللہ حافظ کہہ کر کال بند کی۔ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے دیکھا وہ دوپٹے سے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کر رہی تھی۔
''کیا ہوا؟'' موبائل بستر پر رکھ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
''انا نجانے کہاں غائب ہے دوپہر تک وہ کالج میں ہمارے ساتھ تھی پھر میں کسی کام سے سر سے ملنے چلی گئی تھی اس کے بعد اس کا کوئی پتا نہیں مجھے یہ لگا کہ وہ گھر چلی گئی ہوگی۔ مگر وہ گھر بھی نہیں پہنچی۔ روشی نے ہی کال کر کے پوچھا کہ وہ میرے ساتھ ادھر ہے اس کے بعد سے وہ لوگ مسلسل اس کی تلاش میں ہیں لیکن کوئی خیر خبر نہیں مل رہی۔'' اس کی آواز میں نمی گھلی ہوئی تھی۔
''مائی گاڈ، اسی لیے ولید نے کال کر کے تمہارا نمبر لیا تھا۔'' شہوار نے سر ہلا دیا۔
''کچھ اندازہ ہے کہ وہ کہاں جا سکتی ہے۔'' شہوار نے نفی میں سر ہلایا۔
''میں کالج کی ان تمام دوستوں سے رابطہ کر چکی ہوں جن کے بارے میں مجھے شک تھا کہ انا ان کے پاس ہو سکتی ہے...... روشی اور آنٹی کا تو صدمے سے برا حال ہے وہ سب سمجھ رہے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ ان کے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا وہ خود سے اکیلی کبھی بھی بغیر بتائے ایسے غائب نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ جاتی تو کم از کم کسی کو تو خبر ہوتی کالج میں ساتھ تھی مجھے تو ضرور بتاتی۔'' مصطفیٰ نے اس کی بات بغور سنی تھی۔
''بڑی ہی کریٹیکل کنڈیشن ہے یہ تو۔'' مصطفیٰ بھی تمام صورت حال سن کر پریشان ہو گیا تھا۔
''آپ مجھے اس وقت انا کے ہاں لے جا سکتے ہیں۔'' ایک امید سے اس نے پوچھا تو مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔

''میں چینج کرلوں اور پھر کھانا کھا کر چلتے ہیں تم بھی ریڈی ہو جاؤ۔''



رات کے نو بج رہے تھے سڑک پر کاشفہ کی گاڑی تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی پچھلی سیٹ پر کاشفہ کی دوست کے علاوہ انا بھی تھی۔ بھیگا چہرہ، بکھرے بال، نڈھال سا وجود۔ وہ اس طرح گاڑی میں بیٹھی تھی گویا اس کا اس گاڑی یا اس کے ماحول سے کوئی تعلق نہیں۔ بے حواس انداز۔ گاڑی چلاتی کاشفہ نے اسے بڑی استہزائیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ انا کا سارا طنطنہ ساری اکڑ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ چکی تھی۔ وہ اس وقت اس کے رحم و کرم پر بیٹھی ایک مجبور و بے بس اور لاچار سی لڑکی تھی۔ جیسے ہی گاڑی ایک جانی پہچانی سڑک کے سامنے ایک جھٹکے سے رکی تو انا چونکی تھی۔ یوں جیسے وہ ایک دم حواس میں لوٹ آئی ہو۔ گاڑی رکتے ہی کاشفہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

''اگر تم نے میرے ساتھ چیٹنگ کی کوشش کی تو تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کس حد تک جا سکتی ہوں۔'' انداز دھمکانے والا تھا۔ انا خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

''چلو اترو اور جو کہا تم نے وہی کرنا ہے...... ورنہ......!'' اس کی دوست نے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ وہ اتری تو اس کی دوست نے اس کے ہاتھ میں اس کا بیگ، بکس اور موبائل تھما دیا تھا اور پھر گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ خالی خالی نظروں سے اس گاڑی کو وہاں سے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ کتنے ہی پل وہ اس طرح گم صم انداز میں وہاں کھڑی رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک گاڑی قریب سے گزری تو وہ چونکی وہ بیچ سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بڑے ٹوٹے قدموں سے چلی جا رہی تھی۔ اپنے گھر کے گیٹ کے سامنے وہ رک گئی تھی۔

گزرا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا تو اسے لگا کہ وہ اب اس گھر کی دہلیز کبھی پار نہیں کر پائے گی۔ اس کی ذات کا وہ سارا غرور، سارا فخر مٹی میں مل گیا تھا۔ اس کی چادر اس کے دائیں کندھے پر جھول رہی تھی اور ایک پلو زمین پر تھا۔ کئی پل اسی طرح ساکت صامت وہاں کھڑی رہی اور پھر اندرونی گیٹ پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا اور وہ نڈھال سے انداز میں چلتی اندر داخل ہوئی تھی لان میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا شاید کسی نے لائٹ ہی نہیں جلائی تھی۔

وہ اندر آئی تو لاؤنج کے دروازے کے پاس رک گئی۔ اندر سبھی بیٹھے ہوئے تھے۔ روتی ہوئی صبوحی بیگم کو شہوار نے ساتھ لگا رکھا تھا۔ ضیاء صاحب کو روشی کوئی میڈیسن کھلا رہی تھی۔ وقار صاحب سر تھامے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے مصطفیٰ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے تسلی دے رہا تھا۔ احسن ٹہل رہا تھا اور ولید وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ جو خالی نظروں سے سبھی کو دیکھ رہی تھی ولید پر نگاہ پڑتے ہی اسے لگا اس کے اندر ایک طلاطم برپا ہو گیا ہے۔ سینے میں گویا آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔ وہ کئی ثانیے تک یک ٹک ولید کو دیکھے گئی تھی۔ تبھی احسن پلٹا اور اسے دروازے میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔

''انا......'' وہ ایک دم پکار اٹھا تھا۔ سب کی نگاہ اس کی طرف اٹھی تھی۔

ایک پل کو تو سبھی ساکت ہوئے تھے اور پھر اس کی طرف بڑھنے والی سب سے پہلے صبوحی بیگم تھیں۔ وہ ایک دم اس کی طرف لپکی تھیں۔

''انا...... میری جان...... میری بیٹی......!'' وہ اسے ساتھ لپٹا کر شدت سے رو دی تھیں۔

انا اس طرح گم صم رہی تھی۔ کتابیں اس کے ہاتھ سے پھسل کر گر چکی تھیں۔ سب ہی اس کے گرد جمع ہو چکے تھے سوائے ولید کے وہ اس طرح ساکت و صامت اسے دیکھ رہا تھا۔

''کہاں تھیں تم؟'' اس سے جدا ہوتے انہوں نے پوچھا تو وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔

''بتاؤ نا کہاں تھی تم؟'' اب کی بار انہوں نے جھنجوڑ کر پوچھا تو ضیاء صاحب ایک دم آگے بڑھے تھے۔

''کیا کر رہی ہو صبوحی اسے بیٹھنے تو دو۔'' انہوں نے اسے ساتھ لگا کر کہا۔

انہوں نے اسے صوفے پر بٹھایا تو شہوار نے آگے بڑھ کر زمین پر بکھری کتابیں اور موبائل اٹھا لیا تھا اس کا بیگ اس کے بازو پر جھول رہا تھا۔ دوسرے کندھے پر چادر تھی وہ ابھی تک اسی کالج والے حلیے میں ہی تھی۔ بس فرق یہ تھا کہ اس کا چہرہ ستا ہوا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں بے تحاشا رونے سے سرخ اور ناک انار کی طرح دہک رہی تھی۔ انا کی حالت قابل تشویش تھی۔

''روشی بہن کے لیے پانی لاؤ۔'' ضیاء صاحب کو اس دوران محسوس ہوا کہ وہ بخار سے دہک رہی ہے۔ وقار صاحب اور احسن نے ضبط سے لب بھینچ رکھے تھے جبکہ ولید خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا شہوار اور مصطفیٰ خاموش تماشائی ہے۔ وہ دونوں تو انا کی خبر لینے آئے تھے کیا پتا تھا کہ یہاں صورت حال یک دم بدلے گی روشی پانی لے آئی تھی تو ضیاء صاحب نے گلاس اس کے لبوں سے لگانا چاہا تو وہ سر پیچھے کر گئی تھی۔

''تم ٹھیک ہونا؟'' انہوں نے دوبارہ پانی پلانے کی کوشش نہیں کی تھی گلاس ایک طرف رکھتے محبت سے پوچھا۔ وہ اس طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''انا کہاں تھیں تم۔'' احسن اس کے پاس چلا آیا تھا۔

وہ اور ولید اس کی تلاش میں اس قدر خوار ہو چکے تھے کہ حد نہیں اور اب اسے یوں اس حالت میں سامنے دیکھ کر احسن کے اندر ایک دم غصے کا ابال اٹھا تھا۔

''بتاؤ کہاں تھی تم؟'' اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت طیش کے عالم میں پوچھا۔

''احسن پلیز اس کی کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی۔ یہ سنبھلتی ہے تو آرام وسکون سے پوچھ لینا۔'' مصطفیٰ نے احسن کے غصے وطیش کو محسوس کرتے کہا تو وہ لب بھینچ کر تیزی سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تو مصطفیٰ نے شہوار کو اشارہ کیا تو وہ آگے بڑھی تھی۔ شہوار نے اس کی بکس اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔ خود اس کے بازو سے بیگ نکال کر چادر درست کی اور اس کا بازو تھام کر اٹھانا چاہا تھا۔

''چلو آؤ کمرے میں چلتے ہیں۔'' اس نے کہا تو وہ نہیں اٹھی۔

''انا چلو آؤنا؟'' شہوار نے زور دیا اور پھر بازو سے تھام کر کھڑا کیا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ چل دی۔

شہوار اور روشی اسے لے کر کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ صبوحی بیگم شدت سے رو دیں۔

''اس سے پوچھنے تو دیں کہ وہ کہاں تھیں۔ ایسی کیوں ہو رہی ہے؟''

''وہ الجھی ہوئی ہے اس کی حالت دیکھو سنبھلتی ہے تو سب سوال جواب کر لینا لیکن ابھی اسے کوئی بھی مت چھیڑے۔'' ضیاء صاحب نے سمجھایا تو وہ اور شدت سے رونے لگی تھی۔

انا کا اس طرح غائب ہو جانا اور اب واپس آ جانا، موبائل کا مسلسل آف رہنا کئی ایسے سوال اٹھا رہا تھا کہ خوف سے صبوحی بیگم کا دل بیٹھنے والا تھا۔ مصطفیٰ نے ماحول پر چھائی کشیدگی محسوس کرتے ولید کو دیکھا وہ اسی طرح دیوار کے ساتھ سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس نے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔ چہرہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

''تم بیٹھو میں آتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی اسے جاتے دیکھا تھا۔

وہ بستر پر بیٹھی ہوئی تھی شہوار اور روشنی اس کے دائیں بائیں تھیں۔

''انا کیا مسئلہ ہے کہاں تھی تم۔ تمہیں اندازہ ہے کہ ہم کس قدر پریشان رہے ہیں اس سارے عرصے میں ہم سب تو یہاں تک سوچ بیٹھے تھے کہ کہیں خدانخواستہ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا ہم نے ہر جگہ تمہیں تلاش کیا ہے ولید بھائی اور احسن مختلف اسپتال تک کھنگال آئے ہیں۔'' روشی نے کہا تھا وہ پھر بھی خاموش تھی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں، کچھ تو بولو۔'' روشی نے اسے سختی سے جھنجوڑ ڈالا تھا انا کا چہرہ ایک دم بالکل زرد ہو گیا تھا۔

''روشی پلیز اس کی کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے۔'' شہوار جو اسے بغور دیکھ رہی تھی ایک دم پریشان ہوئی تھی۔

تب ہی ولید کمرے کے دروازے پر آ رکا تھا۔ شہوار اور روشی دونوں نے اسے دیکھا تھا جبکہ انا اپنا سر اپنے گھٹنوں میں چھپا گئی تھی۔ وہ اندر آ گیا تھا۔

وہ قریب آیا تو روشی اور شہوار اس کے پاس سے اٹھ گئی تھیں۔ دونوں بغیر کچھ کہے باہر نکل گئی تھیں۔ ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا تو وہ گھٹنوں میں سر دیے ہوئے تھی ولید اس کے سامنے بستر کے کنارے ٹک گیا تھا۔

''انا......'' ولید نے پکارا تو وہ ساکت ہو گئی تھی۔ گویا پورا وجود پتھر ہو گیا ہو۔

''یہ سب کیا ہے، کہاں تھیں تم۔'' وہ پوچھ رہا تھا لہجے میں بے پناہ سنجیدگی وسرد پن تھا۔ ''اتنے گھنٹے کہاں تھیں تم...... تمہیں اندازہ ہے کہ

ہم کتنا خوار ہوئے ہیں؟'' انا کی پوزیشن میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔
''میں تم سے مخاطب ہوں انا۔'' ایک دم تلخی سے کہتے ولید نے اس کا بازو پکڑا تو وہ اس کی طرف لڑھک گئی۔
ولید نے دیکھا اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ تھیں اور وہ ہونٹ کچل رہی تھی۔
''انا......'' ولید نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔ جب سے وہ لوٹی تھی یہ پہلا ری ایکشن تھا جو اس کے مسلسل پتھریلے وجود میں سے بے دار ہوا تھا۔ ولید لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔
اس کا وجود لرز رہا تھا۔ سسکیاں بے اختیار تھیں۔ ولید اس کے یوں رونے سے الجھ گیا تھا اس کا اس طرح کی گھنٹے غائب رہنا اور اب خود ہی واپس آ جانا ایک سوالیہ نشان تھا جس کا کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے بڑی بے چین سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ نظر میں کھوج تھی۔ وہ بالکل اسی حلیے میں تھی جس حلیے میں وہ صبح کالج کے لیے نکلی تھی۔ لیکن حلیہ بکھرا ہوا تھا۔ وہ روتے روتے پھر اپنے گھٹنوں میں سر جھکا گئی تھی ولید خاموشی سے بیٹھا رہا تھا کچھ توقف کے بعد اس کی سسکیاں تھم گئی تھیں۔
''انا......'' ولید نے پکارا پر وہ چپ ہی رہی۔
''انا......'' ولید نے اس کا بازو تھامنا چاہا تو وہ ایک دم اس کے ہاتھ کے دباؤ سے ایک طرف لڑھک گئی۔
''انا......'' ولید ایک دم پریشان ہوا اور اس کو سیدھا کیا اور ہاتھ تھام کر نبض چیک کی۔ انا بے ہوش ہو چکی تھی اسے اس حالت میں دیکھ کر ولید کے اندر ایک دم وحشت سرائیت کرتی چلی گئی۔
''روشی......'' اس نے اونچی اور تیز آواز میں پکارا تو روشی کے ساتھ ساتھ شہوار بھی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ دونوں شاید باہر ہی تھیں جو فوراً آ گئی تھیں۔
''کیا ہوا؟'' انا کو اس طرح اس حالت میں پڑے دیکھ کر دونوں بے اختیار آگے بڑھی تھی۔

رابعہ کھانے کے بعد اپنا کمپیوٹر کھولے بیٹھی تھی۔ ابھی وہ ایک سائٹ سرچ کر رہی تھی جب اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی دوسری طرف ہادیہ تھی جو سلام دعا کے بعد پوچھ رہی تھی۔
''کیا کر رہی ہو؟''
''بھابی کو کپڑوں کے کچھ ڈیزائن درکار تھے وہی سرچ کر رہی ہوں۔''
''او کے۔'' دوسری طرف وہ سنجیدہ تھی۔
''تم کیا کر رہی ہو؟''
''میں فیس بک یوز کر رہی تھی ابھی ایک پوسٹ دیکھی تو سوچا تم سے ہی بات کر لوں۔'' ہادیہ سے بات کرتے کرتے رابعہ نے ایک دو ڈیزائن کو سلیکٹ کر لیا تھا۔
''کیسی پوسٹ؟'' انداز بے پروا تھا۔
''تمہاری اور سر عباس کی کچھ پکس ہیں۔'' ہادیہ نے بتایا تو وہ ایک دم چونکی۔
''کیا مطلب۔''
''کس کی پکس ہیں؟'' اس کی تمام تر توجہ ڈیزائنز سے ہٹ گئی تھی۔
''تم اپنی آئی ڈی اوپن کرو اور میری وال چیک کرو تمہیں سب پتا چل جائے گا۔'' ہادیہ نے بتایا تو وہ ساکت ہو گئی تھی اس نے فوراً فیس بک اپنی آئی ڈی لاگن کی تو ہادیہ کی کال ابھی جاری تھی۔
اس نے ہادیہ کی آئی ڈی اوپن کی تو سب سے پہلی پوسٹ دیکھ کر ہی اس کے پیروں تلے سے گویا زمین سرک گئی تھی۔ اس کی اور سر عباس کی وہی تصاویر تھیں جو سر عباس کی بیوی عادلہ نے اسے بھجوائی تھیں جس کے ساتھ دھمکی بھی تھی کہ وہ ان تصاویر کو سوشل میڈیا پر لگا دے گی اور اب یہ تصاویر سوشل میڈیا پر تھیں۔ وہ جانتی تھی یہ سب فیک ہے مگر یقین کون کرتا۔ وہ بت بنی آنکھیں پھاڑے تصاویر دیکھ رہی تھی۔ سر

عباس کے ساتھ اس کی انتہائی واہیات قسم کی تصاویر تھیں۔

''رابعہ......!'' ہادیہ نے پکارا تو وہ چونکی۔

''دیکھا تم نے۔''

''ہادیہ یہ تصاویر۔'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔ وہ ایک محتاط اور مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی تھی۔ وہ یہ سب بدنامی افورڈ نہیں کرسکتی تھی۔

''یہ عادلہ نے اپ لوڈ کی ہیں اور مجھے بھی ٹیگ کیا تھا۔''

''یہ جھوٹ ہے یہ تصاویر سب فیک ہیں۔'' وہ ایک دم رونے لگی تھی۔

''ہاں میں جانتی ہوں ذرا پوسٹ کو چیک کرو دیکھو کتنے سارے لوگوں کو عادلہ نے ٹیگ کیا ہوا ہے۔ ان میں سے تو سر عباس کے بہت قریبی جاننے والے ہیں یہ اصل میں تمہیں نہیں بلکہ سر عباس کو بدنام کرنا چاہ رہی ہے۔''

''ہادیہ میری آئی ڈی پر تو میرے بھائی اور بھی بہت سے جاننے والے ایڈ ہیں اگر کسی نے یہ سب دیکھ لیا تو۔'' وہ رو رہی تھی۔ متوقع بدنامی کے خوف نے اسے منجمد کر دیا تھا۔

''میں بھی یہی سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں نجانے اس نے کس کس جگہ یہ پکس شیئر کی ہیں ان پوسٹوں پر لوگوں کے کمنٹس پڑھو ذرا۔'' ہادیہ نے کہا تو اس نے جھلملاتی آنکھوں سے کمنٹس دیکھنا شروع کیے۔ ہر دوسرے بندے کا کمنٹس اس کے وجود سے گویا جان نکالتا چلا جا رہا تھا۔

''یہ بکواس ہے سب۔'' دوسری طرف ہادیہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''آئی نو۔''

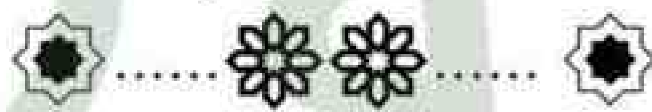
''سر عباس کو پتا نہیں علم بھی ہے کہ نہیں اتنے بزی انسان ہیں وہ پتا نہیں وہ فیس بک کے اسٹیٹس دیکھتے بھی ہیں یا نہیں۔ اگر انہوں نے ایک بار دیکھ لیا تو سچ کہوں یہ عادلہ زندہ نہیں بچے گی۔'' ہادیہ کہہ رہی تھی اور وہ بس رو رہی تھی۔

''تم سر عباس سے بات کرو ان کو بتاؤ اگر بات پھیل گئی تو بہت دور تک جائے گی۔'' ہادیہ مشورہ دے رہی تھی۔

''میں......میں بھلا ان سے کیا کہوں۔'' اس واقعہ نے گویا ساری عقل خبط کر دی تھی۔

''او کے تم ٹینشن مت لو میں سر سے بات کرتی ہوں۔'' ہادیہ نے کہا۔

''عادلہ جیسی عورت سے وہ خود ہی نبٹ لیں گے۔'' ہادیہ کے الفاظ پر وہ چپ رہی تھی وہ اسے مزید چند اور تسلیاں دیتے کال بند کر گئی تھی جبکہ وہ ابھی تک بے حس و حرکت بیٹھے بہتے آنسوؤں سے کمپیوٹر کی اسکرین پر روشن جگمگاتی تصاویر دیکھ رہی تھی۔



انا کے نروس سسٹم پر اثر ہوا تھا تاہم خطرے والی کوئی بات نہ تھی دو تین گھنٹوں بعد اسے ہوش آ گیا تھا لیکن ذہنی طور پر وہ اس قابل نہ تھی کہ کسی سے بات کرتی یا سوال و جواب کا سلسلہ چلتا۔ ڈاکٹرز نے اسے پھر سے ٹرینکولائز کے حوالے کر دیا تھا۔ سب ہی کا پریشانی اور ٹینشن سے برا حال تھا۔

پہلے انا کی گمشدگی اور اب اس کی یہ کنڈیشن صبوحی بیگم کا تو رو رو کر برا حال تھا۔ ضیاء صاحب تو مسلسل تسلیاں دے رہے تھے۔ ولید گم صم تھا۔ وقار صاحب خاموش تھے اور احسن اس کے اندر گویا غم و غصے کا طوفان اٹھا ہوا تھا۔ انا کا اس طرح مسلسل کئی گھنٹوں تک غائب رہنا اور پھر اس طرح گھر واپسی اور اب یہ بے ہوشی؟

مصطفیٰ اور شہوار دونوں مسلسل تسلی و دلاسے کا فریضہ سرانجام دیتے رہے تھے۔ روشی گھر پر تھی۔ انا کی طبیعت سنبھلی تو ضیاء وقار اور صبوحی بیگم کو بزور اصرار گھر بھجوا دیا گیا تھا۔ انا کو دو دن کم از کم اسپتال ڈاکٹرز کی زیر نگرانی رکھنا تھا۔ احسن اور ولید وہیں رک گئے تھے۔ احسن بار بار ولید سے نظریں چرا رہا تھا جس کا انداز بہت کچھ سوچتا ہوا اور گم صم تھا۔ نجانے کیوں احسن کو لگ رہا تھا کہ انا کی گمشدگی اور پھر واپس آنے کے پیچھے انا کا اپنا ہاتھ ہے۔ اگر کوئی حادثہ نہ ہوتا یا کوئی اور وجہ ہوتی تو انا واپسی پر اس طرح ری ایکٹ نہ کرتی۔

ضیاء صاحب اور باقی لوگوں کے جانے کے بعد مصطفیٰ نے شہوار سے واپس چلنے کا کہا وہ انا کے پاس ہی تھی ڈاکٹر نے اسے ایک تو

میڈیکل اسٹوڈنٹ کے سبب دوسرا مصطفیٰ کے کارڈ دکھانے پر روم میں انا کے پاس جانے دیا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر مصطفیٰ کے ساتھ ایک طرف بینچ پر بیٹھے ولید اور احسن کے پاس آ گئے تھے۔

''او کے یار چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے کہا تو ولید اور احسن دونوں کھڑے ہو گئے تھے۔

''تھینکس یار ہماری وجہ سے تم لوگوں کو اتنی پریشانی اٹھانا پڑی۔'' احسن نے مصطفیٰ سے ہاتھ ملاتے کہا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔

''کوئی پریشانی نہیں اور نہ ہی کوئی زحمت اٹھائی ہے یہ تو ہمارا اخلاقی فرض تھا۔''

''انا کو جب مکمل طور پر ہوش آئے تو مجھے اطلاع کر دیجیے گا۔'' شہوار نے بھی کہا تو احسن نے سر ہلایا۔

''او کے ولید، ڈونٹ وری سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' مصطفیٰ نے ولید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔

وہ دونوں سلام دعا کے بعد چلے گئے تو ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔ احسن نے بغور اسے دیکھا وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا وہ سیکنڈ فلور پر تھے باہر سڑک پر آتی جاتی گاڑیوں کی روشنیاں تھیں۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' احسن نے پوچھا تو ولید چونکا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا تو احسن نے سر جھکا لیا۔

''ولید میں تمہاری فیلنگز اور کنڈیشن سب سمجھ رہا ہوں میں جانتا ہوں انا کی اس طرح گمشدگی اور پھر خود واپس آ جانے پر تم کیا ہم سب بہت الجھ گئے ہیں۔ ذہن میں طرح طرح کے سوالات اٹھ رہے ہیں لیکن کچھ کہنے، کوئی حتمی نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر ہیں۔ اب اصل بات تو انا ہی بتا سکتی ہے۔ پلیز تم ابھی ایسی ویسی کوئی بات نہیں سوچنا وہ ہوش میں آتی ہے تو میں خود اس سے بات کروں گا۔'' وہ اس کے سامنے شرمندہ تھا۔ ندامت سے بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ میں ایسا ویسا کچھ بھی نہیں سوچ رہا۔ میں انا کو اچھی طرح سے نہ سمجھ رہا ہوتا تو بھی جانتا تھا کہ وہ کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔ رہ گئی اس کی گمشدگی والی بات بس وہ الجھا رہی ہے خیر وہ واپس آ گئی ہے جب ہوش میں آئے گی تو صحیح صورت حال کا بھی علم ہو جائے گا۔ ابھی قبل از وقت کچھ بھی کہنا درست نہیں ہوگا۔'' ولید کے الفاظ گویا احسن کے اندر زندگی بھر کر رکھ گئے تھے۔ اس نے ایک گہرا اطمانیت بھرا سانس لیا تھا۔

وہ جانتا تھا انا کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے لیکن پھر بھی اسے اس طرح گھر میں دیکھ کر وہ خائف ہو گیا تھا دل میں خوامخواہ کے خدشات جو در آئے تھے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ انا سے بس ایک پل میں ساری حقیقت اگلوا لے۔

''تم انا کے پاس چلے جاؤ میں ذرا تب تک باہر کینٹین سے کچھ کھانے پینے کو لے آؤں۔ انا کی پریشانی میں سبھی بھوکے پیاسے بیٹھے ہوئے تھے یقیناً تمہیں بھی بھوک لگی ہوگی۔'' احسن ولید کے الفاظ سے ایک دم ہلکا پھلکا ہوا تھا۔

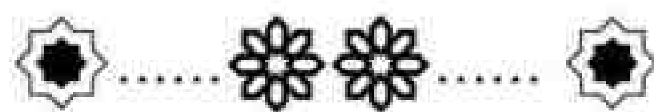
وہ چلا گیا تو وہ روم میں آ گیا تھا۔ مصطفیٰ کی بدولت پیشنٹ کے ساتھ ایک وقت میں صرف ایک اٹینڈنٹ کو ساتھ رہنے کی اجازت ملی تھی۔ نرس انا کے پاس کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''اگر آپ جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں میں ادھر ہی ہوں۔'' انا کو ڈرپ لگی ہوئی تھی اور وہ خود ادویات کے سبب بے خبر تھی۔ نرس اس کی تسلی پر اسے کچھ ہدایات دے کر چلی گئی تھی۔ وہ آہستگی سے انا کے بستر کے پاس آ رکا تھا۔

وہ بے خبر لیٹی ہوئی تھی۔ سفید چادر اس نے کندھوں تک اس کے وجود کو ڈھانپے ہوئے تھے بس چہرہ اور دایاں بازو باہر تھا جس پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ ولید کو اس کے گزشتہ روا رکھے گئے تمام سلوک یاد آنے لگے تو اس نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس سے اس حد تک بدگمان ہو چکی تھی کہ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

انا کی خفگی، اس کی ناراضگی اور اس کے شکوے اگر عام نوعیت کے ہوتے تو وہ ہنسی خوشی اس کا ہر نخرہ سر آنکھوں پر اٹھاتا۔ ابھی تک تو وہ یہی کرتا آیا تھا مگر اب ایک دم اس نے گویا اسے آسمان سے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اتنی بدگمان تھی کہ حد نہیں اور اس سے کچھ سننے کی بھی روادار نہ تھی۔ لیکن اب انا کی تکلیف اسے تکلیف سے دوچار کر رہی تھی۔ ولید آہستگی سے کرسی بستر کے قریب گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ ولید نے آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ نرم سبک سا ہاتھ اپنی تمام تر نرمی لیے اس کے ہاتھ کے نیچے تھا۔ وہ جو اس کی بدگمانی پر اس پر بے انتہا

غصے کے عالم میں اس کے رخسار پر اپنا ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا اور جس پر اسے قطعی پچھتاوا بھی نہ تھا لیکن اس وقت اپنی تمام تر انسلٹ بھلائے وہ بھی یہ سوچ رہا تھا کہ انا کہاں تھی اتنے گھنٹے اور گھر واپس آئی بھی تو پھر کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔
اگر کہیں گئی بھی تھی تو کم از کچھ رسپانس تو دیتی، کوئی جواب...... کچھ تو کہتی۔اسے انا کا وہ گم صم انداز بے انتہا الجھا گیا تھا۔ وہ ابھی اسی انداز میں گم صم بیٹھا ہوا تھا کہ نرس اندر داخل ہوئی تھی۔اس کے ہاتھ میں شاپر تھا۔
''آپ کے ساتھ جو ساتھی ہیں انہوں نے یہ بھجوایا ہے اور کہہ رہے تھے کہ وہ نیچے ویٹنگ روم میں جا رہے ہیں اگر کوئی بھی مسئلہ ہو موبائل فون پر ان سے رابطہ کر لیجیے گا۔'' شاپر اسے تھما کر نرس نے کہا۔
ولید نے شاپر کھول کر دیکھا اندر کھانے پینے کے لوازمات تھے لیکن اس وقت اس کے اندر کھانے پینے کی قطعی طلب نہ تھی۔ اس نے بے دلی سے شاپر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔
''آپ رات بھر یہاں ہی رک رہے ہیں؟'' نرس کو ولید کی پرسنالٹی بہت اٹریکٹ کر رہی تھی اس نے پوچھا تو ولید نے اسے دیکھا۔
''جی۔'' مختصر جواب دے کر اس نے پھر انا کو دیکھا۔
''یہ آپ کی کیا لگتی ہیں؟'' نرس نے اسے یوں بغور دیکھتے پوچھا تو وہ چونکا۔
''آپ کو کیا لگتا ہے کیا رشتہ ہو سکتا ہے ہمارا؟'' انداز وہی سنجیدہ تھا وہ ابھی تک آفس والے حلیے میں ہی تھا۔انا کی ٹینشن میں سارا وقت خوار ہوتے اس وقت حلیہ کافی شکن آلود تھا مگر دیکھنے والوں کو اس میں بھی کافی گریس اور اٹریکشن فیل ہو رہی تھی۔
''وائف ہیں شاید آپ کی۔'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی تمام تر توجہ سامنے کھڑی نرس کی طرف مبذول کر دی تھی۔
''آپ کو ایسا کیونکر فیل ہوا۔''
''آپ جس طرح کچھ پل قبل ان کو دیکھ رہے تھے۔'' نرس بڑی پر اعتماد تھی مسکرا کر کہا تو ولید کے ہونٹوں پر بڑی بے اختیار سی مسکراہٹ سمٹی تھی۔
''یہ میری کزن ہیں اور فیانسی بھی۔'' ولید نے دھیرے سے کہا تو نرس مسکرائی۔
''یعنی میرا تکا کچھ حد تک درست ثابت ہوا ہے۔'' ولید محض مسکرایا تھا۔
''ویسے انہوں نے ایسی کیا ٹینشن لی کہ نروس سسٹم ہی متاثر ہو گیا۔'' نرس کا انداز بے تکلف تھا۔ درمیانے نقوش کی مالک پرکشش سی نرس تھی۔
''اس سوال کا جواب تو آپ ان سے ہی پوچھیے گا اگر ہوش آ گیا تو۔'' ولید ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔
''اوہ یعنی آپ دونوں کا جھگڑا ہوا ہے۔'' ولید کے جواب سے نرس فوراً مین پوائنٹ تک پہنچی تھی۔
''اپنی فیانسی سے جھگڑنا اچھی بات تو نہیں، یقیناً کوئی سیریس بات ہو گی لیکن یہ بھی تو دیکھیں یہ کتنی کیوٹ اور پیاری ہیں آپ کا دل کیسے کر گیا ان سے جھگڑنے کو۔'' نرس بلا کی باتونی تھی۔ولید نے گہرا سانس لے کر رہ گیا۔
''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے خاتون، میرا ان محترمہ سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ یہ اس حالت تک کیونکر پہنچی ہیں اس کے متعلق میں بھی بے خبر ہوں، ہوش آ گیا تو آپ پوچھ کر بتائیے گا شاید مجھے بھی خبر ہو جائے۔'' ولید کا انداز قطعی تھا۔ کچھ سنجیدہ اور دوٹوک بھی۔
''آپ شاید مائنڈ کر گئے ہیں۔'' ولید نے کچھ نہ کہا۔
''میں ادھر ہی ہوں آپ نے باہر جانا ہو تو چکر لگا لیں میں آج رات ادھر ہی رکوں گا۔'' ولید نے بغیر نرس کو دیکھے کہا تھا۔
''آپ کی فیانسی کو اب صبح ہی ہوش آئے گا دوائیوں کے زیر اثر ہے آپ سونا چاہیں تو دوسرا بیڈ یوز کر سکتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو یا کوئی مسئلہ ہو یہ بیل بجا دیجیے گا میں فوراً آ جاؤں گی۔'' نرس کہہ کر باہر چلی گئی تھی۔
ولید نے اس کے جانے کے بعد پھر انا کو دیکھا اور ایک گہرا سانس فضا کے سپرد کیا۔



ہادیہ نے عباس کو کال کی تو وہ سونے کی تیاری میں تھا لیکن اس کی کال کے بعد تمام نیند اڑ چکی تھی وہ فوراً اپنا لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

لیکن عادلہ کا کارنامہ دیکھ کر وہ مارے غصہ کے کمرے میں ٹہلنے لگا تھا بس نہیں چل رہا تھا کہ عادلہ سامنے ہوتی تو وہ اس کو زندہ درگور کر دیتا۔
عباس نے فوراً رابعہ کو کال کی لیکن دوسری طرف رابعہ کی سسکیاں سن کر دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔
”میں نے کیا بگاڑا تھا اس عورت کا سر، میرا قصور صرف یہ تھا کہ میں آپ کی امپلائی تھی اور میں نے اس کی آفر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔“
”رابعہ پلیز خود کو سنبھالیں۔“ عباس از حد شرمندہ ہو رہا تھا۔
”سر میں بدنام ہو جاؤں گی سر اگر میری فیملی کو علم ہو گیا تو میں اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں گی۔“ اس کی سسکیاں تھمنے میں ہی نہیں آ رہی تھیں۔ عباس کے دل پر منوں بوجھ پڑ رہا تھا۔
”رابعہ پلیز ...... میں وعدہ کرتا ہوں آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ میری بات کا اعتبار کریں، بلیومی۔“
”لیکن سر میری فیملی۔“ اس کی آواز رندھ گئی تھی۔
”اگر کوئی مسئلہ ہوا تو میں دیکھ لوں گا۔“ عباس کے الفاظ بھی اس کی تسلی و تشفی نہیں کر پا رہے تھے وہ اور شدت سے رونا شروع ہو گئی تھی۔
”سر میں ایک عزت دار گھرانے کی بیٹی ہوں سر میں نے ہمیشہ اپنے چہرے کو بری نظر سے بچانے کی کوشش کی تھی اور اب یہ عالم ہے کہ ساری دنیا کے سامنے میرا چہرہ رکھ دیا گیا ہے اور ہر کوئی اپنی ذہنی سطح کے تحت میرے چہرے پر کمنٹس پاس کر رہا ہے۔“ عباس کے اندر ایک دم شدید ہیجانی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر عادلہ کا گلا دبا دے۔
”رابعہ پلیز، دیکھیں میری بات کا اعتبار کریں میں اس وقت کچھ نہیں کر سکتا لیکن صبح ہوتے ہی سب معاملہ ہینڈل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ عباس کے لہجے میں بے بسی کی انتہا تھی۔
”میرے لیے شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے سر میں سچ کہتی ہوں اگر میری ذات میرے کردار اور میرے خاندان کی عزت کو کوئی نقصان پہنچا تو میں آپ کو بھی کبھی معاف نہیں کروں گی۔“ وہ اس وقت اذیت کے عالم میں تھی روتے ہوئے کہہ کر اس نے کال بند کر دی تھی۔ عباس موبائل بستر پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
بات اگر اس کی ذات تک ہوتی تو وہ شاید خاموش رہتا لیکن اب بات لوگوں تک پہنچ چکی تھی ایک لڑکی کی پوری ذات داؤ پر لگ گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ عادلہ نے یہ عمل کیوں اٹھایا ہوگا۔ محض اپنی طلاق کا بدلہ لینے اور اپنے بھائی کی گرفتاری کا سن کر گھر واپسی پر ہی تو یہ خوش خبری ملی تھی کہ ایاز گرفتار ہو چکا ہے۔ عباس پریشانی سے ٹہل رہا تھا تبھی باہر گاڑی کے ہارن نے متوجہ کر لیا تھا مصطفیٰ کی گاڑی تھی۔ مصطفیٰ شہوار کے ہمراہ اپنے دوست کے ہاں گیا ہوا تھا شاید ابھی واپسی ہوئی تھی۔
عباس نے ایک دو پل کچھ سوچا اور پھر باہر نکل آیا۔ شہوار اور مصطفیٰ اندر داخل ہوئے تو عباس کو دیکھ کر رک گئے۔
”السلام علیکم!“ دونوں نے سلام کیا۔
”وعلیکم السلام۔“
”مل آئے دوست سے۔“
”جی۔“ دونوں نے ولید کے ہاں جانے کی اصل وجہ گھر میں کسی کو بھی نہیں بتائی تھی۔
”مجھے تم سے کچھ ڈسکس کرنا ہے اس وقت کچھ زحمت تو ہوگی لیکن چینج کرنے کے بعد میرے کمرے میں آ جاؤ وہیں بات کرتے ہیں۔“ عباس کا انداز سنجیدہ تھا مصطفیٰ چونکا۔
عباس واپس کمرے میں چلا گیا تو مصطفیٰ نے پرسوچ نظروں سے انہیں جاتے دیکھا تھا وہ اسے کچھ پریشان سے لگے تھے۔ اس وقت رات کے ساڑھے بارہ ہو رہے تھے سبھی اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے۔
”آپ چلیں میں ماں جی سے مل آؤں۔“ شہوار کہہ کر مہر النساء کے کمرے کی طرف چل دی۔
مصطفیٰ کچھ سوچتے اپنے کمرے میں آیا اور لباس بدلا اور فریش ہو کر وہ عباس بھائی کے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ لیپ ٹاپ کھولے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''ادھر ہی آجاؤ مصطفیٰ۔'' عباس کے کہنے پر وہ ان کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گیا تھا۔
''یہ دیکھو مصطفیٰ۔'' تھی تو شرمندگی کی بات لیکن مصطفیٰ سے شیئر کیے بغیر کوئی اور حل بھی نہ تھا۔ مصطفیٰ نے چونک کر اپنے سامنے کھلے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو دیکھا تھا۔
''یہ......!'' مصطفیٰ ایک دم ساکت ہوا تھا۔ اس نے فوراً نگاہ ہٹائی تھی۔ عباس سر جھکائے ہوئے تھا۔
''یہ سب فیک ہے۔ تم ذرا پوسٹ دیکھو یہ عادلہ کا کام ہے وہ پہلے بھی کچھ ایسی پکس بنوا کر میری ایک ایمپلائی کو بھجوا چکی تھی اور اب مجھ سے طلاق کا بدلہ لینے کے لیے یہ سب کر رہی ہے تاکہ وہ ہمیں بدنام کر سکے۔'' عباس نے زہرخند لہجے میں کہا۔
''اوہ......'' اس کے بعد عباس نے اسے تمام تفصیل کہہ دی تھی مصطفیٰ لب بھینچے حیرت زدہ تھا۔ محض انتقام کے لیے کوئی عورت اتنی بھی گر سکتی ہے اور اس سے بھی زیادہ شرمندگی کا مقام یہ تھا کہ یہ نفسیاتی طور پر دیوالیہ عورت بھی ان کے خاندان کا حصہ تھی۔ ان کے آفاق کی حقیقی ماں۔
''تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں نے شادی کے بعد اس عورت کے ساتھ کس قسم کی ذہنی اذیت برداشت کی ہوگی میں نے کوئی خوشی سے طلاق کا فیصلہ نہیں کیا تھا کاش کوئی جان سکتا میں ان دنوں کس قدر ڈسٹرب رہا ہوں لیکن میں محض اس عورت کی وجہ سے یہ سب کرنے پر مجبور ہوا تھا۔'' عباس ازحد پریشان تھا۔
''لیکن اب میری وجہ سے وہ معصوم لڑکی بدنام ہو رہی ہے لوگ محض وہی دیکھتے ہیں جو ان کو دکھایا جاتا ہے لیکن کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان تصاویر کے پیچھے اصل حقیقت کیا ہے پہلے میں نے یہ مسئلہ بابا کے سامنے رکھا تھا تو انہوں نے میرے طلاق کے فیصلے کی حمایت کی تھی اب تم سے کہہ رہا ہوں تم بتاؤ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو مجھے اپنی قطعی فکر نہیں لیکن مجھے اس معصوم لڑکی کی پروا ہے۔'' مصطفیٰ کچھ دیر خاموشی سے سوچتا رہا تھا۔
''سب سے پہلا حل یہی ہے کہ آپ کی طرف سے عادلہ پر کیس ہوگا جس کے تحت اس کو گرفتار کر کے ان تمام جگہوں پر جہاں جہاں پوسٹس کی گئی ہیں یہ تصاویر ڈیلیٹ کرائی جائیں دوسرا حل یہ ہے کہ کل خود جا کر اس سے بات کر لیتے ہیں تاکہ علم ہو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔'' مصطفیٰ نے حل پیش کیا۔
''صاف اور واضح بات ہے کہ وہ محض انتقاماً یہ سب کر رہی ہے اور کوئی ریزن نہیں' اس سے بات کرنا سب بے کار ہے میں اس پر سب ہتھکنڈے استعمال کر چکا ہوں وہ عورت سمجھنے سمجھانے والی نہیں ہے۔''
''چلیں ٹھیک ہے پہلی فرصت میں یہی کام کرتے ہیں عادلہ کو زبردستی ہر اس جگہ پر جہاں جہاں اس نے پکس شیئر کی ہیں ڈیلیٹ کراتے ہیں باقی کا کام بعد میں دیکھیں گے آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' مصطفیٰ کا انداز تسلی دینے والا تھا۔
''مجھے خود سے زیادہ اس لڑکی کی فکر ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں مصطفیٰ وہ کس قدر رو رہی ہے وہ کرداری لحاظ سے بہت اچھی لڑکی ہے تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ باکردار لڑکیوں کے لیے یہ سب مر جانے کے مترادف ہوتا ہے۔'' عباس کا لہجہ ایک دم رنجیدہ ہو گیا تھا۔
''وہ لڑکی بہت پاکیزہ خیالات کی مالک ایک مضبوط لڑکی ہے اس کے وجود نے مجھے احساس دلایا تھا کہ عادلہ جیسی عورتوں کے باوجود دنیا میں ابھی باکردار لڑکیوں کی کمی نہیں۔ کاش تم اندازہ لگا سکتے اس لڑکی کی مضبوطی اور کردار کی پختگی کا۔'' مصطفیٰ نے اپنے بڑے بھائی کو بغور دیکھا۔ رابعہ کے لیے عباس کے لب و لہجے میں ازحد عقیدت و احترام تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ٹینشن نہ لیں میں کوشش کرتا ہوں کہ سب ٹھیک ہو جائے ویسے عادلہ کی آئی ڈی ہیک کرانا مشکل کام نہیں ایک جاننے والا ہے اس کو کہتا ہوں باقی کا کام عادلہ کو سامنے بٹھا کر کرا لیں گے۔'' مصطفیٰ نے کہا تو عباس کو اس کی یہ بات پسند آئی تھی مصطفیٰ نے کسی کو کال کی اور پھر اسے عادلہ کی آئی ڈی کہا کہ تمام ڈیٹیلز سمجھانے لگا تھا۔
وہ دونوں ابھی باتیں کر رہے تھے کہ شہوار ٹرے میں چائے کے مگ لیے چلی آئی تھی۔ وہ لباس بدل چکی تھی عباس نے اسے دیکھ کر لیپ ٹاپ ایک طرف کر دیا تھا۔ اس نے دونوں کو چائے کے مگ تھمائے تھے۔
''آپ چائے نہیں لے رہیں۔'' عباس بھائی کے سامنے مصطفیٰ نے مسکرا کر شہوار سے پوچھا تھا الفاظ میں احترام تھا۔

''نہیں نیند آ رہی ہے بس نماز پڑھ کر سوؤں گی۔'' شہوار نے مسکرا کر جواب دیا۔
''اوکے میں عباس بھائی کے ساتھ کچھ بزی ہوں۔ فارغ ہو کر آ جاؤں گا۔'' مصطفیٰ نے کہا تو وہ سر ہلا کر چلی گئی۔
وہ دونوں کافی دیر تک اکٹھے بیٹھے رہے تھے مصطفیٰ نے جس کو کال کی تھی اس شخص نے منٹوں میں آئی ڈی ہیک کر کے نیا پاس ورڈ لگا کر اس کو بتا دیا تھا۔ اس کے بعد اس شخص کی ہدایات پر مصطفیٰ اور عباس کافی دیر تک عادلہ کی آئی ڈی سے جہاں جہاں پکس اپ لوڈ ہوئی تھیں ڈیلیٹ کر چکے تھے۔
فیس بک کے علاوہ اور نجانے کہاں کہاں تصاویر شیئر کی گئی تھیں اس بات سے وہ بے خبر تھے اب آدھی ٹینشن تو ریلیف ہو چکی تھی باقی کا کام اب صبح کرانا تھا عباس بہت حد تک پرسکون ہو چکا تھا۔ مصطفیٰ جب عباس کے کمرے سے ان کو تسلی دلا سے دے کر نکلا تو اڑھائی بج رہے تھے۔
دروازہ ان لاک تھا مصطفیٰ نے ہاتھ رکھا تو کھلتا چلا گیا۔ شاید اس کے لیے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ نائٹ بلب روشن تھا باقی لائٹس آف تھیں۔ شہوار سو چکی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کے سر کے نیچے سے کشن کھینچ لیا تھا لیکن پھر بھی اس کی نیند نہیں ٹوٹی تھی مصطفیٰ مسکرا کر اس پر جھکا تھا۔
''شہوار......'' اگلے ہی پل اس کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔
''بڑی گہری نیند تھی۔'' مصطفیٰ نے چھیڑا تو وہ جھینپ گئی۔
''آپ سوئے نہیں۔'' اس سے نظریں چرا کر تھوڑا پیچھے ہٹتے اس نے پوچھا۔
''عباس بھائی کے ساتھ تھا ابھی کمرے میں آیا ہوں۔'' مصطفیٰ نے اس کے رخسار سے بالوں کی لٹ پیچھے کرتے کہا تو وہ چونکی۔
''کیا ٹائم ہوا ہے؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔
''اڑھائی۔''
''ارے اتنی دیر تک ادھر رہے کوئی خاص بات تھی۔'' بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بناتے اس نے پوچھا۔
''ہاں ان کا کوئی مسئلہ تھا۔''
''کوئی سیریس بات تھی کیا۔''
''بس تھا ایک مسئلہ۔'' مصطفیٰ نے ٹالا تو وہ خاموش ہو گئی۔
''میں انا کی وجہ سے بہت ٹینس ہوں بس سارا وقت اسی کو سوچتی رہی پھر آنکھ لگ گئی تھی۔'' دوپٹہ کندھوں پر ڈالتے اس نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا۔
''ہاں انا کی وجہ سے میں بھی الجھ گیا ہوں۔ سب سے اہم بات وہ کہاں تھی اگر خود کہیں غائب تھی تو پھر موبائل آف کرنے والی بھلا کیا بات تھی اور اگر واپس آ بھی گئی تھی تو وہ ایسا رویہ کیوں تھا کسی بھی بات کا کوئی رسپانس نہیں اور اس کے اس طرح طبیعت کا بگڑنا، اچھا خاصا الجھا ہوا مسئلہ ہے یہ تو۔'' مصطفیٰ نے تفصیلاً کہا تو وہ سر ہلا گئی تھی۔
''بس اسی وجہ سے تو میں پریشان ہوں میں آج تک یہی سمجھتی رہی کہ انا اور مجھ میں اتنی گہری دوستی ہے کہ دل کی ہر بات آرام سے ایک دوسرے سے کہہ سکتی ہیں لیکن آج اس کا رویہ اور وہ سب دیکھ کر لگتا ہے کہ کہیں نہ کہیں ضرور کوئی بات ہے ورنہ نروس بریک ڈاؤن ہو جاتا اتنا شدید ردعمل بھلا عام حالات میں کیونکر ممکن ہے۔'' وہ افسردہ تھی سو مصطفیٰ سے سب کہہ دیا تھا۔ انا کی حالت نے اسے غم زدہ کر دیا تھا۔ وہ دل سے اس کے لیے دکھی تھی۔
''ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہو جو کسی سے بھی نہ کہی جا سکتی ہو۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''جو بھی تھا لیکن انا کو اس طرح تکلیف میں دیکھ کر میرا دل بہت غم زدہ ہے۔'' اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی آ گئی تو مصطفیٰ نے بے اختیار بازو کے حصار میں لے لیا تھا۔
''ہو جاتا ہے ایسا، ہو سکتا ہے وہ کسی الجھن میں ہو یا کوئی پریشانی ہو یا کوئی ایسی بات جو وہ کسی اور سے شیئر نہیں کر سکتی ہو۔'' انا کے حوالے سے مصطفیٰ نے پرسوچ انداز میں کہا تو شہوار نے سر ہلایا۔

''لیکن اگر ایسا کچھ ہوتا تو کم از کم گھر میں سے کوئی نہ کوئی تو باخبر ہوتا ہی حتیٰ کہ ولید بھائی بھی بے خبر ہیں۔'' مصطفیٰ نے بھی ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''چلو صبح چکر لگائیں گے تب تک وہ ہوش و حواس میں ہوگی پھر پوچھنے کی کوشش کرنا شاید کچھ بتا ہی دے۔'' مصطفیٰ نے تسلی دی تو اس نے سر ہلا دیا۔

''آپ نے امی کے بارے میں کچھ پتا کرایا کوئی خبر ملی۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے پھر پوچھا لہجے میں ایک آس سی تھی۔ وہ اس احساس سے بھلا کب آزاد تھی۔

چوبیس گھنٹے یہ خیال ہمہ وقت اس کے اعصاب کو اپنی گرفت میں جکڑے رکھتا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس خیال سے غافل نہیں ہو پاتی تھی۔

''نہیں موقع ہی نہیں ملا بہت بزی ہوں ان دنوں فارغ ہوتا ہوں تو کچھ کرتا ہوں۔'' مصطفیٰ سنجیدگی سے کہتے نیم دراز ہو گیا تھا۔ شہوار کو لگا جیسے مصطفیٰ نے اسے ٹالا ہو۔

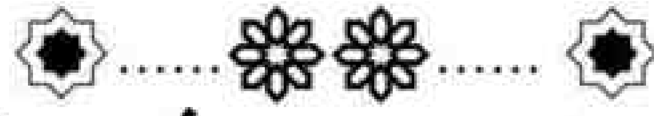
''اور انہوں نے جس نمبر سے کال کی تھی اس کا تو کچھ علم ہوا ہوگا؟'' وہ پھر ایک امید سے بولی۔

''بتا تو رہا ہوں موقع ہی نہیں ملا کسی آدمی کو کہہ رکھا ہے جیسے ہی کوئی پازیٹیو رسپانس ملا تو پتا کروں گا پی سی او کا نمبر تھا بس ابھی تک یہی اطلاع ہے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

نجانے کیوں دن بدن تابندہ بی کے متعلق وہ ناامید ہوتی جا رہی تھی۔

''تین بج رہے ہیں سونے کی کوشش کریں صبح پھر کالج جانا ہوگا۔'' وہ کسی خیال میں غرق تھی جب مصطفیٰ کے الفاظ پر چونکی تھی مصطفیٰ کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا مسکرا کر بازو پھیلایا تو وہ جھجکتے ہوئے بازو پر سر رکھتے دراز ہو گئی تھی۔

''پریشان نہیں ہوتے سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔'' مصطفیٰ نے اس کے بالوں کو سہلاتے نرمی سے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرا کر آنکھیں بند کر گئی تھی۔



وہ ساری رات سو نہیں پائی تھی صبح تک ٹینشن سے برا حال تھا اس نے آفس سے بھی آف کر لیا تھا۔ وہ طبیعت خراب کا بہانہ کیے بستر پر لیٹی رہی تھی۔ ابوبکر دو دن سے آؤٹ آف سٹی کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ وہ گھر میں ہوتا تو شاید وہ اس کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی۔ بھابی کو کچھ کہہ کر وہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اور اگر امی کو کچھ بھنک بھی پڑ جاتی تو انہوں نے مارے ٹینشن کے بستر سے لگ جانا تھا ثریا بیگم ایک مذہبی گھرانے کی پردہ دار خاتون تھیں۔

فیضان ماموں کی بدولت ان کے دونوں بچوں نے وقت کے تقاضوں کے مطابق تعلیم تو حاصل کر لی تھی لیکن ماں کی سوچ کو نہ بدل سکتے تھے ثریا بیگم ابھی بھی باپردہ رہتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر فوراً پریشان ہو جاتی تھیں۔ ایسے میں اگر ان کو ذرا بھی خبر ہو جاتی تو یقیناً صدمے سے انہوں نے نڈھال ہو جانا تھا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی جب دس بجے کے قریب بھابی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ سر منہ لپیٹے بستر میں دبکی ہوئی تھی۔

''رابعہ تمہارے باس آئے ہیں۔'' انہوں نے لائٹ آن کر کے کہا تو اس نے چونک کر فوراً کمبل سر سے نکالا۔

''سر......سر عباس؟''

''ہاں، میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے امی سے سلام دعا کر رہے ہیں۔ تم جلدی آؤ۔'' وہ کہہ کر پلٹی تھیں لیکن پھر رکیں۔

''ہاں حلیہ درست کر کے آنا۔'' انہوں نے بکھرے بالوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ چلی گئیں۔ رابعہ نے ایک گہرا سانس لیتے بستر چھوڑا' بالوں کو انگلیوں کی مدد سے درست کیا کپڑوں پر ایک ناقدرانہ نگاہ ڈالی بس ٹھیک ہی تھے۔

ذہنی طور پر ایسی ابتری چھائی ہوئی تھی کہ کسی بھی طرف دھیان نہیں جا رہا تھا اس نے واش روم جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے لیکن آنکھوں کی سرخی بھی تھی۔ وہ رات دیر تک روتی رہی تھی۔ رات جب سر عباس نے کال کی تھی تو وہ تب بھی حوصلہ ہار گئی تھی۔ ان سے بات

کرتے وقت بھی بڑی شدت سے روئی تھی۔اب پھر آنکھوں میں نمی آنے لگی تو اس نے ٹاول لے کر چہرہ صاف کیا۔آستینیں گیلی ہو رہی تھیں۔وہ دوپٹا اٹھا کر اچھی طرح اوڑھ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔باہر آئی تو امی ڈرائنگ روم سے نکل رہی تھیں۔

حسب عادت انہوں نے بڑی سی چادر اوڑھ رکھی تھی اور آدھے سے زیادہ چہرہ اس میں چھپا رکھا تھا وہ غیر مردوں کے سامنے اسی طرح رہتی تھیں۔

''ماموں کہاں ہیں؟''اس نے پوچھا۔

''وہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے ہیں۔''

اوہ......''

''تم جاؤ انہیں شاید کوئی کام ہے بے چارے پریشان سے لگ رہے تھے۔بار بار تمہارا پوچھ رہے تھے میں چائے لاتی ہوں۔''امی نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''کپڑے تو بدل لیتی؟''امی نے جاتے جاتے اس کے حلیے پر ایک ناقدرانہ نگاہ ڈالی۔

''ٹھیک ہوں امی گھر میں ہوں کون سا آفس جا رہی ہوں۔''وہ کہہ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو سر عباس اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔''انہوں نے اسے بغور دیکھا تھا۔سرخ آنکھیں بڑی نمایاں تھیں۔سوٹ کے ہم رنگ دوپٹا اوڑھے بڑے گھریلو حلیے میں تھی۔

وہ بیٹھے تو وہ بھی ان کے سامنے ٹو سیٹر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''میں آفس گیا تو علم ہوا کہ آپ نہیں آئیں۔ہادیہ نے بتایا آپ نے چھٹی کی ہے مجبوراً مجھے خود آنا پڑا۔''انہوں نے ابتدا کی تھی۔اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔''وہ سر جھکائے گود میں رکھے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔

''جی۔''اس نے سر ہلایا۔

''تو پھر آفس کیوں نہیں آئیں۔''انہوں نے پوچھا تو رابعہ نے بہت سنجیدگی سے انہیں دیکھا وہ شرمندہ سے ہو گئے تھے۔

''ایم سوری رابعہ۔''وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگے تھے۔

''عادلہ نے جو بھی کیا میں اس کے لیے اتنا شرمندہ ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔یقین جانیے جب سے ہادیہ نے رات کال کر کے اطلاع دی تھی میں تب سے ایک پل کو بھی چین سے نہیں بیٹھ پایا۔مجھے اپنی ذات سے زیادہ آپ کی عزت کی پروا ہے۔''عباس کہتے کہتے پلٹا تو بے اختیار ٹھٹکا۔رابعہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

آنسو ایک کے بعد ایک کرتے اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔عباس کے اندر ندامت و شرمندگی کا ایک بحر بے کراں ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔وہ بڑی اذیت سے چلتا اس کے پاس آ رکا تھا۔رابعہ نے جلدی سے اپنے رخسار صاف کیے تھے۔

''رابعہ پلیز ایسے مت کریں میں پہلے ہی بہت زیادہ گلٹی فیل کر رہا ہوں۔''عباس کو رابعہ کے آنسو ایک دم شدید شکست سے دوچار کر گئے تھے۔عباس بے اختیار اس کے سامنے بیٹھا تھا۔نرمی سے کہا تو رابعہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''پھر میرا کیا قصور تھا بس یہ کہ میں آپ کی ایمپلائی تھی اور میں نے آپ کی وائف کی ڈیمانڈ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔''اس نے رندھی آواز میں کہا۔

''وہ ذہنی طور پر ایک بیمار ذہنیت کی مالک عورت ہے اگر آپ نہ ہوتیں تو وہ کسی اور کو استعمال کرتی۔اس کا مقصد محض مجھے اور میرے خاندان کو نیچا دکھانا ہے یقین جانیے وہ یہ سب اپنی طلاق کا بدلہ لینے کے لیے کر رہی ہے۔''

''مگر آپ لوگوں کی باہمی لڑائی میں،میں تو بدنام ہو گئی نا سر۔''عباس نے مٹھیاں بھینچ کر سر جھکا لیا تھا۔

کچھ توقف کے بعد اسے دیکھا وہ اپنی نم آنکھوں کو اپنے دوپٹے سے صاف کر رہی تھی۔ صاف شفاف بے ریا چہرہ اس وقت پژمردگی کا شکار تھا عباس کے اندر جذبات کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔

''میرے ساتھ چلیں میں آپ کو لینے آیا ہوں۔'' عباس نے کہا تو وہ چونکی۔

''جی...... لیکن کہاں؟''

''ایک ضروری کام ہے اور وہ کام آپ کے بغیر ممکن نہیں۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا تو رابعہ نے نظریں جھکا لیں۔

''ایم سوری سر...... میں نہیں جا سکتی میں شاید اب آفس نہ آسکوں، آپ کی کمپنی کے جو بھی رولز ہیں اس کے باوجود میں جاب چھوڑ رہی ہوں مجھے اپنی عزت اور وقار سے بڑھ کر کوئی بھی چیز عزیز نہیں میں اپنے اس ماہ کی پے بھی چھوڑ رہی ہوں۔ مجھے اب آپ کے ساتھ کام نہیں کرنا۔'' وہ حد سے زیادہ بدگمان ہو چکی تھی سر جھکائے اس نے بہت ٹھوس لہجے میں کہا تو عباس نے لب بھینچ لیے۔ رابعہ کے الفاظ دل پر ایک پتھر کی طرح لگے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ عادلہ سامنے ہو تو وہ اس کے وجود کو تہس نہس کر دے۔

''یعنی عادلہ کی اس حرکت کے بعد میں آپ کے لیے اس قدر بے اعتبار ہو چکا ہوں کہ آپ میرے ساتھ کام کرنے سے بھی انکاری ہیں۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا تو رابعہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''بات بے اعتباری کی نہیں بلکہ اپنی عزت و وقار کی ہے اگر بے اعتباری ہوتی تو اس وقت آپ میرے گھر میں موجود نہ ہوتے۔'' رابعہ نے بہت صاف الفاظ میں عباس کی پوزیشن کلیئر کی تھی۔ عباس کو لگا وہ ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہو۔

''تو پھر یقین کیجیے آپ کی عزت اور آن پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا میں ایک اسٹریٹ فارورڈ انسان ہوں لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتا لیکن جو کہہ رہا ہوں یقین سے کہہ رہا ہوں میں یہ سارا معاملہ اپنے بھائی مصطفیٰ سے ڈسکس کر چکا ہوں مصطفیٰ کو تو آپ جانتی ہیں نا کہ وہ پولیس میں ہے۔'' اس کے سامنے سے اٹھ کر وہ قریب صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ رابعہ نے سر ہلایا۔

''وہ سب ہینڈل کر لے گا بلکہ بہت سارا کام وہ کر چکا ہے عادلہ کی آئی ڈی ہیک ہو چکی ہے اور جہاں جہاں اس نے وہ پکس شیئر کی تھیں وہ سب ڈیٹا ڈیلیٹ ہو چکا ہے یقین نہیں آتا تو بے شک آپ چیک کر لیں۔'' عباس نے مطمئن انداز میں کہا تو وہ حیران ہوئی۔

''ہادیہ کی کال کے بعد میں ایک پل کو بھی سکون سے نہیں بیٹھا تھا میرے لیے یہ قابل مذمت اور شرمندگی کا مقام تھا کہ میری وجہ سے آپ بدنام ہو رہی ہیں۔'' عباس نے کہا تو رابعہ کو لگا اس کے دل پر طاری منوں بوجھ اتر گیا ہو۔ اس نے ایک دم آنکھیں بند کر کے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

''اب صرف عادلہ کا دماغ درست ہونا باقی ہے۔'' عباس کے الفاظ پر اس نے ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں وا کی تھیں۔

''تھینک یو سو مچ سر۔'' وہ بے حد مشکور تھی عباس اس سارے عرصے میں پہلی بار مسکرایا تھا۔

''آپ کو نہیں اندازہ آپ نے مجھے کتنی بڑی ذلت سے بچایا ہے۔'' اس کی آواز میں نمی تھی۔

''آپ پر یہ سارا عذاب میری وجہ سے آیا تھا آپ سے زیادہ میں نے اس اعتبار کو ڈیفنڈ کیا ہے جس کی وجہ سے آپ مجھ پر اعتماد کرتی ہیں مجھے اندازہ تھا کہ آپ کس اذیت سے دوچار ہیں اس لیے خود آیا تا کہ آپ کو تسلی دے سکوں۔''

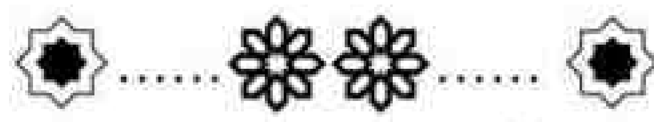
''تھینک یو سر۔'' اس کے لہجے میں ممنونیت تھی۔ عباس نے سر ہلایا۔

''آفس چل رہی ہیں پھر میرے ساتھ۔ میں چاہتا ہوں آپ کچھ وقت اس ٹینشن سے نکل کر گزاریں آپ کو بہت سا ذہنی سکون ملے گا۔''

''نہیں سر ابھی نہیں کل چکر لگا لوں گی۔'' اس نے کہا تو عباس نے سر ہلا دیا تھا۔ عباس کے لیے ابھی اتنا ہی کافی تھا کہ کم از کم وہ آفس آنے پر راضی تو ہوئی تبھی ثریا بیگم چائے کی ٹرے لیے چلی آئی تھیں۔

رابعہ نے فوراً چہرہ پھیر لیا تھا اس کا چہرہ رونے کے سبب سرخ تھا وہ فوراً کھڑی ہوئی تھی۔

''آپ سر پلیز چائے لیں میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔'' وہ کہہ کر فوراً نکل گئی تھی۔ ثریا بیگم کو چائے کا مگ تھماتے ساتھ دیگر لوازمات بھی سرو کر رہی تھی۔ عباس قدرے ریلیکس ہو کر چائے پینے لگے تھے۔



وہ ہوش میں آئی تو احسن پاس تھا ساتھ روشی، ماما اور ماموں بھی تھے۔ وہ دونوں وزیٹنگ آورز میں اس سے ملنے آئی تھیں۔ وہ ذہنی طور پر اس قدر ڈسٹرب تھی کہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن ذہن پر بہت بوجھ تھا گیارہ بجے احسن روشی کو لے کر گھر چلا گیا تو ماما اس کے پاس ہی رک گئیں تھیں۔

اس سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ ماما بطور خاص اس کا خیال رکھ رہی تھیں ان کی محبت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ اس کی ذہنی حالت از حد ابتر ہو چکی تھی۔ ڈاکٹرز بار بار اسے کچھ بھی نہ سوچنے اور بالکل ریلیکس رہنے کا کہہ رہا تھا۔ دو بجے کے قریب بابا بھی آ گئے تھے وہ زیادہ تر وقت سوتی جاگتی کیفیت میں رہی تھی۔ ماما ڈرائیور کے ساتھ گھر چلی گئی تھیں۔ پاپا نے اس سے کوئی سوال و جواب نہیں کیا تھا تین بجے کالج سے واپسی پر شہوار ڈرائیور کے ہمراہ اسپتال آ گئی تو وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی ہوئی تھی۔

''کیسی ہو؟'' وقار صاحب سے سلام دعا کے بعد وہ اس کے قریب آئی تو اس نے بازو ہٹا کر دیکھا۔

''ٹھیک۔'' وہ ذرا سا مسکرائی تھی لیکن مسکراہٹ میں کسی بھی قسم کی کوئی تازگی نہ تھی جیسے بے جان سے مسکراہٹ ہو۔

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں کب تک فارغ کر رہے ہیں تمہیں۔'' شہوار اس کے پاس بیٹھی تو وقار صاحب باہر نکل گئے تھے۔

''شاید کل رات کو یا شاید کل صبح۔'' دھیمے سے اس نے کہا تو شہوار خاموش ہو گئی تھی۔ جیسے کرنے کو کوئی بات نہ ہو۔

''تم کالج سے آ رہی ہو۔'' انا نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔

''مصطفیٰ بھائی کے ساتھ آئی ہو؟''

''نہیں ڈرائیو کے ساتھ۔'' شہوار اس کی میڈیسنز چیک کرنے لگی تھی۔

''ڈرائیور چھوڑ کر چلا گیا ہے واپسی پر مصطفیٰ خود پک کر لیں گے۔'' اس نے مسکرا کر انا کو دیکھا تو وہ سنجیدگی سے اسے ہی بغور دیکھ رہی تھی۔

نڈھال سی پژمردہ انا اسے برسوں کی بیمار لگی تھی۔ اس کے چہرے کی ساری سرخی ایک غیر محسوس زردی میں لپٹی لگ رہی تھی اور آنکھیں جو ہمہ وقت چمکتی رہتی تھیں اس وقت بجھی بجھی سی تھیں۔ جیسے ان کی ساری جوت ختم ہو گئی ہو۔ شہوار نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ چونکی۔

''کیا بات ہے انا؟'' انا سر جھکائے خاموش ہو گئی تھی۔

''ہم دونوں بہت اچھی دوست ہیں نا ایسی کیا بات ہوئی ہے جو تم مجھ سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتی۔'' ہاتھ کو نرمی سے سہلاتے اس نے پوچھا تو انا نے لب بھینچ لیے۔

''انا کیا مجھ پر بھی اعتبار نہیں۔'' اس نے محبت سے ہاتھ دبایا تو انا بس خاموشی سے دیکھتی رہی۔

شہوار نے چند پل اسے دیکھا کہ شاید وہ کچھ کہے لیکن اس کے لبوں کی خاموشی نہ ٹوٹی تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کچھ کھاؤ گی؟'' کچھ توقف کے بعد شہوار نے موضوع بدلا تو انا نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں تمہارے آنے سے پہلے پاپا نے سوپ پلایا تھا۔'' اس کے جواب دینے پر شہوار کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''ولید بھائی نے چکر لگایا، رات تو وہ شاید ادھر ہی تھے۔'' اس نے مزید کہا تو انا نے لب دانتوں تلے دبایا تو شہوار کو محسوس ہوا کہ ولید کے نام پر اس کے چہرے کے تمام تاثرات بدلے تھے۔

''تو کیا ولید بھائی اور انا کے بیچ میں ہی کوئی ایسا ریزن ہے جس کی وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے۔'' شہوار کے اندر سوالات پیدا ہونے لگے تھے۔

''ولید بھائی بے چارے بہت پریشان تھے تمہاری غیر موجودگی میں وہ اور احسن بھائی مسلسل تمہیں تلاش کرتے رہے تھے اور پھر یہاں اسپتال لانے کے بعد بھی وہ بہت پریشان تھے۔'' شہوار نے مزید کہا تو انا نے تیزی سے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے شہوار۔'' وہ اذیت سے بولی تو شہوار فوراً چونکی تھی۔ انا کا زرد چہرہ مزید زرد ہو رہا تھا۔

''میں ڈاکٹر کو بلا لیتی ہوں۔'' اسے دونوں ہاتھوں سے سر تھامے دیکھ کر شہوار نے کہا تو وہ خاموشی سے سر سرہانے پر رکھ کر آنکھیں بند کر

گئی تھی۔ شہوار نے انٹرکام پر نرس کو بلا لیا تھا۔
نرس نے آ کر میڈیسن دی تھی۔ جن کے بعد وہ کچھ دیر میں ہی غنودگی میں چلی گئی تھی۔ شہوار انا کے رویے پر از حد الجھ گئی تھی۔ ولید کے ذکر پر اس کا اس طرح کا ری ایکشن نجانے کیوں اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے انا اور ولید کے درمیان کوئی گڑ بڑ ہے۔ کچھ دیر بعد ولید اور ضیاء صاحب آ گئے تو وقار صاحب گھر چلے گئے تھے۔ ضیاء انا کے پاس کمرے میں رک گئے تو شہوار ولید کے ہمراہ نیچے آ گئی تھی۔ وہ انا کے رویے سے بہت الجھ گئی تھی وہ ولید سے اس کے بارے میں کچھ ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔
''ایک بات پوچھوں ولید بھائی۔'' نیچے آنے کے بعد اس نے پوچھا تو ولید نے اسے دیکھا۔
''بالکل۔''
''انا کہاں جا سکتی ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''مجھے علم ہوتا تو اسے تلاش ہی کیوں کرتا۔'' ولید نے بہت سنجیدگی سے جواب دیا۔
''اندازہ تو ہو سکتا ہے نا۔'' اس نے ولید کو بغور دیکھتے پھر کہا۔
''مجھے اندازہ ہوتا تو یہ سب سلسلہ ہی کیوں ہوتا پھر۔'' ولید کے لہجے میں ہلکی سی خفگی در آئی تھی۔
''بہتر یہی تھا کہ آپ یہ سوال اپنی احمق اور کم فہم دوست سے کرتیں۔'' نا چاہتے ہوئے بھی ولید کے لہجے میں برہمی تھی۔
''اگر وہ احمق اور کم فہم تھی تو کم از کم آپ ہی اس کی درست رہنمائی کر دیتے۔'' جواب ایسا تھا کہ ولید نے چونک کر شہوار کو دیکھا۔
''کیا اس نے آپ سے کچھ کہا ہے۔'' بے پناہ سنجیدگی سے پوچھا تو شہوار نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔
''یہ تو دکھ ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں کہہ رہی، کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہیں حتیٰ کہ آپ کا ذکر کرنے سے اس کی طبیعت بگڑنے لگی ہے۔'' شہوار نے آزردگی سے کہا تو ولید نے لب بھینچ لیے۔
''میں نے انا کو ہمیشہ ایک بہن کی طرح سمجھا اور اپنے لیے مخلص پایا ہے اب اسے اس طرح دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ دیکھیں ولید بھائی اگر آپ دونوں کے درمیان کوئی مسئلہ ہو گیا ہے تو پلیز اسے انا کا مسئلہ بنا کر اس الجھن کو بڑھاوا مت دیجیے گا۔ میں مانتی ہوں ہم لڑکیاں جذباتی لحاظ سے بہت کمزور ہوتی ہیں۔ ہم ان باتوں کو بھی رائی کا پہاڑ بنا لیتی ہیں جن کا سرے سے کوئی وجود نہیں ہوتا۔ انا بھی میری طرح ایک لڑکی ہے وہ جذباتی بھی ہے اور شدت پسند بھی آپ مرد ہیں برداشت وضبط کا زیادہ حوصلہ ومظاہرہ کرنے والے پلیز اگر کوئی مسئلہ ہے کوئی بات ہے تو آپ خود آگے بڑھ کر کلیئر کر لیں مجھے یقین ہے وہ آپ کے معاملے میں کبھی دل کو پتھر نہیں بنا سکتی۔'' شہوار کے لہجے میں انا کے لیے بے پناہ محبت اور خلوص تھا بہت فکرمندی بھی۔
ولید نے بہت پرسوچ نظروں سے شہوار کو دیکھتے اس کی تمام بات سنی تھی۔
''آپ نے پوچھا نہیں اس سے اس کی الجھن کا سبب؟''
''کسی وجہ سے میں خود پریشانی تھی بس توجہ نہ دے پائی اگر مجھے گمان ہوتا کہ حالات اس نہج پر آ سکتے ہیں تو میں شاید پوچھ ہی لیتی۔'' شہوار کے لہجے میں افسردگی تھی۔
''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میری طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوگئی انا آپ کی دوست ہے اس کے قول وفعل کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔'' ولید نے سنجیدگی سے کہا۔
''پھر کوئی تو وجہ ہوگی نا؟'' وہ الجھ گئی تھی۔
''یہ تو آپ اپنی دوست سے ہی دریافت کریں وہ شاید بہتر طور پر آپ کی رہنمائی کر سکیں ایم سوری میں اس سلسلے میں کچھ بھی کہنے سے قاصر ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر پلٹا گیا تھا۔
''آئیں اوپر چلتے ہیں بابا تنہا ہوں گے۔'' ولید کے کہنے پر وہ کچھ سوچتی اس کے ساتھ چل دی۔ مغرب کے بعد مصطفیٰ بھی آ گیا تھا۔ انا بھی حواس میں تھی۔
مصطفیٰ نے اس کی خیر خیریت دریافت کی تو اس نے محض سر ہلایا تھا۔ ولید بہت سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ صرف ایک دن میں وہ

بالکل بجھ کر رہ گئی تھی۔ وہ اس کی موجودگی کے سبب زیادہ تر آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ مصطفیٰ اس سے ہلکے پھلکے سوال کر رہا تھا اور وہ محض ہوں ہاں کر رہی تھی۔ رات آٹھ بجے ڈرائیور کھانا دینے آیا تو ضیاء صاحب اس کے ہمراہ گھر چلے گئے تھے۔ شہوار اور مصطفیٰ تیار کھڑے تھے انا نے شہوار کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''تم ادھر ہی رک جاؤ نا۔'' وہ بڑی آس سے کہہ رہی تھی شہوار نے بے اختیار مصطفیٰ کو دیکھا جس نے آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا تھا۔

''میں صبح کالج جاتے ہوئے پھر آؤں گی اور شام میں بھی آؤں گی اگر تم کل ڈسچارج ہو گئی تو گھر آ جاؤں گی۔'' انا نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ شہوار نے اس کی خاموشی بڑی شدت سے محسوس کی تھی۔ اس نے ذرا سا جھک کر قدرے شرارت سے کہا تھا۔

''ویسے بھی ولید بھائی رک رہے ہیں میں خوامخواہ رک کر تم دونوں میں ہڈی کیوں بنوں۔'' دھیمی آواز میں کہا۔

انا کا رنگ بدلا تھا اور پھر آنکھیں بند کر گئی تھی۔ شہوار کو شدت سے احساس ہوا کہ جیسے کوئی بہت ہی سیریس بات ہے اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ دونوں اللہ حافظ کہہ کر باہر نکل گئے تھے۔ ولید انہیں باہر تک رخصت کرنے گیا تھا۔ انا آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی رہی تھی۔ ولید دوبارہ کمرے میں آیا تو وہ کروٹ کے بل منہ بازو میں چھپائے لیٹی ہوئی تھی۔ ولید اپنے ساتھ لائے میگزین کو لے کر ایک طرف صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ میگزین دیکھتے گاہے بگاہے انا کی طرف بھی نگاہ ڈال لیتا تھا۔ کچھ دیر بعد نرس اندر داخل ہوئی تو ولید نے اخبار رکھ دیا تھا۔

''میڈیسن کا ٹائم ہو گیا ہے۔'' نرس نے آتے ہی کہا تو انا نے بازو ہٹا کر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی تھی۔ نرس نے میڈیسن نکالی اور پھر گلاس میں پانی نکال کر اسے تھما دیا۔

''آپ آج رات بھی یہیں رک رہے ہیں۔'' انا کی ہتھیلی پر میڈیسن رکھتے نرس نے ولید کو بھی مسکرا کر دیکھا۔

''کیوں آپ کو کوئی اعتراض ہے؟'' ولید نے بھی مسکرا کر پوچھا۔

''نہ بھئی ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔'' نرس کھلکھلائی تھی۔ انا نے میڈیسن پانی کے ساتھ نگلتے نرس اور ولید کو دیکھا تھا۔ نرس نے انا سے گلاس لے کر واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''ویسے آپ بہت لکی ہیں اتنی شاندار پرسنالٹی کے مالک ہیں آپ کے فیانسی۔'' نرس نے اپنی طرف سے انا کو چھیڑا تھا۔ وہ لب بھینچ گئی تھی۔

''ویسے ان کی موجودگی میں اس طرح کا ذہنی اسٹریس کافی حیرت میں ڈالتی ہے یہ بات تو۔'' نرس نے براہ راست انا کو مخاطب کیا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ بولی تھی ولید نے بغور انا کو دیکھا اس کے چہرے کے اعصاب سرخی مائل ہو رہے تھے۔

''ایسا ہم سفر اگر کسی کو مل جائے تو ہم جیسی لڑکیاں تو پھولے نہیں سماتیں آپ نے خود کو ایسا کیا روگ لگا لیا ہے کہ ذہنی سطح اس قدر اسٹریس کا شکار ہو چکی ہے۔'' نرس نا صرف از حد باتونی تھی بلکہ اچھی خاصی بے تکلف بھی۔ ولید کی موجودگی میں اس کی تعریفیں ولید تو مسکرایا تھا جبکہ انا اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی۔

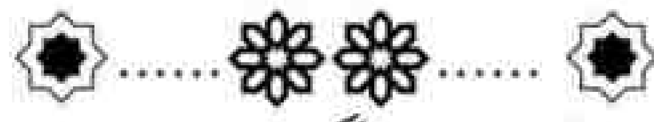
''آپ ان کو خوش نہیں رکھتے کیا؟'' نرس نے اب کے ولید کو مخاطب کیا۔

''یہ محترمہ میرے خوش کرنے کی حدود سے ابھی بہت بالا ہیں اور نہ ہی ابھی مجھے ان کو خوش رکھنے کے ایسے کوئی اختیارات حاصل ہوئے ہیں ویسے بھی یہ محترمہ خوش ہونے کی حدود سے ماورا ہیں۔'' ولید کا انداز از حد سنجیدہ تھا۔ نرس کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ جبکہ انا کا چہرہ مارے توہین کے سرخ پڑ گیا تھا۔

''یعنی آپ شادی جیسے اختیارات حاصل نہ ہونے پر افسردہ ہیں۔'' نرس اپنی طرف سے تو وہ دونوں کو چھیڑ رہی تھی جبکہ اس کی یہ چھیڑ کسی کے دل و دماغ پر کس طرح اثر انداز ہو رہی تھی وہ قطعی بے خبر تھی۔

''ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میں محدود سوچ اختیار کرتے افسردہ ہو جاؤں بلکہ میں تو بہت سکون محسوس کرتا ہوں کہ میں ہر طرح کی ٹینشن سے آزاد ہوں۔'' انا کے ذہن پر یہ الفاظ ہتھوڑا بن کر برس سے تھے۔

''پلیز سسٹر میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے میں آرام کروں گی اب۔'' لہجے میں ناگواری و تلخی تھی۔ سسٹر فوراً چوکنا ہوئی تھی۔
''اوہ ایم سوری، آپ لیٹ جائیں اور آرام کریں میں نے نیند کی میڈیسن کھلائی ہیں آپ کو فوراً نیند آ جائے گی کل تک آپ کافی ریلیف فیل کریں گی۔'' نرس نے اس کے کمر کے پیچھے تکیہ درست کیا تو وہ لیٹ گئی۔ دل عجیب سا بوجھل ہو رہا تھا۔
''میں کل گھر چلی جاؤں گی نا۔'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔
''بالکل چانس تو یہی ہیں باقی ڈاکٹر صاحب ہی بہتر جانتے ہیں۔'' وہ کہہ کر پلٹ گئی تھی۔
''ویسے آپ کی والدہ بتا رہی تھیں کہ آپ بھی ڈاکٹر بن رہی ہیں۔'' نرس نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔
''کسی ڈاکٹر کو پہلی بار اپنی صحت سے متعلق اتنا کیئرلیس دیکھا ہے۔ اپنا خیال رکھا کریں۔ بعض اوقات ایسے اسٹریس شدید نوعیت بھی اختیار کر جاتے ہیں۔'' وہ ہمدردانہ مشورہ دے کر چلی گئی اور انا کے اندر جیسے ایک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔ اس نے سر گھما کر دیکھا ولید میگزین پر سر جھکائے ہوئے تھا۔ اس کے اندر اضطراب و ملال کے گہرے بادل چھانے لگے تو وہ لب دانتوں تلے دبا کر تکیے میں منہ چھپا کر سسک اٹھی تھی۔
ولید نے میگزین سے سر اٹھا کر دیکھا تو نگاہ کئی ثانئے تک اس کی طرف پشت کیے وجود پر ٹھہر گئی تھی۔ انا کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ ولید نے لب بھینچ کر دوبارہ میگزین اپنے چہرے کے گرد کر لیا تھا۔



مصطفیٰ ابھی کھانا کھا کر ریلیکس ہوا ہی تھا کہ انسپکٹر شہناز کی کال آ گئی۔
''سر ہم اس عورت کو لے آئے ہیں۔ اب کیا کریں؟'' مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا تھا۔
''کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا۔''
''نو سر...... آپ کی انسٹرکشنز کے تحت ہی سارا کام کیا گیا ہے۔''
''اوکے ویل ڈن اب آپ ان خاتون کی زبان کھلوائیں تب تک میں بھی چکر لگاتا ہوں۔'' مصطفیٰ نے ہدایت دی۔
''اوکے سر۔'' کال بند ہو گئی تھی۔ وہ موبائل پکڑے کچھ سوچ رہا تھا جب دریہ چلی آئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح ٹپ ٹاپ تیار۔
''مصطفیٰ مجھے مارکیٹ لے چلو گے۔'' اس نے آتے ہی کہا۔
''اس وقت؟'' مصطفیٰ نے وقت دیکھا ساڑھے نو ہو رہے تھے۔
''دن میں کوئی فری ہی نہیں ہوتا۔'' دریہ نے کہا۔
''تو تم کسی اور کو ساتھ لے جایا کرو، ڈرائیور ہر وقت گھر پر ہی ہوتا ہے شام کے بعد سجاد بھائی اور عباس بھائی بھی گھر پر ہی ہوتے ہیں۔''
''یعنی انکار کر رہے ہو؟'' دریہ نے فوراً مزاج بدلا تھا۔
''اس وقت تو آدھے سے زیادہ مارکیٹ بھی بند ہو چکی ہو گی تم کل کسی اور کے ساتھ چلی جانا اس وقت تو مجھے خود کہیں ضروری کام سے جانا ہے۔'' مصطفیٰ نے صفاچٹ جواب دیا۔ اس دن تو وہ محض شہوار کو ستانے کی خاطر چلا گیا تھا لیکن آج تو وہ بالکل بھی فری نہ تھا۔
''تم رستے میں مجھے ڈراپ کر دینا اپنا کام کر لینا واپسی پر لیتے آنا۔'' دریہ نے دوسرا حل پیش کیا۔
''ایم سوری برا مت ماننا ہماری خواتین رات کے اس پہر شاپنگ کے لیے نہیں نکلتیں۔ تم دن میں چلی جانا تمہارے ساتھ کوئی بھی چلا جائے گا۔'' مصطفیٰ رکھائی سے کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا تو دریہ نے بہت ناگواری سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اسے مصطفیٰ سے اس قدر صاف جواب کی امید نہ تھی۔
وہ تو اس دن شائستہ کے ہاں جانے پر مصطفیٰ کے فوراً بلا چوں چراں مان جانے پر ابھی تک پھولے نہ سما رہی تھی اور اب ایک دم اس انکار نے اس کے اعصاب کو کھٹکا دیا تھا۔ مصطفیٰ عباس بھائی کو تیار ہونے اور ساتھ چلنے کا کہہ کر کمرے میں آیا تو شہوار الجھ رہی تھی۔
''سارا دن تو آپ بزی رہتے ہیں اس وقت بھی چل دیے۔'' اس نے شکوہ کیا۔
''دیکھو بھئی یہ سب میرے کام کا حصہ ہے۔ کہیں سے بھی کسی بھی وقت کال آ سکتی ہے اگر تم اس طرح ری ایکٹ کرو گی تو میرے لیے

جاب کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔''

''مجھے نہیں پسند یہ جاب انسان کی اپنی کوئی لائف ہی نہیں ہر وقت خطروں میں گھرے رہو۔''اس نے ناپسندیدگی سے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

''کبھی کبھار میں سوچتا تھا میڈم شہوار صاحبہ بھلا بیویوں والے گیٹ اپ میں کیسی لگتی ہوں گی۔اس طرح حق جتاتا انداز دیکھ کر تو دل خوش ہو گیا ہے میرا۔''مصطفیٰ نے شرارت سے کہا تو اس نے سنجیدگی سے دیکھا وہ الماری درست کر رہی تھی۔

''ٹالیں نہیں، جا کہاں رہے ہیں؟''اس نے پوچھا۔

''اب اپنا ہر کیس پہلے تم سے ڈسکس کرنا پڑے گا کیا؟''مطفی نے گھورا۔شہوار نے ایک گہرا سانس لیا وہ کپڑے تہہ کر کے الماری میں رکھ رہی تھی۔

''اور اس ایاز کا کیا بنا؟''کپڑے رکھنے کے بعد اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''واپس آ کر ڈسکس کروں گا لیٹ ہو رہا ہوں۔''مصطفیٰ اپنا پسٹل لے کر جانے کو ریڈی تھا۔

شہوار نے ایک گہرا سانس لیتے مصطفیٰ کے تمام کاغذات اور ضروری فائلز کو ترتیب دینا شروع کر دیا تھا مصطفیٰ اس کے ہاتھ میں فائل دیکھ کر جاتے جاتے پلٹا تھا۔

''ان فائلز کو ادھر ہی رہنے دیں یہ سب بہت ضروری کاغذات ہیں کہیں کوئی پیپر مس نہ ہو جائے۔''مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے دیکھا تبھی ہاتھ سے ایک فائل نیچے گر گئی تھی۔

''اوف......''وہ اٹھانے کو جھکی تھی۔

''آپ ان کو ادھر کیوں رکھتے ہیں آفس میں ہی رکھا کریں نا۔''گھر کو بھی آفس بنا رکھا ہے۔ساری الماری میں بس فائلز ہی فائلز جمع کر رکھی ہیں۔''وہ بڑبڑائی تھی۔

مصطفیٰ نے گھورا اور خود ہی اس کے اٹھانے سے پہلے فائل اٹھا کر الماری میں ٹھونس دی تھی۔

''موڈ کیوں آف ہو رہا ہے۔''سیدھا ہو کر الماری کا پٹ بند کر کے اس پر ہاتھ تھام کر شہوار کو گھورا۔

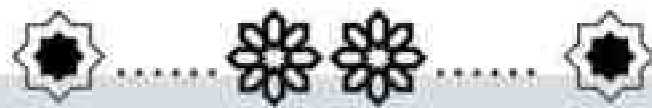
''میرا تو نہیں ہو رہا۔''وہ فوراً مسکرائی تو مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

''تو پھر اتنے تیکھے تیکھے جواب کیوں دیے جا رہے ہیں یہ دھواں کیوں اٹھ رہا ہے یہ بھی تو پتا چلے۔''

''کچھ نہیں ہوا آپ جائیں آپ کو دیر ہو رہی ہے۔''اس نے نظریں چرائی تو مصطفیٰ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر وال کلاک کو۔

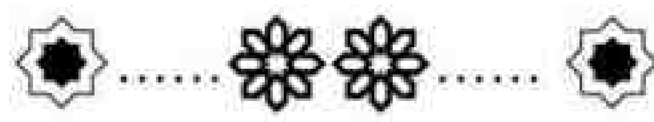
''واپسی پر بات کروں گا تب تک جواب سوچ رکھیے گا۔''وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

وہ پھر سے الماری کی طرف متوجہ ہوئی تھی الماری بند کر کے پلٹی تو چونکی قدموں کے پاس کوئی چیز پڑی تھی۔شاید فائل میں سے کچھ گرا تھا۔وہ جھک کر اٹھانے لگی تو اس کا سیل بجنے لگا تھا۔اس نے بنا دیکھے جلدی سے اٹھا کر واپس الماری کا دروازہ کھول کر اسی فائل میں بے ترتیبی سے رکھ کر وہ فوراً اپنے موبائل کی طرف بڑھی تھی۔عائشہ کی کال تھی۔اس نے فوراً کال پک کی۔



تابندہ بوا نماز پڑھ کر آئیں تو دل بہت بوجھل ہو رہا تھا اتنے دن گزر چکے تھے کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔وہ اب ہمت ہار چکی تھیں۔ان کا دل کہتا تھا کہ وہ واپس چلی جائیں اور جا کر حویلی اور اس کے مکینوں کو سب کہہ ڈالے ان کے اندر باہر ایک طوفان مچا ہوا تھا۔اب ناگریز ہو چکا تھا کہ کم از کم شہوار کی حقیقت دی جاتی۔تابندہ بی گھر کے صحن میں چکر لگاتے بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو چکی تھیں۔کچھ دیر مزید غور و فکر کرنے کے بعد وہ واپس اپنے کمرے میں آئی اور اپنے سامان میں سے بیگ نکال کر انہوں نے اپنا موبائل نکالا تھا۔

حویلی سے نکلتے وقت انہوں نے یہ موبائل بند کر دیا تھا لیکن اب اس موبائل کی ضرورت تھی۔انہوں نے نمبر آن کیا اور پھر انہوں نے ایک نمبر نکالا کر ڈائل کرنے سے پہلے انہوں نے پھر کافی دیر سوچا اور پھر انہوں نے نم آنکھوں سے وہ نمبر ملا ڈالا تھا۔وہ کافی دیر تک کال جانے اور ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگ گئی تھیں۔



بابا صاحب اپنے کمرے میں دراز کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ بخشوان کے پاس بیٹھاان کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔حویلی میں رات کے اس پہرایک عجیب سا سناٹا تھا۔ جیسے ہر طرف ایک ہو کا عالم ہو۔تابندہ بوا کے بعد حویلی میں سرے شام ہی رات اتر آتی تھی۔فون کی بیل بجی تو بابا صاحب کو زندگی کا احساس ہوا۔

''دیکھو کون ہے؟'' بابا صاحب نے بخشو کو کہا۔وہ فون اٹھا کر ان کے پاس لے آیا تھا۔انہوں نے کارڈلیس تھام لیا کر کال پک کی تھی۔

انہوں نے ہیلو کہا لیکن دوسری طرف جو آواز سنائی دی وہ سن کر وہ ایک دم ساکت ہوئے تھے۔دوسری طرف کچھ کہا جا رہا تھا۔

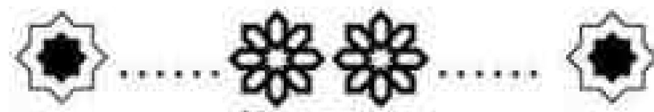
''ہاں جانتا ہوں میں۔'' انہوں نے لرزتی آواز میں کہا۔

''لیکن تم۔'' ان کے ہاتھ سے کارڈلیس چھوٹ گیا تھا۔بخشو جو بڑے ادب سے کھڑا ایک دم فوراً ان کے پاس ہوا تھا۔

''بابا صاحب خیر ہے نا۔'' بابا صاحب نے اسے دیکھا۔ان کے وجود میں گویا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ایسا طوفان جس سے ان کا وجود زلزلوں کی زد میں آ چکا تھا۔دماغ میں ایسے ہتھوڑے برس رہے تھے۔وہ خواب جو برسوں سے ان کو ڈراتا تھا آج مجسم ان کے سامنے تھا۔ان کو لگا اس انکشاف پر ان کے دماغ کی رگیں بس پھٹ پڑنے والی ہیں۔دوسری طرف شاید کال بند ہو گئی تھی۔انہوں نے اپنے چکراتے سر کو تھاما تو بخشو نے فوراً پریشان ہو کر انہیں بستر پر لٹایا تھا۔

ان پر اب پھر وہی کیفیت تھی جو ہمیشہ خواب دیکھنے کے بعد طاری ہوتی تھی لیکن اس بار بس فرق یہ تھا کہ یہ خواب نیند کی صورت نہ تھا بلکہ ایک کال کی صورت ان کے وجود پر طاری ہوئی تھی۔وہ بے بس ونڈھال سے ہو کر بستر پر ڈھے سے گئے تھے۔



وہ گھر شفٹ ہو گئی تھی صبح صبح ہی وہ احسن اور بابا کے ہمراہ گھر آ گئی تھی۔اس کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی۔گھر آئی تو روشی اسے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔اس کا کمرہ ویسا ہی تھا اس کی بکس اور بیگ کوئی اس کے بستر پر رکھ گیا تھا۔ساتھ ہی اس کا موبائل بھی تھا۔اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو وہ اسی طرح بند تھا جس طرح چند دن پہلے بند تھا۔موبائل کو دیکھتے اس نے لب بھینچ لیے تھے۔اس نے موبائل آن کر کے سائیڈ پر ڈال دیا تھا۔کتابیں ایک طرف کر کے وہ لیٹ گئی تھی۔

ڈاکٹر کہتے تھے کہ وہ کچھ نہ سوچے لیکن اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت سارا کام تھا۔اسے بہت کچھ سوچنا تھا۔وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی ہوئی تھی جب اس کا موبائل بجا اٹھا۔اس نے چونک کر موبائل دیکھا لیکن وہاں جگمگاتا نام دیکھ کر اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ اس کا تنفس ایک دم تیز ہو گیا تھا۔

''ہیلو۔'' اس نے کال ریسیو کی۔

''کیسی ہو؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔

''تمہارا نمبر بند تھا۔سنا تھا تم اسپتال میں ایڈمٹ ہو۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''کیوں کال کی؟'' انا کو اپنا لہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری محسوس ہوا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ کیوں کی میں نے۔''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

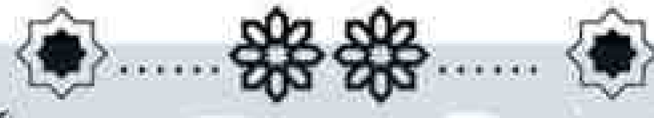
''تم اسپتال سے گھر شفٹ ہو چکی ہو۔'' اسے شاید پل پل کی خبر تھی۔

''دیکھو ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش مت کرنا تم جانتی ہو اچھی طرح کہ ہم پھر کیا کریں گے۔جو کہا ہے وہ بنا کسی تاخیر کے جلد از جلد کرو......ورنہ۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔اس کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔اس نے کال بند کر دی اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی اس کے دماغ کی کوئی شریان پھٹ جائے گی۔

''کیا ہوا؟'' روشی جو اس کے لیے کچھ پھل لینے باہر گئی تھی اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔انا نے اسے دیکھ کر اپنے ہاتھ ہٹائے تھے۔وہ اس کے لیے کچھ سیب لے کر آئی تھی۔

وہ اسے سیب کاٹ کر دینے زبردستی اصرار سے کھانے پر مجبور کرتے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن انا کو لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا دھیان بس ایک ہی نقطے پر جم گیا ہے۔ وہ بس اس کی باتوں پر ہوں ہاں کرتی رہی تھی۔ روشی اسے ایک سیب کھلا کر اٹھ گئی تھی۔

''تم تھک گئی ہو آرام کرو۔'' وہ اس کا رخسار تھپتھپا کر چلی گئی۔ روشی کی محبت پر اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں تو وہ خاموشی سی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔



شاہ زیب صاحب کو کال آئی کہ حویلی میں بابا صاحب کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔ صبح کے وقت ملازمین ان کو اسپتال لے گئے تھے لیکن ان کی طبیعت سنبھل نہیں رہی۔ شاہ زیب صاحب از حد پریشان ہو گئے تھے۔ وہ فوراً جانے کو تیار تھے۔ مہر النساء بھی ساتھ جا رہی تھیں۔ شہوار ابھی گھر پر ہی تھی اسے آج کالج کے لیے ذرا لیٹ نکلنا تھا۔ وہ بھی جانے پر تیار ہو گئی۔ فون کر کے اس نے مصطفیٰ سے جانے کی اجازت لے لی تھی۔ وہ لوگ دوپہر کو وہاں پہنچے تھے۔

بابا صاحب کی حالت واقعی بہت خراب تھی۔ شاہ زیب صاحب ڈاکٹرز سے ملنے چلے گئے' واپس آئے تو چہرے پر کافی تشویش تھی۔

''کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟'' مہر النساء نے پوچھا۔

''ہمیں انہیں شہر شفٹ کرنا ہو گا۔ یہاں علاج کی سہولیات ناکافی ہیں۔ ڈاکٹر ناامید ہیں۔'' ان کے اپنے لہجے میں مایوسی تھی۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ لوگ شام تک انہیں شہر لے آئے تھے۔ یہاں آتے ہی شاہ زیب صاحب نے اچھے سے اچھے ڈاکٹرز کا فوری بندوبست کیا لیکن بابا صاحب کی کنڈیشن میں کوئی بہتری نہ آ رہی تھی۔

گھر سے بھی باقی لوگ آ گئے تھے۔ مہر النساء اور شہوار گھر واپس آ گئی تھیں۔ اس بار بابا صاحب کی طبیعت کافی عرصے بعد خراب ہوئی تھی۔ سو سب کا اس طرح پریشان ہو جانا فطری تھا۔ شہوار کو بابا صاحب کی محبت اور شفقت ملی تھی۔ وہ اس کے لیے ہمیشہ ایک ابر باراں کی طرح مہربان رہے تھے۔ ان کے وجود سے اسے ہر طرح کی محبت اور چاہت ملی تھی۔ اس نے ان کا ہاتھ تھام کر زندگی کے تمام مدراج طے کیے تھے اور اب ان کی مسلسل بے ہوشی دیکھ کر وہ خود بھی افسردہ تھی۔ ڈاکٹر کہتے تھے کہ وہ کسی مینٹلی ڈسٹربنس کا شکار رہے ہیں۔ جب تک ان کے دل و دماغ کی وہ گرہیں نہیں کھل جاتیں ان کو مکمل طور پر صحت یاب ہونا ناممکن ہے اور شہوار سوچ رہی تھی نجانے ایسی کون سی گرہیں تھیں جو ان کے اندر کی تمام خوشیوں اور آسودگیوں کو دیمک کی طرح چاٹتی جا رہی تھیں۔ ورنہ ان کے پاس سب کچھ تو تھا۔ اتنی محبت کرنے والے رشتے پھر کہاں کمی تھی۔ وہ سوچ سوچ کر الجھ رہی تھی۔



رات کا کھانا کھانے کے بعد صبوحی بیگم اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ گھر واپسی کے بعد بھی کسی نے اس سے کوئی بھی سوال نہ کیا تھا۔ جبکہ وہ اندر ہی اندر خود کو ختم ہوتا محسوس کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد سب کچھ آر یا پار ہو جائے اور وہ جلد از جلد اس مسلسل ذہنی اذیت سے باہر نکل آئے۔

''ماما مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے؟'' کچھ سوچنے کے بعد اس نے کہا تو صبوحی بیگم نے اسے دیکھا۔

وہ اپنے ہاتھ میں پڑی ہوئی انگوٹھی پہن اور کبھی اتار رہی تھی۔

''ہاں کہو۔'' انہوں نے محبت سے کہا۔

''ماما یہ آپ ماموں کو واپس کر دیں۔'' اس نے انگوٹھی صبوحی بیگم کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

''کیا......؟'' صبوحی بیگم نے از حد حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''میں یہ رشتہ توڑ رہی ہوں ماما، مجھے اب یا کبھی بھی ولید ضیاء سے شادی نہیں کرنی۔'' صبوحی بیگم نے محسوس کیا کہ انا کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ انہوں نے دہل کر بیٹی کا چہرہ دیکھا وہ بالکل سپاٹ اور بے تاثر تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

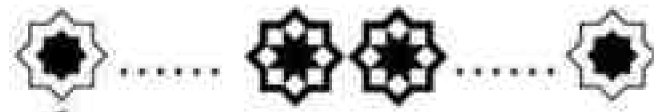


ٹوٹا ہوا تارا......سمیرا شریف طور

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

انا کی گمشدگی گھر والوں کو پریشانی میں مبتلا کر دیتی ہے۔اپنے طور پر ہر جگہ تلاش کرنے کے بعد وہ مصطفیٰ سے مدد چاہتے ہیں تاکہ گھر کا معاملہ گھر میں ہی نبٹ سکے۔دوسری طرف شہوار بھی انا کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔شام کے آخری حصے میں کاشفہ انا کو گھر کے باہر چھوڑ جاتی ہے۔اسے بکھرے حلیے میں دیکھ کر سب لوگ مزید تشویش کا شکار ہو کر اس سے پوچھ گچھ شروع کر دیتے ہیں لیکن کاشفہ کی دھمکیوں کے زیر اثر وہ زبان کھولنے سے قاصر رہتی ہے اور اسی دوران بے ہوش ہو جاتی ہے۔ایاز کے گرفتار ہو جانے پر عبدالقیوم سخت اضطراب میں مبتلا اپنا غصہ عادلہ اور بیگم پر اتارتے ہیں۔جبکہ عادلہ کے لیے بھی یہ سب ناقابل برداشت ہوتا ہے۔عباس سے بدلہ لینے کی خاطر وہ رابعہ اور عباس کی تصاویر سوشل میڈیا پر لوڈ کر دیتی ہے اپنی عزت داؤ پر لگی دیکھ کر رابعہ ٹوٹ کر رہ جاتی ہے اور عباس کو تمام صورت حال بتا کر مدد طلب کرتی ہے۔عباس مصطفیٰ کی مدد سے عادلہ کی آئی ڈی ہیک کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کسی حد تک تصاویر کو ڈیلیٹ کرنے میں کامیاب ٹھہرتا ہے۔دوسری طرف مصطفیٰ اپنی کوششوں سے عادلہ پر کیس کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے عباس ان حالات میں رابعہ کو تسلی دینے از خود جاتا ہے اور تمام معاملہ اسے سمجھا کر اس کی پریشانی کو کسی حد تک کم کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔رابعہ کے دیگر گھر والے اس واقعے سے لاعلم ہی ہوتے ہیں۔انا اسپتال پہنچ کر ہوش میں آ جاتی ہے وہاں اسے مختلف دوائیوں کے زیر اثر رکھا جاتا ہے ولید اور شہوار کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ انہیں کسی بھی بات سے آگاہ نہیں کرتی۔دو دن بعد اسے ڈسچارج کر دیا جاتا ہے۔لیکن گھر آ کر بھی اس کی حالت وہی رہتی ہے۔دوسری طرف تابندہ اپنی تلاش میں ناکام ٹھہرنے کے بعد واپسی کا ارادہ کرتی اپنا موبائل آن کرتے گھر والوں سے بات کرنا چاہتی ہیں جب ہی بابا صاحب کے پاس کسی اجنبی کی کال آتی ہے اور اسے سن کر ان کا وجود بکھر کر رہ جاتا ہے۔ان کی طبیعت تیزی سے بگڑتی ہے جس پر شاہ زیب اور دیگر گھر والے پہنچ کر انہیں شہر لے جانا چاہتے ہیں تاکہ ان کا ٹھیک طریقے سے علاج ہو سکے۔اسپتال سے گھر پہنچتے ہی انا کے نمبر پر کاشفہ کی کال آ جاتی ہے اور اسی کال کے نتیجے میں انا صبوحی بیگم کے سامنے ولید کی دی ہوئی انگوٹھی رکھتے اپنے اور ولید کے تعلق کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کی بات کرتی ہے جس پر صبوحی بیگم ششدر رہ جاتی ہیں۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾



صبوحی بیگم نے وقار صاحب سے بات کی تو وہ خود اس کے پاس چلے آئے، وہ گم صم کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی پاپا کو دیکھ کر ایک دم سیدھی ہوئی تو انہوں نے بغور بیٹی کو دیکھا۔سر جھکائے ہاتھوں کو دیکھتی وہ ایک دم انہیں بہت اجنبی سی لگی۔

یہ ان کی انا تو نہیں تھی۔ان کی انا تو بہت پر اعتماد، خوب صورت اور زندہ دل تھی۔یہ تو کوئی اور ہی لڑکی لگ رہی تھی بیمار، نڈھال، پژمردہ اور گم صم، جس کی آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی۔

''یہ میں کیا سن رہا ہوں؟'' انہوں نے سنجیدگی سے استفسار کیا تو انا نے گردن اٹھا کر باپ کو دیکھا۔

''تمہاری ماما کہہ رہی تھیں کہ تم منگنی توڑ رہی ہو۔'' ان کا انداز حد بے سنجیدہ تھا۔

''میں نے بہت سوچا لیکن میں ذہنی طور پر خود کو اس رشتے کا اہل نہیں پاتی۔'' اس نے دھیمے سے کہا تو وقار صاحب نے بغور دیکھا۔

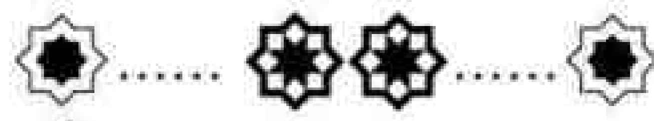
''وجہ؟'' انداز دوٹوک تھا۔

''میری اور ولی کی سوچ نہیں ملتی۔'' ہونٹوں کو کچلتے ہوئے کہا تو وقار صاحب کے تیور بدلے۔

''ہم خاموش تھے لیکن تم جس طرح سارا دن غائب رہیں موبائل بند کچھ بتانے پر آمادہ نہیں واپس لوٹی تو نروس بریک ڈاؤن یہ سب کیا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے اور انا کو لگ رہا تھا کہ اس کے پاس ان کے کسی بھی سوال کا کوئی بھی جواب نہیں۔وہ بالکل خاموش ہی رہی۔

''انا جواب دو ہم نے تمہاری تربیت اس انداز میں کی ہے کہ ہم تم پر شک نہیں کر سکتے لیکن ہمیں اپنی گم شدگی کا جواز دو۔'' انہوں نے

بہت سختی سے پوچھا پر انا پھر بھی خاموش ہی رہی تھی۔
''کہاں رہی تم سارا دن رات گئے لوٹی کیوں؟''انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا تو اب کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔
تب ہی صبوحی بیگم بھی کمرے میں داخل ہوئی تھیں وہ شاید باہر ہی تھیں شوہر کے تیور دیکھ کر فوراً اندر آ گئی۔
''صبوحی اس سے پوچھو یہ کہاں تھی، کیوں تھی، کیوں نہیں دے رہی یہ میرے سوالوں کے جواب؟''انہوں نے بیوی کو دیکھ کر اور زیادہ تیزی اور برہمی سے پوچھا۔
''انا جواب دو تمہارے پاپا کچھ پوچھ رہے ہیں۔''انہوں نے سر جھکائے خاموش بیٹھی بیٹی کا کندھا ہلایا تو اس نے سر اٹھایا آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔ شدت جذبات سے چہرہ سرخ تھا۔
''میرے پاس ان کے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں۔''بہت مدہم لہجے میں دوبارہ سر جھکا کر اس نے کہا۔
صبوحی اور وقار کتنی دیر تک سکتے کی کیفیت میں رہے تھے۔
''انا اس طرح مت کرو بیٹا کوئی پریشانی ہے، کوئی مسئلہ ہے تو ہمیں بتاؤ لیکن اس طرح مت کرو۔''محبت سے ساتھ لگا کر صبوحی نے کہا۔
انا کے چہرے پر عجیب سی بے بسی طاری تھی...... وہ پھر سے سر جھکا گئی تھی...... آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ ہاتھوں پر گرنے لگے تھے صبوحی بیگم نے بے بسی سے شوہر کو دیکھا تو ان کے چہرے پر بھی گہری سوچ کا عکس تھا۔
''تم کسی اور کو پسند کرتی ہو کیا؟''وقار صاحب نے پوچھا ان کے لہجے میں از حد سنجیدگی تھی۔ وہ اب بھی خاموشی ہی رہی۔
صبوحی بیگم نے خوف زدہ نظروں سے شوہر اور پھر بیٹی کو دیکھا۔
''تمہاری مسلسل خاموشی تمہیں مجرم ثابت کر رہی ہے انا ہم نے تمہاری تربیت ہمیشہ اس انداز میں کی تھی کہ کبھی ہمیں گمان تک نہ گزرا کہ تم زندگی کے کسی موڑ پر ہمیں اس طرح ذلیل کراؤ گی وہ جو کوئی بھی ہے جس کے لیے تم یہ سب کر رہی ہو کیا وہ ولید جیسے لڑکے سے زیادہ قابل ہے۔''ان کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا۔
''ابھی ولید سے رشتے سے انکار کے متعلق بات ہم دونوں تک ہے اچھی طرح سوچ لو تم کیا چاہتی ہو اور ایسا کیوں کر رہی ہو جب تک تم اپنی گمشدگی اور اس رشتے سے انکار کے متعلق کوئی ٹھوس وجہ نہیں بتاؤ گی ہم تمہاری کوئی بات نہیں سنیں گے۔''وہ تلخی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئے۔ صبوحی بیگم نے بڑی بے بسی سے بیٹی کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ ان کے اندر شدید غصے کا غبار اٹھا تھا۔
''انا کیوں کر رہی ہو ایسا تمہاری وجہ سے سارا گھر ڈسٹرب ہے۔''انہوں نے کہا تو وہ سسکتی ہی رہی۔
''دیکھو انا، ابھی کسی کو بھی تمہاری منگنی ختم کرنے والی بات کا علم نہیں کوئی مسئلہ ہے پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔'' اس کے سسکنے پر انہوں نے غصے پر ضبط کرتے محبت سے پوچھا۔
''مجھے کسی سے کوئی مسئلہ نہیں۔''اس نے لب کشائی کی۔
''ولی نے کچھ کہا ہے کیا؟''انہوں نے بغور دیکھتے پوچھا۔
''ہر انسان کو اپنی زندگی جینے کا حق حاصل ہے میں خود کو ان کے قابل نہیں سمجھتی۔''اس نے سر جھکائے پھر دھیمی آواز میں کہا تو صبوحی بیگم مزید الجھ گئیں۔
''کیوں کیا کمی ہے تم میں؟''
''میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔''جواباً اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تو صبوحی بیگم خاموشی سے دیکھے گئیں۔
''تم آرام کرو اچھی طرح سوچ لو پھر بات کروں گی۔''وہ سنجیدگی سے کہہ کر اٹھ گئی تھیں۔ ان کے کمرے سے نکلتے ہی انا ایک دم سرہانے پر سر رکھ کر بکھر گئی تھی۔



وہ اور عباس انسپکٹر شہناز کی بتائی گئی جگہ پر پھر موجود تھے۔ وہ کل بھی آئے تھے لیکن عادلہ کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ تھی جواباً مصطفیٰ انسپکٹر شہناز کو ہدایات دیتے گھر واپس لوٹ گیا پھر سارا وقت بابا صاحب کی پریشانی رہی تھی اور اب پھر وہ دونوں اس کے سامنے تھے۔ وہ عباس کو دیکھ کر چیخنے چلانے لگی تھی۔ چیزیں اٹھا اٹھا کر مارنے لگی تھی۔

''گھٹیا ذلیل انسان میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی یو بلڈی یو باسٹرڈ۔'' عادلہ کا اشتعال سے برا حال تھا۔ انسپکٹر شہناز نے اسے فوراً کنٹرول کیا۔ وہ ساری رات کی جاگی ہوئی بھوکی نڈھال سی تھی ایک دم بے بسی سے زمین پر بیٹھ گئی' کل سارا دن اور گزشتہ ساری رات شہناز نے اسے ایک پل کو بھی سیدھا نہیں ہونے دیا تھا کھانا پینا اور نیند تو دور کی بات تھی۔

''آپ نے یہ سب خود اپنے نام مول لیا ہے اگر آپ وہ سب نہ کرتیں تو ہم بھی یہ قدم اٹھانے پر مجبور نہ ہوتے۔'' مصطفیٰ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور عباس لب بھینچے کھڑا تھا۔

''میں تم لوگوں سے نہیں ڈرتیں تم قانون کا سہارا لے کر غیر قانونی انداز میں مجھے یوں یرغمال بنا کر نہیں رکھ سکتے۔'' جواباً وہ چیخی تو عباس نے استہزائیہ دیکھا۔

''ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں تم اچھی طرح جانتی ہو۔'' عباس نے تلخی سے کہا۔

''تم پچھلا قیام بھول گئی ہو کیا؟'' عباس کے الفاظ پر وہ ایک بار پھر آپے سے باہر ہونے لگی تھی۔

''ایک ایک لمحہ یاد ہے مجھے کچھ نہیں بھولی...... میں تمہاری زندگی اجیرن کر دوں گی تم کیا سمجھتے ہو اس طرح اپنے بھائی کے ساتھ مل کر مجھے قید کر لو گے اور میرا باپ کچھ نہ کر سکے گا۔'' وہ چیخی۔

''ہاں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کہاں تک پہنچ ہے تمہارے باپ کی ایک بیٹا تو حوالات سے نکال نہیں سکا۔'' عباس کے طنز نے اسے پاگل کر ڈالا تھا۔

وہ چیخ و پکار اور گالیوں پر اتر آئی تھی......ایک انتہائی پڑھی لکھی لڑکی کا یہ روپ انتہائی ناقابل قبول تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اس طرح کا بی ہیو شو کر کے آپ اپنے ساتھ ہی ظلم کریں گی ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ جو ہم کہہ رہے ہیں ہمارے ساتھ تعاون کریں ورنہ......!'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ گھورنے لگی۔

''آپ کی فیس بک آئی ڈی ہم ہیک کر چکے ہیں باقی اکاؤنٹس سے متعلق آپ ہمیں انفارم کر دیں تو بہتر ہوگا اور وہ جو فیک تصاویر ہیں ہمیں وہ بھی دے دیں تو آپ کے لیے بہتر ہوگا۔'' مصطفیٰ نے آرام سے کہا۔

''نہیں دوں گی تو کیا کر لو گے تم؟'' وہ چیخی۔

''تو مجبوراً ہمیں آپ کو حوالات میں بند کر کے آپ پر کیس چلانا ہوگا ہمارے آفس ایمپلائی کو زبردستی ہراساں کرنے، غلیظ کام کرنے پر آمادہ کرنے اور انکار کی صورت میں دھمکیاں دینے کے علاوہ سوشل میڈیا پر غلط مواد اپ ڈیٹ کرنے پر ہم آپ پر کیس کریں گے۔'' مصطفیٰ کا لہجہ دوٹوک اور فیصلہ کن تھا۔

''آپ کا ہماری فیملی سے رشتہ تھا جس کی وجہ سے میں اب تک برداشت کر رہا تھا اگر آپ نے ہمارے ساتھ تعاون نہ کیا تو مجبوراً آپ کو تھانے لے جانا پڑے گا آپ کے بھائی پر پہلے ہی کیس چل رہا ہے آپ کے باپ پر ان کی ماضی کی تمام غلطیوں اور کارروائیوں کے سلسلے میں فائنل قدم اٹھانے والے ہیں ہم بہتر ہے کہ ان حالات میں جب آپ کے باپ کے پاس کچھ نہیں رہے گا آپ ہمیں کوئی حتمی قدم اٹھانے پر مجبور مت کریں۔'' مصطفیٰ کے کہنے پر عادلہ ایک دم گم صم رہ گئی تھی۔ مصطفیٰ کے الفاظ نے اسے ایک پل میں خوف زدہ کر دیا تھا۔

''اگر میں تمہاری بات نہ مانوں تو؟''

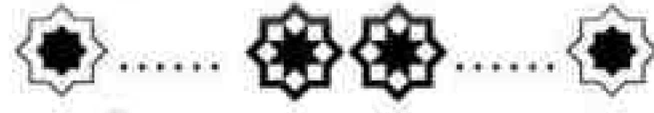
''تو مجبوراً ہمیں آج ہی آپ کو حوالات منتقل کرنا ہوگا آپ سے سابقہ ریلیشن کا احساس تھا کہ میں آپ سے بہت عزت و احترام سے پیش آ رہا ہوں ہماری لیڈی انسپکٹر کے علاوہ کسی کے سامنے آپ کو لایا نہیں گیا اور نہ ہی آپ کے ساتھ مس بی ہیو کیا گیا ہے اگر آپ اپنی ضد

پراڑی رہیں گی تو مجبوراً ہمیں حتمی قدم اٹھانا پڑے گا۔'' مصطفیٰ کے انداز میں کسی بھی قسم کی کوئی لچک نہ تھی۔ جبکہ عباس خاموشی سے بے تاثر چہرہ لیے کھڑا تھا۔

عادلہ کے چہرے پر ایک گہری سوچ کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ کافی عرصہ گزار چکی تھی۔ مصطفیٰ اور عباس کے اٹل ارادوں سے اچھی طرح باخبر تھی وہ جو بھی کر رہی تھی اور کر چکی تھی محض ردعمل اور انتقام تھا۔

''آپ اچھی طرح سوچ لیں اگر ابھی گھر واپس جانا ہے تو پھر وہی کرنا ہوگا جیسا ہم کہہ رہے ہیں ورنہ آپ کی مرضی۔'' مصطفیٰ کہہ کر پلٹا تو عباس نے بھی اس کی تقلید کی تھی اور عادلہ نے خاموشی سے دونوں کو دیکھا تھا۔

''سنو مصطفیٰ......'' عقب سے عادلہ کی آواز سنائی دی تو دونوں بھائیوں نے بے اختیار رک کر سر جھکائے بیٹھی عادلہ کو پلٹ کر دیکھا۔



بابا صاحب کی طبیعت ہنوز خراب تھی وہ اسپتال میں ہی تھے مصطفیٰ اور عباس گھر لوٹے تو کافی مہمان گھر میں موجود تھے دونوں پھوپھو بھی تھیں شائستہ بھابی اور حماد بھی تھے شہوار ہی سب کو دیکھ رہی تھی۔

لائبہ بھابی کی طبیعت خراب تھی اور مہر النساء مسلسل اسپتال میں تھیں۔ مصطفیٰ کچن میں آیا تو شہوار ملازمہ کے ساتھ کھانے پینے کا اہتمام کر رہی تھی۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر مسکرائی۔

''آپ فریش ہو جائیں کچھ دیر میں کھانا لگ جائے گا۔'' مصطفیٰ کو پانی کا گلاس دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں کھانا نہیں کھاؤں گا میں فریش ہو کر اسپتال جاؤں گا ماں جی وہیں ہیں ان کو گھر بھیج دوں گا۔'' پانی پیتے مصطفیٰ نے کہا۔

''میں چائے بنا دوں؟'' نرمی سے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

''آپ فریش ہو جائیں میں چائے لاتی ہوں۔'' اس کے لہجے میں مصطفیٰ کے لیے توجہ، کیئر اور فکر مندی تھی مصطفیٰ نے ایک دم محسوس کیا تو مسکرا دیا۔

''اوکے۔'' مصطفیٰ کہہ کر چلا گیا تو وہ چائے بنانے لگی۔ سجاد بھائی، شاہزیب صاحب اور ماں جی اسپتال میں ہی تھے۔ باقی لوگ چکر لگا کر گھر آ چکے تھے۔ کھانا لے کر اسپتال جانا تھا۔ اسی لیے وہ خود کھانا پکوا رہی تھی۔

چائے تیار ہوئی تو وہ ٹرے لیے کمرے میں چلی آئی اتنی دیر تک مصطفیٰ باتھ لے چکا تھا۔ وہ الماری کی طرف بڑھی اور مصطفیٰ کے کپڑے نکال کر قریب چلی آئی۔

''کیا ہوا؟'' مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ سے قمیص لیتے اسے دیکھا۔ شہوار کا انداز گم صم تھا۔

''ہاں بس بابا صاحب کے متعلق سوچ رہی تھی۔'' شہوار چائے کا مگ لیے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''کبھی کبھی لگتا ہے گویا بابا صاحب کے ساتھ بہت بڑی پرابلم ہے جو وہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتے جس کی وجہ سے ان کے دل و دماغ پر بوجھ بڑھ جاتا ہے اور لاشعوری طور پر لگتا ہے کسی خوف میں مبتلا ہیں ان کے اعصاب پر ایسا دباؤ ہے جو ان کی ذہنی کنڈیشن کو نارمل ہی نہیں ہونے دے رہے ڈاکٹر کہتے ہیں شاید ان کو کوئی شدید صدمہ پہنچا ہے۔'' کپ پکڑا کر اس نے تشویش زدہ لہجے میں کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلا دیا۔

''بابا جان کئی بار ان کو مختلف سائیکالوجسٹس اور مختلف ڈاکٹرز کو دیکھا چکے ہیں ہر طرح کا علاج کرایا جا چکا ہے لیکن اندر کا پرابلم ختم ہونے میں ہی نہیں آیا بلکہ دن بدن شدید نوعیت ہی اختیار ہی کی ہے اس مرض نے۔'' مصطفیٰ بستر کے کنارے بیٹھ گیا تھا۔ شہوار بھی اس کے قریب ٹک گئی تھی۔

''اس بار ڈاکٹرز بہت ناامید ہیں۔'' شہوار کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

بابا صاحب کے وجود سے اسے باپ کی شفقت ملی تھی ایک عجیب سی اٹیچمنٹ تھی ان کے ساتھ اور انہوں نے بھی اس کا ہر لمحہ بھرپور خیال رکھا تھا مگر اب زندگی کے اس موڑ پر ان کو اس طرح بے بس حالت میں دیکھ کر گویا اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ وہ صبح سے کئی

بار آنسو بہا چکی تھی۔
''ارے پریشان کیوں ہورہی ہو، سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔'' اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر مصطفیٰ نے ایک دم اسے بازو کے حصار میں لے لیا۔
''اور اگر وہ ٹھیک نہ ہوئے تو؟'' اس کے لہجے میں خوف تھا۔ مصطفیٰ ہلکا سا مسکرا دیا۔
''زندگی وموت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے انسان بہتر تدبیر تو کرسکتا ہے اور وہ ہم کر رہے ہیں شہر کے اور سب سے بہترین اسپتال میں وہ زیرِ علاج ہیں بہترین ڈاکٹر ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں اس سے زیادہ بھلا ہم کیا کرسکتے ہیں؟'' اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرتے مصطفیٰ نے کہا تو اس نے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کی۔
''اور کون کون اسپتال جا رہا ہے۔'' مصطفیٰ نے شہوار کا ذہن بٹانا چاہا۔
''آپ اور زینب پھپو کے علاوہ اور کسی کا مجھے نہیں پتا۔'' مصطفیٰ نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر شہوار کو دیکھا۔
آنکھوں کی نمی اگرچہ صاف ہوچکی تھی مگر ان میں موجود سرخی برقرار تھی۔ وہ سارا دن گاہے بگاہے رونے کا شغل فرما چکی تھی ناک بھی ہلکی سی سرخ تھی مصطفیٰ نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے قریب کیا۔
''فکر مت کرو بابا صاحب ٹھیک ہو جائیں گے۔'' محبت سے ساتھ لگا کر بھرپور تسلی دی تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔
''آپ رات اسپتال میں ہی رکیں گے۔'' مصطفیٰ کے کندھے سے چہرہ ٹکائے اس نے پوچھا۔
''ارادہ تو فی الحال یہی ہے وہاں جا کر دیکھتا ہوں کیا پروگرام بنتا ہے۔'' مصطفیٰ نے نرمی سے کہا۔ شہوار نے کچھ کہنے کے لیے ابھی لب وا کیے ہی تھے کہ ایک دم کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ شہوار نے فوراً سنبھل کر دیکھا دریہ کو کھڑے دیکھ کر اس کی بھنویں تن گئی تھیں۔ وہ سرعت سے مصطفیٰ سے الگ ہو کر کھڑی ہوگئی تھی۔
اسے اس طرح کمرے میں دریہ کی آمد انتہائی ناگوار گزری تھی۔ مصطفیٰ بھی دریہ کی طرف متوجہ ہوا تھا جبکہ دریہ دونوں کو اس طرح دیکھ کر ایک پل رک گئی تھی۔
''کسی کے کمرے میں داخل ہونے کا یہ کون سا طریقہ ہے تم ناک بھی کرسکتی تھیں۔'' شہوار کو بہت ناگوار گزرا تو اس نے فوراً کہہ بھی دیا۔
''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم بھی روم میں ہو۔'' دریہ نے رکھائی سے کہا۔
شہوار کو اس کے جواب نے مزید پتا دیا۔ یعنی اس کا مطلب تھا اگر مصطفیٰ اکیلا کمرے میں ہوتا تو بھی وہ اسی طرح دندناتی ہوئی گھس آتی۔
''کوئی کام ہے؟'' مصطفیٰ نے ہی پوچھا ورنہ شہوار کا ارادہ اسے کوئی کرارا سا جواب دینے کا تھا۔
''ہاں، پھپو بتا رہی تھیں کہ تم ان کو لے کر اسپتال جا رہے ہو؟'' وہ شہوار کو نظر انداز کیے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے بولی تھی درمیان میں اگر شہوار نہ ہوتی تو وہ شاید مصطفیٰ کے قریب ہی بیٹھتی، شہوار کو اس کی بے باکی عجیب سی لگ رہی تھی۔
''ہاں تو......''
''تو مجھے بھی لے چلنا بابا صاحب کو دیکھ لوں گی واپس پر انکل اور آنٹی کے ساتھ گھر آ جاؤں گی۔'' اس نے اپنا پروگرام بتایا۔ مصطفیٰ کو بھلا کیا اعتراض ہوتا اس نے سر ہلا دیا۔
''اوکے میں بس نکلنے والا ہوں تم بھی ریڈی ہو جاؤ میں بھی چینج کر کے آتا ہوں۔'' مصطفیٰ کہہ کر واش روم میں گھس گیا اور دریہ جس طرح آفت کی طرح نازل ہوئی تھی اسی طرح چلی بھی گئی تھی۔ شہوار کے اندر عجیب سی برہمی بیدار ہوئی تھی۔ مصطفیٰ ٹراؤزر تبدیل کر کے واپس کمرے میں آیا تو اس نے پرسوچ نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔
''میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟'' اس نے پوچھا۔
''لائبہ بھابی اکیلی ہوں گی۔'' اپنا والٹ جیب میں ڈالتے مصطفیٰ نے کہا۔

''پھپھو حماد اور عباس بھائی گھر پر ہی ہیں پھر جب ماں جی اور باقی لوگ واپس آئیں گے تو میں بھی آجاؤں گی آپ تو وہاں رک رہے ہیں نا۔''

''او کے جلدی کرو پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔''، مصطفیٰ نے جلدی میں کہہ کر اپنا موبائل لے کر کمرے سے نکل گیا۔ شہوار جلدی سے الماری کی طرف بڑھی، لباس معقول ہی تھا اس نے فوراً اپنی چادر کھینچی اور سینڈل بدلی تھی۔ ملازمہ کھانا نکال چکی تھی وہ کھانے والی باسکٹ اٹھائے جب باہر پہنچی تو ایک دم ٹھٹکی تھی۔

فرنٹ سیٹ پر دریہ موجود تھی جبکہ مصطفیٰ ابھی باہر ہی کھڑا تھا کسی کی کال سن رہا تھا۔ دریہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''تم بھی جا رہی ہو؟'' اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

اس نے خاموشی سے پھپھو کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور کھانے والی باسکٹ اندر رکھ کر اس نے مصطفیٰ کو دیکھا وہ کال بند کر کے پلٹا۔

''چلیں......''، مصطفیٰ نے اسے کہا تو وہ گہرا سانس لیتی پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھ گئی۔

نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ جیسے دریہ سب کچھ جان بوجھ کر رہی ہو...... محض اسے اذیت سے دوچار کرنے کے لیے۔ سارے رستے وہ خوامخواہ مصطفیٰ سے بے تکلف ہوتی رہی تھی اور مصطفیٰ بھی اس کی باتوں کے جواب دے رہا تھا اور شہوار کا بلڈ پریشر خوامخواہ ہائی ہوتا جا رہا تھا۔

سچ کہتی تھیں لائبہ بھابی دریہ جیسی لڑکی پر اچھی طرح نگاہ رکھنے کی ضرورت تھی۔ اللہ اللہ کر کے اسپتال آیا تو دریہ نے مصطفیٰ کی جان چھوڑی اور اندر کی طرف بڑھتے شہوار شعوری طور پر مصطفیٰ کے ساتھ چلنے لگی تھی قدم سے قدم ملا کر مجبوراً دریہ کو قدرے فاصلے پر چلتیں پھپھو کے ساتھ چلنا پڑا تھا۔

۞......۞۞......۞

وہ بھابی کے ساتھ کچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں آئی تو اس کا موبائل بج رہا تھا اس نے اٹھا کر دیکھا تو سر عباس کی کال تھی۔

''السلام علیکم سر۔'' اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہیں آپ؟'' عباس نے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں سر۔''

''آپ آج بھی آفس نہیں آئیں۔'' عباس نے پوچھا تو وہ خاموش ہی رہی۔

''سر میں اب نہیں آ سکتی۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو دوسری طرف چند پل کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

''لیکن کیوں، اب تو سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں سب ٹھیک کر لوں گا اور میں نے اپنا وعدہ نبھایا بھی۔''

''وہ سب ٹھیک ہے سر لیکن اس تجربے کے بعد میں مزید کوئی تجربہ افورڈ نہیں کر سکتی ایم سوری سر۔''

''دیکھیں رابعہ...... عادلہ وہ ساری تصاویر والا میٹر ہمارے حوالے کر چکی ہے ہر جگہ سے تصاویر ریموو ہو چکی ہیں اب ایسا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔'' دوسری طرف سے کہا گیا تو رابعہ کو لگا جیسے اس خبر کو سن کر وہ ایک دم پرسکون ہو گئی ہو۔

''وہ اگر ایسی کوئی حرکت کرے گی تو ہمارے پاس سب ہی ثبوت موجود ہیں ہم اسے معاف نہیں کریں گے۔'' عباس نے مزید کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تھینک یو سر...... لیکن اس کے باوجود میں اب آفس نہیں آ سکتی۔'' اس کا اٹل اور مضبوط لہجہ تھا۔

''او کے۔'' دوسری طرف عباس نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کیا آپ کی فیملی کی طرف سے کوئی مسئلہ ہے یا ان کو اس سارے سلسلے کی خبر ہو چکی ہے؟'' کچھ توقف کے بعد عباس نے پوچھا۔

''نہیں کسی کو بھی کچھ علم نہیں اور میں نہیں چاہتی کہ علم ہو یہ میرا ذاتی فیصلہ ہے یقیناً آپ کا نقصان ہو گا لیکن سر آپ کسی اور کا ارینج کر لیں

میں نہیں آسکتی اس ماہ کی پے بھی چھوڑ رہی ہوں۔''اس کا انداز حتمی تھا۔

''اوکے، پے کی بات مت کریں ہماری کمپنی کے جو بھی رولز ہیں وہ ایک طرف آپ کے واجبات کلیئر کروادوں گا کسی دن آ کر لے جائیے گا۔آپ کا یہ فیصلہ مجھے بہت شرمندگی سے دوچار کررہا ہے۔میں بہت شرمندہ ہوں مس رابعہ۔''عباس کا لہجہ ایک دم پژمردہ سا ہوگیا تھا۔

''ایسی بات مت کریں سر، آپ کو میں جانتی نہ ہوتی تو شاید غلط سوچتی آپ کا اس سب میں بھلا کیا قصور؟''

''لیکن سزا تو دے رہی ہیں نا۔''بوجھل سی گمبھیر آواز میں کہا تھا وہ چونکی۔

''جی......سر۔''

''چلیں کوئی بات نہیں ہماری کمپنی کے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔آپ جب بھی دوبارہ کام کرنا چاہیں ہم ہمیشہ آپ کو ویلکم کہیں گے۔''عباس نے خوش دلی سے کہا تو وہ مسکرادی۔

''تھینک یو سر، ویسے بھی شادی کے سلسلے میں مجھے آفس چھوڑنا ہی تھا۔''

''آپ کی شادی کب تک ہے؟''عباس نے پوچھا۔

''اسی ماہ کے لاسٹ میں۔''

''انوائٹ کریں گی۔''عباس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''جی سر۔''اس نے یوں سر ہلایا جیسے عباس صاحب سامنے ہی تو موجود ہیں۔

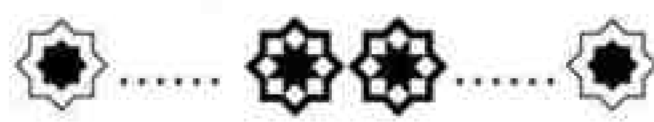
''گڈ اور مسٹر ابوبکر کیسے ہیں؟''انہوں نے سوال بدلا تھا۔

''آج کل آؤٹ آف سٹی ہیں مے بی کل یا پرسوں واپس آجائیں۔''اس نے سادگی سے بتایا۔

''اوکے، گڈ لک......بیسٹ وشنز......جب بھی موقع ملے آکر اپنی پے لے جائیے گا۔''عباس نے گفتگو سمیٹی تھی۔

''جی سر۔''اس نے بھی مسکرا کر کہا تھا۔ لہجے میں خوش دلی اور اطمینان تھا۔

دوسری طرف نجانے کیوں عباس کے دل و دماغ پر منوں بوجھ بڑھتا چلا گیا تھا۔



وہ سو کر اٹھی تو نیم جان سی تھی۔دل و دماغ بالکل خالی تھے۔ساری رات وہ ایک اذیت بھری کیفیت میں سلگتی رہی تھی۔ ماما پاپا کے الفاظ اور اپنا رویہ اسے رلاتا رہا تھا۔ وہ اسی طرح پڑی رہتی تو شاید حالات اور بھی مشکل اور اس کے لیے تکلیف دہ ہو جاتے وہ اپنے آپ کو سنبھالتے آنے والی صورت حال کے لیے بمشکل تیار کرتے بستر سے اتری تھی۔اسے لگ رہا تھا کہ اتنے عرصے میں اس کے جسم کی قوت مدافعت بالکل ختم ہو چکی ہے۔ٹاول سے چہرہ صاف کرتے وہ خود کو سنبھالتے کمرے سے نکلی تو کمرے سے باہر ایک زندگی رواں دواں تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پر سب ہی ناشتے پر موجود تھے۔روشی اور صغراں کچن میں تھیں۔ ماما سب کو ناشتہ سرو کررہی تھیں۔ولید، احسن اور پاپا آفس جانے کے لیے تیار تھے ماموں اخبار پڑھ رہے تھے۔

''السلام علیکم!''سب ہی نے اس کے سلام پر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

پاپا کے چہرے پر سنجیدگی پھیلی تھی جبکہ احسن اور ماموں نے خوش گوار حیرت سے اسے دیکھا تھا وہ کل سے بستر پر تھی اور اب ایک دم خود اٹھ کر بستر سے باہر آگئی تھی۔ ماما نے بھی بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ماما اور پاپا کے چہروں کو دیکھتے نجانے کیوں اس کا دل تاریک ہوگیا تھا۔

''وعلیکم السلام، ہماری بیٹی آئی ہے۔''ماموں نے خوش دلی سے اٹھ کر کہا اور پھر خود پاس آکر اس کا ہاتھ تھام کر وہ اسے ڈائننگ ٹیبل تک لائے تھے'انہوں نے اپنے ساتھ والی چیئر گھسیٹ کر اسے بٹھایا'اس کے سامنے والی چیئر پر احسن تھا اور ساتھ ولید تھا جو اس پر ایک سرسری

نگاہ ڈال کر اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔
''کیسی ہو اور طبیعت کیسی ہے؟'' ماموں نے محبت سے پوچھا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔ اس نے پاپا کو دیکھا وہ سر جھکائے خاموشی سے ناشتے کی طرف متوجہ تھے۔
''کیا لوگی ناشتے میں؟'' ماما نے اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔
''چائے لوں گی۔'' اس نے آہستگی سے کہا آواز میں نقاہت تھی ولید نے سر اٹھا کر دیکھا۔
ان تین چار دنوں میں گلابیاں چھلکاتا چہرہ بالکل زرد ہو کر مرجھا چکا تھا۔ آنکھیں بالکل خالی خالی اور ویران سی تھیں...... بے پرواحلیہ کندھے پر جھولتا دوپٹا اور چہرے پر بکھری لٹیں جو شاید منہ دھونے سے ابھی تک نمی لیے ہوئے تھیں۔ ولید کے اندر کسی احساس نے شدت سے سر اٹھایا تھا...... عجیب ویران، بنجر اور ٹوٹا پھوٹا حلیہ تھا جیسے کوئی اپنی ساری متاع لٹا کر بالکل خالی ہو گیا ہو وہ تو ہمیشہ نک سک سی تیار اور تروتازہ دکھائی دی تھی ایسے حلیے میں تو اس نے کبھی وہم وگمان میں نہ سوچا تھا۔
''ناشتہ کرلو۔'' ماما نے اس کے جواب میں کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''ابھی ناشتے کو دل نہیں کر رہا، سر میں درد ہو رہا ہے بس چائے لوں گی۔'' اسی نقاہت بھری پژمردہ آواز میں کہا تھا اس کے سر میں واقعی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔
ماما کے دل کو کچھ ہوا...... نجانے کیا بات تھی کیوں کر رہی تھی وہ ایسا؟ وہ کسی کو کچھ بتا بھی تو نہیں رہی تھی...... اور اس کے کل والے مطالبے نے انہیں اندر ہی اندر نہایت خوف زدہ کر دیا تھا۔
''یہ توس لے لو، انڈہ بھی ہے۔'' ماما نے اسے چائے ڈال کر پلیٹ میں انڈہ اور توس رکھ کر دیا تو وہ خاموشی سے چائے والا کپ لے کر ہلکے سپ لینے لگی۔
''ہاں ولید تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' پاپا ناشتہ کر کے کھڑے ہو گئے تھے انہوں نے پوچھا تو ولید اپنے ہی کسی خیال سے چونکا تھا۔
''جیسا آپ کہیں؟'' اس نے مسکرا کر انکل کو دیکھا۔
''ایسا ہے کہ میٹنگ احسن دیکھ لے گا تم دوپہر میں اپنی پھپھو اور انا کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ان کا اپائنمنٹ ہے پھر فارغ ہو کر آفس آ جانا۔'' پاپا کے الفاظ پر انا نے چونک کر دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے مکمل طور پر ولید سے مخاطب تھے۔
ولید آفس ڈریسنگ میں ملبوس ہمیشہ کی طرح تروتازہ اور اٹریکٹیو لگ رہا تھا انا کے دل و دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔ اس کے ہاتھ میں کپ لرزنے لگا تو اس نے کپ ٹیبل پر رکھ دیا اور سر تھام لیا...... اسے لگ رہا تھا کہ بس ایک دم اس کے دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔ روشی وہاں آئی تو اسے اس طرح سے سر تھامے دیکھ کر چونکی۔
''کیا ہوا انا؟'' اس کی آواز پر سب ہی چونکے تھے۔ سب ہی نے اسے دیکھا تھا۔
وہ لب بھینچے سر تھامے بیٹھی ہوئی تھی چہرہ از حد زرد ہو رہا تھا بالکل لٹھے کی طرح سفید۔ ماما فوراً اٹھ کر اس کے قریب آئی تھیں۔
''کیا ہوا؟'' ان کے لہجے اور چہرے پر تشویش تھی۔ وہ نفی میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی اس کا وجود لرز رہا تھا۔ وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی اور اب جبکہ اس کے فیصلے پر عمل درآمد کرنے کا وقت تھا تو اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ بالکل ہار رہی ہے وہ یہ سب نہیں کر پائے گی۔ اس کے لیے یہ سب کرنا بہت مشکل تھا وہ مر رہی تھی سلگ رہی تھی مگر کسی کو بتا نہیں سکتی تھی۔
''میں کمرے میں جاؤں گی۔'' وہ اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلتے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہاں سے نکل آ گئی تھی پیچھے سب ہی نے متفکر نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سب کے ذہنوں میں بہت سے سوال تھے مگر کوئی بھی ان کو زبان دینے سے قاصر تھا۔ سب ہی کے دل خوف زدہ تھے وقار صاحب نے لب بھینچ لیے تھے۔
''چلو احسن دیر ہو رہی ہے۔'' وہ کچھ برہمی سے کہہ کر وہاں سے نکل گئے تھے۔ احسن ناشتہ کر چکا تھا وہ بھی فوراً اٹھا تھا۔ پاپا اور احسن کے جانے کے بعد ضیاء صاحب ناشتہ کر کے کمرے میں چلے گئے جبکہ ولید وہاں سے اٹھ کر کچھ سوچتا لاؤنج میں آ گیا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھا ہوا

تھا اس نے دیکھا صبوحی بیگم ٹرے میں ناشتے کے لوازمات لیے انا کے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔

وہ خاموشی سے ٹی وی دیکھتا رہا تھا روشی ملازمہ سے گھر کی صفائی کرانے لگی تھی روشی نے مکمل طور پر خود کو اس گھر کے طور طریقے میں ڈھال لیا تھا اور انا سوچتے سوچتے یونہی ذہنی رو بھٹکی تو دل پر ایک بوجھ سا بڑھنے لگا۔ وہ انا کے گزشتہ رویوں کو لے کر اسے مخاطب نہیں کر رہا تھا مگر یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے مکمل طور پر غافل ہو گیا تھا۔ وہ ٹی وی بند کر کے انا کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ اس نے انا کے کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ ولید نے آگے بڑھ کر لائٹ روشن کی تو انا نے اپنے چہرے پر باز رکھ لیا تھا۔ ولید خاموش کھڑا رہا۔

انا نے بازو ہٹا کر دیکھا تو ولید کو دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔ وہ اگلے پل سنبھل کر بستر پر بیٹھی تو ولید بستر کے قریب آ رکا تھا انا خاموشی سے کراؤن سے ٹیک لگائے سر جھکائے گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے اب؟'' اتنے دنوں بعد یہ پہلا براہ راست سوال تھا۔ انا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میڈیسن لی؟'' اگلے سوال پر بھی اس نے صرف سر ہی ہلایا تھا۔ ولید خاموش ہو گیا۔

یوں لگا کہ جیسے اب کرنے کو کوئی سوال ہی نہیں رہا ہو دونوں کے درمیان گزرے دنوں میں کس قدر تکلف اور اجنبیت سی در آئی تھی ولید کو یہ اجنبیت بڑی شدت سے محسوس ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا انا کے سرہانے پڑا موبائل بجا تھا دونوں نے چونک کر موبائل کو دیکھا۔ ولید نے محسوس کیا کہ موبائل کی اسکرین پر نگاہ پڑتے ہی انا کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اس نے تیزی سے موبائل اٹھا کر کال ڈسکنیکٹ کی تھی۔

''کس کی کال تھی؟'' پتا نہیں کیوں وہ پوچھ بیٹھا تھا۔

''دوست تھی۔'' دھیمی آواز میں جواب ملا۔

''تو پک کر لیتیں؟'' ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

''بعد میں کال کر لوں گی۔'' انا کے لہجے میں ایک دم اجنبیت در آئی تھی۔

''طبیعت تو اب آہستہ آہستہ ہی سنبھلے گی بہتر ہے کہ کمرے میں قید رہنے کی بجائے کمرے سے باہر نکلو روشی سے بات چیت کرو لان میں گھومو یوں اس طرح کمرے میں اندھیرا کر کے بیٹھے رہنے سے تو مزید ڈسٹربنس ہو گی۔'' ولید نے سنجیدگی سے گفتگو کا آغاز کیا تو انا جواباً خاموش ہی رہی تھی۔ ولید ایک گہرا سانس لیتے بستر کے کنارے ٹک گیا تھا۔ انا نے اس کی اس پیش رفت پر نہایت الجھن بھری نگاہ سے دیکھا تھا۔

ایک پل کو انا کی نگاہ جامد و ساکت ہوئی تھی اور پھر اگلے ہی پل وہ بے اختیار سر جھکا کر ہاتھ مسلنے لگی تھی۔

''کچھ کہو گی نہیں؟'' ولید نے پوچھا۔ بظاہر انداز نارمل تھا۔

''کیا؟'' وہ ابھی بھی اسی مقام پر تھی۔

''جو تمہارے دل میں ہے۔'' ولید نے خود ہی موقع دے دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اس ساختہ جمود سے باہر نکلے کم از کم پچھلے دنوں اس پر بیتنے والی صورت حال تو واضح ہو جس پر اس نے قفل باندھ رکھے ہوں۔

''یہ سب کیوں کر رہی ہو انا؟'' ولید نے خود ہی گزشتہ رویوں پر مبنی تمام ترخفگی کی فضا پر چھایا جمود توڑنے کی ایک سعی لاحاصل کی تھی۔

''کیا کر رہی ہوں؟'' وہی اجنبیت، وہی سرد مہری کسی چیز نے شدت سے ولید ضیاء کے دل کو مسلا۔

ایک پل کو شدت سے جی چاہا کہ اسے کندھوں سے تھام کر شدت سے جھنجوڑ دے۔ وہ تو ایسی نہ تھی۔ ایسی خفا' بے حس اور بے زار...... وہ تو اس کے ایک ذرا سے التفات کی منتظر رہتی تھی۔ اس کی ذرا سی پیش رفت پر فوراً پگھل جاتی تھی۔ سب کچھ بھلا کر پھر پہلے جیسی ہو جاتی تھی۔ ہنستی مسکراتی زندگی سے بھرپور۔

تم ایسی تو نہ تھیں؟'' ولید کے الفاظ پر اس نے ولید کو دیکھا جس کے چہرے پر ایک استہزائیہ ایک ہلکی سی جھلک دکھا کر پھر معدوم ہو گئی

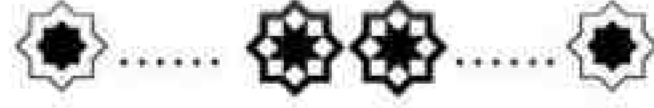
تھی۔

''میں ایسی ہی تھی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' سنجیدگی سے کہا۔

''اناتم......؟'' ولید نے کچھ کہنا چاہا لیکن انا نے بات کاٹ دی۔

''مجھے نیند آ رہی ہے میں سوؤں گی۔'' انداز قطعی تھا۔ ولید کی پیش رفت بھی کسی کام نہ آئی تھی۔ ولید لب بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

''لائٹ آف کر کے دروازہ بند کر دیجیے گا پلیز۔'' وہ پلٹا تو آواز آئی تھی۔ ولید نے رک کر دیکھا۔ وہ لیٹ کر پھر آنکھوں پر بازو رکھ چکی تھی۔ ولید خاموشی سے لائٹ آف کر کے دروازہ بند کر کے کمرے سے نکلا تو انا نے آہستگی سے آنکھوں سے بازو ہٹا کر کمرے کی تاریکی میں نظریں گاڑھ دی تھیں۔



وہ ماما اور ولید کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس آئی' دوپہر کے وقت ڈاکٹر سے اس کی اپائنمنٹ تھا اس کے سر میں مسلسل درد تھا سو ڈاکٹر نے کچھ ٹیسٹ لکھ دیے تھے۔ سب پراسس سے فارغ ہوتے انہیں دو بج گئے تھے اس سارے عمل میں وہ بری طرح تھک گئی تھی۔ وہ ماما اور ولید کے ہمراہ چلتی باہر نکلی تو سامنے سے آتے عباس، شہوار اور مہر النساء کو دیکھ کر رک گئی تھی۔

وہ لوگ بھی دیکھ چکے تھے ان لوگوں کی طرف آ گئے۔ سلام دعا کے بعد ولید نے ان لوگوں کی یہاں موجودگی کا سبب پوچھا تو علم ہوا کہ بابا صاحب بیمار ہیں اور اسی اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ وہ لوگ ملنے کے بعد گھر جانے کے لیے نکل رہے تھے۔

''میرا خیال ہے ہم بھی بابا صاحب سے مل لیتے ہیں۔'' ولید نے کہا تو صبوحی بیگم نے سر ہلایا تھا۔ شہوار انا سے اس کی خیریت پوچھنے لگی تھی اس نے اس کی رپورٹس چیک کی تھیں سب کچھ کلیئر تھا۔

وہ لوگ بابا صاحب کے روم میں آ گئے تھے وہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے ڈرپ لگی ہوئی تھی نقاہت کے سبب نیم غنودگی میں تھے۔ زہرہ پھپو ان کے پاس تھیں۔ وہ لوگ ان کے پاس کچھ دیر بیٹھے تھے۔

''شہوار نے بتایا تو تھا کہ انا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے مجھے اندازہ نہ تھا کہ یہ اس قدر بیمار ہوگی۔'' انا کے چہرے پر بکھری زردیوں کو دیکھتے مہر النساء نے کہا۔

''ڈاکٹر کہتے ہیں بس ڈپریشن ہے۔'' ماما نے ان سے کہا۔

''ڈاکٹر نے پھر کیا حل بتایا ہے اس کا؟'' شہوار بھی ڈپریشن کا سن کر چونکی تھی اس نے تشویش سے انا کو دیکھا وہ چہرے پر دنیا جہاں کی بے زاریت لیے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جبکہ عباس بھائی اور ولید آپس میں بات کر رہے تھے۔

''کہتا ہے گھمائیں پھرائیں آؤٹنگ پر لے جائیں خود ساختہ ڈپریشن ہے بے تحاشا سوچوں کے سبب سر میں مسلسل درد ہے۔ سوچنے کا کم سے کم موقع دیا جائے۔'' صبوحی کے لہجے میں بے بسی تھی۔

وہ چاہ کر بھی شہوار سے نہ کہہ سکی تھیں کہ وہ ولید کے رشتے سے انکار کر رہی ہے۔

''کیسی سوچیں کیا مسئلہ ہے انا؟'' وہ بابا صاحب کی وجہ سے دوبارہ انا کے پاس نہیں جا سکی تھی اب صبوحی کی تشویش جان کر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' انا نے سنجیدگی سے کہا تھا وہ مسلسل ہاتھ میں پکڑے اپنے ہینڈ بیگ کو دیکھے جا رہی تھی۔ شہوار نے اسے چند پل دیکھا۔ وہ کہیں سے بھی پہلے والی انا نہیں لگ رہی تھی۔ کسی نے شہوار کے دل کو مٹھی میں لے کر بھینچا۔

انا اس کی بہت اچھی دوست تھی پھر بھلا ایسا کیا ہوا ہوگا جو یہ سب ہو رہا ہے اس کے دماغ میں اکھاڑ پچھاڑ شروع ہو چکی تھی۔

''ماما چلیں میں تھک گئی ہوں۔'' شہوار نے اسے بغور دیکھا۔

گھر پر مہمان تھے بابا صاحب کی عیادت کے لیے کوئی نہ کوئی آ رہا تھا وہ کالج بھی نہیں جا پا رہی تھی ورنہ انا کے ہاں جا کر کچھ وقت اس کے ساتھ گزار کر اس کی ذہنی کیفیت جاننے کی کوشش ضرور کرتی۔

''ہاں چلتے ہیں۔'' ماما اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

وہ لوگ بھی ان کے ساتھ چل دیے تھے۔ راہ داری سے گزرتے شہوار نے کچھ سوچا وہ اس وقت انا کے ہاں نہیں جا سکتی تھی لیکن انا کو گھر لے جا سکتی تھی وہاں وہ سہولت سے اس کے ساتھ بات بھی کر سکتی تھی۔

''آنٹی میں انا کو اپنے ساتھ لے جاؤں؟'' اس نے فوراً صبوحی سے پوچھا تو وہ حیران ہوئیں۔

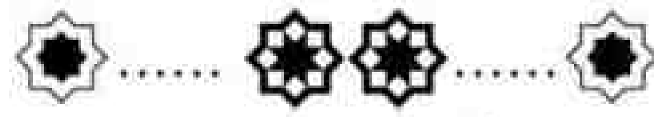
''اس طرح وہ کچھ فریش ہو جائے گی میں اس کے ڈپریشن کا سبب پوچھوں گی میری بہت اچھی دوست ہے کم از کم مجھ سے تو نہیں چھپا سکے گی۔ رات میں واپس چھوڑ جاؤں گی۔'' اس نے کہا تو صبوحی کے چہرے پر امید کی کرن جاگی وہ دونوں دوسروں سے قدرے چند قدم پیچھے تھیں انہوں نے انا کو دیکھا۔ انہیں اپنی بیٹی بہت عزیز تھی ان کا دل بھر آیا اور ولید ان کا دل سکڑ کر پھیلا۔

''ٹھیک ہے......!'' انہوں نے رضامندی دے دی۔

''تم شہوار کے ساتھ چلی جاؤ دل بہل جائے گا میں شام میں ولید یا احسن کے ساتھ آ کر لے جاؤں گی۔'' گاڑی کے پاس آ کر ممانے کہا تو وہ چونکی۔ ولید بھی اس فوری فیصلے پر چونکا تھا۔

''ہاں انا چلو ہمارے ساتھ مل کر گپ شپ کریں گے۔'' شہوار نے مسکرا کر کہا تو انا کے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔

وہ خود بھی اپنے کمرے کی چار دیواری سے نکلنا چاہتی تھی ورنہ اسے لگ رہا تھا کہ ان لایعنی سوچوں سے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔



شہوار کے ہاں آ کر حقیقت میں اس کی طبیعت پر ایک خوش گوار تاثر ابھرا تھا۔ بہت دنوں بعد اسے لگا کہ جیسے اس کے اندر کی گھٹن میں کچھ افاقہ ہوا ہو۔ شہوار کے ہاں زہرہ پھپھو کی ساری فیملی جمع تھی عائشہ اور صبا بھی موجود تھیں اچھی خاصی گیدرنگ تھی لڑکیوں کے ساتھ باتیں کرتے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ شہوار انا سے اس کی گمشدگی کے سلسلے میں بات کرنا چاہتی تھی مغرب کے وقت کچھ موقع ملا تو وہ اسے لیے باہر لان میں آ گئی تھی۔

''کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

''بہت دنوں بعد بہت اچھا۔'' وہ واقعی اپنے ذہن کو بہت حد تک فریش محسوس کر رہی تھی۔

''چلو آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔'' شہوار نے کہا تو وہ اس کے ساتھ چلتی لان میں نصب جھولے کی طرف چلی آئی تھی۔

''تم لوگوں کا گھر بہت پیارا ہے۔ کسی خواب ناک ماحول کی طرح۔'' انا نے لان میں موجود پھولوں کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ سب بابا جان کا ذوق ہے۔'' شہوار نے شاہزیب صاحب کی تعریف کی۔

''یہ سب لوگ تمہارے ساتھ بہت اچھے ہیں۔'' اس نے مزید کہا۔

''ہاں اللہ کا شکر ہے اپنوں سے بڑھ کر یہ میرے لیے میرے ہمدرد، غم گسار اور محبت کرنے والے ثابت ہوئے ہیں۔'' شہوار کے لہجے میں بہت اپنائیت تھی۔ محبتوں کا مان تھا۔ اعتماد تھا۔

''خوش قسمت ہو تم۔'' اس نے دل ہی دل میں اس کی خوشیوں کو دائمی رہنے کی دعا کرتے کہا۔

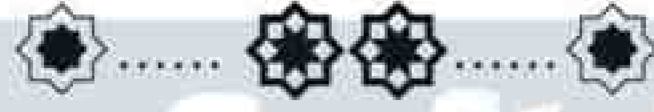
''بس اللہ کی مہربانی ہے! خوش قسمت تم بھی کم نہیں ہو ولید بھائی جیسے ہر لحاظ سے مکمل انسان تمہارے ہم سفر بنیں گے۔'' اس نے محبت بھری نظروں سے دیکھتے کہا تو انا کے مسکراتے لب ایک دم کھنچ گئے تھے۔ شہوار نے اس کی یہ کیفیت شدت سے محسوس کی تھی۔ انا سر گھما کر پھولوں کو دیکھنے لگی تھی۔

''انا......'' شہوار نے کچھ سوچتے پکارا۔

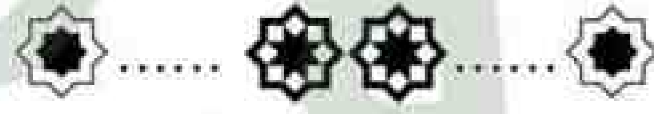
''ہوں......'' اس نے دیکھے بنا کہا۔

''تم اس دن کہاں تھیں؟'' شہوار نے سوال کیا تو انا ساکت رہ گئی۔
''ہم سب سمجھتے رہے کہ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ ہوا ہے اور پھر تم واپس آ گئی مگر تمہاری حالت وہ نہیں بھولتی اس کے بعد تمہارا بے ہوش ہو جانا ہم سب از حد پریشان تھے روشی نے تمہارا موبائل چیک کیا۔'' انا نے چونک کر اسے دیکھا۔
''تم بے ہوش تھی ہمیں یہ تھا کہ شاید کوئی کلیو مل جائے پتا تو چلے کہ ہوا کیا ہے لیکن تمہارے موبائل میں کچھ بھی نہ تھا۔ ان باکس بھی بس ایسا ہی تھا کسی طرح بھی تو کوئی کلیو نہیں مل رہا تھا۔'' شہوار نے بتایا تو انا نے گہرا سانس لیتے سر جھکا لیا تھا۔
''پھر اسپتال لے گئے تمہاری طبیعت سنبھلی تو سب کی جان میں جان آئی ورنہ سب کی یہ حالت تھی کہ شاید ابھی کچھ ہو جائے گا۔'' شہوار اس دن کی کیفیت بیان کر رہی تھی اور انا گم صم سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔
''انا ہم تو بہت اچھی دوست ہیں۔ کبھی ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپایا۔ پھر ایسا کیا ہوا کہ تم مجھ سے بھی نہیں کہہ پا رہیں؟'' شہوار کے لہجے میں انا کے لیے فکر مندی تھی، محبت تھی خلوص تھا۔
''شہوار......'' انا خود پر ضبط کرتے ایک دم سسکی لی۔ اس نے انا کا ہاتھ تھام لیا۔
''ہاں بولو۔''
''میں......!'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی وہاں حماد چلا آیا تو انا خاموش ہو گئی۔
''آپ کو ممانی بلا رہی ہیں۔'' حماد نے قریب آ کر شہوار کو مہر النساء کے بلاوے کا کہا تو شہوار نے ایک نگاہ انا پر ڈالی۔ وہ سر جھکائے گم صم سی لگ رہی تھی۔
''تم بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔'' انا نے خاموشی سے اسے جاتے دیکھا۔
شہوار چلی گئی تو اس نے حماد کو دیکھا وہ ابھی بھی کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔
''شہوار بھابی نے بتایا تھا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی کیا ہوا آپ کو۔'' اس نے اپنائیت سے پوچھا۔ انا شعوری طور پر اسے دیکھنے لگی۔ خوش شکل اور خوش لباس نوجوان تھا۔ اس کے دیکھنے پر مسکرا دیا تھا۔
''بس ویسے ہی۔'' اس نے سر جھٹکا۔
''اور کیا چل رہا ہے لائف میں؟'' اس نے یونہی پوچھا۔
''کچھ نہیں ایک دو دن ریسٹ کروں گی پھر کالج چلی جایا کروں گی۔'' نجانے کیوں وہ حماد سے بات کرنے لگی تھی۔ حماد مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک عجیب دل کشی تھی۔ انا چونکی۔ اس کے ذہن میں پچھلی تمام ملاقاتیں تازہ ہونے لگیں تو وہ بے چین ہو کر کھڑی ہو گئی۔
''میں چلتی ہوں۔'' اس نے آگے بڑھنا چاہا لیکن ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کی چادر کا پلو جھولے میں پھنس گیا تھا۔ حماد فوری متوجہ ہوا...... انا کو یک دم کوفت کا احساس ہوا اس نے کھینچ کر نکالنا چاہا۔
''ایک منٹ، اس طرح پھٹ جائے گا۔'' حماد نے کہا تو اس کا ہاتھ رک گیا۔ حماد نے آگے بڑھ کر احتیاط سے اس کی چادر کا کونا جھولے سے نکال دیا۔
''شکریہ۔'' وہ کہہ کر جانے لگی۔
''سنیے۔'' پکار ایسی تھی کہ وہ ٹھٹک کر رک گئی اور حماد اس کے سامنے آ رکا تھا۔
''نجانے کیوں آپ کو دیکھ کر میں ہمیشہ خود کو ہپناٹائز ہوتا محسوس کرتا ہوں۔'' وہ کہہ رہا تھا اور انا ہپناٹائز ہو گئی تھی۔
''میں کوئی نیک ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا لیکن آپ کے بارے میں جب بھی دل میں خیال آیا ذہن و دل میں ایک مقدس سا احساس پیدا ہوا۔'' وہ اپنی دلی کیفیت بتا رہا تھا اور انا حیرت سے گنگ اسے دیکھ رہی تھی۔
''شروع میں ہی میں سمجھا کہ میں اپنی فطرت سے مجبور ہو کر آپ کی طرف مائل ہو رہا ہوں لیکن جب بھی آپ سے ملا آپ کو دیکھا شدت سے احساس ہوا کہ یہ دل لگی سے بڑھ کر کچھ اور جذبہ ہے۔'' انا کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔

''مجھے پتا ہے آپ انگیجڈ ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے اپنے دل کی کیفیت بیان کر کے غلطی کر رہا ہوں لیکن نجانے کیوں اس وقت خود کو یہ سب کہتے نہیں روک پا رہا۔'' سنجیدہ لہجہ تھا۔ آنکھوں میں ہمیشہ والی بے باکی کی بجائے اس دفعہ احترام تھا۔
سر جھکائے سنجیدگی سے اس نے اپنے دل کی کیفیت انا پر آشکار کر دی تھی۔ انا حیرت سے گم اپنے سے صرف چند قدم کے فاصلے پر کھڑے اس شخص کو دیکھے جا رہی تھی۔



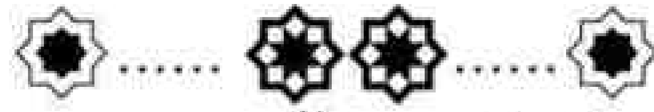
ہادیہ آفس سے واپسی پر اس کے اصرار پر ملنے آئی تو اس کے ہی اصرار پر وہ رک بھی گئی تھی ہادیہ کے پاس اپنی گاڑی تھی سو لیٹ ہونے یا واپسی کیسے ہو گی جیسے سوال کا خدشہ نہ تھا۔ دونوں نے کھانا مل کر کھایا تھا۔ وہ اسے اپنے دل کی باتیں بتانے لگی سر عباس کی کال اپنا رویہ آفس نہ آنے کا سبب۔
''تم خوامخواہ ڈر گئی ہو ورنہ سر عباس نے ذمہ داری بھی لی تھی کہ وہ تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔'' وہ دونوں کھانا کھا کر اوپر آ گئی تھی ہلکی پھلکی چلتی ہوا میں اوپر چہل قدمی کرنا بڑا خوش گوار لگ رہا تھا۔
''امی کہتی ہیں لڑکیوں کو حالات سے ڈر کر ہی رہنا چاہیے ہم لڑکیاں خوامخواہ کی بدنامی افورڈ نہیں کر سکتیں میں ہر کسی کو پکڑ پکڑ کر ان تصاویر کے فیک ہونے کا یقین نہیں دلا سکتی تو بہتر یہ نہیں کہ میں خاموشی سے اپنی راہ علیحدہ کر لوں اس سے پہلے کہ میں پچھتاؤں یا کسی بڑے نقصان سے دوچار ہو جاؤں۔'' رابعہ کے لہجے میں میچورٹی تھی ہمیشہ والا لاابالی پن نہیں تھا۔ ہادیہ نے اسے سراہتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔
''بہادر ہونا اچھی صفت ہے کیا فائدہ ایسی بہادری کا جو ہمیں بدنامی کے گڑھے میں لا پھینکے۔ میں سمجھتی ہوں یہ بہادری نہیں کم عقلی ہے کہ ہم خود اپنی خوش گمانی کے سبب خود کو ہی ڈبو ڈالیں۔''
''ویل ڈن، اچھی سوچ ہے۔'' ہادیہ حقیقتاً متاثر ہوئی تھی وہ مسکرا دی۔
''اپنے ابوبکر صاحب کا ہی سناؤ، کہاں ہوتے ہیں ایک بار بھی شرفِ ملاقات حاصل نہیں ہوا۔'' رابعہ مسکرائی تو رابعہ کے چہرے پر حیا کی سرخی پھیل گئی تھی۔
''وہ کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر ہیں شاید کل واپس آ جائیں۔''
''شاید، کیوں رابطہ نہیں کیا تم سے۔'' ہادیہ نے چھیڑا۔
''تم جانتی ہو میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو ہر وقت فیانسی صاحب سے رابطوں میں رہے۔'' اس نے شرارتاً کہا تو ہادیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کی ہنسی کی کھلکھلاہٹ ایسی تھی کہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتا وجود ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔



وہ حیرت سے حماد کو دیکھ رہی تھی گیٹ پر تب ہی گاڑی کا ہارن بجا اور پھر کچھ پل بعد چوکیدار نے گیٹ کھول تو ایک گاڑی اندر داخل ہوئی تھی انا نے غائب دماغی سے دیکھا۔ گاڑی سے روشی اور ولید نکلے تھے۔ حماد نے بھی ان لوگوں کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں ان کو دیکھ وہیں چلے آئے تھے۔
ولید یوں مغرب کے اندھیرے میں انا کو حماد کے ساتھ کھڑے دیکھ کر چونکا تھا۔
''السلام علیکم۔'' حماد نے ہی آگے بڑھ کر سلام دعا میں پہل کی تھی۔ ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔
''ہم تمہیں لینے آئے ہیں پھر سوچا آنٹی لوگوں سے بھی مل لوں گی تو میں ساتھ چلی آئی۔'' روشی نے بتایا' اس نے بس سر ہلایا تھا۔ وہ اس وقت حماد کی باتوں کے زیر اثر تھی۔
وہ روشی کے ساتھ اندر آ گئی اور حماد ولید کو ڈرائنگ روم میں لے آیا تھا۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ بھی آفس سے لوٹ آیا تھا۔ پھر وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا ان لوگوں کے ہاں رات کا کھانا جلدی کھا لیا جاتا تھا سو مصطفیٰ نے کھانا کھائے بنا جانے نہیں دیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد ولید نے چلنے کا کہا تھا۔ مصطفیٰ نے اندر شہوار اور روشی کو بھی پیغام بھجوا دیا تھا۔

انا اور روشی سب سے مل کر باہر نکل رہی تھیں جب کچھ فاصلے پر کھڑے حماد کو دیکھ کر انا رکی تھی۔
''تم چلو میں آتی ہوں۔'' انا نے روشی کو کہا اور خود حماد کے پاس چلی آئی۔
''ایکسکیوزمی۔'' حماد کی اس کی طرف پشت تھی فوراً پلٹا تو انا نے اسے کچھ کہا تھا وہ حیران ہوا تھا۔
پھر اس نے سر اثبات میں ہلا کر کچھ کہا تو انا نے اپنے موبائل میں اس کے الفاظ محفوظ کیے تھے اور پھر شکریہ کہہ کر پلٹ گئی تھی۔ حماد بڑی حیرت سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔
وہ ولید کی گاڑی کی طرف آئی تو روشی پچھلی سیٹ پر بیٹھ ہوئی تھی۔
''تم آگے بیٹھ جاؤ۔'' وہ دروازہ کھولنے لگی تھی جب روشنی نے کہا۔ اس کا ہاتھ رکا اور پھر وہ اگلی سیٹ کا درواز کھول کر بیٹھ گئی ولید بھی مصطفیٰ سے ہاتھ ملا کر گاڑی کی طرف آ گیا تھا۔ گاڑی گیٹ سے نکلی تو انا نے روشی کی طرف دیکھا۔
''کیسا گزرا آج کا دن؟'' روشی نے پوچھا تو وہ مسکرائی۔
''بہت اچھا۔''
''ہاں اندازہ ہو رہا ہے۔'' روشی نے مسکرا کر کہا۔ ولید نے ڈرائیو کرتے اسے دیکھا اس کا چہرہ صبح کی نسبت اس وقت کافی فریش لگ رہا تھا۔
''شہوار کے ہاں اتنے رشتے دار ہیں اتنی بھری پری فیملی نجانے ہمارے رشتہ دار اتنے محدود کیوں ہیں نہ کوئی ہم سے ملتا ہے اور نہ ہم کسی سے۔'' اتنے دنوں بعد وہ ان دنوں کے سامنے پہلا طویل جملہ بولی تھی۔
''بابا اور پھپو دونوں بہن بھائی تھے پھر تمہارے پاپا بھی اکلوتے تھے اب لمبے چوڑے رشتہ دار کہاں سے نکلتے۔'' روشی نے ہنس کر کہا۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ انا اتنے دنوں کے فیز کے بعد سنبھلی ہے۔
''لیکن جو بھی تھے ان کا تو پتا ہونا چاہیے ہمیں۔''
''اب ہمارے بڑوں نے ان سے روابط نہیں رکھے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔'' روشی نے کندھے اچکائے۔ انا ان باتوں کو فیل کر رہی تھی اور اس کی اس محرومی کا سب ہی کو اچھی طرح اندازہ تھا۔
''وہی تو پتا چلے کہ کیوں نہیں روابط رکھے؟''
''کوئی وجہ ہوگی تم کیوں ٹینس ہوتی ہو۔'' روشی نے کہا تو وہ خاموش ہوگئی تھی۔
ولید خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا اس نے ان دونوں کی کسی بھی بات میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ روشی نے یہ بات شدت سے محسوس کی تھی۔
''کیا بات ہے ولی بھائی بہت خاموش ہیں۔''
''میں تم لوگوں کو سن رہا ہوں۔'' اس نے مسکرا کر بہن کی تسلی کرائی۔
''ولید بھائی آئس کریم کھلائیں۔'' روشی نے جواباً کہا تو ولید نے انا کو دیکھا۔
''میں نہیں کھا سکتی تم نے کھانی ہے تو تم کھا لو۔'' انا نے منع کر دیا تھا۔
''تمہارے بغیر کھا کر خاک مزہ آنا ہے رہنے دیں بھائی پھر کبھی سہی۔'' روشی نے فوراً ارادہ بدل دیا۔ تبھی انا کا موبائل بجنے لگا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا ہینڈ بیگ کھول کر موبائل نکالا تھا۔
اسکرین پر نگاہ پڑتے ہی اس نے گھبرا کر ولید کو دیکھا تو وہ مکمل توجہ سے سامنے دیکھ کر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔
انا نے تیزی سے کال کاٹ دی تھی۔ بپ بند ہوتے ہی ولید نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اپنا موبائل آف کر رہی تھی۔ ولید کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ انا موبائل بند کر کے واپس ہینڈ بیگ میں رکھ رہی تھی۔ ولید کے سامنے یہ دوسری کال تھی جو انا نے ریسیو کیے بغیر کاٹی تھی۔ ولید کی آنکھوں میں تجسس پیدا ہوا تھا...... تاہم اس نے کچھ نہیں کہا روشی کچھ کہہ رہی تھی اپنے ذہن کو جھٹک کر روشی کی

باتوں پر دھیان دیا تھا۔



دونوں لڑکیوں کی ابوبکر کی طرف پشت تھی دونوں کھلکھلا کر ہنس رہی تھیں۔

''کوئی تصویر تو ہونی چاہیے نا، مجھے اندازہ تو ہو موصوف کیسے ہیں تمہارے ساتھ جچیں گے بھی کہ نہیں؟'' کھلکھلاتی آواز میں اظہار خیال ہوا تھا۔

''تصویر تو نہیں پتا ویسے کسی دن ان کی موجودگی میں آنا تمہاری ملاقات کروا دوں گی بنفس نفیس دیکھ لینا۔'' جواباً رابعہ نے شرارتاً کہا۔

''وہ تو میری جان مشکل لگتا ہے اب تمہاری رخصتی والے دن ہی ان کا دیدار کر پاؤں گی۔''

''ناامید مت ہو کسی دن خصوصی طور پر ملواؤں گی ان سے۔'' دونوں مزید بھی کچھ کہہ رہی تھیں مغرب کے اندھیرے میں دونوں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ابوبکر خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا اندر جا کر اس نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ دونوں کافی دیر تک ٹہلتی رہی تھیں۔ پوری چھت پر ان کی باتوں کی آواز ہنسی کی جھنکار گونجتی رہی تھی۔ ہادیہ نے وقت دیکھا تو اسے جانے کی جلدی ہوئی۔ وہ رابعہ کے ساتھ نیچے چلی آئی تھی۔

''اس وقت چائے کیوں بنا رہی ہیں کھانے کے بعد میں خود بنا لیتی۔'' اس کو شرمندگی ہوئی بھابی سارا دن گھر کے کام کرتی تھیں اور کچن بھی دیکھتی تھیں وہ آج کل گھر میں تھی تو ان کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا ابوبکر آیا ہے اس کو چائے چاہیے تھی۔'' بھابی نے بتایا تو وہ چونکی۔

''ارے...... وہ آ گئے...... کب؟''

''تقریباً آدھ گھنٹہ ہوا ہے اوپر ہی گئے ہیں کیوں تم دونوں سے نہیں ملے۔'' رابعہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''یقیناً کمرے میں چلے گئے ہوں گے۔'' بھابی نے کہا تو اسے شرمندگی ہونے لگی۔

وہ دونوں نجانے کیا کیا باتیں کرتی رہی تھیں ان کا تو والیوم بھی کافی ہائی تھا۔ نجانے ابوبکر نے کیا کیا سنا ہوگا۔

''تم یہ چائے ابوبکر کو دے آؤ، کھانا پکنے میں ابھی کچھ وقت ہے۔'' بھابی نے چائے ٹرے میں رکھ کر کہا تو وہ اپنا دوپٹا درست کرتی ٹرے لے کر اوپر آ کر ابوبکر کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

''لیس کم ان۔'' ابوبکر نے کہا تو وہ اندر داخل ہوئی۔ ابوبکر کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ اس کھڑکی کا رخ چھت کے اس جانب تھا جہاں وہ کچھ دیر قبل ہادیہ کے ساتھ چہل قدمی کرتے اونچے اونچے قہقہے لگاتے نجانے کیا کیا ہانک رہی تھی۔ غیر اخلاقی تو کوئی بات نہیں تھی مگر وہ پھر بھی اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے کپ ابوبکر کی طرف بڑھایا۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہیں؟'' کپ لے کر کھڑکی سے ہٹ کر وہ بستر کی طرف آ گیا۔

''اللہ کا شکر ہے اور آپ ٹھیک ہیں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔'' مختصر کہہ کر اس نے چائے کا سپ لیا۔

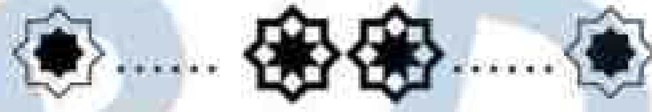
''میں جب یہاں آیا تو آپ کسی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا سو خاموشی سے کمرے میں چلا آیا۔'' ابوبکر نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو وہ مطمئن ہوئی۔

''جی ہمیں علم ہی نہیں ہو سکا ورنہ میری دوست کو آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ آ چکے ہیں تو میں آپ سے ملوا دیتی۔'' اس نے نارمل سے انداز میں بتایا۔

''اوکے کوئی بات نہیں، نیکسٹ ٹائم صحیح۔ ویسے آپ کی دوست کا کیا نام ہے؟'' یونہی سرسری سے انداز میں ابوبکر نے پوچھا۔

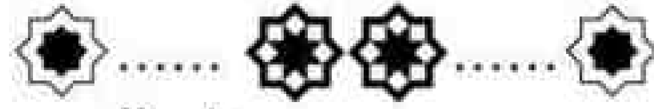
''ہادیہ، میری بہت اچھی دوست ہے کالج لیول میں دوستی ہوئی تھی کافی اچھی فیملی سے ہے میرے ساتھ ہی سر عباس کے آفس میں جاب

کرتی ہے۔'' اس نے تفصیلاً بتایا...... ابوبکر نے محض سر ہلایا تھا' انداز پر سوچ تھا۔
''آپ کا ٹور کیسا رہا؟'' اس نے پوچھا۔
''بہت اچھا۔''
''سہیل کب آ رہا ہے؟'' اس نے مزید پوچھا۔
''پرسوں کی فلائٹ سے۔''
''فیضان ماموں آ گئے؟'' چائے کا کپ خالی کرتے اس نے پوچھا۔
''نہیں' بس آنے ہی والے ہیں۔'' خالی کپ ٹرے میں رکھتے اس نے کہا۔
وہ کپ لے کر پلٹی تھی' ابوبکر خاموشی سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ نجانے کیوں اس کے کانوں میں کسی کے قہقہوں کی گونج ابھی بھی سنائی دے رہی تھی' خوب صورت دلکش انداز......



بابا صاحب کی طبیعت اب سنبھل رہی تھی لیکن ان کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اب حواس میں تھے سب ہی کو دیکھتے تھے لیکن بات نہیں کرتے تھے جو بھی خیریت پوچھنے آ رہا تھا وہ محض سر ہلا رہے تھے۔
مصطفیٰ اسپتال آیا تو وہاں موجود سجاد اور شاہ زیب صاحب گھر چلے گئے تھے۔ بابا صاحب عجیب سی بے چینی محسوس کر رہے تھے۔ بار بار چونک کر اٹھ جاتے تھے' اس وقت رات کا پہر تھا وہ سوئے ہوئے تھے۔ مصطفیٰ جو اپنے ساتھ کوئی فائل لے آیا تھا اس نے فائل بند کر کے ان کو دیکھا' وہ کچھ بڑبڑا رہے تھے۔
''نہیں...... نہیں......'' مصطفیٰ فوراً ان کے قریب ہوا تھا۔ بابا صاحب نے ایک دم آنکھیں کھول دی تھیں۔ ان کا چہرہ پسینے سے تر تھا' یقیناً انہیں پھر کوئی خواب آیا تھا۔
''بابا صاحب......'' مصطفیٰ جھک کر پکارا۔ انہوں نے خالی خالی نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا' ہر قسم کی پہچان سے عاری آنکھیں' چہرے کے علاوہ جسم پر ایک کپکپی سی طاری تھی۔
''بابا صاحب آپ ٹھیک ہیں؟'' مصطفیٰ نے انہیں پکارا' وہ چونکے۔ سر گھما کر ارد گرد دیکھا اور پھر انہوں نے آنکھیں میچ لی تھیں۔ اس بار ان کی آنکھوں میں ہلکی سی شناسائی کی لہر موجود تھی۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح لیٹے گہرے گہرے سانس لیتے رہے ان کا جسم لرز رہا تھا' چہرہ پسینے سے تر تھا۔ مصطفیٰ کے اندر تشویش جاگی تھی۔ اس نے ان کی حالت سے گھبرا کر انٹر کام اٹھایا ارادہ فوراً ڈاکٹرز سے رابطہ کرنے کا تھا۔
''مصطفیٰ......'' بابا صاحب کی کپکپاتی آواز ابھری تو مصطفیٰ نے فوراً انٹر کام کا ریسیور رکھ کر ان کو دیکھا۔
''جی بابا صاحب......''
''بعض گناہ ایسے کیوں ہوتے ہیں جو عمر بھر کسی سائے کی طرح ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔'' لرزتی روتی آواز تھی۔ مصطفیٰ فوراً ان کے پاس بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ محبت سے تھام لیا۔ وہ یقیناً اس وقت خواب کے بعد والی مخصوص کیفیت میں تھے۔ وہ سب اچھی طرح جانتے تھے کہ اکثر خواب سے ڈر جانے کے بعد وہ ساری ساری رات مصلّے پر گزار دیتے تھے' بے تحاشا روتے تھے۔ مصطفیٰ کے پاس ان کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔
''پانی پئیں گے......'' ان کے چہرے پر موجود پسینے کے قطروں کو دیکھتے مصطفیٰ نے پوچھا۔
''میں ایک عرصے سے اللہ کے سامنے رو رہا ہوں' گڑگڑا رہا ہوں مگر اس کے در سے معافی کا حکم نہیں ملتا۔'' مصطفیٰ کے سوال کے جواب میں انہوں نے آنکھیں کھول کر کہا تو آنسو ان کے جھریوں زدہ چہرے پر پھیل گئے تھے۔
''آپ خواب میں ڈر گئے ہیں۔'' مصطفیٰ نے انہیں بتایا تو انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔
''نہیں......'' بہت شدت تھی ان کے انکار میں۔ ''یہ خواب نہیں تھا' یہ تو وہ گناہ تھا جو ایک عرصے سے میرے پیچھے کسی آسیب کی طرح لگا

ہوا ہے۔ میں روتا ہوں...... گڑگڑاتا ہوں لیکن اس گناہ سے مجھے معافی نہیں ملتی۔'' مصطفیٰ نے بغور ان کو دیکھا۔
اس نے ہمیشہ سنا تھا کہ ایسے خوابوں کے بعد وہ ہمیشہ بہکی بہکی باتیں کیا کرتے تھے گناہ ثواب غلطی پچھتاوے کی لیکن مصطفیٰ آج پہلی دفعہ ان کو اس کیفیت میں دیکھ رہا تھا لیکن یہ الفاظ کوئی مجذوب کیفیت والا انسان ادا نہیں کر سکتا۔
''شاہزیب مجھے سائیکاٹرسٹوں کے پاس لے کر بھاگتا رہا اور میں ان سے بھاگ کر اپنے گناہوں پر پردے ڈالتا رہا۔'' اب کی بار ان کی آواز میں کوئی لڑکھڑاہٹ نہ تھی، مصطفیٰ نے بغیر ٹوکے ان کو سنا تھا۔
''لیکن میں تھک چکا ہوں، میں پچھتاوؤں کی آگ میں جل جل کر راکھ ہو گیا ہوں، میرے دل کا بوجھ مجھ سے مزید سہا نہیں جا رہا۔ میں کسی اپنے کے سامنے رونا چاہتا ہوں۔'' وہ کہتے کہتے پھر شدت سے رو دیئے تھے، مصطفیٰ خاموشی سے ان کو دیکھتا رہا۔ وہ کافی دیر تک روتے رہے تھے اور جب روتے روتے تھک گئے تو انہوں نے مصطفیٰ کو دیکھا۔
''یہ پانی پی لیں۔'' مصطفیٰ نے گلاس میں پانی انڈیل کر ان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ انہوں نے پانی پیا اور پھر مصطفیٰ کو دیکھا۔
''تابندہ کا کچھ پتا چلا؟'' کچھ پل سنبھلنے کے بعد انہوں نے پوچھا...... مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔
''اس کو تلاش کرو، وہ بہت کچھ جانتی ہے، اسے علم ہے میری ندامت کی کہانی اسے تلاش کروا دو بیٹا!'' بابا صاحب اس کے دونوں ہاتھ تھام کر بڑے عاجزانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔
''میں کوشش کر رہا ہوں لیکن ان کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ شہوار کے والد کا جو شناختی کارڈ تھا اس ایڈریس پر بھی پتا کیا لیکن کوئی مثبت جواب نہیں ملا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے بتایا تو انہوں نے گہرا سانس لیا۔
''میرے پاس اس کی کال آئی تھی۔'' انہوں نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔
''کب......؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا لیکن انہوں نے جیسے اس کا سوال سنا ہی نہ تھا۔
''وہ میری حویلی میں اتنا عرصہ رہی اور میں اسے پہچان بھی نہ سکا۔ میں بھلا کیسے پہچانتا اسے میں نے تو اسے کبھی زندگی میں دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ ساری عمر میری حویلی میں رہی اور میں غافل رہا، کم از کم کوئی تو تھا جس کے سامنے میں اپنا اعتراف گناہ کر سکتا تھا۔'' وہ پھر رونے لگے تھے۔ مصطفیٰ نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔
وہ چاہتا تھا کہ بابا صاحب خود کہیں، اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ ان کی باتوں سے اسے لگ رہا تھا کہ جیسے یہاں کوئی بہت بڑی کہانی ہے جو مصطفیٰ کو حیران کر دینے والی ہے۔
''کیسا گناہ بابا صاحب؟'' وہ مسلسل خاموش رہے تو مصطفیٰ نے پوچھا۔
''بہت طویل کہانی ہے، کہاں سے شروع کروں۔'' ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ انہوں نے پھر کچھ بتانا شروع کر دیا تھا اور مصطفیٰ تمام تر توجہ لیے ان کی لرزتی آواز سے ادا ہونے والے الفاظ سے اپنی سماعت کو منور کرتا جا رہا تھا۔



وہ سو چکی تھی میڈیسن کا اثر تھا لیکن آدھی رات کو ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی، وہ پسینے سے تر تھی۔ اسے لگا کہ جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی۔ بڑی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی اس کی، اس نے تیزی سے اٹھ کر سائیڈ لیمپ روشن کیے تھے لیکن اس مدھم تاریکی سے بھی دم گھٹنے لگا تو اس نے بستر سے اتر کر کمرے کی تمام لائٹس روشن کر لی تھیں۔
سائیڈ ٹیبل پر میڈیسن کے ساتھ ساتھ جگ اور گلاس بھی تھا اس نے پانی پیا تو دل کو کچھ تسلی ہوئی۔ وہ بستر کے کنارے بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ وقت دیکھا رات کا ایک بج رہا تھا، وہ یاد کرنے لگی۔ وہ مصطفیٰ کے گھر سے واپسی کے بعد سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ سارا دن پہلے اسپتال اور پھر شہوار کے ہاں بیٹھی رہی تھی، تھکن ہو رہی تھی۔ میڈیسن کھاتے ہی وہ سو گئی تھی اس کی ذہنی کنڈیشن کے سبب شاید ڈاکٹر نے نیند کی گولی بھی شامل کر دی تھی سو نیند آ گئی تھی اور اب ایک دم آنکھ کھلی تھی۔
اسے یاد آیا وہ سونے سے پہلے حماد کے بارے میں سوچ رہی تھی اور اس وقت نیند میں بھی وہ اسی کے ساتھ کھڑی تھی اور وہ اس سے اپنی

محبت کا اقرار کر رہا تھا' انا کا دماغ دکھنے لگا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی طرف دیکھا اس کا بیگ پڑا ہوا تھا۔ اس نے وہ اٹھا لیا' اندر سے موبائل نکال کر اس کو آن کیا' موبائل آن کرنے کے بعد ایک دم دس بارہ میسج ریسیو ہوئے تھے' کاشفہ کے میسجز تھے۔

''تم کال پک کیوں نہیں کر رہی؟'' اس نے میسج کھولا تو پہلا میسج اس کا منہ چڑا رہا تھا' انا نے غصے سے ڈیلیٹ کر دیا۔

''تم اگر موبائل بند کر کے یا مجھے نظر انداز کر کے سمجھ رہی ہو کہ مجھے دھوکہ دے لوگی تو اچھی طرح سمجھ لو میں تمہیں اس قابل نہیں چھوڑو گی کہ تم کسی کو منہ دکھا سکو۔'' یہ دوسرا میسج تھا اس نے وہ بھی ڈیلیٹ کر دیا تھا۔

''تمہیں جو کام کہا ہے اس کو کب مکمل کرو گی۔ دیکھو انا جتنی بھی تاخیر کرو گی تمہارے لیے اتنا ہی بُرا ہو گا' ریپلائی می۔'' انا نے وہ میسج بھی ڈیلیٹ کر دیا اور پھر ایک دم بہت جنون میں اس نے باقی سارے میسجز بغیر پڑھے ڈیلیٹ کر دیئے تھے۔ میسجز ڈیلیٹ کرنے کے بعد اس نے ریسیو کالز' ڈائل نمبرز اور مس کالڈ چیک کی تھیں سبھی ڈیلیٹ کرتے وہ ایک پل کو ٹھٹکی تھی۔

کاشفہ کے نمبر کے علاوہ ڈائیلڈ نمبر میں ایک اور نمبر بھی تھا۔ یہ نمبر مصطفیٰ کے گھر سے واپسی پر اس نے حماد سے لیا تھا اور جب اس نے حماد سے کہا تھا کہ مجھے آپ کا موبائل نمبر چاہیے تو وہ ایک دم حیران ہوا تھا اور پھر بغیر کسی سوال و جواب کے اس نے فوراً نمبر دیا تھا جو اس نے اپنے موبائل پر ڈائل کر کے کال کاٹ دی تھی اور اب وہ نمبر اس کے سامنے تھا۔

وہ کتنی دیر اس نمبر کو دیکھتی رہی' نمبر لیتے وقت اس کے ذہن میں کوئی بھی بات نہ تھی لیکن اب نمبر کو دیکھنے کے بعد دل و دماغ میں طرح طرح کے خیالات سما رہے تھے۔ انا نے سنجیدگی سے نمبر کو دیکھا تھا اور پھر گہرا سانس لیتے اس نے اس نمبر کو حماد کے نام سے سیو کیا تھا جب اس نے نمبر لیا تھا تو ویسے ہی سیو کیا تھا اب اس نے نام ایڈ کیا تھا۔ نام ایڈ کرنے کے بعد اس نے وقت دیکھا تھا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ اس نے کال ملائی' کچھ دیر بعد اس کی کال پک کر لی گئی تھی۔

''ہیلو......''

''السلام علیکم!'' انا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام!'' دوسری طرف انجان نمبر دیکھ کر آواز میں حیرت پیدا ہوئی تھی۔

''حماد صاحب بول رہے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''جی لیکن آپ کون؟'' انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں انا بات کر رہی ہوں' انا وقار احمد۔'' انا نے سنبھل کر کہا۔

''انا......'' دوسری طرف رات کے اس پہر غیر متوقع بندے کا نام سن کر وہ واقعی حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

''آپ اس وقت......خیریت......؟'' وہ بہت حیرانی سے پوچھ رہا تھا۔

''ایم سوری آپ کو ڈسٹرب کیا' اگر آپ بزی ہیں تو میں کال بند کر دیتی ہوں۔'' انا نے آہستگی سے کہا۔

''ارے نہیں' اب ایسی بھی بات نہیں' آپ کے لیے تو میں ہر طرح سے وقت نکال سکتا ہوں۔''

''آپ کی نیند ڈسٹرب کر دی میں نے؟'' انا کو شرمندگی ہونے لگی کہ اسے اس وقت کال نہیں کرنی چاہیے تھی۔

''ارے نہیں' یہاں سب ہی جمع ہیں تو بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔''

''کیا آپ سائیڈ پر ہو کر میری بات سن سکتے ہیں' دراصل میں نہیں چاہتی کہ کسی کو علم ہو کہ میں نے آپ کو کال کی ہے۔'' اس نے مزید کہا تو دوسری طرف حماد چونکا۔

''میں آپ کی کال سن کر بہت حیران ہوں۔'' کچھ توقف کے بعد حماد نے کہا تو اس نے گہرا سانس لیا' وہ سمجھ سکتی تھی کہ کیوں حیران ہو رہا ہے۔

''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اس نے مزید کہا۔

''جی......؟''

''کل تین بجے......'' انا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا آپ مل سکتے ہیں مجھ سے؟'' دوسری طرف کی خاموشی محسوس کر کے اس نے پھر کہا تو اس نے ہامی بھرلی۔

''جی بالکل میں حاضر ہو جاؤں گا لیکن ملنا کہاں ہوگا؟''

''ہمارے گھر کی طرف جو پارک ہے ادھر آ جائیے گا۔'' انا کی وہی سنجیدگی تھی۔

''کیا میں اس ملاقات کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' حماد از حد حیرانی میں تھا سو ایسے سوال فطری تھے۔

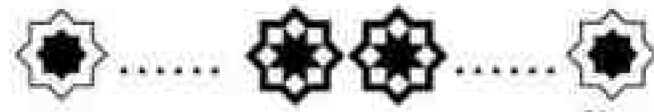
''کل جب ملاقات ہو گی تو خود بخود آپ کو علم ہو جائے گا۔'' انا کے لہجے میں ابھی بھی وہی سنجیدگی تھی وہی بے لچک انداز۔

''جی ٹھیک ہے میں پہنچ جاؤں گا۔'' حماد نے ہامی بھری تھی۔

''او کے اللہ حافظ۔'' انا نے فوراً کال کاٹ دی۔

موبائل سائیڈ پر ڈالتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے' اس کے وجود میں ایک دم بے پناہ کمزوری و نقاہت در آئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی پیدا ہو گئی تھی اور پھر یہ نمی اس کے چہرے پر پھسلتی چلی گئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ رو رہی ہے اور جانتی تھی کہ کیوں رو رہی ہے لیکن اس کے باوجود اس کا ضمیر اسے بے پناہ ملامت کر رہا تھا۔

اس کے سینے میں مقید دل سینے کی دیواروں میں ایک دم پھڑ پھڑانے لگا تھا لیکن اس سب کے باوجود اس نے اپنے دل کی طرف سے رخ موڑ لیا تھا۔ وہ اب دل کی کوئی بات نہیں سننا چاہتی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ آج کی رات ماتم کی ہے اور پھر بے اختیار روتے روتے وہ خود کو دل کے اس ماتم میں شامل ہونے سے نہ روک پائی تھی۔



مصطفیٰ گھر آیا تو شہوار کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ بابا صاحب کی طبیعت کافی سنبھل چکی تھی' قوی امید تھی کہ وہ ایک دو دن میں گھر آ جائیں گے۔ مصطفیٰ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل اور موبائل بستر پر رکھا اور خود از حد نڈھال انداز میں بستر پر گر گیا تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بال سنوارتی شہوار نے مصطفیٰ کے انداز کو نوٹ کیا تھا۔ وہ پلٹ کر مصطفیٰ کی طرف آئی۔

''کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ مصطفیٰ کے پاس بیٹھ گئی تھی' انداز میں فکر مندی اور محبت تھی۔ اپنی آنکھوں کو انگلیوں سے مسلتے مصطفیٰ نے اسے دیکھا اور پھر مسکرایا۔

''ہاں ٹھیک ہوں بس تھکن ہو رہی ہے۔'' تین چار دن سے وہ مسلسل دن رات جاگ رہا تھا۔ دن میں آفس بھاگ دوڑ اور پھر رات میں اسپتال وہ انسان تھا اثر تو ہونا ہی تھا۔

شہوار نے مصطفیٰ کی پیشانی پر ہاتھ رکھا حرارت تو نہیں تھی لیکن تھکن صاف دکھائی دے رہی تھی' مصطفیٰ نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

''لگتا ہے ساری رات جاگتے رہتے ہیں۔'' مصطفیٰ کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے اس نے محبت سے کہا تو مصطفیٰ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ وہ فکر مندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ خوب صورت چہرے پر بالوں کی لٹیں رقصاں تھیں۔ تراشا ہوا متناسب جسم اس وقت دوپٹے سے بے نیاز بالوں کی سیاہ گھٹا میں چھپا ہوا تھا۔

''ہاں بابا صاحب کی طبعیت رات بھر خراب رہی۔'' اس نے کہا تو شہوار کو تشویش لاحق ہوئی۔

''لیکن رات میں آنٹی اور انکل کہہ رہے تھے کہ وہ اب پہلے سے بہتر ہیں۔'' لہجے میں تشویش تھی۔

''ہاں بہتر تو وہ ہیں لیکن وہی خواب کا سلسلہ۔'' شہوار نے گہرا سانس لیا۔

یہ سلسلہ تو بابا صاحب کی زندگی کا لازمی جزو بن چکا تھا اس پر بھلا کیا کہتی۔

''آپ فریش ہو جائیں سب ہی ناشتا کر رہے ہیں آپ بھی کر لیں۔'' شہوار نے توجہ سے بھرپور لہجے میں کہا تو وہ مسکرایا۔

''ابھی ناشتے کا موڈ نہیں ہو رہا۔'' مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلا کر پھر سے آنکھیں موند لی تھیں۔ شہوار نے وقت دیکھا ابھی ناشتا کرنا تھا پھر کالج کے لیے نکلنا' کچھ وقت تھا اس کے پاس۔

''آپ آفس سے آج آف کرلیں اس طرح دن رات مسلسل کام کریں گے تو صحت متاثر ہو گی۔'' شہوار کے لہجے میں فکرمندی تھی۔
''ہاں میں بھی سوچ رہا ہوں۔'' آنکھیں بند کیے ہی مصطفیٰ نے جواب دیا۔ شہوار کو ایک دم احساس ہوا کہ اس وقت مصطفیٰ کے انداز میں پہلے والی گرم جوشی مفقود ہے۔ پچھلے تین چار دن سے اس کی مصطفیٰ سے بہت سرسری سے بات چیت ہو رہی تھی بس سلام دعا کھانے پینے یا کمرے میں آتے جاتے تک کے احوال۔
''میں کالج سے چھٹی کرلیتی ہوں۔'' اس نے کہا تو مصطفیٰ نے کوئی رسپانس نہیں دیا بلکہ اسی طرح لیٹا رہا تھا۔
''مصطفیٰ......'' اس نے قدرے جھک کر مصطفیٰ کو پکارا تو مصطفیٰ نے بغیر آنکھیں کھولے ہی سر ہلا دیا۔
''ہوں......''
''میں چھٹی کرلوں نا؟'' اس نے پھر کہا۔
''مرضی ہے تمہاری۔'' مصطفیٰ کی توجہ اس کی طرف شاید نہیں تھی سو جواب بھی ایسا ہی تھا' شہوار کو بڑا تعجب ہوا۔ وہ مصطفیٰ کے سامنے چھٹی کر لینے کا ذکر کر رہی تھی اور مصطفیٰ کا ری ایکشن نارمل ہی تھا۔
''کیا بات ہے طبیعت زیادہ خراب ہے؟'' اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔
''ہوں......''
''لگ تو نہیں رہا۔'' اس نے اب کی بار کچھ تیزی سے کہا تھا۔ مصطفیٰ نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔
''بس تھکن ہے ایک دو گھنٹہ ریسٹ کروں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' اس کے بعد آفس چلا جاؤں گا۔ تم بھی چھٹی مت کرو خوامخواہ تمہارا حرج ہو رہا ہے۔'' مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے گہرا سانس لیا۔
''پھر میں بھی لیٹ جاؤں گی جب آپ جائیں گے تو مجھے ڈراپ کر دیجیے گا۔'' مصطفیٰ کا سر سرہانے پر منتقل کرتے اس نے کہا۔
''ناشتا تو آپ لیٹ کریں گے میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی تو مصطفیٰ نے ہاتھ پکڑ لیا۔
''بیٹھو نا' ابھی کچھ بھی کھانے پینے کا موڈ نہیں۔ اتنے دنوں بعد یوں بیٹھنے کا موقع ملا ہے' کچھ دیر تو رکو۔'' وہ جو سمجھ رہی تھی کہ مصطفیٰ کے لہجے میں توجہ ہے تو فوراً مسکرائی۔
''کچھ زیادہ جلدی خیال نہیں آ گیا آپ کو میرا؟'' مسکرا کر طنزیہ انداز میں کہا تو مصطفیٰ مسکرایا' ہاتھ پر دباؤ ڈال کر واپس قریب بٹھا لیا۔
''تمہیں بھی شکوہ کرنے کا کچھ جلدی خیال نہیں آ گیا؟'' بغور دیکھا' انداز شرارتی تھا۔ شہوار کے رخساروں پر سرخی سی چھلک پڑی تھی۔
''آپ کے پاس وقت ہی کب ہوتا ہے کہ میں کوئی شکوہ بھی کروں۔ ہر وقت آفس آفس اور اگر تھوڑا بہت وقت بچ جائے تو وہ اپنی فائلز' لیپ ٹاپ یا پھر کسی اور کام میں لگا دیتے ہیں۔'' اس نے آہستگی سے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔
''اتنے دنوں میں پہلی بار بیوی والے روپ میں نظر آ رہی ہو' یعنی تمہارا یہ روپ و انداز دیکھنے کے لیے مجھے اب کچھ زیادہ ہی مصروف رہنا پڑے گا۔'' مصطفیٰ کے انداز میں شرارت تھی' اس نے گھورا۔
''ایسا سوچیے گا بھی نہیں۔'' لہجے میں پیار بھری دھونس تھی' مصطفیٰ ہنسا۔
''ورنہ کیا......؟'' مصطفیٰ چھیڑ رہا تھا۔ شہوار نے آگے پڑے بالوں کو پیچھے کیا تھا۔
''ورنہ میں جوابی کارروائی کروں گی تو آپ کو لگے گا کہ میں بدلہ لے رہی ہوں۔'' مصطفیٰ مسکرایا۔
شہوار سے ہلکے پھلکے انداز میں اس طرح چھیڑ چھاڑ کرتے اسے قدرے ریلیف محسوس ہو رہا تھا ورنہ اسپتال سے واپسی پر لگ رہا تھا کہ ذہن و دل پر منوں بوجھ ہے جو اس کے اعصاب کو مسلسل چھیڑ رہا ہو۔
''مثلاً کیا کرو گی؟''
''میں بھی اپنی اسٹڈی میں مصروف ہو جاؤں گی۔''
''وہ تو اب بھی ہو۔'' اس کے بالوں کی لٹ کو انگلی پر لپیٹتے مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن آپ سے کم ہی ہوں۔'' اس نے کہا تو مصطفیٰ مسکرایا۔اس کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر نرمی سے سہلاتے وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔
''بوا جی نے دوبارہ کوئی رابطہ کیا؟''
''نہیں۔'' تابندہ کے ذکر پر وہ ایک دم افسردہ سی ہوئی تھی۔
''بوا جی نے بتایا تھا کہ تمہارے فادر ان کے خالہ زاد تھے۔''
''جی؟''
''انہوں نے اس سب کے علاوہ بھی اور کچھ بتایا؟'' مصطفیٰ نے اس کا چہرہ بغور دیکھتے پوچھا تو وہ چونکی۔
''مثلاً؟''
''یہ کہ تمہارے فادر کا خاندان ان کی فیملی......''
''یہی تو اصل مسئلہ تھا کبھی بھی مجھے انہوں نے یہ سب نہیں بتایا' جب بھی پوچھا انہوں نے کہا کہ وہ ایک عزت دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے میں کسی عام خاندان سے نہیں ہوں لیکن مجھے انہوں نے تفصیل کبھی بھی نہ بتائی۔'' شہوار نے کہا تو مصطفیٰ کچھ سوچنے لگا۔
''کیا بات ہے آپ کچھ پریشان ہیں؟'' مصطفیٰ کی خاموشی پر اس نے چند لمحے بعد پوچھا مصطفیٰ نے اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔
''بس ویسے ہی کچھ سوچ رہا تھا۔'' مصطفیٰ نے کہا۔
''کیا؟'' مصطفیٰ نے سر جھٹکا۔
''چھوڑو آج آفس میں بھی بہت ضروری کام ہے تھوڑی دیر ریسٹ کرلوں پھر نکلتا ہوں' امجد خان انتظار کررہا ہوگا۔'' کہہ کر وہ آنکھیں بند کر گیا تھا۔شہوار کا ہاتھ ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا جو اس نے اپنے سینے پر رکھ لیا تھا' شہوار نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا اور پھر کوئی سوال نہ کیا۔

آج اس کی طبیعت کافی بہتر تھی' ماما بوتیک چلی گئی تھیں۔وہ کمرے سے نکل کر روشی کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ماموں گھر پر تھے جبکہ باقی تینوں افراد آفس۔ڈھائی کا وقت ہوا تو وہ اپنے کمرے سے نکلی تھی' لباس بدل چکی تھی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ہاتھ میں ہینڈ بیگ تھا' وہ لاؤنج میں آئی تو روشی اسے دیکھ کر چونکی۔
''میں قریبی پارک میں جارہی ہوں۔'' اس کے چونکنے پر اس نے بتایا۔
''خیریت؟''
''یونہی دل کررہا ہے باہر نکلنے کو۔'' اب بھی انداز سنجیدہ تھا۔
''اکیلی جاؤ گی؟'' روشی نے پوچھا۔
''کالج بھی تو اکیلی ہی جاتی ہوں۔'' جواب موجود تھا۔
''لیکن یہ پارک جانے کا وقت تو نہیں۔'' روشی نے کہا تو اس نے گہرا سانس لیا۔
''دل کے چاہنے کا کوئی وقت نہیں ہوتا' جب دل کیا تب جاسکتا ہے انسان۔'' روشی نے بہت حیرت سے انا کو دیکھا۔اس وقت اسے انا بہت بدلی بدلی سی لگی تھی۔
''بابا کو لے جاؤ۔'' وہ جانے لگی تو روشی نے کہا۔
''وہ آرام کررہے ہیں' میں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی۔ویسے بھی میں اکیلی جانا چاہتی ہوں' ڈرائیور کو لے جاؤں گی' ڈونٹ وری۔'' وہ کہہ کر نکل آئی تھی۔اس نے منصور خان سے ڈرائیونگ سیکھی تھی لیکن ماما پاپا کی طرف سے ڈرائیو کرنے کی اجازت نہ تھی اس نے منصور خان کو گاڑی نکالنے کو کہا۔
بیس منٹ کی ڈرائیو تھی' وہاں پہنچ کر اس نے ڈرائیور کو بھیج کر خود ہی واپس آنے کا کہہ دیا تھا۔وہ پارک میں بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔حماد

پورے تین بجے پارک میں تھا۔ اس نے کال کرکے پوچھا تو اس نے اسے وہاں پہنچنے کا کہا جہاں وہ موجود تھی۔ اگلے پانچ منٹ میں وہ اس کے سامنے تھا۔

''السلام علیکم!'' حماد کا انداز پرجوش تھا۔ انا نے سر ہلایا۔ وہ واپس بنچ کر بیٹھ گئی تھی دوسرے کنارے پر حماد بھی ٹک گیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' حماد نے پوچھا تو اس نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟'' کچھ توقف کے بعد انا کی خاموشی محسوس کرکے حماد نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

''کل آپ نے جو بھی کہا اس میں کتنے فیصد سچ ہے؟'' سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے اس نے پوچھا۔

''سو فیصد...... میں نے جو محسوس کیا وہ حرف بحرف آپ کو کہہ دیا۔'' انا نے اسے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟'' انداز سنجیدہ تھا' حماد مسکرایا۔

''بالکل......''

''آپ محبت میں جان کی بازی لگانے کے قائل ہیں؟'' عجیب سا سوال تھا' وہ چونکا۔

''میں سمجھا نہیں؟''

''آپ میرے لیے کیا کرسکتے ہیں؟'' انا نے آسان لفظوں میں اپنے الفاظ کی وضاحت چاہی۔

''جو آپ کہیں؟'' وہ انا کو سنجیدگی دیکھ رہا تھا۔

''کیا مجھ سے شادی کرسکتے ہیں؟''

''کیا............؟'' وہ شدید حیران ہوا۔

''بہت آسان سا سوال ہے فلرٹ کرنے کی آفر نہیں کی' محبت کرتے ہیں تو کیا شادی کریں گے مجھ سے۔'' انا کا وہی انداز تھا' وہ حیرت سے گنگ رہ گیا تھا۔

''لیکن آپ کی تو منگنی ہوچکی ہے۔'' اس نے اپنی حیرت پر قابو پاکر کہا۔

''میں وہ منگنی توڑ چکی ہوں۔'' انا چہرہ موڑ کر پارک میں آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگی تھی۔

''کیوں؟''

''ولید اور میرے مزاج میں بہت فرق تھا' میں ان کے ساتھ نہیں چل سکتی۔''

''لیکن وہ تو بہت ہی پرفیکٹ انسان ہیں' میں تو ان کے پاسنگ بھی نہیں ہوں۔''

''مجھے کسی بھی پرفیکٹ انسان سے شادی نہیں کرنی' مجھے اپنے جیسے نارمل انسان سے شادی کرنی ہے۔'' وہ جیسے ہر سوال کا جواب سوچ کر آئی تھی۔

''آپ بتائیں آپ کو میرا پروپوزل قبول ہے یا نہیں؟'' اس نے پھر لوگوں سے نظریں ہٹا کر حماد کو دیکھا۔ وہ الجھن کا شکار نظر آرہا تھا۔

''لیکن آپ کی فیملی......؟'' اس نے کہنا چاہا انا نے فوراً بات کاٹ دی۔

''میری فیملی میرا مسئلہ ہے۔'' دوٹوک انداز تھا۔ ''آپ بتائیں ہاں یا نہیں؟'' قطعی انداز تھا۔

''ہاں لیکن......؟'' وہ پھر ہچکچایا۔

انا نے چند پل اسے دیکھا شاید وہ اپنے لیکن کی وضاحت کرے لیکن وہ خاموش ہی رہا تھا۔

''لیکن......؟'' اس نے خود پوچھا۔ ''آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتی ہیں؟'' وہ ایک عقل مند انسان تھا اس کے پروپوزل پر اس نے اپنے حواس نہیں گنوائے تھے ایک معقول سوال کیا تھا۔

''اس لیے کہ مجھے آپ اچھے لگے ہیں۔'' حماد کی طرف دیکھے بغیر سر جھکا کر اس نے کہا۔

''میں کافی عرصے سے یہ منگنی ختم کرنا چاہتی تھی' میں اس منگنی کے حق میں نہ تھی یہ میرے بڑوں کا فیصلہ تھا۔ شہوار کی شادی پر آپ سے

ملاقات ہوئی‘ آپ اچھے لگے اس کے بعد یہ میں نے اب منگنی ختم کر دی تھی۔ کل جب آپ نے وہ سب کہا تو مجھے لگا جیسے قدرت نے مجھے ایک راہ دکھائی ہے‘ آپ پر کوئی پابندی نہیں آپ چاہیں تو اس پروپوزل سے انکار کر سکتے ہیں۔‘‘ انا نے سر جھکائے کہا۔

حماد کے چہرے پر ایک دم اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی تھی‘ ایک خوب صورت من چاہی لڑکی کے منہ سے اپنے لیے پسندیدگی کے الفاظ سننا وہ واقعی سب باتیں بھول گیا تھا‘ ایک دم پر جوش ہوا۔

’’او کے...... مجھے پروپوزل قبول ہے۔‘‘ اس کے الفاظ پر انا کچھ پل ساکت ہوئی اور پھر کچھ پل بعد سر اٹھا کر گہرا سانس لے کر چہرہ موڑ کر حماد کو دیکھا۔

’’شکریہ۔‘‘ مسکرانے کی کوشش بھی کی تھی۔

’’میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر قسمت اس طرح پلٹا کھائے گی۔‘‘ وہ بہت خوش دکھ رہا تھا۔

’’میں نے بھی نہیں سوچا تھا۔‘‘ انا نے کہا اور پھر چہرہ موڑ لیا۔

’’آپ اپنی فیملی کو ہمارے گھر کب بھیجیں گے؟‘‘ اس نے مزید کہا۔

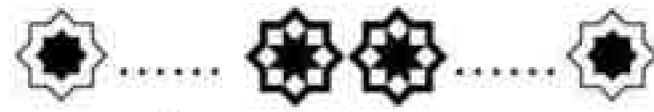
’’ابھی تو بابا صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں‘ جیسے ہی وہ گھر شفٹ ہوتے ہیں میں گھر والوں سے بات کر لوں گا۔‘‘ مطمئن انداز تھا۔

’’آپ کی فیملی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا نا؟‘‘

’’ہماری فیملی میں خاندان سے باہر شادیاں کرنے کا رواج نہیں ہے لیکن اب لڑکوں کے معاملے میں خاندان والوں کی روایت بدل چکی ہے۔ عباس بھائی اور مصطفیٰ کی مثال سامنے ہے اس طرح زاہد بھائی کی شادی بھی خاندان سے باہر ہی کی تھی۔ میرا نہیں خیال کہ میری فیملی ایسا کوئی اعتراض کرے گی۔‘‘ حماد کا انداز پر اعتماد تھا۔

’’مجھے آپ سے ایک اور فیور بھی چاہیے؟‘‘ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا۔

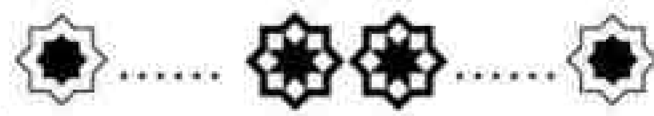
’’ہاں کہیے۔‘‘ وہ مکمل طور پر متوجہ ہوا۔ انا اس کو اپنی فیور کے متعلق سنجیدگی سے بتانے لگی تھی اور وہ پوری توجہ سے اسے سن رہا تھا۔



چوہدری حیات علی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے‘ ان کے والد سراج علی اور چچا امتیاز علی کے علاوہ ان کی دو پھوپیاں بھی تھیں۔ سب شادی شدہ تھے‘ ایک وسیع و عریض اراضی کے مالک تھے۔ چچا کے چار بچے تھے‘ بڑا بیٹا پھر بیٹی زبیدہ اور اس کے بعد دو بیٹے تھے جبکہ بڑے بھائی کی کوئی اولاد نہ تھی بڑی منتوں مرادوں کے بعد ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا۔ جس کا نام حیات علی رکھا تھا‘ راج دین کے لیے حیات علی زندگی کی نوید تھا۔ انہوں نے بڑے لاڈ اور ناز و نعم سے اسے پالا تھا اور ابھی پندرہ سال عمر تھی کہ انہوں نے بیمار بیوی کی خواہش پر حیات علی سے آٹھ سال بڑی زبیدہ سے اس کی شادی کر دی تھی۔ خوب صورت زبیدہ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تایا کے گھر آ کر راج کر رہی تھی۔

شادی کے اگلے سال ہی بڑا بیٹا نواز علی پیدا ہوا تھا۔ سراج علی کی حویلی میں خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا لیکن چند ماہ بعد ہی سراج علی کی بیمار بیگم چل بسیں تو ان کی تمام تر توجہ کا محور حیات علی اس کی بیوی اور پوتا بن گئے۔ وسیع اراضی کے مالک ہر کوئی ان کا حکم مانتا تھا‘ غصے کے تیز تھے ہر طرف ان کی حکمرانی تھی۔ بیٹا حیات علی ان کی ہر بات مانتا تھا‘ کم عمری میں شادی کے سبب بہت جلد تین بیٹوں اور دو بیٹیوں کے باپ بن چکے تھے۔ تعلیم مکمل ہوئی تو باپ چچا کے ساتھ زمین کے معاملات دیکھنے لگے تھے۔

سب سے چھوٹی بیٹی زہرہ ابھی دو ماہ کی تھی ایک دن فصل کی کٹائی کے بعد شہر پہنچانے کا کام بابا صاحب نے ان کی سپرد کر دیا تھا۔ پہلے یہ سارے کام زبیدہ کے بھائی کرتے تھے اور حیات علی کی اب تک کی زندگی تعلیم حاصل کرتے گزری تھی۔ چھٹیوں میں گھر آتے تو بیوی کے ناز نخرے دیکھتے‘ واپس چلے جاتے تو باپ کی کڑی نگاہ میں ہوتے۔ روایات کی پاسداری کرنے والے تھے‘ بیوی اور بچوں والے بن کر کم عمر لڑکوں والی مخصوص حرکتوں سے دور تھے۔ ہر طرف اطمینان ہی اطمینان تھا۔ بابا صاحب کے کہنے پر ملازمین کے ساتھ وہ شہر آئے تھے یہاں بابا صاحب کی ہدایت پر آڑھت کے ساتھ فصل کے معاملات طے کیے تھے اور پھر یہاں سے ان کی زندگی نے ایک عجیب سا پلٹا کھایا تھا‘ جس کا خمیازہ وہ آج تک بھگت رہے تھے۔



مغرب وقت قریب تھا انا گھر نہیں لوٹی تھی' روشی کے اندر شدید تشویش پیدا ہو رہی تھی چند دن پہلے کا واقعہ نہ ہوا ہوتا تو شاید وہ اتنی متفکر نہ ہوتی کہ انا اسے پارک جانے کا بتا کر گئی تھی۔ وہ ادھر سے اُدھر ٹہلتے انا کی آمد کی منتظر تھی۔ انا تو نہیں آئی تھی البتہ ولید اور وقار صاحب آ گئے تھے' احسن آفس میں بزی تھا اس نے لیٹ آنا تھا۔ وہ اسے باہر ہی ٹہلتے دیکھ کر رک گئے تھے۔

''کیا بات ہے ادھر کیوں کھڑی ہو؟'' ولید نے پوچھا۔ اس نے چور نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

''وہ......انا کا انتظار کر رہی تھی۔'' اس کے الفاظ پر دونوں چونکے تھے۔

''کیا ہوا......کہاں گئی ہے وہ؟'' وقار صاحب نے پوچھا۔

''وہ پارک گئی تھی ڈھائی بجے نکلی تھی۔''

''اوہ......کون سے پارک میں اور کیوں؟''

''نزدیکی پارک میں' کیوں کا مجھے بھی نہیں پتا۔ ڈرائیور کے ساتھ گئی تھی اور پھر ڈرائیور کو واپس بھیج دیا تھا کہ خود آ جائے گی۔''

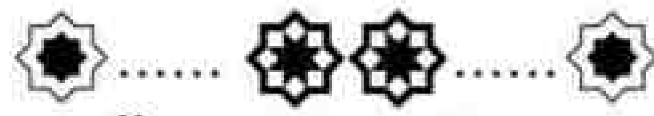
''کافی دیر ہو چکی ہے اب تو۔'' انہوں نے گھڑی دیکھی کچھ وقت گزرتا مغرب کی اذان ہو جانی تھی۔

''کال کرو اسے۔'' انہوں نے برہمی سے کہا تو روشانے نے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر اس کا نمبر ڈائل کیا' وہ یہ نمبر کئی بار ڈائل کر چکی تھی لیکن انا کال پک نہیں کر رہی تھی۔ روشی نے موبائل کان سے لگا لیا تھا' انا نے حسب توقع کال پک نہیں کی تھی۔ ولید خاموشی سے یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا۔ ابھی چند دن پہلے کا واقعہ بالکل تازہ اور اب پھر وہی سچوئشن تب اس کا موبائل بند تھا اور آج آن......

''منصور خان کہاں ہے؟'' وقار نے دیکھا گاڑی نہیں تھی۔

''وہ پھپھو کو لینے گیا ہے۔'' روشی نے بتایا تو ان کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

''ولید گاڑی نکالو' میں خود دیکھتا ہوں۔'' ان کا انداز سپاٹ تھا۔ ولید فوراً گاڑی کی طرف پلٹا' وہ بھی فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھے تھے۔ گاڑی گیٹ سے نکلی تو روشی لب بھینچے اندر کی طرف پلٹ آئی تھی۔



یہاں شہر میں عام معاملات نبٹاتے چند دن لگ گئے تھے' ذاتی گاڑی پاس تھی یہاں شہر میں گھر موجود تھا سو کوئی مسئلہ نہ تھا۔ وہ اس شام منڈی سے واپس لوٹ رہے تھے جیبیں پیسوں سے بھری ہوئی تھیں۔ گاڑی خود ڈرائیو کر رہے تھے جب تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ایک دم ان کی گاڑی کے سامنے کوئی شخص ٹکرا کر ایک طرف گرا تھا۔ انہوں نے فوراً بریک پر پاؤں رکھے تھے۔ انہوں نے باہر نکلنے سے اجتناب برتا تھا کہ ہو سکتا ہے کوئی واردات ہی نہ ہو لیکن سائیڈ پر بے حس و حرکت وجود کو دیکھ کر حیات علی صاحب کے ضمیر نے گوارا نہیں کیا تھا کہ اس وجود کو اسی طرح چھوڑ کر چلے جائیں۔

''چھوٹے چوہدری صاحب کوئی قتل کا کیس نہ بن جائے' نکل جاتے ہیں۔'' پیچھے بیٹھے ملازم نے مشورہ دیا۔

باہر ٹریفک رواں دواں تھی لیکن لوگ اس زخمی کے گرد جمع ہو رہے تھے انہوں نے بھاگ جانے کی بجائے گاڑی سے نکلنا پسند کیا اور ملازم نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔ وہ کوئی مفلوک الحال شخص تھا' خراب حلیہ اور خون سے لت پت وجود۔

''اس کو گاڑی میں ڈالو ہم اسپتال لے کر جائیں گے۔'' حیات علی نے اپنے ملازم کو حکم دیا' ملازم فوراً حکم بجا لایا تھا وہ لوگ ہجوم کو وہیں چھوڑتے اس زخمی کو لیے اسپتال کی طرف رواں دواں ہو گئے تھے۔

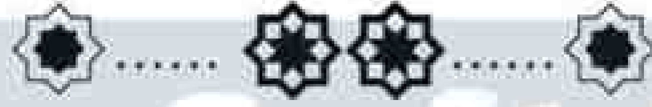


ان کی گاڑی پارک کے باہر رکی تھی' وہ ولید کے ہمراہ اندر کی طرف بڑھے تھے لیکن ادھر ادھر دیکھتے وہ ایک بینچ پر موجود انا کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر ساکت رہ گئے' ساکت تو ولید بھی رہ گیا تھا۔ انا کسی اور کے ساتھ نہیں بلکہ مصطفیٰ کے کزن حماد کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ولید تو وہیں ٹھٹک کر رک گیا تھا جبکہ وقار خود انا کی طرف بڑھے تھے انا وقار کو آتے دیکھ کر فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔

"پاپا آپ......" اس کے لب ہلے تھے' انہوں نے ایک سنجیدہ سی نگاہ انا کے ساتھ بیٹھے شخص کو دیکھا وہ بھی کھڑا ہو چکا تھا۔

"السلام علیکم انکل!" اس نے وقار صاحب کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ کو مکمل نظر انداز کر دیا تھا اور بہت سپاٹ نظروں سے انا کو دیکھا۔

"چلو انا۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے پلٹے تھے۔ انا خاموشی سے سر جھکائے ان کے ساتھ گھسیٹتی چلی گئی تھی۔



اجنبی کو کافی چوٹیں آئی تھیں وہ کچھ دیر بعد ہوش میں آ گیا تھا تاہم خطرے والی کوئی بات نہ تھی تین گھنٹوں بعد ڈاکٹر نے اسے فارغ کر دیا تھا۔ اس سارے وقت میں حیات علی خود اس مریض کے پاس رہے تھے۔ مریض نشہ کیے ہوئے تھا اور اسی سبب وہ گاڑی کے آگے آ گیا تھا۔ حیات علی اس کی میڈیسن لے کر خود اسے اس کے گھر چھوڑنے آئے تھے دس بج گئے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا' ایک لڑکی نے دروازہ کھولا تھا۔

"ہائے کیا ہوا ابا......؟" وہ لڑکی اس اجنبی کو دیکھ کر ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا پرے ہٹ' اندر آنے دے۔" بیٹی کو تلخی سے کہہ کر وہ حیات علی اور اس کے ملازم کے سہارے اندر بڑھ گیا تھا۔ لڑکی حراساں سی پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔

"ہائے میں مر گئی...... یہ کیا ہو گیا؟" لڑکی کی ماں بھی کمرے سے نکل کر فوراً باہر آئی تھی لیکن شوہر کو دیکھ کر ساکت ہو گئی تھی۔

"ان کو کہاں بٹھائیں؟" حیات علی نے پوچھا۔

"ادھر کمرے میں ہی لے آؤ۔" عورت نے کہا تو دونوں نے اس آدمی کو کمرے میں لا کر بستر پر لٹا دیا تھا۔ لڑکی اور اس کی خوف زدہ ماں دونوں اندر آ گئی تھیں۔

"چوہدری صاحب آپ بیٹھو نا؟" اجنبی جس نے اپنا نام صفدر بتایا تھا اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

"تم جا کر گاڑی میں بیٹھو میں آتا ہوں۔" حیات علی نے اپنے ملازم کو کہا وہ فوراً باہر نکل گیا تھا۔

حیات علی ایک کرسی پر بیٹھ گئے تھے' انہوں نے سرسری سی اردگرد کے ماحول پر نگاہ ڈالی تھی۔ ٹوٹا پھوٹا فرنیچر اور خستہ حال مکان تھا جس کی بیرونی دیوار بہت چھوٹی تھی صرف دو کمرے تھے جو کسی بھی قسم کے پلستر سے عاری تھے' کچا فرش اور لکڑی کی چھت تھی۔ پہلی نظر سے ہی مکینوں کی خستہ حالی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ گھر سے ہٹ کر حیات علی نے مکینوں کو دیکھا' اجنبی جس کا نام صفدر تھا وہ انتہائی کمزور اور دبلا پتلا انسان تھا جو صحت کے معاملے میں بھی زیرو تھا۔ تاہم اس کی بیوی قابل قبول شکل وصورت کی مالک تھی سر پر چادر لیے وہ اچھے کردار کی محسوس ہوئی تھی۔

"زبین! چوہدری صاحب کے لیے کچھ کھانے پینے کو لا۔" صفدر' حیات علی کی شخصیت اور اس کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہو چکا تھا جس طرح مہنگے ہسپتال میں علاج کروا کر اس نے میڈیسن لی تھی وہ اس کی امارت سے ایک دم لٹو ہو گیا تھا۔ حیات علی نے زبین کو دیکھا۔ وہ سترہ اٹھارہ سال کی انتہائی خوب صورت لڑکی تھی ماں کی طرح وہ بھی سر پر دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی۔ بڑی بڑی خوب صورت آنکھیں اور بے انتہا حسن۔ ایک پل کو تو چوہدری حیات علی ساکت رہ گئے تھے۔ لڑکی جھپاک سے باپ کے کہنے پر کمرے سے نکل گئی تھی اور حیات علی کو لگ رہا تھا کہ جیسے کمرے سے روشنی ختم ہو گئی ہو۔ صفدر کی بیوی شوہر کے سرہانے بیٹھ گئی تھی۔ وہ حیات علی سے اس حادثے کا سبب پوچھنے لگی تھی اور حیات علی اس کو تفصیل بتا رہے تھے جب وہی زبین دودھ کا گلاس لیے ان کے سامنے آ رکی تھی۔

"دودھ پی لو بیٹا!" لڑکی کی ماں نے کہا۔

حیات علی نے ایک پل کو اس لڑکی کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھوں کو۔ دودھ کی ہی رنگت لیے ہاتھ اس کے سامنے دودھ کا گلاس لیے منتظر تھے' حیات علی نے گلاس لے لیا تھا۔

"شکریہ۔" اس نے کہا۔ وہ کوئی نظر باز انسان نہیں تھے کم عمری میں شادی ہو جانے کے سبب اللہ نے تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا

تھا۔ان کی بیوی ان سے عمر میں 8 سال بڑی تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے کبھی اپنی بیوی سے بے ایمانی کا نہیں سوچا تھا۔انہیں اپنی بیوی اور اولاد سے محبت تھی' نجانے اس لڑکی میں ایسا کیا سحر تھا کہ وہ ٹین ایج لڑکوں کی طرح اس کو بار بار دیکھنے پر مجبور ہو رہے تھے۔زبین دودھ کا گلاس تھما کر ایک طرف ماں کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹا! ورنہ اتنا کون کرتا ہے۔''لڑکی کی ماں حیات علی کی ممنون تھی۔

حیات علی نے دودھ کا گلاس ختم کیا تو زبین نے فوراً آگے بڑھ کر ان سے گلاس لینا چاہا تھا۔حیات نے پھر سے دیکھا تھا' ملگجے کپڑوں میں چمکتا سراپا نجانے کیوں ان کو اپنی طرف مائل کر رہا تھا' وہ اسے گلاس تھما کر ایک دم کھڑے ہو گئے تھے۔

''میں چلتا ہوں۔''نجانے کیوں وہ اب مزید ایک لمحہ بھی یہاں رکنا نہیں چاہتے تھے۔

''صفدر صاحب! اپنا خیال رکھیے گا' میرا چکر لگا تو میں ضرور آؤں گا۔'' وہ کہہ کر رکے تھے۔جیب میں ہاتھ ڈالا جتنے بھی پیسے ہاتھ لگے وہ سب صفدر کی طرف بڑھا دیئے تھے۔

''میں آپ کی تکلیف کا مداوا تو نہیں کر سکتا لیکن اپنے علاج معالجے کے لیے یہ کچھ رقم رکھ لیں۔''انداز میں خلوص تھا لڑکی کی ماں شرمندہ ہونے لگی۔

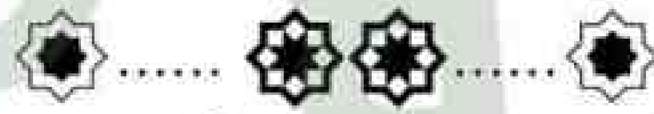
''نہیں ......نہیں' اس کی کیا ضرورت ہے بیٹا!''اس نے صاف انکار کیا۔

''اگر آپ رکھ لیں تو مجھے خوشی ہو گی۔''حیات علی صاحب نے اصرار کیا تو صفدر نے ایک دم ان کے ہاتھ سے رقم لے لی تھی۔صفدر ایک لالچی نشہ باز انسان تھا وہ ہاتھ آئے پیسے بھلا کیسے جانے دیتا جبکہ اس کے اس طرح رقم لے لینے سے اس کی بیوی کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ پھیلا تھا۔

''شکریہ بیٹا!'' وہ ایک صابر' خوش اخلاق خاتون تھیں۔حیات علی ان سے سلام دعا کر کے وہاں سے نکل آئے تھے' ملازم منتظر تھا اس نے دروازہ کھولا تو حیات علی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔

زبین دروازہ بند کرنے آئی تھی حیات علی نے بھی دیکھا تھا وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی تھی۔ حیات علی نے ایک دو پل ان ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور خستہ حال مکان کو دیکھا تھا اور پھر انہوں نے گاری اسٹارٹ کر دی تھی۔

یہ ان کی زیب النساء عرف زبین سے پہلی ملاقات تھی۔وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ پہلی ملاقات ان کی زندگی میں بہت سے نئے دروا کرنے والی ہے ورنہ وہ شاید یہیں سے اپنے قدم واپس موڑ لیتے لیکن انہونی کو کون روک سکتا ہے بعد میں جو کچھ بھی ہوا وہ سب ان کے مقدر لکھا ہوا تھا اور وہ چاہ کر بھی اپنے مقدر سے لڑ نہیں سکے تھے۔



گھر میں عجیب سی خاموشی تھی ولید اور وقار نے کھانا نہیں کھایا تھا' انا بھی گھر لوٹنے کے بعد اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔روشی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے؟ صبوحی اور احسن بے خبر تھے جبکہ ضیاء صاحب کے چہرے پر کافی گہری سوچ کے سائے تھے۔وقار صاحب جب سے آئے تھے اپنے کمرے میں ٹہل رہے تھے انہوں نے آج شام جو منظر دیکھا تھا وہ اس پر یقین کرنے کو تیار نہ تھے۔

انا ان کی بڑی سعادت مند اور نیک بیٹی تھی۔کرداری لحاظ سے انہوں نے آج تک اس میں کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں دیکھی اور اب ایک دم اس کی زندگی میں جیسے طوفان سا آ گیا تھا اور وہ لڑکا کون تھا بھلا؟ انہوں نے آج سے پہلے اس لڑکے کو نہیں دیکھا تھا......نک سک سا تیار وہ لڑکا ان کے ذہن سے محو نہیں ہو رہا تھا وہ جوں جوں سوچ رہے تھے' الجھ رہے تھے۔انہوں نے سارا راستہ انا سے کوئی بات نہیں کی تھی انا بھی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی اور پھر گھر آنے کے بعد وہ کمرے میں بند ہو گئی تھی۔وقار صاحب نے کچھ سوچا اور پھر فیصلہ کن انداز میں اپنے کمرے سے نکلے تھے۔

''کیا ہوا؟''انہیں وہاں سے تیزی سے نکلتے دیکھ کر صبوحی بیگم حیرانی سے پوچھا۔

''انا کے کمرے میں جا رہا ہوں۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔صبوحی بیگم بھی تیزی سے ان کے پیچھے آئیں تھیں۔انا قالین پر بیٹھی تھی انداز

گم صم تھا۔ وہ وقار اور صبوحی کو آتے دیکھ کر چونکی تھی۔ وہ ابھی تک شام والے حلیے میں تھی نہ اس نے لباس بدلا تھا اور نہ ہی چادر اتاری تھی۔ وقار صاحب قریب آئے تو انا بے اختیار کھڑی ہوئی۔

''کون تھا وہ لڑکا؟'' وقار صاحب کے انداز میں بہت سختی تھی انا سر جھکا گئی تھی۔ ''کیا پوچھ رہا ہوں میں؟'' ان کے لہجے میں بے پناہ سرد پن تھا' صبوحی بیگم نے نا سمجھی سے دونوں کو دیکھا۔

''وہ حماد ہے' مصطفیٰ بھائی کا کزن!'' اس نے سر جھکائے دھیمے سے کہا تھا۔

''کب سے جانتی ہو اسے؟''

''مصطفیٰ بھائی کی شادی پر ملاقات ہوئی تھی۔'' اس نے بھی گویا طے کر لیا تھا کہ ہر سوال کا جواب دے گی۔

''کیوں مل رہا ہے وہ تم سے؟'' ان کے اگلے سوال پر انا خاموش تھی۔ ''کیا پوچھ رہا ہوں میں تم سے؟'' انہوں نے سختی سے پوچھا۔

انا کے کمرے میں داخل ہوتے ضیاء صاحب وقار اور صبوحی کو دیکھ کر وہیں ٹھٹک گئے تھے۔ وقار کا لہجہ ایسا تھا کہ وہ اندر نہیں جا پائے تھے۔

''کیا یہ وہی لڑکا ہے جس کے لیے آج تم اپنے ماں باپ کے سامنے کھڑی ہو؟'' ان کا سوال ایسا تھا کہ ضیاء صاحب پریشان ہو گئے تھے۔ چہرے پر ایک دم ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔

''بولو انا!''

''جی.....'' جواب ایسا تھا کہ تینوں نفوس ساکت رہ گئے تھے۔

''اس دن تم کہاں تھی؟'' پھر وہی پرانا سوال کیا تھا اس دفعہ لہجے میں از حد بے گانگی تھی۔ ''کیا اسی کی وجہ سے تم منگنی توڑ رہی ہو؟'' انا نے محض سر ہلایا تھا۔ وقار صبوحی اور دروازے کے پاس کھڑے ضیاء صاحب پر گویا ایک بم پھٹا تھا۔

''انا.....'' وقار بہت غصے سے انا کی طرف بڑھے تھے۔

''کیا کرتے ہیں چھوڑیں اس کو۔'' صبوحی بیگم نے فوراً ان کا ہاتھ تھام لیا تھا' انا اسی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔

''پوچھو اس سے یہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟ کس چیز کی کمی آنے دی تھی ہم نے اس کی تربیت میں۔ اس کے منہ سے نکلنے والی ہر خواہش پوری کی اور آج یہ ہمارے ضبط کا امتحان لے رہی ہے۔ یہ میری عزت کو پارکوں میں رولتی پھر رہی ہے۔ میں سمجھا تھا کہ یہ کسی وجہ سے پریشان ہے' شاید ولید اور اس کے درمیان کوئی جھگڑا ہو گیا ہے لیکن اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ وجہ ہے تو' یہ ہم سب کو پاگل بنا رہی ہے۔ اس دن بھی یہ رات گئے تک اس شخص کے ساتھ تھی اور ہم اس کی تلاش میں پاگل ہوتے رہے اور آج بھی.....'' ان کا لہجہ تلخ' سرد اور آواز کافی بلند تھی۔ بے اختیار گھر کے باقی افراد بھی انا کے کمرے کی طرف چلے آئے تھے۔

ضیاء صاحب نے بے یقینی سے دروازے کو تھام لیا تھا۔ وقار جو کچھ کہہ رہا تھا وہ ان کے لیے ناقابل فہم تھا۔ روشنی اور احسن کمرے میں آ گئے تھے' ولید بھی باپ کے پاس دروازے پر رک گیا تھا۔ صبوحی بیگم بے ساختہ خفا ہو کر رونے لگ گئی تھیں۔

''پوچھو اس سے کیا کمی آنے دی تھی ہم نے اسے جو یہ سب کر رہی ہے؟'' وقار صاحب غصے کے عالم میں سب کچھ بھلا بیٹھے تھے' انہوں نے بہت غصے سے کہا اور انا اسی طرح کھڑی تھی بس اس دفعہ اس کے چہرے پر آنسوؤں کی نمی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' احسن جو ہر بات سے انجان تھا اس نے بہت حیرانی سے باپ کو دیکھا تھا۔

''پوچھو اس سے کیوں کر رہی ہے یہ؟'' انہوں نے انا کی طرف اشارہ کیا' انا نے سر مزید جھکا لیا تھا۔

''انا کیا بات ہے؟'' احسن نے انا کے پاس آ کر نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے پوچھا تو اس کے آنسوؤں میں شدت آتی چلی گئی۔

''انا گڑیا! بتاؤ نا؟'' احسن نے پوچھا تو وقار بے بسی سے ٹہلنے لگے۔ انا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ احسن نے نا سمجھی سے سب کو دیکھا' صبوحی بیگم سر تھام کر بستر کے کنارے ٹک گئی تھیں۔

''کیا چاہتا ہے وہ لڑکا؟'' کچھ توقف کے بعد وقار نے پھر انا کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا۔

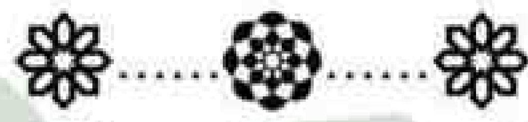
''بولو.....'' وہ پھنکارے تھے اس کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹ گئے تھے۔

ٹوٹا ہوا تارا...... سمیرا شریف طور

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

انا کے رشتے سے انکار پر وقار بذات خود انا سے بات کرتے ہیں لیکن وہ انہیں مطمئن کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ ولید کے پوچھنے پر بھی اس کے رویے میں وہی اجنبیت اور سرد مہری نظر آتی ہے جبکہ ولید اس کے حال پر چھوڑ کر پلٹ جاتا ہے چیک اپ کے لیے وہ صبوحی اور ولید کے ہمراہ جس اسپتال جاتی ہے وہیں بابا صاحب بھی زیر علاج ہوتے ہیں تب ہی اس کی ملاقات شہوار سے ہوتی ہے شہوار اپنی دوست کے بدلتے رویے کو جاننے کی خاطر اسے اپنے گھر لے آتی ہے۔ انا اس کی ہمدردی پا کر سب بتا دینا چاہتی ہے لیکن حماد کی آمد کے سبب وہ خاموش ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف حماد اسے تنہا پا کر محبت کا اظہار کر بیٹھتا ہے۔ جبکہ انا یہ سن کر ساکت رہ جاتی ہے۔ اسی دوران ولید اور روشی اسے لینے پہنچ جاتے ہیں جبکہ ولید اسے حماد کے ہمراہ دیکھ کر خائف ہو جاتا ہے۔ عباس اور مصطفیٰ کی زیر حراست عادلہ اپنے مذموم مقاصد میں ناکام ہو جاتی ہے۔ مصطفیٰ کی زبانی ایاز کی گرفتاری اور تھانے میں کچھ وقت گزار کر اس کا سارا غرور جھاگ کی مانند بیٹھ جاتا ہے۔ ایسے میں عباس رابعہ سے رابطہ کر کے اسے آفس آنے کا کہتا ہے لیکن وہ اپنی شادی کا ذکر کرتے صاف انکار کر دیتی ہے ہادیہ ابوبکر سے ملنے کی خواہش مند ہوتی ہے دوسری طرف ابوبکر بھی اچانک گھر پہنچ کر رابعہ سے ملنے آتا ہے لیکن ہادیہ کی آواز اسے ماضی کی یادوں میں دھکیل دیتی ہے اور وہ پلٹ جاتا ہے۔ کاشفہ کے دھمکی آمیز میسجز کے آگے ہار مانتے انا حماد کے نمبر پر رابطہ کرتی اس سے ملنے کی درخواست کرتی ہے اور اپنا پروپوزل پیش کرتی ہے۔ حماد کے لیے انا کی ملاقات اور پھر واضح لفظوں میں اقرار باعث حیرت ہوتا ہے لیکن وہ اپنے اور ولید کے رشتے کو بڑوں کا طے کردہ فیصلہ کہہ کر ٹال دیتی ہے دوسری طرف حماد جلد اپنے گھر والوں کو اس کی طرف بھیجنے کا وعدہ کر لیتا ہے۔ بابا صاحب اپنے گناہوں اور پچھتاوؤں کی آگ میں جلتے مصطفیٰ کے سامنے اعتراف کر لیتے ہیں وہ تابندہ کو تلاش کرنے کا کہہ کر ان سے معافی مانگنا چاہتے ہیں جبکہ تابندہ کا کچھ پتا نہیں چل پاتا۔ چوہدری حیات علی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد اور نہایت فرمانبردار ہیں۔ کم عمری میں شادی کے سبب ان کے تین بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ وہ کام کے سلسلے میں شہر آتے ہیں جب ہی صفدر نامی شخص ان کی گاڑی کی زد میں آ جاتا ہے وہ اس کی مرہم پٹی کرا کر اس کے بتائے ایڈریس پر لے آتے ہیں۔ گھر میں صفدر کی بیٹی اور بیوی ہوتی ہے جب ہی اس حادثے کے بعد ان کی زیب النساء سے پہلی ملاقات ہوتی ہے اور یہ ملاقات ان کی زندگی کا نیا روپ سامنے لاتی ہے۔ انا کے گھر نہ پہنچنے پر ولید اور وقار اس کی تلاش میں نکلتے ہیں اور اسے حماد کے ہمراہ پارک میں دیکھ کر نہایت ذلت محسوس کرتے ہیں۔ گھر پہنچ کر انا صاف الفاظ میں حماد کے لیے اپنے رشتہ بھیجنے کی بات کرتے ولید کے لیے واضح انکار کی وجہ بھی بتا دیتی ہے جس پر وقار کا ہاتھ انا پر اٹھ جاتا ہے۔ جبکہ یہ سب حقیقت جان کر ضیاء صاحب کی طبیعت بگڑ جاتی ہے اور سب انا کو چھوڑ کر ان کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں۔

〈اب آگے پڑھیے〉



ضیاء ماموں کو اٹیک ہوا تھا‘ وہ لوگ ان کو فوراً اسپتال لے گئے اور انا بے حس و حرکت اپنے کمرے میں بیٹھی رہ گئی تھی۔ صغراں گھر میں تھی‘ وہ آتے جاتے اسے تسلی دیتی لیکن اس طرح تسلیاں دینے سے بھلا دل تسلی پا لیتا تو گلہ ہی کیا تھا۔

ضمیر پر ایک اور بوجھ آن گرا تھا‘ اس نے ولید ضیاء سے ٹوٹ کر محبت کی تھی۔ اس کی محبت میں دیوانگی کی حد تک جذباتی ہو چکی تھی اور اب اس سے دستبردار ہو گئی تھی۔ کاش وہ کسی کو بتا سکتی کہ محبت سے دستبردار ہونا کتنا جان لیوا ہوتا ہے۔ وہ کمرے میں بیٹھی شدت سے رو رہی تھی‘ اس کا نروس سسٹم متاثر ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ اپنے دل سے محبت کو نوچ کر نکال دے گی۔

”ولید ضیاء سے رشتے سے انکار کرنا۔“ وہ کیسے کسی کو بتاتی کہ اس نے اپنے جسم سے کیسے اپنی جان نکلنے کا اہتمام کیا تھا‘ وہ محبت سے دستبردار ہو گئی تھی اور اب...... روتے ہوئے اس نے موبائل دیکھا‘ وہ سائلنٹ پر تھا۔ حماد سے ملنے گئی تھی تو پارک میں اس کی کال ریسیو کرنے کے بعد اس نے موبائل سائلنٹ پر لگا دیا تھا۔ گھر سے روشی کی لاتعداد کالز آئی تھیں اور اس نے ایک کال بھی ریسیو نہ کی تھی‘ موبائل اب بھی وائبریٹ ہو رہا تھا اس نے اسکرین دیکھی ”کاشفہ کالنگ“ کے الفاظ تھے۔ اس نے لب بھینچ لیے ایک جنون طاری ہونے لگا‘ جی چاہا کہ موبائل اٹھا کر دیوار پر دے مارے اس نے از حد دیوانگی میں کال پک کی تھی۔

”بولو......“

”تم دو دن سے میری کال کیوں نہیں ریسیو کر رہیں؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”تمہیں ولید ضیاء چاہیے‘ میں نے اس سے منگنی توڑ دی ہے۔ اب میرا کسی بھی ولید ضیاء سے کوئی تعلق‘ کوئی رشتہ نہیں۔ اللہ کا واسطہ ہے اب

میری جان چھوڑ دو' مت کرو مجھے کالز......'' کاشفہ کے جواب میں وہ غصے سے چیخی۔

''ہمارے درمیان صرف رشتہ توڑنے کی بات پر ڈیل نہیں ہوئی تھی' باقی بھی بہت سی باتیں تھیں۔'' دوسری طرف سے بغیر کسی لچک کے کہا گیا۔

''تم ولید ضیاء کو جیسے مرضی حاصل کرو' تمہارا مسئلہ ہے میں نے جو کرنا تھا وہ کر دیا۔'' وہ غم و غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

''ایسے تو نہیں چھوڑوں گی تمہیں، جب تک تم میرا مکمل کام نہیں کر لیتیں' اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو تم جانتی ہو میں کیا کر سکتی ہوں۔'' دوسری طرف سے کاشفہ نے کہا تو انا ساکت ہوئی اور بے دم ہو کر زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

''میرے پاس وقت نہیں ہے' جو بھی کرنا ہے جلدی کرو اور ہاں اب اگر تم نے میری کال اگنور کی تو میں سیدھی تمہارے گھر پہنچ جاؤں گی۔'' کاشفہ تلخی سے کہہ کر کال بند کر چکی تھی۔

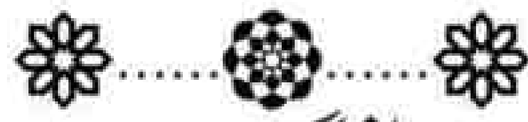
انا روتے ہوئے گھٹنوں میں منہ چھپا گئی تھی' کچھ دیر بعد گھٹنوں سے سر اٹھایا' موبائل مٹھی میں بھینچا ہوا تھا۔ اس نے روشی کا نمبر نکالا۔

''ہیلو......'' تھوڑی دیر بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی' روشی کی آواز سنائی دی۔

''ماموں کیسے ہیں اب؟''

''ٹھیک ہیں' خطرے والی کوئی بات نہیں۔ ہم گھر آ رہے ہیں' رستے میں ہیں۔ ولی بھائی اور پھپھو اسپتال میں رک گئے ہیں۔'' اس کے ایک سوال پر اس نے بہت سنجیدگی سے تمام صورت حال بتائی اور مزید کچھ بھی کہے بغیر کال کاٹ دی۔

اس سے پہلے اس نے جتنی بھی کال کی تھیں روشی نے ایک بھی ریسیو نہ کی تھی' ماموں کی خیریت کا سن کر وہ پھر رو دی۔ ان کو کچھ ہو جاتا تو شاید وہ زندگی بھر خود کو کبھی معاف نہ کرتی۔ وہ موبائل بستر پر پھینک کر واش روم میں گھس گئی۔ اس نے سوچا تھا کہ ماموں ٹھیک ہو گئے تو وہ نوافل ادا کرے گی' وہ وضو کر کے جائے نماز بچھا کر کھڑی ہو گئی تھی۔



آج رات بابا صاحب کے پاس عباس بھائی رک گئے تھے' مصطفیٰ گھر پر ہی تھا۔ وہ لیٹ آفس سے آیا تھا کچھ فائلز اس کے پاس تھیں۔ وہ کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

شہوار کے پاس کرنے کو سو کام تھے' ابھی تک دونوں پھوپیاں اور دیگر رشتہ دار موجود تھے۔ صبا اور عائشہ بھی یہیں تھیں۔ دو تین دن سے رات گئے تک گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔ شاہ زیب صاحب سارا دن کی بھاگ دوڑ سے تھک چکے تھے وہ تو کمرے میں سونے جا چکے تھے باقی سبھی لاؤنج میں ہی براجمان تھے۔ کچن کا سارا کام مکمل کر کے شہوار بھی وہیں آ گئی تھی۔

''مصطفیٰ بھائی کچھ زیادہ بزی نہیں ہو گئے۔'' عائشہ کو مصطفیٰ کی غیر موجودگی فوراً محسوس ہوئی تو کہا۔

''کوئی فائل ہے جس پر وہ کام کر رہے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ میرے سوالات سے تنگ آ کر مجھے بھی کمرے سے نکال دیا۔'' شہوار جو اس بات پر خفا تھی' سو خفگی سے کہا تو عائشہ ہنس دی۔

''میں بلا کر لاتی ہوں' ایسی بھی کیا جاب کی مصروفیات کے بندہ بہن بھائیوں سے بھی ملنے سے جائے۔'' عائشہ بولتی ہوئی اٹھ گئی۔ عاصمہ اور دریہ آپس میں باہر کا کلچر ڈسکس کر رہی تھیں۔ ماں جی اور دونوں پھپھو کسی خاندانی مسئلے کو چھیڑ ہوئے تھیں جبکہ لائبہ صبا اور عائشہ اپنے اپنے شوہر کے قصے لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ مرد حضرات کی اپنی باتیں تھیں' ایسے میں شہوار کو مصطفیٰ کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی' کچھ دیر بعد عائشہ زبردستی مصطفیٰ کا ہاتھ پکڑے کھینچ کر لے ہی آئی تھی۔

''لو شہوار! تمہارے مجرم کو میں نے تمہارے سامنے لا کر پیش کر دیا ہے اب تم جلدی سے سزا سناؤ۔'' سبھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ شہوار جھینپی' جبکہ ماسوائے دریہ کے باقی سب ہنس دیئے تھے۔

شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دونوں یوں سب کے درمیان موجود تھے۔

''کیسی سزا کیا کیا ہے میں نے؟'' مصطفیٰ نے عائشہ کو گھورا۔

''بقول آپ کی بیگم کے آپ ان کو بالکل بھی ٹائم نہیں دیتے' سارا سارا دن آفس فائلز اور دوسرے کام۔'' عائشہ نے شرارت سے دونوں کو دیکھتے کہا تو شہوار نے گھورا۔

اس نے تو کسی اور معنوں میں اسے یہ بتایا تھا' کیا پتا تھا کہ وہ یہ سب کے سامنے کہہ دے گی۔

''میں نے ایسا کب کہا ہے؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تو اس نے جواباً عائشہ کو دیکھا۔

''یہ کیا سن رہی ہوں مصطفیٰ! تم شہوار کو ٹائم نہیں دیتے؟'' ماں جی بھی فوراً چہیتی بہو کے حق میں ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھیں۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ماں جی! بابا صاحب کی وجہ سے کچھ زیادہ بزی ہوگیا ہوں اوپر سے آفس کے جھنجٹ' گھر پر جتنا وقت ملے گا اب اتنا ہی گزار سکتا ہوں۔'' وہ سجاد کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''پھر بھی گھر پر توجہ دیا کرو' آفس کے کام آفس تک ہی رکھو۔ نئی نئی شادی ہے تمہاری، گھومو پھرو تم تو شہوار کو لے کر کہیں گئے بھی نہیں۔'' ماں جی نے سنجیدگی سے ٹوکا۔

''آپ کے سامنے ہی ہے سب کچھ ماں جی! فارغ کب ہوتا ہوں میں۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہمارے ہاں بھی دعوت پر نہیں آئے آپ' کئی کالز کی تھیں میں نے مجال ہے جو ایک بھی سنی ہو۔'' صبا کو بھی فوراً اپنا شکوہ یاد آیا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ایک دو کیسز ہیں وہ دیکھ لوں پھر کچھ فارغ ہوا تو ان شاء اللہ سب کے گلے شکوے دور کردوں گا۔'' شہوار کی طرف دیکھ کر اس نے کہا تو وہ مسکرادی۔

''بابا صاحب تو اب بہتر ہیں ان شاء اللہ ایک دو دن میں گھر بھی آجائیں گے۔ مصطفیٰ کا ولیمہ بھی لیٹ ہوتا جارہا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں' بابا صاحب کی طبیعت سنبھلتی ہے تو یہ نیک فریضہ بھی سرانجام دے دیتے ہیں۔'' مہرالنساء زینب پھپو سے مخاطب ہوئیں۔

''تو اور کیا سب ہی لوگ کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ مصطفیٰ کا ولیمہ کب ہوگا؟'' لائبہ بھابی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ ''ہم تو بڑی دھوم دھام سے ولیمہ کریں گے۔'' مصطفیٰ محض مسکرادیا۔

''میرے یہ جو چند کام ہیں وہ نبٹ جائیں تو پھر رکھ لیجیے گا کوئی تاریخ لیکن ابھی میں بہت بزی ہوں۔ ابھی کچھ بھی فائنل نہ کیجیے گا۔''

''کام کا بہانہ تو مت بناؤ' آج یہ کیس نبٹا تو اگلے دن کوئی نیا مل جائے گا۔ تمہارے بابا کے ساتھ ساری عمر گزاری ہے لیکن فرصت کبھی نہ ملی ان کو۔ وہ تو اللہ اللہ کرکے انہوں نے وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ لی اور بزنس شروع کیا تو گھر والوں کے لیے اب کچھ وقت نکال لیتے ہیں۔'' مصطفیٰ مسکرادیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ماں جی کو یہ پروفیشن بالکل بھی پسند نہیں۔

''چلیں کوشش کروں گا لیکن ابھی بالکل بھی فری نہیں ہوں۔'' وہ ماں جی سے کہہ کر سجاد اور حماد کے ساتھ باتوں میں شریک ہوگیا۔ کچھ دیر بعد امجد خان کی کال آگئی تو وہ اٹھ کر آگیا تھا' شہوار کمرے میں آئی تو مصطفیٰ الماری کھولے کھڑا تھا۔ وہ کچھ فائلز نکال کر دیکھ رہا تھا۔

''ادھر میں نے ایک گرین والی فائل رکھی تھی؟'' مصطفیٰ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا' وہ چڑ گئی۔

''ہر وقت فائلز' آفس کالز' بھاگ دوڑ کوئی اور کام نہیں آپ کو۔'' مصطفیٰ نے اسے دیکھا' وہ ناگواری سے فائلز کو دیکھ رہی تھی جو اس نے ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔

''یہ سب میرے کام کا لازمی حصہ ہے ان سب سے تو تمہیں سمجھوتہ کرنا ہوگا۔''

''بشرطِ یہ کہ کام صرف آفس تک ہی محدود رکھیں تو۔'' شہوار نے ناراضگی سے کہا تو وہ مسکرایا۔

''لیکن اس وقت مجھے گرین فائل کی اشد ضرورت ہے وہ مل نہیں رہی۔'' مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے قریب آکر خود الماری کا پٹ وا کرکے دیکھا تو فائل وہاں نہیں تھی۔ اسے یاد تھا کہ اس نے خود الماری کی صفائی کرکے ساری فائلز ایک جگہ رکھی تھیں۔ پھر لاکر دیکھا' لاکر میں فائل موجود تھی شاید مصطفیٰ یا پھر اس نے خود ہی یہاں رکھ دی تھی' اس نے فائل نکال کر مصطفیٰ کو تھمائی۔

''یہ لیں۔''

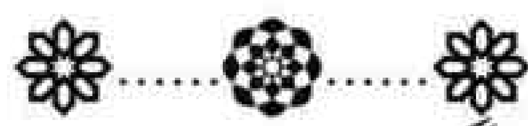
''شکر ہے مل گئی' امجد خان نے یہ سارا کیس اور اس سے متعلقہ معلومات اکٹھی کی تھیں اب مجھے اس فائل کی ضرورت تھی۔'' وہ فائل لے کر دوسری فائلز واپس الماری میں رکھنے لگا۔ شہوار سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

''کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے آپ کی یہ جاب میری سوتن ہے۔'' شہوار کا انداز بے پناہ خفگی لیے ہوئے تھا۔ مصطفیٰ نے پلٹ کر دیکھا وہ بستر کی چادر درست کررہی تھی۔ مصطفیٰ بے اختیار مسکرادیا' وہ آج کل بے پناہ مصروفیت کے سبب شہوار تو کیا کسی کو بھی ٹائم نہیں دے پارہا تھا۔ مصطفیٰ نے ایک نظر ہاتھ میں تھامی فائل کو دیکھا اور پھر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہوکر بالوں سے کیچر اتارتی شہوار کو اور پھر مصطفیٰ شہوار کی طرف پلٹا۔

''بڑی شکایتیں لگا رکھی ہیں تم نے میری ماں جی اور عائشہ سے۔'' وہ برش لے کر بالوں میں پھیرنے لگی تھی مصطفیٰ نے کندھوں سے تھامتے مسکرا کر پوچھا۔

''میں نے کوئی شکایت نہیں لگائی۔'' اس نے چڑ کر کہا۔
''ہاں ماں جی اور عائشہ کو تو میں نے بتایا ہوگا کہ میں تمہیں ٹائم نہیں دے رہا۔'' شہوار نے آئینے میں دیکھا' مصطفیٰ اسے دیکھتے مسکرا رہا تھا۔
''عائشہ آپ کی روٹین پوچھ رہی تھی میں نے تو عام انداز میں ہی بتایا تھا' اب ان دونوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ مجھے ٹائم نہیں دے رہے تو اس میں غلط کیا ہے؟''
''اُف یہ شکوے......؟'' مصطفیٰ نے ہنس کر اس کے ہاتھ سے برش لے کر واپس ڈریسنگ پر رکھا اور پھر گہری سانس لے کر کہا۔
''چلو آؤ آج سب فائلز ایک طرف رکھ کر تمہارے سب شکوے دور کر دیتا ہوں۔'' مسکرا کر شرارت سے کہا تو وہ جھینپ گئی۔
''رہنے دیں خوامخواہ آپ کا حرج ہوگا۔'' اس نے پہلو بچانا چاہا تو مصطفیٰ نے گھورا۔
''دیکھ لو میں تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوراً تمہاری خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں اب تم خود ہی پہلو بچا رہی ہو۔'' مصطفیٰ نے دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کرتے مسکرا کر کہا تو وہ ہنس دی۔ بڑی دلکش معطر جھلملاتی سی ہنسی تھی۔
''ذرّہ نوازی ہے آپ کی۔'' مصطفیٰ کو دیکھتے اس نے شرارت سے کہا تو مصطفیٰ نے بے اختیار اسے اپنے اور بھی قریب کر لیا۔
''اور کیا کیا شکوے ہیں وہ بھی کہہ دو۔'' شہوار کے بالوں کو انگلیوں سے چھیڑتے اس نے کہا تو وہ شرمائی۔
''کہا تو ہے ایسی کوئی بات نہیں۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔
''مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں لیکن جب آپ اس طرح گھر کو بھی آفس بنا لیتے ہیں تو الجھن ہوتی ہے۔''
''ان چند دنوں میں، میں کچھ زیادہ ہی بزی ہو گیا ہوں شاید' خیر کوشش کروں گا کہ آئندہ گھر اور آفس کی روٹین کا خیال رکھوں۔'' وہ مسکرا دی۔ مصطفیٰ سے قدرے پرے ہٹ کر دوبارہ برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگی تھی۔
''اچھا آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' شہوار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو واپس پلٹتا مصطفیٰ رک گیا۔
''ہاں کہو۔''
''یہ دریہ واپس کب جائے گی؟'' اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا لیکن لہجے میں کچھ ایسی بے زاری تھی کہ مصطفیٰ ٹھٹک گیا۔
''کیوں خیریت؟''
''کافی عرصہ ہو گیا ہے اسے یہاں آئے ہوئے' جس مقصد کے لیے وہ یہاں آئی ہے وہ تو ہوتا نظر نہیں آ رہا پھر وہ یہاں کیوں رکی ہوئی ہے؟'' مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا اور پلٹ کر بستر پر جا بیٹھا۔
''اب اس کی مرضی' وہ کچھ عرصہ مزید رکنا چاہتی ہے زبردستی تو کوئی نہیں کر سکتا نا۔'' مصطفیٰ کا انداز سرسری سا تھا۔ شہوار نے برش رکھ کر بالوں کو دوبارہ کیچر میں جکڑ لیا۔
''لیکن اس طرح اس کے یہاں رہنے کی بھی تو کوئی وجہ نہیں ہے نا۔'' شہوار کے لہجے میں ناگواری تھی' مصطفیٰ چونکا۔
''کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے' پھر کچھ کہا ہے اس نے؟'' مصطفیٰ دریہ کا شہوار سے متعلق رویہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا' اس لیے فوراً متوجہ ہوا تھا۔ شہوار سنجیدگی سے چلتے بستر پر آ بیٹھی تھی۔
''اس کا میرے ساتھ رویہ بہت خراب ہوتا ہے' ہر وقت کوئی نہ کوئی طنز' خاندان کو لے کر بحث کرنا' آتے جاتے جملے کسنا' میں اب تک برداشت کر رہی تھی لیکن اب اس نے جو روٹین اپنائی ہے وہ برداشت نہیں ہو رہی مجھ سے۔''
''تم نے پہلے کیوں نہیں ذکر کیا' میں سمجھا تھا کہ میرے ایک بار کے خبردار کرنے اور اچھی طرح سمجھا دینے کے بعد اسے عقل آ گئی ہوگی۔'' مصطفیٰ واقعی حیران ہوا تھا۔
''میں اپنی وجہ سے کوئی بدمزگی نہیں چاہتی' آپ نے شاید نوٹ کیا ہو یا نہیں لیکن دریہ آپ کو لے کر میرے ساتھ بہت غلط برتاؤ کر جاتی ہے اور جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ مجبوراً مجھے خاموش ہو جانا پڑتا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ پرسوچ انداز میں سر ہلا گیا۔
''میں ماں جی سے ذکر کروں گا وہ اسے سمجھائیں گی تم ٹینشن نہ لو۔'' مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا تو وہ مسکرائی۔
وہ تو اس دن سے ہی دریہ کی گاڑی میں مصطفیٰ کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جانے والی حرکت سے پریشان ہوگئی تھی۔ وہ مصطفیٰ سے فوراً بات کرنا چاہتی تھی لیکن مصطفیٰ فری ہی نہ تھا اب موقع ملا تو اس نے فوراً یہ موضوع چھیڑ دیا تھا۔
''اور مجھے آپ کا دریہ کو امپورٹنس دینا بھی اچھا نہیں لگتا۔'' اس نے صاف لفظوں میں دل کی بات کی تو مصطفیٰ ایک دم حیران ہوا' اس نے سنجیدگی

سے شہوار کو دیکھا وہ سنجیدہ تھی۔
''کیا مطلب ہے تمہارا؟''
''گھر میں ڈرائیور ہے اور باقی لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن باہر کہیں بھی آنا جانا ہو فوراً آپ کو کہتی ہے خصوصاً لیٹ نائٹ۔'' شہوار نے کہا تو مصطفیٰ نے گہرا سانس خارج کیا۔
''چھوڑو یار! وہ کزن ہے میری اس کی تمام تر بے وقوفیوں کے باوجود میں اسے ایک دم انکار نہیں کر سکتا۔'' شہوار نے خفگی سے دیکھا تو مصطفیٰ نے مسکرا کر کہا۔
''یار وہ کم عقل سی ابروڈ کی بگڑے مزاج کی لڑکی ہے تم کیوں پریشان ہو رہی ہو چلی جائے گی واپس۔ وہ یہاں ٹھہرنے تھوڑی آئی ہے۔ میں بھی اس سے واضح بات کر چکا ہوں اب بار بار ایک ہی بات دہرانا اچھا نہیں لگتا اگر تم اس کو لے کر جیلس ہو رہی ہو تو یہ اور بات ہے۔'' بات کرتے کرتے مصطفیٰ آخر میں کچھ شرارتی ہوا تو شہوار نے گھور کر دیکھا۔
''میں کوئی جیلس ویلس نہیں ہو رہی اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی ذاتی پرخاش ہے لیکن جب وہ منہ اٹھائے ہمارے کمرے میں گھسے گی کہیں بھی آتے جاتے بلاوجہ آپ کو ساتھ گھسیٹے گی تو مجھے اچھا نہیں لگے گا اور مجھ پر بلاوجہ کی تنقید آتے جاتے طنز کرے گی تو میں بھی خاموش نہیں رہوں گی پھر۔'' بے پناہ خفگی سے کہا تو مصطفیٰ زور سے ہنس دیا۔
''میں تو سمجھتا تھا تم خاصی منفرد سی لڑکی ہو لیکن دریہ والے معاملے سے لگ رہا ہے کہ چاہے لڑکی کسی بھی طبقے کی ہو شوہر کے معاملے میں جذبات ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔'' شہوار کی خفگی سے مصطفیٰ نے حظ اٹھاتے ہوئے کہا۔
''ویسے تھوڑا مزاج بدل لے اور ہر وقت شو آف رہنے کی بجائے ہم سب میں گھل مل جائے تو دریہ اتنی بُری بھی نہیں' چھوٹے موٹے افیئر کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔'' مصطفیٰ نے شرارتی انداز میں کہا تو شہوار ایک دم پیچھے ہٹی۔
''آپ......آپ......''
''دیکھو بھئی شریعت میں تو چار شادیاں بھی جائز ہیں ویسے میں افورڈ بھی کر سکتا ہوں اب جب کہ وہ خود لفٹ کرواتی ہے تو کیا حرج ہے۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر وہ واقعی سنجیدہ ہو گئی تھی۔
''مصطفیٰ پلیز......خبردار آپ نے ایسا سوچا بھی تو۔ اگر آپ مذاق میں بھی ایسی کوئی بات کہیں گے تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔
''سوچنے میں کیا حرج ہے؟''
''پلیز مصطفیٰ۔'' اس نے چڑ کر کہا تو مصطفیٰ نے ہنس کر اس کا ہاتھ تھام کر پھر خود سے قریب کر لیا۔
''تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے رعب میں آ جاؤں گا۔'' شہوار نے خفگی سے دیکھا' مصطفیٰ نے شرارت سے اس کی ناک دبائی۔
''تمہیں کیا لگتا ہے میں کوئی کم عمر بچہ ہوں جو دریہ جیسی لڑکی کی اداؤں سے گھائل ہو جائے گا اور انگلی پکڑ کر وہ جدھر لے چلے گی میں چل دوں گا۔'' مصطفیٰ نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا تو وہ گہرا سانس لیتے نفی میں سر ہلا گئی۔
''تو پھر پریشان کیوں ہوتی ہو؟ نظر انداز کر دیا کرو' جیسے میں اسے کر دیتا ہوں ہاں جب بات میرے کنٹرول میں نہ ہوئی تو میں اسے ٹوک دوں گا۔ بی کول یار! دریہ جیسی لاکھوں بھی آ جائیں تو بھی مجھ جیسے شخص کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکتیں۔''
''مجھے اپنی قسمت سے ڈر لگنے لگا ہے' دریہ جب مجھے خاندان اور بے نام و نشان ہونے کے طعنے دیتی ہے تو اتنا غلط بھی تو نہیں کہتی۔'' اس کے اندر وہی پرانا احساس کمتری عود کر آیا تھا' مصطفیٰ نے جواباً گھورا۔
''اُف' وہی باتیں یعنی تمہیں مجھ پر اور میری محبت پر کوئی اعتبار نہیں۔'' مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔
''آپ پر اعتبار نہ ہوتا تو ابھی یہ سب آپ سے نہیں کہہ رہی ہوتی۔''
''تو پھر ذہن سے ہر خدشہ مٹا کر خوش رہا کرو' اس دل میں صرف ایک لڑکی کی محبت نے جگہ بنائی ہے اور اس کا نام مسز شہوار مصطفیٰ ہے اور اس کے بعد اس دل کا دروازہ سختی سے بند ہو گیا ہے۔ اب اس دل میں اور کوئی نہیں آ سکتا۔'' مصطفیٰ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑے اسٹائل میں ڈائیلاگ ادا کیا جبکہ وہ ایک دم ہنس دی۔ جھلملاتی ہنسی مصطفیٰ کو لگا اس کی روح تک سیراب ہو گئی ہو۔ اس نے بہت محبت و نرمی سے شہوار کو اپنی ذات میں سمیٹ لیا۔



ضیاء صاحب کی طبیعت کافی بہتر تھی' ولید کے علاوہ سب ہی گھر پر تھے۔ انا سارا وقت کمرے میں قید رہی تھی۔ احسن اور روشی سمیت سب کو ہی صورت حال کا علم ہو چکا تھا۔ احسن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یا تو انا کا دماغ درست کر دے یا پھر اس حماد کو جا دبوچے جس کی وجہ سے یہ سارا کھڑاک پیدا ہوا تھا۔ وہ انا کے کمرے میں آیا تو وہ دیوار سے ٹیک لگائے قالین پر بیٹھی ہوئی تھی' اسے دیکھ کر سیدھی ہو گئی تھی۔ احسن نے دیکھا اس کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں متورم اور سرخ تھیں۔

''کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟'' احسن نے پوچھا تو اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

''کیا کمی ہے ولید میں؟'' دوسرا سوال کیا۔

''انا......'' کچھ دیر بعد وہ چیخا۔ ''جواب دو مجھے خاموش کیوں ہو؟'' اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کرتے اسے بغور دیکھتے اس نے پھر پوچھا۔ ''جواب دو انا! میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔'' احسن نے پھر کہا۔

''کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟'' وہ پھر خاموش رہی تھی' اس طرح سر جھکائے مہر بہ لب۔

''جانتی ہو کتنا بھروسہ کرتا تھا تم پر' میں فخر کیا کرتا تھا تم پر' میں سمجھتا تھا کہ میری بہن عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے۔ آج تک میں نے تمہاری کوئی بات نہیں ٹالی اور اب ایک دم سے یہ حماد چلا آیا' کیوں؟'' وہ پوچھ رہا تھا' انا سر جھکائے کھڑی تھی۔ احسن نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا۔

''ماموں کی طبیعت مسلسل خراب ہے' مرتے مرتے بچے ہیں وہ' تمہاری اور ولید کی شادی ان کی زندگی کا خواب تھا۔'' احسن نے کہا تو انا کے اندر شدید اذیت نے سر اٹھایا۔

''ہر انسان کو اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے' اگر میں نے اپنے دل کی خوشی کی خاطر اپنا حق استعمال کیا ہے تو آپ سب کو میرا ری ایکشن اتنا برا کیوں لگ رہا ہے۔ یہ میری زندگی ہے' میں جو چاہے فیصلہ کروں' کسی کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ میرے معاملے میں بولے۔'' اندر کی اذیت کا طوفان ایک دم پھٹا تھا۔ وہ ہیجانی انداز میں بولی تھی' احسن ششدر رہ گیا تھا۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے' جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو؟'' اس کے الفاظ پر ایک دم مشتعل ہوتے احسن نے اس کا بازو جھنجوڑا۔

''بہت اچھی طرح۔'' احسن کی گرفت سے اپنا بازو کھینچ کر پیچھے ہٹتے اس نے بے رحمی سے کہا۔ احسن حیرت زدہ رہ گیا تھا اس نے بغور انا کو دیکھا وہ اس کی طرف سے رخ موڑ گئی تھی۔

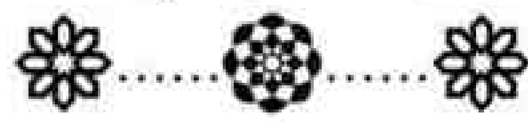
انا بہت بدلی بدلی' بدتمیز اور گستاخ محسوس ہو رہی تھی' احسن کو اس وقت وہ بہت بُری لگ رہی تھی۔

''میں جان سے مار دوں گا اگر اب تم نے ایسا کچھ بھی کہا تو۔'' احسن نے بہت غصے سے کہا تو انا طنزیہ ہنسی۔

''یہ بھی کر کے دیکھ لیں' اگر اس طرح مجھے مار کر آپ لوگوں کو سکون مل جائے تو کر لیں۔'' احسن حیرت سے گنگ رہ گیا' انا واش روم بند ہو گئی تھی۔ احسن نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں......'' یہ واقعی ان کی انا نہیں تھی' وہ تو بہت مختلف لڑکی تھی۔ انتہائی با اخلاق اور با کردار۔ احسن نے آج تک اس کے کردار میں ہلکا سا جھول تک نہ دیکھا تھا' وہ تو ہمیشہ اپنے کردار کے معاملے میں بہت چُی رہی تھی پھر ایک دم یہ سب کیسے ہو گیا تھا۔

وہ اس قدر کیونکر بدل گئی تھی اتنی جلدی کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو سکی تھی۔ احسن بے یقینی میں گھرا مسلسل واش روم کے بند دروازے کو گھور رہا تھا۔



سہیل بھائی پاکستان آ چکے تھے' شادی کی تیاریوں میں زور و شور سے اضافہ ہو چکا تھا۔ رابعہ آفس نہیں جا رہی تھی' ثریا بیگم اس کے آفس چھوڑ دینے پر مطمئن ہو گئی تھیں۔ رابعہ بہت مطمئن تھی' فیس بک پر اپ لوڈ ہونے والی تصاویر والا معاملہ اس کے گھر والوں اور ابو بکر کے علم میں نہیں آیا تھا۔

وہ گھر کی صفائی بھابی کے ساتھ کروا کر فارغ ہوئی تو اس کے موبائل پر کال آنے لگی آفس سے کال تھی۔ آفس چھوڑ دینے کے بعد کی فارمیلیٹیز مکمل کرنے اور اپنے واجبات کلیئر کروا لینے کے سلسلے میں آفس والوں نے بلوایا تھا' وہ امی کو بتا کر تیار ہو گئی تھی۔

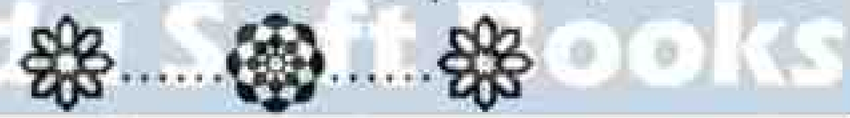
سہیل بھائی گھر پر ہی تھے' ان کے ساتھ وہ آفس آ گئی تھی۔ وہ سب سے ملتی ہیلو ہائے کرتے اپنے کیبن کی طرف چلی آئی تھی۔ وہ شادی کے کارڈز بھی ساتھ لائی تھی۔ اس کا کیبن ابھی بھی خالی تھا۔ سہیل بھائی کو وزیٹر روم میں بٹھا کر وہ سر عباس کے روم کی طرف چلی آئی اور دروازے پر ناک کرتے خود کو قدرے ریلیکس کیا۔ وہ بھلے آفس چھوڑ چکی تھی لیکن وہ اذیت ناک واقعہ ایسا تھا کہ وہ چاہ کر بھی اسے بھلا نہ پا رہی تھی۔

''یس کم ان۔'' سر عباس کی آواز پر وہ اندر داخل ہوئی۔
''السلام علیکم سر!'' فائلز میں مصروف سر عباس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو چونکے۔
''ارے آپ' وعلیکم السلام۔'' وہ ایک دم کھڑے ہو گئے تھے' وہ ان کی ٹیبل کے پاس پہنچ کر کھڑی ہو گئی تھی۔
''کیسی ہیں آپ؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ مسکرائی۔
''بیٹھیں نا۔'' وہ آہستگی سے ایک چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
''اور سنائیں کیا ہو رہا ہے آج کل؟'' عباس نے بڑی فرصت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''میرے بھائی پاکستان آئے ہوئے ہیں تو بس اسی سلسلے میں مصروف ہیں سب۔''
''زبردست' مبارک ہو۔''
''تھینک یو سر!'' وہ مسکرائی۔ عباس نے اسے دیکھتے گہرا سانس لیا۔
وہ کئی دن بعد دکھائی دی تھی تو دل و نظر ایک دم بے قرار اور بے اختیار سے ہو گئے تھے۔
''مجھے آفس کی طرف سے کال آئی تھی؟'' اس نے کہا تو عباس نے سر ہلایا۔
''آپ نے یوں بالکل اچانک چھوڑ دیا تھا بس اسی سلسلے میں آپ کو کال کرنا پڑی۔ آپ نیچے آفس میں وقار صاحب سے مل لیں میں کہہ چکا ہوں' آپ کی پے کلیئر کر دیں گے اور جو پچھلے چند ماہ کے الاؤنسز ہیں وہ بھی کلیئر کروالیں۔ اس کے بعد آفس ورک کے سلسلے میں جو فائلز آپ کے پاس تھیں وہ مس ہادیہ کو ہینڈ اوور کر دیجیے گا۔ ابھی تک نیو اپائنٹمنٹ تو نہیں ہوئی لیکن یہ فائلز بہت ضروری تھیں' اس لیے بھی کال کرنا پڑی۔'' عباس نے کہا تو اس نے سر ہلایا۔
''کیا لیں گی چائے یا کافی؟'' عباس نے انٹر کام اٹھایا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''اٹس او کے سر! آپ تکلف مت کریں' میں بس زیادہ دیر نہیں رکوں گی۔''
''تکلف کیسا میں چائے منگواتا ہوں۔'' انہوں نے کہا تو وہ چپ ہو گئی۔ ''اکیلی آئی ہیں کیا؟'' عباس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔
''نہیں سہیل بھائی ساتھ ہیں' ان کو وزیٹر روم میں بٹھا کر آئی ہوں۔''
''ارے ان کو یہیں لے آئیں میں بھی مل لیتا ان سے۔''
''کوئی بات نہیں سر!'' رابعہ کا انداز تکلف بھرا تھا۔
''عادلہ نے دوبارہ تو رابطہ نہیں کیا؟'' عباس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''نہیں۔''
''وہ اب کرے گی بھی نہیں' اس کا بھائی حوالات میں بند ہے۔ آج کل میں جیل منتقل ہونے والا ہے' اس کے باپ کی کنڈیشن بھی قابل گرفت ہے' دھوکہ دہی اور فریب سے حاصل کردہ دولت اسی طرح بعض اوقات انسان کے لیے وبال جان بن جاتی ہے۔ عادلہ کو مصطفیٰ اچھی طرح سمجھا چکا ہے اس کے باوجود وہ پھر کوئی کم عقلی دکھائے گی تو نقصان اٹھائے گی۔'' عباس نے کہا تو رابعہ نے گہرا سانس لیا۔ وہ اندر سے بے شک' مطمئن تھی لیکن دل میں عادلہ کی طرف سے پھر کسی سازش کا خدشہ کلبلا رہا تھا۔
''بہر حال آپ مطمئن رہیں۔ عادلہ اب کچھ بھی نہیں کرے گی' وہ مسلسل مصطفیٰ اور اس کے عملے کی نگرانی میں ہے' اور دیگر سرگرمیوں پر کڑی نگاہ ہے' اگر وہ کچھ الٹا سیدھا کرے گی بھی تو فوراً ایکشن لے لیا جائے گا۔'' عباس نے بتایا تو رابعہ نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کی۔
''تھینک یو سر!'' وہ واقعی مشکور تھی۔
''اب شکریہ کہہ کر شرمندہ مت کریں' آپ پر یہ ساری آفت میری ذات کے سبب ہی تو تھی۔ عادلہ یہ ساری انتقامی کارروائی میری وجہ سے ہی تو کر رہی تھی اور بد قسمتی سے آپ آلہ کار بن گئیں۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا' تبھی ملازم چائے کی ٹرے لیے چلا آیا تھا۔ ٹرے لا کر اس نے ٹیبل پر رکھی' ملازم چلا گیا تو عباس نے ٹرے اپنے سامنے رکھ لی۔
کپ میں گرم پانی ڈال کر دودھ اور چینی ڈال کر اس نے ٹی بیگ ڈالا تھا' کپ رابعہ کی طرف بڑھایا تو وہ مسکرائی۔
''شکریہ سر۔''
''یہ بھی لیں۔'' عباس نے دیگر لوازمات بھی اس کے سامنے کر دیئے تھے۔ ''آپ کی شادی کی تیاری کہاں تک پہنچی ہیں۔'' اپنے لیے چائے

بناتے عباس نے اسے دیکھا' وہ جھینپ سی گئی۔
''ابوبکر گھر ڈیکوریٹ کر رہے ہیں'ہماری طرف سے بھی تیاریاں مکمل ہیں۔ سہیل بھائی بھی آ گئے ہیں باقی کام وہ دیکھ رہے ہیں۔''
''ابوبکر بہت اچھا لڑکا ہے'ایک بار ہی ملا ہوں لیکن بہت متاثر ہوا ہوں۔ بہت محنتی اور خوددار انسان ہیں وہ۔'' عباس نے خلوص دل سے کہا' رابعہ کے چہرے پر ایک اطمینان اور فخر کا احساس اجاگر ہوا تھا۔ ابوبکر واقعی ایک نائس انسان تھا۔
''شادی کے کارڈ چھپ گئے؟''

''جی۔''
''کیوں بھئی ہمیں انوائٹ نہیں کر رہی ہیں؟'' چائے کے سپ لیتے عباس نے پوچھا۔

''آپ آئیں گے؟''
''بالکل' اگر آپ انوائٹ کریں گی تو؟'' رابعہ نے اپنا بیگ کھولا تھا' کارڈ تو لائی تھی لیکن سب کو دینے کے باوجود سر عباس کو دینے پر ڈبل مائنڈ ہو رہی تھی۔ کہاں وہ اتنے بڑے آفس کے مالک اور کہاں وہ ایک عام سی لڑکی پتا نہیں وہ آئیں بھی کہ نہیں' اب تک وہ اس کے ساتھ تعاون کر رہے تھے شاید عادلہ کی وجہ سے لیکن وہ اپنی اس قسم کی سوچ کا اظہار سر عباس کے سامنے نہیں کر سکتی تھی اس نے آہستگی سے کارڈ نکال کر سر عباس کی طرف بڑھا دیا۔
''نائس کارڈ۔'' کارڈ بہت خوب صورت انداز میں پرنٹڈ تھا' عباس کھول کر دیکھنے لگا۔
''ہم ضرور آئیں گے۔'' عباس نے مسکرا کر کہا تو وہ مسکرائی۔
''اگر کسی بھی قسم کی کوئی خدمت درکار ہو تو ضرور کہیے گا' یقین جانیئے گا ہمیں بہت خوشی ہوگی۔'' عباس نے خلوص سے کہا۔
''نہیں سر! ایسی کوئی بات نہیں' بس آپ شامل ہو جایئے گا میری فیملی اس پر بہت خوش ہو جائے گی۔''
''چلیں ان شاءاللہ ضرور آئیں گے۔'' عباس نے پھر یقین دہانی کروائی' اس نے محض سر ہلا دیا تھا۔



وہ بہت دن بعد کالج آئی تھی۔ اتنے دنوں کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ آنا تقریباً سب ہی لڑکیوں اور جاننے والوں نے خیریت دریافت کی تھی۔ شہوار نے جس لڑکی سے بھی کال پر رابطہ کر کے انا کی گمشدگی کے بارے میں پوچھا تھا وہ سب ہی متجسس تھیں۔ وہ ان کو ٹالتی رہی تھی' باقی وقت کلاسز لینے اور مصروفیت میں گزرا تھا' وہ کالج سے گھر آئی تو پھر وہی روٹین تھی۔ روشی گھر پر تھی' ہلکی پھلکی سی چہل پہل تھی' ماموں گھر آ چکے تھے ان کی طبیعت کافی سنبھل چکی تھی تاہم وہ اپنے کمرے میں ہی تھے۔ وہ ان کے سامنے نہیں گئی تھی' عجیب سا گلٹ محسوس ہوتا تھا' گھر والوں سے اس کی مکمل بات چیت بند تھی۔ وہ چینج کر کے کچن میں آئی تو ٹھٹک گئی۔
ولید کرسی پر بیٹھا ہوا تھا روشی اس کے سامنے کھانا رکھ رہی تھی۔ بہت دن بعد وہ یہ منظر دیکھ رہی تھی ورنہ اتنے دنوں میں ولید سارا وقت ہسپتال میں ہی رہتا تھا۔ انا اندر داخل ہوئی تو روشی نے خاموشی سے اسے دیکھا' ولید کی بھی نگاہ پڑی تھی' اس نے لب دانت تلے دبا لیے تھے۔
انا دونوں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے فریج کی طرف بڑھی تھی۔ بہت دنوں بعد کچھ کھانے پینے کو دل کر رہا تھا ورنہ گزرے دنوں میں تو کھانا پینا ایک طرف وہ تو سونا تک بھول چکی تھی۔ شاید سارا دن کالج میں مصروف رہنے کا نتیجہ تھا کہ ذہن گزرے دنوں والی کشمکش میں نہیں تھا۔ فریج میں پھل اور جوسز کے پیک موجود تھے' اس نے فریج بند کیا۔ ان کے ہاں دوپہر میں کھانا فریش بنتا تھا' ماموں کی طبیعت کے مطابق ہلکا پھلکا کھانا ہوتا تھا' اس کے علاوہ ماما کے بوتیک اور احسن کے آفس بھجوانے کے لیے بھی کھانا پکتا تھا جو روزانہ ڈرائیور دے کر آتا تھا۔ وہ چولہے کی طرف بڑھی تو روشی پاس چلی آئی۔

''تم بیٹھو میں کھانا نکال دیتی ہوں۔'' ماموں کی طبیعت کی خرابی کے بعد یہ پہلا جملہ تھا جو روشی نے کہا تھا۔

''نہیں میں کر لوں گی۔'' پتا نہیں اجنبیت مزاج میں آ گئی تھی یا حالات میں انا گزرے دنوں میں مکمل طور پر بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ روشی نے اسے بغور دیکھا۔
دوپٹہ کندھوں پر ڈالے ڈھیلے ڈھالے لباس میں وہ جیسے ساری دنیا سے بے زار تھی' چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ روشی نے بغور دیکھا تو دل دکھنے لگا' انا کا چہرہ زرد اور کملایا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ وہ ہمہ وقت فریش اور تروتازہ دکھائی دینے والی لڑکی اس وقت سخت بے زار اور مرجھائی ہوئی تھی۔

انا نے چولہے پر رکھے برتن دیکھے بریانی کے علاوہ سالن بھی تھا اور ماموں کے لیے علیحدہ سے پرہیزی کھانا‘ اس نے خاموشی سے پلیٹ میں تھوڑی سی بریانی نکالی تھی روشی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

”بابا کو کچھ ہلکا پھلکا کھلا کر میڈیسن دے دو۔“ ولید نے سنجیدگی سے یوں مسلسل انا کو دیکھتی روشی کو دیکھا اور پھر ناگواری سے ٹوکا۔

”میں دیکھتی ہوں ہے۔“ وہ کہہ کر فوراً فریج کی طرف بڑھی تھی۔ سیب نکال کر پلیٹ میں رکھ کر وہ پلٹی تو چونکی انا ٹرے میں اپنے لیے تھوڑی سی بریانی اور پانی کا گلاس رکھ رہی تھی۔

”یہ رائتہ اور کباب بھی رکھے ہوئے ہیں‘ لے لو۔“ اسے یونہی ٹرے اٹھائے دیکھ کر روشی نے کہا۔

”اٹس اوکے۔“ وہ کہہ کر کچن سے نکل گئی تھی۔ روشی کے اندر عجیب سے انداز میں کچھ ٹوٹا تھا۔ وہ ابھی تک یہ سب کوئی خواب سمجھ کر یقین کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہو پا رہی تھی لیکن آج اتنے دنوں بعد انا کا رویہ اور پھر اس کی حالت دیکھ کر اس کے دل کو سخت اذیت ہو رہی تھی۔ فریج بند کر کے وہ پلٹی تو ٹھٹکی‘ ولید ابھی تک بالکل ویسے ہی بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے جو تھوڑا بہت کھانا پلیٹ میں ڈالا تھا وہ جوں کا توں تھا‘ ولید نے سختی سے لب بھینچ رکھے تھے اور چمچ سے پلیٹ میں رکھے‘ کباب کے پیسز کر رہا تھا‘ سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اس کے چہرے سے کچھ اندازہ نہ لگا پائی تھی۔ روشی نے ٹوکنا چاہا لیکن پھر نفی میں سر ہلا کر چھری لے کر کچن سے نکل گئی تھی۔ ولید نے سر اٹھا کر اسے جاتے دیکھا اور پھر پلیٹ کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا کھانا کھانے کا موڈ بالکل غارت ہو چکا تھا‘ اتنے دنوں بعد انا سے سامنا ہوا تھا۔

وہ گزرے دنوں میں اس قدر اپ سیٹ رہ چکا تھا کہ اب کسی بھی معاملے کو سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ آفس نہیں جا رہا تھا وہ مسلسل ضیاء صاحب کی دیکھ بھال میں لگا ہوا تھا۔ وہ کچن سے نکلنے لگا تو صغراں داخل ہوئی۔ برتن جوں کے توں دیکھ کر رک گئی۔

”صاحب کھانا نہیں کھایا۔“ باہر نکلتے ولید کو دیکھ کر پوچھا۔

”بھوک نہیں ہے۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ کر کچن سے نکل آیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آیا تو اس کا موبائل بج رہا تھا‘ کوئی انجان نمبر تھا‘ اس نے کال ریسیو کی۔

”السلام علیکم!“ زنانہ آواز پر ٹھٹکا لیکن آواز سنی سنائی سی تھی۔

”وعلیکم السلام!“

”میں شہوار بات کر رہی ہوں ہے۔“ دوسری طرف سے تعارف کروایا گیا تو ولید نے گہرا سانس لیا۔

”آج انا کالج آئی تھی‘ بتا رہی تھی کہ انکل کی طبیعت خراب ہے‘ کچھ دن ہاسپٹلائزڈ رہے ہیں۔“ وہ پوچھ رہی تھی۔ ولید کے اندر انا کے ذکر پر عجیب سا اشتعال برپا ہوا تھا۔

”جی۔“

”ادھر بابا صاحب بھی بیمار تھے‘ شکر ہے کل گھر آ گئے ہیں لیکن گھر میں ٹریٹمنٹ چل رہی ہے اس لیے ہم لوگ بزی تھے۔ آپ سے بھی کوئی رابطہ نہ ہو سکا اور نہ ہی مصطفیٰ نے ذکر کیا ورنہ میں انکل کی عیادت کو ضرور آتی۔ آج کل میرا انا سے بھی تقریباً رابطہ نہ ہونے کے برابر رہا ہے ورنہ اس سے انکل کی خراب طبیعت کا علم ہو جاتا۔“ شہوار نے کہا تو ولید نے خود کو کمپوز کرتے مسکرانے کی کوشش کی۔

”اٹس اوکے‘ بابا اب کافی بہتر ہیں۔“ انداز میں اطمینان تھا۔

”مصطفیٰ سے میرا بھی رابطہ نہیں‘ بس بابا کی وجہ سے بہت بزی اور پریشان رہا ورنہ وہ ہی شاید آپ کو بتا دیتا۔“

”ہاں وہ بھی آج کل ایک دو کیسز میں بہت بزی ہیں‘ آج گھر آئیں گے تو میں اور وہ ان شاءاللہ انکل کی عیادت کو آئیں گے۔“

”جی ضرور۔“ ولید نے خلوص دل سے کہا۔

شہوار انا کی دوست نہ ہوتی تو بھی اس سے بات کرنے کے لیے مصطفیٰ کا حوالہ کافی تھا۔ شہوار نے کچھ دیر اور بات کی اور پھر کال منقطع کر دی تھی۔ موبائل بستر پر ڈالتے ولید نے چند پل کچھ سوچا اور پھر موبائل پاکٹ میں ڈالتے وہ ضیاء صاحب کے کمرے میں آ گیا تھا۔ روشی ان کے کندھے دبا رہی تھی اور ساتھ ساتھ بات بھی کر رہی تھی۔

”میڈیسن دے دی؟“ ولید نے پوچھا تو ضیاء صاحب نے آنکھیں کھول کر بیٹے کو دیکھا۔

”جی۔“

''بس کرو، تم آرام کرو سارا دن لگی رہتی ہو، میں اب ٹھیک ہوں۔'' بابا نے دھیمی نقاہت زدہ آواز میں کہا تو روشی مسکرائی۔
''کوئی بات نہیں۔''
''اپنی طبیعت کا خیال رکھا کرو، میرا کیا ہے اپنی زندگی اور وقت پورا کر چکا ہوں' آج ہوں کل کا کوئی بھروسہ نہیں۔'' انہوں نے کہا تو روشی نے ناراضگی سے دیکھا۔
''پھر وہی باتیں شروع کر دیں' آپ ایسی باتیں مت کیا کریں' آپ جانتے ہیں کہ مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے آپ کو ہزاروں سال جینا ہے ہمارے لیے۔'' روشی ایک دم رنجیدہ ہو گئی تھی۔ ضیاء صاحب نے اپنا لرزتا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔
''خوش رہا کرو۔'' ان کی آواز میں لرزش تھی۔ ولید خاموشی سے بستر کے قریب کھڑا تھا۔
''کھڑے کیوں ہو بیٹھو نا؟'' انہوں نے کہا تو وہ بیٹھ گیا' انہوں نے بغور دیکھا' ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔
''کیا بات ہے پریشان ہو؟ اب تو میں ٹھیک ہوں پھر کیوں ٹینشن لیتے ہو۔'' انہوں نے کہا تو ولید نے دھیرے سے مسکرا کر ان کا ہاتھ تھاما۔
''بس آپ کی فکر ہے' آپ بس جلدی سے ٹھیک ہو جائیں پھر کوئی ٹینشن نہیں۔''
''تم دونوں بہن بھائی نے مجھے بچہ بنا رکھا ہے' دیکھو یہ معمولی اٹیک تھا' اب ٹھیک ہوں تم دونوں بھی مطمئن ہو جاؤ' کچھ نہیں ہوگا ابھی مجھے۔'' وہ مسکرا رہے تھے ولید نے بھی ان کی ہمت پر مسکرا کر سر ہلا دیا' اس سے پہلے کہ جواباً وہ کچھ کہتا کمرے کے دروازے پر انا آ رکی تھی۔ ولید دروازے کی طرف ہی بیٹھا ہوا تھا اسے دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا انا جو کھانا کھا کر برتن کچن میں رکھ کر ادھر آئی تھی مگر وہاں روشی کے علاوہ ولید کو دیکھ کر ایک دم رک گئی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ فوراً واپس پلٹ جائے تب ہی ولید کو سامنے دیکھتے پا کر روشی اور ضیاء صاحب نے بھی دروازے کی طرف دیکھا تھا۔
''انا......'' روشی نے اسے پکارا' اب کمرے میں داخل ہونے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔
''السلام علیکم!'' وہ اندر آ گئی تھی دھیمے سے کہا تو ضیاء صاحب نے سر ہلا دیا۔ ان کے دل و دماغ پر پھر وہی لمحے تازہ ہونے لگے جب انا شادی سے انکار کرتے کسی اور لڑکے کا نام لے کر اپنے باپ کے سامنے کھڑی تھی اور پھر وقار کا ہاتھ اٹھا تھا۔ ضیاء صاحب کے چہرے کا رنگ ایک دم زرد ہو گیا تھا' ولید جو باپ کو دیکھ رہا تھا ایک دم چونکا۔
''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے بابا!'' اس نے فوراً پریشانی سے پوچھا۔
''میں ٹھیک ہوں۔'' انہوں نے آہستگی سے کہہ کر انا کو دیکھا۔
''بیٹھو انا۔'' وہ اندر آ تو گئی تھی لیکن اب سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا کرے۔
''میں آپ کی خیریت پوچھنے آئی تھی' کیسے ہیں آپ اب؟'' ان کے کہنے پر اس نے جھجکتے ہوئے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائے۔
''اللہ کا کرم ہے' تمہارے سامنے ہوں۔ یہ روشی اور ولید تو خوامخواہ ہی پریشان ہو گئے تھے ورنہ میں تو اگلے دن ہی گھر آنا چاہ رہا تھا۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا تو انا نے سر ہلا دیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب بھلا مزید کیا پوچھے' وہ کھڑی لب بھینچ گئی۔
روشی سر جھکائے اپنے ہاتھوں سے کھیل رہی تھی اور ولید اس کی توجہ صرف اور صرف ضیاء صاحب کی طرف تھی۔ اسے ایک دم بے پناہ اجنبیت کا احساس ہوا تو دل کے اندر بہت کچھ ٹوٹنے لگا۔
''چلتی ہوں۔'' لہجے میں عجیب سی شکستگی تھی' ولید نے سر جھکا کر دیکھا۔
''رکو نا۔'' اس کے پلٹنے پر ضیاء صاحب نے کہا۔
''نہیں' بس آپ کو دیکھنے آئی تھی۔ آج بہت دن بعد کالج گئی تھی تو اسٹڈی کا بہت سارا میٹر ہے' وہ سب دیکھنا ہے۔'' دھیمے سے کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی' تینوں نے خاموشی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

❀......❀......❀

وہ اپنے کمرے میں کتابیں پھیلائے بیٹھی ہوئی تھی' ایک کتاب اس کی گود میں کھلی پڑی تھی لیکن اس کی توجہ کتاب کی طرف نہیں تھی' وہ نجانے خلا کی وسعتوں میں کس نادیدہ نقطے کو دیکھ رہی تھی۔
روشی کچھ دیر دروازے میں کھڑی دیکھتی رہی تھی اور اس کے پاس قالین پر آ بیٹھی۔ انا نے چونک کر اسے دیکھا روشی اس کی قریب موجود تھی۔
''تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟'' روشی نے انا کو بغور دیکھتے پوچھا۔ انا کے چہرے کے رنگ میں ایک اذیت سی گھل گئی تھی۔ وہ سر جھکا کر کتاب میں نا دکھائی دینے والے حروف کھوجنے لگی۔

''جواب نہیں دوگی یا تمہارے پاس سرے سے ہمارے کسی سوال کا جواب ہی نہیں؟'' روشی کے لہجے میں تلخی تھی' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔
ماما پاپا سے بول چال بند تھی' احسن بھی سخت پریشان تھا اور باقی لوگوں کے تو گویا دن رات کوئلوں پر گزر رہے تھے۔
''محبت کرنا یا کسی کو پسند کرنا جرم ہے کیا؟'' روشی کی تلخی نے اسے اندر سے ریزہ ریزہ کر دیا تھا جواباً لفظوں میں اذیت گھل گئی تھی۔
''محبت جرم تب بنتی ہے جب اس کے حصول کے لیے غلط طریقہ اختیار کیا جاتا ہے' محبت تو بہت پاکیزہ جذبہ ہے جو ہر کسی کے لیے پیدا نہیں ہوتا۔'' بہت دن بعد روشی خود سے اس کے پاس آئی تھی اور خود سے ہی بات کا آغاز کیا تھا۔
''میں نے کوئی غلط طریقہ اختیار نہیں کیا تو پھر میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟'' انا کے الفاظ میں اذیت سی گھل گئی تھی۔ وہ اذیت جو وہ پچھلے کچھ دنوں میں جھیل رہی تھی۔
''سچ سچ بتاؤ انا' یہ حماد کہاں سے آ گیا ہے' بالکل یوں اچانک ایک دم سے۔'' انا نے سر جھکا کر ایک گہرا سانس لیا۔
''وہ محبت کرتا ہے مجھ سے۔'' اس نے دھیمے سے کہا' روشی نے اسے بغور دیکھا۔ انا کتاب کے صفحات پلٹ رہی تھی روشی نے کتاب پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔
''اور تم؟'' انا نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ہاں میں بھی محبت کرتی ہوں اس سے۔'' اس نے اپنے الفاظ میں مضبوطی پیدا کرنا چاہی تھی' روشی طنزیہ ہنسی' انا نے الجھ کر اسے دیکھا۔
''اور ولی بھائی۔'' ولید کے نام پر اس کے چہرے پر سخت اذیت کی لہر پیدا ہوئی تھی۔
''ان کی کیا حیثیت ہے تمہاری زندگی میں؟ بہت سے لوگوں کی موجودگی میں تمہارا اور ان کا رشتہ طے پایا تھا۔ اگر تم کسی اور سے محبت کرتی تھیں تو انکار کیوں نہیں کیا تم نے' اتنے ماہ تک کیوں کھیلتی رہیں ہم سب کے جذبات سے۔'' روشی کا انداز یکدم جارحانہ ہوا تھا۔ انا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
''میں نے کسی کو بھی دھوکہ نہیں دیا' تم اپنے بھائی سے جا کر پوچھ سکتی ہو میں نے کبھی ان کو چیٹ نہیں کیا۔ میں نے تو بہت فیئر ہو کر ان کی اور تم سب کی زندگی سے نکلنے کی کوشش کی ہے۔ حماد ایک اچھا انسان ہے' محبت کرتا ہے مجھ سے اور میں بھی اسے پسند کرتی ہوں۔ بہت صاف الفاظ میں سب کو کہہ دیا تھا' دھوکہ تو یہ ہوتا کہ میں ڈبل کراس کرتی پھر یہ الزام کیوں؟'' انا نے بہت ہی سنجیدگی سے کہا۔
''انا پلیز' کس کو بے وقوف بنا رہی ہو تم سمجھتی ہو کہ یہ حماد حماد کر کے تم ہمیں بے وقوف بنا لوگی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کیا وجہ ہے جس کی وجہ سے تم ولید بھائی کو چھوڑ رہی ہو' لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ تم ولید بھائی کے ساتھ بہت خوش تھیں' تم اس رشتے پر مطمئن تھیں۔ دیکھو انا ہم کزنز ہی نہیں اچھی دوست بھی تھیں' کیا ولید بھائی اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا ہوا تھا۔'' روشی نے براہ راست اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا تو وہ چند پل کو ساکت رہ گئی۔
''میرا اور ولید کا کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا' امی سے پوچھ سکتی ہو مجھے شروع سے ہی اس رشتے پر اعتراض تھا۔ میں بس تمہاری شادی کی وجہ سے اس منگنی کے لیے راضی ہوئی تھی اس کے بعد بھی بس اس لیے خاموش رہی کہ شاید میں مطمئن ہو جاؤں لیکن میں خود کو راضی نہیں کر پائی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
احسن' وقار اور صبوحی کے سامنے وہ یہ سب باتیں نہیں کر سکتی تھی اور نہ اس نے کی تھیں لیکن اس نے روشی کی سامنے سب کہہ دیا تھا وہ جانتی تھی کہ یہ سب احسن بھائی تک پہنچ جائے گا اور پھر ماما پاپا تک بھی۔
''یعنی تم حماد کی خاطر ہم سب کو چھوڑ دوگی؟'' روشی نے دکھ سے پوچھا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔
''اگر حماد سے رشتہ جوڑنے کی سزا تم لوگوں کے نزدیک تم سب کو چھوڑ دینا ہے تو میں پھر کیا کر سکتی ہوں۔ بہر حال یہ زندگی میری ہے اور میں اپنی شادی سے متعلق اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہوں۔ مجھے تمہارا بھائی پسند نہیں اگر میں ولید کی جگہ حماد کو سپورٹ کر رہی ہوں تو اس میں غلط کیا ہے؟ براہ راست دل کی بات کی ہے کوئی جرم تو نہیں کر لیا۔'' بہت تلخی سے کہہ کر وہ اٹھی تھی' پلٹ کر اسٹڈی ٹیبل کی طرف بڑھی تھی لیکن دروازے میں ولید کو کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی اسے یوں ٹھٹکتے دیکھ کر روشی نے بھی دیکھا تھا ولید لب بھینچے کھڑا تھا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے موجود تھا۔ یقیناً ان کی گفتگو کا سارا حصہ سن چکا تھا۔ انا کا دل ایک دم ڈوب کر ابھرا تھا' وہ اپنی جگہ ساکت سی ہو گئی تھی۔
''تمہیں احسن بلا رہا تھا۔'' ولید نے روشی کو دیکھ کر کہا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی' ولید اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا تھا' روشی ولید کے پاس سے گزر کر چلی گئی تھی۔

''تم سمجھتی ہو تم نے یہ جو ڈرامہ شروع کیا ہے اس سے ہم سب کو بے وقوف بنا لو گی۔'' ولید کے لہجے میں اس قدر تلخی تھی کہ وہ ایک دم ساکت رہ گئی تھی۔

''مائنڈ یور لینگویج۔ میں کوئی ڈرامہ نہیں کر رہی۔'' ولید اتنے دنوں بعد براہ راست اس سے مخاطب تھا۔ وہ بھی فوراً اس کے الفاظ ''ڈرامہ'' پر مشتعل ہوئی تھی۔

''تو یہ سب کیا ہے؟ بے وقوف نہیں ہیں ہم سب لوگ، ہمیں چلا رہی ہو اور ہم تمہاری اس بکواس اسٹوری پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیں گے۔'' ولید غصے سے چند قدم بڑھ کر اس کے مقابل آ ٹھہرا تھا۔ انا نے تلخی سے دیکھا۔

''میں آپ کے سامنے اپنے کسی بھی عمل کی جواب دہ نہیں ہوں، بہتر ہے مسٹر ولید ضیاء احمد آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔''

''تم...... تم......'' ولید ایک دم غصے سے اس کی طرف لپکا تھا۔ کلائی سے تھام کر قریب کیا۔

''میں چاہوں تو ایک پل میں تمہارا دماغ درست کر سکتا ہوں، ایک ہی پل میں ساری اکڑ نکل جائے گی تمہاری۔'' مضبوط گرفت میں اس کی کلائی ایسے جکڑی جیسے ابھی کاٹ دی جائے گی۔

''کیا بدتمیزی ہے چھوڑیں مجھے۔'' اس کی مضبوط گرفت سے اپنا بازو نکالنے کی کوشش کرتے وہ چیخی۔

''تم ذہنی طور پر ایک بیمار لڑکی ہو، ایک شکی مزاج اور بے وقوف۔ تمہاری کم عقلی نے ساری فیملی کو ڈسٹرب کر کے رکھ دیا ہے۔ تم سمجھتی ہو یہ سب کر کے تم کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے لو گی تو بھول ہے تمہاری۔ تم صرف اپنا نقصان کر رہی ہو، صرف اپنا۔'' بجائے اس کے کہ وہ اس کا بازو چھوڑتا ایک دم سختی سے اسے دھکیلتے اس نے کہا۔ انا ٹیبل کے کونے سے ٹکرائی اور اس کی کمر پر ٹیبل کا کونہ بڑے زور سے لگا تھا۔

''آہ......'' وہ ایک دم کراہ اٹھی تھی جبکہ ولید نے دھیان نہ دیا تھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنے چھوٹے ذہن کی لڑکی ہو، کاشفہ جیسی لڑکی کو بنیاد بنا کر تم مجھے ریجیکٹ کرو گی۔ تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔''

''ولید چھوڑیں مجھے۔'' وہ چیخ اٹھی تھی۔ ولید نے طنزیہ نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا جبکہ اس کی کمر سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

''میں کچھ بھی نہیں سمجھتی خود کو، میں جو ہوں وہی کر رہی ہوں۔ میں ایک بے وقوف کم عقل نان سینس لڑکی ہوں تو کیوں وقت ضائع کر رہے ہیں آپ میرے ساتھ، چلے جائیں یہاں سے میں آپ کا رستہ کلیئر کر چکی ہوں۔ آپ کے رستے سے ہٹ کر آپ کو آگے بڑھنے کا موقع دے چکی ہوں اب کیوں چلا رہے ہیں مجھ پر۔''

''شٹ اپ۔'' وہ انا کے چلانے پر اس سے زیادہ زور سے چلایا تھا۔

''مجھ پر چلانے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔'' انا بغیر ڈرے چلائی تھی۔

''یو ایڈیٹ......'' ولید کا ہاتھ ایک دم طیش کے عالم میں بلند ہوا لیکن پھر اس نے ہاتھ روک لیا تھا۔

''تم ایک چھوٹی سی بے بنیاد بات کو ایشو بنا کر یہ سب کرو گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نہیں جانتا تم حماد کو کیوں درمیان میں لائی ہو لیکن ایک بات یاد رکھنا، تم یہ سب کر کے بہت پچھتاؤ گی۔ بہت......'' غصے سے ہاتھ ہٹاتے اسے ایک دم جھٹکے سے چھوڑ کر اس نے کہا۔ انا کی آنکھیں بہنے لگیں، کمر کے درد احساس توہین سے وہ جم سی گئی تھی۔

''میں پچھتاؤں، مروں یا جیوں میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں کہ آپ کے سامنے جواب دہ ہوں۔ میں کچھ بھی کروں آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے اور بے فکر رہیے گا۔ میں مر بھی جاؤں تو بھی مدد مانگنے آپ کے پاس نہیں آؤں گی۔'' بہتی آنکھوں اور رندھی آواز میں اس نے کہا تو ولید نے ازحد تاسف سے اسے دیکھا۔

''جان بوجھ کر خود کو کسی کھائی میں گرا لینا شاید اسے ہی کہتے ہیں۔ تمہارا خیال ہے مجھے تمہاری پروا ہو گی یا تمہاری فکر میں مرا جا رہا ہوں، ہونہہ...... مائی فٹ۔'' بہت تنفر اور غصے سے کہا۔ انا نے بے دردی سے دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ولید کو دیکھا۔

''تو پھر اس وقت میرے کمرے میں کیا کر رہے ہیں؟'' سوال ایسا چبھتا ہوا اور تکلیف دہ تھا کہ ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔

''میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔'' وہ رستے میں آئی ہر چیز کو ٹھوکر مارتے غصے سے کہتا وہاں سے چلا گیا تھا۔ انا اپنے چہرے پر ہاتھ رکھتے وہیں قالین پر بیٹھ گئی اس کا دل جل رہا تھا، آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے، اسے ایک دم احساس توہین سے اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا وہ وہیں بیٹھ کر گھٹنوں میں منہ چھپا کر شدت سے سسک اٹھی تھی۔

❀......❀......❀

مصطفیٰ گھر آیا تو شہوار بابا صاحب کے پاس بیٹھی ہوئی تھی' بابا صاحب گھر شفٹ ہو چکے تھے۔ ان کی حالت پہلے سے بہتر تھی لیکن شاہ زیب صاحب نے ان کو واپس گاؤں جانے نہیں دیا تھا سب ہی ان کا خاص خیال رکھ رہے تھے۔ دونوں پھپھو جا چکی تھیں عائشہ اور صبا بھی ساتھ چلے گئے تھے۔

زاہد بھائی اسی شہر میں تھے سو وہ روزانہ شام میں بیگم اور حماد کے ساتھ چکر لگا رہے تھے' اس وقت بھی آئے ہوئے تھے۔ مصطفیٰ سیدھا ان کے پاس ہی آ کر بیٹھا تھا۔

''آپ کو پتا ہے ولید بھائی کے والد صاحب کی طبیعت کافی خراب رہی ہے وہ کچھ دن اسپتال میں رہے ہیں اب گھر آ چکے ہیں۔'' اس نے مصطفیٰ سے کہا' مصطفیٰ چونکا۔

''اچھا' کب......؟ مجھے تو ولید نے کچھ بھی نہیں بتایا اور میں بھی اس سے رابطہ نہیں کر پایا۔''

''ہاں وہ بھی یہی کہہ رہے تھے' میں تیار ہوتی ہوں پھر ان کی عیادت کر آتے ہیں۔'' اس نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

''او کے چلو میں بھی تیار ہو جاتا ہوں۔'' مصطفیٰ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

''ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں' بابا صاحب سے مل لیا ہے تمہارے ساتھ ولید کے ہاں بھی ہو لیتے ہیں۔ کیوں کیا خیال ہے؟'' حماد نے فوراً کہا تھا زاہد بھائی نے سر ہلا دیا تھا۔

''ہم تیار ہو کر آتے ہیں پھر چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ کہہ کر چلا گیا تھا۔ حماد نے پرسوچ نظروں سے انہیں جاتے دیکھا' دو دن سے انا کا موبائل بند تھا' کوئی رابطہ نہ تھا۔ انا نے اس سے خود ہی رابطہ کیا تھا۔ خود ہی اس کی محبت کو پذیرائی بخشی تھی۔

اس کے بعد اس نے اسے پارک میں بلایا تھا اور پھر اس کے والد آئے تھے وہ اسے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے بعد اس کا نمبر تو آن تھا لیکن اس نے کال پک نہ کی تھی اور اب نمبر بند تھا۔ مصطفیٰ اور شہوار تیار ہو کر آ گئے تھے۔

دوسری گاڑی میں زاہد بھائی' شائستہ بھابی اور حماد تھے' جس وقت وہ لوگ انا کے گھر پہنچے تو رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ ولید کو مصطفیٰ اپنی آمد سے آگاہ کر چکا تھا وہ اسے دیکھ کر خوش ہوا' لیکن حماد اور باقی لوگوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔ حماد کی موجودگی کی وجہ سے ان کے گھر میں آگ لگی ہوئی تھی۔ باقی لوگوں کا ری ایکشن ولید جیسا ہی تھا تاہم شہوار اور مصطفیٰ کی وجہ سے خاموش تھے انا اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔

روشی انا کے کمرے میں آئی تو وہ اندھیرا کیے بیٹھی ہوئی تھی۔

''انا......'' اس نے لائٹ آن کی تو چونکی۔

انا ٹیبل کے پاس قالین پر گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا وجود ہولے ہولے ہل رہا تھا۔

''کیا ہوا انا؟'' اس نے فوراً قریب آ کر پوچھا تو انا کا ہلتا وجود یک دم ساکت ہو گیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

بے تحاشا سرخ چہرہ اور متورم آنکھیں۔ روشی کو یاد آیا کچھ دیر قبل ولید اس کے کمرے میں تھا' یقیناً دونوں میں کچھ گڑبڑ ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا۔'' وہ کہہ کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگی تھی۔ روشی نے چند پل اسے دیکھا۔

''شہوار اور مصطفیٰ بھائی آئے ہیں ساتھ میں حماد اس کا بھائی اور بھابی بھی ہیں۔'' انا نے چونک کر دیکھا روشی سنجیدہ تھی۔

''کیوں؟''

''بابا کی عیادت کو آئے ہیں' شہوار تمہارا پوچھ رہی تھی تم فوراً باہر آؤ۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

''منہ ہاتھ دھو لو۔'' روشی کہہ کر اٹھ گئی تھی۔

''میں کسی سے بھی نہیں ملوں گی اگر کوئی میرا پوچھے تو کہہ دینا میں گھر میں نہیں ہوں۔'' روشی ایک دم رک گئی تھی۔ چونک کر دیکھا انا سنجیدہ تھی۔

''کیوں حماد سے بھی نہیں ملو گی؟'' سوال ایسا تھا کہ انا نے ایک دم دانتوں تلے دبا لیے تھے۔

''مجھے لگتا ہے حماد خصوصی طور پر تمہارے لیے ہی آیا ہے اور شاید تمہارا منتظر بھی ہے۔''

''میں نے کہا ناں مجھے کسی سے بھی نہیں ملنا پلیز میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے کوئی میرے کمرے میں بھی نہیں آئے۔'' وہ تیزی سے کہہ کر واش روم میں گھس گئی تو روشی نے بس خاموشی سے اسے جاتے دیکھا۔

وہ باہر آ گئی تھی۔ سب کو چائے سرو کی تو شہوار اور شائستہ انا کا پوچھنے لگ گئی تھیں۔

''کہاں ہے انا، اس کا نمبر بھی بند مل رہا ہے۔'' شہوار نے چائے پیتے پوچھا تو حماد بھی متوجہ ہو گیا تھا۔
''اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، سو رہی ہے میں نے بھی ڈسٹرب نہیں کیا۔'' روشی نے کہا مصطفیٰ سے بات کرتے ولید کے چہرے کے عضلات میں شدید کھنچاؤ سا آ گیا تھا۔
''کیا ہوا اسے؟ کالج میں تو ٹھیک ٹھاک تھی۔''
''بس سر میں درد اور بی پی کا پرابلم ہے۔'' روشی کی بات پر صبوحی بیگم نے ایک گہرا سانس لیا' وقار صاحب بھی خاموش تھے۔ گھر آئے مہمان تھے ورنہ حماد کو دیکھ کر ان کا جی چاہ رہا تھا کہ اس لڑکے کو ابھی فوراً اپنے گھر سے نکل جانے کو کہہ دیں۔
''میں دیکھتی ہوں۔'' شہوار نے اٹھنا چاہا۔
''وہ سو رہی ہے۔'' روشی نے فوراً کہا۔
''کوئی بات نہیں میں اسے اٹھا لوں گی۔'' چائے کا کپ خالی کر کے ٹیبل پر رکھ کر شہوار کھڑی ہو گئی تھی۔
''چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' شائستہ بھی کھڑی ہو گئی تھی۔
مجبوراً روشی کو بھی اٹھنا پڑا تھا۔ وہ انا کے کمرے میں آئیں تو لائٹس آف تھیں۔ روشی نے آن کیں انا کمرے میں نہیں تھی واش روم کا دروازہ بند تھا۔ روشی نے ایک پرسکون سانس لی۔
کچھ دیر بعد وہ باہر نکلی تو گیلے بالوں کو ٹاول میں لپیٹ رکھا تھا۔ وہ سنجیدگی کے ساتھ شہوار اور شائستہ سے ملی تھی۔
''کیا ہوا تمہیں۔ کالج میں تو تم ٹھیک ٹھاک تھیں۔'' نہانے سے انا کے چہرے کی سرخی تو کم ہو گئی تھی تاہم آنکھوں کی سرخی برقرار تھی۔
''بس سر میں درد ہو رہا تھا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ ان کے ساتھ ہی بستر پر بیٹھ گئی تھی۔
شہوار نے اسے بغور دیکھا وہ بڑی بجھی بجھی سی لگی۔ بلکہ کالج میں بھی وہ اسے ایسی ہی لگی تھی۔ اس نے بارہا پوچھا تھا اور وہ ہر بار میں ٹھیک ہوں بس تمہارا وہم ہے کہہ کر ٹال گئی تھی۔ لیکن اس وقت انا کا ستا ہوا چہرہ اور متورم آنکھیں دیکھ کر الجھ گئی تھی۔ شائستہ بھابی ساتھ نہ ہوتیں تو شاید وہ اس کے رویے کی وجہ جاننے کی کوشش ضرور کرتی۔
''کسی دن تم لوگ بھی ہمارے گھر آؤ نا۔'' روشی کی کسی بات پر شائستہ نے مسکرا کر کہا تو روشی نے انا کو دیکھا۔
''کیوں نہیں، آج کل انا کا دل کر رہا ہے آپ لوگوں کے ہاں آنے کا۔ دیکھیے بڑوں سے کب اجازت ملتی ہے۔'' روشی نے سنجیدگی سے کہا تو انا اپنی انگلیوں کے ناخن دیکھنے لگی۔ روشی کی بات کا پس منظر وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔
''اگر ایسی بات ہے تو ہم بڑوں سے اجازت لے لیتے ہیں۔ مجھے یقین ہے تم دونوں کو ہمارے ہاں آ کر بہت خوشی ہو گی۔'' شائستہ نے سادگی سے کہا۔
''میں تو کہیں آتے جاتے کم ہی خوش ہوتی ہوں لیکن مجھے یقین ہے انا آپ کے ہاں جا کر بہت خوش ہو گی۔''
''تو پھر کب آ رہی ہو تم انا ہمارے ہاں؟'' شائستہ نے مسکرا کر کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔
''انا تو جانے کو تیار ہے بس ہماری طرف سے ہی لیٹ ہو رہا ہے۔'' روشی نے ہنس کر کہا۔
انا محض مسکرائی تھی ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ ایک دم پھٹ پڑے اور شہوار سمیت سب کو کمرے سے نکال باہر نکال دے۔ وہ کچھ دیر اور اس کے پاس بیٹھی تھیں اور پھر جانے کو اٹھ گئی تھیں۔
''تم بھی آ کر باقی لوگوں سے مل لو۔'' روشی نے کہا تو شہوار نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ روشی یہ سب کیوں کر رہی ہے۔
''جس سے ملنا ہو گا تمہیں بتائے بغیر بھی مل سکتی ہوں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' انداز دھیما لیکن لہجہ تلخ تھا اب کے روشی نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔ شہوار نے حیران ہو کر دونوں کو دیکھا تھا۔
''کیا ہوا بھئی؟''
''کچھ نہیں تم سے میں نے جن لیکچرز کا کہا تھا وہ ضرور تیار کر دینا۔ میں پھر فوٹو کاپی کرا لوں گی۔'' انا نے کہا تو دونوں اپنے کالج کی باتیں کرنے لگ گئی تھیں۔
کچھ دیر بعد وہ تینوں انا کے کمرے سے نکل آئی تھیں۔ انا ان کے ساتھ باہر نہیں آئی تھی۔ وہ تینوں ڈرائنگ روم میں پہنچیں تو حماد کے چہرے پر

ایک دم مایوسی کی کیفیت چھائی تھی۔

وہ بطور خاص انا سے ملنے آیا تھا لیکن اب انا کہیں بھی نہ تھی۔ وہ صاف محسوس کر رہا تھا کہ یہاں سب لوگ اس سے سرد مہری سے پیش آ رہے تھے۔ وقار صاحب تو کچھ دیر ہی ان کے پاس بیٹھ کر اٹھ گئے تھے۔

ضیا صاحب اپنے کمرے میں ہی تھے وہ تینوں ان کے کمرے میں جا کر عیادت کر آئے تھے احسن اور ولید ہی موجود تھے احسن زیادہ تر خاموش تھا اور ولید کی توجہ بھی مصطفیٰ کی طرف تھی کبھی کبھار وہ زاہد کی بات میں بھی شامل ہو جاتا تھا جبکہ اس نے حماد کو سرے سے ہی نظر انداز کر دیا تھا۔ حماد کو بڑا انسلٹنگ رویہ لگا تھا۔ جاتے وقت اس نے جب احسن اور ولید سے ہاتھ ملایا تو سرد مہری صاف دکھائی دی تھی۔ حماد کو شدید ہتک کا احساس ہوا تھا۔ وہ لب بھینچ کر مصطفیٰ اور زاہد سے بھی پہلے وہاں سے نکل گیا تھا۔

احسن نے انتہائی ناگواری سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ ان لوگوں کے جانے کے فوراً بعد صبوحی بیگم انا کے کمرے میں آئی تھیں۔ انا خاموشی سے بستر کے کنارے پر دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ صبوحی کو دیکھ کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''یہ حماد یہاں کیا لینے آیا تھا؟'' اتنے دنوں بعد وہ اس سے مخاطب تھیں۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''آپ اس سے پوچھ لیتیں؟''

''سر جھکا کر کہا تھا صبوحی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''یہ سب کیا ہے انا؟ کیوں کر رہی ہو تم ایسا، اپنے ماموں کی حالت دیکھی ہے، کیا تمہیں ہم پر ذرا بھی ترس نہیں آتا؟'' انہوں نے بے چارگی و تلخی سے کہا۔

''میں نے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، رہ گئے ماموں اور ان کی طبیعت اب ان کے متعلق میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''دیکھو انا ہم بہن بھائی کا برسوں کا ساتھ ہے اب اگر تم انکار کرو گی تو رشتوں میں دراڑ آ جائے گی بھائی صاحب کی طبیعت کا دیکھو تمہارا ذرا سا انکار سن کر وہ بستر سے جا لگے ہیں اور اگر خدانخواستہ انہیں کچھ ہو گیا تو؟'' انا نے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔

''تمہارے بابا تم سے اس قدر ناراض ہیں کہ وہ تم سے بات تک نہیں کرنا چاہتے اور احسن اسے میں نے سمجھا بجھا کر بٹھا رکھا ہے ورنہ وہ فوراً حماد سے بات کرنا چاہتا ہے۔ دیکھو ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تم سب بھول جاؤ ہم بھی دوبارہ نہیں دہرائیں گے۔ تم بس حماد کو منع کر دو اور یہ بھی کہ وہ ہمارے ہاں دوبارہ مت آئے۔''

''اپنی مرضی سے شادی کرنا تو ہر انسان کا حق ہے میں اگر ولید کی جگہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں تو اس میں غلط کیا ہے۔'' وہ ابھی تک اسی مقام پر تھی۔ صبوحی نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا۔

''وہ کسی بھی لحاظ سے ولید کے مقابل نہیں تم سمجھ کیوں نہیں رہی۔''

''ٹھیک ہے میں مان لیتی ہوں وہ ولید کے مقابل نہیں لیکن یہ طے ہے کہ میں شادی پھر بھی آپ کے بھتیجے سے نہیں کروں گی ہاں ولید کے علاوہ کسی کا بھی نام لیں گی میں تیار ہوں۔'' انداز سنجیدہ اور فیصلہ کن تھا صبوحی حیرت سے گنگ رہ گئی تھیں یعنی یہاں مسئلہ حماد کا نہیں ولید کی ذات سے تھا۔ وہ الجھ گئی تھیں۔

نجانے کیوں ایک پل کے لیے انہیں محسوس ہوا کہ انا کو مسئلہ ولید سے ہے نہ کہ حماد سے شادی کرنے میں دلچسپی۔

''کیوں، کیا کمی ہے ولید میں؟''

''ان میں ہر چیز کی کچھ زیادہ ہی فراوانی ہے کمی تو مجھ میں ہے۔ بہرحال مجھے ان کی ذات یا کسی کمی بیشی سے کوئی لینا دینا نہیں اصل بات تو یہ ہے کہ میں حماد سے شادی کرنا چاہتی ہوں آگے آپ کو جو مناسب لگے۔''

''لیکن انا؟'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن انا نے بات کاٹ دی۔

''پلیز ماما، آپ کو لگتا ہے میں غلط ہوں یا میں غلط کر سکتی ہوں۔'' صبوحی خاموش ہو گئی تھیں۔

''آپ نے مجھے ہر طرح کی آزادی دی میں نے ہمیں آپ کی عزت اور اپنے وقار کا خیال رکھا پھر میں کچھ غلط کیسے کر سکتی ہوں میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں نے حماد کے حق میں رائے دی ہے اور ولید سے انکار کیا ہے اگر آپ کو میرا یہ قصور نہایت ناقابل معافی لگتا ہے تو پھر مجھے سزا دیں اس طرح میرا بائیکاٹ کیوں کر رہے ہیں سب، زبردستی تو رشتے جوڑے جا سکتے ہیں مگر دل نہیں اور یہی سمجھ لیں میرا دل ولید کے ساتھ کبھی بھی نہیں جڑ سکتا۔'' اس کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔ صبوحی نے بہت بے بسی سے اسے دیکھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے انا کے سامنے وہ بالکل بے بس

ہو چکی ہیں انہوں نے نہایت تکلیف سے اسے دیکھا جو اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔



حیات علی گاؤں واپس آ چکے تھے لیکن انہیں لگتا تھا کہ ان کا دل وہیں ٹوٹی پھوٹی دیواروں والے گھر میں ہی اٹک گیا ہے۔ وہ بہت پریشان تھے وہ تین بیٹیوں اور دو بیٹوں کے باپ تھے بھلے اپنی عمر کے لڑکوں کے مقابل بہت جلد پانچ بچوں کے باپ بن چکے تھے لیکن دل ابھی بھی کم عمری کی لپیٹ میں تھا وہ کوئی دل پھینک یا عاشق مزاج انسان نہ تھے۔ جس عمر میں لڑکے مختلف کھیل تماشے اور ہنگامے کرتے ہیں انہوں نے اپنی وہ عمر بھی انتہائی سنجیدگی سے اپنی تعلیم مکمل کرنے میں گزار دی تھی۔

والدین کی اکلوتی اولاد ہر طرف سے پیسے کی فراوانی لیکن سراج صاحب نے ان پر ایسی کڑی نگاہ رکھی تھی کہ کبھی بھٹکنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔ وہ کئی دن تک اس پسماندہ سے گھر میں موجود اس دلکش سی لڑکی زبین کو بھلانے کی کوشش کرتے رہے تھے لیکن نجانے کیا بات تھی وہ لڑکی ان کے دل و دماغ میں بس کر رہ گئی تھی۔

انہوں نے سوچا وہ اب کبھی بھی شہر نہیں جائیں گے۔ کچھ دن گزرے اور وہ سنبھل گئے ان کی بیوی، خوب صورت دل موہ لینے والی بچے دولت کی فراوانی کسی چیز کی کمی نہ تھی بلکہ اب تو سراج دین صاحب کے بہت سے کام خود بخود حیات علی کے ذمے آ گئے تھے۔ ان کا ذمہ دارانہ انداز دیکھتے سراج دین صاحب اب ان پر خصوصی طور پر اعتماد کرتے تھے۔

اس دن کوئی تین ماہ بعد کسی کام سے انہیں پھر سے شہر جانا پڑ گیا تھا چار پانچ دن کا قیام تھا شہر میں ان کا ذاتی گھر تھا ان کا کام دو دن میں مکمل ہو چکا تھا۔ وہ واپسی کی تیاری کر رہے تھے جب ان کے دل میں صفدر سے ملنے اور اس کے گھر جانے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ انہوں نے ملازم کو گاڑی تیار کرنے کو کہا۔

وہ صفدر کے گھر چلے آئے تھے۔ کافی سارے پھل اور دیگر لوازمات ساتھ میں تھے۔ گاڑی گھر کے سامنے رکی تو ملازم نے دروازہ کھول دیا تھا۔ حیات علی دروازے کی طرف بڑھے تھے لیکن کھلے دروازے سے چھوٹے سے گھر کے اندر ہونے والی اونچی اونچی آوازوں کی بازگشت باہر تک سنائی دے رہی تھی۔

''میرا دماغ مت کھا صفدر، اس نشے اور جوئے کی لت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مال دولت رشتے دار ہر چیز ساتھ چھوڑ چکی ہے پھر بھی تجھے عقل نہیں آئی۔'' آواز ایسی تھی کہ چوہدری حیات علی وہیں رک گئے تھے۔

ملازم فروٹس کے شاپر سارا سامان لیے پیچھے کھڑا تھا یہ بخشوان کا خاص ملازم تھا ہر وقت حیات علی کے ساتھ رہتا تھا۔

''میرے ساتھ زیادہ بک بک نہ کیا کر جو کہا ہے وہ کر ورنہ جان سے ماردوں گا میں۔'' دوسری طرف صفدر اونچی آواز میں چلایا اور شاید اس نے کسی پر ہاتھ بھی اٹھایا تھا۔

''مہر النساء کے ساتھ جو تو نے کیا میں ابھی تک دل پر ہاتھ رکھ کر صبر کر رہی ہوں اب زبین کو تباہ نہیں ہونے دوں گی۔ بھلے تو جان سے ہی مار ڈالے کوئی پروا نہیں۔'' روتی آواز میں کہا گیا تھا۔

''میں شام کو گھر آؤں گا وہ لوگ میرے ساتھ ہوں گے تو زبین کو تیار کر دینا خبردار اب زیادہ بک بک کی تو۔'' صفدر کہتا ہوا باہر کے دروازے کی طرف بڑھا لیکن کھلے دروازے میں کھڑے دو نفوس کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

''ارے چوہدری صاحب آپ؟'' وہ پہچانا تو اس کی باچھیں کھل گئی۔

''آئیں نا باہر کیوں کھڑے ہیں آپ اندر آئیں چوہدری صاحب آؤ نا۔'' وہ ایک دم بچھ بچھ جا رہا تھا۔

پہلی ملاقات میں چوہدری صاحب اسے جو رقم دے چکے تھے وہ ایسی معقول تھی کہ وہ ان کے سامنے قدموں میں بھی بچھ جاتا تو کم تھا۔ چوہدری حیات علی اندر گئے تھے وہی پرانے والے مخصوص کمرے میں صفدر نے انہیں لا بٹھایا تھا۔

ملازم بھی اندر آ کر پھل اور دیگر ساز و سامان رکھ گیا تھا۔ ملازم واپس چلا گیا تو حیات علی نے صفدر کو بغور دیکھا۔

''تم ٹھیک ہو؟''

''آپ کی دعائیں ہیں چوہدری صاحب۔'' ساتھ والے کمرے سے عورتوں کے بولنے اور رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ صفدر شرمندہ ہو رہا تھا۔

''آپ بیٹھیں چوہدری صاحب میں آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر ساتھ والے کمرے میں چلا گیا تھا۔

''چوہدری حیات علی آئے ہیں آہستہ بول۔'' دوسرے کمرے سے صفدر کی دھیمی آواز حیات علی کے کانوں میں پڑی تھی۔
''کیوں بولوں آہستہ روز تو کسی نہ کسی کو اٹھا کر لے آتا ہے برباد کر کے رکھ دیا ہے تو نے ہمیں اپنے نشے اور جوئے کے علاوہ تجھے کسی اور کی خبر ہی نہیں۔'' عورت کی آواز خاصی بلند تھی۔
''چپ کر جا ورنہ الٹے ہاتھ کا دوں گا تیرے منہ پر۔'' صفدر کی غراہٹ واضح تھی۔
''چل زبین اٹھ جا کر چوہدری صاحب کے لیے چائے بنا۔'' زبین کے نام پر چوہدری حیات علی کی ساری حسیات ایک دم جاگ اٹھی تھیں۔
اتنے ماہ گزر جانے کے باوجود وہ اس لڑکی کا صاف شفاف کم سن حسن نہیں بھول پائے تھے۔
دوشیزگی اور خوب صورتی کی تمام تر رعنائیوں سے سجا وہ پیکر ایسا تھا کہ جس نے مہینوں ان کے ذہن کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا۔ صفدر واپسی کمرے میں آ گیا تھا۔ چوہدری حیات علی ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے وہ عاجزی کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔
''آپ نے ہمارے گھر میں قدم رکھ کر ہماری قسمت جگا دی ہے یہ سب لانے کی کیا ضرورت تھی چوہدری صاحب میں تو سمجھا تھا کہ آپ مجھ غریب کو بھول بھال گئے ہوں گے۔'' خوشامدی لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔ حیات علی ہلکا سا مسکرایا تھا۔
''تم سناؤ تمہاری چوٹیں کیسی ہیں؟'' حیات علی کے لہجے میں تمکنت اور خاندانی وقار کی جھلک تھی۔
صفدر خود بخود ہی متاثر ہو رہا تھا۔
''آپ کی دعائیں ہیں صاحب۔''
''تم نشہ کرتے ہو؟'' ویسے تو انہیں پہلی ملاقات میں ہی علم ہو چکا تھا لیکن آج صفدر کا اپنی بیوی اور بیٹی سے رویہ دیکھ کر انہوں نے پوچھ لیا تھا۔
''بس صاحب۔'' وہ سر جھکا کر شرمندہ ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔
''اپنی صحت دیکھو، گھر کے حالات دیکھو، کیوں کرتے ہو تم نشہ؟''
''بس صاحب پرانی عادت ہے بڑی کوشش کی لیکن چھوٹتی ہی نہیں۔''
''بڑے افسوس کی بات ہے، کیا کام کرتے ہو؟'' چوہدری حیات علی نے اگلا سوال کیا۔
''بس صاحب کوئی بھی محنت مزدوری والا کام مل جائے تو کر لیتا ہوں۔ کبھی دیہاڑی لگ جاتی ہے اور کبھی ہفتوں فاقوں میں گزر جاتے ہیں۔''
''ابھی تمہاری اور تمہاری بیوی کی باتیں سن رہا تھا جوا بھی کھیلتے ہو تم؟'' حیات علی نے پوچھا تو وہ شرمندگی کا مظاہرہ کرتے سر جھکا گیا تھا۔
''کتنے بچے ہیں تمہارے؟'' اگلا سوال کیا۔
''دو بیٹیاں ہیں جی بس ایک بیٹی کی شادی کر دی ہے دوسری کا رشتہ دیکھا ہے۔'' زبین کے ذکر پر حیات علی کے حواس فوراً بیدار ہوئے تھے۔
''پڑھی لکھی ہے تمہاری بیٹی کیا؟''
''جی صاحب شروع میں ہمارے حالات بہت اچھے تھے لیکن پھر غربت اور بدبختی نے گھر کا رستہ دیکھ لیا۔''
''وہ تو دیکھنا ہی تھا جب نشے اور جوئے جیسی لت لگ جائے تو پھر بچتا ہی کیا ہے؟'' تبھی ساتھ والے کمرے سے صفدر کی بیوی باہر نکلی تھی۔
ستا ہوا چہرہ، بکھرے بال، روتی آنکھیں، وہ چوہدری حیات کو دیکھ کر رک گئی تھی۔
''السلام علیکم!'' چوہدری حیات علی نے کھڑے ہو کر سلام کیا تو اس نے محض سر ہلایا تھا۔
''دیکھ زبین نے چائے بنا لی ہے، تو لے آ۔'' صفدر نے کہا تو وہ چہرے پر سنجیدگی لیے چلی گئی تھی۔
چوہدری حیات علی نے اسے پرسوچ نظروں سے جاتے دیکھا تھا۔
''تمہارا اپنی بیوی سے کس بات پر جھگڑا ہوا ہے؟''
''بس ویسے ہی دماغ خراب ہے اس عورت کا ہر بات پر ''چیں، چیں'' کرتی ہے مجال ہے جو کبھی کوئی بات سن لے آرام سے۔'' لہجے میں تلخی تھی۔
چوہدری حیات نے خاموشی سے دیکھا تبھی ٹرے میں چائے کے کپ رکھے صفدر کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ایک چھوٹی سی ٹوٹی پھوٹی تپائی کے اوپر ٹرے رکھ دی تھی۔
''چوہدری صاحب آپ کسی اچھے گھرانے کے لگتے ہیں آپ اس کو سمجھائیں، اس طرح اولاد کو تباہ مت کرے۔'' ٹرے رکھ کر صفدر کی بیوی نے روتے ہوئے کہا تو حیات علی نے چونک کر اسے دیکھا جبکہ صفدر کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

''زیادہ بک بک نہ کر دفع ہو جا یہاں سے۔'' وہ فوراً اپنی بیوی کو جھڑک کر بولا۔

''تم کیسے بات کر رہے ہو، بیوی ہے تمہاری۔'' حیات علی کو ناگوار گزرا تو اسے ٹوک دیا۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے اپنی بیوی کو دیکھا۔

''میں ان کے بھلے کے لیے ہی یہ سب کر رہا ہوں۔'' خالی ہاتھ ہوں میں، کون بیاہنے آئے گا اس کی بیٹی کو۔'' تلخی سے کہہ کر اس نے بیوی کو گھورا۔

''اس کے نشے اور جوئے کی لت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اچھا بھلا خاندان اور گھر تھا اس کی حرکتوں کی وجہ سے خاندان نے ہمیں چھوڑ دیا۔ جوئے میں گھر ہار دیا۔ یہ ٹوٹے پھوٹے کرائے کے مکان میں لا بٹھایا بڑی بیٹی کو ایک بوڑھے سیٹھ سے بیاہ دیا۔ جس کا قرض دینا تھا اس نے اور اب میری چھوٹی بیٹی اس کے لیے یہ رشتہ لایا ہے ایک جواری زمانے بھر کے آوارہ اور بدمعاش کا۔ کہتا ہے جوئے میں رقم ہارا ہے اب رقم نہیں دے گا تو وہ اسے مار دے گا۔ جواباً یہ اس سے میری بیٹی کی شادی کرے گا۔ میری معصوم اور بھولی بھالی سی بیٹی وہ تو جیتے جی مر جائے گی سال کے گیارہ ماہ وہ شخص جیل میں گزارتا ہے لیکن یہ نہیں مانتا۔'' صفدر کی بیوی روتے ہوئے سب کچھ بتاتے اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔

چوہدری حیات کے سامنے ایک دم روشنیاں بکھیرتا وجود آ ٹھہرا تھا۔ انہوں نے تاسف سے صفدر کو دیکھا۔ وہ نظریں چرانے لگا تھا۔

''چوہدری صاحب اگر اسے ایک دو دن میں رقم نہ دی تو وہ مجھے مار دے گا۔''

''اور تم اپنی جان بچانے کے لیے اپنی بیٹی کو مار ڈالو گے؟'' چوہدری حیات علی نے تاسف سے پوچھا۔

''وہ شادی کر کے اپنے گھر میں رکھے گا۔ وعدہ کیا ہے اس نے مجھ سے کہ شہزادیوں کی طرح وہ میری بیٹی کو رکھے گا۔'' اس نے کہا۔

''جس کو شہزادیوں کی طرح یہ جواری نہیں رکھ سکا وہ بدمعاش کیسے رکھے گا۔'' صفدر کی بیوی نے روتے ہوئے کہا۔

''کتنی رقم دینی ہے تمہیں؟'' صفدر سے پوچھا تو اس کی آنکھوں کی چمک ایک دم بڑھی تھی۔

''صاحب پچاس ہزار۔'' سر جھکا کر ندامت سے کہا۔

''پچاس ہزار۔'' ایک بہت بڑی رقم تھی۔

''صاحب میں اپنی ساری زندگی بھی لگا دوں اپنا آپ بھی بیچ دوں تو بھی اتنی بڑی رقم نہیں بنا سکتا۔''

''تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ تم بیٹی کو بیچ دو گے۔''

''بیچ کب رہا ہوں شادی کروں گا۔'' وہ فوراً کہنے لگا۔ چائے پڑے پڑے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

''اتنی بڑی رقم کیسے بن گئی کیا جوا لگایا تھا تم نے؟'' اس نے سر جھکا کر سر ہلایا تھا۔

''کچھ قرضہ لیا تھا اور کچھ جوئے کی رقم ہے۔''

''تمہاری غیرت گوارا کرے گی کہ تمہاری بیٹی جوئے میں دے دی جائے۔''

''اس میں غیرت ہوتی تو پہلی بیٹی ہی کیوں بیچتا۔ میری شہزادیوں جیسی بیٹی نوکروں کی سی زندگی گزارتی ہے وہ بوڑھا سیٹھ اسے عورتوں کی کمی تھوڑی ہے بس دل بہلانے کو میری بیٹی پر ظلم توڑتا ہے اور اب دوسری کو بھی اس جہنم میں دھکیل رہا ہے۔'' صفدر کی بیوی رو رو کر کہہ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے اس وقت میرے پاس اتنی رقم نہیں گاؤں واپس جا رہا ہوں ایک دو دن میں چکر لگاؤں گا تب تک تم انتظار کرنا تم اس شخص کو سمجھا بجھا لینا میں رقم دے دوں گا۔'' صفدر کی بیوی کی گریہ وزاری پر حیات علی کا دل فوراً نرم پڑ گیا تھا۔

''اللہ آپ کا بھلا کرے گا صاحب ہم پر یہ ایک بہت بڑی نیکی ہوگی۔ میں بہت دعائیں دوں گی آپ کو۔'' صفدر کی بیوی ایک دم ہاتھ جوڑ کر رو دی تھی۔

❁.........❁.........❁

ولید آفس میں تھا جب وہ اس کے آفس میں آئی تھی۔

''کیسے ہو ولید؟'' کافی دن بعد سامنا ہوا تھا سو انداز بھی بدلا ہوا تھا۔ ولید نے محض سر ہلایا تھا۔

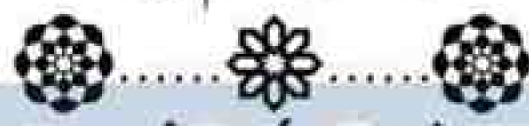
''بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟'' وہ سامنے کھڑی تھی۔

اگر پچھلے دنوں میں ان دونوں کے درمیان بہت ساری تلخ کلامیاں نہ ہو چکی ہوتیں تو شاید وہ اس کی آمد پر کسی ری ایکشن کا مظاہرہ ضرور کرتا۔

''بیٹھو۔'' وہ سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''کیسے ہو؟'' اس نے محبت سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو ولید کے اندر شدید اشتعال کی لہر اٹھی تھی۔

"جو کہنا ہے وہ کہو؟" انداز دوٹوک اور سرد مہر تھا۔ وہ مسکرائی۔
"محبت کرنے والوں کی اس طرح توہین نہیں کرتے ولید ضیاء احمد ورنہ محبت بہت خوار کرتی ہے مجھے دھتکارو گے تو کیا خود خوش رہو گے۔"
"اگر تم نے یہی بکواس کرنی ہے تو گیٹ لاسٹ۔" وہ سخت اپ سیٹ تھا۔ اب اسے سامنے دیکھ کر غصہ ایک دم بڑھا تھا۔
اس لڑکی کی وجہ سے انا اس حد تک جا رہی تھی ورنہ شاید حالات کچھ مختلف ہوتے۔ انا اتنی بے حس اور بے وقوف تو نہ تھی جو اس لڑکی کو لے کر اپنا آپ تباہ کر لیتی۔ لیکن اب یہ سب ہو رہا تھا۔
"محبت کا جواب نفرت سے نہیں دیتے ولید ضیاء، تمہارے در پر سوالی بن کر آئی ہوں ایک بار پھر۔"
"تم ساری عمر بھکاریوں کی طرح بھی بیٹھی رہو گی تو بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں نے محض تم سے دوستی کی تھی اور انا وقار سے میری بات طے ہے اور میں بار بار فیصلہ بدلنے والا انسان نہیں ہوں۔" لہجے میں مضبوطی اور سختی تھی۔ کاشفہ ایک دم ہنسی۔
"انا وقار۔" ولید نے تلخی سے دیکھ کر لب بھینچ لیے۔
"جانتی ہوں انا وقار کی حیثیت بھی اور اس کی عقل مندی بھی۔ قبول تو تم مجھے ہی کرو گے ولید ضیاء بھلے جتنا بھی انکار کر لو، بس یہ انا کسی کنارے لگ جائے ذرا۔" ہنس کر کہتی کر وہ کھڑی ہو گئی تھی۔ ولید ضیاء نے بہت تلخی سے دیکھا تھا۔
"چلتی ہوں پھر آؤں گی تمہیں انا وقار کی شادی کی مبارک باد دینے۔" مسکرا کر کہہ کر وہ چلی گئی اور ولید ششدر سا رہ گیا تھا۔
یہ بات ابھی صرف ان کے گھر کے افراد کے درمیان تھی پھر بھلا کاشفہ جیسی لڑکی کو کیسے معلوم ہو گئی تھی۔ وہ حیرت زدہ تھا۔
"تو کیا کاشفہ اور انا کا آپس میں کوئی رابطہ ہے؟" ولید کے ذہن میں یہ سوال ایک دم اٹھا اور پھر وہ اس سوال کے ہر پہلو کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ وہ جیسے جیسے سوچتا جا رہا تھا توں توں الجھتا جا رہا تھا۔
ایک دم ہاتھ میں تھامے قلم کو ٹیبل پر پھینک کر اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔



شہوار کچن میں کھڑی اپنے لیے چائے بنا رہی تھی دریہ اندر داخل ہوئی تو شہوار نے پلٹ کر دیکھا اور پھر توجہ دیے بغیر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی۔
"ایک کپ مجھے بھی چائے دے دینا۔" اس نے نخوت سے آرڈر دیا تو شہوار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔
"تم تو کافی پینے والی لڑکی ہو، چائے کا کیا کرو گی۔"
"میں کافی پیئوں یا چائے جو کہا ہے وہ کرو۔" انداز میں کافی غرور اور تکبر تھا۔
"میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں جو تم مجھ سے اس لہجے میں بات کرو، باہر ملازم بہت ہیں کسی سے بھی بنوا کر پی سکتی ہو۔" شہوار دریہ کے اس انداز پر ایک دم سلگ اٹھی تھی۔
"ملازمہ کی بیٹی سے مالک اگر شادی کر لے تو بھی اس کی حیثیت اور اوقات نہیں بدل جاتی۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا بھی لو اس کا نام ٹاٹ ہی رہے گا مخمل نہیں بن جائے گا۔" الفاظ ایسے تھے کہ شہوار کو لگا اس کے اندر گویا کسی نے آتش فشاں بھر دیا ہو۔
"شٹ اپ، میں جو بھی ہوں کم از کم تمہاری طرح کردار کی ہلکی نہیں ہوں شرم آنی چاہیے تمہیں، میں ماں جی سے بات کروں گی۔"
"ہاہاہاہا۔" دریہ بے اختیار ہنسی تھی۔
"بصد شوق۔"
"ان جیسے سیدھے سادھے لوگوں کو ورغلا کر مطلب نکلوا لینے والی تمہاری ماں حویلی سے کب کی بھاگ چکی ہے بے چارے یہ لوگ پردہ ڈالتے پھر رہے ہیں بڑا شوق ہے، تمہیں خاندانی بننے کا پہلے اپنے خاندان کا پتا تو لگا لو پھر کسی اور پر چلانے کی جرأت بھی کر لینا۔" دریہ کے الفاظ پر شہوار ششدر رہ گئی تھی۔
تابندہ بی حویلی چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور یہ بات سب نے پوشیدہ رکھی تھی لیکن دریہ شہوار پر طنز کر رہی تھی صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ بات اب اتنی بھی چھپی ہوئی نہیں رہی تھی۔ شہوار چائے کا چولہا بند کر کے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔
"سنو۔" شہوار رک گئی تھی۔
"تمہاری ماں نجانے کہاں سے بھاگ کر یہاں آئی تھی اور حویلی میں آ کر اپنا مطلب پورا کرنے والی اب نجانے کہاں بھاگ گئی ہے تمہارا بھی

جب بھاگنے کا ارادہ ہو مجھے ضرور بتانا میں تمہارا ساتھ ضرور دوں گی۔'' الفاظ ایسے تھے گویا بھالے سیدھے دل میں پیوست ہو گئے تھے۔

شہوار جو اس معاملے میں پہلے ہی احساس کمتری میں مبتلا تھی ایک دم کچن سے بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ اذیت سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

اس کی طبیعت کچھ گری گری سی ہو رہی تھی وہ کالج بھی نہیں جا سکی تھی۔ اس نے کافی سارا وقت بابا صاحب کے پاس گزارا تھا اور موڈ چائے بنا کر پینے کا تھا لیکن دریہ کی آمد نے اس قدر ہرٹ کیا تھا کہ اس کا وجود اذیت کی بھٹی میں جلنے لگا تھا وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گئی تھی۔ تابندہ بوا کی یاد آئی تو آنکھوں میں ایک دم جھڑی سی لگ گئی تھی۔

وہ سب کچھ بھلا کر خوش رہنا سیکھ چکی تھی۔ وہ مصطفیٰ کے ساتھ زندگی گزارنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی کہ اپنا احساس کمتری سامنے نہ آنے دے۔

یہ اس کی زندگی کا سب سے تاریک پہلو تھا وہ بھلا کیسے اس سے بچ سکتی تھی۔ وہ بستر پر لیٹ کر تکیہ میں منہ چھپا کر سسکنے لگی تھی۔ آج ایک دم تابندہ بوا بڑی شدت سے یاد آئی تھیں۔ نجانے وہ کہاں تھیں اور کن حالات میں تھیں۔ اس کا دل کسی ننھے بچے کی طرح ہمک ہمک کر ان کے پاس جانے کو مچلنے لگا تھا۔

❁.......❀.......❁

وہ عصر کے وقت اٹھی تو طبیعت میں عجیب سی کسلمندی تھی۔ وہ واش روم میں گھسی تو اپنا سر چکراتا سا محسوس ہوا اسے منہ بھر کر قے آئی تھی۔ اس کی طبیعت مزید گری گری سی رہنے لگی تھی وہ منہ ہاتھ دھو کر واش روم سے نکلی تو بھابی کو روم میں دیکھ کر ٹھٹکی۔

''کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ اس کے نڈھال سے انداز کو دیکھ کر چونکیں۔

لائبہ فوراً قریب آئی تھیں۔ انہوں نے بازو پکڑ کر پوچھا۔ شہوار نے مسکرا کر سر ہلانے کی کوشش کی۔ بھابی نے بغور دیکھا۔

''سچ سچ بتاؤ آج کالج بھی نہیں گئی کیا بات ہے؟'' وہ ٹاول سے منہ صاف کر کے بستر کے کنارے آ ٹکی۔

''کہیں کوئی خوش خبری تو نہیں؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ جھینپ سی گئی۔

''میں سوچ رہی ہوں چیک اپ کرا لوں۔'' کچھ جھجکتے اس نے کہا تو بھابی کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔

''ارے......'' وہ ہنس دی تھیں فوراً اس کے پاس بیٹھی تھیں۔

''مصطفیٰ اور ماں جی کو علم ہے؟'' ایک دم پرجوش ہوتے پوچھا تو اس نے جھینپ کر نفی میں سر ہلایا۔

''کب سے طبیعت ایسی؟'' خالص عورتوں والا سوال تھا۔

''چند دن سے ہے میں نے توجہ ہی نہ دی کہ شاید تھکن وغیرہ کا اثر ہے۔''

''لو جی مستقبل کی ڈاکٹر کا اپنے بارے میں یہ حال ہے۔'' بھابی نے مذاق اڑایا وہ مسکرا دی۔

''ابھی ڈاکٹر بن رہی ہوں بنی تو نہیں۔'' بھابی کھلکھلا کر ہنسی تھیں۔

''آپ کی اسپیشلسٹ کے پاس چلتے ہیں پہلے شیور کر لوں۔'' اس نے کہا تو لائبہ نے سر ہلایا تھا۔

''ماں جی کو بتاتی ہوں ذرا، وہ تو سن کر ہی خوش ہو جائیں گی۔'' وہ ہنس دیں۔

''ابھی رہنے دیں پہلے مجھے شیور کر لینے دیں پھر بتا دیجیے گا۔''

''او کے تم چینج کر لو میں ماں جی سے اپنے چیک اپ کا کہہ کر اجازت لے کر آتی ہوں پھر چلتے ہیں۔'' وہ کہہ کر چلی گئی تھی۔

شہوار سونے سے پہلے از حد رنجیدہ اور دکھی ہو رہی تھی مگر اس وقت ایک نئے احساس سے اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ لب خود بخود ہی مسکرا اٹھے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

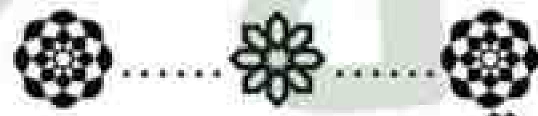
❁

ٹوٹا ہوا تارا...... سمیرا شریف طور

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

انا کا انکار ضیاء صاحب کا کمزور دل برداشت نہیں کر پاتا چند دن اسپتال میں گزار کر ان کی طبیعت میں بہتری آتی ہے تمام گھر والے اس صورت حال کا ذمہ دار انا کو ٹھہراتے ہیں دوسری طرف انا شدید شرمندگی کا شکار ان مصائب کو خود ہی برداشت کرتی رہتی ہے جبکہ کاشفہ کے دھمکی آمیز فون اسے مزید اضطراب میں مبتلا کیے رکھتے ہیں۔ روشی اس معاملے پر انا سے تفصیلی بات کرنے کا ارادہ کرتی ہے لیکن انا اپنی پسندیدگی حماد سے ظاہر کرتے ولید کے رشتے سے منکر ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف ولید اپنی ذات کی یہ توہین برداشت نہیں کر پاتا اور نہایت جارحانہ انداز میں اس کی کلائی دبوچ لیتا ہے انا کے دوبدو جواب دینے پر ولید کا ہاتھ انا پر اٹھتے اٹھتے رہ جاتا ہے نہایت غصے کے عالم میں اسے دھکا دے کر ولید کمرے سے چلا جاتا ہے جبکہ انا اس ذلت آمیز سلوک پر ولید سے مزید بدظن ہو جاتی ہے۔ بابا صاحب کی طبیعت سنبھلتی ہے تو سب انہیں گھر لے آتے ہیں جب ہی شہوار کی زبانی مصطفیٰ کو ضیاء صاحب کے ہارٹ اٹیک کے متعلق پتا چلتا ہے۔ وہ عیادت کی غرض سے وہاں جانا چاہتے ہیں حماد بھی اپنی بھابی کے ہمراہ وہاں جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ دوسری طرف وقار ان لوگوں کے ہمراہ حماد کو دیکھ کر خود پر ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں ایسا ہی رویہ ولید کا بھی ہوتا ہے جبکہ انا ان لوگوں سے ملنے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔ اس وقت وہ شہوار سے بھی نہیں ملنا چاہتی۔ رابعہ اپنے بھائی سہیل کے ہمراہ آفس پہنچ کر اپنے واجبات کلیئر کراتی ہے اور ساتھ ہی اپنی شادی کا ذکر کرتے عباس صاحب کی تمام فیملی کو مدعو کرتی ہے۔ حیات علی شہر کے تمام امور نمٹا کر گاؤں چلے جاتے ہیں لیکن ان کا دل وہیں اس چھوٹے سے گھر میں الجھا رہتا ہے جب ہی ایک مرتبہ پھر وہ اس گھر تک جا پہنچتے ہیں۔ صفدر اپنی بیٹی زبین کا رشتہ کسی جواری سے طے کر دیتا ہے اور صفدر کی بیوی ان تمام حالات کے متعلق حیات علی کو بتا کر مدد کی درخواست کرتی ہے صفدر کی نشے کی لت نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا وہ اپنی ایک بیٹی کو بھی اسی طرح بوڑھے جواری سے بیاہ چکا تھا۔ اب زبین کے متعلق بھی یہی طے کیے بیٹھا تھا ان حالات میں حیات علی اس شخص کے قرضے کی رقم لوٹانے کا وعدہ کرتے واپس گاؤں آ جاتے ہیں۔ دریہ رقابت کی آگ میں جلتی شہوار کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک کرتی ہے اور اس کی ماں کے حویلی سے بھاگ جانے کا ذکر کر کے اسے احساس کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے جبکہ دریہ کے منہ سے تابندہ کے متعلق یہ سچائی جان کر وہ شدید کرب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دریہ کی باتوں پر ٹینشن لیتے وہ عجیب کیفیت سے دوچار ہوتی ہے لیکن لائبہ بھابی اس کی حالت کو کسی خوش خبری سے تعبیر کرتی ہیں جس پر وہ خود بھی خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ کاشفہ ولید کے آفس پہنچ کر انا اور ولید کے تعلق پر طنز کرتی انا کی شادی کا ذکر کرتی ہے کاشفہ کے منہ سے یہ حقیقت جان کر ولید چونک جاتا ہے کہ ضرور انا اور کاشفہ کے درمیان کوئی رابطہ ہے ایسے میں وہ تمام معاملات کو نہایت محتاط انداز میں جانچنے کا عہد کرتا ہے۔

〈اب آگے پڑھیے〉



وہ لائبہ بھابی کے ساتھ ان کی اسپیشلسٹ کے پاس آئی تھی۔ چیک اپ کے بعد اس نے پازیٹو رپورٹ دی تو لائبہ بھابی اور شہوار کو بے حساب خوشی کا احساس ہوا۔

”شکر کرو اللہ بڑا مہربان ہے ورنہ ایک سال گزر جاتا تو نجانے دل میں کیا کیا وسوسے آنے لگتے میں تو بہت ڈری ہوئی تھی اس سلسلے میں عادلہ بھابی کے ہاں آفاق پیدا ہوا تو اور شدت سے اس کمی کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ تو اللہ کا کرم تھا کہ اس نے مہربانی کی ورنہ میں تو ہر وقت الجھی رہتی تھی۔“ گاڑی میں بیٹھ کر بھابی نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

واقعی اس پر اللہ مہربان تھا۔ مصطفیٰ جیسے شوہر کا ساتھ اتنی محبت کرنے والی سسرال اور اب اس طرح اللہ کا اسے اولاد کی نعمت سے نواز دینا۔ وہ واقعی دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تھی جسے اللہ اس کی بساط اور استطاعت سے بڑھ کر نواز رہا تھا۔ شہوار کا دل شکر کے احساس سے بھرنے لگا اور آنکھوں میں تشکر کی نمی اتر آئی۔

”مصطفیٰ کو کال کرو۔“ بھابی نے اس کے خوشی کے احساس سے چمکتے دمکتے چہرے کو پیار سے دیکھتے کہا تو وہ جھینپی۔

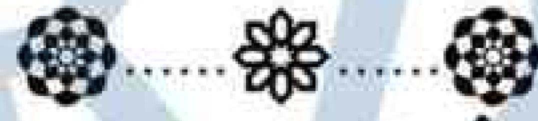
”نہیں، جب وہ گھر آئیں گے تو پھر بتاؤں گی۔“ چہرے پر ان گنت ستاروں کی چمک تھی۔

”اوکے.....اور باقی لوگوں کو بتاؤں گی یا ابھی ٹھہرو گی۔“
”نہیں پہلے مصطفیٰ جان لیں پھر آپ ماں جی کو بتا دیجیے گا۔“ بھابی مسکرا دی۔
”خوش رہو اور سدا سہاگن بھی......آمین۔“ انہوں نے دل سے دعا دی۔
”آمین۔“ وہ دل ہی دل میں کہتے گاڑی کی پشت سے سر ٹکا گئی۔
وہ دریہ کی وجہ سے شدید احساس کمتری کا شکار ہوئی تھی لیکن اس وقت اس کا دل ہر احساس سے عاری مسرت کے احساس سے لبریز تھا اور وہ ذہن سے باقی ہر سوچ جھٹک کر ان لمحوں کو شدت سے محسوس کر کے خوش ہونا چاہتی تھی۔



احسن اپنے تمام کاموں سے وقت نکال کر خصوصی طور پر آفس سے نکلا تھا۔ وہ حماد کے آفس پہنچا تو پتا چلا وہ آفس میں موجود نہیں۔ احسن کا کوفت سے برا حال ہوتا ہے۔ وہ کچھ وقت گزارنے کے بعد وہاں سے نکلنے ہی والا تھا تو حماد آفس چلا آیا تھا۔ اس کی پیون نے اسے احسن کی آمد کی اطلاع دی تو وہ فوراً اس کے پاس آتا ہے۔
”ایم سوری احسن آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ میں آفس کے کام کے سلسلے میں سائٹ پر نکلا ہوا تھا آیئے میرے آفس میں چلتے ہیں۔“ ہاتھ ملانے کے بعد وہ خوش اخلاقی سے بولا۔
احسن نے مارنے بندھے ہاتھ ملا کر سر ہلایا۔ حماد مصطفیٰ کا کزن نہ ہوتا تو وہ شاید اس سے بہت بری طرح پیش آتا۔ وہ دونوں احسن کے آفس میں آ گئے تھے۔
”کیا لیں گے آپ، چائے کولڈ ڈرنک یا کافی؟“
”کچھ بھی نہیں، میں یہاں کچھ کھانے پینے نہیں آیا مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“ بہت سنجیدگی سے احسن نے کہا تو حماد چونکا۔ بغور احسن کو دیکھا جس کے تیور از حد کشیدہ اور اعصاب میں واضح کھنچاؤ دکھائی دے رہا تھا۔
”اوکے، وائے ناٹ۔“ اس نے ریسیور رکھ دیا۔
”تم انا کو کب سے جانتے ہو؟“ بہت رکھائی سے احسن نے پوچھا۔
”کیا مطلب؟“ احسن کے انداز پر وہ بھی سنجیدہ ہوا۔
”مطلب تو تم بہت اچھی طرح سے سمجھ گئے، ہو جو پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ۔“ احسن کا انداز اب بدلحاظی لیے ہوئے تھا حماد کے تیور بھی بدلے تھے۔
”یہ بات تم اپنی بہن سے بھی پوچھ سکتے تھے۔“ حماد نے سنجیدگی سے کہا تو احسن کے تیور مزید تیزی بدلے تھے۔
”شٹ اپ۔“ وہ پھنکارا۔
”میں مصطفیٰ کی وجہ سے تمہیں رعایت دے رہا ہوں ورنہ جس طرح تم میری بہن کو ورغلا کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہو کوئی اور شخص ہوتا تو میں اسے جان سے مارنے میں ایک لمحہ نہ لگاتا۔“ اب کی بار احسن کے لب و لہجے میں کسی بھی قسم کی رعایت نہ تھی۔
”تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔“ حماد کا لب و لہجہ بھی ایک دم بدلا تھا۔
”یہ محض دھمکی نہیں ہے اگر تم اب انا کی طرف بڑھے تو میں اپنے کہے پر عمل بھی کر سکتا ہوں۔“ اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا تو حماد طنزیہ مسکرا دیا۔
”بہتر یہ تھا کہ تم مجھے دھمکیاں دینے کی بجائے اپنی بہن کو سمجھاتے بہر حال میں اسے پسند کرتا ہوں اور وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے میں اس سے افیئر نہیں چلا رہا۔ باقاعدہ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں انا کی طرف سے جواب کا منتظر تھا ورنہ اب تک میں اپنی فیملی کو رشتہ کے لیے بھیج چکا ہوتا۔“ انداز دوٹوک اور حتمی تھا۔
”بکواس بند کرو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ انا اور ولید ایک دوسرے کے ساتھ انگیج ہیں اس کے باوجود تم نے اسے ورغلانے کی کوشش کی۔“ بڑے غصیلے انداز میں کھڑے ہو کر اس نے کہا تو حماد نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں نے انا کو ورغلانے کی قطعی کوشش نہیں کی۔ مجھے علم تھا کہ انا اور ولید آپس میں منسوب ہیں میں نے کوئی پیش رفت نہیں کی تھی انا نے خود مجھے بتایا تھا کہ وہ ولید سے اپنی منگنی ختم کر چکی ہے جب ہی میں نے اسے پروپوز کیا اور اس نے میرا پرپوزل قبول کر لیا اینڈ ڈیٹس آل۔''
حماد کا انداز مطمئن اور پرسکون تھا۔ احسن نے چند پل اسے گھورا۔
''تم انا اور ولید کے درمیان سے ہٹ جاؤ اگر تم سمجھ رہے ہو کہ ہم انا کی ضد مان لیں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے بہتر ہے تم شرافت کے ساتھ ایک طرف ہو جاؤ ورنہ جو کچھ ہوگا اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ دھمکی دے کر جانے لگا حماد نے اسے جاتے دیکھا۔
''سنو احسن میں محض انا کی وجہ سے یہ سب کر رہا ہوں، میں ایک باحیثیت خاندان سے تعلق رکھتا ہوں میں فلرٹ نہیں کر رہا۔ شادی کرنا چاہتا ہوں میں زبان دے کر واپس لینے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ہاں اگر انا خود آ کر مجھے ریجیکٹ کرتی ہے تو میں پیچھے ہٹنے کا سوچ بھی سکتا ہوں، لیکن ایک لڑکی کو اس طرح درمیان میں لا کر بیچ منجدھار میں چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔
احسن نے پلٹ کر دیکھا پھر چند پل کھڑا اسے دیکھتا رہا اور مٹھیاں بھینچ کر تیزی سے وہاں سے نکل گیا' حماد پرسوچ نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔



وہ کالج سے واپس آئی تو ضیاء ماموں روشی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے دوسری طرف صوفے پر وقار اور احسن تھے۔ وہ سب کوئی بات کر رہے تھے۔ لیکن اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے۔
وہ بھی اس وقت سب کو دیکھ کر الجھی تھی وقار صاحب نے اس کے دیکھنے پر گردن موڑی تو اس کے اندر شدید توڑ پھوڑ سی ہوئی' وہ خاموشی سے پلٹی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ سب نے اسے جاتے دیکھا تھا۔ کمرے میں آ کر وہ خاموشی سے بستر پر ٹک گئی اور کافی دیر تک اسی طرح خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔
ڈرائیور اسے کالج لا اور لے جا رہا تھا وہ آج کل وقت پر گھر آ جا رہی تھی۔ آج شہوار کالج نہیں آئی تھی۔ وہ اب اپنا موبائل یوز نہیں کر رہی تھی موبائل آف کر کے اس نے دراز میں ڈال دیا تھا' اس نے سوچا کہ کال کر کے شہوار کے کالج نہ آنے کی وجہ ہی پوچھ لے۔ اس نے دراز سے موبائل نکالا تو موبائل کی بیٹری چارج نہیں تھی اور اس نے چارجز لگا کر موبائل بھی آن کیا تو ساتھ ہی کئی نمبرز سے ان گنت میسجز کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جس میں شہوار کے میسجز کے علاوہ حماد اور کاشفہ دونوں کے میسجز تھے۔ اس نے کاشفہ کے تمام میسجز کو بنا پڑھے ڈیلیٹ کر دیے تھے۔ اس نے حماد کے میسجز پڑھنا شروع کر دیے تھے۔ لاسٹ والے میسج پر وہ ٹھٹک گئی تھی۔
''میں اپنے گھر والوں کو آپ کے گھر لانا چاہ رہا ہوں، جب بھی میسج پڑھیں مجھ سے رابطہ کریں۔'' میسج پڑھ کر وہ گم صم سی ہو گئی تھی۔ وہ خود بھی اس معاملے کو آر یا پار کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کال ملائی تو کچھ دیر بیل ہوتی رہی اور پھر کال کاٹ دی گئی۔
ابھی وہ دوبارہ کال کرنے کا سوچ رہی تھی کہ حماد کی کال آ گئی تھی۔
''السلام علیکم۔'' اس نے کال پک کی۔
''وعلیکم السلام...... کہاں تھیں آپ؟'' دوسری طرف سے فوراً پوچھا گیا۔
''آپ اندازہ نہیں کر سکتیں اس دن پارک میں آپ کے فادر کے آنے کے بعد اور آپ کے چلے جانے کے بعد سے میں کتنا اپ سیٹ رہا ہوں، مسلسل آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش میں تھا میں پاگلوں کی طرح آپ کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔'' وہ اپنی بے قراریاں بتا رہا تھا جبکہ انا کے اندر شدید قسم کے گلٹ کا احساس پیدا ہونے لگا۔
''آپ کا نمبر کیوں بند تھا؟'' اس نے پوچھا۔
''میں آپ کے گھر بھی آیا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔'' اس نے مزید پوچھا۔
''میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔
''اوہ...... کیا ہوا، اب کیسی ہیں؟''
''ٹھیک ہوں۔''

''اور موبائل کیوں آف تھا؟''
''بیٹری چارجز نہیں تھی۔'' اس کی وہی سنجیدگی تھی۔
''اوہ...... میں پریشان ہوتا رہا کہ نجانے کیا مسئلہ ہے کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجبوراً بھابی اور بھائی کے ہمراہ مصطفیٰ بھائی کے بہانے آپ کے ماموں کی عیادت کو آنا پڑا، لیکن سب کا رویہ بہت بدلا ہوا تھا خصوصاً آپ کے والدین کا۔'' وہ بتا رہا تھا اور انا کے اندر شدید شرمندگی کا احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔
''ایم سوری! میں آپ کو اس دن ان سب متوقع رویوں کے بارے میں پیشگی بتا چکی تھی۔ اگر آپ کو میری وجہ سے مسئلہ ہو رہا ہے، ان سب کو ہینڈل نہیں کر سکتے تو آپ مجھے انکار کر سکتے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو دوسری طرف حماد فوراً پریشان ہوا۔
''ایسی کوئی بات نہیں، میں ایک باعزت خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اور ہمارے ہاں زبان دے کر مکرنے کا رواج نہیں، اگر آپ میرے لیے آگے بڑھی ہیں تو میں آپ کو کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑوں گا چاہے حالات کچھ بھی ہو یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا۔
انا نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔
''آج آپ کے بھائی میرے آفس آئے تھے۔'' حماد نے بتایا تو وہ ایک دم ساکت ہو گئی۔
''احسن بھائی؟'' وہ بڑبڑائی۔
''جی ہاں، آپ کی وجہ سے میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن ان کا رویہ قطعی اچھا نہ تھا کافی دھمکیاں دے کر گئے ہیں۔''
''کیسی دھمکیاں؟'' اس کا سانس اکھڑنے لگا۔
''یہ کہ اگر میں نے آپ کا نام بھی لیا تو جان سے ماردیں گے فلاں فلاں۔'' انا نے بمشکل سانس خارج کیا۔
''لیکن میں ان دھمکیوں سے ڈرنے والا نہیں، میں آپ سے فلرٹ نہیں کر رہا اور نہ ہی کوئی افیئر چلا رہا ہوں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میں فوراً اپنے والدین کو آپ کی طرف بھیجوں، میں سب پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں آپ کے معاملے میں مکمل طور پر سنجیدہ ہوں۔'' انداز سخت اور فیصلہ کن تھا۔
''لیکن یہ سب اتنی جلدی۔''
''مجھے بہت جلدی ہے۔'' حماد نے اس کی بات کاٹی۔
''آپ شاید یقین نہ کریں آپ میری پہلی نظر کی پسند تھیں۔ آپ کو دیکھا اور محبت کرنے کو جی چاہا تھا۔ ولید بھائی سے آپ کے ریلیشن کے بارے میں جان کر میں پیچھے ہٹ گیا تھا۔ لیکن اب جبکہ ولید بھائی والا معاملہ آپ ختم کر چکی ہیں تو میں اب کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔'' وہ واقعی بہت سنجیدہ تھا۔ انا خاموشی سے بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔
''ٹھیک ہے آپ جب چاہیں اپنے والدین کو بھیج سکتے ہیں۔'' اس نے دھیمے سے کہہ دیا۔
''تھینکیو سو مچ۔ میں فوراً اپنے گھر والوں سے بات کرتا ہوں۔'' اس نے کہا تو انا چپ ہی رہی۔
حماد نے چند اور باتیں بھی کی اور اس کے بعد اس نے کال بند کر دی تھی۔ انا نے خاموشی سے موبائل کو دیکھا اور اب شہوار کو کال کرنا ذہن سے نکل چکا تھا۔
وہ موبائل سائیڈ پر پھینکتے بستر سے کھڑی ہو گئی اور وہ کپڑے بدل کر آئی تو موبائل بج رہا تھا۔ اس نے اسکرین دیکھی تو اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔ اتنے دن سے موبائل بند تھا تو اسے لگ رہا تھا کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھ جانے سے وہ کاشفہ جیسی لڑکی کی دسترس سے دور ہو چکی ہے لیکن نہیں یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اب بھی کاشفہ کا نام دیکھ کر اس کے اندر نجانے کیا کیا عذاب اترے تھے۔
''ہیلو۔'' کچھ سوچ کر اس نے بہت مضبوط لہجے میں کہا۔
''زہے نصیب محترمہ انا وقار صاحبہ نے کال ریسیو کرنے کی زحمت گوارا کر لی۔'' دوسری طرف وہ طنزیہ ہنسی۔
''جو کہنا ہے وہ کہو۔''
''تم نے میرے ساتھ جو ڈیل کی تھی اب اس میں چیٹنگ کر رہی ہو تم سمجھتی ہو، یہ موبائل بند کر کے تم مجھ سے دور ہو جاؤ گی تو تمہاری بھول

ہے، میں چاہوں تو ایک پل میں تمہارے گھر پہنچ جاؤں۔'' انانے لب بھینچ لیے تھے۔
''ولید سے میں منگنی ختم کر چکی ہوں میں کسی اور سے شادی کر رہی ہوں ولید تمہارا ہیڈک تھا، تم اس تک کیسے پہنچتی ہو یہ تمہارا مسئلہ تھا تم کیوں بار بار مجھے کال کر کے تنگ کرتی ہو اب جو جی چاہے کرو خدارا میری جان چھوڑ دو۔'' وہ ایک دم چیخی۔
''میں تمہاری پوری فیملی کو ختم کرادوں گی آگ لگا دوں گی اگر تم نے میری بات نہ مانی۔'' دوسری طرف وہ اس سے زیادہ چیخی۔
''گو ٹو ہیل میں نہیں ڈرنے والی اب تم سے، تم نے مجھے بلیک میل کیا ہے، میں اب تمہاری کسی بات میں نہیں آنے والی۔ مائی فٹ تم کچھ کرو گی تو میں بھی خاموش نہیں رہوں گی سب کو بتا دوں گی اوکے۔'' انا کو لگ رہا تھا کہ وہ ایک سائیکی کیس بنتی جا رہی ہے اب ایک دم پھٹی اور اب اس کی برداشت جواب دے چکی تھی بہت غصے سے کہہ کر اس نے کال بند کر دی۔
موبائل ہاتھ میں لیے وہ پلٹی لیکن دروازے پر کھڑے وجود کو دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔



چوہدری حیات علی دو دن بعد واپس آئے تھے لیکن وہاں کی صورت حال دیکھ کر ایک دم ساکت ہو گئے تھے صفدر اپنی بیٹی زبین کی شادی کر رہا تھا چوہدری حیات علی کی پیشکش کے باوجود وہ اپنے جواری دوست سے اسے بیاہ رہا تھا بخشو ہمراہ تھا حیات علی کو دیکھ کر صفدر چونکا۔
''یہ سب کیا ہے؟'' گھر کے باہر پکتی دیگوں کو دیکھتے حیات علی نے بہت غصے سے صفدر سے پوچھا تو وہ کھسیا گیا۔
''میں نے کہا تھا نا کہ میں تمہیں پیسے دے دوں گا، تم اس کے باوجود اپنی بیٹی کی زندگی برباد کر رہے ہو؟'' حیات علی کا لہجہ سخت تھا۔ صفدر علی ایک دم ہاتھ جوڑنے لگا۔
''میں نے منع کر دیا تھا لیکن وہ شخص نہیں مانا زبردستی پیسے تھما گیا کہ بارات کے کھانے کا انتظام کروں۔ شام کو نکاح کرنے آئے گا وہ، آپ تو چلے گئے تھے اور مجھے یہ تھا کہ آپ آتے ہیں یا نہیں میں ڈر گیا تھا۔'' حیات علی کا چہرہ ایک دم غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔
''جب میں وعدہ کر کے گیا تھا، تو پھر کیوں نہ آتا تم انتظار کر سکتے تھے یہ خاصی بڑی رقم تھی، ایک دم بندوبست کرنا مشکل تھا کچھ وقت لگنا تھا۔'' غصے سے کہا تو صفدر کا رنگ بدلا۔
''ہاں بھائی کیا بات ہے کون ہے یہ شخص؟'' کچھ فاصلے پر کھڑا ایک درمیانی عمر کا شخص دونوں کے درمیان آ کھڑا ہوا تھا کافی بدلحاظی سے مخاطب ہوا تھا۔
حیات علی نے ناپسندیدگی سے اس بڑی بڑی مونچھوں اور سرخ آنکھوں والے شخص کو دیکھا تھا۔
''کوئی نہیں، کوئی نہیں، تم جاؤ بس۔'' صفدر نے گھبرا کر دوسرے شخص کو ٹالنا چاہا۔
''یہ کس قسم کی بات کر رہا ہے۔'' بجائے ٹلنے کے وہ شخص اگلا سوال لیے کھڑا تھا۔
''کہا نا کچھ نہیں تم جاؤ؟'' جھنجلا کر صفدر نے کہا۔
''کیسے جاؤں پیسے لگائے ہوئے ہیں میں نے، تم پر اور تمہاری اس بیٹی پر۔'' وہ تو ایک دم مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔
''کون ہے یہ شخص اسے ذرا تمیز نہیں ہم لوگ بات کر رہے ہیں اور یہ گھسا آ رہا ہے۔'' حیات علی صاحب کو اس شخص کا طریقہ گفتار انتہائی ناگوار گزرا اور صفدر کو کہا تو اس کی حالت اور متغیر ہو گئی۔
''میں اس کو سمجھا لوں گا آپ اس کو چھوڑیں آپ اندر چل کر بیٹھیں۔'' ارد گرد لوگوں کو اکٹھا ہوتے دیکھ کر صفدر گھبرا گیا تھا۔ حیات علی کے ہاتھ تھام کر خوشامدی انداز میں کہا تھا۔
صفدر کے بار بار کہنے پر وہ بخشو کو وہیں چھوڑ کر اندر آ گئے تھے۔ باہر کی نسبت گھر میں خاموشی تھی۔ صفدر بھی ان ہی کے چلا آیا تھا۔
''یہ سب کیا ہے صفدر؟ میں تم سے کہہ کر گیا تھا کہ میں تمہیں پیسے دے دوں گا، تم اپنی بیٹی کی زندگی برباد مت کرو۔''
''میں مجبور تھا صاحب وہ شخص مرنے مارنے پر تل گیا تھا۔ دو دن سے مسلسل میرے گھر پر نظر رکھے ہوئے ہے کہ میں کہیں بھاگ نہ جاؤں۔''
''وہ جو باہر الجھ رہا تھا وہی شخص ہے یہ، جس سے شادی کر رہے ہو اپنی بیٹی کی۔'' حیات علی کے پوچھنے پر صفدر نے سر ہلایا۔

''تم سے بھی چند سال بڑا ہوگا وہ تو؟'' حیات علی کو ایک دم شدید افسوس نے آن گھیرا کم عمر خوب صورت سی زبین کا عکس ایک دم دماغ میں لہرا کر معدوم ہوگیا تھا۔

''صاحب وہ سمجھتا ہے میں پیسے نہ دینے کی وجہ سے انکار کر رہا ہوں۔'' حیات علی نے افسوس بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

ہاتھ میں پکڑے چرمی چھوٹے سے بیگ کو کھول کر اس میں سے رقم کا لفافہ نکالا۔

''بلاؤ اس شخص کو اور یہ رقم اس کو دو اور سنو باقاعدہ کاغذات پر دستخط کرواؤ ایسے رقم مت دینا۔'' لفافہ صفدر نے تھام لیا تھا۔

اتنی بڑی رقم دیکھ کر اس کے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

وہ طبعاً ایک حریص اور بدنیت آدمی تھا مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھنے والے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا والدین اپنی بساط کے مطابق تھوڑی بہت جمع پونجی چھوڑ کر مرے تھے جو اس نے اپنی ہڈحرامی اور خراب عادتوں کے سبب سب گنوا دیا تھا نوبت فاقوں تک آن پہنچی تھی۔ قرض خواہ جان سے مار دینے کے درپے تھے۔ گھر بیچا اور پھر اپنی کم عمر بیٹی کو ایک عیاش کے ساتھ کچھ رقم کے بدلے بیاہ دیا۔ اب دوسری کو اپنے جوئے اور قرض کی رقم کے عوض دے رہا تھا کہ قدرت نے نجانے کہاں سے حیات علی کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا تھا حیات علی فطرتاً اسے رحم دل اور سادہ مزاج چوہدری لگا تھا اور جس طرح پہلی بار وہ اس کو کوئی نوٹ تھما گیا تھا اس نے اس کے اندر کی حریص فطرت کو اور حریص بنا دیا تھا اور جب حیات علی نے رقم کے متعلق پوچھا تھا تو اس نے بڑھا چڑھا کر بتا دیا تھا۔

اصل میں وہ دونوں طرف سے رقم بٹورنا چاہتا تھا لیکن برا ہو اس شخص کا جو اس کے دام میں آنے کے بجائے اس کے گھر کے باہر قبضہ جما کر بیٹھ گیا تھا اب اس کے کہنے پر شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں ایسے میں حیات علی کی آمد۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی وجہ سے معاملہ بگڑے اور گھر آئی لکشمی واپس چلی جائے۔

''اللہ آپ کو سدا خوش رکھے چوہدری صاحب، آپ نے میری ایک بہت بڑی مصیبت دور کی ہے اللہ آپ کو لمبی عمر اور صحت عطا کرے۔'' صفدر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اتنی بڑی رقم لے کر چوہدری حیات علی کے قدموں میں لوٹنے لگے۔

''اس شخص کو بلاؤ میں اپنے سامنے سارا معاملہ کلیئر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ پیسے لے کر چلا جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ وہ اگر الجھے تو میں بھی پولیس کو بلوا لوں گا، بہت اچھے تعلقات ہیں یہاں کی پولیس سے۔ بات اگر تمہاری بیٹی کی نہ ہوتی تو ایسے لوگوں کو لمحوں میں ٹھیک کرنا آتا ہے ہمیں۔'' حیات علی نے کہا تو صفدر کا رنگ اڑ گیا۔

اس شخص کو سامنے بلوانے کا مطلب تھا کہ رقم کی اصلیت کھل جاتی اور صفدر اب بنے بنائے کھیل کو بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

''آپ اس کی فکر مت کریں، اب میں اس سے اچھی طرح نبٹ لوں گا۔ میں ابھی اچھی طرح لکھ لکھا کر رقم دوں گا۔ آپ ادھر بیٹھیں میں چائے پانی منگواتا ہوں۔'' وہ کہہ کر رقم والا لفافہ لے کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ دو تین منٹ بعد صفدر کی بیوی آ گئی تھی اس کے چہرے پر خوشی بھی تھی اور آنکھوں میں ندامت کے آنسو بھی۔

''اللہ آپ کا بھلا کرے آپ نے ایک ماں پر بہت بڑا احسان کیا ہے چوہدری صاحب۔'' آتے ہی وہ رو دی تھیں۔ حیات علی ایک دم گھبرا گئے۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو شاید میں اس کی بھی مدد کرتا۔'' وہ ایک دم متاثر ہوئی تھی۔ بغور دیکھا۔ وجیہہ سراپا، روشن چہرہ چمکتی آنکھیں جن میں جاہ و حشمت اور دولت کا کسی بھی قسم کا کوئی غرور نہ تھا۔ ان کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی تھی۔

وہ ان عورتوں میں شامل تھیں جن کی ممتا بیٹوں کی محرومی کے زخموں سے چور ہوتی ہے۔ شوہر کی رفاقت میں انہیں شوہر کی محبت ملی تھی اور نہ ہی شوہر کی طرف سے تحفظ۔ ایسے میں شدت سے خواہش پیدا ہوئی تھی کہ کاش ان کا کوئی بیٹا ہوتا جو باپ کو ان بری حرکتوں سے روک لیتا یا پھر ان تینوں ماں بیٹیوں کا سائبان بن جاتا۔ دل میں وہ ایسے ہی اونچے بیٹے کا تصور رکھتی تھیں دل میں۔ وہ جانتی تھیں ان کا شوہر ایک دغاباز فریبی اور مطلبی انسان ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ حیات علی کو ان کا شوہر محض اپنے مطلب کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

''صفدر کہاں ہے، اسے بلوا دیں میں چلتا ہوں۔''

''وہ باہر گیا ہے آتا ہوگا آپ بیٹھیں نا۔'' وہ جب سے آئے تھے مسلسل کھڑے تھے صفدر کی بیوی نے کرسی کھینچ کر سامنے کی تو حیات علی بیٹھ

گئے۔

''آپ کی بیٹی کتنا پڑھی ہے؟'' حیات علی نے پوچھا۔

''زیبن نے اسی سال دسویں کا امتحان دیا تھا میری بڑی خواہش تھی میری بچیاں پڑھ لکھ جاتیں لیکن گھر کے حالات اور صفدر کی حرکتوں کی وجہ سے گھر بٹھانا پڑ گیا۔''

''آپ کی بڑی بیٹی ملتی ہے آپ سے؟''

''نہیں۔'' بیٹی کے ذکر پر وہ رونے لگی تھیں۔

''اس کا شوہر بڑا ظالم ہے گھر میں قید کر کے رکھا ہوا ہے کہتا ہے پیسوں سے خرید کر لایا ہوں، اگر گھر سے قدم بھی اس نے باہر نکالا تو جان سے مار دے گا ایک دو بار میں خود ملنے گئی تھی وہ تو کسی سے ملنے بھی نہیں دیتا۔''

''آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' حیات علی نے دلاسہ دیا تو صفدر کی بیوی نے اپنے آنسو صاف کیے۔

''ایک بات کہوں چوہدری صاحب؟'' جھجکتے ہوئے اس نے پوچھا۔ حیات علی نے سر ہلایا۔

''اماں۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی دروازے سے آواز سن کر دونوں پلٹے تھے زیبن چائے کا کپ لیے کھڑی تھی۔ حیات علی کی تمام ترحسیں یکجا ہو کر زیبن کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

''یہ چائے۔'' وہ اپنی ماں سے مخاطب تھی۔

ماں نے اٹھ کر چھوٹی سی ٹرے تھام لی تھی اور زیبن چائے پکڑا کر واپس پلٹ گئی تھی اور حیات علی کو لگا گویا زندگی یہیں کہیں رک گئی ہو۔ اتنے دنوں کی بے سکونی، بے چینی اور بے آرامی سب ختم ہو گئی تھی یک دم۔ زیبن پلٹ کر جا چکی تھی لیکن حیات علی کی نگاہیں گویا دہلیز پر ہی جم گئی تھیں۔

''صفدر ایک دھوکے باز انسان ہے وہ سب کو دھوکہ دے رہا ہے آپ کو مجھے اپنی اولاد کو اس آدمی کو جس سے وہ آج زیبن کا نکاح پڑھوانے کا کہہ رہا تھا۔'' کپ حیات علی کی طرف بڑھاتے صفدر کی بیوی نے کہا تو حیات علی نے چونک کر نگاہوں کا زاویہ بدل کر صفدر کی بیوی کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر زمانے کی سختی نے عجیب سی کرختگی پیدا کر رکھی تھی۔

''آپ سے پیسے لے کر وہ اس شخص کو چلتا کر دے گا لیکن چند دن بعد وہ ایک اور جواری کو لے کر آ جائے گا اور اس کے عوض پھر بیٹی کو بیاہنے کی بات کرے گا میری بڑی بیٹی مہرن کے ساتھ بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا، سیٹھ کو پھانسا تھا اور پھر کسی جواری سے بیاہنے کا کہا تھا سیٹھ سے وہ قرض پر قرض لے چکا تھا دوسرا شخص فوری شادی کرنا چاہتا تھا لیکن سیٹھ سے پیسہ لے کر دوسرے کو دے کر سیٹھ سے شادی کر دی تھی۔'' وہ پھر رونے لگیں تھیں حیات علی کو سمجھ نہ آئی کہ کس طرح اسے چپ کرائے۔

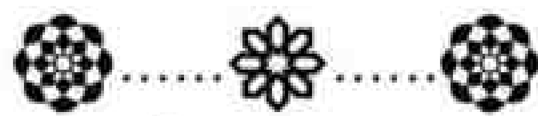
نجانے صفدر کہاں رہ گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے باہر جو شور کی آواز آ رہی تھی اب وہاں بھی خاموشی تھی۔

''چوہدری صاحب آپ عزت دار آدمی ہیں آپ ایک دکھی ماں کی فریاد سن لیں اس سے پہلے کہ صفدر پھر کوئی ڈرامہ کھیلے آپ میری بیٹی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔'' حیات علی ساکت رہ گئے۔

''یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟''

''صفدر کی آنکھوں پر پیسے کی پٹی بندھی ہوئی ہے وہ بار بار یہ کھیل کھیلے گا اس سے بہتر یہی ہے کہ آپ میری بیٹی سے نکاح کر کے اسے ساتھ لے جائیں۔''

''کیا......؟'' حیات علی ایک دم گنگ سے رہ گئے تھے۔



روشی دروازے پر کھڑی تھی انا کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا تھا پتا نہیں اس نے کیا کیا سنا تھا روشی کے چہرے پر حیرت اور الجھن کی کیفیت تھی۔

''چائے ریڈی ہے تم بھی آ جاؤ۔'' روشی نے کہا تو انا نے بمشکل اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔ ان کے گھر میں شام کی چائے کا سب

اہتمام کرتے تھے۔
''مجھے چائے نہیں پینی۔'' روشی نے سنجیدگی سے کہا۔
''کس کی کال تھی؟''
''چائے پر کون کون ہے؟'' روشی کے سوال کو ان سنا کرتے اس نے پوچھا۔
''پھپھو کے علاوہ باقی ہم سب ہی ہیں۔'' یعنی ولید آفس سے آچکا تھا۔
''تم بھی سب میں آکر بیٹھو چائے پیو، تو سب کو اچھا لگے گا ویسے بھی مجھے انکل نے خود تمہیں لینے بھیجا تھا۔'' روشی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
''اوکے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور موبائل ابھی بھی انا کے ہاتھ میں تھا۔
وہ کمرے سے نکلی تو روشی ساتھ چلنے لگی۔ انا نے موبائل مٹھیوں میں بھینچ رکھا تھا۔ وہ لاؤنج میں آئی تو سبھی نے اسے بہت سنجیدگی سے دیکھا تھا ما سوائے ضیاء ماموں کے۔
''ادھر آجاؤ میرے پاس۔'' انہوں نے محبت سے کہتے اپنے پاس جگہ بنائی تو وہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ آج بہت دنوں بعد ان سب کے درمیان بیٹھی تھی۔ اسے یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔
روشی نے اسے چائے کا کپ تھمایا تو وہ سر جھکائے سپ لینے لگی۔ ولید اور احسن آہستہ آہستہ آپس میں کوئی بات کر رہے تھے۔ ولید کی آواز اس کی سماعتوں کو ڈسٹرب کر رہی تھی۔ وقار صاحب ٹی وی کی طرف متوجہ تھے ماموں نے کئی بار اس کے جھکے سر کو دیکھا تھا۔
''تمہاری اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟'' انہوں نے پوچھا تو وہ چونکی۔
''جی ٹھیک ہے اور آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ مسکرائے۔
''یہ عمر ایسی ہے کبھی دل، کبھی جگر اور کبھی معدہ کمزور ہو جاتا ہے، خیر گزر رہی جاتی ہے۔'' ہنس کر کہا۔ انا مسکرا بھی نہ سکی تھی۔ نجانے کیوں ان کو دیکھ کر بار بار اس کے اندر عجیب سا گلٹ پیدا ہونے لگتا تھا اور وہ اپنے اندر ان گنت آوازوں کا شور اٹھتا محسوس کرتی تھی۔ وہ سبھی سے دور ہو گئی تھی۔ ماما، بابا اور احسن بھائی۔
ان سب کے ساتھ اس کی زندگی کا ایک طویل دور گزرا تھا اور اب اس مقام پر آکر وہ ان کو ہرٹ کر رہی تھی انا کو ایک دم خود سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی۔ وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی کس کے لیے محض ایک لڑکی اور ولید ضیاء کے لیے۔ اسے ایک دم ماحول میں حبس سی محسوس ہونے لگی تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔
''کیا ہوا؟'' اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر تھا ماموں نے حیران ہو کر پوچھا۔
''کچھ نہیں۔'' وہ خالی کپ واپس رکھ کر موبائل لے کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ سبھی نے اسے جاتے دیکھا تھا۔
ولید کی آنکھوں میں پرسوچ سا تاثر تھا۔ انا کمرے میں جانے کے بجائے باہر لان میں آگئی تھی۔ اس کے وجود پر اضطراب اور چال میں عجیب سی کشمکش تھی۔ کسی پل سکون نہ تھا۔
''جو لوگ اپنی مرضی کے فیصلے کرتے ہیں اس کے باوجود وہ خوش دکھائی نہیں دیتے حیرت ہے۔'' اپنے عقب سے جاندار آواز سن کر وہ ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔ اس نے پلٹنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے تمام اعصاب عجیب سے تناؤ کا شکار ہوئے تھے۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کرنا چاہی تھی لیکن سنبھل نہیں پا رہی تھی۔
''حماد جیسے انسان کا ساتھ پا کر تمہیں خوشی سے پھولے نہیں سمانا چاہیے تھا میرا تو خیال تھا کہ ہواؤں میں اڑنا شروع کر دو گی لیکن یہاں تو فتح کے کوئی آثار ہی نظر نہیں آ رہے۔ ہاں البتہ میدان جنگ میں شکست کھانے کے بعد ایک شخص کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ ضرور دکھائی دے رہی ہے۔'' وہ عقب سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح تر و تازہ، خوشبوؤں میں مہکتا ہوا۔ انا کا وجود ایک دم ان دیکھی آگ میں بھڑ بھڑ جلنے لگا تھا۔
وہ سب کچھ کر کے بھی شکست خوردہ تھی اور وہ سب کچھ کھو کر بھی فاتح جیسا تھا۔ انا نے ولید ضیاء کی آنکھوں میں دیکھا وہاں عجیب سلگتا سا احساس تھا۔ وہ لب بھینچ کر جانے لگی تھی ولید کے پاس سے گزر کر آگے بڑھنے کو تھی۔

''سنو۔'' اس کی کلائی ولید کی مضبوط گرفت میں تھی۔ وہ ساکت ہوگئی تھی۔
''کس کے کہنے پر کر رہی ہو یہ سب؟'' ولید کی آنکھوں میں کھوج کی کیفیت تھی۔ وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا گویا اس کا چہرہ ایک دم ہر راز اگل دے گا، انا نے ایک دم منفرد انداز میں اپنی کلائی مضبوط گرفت سے نکالی تھی۔
''کوئی فاتحہ ہو یا شکست خوردہ آپ سے کوئی مطلب نہیں۔''
''مطلب؟ ہاہ...... تمہارا کیا خیال ہے، ہم سب جو خاموش ہیں اور تمہیں اپنی من مانیاں کرتے دیکھ رہے ہیں ہم سب اتنے بے بس ہیں کہ کچھ کر نہیں سکتے یہ مت بھولو تمہارے کسی بھی اقدام پر ہم بہت مضبوط ردعمل ظاہر کر سکتے ہیں لیکن ہم خاموش ہیں صرف اس لیے کہ کہیں نادانستگی میں تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچا دیں اور تم ہو کہ مسلسل سارے گھر کو ایک اذیت کی ان دیکھی سولی پر لٹکا رکھا ہے۔'' نہایت غصے سے اس کے کندے پر ہاتھ رکھتے ولید نے کہا۔
''آپ کو کیا فرق پڑتا ہے، آپ چھوڑیں مجھے دوغلے پر فریب اور دھوکے باز لوگوں سے نفرت ہے مجھے۔'' وہ شدت سے احتجاج کرتے اپنے کندھوں کو جھٹکتے پیچھے ہوئی تھی۔
''انا......؟'' ولید نے بہت طیش کے عالم میں پھر سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ہاتھ میں تھا موبائل چیخا تھا۔
انا نے اسکرین دیکھنا چاہی تھی تبھی ولید نے دوسرے ہاتھ سے اس کی گرفت سے موبائل نکال لیا تھا اس سے پہلے کہ وہ اسکرین دیکھتا انا نے جھپٹا مار کر موبائل چھین کر سامنے دیوار پر دے مارا تھا موبائل دیوار کے ساتھ لگ کر کئی حصوں میں ٹوٹ کر گرا تھا ولید ایک پل کو ششدر رہ گیا تھا لیکن اگلے ہی پل بے اختیار بہت غصے کے عالم میں اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور انا بے اختیار زمین پر گری تھی۔
''دماغ خراب ہے نجانے کیا کرتی پھر رہی ہو۔'' ولید ادھر سے ادھر چکر کاٹنے لگا تھا۔ انا اسی طرح زمین پر بیٹھی گال پر ہاتھ رکھے سسکتی رہی تھی۔
ولید نے ایک دو پل اسے دیکھا اور پھر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔

❀......❀......❀

مصطفیٰ گھر لیٹ آیا تھا تقریباً سب اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے شہوار بھی اپنے کمرے میں آچکی تھی نیند تو آ نہیں رہی تھی بکس لے کر بیٹھ گئی تھی آج کالج نہیں جا سکی تھی درمیان میں دو تین بار انا سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن رابطہ نہیں ہو سکا تھا ہر بار نمبر بند ملا تھا۔
پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا تھا اس لڑکی کو شہوار اندر ہی اندر انا کے رویوں اور گزشتہ حالات کو لے کر پریشان تھی۔ نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ انا کے ساتھ کوئی سیریس مسئلہ ہے لیکن وہ ڈسکس نہیں کر رہی تھی۔ اپنی اپنی پریشانیوں میں الجھ کر دونوں ایک دوسرے سے کتنی دور ہو چکی تھیں، ورنہ دونوں میں کتنی محبت اور دوستی تھی کہ اپنی ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کیا کرتی تھیں اور اب حالات کتنے بدل چکے تھے۔ انا کو سوچتے سوچتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ دوبارہ آنکھ ایک نرم سے احساس پر بیدار ہوئی تھی۔ اس نے آنکھ کھولی تو دیکھا مصطفیٰ اس پر جھکا بڑی محبت سے متوجہ تھا۔
''آپ آگئے؟'' یونہی لیٹے لیٹے پوچھا۔ مصطفیٰ کے ہونٹوں نے اس کی صبیح پیشانی کو چھوا تھا۔
''ہاں ابھی آیا ہوں۔ ایسے کیوں لیٹی تھی آرام سے سو جاتی۔'' وہ تکیے پر نیم دراز سینے پر کتاب رکھے لیٹی ہوئی تھی وہ مسکرائی اور مصطفیٰ نے کتاب اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔
''بہت پیاری لگ رہی ہو آج خیر ہے نا؟''
''پڑھ رہی تھی پتا ہی نہیں چلا کب آنکھ لگ گئی۔'' وہ سیدھی ہوئی، وہ آج نک سک سے تیار اچھے سے لباس میں ملبوس مقابل کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔
''آج بہت دیر کر دی گھر آنے میں؟'' خود پر سے مصطفیٰ کی توجہ ہٹانا چاہی۔
''بس ایک میٹنگ تھی اور اس کے علاوہ کچھ ضروری کام تھے وقت کا پتا نہیں چلا۔'' شرٹ کا اوپری بٹن کھولتے جواب دیا۔
''کھانا کھائیں گے؟'' وہ بھی اٹھ بیٹھی۔ مصطفیٰ اٹھا تو اس نے پوچھا۔

''نہیں ایک کپ چائے اگر زحمت نہ ہو تو......'' مصطفیٰ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا وہ الماری کی طرف بڑھا تو شہوار بستر سے اتر آئی خود آگے بڑھ کر الماری سے نائٹ ڈریس نکال کر تھما دیا۔

''تھینکس۔''

''کبھی کبھار آپ بہت فارمل ہو جاتے ہیں۔'' لباس لے کر پلٹتا مصطفیٰ رک گیا۔ پلٹ کر خوب صورت دل آویز سی بیوی کو دیکھا نگاہیں پھر جم گئی تھیں۔ الماری کا پٹ بند کرتے خود مصطفیٰ کے قریب آتے شرٹ کے بٹن کو چھوتے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''یہ تھینکس وینکس کہہ کر۔'' مصطفیٰ مسکرایا۔

''ایسے لگتا ہے جیسے ڈیوٹی آوورز میں کوئی ڈیوٹی سرانجام دینے پر باس نے تھینکس کہا ہو۔'' مصطفیٰ رک دم ہنس دیا۔

''کسی اور انداز میں تھینکس کہتا تو بھی بیگم صاحبہ نے اعتراض جڑ دینا تھا اب روکھا پھیکا ویلکم ہوگا تو روکھا پھیکا سا ہی تھینکس ہوگا نا......'' کمر کے گرد باز و حمائل کرتے اس کے چہرے پر جھکتے ہنس کر کہا تو وہ جھینپی۔

''میرا خیال ہے پہلے آپ فریش ہولیں باقی تھینکس چائے کے بعد کہہ لیجیے گا۔'' اس نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا تو مصطفیٰ زور سے ہنس دیا۔

''بڑی چالاک ہوگئی ہو۔''

''آپ کی صحبت کا اثر ہے صاحب۔''

''اف......'' مصطفیٰ نے دل پر ہاتھ رکھتے ایکٹنگ کی تو شہوار بے اختیار ہنس دی۔

''فریش ہولیں میں چائے لاتی ہوں۔'' مصطفیٰ کو واش روم کی طرف دھکیل کر اپنا دوپٹہ سنبھالتے وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ چائے لے کر آئی تو مصطفیٰ نائٹ ڈریس میں ملبوس، ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ شہوار نے ٹرے بستر پر رکھی تو مصطفیٰ پلٹا۔

''آج بن کے ہی بڑا خصوصی اہتمام کیا ہوا ہے خیر تو ہے نا؟'' مصطفیٰ کا اشارہ اس کی سج دھج کی طرف تھا۔ لباس کے علاوہ ہلکی پھلکی جیولری اور میک اپ کا بھی استعمال کیا ہوا تھا۔ وہ مسکراتی ہاتھ میں موجود کنگن کو گھماتی بستر کے کنارے ٹک گئی۔

''کیا آپ کو یہ اہتمام اچھا نہیں لگا؟'' کنگن کو دیکھتے دھیمے سے پوچھا۔ مصطفیٰ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تھا نرمی سے کلائی تھامی۔

''یہ سوال تم میری آنکھوں میں دیکھ کر پوچھو تو جواب بھی دوں گا۔'' مسکراتے لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

''چائے پی لیں۔'' وہ دو کپ لائی تھی۔

''کاش روز اتنی ہی چاہ کے ساتھ یہ چائے ملا کرے تو......'' مصطفیٰ کا انداز شریر ہوا۔

''آپ آرام سے چائے پییں پھر آپ کو ایک چیز دکھانی ہے۔'' مصطفیٰ کو نرمی سے ٹوکتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے ہنس کر کپ تھام لیا۔ دونوں نے ہلکی پھلکی باتوں میں چائے پی پھر چائے پینے کے بعد اس نے ٹرے ایک طرف رکھ دی۔

''بھئی کیا بات ہے ایسا سسپنس کیوں کری ایٹ کر رہی ہو؟'' وہ اٹھ کر الماری کی طرف بڑھی تو مصطفیٰ نے چھیڑا وہ جھینپی۔ الماری سے اپنا بیگ نکال کر اس میں سے لفافہ نکالا مصطفیٰ یہ سب خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آئی۔

''آج میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی کالج بھی نہ جاسکی۔'' اس نے سنجیدگی سے بتایا تو مصطفیٰ چونکا۔

''کیا ہوا تھا زیادہ طبیعت خراب تھی کیا؟'' فوراً فکرمندی سے پوچھا۔

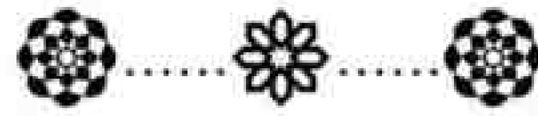
''ہاں......'' چہرے پر چھائی چمک اور روشنی کو سنجیدگی کے تاثرات میں چھپانے کی کوشش کرنی چاہی۔

''بھابی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانا پڑا۔''

''اوہ......اتنی طبیعت خراب تھی۔ میں نے دو دفعہ کال کی تھی بتایا کیوں نہیں، ویسے ہوا کیا تھا؟'' مصطفیٰ بھی ایک دم سنجیدہ ہوا۔

''یہ خود دیکھ لیں۔'' اس نے انویلپ مصطفیٰ کو تھما دیا۔ مصطفیٰ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر انویلپ کو۔ شہوار کے چہرے پر ایک دم ڈھیروں ستاروں کی چمک اور روشنی سی در آئی تھی۔ مصطفیٰ ایک بار پھر چونکا تھا۔ اس نے فوراً انویلپ کھولا، شہوار انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ ہونٹ کو دانت تلے دبائے وہ سر جھکائے اپنے چہرے پر ڈھیروں کے حساب سے شرم کے تاثرات محسوس کرسکتی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ۔''، مصطفیٰ کی ایک دم ایکسائٹمنٹ سے بھری آواز ابھری۔
''اٹس آمیزنگ یار، گریٹ بلیسنگ فار می۔''، مصطفیٰ نے ایک دم اس کا ہاتھ تھام لیا۔
''اتنی بڑی خبراب بتا رہی ہو، مائی گاڈ ان بلیوایبل ایم آئی سوا یکسائٹڈ یار، تھینک یوسو مچ، تھینک یو......''، مصطفیٰ نے ایک دم بے پناہ وارفتگی سے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹا۔
''تھینک یو اللہ جی تھینک یو سو مچ۔''، مصطفیٰ کا خوشی سے برا حال تھا۔شہوار کی آنکھیں بند تھیں پلکیں لرز رہی تھیں۔مصطفیٰ نے بے پناہ وارفتگی سے اسے تھام رکھا تھا۔
''اتنی دیر سے کیوں بتایا؟'' جذبات میں ٹھہراؤ آیا تو محبت سے پوچھا۔
''آپ ہی لیٹ آئے ہیں میں نے تو آج سارا دن آپ کا انتظار کیا ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ۔''، جھینپی آواز میں کہا تو مصطفیٰ ایک دم ڈھیر سارا فدا ہوا۔
''تو تم کال کر لیتیں۔''
''آپ کی جاب کے فرائض بھی تو بہت ضروری تھے۔'' دھیما لہجہ تھا مصطفیٰ ہنسا اور اس پل مصطفیٰ کو اپنا آپ دنیا کا سب سے خوش قسمت ترین وجود لگ رہا تھا۔
''اور کون کون جانتا ہے اس خبر کے بارے۔''
''بس بھابی اور میں۔''
''ماں جی کو نہیں بتایا؟''
''بھابی کل بتا دیں گی۔''، مصطفیٰ مسکرا دیا۔
''کیا فیل کر رہی ہو؟''
''صبح میں خود کو بہت اکیلی غم زدہ اور تنہا محسوس کیا تھا۔آج امی بہت یاد آئیں اپنے خاندان کے حوالے کا شدت سے احساس ہوا لیکن جب یہ خوش خبری سنی تو سب کچھ بھول گئی۔دل چاہتا تھا میں اللہ کے سامنے سر جھکا کر بہت روؤں۔میں اتنی ناشکری' بےصبری اور اللہ مجھے اتنے بڑے رتبے سے نواز رہا ہے' مجھے پچھلے کچھ دنوں سے اپنی خراب طبیعت سے اندازہ تو ہو رہا تھا لیکن میں نے توجہ ہی نہ دی۔میں تو ایک عام سی لڑکی تھی بس اللہ نے مجھے خاص بنا دیا کہ آج میرے پاس سب کچھ ہے جس کے لیے لڑکیاں خواب دیکھتی ہیں سب کچھ ہے' بس اللہ مجھ کو میری امی سے بھی ملوا دیں۔'' کہتے ہوئے وہ رونے لگی تھی۔
''ارے یہ کیا بات ہوئی' خوشی کے موقع پر روتے تو نہیں۔''، مصطفیٰ نے آنسو صاف کیے۔
''یہ تو شکر کے آنسو ہے۔''، مسکرا کر کہا تو مصطفیٰ نے ہنس کر اسے بہت نرمی سے اپنے مضبوط حصار میں مقید کر لیا۔



''میں یہ شادی نہیں کر سکتا؟'' چوہدری حیات علی نے ایک دم انکار کیا۔
''کیوں؟'' صفدر کی بیوی نے پوچھا۔
''میں پہلے سے شادی شدہ ہوں' میرے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔'' صفدر کی بیوی کو ایک دم چپ سی لگ گئی۔
''ہم جاگیردار لوگ ہیں' ہمارے ہاں خاندان' برادری سے باہر شادیاں نہیں کرتے میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں' میرے باپ نے کم عمری میں ہی میری شادی کر دی تھی۔'' چوہدری حیات نے بتایا۔
چوہدری حیات علی جانتے تھے وہ ایک انجانی کشش کے سبب یہاں آ تو جاتے ہیں لیکن وہ زبین سے شادی نہیں کر سکتے تھے ان کی اولاد' ان کی بیوی انہوں نے ہمیشہ ان رشتوں سے وفا کی تھی۔محبت کی تھی اب بھلا صرف ایک لڑکی کی وجہ سے کیسے ان سب سے بے وفائی کر جاتے۔ان کے اندر کا انسان ایک دم جاگ اٹھا تھا۔
''تو پھر حیات علی تم یہاں روز کیوں آتے ہو؟ زبین کی شادی کا سن کر کیوں پریشان ہو گئے تھے۔اتنی بڑی رقم کوئی کسی انجان انسان کو

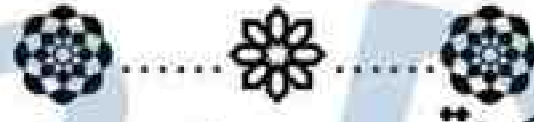
کیوں دیتا ہے بھلا۔ اگر تمہیں اپنی بیوی سے اور اولاد سے اتنی محبت ہے تو پھر ایک نظر اس غریب سی لڑکی کو دیکھ لینے کی لگن کیوں بے چین رکھنے لگی ہے تمہیں؟'' اندر کا انسان ان کے ضمیر کو جھنجوڑ گیا تھا۔

''میں تو محض انسانیت کے ناطے یہ سب کر رہا تھا۔'' انہوں نے دلیل دینی چاہی۔

''انسانیت کے ناطے تم ہر کسی کی مدد تو نہیں کرتے۔'' کوئی پھر ان کے اندر چیخ اٹھا' وہ ایک دم آگے بڑھے۔

''چوہدری صاحب! آپ کو اللہ کا واسطہ ہے، میں ایک دکھی ماں ہوں۔ آپ نے جیسے ہمارے حالات جان کر ہماری مدد کی میں نے یہ کہنے کی گستاخی کر لی مجھے معاف کر دیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات' صفدر میری بیٹی کو آج نہیں تو کل کہیں اور بیاہ دے گا لیکن ساری عمر کے لیے میری بیٹی زندہ در گو ہو جائے گی۔'' وہ وہاں سے جانے لگے تو صفدر کی بیوی کی آہ وزاری نے قدم جکڑ لیے تھے۔

''کیا ہوا اماں؟'' ماں کو روتا دیکھ کر دوسرے کمرے سے زیبن ایک دم وہاں چلی آئی اور چوہدری حیات علی کو لگا کہ وہ پھر سے پتھر کے ہو گئے ہوں۔



ولید کے کمرے کی لائٹ جلتے دیکھ کر روشی ایک دم رک گئی تھی' رات کے دو بج رہے تھے اس کی آنکھ کھلی تھی وہ پانی پینے باہر آئی تھی۔ ولید کے کمرے کے پاس رک کر چند پل سوچا اور پھر اندر قدم رکھ دیے۔ ولید بستر پر بیٹھا تھا اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا لیکن اس کی توجہ لیپ ٹاپ پر نہیں تھی وہ کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا حتیٰ کہ وہ روشی کی آمد سے بھی بے خبر تھا۔

''ولی بھائی؟'' روشی کی پکار پر ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ارے روشی تم اس وقت؟'' وہ فوراً سیدھا ہوا۔

''ہاں بس آنکھ کھل گئی تھی، آپ کے کمرے کی لائٹ آن دیکھی تو چلی آئی۔''

''ہاں بس، میں آفس کا کچھ کام دیکھ رہا ہے۔'' ولید نے اپنے ارد گرد بکھری فائلز کو سمیٹا۔

''آؤ بیٹھو۔'' وہ قریب آ گئی۔

''احسن بھی جاگ رہا ہے؟''

''نہیں وہ سو رہے ہیں۔'' روشی ولید کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گئی۔

''بابا کی طبیعت اب کافی بہتر ہے۔''

''ہاں' الحمدللہ۔'' لیپ ٹاپ کو بند کرتے اس نے کہا۔

''سب انا کے فیصلے کی وجہ سے ڈسٹرب ہیں۔'' ولید نے لب دانت تلے دبا کر پھر ایک گہرا سانس لیا۔

''اس کی وجہ سے تو سارا گھر ہی ڈسٹرب ہے۔'' لہجے میں خود بخود تلخی سمٹ آئی تھی۔

''آپ کو کچھ اندازہ تو ہوگا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟'' بھائی کو بغور دیکھتے اس نے پوچھا تو لیپ ٹاپ کو بند کر کے بیگ میں ڈالتا ولید رکا تھا۔

''تمہارا خیال ہے وہ جو بھی کر رہی ہے' وہ سب میرے ساتھ پلاننگ کر کے کر رہی ہے۔'' تلخی سے کہا تو روشی ٹپٹائی۔

''میں نے ایسا کب کہا؟'' ولید نے سر جھٹکا۔

''وہ پاگل ہے بالکل پاگل...... وہ دنیا کی احمق ترین لڑکی ہے' خود بھی تباہ ہو رہی ہے اور اوروں کو بھی تباہ کر رہی ہے۔'' وہ ایک دم پھٹ پڑا۔

''وہ چاہتی ہے وہ جن مفروضوں کو بنیاد بنا کر جس کنوئیں میں گر رہی ہے سب خاموشی سے اسے اس کنوئیں میں گرنے دیں۔''

''وہ ایسا کیوں کر رہی ہے' کوئی وجہ ہوگی نا؟''

''تم نے اس سے پوچھا نہیں؟''

''وہ کچھ بتاتی ہی نہیں۔'' ولید نے نفی میں سر جھٹکا۔

ہو جائیں تو پھر یہ بہت ہی مشکل سے جاتی ہیں اس لئے بہتر ہے کہ پہلے سے ہی جلد کی حفاظت کی جائے تاکہ یہ نمودار ہی نہ ہوسکیں۔

(سیدہ نسبت زہرا...... کہروڑ پکا)

میک اپ کرنے کا آسان طریقہ

سب سے پہلے اپنے چہرے پر ایک چٹکی بھر سوڈا بائی کاربونیٹ ملیں پھر پانی سے اچھی طرح دھولیں پھر برف کا ٹکڑا لے کر اسے پورے چہرے پر اچھی طرح ملیں۔

گہری رنگت کی حامل خواتین کے ساتھ اکثر یہ مسئلہ درپیش رہتا ہے کہ ان کے گالوں کی رنگت تو مناسب ہوتی ہے مگر پیشانی سے ٹھوڑی تک کا باقی حصہ گہری رنگت کا ہوتا ہے' اس لئے ضروری ہے کہ آنکھوں کے نیچے استعمال ہونے والا کنسیلر ہلکے رنگ کا ہو البتہ پیشانی اور ٹھوڑی کے دیگر حصوں پر نسبتاً گہرا رنگ استعمال کریں اور کنسیلر سے دوشیڈ' گہرا فاؤنڈیشن ہلکی رنگت والی جگہوں پر لگائیں۔

پین اسٹک

پورے چہرے پر پین اسٹک ایک جیسا لگائیں اور اسے گردن اور گالوں پر بھی استعمال کریں۔

پین کیک

گیلے اسفنج کی مدد سے چہرے پر پین کیک لگائیں اور آہستگی سے پورے چہرے پر اسے پھیلا دیں۔ اسے بھی گردن اور کانوں پر لگائیں۔

گالوں کو خوبصورت بنائیں

گالوں کو خوب صورت رنگت کے لئے دارچینی کے رنگ کا بلشر استعمال کریں۔ بہتر نتائج کے لئے بڑے برش کی مدد سے آہستہ آہستہ بلشر لگائیں۔

ہونٹوں کی خوب صورتی کے لئے

اگر آپ کے ہونٹ کھردرے یا پھٹے ہوئے ہوں تو کوئی بھی کریم کی ویسلین کا استعمال باقاعدگی سے کریں۔ ان پر لیپ سیلو (Lip Salve) لگائیں زائد لپ سیلو ٹشو پر آؤٹ لائن بنائیں اور پھر اس آؤٹ لائن کے اندر رنگ کی لپ اسٹک لگائیں اگر چاہیں تو ہلکے رنگ بھر کر استعمال کر سکتی ہیں۔

مسکارا

پلکوں کو دیدہ زیب بنانے کے لئے مسکارا استعمال کریں۔ سب سے پہلے دونوں آنکھوں کی اوپری پلکوں پر مسکارا کا ایک کوٹ لگائیں اور خشک ہونے تک انتظار کریں۔ اگر مسکارا لگانے سے پلکوں کے بال گچھے کی شکل اختیار کرلیں تو انہیں احتیاط سے الگ الگ کرلیں۔ اس کے لئے عام ٹوتھ برش استعمال کریں۔

آئی برو

گہرے براؤن رنگ کی آئی پنسل استعمال کر کے آئی برو کو خوب صورت بنانے پر زور دیں۔

پلکیں

بہتر یہی ہے کہ مصنوعی پلکیں استعمال نہ کریں۔ اس سے چہرے کے مجموعی تاثر پر اثر پڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے مصنوعی پلکیں لگانا ضروری ہو تو اس کے لئے مناسب سائز کی پلکیں استعمال کریں۔ خیال رہے کہ اسے ٹوئیزرز کی مدد سے چپکا دیں۔ اور پھر مسکارا کی مدد سے مصنوعی اور اپنی حقیقی پلکوں پر برش کریں۔

موسم سرما میں موسچرائزر کی ضرورت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے میں سردیوں کے شروع ہوتے ہی اپنی شخصیت پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قارئین بہنیں بھی اوپر دی گئی ''ٹپس'' تدابیر اختیار کر کے موسم سرما میں ہی نہیں بلکہ ''ہر موسم'' میں اپنے حسن کو برقرار رکھ سکتی ہیں۔ ''ضرورت صرف تھوڑی سی توجہ دینے کی ہی تو ہے۔''

(نادیہ جہانگیر اینڈ ثوبیہ جہانگیر.....آزاد کشمیر)

خوب صورت اور گھنے بال ہر ایک کی کمزوری ہیں۔ بال تبھی خوب صورت لگتے ہیں جب ان کی صحیح طریقے سے حفاظت کی جائے۔ آپ اپنے بالوں کو مندرجہ ذیل طریقوں سے خوب صورت اور مضبوط کر سکتی ہیں۔

چلتے۔ رشتے کچی ڈور کی مانند ہوتے ہیں جن کے ہر لمحہ ٹوٹ جانے کا خدشہ رہتا ہے' مجھے ایسا کوئی بھی رشتہ نہیں بنانا جس میں اعتماد اور خلوص نہ ہو۔'' ولید کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا روشی نے رنجیدگی سے اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔

''محبت چھین کر نہیں لی جاتی اور نہ ہی محبت زور وزبردستی کا نام ہے۔ محبت میں سب سے پہلا رشتہ جو بنتا ہے وہ اعتماد کا ہوتا ہے کہ آپ کسی پر کتنا اعتماد کرتے ہیں۔ پیار الفت یگانگت کی باتیں تو بعد کا حصہ ہوتی ہیں۔'' ولید کے الفاظ پر روشی نے اپنی نم آنکھیں صاف کی۔

''آپ کو دکھ تو ہو گا نا؟'' ولید مسکرایا۔ بڑی سنجیدہ پر اذیت مسکراہٹ تھی۔

''شاید......'' اس نے کندھے اچکائے۔

''لیکن یہ دکھ وقتی ہو گا' میں کوئی ٹین ایج لڑکا نہیں ہوں کہ کسی چیز کے چھن جانے پر واویلا کروں۔ میں ایک میچور ایجوکیٹڈ پرسن ہوں اور مجھے اپنی سیلف رسپیکٹ اپنی خودداری اور انا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اینڈ ڈیٹس آل۔'' روشی نے آنکھوں کی نمی اپنے دوپٹے میں جذب کی تھی۔

''مجھے ہمیشہ اس چیز کا دکھ رہے گا' کاش انا آپ سے محبت کرتی اور آپ کو سمجھنے کی کوشش کرتی۔'' ولید خاموش رہا تھا' روشی اٹھ کھڑی ہوئی' وہ جانے لگی تھی اور پھر کچھ یاد آنے پر رکی۔

''ایک بات کہنی تھی؟'' ولید نے سوالیہ دیکھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے انا ہم سے کچھ چھپا رہی ہے' اسے فون پر کوئی دھمکیاں دیتا ہے۔ کوئی بلیک میل کر رہا ہے اسے۔'' وہ خود بھی الجھی ہوئی تھی جو ذہن میں تھا کہہ دیا' ولید چونکا۔

''کیا مطلب......کون بلیک میل کر رہا ہے؟''

''زیادہ تر اس کا موبائل بند رہتا ہے' آج شام جب میں اسے چائے کا کہنے گئی تھی تو کسی سے بات کر رہی تھی میں نے صرف چند ایک باتیں ہی سنی تھیں وہ کہہ رہی تھی کہ میں نہیں ڈرنے والی اب جو کرنا ہے کر لو۔ کوئی بلیک میلنگ کی بات ہو رہی تھی اور یہ بھی کہہ رہی تھی کہ وہ اب خاموش نہیں رہے گی سب کو بتا دے گی۔'' ولید نے بہت حیرت سے دیکھا۔

''یہ سب انا کہہ رہی تھی؟'' وہ یقین کرنے پر متامل تھا۔

''ہاں اور پھر اس نے کال بند کر دی تھی وہ مجھے وہاں دیکھ کر ڈر گئی تھی مجھے تو یہی لگا' میں نے پوچھا بھی کہ کس کی کال تھی لیکن اس نے جواب ہی نہیں دیا۔'' روشی کے الفاظ پر ولید چونکا تھا۔ پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا کسی کی کال آتی اور انا کال کاٹ دیتی تھی یعنی کوئی اسے واقعی بلیک میل کر رہا تھا۔

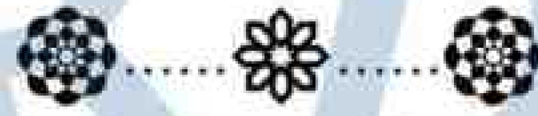
ولید کو ایک دم شام کا واقعہ یاد آیا وہ انا کے پاس کھڑا تھا' جب اس کا موبائل بجا تھا۔ اس نے انا کا موبائل پکڑا تھا لیکن انا نے زبردستی موبائل چھین کر اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر دیوار کے ساتھ دے مارا تھا۔ جواباً اس کا ہاتھ اٹھ گیا تھا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ انا نے ایسا محض غصے یا جذباتیت میں کیا تھا......لیکن نہیں......اس کے پیچھے کوئی لاجک تھی؟ کوئی کہانی تھی؟

''کون ہو سکتا ہے؟ اور بھلا انا کو کوئی بلیک میل کیوں کرے گا؟'' وہ ازحد حیران تھا۔

''بھائی میں بہت پریشان ہوں' جس طرح انا رات گئے تک گھر سے غائب رہی تھی اور پھر اس کا واپس آنا۔ اس کا نروس سسٹم بریک ہونا' سب سمجھتے ہیں کہ انا حماد کے ساتھ ہو گی لیکن میرا دل اس بات کو قبول نہیں کرتا۔ انا ایسی لڑکی نہیں ہے مجھے نہیں پتا وہ کس وجہ سے حماد کی طرف انوالو ہوئی ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ انا کریکٹر کے لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔ انا کا غائب ہونا پھر رات گئے واپس آنا اور اس کے بعد نروس سسٹم کا بریک ہونا' اس سب کے پیچھے کوئی سولڈ ریزن ہے۔ ہمیں چاہیے تھا کہ ہم انا کا سیل چیک کرتے لیکن ہم نے ایسا نہ کیا' وہ ٹھیک ہو کر گھر آئی تو اس کا نمبر زیادہ تر بند رہنے لگا اور اس کے بعد اس کا ایک دم رشتے سے انکار اور پھر ایک دم حماد کا نام لینا' مجھے یقین نہیں ہے بھائی۔'' وہ واقعی آج سارا وقت اسی سب کو لے کر ازحد الجھ رہی تھی۔ ولید بھی ایک دم کنفیوژ ہو چکا تھا۔

روشی وکیل تھی' وہ بات کو وکیلوں والے انداز میں پرکھ رہی تھی وہ بزنس میں تھا لیکن یہ ساری باتیں اور روشی کے اٹھائے گئے پوائنٹس قطعی ایسے نہ تھے کہ ان کو نظرانداز کر دیا جاتا۔

''کیا واقعی انا کسی وجہ سے بلیک میل ہو رہی تھی؟'' ولید کے اندر ایک دم سوال اٹھنا شروع ہو چکے تھے۔
''شام کے بعد انا سارا وقت کمرہ بند کیے رہی ہے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا ورنہ میں ایک بار اس کے کمرے میں ضرور جاتی اس سے ڈسکشن کرتی یا پھر اس کا موبائل چیک کرتی۔'' روشی کے کہنے پر ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
انا کا موبائل ٹوٹ چکا تھا اور وہ خود شاید روشی کو کچھ بھی نہ بتائے۔
''انا کا موبائل ٹوٹ چکا ہے۔'' ولید نے بتایا تو روشی چونکی۔
''کیسے؟'' جواباً ولید نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔
''اس کا مطلب ہے واقعی اس سب کے پیچھے کوئی وجہ موجود ہے جو انا ہم سے چھپا رہی ہے۔'' روشی کا انداز پُر سوچ تھا۔
''تم فکر مت کرو اب اس سب کا میں پتا لگا لیتا ہوں۔ تم ٹینشن نہ لو اپنی صحت کا خیال رکھا کرو نجانے یہ پاگل لڑکی کیا کچھ کر بیٹھی ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہم سب سے چھپا بھی رہی ہے، ہم سے جو اس کے سب سے زیادہ ہمدرد اور نزدیک ہیں۔ کاش وہ واقعی ہم پر اعتماد اور یقین کر سکتی تو حالات اس حد تک بگاڑ کا شکار نہ ہوتے۔'' ولید نے روشی کو دلاسہ دیا تو اس نے ایک گہرا سانس لیتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔



وہ صفدر کی بیوی کو بغیر کوئی جواب دیئے وہاں سے آ گئے تھے' اپنی بیوی اور بچوں میں آ کر پرسکون ہونا چاہتے تھے لیکن نجانے اس بار دل کو کیا ہوا تھا کہ اپنے جان سے پیارے بچوں میں آ کر بھی دل کو سکون نہیں مل رہا تھا۔ ہر بار زیبن کا چہرہ نگاہوں میں آ جاتا تو دل ہر چیز سے اچاٹ ہونے لگتا تھا۔ ایک شادی شدہ پانچ بچوں کا باپ اور دل کی یہ حالت تھی۔ کبھی کبھار انہیں اپنے مزاج پر حیرت ہونے لگتی تھی کہ گویا وہ واقعی اتنے دل پھینک انسان تھے جو ایک چہرے نے اس طرح سے جکڑ لیا۔
نہ اپنا خاندان یاد رہا تھا نہ اپنا حسب نسب اور نہ ہی اپنی امیری۔ وہ لڑکی کیا تھا ایک ٹوٹے پھوٹے گھر کی مکین جس کی اضافی خوبی صرف اس کا حسین ہونا تھا تو کیا وہ واقعی صرف اس لڑکی کے حسن پر مرمٹے تھے...... لیکن ہر بار دل کو کھنگالنے پر بس یہی جواب ملتا تھا کہ ایسا نہیں ہوا۔ وہ نہ دل پھینک تھے اور نہ ہی رنگین مزاج' وہ عمر جس میں لڑکے دل پھینک ہوتے ہیں ان کے دل نے انہیں کبھی شرمندہ نہیں کروایا تھا تو پھر اس عمر میں آ کر جہاں ان کی بیوی کے علاوہ پانچ بچے تھے وہ کیسے بہک جاتے۔
یقیناً یہ معاملہ اور تھا' وہ بمشکل ہی گاؤں میں ٹک سکے تھے فوراً شہر چلے آئے تھے' ان کا رخ صفدر کے گھر کی طرف تھا۔ ہمیشہ کی طرح وفادار ملازم بخشو ساتھ تھا' بخشو ان کے بچپن کا ساتھی ان کا خاص وفادار ملازم تھا۔ وہ ہمہ وقت ان کے ہمراہ رہتا تھا۔
دستک دینے پر جس چہرے نے دروازہ کھولا تھا حیات علی کو لگا گویا دل کی خواہش پوری ہو گئی ہو۔ زیبن دروازہ کھول کر دروازے کی اوٹ میں ہو گئی تھی۔
''جی؟'' آنے والے اس نیک دل چوہدری کو وہ بھی جانتی تھی جس نے اسے اس کے لالچی باپ کو پیسے دے کر ایک جواری کی دلہن بننے سے بچا لیا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ نیک دل جاگیردار اس کے گھر کے چکر بار بار کیوں کاٹتا ہے' وہ کون سا مقصد ہے جس کے سبب وہ یہاں بھاگا چلا آتا ہے؟
''صفدر......'' کچھ نہ سوجھا تو اس کے باپ کا نام لیا۔
''ابا تو گھر پر نہیں ہے۔'' دھیمی آواز میں بتایا گیا۔
''اور تمہاری ماں؟''
''اماں تو بیمار ہے' بستر پر پڑی ہوئی ہے۔''
''اچھا' اپنی اماں سے پوچھو کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' اب تک وہ جتنی بار آئے تھے' صفدر خود گھر کے اندر لے کر گیا تھا۔ اس بار خود سے اندر جانا اور دروازے سے ہی پلٹ جانے کو دل نہیں مانا تھا۔
''میں اماں سے پوچھتی ہوں۔'' وہ اندر چلی گئی اور بخشو گاڑی میں' وہ خود دروازے پر انتظار کر رہے تھے۔
''اماں کہتی ہے اندر آ جائیں۔'' کچھ پل بعد وہ پھر چلی آئی تھی۔

وہ بخشو کو وہیں رکنے کا کہہ کر زبین کے پیچھے ایک دوسرے کمرے میں چلے آئے تھے۔ یہ کمرہ پہلے والے کمرے سے بھی زیادہ بُری حالت میں تھا۔ وہاں دو چارپائیاں تھیں ایک پر زبین کی ماں لیٹی ہوئی تھی دوسری پاس پڑی ہوئی تھی۔ زبین کی ماں دروازے کو ہی دیکھ رہی تھی انہوں نے سلام کیا تو سر کے اشارے سے جواب دیا' وقفے وقفے سے کھانسی کا دورہ پڑ رہا تھا۔

''بڑی دیر کی صاحب آنے میں' میں تو روز انتظار کرتی تھی۔'' اس کے لہجے میں آس تھی اور آنکھوں میں امید' کہہ کر وہ پھر کھانسنے لگی تھی۔

حیات علی کا دل سکڑ کر سمٹا تھا۔

وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آ تو گئے تھے لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا اگر وہ صرف شادی شدہ ہوتے تو شاید کچھ سوچتے بھی لیکن یہاں بات تو ان بچوں کی تھی جوان کی نسل کے امین تھے۔

''آپ کیسی ہیں؟'' زبین کی ماں بالکل کمزور اور نحیف ہو چکی تھی' بستر پر پڑی بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ لگ رہی تھی۔

''زندگی سے اب کوئی امید نہیں' بس زبین کی فکر کھائے جا رہی ہے ورنہ مرنے میں گھڑی نہ لگتی۔'' دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی بیٹی کی طرف بڑی آس بھری نگاہ ڈالی تھی۔

''کیا ہوا ان کو...... کسی ڈاکٹر کو دکھایا؟'' حیات علی نے پلٹ کر زبین کو دیکھا۔

''گلی والا ڈاکٹر دیکھنے آتا ہے لیکن دو دن سے وہ بھی نہیں آرہا۔''

''کیوں؟''

''دوائی کے لیے پیسے ختم ہو گئے ہیں۔'' حیات علی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کب سے ہے طبیعت خراب؟''

''ہفتہ ہو گیا ہے۔'' حیات علی نے خود آگے بڑھ کر زبین کی ماں کی کلائی تھامی تو جسم بخار سے تپ رہا تھا۔

''ان کو ڈاکٹر کو دکھانا ہو گا۔'' انہوں نے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں' بس صفدر کی بے حسی کا قرض چکا رہی ہوں بیٹا! اب تم ایک مرتی ہوئی ماں پر احسان کر دو' کسی ایسے بندے کا بندوبست کر دو جس کو میں اپنی بیٹی سونپ کر آرام سے مر سکوں۔ تم نیک دل انسان ہو پوری دنیا میں کوئی بھروسے کے قابل نہیں لگا جس پر اپنا بوجھ ڈال کر آنکھیں بند کر سکوں۔'' روتے ہوئے کہا تو حیات علی کا دل ایک دم سکڑا تھا پھر وہ فیصلہ لمحوں میں ہوا تھا۔

''میں ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا ہوں' دروازہ بند کر کے تم بھی ساتھ چلو۔'' زبین سے کہہ کر وہ اس کی ماں کی طرف بڑھے تھے زبین کی مدد سے انہوں نے اسے گاڑی میں بیٹھایا' زبین بھی بھاگ کر دروازے بند کرتی ان کے ساتھ آ گئی تھی۔ ڈاکٹر مریضہ کی حالت سے مطمئن نہ تھے ہسپتال میں داخل کروانے کو کہا تھا اس لیے حیات علی نے فوراً اسپتال داخل کروا دیا تھا۔ مختلف ٹیسٹ اور رپورٹ کے بعد ٹی بی کی تشخیص ہوئی تھی۔ ٹی بی کا سنتے ہی زبین کا رونا دھونا شروع ہو گیا تھا۔ حیات علی اسے تسلی دلاسے دیتے رہے تھے۔

''تمہارے والد کہاں ہیں اور کب تک آ جائیں گے؟'' کچھ دیر بعد زبین سے پوچھا۔

''پتا نہیں' جس دن آپ ابا کو پیسے دے کر گئے تھے۔ اس سے اگلے دن ابا اور اس کے دوست کا جھگڑا ہوا تھا' ابا نے آپ سے زیادہ رقم لی تھی اور اپنے دوست کو تھوڑی رقم دی تھی۔ اماں نے بھی ابا کو سمجھایا تو ابا ساری رقم لے کر گھر سے چلا گیا تھا' اس دن کے بعد ابا کا کوئی پتا نہیں۔ ابا کا دوست روز آ کر اماں کو تنگ کرتا ہے اسی دن سے اماں بیمار ہے' بیمار تو بہت عرصے سے ہے لیکن اس دن سے اماں چارپائی کی ہو کر رہ گئی تھی۔'' ساری کہانی سامنے تھی' حیات علی نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ بخشو کو کچھ سمجھایا اور خود صفدر کی بیوی کے پاس چلا آیا تھا۔

''صاحب! مجھ غریب کو یہاں کیوں لے آئے ہو' آپ تو چلے جاؤ گے میں بھلا بعد میں کہاں سے یہاں کے بل دیتی رہوں گی۔'' کھانستے ہوئے اس نے کہا۔

''میں سارے بل ادا کر چکا ہوں' کھانا وغیرہ ہر چیز میسر ہو گی۔'' حیات علی نے تسلی دی تو وہ رونے لگی۔

''آپ کے مجھ پر بہت سارے احسانات ہیں صاحب! اللہ آپ کو سدا خوش رکھے' بس ایک آخری احسان اور کر دو کسی اچھے سے انسان کا بندوبست کر دو مجھے اب اپنی زندگی کی کوئی امید نہیں۔ میں مر گئی تو میری زبین کو صفدر اور اس کے آوارہ دوست لوٹ کا مال سمجھ لیں گے۔''

صفدر نے آپ کو اور اپنے دوست دونوں کو دھوکہ دیا ہے' وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے واپس آتا بھی ہے یا نہیں۔ اس کا جواری دوست روز شور ہنگامہ کرنے آ جاتا ہے، وہ زبردستی زیبن سے شادی کر لے گا۔''

''آپ فکر مت کریں' زیبن کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں ابھی اور اسی وقت اس سے شادی کو تیار ہوں۔'' چوہدری حیات علی نے پورے ہوش و حواس میں اپنی رائے کا اظہار کیا تو زیبن کی ماں تو گویا ایک دم کھل اٹھی تھی۔



انا اگلے دن کالج آئی تھی' شہوار موجود نہ تھی وہ پریشان ہوگئی۔ نجانے کیا وجہ تھی جو شہوار کالج نہیں آ رہی تھی اور اس کی کوئی خیر خبر بھی نہ تھی۔ واپس پر اس نے سوچا کہ شہوار کے گھر کا چکر لگائے گی۔

اس نے جب منصور خان کو شہوار کے گھر چلنے کا کہا تو اس نے ایک دم انکار کر دیا۔

''بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ آپ کو کہیں بھی لے کر نہیں جانا۔''

''کیوں؟'' وہ اس پابندی سے ششدر رہ گئی تھی۔

''مجھے بس حکم ملا ہے وجہ نہیں بتائی۔'' ڈرائیور کے سامنے عجیب سبکی کا احساس ہوا تھا۔

''لیکن میں تو شہوار کے ہاں جانا چاہتی ہوں۔''

''صاحب نے سختی سے منع کیا ہے' بھلے وہ شہوار بی بی کا ہی گھر کیوں نہ ہو' صاحب نے کہہ رکھا ہے کہ آپ اکیلی نہیں جا سکتیں۔'' انا کے اندر ایک دم انتہائی ذلت کا احساس پیدا ہوا تھا۔ وہ لب بھینچ کر بیٹھی رہی تھی۔ موبائل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ شہوار سے رابطہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ گھر آئی تو اندر باہر سے جھلس رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو تہس نہس کر دے۔ یعنی اس کے والدین کو اب اس پر اعتبار نہیں رہا تھا۔ ایسا دکھ تھا کہ دل چاہ رہا تھا کہ اپنا آپ ختم کر ڈالے۔ شام تک وہ کمرے سے نہیں نکلی تھی۔

صبوحی گھر آئیں تو روشی نے بتایا کہ وہ مسلسل کمرے میں بند ہے' کل رات سے کھانا پینا بھی بند ہے' پتا نہیں کالج میں بھی کچھ کھایا تھا کہ نہیں۔ صبوحی کے اندر شدید اذیت کی لہر اٹھی تھی۔

انہیں اپنی یہ عزیز از جان اکلوتی بیٹی اب اپنی زندگی کا بہت بڑا امتحان محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اس کے کمرے میں آئیں تو دروازہ لاک تھا' دستک دی تو جواباً انا کی آواز سنائی دی تھی۔

''کھانا مجھے نہیں کھانا پینا' اس لیے اب کوئی ادھر آیا تو میں اس کا سر پھاڑ دوں گی۔'' صبوحی نے گہرا سانس لیا۔ انا ایسی تو نہ تھی۔

''انا! دروازہ کھولو' میں ہوں......'' انہوں نے قدرے اونچی آواز میں کہا تو کچھ لمحوں بعد دروازہ کھل گیا تھا۔

وہ اس کے کمرے میں آئیں تو ہر چیز تہس نہس تھی۔ انہوں نے تاسف بھری نگاہ کمرے پر ڈال کر انا کو دیکھا' وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھی۔

''یہ سب کیا ہے انا! کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟'' انہوں نے برہمی سے پوچھا تو انا نے پلٹ کر دیکھا۔ عجیب سی شکست خوردہ' بکھری سی لگی تھی وہ انہیں' روئی سوجی آنکھیں' متورم چہرہ۔

''آپ لوگوں کو مجھ پر اب اعتبار نہیں رہا' آپ سب کے نزدیک میں ایک ناقابل اعتبار لڑکی ہوں۔'' جواباً اس نے کہا تو صبوحی نے گہرا سانس لیا۔

''بات آپ لوگوں تک رہتی تو ٹھیک تھا' لیکن دکھ تو یہ ہے کہ مجھے اپنے ہی گھر کے ڈرائیور کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی گئی ہے یہ کہہ کر کہ انا بی بی کہیں بھی اکیلی نہیں جا سکتی۔'' اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

''یہ سب ہم تمہاری سکیورٹی کے لیے کر رہے ہیں بیٹا۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

''نہیں چاہیے مجھے ایسی سکیورٹی' جس میں بے اعتباری ہو۔ اگر میں اتنی ہی ناقابل اعتبار ہو چکی ہوں تو مجھے کالج کیوں جانے دے رہے ہیں' گھر کیوں نہیں بٹھا لیا۔'' وہ زور سے چیخی تھی تبھی دروازے میں سے اندر داخل ہوتے وقار نے نہایت ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

''تمیز سے بات کرو انا۔'' بہت برہمی سے کہا تھا۔ باپ کو دیکھ کر وہ لب بھینچ گئی تھی۔

''جو کچھ تم کر چکی ہو اس کے بعد تم اعتبار یا یقین کی بات کرو تو احمقانہ سی بات ہے۔ ہم بہت حوصلے سے تمہاری یہ ساری بدتمیزیاں جھیل رہے ہیں، یہی کافی ہے۔'' وہ باپ کے سامنے سر جھکا کر کھڑی رہی تھی۔

''زندگی ایک دم سے عذاب بنا دی ہے تم نے، آخر کیا کمی ہے ولید میں کیوں کر رہی ہو تم یہ سب؟'' پھر وہی سوال تھے انا کا جی چاہا کہ خود کو شوٹ کر لے۔

''اگر تم حماد جیسے لڑکے کو ولید کے مقابل لا کر ہمیں یہ باور کروانا چاہتی ہو کہ ہم تمہارے فیصلے کو اہمیت دیں تو غلط کر رہی ہو، ولید کی جگہ ہم کسی کو نہیں دے سکتے۔'' انا نے خاموشی سے باپ کو دیکھا۔

''اس لیے اب یہ جذباتیت ختم کرو اور نارمل لوگوں کی طرح زندگی گزارنا سیکھو، تم اب بچی نہیں رہی کہ تمہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم ڈکٹیٹ کرتے پھریں۔'' انداز میں تحکم تھا۔

''میں آج کل میں تمہاری اور ولید کی شادی کی تاریخ فائنل کر رہا ہوں، اب اگر تم نے کوئی ری ایکٹ کیا تو میں سمجھوں گا کہ میری کوئی بیٹی ہی نہ تھی۔ حماد یا ہم میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔ انتخاب تمہارا ہوگا، ہم بھی صبر کر لیں گے اور بہت سے زندہ مر جانے والوں پر انسان آخر کار صبر کر ہی لیتا ہے۔'' انداز فیصلہ کن تھا۔ صبوحی نے ڈر کر شوہر کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں چٹانوں کی سی سختی تھی، انہوں نے انا کو بھی دیکھا وہ لب بھینچے کھڑی تھی۔

''تمہارے پاس کل کا دن ہے اچھی طرح سوچ لینا اور پھر جواب دینا۔'' وہ پلٹے اور پھر رکے تھے۔

''حماد کا انتخاب کرو گی تو پھر ہم سب سے سب رشتے توڑ کر جانا ہوگا۔'' انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا، وہ کمرے سے نکل گئے تھے، انا خاموشی سے زمین پر بیٹھی چلی گئی تھی۔

''انا..... دیکھو بیٹا! زندگی میں اونچ نیچ ہو جاتی ہے، والدین اولاد کی بہت سی خطائیں معاف کر دیا کرتے ہیں۔ تم اپنے پاپا کی بات مان لو، وہ بالکل بھی خفا نہیں رہیں گے۔'' انا خاموشی سے گھٹنے پر سر ٹکا گئی تھی۔ اس کا انداز سپاٹ اور بے حس تھا، صبوحی کا جی چاہا کہ ایک دم اسے جھنجوڑ دیں۔

''ولید ایک بہت ہی قابل انسان ہے، کوئی بھی لڑکی اس کے ساتھ پر فخر کر سکتی ہے۔''

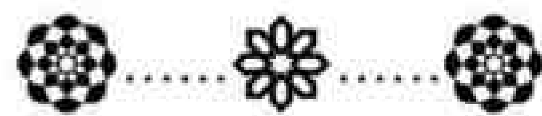
''لیکن میں اس قابل انسان کے لائق نہیں ہوں اور میں اس کے ساتھ پر فخر کرنے والوں کی لائن میں شامل نہیں ہو سکتی۔'' انا کا انداز اٹل اور سپاٹ تھا۔

صبوحی کو لگا جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ دیا ہو۔

''پاپا کو کہہ دیں حماد ان کو قابل قبول نہیں تو ٹھیک ہے کسی بھی اپنے پسندیدہ انسان کے ساتھ لمحوں میں مجھے اس گھر سے نکال دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ان کی اس پسندیدہ انسان کی لسٹ میں ولید ضیاء نہیں ہوگا۔'' روشی کے ساتھ اندر آتا ولید وہیں رک گیا تھا۔

''مجھے کبھی بھی ولید ضیاء قبول نہیں، نہ آج اور نہ کل۔'' ولید ایک دم تیزی سے واپس پلٹا تھا۔ روشی نے بہت دکھ سے اپنے بھائی کو جاتے دیکھا تھا۔ صبوحی نے تاسف سے اپنے سامنے بیٹھی انا کو دیکھا جو گھٹنوں میں منہ دے کر ایک دم بُری طرح رو دی تھی، ان کے اندر اسے اس طرح روتے دیکھ کر سمیٹ لینے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت اذیت بھری نگاہ ڈال کر وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔ انا فیصلہ کر چکی تھی وہ جانتی تھی وقار احمد بھی ایک فیصلہ کر چکے ہیں اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ یہ دونوں اپنے اپنے فیصلوں سے اب کبھی بھی نہیں ہٹیں گے ان کے اندر کی ماں ایک دم تڑپی تو وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہچکیوں کا گلا دباتیں تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھیں۔

روشی نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا اور پھر وہ بھی پلٹ آئی تھی۔ وہ جانتی تھی اس وقت اس کی کہی کوئی بھی بات انا پر اثر نہیں کرے گی وہ انا کا فیصلہ جان کر خود بھی دکھی تھی۔ اسے انا پر غصہ بھی آ رہا تھا اور ترس بھی۔ کاش وہ اپنے بھائی کے لیے انا سے لڑ سکتی، روشی کے اندر بہت کچھ بہت شدت سے ٹوٹا تھا۔



ہادیہ رابعہ سے ملنے آئی تھی، سہیل اور ابوبکر کسی کام سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ رابعہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی، وہ اسے اپنے جہیز کی

اشیاء دکھانے لگ گئی تھیں۔ ابوبکر نے جہیز لینے سے منع کر دیا تھا وہ اپنا گھر خود ڈیکوریٹ کر رہا تھا' تاہم ثریا بیگم نے اپنے ابوبکر کے منع کرنے کے باوجود کافی کچھ تیار کر لیا تھا۔

کپڑوں اور زیورات کے علاوہ الیکٹرانکس کی اشیاء اور گھر کی سجاوٹ کے لیے فرنیچر وہ دے رہے تھے۔ ابوبکر نے بہت منع کیا لیکن پھر ان کی محبت کے سامنے بے بس ہو گیا تھا۔

''کتنی عجیب سی بات ہے میں ابھی تک اپنے ہونے والے جیجا جی کو ہی نہیں دیکھ سکی۔'' کپڑے اور زیورات دیکھتے ہادیہ نے حسرت سے کہا۔

''ماشاء اللہ ابوبکر بہت ہی پیارا انسان ہے' ہماری رابعہ کے ساتھ تو بہت ہی جچے گا۔'' بھابی نے محبت سے کہا تو رابعہ مسکرا دی۔

''خالی خولی تعریفوں سے کام نہیں چلے گا بلکہ میں تو ان سے ملے بغیر آج ٹلنے والی نہیں۔ کتنی حیرت کی بات ہے نا' شادی میں محض چند دن باقی ہیں اور ابھی تک مجھے جناب عزت مآب دلہا صاحب سے شرف ملاقات ہی حاصل نہیں ہو سکا۔''

''ہاں تو وہ سہیل کے ساتھ کسی کام سے نکلا ہے' کچھ دیر میں آجاتا ہے تو مل لینا۔'' بھابی نے چیزیں سمیٹتے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''تمہارے آفس سے کون کون آئے گا رابعہ؟'' بھابی نے جاتے جاتے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں......تم نے انوائٹ نہیں کیا؟''

''چند ایک لوگوں کو بلایا ہے اور سر کو بھی کارڈ دے دیا تھا' زیادہ کو میں نے نہیں بلایا۔''

''تم چائے پیو گی؟'' بھابی سامان سمیٹ چکی تھیں رابعہ کو چائے کی طلب ہو رہی تھی اس نے ہادیہ سے پوچھا۔

''بالکل۔''

رابعہ چائے بنانے باہر آ گئی تھی وہ ابھی کچن میں چائے تیار کر رہی تھی جب ابوبکر اور سہیل بھائی چلے آئے تھے۔ سہیل بھائی باہر سے بیکری کا سامان لائے تھے' شاپر لا کر اسے تھما دیے تھے۔

''ہمارے لیے بھی چائے لانا گڑیا!'' سہیل بھائی نے آواز لگائی تو اس نے سر ہلا دیا۔

ابھی گھر میں مہمان آنا شروع نہیں ہوئے تھے ابوبکر ابھی ادھر ہی تھا' اسے ایک دو دن میں اپنے گھر شفٹ ہونا تھا' دونوں کا آمنا سامنا صرف سلام دعا کی حد تک تھا۔

وہ سب کے لیے چائے لائی تھی' آج ماموں بھی گھر پر تھے۔ اس نے ٹرے لا کر صحن میں ٹیبل پر رکھ دی' ابوبکر ماموں اور سہیل بھائی وہیں موجود تھے' اماں بھی نماز پڑھ کر وہیں آ گئی تھیں۔

''چائے تیار ہے آجائیں سب۔'' اپنے کمرے میں موجود بھابی اور ہادیہ کو کہا۔

''خالی چائے یا کچھ کھانے کو بھی ہے۔'' ہادیہ کو بھوک لگ رہی تھی۔

''فکر نہیں کرو تمہاری بھوک مٹانے کا سارا سامان موجود ہے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''باہر آجاؤ' سبھی صحن میں ہیں اسی بہانے تم ابوبکر سے بھی مل لو گی' وہ اور بھائی ابھی آئے ہیں۔''

''ارے واقعی۔'' ہادیہ ایک دم ایکسائٹڈ ہوئی۔

''بالکل۔'' وہ مسکرائی۔

ہادیہ کھڑی ہوئی تھی' اپنے کپڑے درست کرتے وہ باہر نکلی تھی۔ ہادیہ کے عقب میں وہ بھی تھی' دونوں چلتی ہوئی صحن میں آ گئی تھیں۔

''کہاں ہے ابوبکر؟''

''یہ سہیل بھائی کے ساتھ بیٹھے ہیں؟'' سہیل بھائی اور ابوبکر دونوں کی ان کی طرف سے پشت تھی۔

''چلو میں خود جا کر سلام دعا کر لیتی ہوں۔'' ہادیہ چند قدم آگے بڑھ کر ان کے پاس آ رکی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے سہیل اور ابوبکر کو سلام کیا۔ ابوبکر نے ایک دم سر اٹھا کر دیکھا تھا' ہادیہ اپنی جگہ ساکت سی ہو گئی تھی۔

''ابوبکر......'' اس کے لب پھڑپھڑائے تھے۔ ابوبکر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو وہ اپنی جگہ پتھر کی بن گئی تھی۔



نکاح کے سارے انتظامات بخشو نے کیے تھے' وہی گواہان کا بندوبست کرتا رہا تھا۔ نکاح کی کارروائی ہاسپٹل میں ہی سرانجام دی گئی تھی۔ زبین کی ماں نکاح کے بعد ایک دم پرسکون ہو گئی تھی۔ حیات علی نکاح کے وقت بہت سنجیدہ تھے تاہم زیب النساء عرف زبین کو پا کر وہ مطمئن بھی تھے۔ زیب النساء کی ماں کو چند دن ہاسپٹل ایڈمٹ رہنا تھا وہ زبین کو لے کر اپنے چھوٹے سے فلیٹ میں آ گئے تھے۔

فلیٹ اگرچہ چھوٹا سا تھا لیکن خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ زبین اس نئے رشتے کے سبب شرمائی شرمائی سی تھی' وہ حیات علی سے بہت جھجک محسوس کر رہی تھی۔ وہ اسی سادہ سے حلیے میں ملبوس تھی جس میں وہ حیات علی اور اپنی ماں کے ساتھ ہاسپٹل آئی تھی۔

''بیٹھو۔'' وہ اسے اپنے بیڈروم میں لے آئے تھے۔ وہ جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی۔

''کچھ کھاؤ گی؟'' حیات علی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا جبکہ شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی' رات سے کچھ نہیں کھایا تھا اس نے۔

''تم بیٹھو میں آتا ہوں۔'' وہ اسے کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد وہ اطمینان سے اس سجے سجائے سے کمرے کو دیکھنے لگی تھی۔ کمرے میں بیڈ کے علاوہ ایک الماری اور رائٹنگ ٹیبل بھی تھی' کونے میں ایک صوفہ بھی موجود تھا' کمرہ نفاست سے سجا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ آئے تھے ان کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں چائے اور کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ لگتا تھا چائے خود تیار کی تھی اور کھانے کی چیزیں باہر سے لائے تھے۔

''یہ لو چائے پیو۔'' انہوں نے کپ اٹھا کر زبین کو دیا تو اس نے جھجکتے ہوئے تھام لیا تھا۔ انہوں نے چائے کے دوران زیب النساء کو اپنے بارے میں کافی کچھ بتا دیا تھا' اپنے خاندان' بیوی اور بچوں سے متعلق ہر بات۔

''آپ کے گھر والے تو مجھے دیکھ کر بہت ناراض ہوں گے۔'' وہ سب سننے کے بعد پہلی بار مکمل جملہ ادا کر پائی تھی۔

''فی الحال تو میں وہاں کسی کو بھی نہیں بتا رہا' بابا جان تو بہت ناراض ہوں گے کوئی مناسب موقع دیکھ کر بات کروں گا۔ وہ غصے کے بہت تیز ہیں' ہمیشہ اپنی منواتے ہیں۔ سب ان کے فیصلوں کو اہمیت دیتے ہیں' میری کم عمری کی شادی بھی ان کے فیصلہ کا نتیجہ تھی۔'' حیات علی نے بتایا تو زیب النساء کا خوف کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

وہ صاف محسوس کر سکتی تھی کہ آنے والی زندگی اس کے لیے مزید مشکل ہو سکتی ہے۔ حیات علی اچھے انسان تھے' بہت سادہ اور نرم مزاج۔

اگلے دن تک زیب النساء پر ان کی شخصیت کے بہت سے مثبت پہلو واہوئے تھے جن میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ بہت محبت کرنے والے انسان ہیں۔ وہ اپنی ماں سے ملنے ہاسپٹل گئی تھی اس کی ماں اسے خوش دیکھ کر ایک دم مطمئن ہو گئی تھی۔

حیات علی کو گاؤں واپس جانا تھا لیکن یہاں زیب النساء اور اس کی ماں کی بھی ذمہ داری تھی۔ وہ زیب النساء کو کئی دلاسے دے کر بخشو کو دونوں کا خیال رکھنے کا کہہ کر گاؤں واپس لوٹ آئے تھے اور پھر زیب النساء کا انتظار شروع ہو گیا تھا۔



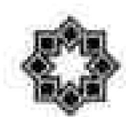
ہادیہ کچھ کہے بغیر واپس پلٹی اور تیزی سے واپس رابعہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' ہادیہ کا ری ایکشن ایسا تھا کہ رابعہ بھی الجھ گئی تھی۔ وہ بھی پیچھے چلی آئی تھی۔

''تم تو ابوبکر سے ملنا چاہتی تھیں نا؟'' ہادیہ ایک دم بے جان انداز میں بستر پر گر گئی تھی۔

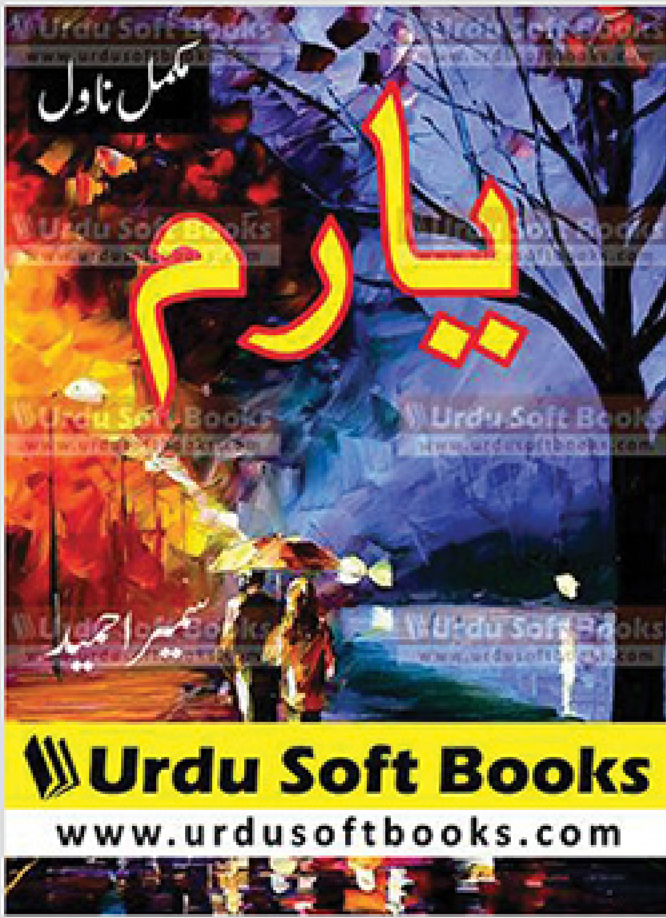
''وہی ابوبکر جس کی میں کئی سالوں سے منتظر تھی۔'' اگلا جملہ ایسا تھا کہ رابعہ کو لگا کہ جیسے اس کے اعصاب پر کسی نے بم پھوڑ دیا ہو۔ وہ ایک دم منہ پر ہاتھ رکھے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

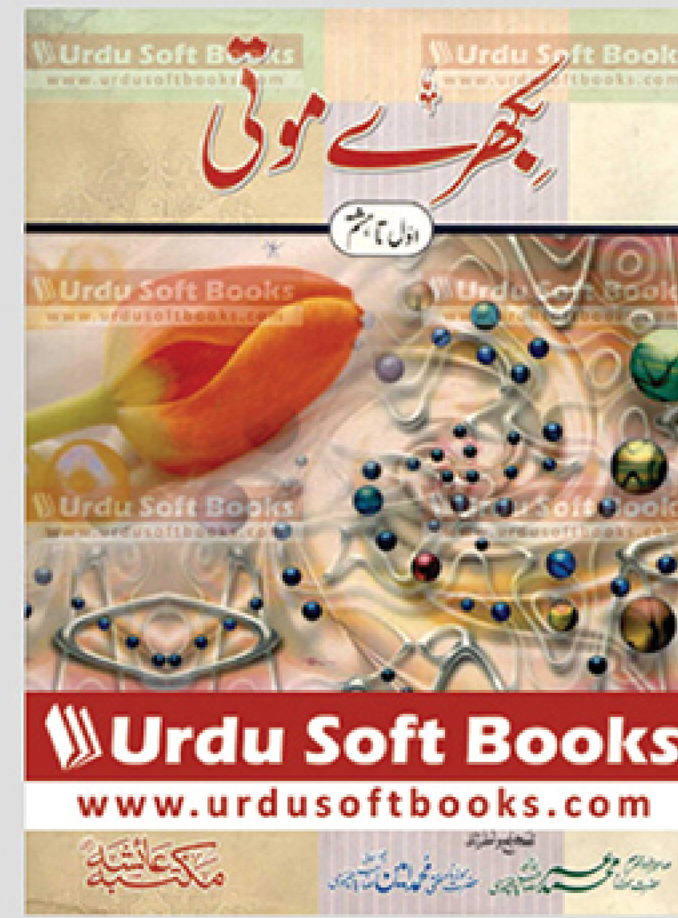


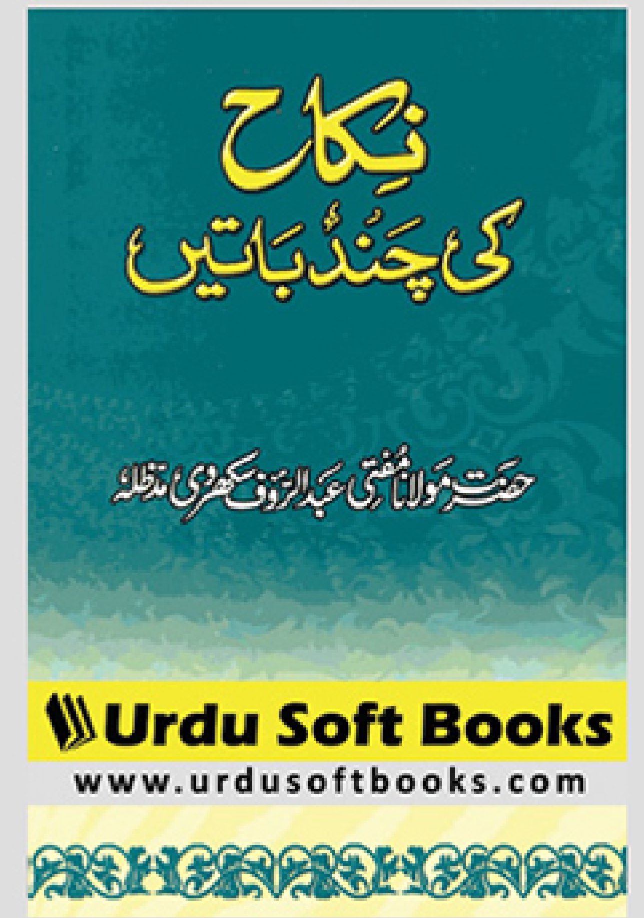
Download These Beautiful PDF Books

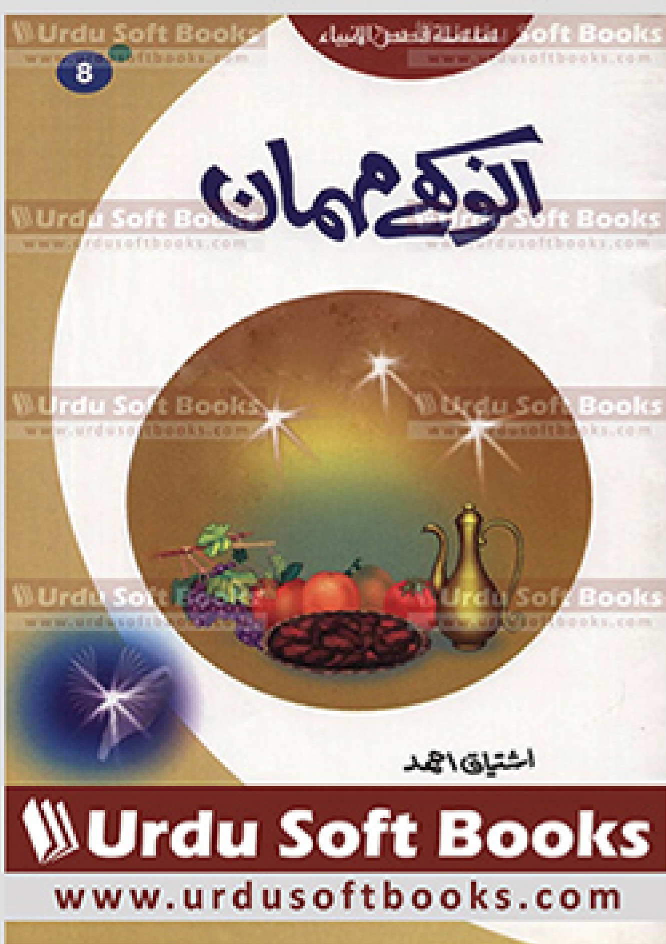
Click on Titles to Download

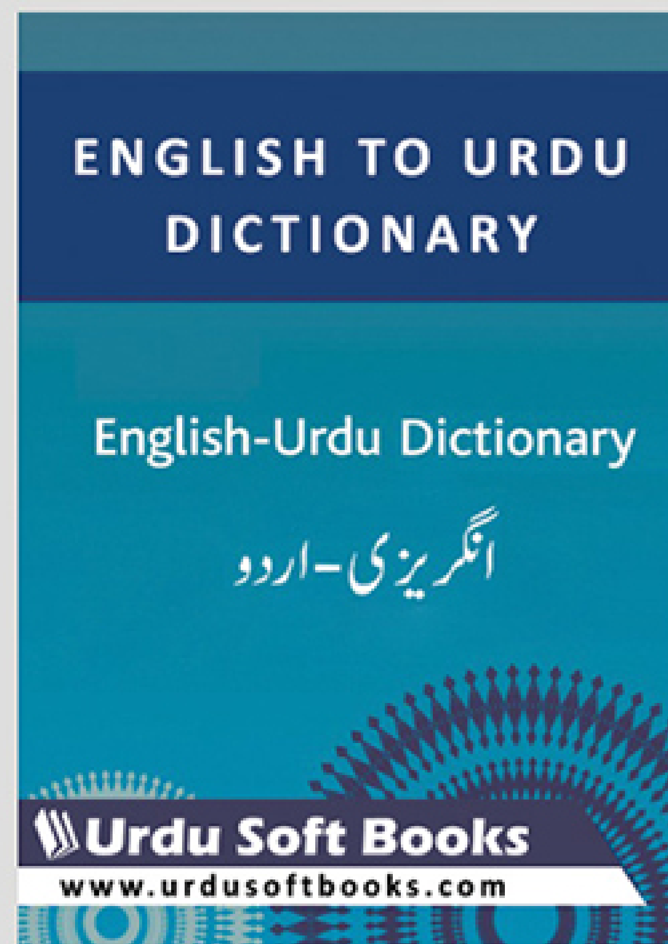




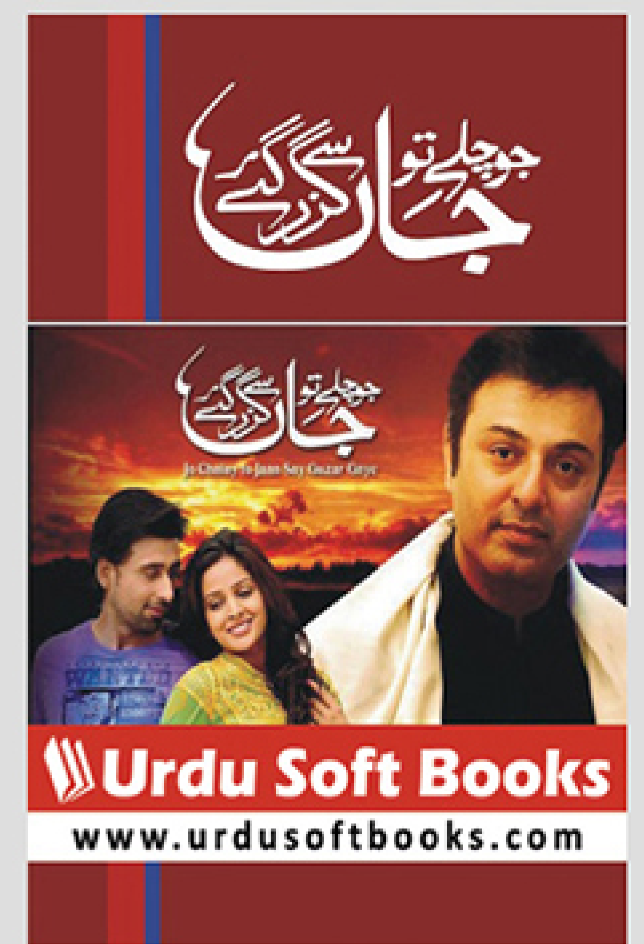


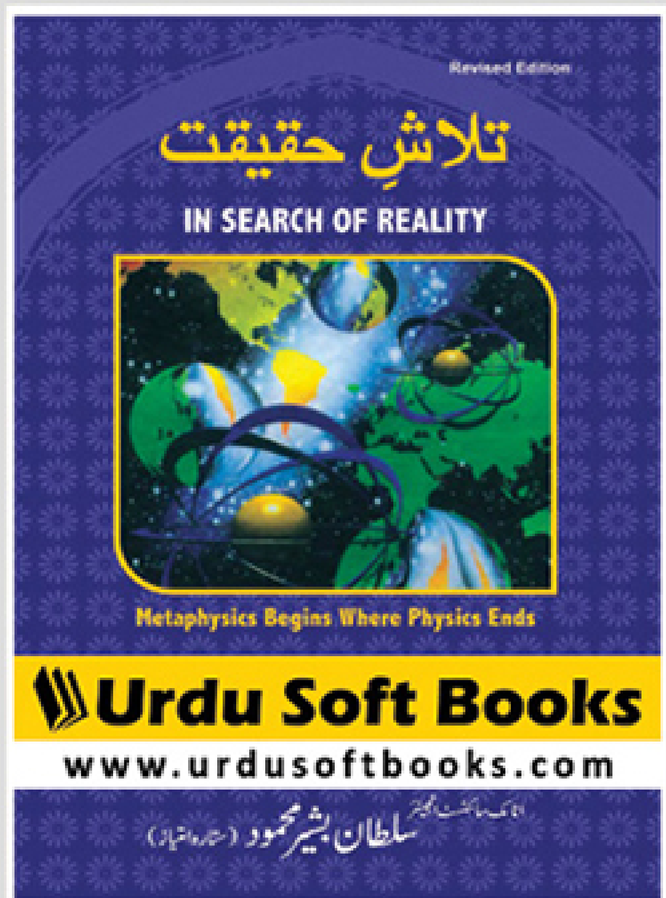


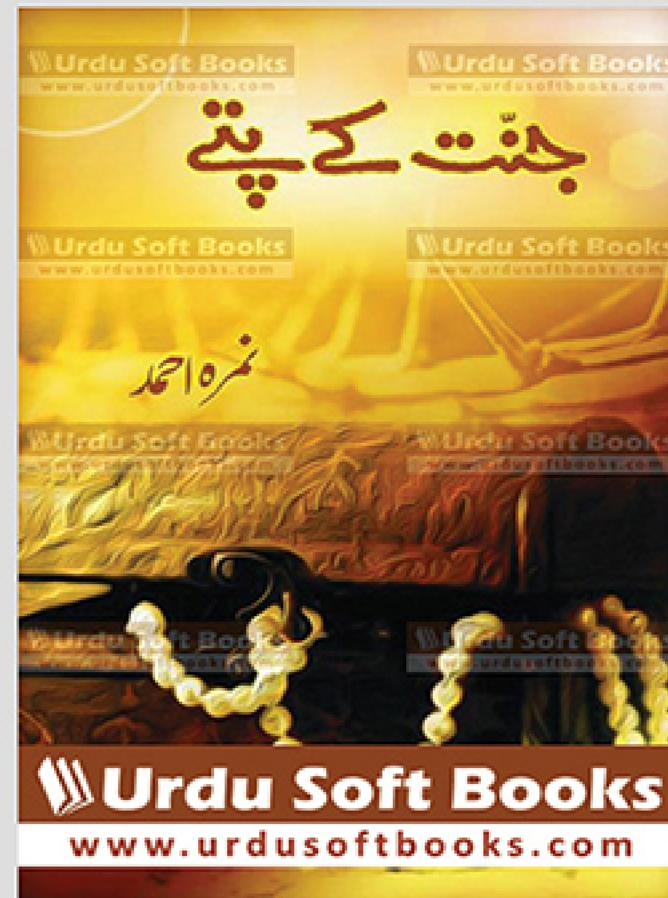


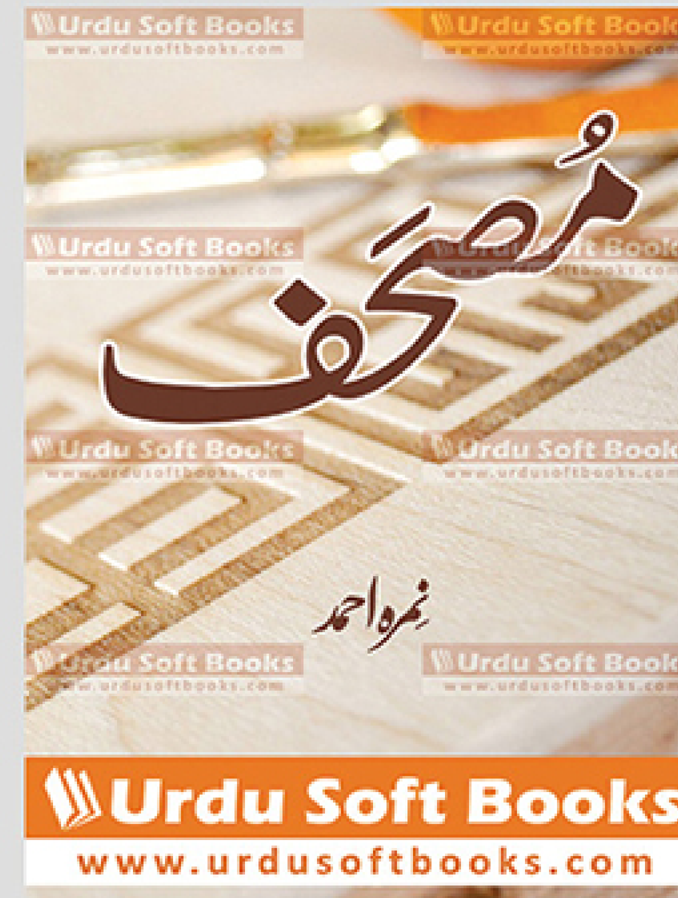




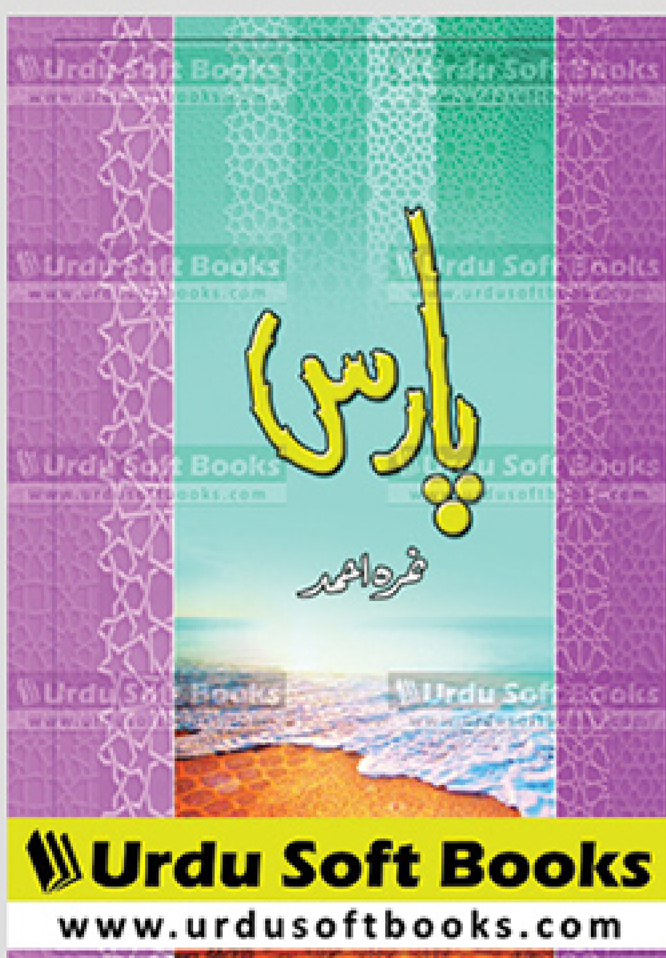




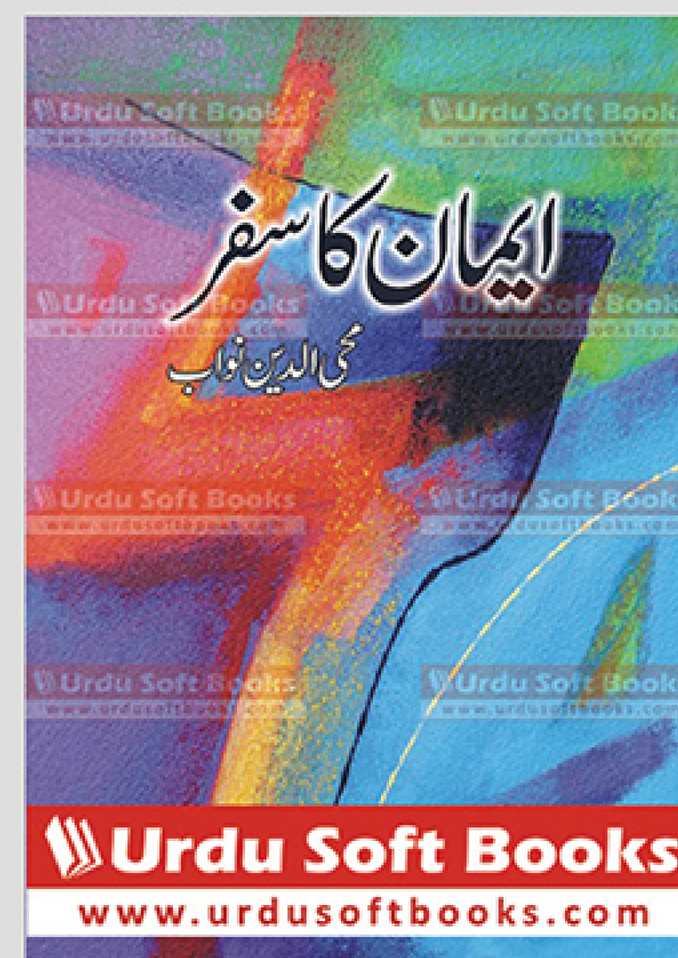














ٹوٹا ہوا تارا...... سمیرا شریف طور

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

اپنی ذات میں آنے والی اس تبدیلی پر شہوار بے حد خوش ہوتی ہے لیکن اس خوشی کے موقع پر تابندہ کی غیر موجودگی پر افسردہ ہو جاتی ہے ایسے میں مصطفیٰ اپنی چاہت و بھرپور توجہ سے اسے سنبھال لیتا ہے۔ احسن نہایت غصے کے عالم میں حماد کے آفس پہنچ کر اسے انا سے دور رہنے کا کہتا ہے حماد اس کے دھمکی آمیز رویے کو خاطر میں لائے بغیر صاف الفاظ میں انا کے لیے رشتہ بھیجنے کی بات کرتا ہے اس سلسلے میں انا کی جانب سے پیش قدمی کا سن کر احسن شدید اشتعال میں آ جاتا ہے۔ حماد انا کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتے اپنے گھر والوں کو لانے پر بضد ہے جبکہ احسن کے اس اقدام پر انا حیران رہ جاتی ہے۔ کاشفہ کی دھمکی آمیز فون کالز انا کا سکون برباد کیے رکھتی ہیں۔ دوسری طرف روشی اس کے انداز پر چونک جاتی ہے لیکن انا خود سے اسے کچھ نہیں بتاتی روشی اس موضوع پر ولید سے بات کرتی ہے اسے لگتا ہے ضرور انا کو بلیک میل کیا جا رہا ہے ولید ایک بار پھر انا سے بات کرتا ہے جب ہی اس کے موبائل پر کاشفہ کی کال آ جاتی ہے ولید اس کے ہاتھ سے موبائل لینے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس سے پہلے انا اپنا فون دیوار پر دے مارتی ہے انا کی اس حرکت پر شدید اشتعال کا شکار ہوتے ولید کا ہاتھ اس پر اٹھ جاتا ہے جبکہ انا ولید کے اس جارحانہ سلوک پر مزید بدظن ہو جاتی ہے۔ چوہدری حیات علی رقم کا انتظام کر کے شہر پہنچتے ہیں تو وہاں شادی کی تیاریاں دیکھ کر اضطراب میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ اس معاملے میں صفدر سے بات کرتے ہیں جبکہ صفدر اپنی مجبوریوں کا رونا رو کر انہیں مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے صفدر اس جواری کو فی الحال ٹال دیتا ہے اس کے لیے اتنی بڑی رقم کا تصور ہی بہت خوش آئند ہے جبکہ زیب النساء کی ماں انہیں تمام حقیقت سے آگاہ کرتے صفدر کی لالچی طبیعت کا بتا کر اپنی بیٹی سے نکاح کی درخواست کرتی ہیں لیکن حیات علی اپنی شادی شدہ زندگی کا بتا کر اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہیں دوسری طرف اس عورت کی بگڑتی حالت کے پیش نظر وہ فوراً ہی زیب النساء سے نکاح پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور فی الحال اپنے گھر والوں کو اس بات سے لاعلم رکھتے زیب النساء کو تمام حقیقت سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ زیب النساء حالات سے سمجھوتہ کرتے یہ جان لیتی ہے کہ ابھی ایک کٹھن زندگی اس کے سامنے ہے اور چوہدری حیات علی گاؤں لوٹ جاتے ہیں اور زیب النساء کی زندگی میں سوائے انتظار کے کچھ نہیں بچتا۔ کالج سے واپسی پر انا کا ارادہ شہوار کی طرف جانے کا ہوتا ہے لیکن ڈرائیور کے انکار پر وہ شدید اشتعال میں آ جاتی ہے گھر والوں کی اس بے اعتمادی پر وہ بکھر جاتی ہے جب ہی صبوحی بیگم اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہیں دوسری طرف وقار صاحب حماد اور گھر والوں میں کسی ایک کا چناؤ اس کے سامنے رکھ کر اسے مزید اضطراب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ رابعہ کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہوتی ہیں جب ہی ہادیہ رابعہ سے اصرار کرتی ہے کہ وہ اسے ابوبکر سے ملوائے لیکن ابوبکر سے ملنے کے بعد ہادیہ بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے دوسری طرف رابعہ بھی صدمے سے گنگ رہ جاتی ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾



''آپ ہادیہ کو کب سے جانتے ہیں؟'' ابوبکر اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا لیکن رابعہ کی بات سن کر ایک دم چونک اٹھا۔ وہ پلٹا اور رابعہ کے سامنے آ رکا۔

''ہادیہ......؟'' سر جھکائے ابوبکر نے کہا تو رابعہ ایک دم تیزی سے بولی۔

''میری دوست۔'' اس کے چہرے پر ایک دم کھنچاؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

''وہی جس سے آپ شام میں مل چکے ہیں۔'' اس نے یاددہانی کرائی تو ابوبکر نے ایک گہرا سانس لیا۔

''جسے دیکھ کر آپ چونک گئے تھے۔'' ابوبکر نے خاموشی سے اپنے ماتھے پر دائیں ہاتھ کی انگلیاں اضطرابی انداز میں رکھی اور پھر رابعہ کو دیکھا وہ بہت سنجیدگی لیے سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں تھا۔''

''جھوٹ مت بولیں۔'' وہ ایک دم تیزی سے بات کاٹ گئی۔

''جھوٹ نہیں بول رہا آپ کچھ نہیں جانتیں، اس لیے آپ......!''

''میں وہ سب کچھ جانتی ہوں، جو آپ نے مجھ سے چھپایا ہے ہادیہ میری بیسٹ فرینڈ ہے اس کی زندگی کے ایک ایک گوشے ایک ایک لمحے کی گواہ ہوں میں اس کے جذبات، اس کے احساسات کچھ بھی تو مجھ سے چھپا ہوا نہیں ہے؟''

"میں نے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ میں نے کئی بار آپ کو اپنے بارے میں بتانا چاہا لیکن آپ نے کہا کہ آپ کو کچھ نہیں جاننا آپ اپنی دوست ہادیہ کے بارے میں کیا جانتی ہیں مجھے نہیں علم۔" ابوبکر کا انداز مستحکم تھا۔ رابعہ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میرے باپ نے دوسری شادی کر لی تھی میری اپنی اسٹیپ مدر سے کبھی بھی نہ بن سکی تھی وہ زندگی کا بہت جذباتی دور تھا ایک دن شدید جھگڑے کے بعد میں گھر سے نکل پڑا تھا۔ مختلف جگہوں پر دھکے کھانے کے بعد میں خان بابا کے پاس پہنچا تھا۔ وہ میری والدہ کے رشتے دار تھے وہ اکثر ہمارے پاس آتے رہتے تھے وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے، خان بابا ہادیہ کے گھر ملازم تھے۔ برسوں پرانے ملازم، مجھے ہادیہ بی بی کے والد نے اپنے گھر کے سرونٹ کوارٹر میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ میں خان بابا کا رشتے دار تھا پہلے ٹائم کالج جاتا پھر ٹیوشنز پڑھاتا اور جو وقت بچتا میں ان کے گھر کے چھوٹے موٹے کام کر دیتا تھا مجھے ڈرائیونگ آتی تھی ہادیہ بی بی کے والد نے مجھے ڈرائیور رکھ لیا، تب ہادیہ بی بی اور ان کی والدہ کو باہر لانے لے جانے میں، میں نے محسوس کیا کہ ہادیہ بی بی میری ذات میں غیر معمولی کشش محسوس کرنے لگی ہیں میں ہمیشہ اپنی ذات کے دائرے میں گھرا رہنے والا انسان تھا۔ میں ان کی غیر معمولی دلچسپی سے ڈر گیا تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں بھلا میں ان کے لیول کا کیونکر ہو سکتا تھا انہوں نے مجھ سے کبھی بھی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن میں ہر وقت ان کی دن بدن بڑھتی غیر معمولی توجہ دیکھ کر الجھنے لگا تھا وہ خوب صورت تھیں پڑھ رہی تھیں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں صاحب جائیداد تھیں بھلا میں کیونکر ان کے معیار تک پہنچ پاتا یہ ٹھیک ہے کہ میرے والد معاشرے میں ایک اچھی پوزیشن رکھتے تھے لیکن اپنی سوتیلی والدہ کے سبب میں نے گھر چھوڑ دیا تو دوبارہ کبھی اس گھر میں واپس جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ ہادیہ بی بی کی وجہ سے مجھے لگنے لگا کہ اگر میں وہاں مزید رہا تو میری پوزیشن خراب ہو سکتی ہے ان کے والد مجھ پر بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتے تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی وجہ سے میری ساکھ خراب ہو، تبھی میں نے کچھ دوستوں کی مدد سے امریکہ ویزہ کے لیے اپلائی کر دیا تھا اسکالرشپ کی بنیاد پر میری قسمت اچھی تھی جو بہت جلد میں اسکالرشپ کے لیے سلیکٹ ہو گیا تھا میں نے بس خان بابا سے ذکر کیا تھا اور پھر میں خاموشی سے وہاں سے امریکہ چلا گیا تھا وہاں جا کر ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ میں نے جاب شروع کر دی تھی مجھے اپنے بل بوتے پر اپنا کیریئر بنانا تھا سو تب ہی مجھے سہیل ملا ہماری دوستی ہو گئی جو آج بھی برقرار ہے۔" وہ سب بتا کر خاموش ہو گیا تو رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ابوبکر کی کہانی میں کسی بھی قسم کا کوئی جھول نہیں تھا حرف حرف سچ تھا۔

یہ سب کچھ تو وہ ہادیہ سے بھی سن چکی تھی لیکن ابوبکر کون تھا کیا بیک گراؤنڈ تھا یا کہاں غائب ہو گیا تھا نہ ہادیہ کو علم تھا اور نہ ہی اسے پتا تھا۔ رابعہ آہستگی سے ایک طرف رکھی کرسی پر گر سی گئی تھی۔

"وہ پاگل ہے، اس نے زندگی میں صرف ایک شخص سے محبت کی تھی اور وہ آپ تھے اس کے اتنے اچھے اچھے رشتے آتے ہیں اور وہ انکار کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ بھی جانتی ہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے اسے نجانے کیوں ایک امید سی تھی کہ آپ ضرور واپس آئیں گے۔" رابعہ کے الفاظ پر ابوبکر نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔

"اس کے والدین بہت پریشان ہیں لیکن وہ شادی کے لیے نہیں مانتی۔" ابوبکر خاموشی سے سنتا رہا۔

"ایک بات بتائیں گے؟" رابعہ نے اچانک سر اٹھا کر ابوبکر کو بغور دیکھتے پوچھا تو وہ بھی دیکھنے لگا۔

"ہادیہ کی محبت کیا یک طرفہ تھی یا آپ بھی؟" وہ بات ادھوری چھوڑ کر بغور دیکھنے لگی۔

ابوبکر نے اضطراری انداز میں لب بھینچتے انگلیاں مسلتے کمرے میں چکر لگایا۔

"ہماری شادی ہو رہی ہے اب اس سوال کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں محبت وحبت پر یقین نہیں رکھتا حقیقت یہ ہے کہ سہیل اور آپ کی فیملی کے ساتھ میری کمٹمنٹ ہو چکی ہے اور میں ہر حال میں کمٹمنٹ نبھانے والا انسان ہوں۔"

"اور دوسری طرف جو ایک لڑکی کی زندگی برباد ہو جائے گی وہ......؟" وہ تڑپ اٹھی۔

"وقت سب سے بڑا مرہم ہے، پھر میرے اور ہادیہ بی بی کے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے۔" انداز میں ایک دم سنجیدگی در آئی تھی۔

"وہ کوئی عام سی جذباتی لڑکی نہیں ہے، اس نے دل کی گہرائیوں سے آپ کو چاہا تھا وہ آپ کی خاطر ایک آس ایک امید میں خود پر زندگی کا ہر دروازہ بند کر کے آپ کی آمد کی منتظر تھی اور اب جبکہ اسے علم ہو چکا ہے کہ آپ واپس آ چکے ہیں میری شادی آپ سے ہو رہی ہے وہ بالکل ٹوٹ جائے گی۔"

"تو بتایئے میں کیا کر سکتا ہوں؟" ابوبکر نے پوچھا تو رابعہ خاموش ہو گئی۔

چند دن بعد اس کی شادی تھی۔ اگر وہ انکار کرتی تو سارے خاندان میں بدنام ہو جاتی اور اگر ابوبکر انکار کرتا تو سہیل اور ابوبکر کے رشتے کے درمیان ایک خلیج پیدا ہو جاتی تھی۔

”میں ایک پریکٹیکل سوچ رکھنے والا انسان ہوں میرے پاس بہت سارے رشتے نہیں ہیں سہیل کی دوستی میں، میں نے ایک بھائی کا سا پیار حاصل کیا ہے اور آپ کی فیملی سے گھر جیسی محبت۔ اب ان سب کے اعتماد کو نہیں توڑ سکتا۔“

”آپ واقعی ہادیہ سے محبت نہیں کرتے؟“ سوال ایسا تھا کہ ابوبکر چند پل کو بالکل خاموش ہو کر رہ گیا۔

رابعہ نے بہت دکھ سے ابوبکر کو دیکھا اور پھر سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔



چند دن گزرے تھے انہیں اطلاع ملی تھی کہ زیب النساء کی ماں کی طبیعت بہت خراب ہے وہ شہر جانے کی تیاری کرنے لگے تھے۔

”کہاں جا رہے ہیں؟“ زبیدہ نے انہیں تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

”شہر۔“ انہوں نے مختصر کہہ کر سفید شلوار قمیص کے اوپر بلیک واسکٹ پہنی۔

”آج کل آپ شہر کے بہت چکر لگانے لگے ہیں۔“ انداز میں کھوج تھی حیات علی کے ہاتھ رک دم رک گئے تھے۔

”کیا مطلب؟“ بغور بیوی کو دیکھا۔

”کچھ دن پہلے ہی تو آپ شہر سے ہو کر آئے ہیں اب ایسا کیا ضروری کام آ پڑا کہ پھر چل دیے۔“ زہرہ کو اٹھائے زبیدہ سامنے آ رکی تھیں۔ وہ حیات علی سے عمر میں بھی 8 سال بڑی تھیں پھر پانچ بچوں کی پیدائش نے بھی اثر دکھایا تھا زبیدہ کے جسمانی خدوخال اب ان کی عمر کو چھپا نہیں سکتے تھے وہ حیات علی کے سامنے ہمیشہ رہنے لگی تھیں اور آج کل یہ فرق حیات علی کو بڑی شدت سے محسوس ہونے لگا تھا۔ کہاں ایک کم عمر سی خوب صورت لچکیلی ڈال جیسی زیب النساء اور کہاں بڑی عمر کی پانچ بچوں کی ماں۔

انہوں نے ناگواری سے بیوی کو دیکھا۔



زبیدہ اس گھر میں راج کرتی تھی۔

حویلی کے سیاہ و سفید کی مالک تھی۔

”ہر ضروری کام بتانا ضروری نہیں ہوتا۔“ ناگواری سے کہہ کر وہ پلٹے تھے۔

”میں دیکھ رہی ہوں دن بدن آپ کا رویہ مجھ سے اور بچوں سے بدل رہا ہے کوئی بھی سوال کروں عجیب روکھا سا انداز ہو جاتا ہے۔“ زبیدہ کی بات پر وہ ٹھٹک گئے تھے۔

آج کل لاشعوری طور پر ان سے ایسا ہو رہا تھا وہ جان بوجھ کر زبیدہ یا بچوں کو اگنور نہیں کر رہے تھے۔

”ایسی کوئی بات نہیں، بس آج کل کچھ زیادہ ہی مصروف ہوں، اسی لیے شاید تمہیں ایسا لگ رہا ہے۔“ خود کو سنبھالتے زبیدہ کے قریب آ کر مسکرا کر کہا تو زبیدہ نے بغور دیکھا۔

”تو پھر بتایا نہیں کس لیے جا رہے ہیں آپ شہر؟“

”ایک دوست ہے اس کی والدہ کافی بیمار ہیں اسی کی عیادت کو جانا ہے۔“ نظر چرا کر پیچھے ہٹے تھے۔

”واپس کب آئیں گے؟“

”شاید ایک دو دن لگ جائیں۔“ سنجیدگی سے کہہ کر نظریں چرائے وہ اپنی چند ضروری چیزیں سمیٹ کر باہر نکل گئے تھے۔ زبیدہ نے خاموشی سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔



وہ کالج آئی تو شہوار موجود تھی۔

”کہاں تھیں تم؟“ سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو شہوار مسکرا دی۔

”بس گھر میں ہی تھی، تم سناؤ تمہارا نمبر کیوں آف ہے جب بھی کال کرو نمبر بند ہوتا ہے۔“

”موبائل ٹوٹ گیا ہے؟“ انا نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہائے وہ کیسے، اتنا اچھا سیٹ کیسے ٹوٹ گیا۔“

''بس ہاتھ سے گرا اور ٹوٹ گیا۔''
''میں محسوس کر رہی ہوں تم آج کل بہت بدلی بدلی سی لگنے لگی ہو جب سے وہ واقعہ ہوا ہے تم وہ والی انا لگتی ہی نہیں ہو۔'' شہوار نے چلتے چلتے پوچھا تو انا ٹھٹک گئی اس نے سختی سے دانت لب تلے دبا لیے تھے۔
''کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے؟'' شہوار نے اسے بغور دیکھتے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔ شہوار نے چند پل اسے آگے بڑھتے دیکھا تھا۔
''لیکن کوئی تو ریزن ہو گی نا؟'' وہ پھر تیز تیز چلتے اس کے مقابل آ رکی تھی۔
''بس ویسے ہی طبیعت بیزار ہو رہی ہے کچھ اسٹڈی کا بہت حرج ہو چکا ہے سوچ رہی ہوں کہ کیسے کور ہو گا یہ سب۔'' وہ بات ٹال گئی تھی۔
شہوار نے اسے چند پل بغور دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔
''روشی کا سناؤ کیسی طبیعت ہے اب اس کی۔'' دونوں کاریڈور سے گزرتے ایک کمرے میں آ بیٹھی تھیں۔ بکس اور بیگ دوسری چیئر پر رکھتے شہوار نے پوچھا۔
''اچھی ہے منتھلی چیک اپ ہو رہا ہے سب ٹھیک ہے۔''
''اچھی بات ہے تمہاری اور ولید بھائی کی شادی کب ہو رہی ہے۔'' شہوار نے مسکرا کر پوچھا تو انا نے لب بھینچ لیے۔
''شاید کبھی بھی نہیں۔'' لہجے میں تلخی تھی۔ شہوار چونکی۔
''کیا مطلب؟''
''ہر بات کا مطلب نہیں ہوتا۔'' لہجے کی تلخی اسی طرح برقرار تھی۔ ''پھر بھی بغیر کسی ریزن کے بھی تو کوئی بات نہیں ہوئی۔''
''کیا ہوا ہے کوئی پرابلم ہے کیا؟'' شہوار پریشان ہوئی۔
''میں یہ منگنی ختم کر چکی ہوں۔'' انا کا انداز سنجیدہ اور دو ٹوک تھا۔ شہوار ششدر سی رہ گئی۔
''کیوں؟'' بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوئی تھی۔
''ہر کیوں کا جواب نہیں ہوتا؟''
''پھر بھی کوئی وجہ تو ہو گی نا؟ اور حیرت ہے مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔''
''میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور یہی سب سے بڑا ریزن ہے۔'' انا کا انداز ایک دم سپاٹ ہو گیا تھا۔ شہوار نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ انا بدل چکی تھی وہ یہ محسوس تو کر چکی تھی۔ لیکن اس حد تک بدل گئی ہو گی وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی۔
''کون ہے وہ؟''
''تم اسے جانتی ہو۔'' بیگ کی اسٹریپ سے کھیلتے انا نے کہا تو شہوار الجھی۔
''کیسے؟''
''مصطفیٰ بھائی کا کزن ہے وہ۔'' شہوار نے حیران ہو کر انا کو دیکھا وہ مسلسل بیگ کا اسٹریپ کھول اور بند کر رہی تھی۔
''کون؟''
''حماد۔'' شہوار کو لگا تھا کہ جیسے انا نے اس کی سماعت پر ایک زوردار دھماکہ کیا ہو۔
''کیا............؟'' وہ بے یقینی سے اسے تکتی رہ گئی۔

❀......❀❀......❀

وقار صاحب آفس نہیں گئے تھے وہ پچھلی کئی راتوں سے سو نہیں پائے تھے ان کی طبیعت خراب تھی لیکن ان کا ذہن مسلسل پریشانی سے کچھ بھی کام کرنے سے قاصر تھا۔ انہیں انا بہت عزیز تھی۔ انا ان کی چہیتی بیٹی تھی۔ انہوں نے اسے بہت لاڈ اور محبت سے پالا تھا۔ انا کی کبھی بھی کوئی بھی فرمائش رد نہیں ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کی گئی تھی۔
ولید ان سب کی مشترکہ خواہش تھی خصوصاً ضیاء احمد کی دلی خواہش تھی کہ انا اور ولید کی شادی ہو۔ کسی کو بھی اعتراض نہ تھا۔ سب کچھ بہت اچھی طرح چل رہا تھا منگنی ہو گئی تھی لیکن اب اچانک نجانے یہ حماد کہاں سے آ ٹپکا تھا۔
اس دن انا کے ساتھ پارک میں موجود اسی لڑکے کو دیکھ کر ان کا پارہ ایک دم ہائی ہوا تھا وہ انا کو گھر لے آئے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ

جذباتیت کا مظاہرہ کرتے وہیں پارک میں کھڑے شخص کا گریبان پکڑ لیں لیکن انہوں نے اپنے حواس بے قابو نہیں ہونے دیے تھے وہ انا کو لے کر گھر آ گئے تھے لیکن انا سے وہ سب سن کر وہ جیسے ڈھے سے گئے تھے۔

انا کی گمشدگی اس کی دماغی کنڈیشن کا خراب ہونا سب کے پیچھے یہ ریزن تھا وہ کسی بھی طور پر یقین کرنے پر آمادہ ہی نہ تھے اور اب صبوحی بیگم نے بتایا تھا کہ وہ ولید سے مکمل طور پر انکار کر چکی ہے ان کی دھمکی کے باوجود۔

''وہ کہتی ہے اگر آپ کو حماد پسند نہیں تو کسی سے بھی میری شادی کر دیں بے شک تعلق ختم کر لیں لیکن وہ کسی بھی قیمت پر ولید سے شادی نہیں کرے گی۔''

صبوحی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر وہ گم صم ہو گئے تھے۔ وہ ایک جہاندیدہ سمجھدار انسان تھے انہوں نے بہت کم عرصے میں اپنا کاروبار بڑھایا تھا۔ وہ اپنا ہر فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرتے تھے لیکن اس دفعہ وہ بہت جذباتی ہو رہے تھے۔ وہ ساری رات ایک پل کو بھی نہیں سو پائے تھے صبح سے ان کی طبیعت خراب تھی۔ وہ آفس بھی نہیں گئے تھے۔آج ضیاء احمد کا چیک اپ تھا ولید ان کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا کوئی دو بجے کے قریب دونوں گھر لوٹے تھے۔

وقار کی طبیعت خرابی کے سبب آج صبوحی بیگم بھی بوتیک نہیں جا سکی تھیں۔ انا کالج اور احسن آفس میں تھے باقی لوگ گھر میں۔ ولید ضیاء احمد کو گھر چھوڑ کر آفس جانے کے لیے نکلا تو صغراں بلانے آ گئی۔

''بڑے صاحب (وقار) بلا رہے ہیں۔''

''چلو میں آتا ہوں۔'' صغراں چلی گئی تو وہ بھی اندر آ گیا تھا لاؤنج میں روشی سمیت صبوحی بیگم، وقار احمد' ضیاء صاحب سبھی موجود تھے۔

''آپ نے بلایا، خیریت۔'' ولید نے پوچھا۔

''بیٹھو۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''مجھے انا کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔'' دھیمے لہجے میں وقار نے کہا تو ولید کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔

''انا نے جس طرح یہ منگنی ختم کی ہے، اس پر میں بہت شرمندہ ہوں۔'' انہوں نے شرمندگی سے کہا تو ضیاء صاحب نے گہرا سانس لیا۔

''ایسی بات مت کرو وقار، انا بچی ہے ناسمجھ ہے جذباتی ہو رہی ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''وہ نہ بچی ہے اور نہ ہی ناسمجھ، وہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر رہی ہے میں نے بھی اب فیصلہ کر لیا ہے میں اب اسے مزید ہماری عزت سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گا۔'' ایک دم جذباتی ہوتے وقار صاحب نے کہا تو ضیاء صاحب نے پریشان ہو کر وقار کا چہرہ دیکھا۔

''میں اس لڑکے کے والدین کو بلوا رہا ہوں تاکہ ان سے فائنل بات کروں میں نے سوچ لیا ہے کہ بہت جلد انا کو اس لڑکے کے ساتھ رخصت کر کے اس سارے سلسلے کو ہی ختم کر دوں گا میں انا سے سب تعلق ختم کروں گا اور یہ ہی میرا آخری فیصلہ ہے۔'' انداز دوٹوک تھا صبوحی بیگم تو ایک دم رونے لگ گئی تھیں۔ روشی نے فوراً قریب آ کر انہیں کندھوں سے تھاما۔

ضیاء صاحب کے چہرے پر پریشانی کی کیفیت پھیل گئی تھی۔

''ایسے جذباتی فیصلے اس طرح آناً فاناً نہیں ہو جاتے، وہ بچی ہے اگر جذباتی ہو رہی ہے تو تم تو کم از کم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، وہ ہماری بچی ہے ایسے کیسے تم یہ فیصلہ کر سکتے ہو۔'' ضیاء صاحب نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

''تو کیا میں اس وقت کا بیٹھ کر انتظار کروں، جب وہ خود اس لڑکے کے ساتھ چلی جائے۔''

''اللہ نہ کرے۔'' صبوحی بیگم تو دہل سی گئی تھیں۔

''کیسی باتیں کرتے ہو تم وقار، وہ ہماری بچی ہے ہمارے ہاتھوں پرورش پائی ہے اس نے، وہ بھلا ایسی ویسی کوئی حرکت کیوں کرے گی وہ کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔ وہ کبھی بھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گی۔'' ضیاء صاحب نے ناراضگی سے کہا تو وقار نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کبھی میں بھی یہی سوچتا تھا وہ اس لڑکے کو ہمارے سامنے تک لے آئی ہے۔ مجھے اب اس وقت سے ڈر لگتا ہے جب کوئی انہونی ہو، میں اب اس سلسلے کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور بس۔''

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گے انا میرے ولید کی منگیتر ہے۔'' ضیاء صاحب نے پریشان ہو کر یاد دلانا چاہا۔

''وہ خود یہ منگنی ختم کر چکی ہے۔'' وقار نے سنجیدگی سے اطلاع دی۔

"میں نہیں مانتا اس پر سب سے پہلے ہمارا حق ہے۔" وقار نے ایک گہرا سانس لیا اور ولید نے ایک دم کھڑا ہو کر کہا۔
"آپ کے ماننے یا نہ ماننے سے کچھ نہیں ہوگا بابا ہو گا وہی جو انا چاہتی ہے اور میں زبردستی کے رشتوں کا قائل نہیں ہوں مجھے اپنی سیلف رسپیکٹ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ میرا خیال ہے انکل نے بالکل ٹھیک اور بروقت فیصلہ کیا ہے آپ بھی دل سے اس فیصلے کو مان لیں تو اچھی بات ہے۔" تلخی سے کہہ کر وہ لاؤنج سے نکل گیا تھا۔
سبھی نے بہت دکھ سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁

شہوار سارا وقت سخت پریشان رہی تھی انا حماد کو پسند کرنے لگی تھی حماد کی وجہ سے وہ ولید سے منگنی توڑ چکی تھی۔ اسے یہ بات ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ باقی سارا وقت اسے انا سے بات چیت کا موقع نہیں ملا تھا کچھ انا بھی اس سے دور رہی تھی۔ وہ انا کے لیے حقیقتاً دل سے پریشان ہو چکی تھی۔ آج اسے گھر جلدی آنا تھا سو وہ دو بجے کے قریب ہی گھر آ گئی تھی ڈرائیور لینے آیا تھا۔
گھر میں سبھی کو اس کی پریگنینسی کی خبر مل چکی تھی ماں جی تو بے حد خوش تھیں خوش تو وہ خود بھی تھی لیکن تابندہ بوا کا خیال اسے غم زدہ کر دیتا تھا نجانے وہ کہاں تھیں اس کا دل چاہتا تھا کہ اسے بس کوئی اطلاع مل جائے وہ اڑ کر ان تک پہنچ جائے وہ گھر آئی تو شائستہ بھابی موجود تھیں۔ وہ شاید اسی سے ملنے آئی تھیں۔
آتے ہی وہ اس کو لے کر اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔
"کیا بات ہے خیریت ہے نا؟"
"تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"
"ہاں کہیے۔"
"تمہاری دوست کے متعلق بات ہے۔" انداز دھیما سا تھا شہوار چونکی یعنی کوئی بات تھی انا نے حماد سے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا بس یہ کہ وہ پسند کرتی ہے کیوں کیسے۔
"کیا مطلب......کون سی دوست؟"
"انا......" شہوار کا دل ڈوبنے لگا تھا۔
"میں سمجھی نہیں۔"
"چھوڑو تمہاری تو پکی دوست ہے کچھ نہ کچھ تو بتایا ہی ہوگا تمہیں تو۔" شائستہ نے طنزیہ انداز اختیار کیا تو شہوار ٹھٹکی۔
"مجھے آپ کی کسی بھی بات کی سمجھ نہیں آ رہی جو بھی کہنا ہے صاف صاف کہیں۔"
"تمہاری دوست اور ہمارے حماد میں کوئی چکر چل رہا ہے ٹھٹک تو میں تب ہی گئی تھی جب حماد بہانے بہانے سے مجھے ساتھ لے کر اس کے گھر جاتا تھا لیکن سوچا میرا وہم ہوگا منگنی شدہ لڑکی ہے لیکن وہ تو آج حماد نے گھر میں خبر نشر کی ہے کہ وہ انا کو پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے لڑکی بھی اسے پسند کرتی ہے اس کی خاطر اپنی منگنی توڑ چکی ہے اس لیے اب ہم اس کا رشتہ لے کر انا کے گھر جائیں۔" شائستہ نے ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔
شہوار تو گم صم حیرت سے شائستہ کی شکل دیکھ رہی تھی۔
"تو بات یہاں تک پہنچ چکی تھی۔" وہ بے یقین تھی۔
"تم جانتی تو ہو ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیوں کا رواج نہیں لیکن اب نئی جنریشن کی شادیاں ہو رہی ہیں تو حماد بضد ہے کہ وہ انا سے ہی شادی کرے گا۔ دو دن سے اس نے گھر میں یہ سلسلہ کھڑا کر رکھا ہے۔"
"یہ سب حماد نے بتایا ہے کیا؟" وہ بہت الجھی ہوئی تھی۔
"تو اور کیا......میں خود سے جھوٹ کیوں گھڑنے لگی۔ سچ کہوں لڑکی تو بہت اچھی تھی مجھے پسند بھی بہت تھی مگر یہ ولید سے منگنی توڑ کر حماد سے شادی کرنے والی بات مجھے سمجھ نہیں آئی......حماد لاابالی اور جذباتی سا لڑکا ہے ٹھیک ہے اچھی جاب پر ہے اچھے گھرانے سے ہے۔ دولت عزت سب کچھ ہے مگر وہ اور ولید بہت فرق ہے دونوں میں انا ولید کو چھوڑ کر حماد کی طرف آئے بات بنتی نہیں کچھ۔" شائستہ کے الفاظ پر شہوار گم صم سی ہو گئی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور وہ بے خبر تھی۔

کتنی دوریاں آ گئی تھیں دونوں میں کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں دوسروں سے جان رہی تھیں۔انا کی شخصیت کا یہ پہلو۔شہوار یقین کرنے پر آمادہ ہی نہ تھی۔لیکن آج کالج میں ہونے والی انا سے گفتگو وہ بھی تو نظر انداز کی جانے والی نہ تھی۔انا نے صاف لفظوں میں کہا تھا وہ حماد کو پسند کرتی ہے اور ولید سے منگنی توڑ چکی ہے۔

انا کو وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔وہ نہ کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی تھی اور نہ ہی ظاہری چمک دمک دولت وحشمت دیکھ کر مر مٹنے والوں میں سے تھی۔جہاں تک اس نے محسوس کیا تھا صاف لگتا تھا کہ وہ ولید کے ساتھ منگنی پر بہت خوش تھی......لیکن درمیان میں آنے والا یہ یوٹرن۔

انا کہاں بدلی تھی؟

''کہاں گم ہوگئی؟''

شائستہ نے کندھے کو ہلایا تو شہوار چونکی۔

''میں حیران ہوں مجھے یقین نہیں آرہا انا ایسی لڑکی نہیں ہے یقیناً کوئی وجہ رہی ہوگی وہ تو کبھی بھی بلاوجہ کالج میں ساتھ پڑھنے والے کلاس فیلو سے بھی مخاطب ہونے کو اچھا نہیں سمجھتی تھی وہ خود بھلا یہ سب کیسے کرسکتی ہے۔'' وہ یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔

''لیکن یہ سب ہوچکا ہے جیسے بھی ہوا ہے لیکن اب حماد بضد ہے کہ ہم چند دنوں میں اس کی طرف رشتہ لے کر جائیں۔'' شائستہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

''تو پھر آپ لوگوں نے کیا سوچا کیا واقعی رشتہ لے کر جائیں گی۔'' اس نے پوچھا تو شائستہ نے اثبات گردن ہلادی۔

''اب بات امی جی تک پہنچی ہے بڑوں میں معاملہ ہے دیکھو کیا فیصلہ کرتے ہیں سبھی انا کو جانتے ہیں مصطفیٰ کا حوالہ مستند ہے لڑکی اچھی اور خوب صورت ہے ناپسند تو کسی کو بھی نہیں پھر تمہاری دوست ہے مگر منگنی والی بات پر آ کر سبھی الجھے ہوئے ہیں۔'' شہوار کے اندر عجیب سے انداز میں سائیں سائیں سا ہونے لگا تھا۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔بہر حال میں آج انا کی طرف چکر لگاتی ہوں دیکھتی ہوں کیا سلسلہ ہے یہ سب۔''

''ہاں بھئی ضرور چکر لگاؤ تمہاری تو دوست ہے مجھے تو یہ تھا کہ تمہیں شاید سب علم ہو لیکن تم بھی لاعلم ہو۔'' شائستہ کی بات پر وہ خاموش رہی تھی لیکن اندرون خانہ ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی۔

سوچوں کا ایک اژدھام تھا جس نے دل ودماغ کو جکڑ لیا تھا۔

❁......❁❁......❁

ولید انا کے کمرے میں آیا تو وہ ابھی تک کالج سے نہیں لوٹی تھی۔وہ جو کچھ کرچکی تھی اور جو کچھ کررہی تھی وہ سب دیکھا جاتا تو وہ کبھی بھی اس کی طرف نہ پلٹتا لیکن بات عزت نفس سے بڑھ کر ان لوگوں کی تھی جو اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔صبوحی بیگم، وقار احمد، احسن، روشی، ضیاء صاحب کی محبت کا تو کوئی نعم البدل ہی نہ تھا۔

ابھی وہ کمرے میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے دروازہ کھلا تھا وہ پلٹا تو انا اسے دیکھ کر رک گئی تھی ولید کو اپنی غیر موجودگی میں اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی۔وہ بھی رک گیا تھا۔

''آپ یہاں کیا کررہے ہیں۔'' لہجے میں تلخی تھی۔

''ہمارا گھر ہے میں جدھر چاہے نظر آؤں تم سے مطلب؟'' ولید کا لہجہ اس سے زیادہ تلخ تھا۔

''یہ میرا کمرہ ہے آپ کا گھر دوسری طرف ہے اب اگر آپ یہاں بلا اجازت نظر آئے تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔'' بکس بستر پر پٹخ کر وہ چیخ کر بولی۔

''شٹ اپ۔'' ولید نے سختی سے ٹوکا۔

''تم دن بدن انتہائی بدتمیز اور نان سینس ہوتی جارہی ہو، تمہیں ذرا تمیز نہیں کہ کس سے کیسے بات کرتے ہیں۔'' اس کے لہجے پر ولید ایک دم تپا تھا۔

''میری خوبیاں گنوانے سے پہلے آپ اپنے گریبان میں بھی جھانک لیں کسی کے کمرے میں کیسے داخل ہوتے ہیں اس بات کی تمیز تو آپ کو بھی نہیں ہے۔''

''اف......'' اتنا تپا دینے والا جواب تھا۔
ولید نے گھورا تو انا بغیر توجہ دیے آگے بڑھی تھی۔ ولید کے سامنے سے گزر کر الماری سے دوپٹہ نکال کر چادر اتار کر دوپٹہ اوڑھ کر وہ واش روم میں چلی گئی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو ولید اسی طرح کھڑا تھا انداز پرسوچ اور سر جھکا ہوا تھا انا کے تیور بدلنے لگے تھے۔
''آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟'' لہجے میں تلخی تھی ولید نے سنجیدگی سے دیکھا۔
''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' سنجیدگی سے دیکھتے کہا تو انا ٹھٹکی۔
''کیا ہم بغیر کسی بحث ومباحثے کے آرام وسکون سے ایک دوسرے کی بات نہیں سن سکتے؟'' انا نے خاموشی سے آ شے دیکھا۔
''تم یہاں بیٹھو۔'' ولید نے بستر کے کنارے بیٹھ کر فوراً اسے دوسرے کنارے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
''آپ کہیں جو کہنا ہے مجھے سخت بھوک لگی ہے۔'' اسی طرح ناراضگی سے کہا۔
ولید نے ایک گہرا سانس لے کر بستر سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
''تم یہ سب کچھ کاشفہ کی وجہ سے کر رہی ہو؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو انا کے چہرے پر تلخی چھانے لگی تھی۔
''میرا اور کاشفہ کا ایسا کوئی بھی تعلق نہیں تھا میں کسی وجہ سے کاشفہ کی طرف بڑھا تھا محض اس کو اعتماد میں لینا مقصد تھا۔'' ولید نے سنجیدگی سے بتایا تو انا استہزائیہ مسکرائی۔
''وہ وجہ کیا تھی یہ بھی بتادیں بڑی مہربانی ہوگی۔''
''میں وہ وجہ نہیں بتا سکتا لیکن یہ یقین دلاتا ہوں کہ میں نے کسی بھی انداز سے کاشفہ کے ساتھ انوالمنٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جہاں تک ممکن ہوسکا میں نے اس سے بچنے کی کوشش کی تھی۔'' ولید کے الفاظ پر وہ مسکرائی تھی۔
''آپ مجھے صفائیاں کیوں دے رہے ہیں آپ کاشفہ سے انوالو ہوئے یا نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا میری طرف سے آپ کچھ بھی کرتے پھریں میں بھلا کون ہوتی ہوں اس بات کو ایشو بنانے والی۔''
''تو پھر یہ سارا پرابلم کیوں کری ایٹ کر رکھا ہے جب تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کوئی دھوکے باز فلرٹی انسان ہوں کہ آج اس کے ساتھ کل اس کے ساتھ چکر چلاتا پھروں مجھے اپنا کردار اسی طرح عزیز ہے جیسے تمہیں کہنے کو تو میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا حماد کے ساتھ تعلق تھا اور تم محض مجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے کاشفہ کو درمیان میں لائی ہو۔'' ولید کے چہرے پر آگ جیسی تپش تھی۔
''بکواس بند کریں میرا کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔'' ولید کے اس الزام پر وہ ایک دم تڑپ اٹھی تھی۔ غصے سے بولی تھی۔
''بہت تکلیف ہو رہی ہے جبکہ تم سب کے سامنے برملا اعلان کر چکی ہو کہ تم حماد کو پسند کرتی ہو اس سے شادی کرنا چاہتی ہو منگنی کی انگوٹھی واپس کرنے کی بھی یہی وجہ تھی اور اس رات گھر سے غائب رہنے کے پیچھے بھی شاید تمہارا یہ حماد شامل تھا۔'' ولید کے الفاظ سے انا کو لگ رہا تھا کہ وہ سر سے پاؤں تک جھلس رہی ہو۔
اس نے سب کو ہی باور کرانے کی کوشش کی تھی اور اب جبکہ سب اس بات پر یقین کر چکے تھے تو ولید کے منہ سے یہ الفاظ سن کر اس کے اندر آگ سی تپ اٹھی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ خود پر الزام لگانے والے ولید کا منہ طمانچوں سے سرخ کر دے لیکن ضبط سے ہونٹ دانت تلے دبا گئی تھی۔
''خیر تم مجھے کیا ریجیکٹ کرو گی میں بھی کبھی تم جیسی لڑکی سے شادی نہ کرتا تمہیں میرے اور کاشفہ سے متعلق جو بھی سمجھنا ہے سمجھتی رہو میں کوئی صفائیاں پیش کرنے نہیں آیا میں تو بس یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ تم کس وجہ سے بلیک میل ہو رہی ہو۔'' انا ٹھٹکی تھی۔
''موبائل توڑ دینے سے تم حقیقت تو نہیں چھپا پاؤ گی تمہارے نمبر سے ساری ڈیٹیل معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں لیکن سوچا پہلے تم سے کنفرم کرلوں کیا وجہ ہے جو تم یہ سارا ڈرامہ کر رہی ہو۔'' ولید کا انداز مضبوط اور دوٹوک تھا۔
''میں کوئی ڈرامہ نہیں کر رہی۔''
''ڈرامہ نہیں کر رہی تو پھر بلیک میل ہو رہی ہو تم، کون ہے وہ کیا معاملہ ہے یہ سارا۔'' سینے پر ہاتھ باندھ کر سختی سے پوچھا تو انا کے چہرے کی رنگت بدلی تھی۔ نہ ہی تو وہ پیشہ ور ایکٹر تھی جو چہرے کے تاثرات چھپا جاتی اور نہ ہی وہ بہت بہادر۔
''پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں میں کیوں بلیک میل ہونے لگی کسی سے۔'' اس نے برہمی دکھانا چاہی تھی لیکن آواز کی لڑکھڑاہٹ غالب تھی۔
''یہ تو اب ساری ڈیٹیل سامنے آنے پر ہی پتا چلے گا کہ اصل حقیقت کیا ہے بہرحال میں تمہیں صرف سمجھانے آیا تھا دکھوانا ہم تمہارے

اپنے ہیں خود کو تنہا مت کرو اگر کوئی وجہ ہے تو ہمیں بتاؤ ورنہ بعد میں علم تو ہو ہی جانا ہے لیکن سب سے زیادہ پریشانی تمہیں ہوگی۔'' اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے کہا تو وہ گم صم سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''روشی نے تمہیں کسی سے بات کرتے سنا تھا تمہیں کوئی دھمکیاں دے رہا تھا اور تم پریشان تھیں وغیرہ وغیرہ۔'' انا کے چہرے کا رنگ زرد پڑ رہا تھا۔ اسے لگا کہ جیسے اس کی ساری محنت ضائع ہوگئی ہے۔

''ایسا کچھ بھی نہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی روشی کو۔'' خود کو سنبھالتے ولید کے ہاتھ سے ہاتھ کھینچتے وہ رخ بدل گئی تھی۔

ولید نے پرسوچ نظروں سے اس کے رخ بدلتے وجود کو دیکھا۔

''کیا تمہیں حماد بلیک میل کر رہا ہے؟'' ولید کے سوال پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''کیوں کر رہا ہے؟'' انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں نہ ہی مجھے کوئی بلیک میل کر رہا ہے اور نہ ہی پریشانی آپ خوامخواہ میرے معاملات میں گھسنے کی کوشش مت کریں۔'' اب کے دوبارہ تلخی سے وہ محو کلام ہوئی۔

ولید نے چند پل اسے بغور دیکھا تھا۔ انا کا چہرہ اس کی نظروں کی تپش سے جلنے لگا تو وہ پریشان ہوگئی۔

''پلیز اگر اب آپ کی تفتیش مکمل ہو چکی ہے تو آپ جا سکتے ہیں۔'' ولید ہلکا سا مسکرا دیا۔ طنزیہ مسکراہٹ...... انا کا پارہ ہائی ہونے لگا تھا۔

''انکل حماد سے رابطہ کرنے اور اس کی فیملی کو بلانے پر آمادہ ہو چکے ہیں مبارک ہو تمہاری دلی مراد پوری ہونے جا رہی ہے ابھی کچھ غصے میں ہیں لیکن بابا سنبھال لیں گے۔'' ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔

انا کے چہرے کا رنگ ایک دم پھیکا پڑا تھا۔ ولید نے بغور دیکھا تھا۔ وہ پلٹا اور دروازے کے پاس ایک پل کو رکا اور پلٹ کر انا کو دیکھا وہ اسی طرح ساکت سی کھڑی تھی۔

''محبت میں اعتماد رخصت ہو جائے تو محبت عذاب بن جاتی ہے یہ دل کے فیصلے ہوتے ہیں زور وزبردستی سے طے نہیں پاتے حماد اچھا انسان ہے میری دعا ہے کہ وہ تمہارے حق میں بہتر ثابت ہو۔'' ولید کہہ کر کمرے سے نکل گیا اور انا کو لگا وہ بالکل ڈھے سی گئی ہو...... وہ بیڈ تک آئی اور گرنے کے سے انداز میں بستر کے کنارے گری اور پھر اگلے ہی پل دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔



کاشفہ اپنے کمرے میں مسلسل ٹہلتے موبائل پر کوئی نمبر ملا رہی تھی لیکن ہر بار مطلوبہ نمبر بند مل رہا تھا۔ اس کا پارہ ایک دم ہائی ہونے لگا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ رکی اور کچھ سوچتے اس نے پھر کوئی نمبر ملایا تھا۔

''میں کاشفہ، ہاں ہاں کیسے ہو، میں ٹھیک ہوں...... اوکے...... بس ایک کام تھا...... نہیں...... نہیں...... بس ایک نمبر چاہیے ایڈریس ابھی میسج کر دیتی ہوں...... نہیں پی ٹی سی ایل ہے...... اوکے میں ابھی ٹیکسٹ کرتی ہوں۔'' اس نے کال بند کر دی اور صوفے پر بیٹھ کر میسج کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد پھر موبائل بجا تھا اس نے فوراً کال پک کی تھی۔

''ہاں بولو...... اوکے...... ٹیکسٹ کر دو...... تھینک یو سو مچ...... ویلکم کیوں نہیں...... تم ٹائم سیٹ کرو میں آ جاؤں گی مس یو...... لو یو...... بائے۔'' کال بند کر کے وہ پھر بیٹھ گئی تھی کچھ سیکنڈ بعد ایک میسج ریسیو ہوا تھا یہ فون نمبر تھا۔

کاشفہ اس نمبر کو ڈائل کر کے موبائل کان سے لگا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی۔



وہ شہر آئے تو صفدر کی بیوی کی وفات کی خبر منتظر تھی زیب النساء کا رو رو کر برا حال تھا وہ ڈیڈ باڈی اپنے گھر لائے تھے زیب النساء کے کہنے پر اس کی بہن مہر النساء کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ مہر النساء اپنی ایک عدد نند کے ساتھ آئی تھی صفدر غائب تھا چوہدری حیات علی کے گھر سے ہی میت کی تدفین کی تیاری ہوئی تھی اسی شام دفنا دیا گیا تھا زیبن کی بہن اپنی نند کے ساتھ روتی دھوتی بہن کو تسلی و دلاسہ دے کر رخصت ہوگئی تھی کہ شوہر کی طرف سے اسے رات رکنے کی اجازت نہ تھی۔ رات سب کاموں سے فارغ ہو کر حیات علی گھر آئے تو زیبن کا رو رو کر برا حال تھا۔

''ایسا کیسے چلے گا زیبن اگر اسی طرح روتی دھوتی رہی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔'' محبت سے ساتھ لگا کر دلاسہ دیتے کہا تو وہ اور شدت سے رو دی۔

''ہم دونوں بہنوں نے ہمیشہ ابا کے ہوتے ہوئے بھی لاوارثوں کی سی زندگی گزاری تھی کبھی یہاں کبھی وہاں اماں نے ہمارے لیے بہت کچھ برداشت کیا تھا اب اماں بھی چلی گئیں اب بھلا کیسے جئیں گے ہم دونوں بہنیں آپا کا شوہر اتنا ظالم ہے نجانے آج کیسے آنے دیا ورنہ وہ تو کبھی گھر سے نکلنے ہی نہیں دیتا اماں کیا مری ہے میرے تو جیسے سب رشتے ہی مر گئے ہیں۔'' زیبن کی گریہ وزاری کا اور ہی عالم تھا......

حیات علی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا میں ہوں نا، میں تمہیں کسی بھی قسم کی کوئی کمی نہیں آنے دوں گا۔'' تسلی دی تو اس نے مایوسی سے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔

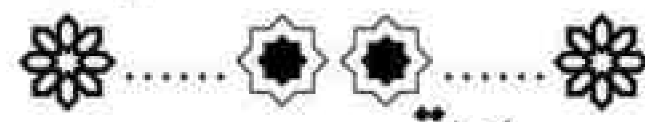
''آپ اتنے دن بعد آئے ہیں پھر پتا نہیں کب آئیں گے اب تو اماں کی بھی امید ختم ہو چکی ہے میں بھلا اس گھر میں تنہا کیسے رہوں گی۔'' وہ حقیقت پسند لڑکی تھی اور آنے والے حالات اسے ابھی سے ہی خوف زدہ کرنے لگے تھے۔

''کچھ دنوں کی بات ہے میں اپنے بابا صاحب کا موڈ دیکھ کر انہیں اپنی دوسری شادی کا بتا دوں گا پھر تم ہمارے ساتھ حویلی میں ہی رہا کرو گی۔'' حیات علی نے اسے بہلانا چاہا تھا۔

''میری ایسی قسمت کہاں کہ میں حویلی میں رہوں چوہدری صاحب مجھ پر ایک احسان کیجیے گا مجھے کبھی اکیلے مت چھوڑیے گا ورنہ میں مرجاؤں گی میں نے کبھی اماں کے بغیر زندگی نہیں گزاری۔'' وہ شدت سے روئی تو چوہدری حیات ایک دم اسے تسلی دلاسے دینے لگ گئے تھے۔

ہمیشہ ساتھ نبھانے کا وعدہ دیتے ہر مشکل گھڑی ساتھ رکھنے کے وعدے کیے تھے۔ بہت جلد چار دن گزرے تھے۔ مزید رکتے تو وہاں گاؤں میں سب نے پریشان ہو جانا تھا۔

انہوں نے زیب النساء کے لیے بخشو کی مدد سے ایک کل وقتی ملازمہ کا بندوبست کر دیا تھا کھانے پینے کا سب سامان مہیا کرتے ایک معقول رقم زیبن کو سونپ کر وہ واپس گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ اور زیب النساء کا انتظار ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔



کافی دیر سے راہداری کا فون بج رہا تھا روشی نے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے کہا گیا تو روشی الجھی۔

''کون؟''

''انا سے بات کرنی ہے۔''

''اوہ......آپ کون؟''

''میں اس کی دوست ہوں کالج فیلو اس نے یہ نمبر دیا تھا موبائل بند تھا سوچا اس پر بات کر لوں۔'' دوسری طرف سے بہت اطمینان سے کہا گیا۔

''ہولڈ کریں ابھی انا کو بلاتی ہوں۔'' روشی ہولڈ کروا کر انا کے کمرے کی طرف آئی۔

وہ بستر پر سامنے کتابیں بکھرائے بیٹھی ہوئی تھی اس کا دھیان نجانے کہاں تھا روشی نے ڈور ناک کیا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''تمہاری کال ہے۔'' انا الجھی اس کا موبائل تو خراب تھا۔

''کون ہے؟''

''پتا نہیں نام میں نے پوچھا نہیں، کالج فیلو کہہ رہی تھی خود کو۔ میں ہولڈ کرا آئی تھی کال سن لو آ کر۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

انا نے باہر آ کر فون کا ریسیو اٹھایا۔

''ہیلو۔''

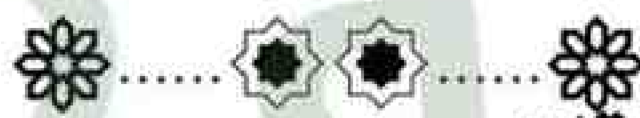
''انا۔'' دوسری طرف کی آواز سن کر انا ایک دم ٹھٹکی تھی۔

''کون؟'' اس کا دل ایک پل کو عجیب سے انداز میں خوف سے دھڑکا تھا۔

’’کاشفہ بول رہی ہوں تمہارا کیا خیال ہے تم موبائل بند کردو گی تو میں تم سے رابطہ نہیں کر پاؤں گی۔‘‘
’’اب کیا مسئلہ ہے تمہیں تم میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔‘‘ جواباً وہ بھی ایک دم تلخی سے بولی۔
’’کام مکمل کیے بغیر کیسے چھوڑ دوں تم سے ڈیل ہوئی تھی کہ تم ایک بار ولید کو بہانے سے ہمارے پاس لاؤ گی لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔‘‘
’’نہیں لاؤں گی اسے کیوں لاؤں اسے تمہارے پاس تم میرے ساتھ جو کچھ کر چکی ہو اس کے بعد میں ولی کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دوں گی مجھے وہاں سے نکلنا تھا تو میں نے وقتی طور پر تمہاری بات مان لی اب میں کوئی بات نہیں مانوں گی۔‘‘ وہ تلخی سے پھنکاری۔
وہ آج کل دوہری اذیت کا شکار تھی۔ کبھی کبھی تو جی چاہتا تھا کہ ہر چیز کو تہس نہس کر دے لیکن نجانے کیوں وہ یہ سب برداشت کر رہی تھی۔
’’تو ٹھیک ہے اب تم دیکھنا میں کیا کرتی ہوں اوکے بائے، منتظر رہنا اب تم میرے جواب کی۔ سب سے پہلے تو تمہارے اس ولی کو دیکھتی ہوں اور پھر تمہیں مزہ چکھاؤں گی۔‘‘ تلخی سے کہہ کر کال بند کر دی تھی۔
انا کے چہرے پر ایک دم پریشانی کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ پلٹی تو روشی اس کے پیچھے تھی۔
’’کون تھی یہ لڑکی؟‘‘ انا کے چہرے کا رنگ ایک دم فق ہوگیا تھا۔



وہ بہت پریشان تھی جیسے تیسے وقت گزر رہا تھا مصطفیٰ شام میں جلدی گھر آ گیا تھا شہوار کا پریشانی سے برا حال تھا اس نے سب کچھ مصطفیٰ کو کہہ سنایا تھا۔ مصطفیٰ بھی سن کر حیران ہوا تھا۔
’’حیرت ہے ولید نے تو ایسا کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔‘‘
’’انا نے بھی تو آج سے پہلے ایسا کچھ بھی ذکر نہیں کیا تھا۔‘‘ شہوار نے کہا تو مصطفیٰ نے سر ہلایا۔
’’مجھے انا کی طرف جانا ہے، نجانے کیوں وہ یہ سب کر رہی ہے میں صبح سے ہی بہت پریشان ہوں اوپر سے شائستہ بھابی کی آمد نجانے کیا کچھ ہو رہا ہے۔‘‘ وہ واقعی بہت پریشان تھی۔
انا اسے بہنوں کی طرح عزیز تھی بہت سی باتیں وہ دونوں ایک دوسرے سے ڈسکس نہیں کر پاتی تھیں لیکن اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھیں ایک دوسرے سے بلا کی محبت کرتی تھیں۔
’’اوکے تیار ہو جاؤ چلتے ہیں میں بھی ولید سے بات کرتا ہوں اتنا اچھا کپل ہے ایسا کیوں کر رہے ہیں دونوں اگر کوئی مسئلہ تھا تو حل کیا جا سکتا تھا نا۔‘‘ وہ خود بھی الجھ چکا تھا سو فوراً جانے پر تیار ہوگیا۔
شہوار تیار ہوئی تو دونوں ماں جی سے اجازت لے کر نکل آئے تھے۔



’’کیوں بلیک میل کر رہی ہے یہ تمہیں۔‘‘ روشی کا انداز تفتیشی تھا۔
’’ایسا کچھ بھی نہیں، تمہیں خوامخواہ وہم ہوا ہے۔‘‘ انا نے ٹال کر جانا چاہا تھا کہ روشی ایک دم سامنے آ گئی۔
’’کیا کر رہی ہو تم، آج کل کیا مسئلہ ہے یار کون ہے یہ لڑکی، اس دن بھی کال تھی۔ تم ٹال گئی ولی بھائی نے آج پوچھا تم نے پھر ٹال دیا بتاتی کیوں نہیں کون ہے یہ کیوں بلیک میل کر رہی ہے تمہیں۔‘‘
’’کہا نا ایسی کوئی بات نہیں کوئی بھی مجھے بلیک میل نہیں کر رہا، کیوں تم لوگ میرے پیچھے پڑ جاتے ہو کیا میں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔‘‘ روشی خاموش ہوگئی تھی۔ تبھی صغراں آئی۔
’’مصطفیٰ بھائی اور ان کی بیگم آئی ہیں۔‘‘ دونوں فوراً متوجہ ہوئی تھیں۔
’’لاؤنج میں بٹھاؤ ہم آتے ہیں۔‘‘ صغراں سر ہلا کر چلی گئی تھی۔
روشی نے انا کو دیکھا اس کے چہرے پر پریشانی کے واضح اثرات تھے۔ یہ وقت بحث کا نہیں تھا ورنہ وہ رک کر انا سے مزید کچھ ضرور پوچھتی۔
’’آ جاؤ شہوار آئی ہے۔‘‘ سنجیدگی سے کہہ کر وہ چلی گئی تھی۔
انا نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کی اور

جب وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں سبھی موجود تھے۔

شہوار اسے بڑے تپاک سے ملی تھی۔ مصطفیٰ سے بھی سلام دعا ہوئی تو مصطفیٰ نے خصوصاً خیریت دریافت کی تھی۔ روشی نے چائے کا اہتمام کرلیا تھا۔ چائے کے بعد شہوار کے کہنے پر وہ دونوں اٹھ کر انا کے کمرے میں آ گئی تھیں۔

''میں آج سارا دن تمہارے لیے بہت پریشان رہی ہوں، تم نے صبح صبح جو کہا وہ سارا دن میرے دل و دماغ میں گھومتا رہا ہے پھر شائستہ بھابی آ گئیں حماد بھائی نے اپنے گھر تمہارا ذکر کیا ہے وہ گھر والوں سے رشتہ لے کر آنے کا کہہ رہے تھے یار یہ سب کیا ہے یہ تمہارے اور ولید کے درمیان حماد کہاں سے آ نکلا؟'' بیڈ پر بیٹھتے ہی شہوار نے موضوع چھیڑا۔

''کیوں پسند کی شادی کرنا گناہ ہے کیا؟'' شہوار کے سوال کے جواب میں اس نے دھیرے سے کہا تو اس نے الجھی نظروں سے دیکھا۔ انا کا چہرہ سنجیدہ اور تاثرات بے حد سپاٹ تھے۔

''لیکن تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا؟'' اس کی الجھن بڑھی۔

''اب تو بتا دیا ہے نا۔'' وہ اسی طرح نارمل تھی۔

''مگر ولید بھائی۔''

''میرے اور ان کے مزاج میں بہت فرق ہے میں اور وہ اب ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔''

''یہ سب تو تمہیں منگنی سے پہلے سوچنا تھا۔'' شہوار کو اس پر ایک دم سے بے پناہ غصہ آیا تھا۔

''میں نے شادی سے پہلے سوچ لیا ہے یہی بہت ہے۔'' وہ ابھی بھی مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم مجھے اس سارے سلسلے کا پس منظر بتاؤ جہاں تک میرا اندازہ ہے تم ولید بھائی کے ساتھ منگنی سے خوش تھی۔''

''کوئی سلسلہ ولسلہ نہیں ہے میں نے تب بھی انکار کیا تھا اور بعد میں بھی، رہ گیا یہ حماد تو اس نے مجھے پرپوز کیا تو مجھے پسند آ گیا اور میں نے پرپوزل ایکسیپٹ کرلیا بس۔'' وہ ابھی بھی پرسکون تھی شہوار نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''یعنی اس نے پرپوز کیا اور تم نے قبول کرلیا۔ انکل، آنٹی اور باقی لوگ کسی نے کچھ بھی نہ کہا تھا کیا؟'' وہ انا کی باتوں سے پریشان ہو رہی تھی۔

''وہ سب میرے اپنے ہیں انہیں ولید سے زیادہ میری خوشی کا خیال ہوگا سو انہوں نے میری بات مان لی حماد اپنے گھر والوں کو بھیج دے گا تو پھر باقی پراسس شروع ہو جائے گا۔'' نہایت مطمئن لہجے میں اس نے کہا۔

''مائی گاڈ اور ضیاء انکل کیا کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، کہاں حماد اور کہاں ولید بھائی مجھے حیرت ہو رہی ہے تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا۔''

''یہ میری زندگی ہے اور اپنی زندگی کے ہر فیصلے کا حق مجھے حاصل ہے رہ گیا حماد اور ولید کا مقابلہ حماد ولید سے پرسنالٹی میں ضرور مار کھا جاتا ہے لیکن خاندانی پس منظر اور باقی معاملات میں وہ کسی سے کم نہیں ہے بلکہ کافی اسٹرانگ پوزیشن ہے اس کی آخر کو مصطفیٰ بھائی کا کزن ہے تم تو اچھی طرح جانتی ہوگی اسے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے اور کچھ نہیں، یہ تمہاری زندگی ہے اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ تم الٹے سیدھے فیصلے کرتی پھرو کیوں اپنی زندگی کی دشمن بن رہی ہو جہاں تک میں تمہیں جانتی تھی مجھے یقین ہے تم ولید بھائی کو پسند کرتی تھی پھر اب یہ سب کیا ہے؟'' شہوار ایک دم غصے سے بولی تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''پلیز شہوار ہم کوئی اور بات کرتے ہیں اس ٹاپک کو رہنے دو تم جانتی ہو میں بہت کم اپنے فیصلے بدلتی ہوں میں فیصلہ کر چکی ہوں اور اب مجھے کوئی بھی قائل نہیں کر پائے گا تم بھی نہیں۔'' بہت ہی سنجیدگی سے کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

شہوار نے بہت ضبط اور تحمل سے اس کی بات ہضم کی تھی ورنہ جی چاہ رہا تھا کہ ایک دو تھپڑ تو ضرور لگا دے تاکہ اس کا دماغ ٹھکانے آ جائے۔

انا اپنی کتابیں سمیٹنے لگی اور شہوار خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ دونوں کے درمیان ایک دم شدید سکوت چھا گیا تھا...... یوں جیسے اب کرنے کے لیے کوئی بات نہیں رہ گئی۔

❁......❁......❁

''ہمارے مزاج نہیں ملتے اور جب مزاج نہ ملتے ہوں رستے علیحدہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں حماد تمہارا کزن ہے اچھا لڑکا ہے وہ اگر اسے سلیکٹ کر رہی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔'' مصطفیٰ کے ساتھ لان میں ٹہلتا ولید از حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''میرے ساتھ یہ فلسفیوں والی باتیں مت کرو سچ سچ بتاؤ یہ ماجرا کیا ہے، حماد کہاں سے آ ٹپکا وہ تمہاری منگیتر تھی یار۔''

''حماد جیسے بھی آیا لیکن یہ سچ ہے کہ وہ اب ہمارے درمیان موجود ہے رہ گئی منگنی ہونے والی بات، تو انا یہ رشتہ ختم کر چکی ہے اور ماموں بھی اب سنجیدگی سے حماد کی فیملی کو بلوانے کا سوچ چکے ہیں۔'' ولید پر سکون تھا۔

مصطفیٰ رکا اور ولید کو بھی رکنا پڑا اتھارات کے اس پہر لان کی لائٹس کی ہلکی سی روشنی میں ولید کا چہرہ دیکھا تو وہاں صرف اور صرف سنجیدگی تھی اور کچھ بھی نہ تھا۔

''یار یہ کیسے ممکن ہے انکل نے کچھ نہیں کیا، بلکہ تم تو اسے پسند بھی کرتے تھے۔''

''بابا بہت ڈس ہارٹ ہیں وقت کے ساتھ سنبھل جائیں گے رہ گئی میری پسند کی بات تو میں اور بھی بہت سے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔''

''لیکن بہت سے لوگوں کو پسند کرنے اور انا کو پسند کرنے میں بہت فرق ہے۔''

''لیو دس یار پسند تو میں کیتھی کو بھی کرتا تھا۔'' شرارت سے مصطفیٰ کو دیکھتے ہوئے اس نے گھورا۔

''کیتھی ہماری بہت اچھی دوست تھی اس بے چاری کو درمیان میں مت لاؤ صاف صاف بتاؤ معاملہ کیا ہے۔''

''اوف..... تم تو بات کے پیچھے ہی پڑ گئے ہو، کہا نا ایسا کوئی معاملہ نہیں۔''

''تو پھر یہ سب ہوا کیسے انا کو جہاں تک میں جان پایا ہوں وہ جذباتی اور موڈی تو ضرور ہوگی لیکن اس طرح اچانک سب کچھ ختم کر دینے والی لڑکی نہیں ہے۔ کوئی تو وجہ ہوگی یار۔'' مصطفیٰ ایک مخلص دوست کی طرح وجہ جاننے پر بضد تھا ولید نے گہرا سانس لیا۔

''جو وجہ تھی وہ بتا چکا ہوں کہ مزاج مل نہیں پائے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔'' مصطفیٰ نے چند پل ولید کو دیکھا۔

''حماد سے تو میں نبٹ لوں گا میں نے اسے وارن بھی کیا تھا لیکن خیر پھپولوگوں کو رشتہ نہ لانے پر قائل کرنا میری ذمہ داری ہے تم بتاؤ تم کس حد تک انا کی ذات میں انوالو ہو۔''

''اب کوئی فائدہ نہیں، ویسے بھی میرے نزدیک رشتوں کو اپنی کمزوری نہیں بنانا چاہیے ورنہ وہ ہمیں توڑ دیتے ہیں اور نہ ہی ہماری محبت بھیک کا وہ کشکول ہے جسے دوسروں کے سامنے پھیلاتے پھریں یہ دیکھیں بغیر کہ دوسروں کا ظرف اس قابل ہی نہیں کہ وہ ہمارے کشکول میں اپنی محبت کے چند سکے ہی ڈال سکے۔'' ولید طنزیہ مسکرایا۔

''انا تو تمہیں پسند کرتی تھی۔''

''تھی..... وہ اب حماد سے شادی کرنا چاہتی ہے اور یہ حقیقت ہے اور تم جانتے ہو کہ میں حد سے زیادہ حقیقت پسند انسان ہوں اور مجھے اپنی عزت نفس اور اپنی ایگو ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اور میں کسی کو بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ میرے جذبات واحساسات سے کھیلنے کی کوشش کرے بھلے وہ انا وقار ہی کیوں نہ ہو۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے ولید کو دیکھا جس کا چہرہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

''تم ہر بات کے گواہ ہو میں نے ہمیشہ بابا کی خواہش کا احترام کیا تھا شعوری ولاشعوری دونوں لحاظ سے میں نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر رکھا تھا کہ مجھے انا وقار کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے اب انا وقار ایسا نہیں چاہتی تو میں زبردستی کا قائل نہیں۔'' ولید کا موقف بہت واضح اور صاف تھا۔

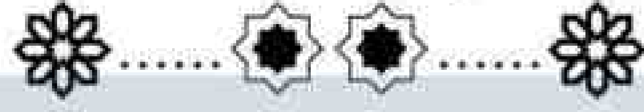
''محبت دل سے پیدا ہونے والا جذبہ ہے اعتماد کا پانی اسے میسر نہ ہو تو یہ مرجھا جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ ہم دونوں کے جذبات کو ہی اعتماد کا پانی میسر ہی نہیں ہوا، اب اس جذبے کا مرجھا جانا ایک فطری امر تھا سو مرجھا گیا۔''

''مجھے بہت افسوس ہے تم اگر اجازت دو تو میں انا سے بات کر کے دیکھ لوں ہو سکتا ہے وہ سمجھ جائے۔'' مصطفیٰ نے خلوص دل سے کہا تو ولید نے شدت سے انکار میں سر ہلا دیا۔

''نہیں..... بالکل بھی نہیں، میں کہہ چکا ہوں مجھے اپنی ذات اور اپنے جذبات کی پاسداری بہت عزیز ہے سب سے بڑھ کر اپنی عزت نفس انا وقار یہ رشتہ ختم کر چکی ہے اور میں نے اس بات کو قبول کر لیا ہے۔'' ولید کا انداز دوٹوک اور فیصلہ کن تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''مجھے بہت دکھ رہے گا تم دونوں کا کپل مجھے بہت عزیز تھا لیکن افسوس میں کچھ نہیں کر پایا۔'' ولید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دیتے

مصطفیٰ کے لہجے میں واقعی افسردگی تھی ولید دھیرے سے مسکرادیا۔
''شاید ہمارے رشتے کا انجام ایسے ہی لکھا تھا ڈونٹ وری۔'' ولید ایک مضبوط اعصاب کا مالک شخص تھا۔
مصطفیٰ کو اس پر ایک دم رشک سا محسوس ہوا'اس نے بہت محبت سے بازو بڑھا کر ولید کو ساتھ لگایا تو ولید دھیرے سے مسکرادیا۔
وہ محسوس کرسکتا تھا کہ مصطفیٰ کے جذبات اس وقت کیا ہو رہے ہوں گے۔



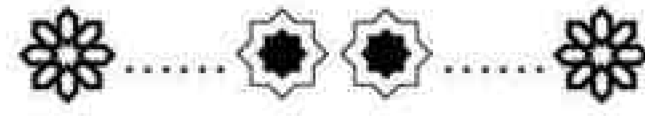
مصطفیٰ سو رہا تھا جب امجد خان کی کال آئی تھی رات کے بارہ بج رہے تھے وہ آج جلدی سو گئے تھے۔
''ہاں امجد خان بولو۔'' شہوار سو رہی تھی اس کی نیند ڈسٹرب نہ ہو مصطفیٰ نے دھیمی آواز میں کہا۔
''سر ایاز کا وکیل اس کی ضمانت کے پیپرز لے کر آیا ہے وہ کل دن میں بھی آیا تھا لیکن میں موجود نہ تھا اب وہ پھر آیا ہے ساتھ میں ایاز کا باپ بھی ہے۔کورٹ کی طرف سے ضمانت کے کاغذات ہیں اب کیا کروں۔''
''یہ ایاز کی ضمانت کب ہوئی اور مجھے اطلاع کیوں نہیں ملی۔'' بستر سے اترتے مصطفیٰ نے کچھ سختی سے پوچھا' مصطفیٰ نے سائیڈ لیمپ آن کیا تو کمرے میں کچھ روشنی سی ہو گئی تھی۔
وہ پچھلے کچھ دنوں سے کسی اور کیس پر کام کر رہا تھا وہ بہت بزی تھا کبھی یہاں کبھی وہاں ایاز کا کیس مکمل طور پر امجد خان کے حوالے کر چکا تھا کچھ دنوں سے ایاز کے باپ کی کوششوں کے سلسلے سے مکمل طور پر غافل ہو چکا تھا لیکن اب امجد خان یہ خبر سنا رہا تھا۔
''بہت خاموشی سے یہ سب ہوا ہے کل دن کے وقت میں ایک جگہ بزی تھا یہ لوگ ضمانت کے پیپر لے کر آئے تھے مجھ سے فون پر بات ہوئی تھی میں نے منع کر دیا تھا لیکن اب پھر یہ لوگ چلے آئے ہیں۔''
''پیپرز چیک کیے؟''
''یس سر لگتا ہے عبدالقیوم نے بہت پیسہ لگایا ہے ضمانت کروانے پر ورنہ اتنی جلدی ضمانت نہیں ہوسکتی تھی۔''
''آہم۔'' مصطفیٰ سوچ میں پڑ گیا۔
ان کا کیس اتنا مضبوط تھا کہ ضمانت نہیں ہوسکتی تھی یقیناً بہت سے لوگوں کا منہ بھرنے کے بعد ہی یہ ضمانت ہو پائی تھی ایاز امجد خان کے پاس ابھی تک حوالات میں تھا امجد خان کے تفتیشی سیل کی سیر کے دوران وہ اپنے کافی سارے اگلے پچھلے گناہوں کا اقرار کر چکا تھا لیکن ایک دفعہ پھر یہ ضمانت کے پیپرز اس کے اور ایاز کے درمیان آ گئے تھے ورنہ آج کل میں وہ جیل بھی جانے والا تھا۔
''سر اب کیا کروں، شام سے کئی فون آ چکے ہیں آئی جی صاحب اور چند اور لوگوں کی کالز ریسیو ہو گئی ہیں سبھی ایاز کو نکالنے کا کہہ رہے ہیں۔''
''تو مجھے فوراً اطلاع کیوں نہیں کی گئی اتنی جلدی ضمانت کیسے ہوسکتی تھی اتنے کیسز تھے اس پر۔'' مصطفیٰ ایک دم غصے سے بولا ورنہ وہ ان معاملات میں اپنے غصے کو بہت کنٹرول ہی رکھتا تھا۔
''سر آپ بزی تھے میں نے سوچا میں خود سے یہ معاملہ ہینڈل کرلوں گا اسی لیے آپ کو بتایا نہیں۔''
''واٹ آ نان سینس میں بزی تھا روپوش نہیں ہو گیا تھا کم از کم مجھے اطلاع کی ہوتی میں کچھ نہ کچھ کرتا۔''
''ایم سوری سر۔'' امجد خان از حد شرمندہ تھا مصطفیٰ نے لب بھینچ کر اپنے غصے پر کنٹرول کیا۔
''ٹھیک ہے ایاز کی ضمانت کے پیپرز قبول کرلو اور اسے جانے دو۔'' خود کو نارمل کرتے سنجیدگی سے کہا۔
''یس سر۔''
''اور ہاں ایاز مکمل طور پر ہماری نگرانی میں ہوگا سب لوگوں کو اطلاع کر دو مجھے اس کے ایک ایک پل کی رپورٹ چاہیے یہ نہ ہو اس کا باپ اسے پھر باہر بھگانے کی کوشش کرے۔''
''یس سر۔ایسا ہی ہوگا۔''
''ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ نے ایک دو اور ہدایات دے کر کال بند کر دی تھی۔
وہ لوگ نو بجے ولید کی طرف سے واپس لوٹے تھے تھکن ہو رہی تھی وہ آتے ہی سو گئے تھے ولید اور انا کی وجہ سے وہ پہلے ہی الجھا ہوا تھا اور اب یہ نئی مصیبت۔

ایاز کا باہر آ جانا مطلب 24 گھنٹے ٹینشن میں گزرنے والے تھے۔ ایاز ایک بے خوف ایسا دشمن تھا جو کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا تھا۔
مصطفیٰ واپس بستر کی طرف آیا...... شہوار پر سکون نیند سو رہی تھی...... چہرے پر اطمینان تھا۔
''شادی کے بعد شہوار کی ذات میں بہت سی مثبت تبدیلیاں آئی تھیں جن میں سے سب سے بڑی تبدیلی یہ تھی کہ وہ اپنے ری لیشن کے بارے میں کافی پوزیسو ہوگئی تھی۔
مصطفیٰ نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا...... اس کے بالوں کو چھیڑتے پیشانی پر بکھرے بال پیچھے ہٹائے تو شہوار کی آنکھ کھل گئی تھی...... وہ چند پل مصطفیٰ کو دیکھے گئی تھی جو کسی گہری سوچ میں تھا۔
''کیا ہوا؟''
''کچھ نہیں۔'' مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔
''کچھ پریشان ہیں؟'' وہ مصطفیٰ کے ساتھ رہتے رہتے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے لگی تھی۔ مصطفیٰ مسکرا دیا۔
''ولید بھائی اور انا کی وجہ سے پریشان ہیں۔'' یونہی لیٹے لیٹے پوچھا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔
سونے سے پہلے دونوں کافی دیر تک انا اور ولید کو ہی ڈسکس کرتے رہے تھے۔
''پریشانی کے لیے تو اس وقت وہ بات بھی کافی ہے لیکن میں اس وقت کسی اور وجہ سے پریشان تھا۔'' مصطفیٰ سنجیدہ تھا یعنی کوئی بہت ہی اہم بات تھی۔ شہوار اٹھ بیٹھی تھی۔
''کس وجہ سے؟''
''امجد خان کی کال تھی ایاز کی ضمانت ہوگئی ہے۔''
''اوہ......'' شہوار ایک دم پریشان ہوئی۔
''کیسے ہوگئی؟''
''میں کسی اور کیس میں بری طرح بزی تھا اور یہ کیس اوور آل امجد خان کے سپرد تھا وہی ہینڈل کر رہا تھا میں تو مطمئن تھا کہ اب وہ حوالات میں سے نکل نہیں پائے گا لیکن اس کا باپ کہاں سکون سے بیٹھنے والا تھا ضمانت کی کوششوں کی خبر تو مجھے ملتی رہی تھی لیکن میں مطمئن تھا کہ اس پر اتنے کیسز ہیں آسانی سے ضمانت نہیں ہوگی لیکن اب ضمانت ہو چکی ہے میری غلطی یہ ہے کہ میں اپنے دشمن سے غافل ہو کر اسے دوسروں کے حوالے کر دیا تھا مجھے چاہیے تھا کہ میں ہر حال میں اس کیس کو خود دیکھتا۔''
''اب کیا ہوگا؟'' شہوار ایک دم خوف زدہ ہوگئی تھی۔
''بس احتیاط کرنا ہوگی۔ مجھے بھی اور تمہیں بھی ایاز کو وہ باہر نہیں بھجوا سکتا مطلب وہ اپنے گھر میں ہی رہے گا لیکن سکون سے تو نہیں رہے گا حوالات میں امجد خان نے اس پر کافی حربے آزمائے ہیں بدلہ تو ضرور لے گا اب دیکھتے ہیں کہ کیا کیا کرتا ہے۔'' شہوار گم صم سی ہوگئی تھی۔
نجانے کیوں آج سارا دن وہ انا کی وجہ سے پریشان رہی تھی اور اب یہ نئی خبر سن کر تو وہ بالکل ہی گم صم ہو چکی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا تو ایک دم مسکرا کر بازو کے حصار میں لے لیا۔
''جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی بھی سلسلے میں بالکل بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنی بیوی کو محبت کے ساتھ ساتھ تحفظ بھی فراہم کرنا یہی میرا اولین فرض ہے بالکل بھی ٹینشن نہیں لینا ویسے بھی ان دنوں تمہیں ایکسٹرا کیئر کی ضرورت ہے میں نہیں چاہتا کہ میرے بے بی کو کسی بھی قسم کا کوئی نقصان ہو۔'' مصطفیٰ نے بے پناہ محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔



''ضمانت ہو چکی ہے لیکن تم بغیر اطلاع کے کہیں بھی نہیں جا سکتے تمہاری ضمانت مصطفیٰ کے لیے ایک شکست ہے ہمارا بزنس یہاں پاکستان سے وائنڈ اپ ہو چکا ہے تھوڑا بہت کام باقی ہے وہ بھی کمپلیٹ ہو جائے تو پھر سب کو باہر سیٹل کرا دوں گا یہاں کے حالات بالکل اچھے نہیں سو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔'' عبدالقیوم کی ساری فیملی گھر کے لاؤنج میں موجود تھی ایاز کی والدہ بیٹے کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں۔ ایاز کا چہرہ سنجیدہ تھا کاشفہ میگزین دیکھ رہی تھی جبکہ عادلہ باپ کے پاس بیٹھی تھی۔
''آپ نے خوامخواہ اتنا پیسہ ضائع کیا ڈیڈ اس نے کہاں چین سے بیٹھنا ہے۔ آتے ہی شروع ہو جائے گا بس ایک دو دن گزر جانے

دیں۔'' میگزین کی ورق گردانی کرتے کاشفہ نے طنزیہ کہا تو سبھی نے اسے گھورا۔
''شٹ اپ۔'' ایاز ایک دم پھنکارا۔
''زندہ تو میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا ایک ایک سے گن گن کر بدلے لوں گا۔ مصطفیٰ پہلی بار بچ گیا تھا لیکن اس بار نہیں بچے گا۔'' وہ غصے سے چیخا۔
''تم ایسا کچھ نہیں کرو گے، تم مصطفیٰ کے ریسورز سے واقف نہیں ہو میں اب پرانی یا کوئی نئی بات نہیں چھیڑنا چاہتا ہمارا مقصد بس خاموشی سے یہاں سے نکلنا ہے اپنے دشمنوں کو میں بھی نہیں چھوڑتا لیکن میں موقع دیکھ کر وار کرتا ہوں۔ زندگی رہی تو بدلہ بھی لے لیں گے۔'' عبدالقیوم نے بہت سنجیدگی سے ایاز کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا تو اس نے لب بھینچ لیے تاہم بولا کچھ نہیں۔
وہ امجد خان کے ہاتھوں بہت دفعہ ٹارچر سیل کی سیر کر چکا تھا اور وہاں کا قیام اس کے اندر مصطفیٰ سے متعلق موجود نفرت کو مزید بڑھا دیا کرتا تھا۔
عادلہ کو طلاق ہو چکی تھی ان کی فیملی کے لیے یہ زخم ہی کافی تھا اوپر سے ایاز کی گرفتاری اور پھر عبدالقیوم پر مصطفیٰ کا گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرنا۔ ایاز کے اندر کے کینہ پرور انسان کو مزید نفرت پالنے کے لیے یہ سب باتیں کافی تھیں اور اس نے سوچ لیا تھا وہ اب کیا کرے گا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پیدا ہوئی تو مطمئن ہو کر عادلہ سے باتیں کرنے لگ گیا تھا۔
بیگم عبدالقیوم بیٹے کو نگاہوں کے سامنے دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں نہال ہو رہی تھیں۔



چوہدری حیات علی جب سے واپس گاؤں آئے تھے۔ ذہن ہر وقت شہر میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود پہلے کی طرح بیوی بچوں پر توجہ نہیں دے پا رہے تھے۔ زبیدہ کئی بار بے توجہی اور بے پروائی کا ذکر کر چکی تھی۔ انہوں نے کئی بار کوشش کی کہ ان کو اعتماد میں لے کر زیب النساء کے بارے میں بتا دیں لیکن ہر بار ہمت ہار جاتے تھے۔ زبیدہ ان کے معاملے میں از حد حساس تھی۔ خصوصاً بابا صاحب انہیں اپنی بھتیجی بہت عزیز تھی حویلی کے اندر کے تمام سیاہ و سفید کی مالک۔
زبیدہ کا ایک بھائی کینیڈا شفٹ ہو چکا تھا وہ کئی بار بہن اور بہنوئی کو وہاں آنے کا کہہ چکا تھا زیب النساء کا معاملہ شروع ہونے سے پہلے ان دونوں میاں بیوی کا کچھ ماہ کے لیے کینیڈا جانے کا ارادہ بھی تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ویزہ کے لیے اپلائی بھی کر دیا تھا۔ اس بار پھر اس نے کال کر کے اپنے پاس آنے کا کہا تو بابا صاحب نے کھلے دل سے جانے کی اجازت دے دی تھی اور کچھ دن گزرے تو ان کو ویزہ ایمبسی سے کال آ گئی تھی خوش قسمتی تھی یا کیا تھا ویزہ کے لیے دی گئی درخواستیں قبول ہو چکی تھیں۔ زبیدہ تو بہت خوش تھی۔ اس کو پوری دنیا دیکھنے کا بہت شوق تھا......جبکہ حیات علی متامل تھے۔
وہ زیب النساء کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے اور نہ ہی روز روز شہر کے چکر لگا سکتے تھے۔ وہ ویزہ ایمبسی کا بہانہ کر کے پھر شہر چلے آئے تھے اس دفعہ وہ پورے دو ماہ بعد آئے تھے۔
زیب النساء سے ملے تو حیران رہ گئے تھے وہ بہت کمزور اور بیمار ہو گئی تھی۔ ماں کی وفات کا اس نے حد سے زیادہ صدمہ لیا تھا۔ ملازمہ نے انہیں جو خبر سنائی اس کو سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔ زیبن ماں بننے والی تھی۔ ماں کی وفات کا صدمہ اور اوپر سے ایسی حالت وہ کھانے پینے کے معاملے میں بھی کافی بے پرواہ تھی نتیجتاً سارا اثر اس کی دن بدن کمزور ہوتی صحت کی طرف تھا۔ وہ اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر آئے تھے کھانا پینا فروٹس، گوشت اور باقی ساز و سامان سے کچن بھر دیا تھا۔
''خوش رہا کرو تمہیں اس حالت میں دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ وہ پیاری سی خوب صورت سی زیبن تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہی ہے جسے دیکھ کر میں دیوانہ ہوا تھا۔'' زبردستی کھانا کھلاتے اس کی دلجوئی کر رہے تھے۔ زیبن مسکرائی تھی اور اس کی مسکراہٹ میں عجیب سا سوز تھا۔
حیات علی کے دل میں عجیب سی ندامت کا احساس جاگا تھا۔ انہوں نے دل میں ارادہ باندھ لیا تھا کہ اب وہ حویلی گئے تو بابا صاحب سے ضرور اپنی دوسری شادی کا ذکر کریں گے۔
''اچھا......اچھا سوچا کریں تاکہ ہمارے بچے پر اچھا اثر پڑے۔'' کھانا کھلا کر اپنے ہاتھوں سے میڈیسن کھلائی تھی۔
''مجھے اماں بہت یاد آتی ہے مہرو آپا بھی نہیں مل سکتی اور ابا وہ تو میرے لیے جیتے جی مر گئے تھے۔ نجانے کہاں چلے گئے ہیں کوئی اپنی اولاد سے ایسے بھی غافل ہوتا ہے چوہدری صاحب کیا؟'' لہجے میں درد تھا۔ انہوں نے اسے ساتھ لگا کر ایک دم شدت سے اپنی محبت کا

اظہار کیا۔

''کچھ بھی مت سوچا کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مجھے لگتا ہے میں اس گھر میں قید ہو کر رہ گئی ہوں آپ کا انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں تھکنے لگتی ہیں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے آپ کبھی لوٹ کر نہیں آؤ گے اور میں انتظار کرتے کرتے مر جاؤں گی۔'' اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

''ایسا مت سوچو، تم گھر میں کیوں قید رہتی ہو، باہر نکلا کرو بازار کا چکر لگا لیا کرو یہاں پارکس ہیں وہاں چلی جایا کرو باہر لوگوں میں گھلا ملا کرو۔''

''میں باہر نکلتی ہوں تو لوگ میرے شوہر کا نام پوچھتے ہیں کون ہے کہاں ہے آپ نے سختی سے کسی بھی انسان کو آپ کے بارے میں بتانے سے منع کیا ہوا ہے پھر میرا دل نہیں کرتا باہر نکلنے کو۔'' اس نے دل کی بات کی تھی حیات علی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''آپ اس دفعہ دو ماہ بعد آئے ہیں۔'' وہ دنوں کا حساب رکھے ہوئے تھی۔ حیات علی کے دل میں ایک دم ندامت کا احساس جاگا تھا۔

''میں جلدی آنے کی کوشش کیا کروں گا۔'' انہوں نے دلاسہ دیا۔

''بس تم خوش رہا کرو کھانا پینا اچھا رکھو۔ کسی بھی چیز کی کمی ہو ملازمہ سے منگوا لیا کرو ایک عدد ملازم بھی میں بندوبست کر دیتا ہوں باہر کسی بھی کام کے سلسلے میں وہ مدد کر دے گا بس اپنی صحت کا خیال رکھا کرو مجھے بس وہی پیاری سی زیبن چاہیے جسے پہلی نظر میں دیکھ کر میں بے بس ہو گیا تھا۔'' وہ اس کی دل جوئی کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ وہ زیبن کے پاس کچھ دن رہے تھے اور اس کو بہت ساری آؤٹنگ پر کرائی تھی۔

اس دن بھی اس کو لے کر باہر پارک میں آئے تھے۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ ''چوہدری صاحب آپ کی بیوی تنہائی اور فرسٹریشن کا شکار ہے ایسی کیفیات اکثر اوقات ماں بننے والی خواتین کو نقصان پہنچا دیتی ہیں ان کو ایکسٹرا کیئر اور نگہداشت کی ضرورت ہے جتنا بھی ممکن ہو سکے ان خیال رکھا کریں اور کوشش کریں یہ خوش رہا کریں۔'' اور وہ کوشش کر رہے تھے کہ وہ جتنے دن شہر میں رہیں زیبن خوش رہے۔ پارک کی رونق اور اس میں موجود لوگوں کو دیکھ کر زیبن کا مزاج ایک دم خوشگوار ہو گیا تھا۔

حیات علی بھی دل و دماغ کو ہر طرح کے خیالات سے پاک کر کے صرف اور صرف زیبن کے ساتھ کو انجوائے کر رہے تھے۔

تبھی وہاں پارک میں انہیں اپنا بہت پرانا اور دیرینہ دوست ملا تھا۔

''سبحان احمد۔'' دونوں کالج و یونیورسٹی میں کئی سال اکٹھے رہے تھے سبحان کا باپ وکیل تھا تعلیم کے بعد اس نے بھی اپنے باپ کا آفس جوائن کر لیا تھا جبکہ حیات علی اپنی تعلیم مکمل کر کے گاؤں لوٹ گئے تھے۔ پانچ سال پہلے سبحان کی شادی ہوئی تھی پھر پتا چلا تھا کہ وہ امریکہ سٹیل ہو گیا ہے۔ لیکن بہت عرصہ بعد اسے پاکستان میں دیکھ کر دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے سبحان اپنی بیوی کے ساتھ تھا۔

''یہ کون ہیں۔'' سبحان اس کی حویلی جا چکا تھا وہ ایک دو بار زبیدہ سے بھی مل چکا تھا اتنا تو وہ بھی سمجھ گیا تھا کہ یہ کم عمر سی لڑکی زبیدہ نہیں ہے۔

''یہ میری بیوی ہے۔'' اس سے پہلے سبحان احمد کچھ ایسا ویسا سوچتا حیات علی نے سچ بتا دیا۔

''لیکن تمہاری بیوی تو......!'' آواز دھیمی تھی۔

''میں نے زیب النساء سے یہاں شادی کی ہے حویلی میں کسی کو بھی علم نہیں۔'' مختصر الفاظ میں بتایا تھا۔

سبحان خاموش ہو گیا تھا۔ اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ اس کا دوست کوئی عیاش، کرداری لحاظ سے کمزور انسان نہیں تھا دونوں کا بہت اچھا وقت گزرا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت گہرائی سے جانتے تھے۔ سبحان نے زیادہ پوچھ گچھ نہیں کی تھی۔

حیات علی زیبن کو سبحان احمد کی وائف کے پاس چھوڑ کر دونوں پارک میں ٹہلتے رہے تھے حیات علی نے مختصر الفاظ میں سبحان احمد کو اپنی ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔

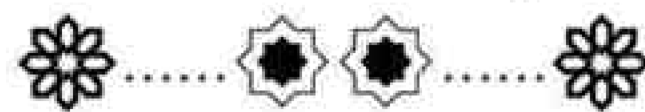
''تم کب تک پاکستان میں ہو؟'' حیات نے پوچھا۔

''ہم دو ماہ تک مزید ہیں اصل میں شادی کے پانچ سال بعد بھی ہاجرہ ماں نہیں بن سکی ہم یہاں ٹریٹمنٹ کرانے آئے تھے وہاں کے سب ڈاکٹرز کو آزما چکے ہیں سوچا اب یہاں کے لوگوں کو بھی آزما لیں۔''

''اوہ'' وہ دن زیبن کے لیے بہت خوش گوار تھا۔
وہ ہاجرہ سے مل کر بہت خوش تھی۔ ہاجرہ سے زیبن کی بہت دوستی ہوگئی تھی۔
حیات علی نے دونوں میاں بیوی کو اپنے گھر آنے جانے کا کہہ دیا تھا حیات علی کا مقصد زیبن کا دل لگا رکھنے کا تھا۔ سبحان اور اس کی بیوی نے بھی گھر چکر لگانے کی ہامی بھر لی تھی۔ اس طرح ایک بہت اچھا ہفتہ گزار کر حیات علی اپنے گاؤں کے لیے روانہ ہوئے تو زیبن ان کے جانے کے بعد ایک بار پھر اداس ہوگئی تھی۔



رابعہ ہادیہ کے پاس آئی تھی اس کا رو رو کر برا حال تھا۔
''میں نے ہمیشہ سوچا تھا کہ وہ مجھے ضرور ملے گا لیکن میں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ اس سے ملاقات تمہارے حوالے سے ہوگی میں سمجھتی تھی کہ شاید وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہو، میرے بارے میں سوچتا ہو لیکن جیسے وہ تو سرے سے بے خبر تھا۔''
''ہادیہ پلیز اس طرح مت روؤ، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' رابعہ ہادیہ کے ہاتھ تھام کر منت سے بولی۔
''اس محبت میں میرے لیے ہی بس خواری کیوں تھی وہ کسی اور حیثیت سے بھی تو مجھے مل سکتا تھا نا، میں نے اس کا برسوں انتظار کیا اور نتیجتاً مجھے کیا ملا دکھ، اذیت، تکلیف اور عمر بھر کی نارسائی۔''
''تم ایک بار ابوبکر سے مل لو اگر تم دونوں راضی ہو جاتے ہو تو میں گھر والوں سے بات کر لیتی ہوں تمہارے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ ویسے بھی اب وہ پہلے والی پوزیشن میں نہیں رہا خود کو کافی حد تک اسٹیبلش کر چکا ہے انکل اور آنٹی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' محبت سے ساتھ لگا کر رابعہ نے کہا تو ہادیہ کے آنسو رک گئے۔
''لیکن تمہاری شادی ہو رہی ہے محض چند دن باقی ہیں بس۔''
''میں فیضان ماموں اور سہیل بھائی سے بات کروں گی اگر تمہارے والدین نے کوئی اعتراض کیا تو وہ ان کو بھی قائل کر سکتے ہیں بس تم ایک بار ابوبکر سے میرے ساتھ چل کر مل لو۔'' اس نے خلوص دل سے کہا ہادیہ کا چہرہ ایک دم روشن ہوا تھا لیکن اگلے ہی پل پھر بجھ گیا۔
''ابوبکر کبھی راضی نہیں ہوگا اور تم میری بیسٹ فرینڈ ہو میں بھلا تمہاری زندگی کی خوشیوں کو کیسے چھین لوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تو رابعہ نے نرمی سے ہادیہ کا ہاتھ تھاما۔
''مری ابوبکر سے کوئی بھی جذباتی وابستگی پیدا نہیں ہوئی ابھی تک اور میں کوئی قربانی نہیں دے رہی تم میری دوست ہی نہیں بلکہ بہن بھی ہو اگر ہماری شادی ہو جاتی تو یقیناً ہم اچھی لائف گزارتے لیکن شکر ہے پہلے ہی سب کلیئر ہو گیا اب باقی معاملات کو ہینڈل کرنا میرا کام ہے رہ گئی میری شادی کی ڈیٹ بہت سے لوگوں کی شادی کسی نہ کسی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے میں سمجھوں گی کہ میری بھی ٹوٹ گئی۔'' وہ پرسکون تھی۔ انداز میں اطمینان تھا۔
''اگر ابوبکر نے انکار کر دیا تو؟''
''تو ہم سب مل کر اسے منالیں گے بلکہ میں خود اسے قائل کروں گی بس تم اپنے والدین کو قائل کرنے کی کوشش کرو۔''
''ماما کو کوئی پرابلم نہیں ہوگا لیکن پاپا یقیناً اعتراض کریں گے لیکن اگر تم لوگ ساتھ دو تو وہ قائل ہو سکتے ہیں وہ انسان کی اندرونی خوبیوں کو دیکھتے ہیں ان کے نزدیک بیرونی لوازمات بس بے معنی ہیں۔''
''ڈیٹس گریٹ پھر تو انکل کو قائل کرنا ماموں اور بھائی کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔'' رابعہ واقعی پرجوش تھی ہادیہ کا رونا دھونا ایک دم ختم ہو گیا تھا۔
''واقعی سب ٹھیک ہو جائے گا نا؟'' وہ اندرونی طور پر خوف زدہ تھی۔
''ان شاءاللہ بس تم دعا کرو۔''
''اور تمہاری شادی؟'' وہ پھر سے گلٹی فیل کرنے لگی۔
''وہ بھی ہو جائے گی ابھی سمجھ لو میرے لیے رائٹ پرسن سامنے نہیں آیا جس دن آ گیا میری شادی بھی ہو جائے گی۔'' ہادیہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ رابعہ نے محبت سے اس کے ہاتھ دبا کر ساتھ لگایا تھا۔



وہ کالج سے گھر آئی تو حماد کی فیملی آئی ہوئی تھی مصطفیٰ کی پھپو، شائستہ اور ان کے شوہر تینوں موجود تھے۔ان کو دیکھ کر انا کا دل ایک دم بند ہوا تھا۔

وہ لوگ صبوحی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے ایک طرف وقار احمد اور ضیاء ماموں بھی تھے۔

انا دروازے میں ہی ساکت ہو گئی تھی......وہ سمجھ سکتی تھی کہ یہ لوگ کیوں آئے ہوں گے۔

ابھی تک ان لوگوں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔وہ مرے قدموں سے چلتے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔موبائل ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کا حماد کیا کسی سے بھی رابطہ نہیں تھا۔اس وقت وقار گھر پر تھے یعنی ان کے علم میں ان لوگوں کی آمد تھی جبکہ وہ قطعی بے خبر تھی۔وہ ساکت انداز میں بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

اس نے یہ سارا کھیل خود شروع کیا تھا۔اور اب یہ کھیل اس کے گلے کا پھندا بنتا جا رہا تھا۔وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی جب روشی کمرے میں داخل ہوئی تھی انداز سنجیدہ تھا۔

''حماد کی والدہ بھائی اور بھاوج آئے ہیں انکل نے مصطفیٰ بھائی کے ذریعے ان لوگوں کو آج اپنے ہاں مدعو کیا تھا وقار انکل نے ان سے تمہارے اور حماد کے رشتے کی بات کی ہے۔وہ لوگ تمہیں بلا رہے ہیں آ کر ان سے مل لو۔'' روشی نے کہا تو انا کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔

''ہوسکتا ہے ماموں ان لوگوں کو آج ہی ہاں کہہ دیں۔'' انا نے ہراساں ہو کر روشی کو دیکھا پر روشی کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

گھر والوں سے اس کی بول چال بند تھی۔کوئی بھی اس سے مخاطب نہیں ہوتا تھا سوائے روشی اور ضیاء ماموں کے، وہ اسی طرح ساکت بیٹھی رہی تھی۔تبھی صبوحی خود اسے بلانے چلی آئی تھیں۔ان کا انداز سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔ان کے کہنے پر وہ آہستگی سے اٹھ کر اسی حلیے میں چلی آئی تھی۔

مصطفیٰ کی پھپو بہت محبت سے ملی تھیں انہوں نے خود اٹھ کر اسے گلے لگایا تھا شائستہ کا رویہ بھی اچھا تھا خوش اخلاقی سے ملی تھی۔

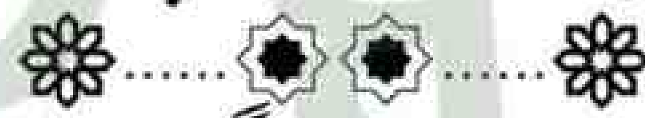
''ہمارے ہاں ایسے رشتے ناطے طے نہیں ہوتے میں ان شاء اللہ سب بڑوں کو لے کر آؤں گی اور پھر بات طے کروں گی وہی ہماری منگنی کی رسم ہوتی ہے۔آپ کے کان میں بات ڈال دی ہے اب آپ کی بیٹی ہماری بیٹی ہوئی۔حماد جاب کے سلسلے میں ایک دو ماہ کے لیے باہر جا رہا ہے واپس آتا ہے تو ان شاء اللہ شادی کی ڈیٹ رکھ دیں گے۔'' زہرہ پھپو نے کہا تھا وقار اور صبوحی نے سر ہلا دیا تھا۔

صبوحی کا چہرہ ابھی بھی سنجیدہ تھا جبکہ وقار کا چہرہ نارمل تھا۔

''جب آپ کو مناسب لگے رسم کرنے آ جائیے گا ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' نارمل انداز میں کہا۔

انا کو لگا وہ ابھی یہیں گر جائے گی......وہ بمشکل خود کو سنبھال پا رہی تھی۔

''میں آتی ہوں۔'' وہ لڑکھڑاتی آواز میں کہہ کر فوراً وہاں سے نکلی تھی۔اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر کر وہ ایک دم ضبط کھو بیٹھی تھی۔



رابعہ نے سہیل اور فیضان سے بات کی اور وہ دونوں ساری بات سن کر گم صم ہو گئے تھے۔

''مجھے ہادیہ بہت عزیز ہے ابوبکر کہہ چکے ہیں کہ وہ آپ لوگوں کا اعتماد نہیں توڑ سکتے لیکن میں بھی ہادیہ کا دل نہیں توڑ سکتی۔ہے تو ایک مشکل فیصلہ لیکن مجھے ان حالات میں اس سے بہتر کوئی فیصلہ نہیں لگ رہا۔'' سر جھکا کر اس نے دل کی بات کہہ دی۔

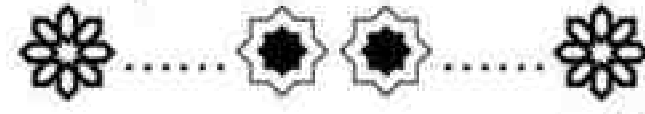
''میں ہادیہ کو ابوبکر سے ملوا رہی ہوں اس کے بعد آپ لوگ بھی فیصلہ کر لیجیے گا یقیناً ابوبکر ایک بہت ہی اچھے انسان ہیں مگر ان حالات میں جب ہم سب کچھ جانتے ہیں ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا میرا ضمیر گوارا نہیں کر رہا۔'' وہ اپنے جذبات کا اظہار کھل کر رہی تھی۔

''ٹھیک ہے مجھے تمہارا فیصلہ اچھا لگا ہے میں امی اور باقی لوگوں سے بات کر لوں گا تم ہادیہ کو ابوبکر سے ملوا دو اس کے بعد ہی ہم ابوبکر سے بات کریں گے۔'' سہیل بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے فیصلے کو اہمیت اور اس کی ذات کو مان دینے کی کوشش کی تھی۔

''شکریہ بھائی یقین جانیے بھائی یہ سب کچھ جانتے بوجھتے میں اس رشتے کے لیے تیار ہو جاتی تو ساری زندگی میں اپنے ضمیر کے سامنے گناہ گار رہتی۔''

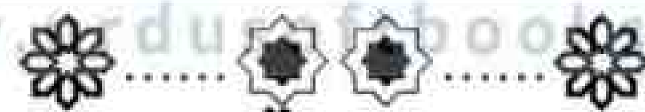
''جیتی رہو، میں تمہاری ماں سے بات کرتا ہوں دکھ تو اسے بہت ہوگا لیکن ایک انسان سے ہم زیادتی بھی تو نہیں کر سکتے جانتے بوجھتے تمہیں یا ابوبکر کو اس شادی کے لیے مجبور نہیں کر سکتے ہم۔'' ماموں نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے بڑے ہمیشہ اس کو سمجھ کر اس کے فیصلے کو سمجھ کر اس کو اہمیت دیں گے۔
''تم ابوبکر اور ہادیہ کو بلوالو اور دونوں جو بھی فیصلہ کرتے ہیں ہمیں بتا دینا۔'' ماموں اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ کر باہر نکل گئے۔
سہیل بھائی نے بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو اس کا حوصلہ ایک دم کئی گناہ بڑھ گیا تھا۔



زیبن کی حالت کی وجہ سے وہ پریشان تھے۔ زبیدہ کینیڈا جانے پر زور دے رہی تھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔ شہر سے واپس آئے ان کا تیسرا دن تھا لیکن ذہن زیب النساء میں اٹکا ہوا تھا۔ بابا صاحب بھی چہیتی بہو کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ ان حالات میں حیات علی نے ایک فیصلہ کیا تھا زبیدہ یا بابا صاحب کو اپنی زیبن سے شادی کے بارے میں بتا دیں گے۔ بابا صاحب باہر ڈیرے سے حویلی لوٹے تو وہ دالان میں ٹہل رہے تھے۔ ملازم نے ان کی آمد کی اطلاع دی تو وہ ان کے کمرے میں آ گئے۔ سلام دعا کے بعد ادھر ادھر کی باتیں چلتی رہی تھیں۔

''کیا بات ہے حیات جب سے شہر سے لوٹے ہو خاموش خاموش سے ہو۔''
''ایسی کوئی بات نہیں بابا صاحب۔'' بابا صاحب کی بات کو انہوں نے مسکرا کر رد کیا۔
''اصل میں مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔'' انہوں نے جھجکتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔
''کیا بات کرنی ہے۔''
''بات یہ ہے کہ......!'' وہ رک گئے تھے بابا صاحب حقے کے شوقین تھے ملازم ان کے لیے حقہ تیار کر کے لایا تو وہ حقے کی نال تھام کر حقہ گڑگڑانے لگے۔
''بولو بچے کیا بات ہے؟''
''بات یہ ہے بابا صاحب کہ......!'' وہ پھر رکے اور قدرے توقف کے بعد سب بتاتے چلے گئے اور بابا صاحب وہ حیرت سے گنگ حقے کی نالی کو گڑگڑانے کی بجائے بت بنے چہیتے بیٹے کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن رہے تھے۔



زہرہ پھپھو اور باقی سب واپس جا چکے تھے انا مسلسل کمرے میں بند تھی۔ صبوحی کئی بار اس کے کمرے تک آتیں اور پھر بند دروازے کو دیکھ کر پلٹ جاتی تھیں۔ مغرب کے بعد سبھی گھر میں موجود تھے۔ احسن اور ولید کو بھی حماد کی فیملی کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ ولید کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا روشی نے کئی بار اس کا چہرہ دیکھا لیکن کوئی تاثر اخذ نہیں کر پائی تھی جبکہ احسن کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ ضیاء صاحب صدمے سے نڈھال تھے۔
''پاپا کیوں کیا آپ نے ایسا، خود سے ان لوگوں کو گھر بلوایا اور پھر بات کی کیا ہم اب اتنے گئے گزرے ہیں کہ خود سے یہ سب کر رہے ہیں۔'' احسن مسلسل ٹہل رہا تھا۔
''جب اولاد ایسی منہ زور ہو جائے تو والدین یہ سب کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔'' وقار صاحب انا سے حد سے زیادہ بدظن ہو چکے تھے۔
روشی کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔
''ایک بات کہوں، پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے انا یہ سب جان بوجھ کر کر رہی ہے۔'' اس نے کہا تو سبھی نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
''جہاں تک میں سمجھ پائی ہوں وہ حماد سے محض ہمیں بدظن کرنے کے لیے رشتہ جوڑ رہی ہے۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' احسن ایک دم متوجہ ہوا۔
''انا کو کوئی کالز کرتا ہے اور وہ بلیک میل ہو رہی ہے اس کا موبائل ٹوٹ گیا ہے نمبر بند تھا گھر کے نمبر پر ایک لڑکی کی کال آئی تھی میں نے بھی اس سے بات کرتے سنا تھا کوئی اسے دھمکا رہا تھا۔''
''کیا مطلب...... کیسا دھمکانا؟'' اب کی بار باقی لوگ بھی ایک دم متوجہ ہوئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



محترم قارئین

اگر آپ کو ہماری یہ کتاب اچھی لگے تو ہماری حوصلہ افزائی کے لیے

Google پر جا کر Urdu Books سرچ کر کے ہماری ویب سائٹ

www.urdusoftbooks.com کو ایک مرتبہ وِزٹ کر لیں

اگر آپ کو ہماری ویب سائٹ Google کے پہلے پیج پر نظر نہ آئے تو

دوسرے یا تیسرے پیج پر چیک کر لیں،

وہاں آپ کو مزید اچھی کُتب ڈاؤن لوڈ کرنے کو ملیں گی۔ شُکریہ

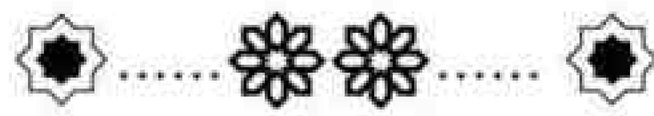



ٹوٹا ہوا تارہ...... سمیرا شریف طور

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

ابوبکر کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے ہے مگر اپنی سوتیلی ماں سے ہونے والے جھگڑوں کی بدولت وہ ہادیہ کے گھر بطور ڈرائیور کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے گھر والوں سے ہمیشہ کے لیے تعلق توڑ لیتا ہے ہادیہ اس کی ذہانت سے متاثر ہوتے یک طرفہ محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے جبکہ ابوبکر اس کے جذبوں کو پذیرائی بخشنے کے بجائے اسکالرشپ پر بغیر کسی کو اطلاع دیئے باہر چلا جاتا ہے۔ یہاں اس کی دوستی سہیل سے ہو جاتی ہے، رابعہ یہ سب جان کر دنگ رہ جاتی ہے وہ ہادیہ اور ابوبکر کو ملانے کی خاطر تمام صورت حال اپنے ماموں کو بتا کر خود اس رشتے سے دستبردار ہو جاتی ہے۔ شہوار یہ جان کر دنگ رہ جاتی ہے کہ ولید اور انا کا رشتہ ختم ہو گیا ہے جبکہ مصطفیٰ کا کزن حماد، انا کے لیے رشتہ بھیجنے پر بضد ہے۔ دوسری طرف شائستہ ان کے گھر پہنچ کر شہوار سے اس کی دوست کے متعلق جاننا چاہتی ہیں ان کی اس باز پرس پر شہوار خاموش رہ جاتی ہے۔ وہ اور مصطفیٰ اپنے طور انا اور ولید سے بات کرتے ہیں لیکن دونوں ہی اس موضوع پر بات کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ وقار انا کی ہٹ دھرمی کے ہاتھوں مجبور ہو کر حماد کے گھر والوں کو بلانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جبکہ ضیاء انہیں اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ولید بھی اس زبردستی کے رشتے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ روشی کے سمجھانے پر وہ دھمکی آمیز کالز کی بابت انا سے دریافت کرتا ہے لیکن وہ صاف انکار کر دیتی ہے جب ہی ولید اس کے نمبر سے تمام معلومات حاصل کرنے کا کہہ کر اسے حماد سے رشتہ طے ہو جانے کی خوش خبری سناتا ہے اس بات پر دونوں میں مزید تکرار بڑھ جاتی ہے۔ کاشفہ انا کے گھر پر رابطہ کر کے ولید سے ملاقات کے لیے اس پر دباؤ ڈالتی ہے جبکہ روشی اس بار اس دھمکی آمیز کالز کے متعلق گھر کے دیگر افراد کو بتا کر انا کو بچانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے۔ زیب النساء کی ماں کی وفات کے بعد چوہدری حیات علی کا زیادہ وقت شہر میں گزرتا ہے جس پر ان کی بیوی اور ان کے درمیان تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف زیبی کی گرتی طبیعت کے پیش نظر وہ وہاں رکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جب ہی وہاں ان کی ملاقات اپنے دوست اور اس کی بیوی ہاجرہ سے ہوتی ہے اور وہ اسے اپنی شادی کے متعلق آگاہ کرتے ہیں۔ ہاجرہ اور زیبی میں اس مختصر سی ملاقات کے بعد کافی دوستی ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف چوہدری حیات علی اپنی خفیہ شادی کے متعلق بابا جان کو تمام حقیقت بتا کر انہیں حیرانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ایاز کی ضمانت ہو جانے پر مصطفیٰ ایک نئی پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف ایاز بھی بدلہ لینے کی خاطر پوری طرح تیار ہوتا ہے اُدھر مصطفیٰ کی پھپو زاہرہ انا اور حماد کے رشتے کی خاطر ان کے گھر پہنچ جاتی ہیں اور جلد ہی شادی کی تاریخ طے کرنے کا کہتی ہیں۔

〈اب آگے پڑھیے〉



احسن کا حیرت سے برا حال تھا۔

روشی نے گزرے دنوں اور آج کل میں رونما ہونے والے تمام واقعات سنائے تو احسن نے بے یقینی سے روشی کو دیکھا۔

''تم نے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا ہمیں؟'' صبوحی اور وقار الجھے ہوئے تھے احسن نے پوچھا تو روشی نے ایک گہرا سانس لیتے بے تاثر بیٹھے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

''میں نے ولید بھائی کو بتایا تھا۔'' احسن نے ولید کو دیکھا ولید احسن کے دیکھنے پر سیدھا ہوا۔

''میں نے انا سے بات کی تھی۔''

''تو پھر؟''

''وہ ٹال گئی تھی۔'' ولید کا انداز سنجیدہ تھا۔

''مجھ سے بات کرتے ہم پتا کراتے کیا سلسلہ ہے یہ اگر انا کچھ چھپا رہی ہے ہم سے تو ہم خود پتا لگانے کی کوشش کرتے۔'' احسن ابھی بھی یہ سب ماننے کو تیار نہ تھا کہ انا یہ سب کر رہی ہے۔

''میں خود بات کرتا ہوں انا سے ایسا کون ہے جو اسے مس یوز کر رہا ہے۔'' احسن بے حد جذباتیت سے کہہ کر جانے لگا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں وہ کچھ نہیں بتائے گی۔'' ولید کے کہنے پر احسن رکا۔

''اس طرح ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بھی نہیں بیٹھ سکتے اگر روشی اس کی کالز سن چکی ہے تو اس کا مطلب ہے کوئی بات ہے ضرور۔''

''میں نے ایک آدمی سے کہا ہے وہ آج کل میں انا کے نمبر سے ہونے والی کالز کی لوکیشن ٹریس کر کے ہمیں تفصیل فراہم کر دے گا۔اس کے بعد ہی کچھ کیا جا سکتا ہے۔انا نے اگر بتانا ہوتا تو کچھ چھپاتی ہی کیوں اس لیے اس پر دماغ لڑانے اور وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' ولید کے کہنے پر احسن بیٹھ گیا تھا۔

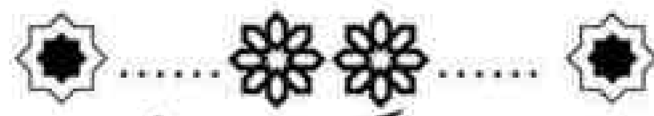
''اور یہ رشتہ؟'' اس ساری گفتگو سے صبوحی کے اندر ایک نئی آس پیدا ہوئی تھی۔

''رشتہ تو اب ہوگا، وہ خاندانی لوگ ہیں اور میں ان لوگوں سے بات کر چکا ہوں ولید اپنا بیٹا ہے اس سے رشتہ ختم ہونے پر دل کو بہت تکلیف ہے لیکن میں اب اپنی زبان سے نہیں پھروں گا اس صورت میں کہ انا خود یہاں شادی کرنا چاہتی ہے۔'' روشی، ولید اور احسن کی گفتگو کے باوجود وقار صاحب کے رویے میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا اب بھی ان کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔

''لیکن وقار ایک دفعہ پھر سوچ لیں، ہوسکتا ہے روشی بیٹی ٹھیک کہہ رہی ہو، ہم ان لوگوں سے بات کر لیں گے معذرت کر لینے میں کیا حرج ہے۔'' ضیاء صاحب کے لہجے میں ایک بار پھر نئی آس اور امید پیدا ہوئی تھی۔

''نہیں بابا، حماد سے شادی انکل سے زیادہ انا کا ذاتی فیصلہ ہے اور ہم زبردستی کسی کو بھی کسی ان چاہے بندھن کے لیے قائل نہیں کر سکتے جو ہو رہا ہے جیسا ہو رہا ہے ہونے دیں۔'' ولید کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔اس کے انداز میں مضبوطی اور اٹل پن تھا۔

ضیاء صاحب کی ساری امیدیں ایک دم ٹوٹ سی گئی تھیں۔انہوں نے بے چارگی سے ولید اور پھر بہن اور بہنوئی کو دیکھا تھا۔صبوحی اور روشی نے خاموشی سے نم آلود نگاہوں سے ولید کو جاتے دیکھا تھا۔



چوہدری سراج علی کا غم وغصے سے برا حال تھا۔انہوں نے اپنے کم عمر بیٹے کی شادی اپنی خواہش پر کروائی تھی ان کی وسیع وعریض اراضی کا تنہا وارث انہیں بے تحاشہ خدشات رہتے تھے انہوں نے اس کی ساری ایجوکیشن کے دوران بیٹے پر کڑی نگاہ رکھی تھی ان کا بیٹا اس قدر سعادت مند تھا کہ کبھی ان کے سامنے اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔ہمیشہ ان کے حکم پر سر جھکانے والا بیٹا اب بتا رہا تھا کہ وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کر چکا ہے جس کا نہ کوئی خاندان تھا اور نہ ہی کوئی مالی حیثیت۔ان کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔

''تم جو بھی حماقت کر چکے ہو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہمارے لیے ہماری ایک ہی بہو ہے اور وہ ہماری بھتیجی ہے۔تم فوراً سے پیشتر اس لڑکی کو فارغ کر دو۔'' ان کا انداز حتمی دوٹوک اور فیصلہ کن تھا۔

''میں اسے فارغ نہیں کر سکتا، وہ نہ صرف میری بیوی ہے بلکہ میرے ہونے والے بچے کی ماں بھی ہے۔'' یہ انکشاف ایسا تھا کہ چوہدری سراج علی گنگ رہ گئے تھے۔

''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔'' انہوں نے اپنے اس بیٹے پر ساری زندگی صرف کی تھی۔اس کی تربیت میں کوئی جھول کوئی کمی نہیں آنے دی تھی۔پھر اب کہاں جھول آ گیا تھا۔

''تم میری بھتیجی کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو حیات علی۔'' وہ طیش سے چیخے۔

''گستاخی معاف بابا صاحب میں نے زبیدہ کے سب حقوق پورے کیے ہیں کبھی کوئی کمی نہیں آنے دی اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے نباہ کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے اور میں نے کبھی زبان پر شکوہ تک لانے کی کوشش نہیں کی۔'' سر جھکائے مودب لہجے میں دل کی بات کی تھی۔

''تم......!'' وہ ایک دم اپنی لاٹھی ٹیکتے کھڑے ہوئے۔

''تم آج اس قابل ہو گئے ہو کہ اپنے باپ کے سامنے سر اٹھا سکو۔'' ہمیشہ فرماں بردار نظر آنے والا بیٹا اس وقت مختلف روپ میں ان کے سامنے تھا ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھیں۔

''میں سر نہیں اٹھا رہا بابا صاحب، اسلام ہمیں چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے وہ لڑکی مجھے اچھی لگی تھی اور میں نے کوئی غلط راہ نہیں اپنائی اپنے دل کی خواہش پر اس سے نکاح کر کے اپنے گھر میں بسانے کی کوشش کی ہے وہ اب آپ کی بہو ہے اور میری بیوی۔''

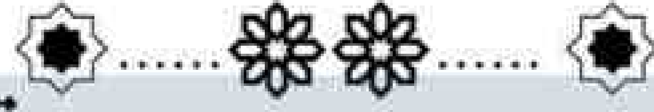
''مت کہو اس حرافہ کو میری بہو۔'' وہ طیش سے چلائے۔

''بابا صاحب آپ زیادتی کر رہے ہیں۔'' حیات علی نے فوراً احتجاج کیا۔

''کوئی آوارہ، راہ چلتی لڑکی بھلا ہماری خاندانی بہو بیٹی کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے ہم تمہاری غلطی کو یکسر فراموش کر دیں گے بس تم آج ہی

اس لڑکی کو فارغ کردو ہم دوبارہ اس لڑکی کا ذکر بھی نہیں سننا چاہیں گے۔'' بابا صاحب غیض وغضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

''وہ نہ آوارہ ہے اور نہ ہی کوئی راہ چلتی بدچلن عورت۔ میں نے اس سے نکاح کر کے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ ہی میں اسے فارغ کروں گا۔ وہ اب ہماری عزت ہے میں نے صرف آپ کو بتانا تھا جو بتا دیا۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئے اور بابا صاحب حیرت سے گنگ بیٹے کے باغیانہ انداز واطوار کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا غم وغصے سے برا حال تھا۔



دریہ کو شاپنگ کے لیے جانا تھا ماں جی اسے تنہا ڈرائیور کے ساتھ بھیجنے پر راضی نہ تھیں شہوار کالج سے لوٹی تو کھانا کھا کر لیٹی تھی آج تھکن سی ہو رہی تھی۔ ویسے بھی اپنی طبیعت کے سبب وہ بہت احتیاط کر رہی تھی آج بھی کالج سے جلدی لوٹ آئی تھی۔ ماں جی اس کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

''دریہ شاپنگ پر جانے کی ضد کر رہی ہے۔ میرے ساتھ جانے پر راضی نہیں ڈرائیور کے ساتھ اکیلی جانا چاہتی ہے پرائی بچی ہے کوئی بات مانتی ہی نہیں لائبہ بھی بھائی کے ہاں گئی ہوئی ہے وہ ہوتی تو اسی کے ساتھ بھیج دیتی۔'' شہوار نے خاموش سے ماں جی کا مدعا جاننا چاہا۔

''ایسا کرو تم ساتھ چلی جاؤ طبیعت تو تمہاری بھی خیال رکھنے والی ہے لیکن وہ لڑکی مانتی ہی نہیں۔'' انہوں نے کہا تو شہوار مسکرائی۔

''آپ ٹینشن نہ لیں میں چلی جاؤں گی کس وقت جانا ہے؟''

''جیتی رہو، میں پوچھ کر بتاتی ہوں۔'' وہ اس کا سر تھپتھپا کر چلی گئی تھیں۔

وہ اٹھ کر تیار ہوئی ہی تھی کہ کچھ دیر میں ملازمہ پیغام لیے چلی آئی تھی وہ اپنا بیگ اور چادر اٹھا کر باہر آئی تو دریہ ماں جی سے بحث میں مصروف تھی۔

''میں شہوار کے ساتھ کیوں جاؤں اکیلے جانے میں کیا حرج ہے۔'' شہوار اس کی بات سن کر رک گئی۔

''دیکھو بیٹا ہمارے خاندان میں اکیلے لڑکی ذات کو یوں منہ اٹھا کر باہر بھیج دینے کا کوئی رواج نہیں تم جب تک ادھر ہو ہماری ذمہ داری ہو اور تمہیں ہماری روایات کا احترام کرنا ہوگا۔'' ماں جی کا انداز قدرے سخت اور دوٹوک تھا۔

''اف...... یہ روایات۔'' وہ منہ بگاڑ کر پلٹی تو شہوار کو کھڑے دیکھ کر اس کے چہرے کے زاویے ایک دم بگڑے تھے اور نہایت تنقید سے اس نے شہوار کو دیکھا تھا۔

''جاؤ ڈرائیور کو کہو گاڑی نکال لے۔'' انہوں نے ایک طرف کھڑی ملازمہ کو کہا تو وہ فوراً باہر نکل گئی۔

ڈرائیور نے گاڑی نکالی تو دریہ بہت زیادہ بگڑے موڈ کے ساتھ پچھلے حصے کی طرف بڑھی تھی ماں جی بھی باہر تک آئی تھیں شہوار بیٹھی تو دریہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور سارا رستہ دونوں نے کوئی بات چیت نہ کی تھی۔

دریہ کسی نہ کسی کے ہمراہ کئی بار شاپنگ کے لیے آچکی تھی اسے شاپنگ مالز کا اندازہ تھا وہ خود ہی ڈرائیور کو ہدایات دیتی رہی تھی۔ اس کی ہدایت پر ڈرائیور نے ایک پلازہ کے سامنے گاڑی روکی تو دریہ بڑے تنفر سے باہر نکلی تو شہوار بھی پیچھے ہولی تھی۔

وہ پلازہ میں موجود مختلف شاپس میں جا رہی تھی شہوار بالکل خاموش اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ دریہ کچھ بھی خرید نہیں رہی تھی بس ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

''اس طرح ادھر سے ادھر گھومنے کا کوئی فائدہ نہیں خوامخواہ ہر کوئی دیکھ رہا ہے۔ تم اچھی طرح ڈیسائیڈ کرلو کہ تم نے کیا لینا ہے اور پھر اسی شاپ میں جاؤ۔'' اسے ایک ہی جگہ کا کوئی چوتھی بار چکر لگاتے دیکھ کر شہوار مجبوراً بولی۔

''میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔'' وہ ایک دم بدتمیزی سے بولی۔

''میں بھی ہر سر پھرے کو مفت مشورہ دینے کی قائل نہیں۔'' اس کے مسلسل انسلٹنگ انداز پر شہوار بھی کہے بغیر نہ رہ سکی تھی وہ رک اور دریہ نے غصے سے دیکھا۔

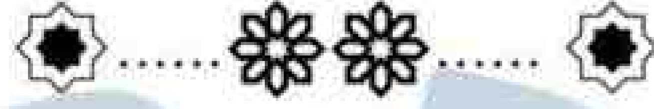
''شٹ اپ، مائنڈ یور لینگوئج۔'' دریہ ایک دم لڑنے کو تیار کھڑی ہوگئی تھی۔

''یو ٹو مائنڈ یور لینگوئج۔'' شہوار نے بھی تپ کر کہا۔

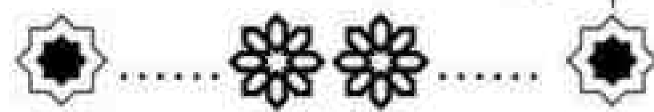
''مجھے ماں جی نے ساتھ بھیجا ہے یہ مت بھولو۔''

''تمہیں اگر برداشت نہیں ہو رہا تو تم جا کر گاڑی میں بیٹھ سکتی ہو۔'' نہایت بدتمیزی سے وہ راہ چلتے کسی بھی انسان کی پروا کیے بغیر اونچی

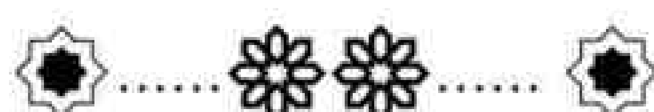
آواز میں بول رہی تھی۔
''مجھے ماں جی نے تمہارے ساتھ بھیجا ہے میں کیوں گاڑی میں بیٹھوں۔'' شہوار نے بھی جواب دیا۔
''گو ٹو ہیل۔'' وہ پاؤں پٹخ کر آگے کی طرف چل دی۔ اس طرح پبلک میں شہوار کو دریہ کا رویہ ایک دم شدید انسلٹنگ سا لگا تھا۔
اس نے لب بھینچ لیے تھے کئی لوگوں نے پلٹ پلٹ کر دونوں کو ایک دوسرے سے الجھتے اور پھر دریہ کو آگے بڑھتے دیکھا تھا۔ کچھ کے چہروں پر سارے منظر سے محظوظ ہونے والی مسکراہٹ تھی۔ شہوار کو ایک دم شدید سبکی کا احساس ہوا تھا۔ ایک دو لڑکیوں نے گزرتے ہوئے نہایت شریر مسکراہٹ سے شہوار کو دیکھا تو شہوار کو اپنا چہرہ توہین کے احساس سے جلتا محسوس ہوا تھا۔
اس کا شدت سے جی چاہا کہ فوراً یہاں سے چلی جائے۔ اس نے جلتی ہوئی نگاہوں سے دریہ کو سیڑھیاں چڑھتے اوپر کی طرف جاتے دیکھا تھا۔
''ایکسیوزمی۔'' وہ اپنی جگہ ساکت سی کھڑی تھی جب اس آواز پر پلٹی تھی اس کے سامنے ایک شناسا چہرہ کھڑا تھا۔



ایاز مسلسل ان کے تعاقب میں تھا۔ اسے ضمانت پر رہا ہوئے آج تیسرا دن تھا۔ وہ انتقام سے پاگل ہو رہا تھا لیکن اس بار وہ کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا وہ بہت سوچ سمجھ کر سب کچھ کرنا چاہتا تھا عبدالقیوم کا پلان یہاں سے موو کرنے کا تھا جبکہ ایاز یہاں سے بھاگنے سے پہلے اپنے دشمنوں کو ایک بھاری نقصان ضرور پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے کل سے کچھ آدمی مصطفیٰ اور شہوار کے تعاقب میں لگا رکھے تھے اور خوش قسمتی سے اسے آج ایک اچھا موقع مل گیا تھا۔ اسے شہوار اور دریہ کے تنہا شاپنگ پر آنے کا علم ہوا تھا دو لڑکیوں کو زیر پار کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا۔ وہ فوراً پلازہ پہنچا لیکن مسلسل تعاقب کے بعد اسے ایک جگہ دونوں تنہا مل ہی گئی تھیں۔ دونوں کسی بات پر الجھ رہی تھیں۔ مقابل لڑکی کے تیور اور چہرے کے تاثرات بہت نفرت چھلکاتے محسوس ہوئے تھے اردگرد چلتے لوگ دونوں کی تکرار سے محظوظ ہو رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر رہنے کے باوجود ایاز اچھی طرح محسوس کر گیا تھا کہ دوسری لڑکی شہوار کے لیے نفرت رکھتی ہے۔
وہ الجھ کر کچھ کہہ کر ایک طرف چل دی تھی۔ اردگرد موجود لوگ بھی کم تھے یہ ایک سنہرا موقع تھا وہ خاموشی سے آگے بڑھا تھا لیکن شہوار کے سامنے دائیں طرف سے ایک آدمی آ رکا تھا۔ ایاز کے قدم وہیں ٹھٹک گئے۔



''السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟'' شہوار نے حیران ہو کر دیکھا تھا۔ اس کے سامنے آ کر رکنے والا شخص اس کا کالج فیلو ہاشم تھا۔
جب پہلی بار ہاشم اور ایاز کے درمیان شہوار کی وجہ سے جھگڑا ہوا تھا تو تب سے ان دونوں کے درمیان ہلکی پھلکی بات چیت اور سلام دعا رہنے لگی تھی۔
''وعلیکم السلام، میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟'' شہوار ہلکا سا مسکرائی۔
''اللہ کا کرم ہے یہ لڑکی کون تھی میں سن تو نہیں سکا لیکن دیکھ رہا تھا وہ آپ سے کافی الجھ رہی تھی خیریت تھی نا۔'' شہوار ہلکا سا مسکرائی۔
''جی بالکل، یہ مصطفیٰ کی کزن ہے کچھ موڈی سی ہیں اکیلے شاپنگ پر آنا چاہتی تھیں لیکن ہمارے خاندان میں اس کا رواج نہیں زبردستی اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس پر وہ خفا ہے۔'' شہوار نے ہنس کر بتایا۔
''اوہ آئی سی۔''
''کچھ زیادہ ہی موڈی ہیں۔ اس طرح پبلک پلیس میں اس طرح کا رویہ رکھنا اور اونچی آواز میں بات کرنا اخلاقیات کے دائرے میں تو نہیں آتا میں سمجھا کہ شاید کوئی لڑائی جھگڑا چل رہا ہے سوچا مدد ہی کر دوں۔'' شہوار ہنس دی۔
''آپ کو میں لڑائی جھگڑے کرنے والی لڑکی لگتی ہوں کیا؟''
''بالکل نہیں لیکن مقابل کے تیور دیکھ کر ضرور لگا تھا کہ فوراً سے پیشتر ضرور ہاتھ اٹھا دینے والی ہیں لیکن خیریت رہی۔'' شہوار ایک گہرا سانس لے کر مسکرا دی۔



ایاز تھوڑا سا مزید آگے بڑھا لیکن شہوار اور ہاشم کو ایک ساتھ کھڑے دیکھ کر چونکا تھا۔
''دونوں اس وقت یہاں؟'' اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

ہاشم ایک نڈر، بہادر اور بے خوف وخطر کسی کی بھی مدد کے لیے کود پڑنے والا انسان تھا۔ ہاشم سے ہونے والا آخری جھگڑا وہ ابھی بھی بھولا نہ تھا۔ وہ اگر اس وقت آگے بڑھتا یقیناً معاملہ خراب ہوسکتا تھا جبکہ اس بار وہ سب کچھ بہت پلاننگ سے کرنا چاہتا تھا اس قدر کامیابی سے کہ کسی بھی قسم کی شکست کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس نے اس وقت ان دونوں کے پاس جانے کا خیال ترک کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتا ہوا اسی طرف چلا آیا تھا جہاں دوسری لڑکی گئی تھی کچھ دیر کی تلاش کے بعد اسے وہ لڑکی ایک شاپ سے بڑا سا شاپنگ بیگ اٹھائے نکلتی دکھائی دی وہ چلتی ہوئی اس طرف آ رہی تھی۔ ایاز نے ایک پل کو اسے دیکھا تھا۔ وہ بے انتہا خوب صورت لڑکی تھی اور خوب صورت لڑکیاں اسے بہت اٹریکٹ کرتی تھیں۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا اور پھر اس لڑکی کے پاس سے گزرتے اس نے اس لڑکی سے ٹکرانے کا ڈرامہ کیا تھا لڑکی ایک دم دائیں طرف گری تھی اس کا بیگ اور شاپنگ بیگ بھی زمین پر گر گئے تھے۔

''ہاؤ ڈیئر یو۔'' وہ لڑکی چلائی۔

''ایم سوری میم، ایم سو سوری۔'' ایاز ایک دم اس کے پاس رکا تھا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے میں مدد دی اور پھر شولڈر بیگ اور شاپنگ بیگ بھی اٹھا کر اسے تھمائے تھے۔

''پاؤں پھسل گیا تھا اور آپ سے ٹکرا گیا۔'' چہرے پر حد سے زیادہ معصومیت طاری تھی۔ دریہ نے اپنے غصے پر کنٹرول کرتے اسے گھورا اور پھر چلنے لگی۔

''آیئے میں آپ کو باہر تک چھوڑ آتا ہوں۔'' اس نے کہا تو دریہ نے کوئی رسپانس نہیں دیا وہ چلتی ہوئی اسی طرف آ گئی جہاں وہ شہوار سے الجھ کر اکیلی اس طرف آئی تھی۔ شہوار ابھی بھی وہی تھی لیکن ایک طرف رکھے بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی ایک لڑکا اس کے پاس کھڑا تھا۔ کافی اٹریکٹیو اور ڈیسنٹ لڑکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے کوئی بات بھی کر رہے تھے وہ چونکی تھی۔

''یہ کس سے بات کر رہی ہے؟'' وہیں رک کر وہ بڑبڑائی۔

''یہ لڑکا اس لڑکی کا کلاس فیلو ہے۔'' ایاز نے اس کی بڑبڑاہٹ کے جواب میں بتایا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

''تم جانتے ہو اس کو؟'' اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بہت اچھی طرح۔'' وہ نفرت سے شہوار کو دیکھتے بولا۔

''یہ میرے کزن کی وائف ہے۔'' انداز میں نفرت اور جلن کے جذبات تھے وہ مسکرایا۔

''اوہ......'' وہ ریلیکس ہوا تھا۔

''اس لڑکے اور اس لڑکی کا کالج میں بڑا زبردست افیئر چلا تھا میں بھی اسی کالج میں پڑھتا ہوں لیکن پھر اس لڑکی نے شادی کر لی لیکن دونوں کی محبت اب بھی برقرار ہے۔''

''اوہ......'' ایاز کے الفاظ پر وہ حیران ہو رہی تھی۔

''لیکن یہ ایسی لگتی تو نہیں؟'' وہ بڑبڑائی۔

''اچھی صورتوں پر مت جائیں بعض اوقات اچھی صورتوں کے پیچھے بھی برے چہرے چھپے ہوتے ہیں۔ آپ اس بات سے ہی اندازہ لگا لیں کہ ایک عام سی لڑکی ہونے کے باوجود وہ ایک بہت بڑے خاندان کی بہو بنی ہوئی ہے کیسے؟'' دریہ نے حیرانی سے پلٹ کر ایاز کو دیکھا

''بہو تو تم بھی بن سکتی تھیں مگر......!''

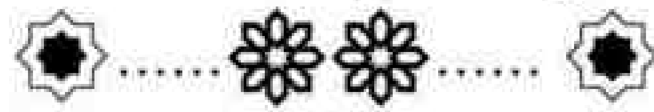
''کون ہو تم۔''

''یہ چھوڑو، اگر تم واقعی اس لڑکی کو اپنے رستے سے ہٹانا چاہتی ہو تو اس نمبر پر رابطہ کر لینا میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔'' اس نے جیب سے ایک کارڈ نکالا تھا اس پر ہاتھ سے ایک نمبر لکھا یہ اس پلازہ کی شاپ کا کارڈ تھا لیکن یقیناً نمبر ان کا نہ تھا۔ نمبر دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ کچھ پل پہلے ہی یہ نمبر لکھا گیا تھا۔ دریہ نے کارڈ لے لیا تھا۔

''لیکن پھر بھی تم کون ہو، اتنا سب کچھ کیسے جانتے ہو؟'' دریہ الجھی ہوئی تھی۔ ایاز مسکرا دیا۔

''کہا نا اس کو چھوڑیں، ویسے بھی آپ کو آم کھانے سے غرض ہونی چاہیے پیڑ گننے سے نہیں بیسٹ آف لک میں آپ کی کال کا انتظار

کروں گا۔'' وہ کہہ کر وہاں سے تیزی سے ایک طرف نکل گیا اور دریہ حیرت سے اس عجیب وغریب شخص کو دیکھ رہی تھی۔



ولید آفس میں تھا جب اسے کال آئی وہ آفس سے نکلا اور سیدھا اس آدمی کے پاس پہنچا گیا تھا سلام دعا کے بعد اس نے اسے تمام ڈیٹیلز کی لسٹ تھما دی تھی۔

''آپ کے دیے گئے نمبر سے ہونے اور کی جانے والی تمام کالز کا یہ ریکارڈ ہے۔ ٹائمنگ ڈوریشن ہر چیز موجود ہے۔'' اس آدمی نے بتایا۔

''اور لوکیشن؟''

''وہ بھی درج ہے، جن ڈیٹس کی کالز کا آپ نے اسپیشلی کہا تھا میں نے اس پر ریڈ مارک لگا دیا ہے۔ زیادہ تر اس پر کال ریسیو کی گئی ہیں۔'' اس آدمی نے ایک مارک شدہ نمبر پر انگلی رکھی۔

''یہ نمبر رجسٹرڈ نہیں تھا، آج کل یہ نمبر بند ہے۔'' اس نے مزید بتایا۔ ولید نے بغور دیکھا اور پھر اس کے سامنے درج لوکیشن۔

وہ ایک پل کو چونکا تھا اس نے جلدی سے اس نمبر پر آنے والی تمام کالز کو دیکھنا شروع کر دیا تھا مختلف لوکیشنز تھیں مگر کئی کالز پر سیم صرف وہی لوکیشن تھی جس پر وہ چونکا تھا۔

''اگر آپ چاہیں تو وائس ریکارڈ بھی مل سکتا ہے۔'' آدمی نے کہا تو ولید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تھینک یو سو مچ ابھی تو ہم اس ریکارڈ سے چیک کر لیں اگر ہمیں ضرورت پڑی تو وائس ریکارڈ بھی طلب کر سکتے ہیں۔'' وہ لسٹ لے کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ابھی گاڑی میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے موبائل پر صبوحی پھپھو کی کال آنا شروع ہو گئی۔

''جی پھپھو۔''

''گاڑی خراب ہو گئی ہے احسن کو کال کی تھی کہہ رہا تھا تم آفس سے نکل چکے ہو مجھے بھی پک کر لو۔''

''اوکے میں آتا ہوں۔'' وہ کال بند کر کے ہاتھ میں تھامی لسٹ ڈیش بورڈ پر رکھ کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا تھا۔

لیکن ذہن میں ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی کئی بار وہ اوورٹیک کرتے کسی گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ وہ پھپھو کی بتائی گئی جگہ پر پہنچا تو پھپھو منتظر تھیں۔ اس نے ان کو پک کیا۔

''آج جلدی بوتیک سے نکل آئی ہیں طبیعت ٹھیک ہے۔'' اس نے پوچھا تو انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

''بس سر میں شدید درد تھا انا کی پریشانی کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیتی۔'' وہ غم زدہ سی تھیں۔ ولید کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''وہ اپنا اچھا برا سب سمجھتی ہے وہ کوئی کم سن نہیں ہے اس نے اتنا بڑا فیصلہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا آپ ٹینشن نہ لیں مصطفیٰ کی پھپھو اور ان کی فیملی ایک قابل بھروسہ لوگ ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔''

''اور تم......؟'' انہوں نے ایک دم اسے دیکھا۔

''کیا تمہیں کوئی دکھ نہیں۔'' ان کے الفاظ پر ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔

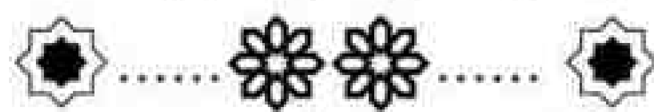
''دکھ......!'' اس نے ایک پل کو سوچا۔

''میں پریکٹیکل انسان ہوں پھپھو، جذبات اور احساسات کا تابع ہونے کے باوجود میں حقیقت پسندی پر نگاہ رکھتا ہوں جذباتی اور ایموشنل ہونا ایک فطری امر ہے اس سے بچ نہیں سکتا لیکن زبردستی کسی سے رشتہ جوڑنا بھی مجھ جیسے غیرت مند انسان کو زیب نہیں دیتا۔ مجھے اپنی سیلف رسپیکٹ ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔'' ولید کی بات سن کر وہ سسکنے لگی تھیں۔

ولید نے گاڑی کی اسپیڈ سلو کرتے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینا چاہی تھی۔ تبھی ایک بائیک تیزی سے ان کے رستے میں آئی تھی ولید کا دھیان بھٹکا اور اس سے پہلے کہ گاڑی بائیک سے ٹکراتی ولید نے تیزی سے اسٹرینگ گھمایا لیکن گاڑی کا توازن بگڑ چکا تھا۔

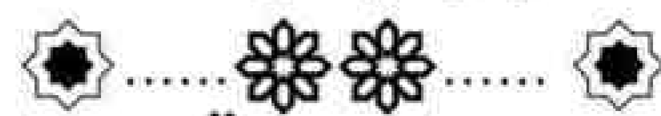
گاڑی فٹ پاتھ سے ٹکراتے سائیڈ پر موجود چیزوں کو روندتے ایک عمارت سے جا ٹکرائی تھی گاڑی ایک سائیڈ کو لڑھک گئی تھی۔

''ولید......ولی......!'' صبوحی بیگم کی چیخیں پوری گاڑی میں گونج رہی تھیں۔



ماموں اور سہیل دونوں نے ابوبکر سے بات کی تھی وہ قائل ہوا تھا یا نہیں رابعہ بے خبر تھی البتہ ماموں اور سہیل کے ہمراہ ہادیہ کے ہاں گئی

تھی۔
ماموں نے ہادیہ کے والد کو ابوبکر کا رشتہ دیا تھا ماموں ایک سمجھدار انسان تھے انہوں نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں ہادیہ کی پسندیدگی کو بھی واضح کر دیا تھا۔ ہادیہ کا باپ الجھا تھا ماں البتہ خاموش تھی۔ رابعہ ہادیہ کے پاس آئی تو وہ پریشانی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔
''میں بہت پریشان ہوں رابعہ۔'' رابعہ کے ہاتھ تھام کر وہ بولی۔
''ڈونٹ وری ان شاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے تسلی دی تو وہ چند لمحے بغور رابعہ کو دیکھے گئی۔
''کیا دیکھ رہی ہو؟''
''دیکھ رہی ہوں کہ دوست تم جیسی بھی ہوتی ہے۔'' اس کی آواز رندھ گئی تو رابعہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔
''سب بھول جاؤ بس یہ یاد رکھو کہ ابوبکر تمہارا تھا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔''
''میں بہت زیادہ گلٹ محسوس کر رہی ہوں۔''
''کیوں بھئی؟'' اس نے جدا ہو کر گھورا۔
''دو دن بعد تمہاری شادی تھی۔'' ہادیہ نے کہا۔
''لیکن اب نہیں ہو گی۔''
''اور مجھے علم ہے میں جو بھی کر رہی ہوں سب اچھے کے لیے کر رہی ہوں تم میری بہن جیسی ہو تمہاری محبت، تمہارے احساسات مجھے اپنے ذات سے بڑھ کر عزیز ہیں۔'' اس کے آنسو صاف کرتے اس نے تسلی دی۔
''بابا مان جائیں گے نا؟'' وہ ابھی بھی خوف زدہ تھی۔
''ان شاءاللہ وکیل اچھا ہونا چاہیے مقدمہ جیتنا قطعی مشکل نہیں۔'' وہ مطمئن تھی ہادیہ کا دل ٹھہرنے لگا۔
''اور تمہاری شادی؟''
''وہ بھی ہو جائے گی جب اس کا وقت آئے گا۔ ابھی تم اپنی شادی کو انجوائے کرو اگر تمہارے والد مان جاتے ہیں تو دو دن بعد اس تاریخ کو ہم تمہارے نکاح کے لیے آئیں گے رخصتی بعد میں۔''
''یہ نمبر رکھ لو ابوبکر کا نمبر ہے تمہارے کام آئے گا۔'' رابعہ نے اسٹڈی ٹیبل پر سے ایک صفحہ نکال کر نمبر لکھ کر کاغذ اسے تھمایا۔ ہادیہ نے نمبر دیکھا اور پھر مسکرا دی۔
''تھینک یو سو مچ، میں عمر بھر تمہارا یہ احسان نہیں بھول پاؤں گی۔''
''احسان نہیں کر رہی میں کوئی۔'' رابعہ ایک دم برا مانی۔
''میں دوستی کا حق ادا کر رہی ہوں۔'' ہادیہ ممنون ہوئی۔
''میں واقعی خوش قسمت ہوں کہ مجھے تم جیسی محبت کرنے والی ایک مخلص دوست ملی، میں جتنا بھی تم پر فخر کروں کم ہے۔'' وہ محبت سے مغلوب ہو کر پھر سے رابعہ کے گلے لگی اور رابعہ نے مسکرا کر اس کی پیٹھ تھپکی۔



وہ زبین سے ملنے آئے تھے زبین کافی تروتازہ اور صحت مند لگ رہی تھی۔ اس کو خوش دیکھ کر چوہدری حیات علی کے اندر سیروں خون بڑھا تھا۔ دونوں نے مل کر اپنے بچے کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی، مستقبل کے خواب سجائے تھے۔ وہ زیب النساء کو ہر دم ہنستا مسکراتا اور خوش دیکھنا چاہتے تھے سو وہ ہر کام کرتے جو ان کی زبین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے نغمے سجا دے۔ وہ اسے لے کر اپنے دوست سبحان احمد کے گھر بھی گئے تھے۔ ان لوگوں نے اب واپس امریکہ چلے جانا تھا وہ جس مقصد کے لیے پاکستان آئے تھے وہ مقصد بھی پورا نہیں ہوا تھا وہ دونوں بے مراد ہی واپس لوٹنے والے تھے۔
حاجرہ (سبحان کی بیوی) غم زدہ تھی۔ زیب النساء اس کی دل جوئی کرتی رہی تھی۔ چوہدری حیات علی دو ہفتے زبین کے ساتھ شہر میں رہے اور ان دو مہینوں میں وہ دونوں میاں بیوی ہر دوسرے دن سبحان کے ہاں چلے جایا کرتے تھے۔ سبحان کے گھر جوائنٹ فیملی سسٹم تھا جبکہ امریکہ میں وہ علیحدہ سیٹل تھا۔
دوسری طرف سبحان بھی حاجرہ کو لے کر چکر لگاتا رہتا تھا۔

سبحان کی فیملی اس پر دوسری شادی کر لینے پر زور دے رہی تھی جبکہ وہ حاجرہ سے بہت محبت کرتا تھا وہ حاجرہ کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا سو گھر والوں کی ضد کے سامنے ڈٹا ہوا تھا۔

زیبن کے لیے یہ دن بہت خوش گوار تھے اتنے دنوں کے بعد چوہدری حیات اس کے پاس رکے تھے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھ رہی تھی۔

اگلی صبح حیات علی نے چلے جانا تھا زیب النساء افسردہ تھی بستر پر بیٹھی گھٹنوں کے گرد کہنیاں لپیٹے وہ خاموشی سے حیات علی کو اپنا بیگ تیار کرتے دیکھ رہی تھی۔

حیات علی نے یہاں سے اپنی بیوی بچوں کے لیے بہت ساری خریداری کی تھی حیات علی اپنی بیوی زبیدہ کو شمالی علاقہ جات کی سیر و تفریح کا بتا کر آئے تھے اب واپسی پر تحائف تو لازمی تھے۔ پیکنگ کرتے حیات علی نے زیب النساء کو دیکھا تو رک گئے۔

''خاموش کیوں ہو؟'' وہ اس کے پاس آ بیٹھے تھے ہاتھ تھام کر محبت سے پوچھا۔

''آپ کی بیوی کیسی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کیوں؟''

''کیا وہ میرے جیسی خوب صورت ہے؟'' وہ کیوں کا جواب دے رہی تھی۔ حیات علی مسکرائے محبت سے دونوں ہاتھ میں چہرہ تھام کر اس پر جھک کر پیشانی پر مہر محبت ثبت کی۔

''نہیں، تم دنیا کی سب سے خوب صورت ترین لڑکی ہو۔''

''تو پھر آپ اس کے پاس زیادہ کیوں جاتے ہیں؟'' اس کی عمر جیسے اس کے سوالات تھے۔

''دیکھو زیبن وہ میری خاندانی بیوی ہے۔ اس کے پاس جانا میری مجبوری ہے۔''

''وہ خاندانی بیوی ہے تو میں کیا ہوں؟''

''خاندانی بیوی۔'' کے الفاظ زیبن کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح لگے تھے۔ حیات علی ایک دم سنبھلے تھے۔

''تم تو میری جان ہو، میری محبت ہو۔'' انہوں نے اسے بہلانا چاہا تھا لیکن اس کا ذہن بھٹک گیا تھا۔

''آپ اپنے بچوں سے بہت محبت کرتے ہیں نا؟''

''سبھی والدین اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں یہ فطری جذبہ ہے دیکھنا جب ہمارا بچہ ہوگا نا تو ہم اس سے بھی بہت محبت کریں گے۔''

''لیکن میں اور میرا بچہ آپ کی اس خاندانی بیوی اور ان کے بچے کے برابر تو نہیں ہو سکتے نا۔'' اس نے ذہن میں اٹکی بات کہہ دی تھی حیات علی نے گہرا سانس لیا۔

''ایسا کچھ نہیں، میں بابا صاحب سے بات کر چکا ہوں میں اس وقت ادھر تمہارے پاس ہوں ان کو بتا کر آیا تھا میں بس اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں جب وہ خود سے تمہیں میری بیوی قبول کر لیں میں تو اسی دن تمہیں اپنے ساتھ حویلی لے جاؤں گا۔'' حیات علی کا انداز اٹل تھا۔

''اور اگر انہوں نے مجھے قبول نہ کیا تو؟'' زیبن کے انداز میں خوف تھا حیات علی نے گہرا سانس لیا۔

''تو میں تمہیں قبول کر چکا ہوں کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ ہمارا بچہ ہوگا اس کی بھی وہی حیثیت ہوگی جو میرے باقی بچوں کی ہوگی۔'' ان کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

''اور اگر آپ کے بابا صاحب نے آپ کو مجھے چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا تو؟'' اس کے اندر کے خوف ختم ہی نہیں ہو رہے تھے انہوں نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

اس بات سے تو وہ بھی خوف زدہ تھے بابا صاحب ابھی خاموش تھے اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بابا صاحب کی خاموشی کبھی بے جا نہیں ہوتی۔

''میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا، میں جہاں کہیں بھی ہوں تم بس ایک آواز بھی دو گی میں چلا آؤں گا حیات علی تمہارا اور تمہارا ہی رہے گا دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے تم سے جدا نہیں کر سکتی۔ دل سے ہر طرح کے وسوسے نکال دو بابا صاحب کو اپنے اکلوتے بیٹے کی ضد ماننا ہی ہوگی ورنہ پھر جو فیصلہ ہوگا وہ پچھتائیں گے۔''

٭٭٭

وہ دونوں گاڑی میں تھیں شہوار مسلسل دریہ سے لاتعلق تھی۔ دریہ نے کئی بار اسے دیکھا تھا جبکہ ڈرائیور خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔شام ہو رہی تھی۔

''وہ لڑکا کون تھا؟'' دریہ نے پوچھا تو شہوار نے پلٹ کر دیکھا۔

''کون؟''

''وہی جو پلازہ میں تمہارے ساتھ کھڑا تھا۔'' اس کا انداز طنزیہ تو شہوار کی بھنویں تن گئی۔

''تم سے مطلب؟'' دریہ طنزیہ مسکرائی۔

''مطلب تو بہت گہرا ہے تم مانو یا مانو...... ویسے تھا کافی ہینڈسم وہ لڑکا۔'' شہوار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

اسی اثنا میں گھر آ گیا تھا دریہ خاموش ہو گئی تھی۔گاڑی رکی تو شہوار فوراً دروازہ کھول کر اترنے لگی تھی۔

''سنو......!'' شہوار رکی۔

''ویسے آج تمہارے ساتھ شاپنگ کر کے بہت مزہ آیا تھینکس۔'' وہ کہہ کر دوسری طرف سے نکل گئی اور شہوار اسے جاتے دیکھا۔

٭٭٭

وہ کالج سے لوٹی تو سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی چینج کر کے وہ باہر آئی تھی وہ آج کالج میں کافی بزی رہی تھی سو فارغ ہوتے ہوتے کافی لیٹ ہو گئی تھی۔

وہ کچن میں چلی آئی، بہت زوروں کی بھوک لگی تھی بہت دنوں بعد اس کا معدہ کچھ کھانے کو طلب کر رہا تھا ورنہ دو دن سے وہ عجیب ماتمی انداز میں جی رہی تھی اگر کالج جانے کی مجبوری نہ ہوتی تو شاید وہ کمرے میں بند ہو کر رہ جاتی۔

وہ ابھی کھانا شروع کرنے ہی والی تھی جب باہر ٹیلی فون کی تیز گھنٹی بجی تھی۔اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔اب تو جب بھی فون بجتا تھا اس کے دل کی دھڑکن رکنے لگتی تھی۔

لیکن فون تھا کہ بجتا ہی جا رہا تھا روشی نجانے کہاں تھی پھر وہ اٹھ کر باہر آئی تھی۔لاؤنج میں رکھا فون مسلسل بج رہا تھا اس نے ریسیور اٹھایا تو ہاتھ لرز رہے تھے۔

''ہیلو۔''

''میں احسن بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے احسن تھا۔انا کو لگا اس کی سانسیں ایک دم بحال ہوئی ہوں۔

''جی بھائی۔''

''ماموں اور روشی کہاں ہیں؟'' احسن نے پوچھا۔

''دونوں شاید اپنے اپنے کمرے میں ہیں۔''

''اچھا بہت دھیان سے سنو۔'' احسن بھائی دوسری طرف کچھ کہہ رہے تھے انا کو لگا کہ جیسے اس کا وجود بالکل بے جان سا ہو گیا ہو۔

''انا......سن رہی ہونا......انا......!'' دوسری طرف سے احسن بھائی کہہ رہے تھے اور کمزور دل انا کے ہاتھوں سے ریسیور پھسل گیا تھا۔

٭٭٭

دریہ بہت خوش تھی وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔اس نے اپنا بیگ کھولا وہاں وہ کارڈ موجود تھا جو پلازہ میں ملنے والے لڑکے نے دیا تھا۔

اس کے دل میں ایک کھوج تھی ایک تجسس تھا۔آخر وہ لڑکا کون تھا؟ وہ اتنا کچھ کیسے جانتا تھا؟

''اگر تم واقعی اس لڑکی کو اپنے رستے سے ہٹانا چاہتی ہو تو اس نمبر پر رابطہ کر لینا میں تمہارے کام آ سکتا ہوں۔'' الفاظ بار بار ذہن کے پردے پر دستک دے رہے تھے۔

''بہو تو تم بھی بن سکتی تھیں مگر......!'' دریہ کو لگا گویا ان الفاظ سے اس کے اندر بارود سا بھر گیا ہو۔

''اصل کہانی تو اب شروع ہو گی شہوار میڈم اب دیکھتی جاؤ کیا کرتی ہوں میں۔'' بہت طنزیہ مسکرا کر اس نے کارڈ پر درج نمبر اپنے موبائل پر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔

٭٭٭

مصطفیٰ آفس سے لوٹا تو کچھ الجھا ہوا تھا آج کل وہ کسی کیس میں بزی تھا اور مسلسل گھر سے غائب تھا گھر میں ٹکا بھی تو بہت کم رات میں بھی یہی شیڈول تھا۔ وہ گھر آیا اور آتے ہی مختلف جگہ نمبرز ملانے لگا تھا۔ شہوار اس کی اس روٹین سے الجھی ہوئی تھی اندر ہی اندر مصطفیٰ کی اس قدر بزی روٹین پر خفا بھی تھی لیکن زبان سے کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ کمرے میں آیا تب بھی موبائل اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے، تم ان پر کڑی نگاہ رکھو میں کچھ دیر میں پہنچ جاؤں گا۔'' نجانے کس کو کہہ رہا تھا اسے سلام بھی اشارے سے ہی کیا تھا۔

شہوار جو کچھ دیر قبل مغرب کی نماز پڑھ کر بیٹھی تھی اسی طرح انگلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی اسے دیکھ کر سنجیدہ ہی رہی تھی۔

''مجھے کپڑے نکال دو میں ذرا ہاتھ لے لوں۔ کوئی شلوار قمیص نکالنا۔'' مصطفیٰ اسے کہہ کر تیزی سے واش روم میں گھس گیا تھا۔

شہوار تسبیح ملتوی کرتے ہاتھ دعا کے انداز میں منہ پر پھیرتے بستر سے اتری اور الماری کھول کر مصطفیٰ کے استری شدہ کپڑے سفید شلوار قمیص نکال کر دوبارہ بستر پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ کا موبائل پھر بج رہا تھا اس نے کال پک کی تھی۔

''تم ان کو فالو کرو میں کچھ دیر میں پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے کہہ کر کال کاٹی اور پھر تیزی سے کپڑے اٹھا کر واپس واش روم میں گھس گیا۔

شہوار سنجیدگی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

مصطفیٰ لباس بدل کر باہر نکلا تو شہوار بستر سے اتر کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''یہ سب کیا ہے؟'' انداز میں غصہ تھا۔

''کیا ہے؟'' اس نے الٹا پوچھا انداز میں شرارت تھی۔

''ابھی آئے ہیں اور فوراً واپس چل دیے ہیں کچھ علم بھی ہے دو دن سے ہم دونوں نے ٹھیک سے ایک دوسرے کی شکل تک نہیں دیکھی بات کرنا تو دور کی بات ہے۔'' وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔ مصطفیٰ مسکرا دیا۔

''بزی ہوں یار۔'' اسے بازو کے حصار میں لیتے اس نے بہلانا چاہا۔ جانتا تھا کہ وہ اس روٹین سے کتنی فیڈ اپ ہو جاتی ہے بلکہ خوف زدہ۔

''بات نہیں کریں مجھ سے، سارا وقت ڈرتے خوف کھاتے گزر جاتا ہے کہ پتا نہیں کہاں ہیں کیا کر رہے ہیں۔ اوپر سے دو دن سے غائب ہیں مسلسل۔'' شہوار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس سے لڑ پڑے۔

''دیکھو شہوار۔'' مصطفیٰ نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن اس کا موبائل پھر بج اٹھا۔

''دیکھو پھر کال آ گئی میں لیٹ ہو رہا ہوں یار واپسی پر بات ہو گی۔'' وہ تیزی سے ہاتھ چلانے لگا۔ بال بنا کر خود پر پرفیوم چھڑک کر اس نے جوتا بدلا تھا۔ اس وقت ایک جاگیردار کے روپ میں تھا۔

شہوار منہ پھلائے لب بھینچے کھڑی تھی۔ مصطفیٰ نے اپنا موبائل اٹھایا تو ٹون بجی تھی۔ کوئی انجان نمبر تھا۔ اس نے اوپن کیا تھا لیکن پھر ساکت ہو گیا تھا۔

موبائل پر ایک تصویر تھی۔ ایک چہرے کو تو وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا اور دوسرا چہرہ مصطفیٰ نے پلٹ کر شہوار کو دیکھا تھا وہ ہنوز منہ پھلائے رخ موڑے کھڑی تھی۔

''تم آج کہاں تھیں؟'' اس کا انداز سنجیدہ تھا۔

''آپ سے مطلب؟'' شہوار خفا تھی بدتمیزی سے کہا۔ مصطفیٰ کے چہرے کے تیور بدلے تھے۔

''جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔'' انداز میں سختی تھی شہوار نے غصے سے دیکھا۔

''کیوں بتاؤں، آپ کہاں جاتے ہیں کہاں ہوتے ہیں مجھے تو کبھی نہیں بتایا۔'' وہ آج پہلی بار مصطفیٰ سے کسی معاملے میں بحث کر رہی تھی اور وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا یہ خفا انداز اور بحث کرتا لہجہ اس کی زندگی کو ایک بہت ہی بھیانک موڑ تک لے جانے والا ہے۔

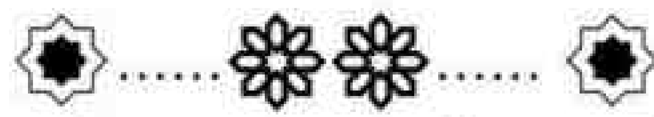
''شٹ اپ۔'' مصطفیٰ ایک دم زور سے چیخا۔ شہوار ایک دم چونکی اور مصطفیٰ کے تیور...... مصطفیٰ کا انداز...... اس کا لہجہ...... اس کی آنکھوں کی گرمی......

''کہ...... کہ...... کیا ہوا ہے؟'' وہ ایک دم ساری ناراضگی بھلا کر بولی۔

''تم......'' وہ کچھ کہنے والا ہی تھا کہ اس کا موبائل پھر بج اٹھا۔

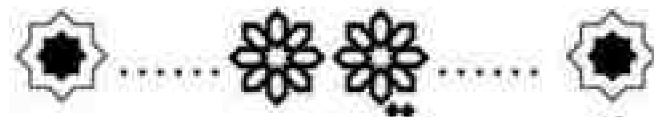
مصطفیٰ نے بہت ناراضگی سے موبائل کو دیکھا اور پھر اسے جیب میں ڈال کر پلٹا۔

''کیا ہوا ہے، ایسے کیوں جا رہے ہیں؟'' شہوار ایک دم پیچھے بھاگی تھی۔
مصطفیٰ بغیر کچھ کہے تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے نکلا تھا وہ بھی پیچھے بھاگی تھی راہداری میں جا کر فوراً راستہ روکا تھا وہ ننگے پاؤں تھی دوپٹہ کندھے پر جھول رہا تھا۔
''کیا ہوا ہے، بتائیں تو صحیح؟'' وہ روہانسی ہوئی۔ اس نے مصطفیٰ کی محبت کو بادل کی طرح برستے دیکھا تھا یہ تیور، یہ لہجہ، یہ انداز تو کبھی بھی نہ تھا۔
''مجھے دیر ہو رہی ہے شہوار، رستہ چھوڑو۔'' وہ سختی سے بولا تھا۔
''نہیں، پہلے بتائیں کہ کیا ہوا ہے؟'' وہ لاڈ سے مصطفیٰ کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولی۔
''کچھ نہیں ہوا، جاؤ یہاں سے۔'' بے دردی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے پیچھے دھکیلتے وہ تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گیا تھا۔ شہوار حیرت سے گنگ اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔
مصطفیٰ کو یہ ایک دم کیا ہوا تھا؟ وہ بھلا ایسا کیوں کر رہا تھا۔ وہ صدمے سے گنگ تھی۔
دائیں کندھے پر دوپٹا لیے ننگے پاؤں آنکھوں میں آنسو سموئے وہ عجیب بے یقین انداز میں کھڑی تھی۔
''چہ...... چہ...... کیا ہوا؟'' دریہ نجانے کہاں سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔
''مصطفیٰ چھوڑ کر چلا گیا کیا؟'' اس نے جھک کر پوچھا تو شہوار کا دل ایک دم دہل اٹھا تھا۔
''اللہ نہ کرے۔'' وہ بڑبڑائی تھی ایک بہت تلخ نگاہ دریہ پر ڈال کر وہ پلٹی تھی۔ دریہ کی بات نے اس کے دل کو بڑے عجیب سے انداز میں چھوا تھا۔ دریہ جیسی بدزبان لڑکی کے منہ لگنا بھی اب اپنی توہین سمجھتی تھی۔
''سنو۔'' شہوار نہ چاہتے ہوئے بھی رک گئی تھی۔
''تم اپنا حسن آزماؤ اور ہم اپنی ذہانت آزماتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ کس کی جیت ہوتی ہے۔'' وہ مزے سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی اور شہوار دم بخود اس کے الفاظ کا پس منظر جاننے کی کوشش میں لگ گئی تھی۔



''تم ایک دو ٹکے کی لڑکی کے لیے ہماری خاندانی بیٹی کو اذیت کی سولی پر لٹکاؤ گے۔'' وہ واپس لوٹے تو بابا صاحب نے طلب کر لیا تھا۔
''دو ہفتے اس حرافہ کے پاس گزار کر آئے ہو اگر تم اس بھول میں ہو کہ ہم تمہاری ضد پر سر جھکا کر اسے قبول کر لیں گے تو یہ تمہاری بھول ہے ہماری زندگی میں یہ ظلم نہیں ہوگا۔'' وہ غیض و غضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔
''بابا صاحب وہ میری بیوی ہے آئندہ اگر آپ نے اس کے لیے کوئی غلط لفظ استعمال کیا تو......!'' کچھ جذباتیت میں کہتے کہتے وہ رک گئے تھے۔
بابا صاحب ایک دم بپھرے شیر کی طرح حیات علی کی طرف بڑھے تھے۔
''تو کیا کرو گے تم ہمیں جان سے مار ڈالو گے لو، مارو ہمیں لو پکڑو ہم بھی دیکھتے ہیں ہمارے ہی بل بوتے پر پروان چڑھنے والے اس خون میں کتنا دم خم ہے۔'' ہاتھ میں پکڑی لاٹھی کو زبردستی حیات علی کو پکڑاتے وہ چیخے تھے۔ حیات علی ساکت سے ہو گئے تھے۔
''ایک بدکردار عورت کے پاس جانے کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ آج تم ہمارے منہ کو آ رہے ہو، باپ کو دھمکیاں دے رہے ہو، نجانے کس گندی نالی کا گندہ خون ہے جسے تم اپنی بیوی بنا چکے ہو۔'' بابا صاحب حد سے گزر چکے تھے اور حیات علی نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔
''پیسے کی خاطر سب کچھ بیچ دینے والی ان لڑکیوں کی حقیقت میں اچھی طرح جانتا ہوں آئندہ تم اس لڑکی کے پاس نہیں جاؤ گے۔''
''ایک بات طے ہے بابا صاحب وہ لڑکی نہ تو کوئی آوارہ ہے اور نہ ہی بدچلن اس کا کردار اتنا ہی شفاف ہے جیسا کہ کسی بھی پاک گھرانے کی لڑکیوں کا ہو سکتا ہے رہ گئی اس سے نہ ملنے کی بات تو اگر میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا تو پھر زبیدہ کے پاس بھی نہیں جاؤں گا۔'' وہ بھی ہر طرح کے نتائج سے بے پروا ہو کر کہہ کر پلٹے تھے لیکن وہ پھر ساکت ہو گئے تھے۔ دروازے پر زبیدہ کھڑی تھی۔ حیران پھٹی پھٹی آنکھوں میں بے اعتباری اور مان ٹوٹ جانے کا غم لیے ایک نڈھال عورت۔
بابا صاحب بھی چونکے تھے اس سے پہلے کہ دونوں میں سے کوئی آگے بڑھتا زبیدہ ایک دم تیزی سے پلٹی اور دروازہ کھول کر ایک دم باہر

نکل گئی تھی۔



انا گم صم سی تھی ولید کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا صبوحی بھی ہمراہ تھیں صبوحی اور ولید دونوں کو کافی گہری چوٹیں آئیں تھیں۔ ولید کے سر پر چوٹ لگی تھی وہ انڈر آبزرویشن تھا جب کہ صبوحی کو کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ضیاء ماموں صدمے سے نڈھال تھے۔

روشی کی جو کنڈیشن تھی ایسے میں یہ سانحہ عجیب سے حالات میں پھنس گئی تھی احسن نے ہی سب کو سنبھال رکھا تھا وقار صاحب ضیاء صاحب کو متواتر تسلیاں دے رہے تھے جن کی نگاہیں آئی سی یو میں لیٹے وجود کے کمرے کے دروازے پر چسپاں ہوگئی تھیں اور انا وہ پتھر کی طرح ایک طرف کھڑی سب کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے چاہا تھا کہ وہ ولید کی زندگی سے نکل جائے لیکن اس نے یہ کبھی نہیں چاہا تھا کہ ولید اس حالت میں اس کے سامنے ہو۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے اس کے وجود کو زور سے جھنجھوڑ دیا ہو۔ وہ رونا چاہتی تھی۔ اونچی اونچی آواز میں چیخنا چلانا چاہتی تھی لیکن کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی اس نے ولید سے شادی سے انکار کیا تھا۔ اس کا جرم ثابت تھا۔

وہ بھلا چیختی روتی تو یہ سب لوگ کیا کہتے جن کو اس نے یقین دلایا تھا کہ وہ حماد سے محبت کرتی ہے وہ حماد سے شادی کرنا چاہتی ہے وہ حماد جس کے والدین کو اس کے باپ نے گھر بلا کر رشتے کی بات کی تھی۔ وہ بھلا اب کیا کرتی...... کیسے روتی؟ وہ ساکت سی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

صبوحی کے پاس ایک وقت میں صرف ایک بندے کو ٹھہرنے کی اجازت تھی وہ ابھی ٹرینکولائزز کے زیر اثر تھیں روشی ان کے پاس تھی۔

ولید کی کنڈیشن ہنوز وہی تھی۔ احسن ڈاکٹرز سے مل کر آیا تھا وہ پریشان تھا ڈاکٹرز نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا وہ واپس آیا تو وقار صاحب کے گلے لگ کر رو دیا۔ باقی سب کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے۔

''کیا ہوا، کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟'' وقار صاحب نے پوچھا اور ضیاء صاحب ٹکر ٹکر دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ انا کے دل کو عجیب سا احساس ہونے لگا تو وہ بھی قریب آ گئی۔

''کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟'' اس سارے عرصے میں وہ پہلی بار خود سے مخاطب ہوئی تھی۔ ورنہ وہ تو یوں ہوگئی تھی گویا سب اپنوں میں کوئی اجنبی آ کر رہنے لگا ہو۔

''وہ کوئی امید نہیں دلا رہے، کہتے ہیں دماغ کی چوٹ ہے کور کر لیا تو ٹھیک ورنہ کوما میں چلے جانے کے بھی چانسز ہیں۔''

''نہیں......'' وہ ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر پیچھے ہٹی تھی۔

''کوما میں چلے جانا۔'' اسے لگا کہ جیسے اس کے جسم سے روح نکلنے لگی ہو، وہ ایک دم دیوار پر ہاتھ ٹکاتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ بس دعا کریں آپ سب کی دعائیں ہی واپس لا سکتی ہیں اسے۔'' انا کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سب سننے کی اس میں ہمت نہیں ہے۔

''انا......'' وہ گھٹنوں میں سر رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ روشی کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا تو متوحش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ روشی کے چہرے کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' بھائی کے غم میں نڈھال وہ اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ ٹھیک ہے۔ ایک دم انا کو لگا کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی ہوں جیسے۔ وہ بے اختیار اس کے گلے لگ کر سسک اٹھی تھی۔

''ایسا کیوں ہوا؟'' وہ ہچکیوں میں رو رہی تھی۔

''میں نے کبھی نہیں چاہا کہ انہیں کچھ ہو۔'' اس کی سسکیوں میں شدید اضافہ ہوا تھا۔

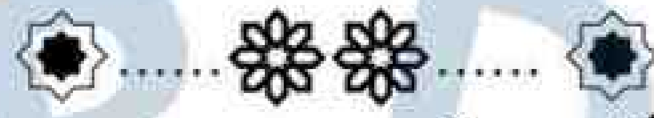
''انا بس دعا کرو میرے بھائی کو کچھ بھی نہ ہو وہ بچ جائیں گے جیسے صبوحی پھپھو بچ گئی ہیں تم دعا کرو بس۔'' روشی خود بھی رو رہی تھی انا کے وجود کو ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے پہاڑ تلے کچل ڈالا ہو۔

وہ دونوں سسکتی رہی تھیں، ایسا ماحول تھا کہ ضیاء صاحب گم صم سے سب کو دیکھ رہے تھے۔

''احسن! روشی کو گھر لے جاؤ انا اپنی امی کی پاس رک جاتی ہے، ہم دونوں ادھر ہیں ڈاکٹرز اور یہاں کے معاملات ہم دیکھ لیں گے۔''

روشی کو اس طرح روتے دیکھ کر ضیاء صاحب کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی انہوں نے دھیمے سے کہا تو وقار صاحب نے بھی دونوں کو

دیکھا۔
روشی کا رونا تو سمجھ آ رہا تھا لیکن یہ انا...... یہ کیوں رو رہی تھی۔ ان کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر قبل پتھر کی طرح ساکت تھی تو بھی اس کو دیکھ کر دل کے اندر عجیب سے احساسات پیدا ہو رہے تھے اور اب تو وہ رو رہی تھی۔ انہیں یاد آیا انہوں نے انا کو بہت لاڈ اور ناز و نعم سے پالا تھا۔ احسن سے بڑھ کر پیار دیا تھا پھر نجانے کہاں کمی آ گئی تھی جو اس نے اپنی راہیں خود تلاش کرنا شروع کر دی تھی۔ انہوں نے رخ پھیر لیا تھا۔
احسن اور روشی جانے پر آمادہ نہ تھے لیکن زبردستی جانے پر راضی کر لیا تھا ان کے جانے کے بعد انا صبوحی بیگم کے پاس آ گئی تھی۔ صبوحی بیگم کو بہت چوٹیں آئی تھیں' ان کا بایاں ہاتھ بھی فریکچر ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ونڈ اسکرین ٹوٹنے سے کئی جگہ شیشوں نے بھی زخمی کیا تھا۔ ان کے ہاتھ پاؤں پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے چہرے پر بھی زخم تھے۔ سر پر بھی پٹی تھی تاہم وہ خطرے سے باہر تھیں ولید کی نسبت ان کی حالت قابل رحم تھی۔ نرس وہاں موجود تھی وہ اٹیچ واش روم میں چلی گئی' اس نے نرس سے جائے نماز مانگی جو اس نے کہیں سے لا دی اور پھر وہ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے ولید کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگی تھی۔



مصطفیٰ دو بجے کے قریب فارغ ہوا تھا اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔ یہ ایک اہم کیس تھا جو اس کے ذمہ تھا۔ جس پر وہ دن رات کام کر رہا تھا آج آخر کار یہ تکمیل کو پہنچا تھا' وہ سارے کام نبٹا کر اٹھا تو موبائل آن کیا تو کئی میسیجز تھے۔
''مصطفیٰ! کہیں بھی ہو فوراً رابطہ کرو ولید اور ماما کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ بہت سیریس کنڈیشن میں ہیں دونوں۔'' مصطفیٰ کے ایک دم رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔
وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا کوئی میسج اس کا منتظر ہو سکتا ہے۔ میسج رات نو بجے آیا تھا جبکہ وہ شام سات بجے گھر سے نکلا تھا اور گھر سے نکلنے کے بعد اس نے سیل آف کر دیا تھا۔ مصطفیٰ کا ارادہ اب سیدھا گھر جانے کا تھا لیکن یہ میسج پڑھنے کے بعد اس نے عباس بھائی کے نمبر پر کال کی تھی۔ وہ سوئے ہوئے تھے انہیں ساری صورت حال بتا کر انہوں نے فوراً پہنچنے کا کہا اور خود احسن کے نمبر پر کال ملائی' احسن گھر جا چکا تھا اس نے ہاسپٹل کا نام اور ولید کی کنڈیشن بتا دی تھی۔
مصطفیٰ نے عباس کو کال کر کے سیدھا ہاسپٹل پہنچنے کا کہا اور خود اپنی گاڑی پر روانہ ہو گیا تھا۔ وہ جب ہاسپٹل پہنچا وہاں وقار اور ضیاء صاحب کے علاوہ انا ہی تھے۔
''اب کیسا ہے ولید؟'' وقار صاحب نے نفی میں سر ہلایا تو مصطفیٰ کو لگا وہ بالکل ساکت ہو گیا ہے۔ ایک جیتا جاگتا انسان بالکل اس طرح ساکت ہو جائے' زندگی سے ہی منہ موڑ لے۔
وہ ضیاء اور وقار صاحب دونوں کو دلاسہ دینے لگا تھا ضیاء صاحب کی کنڈیشن خود صدمے سے چور قابل رحم تھی۔ عباس بھی کچھ دیر میں پہنچ گیا تھا ساتھ میں مہر النساء آنٹی بھی تھیں۔
عباس نے ڈرائیور کے ہمراہ ضیاء صاحب کو گھر بھیج دیا تھا' وقار صاحب جانے پر آمادہ نہ تھے۔ مہر النساء کی آمد سے انا کو ایک ڈھارس سی ملی تھی۔
''شہوار نہیں آئی؟''
''اسے ہم نے بتایا ہی نہیں' خوامخواہ پریشان ہوتی صبح آرام و سکون سے آ جائے گی۔'' انا نے محض سر ہلا دیا تھا۔ مہر النساء ساتھ چائے لائی تھیں انہوں نے زبردستی سب کو چائے پلائی۔ مصطفیٰ خود ہی ڈاکٹرز سے رابطہ کر رہا تھا' بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ عباس کے وجود سے بھی کافی ڈھارس ملی ہوئی تھی سب کو' مصطفیٰ چار بجے کے قریب خود ڈاکٹر کے پاس چلا آیا تھا۔
''ڈاکٹر صاحب کچھ تو بتائیں آخر کب تک وہ اسی کنڈیشن میں رہے گا؟''
''دیکھیں ہم کوششیں تو کر سکتے ہیں لیکن زندگی اور موت دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہم اس معاملے میں بالکل بے بس ہیں' مریض کو کافی چوٹیں لگی ہیں وہ سب قابل علاج ہیں لیکن سب سے شدید چوٹ ان کے سر کی ہے جس نے ان کے دماغ کو ہٹ کیا ہے۔ ہم اپنی سی کوشش کر چکے ہیں اب اللہ پر چھوڑ دیں' وہی شفا دینے والا ہے۔ اگر صبح تک مریض کو ہوش نہ آیا تو زیادہ چانسز کومہ میں جانے یا پھر دوسری صورت ایکسپائر ہونے کے ہیں۔'' ڈاکٹر نے سب کچھ واضح کر دیا تھا۔

مصطفیٰ کو لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی اس کے دل کو سینے سے نکال کر مسل رہا ہو لمحہ بہ لمحہ موت کی طرف ہوتا یہ سفر رک بھی تو سکتا تھا۔ وہ آئی سی یو کے دروازے تک آیا' آفیسر ہونے کی وجہ سے اسے کافی رعائیت تھی وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ وہاں ایک ڈاکٹر اور نرس موجود تھے۔ مختلف مشینیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا۔ جسم پر مختلف جگہوں پر مرہم پٹی کی گئی تھی سر پر پٹی تھی ہاتھ بازوؤں' چہرے پر بھی زخم تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ گاڑی کس طرح ایکسیڈنٹ سے دوچار ہوئی ہوگی۔ مصطفیٰ بیڈ کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

ولید کا پٹیوں میں جکڑا ہاتھ بستر کی سفید چادر پر تھا' مصطفیٰ نے آہستگی سے اس کے ہاتھ کو چھوا تھا جبھی دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔ مصطفیٰ نے دیکھا' وہ انا تھی وہ اسے وہاں موجود پا کر رک گئی تھی۔

''آپ باہر چلی جائیں پلیز......'' نرس نے تیزی سے آگے بڑھ کر کہا۔

''پلیز سسٹر انہیں منع مت کریں آنے دیں۔'' مصطفیٰ نے ایک دم ٹوکا تو نرس رک گئی۔

''آئیں' انا ادھر آ جائیں۔'' مصطفیٰ نے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا تھا' انا اس کے پاس ہی آ رکی تھی۔

''لیکن سر آئی سی یو میں کسی کو بھی رکنے کی اجازت نہیں۔'' ڈاکٹر نے بھی کہا تھا۔

''ہم کچھ دیر میں چلے جائیں گے۔'' مصطفیٰ کا انداز حتمی تھا' وہ دونوں خاموش ہو گئے تھے۔

انا بے یقینی سے ولید کو دیکھ رہی تھی شیشے کے اس پار سے دیکھنا اور اندر آ کر دیکھنے میں بہت فرق تھا' ولید کا آدھے سے زیادہ وجود پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا' اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ ولید کو اس حالت میں دیکھے گی۔ اس کی سسکیاں اس کے آنسو بے اختیار تھے۔ اس کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا۔

ایک پہاڑ جیسا وجود جسے ڈھایا نہ جا سکتا ہو اس وقت بالکل بے بس حالت میں ہاسپٹل کے بستر پر آکسیجن ماسک کے سہارے سانس لیتا زندگی کی سانسیں گن رہا تھا۔

''آئیں اب چلتے ہیں۔'' مصطفیٰ کی اپنی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ نمی صاف کرتے اس نے انا سے کہا تو انا اسی طرح کھڑی رہی تو مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''باہر چلتے ہیں۔''

''مجھے یہیں رہنے دیں۔'' آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اس نے مصطفیٰ کو دیکھ تو اس نے بے بسی سے ڈاکٹرز کو دیکھا۔

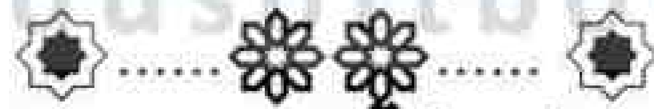
''بس تھوڑی دیر...... میں پھر آ جاؤں گی۔'' وہ التجا کر رہی تھی' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

واقعی کسی نے سچ ہی کہا ہے' انسان کے اصل جذبات اور خلوص کا اندازہ مشکل وقت میں لگتا ہے۔ انا کی پوری ذات ایک ایسی کہانی سنا رہی تھی جو پچھلے چند دنوں سے اس پورے گھرانے پر ایک ٹینشن بن کر سوار تھی۔

انا ولید سے دستبردار ہو چکی تھی' اس قدر شدید لگاؤ کہ آنسوؤں کی قطاریں رک نہ پائیں بھلا وہ کیسے دستبردار ہوئی ہوگی۔ مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ ڈاکٹر کو ہدایت دیتا انا کو وہیں رک جانے کا کہہ کر باہر نکل گیا تھا' انا نے مصطفیٰ کے جانے کے بعد پھر ولید کو دیکھا۔ پٹیوں میں جکڑا وجود انا کے اندر طوفانوں کو دعوت دے رہا تھا اس نے آہستگی سے ولید کے ہاتھ کو چھوا تھا۔

''پلیز مریض کو ڈسٹرب مت کریں اگر یہاں رکنا ہے تو ایک طرف بیٹھ جائیں۔'' نرس نے فوراً ٹوکا تھا' انا رک گئی تھی۔ ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پٹیوں میں لپٹے اس وجود کے ساتھ لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔ وہ خاموشی سے ایک طرف رکھی کرسی پر جا بیٹھی تھی۔ اس کی زبان پر پھر ذکر الٰہی اور مناجات جاری ہو گئی تھیں۔ وہ ایک بار پھر شدت سے روتے اللہ تعالیٰ سے سامنے لیٹے وجود کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگی تھی۔

جسے وہ اپنی نادانیوں کے سبب کب کا کھو چکی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کھو کر وہ خود بھی جی نہیں سکتی تھی۔



زبیدہ اپنے میکے جا رہی تھی' دونوں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی تھی۔ زبیدہ کو اپنے مضبوط خاندانی پس منظر کا زعم تھا۔

''تو ٹھیک ہے اگر تم گئیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ حویلی چھوڑنا ہوگی اور میرے بچوں کے سوا جو کچھ بھی لے جانا چاہتی ہو لے جاؤ۔'' حیات علی نے فیصلہ سنا دیا تھا۔ وہ تڑپ اٹھی تھی۔ وہ اولاد کی محبت میں مر مٹنے والی عورت تھی ایک دم شوہر کی بے وفائی سن کر کیسے برداشت کر لیتیں۔

''وہ میرے بھی بچے ہیں میرے ساتھ جائیں گے۔ آپ نے جو دوسری کی ہے وہ لے آئیں اولاد تو وہ ویسے بھی ساتھ لائے گی۔''
صاف جواب دیا تھا۔

''میں فیصلہ سنا چکا ہوں آگے تمہاری مرضی۔'' وہ بات ختم کر کے کمرے سے باہر نکلنے لگے تھے۔ زبیدہ ایک دم سامنے آرکی تھی۔

''آپ میرے بابا اور بھائیوں کو بھول گئے ہیں کیا' میں چاہوں تو ابھی سب یہاں آ کر آپ سے اس ناانصافی کا حساب مانگ لیں گے' مجھے ڈرائیں مت میں بچوں کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔''

''میں بار بار فیصلے نہیں بدلا کرتا' میں نے دوسری شادی کی ہے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ ہی میں اسے چھوڑوں گا میں تمہاری ان باپ اور بھائیوں والی دھمکی سے نہیں ڈرنے والا۔'' وہ کہہ کر نکل گئے تھے۔

تبھی بابا صاحب آ گئے تھے انہوں نے روتی دھوتی بہو کو نجانے کیسے رام کیا تھا کہ اب تک حویلی چھوڑ کر نہیں گئی تھی۔ حیات علی سے بات چیت بند تھی' زبیدہ نے کسی کو بھی کچھ نہ بتایا تھا۔ حیات علی اگلے مہینے شہر جانے پر تیار ہوئے تو بابا صاحب نے روک لیا تھا۔

''اگر تم اس عورت سے اب ملے تو میں تمہیں اپنی جائیداد ہر چیز سے عاق کر دوں گا۔'' حیات علی چند پل کو خاموش ہو گئے تھے۔

''یہ زمین' یہ جاگیر' یہ جائیداد اس کا قانونی وارث ہوں بابا صاحب! میں آپ کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کر رہا۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اگر آپ اس لڑکی سے نفرت کرنے کی بجائے اسے اس حویلی میں پناہ دے دیتے تو میں ساری عمر آپ کا مشکور رہتا لیکن اب میں اسے نہیں چھوڑوں گا بھلے آپ مجھے عاق کر دیں یا دستبردار۔'' انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا' بابا صاحب نے بغور بیٹے کو دیکھا۔ وہ مکمل طور پر بغاوت پر آمادہ تھا۔ اس پر ان کی کوئی بھی نصیحت کوئی بھی بات کچھ بھی اثر نہیں کرنے والی تھی۔

''جانے سے پہلے سن لو لوٹ کر یہیں آؤ گے تم ایک دن اور تب تمہیں علم ہو گا کہ باپ کتنا سچا تھا۔'' حیات علی خاموشی سے وہاں سے چلے آئے تھے۔ زبیدہ حیات علی کے جانے کے بعد شدت سے روئی تھی۔

''مت رو بیٹی مت رو' تُو جتنا روئے گی اتنا ہی زیادہ اس لڑکی کو تیرے آنسوؤں کا حساب دینا ہو گا۔ ابھی تک تو میں اپنے خون کو ہی آزما رہا تھا اب دیکھتا ہوں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔'' ان کے لہجے میں بہت دور کی سوچ تھی' زبیدہ کی سسکیاں آہستہ آہستہ تھمنے لگی تھیں۔

❁ ❁ ❁

ہادیہ کی ابوبکر کو کال آئی تھی' تعارف اور سلام دعا کے بعد وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''کیسے کال کی آپ نے؟'' ابوبکر سنجیدہ تھا۔

''کیا میں آپ کو کال نہیں کر سکتی؟'' ہادیہ کے لہجے میں ایک ٹوٹا بکھرتا سا احساس تھا۔ ابوبکر نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں تو بہت عام سا انسان تھا ہادیہ! آپ نے اتنے سال کیوں برباد کر دیے؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے لیے آپ بہت خاص تھے' ہیں اور رہیں گے۔ مجھے اگر علم ہوتا کہ رابعہ اور آپ کے درمیان ایسا کچھ تعلق ہے تو یقین جانیے میں کبھی درمیان میں نہ آتی۔''

''رابعہ بہت اچھی اور نائس لڑکی ہے' اس کے ساتھ بہت زیادتی ہو رہی ہے۔ میں ایک گلٹ محسوس کرتا ہوں۔'' ابوبکر نے کہا تو دوسری طرف کچھ پل کو خاموشی چھائی تھی۔

''کیا میں آپ کو پسند نہیں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ایسی بات نہیں' آپ بہت اچھی ہیں۔'' دوسری طرف اس ذرا سی تعریف پر ہادیہ کھل اٹھی تھی۔

''آپ کو میرا کال کرنا بُرا تو نہیں لگا؟'' اس نے پوچھا تو ابوبکر مسکرا دیا۔

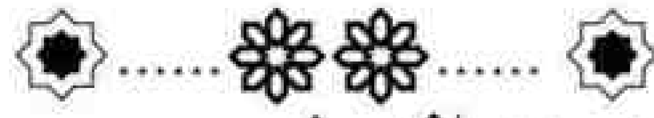
''نہیں......'' اس نے ایمان داری سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے میں آئندہ بھی کال کر سکتی ہوں۔''

''ابھی میرا پرپوزل انڈر پراسس ہے' میں بہت محتاط رہ کر زندگی گزارنے کا قائل ہوں پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔ میں اس طرح رات گئے کال کرنے کو سخت معیوب سمجھتا ہوں۔'' ابوبکر نے سنجیدگی سے کہا۔

''جی بہتر' میں آئندہ خیال رکھوں گی۔'' چند اور باتوں کے بعد ہادیہ نے کال ڈراپ کر دی' ابوبکر موبائل ایک طرف رکھ کر پھر کچھ سوچنے لگا تھا اس کی زندگی نے عجیب سے انداز میں پلٹا کھایا تھا۔

ہادیہ جیسی لڑکی کو اس کا نصیب بنانے کی کوشش کی جا رہی تھیں، وہ تو رابعہ سے رشتہ طے ہونے کے بعد بھی پرسکون رہا تھا اب بھلا کیونکر بے قابو ہو جاتا۔ ہادیہ کا باپ نجانے کیا فیصلہ کرنے والا تھا، اک نئی سوچ نے دماغ کو گھیر لیا تھا۔



شہوار کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی، رات گئے تک مصطفیٰ کا نمبر بند رہا تھا اور پھر جب آن ہوا تو اس نے کئی کالز کی تھیں لیکن کوئی بھی کال ریسیو نہیں کی گئی تھی اور پھر فجر کے بعد اس کی کال بار بار کاٹی جا رہی تھی۔

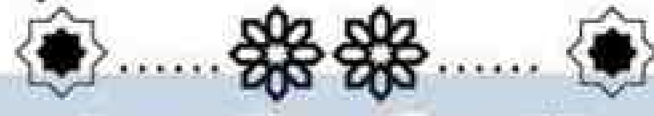
اس نے بڑی بے چینی کی حالت میں فجر کی نماز پڑھی تھی، نماز سے فارغ ہوئی تو بھی دل پریشان تھا۔ اس نے پھر نمبر ملایا لیکن اس بار بھی کال پک نہ کی گئی تھی۔ وہ مایوس ہو گئی تھی، جانے یہ بیٹھے بٹھائے کیا ٹینشن آ پڑی تھی۔ وہ سسک اٹھی تھی وہ موبائل اٹھا کر باہر لان میں آ گئی تھی، اپنی مخصوص جگہ جھولے پر آ بیٹھی تھی۔ صبح کا روح پرور منظر بڑا دلکش تھا، اس نے کئی بار نمبر ملایا لیکن اس بار نمبر آف تھا، اس کا دل کٹنے لگا۔ وہ ابھی جھولے پر ہی تھی جب گیٹ کھلا اور گاڑی اندر داخل ہو گئی تھی، گاڑی سے ماں جی اور عباس کو نکلتے دیکھ کر وہ چونکی تھی۔

''آپ دونوں کہاں تھے؟'' سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا۔

''ہم ہاسپٹل میں تھے۔''

''جی......؟'' وہ چونکی۔ تبھی ماں جی نے اسے ساری بات سنائی اور وہ منہ پر ہاتھ رکھے سب سن رہی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور اسے خبر ہی نہ تھی اور مصطفیٰ کا کیا تھا کم از کم ایک بار کال ہی ریسیو کر کے بتا دیتا۔ وہ خاموشی کے ساتھ ان کے ساتھ اندر آ گئی تھی۔

ماں جی کے بتانے کے مطابق صبوحی آنٹی کو رات بھر میں ایک بار ہوش ضرور آیا تھا جبکہ ولید کی کیفیت ابھی بھی وہی تھی۔ مصطفیٰ اور ولید کی دوستی ایک طرف شہوار کو انا کے حوالے سے بھی ولید بہت پسند تھا، اور اب یہ سن سب کر وہ حقیقی طور پر دکھی ہوئی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جو بھی ہاسپٹل جائے گا وہ اس کے ساتھ ہی جائے گی، وہ خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔



حیات علی نے زیب النساء کو نہیں بتایا تھا کہ وہ حویلی چھوڑ کر آیا ہے، دونوں کا وقت بہت خوش گوار انداز میں گزر رہا تھا۔ سبحان اور اس کی بیوی امریکہ جا چکے تھے، زبین اپنی ماں کے غم سے باہر آ چکی تھی کبھی کبھار اس کی بہن بھی چھپ چھپا کر ملنے آ جاتی تھی، مہر النساء کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔

زیب النساء حیات علی کے ہمراہ پہلی بار (شوہر کے ہمراہ) بہن کے ہاں گئی تھی لیکن اس کے شوہر کا سلوک از حد ہتک آمیز تھا۔ زبین کے بار بار اصرار پر اسے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ بہن کے پاس آ گئی تھی، مہر النساء کی بیٹی بہت پیاری تھی۔

''کیا نام ہے اس کا؟'' بھانجی کو پیار کرتے زبین نے پوچھا۔

''افشاں......''

''ماشاء اللہ بہت ہی پیارا نام ہے۔''

''تم سناؤ تم ٹھیک رہتی ہو؟'' وہ اس کا حال پوچھنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے آنے لگی تو افشاں کو بہن کی گود میں ڈال کر پیشانی چومی تھی۔

''آپا تم دعا کرو میرا بیٹا پیدا ہو، تمہاری افشاں مجھے بہت پسند ہے اگر تمہارے شوہر نے کوئی اعتراض نہ کیا تو میں اسے اپنے بیٹے کی بیوی بنا کر اپنے گھر لے جاؤں گی اس طرح تمہارا شوہر تمہیں ہم سے ملنے تو دے گا نا۔'' زیب النساء کی بات پر مہر النساء ہنس دی تھی۔

''اور اگر بیٹی ہوئی تو......''

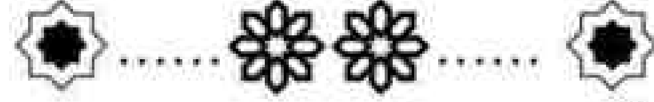
''اللہ نہ کرے۔'' زبین نے دہل کر کہا۔

''کیوں؟''

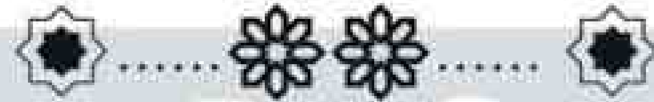
''مجھے بیٹی کی قسمت سے بڑا خوف آتا ہے، ہم نے جو بھی حالات دیکھے ہیں لیکن ہمیں ذلت کے گڑھے میں دھکیل دینے والا کوئی اور نہیں ہمارا اپنا باپ تھا۔ مجھے ایک مجبور بے بس اور لاچار قسم کی بیٹی نہیں چاہیے، ایک مضبوط، توانا اور طاقت ور بیٹا چاہیے۔ نجانے کیوں کبھی کبھار اپنی قسمت سے ڈر لگنے لگتا ہے کم از کم بیٹا ہو گا تو میرے پاس جینے کی امید تو ہو گی۔'' آخر میں زیب النساء کا لہجہ افسردہ ہو گیا تھا۔

مہر النساء خود اس درد سے گزر رہی تھی وہ اس کی خلش جانتی تھی۔ وہ دونوں مہر النساء کے گھر سے واپس لوٹے تو بابا صاحب آئے بیٹھے

تھے۔ حیات علی بابا صاحب کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔
''بابا صاحب آپ یہاں؟'' حیات علی کے کہنے پر زیبن چونکی تھی۔ بابا صاحب ان کے گھر میں' اس کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا تھا۔
''السلام علیکم بابا صاحب!'' بابا صاحب نے اس کی طرف ایک سرسری سی نگاہ ڈالی جو بڑی سی چادر میں وہ اپنے وجود کو لپیٹے ہوئے تھی' چہرہ' انداز بولنے کا سبھاؤ کسی بھی چیز میں کمی نہ تھی۔
''ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔'' بابا صاحب نے کہا تو حیات علی چونکے۔
''صرف مجھے......'' انہوں نے رکھائی سے پوچھا۔
''چاہتے تو ہم اطلاع بھجوا دیتے آنا یا نہ آنا تمہاری مرضی لیکن ہمیں ہماری بہو کے آنسوؤں نے مجبور کر دیا تھا۔ شاہزیب بہت بیمار ہے تمہیں بہت یاد کرتا ہے اگر آنا چاہو تو آ کر مل جاؤ'' وہ کہہ کر کھڑے ہو گئے تھے۔
''کیا ہوا شاہزیب کو؟'' شاہزیب ان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے تھے۔
''اس کی بیماری ڈاکٹروں کے علم میں نہیں آ رہی' تم آ جاؤ شاید تمہارے علم میں آ جائے۔'' انداز سنجیدہ تھا حیات علی نے زیبن کو دیکھا۔ وہ بابا صاحب کے رویے سے بجھ سی گئی تھی۔
''لیکن زیب النساء میرے ساتھ جائے گی۔'' حیات علی نے کہا تھا۔
''میرے ساتھ ضدمت باندھو۔ شاہزیب کی زندگی کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی ایسے گھر میں قدم نہ رکھتا جہاں بدکردار لوگوں کا ناپاک وجود بستا ہو۔'' انداز میں زعم اور حقارت تھی' زیبن ایک دم کمرے میں بھاگ گئی تھی۔
اس قدر توہین...... وہ بھی سرعام' گالی دی گئی تھی اسے منہ پر...... وہ شدت سے رو دی تھی۔ دونوں باپ بیٹے میں نجانے کیا معاملہ طے ہوا تھا وہ بے خبر تھی۔ کچھ دیر بعد حیات علی اس کے پاس آئے تھے۔
''میں بابا صاحب کے ساتھ جا رہا ہوں' جیسے ہی شاہزیب ٹھیک ہوا میں آ جاؤں گا۔ تم اپنا خیال رکھنا' میں یہ پیسے رکھ رہا ہوں باقی رقم الماری میں موجود ہے۔ نجانے کتنے دن لگ جائیں تم پریشان نہیں ہونا میں جلد آنے کی کوشش کروں گا۔'' حیات علی کہہ رہے تھے اور زیب النساء خاموش تھی۔ وہ گم صم انداز میں حیات علی کا چہرہ دیکھ رہی تھیں' نجانے اسے کیوں لگ رہا تھا کہ اب وہ کبھی یہ چہرہ نہیں دیکھ پائیں گی۔
حیات علی اس کی مٹھی میں کچھ رقم دے کر اس پر اپنی محبت برسا کر جا چکا تھا اور وہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔



وہ بہت خوش تھا۔ اس کے ہاتھ ایسا نکتہ آیا تھا کہ اسے لگ رہا تھا کہ اب جیت صرف اسی کی ہے۔ مصطفیٰ کو ہرانے اور شہوار سے بدلہ لینے کا خیال اسے ہمہ وقت بے چین رکھتا تھا' مصطفیٰ کی کزن اس کے جھانسے میں آ چکی تھی۔ اس نے رات مصطفیٰ کو ایک تصویر سینڈ کی تھی مصطفیٰ کا نمبر دریہ سے لینا کوئی مشکل نہ تھا۔ تیر نشانے پر لگا تھا' یہ دریہ نے اسے بتا دیا تھا۔ تصویر کے نیچے اس نے ایک سطر لکھی تھی۔
''مسز شہوار مصطفیٰ اپنے لور کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے۔'' جملہ ایسا تھا جو کسی کے بھی سینے کو جلا کر خاکستر کر سکتا تھا۔ دریہ سے ملنے کے بعد اس نے اپنا پلان چینج کر لیا تھا۔ وہ اب دریہ کو مس یوز کرنا چاہتا تھا اور دریہ کے ذریعے وہ شہوار تک پہنچنا چاہتا تھا۔
وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ دریہ مصطفیٰ کو حاصل کرنا چاہتی ہے اور اس کے بدلے وہ کچھ بھی کرے گی اور اب ایاز بہت خوش اور مگن اپنے اگلے اسٹیپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔



ثریا بیگم کا ٹینشن سے بُرا حال تھا لیکن کوئی بھی انہیں بتانے کو تیار ہی نہ تھا۔ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے؟ شادی والا گھر ایک دم سنسان اور خاموش کیوں ہے؟'' وہ آتے جاتے سبھی لوگوں سے پوچھ رہی تھیں۔ ابوبکر بے چارہ اوپر والے پورشن کے علاوہ کہیں اور دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ بھابی نے اماں کو بتایا تو وہ سب سن کر ششدر رہ گئیں۔
یہ سب بالا ہی بالا اتنا کچھ ہو گیا اور انہیں خبر ہی نہیں پھر وہ جو بولنا شروع ہوئیں تو فیضان' سہیل' رابعہ' ابوبکر سب کی خبر لے لی تھی۔
''میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے' بڑے بنتے سبھی فیصلے کرتے پھر رہے ہیں۔ ارے لوگوں کو کیا جواب دوں گی میں' آج میری بچی کی مہندی مایوں تھیں میں کس کس کا منہ بند کروں گی۔''
''اماں جو سچ تھا وہ سب بتا دیا ہے' ہادیہ اور رابعہ شروع سے ہی دوست رہی ہیں یہ سب جاننے کے بعد بھلا ہم رشتہ کیسے کر لیتے۔ اپنی

بیٹی ہے وہ بھی' کیا اس کے دل سے کھیلتے۔'' ماں کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر ریلیکس کروانا چاہا۔

''ارے جاؤ مجھے نہیں سمجھ آنے والی تمہاری باتوں کی' مجھے یہ بتاؤ کہ میں لوگوں کو کیا جواب دوں گی کس کس کی زبان بند کروں گی' کون کیا سوچے گا کچھ یہ بھی سوچا ہے کہ نہیں۔''

''اماں ہم سب رشتہ داروں کو فون کر کے شادی سے منع کر چکے ہیں' چند احباب رہ گئے ہیں ان کو آج بتا دیں گے۔'' ثریا بیگم نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''ہائے میری بچی! اب کیا ہوگا اس کا؟'' وہ تو رونے لگی تھیں۔

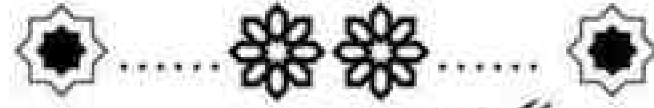
''کیوں واویلا کر رہی ہیں اتنا؟ اگر ہم عام انداز میں اس بات کو لیں گے تو یہ بات عام ہی رہے گی۔ ابوبکر بے چارہ تو آمادہ ہی نہ تھا بڑی مشکل سے منایا ہے اسے اور بس دعا کرو یہ بچی کے والدین ہاں کر دیں پھر ہم نکاح کرنے جائیں گے۔ میں نے ابوبکر سے وعدہ کیا ہے اس کا سرپرست بن کر سب کام کروں گا' اب آپ ایک لفظ بھی مت کہیے گا۔'' فیضان ماموں بولے تو وہ خاموش ہو گئیں لیکن ان کا رونا اسی طرح جاری تھا۔

''ہر ایک اپنے مقدر کا پاتا ہے ہماری اور آپ کی مثال سامنے ہے۔ رابعہ بھی اپنے مقدر کا پالے گی۔''

''اللہ نہ کرے جو میری بچی کی زندگی ہم جیسی ہو' ہم نے تو برا بھلا وقت گزار لیا لیکن رابعہ کیسے کاٹے گی' سارا خاندان ناک میں دم کر دے گا۔''

''کچھ نہیں ہوگا سہیل موجود ہے وہ ہینڈل کر لے گا بس آپ ریلیکس رہیں۔ اب ہم ہادیہ بچی کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے چکے ہیں اور آپ جانتی ہیں ہم جو کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں۔'' ثریا بیگم خاموش ہو گئی تھیں۔ سہیل اور اس کی بیگم بھی قریب بیٹھ کر سمجھاتے رہے تو وہ بالکل ہی چپ ہو گئی تھیں۔

''رابعہ کی فکر نہیں کریں اللہ اس کے حق میں بہتر ہی کرے گا۔ میں خود کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر اس کی شادی کروں گا۔ اب رابعہ خود شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تو زبردستی نہیں کر سکتے تھے ہم اس صورت میں کہ ایک دوسری لڑکی جو ہادیہ کی سب سے قریبی دوست تھی کا معاملہ تھا ہم جان بوجھ کر یہ شادی نہیں کر سکتے تھے۔'' ثریا بیگم ساری بات سمجھ چکی تھیں انہوں نے محض اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھیں اس کا مطلب تھا کہ وہ اب کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہیں گی' سبھی خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہ تھے۔



حیات علی کو قطعی علم نہ تھا کہ بابا صاحب اس کے ساتھ کیا گیم کھیلنے والے ہیں' وہ بابا صاحب کے ساتھ آ گئے تھے۔ شاہزیب واقعی بیمار تھا اور باپ کو یاد بھی کر رہا تھا۔ حیات علی کے آنے سے وہ کچھ بہتر ہونے لگا تھا۔

''ہم چاہتے ہیں تم کینیڈا چلے جاؤ کچھ دنوں کے لیے اس طرح شاہزیب کی طبیعت بھی سنبھل جائے گی۔'' کچھ دن بعد رات کو بابا صاحب نے حیات علی کو بلا کر کہا تو وہ حیران ہوئے۔

''شاہزیب کافی بہتر ہو چکا ہے' وہ ٹھیک ہے اب میں ان حالات میں کہیں بھی کیوں جاؤں گا؟''

''دیکھو حیات علی! ہم نے چپ سادھ لی ہے' تمہاری اس دوسری شادی کو بھی ماننے کو تیار ہیں مگر تم ہماری بھتیجی اور اپنے بچوں کے معاملے میں کوئی حق تلفی نہیں کرو گے۔'' بابا صاحب کا انداز ہارا ہوا تھا' حیات علی نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''یہ پتھر موم کیسے ہوا تھا؟'' وہ حیران ہوئے۔

''ہم ایک خاندان' ایک معاشرے میں جی رہے ہیں' ہماری کچھ رسمیں رواج ہیں' زبیدہ کو ہم سمجھا چکے ہیں وہ تمہاری دوسری شادی کے بارے میں کبھی بات نہیں کرے گی۔ تم بھلے اس لڑکی کی جیسے مرضی خبر رکھو' جو مرضی دو ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اپنے خاندان اور اس کے رسم و رواجوں سے بغاوت نہیں کر سکتے' ہم نے تمہاری ایک بات مان لی ہے اب تم ہماری ایک بات مانو۔'' انہوں نے بہت سنجیدگی سے سب کہا تھا۔ حیات علی کا دل ایک دم نرم ہو گیا انہیں بابا صاحب سے ذاتی طور پر کوئی ایشو نہ تھا یہ تو سب ایک رشتے کی بقا کی جنگ تھی۔

''اچھی طرح سوچ سمجھ لو اگر ہماری باتیں سمجھ میں آ جائیں تو ٹھیک ورنہ حویلی کے دروازے تمہارے رستے میں کبھی نہیں آئیں گے۔''

بابا صاحب نے سارا فیصلہ ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا' وہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔

''لیکن جو بھی فیصلہ کرو اس میں اپنے بچوں اور ان کے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچنا' شاہزیب بیمار نہ ہوتا تو ہم اپنی ضد پر اڑے

رہتے۔ شاہزیب کی بیماری نے ہمیں توڑ دیا ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ باقی بچے بھی ہمیں توڑیں۔'' بابا صاحب سب کہہ کر اٹھ کر چلے گئے اور حیات علی ان کے سامنے دوراستے...... بابا صاحب نے سوچ سمجھ کر سب کچھ کرنے کو کہا تھا اور پھر انہوں نے بہت سوچا تھا۔

زبیدہ ان کی پہلی بیوی تھی وہ ایک وسیع جائیداد کے مالک بھی' جذباتیت میں سب چھوڑ دیتے تو پھر بھی زندگی نہیں گزرنے والی تھی۔ زیبن ان کے دل کا سکون تھی لیکن سب کچھ چھوڑنے کے بعد وہ اسے سکھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ اپنے خاندان اور اس کے رسم ورواج کو اچھی طرح جانتے تھے اور یہ بات بھی کہ ان کا خاندان کبھی بھی زیب النساء کو ان کی بیوی کے روپ میں قبول نہیں کرے گا۔ زندگی کو پل صراط بنانے سے بہتر تھا کہ جو جیسا ہے چلنے دیں۔ انہوں نے اپنا فیصلہ بابا صاحب کو سنا دیا تھا وہ صرف مسکرائے تھے۔

''ہم چاہتے ہیں تم کچھ دنوں کے لیے کینیڈا چلے جاؤ' اگر چاہو تو اس شہر والی لڑکی سے جا کر مل آؤ' بتاؤ اسے۔'' بابا صاحب نے خود کہا جیسے سن کر وہ بابا صاحب کے مقروض ہو گئے تھے۔

''ہم اسے ایک حقیقت کی طرح قبول کر چکے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی زبیدہ اور بچوں کو وہی پہلے جیسا ماحول دو' ہم تمہاری زندگی میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔ بس تم ہمیں یہ گارنٹی دو کہ تم زبیدہ اور بچوں کی کبھی حق تلفی نہیں کرو گے۔''

''بابا صاحب اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' حیات علی نے کہا تو بابا صاحب نے سر ہلا دیا۔

''جیتے رہو۔'' انہوں نے ان کا سر تھپکا اور چلے گئے' انہیں کچھ دن کینیڈا جانے کی تیاریوں میں لگے تھے۔ بابا صاحب پاسپورٹ کاغذات سبھی کچھ پہلے ہی تیار کروا چکے تھے کچھ کام وہ خود بھی کر چکے تھے' جیسے ہی روانگی کی سیٹیں کنفرم ہوئیں وہ زیبن کے پاس چلے آئے لیکن زیبن گھر پر نہیں تھی۔

''کہاں گئی وہ؟'' گھر پر صرف کل وقتی ملازمہ تھی۔

''صاحب آپ کے جانے کے بعد ان کے ابا ان کو کہیں سے ڈھونڈتے آ گئے تھے' وہ روز آتے تھے اور انہیں ساتھ چلنے پر زور دیتے تھے۔ ایک دن رات کو آئے تھے زبردستی کرنے لگے بی بی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی وہ تو چھوڑ کر بھاگ گئے بعد میں بی بی کی بہن آئی تھیں وہ انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی تھیں وہ اب ادھر ہی ہیں۔''

''اوہ...... نجانے یہ منحوس صفدر اب پھر کہاں سے آ ٹپکا تھا۔'' ان کی کل کی فلائٹ تھی انہیں آج ہی زیبن سے مل کر واپس جانا تھا' وہ سوچ میں پڑ گئے تھے وہ مہرالنساء کے گھر آئے تھے لیکن اس کا چوکیدار کسی بھی طرح دروازہ کھولنے پر راضی نہ تھا۔

''دیکھو تم مجھے جانتے ہو اچھی طرح' میری بیوی اندر ہے اسے بھیجو میں چلا جاؤں گا۔''

''صاحب ہم نے کہا نا کہ صاحب کی طرف سے نہ کسی کو باہر آنے اور نہ ہی کسی کو اندر جانے کا حکم ہے۔ صاحب ہم نوکری کرتے ہیں ہماری بھی مجبوری ہے' ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔ ہمیں اندر کسی بھی قسم کی اطلاع پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔'' چوکیدار نے صاف انکار کر دیا تھا۔

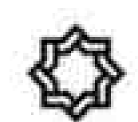
عجیب بے بسی تھی وہ اپنی بیوی تک سے نہیں مل پا رہے تھے۔ نجانے کس حالت میں تھی وہ بے چاری' کب سے تھی یہاں؟ وہ بہت نامراد سے وہاں سے لوٹے تھے۔

وہاں سے لوٹتے وقت نجانے کیوں وہ ازحد دکھی ہو رہے تھے۔ گاؤں واپس جانا تھا سارا دن ملاقات کے چکر میں اِدھر سے اُدھر بھاگتے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ شام آ پہنچی تھی اور وہ نامراد ہی واپس گاؤں کو چل آئے تھے۔

اگلے دن ان کی فلائٹ تھی وہ زبیدہ اور بچوں کے ہمراہ جا رہے تھے' ایک ماہ کا قیام تھا۔ حیات علی نے سوچا کہ جیسے تیسے ایک ماہ گزار لیں گے پھر واپس لوٹے تو مل لیں گے۔ جاتے وقت انہوں نے خطیر رقم کا پیکٹ بخشو کے حوالے کیا تھا۔

''تم یہ رقم زیب النساء تک پہنچا دینا۔'' انہوں نے خاصی ہدایات کی تھی اور پھر چلے گئے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ قسمت ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

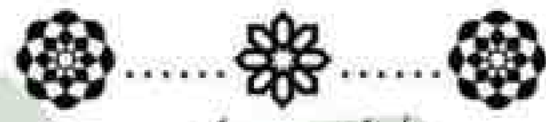


ٹوٹا تارا...... سمیرا شریف طور

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

حیات علی اپنے والد کو دوسری شادی سے آگاہ کرتے زیب النساء کو بہو تسلیم کرنے کا کہتے ہیں جس پر چوہدری سراج علی اشتعال کا شکار ہو کر حیات علی کو جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ ولید انا کے سیل فون پر آنے والی تمام کال کی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ماموں اور سہیل ابوبکر سے بات کرنے کے بعد ہادیہ کے والد کو ابوبکر کا رشتہ دیتے انہیں ہادیہ کی پسند سے بھی آگاہ کر دیتے ہیں۔ رابعہ ہادیہ کو ابوبکر کا نمبر دے کر اس سے بات کرنے کو کہتی ہے۔ شہوار ماں جی کے اصرار پر دریہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے آجاتی ہے۔ ایاز جو کافی دنوں سے موقع کی تلاش میں تھا۔ اب شہوار کو شاپنگ مال میں دیکھ کر اس کے اندر کی شیطانیت ایک بار پھر جوش مارتی ہے اور اسے دریہ اور شہوار کے رویے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ شہوار مجبوراً اس کے ساتھ آئی ہے۔ صبوحی بیگم بوتیک سے جلدی فارغ ہونے کے بعد احسن کو فون کرتی ہیں تاکہ وہ انہیں پک کرتا ہوا گھر ڈراپ کر دے مگر آفس میں ضروری کام کے باعث احسن معذرت کر لیتا ہے اور ولید کو کال کر کے صبوحی بیگم کو گھر لے جانے کے لیے کہتا ہے ولید ذہنی الجھن کا شکار تھا۔ شہوار کو شاپنگ مال میں اپنا کلاس فیلو ہاشم مل جاتا ہے۔ ایاز کے شیطانی دماغ میں ایک خیال آتا ہے اور وہ اسے عملی جامہ پہناتے ہوئے دریہ کو اپنے اعتماد میں لے کر دریہ کو اپنا کارڈ دیتا ہے۔ دریہ شہوار کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے ایاز کے منصوبہ پر عمل کرتی ہے وہ اس بات پر خوش ہوتی ہے کہ شہوار کو جلد راستے سے ہٹا کر وہ مصطفیٰ کو حاصل کر لے گی۔ چوہدری حیات علی باپ کی دھمکیوں کی پروا کیے بغیر اپنی حویلی چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے زیبن کے پاس آجاتے ہیں۔ دوسری طرف ولید کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے صبوحی بیگم بھی ہمراہ تھیں مگر انہیں زیادہ چوٹیں نہیں آتیں جب کہ ولید زندگی اور موت کی درمیان جنگ لڑ رہا ہوتا ہے اور انا پتھرائی نظروں سے یہ سب کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ مصطفیٰ کو موبائل پر ایک تصویر موصول ہوتی ہے جس کو دیکھ کر وہ ششدر رہ جاتا ہے وہ شہوار سے ناراض ہو کر گھر سے نکل جاتا ہے اور دریہ یہ منظر دیکھ کر شہوار کا تمسخر اڑاتی ہے اور شہوار پریشان ہو کر بار بار مصطفیٰ کو کال کرتی رہتی ہے۔ چوہدری سراج علی اپنے اکلوتے بیٹے چوہدری حیات علی کو حویلی لے جانے کے لیے آتے ہیں۔ حیات علی کا چھوٹا بیٹا باپ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے بیمار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے حیات علی حویلی جانے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ چوہدری سراج علی اپنی بچھائی ہوئی بساط کے حساب سے حیات علی کو استعمال کرتے ہیں اور انہیں زیب النساء کو قبول کرنے کی خوش خبری کے ساتھ کینیڈا جانے کی ہدایت دیتے ہیں۔ کینیڈا جانے سے پہلے حیات علی بخشو کو ایک خطیر رقم زیب النساء کو پہنچانے کی ہدایت دیتے ہیں حیات علی نے سوچا کہ ایک ماہ جیسے تیسے گزار لوں گا لیکن اب قسمت ان کے ساتھ ایک نیا کھیل کھیلنے والی تھی۔

(اب آگے پڑھیے)



مہرالنساء کے گھر پر مامور چوکیدار سے زیب النساء کو حیات علی کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ فوراً واپس آئی تھی لیکن حیات علی جا چکے تھے۔ وہ واپس بہن کے ہاں جانے کی بجائے وہیں رک گئی تھی۔

دو دن گزرے تو بخش دین چلا آیا تھا' پیسوں کا ایک لفافہ دے کر اس نے جو پیغام دیا اسے سن کر تو زیب النساء کے حواس گم ہونے لگے تھے۔

''چوہدری صاحب اپنے بیوی بچوں سمیت بیرون ملک چلے گئے ہیں' یہ رقم آپ تک پہنچانے کا کہا تھا۔''

''کب گئے؟'' گم حواسوں کو بمشکل یکجا کرتے اس نے پوچھا۔

''ایک دن پہلے' انہوں نے پیغام بھی دیا تھا کہ وہ جلد از جلد واپس پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے ایک عدد چوکیدار رکھنے کا کہہ کر گئے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اپنے باپ سے ہوشیار رہے گا۔ اگر کوئی خطرہ محسوس کریں تو اپنی بہن کے ہاں چلی جائیے گا۔'' زیب النساء کو لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سن کر اس کے قدموں تلے سے جان نکلتی جا رہی ہے۔

''وہ واپس کب آئیں گے؟''

''ایک ماہ کا قیام ہے وہاں' اس سے زیادہ مجھے علم نہیں۔'' زیب النساء جیسے بالکل ڈھے گئی تھی۔ نجانے کیوں دل کو عجیب وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی' ملازمہ موجود تھی۔ شام تک بخش دین وہاں رہا تھا' اس نے باہر کے کاموں کے لیے ایک نوعمر

لڑکے کا انتظام کر دیا تھا۔ بخش دین چلا گیا تو زیب النساء کا پریشانی سے بُرا حال ہونے لگا۔ ملازمہ نے بتایا تھا اس کی غیر موجودگی میں صفدر کئی بار اس کے گھر آیا تھا اور بُرا بھلا کہتے دھمکیاں دیتے چلا گیا تھا۔ اگلی صبح سویرے صفدر پھر آ ٹپکا تھا۔

''سامان سمیٹ اور چل میرے ساتھ' دھوکے سے نکاح کر لیا اس چوہدری سے تو میں نمٹ لوں گا۔'' وہ پھر شور مچا رہا تھا۔

''ابا! اماں نے اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا کوئی دھوکہ نہیں دیا' آپ اس قابل ہوتے تو رونا ہی کیا تھا۔ آپ نے تو مجھے اپنے جوئے کی خاطر بیچ ڈالا تھا' اب کیا لینے آئے ہیں۔''

''زیادہ زبان نہ چلا' اگر وہ چوہدری کسی قابل ہوتا تو واپس پلٹتا' ساری خبر ہے مجھے مہینوں وہ تیری خبر نہیں لیتا۔'' وہ کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''وہ ایک بڑے خاندانی زمیندار ہیں' ہزار کام ہوتے ہیں ان کے' ہر وقت ادھر نہیں رہ سکتے۔'' زیبن نے چوہدری حیات علی کا دفاع کیا۔

''تو تجھے اپنے ساتھ رکھ تو سکتا ہے نا؟'' صفدر نے جرح کی' زیب النساء کے دل پر گویا آری سی چلی تھی اس نے بے بسی سے باپ کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹنے کو تھی۔

''یہ گھر کس کے نام ہے؟'' گھر کو تاڑتے صفدر نے پوچھا تو وہ رک گئی۔

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ چڑ گئی' وہ باپ کی لالچی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔

آج کل اس کی جو حالت تھی اس کے سبب وہ ویسے ہی بہت چڑچڑی ہو رہی تھی لیکن بڑے حوصلے اور صبر کے ساتھ باپ کو جھیل رہی تھی۔

''تو پھر تجھے پتا کیا ہے؟ کچھ خرچہ ورچہ بھی دیتا دلاتا ہے یا پھر خالی خولی نکاح کے نام پر بٹھا رکھا ہے۔'' زیبن نے بڑے ضبط سے دیکھا اور پھر بغیر کوئی جواب دیئے وہ کمرے میں چلی گئی تھی۔ صفدر بڑی سوچتی نگاہوں سے گھر کو دیکھتے ارد گرد چکر لگانے لگا تھا۔

❀……❀……❀

شہوار اسپتال ماں جی کے ساتھ آئی تھی' مصطفیٰ ڈاکٹرز کے پاس تھا۔ صبوحی بیگم کو ہوش آ چکا تھا جبکہ ولید ابھی بھی انڈر آبزرویشن تھا۔ انا شہوار کے گلے لگ کر شدت سے رو رہی تھی۔

''اگر ولی کو کچھ ہو گیا تو میں بھی مر جاؤں گی۔'' اس کے الفاظ پر شہوار ساکت ہوئی' اتنی شدت' اتنی جذباتیت۔ سبھی ویٹنگ روم میں تھے جبکہ وہ انا کے ساتھ صبوحی بیگم کے کمرے میں تھیں۔

''ان شاءاللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' بس تم دعا کرو۔'' شہوار تسلی دے رہی تھی' جبکہ اس کا دل خود بھی بہت غم زدہ تھا۔

کچھ دیر بعد روشی اور احسن آ گئے تھے' ساتھ ضیاء صاحب بھی تھے۔ ڈاکٹرز کی طرف سے ولید کے لیے ابھی بھی وہی جواب تھا' مصطفیٰ بہت پریشان تھا۔ مصطفیٰ وقار صاحب کے ہمراہ صبوحی بیگم کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں مہر النساء اور شہوار کو موجود پا کر رک گیا تھا' انا کا کندھا تھپتھپاتے شہوار نے بھی مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

''آپ دونوں کس کے ساتھ آئیں؟'' قریب آ کر اس نے ماں جی سے پوچھا۔

''شہوار آنا چاہ رہی تھی تو ڈرائیور چھوڑ گیا تھا۔''

''آپ ساری رات کی تھکی ہوئی تھیں آرام کر لیتیں کسی اور کو ہمراہ لے کر شہوار آ جاتی۔'' مصطفیٰ نے کہا' شہوار انا سے جدا ہو کر قریب آئی۔

''میں رات سے کالز کر رہی ہوں آپ پک ہی نہیں کر رہے۔'' انداز میں خفگی تھی۔

''ادھر اتنی ٹینشن تھی' بزی تھا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے شہوار کو دیکھتے کہا۔

''لیکن میسج کا ریپلائی تو کر سکتے تھے نا؟''

''میں نے ابھی تک کوئی بھی میسج نہیں دیکھا۔'' مصطفیٰ نے کہا اور پھر احسن کے پکارنے پر پلٹ گیا تھا۔ رات کی طرح مصطفیٰ کا انداز خفا نہیں تھا تاہم سنجیدگی برقرار تھی۔

شہوار کے اندر کچھ سکون سا اترا تھا' صبح ہوتے ہی ڈاکٹر کے ڈیوٹی آورز شروع ہو چکے تھے۔ صبوحی بیگم ہوش میں تھیں بات بھی کر رہی

تھیں۔ ان کی طرف سے دل کو کچھ تسلی ہوئی تو توجہ اور پریشانی کا مرکز ولید کی ذات بن گئی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سب کو لگ رہا تھا کہ گویا زندگی روٹھتی جا رہی ہے۔

''شہوار آپ ایسا کریں انا کو سمجھا بجھا کر گھر لے جائیں' روشی ماما کے پاس رک جاتی ہے۔ پاپا کو بھی آرام کی ضرورت ہے' جیسے ہی ڈاکٹرز کی طرف سے کوئی اچھی خبر ملتی ہے ہم آپ کو اطلاع کر دیں گے۔'' احسن نے کہا تو شہوار نے سر ہلا دیا تھا۔

انا گھر جانے پر آمادہ نہ تھی لیکن سب کے اصرار پر وقار صاحب اور شہوار کے ساتھ آ گئی تھی۔ مہر النساء ڈرائیور کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ انا کو شہوار کے سہارے کی ضرورت تھی' سوا سے اس کے ساتھ جانے دیا گیا تھا۔ گھر آ کر صغراں سے چائے بنوا کر شہوار نے زبردستی انا کو پلائی۔ وقار صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ ناشتا کرنے سے انہوں نے بھی منع کر دیا تھا' عجیب افسردہ سا ماحول تھا۔ شہوار واپس انا کے پاس اس کے کمرے میں آ گئی تو وہ قالین پر بیٹھی شدت سے رو رہی تھی۔

''انا......؟'' شہوار نے اس کا کندھا تھامنا چاہا تو وہ اس کے ساتھ لپٹ کر شدت سے رو دی تھی۔

''محبت پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا' اگر ہوتا تو شاید میں ولید ضیاء سے کبھی محبت نہ کرتی۔'' انا نے روتے ہوئے کہا اور شہوار ایک دم گم صم سی ہو گئی تھی۔

''میں نے ولی کو دل کی تمام تر گہرائیوں سے چاہا تھا' پاگل پن کی حد تک۔ ولی کی طرف نگاہ اٹھتی تھی تو اپنا آپ بھول جاتی تھی میں۔'' وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی' شہوار نے دھیرے سے اسے خود سے جدا کیا۔

''اگر یہ سب تھا تو تم نے یہ منگنی کیوں ختم کی' یہ حماد کہاں سے آ گیا تھا تم دونوں کے درمیان۔'' شہوار کی حیرت سوا ہوئی تھی۔

''بالکل اسی طرح جس طرح کاشفہ میرے اور ولی کے درمیان آ گئی تھی۔'' شہوار کاشفہ کے نام پر ایک دم چونکی تھی۔

''کون کاشفہ؟''

''ایک بار ولی کی کار سے اس لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا پھر دونوں ملنے لگے وہ لڑکی ولید کو پسند کرنے لگی اور میں سمجھتی رہی کہ ولید میرے ساتھ ساتھ اس لڑکی کو بھی دھوکہ دے رہا ہے۔'' اپنی ہچکیوں پر قابو پاتے سر جھکائے اس نے مزید بتایا۔

''اس لڑکی نے ولید کی خاطر خودکشی کی کوشش کی تھی......'' شہوار الجھ گئی تھی۔

''وہ مجھے کالز کرتی اور بہت کچھ کہتی رہتی' میں سمجھتی رہی کہ ولید بھی اس لڑکی میں انوالو ہے۔ میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں ولید سے پاگل پن کی حد تک محبت کرتی تھی اور محبت کے ساتھ اس کی پرچھائی بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں بداعتمادی کا شکار ہوئی اور میرا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ میں نے ولید ضیاء سے محبت تو کر لی تھی لیکن کبھی اعتبار نہ کر سکی۔'' وہ کہہ کر اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھر شدت سے رو دی۔

''میں سمجھتی رہی کہ ولید مجھے دھوکہ دے رہا ہے' میں ولید سے الجھتی تھی لڑتی تھی۔ میرے جذبات نے مجھے عجیب پاگل سا بنا دیا تھا' میں نے اپنے ہاتھوں سے ولید کو خود سے بدظن کر دیا۔''

''جب یہ سب کچھ تھا تو پھر یہ فاصلے کیسے آ گئے تم دونوں میں' جہاں تک میں جان پائی ہوں ولی بھائی ایک بہت ہی ڈیسنٹ اور مخلص انسان ہیں' تم نے اتنی بڑی زیادتی کر دی ان کے ساتھ۔'' شہوار کو یہ سب سن کر اور انا کی حالت دیکھ کر ازحد تاسف ہو رہا تھا۔

''میری بیوقوفی' کم عقلی اور میرا جنون مجھے لے ڈوبا۔ میں ولید کی محبت' اس کے رویوں کو شک کی نگاہ سے تولتی رہی' کبھی کاشفہ اور کبھی کیتھی کو لے کر بدظن ہوتی رہی۔'' وقت انا کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ اب پچھتاوے اس کے ساتھ تھے' صرف پچھتاوے۔ وہ پچھتاؤوں کے سمندر میں غرق خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔

''لیکن میں نے بس یہی چاہا تھا کہ ولی کو کچھ بھی نہ ہو' کسی کو بھی کچھ نہ ہو۔ کاشفہ مجھے دھمکیاں دیتی رہی اور میں سب سمجھتے بوجھتے اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتی گئی۔'' شہوار نے اسے حیرت سے دیکھا' نجانے یہ کاشفہ کون تھی اور اس کی کیا کہانی تھی؟

انا اسے بہت عزیز تھی لیکن اسے گمان تک نہ تھا کہ انا کی زندگی میں اتنا کچھ ہو گیا وہ بھی محض کسی اور لڑکی اور ایک شک کی وجہ سے۔ شہوار نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور انا اس کے دل پر منوں کے حساب سے بوجھ لدا ہوا تھا وہ ایک ایک کر کے سب کچھ بتاتی چلی گئی اور شہوار حیرت سے گنگ انا کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سنتی رہی تھی۔

❀......❀......❀

صفدر سانپ کی طرح اس کے گھر میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا زیبن ایک طرح سے گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ بخش دین جس لڑکے کا بندوبست کر کے گیا تھا وہ اسے فارغ کر چکا تھا' ملازمہ پر اس کی کڑی نظر تھی۔ کئی بار وہ زیبن کے کمرے اور پورے گھر کی تلاشی لے چکا تھا' پیسے کی ہوس نے اسے اندھا بنا رکھا تھا' زیبن گھٹ گھٹ کر جی رہی تھی۔

اس کی ڈیلیوری کے دن جوں جوں نزدیک آتے جا رہے تھے ویسے ویسے ہی وہ زندگی سے بے زار حالات میں جکڑی بالکل بے بس ہوتی جا رہی تھی۔ ایسے میں بابا صاحب کی آمد کسی صدمے سے کم نہ تھی۔

''حیات علی کو ہم نے باہر بھجوا دیا ہے اور ہم ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ وہ اب اگلے تین سال تک پاکستان نہیں آ سکے گا۔ تم جیسی لڑکیوں سے اپنے بچوں کی جان کیسے چھڑوائی جاتی ہے ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔'' وہ دولت و جاگیر کے نشے میں چُور کہہ رہے تھے اور زیبن حیرت میں گم ان کو سن رہی تھی۔

''جاگیرداروں کے بیٹے جوانی کے جوش میں ایسی غلطیاں کرتے رہتے ہیں' تمہاری حیثیت ہمارے نزدیک اس بازاری لڑکی سے زیادہ نہیں جو پیسے کی خاطر اپنا آپ کو بیچ دیتی ہے۔'' وہ اسے ذلیل کر رہے تھے اور زیبن کے اندر گویا پل پل زندگی کی رمق ختم ہوتی جا رہی تھی۔

''ایک دو دن کے اندر یہ گھر خالی کر کے نکل جاؤ تم یہاں سے ورنہ میرے ملازم خود آ کر تمہیں یہاں سے ذلیل کر کے باہر نکال پھینکیں گے۔'' زیبن کا دل ایک دم کانپا تھا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے خاموش تماشا دیکھتے باپ کو دیکھا۔

''ایسے کیسے نکل جائیں تمہارا بیٹا نکاح کر کے لایا تھا اسے۔'' صفدر درمیان میں کودا تو پہلی بار باپ کی موجودگی سے زیبن کے اندر کچھ تسلی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''کون ہو تم؟''

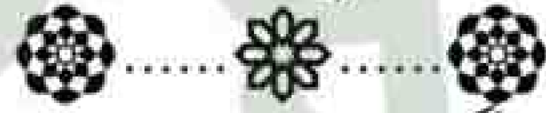
''باپ ہوں اس کا۔''

''اوہ......'' بابا صاحب نے بغور دیکھا۔ ایک چالاک اور عیار شخص جیسی چمک آنکھوں میں لیے وہ بغور دیکھ رہا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے میرے بندے تم لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔'' بابا صاحب نے ڈرانا چاہا تھا۔

''میں پولیس میں رپورٹ لکھواؤں گا' کورٹ میں مقدمہ کر دوں گا۔'' صفدر چیخ کر بولا' تبھی بابا صاحب نے اپنے ملازمین کو آواز دی' وہ اندر آ گئے تھے۔

''دو دن تم لوگ اس گھر کے سامنے پہرہ دو گے اگر ان لوگوں نے گھر خالی کر دیا تو ٹھیک ورنہ اٹھا کر سامان سمیت باہر پھینک دینا۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گئے تھے۔ پیچھے صفدر چیختا چلاتا رہا لیکن کوئی اثر نہ تھا۔ باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو صفدر باہر بھاگا' ابھی گاڑی روانہ نہیں ہوئی تھی۔ بابا صاحب نے سنجیدگی سے صفدر کو کھڑکی کے پاس آ کر ہاتھ جوڑ کر کچھ کہتے دیکھا تو تلخی سے مسکرائے۔



ایک ماہ گزرنے میں ابھی کچھ دن باقی تھے' حیات علی نے گھر فون کیا۔ بابا صاحب سے بات ہوئی تو انہوں نے انہیں دو ماہ مزید رکنے کو کہا۔ حیات علی پہلے ہی بڑی مشکل سے ایک ماہ گزار پائے تھے' بابا صاحب کا یہ حکم بہت گراں گزرا تھا۔ انہوں نے احتجاج کرنا چاہا لیکن بابا صاحب کے دوٹوک انداز کے سامنے بالکل بے بس ہو گئے تھے۔

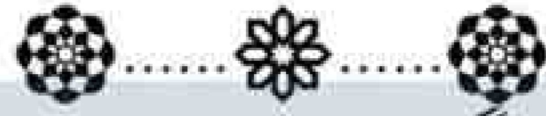
بابا صاحب سے بات کرنے کے بعد حیات علی ازحد فکرمند تھے۔ زیبن جس حالت میں تھی ایسے میں اس کے پاس ایک ہمدرد ایک خیال رکھنے والے ساتھی کی ضرورت تھی۔ یہاں آنے سے پہلے وہ اس سے مل بھی نہیں سکے تھے' ملازمہ کی زبانی اس کے باپ کی آمد پھر بہن کے ہاں زیبن کے چلے جانے کا سن کر دل اور بھی پریشان تھا۔ نجانے کس حالت میں تھی وہ جو بہن کے ہاں چلی گئی تھی۔ وہ تو دن گن گن کر یہ وقت گزار رہے تھے لیکن اب بابا صاحب کا یہ حکم' انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ زبیدہ کا بھائی ان کے قیام کی مدت بڑھا دے گا وہ آرام وسکون سے بیوی بچوں سمیت وہاں رہ لیں۔

دو ماہ اور رکنا ایک عذاب لگ رہا تھا' انہوں نے زبیدہ سے بات کی تو زبیدہ نے بھی انکار کر دیا تھا۔

''میں ابھی رکنا چاہتی ہوں' بھائی صاحب بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم یہاں کچھ عرصہ مزید قیام کریں۔''

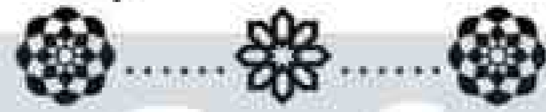
''تم اور بچے رکنا چاہتے ہو تو ضرور رکو مگر میں نہیں رکوں گا میں اب جلد ہی واپس جاؤں گا۔'' وہ سختی سے کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔

ان کے دل میں عجیب عجیب سے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔
زیبن کو اس حالت میں چھوڑ کر آنے پر ان کا دل مسلسل ملامت کر رہا تھا۔ زبیدہ ابھی واپس آنے پر راضی نہ تھی، وہ اپنی واپسی کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔ اس دن بھی وہ ایمبسی میں گئے تھے، واپسی پر ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے تھے جب مخالف سمت سے آتی تیز رفتار گاڑی ان کو کچل کر بھاگ گئی تھی۔



وہ ان دونوں کے ہمراہ جس جگہ آئی تھی وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ ان کے ہمراہ چلتی وہ ایک کمرے میں آ گئی تھیں، انا کو رہ رہ کر اپنے فیصلے پر پچھتاوے کا احساس ہو رہا تھا کہ اسے ان دونوں کے ہمراہ نہیں آنا چاہیے تھا۔
ولید کی طرف سے بدگمانی اور شکوک نے گویا اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب کر دی تھیں لیکن یہاں آنے کے بعد اسے ان دونوں لڑکیوں کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ ان کے ساتھ جیسے ہی ایک کمرے میں داخل ہوئی، کاشفہ اور اس کے ساتھ موجود دوسری لڑکی نے اس کے ہاتھ سے بکس اور بیگ لے لیا تھا۔
''یہ تم کیا کر رہی ہو؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔
''تم ہماری مہمان ہو، آرام وسکون سے بیٹھ جاؤ۔ چائے منگواتی ہوں وہ پیو اور ہماری بات سنو۔'' کاشفہ نے اسے کندھے سے پکڑ کر بستر کے کنارے دھکا دے کر بٹھا دیا تھا۔ اس نے اس کا بیگ لے لیا وہ اس کی تلاشی لے رہی تھی اور پھر ایک کونے سے موبائل نکال کر اس نے اس کے سامنے سوئچ آف کیا تھا۔ انا نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''یہ تم کیا کر رہی ہو؟'' کاشفہ مسکرائی تھی۔
اس کا دماغ اب تیزی سے سوچ رہا تھا اور جو حقیقت سامنے آ رہی تھی وہ یہ تھی کہ ان دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں دھوکا کھا چکی ہے اور اب نجانے کاشفہ کیا کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا، وہ ایک دم اپنا چکراتا سر تھام کر بے یقینی سے انہیں دیکھتی بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔
''ارے ہم نے تو ابھی کچھ کہا ہی نہیں تم ابھی سے ہمت ہار گئیں۔'' کاشفہ نے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جو پہلے ہی نڈھال سی تھی ایک دم بے دم سی ہو گئی تھی۔ اس کی ذہن کی سطح پر لگنے والا یہ صدمہ اسے بالکل مفلوج کر چکا تھا۔
''کیا چاہتی ہو تم؟'' انا کی آواز لرز رہی تھی۔
''ولید کو؟'' وہ گھٹیا انداز میں ہنسی تھی۔ انا کے اندر جیسے بہت کچھ ٹوٹا تھا۔
''تو مجھے یہاں کیوں لائی ہو تم؟'' وہ اذیت سے چیخی تھی۔
''اپنی تصحیح کر لو، میں لائی نہیں تم خود اپنی مرضی سے چل کر آئی ہو۔'' انا کو لگا اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے ہوں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
''تم دونوں مجھے دھوکے سے ساتھ لائی ہو، تم بات کرنا چاہتی تھی میں تمہاری بات سننے کے لیے ساتھ آئی تھی۔'' کاشفہ ہنسنے لگی تھی۔
''ہاں تو بات ہی کریں گے۔'' ہنسی روک کر اس نے کہا تھا۔
''لیکن اب مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، جا رہی ہوں میں۔'' انا کاشفہ کے تیور دیکھ کر سمجھ چکی تھی۔ وہ بے یقینی کے سحر سے نکلی تو ایک دم اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔
کاشفہ نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا رستہ روکا تھا اور کاشفہ کی دوست نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ انا کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔
''اب تم ہماری قید میں ہو اور تم تب تک یہاں سے نہیں نکل سکتیں جب تک میں نہیں چاہوں گی۔'' کاشفہ کا لب ولہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری تھا، انا کو لگا کہ جیسے کمرے کی چھت اس کے سر پر آ گری ہے۔
''یو بلڈی......'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
''تم لوگوں نے مجھے چیٹ کیا، دھوکے سے یہاں لائیں۔'' وہ ایک دم تمام تر لحاظ ومروت بھلا کر پھٹ پڑی تھی۔
''یو شٹ اپ......'' کاشفہ نے انگلی اٹھا کر ایک دم چپ کروایا تھا۔
''تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گی، مکمل طور پر ہمارے اختیار میں ہو ذرا سی بھی بکواس کی تو جان سے ماردوں

گی۔'' کاشفہ نے اپنے بیگ سے چاقو نکال کرانا کے سامنے لہرایا تھا۔انا کا سانس ایک دم رکنے لگا تھا۔
''آرام سے بیٹھ جاؤ۔'' چاقو کے اشارے سے اس نے اسے بستر کی طرف دھکیلا تھا' انا بستر کے کنارے گرگئی تھی۔
''میں ولید سے محبت کرتی ہوں اور تم اس بات سے اچھی طرح واقف بھی ہو۔'' اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کاشفہ نے کہنا شروع کیا تھا۔
''لیکن تم یہ نہیں جانتیں کہ ولید مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' دونوں کے چہرے کے زاویے بدلے تھے۔
''مجھے ولید پہلی نگاہ سے ہی اچھا لگا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ کچھ بھی ہو مجھے اس شخص کو حاصل کرنا ہے اور پھر میں نے اس کے لیے کوشش شروع کردی۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی انا نے لب بھینچ لیے تھے۔
''ولید جتنا شاندار تھا میرے لیے اتنا ہی مشکل مرد ثابت ہوا' میں کاشفہ جو لڑکوں کو اپنی انگلیوں پر نچاتی تھی وہ ولید ضیاء کو نہ اپنے حسن کے جال میں جکڑ سکی اور نہ ہی اپنی اداؤں سے۔ ولید سے دوستی میں زیادہ تر ہاتھ میرا تھا اور وہ مروت میں میری طرف بڑھتا رہا۔ میں سمجھتی رہی کہ ایک دن ضرور میں اسے حاصل کرلوں گی لیکن پھر تم درمیان میں آ گئیں۔'' اس نے کہتے کہتے نفرت سے انا کو دیکھا تھا۔
''تم نے مجھے بتایا کہ تم اس کی فیانسی ہو میں یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔ میں نے ولید کے لیے کیا کچھ جتن کیا حتیٰ کہ اسے قائل کرنے کے لیے خودکشی تک کی کوشش کی لیکن وہ اب مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے میرا اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں لیکن میں اب اسے بتاؤں گی اگر کاشفہ کو اس کی من پسند چیز نہ ملے تو وہ کیا کچھ کرسکتی ہے۔''
''اور وہ سب جو تم اپنے اور ولید کے تعلق کے بارے میں بتاتی رہیں وہ سب کیا تھا؟'' کاشفہ کے الفاظ سن کر انا کا غم سے بُرا حال تھا۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا تو کاشفہ مسکرائی تھی۔
''وہ سب جھوٹ تھا' میرا اور ولید کا ایسا کوئی بھی تعلق نہ تھا میرا مقصد تمہیں ولید سے بدظن کر کے دور کرنے کا تھا۔'' انا کا جی چاہا اپنے آپ کو شوٹ کرلے۔ وہ ایک کم عقل' احمق اور بے وقوف لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ اپنی بداعتمادی اور شکی طبیعت کے باعث نہ صرف خود عذاب میں مبتلا رہی تھی بلکہ ولید کی زندگی بھی اجیرن کرچکی تھی۔ اس کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔
''تو اب کیوں بتارہی ہو تم؟'' انا کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی سمیت وہ ساری دنیا کو آگ لگادے۔
''میں ولید کے سامنے ہر طرح کا حربہ آزما چکی ہوں' وہ اب میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا لیکن اب مجھے اسے حاصل کرنا ہے یہ اب میری ضد ہے اور تم مجھے ولید تک پہنچاؤ گی میرے اور اس کے درمیان راہ ہموار کرو گی۔'' کاشفہ نے سفاکیت کی انتہا کردی تھی۔
''تمہارا کیا خیال ہے تمہاری یہ ساری بکواس سننے کے بعد میں تمہارا ساتھ دوں گی؟'' انا کے لہجے میں نفرت تھی' کاشفہ مسکرائی تھی۔
''بالکل...... تمہیں ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہوگا' تم ہمارے ساتھ آ کر اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار چکی ہو اور جب تک ہمارے درمیان معاملات طے نہیں ہوں گے تم یہاں سے نہیں نکل سکتیں۔'' ہاتھ میں تھاما چاقو انا کے سامنے کرتے اس نے کہا تو انا کے اندر ایک دم غم وغصے کا شدید طوفان اٹھا تھا۔ اس نے کھینچ کر اپنا ہاتھ کاشفہ کے چاقو والے ہاتھ پر مارا تھا' چاقو دور جا گرا تھا۔ کاشفہ کو دھکا دے کر اپنا بیگ جھپٹ کر انا تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ اسے اب ہر حال میں یہاں سے نکلنا تھا لیکن دروازہ لاک تھا تب تک کاشفہ اور اس کی دوست دونوں سنبھل چکی تھیں۔ کاشفہ نے دوبارہ چاقو تھام لیا تھا' انا زور زور سے لاک گھما رہی تھی۔
''یو بلڈی...... تم یہاں سے بھاگو گی' میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔'' کاشفہ پاگلوں کی طرح غراتے انا کی طرف بڑھی تھی۔



صفدر کی آنکھوں پر لالچ کی پٹی چڑھی ہوئی تھی' وہ بابا صاحب سے ملا تھا۔ نجانے کیا معاملات طے کیے تھے کہ زیب النساء کے چیخنے چلانے کے باوجود اس نے ملازمہ کو فارغ کردیا تھا اور پھر زبین کو زبردستی اپنے ساتھ لے کر ایک اور جگہ چلا آیا تھا۔
''ابا یہ ظلم مت کرو' میری حالت دیکھو میں کہاں خوار ہوتی رہوں گی' وہ میرے شوہر کا گھر تھا۔ میرا شوہر مجھے یہاں لایا تھا کیوں ظلم کررہے ہو۔'' باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتی زبین صفدر کا دل نہیں پگھلا سکی تھی۔
''تیری ماں مرتے مرتے میرے ساتھ تو نیکی کرگئی ہے' بڑا پیسہ ہے اس چوہدری کے پاس اب دیکھو میں کیسے پیسہ نکلواتا ہوں۔'' بیٹی کے رونے دھونے کا کوئی اثر ہی نہ تھا' زبین نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔
وہ اسے تھوڑا بہت کھانے کا سامان دے کر گھر میں بند کر کے چلا گیا تھا' زندگی میں پہلی بار زیب النساء اس رات خوف زدہ ہوئی تھی اور

پھر آنے والے لگاتار تین چار دن تک صفدر نے گھر کی راہ نہ دیکھی تو زیبن کو اپنے ساتھ ساتھ اپنے اندر پلتی جان کی فکر بھی ستانے لگی۔

گھر میں صفدر کھانے پینے کو جو چھوڑ کر گیا تھا وہ سب ختم ہو چکا تھا۔ کل سے وہ بس پانی پر گزارہ کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر اسی طرح وہ بھوک سے نڈھال لڑتی رہی تو وہ مر جائے گی' وہ بس ہر وقت رو رو کر اللہ سے صفدر کے آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اور پھر پانچویں دن صفدر چلا آیا تھا۔ برآمدے کے ننگے فرش پر بے ہوش زیب النساء کو دیکھ کر وہ ایک پل کو ٹھٹکا تھا۔

اسے بابا صاحب کے ساتھ کی گئی ساز باز پانی میں ڈوبتی محسوس ہونے لگی۔ وہ بابا صاحب کو بلیک میل کر کے بہت سارا پیسہ نکلوانا چاہتا تھا ایسے عالم میں زیبن کا زندہ رہنا لازمی تھا۔ جیسے تیسے کر کے اس نے زیبن کو چارپائی پر لٹایا تھا اور خود ڈاکٹر کو بلانے چل دیا تھا' بھوک نقاہت' خوف اور صدمے نے زیب النساء کو نیم جان کر دیا تھا۔ وہ زندہ تھی بس اللہ کا ہی کرم تھا۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا' دوائیاں لکھیں' مناسب خوراک اور دیکھ بھال کی تلقین کرتا چلا گیا تو صفدر زیب النساء کی تیمارداری میں لگ گیا تھا۔ کچھ دنوں میں اس کی حالت بہتر ہوئی' وہ اب اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہو گئی تھی۔

''ابا کیوں کر رہے ہو یہ سب؟'' اگلے دن صفدر کھانے پینے کا کافی سارا سامان رکھ کر پھر کہیں جانے لگا تو خوف سے لرزتی زیب النساء سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''تو تیرا کیا خیال ہے میں ہر وقت تیرے گھٹنے سے ہی لگا رہوں۔'' کھا جانے والی نظروں سے زیب النساء کو گھورا تھا' وہ سہم گئی تھی۔

ماں کے پلو سے لگ کر جوان ہونے والی لڑکی چوہدری حیات علی کی بیوی بن کر اور بھی خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ صفدر چلا گیا تو وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی' وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ دن بہ دن اس کے اندر کی مقابلے کی قوت ختم ہو گئی تھی۔

چوہدری حیات علی کو ملک سے باہر ایک ماہ ہو چکا تھا' وہ گھر چھوڑ چکے تھے کوئی جان پہچان والا نہ تھا کہ جس سے وہ رابطہ کر کے کوئی خیر خبر حاصل کر لیتی۔ زندگی ایک دم تاریک اور بھیانک ہو گئی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ صفدر صرف تب تک اس کا خیال رکھنے والا تھا جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے لیتی۔ اس کے بعد اس جیسا لالچی آدمی نجانے اسے کس کے ہاتھ جوئے کے نام پر بیچ دیتا۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے وہ دن رات حیات علی کے لوٹ آنے کی دعائیں کرتی رہتی تھی اس کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔

بس اپنے بچے کے آنے کا انتظار تھا' زیب النساء کا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہ تھا اور پھر ایک شام اس کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی' خوش قسمتی سے اس شام صفدر گھر پر ہی تھا۔ دو دن بعد وہ گھر لوٹا تھا' بیٹی کی چیخیں سن کر کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر نجانے اسے اس کی حالت پر ترس آ گیا تھا یا کیا تھا وہ ایک عورت کو لے آیا تھا اور پھر اس شام اس نے اللہ کو یاد کرتے درد سہتے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ ایک خوب صورت لیکن بہت کمزور سے بیٹا زیب النساء کو لگا اس کے اندر جیسے زندگی نے پھر نئی کروٹ لی ہو۔ اسے تمام تکلیفیں اور تمام درد بھولنے لگے تھے۔ صفدر خلاف توقع اس کا خیال رکھ رہا تھا' کھانے پینے کا سامان لا دیتا تھا۔ بچہ بہت خوب صورت تھا لیکن بہت کمزور' زیب النساء کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی لیکن اب اس کے اندر اپنے بیٹے کے لیے زندہ رہنے کی خواہش ابھری تھی۔ وہ زندہ رہنا چاہتی تھی صرف اور صرف اپنے بیٹے کے لیے۔ حیات علی کا انتظار کرتے کرتے وہ اب مایوس ہو چکی تھی اب اس کی سوچوں کا محور صرف اس کا بیٹا تھا۔

بیٹے کی پیدائش کو آٹھ دن گزر چکے تھے' نہ کوئی رسم ہوئی اور نہ ہی کوئی خوشی۔ غم سے نڈھال زیب النساء نے خود ہی اپنے بیٹے کا نام رکھ لیا۔

''فیضان حیات علی......'' وہ دن میں کئی کئی بار یہ نام دہراتی اور سسکنے لگتی' اسے حیات علی کی بہت یاد آتی تھی۔ صفدر کی طرف سے ابھی تک سکون تھا' وہ اس کے کھانے پینے علاج معالجے کا خیال رکھ رہا تھا' اسے لالچ تھا یا کیا تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکا تھا۔ وہ اس دن فیضان کو سلا کر کمرے سے نکلی تو صفدر نے روک لیا۔

''اپنے بیٹے کو تیار کر دے مجھے اسے کہیں لے کر جانا ہے۔'' وہ ٹھٹک کر رکی تھی۔

''کہ...... کہاں جانا ہے......؟''

''حیات علی کے باپ کے پاس جاؤں گا۔''

''کیوں؟''

''اس کے باپ کی خیر خبر لوں گا' ایسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ نکاح ہوا تھا تمہارا' اس کے باپ نے اس گھر سے نکلوا دیا اور اس نے پلٹ کر خبر تک نہ لی۔'' صفدر نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تو تم خود جا کر پتا کر آؤ نا' فیضان کو کیوں ساتھ لے کر جاتے ہو۔''
''زیادہ بک بک نہ کر' تجھ سے مشورہ نہیں مانگا۔ اپنے بیٹے کو کپڑے بدل کر دے مجھے۔'' صفدر نے تلخی سے کہا۔
وہ ایک لمبی پلاننگ کر چکا تھا وہ اب فیضان کو آلہ بنا کر بابا صاحب کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ پہلے بھی وہ گھر چھوڑنے پر معاملہ طے کرتے ان سے رقم نکلوا چکا تھا۔ زندگی اس کی جیسے تیسے گزر چکی تھی لیکن وہ اب اپنے بڑھاپے کا بندوبست کرنا چاہتا تھا۔
''میں نہیں دوں گی' تمہارا کوئی بھروسہ نہیں تم اسے لے کر بھاگ گئے تو......''
''زیادہ زبان نہ چلا' بھاگنا ہوتا تو ان دو ماہ کا انتظار نہ کرتا۔ اس کے باپ کا پتا کرنے جا رہا ہوں' تیرا ہی بھلا ہے اس میں۔'' غصے سے بیٹی کو گھورا تھا' وہ اس کی بات سن کر چونکی تھی۔
''لیکن فیضان بہت چھوٹا ہے وہ میرے بغیر نہیں رہ سکے گا۔''
''تو ٹھیک ہے چل تو بھی ساتھ چل۔'' اسے کسی بھی طرح آمادہ نہ دیکھ صفدر نے پینترا بدلا تھا۔ زیبن مان گئی' حیات علی کے گاؤں کا انہیں بس نام کا پتا تھا صفدر کے ساتھ انہیں وہاں آتے آتے چار گھنٹے لگ گئے تھے۔ وہ اپنے علاقے کے ایک بہت بڑے جاگیردار تھے' حیات علی کی حویلی تک پہنچنے میں دقت نہ ہوئی تھی۔ بخش دین نے فوراً پہچان کر انہیں گیٹ پر ہی روک لیا تھا۔
''تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' وہ دیکھتے ہی پریشان ہو گیا تھا۔
''حیات علی میری بیٹی کا شوہر ہے اس کے باپ نے ہمیں وہاں سے نکال دیا' کہتا تھا خاموشی سے نکل جاؤ ورنہ پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ میں اپنی بیٹی کی زندگی کی خاطر نکل آیا لیکن اب اس کا ایک بیٹا ہے چوہدری حیات علی کا کوئی اتا پتا نہیں۔'' صفدر اونچی آواز میں بولنے لگا تھا' بخش دین ارد گرد دیکھتے کسی کو علم نہ ہو جانے کے خوف سے ان دونوں کو لے کر ایک طرف کونے میں آ رکا تھا۔
''دیکھو تم نے ان کو اور بچے کو ساتھ لا کر بہت بڑی غلطی کی ہے' تم نہیں جانتے یہ لوگ کیسے ہیں۔ چوہدری حیات علی کی وجہ سے بابا صاحب نے تم لوگوں کو زندہ چھوڑ رکھا ہے ورنہ وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔''
''لیکن چوہدری صاحب کہاں ہیں' تم نے کہا تھا ایک ماہ بعد وہ پاکستان آ جائیں گے لیکن ابھی تک کوئی خیر خبر نہیں ملی۔'' زیبن نے خود پوچھا تو بخش دین کچھ دھیما ہوا۔
''باہر کے ملک میں چوہدری صاحب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔''
''ہائے میں مر گئی۔'' زیبن تو سن کر تڑپ اٹھی تھی۔
''بڑی نازک حالت تھی' کئی ماہ سے وہاں اسپتال میں ہیں۔ سنا ہے دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی اور بھی چوٹیں لگی آئیں ہیں' مہینوں لگ جانے ہیں بالکل ٹھیک ہونے میں۔'' بخش دین نے بتایا تو زیب النساء ایک دم رونے لگی۔ وہ سمجھتی رہی تھی کہ حیات علی اسے چھوڑ کر چلے گئے اور اب کبھی پلٹ کر نہیں آئیں گے لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے اس کے گمان میں نہ تھا۔
''اب کیا ہو گا؟'' وہ رو رہی تھی۔
''آپ فکر نہ کرو' چھوٹے چوہدری صاحب سے میرا رابطہ نہیں ہو رہا جب بھی کوئی اطلاع ملی تو میں ان تک پیغام پہنچا دوں گا۔'' بخش دین نے خلوص سے کہا۔
''چھوڑ و تمہارے پیغام پہنچانے تک کیا ہم ایسے ہی لٹکے رہیں گے۔ میں آج بڑے چوہدری سے مل کر ہی جاؤں گا' نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے۔ یہ بچہ اب چھوٹے چوہدری کا بیٹا ہے' دیکھتا ہوں چوہدری ہمیں کیسے یہاں سے نکالتا ہے۔'' صفدر جو پلاننگ کر چکا تھا اس سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔
''چوہدری صاحب تم کو جان سے مار دیں گے اگر تم ایسا کرو گے۔ میری مانو تو تم دونوں چپ چاپ یہاں سے نکل جاؤ اگر بڑے چوہدری صاحب کو خبر بھی مل گئی تو وہ حشر نشر کر دیں گے تم لوگوں کا۔'' بخش دین نے ڈرانا چاہا۔
''میں نہیں ڈرنے والا' تم مجھے چوہدری سے ملوا دو بس' پھر دیکھتا ہوں کیا کرتا ہے وہ۔'' وہ کسی بھی طور ٹلنے والا نہ تھا۔
''جیسے تمہاری مرضی لیکن ایک بات مانو بی بی کو ساتھ مت لے جاؤ ان کو میں ادھر کمرے میں بٹھا دیتا ہوں اور تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' زیب النساء جو پہلے ہی حیات علی کا سن کر رو رہی تھی ایک دم ڈر گئی تھی۔
بخش دین اسے چوکیدار کے بنے ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا کر خود صفدر کو لے کر چلا گیا تھا' چوہدری سراج بخش دین کے ساتھ

صفدر کو دیکھ کر چونکے تھے۔
''تم یہاں......''
''تم تو چوہدری اس گھر سے نکلنے پر کچھ ہزار دے کر رفو چکر ہو گئے تھے۔تم کیا سمجھتے ہو میں اتنی جلدی تمہاری جان چھوڑ دوں گا۔نکاح نامے کی کاپی میرے پاس ہے' حیات علی کا بیٹا پیدا ہوا ہے میں چاہوں تو مقدمہ کر سکتا ہوں۔'' صفدر علی آپے سے باہر ہونے لگا تھا۔
''تم جیسے نیچ خاندان کے لوگ ایسے ہی پیچھا پکڑ لیتے ہیں۔تم نے معاملہ طے کیا تھا کہ تم اپنی بیٹی کو لے کر بالکل غائب ہو جاؤ گے اور کبھی نظر نہیں آؤ گے۔ پیسے لیے تھے تم نے مجھ سے اس کام کے لیے' اب تم دھمکیاں دے رہے ہو وہ بھی چوہدری سراج علی کو۔ جانتے ہو کیا انجام ہو سکتا ہے تمہارا' یہاں آنے پر۔'' نہایت غیض و غضب سے صفدر کو گھورتے ہوئے کہا۔
''تمہاری بہو اور اس کے بیٹے پر وہ ساری رقم خرچ کی ہے میں نے یا تو مجھے میری منہ مانگی رقم دو یا پھر میری بیٹی کو اس حویلی میں جگہ......'' اس نے دھمکایا۔ چوہدری سراج نے چندیل بغور صفدر کو دیکھا۔
وہ ایک لالچی شخص تھا اس کا منہ بند کیا جا سکتا تھا لیکن یہ مسئلے کا حل نہ تھا وہ پھر کسی بھی وقت انہیں دھمکانے دوبارہ آ سکتا تھا اور پھر اگر کسی اور سے ملاقات ہو جائے تو ان کی عمر بھر کی عزت مٹی میں مل سکتی تھی۔ انہوں نے کچھ سوچا اور بخش دین کو کچھ لوگوں کو بلوانے کا کہا وہ لوگ آ گئے تو چوہدری سراج علی نے ان کو حکم دیا۔
''اس شخص کو لے جاؤ' اس کا وہ حشر کرو کہ دوبارہ مجھے نظر نہ آئے۔''
''تم ایسا نہیں کر سکتے چوہدری' میں پولیس میں جاؤں گا' مقدمہ کروں گا تم پر۔'' وہ چیخنے چلانے لگا تھا جبکہ تین چار طاقتور مرد زبردستی دھکیلتے اسے لے گئے تھے۔ بخش دین خاموشی سے محو انتظار زیبن کے پاس آیا تھا۔
''بی بی تمہارے باپ کو چوہدری کے بندے لے گئے ہیں اب وہ زندہ بچتا ہے یا نہیں تم فوراً یہاں سے نکلو۔ اگر چوہدری صاحب کو پتا چل گیا کہ تم بھی ساتھ تھیں تو وہ تمہیں اور تمہارے بچے کو بھی جان سے مروا دے گا۔''
''کیا......؟'' زیب النساء ڈر گئی تھی۔ بخش دین اسے چوری چھپے وہاں سے نکال کر اڈے تک پہنچا گیا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار سفر کر رہی تھی' نجانے وہ کیسے ٹھوکریں کھاتی واپس پہنچی تھی۔ صفدر کے ساتھ نجانے کیا سلوک ہوا تھا' وہ غم سے نڈھال تھی۔ رات گئے وہ شہر پہنچی تھی' اکیلی تنہا ایک دو ماہ بچے کے ساتھ ڈری سہمی لڑکی وہ بہت کچھ برداشت کرتی گھر پہنچی تو آگے تالا لگا ہوا تھا۔
اسے یاد آیا چابی تو صفدر کے پاس تھی۔ بخش دین نے اسے کرائے کے لیے کچھ پیسے دیئے تھے ان میں کچھ بچ گئے تھے وہ تھکی ہاری جب مہر النساء کے گھر پہنچی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر پر نہیں تھا چوکیدار کو ترس آ گیا تھا اس کی حالت اس قدر ابتر ہو رہی تھی کہ اسے اندر جانے دیا تھا۔ مہر النساء اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ بخش دین کی زبانی زیب النساء کو جو معلوم ہوا تھا وہ سب اس نے مہر النساء کو کہہ دیا تھا۔
مہر النساء نے بظاہر تسلی دی تھی لیکن اندر ہی اندر وہ خود بھی پریشان ہو چکی تھی جیسے تیسے کچھ دن گزر رہے تھے۔ مہر النساء کا شوہر گھر آ چکا تھا' زیب النساء کو دیکھ کر اس نے ناک منہ چڑھایا تھا لیکن کہا کچھ نہ تھا۔ زیب النساء دو تین بار جا کر پتا کر آئی تھی گھر پر ابھی بھی تالا تھا۔
اس رات وہ بہت غم زدہ تھی' اس کی طبیعت خراب تھی۔ صفدر کی کوئی خبر نہ تھی' مہر النساء کے شوہر کے تیور دن بہ دن بدلتے جا رہے تھے۔ آتے جاتے وہ کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر جاتا تھا کہ زیب النساء ڈر جاتی تھی۔ وہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔
وہ رات کو لیٹی تھی فیضان کو سلاتے سلاتے ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجا تھا اس نے اٹھ کر کھولا تو نشے میں دھت مہر النساء کا شوہر کمرے میں داخل ہوا تھا' زیب النساء چیخ مار کر ایک طرف ہو گئی تھی' وہ بپھرا ہوا شخص اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ فیضان کو اٹھا کر اپنا بچاؤ کرتی بڑی مشکل سے کمرے سے نکلی تھی اس کی چیخوں اور شور کی آواز سن کر مہر النساء بھی آ گئی تھی۔
''آپا...... مجھے بچا لو......'' روتی بلکتی زیب النساء اس سے لپٹ گئی تھی۔ نجانے مہر النساء کے اندر اتنی ہمت کیسے آ گئی تھی روتی بلکتی بہن اور اس کے بیٹے کو سہارا دیتی وہ اپنے کمرے میں لے آئی تھی' اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ رات بڑی بھیانک تھی۔ وہ شخص مغلظات بکتا' گالیاں دیتا' شور مچاتا بُرے نتائج کی دھمکیاں دیتا رہا تھا۔
صبح ہوئی تو اس شخص نے صاف کہہ دیا تھا کہ زیب النساء اپنا کہیں اور بندوبست کر لے وہ اسے اپنے گھر میں نہیں رکھے گا۔ زیب النساء کے پیروں تلے زمین نکل گئی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کہاں جائے' کیا کرے؟

مہرالنساء نے بہت منتیں کی تھیں لیکن اس کے شوہر کی ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ مجبوراً مہرالنساء نے اسے اپنی ایک نند کا ایڈریس لکھ کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔ آپا صفیہ مہرالنساء کے شوہر کی بہن تھیں اولاد سے محروم تھیں' شوہر وفات پا چکا تھا' وہ اکیلی گھر میں رہتی تھیں کافی نیک صفت خاتون تھیں۔

مہرالنساء کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ بہت اچھا تھا' زیب النساء کو انہوں نے کھلے دل سے خوش آمدید کہا لیکن آپا صفیہ کے ہاں جا کر دکھوں اور غموں سے نڈھال زیب النساء کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ حیات علی کی غفلت' باپ کی گمشدگی اور اب اس نئے دھچکے نے اس کے اندر سے زندگی کی امید چھین لی تھی۔ وہ اندر ہی اندر گھلتی جا رہی تھی' غموں نے اس کے وجود کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا' آپا صفیہ اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں لیکن لگتا تھا کہ جیسے زیبن کے اندر زندہ رہنے کی لگن بالکل ختم ہو گئی تھی وہ اپنا علاج کروانے سے بھی کترانے لگی تھی۔

فیضان چھ ماہ کا ہونے کو آ رہا تھا' لیکن حیات علی کا کوئی پتا نہ تھا اور صفدر بھی تا حال گم شدہ تھا' وہ بالکل مایوس ہو چکی تھی۔ اسے سانس کا مسئلہ رہنے لگا تھا اور پھر ایک رات اسے دمہ کا دورہ پڑا تھا' آپا صفیہ اسے ہسپتال لے گئی تھیں لیکن زیب النسا نے رستے میں ہی دم توڑ دیا تھا۔ روتا بلکتا فیضان باپ کے بعد ماں کی ممتا سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ مہرالنساء کا صدمے سے بُرا حال تھا' دنیاداری کو وہ آئی تھی باپ کی ابھی تک کوئی خبر نہ ملی تھی کہ زندہ بھی ہے یا......

فیضان کو اولاد کے لیے ترسی ہوئی آپا صفیہ نے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ زیب النساء کی زندگی کا باب بند ہوا تو چوہدری حیات علی سے متعلق ہر خبر نے گویا دم توڑ دیا تھا اور پھر زندگی ایک نئے ڈھنگ میں گزرنے لگی تھی۔



فیضان ماموں اور سہیل بھائی دوبارہ ہادیہ کے والد کے پاس گئے تھے' انہوں نے مثبت جواب دیا تھا۔ ہادیہ اور رابعہ کا خوشی سے بُرا حال تھا' ابوبکر بھی خوش تھا۔ بس یہی طے ہوا تھا کہ ایک دن بعد نکاح ہو گا اور رخصتی چند ماہ بعد...... ہادیہ کا باپ ایک محنتی انسان تھا اپنی زندگی کو انہوں نے خود بنایا' سنوارا تھا اور زندگی میں ایک مقام بنایا تھا۔ ابوبکر سے متعلق انہوں نے بہت غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا تھا۔ ابوبکر میں انہیں اپنا ماضی دکھائی دیا تھا سو وہ فیصلہ کر کے مطمئن تھے۔

رابعہ جوش و خروش سے نکاح کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ ثریا بیگم بھی سب کے سمجھانے بجھانے پر صدمے کی کیفیت سے نکل کر ابوبکر کے نکاح کے بندوبست میں لگ گئی تھیں۔

ابوبکر کا فلیٹ تیار تھا لیکن یہی فائنل ہوا تھا کہ ابوبکر کے نکاح کی ساری تیاریاں سہیل کے گھر سے ہی ہوں گی۔ وہ بھابی کے ساتھ اسی سلسلے میں ہی لگی ہوئی تھیں جب اس کے نمبر پر عباس کی کال آ گئی تھی۔

''السلام علیکم! سر کیسے ہیں؟'' اس کی آواز میں کھنک سی تھی۔

''وعلیکم السلام! ٹھیک ہوں۔'' عباس نے پوچھا۔

''آپ کی شادی کی ٹائمنگ کا پوچھنا تھا میں نے؟'' عباس نے فون کرنے کی وجہ بتائی تو رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''سر میری شادی نہیں ہو رہی۔''

''کیا...... کیا مطلب؟'' عباس الجھا۔

''سر! میری شادی کینسل ہو گئی ہے وہ اب نہیں ہو رہی۔ میں نے کال کر کے اسٹاف کے باقی ممبرز کو اطلاع کر دی تھی آپ کو شاید کسی نے نہیں بتایا ہو گا۔'' وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ دوسری طرف موجود عباس کو لگا کہ جیسے یہ الفاظ سن کر وہ بہت پرسکون ہو گیا ہو۔

''کیسے کینسل ہو گئی شادی؟'' اب کے لہجے میں فکرمندی اور تشویش تھی۔

''شاید ابھی قسمت میں نہیں تھی۔'' وہ پُرسکون تھی۔

''لیکن کوئی ریزن تو ہو گی نا۔''

''اصل میں کل ابوبکر اور ہادیہ کا نکاح ہو رہا ہے۔''

''ہادیہ کا نکاح...... میں سمجھا نہیں؟''

''اصل میں سر......'' ہادیہ نے بتانا شروع کیا تھا اور مختصراً ہادیہ اور ابوبکر کے متعلق سب سنا دیا۔

''ویری گڈ...... یعنی آپ ہادیہ کے لیے اتنی بڑی قربانی دے رہی ہیں' ویل ڈن۔'' عباس رابعہ کے اس ظرف اور عمل سے بہت متاثر ہوا

تھا۔
''سر! قربانی کیسی...... وہ میری دوست ہے اور مجھے بہت عزیز ہے۔ ساری بات کھل چکی تھی اور میں جان بوجھ کر شادی کر بھی لیتی تو شاید میں کبھی خوش نہ رہ پاتی اور سب کچھ جاننے کے بعد میں ابوبکر سے شادی کر لیتی یہ ناممکن سی بات تھی۔''
''ویری نائس۔'' عباس نے ایک دم سراہا۔
''ماشاءاللہ ذہنی اپروچ بہت اچھی ہے آپ کی ورنہ آج کل کے دور میں لوگ حقیقی رشتوں کے متعلق غاصبانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں' دوستی وغیرہ تو بہت دور کی بات ہوتی ہے۔''
''شکریہ سر! میرے لیے اپنی ذات اور بعد کے کرائسز کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا آسان نہ تھا لیکن میرے سامنے میری ساری زندگی کی خوشیاں اور دوسری طرف ہادیہ کی خوشی اور ابوبکر کی ذات تھی۔ فیصلہ مشکل تھا لیکن مجھے ابھی قدم پیچھے ہٹا لینا بہتر لگا بانسبت اس امر کے کہ میں ابوبکر سے شادی کر کے ساری عمر پچھتاتی۔''
''بہت ہی اچھا فیصلہ کیا آپ نے میں کچھ بزی تھا آفس بھی کم چکر لگ رہا تھا' اس لیے مجھے آپ کی شادی کینسل ہو جانے کی خبر نہیں مل پائی۔''
''بس جو اللہ کو منظور ہو' ہونا تو وہی ہوتا ہے۔'' رابعہ نے بردباری سے کہا۔
''بالکل' بے شک......'' عباس مسکرایا۔ عباس کو لگا آج بہت دن بعد اس کے اندر ڈھیر سارا سکون اترا ہو جیسے اپنی ذات ایک دم ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی تھی' خوشبوؤں میں بسی۔ معطر معطر سی......
''او کے سر یہاں کچھ بزی ہوں پھر بات ہو گی۔'' رابعہ کو باہر سے بھابی نے آواز لگائی تو اس نے فوراً کہا۔
''ایک منٹ رابعہ......'' عباس ایک دم بولا۔
''جی سر......''
''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔'' عباس نے کچھ سوچ کر کہا۔
''خیریت سر......؟''
''ایک ضروری کام ہے' کیا آپ آج مل سکتی ہیں مجھ سے۔'' عباس نے پوچھا تو وہ الجھی۔
''کیسا کام؟''
''کام کی نوعیت ملنے پر ہی بتا سکتا ہوں۔'' عباس پرسکون تھا۔
''آج تو ممکن نہیں......''
''تو ٹھیک ہے کل ابوبکر کے نکاح کے سلسلے میں' میں ہادیہ کی طرف سے شامل ہوں۔ وہاں بات کر لیں گے۔'' عباس نے پروگرام ترتیب دیا تھا۔
''لیکن ہادیہ نے تو آفس کے کسی بھی ممبر کو اپنے نکاح کا نہیں بتایا۔'' رابعہ نے کہا تو عباس مسکرایا۔
''ہادیہ کے گھر والوں سے بابا جان کے اچھے فیملی ٹرمز ہیں وہ یقیناً نکاح میں انوائٹ کریں گے۔ ہادیہ سے میں خود بھی بات کر لوں گا اس بات کی آپ ٹینشن نہ لیں۔'' عباس نے ایک دم جیسے ہر چیز پلان کر لی تھی۔ رابعہ محض مسکرا دی۔
''او کے' جیسے آپ کی مرضی سر۔''

❁......❀......❁

کاشفہ تیزی سے انا کی طرف بڑھی تھی' اس کی دوست نے بھی اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا تھا۔ انا شدید مزاحمت کر رہی تھی' کاشفہ نے مشتعل ہو کر ایک زوردار تھپڑ انا کے چہرے پر مارا تو وہ زمین پر جا گری تھی۔
''اب اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں تمہاری جان لے لوں گی۔'' نہایت بے خوفی سے چاقو لہراتے اس نے انا کو خبردار کیا تھا۔
''تم اس قدر گھٹیا لڑکی ہو سکتی ہو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' جواباً انا نے کہا تو کاشفہ نے سختی سے گھورا۔
''بکواس بند کرو' جتنی زبان چلاؤ گی اتنا ہی اپنے حق میں برا کرو گی۔ میں تمہیں یہاں محض بات چیت کے لیے لائی تھی اب اپنے حق میں تم خود برا کر رہی ہو۔'' کاشفہ نے چلا کر کہا تھا۔

''اس وقت تم ہمارے انڈر ہو' کچھ بھی کہو گی تو نقصان تمہارا ہی ہوگا۔'' کاشفہ کی الفاظ پر انا نے بہت تلخی سے اسے دیکھا تھا۔

''جیدی کو بلاؤ'' کاشفہ نے اپنی دوست کو کہا تھا۔ اس نے فوراً کسی لڑکے کو کال کی تھی دو منٹ بعد وہ لڑکا کمرے میں موجود تھا۔ اونچا لمبا بگڑے خاندان کا سپوت وہ بھی شاید کاشفہ کا کوئی لگتا تھا۔

''یہ لڑکی قابو میں نہیں آ رہی اس کو اچھی طرح سبق سکھاؤ ہم تھوڑی دیر میں آتی ہیں۔'' لڑکے کے آنے پر کاشفہ نے کہا تو انا کو لگا اس کا حلق خشک ہونے لگا ہے۔ اس نے بہت سہم کر اس لڑکے کو دیکھا جو بڑی بے باکی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ انا کو ایک دم اپنا آپ کسی گہرے کھنڈر میں گرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

زیب النساء کی وفات کو مزید پانچ ماہ گزر چکے تھے۔ فیضان کو آپا صفیہ نے بہت آسانی سے سنبھال لیا تھا' چند دن اس نے ماں کی کمی محسوس کی' بیمار بھی ہوا تھا لیکن پھر آپا صفیہ کے ساتھ پلنے لگا تھا وہ اب بڑا ہو رہا تھا اس کی صحت بھی بہتر ہو چکی تھی۔ آپا صفیہ اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس سارے عرصے میں مہر النساء صرف دو تین بار بھانجے سے مل سکی تھی۔ مہر النساء کی اپنی بیٹی افشاں بھی اب بڑی ہو رہی تھی' لیکن مہر النساء کے اندر باپ کی غلط حرکتوں اور بہن کی جدائی نے ایک گہرا شگاف ڈالا تھا۔

اس کی معصوم بھولی بھالی کم عمر سی بہن دنیا سے کیسے خوار ہو کر گئی تھی' یہ دکھ مہر النساء کو اندر ہی اندر چاٹنے لگا تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی تھی کہ بھانجے کو اپنے پاس لے جائے لیکن شوہر کی سختی نے ایسا نہ کرنے دیا تھا۔

چوہدری حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی اور صفدر وہ نجانے کہا تھا۔ پھر ایک دن انتہائی خراب حالت میں مہر النساء کے گھر کے سامنے صفدر آ کر رکا تھا وہ بار بار مہر النساء سے ملنے کا کہتا تھا۔ چوکیدار کو کسی کو بھی اندر بھیجنے کی اجازت نہ تھی' اس نے مہر النساء کو اطلاع کر دی تھی وہ خود گیٹ تک آئی اور صفدر کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ بڑھی ہوئی داڑھی' بکھرے لمبے بال' پھٹے پرانے کپڑے' ہڈیوں کا ڈھانچہ وہ تو کہیں سے بھی صفدر نہیں لگ رہا تھا۔

''ابا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تُو نے اپنی۔'' وہ حیران تھی جواباً صفدر مغلظات بکنے لگا۔

مہر النساء کے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا' مہر النساء اسے اندر لے آئی تھی۔ صفدر اسے اپنی بدحالی کی کہانی سنانے لگا تھا۔ چوہدری سراج علی کے آدمی اسے لے گئے تھے بہت مار پیٹنے کے بعد انہوں نے اسے ایک تنگ و تاریک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ صرف ایک وقت کا کھانا ملتا تھا' زندگی ایک دم صفدر پر عذاب بن کر اتری تھی۔ وہ اس وقت کو پچھتانے لگا جب اس نے گاؤں آنے کا سوچا تھا' نجانے زیب النساء کا کیا حال ہوا ہوگا؟ وہ وہاں کئی ماہ قید رہا تھا۔

جسمانی طور پر اس کے اندر اتنی کمزوری غالب آ چکی تھی کہ اس کی ساری اکڑ سارا کروفر اور لالچ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔

وہ دن رات کھانا لانے والے سے منتیں کرتا تھا کہ کوئی اسے یہاں سے نکال دے ورنہ وہ مر جائے گا' قید تنہائی نے اسے بالکل مفلوج کر دیا تھا اور پھر شاید چوہدری کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ اس نے اس سے کچھ کاغذوں پر انگوٹھے لگوائے تھے وہ پڑھا لکھا نہیں تھا' علم بھی نہ تھا کہ وہ کیسے کاغذات ہیں۔ بس رہائی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار تھا اور پھر چوہدری کے کارندوں نے اسے وہاں سے نکال کر ایک سنسان اور ویران جگہ پر پھینک دیا تھا۔

اس وقت وہ جسمانی طور پر بالکل مفلوج ہو چکا تھا' کچھ لوگوں کو اس پر ترس آیا وہ اسے اٹھا کر ایک اسپتال لے گئے تھے کچھ عرصہ اس کا علاج چلتا رہا تھا۔ کچھ کھانے کو ملا تو جسم میں قوت پیدا ہونے لگی اور پھر ایک دن اسپتال والوں نے اسے فارغ کر دیا تو وہ اپنے کرائے کے گھر میں گیا تھا وہاں کوئی اور لوگ آباد تھے۔ مکان کا مالک گھر کا تالا توڑ کر وہاں کچھ اور لوگوں کو بسا چکا تھا وہ وہاں سے نامراد ہو کر مہر النساء کی طرف آیا تھا۔ مہر النساء ساری کہانی سنتے کئی بار روئی تھی۔

''ابا تمہارے لالچ اور تمہاری بُری عادتوں نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔'' وہ شدت سے رو دی۔

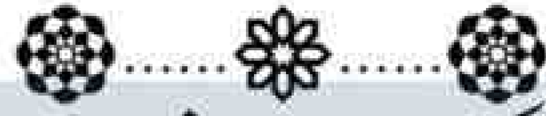
''زیبن کہاں ہے؟'' صفدر نے پوچھا تو مہر النساء نے تلخی سے باپ کو دیکھا۔

''وہ تمہارے لالچ کی بھینٹ چڑھ گئی۔'' صفدر نے ناسمجھی سے دیکھا۔ ''پانچ ماہ پہلے وہ مر گئی' دکھوں اور غموں نے اس کو نگل لیا۔ شوہر کی بے وفائی اور تمہارے لالچ نے اسے جیتے جی مار دیا تھا۔''

''زیبن مر گئی......'' وہ بڑبڑایا۔

''وہ مری نہیں تھی، تم نے اسے مار ڈالا تھا' اماں نے چوہدری کی شرافت دیکھ کر اس کا نکاح کیا تھا لیکن اس کے باپ کے ظلم نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔'' وہ روتی رہی۔

''اور اس کا بچہ کہاں ہے؟'' صفدر کا ذہن کہیں اور تھا' مہر النساء رو رہی تھی جبکہ صفدر کی آنکھوں میں نمی کا شائبہ تک نہ تھا۔ مہر النساء نے بہت کرب سے باپ کو دیکھ کر سر جھکا لیا تھا۔



''تم جس کام کے لیے لائی ہو وہ کرو' جو کہنا ہے وہ کرو لیکن میں یہاں نہیں رکوں گی۔'' انا کا خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا' وہ جتنی بھی بہادر اور باہمت ہوتی لیکن جیدی جیسے لڑکے کو دیکھتے ہی اس کا خون خشک ہونے لگا تھا' کاشفہ مسکرائی تھی۔

''جیدی تو محض ایک ڈراوا ہے تمہارے لیے' تمہارے لیے تمہاری عزت تمہارا کردار تو بہت اہم ہوگا اور یقیناً تم اس پر کوئی حرف بھی نہیں آنے دینا چاہو گی' ہے نا۔'' انا نے لب بھینچ کر بہت ضبط سے ان تینوں کو دیکھا تھا۔

''کیا چاہتی ہو؟''

''ولید کو؟'' وہ ہنس کر کہہ رہی تھی۔

''تو اس کے پاس جاؤ' مجھے کیوں لائی ہو یہاں۔''

''وہ تم سے محبت کرتا ہے اور میں جان چکی ہوں جب تک تم درمیان میں موجود ہو وہ میری طرف مائل نہیں ہوگا۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔

''تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''سارا قصور ہی تمہارا ہے' تم اگر چاہو تو ولید میری طرف آ سکتا ہے۔'' انا کے اندر ایک دم شدید اشتعال کی لہر اٹھی تھی۔

''کیا تم پاگل ہو؟ میں بھلا کیسے کسی کو کسی دوسرے کے ہونے پر مجبور کر سکتی ہوں۔''

''تم کیسے کرتی ہو یہ تمہارا ہیڈک ہے۔'' وہ غصے سے بولی تھی۔

''مجھے ہر حال میں ولید چاہیے۔'' وہ تنفر سے کہہ رہی تھی۔

''ولید بازار میں بکتی کوئی چیز نہیں ہے جو تمہیں پسند آ جائے تو تمہیں دے دوں۔''

''شٹ اپ۔'' انا کے الفاظ پر وہ پھنکاری تھی۔

''اگر تم میری بات مانتی ہو تو ٹھیک ورنہ جیدی کو تم جیسی لڑکیوں کو ہینڈل کرنا خوب آتا ہے۔'' کاشفہ نے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھ کر اسے ڈرانا چاہا تھا' انا کے اندر ایک دم شدید طوفان اٹھنے لگے تھے۔

وہ ڈرنے اور ہارنے والی لڑکی نہ تھی اور اب جبکہ سب کچھ کلیئر ہو چکا تھا۔ ولید کی ذات' اس کا کردار اس کی پوزیشن سب کچھ صاف ہو چکا تھا تو وہ بھلا کیوں ڈرتی لیکن کاشفہ کے ساتھ کھڑا لڑکا جن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا انا کے اندر شدید لہر سی اٹھی تھی۔

''کیا چاہتی ہو تم؟'' انا کاشفہ کے ساتھ یہاں تک آنے کی ایک سنگین غلطی کر چکی تھی۔ اب یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے اندر کے طوفانوں کو دبائے خاموشی سے کاشفہ کا موقف سن لے۔

''یہاں میرے ساتھ ایگری منٹ پر سائن کرو کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی اور اسے خود سے متنفر کرنے کی کوشش کرو گی۔'' کاشفہ کی بات سن کر وہ ایک دم حیران ہوئی تھی۔

''میں کیوں سائن کروں؟ ولید کوئی بے جان چیز نہیں ہے جس کے لیے تم مجھے دھمکاؤ' تمہیں ولید چاہیے تو خود کوششیں کرو۔''

''وہ کبھی نہیں آئے گا جب تک تم کوشش نہیں کرو گی۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

''ایم سوری میں سائن نہیں کروں گی۔'' اس نے بہت غصے سے کہا تھا۔

''اوکے' اب پھر جیدی تمہیں ہینڈل کرے گا' تمہارا دماغ ٹھکانے آ جائے تو بتا دینا میں آ جاؤں گی۔'' جیدی کو کہہ کر وہ جانے لگی تھی انا ایک دم خوف زدہ ہوئی تھی۔

''تم پاگل ہو وہ شخص تم سے اگر محبت نہیں کرتا تو میں بھلا اسے زبردستی کیسے تمہاری زندگی میں داخل کر سکتی ہوں۔'' وہ خوف سے چلائی تھی۔

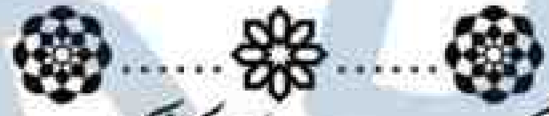
''تمہارے پاس دو آپشن ہیں بالکل اسی حالت میں جس میں تم آئی ہو واپس جاتی ہو یا میرے ساتھ ایگری منٹ کرتی ہو۔'' انا کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

''میں ایگری منٹ نہیں کروں گی۔'' انا نے سختی سے کہا تھا۔

''او کے' جیسے تمہاری مرضی' جیدی کیری آن۔'' کاشفہ لڑکے کو اشارہ کرتے اپنی دوست کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی تھی' انا کا چہرہ ایک دم تاریک ہوا تھا۔

''سنو کاشفہ! تم اچھا نہیں کر رہیں' تم کیوں کر رہی ہو ایسا' ولید کو بھلا میں کیسے خود سے دور کر سکتی ہوں۔'' وہ اس کے پیچھے لپکی تھی لیکن کاشفہ اور اس کی دوست دروازہ کھول کر باہر نکلی تھیں۔

''کاشفہ...... کاشفہ......'' انا بھی پیچھے بھاگی تھی لیکن جیدی نامی لڑکے نے فوراً درمیان میں آ کر اس کا رستہ روک لیا تھا۔ جیدی کو دیکھتے انا کو پہلی بار صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا تھا' اس نے اس لڑکے کو دھتکارتے باہر کی طرف دوڑ لگائی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی کاشفہ باہر سے دروازہ بند کر چکی تھی۔ انا دروازے کو زور زور سے پیٹنے لگی تھی لیکن دروازہ بند ہو چکا تھا اور اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔



حیات علی کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا کچھ دنوں تک زندگی اور موت کی کشمکش میں رہنے کی بعد زندگی نے موت کو شکست دی تو علم ہوا کہ جسمانی توڑ پھوڑ نے ان کو بالکل مفلوج بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو اُڑ کر پاکستان پہنچنا چاہتے تھے ڈاکٹروں کے ہاتھوں خود کو بے بس دیکھ کر نڈھال سے ہونے لگے تھے۔ نہ پیسے کی کمی تھی اور نہ ہی کسی اور چیز کی بابا صاحب حادثے کی خبر سن کر فوراً آ پہنچے تھے۔ زبیدہ کا بھائی ان سب کے مزید قیام کا بندوبست کرنے لگ گیا تھا۔ اس طرح وہ آہستہ آہستہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنے لگے تھے۔ جسم کے ٹوٹے حصے جڑنے میں مہینوں لگ جانے تھے' بابا صاحب ایک ماہ رہنے کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ زبیدہ اور بچے وہیں تھے' بچوں کی تعلیمی مصروفیات کا حرج ہو رہا تھا۔ زبیدہ کے بھائی نے ان کے اسکول کا بندوبست کر دیا تھا' دو ماہ بعد وہ گھر شفٹ ہو گئے تھے ابھی بھی بستر پر تھے۔ زبیدہ خوب خدمت کر رہی تھی' کبھی کبھار ان کے اندر زبیدہ کے ساتھ کی گئی زیادتی پر شدید ندامت ہونے لگتی تھی۔ انہیں زبین بہت یاد آتی تھی' نجانے وہ کس حال میں تھی اب تو اس کی گود میں ان کی اولاد بھی موجود ہوگی۔ پتا نہیں بیٹا تھا یا بیٹی' بابا صاحب زبین کی خبر گیری کرتے ہوں گے یہ ناممکن سی بات تھی۔

اور پھر وہ سنبھلنے لگے تھے ان کے بچے اسکولز میں پڑھ رہے تھے وہ بھی بتدریج بہتر ہو رہے تھے۔ پورا ایک سال ان کا ٹریٹمنٹ چلا اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہو گئے تھے بغیر کسی لڑکھڑاہٹ کے چل پھر سکتے تھے۔ بچوں کی تعلیم کا حرج ہونے کا خدشہ تھا لیکن وہ پاکستان بھی جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کئی بار بابا صاحب سے واپس پاکستان آنے کی بات کی تھی پہلے تو وہ ٹالتے رہتے تھے اور پھر ایک دن انہوں نے اجازت دے دی تھی۔ زبیدہ بچوں کا تعلیمی حرج نہ ہو جانے کا کہہ کر جانے سے انکاری تھی سو سب کو وہیں چھوڑ کر وہ واپس آ گئے تھے۔

آتے ہی انہوں نے بخش دین کا پوچھا تو علم ہوا کہ وہ تو چند ماہ پہلے حویلی چھوڑ کر اپنا خاندان لے کر چلا گیا تھا' کہاں؟ کسی کو کوئی خبر نہ تھی۔ وہ شہر گئے تھے زیب النساء کا کوئی پتا نہ تھا اور پھر وہ مہر النساء کی طرف بھی گئے وہ بھی ملنے پر آمادہ نہ ہوئی تھی اور اس کا چوکیدار بھی لاہور میں تھا ورنہ شاید اس سے ہی کوئی خبر مل جاتی۔ وہ چند دن پاگلوں کی طرح نڈھال گھومتے رہے اور پھر تھک ہار کر حویلی واپس لوٹ آئے تھے۔ اس رات وہ اپنے بستر پر دراز تھے' زبین نجانے کہاں گم ہو چکی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ وہ پھر مہر النساء کے پاس جائیں گے اور زیب النساء کا پوچھیں گے' پاکستان سے باہر جانے سے پہلے وہ جب زیب النساء سے ملنے آئے تھے تو زیب النساء مہر النساء کے گھر میں تھی یقیناً اب بھی ادھر ہی ہوگی' ان کے دل کو یقین سا تھا۔

اگلی صبح وہ پھر تیار ہو کر شہر کے لیے روانہ ہونے والے تھے جب بابا صاحب نے ان کو بلوا لیا تھا۔ وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات ان کی طرف بڑھائے تھے۔

''یہ کیا ہے؟''

''دیکھ لو۔'' حیات علی نے ان کو گھورا اور اس پر لکھی تحریر دیکھی تو چونک گئے۔

''یہ...... یہ......'' حیات علی نے حیرانی سے باپ کو دیکھا تھا۔

''چند ماہ پہلے صفدر خود تمہارا پتا کرنے ادھر آیا تھا' صفدر کو تو تم جانتے ہوگے' تمہاری وہ نام نہاد شوہرن بیوی کا باپ۔'' بابا صاحب کے لہجے میں اب بھی وہی تنفر اور نفرت کا ریلا تھا۔

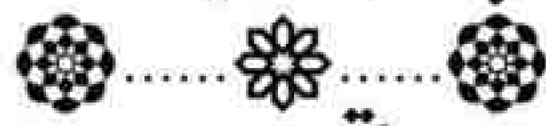
''جب علم ہوا کہ تم یہاں نہیں ہو تو تمہاری حالت کا سن کر کہنے لگا کہ وہ اپنی بیٹی کو اس گھر سے لے کر جانا چاہتا تھا۔ مجھے بھلا کیا فرق پڑتا تھا لیکن مجھے تمہارا خیال تھا کہ تم باپ کو غلط نہ سمجھنے لگو۔ ثبوت کے طور پر یہ تحریر لکھوالی تھی یہ اس کے انگوٹھے بھی موجود ہیں اس پر۔'' حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔

''کچھ بتایا کہ وہ کہاں لے کر جارہا تھا زبین کو۔'' یہ سب سن کر حیات علی کے دل کو مزید پتنگے لگ گئے تھے۔

''مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔'' انہوں نے کندھے اچکائے تھے۔ حیات علی نے نہایت بے بسی سے انہیں دیکھا تھا' آنکھوں میں شکایت' گلہ اور اذیت نجانے کیا کچھ تھا۔

صفدر ایک جواری' بدقماش اور نشہ باز انسان تھا' نجانے وہ زبین کو لے کر کہاں گیا تھا۔ وہ نڈھال سے پلٹ آئے تھے۔ وہ اس دن شہر کے لیے روانہ نہیں ہوئے تھے چند دن گزرے تو پھر دل میں خیال آیا کہ ضرور مہرالنساء کو تو بہن کا علم ہوگا۔ ان کے اندر ہمت بڑھی تھی وہ اسی وقت شہر کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ وہ کچھ گھنٹوں کے بعد پھر مہرالنساء کے گھر کے سامنے تھے انہوں نے چوکیدار سے مہرالنساء سے ملنے کا کہا تھا۔ چوکیدار کا دل تو مانا ہی نہ تھا لیکن پھر کچھ پیسے دینے پر اندر چلا گیا تھا۔

''بیگم صاحبہ کہتی ہیں وہ کسی حیات علی کو نہیں جانتیں' آئندہ یہاں مت آئیے گا ورنہ پولیس کو بلوالیں گی۔'' حیات علی کچھ دیر کھڑا رہا تھا' وہ چوکیدار کی منتیں کرتا رہا تھا کہ وہ ایک بار مہرالنساء سے سے ملوا دے لیکن چوکیدار بھی مجبور تھا' نہیں مانا تھا۔ مجبوراً نا امید ہی وہاں سے پلٹنا پڑا تھا اس نے سوچا کہ وہ کل پھر آئے گا شاید مہرالنساء کو اس پر ترس آ ہی جائے۔



جیدی انا کی طرف بڑھا تو وہ مارے خوف کے کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''ڈونٹ ٹچ می۔'' وہ چیخی تھی۔

''آپشنز تو تمہیں کاشفہ نے دیئے تھے اگر قبول کرلیتیں تو مجھے برداشت نہ کرنا پڑتا۔'' وہ خباثت سے مسکراتا انا کی طرف بڑھا تھا' انا کا مارے خوف کے بُرا حال تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ اس شخص نے ہاتھ بڑھا کہ انا کا بازو پکڑنا چاہا تھا انا ایک دم ہاتھ جھٹک کر دوسری طرف بھاگی تھی۔

''دروازہ بند' کھڑکیاں بند...... کہاں تک بھاگو گی۔'' وہ مکروہ ہنسی ہنسا تھا۔ انا نے اضطرابی کیفیت میں اردگرد دیکھا تھا شاید اپنے بچاؤ کے لیے اسے کمرے میں کوئی چیز مل جائے لیکن وہاں ایسی کوئی چیز تھی ہی نہیں شاید بہت سوچ سمجھ کر اس کمرے کا انتخاب کیا گیا تھا۔

''دیکھو میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں پلیز چھوڑ دو مجھے۔'' وہ کسی کے سامنے بھی نہ ہارنے والی لڑکی اس بدفطرت انسان کے سامنے ایک دم ہاتھ جوڑ کر سسک اٹھی تھی۔

''میں کاشفہ سے پیسے لے چکا ہوں' تمہارا اور اس کا معاملہ سیٹ ہو جاتا تو ٹھیک لیکن اب میں کچھ بھی نہیں کرسکتا۔'' وہ پھر اس کی طرف بڑھا تھا' انا کو اپنا آپ ایک گہری دلدل میں گرتا محسوس ہو رہا تھا' آنسو شدت سے بہنے لگے تھے۔

کاشفہ نے انتہائی گھٹیا چال چلتے اسے زیر کرنا چاہا تھا اور اپنی شکی فطرت کے سبب وہ کتنی آسانی سے اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی موت آجائے یا زمین پھٹے اور اس میں سما جائے اسے ایک دم اپنے آپ سے کراہیت اور شدید نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی بداعتمادی کے سبب آج اپنے لیے جہنم خرید چکی تھی۔

''پلیز مجھے چھوڑ دو' پلیز......'' وہ اس کے سامنے سسکنے لگی تھی۔

''اس کمرے میں کیمرے لگے ہوئے ہیں میں تمہیں چھوڑ تا ہوں تو خود پھنستا ہوں' ویسے بھی تم جیسی لڑکی کو کون کافر چھوڑ سکتا ہے بھلا۔'' وہ خباثت سے مسکرایا انا نے ایک دم گھبرا کر در و دیوار کو دیکھا۔

''دیکھو ہونا تو وہی ہے جو ہم طے کر چکے ہیں اس لیے بھاگنے کی بجائے میرے ساتھ تعاون کرو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔'' وہ اس کے قریب آ کر پھر کہہ رہا تھا' انا وحشت سے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ اس کمرے کی حدود میں اپنا بچاؤ کرنا ناممکن سی بات تھی۔

''میں کاشفہ کے ساتھ ہر طرح کی ڈیل کرنے کو تیار ہوں' تم اسے بلوا دو پلیز۔'' ایک دم سسکتے ہوئے اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

وہ شدت سے رو رہی تھی۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا وہ شخص بے اختیار مسکرایا تو انا ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر ایک طرف کھسکی تھی۔

''بڑی جلدی لائن پر آ گئی ہو تم یہی بات جب تم سے کاشفہ نے کہی تھی تب تو تم مانی ہی نہ تھی۔'' وہ روتی رہی تھی۔ اس شخص نے ایک بھرپور نظر انا پر ڈالی تھی۔ اس بھاگ دوڑ میں اس کے وجود سے چادر سرک کر صرف ایک کندھے پر جھول رہی تھی۔ بغیر کسی بناوٹ کے بالکل بے ریا چہرہ خوب صورتی میں وہ بہت کمال تھی لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اس نے موبائل نکال کر نمبر ملایا تھا۔

''ہاں مان گئی ہے وہ۔'' نجانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا وہ ایک دم ہنسا تھا۔

''لڑکی ہے تو بہت خوب صورت چھوڑنے کو دل تو نہیں کر رہا۔'' انا سمٹ سی گئی تھی۔

''اوکے......اوکے......'' تم آ جاؤ پھر اب خود دیکھ لو۔'' اس نے کہہ کر پھر انا کو دیکھا تھا۔ اس نے اپنے وجود پر دوبارہ چادر درست کی تھی۔

''لگتا ہے کافی اونچے گھرانے سے ہو ورنہ کاشفہ اور ایسے معاملات سے گھبرا جائے۔'' وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کاشفہ نے محض تمہیں ڈرانے دھمکانے کو میرا استعمال کیا ہے ورنہ تم چھوڑ دینے والی لڑکی تو نہیں ہو۔'' اس نے قریب آ کر پھر انا کے چہرے کو چھونا چاہا تھا وہ فوراً سائیڈ پر سرک گئی تھی' کچھ دیر میں کاشفہ اور اس کی دوست واپس آ گئی تھیں۔

''تم جاؤ۔'' جیدی کو کہہ کر وہ ایک طرف کھڑی سسکتی ہوئی انا کی طرف بڑھی تھی۔

''خوش قسمت ہو جو مجھے تم پر ترس آ گیا ورنہ تو میں نے طے کر رکھا تھا تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتیں۔ تمہاری ویڈیو دیکھ کر نہ صرف ولید تم سے نفرت کرنے لگتا بلکہ ساری دنیا میں تم بدنام ہو جاتیں۔'' جیدی کے جانے کے بعد اس نے ہنس کر کہا تھا۔ انا کا جی چاہا کہ اس کے پاس کاش کوئی چیز ہو اور وہ اس لڑکی کو قتل کر ڈالے۔

وہ اس وقت اپنی زندگی کے بھیانک ترین لمحوں کو گزار رہی تھی اور کسی طرح ان لڑکیوں کے چنگل سے نکلنا چاہتی تھی۔ اسے ان کے ساتھ آئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور اگر وہ شام تک گھر نہ پہنچتی تو......نئی سوچوں اور نئے تفکرات نے اسے گھیر لیا تھا۔

''تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی کیا؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ انا کو لگا اس کے دل پر ہی نہیں سارے وجود پر آری چل گئی ہو۔

''تم کو ہمارے ساتھ دو ایگریمنٹ سائن کرنا ہوں گے۔'' کاشفہ نے اپنے پرس کی جیب سے دو کاغذ نکال کر اس کے سامنے لہرائے تھے۔ ''یہ ایگریمنٹ میرے لیے ہوگا۔'' اس نے ایک ایگریمنٹ انا کی آنکھوں کے سامنے کیا تھا۔ ''اس میں درج ہے کہ تم ولید کی زندگی سے نکل جاؤ گی' اسے اپنی طرف سے بدظن کر کے میری طرف راغب کرو گی۔ ولید اور اپنی فیملی سے کچھ بھی نہیں کہو گی اگر کسی کو کچھ بھی بتانے کی کوشش کی تو تمہاری یہ ویڈیو ساری دنیا میں پھیلا دوں گی اور اگر زیادہ ہوشیاری کرنے کی کوشش کی اور ہمیں دھوکہ دیا تو اس بار ٹارگٹ تمہاری فیملی اور ولید بنے گا۔ میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' انا نے انتہائی بے بسی سے کاشفہ کو دیکھا تھا۔

''تمہارا باپ اور بھائی سارا دن آفس ہوتے ہیں' ولید کا باپ بیمار رہتا ہے۔ تمہاری بھاوج گھر میں اکیلی ہوتی ہے' تمہاری ماں مغرب کے بعد بوتیک سے لوٹتی ہیں۔ ہمیں سب کی روٹین کی خبر ہے' سمجھ لو تم نے کسی سے کچھ کہا یا واپس جا کر کوئی ہوشیاری کی تو ان سب میں سے کسی نہ کسی کی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔'' کاشفہ اسے دھمکا رہی تھی۔

''ویسے بھی تمہیں اپنی فیملی بہت پیاری ہے ان پر حرف تو کبھی نہیں آنے دو گی اور سب سے بڑھ کر ولید ضیاء اس کی زندگی کی خاطر تو تمہیں یہ سب کرنا ہی ہوگا۔'' وہ مسکرائی تھی۔ انا کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی اسی لمحے کھڑے کھڑے مر جائے۔ وہ اپنی بداعتمادی اور شکی فطرت کے سبب آج کس دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی' جہاں صرف موت ہی موت تھی۔

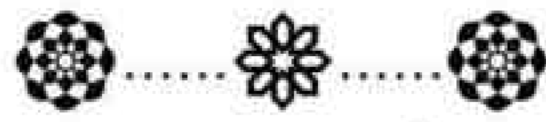
''اور اس پر تم خود لکھو گی۔'' اس نے دوسرا کاغذ اس کے سامنے لہرایا تھا۔ اس نے ایک قلم نکال کر اسے بستر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا' انا بستر کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''لو اس پر لکھو۔'' اس نے اسے لکھنے کے لیے ایک پیڈ دیا تھا جس پر کاغذ رکھ کر لکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''کیا لکھوں؟'' وہ بالکل ان کے شکنجے میں پھنس چکی تھی اس وقت ذہن بالکل مفلوج ہو رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس قید سے نکلنا چاہتی تھی' اپنی زندگی سے زیادہ اسے اب اپنی عزت کی پروا تھی اور وہ چاہے اب اس آزادی کے لیے کچھ بھی کرتی اس نے اپنے ذہن کو اس ایگریمنٹ کے لیے ایک دم تیار کر لیا تھا۔

''میں انا وقار خود کاشفہ کے ساتھ آئی ہوں' میرے ساتھ کسی بھی قسم کی کوئی زبردستی نہیں ہوئی۔'' انا نے بہت دکھ سے کاشفہ کو دیکھا تھا۔

''یہ کیوں لکھوا رہی ہو جبکہ دوسرے پر سائن کرواؤ گی تو؟''
''میری بھولی بھالی چندا' یہ اس لیے لکھوا رہی ہوں کہ اگر تم ڈیل کراس کرنے کا سوچو بھی تو تمہیں یاد رہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ہمارے حوالے کر چکی ہو۔'' وہ طنز سے گویا ہوئی تھی۔
''تم اگر ہمیں پھنسانے کی کوشش کرو گی تو پھر ہمارے پاس بھی کچھ پروف تو ہو گا نا۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔ اس نے چند اور لائنز بھی لکھوائی تھیں اور پھر دونوں کاغذات پر دستخط کروا لیے تھے' دستخط ہوتے ہی انا ایک دم کھڑی ہو گئی تھی۔
''تمہارا کام ہو چکا ہے مجھے اب جانا ہے۔''
''اتنی جلدی کیا ہے چھوڑ آئیں گے تمہیں' ابھی کچھ دیر بیٹھو اور بھی بہت کچھ سمجھانا ہے تمہیں۔'' اسے دوبارہ کندھے سے پکڑ کر بٹھاتے کاشفہ نے کہا تو انا ایک دم بپھر اٹھی تھی۔
''میں سب کچھ لکھ کر دے چکی ہوں' سب کچھ..... میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے' مجھے شام سے پہلے ہر حال میں اپنے گھر پہنچنا ہو گا۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔
''کول ڈاؤن' جذباتی مت ہو' زیادہ بولنے کی کوشش کی تو یہاں سے نکلنے والی بات کو خواب سمجھ کر پھر بھول جانا' جب مجھے مناسب لگا میں چھوڑ دوں گی۔''
''یو بلڈی..... تم میرے ساتھ دھوکہ کر رہی ہو۔'' وہ چیخنے لگی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے شدت سے گھر اور سب لوگ یاد آ رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر وہ چند پل اور ادھر رہی تو پاگل ہو جائے گی۔
''شٹ اپ۔ آرام و سکون سے بیٹھ جاؤ جب میرا دل چاہے گا میں چھوڑ دوں گی۔'' وہ تنفر سے کہہ کر جانے لگی تھی۔
''تم ایسا نہیں کر سکتیں کاشفہ!'' انا نے فوراً اس کا راستہ روکا تھا جواباً کاشفہ نے کھینچ کر اسے تھپڑ مارا تھا' انا لہرا کر بستر پر گری تھی۔
''اب زیادہ بک بک کی تو جیدی کو بلوا کر تمہارا دماغ سیدھا کروا دوں گی۔'' وہ بے رحمی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ دروازہ لاک ہو گیا تو انا ایک دم سسک اٹھی تھی۔ نجانے اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔
''کاشفہ اسے یہاں سے جانے بھی دے گی یا نہیں۔''



صفدر دو تین بار صفیہ آپا کے ہاں آیا تھا' فیضان کو دیکھ کر اس کے اندر عجیب عجیب سے خیالات گردش کرنے لگے تھے لیکن ہر بار اپنے دل و دماغ کو پر سکون کیا تھا وہ پہلے ہی اپنی لالچی فطرت کے ہاتھوں بہت اذیت بھری زندگی گزار چکا تھا۔ اسے واپس آئے دو ماہ ہو چکے تھے' وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔
اس دن وہ مہر النساء سے ملنے آیا تھا' اب مہر النساء پر اس کے شوہر کی طرف سے اتنی سختی نہ رہی تھی چوکیدار مہر النساء کے کہنے پر صفدر کو آنے جانے دیتا تھا۔ وہ مہر النساء کے پاس دو تین گھنٹے گزار کر باہر نکلا تو ٹھٹک گیا' حیات علی اپنی گاڑی سے نکل رہا تھا' وہ بھی صفدر کو دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔
''تم.....''
''کہاں ہے میری زیب النساء؟'' وہ صفدر پر چیل کی طرح جھپٹا تھا جیسے ایک لمحے کی بھی تاخیر کی تو وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔
''مجھے نہیں پتا۔'' صفدر ایک پل میں جان چکا تھا کہ حیات علی زیب النساء کی وفات کی خبر سے لاعلم ہے۔
''اس کو اندر بٹھاؤ بات کرتا ہوں اس سے اچھی طرح۔'' ڈرائیور ساتھ تھا' اس نے کمزور سے صفدر کو منٹوں میں قابو کر لیا تھا۔ مہر النساء کا چوکیدار خاموشی سے بس دیکھ رہا تھا۔ حیات علی صفدر کو لے کر اسی گھر میں چلا آیا تھا جس میں وہ شادی کے بعد زیبن کے ساتھ رہتا تھا۔
''مجھے کچھ خبر نہیں۔'' صفدر کا وہی بیان تھا۔
''تم نے اگر مجھے سچ نہ بتایا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ باقی ساری زندگی تم بھیک مانگتے گزار دو گے۔''
''زیب النساء میرے ساتھ ہے اور اس کا بیٹا بھی ہے ایک۔'' حیات علی کی حالت دیکھ کر وہ جان چکا تھا کہ وہ زیبن کے متعلق کس قدر پریشان ہے۔ سو صفدر نے بھی سوچا کہ اچھا موقع ہے' زندگی ایک بار پھر مہربان ہو سکتی تھی اگر وہ تھوڑی سی عقل استعمال کر لے تو۔
''میرا بیٹا بھی ہے۔'' صفدر نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ ''کہاں ہیں وہ دونوں؟'' حیات علی دونوں کے بارے میں جاننے کے لیے ایک دم

بے قرار ہو گیا تھا۔

''ایسے نہیں بتاؤں گا چاہے جان سے بھی مار دو۔''

''تو......؟''

''خرچہ کرنا پڑتا ہے چوہدری صاحب! آپ تو چھوڑ کر چلے گئے تھے اس کے بعد اب تک زیبن اور اس کے بچے پر اتنا خرچہ کرتا رہا ہوں۔''

''میں نے بخش دین کے ہاتھ زیبن کو ایک بڑی رقم بھجوائی تھی۔''

''آپ کا باپ آپ کے جانے کے بعد آیا تھا' گھر سے نکال دیا تھا اس نے' گھر سے ایک چیز بھی لینے نہیں دی تھی۔'' صفدر بھرا بیٹھا تھا۔

''تم خود بابا کی اجازت سے لے کر گئے تھے زیبن کو۔'' صفدر ہنسنے لگا تھا۔

''بڑا سیاسی باپ ہے تمہارا' ایک تیر سے دو شکار' سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔''

''بکواس بند کرو صاف بتاؤ زیبن کہاں ہے؟''

''کم از کم کچھ لیے دیئے بغیر تو نہیں بتاؤں گا۔'' وہ ہنسا تھا۔

''ٹھیک ہے سب کچھ دوں گا جو مانگو گے پہلے زیب النساء کا بتاؤ۔''

''نہ صاحب' نشئی ہوں' جواری ہوں لیکن کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو والا معاملہ ہوگا۔'' اس نے صاف رکھائی سے کہا تھا۔ حیات علی اندر گیا تھا اور پھر ایک پیسوں سے بھرا لفافہ لا کر صفدر کے منہ پر مارا تھا' صفدر اتنی بڑی رقم دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا' یہ تو اس کی توقع سے بہت زیادہ تھی۔

''اب بتاؤ کہاں ہے زیب النساء؟'' اتنی ساری رقم دیکھ کر صفدر کا دماغ تیزی سے چلنے لگا تھا۔

''میرے ساتھ چلو گے اپنی بیوی اور بیٹے سے ملنے۔'' رقم کو جیب میں منتقل کرتے وہ پرسکون تھا۔

''ہاں ابھی چلو۔'' صفدر مسکرا دیا۔ وہ گاڑی میں آ بیٹھا تھا کافی لمبا چوڑا سفر طے کرتے وہ جس علاقے میں پہنچے تھے وہ ایک انتہائی گندی' خستہ حال نئی آباد بستی تھی۔

''تم نے اس علاقے میں زیبن کو رکھا ہوا تھا۔'' جگیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حیات علی کا دم گھٹنے لگا تھا۔

''چوہدری صاحب غریب بندہ آپ جیسی حویلی نہیں بنوا سکتا' مجبوری تھی۔'' حیات علی نے لب بھینچ لیے تھے۔ وہ انہیں ایک ٹوٹے پھوٹے گھر کے سامنے لے کر آیا تھا۔

''یہاں کسی کے ساتھ رہتا ہوں صاحب! تم رکو میں زیب النساء اور اس کے بیٹے کو لاتا ہوں۔'' وہ کہہ کر ٹاٹ کا پردہ کھسکا کر اندر چلا گیا تھا۔ حیات علی شدت سے ان لوگوں کا منتظر تھا لیکن جوں جوں وقت گزرنے لگا تو وہ بے چین ہو گیا تھا۔ اس نے زور سے آواز لگائی اندر سے ایک ادھیڑ عمر برآمد ہوئی تھی۔

''صفدر کو کہیں جلدی آئے۔''

''صفدر تو کب کا جا چکا ہے۔'' عورت نے بتایا تو وہ حیران ہوئے۔

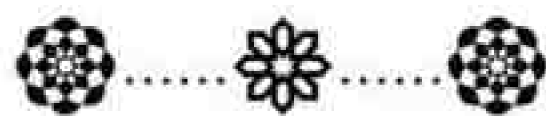
''کیا مطلب؟''

''اس نے ہمارے کچھ پیسے دینے تھے' وہ دیئے اور چلا گیا۔''

''کیسے' ہم تو ادھر کھڑے تھے۔''

''گھر کا دوسرا دروازہ دوسری طرف کھلتا ہے ادھر سے نکلا تھا۔'' حیات علی کا شدت سے جی چاہا کہ صفدر ایک پل میں اس کے سامنے آ جائے تو وہ اسے شوٹ کر دیں۔

وہ بڑے نامراد واپس لوٹے تھے' پیسہ جانے کی انہیں فکر نہ تھی لیکن زیب النساء اور اپنے بیٹے کی گمشدگی نے انہیں بالکل نڈھال کر ڈالا تھا۔



رات کے آٹھ بجے تو کاشفہ کو اس پر جیسے ترس آ گیا تھا۔ وہ اسے نجانے کیا کیا دھمکیاں دیتی رہی تھی اور انا بالکل بے حس ہوتی جا رہی

تھی۔ وہ ایک جذباتی، جنونی اور اعتماد کی کمی سے محروم لڑکی تھی لیکن اس کے کردار کا فخر ہمیشہ اس کے ساتھ رہا تھا۔ جواَب مٹی میں مل گیا تھا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے گھر والے اس کے بارے میں کس قدر پریشان ہوں گے اور اب تک کیا کچھ سوچ چکے ہوں گے۔ وہ بہت خوف زدہ ہو چکی تھی، بظاہر وہ باعزت واپس جا رہی تھی لیکن ایگری منٹ کی صورت وہ اپنے ہاتھ کاٹ کر کاشفہ کے حوالے کر چکی تھی۔

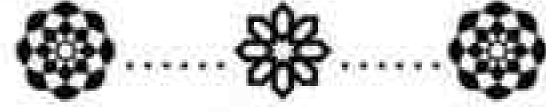
کاشفہ کا پاگل پن دیکھ کر وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ کاشفہ کے ساتھ کوئی بھی غلط بیانی یا دھوکہ دہی تو وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔

کاشفہ اور اس کی دوست اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ اپنے گھر تک کا رستہ اس نے عالم بے ہوشی میں طے کیا تھا اور پھر اس کے بعد کے حالات نے اسے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اسے اپنے گھر والوں اور ولید کی زندگی بہت عزیز تھی۔ کاشفہ کی دھمکیاں بدستور اس کے ساتھ تھیں اور وہ واقعی اس کی دھمکیوں سے ڈر گئی تھی۔ کئی بار جی چاہا کہ گھر والوں کو سچ بتا دے کم از کم صبوحی کو تو بتا دے لیکن ہر بار کاشفہ کی وہ ویڈیو والی دھمکی یاد آتی تو وہ خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ ولید کو دیکھتی تھی تو دل پھٹنے لگتا تھا اور پھر اس نے وہ سب کرنا شروع کر دیا تھا جو کاشفہ چاہتی تھی۔

حماد اتفاقاً اس کی زندگی میں آیا تھا، انا کو لگا اسے سانس لینے اور بچ نکلنے کے لیے کوئی رستہ مل گیا ہے اور پھر اس نے سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ وہ ولید، پاپا، ماما سب کی نظروں میں بُری بن گئی تھی۔ پاپا اسے حماد کے ساتھ رخصت کرنے پر تیار ہو چکے تھے لیکن ولید کو دیکھتی تھی تو دل کرتا تھا سب کچھ چھوڑ کر کچھ کھا کر ہمیشہ کے لیے سو جائے۔ روشی اور ولید اس کے بارے میں مشکوک ہو رہے تھے اور وہ خوف زدہ تھی کہ اگر کسی کو علم ہو گیا تو نجانے وہ سب کیا سمجھیں؟ وہ بدکردار نہیں تھی لیکن کاشفہ جیسی لڑکی کی باتوں میں آ کر وہ اپنا سب کچھ برباد کر چکی تھی۔

وہ اب خود کو ولید کے قابل نہیں سمجھتی تھی، اس نے ہمیشہ اسے شک کی نظر سے دیکھا تھا۔ کبھی کیتھی اور کبھی کاشفہ وہ تو اس کو نجانے کیا کیا سمجھتی رہی تھی اور اب ہر بات کھل جانے پر اس کے واہمے اس کا منہ چڑاتے تھے تو وہ شرم سے پانی پانی ہونے لگتی تھی۔

اس نے ولید اور وقار صاحب کو خود سے بدظن کر دیا تھا۔ اس کا کھیل بالکل ٹھیک جا رہا تھا لیکن اب یہ اچانک ولید کا ایکسیڈنٹ ہو جانا، اسے لگ رہا تھا کہ اگر ولید کو کچھ ہوا تو وہ بھی زندہ نہیں رہ پائے گی۔ وہ جو اس کے بغیر جینے کی کوشش کر رہی تھی اسے اب زندگی سے دور ہوتے دیکھ کر خود بھی حوصلہ ہار چکی تھی۔ وہ جو کبھی کسی کے سامنے نہ کہتی حرف بحرف شہوار کے سامنے دل کا درد کہتی چلی گئی تھی اور شہوار بے یقینی سے سب سنتی حیرت سے گنگ بالکل پتھر بن چکی تھی۔ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور کسی کو خبر تک نہ تھی، وہ بے یقین تھی۔



صفدر چھپتا پھر رہا تھا اسے حیات علی سے جو رقم ملی تھی وہ آنے والے دنوں میں اس کے بہت کام آنے والی تھی۔ وہ ایک دن صفیہ آپا کو گھر آیا تھا، فیضان سو رہا تھا۔ صفیہ آپا تو بازار سے کچھ سودا لانا تھا، وہ اسے فیضان کے پاس چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ صفدر کے دل میں نجانے کیا سمائی تھی اس نے خاموشی سے سوتے ہوئے فیضان کو اٹھایا اور گھر سے نکل گیا تھا۔

صفیہ آپا گھر آئیں تو کھلے دروازے کو دیکھ کر چونکی تھیں۔ صفدر اور فیضان دونوں غائب تھے وہ تو دونوں کو نہ پا کر ایک دم ڈھے گئی تھیں، مہر النساء کو خبر کی تھی وہ فوراً آ گئی تھی۔ وہ باپ کی اس حرکت پر شرمسار ہو رہی تھی۔ بہن کے بعد اب اس کے بیٹے کے چھن جانے پر وہ غم زدہ تھیں، شوہر کا خوف تھا وہ چند گھنٹے تسلی دے کر چلی گئی تھی۔

صفیہ آپا کا دل غم سے پھٹ رہا تھا، فیضان کے وجود نے ان کی سونی گود کو آباد کیا تھا۔ انہوں نے اسے بالکل بیٹوں کی طرح چاہا تھا۔ ان کی ممتا فیضان کے وجود سے سیراب ہوئی تھی۔ بہت دن تک ان کی آنکھ نم اور دل غم زدہ رہا تھا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے دل کو قرار آنے لگا تھا لیکن فیضان کی بھولی بھالی معصوم صورت یاد آتی تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔

صفدر فیضان کو لے کر اپنے نشئی دوستوں کے پاس چلا آیا تھا جن کے ساتھ وہ کچھ عرصے سے رہ رہا تھا۔ بچے کو سنبھالنے کا اسے کوئی خاص تجربہ نہ تھا نتیجتاً فیضان بیمار رہنے لگا تھا، صفدر صرف حیات علی کو بلیک میل کرنے کے لالچ میں فیضان کو اٹھا لایا تھا لیکن اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ فیضان اور اس کی بیماریوں سے اکتانے لگا تھا۔

دوسری طرف حیات علی نے کچھ عرصہ صفدر کو تلاش کیا تھا مہر النساء کے گھر کے بھی چکر لگاتا رہا کئی بار اس کے شوہر سے ملاقات ہوئی تھی کوئی بھی اسے کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ تھا۔ مہر النساء تو حیات علی کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی اور پھر بابا صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔ وہ اسے پاگلوں کی طرح زینب کے لیے خوار ہوتے دیکھ کر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے تھے۔ زبیدہ اور بچے ابھی بھی باہر

تھے' بچے وہیں زیر تعلیم تھے۔ بابا صاحب کو اس سارے مسئلے کا بس یہی حل دکھائی دیا کہ بچوں اور زبیدہ کو مستقل وہیں سیٹل کروا دیں شاید اس طرح حیات علی بھی سنبھلنے لگے اور زیبن اور اس کے بچوں کو بھول بھال جائے اور پھر دل کے مجبور کرنے پر وہ ایک بار پھر مہر النساء کے پاس آئے تھے اور شاید قدرت کو منظور تھا اس بار مہر النساء اس سے ملنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔

مہر النساء سے ملنے کے بعد انہیں جو کچھ سننے کو ملا وہ حیرت سے گنگ رہ گئے تھے۔ مہر النساء نے ان کے بابا صاحب اور صفدر کی سازشوں کی تمام کہانی سنا ڈالی تھی۔ زیب النساء کی موت اور پھر بچے کی گمشدگی۔ حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی بالکل ختم ہو چکی ہے' ان کے بابا صاحب اس قدر ظلم بھی کر سکتے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے' مہر النساء نے انہیں کچھ رقم لا کر دی تھی۔

''یہ آپ کے باہر جانے کے بعد آپ کا ملازم زیبن کو دے کر گیا تھا' اتنی بڑی رقم گم ہو جانے کے ڈر سے زیبن نے مجھے امانتاً دے دی تھی تب سے میرے پاس تھی۔ فیضان بڑا ہوتا تو اسے دے دیتی اب وہ ہے نہیں میرے بھلا کس کام کی۔'' حیات علی کا دل بھر آیا' زیبن واقعی ایک باکردار نیک دل لڑکی تھی' ان کا دل زخم زخم تھا۔ وہ غم سے نڈھال تھے۔

وہ کتنے بدنصیب تھے اتنی وسیع اراضی کے مالک لیکن ان کی محبوب بیوی ترستے سسکتے دنیا سے چلی گئی تھی۔ انہوں نے مہر النساء کو باہر کا ایڈریس لکھوایا تھا اور فون نمبر بھی لے لیا تھا۔ مہر النساء بھی جیسے ہر طرح سے تعاون کرنے پر آمادہ تھی' اس نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جیسے ہی فیضان کی کوئی خبر ملے گی وہ انہیں اطلاع کر دے گی اور پھر وہ واپس حویلی پہنچے تھے۔ بابا صاحب سے اس کی شدید لڑائی ہوئی تھی اور وہ ان سے ہر طرح کا تعلق ختم کرتے باہر چلے آئے تھے۔

اپنے سالے کے ساتھ رہنے کی بجائے انہوں نے علیحدہ گھر لے لیا تھا' مہر النساء کو نیا ایڈریس بھی دے دیا اور پھر زندگی گزرنے لگی تھی' اپنی رفتار اور جون میں۔

وقت کب کسی کے روکے رکتا ہے' چار سال پلک جھپکنے میں گزرے تھے لیکن حیات علی کو لگتا تھا کہ زندگی جیسے رک سی گئی تھی' ان کے اندر ہمیشہ کیلئے خزاں کا موسم ٹھہر گیا تھا۔ اکثر راتوں کو سوتے انہیں کفن میں لپٹی زیبن دکھائی دیتی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتے تھے۔ یہ ان کے اندر کا احساس ندامت تھا جو انہیں سونے نہیں دیتا تھا اور پھر ان کی راتیں جاگتے گزرنے لگی۔

زبیدہ ان کی حالت دیکھ کر بھی الجھنے لگتی اور کبھی رو پڑتی۔ زیب النساء کی موت کی خبر حیات علی کی زبانی اسے بھی مل چکی تھی' دل میں سکون سا جیسے اتر گیا تھا لیکن حیات علی کا رویہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا تھا۔ سال بعد ایک روز ان کو ایک کال موصول ہوئی تھی۔ پاکستان سے آنے والی مہر النساء کی یہ کال انہیں جیسے کسی جمود کے حصار سے باہر کھینچ لائی تھی وہ فوراً پاکستان جانے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔

بچے اور زبیدہ بھی ساتھ جانے پر بضد تھے لیکن وہ کسی کی بھی پروا کیے بغیر فوراً پاکستان پہنچے تھے۔ وہ مہر النساء کے گھر پہنچے تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی مہر النساء جیسے انہی کا انتظار کر رہی تھی۔ مہر النساء کی بیٹی افشاں بہت پیاری بچی تھی' مہر النساء کو شوہر کی سختی اور حالات کے غموں نے کھا لیا تھا۔

کچھ دن پہلے دو آدمی آئے تھے وہ اسپتال کے کارندے تھے کب وہ صفدر کی خبر لے کر آئے تھے' ایک رات نشے میں دھت صفدر کسی گاڑی تلے آ کر کچلا گیا تھا۔ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی' بیماریوں سے نڈھال مہر النساء شوہر کی پروا کیے بغیر اسپتال گئی تھی' جہاں باپ کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا۔ موت کی دہلیز پر کھڑے صفدر سے مہر النساء نے جب فیضان کا پوچھا تو صفدر نے جو انکشاف کیا تھا مہر النساء کو لگا کہ جیسے اس کے وجود سے کسی نے جان کھینچ لی ہو۔

صفدر فیضان کو لالچ کی خاطر لے تو گیا تھا لیکن آئے دن فیضان کی بیماری نے اسے اس سے بدظن کر دیا تھا۔ وہ اس سے بےزار ہو چکا تھا' صفدر کی ساری زندگی جیسے فیضان کی وجہ سے پابند ہو گئی تھی وہ اب فیضان کو اپنے ساتھ لانے پر پچھتانے لگا تھا۔ وہ حیات علی کے گاؤں نہیں جا سکتا تھا اور حیات علی کی کوئی خبر نہ تھی ورنہ اسے بلیک میل کر کے اس کا بیٹا اس کے حوالے کر دیتا۔ وقت گزرنے لگا تو فیضان کی بیماری بھی بڑھنے لگی۔ صفدر اس پر پیسہ لگانے سے بھی کترانے لگا تھا' وہ واپس آیا صفیہ کے پاس جا کر اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا کہ کہیں وہ پولیس کو بلوا کر اسے پولیس کے حوالے نہ کر دے اور پھر ایک رات حیات علی اور اس کے باپ سے انتقام لینے کے لیے فیضان کے وجود سے تنگ آ کر فیضان کو ایک یتیم خانے کے دروازے پر پھینک کر بھاگ لیا تھا۔'' حیات علی مہر النساء کے منہ سے یہ سب سن کر ایک دم کانپ گیا تھا۔ باپ کے زندہ ہونے کے باوجود ان کا بیٹا ایک یتیم کے طور پر پل رہا تھا۔ وہ سسک اٹھے تھے' کیسی بےرحم زندگی تھی' کیا محبت کرنے کی

اتنی کڑوی سزا ہوتی ہے۔

''صفدر نے کچھ بتایا کہ وہ فیضان کو کس یتیم خانے میں چھوڑ کر آیا تھا؟''

''نہیں' ابا کی طبیعت بگڑنے لگی تھی اور ڈاکٹروں نے مجھے ڈانٹ کر وہاں سے ہٹا دیا تھا اور پھر جب دوبارہ ابا سے سامنا ہوا تو وہ مر چکا تھا' اب اسے مرے پندرہ دن گزر چکے ہیں۔'' حیات علی کو لگا وہ جیسے پاگل ہو جائے گا۔

مہر النساء کا شکریہ ادا کرتے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ وہ شہر کے مختلف یتیم خانوں میں جا چکا تھا لیکن کوئی خبر نہ ملی۔ یتیم خانے والوں نے ان کی فراہم کردہ معلومات نوٹ کر لی تھیں اور انہیں کچھ دن بعد آنے کا کہا تھا۔ اس دن وہ پھر یتیم خانے آئے تھے وہ آفس میں آئے تو وہاں سامنے بیٹھے جوڑے کو دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔

''سبحان اور حاجرہ۔'' ان کے لب ہلے تھے انہوں نے بھی حیات علی کو فوراً پہچان لیا تھا۔

''تم دونوں یہاں کیسے' اور پاکستان کب آئے؟''

''ایک لمبی کہانی ہے تم سناؤ یہاں کیا کر رہے ہو؟'' گلے ملنے اور خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد دونوں نے یہاں موجودگی کا سبب جاننے کی کوشش کی تھی۔

''میں......'' حیات علی افسردہ ہو گیا تھا۔ ''مجھے میری قسمت یہاں لے آئی ہے بس' تم کیسے آئے یہاں؟''

''شادی کے اتنے سال گزرنے کے باوجود ابھی تک ہم دونوں اولاد کی نعمت سے محروم ہیں' بہت علاج کروا دیکھے' گھر والے دوسری شادی پر زور دیتے ہیں جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ہم کوئی بچہ اڈاپٹ کریں گے' یہیں اپنے پاکستان سے بچہ ساتھ لے کر جائیں گے۔''

''چلو بڑی نیکی کا کام ہے یہ تو' اللہ تمہیں اجر دے اس نیکی کا۔'' حیات علی نے افسردگی سے کہا تھا۔

''حیات علی صاحب آپ نے جو معلومات فراہم کی ہیں اس کے مطابق ہم نے کچھ بچوں کو نکالا ہے آپ دیکھ لیں۔'' آفیسر نے کہا تو سبحان نے چونک کر دیکھا۔

''ایک لمبی کہانی ہے پھر بتاؤں گا' آؤ بچوں کو دیکھتے ہیں۔'' وہ سبحان کو ساتھ لیے بچوں کو دیکھنے چل دیئے تھے وہاں کچھ بچے تھے' ایک بچے کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے تھے۔

''یہ جاوید ہے یہ جب ہمیں ملا تھا دو سال کا تھا اسے بھی باہر کوئی ڈال گیا تھا۔'' آفیسر انہیں ساتھ ساتھ بچوں کے بارے میں معلومات بھی دے رہا تھا۔

''یہ فیضی ہے' یہ جب ہمیں ملا تھا اس کی عمر تقریباً تین سال تھی۔ انتہائی بیمار اور ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا' اس کی حالت بہت خطرناک تھی یہ بھی گیٹ پر پڑا ملا تھا۔ ہم نے اس کا علاج کروایا تھا' اس کے کپڑوں میں سے ایک کاغذ بھی نکلا تھا جس پر فیضی لکھا ہوا تھا یہ کسی ڈاکٹر کی دکان کی پرچی تھی ہم نے وہاں سے پتا کروایا تو پتا چلا تھا کہ یہ بیمار تھا اور ایک آدمی اس کو لے کر اس ڈاکٹر کے پاس آیا تھا انہوں نے ایک نسخہ لکھ دیا تھا دوبارہ وہ شخص نہیں آیا تھا۔ اس کے کپڑوں میں سے اس نسخے کے علاوہ دوائیاں بھی ملی تھیں' جیسے کوئی ڈاکٹر کی دکان سے دوا لے کر سیدھا ادھر ہی ڈال گیا ہو۔'' یہ وہی بچہ تھا جسے دیکھ کر حیات علی چونکے تھے۔

نجانے کیوں ان کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ ہی ان کا فیضان ہے بالکل زیبن کی طرح سنہری چمکتی آنکھیں اونچی لمبی کھڑی ناک پتلے ہونٹ اور متناسب پیشانی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ رکھا تھا لیکن ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہی ان کا فیضان ہے۔

''وہ نسخہ جس ڈاکٹر نے لکھ کر دیا تھا وہ کس علاقے میں ہے۔'' حیات علی نے بچے کو ساتھ لگا کر پیار کرتے آفیسر سے پوچھا تھا۔

''آپ دفتر میں چلیں ہم معلومات دے دیتے ہیں۔'' حیات علی نے اس بچے کو پھر پیار کیا تھا۔ دفتر کے عملے نے ایڈریس دے دیا تھا' وہیں بیٹھے بیٹھے سبحان کو ساری کہانی سنا ڈالی تھی سبحان بہت دکھی ہوا تھا سب سن کر۔ وہ اسی وقت سبحان اور اس کی بیگم کے ہمراہ اس علاقے میں گئے تھے ان کو ڈاکٹر کا کلینک مل گیا تھا' انہوں نے یتیم خانے کا وہ سابقہ ریکارڈ اس ڈاکٹر کو دکھایا تھا۔

''اس بچے کے بارے میں کچھ لوگ پہلے بھی کچھ معلومات کرنے آئے تھے۔'' ڈاکٹر نے بتایا تو انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔

''ہمیں بس اس آدمی کا پتا کرنا ہے جو اس بچے کو لے کر آیا تھا۔''

''وہ آدمی اس کے کافی عرصے بعد پھر دو تین دفعہ میرے کلینک آیا تھا' کوئی نشئی تھا اپنا نام صفدر لکھوایا تھا۔ شکل سے غنڈہ ٹائپ لگتا تھا۔

یتیم خانے والوں نے مجھے جب بھی وہ آدمی آئے اطلاع کرنے کو کہا تھا لیکن میں ایک غریب سا آدمی ہوں کلینک ہی سب کچھ ہے۔ میں ڈر گیا تھا کہ کہیں کوئی جھگڑا نہ ہو' میں نے اطلاع نہیں کی تھی۔ اب سے ایک ماہ پہلے بھی میرے کلینک آیا تھا بے تحاشا سگریٹ نوشی نے اس کے گردوں اور پھیپھڑوں کو فیل کر دیا تھا اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔'' ڈاکٹر نے جو بھی بتایا تھا حیات علی کو لگا جیسے دل میں سکون سا اترتا چلا گیا ہے' وہ فیضی ہی ان کا فیضان تھا۔ ان کا بیٹا' ان کا لخت جگر۔

''اگر آپ کو صفدر کی تصویر دکھائی جائے تو کیا آپ پہچان لیں گے؟'' حیات علی نے پوچھا تو ڈاکٹر نے سر ہلا دیا تھا۔

زیبن شادی کے بعد اپنے گھر سے کچھ پرانی تصاویر لے کر آئی تھی جو چند سال قبل کی تھیں وہ ابھی بھی وہیں تھیں باہر جاتے وقت وہ صرف زیبن کی تصویریں لے کر گئے تھے صفدر کی تصویریں وہیں الماری میں پھینک دی تھیں' وہ ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتے اٹھے تھے۔ وہ گھر گئے الماری میں اب بھی وہ چھٹی پرانی تصاویر موجود تھیں وہ لے کر دوبارہ ڈاکٹر کے پاس آئے تھے' ڈاکٹر تصویر دیکھ کر الجھا تھا۔

''انیس بیس کا فرق لگ رہا ہے' جو شخص میرے پاس آیا تھا اس کے منہ پر داڑھی بھی تھی صاحب! اور وہ بوڑھا بوڑھا سا تھا جبکہ یہ جوان لگ رہا ہے۔'' حیات علی نے پینسل لے کر تصویر کے منہ پر داڑھی بنادی تھی۔

''ہاں کچھ کچھ وہی لگ رہا ہے بس یہاں آنکھیں بڑی بڑی اور کشادہ ہیں جبکہ وہ جب بھی میرے پاس آیا تھا اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔'' ڈاکٹر کے بیان کے بعد اب شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

''شکریہ ڈاکٹر صاحب آپ نے بہت تعاون کیا۔'' حیات علی اٹھ گیا تھا۔ وہ لوگ حیات علی کے گھر آ گئے تھے' حاجرہ ساتھ ہی تھی۔

''بہت ہی بُرا ہوا تمہارے ساتھ بھی' بھابی اور بچے کے ساتھ بھی' ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

''اب جب ہم کل یتیم خانے جاتے ہیں تو بھابی کی بہن کو بھی ساتھ لے لینا ہو سکتا ہے وہ بچے کو پہچان لیں۔''

''بچے کو تو میں بھی پہچان چکا ہوں بس کنفرم کرنا باقی ہے۔'' حاجرہ جو اتنے عرصے سے بالکل خاموش تھیں دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر قریب آ بیٹھی تھی۔

''میں سوچ رہی تھی کہ ہم کسی بچے کو اڈاپٹ کرنے آئے تھے لیکن بھائی صاحب کی کہانی سن کر ادھر چلے آئے کیوں نہ ہم اپنے فیضان کو ہی اڈاپٹ کرلیں۔'' حاجرہ کی بات پر دونوں چونکے تھے۔

''نہیں' میں اب اپنے بیٹے کو خود سے جدا نہیں کروں گا۔'' حیات علی نے قطعیت سے کہا تھا۔

''آپ کو شاید بُرا لگے لیکن ایک بات کہوں گی اگر آپ بچے کو ساتھ لے جاتے ہیں تو آپ کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ کے بابا صاحب اور بیوی کے علاوہ کوئی بھی یہ حقیقت نہیں جانتا کہ آپ نے دوسری شادی بھی کر رکھی تھی اور آپ کا بیٹا بھی ہے بعد میں نجانے کیا حالات ہوں' سارا اثر بچے پر پڑے گا۔ بچے کی شخصیت متاثر ہوگی اگر آپ بچے کو بہترین ماحول دینا چاہتے ہیں تو آپ ہم پر بھروسہ کر سکتے ہیں ہم بالکل اسے اپنے بیٹے کی طرح پالیں گے۔'' حاجرہ کے الفاظ پر سبحان بھی متفق ہو گیا تھا۔

''حاجرہ ٹھیک کہہ رہی ہے' تم امانتاً اپنا بیٹا ہمیں دے دو' رہے گا تو وہ تمہاری اولاد ہی نا۔ ہم صرف اسے پالیں گے' پڑھائیں گے بڑا کریں گے۔ ہم صرف اسے اڈاپٹ کریں گے اس سے کچھ نہیں چھپائیں گے' تم اچھی طرح سوچ لو' فیصلہ مشکل ہوگا لیکن تمہارے لیے اس میں بہت سی آسانیاں ہوں گی۔'' سبحان کے الفاظ پر حیات علی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''ہم اس کو اپنے ساتھ امریکہ لے جائیں گے تم اس کے فیوچر سے متعلق بالکل بے فکر ہو کر فیصلہ کر سکتے ہو۔'' حیات علی کے سامنے سوچ کا ایک اور در دوا ہوا تھا۔

اگلے دن وہ مہر النساء کو لے کر دوبارہ یتیم خانے گئے تھے' فیضی کو بلوایا گیا تھا۔ فیضی کو دیکھتے ہی مہر النساء ایک دم رو دی تھی۔

''یہ ہی ہمارا فیضان ہے' ہمارے فیضان کے کندھے کے پچھلی طرف چاند گرہن کا سرخ نشان تھا۔ بھائی صاحب آپ دیکھیں اس کے جسم پر بھی ہوگا۔'' مہر النساء کے الفاظ نے گویا حیات علی کو زندگی بخش دی تھی۔ مہر النساء نے خود ہی شرٹ اتار کر دیکھا تو ایک دم رو دی تھی۔ بالکل ویسا ہی نشان اس فیضی کے کندھے پر بھی تھا' اب تو جیسے ہر بات کی تصدیق ہو چکی تھی' حیات علی کو اپنا بیٹا مل گیا تھا۔

اب دنیا کی کوئی بھی طاقت ان سے ان کا بیٹا نہیں چھین سکتی تھی تاہم اس کے بہتر مستقبل کے لیے ابھی انہیں بہت کچھ سوچنا تھا' مہر النساء کو واپس اس کے گھر چھوڑ دیا تھا۔ مہر النساء نے جاتے وقت ان سے ایک بات کہی تھی۔

''زیب النساء چاہتی تھی کہ اگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو وہ اس کی شادی میری افشاں سے کرے گی' کہنے والی تو مر گئی لیکن بھائی

صاحب زندگی نے وفا کی تو یہ میری زیبین کی امانت ہے آپ کے پاس میں ایک بار زیبین کی بات پوری کرنے ضرور آؤں گی اگر آپ کی رضامندی ہوئی تو......'' مہر النساء چلی گئی تھی لیکن ان کے لیے بہت ساری سوچوں کے در کھل گئے تھے' وہ فیضان کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔

اگلا پورا ہفتہ انہوں نے پانچ سالہ فیضان کے ساتھ گھوم کر گزارنا تھا' ہر وہ جگہ جہاں وہ زیبین کے ساتھ گئے تھے وہ فیضان کو لے کر گھومے تھے اور ہر وہ مقام جہاں زیبین ان کے ہم قدم تھی انہوں نے فیضان کو دکھایا تھا۔ اس کی ماں کی تصویریں دکھائی تھیں' ایک تصویر تو ہر وقت ان کے بٹوے میں موجود رہتی تھی۔ وہ اس کو رشتوں سے آشنا کروا رہے تھے' اس کے لیے دنیا جہاں کی چیزیں خرید رہے تھے کہ سبحان اور حاجرہ سوالی بن کر ایک بار پھر ان کے پاس آئے تھے۔

''ہم جانتے ہیں آپ کے لیے اپنے بیٹے کو خود سے دور کرنا بہت مشکل ہے لیکن ہماری محرومی اور بچے کے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچ لیں۔ آپ کے بیٹے کو آپ کا یہ خاندان کبھی قبول نہیں کرے گا لیکن اگر وہ ہمارے ساتھ رہا تو ہم ضرور اسے کسی قابل بنا دیں گے۔'' حاجرہ کہہ رہی تھی۔

حیات علی نے صحن میں اپنے کھلونوں سے کھیلتے فیضان کو دیکھا اور پھر سبحان اور حاجرہ کو جو بڑی امید بھری نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے' اپنے بیٹے کے مستقبل کے لیے میں یہ جوا کھیلنے کو بھی تیار ہوں بس مجھ سے وعدہ کرو میرے بیٹے کو کبھی کوئی کمی' کوئی تکلیف نہیں ہونے دو گے۔'' کہتے کہتے ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ سبحان اور حاجرہ بھی نم آنکھیں لیے اسے امید دلاتے نئے وعدے کرتے ہمیشہ فیضان کا خیال رکھنے کی باتیں کرنے لگے تھے۔



شہوار گھر چلی آئی تھی انا اسپتال آئی تو ابھی بھی وہی ماحول تھا۔ مسلسل گریہ وزاری سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں' چہرے کے نازک حصوں پر سرخی غالب تھی۔ وہ وقار صاحب کے ساتھ اسپتال آئی تھی بڑی سی چادر اوڑھے وہ بالکل ساکت سی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر وقار صاحب کئی بار چونکے بھی تاہم بولے کچھ نہ تھے۔

وہ صبوحی بیگم سے ملی وہ اب بہتر تھیں انہوں نے اس سے بات چیت بھی کی تھی۔ ان کے آنے کے بعد روشی اور ضیاء ماموں کو پاپا نے زبردستی گھر بھجوا دیا تھا۔ مصطفیٰ ابھی بھی اسپتال میں تھا' احسن تو خود پریشان اور بکھرا ہوا تھا اس لیے مصطفیٰ کے وجود سے بہت ڈھارس مل رہی تھی سب کو۔

''بیٹا! تم بھی تھک گئے ہو گے' گھر جا کر آرام کرو۔ ہم ادھر ہی ہیں دیکھ لیتے ہیں۔'' مصطفیٰ ڈاکٹر سے ساری رپورٹ لے کر لوٹا تو وقار صاحب نے کہا۔

''انکل ٹینشن مت لیں' میں ادھر ہی ہوں' جب تک ولید کو ہوش نہیں آ جاتا میں ادھر سے نہیں ٹلنے والا۔'' ان کا کندھا سہلا کر وہ احسن کی طرف بڑھ گیا تھا جو نڈھال سا بیٹھا ہوا تھا۔ انا ان کے قریب آ رکی تھی۔

''تم باہر کیوں آ گئیں ماما ٹھیک ہیں نا؟'' احسن نے کھڑے ہو کر پریشان سے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''وہ سو رہی ہیں۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' وہ فوراً کمرے کی طرف چلا گیا تھا' مصطفیٰ نے انا کو دیکھا۔ عجیب سی غم زدہ اور نڈھال سی دکھائی دے رہی تھی۔

''طبیعت ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے بس سر ہلایا تھا جبکہ آنکھوں میں ایک دم آنسوؤں کا سیلاب آ ٹھہرا تھا۔

''میں ولی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔'' اس نے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنا چاہی تھی لیکن بے اختیار آنسو بہہ نکلے تھے۔

''او کے آئیں۔'' مصطفیٰ نے اسے بغور دیکھتے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ اسے آئی سی یو میں جاتے دیکھ کر وقار صاحب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ مصطفیٰ کے ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو عجیب سرد سا ماحول تھا وہاں' ہر طرف موت کی سی خاموشی تھی' انا کا دل لرزنے لگا تھا۔

وہ مصطفیٰ کے ساتھ بیڈ تک آئی' ولید ابھی تک اسی کیفیت میں تھا' اس نے آہستگی سے ولید کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی سے اسے دیکھا اور پھر نرس کو باہر نکلنے کا اشارہ کرتے خود بھی باہر نکل گیا تھا۔

انا ان دونوں کے جانے کے بعد ولید کے ڈرپ لگے ہاتھ کو احتیاط سے اپنے ہاتھ میں لے کر اس پر جھکی تھی‘ پاس پڑی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے اندر پشیمانی اور پچھتاوؤں کے ایسے ناگ تھے جو ہر لمحہ اسے ڈس رہے تھے جن کے حصار میں جکڑے وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی۔

”ایم سوری ولی۔“ وہ اپنے آپ سے سخت شرمندہ تھی۔ ولید کے ہاتھ کو چہرے سے لگاتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

”میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا ہے‘ ہمیشہ بدگمانی کا اظہار کیا‘ اپنے خود ساختہ واہموں اور بدگمانیوں میں جکڑی آپ کی محبت اور توجہ کو شک کی نظروں سے دیکھتی رہی۔ ہر لمحہ آپ کو تنگ کیا‘ میں بہت بُری ہوں لیکن پلیز مجھے ایسی سزا مت دیں۔ آپ کو کچھ ہوا تو میری سانسیں بھی رک جائیں گے‘ آپ پلیز واپس آجائیں میں ہر سزا جھیلنے کو تیار ہوں پلیز ایسا مت کریں۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں نے کئی با ولید کے سرد ہاتھ کو چھوا تھا‘ اس کی گریہ وزاری کا اور ہی عالم تھا۔

وہ بالکل بے بس ہو چکی تھی‘ اس کے دل نے اسے بالکل مات دے دی تھی‘ وہ جو کچھ کر رہی تھی بالکل غیر ارادی ہو رہا تھا۔ اسے نہ اپنی حالت کی خبر تھی اور نہ ہی اپنی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کی۔

”کاشفہ کہتی تھی وہ آپ سے محبت کرتی ہے اور آپ کو مجھ سے چھین لے گی۔ کاشفہ نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں خود کو آپ سے دور کر لوں۔ وہ دھمکیاں دیتی تھی کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ آپ کو نقصان پہنچائے گی۔ میں اگر ایسا نہ کرتی تو وہ آپ کو تکلیف دیتی‘ نقصان پہنچاتی میں بھلا کیسے برداشت کر لیتی۔“ اس کی سرگوشیاں اور سسکیاں عجیب دل دکھانے والی تھیں‘ وہ سسکتی رہی تھی۔

ولید سے اپنے تمام کردہ اور ناکردہ گناہوں کی معافی طلب کرتی رہی تھی۔ مصطفیٰ اندر داخل ہوا تو وہ ولید کے ہاتھ کو جکڑے ابھی بھی سسک رہی تھی۔ مصطفیٰ قریب آیا تو وہ ابھی بھی اسی طرح سر جھکائے سسک رہی تھی۔

”انا......“ مصطفیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔

”چلیں اب۔“ مصطفیٰ نے کہا تو وہ ہاتھ چھوڑ کر چہرے کو دوپٹے سے صاف کرتی کھڑے ہو گئی تھی‘ نرس بھی کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ عجیب ترحم آمیز نگاہوں سے انا کو دیکھ رہی تھی‘ وہ مصطفیٰ کے ساتھ باہر نکلی تو وقار صاحب نے پھر دیکھا تھا۔ نڈھال وجود‘ سرخ شدت گریہ کا ترجمان چہرہ۔

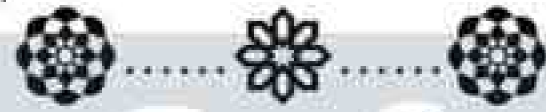
”کیا جیتنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں ہارنے والوں جیسے؟“ اک سوال وقار صاحب کے سینے کی دیواروں میں شدت سے پھڑپھڑایا تھا۔ انہوں نے نگاہیں پھیر لی تھیں‘ آنکھوں میں شدت غم سے لہو ٹپکنے کو تھا۔

”ہم نیچے جا رہے ہیں ذرا آپ جائیں تو ولید کے پاس چکر لگا لیں۔“ مصطفیٰ کی بدولت باقی افراد کو بھی آئی سی یو میں جانے کی اجازت مل چکی تھی‘ مصطفیٰ ان کو کہہ کر انا کو لیے سیڑھیاں اترنے لگا تھا۔ مصطفیٰ نے نیچے آ کر ویٹنگ روم میں انا کو بٹھا کر خود ایک ڈسپوزل گلاس میں پانی ڈال کر پلایا تھا۔

”ایک بات بتائیں انا؟“ دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑتی انا نے سر اٹھا کر مصطفیٰ کو دیکھا تھا۔

”جب اس قدر محبت تھی تو یہ فاصلے کیسے درمیان میں حائل ہو گئے تھے؟“ انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

”حماد آپ دونوں کے درمیان میں کیسے آ گیا تھا؟“ وہ مزید پوچھ رہا تھا اور انا کو لگا جیسے شدت غم سے بس اس کا دل پھٹنے والا ہے‘ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ایک دم شدت سے رو دی اور مصطفیٰ نے بہت ترحم آمیز نگاہوں سے اس کو یوں اس طرح بلکتے دیکھا۔



سبحان احمد نے قانونی کارروائی کے بعد فیضان کو اڈاپٹ کر لیا تھا‘ وہ اسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتے تھے۔ اس طرح فیضان حیات علی سے سکندر سبحان احمد نام کے کاغذات تیار ہو گئے تھے۔ سبحان احمد کے خاندان والوں نے کسی بچے کو اڈاپٹ کرنے پر خوب واویلا مچایا تھا‘ لیکن دونوں میاں بیوی نے کوئی کان نہ دھرے تھے۔ اس طرح فیضان حیات علی سکندر سبحان احمد بن کر سبحان اور حاجرہ کے ساتھ امریکہ روانہ ہوا تو حیات علی بھی واپس کینیڈا جانے کی تیاریوں میں لگ گئے تھے۔

سبحان پر انہیں بہت اعتبار تھا‘ وہ سکندر کے مستقبل سے مکمل طور پر مطمئن ہو گئے تھے‘ انہیں یقین تھا کہ اب ان کے بیٹے کو زندگی میں صرف سکھ ہی سکھ ملے گا۔ انہوں نے جانے سے پہلے مہر النساء کی طرف چکر لگایا تھا‘ مہر النساء فیضان کے سبحان کے ساتھ چلے جانے کا سن کر بہت افسردہ ہوئی تھی تاہم اس نے کوئی شکوہ شکایت نہیں کی تھی۔

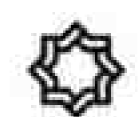
مہرالنساء نے سبحان کے گھر کا ایڈریس ضرور لے لیا تھا کبھی وہ لوگ پاکستان لوٹیں گے تو ان سے ملنے جائے گی۔ حیات علی پچھلے چار سالوں سے بابا صاحب سے ناراض تھے' پاکستان لوٹنے پر بھی وہ ان سے ملنے نہیں گئے تھے بلکہ حویلی فون کر کے گاڑی اور ڈرائیور منگوالیا تھا۔

وہ مہرالنساء سے ملنے کے بعد اپنا سامان لے کر ائرپورٹ کی طرف روانہ ہوئے تو بھی گاؤں جا کر باپ سے ملنے کا نہ سوچا تھا۔ وہ بابا صاحب کو بیٹے کی جدائی کی سزا دینا چاہتے تھی بالکل ویسے ہی جیسے وہ پچھلے پانچ سالوں سے بیٹے کی جدائی کی آگ میں جلتے رہے تھے۔ زندگی اپنے معمول پر آ گئی تھی' وقت کا کام تھا گزرنا اسے بھلا کون روک سکا تھا۔ بہت تیز رفتاری سے گزرا تھا۔ کم عمر بچے اب جوان ہو چکے تھے حیات علی مزید پانچ سال کینیڈا رہے اور پھر بابا صاحب کی شدید بیماری کی اطلاع پر انہیں واپس آنا ہی پڑا۔ بابا صاحب ازحد کمزور اور لاغر ہو چکے تھے۔

حیات علی دل سے تمام کدورتیں اور بدگمانیاں مٹا کر ان کی خدمت میں لگ گئے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بابا صاحب کی بیماری بڑھتی رہی تھی اور پھر ایک شب زندگی کی ڈور ٹوٹ گئی تو حیات علی پر اتنی بڑی جاگیر زمینوں اور حویلی کی ذمہ داریاں آ پڑی تھیں۔
نواز تعلیم کے سلسلے میں ابھی بھی کینیڈا میں تھا باقی حسن علی' شاہ زیب اور دونوں بچوں سمیت وہ لوگ دوبارہ مستقل پاکستان حویلی میں شفٹ ہو چکے تھے۔ حیات علی مہرالنساء سے ملنے گئے تھے لیکن وہاں سے ملنے والی خبر نے ایک دم دکھی کر دیا تھا۔
مہرالنساء کا ایک سال پہلے انتقال ہو گیا تھا اس کا شوہر باہر کسی ملک میں شفٹ ہو چکا تھا' اس کی بیٹی اپنی پھوپی صفیہ کے پاس تھی۔ مہرالنساء نے ان سے ایک بار ایک بات کہی تھی وہ بات ابھی بھی ان کے دل میں اٹکی ہوئی تھی۔
سکندر سے متعلق سبحان ہر طرح کی معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ سکندر ایک بہت ہی ذہین اور لائق بچہ تھا۔ اس کا اکیڈمک ریکارڈ بہت شاندار تھا' سبحان اور حاجرہ نے اس سے اس کے والدین سے متعلق کچھ بھی نہیں چھپایا تھا اس کے باوجود وہ سبحان اور حاجرہ سے بہت محبت کرتا تھا۔ بہت سے غموں اور بہت سی خوشیوں کے درمیان زندگی گزرنے لگی تھی۔ کل کے بچے اب جوان ہو چکے تھے' وقت نے بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ نواز کی تعلیم مکمل ہو گئی تو اس کی پسند پر حیات علی نے اس کی شادی وہیں کینیڈا میں ہی ماموں کی بیٹی سے کر دی تھی۔ اس طرح کچھ سال بعد حسن کے لیے بھی زبیدہ بھتیجی لائی تھی' زینت اور زہرہ بھی رشتہ داروں میں بیاہی گئیں تو شاہزیب کے لیے بھی حیات علی نے زبیدہ کے سب سے چھوٹے بھائی کی بیٹی مہرالنساء کو پسند کیا تھا۔
انہیں مہرالنساء میں زیب النساء کی سی عادات دکھائی دیتی تھیں' کچھ اور وقت سرکا تو سبھی لوگ اپنی اپنی زندگی میں سیٹل ہونے لگے تھے۔ نواز کینیڈا میں ہی سیٹل ہو گیا تھا حسن علی کراچی جا بسا تھا۔ شاہزیب نے پولیس فورس جوائن کر لی تھی' سبھی خوش تھے ایسے میں حیات علی کے دل میں گزرے لمحوں کی بے رنگی کا ملال شدت سے اجاگر ہونے لگتا تھا۔
ان کا بیٹا ان سے دور غیر لوگوں میں پل رہا تھا' ان کے پاس کیا نہیں تھا دولت' جائیداد' جاگیر' اور معاشرے میں اونچا مقام لیکن وہ کتنے بے بس تھے کہ اس اولاد کو اس کا جائز مقام نہ دلا سکے تھے۔ وہ معاشرے اور لوگوں کے ڈر سے اپنی اولاد کو دوسروں کی جھولی میں ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ سبحان کی وکالت امریکہ میں خوب چمکی ہوئی تھی' باہر اور پاکستان دونوں معاملات پر اس نے اچھی پراپرٹی بنا رکھی تھی۔ کچھ پراپرٹی سکندر کے نام بھی کر رکھی تھی۔

سکندر احمد اب بڑا ہو چکا تھا دو سال بعد اس کی تعلیم مکمل ہو جانی تھی' سبحان اور حاجرہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ وہ مردانہ وجاہت اور خوب صورتی کا شاہکار تھا۔ ماں اور باپ دونوں کا حسن لے کر پیدا ہونے والا یہ سکندر احمد اپنی ذات میں بے مثل تھا۔ حاجرہ اور سبحان امریکہ جانے کے بعد واپس نہیں لوٹے تھے۔ مزید دو سال پر لگا کر گزر گئے تھے۔ سکندر کی ایجوکیشن مکمل ہوئی تو سبحان اور حاجرہ کا پاکستان چکر لگانے کا پروگرام بنا تھا۔ سکندر بھی ان کے ساتھ پاکستان آ رہا تھا۔ ان کا ارادہ کچھ ماہ پاکستان میں رکنے اور پھر واپس پلٹ جانے کا تھا۔ سکندر نے سبحان احمد اور حاجرہ کے ساتھ پاکستان کی سرزمین میں پہلی بار مکمل ہوش و حواس میں قدم رکھا تھا۔ وہ بہت جذباتی تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ قسمت اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔ پاکستان آنے کے بعد اس کی زندگی میں بالکل مختلف اور ایک نیا موڑ شروع ہوا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

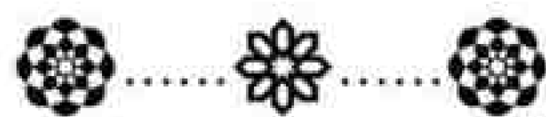


ٹوٹا ہوا تارا ...... سمیرا شریف طور

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زیب النساء حیات علی کی آمد کا سن کر بہن کے گھر سے واپس آتی ہے لیکن حیات علی ملک سے باہر جاچکا ہوتا ہے۔ زیب النساء واپس بہن کے گھر جانے کے بجائے وہیں رک جاتی ہے مگر زیب النساء کی زندگی کو مزید مشکل بنانے کے لیے اس کا باپ صفدر واپس آ کر زبردستی اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ شہوار ماں جی کے ساتھ اسپتال آتی ہے اور پھر سب کے اصرار پر اس کی ساتھ گھر آجاتی جہاں انا اس کے گلے لگ کر شدت سے روتی ہے اور پھر کاشفہ کی بلیک میلنگ بتا کر شہوار کو ششدر کردیتی ہے۔ ہادیہ اور رابعہ دونوں ہی بہت خوش ہوتی ہیں ہادیہ کا نکاح ابوبکر سے ہونے جارہا ہوتا ہے یہ خبر رابعہ عباس کی کال آنے پر اسے سنا کر خوشی وحیرت میں ڈال دیتی ہے اور ساتھ ہی شادی میں آنے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ کاشفہ انا کو ایگری منٹ سائن کرنے کو کہتی ہے انا کے انکار پر کاشفہ اس پر تشدد کرتی ہے اور دھمکیاں دیتی ہے لیکن انا اس کے کسی بھی دباؤ میں نہیں آتی تو کاشفہ جیدی (کاشفہ کا خاص دوست) اسے اشارہ کرکے کمرے سے نکل جاتی ہے۔ انا کو اپنی عزت خطرہ میں محسوس ہوتی ہے بالآخر وہ مجبور ہوکر کاشفہ کی بات مان کر ایگری منٹ سائن کردیتی ہے۔ زیب النساء کی طبیعت اب دن بہ دن خراب ہوتی جاتی ہے، صفدر بھی اب کم ہی گھر پر رہتا تھا۔ چوہدری سراج نے اسے جتنے پیسے دیئے تھے وہ اب ختم ہوتے جارہے تھے اور اس کا شیطانی ذہن ایک اور منصوبہ بنارہا تھا۔ زیب النساء کی گود میں بیٹے کی صورت حیات علی کی نشانی آگئی تھی۔ وہ مطمئن وخوش تھا مگر صفدر لالچ میں اندھا ہوکر زیب النساء کو حویلی لے جاتا ہے اس کا خیال تھا کہ بابا صاحب پوتے کی خوش خبری سن کر اس کے ہاتھوں بلیک میل ہوجائیں گے اور اب کی بار وہ ایک بڑی رقم ان سے وصول کرلے گا لیکن چوہدری سراج علی صفدر کو قید میں ڈال دیتے ہیں۔ زیب النساء کو بخش دین (حیات علی کا ملازم) اپنے پاس روک لیا تھا جس کی وجہ سے زیب النساء سراج علی کی قید میں جانے سے بچ جاتی ہے اور حویلی سے نکل کر مہر النساء کے پاس آجاتی ہے۔ حیات علی کو مسلسل زیب النساء کا خیال ستارہا تھا وہ واپس پاکستان آنا چاہتا تھا لیکن سراج علی منع کرکے اسے کچھ دن مزید وہاں رہنے کے لیے کہتے مگر اب حیات علی مزید رکنے پر آمادہ نہیں تھے وہ اپنا ویزہ لے کر گھر سے نکلتا ہے لیکن ایک حادثہ کا شکار ہوکر ہسپتال پہنچ جاتے ہیں۔ زیب النساء کی زندگی بہن کے گھر آ کر مزید تنگ ہوجاتی ہے، مہر النساء کا شوہر کوئی نہ کوئی ایسی حرکت جس پر زیب النساء ڈر جاتی ہے۔ مہر النساء، زیب النساء کو اپنی نند کے گھر بھیج دیتی ہے ان سب باتوں کو جان کر آپا صفیہ کے شوہر کا انتقال ہوچکا ہوتا ہے اور وہ اولاد کی نعمت سے بھی محروم ہوتی ہیں۔ آپا صفیہ زیب النساء کو اپنے پاس رکھ لیتی ہیں لیکن کچھ دن بعد ہی زیب النساء کی زندگی کا باب بند ہوجاتا ہے اور فیضان کی ساری ذمہ داری آپا صفیہ پر آجاتی ہے۔ حیات علی کو ٹھیک ہونے میں ایک سال کا عرصہ لگ جاتا ہے، وہ صحت یاب ہوتے ہی پاکستان لوٹتے ہیں لیکن اب زیب النساء کی کوئی خبر نہیں ملتی وہ مہر النساء سے مل کر زیب النساء کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں لیکن مہر النساء ملنے سے انکاری کردیتی ہے۔ صفدر کافی عرصے بعد چوہدری سراج علی کی قید سے رہا ہوکر مہر النساء کے پاس آتا ہے اور اس سے زیب النساء کے حوالے سے معلوم کرکے رنجیدہ ہوکر معافی مانگتا ہے اور فیصان سے ملنے کی ضد کرتا ہے۔ زیب النساء صفدر کو فیضان کا ایڈریس دے دیتی ہے، صفدر کا سازشی دماغ ایک بار پھر کام کرتا ہے اور وہ فیضان کو لے کر غائب ہوجاتا ہے۔ مہر النساء حیات علی کو بابا صاحب کی تمام سازشوں سے آگاہ کرتی زیب النساء کی موت کا بتا کر اسے فیضان کی گمشدگی کا بتا کر غم سے آشنا کردیتی ہے۔ حیات علی اپنے بیٹے کی تلاش شروع کردیتے ہیں بالآخر ایک یتیم خانہ میں ان کو اپنا فیضان مل جاتا ہے اب حیات علی اس کو خود سے جدا نہیں کرنا چاہتے لیکن اس کی ملاقات اپنے دوست سبحان سے ہوتی ہے جس کی ابھی تک اولاد نہیں ہوتی، سبحان حیات علی سے فیضان کو اڈاپٹ کرلیتا ہے۔ وقت اپنی تیز رفتاری سے گزررہا ہوتا ہے اب بچے بڑے ہوجاتے ہیں۔ انا کی ولید سے محبت اس کے دل میں ٹوٹے تارے کی مانند روشن ہے گو کہ وہ شہوار کو سب بتا کر کسی حد تک مطمئن ہوجاتی ہے لیکن اب ولید اور اس کے درمیان کاشفہ کے ساتھ حماد بھی موجود ہوتا ہے وہ اس وقت سب بھلا کر صرف ولید کی زندگی کی دعا مانگ رہی ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

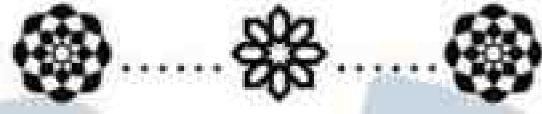


"حماد آپ دونوں کے درمیان کیسے آ گیا تھا؟" مصطفیٰ پوچھ رہا تھا اور انا کو لگ رہا تھا کہ جیسے شدت غم سے بس اس کا دل پھٹنے کو ہے۔

وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر شدت سے روئی تو مصطفیٰ نے نہایت ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"انا......" مصطفیٰ نے دوبارہ پکارا تو انا نے سر اٹھا کر دیکھا اس سے پہلے کہ مصطفیٰ کوئی سوال کرتا اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔

''مصطفیٰ کہاں ہو؟'' کال ریسیو کرتے ہی مصطفیٰ کو احسن کی تیز آواز سنائی دی۔
''کیوں خیریت؟'' ایک نظر روتی آنسو صاف کرتی انا پر ڈال کر وہ دوسری طرف متوجہ ہوا تھا۔
''ولید کی کنڈیشن میں کچھ چینج آیا ہے' ڈاکٹرز اور نرس کمرے میں ہیں ہمیں کمرے سے باہر نکال دیا ہے۔'' دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع ایسی تھی کہ مصطفیٰ کا دل ایک دم سکڑ کر پھیلا تھا۔
''میں ابھی آیا۔'' اس نے فوراً کال بند کی اور انا کو دیکھا جس کے چہرے پر مصطفیٰ کی پریشان صورت دیکھ کر گھبراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔
''کیا ہوا؟''
''ولید کی طبیعت ٹھیک نہیں' جلدی چلو۔'' انا کو لگا کہ جیسے کسی نے اس کی سماعت پر دھماکا کر دیا ہو۔ مصطفیٰ تیزی سے اوپر کی طرف بھاگا اور انا منہ پر ہاتھ رکھے وہیں ساکت رہ گئی تھی' اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے جسم سے ابھی جان نکلنے والی ہے۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے ہو گئے تھے' اس نے لرزتے ہاتھوں سے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا تھا۔



سکندر کو اصل زندگی کا اندازہ پاکستان آ کر ہوا تھا۔ لوگوں کا مزاج' ان کا رویہ' باتیں...... سکندر کو ایک الگ ہی دنیا کے لوگ لگے تھے۔ اس کے معاملے میں انتہائی تند مزاج اور تنگ نظر۔ ہر ایک کی زبان پر ایک ہی بات ہوتی تھی کہ وہ سبحان احمد کا لے پالک بیٹا ہے۔ وہ سب لوگ سبحان احمد کی جائیداد پر نظر رکھے ہوئے تھے ایسے میں انہیں سبحان احمد متمنی کیسے بھا سکتا تھا؟ سکندر پریشان ہو گیا تھا وہ نہ ایسے لوگوں کا عادی تھا اور نہ ہی ایسے رویوں کا۔
''یہ سب لوگ چاہتے تھے کہ ہم ان کے بچوں میں سے کسی کو اڈاپٹ کر لیتے لیکن حیات علی سے ایسی دوستی تھی کہ ہم نے تمہیں اڈاپٹ کر لیا اور ان کو بس یہی بات تم سے بدظن کر دیتی ہے۔ تم دل چھوٹا مت کرو' یہ سب لالچی لوگ ہیں انہیں ہم سے کوئی غرض نہیں بس ہماری جائیداد سے واسطہ ہے۔'' ایک دن وہ کسی چچا کے رویے کی وجہ سے سخت پریشان تھا تو حاجرہ نے محبت سے سمجھایا تھا اور پھر اس دن کے بعد اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ یہ رشتے' یہ ناطے اس کے حقیقی نہیں۔
اس نے بہت پُروقار زندگی گزاری تھی' زندگی میں پہلی بار لے پالک ہونے کا طعنہ سنا تو اسے اپنے حقیقی باپ سے بھی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ سبحان اور حاجرہ دونوں میں سے کسی نے بھی اس کے ماضی کے متعلق اس سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔ ہر بات علم میں تھی لیکن اسے پاکستان آ کر زندگی میں پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ اپنے اصل سے جدا ہو کر کچھ بھی نہیں۔
ابھی اسے پاکستان آئے ہوئے دو ماہ ہی ہوئے تھی جب کہیں سے اسے ڈھونڈتی ایک لڑکی چلی آئی تھی۔ حاجرہ سے اس نے اپنا تعارف مہرالنساء کی بیٹی افشاں کہہ کر کروایا تھا۔
''مجھے پہچانا تم نے؟'' اس نے سکندر کو مسکرا کر دیکھتے پوچھا تو سکندر نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔
''میری خالہ مہرالنساء کی بیٹی ہو تم' امی نے تمہارا تعارف کروا رکھا ہے۔''
''شکر ہے ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ امریکہ میں رہنے والا کزن کہاں مجھے یاد رکھے گا۔'' افشاں ایک سادہ مزاج والی بہت جلد گھل مل جانے والی لڑکی تھی۔ سکندر اس کی بات پر محض مسکرایا تھا۔
''تم دونوں بیٹھ کر بات کرو' میں چائے اور کچھ کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔'' حاجرہ کہہ کر اٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں باتوں میں لگ گئے تھے۔
افشاں نے ہی اسے بتایا تھا کہ والدہ کی وفات کے بعد اس کا باپ باہر سیٹل ہو گیا تھا اور اسے اپنی بیوہ بہن صفیہ پھوپو کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ اس کے باپ نے وہاں باہر کے ملک میں کسی انگریز عورت سے شادی کر لی تھی لیکن کثرت سے سگریٹ نوشی کے سبب وہ پھر کچھ سال ہی جی پایا اور دو سال پہلے ہی اس کی پھوپو کا بھی انتقال ہو گیا تھا آج کل وہ پھوپو کے گھر میں ہی ایک بے سہارا عورت کے ساتھ رہ رہی تھی جنہیں وہ خالہ بی کہتی تھی اور ان کا چند سال کا بیٹا بھی تھا۔ افشاں نے ماسٹر کیا تھا' زندگی کے بارے میں اس کی اپروچ بہت ہی پریکٹیکل تھی۔ سکندر کو افشاں سے مل کر بہت اچھا لگا تھا۔
''تمہیں پتا ہے میں پچھلے کئی سالوں سے یہاں کے چکر لگاتی رہی ہوں' میری امی کا کہنا تھا کہ تم سے رابطہ رکھوں۔ کبھی بھی تم پاکستان آؤ تو تم سے ضرور ملوں لیکن تمہارے یہ ددھیالی رشتہ دار بہت ہی کرپٹ لوگ ہیں' جب بھی آئی ہوں بہت کچھ سنا کر واپس بھیج دیا۔'' افشاں

اسے بتا رہی تھی اور سکندر احمد کو از حد افسوس نے آ لیا تھا۔

''ویسے کب تک ہو تم لوگ یہاں؟'' حاجرہ چائے لے آئی تھیں' چائے پی کر اس نے سکندر سے پوچھا تھا۔

''اس کے بابا کی جاب ختم ہوگئی ہے باہر سے اب ہمارا یہیں سیٹل ہونے کا ارادہ ہے۔ اگر سکندر کا دل چاہا تو وہ امریکا چلا جائے گا' وہاں کچھ دکانیں اور ایک گھر ہے۔'' حاجرہ نے بتایا' افشاں نے سر ہلا دیا۔

''تم چکر لگانا کسی دن ہماری طرف' ایڈریس سمجھا دیتی ہوں انکل اور آنٹی جی کو بھی ساتھ لانا۔'' افشاں نے کہا تو سکندر نے سر ہلایا۔

زندگی واپس اپنی ڈگر پر آ گئی تھی' وہ حاجرہ کے ساتھ ایک دو بار افشاں کے ہاں جا چکا تھا۔ وہ اس دن بھی اکیلا آیا تو وہاں کچھ مہمان موجود تھے وہ باہر ہی رک گیا تھا۔

''ارے سکندر آؤ نا' رک کیوں گئے۔'' افشاں اسے دیکھ چہکی اور اسے اندر لے آئی۔

یہ پرانی طرز کا ڈبل اسٹوری گھر تھا' جس کے تین کمرے نیچے تھے اور دو تین اوپر۔ گھر کی حالت سے مکینوں کی مالی حالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا' باپ اور پھوپی کی موت کے بعد افشاں خود ہی اس سارے گھر کا نظام چلا رہی تھی۔

''یہ سکندر ہے میں نے بتایا تھا نا کہ میری خالہ کا ایک بیٹا بھی ہے' یہ لوگ امریکہ میں تھے حال ہی میں پاکستان شفٹ ہوئے ہیں۔'' افشاں نے وہاں موجود دو لڑکوں اور ایک لڑکی سے اس کا تعارف کروایا۔ وہ لوگ گرم جوشی سے سکندر سے ملے تھے۔

''سکندر یہ صبوحی اور ضیاء ہیں' پھوپو کے دیور کے بچے اور یہ وقار ہے صبوحی کا شوہر۔'' تعارف مکمل تھا۔ وہ لوگ بہت دوستانہ مزاج رکھتے تھے' سکندر بہت جلد ان سب کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔ افشاں نے بتایا کہ ضیاء آج کل باہر جانے کے چکر میں ہے' سکندر اس سے اس کے آئندہ پلان کے بارے میں بات کرتا رہا اور اسے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اچھے مشوروں سے بھی نوازتا رہا تھا۔

صبوحی اور وقار کی شادی کو ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے' یہ لوگ بھی مالی لحاظ سے کچھ اتنے مضبوط نہ تھے۔ ضیاء کے والدین بھی انتقال کر چکے تھے' وقار ضیاء کا دوست تھا' والدین کا اکلوتا بیٹا تھا' باپ مر چکا تھا اور ماں زندہ تھی اور اس رات وہ افشاں کے ہاں ایک بھرپور دن گزار کر جب گھر واپس جا رہا تھا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک بہت بڑا حادثہ اس کا منتظر تھا' ایسا حادثہ جس نے اس کی زندگی کا محور ہی بدل دیا تھا۔



وہ اوپر آئی تو آئی سی یو کے سامنے سب ہی موجود تھے جب کہ مصطفیٰ روم کے اندر تھا۔ وہ احسن کی طرف بڑھی جو وقار صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھے انہیں دلاسا دے رہا تھا۔

''کہ...... کہ...... کیا ہوا؟'' اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا' وقار صاحب نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا۔ زرد رنگ' روتی متورم آنکھیں اور کپکپاتے لب۔ کیا جیتنے والے بھی ایسے ہوتے ہیں۔

''کچھ نہیں' مصطفیٰ اندر گیا ہے ڈاکٹرز ابھی ہمیں کچھ بھی نہیں بتا رہے۔'' احسن نے ضبط سے کہا اور پھر باپ کا کندھا دبا کر آگے بڑھ گیا۔

وقار صاحب نے پھر گم صم سر جھکائے کھڑی بیٹی کو دیکھا' جب ہی مصطفیٰ دروازہ کھول کر تیزی سے ان کی طرف آیا تو احسن بھی فوراً اس کی طرف لپکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' احسن کی آواز میں ایک خوف تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''ولید کو ہوش آ گیا ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے انا کو بطور خاص دیکھا جس کے زرد چہرے پر بے یقینی سی تھی۔

''لیکن ابھی اس کی کنڈیشن ایسی ہے کہ مسلسل آبزرویشن میں رکھنے کی ضرورت ہے' ڈاکٹرز ابھی مکمل طور پر اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔'' مصطفیٰ کے الفاظ نے تینوں نفوس کے وجود سے جیسے خون نچوڑ لیا تھا۔

''بہرحال اللہ کا بڑا کرم ہے کہ ہوش تو آ گیا ہے' ان شاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا' آپ لوگ پریشان مت ہوں۔'' سب کے چہروں پر دوبارہ تاریکی چھائے دیکھ کر مصطفیٰ نے حوصلہ دیا۔

انا ایک گہرا سانس لیتے خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ وہ صبوحی کے کمرے میں آئی جو میڈیسن لے کر نیند میں تھیں وہ ان کے پاس کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ایک دم سسک اٹھی تھی۔ اس نے ولید کے ہوش میں آ جانے کی بہت سی دعائیں مانگی تھیں'

بہت سی منتیں مانی تھیں لیکن اب جبکہ ہوش آیا بھی تو ایک خوف میں لپٹا ہوا ڈر بھی دل کو لگ گیا تھا۔
جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کو لگ رہا تھا کہ اس کا وجود بالکل ساکت اور بے جان ہوتا جا رہا ہے۔ روشی ضیاء صاحب کے ساتھ ہسپتال آئی تو ولید کے ہوش میں آنے کی خبر اس کی منتظر تھی۔ ڈاکٹرز اس کی طرف سے کافی پر امید تھے لیکن ابھی کسی کو بھی ولید سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ صبوحی کے کمرے میں آئی تو کمرے کے ایک کونے میں جائے نماز پر بیٹھی شدت سے بلکتی انا کو دیکھ کر رک گئی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے گھر والوں کے ساتھ انا کا جو رویہ تھا اگر وہ دیکھا جاتا تو اس وقت انا کا رویہ الجھانے کے لیے کافی تھا۔ وہ خاموشی سے ٹفن سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد انا ہاتھ منہ پر پھیر کر اٹھی تو روشی کو دیکھ کر رک گئی تھی۔
''تم کب آئی؟'' انا نے پوچھا تو روشی نے اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹالی تھیں۔
''کچھ دیر پہلے۔''
''ولی بھائی کو ہوش آ گیا ہے۔'' روشی نے بتایا تو انا نے سر ہلایا۔
''لیکن ڈاکٹرز ابھی ملنے یا دیکھنے کی اجازت نہیں دے رہے' کہہ رہے تھے کہ کل روم میں شفٹ کر دیں گے تو پھر ملنے دیں گے۔'' روشی نے بتایا تو انا کے چہرے پر ایک دم خوشی کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے وہ جب سے روم میں آئی تھی پھر باہر نکلی ہی نہ تھی۔ پچھلے دو تین گھنٹوں سے وہ مسلسل جائے نماز پر تھی۔
''وہ اب بہتر ہیں نا؟''
''یس...... ڈاکٹرز کافی زیادہ پر امید ہیں۔'' دونوں پھر خاموش ہو گئی تھی۔ کچھ گھنٹے مزید سرکے تو ڈاکٹرز کی طرف سے ملنے والی خبر نے سب کو جیسے پُرسکون سا کر دیا تھا۔
ولید مکمل طور پر خطرے سے باہر تھا تاہم ٹرنکیولائزر کے زیر اثر تھا' رات کو اسے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔
احسن' وقار صاحب اور ضیاء صاحب کے ساتھ گھر چلے آئے تھے' مصطفیٰ ابھی تک وہیں موجود تھا۔ مصطفیٰ کے وجود سے سبھی کو بہت ڈھارس ملی ہوئی تھی' رات میں عباس بھائی بھی مصطفیٰ کے پاس آ گئے تھے۔ انا صبوحی کے پاس ہی رہی تھی جبکہ روشی دو تین بار ولید کے کمرے میں جا کر اسے دیکھ آئی تھی۔ انا نے خود سے نہ تو ولید کے کمرے میں جانے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی کسی نے اس سے کچھ کہا تھا۔ وہ ساری رات عجیب سی امید و بیم کی کیفیت میں گزر گئی تھی۔
فجر کے وقت ٹرنکیولائزر کا اثر ختم ہوا تو ولید نے آنکھیں کھولی تھیں' ماحول سے مانوس ہونے میں اسے کچھ وقت لگا تھا۔ جس میں جا بجا درد سے اٹھتی ٹیسیں تھیں جبکہ سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ ولید کو آنکھیں کھولتا دیکھ کر اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا مصطفیٰ ایک دم متحرک ہوا تھا۔
''ولید......'' وہ فوراً اس پر جھکا' ولید نے مصطفیٰ کو چند پل دیکھا۔
''تمہارا بہت ہی سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا' دو دن بعد ہوش آیا ہے تمہیں' اللہ کا شکر ہے ورنہ سب کا پریشانی سے بُرا حال تھا۔'' مصطفیٰ آہستہ آہستہ اسے بتا رہا تھا۔ ولید نے اپنا ہاتھ اٹھانا چاہا تو رک گیا' اس کا ہاتھ ڈرپ کی سرنج میں الجھا ہوا تھا۔
''کیسا فیل کر رہے ہو؟'' مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا تو ولید نے خاموشی سے دیکھا۔
''بابا اور روشی کہاں ہیں؟'' چند پل مزید اسی خاموشی میں سرکے تو ولید نے پوچھا۔ انداز دھیما تھا' مصطفیٰ بمشکل سن پایا تھا۔
''روشی یہی ہے' انکل کو گھر بھیج دیا ہے' سبھی بہت پریشان تھے لیکن اللہ نے کرم کیا اور تمہیں ہوش آ گیا۔'' مصطفیٰ نے بتایا تو ولید پھر خاموش ہو گیا۔
''میں ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔'' مصطفیٰ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

❀......❀......❀

مصطفیٰ ولید کے ہوش میں آنے کے بعد اس کی کنڈیشن کی طرف سے مکمل طور پر مطمئن ہوتے ہوئے دو دن بعد گھر آیا تھا' دن کے دس بج رہے تھے۔ گزرے دنوں کی نسبت وہ کافی پرسکون تھا۔ گھر آیا تو علم ہوا کہ شہوار کالج گئی ہوئی ہے' وہ فریش ہو کر کمرے سے نکلا تھا۔ ماں جی نے اس کے لیے ناشتا تیار کروا دیا تھا۔
''چلو اللہ نے کرم کیا میں دن میں تمہارے بابا کے ساتھ ولید کی عیادت کو جاؤں گی۔'' وہ ناشتا کر رہا تھا جب ماں جی بھی ساتھ آ بیٹھی

تھیں۔

''ضرور جائیے گا' بہت کریٹیکل کنڈیشن سے ولید واپس لوٹا ہے۔ جتنا بھی اللہ کا شکر ادا کریں کم ہے۔''

''ہاں بس اللہ کا ہی کرم ہے ورنہ انسان کی کیا مجال۔''

''شہوار بہت پریشان رہی ہے' کئی بار تمہیں کال کرتی رہی لیکن نہ تم کال پک کرتے تھے اور یہ ہی جواب دیتے تھے اس کے میسجز کا۔'' کھانا کھاتے ماں جی نے کہا تو مصطفیٰ ایک پل کو رکا تھا۔

''پہلے اس کیس کی وجہ سے سخت بزی تھا ادھر سے فارغ ہوا تو احسن نے بلالیا پھر سارا وقت ولید کے ساتھ ہی لگا رہا۔ ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کرتے وقت ہی نہیں ملا۔''

''ایک منٹ کال سن لینے میں بھلا کتنا وقت لگ جاتا' وہ ساری رات پریشان رہی ہے' جیسی اس کی حالت ہے ایسے میں یہ ٹینشن اس کے لیے اچھی نہیں۔'' ماں جی نے باز پرس کی' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

وہ گھر سے جس موڈ میں بھی نکلا تھا لیکن یہ سچ تھا کہ اسے وقت ہی نہیں ملا تھا' اس کا غصہ وقتی تھا اسے اب رہ رہ کر اپنی جذباتیت پر ملال ہو رہا تھا لیکن شہوار موجود نہ تھی اگر موجود ہوتی تو وہ اس سے اپنے رویے پر ضرور ایکسکیوز کر لیتا۔

''کوئی بات نہیں' آپ سب اس کے پاس موجود تھے جبکہ ہسپتال میں احسن تنہا سب کچھ ہینڈل کر رہا تھا۔ ذہن اس قدر ڈپریسڈ اور الجھا ہوا تھا کہ احساس ہی نہیں ہوا کہ خیراب کالج سے آتی ہے تو دیکھتا ہوں۔'' مصطفیٰ کا انداز پرسکون تھا۔

''اسے فون کر لینا' وہ واقعی بہت پریشان ہے۔'' ماں جی تاکید کر کے اٹھ گئی' مصطفیٰ نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔ اس نے کمرے میں واپس آ کر شہوار کے نمبر پر کال کی تو ریسیو نہیں ہوئی تھی' وہ شاید بزی تھی۔ وہ ذہن کو ریلیکس کرتے بابا صاحب کے کمرے میں چلا آیا' وہ کوئی کتاب پڑھ رہے تھے اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔

''السلام علیکم بابا صاحب!''

''وعلیکم السلام! بہت مصروف رہنے لگے ہو' کافی دن بعد دکھائی دے رہے ہو۔'' انہوں نے کتاب ایک طرف رکھ کر چشمہ اتار کر اسے دیکھا تو وہ مسکرا کر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''ہاں بس آفس کی ہی مصروفیات تھیں' آپ سب کو اندازہ تو ہے یہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی جاب بہت ٹف ہوتی ہے۔ یہ تو بس ولید کی وجہ سے دو دن آف کیا ہے' تھکن بہت تھی تو آج گھر پر آ گیا ہوں ورنہ شام یا دوپہر میں آفس کا چکر لگانے کا سوچ رہا ہوں۔''

''شاہ زیب بھی جب تک اس ڈیپارٹمنٹ میں رہا ایسے ہی مصروف رہا' گھر والوں کے لیے تو اس کے پاس وقت ہی نہ ہوتا تھا۔''

''آپ کی طبیعت اب ٹھیک رہتی ہے نا۔'' بابا صاحب نے سر ہلا دیا تھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اب گاؤں چلا جاؤں وہاں سب کچھ نوکروں پر چھوڑ رکھا ہے۔''

''کیا کرنا ہے جا کر' یہیں رہیں نا۔ وہاں جا کر تنہا ہر وقت سوچوں میں الجھتے ان سے لڑتے رہنے سے بہتر نہیں اپنوں کے ساتھ وقت گزاریں۔''

''میں تو ایک امید پر یہاں ٹکا ہوا ہوں۔'' ان کے لہجے میں ایک آس سی تھی۔

''تابندہ بی کا کچھ پتا چلا۔'' مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔

''ڈھونڈا تو ان کو جاتا ہے جو کہیں غائب ہو جائیں' کھو جائیں جو خود سے منظر سے ہٹ جائیں ان کو کیسے ڈھونڈا جائے پھر بھی بہت کوشش کی اور ابھی بھی کچھ لوگوں کو لگا رکھا ہے لیکن تا حال کوئی کامیابی نہیں ملی۔''

''شہوار کا خیال رکھا کرو' وہ عزیز تو مجھے بہت پہلے بھی تھی لیکن جب سے تابندہ نے کال کر کے بتایا تھا کہ وہ فیضان کی بیٹی ہے تو سمجھو دل کو ایک طرح کا سکون سا مل گیا ہے۔ شہوار کو دیکھتا ہوں تو لگتا ہے میرا فیضان زندہ ہو کر واپس آ گیا ہے' بہت زیادتیاں کی ہیں میں نے فیضان کے ساتھ' بہت زیادہ...... '' وہ سسکنے لگے تھے۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے ان کے گرد اپنا مضبوط اور توانا بازو حائل کیا تھا۔

''آپ ٹینشن نہ لیں شاید یہ قسمت کا ہی چکر تھا ورنہ شہوار کسی اور گھر میں بھی پل سکتی تھی۔ تابندہ بوا اسے لے کر حویلی میں ہی کیوں بھلا رہتیں۔ آپ مجبور تھے' میں نہیں سمجھتا آپ نے جان بوجھ کر کوئی زیادتی کی ہے جو بھی ہوا سب قسمت کا ہیر پھیر تھا۔''

''ہم نے تو ایک یتیم اور بے آسرا بچی کو سہارا دینے کی کوشش کی تھی شاید کہیں کوئی احساس جرم تھا جو ہم سے یہ سب کرواتا رہا ورنہ شاہ

زیب کے ماموں نے کتنا شور مچایا تھا کہ ایک انجان غیر عورت کو میں کیسے حویلی میں پناہ دے سکتا ہوں اور پھر اس طرح سارے اختیارات اس کو سونپ کر اسے ایک گھر کے فرد کی سی حیثیت دینا میرے اندر کے گناہ ہی تو ہیں جو مجھ سے یہ سب کرواتے رہے۔ میں انگاروں پر لوٹتا رہا اور اپنے ضمیر کے سامنے روز مجرم کی طرح سزا کاٹتا رہا۔''

''یہ جاگیر' جائیداد' ذات و پات کے تفاخر انسان سے بہت بڑے بڑے گناہ کروا دیتے ہیں۔ ایک عمر ہوتی ہے جب جذبات جوان ہوتے ہیں تو ساری دنیا کو ٹھوکر لگانے کو انسان تیار ہو جاتا ہے اور پھر جب وہی جذبات مدھم پڑ جاتے ہیں تو راکھ کی چنگاریاں بن جاتے ہیں۔ کاش انسان وقت سے پہلے سوچ لیا کرے تو ساری عمر پچھتاوے خواب کا روپ اوڑھ کر کسی کو بھی نہ ستایا کریں۔''

''دیکھیں آپ نے پھر وہی باتیں شروع کر دی' منع کیا تھا نا میں نے کہ کچھ نہیں سوچنا بالکل ریلیکس رہنا ہے۔ جب سب کچھ ختم ہو چکا ہے تو پھر اس راکھ کو کریدنے کا فائدہ رہ گئیں تابندہ پوا میں نے ان کی تلاش چھوڑ دی ہے وہ ایک مقصد کے تحت حویلی میں پناہ گزیں ہوئی تھیں۔ شہوار کی رخصتی سے اگلے دن ہی وہ حویلی چھوڑ گئیں تو اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ وہ سب کچھ جانتی ہیں اور جب تک وہ خود نہ چاہیں گی وہ سامنے نہیں آئیں گی۔''مصطفیٰ نے دلاسا دیا تو وہ تلخی سے مسکرائے۔

''سب کچھ کہنے کو ختم ہو چکا ہے لیکن اب شہوار کی صورت پھر سب کچھ سامنے ہے' مجھے کچھ نہیں بھولتا۔ رہ رہ کر گزرا وقت یاد آتا ہے تو پچھتاوے گناہ بن کر ڈسنے لگتے ہیں اسی لیے تو کہتا ہوں گاؤں چلا جاؤں شاید کچھ سکون مل جائے۔''

''گاؤں بھی چلے جائیے گا لیکن ابھی کچھ دن آرام کر لیں۔''مصطفیٰ نے ان کا کندھا تھپتھپایا اور پھر مزید کچھ وقت گزار کر وہ ان کے پاس سے اٹھ آیا' وہ اپنے کمرے میں آیا تو موبائل بج رہا تھا مصطفیٰ نے دیکھا شہوار کی کال تھی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام! آپ کی کال آئی تھی میں کلاس میں تھی' مجھے خبر ہی نہیں ہو سکی۔''

''کوئی بات نہیں۔''

''ولید بھائی کیسے ہیں اب؟''

''کافی بہتر ہے' روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے جب ہی میں آیا تھا' ڈاکٹرز اسے لیبارٹری میں لے گئے تھے کچھ ٹیسٹ وغیرہ کروانے تھے۔ ہوش میں آ چکا ہے تاہم بات چیت نہیں کر رہا۔''

''شکر ہے اللہ کا' میں نے روشی کو بھی کال کی تھی' رات میں بھی دن میں بھی اس نے بتایا تھا کہ ہوش آ گیا ہے۔''مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''آپ اس وقت ہسپتال میں ہیں یا آفس؟''

''میں گھر پر ہوں' کچھ دیر بعد آفس کے لیے نکلوں گا' ماں جی نے بتایا تھا کہ تم کالج جا چکی ہو تو سوچا تم سے بات کر لوں۔ دو تین دن سے ٹھیک سے بات ہی نہیں ہو سکی۔''

''آپ تو شاید ناراض تھے مجھ سے؟''شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو مصطفیٰ مسکرایا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ اس بات کو لے کر کتنا پریشان رہی ہوگی۔

''نہیں یار! ناراض نہیں تھا بس کسی بات کا غصہ تھا۔''

''کس بات کا؟''دوسری طرف وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی تھی۔

''گھر آؤ گی تو بات ہوگی۔''

''آپ کو علم ہے کہ میں کس قدر پریشان رہی ہوں' اتنا ناراض ہو کر گئے تھے میں تو ڈر گئی تھی کہ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے پھر موبائل بند' آن کیا بھی تو نہ کوئی کال کی اور نہ ہی کسی میسج کا کوئی ریپلائی۔ میسج کر کر کے میری انگلیاں ٹوٹ گئی۔'' وہ از حد رنجیدہ ہو رہی تھی۔

''ایم سوری یار! ایک غلطی تمہاری بھی تھی اور ایک میری بھی' بہر حال مجھے غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور غصہ تم پر بھی نہیں آیا تھا بس کوئی اور بات تھی۔''

''میری کیا غلطی تھی؟''اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''گھر آؤ گی تو بات کریں گے' اس وقت تو مجھے آفس کے لیے بھی تیار ہونا ہے۔ اپنا خیال رکھنا اور بہت ہی دھیان سے آنا' ڈرائیور کو بھی

میں تاکید کردوں گا' او کے۔'' مصطفیٰ نے گھڑی دیکھتے اسے کہا تو دوسری طرف وہ الجھی۔

''وہ تو دھیان سے ہی آؤں گی لیکن بتائیں تو سہی کیا وجہ تھی اس طرح غصہ کرنا بغیر کسی وجہ کے تو نہیں ہوتا۔'' وہ پریشان ہو رہی تھی۔

''ڈونٹ وری یار! کہہ تو رہا ہوں گھر آؤ گی تو بات ہوگی ورنہ سارا وقت تم پریشان رہو گی اور ہاں میں بار بار تاکید کر رہا ہوں' ایاز باہر آ چکا ہے اور اس سے مجھے کسی بھی قسم کی بھلائی کی امید نہیں' وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا ہے۔ تمہیں بہت احتیاط اور دھیان سے رہنا ہوگا اور مجھے بتائے بغیر کہیں نہیں جانا' چاہے ڈرائیور ہی ساتھ کیوں نہ ہو بالکل سیدھا گھر آنا۔''

''گھر تو میں آؤں گی ہی لیکن........''

''او کے پھر بات ہوگی۔'' مصطفیٰ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اپنا خیال رکھنا ان شاء اللہ شام میں جلدی آنے کی کوشش کروں گا' او کے۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ نے اللہ حافظ کہہ کر کال بند کر دی تھی۔ مصطفیٰ نے واٹس اپ کھولا ادھر وہی تصویر موجود تھی اس نے بہت سنجیدگی سے اس تصویر کو دیکھا اور اس تصویر کے ساتھ لکھی ہوئی سطر کو۔

چہرے کے عضلات تناؤ کا شکار ہوئے تھے' چند پل اس تصویر کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے موبائل بند کرتے سائیڈ پر رکھ دیا تھا' وہ الماری کی طرف آیا پٹ کھولے لباس نکالتے ہوئے اس کی نگاہ سائیڈ دراز کی طرف اٹھی وہاں کچھ فائلز رکھی ہوئی تھیں۔ مصطفیٰ کو ایک دم یاد آیا کہ امجد خان سے اس نے ایک فائل لی تھی 'لالہ رخ'' کیس کی فائل لیکن بعد میں حالات اس طرح رہے کہ اسے بالکل بھی وقت نہیں ملا تھا اس فائل کو اسٹڈی کرنے یا کھول کر دیکھنے کا۔

مصطفیٰ لباس نکال کر بستر پر رکھتے سنجیدگی سے تمام فائلز دیکھنے لگا تھا' اسے وہ مطلوبہ فائل لاکر میں سے ملی تھی۔ اسے کھول کر دیکھا تو اس میں بے ترتیبی سے رکھا ہوا لفافہ نیچے گر گیا تھا۔ مصطفیٰ نے جھک کر لفافہ اٹھایا۔ فائل اور لفافہ اٹھا کر وہ الماری کا پٹ بند کرتے بستر کے کنارے آ بیٹھا تھا۔ فائل بستر پر رکھ کر اس نے لفافے میں سے کچھ تصاویر نکالی تھیں جنہیں ایک کے بعد ایک دیکھتے ایک تصویر پر مصطفیٰ چونک گیا تھا۔

❁........❁........❁

سکندر گھر آیا تو حاجرہ اور سبحان کے شدید ایکسیڈنٹ کی خبر منتظر تھی۔ وہ دونوں اپنے کسی دوست کے ہاں مدعو تھے' آج کل وہ سکندر کے لیے کوئی لڑکی دیکھ رہے تھے اسی سلسلے میں وہ دونوں میاں بیوی اپنے دوست کے ہاں گئے تھے جن کی دو بچیاں تھیں اور دونوں ہی کافی پیاری اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں لیکن واپسی پر یہ حادثہ پیش آ گیا تھا۔ کوئی گاڑی ان کو ٹکر مار کر بھاگ گئی تھی' مقامی لوگوں اور پولیس نے دونوں کو ہسپتال پہنچایا تھا اور پھر گھر والوں کو اطلاع دی تھی۔ سکندر ہسپتال پہنچا تو سبحان کے کافی رشتہ دار وہاں موجود تھے ان سب نے سکندر کی آمد کو کافی ناگواری سے دیکھا تھا تاہم کہا کچھ نہیں تھا۔

دونوں کو کافی شدید چوٹیں آئی تھیں۔ سکندر ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کرتے ڈاکٹرز سے ملنے اور اصل صورت حال جاننے کی تگ ودو میں تھا جب ڈاکٹر نے آ کر حاجرہ اور سبحان دونوں کی وفات کی اطلاع دی تو سکندر ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ وہ بے یقین تھا دونوں کیسے اسے یوں اس طرح چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ وہ رات سکندر کی زندگی کی سب سے الم ناک رات تھی' ڈیڈ باڈیز گھر پہنچا دی گئی تھیں جہاں حاجرہ اور سبحان کے تمام رشتہ دار آ چکے تھے سکندر اپنے ہی صدمے سے نڈھال تھا' کون کیا کہہ رہا ہے کیا کر رہا ہے کچھ خبر نہ تھی۔

اگلے دن دونوں کی تدفین ہو گئی تھی' افشاں کو اطلاع ملی تو وہ بھی آئی تھی۔ سکندر کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا' وہ اس کی تسلی و تشفی کرتے سب کچھ جھیل جانے کی نصیحت کرتی رہی تھی۔

وقار ضیاء اور صبوحی بھی تعزیت کو آئے تھے' چند دن اسی غم کی حالت میں گزرے تو ایک شام اس کو بڑوں نے بلا بھیجا وہ جب ان کے کمرے میں پہنچا تو وہاں خاندان کے سب ہی بڑے موجود تھے۔

''دیکھو لڑکے تمہارا ہم سے کوئی بھی خونی رشتہ یا تعلق نہیں' تمہیں حاجرہ بھابی اور سبحان بھائی نے اپنا متبنّی بنایا تھا وہ لوگ اب مر گئے ہیں اصولاً تو تمہیں ہمارے کہنے سے پہلے ہی یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے تھا لیکن اگر کسی بھی قسم کی بھول میں ہو تو ہم واضح کر دیتے ہیں تمہارا بھابی اور بھائی صاحب کی جائیداد روپے پیسے پر کسی بھی قسم کا کوئی حق نہیں۔'' اس کے چچا نے کہا تو اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ ابھی سبحان اور حاجرہ کو مرے چند دن ہی تو ہوئے تھے اور یہ لوگ نجانے کیسی باتیں لے بیٹھے تھے۔

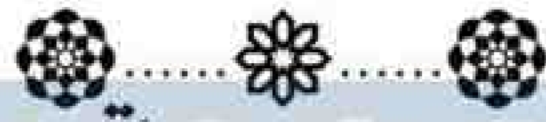
''اگر تم نے کسی بھی قسم کا کوئی حق جتانے کی کوشش کی تو ہم تم پر کیس کر دیں گے۔ جب اصل وارث ہی نہ ہو تو مرنے والوں کی دولت جائیداد پر اس کے خونی رشتہ داروں کا حق ہوتا ہے اور شریعت کے حساب سے یہ ساری دولت' یہ گھر' ان کی جائیداد سب کچھ ہمارا ہے۔ ہم سب بہن بھائیوں کا اس پر حق ہے' تم لے پالک تھے اور لے پالک جائیداد کے وارث نہیں بن سکتے۔'' کتنی تلخ حقیقت تھی۔ سکندر نے بے یقینی سے ان سب کو دیکھا' کتنے بے حس اور بے رحم تھے یہ لوگ' انہیں مرجانے والوں سے زیادہ اس پیچھے رہ جانے والی دولت جائیداد سے غرض تھی۔

سبحان احمد نے بہت پیسہ کمایا تھا اور پاکستان میں موجود کافی پراپرٹی تھی ان کی' پاکستان سے باہر امریکہ میں بھی ایک چھوٹا سا گھر اور کچھ دکانیں انہوں نے سکندر کے نام پر لکھوادی تھیں انہیں شاید اپنے رشتہ داروں کے رویوں اور فطرت کا اندازہ تھا۔ وہ جب تک زندہ تھے کسی کی مجال نہ تھی اسے دستبردار کرنے کی اور اب جب وہ نہیں رہے تھے سبھی حق دار اور وارث بن بیٹھے تھے۔

''بہتری یہی ہے کہ تم خاموشی سے صلح اور صفائی کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ' بھائی صاحب کی تمام پراپرٹی کی تفصیل اور کاغذات ہمارے پاس موجود ہیں اگر تم نے آواز نکالی تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔'' انداز اب دھمکاتا ہوا تھا۔

سکندر نے بہت اذیت بھری نگاہوں سے ان سب کو دیکھا تھا۔ وہ تو رشتوں کا ڈسا ہوا تھا محبت اور توجہ کا پیاسا انسان تھا' اسے بھلا اس دولت' اس حقیر اور بے مایہ سی جائیداد سے بھلا کیا غرض ہو سکتی تھی جس سے اس کا تعلق تھا وہ تو مر گئے تھے اب بھلا اس کا ان سے کیا تعلق تھا۔

وہ بغیر کچھ بولے خاموشی سے اٹھا تھا' پاکستان آنے کے بعد سبحان احمد نے اسے امریکہ میں موجود تمام پراپرٹی کے کچھ پیپرز دیئے تھے وہ ابھی بھی اس کے پاس لاکرز میں موجود تھے۔ اس نے وہ کاغذات نکالے اور کچھ ضروری اشیاء کپڑے اور اپنے ڈاکومنٹس لیے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ گھر چھوڑ گیا تھا' کبھی نہ آنے کے لیے۔



جب سے ولید کو ہوش آیا تھا سبھی اس کے پاس آجا رہے تھے اور ایک وہ تھی جو رو رو کر اس کی زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھی اسے یوں زندہ ہوش وحواس میں پا کر جیسے ایک دم شانت سی ہوگئی تھی۔ وہ ایک بار پھر اپنی ذات کے گنبد میں بند ہوگئی تھی۔ وہ ولید سے نہیں ملی تھی بس ایک دو بار اس کے سونے کے بعد دور سے ہی اسے دیکھ کر واپس لوٹ آئی تھی۔

احسن کے کہنے پر وہ روشی کے ساتھ گھر آ گئی تھی' وہ تھوڑی دیر لیٹی تو بہت دنوں بعد ایک پرسکون سی نیند نے آنکھوں میں ڈیرہ جما لیا' وہ دو گھنٹے سوئی رہی تھی۔ وہ اٹھی تو طبیعت کچھ فریش تھی' وہ لاؤنج میں آئی تو ضیاء صاحب اور وقار صاحب بھی گھر آ چکے تھے۔ اس وقت ہسپتال میں صرف احسن تھا روشی کھانا تیار کروا رہی تھی۔ کھانا تیار ہوا تو وقار صاحب جانے کو تیار تھے۔

''میں بھی ساتھ چلوں گی۔'' بہت دن بعد اس نے براہ راست وقار صاحب کو مخاطب کیا تھا۔

انہوں نے بغور دیکھا اور پھر ہاں میں سر ہلا کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ عجلت میں کپڑے بدل کر آئی تو ان کے ساتھ آ بیٹھی' ڈرائیور ان کو چھوڑنے جا رہا تھا۔ سارا راستہ دونوں کے درمیان بالکل خاموشی رہی تھی' وہ صبوحی کے کمرے میں آئی تو وہ نرس سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اب کافی بہتر تھیں اب وہ خود سے چل کر واش روم میں جا سکتی تھیں' اس نے ان کو کھانا کھلایا' وقار صاحب کچھ دیر بیٹھ کر ولید کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد صبوحی کو میڈیسن دیں' نیند آور گولی کے سبب وہ کچھ دیر بعد غافل ہوگئی تھیں۔ کچھ دیر بعد احسن اس کے پاس آیا تھا۔

''تم اور پاپا یہیں موجود ہو تو میں کچھ دیر کے لیے آفس کا چکر لگا لوں' اتنے دنوں سے ہر چیز نظر انداز ہو رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے ولید اور ماما اب کافی بہتر ہیں' تم اور پاپا کچھ وقت یہیں گزار لینا پھر میں آ گیا تو تم چلی جانا۔'' انا نے محض سر ہلایا تھا' وہ اسے چند اور تاکید کرتا چلا گیا تھا۔

وہ کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی اور پھر کمرے سے نکل کر وہ ولید کے روم کی طرف آئی تو ایک دو پل کو دروازے پر ہی رکی رہی تھی۔ اندر جھانکا تو وقار صاحب وہاں نہیں تھے جبکہ ولید چت لیٹا شاید سو رہا تھا' بائیں بازو پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے چند پل کھڑی رہی پھر اندر آئی تو نرس کھڑی ہوگئی تھی۔

''پاپا کہاں ہیں؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''آپ کے فادر نماز کا کہہ کر باہر گئے ہیں۔'' عصر کی نماز کا وقت تھا اس حادثے نے سبھی پر اچھا خاصا اثر ڈالا تھا سبھی باقاعدگی سے نماز ادا کرنے لگے تھے۔

''یہ کیسے ہیں اب؟'' اس نے چت لیٹے ولید کو ایک نظر دیکھ کر نرس سے پوچھا۔

''بہتر ہیں اب تو' آپ کے فادر بتا رہے تھے کہ آپ بھی ڈاکٹر بن رہی ہیں' فورتھ ائیر میں ہیں۔'' نرس نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ان کی فائل چیک کر لیں پھر۔'' اس نے فائل اٹھا کر اسے تھمائی تو وہ دیکھنے لگی تھی۔

''آپ یہاں رکیں گی۔'' اسے فائل چیک کرتے دیکھ کر نرس نے پوچھا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''کیوں؟''

''مجھے ایک بہت ہی ضروری کال کرنی ہے' کچھ وقت لگ جائے گا۔'' نرس نے کہا تو انا نے سر ہلا دیا۔

''او کے آپ چلی جائیں میں یہیں ہوں۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گئی' نرس چلی گئی تھی۔ وہ تفصیل سے ولید کی فائل اور رپورٹس چیک کرنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد وقار دروازے پر آئے تو رک گئے تھے۔ انا مکمل توجہ سے فائل دیکھ رہی تھی جبکہ ولید ابھی بھی بے خبر تھا۔

وقار کے حلق سے ایک گہرا سانس خارج ہوا تھا وہ واپس پلٹ کر صبوحی کے کمرے کی طرف چل دیئے تھے۔ ساری فائل چیک کرنے کے بعد فائل ٹیبل پر رکھ کر میڈیسن چیک کرنے لگی تھی جب ولید کے جسم میں جنبش سی ہوئی تھی' وہ چونکی۔ اس نے ولید کو دیکھا اس نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی تھی لیکن ہاتھ میں لگی ڈرپ کی وجہ سے وہ پھر ساکت ہو گیا تھا۔ انا نے ہاتھ میں تھامی ہوئی دوائیوں کی شیشی واپس ٹیبل پر رکھی تو ولید نے چونک کر اسے دیکھا۔ انا اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔

''کیسے...... کیسے ہیں آپ؟'' ولید کے چہرے پر ایک دم بے پناہ سنجیدگی چھا گئی تھی۔ اس نے چہرے کا رخ بدلا تو انا کے اندر ایک دم چھنا کے سے کچھ ٹوٹا تھا' وہ انگلیاں چٹخاتے وہیں کھڑی رہی۔

''آپ کیسا فیل کر رہے ہیں اب؟'' اس نے پھر پوچھا تو ولید نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

انا ولید کے دیکھنے پر سر جھکا گئی' ولید خاموشی سے چند پل اسے دیکھتا رہا۔ وہ انگلیاں چٹخاتے کنفیوژ سی حالت میں بیٹھی بڑی زرد سی لگ رہی تھی۔

''تمہیں شاید مجھے اس حالت میں دیکھ کر اور زندہ دیکھ کر تکلیف تو ہو رہی ہوگی۔'' انا ایک دم تڑپ اٹھی تھی۔

''میں اتنی بے رحم اور ظالم نہیں کہ کسی کے اس حالت میں پہنچ جانے پر خوشی محسوس کروں۔'' انا کا لہجہ ایک دم شاکی ہوا تھا۔

ولید نے مسکرانے کی کوشش کی تو اذیت سے بھری مسکان بس ہونٹوں پر ہی ایک پل کو اپنی جھلک دکھا سکی تھی۔

''میں ماضی کو نہیں بھولا ابھی تک' ماضی قریب میں ہمارے درمیان ایسے حالات بالکل نہیں رہے کہ تم اس وقت یہاں بیٹھ کر میری عیادت کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔'' ولید کے لہجے میں اب کے تلخی تھی۔

''انسانیت بھی کسی چیز کا نام ہوتا ہے شاید۔'' انا ولید کے طنز پر ایک دم گھائل ہوتے بہت اذیت سے کہہ گئی تو ولید مسکرایا تھا۔

''شاید...... بہر حال آئندہ میں نہیں چاہوں گا تم انتہائی مجبوری کی حالت میں میری عیادت کی خاطر انسانیت کا نام لے کر اخلاقی تقاضے نبھانے آؤ۔'' ولید کے لہجے میں تندی و تیزی تھی۔ انا کا تن من جھلسنے لگا تھا' اس کے اندر ایک دم شدید ضیاع کا ملال جاگا تھا۔

ولید سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ خود بھی تو سب کے دلوں میں اپنے خلاف نفرت کا بیج بو رہی تھی' سب کو خود سے بدظن کر رہی تھی اور اب جبکہ یہ سب حقیقتاً ہو رہا تھا تو بھلا اسے کیوں تکلیف ہو رہی تھی جو بو رہی تھی اب وہی مل رہا تھا تو پھر یہ اذیت کیسی...... اتنی تکلیف کیوں؟ وہ خاموشی سے اٹھی' دل چاہ رہا تھا کہ بس فوراً یہاں سے چلی جائے۔

''سنو......'' وہ پلٹی تو ولید کی پکار پر رک کر پلٹی۔

''پھوپو کیسی ہیں؟'' ابھی تک کسی نے بھی ولید سے صبوحی کی حالت کے بارے میں ڈسکس نہیں کیا تھا بلکہ دونوں کو ہی ایک دوسرے کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا' سب کا ہی خیال تھا کہ کچھ دن گزر جائیں تو خود ہی علم ہو جائے گا۔

''ماما ٹھیک ہیں۔''

''جھوٹ...... سب جھوٹ بول کر بہلا رہے ہیں مجھے' کہاں ہیں پھوپو۔ کوئی مجھے سچ بتا کیوں نہیں دیتا' کار ایکسیڈنٹ کے وقت وہ

میرے ساتھ تھیں، میں نے خود ان کو زخمی ہوتے دیکھا تھا۔'' ولید نے کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ماما ٹھیک ہیں، انہیں کچھ چوٹیں لگی ہیں، کچھ فریکچر وغیرہ ہے لیکن اللہ کا شکر ہے سیریس قسم کا کوئی نقصان نہیں ہوا، وہ اس ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں ایک دو دن میں انہیں ڈسچارج کر دیا جائے گا۔'' آہستگی اور سنجیدگی لیے اس نے بتایا تو ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا، ولید کو حادثے کے وقت کی اپنی ذہنی کنڈیشن یاد آئی، وہ سخت ڈپریس تھا۔

''کیوں؟'' وہ سب کچھ جو اس حادثے کا سبب بنا تھا وہ یاد نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے بہت تلخی اور سرد مہری سے ان کو دیکھا تھا۔

جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز تہس نہس کر دے، انا کے وجود سمیت سب کچھ توڑ پھوڑ دے۔ انا نے اس کی طرف دیکھا تو ایک دم ٹھٹک گئی۔ ولید بہت تلخی اور سرد مہری سے اسے دیکھ رہا تھا، انا کے وجود کے اندر ایک دم سرد سی کیفیت پیدا ہوئی تھی تب ہی نرس کمرے میں داخل ہوئی تھی، دونوں کو دیکھ کر مسکرائی۔

''کیسے ہیں سر آپ؟'' نرس کا لب و لہجہ پیشہ وارانہ انداز تھا۔ ولید نے محض سر ہلا کر اپنے تاثرات کو کنٹرول کرنا چاہا تھا۔

''کچھ لیں گے؟'' ولید نے نفی میں سر ہلایا۔

''ویسے سر آپ ہیں بہت لکی۔'' اس نے کہا تو ولید نے اسے سوالیہ دیکھا۔

''دیکھیں نا اس قدر سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا، بچنے کی کوئی امید نہ تھی جس طرح مسلسل بے ہوشی کی کیفیت تھی لگتا تھا کہ کومہ میں چلے جائیں گے لیکن آپ کے گھر والوں کی دعاؤں نے آپ کو بچا لیا۔ موت کو شکست دے کر دوبارہ زندگی پانا خوش قسمتی کی علامت ہی تو ہے۔''

''ہاں اللہ کا شکر ہے اللہ نے چند ایک کے علاوہ باقی مجھے سبھی بہت پُر خلوص رشتوں سے نوازا ہے۔'' ولید نے انا کو تلخی سے دیکھ کر کہا تو نرس مسکرائی تھی۔

''یہ آپ کی فیانسی ہیں نا؟'' نرس نے انا کو شرارت سے دیکھ کر ولید سے کہا تو دونوں چونکے۔

''آپ کو کس نے کہا؟''

''آپ کی سسٹر نے، جب آپ آئی سی یو میں تھے تو......'' وہ نجانے کیا کہنے والی تھی، انا فوراً آگے بڑھی تھی۔

''روشی نے آپ کو غلط بتایا ہوگا سسٹر! میرا اور ان کا صرف کزن ریلیشن ہے، میں چلتی ہوں ماما کو دیکھوں وہ شاید اٹھ گئی ہوں۔'' وہ کہہ کر چلی گئی تھی، ولید نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

''حیرت ہے لیکن آپ کی سسٹر نے تو مجھے بتایا تھا کہ یہ آپ کی فیانسی ہیں۔'' سسٹر نے ولید کو دیکھا جیسے تصدیق چاہ رہی ہو۔ ولید خاموش ہی رہا تھا۔

''یقین جانئے پہلے تو میں سمجھی کہ یہ آپ کی وائف ہیں جس طرح آپ آئی سی یو میں تھے یہ ہر وقت روتی رہتی تھیں، ان کی کنڈیشن اس قدر خراب تھی کہ مجھے ان پر بہت ترس آتا تھا اور وہ مصطفیٰ صاحب خود ان کو آپ کے پاس آئی سی یو میں لے آئے تھے۔ کتنی کتنی دیر آپ کے پاس بیٹھ کر میں نے اپنی آنکھوں سے روتے دیکھا ہے، میں بہت متاثر ہوئی تھی آپ کی سسٹر سے پوچھا کہ کیا آپ کی وائف ہیں تو انہوں نے بتایا کہ نہیں ابھی صرف منگنی ہوئی ہے۔'' نرس بتا رہی تھی اور ولید سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ وہ جب سے ہوش میں تھا اس وقت پہلی بار انا کو دیکھ رہا تھا جبکہ جو نرس بتا رہی تھی وہ قطعی قابل قبول نہ لگ رہا تھا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہی تھیں ہم صرف کزنز ہیں، ہماری منگنی نہیں ہوئی۔'' ولید نے کہا تو نرس حیران ہوئی۔

''تو پھر آپ کی سسٹر نے غلط بیانی کیوں کی؟''

''پلیز سسٹر میرے سر میں درد ہو رہا ہے، میں سونا چاہتا ہوں۔'' ولید نے اکتا کر کہا تو نرس ایک دم خاموش ہوگئی۔

❁ ❁ ❁

سکندر ایک ہوٹل میں کمرہ لے کر رہ رہا تھا، اس کے پاس بس کچھ مخصوص رقم تھی باقی سب کچھ جو بھی تھا اس سب پر سبحان صاحب کے رشتہ دار قبضہ کر چکے تھے۔ سکندر کے پاس اپنا پاسپورٹ تو موجود تھا لیکن اتنی رقم نہ تھی کہ وہ واپس امریکہ جانے کے انتظامات کرتا۔ وہ چند دن ہوٹل میں رہا لیکن اس طرح مزید کچھ عرصہ رہتا تو اس کے پاس جو تھوڑی بہت رقم تھی وہ بھی ختم ہو جانی تھی۔ سکندر کے سامنے زندگی ایک چیلنج بن کر آ کھڑی ہوئی تھی اور اس چیلنج کو قبول کیے بنا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اس شہر میں بس نام کے رشتوں کے سوا اس کا کوئی بھی اپنا نہ تھا۔ وہ بہت سوچ کر افشاں کی طرف آیا تھا، افشاں اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

''تم کہاں تھے سکندر؟ تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس قدر پریشان رہی ہوں' میں کئی بار تمہارے گھر گئی ہوں' وہاں تمہارے رشتہ داروں نے قبضہ کیا ہوا ہے وہ ہر بار بس یہی کہتے تھے کہ تم اپنے ماں باپ کے مرنے کے بعد یہاں سے چلے گئے ہو۔'' سکندر نے ایک گہرا سانس لیا۔اس نے تمام تفصیل افشاں کو سنائی تو وہ افسردہ ہو گئی تھی۔

''بہت خودغرض اور مطلبی لوگ ہیں یہ تو' کوئی ایسے بھی بھلا کرتا ہے کیا' تم کیوں وہاں سے نکل آئے خاموشی سے' انکل نے تمہیں اڈاپٹ کیا تھا' تم قانونی طور پر ان کے بیٹے ہو' ان کے وارث' تمہیں یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''میں ان کا حقیقی بیٹا نہیں ہوں اور یہ سب سے بڑی حقیقت ہے' وہی لوگ ان کے اصل حق دار تھے میں تو لے پالک تھا کیسے حق دار بن کر دعویٰ کرتا۔ میرے اوپر امی ابو کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مجھے ایک نام دیا' پالا پوسا' پڑھایا لکھایا' بڑا کیا۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنایا' مجھے تو میرا باپ جو حقیقی تھا جنم دینے کا سبب بنا تھا اس نے قبول نہ کیا دوسروں کی جھولی میں یوں ڈال دیا جیسے کوئی گناہ چھپایا ہے تو پھر میں کیسا دعویٰ کرتا۔'' سکندر کے الفاظ بہت تلخ اور کڑوے تھے' افشاں از حد افسردہ سی ہو گئی تھی۔

''تو اب کیا کرو گے؟'' افشاں نے پوچھا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں اپنی زندگی خود بناؤں گا' اب ہر احساس' ہر رشتے اور ہر چیز سے بالاتر ہو کر۔'' سکندر نے ایک عزم سے کہا تو افشاں مسکرا دی۔

''اور تمہاری وہ امریکہ والی جو پراپرٹی ہے اس کا کیا کرو گے؟''

''وہ گھر تو بند ہے اور دکانیں بابا نے کچھ لوگوں کے سپرد کی ہیں' واپس جانے میں بہت پیسہ چاہیے اور ابھی فی الحال میں دونوں ہاتھوں سے خالی ہوں۔''

''تو......؟'' افشاں نے سوالیہ دیکھا۔

''تو یہ کہ میں پاکستان میں ہی جاب کرنا چاہتا ہوں' کچھ پیسہ جمع کر لوں پھر باہر کا چکر لگا لوں گا۔''

''اچھا خیال ہے' لیکن میں ایک بات کہوں؟'' افشاں نے رک کر اسے دیکھا سکندر نے سر ہلایا تو اس نے کچھ سوچا تھا۔

''جب تم خود سے کسی مناسب رہائش کا بندوبست نہیں کر لیتے تم یہیں ہمارے گھر آ جاؤ' اوپر والا پورشن خالی ہے وہاں شفٹ ہو جاؤ۔ ہوٹل میں رہنے سے بہت خرچ آ جائے گا' تمہارے شایانِ شان تو نہ سہی لیکن رہنے کے قابل گھر تو یہ بھی بن سکتا ہے' کھانا پینا بھی یہیں سے کر لیا کرو۔'' افشاں کے الفاظ پر اس نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟''

''ممکن تو سب کچھ ہے اگر چاہو تو۔'' سکندر نے کچھ کہنا چاہا تو افشاں نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

''دیکھو اس میں ہم دونوں کا ہی فائدہ ہے' میں نے خالہ بی کو ساتھ رکھا ہوا ہے ان کا بیٹا ابھی بہت چھوٹا ہے۔ مجھے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے' ایسے میں ایک مرد کی ضرورت رہتی ہے۔ تم ہمارے گھر رہنا' کھانا پینا سب کچھ ہو گا بس ہمیں بھی تمہاری ذات سے ایک تحفظ کا احساس رہے گا۔''

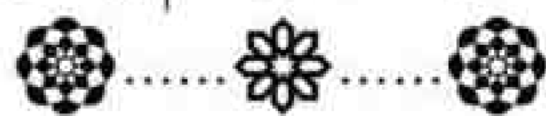
''میں مرد ہوں میں کہیں بھی رہ کر اپنا گزارا کر سکتا ہوں بس تم لوگوں کو پریشانی نہ ہو۔''

''ہمیں کوئی پریشانی نہیں بس تم آج ہی ہوٹل سے اپنا سامان اٹھاؤ اور یہاں شفٹ ہو جاؤ۔'' افشاں کا انداز حتمی تھا۔سکندر نے بھی اس کی بات مان لی تھی۔

وہ اس دن افشاں کے ہاں شفٹ ہو گیا تھا' اوپر والے حصے میں بنے ہوئے کمرے میں سے ایک کمرے کو افشاں نے اس کے رہنے کے قابل بنا کر سیٹ کر دیا تھا۔

افشاں شہر کے ایک اچھے کالج میں پڑھاتی تھی' وہ ایک خودمختار اور سیلف میڈ لڑکی تھی۔ اس نے سکندر سے پوچھ کر اپنے کالج میں بات کر لی تھی اور اس طرح چند دن بعد سکندر بھی اسی کالج میں پڑھانے لگا تھا۔

اسے یہ شعبہ مشکل لگا تھا لیکن زندگی کو آگے بڑھانے کے لیے کہیں نہ کہیں سے تو زندگی کی شروعات کرنا ہی تھیں۔ اس طرح سکندر کی زندگی کا ایک نیا موڑ شروع ہو گیا تھا جب ہی اس کی زندگی میں لالہ رخ نام کی لڑکی اچانک ہی چلی آئی تھی۔



وہ لوگ ابوبکر کے نکاح کے لیے تیار ہو رہے تھے' سب ہی مصروف تھے۔ فیضان اوپر آئے تو ابوبکر لباس ہاتھ میں پکڑے بستر کے

کنارے بیٹھا ہوا تھا چہرے پر گہری سوچ کا عکس تھا۔
''کیا بات ہے بیٹا؟'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکا۔
''کچھ نہیں۔'' وہ مسکرایا' اس کی سوچ کا جمود ٹوٹ گیا تھا۔
''نیچے سبھی تیار ہو چکے ہیں' تم بھی تیار ہو جاؤ۔ کافی دیر ہو رہی ہے' ہادیہ کے والد کے دو فون آ چکے ہیں۔'' انہوں نے کہا تو ابوبکر سر ہلا کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
''سنو بیٹا!'' ابوبکر نے رک کر فیضان صاحب کو دیکھا۔
''جی۔''
''تم نے اپنے والدین کے متعلق جتنا بتایا ہم نے مان لیا لیکن کیا ہی اچھا ہوتا تمہارے والدین بھی تمہارے نکاح میں شامل ہو جاتے۔ یہی موقعے ہوتے ہیں اپنوں سے ملنے کے۔'' انہوں نے سبھاؤ سے کہا تو ابوبکر ہلکا سا مسکرایا۔
''جی میں نے سوچا تھا کہ دل سے تمام عداوتیں مٹا کر پہل کر لوں' آپ کو بتا تو چکا ہوں کہ میری والدہ نہیں ہیں اور سوتیلی والدہ سے کبھی بنی ہی نہ تھی۔ والد صاحب اپنے گھر اور باقی لوگوں کو چھوڑے عرصہ بیت چکا ہے لیکن میں کچھ دن پہلے جب ابھی ہادیہ سے نکاح کی کوئی بات طے نہ تھی سوچا تھا کہ اپنے والد صاحب کو بھی شادی کا کارڈ دے دوں' میں وہاں گیا تھا تو علم ہوا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے آؤٹ آف سٹی ہیں۔''
''اوہ......تم پھر چلے جاتے شاید وہ اب تک آ چکے ہوتے۔'' فیضان صاحب کو افسوس ہوا تھا۔
''جی ارادہ تو یہی تھا اس بار میں ان کے گھر گیا تھا' وہاں لاک تھا' شاید وہ لوگ ابھی تک آؤٹ آف سٹی ہیں۔'' ابوبکر نے رسان سے سب بتایا تو فیضان صاحب نے سر ہلا دیا۔
''اوکے کوئی بات نہیں تم تیار ہو جاؤ' نیچے سب ریڈی ہیں پھر ہادیہ کی طرف چلتے ہیں۔'' وہ کہہ کر کندھا تھپتھپا کر واپس آ گئے تھے۔
وہ واپس آئے تو ایک کمرے سے سجی سنوری خوب صورت لباس زیب تن کیے رابعہ نکل کر آ ئی تھی' انہوں نے رک کر اسے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی بھی ملال و رنج نہ تھا بلکہ وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی' کان سے موبائل لگا رکھا تھا۔
''ہاں ہاں' تم بس اچھی طرح تیار ہو کر بیٹھو ہم آ رہے ہیں۔'' نجانے دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔
''ہم تو دوستی کے لیے جان بھی قربان کر دینے کے قائل ہیں یہ ابوبکر کیا چیز ہے۔'' فیضان صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی رینگ گئی تھی۔
''اوکے......اوکے بابا! میں ذرا تمہارے ابوبکر صاحب کو بھی دیکھ لوں کہاں تک پہنچی ان کی تیاری' تم ٹینشن نہ لو ہم وقت پر ہی آ ئیں گے۔'' وہ ہنس کر کہتے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔
''رابعہ......'' رابعہ فیضان کی آواز پر ایک دم رکی تھی۔
''جی ماموں۔'' وہ تیزی سے ان کے پاس آ ٹھہری' موبائل ابھی بھی کان سے لگا ہوا تھا۔
''میں ذرا تم سے بعد میں بات کرتی ہوں' اوکے اللہ حافظ۔'' اس نے کال ڈسکنیکٹ کی' فیضان نے اسے بغور دیکھا۔ اس کے چہرے میں انہیں کوئی تشبیہ دکھائی دی تو ان کے دل میں غبار سا بھرنے لگا' انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔
''ماشاء اللہ۔'' ہونٹوں سے بے اختیار نکلا تھا۔
''خوش ہو نا؟'' انہوں نے پوچھا تو رابعہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔
''جیتی رہو۔'' انہوں نے ایک دم وارفتگی سے اسے بازو کے حصار میں لے کر ساتھ لگا لیا۔
زندگی میں وہ بہت کم جذباتی ہوئے تھے لیکن اس پل نجانے کیا ہوا تھا کہ خود پر سے اختیار اٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے اس کا چہرہ تھام کر پیشانی پر بوسہ دیا تو رابعہ خائف ہو گئی تھی۔
''ماموں۔'' اس کے لیے فیضان صاحب کا یہ پُرجوش انداز حیران کن تھا۔ ادھر سے اُدھر مصروف ثریا بیگم یہ منظر دیکھ کر ایک دم ٹھٹکی تھیں' وہ فوراً قریب آئی' انہوں نے دیکھا فیضان کی آنکھوں میں نمی سی تھی۔ ہمیشہ خود کو ہر حال میں کمپوزر رکھنے والا مرد اس وقت عجیب سی شکستگی سے دوچار لگ رہا تھا۔

''فیضان......'' انہوں نے پکارا تو رابعہ کو والہانہ انداز میں خود سے لگائے فیضان صاحب چونکے تھے۔ ثریا بیگم کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ وہ لب دانتوں تلے بھینچ کر رابعہ کو بازو کے حصار سے نکال کر وہاں سے تیزی سے نکل گئے تھے، رابعہ نے حیرت سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔

''امی یہ ماموں کو کیا ہوا؟'' اس نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

''آں...... پتا نہیں...... تم یہاں کیوں کھڑی ہو، ساری تیاری مکمل ہوگئی کیا۔'' صاف لگ رہا تھا کہ انہوں نے بات پلٹنے کی کوشش کی ہے رابعہ نے الجھ کر ماں کو دیکھا۔

''جی...... سب ہی کچھ مکمل ہے۔'' رابعہ کو ابھی بھی اپنی پیشانی پر عجیب سے لمس کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اپنی پیشانی کو انگلیوں سے چھوتے عجیب غائب الدماغی کیفیت میں وہاں سے پلٹی تھی۔ اسے بھول گیا تھا کہ وہ اوپر ابوبکر کو دیکھنے جا رہی تھی وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہاں بھابی گڑیا کو تیار کر رہی تھیں، اس کا موبائل پھر بجنے لگا تو وہ اپنے ذہن کو جھٹکتے موبائل کی طرف متوجہ ہوئی تھی، سر عباس کی کال تھی۔

''السلام علیکم سر!''

''وعلیکم السلام، کیسی ہیں رابعہ؟'' عباس نے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے۔''

''میں آپ کی طرف آ جاؤں یا پھر سیدھا ہادیہ کی طرف چلا جاؤں۔'' عباس نے پوچھا۔

''آپ واقعی آ رہے ہیں سر؟'' اس نے عباس کی بات سن کر بے یقینی سے پوچھا۔

''تو کیا مطلب ہے میں کوئی مذاق کر رہا ہوں؟''

''نہیں...... نہیں...... میں یہ تو نہیں کہہ رہی، آپ کو جیسا مناسب لگے کر لیں، ہماری طرف آنا ہے تو آ جائیں ورنہ ہادیہ کی طرف چلے جائیں۔''

''آپ نے تو انوائٹ ہی نہیں کیا، کیا جاتا ہے اگر بندہ صلح ہی مار لے تو۔'' دوسری طرف عباس واقعی چونچالی کے موڈ میں تھا۔

''ایسی بات نہیں سر! یہ تو ابوبکر اور ہادیہ کا نکاح ہے ہم کون سا بارات لے کر جا رہے ہیں بس نکاح ہی کر رہے ہیں۔ ویسے بھی آپ کہہ رہے تھے کہ آپ ہادیہ کی طرف سے شامل ہو جائیں گے تو میں نے بھی انوائٹ نہ کیا۔''

''وہ تو میں نے آپ سے ملنا تھا سو ہادیہ کی طرف سے شامل ہونے کا کہہ دیا تھا۔'' عباس نے کہا تو وہ ایک دم گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''اوکے سر! آپ ایسا کریں ہماری طرف ہی آ جائیں، آپ میری طرف سے انوائٹڈ ہیں، ہم آپ کا انتظار کر لیتے ہیں۔'' رابعہ نے عجلت میں کہا، باہر سے اس کے نام کی آوازیں پڑ رہی تھیں، اس نے جلدی جلدی بات سمیٹنا چاہی تھی۔

''اوکے میں رستے میں ہی ہوں، کچھ دیر میں پہنچ جاؤں گا۔'' عباس نے کہا تو رابعہ نے چند ایک مزید رسمی باتوں کے بعد کال بند کر دی تھی۔

''کس کی کال تھی؟'' بھابی گڑیا کو تیار کر چکی تھیں، باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے پوچھا۔

''سر عباس کی تھی، وہ ہادیہ کی طرف سے انوائٹڈ تھے، میں نے انوائٹ نہیں کیا تو شکوہ کر رہے تھے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''تم نے اپنی شادی کا کارڈ تو بھجوایا تھا نا پھر کیسا شکوہ؟''

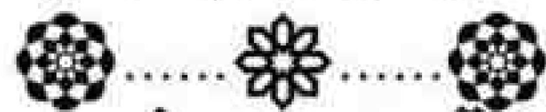
''لیکن یہ تو ہادیہ اور ابوبکر کے نکاح کا انویٹیشن تھا، اپنی شادی سے متعلق تو سب بتا کر میں نے آنے سے ایکسکیوز کر دیا تھا۔''

''او...... اچھا ویسے خوش ہونا؟'' بھابی نے پوچھا تو وہ مسکرائی تھی۔

''سو فیصد بھابی!''

''سدا خوش رہو یونہی مسکراتی ہنستی۔'' وہ اس کا گال تھپک کر کمرے میں چلی گئی تھیں۔

رابعہ نے مسکرا کر ان کو جاتے دیکھا اور پھر خود بھی باہر نکل آئی تھی جہاں ثریا بیگم کسی کام کی وجہ سے اسے پکار رہی تھیں۔



شہوار کالج سے آنے کے بعد مسلسل سراپا انتظار بنی ہوئی تھی، مصطفیٰ آفس جا چکا تھا۔ شام کا وقت ہوا تو وہ نماز پڑھ کر کچن میں چلی آئی

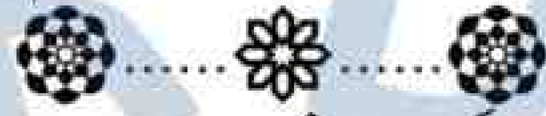
تھی‘ لائبہ تو آج کل ریسٹ پر تھی۔ اس کی ڈلیوری کے دن جوں جوں نزدیک آتے جا رہے تھے ماں جی اسے مکمل طور پر آرام کروا رہی تھیں۔ اس نے ملازمہ کے ساتھ مل کر کھانا پکوایا‘ سات بجے کے بعد سبھی نے گھر آنا شروع کر دیا تھا‘ عباس کہیں انوائٹڈ تھا وہ تو جا چکا تھا۔ اس وقت سوائے مصطفیٰ کے باقی سبھی افراد گھر پر موجود تھے۔ وہ ملازمہ کو ہدایت دیتی باہر آئی تو راہداری سے گزرتے ٹھٹک گئی۔ راہداری کے دوسری طرف دریہ تھی جو کسی سے مخاطب تھی۔

”پلیز ڈونٹ وری‘ کہا نا جیسے ہی موقع ملا میں لے کر آجاؤں گی۔“

”اُف تم کیوں نہیں سمجھ رہے‘ اس وقت ممکن نہیں۔“ نجانے کس کی بات ہو رہی تھی۔

”وہ آج گھر آ گیا تھا وہ کسی بھی وقت گھر آ سکتا ہے‘ آج تو کسی بھی طرح ممکن نہیں‘ دیکھو میں کچھ سوچتی ہوں اور پھر کسی دن موقع دیکھتے ہی کرلوں گی‘ پلیز ڈونٹ بی سلی‘ صبر سے جو کام ہو وہ زیادہ اچھا اور فائدہ مند ہوتا ہے۔“

”اوکے‘ ڈونٹ وری‘ آئی ایگری ود یو‘ اوکے‘ سی یو‘ بائے۔“ آواز بند ہو گئی تھی۔ شہوار الجھ گئی تھی وہ فوراً آگے بڑھی تھی کچھ دور جا کر وہ پھر رک گئی تھی۔ دریہ بڑے محتاط انداز میں چلتی ہوئی واپس کمرے میں گئی تھی۔ شہوار الجھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ مصطفیٰ کسی بھی وقت گھر آ سکتا تھا۔ وہ الماری کھول کر لباس نکال کر واش روم میں گھس گئی تھی۔



عباس رابعہ کے ہاں پہنچا تو سہیل اور فیضان ماموں نے گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ لوگ تیار ہی تھے بہت زیادہ لوگ نہ تھے چند قریبی دوست احباب ایک دو رشتہ دار اور گھر کے لوگ۔ ابوبکر کی گاڑی کے علاوہ دو اور گاڑیاں رینٹ پر لی گئی تھیں جبکہ عباس اپنی گاڑی میں تھا۔ ابوبکر کے ساتھ اس کی گاڑی میں بھابی‘ ثریا بیگم کے علاوہ دو اور رشتہ دار خواتین تھیں‘ ابوبکر گاڑی خود ڈرائیو کر رہا تھا۔

باقی دو گاڑیوں میں باقی دوست احباب سوار ہو چکے تھے۔ وہ فیضان ماموں کے ساتھ گھر کے تمام لاکز چیک کرتی تمام لائٹس چیک کر کے واپس آئی تو صرف وہاں سہیل بھائی ماموں اور سر عباس تھے۔ یقیناً ان سب نے اب سر عباس کے ساتھ ہی جانا تھا‘ رابعہ نے حسب عادت چادر اوڑھی تھی۔ میک اپ ہونے کی وجہ سے کچھ چہرہ بھی چادر کے اندر کر لیا تھا۔ گاڑیاں سبھی روڈ پر تھیں وہ سہیل کے ساتھ چلتی گاڑی تک آئی تو سر عباس منتظر تھے‘ باقی گاڑیاں روانہ ہو چکی تھیں۔

”السلام علیکم سر!“ قریب آنے پر اس نے حسب عادت سلام کیا تھا۔

عباس ایک پل کو چونک کر رہ گیا تھا‘ دونوں کا اب سامنا ہو رہا تا۔ شام کے بعد کے ملگجے اندھیرے میں خوب صورت لباس اور جگمگاتا وجود ساری توجہ کھینچ کر لے گیا تھا‘ اس نے سر کے اشارے سے جواب دیا‘ عباس نے فوراً اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا تھا جبکہ دوسری طرف فیضان صاحب بیٹھ چکے تھے۔ سہیل بھائی فرنٹ سیٹ پر براجمان ہو چکے تھے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد گاڑی روانہ ہوئی تو عباس نے غیر محسوس انداز میں عقب میں فیضان کے ساتھ بیٹھی رابعہ کو دیکھا تھا۔ وہ ابھی بھی چادر چہرے پر ڈالے ہوئے تھی اور چہرے کا جو تھوڑا بہت حصہ دکھائی دے رہا تھا وہ اس قدر دلکش لگ رہی تھی کہ عباس کا دل بار بار پلٹ کر دیکھنے کو مچل رہا تھا تاہم وہ بمشکل خود کو روک رہا تھا۔ بھائی اور ماموں کی وجہ سے رابعہ خاموش تھی‘ عباس ان دونوں کے ساتھ ہی بات کر رہا تھا۔

وہ لوگ جلد ہی ہادیہ کی طرف پہنچ گئے تھے باقی لوگ گھر کے باہر ہی ان کے منتظر تھے وہ سب لوگ ہادیہ کے گھر والوں کی طرف سے پھولوں کی پتیوں کی برسات میں اندر کی طرف بڑھے تھے۔ ان سب کا بڑا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا تھا۔

ہادیہ کی طرف سے کافی سارے مہمان مدعو تھے‘ انہوں نے گھر کے لان میں باقاعدہ سجاوٹ اور اسٹیج بنا کر انتظام کر رکھا تھا‘ ایک طرف کھانے کا انتظام تھا‘ ٹیبلز سیٹ تھیں۔ اندر آ کر رابعہ نے چادر اتار دی تھی‘ خواتین اور مرد حضرات کی سیٹنگ علیحدہ علیحدہ تھیں تاہم درمیان میں کسی بھی قسم کا کوئی پردہ نہ تھا۔

سہیل اور ابوبکر کے ساتھ بیٹھے عباس کی نگاہیں بار بار اپنی بھابی اور ماں کے ساتھ دوسری طرف خواتین کی طرف بیٹھی رابعہ کے وجود کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ انتہائی دلکش سراپا‘ مناسب وجود اور قد و قامت‘ بہت عرصے بعد عباس کے اندر فیلنگز پیدا ہو رہی تھیں۔ عادلہ کو اس کی خوب صورتی اور حد سے بڑھے ہوئے کانفیڈنٹ کی وجہ سے اس نے سلیکٹ کیا تھا جبکہ رابعہ تو عادلہ سے بالکل متضاد تھی۔ رابعہ کا کردار‘ اس کا اخلاق‘ اس کے اطوار سب عادلہ سے مختلف تھا شاید رابعہ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے یہی سبب بنا تھا۔ رابعہ ہادیہ سے ملنے کا کہہ کر اندر کی طرف بڑھی تو عباس بھی سہیل اور ابوبکر سے ایکسکیوز کرتا وہاں سے نکل آیا تھا۔

ہادیہ کے ان سے فیملی ٹرمز تھے سو عباس کو یہاں موجود دیکھ کر ہادیہ کے والد بہت خوش ہوئے تھے۔ رابعہ جیسے ہی اندرونی دروازے کو عبور کر کے اندر داخل ہوئی تھی عباس بھی فوراً پیچھے آ گئے تھے۔

''رابعہ......'' رابعہ اس پکار پر رکی تھی عباس فوراً اس کے سامنے آ رکے تھے۔

''کیسی ہیں؟'' عباس نے مسکرا کر پوچھا تو وہ مسکرائی۔

''بالکل ٹھیک۔''

''اچھی لگ رہی ہیں۔'' عباس نے کہا تو وہ چونکی الجھ کر اسے دیکھا۔

''جی......''

''آپ سے کل ملنے کی درخواست کی تھی میں نے۔'' عباس نے کہا تو وہ الجھ کر دیکھنے لگی۔

''ہاں تو آپ کو بلا تو لیا ہے میں نے۔'' عباس رابعہ کی بات پر ایک دم کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

''میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' رابعہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

''ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟''

''ہادیہ کے پاس جا رہی ہوں آپ بھی چلیں ادھر ہی بات کر لیتے ہیں۔''

''نہیں بات ایسی ہے کہ میں اس قدر ہجوم اور شور شرابے میں نہیں کر سکتا۔'' رابعہ نے الجھ کر سر عباس کو دیکھا۔ عام حلیے سے برعکس آج وہ نک سک سے تیار اچھی ڈریسنگ میں تھے۔

''تو......؟''

''کہیں چلیں؟'' عباس کے انداز ہی نہیں آج مزاج بھی نرالا تھا۔

''کہاں؟'' وہ مشکوک ہوئی۔

''کہیں باہر......''

رابعہ نے گھورا۔ ''کیوں؟''

''اہم بات ہے اس لیے۔'' انداز پرسکون تھا۔

''ایسی کیا خاص بات ہے جو یہاں نہیں ہو سکتی؟'' چڑ کر پوچھا۔

''کچھ خاص ہے تو کہہ رہا ہوں۔''

''ایم سوری میں کہیں نہیں جا سکتی جو بھی کہنا ہے یہیں کہہ لیں۔'' وہ فوراً انکاری ہوئی۔

''اوکے۔''

''ایک پروپوزل ہے آپ کے لیے۔'' پروپوزل کے لفظ پر رابعہ نے الجھ کر دیکھا۔

''کیسا پروپوزل؟''

''ایک جاب کا۔'' عباس کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

''جاب......؟''

''جاب کی نوعیت کچھ مختلف ہو گی اس بار۔'' رابعہ نے الجھ کر دیکھا عباس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''چوبیس گھنٹے کی جاب ہو گی اور لوکیشن آفس کی بجائے گھر ہو گا۔'' رابعہ کچھ نہ سمجھ پائی تھی۔

''جی سر...... یہ کیسی جاب ہے بھلا؟'' عباس ہنس دیا تھا۔

جس طرح آپ نے سر سر کی رٹ لگا رکھی ہے مجھے لگتا ہے میں یہاں کھڑے ہو کر ساری عمر بھی جاب کی نوعیت سمجھاتا رہوں تو بھی آپ کو سمجھ نہیں آئے گی۔''

''اب ایسی بھی بات نہیں۔'' وہ ایک دم شرمندہ ہوئی تھی۔ ''اگر آپ سادہ الفاظ میں وضاحت کر دیں تو مجھے سمجھنے میں آسانی ہو گی کہ یہ کس قسم کی جاب ہے۔'' وہ دونوں راہداری میں کھڑے تھے۔ اردگرد سے کوئی نہ کوئی گزر رہا تھا۔

''آئیں میرے ساتھ۔'' عباس نے ایک دم رابعہ کا ہاتھ تھاما اور چلنا شروع کر دیا۔

رابعہ تو ایک دم حیرت سے گنگ بغیر کچھ سمجھے اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی' وہ اسے لے کر قدرے پرسکون سے گوشے کی طرف آ رکا تھا۔ یہ گھر کا اندرونی حصہ تھا' کھلا ہال نما کوئی کمرہ یہاں لوگوں کی آمدورفت بہت کم تھی۔

''آسان لفظوں میں اس جاب کی وضاحت یہ ہے کہ میں آپ کو پروپوز کررہا ہوں۔'' عباس نے ابھی بھی اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ بہت مضبوطی سے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام کر رابعہ کو دیکھتے اس نے کہا۔

''ول یو میری می؟''

''جی......'' رابعہ ایک دم ساکت ہوئی تھی۔ عباس کے ہاتھ کی پُرجوش حدت اور آنکھوں میں موجود چمک وہ تو ششدر رہ گئی تھی۔

''شادی کریں گی مجھ سے۔'' رابعہ نے ایک دم ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ سر؟'' اس کے چہرے پر شدید ناگواری کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''کیوں بُرا لگا آپ کو کیا؟'' عباس بھی ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ رابعہ نے الجھ کر سر کو دیکھا' ایک دم آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔

''نہیں سر! مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ یہ کیسے ممکن ہے' کہاں آپ کہاں میں؟'' وہ حیرت سے گنگ تھی۔

''آپ شاید میرے میریڈ ہونے کی وجہ سے معترض ہیں۔''

''پلیز سر! مجھ سے ایسی کوئی بات مت کریں۔''

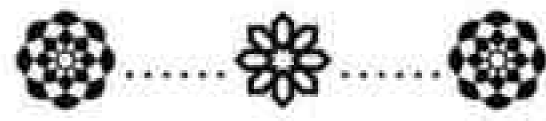
''کیوں؟''

''اگر یہ مذاق ہے تو انتہائی غیر سنجیدہ مذاق ہے اور مجھے یہ سب بہت بُرا لگ رہا ہے۔'' رابعہ نے تلخی سے کہا۔

''کیوں کسی بھی لڑکی کو پرپوز کرنا بُرا ہوتا ہے کیا؟'' رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ خاموشی سے عباس کی سائیڈ سے ہوتے وہاں سے جانے لگی تھی۔

''جواب تو دیتی جائیں۔'' عباس نے کہا تو وہ رکی۔

''میرے معاملے میں کسی بھی قسم کے سوال و جواب کا اختیار میری فیملی کے پاس ہے۔ اول تو مجھے اس پرپوزل سے شدید حیرت ہورہی ہے اور فرض کریں اگر مجھے کوئی اعتراض نہ بھی ہو تو بھی میں اس پرپوزل کو اپنے لیے سوٹ ایبل نہیں سمجھوں گی لیکن جو بھی کہنا ہے وہ میرے بڑوں سے کہیے' میری ذات سے متعلق ہر طرح کے فیصلے کا اختیار صرف ان کو حاصل ہے۔'' وہ کہہ کر چلی گئی' عباس پُرسوچ انداز میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔



مصطفیٰ گھر آیا تو سجی سنوری سی شہوار منتظر تھی' مصطفیٰ کو لگا کہ جیسے ایک دم ساری اعصابی تھکن کہیں جا سوئی ہو۔ شہوار کچن میں موجود تھی مصطفیٰ سیدھا وہیں آ گیا تھا۔

''مصروف ہو۔'' کھانا تیار تھا وہ ملازمہ کی مدد سے ٹیبل پر لگوا رہی تھی' مصطفیٰ کو دیکھ کر سنجیدگی اختیار کی تھی۔

''جیسے آپ پچھلے کئی دنوں سے سخت بزی ہیں۔'' تیکھا سا جواب دے کر اس نے ڈونگے میں سالن نکال کر ملازمہ کو تھمایا۔ ملازمہ مسکراتی ہوئی دونوں کو معنی خیزی سے دیکھتی وہاں سے چلی گئی تھی۔ مصطفیٰ نے گھور کر دیکھا۔

''دیکھو ایسی باتیں کرو گی تو لڑائی ہوگی پھر۔''

''آپ صلح ہی کب رہنے دیتے ہیں؟'' وہ اب بھی سنجیدہ تھی۔

''مطلب ہماری اب تک جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں وہ سب میری وجہ سے ہوئی ہیں۔''

''سچ تو یہی ہے۔'' شہوار کا انداز ہنوز وہی تھا۔

''سچ کی کچھ لگتی' میں تھوڑا سا منہ بناؤں وہ فوراً دکھائی دیتا ہے اور جو ڈھیروں کے حساب سے محبت نچھاور کرتا ہوں وہ کہیں دکھائی نہیں دیتی۔'' ہاتھ پکڑ کر قریب کرتے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار کنفیوژ ہونے لگی۔

''جب کوئی بلاوجہ ناراض ہوگا تو جواباً دوسرا بندہ یہی سوچے گا نا۔''

''وہ بلاوجہ نہیں تھا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

''تو پھر اس دن کیوں اور کس بات پر ناراض ہوکر گئے تھے۔'' مصطفیٰ کو سنجیدگی سے دیکھتے پوچھا۔

''ناراض نہیں تھا بس غصہ تھا۔''
''لیکن کیوں، میں نے کیا کیا تھا' آپ نے دوپہر میں بھی کہا تھا کہ میری غلطی تھی' ایسی کیا غلطی تھی جو میرے خود بھی علم میں نہیں۔'' وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔
''کیا ساری باز پرس یہیں کرلوگی' کھانا وغیرہ کچھ نہیں دوگی۔ یار سخت بھوک محسوس ہورہی ہے' پہلا کام پیٹ پوجا پھر کوئی کام دوجا۔'' شرارت سے خود کے قریب کرتے چہرے پر جھک کر کہا تو شہوار کے چہرے کے تیور اور رنگ دونوں ایک دم بدلے تھے۔
''کھانا تیار ہے ٹیبل پر چلیں میں سب کو اطلاع دے دوں۔'' وہ کہہ کر مصطفیٰ کو پیچھے کرتی باہر نکل گئی تھی۔
کھانا سب ہی نے مل کر کھایا تھا' کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔ آج مصطفیٰ کافی دنوں بعد سب میں یوں مل کر بیٹھا تھا تو باپ بھائی اور بابا صاحب سے ایک لمبی ڈسکشن ہوئی تھی اس کی۔ شہوار کمرے میں انتظار کرتے کرتے تھک گئی تو لیٹ گئی تھی تب کہیں جا کر مصطفیٰ کمرے میں آیا تھا۔ وہ کروٹ بدلے لیٹی رہی تو مصطفیٰ بستر پر آ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا' شہوار نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔
''اتنی خوب صورت لگ رہی ہو ان کپڑوں میں' ایسے میں یوں ناراض ناراض سی اچھی نہیں لگ رہیں۔'' مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھنا چاہا تو اس نے بازو کھینچ لیا تھا۔
''ہاں جیسے ناراض ہونے کے سارے اختیارات تو بس آپ کو ہی تو حاصل ہیں۔'' وہ بہت سنجیدہ تھی' مصطفیٰ ہنس رہا تھا' جھک کر اس کی پیشانی چھونا چاہی تو وہ پیچھے کھسک گئی۔
''دیکھو اب تم خود زیادتی کررہی ہو' اتنے دنوں بعد ہم دونوں مل رہے ہیں ایسے تو مت کرو۔''
''میں جو پچھلی کئی راتوں سے سخت اذیت میں ہوں وہ کہیں نظر نہیں آ رہی' اب اپنا دل ہے تو محبت جتانے کو پاس آ گئے۔'' وہ سخت خفا تھی' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔
''اوکے بابا سیز فائر۔'' مصطفیٰ نے ہاتھ اٹھا کر صلح جو انداز میں کہا تو شہوار نے سنجیدگی سے دیکھا۔ مصطفیٰ مسکرایا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھ گیا تھا۔ بازو شہوار کی کمر کے پیچھے حمائل کرتے اسے خود سے قریب کرلیا تھا۔
''میں بہت ٹینس رہی ہوں' آپ کیوں خفا ہوئے تھے اس دن۔'' اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔
''اس دن میں نے تم سے جب پوچھا کہ تم کہاں تھیں تو تم نے بہت الٹا جواب دیا تھا' میں پہلے ہی کسی وجہ سے غصے میں تھا یہ جواب سن کر اور غصہ آ گیا تھا۔''
''میں اس دن دریہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی تھی' دریہ کو جانا تھا ماں جی کو اکیلے بھیجنا اچھا نہیں لگ رہا تھا تو انہوں نے مجھے ساتھ بھیجا تھا۔''
''تو یہی بات تم اس دن بھی بتا سکتی تھی نا۔''
''تو آپ نے موقع ہی کب دیا تھا؟'' اس نے جتایا تو مصطفیٰ نے پُرسوچ نظروں سے شہوار کو دیکھا۔
''ایک اور سوال پوچھوں گا۔'' شہوار نے سوالیہ نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔ مصطفیٰ نے اپنا موبائل اٹھا کر واٹس اپ نکال کر اس میں موجود وہ پک نکال کر شہوار کے سامنے کی تھی۔
''یہ کب کی تصویر ہے؟'' شہوار نے حیران ہو کر تصویر کو دیکھا تھا۔
''یہ..... یہ.....'' وہ تصویر سے زیادہ اس کے ساتھ لکھی سطر پڑھ کر پریشان ہوگئی تھی۔ کتنے گندے الفاظ میں اس پر کمنٹس کیے گئے تھے۔
''مجھے نہیں پتا۔'' وہ واقعی پریشان ہوگی تھی۔ ''میں خود پہلی بار تصویر دیکھ رہی ہوں۔''
''اور یہ لڑکا کون ہے؟'' مصطفیٰ نے پھر سوال کیا تو شہوار نے پریشانی سے مصطفیٰ کی شکل دیکھی' وہ بالکل سنجیدہ تھا۔
''یہ ہاشم ہے ہمارا کالج فیلو وہی جس کا ایک بار کالج کی کینٹین میں ایاز کے ساتھ میرے ساتھ بدتمیزی کرنے پر جھگڑا ہوا تھا۔'' مصطفیٰ نے بغور اس کی بات سنی اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔
''لیکن یہ ہے کیا مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔''

"یہ پک اس دن جب میں غصہ میں گیا تھا تبھی ایاز نے سینڈ کی تھی۔"
"ایاز نے......؟" شہوار ایک دم خوف زدہ ہوئی تھی۔
"یس' ایاز نے۔" مصطفیٰ نے شہوار کے الجھے ہوئے پریشان چہرے کو دیکھا۔
"کچھ اندازہ ہے یہ کب کی تصویر ہے؟" شہوار نے پک کو بغور دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔
"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی' ہوسکتا ہے ایڈیٹنگ ہو۔" اس نے اپنا خیال ظاہر کیا تو مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا۔
"میں چیک کروا چکا ہوں یہ رئیل پک ہے۔"
"مجھے علم نہیں' مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔" وہ الجھی تھی۔
"یاد کرنے کی کوشش کرو تم کب اس لڑکے کے ساتھ اور کہاں کھڑی تھیں؟" مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے چونک کر مصطفیٰ کو دیکھا۔
"آپ اس ہاشم کے ساتھ کھڑے دیکھ کر مجھ پر شک کر رہے ہیں کیا؟"
"مائی گاڈ...... دماغ خراب ہے تمہارا' میں کیوں شک کروں گا؟"
"اگر شک نہیں کر رہے تو پھر مجھ سے کیوں یہ سب پوچھ رہے ہیں' اس دن آپ اس پک کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوکر گئے تھے نا۔" شہوار کا موڈ ایک دم بدلا تھا۔
"گیا تو بس اس وجہ سے تھا لیکن ضروری نہیں کہ میں تم پر شک کر رہا ہوں۔"
"تو پھر اس ساری باز پرس کا کیا مطلب ہے؟ یا تو آپ کو مجھ پر شک ہے یا پھر غصہ اور غصہ کیوں آیا تھا۔"
"غصہ یار تمہارے جواب پر آیا تھا اور اس سے بڑھ کر یہ بکواس پک دیکھ کر۔"
"میرا اس پک سے ایسا ویسا کوئی تعلق نہیں' یہ پک ایاز نے سینڈ کی ہے اسی سے جا کر پوچھیں کہ اس نے کیوں سینڈ کی ہے اور کہاں سے حاصل کی ہے۔" وہ ایک دم سخت غصے کا شکار ہوئی تھی۔ اس کے اندر شدید بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے مصطفیٰ اس تصویر کو لے کر اس کے کردار پر شک کر رہا ہے۔
"وہ تو میں اس سے بھی پوچھ لوں گا اس گھٹیا حرکت پر اسے چھوڑوں گا تو نہیں لیکن پہلے تم بتاؤ یہ پک کہاں کی ہے؟" مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا اور پھر ایک دم بستر سے اتر گئی۔
"کیا ہوا...... کہاں جا رہی ہو؟" اسے جوتا پہن کر دوپٹہ درست کرتے باہر کی طرف قدم بڑھاتے دیکھ کر مصطفیٰ بھی ایک دم پیچھے لپکا تھا۔
"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں اور میں بڑے حوصلے سے بیٹھ کر سب کچھ سن لوں' ناممکن۔"
"تم بات کو غلط رخ پر مت لے کر جاؤ شہوار۔"
"میرا تو روزانہ کالج میں ہاسٹل میں کہیں نہ کہیں ہاشم سے سامنا ہو جاتا ہے' مجھے اب کیا علم کہ یہ کب کی تصویر ہے لیکن جس طرح آپ ساری تفتیش کر رہے ہیں اس سے تو بس ایک ہی مطلب نکلتا ہے کہ آپ کو مجھ سے زیادہ اس تصویر بھیجنے والے کی اس گھٹیا بات سے اتفاق ہے جو اس نے اوپر لکھ رکھی ہے۔"
"شہوار پلیز ڈونٹ بی سلی' ایسی کوئی بات نہیں۔" بات کو غلط رخ پر جاتے اور بگڑتے دیکھ کر مصطفیٰ نے سختی سے شہوار کا بازو پکڑ کر روکا لیکن شہوار نے جھٹکے سے اپنا بازو کھینچ لیا تھا۔
"میں سمجھتی تھی آپ مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں' مجھ سے بھی زیادہ آپ مجھے جانتے ہیں اور کبھی بھی کسی بھی سلسلے میں مجھے آپ کو وضاحت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی لیکن مجھے یہ جان کر ہی حیرت ہو رہی ہے کہ آپ اس دن اس بات کو لے کر مجھ سے خفا ہوکر گئے تھے اور میں کتنی کالز کرتی رہی' میسجز کرتی رہی اور آپ نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں اور اب جبکہ یہاں ہیں تو کلیئر کروا کر آئے ہیں کہ یہ پک ایاز نے سینڈ کی تھی۔" وہ تو پھٹ پڑی تھی۔
"شہوار میں تم سے کسی بھی قسم کی وضاحت نہیں مانگ رہا' تب کا غصہ ایک وقتی غصہ تھا اور میں اب بھی تمہارے کردار پر اس طرح یقین رکھتا ہوں۔ تم سے اس تصویر کی لوکیشن اور سچویشن کے بارے میں بس اس لیے پوچھ رہا تھا کہ مجھے سب اچھی طرح کلیئر ہو جائے کہ اصل کہانی کیا ہے۔"

''اصل کہانی تو یہ ہے کہ وہ شخص بس کسی نہ کسی طرح مجھے بدنام کرنا چاہتا ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس نے جس مقصد کے لیے یہ پک سینڈ کی تھی اس کا مقصد آپ نے پورا کر دیا۔'' وہ تلخی سے کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''لیکن تم اس وقت کہاں جا رہی ہو؟'' مصطفیٰ پھر سامنے آ گیا تھا۔

''جہنم میں۔'' وہ سائیڈ سے ہو کر دروازے کی طرف لپکی، مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''احمقوں کی سی باتیں مت کرو، تم بات کو غلط رخ پر لے جا رہی ہو۔'' مصطفیٰ کو غصہ آنا شروع ہو گیا تھا' غصے سے ٹوکا تو شہوار نے تلخی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

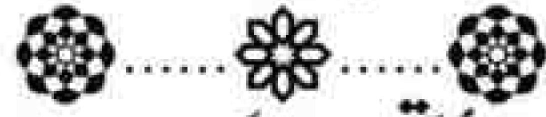
''بات میں نہیں آپ مجھ پر شک کر کے بگاڑ چکے ہیں۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گی اگر تم باہر گئیں تو سمجھ لینا مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' دروازے پر ہاتھ رکھ کر غصہ سے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

''اس وقت آپ سے زیادہ بُرا مجھے اور کوئی لگ بھی نہیں رہا' مجھے جانے دیں اگر میں یہاں کچھ دیر اور رکی تو بات بہت بگڑے گی۔'' مصطفیٰ کا بازو دروازے سے ہٹا کر اس نے دروازہ کھولا۔

''او کے' جیسے تمہاری مرضی لیکن یاد رکھنا تم اپنی مرضی سے یہاں سے جا رہی ہو اور دوبارہ اس کمرے میں سوچ سمجھ کر ہی آنا۔ نہ میں بات کو بگاڑ رہا تھا اور نہ ہی وضاحتیں مانگ رہا تھا۔ بیوی ہو تم میری' ایک کرپٹ انسان تمہاری تصویر کسی دوسرے انسان کے ساتھ بنا کے مجھے سینڈ کرتا ہے اور گندا سا اسٹیٹس بھی ساتھ دیتا ہے تو کیا ایسے عالم میں مجھے حقیقت کیا ہے اس کی تلاش کا کوئی حق حاصل نہیں۔'' مصطفیٰ کا برہمی سے بُرا حال تھا۔ شہوار جواباً کچھ نہیں بولی بس کمرے سے نکل گئی تھی۔

''احمق...... نان سینس......'' مصطفیٰ نے بہت غصے سے دیوار پر ہاتھ مارا تھا۔



نکاح کی ساری تقریب بہت خیر و عافیت سے سر انجام پائی تھی۔ ابوبکر کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی جبکہ ہادیہ کا خوشی سے اور ہی عالم تھا۔ باقی ساری تقریب میں رابعہ عباس سے چھپتی پھر رہی تھی' عباس بھی سنجیدہ سنجیدہ سا تھا۔ ہادیہ کی رخصتی بعد میں تھی ابھی صرف نکاح ہوا تھا۔ واپسی پر سبھی گاڑیوں کی طرف بڑھے تو عباس پھر سے اس کے رستے میں آ رکا تھا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں گی۔''

''آپ تو اپنے گھر جائیں گے' ہم لوگ کسی نہ کسی گاڑی میں ایڈجسٹ ہو جائیں گے' شکریہ۔'' انداز کترایا کترایا سا تھا۔

''مجھے آپ سے اور بھی بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' عباس نے کہا۔

''اتنا کچھ کہہ تو چکے ہیں اور کیا رہتا ہے کہنے کو۔'' نظروں کو جھکائے اس نے کہا تو عباس مسکرایا۔

''ابھی اپنے دل کی باتیں تو میں نے آپ سے شیئر ہی نہیں کیں۔'' رابعہ ایک دم گھبرائی تھی۔

''پلیز سر! پریشان مت کریں' آپ کو اس طرح کی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔ میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں' اگر یہ سب جسٹ فار من ہے تو میں ایکسکیوز کرتی ہوں۔ آپ کو اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہوگا کہ میں آپ کے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہوں۔'' وہ تلخی سے کہہ کر ایکسکیوز کرتی وہاں سے چلتی ابوبکر کی گاڑی میں جا بیٹھی تھی جہاں بھابی اور ثریا بیگم پہلے ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ عباس نے بہت سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا۔

''تم سمجھ رہی ہو کہ میں جسٹ فار من یا ٹائم پاسنگ کے لیے تمہاری طرف بڑھا ہوں تو ایسے ہی سہی' اب میں تھرو پراپر چینل سے ہی تمہاری طرف آؤں گا۔'' گاڑی میں بیٹھی رابعہ کو دیکھ کر مسکرا کر عباس نے دل میں مصمم ارادہ باندھا تھا۔



وہ رات ہسپتال میں ہی رکی تھی' روشی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ احسن بھی کافی تھکا ہوا تھا۔ وہ بھی گھر پر رک گیا تھا' وقار صاحب بھی گھر پر ہی تھے۔ وہ کچھ وقت صبوحی کے پاس رکی تھی پھر نرس آ گئی تو وہ ولید کے کمرے میں آ گئی تھی۔ ولید سو رہا تھا' نرس اس کی آمد پر باہر چلی گئی تھی۔ وہ ولید کے بستر کے پاس چیئر پر ٹک گئی تھی' ولید کی کنڈیشن اب کافی بہتر تھی۔ اس کا ارادہ کچھ دیر یہاں بیٹھنے کا تھا اور پھر ولید کے جاگنے سے پہلے اٹھ کر چلے جانے کا تھا۔ وہ ولید کی فائل اٹھا کر دیکھنے لگی تھی' سارا دن کی تھکی ہاری اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب آنکھ لگ گئی تھی۔

ولید کے سر میں شدید درد کی ٹیسیں اٹھیں اس کی آنکھ کھلی لیکن سامنے کرسی پر بیٹھے وجود کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا۔ دل کے اطراف میں درد کی عجیب سی ٹیسیں اٹھی تھیں۔ ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔

انا کا سر ڈھلک کرسی کی بیک سے جا لگا تھا اور سینے پر فائل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کافی ان ایزی سوئی ہوئی تھی۔ ولید نے اسے نظر انداز کرنا چاہا تھا لیکن کر نہیں پایا تھا۔ اس کے سر میں درد ہو رہا تھا، نرس بھی کمرے میں موجود نہ تھی وہ ہوتی تو شاید اس سے ہی کوئی ٹیبلٹ مانگ لیتا۔ ڈاکٹرز نے بتایا تھا کہ ایکسیڈنٹ میں اس کے سر پر چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے اس کے دماغ کا حصہ بھی متاثر ہوا تھا لیکن اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس کے تمام ٹیسٹ ہونے کے بعد اس کے دماغ کی رپورٹ کلیئر آئی تھی مگر کبھی کبھی شدید درد کی لہریں اٹھنے لگتی تھیں۔

''ان......انا......'' ولید نے پکارا تو انا ایک دم ہڑبڑا کر اٹھی تھی، وہ شاید کچی نیند میں تھی ولید کو جاگتے پا کر فوراً اس کی طرف بڑھی تھی۔

''کیا ہوا...... کچھ چاہیے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔ ولید کا جی چاہا کہ انکار کر دے لیکن پھر نجانے کیسے خود بخود اس کے منہ سے یہ سب نکل گیا تھا۔

''میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔'' ولید کی بات سن کر انا کے چہرے پر ایک دم تشویش کی جھلک نظر آنے لگی۔

''زیادہ سیریس تو نہیں۔'' قریب آ کر پیشانی پر ہاتھ رکھتے اس نے پوچھا تھا، ولید ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ انا کے گرم ہاتھ کا لمس اس کی پیشانی پر عجیب سا تاثر چھوڑ رہا تھا۔

''ہاں کافی زیادہ ہے برداشت نہیں ہو رہا۔'' انا پریشان ہو گئی تھی۔

''تم ان میڈیسن میں سے دیکھو شاید کوئی گولی ہو اس میں۔'' ولید کے کہنے پر وہ جلدی سے ٹیبل پر موجود ادویات چیک کرنے لگی تھی۔ اس نے ایک پتے میں سے ایک گولی نکال لی اور گلاس میں پانی انڈیل کر وہ پھر ولید کے پاس آ گئی تھی۔ سر کی چوٹ کی وجہ سے ولید کو ابھی خود سے اٹھنے کی پرمیشن نہ تھی۔ انا نے جھک کر ایک ہاتھ اس کے سر کے نیچے رکھ کر احتیاط سے اس کے کندھوں کو اٹھا کر اسے گولی تھما کر گلاس دیا تھا۔ ولید نے گولی نگلی تو گلاس لے کر اس نے اس کا سر پھر تکیے پر رکھ دیا تھا۔

''شکریہ۔'' ولید کا انداز ایک دم نارمل سا ہو گیا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔'' انا ہلکا سا مسکرائی پھر دونوں طرف سے خاموشی چھا گئی تھی۔

''پھوپو کیسی ہیں؟'' ولید نے پوچھا تو انا نے سر ہلایا۔

''اب بہتر ہیں، آپ کا پوچھ رہی تھیں شاید کل آپ کے پاس آئیں، وہ خود سے چل پھر سکتی ہیں اب۔'' اس نے دھیمے سے بتایا۔

''اور کون کون رکا ہے اس وقت یہاں؟'' اس نے پوچھا، انداز سنجیدہ تھا۔

''صرف میں ہی ہوں۔''

''کیوں باقی لوگ کہاں ہیں؟''

''روشی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی وہ گھر پر ہے۔ ماموں خود بیمار انسان ہیں، وہ کیسے رکتے۔ پاپا سارا دن یہیں ہی تھے اور احسن بھائی اس کی وجہ سے گھر چلے گئے تھے۔'' ولید نے سر ہلایا۔

''پھوپو کے پاس اس وقت تو کوئی نہیں ہوگا۔''

''میں ان کے پاس ہی تو تھی کچھ دیر پہلے نرس کو چھوڑ کر آئی تھی۔''

''ہنہہ......'' ولید آنکھیں بند کر گیا تھا۔

انا کچھ دیر مزید وہاں رکی اور پھر ولید کے سوتے ہی وہ دوبارہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

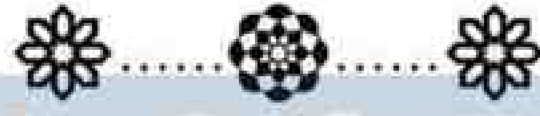
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

ٹوٹا ہوا تارا......سمیرا شریف طور

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

انا کی دعائیں رنگ لاتی ہیں اور آخر کار ولید کو ہوش آ جاتا ہے لیکن ان حالات میں اس کا سامنا کرنے سے انا کتراتی ہے جبکہ دوسری طرف ولید بھی اپنی عیادت کے لیے اسے موجود دیکھ کر شدید کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے دونوں کے درمیان ایک مرتبہ پھر سرد مہری حائل ہو جاتی ہے۔ سکندر کے پاکستان آنے کے کچھ عرصے بعد ہی سبحان اور حاجرہ ایک ایکسیڈنٹ کے دوران جاں بحق ہو جاتے ہیں ایسے میں ان کے لواحقین اسے سبحان کی جائیداد سے بے دخل کر دیتے ہیں اور ایک لاوارث فرد کی حیثیت سے وہ ان لوگوں کی بے حسی دیکھ کر کڑھتا رہتا ہے۔ ایسے میں اس کی کزن افشاں اس کی مدد کرتی ہے اور اسے اپنے ہاں قیام کرنے پر مجبور کرتی ہے سکندر اس کے کہنے پر وہاں سکونت اختیار کرتا ہے جب ہی وہاں اس کی ملاقات صبوحی اور ضیاء سے ہوتی ہے جو صفیہ کے دیور کے بچے ہیں۔ سکندر نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرتا ہے جب ہی اس موڑ پر لالہ رخ نامی لڑکی اس کی زندگی میں نئے باب کا اضافہ کرتی ہے۔ ولید کی حالت کے بہتر ہونے پر مصطفیٰ کو شہوار کا خیال آتا ہے اپنی خفگی کو بھلا کر وہ شہوار کو اپنے غصے کی اصل وجہ بتاتے ہاشم اور اس کی تصویر کا پس منظر جاننا چاہتا ہے جبکہ مصطفیٰ کی یہ بے اعتباری شہوار کو گھائل کر دیتی ہے وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر لوٹ جاتی ہے اور اس طرح ایاز اور دریہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کسی حد تک کامیاب رہتے ہیں۔ دوسری طرف ہادیہ کی شادی میں عباس رابعہ کو پرپوز کرتا ہے جبکہ اس پروپوزل پر رابعہ شاکڈ رہ جاتی ہے اپنی زندگی کا ہر فیصلہ اپنے بڑوں کو سونپ کر وہ خود اس ذمہ داری سے بری ہو جاتی ہے۔ بابا صاحب پچھتاؤں کی آگ میں گھرے ہر وقت تکلیف میں مبتلا رہتے ہیں جب ہی وہ شہوار کا خیال رکھنے کی ذمہ داری مصطفیٰ کو سونپتے اس پر یہ واضح کرتے ہیں کہ وہ فیضان کی بیٹی ہے جس کے ساتھ وہ بہت ناانصافی کر چکے ہیں۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾



وہ غصے کی حالت میں باہر آ تو گئی تھی لیکن جیسے جیسے عقل نے کام شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ مصطفیٰ اتنا غلط بھی نہ تھا۔ مصطفیٰ کی جگہ کوئی بھی شخص ہوتا وہ شاید ایسے ہی ری ایکٹ کرتا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ گھٹیا حرکت ایاز نے محض ان دونوں کو اذیت دینے کے لیے کی ہوگی۔ وہ باہر آ کر اب پچھتا رہی تھی۔ مصطفیٰ کی پچھلے دنوں کی مسلسل خاموشی سے وہ اندر ہی اندر از حد جو غم زدہ ہو چکی تھی لیکن ذہن کے کسی گوشے میں کسی ایسی صورت حال کا امکان نہ تھا۔ وہ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس وقت سب ہی اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے' وہ کچھ دیر تک انتظار کرتی رہی کہ شاید مصطفیٰ اسے لینے آئے لیکن کچھ وقت مزید گزرا اور مصطفیٰ نہ آیا تو وہ ناامید سی ہوگی' مصطفیٰ کو کم از کم اس کے پیچھے آنا تو چاہیے تھا۔ اس کے دل میں ایک ملال سا ابھرا' وہ تصویر کے بارے میں سوچنے لگی تو ذہن ایک دم بھٹنے لگا تھا۔

ہاشم ان کا کالج فیلو تھا' جب سے اس کی اور ایاز کی کینٹین میں مڈبھیڑ ہوئی تھی' شہوار اور ہاشم کے درمیان سلام دعا رہنے لگی تھی' وہ ایک سلجھا ہوا اور میچور لڑکا تھا۔ کئی بار کالج میں دونوں کا آمنا سامنا ہوا تھا اور ہر بار سامنا ہونے پر ہاشم نے رک کر سلام دعا کی تھی۔

ابھی کچھ دن پہلے شاپنگ کے دوران دریہ کے ساتھ الجھتے ہاشم سے سامنا ہوا تھا' دونوں کے درمیان کچھ منٹس تک بات چیت ہوتی رہی تھی۔ ایاز جیسے بندے کے لیے ان کی تصویر لینا مسئلہ تو نہیں ہوا ہوگا خود نہ لی ہوگی تو کسی اور کے ذریعے بنوالی ہوگی لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس تصویر کو لے کر وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ مصطفیٰ کو تصویر بھیجنے کا کیا مقصد تھا؟ وہ اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔

''شہوار......'' مہر النساء بیگم بابا صاحب کے کمرے سے نکلیں تو اسے لاؤنج میں دیکھ کر رکیں' کافی رات ہو رہی تھی انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا' شہوار چونکی۔

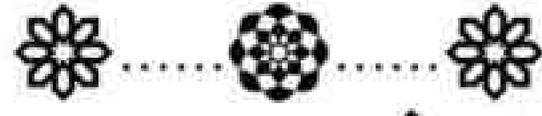
''جی اماں جی!'' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا بات ہے ادھر کیوں بیٹھی ہو؟ سب ہی سونے جا چکے ہیں تم نہیں سو رہیں۔'' انہوں نے استفسار کیا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا' لاشعوری طور پر وہ مصطفیٰ کی منتظر تھی لیکن مصطفیٰ نہیں آیا تھا۔

''جی میں بس جانے ہی والی تھی۔'' انہوں نے بغور دیکھا تاہم کہا کچھ نہیں۔ وہ اٹھ کر وہاں سے نکلی تو بھی مہر النساء بیگم وہیں کھڑی تھیں۔ جانے کو وہ کہیں اور بھی جا سکتی تھی لیکن مہر النساء بیگم کی وجہ سے وہ سیدھی کمرے میں آئی تھی' کمرہ ان لاک تھا' لائٹس آف تھیں

نائٹ بلب روشن تھا۔ وہ اندر آئی تو دیکھا مصطفیٰ بیڈ پر دراز تھا' شہوار کی طرف پشت تھی۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر بھی اس نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا' شہوار کے اندر بڑی عجیب سی کیفیت نے سر اٹھایا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ مصطفیٰ کی طرف سے پیش قدمی کی منتظر تھی۔

بستر پر جانے کی بجائے وہ خاموشی سے صوفے پر آ بیٹھی تھی' وہ کتنی دیر تک اسی حالت میں مصطفیٰ کی پشت کو گھورتے صوفے پر بیٹھی رہی تو بھی مصطفیٰ نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ شہوار کے اندر شدید قسم کی توڑ پھوڑ ہونے لگی تو وہ بے آواز گھٹنوں میں سر چھپا کر رو دی' ایسے رہ رہ کر ملال ستانے لگا۔ وہ اگر غصے کا اظہار کرتے کمرے سے نکل آئی تھی تو کم از کم مصطفیٰ کو تو اس کے پیچھے آنا چاہیے تھا۔ بات جو بھی تھی جیسی بھی تھی وہ اسے جیسے مرضی کمرے میں لے جا سکتا تھا لیکن واپس کمرے میں آ کر مصطفیٰ کو یوں بے خبر سوتے دیکھ کر اس کے اندر ایک دم شدید قسم کی بدگمانی پیدا ہوگئی تھی۔ وہ بے آواز اسی حالت میں بیٹھی باقی ماندہ رات بھی سسکتے ہوئے گزار گئی تھی۔



لالہ رخ سکندر کے کالج میں فائنل ائر کی اسٹوڈنٹ تھی' کافی خوب صورت ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت رکھ رکھاؤ والی لڑکی تھی۔ سینئرز تو ایک طرف جونیئرز تک کے بہت سے لڑکے اسے دیکھ کر آہیں بھرتے تھے۔ اس کی شخصیت میں عجیب سی تمکنت اور وقار دکھائی دیتا تھا جو دیکھنے والے کو اپنی ذات میں محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیتا تھا۔

سکندر ابروڈ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تھا' کالج میں اولین دنوں میں ہی اس کی ایک پہچان بن گئی تھی اسے پڑھانے کا پہلے سے کوئی تجربہ نہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ کالج میں ایک اچھا استاد ثابت ہوا تھا۔ سکندر کی اپنے کولیگز سے بھی اچھی ہیلو ہائے ہونے لگی تھی۔ یہ جاب سکندر کے معیار کی نہ تھی لیکن اپنے قدم جمانے کے لیے سکندر کو اس جاب کی اشد ضرورت تھی۔

اپنی وضع داری' خوش لباسی' رکھ رکھاؤ اور محتاط انداز کی وجہ سے وہ بہت جلد کالج کے مقبول ترین اساتذہ کی فہرست میں شامل ہو گیا تھا اور سکندر کی شخصیت کی وجاہت اور خوب صورتی نے اسے وہاں کے طلباء میں بہت جلد مقبول عام کر دیا تھا۔ انہی متاثر کن میں ایک لالہ رخ بھی تھی' وہ لڑکی جو سارے کالج کی کریم تھی۔ دولت و امارت میں یکتا خوب صورتی کا پیکر بہت جلد سکندر سبحان احمد کی شاندار اور پُر وجاہت شخصیت کے سامنے گھائل ہوگئی تھی۔ لالہ رخ ایک مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ تعلیم کے سلسلے میں کسی وویمن ہاسٹل میں مقیم تھی۔ اس کا رکھ رکھاؤ' زندگی گزارنے کا ڈھب اس کو کسی بہت ہی اعلیٰ گھرانے کا فرد ثابت کرتا تھا۔

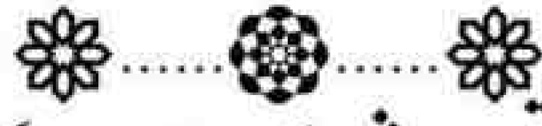
سکندر فائنل ائر کی کلاس کو اکنامکس کا سبجیکٹ پڑھایا کرتا تھا' لالہ رخ بھی اسی کلاس میں تھی وہ ایک ذہین اسٹوڈنٹ تھی۔ بہت ہی ریزرو اور کم گو تھی لیکن اس کے باوجود وہ بہت جلد سکندر کی نظروں میں آ گئی تھی۔ تعلیم کے علاوہ کبھی کسی اور سلسلے میں دونوں کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس دن موسم ابر آلود تھا' ہلکی پھلکی بارش ہو رہی تھی۔ کالج میں اکا دکا اسٹوڈنٹ تھے' چھٹی کے وقت سکندر کو کسی کام کے سلسلے میں کہیں اور جانا تھا اس نے اپنے کولیگ سے کچھ دیر کے لیے گاڑی لی تھی۔ جیسے ہی سکندر پارکنگ سے گاڑی نکال کر باہر لایا وہاں کچھ فاصلے پر شیڈ کے نیچے کھڑی لالہ رخ پر نگاہ پڑی تھی' سکندر نے گاڑی روکی تھی' گاڑی روکنے کی وجہ لالہ رخ کی بجائے اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا لڑکا تھا جو مسلسل کوئی نہ کوئی جملہ اچھال رہا تھا جبکہ لالہ رخ اس کو نظر انداز کیے مخالف سمت میں دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید کسی سواری کی تلاش میں تھی' وہ لڑکا کچھ دیر بعد لالہ رخ کے پاس آ کر رکا تھا۔ اس نے لالہ رخ سے شاید کچھ کہا تھا' لالہ رخ نے بہت غصے سے اسے دیکھا تھا اور جواباً کچھ کہا تھا جس پر وہ لڑکا قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔ لالہ رخ نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ لڑکا مزید قریب ہوا تو لالہ رخ چند قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے گھبرا کر اطراف میں دیکھا' ہلکی ہلکی بارش کی وجہ سے آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ لالہ رخ کے چہرے پر پریشانی گہری ہوگئی تھی۔ سکندر نے محسوس کیا کہ جیسے وہ سخت پریشانی میں ہے اس نے فوراً گاڑی اس شیڈ کے پاس لا کر روکی تھی۔ سکندر نے ہارن بجایا تو لالہ رخ اور وہ لڑکا دونوں متوجہ ہوئے تھے' لڑکا سکندر کو دیکھ کر ایک دم محتاط ہو گیا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' سکندر نے گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے دونوں کو دیکھا تھا۔ سکندر نے بظاہر لالہ رخ کو دیکھا تھا لیکن گھور کر لڑکے کو دیکھا۔

''کچھ نہیں سر!'' لڑکے نے کہا تو سکندر نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''تو پھر بھاگو یہاں سے کیا تم نہیں جانتے یہ گرلز کا اسٹاپ ہے۔'' سکندر نے سختی سے کہا تو وہ لڑکا فوراً وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ سکندر نے لالہ رخ کو دیکھا جو رومال سے چہرہ صاف کر رہی تھی۔

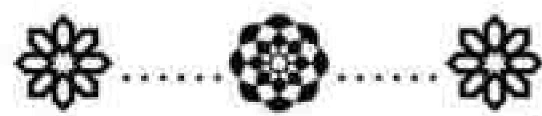
”آپ کو یہاں تنہا نہیں رکنا چاہیے تھا۔“ سکندر نے سنجیدگی سے لالہ رخ کو دیکھا تو اس کا چہرہ ایک دم زرد ہو گیا تھا۔
”مجھے سر سے کچھ کام تھا ان کے آفس جانا پڑ گیا تھا تب تک میری ساتھی لڑکیاں نکل گئی تھیں۔“ اس نے سنبھل کر بتایا۔
”اس بارش میں یہاں سے اب شاید ہی کوئی سواری ملے۔“ سکندر نے خیال آرائی کی تو لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم پریشانی بکھر گئی تھی۔
”اگر آپ مناسب سمجھیں تو آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ سکندر نے کہا تو لالہ رخ نے اردگرد دیکھا۔
”نہیں سر! میں چلی جاؤں گی۔“ وہ بہت ہی محتاط لڑکی تھی۔ سکندر نے چند منٹ اسے بغور دیکھا تھا۔
”اوکے، میں کسی کو کہتا ہوں سواری لانے کے لیے۔“ سکندر نے کہا اور پھر خود گاڑی سے اتر کالج کے گیٹ کی طرف گیا تھا۔ وہاں موجود گیٹ کیپر کو کچھ کہا اور پھر کچھ دیر بعد سکندر کے ساتھ ایک لڑکا چلا آیا تھا وہ مین روڈ کی طرف چلا گیا تھا اور تب تک سکندر اپنی گاڑی کے پاس کھڑا ہوا تھا' دونوں کے درمیان پھر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ لڑکا ایک ٹیکسی لے آیا تھا سکندر نے اسے کچھ سمجھایا اور پھر لالہ رخ کو دیکھا تھا۔
”یہ ٹیکسی میں آپ کو چھوڑ آتا ہے۔“ لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔
”تھینک یو سو مچ سر!“ وہ ایک دم مشکور ہوئی تھی۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چلی گئی تھی۔ سکندر پہلی بار لالہ رخ کی شخصیت کے اس انداز سے متاثر ہوا تھا۔



وہ سو کر اٹھی تو علم ہوا کہ مصطفیٰ کو کوئی ایمرجنسی کال آئی تھی وہ فجر کے وقت چلا گیا تھا' شہوار کو ایک دم غصہ آنے لگا۔ وہ خفا ہوئی اور مصطفیٰ کی منتظر بھی رہی لیکن اس طرح مصطفیٰ کے چلے جانے سے اس کے اندر شدید قسم کی بدگمانی پیدا ہوئی تھی۔ وہ بڑے بُرے دل سے کالج کے لیے تیار ہوئی تھی' عجیب پریشانی میں وہ اپنا موبائل بھی گھر بھول گئی تھی۔ کالج میں سارا دن الجھتے گزرا تھا۔ موبائل بھی پاس نہیں تھی' ڈرائیور طے شدہ وقت پر لینے آ گیا تھا وہ گاڑی کی طرف آئی تو چونک گئی۔ پچھلی سیٹ پر دریہ بھی بیٹھی ہوئی تھی۔
”ہائے......“ اسے یوں رکتے دیکھ کر وہ مسکرائی۔
”تم؟“ شہوار اندر بیٹھ گئی۔
”ہاں میں، زاہد بھائی کے ہاں گئی ہوئی تھی رستے میں ڈرائیور نے مجھے بھی پک کر لیا۔“ خلاف توقع دریہ کا مزاج بہت اچھا تھا۔ کافی خوش اخلاقی سے بات کی تھی' شہوار خاموش رہی تھی۔
”تمہاری اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟“ دریہ نے خود ہی بات کا آغاز کیا۔
”اچھی جا رہی ہے۔“
”کچھ پریشان ہو؟“ دریہ نے پوچھا تو شہوار چونکی۔ وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھی۔
”نہیں تو۔“
”مجھے تو سخت بھوک لگ رہی ہے' زاہد بھائی کے ہاں بھابی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی' میں نے انہیں بھی کھانا پکانے سے منع کر دیا تھا۔“ شہوار خاموش رہی تھی۔
”ڈرائیور میکڈونلڈ کے آگے گاڑی روکنا۔“ دریہ نے ڈرائیور کو کہا' شہوار نے الجھ کر دیکھا۔
”ہم کچھ دیر میں گھر پہنچ جائیں گے گھر جا کر کھانا لینا۔“ شہوار نے کہا۔
”نہیں گھر جا کر وہی روٹین کا کھانا ہوگا جبکہ میرا موڈ آج کچھ اسپیشل کھانا کھانے کو ہے۔“ دریہ نے نخوت سے انکار کر دیا تھا' شہوار نے لب بھینچ لیے ویسے بھی وہ دریہ کے تند مزاج سے خائف رہتی تھی' نجانے کب کیا کہہ دے وہ خاموش ہو گئی۔ ڈرائیور نے میکڈونلڈ کے آگے گاڑی روک دی تھی۔
”آؤ تم بھی کچھ کھا لو۔“ دریہ نے شہوار کو آفر کی۔
”نہیں مجھے ایسی کوئی خاص بھوک نہیں' میں گھر جا کر ہی کھاؤں گی' تم نے جو بھی کھانا ہے جا کر کھا لو' میں ادھر ہی انتظار کر لوں گی۔“ شہوار نے سنجیدگی سے انکار کر دیا۔

''تم آ ؤ تو سہی یار کیا ہو گیا ہے؟'' دریہ نے اصرار کیا۔
''میں نے کہا نا مجھے کہیں نہیں جانا' تم جاؤ اور جو کھانا ہے کھالو۔'' شہوار کا انداز دوٹوک تھا۔ دریہ نے چند پل اسے سنجیدگی سے دیکھا اور پھر وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی تھی۔ ڈرائیور کے ہمراہ وہ باہر گاڑی میں ہی تھی۔
''جاؤ تم بھی کچھ کھا پی لو دریہ پتا نہیں کب آتی ہے تب تک بیٹھے رہو گے کیا۔'' چند منٹ گزرے تو بیگ سے کچھ روپے نکال کر ڈرائیور کی طرف بڑھاتے اس نے کہا۔
''نہیں بی بی صاحبہ! میں ٹھیک ہوں۔'' ڈرائیور نے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرائی۔
''لے لو اور کچھ لے آؤ کھانے کو۔'' شہوار کے انداز میں اصرار تھا۔
''بی بی صاحبہ دروازہ لاک کر لیجیے گا میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر چلا گیا' شہوار آنکھیں موند کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی تھی۔
ابھی ڈرائیور کو گئے کچھ منٹ ہی گزرے تھے جب ایک دم ٹھاہ کی آواز گونجی تھی' شہوار نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی چیخ بے ساختہ تھی' نقاب پوش شخص تھا' اس نے پسٹل مار کر کھڑکی کا شیشہ توڑا اور پھر شہوار کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ہاتھ اندر ڈال کر دروازہ ان لاک کیا تھا' شہوار کا مارے خوف کے رنگ ایک دم زرد پڑ گیا تھا۔
''کون......کون ہو تم؟'' وہ شخص ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ رہا تھا' چابی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی اس نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی تبھی میکڈونلڈ کی عمارت سے ڈرائیور بھاگ کر وہاں آیا تھا' شہوار چیخ رہی تھی ڈرائیور نے بھی شور مچایا تھا۔
میکڈونلڈ کی عمارت کا سیکیورٹی گارڈ بھی فوراً وہاں پہنچا تھا' وہ شخص گاڑی آگے بڑھا رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ آدمی گاڑی بڑھا کر لے جاتا سیکیورٹی گارڈ نے گاڑی کے ٹائر پر فائر کر دیا تھا' گاڑی ایک دم رک گئی تھی۔ نقاب پوش شخص نے گارڈ اور لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر فوراً پسٹل اٹھا کر عقب میں بیٹھی شہوار کی کنپٹی پر رکھ دیا تھا۔
''خبردار......اگر کوئی میری طرف بڑھا بھی......'' ہذیانی انداز میں وہ چیخا تھا' ہجوم ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔ شہوار نقاب پوش کی آواز سن کر ششدر رہ گئی تھی۔
''نکلو باہر......'' اس نے شہوار کے سر پر پسٹل کی ضرب لگائی تھی' شہوار کو ایک دم اپنا سر چکراتا محسوس ہوا تھا۔
''میں نہیں نکلوں گی۔'' وہ رونے والی ہوئی تھی۔
''میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' وہ چیخا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچا تھا' تبھی حواس باختہ سے ڈرائیور نے ایک دم موبائل جیب سے نکالا تھا۔
''ہیلو صاحب......ایمرجنسی ہو گئی' نہیں صاحب میرے ساتھ نہیں بی بی صاحبہ کے ساتھ...... پتا نہیں کون ہے صاحب ہم میکڈونلڈ کی عمارت کے سامنے ہیں......نہیں صاحب......صاحب اس آدمی نے بی بی صاحبہ پر گن تان رکھی ہے' آپ کے گھر کے پاس جو میکڈونلڈ ہے......'' وہ بتا رہا تھا اس دوران وہ نقاب پوش شہوار کو گاڑی سے نکال چکا تھا' ڈرائیور نے فوراً کال بند کی تھی۔
''یہ میرے ساتھ جائے گی اگر کسی نے میرے رستے میں آنے کی کوشش کی تو میں اس کی کھوپڑی گن سے اڑا دوں گا۔'' وہ چیخ چیخ کر لوگوں کو رستے سے ہٹنے کا کہہ رہا تھا۔ شہوار نے دیکھا ہجوم میں ڈرائیور اور بہت سارے لوگ جمع تھے لیکن دریہ نہ تھی۔
''تم بی بی صاحبہ کو نہیں لے جا سکتے......'' سیکیورٹی گارڈ کے ہاتھ سے گن لے کر ڈرائیور ایک دم ان دونوں کے سامنے آ رکا تھا۔
''تم پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔'' نقاب پوش چلایا تھا۔
''یہ ہماری بی بی صاحبہ ہیں' تم ان کو نہیں لے جا سکتا۔ ہم تم کو نہیں چھوڑے گا اگر تم نے بی بی صاحبہ کو ہاتھ بھی لگایا تو......'' ڈرائیور سینہ تان کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
''تمہاری تو......'' اس نے پسٹل شہوار سے ہٹا کر ڈرائیور پر تان لیا تھا۔
''خبردار......اگر کسی نے میرے رستے میں آنے کی کوشش کی تو......'' اس نے پسٹل لہرا کر ڈرائیور کو وارن کیا تھا۔ شہوار نے نقاب پوش کی گرفت سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی تھی' اردگرد لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا نقاب پوش کے ہاتھ کی گرفت شہوار کے بازو پر مزید سخت ہو گئی تھی۔
عجیب وحشی سی گرفت تھی' وہ زبردستی شہوار کو دھکیل کر پسٹل کے زور پر ایک طرف بڑھ رہا تھا' اس طرف گاڑی پر ایک اور لڑکا موجود تھا'

جس نے منہ پر نقاب پہن رکھا تھا' وہ چیخ چیخ کر نقاب پوش کو جلدی سے واپس آنے کا کہہ رہا تھا۔
''تم ہماری بی بی کو چھوڑ دو ورنہ میں تم پر گولی چلا دوں گا۔'' ڈرائیور چیخ رہا تھا۔
''جلدی کرو۔'' گاڑی میں موجود آدمی اس سے زیادہ چیخ رہا تھا۔
''ہری اپ......'' وہ مسلسل پکار رہا تھا' جبکہ شہوار مسلسل مزاحمت کر رہی تھی۔
''چھوڑو مجھے......'' نقاب پوش شہوار کو دھکیل کر گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈرائیور نے ایک دم گولی چلا دی تھی' نشانہ خطا گیا تھا جواباً نقاب پوش نے بھی فائر کیا تھا' ڈرائیور کے بازو پر گولی لگی تھی اس کے ہاتھ سے گن گر گئی تھی' ہجوم ایک دم چیختا چلاتا منتشر ہوا تھا۔
شہوار کو لگا کہ جیسے ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے شروع ہو گئے ہیں اسے اپنا وجود خوف اور صورت حال کی سنگینی کو دیکھتے منجمد ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ سیکیورٹی گارڈ نے اپنی گن تھام کر فائر کیے تھے لیکن سب بے سود تھا' نقاب پوش اپنی گاڑی تک پہنچ چکا تھا' ایک فائر نقاب پوش کے بھی بازو میں لگا تھا۔
اس کی شہوار پر سے گرفت کمزور ہوئی تھی وہ ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر مخالف سمت بھاگی تھی' لیکن کسی چیز سے ٹھوکر لگنے سے وہ ایک دم زمین پر گری تھی۔ نقاب پوش نے فائر کیے تھے تبھی پولیس کا سائرن سنائی دیا تھا۔
''پولیس آ گئی ہے......جلدی کرو......'' گاڑی میں موجود آدمی چلایا تھا۔ نقاب پوش نے ایک قہر بھری نگاہ شہوار پر اور پھر اپنے بازو سے بہتے خون پر ڈالی تھی۔
پولیس موبائل کی آواز قریب تر ہوتی جا رہی تھی وہ فوراً گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی فوراً وہاں سے نکلی تھی جب تک پولیس موبائل موقع پر پہنچی وہ گاڑی مخالف سمت میں تیزی سے نکل گئی تھی۔



صبوحی کی طبیعت اب بہتر تھی' وہ خود انا کے سہارے چل کر ولید کے کمرے میں آئی تھیں' روشی بھی بھائی کے پاس تھی' باقی لوگ گھر تھے۔ ولید بستر پر لیٹا ہوا تھا' صبوحی اسے دیکھ کر رونے لگی تھیں۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا' ولید نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔
''میں بہت بہتر ہوں' ان شاء اللہ بہت جلد کور کر لوں گا آپ ٹینشن نہ لیں' بس اپنی طبیعت کا خیال رکھیں۔'' وہ مسلسل رو رہی تھیں' ولید نے محبت سے ان کا ہاتھ تھام کر دلاسا دیا۔
''اتنا بڑا حادثہ ہو گیا' پتا نہیں کیسے سب نے جھیلا' شکر ہے اللہ کا اس نے اپنا کرم کیا۔'' اپنے آنسو صاف کرتے انہوں نے کہا۔
''بے شک اللہ کا ہی کرم ہے۔'' ولید بہت پرسکون تھا۔ روشی ایک طرف صوفے پر بیٹھی سیب کاٹ رہی تھی' صبوحی کو انا نے بستر کے قریب رکھی کرسی پر بٹھا دیا تھا' صبوحی ولید سے باتیں کرنے لگی تھیں۔
''تم گھر چلی جاتیں' روشی تو اب یہیں تھی تم تھک گئی ہو گی جا کر آرام کرتیں۔'' انا جو اپنے ہی دھیان میں میڈیسن دیکھی رہی تھی وہ چونکی تھی۔ ہلکا سا مسکرانے کی کوشش کی تھی۔
''میں یہیں ٹھیک ہوں' آپ ڈسچارج ہو جائیں تو میں بھی آرام کر لوں گی۔'' ماں کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھا۔ انہوں نے محبت سے اسے دیکھا اور پھر ولید کو جو سنجیدگی سے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ انہیں ایک دم پچھلے گزرے دن یاد آئے تو دل سے ایک دم ہوک سی اٹھی تھی۔
''ان شاء اللہ آپ دونوں مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے۔'' روشی نے قریب آ کر محبت سے صبوحی کی طرف جھک کر گردن میں بازو ڈال کر کہا' انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے پیشانی چومی تھی۔
''میرا موبائل کہاں ہے؟'' ولید نے پوچھا۔
''وہ تو گاڑی میں ٹوٹا ہوا ملا تھا۔''
''اوہ......''
''احسن کہہ رہے تھے وہ آج کل میں نیا سیل لے کر اس میں سم ڈال دے دیں گے۔'' روشی بیڈ کے کنارے ٹک گئی تھی۔ کٹے ہوئے سیب کی کاشیں لے کر وہ ولید کو کھلا رہی تھی' تبھی اس کا موبائل بجا۔

''احسن کی کال ہے میں سن کر آتی ہوں۔'' احسن اور وقار صاحب آج آفس گئے تھے۔کئی دنوں کے کئی کام رکے ہوئے جو تھے۔

''اناتم ذرا بھائی کو یہ سب کھلا دو پھر میڈیسن بھی دینی ہے۔'' جاتے جاتے روشی نے کہا۔انا نے میڈیسن کو ترتیب سے رکھتے چونک کر اسے اور پھر ولید کو دیکھا' ولید کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی پھیلی تھی۔

''اٹس اوکے' میں خود لے لوں گا۔'' سائیڈ پر ہی پلیٹ رکھی ہوئی تھی' ولید نے سنجیدگی سے انکار کر دیا تھا۔بازو میں چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے کھانے پینے کا کام دوسرے سے ہی سرانجام دیا جا رہا تھا۔ولید کے انکار پر صبوحی نے اسے پھر انا کو دیکھا' انا نے ولید کے انکار پر لب بھینچ لیے تھے۔

''آپ یہاں بیٹھیں گی یا چلیں گی؟'' انا نے کہا تو صبوحی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ابھی رکوں گی' لیٹے لیٹے کمر دکھنے لگی ہے' کچھ دیر یہاں ولید کے پاس بیٹھ کر باتیں کروں گی۔'' انہوں نے کہا تو انا نے سر ہلا دیا۔

''میں نماز پڑھ لوں پھر کچھ دیر میں آتی ہوں۔'' عصر کا وقت تھا۔صبوحی نے سر ہلا دیا۔انا دروازے کی طرف بڑھی' ولید نے اسے باہر جاتے دیکھا اور صبوحی نے ولید کو...... جس کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔

❁......❁......❁

''آر یو اوکے......'' دریہ نے ایک دم عقب سے شہوار کو تھاما تو بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے دریہ کو دیکھا تھا۔اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا تھا۔دریہ نجانے کہاں تھی؟ اتنی دیر میں وہ ایک بار بھی دکھائی نہ دی تھی اور ان لوگوں کے جاتے ہی وہ نجانے کہاں سے آ نکلی تھی؟

شہوار کو اپنے وجود میں اٹھتا درد ناقابل برداشت ہوتا محسوس ہو رہا تھا' اس نے لب بھینچ لیے تھے۔پولیس موبائل کے آدمی فوراً موقع پر پہنچے تھے' انہوں نے زخمی ڈرائیور کو فوراً سنبھالا۔ان کی گاڑی کا ٹائر خراب ہو گیا تھا' دریہ نے شہوار کو بازوؤں میں سمیٹنا چاہا تھا لیکن وہ سر تھامے بیٹھ گئی تھی۔

منہ کے بل گرنے سے اس کے ہونٹ پر چوٹ لگی تھی جس سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔موبائل کے آدمی اردگرد موجود لوگوں سے صورت حال کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔کچھ دیر میں وہاں ایک اور گاڑی آ کر رکی تھی جس میں امجد خان تھا' وہ فوراً شہوار کی طرف آیا تھا۔

''آپ خیریت سے ہیں نا؟'' اس نے پوچھا' شہوار نے نفی میں سر ہلایا۔پیٹ میں اٹھتا درد تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔

''آپ ان کو گاڑی میں بیٹھائیں' جلدی کریں......'' امجد خان شاید صورت حال کی سنگینی کا اندازہ لگا چکا تھا' دریہ کی مدد سے شہوار کو گاڑی میں بٹھایا گیا تھا۔

ان کی گاڑی میں سے بیگ اور دیگر ضروری اشیا لے کر کانسٹیبل کو گاڑی گارڈ کے حوالے کرنے کا کہہ کر ڈرائیور کو بھی گاڑی میں سوار کروا کر وہ لوگ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔

❁......❁......❁

لالہ رخ کی ماں بیمار تھی' وہ چھٹیوں پر گھر گئی ہوئی تھی' وہ چھٹیاں گزار کر لوٹی تو بہت پریشان تھی۔اس کی تعلیمی کارکردگی بھی متاثر ہو گئی تھی دو ماہ بعد ایگزامز شروع ہونے تھے۔سکندر نے سب کو اسائنمنٹ دیا تھا' ہمیشہ ہر اسائنمنٹ میں بہت اچھے نمبر لینے والی لالہ رخ اس بار اسائنمنٹ ہی جمع نہ کروا سکی تھی۔کچھ دن بعد پریزنٹیشن ہوئی تو اس میں بھی اس کی کارکردگی نہ ہونے کے برابر تھی۔

کلاس میں بھی وہ گم صم سی رہنے لگی تھی' وہ زیادہ تر تنہا ہی دکھائی دیتی تھی۔اس دن بھی سکندر اپنے اسی کولیگ کے ہمراہ اس کی گاڑی میں کہیں جانے کو نکلا تھا' کالج کا آف ٹائم تھا۔زیادہ تر اسٹوڈنٹس جا چکے تھے اب اکا دُکا ہی کالج سے گرلز نکل رہی تھیں' افشاں کا آج آف تھا ورنہ دونوں اکٹھے ہی کالج آتے جاتے تھے۔اس کے کولیگ نے تیزی سے گیٹ سے گاڑی نکال کر ریورس کی تھی جب ایک دم عقب سے کالج کے گیٹ سے نکل کر باہر آتی لالہ رخ گاڑی کی زد میں آ گئی تھی' یہ بالکل اچانک ہی ہوا تھا گاڑی کو فوراً بریک لگائی گئی تھی لیکن تب تک لالہ رخ نہ صرف گاڑی سے اچھی خاصی ہٹ ہو چکی تھی بلکہ گاڑی لگتے ہی وہ سڑک پر منہ کے بل گری تھی' اس کا بیگ اور بکس ایک دم اردگرد بکھر گئے تھے۔

سکندر اور اس کا کولیگ فوراً گاڑی سے نکلے تھے' تب تک لالہ رخ بے ہوش ہو چکی تھی اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور اس کا چہرہ اس

خون سے رنگین ہوتا جا رہا تھا۔

''مائی گاڈ...... یہ تو اچھی خاصی زخمی ہوگئی ہے۔'' وہ دونوں لالہ رخ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے' سکندر نے لالہ رخ کو دیکھتے ہی کہا تھا۔ کالج کے ارد گرد ایک دم ہجوم سا بڑھنے لگا تھا۔ اندر کسی نے فی میل ٹیچرز کو بھی اطلاع کر دی تھی۔ ایک ٹیچر فوراً وہاں پہنچی تھیں۔

''اس کو فوراً کسی ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوگا۔'' لالہ رخ کی کلائی تھام کر چیک کرتے اس ساتھی ٹیچر نے کہا تھا۔

''تم گاڑی چلاؤ ہم اس کو گاڑی میں ڈالتے ہیں۔'' ٹیچر نے ساتھی کولیگ کو کہا تھا۔ باقی دونوں نے مل کر بے ہوش لالہ رخ کو گاڑی میں ڈالا تھا۔

نزدیک ہی کلینک مل گیا تھا' ڈاکٹر بھی موجود تھے اسے فوراً ٹریٹمنٹ دیا گیا تھا۔ خوش قسمتی سے لالہ رخ کو زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں۔ دو تین گھنٹوں بعد اسے ہوش آ گیا تھا۔ ساتھی ٹیچر جا چکی تھی' سکندر اور اس کا کولیگ موجود تھے۔ لالہ رخ کے پاؤں پر گہری چوٹ لگی تھی اس کے علاوہ سر پر بھی چوٹ لگی تھی باقی ہلکی پھلکی خراشیں تھیں۔ لالہ رخ پریشان ہو رہی تھی سکندر اور اس کا کولیگ اس سے بار بار معذرت کر رہے تھے۔

''اگر آپ کہیں تو ہم آپ کی فیملی کو اطلاع کر دیتے ہیں۔'' سکندر نے لالہ رخ کے غم زدہ چہرے کو دیکھتے کہا تو وہ چونکی پھر اس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''نہیں...... مجھے بس ہاسٹل پہنچا دیں' میں وویمن ہاسٹل میں رہتی ہوں۔'' اس نے کہا تھا۔ دونوں نے حامی بھری تھی' اس کے پاؤں کا ایکسرے لیا گیا تھا۔ رپورٹ میں پاؤں میں کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں تھا بس پاؤں کی جلد پھٹی تھی' ڈاکٹر نے میڈیسن لکھ دی تھیں۔

میڈیسن لے کر وہ دونوں نرس کے سہارے چلتی لالہ رخ کو گاڑی میں سوار کر کے اس کے ہاسٹل میں لے آئے تھے۔ وارڈن اچھے مزاج کی تھیں' وہ لالہ رخ کو اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔ اگلے دن لالہ رخ کو بخار آ گیا تھا' وہ مزید تین چار دن تک کالج نہ آ سکی تھی۔

سکندر کا کولیگ کسی ذاتی کام کے سلسلے میں چند دن کی چھٹی پر کہیں گیا ہوا تھا۔ سکندر کا دوبارہ لالہ رخ کے ہاسٹل جانا نہیں ہو سکا تھا۔ چند دن مزید گزرے تو لالہ رخ تب بھی کالج نہ آ سکی تو سکندر کو تشویش لاحق ہوئی تھی اس نے افشاں سے بات کی تھی وہ اس کے ساتھ ہاسٹل جانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ وہ دونوں ہاسٹل پہنچے تو وارڈن خوش اخلاقی سے ملی تھی۔ اس نے لالہ رخ کو بلوالیا تھا لالہ رخ لڑکھڑا کر چلتی ان کے سامنے آئی تھی۔ وہ سکندر کو سامنے دیکھ کر ایک دم کھل سی گئی تھی' افشاں اسی کالج میں ٹیچر تھی لالہ رخ دونوں سے بڑے باادب انداز میں ملی تھی۔ وہ دونوں کچھ دیر تک وہاں بیٹھے رہے تھے اور پھر وہاں سے واپس آ گئے تھے۔ واپسی کے رستے میں افشاں کچھ خاموش سی تھی۔

''کیا بات ہے پریشان ہو؟'' گھر آنے پر بھی افشاں کا وہی انداز رہا تو سکندر نے پوچھا تھا۔

''یہ لالہ رخ کیسی لڑکی ہے؟'' افشاں نے پُرسوچ انداز میں کہا تو سکندر چونکا۔

''بہت اچھی اور ذہین اسٹوڈنٹ ہے۔'' سکندر نے کہا تو افشاں نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''ہاں ذہین تو وہ واقعی بہت ہے۔'' اس کے انداز میں نجانے کیا بات تھی کہ سکندر اسے الجھن بھری نگاہوں سے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

کچھ دن مزید گزرے تو لالہ رخ نے کالج آنا شروع کر دیا تھا' وہ اب گم صم نہیں رہتی تھی۔ وہ پہلے کی طرح پھر سے سرگرمیوں میں حصہ لینے لگی تھی تاہم اس کا محتاط انداز اب بھی پہلے جیسا ہی تھا۔

اس دن سکندر اور افشاں گھر لوٹے تو سامنے صبوحی اور وقار آئے ہوئے تھے۔ وہ دونوں اپنے ساتھ مٹھائی لائے تھے' خالہ بی نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی ضیاء احمد کا پرپوزل افشاں کے لیے لائی تھی۔ افشاں بہت سنجیدہ تھی' سکندر کو اس رشتے کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی تھی' ذاتی طور پر وہ ضیاء سے بہت متاثر تھا لیکن سکندر کی خوشی اس وقت شدید حیرت میں بدل گئی جب ان لوگوں کے جانے کے بعد خالہ بی کے کہنے پر افشاں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''لیکن بیٹا اس طرح زندگی بھی تو نہیں گزرنے والی' یہ ایک اچھا رشتہ ہے بار بار قسمت دستک نہیں دیا کرتی۔''

''مجھے ضیاء سے شادی نہیں کرنی اور یہ بات ضیاء کے ساتھ ساتھ صبوحی بھی جانتی ہے لیکن اس کے باوجود ہر بار چلی آتی ہے۔'' افشاں کا انداز دوٹوک تھا۔

''لیکن بیٹا کوئی وجہ بھی تو ہو' وہ باہر جانے کی کوشش کر رہا ہے ماں باپ کا گھر بھی بیچ دیا ہے۔ باہر چلا جائے گا چار پیسے کمانے لگے گا۔

تمہاری تو قسمت کھل جائے گی یہ خود سارا سارا دن سر کھپانے کی مشقت سے تو جان چھوٹے گی تمہاری۔'' خالہ بی نے سمجھانا چاہا تھا'افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''میں کہہ چکی ہوں نا کہ مجھے یہ رشتہ قبول نہیں تو آپ فورس مت کریں' رہ گئی ضیاء کی بات میں صبوحی سے بات کرلوں گی' آپ ٹینشن نہ لیں۔'' افشاں کہہ کر چلی گئی' خالہ بی نے پریشانی سے دیکھا تھا۔

''تم ہی بیٹا اسے سمجھاؤ' اتنی عمر ہوگئی ہے۔ اس کی عمر کی لڑکیاں دو دو بچوں کی مائیں ہیں۔ پھوپی زندہ ہوتی تو اور بات تھی' آگے پیچھے کوئی ہے نہیں جو اس بارے میں سوچے میں اگر سوچ رہی ہوں تو یہ میری سن کب رہی ہے۔''

''میں سمجھاؤں گا آپ پریشان نہ ہوں۔'' سکندر نے ہامی بھرلی تھی اور اسی رات سکندر نے پھر موقع ملتے ہی افشاں سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہی تو اس نے ٹوک دیا تھا۔

''تم مجھ سے ہر موضوع پر بات کرسکتے ہو سوائے اس کے' یہ میری زندگی ہے اس میں' میں کسی کو بھی مداخلت کی اجازت نہیں دوں گی' چاہے وہ کوئی بھی ہو۔'' انداز قطعی اور فیصلہ کن تھا۔

سکندر خاموش ہوگیا تھا اس نے پھر افشاں سے اس ٹاپک پر بات نہیں کی تھی' کالج میں فائنل ائیر والوں کی فیئر ویل تھی۔ سکندر نے پہلی بار لالہ رخ کو قدرے ایک مختلف روپ میں دیکھا تھا۔ سفید فراک میں ملبوس پاؤں میں کھسہ پہنے ہلکی پھلکی آرائش کے ہمراہ وہ واقعی کسی اور دیس کی شہزادی لگ رہی تھی اور پھر اس ساری تقریب میں سکندر کی نگاہوں کے حصار میں لالہ رخ کا وجود رہا تھا۔ اس کا انداز اب بھی محتاط اور سب سے الگ تھلگ تھا۔

نجانے کیوں سکندر کو احساس ہوا کہ لالہ رخ بھی اس کی شخصیت سے متاثر ہے' اس احساس کے ساتھ ہی دل میں عجیب سی خوشی نے ڈیرہ جمایا تھا۔ سارا وقت بہت خوش گوار انداز میں گزرا تھا۔ افشاں ساری تقریب کے انتظامات دیکھ رہی تھی' وہ آج خاصی مصروف تھی۔ فنکشن کے بعد ریفریشمنٹ کا بھی انتظام تھا' ٹیچرز کے لیے علیحدہ انتظام تھا' ہال سے نکل کر اس کمرے کی طرف جاتے لالہ رخ ایک دم اس کے رستے میں آرکی تھی۔

''ایکسکیوز می سر!'' سکندر رک گیا تھا۔

''آٹو گراف پلیز سر......!'' لالہ رخ نے ہاتھ میں تھامی ہوئی ایک چھوٹی سی گولڈن کور والی آٹو گراف نوٹ بک اس کے سامنے کی تھی۔ دوپٹہ سلیقے سے اوڑھ رکھا تھا سکندر نے ایک نگاہ اس کے سراپا پر ڈالی اور پھر اس کے ہاتھ میں تھامی اس چھوٹی سی ڈائری کو دیکھا۔

سکندر نے نوٹ بک لی' اس نے چند لائنز ایک انگلش پوئٹری کی لکھی تھیں تبھی کسی اسٹوڈنٹ کے ساتھ بات کرتے ان کی طرف آتی افشاں اپنی جگہ رک گئی تھی۔ سکندر نے لالہ رخ کو ڈائری واپس کرتے کچھ کہا تھا جس سے لالہ رخ کے چہرے پر بہت خوب صورت سی مسکان سمٹ آئی تھی۔ دونوں میں کچھ بات ہوئی تھی اور پھر سکندر نے نوٹ بک لے کر کچھ لکھا تھا۔ دونوں کے درمیان کچھ جملوں کا تبادلہ ہوا تھا اور پھر لالہ رخ ایک طرف کو چل دی تھی' سکندر نے چند پل اپنی جگہ کھڑے ہو کر اسے جاتے دیکھا تھا اور پھر پلٹا تھا' افشاں کو لگا کہ جیسے اس کا سکتہ ٹوٹ گیا ہو' سکندر اس کی طرف آیا تھا۔

''آج کا فنکشن بہت ہی اچھا رہا' تمہاری محنت اور کارکردگی سب کو صاف دکھائی دے رہی تھی۔'' قریب آکر مسکرا کر سکندر نے افشاں کو سراہا تو بھی وہ سنجیدہ رہی تھی۔

''یہ لالہ رخ کیا کہہ رہی تھی۔'' جواباً افشاں نے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں آٹو گراف لے رہی تھی۔''

''مجھ سے تو نہیں لیا اس نے؟'' افشاں نے سنجیدگی سے کہا تو سکندر مسکرایا۔

''یہ تو تم اسی سے پوچھنا۔'' افشاں خاموش ہوگئی تھی ایک اور ساتھی ٹیچر ان کے پاس آکر رکیں تو ان کا موضوع گفتگو بدل گیا تھا۔ اس دن واپسی کے سفر میں اور گھر آکر بھی کئی بار سکندر نے محسوس کیا کہ افشاں بہت خاموش خاموش ہے۔

صبوحی ایک دو بار پھر آئی تھیں لیکن افشاں کا انکار اقرار میں نہ بدلا۔ اس دن سکندر کسی کام کے سلسلے میں گھر لوٹا تو ضیاء آیا ہوا تھا' وہ افشاں سے کوئی بات کررہا تھا۔ سکندر کے آنے پر وہ خاموش ہوگیا تھا۔ سکندر نے محسوس کیا کہ جیسے ضیاء افشاں کو پسند کرتا ہے لیکن افشاں اس کے رشتے سے انکاری تھی۔ سکندر سے بھی ضیاء نارملی انداز میں ملا تھا۔ سکندر نے اس کے آئندہ کے پلانز کے بارے میں پوچھا تو وہ

بتانے لگا۔

''اماں ابا کا گھر بیچ دیا ہے' آج کل کسی دوست کے ساتھ اس کا فلیٹ شیئر کر رہا ہوں' ایک ایجنٹ کو کچھ رقم دے رکھی ہے امریکہ کے ویزے کے لیئے' ہوسکتا ہے ایک دو ماہ میں ویزے کا کام بن جائے اور پھر میں پاکستان چھوڑ دوں۔'' سکندر نے محسوس کیا کہ وہ کافی دل برداشتہ سا ہو رہا ہے' شاید افشاں کے انکار کی وجہ سے ایسا تھا۔

''امریکہ میں میری کچھ پراپرٹی ہے' اگر تمہارے پاس کسی جاب کا بندوبست نہ ہوسکا تو تم وہاں میرے فلیٹ میں رہ لینا۔ میری دکانیں اور فلیٹ وہاں کے مقامی ایک شخص کے پاس رینٹ پر ہیں' تم میری اس سے بات کروا دینا وہاں ایک دکان تم رکھ لینا پھر جب میں لوٹوں گا تو دیکھوں گا کہ کیا کرنا ہے۔'' سکندر نے خصوصی دل سے اسے آفر کی تھی اور شاید ضیاء کو بھی یہ آفر پسند آئی تھی اس نے وہاں موجود شخص کا ایڈریس اور رابطہ نمبر لے لیا تھا۔

کالج میں فائنل ائر کے ایگزامز چل رہے تھے ایک دو بار لالہ رخ سے بھی سامنا ہوا تھا' وہ ہر بار کافی کمزور اور پریشان دکھائی دی تھی۔ اس دن اس کا لاسٹ پیپر تھا' وہ سکندر کے آفس آئی تھی یہ آفس اکنامکس والوں کا تھا دو تین اور ٹیچرز بھی وہاں موجود تھیں۔ پریشان سی لالہ رخ اس کی طرف آئی تھی' اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں' ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ پیپر دے کر نکلی تھی۔

''سر! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' لالہ رخ نے اس کی ٹیبل کے پاس آ کر کہا تو سکندر نے چونک کر دیکھا تھا۔ سرخ متورم آنکھیں شاید گزشتہ رات وہ جاگتی رہی تھی یا پھر ساری رات روئی تھی۔

''ہاں کہیے۔'' سکندر نے کہا تو اس نے اطراف میں دیکھا تھا۔ وہاں اور ٹیچرز بھی موجود تھے' اکنامکس کے سب ٹیچرز مرد حضرات تھے۔

''یہاں نہیں سر پلیز باہر آ سکتے ہیں؟'' اس کے انداز میں لجاجت تھی' سکندر نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ انگلیاں چٹخاتی بہت پریشان لگ رہی تھی' سکندر کھڑا ہو گیا تھا۔ روم سے باہر آ کر وہ کھڑا ہوا تھا۔

''سر! میں بہت مشکل میں ہوں' مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کس سے اپنا مسئلہ شیئر کروں۔'' بات کرتے کرتے اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی سی سمٹ آئی تھی۔

''سر مجھے کسی کی مدد کی اشد ضرورت ہے۔'' رندھی ہوئی آواز میں اس نے کہنا شروع کیا تھا تبھی اسٹاف روم سے نکلتی افشاں کی نگاہ دونوں پر پڑی تھی۔ افشاں فوراً ان کی طرف آئی تھی' ایک تیز نگاہ لالہ رخ پر ڈال کر اس نے سکندر کو دیکھا تھا۔

''صبوحی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے لیکن اس کی طبیعت بہت خراب ہے اسے ہسپتال ایڈمٹ کروا دیا گیا ہے ابھی ضیاء کی کالج کے فون پر کال آئی تھی ہم دونوں کو ابھی وہاں چلنا ہے' پرنسپل صاحب سے میں بات کر چکی ہوں۔''

''اوہ......'' سکندر بھی ایک دم پریشان ہوا تھا۔ ''کیا زیادہ سیریس کنڈیشن ہے اس کی؟''

''شاید یہ تو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا۔'' افشاں نے کہا تو سکندر نے لالہ رخ کو دیکھا' وہ سر جھکائے اپنی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

''جلدی کرو' میں اپنا بیگ لے لوں پھر نکلتے ہیں۔'' وہ کہہ کر واپس تیزی سے اسٹاف روم کی طرف چلی گئی تھی۔

''آپ کیا کہہ رہی تھیں؟'' سکندر کو اس کے آنسوؤں سے ایک دم شدید اذیت محسوس ہوئی تھی۔

''میری بات طویل ہے لیکن آپ کو تو جانا ہوگا۔'' لالہ رخ کے لہجے میں ایک دم مایوسی سمٹ آئی تھی۔

''آپ کہیں جب تک افشاں نہیں آ جاتی۔''

''مس افشاں آپ کی کیا لگتی ہیں؟'' لالہ نے خلاف توقع بات کی تھی' سکندر نے حیران ہو کر دیکھا۔

''یہ میری کزن ہیں۔'' سکندر نے بتایا تو اسے لگا کہ جیسے لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم کچھ اطمینان پھیلا ہو۔

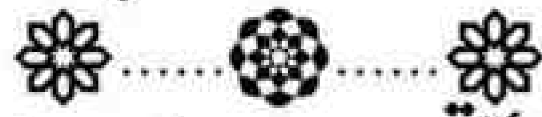
''لیکن آپ کہیں جو کہنا ہے۔'' اسٹاف روم کی طرف دیکھتے سکندر نے کہا تو لالہ رخ نے پھر سر جھکا لیا تھا۔

''سر! میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' ایک بہت ہی غیر متوقع اور حیران کن جملہ تھا۔

''کیا......؟'' سکندر اپنی جگہ ششدر سا رہ گیا تھا۔

''باقی تفصیل سننے کے لیے شاید آپ کے پاس وقت نہ ہو لیکن اگر میرے سوال کو سوچنا چاہیں اور اس کے پیچھے کسی وجہ کو تلاش کرنا چاہیں تو آج رات تک میرے ہاسٹل آ جایئے گا' کل شاید پھر میں اس شہر میں نہ رہوں۔'' افشاں اسٹاف روم کے دروازے سے نکل کر پھر اسی طرف آ رہی تھی۔

لالہ رخ نے افشاں کو دیکھتے بات مکمل کی تھی اور پھر خاموشی سے حیران و پریشان کھڑے سکندر سبحان احمد کو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔



مصطفیٰ ایک میٹنگ میں تھا جب اسے ڈرائیور کی کال آئی تھی اس نے فوراً نزدیک ترین پولیس اسٹیشن سے رابطہ کیا تھا اور پھر امجد خان کو جہاں بھی تھا فوراً موقع پر پہنچنے کا کہا تھا' وہ خود اتنی جلدی وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ امجد خان اس سے پل پل رابطہ رکھے ہوئے تھا' وہ کچھ دیر بعد وہاں پہنچ گیا تھا اور اس سے پہلے موبائل پولیس وہاں پہنچی تھی' وہ نقاب پوش اور اس کا ساتھی بھاگ گئے تھے۔ ڈرائیور زخمی تھا اور شہوار کی طبیعت خاصی خراب تھی۔ مصطفیٰ نے امجد خان کو دونوں کو فوراً ہسپتال لے جانے کی ہدایت کی اور خود افسران سے معذرت کرتا فوراً وہاں سے نکلا آیا تھا۔

وہ اچھی طرح اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ ساری کارروائی کس کی ہوسکتی ہے۔ مصطفیٰ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر شہوار تک پہنچ جائے۔ گھر والوں میں سے اس نے شاہ زیب اور عباس بھائی سے رابطہ کیا تھا' ماں جی پریشان نہ ہوں اس نے گھر کال نہیں کی تھی مصطفیٰ کچھ دیر میں ہسپتال پہنچ گیا تھا۔ گرنے کے سبب شہوار کی طبیعت خراب ہوئی تھی چند ماہ کی پریگننسی تھی' پولیس ساتھ تھی ڈاکٹر نے فوراً ٹریٹمنٹ دیا تھا' اللہ کا شکر تھا کہ اس کی طبیعت زیادہ خراب نہیں ہوئی تھی۔ جب تک مصطفیٰ شہوار کے پاس پہنچا تب تک شہوار غنودگی میں تھی۔ شاہ زیب اور عباس دونوں وہاں موجود تھے۔ ڈرائیور کو بھی ٹریٹمنٹ دیا جا چکا تھا' اس کا اچھا خاصا خون بہہ گیا تھا' وہ بے ہوش تھا۔ مصطفیٰ کے اندر شدید ملال اترنے لگا۔

فجر کے وقت اسے ایمرجنسی کال آ گئی تھی' وہ اٹھا تھا تب شہوار بے آرام سی صوفے پر لیٹی ہوئی تھی' اس نے لائٹ آن نہیں کی تھی بس احتیاط سے بغیر آواز پیدا کیے لباس بدل کر وہ ضروری اشیاء لے کر فوراً ماں جی کو بتا کر گھر سے نکل آ گیا تھا۔ ماں جی روزانہ تہجد کے وقت اٹھتی تھیں۔ رات شہوار خفا ہو کر کمرے سے گئی تھی' اتنے دنوں کی سخت تھکن ذہنی ٹینشن اور بے آرامی وہ بستر پر لیٹتے ہی غافل ہو گیا تھا۔ ورنہ جی تو چاہ رہا تھا کہ باہر جا کر شہوار کو ساتھ لے کر کمرے میں آئے لیکن پھر صبح تفصیلاً بات کر لینے کا سوچ کر ٹال گیا تھا' اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ دوبارہ اس حالت میں ملے گی۔ شہوار کو ڈرپ لگی ہوئی تھی' نرس پاس ہی تھی مصطفیٰ شہوار کے پاس آیا اور محبت سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔

''شہوار......'' اس نے پکارا تو شہوار نے ہلکی سی آنکھیں کھولی تھیں۔

''تم ٹھیک ہو؟'' اس کے قریب جھک کر پوچھا تو اس کی آنکھوں میں ایک دم آنسو سمٹ آئے تھے۔ مصطفیٰ نے نرس کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

شاہ زیب اور عباس تو پہلے ہی جا چکے تھے' مصطفیٰ اس کے پاس بستر کے کنارے بیٹھ گیا اور شہوار اس بات کی پروا کیے بغیر کہ اسے ڈرپ لگی ہوئی ہے اس کے ساتھ لگ کر ایک دم سسک اٹھی تھی اس کے لیے وہ سب ایک بھیانک خواب کی طرح تھا ایک بہت ہی ڈراؤنا اور خوف ناک خواب......جس کی شدت اور خوف اتنا ہولناک تھا کہ وہ ابھی بھی اسے یاد کر کے سسک اٹھی تھی' خدانخواستہ کچھ ہو جاتا۔ جس طرح وہ اس شخص کی گن کی زد پر تھی کچھ بھی ممکن تھا اور سب سے بڑھ کر جب اس نے اسے دھکا دیا تھا اور وہ منہ کے بل گری تھی۔ وہ تو زمین پر ہاتھ اور گھٹنے لگا کر اس نے خود کو لاشعوری طور پر ایک بہت بڑے نقصان سے بچانے کی کوشش کرنا چاہی تھی۔

''وہ کون تھا؟'' مصطفیٰ کے بازو اس کے گرد ایک مضبوط حصار کی مانند بندھ گئے تھے۔ بہت زیادہ رونے کے بعد وہ کچھ سنبھلی تو مصطفیٰ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا۔

''ایاز......'' یہ نام سنتے ہی مصطفیٰ کے جبڑے بھینچ گئے تھے۔

''میں اس شخص کی آواز کبھی نہیں بھول سکتی' وہ ایاز ہی تھا۔ اس نے مجھے لے جانے کی کوشش کی تھی لیکن ڈرائیور اور گارڈ کی وجہ سے میں بچ گئی۔'' مصطفیٰ نے اس کے بازو کی طرف دیکھا وہاں ڈرپ لگی ہوئی تھی لیکن کلائی پر گہرے نیل تھے' مصطفیٰ نے دوسرا ہاتھ اس کے بازو پر رکھا تھا۔

''یہ نیل کیسے پڑے؟'' شہوار کو دیکھا تھا' شہوار جواب دینے کی بجائے مصطفیٰ کے سینے میں سر چھپا کر ایک بار پھر سسک اٹھی تھی۔

''میں قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتا وہ اگر اب تک زندہ گھوم رہا ہے تو بس بابا جان کی وجہ سے ورنہ وہ کب کا کسی نہ کسی کیس میں پھنس کر زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہوتا۔'' شہوار کچھ دیر تک اسی طرح روتی رہی تھی۔ پھر مصطفیٰ نے خود سے الگ کر کے بستر پر لٹا کر بہت محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی۔

”کیسا فیل کر رہی ہو؟“ مصطفیٰ نے پوچھا تو اپنے آنسو صاف کرتے سر ہلا دیا تھا۔ وہ تکیے سے سر ٹکا کر لیٹ گئی تھی۔

”دریہ کہاں ہے؟“ شہوار نے پوچھا تھا۔

”وہ گھر جا چکی ہے ماما نے ہسپتال آتے ہی اسے گھر بھیج دیا تھا۔“

”دریہ تمہارے ساتھ کیا کر رہی تھی اور تم لوگ میکڈونلڈ کیا لینے گئے تھے۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”دریہ زاہد بھائی کے ہاں تھی' ڈرائیور اسے لینے کے بعد مجھے لینے آیا تھا' راستے میں میکڈونلڈ دیکھ کر دریہ نے وہاں سے کھانے کے لیے کچھ لینا چاہا تھا۔“

”میں منع کر چکا تھا ناکہ راستے میں کہیں بھی نہیں رکنا' کالج سے سیدھا گھر آنا ہے۔“ مصطفیٰ نے ناراضی سے کہا۔

”دریہ کو منع کیا تھا میں نے لیکن وہ بضد تھی کہ اسے سخت بھوک لگی ہے۔ وہ اکیلی اندر گئی میں...... میں تو گاڑی میں ہی تھی جب یہ شخص آیا تھا۔ اس نے گاڑی کا شیشہ توڑا تھا اور پھر گاڑی چلانے کی کوشش کی تھی میکڈونلڈ کے سیکیورٹی گارڈ نے ڈرائیور کے شور مچانے پر فائر کر کے گاڑی پنکچر کر دی تھی' جس پر ایاز پسٹل نکال کر مجھے زبردستی گاڑی سے نکال لایا تھا۔“ اس نے دھیمے سے ساری کارروائی بتائی تھی مصطفیٰ نے ایک دم لب بھینچ لیے تھے۔

”یہ بندہ نہیں جینے والا' یہ آخری بار تھا اب نہیں بچے گا یہ......“ مصطفیٰ کا مارے طیش کے ایک دم بُرا حال ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر آیا تو شاہ زیب صاحب فوراً پاس آئے تھے۔

”کچھ پتا چلا کون لوگ تھے؟“

”ایاز تھا...... شہوار نے اس کی آواز پہچان لی ہے' ویسے بھی ایاز کے سوا اور کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔“ شاہ زیب صاحب نے دیکھا' مصطفیٰ کا چہرہ مارے غصے کے تمتما رہا تھا۔

”آپ نے ہر بار مجھے روکا' قانون کے دائرے میں رہنے پر مجبور کیا ورنہ اس جیسے شخص کو سزا دینا کون سا مشکل تھا لیکن یہ میری برداشت سے باہر ہو چکا ہے اب' ڈرائیور کو کچھ ہو جاتا یا شہوار کو ہی تو بتائیے کون اس نقصان کو پورا کرتا؟ ویسے بھی میں مجرم کو صرف ایک حد تک ڈھیل دیتا ہوں یہ انسان بہت ڈھیل لے چکا ہے اب نہیں دوں گا۔“

”دھیرج سے بیٹا!“ شاہ زیب صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پرسکون کرنا چاہا۔

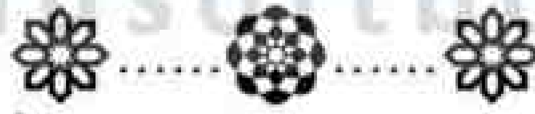
”ہر چیز کی ایک لمٹ ہوتی ہے بابا! اس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا' اس نے کئی بار شہوار کو مختلف مقامات پر اغوا کرنے کی کوشش کی۔ کئی بار وہ ہمارے لیے ناقابل برداشت بنا اور ہر بار آپ اس کی ڈھال بن گئے' اس کا باپ روپے پیسے کا استعمال کرتا ہے اور ضمانت کروا لیتا ہے اور ہم کیا اتنے ہی بے بس ہیں جو یہ سب ہوتے دیکھ رہے ہیں۔“ مصطفیٰ کا ضبط جواب دے گیا تھا' عباس بھی قریب آ گیا تھا۔

”لیکن ہر چیز قانون و قاعدے کے تحت ہی ہونی چاہیے' میں نہیں چاہتا کہ تمہاری نیک نامی کسی ایسے مجرم کے سبب بدنامی میں بدل جائے تمہاری اور شہوار کی جان سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ وہ کئی بار پبلک کے سامنے ہماری بچی پر ہاتھ ڈال چکا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم چپ چاپ سب سہہ رہے ہیں بیٹا! میں چاہتا ہوں اسے سزا ملے لیکن قانون کے تحت۔“ وہ اب بھی پرسکون تھے۔

”کیا فائدہ ایسے قانون کا جب ہر بار وہ با آسانی ہماری تحویل سے نکل کر دندناتا پھرتا ہے۔“ عباس نے بھی تلخی سے کہا۔

”ہم قانون کے محافظ ہیں ہمیں ایسی بات زیب نہیں دیتی۔“ شاہ زیب صاحب نے اب کی بار سختی سے ٹوکا تھا۔

”امجد خان کو کہو جہاں بھی خبر ملتی ہے اس پر ریڈ کرو' وہ ملتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے اس بار میرا وعدہ ہے میں ضمانت نہیں ہونے دوں گا۔“ انہوں نے پھر مصطفیٰ کو مضبوط کرنا چاہا تھا' مصطفیٰ لب بھینچ کر بغیر کچھ کہے تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا اور شاہ زیب صاحب نے بہت سنجیدگی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔



صبوحی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا نارمل کیس تھا لیکن اس کے بعد ایک دم اس کی طبیعت بگڑی تھی۔ وقار اور ضیاء ہی ساری بھاگ دوڑ کر رہے تھے' افشاں اور سکندر کے جانے سے ان لوگوں کو بہت ڈھارس ملی تھی۔ رات تک صبوحی کی طرف سے کوئی خبر نہ مل سکی تھی۔ رات گئے ڈاکٹرز نے اطلاع دی تو سب ہی نے سکون کا کلمہ پڑھا تھا۔ صبوحی کی طبیعت اب بہتر تھی' چند دن اسے ہسپتال میں رہنا تھا۔ ان لوگوں کی وہ ساری رات ہسپتال کے کوریڈور میں ٹہلتے گزری تھی۔ اگلے دن صبوحی کی طبیعت کافی بہتر تھی خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔

افشاں اور سکندر گھر آ گئے تھے' کل سارا دن کی بھاگ دوڑ اور پھر ہسپتال کی خواری دونوں ہی گھر آ کر سو گئے تھے۔ کالج سے دونوں نے ہی چھٹی کی تھی' دوپہر میں افشاں کھانا تیار کر کے خالہ بی کے ساتھ ہسپتال چلی گئی تھی جبکہ سکندر کچھ دیر تو یونہی اپنے بستر پر لیٹا رہا تھا پھر اٹھ کر نہایا دھویا' کھانا کھایا۔

وہ گھر سے نکل آیا تھا' کالج جانے کا کوئی فائدہ نہ تھا وہ سیدھا ویمن ہاسٹل پہنچا تھا نجانے کیوں اس کا ذہن مسلسل لالہ رخ کی ذات میں ہی الجھا ہوا تھا' لالہ رخ ایک خوب صورت لڑکی تھی لیکن خوب صورتی سے زیادہ سکندر کو لالہ رخ کی سلجھی ہوئی فطرت اور رکھ رکھاؤ نے متاثر کیا تھا۔ وہ ہاسٹل آیا وارڈن سے ملاقات ہوگئی تھی' وارڈن خوش اخلاقی سے ملی تھی اور جب سکندر نے لالہ رخ سے ملنے کا کہا تھا تو وارڈن نے بتایا کہ وہ آج صبح ہاسٹل سے جا چکی ہے اس کے گھر سے کوئی لینے آیا تھا۔ البتہ وہ سکندر کے نام ایک لفافہ وارڈن کو دے گئی تھی' لالہ رخ نے خصوصاً تاکید کی تھی کہ یہ لفافہ سکندر سبحان احمد تک پہنچا دیا جائے۔

''اچھا ہوا تم خود ہی آ گئے' مجھے کسی کو تمہارے پاس بھیجنا نہیں پڑا۔'' بند لفافہ سکندر کو دیتے وارڈن نے کہا تو سکندر محض مسکرا دیا تھا۔

نجانے وہ کل کیا کہنا چاہتی تھی' سکندر کے اندر ملال جاگنے لگا' کیا تھا وہ کچھ دیر اور رک کر اس کی بات سن لیتا۔ دو بھیگی آنکھیں مسلسل یاد آتی رہی تھیں' وہ رات بھر ڈسٹرب رہا تھا۔ وہ لفافہ لے کر وارڈن کا شکریہ ادا کرتے وہاں سے چلا آیا تھا۔ گھر آیا تو افشاں ابھی تک نہیں آئی تھی' سکندر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس نے لفافہ کھولا تو اندر سے سفید کاغذ پھسل کر گود میں گرا' کاغذ پر خوب صورت رائٹنگ میں الفاظ پھولوں کی مانند بکھرے ہوئے تھے۔

''السلام علیکم!

مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں آپ کو کن الفاظ میں مخاطب کروں' آپ میرے استاد ہیں اور میرے لیے قابل عزت اور محترم ہستی ہیں۔ میں نے آج سارا دن آپ کا بہت انتظار کیا لیکن آپ کو نہیں آنا تھا آپ نہ آئے۔ میں رات گئے تک ہاسٹل کے ویٹنگ روم میں بیٹھی دروازے کو دیکھتی رہی کہ شاید ابھی کوئی آپ کی آمد کا پیغام لے کر آ جائے اور پھر رات کے دس بجے میں نامراد ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ مجھے اندازہ ہے کہ میرے کل کے جملے اور میرا یہ خط آپ کو پریشان کر رہا ہوگا لیکن نجانے کیوں مجھے لگا تھا کہ آپ دنیا کے واحد وہ شخص ہیں جس سے میں دل کی ہر بات شیئر کر سکتی ہوں۔ میں اپنے کل کے پرپوزل کے بارے میں وضاحت کرنے سے پہلے آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔

میں ایک بہت دولت مند' کھاتے پیتے گھرانے سے ہوں' میری ماں کا گھر جدی پشتی رئیس گھرانہ تھا۔ میرے نانا مختار احمد ایک مل اونر انسان تھے۔ میری ماں میرے نانا کی اکلوتی بیٹی تھیں' خوش قسمتی سے نانا کو وراثت میں بہت کچھ ملا تھا' میری نانی بیٹی کی پیدائش پر کم عمری میں ہی چل بسی تھیں' میرے نانا نے میری والدہ کی تربیت بہت ناز و نعم میں کی تھی۔ میرے والد کا نام اشفاق احمد تھا' میرے والد میرے نانا کی فیکٹری میں ایک معمولی ورکر تھے لیکن بہت جلد انہوں نے اپنی ذہانت اور مختلف خیالوں سے میرے نانا تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ نانا کی فیکٹری میں بہت اونچے عہدے پر فائز ہوگئے' میرے والد میرے نانا کے بہت منظور نظر تھے وہ ہر فیصلہ میرے والد کے مشورے سے کرتے تھے۔ نجانے میرے والد صاحب نے میرے نانا پر کیسا جادو کیا تھا کہ خاندان کے اعلیٰ سے اعلیٰ لڑکے کو ٹھکرا کر انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی میرے والد سے کر دی تھی جس پر میرے نانا کے سارے خاندان نے ان سے قطع تعلقی اختیار کر لی تھی۔ اب میرے والد میرے نانا کے کاروبار میں مالک کی حیثیت رکھتے تھے۔ میرے والد کے ایک بھائی تھے ان کا ایک بیٹا ہمایوں تھا' ماں باپ بچپن میں ہی انتقال کر گئے تو ہمایوں چچا کے زیر سایہ یعنی ہمارے گھر میں پرورش پانے لگا تھا۔

میرے والد جو ایک معمولی غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے وہ اور ان کا بھتیجا اب دولت کی ریل پیل میں زندگی گزارنے لگے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا میرے والد کا کاروبار میں اس قدر ہولڈ ہو گیا کہ نانا کی حیثیت ایک بے کار سے پرزے کی سی ہوتی چلی گئی تھی' جب تک نانا کو میرے والد کی اصلیت کا علم ہوا سب ہی کچھ ہاتھ سے پھسل چکا تھا۔

نانا اور ابا کی شدید لڑائی ہوئی اور پھر چند دن بعد ایک کار ایکسیڈنٹ میں نانا کی ڈیتھ ہوگئی اور میری ماں ہمیشہ کے لیے معذور ہوگئی' میری ماں جو میرے باپ کی اصلیت سے اچھی طرح باخبر ہو چکی تھیں لیکن شوہر کے سامنے بالکل بے بس تھیں۔ مرنے سے پہلے میرے نانا اپنی تمام پراپرٹی میرے نام کر گئے تھے جو میری شادی کے بعد میرے شوہر کے اختیار میں چلی جانی تھی۔ میری ماں نے شروع سے ہی میری تربیت بہت مختلف انداز میں کی تھی۔ میرا باپ ایک آوارہ' نشئی اور بدکار انسان تھا گھر کے ماحول کو دیکھتے ہوئے میری ماں نے مجھے

ہمیشہ ہاسٹلز میں رکھا تھا۔ نانا کے انتقال کے بعد اب مکمل طور پر ساری جائیداد کا کنٹرول میرے باپ اور اس کے بھتیجے کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ میری ماں کی حیثیت بس ایک فالتو ناکارہ پرزے کی سی تھی۔

پچھلی دفعہ جب میں گھر گئی تو میری ماں نے بتایا تھا کہ میرے امتحان ختم ہوتے ہی میرا باپ مجھے واپس بلوا لے گا اور میری شادی ہمایوں سے کر دے گا جبکہ میں ایسا نہیں چاہتی۔ ہمایوں ایک بگڑا ہوا بدقماش آوارہ انسان ہے جس کا اولین شوق بے تحاشہ پیسہ اڑانا ہے اور اس کے بعد نشے میں دھت ہو کر عورت سے کھیلنا۔ اس شخص کا وجود میرے لیے ہمیشہ ایک عذاب کی مانند رہا اور اس عذاب سے بچانے کے لیے میری ماں نے مجھے ہمیشہ ہاسٹلز میں رکھا تھا۔ میرا باپ اور ہمایوں مجھ سے شادی صرف اور صرف تمام جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے کرنا چاہتے ہیں جبکہ میں ہمایوں سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔

آپ کو دیکھا تو دل میں عجیب سے احساسات پیدا ہونے لگے تھے لیکن میری ماں کی تربیت نے مجھے ہمیشہ اپنی حدود کی قید میں رکھے رکھا۔ پچھلی دفعہ جب میری ماں نے بتایا کہ میرا باپ اب میری شادی ہمایوں سے کر دے گا تو میں پریشان ہو گئی تھی تب میری ماں نے مجھے کہا کہ اگر میرے اردگرد ہمایوں سے بہتر کوئی قابل بھروسہ انسان ہے تو میں اس کو بلوا لوں' ماں سے ملوا دوں تب میرے ذہن میں آپ کا خیال آیا لیکن وہ سب میرے یک طرفہ احساسات تھے۔

ایگزامز سے پہلے ایک بار میرا باپ میرے ہاسٹل آیا تھا اور مجھے اچھی طرح یاددہانی کروا دی تھی کہ ایگزامز کے بعد وہ مجھے لینے آئیں گے اور پھر میری ہمایوں سے شادی ہو جائے گی۔ میرے پاس ہمایوں جیسے عفریت سے بچنے کے لیے کوئی رستہ نہیں' میں نے بہت سوچا تو ہر بار آپ کا خیال ذہن میں آیا۔ مس افشاں آپ کی کزن ہیں یہ جاننے کے بعد ہی میں نے آپ کے سامنے شادی کا پرپوزل رکھا تھا۔

آج صبح مجھے واپس شہر چلے جانا ہے اور شاید میری شادی بھی ہو جائے لیکن میں دل میں کوئی خلش اور ملال نہیں رکھنا چاہتی تھی کہ ڈوبنے سے پہلے میں بچاؤ کے لیے ہاتھ پاؤں نہ مار سکی تھی۔ ایک لڑکی ذات ہو کر ایک مرد کی طرف بڑھنا یقیناً یہ میرے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا لیکن میں مجبور تھی۔ مجھے نہیں پتا آپ میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں' مجھے اس پرپوزل کے بعد کس قسم کی لڑکی سمجھ رہے ہیں لیکن میں یہ سب کرنے پر مجبور تھی۔ آپ نے مجھے کوئی امید نہیں دلائی تھی لیکن اس کے باوجود میں نے رات دس بجے تک انتظار کیا تھا۔

اب صبح میں چلی جاؤں گی اور شاید میری شادی بھی ہو جائے۔ لیکن میں آپ کو کبھی بھول نہیں پاؤں گی۔ میرے دل میں آپ سے متعلق جو احساسات اور جذبات ہیں وہ کبھی نہ مر پائیں گے......کبھی بھی نہیں۔

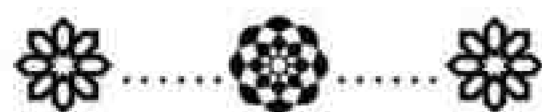
فقط

لالہ رخ''

خط کیا تھا ایک طوفان بے کراں تھا۔ سکندر کو لگا اس کے اندر ایک عجیب سی ہیجانی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔ ایک لڑکی اس کی ذات کا سوچ کر اس کی طرف ایک امید لے کر بڑھی تھی اور اس نے اسے مایوس کر دیا تھا۔ نجانے وہ کس حالت میں ہاسٹل سے نکلی تھی' سکندر کو رہ رہ کر وہ بھیگی ہوئی دو آنکھیں یاد آنے لگیں۔ وہ محبت کو نہیں مانتا تھا' وہ محبت' جذباتیت ہر چیز کو بے معنی تصور کرتا تھا لیکن یہ خط پڑھنے کے بعد سکندر کو لگ رہا تھا کہ گویا اس کا پورا وجود کسی ان دیکھی آگ میں جلنے لگا ہے۔ کوئی چیز' کوئی احساس اسے لالہ رخ کی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ بے انتہا بے کل ہو چکا تھا' فطرتاً وہ ایک نرم دل انسان تھا۔

شاید نرم دلی اسے اپنی ماں سے ملی تھی لیکن جو بھی تھا لالہ رخ کے حالات پڑھ کر سکندر کے اندر اس کی ذات سے ایک عجیب سا لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اگلے کئی دن تک سکندر بے چین' پریشان اور مضطرب رہا تھا۔ صبوحی ٹھیک ہو کر اپنے گھر آ چکی تھی اس نے بیٹے کا نام احسن رکھا تھا۔ ضیاء کے باہر جانے کے انتظامات مکمل ہو گئے تھے' سکندر کے پاس بھی اب اتنے وسائل تو ہو گئے تھے کہ وہ اب آرام و سکون سے واپس پلٹ سکتا تھا لیکن نجانے کیا بات تھی ابھی اتنی جلدی واپس پلٹنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ واپس تو جانا ہی ہے کیوں نہ وہ کچھ عرصہ ادھر رہ کر جائے۔

وہ ایک دو بار لالہ رخ کا پتا کرنے اس کے ہاسٹل بھی گیا تھا' وارڈن ایڈریس دینے پر راضی نہ ہوئی تھی۔ کالج گھر اور بس اپنی سوچوں کا لامتناہی صحرا' زندگی عجیب سی ہوتی چلی گئی تھی۔ اس کی زندگی میں بالکل اچانک ایک دھماکہ ہوا تھا اور پھر اس کی زندگی ہی بدل گئی تھی۔ ایسا دھماکہ کہ جس نے افشاں کو بہت بدظن کر دیا تھا۔



صبوحی ٹھیک تھیں اب باقی ٹریٹمنٹ گھر جا کر بھی ہو سکتا تھا۔ اسی سلسلے میں انتظامات ہو رہے تھے' وقار صاحب اور انا ہسپتال میں تھے باقی لوگ گھر میں تھے۔ اس دوران بہت سے لوگ عیادت کو آئے تھے۔ ولید کے جاننے والے بھی آتے رہے تھے' وقار صاحب نے بتایا کہ ولید کے کمرے میں اسے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے۔ ''لڑکی'' کے الفاظ سن کر انا کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ لاشعوری طور پر وہ ایک دم پریشان ہو گئی تھی۔

اس نے وقار صاحب کو دیکھا وہ صبوحی بیگم کا سامان سمیٹ رہے تھے' وہ خاموشی سے کمرے سے نکلی تھی۔ دل میں عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی' وہ ولید کے کمرے میں آئی تو اندر سے آتی آواز سن کر رک گئی تھی۔ اس کا شک درست ثابت ہوا تھا اندر واقعی کاشفہ تھی۔

''مائی گاڈ مجھے خبر ملی تھی لیکن میں سمجھی معمولی نوعیت کی چوٹیں ہیں' تمہیں پتا تو ہے ہم لوگ باہر شفٹ ہو رہے ہیں بس اسی سلسلے میں مصروف تھی۔ میں تمہارے نمبر پر کال کرتی رہی لیکن نمبر بند ہوتا تھا اور تمہارے آفس کے نمبر پر کوئی کال ریسیو نہیں کرتا تھا۔'' کاشفہ کہہ رہی تھی' انا کے اندر ایک آگ نے سر اٹھایا تھا۔

''تم خفا ہو مجھ سے؟'' ولید خاموش تھا اور کاشفہ نے پوچھا تھا۔

''ایم سو سوری...... تم جانتے ہو میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں' میں نے جو بھی رویہ رکھا تمہاری محبت میں ہی ہے لیکن پلیز اس طرح خفا مت رہو۔'' کاشفہ کی لجاجت بھری آواز سنائی دی تھی۔

''تم اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔'' جواباً ولید نے بہت سرد لہجے میں کہا تھا۔

''لیکن ولید......''

''میں نے کہا نکل جاؤ یہاں سے۔'' وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ انا ایک دم خوف زدہ ہو کر کمرے میں داخل ہوئی تھی' دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا تھا۔ کاشفہ کی نگاہ اس پر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بکھر گئی تھیں۔

''کیسی ہو انا؟'' اسے سنجیدگی سے دیکھتے کاشفہ نے کہا تھا' انا نے بے اختیار ولید کو دیکھا جو لب بھینچے چہرہ موڑے ہوئے تھا۔

''تمہارا نمبر بند' تم تک پہنچنے کا کوئی رستہ ہی نہیں تھا سوچا کہ تم سے اسی بہانے مل لوں گی اچھا ہوا تم خود ہی یہاں آ گئیں۔'' انا کے قریب آ کر سرگوشی میں اس نے کہا تھا۔ انا نے فوراً ولید کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا' آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔

''مجھے تم سے نہیں ملنا۔'' وہ نفرت سے بڑبڑائی۔

''ملنا تو پڑے گا ہی' تم شاید ان سائن شدہ کاغذات کو بھول رہی ہو تو میں یاد کروا دوں ان پر ہم کچھ بھی لکھوا کر تمہارے خلاف کچھ بھی کر سکتے ہیں۔'' کاشفہ کی دھمکی آمیز سرگوشی اب بھی اس طرح برقرار تھی۔ انا نے ولید کو دیکھا جس کے چہرے کے عضلات بھی ناقابل فہم قسم کی سرخی کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے اس سے پہلے کہ کاشفہ مزید بدکلامی کرتی انا تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

''اوکے ولید پھر ملاقات ہو گی' بائے۔'' انا کے کمرے سے نکلتے ہی کاشفہ نے بھی ولید سے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکلی تھی۔ انا راہداری کے آخری کونے میں باہر کی طرف منہ کیے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

''تمہارے تو بڑے مزے ہیں' ولید جیسے بندے کی کیئر ٹیکر بنی ہوئی ہو تمہارے تو مزے ہی مزے......'' انا نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا' اس نے فوراً اپنی آنکھیں صاف کی تھیں۔

''جب سب کچھ تمہاری حسب منشا ہو چکا ہے تو اب کیا چاہتی ہو' میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔'' انا چیخی تھی' جبکہ کاشفہ مسکرائی تھی۔

''دھیرج سے مائی ڈیئر! دھیرج سے...... میرے سامنے چلاؤ گی تو اپنا ہی نقصان کرو گی۔'' انا نے بہت نفرت سے اسے دیکھا تھا۔

''میں ولید کی زندگی سے نکل چکی ہوں' وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ میں نے وہ سب کیا جو مجھے ولید کی ذات سے دور کر سکتا تھا۔ میری فیملی تک مجھ سے بدظن ہو گئی ہے اس سے زیادہ اور کیا کروں میں۔''

''وہ سب جو ولید کو میری طرف آنے پر مجبور کر دے۔ میری فیملی باہر شفٹ ہو رہی ہے لیکن میں تب تک یہیں ہوں جب تک ولید مجھے مل نہیں جاتا۔ میں تمہاری تب تک جان نہیں چھوڑوں گی' جب تک ولید خود میری طرف نہ آ جائے۔''

''میں اب کچھ نہیں کروں گی' تم نے جو کرنا ہے کر لو۔ میں تمہاری زرخرید نہیں جو تمہارے اشاروں پر ناچوں۔ تم ایک بار مجھے دھوکے سے اپنے ساتھ لے گئی تھیں لیکن ضروری نہیں ہر بار میں تمہارے دھوکے میں آ جاؤں' تمہاری اصلیت کیا ہے یہ سب مجھ پر ظاہر ہو چکا ہے۔'' وہ چیخ کر بولی تھی' کاشفہ نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

''اوکے اب تم دیکھنا میں کیا کرتی ہوں' ولید اگر مجھے حاصل نہ ہوا تو میں اسے اس قابل بھی نہیں چھوڑوں گی کہ وہ تمہاری طرف آئے۔''
انانے بہت تلخی سے دیکھا تھا۔ وہ اس کو نفرت سے دیکھتی تیزی سے بھاگ کر وہاں سے نکل کر صبوحی کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ کاشفہ نے بہت نفرت سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

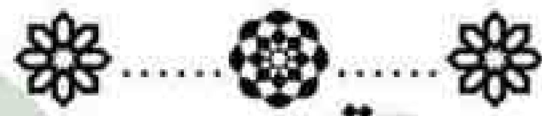
کمرے کے پاس آ کر انانے رک کر اپنے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کیا تھا' وہ ایک غلطی کر چکی تھی اور اب اسے اپنی اس غلطی کی سزا تا عمر بھگتنا تھی۔ وہ شہوار کے سامنے سب کچھ کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کر چکی تھی لیکن ولید کی ذات پر شک کر کے کاشفہ پر اندھا اعتماد کرتے اس نے اپنے ضمیر پر جو بوجھ لاد لیا تھا وہ شاید اب تا عمر اسی طرح برقرار رہنا تھا۔ یہ اس کی سزا تھی اور اسے یہ سزا اب جھیلنا ہی تھی۔ خود کو سنبھالتے' کمپوز کرتے اچھی طرح چہرہ صاف کرتے وہ واپس کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

❁..........❁..........❁

مہر النساء بیگم کو شام کے بعد انفارم کر دیا گیا تھا' وہ فوراً ہسپتال آئی تھیں' رات ان لوگوں کی ہسپتال میں گزری تھی۔ اگلے دن ڈاکٹر نے کچھ میڈیسن اور بہت ساری ہدایات دیتے ڈسچارج کر دیا تھا' مہر النساء بیگم اچھی خاصی پریشان تھیں۔ امجد خان مختلف جگہوں پر چھاپے مار رہا تھا لیکن ایاز کا کہیں بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ عبدالقیوم بھی آج کل کہیں منظر سے غائب تھا' البتہ اس کی بیوی اور دونوں بیٹیاں ابھی پاکستان میں ہی تھیں۔ کسی مخبر نے اطلاع دی تھی کہ عبدالقیوم خاموشی سے باہر شفٹ ہو رہا ہے اسی سلسلے میں وہ پاکستان سے باہر ہے۔ مصطفیٰ نے ان کے گھر کے اردگرد سخت قسم کا پہرہ لگوا دیا تھا۔ اسے ایک دو دن میں ہر حال میں ایاز چاہیے تھا' مصطفیٰ بہت بپھرا ہوا تھا وہ اب ایاز کو کسی بھی قسم کی ڈھیل دینے کو تیار نہ تھا۔ اس نے کوشش کرتے ایاز کی ضمانت بھی کینسل کرا دی تھی۔ دو تین دن اسی بھاگ دوڑ میں گزر گئے تھے' مصطفیٰ اس دن گھر آیا تو شہوار سو رہی تھی' ڈاکٹر نے اسے بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی۔ سو وہ زیادہ تر آرام ہی کر رہی تھی۔
مہر النساء بیگم اور لائبہ بھابی خصوصی طور پر اس کا خیال رکھ رہی تھیں۔ مصطفیٰ چینج کر کے کمرے سے باہر آیا تو دریہ لاؤنج میں بیٹھی چینل سرچنگ کر رہی تھی۔ ان گزرے دو تین دنوں میں مصطفیٰ کا دریہ سے سامنا نہیں ہوا تھا۔
''شہوار نے بتایا تھا جب تک وہ نقاب پوش اس پر گن تانے کھڑا رہا تھا تم کہیں بھی نہ تھیں۔'' دریہ کو دیکھ کر مصطفیٰ کو شہوار کی بات یاد آئی تو اس نے پوچھ لیا۔
''میں بہت ڈر گئی تھی مجھے لگا کہ ابھی گولی چل جائے گی میں تو عمارت سے باہر ہی نہ نکلی تھی۔''
''تمہیں عمارت سے نکل کر دیکھنا تو چاہیے تھا نا وہاں کیا ہو رہا ہے۔'' مصطفیٰ نے برہمی سے کہا تو دریہ نے چہک کر کہا۔
''خوامخواہ ہی...... وہاں ڈرائیور' سیکیورٹی گارڈ کچھ نہ کر سکے تھے تو میں کیا کر لیتی' مجھے مرنا نہیں تھا۔''
''اور اگر شہوار کو کچھ ہو جاتا یا ڈرائیور کو ہی...... تم جانتی تھیں کہ شہوار کس کنڈیشن میں ہے وہ باہر کا کھانا نہیں کھاتی' ہوٹلنگ اسے سختی سے منع ہے اس کے باوجود تم میکڈونلڈ گئیں۔'' نجانے کیوں مصطفیٰ کو اس بات سے بہت الجھن ہو رہی تھی۔
ایاز وہاں مسلح ہو کر گاڑی لے کر کسی کے ساتھ آیا تھا' اس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا اس کے ساتھی نے بھی' سوچنے کی بات تھی کہ ایاز کو کیسے علم ہوا تھا کہ شہوار اس گاڑی میں موجود ہے اور گاڑی میں تنہا ہے۔ ایاز نے اسی وقت حملہ کیا تھا جب دریہ اور ڈرائیور دونوں گاڑی سے نکل کر عمارت کے اندر گئے تھے۔ نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ جیسے یہ سب ایک طے شدہ پلان کے تحت ہوا تھا' اگر پلان نہیں بھی تھا تو بھی ایاز گاڑی کا پیچھا تو ضرور کر رہا ہو گا اور مصطفیٰ ڈرائیور کو اچھی طرح سمجھا چکا تھا کہ کوئی مشکوک حرکت دیکھے فوراً اسے کال کرے وہ اگر کوئی ایسی ویسی گاڑی دیکھتا تو کم از کم مصطفیٰ کو تو ضرور بتاتا۔
''وہ نہیں کھاتی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سب ہی نہیں کھاتے' مجھے بھوک لگی تھی میں نے گاڑی رکوالی' اب مجھے کیا علم تھا کہ ایک دم تمہاری وائف کا یہ ایکس بوائے فرینڈ آ ٹپکے گا۔'' دریہ نے نخوت سے کہا۔
''شٹ اپ......'' دریہ کے آخری الفاظ نے مصطفیٰ کو گویا آگ ہی لگا دی تھی۔
''شہوار کو میں تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں اس لیے فضول گوئی سے پرہیز ہی کرو ورنہ منہ توڑ دوں گا تمہارا۔'' مصطفیٰ نے خاصی اونچی آواز میں کہا تھا۔ مہر النساء بیگم فوراً وہاں آئی تھیں۔
''کیا ہوا؟'' انہوں نے حیرت سے دیکھا۔
''دیکھیں آنٹی یہ مصطفیٰ میری بے عزتی کر رہا ہے' وہ بھی عام سی شہوار کے لیے۔'' دریہ نے تو ایک دم رونا شروع کر دیا۔ مہر النساء بیگم نے

ناسمجھی سے دریہ اور مصطفیٰ کو دیکھا۔
''اگر تم ایسی گھٹیا زبان استعمال کرو گی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' مصطفیٰ نے انگلی اٹھا کر وارن کیا' دریہ نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
''کوئی جتنا بھی اعلیٰ وارفع لباس پہن لے کبھی اپنی اصل شناخت نہیں چھپا سکتا۔ میرا منہ توڑنے کی بجائے اپنی وائف سے جا کر پوچھو جس کے پیچھے اس کا ایکس بوائے فرینڈ پاگلوں کی طرح دندناتا پھر رہا ہے۔'' دریہ نے جواباً دوبدو کہا تھا۔
''دریہ......'' مہرالنساء بیگم کی آواز ایک دم گونجی تھی۔ ''تم ہماری بچی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم خاموشی سے تمہیں شہوار کے متعلق جو مرضی بولنے کی اجازت دے دیں گے۔'' انہوں نے بہت غصے سے کہا تھا۔ مصطفیٰ نے ناگواری سے گھورا۔
''ہمیں پہلے بھی شہوار سے متعلق تمہاری بدزبانی کی خبر ملتی رہی تھیں' ہم محض بات بڑھنے کی وجہ سے خاموش تھے لیکن اس خاموشی کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ تم ہماری خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ'' مہرالنساء بیگم کا انداز قطعی تھا۔ دریہ نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا تھا۔
''ہمارے بچے بڑوں کا ادب ولحاظ کرنے والے ہیں' ہمارے بچوں نے آج تک ہمارے سامنے بولنے کی گستاخی نہیں کی بھلے ہم غلط بھی ہوں۔ تم ہماری مہمان ہو آئندہ خیال رکھنا کہ تم کس گھرانے کی فرد ہو اور اس گھر کے کیا اصول وضوابط ہیں۔ یہ حسب ونسب پر تفاخر ہمیں زیب نہیں دیتا۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں بات مکمل کی تھی' دریہ کا چہرہ احساس توہین سے لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔
''اور ہاں ہم کردار اور شرافت کو فوقیت دیتے ہیں اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ کون کتنے پانی میں ہے' میرا منہ نہ کھلواؤ تو بہتر ہوگا۔'' مہرالنساء بیگم کے الفاظ پر دریہ لب بھینچ کر تیزی سے وہاں سے بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ مہرالنساء بیگم نے پرسوچ نظروں سے اسے جاتے دیکھا اور پھر سرخ چہرہ لیے کھڑے مصطفیٰ کو۔
''ہمیں اس سے بہت پہلے بات کر لینی چاہیے تھی' میں نے کئی بار نوٹ کیا تھا کہ اس کا رویہ شہوار کے ساتھ اچھا نہیں' لائبہ بھی کئی بار بتا چکی تھی لیکن یہ اس قدر گستاخی پر اتر آئے گی میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' ماں کے الفاظ پر مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔
''بہرحال ہم نے اس کی طبیعت اچھی طرح صاف کر دی ہے سمجھ گئی تو ٹھیک ورنہ اس کے ماں باپ کو کہوں گی کہ وہ اسے واپس بلوالیں' وہاں جیسا مرضی رشتہ دیکھ کر شادی کر دیں پھر ہماری ذمہ داری نہیں ہوگی۔'' وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔ مصطفیٰ ایک گہرا سانس لیتے واپس کمرے میں آیا تو شہوار اٹھ کر بستر پر بیٹھی ہوئی تھی' کسی سوچ میں گم تھی۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر سیدھی ہوئی تھی۔
''آج جلدی گھر آ گئے؟'' اس نے پوچھا تھا' مصطفیٰ مسکرا کر اس کے ساتھ بستر پر بیٹھ گیا تھا۔
''تمہاری طبیعت کی وجہ سے جلدی آ گیا' اب کیسی طبیعت ہے؟''
''بہتر ہوں۔''
''ڈاکٹر کے پاس دوبارہ کب جانا ہے؟'' اس کے بالوں کی لٹ چہرے پر جھول رہی تھی نرمی سے کان کے پیچھے اڑستے پوچھا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
''کل جانا ہے' میری اسٹڈی کا بہت حرج ہو چکا ہے' اگلے مہینے ایگزامز شروع ہو جائیں گے اور مجھے نہیں لگتا اس بار میں یا انا یہ ایگزامز کلیئر کر پائیں گی۔'' شہوار نے کہا مصطفیٰ نے سر ہلایا۔
''اگر کہتی ہو تو کسی ٹیوٹر یا اکیڈمی کا بندوبست کروا دیتے ہیں۔''
''اس حالت میں مجھ سے کچھ نہیں ہو پائے گا' میں باہر نکلوں گی تو ہر لمحے ایاز کا خوف سوار رہے گا۔ میرے اعصاب اس مسلسل خوف سے چٹخنے لگے ہیں اب' مجھے لگتا ہے میرے دماغ کی نس کسی دن پھٹ جائے گی۔ یہ شخص کسی آسیب کی طرح میری سوچوں سے چمٹ گیا ہے' جب تک میری اپنی ذات پر سکون تھی کہ کچھ نہیں ہوگا لیکن اب میں اپنے بچے کو کوئی نقصان ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ اس بار قسمت کی مہربانی سے بچ گئی ہوں لیکن ضروری نہیں اگلی بار زندہ بھی بچ سکوں۔'' شہوار واقعی بہت خوف زدہ تھی۔
پچھلے دو تین دنوں سے وہ مسلسل بے آرام تھی' ماں جی اور لائبہ بھابی خصوصی خیال رکھ رہی تھیں لیکن اس کے ذہن پر جو ڈپریشن سوار ہوا تھا اس کا اتنی جلدی کوئی بھی علاج نہ تھا۔
''ایسا کچھ نہیں ہوگا' اپنے ذہن کو ریلیکس رکھو۔'' مصطفیٰ نے محبت سے کہتے اسے اپنے حصار میں لیا۔

''آپ تو مجھ سے سخت ناراض تھے نا۔'' اس نے شکوہ کیا تو مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا۔
''نہیں...... نہ ناراض تھا اور نہ ہی بدظن، تم ایک بہت بہادر ڈاکٹر ہو سوائے ذہن سے ہر طرح کی نیگیٹو سوچ نکال کر ریلیکس رہو۔''
''اور اگر پھر کہیں سے ایاز آ گیا تو......؟'' اس کے اندر سے یہ خوف نہیں نکل پا رہا تھا۔ مصطفیٰ نے بہت ضبط سے اسے دیکھا تھا۔
''جب تک میں زندہ ہوں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا جو تمہیں یا ہماری لائف کو نقصان پہنچائے۔ امجد خان مسلسل ایاز کے پیچھے لگا ہوا ہے، وہ روپوش ہے۔ اس کا باپ کہیں باہر کے ملک میں بھاگ گیا ہے اس کے گھر کی خواتین ابھی پاکستان میں ہی ہیں، سب پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی ہے اس بار ایاز زندہ بچ کر نہیں جائے گا۔'' مصطفیٰ نے اسے ساتھ لگا کر اس کا سر تھپتھپایا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا، آنکھوں میں نمی تھی۔
''امی کا کچھ پتا چلا؟'' ہر دوسرے تیسرے دن وہ ایک آس لیے یہ سوال کرتی اور ہر بار نا امید ہو جاتی۔
''ہاں...... بہت کچھ پتا چل چکا ہے لیکن ابھی بہت سے اسرار باقی ہیں جن پر پردہ ہنوز برقرار ہے۔''
''کیا واقعی؟'' وہ حیران ہوئی۔ بے اختیار نم آلود آنکھوں سے مصطفیٰ کو دیکھا اس نے ہاں میں سر ہلایا تو اس کی آنکھوں کی نمی بے اختیار گالوں پر سرائیت کر گئی۔
''تو پھر آپ مجھے امی کے پاس لے چلیں نا۔ مجھے ان سے ملنا ہے، اتنے ماہ ہو گئے ہیں میں نے ان کو دیکھا تک نہیں۔'' وہ بے قرار سی ہو گئی تھی۔
''ہم بہت جلد ان تک پہنچیں گے، یوں سمجھ لو ابھی بہت سی پیچیدگیاں باقی ہیں، بس ان کے بارے میں ابھی صرف کچھ کلیوز ملے ہیں۔ ہم بہت جلد ان تک پہنچ جائیں گے تو پھر تمہیں بھی ان کے پاس لے جائیں گے یوں سمجھ لو کہ بس اب کچھ دنوں کا انتظار ہے پھر تابندہ بوا ہم سب کے سامنے ہوں گی۔'' مصطفیٰ نے تسلی دی تو شہوار کے اندر ایک دم امید سی جاگی تھی۔ مصطفیٰ نے محبت سے اس کے رخساروں پر بہتے آنسو صاف کیے تھے۔
''جب تک ایاز پکڑا نہیں جاتا مجھے کہیں نہیں جانا، میں یہیں گھر میں ہی رہوں گی۔ میں کالج بھی نہیں جاؤں گی، مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے، خدانخواستہ ہمارے بچے کو کچھ ہو جاتا تو......'' وہ پھر اسی ہولناک منظر کو یاد کر کے خوف زدہ ہونے لگی تھی۔ مصطفیٰ نے بہت بے بسی سے ہونٹ بھینچے تھے، یہ بات تو اسے بھی کسی تیز دھار آلے کی طرح کاٹ رہی تھی۔ اگر خدانخواستہ واقعی شہوار کو کچھ ہو جاتا تو یا ان کے بچے کو...... مصطفیٰ نے بہت ضبط سے شہوار کا سر تھپتھپاتے اسے تسلی دینا چاہی تھی جبکہ اپنے اندر ایک طوفان برپا تھا۔ جو ایاز کو فوراً سے کہیں سے نکال کر ملیامیٹ کر دینے کو بپھر رہا تھا۔



صبوحی گھر آ چکی تھی، ہلکا پھلکا سہارے سے وہ چل پھر بھی رہی تھیں۔ آج بہت دنوں بعد انا کالج گئی تھی، ایک ماہ بعد ایگزامز کا شیڈول جاری ہو گیا تھا۔ اس کا گزرے دنوں میں اتنا حرج ہو چکا تھا کہ حد نہیں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس سب کو کیسے کور کرے۔ شہوار بھی کالج نہیں آئی تھی، وہاں موجود کسی بھی کلاس میٹ کو اس کی غیر حاضری کی وجہ کا علم نہ تھا بلکہ وہ تو گزشتہ دو تین دنوں سے آ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ سارا دن تھک ہار کر گھر لوٹی اور وہ چینج کر کے کچن میں آئی تھی۔
آج بہت دن بعد کھانے کو جی چاہ رہا تھا، اس نے کھانا نکالا اور پانی لے کر ٹیبل کے گرد سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ روشی کچن میں داخل ہوئی تو انا کھانا کھا رہی تھی۔
''چائے پیو گی؟'' چائے کا پانی رکھتے روشی نے پوچھا۔
''اگر بنا رہی ہو تو پی لوں گی ورنہ اسپیشلی میرے لیے بنانا چاہ رہی ہو تو پھر رہنے دو، میں کچھ دیر بعد میں پیوں گی جب سب پئیں گے۔'' کھانا کھاتے اس نے کہا۔
''میں اپنے لیے بنا رہی تھی تو تمہارے لیے بھی بنا دیتی ہوں۔'' انا خاموش ہی رہی۔
''آج مصطفیٰ بھائی کی پھوپو کی فیملی ولی بھائی کی عیادت کو آئی تھی۔'' کھانا کھاتے انا کا ہاتھ ایک دم ساکت ہوا تھا۔
''آنٹی بتا رہی تھیں کہ ان کا بیٹا حماد کسی کام کے سلسلے میں دبئی گیا ہوا ہے، ایک ماہ بعد آئے گا۔ آنٹی رشتے کی بات کر رہی تھیں وہ چاہ رہی تھیں کہ بات طے کر لیتے ہیں منگنی یا ڈائریکٹ نکاح کی تقریب بعد میں ہو جائے گی۔'' انا کو لگا کہ جیسے ایک دم اس کے اردگرد فضا میں

آکسیجن کی شدید کمی ہوگئی ہو۔
''انکل نے کہا کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں' جب وہ منگنی یا نکاح کا کہیں گے ہم تیار ہوجائیں گے۔'' انا نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے ایک دم ڈائننگ ٹیبل کو تھاما تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسے روشی کے الفاظ کی سمجھ ہی نہیں آرہی۔
چائے بناتی بالکل نارمل انداز میں روشی اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی لیکن انا ساکت سی ٹیبل کو مضبوطی سے تھامے بے حس وحرکت بیٹھی رہ گئی تھی۔
''پھوپو کہہ رہی تھیں کہ چند دن میں وہ اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہوجائیں گے تو پھر کوئی تقریب کرلیں گے۔'' انا خاموشی سے اٹھی تھی۔
''کھانا کھالیا' برتن سمیٹ دوں؟'' اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر روشی نے پوچھا۔ برتنوں میں کھانا ابھی بھی موجود تھا۔
''ہوں......'' وہ صرف ہنکارا ابھر سکی تھی۔
''چائے ابھی تیار ہوجاتی ہے پی کر جانا۔'' اسے باہر نکلتے دیکھ کر روشی نے کہا تو انا نے محض سر ہلایا تھا اور کچن سے نکل گئی تھی۔ روشی نے بہت خاموشی سے ایک نگاہ بچے ہوئے کھانے پر ڈالی اور پھر باہر نکلتے وجود پر۔ روشی نے لب بھینچ لیے تھے' انا اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باہر لان میں آبیٹھی تھی۔
وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے اندر شدید گھٹن سی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ شدید تھکی ہوئی تھی اس کا ارادہ کھانا کھا کر کچھ دیر سونے کا تھا لیکن اب ذہن سے سب کچھ محو ہوچکا تھا۔ وہ خاموشی سے گھاس پر بیٹھ گئی تھی' وہ کچھ دیر بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد صغراں اسے چائے کا کپ تھما گئی تھی۔ یقیناً روشی نے بھیجا تھا انا کو لگا کہ جیسے وہ اتنے سارے ہجوم' اتنے رشتوں کی موجودگی کے باوجود بالکل تنہا ہوگئی ہے۔ چائے کا کپ اس نے گھاس پر رکھ دیا تھا' وہ بالکل ساکت اپنے ہی اندر اٹھتی آوازوں سے خوف زدہ لڑتی رہی تھی اور گھاس پر موجود چائے ٹھنڈی ہوتی رہی۔
''انا......'' وہ چونکی' حیران ہوکر دیکھا۔ روشی کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں اس کا موبائل تھا۔
''شہوار کی کال ہے۔'' اس نے موبائل اس کی طرف بڑھایا' انا نے خاموشی سے موبائل تھام لیا تھا۔
''تم نے چائے نہیں پی۔'' روشی نے ٹھنڈی چائے کو دیکھا تو انا نے بھی کپ کو دیکھا اور پھر بغیر کچھ کہے موبائل کان سے لگالیا تھا۔
''ہیلو......'' روشی نے خاموشی سے کپ اٹھا لیا تھا۔ انا شہوار سے بات کرنے لگی تھی روشی ایک نگاہ اس پر ڈال کر ایک گہرا سانس لیتے وہاں سے چلی گئی۔
''میں ٹھیک ہوں' ہاں آج کالج گئی تھی لیکن تم نہیں آئی تھیں۔'' روشی کے جانے کے بعد انا نے کہا۔ جواباً شہوار نے اپنے ساتھ بیتے جانے والے واقعے کی ساری روداد کہہ سنائی تو انا حیرت زدہ رہ گئی' اسے خود پر افسوس ہونے لگا۔
شہوار اس کی بیسٹ فرینڈ تھی' کبھی وہ وقت بھی تھا دونوں ایک دوسرے کے پل پل سے باخبر تھیں اور اب ان کو ایک دوسرے پر بیتی جانے والی کسی بھی قیامت کا کوئی علم ہی نہ تھا۔
''میں بہت ڈسٹرب ہوگئی ہوں' اب گھر سے نکلنے کو دل نہیں چاہتا۔ سوچ رہی ہوں کہ اس قدر خراب صورت حال میں نجانے کیسے ایگزامز ہوں' میں سمسٹر ڈراپ کردوں' بی کے بعد پھر سے جوائن کروں۔ تب تک شاید ایاز کا بھی کوئی فیصلہ ہوچکا ہوگا۔''
''حرج تو میرا ابھی بہت ہوچکا ہے لیکن سمسٹر ڈراپ کرنے کے لیے میرے پاس کوئی خاص وجہ نہیں ہے' تم تو چھٹی کے لیے اپلائی کرسکتی ہو میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی دے سکتی ہو۔'' انا نے کہا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ہاں' لیکن تم تو کالج جایا کرو' دھیان دو اس طرح زندگی نہیں گزرنے والی یار!''
''تمہارے بغیر وہاں جانا بہت مشکل لگے گا مجھے۔''
''میری اس سمسٹر میں اٹینڈینس بہت شارٹ ہے میرا تو داخلہ بھی بمشکل جاسکا تھا تم توجہ دو ایگزامز کلیئر کرلو گی تم۔''
''ہاں کوشش تو کرنا ہوگی' کیا یہ ممکن نہیں میں کالج سے سیدھی تمہاری طرف آجایا کروں' نوٹس اور لیکچرز ہر چیز ہوگی تم اپنے انکل سے کہو وہ چیئرمین صاحب سے بات کرلیں گے' ہم دونوں مل کر اسٹڈی کرلیا کریں گی اس طرح کم ازکم ایگزامز تو دے سکتی ہو نا۔''
''ٹھیک ہے میں سوچوں گی اس طرح مل کر شاید اچھی طرح اسٹڈی ہوجائے گی ورنہ میں اکیلی اب کچھ نہیں کرپاؤں گی۔ میرے پاس

ایگزامز ڈراپ کر دینے کے علاوہ اور کوئی چانس نہیں رہا۔''

''اچھا ایک اور بات کہنی تھی۔'' شہوار نے کہا تو انا نے توجہ دی۔

''کیا؟''

''آج پھوپو ہماری طرف آئی تھیں وہ تمہارے اور حماد کے رشتے سے متعلق ماں جی سے صلاح مشورہ کر رہی تھیں۔'' شہوار کے الفاظ پر انا ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔ ''وہ چاہ رہی تھیں کہ دونوں فیملیز اس رشتے سے مطمئن تو ہیں ہی کیوں نہ باقاعدہ بات طے کر کے منگنی یا نکاح کر لیتے ہیں۔'' وہ بھی وہی بات دہرا رہی تھی جو کچھ دیر پہلے روشی نے اسے بتائی تھی۔

''ابھی ولید بھائی ہسپتال میں ہیں کچھ دنوں میں وہ بھی گھر آ جاتے ہیں تو پھر باقاعدہ تقریب کریں گے۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے شہوار خاموش ہو گئی تھی۔

''انا......'' کچھ پل اس کے جواب کا انتظار کرتے جواب نہ پا کر بولی۔

''ہوں......''

''مجھے اندازہ ہو رہا ہے تمہارے لیے یہ سب کچھ بہت مشکل ہے لیکن یار تم کو اب اسٹینڈ لینا ہوگا محض ایک لڑکی کے خوف سے تم خود کو اس طرح برباد مت کرو' کوئی فیصلہ کرو۔ ایک بار سب کو بتا دو پھر دیکھنا کیسے ٹھیک ہو جائے گا۔'' شہوار نے سمجھانا چاہا تو انا کی آنکھوں سے ایک دم آنسو بہنے لگے۔

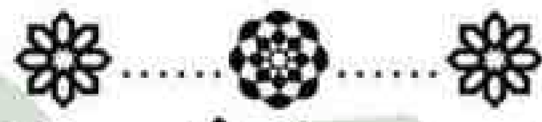
''اب یہ ممکن نہیں' اگر سب کو علم ہو گیا تو میں اپنی ہی نظروں سے گر جاؤں گی۔ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ ولید جیسے شخص کی زندگی میں داخل ہو سکوں' میں نے اس پر شک کیا' نجانے کس کس انداز میں اسے ہرٹ کرتی رہی' مجھے سزا تو ملنی ہی تھی اور شاید میری سزا تھی۔''

''ایسے مت کرو' ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے یار! تم ولید بھائی کے بغیر کبھی خوش نہیں رہ پاؤ گی۔''

''میں خوش کب رہنا چاہتی ہوں' ولید مجھ سے نفرت کرتا ہے اور یہ سب جان کر شاید وہ میری شکل دیکھنا بھی پسند نہ کرے پلیز تم کسی سے بھی کچھ نہیں کہو گی جو ہوگا ہونے دو۔ ولید زندہ ہے' صحت مند ہو جائے اس سے زیادہ میری اور کوئی خواہش نہیں۔'' دوسری طرف موجود شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تم اپنا موبائل لے لو روشی کے نمبر پر کال کرنا اچھا نہیں لگتا مجھے۔ تم چکر لگانا ہماری طرف' میری طبیعت سنبھلتی ہے تو میں بھی مصطفیٰ کے ساتھ تمہاری طرف آؤں گی' آنٹی کی خیریت پوچھنے ہو سکتا ہے تب تک ولی بھائی بھی گھر آ چکے ہوں۔''

''اوکے۔'' دونوں کے درمیان مزید باتیں ہوتی رہی تھیں پھر مغرب کی اذان ہونے لگی تو دونوں نے بات سمیٹی تھی۔



دریہ اپنے کمرے میں بیٹھی مسلسل پیچ و تاب کھا رہی تھی' اسے رہ رہ کر شہوار اور مصطفیٰ پر غصہ آ رہا تھا تبھی اس کا موبائل بجا تھا۔ ایک انجان نمبر تھا' اس نے نمبر دیکھا اور پھر کال ریسیو کر لی تھی۔

''ہیلو......''

''کیسی ہو؟'' دوسری طرف دریہ کو جو آواز سنائی دی تھی وہ چونکی تھی اس نے فوراً اٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔

''تم......؟''

''ہاں میں ایاز......'' دریہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''کہاں تھے تم' جانتے ہو پچھلے کئی دنوں سے تمہارا نمبر ڈائل کرتے کرتے میرے ہاتھ کی انگلیاں ٹوٹنے لگی ہیں۔'' دوسری طرف ایاز نے قہقہہ لگایا تھا۔

''جانتا ہوں میں لیکن میں نے وہ نمبر بند کر دیا ہے وہ نمبر مصطفیٰ کے پاس موجود ہے وہ اس پر رابطہ کر سکتا تھا یہ نیا نمبر ہے اب اسی پر تم سے رابطہ کروں گا۔''

''تم کہاں ہو؟''

''میں کہاں ہوں' وہ بات تو میں اب اپنے باپ کو بھی نہیں بتانے والا۔ میں جہاں ہوں وہاں مصطفیٰ یا اس کا کوئی بھی افسر نہیں پہنچ سکتا۔ تم بتاؤ تمہاری طرف کیا صورت حال ہے؟''

''مصطفیٰ بہت بپھرا ہوا ہے وہ اور اس کے ابا مسلسل تمہاری کھوج میں ہیں' شہوار مسلسل گھر میں قید ہے۔ ڈاکٹر بھی گھر میں ہی آ رہی ہے۔''

''قسمت اچھی ہے جو ایک بار پھر بچ نکلی ورنہ میرا کاٹا ہوا پانی بھی نہیں مانگتا۔ اس بار نہ سہی اگلی بار سہی لیکن اسے نہیں چھوڑوں گا اگر میں اسے اٹھوا نہ سکا تو اب کی بار اسے زندہ بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

''اب کیا کرو گے؟''

''یہ تم تو ملو گی تو بتاؤں گا۔'' اس قدر حسین لڑکی پر اس قدر مہربانی کوئی بلا مقصد نہ تھی لیکن اس طرف بھی دریہ بی بی تھی جو انتقام میں ابھی اتنی اندھی نہ ہوئی تھی۔

''میں نہیں مل سکتی' مصطفیٰ بہت تیز انسان ہے' وہ پہلے ہی میری ہر حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔ اس بار اس کی اماں بھی مجھ سے بدظن ہو چکی ہیں میں ابھی اس گھر میں موجود ہوں یہ بھی بڑی مہربانی ہے۔''

''میں اس سب کو نہیں مانتا تم بتاؤ کب ملو گی مجھ سے؟''

''ناممکن ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے میں بھی اس سارے خون خرابے میں تمہاری مدد نہیں کروں گا۔'' ایاز نے ایک دم آنکھیں ماتھے پر رکھی تھیں۔

''دیکھو میں کوشش کرتی ہوں شہوار کو کسی طرح تم تک لے آؤں پھر تم جو مرضی کرو لیکن یاد ہے میرا نام نہ آنے پائے۔''

''ہاں پہلے جیسے تم لے کر آئی ہو سارے پلان کا ستیاناس ہو گیا تھا۔''

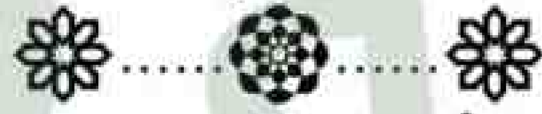
''میں نے بالکل طے شدہ پروگرام کے مطابق کام کیا ہے تم نے ہی کہا تھا نہ میکڈونلڈ کے پاس لے آؤں اور وہ گاڑی میں اکیلی تھی تم بغیر لوگوں کو متوجہ کیے آسانی سے گاڑی سمیت لے کر نکل سکتے تھے۔'' دریہ کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

''وہ تو گاڑی کے دروازے لاک تھے مجبوراً شیشہ توڑنا پڑا تھا جس پر وہ سالی چیخنے لگی تھی اور پھر وہ ڈرائیور اور چوکیدار دونوں آ گئے تھے۔''

''او کے جو بھی تھا شکر ہے کسی کو مجھ پر شک نہیں ہوا لیکن اگلی بار بہت محتاط ہو کر کام کرنا ہو گا۔ میں موقع دیکھ کر تمہیں انفارم کر دوں گی' تم اپنا یہ نمبر بس آن رکھنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایاز مان گیا تھا۔ کچھ باتوں کے بعد کال بند ہو گئی تھی۔ دریہ کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی سی مسکراہٹ تھی۔

''مصطفیٰ شاہ زیب تم بھی کیا یاد رکھو گے کہ کس سے پالا پڑا ہے' بڑی باکردار بنی پھرتی ہے شہوار صاحبہ' ایسی جگہ جا کر ڈالوں گی کہ کبھی پلٹ کر نکل نہ سکے گی۔'' وہ زہریلے انداز میں مسکرائی تھی اس کے ذہن پر بڑی زہریلی سوچوں کا قبضہ تھا۔



رابعہ پریشان تھی' عباس نے دو تین بار کال کی تھی۔ وہ کافی دیر سے ایک ہی جگہ بیٹھی الجھتی رہی تھی' عشاء کی نماز پڑھ کر سب اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے' وہ اپنی ذات سے لڑتی الجھتی رہی تھی اور پھر تھک ہار کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ ماموں کے کمرے کی لائٹ روشن تھی' وہ سیدھا وہیں آ گئی تھی۔ دروازہ پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔

''ماموں میں آ جاؤں؟'' اس نے دروازے میں ہی کھڑے ہو کر پوچھا تو کتاب پڑھتے فیضان صاحب چونکے تھے۔

''آ جاؤ۔'' انہوں نے کتاب بند کر دی تھی۔ رابعہ ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''کچھ پریشان ہو؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا تو رابعہ نے انہیں دیکھتے ایک گہرا سانس لیا۔

''ہاں۔''

''خیریت؟'' دونوں میں بہت انڈرسٹینڈنگ تھی وہ اپنی ہر بات ان سے شیئر کرتی تھی۔

''جی۔'' وہ سوچ میں پڑ گئی کہ ان سے یہ بات شیئر کرے یا نہیں' وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

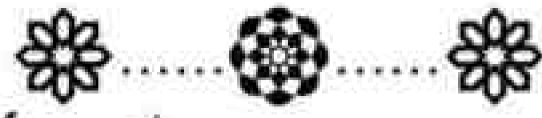
''آپ سر عباس کو تو جانتے ہیں نا؟''

''عباس شاہ زیب؟'' انہوں نے کہا تو رابعہ نے سر ہلایا۔

''آپ کو بتایا تھا نا کہ ان کی پہلی شادی ختم ہو چکی ہے اور ان کا ایک بیٹا بھی ہے۔'' فیضان صاحب نے سر ہلایا۔

''انہوں نے مجھے......'' وہ رکی' انگلیاں چٹخانے لگی۔ فیضان صاحب نے سنجیدگی سے دیکھا۔
''پرپوز کیا ہے۔'' بات ایسی تھی کہ فیضان صاحب ساکت سے ہو گئے تھے' رابعہ نے کن اکھیوں سے انہیں دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھے چہرے پر ایک گہری سوچ کا عکس تھا۔
''وہ بار بار کال کر رہے ہیں میرا جواب مانگ رہے ہیں لیکن میں نے صاف کہہ دیا کہ میری زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار میری فیملی کو ہے۔'' فیضان صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ ایک روشن خیال کھلے ذہن کے انسان تھے لیکن وہ کبھی بھی اتنے بے باک نہ رہے تھے کہ زندگی کو کھلی چھوٹ دے دیتے۔
''تم کو عباس کیسا لگتا ہے؟''
''وہ بہت اچھے انسان ہیں لیکن......'' فیضان نے بغور دیکھا۔
''میرے لیے سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ انسان وہ ہے جو آپ کا انتخاب ہوگا۔ میں نے سر عباس کا پروپوزل آپ تک پہنچانا تھا' پہنچا دیا' آپ جو بھی فیصلہ کریں گے وہی مجھے قبول ہوگا۔''
''ہوں......'' فیضان صاحب نے ہنکارا ابھرا۔
''آپا ثریا یا سہیل کو بتایا ہے؟'' رابعہ نے نفی میں سر ہلایا۔
''میں اگر انکار کر دوں تو؟''
''مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہوگا' سر عباس اچھے انسان ہیں اس کے باوجود میں نے زندگی میں کبھی دوسرے معنوں میں نہیں سوچا۔ انہوں نے کہا تھا اگر آپ کے گھر والوں کی مرضی ہوگی تو وہ اپنے والدین کو بھی لائیں گے۔'' فیضان صاحب نے سر ہلایا۔
''عباس کو کہنا کل کسی بھی وقت مجھ سے مل لے' یہ عمر بھر کا فیصلہ ہے میں بہت سوچ سمجھ کر ہی بتاؤں گا کہ انکار کرنا ہے یا اقرار۔'' رابعہ کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا تھا۔ اسے لگا کہ جیسے در پردہ فیضان ماموں اس رشتے پر رضامندی کا اظہار کر رہے ہیں۔
وہ ان سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی تھی' اس نے عباس کا نمبر ملایا۔ عباس نے کال کاٹ دی تھی' وہ دوبارہ ملانے لگی تو اس سے پہلے ہی عباس کی کال آ گئی تھی اس نے فوراً کال ریسیو کی۔
''السلام علیکم سر!''
''وعلیکم السلام' اس وقت خیریت؟'' دوسری طرف عباس شاید نیند سے جاگا تھا۔
''ایم سوری آپ کو شاید ڈسٹرب کر دیا میں نے۔'' وہ فوراً شرمندہ ہوئی۔ رات کے اس پہر بغیر کسی وجہ کے کسی کو کال کرنا کوئی اچھی بات تو نہ تھی۔
''ارے شرمندہ مت ہوں' میں قطعی ڈسٹرب نہیں ہوا' آپ مجھے کسی بھی وقت کہیں بھی' کبھی بھی کال کر سکتی ہیں۔'' عباس کا انداز ایسا تھا کہ وہ ایک دم ریز روسی ہوئی۔
''سر! میرے ماموں آپ سے کل کسی بھی وقت ملنا چاہتے ہیں۔''
''کیا؟''
''جی میں نے ان سے آپ کے پرپوزل کی بات کی تھی۔'' عباس نے ایک گہرا سانس لیا۔
''کیا کہیں گے وہ؟'' عباس کانشس ہوا۔
''یہ تو آپ کو ان سے مل کر ہی اندازہ ہوگا۔'' عباس مسکرایا۔ ''کیا آپ ان سے ملنے سے ڈر رہے ہیں؟'' رابعہ نے پوچھا' عباس ہنس دیا۔
''بالکل بھی نہیں' ڈر کیسا' بس ٹینشن ہو رہی ہے کہ وہ کیا کہیں گے اگر انکار کر دیا تو......؟''
''تو آپ کی قسمت' میرے لیے میری فیملی کا ہر فیصلہ مقدم ہوگا' چاہے وہ انکار ہو یا اقرار۔''
''بس آپ کی یہی بات تو اچھی لگتی ہے میں کوشش کروں گا اپنا اچھا وکیل ثابت ہوتے آپ کے ماموں کے سامنے بہتر طور پر اپنا دفاع کر سکوں۔'' دوسری طرف رابعہ خاموش رہی تھی۔
''میرے حق میں دعا کریں گی؟'' اس کی خاموشی پر عباس نے گمبھیر آواز میں پوچھا' وہ جو بہت پرسکون تھی' ایک دم بوکھلائی۔

''میں کہہ چکی ہوں کہ میرے لیے میری فیملی کا ہر فیصلہ مقدم ہوگا چاہے وہ انکار ہو یا اقرار۔'' وہ کہہ کر تیزی سے کال کاٹ گئی' دوسری طرف عباس ایک دم مسکرا دیا تھا۔



عباس اس ملاقات کو لے کر بہت کانشس ہو رہا تھا' وہ فیضان صاحب کی بتائی ہوئی جگہ پر آ گیا تھا۔ انہوں نے عباس کو اپنے گھر کے قریب موجود پارک میں بلوایا تھا' دونوں ایک بنچ پر بیٹھ گئے تھے۔ عباس بہت اچھی طرح ڈریس اپ ہوا تھا' معمول سے ہٹ کر بہت ڈیسنٹ اور پروقار لگ رہا تھا۔ فیضان صاحب نے اسے بغور دیکھا تھا۔ سلام دعا اور ایک دوسرے کا حال چال دریافت کرنے کا مرحلہ طے ہو چکا تھا۔

''آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کیوں بلوایا ہے؟'' فیضان صاحب نے کچھ پل گزرنے کے بعد گفتگو کا آغاز کیا۔

''جی۔''

''میں کوئی بات کرنے سے پہلے آپ کو بتا دوں مجھے یہ رشتہ قبول نہیں ہے۔'' عباس ایک دم ساکت ہوا' کچھ پل مزید سرکے تھے' وہاں پارک میں کئی لوگ آ جا رہے تھے۔

''میں اس انکار کی وجہ تو پوچھ سکتا ہوں؟'' عباس کا سکتہ ٹوٹا تو اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بالکل آپ کو رائٹ حاصل ہے۔'' فیضان صاحب نے سر ہلایا۔

''لیکن میں اس انکار کی وضاحت نہ دینا چاہوں تو؟''

''تو پھر میں بار بار آپ کے پاس آؤں گا' ہر چیز کی ایک وجہ ہوتی ہے اور اس انکار کی بھی کوئی وجہ تو ہوگی نا۔''

''ہمارا اور آپ کا اسٹیٹس نہیں ملتا۔''

''میں اس کو اتنی معقول وجہ نہیں مانتا اور نہ ہی میرا گھرانہ اتنا کنزرویٹو ہے کہ ایک چھوٹی سی بات کو وجہ بنا کر انکار کرے۔''

''تمہارا گھرانہ......'' فیضان صاحب مسکرائے' اس مسکراہٹ میں نہ ہی طنز تھا اور نہ ہی حقارت لیکن اس کے باوجود نجانے کیوں عباس کو ان کی یہ مسکراہٹ بہت کٹیلی اور طنز اڑاتی لگی تھی۔

''میں روپے پیسے دولت جائیداد سب کی نفی کرتا ہوں' میرے نزدیک انسان کے کریکٹر اس کی شرافت اور اخلاق کی ویلیو ہے اور باقی سب بے معنی ہے۔''

''جوانی میں سب ہی ایسے بڑے بڑے ڈائیلاگ بول لیتے ہیں بیٹا! لیکن جب بوجھ کندھوں پر پڑتا ہے اور وقت کا پہیہ الٹی چال چلتا ہے تو سب دعوے اس چال کے سامنے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔''

''آپ کو لگتا ہے کہ میرے قول و فعل میں تضاد ہے' آپ بے شک مجھے آزما کر دیکھ لیں۔'' عباس کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے تھے سو لہجہ ایک دم گرم ہو گیا تھا۔ فیضان صاحب مسکرائے تھے' بڑی نرمی سے عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''برخوردار! رابعہ ہماری بچی ہے اور ہم بغیر کسی وجہ انکار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔''

''اور میرے پاس بھی اپنے حق میں بولنے اور قائل کرنے کے لیے دلائل کی کمی نہیں ہے بشرط کہ آپ ان دلائل پر غور کرنا چاہیں تو۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

''بالکل آپ اپنے حق میں دلائل دے سکتے ہو لیکن رابعہ ہماری بچی ہے اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کی ذات کا کوئی بھی پہلو ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہیں' پرپوزل محض آپ کا فیصلہ ہے اگر ہماری بچی اس فیصلے میں انوالو ہوتی تو سوچتے کوئی تدبیر کرتے لیکن ہماری بچی بالکل غیر جانبدار ہے اور میں چاہتا ہوں آپ بار بار اس سے رابطہ کر کے اسے فورس مت کیجیے گا۔ بس اسی لیے آپ سے ملنا چاہتا تھا میں۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھے تو عباس بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

''یہ تو کوئی ریزن نہیں بنتا' آپ رابعہ کے ماموں ہیں' میں اپنے والدین کو بھیجوں گا رابعہ کی والدہ اور بھائی کے پاس اور مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کریں گے۔'' فیضان صاحب نے بغور عباس کو دیکھا۔

''ہمارے گھر میں ایک فرد کا فیصلہ ہی سب کا فیصلہ ہوتا ہے بیٹا! جب میں انکار کر چکا ہوں تو وہ اقرار نہیں کریں گے۔''

''لیکن میں ریزن نہیں مانتا' کسی کو اس کی دولت کی بنیاد پر ریجیکٹ کر دینا تو کوئی اصول نہ ہوا یعنی اس دولت کے سامنے میری ذات'

میرا کردار سب صفر، یہ تو ناانصافی ہوئی۔"
"تمہارے جیسے گھرانوں میں ایسی ناانصافی بالکل عام سی بات ہے' دولت کو بنیاد بنا کر رشتوں کا تقدس پامال کر دینا انہی امیر اونچے طبقے کے لوگوں کا ہی تو شیوہ ہے۔ بیٹا میں تو ایک عام سا' غریب سے گھرانے کا فرد ہوں تم کو تو چاہیے تھا کہ اپنے جیسے گھرانے میں رشتہ دیکھتے۔"
"آپ اب زیادتی کر رہے ہیں انکل! ایک بار رابعہ نے بتایا تھا کہ آپ ایک معلم ہیں اور اپنی ساری زندگی طلباء کو علم دیتے گزار دی۔ ایک معلم کی دولت اور غربت کی لکیر کھینچ دینے والی سوچ جان کر مجھے افسوس ہو رہا ہے۔" فیضان صاحب نے اسے خاموشی سے دیکھا۔
"آپ میرے شادی شدہ ہونے کو بنیاد بناتے یا میری ذاتی شرافت کو میں اس انکار کو مان لیتا لیکن اب یہ انکار مجھے نامنظور ہے۔ رابعہ آپ کی بیٹی ہے اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار آپ کو حاصل ہے لیکن اس طرح دولت کو بنیاد بنا کر کسی کو ریجیکٹ کر دینا بڑا ہی ناانصافی والا سلوک ہے۔" اب کے عباس نے حقیقتاً برا مانا تھا جبکہ فیضان صاحب نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا۔
"تم رابعہ کے لیے کیا کر سکتے ہو؟" کچھ توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔
"میں لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتا لیکن باحیثیت انسان جو بھی مجھ سے بن پڑا میں کروں گا۔" عباس نے تحمل سے کہا۔
"کیا اپنے والدین کو چھوڑ کر رابعہ کو اپنا سکتے ہو۔" سوال ایسا تھا کہ عباس کئی لمحوں تک خاموش رہا تھا۔
"ایم سوری...... میں ایسا نہیں کر سکتا' رابعہ کی خواہش ضرور کی ہے لیکن اپنے والدین کو دکھ دینے کا میں کبھی سوچوں گا بھی نہیں۔"
"بس یہی بات میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں بیٹا! جب بات ماں باپ کی آ جاتی ہے تو سب جذباتی فیصلے ایک طرف دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ماں باپ اولاد کو ایسے بے توازن تعلق توڑ دینے پر مجبور کر دیتے ہیں اور میں اپنی بچی کو ساری عمر دکھ جھیلنے نہیں دوں گا۔" ان کا انداز حتمی تھا۔ عباس نے بڑے ضبط سے فیضان صاحب کو دیکھا تھا۔
"آپ کا میرے والدین کے متعلق خیال بہت ہی نیگٹو ہے۔ کبھی ماضی میں ہمارے بزرگوں میں سے کوئی رہا ہوگا دولت و جائیداد کے تفاخر میں مست لیکن میری زندگی میں ہمارے بابا صاحب سے لے کر بابا جان تک سب ہی نے ہمیں انکساری ہی سکھانے کی کوشش کی ہے۔ میرا چھوٹا بھائی مصطفیٰ سے کی شادی جس لڑکی سے ہوئی ہے اس کے خاندان کا کسی کو کوئی علم نہیں' اس نے ہمارے گھر میں رہنے والی ایک ایسی خاتون کے ہاتھوں پرورش پائی ہے جس کا خاندان اسے ٹھکرا چکا تھا اور وہ اپنی اور اپنی بیٹی جان بچانے کے لیے حویلی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ ہماری ماں جی نے اس لڑکی کو بیٹیوں کی طرح سمجھا اور ہم لوگوں نے بہنوں کی طرح اور جب اس کی شادی کی بات ہوئی تو ہماری ماں جی نے سب کے صلاح و مشورے سے اس کی شادی اپنے سب سے چہیتے بیٹے سے کر دی تھی۔ اگر ہم دولت و جاگیر کے نشے میں چور لوگ ہوتے تو ہمارے گھر میں شرافت و کردار کی بنیاد پر رشتہ بنانے کی مثال کبھی قائم نہ ہوتی۔" عباس نے بہت تحمل سے بتایا تھا' فیضان صاحب کے چہرے پر الجھن پیدا ہوئی تھی۔
"بہر حال میں آپ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتا لیکن قائل کرنے کی کوشش ضرور کروں گا' اگر آپ قائل ہونا چاہیں تو......"
عباس نے جیب سے سن گلاسز نکال کر آنکھوں پر ٹکا لیے تھے۔
"چلتا ہوں' کوئی نازیبا لفظ استعمال کر دیا ہو تو معذرت خواہ ہوں۔" ہاتھ ملانے کو ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ فیضان صاحب نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا' ان کے ہاتھ کے لمس میں عجیب سی حدت تھی۔ انہوں نے ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا تھا' عباس پلٹا اور چند قدم آگے بڑھائے تھے۔ فیضان صاحب کی نگاہ اس کے ہر اٹھتے قدم پر تھی۔
دل میں عجیب سا تلاطم برپا تھا' تبھی بے اختیار ان کی زبان ہلی تھی۔
"سنو......"

لالہ رخ کو لینے آنے والا ہمایوں تھا' ہمایوں کو برداشت کرنا بڑا ہی دل گردے کا کام تھا۔ لالہ رخ سارا رستہ اپنے ضبط کو آزماتی رہی تھی' اپنے گھر پہنچتے ہی اسے لگا کہ وہ جیسے جنت میں آ گئی ہو' اس کی ماں کی حالت بہت خراب تھی' وہ مسلسل بستر پر لیٹی رہتی تھی۔ اس کے نانا کی موت جس کار ایکسیڈنٹ میں ہوئی تھی اسی کار میں نانا کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی جو ریڑھ کی ہڈی کے فریکچر کے سبب مسلسل بستر پر تھی' وہ ماں کے پاس آئی تو ماں اسے دیکھ کر رونے لگی۔

''تمہیں کہا بھی تھا کہ واپس اس گھر میں نہ آنا' کیوں آئی تُو...... تیرا ظالم باپ زبردستی تیری شادی اپنے بھتیجے سے کروادے گا پھر تو میری طرف سے ساری زندگی بیٹھ کر رونا۔''

''تُو اماں پھر میں کہاں جاتی؟ ایگزایمز کے بعد ہاسٹل کو ویسے بھی چھوڑنا تھا' ابا آئے تھے صاف کہہ دیا تھا کہ ایگزامز دوں اور کسی کو بھیجیں گے' سیدھا گھر آ جاؤں۔''

''اور تیرا وہ استاد تُو نے اس سے بات کی؟'' اس کی ماں نے ایک آس سے پوچھا تھا۔

''نہیں اماں...... کسی سے بات نہیں کی۔'' وہ ماں کو ٹال گئی تھی۔

''تجھے آنا نہیں تھا' یہ ہمایوں تو تیرے باپ سے بھی کئی ہاتھ آگے ہے۔ یہ دولت کسی سانپ کی طرح میری زندگی کو ڈس گئی تھی اب یہ تیری زندگی کھا جائے گی۔'' رات کو اس کا باپ گھر آیا تھا' اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

''اگلے ماہ شادی کی تاریخ رکھ دی ہے' کارڈ چھپنے دے دیئے ہیں تُو بھی اب آرام سے گھر بیٹھ کر شادی کی تیاری کر۔'' باپ کے سامنے وہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی لیکن ماں کے پاس آتے ہی وہ بلک بلک کر رو دی۔

''تُو یہاں سے چلی جا لالہ رخ ورنہ تیرا باپ تجھے اس ہمایوں سے بیاہ دے گا۔ تو اس کے لیے دولت کی تجوری سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں' وہ تیرا بھی ویسے استعمال کرے گا جیسے تیرے نانا اور میرا کیا اور پھر ناکارہ سمجھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ تیرے نانا کو بھی تیرے باپ نے مارا ہے' وہ اس کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیا کرتا تھا اور پھر اس نے مار دیا۔ وہ مجھے بھی مار کر جائیداد نام لکھوالیں گے۔'' اس کی ماں اس سے پھر وہی الفاظ دہرا رہی تھی جو وہ اس سے کئی بار کہہ چکی تھی اور ہمیشہ کی طرح وہ اپنی ماں کو بے بسی سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

کاش وہ اپنے اماں کے الفاظ کی طرح بہت بہادر ہوتی یا پھر کاش اس کے پاس یہاں سے بھاگ کر کہیں اور جانے کا رستہ ہوتا۔ دو دن گزرے تھے جب اس کا باپ اس سے کچھ کاغذات لے کر دستخط کروانے آیا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' ہمیشہ کی طرح باپ کے سامنے چپ رہنے والی باپ کے سامنے بولی پڑی تھی۔

''کیوں تجھے نظر نہیں آ رہا؟'' لالہ رخ نے پھر کاغذات دیکھے تھے یہ اس کی ایک فیکٹری کے کاغذات تھے جو وہ ہمایوں کے نام منتقل کر رہے تھے۔

''لیکن میں دستخط نہیں کروں گی۔'' بہت ہمت کر کے اس نے کہہ دیا تھا۔

''آرام سے دستخط کر' زبان نہ چلا۔'' اس کے باپ نے کھینچ کر اس کو تھپڑ مارا تھا' وہ دکھ سے اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر باپ کو دیکھتی رہی تھی۔

''لیکن میں یہ دستخط نہیں کروں گی۔'' وہ زندگی میں پہلی بار باپ کے سامنے ڈٹی تھی۔

''تُو دستخط نہیں کرے گی؟'' اس کے باپ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

اس کے باپ کا ہاتھ اس پر اٹھا تھا اور پھر اٹھتا ہی چلا گیا تھا۔ مار مار کر تھک گیا تو وہ اسے اس کی ماں کے کمرے میں بند کر کے چلا گیا تھا۔ وہ ماں کے ساتھ بیٹھ کر شدت سے روتی رہی تھی' زندگی ایک دم ان ماں بیٹی کے لیے امتحان بن گئی تھی۔ اس کے باپ نے ان کا کھانا پینا بند کر دیا تھا' وہ خود تو برداشت کر لیتی لیکن ماں کی حالت دیکھ کر وہ سسک اٹھی۔

چوتھے دن اس نے ہمت ہار دی تھی' اس نے وہ فیکٹری خاموشی سے دستخط کر کے ہمایوں کے نام منتقل کر دی تھی۔ اس کا باپ بہت خوش تھا' جبکہ اس کی ماں کو پھر سے کھانا اور میڈیسن مل رہی تھی۔ چند دن گزرے تھے جب اس کی ماں نے ایک بار پھر اسے اس گھر سے بھاگ کر چلے جانے پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔

''میرے پاس کچھ کاغذات باقی ہیں' کچھ زیور چھپا رکھا ہے اور کچھ پیسہ بھی' تُو چلی جا یہاں سے اور کبھی پلٹ کر یہاں نہ آنا۔''

''لیکن اماں تجھے اس حالت میں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتی ورنہ ابا اور ہمایوں تجھے مار ڈالیں گے۔'' وہ مسلسل انکاری تھی۔

''یہ دیکھ میرے ہاتھوں کو مجھ پر رحم کر' میں تیری وجہ سے مر بھی نہیں سکتی۔ چلی جا یہاں سے میں نے خان بابا کے بیٹے سے بات کر لی ہے وہ تجھے لے جائے گا۔''

''کس سے...... امجد خان سے......؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''ہاں...... دو دن پہلے تیرا باپ اور ہمایوں گھر نہ تھے تو سوئی ہوئی تھی۔ میں نے خان بابا کو بلوایا تھا' امجد پڑھ رہا ہے وہ اسی دن شہر سے

آیا تھا اس کے ساتھ اس کی بیوی اور بیٹا بھی تھا۔ خان بابا کے پاس تیرے نانا نے کچھ کاغذات' زیور اور پیسہ رکھوا رکھا تھا وہ تجھے دے دیں گے۔ وہ تجھے شہر چھوڑ دیں گے' امجد خان نے وعدہ کیا تھا وہ تجھے بحفاظت جہاں تُو کہے گی پہنچا دیں گے۔'' اس کی ماں سارا پروگرام طے کیے ہوئے تھی۔

''لیکن اماں میں جاؤں گی کہاں؟''

''تُو اپنے اسی استاد کے پاس چلی جانا اسے کہنا تیرا ساتھ دے یا پھر کہیں اور رہ لینا لیکن اس عذاب سے نکل جا۔'' اماں کی سوئی ابھی تک سکندر پر اٹکی ہوئی تھی۔

وہ اماں کو بتا ہی نہیں سکی تھی کہ وہ اس کی طرف سے مکمل طور پر ناامید ہو کر ہی یہاں تک آئی تھی۔

''لیکن اماں اگر ابا کو پتا چل گیا تو......؟''

''نہیں چلے گا' امجد خان اور اس کی بیوی بچہ دوپہر میں نکلیں گے ساتھ والے گاؤں میں رکیں گے' بعد میں خان بابا تجھے شام میں ان تک پہنچا دیں گے' اس کے بعد رات میں نکل جانا۔''

''لیکن اماں......''

''دیکھ میری سانسوں کا اب کوئی بھروسہ نہیں' مجھے سکون سے مرنے دے ورنہ آخری وقت تک میں تڑپتی رہوں گی۔'' اس کی ماں نے لجاجت سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی تھی۔

نجانے کیوں اندر ہی اندر وہ خود بھی اس عقوبت خانے سے بھاگ جانے کو مچل رہی تھی۔ اماں کے کہنے پر جہاں جہاں جو زیور روپیہ پیسہ رکھا تھا اس نے نکال کر بیگ میں رکھ لیا تھا۔

دو دن بعد ان کو موقع مل گیا تھا ہمایوں کئی دن سے منظر سے غائب تھا اور ابا کسی فیکٹری کے کام سے کچھ دنوں کے لیے دوسرے شہر جانے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اپنے پیچھے وہ تمام ملازمین کو سختی سے ہدایات جاری کر کے گئے تھے۔ سارا دن پرسکون گزرا تھا' رات ہوئی تو خان بابا چلے آئے تھے۔ وہ اماں کے گلے لگ کر شدت سے روئی تھی' اس کی ماں بہت پرسکون اور مطمئن تھی۔ اس نے زندگی بھر میں اپنی ماں کو اس قدر اطمینان میں نہیں دیکھا تھا' خان بابا کے ساتھ وہ چھپ چھپا کر نکلی تھی۔

دوسرے گاؤں تک وہ پیدل ہی گئے تھے' وہاں خان بابا کی بہن رہتی تھی' امجد خان اس کی بیوی وہاں انتظار کر رہے تھے۔ اس کے پہنچتے ہی وہ فوراً نکل آئے تھے' سڑک کنارے گاؤں تھا گاڑی کچھ دیر میں مل گئی تھی۔ اس طرح وہ پھر وہیں آ گئی تھی جہاں سے ایگزامز کے بعد وہ نکلی تھی۔

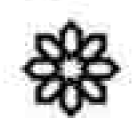
''اب کہاں جانا ہے چھوٹی بی بی!'' اس کے ہاسٹل کے سامنے پہنچ کر امجد خان نے پوچھا تھا۔

گھر سے آتے ہوئے وہ اپنا بیگ لے آئی تھی' وہاں کھڑے کھڑے اس نے اس کو چیک کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر آٹوگراف نوٹ بک نکال کر اپنے سامنے کی تھی۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس نے دیکھا' سکندر سبحان احمد کے آٹوگراف کے نیچے سکندر کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔

اس نے اپنی اس آٹوگراف بُک پر جس جس دوست استاد یا پرسنالٹی کا آٹوگراف لیا اس کے ساتھ ساتھ اس کا ایڈریس بھی لے لیا کرتی تھی۔ آج اس کی عادت اس کے کام آ رہی تھی' اس نے وہ ایڈریس امجد خان کو دکھایا تھا۔

امجد خان نے رکشہ کیا تھا اسے ہاسٹل چھوڑ کر سکندر کے گھر چلے آئے تھے' رات کے دو بج رہے تھے جب افشاں گہری نیند سے اٹھی تھی۔ گھر کا دروازہ بڑے زور زور سے بج رہا تھا' وہ حیران ہو کر کمرے سے نکلی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)



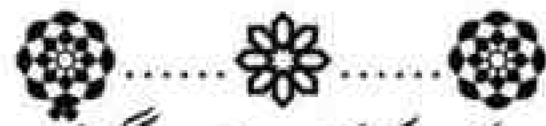


ٹوٹا ہوا تارا ...... سمیرا شریف طور

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

ایاز دریہ کی مدد سے شہوار اور مصطفیٰ کے درمیان بدگمانی پیدا کرنے میں کامیاب رہتا ہے جب ہی شہوار مصطفیٰ کے رویے سے خائف ہوجاتی ہے۔اسی دوران ایاز اسے کالج سے واپسی کے دوران اسلحہ کے زور پر کڈنیپ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ڈرائیور اور امجد خان کی بروقت مدد سے شہوار خود کو چھڑانے میں کامیاب رہتی ہے جبکہ اس حادثے کے دوران دریہ اچانک ہی منظر سے غائب ہوجاتی ہے ایاز اپنی اس ناکامی پر شدید مشتعل ہوتے فرار ہوجاتا ہے۔ شہوار کو اس حال میں دیکھ کر مصطفیٰ شدید کرب میں مبتلا ہوتا ہے اسے یہ سب باقاعدہ کسی پلان کے تحت انجام ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ سکندر اپنی اسٹوڈنٹ لالہ رخ کے رکھ رکھاؤ اور محتاط رویے سے کافی متاثر ہوتا ہے دوسری طرف لالہ رخ بھی اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے جبکہ افشاں کے لیے یہ سب ناقابل برداشت ہوتا ہے وہ سکندر کو پسند کرتی ہے جب ہی ضیاء کے پروپوزل پر صاف انکار کردیتی ہے دوسری طرف سکندر کا جھکاؤ لالہ رخ کی طرف ہوتا ہے اسی دوران لالہ رخ اپنے تمام حالات سے اسے آگاہ کرتے اپنے گاؤں لوٹ جاتی ہے۔ اس کا تعلق اچھے گھرانے سے ہے مگر اس کا باپ جائیداد کی خاطر اس کی شادی اپنے اوباش بھتیجے سے کردینا چاہتا ہے ایسے میں اپنی ماں کے کہنے پر لالہ رخ اپنا پروپوزل اس کے سامنے رکھ کر اسے حیران کردیتی ہے یہ سب جان کر سکندر کی بے چینی ازحد بڑھ جاتی ہے وہ کسی بھی طور لالہ رخ سے رابطہ کرنا چاہتا ہے۔ کاشفہ ولید کی عیادت کی غرض سے اسپتال پہنچتی ہے، جبکہ ولید اسے دیکھ کر شدید اشتعال میں آجاتا ہے دوسری طرف وہ انا کو بھی اپنی دھمکی آمیز رویے سے خائف رکھتی ہے۔ مصطفیٰ اس حادثہ کے متعلق دریہ سے استفسار کرتا ہے جس پر وہ شہوار کی ذات کے حوالے سے کافی تحقیر آمیز لہجے میں بات کرتی ہے جبکہ دریہ کا یہ انداز مصطفیٰ کو شدید غصے میں مبتلا کردیتا ہے جب ہی وہ اسے سخت سناتا ہے دوسری طرف ایاز ایک مرتبہ پھر دریہ کی مدد سے اپنے نئے پلان پر عمل درآمد کرنے کی کوشش جاری رکھتا ہے۔ فیضان رابعہ کے پروپوزل کے سلسلے میں عباس سے ملتے ہیں اور عباس کو رابعہ کے رشتے پر صاف انکار کردیتے ہیں یہ صورت حال عباس کے لیے قطعی غیر یقینی ہے جب ہی وہ اس انکار کی وجہ جاننا چاہتا ہے لیکن فیضان اس کی ہر بات کو رد کردیتے ہیں۔ لالہ رخ کے گاؤں پہنچنے پر اس کی ماں اسے یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جانا کا کہتی ہے دوسری صورت میں ظالم باپ اور ہمایوں جیسے شخص کا ساتھ وہ بھی نہیں چاہتی۔ جب ہی خان بابا کے بیٹے امجد خان کے بیوی بچوں کے ساتھ وہ شہر آجاتی ہے دوسری طرف امجد خان اسے ہاسٹل میں چھوڑ کر سکندر کو تمام صورت حال سے آگاہ کرنے کی غرض سے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے۔

〈اب آگے پڑھیے〉



دروازہ کھولنے والی خالہ بی تھیں، اپنے سامنے اجنبی لوگوں کو دیکھ کر چونک گئی تھیں، چونک تو افشاں بھی گئی تھی۔

''آپ کون لوگ ہیں؟'' افشاں نے پوچھا۔

''مجھے سکندر صاحب سے ملنا ہے۔'' امجد خان نے کہا تو افشاں نے الجھ کر ان کو دیکھا۔ ایک عورت ساتھ ایک بچہ اور مرد تھا۔

''وہ ادھر ہی رہتے ہیں نا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''مگر آپ ہیں کون؟'' افشاں نے پھر پوچھا۔

''سکندر صاحب سے ملوادیں اپنے بارے میں ان سے ہی بات کروں گا۔'' افشاں نے الجھ کر خالہ بی کو دیکھا۔

''میں بلا کر لاتی ہوں۔'' خالہ بی اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھیں۔ کچھ دیر بعد سکندر امجد خان سے ہاتھ ملا رہا تھا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں، میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' وہ لوگ ابھی بھی دروازے پر ہی کھڑے تھے۔

''آپ لالہ رخ کو تو جانتے ہوں گے نا۔'' سکندر کے ساتھ ساتھ افشاں بھی چونکی تھی۔

''لالہ رخ......؟'' سکندر پکار اٹھا۔

''میں ان کے ملازم کا بیٹا ہوں، لالہ رخ اس وقت وویمن ہاسٹل میں ہے، اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔'' سکندر ایک دم چونکا۔ افشاں ناسمجھی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''وہ ٹھیک ہیں نا؟'' سکندر نے بے اختیاری میں پوچھا۔

''ابھی تک تو ٹھیک ہی ہیں لیکن آئندہ کیا حالات ہوتے ہیں کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' امجد خان ایک سلجھا ہوا مرد تھا اس کی گفتگو بھی مہذبانہ

تھی۔
''او کے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔'' سکندر نے فوراً فیصلہ کیا' افشاں نے حیرت سے دیکھا۔
''تم کہاں جاؤ گے؟ تم بھلا ان لوگوں کو کیسے جانتے ہو۔''
''لیکن میں لالہ رخ کو تو جانتا ہوں' میں کچھ دیر میں آ جاؤں گا ڈونٹ وری۔'' وہ افشاں کو تسلی دے کر واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ لباس بدل کر کچھ دیر بعد امجد خان کے ساتھ چل دیا تھا۔
وہ ہاسٹل پہنچا تو لالہ رخ وارڈن کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ وارڈن لالہ رخ کے حالات سے باخبر تھی' وہ نیک دل عورت تھیں ان کو لالہ رخ سے خصوصی لگاؤ تھا سو کسی کو بھی خبر ہونے سے پہلے وہ خاموشی سے لالہ رخ کو اپنے کمرے میں لے آئی تھیں۔ سکندر وہاں پہنچا تو لالہ رخ کو دیکھ کر چونکا تھا۔ عجیب کمزور نڈھال پژمردہ سی لڑکی لگ رہی تھی' چہرے کی تازگی نچڑ کر رہ گئی تھی۔ لالہ رخ سے مل کر اس کی ساری کتھا سننے کے بعد سکندر کافی دیر تک خاموش رہا تھا۔
''دیکھیں آپ اگر ہماری کوئی مدد کر سکتے ہیں تو ہمیں بتا دیں ورنہ ہمارے پاس بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ صبح کی روشنی ہوتے ہی لالہ رخ بی بی کی حویلی میں ان کی گمشدگی کی خبر پھیل جائے گی اور سب سے پہلے ان کو تلاش کرنے وہ لوگ یہاں ہی آئیں گے۔ اگر آپ ان کی مدد کر سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ پھر میں ان کو لے کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔'' امجد خان کا اٹل انداز تھا' سکندر نے چند پل سوچا تھا۔ ایک نگاہ گم صم بیٹھی انگلیاں چٹخاتی لالہ رخ پر ڈالی اور پھر ایک دم ایک فیصلہ کیا تھا۔
''آپ لوگوں کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں' آپ لوگ ہمارے ساتھ گھر چلیں۔'' سکندر کے الفاظ پر لالہ رخ نے بے اختیار اسے دیکھا تھا' سکندر مسکرا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ان لوگوں کو لے کر اپنے گھر آ گیا تھا۔ افشاں ان کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔
''تم ان کو یہاں کیوں لائے ہو؟'' وہ اس سے الجھ پڑی۔ جواباً سکندر نے اسے لالہ رخ کی ساری کہانی سنا دی تھی۔
''اب تم کیا چاہتے ہو؟'' افشاں نے خوف زدہ نظروں سے سکندر کو دیکھا۔
''ایک لڑکی میرے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر آئی ہے' وہ اس وقت سخت مصیبت میں گرفتار ہے' اسے میں ایسے تنہا نہیں چھوڑوں گا۔'' افشاں حیرت سے دیکھے گئی۔
''اوپر والے پورشن میں ان لوگوں کے رہنے کا انتظام کر دو' میں نے ہاسٹل سے ہی ضیاء کو کال کر دی تھی وہ کچھ دیر میں صبوحی اور وقار کو لے کر پہنچ رہے ہوں گے۔ میں کل لالہ رخ سے نکاح کر لوں گا۔'' انداز اٹل اور فیصلہ کن تھا' وہ کہہ کر پلٹا اور افشاں بالکل ڈھے سی گئی۔
اس کے رخساروں پر بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے' وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں پلٹ گئی تھی۔ خالہ بی نے لالہ رخ' امجد خان اور اس کی بیوی کے لیے اوپر والے حصے میں آرام کرنے کا انتظام کر دیا تھا کچھ دیر میں صبوحی ضیاء اور وقار بھی پہنچ گئے تھے۔ فجر کے بعد ضیاء ایک مولوی صاحب کو لے آئے تھے' دو تین اور لوگوں کی موجودگی میں سکندر اور لالہ رخ کا نکاح ہو گیا تھا۔ امجد خان سب معاملے میں پیش پیش تھا۔ لالہ رخ کو لگ رہا تھا کہ جیسے ایک دم اس کی زندگی بدل گئی ہے۔ وہ کل کیا تھی اور اب کیا سے کیا ہو گئی ہے' افشاں گم صم اور چپ چاپ تھی صبوحی بہت خوش تھی۔ وقار نے سکندر کو اس کے اس نیک عمل پر بہت سراہا تھا۔
سکندر خوش بھی تھا اور مطمئن بھی۔ اگلے دن امجد خان دوپہر میں اپنے باپ کو فون کرنے گیا تھا' وہ فون کر کے واپس آیا تو بہت افسردہ تھا۔
''بڑی بیگم صاحبہ کی طبیعت بہت خراب تھی' سب ملازمین کو علم ہو چکا تھا کہ لالہ رخ حویلی میں نہیں ہے اور ملازمین نے اشفاق احمد اور بھائیوں کو بھی اطلاع کر دی تھی' وہ دونوں کسی وقت بھی حویلی پہنچ سکتے تھے۔'' سکندر امجد خان کی زبانی وہاں کے حالات سن کر افسردہ ہوا' تاہم اس نے لالہ رخ سے ذکر کرنے سے منع کر دیا خوامخواہ وہ بے چاری پریشان رہتی۔
اسی دن امجد خان اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ رخصت ہو گیا تھا۔ سکندر کا ابھی تک نکاح کے بعد لالہ رخ سے سامنا نہیں ہوا تھا' خواتین ہی اس کے پاس موجود تھیں۔ شام ہوئی تو صبوحی وقار اور ضیاء اسے ڈھیروں نیک خواہشات سونپتے رخصت ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد خالہ بی لالہ رخ کے پاس موجود رہی تھی جبکہ افشاں ان لوگوں کے رخصت ہوتے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ شاید سارے دن کی اس مصروفیت سے وہ تھک گئی تھی۔ سکندر نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا اور خود ہی کچن میں آ کر اپنے لیے چائے بنائی تھی۔ کھانا سر شام ہی سب کھا چکے تھے۔

''ارے بیٹا تم نے کیوں زحمت کی؟ مجھ سے کہا ہوتا میں بنا دیتی۔'' خالہ بی لالہ رخ کے پاس سے اٹھ کر نیچے آئیں تو اسے کپوں میں چائے ڈالتے دیکھ کر ٹوکا۔

''کوئی بات نہیں خالہ بی!'' سکندر نے ایک کپ اٹھا کر انہیں تھمایا۔

''ماشاء اللہ بہت ہی پیاری بچی ہے لالہ رخ! سارا وقت ماں کو یاد کرتے روتی رہی ہے۔ تم اس سے ذرا نرمی سے پیش آنا' کسی نیک ماں کی اولاد لگتی ہے۔'' خالہ بی نے نصیحت کی' سکندر مسکرا دیا۔

''لاؤ میں دلہن کو چائے دے آؤں بلکہ تم بھی آؤ مل کر پی لینا۔'' خالہ بی نے کہا' انہوں نے اپنا کپ رکھ کر چھوٹی سی ٹرے میں دو کپ رکھے تھے۔

سکندر بھی ان کے ہمراہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا' لالہ رخ آج سارا دن اس کے کمرے میں ہی رہی تھی۔ سادہ سے لباس میں بغیر کسی ہار سنگھار کے بستر پر اپنی ہی سوچوں میں گم بیٹھی لالہ رخ سکندر کی دلہن تھی۔ سکندر نے کمرے میں داخل ہو کر سلام کیا تو وہ سر جھکا گئی تھی۔

''چلو بیٹا چائے پی لو' کھانا بھی تم نے بس برائے نام ہی کھایا تھا۔'' خالہ بی نے کہا تو لالہ رخ نے محض سر ہلایا تھا۔ خالہ بی اس سے ایک دو باتیں کر کے چلی گئی تھیں۔

لالہ رخ کچھ کنفیوژ سی تھی' سکندر اس کے سامنے بیٹھا تو وہ اپنی ذات میں کچھ اور سمٹ گئی تھی۔

''یہ چائے لیں۔'' سکندر نے کپ اٹھا کر اسے تھمایا جسے اس نے شکریہ کہہ کر تھام لیا تھا۔ دونوں نے بہت خاموشی سے چائے پی تھی' سکندر گاہے بگاہے اسے دیکھتا رہا تھا۔

وہ بہت ہی خوب صورت اور دل موہ لینے والی لڑکی تھی۔ پلکوں کی گھنی جھالر اٹھتی گرتی اسے کچھ اور ہی روپ بخش رہی تھی۔ چائے پینے کے بعد سکندر نے دونوں کپ ٹرے میں رکھ کر ٹرے ایک طرف رکھ دی تھی۔ سکندر لالہ رخ کے پاس بیٹھا تو انداز میں استحقاق تھا۔

''مجھ سے شادی کر کے مطمئن ہیں۔'' مسکرا کر پوچھا تو لالہ رخ نے پلکیں اٹھا کر دیکھا۔

''اگر غیر مطمئن ہوتی تو میں کبھی بھی امجد خان کو آپ کے پاس نہ بھیجتی۔'' دھیمے لہجے میں اس نے دل کی بات کہہ دی' سکندر مسکرایا۔ محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تو لالہ رخ کا ہاتھ لرزنے لگا۔

''کیا بتا سکتی ہیں کہ مجھ میں ایسی کیا بات اچھی لگی تھی جو مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔'' نرمی سے دونوں ہاتھوں میں لالہ رخ کے ہاتھ کو سہلاتے سکندر نے پوچھا۔

''دل کے معاملات کسی وضاحت کے محتاج نہیں ہوتے سر!'' سکندر ہنسا۔

''اب بھی سر؟'' لالہ رخ کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ سمٹ آئی۔

''سر کا رشتہ میرے لیے بہت محترم ہے اور آپ ہمیشہ محترم رہیں گے۔ آپ نے جس طرح میری مجبوری سمجھ کر میرا ساتھ دیا ہے میں شاید عمر بھر آپ کا یہ احسان نہ بھلا پاؤں۔''

''لالہ رخ......'' سکندر نے ٹوک دیا' لالہ رخ نے آنکھوں میں در آ جانے والی نمی کو بمشکل روکا تھا۔

''یہ احسان والی بات مت کریں' اصل میں کچھ لوگ زندگی میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلی نگاہ سے اچھے لگتے ہیں' مجھے آپ سے کوئی محبت کا دعویٰ نہیں ہے لیکن آپ کے رکھ رکھاؤ اور محتاط انداز نے ہمیشہ آپ کے کردار کو میری نگاہ میں بہت معتبر بنا کر پیش کیا تھا۔'' لالہ رخ مسکرا دی۔

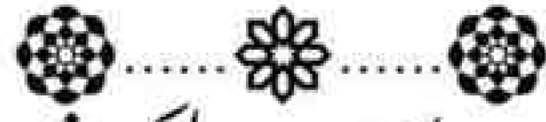
''آپ نے اپنے بارے میں تو بہت کچھ بتا دیا تھا لیکن میرے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتیں۔'' لالہ رخ کی رنجیدگی ختم کرنے کو سکندر نے بات بدلی۔

''آپ نے جس طرح میری مدد کی ہے وہ سب آپ کی ذات کو میرے سامنے آشکار کرنے کے لیے کافی ہے۔ میں یہاں اپنی ماں کے مجبور کرنے پر آئی تھی' مجھے قطعی امید نہ تھی کہ آپ اس طرح میرا ساتھ دیں گے بھی یا نہیں لیکن آپ نے میرے تمام وسوسوں کو غلط ثابت کر دیا' میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔'' لالہ رخ کی رنجیدگی جوں کی توں تھی۔ سکندر نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''زندگی کے بارے میں میرے کوئی لمبے چوڑے خواب نہیں ہیں' سادہ سی عام سی ترجیحات ہیں۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ جس بھروسے کو لے کر میری طرف بڑھی ہیں وہ بھروسہ ہمیشہ قائم رہے۔ میں آپ کو اپنے بارے میں مختصراً بتا دینا چاہتا ہوں میری ماں ایک

غریب گھرانے سے تھیں' میرے والد ایک جاگیردار تھے۔ میری والدہ ان کی دوسری بیوی تھیں' میرے والد کے خاندان نے میری والدہ اور پھر مجھے قبول نہ کیا' میری والدہ کے انتقال کے بعد میرے نانا نے مجھے ایک یتیم خانے میں چھوڑ دیا جہاں کچھ سال بعد میرے والد نے واپس لے لیا تھا اور پھر مجھے سبحان صاحب نے اڈاپٹ کر لیا تھا۔ بچپن کے علاوہ میں نے زندگی میں اپنے اصلی باپ کو کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی ملا البتہ تصاویر ضرور دیکھ رکھی ہیں۔ سبحان صاحب اور ان کی بیگم نے میرا بہت خیال رکھا' حقیقی بیٹے کا سا پیار دیا اور میں نے بھی ان کو ہمیشہ والدین سمجھا۔ میری ولدیت کے خانے میں ہمیشہ سبحان احمد لکھا گیا' ان دونوں کی وفات کے بعد مجھے ان کے خاندان نے لے پالک کہہ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ میں چاہتا تو مقدمہ کر سکتا تھا لیکن مجھے دولت جائیداد کسی بھی چیز سے کوئی غرض نہ تھی۔ امریکہ میں میرے نام کچھ پراپرٹی موجود ہے لیکن میں فوراً یہاں سے نہیں جا سکتا تھا مجبوراً مجھے کالج میں جاب کرنا پڑی۔ میں مالی لحاظ سے اس وقت بہت مضبوط نہیں ہوں وقت کے ساتھ ساتھ میں شاید اسٹیبلش ہو جاؤں لیکن اس وقت میں جس گھر میں رہتا ہوں یہ بھی افشاں کے نام ہے۔ افشاں میری سگی خالہ زاد ہے۔'' سکندر نے اپنے بارے میں سب بتا دیا تھا۔

''مجھے آپ کی دولت اور جائیداد کسی سے کوئی غرض نہیں' وہ سب کچھ جو آپ لے کر آئی ہیں وہ سب صرف اور صرف آپ کا ہے۔ البتہ میں آپ سے یہ ضرور وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی میں جہاں تک بھی بن پڑا میں ہر موڑ اور ہر معاملے میں آپ کی مدد کروں گا۔'' سکندر کا انداز پُرعزم اور اعتماد بخشنے والا تھا محبت جتاتا' احساس دلاتا' لالہ رخ مسکرا دی۔ رنجیدہ سی مسکراہٹ تھی' جو سکندر کے دل میں ایک چراغ بن کر دہکنے لگی تھی۔ سکندر نے گرم جوشی سے اس کا نرم ہاتھ دبا کر اس کی مسکراہٹ کو مزید اعتماد بخشا تھا۔



ولید دو ہفتوں بعد گھر شفٹ ہو گیا تھا' مصطفیٰ کئی بار عیادت کو آ چکا تھا لیکن شہوار نے ایاز کے خوف سے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ آج کئی دنوں بعد مصطفیٰ کے ساتھ ولید کی طرف آنے کو تیار ہوئی تھی۔ مصطفیٰ آج جلدی گھر آ گیا تھا۔

وہ مغرب سے پہلے ولید کے ہاں آ چکے تھے۔ ولید اپنے کمرے میں تھا' روشنی ان کو اس کے کمرے میں ہی لے آئی تھی۔ انا شہوار اور مصطفیٰ کے لیے چائے بنانے گئی تھی ولید کے زخم تو ابھی بھی برقرار تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہی اب مندمل ہونے تھے تاہم وہ آج کل مکمل طور پر بیڈ ریسٹ پر تھا۔ وہ مصطفیٰ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا' وہ سارا سارا دن بیڈ ریسٹ سے اب اکتا چکا تھا لیکن اتنے سارے لوگوں کے سامنے اس کی ایک بھی نہیں چل رہی تھی۔

''کیسا فیل کر رہے ہو؟'' مصطفیٰ نے مسکرا کر پوچھا۔

''بہت بیڈ...... میں اس جبری قید سے سخت اکتا گیا ہوں' سب نے مجھے ایک چھوٹا سا بچہ سمجھ لیا ہے۔ حتیٰ کہ کمرے سے نکلنے پر بھی پابندی ہے۔'' وہ سخت خفا تھا' بہت خفگی سے بہن کو بھی دیکھا تھا' روشنی ہنس دی۔

''یہ سب آپ کی بہتری کے لیے ہی تو کر رہے ہیں ہم۔''

''میں بالکل بے کار پرزہ بن کر رہ گیا ہوں یار!'' ولید کے چہرے پر از حد بے چارگی کی تحریر رقم تھی۔

''چند دن کی بات ہے پھر آپ کے ٹیسٹ کروالیں گے ڈاکٹر نے اجازت دے دی تو آپ باہر نکل سکتے ہیں۔'' روشنی نے سخت گیر بہن کا کردار ادا کیا تھا۔

''ایک دفعہ مجھے کمرے سے باہر نکلنے دو' تمہیں تو میں اچھی طرح پوچھوں گا۔'' ولید نے دھمکی دی' جو روشنی نے ہنس کر ٹال دی۔ وہ شہوار سے باتیں کرنے لگ گئی تھی جبکہ مصطفیٰ ولید کے ساتھ اس کے بستر پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد انا چائے کے لوازمات لیے ادھر آ گئی تھی' صغراں ہمراہ تھی۔ دیگر لوازمات وہ دونوں ٹیبل پر سجانے لگیں تھیں۔

مصطفیٰ سے بات کرتے ولید نے ایک ناگوار سی نگاہ انا پر ڈالی تھی۔ ہسپتال سے صبوحی بیگم کے ڈسچارج ہونے کے بعد وہ دوبارہ وہاں نہیں گئی تھی اور گھر آنے پر بھی وہ اتنے دنوں میں کہیں نظر نہ آئی تھی لیکن آج اسے یہاں دیکھ کر اس کی کنپٹیوں کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ صغراں چلی گئی تھی' انا خود ہی مگوں میں چائے انڈیل کر سب کو سرو کر رہی تھی۔ اس نے مصطفیٰ کو کپ تھمایا تو اس نے شکریہ کے ساتھ تھام لیا تھا۔

''ولید بھائی آپ بھی چائے پئیں گے نا؟'' روشنی نے پوچھا۔

''ہاں دے دو۔'' ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

''انا بھائی کو بھی چائے دے دو۔'' روشنی نے انا کو کہا اور پھر شہوار کے ساتھ باتوں میں لگ گئی۔ انا ایک دم جز بز ہوئی تھی۔ اس نے ولید

کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر از حد سنجیدگی تھی۔ اس نے خاموشی سے کپ میں چائے انڈیلی اور ساسر میں کپ رکھ کر اسے ولید کی طرف آئی۔

اس نے قریب آ کر چائے والا کپ ولید کی طرف بڑھایا جبکہ ولید توجہ دیئے بغیر مصطفیٰ سے گفتگو کر رہا تھا۔ مصطفیٰ نے دونوں کو دیکھا تھا' دونوں کے انداز عجیب سے تھے اس نے بغور نوٹ کیا تھا۔

''یار چائے لے لو۔'' مصطفیٰ نے انا کی طرف اشارہ کیا تو ولید نے انا کی طرف دیکھا۔ انداز میں بہت گرمی تھی۔ اس نے انا سے کپ لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا' انا کا ہاتھ لڑکھڑایا تھا یا ولید نے بہت غصے سے ہاتھ بڑھایا تھا۔

ولید کا ہاتھ ساسر سے ٹکرایا نتیجتاً چائے کا کپ انا کے ہاتھ پر الٹتا بستر پر گرا تھا' جو انا کے ہاتھ کو جلاتا بستر کی چادر کو بھی داغ دار کر گیا تھا۔

''اُف......'' انا نے ایک دم بائیں ہاتھ سے اپنا دایاں ہاتھ تھاما تھا سبھی پریشان ہو گئے تھے۔

''اوہ نو......'' روشی ایک دم اٹھ کر پاس آئی تھی۔ ولید نے مطمئن سا بستر کی بیک سے کمر ٹکا کر سنجیدگی سے انا کو دیکھا تھا۔ جو لب دبائے دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ تھامے ہوئے تھی' مصطفیٰ نے خاموشی سے ساری کارروائی نوٹ کی تھی۔ شہوار بھی انا کے پاس آ گئی تھی۔

''یہ تو جل گیا ہے' اس پر کوئی آئنمنٹ لگائیں فوراً......'' شہوار نے انا کا ہاتھ تھام کر دیکھتے فکرمندی سے کہا۔ انا نے ہونٹ دانت تلے دبا لیے تھے' اس نے ایک نگاہ ولید پر ڈالی تھی۔ ولید کے چہرے پر از حد سنجیدگی تھی تاہم اس کی آنکھوں میں عجیب سی گرمی تھی۔

''میں لگا لوں گی' تم لوگ چائے پیو۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے وہاں سے نکل گئی تھی' شہوار بھی اس کے ساتھ فوراً کمرے سے نکلی تھی۔ روشی نے ایک گہرا سانس لیا' وہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی۔ انا اپنے بیڈ کی سائیڈ کی درازیں کھنگال رہی تھی اور پھر ایک دراز سے کریم نکال کر اس نے اس کا ڈھکن کھولا تھا شہوار نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کریم لے کر اس کے ہاتھ پر لگانا شروع کر دی تھی۔

روشی کمرے میں آئی تو انا لب دانتوں تلے دبائے بستر کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی' شہوار اس کے پاس خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

''زیادہ زخم تو نہیں؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''نہیں بس ٹھیک ہے۔'' انا نے سنجیدگی سے کہا۔ آج کل وہ ویسے بھی بہت سنجیدہ تھی' روشی نے ایک گہرا سانس لیا' صغراں چائے لے آئی تھی۔

شہوار نے کالج اور اسٹڈی کی باتیں چھیڑ دی تھیں' وہ خود کالج نہیں جا رہی تھی لیکن انا ضرور دوسرے تیسرے دن اس کے ہاں آ جاتی تھی اور دونوں مل کر ایگزامز کی تیاری کر رہی تھیں۔ شہوار کالج جانے پر تو آمادہ نہ ہو سکی تھی تاہم ایگزامز دینے پر ضرور راضی ہو گئی تھی۔ چائے پینے کے بعد روشی برتن سمیٹ کر چلی گئی تھی۔

''کل پھوپو آئی تھیں ہماری طرف۔'' شہوار نے روشی کے جانے کے بعد کہا تو انا چونکی۔

''بتا رہی تھیں کہ وہ اب ڈائریکٹ شادی ہی کریں گی' حماد کا ٹرپ بڑھ گیا ہے وہ جیسے ہی پاکستان آتا ہے تمہاری رخصتی کرا لیں گی۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے۔

مصطفیٰ کی پھوپو پرسوں ان کی طرف بھی آئی تھیں اور سب باتیں طے کرنے کے بعد جاتے وقت انا کو ساتھ لپٹا کر ایک دم بیگ سے ایک کنگن نکال کر انا کا ہاتھ تھام کر اسے پہنایا تھا۔ انا نے گھبرا کر سب کو دیکھا تھا سبھی خاموش اور سنجیدہ تھے' ولید کے سوا سبھی وہاں موجود تھے۔

''ہم باقاعدہ کوئی رسم نہیں کر سکے لیکن ہماری طرف سے یہی رسم کی نشانی ہے ان شاءاللہ شادی پر ہم کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔'' انا کی پیشانی چومتے اسے گرم جوشی سے ساتھ لگاتے انہوں نے حاضرین سے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ چلے گئے تھے لیکن اس کے بعد وہ سبھی لوگ ساکت سے تھے' خاموش گم صم اور انا اس کو لگ رہا تھا کہ جیسے وہ دھیرے دھیرے کسی گہری کھائی میں خود کو گراتی جا رہی ہو۔ وہ چیخنا چاہتی تھی' چلانا چاہتی تھی لیکن بے بس تھی۔

''انا......'' اسے گم صم دیکھ کر شہوار نے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے اسے دیکھا۔

''تم کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لے رہیں' تم سب کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا تھا' وہ سب ڈرامہ تھا کاشفہ سے بچنے کے لیے۔'' شہوار نے سنجیدگی سے کہا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ولید کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر نفرت سے رخ بدل لیتا ہے' میں نے خود سب کو بدظن کیا ہے اب میں کچھ بتاؤں گی تو

سب مجھے برا بھلا کہیں گے اور ولید وہ تو شاید عمر بھر میری شکل بھی نہ دیکھنا چاہے۔ کاشفہ کی ذات کو لے کر میں نے اسے اس قدر مینٹلی ٹارچر کیا تھا۔ میں خود سب کو اس مقام پر لے کر آئی ہوں اور اگر اب سب کو سچ بتاتی ہوں تو سب کا اعتبار کھو جائے گا اور ولید سے شاید اب عمر بھر سامنا نہ کر پاؤں اس کی نفرت اس کا برا رویہ سب حق بجانب ہوگا اور میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ میں سب کی نظروں میں اپنے لیے لعنت ملامت دیکھوں۔''

''تو کیا خاموشی سے چپ چاپ حماد کے ساتھ رخصت ہو لوگی؟'' شہوار نے تلخی سے کہا۔

''جو بویا ہے وہ اب کاٹنا تو ہے نا' شاید یہی اب میری سزا ہے۔ تا عمر اپنی ہی چلائی' شک کی آگ میں جلیں۔'' اس کی آواز رنجیدہ ہوگئی تو وہ اپنے ہی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔

''میں بہت بری ہوں شہوار...... بہت بری......!'' شہوار نے بہت سنجیدگی سے اسے یوں سسکتے دیکھا تھا۔



سکندر کے ساتھ گزرنے والے یہ دو دن بہت خوب صورت تھے' زندگی کے سب سے حسین دن تھے لیکن پھر اچانک سکندر کو اپنے کالج کے نمبر پر امجد خان کی کال ریسیو ہوئی تھی۔ امجد خان نے لالہ رخ کی والدہ کے انتقال کی خبر سنائی تھی' سکندر کو ازحد افسوس ہوا تھا۔ اس نے افشاں کو بتایا تھا' افشاں آج کل بہت سنجیدہ سنجیدہ سی اور ریزروسی ہوگئی تھی۔ اپنی نئی زندگی کی رونقوں کو کشید کرتے سکندر کو افشاں کے مزاج کی یہ تبدیلی نظر نہ آسکی تھی۔

''میرے اندر تو ہمت نہیں لالہ رخ کو اس کی ماں کی انتقال کی خبر سنانے کی' پلیز تم بتا دینا۔'' افشاں کو کہا تو افشاں نے بہت سنجیدگی سے سکندر کو دیکھا۔

''گزرے دنوں میں سکندر اس قدر خوش دکھائی دینے لگا تھا کہ اب تک اس نے اسے اس قدر خوش کبھی نہ دیکھا تھا۔'' اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔ گھر آ کے افشاں نے خالہ بی کو بتایا تھا اور خالہ بی نے لالہ رخ کو۔ لالہ رخ کا تو مارے صدمے کے برا حال تھا' رو رو کے اس نے اپنی حالت خراب کرلی تھی۔

وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی اور بدقسمتی یہ تھی کہ وہ ماں سے کوسوں دور تھی۔ وہ اس تک پہنچ بھی نہیں سکتی تھی اس کا آخری بار چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ سکندر' خالہ بی' افشاں' صبوحی سبھی اس کے غم میں برابر کے شریک تھے۔ ضیاء اور وقار بھی چکر لگا لیتے تھے اور سبھی لالہ رخ کی دل جوئی کرتے رہتے تھے۔

دن خاموشی سے سرکنے لگے تھے' ضیاء کے باہر جانے کی ڈیٹ قریب آرہی تھی۔ صبوحی ایک بار پھر ضیاء کا رشتہ لے کر آئی تھی۔ لالہ رخ اپنے کمرے میں تھی' خالہ بی کچن میں جبکہ سکندر باہر کسی کام سے گیا تھا۔

''آخر تم کب تک سکندر کا جوگ لیے بیٹھی رہوگی' سکندر شادی کرچکا ہے۔ میں کبھی نہ آتی لیکن تمہیں اس حالت میں دیکھ کر دل دکھتا ہے میرا' میں اب مزید برداشت نہیں کرسکتی۔'' صبوحی نے کہا تو افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''میں سکندر کے نام کا جوگ نہیں لے رہی لیکن ابھی اتنی جلدی کسی اور کے لیے فیصلہ کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے پلیز مجھے بار بار ڈسٹرب مت کرو۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں تمہارے لیے یہ سب بہت مشکل ہے لیکن یہ بھی تو سوچو ضیاء بھائی تم سے بہت محبت کرتے ہیں اور تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔''

''پلیز صبوحی مجھے ڈسٹرب مت کرو' پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو میں بے بس ہوں۔'' وہ رنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ باہر سے اندر آتا سکندر افشاں کے کمرے کی طرف کسی کام سے ہی بڑھا تھا لیکن اندر سے آنے والی آوازوں نے اسے وہیں دہلیز پر ہی روک لیا تھا۔

''سکندر کو تو شاید ہی تمہاری تڑپ اور محبت کی خبر تک نہ ہوگی۔''

''میری ماں نے ہمیشہ مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ دنیا کے کسی کونے میں ایک شخص سانس لے رہا ہے وہ میرا خالہ زاد ہے اور وہی میرا ہم سفر ہوگا۔ اماں دن رات بس یہی باتیں کیا کرتی تھیں پھر ماں مرگئی' پھوپو ساتھ لے آئیں' ابا مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ پھوپو ہی میری کل کائنات تھیں یا سکندر کا ان دیکھا وجود۔ مجھے اماں ان کا رابطہ دے گئی تھیں اور پھر برسوں بعد سکندر سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایک دو ملاقاتوں کے بعد سے ہی میں نے جان لیا تھا کہ وہ ہمارے رشتے سے بے خبر ہے۔ میں نے بھی چپ سادھ لی کہ شاید کبھی نہ کبھی تو اسے علم ہو ہی

جائے گا لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ میری خاموشی یہ رنگ لائے گی۔ لالہ رخ کا آنا اور پھر سکندر کی زندگی کا حصہ بن جانا' میں بے بس ہوں یار! ضیاء کو کہو ابھی انتظار کرے' سکندر کا وجود برسوں سے میری سوچوں کا محور رہا تھا اب ایک دم اپنے محور سے نکل کر کسی اور محور میں جانا بہت مشکل امر ہے۔ مجھے ابھی خود کو سنبھالنا ہے شاید وقت کے ساتھ ساتھ میں سنبھل جاؤں۔'' افشاں کے انداز پر صبوحی خاموش ہوگئی تھی' بے حس و حرکت تو سکندر بھی ہو گیا تھا۔ افشاں اس کو چاہتی تھی لیکن کبھی اس نے اسے احساس ہی نہ ہونے دیا تھا' وہ تو ہمیشہ اسے ایک خالہ زاد سمجھ کر ہی ملا تھا۔

وہ ان کے گھر میں شفٹ ہو چکا تھا تب بھی کبھی بھی افشاں کی ذات سے یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچتی ہے' کیا سمجھتی ہے؟ اور اب یہ اتنا بڑا انکشاف جبکہ وہ لالہ رخ کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔ سکندر کے اندر شدید دکھ کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ افشاں اور اس کی زندگی ایک جیسے حالات اور ایک جیسے واقعات کے تحت گزری تھی اور وہ اس کے دکھ سمجھ سکتا تھا اس کے احساسات اور جذبات لیکن وہ افشاں کی زندگی کا یہ پہلو کبھی نہ جان پایا تھا۔

انجانے میں وہ افشاں کی ذات کے لیے ایک بہت بڑے دکھ کا سبب بن گیا تھا۔ سکندر خاموشی سے وہاں سے چلا گیا تھا' چند دن مزید سرکے تو لالہ رخ کا غم بھی ڈھلنے لگا تھا' وہ اب سنبھلنے لگی تھی' افشاں مزید سنجیدہ ہو چکی تھی۔

ضیاء کے جانے میں بس چند دن باقی تھے' وہ سکندر کے پاس آیا تھا اور اپنا پرپوزل بتاتے افشاں کو منانے کا کہا تھا۔ سکندر جو انجانے میں ہی افشاں کے دکھ کا سبب بن چکا تھا' وہ اب افشاں کو خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتا تھا اس نے ضیاء سے افشاں کو منانے کی ہامی بھرلی اور پھر اس نے اسی شام افشاں سے بات کی اور افشاں نے ہمیشہ کی طرح فوراً انکار کر دیا تھا۔

''افشاں! میں تقدیر پر یقین رکھتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں جو بھی ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ لالہ رخ کا میری زندگی میں داخل ہونا اللہ کی طرف سے طے شدہ تھا اگر مجھے علم ہوتا کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو تو میں شاید تمہیں دکھ دینے سے پہلے ضرور سوچتا لیکن میں بالکل بے خبر تھا۔'' افشاں ایک دم حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''تم......تم جانتے ہو؟'' اس نے سر جھکا کر پوچھا تھا۔

''ہاں کچھ دن پہلے ہی علم ہوا تھا جب تم صبوحی سے ذکر کر رہی تھیں اور میں نے لاعلمی میں سب سن لیا تھا۔''

''اوہ......'' افشاں خاموش ہوگئی تھی۔

''ضیاء ایک بہت قابل اور محنت کش انسان ہے' میں نے اس میں زندگی کی لگن اور جوش دیکھا ہے اور پھر وہ تم سے محبت کرتا ہے' وہ تمہارا طلب گار ہے وہ تم سے شدید محبت کرتا ہے۔''

''لیکن ابھی میرے لیے یہ سب قبول کرنا بہت مشکل ہے سکندر! میں نے تمہارے بارے میں اسی دن سے سوچنا بند کر دیا تھا جب لالہ رخ تمہاری زندگی میں داخل ہوئی تھی لیکن ضیاء کی زندگی کا حصہ بننے کے لیے مجھے ابھی بہت کچھ بھولنے اور بہت کچھ قبول کرنے کی ضرورت ہے اور اس سب میں بہت وقت لگ جائے گا۔'' سکندر نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''اماں بتاتی ہیں کہ خالہ اور ان کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ اماں اپنی بیٹی کی شادی ان کے بیٹے سے کریں گی۔ خالہ نہ رہیں لیکن اماں نے خالو سے یہ بات ضرور کی تھی اور جب انہوں نے تمہیں سبحان انکل کے حوالے کیا تھا تو سبحان انکل کو بھی بتا دیا تھا لیکن وقت گزرتا رہا۔ اماں نہ رہیں اور خالو نے بھی پلٹ کر رابطہ نہ کیا اور تم چلے آئے میں سمجھتی رہی کہ شاید وقت کے ساتھ ساتھ تمہیں خبر ہو جائے گی سو میں خاموش رہی اور میری خاموش ہار گئی اور وقت کی چال جیت گئی۔ تم لالہ رخ کا مقدر بن گئے اور میں نے اسی دن سے تمہیں سوچنا چھوڑ دیا لیکن یہ دل و دماغ ہیں کہ کچھ بھی قبول کرنے کو ابھی تک تیار ہی نہیں۔'' سکندر نے ایک گہرا سانس لیا تھا' دھیرے سے افشاں کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''جو ہونا تھا ہو چکا ہے لیکن اب تمہیں اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال برباد نہیں کرنے دوں گا' میں نے ضیاء سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں اس کے لیے راضی کرلوں گا اور پھر تم میری خاطر میرے اس وعدے کو مت ٹوٹنے دینا' پلیز افشاں!'' افشاں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے سکندر کو دیکھا تھا۔ جس کی آنکھوں میں مان جانے کی التجا تھی۔ افشاں کی آنکھوں سے آنسو بہے تو اس کی سسکیاں گونج اٹھی تھیں' سکندر نے اذیت سے لب دانتوں تلے دبا لیے تھے۔

❁......❁......❁

چائے پینے کے بعد ولید کے اصرار پر مصطفیٰ اسے سہارا دیتا باہر لان میں لے آیا۔ آج بہت دنوں بعد وہ کھلی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ وہ پہلے سے کافی بہتر تھا' اس کے بازوؤں' کندھوں' ٹانگوں کی چوٹیں بھی کافی بہتر تھیں تاہم سر کی چوٹ ابھی درد کر رہی تھی۔ کئی ٹیسٹ ہو چکے تھے' پراپر ٹریٹمنٹ چل رہا تھا۔ صبوحی بھی اب بہتر تھیں' ان کے ہاتھ کا فریکچر ابھی بھی موجود تھا تاہم وہ اب اپنے بوتیک جانا شروع کر چکی تھیں۔

''تم نے انا کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' دونوں آہستہ آہستہ لان میں ٹہل رہے تھے جب ہی مصطفیٰ نے اچانک پوچھا۔

''کیا کیا ہے میں نے؟'' وہ دونوں رک گئے تھے۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے۔'' مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں ملامتی انداز میں دیکھا تو وہ ہنسا۔

''میں نہیں جانتا میں نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے' تم پلیز بتا دو۔''

''تم نے جان بوجھ کر اس کے ہاتھ پر چائے گرائی تھی۔'' مصطفیٰ نے کہا تو ولید طنزیہ مسکرایا۔

''تمہاری نظر کا دھوکہ ہے ورنہ سب دیکھ رہے تھے کہ وہ محض اتفاقاً تھا۔'' ولید مطمئن تھا۔

''سو چیپ یار! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا' وہ بے چاری تمہیں محض چائے دے رہی تھی اور تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟'' جواباً ولید خاموش رہا۔ وہ پھر دھیرے دھیرے چلنے لگا تھا' مصطفیٰ کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔

''تم دونوں کے درمیان جو بھی ہو رہا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ حماد پاکستان سے باہر ہے اسے واپس آنے میں دو ماہ تو لگ ہی جائیں گی۔ شہوار بتا رہی تھی کہ پھوپو کا ارادہ حماد کی واپسی کے فوراً بعد رخصتی کا ہے۔'' ولید سنجیدگی سے بولا۔

''یار انا اگر بے وقوفی کر رہی ہے تو کم از کم تمہیں تو اسٹینڈ لینا چاہیے تھا نا' تم گھر والوں کو روکتے' حماد بے شک میرا کزن ہے لیکن وہ تم سے زیادہ مجھے عزیز نہیں ہو سکتا۔ میں تم دونوں کو اس طرح دور ہوتے نہیں دیکھ سکتا' امپاسبل۔''

''زیادہ ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں' وہ خود یہ سچویشن کری ایٹ کرنے کا سبب بنی تھی' اپنے شکی مزاج کی وجہ سے اسے مجھ پر یقین ہی نہ تھا۔ نجانے کس کس کو لے کر وہ مجھ سے بدظن ہوتی رہی' شک کرتی رہی اور پھر اس نے خود ہی اپنی راہیں الگ کی تھیں' حماد کو درمیان میں لا کر۔'' ولید کا انداز تپا ہوا اور دوٹوک تھا۔

''تو تم نے کیا کیا...... تم نے بھی نہ جاننے کی کوشش کی کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی' کیا وجہ تھی اگر وہ شک کر رہی تھی تو کیوں؟'' مصطفیٰ نے اس کو ٹوکا تو وہ طنزیہ مسکرایا۔

''ہاں کوشش تو کی تھی' وہ کاشفہ کو لے کر اس حد تک بدظن ہو گئی تھی کہ اس نے کاشفہ کی باتوں پر یقین کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں کیا تھا؟ میرا کریکٹر' میری ذات ہر چیز بے معنی ہو گئی تھی جو کاشفہ نے اسے کہا اس نے اس پر یقین کیا' جو اس نے بتایا یہ ایمان لے آئی۔ میری ذاتی قدر کچھ بھی کام نہ آ سکی' وہ اس قدر بدظن تھی کہ اس نے اپنی راہیں الگ کر لیں اب میں بے اہمیت انسانوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگتا' اس کی منتیں کرتا' اپنی صفائیاں پیش کرتا ایم سوری مجھ سے یہ سب نہیں ہو پایا تھا۔ یہ سب میری انا' میرے وقار کے خلاف تھا اور مجھے اپنی سیلف رسپیکٹ سب سے زیادہ عزیز تھی۔''

''لیکن یہ سب جو ہو رہا ہے یہ بھی کچھ اچھا نہیں ہو رہا۔'' مصطفیٰ نے دکھ سے کہا تو ولید نے غصے سے سر جھٹکا۔

''وہ اپنے ہر نفع و نقصان کی خود ہی ذمہ دار ہے' وہ جو کرتی ہے جو کرنا چاہتی ہے وہ اس کا دردسر ہے۔ میرا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں۔''

''لیکن غیر جانبدار تو تم اب بھی نہیں ہو پا رہے' اگر تم بالکل لاتعلق ہو جاتے تو کچھ دیر پہلے تم نے جو حرکت کی تھی وہ نہ کرتے۔'' مصطفیٰ کے لہجے میں گرمی تھی' ولید ہنس دیا۔

''چھوڑو کوئی اور بات کرو' تم سناؤ جاب کیسی چل رہی ہے تمہاری۔'' ولید نے موضوع بدلا' مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے گھورا تو وہ مسکرا رہا تھا' عجیب اضمحلال بھری مسکراہٹ تھی۔

مصطفیٰ کے دل کو اس مسکراہٹ نے عجیب سے انداز میں چھوا تھا' اس نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیتے قدم آگے کی طرف بڑھائیے۔



افشاں مان گئی تھی' ضیاء کے باہر جانے سے پہلے دونوں کا نکاح کر دیا گیا تھا۔ لالہ رخ بھی اب ماں کے غم سے نکل کر سکندر کے ساتھ

زندگی کو مطمئن انداز میں گزار رہی تھی۔ ضیاء باہر چلا گیا تھا' وہاں جا کر سکندر کی پراپرٹی اس نے سنبھال لی تھی۔ سکندر کا اپارٹمنٹ اب ضیاء کی رہائش گاہ تھا تاہم دکانیں ابھی بھی دیگر لوگوں کے پاس تھیں' ضیاء نے بھی وہاں جاب کرلی تھی وہ آہستہ آہستہ سیٹل ہورہا تھا۔ اس نے باہر جانے سے پہلے افشاں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد سیٹل ہوتے ہی اسے بھی اپنے پاس بلائے گا اور وہ اسی سلسلے میں دن رات کوشش کررہا تھا۔ سکندر کالج کی جاب چھوڑ چکا تھا' اس کے پاس اب کچھ رقم جمع ہوگئی تھی وہ چاہتا تو لالہ رخ کے ساتھ امریکہ چلا جاتا لیکن وہ کچھ عرصہ اسی ملک میں گزارنا چاہتا تھا' صبوحی اور وقار بھی اکثر چکر لگا لیتے تھے۔

لالہ رخ مستقل گھر میں رہتی تھی وہ گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی اس نے خالہ بی کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا شروع کردیا تھا۔ زندگی بہت خوب صورت انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ جب ایک دن کالج سے واپسی پر افشاں اپنے گھر کے سامنے ایک بہت بڑی چمکتی گاڑی کو دیکھ کر ٹھٹکی تھی' گاڑی میں موجود شخص کو دیکھ کر وہ چونکی تھی' یہ چوہدری حیات علی تھا سکندر کا حقیقی باپ۔

افشاں کو یاد تھا کہ جب تک اس کی ماں زندہ رہی تھی یہ شخص ان سے رابطہ رہا تھا لیکن پھر ماں مرگئی اور سب رابطے بھی ختم ہوگئے تھے۔ آج برسوں بعد دکھائی دیئے تھے۔ چوہدری حیات علی گاڑی سے نکل کر دروازے تک آئے تھے اور پھر خالہ بی نے دروازہ کھولا تھا افشاں وہیں کچھ فاصلے پر رک گئی تھی۔

''مجھے سکندر سے ملنا ہے۔'' انہوں نے خالہ بی سے کہا اور خالہ بی انہیں انتظار کرنے کا کہہ کر اندر چلی گئی تھیں اور پھر کچھ دیر بعد وہ باہر آئی' وہ ان کو اندر لے گئی تھیں۔ افشاں بھی گھر میں داخل ہوئی تھی' سکندر اوپر والے حصے سے سیڑھیاں اتر رہا تھا جبکہ چوہدری حیات علی کو خالہ بی اندر بیٹھک میں بٹھا چکی تھیں۔

''کون آیا ہے؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

''چوہدری حیات علی......'' افشاں نے دھیمے سے کہا' سکندر ایک دم ساکت ہوگیا تھا۔

''لیکن وہ مجھ سے کیوں ملنے آئے ہیں؟'' اب کی بار سکندر کے لہجے میں ازحد سنجیدگی تھی۔

''یہ تو ان سے مل کر ہی پتا چلے گا' تم مل لو میں اتنی دیر میں چائے بنواتی ہوں۔'' وہ اسے کہہ کر ساتھ والے کمرے میں گھس گئی۔ بیگ اندر رکھ کر باہر آئی تو ساتھ والے کمرے سے آوازیں آرہی تھیں وہ خالہ بی کو چائے بنانے کا کہہ کر دروازے کے پاس آکھڑی ہوئی' دروازے کی جھری سے دیکھا' دونوں باپ بیٹا آمنے سامنے کھڑے تھے۔ سکندر کا انداز لاتعلق اور بے لچک تھا جبکہ حیات علی غم زدہ' نڈھال سے تھے۔

''تم اپنے باپ سے خفا ہو' میں جانتا ہوں تمہارے ساتھ میں نے کچھ اچھا نہیں کیا لیکن تم میرے حقیقی بیٹے ہو اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔''

''نہیں ہوں میں آپ کا بیٹا......'' سکندر کا انداز ایک دم بپھرا ہوا تھا۔

''یاد کریں میں وہی وجود ہوں جسے آپ نے یتیم خانے سے نکال کر اپنے دوست کے حوالے کیا تھا' اب کیا لینے آئے ہیں۔ میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں جن کے حوالے آپ نے مجھے کیا تھا وہ دونوں میاں بیوی مرچکے ہیں۔'' سکندر کے انداز میں بہت تلخی تھی۔

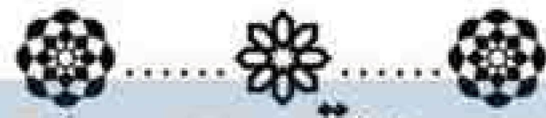
''میں مجبور تھا' میں خود بھی تمہیں خود سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن سبحان نے کہا کہ تمہارے مستقبل کے لیے یہ بہت ضروری ہے میں خوش نہیں تھا لیکن تمہاری بہتری کے لیے مجھے تمہیں سبحان کو سونپنا پڑا ورنہ میں تمہاری جدائی کا کرب سہتے ایک پل بھی خوش نہیں رہ سکا تھا۔'' انہوں نے غم زدہ لہجے میں کہا تھا' سکندر نے تلخی سے انہیں دیکھا۔

''میری جدائی کا کرب کیا اتنا گہرا تھا کہ آپ نے کبھی پلٹ کر میری خبر تک نہ لی تھی۔''

''ایسی بات نہیں۔'' انہوں نے بہلانا چاہا تھا۔

''میں سبحان سے مسلسل رابطے میں رہا تھا' سبحان نے مجھے منع کر رکھا تھا کہ تم سے نہ ملوں ورنہ تم ڈسٹرب ہوجاؤ گے۔ میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ دو سال سے سبحان نے کوئی رابطہ نہ کیا تھا' میں نے کئی بار کوشش کی۔ سبحان کے پاکستان والے گھر بھی جاتا رہا' کوئی کچھ بتانے کو تیار ہی نہ تھا اور پھر ایک دن ایک ملازم نے بتایا کہ سبحان اور اس کی بیوی کو وفات پائے کئی مہینے ہوچکے ہیں۔ مجھے تمہاری بہت فکر تھی لیکن کسی کو خبر نہ تھی کہ تم کہاں ہو؟ چند دن پہلے مجھے کسی سے خبر ملی تھی کہ سبحان کا بیٹا اس گھر میں رہ رہا ہے' میں اطلاع ملتے ہی چلا آیا۔'' وہ رنجیدگی سے کہتے سکندر کی طرف بڑھے تھے۔ سکندر کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا لیکن سکندر پیچھے

ہٹ گیا تھا۔
''جو بھی ہے' بہر حال مجھے آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔'' سکندر کا انداز قطعی تھا۔
''میں نے زندگی میں ایک غلطی کی تھی مجھے اس بات کی سزا مت دو اب' تم جانتے ہو میں وہ سب کرنے پر مجبور تھا۔ تم میرے ساتھ چلو' اب سب کچھ بدل گیا ہے' میں تمہیں اپنے خاندان میں تمہاری حیثیت اور تمہارا مقام دلاؤں گا۔ اب ایسا کوئی باقی نہیں رہا جس کی وجہ میں تمہیں خود سے دور رکھنے پر مجبور ہو جاؤں۔ میرے سب بیٹے اور بیٹیاں بہت فرماں بردار ہیں تم ایک بار میرے ساتھ چلو تم دیکھنا وہ سب تم سے بہت محبت سے پیش آئیں گے۔'' ان کا انداز آخر میں التجائیہ ہو گیا تھا' سکندر نے سنجیدگی سے ان کو دیکھا تھا۔
''جب مجھے آپ کی' آپ کے خاندان کی ان رشتوں ناطوں کی ضرورت تھی تب تو آپ نے کبھی میری خبر تک نہ لی تھی حتیٰ کہ میں یتیم خانے میں پلتا رہا کبھی آپ نے پلٹ کر نہ دیکھا اور جب آپ نے کوشش کی بھی تو بھی مجھے ایک ناکارہ عضو کی طرح خود سے کاٹ کر کسی اور کی جھولی میں ڈال دیا تب مجھے آپ کے وجود کی' آپ کے خاندان اور آپ کے سہارے کی ضرورت تھی لیکن اب مجھے کسی رشتے کسی حوالے کسی بھی تعلق کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کا بیٹا فیضان حیات علی تھا جبکہ میں سکندر سبحان احمد ہوں۔ میری شناخت میرا حوالہ سب کچھ بدل چکا ہے میں اپنے آپ کے قدموں پر مضبوط ہو چکا ہوں' میری فیملی ہی اب میرا اصل حوالہ ہے۔ مجھے اب آپ سے نہیں ملنا' کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں رکھنا پلیز آپ یہاں اب دوبارہ آنے کی زحمت مت کیجیے گا۔'' سکندر بہت زیادہ جذباتی ہو رہا تھا۔ افشاں کے سامنے سکندر کی شخصیت کا یہ ایک نیا ہی روپ تھا۔ سکندر غصے اور غم کی شدت سے سب کہہ کر وہاں سے نکل کر باہر آیا تھا' افشاں کو دیکھ کر رکا اور پھر لب بھینچ کر اوپر جانے کی بجائے گھر سے ہی باہر نکل گیا تھا۔
افشاں نے جھری سے دیکھا چوہدری حیات علی ہارے ہوئے انداز میں سر جھکائے رومال سے اپنے آنسو صاف کر رہے تھے۔ افشاں کو ان پر ایک دم شدید رحم آیا تھا لیکن وہ ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی سو وہ خاموشی سے پلٹ کر واپس اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔



واپسی پر مصطفیٰ بہت خاموش تھا' دوسری طرف شہوار بھی خاموش تھی۔ دونوں کی سوچوں کا مرکز ولید اور انا کی ذات تھی لیکن دونوں ہی ان کے لیے کچھ کرنے میں بے بس تھے۔ گھر آ کر کھانا کھا کر کچھ وقت سب کے ساتھ گزار کر شہوار نماز پڑھنے کمرے میں آ گئی تھی' مصطفیٰ کمرے میں آیا تو بستر پر ایک فائل لے کر بیٹھ گیا تھا۔ شہوار نماز پڑھ کر آئی تو مصطفیٰ ابھی بھی فائل میں مصروف تھا۔
''بات سنیں......؟'' کچھ سوچتے اس نے کہا تو مصطفیٰ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
''کیا ہوا؟''
''پتا نہیں مجھے آپ سے یہ سب کہنا بھی چاہیے یا نہیں لیکن آج انا کو دیکھ کر مجھے لگا کہ ان دونوں کے درمیان دن بہ دن بڑھتے فاصلوں کا صرف ایک ہی حل ہے کہ میں آپ کو بتا دوں۔'' شہوار کا انداز عجیب سا تھا' مصطفیٰ چونکا۔
''کوئی خاص بات ہے؟'' جواباً شہوار نے سر ہلایا۔
''بات یہ ہے کہ......'' اس نے بتانا شروع کر دیا تھا' انا کی ولید سے شدید محبت' اس کی بدگمانیاں' ولید پر شک کرنا' کاشفہ کا اس سے ملنا' اس کی کالز' کاشفہ کا زبردستی اسے ساتھ لے جانا' بلیک میل کر کے تحریر لکھوا لینا اور پھر واپس چھوڑ کر بلیک میل کرنا ہر بات...... مصطفیٰ حیرت سے سب سن رہا تھا۔
''مائی گاڈ۔'' مصطفیٰ حیرت زدہ ہوا۔
''نان سینس...... کس قدر پاگل ہے یہ انا!'' سب کچھ سن کر مصطفیٰ کو ایک دم شدید غصہ آیا۔
''عقل نام کی کوئی چیز بھی نہیں اس لڑکی میں۔ اتنا کچھ ہو گیا اور تم مجھے اب بتا رہی ہو؟'' مصطفیٰ نے ایک دم شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔
''مجھے کب خبر تھی اس سب کی۔'' اس نے فوراً اپنی صفائی پیش کی۔
''تو پھر؟''
''یہ تو انا نے جس دن ولی بھائی اور آنٹی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا' اس کے بعد سب بتایا تھا وہ اب خود بھی پچھتا رہی ہے لیکن شرمندہ ہے۔ خود کو ولید بھائی کے قابل نہیں سمجھتی' کہتی ہے حماد سے شادی ہی اس کی سزا ہے اور وہ اپنی سزا جھیلنے کو تیار......''

''ایڈیٹ...... نان سینس۔'' مصطفیٰ کو سب سن کر ایک دم شدید تاؤ آیا تھا۔ ''زندگی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے' اپنی جذباتیت کی بدولت وہ اتنے لوگوں کی زندگی اور جذبات سے کھیل رہی ہے۔''

''وہ بہت شرمندہ ہے۔'' شہوار نے انا کا دفاع کرنا چاہا۔

''اس کی شرمندگی سے کسی کو کیا حاصل ہوگا' کتنے لوگ اس کی وجہ سے ڈسٹرب ہیں اس نے کبھی یہ سوچا ہے۔ اس کے لیے اپنی شرمندگی' اپنے جذبات اپنے احساسات اہم تھے' باقی سب جائیں بھاڑ میں۔'' مصطفیٰ کا انداز بے حد کٹیلا تھا' شہوار تو ایک دم ساکت ہوگئی۔

''کس قدر احمق لڑکی ہے یہ حیرت ہو رہی ہے مجھے اس دنیا میں اس قدر بے وقوف اور کم عقل لوگ بھی ہو سکتے ہیں کیا؟'' شہوار چپ رہی تھی۔ ''اور تم...... تم نے اسی وقت کیوں نہیں بتایا' جب انا نے تم سے ذکر کیا تھا؟''

''میں بس انا کی وجہ سے خاموش رہی تھی' اس نے منع کر رکھا تھا بس اسی لیے کسی سے ذکر نہ کر سکی تھی۔'' مصطفیٰ نے اسے سنجیدگی سے دیکھا تو وہ خفت کا شکار ہوئی۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں...... اس میں بھلا میرا کیا قصور؟ مجھے تو خبر تک نہ تھی۔''

''سوچ رہا ہوں کس قدر عقل مند خواتین ہو تم دونوں دوستیں' تم جتھیں سوجھیں وہ تو تم سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی ہے۔'' مصطفیٰ بہت سنجیدہ تھا۔

''مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہیں' میں نے بھلا کیا کیا ہے؟'' وہ ایک دم خفا ہوئی۔

''ماضی میں ایسے واقعات ہیں جو میں اس وقت اگر انگلیوں پر گنوانا شروع کر دوں تو پتا چل جائے گا کہ تم محترمہ اپنی اس عقل مند دوست سے بھی کئی ہاتھ آگے تھیں۔'' شہوار نے ایک دم منہ بنالیا۔

''غصہ تو مجھے انا محترمہ پر بہت آ رہا ہے اور اس سے زیادہ تم پر کہ تم اپنی اس کم عقل کل دوست کو سمجھا نہیں سکتی تھیں کیا؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا' شہوار نے بہت غصے سے دیکھا۔

''خبردار مجھے کچھ کہا تو...... مجھے جب علم ہوا تو حالات بہت بگڑ چکے تھے اور انا کی ذہنی کیفیت اس وقت جو ہے وہ شرمندگی کے احساس سے اس قدر چُور ہوگئی ہے کہ میرا کچھ بھی سمجھانا بجھانا اس پر کچھ بھی اثر نہیں کر رہا۔''

''تمہارے جیسی عقل مند دوست اگر سمجھائے گی تو یقیناً یہی نتیجہ نکلے گا۔'' مصطفیٰ کا مسلسل طنزیہ انداز تھا' شہوار نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔

''دس از ٹو مچ......'' مارے ضبط کے وہ بس یہی کہہ سکی تھی۔ بہت غصے سے مصطفیٰ کو دیکھ کر وہ اٹھی' اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے واک آؤٹ کر جاتی' مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے گھورا۔

''آرام سے ادھر بیٹھ کر بات کرو' خبردار یہاں سے ہلی تو۔'' مصطفیٰ نے گھورا۔

''ہاں تاکہ ادھر بیٹھ کر آپ کی مزید کڑوی کسیلی سن کر دل جلاؤں۔'' مصطفیٰ نے اسے دیکھا اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔

''میرا ردعمل فطری ہے' تم اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ اس وقت ولید کس قسم کی توڑ پھوڑ کا شکار ہے' ایسے عالم میں سب سے زیادہ جس وجود کی سپورٹ اسے درکار ہونا چاہیے تھا وہ انا تھی لیکن ولید کے ساتھ جو کیا ہے اندازہ لگا سکتی ہو ولید اس وقت کس موڑ پر ہے۔'' شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔

''سمجھ سکتی ہوں میں' لیکن جب انا ہی کچھ رسپانس نہیں دینے پر آمادہ تو ہم کیا کر سکتے ہیں بھلا؟'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''تم ابھی بھی بہت کچھ کر سکتی ہو بشرطیکہ تم حقیقت میں اس کی خیر خواہ ہو تو۔'' مصطفیٰ کے جملے نے شہوار کے وجود میں ایک دم آگ سی لگا دی تھی۔

''آپ کا مطلب ہے میں انا کی خیر خواہ نہیں ہوں' دشمن ہوں اس کی۔''

''میں نے ایسا کب کہا ہے؟'' مصطفیٰ نے فوراً پینترا بدلا۔

''لیکن مطلب تو یہی نکلتا ہے نا۔'' اس نے غصے سے دیکھا' مصطفیٰ ہنس دیا۔

''بس ثابت ہوا کہ تم دونوں دوستیں ایک جیسی عقل مند ہو۔'' شہوار منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

''اب خود ہی دیکھ لو یہ بات تم پہلے ہی بتا سکتی تھیں' خیر اب کیا کرنا ہے میں دیکھ لوں گا۔'' اس کے منہ پھلا کر بیٹھ جانے پر مصطفیٰ نے کہا۔

”کیا واقعی اب سب ٹھیک ہو جائے گا؟“ مصطفیٰ کے نارمل ہونے پر شہوار نے بھی سنجیدگی سے پوچھا‘ انداز میں فکر مندی تھی۔

”معاملہ تو بہت بگڑ چکا ہے‘ پھوپو ایک طرح سے رشتہ طے کر چکی ہیں‘ انا کی فیملی بھی راضی ہے لیکن کوشش کروں گا اب مکمل طور پر انحصار ولید پر ہے۔ ولید جیسا انا پرست شخص اب مشکل سے ہی ماننے والا ہے۔“ مصطفیٰ نے سنجیدگی سے ساری صورت حال واضح کی تھی۔

”کیا آپ یہ سب اب ولید بھائی کو بھی بتائیں گے؟“ شہوار نے فکر مندی سے پوچھا۔

”بتانا تو پڑے گا شاید سب سن کر ولید صورت حال کو سمجھتے ہوئے کوئی اسٹینڈ لے لے۔“

”اور اگر انہوں نے اسٹینڈ ہی نہ لیا تو؟“

”تو پھر تمہاری دوست کی قسمت......“ مصطفیٰ نے کندھے اچکائے۔ شہوار کے چہرے پر یک دم پریشانی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

”ویسے تمہاری دوست نے معاملہ بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی‘ دیکھو کیا بنتا ہے۔ اب سب سے پہلے ولید سے بات کروں گا وہ اگر نہ مانا تو انا کے والدین سے‘ اگر ان لوگوں کے دماغ میں معاملہ سلجھانے کی بات آئی تو پھر پھوپو کو قائل کرنے اور رشتہ ختم کرنے کی بات کروں گا‘ نتیجہ کیا نکلتا ہے ابھی کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہے‘ دعا کرو اللہ بہتر ہی کرے۔“

”ان شاء اللہ۔“ شہوار نے سر ہلایا تھا تاہم اندر ہی اندر وہ فکر مند تھی۔ انا اسے بہت عزیز تھی‘ انا کے وجود میں اس نے ایک بہن کی کمی پوری کی تھی۔ بے شک دونوں ہمیشہ بہت سے معاملات میں ایک دوسرے سے کچھ بھی ڈسکس نہیں کر پاتی تھیں لیکن دل سے بندھا دونوں میں جو تعلق موجود تھا وہ ایسا تھا کہ دونوں کبھی نہ ایک دوسرے سے غافل رہ سکتی تھیں اور نہ ہی ایک دوسرے کی تکلیف سے بے پروا۔



وقت بہت تیزی سے گزرنے لگا تھا‘ سوائے امجد خان کے کسی کو بھی علم نہ تھا کہ لالہ رخ کہاں ہے‘ سکندر بھی اب ایک دوست کے ساتھ مل کر امپورٹ ایکسپورٹ کا ایک چھوٹا سا کاروبار شروع کر چکا ہے۔ لیدر سے بنی مصنوعات ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا‘ مختلف چیزیں فیکٹریز سے خرید کر مختلف ڈیلرز کو سپلائی کرنا‘ وہ اپنی زندگی سے بہت مطمئن تھا‘ ضیاء بھی امریکہ میں اپنے قدم جما رہا تھا۔ اس نے علیحدہ سے اپنا کاروبار شروع کر لیا تھا۔ چھ ماہ بعد اس نے افشاں کو بھی امریکہ بلوا لیا تھا۔ افشاں کا کبھی کبھی کوئی خط آ جاتا تھا‘ وہ اپنی زندگی میں بہت خوش تھی۔ لالہ رخ کو بھی شادی کے محض ایک ماہ بعد ہی اللہ نے خوشی کی امید جگا دی تھی۔ وقت گزرتا چلا جا رہا تھا‘ شادی کے محض دس ماہ بعد لالہ رخ نے ایک بہت ہی خوب صورت بیٹے کو جنم دیا تھا جو ہو بہو اپنے باپ سکندر کی کاربن کاپی تھا۔ بیٹے کا نام دونوں نے عیسیٰ رکھا تھا‘ عیسیٰ بہت ہی پیارا بچہ تھا۔

وقار کی والدہ کی ڈیتھ کے بعد صبوحی اکثر لالہ رخ کے پاس آ جاتی تھی‘ دونوں کا وقت بہت اچھا گزرتا تھا۔ سکندر کو اکثر کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑ جاتا تھا‘ خالہ بی اور ان کا قد نکالتا بیٹا ایسے میں بہت بڑا آسرا تھا‘ لالہ رخ اپنی زندگی سے بہت مطمئن تھی۔ عیسیٰ ابھی ایک سال کا ہی ہوا تھا کہ لالہ رخ ایک بار پھر سے امید سے ہو گئی تھی۔ وہ اتنی جلدی یہ سب ہونے پر بوکھلا گئی تھی تو سبھی نے اسے بہت پیار سے سمجھایا تھا۔

چوہدری حیات علی اس کے بعد بھی ایک دو بار ان کے گھر آئے تھے اور ہر بار کی طرح وہ پھر ناکام لوٹے تھے۔ سکندر ان کے پاس جانے کو رضا مند نہ تھا‘ وہ اپنی زندگی سے بہت مطمئن اور خوش تھا۔ اس دولت و جاگیر‘ جائیداد کسی بھی چیز کی اسے کوئی ہوس نہ تھی۔ سو حیات علی کے معاملے میں اس کے دل کا دروازہ نہ کھل سکا تھا اور یہ اتفاق کی بات تھی کہ ہر بار ان کی لالہ رخ سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ لالہ رخ سکندر کے بارے صرف وہی جانتی تھی جو نکاح کی رات سکندر نے بتایا تھا نہ اس نے مزید جاننے کی کوشش کی اور نہ ہی کسی نے بتایا۔ اس بار بھی وہ سکندر سے ملنے آئے تھے اور اتفاقاً وہ گھر پر ہی تھا‘ رات میں ہی وہ مال کی ڈیلنگ کر کے گھر پہنچا تھا۔

لالہ رخ صبوحی کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھی‘ وہ اب بھی کبھار بوقت ضرورت گھر سے باہر نکلنے لگی تھی۔ اشفاق احمد اور ہمایوں کا خوف اب کسی حد تک کم پڑ گیا تھا‘ کبھی کبھار امجد خان کی بھی کال آ جاتی تھی اب ان لوگوں نے گھر میں ٹیلی فون بھی لگا لیا تھا۔ خالہ بی نے سکندر کو اٹھا کر بیٹھک میں بھیجا تھا ہمیشہ کی طرح سکندر حیات علی کو دیکھ کر سرد پڑا تھا۔

”جی فرمائیے۔“ سلام دعا کے بغیر وہ ان کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ پہلے سے کچھ کمزور دکھائی دے رہے تھے‘ انہوں نے مسکرا کر اپنے جوان بیٹے کو نگاہ بھر کر دیکھا‘ خوب صورت توانا جسم......سڈول بازو جو بغیر کسی قمیص کے بنیان میں سے جھانک رہے تھے۔ سرخ و سفید چہرہ‘ گھنے سیاہ بال‘ وہ بہت حسین جوان تھا۔ وہ بالکل اپنی ماں پر گیا تھا‘ زیبن کی کاربن کاپی۔ ان کے وجود میں اس قدر خوب صورت وجود کو دیکھ

کر طاقت سی بھر گئی۔

''کیسے ہو؟'' انہوں نے ملائمت سے پوچھا تھا۔

''آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟'' سکندر کے انداز میں ان کی ملائمت نے کوئی فرق نہ ڈالا تھا۔ وہی ہمیشہ والا سرد انداز تھا۔

''میں اپنی کچھ جائیداد تمہارے نام کرنا چاہتا ہوں' میں نے شہر میں ایک کوٹھی خرید لی ہے وہ بھی تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ تم میرے ساتھ کورٹ چلنا کچھ بیانات ہوں گے اور کچھ اور ضروری کام ہوں گے۔'' سکندر شدید حیران ہوا تھا۔

''کیوں...... میرے نام کیوں کرنا چاہتے ہیں؟''

''تم بھی باقیوں کی طرح میرے بیٹے ہو' اس جائیداد کے شراکت دار۔'' انہوں نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا۔

''نہیں ہوں میں آپ کا بیٹا......!'' سکندر ان کے ہاتھ رکھنے سے پہلے ہی کئی قدم پیچھے ہوا تھا۔

''میرا کسی جائیداد' کسی جاگیر سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔

''لیکن بیٹا......!'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا تھا' جب خالہ بی کا بیٹا چھوٹے سے رُوتے ہوئے عیسیٰ کو اٹھا کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''سکندر بھائی یہ بہت رو رہا ہے' میرے سے چپ ہی نہیں ہو رہا ہے۔''

''یہ...... یہ......'' حیات علی پیارے سے بچے کو دیکھ کر چونکے تھے' سکندر نے بچے کو تھام لیا تھا۔

''سکندر بھائی کا بیٹا ہے۔'' خالہ بی کا بیٹا کہہ کر کمرے سے بھاگ گیا تھا۔ حیات علی نے از حد فرحت محبت سے بچے کو دیکھا تھا۔

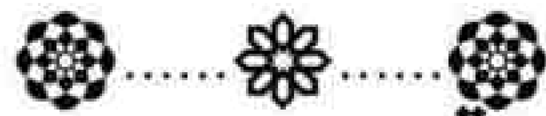
''ماشاءاللہ بہت ہی پیارا بچہ ہے۔'' انہوں نے عیسیٰ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ نجانے کیا ہوا تھا کہ روتا ہوا بچہ ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔

''ادھر آؤ بیٹا! میں تمہارا دادا ہوں' میرے پاس نہیں آؤ گے۔'' انہوں نے محبت سے بازو وا کیے تھے۔ بچہ بھی ہمک کر ان کی طرف لڑکھا تھا۔

''کوئی تعلق نہیں آپ کا مجھ سے یا میری اولاد سے' میں کتنی بار آپ کو منع کر چکا ہوں کہ براہ کرم آپ یہاں تشریف مت لایا کریں' میں آپ سے کوئی رابطہ' کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔'' تیزی سے پیچھے ہٹتے سکندر نے کہا تھا' انداز میں از حد خفگی اور لاتعلقی تھی۔ حیات علی کا دل کٹنے لگا تھا۔

''پلیز آپ میری زندگی میں مداخلت کرنا بند کر دیں' میں اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں' اپنی بیوی بچے کے ساتھ بہت خوش گوار زندگی گزار رہا ہوں پلیز آپ بار بار آ کر میری زندگی میں دخل اندازی کرنا بند کر دیں۔ مجھے آپ سے کوئی بھی واسطہ' کوئی بھی لین دین نہیں رکھنا بڑی مہربانی ہو گی مجھ پر۔'' وہ بڑی تلخی سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ حیات علی نے بڑی افسردگی سے نم آنکھوں سے سکندر کو جاتے دیکھا تھا۔

وہ بڑے زخم خوردہ اور تھکے انداز میں جھکے کندھوں سے سکندر کے گھر سے نکل آئے تھے' ان کا ملازم بخشو ہمیشہ کی طرح ان کے ساتھ تھا۔ یہ ان کی سکندر کے ساتھ آخری ملاقات تھی اس کے بعد انہوں نے ہمیشہ سکندر کی خبر گیری رکھی تھی لیکن پھر کبھی اس کے سامنے جانے کی ہمت نہ کر پائے تھے۔



احسن ولید کو باہر لاؤنج میں لے آیا تھا' انا بھی وہاں موجود تھی۔ ولید احسن کے ساتھ صوفے پر آ بیٹھا جبکہ صوفے کے بائیں طرف قالین پر انا بیٹھی ہوئی تھی' وہ بظاہر ٹی وی دیکھ رہی تھی لیکن انداز میں از حد افسردگی تھی۔ ولید نے دیکھا اس کے دائیں ہاتھ پر مرہم لگا ہوا تھا اور مرہم کے نیچے سے جھانکتی گلابی جلد جو جلنے کی وجہ سے مزید گلابی ہو گئی تھی۔

ایک پل کو ولید کے دل میں ایک ملال سا جاگا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سر جھٹک کر خود کو اس خود ساختہ ملال سے آزاد کرا لیا تھا۔ ولید کو اچھی طرح یاد تھا جب اس نے روشی کے بار بار کہنے پر انا کے سیل نمبر کی انکوائری کروائی تھی اور پھر اسے جو نمبر ملا تھا جس سے سب سے زیادہ کالز تھیں وہ نمبر ولید کو بہت دیکھا بھالا لگا تھا اور اپنے رابطہ کی لسٹ چیک کرنے کے بعد یہ راز بھی کھل گیا تھا کہ وہ نمبر کس کا تھا۔ انا اس پر شک کرتی تھی' کاشفہ کو ناپسند کرتی تھی لیکن ولید نے کبھی بھی نہ سوچا تھا کہ وہ کاشفہ سے رابطہ بھی رکھے ہوئے ہے۔ کاشفہ کا نمبر انا کے پاس ہونا تعجب کی بات نہ تھی تعجب کی بات تو یہ تھی کہ انا کاشفہ نہ کی صرف کالز اٹینڈ کرتی رہی تھی بلکہ وہ اس کو خود سے بھی کالز کرتی رہی تھی' کالز کی نوعیت کیا تھی وہ اندازہ لگا سکتا تھا۔ یقیناً کاشفہ انا کو بھڑکاتی رہی ہو گی اور انا جیسی عقل مند خاتون آسانی سے اس کا آلہ کار بنتی رہی ہو گی۔

اگر درمیان میں یہ ایکسیڈنٹ نہ ہو جاتا تو یقیناً وہ ایک دو دن میں انا اور کاشفہ کی کالز کی وائس ڈیٹیلز بھی حاصل کر چکا ہوتا لیکن اب اس کے دل میں انا کے خلاف سوائے غصے اور ملامت کے اور کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔

وقار انکل حماد کا رشتہ نہ صرف قبول کر چکے تھے بلکہ بات شادی تک آ پہنچی تھی۔ حماد کی والدہ انا کو اپنی بیٹی بنا چکی تھیں اب تو بس شادی جیسی رسم باقی تھی، باقی بڑوں کے درمیان سب کچھ فائنل ہو چکا تھا۔ ولید نے بہت تلخی سے انا کو دیکھ کر نگاہ پھیر لی تھی تبھی روشی صبوحی کا موبائل لیے ادھر چلی آئی تھی۔

''انا تمہاری کال ہے۔''

''کون ہے؟'' اپنا سیل توڑ دینے کے بعد انا نے دوبارہ کوئی سیل نہیں لیا تھا، شہوار زیادہ تر روشنی کے نمبر پر کال کر لیا کرتی تھی یا گھر کے پی ٹی سی ایل والے نمبر پر۔ صبوحی کے نمبر پر اس کے لیے یہ پہلی کال تھی۔

''حماد بھائی کی والدہ ہیں۔'' انا ساکت ہو گئی تھی۔ اس نے گم صم انداز میں ولید کی طرف دیکھا تو اس نے تلخی سے اس پر ایک نگاہ ڈال کر چہرہ پھیر لیا تھا۔ انا خاموشی سے اٹھی، روشی کے ہاتھ سے موبائل لے کر وہ وہاں سے نکل گئی تھی۔ ولید نے بہت برہمی سے اسے وہاں سے جاتے دیکھا تھا۔

''السلام علیکم آنٹی!'' باہر آ کر انا نے کہا۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو، ٹھیک ہو؟'' انہوں نے محبت سے پوچھا۔

''جی آنٹی۔''

''تمہاری ماما سے میں بات کر چکی ہوں، بھلے ہم منگنی کی رسم نہیں کر رہے لیکن تمہارے لیے ہماری طرف سے کپڑوں وغیرہ کا حق تو بنتا ہے۔ تم مجھے اپنی پسند وغیرہ بتا دو اور ناپ بھی تاکہ ہم تمہارے لیے کچھ نہ کچھ خرید سکیں۔'' انہوں نے محبت سے کہا۔ انا کو لگا کہ جیسے ایک دم اس کا اندر بالکل خالی ہو گیا ہے۔

''اس تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی آنٹی!'' جواباً اسے کچھ کہنا تو تھا ہی، دوسری طرف وہ مسکرائی تھیں۔

''لو تکلف کی بھلا کیا بات ہے، اب تم ہماری بیٹی ہو، ہم تمہارے لیے جتنا بھی کریں کم ہو گا بلکہ شائستہ تو کہہ رہی ہے کہ تم فارغ ہو، کسی دن بتا دو ہمارے ساتھ چل کر اپنی پسند کی اشیا لے لینا۔'' ان کی محبت جوں کی توں تھی۔ انا کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

''اٹس او کے آنٹی! میں اپنے ایگزامز کی وجہ سے بہت بزی ہوں، آپ جو بھی پسند کر لیں گی ٹھیک ہو گا۔'' خود کو سنبھال کر اس نے کہا۔ یہ اب ایک دو دن کی بات نہیں تھی، عمر بھر کا سنجوگ تھا۔ وہ خود کو سب کی نظروں سے گرا چکی تھی اور حماد کے علاوہ اب اس کے پاس دوسرا کوئی آپشن بھی نہ تھا۔

ولید کی نفرت اور خود سے برتی جانے والی بے گانگی سب کچھ واضح تھا۔ وہ جو کر چکی تھی اس کے سامنے حماد کو بطور شریک حیات قبول کرنا مشکل ضرور تھا لیکن شاید ناممکن نہ تھا۔

''ماشاء اللہ، جیتی رہو اور بھی جو پسند ہے ہمیں بتا دو، ہم تمہاری پسند کے مطابق ہی شاپنگ کریں گے۔'' ان کی محبت جوں کی توں تھی۔ انا کی ان سے کچھ دیر اور بات ہوئی، آنٹی کے علاوہ شائستہ بھابی نے بھی بات کی تھی۔

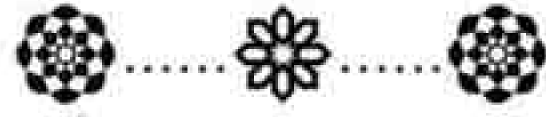
شائستہ ہمیشہ کی طرح بہت خوش اخلاقی سے بات کرتی رہی تھی۔ ان کا انداز بہت فرینکلی تھا، ان سے بات کر کے انا کو خود پر چھایا جمود کچھ حد تک پگھلتا محسوس ہوا تھا۔ وہ بات کر کے کال بند ہونے پر واپس لاؤنج میں آئی تھی وہاں سبھی مرد حضرات موجود تھے، روشی بھی وہیں تھیں، وہ خاموشی سے اپنی بکس سمیٹ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

''انا بات سننا۔'' صبوحی بیگم نے اپنے کمرے سے آواز دی، انا خاموشی سے ان کے کمرے میں آ گئی تھیں، دونوں بستر پر بیٹھی تھیں۔ صبوحی بیگم نے کچھ پل مزید اسے دیکھا اور پھر محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''ابھی حماد کی ماما کی کال آئی تھی۔'' انہوں نے کہنا شروع کیا تھا، انا نے محض سر ہلایا۔

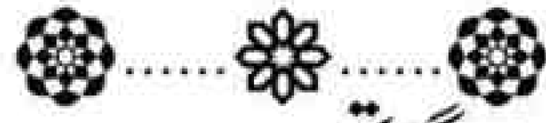
''تمہارے پاپا مکمل طور پر اس رشتے کے لیے رضا مند ہو گئے ہیں جبکہ میں ابھی تک اس رشتے کو قبول نہیں کر پائی۔ دیکھو بیٹا! میں تمہاری ماں ہوں، حماد کا خاندان بہت اعلیٰ و ارفع ہے لیکن ولید کا سوچوں تو مجھے سب کچھ بے معنی لگنے لگتا ہے۔ تم ایک بار پھر سوچ لو ولید بہت اچھا انسان ہے، مجھے لگتا ہے کہ تم نے محض جذباتیت میں یہ فیصلہ کیا ہے یہ نہ ہو بعد میں تم پچھتاؤ۔'' انہوں نے محبت سے انا کو دیکھا جو

خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔
''بیٹا! ساری زندگی کا سوال ہے تم ایک بار اگر اس رشتے کے بارے میں انکار کر دوگی تو باقی سب کچھ سنبھالنا' ہینڈل کرنا میرا کام ہے' بس تم ایک بار مجھ سے اپنے دل کی اصل بات شیئر تو کرو۔'' ان کا انداز بہت محبت آمیز تھا۔ انا کا جی چاہا کہ ان کی گود میں سر چھپا کر سب کچھ کہہ دے۔ بہت روئے' اپنی غلطیوں' اپنی غلط فہمیوں کا ذکر کر دے لیکن وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔ بس خاموشی سے ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ صبوحی نے بہت ضبط سے اسے دیکھا تھا۔
''انا......'' انہوں نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن انا نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔
''ماما جو ہو رہا ہے اسے ہونے دیں، میں اس رشتے سے خوش ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔''
''اگر تم خوش ہو تو پھر تم مجھے خوش دکھائی کیوں نہیں دیتیں۔ سب کچھ تمہارے مرضی اور تمہاری خواہش کے مطابق ہو رہا ہے لیکن تمہارے چہرے سے کوئی خوشی نہیں جھلکتی نہ ہی تمہارے کسی انداز سے کوئی اطمینان دکھائی دیتا ہے۔'' صبوحی بیگم ماں تھیں۔ وہ بیٹی کو ایک ماں کی نظر سے دیکھ رہی تھیں اور ان کو اپنی بیٹی کسی بھی لحاظ سے نہ خوش دکھائی دے رہی تھی اور نہ ہی مطمئن۔
''ایسی کوئی بات نہیں ماما میں خوش ہوں اور بہت مطمئن بھی۔'' انا کو مسکرا کر ماں کو مطمئن کرنا پڑا تھا۔ انہوں نے خاموشی سے اسے دیکھا۔
''میں پڑھ لوں پہلے ہی بہت حرج ہو گیا ہے، اب تو کچھ ہی دن رہ گئے ہیں ایگزامز میں۔'' انہوں نے سر ہلا دیا۔ انا وہاں سے نکلی اور انہوں نے صرف خاموشی سے اسے کمرے سے نکلتے دیکھا۔



سکندر کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی بیٹی کو دیکھ کر سکندر بہت حیران ہوا تھا سکندر کو اپنی بیٹی کی شکل میں چوہدری حیات علی کی شبیہہ دکھائی دی تھی وہ شکل وصورت میں اپنے ماں باپ کے بجائے اپنے دادا پر گئی تھی۔ سکندر اور لالہ رخ دونوں اپنی زندگی سے بہت مطمئن اور خوش تھے تبھی ان دنوں ضیاء کی کال آ گئی تھی۔ ضیاء اور افشاں کے ہاں بھی بچی نے جنم لیا تھا انہوں نے اپنی بچی کا نام روشانے رکھا تھا۔
زندگی بہت خوب صورت انداز میں آگے بڑھ رہی تھی۔ حیات علی نے پھر دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا لیکن ان کا ڈرائیور اکثر سکندر کو اپنی گلی میں آتا جاتا دکھائی دیا تھا۔ ضیاء وہاں بہت مطمئن تھا اس کا کاروبار ترقی کر رہا تھا ایک دن ضیاء نے کال کی تو بتایا کہ سکندر کی شاپ جس غیر ملکی کے پاس تھی وہ ماہانہ کرائے کی اجرت ادا کرنے میں اکثر ٹال مٹول کرنے لگا ہے۔ ایک طرح سے وہ شاپ کا مالک بن بیٹھا تھا اکثر اس کے ساتھ ضیاء کی تکرار ہوتی رہتی تھی۔ سکندر نے اسے اس غیر ملکی سے آرام وسکون سے معاملہ ہینڈل کرنے کی تلقین کی تھی۔
لالہ رخ جو رقم اور زیور ساتھ لائی تھی وہ چاہتی تھی کہ سکندر یہ سب کاروبار میں استعمال کرے لیکن سکندر لالہ رخ سے کچھ بھی لینے پر آمادہ نہیں تھا۔ لالہ رخ بہت اصرار کرنے لگی تو سکندر نے لالہ رخ کے نام پر کچھ زمین خرید کر اس پر گھر بنوانا شروع کر دیا تھا۔ ایک دن لالہ رخ صبوحی کے ہمراہ بچوں کی شاپنگ کے لیے نکلی تھی وہ اب اکثر گھر کی ضروریات اور چیزیں خود ہی خرید لیتی۔ ہمایوں اور اپنے باپ کا خوف اب خاصا کم پڑ چکا تھا۔ گزرے سالوں میں صرف ایک دوبار ہی امجد خان سے رابطہ ہو سکا تھا سنا تھا کہ امجد خان کسی دوسرے صوبے میں جاب کے لیے چلا گیا ہے اس نے پولیس کی جاب کر لی تھی باقی کسی بات کا علم نہ تھا۔
اس دن صبوحی کے ساتھ شاپنگ کرتے وہ صبوحی کو کچھ دیر میں آنے کا بتا کر ایک اور دکان کی طرف بڑھی تھی جبھی دکان کے اندر سے باہر آتے شخص سے وہ بری طرح ٹکرائی تھی۔ وہ اچھی طرح چادر میں لپٹی ہوئی تھی، ٹکرانے سے چادر سر سے پھسل گئی تھی۔
''تم......!'' سامنے والا وجود اسے دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔ لالہ رخ بھی ایک دم اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر تھم سی گئی تھی۔
''ہمایوں......!'' اس کے لب خوف سے کانپے تھے۔ اس نے فوراً اپنی چادر سر پر کھینچ لی تھی۔
''لالہ رخ۔'' ہمایوں نے اسے آواز دی تھی۔ لالہ رخ ایک دم پلٹی تھی اس کا سامان وہیں گر گیا تھا جس کی اسے قطعی پروا نہیں تھی اگر فکر تھی تو ہمایوں سے بچ کر بھاگ جانے کی تھی۔ وہ سرپٹ بھاگ رہی تھی۔ اسے اپنے پیچھے آتے قدموں کا خوف اتنے ہجوم میں بھگا رہا تھا۔ اسے نہیں علم تھا کہ وہ صبوحی کو کچھ دیر میں آنے کا کہہ کر آئی ہے، وہ تو بس سڑک کی طرف بڑھی تھی اور پھر وہاں سے آتے ایک رکشے کو دیکھ کر اس نے فوراً ہاتھ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ اس تک پہنچتے وہ تیزی سے رکشے میں بیٹھ گئی تھی۔
''بھائی جلدی چلاؤ۔'' وہ چلائی تھی۔ رکشے والا بھی شاید صورت حال سمجھ گیا تھا۔ اس نے فوراً تیزی سے رکشہ چلایا تھا۔ ہمایوں کی گاڑی

بہت پیچھے رہ گئی تھی اس نے ازحد برہمی سے خود سے دور ہوتے رکشے کو دیکھا تھا۔
''آخر کب تک مجھ سے بچو گی لالہ رخ آخر ایک نہ ایک دن تو میں تم تک پہنچ ہی جاؤں گا۔'' دور ہوتے رکشے کو دیکھ کر اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے وہ نفرت سے بڑبڑایا تھا۔



وہ کالج سے لوٹی تو سخت تھکی ہوئی تھی صغراں اسے بلانے آ گئی تھی۔
''ضیاء صاحب بلا رہے ہیں۔'' وہ جو آرام کرنے کا سوچ رہی تھی دوپٹہ سنبھالتی کمرے سے نکل آئی۔
''کہاں ہیں ماموں؟'' اس نے صغراں سے پوچھا۔
''وہ تو ولید صاحب کے کمرے میں ہیں۔'' وہ بتا کر یہ جا وہ جا ہوئی تھی۔ انا اپنی جگہ رک گئی تھی۔
ماموں ولید کے کمرے میں تھے تو پھر اس کو کیوں بلایا تھا۔ وہ الجھ گئی تھی۔ ایک دل چاہ رہا تھا کہ چلی جائے دوسرا جی کہہ رہا تھا کہ انکار کر دے۔ ماموں نے خود بلوایا تھا ماموں اب اسے بہت کم مخاطب کرتے تھے کبھی کبھار سامنا ہونے پر بھی خاموش رہتے تھے۔ نجانے کیوں بلوایا تھا۔ وہ سوچتی ولید کے کمرے کی طرف چلی آئی تھی۔ حسب توقع ولید اپنے بستر پر دراز تھا۔ چہرے پر برہمی کے تاثرات تھے یوں جیسے وہ ضیاء صاحب سے کسی بات پر سخت برہم ہوا تھا لیکن انا کو دیکھ کر اس کے چہرے کے عضلات کھنچ گئے تھے۔ ضیاء صاحب اسے دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائے تھے۔
''آؤ انا بیٹا۔''
''السلام علیکم ماموں، آپ نے بلایا تھا۔''
''ہاں یہ ذرا ولید کے زخم دیکھو درد کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو کال کی تھی کہتا ہے وہ آؤٹ آف سٹی ہے کسی اور کو چیک کروالو۔''
''جی۔'' انا تو ایک دم حیران ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ولید کو دیکھا وہ چہرے پر برہمی کی کیفیت لیے دائیں طرف دیکھ رہا تھا۔
''میں کسی ڈاکٹر کو کال کرنے ہی والا تھا کہ صغراں نے بتایا کہ تم آ گئی ہو دیکھو تو سہی۔'' ماموں نے پھر کہا تو وہ اپنے دل اور سوچوں کو سنبھالتی ولید کے بستر کی طرف آئی تھی ماموں اٹھ کر پاؤں کی طرف بیٹھ گئے تھے۔ آج کل ولید کے روم میں بینڈیج کا سارا سامان میڈیسن وغیرہ موجود رہتا تھا۔
''ادھر بیٹھ جاؤ۔'' ماموں نے ولید کے پہلو میں بستر کے کنارے پڑ خالی کی گئی اپنی جگہ انا کو پیش کی تھی۔ انا خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ وہ غلطی سے بھی ولید کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی ورنہ اگر ایک بار دیکھ لیتی تو اس کی آنکھوں سے نکلنے والے شعلوں کو دیکھ کر جل کر بھسم ہو جاتی۔
''بازو دیکھو زیادہ درد ادھر ہی ہو رہا ہے۔'' ماموں نے کہا۔
''بابا میں آپ کو کہہ چکا ہوں کہ مجھے کسی بھی قسم کے ٹریٹمنٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' انا کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتے اس نے ضیاء صاحب کو خفگی سے دیکھا۔
''تم دیکھو انا۔'' ضیاء صاحب نے تو سرے سے ہی ولید کی کسی بھی دہائی پر کوئی دھیان نہ دیا تھا۔ انا نے خاموشی سے ولید کے بازو کو تھاما۔
کہنی سے اوپر ایک گہرا زخم تھا جس کی بینڈیج کرائی جا رہی تھی چھوٹے موٹے زخم تو ٹھیک ہو گئے تھے گہرے زخموں کا ابھی بھی ٹریٹمنٹ کیا جا رہا تھا۔ ولید بغیر بازوؤں والی ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ انا نے آہستگی سے زخم پر کی گئی پٹی کھولنی شروع کر دی تھی۔ ولید کی مٹھی بھینچی ہوئی تھی جیسے وہ خود پر شدید ضبط کر رہا ہو۔ انا نے پٹی اتار کر زخم دیکھا۔ پھر روئی لے کر ڈیٹول میں ڈپ کر کے اس نے زخم صاف کیا۔ زخم میں ہلکی سی پیپ پڑ گئی تھی شاید اس لیے زخم درد کر رہا تھا۔ اس نے روئی اور ڈیٹول کے ساتھ سارا زخم صاف کیا تھا۔ یہ زخم شاید ونڈ اسکرین کا شیشہ ٹوٹنے سے لگا تھا کافی گہرا زخم تھا اس لیے تو ریکور ہونے میں کچھ وقت لے رہا تھا۔ انا نے زخم پر مرہم لگا کر زخم کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔
''اس کو کھلا رہنے دیں، بینڈیج مت کرائیں ورنہ پیپ بڑھ جائے گی۔ کھلا زخم خشک ہو کر کھرنڈ آنے سے جلدی مندمل ہو گا۔'' اس نے ماموں کو کہا۔
ولید نے برہمی سے اس کی گرفت سے اپنا بازو نکالا تھا۔ وہ جو دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی ایک دم اسے دیکھا تھا۔ ولید

کی نگاہوں میں شدید لپک تھی۔ غم و غصے کی گہری کیفیت تھی، وہ فوراً نگاہیں جھکا گئی تھی۔
''کمر کے پیچھے جو زخم ہے وہ بھی دیکھ لو اور سر کا زخم بھی۔'' ماموں کو تو جیسے بیٹے کے غصے کی قطعی کوئی پروا نہ تھی۔ آرام سے ایک اور بیان جاری کیا۔
''بابا......'' ولید نے باپ کو گھور کر شدید احتجاج کرنا چاہا۔
''خاموش، مریض نہیں بولتے۔'' ماموں کا انداز ایسا تھا کہ انا کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ مچلی تھی جسے اس نے بمشکل ہونٹ بھینچ کر روکا' تاہم اس کے چہرے پر مسکراہٹ کا تاثر بڑی شدت سے ابھرا تھا۔ ولید اس کے چہرے کو دیکھ کر ایک دم بھپرا تھا انا کی مسکراہٹ نے تو گویا اس کے اندر آگ ہی لگا دی تھی۔
''بابا پلیز اب میں اتنا بھی معذور نہیں ہوں کہ مجھے ہر ایرے غیرے کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔ شہر میں ڈاکٹروں کی کمی نہیں پڑ گئی کہیں بھی جا سکتا ہوں آپ گاڑی نکلوائیں بس۔'' اس کا انداز بہت برہم تھا خصوصاً تیکھے الفاظ انا نے لب بھینچ گئے تھے۔
''بہت بری بات ہے ولید۔'' ماموں نے سخت تنبیہی انداز میں بیٹے کو دیکھا' وہ لب بھینچ کر غصے سے گردن موڑ گیا۔
''انا تم دھیان سے زخم دیکھو۔'' ماموں پر جیسے بیٹے کے غصے کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ انا نے سنجیدگی سے ولید کے کندھے اور سر کے زخم کو چیک کیا دونوں کی بینڈیج کی' وہ سارا وقت سنجیدہ سنجیدہ سی رہی تھی اور ولید بھی بغیر بولے کوئی چوں چراں کیے خاموش سے ٹریٹمنٹ کرا رہا تھا۔
اپنا کام مکمل کر کے انا نے بینڈیج کا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ سامان سمیٹ کر سائیڈ پر رکھتے اس نے ولید کی میڈیسنز چیک کرنا شروع کی اور دو گولیاں نکال کر اس نے ماموں کی طرف بڑھائی تھیں۔
''یہ ایک درد کی گولی ہے اور دوسری زخم میں اگر پیپ وغیرہ ہو جائے تو اس کو کور کرنے کی ہے آپ یہ دونوں کھلا دیں۔''
''تم ہی کھلا دو۔'' ماموں جیسے آج اپنے بیٹے کا سارا ضبط آزما لینا چاہتے تھے۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔
وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اس کی موجودگی ولید کے لیے کس قدر گراں گزر رہی ہو گی اس نے گلاس میں جگ میں سے پانی انڈیل کر ولید کی طرف بڑھایا۔ ولید نے بہت غصے سے گلاس تھاما تھا۔ انا نے خاموشی سے اس کی طرف ہتھیلی بڑھا دی تھی۔ ولید نے دیکھا صاف شفاف نرم سی ہتھیلی پر دو پلز رکھی ہوئی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو سب اسے بہت اچھا لگتا اور شاید وہ بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیتا لیکن اس وقت سب کچھ بہت برا لگ رہا تھا دل کر رہا تھا کہ انا کے وجود سمیت ہر چیز کو آگ لگا دے۔ اس نے بہت تیزی سے دونوں پلز لے کر منہ میں رکھیں اور سارا گلاس ایک ہی سانس میں پی گیا تھا۔ گلاس خالی کر کے اس نے ٹیبل کی طرف پٹخنا چاہا تھا جب انا نے ہاتھ بڑھا کر گلاس تھام لیا۔
''میں رکھ دیتی ہوں۔'' اس نے گلاس لے کر سائیڈ پر رکھا۔ گلاس رکھ کر اس نے ماموں کو دیکھا۔ جیسے پوچھنا چاہ رہی ہو کہ میں اب جاؤں۔
''تم اب گھر پر ہی ہو کچھ دیر ولید کے پاس بیٹھو کافی دیر سے بور ہو رہا تھا مجھے ایک دوست کو کال کرنی ہے صبح سے اس کی کئی کالز آ چکی ہیں۔'' ماموں نے مسکرا کر کہا اور انا نے گھبرا کر ولید کو دیکھا۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔
''بابا......'' وہ احتجاجاً چلایا۔
''کیا ہے یار کتنی دیر سے تمہارے پاس تھا اب ایک کال تو کر لوں۔'' ماموں نے جواباً بیٹے کو گھورا۔
وہ انا کو اشارہ کرتے وہاں سے چلے گئے اور انا وہ جیسے اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔
''میں روشی کو بھیجتی ہوں ابھی کالج سے آئی تھی بھوک لگی ہے کھانا کھا لوں۔'' ولید اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ اس نے بہتر یہی جانا تھا کہ اٹھ کر یہاں سے چلی جائے۔
''سنو۔'' ولید نے پکارا تھا انا کے قدم تھم گئے تھے۔ انا کو لگا کہ جیسے وہ جم سی گئی ہو۔
''تمہاری طرف میرے اتنے حساب نکلتے ہیں کہ اگر بدلے پر اتر آؤں گا تم بہت بری طرح پھنسو گی بہتر یہی ہے کہ تم میرے سامنے مت آیا کرو تمہیں دیکھتا ہوں تو نفرت محسوس ہونے لگتی ہے تم سے تمہارے جیسی شکی مزاج لڑکی جس کے نزدیک رشتوں کا تقدس محض شک کی ایک نگاہ پر منحصر ہے اس کی شکل دیکھنا بھی میں اپنی توہین سمجھتا ہوں...... گیٹ لاسٹ آئندہ میرے سامنے آئیں تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔'' ولید کا انداز بہت انسلٹنگ تھا۔

احساس توہین سے زیادہ ذلت کا احساس تھا اور سب سے بڑھ کر ولید کی آنکھوں میں دکھائی دی جانے والی نفرت۔ انا کو لگا کہ جیسے اس کا وجود کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا ہو۔ ولید نے کبھی اس سے اگر محبت کا اظہار نہیں کیا تھا تو اس سے اس طرح نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا اور نہ ہی کبھی وہ اس کے ساتھ اس قدر بے برے انداز میں پیش آیا تھا۔ انا نے ایک بار پھر ولید کو دیکھا' اس کی آنکھوں میں خفگی و نفرت کے احساس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ انا لب بھینچ کر تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔

ولید کے کمرے کی طرف آتی روشی بے اختیار ایک طرف ہوئی تھی ورنہ بے اختیار تیزی سے بھاگتی انا سے ضرور ٹکرا جاتی۔ انا بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ روشی نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔ حیرانی کا سبب انا کے بھینچے لب اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو تھے۔ وہ کچھ سوچتی انا کے پیچھے جانے کی بجائے ولید کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ ولید بہت غصے سے کشنز اٹھا اٹھا کر زمین پر پھینک رہا تھا روشی کو دیکھ کر رکا۔

''کیا ہوا بھائی؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''کیوں؟'' ولید نے بہن کو گھورا تو اس نے سنجیدگی سے بھائی کے چہرے کے غصیلے تاثرات کو دیکھا۔

''ابھی انا روتی ہوئی آپ کے کمرے سے نکلی ہے اور اب یہ آپ جس طرح کشنز پھینک رہے ہیں لگتا تو یہی ہے کہ یہاں ایک میدان جنگ گرم رہا ہے۔'' بہن کی بات پر ولید ایک پل کو ساکت ہوا۔

پھر سر جھٹک کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ روشی نے آگے بڑھ کر کشنز اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھے تھے۔

''ویسے سیریسلی بتائیں ہوا کیا ہے۔'' بھائی کے پاس بیٹھ کر اس نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔''

''آپ جیسا مرد اس طرح ہائپر ہو کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔'' روشی ٹلنے والی نہ تھی وہ بھی اتنی آسانی سے۔ ولید نے گھورا۔

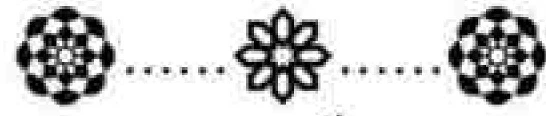
''مجھ پر نظروں کے تیر چلانے کی قطعی ضرورت نہیں جو بات ہے وہ صاف صاف بتائیں۔'' روشی کا انداز دوٹوک تھا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

ولید نے شروع سے لے کر اب تک کی ہر بات روشی کو کہہ سنائی اور روشی حیرت سے سب سن رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ انا ایک چھوٹی سی بات کو لے کر اس حد تک چلی جائے گی۔

''مائی گاڈ۔'' روشی مسلسل بے یقین اور ولید وہ روشی کو سب بتا کر اور زیادہ ڈیپریسڈ ہو گیا تھا۔

''میں انا سے بات کرتی ہوں بھلا یہ کیا بات ہوئی؟''

''کوئی ضرورت نہیں وہ اپنے ہر عمل میں آزاد ہے اور ایک بار ریجیکٹ ہونے کے بعد میں دوبارہ انا بی بی کو قبول نہیں کر سکتا۔ یہ میری انا اور وقار کے خلاف ہے۔ اب کچھ بھی ہو میں انا سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہوں گا۔'' ولید کا انداز بہت حتمی تھا۔ روشی نے بہت دکھ اور تاسف سے اسے دیکھا۔



عباس آفس میں تھا جب فیضان صاحب کی کال اس نے ریسیو کی اور انہوں نے اس سے جو بات کی تھی عباس وہ سن کر ہی حیران رہ گیا تھا۔

''آپ واقعی سچ کہہ رہے ہیں۔'' عباس نے پھر پوچھا۔

''ہاں، تم اپنے والدین کو آج رات ہمارے گھر لے کر آنا باقی بات پھر وہیں ہو گی۔'' ان کا انداز حتمی اور دوٹوک تھا۔

کال بند ہو گئی تھی۔ عباس کتنی دیر تک شادی مرگ کی کیفیت میں بیٹھا رہا تھا۔ اس دن وہ فیضان صاحب کے جواب پر ناامید ہو کر پلٹا تھا لیکن انہوں نے اسے پھر روک لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ کچھ دن سوچیں گے اور پھر جواب دیں گے۔

اور تب سے عباس انتظار کی صلیب پر لٹک رہا تھا اور آج فیضان صاحب نے کال کر کے گویا مژدہ جاں سنا دیا تھا۔

عباس نے اسی وقت شاہزیب کی سیکرٹری کو کال کر کے ان کی موجودگی کنفرم کی اور پھر اپنے آفس سے نکل آیا تھا۔ وہ شاہزیب صاحب کے آفس میں آیا تو وہ فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔ اس سے بات کر کے انہوں نے اپنی فیکٹری کے پروڈکشن منیجر سے بات کی تھی۔

تب تک عباس بڑے صبر سے بیٹھا رہا تھا۔انہوں نے کال بند کی تو عباس ان سے نئے پروجیکٹ کے بارے میں بات کرنے لگا تھا بات سمٹی تو عباس نے سنجیدگی سے اپنے والد کو دیکھا۔

''بابا جان میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' شاہزیب صاحب ایک دم چونکے تھے۔ایک دم بزنس امور سے ہٹ کر عباس نے ایک نئی بات کہہ دی تھی۔انہوں نے بیٹے کو بغور دیکھا۔عباس کا انداز سنجیدہ اور اٹل تھا۔

''خیریت؟ یہ ایک دم اچانک شادی کا خیال کیسے آ گیا؟'' انہوں نے بظاہر سرسری انداز رکھا لیکن اندر ہی اندر وہ چونک ضرور گئے تھے۔

''اچانک نہیں میں بہت عرصے سے اس بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''او کے بہت اچھا فیصلہ ہے۔'' انہوں نے ایک حوصلہ افزا مسکراہٹ سے بیٹے کو دیکھا تھا۔''برخوردار ابھی صرف شادی کر لینے کا سوچا ہے یا پھر مزید بھی کچھ پلاننگ کر رکھی ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

وہ جانتے تھے کہ ان کا یہ بیٹا ان کے باقی دونوں بیٹوں سے قدرے مختلف ہے۔عباس بڑا بیٹا ہونے کے سبب بہت رعایت لے جاتا تھا وہ اپنا ہر فیصلہ خود کیا کرتا تھا پہلی شادی سے لے کر طلاق اور نیا فیصلہ۔

''لڑکی میں سلیکٹ کر چکا ہوں یقیناً آپ کو بھی پسند آئے گی۔'' عباس نے بتایا تو انہوں نے سنجیدگی سے دیکھا۔

''بس مسئلہ یہ ہے کہ اس کے اور ہمارے اسٹیٹس لیول میں بہت فرق ہے۔وہ ایک مڈل گھرانے سے تعلق رکھتی ہے گھر داری اور اخلاقی لحاظ سے بہت اچھی لڑکی ہے۔'' عباس نے مزید بتایا تھا۔

''دیکھو عباس تم نے زندگی میں عادلہ کو سلیکٹ کرنے کی ایک غلطی کی تھی اس کا خمیازہ آج تک ہمارا خاندان بھگت رہا تھا یہ مت بھولو کہ تم ایک بچے کے باپ بھی ہو آفاق بے شک بہت توجہ اور پرسکون ماحول میں پل رہا ہے لیکن سوتیلی ماں سوتیلی ہی ہوتی ہے اور یہ لوئر یا مڈل گھرانے کی لڑکیاں بعض اوقات پیسہ دیکھ کر بدل جاتی ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بابا میں نے ہر طرح سے مطمئن ہونے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔'' عباس نے کہا تھا شاہزیب نے بغور بیٹے کو دیکھا۔

''کون ہے وہ لڑکی؟''

''رابعہ۔'' شاہزیب صاحب چونکے۔

''کون سی رابعہ؟''

''یہ وہی لڑکی ہے جو کچھ عرصہ میرے کمپیوٹر سیکشن میں کام کرتی رہی تھی پھر اس نے یہ جاب چھوڑ دی تھی۔''

''لیکن اس لڑکی کی تو شادی ہو رہی تھی تب۔'' شاہزیب صاحب اب اتنے بھی بے خبر نہ تھے۔

''جی لیکن پھر نہ ہو سکی۔''

''کیوں؟'' انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اس کی جس لڑکے سے شادی ہو رہی تھی وہ کہیں اور انوالو تھا پھر اس لڑکے کا کہیں اور نکاح ہو گیا تھا۔''

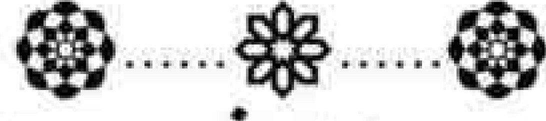
''اوہ۔'' شاہزیب صاحب کو یہ جان کر حقیقتاً افسوس ہوا تھا۔ وہ واقعی بہت اچھی لڑکی تھی۔

انہیں یاد تھا کہ اسے انہوں نے ہی اپائنٹ کیا تھا عباس کو اعتراض تھا پھر وہ جاب کرنے لگی تھی اور عادلہ کی وجہ سے وہ بے چاری کافی زیادہ پریشان بھی رہی تھی۔تصاویر وغیرہ کے مسئلے میں وہ بھی انوالو ہوئی تھی۔

''لڑکی تو بلاشبہ واقعی بہت اچھی ہے لیکن اس کا گھرانہ، لوگ کیا کہیں گے وہ ہماری ایک عام سی امپلائی تھی بیٹا۔''

''بابا ایسی باتیں مت کریں میں جانتا ہوں آپ نے ہمیشہ انسان کے کردار اور اس کی خوبیوں کو اہمیت دی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کبھی بھی اپنے سب سے چہیتے بیٹے مصطفیٰ کی شادی شہوار جیسی لڑکی سے نہ کرتے کہ جس کے خاندان تک کی کسی کو خبر نہیں، جبکہ رابعہ کا ایک خاندان ہے والدین بہن بھائی ہیں۔ بھلے مالی لحاظ سے وہ لوگ ہم سے کم تر ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے میں نے ان لوگوں کو خود سے بہت بلند تر پایا ہے۔ میں عادلہ کی طرف سے ایک بار دھوکہ کھا چکا ہوں میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو اس پر کوئی اوبجیکشن ہوگا۔'' عباس کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔

''لیکن بیٹا خاندان میں بھی کچھ لڑکیاں موجود ہیں میں دریہ کے بارے میں سوچ رہا تھا ہمارے خاندان کی ہے ہماری بیٹی ہے۔''
''دریہ، بابا وہ دوسری عادلہ ہے آپ نے اس کے بارے میں کیسے سوچ لیا۔'' عباس کو شدید دھچکا لگا تھا۔
''وہ عرصہ دراز سے بیرون ملک میں رہی ہے وہیں پیدا ہوئی پلی بڑھی ہے شاید کچھ عرصہ ہمارے درمیان رہے تو بدل جائے۔''
''میں مفروضوں کی بنیاد پر اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا بابا، وہ کئی ماہ سے ہمارے درمیان ہے ایک انچ بھی اس کی ذات میں کوئی فرق نمایاں نہیں ہوا مزید کی کیا امید رکھوں، ایم سوری بابا۔'' شاہزیب صاحب نے خاموشی سے بیٹے کو دیکھا تھا۔
''آپ ایک بار میرے ساتھ چل کر ان لوگوں سے مل لیں آئی ہوپ آپ کو سب لوگ پسند آئیں گے مالی لحاظ سے کمزور ضرور ہیں لیکن کرداری لحاظ سے بہت بلند ہیں۔ آج رات کا ٹائم دیا ہے رابعہ کے ماموں صاحب نے آپ کو ماں جی کو لے کر ان کی طرف جانا ہوگا۔'' عباس نے مزید بتایا تو شاہزیب صاحب نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
''او کے بی پپی، ہم ضرور جائیں گے کس وقت پہنچنا ہے کنفرم کر کے ہمیں بتا دینا۔'' بیٹے کا کندھا تھپتھپا کر حوصلہ افزائی کی تو عباس ایک دم مسکرا دیا تھا۔
''تھینک یو سو مچ بابا۔''
''جیتے رہو، یہ ایک دو فائلز ہیں ان کو دیکھ لو، میں ایک میٹنگ میں انوائٹڈ ہوں کچھ وقت لگے گا۔'' انہوں نے موضوع بدلا۔ عباس نے سعادت مند بیٹے کی طرح ان کے حکم پر سر ہلایا تھا۔



آج فیضان صاحب جلدی گھر آ گئے تھے۔ ساتھ کھانے پینے کا کافی سامان تھا وہ تمام چیزیں انہوں نے بھابی کو تھما دی تھیں اور خود ثریا آپا کے پاس کرسی پر آ بیٹھے تھے۔
دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ اماں نے سہیل بھائی کو بھی آواز دے دی تھی۔ وہ روم میں سو رہے تھے اماں کی پکار پر ان کے پاس ہی آ بیٹھے تھے۔ رابعہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ تینوں کی میٹنگ کافی دیر تک چلی اور پھر ماموں کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ شام سے پہلے ایک فیملی کے کچھ لڑکوں کو ٹیوشن دیا کرتے تھے ان کی ٹیوشن کا ٹائم ہو رہا تھا۔ اماں نے بھابی کو بلا کر بتایا تھا۔
''رابعہ کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آ رہے ہیں کافی امیر فیملی ہے تم رابعہ کو ساتھ ملا کر کھانے پینے کا اچھا سا انتظام کر لینا۔'' بھابی سن کر ایک دم ایکسائٹڈ ہوئی تھیں۔
''کون لوگ ہیں؟''
''رابعہ کے آفس کے لوگ ہیں جن کے ہاں وہ نوکری کرتی تھی۔''
''ہائے اللہ وہ لوگ تو بہت امیر ہیں۔'' بھابی تو ایک دم حیران ہوئی تھیں۔
''رابعہ کے ماموں سے لڑکے نے کئی بار بات کی ہے وہ راضی ہیں آج شام میں آنے کا وقت دیا ہے ان لوگوں کو۔ اب وہ آئیں گے دونوں طرف ملنا ہوتا ہے تو فیصلہ کریں گے۔''
''ہماری رابعہ تو بہت لکی ہے پھر اتنے امیر لوگ...... اس کی تو قسمت کھل گئی۔'' بھابی واقعی بہت خوش تھیں۔
''قسمت تو مقدر سے کھلتی ہے دولت روپیہ پیسہ بھلا کیا قسمت کھولتا ہے، دعا کرو جو بھی ہو ہماری بچی کے حق میں بہتر ہو ورنہ امیری دیکھ کر کون خوش رہ سکتا ہے۔'' اماں کے الفاظ پر بھابی نے سر ہلایا۔
بھابی نے رابعہ کو اٹھا کر سب بتایا تو وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ تو گزرے دنوں میں ماموں اور سر عباس کی خاموشی سے یہی سمجھی تھی کہ اب اس رشتے سے انکار ہو چکا ہے لیکن اب یہ نیا فیصلہ، وہ عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی۔
اماں کے کہنے پر اس نے بیٹھک کی حالت درست کی تھی، باقی گھر کی حالت بھی سنوار دی تھی۔ اس نے سر عباس کا گھر نہیں دیکھا تھا لیکن وہ جس آفس میں کام کرتی تھی اس کو دیکھ کر وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ ان لوگوں کا لیونگ اسٹائل کیا ہوگا۔ اور پھر ان کے بھائی کی شادی پر ان کے گاؤں جانے پر وہ لوگ جس حویلی میں ٹھہرے تھے اس کی خوب صورتی اور شان و شوکت دیکھ کر ان لوگوں کی امارت کھول کر سامنے آئی تھی۔ گھر کی صفائی سے فارغ ہو کر وہ بھابی کے ساتھ کچن میں ان کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔
مغرب کے بعد ان لوگوں نے آنا تھا ماموں مغرب کے بعد بھی گھر نہیں لوٹے تھے۔ مغرب کے بعد اماں کے کہنے پر رابعہ ایک سادہ

لیکن کافی اچھا سا سوٹ پہن کر نہا دھو کر فارغ ہو چکی تھی بھابی کے لاکھ کہنے پر بھی اس نے میک اپ نہیں کیا تھا۔رات سات بجے ان لوگوں کی گاڑی ان کے روڈ پر آ کر رکی تھی شاہزیب اور مہر النساء بیگم دونوں تھے ساتھ ڈرائیور تھا وہ گلیوں میں چلنے ان کے گھر تک آئے تھے۔سہیل بھائی گھر پر ہی تھے۔عباس نے ڈرائیور کو اچھی طرح سارا ایڈریس سمجھا کر بھیجا تھا سو ڈرائیور کو کوئی دقت نہ ہوئی تھی۔سہیل بھائی اور اماں نے ہی مہمانوں کو ریسیو کیا تھا۔

مہر النساء بیگم کا بڑا پر وقار انداز تھا شاہزیب صاحب بھی آفس ڈریسنگ میں تھے دونوں کی مالی حیثیت ان کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی تاہم دونوں بڑے خلوص اور خوش دلی سے ملے تھے۔اماں اور سہیل بھائی دونوں سے بات چیت کر رہے تھے۔

''عباس نے مجھے آپ کے ماموں کا بتایا وہ کہاں ہیں؟''

''ماموں ٹیوشن پڑھاتے ہیں وہ آج کچھ لیٹ ہو گئے تھے میں نے کال کی تھی کہہ رہے تھے کہ وہ پہنچ جاتے ہیں کچھ دیر میں۔'' شاہزیب صاحب نے سر ہلا دیا تھا۔

مہر النساء بیگم بظاہر خوش دلی سے ثریا بیگم سے مخاطب تھیں لیکن اندر ہی اندر ان لوگوں کی مالی حیثیت دیکھ کر الجھی ہوئی تھیں۔

گھر آ کر شاہزیب صاحب نے بس یہی کہا تھا کہ عباس کے رشتے کے سلسلے میں ایک جگہ چلنا ہے تیار ہو جایئے اس سے زیادہ نہ انہوں نے بتایا تھا اور نہ ہی پوچھنے کا وقت ملا تھا فوراً وہ تیار ہو کر ان کے ساتھ آ گئی تھیں۔

''بیٹا رابعہ کو کہو چائے لے آئے۔'' ثریا بیگم نے کچھ دیر بعد کہا تھا سہیل باہر چلا گیا تھا۔وہ پیغام دے کر پھر واپس آ کر بیٹھ گیا تھا۔وہ شاہزیب صاحب سے باہر گزارے گئے تجربے کو شیئر کر رہا تھا وہ بھی خوش اخلاقی سے سن رہے تھے۔

رابعہ کے ساتھ بھابی بھی آ گئی تھیں آج سر شام ہی انہوں نے گڑیا کو سلا دیا تھا رابعہ نے سلام کیا تھا مہر النساء بیگم نے کھڑے ہو کر محبت سے اسے ساتھ لگایا تھا۔

''یہ میری بیٹی رابعہ ہے۔'' ثریا بیگم نے بتایا تھا۔

پھر مہر النساء بیگم نے بھابی کو ساتھ لگایا تھا انداز خوش اخلاقی لیے ہوئے تھا۔ثریا بیگم کے اندر اعتماد بڑھا تھا انہوں نے بھابی کا بھی تعارف کرایا تھا۔رابعہ نے چائے بنا کر شاہزیب صاحب اور مہر النساء بیگم دونوں کو دی تھی۔

بھابی دیگر لوازمات لائی تھیں کچھ گھر میں بنایا تھا اور کچھ ریڈی میڈ ان لوگوں نے کافی کچھ اکٹھا کر لیا تھا۔

''ان سب چیزوں کے تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی۔'' مہر النساء بیگم نے ٹوکا تھا۔

''یہ سب تو آنٹی آج کل مہمان داری کا حصہ ہے یہ کیک لیں میں نے خود بنایا ہے۔'' بھابی نے خوش دلی سے پلیٹ میں کیک کا پیس ڈال کر ان کی طرف بڑھایا تھا تاہم رابعہ خاموشی سے ثریا بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔باقی چیزیں بھابی ہی سرو کر رہی تھیں۔مہر النساء بیگم نے کئی بار رابعہ کو دیکھا تھا۔

نجانے کیوں انہیں رابعہ کا چہرہ دیکھا بھالا لگ رہا تھا۔عجیب سی کشش تھی جو انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔تبھی ڈور بیل ہوئی تھی سہیل بھائی اٹھ کر چلے گئے تھے ان کا خیال تھا کہ ماموں ہوں گے لیکن ماموں کے بجائے ابوبکر تھا۔

ابوبکر گزشتہ دنوں اپنے گھر شفٹ ہو چکا تھا تاہم کبھی کبھار وہ اکثر شام میں ادھر بھی چکر لگا لیا کرتا تھا۔سہیل ابوبکر کو بھی وہیں لے آئے تھے۔

ابوبکر ایک پڑھا لکھا نوجوان تھا اس کی کمپنی میں شاہزیب صاحب بہت خوش ہوئے تھے۔رابعہ اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔مہر النساء بیگم بھی اٹھ کر ثریا اور بھابی کے ساتھ باہر آ گئی تھیں۔انہوں نے سرسری گھر پر نگاہ ڈالی تھی۔

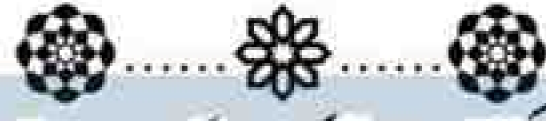
چند کمرے، ایک کچن ایک ڈرائنگ روم اور ایک چھوٹا سا کچن۔ان کے گھر کے سامنے یہ گھر کچھ بھی نہ تھا۔وہ سوچتیں تو اس سے بہتر ان کے ملازمین کے گھر تھے لیکن اس گھر کے مکینوں کی جو بات سب سے زیادہ اٹریکٹ کی تھی وہ ان کی خوش اخلاقی اور مہمان نوازی تھی۔

وہ کافی دیر تک وہاں بیٹھی تھیں فیضان صاحب نہیں آئے تھے۔سہیل بھائی نے کئی بار کالز کی تھیں اور وہ ہر بار کچھ دیر میں پہنچ رہا ہوں کہہ کر کال بند کر دیتے تھے۔ساڑھے نو بجے شاہزیب صاحب اکتا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''یار زندہ صحبت باقی سہیل بیٹا اپنے ماموں کو سلام کہیے گا بہت وقت ہو چلا ہے ہم چلتے ہیں۔''

سہیل بھلا اور کیا کہہ سکتا تھا۔مہر النساء بیگم اور ثریا بھی وہیں آ گئی تھیں۔ان لوگوں نے بصد اصرار ان دونوں کو ڈنر کر کے جانے کا کہا تھا

لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا۔
''اگر رشتہ داری رہی تو ان شاء اللہ ہم نہ صرف ڈنر کریں گے بلکہ یہاں رکیں گے بھی لیکن فی الحال دیر ہو رہی ہے رخصت چاہتے ہیں اب ہم۔'' شاہزیب صاحب نے کہا تو اماں نے سر ہلا دیا تھا۔
شاہزیب صاحب نے سہیل کا نمبر لے لیا تھا گھر جا کر بیگم سے مشورہ کر کے جواب دینے کا کہہ کر وہ لوگ چلے گئے تھے۔
ابوبکر اور سہیل ان کے ساتھ باہر مین روڈ تک ان کو گاڑی تک چھوڑنے گئے تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ واپس آ گئے تھے۔
اماں بھابی سہیل بھائی اور ابوبکر سب ہی اسی رشتے پر ہی گفتگو کرنے لگ گئے تھے۔ جب ان لوگوں کے جانے کے 5 منٹ بعد ماموں گھر آ گئے تھے۔
''بہت دیر لگا دی ماموں آپ نے وہ لوگ ابھی نکل کر گئے ہیں۔'' سہیل نے شکوہ کیا تھا۔
''کیا کرتا یار بڑی مشکل سے گھر پہنچا ہوں پہلے رکشہ لیا اس کا رکشہ خراب ہوا اس نے جس رکشے پر بٹھوایا وہ ٹریفک کے اژدھام میں پھنس گیا تھا اللہ اللہ کر کے ٹریفک کھلا اور میں گھر پہنچا ہوں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔
''ان لوگوں نے کافی دیر انتظار کیا تھا پھر چلے گئے تھے۔'' ماموں وہیں کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔
سبھی مہمانوں کے جانے کے بعد ڈرائنگ روم میں ہی تھے۔
''رشتے سے متعلق کوئی بات کی ان لوگوں نے۔''
''مجھ سے ہی بات کی تھی ان کی بیگم صاحبہ ساتھ تھیں وہی ہمارے خاندان، رشتہ داروں، کہاں سے ہیں سب کے بارے میں پوچھتی رہی تھیں بظاہر تو اچھے لوگ ہیں اب اللہ مدد کرنے والا ہے۔'' ماموں نے سنجیدگی سے سر ہلا دیا تھا جبکہ سہیل شاہزیب صاحب سے ہونے والی گفتگو بتانے لگ گیا تھا اور ماموں سنجیدگی سے سن رہے تھے۔



''کیسا لگا آپ کو یہ رشتہ؟'' گھر میں ان دونوں نے کسی سے بھی ذکر نہ کیا تھا کھانا کھا کر شاہزیب صاحب کمرے میں آ گئے تھے مہر النساء بیگم بھی فارغ ہو کر آئیں تو انہوں نے پوچھا تھا۔
''اگر مالی حیثیت سے ہٹ کر دیکھا جائے تو بہت ہی اچھا ہے یہ رشتہ لڑکی بھی پیاری سلجھی ہوئی اور تعلیم یافتہ ہے سارا گھرانہ ہی سلجھا ہوا ہے لیکن آپ کو اس رشتے کا کس نے بتایا کون لوگ تھے یہ؟''
''یہ لڑکی ہماری فرم میں جاب کرتی تھی پھر اس نے جاب چھوڑ دی تھی۔''
''اچھا'' مہر النساء بیگم حیران ہوئی تھیں۔
''عباس نے مجھے خود اس لڑکی کا کہا تھا اور کہا تھا کہ آج اس کے ہاں جاؤں۔''
''اوہ'' مہر النساء بیگم کے لیے مزید حیرانی کی بات تھی۔
''عباس نے خود کہا تھا۔'' وہ واقعی حیرت زدہ تھیں۔
شاہزیب صاحب نے رابعہ اور عباس سے متعلق جو کچھ علم تھا مہر النساء بیگم سے کہہ دیا تھا مہر النساء بیگم سنجیدگی سے سنتی رہی تھیں انہوں نے عادلہ اور رابعہ کا قصہ بھی سنا دیا تھا اور آخر میں عباس کا موقف بھی۔
''ماشاء اللہ لڑکی تو مجھے بہت ہی پیاری لگی ہے بالکل شہوار جیسی۔'' اچانک ان کے ہونٹوں سے نکلا تھا اور پھر وہ خود بھی حیران ہوئیں۔
''کیا انہیں واقعی وہ لڑکی شہوار جیسی لگی تھی؟'' وہ الجھیں۔
''اچھا کیا سوچا ہے پھر آپ نے عباس چاہتا تھا کہ میں آج ہی رشتے کی بات بھی کر کے آؤں لیکن مجھے فوراً یہ سب مناسب نہیں لگا میں نے سوچا کہ پہلے آپ کو دکھا لوں، خواتین میں خواتین کو جج کرنے کی صلاحیت بہتر انداز میں موجود ہوتی ہے۔'' مہر النساء بیگم نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ ان کی الجھی سوچ کو شاہزیب صاحب کی بات نے کسی اور طرف موڑ دیا تھا۔
''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں دولت، جائیداد کسی کی ہمیں کوئی کمی نہیں عباس کی خواہش بھی ہے تو سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لیں آپ۔''
''ٹھیک۔'' شاہزیب صاحب نے ہنکارا بھرا تھا۔
''میں کل بابا صاحب سے مشورہ کروں گا پھر وہ جو جواب دیں میں وہی کروں گا۔'' انہوں نے کہا تو مہر النساء بیگم نے فوراً اثبات میں سر

ہلا دیا۔
”یہ زیادہ مناسب ہے وہ خاندان کے بڑے ہیں بے شک عباس لڑکی پسند کر چکا ہے لیکن بابا صاحب کی مرضی اور مشورے سے فیصلہ ہو تو زیادہ بہتر ہے۔“ مہر النساء بیگم نے شوہر کے فیصلے پر فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

عباس سخت پریشان تھا۔ اس نے شاہزیب سے تو نہیں لیکن اگلی صبح مہر النساء بیگم کو جالیا تھا۔
”کیا فیصلہ کیا آپ لوگوں نے؟“
”لڑکی تو اچھی ہے فیملی بھی اچھی ہے، رہ گئی مالی حیثیت نہ میں نے پہلے اس کو اہمیت دی ہے اور نہ ہی اب دوں گی، تمہارے والد صاحب سے بات کر لی ہے رات ہم تمہارے بابا صاحب سے مشورے کریں گے پھر جو فیصلہ ہوگا دیں گے۔“ عباس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔
باقی سارا دن اس کے لیے بڑا کٹھن گزرا تھا اور شام میں بھی وہ جلد آفس سے آ گیا تھا۔ اس نے ماں جی سے بابا صاحب سے مشورہ کرنے کا پوچھا تو انہوں نے کچھ دیر بعد بات کرنے کا کہا تھا۔
کھانا کھا کر سبھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ شاہزیب صاحب اور مہر النساء بیگم بابا صاحب کے پاس آ گئے تھے۔ کھانا وہ کمرے میں ہی کھاتے تھے۔ وہ کتاب پڑھ رہے تھے۔ کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔
شاہزیب صاحب نے بغیر تمہید باندھے بابا صاحب کو پروپوزل کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ انہوں نے کافی دیر سوچا تھا اور پھر سر ہلا دیا تھا۔
”بظاہر اس رشتے میں کوئی خامی نظر نہیں آ رہی لیکن جس طرح تم نے ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ مالی لحاظ سے کمزور ہیں تو تم اچھی طرح جانتے ہو میں ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتا، عباس کی اگر خواہش ہے وہ خود اس جگہ شادی کرنا چاہتا ہے تو تم دونوں سوچ بچار کر کے فیصلہ کر لو۔“
”میں بتا چکا ہوں نا کہ لڑکی ہمارے آفس میں جاب کرتی رہی ہے ہر لحاظ سے بہت اچھی ہے اصل میں عادلہ کی طرف سے جو نقصان ہم اٹھاتے ہیں اس کے بعد عباس کی ذات کے حوالے سے میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔ میرے سامنے آفاق کی ذات ہے اور آفاق کو میں کسی سوتیلی ماں کے تجربے سے نہیں گزار سکتا۔“ شاہزیب صاحب نے اپنے خدشات بیان کیے تھے۔
”رسک تو لینا ہی ہوگا خاندان میں کرتے یا باہر سے لڑکی لاتے دونوں صورتوں میں رسک تو لینا ہی تھا عباس آفاق کا باپ ہے اور کوئی بھی باپ اپنی اولاد کے لیے برا نہیں سوچتا کچھ سوچ سمجھ کر ہی عباس آگے بڑھا ہوگا۔“ بابا صاحب کے الفاظ پر شاہزیب صاحب نے سر ہلا کر اپنی بیگم کو دیکھا تھا۔
”ٹھیک ہے ایسا کرتے ہیں ہم ان کو کال کر دیتے ہیں ہم لوگ تو وہاں کا چکر لگا چکے ہیں کسی دن ان لوگوں کو بھی انوائٹ کر لیتے ہیں پھر آپ بھی مل لیجیے گا اس کے بعد بات آگے بڑھاتے ہیں شادی یا منگنی جو بھی وہ لوگ چاہیں گے ہم طے کر لیتے ہیں۔“ شاہزیب صاحب نے فوراً حتمی فیصلہ کیا تھا۔
”اچھی رائے ہے یہ بھی، بسم اللہ کرو، اچھے کام میں مزید تاخیر نہیں کرو، باقی اللہ برکت ڈالنے والا ہے۔“ بابا صاحب مطمئن تھے۔ بابا صاحب کے سامنے ساری عمر کا تجربہ تھا۔ عباس ایک میچور مرد تھا۔ وہ سمجھ سکتے تھے کہ عباس نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہوگا اور وہ عباس کی چوائس پر مطمئن تھے۔ سو وہ اس ٹاپک پر شاہزیب صاحب سے مزید ڈسکس کرنے لگے تھے۔
مہر النساء بیگم اور شاہزیب صاحب انہیں رابعہ اور اس کی فیملی کے بارے میں تفصیل سے بتاتے رہے تھے۔

❀❀❀

مصطفیٰ نے آفس ٹائمنگ سے اسپیشلی ولید کے لیے وقت نکالا تھا۔ وہ اس کی طرف آیا تو وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹا کوئی بزنس میگزین دیکھ رہا تھا وہ ابھی تک بیڈ ریسٹ پر تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے زخم کافی بھر چکے تھے تاہم ابھی تک اس نے آفس جوائن نہیں کیا تھا۔ مصطفیٰ کو دیکھ کر ولید کا موڈ ایک دم خوش گوار ہوا تھا۔ مصطفیٰ بھی کچھ فرصت سے آیا تھا۔ دونوں کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے تھے تبھی مصطفیٰ نے ایک دم بات کا رخ بدلا تھا۔
”پھوپو تو مکمل طور پر اس رشتے میں انوالو ہو چکی ہیں وہ انا کی پسند کے مطابق شاپنگ تک کر رہی ہیں۔“ ولید جو بہت فریش ہو گیا تھا

ایک دم سنجیدہ ہوا۔
''ویسے جو بھی ہو رہا ہے اچھا نہیں ہو رہا۔''
''سوواٹ جو انا چاہتی ہے وہی ہو رہا ہے تمہارے نا چاہنے سے کیا ہو جائے گا بھلا؟'' ولید کا انداز چٹختا ہوا تھا۔ مصطفیٰ نے مسکرا کر دیکھا۔
''تمہارے لیے میرے پاس کافی خبریں ہیں۔''
''کیا؟'' ولید نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔
تب مصطفیٰ نے اسے وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے شہوار نے بتایا تھا ولید نے بہت سنجیدگی سے وہ سب سنا تھا۔ بہت سی باتیں اس کے علم میں تھیں لیکن اب جو کچھ مصطفیٰ نے بتایا تھا وہ بہت حد تک تکلیف دہ تھا۔ انا اس حد تک بھلا کیسے جا سکتی تھی کہ خود بخود اپنی ذات کو اس حد تک لے گئی تھی اور کاشفہ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ایک بار اس کے سامنے آجائے تو وہ اس سے سارے حساب بے باق کر لے۔ اور انا ولید کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور اس کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دے بھلا اسے کس نے اجازت دی تھی کہ وہ اس کی ذات کو اس طرح رگید تی۔ کاشفہ ڈبل گیم کھیلنے کے چکر میں بہت برا کر چکی تھی۔ ولید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا حشر نشر کر دے۔
''دھیرج سے یار۔'' ولید کی حالت دیکھ کر مصطفیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
''بہت برا کیا ہے انا نے ...... بہت برا...... آئی ول کل ہر۔'' وہ واقعی بہت زیادہ ڈسٹرب ہو گیا تھا۔
''کول ڈاؤن یار۔''
''اور یہ کاشفہ چھوڑوں گا اسے بھی نہیں میں۔'' ولید کا ضبط کے مارے برا حال تھا۔ مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر برابر تسلی دی۔
''ویسے یہ کاشفہ کون ہے، مثلاً اس کا بائیوڈیٹا وہ انا کے ساتھ یہ سب کر چکی ہے مزید غلط نتائج کی دھمکیاں دے رہی ہے ہراساں کر رہی ہے۔ ایسی لڑکیوں کو تو ایک منٹ بھی آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے، جب تک میں بے خبر تھا اور بات تھی اب اگنور نہیں کر سکتا۔'' مصطفیٰ نے کہا تو ولید نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔
''نہیں، اس لڑکی سے میں خود نبٹوں گا اب ویسے بھی اس کی جانب میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں۔'' ولید کا انداز بہت زہریلا تھا۔
''مجھے حیرت ہوتی ہے تمہاری کب سے ایسی لڑکیوں سے دوستی ہونے لگی اور دوستی بھی اس حد تک آگئی اور میں بے خبر ہی رہا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔
''میں نے اس سے دوستی نہیں کی تھی محض اس کے باپ تک پہنچنے کے لیے راہ و رسم بنائے تھے لیکن چند ملاقاتوں میں ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ لڑکی کس ٹائپ کی ہے پھر جس طرح انا اسے دیکھ کر پریشان ہونے لگی تھی میں اس سے بچنے لگا تھا پھر حالات ایسے ہوئے کہ نہ ہی اس کے باپ تک پہنچ سکا اور نہ ہی اس لڑکی سے اچھی طرح جان چھڑا پایا۔'' ولید نے کہا تو مصطفیٰ نے حیران ہو کر دیکھا۔
''تم اس کے باپ تک کیوں پہنچنا چاہتے تھے۔''
''تھی ایک بات لیکن تم چھوڑو، اس انا بی بی سے تو میں اب اچھی طرح نبٹوں گا، بات کھلی ہے تو اب دیکھنا کیا کرتا ہوں میں۔'' ولید کو ایک بار پھر انا پر حد سے زیادہ تاؤ آنے لگا تھا۔
''کیا کرو گے؟''
''یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ اب کیا کروں گا میں، اتنی جلدی میں انا بی بی اور اس کی سیاسی دوستی کاشفہ صاحبہ کو معاف نہیں کرنے والا۔'' ولید کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا۔ مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

......☆☆☆......

لالہ رخ ایک بار پھر ماں بننے والی تھی رابعہ ایک سال کی تھی جبکہ عیسیٰ اب کافی سمجھدار ہو گیا تھا خالہ بی کا کافی آسرا تھا ان کا گھر کافی حد تک کمپلیٹ ہو چکا تھا۔ سکندر کا کاروبار بھی کافی حد تک اسٹیبلش ہو چکا تھا۔ وقار کی والدہ کے انتقال کے بعد ان لوگوں نے ضیاء کے کہنے پر باہر ویزے کے لیے اپلائی کر دیا تھا اور خوش قسمتی سے ان کے فیملی ویزوں کی درخواست قبول ہو گئی تھی۔ ضیاء ان لوگوں کو سپورٹ کر رہا تھا اور کچھ وہ لوگ خود انتظامات کر رہے تھے وقار کی کچھ زمین تھی اس نے وہ بیچی تھی انہوں نے گھر کا بھی سودا کر لیا تھا خوش قسمتی سے گھر بھی اچھے خاصے داموں میں بکا تھا لیکن صبوحی بھی ایک بار پھر تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی سو وہ لوگ بچے کی پیدائش کے منتظر تھے تاکہ بعد

میں وہ لوگ جا سکیں وقت بہت تیزی سے گزرنے لگا تھا۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا لیکن لالہ رخ اب اکثر خوف زدہ رہنے لگی تھی۔

اس نے اتفاقاً ایک دو بار ہمایوں کو دیکھا تھا۔ اور ایک بار اس نے ہمایوں کے کچھ ساتھیوں کو دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ بہت محتاط ہو گئی تھی۔ وہ اب گھر سے بہت کم نکلتی تھی۔ عیسیٰ بہت سمجھدار اور باتونی ہو گیا تھا۔ اکثر اس کے سوال لالہ رخ کو مصروف رکھتے تھے۔ سکندر کی وہی روٹین تھی کبھی اس شہر تو کبھی اس شہر۔ انہی دنوں افشاں اور ضیاء بھی اچانک آ گئے تھے۔ افشاں اور ضیاء کی آمد ان سب کے لیے ایک بہت خوش گوار واقعہ تھی۔ افشاں بہت بدل چکی تھی۔ ضیاء کی محبت نے اسے بہت بدل دیا تھا۔ وہ بے انتہا خوش مزاج اور خوش اخلاق ہو گئی تھی۔

ضیاء اور وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ ان دونوں کو خوش دیکھ کر سکندر کے دل سے ایک بہت بڑا بوجھ اترا تھا۔ افشاں کی آمد کے ایک ماہ بعد صبوحی کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ خوب صورت تیکھے نین نقوش والی گڑیا جس کا نام افشاں نے انا رکھا تھا۔ انا ایک بہت ہی پیاری بچی تھی۔

افشاں احسن اور عیسیٰ اس بچی کو دیکھ کر بہت خوش تھے۔ تبھی ان دنوں احسن کی برتھ ڈے آ گئی تھی۔ وہ سب ادھر انوائٹڈ تھے۔ بڑی دھوم دھام سے برتھ ڈے سیلیبریٹ کیا تھا۔ لالہ رخ کی ڈیلیوری میں بھی دو مہینے باقی تھے۔ تبھی وہاں تقریب کے اختتام پر صبوحی نے ضیاء سے ایک خواہش کر ڈالی تھی سبھی وہاں موجود تھے۔

''بھئی میرے احسن کی دلہن روشی بنے گی ضیاء بھائی بس یہ بات یاد رکھ لیں۔'' صبوحی نے بہت مان سے کہا تھا جبکہ افشاں ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''مجھے تو کوئی انکار نہیں افشاں سے پوچھ لو۔'' ضیاء نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا۔

افشاں نے تمام بچوں کے ساتھ کھیلتی اپنی گول مٹول گوری چٹی سی روشانے کو دیکھا تھا وہ بچپن کے رشتوں کے حق میں نہیں تھی لیکن صبوحی کی محبت کے سامنے انکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''ابھی کوئی بھی فیصلہ قبل از وقت ہے بڑے ہو کر بچے نجانے کیا فیصلہ کریں میں اس چیز کے حق میں نہیں ہوں میں سمجھتی ہوں کہ اس سے بچوں کی نفسیات پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑتا۔'' افشاں نے اپنی رائے دے دی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی، چلیں یہ بات ہم بڑوں میں طے پا جاتی ہے میرا وعدہ ہے ہم بچوں کے سامنے ذکر نہیں کریں گے وہ بڑے ہو جائیں ان کے سامنے پرپوزل رکھیں گے اگر وہ متفق ہوئے تو پھر آپ انکار نہیں کریں گے۔'' صبوحی کے الفاظ پر افشاں مسکرا دی تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' تبھی خاموش بیٹھی لالہ رخ نے اپنی گود میں ہاتھ پاؤں مارتی انا کو دیکھا تھا اور پھر وقار کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف شوہر کو۔

''یہاں تو رشتہ داریاں طے ہو رہی ہیں۔'' لالہ رخ مسکرائی تھی۔

''ہاں بھائی تم بھی بہتی گنگا میں ہاتھ ڈال لو، تم بھی آخر کو بیٹے کی ماں ہو فائدہ اٹھاؤ۔'' صبوحی نے کھلکھلا کر کہا تھا۔

''روشانے تو بک ہو گئی۔'' گول مٹول صحت مند سی روشی لالہ رخ کو بہت پسند آئی تھی۔

''ارے تمہیں میں سمدھن کے طور پر بری لگی ہوں کیا؟'' صبوحی نے لالہ رخ کو آنکھیں دکھائی تھیں۔

''آپ کا مطلب ہے یہ چھوٹی؟'' لالہ رخ نے گود میں پڑی انا کو دیکھا تھا۔

''بالکل۔'' صبوحی مسکرائی تھی۔

''میں نے تو اپنی دوستوں دوستوں سے رشتہ داریاں بنانی ہیں اگر اللہ نے اور بچے دیے تو ان کے رشتے بھی تم دونوں سے جوڑنے ہیں۔'' صبوحی نے زندہ دلی سے کہا۔ افشاں اور لالہ رخ ہنس دی تھیں۔

''اچھی زبردستی ہے یہ تو۔'' افشاں نے چھیڑا تھا۔

''بالکل۔'' صبوحی اترائی تھی۔

''یہ تو زبردستی کی سمدھن بن رہی ہے، دیکھو ذرا ہم ماؤں کے کوئی ارمان ہی نہیں۔'' لالہ رخ نے بھی حصہ لیا تھا۔

''ارے کتنی ناشکری ہو تم دونوں، بیٹھے بٹھائے تم دونوں کو رشتے مل رہے ہیں اتنا خوب صورت داماد اور اتنی پیاری سی بہو کہیں اور سے ڈھونڈ کر دکھا نا تم دونوں مجھے۔'' صبوحی کی باتوں پر وہ کبھی ہنس دیے تھے۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ صبوحی اور وقار کے جانے کے

انتظامات مکمل ہو چکے تھے لالہ رخ کے ہاں پھر ایک بیٹی نے جنم لیا تھا۔
بہت ہی پیاری اور خوب صورت بچی تھی بالکل لالہ رخ کا پرتو، سکندر نے اپنی اس بیٹی کا نام عائشہ رکھا تھا۔جس دن عائشہ پیدا ہوئی تھی اس سے اگلے دن صبوحی اور وقار بچوں سمیت امریکہ کے لیے فلائی کر گئے تھے روشانے بھی ان کے ساتھ ہی گئی تھی۔ افشاں اور ضیاء نے بعد میں جانا تھا ضیاء یہاں موجود اپنا گھر سیل کر رہا تھا۔اسے ایک اچھا گاہک مل گیا تھا کافی معقول معاوضہ مل رہا تھا سو اس نے فوراً معاملہ طے کیا تھا۔گھر بکا تو وہ لوگ واپس لالہ رخ کے ساتھ آ ٹھہرے تھے۔انہوں نے کچھ دن بعد چلے جانا تھا۔
ضیاء سیٹ کنفرم کرانے میں لگا ہوا تھا۔اس کی سیٹس ایک ماہ بعد کی کنفرم ہوگئی تھیں۔ افشاں واپسی کی شاپنگ کر رہی تھی اس دن لالہ رخ کو بھی ساتھ لے آئی تھی۔شاپنگ کے دوران کئی بار لالہ رخ کو لگا کہ جیسے وہ مسلسل کسی کی نگاہوں کے حصار میں ہے وہ پہلے ہی ہمایوں کے خوف میں ڈری رہتی تھی پھر خوف زدہ ہوگئی تھی۔اس نے افشاں کو بتایا تھا اور افشاں نے اس کا وہم کہہ کر اسے تسلی دی تھی ان کا گھر تقریباً فائنل ہو چکا تھا۔اب اس میں سامان شفٹ کر رہے تھے اسی سلسلے میں گھر کی زیبائش کے لیے لالہ رخ کو شاپنگ کرنا پڑ رہی تھی۔ وہ سارا دن اس کا بڑا برا گزرا تھا وہ گھر لوٹی تو کچھ سکون کا سانس لیا تھا۔
''یار کچھ بھی نہ تھا تم خوامخواہ خوف زدہ ہوتی رہی تھیں۔'' افشاں نے کہا تو لالہ رخ مسکرا دی تھی۔
کچھ دن مزید گزرے تھے سکندر اپنے نئے گھر میں کافی سامان سیٹ کرا چکا تھا۔رنگ و روغن بھی ہو چکا تھا بس وہ لوگ افشاں اور ضیاء کی وجہ سے وہاں رک گئے تھے۔اس دن لالہ رخ گھر میں اکیلی تھی بچے سو رہے تھے۔خالہ بی ضیاء اور افشاں کے ساتھ اسپتال گئی تھیں ان کو کچھ دنوں سے کھانسی کا مسئلہ ہو رہا تھا ان کو شک ہو رہا تھا کہ جیسے ٹی بی ہو رہی ہے بس اسی سلسلے میں افشاں ان کو سات لے گئی تھی خالہ بی کا بیٹا اسکول گیا ہوا تھا لالہ رخ کچن سمیٹ کر نیچے آئی تو بیل بجی تھی۔اس نے دروازہ کھولا تھا لیکن اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر اس کا منہ کھلے کا کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔
''تم......؟'' اس کے بس لب ہلے تھے اور اس نے خوف زدہ ہو کر دیوار تھام لی۔

انا کالج سے لوٹی تو بہت تھکی ہوئی تھی۔کمرے میں جانے سے پہلے اس نے صغراں سے فوراً کھانا نکالنے کو کہا۔صغراں فوراً حکم کی تعمیل میں کچن میں چلی گئی تھی۔ وہ کمرے میں چلی گئی تھی فریش ہو کر کچن کی طرف آئی تھی جب کچن کے دروازے کے پاس کھڑے ولید کو دیکھ کر ٹھٹکی تھی۔
''مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے میرے کمرے میں چلو۔'' ولید کا انداز بے حد سرد اور غصیلا تھا۔انا نے چونک کر دیکھا۔ ولید بغیر کسی سہارے کے اپنے پاؤں پر کھڑا تھا وہ اب تھوڑا بہت چل پھر لیتا تھا۔
''کیوں؟'' انا پچھلے دنوں ہونے والی بے عزتی نہیں بھولی تھی۔
''کہا نا کمرے میں چلو، ضروری بات کرنی ہے تم سے۔'' ولید نے غصے میں آ کر کہا تو انا کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے۔
''جو بھی کہنا ہے یہیں کہہ لیں۔'' سنجیدگی سے دیکھتے کہا۔
''تم......!'' ولید نے تلخی سے دانت بھینچے اس کی طرف قدم بڑھائے جبکہ انا فوراً پیچھے ہٹی تھی۔
''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو......ورنہ!'' ولید نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔انداز کھا جانے والا تھا۔
''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' جواباً انا نے بھی تلخی سے کہا۔
''تم......ایسے نہیں سمجھو گی۔'' ولید بھنا کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ولید کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی لیکن اس وقت اسے غصے میں کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔اس نے انا کا بازو تھاما تھا۔زخمی اور نحیف ہونے کے باوجود اس میں اتنی طاقت ضرور تھی کہ دھان پان سی انا اس کے جھٹکے سے اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔
''کیا بدتمیزی ہے، کیا کر رہے ہیں آپ، چھوڑیں مجھے۔'' وہ چیخ رہی تھی چلا رہی تھی۔ ولید کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن سب بے کار تھا۔ولید میں لگتا تھا کہ اس وقت کوئی آسیبی طاقت داخل ہوگئی ہے۔
''ولید پلیز چھوڑیں، آئی سے لیو می پلیز۔'' ولید پر اس کی مزاحمت کوئی بھی چیز اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

اپنے کمرے میں لا کر اس نے اسے جھٹکا دے کر دیوار کے ساتھ دھکا دیا تھا۔ انا کا سر دیوار سے بری طرح ٹکرایا تھا۔ ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا وہ تکلیف سے چیخی تھی۔ ولید نے ایک کڑوی نگاہ اس پر ڈالتے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔ انا کی تکلیف کسی بھی چیز کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے تیزی سے انا کی طرف بڑھا تھا۔ انا جو سر تھامے کھڑی تھی ولید نے ایک دم جھٹکے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

اس سے پہلے کہ انا کچھ سمجھتی ولید نے کھینچ کر ایک تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارا تھا۔ اس بار انا کی چیخ بہت بلند تھی۔ اس نے بہت خوف زدہ ہو کر ولید کو دیکھا تھا۔ ولید نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک دم اپنے قریب کیا تھا۔ انا کا سانس اوپر کا اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔

''ولی......!'' وہ صرف کراہ رہی تھی۔ جبکہ ولید نے اس کے منہ پر اپنا مضبوط ہاتھ جما کر اس کی آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا انا نے ولید کو دیکھا۔

ولید کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ نفرت تھی شرارے تھے، غصے کی شدید کیفیت تھی۔ سب کچھ تہس نہس کر دینے کی کیفیت تھی کہ انا کو اپنے پورے وجود میں سنسناہٹ دوڑتی محسوس ہوئی تھی۔

❁......❁......❁

ماں جی نے عباس کو خوشی کی خبر سنا دی تھی۔ عباس کا مارے خوشی کے برا حال تھا۔ دوسری طرف شاہزیب صاحب نے سہیل کو کال کر خوش خبری سنائی اور ساتھ ہی اپنے گھر انوائٹ کیا تھا۔ سہیل نے ماموں سے مشورہ کر کے جس دن آنا تھا کا فیصلہ کر کے بعد میں فون کرنے کا کہا تھا۔ عباس بہت خوش تھا۔

فیضان صاحب سے مل کر وہ تقریباً ناامید ہی ہوا تھا لیکن بعد میں جو انہوں نے سوچنے کا وقت لیا تھا اس سے اس کی امید کافی بڑھی تھی۔ عباس نے رابعہ کو کال کی تھی۔ جب سے فیضان صاحب سے ملاقات ہوئی تھی اس نے رابعہ کو کال نہیں کی تھی۔ لیکن اب بہت دیر تک خود کو باندھ نہیں سکا تھا۔ دوسری طرف رابعہ کی آواز سنائی دی تو عباس کو لگا کہ گویا اس کے جسم و جان میں ایک نئی حرارت سی دوڑ گئی ہو۔ سلام دعا کے بعد عباس نے اس سے پوچھا تھا۔

''کیسی ہیں رابعہ۔''

''جی ٹھیک ہوں، آپ نے کیوں کال کی؟'' دوسری طرف وہ بھی محتاط ہو رہی تھی۔ عباس مسکرا دیا۔

''کیوں میں اب آپ کو کال نہیں کر سکتا۔'' عباس نے پوچھا۔

''ایسی بات نہیں لیکن مجھے ابھی فی الحال یہ سب کچھ مناسب نہیں لگ رہا۔'' رابعہ نے صاف گوئی سے کہا۔ عباس ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''کیوں آپ کو میرا کال کرنا برا لگا ہے کیا؟''

''ایسی بات نہیں سر! جب تک آپ میرے لیے باس تھے سب ٹھیک تھا لیکن اب ہمارے بڑوں میں اور سلسلے میں بات چیت چل رہی ہے اور میں اس دوران بہت محتاط رہنا چاہتی ہوں، میں مڈل گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں اور میں نہیں چاہتی کہ کسی کو مجھ پر بات بنانے کا موقع ملے۔'' عباس مسکرا دیا۔

''او کے آئی لائیک اٹ۔ میں کوشش کروں گا کہ ہماری شادی کا سلسلہ جلدی طے پا جائے اور پھر آپ کو مجھ سے بات کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہو۔'' عباس کی بات پر دوسری طرف موجود رابعہ ایک دم سٹپٹائی تھی۔

''ایم سوری آپ غلط سمجھے ہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''لیکن مجھے شادی کی بہت جلدی ہے رابعہ، میں آپ کے ساتھ زندگی کو ایک نئے رنگ اور روپ میں جینا چاہتا ہوں مجھے یقین ہے آپ ایک بہت اچھی جیون ساتھی ثابت ہوں گی۔ میرے والدین راضی ہیں انہوں نے آپ کی فیملی کو انوائٹ کیا ہے میں ماں جی کو صاف کہہ چکا ہوں کہ مجھے کوئی دھوم دھڑ کا نہیں چاہیے میں سادگی سے شادی کرنا چاہتا ہوں ٹھیک ہے نا رابعہ۔'' عباس نے اس سے تصدیق چاہی تھی۔ دوسری طرف رابعہ کنفیوژ ہو رہی تھی۔

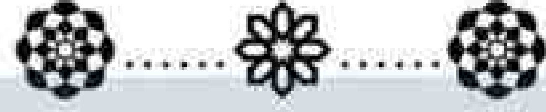
''جی سر...... مجھے بھابی بلا رہی ہیں، میں چلتی ہوں۔'' اس نے کال بند کرنا چاہی تھی۔

''رکیں تو سہی۔'' رابعہ رک گئی۔

''میں انتظار کے ان دنوں کو بہت مس کروں گا، میں آپ کے راستے میں امید کے چراغ روشن کیے بیٹھا ہوں مجھے یقین ہے آپ مجھ

تک آنے میں دیر نہیں لگائیں گی، سن رہی ہیں نا؟'' عباس نے کہا لیکن پھر دوسری طرف بالکل خاموشی محسوس کر کے پوچھا تھا۔

''اللہ حافظ سر۔'' رابعہ نے کال بند کر دی تھی۔ عباس اس کی فیلنگز کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ لاکھ بااعتماد سہی لیکن تھی تو ایک لڑکی محبتوں و جذبوں سے گزرا ہوا وجود، عباس کو یقین تھا بظاہر کچھ نہ کہنے والی اپنے محسوسات چھپا کر رکھنے والی یہ لڑکی اس تک آتے آتے اس کی محبت میں ضرور رنگ چکی ہوں گی اور عباس کو اس وقت کا شدت سے انتظار تھا جب رابعہ اس کے نام پر اس کے گھر میں موجود ہو گی۔



شہوار آج بہت دن بعد کالج گئی تھی۔ مصطفیٰ خود اسے چھوڑنے گیا تھا اور واپسی پر اس نے کہہ دیا تھا کہ گھر کا کوئی فرد لینے آئے گا ڈرائیور کو نہیں بھیجے گا۔ شہوار کا انا کے ساتھ سارا وقت بہت اچھا گزرا تھا۔ اسے اساتذہ سے ملنا تھا کچھ دن بعد ایگزامز شروع ہو رہے تھے پھر اس نے صرف ایگزامز دینے آنا تھا۔ انا اس کی کافی ہیلپ کر رہی تھی وہ اکثر اس کے ساتھ آ جاتی تھی یا فون پر ڈیٹیل سمجھا دیتی تھی اور نوٹس وغیرہ ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دیتی تھی' کالج ٹائم ختم ہو گیا تھا۔ انا کا ڈرائیور لینے آیا تو اس نے بھی مصطفیٰ کو کال کی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے خود آنے اور ویٹ کرنے کا کہا تھا۔ انا اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ مصطفیٰ کو آدھ گھنٹہ لگا تھا وہاں پہنچنے میں انا مصطفیٰ کے آنے پر چلی گئی تھی۔ مصطفیٰ کے ساتھ وہ بھی گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔

''کیسا گزرا آج کا دن؟'' گاڑی ڈرائیو کرتے مصطفیٰ نے پوچھا۔

''بہت اچھا، آج کافی دنوں بعد سب سے ملنا ہوا، اساتذہ سے ملی کافی ہیلپ ملی ہے۔''

''چلو اچھا ہوا، تمہارے ایگزامز کی تیاری اچھی ہو جائے گی پھر......!'' شہوار مسکرا دی تھی۔

ابھی وہ لوگ کالج روڈ پر ہی تھے شہوار کے نمبر پر گھر سے کال تھی ماں جی گھبرائی ہوئی تھیں۔

''لائبہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اسے پین ہو رہا ہے تم کب تک کالج سے فارغ ہو رہی ہو، شاہزیب صاحب کو کال کی تھی وہ کہہ رہے تھے کہ میں لائبہ کو لے کر کلینک چلی جاؤں وہ اور سجاد وہیں پہنچتے ہیں۔''

''جی میں ادھر ہی ہوں' آپ بھابی کو لے کر آئیں میں ان کی اسپیشلسٹ کو کال کرتی ہوں۔'' اس نے کال بند کی تھی۔

''کیا ہوا؟'' شہوار نے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا تو مصطفیٰ پریشان ہوا تھا۔

''لائبہ بھابی کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

''نارمل کیس تھا اللہ خیر کرے ابھی تو چند دن باقی تھے ڈیلیوری میں۔'' مصطفیٰ نے گاڑی لائبہ بھابی کی گائنا کالوجسٹ کے کلینک کی طرف موڑ دی تھی۔ کچھ دیر بعد ماں جی بھی نڈھال سی لائبہ کو لے آئی تھیں۔ ڈاکٹر لائبہ کو روم میں لے گئی تھی، شہوار ساتھ ہی تھی۔ شاہزیب اور سجاد بھی آ گئے تھے۔ ڈاکٹر نے سب کو تسلی دی تھی ماں جی مسلسل ورد کر رہی تھیں ڈاکٹر نے لائبہ کو ڈرپ لگا دی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا ماں جی کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ شام سے کچھ پہلے مسکراتی ہوئی شہوار کمرے سے نکلی تھی۔

''مبارک ہو ماں جی، بیٹا ہوا ہے۔'' وہ بے اختیار مہر النساء بیگم کے گلے لگی تھی۔

''تیرا شکر ہے مولا۔'' وہ ایک دم ہاتھ اٹھا کر شکر بجا لائی تھیں۔

''لائبہ کیسی ہے؟'' سجاد بھائی نے دریافت کیا۔

''الحمدللہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں' کچھ دیر میں ڈاکٹر اجازت دیتی ہیں تو آپ لوگ مل بھی سکتے ہیں۔'' سبھی بہت خوش تھے آفاق کے بعد یہ حویلی کا دوسرا وارث تھا۔

ماں جی نے فوراً صدقہ و خیرات نکالا تھا کلینک کے سارے عملے کو دل کھول کر پیسے دیے تھے۔



دریہ نے اپنے موبائل میں موجود ایاز کا نیو نمبر ڈائل کیا اور کال ملنے پر اس نے اسے شہوار کے بارے میں بتایا تھا اور گھر والوں کے بارے میں بھی۔ ایاز کو کلینک کا ایڈریس اس نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ کال بند کر کے وہ بہت خوش تھی۔ ایاز پچھلے کئی دنوں سے پاگل ہوا جا رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے شہوار اور مصطفیٰ نکل آئیں اور وہ ان کو نیست و نابود کر دے۔ آج اسے ایک اچھا موقع ملا تھا۔ ان کی خوشیوں میں رنگ میں بھنگ ڈالنے کا۔ اس کے پاس وقت کم تھا اور سب کچھ کرنا تھا۔ اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کو کالز کی تھیں۔ یہ سب ساتھی اس نے پیسے دے کر اپنے ساتھ ملائے تھے ورنہ اس کے دوست تو کب کا اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ وہ کلینک آیا تو وہاں سبھی

موجود تھے۔ شاہزیب صاحب ایک اہم میٹنگ سے اٹھ کر آئے تھے وہ واپس چلے گئے تھے مصطفیٰ کو بھی آفس سے کال آ گئی تھی وہ بھی چلا گیا تھا اب وہاں شہوار کے علاوہ مہر النساء بیگم اور سجاد ہی تھے۔ بچہ بہت پیارا تھا لائبہ کافی ویک لگ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے دو تین دن اسپتال میں ایڈمٹ کرنے کا کہا تھا۔ سجاد ڈاکٹر کے کہنے پر لائبہ کے لیے کچھ انجیکشنز لینے باہر نکلا تھا کلینک کے ساتھ والے اسٹور سے انجیکشنز نہیں ملے تھے وہ شہوار اور ماں جی کو بتا کر کسی اور میڈیکل اسٹور کی طرف نکلا تھا یہ اچھا موقع تھا۔ ایاز کے لیے مکمل طور پر راہ ہموار تھی۔

مغرب کی اذان ہو رہی تھی، ماں جی وہاں کلینک میں موجود غسل خانے میں وضو کرنے چل دی تھیں۔ شہوار ڈاکٹر سے بات کرتی کمرے سے نکلی تھی تب ہی ایک طرف چھپے ایاز اور اس کے ساتھی فوراً نکل کر شہوار کی طرف آئے تھے۔

''خبردار کسی نے حرکت کرنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو......؟'' ایاز نے پسٹل شہوار کی کنپٹی پر تان دیا تھا۔

''کون......کون ہو تم لوگ......!'' ڈاکٹر گھبرا گئی تھی جبکہ شہوار ایاز کو دیکھ کر ایک دم ساکت سی ہو گئی تھی۔

''ہمیں تم سے کچھ لینا دینا نہیں اگر زیادہ چوں چراں کی تو گولی حلق میں اتار دوں گا۔'' ایاز نے پسٹل کی نوک ڈاکٹر کی کنپٹی پر ماری تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ شہوار کا وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''بہت بھاگ لیا مجھ سے تم نے اب تمہاری باری ختم اور میری باری شروع چل۔'' ایاز نے پسٹل کی سرد نالی دوبارہ اس کے سر پر رکھی تھی۔

''میں نہیں جاؤں گی۔'' شہوار نے احتجاج کرنا چاہا تھا لیکن ایاز کا پتھریلا ہاتھ ایک دم زناٹے سے شہوار کے گال پر پڑا تھا۔

''یو بچ......!'' وہ گالیاں دینے لگا تھا۔

''چل یہاں سے ورنہ بھیجے میں ساری گولیاں اتار دوں گا۔'' وہ زبردستی شہوار کا بازو پکڑ کر شہوار کو گھسیٹنے لگا تھا۔

اس وقت اس کلینک میں سوائے ڈاکٹر اور چھوٹے موٹے عملے کے کوئی نہ تھا۔ ماں جی بھی شور کی آواز سن کر باہر آئی تھیں۔ وہ چیخی چلائی تھیں لیکن ایاز بے دردی سے شہوار کو گھسیٹتا باہر کی طرف لپکا تھا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)





ٹوٹا ہوا تارا......سمیرا شریف طور

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

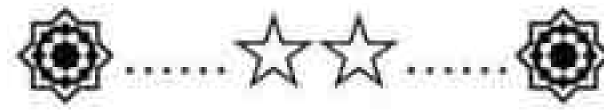
لالہ رخ امجد خان کی مدد سے شہر آ گئی تھی سکندر لالہ رخ سے مل کر جلد ہی نکاح کر لیتا ہے اور اس کے سنگ خوشیوں سے بھر پور زندگی کا آغاز کرتا ہے اسی دوران لالہ رخ کی ماں بھی دنیا چھوڑ گئی لیکن ہمایوں اور باپ کے خوف سے لالہ رخ اس کے آخری دیدار سے محروم تھی۔ سکندر کی یہ بے وفائی افشاں کو مضطرب کیے رکھتی ہے ایسے میں صبوحی اسے ضیاء کے پرپوزل پر آمادہ کرتی ہے جبکہ سکندر افشاں کی محبت کا جان کر حیران رہ جاتا ہے۔ دوسری طرف افشاں سکندر کے سمجھانے پر ضیاء سے شادی پر آمادہ ہو جاتی ہے جلد ہی وہ لوگ بیرون ملک شفٹ ہو جاتے ہیں جہاں ایک نئی زندگی ان کی منتظر تھی۔ لالہ رخ اور سکندر کی زندگی بچوں کی آمد کے بعد مزید خوشگوار ہو گئی تھی ایسے میں حیات علی سکندر سے ملنے آئے تھے لیکن وہ انہیں باپ کا درجہ دینے پر رضامند نہیں تھا۔ حیات علی لالہ رخ سے ملے بغیر افسردہ سے واپس لوٹ آتے ہیں۔ گزرتے ماہ و سال میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں لیکن لالہ رخ ہمایوں کو لے کر اکثر خوف زدہ رہتی ہے اور اس کا خوف جلد ہی یقین میں بدل جاتا ہے جب وہ لالہ رخ کے سامنے آ کر اسے ہراساں کر دیتا ہے۔

شاہ زیب مہر النساء بیگم کے ساتھ رابعہ کے گھر والوں سے ملتے ہیں' اپنے بیٹے عباس کے لیے ان لوگوں کو رابعہ بہت پسند آتی ہے جبکہ مصروفیات کی بناء پر فیضان ان سے ملنے سے محروم رہتے ہیں۔

شہوار انا کی تمام سچائی مصطفیٰ کو بتا کر اسے حیران کر دیتی ہے مصطفیٰ کے لیے حالات کو سنبھالنا اب کافی دشوار ہوتا ہے پھر بھی وہ ولید کو انا کی تمام سچائی سے آگاہ کرتا ہے۔ مصطفیٰ کی زبانی یہ حقائق جان کر ولید شاکڈ رہ جاتا ہے' اسے انا سے اس بے وقوفی کی قطعاً امید نہیں تھی۔ دوسری طرف حماد کی فیملی بھی جلد از جلد انا کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہے ایسے میں سخت طیش کے عالم میں ولید کا ہاتھ انا پر اٹھ جاتا ہے جبکہ انا تمام صورتحال سے بے خبر دنگ رہ جاتی ہے۔

شہوار لائبہ بھابی کے ساتھ ہسپتال پہنچتی ہے ایسے میں دریہ ایاز کو اس کی وہاں موجودگی کا بتا کر سازش کرنے میں کامیاب ٹھہرتی ہے یاز گن پوائنٹ پر شہوار کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



لالہ رخ ساکت سی کھڑی تھی اس کے بس لب ہلے تھے۔

''ہمایوں۔'' ہمایوں ایک دم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

لالہ رخ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی۔ اس نے خوفزدہ ہو کر ہمایوں کو دیکھا تھا۔

''ہاں میں۔'' ہمایوں نے اسے دیکھ کر اطراف میں دیکھا تھا۔

''تو تم یہاں چھپی بیٹھی تھی۔'' گھر کو اس نے حقارت بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''نکل جاؤ یہاں سے......دفع ہو جاؤ۔''

لالہ رخ نے بمشکل خود کو سنبھالتے نفرت سے کہا جوابا وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''اتنی آسانی سے اب نہیں نکلوں گا، اب تم دیکھو میں کیا کیا کرتا ہوں۔'' بڑی مکروہ ہنسی تھی اس کی' لالہ رخ کے چہرے پر ایک دم تکلیف کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

''بہت چھپ لیا تم نے تمہارا یہ چوہے بلی والا کھیل ختم۔ ایک عرصے سے تمہیں تلاش کر رہا تھا آخر کار تمہیں ڈھونڈ ہی لیا۔''

''خدا کا واسطہ ہے جان چھوڑ دو میری، سب کچھ چھوڑ کر آ گئی تھی میں سب کچھ تم لوگوں کے حوالے کر کے اب کیوں میرا پیچھا کر رہے ہو۔''

''چھوڑ تو آئی تھی لیکن اصل کاغذات تم ساتھ لائی تھیں، تمہارا کیا بھروسہ تم کب ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہو ہم سارے کام پر اپر کرتے ہیں اپنے لیے کوئی رسک نہیں چھوڑتے۔''

''تو اب کیا چاہتے ہو۔''

''اصل کاغذات ہمارے حوالے کر دو۔''

''میرے پاس کوئی کاغذات نہیں ہیں۔''
''قربان جاؤں تمہاری اس حسین صورت پر، تم نے کہا اور میں نے مان لیا یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔'' لالہ رخ نے لب بھینچ لیے تھے۔
''آرام سے اصل کاغذات میرے حوالے کرو ورنہ۔'' وہ نفرت سے چیخا اور لالہ رخ کو بازو سے تھام کر خود سے قریب کیا تھا۔ لالہ رخ کی ایک چیخ نکلی تھی۔
''چھوڑو مجھے...... چھوڑو۔'' وہ چیخ رہی تھی لیکن ہمایوں پر کوئی اثر نہ تھا۔
''ہمایوں پلیز چھوڑ دو میرے پاس کوئی کاغذات نہیں ہیں میں سچ کہہ رہی ہوں۔''
وہ شدت سے گڑگڑا رہی تھی لیکن اس وقت ہمایوں ایک وحشی انسان بنا ہوا تھا جس پر اس کی پکار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔
''ٹھیک ہے کاغذات نہیں تو ہمارے ساتھ جائے گی۔'' اس نے لالہ رخ کو باہر کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا لالہ رخ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔
چند سالہ عیسیٰ ماں کی چیخ و پکار سن کر اٹھ گیا تھا، وہ بھاگ کر باہر آیا لیکن ماں اور ایک اجنبی مرد کو دیکھ کر وہ وہیں سہم کر کھڑا ہو گیا تھا۔
ہمایوں اسے لے کر باہر دروازے کی طرف بڑھا تھا لیکن لالہ رخ نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ پا کر ہمایوں کے ہاتھوں پر دانت گاڑھ دیے۔
جیسے ہی ہمایوں کی گرفت ڈھیلی پڑی وہ بھاگی اور ننھے عیسیٰ کو کمرے میں دھکیل کر اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی تھی۔ دروازے کے ساتھ لگی وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔
ننھا عیسیٰ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ باہر موجود ہمایوں زور زور سے دروازے کو ٹھوکریں مارتے مغلظات بھی بک رہا تھا اور پھر باہر کچھ شور سنائی دیا شاید افشاں آ گئی تھی۔ ہمایوں اسے دھمکیاں دیتا بھاگ گیا تھا۔
لالہ رخ نے گم صم کھڑے سہمے سے بیٹے کو ایک دم کھینچ کر سینے سے چمٹا لیا تھا۔ کچھ دیر بعد گھر میں افشاں اور دیگر لوگوں کے بولنے کی آوازیں گونجنے لگیں اور پھر دروازے پر دستک ہوئی تھی۔
''لالہ دروازہ کھولو، میں ہوں افشاں، پلیز دروازہ کھولو۔'' لالہ رخ کے وجود میں گویا زندگی کی لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے عیسیٰ کو خود سے جدا کرتے دروازہ کھولا تھا۔
افشاں، خالہ بی اور ضیاء پریشان کھڑے تھے، لالہ رخ بے اختیار روتے ہوئے افشاں کے گلے لگی تھی۔
''وہ آیا تھا افشاں، وہ مجھے زبردستی ساتھ لے جانا چاہتا تھا اس نے مجھے ڈھونڈ لیا وہ اب ہمیں نہیں چھوڑے گا، ہمایوں آ گیا افشاں۔''
وہ ازحد خوفزدہ ہونے کے ساتھ شدت سے رو رہی تھی، سبھی نے اسے پرسکون ہونے دیا پھر خالہ بی نے پانی لا کر پلایا تھا۔
''جب ہم گھر میں داخل ہوئے تو وہ دروازے کو پیٹ رہا تھا ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ ہمایوں ہو گا وہ تو دھمکیاں دیتا نکل گیا ہمیں دیکھ کر۔'' خالہ بی حیرت سے بتا رہی تھیں۔
''یہ تو بہت برا ہوا...... بہت برا وہ اب پیچھا نہیں چھوڑے گا۔'' افشاں بھی پریشان ہو گئی تھی۔
ایسے کریمنل شخص کا بس ایک ہی حل ہے پولیس میں رپورٹ کرا دیتے ہیں ایک شخص کے خوف میں بھلا ہم کب تک پابند رہ کر جی سکتے ہیں۔'' ضیاء نے کہا تو افشاں نے اسے دیکھا تھا۔
''کوئی فائدہ نہیں ہو گا ایک بار بابا نے بھی میرے باپ کے خلاف رپورٹ لکھوائی تھی جواباً میرے باپ نے ان پولیس والوں کو ہی خرید کر رپورٹ غائب کرا دی تھی۔ ہمایوں تو پھر میرے باپ سے چھ ہاتھ آگے ہے۔''
کوئی حل تو نکالنا ہو گا، ایسے بھلا کب تک ایک خوف کے عالم میں زندگی گزاری جا سکتی ہے، میں سکندر سے رابطہ کرتا ہوں وہ آتا ہے تو دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔''
ضیاء نے کہا جبکہ لالہ رخ اسی طرح گم صم بیٹھی رہی تھی۔
عیسیٰ ماں کو روتے دیکھ کر خود بھی رونے لگ گیا جسے ضیاء نے اٹھا لیا تھا۔
''ہمارا عیسیٰ تو بہت ہی بہادر بچہ ہے اور بہادر بچے نہیں روتے۔'' وہ پچکارتے ہوئے عیسیٰ کو لے کر باہر نکل گیا تھا۔
جبکہ پیچھے روتی، سسکتی، لالہ رخ کو افشاں نے گلے لگا کر دلاسہ دینے کی کوشش کی تھی۔



''نفرت محسوس ہو رہی ہے مجھے تم سے۔'' ولید کے الفاظ پر انا ایک دم اپنی جگہ جم سی گئی تھی۔ ولید نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا تھا۔

''تم جو کچھ کر چکی ہو اور جو کر رہی ہو، سب سوچ کر دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں ایک سیکنڈ میں شوٹ کر دوں۔'' وہ غرایا تھا۔ وہ انا کی طرف عجیب سرد انداز میں دیکھ رہا تھا۔

''بتاؤ کیوں کیا تم نے ایسا، بتاؤ؟'' وہ انا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چیخا جبکہ انا از حد خوفزدہ ہو چکی تھی۔ اس نے ولید کو کبھی اس روپ میں نہیں دیکھا تھا۔

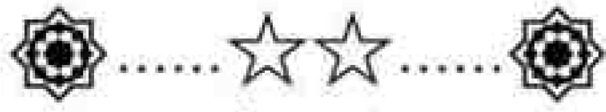
ولید کا مہربان، ہمدرد اور دوستانہ رویہ ہمیشہ اس کے سامنے رہا تھا۔ اس وقت وہ ولید کی بجائے کوئی اور ہی شخص لگ رہا تھا۔

''لیکن تم کیا بتاؤ گی، تمہاری شکی فطرت نے تمہیں کہیں کا نہ چھوڑا، جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں تہس نہس کرنے میں ایک سیکنڈ نہ لگاؤں۔'' وہ بول نہیں پھنکار رہا تھا۔ انا نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

ولید نے اسے دیکھا کچھ کہنا چاہا تھا اس کے لرزتے وجود اور بند آنکھوں کو دیکھ کر نفی میں سر ہلاتے اس نے بہت نفرت سے انا کو دیکھا تھا۔

اس نے لب کھولے اور پھر بھینچ کر انا کو دیوار کی طرف دھکیلتے تیزی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

انا نے ایک دم آنکھیں کھول کر سکتے کی کیفیت میں ولید کو جاتے دیکھا تھا۔ ولید کمرے سے نکلا تو وہ بھی گھٹنوں کے بل زمین پر گر کر سسک اٹھی تھی۔



ضیاء نے سکندر کو بلایا اور سکندر چلا آیا تھا، ساری صورت حال سن کر وہ بھی پریشان ہوا تاہم لالہ رخ کی طرح اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔

''لالہ رخ نے جتنا بھاگنا تھا بھاگ لیا، وہ شخص اب جو بھی کرے گا میں دیکھ لوں گا، جو زمین جائیداد لالہ رخ کی ہے وہ اسی کی رہے گی وہ کسی کے حوالے نہیں کرے گی یہ میری بیوی ہے اس کی حفاظت اب میری ذمہ داری ہے۔'' سکندر کا انداز حتمی تھا۔

''تو پھر میرا مشورہ مانو پولیس کو رپورٹ لکھوا دو، ایسے لوگوں کا بس یہی حل ہے ہماری کچھ دن بعد کی فلائٹ ہے، ہم چلے جائیں گے اور پھر ہمارے بعد تم دونوں کیسے تنہا ان لوگوں سے نبٹوں گے۔'' ضیا نے مشورہ دیا تھا۔

''ہاں میں نے بھی یہی سوچا ہے لیکن اس سے پہلے میں ایک بار ہمایوں سے ضرور ملوں گا۔'' سکندر کا انداز اٹل تھا۔

''نہیں آپ کسی سے نہیں ملیں گے، آپ کو نہیں علم وہ شخص کتنا گھٹیا ہے دولت کے لالچ میں وہ کس حد تک جا سکتا ہے کوئی نہیں جان سکتا۔'' لالہ رخ ایک دم انکاری ہوئی تھی۔ سکندر نے خاموشی سے لالہ رخ کو دیکھا تھا۔

''میں نے سوچ لیا ہے اس کے حوالے سارے کاغذات کر دوں گی۔''

''تم ایسا نہیں کرو گی، اس جائیداد پر تمہارا حق ہے وہ شخص کاغذات لے کر بھی خاموش نہیں بیٹھے گا۔ وہ اگر تم تک پہنچا ہے تو کچھ سوچ کر ہی آیا ہوگا، وہ اتنی آسانی سے نہیں ٹلنے والا۔'' سکندر نے آرام و سکون سے لالہ رخ کو سمجھانا چاہا تھا۔

''تم دونوں میرا مشورہ مانو گے۔'' کب کی خاموش بیٹھی افشاں نے کہا سبھی نے اسے دیکھا۔

''تم لوگوں کا گھر تقریباً مکمل ہو چکا ہے، ہر چیز ریڈی ہے تم لوگ ایسا کرو وہاں شفٹ ہو جاؤ، کچھ دن گزرنے دو اگر ہمایوں نے پھر اِدھر کا رخ کیا یا پیچھا کیا تو پھر پولیس کی مدد لی جا سکتی ہے۔''

''افشاں بیٹی ٹھیک کہہ رہی ہے، ہمایوں کو نئے گھر کا علم نہیں ہوگا، تم لوگ سہولت سے وہاں رہ سکتے ہو۔'' خالہ بی نے بھی مشورہ دیا تھا۔

سکندر اور لالہ رخ نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔

ابھی اس گھر میں فرنیچر، کراکری بہت ساری چیزوں کی کمی تھی لیکن اگلے دن وہ لوگ بہت خاموشی سے وہاں شفٹ ہو گئے تھے۔

ضیاء اور افشاں واپسی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کچھ دن بعد ان کی فلائٹ تھی۔

نئے گھر میں آئے ان کو دو دن ہو گئے تھے۔ بظاہر سب ٹھیک تھا لیکن نجانے کیوں لالہ رخ کے دل میں عجیب سا خوف بیٹھ گیا تھا سکندر آج کل اسی شہر میں تھا اس نے کچھ ماہ سے کاروبار الگ کر لیا تھا اب وہ خود ہی ایک شہر سے دوسرے شہر مال ڈلیور کرنے جاتا تھا۔

حسب معمول وہ اس صبح گھر سے نکلا کیونکہ آج اسے دوسرے شہر جانا تھا وہ لالہ رخ کو اچھی طرح سمجھا بجھا کر نکلا تھا لالہ رخ اگر نئے گھر

میں خوف محسوس کرے تو وہ بچوں کو لے کر خالہ بی کے پاس چلی جائے سکندر کو اگلے دن واپس آنا تھا۔
لالہ رخ سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہی تھی۔ دوپہر ڈھلی تو اس کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ یہی سمجھی کہ افشاں یا ضیاء میں سے کوئی ہوگا۔
یہ سوچ کر اس نے دروازہ کھولا لیکن وہاں اجنبی شخص کو دیکھ کر چونک گئی۔
''یہ آپ کے لیے خط ہے۔'' اجنبی نے ایک بند لفافہ اسے تھما کر چلا گیا، لالہ رخ لفافہ پکڑے اندر آ گئی تھی۔
اس نے لفافہ چاک کیا اندر جو تحریر درج تھی وہ پڑھ کر لالہ رخ ایک دم ساکت رہ گئی۔
''تمہارا شوہر ہمارے پاس ہے اگر اس کی زندگی چاہتی ہو تو چپ چاپ بغیر پولیس کو اطلاع کیے اس خط کے آخر میں درج پتے پر پہنچ جاؤ ورنہ رات تک تمہیں اپنے شوہر کی لاش ملے گی اور ہاں تمام کاروبار اور جائیداد کے اصل کاغذات لانا مت بھولنا ورنہ تمہارا شوہر بے قصور مارا جائے گا۔''

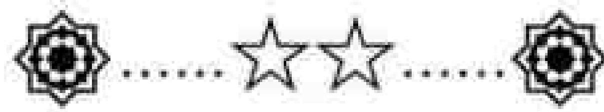
ہمایوں

لالہ رخ نے کئی بار خط الٹ پلٹ کر دیکھا۔ خط کے پچھلی طرف ایک ایڈریس لکھا ہوا تھا جو اسی شہر کا تھا۔ سکندر کو ہمایوں کی قید میں سوچ کر ہی لالہ رخ کی جان نکلنے لگی۔ اس نے جلدی جلدی بچوں کو ساتھ لیا اور خالہ بی کی طرف آ گئی۔
افشاں اور ضیاء گھر پر نہ تھے۔ اس نے خالہ کو مختصراً سب بتایا خالہ بی تنہا اکیلی عورت بھلا کیا کر سکتی تھیں وہ اسے کوئی مشورہ بھی نہ دے سکیں۔ اس نے بچوں کو خالہ بی کے حوالے کیا اور خود تمام کاغذات لے کر گھر سے نکل آئی تھی، رابعہ اس کے ساتھ تھی بخار میں پھنکتی رابعہ کو وہ گھر میں نہیں چھوڑ پائی تھی۔



مصطفیٰ کو ماں جی نے جب بتایا تو ان کی اپنی حالت بڑی عجیب سی ہو رہی تھی۔ ساری صورتحال جان کر مصطفیٰ کا دماغ ایک دم بھک سے اڑ گیا تھا۔
ایاز کلینک آ کر شہوار کو لے گیا تھا۔
یہ خبر ایسی تھی کہ مصطفیٰ کو لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے وجود کے ساتھ بم باندھ کر اس کے وجود کے پرخچے اڑا دیے ہوں۔ ماں جی کا برا حال تھا لیکن لائبہ کے سامنے وہ بمشکل خود پر کنٹرول کر رہی تھیں۔ لائبہ سو رہی تھی انہوں نے فوراً مصطفیٰ اور شاہزیب صاحب کو کال کی اور پھر کچھ دیر بعد سبھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ مصطفیٰ ساری صورت حال جاننے کے بعد گارڈ کی طرف بڑھا تھا۔
گارڈ نے بتایا تھا کہ تین آدمی تھے ایک کار میں آئے تھے ایک نے اس پر گن تان لی اور باقی دو عمارت کی طرف بڑھے تھے۔
''تم نے گاڑی دیکھی تھی۔'' مصطفیٰ بہت ضبط سے گارڈ سے بات کر رہا تھا۔
''یس سر، سفید رنگ کی کرولا کار تھی۔''
''نمبر نوٹ کیا؟''
''جی سر۔''
''نمبر بتاؤ مجھے۔''
مصطفیٰ ایک دم پر جوش ہوا شاہزیب اور عباس بھی آ گئے تھے۔ گارڈ کے بتانے پر مصطفیٰ نے فوراً موبائل پر مختلف جگہوں پر رابطہ کرنا شروع کر دیا۔
''اس نمبر کو نوٹ کرو، جہاں بھی گاڑی دکھائی دے فوراً اریسٹ کرو، کچھ دیر پہلے یہ لوگ یہاں سے نکلے ہیں تقریباً 35 منٹ پہلے۔'' مصطفیٰ کال بند کر کے شاہزیب صاحب کی طرف بڑھا تھا۔
''میں جا رہا ہوں بابا جان دعا کریں، شہوار جہاں کہیں بھی ہو صحیح سلامت ہو اور اس ایاز کو دفعہ میں نہیں چھوڑوں گا۔''
مصطفیٰ مشتعل تھا شاہزیب صاحب نے بڑے ضبط سے بیٹے کو دیکھا۔
''جو بھی قدم اٹھانا سوچ سمجھ کر اٹھانا یہ مت بھولنا کہ تم ایک امانت دار پولیس آفیسر ہو، کوشش کرنا ایاز اریسٹ ہو جائے۔'' مصطفیٰ کے چہرے کے زاویے مزید بگڑے تاہم اس نے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا اس وقت وہ جس کیفیت سے گزر رہا تھا، اس کے پیش نظر وہ

نیا کو تہس نہس کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔
وہ کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے نکلا تو شاہزیب صاحب نے عباس کو بھی اس کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا، عباس بھی فوراً مصطفیٰ کے ساتھ اس کی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ اگلے دو گھنٹے بڑی تیزی رفتاری سے گزرے۔ مصطفیٰ کا مارے ضبط کے برا حال تھا۔
کہیں سے بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا کہ ایاز شہوار کو لے کر کہاں گیا ہے؟ مصطفیٰ پاگلوں کی طرح ہر چیز کا پیچھا کر رہا تھا۔ عباس لمحہ بہ لمحہ مصطفیٰ کی ڈھارس بندھا رہا تھا۔
''ٹیک اٹ ایزی یار، سب ٹھیک ہو جائے گا، پتا چل جاتا ہے شہوار کا تم بس کول ڈاؤن رہو۔''
''کیسے رہوں، شہوار غائب ہوئی ہے میری بیوی اور وہ اس کرپٹ انسان کے پاس ہے۔ نجانے وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔'' مصطفیٰ کے لیے ایسا کچھ تصور کرنا بھی کسی عذاب سے کم نہ تھا۔
''کچھ نہیں ہوگا، بس اچھا سوچو۔''
''سوچنے کی بات ہے ایاز کو کیسے علم ہوا کہ شہوار اس وقت اس کلینک میں ہے۔''
''میں خود یہ سوچ سوچ کر حیران ہوں، شہوار گھر سے نہیں نکل رہی تھی آج کالج گئی اور پھر وہیں سے کلینک' ایاز کو اتنی مکمل معلومات کہاں سے ملی تھیں۔'' عباس کے کہنے پر مصطفیٰ نے بھی کہا تھا۔
''ہو سکتا ہے اس کا کوئی ساتھی مسلسل ہمارا پیچھا کر رہا ہو؟'' عباس نے نکتہ اٹھایا تھا۔
''جو بھی ہے میں اس ایاز کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا عباس نے محض اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے تسلی دینا چاہی تھی۔



''شہوار میرے پاس ہے میں نے کلینک میں سے اسے اٹھا لیا ہے رستے میں وہ بے ہوش ہو گئی تھی ہوش میں آتی ہے تو دیکھو میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔'' ایاز نے دریہ کو کال کی تھی اور کامیاب ہو جانے کی اطلاع دی۔
''یو آر بریلینٹ بوائے، مجھے یقین نہیں آ رہا شہوار تمہارے پاس ہے۔'' وہ بہت ایکسائیٹڈ ہو گئی تھی۔
''میں جو ایک بار ٹھان لوں کر کے ہی دم لیتا ہوں۔'' وہ بہت خوش تھا۔
''اب کیا ارادہ ہے؟'' دریہ نے پوچھا۔
''تمہارے لیے میں یہ سب کر رہا ہوں تم اب میری ڈیمانڈ پوری کرو گی۔''
''کیسی ڈیمانڈ؟'' دریہ چونکی تھی۔
''تم کو میں ایک ایڈریس لکھواتا ہوں تمہیں یہاں پہنچا ہوگا۔''
''کیا مطلب...... میں کہیں نہیں آ رہی؟'' وہ فوراً بدکی۔
''آنا تو تمہیں پڑے گا' دریہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ شہوار کو اٹھوانے میں سب سے زیادہ ہاتھ تمہارا رہا ہے، میرے پاس تمہاری ہر کال، ہر میسج کا ریکارڈ موجود ہے۔''
''کہنا کیا چاہتے ہو؟'' دریہ کے تیور فوراً بدلے تھے۔
''صاف اور واضح بات ہے میں اگر تمہاری مدد کر رہا تھا تو بلا مقصد تو نہیں کر رہا تھا تم جوان ہو، حسین ہو شہوار سے تو میری ضد تھی لیکن تم جیسی لڑکی کو کون چھوڑتا ہے اب تمہیں میرے پاس آنا ہوگا ورنہ تم جانتی ہو کہ میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔'' ایاز کے ایک دم پینترا بدلنے پر دریہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔
''میں نہیں آ سکتی میں جیسی بھی ہوں لیکن کوئی گھٹیا قسم کی لڑکی نہیں ہوں میں یہ سب مصطفیٰ کے لیے کر رہی تھی، تم مجھے بلیک میل مت کرو۔'' وہ فوراً بھڑک اٹھی۔
''بلیک میل تو تم اب ہو گی اور تم کتنی پاکباز اور شریف زادی ہو میں بھی اچھی طرح جان چکا ہوں، سیدھے سے میرے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچو ورنہ اگلے آدھے گھنٹے میں تمہارے ڈیئر کزن تک تمہاری تمام چیٹ ریکارڈنگ پہنچ جائے گی۔'' وہ واقعی بلیک میلنگ پر اتر آیا تھا۔

''پلیز ایاز تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔''
''تو پھر تمہیں جیسا کہہ رہا ہوں وہی کرنا پڑے گا۔''
دریہ کے چہرے کے زاویے ایک دم بدلے تھے وہ بالکل گم صم اور خاموش رہ گئی۔
''ایڈریس سینڈ کر رہا ہوں میں جانتا ہوں تمہارے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں، اگلے آدھے گھنٹے میں تم یہاں نہیں پہنچی تو تمام ریکارڈنگ مصطفیٰ کے پاس ہوگی اور ہاں زیادہ چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا تم مجھے جانتی نہیں ہو شہوار تو مرے گی ہی لیکن اس کا قتل تم پر ہوگا۔'' وہ کہہ کر کال بند کر چکا تھا۔ دریہ اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی تھی۔
وہ جو کچھ دیر پہلے بہت خوش تھی اس وقت اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی گہری دلدل میں جا گری ہو۔ کچھ دیر بعد اس کے موبائل کی میسج ٹون بجی تھی۔ اس نے دیکھا ایاز کا میسج تھا اس نے ایڈریس سینڈ کیا تھا۔ دریہ کے اندر شدید اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ اس نے ایاز کا نمبر ملایا لیکن وہ بند ملا۔ وہ مزید پریشان ہوگئی تھی۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں بالکل ختم ہو چکی تھیں۔ وہ بار بار ایاز کا نمبر ملا رہی تھی لیکن اس کا نمبر مسلسل بند جا رہا تھا وہ شدید پریشانی میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اسے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کیا کر چکی ہے۔ اس نے موبائل پر موجود ایڈریس دیکھا اور پھر ایاز نے کہا تھا کہ اگر وہ آدھے گھنٹے میں وہاں نہ پہنچی تو وہ مصطفیٰ تک تمام ریکارڈنگ پہنچا دے گا۔ یہ سوچ کر دریہ کا رنگ ایک دم بدلا تھا۔
جو گڑھا وہ دوسروں کے لیے کھود رہی تھی اب اسی گڑھے میں خود گر چکی تھی وہ ایاز کو ڈبل کراس کرنا چاہتی تھی لیکن ایاز اسے ڈبل کراس کر گیا۔ اس نے جلدی سے الماری سے اپنا بیگ نکالا۔ اس وقت اپنے حلیے کی پروا نہ تھی اور فوراً باہر نکلی۔ باہر پورچ میں کوئی گاڑی دکھائی نہ دی تو اس نے چیخ کر چوکیدار کو بلایا تھا۔
''ساری گاڑیاں کدھر ہیں۔''
''سب صاحب لوگ لے جا چکے ہیں۔'' چوکیدار نے مودب انداز میں بتایا دریہ نے خوفزدہ ہو کر اپنا موبائل دیکھا پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔
''اچھا گیٹ کھولو، مجھے باہر جانا ہے۔''
''خیریت بی بی...... آپ ٹھہر جائیں میں مالی کو بھیجتا ہوں وہ کوئی سواری لا دیتا ہے۔''
''نہیں میں چلی جاؤں گی، تم گیٹ کھولو۔'' وہ کافی بدتمیزی سے بولی تھی جس پر چوکیدار نے خاموشی سے گیٹ کھول دیا تھا۔
''یہاں سے پی سی او آفس کتنی دور ہے۔'' چوکیدار نے تعجب سے اسے اور پھر اس کے ہاتھ میں موجود ایک بڑے سے ٹچ سسٹم والے موبائل کو دیکھا تھا۔
''یہاں سے بائیں طرف جو سڑک نکلتی ہے وہیں اسی روڈ پر یوٹیلٹی اسٹور ہے اس کے ساتھ پی سی او ہے بی بی صاحبہ۔'' دریہ محض سر ہلا کر تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ چوکیدار نے پریشانی سے اسے جاتے دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر گیٹ بند کر کے اندر چلا گیا تھا۔



ضیا اور افشاں کسی رشتہ دار سے مل کر لوٹے تو خالہ کہیں جانے کو تیار تھیں ساتھ میں ان کا بیٹا بھا۔
''آپ کہاں جا رہی ہیں خالہ بی۔''
''میرے جیٹھ جٹھانی اور اس کے بچے سبھی بس حادثے میں مارے گئے ہیں اس محلے کا ایک لڑکا کچھ دیر پہلے اطلاع دینے آیا تھا اسی جگہ جا رہی ہوں تم دونوں کا انتظار تھا۔''
افشاں نے خبر سن کر دل تھام لیا تھا۔ خالہ بی کے ہی سسرالی واحد رشتہ دار تھے اور خالہ بی کے شوہر کی وفات کے بعد انہوں نے سب جائیداد پر قبضہ کر کے گھر سے نکال دیا تھا اور اب قدرت کے کھیل کا لقمہ بن گئے افشاں کا دل کانپ اٹھا تھا۔
''ایک اور اطلاع دینی تھی۔'' خالہ بی نے سبھاؤ سے کہا تو دونوں میاں بیوی نے دھیان دیا۔ ''لالہ رخ کے بچے عیسیٰ اور عائشہ کمرے میں سو رہے ہیں۔''
''اچھا، لالہ رخ کب آئی اور کہاں ہے؟'' جواباً خالہ بی نے جو بتایا وہ سب سن کر ضیا اور افشاں ششدر رہ گئے۔
''آہ...... یہ کیا حماقت کی لالہ رخ نے...... خالہ بی آپ نے کیوں جانے دیا، اسے روک لیتیں۔''

”میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بے چاری شوہر کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی اس کا رونا دیکھا نہیں گیا مجھ سے اس کی ساری بات سن کر روکتی تو بھی وہ چلی جاتی۔“ خالہ کے کہنے پر دونوں پریشان ہو چکے۔

خالہ بی کو دیر ہو رہی تھی وہ تو اپنے بیٹے کو لے کر چلی گئیں جبکہ پیچھے وہ دونوں میاں بیوی ان بچوں کو لے کر شدید پریشان تھے۔



شہوار کو ہوش آیا تو اپنے سامنے کرسی پر بیٹھے ایاز کو دیکھا تھا۔ اس کے وجود کو شدید جھٹکا لگا تھا۔

اسے یاد آیا کہ پچھلے کچھ گھنٹوں میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہو چکا تھا۔ وہ تڑپ رہی تھی چیخ رہی تھی جب ایاز اور اس کے ساتھی نے زبردستی اسے گاڑی میں دھکیل لیا تھا وہاں موجود مہر النساء بیگم کچھ کر سکی تھیں اور نہ ہی کلینک کا گارڈ اور ڈاکٹر۔

وہ گاڑی میں شدید مزاحمت کر رہی تھی جب ایاز نے کوئی چیز اس کے منہ پر رکھی تھی اور پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا تھا۔

یقیناً اسے کلوروفارم کے زیر اثر بے ہوش کر دیا گیا تھا اور اب اسے ہوش آیا تھا۔

”ویلکم ٹو مائی پیلس مائی ڈیئر شہوار مصطفیٰ۔“ ایاز خباثت سے مسکراتے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ شہوار بے اختیار پیچھے ہٹی تھی کلینک میں اس کے وجود پر چادر تھی جواب کہیں نہ تھی۔ وہ بے اختیار اپنے وجود میں سمٹ گئی۔

”کیوں لائے ہو تم مجھے یہاں؟“ وہ ایک دم رو پڑی تھی۔

”تمہاری طرف بہت سے حساب نکلتے ہیں سو چاہل بیٹھ کر کلیئر کریں گے لیکن اس سے پہلے تمہیں کچھ سبق بھی سکھانا ہے۔“ وہ اس کی طرف بڑھا تھا اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر شہوار کا ہاتھ تھامنا چاہا لیکن شہوار ایک دم اس کا ہاتھ جھٹک کر پیچھے سرکی تھی۔

”تم غلط کر رہے ہو، مصطفیٰ تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔“ وہ نفرت سے بولی جواباً ایاز نے قہقہہ لگایا تھا۔

”ہاہاہاہا...... تمہارا وہ نام نہاد شوہر۔“ شہوار نے خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”تم پچھلے تین گھنٹوں سے ہماری تحویل میں ہو تمہارا شوہر کچھ نہیں کر سکا۔ بھوکے کتوں کی طرح سارے شہر میں اس کے سپاہی میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں لیکن کسی کو میرا سراغ تک نہیں مل پا رہا۔“ وہ فتح کے نشے سے چور تھا۔ شہوار کو لگ رہا تھا کہ جیسے ہر لمحہ اس پر قیامت بن کر گزر رہا ہے۔

”پلیز مجھے جانے دو ایاز۔“ اگلے ہی پل وہ جیسے ڈھے سی گئی تھی ایک دم سسک کر ایاز کو دیکھتے کہا تھا۔

”اتنی مشکلوں سے حاصل کیا ہے اتنی جلدی جانے دوں۔“ وہ خباثت سے مسکرا دیا۔

وہ شہوار کی طرف بڑھا اور شہوار پیچھے ہوتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

”دیکھو تمہیں اللہ کا واسطہ مجھے جانے دو پلیز۔“

وہ رو رہی تھی جبکہ اس کی بے باک ناپاک نگاہیں اس کے وجود کا طواف کر رہی تھیں۔

”تم تو میری سوچوں سے بھی بڑھ کر خوب صورت ہو یار۔“

قریب آ کر اس کے چہرے پر جھک کر ایاز نے کہا تو شہوار نے ایک دم چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

”اتنی جلدی ہمت تو نہیں ہارنے دوں گا تمہیں۔“ اس نے سرد لہجے میں کہتے زبردستی شہوار کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”یہی ہاتھ تھا نا جو تم نے مجھ پر اٹھایا تھا۔“ وہ سرد نگاہوں سے شہوار کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

اگلا لمحہ شہوار کے لیے عجیب خوفزدگی لیے ہوئے تھا۔ ایاز نے کھینچ کر شہوار کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ شہوار کی چیخ بے اختیار تھی۔

”بلیڈی بچ تم نے اپنے اس پولیس آفیسر کے ذریعے مجھے بڑا نقصان پہنچایا ہے اب ایک ایک زخم کا بدلہ لوں گا، زندہ نہیں چھوڑوں گا تمہیں تمہارے اس خوب صورت وجود کے پرخچے نہ اڑا دیے تو میرا نام ایاز نہیں۔“ وہ پھنکار رہا تھا اور دونوں ہاتھوں سے شہوار کو پیٹ رہا تھا۔ شہوار شدید مزاحمت کر رہی تھی لیکن کمرے کی چار دیواری میں بچاؤ کا کوئی رستہ نہ تھا اور پھر ایاز کے پاؤں کی ٹھوکر نجانے اس کے وجود پر کس رخ سے لگی تھی شہوار کو لگا کہ جیسے اس کے وجود میں کسی نے آگ بھڑکا دی ہو۔ وہ بے اختیار چیخ مار کر منہ کے بل زمین پر گری تھی۔



لالہ رخ جب وہاں پہنچی تو دوپہر ڈھل چکی تھی وہ شہر سے باہر نئی آباد کی گئی کالونی تھی کم از کم اسے وہاں پہنچنے میں دو گھنٹے لگے تھے رابعہ کا بخار اور شدت اختیار کر گیا اور لالہ رخ اس کی حالت رو رو کر ابتر ہو چکی تھی۔

''مجھے اندازہ تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔'' ہمایوں اسے دیکھ کر بڑے بے ہودہ انداز میں ہنسا تھا۔
''سکندر کہاں ہے؟'' وہ نفرت سے بولی تھی۔
''اتنی جلدی کیا ہے ابھی بیٹھو پہلی بار خود سے چل کر میرے پاس آئی ہو کچھ تواضع خدمت کرنے دو پھر بات کرتے ہیں۔''
''میں کسی خدمت کے لیے نہیں آئی، تم بتاؤ سکندر کہاں ہے؟'' وہ چیخی تھی رابعہ اس کے کندھے سے لگی ہوئی تھی ماں کی چیخ سن کر وہ ایک دم رونے لگی۔
''چلو آؤ ملواتا ہوں تمہیں تمہارے شوہر سے۔'' وہ اسے لے کر ایک کمرے کی طرف بڑھا وہاں زمین پر زخمی حالت میں پڑے سکندر کو دیکھ کر لالہ رخ کی چیخیں نکل گئیں۔ اس نے کمبل میں لپٹی روتی سسکتی رابعہ کو ایک دم زمین پر لٹا کر سکندر کو دیکھا تھا۔ ہمایوں دروازے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔
''دیکھ لو، اچھی طرح تسلی کر لو تمہارا شوہر ہی ہے نا یہ۔'' لالہ رخ نے سکندر کو ہلایا جلایا مگر وہ بے ہوش تھا۔
''کتنے ظالم اور سفاک انسان ہو تم، کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا، کیوں آسیب کی طرح ہماری زندگیوں میں گھس آئے ہو۔'' ہمایوں نے اسے سنجیدگی سے دیکھا تھا۔
''یہ شخص صرف اور صرف تمہاری وجہ سے اس حالت کو پہنچا ہے۔'' وہ اس کی بات پر سسکتے ہوئے سکندر کی طرف جھکی تھی۔
''سکندر آنکھیں کھولیں، پلیز سکندر۔'' لیکن سکندر کے وجود میں کوئی جنبش تک نہیں ہوئی تھی۔
''کیا کیا ہے اس کے ساتھ بتاؤ'' اس نے خوف زدہ ہو کر ہمایوں کو دیکھا تھا۔
''زندہ ہے ابھی لیکن تب تک زندہ ہے جب تک تم چاہو گی تم جائیداد کے تمام کاغذات میرے حوالے کر دو اور ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔'' لالہ رخ نے بہت نفرت سے اسے دیکھا اور پھر بیگ کھول کر تمام کاغذات ہمایوں کے منہ پر دے مارے۔
''یہ لو...... لیکن خدارا میرے شوہر کو چھوڑ دو، میں منت کرتی ہوں تمہاری مجھے یہ دولت، جائیداد کچھ بھی نہیں چاہیے سب لے لو لیکن پلیز میرے شوہر کو چھوڑ دو۔'' وہ اس کے سامنے روتے روتے سسکنے لگی۔ زمین پر لیٹی رابعہ رو رو کر خاموش ہوگئی تھی۔
ہمایوں نے تمام کاغذات اچھی طرح چیک کیے اور پھر ایک دم مسکرا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر کامیابی کی مسکراہٹ تھی۔ اس نے کسی کو آواز دی وہاں ایک اور مرد چلا آیا۔
''اس کو ساتھ والے کمرے میں لے جاؤ۔''
ہمایوں نے اس آدمی کو اشارہ کیا جب ہی وہ لالہ رخ کی طرف بڑھا تھا لالہ رخ چیخی چلائی لیکن سب بے سود تھا وہ شخص اس کو دھکیل کر ایک اور کمرے میں لے آیا اور پھر اسے اندر دھکیل کر باہر سے دروازہ بند کر کے چلا گیا جبکہ لالہ رخ دونوں ہاتھوں سے زور زور سے دروازہ پیٹتے نڈھال سی ہو کر زمین پر گر گئی تھی۔



مصطفیٰ کے نمبر پر کسی انجانے نمبر سے ایک کال آئی تھی اور اس کال میں کچھ کہا گیا تھا۔ وہ سن کر مصطفیٰ ایک دم ساکت ہوا اور پھر فوراً مختلف جگہوں پر نمبرز ملاتے سب کو ایک جگہ پہنچنے کا کہتے خود بھی گاڑی میں آ بیٹھا عباس ساتھ تھا۔
''کہاں جا رہے ہیں ہم؟''
''ایاز کا پتا لگا ہے۔'' عباس حیران ہوا۔
''کیسے؟''
''وہاں چل کر پتا چل جائے گا، اگر رپورٹ سچی ہوئی تو سمجھیں ایاز کو اب مجھ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔'' عباس خاموش رہا۔ مصطفیٰ نے بہت غیر محتاط انداز میں گاڑی چلائی تھی۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر اس جگہ پہنچ جائے عباس نے شاہزیب صاحب کو بتا دیا تھا۔ وہ بھی مصطفیٰ کے بتائے گئے مقام پر پہنچنے کا کہہ کر فوراً روانہ ہوئے تھے۔
مصطفیٰ جب تک وہاں پہنچا تھا اس علاقے کے نزدیک ترین پولیس بھی اس جگہ پہنچ چکی تھی۔ مصطفیٰ فوراً گاڑی سے نکل کر ساتھیوں کو ہدایت دیتے خود عمارت کی طرف بڑھا تھا۔

۞......☆☆......۞

شہوار منہ کے بل گری تو ایاز کے ہاتھ رک گئے شہوار کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ پیٹ کو تھامے دہری ہوئی جا رہی تھی۔ وہ شہوار کو جان سے مار دینا چاہتا تھا لیکن ابھی اتنی جلدی نہیں اسے دریہ نے بتایا تھا کہ شہوار حاملہ ہے اور اس وقت شہوار کی جو حالت تھی ایک پل کو ایاز رک گیا تھا۔

وہ شہوار کو تر سا تر سا کر مارنا چاہتا تھا لیکن اسے لگ رہا تھا کہ جذبانیت میں وہ بہت بڑی غلطی کر چکا ہے۔

اسے ابھی شہوار پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا اور اگر اٹھایا بھی تھا تو کم از کم اس بُری طرح زدوکوب نہیں کرنا چاہیے تھا۔

جنونیت اور جذباتیت کا طوفان اترا تو اسے لگا وہ بری طرح شہوار کو نقصان پہنچا گیا ہے۔

درد سے چیختی کراہتی شہوار پر ایک نگاہ ڈالتے اس نے ایک طرف ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا تھا۔

دریہ کو کال کرنے کے بعد وہ موبائل بند کر چکا تھا، اس نے موبائل جیسے ہی آن کیا اس کے ساتھی کی کال آنا شروع ہوگئی۔ اس نے فوراً کال پک کی تھی۔

''موبائل کیوں بند کیا ہوا ہے؟'' کال ریسیو ہوتے ہی وہ چیخا تھا۔

''کیوں؟'' درد سے بے حال ہو کر ایک طرف لڑھکتی شہوار کو دیکھ کر اس نے برہمی سے کہا تھا۔

''ہمارے اس ٹھکانے پر پولیس کی ریڈ ہوئی ہے سبھی کو گرفتار کر لیا گیا ہے میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا ہوں، تم بھی کسی طرح نکلو یہاں سے۔''

''کیسے ہوگئی ریڈ؟'' وہ چیخا تھا۔

''پتا نہیں، ہمارے کسی ساتھی نے مخبری کی ہے جیسے بھی ہو پچھلے دروازے سے نکلو ورنہ پولیس اندر داخل ہوگئی تو تمہارے لیے بھاگنا مشکل ہو جائے گا۔'' اس کے ساتھ ہی کال منقطع ہوگئی۔

ایاز نے ایک نگاہ بے حس و حرکت ایک طرف گری ہوئی شہوار پر ڈالی اور ایک دراز سے پسٹل نکال کر اس نے باہر جھانکا تھا۔

باہر سے شور ہنگامے کی آوازیں آرہی تھیں پولیس عمارت میں داخل ہو چکی تھی۔ ایاز نے بہت تلخی سے شہوار کو دیکھا اور پھر پسٹل کی نالی کا رخ اس کی طرف کیا۔ شہوار اب اس کے کسی کام کی نہیں رہی تھی۔

وہ جو دل میں ٹھان چکا تھا وہ اب نہیں ہو سکتا تھا لیکن دل میں کوئی حسرت بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ بھاگنے کے لیے اس کے پاس بس یہی کچھ پل تھے۔

اس نے پسٹل کا ٹریگر دبایا لیکن گولی نہیں چلی، اس نے دو تین بار یہ عمل دہرایا تھا اور ایک دم زچ ہو کر اس نے پسٹل چیک کیا تو چونکا پسٹل خالی تھا یہ بھلا کیسے ہو سکتا تھا کلینک جانے سے پہلے اس نے خود پسٹل لوڈ کیا تھا۔ اس نے بغور دیکھا اس کا پسٹل اس کے ساتھیوں کے پسٹل سے بدل چکا تھا۔ ایاز کے اندر شدید جنونیت کی لہر اٹھی تھی۔

اس نے پاؤں کی ٹھوکر زور سے شہوار کے وجود پر لگائی اور پھر فوراً باہر بھاگا۔ اس کے پاس اب یہاں سے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ جیسے ہی باہر نکلا باہر کی طرف سے کچھ پولیس کے افراد بھاگ کر اندر آتے دکھائی دیے جن میں سب سے آگے مصطفیٰ تھا۔ ایاز کے اوسان ایک دم خطا ہوئے تھے وہ فوراً مخالف سمت بھاگا تھا۔

''رک جاؤ ایاز ورنہ مارے جاؤ گے۔'' مصطفیٰ چیخا لیکن ایاز نہیں رکا تھا۔ اس نے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا اور پھر اس نے الماری سے کچھ بلٹس نکال کر پسٹل لوڈ کی تھی۔ اب یہ کمرہ اس کی پناہ گزیں تھا اور وہ ان گولیوں کے سہارے ہی مصطفیٰ اور اس کے سپاہیوں سے بچ سکتا تھا۔

مصطفیٰ اسے بار بار وارن کر رہا تھا مصطفیٰ کے ساتھ پولیس کی بہت بھاری نفری تھی۔ وہ تمام لوگ ارد گرد پھیل گئے تھے۔ امجد خان بھی اپنی نفری کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔

''تم ایاز کو کور کرو میں شہوار کو ڈھونڈتا ہوں یاد رہے یہ شخص بچ کر نہ جانے پائے۔'' مصطفیٰ نے امجد خان کو کہا اور پھر مختلف کمرے چیک کرنے لگ گیا اس کے ساتھ دو ساتھی تھے اور پھر اسے ایک کمرے میں زمین پر بری حالت میں اوندھے منہ گری ہوئی شہوار مل گئی تھی۔ مصطفیٰ دیوانہ وار شہوار کی طرف لپکا تھا۔

""شہوار......شہوار۔"" اس نے اسے سیدھا کیا لیکن شہوار کی حالت دیکھ کر ایک دم اوسان خطا ہو گئے۔ شہوار کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کی حالت بہت ہی نازک تھی۔

مصطفیٰ نے بے اختیار اس کی نبض چیک کی تو وہ بہت رک رک کر چل رہی تھی۔ مصطفیٰ کا دل بند ہونے لگا۔

""ڈرائیور کو کہو گاڑی ریڈی رکھے ہری اپ۔""

مصطفیٰ نے چیخ کر کہا اس کا ایک ساتھی باہر بھاگا دوسرے نے فوراً ایک طرف پڑی ہوئی چادر مصطفیٰ کو تھمائی۔ مصطفیٰ نے شہوار پر چادر ڈالی تھی اور فوراً اٹھایا تھا۔

مصطفیٰ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی ایاز کو شوٹ کر دے وہ لب بھینچ کر باہر نکلا تھا۔

باہر امجد خان اور پولیس کی نفری محتاط انداز میں ایاز جس کمرے میں بند تھا اس کا گھیراؤ کیے ہوئے تھی۔

""امجد خان خیال رکھنا ایاز بچ کر نہ جائے۔"" امجد خان کے قریب سے گزرتے مصطفیٰ ایک پل کر رکا تھا۔

""آپ فکر نہ کریں اب یہ کہیں نہیں بھاگ سکتا۔"" امجد خان نے تسلی دی تو مصطفیٰ فوراً باہر نکلا عباس بھائی مصطفیٰ کو دیکھ کر فوراً قریب آئے تھے حفظ ماتقدم کے طور پر مصطفیٰ نے ان کو باہر ہی رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

""کیا ہوا شہوار ٹھیک تو ہے نا؟""

مصطفیٰ نے لب بھینچ رکھے تھے۔ اس نے فوراً شہوار کو گاڑی میں ڈالا تھا۔

ایک طرف عباس بھائی بھی آ بیٹھے تھے۔ ان کو اسپتال پہنچنے میں کچھ وقت لگا۔ عباس رستے میں ہی شاہزیب صاحب کو کال کر چکا وہ بھی اسپتال پہنچ گئے تھے۔

شہوار کی خراب طبیعت تھی ڈاکٹرز فوراً اسے ایمرجنسی میں لے گئے مصطفیٰ امجد خان سے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ ایاز ابھی تک کمرے میں بند تھا وہ امجد خان اور ساتھیوں پر وقفے وقفے سے فائرنگ کر رہا تھا یہ لوگ بھی جوابی فائرنگ کر رہے تھے۔

ان لوگوں نے بہت خاموشی سے اس جگہ پر ریڈ کیا تھا اور جو آدمی جہاں تھا اسے وہیں جا لیا نجانے ایاز کو کیسے خبر ہو گئی۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے آ کر مصطفیٰ کو جو خبر سنائی تھی وہ سن کر مصطفیٰ ایک دم ساکت رہ گیا عباس بھائی اور شاہزیب صاحب نے بے اختیار مصطفیٰ کے کندھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔

ڈاکٹر اطلاع دے کر چلی گئی اور مصطفیٰ یہ سن کر ساکت کھڑا رہ گیا۔ شاہزیب صاحب کے اشارہ کرنے پر مصطفیٰ کو عباس نے کندھے سے تھام کر ایک طرف رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بٹھایا تھا۔

مصطفیٰ لاکھ مضبوط سہی لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں انسان بالکل بے بس ہو جاتا ہے اور اس وقت مصطفیٰ کے اندر کچھ ایسی ہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی تبھی مصطفیٰ کے موبائل پر کال آئی تھی۔ مصطفیٰ نے خالی نظروں سے موبائل کو دیکھا تھا۔

عباس اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اس نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر شاہزیب صاحب کو تھما دیا۔

امجد خان کی کال تھی شاہزیب نے ایک افسردہ سی نگاہ سر جھکائے لب بھینچے وجود پر ڈالی اور کال ریسیو کر لی تھی۔

""ہاں امجد خان کیا بات ہے؟"" جواباً امجد خان نے جو خبر سنائی شاہزیب صاحب سن کر بالکل گم صم ہو گئے تھے۔

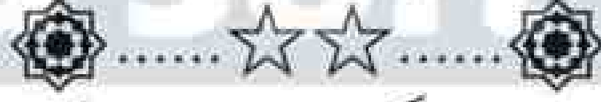
""ایاز ان کاؤنٹر میں مارا گیا ہے اس نے ہمارے تین آدمیوں کو زخمی کیا ہے۔ اس پر فائر کرنا ہماری مجبوری تھی ہم نے یہ ساری جگہ اپنی حراست میں لے لی ہے اب یہاں کی تلاشی لے رہے ہیں کچھ دیر میں ڈیڈ باڈی اسپتال پہنچا رہے ہیں۔"" شاہزیب صاحب نے ازحد افسردگی سے کال بند کر دی۔



رات گزرتی گئی اگلا دن بہت عجیب سا تھا۔ افشاں اور ضیا کا وہ سارا دن بہت پریشانی میں گزر رہا تھا۔ عائشہ کو لالہ رخ خود فیڈ کراتی تھی کچھ گھنٹے گزرنے کے بعد ہی اس نے رونا چلانا شروع کر دیا تھا اور ڈبے کا دودھ بس برائے نام پی رہی تھی بہن کو روتے دیکھ کر اور ماں باپ کو غیر موجود پا کر عیسیٰ بھی رونے لگا۔ وہ سارا دن دونوں میاں بیوی کا بہت برا گزرا تھا۔

خالہ بی جیٹھ کے ہاں تھیں وہ سارا دن بہت کشمکش میں سکندر اور لالہ رخ کا انتظار کرتے گزر گیا لیکن وہ تھے کہ ان کا کوئی پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔

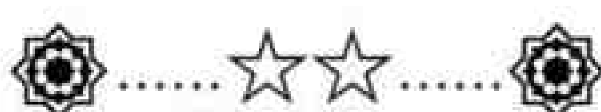
عیسیٰ بار بار اپنے گھر جانے کی ضد کر رہا تھا وہ دونوں میاں بیوی بچوں سمیت سکندر کے نئے گھر میں آ گئے تھے لالہ رخ جاتے وقت خالہ بی کو گھر کی چابیاں دے گئی تھی۔ اسی لیے وہ لوگ اپنے گھر کو تالا لگا کر یہاں آ گئے۔
کچھ وقت مزید گزرا تو بچوں نے رونا شروع کر دیا اب تو روشی بھی عیسیٰ کے ساتھ مل کر گلا پھاڑ کر رو رہی تھی، افشاں کے لیے بیک وقت اتنے بچوں کو سنبھالنا بہت مشکل تھا۔ ضیا مسلسل ساتھ تھا لیکن جوں جوں وقت گزر رہا تھا دونوں کی تشویش اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔
لالہ رخ کی کم عقلی پر رہ رہ کر غصہ بھی آ رہا تھا کم از کم وہ جہاں جا رہی تھی وہاں کا ایڈریس تو خالہ بی کو بتا کر جا سکتی تھی۔ اب وہ لوگ سوائے انتظار کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔



لالہ رخ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔
دوپہر میں ہمایوں آ گیا اس نے مزید کچھ کاغذات پر اس کے دستخط اور انگوٹھے کے نشان لیے دستخط کرتے ہی وہ ہمایوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رو پڑی تھی۔
”پلیز مجھے جانے دو، میرے بچوں کا میرے بغیر نجانے کیا حال ہوگا، پلیز مجھے سکندر اور میری بچی کے پاس لے جاؤ۔“
”اتنا کچھ میں نے اس لیے نہیں کیا کہ تم سکھ اور چین سے زندگی گزارو تمہارے نانا کو تمہارے باپ نے مارا تھا اور تمہاری ماں اپنی بیماری میں چل بسی لیکن تمہارا باپ تمہارے بھاگنے کے بعد بہت اونچا اڑنے لگا تھا اور پھر میں نے اسے بھی مار ڈالا، اب تمہارے شوہر اور بچوں کو ماروں گا ایک ایک کر کے سب کو آگ لگا دوں گا اور تم ساری عمر اس قید خانے میں سسکتی رہنا، تمہیں رہا نہیں کروں گا اتنی مشکل سے تو تم ہاتھ آئی ہو تمہارے اس وجود سے کچھ ہمیں بھی فائدہ ہو۔“ وہ کمینگی سے مسکرایا تھا۔
وہ سانپ سے توقع کر رہی تھی کہ وہ اسے ڈسے گا نہیں بھلا کب اپنی فطرت سے باز آتا ہے۔
باپ کا خوفناک انجام سن کر وہ اور شدت سے رو دی۔
وہ اور بھی بکواس کر رہا تھا نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ لالہ رخ تک تو بس ہمایوں کے ان الفاظ پر ہی جم سی گئی تھی۔
”آج رات میرے بندے تیرے شوہر اور بچی کو لے جا کر مار ڈالیں گے اور پھر نہر میں بہا دیں گے اور تو ساری عمر میری قید میں میرے ساتھ زندگی گزارنا۔“ وہ بکواس کر کے چلا گیا تھا اور تب سے لالہ رخ تڑپ رہی تھی۔ نجانے یہ شخص اب کیا کرنے والا تھا۔
جیسے ہی شام کی تاریکی پھیلی لالہ رخ کے اندر خوف کے سائے امڈ کر آنے لگے۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی لیکن اللہ کے سوا وہاں اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔



سکندر کی حالت از حد بگڑی ہوئی تھی مار مار کر سکندر کے وجود کو زخمی کر دیا گیا جبکہ ایک طرف کمبل میں لپٹی روتی رابعہ بخار سے نڈھال اب نیم غنودگی میں تھی۔ ہمایوں ادھر آیا تھا اس کے ساتھ اس کے تین چار آدمی تھے۔
”لے جاؤ اسے اور اس بچی کو جیسا کہا ہے بالکل ویسا ہی کرنا ہوگا غلطی کا کوئی امکان نہ رہے ورنہ تم سب جانتے ہو کہ میں تم لوگوں کا کیا حال کر سکتا ہوں۔“ اس کے آدمیوں نے فوراً سر ہلا دیا تھا۔
انہوں نے زخمی، نڈھال نیم بے ہوش سکندر کو زمین سے اٹھایا تھا ایک نے رابعہ کو اٹھا لیا وہ لوگ اسے لے کر چلے گئے تو ہمایوں کسی اور آدمی کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔ پورے ایک گھنٹے بعد اس کے آدمی واپس آ گئے تھے۔
انہوں نے سکندر اور اس کی بچی کو مار کر نہر میں پھینک دیا تھا ہمایوں کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اب اس کا اگلا قدم لالہ رخ اور اس کے باقی رہ جانے والے بچے تھے۔ اس نے لالہ رخ کو کسی اور پرانی عمارت میں منتقل کر دیا کیونکہ یہاں پولیس کا خطرہ ہو سکتا تھا وہ یہ سب کرنے کے بعد بہت مطمئن۔



ولید بہت غصے سے گھر سے نکلا تھا۔ باہر نکل کر اس نے ایک کال ملائی تھی۔ بابا نے اسے نیا موبائل لے دیا تھا۔
”مجھے تم سے ملنا ہے۔“ کال پک ہوتے ہی ولید نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔
”ارے زہے نصیب۔ ولید صاحب ہم سے ملنے کی خواہش کریں کہاں ملنا ہے۔“

''جہاں تم کہو میں آ جاتا ہوں۔'' ولید نے کہا تھا دوسری طرف ایک دم ایکسائٹڈ ہوتے اس نے جگہ کا نام بتایا تھا۔
ولید نے موبائل بند کر کے چند پل سوچا اور پھر مین روڈ کی طرف آ نکلا وہاں سے اس نے ایک رکشہ لیا اور پھر کچھ دیر بعد وہ مطلوبہ جگہ پر آ گیا تھا۔
یہ ایک کلب تھا ہائی سوسائٹی کے آزاد خیال لوگوں کی ایک کریم یہاں موجود تھی۔ شام کا وقت تھا وہ ایک طرف بیٹھ کر انتظار کرنے لگا اور ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد اسے وہ آتی دکھائی دی تھی۔
''کاشفہ عبدالقیوم۔'' اسے دیکھ کر ولید کے اندر شدید طغیانی سی بلند ہوگئی۔ وہ سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے اطراف میں دیکھا تھا اور پھر ولید کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ وہ جدید تراش خراش والے زرق برق لباس میں ملبوس اس وقت یہاں موجود تمام لڑکیوں میں بہت نمایاں تھی۔
تقریباً وہاں موجود ہر شخص پلٹ پلٹ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ چلتے ہوئے ولید کے پاس آ رکی تھی۔
''ہائے ولید۔'' ولید نے محض سر ہلایا تھا وہ کرسی کھینچ کر ٹک گئی تھی۔
''آج تم نے مجھے کال کی خود بلایا، مجھے لگا جیسے میری قسمت ہی جاگ اٹھی ہے۔'' اس نے کہا ولید نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔
''کیسے ہو؟'' وہ مزید پوچھ رہی تھی۔
ولید نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورا اور پھر اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا۔
''کیا ہوا؟'' کاشفہ کو چند سیکنڈ لگے تھے ولید کے تیور سمجھنے میں۔ اس سے پہلے کہ وہ ولید کے تیوروں کو سمجھتے کچھ کہتی ولید کا ہاتھ اٹھا تھا۔
اس نے کھینچ کر ایک تھپڑ کاشفہ کے منہ پر مارا تھا۔ کاشفہ تو ہل کر رہ گئی تھی۔
''ولید۔'' اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ولید ایسی کوئی حرکت کر سکتا ہے ولید کے تھپڑ کی آواز اتنی شدید تھی کہ وہاں موجود ہر شخص نے پلٹ کر ان دونوں کو دیکھا تھا۔
''تم انتہائی گھٹیا لڑکی ہو تمہیں جرأت کیسے ہوئی انا کو ورغلانے اور ذہنی ٹارچر کرنے کی تم اسے زبردستی اپنے ساتھ لے گئی غلط تحریر لکھوائی اور پھر اسے بلیک میل کرتی رہی ہاؤ ڈیئر یو۔'' وہ حلق کے بل چیخا تھا۔
کاشفہ تو ایک دم ساکت سی ہوگئی۔ وہ پہلی بار ولید کا ایسا کوئی ری ایکشن دیکھ رہی تھی۔
''میں چاہوں تو ابھی اور اسی وقت تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں۔'' کاشفہ کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔
''میں تم سے محبت کرتی ہوں ولید اور میں نے یہ سب کچھ تمہاری محبت میں کیا تھا۔''
''شٹ اپ۔'' ولید نے اس کی بات کاٹ دی۔
''تم جیسی لڑکی کیا جانے کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ اپنا کردار دیکھو اور اپنا بیک گراؤنڈ۔ کیا ہو تم اور کیا ہے تمہاری حیثیت اور تمہارا وہ باپ جو دوسروں کے حق چھین کر دولت جمع کرتا رہا جس نے کسی بھی جائز ناجائز کی کبھی پروا نہیں کی۔ میں تمہاری طرف محض اس لیے بڑھا تھا کہ مجھے تمہارے باپ تک پہنچنا تھا اور تم نے وہ گھٹیا کھیل کھیلا کہ میرا دل کر رہا ہے کہ تمہیں کھڑے کھڑے شوٹ کر دوں۔'' ولید کے اندر شدید غبار تھا جواب امڈ امڈ کر باہر آ رہا تھا۔ اردگرد کے لوگ ان کو دیکھ رہے تھے اور ولید کسی کی پروا نہ تھی۔ کلب کا عملہ بھی وہاں آ گیا تھا۔
''پلیز سر آپ ہمارے کلب کا ماحول خراب کر رہے ہیں ہم کسی پر آپ کو اس طرح چلانے اور تشدد کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔'' وہ شاید منیجر تھا۔ ولید نے کاشفہ سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔
''میں چاہوں تو ایک کال کر کے تمہارے اس نام نہاد کلب کا دیوالیہ نکلوا سکتا ہوں گیٹ لاسٹ۔'' منیجر نے ایک دم پریشان ہو کر اردگرد دیکھا تھا۔
''بی ہیو یور سر۔ میں پولیس کو کال کر سکتا ہوں ہمارے کلب میں یہ سب نہیں چلتا۔''
''تمہارے کلب میں جو چلتا ہے اس کی ڈیٹیل تمہیں دوں تو تم ایک پل بھی یہاں نظر نہ آؤ، یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے اگر تم نے انٹرفیئر کیا تو میں خود پولیس کو کال کر لوں گا۔'' ولید کے الفاظ پر منیجر مزید پریشان ہوا تھا۔ ولید نے منیجر سے نظر ہٹا کر کاشفہ کو دیکھا تھا۔
''تم نے مجھے میری فیملی اور انا کو جتنا نقصان پہنچانا تھا پہنچا لیا اب اگر تم نے انا کو کوئی دھمکی دی یا بلیک میل کیا یا کوئی اوچھی حرکت کی تو تم نہیں جانتی کہ تمہارا کیا حشر کر سکتا ہوں میں، میں تم جیسی لڑکی پر ایک نظر ڈالنا تو دور کی بات اس پر لعنت بھیجنے کے قابل بھی نہیں سمجھتا اور یہ

اچھی طرح ذہین نشین کر لو جتنا تم نے مجھے نقصان پہنچانا تھا پہنچا لیا اب انا کی طرف ایک غلط نگاہ بھی ڈالی تو تمہیں پولیس کے حوالے کروا دوں گا، مائنڈ اٹ۔'' اسے کہتے ایک تلخ نگاہ منیجر اور ارد گرد موجود لوگوں پر ڈالتے وہ وہاں سے تیزی سے نکل آیا تھا اور پیچھے کاشفہ گم صم کھڑے ولید کو جاتا دیکھتی رہی۔



لالہ رخ کو جس جگہ لایا گیا تھا وہ بالکل ویران سی حویلی تھی جس میں صرف چند کمرے تھے۔

وہ غم سے نڈھال سسک رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت کھانے کی ٹرے لیے چلی آئی تھی۔

''کھانا کھا لو بی بی۔'' خانہ بدوشوں کا سا لہجہ تھا لالہ رخ نے اسے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا وہ عورت اسے دیکھتی رہی اور پھر دروازے تک گئی، اس نے ارد گرد دیکھا تھا اور پھر لالہ رخ کے پاس آ ئی تھی۔

جھک کر وہ ٹرے میں سے کھانے کے برتن نکال کر لالہ رخ کے سامنے زمین پر رکھنے لگ گئی تھی۔

''میں کچھ دن پہلے یہاں کام پر لگی ہوں میں نے باہر آدمیوں کو کہتے سنا کہ وہ تیرے آدمی اور تیری بچی کو مار کر نہر میں ڈال آئے ہیں اور اب وہ لوگ تیرے باقی بچوں کو مار دیں گے۔'' بہت دھیمی آواز میں وہ کہہ رہی تھی، اس کا لہجہ ایسا تھا کہ لالہ رخ بمشکل سن سکی تھی کچھ الفاظ کی سمجھ آئی تھی اور کچھ کی نہیں اور جن کی سمجھ آئی تھی وہ ایسے تھے کہ اس کے بدن سے روح نکال سکتے تھے۔

''انہوں نے مار ڈالا اسکندر اور میری رابعہ کو۔'' وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔

''وہ تجھے کل تک یہاں رکھیں گے اور پھر کہیں اور دوسرے شہر لے جائیں گے۔'' اس عورت نے مزید کہا تو لالہ رخ کی گریہ ایک دم بند ہوگئی۔

''پلیز میری مدد کرو۔ مجھے یہاں سے نکالو میرے بچوں تک پہنچا دو ورنہ وہ میرے بچوں کو بھی مار ڈالیں گے۔'' وہ سسک سسک کر روتے اس عورت کی منت کر رہی تھی۔

''میں خود بے بس ہوں بی بی! تیری مدد کیسے کر سکتی ہوں بس تجھ پر ترس آ رہا ہے۔''

''پلیز تم مجھے یہاں سے نکال دو، پلیز۔'' وہ رو رہی تھی جب چوکیدار ادھر آ گیا تھا۔

''کیا بات ہے کیوں چلا رہی ہے تو۔'' وہ بولا تو وہ عورت ایک دم سیدھی ہو کر خالی ٹرے لے کر چلی گئی دروازہ پھر سے بند ہو گیا۔ لالہ رخ شدت سے رونے لگی تھی۔

سکندر اور اپنی بچی رابعہ کا دکھ اسے جان سے مار دینے کو کافی تھا وہ بلک بلک کر رو رہی تھی تبھی اسے کوئی شور سنائی دیا۔ پہلے وہ اپنا وہم سمجھی اور پھر جب دو تین بار وہ آواز سنائی دی تو لالہ رخ کے کان کھڑے ہو گئے۔

اس نے اندھیرے کمرے کے اطراف میں دیکھا اور پھر ٹھٹک گئی وہاں موجود واحد کھڑکی کے پٹ بج رہے تھے۔

وہ فوراً اٹھ کر وہاں تک گئی کھڑکی کھولی تو دوسری طرف وہی عورت تھی اور درمیان میں سلاخوں کے آگے لوہے کی جالی تھی۔

''بی بی میں نے اپنے مرد سے بات کی ہے ہم تو خانہ بدوش ہیں ہمارا کیا ہے تُو رات کو تیار رہنا ہم تجھے یہاں سے نکالیں گے۔'' لالہ رخ کو لگا کہ جیسے اس کے اندر زندگی کی کرن جاگ اٹھی ہو۔ وہ عورت کہہ کر چلی گئی لالہ رخ نے پھر کھڑکی بند کر دی تھی وہ اب شدت سے اس عورت کی منتظر تھی اور پھر رات گیارہ بجے کے قریب کمرے کا دروازہ کھلا تھا لالہ رخ ایک دم چوکنا ہو گئی۔ وہ عورت تھی ہاتھ میں لالٹین لیے ہوئے تھی اور ساتھ میں کوئی مرد تھا۔

''بی بی جلدی آ وہ سب سو رہے ہیں ابھی تجھے نکلنا ہے یہاں سے۔'' دھیمی آواز میں اس نے کہا تھا اور لالہ رخ فوراً وہاں سے اٹھی اور بجلی کی سی تیزی سے ان دونوں کے ساتھ وہ اس عمارت سے نکل آئی تھی۔

''مجھے اپنے بچوں کے پاس جانا ہے پلیز مجھے میرے بچوں کے پاس لے جاؤ۔'' وہ پھر رونے لگ گئی تھی۔

''بی بی کچھ دیر رک جا اور ہمارے ساتھ چل حالات دیکھ کر تجھے تیرے بچوں تک پہنچا دیں گے۔'' اس عورت نے کہا تھا وہ مجبوراً خاموش ہو گئی اور پھر ان کے ساتھ آ گئی تھی وہ لوگ تیار بیٹھے تھے انہوں نے کچھ سامان ایک گدھا گاڑی پر لادا تھا اور اسے ساتھ لیے کسی اور طرف چل دیے تھے۔

ہمایوں کو فوراً اطلاع ملی تھی۔ لالہ رخ بھاگ گئی ہے وہ اسی وقت اپنے گھر سے نکلا تھا۔

''وہ کیسے بھاگ گئی۔'' وہ اپنے آدمیوں پر گرج رہا تھا اور وہ سب خاموش تھے۔
''وہ اپنے گھر گئی ہوگی جاؤ اور اس کے بچوں کے ساتھ اس پورے گھر کو آگ لگا دو، ایک ثبوت بھی نہ بچے ورنہ تم سب کو ایک ایک کر کے مار ڈالوں گا۔'' دولت اور نشے کی ہوس نے ہمایوں کو پاگل بنا دیا تھا۔
اس کے ساتھی چلے گئے اور وہ شدت سے ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگ گیا تھا۔



شاہزیب صاحب مہر النساء بیگم کو صرف اتنا بتایا تھا کہ شہوار کو بازیاب کرا لیا گیا ہے مزید کچھ نہیں بتایا تھا۔
شہوار کی حالت اب خطرے سے باہر تھی اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا تاہم وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔
شہوار کی حالت دیکھ دیکھ کر مصطفیٰ کے اندر شدید غم و غصے کے طوفان اٹھ رہے تھے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری دنیا کو تہس نہس کر ڈالے۔ وہ شاہزیب صاحب کو بتا کر آفس آ گیا تھا۔ اس نے امجد خان کو بلایا تھا۔
ایاز کی ڈیڈ باڈی پوسٹ مارٹم کے لیے گئی ہوئی تھی۔ جائے وقوعہ کی ساری رپورٹ لے کر مصطفیٰ نے امجد خان کو چند ہدایات دی تھیں۔
''میں ایک جگہ جا رہا ہوں تب تک آپ یہ ساری کارروائی مکمل کر کے واپس آ جائیں۔'' مصطفیٰ امجد خان کو کہہ کر اپنی گاڑی لے کر نکل آیا تھا۔ اس نے مختلف جگہ فون کیے اور پھر کچھ دیر بعد وہ ایک گھر کے سامنے گاڑی روک رہا تھا۔
پرانا سا گھر، گھر والوں کی مالی حیثیت ظاہر کر رہا تھا لیکن مصطفیٰ لب بھینچے گاڑی سے نکلا تھا۔ اس نے گھر کے دروازے پر دستک دی تھی اور پھر وہاں سے ایک بچہ نکلا تھا۔ رات کی تاریکی میں وہ مصطفیٰ کو پہچان نہیں پایا تھا۔
''جی کون؟'' بچہ پوچھ رہا تھا تبھی اندر سے کسی اور خاتون کی آواز سنائی دی تھی۔
''امجد کون ہے؟''
وہ مانوس سی آواز مصطفیٰ کے کانوں میں پڑی تو مصطفیٰ کی رگیں تن گئی تھیں۔
تبھی ایک جانا پہچانا سا چہرہ اس لڑکے کے پیچھے دروازے کے قریب آ رکا تھا۔
''کون ہے......تم مصطفیٰ۔'' آنے والا اسے دیکھ کر ایک دم ساکت ہو گیا تھا۔



افشاں اور ضیا بہت پریشان تھے رات کے بارہ بج رہے تھے لیکن بچے تھے کہ آرام ہی نہیں کر رہے تھے افشاں ان کو سنبھال سنبھال کر تھک گئی تھی۔
عیسیٰ ماں باپ کے پاس جانے کی ضد کر رہا تھا۔
ضیاء اسے لے کر باہر نکلنے لگے تو روشی بھی رونے لگ گئی تھی۔
''میں ان کو آئس کریم کھلاتا ہوں تم دروازہ اچھی طرح بند کر کے رہنا میں کچھ دیر میں آ جاتا ہوں۔'' ضیا عیسی کی بار بار ضد پر دونوں بچوں کو لے کر نکل گیا تھا اس کے جانے کے بعد افشاں نے دروازے بند کر لیے تھا عائشہ کو دوائی کھلا کر اس نے سلا دیا تھا وہ بہت پرسکون تھی۔ کچھ دیر بعد دروازے کے باہر عجیب سی آوازیں آنے لگیں تو افشاں خوفزدہ ہو گئی وہ ننھی عائشہ کو بازو میں لیے باہر کھڑکی کی طرف آئی تھی۔
باہر کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کی تھوڑی سی کھڑکی کھول کر دیکھا تو وہاں صحن میں کچھ سائے چلتے پھرتے نظر آئے تھے اور ان کی ہلکی ہلکی سی سرگوشیاں۔
''چاروں طرف پیٹرول چھڑک دیا ہے وہ بھاگ کر آئی ہے تو یقیناً اندر ہی ہوگی۔ بس گھر کو آگ لگا دو۔ وہ بچوں سمیت جل کر مر کھپ جائے گی۔'' آوازیں تین چار تھیں افشاں کا دل ایک دم کانپا تھا۔
وہ چند منٹ اور سانس روکے کھڑی رہی اور پھر آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں یہ نئی کالونی تھی دور دور بنے چند ایک گھر ابھی کچھ زیر تعمیر تھے اور جو بن چکے تھے اس میں کہیں کہیں اور دور آبادی تھی۔ افشاں نے کھڑکی بند کی تھی۔
وہ باہر کے دروازے تک آئی تھی، تھوڑا سا دروازہ کھولا کہ سامنے کوئی بھی نہ تھا۔ وہ باہر نکلی اور پھر اندھا دھند بھاگی تھی۔

’’دیکھو وہ بھاگ گئی ہے۔ پکڑو اسے جلدی کرو۔‘‘ کوئی افشاں کے پیچھے چیخا تھا افشاں کے قدموں میں تیزی آ گئی تھی۔ کئی قدموں کی چاپ اس کے تعاقب میں تھی اور بھاگتے بھاگتے وہ ایک گھر کے سامنے بنے درخت کے عقب میں موجود گھنی باڑ میں چھپ گئی تھی۔ وہ بھاگتے قدم اس سے آگے چلے گئے تھے۔ ننھی عائشہ اس افتاد سے بے خبر گہری نیند میں میڈیسن کے زیر اثر سو رہی تھی۔ وہ بھاگتے قدم واپس آئے تھے۔

’’وہ عورت یہیں سے کہیں نکلی ہے۔‘‘ اسی مقام پر آ کر ایک نے کہا تھا۔

’’کچھ کرو اگر ہمایوں صاحب کو پتا چل گیا کہ وہ عورت یہاں سے بھی بھاگ گئی ہے تو وہ ہمیں جان سے مار ڈالیں گے۔‘‘ ایک اور چلایا تھا۔

وہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگ گئے کہ اب کیا کریں افشاں دم سادھے کھڑی تھی تبھی ایک آدمی دور سے بھاگتا ہوا آیا تھا۔

’’وہ عورت بچوں کو لے کر گھر میں داخل ہوئی ہے جلدی آؤ۔‘‘ افشاں چونک گئی تھی۔ یعنی لالہ رخ واپس آ گئی تھی لیکن یہ بچے کون تھے، یہ لوگ کس کی بات کر رہے تھے۔ وہ چاروں واپس بھاگ گئے تھے۔

کچھ دیر بعد افشاں وہاں سے نکلی تھی اور پھر ڈرتے ڈرتے وہ واپس گھر کی طرف گئی تھی نجانے کیا چیز اسے واپس اس جانب دھکیل رہی تھی۔ اندر سے عورت کے چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں ساتھ بچے رو رہے تھے چلا رہے تھے کچھ کہہ رہے تھے لیکن شور میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور پھر افشاں نے جو دیکھا اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ ایک آدمی نے گھر کو چاروں طرف سے آگ لگا دی تھی۔

آگ ایک دم بھڑکی تھی اور پھر شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے تھے افشاں کو لگا کہ وہ ابھی بے ہوش ہو کر یہیں گر جائے گی وہ بے اختیار پیچھے ہٹی تھی۔

نجانے کون سی قوت تھی جو اسے بھگا رہی تھی وہ اندھا دھند بھاگتی رہی تھی، وہ ذیلی سڑکوں سے نکل کر بڑی سڑک پر آ گئی لیکن اس کی رفتار پھر بھی کم نہ ہوئی وہاں اکا دکا گاڑیوں آ جا رہی تھیں۔

اسے لگ رہا تھا کہ وہ لوگ اس کے تعاقب میں ہیں وہ اسے اور عائشہ کو جھپٹ کر واپس آگ میں دھکیل دیں گے۔ تبھی اندھا دھند بھاگتے وہ بہت زور سے مخالف سمت سے آتی ایک تیز رفتار گاڑی سے ٹکرائی تھی۔

عائشہ اس کے بازو سے نکل کر کہیں دور جا گری تھی گاڑی اسے کچل کر آگے جا کر بے اختیار رکی تھی۔



سجاد بھائی لائبہ کے پاس تھے ماں جی شہوار کے پاس آ گئی تھیں شاہزیب صاحب سے ساری بات سن کر وہ رو دی تھیں۔

’’اس بدبخت نے کس قدر بڑا نقصان پہنچایا ہے ہمارے بچوں کو۔‘‘ وہ شدت سے رو دی تھیں۔

’’وہ مر چکا ہے اب اس کا ذکر مت کریں اللہ نے ہماری بچی کی زندگی بچالی ہے۔ ہمارے لیے بس یہی کافی ہے۔‘‘ شاہزیب صاحب نے بیگم کو دلاسہ دیا تھا۔

وہ آنکھیں صاف کرتیں کمرے میں چلی گئی تھیں۔ شہوار سو رہی تھی ڈاکٹرز نے اسے سکون بخش انجکشن لگا دیا۔ وہ خود پر بیتنے والی اس افتاد سے بے خبر تھی۔ مہر النساء نے بہت ضبط سے شہوار کے وجود کو دیکھا۔ اس کا بھرا بھرا وجود اس وقت خالی تھا۔ ان کو اپنا کلیجہ منہ کو آتا محسوس ہوا تو انہوں نے دوپٹہ منہ پر رکھ لیا، شہوار کو جب علم ہوگا تو نجانے دکھ کی کیا کیفیت ہوگی اور مصطفیٰ وہ بھی موجود نہ تھا نجانے کہاں چلا گیا تھا؟

وہ سمجھ سکتی تھیں کہ اس وقت مصطفیٰ دکھ کی کس کیفیت میں ہوگا۔

انہوں نے اپنی آنکھوں کو صاف کرتے شہوار کی جھک کر پیشانی چومی تھی اور پھر ان کی آنکھیں نم ہونے لگی۔



ضیا بچوں کو لے کر واپس آیا تو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ گھر آگ کے شعلوں کی نذر تھا۔ وہ دیکھ کر ساکت ہوا ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن ایک دم رکی تھی۔ روشی سو چکی تھی وہ اس کے کندھے سے لگی ہوئی تھی اور عیسیٰ ضیا کی انگلی تھامے چل رہا تھا۔

ضیا کو گھر سے نکلے صرف ایک گھنٹہ ہوا تھا اور اتنا کچھ ہو چکا تھا عیسیٰ آگ کو دیکھ کر رونے لگ گیا تھا۔

ضیا نے اور دور گھروں میں موجود چند ایک مکینوں کو جگایا تھا لیکن سب بے کار تھا آگ کی شدت بہت تیز تھی۔ وہ کسی بھی طرح قابو میں

نہیں آ رہی تھی۔ اب اکا دکا لوگ بھی جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سفیدی پھیل رہی تھی فائر بریگیڈ والے آگ بجھا رہے تھے اور پھر جب آگ بجھی تو گھر تباہ ہو چکا تھا۔

"میری افشاں اندر تھی۔" ضیا اندر جانا چاہتا تھا لیکن پولیس کسی کو بھی اندر نہیں جانے نہیں دے رہی تھی۔

اور پھر گھر کی باقیات میں سے ایک خاتون اور بچیوں کے ساتھ ایک لڑکے کی مسخ شدہ جلی ہوئی لاش برآمد ہوئی تھی۔

ایک بچی عائشہ کی عمر کی تھی اور ایک روشی اور بچہ عیسیٰ کی عمر کا تھا جبکہ عورت افشاں کی عمر کی تھی۔ ان بچوں اور عورت کو دیکھ کر ضیا ساکت ہو گیا تھا۔ اگر یہ عورت افشاں تھی اور تھی بچی عائشہ تھی تو باقی بچے کون تھے؟ چاروں لاشیں اس قدر جل چکی تھیں کہ ان کی پہچان ممکن ہی نہ تھی ان لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیا گیا تھا وہ سارا دن بیت چکا تھا علاقے میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ ضیا اپنے رشتے داروں کے ہاں آ گیا تھا دونوں بچے وہی لوگ سنبھال رہے تھے خالہ بی کا بھی کوئی اتا پتا نہ تھا اس نے امریکہ اطلاع کر دی تھی صبوحی اور وقار کا برا حال تھا۔ اور پھر دن پر دن گزرتے رہے ضیا کی فلائٹ کی تاریخ گزر گئی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ عجیب سی تھی۔

جس سے کچھ بھی اندازہ نہ ہو سکا بس اس بات کا علم ہوا تھا کہ سب کو باندھ کر تیل چھڑک کر آگ لگائی گئی تھی۔

لاشیں اس قابل نہ تھیں کہ ان کو بہت دن تک رکھا جاتا اور جلد ان کو دفنا دیا گیا۔ ضیا کو پولیس نے صرف تسلی دی اور فائل بند ہو گئی وہ پولیس اسٹیشن کے چکر لگاتا رہا اور کہیں کوئی سراغ نہ ملا۔

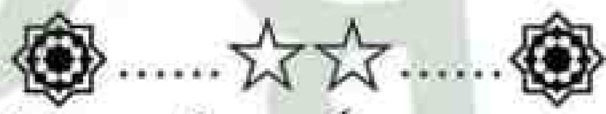
دوسری طرف امریکہ میں جس کے پاس سکندر کی کچھ دکانیں تھیں وہ شخص ہیر پھیر کر رہا تھا وقار کا اس سے جھگڑا ہوا تو اس نے وقار کو اندر کروا دیا تھا۔ صبوحی کا دیار غیر میں اور تھا ہی کون؟

اس کی بری حالت تھی بچوں کا ساتھ اور غیر ملک وہ بالکل بے بس تھی۔ مجبوراً ضیا کو واپس جانا پڑا وہ عیسیٰ کو یہاں تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے عیسیٰ کے کاغذات تیار کرائے اور پہلی بار اس نے ایک غیر قانونی کام کیا تھا اس نے عیسیٰ کا نام بدل کر اس کو اپنا بیٹا شو کرتے جعلی کاغذات بنوائے تھے اور پھر عیسیٰ اور روشی کو لے کر افشاں کے بغیر ہی اسے واپس امریکہ جانا پڑا تھا۔ قانونی چارہ جوئی کے بعد وقار تو باہر آ گیا تھا لیکن ضیاء کا اس آدمی سے پھر جھگڑا ہو گیا تھا اور اس بار جھگڑا بہت شدید نوعیت کا تھا۔

جواباً گولی چلی اور ضیا سے وہ آدمی شدید زخمی ہوا تھا لوگ اسے اسپتال لے گئے اور ضیا بھاگ گیا جاتے جاتے وقار کو نئے ٹھکانے کا بتا دیا تھا۔

صبوحی اور وقار کو بھی وہ جگہ بحالت مجبوری اسی وقت چھوڑنا پڑی تھی وہ چاروں بچوں کو لے کر ضیا کی بتائی گئی جگہ پر پہنچ گئے وہ سب بالکل خالی ہاتھ تھے۔

وہاں کچھ عرصہ رہے تھے اور پھر ان لوگوں نے خاموشی سے وہ شہر چھوڑ دیا اور پھر وہاں زندگی ایک نئے انداز میں شروع ہو گئی تھی جس میں ان تھک محنت اور جدوجہد شامل تھی، سب کچھ دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ایک لمبا چوڑا سفر طے کیا تھا۔



وہ لوگ اپنے اپنے کمروں میں تھے کاشفہ آج شام کے بعد جب گھر آئی تو اس کی حالت بڑی عجیب سی تھی وہ کمرے میں چلی گئی تھی اور پھر کمرے کی چیزیں توڑنے لگی، شور سن کر وہ دونوں کمروں سے نکلی تھیں۔ مام کمرے کی حالت دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟"

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی، اس بلیڈی نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔" وہ چیخ رہی تھی جو چیز ہاتھ لگتی پھینکتی جا رہی تھی۔ عادلہ بھی وہاں آ گئی تھی۔

"کس نے دھوکہ دیا؟"

"اس بلیڈی انا نے، اس نے سب کچھ ولید کو بتا دیا، میں اب اسے نہیں چھوڑوں گی، میں اسے شوٹ کر دوں گی، آئی ول کل ہر۔" وہ چیخ چلا رہی تھی عادلہ نے ناسمجھی سے ماں کو دیکھا تھا۔

"آرام و سکون سے بیٹھو، اچھا لو یہ پانی پیو۔" مام نے اسے سنبھالنا چاہا تھا گلاس میں پانی ڈال کر دیا۔ اس نے ہاتھ مار کر گلاس توڑ دیا تھا۔

"وہ نفرت کرتا ہے مجھ سے اس نے پبلک کے سامنے میری انسلٹ کی مجھے تھپڑ مارا کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی میں۔" وہ ڈیپریشن

کی آخری حد پر تھی۔
عادلہ نے اسے دیکھا اور پھر بیڈ کے پاس آ کر اس نے درازیں کھنگالی تھیں۔ کاشفہ اس وقت ڈرنک کیے ہوئے تھی اسے کچھ بھی سمجھانا بے سود تھا۔ عادلہ نے دراز میں کچھ پلز نکالی تھیں اور کمرے سے نکل گئی تھی دوبارہ وہ گلاس میں پانی لیے اندر آئی تھی۔
کاشفہ زمین پر بیٹھی ہوئی تھی اور مام اسے سمجھا رہی تھیں اور وہ مسلسل سرنفی میں ہلا رہی تھی، اس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی۔
''یہ پلز لے لو۔'' عادلہ نے سختی سے کہا تھا۔ کاشفہ نے بہن کو گھورا اور اسے دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔ عادلہ نے اس کے پاس بیٹھ کر زبردستی اس کے منہ میں پلز ڈال کر اس کے منہ سے گلاس لگا دیا تھا۔ کچھ پانی اس نے پیا تھا اور کچھ اس کے کپڑوں پر گرا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پرسکون تھی اسے نیند آنا شروع ہوگئی تھی وہ سوگئی تو دونوں اسے بستر پر لٹا کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔
''کاشفہ کا یہ پاگل پن اور جنونیت دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔'' عادلہ نے تشویش سے کہا تھا۔
''مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے کہ کہیں یہ بھی ایاز کی روش پر نہ چلنے لگ جائے نجانے وہ کہاں ہے کئی دن ہوگئے ہیں اس کی کوئی خیر خبر نہیں اور تمہارے ڈیڈ ہیں وہ بھی نجانے کہاں ہیں کوئی رابطہ نہیں کوئی اطلاع نہیں۔'' عادلہ نے خاموشی سے ماں کو دیکھا تھا۔
عبدالقیوم ملک سے باہر بھاگ چکا تھا اور ایاز نجانے کہاں ٹھکانہ بنائے ہوئے تھا اور عبدالقیوم نے باہر جانے کے بعد کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔
جب دولت ناجائز ذرائع سے کمائی جائے تو اس کے یہی نتائج نکلتے ہیں جو آج یہ پورا خاندان بھگت رہا تھا۔ عادلہ مام کے پاس بیٹھ کر ان کی دلجوئی کر رہی تھی جب ان کے گھر کا فون بجا تھا۔
اس نے کال ریسیو کی اور دوسری طرف سے جو بتایا گیا تھا وہ سنتے ہی عادلہ کے اوسان خطا ہوگئے۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا تھا۔
''مام......'' وہ چیخنے لگ گئی تھی۔
''ماما ایاز......ایاز......'' الفاظ اس کے ہونٹوں سے ادا نہیں ہو رہے تھے
''کیا ہوا ایاز کو؟'' وہ بہت گھبرا گئی تھیں۔
''مام ایاز پولیس ان کاؤنٹر میں مارا گیا ہے۔ ایاز کے دوست کی کال تھی اسے بھی کسی نے ابھی اطلاع دی ہے۔'' وہ بتا کر چیخ چیخ کر رونے لگ گئی اور مام وہ بے حس وحرکت عادلہ کو دیکھے جا رہی تھیں۔
ان کی کیفیت ایسی تھی کہ جیسے اس خبر نے ان کو بہت زیادہ شاک پہنچایا ہو۔
عادلہ شدت سے رو رہی تھی اور مام بے یقین نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں جبھی گھبرایا ہوا پریشان سا چوکیدار فوراً اندر داخل ہوا تھا۔
''بیگم صاحبہ باہر پولیس آئی ہے، سارے گھر کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور اندر داخل ہونا چاہتی ہے۔'' یہ دوسرا جھٹکا تھا۔ روتی ہوئی عادلہ نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ چوکیدار نے ایک دو پل عادلہ اور بیگم صاحبہ کے حکم کا انتظار کیا تھا۔ دونوں گم صم تھیں عادلہ کو تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے اور پھر کچھ دیر پولیس کی نفری ان کے گھر میں داخل ہو رہی تھی۔
ان ماں بیٹی کو لیڈی پولیس نے ایک طرف بٹھا لیا تھا اور خود کمروں کی تلاشی لینے لگے۔ ایک کمرے سے نیند میں جھولتی کاشفہ کو بھی دو لیڈی پولیس کانسٹیبل پکڑ کر باہر لے آئی تھیں۔
جن کو کاشفہ گالی گلوچ کے ساتھ ساتھ مغلظات بک رہی تھی۔ کاشفہ کو لا کر انہوں نے اس کی ماں کے ساتھ صوفے پر بٹھا دیا تھا۔
ان کے گھر میں ہر کمرے میں، ہر جگہ پولیس کے آدمی دندناتے پھر رہے تھے اور عادلہ تھی کہ حیرت سے آنکھوں میں نمی لیے ان کو دیکھ رہی تھی۔



مصطفیٰ تابندہ کو اپنے سامنے دیکھ کر ضبط سے ہونٹ دانت تلے دبا گیا تھا اور تابندہ بی ان کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔
''مصطفیٰ تم۔'' انہوں نے سہارے کے لیے دروازے کا پٹ تھاما تھا۔
''ہاں میں۔'' مصطفیٰ کا انداز طنزیہ تھا۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ تابندہ بی کے ساتھ ان کے گھر کے ایک کمرے میں موجود تھا۔ گھر پرانی طرز کا تھا چند کمرے تھے لکڑی کی چھتیں اور بوسیدہ دیواریں تھیں۔

''اس وقت کسی بھی سوال و جواب کا میرے پاس کوئی وقت نہیں۔'' تابندہ بی مصطفیٰ کے سامنے مجرموں کے سے انداز میں بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ مصطفیٰ کا انداز بے لچک تھا۔

''شہوار کی طبیعت بہت خراب ہے وہ اسپتال میں ہے آپ کو میرے ساتھ ابھی چلنا ہوگا۔'' دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔ تابندہ نے از حد پریشانی سے مصطفیٰ کی صورت دیکھی تھی۔

''کیا ہوا شہوار کو؟'' انہوں نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

''میرے ساتھ چلیے آپ کو خود علم ہو جائے گا۔'' مصطفیٰ بے لچک انداز میں کہہ کر کھڑا ہو گیا تھا جواباً تابندہ بی کو بھی کھڑا ہونا پڑا تھا۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا پھر لب بھینچ لیے۔

''میں آتی ہوں۔'' وہ نم لہجے میں کہہ کر چلی گئی تھیں اور کچھ دیر بعد لباس بدل کر چادر اور پرس لے کر لوٹی تھیں۔

ساجدہ اور بچے حیرت سے سب دیکھ رہے تھے۔ تابندہ خالہ بی کے پاس گئی تھیں۔ انہیں تسلی دی تھی کہ وہ جلد آ جائیں گی وہ کچھ دیر کے لیے شہوار کے پاس جا رہی ہیں۔ ان سب کو تسلی دلا سے دے کر وہ مصطفیٰ کے ساتھ اس کی گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔ مصطفیٰ بہت سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے ایک دو بار کسی سے فون پر بات کی تھی۔

''ہاں امجد کیا پوزیشن ہے، تم لوگ گھر کو حراست میں رکھو عبدالقیوم کو واپس لانے کے لیے یہ سب بہت ضروری ہے اور ہاں ان تینوں خواتین پر کڑی نگاہ رکھنی ہے گھر سے باہر نہیں نکلنے دینا۔'' کال بند کر کے وہ پھر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ تابندہ بی گاہے بگاہے مصطفیٰ کے سپاٹ تاثرات دیکھ رہی تھیں۔ ان کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ مصطفیٰ کو مخاطب کر پاتیں۔ وہ کچھ دیر یونہی الجھن اور کشمکش میں بیٹھی رہی تھیں اور پھر انہوں نے ایک گہرا سانس خارج کرتے سیٹ سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے نمی گالوں پر بہنے لگی تو مصطفیٰ نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا تھا۔

اس نے کچھ کہنا چاہا پھر لب بھینچ لیے تھے۔

کافی دیر بعد مصطفیٰ نے گاڑی اسپتال کے احاطے میں روکی تو تابندہ نے آنکھیں کھولی تھیں۔ مصطفیٰ نے دیکھا ان کی آنکھیں بے حد سرخ تھیں۔ ماضی سے حال تک کا سفر طے کرتے کرتے ساری سرخی جیسے ان کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

کاش وہ بتا سکتیں کہ انہوں نے کیا کچھ برداشت کیا تھا۔ کیا کچھ سہا تھا۔ وہ خاموشی سے اتری تھیں۔ مصطفیٰ گاڑی پارک کر کے ان کے ساتھ چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھا تھا کافی بڑا اسپتال تھا مختلف راہداریوں سے گزرتے وہ جب روم میں داخل ہوئے تو وہاں موجود لوگوں کو دیکھ کر تابندہ ایک دم ساکت ہو گئی تھیں، وہ سب بھی ان کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔

''تابندہ......'' مہرالنساء بیگم پکاری تھیں وہ اٹھ کر تابندہ کی طرف آئی تھیں۔ انہوں نے تابندہ بی کو گلے لگایا تھا اور تابندہ بی ان کے گلے لگ کر یوں روئی تھیں گویا برسوں سے بچھڑا کسی اپنے سے مل کر روتا ہو۔

عباس اور شاہزیب بھی وہیں تھے وہ سبھی حیرت زدہ تھے۔ یہ ایک دم اچانک مصطفیٰ کے ہمراہ تابندہ بی کہاں سے آ گئی تھیں۔

''کیا ہوا میری بچی کو؟''

تابندہ بی نے مہرالنساء بیگم سے جدا ہو کر ان کو دیکھا تو وہ نظریں جھکا گئی تھیں۔ تابندہ بی عباس کے کندھے پر ہاتھ رکھے شاہزیب کو سلام کرتے شہوار کی طرف بڑھی تھیں۔ وہ ابھی بھی انجکشن کے زیر اثر تھی۔

''شہوار......'' انہوں نے محبت سے شہوار کے چہرے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ اسے صبح تک ہوش آئے گا۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے مصطفیٰ پھر مہرالنساء بیگم کو دیکھا تو انہوں نے بتایا تھا۔

شاہزیب صاحب عباس اور مصطفیٰ کو لے کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ تابندہ بی نے پھر مہرالنساء سے پوچھا تھا جواباً انہوں نے ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔ شہوار کا مس کیرج ہوا تھا اتنا بڑا صدمہ تھا۔ تابندہ بی کا دل غم سے پھٹنے لگا۔

انہوں نے بہت محبت اور توجہ سے شہوار کو پالا تھا۔ کبھی کوئی تکلیف نہ آنے دی تھی اور اب جب یہ خوشی مل رہی تھی تو کیسے وہ خوشی اس سے دور ہو گئی تھی۔

وہ رات ان سب کے لیے بہت اذیت ناک تھی۔

ماں جی نے عائشہ اور صبا کو کال کر دی تھی، اگلی صبح صبح دونوں بہنیں آ گئی تھیں عائشہ تو ادھر ہی رہی تھی جبکہ صبا لائبہ کے پاس چلی گئی تھی صبح

کے وقت شہوار کی نیند ٹوٹی تھی۔وہ تابندہ کو دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔

''امی......'' تابندہ بی نے اس کے ہاتھ کو محبت سے چوم لیا تھا۔شہوار حیرت سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔اس وقت اس کے ذہن میں کوئی اور خیال کوئی تصور نہ تھا۔

''امی آپ......؟''

''ہاں میری جان میں ہوں۔'' وہ پھر رو دی تھیں اور پہلی بار شہوار کے ذہن کو کچھ کلک ہوا تھا۔اس نے چونک کر اطراف میں دیکھا۔ کمرے میں مہر النساء بیگم بھی تھیں لیکن کمرہ کوئی اور تھا۔ایک دم اس کے ذہن میں کوئی جھما کا ہوا تھا۔لائبہ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تھی وہ کلینک میں تھی جب ایاز اور اس کے ساتھی اچانک وہاں آ دھمکے تھے اور انہوں نے اس کو دبوچ لیا تھا اور اسے زبردستی ساتھ لے گئے تھے اس نے مزاحمت کرنا چاہی تھی لیکن ایاز نے اسے بے ہوش کر دیا تھا اور پھر جب اسے ہوش آیا تھا تب وہ ایاز کے پاس تھی۔

ایاز نے اسے درندوں کی طرح پیٹنا شروع کر دیا تھا اور درد سے نڈھال ہوتے وہ زمین پر گری تھی اس کے اندر اٹھنے والے درد نے اسے بہت جلد ہوا سے بیگانہ کر دیا تھا۔شہوار چونکی تھی۔اس نے اطراف میں دیکھا اور پھر خود پر جھکی تابندہ کو۔

''مجھے کیا ہوا ہے؟'' وہ پریشان ہو چکی تھی۔تابندہ بی نے نگاہ چرا کر مہر النساء کو دیکھا وہ بھی فوراً قریب آ گئی تھیں۔

''کچھ نہیں ہوا، بس تمہاری طبیعت کچھ خراب تھی تو اسپتال لے آئے تھے۔'' مہر النساء بیگم نے اسے ٹالنا چاہا لیکن شہوار کے چہرے کی کیفیت نہ بدلی تھی۔اسے ڈرپ لگی ہوئی تھی اس نے اٹھنے کی کوشش کرنا چاہی تو مہر النساء بیگم نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اٹھنے سے منع کر دیا تھا۔

''سب ٹھیک ہے ٹینشن نہ لو۔'' شہوار نے خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھا انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ایاز کے ٹھکانے پر مصطفیٰ نے ریڈ کیا تھا ایاز مارا گیا ہے اب سب ٹھیک ہے۔'' مہر النساء بیگم نے بتایا تو شہوار کے چہرے کی کیفیت بدلی تھی۔اس نے آہستگی سے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور اپنے پیٹ پر رکھا تھا وہ کچھ محسوس کرنا چاہ رہی تھی لیکن کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی پھر ایک دم اس کے چہرے کی کیفیت بدلنا شروع ہو گئی تھی۔

''دیکھو تابندہ بھی اب آ گئی ہے یہ اب کہیں نہیں جائیں گی۔'' اس بدلتی کیفیت کو دیکھتے مہر النساء بیگم نے کہا تھا۔ساتھ تابندہ بوا کو دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

جبکہ شہوار ہر چیز سے بے نیاز ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی تھی۔

مہر النساء بیگم اور تابندہ بی کے تو ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

''میں مصطفیٰ کو بھیجتی ہوں۔'' مہر النساء بیگم نے گھبرا کر کہا اور پھر وہ باہر چلی گئی تھیں۔تابندہ بی شہوار کو سنبھال رہی تھیں لیکن شہوار کا رونا تھا کہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔چند سیکنڈ بعد مصطفیٰ تیزی سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔تابندہ بی مصطفیٰ کو آتے دیکھ کر خود کمرے سے نکل گئی تھیں۔

''شہوار۔'' مصطفیٰ نے شہوار کو تھام لیا تھا۔شہوار مصطفیٰ کے ساتھ لگ کر شدت سے روئی تھی۔مصطفیٰ نے کچھ نہیں کہا تھا بس اسے اپنے اندر کا غبار نکالنے دیا۔وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت کس کیفیت سے گزر رہی ہو گی اور رو رو کر وہ تھک گئی تو مصطفیٰ سے الگ ہو کر وہ تکیے پر سر رکھ کر آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

مصطفیٰ نے اسے خاموشی سے لیٹنے دیا تھا وہ خود بھی ابھی اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد مہر النساء بیگم اور تابندہ بی کے ساتھ ڈاکٹر بھی آ گئی تھیں۔ڈاکٹر نے شہوار کو چیک کیا تھا۔شہوار محض خاموش رہی تھی اس نے بس سر ہلایا تھا۔مہر النساء بیگم اور تابندہ بی کو اس کی خاموشی سے عجیب سی وحشت ہونے لگی تھی۔مصطفیٰ باہر آیا تو مہر النساء بیگم بھی آ گئی تھیں۔

''شہوار اس قدر خاموش کیوں ہے، بات کیوں نہیں کر رہی۔''

''اتنے بڑے حادثے سے وہ گزری ہے ایسے میں ایسی کیفیت ہو جانا بہت فطری سی بات ہے آپ اسے فی الحال اس کے حال پر چھوڑ دیں یہ زخم ایسا ہے کہ ایک دم نڈھال نہیں ہونے والا بہت وقت لگتا ہے۔'' مصطفیٰ کا خود ضبط سے برا حال تھا مہر النساء بیگم نے خاموشی اور افسردگی سے اسے دیکھا تھا اور وہ اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ گیا تو مہر النساء بیگم نے بہت افسردگی اور رنجیدگی سے دوبارہ کمرے کی طرف قدم بڑھائے تھے۔



ولید آج روٹین کے خلاف صبح جلد بیدار ہوا تھا۔ وہ تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آیا تو وہاں سبھی موجود تھے بشمول انا وقار کے۔ انا کو دیکھ کر ولید کے تیور بدلے تھے۔ جبکہ باقی سب اسے اچھی طرح تیار دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' جیسے ہی وہ نارمل انداز میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھا تو احسن نے پوچھا تھا۔

''میں جبری چھٹیوں اور بیڈ ریسٹ سے تنگ آ چکا ہوں اس لیے آج سے میں آفس جاؤں گا۔'' کمال بے نیازی سے اس نے کہا تھا جبکہ سب نے گھورا تھا۔

انا ولید کے آ جانے سے شدید ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ وہ اخبار دیکھ رہی تھی ولید کے آنے پر مکمل طور پر اخبار میں سر دے دیا تھا۔

''اتنی جلدی کیا ہے، ابھی تمہارا ٹریٹمنٹ چل رہا ہے مکمل طور پر صحت یاب ہو جاؤ تو پھر چلے جانا۔'' ضیا صاحب نے کہا تو ولید نے سنجیدگی سے باپ کو دیکھا تھا۔

''میں تنگ آ چکا ہوں اس سے زیادہ فارغ گھر میں نہیں رہ سکتا اس لیے میں ضرور آفس جاؤں گا۔'' قطعی انداز تھا۔

''اوکے، ایز یو وش لیکن ڈرائیور ساتھ ہو گا تم خود گاڑی ڈرائیو نہیں کرو گے۔'' وقار صاحب نے مسکرا کر رضامندی دے دی تھی وہ مسکرایا تھا ایک اخبار پڑھتے انا چونکی تھی۔

''اوہ نو۔'' اس کی آواز اس قدر بے اختیار تھی کہ سب نے اسے دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس کے بائیں طرف بیٹھی روشی نے پوچھا۔

انا نے اخبار چہرے سے ہٹایا تھا وہ کوئی خبر پڑھ رہی تھی، جوں جوں پڑھتی جا رہی تھی اس کے چہرے پر تشویش کی کیفیت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

''کوئی خاص خبر ہے کیا؟''

روشی نے پھر پوچھا تو اس نے بہت دکھ سے اسے دیکھا اور خاموشی سے اس کا موبائل اٹھا کر تیزی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔

''اسے کیا ہوا؟'' صبوحی بیگم نے حیرت سے دیکھا تھا۔ روشی نے خاموشی سے اخبار تھام لیا وہ وہی خبر پڑھنے لگ گئی تھی جو کچھ دیر پہلے انا پڑھ رہی تھی۔

''شہر کے مشہور بزنس مین عبدالقیوم کا بیٹا ایاز عبدالقیوم گزشتہ رات پولیس ان کاؤنٹر میں مارا گیا لاش پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال منتقل کر دی گئی ہے۔'' اس نے باآواز بلند خبر پڑھی تھی، ولید بھی چونکا تھا۔ اس نے تیزی سے روشی سے اخبار لے لیا تھا۔

باقی کی جو تفصیلات تھیں اس کو پڑھتے ہی ولید ایک دم ساکت ہوا تھا۔ روشی اٹھ کر انا کے پیچھے آئی تھی وہ تیزی سے کوئی نمبر ملا رہی تھی لیکن دوسری طرف کوئی کال پک نہیں کر رہا تھا۔

''مصطفیٰ بھائی کے نمبر پر کال کرو میرے موبائل میں وہ سیو ہے۔'' روشی نے کہا تو اس نے دوبارہ نمبر ڈائل کیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد کال پک کر لی گئی تھی۔

''وعلیکم السلام کیسی ہیں؟'' دوسری طرف مصطفیٰ بہت سنجیدہ تھا۔

''میں نے ابھی نیوز پیپرز دیکھا ہے آئی کانٹ بیلواٹ ایاز مر گیا اور شہوار وہ ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں شہوار ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ کا انداز سنجیدہ تھا۔

''کون سے اسپتال میں ہیں آپ لوگ میں ابھی پہنچتی ہوں؟''

اس نے پوچھا تو جواباً مصطفیٰ نے ایڈریس سمجھا دیا تھا۔ وہ کال بند کرتے ہی کمرے کی طرف بھاگی تھی بیگ اور چادر لے کر وہ باہر آئی تو وہاں روشی اور صبوحی بھی جانے کو تیار تھیں شاید ولید بھی مصطفیٰ سے بات کر چکا تھا سو اب سب کو علم ہو چکا تھا۔

وہ چاروں ولید کے ہمراہ ہی اسپتال آئی تھیں ولید بہت خاموش تھا جبکہ انا گم صم مصطفیٰ سے مل کر سلام دعا کر کے کمرے کی طرف بڑھی تھیں تبھی اور دیگر لوگ کمرے سے نکلتی تابندہ بی کو دیکھ کر صبوحی بیگم کا پورا وجود ہل گیا تھا۔

''افشاں بھابی......''

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

ٹوٹا ہوا تارا......سمیرا شریف طور

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

ایاز شہوار پر تشدد کی انتہا کرتے اس کی گود اجاڑ دیتا ہے۔ مصطفیٰ انتہائی طیش کے عالم میں ایاز کے ٹھکانے پر پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور امجد خان اور دیگر ساتھیوں کی مدد سے ایاز کی فرار کی تمام راہیں مسدود کردیتا ہے۔ مصطفیٰ شہوار کی بگڑی حالت کے پیش نظر اسے اسپتال منتقل کرتا ہے جبکہ پیچھے پولیس ان کاؤنٹر میں ایاز اپنے آخری انجام کو پہنچتا ہے۔ ہمایوں نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے سکندر کو اغوا کرلیتا ہے۔ ایسے میں لالہ رخ اسے چھڑانے کی خاطر جائیداد کے کاغذات لیے وہاں پہنچتی ہے لیکن ہمایوں اپنی بات سے منکر ہوجاتے ہے اور اسے بھی قید کرلیتا ہے۔ سکندر اور اس کی بیٹی رابعہ کو مار دینے کا حکم دے کر وہ لالہ رخ کو نئے مقام پر منتقل کرکے پرسکون ہوجاتا ہے لیکن لالہ رخ ملازمہ کی مدد سے رات کے اندھیرے میں وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوجاتی ہے یہ ناکامی ہمایوں کو مشتعل کردیتی ہے۔ جب ہی لالہ رخ کو مارنے کی خاطر اس کے گھر کو جلا دینے کا حکم صادر کرتا ہے۔ دوسری طرف اس گھر میں افشاں عائشہ کے ساتھ موجود تھی ان لوگوں کی باتیں سن کر وہ وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوجاتی ہے جب ہی تیز رفتار گاڑی سے اس کی ٹکر ہوتی ہے اور وہ ہوش وخرد سے بے گانہ ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف ضیاء گھر کو جلتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ بعد میں ایک عورت اور بچوں کی جلی ہوئی لاشیں دیکھ کر افشاں کی زندگی سے مایوس ہوکر وہ بیرون ملک شفٹ ہوجاتا ہے اور عیسیٰ کا نام ولید رکھ دیتا ہے اور یوں اس اذیت ناک حادثے کے بعد ماضی وقت کی دھول میں گم ہوجاتا ہے۔ ولید مصطفیٰ کی زبانی تمام حالات جان کر شاکڈ رہ جاتا ہے انا کی شکی طبیعت پر شدید خائف ہوتے وہ سارے معاملے کے متعلق انا سے باز پرس کرتا ہے اور شدید طیش کے عالم میں اس کا ہاتھ انا پر اٹھ جاتا ہے۔ کاشفہ سے مل کر انا کو دھمکیاں دینے کے حوالے سے سخت سست سناتا ہے جبکہ کاشفہ ولید کا یہ تحقیر آمیز انداز اور تھپڑ برداشت نہیں کرپاتی اور انتہائی خراب حالات میں گھر پہنچ کر ہوش وخرد سے بے گانہ ہوجاتی ہے۔ عادلہ ایک طرف کاشفہ کی ابتر حالت پر متفکر ہوتی ہے ایسے میں ایاز کی ڈیڈ باڈی دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں جب ہی پولیس کے آدمی گھر کی تلاشی میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ مسز عبدالقیوم جوان بیٹے کی موت کے صدمے سے ڈھے جاتی ہیں جبکہ عبدالقیوم ملک سے باہر ہوتا ہے۔ مصطفیٰ تابندہ بی کی تلاش میں کامیاب رہتا ہے اور انہیں اسپتال لے آتا ہے وہاں شہوار کی سیریس کنڈیشن دیکھ کر تابندہ بی آبدیدہ ہوجاتی ہیں دیگر گھر والوں کے لیے بھی تابندہ بی کی موجودگی حیرت انگیز ہوتی ہے۔ انا ایاز عبدالقیوم کی موت کی خبر پڑھ کر چونک جاتی ہے جب ہی باقی سب گھر والے بھی مصطفیٰ کے ساتھ گزرنے والے اذیت ناک حادثے سے آگاہ ہوتے ہیں ایسے میں صبوحی بیگم بھی انا کے ہمراہ اسپتال پہنچ جاتی ہیں اور وہاں تابندہ بی کے روپ میں افشاں کو دیکھ کر وہ شاکڈ رہ جاتی ہے ہیں۔

〈اب آگے پڑھیں〉

❁......❀......❁

نجانے کون سی قوت تھی جو اسے بھگا رہی تھی۔ وہ ذیلی سڑکوں سے نکل کر بڑی سڑک پر آ گئی تھی لیکن اس کی رفتار پھر بھی کم نہ ہوئی وہاں اکا دُکا گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ لوگ اس کے تعاقب میں ہیں۔ وہ اسے اور عائشہ کو بھی آگ میں دھکیل دیں گے تبھی اندھا دھند بھاگتے وہ بہت زور سے مخالف سمت سے آتی ایک تیز رفتار گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ عائشہ اس کے بازو سے نکل کر کہیں دور جا گری تھی۔ وہ سخت پتھریلی زمین پر گرتے ہی رونے لگی جبکہ گاڑی اسے کچل کر تیزی سے آگے جا کر بے اختیار رکی تھی۔

❁......❀......❁

سکندر اور بچی کو لے کر وہ نہر کنارے چلے آئے تھے۔ وہ تین لوگ تھے انہوں نے کھینچ کر گاڑی سے سکندر کو نکالا تھا' سکندر کا جسم بری طرح مجروح تھا جگہ جگہ زخم تھے یوں جیسے بہت بے دردی سے مارا گیا ہو۔ وہ بے ہوش تھا' ایک آدمی نے روتی بلکتی بچی کو تھام رکھا تھا۔

''ان دونوں کو مار کر نہر میں پھینک دو' جلدی کرو۔'' ان کے ایک ساتھی نے دوسرے سے کہا تھا۔

''یہ تو پہلے ہی مرا ہوا ہے اس کو اور کیا مارنا' ایسے ہی پھینک دیتے ہیں۔'' ایک اور ساتھی نے کہا تھا۔

''باس سے شامت بلوانی ہے کیا جو ایسے ہی پھینک دیتے ہیں بچ گیا تو اور مصیبت ہوگی۔'' دوسرے نے ڈانٹ کر پہلے کو کہا تھا۔

اس کے کہنے پر اس آدمی نے بے ہوش سکندر کو زمین پر ڈال دیا اور گولی اس کے وجود میں اتار دی تھی۔ بندوق چلنے کی آواز دور دور تک سنائی دی تو اندھیرے میں جیسے ایک شور بلند ہوا تھا۔

''کون ہے......کون ہے ادھر؟'' وہاں کیمپ میں لیٹے دو وجود ایک دم ڈر گئے تھے۔انہوں نے اطراف میں دیکھنا چاہا لیکن تاریکی میں کچھ سجھائی نہ دیا البتہ جھاڑیوں میں کسی چیز کے ہلنے کا شور بلند ہوا ساتھ ہی درختوں کے جھنڈ میں ہلکی سی روشنی بھی ہوئی تھی' وہ سب بوکھلا گئے تھے۔

''جلدی کرو اس کو نہر میں پھینکو اور بھاگو کوئی دیکھ نہ لے۔لگتا ہے ادھر کوئی موجود ہے۔'' ایک ساتھی چلایا تھا۔انہوں نے جلدی سے سکندر کو اٹھایا اور نہر میں پھینک دیا اور بڑی تیزی سے جس گاڑی میں آئے تھے بیٹھ کر فوراً بھاگ گئے تھے۔

ننھی بچی وہیں سڑک پر پڑی حلق پھاڑ پھاڑ کر رو رہی تھی وہ شاید عجلت میں اس کو نہر میں پھینکنا بھول گئے تھے اور وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔جھاڑیوں میں موجود وہ دونوں آدمی ایک دم نکل کر باہر آئے تھے۔ایک نے دوڑ کر روتی ہوئی بچی پر ٹارچ کی روشنی ڈالی تھی' اردگرد اچھی طرح دیکھنے کے بعد اس نے بچی کو اٹھا لیا تھا۔

''میں نے ان آدمیوں کو کسی کو نہر میں پھینکتے دیکھا ہے۔'' جس نے بچی کو اٹھایا تھا وہ دوسرے آدمی سے بولا تھا۔

''کوئی پولیس کیس ہی نہ بن جائے' نجانے کون لوگ تھے اور کیا کرنے آئے تھے؟''

''نہر میں پانی اتنا گہرا نہیں میں تیر سکتا ہوں آرام سے' دیکھتا ہوں کیا مسئلہ ہے تم اس بچی کو سنبھالو۔'' بچی کو دوسرے آدمی کے حوالے کرتے اپنی قمیص اتار کر وہ خود نہر میں کود گیا تھا۔دوسرا آدمی دم سادھے گہری تاریکی میں صرف پانی کا شور سن رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کو اپنے ساتھی کی آواز سنائی دی تھی' وہ اس کو کنارے پر بلا رہا تھا وہ جلدی سے بچی کو اٹھائے آگے بڑھا اور کنارے کی طرف آیا تھا۔روتی ہوئی بچی کو اس نے ایک طرف زمین پر بٹھایا اور خود اپنے ساتھی کی مدد کرنے لگا جو نہر میں سے ایک مردہ وجود کو کھینچ کر باہر نکال رہا تھا۔دونوں نے اس کو باہر نکال کر زمین پر لٹا دیا تھا۔اس نے اس وجود کی سانس چیک کرنا چاہی تو حیران ہوا۔

''یہ زندہ ہے ابھی۔'' وہ چلایا تھا۔

''ہاں خون بہت بہہ رہا ہے۔''

''لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں نجانے کون ہے؟ کیا دشمنی تھی جو اسے مار کر یہاں پھینک گئے ہیں؟'' پہلے والا خوف زدہ تھا۔

''جو بھی ہے لیکن اب تو اس کو بچانا ہی ہوگا۔''

''کوئی کیس نہ بن جائے ہم پر۔''

''اللہ مالک ہے' گاؤں لے چلتے ہیں مولوی صاحب کے پاس وہی کچھ کر سکتے ہیں۔'' دونوں آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے اور پھر یہ طے پایا کہ وہ دونوں اسے گاؤں لے جاتے ہیں۔وہ لوگ جس وقت سکندر اور بچی کو لے کر مولوی صاحب کے پاس پہنچے بہت رات بیت چکی تھی۔مولوی صاحب ساری صورت حال دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔

وہ حکیم تھے اور ساتھ امام مسجد بھی انہوں نے فوراً سکندر پر اپنا ہنر آزمانا شروع کر دیا تھا جبکہ بچی کو گھر کے اندرونی حصے میں بھیج دیا گیا۔

''اجنبی کی حالت بہت تشویش ناک ہے۔'' بہت دیر کوشش کرنے کے بعد بھی وہ مایوس تھے۔''سواری کا بندوبست کرو اس کو شہر لے جانا پڑے گا اگر زندگی ہوئی تو بچ جائے گا ورنہ اللہ کی مرضی۔''

''میں بندوبست کرتا ہوں اڈے تک تو تانگے کا بندوبست ہو جائے گا وہاں سے گاڑی لینا ہوگی۔''

''وہاں اڈے پر ساجد مہر ہوتا ہے اس کی اپنی ٹرالی ہے اس سے کہتے ہیں وہ شہر تک لے چلے گا۔'' مولوی صاحب نے کہا تو وہ تینوں چلنے کو تیار ہو گئے تھے۔

وہ لوگ سکندر کو تانگے پر اڈے تک لائے تھے' مولوی صاحب نے ساجد سے بات کر لی تھی وہ مان گیا تھا۔مولوی صاحب کسی ہسپتال میں لے جانے کے بجائے اپنے ایک شاگرد کے پاس لے آئے تھے۔اس نے سکندر کو دیکھا اور پھر ایک کلینک میں لے آیا تھا۔کلینک اس کے دوست کا تھا' وہ بہت راز داری سے سکندر کا علاج کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔وہیں سکندر کا علاج شروع ہوا اور گولی نکال کر باقی علاج شروع کر دیا گیا تھا۔شاید سکندر کی زندگی باقی تھی سو وہ موت کے منہ سے نکل آیا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کا بازو اور ٹانگ ٹوٹ چکی تھی۔

مولوی صاحب کے ساتھ آنے والے وہ دونوں آدمی واپس چلے گئے تھے مولوی صاحب خود سکندر کے پاس رکے ہوئے تھے۔تین چار دن بعد سکندر کو ہوش آیا تھا لیکن ابھی وہ اس قابل نہ تھا کہ اپنے بارے میں کچھ بتا پاتا۔سکندر کا علاج مہینوں پر مبنی تھا۔جیسے ہی وہ خطرے

سے باہر ہوا تو مولوی صاحب کو بھی اس کی زندگی کی امید بندھ گئی تھی۔ دو تین دن بعد سکندر نے اپنے بارے میں جو بتایا وہ سن کر مولوی صاحب کا دل ایک دم شدید غم کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ وہ اپنے شاگرد کو لے کر سکندر کے بتائے گئے ایڈریس پر گئے تھے لیکن وہاں جو داستان تھی وہ اور بھی زیادہ دل گداز تھی۔ سکندر کے گھر کو آگ لگ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کے بیوی بچے سب جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے۔

مولوی صاحب خوف خدا کے سبب سکندر کی زندگی بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ وہ مزید مسائل میں نہیں الجھنا چاہتے تھے سو پولیس تک اس معاملے کی رپورٹ نہیں کروائی تھی اور کچھ دن بعد سکندر کو واپس اپنے گاؤں لے آئے تھے۔ سکندر چلنے پھرنے اور کھانے پینے سے قاصر تھا' وہ ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے۔ ان کی بیٹی چند دن پہلے ہی بیوہ ہوئی تھی' سسرال والوں نے گھر سے نکال دیا تھا وہ باپ کے گھر میں ہی عدت کے دن گزار رہی تھی۔ بیوی وفات پا چکی تھیں صرف ایک بیٹی ہی تھی جس کا ایک بیٹا تھا۔

رابعہ کو ثریا نے بہت خوش دلی سے سنبھال لیا تھا۔ انہیں خوب صورت سی رابعہ بہت پسند آئی تھی۔ مولوی صاحب مسجد کی امامت اور بچوں کو پڑھانے کے علاوہ حکیمی بھی کرتے تھے ان کے پاس کوئی نہ کوئی مریض آتا رہتا تھا۔ سکندر کا بستر ان کے کمرے میں ہی لگا دیا گیا تھا۔ انہوں نے گاؤں والوں کو یہی بتایا تھا کہ وہ ان کا دور پرے کا بھتیجا ہے اور ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گیا ہے جس کے سبب وہ اسے اپنے پاس لے آئے ہیں اور اب وہ ان کے ساتھ ہی رہے گا۔ مولوی صاحب نے سکندر کو قطعی نہیں بتایا تھا کہ اس کی فیملی پر کیا غضب ڈھایا جا چکا ہے وہ ہر بار سکندر کے پوچھنے پر اسے تسلی دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سکندر اچھی طرح صحت یاب ہو جائے' اپنے پیروں پر چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے تو پھر اس کو بتائیں گے۔

وہ دونوں آدمی جنہوں نے سکندر کو بچایا تھا وہ اکثر اس کی عیادت کو آتے رہتے تھے۔ وہ مولوی صاحب کے بہت مخلص دوست تھے اور شہد کے بیوپاری تھے۔ وہ مختلف جگہوں پر شہد کے مصنوعی چھتے لگاتے تھے اور شہد بنایا کرتے تھے۔ وہ اس مقصد کے لیے زیادہ تر نہر کے کنارے جہاں درختوں کے جھنڈ ہوتے تھے ان کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ ان دنوں انہوں نے وہاں کیمپ لگا رکھا تھا اور وہیں کیمپ میں ہی رات گزارا کرتے تھے تاکہ کوئی رات کی تاریکی میں وہاں موجود شہد کے چھتوں کو چرا کر نہ لے جائے۔ اس رات بھی وہ اپنے کیمپ میں لیٹے ہوئے تھے وہاں گاڑی آ کر رکی تھی انہوں نے کوئی توجہ نہ دی تھی کیونکہ وہ اڈہ تھا وہاں اکثر کوئی نہ کوئی گاڑی کسی نہ کسی مسافر کو اتارنے کے لیے رکتی تھی لیکن وہ لوگ تب چونکے جب گولی چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ دونوں ٹارچ لے کر باہر نکلے تھے اور باہر جو کچھ دکھائی دیا وہ بڑا حیران کن تھا۔ وہ لوگ تو سکندر کو نہر میں ڈال کر رفو چکر ہو گئے تھے اور معصوم بچی کو وہیں سڑک پر چھوڑ گئے تھے لیکن وہ دونوں خوف خدا کے سبب بچی اور سکندر کو ان کے حال پر نہ چھوڑ سکتے تھے اسی لیے یہاں لے آئے تھے لیکن سکندر اپنے گھر والوں سے ملنے کو بے تاب تھا۔

اسی حالت میں بمشکل ایک ماہ گزرا تھا جب سکندر کے اصرار پر مولوی صاحب نے اسے سچ بتا دیا تھا اور سچ جان کر سکندر ایک دم سکتے میں آ گیا تھا۔ اس کا پورا گھر اجڑ چکا تھا بیوی بچے سب مر چکے تھے۔ سکندر کے اندر جیسے زندگی ختم ہو گئی تھی اور پھر اس دن مولوی صاحب اس کے پاس ننھی رابعہ کو لے آئے تھے اس سے پہلے مولوی صاحب نے سکندر کو رابعہ کے بارے میں نہیں بتایا تھا' سکندر رابعہ کو دیکھ کر ساکت ہوا تھا۔

''یہ تو میری بچی ہے رابعہ!'' مولوی صاحب چونکے تھے۔

''اگر یہ تمہاری بچی ہے تو آگ میں تو تینوں بچے جل کر مرے تھے۔'' سکندر بھی الجھ گیا تھا۔

''یہ وہاں تک کیسے پہنچی؟ ہمایوں نے تو صرف مجھ اکیلے کو اٹھایا تھا۔'' سکندر پریشان ہو گیا تھا۔

''ہو سکتا ہے بعد میں بچی کو بھی اٹھا لیا ہو۔'' مولوی صاحب نے کہا تو سکندر گم صم سا ہو گیا۔

''تو پھر مرنے والا تیسرا بچہ کون تھا؟'' سکندر کے اندر بہت دن تک یہ سوال کلبلاتا رہا تھا وہ آہستہ آہستہ روبہ صحت ہو رہا تھا۔

سکندر کے اصرار پر مولوی صاحب ایک بار پھر سکندر کے بتائے گئے پتے پر گئے تھے اور اس بار وہ افشاں کی پھوپو والے گھر میں بھی گئے تھے لیکن وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ مولوی صاحب نے اردگرد کے لوگوں سے معلومات حاصل کرنا چاہی تو معلوم ہوا کہ اس گھر میں رہنے والی خالہ بی اپنے جیٹھ کے گھر شفٹ ہو گئی ہے اور ضیاء باہر جا چکا ہے۔ مولوی صاحب نے سکندر کے بارے میں پوچھا تو کوئی معقول جواب نہ ملا تھا۔ وہ واپس لوٹ آئے تھے۔ مولوی صاحب کی فراہم کردہ معلومات ایسی تھیں کہ سکندر کے اندر مزید مایوسی کی فضا پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔

لالہ رخ اور اس کے دونوں بچے اب اس دنیا میں نہیں تھے وہ کس کے لیے جیتا ایسے میں بس ننھی رابعہ کا وجود سکندر کے اندر زندہ رہنے

کی لگن پیدا کرنے کا سبب بنا تھا۔ وہ صحت یاب ہوا تو خود اس جگہ گیا تھا لیکن ہمیشہ کی طرح خالہ بی کے گھر تالا لگا ہوا تھا اور اس کے اپنے گھر کی حالت دل کو خاک کر گئی تھی وہ گھر جو انہوں نے بہت محبت اور توجہ سے بنایا تھا وہ جل کر اپنی حالت پر ماتم کناں تھا' سکندر جو زندگی بھر کبھی حوصلہ نہ ہارا تھا۔ جس کی آنکھ سے کبھی آنسو کا قطرہ تک نہ ٹپکا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا اس کا گھر تباہ ہو چکا تھا بیوی بچے سب جل کر راکھ کا ڈھیر بن چکے تھے۔ سکندر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کچھ کر بیٹھے۔ وہ پولیس اسٹیشن جانا چاہتا تھا اپنے بیوی بچے کی قبریں دیکھنا چاہتا تھا لیکن مولوی صاحب سکندر کی ناگفتہ بہ حالت دیکھتے ہوئے اسے زبردستی واپس لے آئے تھے۔ سکندر بہت دن تک مضمحل رہا' ذہنی لحاظ سے وہ بہت بکھر چکا تھا۔ مولوی صاحب اس کا خاص خیال رکھتے اور اسے کبھی تنہا نہ ہونے دیتے تھے۔ وہ واپس شہر جانا چاہتا تھا لیکن مولوی صاحب چاہتے تھے کہ وہ سب کچھ بھول کر کچھ عرصہ کے لیے اس واقعہ کو فراموش کر دے تاکہ ذہنی طور پر کچھ سنبھل جائے۔

دوسری طرف وہ ہمایوں کی طرف سے بھی خوف زدہ تھے' وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو علم ہو کہ سکندر اور اس کی بچی زندہ ہے' وہ ہر وقت سکندر کو سمجھاتے رہتے تھے اور شاید ان کے سمجھانے کا اثر تھا کہ سکندر کا رجحان دین کی طرف ہوتا چلا گیا تھا' وہ مولوی صاحب کے پاس ہی سارا دن بیٹھا رہتا تھا۔ اس کے اندر سے انتقام' نفرت اور ہر چیز کا احساس مٹ گیا تھا۔ کچھ وقت یونہی بیتا اور پھر سکندر ایک دن گھر سے نکلا تو مولوی صاحب کو یہی لگا کہ وہ باہر کھیتوں کی طرف گیا ہوگا لیکن دن دوپہر اور دوپہر رات میں بدل گئی تو مولوی صاحب کی تشویش بڑھنے لگی۔ وہ ساری رات مولوی صاحب کی ازحد پریشانی میں گزری تھی' دو تین دن لگاتار بیت گئے لیکن سکندر واپس نہ لوٹا تھا۔ مولوی صاحب خود شہر گئے لیکن وہاں کوئی خبر نہ مل سکی تھی۔ دن پر دن بیتتے گئے۔ پھر دن مہینوں اور مہینے سال میں بدل گئے اور سکندر لوٹ کر نہ آیا' مولوی صاحب بیمار رہنے لگے تھے۔ بیوی بیٹی کا دکھ اور سکندر کی گمشدگی وہ ہر وقت متفکر رہتے تھے۔

دوسری طرف ثریا کے سسرال والے بیٹے کو مانگ رہے تھے' مولوی صاحب چاہتے تھے کہ ثریا کی دوسری شادی کر دیں لیکن ثریا اس بات پر رضامند نہ تھی۔ ثریا کے سسرال والوں کا اصرار بڑھنے لگا تو ثریا نے مولوی صاحب کو گاؤں چھوڑ کر شہر چلنے کا مشورہ دیا۔ مولوی صاحب کی گاؤں میں بہت عزت تھی لیکن بیٹی کی وجہ سے مجبور تھے اور پھر ایک دن شہر منتقل ہو گئے۔ یہ نئی آبادی تھی جمع پونجی کچھ تھی نہیں' کرائے پر گھر مل سکا تھا۔ ثریا محلے کے بچوں کو قرآن اور ٹیوشن پڑھا دیا کرتی تھی اور سلائی کا کام بھی کر لیتی تھی۔ گزر بسر اچھی ہونے لگی تھی۔ وقت کا کام ہے گزرتے جانا' رابعہ بڑی ہو رہی تھی وہ ثریا کو سہیل کی دیکھا دیکھی امی کہنے لگی تھی۔ شہر میں رہتے ایک سال گزرا تھا جب ان کے پاس مولوی صاحب کا ایک شاگرد گاؤں سے ایک خط لایا تھا' یہ خط کسی باہر کے ملک سے بھیجا گیا تھا۔ مولوی صاحب نے وہ خط دیکھا تو وہ سکندر کی طرف سے تھا۔

''السلام علیکم مولوی صاحب! مجھے علم ہے آپ میری طرف سے بہت پریشان ہوں گے' میں نے جب گاؤں چھوڑا اس وقت میرے ذہن میں صرف اور صرف ہمایوں سے بدلہ لینے کا خیال تھا۔ میں شہر آیا اور یہاں ایک دوست کے پاس چلا آیا وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوا تھا میری کہانی سن کر اس نے میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی کیا تھا۔ یہ شخص میرا کاروباری دوست تھا' اس کے پاس میری کچھ رقم واجب الادا تھی اس نے میرا بہت ساتھ دیا۔ اسی نے مجھے بتایا کہ میرے بیوی بچوں اور گھر کو جلانے کے سلسلے میں پولیس میرے بارے میں بھی مشکوک ہے اور میری تلاش میں ہے۔ میرے دوست نے مجھے واپس گاؤں جانے اور نئی زندگی شروع کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میرا دل و دماغ کسی بھی چیز کو قبول نہیں کر رہا تھا سوائے اس کے کہ میں ہمایوں سے بدلہ لوں۔ میں نے ہمایوں کا پتا کروایا تو معلوم ہوا کہ جن دنوں مجھے قتل کروایا گیا تھا اور میرے گھر کو آگ لگائی گئی تھی اس سے تیسرے دن بعد ہمایوں اپنے خاندان سمیت ملک سے باہر بھاگ گیا تھا۔ اب میرے پاس سوائے صبر کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ میں اپنے دوست کے ساتھ مل کر دوسرے شہر چلا گیا تھا' جہاں ہمارا کام چل نکلا۔ اب میرے پاس اتنی رقم تھی کہ میں باہر جا سکتا تھا اور امریکہ میں میری کچھ جائیداد بھی تھی میں سکندر کے نام کو استعمال نہیں کر سکتا تھا میں نے فیضان کے نام سے اپنے کاغذات تیار کروائے تھے اور پھر میں باہر آ گیا لیکن میری بدقسمتی نے ابھی میرا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ میں جیسے ہی یہاں آیا یہاں ایک اور کیس منتظر تھا' ضیاء اور وقار دونوں اپنی فیملی سمیت یہاں سے بھاگ گئے تھے وہ یہاں کی پولیس کو مطلوب تھے۔ میری پراپرٹی میں ایک شاپ جس آدمی کے پاس تھی اس سے وقار اور پھر ضیاء کا جھگڑا ہوا تھا۔ ضیاء سے گولی چلی تھی وہ آدمی کچھ دن ہسپتال میں رہا تھا لیکن پھر بعد میں کسی اور حادثے کے سبب مر گیا تھا' اس کی اولاد یہ کیس ضیاء اور وقار پر ڈال رہی تھی اور جب میں واپس گیا تو پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا تھا۔ میری تمام پراپرٹی پر لوگوں کا قبضہ تھا' مجھے جیل میں ڈال دیا گیا اور مجھ پر وقار اور ضیاء کا ساتھی ہونے کے سبب کئی کیس ڈال دیئے گئے تھے۔ میں دونوں ہاتھوں سے خالی تھا اپنے دفاع میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہاں کئی ماہ جیل میں بند رہا'

یہاں کی پولیس میرے بارے میں کچھ بھی ثابت نہ کرسکی تو مجھے رہا کردیا گیا۔ سکندر کے نام کی پراپرٹی پر فیضان کا کوئی حق نہ بنتا تھا' میرا یہ نیا نام مجھے جیل سے نکالنے کا سبب بنا لیکن میری پراپرٹی میرے کسی کام نہ آسکی تھی۔ میں یہاں اب مزدور کی سی زندگی گزار رہا ہوں اور وقار اور ضیاء کی تلاش میں بھی لگا ہوا ہوں لیکن کسی کا بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ میری بیٹی کا خاص خیال رکھیے گا' مجھے نہیں علم کہ میں واپس آؤں گا بھی کہ نہیں اس لیے آپ ثریا سے کہیے گا کہ اسے اپنی بیٹی بنا کر پرورش کریں۔ اگر زندگی نے مہلت دی اور یہاں سے واپسی ممکن ہوسکی تو میں ایک دن ضرور لوٹ کر آؤں گا۔ میری زندگی میں آپ لوگوں اور اپنی بیٹی کے سوا اب اور کوئی رشتہ باقی نہ رہا' میری بیٹی آپ کے پاس میری امانت ہے اس کا خیال رکھیے گا۔

فقط

فیضان علی''

خط ایسا تھا کہ مولوی صاحب کئی دن تک غم زدہ رہے تھے۔ رابعہ کو ثریا نے واقعی بیٹی کی طرح پالا تھا اور کبھی اُف تک نہ کی تھی۔ زندگی اپنے مزاج میں چلتی جارہی تھی فیضان نے اس کے بعد کوئی رابطہ نہ کیا تو مولوی صاحب ناامید ہوتے چلے گئے تھے۔ رابعہ کو ثریا نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کی بیٹی نہیں ہے' رابعہ اسکول جانے لگی تھی۔ رابعہ کی ولدیت سے متعلق ان کے پاس کوئی کاغذات نہ تھے اسکول انتظامیہ نے والدین کے شناختی کارڈ اور پیدائش کا اندراج فارم طلب کیا تھا بصورت دیگر اسکول میں داخلہ ممکن نہ تھا تو مجبوراً ثریا کو سہیل کے والد صاحب کے کوائف جمع کروانا پڑے تھے اور جعلی پیدائش اندراج فارم بنوا کر انتظامیہ کے حوالے کرنا پڑا تھا۔ یہ ایریا کا ایک اچھا اسکول تھا جس میں سہیل اور رابعہ دونوں جاتے تھے۔ وقت تیزی سے گزرنے لگا تھا اس ایک خط کے بعد فیضان کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی تھی۔

مولوی صاحب مزید ضعیف اور بیمار ہوگئے تھے۔ سہیل نے میٹرک کرلیا تھا اور وہ اب کالج میں داخلہ لینا چاہتا تھا جبکہ رابعہ پانچویں میں تھی جب ایک شام بالکل اچانک اپنے سازوسامان سمیت فیضان نے گھر کے دروازے پر دستک دی تھی۔ دروازہ مولوی صاحب نے کھولا تھا وہ اپنے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھ کر چونک گئے تھے' فیضان ان کے گلے لگ گیا تھا' وہ الجھے ہوئے تھے جیسے اجنبی کو پہچان نہ پائے ہوں۔

''تم کون ہو بیٹا؟''

''میں سکندر ہوں مولوی صاحب فیضان علی۔'' اور مولوی صاحب نے بغور دیکھا اس نے چہرے پر داڑھی رکھ لی تھی۔ قد کاٹھ اور صحت کے اعتبار سے بھی کافی اچھا ہوگیا تھا' انہوں نے بے اختیار فیضان کو گلے سے لگالیا تھا۔

فیضان نے بتایا کہ وہ کچھ دن پہلے پاکستان آیا تھا ایک جاننے والے کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور پھر آج صبح وہ گاؤں گیا تھا تو وہاں سے علم ہوا کہ مولوی صاحب کئی سالوں سے شہر شفٹ ہوچکے ہیں۔ گاؤں والوں سے ہی یہاں کا ایڈریس لیا اور ان کو ڈھونتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ فیضان سہیل سے ملا تھا وہ جب گیا تھا تو وہ نو دس سال کا بچہ تھا اور اب جوان تھا۔

''فیضان پہچانو تو یہ کون ہے؟'' ثریا ایک شرماتی جھجکتی بچی کو ہاتھ سے تھامے اس کے سامنے آئی تو فیضان نے چونک کر بچی کو دیکھا۔ بچی لالہ رخ جیسی نہیں تھی لیکن اس کے نقش ونگار میں لالہ رخ کی جھلک ضرور تھی۔

''رابعہ۔'' فیضان بے اختیار رابعہ کی طرف بڑھا تھا۔ اسے بازوؤں میں لے کر بہت محبت سے اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

عرصہ بعد کسی اپنے کے لمس نے چھوا تو فیضان کی آنکھوں میں نمی آتی چلی گئی تھی اور پھر فیضان نے اس نمی کو بہنے دیا تھا۔ رابعہ اس گرم جوشی پر خوف زدہ ہوگئی تھی وہ رات بڑی عجیب سی تھی۔ فیضان باہر گزرے دنوں کا احوال سناتا رہا اور یہ لوگ یہاں گزرے دنوں کا' دو دن گزرے تو فیضان نے اجازت چاہی تھی۔

''میں رابعہ کو لینے آیا تھا اب جانا چاہوں گا۔''

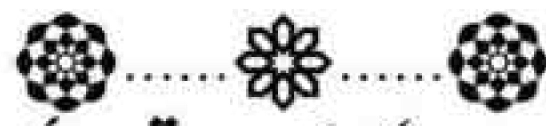
''کہاں؟'' مولوی صاحب حیران ہوئے تھے۔

''میں نے اپنے دوست کو ایک کرائے کے گھر کا بندوبست کرنے کو کہا ہے میرے پاس کچھ رقم ہے پھر اپنا گھر لوں گا۔''

''لیکن رابعہ کہیں نہیں جائے گی۔'' ثریا ایک دم اندر آئی تھیں' مولوی صاحب اور فیضان دونوں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''میں نے اسے ماں باپ سب بن کر پالا ہے' وہ بچی مجھے اپنی ماں سمجھتی ہے وہ کہیں نہیں جائے گی۔''

"لیکن میں آپ دونوں پر مزید بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔"
"بوجھ تو تم تبھی ڈال کر چلے گئے تھے جب ہمارا گھر چھوڑا تھا' تم نے جہاں جانا ہے بے شک جاسکتے ہو لیکن رابعہ کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کرنا رابعہ کو جب تم چھوڑ کر گئے تھے تب ہمارے پاس اس کے متعلق کوئی ثبوت نہ تھا پھر مجھے اسے اپنی بیٹی ظاہر کرنے کے لیے معاشرے میں ایک مقام دلانا پڑا تھا۔" ثریا نے کہا تو فیضان نے چونک کر مولوی صاحب کو دیکھا انہوں نے آہستگی سے ساری بات سمجھائی تو فیضان الجھا۔
"یہ کیسے ممکن ہے وہ میری بیٹی ہے۔"
"تم جس طرح اپنی بچی سے غافل رہے کبھی پلٹ کر پوچھا تک نہیں سوائے اس ایک خط کے ہم کیسے یقین کر لیتے کہ تم پلٹ کر آؤ گے؟ اور فرض کرو تم پلٹ کر نہ آتے تو سوچو اس معاشرے میں اس بچی کا کیا مقام ہوتا۔ لوگ اس کو کس نام سے پکارتے' میں مجبور تھی میں نے جو بھی کیا رابعہ کے بہتر مستقبل کے لیے کیا تھا۔" فیضان کا سر جھک گیا تھا۔
"آپ کو بتایا تو ہے میں نے جیل سے نکل کر کیسی مشقت بھری زندگی گزاری تھی۔ میں وہاں کی پولیس کے حراست میں تھا واپس بھی نہیں آسکتا تھا' اور پھر میں خالی ہاتھ نہیں آنا چاہتا تھا سو مجھے وہاں کچھ عرصہ رکنا پڑا تب جا کر میں اس قابل ہوا کہ میں واپس لوٹ سکوں۔" فیضان کا انداز شکستہ تھا' مولوی صاحب نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ڈھارس دی۔
"جو بھی ہے لیکن رابعہ یہاں سے نہیں جائے گی۔" ثریا کا انداز اٹل تھا۔ مجبوراً فیضان کو چند دن کے لیے اکیلے ہی جانا پڑا تھا کچھ دن بعد وہ پھر لوٹا تو ثریا کا وہی جواب تھا۔
"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی لیکن میری بھی ایک شرط ہوگی پھر۔" ثریا نے فیضان کو دیکھا تھا۔
"میں نے ایک گھر لیا ہے آپ لوگوں کو یہ گھر چھوڑ کر وہاں آنا ہوگا میرے ساتھ' اس طرح میں بھی اس گھر میں رہا کروں گا۔ گھر دو منزلہ ہے ایک حصے پر آپ لوگ رہائش اختیار کر لیں اور ایک پر میں۔"
"لیکن یہ کیسے ممکن ہے بیٹا!" مولوی صاحب نے کہا تو فیضان نے ثریا آپا کو دیکھا وہ شش و پنج میں تھیں۔
"یا تو رابعہ کو میرے ساتھ روانہ کریں یا سب میرے ساتھ چلیں میں کل آؤں گا پھر۔" فیضان کہہ کر چلا گیا تھا۔
وہ ساری رات ثریا اور مولوی صاحب سوچتے رہے تھے اور پھر اگلے دن ان کو فیضان کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ فیضان اوپر والے حصے میں رہتا تھا نیچے یہ لوگ تھے' فیضان نے یہاں ٹیوشن کا سلسلہ شروع کر لیا تھا۔ بیٹھک کا کمرہ مولوی صاحب کے لیے مخصوص تھا' فیضان اور اس کے اسٹوڈنٹس بھی وہاں بیٹھ جاتے تو مولوی صاحب سارا دن اس رونق میں لگے رہتے۔ اس کے بعد مولوی صاحب صرف ایک سال جیے تھے اور پھر دنیا سے رخصت ہوگئے تو گھر کی ساری ذمہ داریاں فیضان پر آپڑی تھیں اور فیضان نے پوری جانفشانی کے ساتھ ان کو نبھایا بھی تھا۔ سہیل کی تعلیم کے بعد اس کے باہر جانے کا بندوبست کیا وہ واپس آیا تو اس کی شادی کی وہ پھر باہر چلا گیا تھا رابعہ کے تمام تعلیمی اخراجات اور گھر کے اخراجات خود اٹھا رکھے تھے۔
وقت کے ساتھ ساتھ ثریا بیگم کے سسرالی رشتہ داروں نے بھی ان کو ڈھونڈ نکالا تھا' وہ اب ان سے روابط میں رہتے تھے لیکن ثریا کو ان سے ایسے زخم ملے تھے کہ وہ چاہ کر بھی کسی سے روابط نہ بڑھا سکی تھیں۔
سہیل کو شروع سے ہی علم تھا کہ رابعہ اس کی بہن نہیں ہے لیکن رابعہ ابھی تک بے خبر تھی لیکن فیضان صاحب اور ثریا بیگم جانتے تھے کہ یہ بے خبری اب ختم کرنا تھی۔ جب سے ابوبکر سے نکاح کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ دونوں اسی ادھیڑ پن میں رہتے تھے کہ رابعہ کو کیسے بتائیں پھر ابوبکر سے نکاح کا سلسلہ ختم ہوا تو یہ عباس کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ فیضان صاحب جانتے تھے کہ عباس کون ہے؟ ان کے لیے رابعہ کی عباس سے شادی کرنا مسئلہ نہیں تھا لیکن عباس کے خاندان میں شادی کرنا مسئلہ تھا۔ انہوں نے ثریا اور سہیل کو بھی اپنی خاندانی حیثیت سے آگاہ کر دیا تھا وہ دونوں تو اس رشتے کے حق میں تھے لیکن فیضان صاحب چاہ کر بھی ان لوگوں سے ملنے پر خود کو آمادہ نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ جب بھی ان لوگوں کے بارے میں سوچتے تھے ان کو اپنی بے رنگ تلخیوں اور مصیبتوں سے بھری زندگی یاد آجاتی تھی اور دل چاہتا تھا کہ وہ سب کچھ ختم کر دے لیکن اب جذباتیت کا دور نہ تھا اب ہر فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنے والا تھا۔
اب ان کی بیٹی کے مستقبل کا سوال تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ جو سود و زیاں وہ اٹھا چکے تھے ویسی ہی زندگی ان کی بیٹی کا مقدر بن جائے' عباس کو ہاں کرنے پر مجبور ہوگئے تھے لیکن چاہ کر بھی عباس کے والدین سے ملنے پر خود کو آمادہ نہیں کر پائے تھے۔



گاڑی رکی اور اس میں موجود لوگ فوراً نکلے تھے مہر النساء بھاگ کر روتی ہوئی بچی کو اٹھا لیا۔ بچی کو چوٹ نہیں لگی تھی لیکن افشاں لہولہان ہو چکی تھی۔

''مائی گاڈ! اس کی حالت بہت خراب ہے۔'' شاہزیب نے افشاں کو دیکھ کر کہا تھا۔

''صاحب میرا کوئی قصور نہیں یہ عورت خود آگے آ ئی تھی۔'' ڈرائیور ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔

''وقت ضائع مت کرو اس کو فوراً ہسپتال لے چلتے ہیں۔'' بابا صاحب بھی باہر آ چکے تھے' افشاں کی حالت دیکھ کر انہوں نے کہا تھا اور پھر وہ سب اس کو ہسپتال لے آئے تھے۔

یہ لوگ شہر میں ایک تقریب میں مدعو تھے رات کے اس پہر تقریب اٹینڈ کر کے شہر والی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے کہ رستے میں یہ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا مہر النساء نے بچی کو سنبھال لیا تھا افشاں کی حالت بڑی تشویش ناک تھی' وہ آئی سی یو میں تھی۔ اگلے دن تک افشاں کی حالت نہ سنبھل پائی تھی' ڈاکٹرز پوری کوشش کر رہے تھے مہر النساء اور بابا صاحب بچی کو لے کر کوٹھی چلے گئے تھے اور شاہزیب ابھی وہیں تھے۔ دو دن مزید گزر چکے تھے لیکن افشاں کو ہوش نہیں آ رہا تھا۔

ڈاکٹرز کے بقول اس کے دماغ پر شدید چوٹ لگی ہے جس سے وہ کوما میں بھی جا سکتی ہے یا پھر ایکسپائر بھی ہو سکتی ہے۔ افشاں کی باقی جسمانی توڑ پھوڑ کا علاج جاری تھا لیکن ذہنی چوٹ ایسی تھی کہ کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ہفتہ اسی کشمکش میں گزر گیا تھا اور پھر ڈاکٹرز نے مریضہ کے کوما میں چلے جانے کی خبر سنائی تو شاہزیب سمیت پوری فیملی ہی پریشان ہو گئی تھی۔ شاہزیب نے پولیس ڈیپارٹمنٹ اور ہر جگہ خبر نشر کروادی تھی ایکسیڈنٹ کی نوعیت اور عورت کا حلیہ بھی درج کروا دیا تھا امید تھی کہ شاید ورثاء میں سے کوئی رابطہ کرے لیکن اس دوران کسی نے بھی رابطہ نہیں کیا تھا' افشاں کوما میں اور ننھی عائشہ مہر النساء کی گود میں تھی۔

عائشہ صبا کی ہم عمر تھی مہر النساء کو عائشہ کو سنبھالنے میں کوئی مسئلہ نہ ہوا تھا۔ گھر میں ملازموں کی بہتات تھی اور بچی کا خاص خیال رکھا جا رہا تھا۔ مہینہ بعد افشاں کو ہوش آیا لیکن وہ بولنے سے قاصر تھی' اس کے علاوہ اس کی جسمانی چوٹیں ایسی تھیں کہ وہ اپنے سہارے پر چل بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ لوگ اس سے اس کا نام پتا؟ وغیرہ پوچھتے تو وہ ٹکر ٹکر سب کو دیکھتی رہتی۔ شاہزیب اور بابا صاحب اس کے علاج میں کوئی کمی نہیں آنے دے رہے تھے۔ وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی تو وہیل چیئر پر بٹھا کر وہ لوگ اسے اپنی کوٹھی میں لے آئے تھے۔ مہر النساء ویسے تو حویلی میں رہتی تھیں لیکن افشاں کی وجہ سے انہیں مجبوراً کوٹھی میں رہنا پڑ رہا تھا۔ شاہزیب کی کسی اور ڈسٹرکٹ میں جاب تھی وہ ایکسیڈنٹ کے ایک ہفتے بعد ہی چلے گئے تھے۔ افشاں کا خیال مہر النساء خود رکھ رہی تھیں اس کے علاوہ ڈاکٹر اور نرس کا انتظام بھی تھا۔

افشاں کا حال یہ تھا کہ وہ کسی سے بھی بات نہیں کرتی تھی' جہاں بٹھایا جاتا وہ گم صم بیٹھی رہتی تھی جبکہ ڈاکٹرز کی رپورٹس کے مطابق افشاں میں سننے اور بولنے کی صلاحیت ابھی بھی کام کر رہی ہے لیکن کوما کے سبب وقت کے ساتھ ساتھ وہ پھر سے بولنے لگے گی۔ افشاں کی فزیشن روزانہ آ کر اس کی فزیو تھراپی کرواتی تھی لیکن مزید ایک ماہ گزرنے کے بعد بھی اس کی حالت جوں کی توں تھی البتہ فزیکلی اس میں کافی بہتری آ ئی تھی۔ مہر النساء بہت دن تک حویلی کے معاملات سے دور نہیں رہ سکتی تھیں سو وہ افشاں اور عائشہ سمیت حویلی آ گئی تھیں۔

حویلی میں بھی افشاں کا علاج جاری تھا' وہ اب فزیکلی بالکل فٹ تھی لیکن کسی سے بات چیت پھر بھی نہیں کرتی تھی' ایک دو بار شہر لے جا کر اس کے ٹیسٹ بھی کروائے جا چکے تھے اس کو اب کوئی مسئلہ نہ تھا۔ مہر النساء نے نوٹ کیا کہ اب کچھ دن سے افشاں اکثر بیٹھے بٹھائے رونے لگتی ہے اور پھر ایک دن بڑی عجیب سی بات ہوئی تھی افشاں بابا صاحب کو دیکھ کر چیخنے چلانے لگی تھی۔ بابا صاحب بھی پریشان ہو گئے تھے' بڑی مشکل سے ملازمین نے افشاں کو کنٹرول کیا تھا۔

''میرا خیال ہے اس بار اس کو کوئی ذہنی مسئلہ ہوا ہے ایک دفعہ اس کو شہر لے جا کر چیک اپ کروا لینا چاہیے۔'' بابا کا انداز بڑا پرسوچ تھا۔

''ہاں میں نے بھی شاہزیب صاحب سے بات کی ہے وہ مجھے کہہ رہے تھے کہ کل اس کو لے کر شہر آ جاؤں۔'' بابا صاحب نے سر ہلا دیا تھا۔

اگلے دن وہ لوگ شہر چلے گئے تھے' ایک بار پھر افشاں کے سب ٹیسٹ ہوئے تھے۔ ڈاکٹرز کے بقول یہ پریشانی کی بات نہیں ہے وہ اپنے شعور میں واپس آ رہی ہے اور ماضی کو یاد کر رہی ہے جلد ہی وہ بولنے کی کوشش بھی کرے گی۔'' مہر النساء رپورٹ سن کر خوش ہوئی تھیں' وہ اسے لے کر کوٹھی آ گئی تھیں۔

ان کو اگلے دن واپس حویلی جانا تھا' مہر النساء نے نوٹ کیا تھا کہ افشاں کو پھول بہت پسند تھے حویلی میں بھی وہ زیادہ تر باغیچے میں بیٹھی رہتی تھی۔ وہ اسے باغیچے میں لے آئی تھیں' افشاں ایک طرف سنگی بنچ پر بیٹھ گئی تھی۔ مہر النساء کی کال آئی تو وہ کال سننے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

ان کے ذہن سے بالکل نکل گیا کہ وہ افشاں کو لان میں چھوڑ کر گئی ہیں' مغرب سے پہلے وہ کمرے سے نکلیں تو ملازمین سے افشاں کے بارے میں پوچھا وہ پریشان ہو گئی تھیں' کچھ دیر میں ہی ملازمین سارا گھر چھان مارا تھا۔ نجانے افشاں کہاں چلی گئی تھی۔ چوکیدار نے بتایا کہ وہ نماز پڑھنے اپنے کوارٹر میں گیا تھا واپس آیا تو ذیلی گیٹ کھلا ہوا تھا وہ سمجھا کہ شاید کوئی باہر گیا ہے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ چوکیدار کی بات سن کر مہر النساء مزید پریشان ہو گئی تھیں۔

اب تو اس بات میں کوئی شک نہ تھا کہ افشاں گھر سے نکل گئی ہے۔ انہوں نے شاہزیب کو کال کی تھی' رات تک وہ بھی پہنچ گئے تھے پھر انہوں نے ہر جگہ پتا کروایا لیکن کہیں بھی افشاں کی خبر نہ مل پائی تھی۔ عائشہ ان کے پاس تھی وہ رات ان لوگوں پر بہت بھاری تھی۔



صبوحی بیگم آنکھوں میں آنسو لیے تابندہ بی کو دیکھ رہی تھیں اور تابندہ بی وہ بھی کانپتے ہونٹوں سے صبوحی کو دیکھ رہی تھیں۔ انا اور روشی رکے بغیر کمرے میں چلی گئی تھیں۔ ولید ویٹنگ لاؤنج میں مصطفیٰ کے پاس رک گیا تھا جبکہ اس وقت دروازے کے باہر وہ دونوں ہی کھڑی تھیں۔

''افشاں بھابی!''

''صبوحی......'' دونوں ایک دوسرے کے گلے لگی تھیں۔ صبوحی بیگم کو تو کسی بھی بات کا اب ہوش نہ تھا جبکہ تابندہ بی کو خیال تھا کہ وہ اس وقت کہاں کھڑے ہیں جب ہی الگ ہوتے صبوحی بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''یہاں کچھ بھی کہنا مناسب نہیں' میرے ساتھ آئیں۔'' وہ ان کا ہاتھ پکڑے کاریڈور میں چلتے ایک طرف رکھی چیئر پر آ بیٹھی تھیں۔

''آپ کہاں تھیں؟ آپ کو نہیں علم ضیاء بھائی نے آپ کو کتنا ڈھونڈا' کہاں کہاں ہم نے آپ کو تلاش نہیں کیا۔ ہم تو سمجھے تھے کہ خدانخواستہ ان جلنے والوں میں آپ بھی......'' صبوحی بیگم اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک دم رو پڑی تھیں۔ تابندہ بی نے ڈبڈباتی آنکھوں سے صبوحی بیگم کو دیکھا تھا۔

''میں نے اتنے خط لکھے......آپ لوگوں کو آپ میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ میں تو سالوں سے انتظار میں تھی کہ شاید کوئی پلٹ کر آتا ہے' کوئی تو خبر لے گا......شاید کوئی......'' صبوحی بیگم نے شاک کیفیت میں دیکھا تھا۔

''کس ایڈریس پر خط لکھے تھے؟''

''وہی امریکہ کا ایڈریس جہاں ہم رہتے تھے' میرے پاس وہی ایڈریس تھا بس۔'' صبوحی بیگم کے دونوں ہاتھ اپنے پہلو میں بڑے بے بسی کے انداز میں گرے تھے۔

''وہ گھر تو ہم بھائی کے واپس جانے کے ایک ماہ بعد چھوڑ چکے تھے۔ سکندر بھائی کی دکان جس کرائے دار کے پاس تھی وقار کا اس سے لین دین کے معاملے میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ ادھر سکندر بھائی کا گھر جل چکا تھا' ان کا ان کے بیوی بچوں کا کچھ علم نہ تھا۔ ضیاء بھائی پاگلوں کی طرح آپ کو ڈھونڈتے رہے اور ادھر میں اکیلی اجنبیوں کے دیس میں لوگوں سے لڑتی رہی کیونکہ وقار کو پولیس پکڑ کر لے گئی تھی۔ ضیاء بھائی بہت پریشان تھے ادھر گوروں کے دیس میں نہ عزت محفوظ تھی اور نہ ہی جان' ضیاء بھائی نے آپ کو بہت تلاش کیا سبھی کہتے تھے جلنے والوں میں آپ بھی شامل ہیں پھر وہ میری وجہ سے امریکہ چلے گئے وہاں جا کر وقار تو باہر آ گئے لیکن معاملات زیادہ بگڑ گئے اس بار ضیاء بھائی کا اس آدمی سے جھگڑا ہوا تھا۔ ضیاء بھائی سے گولی چلی اب بچاؤ کی کوئی امید نہ تھی ضیاء بھائی ہمیں فوراً وہ جگہ چھوڑ دینے کا کہہ کر وہاں سے بھاگ گئے اور ہم نے بھی وہ جگہ چھوڑ دی۔ کسی اور جگہ کچھ عرصہ رکے اور پھر وہ شہر ہی چھوڑ دیا۔ ہم لوگوں نے بڑی مشکل زندگی گزاری تھی۔ ضیاء بھائی تو کئی سالوں تک گھر سے باہر نہ نکل سکے تھے' ہم تو وہ ملک ہی چھوڑ آئے تھے پھر ہمیں بھلا آپ کے خطوط کیسے ملتے؟'' صبوحی بیگم کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ تابندہ بی گم صم انداز میں سب دیکھے گئی تھیں۔

''آہ......میں نے ایک طویل سفر انتظار کی سولی پر لٹکتے گزار دیا۔ میرے دل میں نجانے کیا کیا وسوسے جنم لیتے رہے اور میں ہر بار بے قرار ہو کر خط لکھتی رہی۔'' صبوحی بیگم نے بے اختیار تابندہ بی کو سینے سے لگا لیا۔

''کاش ہمیں علم ہوتا آپ زندہ ہیں ہم آپ کو خود تلاش کر لیتے۔''
''یہاں کس کے پاس آئی ہیں؟'' کچھ دیر سنبھلنے کے بعد تابندہ بی نے پوچھا۔
''شہوار کے بارے میں علم ہوا تھا تو میں آئی تھی۔'' تابندہ چونکی۔
''شہوار کیا لگتی ہے آپ لوگوں کی؟''
''میری بیٹی انا کی دوست ہے۔'' صبوحی بیگم نے آنکھیں صاف کرتے کہا تو تابندہ بی شدید حیران ہوئیں۔
''یہ...... یہ انا جو شہوار کی دوست ہے وہ آپ کی بیٹی ہے؟'' وہ بے یقین تھیں، صبوحی نے سر ہلایا۔
''میرے اللہ......'' وہ ایک دم پھر رو پڑی۔
''انا ایک عرصے سے شہوار کی دوست تھی کاش مجھے علم ہو جاتا۔ میں ادھر اُدھر بھٹکتی رہی اور میرے اپنے میرے پاس آ کر بھی دور رہے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی اور رو تو صبوحی بیگم بھی رہی تھیں۔
''میری بیٹی روشانے کہاں ہے؟'' تابندہ کے لہجے میں صدیوں کی سی پیاس تھی۔
''وہ بھی ہمارے ساتھ آئی ہے، انا کے ساتھ شہوار کے پاس گئی ہیں وہ دونوں، میں تو آپ کو دیکھ کر رک گئی تھی۔'' تابندہ بی نے ایک دم اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔
''وہ روشی تھی میری بیٹی......'' وہ بے قرار ہو کر کھڑی ہوئی تھیں۔
انہوں نے دونوں لڑکیوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی تھی بلکہ اپنے ہی خیالوں میں باہر نکلی تھیں وہ تو صبوحی بیگم کی پکار پر ٹھٹک کر رکی اور وہ دونوں لڑکیاں اندر چلی گئی تھیں۔
''ہاں......روشانے میرے احسن کی دلہن بھی ہے۔''
''مجھے روشانے سے ملنا ہے۔'' وہ بے قرار ہو کر آگے بڑھی اور پھر نجانے کیا ہوا کہ رک گئی۔
''اور ضیاء کیسے ہیں؟'' لہجے میں صدیوں کی تھکان تھی۔
''آپ کی جدائی نے انہیں وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا ہے اکثر بیمار رہتے ہیں۔'' تابندہ بی پھر بے اختیار رو پڑی۔
''آپ کا شہوار اور مصطفیٰ لوگوں سے کیا تعلق ہے آپ ادھر کیوں ہیں؟'' صبوحی بیگم کے اندر جو سوال کلبلا رہا تھا اس نے فوراً پوچھا۔
''شہوار میری بیٹی ہے۔'' تابندہ بی نے بتایا تو صبوحی بیگم نے الجھ کر دیکھا۔
''سکندر اور لالہ رخ کی سب سے چھوٹی بیٹی عائشہ ہی اصل میں شہوار ہے۔'' صبوحی بیگم کے اندر عجیب سی حیرتوں نے سر اٹھایا۔
''عائشہ زندہ ہے۔'' تابندہ بی نے سر ہلایا۔
''لیکن وہ تو مر چکی تھی بلکہ اس گھر میں ایک عورت ایک بچہ اور دو بچیوں کی لاشیں ملی تھیں۔''
''پتا نہیں کیا حقیقت ہے، مرنے والی لالہ رخ تھی یا کوئی اور؟ مجھے تو بس اتنا پتا ہے کہ میرے پاس عائشہ تھی اور میں اس رات اس گھر میں اکیلی تھی اور جب ان لوگوں نے گھر کو گھیرا تھا میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگی تھی عائشہ میرے ساتھ تھی۔''
''اوہ......'' صبوحی بیگم کا حیرت سے برا حال تھا۔ ''آپ مجھے ساری کہانی سنائیں اس رات آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا اور آپ یہاں کس طرح پہنچیں۔'' تابندہ بی سر ہلا کر ایک بار پھر صبوحی بیگم کے ہمراہ کرسی پر بیٹھ گئی۔
تابندہ بی کے چہرے پر صدیوں کی تھکن، دکھ اور غم کی کیفیت رقم تھی وہ خود پر بیتنے والی قیامت کا ایک ایک حرف بتانے لگیں اور صبوحی بیگم بہت توجہ سے ان کی ہر بات سن رہی تھیں۔



افشاں جب وہاں پہنچی اس وقت اس کی عجیب سی کیفیت تھی۔ وہ خود فراموشی کے عالم میں تھی، افشاں نے گھر کے دروازہ پہ ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا تھا۔ یہ وہی گھر تھا جو اس کی پھوپو کی ملکیت تھا اور پھوپو نے مرنے سے پہلے اس کے نام کر دیا تھا جہاں اس نے زندگی کے کئی ماہ و سال گزارے تھے جہاں سکندر اور لالہ رخ کی زندگی نے نئی کروٹ لی تھی۔ افشاں خود فراموشی کی کیفیت میں چلتے ہوئے صحن میں آ کھڑی ہوئی۔ وہ اسی کیفیت میں کھڑی تھی جب خالہ بی کا بیٹا سامنے والے کمرے سے نکلا تھا۔
''افشاں باجی......'' وہ چیخا تھا۔

''اماں دیکھیں افشاں باجی آئی ہیں۔'' اس نے اندر منہ کر کے زور سے کہا تھا۔ خالہ بی بھاگ کر آ گئی تھیں، انہوں نے افشاں کو دیکھا تھا۔ عجیب سا حلیہ اور عجیب سی کیفیت تھی، وہ افشاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے گئی تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹا افشاں سے کئی سوال کر رہے تھے لیکن وہ گم صم تھی۔

''افشاں بولو...... کچھ کہو...... چپ کیوں ہو؟'' انہوں نے اسے ہلایا جلایا تو وہ چونکی۔ افشاں نے بولنے کی کوشش کرنا چاہی تو حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکلی تھیں۔

''تم کہاں تھی؟ لالہ رخ اور اس کے بچے اس دن گھر میں آگ لگ جانے سے سب مر گئے تھے۔ ضیاء پاگلوں کی طرح تمہیں تلاش کرتا رہا، پولیس کہتی تھی وہ مرنے والی عورت تم ہو مجھے تو بہت بعد میں علم ہوا تھا پھر ضیاء واپس چلا گیا تھا۔'' ضیاء کے نام پر افشاں نے سر ہلایا تھا۔ افشاں نے پھر بولنے کی کوشش کی تھی اور اس بار اس کے حلق سے عجیب وغریب آوازوں کے ساتھ کچھ صاف آوازیں بھی نکلی تھیں جن سے خالہ بی کو بس یہی سمجھ آئی تھی۔

''میں بچ گئی تھی خالہ...... میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔'' شام تک وہ خالہ بی کے ساتھ اپنی عجیب سی آواز میں بہت ساری باتیں کرتی رہی تھی۔ خالہ بی اپنے سسرال میں رہ رہی تھیں ان کے جیٹھ، جٹھانی اور بچوں کی وفات کے بعد ان کی صرف ایک بچی زندہ بچی تھی جس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری خالہ بی پر تھی وہ مسلسل ادھر ہی رہ رہی تھیں۔ آج بھی کچھ ساز وسامان لینے آئی تھیں۔ اب اتفاقاً افشاں بھی آ گئی تھی۔

افشاں اوپر والے حصے میں آ گئی تھی۔ لالہ رخ کا بہت سارا سامان شفٹ ہو چکا تھا لیکن کچھ پرانی چیزیں ابھی ادھر ہی تھیں جن میں کچھ تصاویر تھیں افشاں ان سب چیزوں کو دیکھ دیکھ کر روتی رہی تھی۔ وہ چھوٹے سے پرس میں چیزوں کو اکٹھا کرتی رہی تھی اس نے خالہ بی کو اپنے اوپر بیتنے والی قیامت سے بھی آگاہ کیا تھا۔ خالہ بی کا کہنا تھا کہ وہ ان کے ساتھ چلے لیکن افشاں کو عائشہ یاد آ رہی تھی جس کے وجود کو ابھی تک ان مہربان لوگوں نے سنبھال رکھا تھا وہ عائشہ کو چھوڑ کر ان کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی۔ خالہ بی کو رات کو واپس جانا تھا وہاں بچی اکیلی تھی لیکن وہ اس کے بارے میں بھی پریشان تھیں۔ افشاں واپس خالہ بی کے ساتھ شاہزیب کی کوٹھی میں چلی آئی تھی خالہ بی اسے باہر سے ہی چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور افشاں خود اندر آ گئی تھی، اندر سبھی لوگ پریشان تھے۔ افشاں کو ہر جگہ تلاش کیا جا رہا تھا اور اسے واپس آتے دیکھ کر سبھی چونکے تھے۔

''تم کہاں تھیں...... کہاں چلی گئی تھیں تم؟'' مہرالنساء نے بے اختیار آگے بڑھ کر افشاں کو کندھے سے تھاما تھا۔

افشاں نے بغل میں ایک چھوٹا سا پرس چھپا رکھا تھا وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ شاہزیب نے مہرالنساء کو سمجھایا تھا کہ وہ اس وقت پریشان ہے اسے کمرے میں لے جائیں، مہرالنساء اسے کمرے میں لے آئی تھی۔ افشاں ابھی بھی گم صم تھی، مہرالنساء نے اس سے زیادہ باز پرس نہیں کی اور اسے سونے کا کہہ کر چلی گئی تھیں۔ افشاں کی وہ ساری رات عجیب سی کشمکش میں گزری تھی، خالہ بی نے اسے اپنے جیٹھ کے گھر کا ایڈریس دے دیا تھا۔ وہ ساری رات سوچتی رہی کہ اب آگے کیا کرنا ہے؟

اگلے دن مہرالنساء واپس حویلی آ گئی تھیں، عائشہ اور افشاں بھی ساتھ تھیں وہاں آ کر وہ بابا صاحب کو دیکھ کر ایک بار چونکی تھیں۔ وہ بابا صاحب کو کئی بار اپنے گھر میں دیکھ چکی تھیں، سکندر کے والد کے روپ میں۔ بابا صاحب کا نام خاندانی حیثیت ہر چیز واضح تھی کہ وہ اجنبی لوگوں میں نہیں ہے افشاں کا ذہن عجیب سے دوراہے پر تھا۔ ایک دل کرتا تھا کہ عائشہ کو یہاں چھوڑ کر خود یہاں سے چپ چاپ چلی جائے لیکن وہ کہاں جاتی؟ خالہ بی کے سسرالی لوگ نجانے کیسے ہوتے؟ اور اس کا اپنا گھر وہ بھلا اکیلی وہاں جا کر کیا کرتی؟ اب صرف ایک صورت بچی تھی کہ وہ ضیاء سے رابطہ کرتی اور اس کو بتاتی کہ وہ زندہ ہے اور ضیاء اس کو آ کر لے جائے اور یہ آخری سوچ تھی جو دل ودماغ سے چمٹ کر رہ گئی تھی۔

اب صرف یہی حل تھا کہ وہ خاموشی سے یہاں رہ کر حالات کا انتظار کرتی۔ وہ بول سکتی تھی لیکن بولنے کی کوشش نہ کی، سارا وقت گم صم پڑی رہتی پھر انہوں نے ایک خط لکھا تھا اور وہ خط پوسٹ کرنے کا انہیں موقع بھی مل گیا تھا۔ حویلی میں اس دن کوئی نہ تھا ملازمین سے نظر بچا کر وہ حویلی سے نکل آئی تھیں۔ گاؤں سے باہر پوسٹ آفس تھا، خط ڈال کر وہ واپس آ گئی تھیں اور خط کے جواب کا انتظار کرنے لگی تھیں لیکن جواب تھا کہ آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اب اپنی چپ سے خود بھی پریشان ہو چکی تھیں۔ ان دنوں ایک بار پھر شہر جانے کا اتفاق ہوا تھا مہرالنساء نے نند کے ہاں جانا تھا ان کو بھی ساتھ لے آئی تھیں۔ وہ موقع دیکھ کر خالہ بی کے دیئے گئے سسرالی ایڈریس پر چلی آئی تھیں۔

خالہ بی سے بھی کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا۔ خالہ بی نے بہت کہا تھا کہ وہ ان کے پاس آ جائے لیکن وہ بہت مایوس ہو چکی تھیں وہ

واپس آئیں تو عجیب نڈھال سا انداز تھا۔ مہر النساء ابھی گھر نہیں لوٹی تھیں، وہ لوٹیں تو علم ہوا کہ افشاں آج پھر گھر سے غائب رہی تھیں، وہ اس کے پاس آئی تھیں افشاں سے پوچھا تو وہ خالی نظروں سے ان کو دیکھے گئیں، مہر النساء کو افشاں پر بہت دکھ ہوا۔

''تم ہمیں بتاؤ گی تو ہمیں تمہارے گھر والوں اور رشتہ داروں کو تلاش کرنا آسان ہوگا۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں تم بول سکتی ہو لیکن حادثے کی وجہ سے تمہاری گویائی کا مسئلہ ہوا ہے جب تم اکیلی باہر نکلتی ہو تو مجھے ٹینشن ہونے لگتی ہے کہ کہیں خدانخواستہ تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔'' افشاں نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔'' بہت عجیب سی آوازوں میں الجھے افشاں کے یہ الفاظ ایسے تھے کہ مہر النساء حیران رہ گئی تھیں، افشاں کے حلق سے آواز گھٹ گھٹ کے آرہی تھی۔

''یہ بچی تمہاری بیٹی ہے۔'' افشاں نے محض سر ہلایا تھا۔

''تم بول سکتی ہو نا' مجھے بتاؤ تم کون ہو' کہاں سے ہو؟'' محبت سے مہر النساء نے مزید پوچھا تھا۔

اور تب افشاں کے دل میں جو آیا وہ کہہ گئی۔ افشاں نے عائشہ کا نام شہوار بتایا تھا اور اپنا نام تابندہ۔ شہوار کے باپ کا نام سکندر' اس نے سکندر کے والد سبحان احمد کا ایڈریس بھی دے دیا تھا۔

مہر النساء نے شاہزیب کو ساری معلومات دے دی تھیں اور شاہزیب صاحب نے معلومات کی تصدیق کروائی تو سکندر واقعی سبحان احمد کا بیٹا تھا لیکن بعد کی باتیں ایسی تھیں کہ جس سے معلوم نہ ہو سکا تھا کہ والدین کی وفات کے بعد سکندر نے کس سے شادی کی تھی وہ کب مرا؟ اور تابندہ کے سسرال والوں نے اسے کیوں گھر سے نکالا؟ افشاں کا خیال تھا کہ وہ وقتی طور پر اس گھر میں رہ لیں گی جب بھی ضیاء کی طرف سے کوئی رابطہ ہوا وہ ان لوگوں کو سچ بتا دیں گی لیکن ان کا انتظار انتظار ہی رہا اور کبھی کسی نے پلٹ کر ان کے خط کا کوئی جواب تک نہ دیا تھا۔ آہستہ آہستہ خالہ بی سے روابط بھی ختم ہوتے گئے اس نے خالہ بی کو خود سے رابطہ کرنے سے منع کر رکھا تھا وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔

مسلسل تھراپی سے وہ اب روانی سے بولنے کے قابل ہو چکی تھیں۔ حویلی والوں نے انہیں عزت دی تھی اپنے گھر رکھا تھا' پناہ دی تھی وہ بھی ان کے ساتھ رہنے لگی تھیں ان کے معاملات کو اپنے معاملات سمجھنے لگی تھیں۔ وقت مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلنے لگے تو تابندہ کا انتظار بھی مرنے لگا تھا۔ اس کی جھوٹی کہانی ہی اب اس کی شناخت بنتی جا رہی تھی۔ ان کے پرس میں لائی گئی چیزوں میں کچھ تصاویر کے علاوہ ایک چھوٹا سا شناختی کارڈ ایسا تھا جو جھوٹ نہ تھا جو شہوار کے مستقبل کا تعین کر سکتا تھا۔ شہوار بڑی ہو رہی تھی اور انہیں اپنی بیٹی روشنی یاد آتی تھی اور پھر انہوں نے اپنی ذات کو پس پشت ڈالتے صرف اور صرف شہوار کی ذات پر توجہ مرکوز کر دی تھی۔ کبھی کبھار خالہ بی سے بھی رابطہ کیا تھا وہ اب اس پرانے گھر میں منتقل ہو گئی تھیں۔ انہوں نے شہوار کو جنم نہیں دیا تھا لیکن انہوں نے شہوار کی تربیت ماں بن کر کی تھی۔

شہوار کے سوالات کے وہ جوابات نہیں دے سکتی تھیں لیکن انہوں نے طے کر لیا تھا کہ سکندر جس خاندان کا حصہ نہیں بن سکا اس خاندان میں شہوار کو ضرور پہچان دلوائیں گی اور پھر وقت نے ثابت کر دیا کہ ان دونوں کے لیے یہ خاندان کس قدر مہربان ہے شہوار مصطفیٰ سے شادی کے خلاف تھی وہ اپنا ماضی جاننا چاہتی تھی لیکن انہوں نے اس کی تمام تر مخالفت کے باوجود مصطفیٰ سے اس کی شادی کر دی تھی اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے حویلی چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ انہوں نے ایک بار پھر پرانے رشتوں کو کھوجنے اور تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن سب لاحاصل تھا۔

اور پھر ایک دن عجیب سا واقعہ ہوا تھا' وہ شاپنگ کے لیے گئی تھیں لیکن واپسی پر ایک چہرہ دکھائی دیا تھا اس چہرے پر انہیں سکندر کا گمان ہوا تھا لیکن پھر کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا۔ وہ کئی دن تک اپنے وہم کی تردید کرتی رہی تھیں اور پھر انہوں نے ان رشتوں' کو تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور اب اچانک مصطفیٰ ان کے پاس آ کر ان کو لے آیا تھا اور اب صبوحی سے سامنا ہونا' وہ جیسے ہل کر رہ گئی تھیں۔

❁ ✿ ❁

وہ دونوں شہوار کے پاس تھیں' روشی خود ماں بن رہی تھی وہ جانتی تھیں یہ کیسی اذیت ہوتی ہے وہ شہوار کی تکلیف سمجھ سکتی تھیں۔ دونوں بڑی دلجمعی سے اس کو بہلا رہی تھیں' شہوار کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے انا اور روشانے متواتر اس کی تسلی و تشفی کر رہی تھیں۔

''ماما کہاں رہ گئی ہیں......؟'' کچھ دیر بعد شہوار سنبھلی تو انا کو بھی ارد گرد کا خیال آیا تھا اس وقت کمرے میں عائشہ' مہر النساء بیگم' شہوار' روشی اور انا موجود تھیں' صبوحی بیگم کہیں بھی نہ تھیں۔

''کمرے تک تو ہمارے ساتھ ہی تھیں۔'' روشی کو بھی خیال آیا۔

''میں دیکھتی ہوں' ہو سکتا ہے باہر ہی رک گئی ہوں۔'' انا کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ ''شاید ویٹنگ روم میں نہ چلی گئی ہوں۔'' وہ

سوچتے ہوئے اس جانب آئی لیکن وہاں صرف مرد حضرات تھے وہ کہیں نہ تھیں۔ ''نہ جانے کہاں رہ گئی ہیں۔'' وہ واپس پلٹ آئی تھی۔ کمرے میں واپس جانے سے پہلے اس نے دوسری طرف جاتی راہداری کو دیکھا۔ ''کہیں ادھر تو نہیں نکل آئیں غلطی سے۔'' وہ اس جانب چل دی۔ راہداری کے اختتام پر برآمدہ تھا جہاں کرسیاں رکھ کر بیٹھنے کا انتظام تھا' وہاں پہنچ کر انا چونکی تھیں' صبوحی بیگم اور تابندہ بی دونوں وہاں موجود تھیں۔ تابندہ بی سے وہ خصوصی طور پر کبھی نہ مل پائی تھی بس شہوار کے نکاح اور پھر رخصتی پر ان سے سلام دعا ہوئی تھی۔

''ماما......'' وہ قریب آئی تو دونوں چونکی۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے دونوں نے ٹھٹک کر اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

''السلام علیکم!'' قریب آ کر انا نے تابندہ بی کو سلام کیا۔ وہ کھڑی ہوگئی تھیں صبوحی بیگم بھی ساتھ کھڑی ہوگئی تھیں۔

''یہ میری بیٹی انا ہے جب آپ نے اسے آخری بار دیکھا تھا یہ چھوٹی سی تھی اور اب اتنی بڑی ہوگئی ہے۔'' صبوحی بیگم نے نمناک لہجے میں کہا' تابندہ بی نے آگے بڑھ کر محبت سے اسے گلے لگالیا۔

''دیکھو دوبار ہمارا سامنا ہوا شہوار کے نکاح اور رخصتی پر اور میں اسے قطعی نہ پہچان پائی۔'' تابندہ بی نے محبت سے پیشانی چومی جبکہ انا ناسمجھی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''سب قسمت کا ہیر پھیر ہے بھابی! ورنہ اتنا کچھ ہوتا ہی کیوں؟''

''ہاں میری قسمت نے مجھے سب سے دور کردیا شاید یہی سب لکھا تھا۔'' دونوں نے اپنی آنکھیں صاف کی جبکہ انا پریشان ہو کر ان کی باتیں سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

''روشی کہاں ہے؟'' صبوحی بیگم نے پوچھا۔

''کمرے میں شہوار کے پاس ہے۔''

''آئیں وہیں چلتے ہیں۔'' صبوحی بیگم نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو تابندہ بی کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑی۔

''میں اپنی بیٹی کا سامنا کیسے کرپاؤں گی اور اتنے لوگ ہیں کس کس کے سوالوں کے جواب دوں گی اور شہوار وہ تو پہلے ہی اتنے بڑے صدمے سے گزر رہی ہے اسے جب حقیقت کا علم ہوگا وہ تو جیتے جی مرجائے گی۔'' صبوحی بیگم نے سر ہلایا۔

''جاؤ انا! روشی کو لے کر ادھر ہی آجاؤ' ابھی شہوار کسی اور صدمے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔'' نجانے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ شہوار کی والدہ اور ماما کا آپس میں نجانے کیا تعلق تھا جو وہ دونوں ایسا کہہ رہی تھیں۔

''جی ماما!'' انا چلی گئی اور پھر کچھ دیر بعد روشی کے ساتھ آئی تھی۔ تابندہ بی روشی کو دیکھ کر ایک دم ساکت ہوئی تھیں۔

ساری عمر جس انتظار میں گزاری تھی آج وہ انتظار ختم بھی ہوا تو کیسے۔ وہ بے اختیار روشی کی طرف بڑھی اور بڑی شدت سے روشانے کو گلے لگالیا تھا۔ روشانے اور انا دونوں حیرت زدہ تھیں جبکہ صبوحی بیگم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو گر رہے تھے۔

''میری بیٹی میری جان......'' تابندہ بی صرف یہی الفاظ دہرا رہی تھیں جبکہ روشی کو لگ رہا تھا کہ جیسے کسی نے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔ وہ والہانہ انداز میں روشی کا چہرہ چوم رہی تھیں۔ ہاتھوں کا بوسہ لے رہی تھیں ان کی شدت اور تڑپ دیکھنے والی تھی۔

''ماما...... یہ سب کیا ہے؟'' انا گم صم تھی اس نے صبوحی بیگم کا کندھا ہلایا تو انہوں نے بہتی آنکھوں سے حیران و پریشان سی انا کو دیکھا۔

''یہ میری بھابی ہیں روشانے کی والدہ' ضیاء بھائی کی بیگم اور تمہاری ممانی افشاں بھابی!'' انا ایک دم ساکت ہوئی تھی دوسری طرف روشی بھی تھم سی گئی تھی۔

''لیکن یہ تو شہوار کی والدہ ہیں۔'' انا بے یقین تھی۔

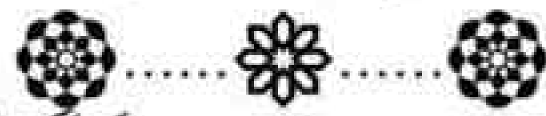
''نہیں یہ شہوار کی والدہ نہیں ہیں' شہوار کی ماں لالہ رخ تھی جو مرچکی ہیں۔''

آج کیسے کیسے انکشافات کا دن تھا' انا نے بے یقینی سے سب کو دیکھا۔ بے یقین تو روشی بھی تھی' وہ حیرت سے گنگ کبھی تابندہ کو دیکھتی تھی اور کبھی صبوحی بیگم کو۔

''صبوحی میری بدقسمتی دیکھوں روشنی سے دوبار میرا سامنا ہوا انا کے ساتھ یہ بھی شہوار کے نکاح میں اور رخصتی میں شریک ہوئی تھی میں پھر بھی اس کا نا پہچان پائی اور پہچانتی بھی کیسے یہ تو ماشاء اللہ سے اتنی بڑی ہوگی ہے اور مجھے ضیاء صاحب اور وقار بھائی سے ملنا ہے صبوحی۔'' روشی کو محبت سے بازو کے حصار میں لیتے ہوئے کہا تو صبوحی بیگم نے سر ہلایا اور روشانے عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔

''ہمارے ساتھ سکندر بھائی کا بیٹا عیسیٰ بھی ہے' وہ نجانے کیا سوچے ابھی سب کو بہت تحمل سے سب کچھ بتانے کی ضرورت ہے۔ میں

شہوار سے مل کر گھر جاتی ہوں سب کو ساتھ لے کر آتی ہوں۔''
''عیسیٰ وہ زندہ ہے۔'' تابندہ بی نے اپنی کہانی تو سنا دی تھی لیکن ابھی صبوحی بیگم نے بہت سی باتوں سے پردہ نہیں اٹھایا تھا۔
''جی' ضیاء بھائی اسے اپنے ساتھ باہر لے گئے تھے۔''
''اوہ......تو پھر وہ مرنے والے کون لوگ تھے؟ وہ بچہ' وہ عورت وہ دو بچیاں...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی میں تو سمجھی تھی کہ عائشہ میرے پاس ہے لالہ رخ واپس آ گئی ہوں گی رابعہ کے ساتھ اور ہو سکتا ہے ضیاء نے عیسیٰ کو وہاں ان کے پاس چھوڑ دیا ہو۔''
''یہ تو وہ معمہ ہے جو کوئی بھی حل نہیں کر پایا' نجانے کون معصوم بچے لقمہ اجل بنے ہوں گے۔'' تابندہ بی الجھی تھی۔
''ہم تو عیسیٰ کی زندگی کے تحفظ کے لیے پھر دوبارہ کہیں گئے ہی نہیں نہ اس پرانے گھر اور نہ ہی لالہ رخ کے نئے گھر میں۔ سنا ہے راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا وہ گھر' حتیٰ کہ ہر رشتے دار سے تعلق ختم کر لیا ہم نے۔'' تابندہ بی بڑے نڈھال انداز میں کرسی پر گری تھیں۔ نجانے کس کس نے کہاں کہاں کیا کیا قربانیاں دی تھیں۔
''سکندر آ ؤ دیکھو آج تمہاری اولاد کو تحفظ دیتے دیتے ہم سب نے کیا کچھ جھیلا ہے۔ کاش تم دیکھتے کون کون تمہاری اولاد کے لیے کیا کیا قربان کر گیا ہے۔'' ان کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے تھے۔
صبوحی بیگم ان کو تسلی اور دلاسہ دیتے خود شہوار کے پاس چلی آئی تھیں جبکہ روشی اور وہ گم صم سی ان کو دیکھ رہی تھی۔
''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو تم دونوں؟'' انہوں نے پوچھا تو دونوں نے ایک گہرا سانس لیا۔
''مجھے کسی بھی بات کی سمجھ نہیں آ رہی۔'' روشی نے الجھ کر کہا۔
''سب سمجھ آ جائے گا بس تھوڑا سا انتظار کر لو۔'' ان کا انداز بڑا کمزور سا تھا۔ وہ صدمات سہتے سہتے نڈھال سی ہو گئی تھیں' دونوں نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔
کچھ دیر بعد صبوحی بیگم واپس آئی تھیں' انہوں نے دونوں سے کچھ کہا تو وہ دونوں شہوار سے ملنے چل دی تھیں۔ ان سے مل کر وہ واپس آئیں تو صبوحی بیگم اور تابندہ بی باتیں کر رہی تھیں۔
''ہم سب آج شام مصطفیٰ کی طرف چکر لگاتے ہیں آپ ادھر ہی رہیے گا کہیں اور نہیں جانا پلیز۔'' تابندہ بی نے محض سر ہلایا۔
وہ تینوں تابندہ بی سے مل کر ویٹنگ روم کی طرف آ گئی تھیں جہاں سے ولید کو ساتھ لے کر ان کو واپس جانا تھا۔



تابندہ بی کی طبیعت ہسپتال میں بہت خراب ہو گئی تھی۔ وہ کھڑے کھڑے گر گئی تھیں ان کی بے ہوشی پر سبھی پریشان ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر نے کمزوری کا بتا کر آرام کرنے کو کہا تھا تو عباس بھائی ان کو گھر چھوڑ گئے تھے باقی لوگ ہسپتال آ جا رہے تھے تابندہ بی کے ساتھ مہر النساء بیگم بھی گھر آ گئی تھیں۔ تابندہ بی گھر آئیں تو بابا صاحب نے ان کو بلوا بھیجا تھا۔ وہ بڑے مجرمانہ انداز میں ان کے سامنے آ بیٹھی تھیں۔
سلام دعا اور حال چال کے بعد دونوں طرف خاموشی چھا رہی تھی۔ تابندہ بی کو اپنی وہ کال یاد آنے لگی جو انہوں نے کچھ ماہ پہلے بابا صاحب کو کی تھی۔
''کیا آپ جانتے ہیں بابا صاحب کہ شہوار کون ہے؟'' اپنی کال کے اختتام پر انہوں نے کہا تھا۔
''کون ہے وہ؟''
''آپ کو اپنے دوست سبحان احمد اور اس کی بیوی حاجرہ کا تو علم ہو گا نا بابا صاحب؟''
''سبحان احمد......'' وہ چونکے تھے۔
''سبحان احمد نے ایک بیٹا لے کر پالا تھا کیوں کہ سبحان احمد کی اپنی کوئی سگی اولاد نہ تھی۔'' دوسری طرف جیسے خاموشی چھا گئی تھی۔
''شہوار کا باپ سکندر اسی سبحان احمد کا لے پالک بیٹا ہے۔'' اور دوسری طرف بابا صاحب کا وجود جیسے ایک دم شدید طوفان کی زد میں آ گیا تھا۔
''سکندر نے اپنے باپ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور قسمت کا کھیل دیکھیں سکندر کی بیٹی نے اپنے دادا کی حویلی میں پرورش پائی اور اپنے چچا کے بیٹے کا نصیب بن گئی۔''
''تم کون ہو؟'' بابا صاحب نے خوف زدہ ہو کر پوچھا تھا۔

''میں اسی سکندر کی وہ خالہ زاد ہوں جس کی ماں کا نام مہرالنساء تھا' بابا صاحب! میں بہت شرمندہ ہوں ایک عرصہ تک آپ کے درمیان رہی آپ کے درد کو محسوس کرتی رہی لیکن آپ کے لیے کچھ نہ کر سکی۔ میں نے بہت حقائق چھپائے ہیں لیکن میں مجبور تھی کبھی زندگی رہی اور جس کے لیے میں دوبارہ حویلی سے نکلی ہوں وہ سب مجھے دوبارہ میسر آ گیا تو میں لوٹ کر آؤں گی اور آپ کے سب سوالوں کے جواب دوں گی۔''

اور آج اسے وہ تمام کھوئے ہوئے رشتے مل گئے تھے اور آج وہ بابا صاحب کے سامنے تھیں' بابا صاحب نے کسی کو بھی اندر آنے سے منع کر رکھا تھا اور تابندہ بی مجرمانہ انداز میں سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔

''میں کوئی سوال نہیں کروں گا' مصطفیٰ مجھے بہت کچھ بتا چکا ہے میں مزید صبر نہیں کر سکتا تم جو کچھ جانتی ہو آج سب کہہ دو۔ مجھ بوڑھے کی اذیت اور تکلیف سے تم بے خبر نہیں' آج میں اس اذیت اور تکلیف سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔'' بابا صاحب نے بہت دیر بعد لب کشائی کی اور تابندہ بی ان کے رکے آنسو ایک بار پھر بہہ نکلے تھے۔

تابندہ بی نے وہ سب کہہ دیا جو کچھ وہ جانتی تھی۔ سکندر کی زندگی سے لے کر لالہ رخ کی ذات تک اور پھر ہمایوں جیسے کرپٹ انسان کی ذلالت سے لے کر خود کے تابندہ بننے تک کی ساری کہانی اور بابا صاحب وہ بہتی آنکھوں سے سب سن رہے تھے اور روتے رہے تھے۔

''کتنا بدنصیب باپ ہوں جو بیٹے پر بیتنے والی مصیبتوں میں سے کسی ایک کا بھی ازالہ نہ کر سکا بیٹے کی محبت میں' میں جب بھی اس کے گھر آیا خود غرضی میں' میں نے کسی پر توجہ ہی نہیں دی اس وجہ سے ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے میں تمہیں کبھی پہچان نہیں پایا اور میری پوتی میرے سامنے رہی اور میں پہچان نہ سکا۔'' وہ بے اختیار رو دیئے تھے۔ تابندہ بی بس سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی رہی تھیں۔

''میرے فیضان کا بیٹا زندہ ہے؟'' انہوں نے کچھ توقف کے بعد پوچھا تھا۔

''جی! صبوحی نے یہی بتایا ہے مجھے۔''

''وہ بچہ اس وقت کہاں ہے؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''اس بارے میں صبوحی نے مجھے کچھ نہیں بتایا وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ سب شام میں چکر لگائیں گے ہو سکتا ہے عیسیٰ بھی ساتھ ہو۔'' بابا صاحب نے محض سر ہلایا۔

''جب ہمیں ہمارے ملازم نے اطلاع دی تھی کہ سکندر کی کوئی خبر نہیں اور اس کا سارا خاندان گھر میں آگ لگنے سے مر چکا ہے تو ہم بہت اذیت میں رہے تھے۔ اسی شب تم ہمیں ملی تھیں' ہم اپنا دکھ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ ملازم سے جو کچھ ہو سکا اس نے کیا لیکن ہمیں کوئی اطلاع نہ مل سکی اور ہم ساری عمر گناہ کا احساس لیے اپنے ضمیر کی عدالت میں تڑپتے' جلتے اور مرتے رہے۔'' تابندہ بی کا دل ان کے غم سے سسکنے لگا تھا۔

''کاش کوئی ہمیں بتا جاتا کہ میرے سکندر کی اولاد ابھی زندہ ہے تو شاید میں کفارے کی کوشش کرتا' کوئی سد باب کرتا۔ کتنی اذیت اور بے بسی کی بات ہے میری پوتی میری آنکھوں کے سامنے رہی اور میں بے خبر رہا۔ اس کے خاندان پر لوگ انگلیاں اٹھاتے رہے اور میں خاموش رہا۔'' تابندہ بی نے گہرا سانس لیا تھا۔

''آپ کی دوسری شادی اور اولاد کے متعلق آپ کا پورا خاندان بے خبر تھا پھر بھلا میں کیسے اس راز کو عیاں کر دیتی۔''

''کاش میرے اختیار میں ہو میں وقت کا پہیہ الٹ سکوں تو اپنے بیٹے کے ہر دکھ درد کا مداوا کر دوں۔'' ان کا احساس زیاں ان کو ندامت کے آنسو رلا رہا تھا اور تابندہ بی بے بسی سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔

ایاز کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مل گئی تھی' مصطفیٰ کو تھوڑی دیر کے لیے آفس آنا پڑا تھا وہاں اور بھی بہت سے امور تھے جو توجہ طلب تھے۔ امجد خان کو بھی بلا بھیجا تھا۔

''ہاں کیا رپورٹ ہے؟''

''عبدالقیوم کے گھر کا مکمل طور پر محاصرہ کیا جا چکا ہے' اس کی بیوی اور دونوں لڑکیاں ہماری نگاہ میں ہیں۔ عبدالقیوم کے متعلق ہمیں ایک کلیو ملا ہے۔''

''کیسا کلیو؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جیسا کہ ان کے گھر کا فون مسلسل ٹیپ کیا جا رہا ہے اور اس پر دو دن پہلے اسلام آباد کے نمبر سے ایک کال آئی تھی۔ دو دن پہلے عبدالقیوم پاکستان پہنچا ہے لیکن گھر والوں کو قطعی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے وہ جو فون کال آئی تھی وہ ائیر پورٹ سے تھی۔ اس کے بعد عبدالقیوم کی طرف سے مسلسل خاموشی ہے۔ کال عادلہ نے ریسیو کی تھی جو عبدالقیوم کی بڑی بیٹی ہے اس نے بتایا ہے کہ عبدالقیوم کسی کام کے سلسلے میں پاکستان میں ہے باقی کسی کو خبر نہیں ہے۔ اس وقت وہ کہاں ہے یہ بھی عادلہ کو علم نہیں کیونکہ عبدالقیوم نے کہا تھا کہ بعد میں کال کرے گا اور گھر والوں کو موجودہ پتے کا بتائے گا۔''

''اوہ...... ان لوگوں پر نظر رکھو' اسلام آباد کی پولیس کو انفارم کر دو کہ یہ شخص مطلوب ہے اور کہیں بھی بھاگنے نہ پائے۔ ہر جگہ تلاشی لی جائے' ائیر پورٹ پر ہر جگہ انفارم کر دو' سیکیورٹی سخت کر دو۔ لڑکیوں کے موبائل بھی اپنی تحویل میں لے لو' جو بھی کال آئے فوراً ریکارڈ کی جائے۔''

''یس سر۔'' امجد خان نے فوراً سر ہلایا۔

''اور ہاں یہ لالہ رخ والا کیس کہاں تک پہنچا؟'' مصطفیٰ نے مزید پوچھا۔

''سارا کچھ آپ کے سامنے ہے سر! ہر بات کلیئر ہو چکی ہے بس یہ عبدالقیوم ہاتھ لگ جائے ایک بار۔'' مصطفیٰ نے سر ہلایا۔

''وہ گھر جب جلا تھا پوسٹ مارٹم رپورٹس تو ہوں گی پرانا ریکارڈ سارا نکلواؤ اور ان لاشوں کی پوسٹ مارٹم رپورٹس مجھے چاہیے' اب یہ رپورٹس ہی فیصلہ کریں گی کہ مرنے والے کون تھے۔''

''یس سر! میں ریکارڈ نکلواتا ہوں۔'' امجد خان نے فوراً کہا۔

''مجھے ایک دو دن میں یہ کیس فائنل کرنا ہے ہر ممکن طریقے سے عبدالقیوم کو سرچ کرنے کی کوشش کرنا ہو گی۔ بہت ڈھیل مل چکی اس فیملی کو اب اس فیملی کا ایک ایک فرد پکڑا جائے گا۔'' مصطفیٰ کا انداز ٹھوس اور اٹل تھا' امجد خان نے فوراً سر ہلایا۔

مصطفیٰ امجد خان کو کچھ اور بریفنگ دیتا رہا تھا جس کے بعد امجد خان وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ مصطفیٰ پر سوچ انداز میں اپنے سامنے ایک فائل کھول کر اس کو دیکھنے لگا تھا۔

⁂

وہ سب گھر آئیں تو صبوحی بیگم نے کال کر کے وقار صاحب' احسن سب کو بلا لیا تھا۔ ضیاء صاحب پہلے ہی موجود تھے' ولید بھی اس صورت حال میں وہاں موجود تھا۔ صبوحی بیگم نے سب کو دیکھا اور پھر روشی کو' انا اور روشی دونوں عجیب سی کیفیت کا شکار تھیں دونوں کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھیں۔

''کیا بات ہے صبوحی کیوں اس طرح ایمرجنسی میں سب کو بلایا ہے تم نے؟'' ضیاء صاحب صبوحی بیگم کے انداز دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔

''میں آج افشاں بھابی سے ملی ہوں۔'' وہاں موجود ہر فرد چونکا تھا۔

''افشاں سے......'' ضیاء صاحب کو لگا کہ جیسے ان کے سینے میں شدید درد نے انگڑائی لی ہو۔

''ہاں افشاں بھابی سے۔'' صبوحی بیگم کی آواز رندھی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو صبوحی! وہ تو مر......'' وقار صاحب نے کچھ کہنا چاہا تھا جب کہ صبوحی بیگم نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔

''وہ مری نہیں بلکہ زندہ ہیں' میں خود ان سے ملی ہوں بلکہ روشی اور انا بھی ان سے ملی ہیں۔'' انہوں نے ضیاء صاحب کے پاس بیٹھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا' سبھی الجھے ہوئے تھے جبکہ روشی کی چہرے پر آنسو کی ہلکی لکیریں بننے لگی تھیں۔ ولید کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا' اسے لگ رہا تھا کہ برسوں بعد وہی انکشاف ہونے والا تھا۔

''افشاں......!'' یہ نام وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا' وہ تو برسوں سے اس نام کی گونج محسوس کرتا رہا تھا' ولید نے لب بھینچ لیے تھے۔

''شہوار جو انا کی دوست ہے اس کی جو ماں ہے وہی تو ہماری افشاں بھابی ہیں۔'' وقار صاحب اور ضیاء صاحب بے یقین تھے۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' ضیاء صاحب کی آواز ڈوبنے لگی تھی۔

''میں خود اس کو دیکھ کر مل کر اور باتیں کر کے نہ آئی ہوتی تو میں بھی یہی کہتی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے لیکن یہ سچ ہے' افشاں بھابی زندہ ہیں۔'' صبوحی بیگم نے بھائی کا ہاتھ تھاما تھا۔

''اور پتا ہے شہوار کون ہے؟'' احسن حیرت زدہ جبکہ وقار صاحب اور ضیاء صاحب گم صم۔

''عیسی کی چھوٹی بہن عائشہ ہی شہوار ہے۔'' صبوحی بیگم نے ولید کو دیکھا' ولید کا چہرہ خطرناک حد تک سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''لالہ رخ اور سکندر بھائی کی بیٹی...... ہمارے ولید کی بہن......'' ولید نے مٹھیاں بھینچ لی تھیں جبکہ روشی اور انا نے بے یقین نظروں سے پہلے صبوحی بیگم اور پھر ولید کو دیکھا تھا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم' کہاں ہیں افشاں بھابی تم ان سے ملی ہو تو ان کو ساتھ کیوں نہیں لائیں۔'' وقار صاحب کا ضبط جواب دے گیا تھا' انہوں نے کہا تو صبوحی بیگم نے سر ہلایا۔

''ولید کسی بھی بات سے باخبر نہیں تھا اس طرح شہوار بھی' میں نے سوچا پہلے ولید کو بتا دوں اس کے بعد سب شام میں ان کی طرف چلتے ہیں۔ افشاں بھابی مصطفیٰ کی طرف ہیں وہ تو خود سب سے ملنے کو بے چین ہیں۔''

''میں سب جانتا ہوں۔'' صبوحی بیگم کی بات کے جواب میں ولید نے کہا تو سبھی ایک پل کو ساکت ہو گئے تھے۔

''ولید......'' احسن نے اس کے کندھے پر بے اختیار ہاتھ رکھا۔

''جب ہمارا گھر جلا تھا میں اس وقت عمر کے جس دور میں تھا وہاں ایسے واقعات کبھی نہیں بھولتے' کسی بھیانک خواب کی طرح' ساری عمر ذہن کی سلیٹ پر چسپاں ہو جاتے ہیں۔ بابا نے جس طرح حالات سے سروائیو کرتے مجھے یہاں سے نکالا اور باہر لے گئے میں کسی بھی بات سے بے خبر نہ تھا۔'' ولید نے بہت حوصلے اور ضبط سے کہا۔

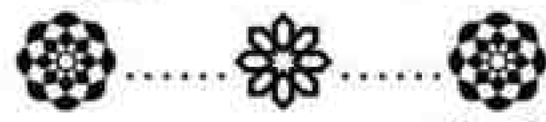
''ولید......'' صبوحی بیگم بے اختیار رو پڑی تھیں۔

''نہ میں اپنے باپ کی شکل بھول پایا ہوں اور نہ ہی اپنی ماں کی لیکن مجھے نہیں علم تھا کہ شہوار ہی میری بہن ہے۔ بابا کی طرح میں نے بھی یقین کر لیا تھا کہ ان مرنے والوں میں سبھی مر چکے ہیں' میری دونوں بہنیں' میری ماں اور افشاں آنٹی بھی۔'' ولید کا ضبط کمال کا تھا۔ احسن نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

''بابا نے مجھے بیٹے سے بڑھ کر چاہا اور پالا میں بھلا ان کی محبتوں کو کیسے فراموش کر دیتا لیکن میرا سارا بچپن عجیب سے خوف میں گزرا تھا' مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی میں ہر وقت اپنے گھر کو شعلوں میں لپٹے دیکھتا تھا اور پھر میں نے ان سب کو جان بوجھ کر بھلانا شروع کر دیا' لیکن یہاں پاکستان آنے کے بعد ایک بار پھر وہ سب یاد آنے لگا اور پھر ایک دن میں نے اس شخص کو دیکھا تھا وہ شخص بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ میرے بچپن میں پرانے گھر میں گھس کر میری ماں کو دھمکاتا تھا۔ عبدالقیوم وہ نام بدل چکا تھا لیکن میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ میرا حافظہ چہروں کو یاد رکھنے کے معاملے میں بہت شارپ ہے مجھے بچپن کے بہت سے چہرے ابھی تک نہیں بھولے' یہ تو میرے اپنے تھے ان کو بھلا کیسے بھول جاتا۔'' ولید نے سر جھکائے دل میں موجود ہر بات کہہ ڈالی سبھی گم صم اور افسردہ تھے۔

''ولید ادھر آؤ۔'' ضیاء صاحب نے پکارا تو وہ اٹھ کر ان کے پاس جا بیٹھا' انہوں نے محبت سے ساتھ لگا کر پیشانی چومی' ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''تم میرے بیٹے ہو یہ بات کبھی مت بولنا۔'' اور ولید نے محض سر ہلایا اس کے بعد صبوحی بیگم نے وہ سب کہہ ڈالا جو تابندہ بی نے بتایا تھا ہر بات ہر لفظ' ہر چیز...... سبھی گم صم صبوحی بیگم کو سن رہے تھے ولید نے ضبط سے لب دانتوں تلے دبا رکھے تھے۔ ضیاء صاحب کے دل کا درد بڑھتا جا رہا تھا' وقار صاحب' احسن' انا سبھی حیرت زدہ تھے اور روشی اس کے چہرے پر محض آنسو تھے۔



بابا صاحب کی طبیعت کچھ ناساز تھی مہر النساء بیگم نے ڈاکٹر کو بلا لیا تھا۔ بابا صاحب مصطفیٰ سے ملنا چاہتے تھے' مہر النساء بیگم نے مصطفیٰ کو کال کر دی تھی۔ کچھ دیر بعد مصطفیٰ آ گیا تھا' بابا صاحب اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے اور تابندہ بی ان کے پاس تھیں۔ مصطفیٰ کو ساری صورت حال سمجھنے میں کچھ پل لگے تھے' اس نے ایک ناراض سی نگاہ تابندہ بی پر ڈالی تھی۔

''ادھر آؤ۔'' بابا صاحب نے پاس بلایا' مہر النساء بیگم بھی وہیں تھیں۔

''تم جانتے تھے کہ تابندہ کہاں ہے؟'' بابا صاحب نے پوچھا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''جی بابا صاحب!''

''تو پھر مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' انہوں نے نحیف آواز میں پوچھا۔ مہر النساء بیگم نے الجھ کر دیکھا یعنی تابندہ بی خود نہیں آئی تھیں مصطفیٰ کہیں سے لے کر آیا تھا۔

''یہ جب غائب ہوئی تھیں تب میں شہوار کے فادر کے آئی ڈی کارڈ پر موجود ایڈریس پر گیا تھا۔ وہ لوگ باہر شفٹ ہو چکے تھے' ان کے کچھ رشتہ داروں کا ایڈریس ملا تھا' ان سے ملاقات ہوئی تو علم ہوا کہ سکندر صاحب تو سبحان احمد کے حقیقی بیٹے تھے ہی نہیں سبحان اور ان کی بیوی کی وفات کے بعد خاندان والوں نے سکندر کو نکال دیا تھا اور سکندر کہیں چلا گیا تھا اس کا کسی کو بھی علم نہیں۔'' مصطفیٰ نے تابندہ بی کو دیکھا تھا انہوں نے گہرا سانس لیا جبکہ مہر النساء بیگم الجھی ہوئی تھیں۔

''تب مجھے یہ کہانی بڑی عجیب سی لگی پھر ایک بار بواجی نے شہوار کو کال کی تھی۔ وہ پی سی او کا نمبر تھا اس ایریا سے متعلق میں نے معلومات لینا شروع کر دی اس کے بعد ان کی دوسری غلطی یہ رہی کہ انہوں نے آپ کو کال کر کے وہ سب کہا جو آپ نے مجھے بتایا تھا۔'' بابا صاحب چپ تھے جبکہ تابندہ بی سنجیدہ۔

''گاؤں کے اس نمبر پر آنے والی کال کا ریکارڈ حاصل کرنا مشکل نہ تھا اور پھر لوکیشن ٹریس کرتے میں جلد ہی اس گھر تک پہنچ گیا جہاں یہ موجود تھیں اس سلسلے میں میں نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی بہت ہی لائق خاتون انسپکٹر شہناز کی مدد لی تھی اور پھر مجھے علم ہو گیا تھا کہ سکندر صاحب کی خالہ زاد یہاں موجود ہیں۔'' تابندہ بی نے بہت کرب سے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں چاہتا تو ان تک پہنچ سکتا تھا لیکن میں سب کچھ جاننا چاہتا تھا کہ انہوں نے وہ سب کیوں چھپایا اور یہ سب کیوں کیا؟'' تابندہ بی ابھی بھی خاموش تھیں۔ ''ان دنوں میں ایک اور پرانے کیس پر کام کر رہا تھا اور اتفاقاً ایک دن اس کیس کی فائل اسٹڈی کرتے اس میں موجود کچھ نام ایک دو تصویریں ایسی تھیں کہ مجھے لگا کہ اس کیس کا تعلق تابندہ بوا سے ہے۔ تابندہ بوا یعنی سکندر صاحب سے اور پھر میں نے اس کیس پر کام کرنا شروع کر دیا اور پھر مجھ پر بہت سے انکشافات ہوتے چلے گئے تھے۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے تابندہ بی کو دیکھا تھا' بابا صاحب بھی افسردہ تھے۔ کہانی کتنی الجھی ہوئی تھی لیکن بالآخر مصطفیٰ اس اصل سرے تک پہنچ ہی گیا تھا لیکن وہ کچھ اسرار ابھی بھی باقی تھے جن سے وہ بے خبر تھا۔

''شام کو کچھ لوگ آ رہے ہیں مصطفیٰ بیٹا! تم گھر پر رہنا' یوں سمجھ لو تمہارے اس کیس میں موجود کچھ اور کڑیاں بھی ہیں جن سے تمہیں متعارف کروانا ہے۔'' تابندہ بی نے کہا تو مصطفیٰ نے چونک کر دیکھا۔

''کیسی کڑیاں......کون لوگ ہیں وہ؟''

''شام تک انتظار کر لو خود بخود علم ہو جائے گا اور بابا صاحب میں جانتی ہوں میں نے بہت کچھ چھپایا اور بہت سی باتوں میں غلط بیانی کی تھی لیکن شہوار کے باپ کے معاملے میں جھوٹ نہیں بولا تھا وہ آپ کا خون تھی اور آپ کے خاندان میں ہی رہنے دیا اسے' اب آپ کا فرض بنتا ہے ساری اولاد کے سامنے اسے قبول کر کے اسے اس گالی سے بچالیں جو آپ کا سارا خاندان اسے لاوارث اور بے شناخت کہہ کر دیتا رہتا تھا۔'' مصطفیٰ خاموش تھا جبکہ مہر النساء بیگم حیرت زدہ تھیں۔

''کوئی مجھے بھی بتائے گا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے...... کس کی بات کر رہے ہیں آپ سب؟'' انہوں نے سبھی کو دیکھا جبکہ تابندہ بی گہرا سانس لیے کھڑی ہوگئی تھیں۔

''میں بہت تھک چکی ہوں کچھ دیر آرام کروں گی شام میں مہمان آئیں تو مجھے بلا لیجیے گا۔'' تابندہ بی کہہ کر چلی گئی جبکہ مہر النساء بیگم نے الجھی نظروں سے مصطفیٰ اور پھر بابا صاحب کو دیکھا تھا۔

''صبر کرو بیٹا! شام میں تمہیں سب پتا چل جائے گا۔'' بابا صاحب کہہ کر آنکھیں موند گئے جبکہ مصطفیٰ کسی گہری سوچ میں غرق نجانے اب کون سی گتھی سلجھا رہا تھا' مہر النساء بیگم نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

❀.........❀.........❀

ضیاء صاحب کی حالت بڑی عجیب سی ہو رہی تھی' بی پی ہائی ہو گیا تھا انا نے ان کو میڈیسن دی تھی۔ آج کا دن ہی عجیب سا تھا' انکشافات پر انکشاف ہو رہے تھے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ولید اس کا کزن نہیں ہوگا اور شہوار اس کی کہانی اور عجیب تھی عجیب تر تھی۔

مغرب کے وقت وہ سبھی تیار تھے ایک گاڑی میں احسن' روشی اور انا تھے جبکہ دوسری میں ولید' وقار صاحب' صبوحی بیگم اور ضیاء صاحب تھے۔ مغرب کی نماز ہو چکی تھی جب وہ لوگ وہاں پہنچے تھے۔

عائشہ اور عباس شہوار کے پاس ہسپتال میں تھے جبکہ باقی سبھی گھر میں تھے شام سے پہلے صبا اور سجاد بھی لائبہ کو ڈسچارج کروا کر گھر لے آئے تھے۔ اس وقت زاہد کی بھی مکمل فیملی وہاں آ چکی تھیں۔

تابندہ بی الجھی ہوئی تھیں اور بابا صاحب گم صم، مصطفیٰ بھی آنے والوں کا منتظر تھا لیکن جب ولید اور اس کے گھر والوں کو آتے دیکھا تو چونکا وہ لوگ تو کچھ مہمانوں کے منتظر تھے لیکن یہ تو اس کے دوست کی فیملی تھی۔ وہ سمجھا کہ یہ لوگ عیادت کو آئے ہیں لیکن اس وقت چونکا جب سب ایک دوسرے کے گلے ملے تھے اور تابندہ بوا ولید کے والد ضیاء صاحب کے سامنے جا کر ٹھہر گئی تھیں، بڑا عجیب سا ماحول تھا۔

''بھائی دیکھا نا میں سچ کہہ رہی تھی کہ یہ افشاں بھابی ہی ہیں۔'' صبوحی بیگم کی آواز نے وہاں موجود مہمانوں کو ساکت کر دیا تھا۔ سبھی رو رہے تھے، مصطفیٰ چونکا۔

''تو کیا وہ یہی مہمان تھے جن کا بوا نے آنے کا ذکر کیا تھا۔''

''میں نے پاگلوں کی طرح تمہیں تلاش کیا تھا افشاں!'' ضیاء صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''اور میں نے بھی خطوط لکھ کر ان کے جواب کا انتظار کیا تھا۔'' جواباً تابندہ بی نے کہا۔

''لیکن تم نہ ملیں۔'' ضیاء صاحب نے ایک آہ بھری۔

''اور آپ نے کسی خط کا جواب نہ دیا۔''

''میں سمجھتا رہا تم بھی جل کر مر جانے والوں میں شامل تھیں۔'' ضیاء صاحب نے تابندہ بی کے ہاتھ تھام لیے۔

''اور میں سمجھتی رہی آپ مجھے فراموش کر گئے ہیں۔''

''ہماری قسمت نے ہمارے مقدر میں امتحان لکھ دیا تھا۔'' ضیاء صاحب کے آنسو بے اختیار تھے۔

''یہ امتحان ہماری ساری زندگی کھا گیا۔'' تابندہ بی کی ہچکیاں بے اختیار تھیں۔ روشی اور صبوحی بیگم نے تابندہ بی کو تھام لیا تھا۔ وہ روشی کے گلے لگ کر شدت سے روئی تھیں۔ مصطفیٰ حیرت سے گنگ تھا تو احسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''افشاں بوا ہماری ممانی ہیں اور ولید شہوار کا بھائی یعنی سکندر صاحب کا بیٹا۔'' مصطفیٰ نے بے یقینی سے دیکھا تو احسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن وہ تو مر چکا تھا۔'' مصطفیٰ نے جو فائل اسٹڈی کی تھی اس کے مطابق تو وہ بچہ مر چکا تھا۔

''لیکن ولید زندہ ہے کیا تمہیں نہیں لگتا ولید کی شکل سکندر صاحب سے بہت ملتی ہے۔ ماما نے پرانی تصویریں دکھائی ہیں ولید اپنے باپ کی کاپی ہے۔'' مصطفیٰ چونکا۔ ولید نے ضیاء صاحب کو کندھوں سے تھام رکھا تھا۔

''یہ عیسیٰ ہے، سکندر کا بیٹا۔'' ضیاء صاحب تابندہ بی سے اس کا تعارف کرا رہے تھے اور ولید نے آگے بڑھ کر تابندہ بی کے سامنے سر جھکا دیا اور تابندہ بی وہ بے اختیار ولید سے لپٹ گئی تھیں۔

مصطفیٰ کچھ نہ سمجھ کر بھی فوراً سنبھل گیا تھا۔ اس نے ایک طرف آنسو بہاتے صوفے پر بیٹھے بابا صاحب کو دیکھا تھا وہ یک ٹک ولید کو دیکھ رہے تھے۔ مصطفیٰ کو یاد آیا بابا صاحب ولید کو جب بھی دیکھتے تھے تو چونک جاتے تھے تو کیا وہ چونکنا اس کشش کے سبب تھا۔ صبوحی بیگم سب کچھ بتا کر لائی تھیں اب تو صرف ملنے کا دن تھا۔ تابندہ بی سے مل کر ولید بابا صاحب کے سامنے جا رکا تھا۔

''کیسے ہیں بابا صاحب۔'' بابا صاحب لاٹھی ٹیکتے کھڑے ہوئے تھے لیکن لڑکھڑا گئے تھے مصطفیٰ فوراً آگے بڑھا جبکہ ولید نے ان کو تھام لیا تھا۔

مصطفیٰ نے دوسری طرف سے آ کر کندھوں سے تھاما تو ولید نے مصطفیٰ کو دیکھا ولید کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، ضبط سے اس نے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ شاہزیب صاحب جو بہت خاموشی سے سب دیکھ رہے تھے وہ بھی قریب آ رکے تھے۔

''میں سکندر کا بیٹا ہوں شہوار کا بھائی اور آپ کا پوتا۔'' کچھ توقف کے بعد ولید نے کہا تو وہاں موجود کچھ لوگوں کے علاوہ ہر ذی نفس چونکا تھا۔

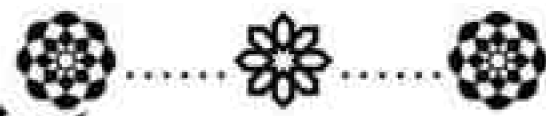
''کیا کہہ رہے ہو تم ولید؟'' شاہزیب صاحب نے ناگواری سے کہا۔

''یہ سچ ہے بے شک بابا صاحب سے پوچھ لیں۔'' ولید کا ضبط کمال کا تھا۔

''میر افیضان۔'' بابا صاحب نے بلکتے ہوئے ولید کو اپنے ناتواں بازوؤں میں بھر لیا اور وہاں موجود بابا صاحب کے خاندان کا ہر فرد گم صم ہو گیا تھا۔

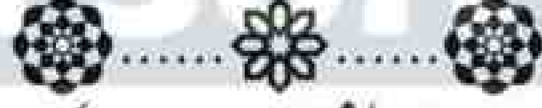
بابا صاحب شدت سے روئے اور پھر روتے روتے وہ ولید کے بازوؤں میں گرے تو سبھی خوف زدہ ہو گئے تھے۔ ولید نے فوراً ان کو

بازوؤں میں سنبھالا تھا۔ مصطفیٰ بھی ساتھ تھا۔ ولید نے فوراً انہیں صوفے پر لٹا دیا۔
''انا بابا صاحب کو دیکھو کیا ہوا ہے۔'' احسن نے کہا تو انا فوراً قریب آئی تھی۔ اس نے بابا صاحب کو دیکھا ہلایا جلایا۔
''مجھے لگتا ہے صدمے سے بے ہوش ہو گئے ہیں۔''
''میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔'' شاہزیب صاحب نے فوراً موبائل نکالا تھا۔
مصطفیٰ بابا صاحب کو ان کے کمرے میں لے آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر صاحب آ گئے تھے۔ آتے ہی انہوں نے ٹریٹمنٹ کیا۔ سبھی لاؤنج میں پریشانی سے ٹہل رہے تھے۔ مختلف باتیں اور مختلف سوالات تھے۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے اطمینان دلاتے ان سب کو ریلیکس ہونے کا کہا بابا صاحب صدمے سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہوئے تھے۔ بابا صاحب ہوش میں آ گئے تھے لیکن ان کی طبیعت اس قابل نہ تھی۔ کہ کسی سے بات کرتے ڈاکٹر نے سکون کا انجیکشن لگا دیا تھا۔
''ان کا ذہن اس وقت صدمے میں ہے یہ کچھ دیر آرام کر لیں بھرپور نیند لے کر ریلیکس فیل کر لیں تب ان سے ملیے گا۔'' ڈاکٹر صاحب یہ کہہ کر چلے گئے تھے۔
مہرالنساء بیگم اور زہرہ پھوپو صبوحی بیگم اور تابندہ بی کو گھیر چکی تھیں اور پھر جو کچھ سننے کو ملا تھا وہ ایسا تھا کہ سبھی بے یقین تھیں۔ مردوں کو بھی ساری کہانی کا علم ہو چکا تھا تابندہ بی نے کچھ بھی نہ چھپایا' اب چھپانے کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔ بابا صاحب جس شرعی رشتے کو گناہ کی طرح چھپاتے رہے تھے وہ آخر کار آج بے نقاب ہو گیا تھا ان کی ساری اولاد اس نئے انکشاف پر گم صم تھی۔
''تو بابا صاحب کے ان خوابوں کا یہ راز تھا۔'' شاہزیب صاحب کا دل بوجھل ہوا۔
مصطفیٰ تو ولید اور شہوار کے اس نئے رشتے کا جان کر خوش بھی تھا اور حیرت زدہ بھی۔ دنیا کتنی عجیب سی ہے کیا کچھ ہوتا ہے یہاں اور بالآخر سچ کبھی چھپ نہیں پاتا۔ ولید وہاں بہت دیر تک رکا رہا۔ رات گئے وہ لوگ وہاں سے واپسی کے لیے اٹھے تھے تو صبوحی بیگم نے تابندہ بی کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا۔ تابندہ بی نے مصطفیٰ کو دیکھا تھا وہی انہیں یہاں دوبارہ لایا تھا۔
''یہ آپ کے حقیقی رشتے ہیں میں بھلا کیسے روک سکتا ہوں۔'' ان کی نظروں کا مفہوم سمجھتے مصطفیٰ نے کہا۔
''کل اسپتال ضرور چکر لگا لیجیے گا شہوار آج آپ کا بار بار پوچھ رہی تھی وہ نہیں جانتی کہ آپ اس کی حقیقی ماں نہیں ہیں۔'' مہرالنساء بیگم نے بھی کہا۔
''ایسا مت کہیں بھلے میں اس کی ماں نہیں ہوں لیکن میں نے اسے حقیقی ماں کی طرح پالا ہے اور اس بات کی سب سے بڑی گواہ آپ ہی ہیں۔'' تابندہ بی رو پڑی تھیں' مہرالنساء بیگم نے انہیں گلے سے لگا لیا۔
''کل ملاقات ہوتی ہے پھر ولید اگر رکنا چاہے تو ویلکم۔'' ضیاء صاحب نے مصطفیٰ کے ساتھ کھڑے ولید کو دیکھ کر کہا تو ولید خود بھی ابھی کچھ دیر مصطفیٰ کے پاس رکنا چاہتا تھا۔ اس نے مصطفیٰ کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔
''میں آج رات ادھر ہی رکوں گا۔'' وہ لوگ سب سے مل کر رخصت ہو گئے اور یہ رات مصطفیٰ کے سارے خاندان پر بہت بھاری تھی۔ اس رات کوئی بھی نہ سو سکا تھا۔



گھر آنے کے بعد سبھی عجیب سی کیفیت سے دوچار تھے۔ رات بہت بیت چکی تھی انا نے سب کو چائے بنا کر پلائی تھی۔ روشی کتنی دیر تک ماں سے لپٹی بیٹھی رہی تھی۔ ضیاء صاحب گومگو کیفیت میں تھے کچھ دیر بعد سبھی سونے کے لیے اٹھ گئے تو روشی افشاں کو اس کمرے میں لے آئی تھی جہاں ضیاء صاحب بھی موجود تھے۔ روشی کچھ دیر ٹھہر کر چلی گئی تھی جبکہ کمرے میں ضیاء صاحب اور افشاں دونوں موجود تھے۔
''مجھے سمجھ نہیں آ رہا قسمت کی اس ستم ظریفی کو کیا نام دوں، جب ہم جدا ہوئے تو ہمارے پاس روشی ایک ننھی سی بچی تھی اور جذبات جوان تھے اور آج میری روشی خود ایک اور زندگی کو جنم دینے والی ہے۔'' ضیاء صاحب افشاں کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ لہجے میں آزردگی گھلی ہوئی تھی افشاں نے سر ہلایا تھا۔
''میں نے زندگی کے ہر لمحے میں آپ سب کو بہت مس کیا شاید ہی کوئی لمحہ ایسا ہو جس میں آپ اور اپنی بیٹی کو نہ یاد کر سکی ہوں شہوار کی صورت میں مجھے روشی ملی تھی لیکن میری ممتا پھر بھی تشنہ لب رہی۔'' آزردگی تو افشاں کے لہجے میں بھی تھی۔
''کاش وہ تمام خطوط مجھے مل جاتے تو یہ جو دوریاں برسوں حائل رہیں یہ کب کی مٹ چکی ہوتیں۔'' ضیاء صاحب گزرے وقت پر پچھتا

رہے تھے افشاں نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
''اگر وہ وقت درمیان میں نہ آتا تو ہمیں کیسے علم ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے کسی قدر اہم ہیں شاید قسمت کا یہی فیصلہ تھا اور قدرت کو ان دونوں بچوں کی زندگی مقصود تھی جو ہم دونوں کو تنہا کرتے ان کا وسیلہ بنا دیا۔''
''بے شک اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے اس کی حکمت بھی پتا چل جائے گی۔'' افشاں مسکرائی اور ضیاء صاحب کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔ یوں جیسے برسوں کی مسافت کے بعد آج کوئی گھنا سایہ میسر آیا ہو۔
افشاں نے آنکھیں موند لی تھیں اور ضیا صاحب نے بہت نرمی سے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا تھا۔



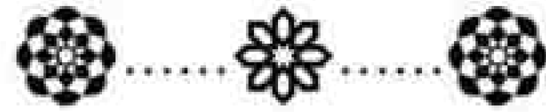
اس گھر میں کوئی بھی نہیں سویا تھا۔ گیسٹ روم میں ولید اور مصطفیٰ دونوں جاگ رہے تھے رات بیتی جا رہی تھی دونوں نے ایک ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ مصطفیٰ کو چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی وہ کمرے سے باہر نکلا تو صبا اپنی بیٹی کو گود میں لیے کمرے سے نکل رہی تھی۔
''فارغ ہو تو دو کپ اسٹرانگ سی چائے بنا کر بھیج دو۔''
''جی بھائی میں ابھی بناتی ہوں۔''
''گیسٹ روم میں بھیج دینا۔'' وہ واپس اس کمرے میں آ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد صبا خود ٹرے اٹھائے چلی آئی تھی۔
''تم کسی ملازم کو بھیج دیتی۔''
''سبھی اپنے کوارٹرز میں ہیں۔'' صبا چائے کی ٹرے تھما کر چلی گئی۔ مصطفیٰ نے چائے کا مگ ولید کو تھمایا تو اس نے خاموشی سے تھام لیا۔
''مجھے اپنا بچپن کبھی نہیں بھولا ایک ایک بات ہر لفظ یاد تھا لیکن مجھے یہ گمان تک نہ تھا کہ میرا تم لوگوں سے اتنا قریبی تعلق ہو گا۔''
''بابا صاحب نے مجھے جب وہ ساری حقیقت بتائی تو میرا دل ان کے اس ان دیکھے بیٹے فیضان کے لیے دکھا تھا اور پھر جب انہوں نے بتایا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے تو اور بھی دکھ ہوا تھا لیکن کہانی کے اس رخ سے مجھے بھی انہوں نے آگاہ نہیں کیا تھا انہوں نے سب کچھ بتایا تھا لیکن فیضان چچا کی موت کس طرح واقع ہوئی اس کے متعلق کچھ نہ کہا تھا اور نہ ہی فیضان چچا کی اولاد کے بارے میں بتایا تھا۔ اب یہ کیس میرے پاس ہے اس کے مجرموں کو میں ہر حال میں کیفر کردار تک پہنچا کر رہوں گا کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا جو جو ملوث رہا ہے سب کو کورٹ میں گھسیٹوں گا اب کسی کو بھی معافی نہیں ہو گی۔'' مصطفیٰ کا انداز اٹل تھا۔
''اپنے گھر کو جلتے ہوئے شعلوں میں گھرے دیکھنا اور پھر اپنے ماں باپ بہن بھائیوں کو ہمیشہ کے لیے کھو دینا کتنا اذیت و دردناک ہوتا ہے اس کا اندازہ کوئی کبھی بھی نہیں کر سکتا۔ بابا نے مجھے بہت محبت دی' میرے لیے اتنا کچھ کیا۔ اپنا نام دیا میرے تحفظ کے لیے ہر قربانی دی اور پھر مجھے خاندان میں اپنے بیٹے کی حیثیت سے متعارف کرایا ان کے مجھ پر اس قدر احسانات ہیں کہ میں عمر بھر نہیں بھول پاؤں گا۔ چند سال کے بچہ کو وہ انگلی تھام کر اس مقام تک لائے اور میرے لیے والدین سے بڑھ کر تھے اور رہیں گے۔'' ولید نے چائے کے سپ لیتے ہوئے کہا۔
''اور تم نے اپنے بارے میں کبھی ایک لفظ تک نہ کہا ہم ایک طویل عرصہ ساتھ رہے' کبھی بھی اپنے دکھ سے آگاہ نہ کیا۔''
''میں نے تو کبھی بابا کو بھی احساس نہ ہونے دیا تھا کہ میں سب جانتا ہوں میں نے اپنے بچپن کو اپنے دل میں راز کی طرح دفنا لیا تھا یہ سب نہ ہوتا تو شاید میں اب بھی کبھی نہ بولتا۔''
''ان شاء اللہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا اب کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہو گی' میں بابا اور میرا سارا خاندان تمہیں سپورٹ کرے گا۔'' مصطفیٰ کا انداز پر عزم تھا۔
''مجھے سپورٹ نہیں چاہیے مجھے بس اس معاشرے میں اپنا مقام اور حوالہ چاہیے۔ میرے والدین مر چکے ہیں لیکن مجھے ابھی جینا ہے بابا نے میرے لیے اتنا کچھ کیا ہے میرے لیے وہی سب کچھ ہیں۔'' ولید کے الفاظ پر مصطفیٰ فی الحال خاموش رہا۔ وہ دونوں بہت دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ باہر اب ناشتے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔
مصطفیٰ' ولید اور مہر النساء بیگم نے اسپتال جانا تھا یہ تینوں جلدی نکل آئے تھے عائشہ اور عباس وہیں تھے ان کے جانے کے بعد وہ دونوں گھر چلے آئے تھے۔

ٹوٹا ہوا تارا......سمیرا شریف

〈گزشتہ قسط کا خلاصہ〉

ہمایوں کے آدمی سکندر کو مار کر نہر میں پھینکنے کے بعد فرار ہو جاتے ہیں وہاں موجود چند لوگوں کی بدولت نہ صرف سکندر کی جان بچ جاتی ہے بلکہ وہ اسے اور رابعہ کو گاؤں کے مولوی صاحب کے پاس علاج کے لیے لے آتے ہیں۔ رابعہ کی ذمہ داری مولوی صاحب کی بیٹی ثریا سنبھال لیتی ہے' طویل عرصے کے علاج کے بعد سکندر ٹھیک ہو جاتا ہے اور مولوی صاحب کی زبانی یہ جان کر کہ اس کا گھر اور بیوی بچے سب ختم ہو گئے ہیں ایک بار پھر ٹوٹ جاتا ہے اپنی بیٹی کو دیکھ کر سکندر حیران ہوتا ہے اور پھر ہمایوں سے بدلہ لینے کی خاطر وہ شہر آتا ہے تو اس کے علم میں آتا ہے کہ وہ یہ ملک چھوڑ گیا ہے۔ سکندر دل برداشتہ ہو کر فیضان کے روپ میں امریکا چلا آجاتا ہے لیکن وہاں کی پولیس ضیاء اور وقار والے کیس میں اسے بھی حراست میں لے لیتی ہے جبکہ ضیاء اور وقار کا اسے کچھ پتا نہیں ہوتا۔ طویل عرصے کی محنت کے بعد وہ اپنے وطن واپس لوٹتا ہے لیکن مولوی صاحب اور رابعہ گاؤں سے شہر منتقل ہو جاتے ہیں۔ فیضان نے مولوی صاحب سے رابعہ کی بابت استفسار کرتا ہے جبکہ ثریا رابعہ کے حق سے دستبردار ہونے سے انکاری کر دیتی ہے' دوسری طرف رابعہ بھی ثریا کو اپنی ماں سمجھنے لگتی ہے اور ولدیت کے کوائف میں بھی سہیل کے باپ کا نام درج ہوتا ہے۔ ایسے میں فیضان مولوی صاحب کی تمام ذمہ داریاں خود سنبھال لیتا ہے۔ جبکہ رابعہ بھی اسے فیضان ماموں کہہ کر ہی مخاطب کرتی ہے اور تمام حقیقت سے بے خبر ہوتی ہے۔ تابندہ بی کے روپ میں افشاں کو دیکھ کر صبوحی بیگم حیران رہ جاتی ہیں ماضی کے متعلق جان کر انہیں بے حد افسوس ہوتا ہے روشانے بھی اپنی ماں کی صورت میں انہیں دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے تابندہ بی عیسیٰ اور ضیاء صاحب کے متعلق جاننا چاہتی ہیں ایسے میں صبوحی ان سب کو لانے کا وعدہ کرتی ہیں۔ صبوحی بیگم گھر پہنچ کر سب کو افشاں سے ملنے کا بتا کر حیران کر دیتی ہیں۔ ایسے میں ضیاء صاحب کی حالت بگڑنے لگتی ہے ماضی کے تمام دکھ ایک بار پھر سے سامنے آجاتے ہیں۔ جبکہ ولید اس بات سے آگاہ ہوتا ہے کہ وہ ضیاء صاحب کی سگی اولاد نہیں لیکن ان کی محبتوں کے آگے وہ اس تلخ حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے' اسے اپنے ماضی کے بہت سے تلخ حقائق آج بھی یاد ہوتے ہیں کہ کس طرح اس کا گھر جلایا گیا اور یہی وجہ تھی کہ پاکستان پہنچنے کے بعد وہ عبدالقیوم کی جانب ایک خاص مقصد کے تحت بڑھتا ہے۔ تابندہ بی بابا صاحب کے سامنے تمام حقیقت کا اعتراف کر لیتی ہیں کہ شہوار دراصل سکندر کی بیٹی اور ان کی پوتی ہے لیکن بابا صاحب کی دوسری شادی کے متعلق یہاں کسی کو علم نہ تھا لہٰذا تابندہ بی نے بھی مصلحت کے تحت اتنے برسوں سے خاموشی اختیار رکھتی ہیں۔ دوسری طرف بابا صاحب تابندہ بی سے عیسیٰ کی بابت استفسار کرتے ہیں اور صبوحی کے ہمراہ اپنے پوتے کو ولید کی صورت میں دیکھ کر شرمندگی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ جبکہ دیگر گھر والوں کے لیے یہ سب باتیں نہایت حیران کن ہوتی ہیں لیکن مصطفیٰ بہت سی باتوں سے آگاہ ہوتا ہے۔ ایاز کی بھیانک موت اہل خانہ اور دیگر لوگوں کے لیے باعث عبرت بن جاتی ہے ان کڑے حالات میں بھی عبدالقیوم فرار رہتا ہے جبکہ مصطفیٰ اور اس کے آدمیوں کی تلاش جاری رہتی ہے امجد خان کی زبانی مصطفیٰ یہ جان کر دنگ رہ جاتا ہے کہ ایاز کے ساتھ اس کے اپنے گھر کا فرد ملا ہوا ہے۔ شہوار ان تمام حالات سے بے خبر اپنے نقصان پر غم کرتی ہے ایسے میں مصطفیٰ اس کی ڈھارس بندھاتا اسے زندگی کی نئی خوشیوں کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

〈اب آگے پڑھیں〉



بابا صاحب نے سب کو حقیقت بتا دی تھی۔ ان کی ساری اولاد ماسوائے بڑے بیٹے کے ان کے پاس تھی' ان کا دوسرا بیٹا بھی آ گیا تھا انہوں نے سب کے سامنے اپنے برسوں پہلے اٹھائے گئے اقدام کا اقرار کر لیا تھا' سب گم صم اور حیرت زدہ تھے۔

''بابا صاحب! کاش آپ نے ہمیں یہ سب پہلے بتا دیا ہوتا تو ہم خود اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھاتے۔ ہم سب آپ کی اولاد ہیں ہم اتنے تنگ نظر نہیں کہ ایک جیتے جاگتے وجود کی حقیقت سے منہ موڑ لیتے۔'' سب سے پہلے شاہ زیب صاحب نے کہا' بابا صاحب کا سر ندامت سے جھک گیا تھا۔

''ماضی میں جو بھی ہوا ہو لیکن اب سوال دو انسانوں کی زندگی اور بقا کا ہے۔ بابا صاحب ہم سب کا فیصلہ ہے آپ ماضی پر پچھتانے کی بجائے اسے سدھار لیں۔ ہم سب شہوار اور اس کے بھائی کو خاندان کا فرد مانتے ہیں اسی طرح جس طرح مصطفیٰ یا عباس آپ کی نسل کہلاتے ہیں۔'' بہت سوچ کے بعد محسن نے بھی لب کشائی کی اور بابا صاحب رو پڑے۔

پھر دونوں بہنوں اور مہرالنساء بیگم نے بھی تائید کی تو بابا صاحب کو لگا کہ جیسے وہ طویل عرصے بعد ایک بار پھر زندہ ہو گئے ہوں۔ ان کے

بیٹے کو مرنے کے بعد ہی سہی اس کا جائز مقام مل گیا تھا۔ وہ اپنی اولاد کے ایک دم مشکور ہوئے تھے جنہوں نے کھلے دل کا مظاہرہ کرتے ان پر لعن طعن کرنے کی بجائے ان کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

اگلے دن شہوار گھر آ گئی تھی' وہ اب کافی بہتر محسوس کر رہی تھی سبھی اس کا بھرپور خیال رکھ رہے تھے خصوصاً مصطفیٰ' دو تین دن ایسے ہی گزر گئے تھے۔ مصطفیٰ اس دن گھر لوٹا تو عجیب سی کیفیت میں تھا۔

''دریہ کہاں ہے؟''، مصطفیٰ کا انداز بہت عجیب سا تھا مہر النساء بیگم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیوں خیریت؟'' وہ زہرہ کے ساتھ کوئی بات کرتے پریشان ہوئیں۔

''وہ ہے کدھر؟''، مصطفیٰ نے پھر پوچھا۔ چہرے پر شدید غم و غصے کی کیفیت تھی۔

''اپنے کمرے میں ہے۔''، مصطفیٰ تیزی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھا' زہرہ بھی حیران ہوئی تھیں۔ مہر النساء بیگم نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

''پتا نہیں کیا بات ہے؟''

''میں آتی ہوں ذرا۔'' وہ زہرہ کو کہہ کر خود بھی مصطفیٰ کے پیچھے لپکی۔ مصطفیٰ کمرے میں پہنچا تو دریہ بستر پر لیٹی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ مصطفیٰ کو آتے دیکھ کر ایک دم اٹھی۔

''تمہارا موبائل کہاں ہے؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا' دریہ ایک دم الجھی۔

''کیوں؟''

''زیادہ سوال وجواب کی ضرورت نہیں' جو کہہ رہا ہوں وہ بتاؤ'' وہ بہت غصے میں تھا۔ مہر النساء بیگم بھی کمرے میں آ گئیں تھیں۔

''کیا بات ہے مصطفیٰ؟''، مصطفیٰ نے بہت سنجیدگی سے ماں کو دیکھا۔

کچھ دیر پہلے امجد خان نے اسے ایاز کے ساتھ ہونے والی کالز کی تمام تفصیلات فراہم کی تھیں اور اس کے بعد سے وہ سخت حیران اور پریشان تھا اور اس وقت غم و غصے سے اس کا برا حال تھا۔

''ماں کچھ مت پوچھیں یہ لڑکی کیا کچھ کر چکی ہے۔''، مصطفیٰ ایک دم پھٹا۔ مہر النساء بیگم نے حیران ہو کر اسے دیکھا' دریہ بھی اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔ ایاز والے حادثے کے بعد تو وہ خاصی گم صم اور کمرہ نشین ہوگئی تھی۔ ایاز کی موت اور شہوار کے ساتھ ہونے والے حادثے پر بھی وہ خاموش رہی تھی بلکہ اپنا موبائل تک بند کیے وہ خود کو محفوظ کر چکی تھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ایاز کا ساتھ دے کر وہ کتنی بڑی اور سنگین غلطی کر چکی ہے۔

''کیا کیا ہے میں نے؟'' وہ بھی ایک دم غصے سے بولی' مہر النساء بیگم نے دونوں کو دیکھا۔

''مجھے بتاؤ مصطفیٰ کیا ہوا ہے میں بات کرتی ہوں۔'' انہوں نے دونوں کے درمیان آ کر کہا تو مصطفیٰ نے بہت تلخی سے دریہ کو دیکھا۔ تبھی زہرہ بیگم بھی وہیں چلی آئی تھیں ان کے ساتھ شاہزیب بھی تھے جو آج خلاف معمول گھر پر ہی تھے۔

''کیا بات ہے مصطفیٰ! ہم سے کہو ہم دیکھتے ہیں؟'' شاہزیب صاحب درمیان میں آئے۔

''بابا یہ ایاز کے ساتھ ملی ہوئی ہے' اس نے ایاز کے ساتھ مل کر شہوار کو کڈنیپ کروانے میں مدد کی۔'' دریہ کا رنگ ایک دم اڑا تھا' باقی لوگ بھی ساکت رہ گئے تھے۔ وہ تو اپنی طرف سے موبائل بند کر کے سمجھی تھی کہ وہ سب ثبوت ختم کر چکی ہے ایاز مر چکا ہے اور اس کے خلاف ہر ثبوت بھی ختم ہو چکا ہے۔

''جھوٹ بولتا ہے یہ؟''

''شٹ اپ۔''، مصطفیٰ نے ایک دم کھینچ کر اسے تھپڑ مارا۔ وہ لہرا کر بستر پر گری تھی۔

''مصطفیٰ......'' مہر النساء بیگم تو دہل گئی تھیں۔

''مصطفیٰ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' زہرہ نے بھی کہنا چاہا جبکہ دریہ بستر پر گر کر سہم گئی تھی۔

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی' میرے پاس تمام ثبوت موجود ہیں یہ اس کے ایاز سے لنک تھے۔ موبائل پر رابطہ تھا اس کا اور اس نے سب کچھ پلاننگ کے ساتھ کیا بے شک امجد خان سے پوچھ لیں۔ میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں اسے شوٹ کر دوں' اتنی گھٹیا لڑکی ہمارے خاندان کا حصہ ہے' آئی ہیٹ ہر۔'' وہ چیخ رہا تھا۔ شاہزیب صاحب بے یقین تھے۔ دریہ اپنی جگہ ساکت سی ہوگئی اس کے چہرے کا رنگ بالکل زرد

پڑ گیا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ منمنائی۔

''بکواس نہیں کرو، میں تمہیں حوالات میں بند کردوں گا۔ تم ایک کرمنل ہو اور میں تمہارا یہ جرم کبھی معاف کرنے والا نہیں اگر تم میری تایا زاد نہ ہوتیں تو اب تک میری لیڈی پولیس تمہارا حشر نشر کر چکی ہوتی۔'' مصطفیٰ کے لب و لہجے میں کسی بھی قسم کی کوئی رعایت نہیں تھی۔

شاہزیب صاحب نے ہاتھ اٹھا کر مصطفیٰ کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''جو بھی بات ہے مجھے آرام وسکون سے بتاؤ میں دیکھتا ہوں کیا ہوا ہے؟'' مصطفیٰ نے کینہ توز نظروں سے دریہ کو دیکھا اور پھر اس نے اپنی پاکٹ میں رکھے ہوئے چند صفحات نکال کر شاہزیب صاحب کو تھما دیئے اور ساتھ ساتھ تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔

دریہ سب کے سامنے یوں پول کھل جانے پر فق چہرہ لیے بہت خوف زدہ تھی اس کی ساری تیزی وطراری کہیں جا سوئی تھی۔ اسے اپنے دفاع کے لیے کوئی نقطہ نہ سوجھ رہا تھا، وہ بالکل گونگی ہوگئی تھی۔ مہر النساء بیگم اور زہرہ دونوں نے اسے بہت نفرت سے دیکھا تھا۔

''جو یہ کر چکی ہے دل تو چاہ رہا ہے کہ سیدھا اسے پولیس کے حوالے کردوں بابا جان میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ اس نے ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہتے ایک بہت بڑا گیم کھیلا، میں اسے قطعی معاف نہیں کروں گا۔'' مصطفیٰ کا مارے ضبط کے برا حال تھا۔ شاہزیب صاحب نے ہاتھ اٹھا کر مصطفیٰ کو خاموش ہوجانے کا اشارہ کیا۔

''دل تو ہمارا ابھی بہت دکھ رہا ہے کاش یہ بچی ہمارے خاندان کا حصہ نہ ہوتی۔ تم نے ہمیں بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے لڑکی!'' شاہزیب صاحب نے بہت دکھ سے دریہ کو دیکھا۔

''ہم تمہارے بارے میں نجانے کیا کیا سوچتے رہے لیکن تم نے...... ہمیں افسوس ہو رہا ہے تمہاری تربیت پر اور تمہاری سوچ پر۔'' دریہ کی تو وہ حالت تھی کہ گویا ابھی زمین شق ہو اور وہ اس میں گڑ جائے۔ زہرہ اور مہر النساء بیگم نے بہت تاسف سے اسے دیکھا۔ زہرہ کو تو وہ ویسے بھی پسند نہ تھی اب تو دل میں اس کے خلاف مزید غبار بھر گیا تھا۔

''ہماری بچی کوئی ایسی حرکت کرتی تو زندہ زمین میں گاڑھ دیتے۔ ہم نے بھی بچیوں کو گھر سے باہر نکالا ہے، تربیت کی ہے لیکن ہماری تو کوئی بچی ایسی منہ زور نہ ہوئی تھی۔ ایسی بھی کیا دشمنی کہ اپنوں کو ہی کھانا شروع کردیا۔'' زہرہ پھپھو کے لہجے میں غم وغصہ اور بدگمانی سبھی کچھ تھا۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟'' مہر النساء بیگم پوچھ رہی تھیں اور دریہ سر جھکائے بالکل ساکت تھی۔

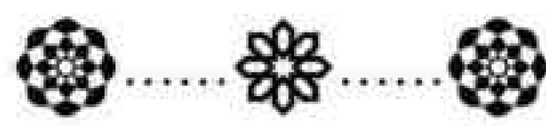
''ہمیں جس پی سی او سے ایاز کے ٹھکانے کی اطلاع ملی تھی ہم نے وہاں سے بھی معلومات لی تھیں تو معلوم ہوا تھا کہ اطلاع دینے والی کوئی لڑکی تھی تب میں نے سوچا تھا کہ شاید ایاز کی کوئی ساتھی ہو لیکن مجھے گمان نہ تھا کہ یہ دریہ ہوگی۔ مجھے چوکیدار نے سب بتایا تھا کہ اس دن دریہ کس لباس میں کس حلیے میں اور کس قدر پریشان گھر سے نکلی تھی اور اس سے پی سی او کا ایڈریس پوچھا تھا تب بھی میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔ میرے گمان میں نہیں تھا کہ وہ اطلاع دینے والی لڑکی یہ دریہ ہوگی جبکہ پی سی او والے کی فراہم کردہ معلومات اور چوکیدار کی باتوں میں ذرا برابر بھی فرق نہ تھا لیکن امجد خان نے جب بتایا کہ ایاز کے نمبر سے ہمارے گھر کے نمبر پر کال کی جاتی رہی ہیں تو میں چونکا اور پھر وائس ریکارڈ نے سب بتادیا۔ ہمارے پاس ایک ایک کال کا ریکارڈ موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دریہ نے یہ سب کیوں اور کس لیے کیا۔'' مصطفیٰ کے الفاظ پر شاہزیب صاحب نے بہت دکھ سے دریہ کو دیکھا۔

''تم ہمیں سب بتاؤ لڑکی ورنہ ہم مصطفیٰ کو اجازت دے دیں گے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ پولیس اسٹیشن لے جائے۔'' ان کے انداز میں بہت سنجیدگی تھی۔ دریہ تھر تھر کانپنے لگی۔

''پلیز انکل! ایسا مت کریں۔'' وہ رودی لیکن وہاں موجود کسی بھی شخص کو اس پر رحم نہیں آیا، سبھی نے تنفر اور بے حسی سے اسے دیکھا تھا۔

دریہ روتے ہوئے وہ سب بتا رہی تھی جو وہ کر چکی تھی سب کچھ ہر بات، اپنی نفرت، شہوار سے الجھنا، ایاز کو دیکھنا، اس سے نمبر لینا، شہوار کو تباہ کرنے کا پلان سب کچھ...... اور پھر شہوار کے اغواء تک کی کہانی، سبھی بہت سنجیدگی سے اسے سن رہے تھے۔

''اسے کمرے میں بند رہنے دو اس کے والد سے ہم بات کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد ہم فیصلہ کریں گے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے۔'' سب کچھ سننے کے بعد شاہزیب صاحب نے کہا، مصطفیٰ نے بہت نفرت سے پھوٹ پھوٹ کر روتی دریہ کو دیکھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے وجود کا حشر نشر کردے اور اسے الٹا لٹکا دے وہ بڑی مشکل سے خود پر ضبط کرتا کمرے سے نکلا تھا۔



ہادیہ کے والد نے ابوبکر کو گھر انوائٹ کیا تھا' ابوبکر نکاح کے بعد ویسے تو ہادیہ سے ملتا تھا لیکن ایک داماد کی حیثیت سے کم ہی ان کے گھر جانا ہوتا تھا۔ ابوبکر کے علاوہ انہوں نے رابعہ کی پوری فیملی کو بھی انوائٹ کیا تھا۔ وہ لوگ وہاں پہنچے تو علم ہوا اس ڈنر میں ہادیہ کے والد صاحب نے ان لوگوں کے علاوہ چند اور قریبی رشتہ داروں کو بھی انوائٹ کیا تھا۔ مردوں کا انتظام ڈرائنگ روم میں جبکہ خواتین کی سیٹنگ ارینجمنٹ اندرونی ہال میں کی گئی تھی۔ ہادیہ کے والد ابوبکر کو اپنے خاندان سے متعارف کروانا چاہتے تھے۔ ابوبکر اب کافی حد تک سیٹل ہو چکا تھا سو ایک مقصد سب کا مل بیٹھ کر شادی کی ڈیٹ فکس کرنا بھی تھا۔ عباس صاحب بھی انوائٹڈ تھے وہ آج کافی دن بعد گھریلو جھمیلوں اور ہاسپٹلز کے چکروں سے فارغ ہو کر یہاں آئے تھے۔ ابوبکر' سہیل اور فیضان صاحب سے مل کر ذہنی طور پر خود کو کافی فریش محسوس کیا تھا۔

ہادیہ کے گھر والوں نے استانی جی کو بھی بلا رکھا تھا وہ اکثر ہادیہ کے گھر والوں سے ملتی رہتی تھیں۔ ہادیہ نے بطور خاص رابعہ' بھابی اور ثریا بیگم کو ان سے ملوایا تھا۔ ثریا بیگم بہت جلد ہادیہ کی آپی سے گھل مل گئی تھیں۔

گفتگو کے دوران ثریا بیگم نے کئی بار نوٹ کیا کہ ہادیہ کی آپی جان کی نگاہیں کئی بار بطور خاص رابعہ کی طرف اٹھی ہیں۔ انہوں نے ثریا بیگم سے رابعہ کے بارے میں کافی تفصیلی بات چیت کی تھی۔ رابعہ کے والد وغیرہ وہ کافی کرید کرید کر سوال کرتی رہی تھیں اور ثریا بیگم کچھ دیر بعد ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھیں جبکہ آپی جان الجھی الجھی سی تھیں۔ کھانے کا دور چلا تو ہادیہ کی آپی جان نے کھانا کمرے میں ہی کھایا تھا جبکہ باقی تمام خواتین اس جگہ آ گئی تھیں جہاں مردوں وعورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ انتظام تھا۔

رابعہ ہادیہ کے ساتھ ہی کمرے میں کھانا کھا رہی تھی جہاں ہادیہ کے علاوہ اس کی آپی جان اور ساتھ ان کی خالہ بھی تھیں۔ کھانا خوش گوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد مرد حضرات کے درمیان شادی کی ڈیٹ فائنل کرنے کی بات چیت شروع ہو چکی تھی سب کی متفقہ رائے کے تحت اگلے ماہ کی کوئی تاریخ طے پائی تھی۔ تقریب کافی خوش گوار رہی تھی۔ سبھی مہمان جانے لگے تو وہ لوگ بھی ہادیہ کے والدین سے اجازت لے کر باہر نکل آئے تھے۔ ابوبکر نے اپنی گاڑی میں ان کو گھر چھوڑنے کی ذمہ داری لی تھی۔ فیضان صاحب ہادیہ کے والد سے الوداعی کلمات ادا کر رہے تھے جب کہ وہ تینوں خواتین ابوبکر کی گاڑی کی طرف آ گئی تھیں۔ گیٹ سے نکلتا عباس ان کو دیکھ کر ان کی طرف چلا آیا تھا اس نے سلام دعا کی۔ ثریا نے کافی خوش دلی سے اس کے سلام کا جواب دیا۔

''آپ ہماری طرف آئیے نا؟'' رابعہ کو دیکھ کر اس نے کہا۔

''ارادہ تو ہمارا ہے لیکن تمہاری طرف سے ابھی تک بلایا نہیں گیا۔''

''جی ہمارے گھر میں کچھ مصروفیات تھیں جس کی وجہ سے سبھی بزی تھے' ان شاء اللہ ماں جی ایک دو دن میں آپ کو کال کریں گی۔ اللہ سب کچھ خیر خیریت سے کرے۔'' عباس مسکرایا۔ ابوبکر بھی وہیں آ گیا تھا اور فیضان صاحب بھی۔ چند منٹ ان سے بات کی' عباس نے پھر وہ سب عباس سے اجازت لے کر ابوبکر کے ساتھ رخصت ہو گئے تھے۔

فیضان صاحب کا انداز آج بھی سنجیدہ تھا۔ عباس کو نجانے کیوں آج ان سے مل کر عجیب سی کیفیت نے آ لیا تھا۔ وہ ابھی ادھیڑ بن میں کھڑا تھا کہ ہادیہ خالہ بی کا ہاتھ تھامے اپنی آپی کے ساتھ آتی دکھائی دی' عباس نے ان کو دیکھا۔

''تم ٹینشن نہ لو' ہم لوگ چلی جائیں گی۔'' بڑی سی چادر میں لپٹی چہرے پر چادر ڈالے اس خاتون نے کہا۔

''آپ ڈرائیور کا ویٹ کر لیں' کچھ مہمانوں کو ڈراپ کرنے گیا ہے' بس آتا ہی ہوگا۔''

''نہیں بیٹا پھر زیادہ دیر ہو جائے گی۔'' آپی جان نے منع کیا' عباس اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا جب ہادیہ نے کچھ سوچتے ایک دم سے پکارا۔

''ایکسکیوزمی سر!'' عباس رک گیا' اس نے پلٹ کر ہادیہ کو دیکھا جو اس کے قریب آ گئی تھی۔

''یہ میری ٹیچر ہیں آپ جس روٹ سے گزر کر گھر جائیں گے اسی طرف ان کا گھر ہے۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو پلیز ان کو ڈراپ کر دیں گے' ڈرائیور کچھ اور مہمانوں کو چھوڑنے گیا ہوا ہے۔'' عباس نے ان دونوں خواتین کی طرف دیکھا اور پھر ہادیہ کو جو منتظر سی کھڑی تھیں' عباس نے سر ہلا دیا۔

''اوکے۔'' ہادیہ ایک دم خوش ہو گئی تھی۔ وہ ان دونوں کو لے کر پچھلی سیٹ کی طرف بڑھیں۔

''آپ بالکل ٹینشن نہ لیں بالکل ایزی ہو کر جائیں۔'' آپی جان نے سر ہلا لیا' سارا رستہ خاموشی رہی تھی۔ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھی

ہوئی تھیں، خالہ بی نے بس عباس کو ایک دوبار پوچھنے پر ایڈریس بتایا تھا ان لوگوں کا گھر عباس کے روٹ پر تھا لیکن علاقہ قدرے ہٹ کر۔ کافی پرانی رہائشی کالونی تھی، گھر بھی اسی نوعیت کا تھا۔ عباس نے ان دونوں کو ان کے گھر کے سامنے اتارا تھا۔

''جیتے رہو خوش رہو۔'' خالہ بی نے گاڑی سے اترنے سے پہلے عباس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے محبت سے کہا تھا۔

''آئیں آپ کو چائے پلاتے ہیں۔'' آپی جان نے پرخلوص انداز میں آفر کی۔

''نہیں شکریہ! کافی دیر ہوگئی ہے۔'' آپی جان نے محض سر ہلایا تھا۔ وہ دونوں اتر گئی تھیں۔ خالہ بی نے گھر کا دروازہ کھولا تب عباس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

ثریا بیگم جب سے ہادیہ کے گھر سے لوٹی تھیں کچھ الجھی الجھی سی تھیں۔ انہوں نے آ کر عشاء کی نماز پڑھی اور پھر گم صم ہوگئی تھیں نیند کوسوں دور تھی۔ وہ کمرے سے نکلیں تو فیضان صاحب واش روم سے نکل کر بیٹھک کی طرف بڑھ رہے تھے، انہیں دیکھ کر رکے۔

''سوئیں نہیں آپ ابھی تک؟'' انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں بس نیند نہیں آ رہی۔'' انداز الجھا الجھا سا تھا۔

''کیوں، خیریت؟''

''بس ویسے ہی۔'' وہ پریشان تھیں۔ فیضان صاحب نے محسوس کیا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔

''ادھر آ جائیں۔'' وہ ان کو لے کر بیٹھک کی طرف آ گئے۔ وہ ایک طرف بیٹھیں تو فیضان صاحب خود بستر کے کنارے ٹک گئے۔

''اب بتائیں کیا بات ہے؟''

''میں بہت پریشان ہوں فیضان!'' انہوں نے بے چارگی سے کہا۔

''کیوں...... کیا ہوا؟'' وہ حیران ہوئے۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ اب رابعہ کی شادی کر رہے ہیں، اتنے بڑے لوگ ہیں وہ ہم ہمیشہ کے لیے تو نہیں چھپا سکتے کہ رابعہ کے والد کون ہیں۔ میں نے مصلحتاً جو جھوٹ بولا تھا اب اس پر پچھتاوا ہوتا ہے میں چاہتی ہوں شادی سے پہلے میں رابعہ کو بتا دوں۔'' فیضان نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں خود کئی بار آپ سے یہی بات کرنا چاہتا تھا لیکن جس طرح آپ رابعہ کے معاملے میں جذباتی ہو جاتی تھیں تو میں خاموش ہو رہا۔ جب ابوبکر سے رابعہ کی شادی طے تھی تو بھی میں سوچتا تھا کہ رابعہ کو سچ بتا دیا جائے لیکن آپ کی وجہ سے خاموش رہا۔ میں سمجھتا ہوں رابعہ اب میچور لڑکی ہے وہ حالات اور سچوئشنز کو جسٹی فائی کرتے ہماری بات سمجھنے کی کوشش ضرور کرے گی۔''

''ہاں، میں کبھی کبھار بہت پریشان ہو جاتی ہوں، ابا مرحوم کہا کرتے تھے کہ میں یہ بہت بڑا گناہ کر رہی ہوں، جانتے بوجھتے بچی کی ولدیت چھپالی لیکن اللہ گواہ ہے فیضان! میں نے یہ سب محض رابعہ کی بھلائی کے پیش نظر کیا تھا ان دنوں تم بھی غائب تھے اور واپسی کی کوئی امید نہ تھی رابعہ کے ماں باپ کے حوالے سے کوئی ثبوت ہمارے پاس نہ تھا، مجبوراً مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا تھا۔''

''ہاں آپ کا کوئی قصور نہیں، میں اپنی پراپرٹی واپس لینے کی کوشش میں اس قدر گم ہو گیا کہ بالکل بھی رابعہ کا خیال تک نہ رہا تھا اور تھوڑی بہت پراپرٹی جو ملی وہی غنیمت جان کر لوٹ آیا۔ بہر حال میں سوچتا ہوں ہمیں رابعہ سے نہیں چھپانا چاہیے لیکن آپ کی رابعہ سے محبت کی وجہ سے میں نے کچھ نہیں کہا تھا۔''

''آج ہادیہ کے ہاں اس کی استانی سے ملاقات ہوئی تھی، بڑی خوب صورت اور دل موہ لینے والی ہستی تھیں ان کو دیکھ کر، مل کر دل نجانے کیوں اٹک سا گیا تھا۔ وہ رابعہ کے بارے میں پوچھتی رہیں کہ کون ہے؟ والدہ کا نام کیا ہے؟ تب مجھے شدت سے احساس ہوا کہ رابعہ کے ساتھ سہیل کے باپ کا نام لگا کر میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے تب سے ایک پل بھی چین نہیں آ رہا۔'' وہ محض مسکرائے تھے۔ ثریا بیگم تھوڑی دیر اور ان کے پاس بیٹھی تھیں، عباس کے حوالے سے بات کرتی رہی اور پھر اٹھ کر چلی گئیں تو فیضان صاحب پر سوچوں کے عجیب سے در کھل گئے اور پھر باقی ساری رات وہ سو نہیں سکے تھے ماضی اور حال کو یاد کرتے کرتے وہ نڈھال سے ہوتے چلے گئے تھے۔

وہ ناشتا کر رہی تھی جب اس کا موبائل بجا۔ وہ ناشتا چھوڑ کر کمرے میں آئی، موبائل اٹھا کر دیکھا تو سر عباس کی کال تھی، وہ چونکی اتنی صبح

صبح کیسے کال کر لی انہوں نے۔
''السلام علیکم سر!''
''وعلیکم السلام! کیسی ہیں؟''
''میں ٹھیک ہوں۔''
''میرا حال دریافت نہیں کریں گی؟'' دوسری طرف سے مسکرا کر پوچھا گیا۔
''جی آپ کیسے ہیں؟''
''بہت بُرے حال میں ہوں۔'' دوسری طرف مسکرا کر بتایا گیا۔
''جی......'' وہ الجھی۔
''آپ تو گزشتہ شب یوں نظر انداز کیے گاڑی میں جا بیٹھی تھیں جیسے کوئی آشنائی نہ ہو ایسی بھی بھلا کیا بے مروتی۔'' عباس کے مسکراتے لہجے میں شکوہ کیا۔
''ایسی بات نہیں، سبھی ساتھ تھے امی، بھابی میں بھلا کیا بات کرتی۔''
''حال چال ہی دریافت کر لیتیں۔''
''امی نے پوچھا تو تھا۔'' دوسری طرف عباس ہنس دیا۔
''ویسے میں ایک چیز سوچ کر رات بھر بہت مطمئن ہوتا رہا۔''
''وہ کیا؟''
''آپ جیسی لڑکی کے سامنے کوئی بھی ترغیب کوئی معنی نہیں رکھتی۔'' عباس کے اس سادہ سے جملے نے رابعہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔
''آپ جیسی شریک حیات بہت وفادار ہوتی ہے یہ میری آبزرویشن ہے۔ کچھ گھریلو مسائل کی وجہ سے بابا جان اس سلسلے پر توجہ نہیں دے سکے لیکن ان شاء اللہ ایک دو دن میں وہ آپ لوگوں کی فیملی کو انوائٹ کریں گے۔ میں چاہتا ہوں آپ جلد از جلد ہمارے گھر آ جائیں۔'' رابعہ کے چہرے پر کچھ سرخی سی پھیلی گئی تھی۔
''رابعہ یقین مانئے مجھے آپ کے وجود سے زیادہ آپ کے کردار نے متاثر کیا ہے۔ میں کوئی جذباتی فیصلے کرنے والا سطحی ذہن کا حامل انسان نہیں ہوں لیکن آپ کی ذات نے مجھے بہت متاثر کیا ہے اور میں آپ کو کسی بھی حال میں اب کھونا نہیں چاہتا۔'' عباس کے لہجے میں جذبوں کا رچاؤ تھا۔ عجیب سی اثر انگیزی تھی رابعہ تو جیسے ان الفاظ کے جادو میں جکڑی گئی تھی۔ عباس اس سے کچھ اور بھی کہہ رہا تھا، شاید زندگی بھر ساتھ نبھانے کے وعدے کر رہا تھا لیکن اسے کچھ بھی سنائی نہ دے رہا تھا۔ چند باتوں کے بعد عباس نے کال بند کر دی اور رابعہ کو لگ رہا تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔
ایک وفادار اور نیک عورت کے لیے اپنے کردار کی گواہی سے بڑھ کر اور کچھ بھی اہم نہیں ہوتا اور وہ اسی گواہی کے جادو میں گھری رہ گئی تھی۔ وہ جواب تک عباس کی شخصیت کے جادو سے دامن بچا بچا کر چل رہی تھی اسے لگا کہ عباس کے الفاظ نے اس کی دل پر اثر کیا ہے اس کے احساسات ایک دم سیک سے ہو گئے تھے۔ دل میں نرمی سی اتر آئی تھی۔ سر عباس اور ان کی باتوں کو یاد کرتے وہ عجیب سی خود فراموشی کی سی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔

❁......❀......❁

وہ کالج نہیں جا سکی اس کا خیال تھا کہ وہ شہوار کی طرف جائے گی لیکن دس بجے کے قریب مصطفیٰ بھائی کی پھپھو اپنی بہو اور بیٹے کے ساتھ ان کی طرف چلی آئی تھیں اور اتفاقاً ماموں، صبوحی بیگم اور وقار صاحب تینوں ہی گھر پر تھے البتہ افشاں احسن کے ساتھ صبح صبح شہوار کی طرف چلی گئی تھیں رات وہ ادھر ہی رکی تھیں۔
انا ان کی آمد پر الجھی تھی۔ اس کا دل بڑے خوف زدہ انداز میں دھڑکا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی رہی وہ لوگ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے روشی نے اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ گم صم سی اپنے بستر کے کنارے پر براجمان تھی وہ اندر آ گئی۔
''کچھ پتا چلا حماد بھائی کی امی کیوں آئی تھیں؟'' اس نے بس سوالیہ دیکھا۔

''شادی کی تاریخ فکس کرنے' حماد پاکستان آ رہا ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ اب جلد از جلد شادی ہو جائے۔'' انا کا رنگ اڑا۔
''اور انکل نے اگلے ماہ کی کوئی بھی تاریخ فائنل کرنے کو کہہ دیا ہے' وہ کہہ رہی تھیں کہ گھر جا کر سب سے مشورہ کر کے وہ رات کو کال کریں گی۔'' انا کا چہرہ بالکل زرد ہو گیا تھا۔ روشی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے اس کا ہاتھ تھاما تو اندازہ ہوا انا بالکل ساکت ہے۔
''انا پلیز ابھی بھی وقت ہے تم مجھے بتا سکتی ہو میں سب کو روک لوں گی' میں جانتی ہوں تم یہ سب نہیں چاہتیں لیکن پلیز خود پر یہ ظلم مت کرو۔'' انا کے لب پھڑپھڑائے' اس کا جی چاہا کہ وہ روشی کو سب کہہ دے وہ ایک دم روشی کے گلے لگ کر سسک اٹھی اور پھر وہ سب کہتی چلی گئی جو اس کے دل کا بوجھ بن گیا تھا اور روشی حیرت سے گنگ سب سن رہی تھی۔ جوں جوں وہ سن رہی تھی ویسے ویسے اس کا اپنا وجود ساکت ہوتا جا رہا تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁

فیضان صاحب نے رابعہ کو بلوایا' وہ آئی تو وہاں فیضان کے ساتھ سہیل اور ثریا بیگم بھی موجود تھے۔ فیضان نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا تو وہ بیٹھ کر سوالیہ انداز میں سب کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر گفتگو کا آغاز کیا۔ وہ بہت الجھی نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی اور پھر وہ اپنی کہانی سناتے اپنے ماضی سے رابعہ کو آگاہ کرنے لگے رابعہ حیرت سے گنگ ساکت سی سنتی چلی گئی۔ انہوں نے رابعہ سے کچھ بھی نہ چھپایا تھا ایک ایک لفظ کہہ سنایا' حتیٰ کہ عباس کی فیملی سے اپنے رشتے کی بھی وضاحت کر دی تھی جبکہ رابعہ گم صم تھی اور بے یقین سی۔ وہ سہیل کی بہن نہ تھی بلکہ فیضان ماموں کی بیٹی تھی' حقیقی بیٹی۔ وہ بے یقین تھی' ثریا بیگم اور سہیل نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا اب شک کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔
''میں جانتی ہوں میں نے کچھ حد تک غلط کیا لیکن یہ جو بھی کیا محض تمہاری بھلائی اور فلاح کے لیے کیا تھا۔'' وہ گم صم سی تھی' جب ثریا نے اسے ساتھ لگاتے مزید کہا۔
''فیضان تو مجھے کئی بار کہتا رہا کہ تمہیں اب حقیقت بتا دینی چاہیے لیکن میں ہی ڈرتی رہی کہ نجانے تمہارا کیا ردعمل ہو' تم ہمیں کس انداز سے لو۔'' وہ اب بھی خاموش تھی' وہ یقین کرنے میں ابھی بھی متامل' وہ بار بار نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ فیضان' سہیل اور ثریا اسے کافی دیر تک سمجھاتے رہے اور وہ خاموش تماشائی بنی حیرت سے سنتی رہی تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

شاہزیب صاحب نے دریہ کے والد سے فون پر بات کی تھی' وہ از حد شرمندہ تھے۔ وہ باہر کے ماحول میں رہے' وہیں پلے بڑھے اور پھر وہیں ماموں زاد سے شادی ہو گئی تھی۔ ایسے میں ان کی اولاد بھی اسی ماحول کا حصہ بنتی چلی گئی۔ چند دن کے لیے پاکستان آنا اور بات تھی لیکن وہ چاہتے تھے کہ دریہ کی شادی وہ پاکستان میں ہی کریں مگر اب دریہ جو کر چکی تھی اس حرکت نے ان کو بہت تکلیف دی تھی۔ انہوں نے دریہ کو واپس بھیج دینے کا کہا اور خود بھی دریہ سے بات کر کے اسے سخت سست کہا تھا۔ دریہ کا خیال تھا کہ اس کی ہوشیاری کا پول نہیں کھلے گا لیکن اب جس طرح ہر بات کھل کر واضح ہوئی وہ خود بھی خوف زدہ ہو گئی تھی۔ سب سے زیادہ مصطفیٰ کی اسے پولیس کے حوالے کر دینے والی دھمکی نے کام کیا تھا' وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھی اب یہ خاموشی ہی اس کی بھلائی ہے' مصطفیٰ اور اس گھر والوں سے کچھ بعید بھی نہ تھا کہ پکڑ کر اسے حوالات میں ہی بند کروا دیتے۔
شاہزیب صاحب نے منع کر دیا تھا کہ دریہ کی حرکتوں کی خبر شہوار تک نہ پہنچ پائے ورنہ وہ پھر ٹوٹ جائی گی وہ پہلے ہی بڑی مشکل سے خود کو بحال کر رہی تھی۔ شاہزیب نے لائبہ کے بیٹے کا نام رکھتے اس کے عقیقے کا اعلان کیا تھا۔ وہ گھر میں چھائے اس ٹینشن زدہ ماحول کو بدلنا چاہتے تھے۔

تقریباً سارا خاندان ہی مدعو تھا اگلے دن عقیقہ تھا۔ شہوار کی طبیعت بھی کچھ بہتر تھی چونکہ کافی عرصے سے بابا صاحب شہر میں ہی موجود تھے تو عقیقے کی تقریب بھی شہر میں رکھی گئی۔ اگلے دن کافی مہمان جمع تھے' شہوار کا غم ایک طرف لائبہ کے بیٹے کی خوشی بھی اپنی جگہ تھی۔ شہوار بھی خود کو سنبھالتی لباس بدل کر صبا کی مدد سے ہلکا پھلکا تیار ہوئی تھی۔ مصطفیٰ آفس گیا ہوا تھا' کوئی ضروری کام تھا اس نے جلد آنے کا وعدہ کیا تھا۔ ولید اور انا کی فیملی بھی انوائٹڈ تھی لیکن انا نہیں آسکی تھی روشی بھی گھر رک گئی تھی باقی لوگ آئے تھے۔ مصطفیٰ گھر آیا تو شہوار کمرے سے نکل کر لائبہ کے روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کو یہ تبدیلی اچھی لگی تھی' لائبہ کا بیٹا اس کی گود میں تھا۔ مصطفیٰ سب سے سلام دعا کرتا ادھر ہی آ بیٹھا تھا' ساری نوجوان پارٹی اسی کمرے میں جمع تھی' خوش گپیاں چل رہی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھے ہوئی تھی' مصطفیٰ بھی اس کے ساتھ ٹک

گیا تھا۔

''کتنا پیارا بچہ ہے ماشاءاللہ۔'' شہوار کے لہجے میں حسرت تھی' انداز مدھم سا تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس وقت شہوار کے اندر کس قسم کی فیلنگز پیدا ہو رہی ہوں گی۔

''ان شاءاللہ' اللہ ہمیں بھی ایسا ہی بیٹا دے گا۔'' مصطفیٰ نے دھیمے سے جھک کر بچے کو پیار کرتے کہا تو شہوار کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ لہرائی تھی اس نے زیر لب آمین کہا۔

''میں چینج کرلوں' سیدھا ادھر ہی چلا آیا تھا۔'' مصطفیٰ کھڑا ہوا۔

''میں بھی چلتی ہوں۔'' اس نے بچہ ساتھ بیٹھی صبا کو تھما دیا۔ وہ مصطفیٰ کے ہمراہ اس کا ہاتھ تھامے باہر نکل آئی۔ وہاں موجود سبھی لوگوں نے اسے بہت افسردگی سے دیکھا تھا' وہ مصطفیٰ کے ہمراہ چلتی ہوئی اپنے کمرے تک آئی تھی۔

''آج بہت دنوں بعد بہت اچھی اور کچھ حد تک فریش لگ رہی ہو۔'' مصطفیٰ نے کمرے میں لاکر بستر کے کنارے بٹھا کر کہا تو وہ مسکرائی۔

''کیوں باقی دنوں میں آپ کو اچھی نہیں لگتی تھی؟''

''لگتی تو تھیں لیکن آج کچھ پرسکون اور فریش لگ رہی ہونا۔''

''کوئی بھی غم طویل مدت تک نہیں ہوتا' آپ نے ہی تو کہا تھا صبر کرو خود کو سنبھالو' اللہ اور دے گا۔ بس اللہ ہی صبر دینے والا ہے میں تو بس کوشش کر رہی ہوں۔'' اس کی آواز آخر میں پھر بھیگی۔ مصطفیٰ نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگایا۔

''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ان کی سباط سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا' اس کی مصلحتیں وہی جانے۔'' شہور نے سر ہلایا۔

''تھک تو نہیں گئی اگر لیٹنا چاہو تو......''

''نہیں۔'' شہوار نے نفی میں سر ہلایا۔

''بلکہ میں اتنے دنوں سے لیٹے لیٹے تھکنے لگی ہوں۔'' مصطفیٰ مسکرا کر کھڑا ہوا۔

''میں ہاتھ لے لوں۔'' شہوار بھی کھڑی ہوگئی۔

''میں آپ کے کپڑے نکالتی ہوں۔'' اس کے انداز میں محبت تھی۔

''تھک جاؤ گی رہنے دو میں کرلوں گا۔'' مصطفیٰ نے روکا۔

''آپ کی محبت ساتھ ہوگی تو میں نہیں تھکوں گی' ویسے بھی اس گھر میں ہر کام کے لیے ملازم موجود ہیں لیکن آپ کے یہ چھوٹے موٹے کام کر کے مجھے روحانی خوشی محسوس ہوتی ہے۔'' مصطفیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس نے محبت سے کہا۔ مصطفیٰ نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کرتے بغور دیکھا اور پھر ایک دم جھک کر اس کی صبیح روشن پیشانی چوم لیا۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیتے مصطفیٰ کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

''بس سب کچھ بھول کر اب جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ' ایگزیمز سر پر ہیں ان کی طرف توجہ دو اب تو تابندہ بوا بھی آ گئی ہیں ٹینشن کی کوئی بات ہی نہیں رہی۔'' شہوار سر ہلا کر مسکرا کر پیچھے ہوئی۔

''میں آپ کے کپڑے نکالتی ہوں بس آپ فریش ہولیں۔'' وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے وارڈ روب کی طرف بڑھی جبکہ مصطفیٰ اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

❁ ❁ ❁

وہ عجیب سی مضمحل سی کیفیت میں تھی۔ روشی تو خود گم صم اور پریشان تھی' وہ جو دعویٰ کر چکی تھی کہ سب کچھ روک لے گی اب خود بھی الجھ گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ رات حماد کی والدہ نے کال کی تھی یا نہیں وہ تو اپنے ہی ادھیڑ بن میں تھی۔ باقی سب لوگ لائبہ کے بیٹے کے عقیقے میں گئے ہوئے تھے وہ دونوں ہی گھر پر تھیں۔ انا بکس لے کر بیٹھی تھی لیکن دل ایک دم اچاٹ ہوا تو وہ بکس اٹھا کر کمرے سے نکل آئی' اسے اپنے کمرے میں شدید گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ لاؤنج میں آئی تو وہاں ٹی وی چل رہا تھا میوزیکل پروگرام میں کوئی فرمائشی سانگ چل رہا تھا' اسٹیج پر ابرارالحق تھا شاید روشی دیکھ رہی تھی لیکن روشی اب وہاں نہ تھی انا کے قدم گیت کے الفاظ سن کر ہی ساکت ہو گئے تھے۔

”بھگا بھگا سا یہ دسمبر ہے بھیگی بھیگی سی تنہائی ہے
ان کتابوں میں جی نہیں لگتا ہم کو سجنی کی یاد آئی ہے“

انا کو لگا وہ بالکل جامد سی ہوگئی ہے۔ گیت کے بول کیا تھے تیز دھار آلہ تھے وہ خود ہی خود ہی صوفے پر گر گئی۔ سنگر کی آواز کا سوز، میوزک کا ردھم ہر چیز جیسے دل پر چوٹ لگا رہی تھی۔

شام کی کالی آنکھیں جب پلکوں کو جھپکاتی ہیں
کسی پیڑ کے نیچے کچھ یادیں گنگناتی ہیں
کچھ پیار کے آدھے نغمے، آدھی پیار کی کہانی
اک شہر کا راجہ اور اک گاؤں کی رانی
دونوں بڑے پریمی تھے، بن میں آیا کرتے تھے
ان کے پیار کے میٹھے نغمے پنچھی گایا کرتے تھے
اب نہ پریمی ہیں نہ وہ باتیں ہیں
اور یادیں ہی اپنی کمائی ہے
ان کتابوں میں جی نہیں لگتا ہم کو سجنی کی یاد آئی ہے

الفاظ کا اثر تھا یا دل دکھا ہوا تھا آنسو بے اختیار رخساروں پر بہتے چلے گئے۔ انا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کون سی چیز رلا رہی تھی۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھی اسکرین کو دیکھتے بس روئے جا رہی تھی۔

”اس کمرے کی کھڑکی بارش کا شور سناتی ہے
اور تمہاری آہٹ ہم کو یہ روگ لگاتی ہے
اب کے سال دسمبر میں جب بن میں جاؤں گا
نیلی جھیل، درختوں کے سائے اور سوکھے پتے
سارے تیرا پوچھیں گے کہاں ہے تیرا پوچھیں گے
تیرا پریمی یار کہاں ہے سارے تیرا پوچھیں گے
کیا بتاؤں گا کیا کہانی ہے
اب تو قسمت میں اپنی جدائی ہے“

روتے روتے انا نے لب بھینچ لیے تھے۔ آج کل وہ پچھتاوؤں کے سفر میں تھی، ولید اس سے مکمل طور پر بدظن ہو چکا تھا اور اس حماد کے وجود سے انکار کی کوئی راہ نہ مل رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ گویا اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں اس بری طرح مقید ہوگئی ہے کہ اب فرار کی کوئی راہ باقی نہیں بچی، اسکرین پر اب بھی سنگر گا رہا تھا۔ سنگر کی پرفسوں آواز اور گیت کے بول سارے ماحول کو اپنے سحر میں جکڑے ہوئے تھے۔

وہ گم صم سی اسکرین پر نظریں جمائے گھورے جا رہی تھی جب ایک دم کسی نے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر اسکرین آف کی تھی، انا ایک دم چونکی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ وہاں ولید کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں ریموٹ تھا جسے اس نے صوفے پر پھینکا، انا نے تیزی سے اپنے رخساروں کو رگڑا تھا۔

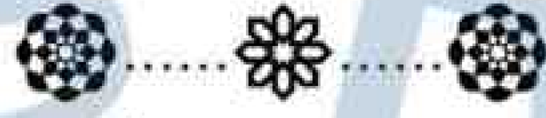
”کیا بات ہے؟“ ولید کا انداز بڑا نپا تلا سا تھا، وہ ایک دم کنفیوز ہوئی اور نفی میں سر ہلا کر کھڑی ہوئی تھی اسے اس وقت خوامخواہ شرمندگی نے آ لیا تھا۔

نجانے وہ کب گھر آیا تھا وہ اپنی سوچوں اور گیت کے بول میں اتنی محو ہوگئی تھی کہ اس کی آمد کا قطعی علم نہ ہو سکا تھا۔ وہ اس وقت جس قسم کی کیفیت سے گزر رہی تھی ایسے میں ولید تو کیا کسی کا بھی سامنا کرنے کے قابل نہ تھی۔ وہ ولید کو دیکھے بغیر وہاں سے جانے لگی جب ولید ایک دم اس کے سامنے آ گیا تھا۔

”کیوں رو رہی تھیں؟“ اس نے پھر سوال دہرایا تو انا نے بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی آنسو چمک

رہے تھی۔
''کچھ نہیں۔'' وہ خود پر ضبط کرتے سر جھکا کر بمشکل بول پائی۔
''اب تو تمہیں خوش ہو جانا چاہیے پھر یہ آنسو کیوں؟'' انا نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کرتے پھر اسے دیکھا۔ انداز سوالیہ تھا ولید نے مسکرا کر اس کے رخسار پر اٹکے آنسو کو انگلی سے چھوا تو وہ بے اختیار پیچھے ہوئی تھی۔
''حماد سے کل رات انکل نے تمہاری شادی کی تاریخ فکس کر دی ہے' سنا ہے جیسے ہی تمہارے ایگزامز ختم ہوتے ہیں تمہیں اس گھر سے رخصت کر دیا جائے گا۔'' انا کی آنکھیں ایک دم خوف سے پھیلی تھیں۔ بے یقینی سے اس کا منہ تھوڑا سا کھل گیا تھا۔
''نہیں......!'' اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔
''کیا نہیں؟'' ولید نے اسے بغور دیکھتے پوچھا اور انا بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھتے تیزی سے وہاں سے جانے لگی لیکن پھر اسے رک جانا پڑا تھا' ولید نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
''ہاتھ چھوڑیں میرا۔'' شدت غم سے وہ صرف چلا سکی تھی' ولید نے سختی سے اس کو دوبارہ اپنے مقابل کیا اور انا نے ولید کے اس جارحانہ انداز پر سہم کر اسے دیکھا۔
''تمہاری طرف میرے اتنے حساب نکلتے ہیں چاہوں تو ایک ایک کا بدلہ لے لوں لیکن تم نے جس طرح بدگمانی کا مظاہرہ کرتے کاشفہ جیسی گھٹیا لڑکی کا ساتھ دیتے وہ سب کیا تھا جی تو چاہتا ہے کہ تمہیں ایک لمحہ نہ لگاؤں اور شوٹ کر دوں۔'' ولید کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ اس نے بہت خوف زدہ نگاہوں سے ولید کو دیکھا۔
''تمہارا کیا خیال ہے کاشفہ کے ساتھ مل کر تم جو گیم کھیلتی رہی ہو مجھے کبھی علم نہ ہوگا۔ خام خیالی تھی تمہاری' مصطفیٰ مجھے سب بتا چکا ہے۔'' انا نے لب بھینچ لیے تھے جبکہ آنکھوں سے بہنے والے آنسو بے اختیار تھے۔
''ترس آ رہا ہے مجھے تمہاری ذہنی حالت پر۔''
''پلیز ولید......'' اس نے ایک دم نڈھال سے انداز میں کہا تو ولید نے سختی سے ہاتھ میں جکڑا اس کا ہاتھ جھٹکا۔
''تم ایک نہایت بداعتماد لڑکی ہو ہمیشہ مجھ پر شک کیا' اپنے طے کردہ مفروضوں کی بنیاد پر مجھے جج کرتی رہی۔ میں سمجھتا رہا کہ تم کو میں اسی طرح رسپانس نہیں دیتا اسی وجہ سے ناراض ہو لیکن تم نے تو حد ہی کر دی۔''
''پلیز ولید...... پلیز بس کریں۔'' وہ پہلے ہی بہت نڈھال تھی۔ دن رات ضمیر کی جنگ میں الجھی رہتی تھی ایسے میں اب ولید کا ری ایکشن وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔
ولید نے لب بھینچ لیے تھے' وہ تیزی سے ایک طرف سے ہو کر وہاں سے چلی گئی اور ولید نے لب بھینچ کر زور سے دیوار پر ہاتھ مارا تھا۔ وہ اسی انداز میں وہاں کھڑا تھا جب روشی پاس آئی۔
''تم کیا جانتی ہو؟'' ولید نے خاموش آنکھوں سے سوال کیا۔
''پتا نہیں آپ کیا جانتے ہیں لیکن مجھے انا نے کل ہی وہ سب بتایا ہے کہ کس طرح وہ کاشفہ جیسی لڑکی کی باتوں میں آ کر اس کے ساتھ چلی گئی تھی اور پھر اس کی وجہ سے بلیک میل ہوتی رہی تھی اس نے اب تک جو بھی کیا تھا محض کاشفہ کے کہنے پر اس کی باتوں سے خوف زدہ ہوتے ہوئے کیا تھا۔'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا' وہ خاموشی سے صوفے پر ٹک گیا تھا۔
''مجھے رہ رہ کر اس بے وقوف لڑکی پر غصہ آتا ہے۔ جی چاہتا ہے اسے شوٹ کر دوں۔'' انداز میں بہت بے بسی تھی۔
''لیکن میں سمجھتی ہوں اس میں انا کا کوئی قصور نہیں وہ اپنے جذبات و احساسات میں قطعی بے بس تھی اور وہ اب شرمندہ ہے تو آپ اسے یوں اس طرح مت ٹریٹ کریں وہ اندر سے بالکل ٹوٹ چکی ہے پلیز کچھ کریں۔'' ولید نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔
''لیکن میں اسے بے قصور نہیں سمجھتا اور اس معاملے میں' میں اس کی قطعی کوئی ہیلپ نہیں کروں گا۔ وہ اپنے کیے کا بھگتان بھگت رہی ہے۔ ایسی لوگوں کی سزا حماد جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں ویسے بھی حماد کو وہ خود درمیان میں لائی ہے اب بھگتے بھی۔''
''پلیز بھائی اتنے سنگ دل مت بنیں' وہ ہماری کزن ہے۔''
''صرف تمہاری' میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔'' ولید کے لب و لہجے میں کسی بھی قسم کی قطعی کوئی رعایت نہ تھی۔ روشنی نے بے یقینی سے دیکھا۔

''ویسے بھی اس کی شادی انکل نے طے کر دی ہے میں اب کچھ نہیں کر سکتا۔'' قطعی انداز تھا روشی نے تاسف سے دیکھا۔
''مجھے آپ سے ایسی بے حسی کی امید نہ تھی۔''
''تو کیا کروں؟ اس کی نفرت اور ناپسندیدگی کے باوجود خود کو پیش کر دوں سب کچھ بھول جاؤں۔''
''صرف آپ ہی ہیں جو انکل کو سب بتا کر قائل کر سکتے ہیں۔''
''ایم سوری میں کسی کی خاطر کوئی قربانی نہیں دوں گا۔'' ولید کے الفاظ پر روشی نے بہت دکھ سے دیکھا۔
''اس کے باوجود کہ وہ اب بھی آپ سے شدید محبت کرتی ہے اور حماد کو صرف اور صرف وہ کاشفہ کی وجہ سے درمیان میں لائی تھی۔'' ولید خاموش رہا۔
''آپ کچھ نہ کریں لیکن میں خاموش نہیں رہوں گی میں سب کی غلط فہمی ضرور دور کروں گی پھر چاہے انکل کا کوئی بھی فیصلہ ہو میں سب کو حقیقت سے آگاہ ضرور کروں گا مجھ سے انا کی یہ تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔'' وہ قطعیت سے کہہ کر ولید کو سنجیدگی سے دیکھتے وہاں سے چلی گئی اور ولید خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔



شہوار کی طبیعت کے سبب کسی نے بھی اس سے تابندہ بوا یا بابا صاحب کے معاملے میں ڈسکس نہیں کیا تھا۔ شاہزیب صاحب نے فی الحال سب کو ہی منع کر دیا تھا کہ جب تک شہوار مکمل طور پر نارمل نہیں ہو جاتی اس سے یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔
کچھ دن گزرے تو انہوں نے دریہ کی واپسی کے انتظامات کر دیئے تھے۔ واپسی کے سفر میں دریہ شرمندہ تھی کہ نہیں لیکن اس کا سارا دم خم مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا۔ شاہزیب صاحب کی خاص ہدایت کے سبب زہرہ' مہرالنساء بیگم اور مصطفیٰ کے علاوہ کوئی بھی دریہ کی حقیقت نہ جان پایا تھا حتیٰ کہ شہوار سے ذکر کرنے سے بھی شاہزیب صاحب نے سختی سے منع کر دیا تھا۔
عباس نے حالات نارمل ہونے پر مہرالنساء بیگم سے رابعہ کی فیملی کو اپنے ہاں بلوانے کی یاد دہانی کروائی تو انہوں نے شاہزیب صاحب سے بات کرنے کا کہا۔ ویسے بھی اس رشتے پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا سو شاہزیب صاحب سے پوچھا تو انہوں نے اسی وقت سہیل کے نمبر پر کال کی اور انہیں اگلے دن شام کی وقت اپنے ہاں انوائٹ کر لیا تھا۔ گھر میں سبھی خوش تھے' عباس اپنی زندگی کو آگے بڑھانے کا خواہش مند تھا سو بھی اس کے حق میں دعا گو تھے۔
اگلے دن شام کے وقت سہیل کے ساتھ ثریا بیگم اور بھابی آئی تھیں۔ عباس کو اس نے دیکھ رکھا تھا لیکن گھریلو سطح پر یہ پہلی ملاقات تھی۔ یہاں سبھی خوشی دلی سے ملے تھے' سہیل کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر دونوں خواتین کو اندر لے آئے تھے۔ زہرہ پھپھو بھی موجود تھیں' ثریا بیگم سے وہ لوگ بہت خوش اخلاقی سے ملے تھے۔ سبھی سے ملاقات ہوئی تھی' شاہزیب صاحب کے علاوہ محسن بھائی اور بابا صاحب بھی ڈرائنگ روم میں سہیل کے ساتھ موجود تھے۔
''آپ کے ماموں فیضان صاحب تشریف نہیں لائے؟'' شاہزیب صاحب نے پوچھا تو سہیل شرمندہ ہوا تھا جبکہ فیضان کے نام پر بابا صاحب ٹھٹکے تھے۔
''آپ نے کل اچانک کال کی تھی وہ دو دن سے شہر سے باہر ہیں' ایک دو دن میں لوٹیں گے۔ بس اسی وجہ سے وہ ہمارے ساتھ نہیں آ سکے۔''
''اس دن بھی آپ کے ہاں ملاقات نہ ہو سکی تھی۔'' شاہزیب صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔
''بس اتفاق کہہ لیجیے' ماموں کو وہاں کچھ کام تھا جانا ضروری تھا۔''
''کوئی بات نہیں' رشتہ داری بن جاتی ہے تو پھر ملنا ملانا چلتا رہے گا۔'' فیضان کے نام سے بابا صاحب کے اندر ایک ہوک سی اٹھی تھی' وہ ہمیشہ یہ نام سن کر دکھی ہو جاتے تھے اب بھی یہی کیفیت ہوئی تھی لیکن خود کو سنبھال کر سہیل کو کہا تھا وہ مسکرا دیا۔
ان سب لوگوں میں بات چیت ہوتی رہی' مختلف موضوعات پر' مختلف سلسلوں میں جبکہ اندرونی لاؤنج میں گھر کی تمام خواتین کے ساتھ موجود ثریا بیگم اور بھابی بھی گھر والوں کی امارت' دولت کی فراوانی دیکھ کر مبہوت ہو رہی تھیں۔ اب تو بھابی بھی جان چکی تھیں کہ ان لوگوں سے فیضان صاحب کا کیا رشتہ تھا' اندر ہی اندر دونوں خواتین ان لوگوں کی خاندانی حیثیت و مرتبے سے متاثر ضرور ہوئی تھیں۔ چائے کے بعد کھانے کا دور چلا تھا سبھی بہت خوش اخلاق تھے ثریا بیگم تو دل سے متاثر ہوئی تھیں' ان کے ہاں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔

مہرالنساء بیگم نے ثریا بیگم سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ جلد از جلد عباس کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ وہ منگنی کی رسم کی بجائے ان کے ہاں ڈائریکٹ شادی کی تاریخ لینے آئیں گی۔ جب فیضان صاحب راضی تھے تو بھلا ثریا بیگم کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا انہوں نے ہامی بھرلی۔ ان لوگوں نے ان کو رخصت کرتے وقت مٹھائی ساتھ کی تھی' سہیل کے لاکھ منع کرنے کے باوجود شاہزیب صاحب نے رات کے گیارہ بجے ان کو ڈرائیور کے ساتھ جانے پر راضی کرلیا تھا۔

گھر میں رابعہ اور فیضان صاحب موجود تھے' ڈرائیور ان کو باہر اتار کر چلا گیا تھا۔ فیضان صاحب شدت سے ان کی واپسی کے منتظر تھے۔ رابعہ بھی انتظار کررہی تھی وہ سبھی فیضان کے ساتھ بیٹھک میں آبیٹھے تھے۔

''وہاں سبھی لوگ آپ کا بار بار پوچھ رہے تھے' ہمیں بہانے بنانا پڑ رہے تھے۔'' سہیل نے بتایا۔

''کوئی بات نہیں ایک بار ہی ملاقات کرلیں گے' ویسے سب ٹھیک رہا نا۔'' وہ سنجیدہ تھے۔

''ہاں گھر تو بہت ہی خوب صورت ہے' سچ کہوں فیضان یہ گھرانہ خاندانی حسب ونسب مال دولت ہر لحاظ سے بہت اعلیٰ ہے۔ میں تو سارا وقت یہی سوچتی رہی کہ اگر تم ان لوگوں میں ہوتے تو اس خاندان کا حصہ ہوتے۔'' ثریا بیگم نے کہا۔

''مجھے کسی بھی قسم کا کوئی ملال نہیں آیا! میں اپنی زندگی سے بہت مطمئن ہوں' جس گھرانے نے میری ماں کو قبول نہیں کیا' وہ بھلا مجھے کیسے قبول کرلیتے' مجھے دولت کی چاہ بھی نہیں تھی بات رشتوں کی ہوتی ہے مجھے فخر ہے کہ میں نے اپنی خودداری میں زندگی گزاری ہے مجھ پر کسی کے احسانوں کا بوجھ نہیں۔'' رابعہ کو دیکھتے انہوں نے کہا۔

''تو پھر آپ اب مجھے اس خاندان میں کیوں بھیج رہے ہیں جبکہ آپ سب کچھ جانتے بھی تھے' آپ انکار کرسکتے تھے۔'' رابعہ نے پوچھا تو انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''میں تمہیں ایک انجانے رشتے میں باندھ کر نہیں بھیج رہا۔ تم اس خاندان کی بہو بن کر جاؤ گی' تمہارے اور میرے حوالے میں بہت فرق ہے بیٹا! تمہیں عباس خود بہت عزت واحترام سے لے جانا چاہتا ہے اور یہ سارا خاندان اس رشتے پر راضی ہے۔ میں نے جیسی بھی سہی زندگی گزار لی لیکن میں چاہتا ہوں میری بیٹی بہت خوش رہے اور مجھے یقین ہے کہ تم عباس کے ہمراہ بہت خوش رہوگی۔'' رابعہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''وہ لوگ کہہ رہے تھی کہ وہ منگنی نہیں کرنا چاہتے' وہ لوگ ڈائریکٹ شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے۔'' سہیل نے مزید بتایا۔

''کوئی حرج نہیں جس طرح وہ چاہیں گے ہم کریں گے۔'' سہیل نے سر ہلایا' وہ سب آنے والے دنوں کا لائحہ عمل ترتیب دینے لگے تو رابعہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

وہ ابھی بھی حیرت زدہ تھی' وہ جس شخص کو ہمیشہ ماموں سمجھتی رہی وہ آج اس کے باپ کی حیثیت سے موجود تھا۔ وہ صحن کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی' اسے اپنے باپ کا ماضی یاد آنے لگا کیا کچھ برداشت کیا تھا انہوں نے۔ ان حالات کو سوچ کر عجیب سا خوف پیدا ہونے لگا تھا اس کی ماں اس کے تھن بھائی' کاش وہ ان رشتوں کو دیکھ سکتی' محسوس کرسکتی لیکن وہ سب جل کر راکھ ہوچکے تھے کبھی نہ ملنے کے لیے۔ ان کی اذیت ناک موت کا تصور کرتے اس کا دل غم کی اتھاہ میں ڈوبنے لگا تھا۔ اس کے دل میں فیضان کے لیے موجود محبت میں ایک دم شدید اضافہ ہوگیا تھا۔



زہرہ پھپھو نے بتایا کہ وہ حماد کی شادی کی تاریخ طے کرچکی ہیں۔ مصطفیٰ اور شہوار نے سنا تو دونوں ہی پریشان ہوگئے۔ شہوار کو رہ رہ کر ولید پر غصہ آرہا تھا۔

''آپ کو اسی لیے بتایا تھا کہ وہ آپ کے دوست تھے' آپ ان کو سمجھاتے اتنا جو غلطی کرچکی تھی اب وہی غلطی ولید بھائی کررہے ہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' وہ مصطفیٰ سے الجھ رہی تھی اور مصطفیٰ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''تمہارا خیال ہے میں نے اسے تمام حقیقت بتا کر سمجھایا نہیں ہوگا۔''

''اگر سمجھایا ہوتا تو آج یہ رزلٹ تو نہ ہوتا۔''

''کیا کروں تم دونوں بہن بھائی ایک جیسی عقل کے ہو' تمہاری عقل میں جو بات سمانے میں مہینوں لگے تھے وہ بھلا کیسے اتنی جلدی سمجھ لیتا۔''

''کون دونوں بہن بھائی؟'' شہوار الجھی تو مصطفیٰ سنبھلا۔
''میرا مطلب ہے تمہاری طرح ولید بھی محض ضد پر ڈٹا ہوا ہے جب سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا تو تب عقل آئے گی۔''
''اللہ نہ کرے۔'' شہوار نے گھورا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔
''میں ولید سے بات کرتا ہوں بلکہ میں سوچ رہا ہوں ولید سے ملنے کے بعد پھپھو اور حماد سے بھی بات کروں گا۔''
''اور ولید بھائی نہ مانے تو؟'' شہوار کے لہجے میں خدشات تھے۔
''تو میں افسوس ہی کر سکتا ہوں پھر۔''
''وہ آپ کے دوست ہیں آپ ان کو قائل کر ہی سکتے ہیں نا؟'' وہ کسی امید کے تحت بولی۔
مصطفیٰ نے سر ہلایا' وہ آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ وہ وہاں سے سیدھا آفس آیا۔ آفس میں کچھ ضروری کام تھے وہ دیکھے اور پھر وہ ولید کے آفس کی طرف چلا آیا۔ ولید سے سلام دعا کے بعد وہ آرام سے بیٹھ گیا۔
''شہوار ٹھیک ہے نا؟''
''فی الحال تو ٹھیک ہی ہے لیکن تمہیں کوس رہی تھی۔''
''کیوں؟'' ولید کو تعجب ہوا۔
''پھپھو نے رات کو بتایا تھا کہ وہ حماد اور انا کی شادی کی تاریخ فکس کر چکی ہیں۔''
''اوہ......'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔
''یہ ٹھیک نہیں ہے یار! تم سب کچھ جان چکے ہو اس کے باوجود یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔''
''تو کیا کروں' محترمہ انا صاحبہ کے سامنے جا کر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاؤں اور درخواست کروں کہ مجھے قبول کر لو۔'' ولید کا انداز بہت تلخ تھا۔ ''وہ جس طرح میری ذات کو ٹارچر کرتی رہی ہے' یہ سب حقیقت جان کر میں خاموش ہوں تو یہی بہتر ہے ورنہ جی تو چاہتا ہے کہ ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر اس کا حشر نشر کر دوں۔'' ولید جذباتی ہو رہا تھا' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے دیکھا۔
''یعنی انا کی شادی حماد سے ہو جائے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔ فرق تو کیا پڑتا اس کی پوری ذات ڈسٹرب ہو چکی تھی لیکن وہ پھر بھی سکون سے رہ رہا تھا۔
''دیکھو اگر تم اس معاملے میں سنجیدہ نہ ہوئے تو مجبوراً مجھے بابا صاحب اور پھپھو کو اس معاملے میں انوالو کرنا پڑے گا۔'' ولید نے غصے سے کہا۔
''میں جانتا ہوں تمہاری عزت نفس پر چوٹ لگی ہے تم دکھی ہوئے ہو لیکن میں تمہیں ساری عمر پچھتاتے نہیں دیکھ سکتا۔ بہتر ہے تم خود اس معاملے کو ہینڈل کر لو ورنہ پھر میں اپنے انداز میں اس کو ڈیل کروں گا۔'' ولید نے گھورا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔
''بابا صاحب چاہتے ہیں کہ تم اب ان کے ساتھ رہو۔'' مصطفیٰ نے موضوع بدلا تو ولید کے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے تھے۔
''وہ حویلی جانا چاہتے ہیں وہ سارے خاندان میں تمہیں متعارف کروانا چاہتے ہیں۔''
''شہوار کو بتا دیا سب کچھ؟'' ولید نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
''نہیں' ایک دو دن میں بتاؤں گا۔'' ولید نے سر ہلایا۔
مصطفیٰ اس سے انا اور حماد کے معاملے میں ڈسکس کرنے لگ گیا تو ولید خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

❁......❀......❁

عبدالقیوم کو ایاز کی موت کی خبر ملی تھی' اس نے کسی آدمی کے ذریعے گھر رابطہ کیا تھا گھر پر پولیس کا پہرہ تھا وہ آدمی پکڑا گیا۔ امجد خان کے ٹارچر سیل میں اس آدمی نے چند گھنٹوں میں ہی عبدالقیوم کے ٹھکانے کا راز اُگل دیا تھا۔ وہ آج کل اسی شہر میں ہی کسی جگہ روپوش تھا۔ امجد نے فوراً مصطفیٰ سے رابطہ کیا اور پھر اس کی ہدایات کے مطابق خود نفری لے کر روانہ ہوا گیا تھا سب کچھ بہت راز داری سے کیا گیا تھا۔ رات کے وقت عبدالقیوم کو ان سب نے جا لیا تھا۔ عبدالقیوم صبح تک لاک اپ میں آ چکا تھا۔ عبدالقیوم کے گناہوں کا وہ سلسلہ جو ایک نسل تک محیط تھا بالآخر آج اختتام پذیر ہو گیا تھا۔
عبدالقیوم بزنس کی دنیا کا ایک نام تھا اس کی گرفتاری کوئی چھوٹی بات نہ تھی۔ مصطفیٰ نے پریس کانفرنس بلا لی تھی اور میڈیا میں ہمایوں سے

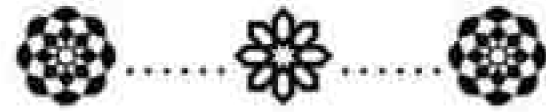
عبدالقیوم بننے تک کی ساری داستان موجود تھی۔ مصطفیٰ کے وہ دو تین دن بہت مصروف گزرے تھے۔ اگلے چند دنوں میں عدالت کے ذریعے عبدالقیوم کے تمام اثاثوں کو تحویل میں لینے اور اس کے ریمانڈ میں لینے کا حکم مل گیا تھا۔ اور پولیس کسٹڈی میں آتے ہی عبدالقیوم نے اپنے ماضی کے تمام گناہوں کا اعتراف کرلیا تھا۔ لالہ رخ کی ساری پراپرٹی حاصل کرنے کے بعد اس نے سکندر کو قتل کروا کر اس کی بیٹی سمیت نہر میں پھنکوا دیا اس کے بعد لالہ رخ کو بھی مروانا چاہتا تھا لیکن لالہ رخ بھاگ نکلی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ لالہ رخ اپنے گھر گئی ہوگی سو اس نے اپنے بندوں کو اس کے پیچھے دوڑایا تھا۔ لالہ رخ اور اس کے بچوں کو گھر میں بند کر کے گھر کو آگ لگادی تھی اور اس طرح وہ اپنے خلاف تمام ثبوت ختم کروا چکا تھا۔

اس کے بعد اسی دن وہ شہر چھوڑ گیا تھا اور دو دن بعد وہ بیرون ملک شفٹ ہو گیا تھا۔ کچھ دن بعد اس نے اپنے بیوی بچوں کو بھی بلوالیا تھا اور پھر ایک نئے نام کے ساتھ طویل عرصے تک باہر رہنے کے بعد وہ اپنی فیملی سمیت واپس لوٹا تھا اب یہاں لوگ اسے ایک بہت بڑے بزنس مین کے طور پر جاننے لگے تھے اب اس کا نام کے ساتھ عزت اور پہچان تھی۔ اس کی نئی حیثیت' نیا نام نئی پہچان بن گئی تھی اس طرح وہ مختلف دھوکوں سے لوگوں سے ان کی پراپرٹی ہتیالیتا تھا۔ یہ سلسلہ نجانے کب تک چلتا لیکن پولیس کی ہٹ لسٹ میں اس کا بیٹا ایاز آچکا تھا اور پھر یہاں سے اس کی بربادی کی کہانی شروع ہوئی تھی اور آج وہ پولیس کی تحویل میں تھا اس کے تمام اثاثے ضبط کر لیے گئے تھے اور اس کی حالت انتہائی قابل ترس تھی۔ عبدالقیوم کے گھر سے پولیس کا پہرہ ہٹا دیا گیا تھا۔

بیگم عبدالقیوم بیٹے کی لاش دیکھ لینے کے بعد مسلسل سکتے میں تھیں اور جب عبدالقیوم کو پولیس کی تحویل میں دیکھا تو ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا۔ وہ سارے گھر میں چیختی چلاتی' چیزیں توڑتی پائی جانے لگی تھیں ڈاکٹر کے مطابق شدید صدمات نے ان کے ذہنی توازن کو متاثر کیا تھا۔ ان کو علاج کے لیے ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا تھا جبکہ گھر میں صرف عادلہ اور کاشفہ رہ گئی تھیں۔ کاشفہ ایک جذباتی بے حس لڑکی تھی بھائی کی موت اور باپ کی گرفتاری نے اس پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں کیا تھا جیسے ہی پولیس کا پہرہ ہٹا وہ پھر سے اپنی روٹین میں آ گئی تھی وہی سب سے ملنا ملانا اور پرانی حرکتیں۔ وہ زخمی ناگن کی طرح ہر وقت ولید اور انا کی ٹوہ میں رہنے لگی تھی جبکہ عادلہ کے وجود میں ایک مثبت تبدیلی آئی تھی۔ وہ جو تمام عمر اپنے حسن' دولت وجائیداد اور امارت پر فخر محسوس کرتی رہتی تھی' آج سارا فخر ملیامیٹ ہو چکا تھا۔

وہ لوگ جو پہلے اس کے حسن سے مرعوب تھے اب اس کی طرف نگاہ تک نہ اٹھاتے تھے۔ لوگوں کی نگاہ میں ان کے لیے نفرت تھی' اس نے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا اسے اب اللہ یاد آنے لگا۔ اسے اپنے بھائی اور باپ کے وہ تمام مظالم یاد آنے لگے تھے جن کی وہ چشم دید گواہ تھی جس پر وہ غرور کیا کرتی تھی۔ وہ اپنے باپ سے ملنے جاتی تو اس کا باپ ایک عبرت کا نشان بنا ہوا تھا وہ حیرت اور غم زدہ نگاہوں سے اپنے گھر کو بکھرتے اجڑتے اور ملیامیٹ ہوتے دیکھ رہی تھی۔ آج دولت کا لالچی ناگ ان کا سب کچھ نگل چکا تھا۔ وہ ہسپتال جاتی تو اپنی ماں کی قابل رحم حالت کو دیکھ کر گم صم ہو جاتی تھی۔ اس کی ماں نے حالت جنوں میں ایک ڈاکٹر پر حملہ کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں اس کی ماں کو اب زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا۔

کچھ دن بعد ڈاکٹر نے اس کی ماں کو نا قابل علاج قرار دیتے ذہنی امراض کے ہسپتال میں منتقل کر دیا تھا اور بس یہ تھی غربت سے دولت کے معمول تک کی ایک طویل داستان۔ عادلہ سب کو عبرت کا نشان بنتے دیکھ کر گم صم ہوگئی تھی۔



ابوبکر فیضان صاحب کے سمجھانے پر سہیل کے ہمراہ اپنے والد کے پاس آیا تھا۔ وہ پہلے بھی ایک دو بار آیا تھا لیکن باپ موجود نہ تھا اور وہ گھر کے اندر نہیں گیا تھا' واپس لوٹ جاتا تھا لیکن اس بار سہیل ہمراہ تھا اور خوش قسمتی سے اس دن اس کے والد گھر پر تھے۔

''ابوبکر تم!'' والد نے اسے دیکھ کر فوراً پہچانا اور فرطِ جذبات سے اسے سینے سے لگالیا۔

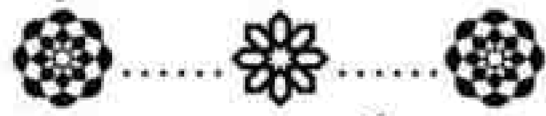
''کوئی اس طرح بھی ناراض ہو کر باپ سے جدا ہوتا ہے' جانتے ہو میں نے تمہیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا۔'' وہ رو دیئے اور ایک عرصے بعد ابوبکر کو ایک ندامت نے آلیا تھا۔

وہ اپنے باپ کو ہمیشہ قصوروار سمجھتا تھا لیکن آج دل میں کوئی شکوہ نہ تھا' وہ ان دونوں کو گھر کے اندر لے گئے تھے۔ انہوں نے اسے اپنی بیوی اور بچوں سے ملوایا تھا۔

ابوبکر اب زندگی کے جس مقام پر تھا اسے کسی سے کوئی گلہ نہ تھا سو وہ خوش دلی سے سب سے ملا تھا' حتیٰ کہ اپنی سوتیلی ماں سے بھی۔

''یہ میری شادی کا کارڈ ہے آپ ضرور تشریف لائیے گا۔'' کچھ توقف کے بعد ابوبکر نے کارڈ ان کو دیا تو انہوں نے بہت دکھی کیفیت

میں بیٹے کو دیکھا۔
''شادی کر رہے ہو اور باپ کو خبر ہی نہیں۔'' ان کے لہجے میں دکھ تھا۔
''آپ کو انوائٹ کر رہا ہوں نا۔''
''غیروں کی طرح۔'' باپ کے انداز میں شکوہ تھا۔
''آپ نے تو کبھی مجھے حقیقی بیٹے کا احساس نہ ہونے دیا تھا۔'' شکوہ لبوں سے پھسلا۔
''میرے ماضی کی غلطیوں کو میرا جرم بنا دیا تم نے۔'' ان کا لہجہ غم زدہ تھا' ابوبکر خاموش ہو گیا۔
''کہاں رہ رہے ہو؟'' باپ نے پوچھا۔ جواباً ابوبکر نے اپنی رہائش کا بتا دیا۔
''میں چاہتا ہوں کہ تم واپس لوٹ آؤ۔'' انہوں نے کہا۔
''میں اب اپنی زندگی میں سیٹل ہوں' آپ ٹینشن نہ لیں مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں بس میں چاہتا ہوں کہ آپ میری شادی میں میرے باپ کی حیثیت سے شامل ہوں۔'' انہوں نے سر ہلا دیا تھا ان کی بیوی خاموش تھی اور بچے بھی۔ وہ دونوں کچھ دیر بیٹھے اور وہاں سے چلے آئے تھے۔
سہیل ابوبکر کے حالات سے واقف تھا اس نے کوئی سوال نہ کیا تھا۔ شام میں ابوبکر اپنے فلیٹ میں تنہا تھا جب اس کے فلیٹ کا دروازہ بجا اس نے دیکھا اس کا باپ تھا۔
ابوبکر کو شدید خوشی نے آ لیا تھا اس کا چہرہ ٹمٹمانے لگا تھا۔ اس کا باپ اس کے گھر میں تھا یعنی اس کے باپ کے دل میں اب بھی اس کے لیے جگہ موجود تھی یہ خیال ہی اس کو توانا کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے بہت پر جوش انداز میں اپنے باپ کو ویلکم کیا تھا۔



انا کے ایگزیمز قریب تھے وہ کسی کام سے کالج آئی تھی' مختلف لوگوں سے ملنا تھا چند ایک اساتذہ سے بھی۔ وہ سب سے مل کر باہر نکل رہی تھی جب ہاشم اینڈ گروپ سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ وہ ایگزیمز کی تیاری کے بارے میں پوچھنے لگی' وہ سب کو بتاتی پلٹی تو چونکی۔
گیٹ کے باہر کاشفہ تھی اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے' کاشفہ کو دیکھ کر انا کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔
''اینی پرابلم۔'' ہاشم نے شاید اس کے چہرے کی بدلتی رنگت نوٹ کر لی تھی سو فوراً پوچھا۔
''کچھ نہیں۔'' اس نے بمشکل مسکرانا چاہا اس کا ڈرائیور موجود تھا وہ سب کو اللہ حافظ کہہ کر فوراً کاشفہ کو نظر انداز کرتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔
ہاشم نے اسے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا اور پھر کاشفہ کو دیکھا جو بہت عجیب نگاہوں سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اسی سمت چلی گئی تھی جس سمت انا گئی تھی۔ ہاشم نے نوٹ تو کیا تھا لیکن توجہ نہ دی تھی۔
رستے میں ڈرائیور نے کچھ آگے جا کر فوٹو اسٹیٹ والی دکان کے سامنے گاڑی روکی تھی کاشفہ بھی عقب میں تھی۔ انا نے قطعی دھیان نہ دیا تھا اس نے کچھ نوٹس ڈرائیور کو دیے تھے ڈرائیور نوٹس لے کر شاپ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ انا سنجیدگی سے بیٹھی ہوئی تھی جب کاشفہ نے اس کی کھڑکی کے ادھر کھلے شیشے کو بجایا۔ انا کاشفہ کو دیکھ کر خوف زدہ ضرور ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی شدید نفرت کے ریلے نے آ لیا تھا۔
''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ ولید کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گی۔'' وہ پھنکاری۔
''میں نے جتنا خوف زدہ ہونا تھا ہو لیا لیکن میں اب تمہاری کسی بھی دھمکی سے نہیں ڈرنے والی۔'' وہ اس سے زیادہ تلخی سے بولی تھی۔ سارے نقصان اس کے حصے میں آئے تھے وہ اب کیوں ڈر ڈر کر جیتی۔
''ولید کو میرے خلاف کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔'' کاشفہ جیسی نہایت حسین و جمیل لڑکی کا چہرہ اس وقت نفرت کے شدید احساس سے سیاہ ہو رہا تھا۔ انا نے سر جھٹک کر دوسری سمت دیکھا۔
''لیکن تم نہیں جانتی میں تمہارا کیا حشر کرنے والی ہوں۔'' اس کے لہجے میں اژدھوں کی سی پھنکار تھی انا نے الجھ کر دیکھا لیکن اگلے ہی پل وہ ساکت ہوئی تھی۔ کاشفہ کے ہاتھوں میں کوئی چیز تھی اس نے اس ہاتھ میں موجود چیز کا ڈھکن کھولا تھا انا کی آنکھیں پھٹی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی اس نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور انا اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار چیخی تھی۔



مصطفیٰ اپنے آفس میں تھا جب ولید کی کال آئی تھی۔ مصطفیٰ بھاگم بھاگ اسپتال پہنچا۔ وہاں پہنچا تو احسن، ولید، وقار صاحب سبھی موجود تھے۔

''کیا ہوا خیریت؟'' اس نے پوچھا تو ولید نے لب بھینچ لیے تھے جبکہ احسن نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ولید نے بتایا تھا کہ کاشفہ نامی لڑکی نے انا پر تیزاب پھینکا ہے کیا واقعی سچ ہے۔'' اس نے پھر اپنا سوال دہرایا جبکہ ولید کا چہرہ بہت سنجیدہ اور تکلیف دہ تھا وقار صاحب نڈھال سے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور احسن کو ڈاکٹر نے آواز دی تو وہ اس جانب چل دیا۔

''بتاتے نہیں کیا ہوا ہے؟'' مصطفیٰ نے پھر ولید کو جھنجوڑا تو اسی وقت ایک طرف سے ہاشم مصطفیٰ کے سامنے آ رکا تھا۔

''السلام علیکم کیسے ہیں مصطفیٰ صاحب۔'' اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور مصطفیٰ نے الجھ کر دیکھا۔

''ہاشم کہتے ہیں مجھے انا کا کالج فیلو ہوں۔'' مصطفیٰ کو ایک دم یاد آیا تھا کہ وہ اسے جانتا ہے۔

مصطفیٰ نے اس سے مصافحہ کیا تو وہ مصطفیٰ کو لے کر ایک طرف چل دیا اور ولید وہ بہت سنجیدگی سے وقار صاحب کے ساتھ بیٹھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینے لگ تھا۔

❁.....❁.....❁

سہیل ایک دو دن کے پرانے اخبارات اور کچھ میگزین لایا تھا۔ وہ سب چیزیں لا کر اس نے فیضان صاحب کو دی تھیں اور فیضان صاحب نے جب ان اخبارات کا جائزہ لیا تو ایک دم ساکت ہو گئے تھے۔ تقریباً ہر اخبار میں عبدالقیوم نامی شخص سے متعلق ایک ہی کہانی تھی۔ فیضان صاحب نے بغور سب اخبارات اور میگزین کا جائزہ لیا اور پھر آخر میں ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے انہوں نے سہیل کو دیکھا۔

''شاید مکافات عمل اسی کو کہتے ہیں۔'' سہیل نے سر ہلایا۔

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

خون پھر خون ہے بہتا ہے تو جم جاتا ہے

سہیل کے لہجے میں افسردگی تھی۔

''ظالم کی رسی کتنی ہی دراز ہو جائے آخر ایک نہ ایک دن پکڑ میں آ ہی جاتی ہے ایک لمبا عرصہ لگا لیکن آخر کار ظالم اپنے انجام تک پہنچ گیا کاش ہم انسان اپنے انجام کی طرف نگاہ ڈال لیں تو دنیا میں زندگی گزارنا بہت آسان ہو جائے۔''

''بے شک دولت کی حرص انسان کو آخر کار تباہی کے دہانے پر ہی لا کر چھوڑتی ہے۔ مقام عبرت ہے اگر کوئی عبرت حاصل کرنا چاہے تو۔''

''قارون اپنے خزانوں سمیت زمین میں غرق کر دیا گیا تھا وجہ صرف ایک غرور تھا اور اس انسان نے تو زندہ انسانوں کی زندگیوں سے کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ زندہ جلا دیا میرا گھر میرے بچے اور میری بیوی کو اور بھی نجانے کس کس معصوم کی آہیں تھیں جو اس انسان کے ذمہ تھیں۔''

''دنیا سمجھتی ہے آپ مر چکے ہیں۔'' سہیل نے افسردگی سے کہا۔

''دنیا کا کیا ہے دنیا کو یقین دلانا کون سا مشکل ہے سمجھتی رہے ہمیں کسی سے کیا لینا ہم اپنی قناعت میں خوش ہیں۔'' ان کے لہجے میں تشکر اور قناعت تھی۔ سہیل نے سر ہلایا۔

''عباس کے والد صاحب کی کال آئی تھی ان کی فیملی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آنا چاہ رہی ہے کیا جواب دوں۔''

''یعنی ان لوگوں سے ملاقات کا وقت آ چکا ہے۔'' سہیل کے سوال کے جواب میں وہ بولے۔ ''اسی ہفتے کا کوئی سا بھی دن دے دو ملاقات کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کیا ڈیٹ دینی ہے۔'' سہیل نے سر ہلا دیا جبکہ فیضان صاحب کے چہرے پر گہری سوچ کے سائے تھے۔

❁.....❁.....❁

''مجھے یہ لڑکی مشکوک لگی تھی لیکن پھر میں نے نظر انداز کر دیا تھا مجھے بھی کالج روڈ پر ہی آنا تھا کچھ دور آیا تو چونکا تھا یہ لڑکی انا کو فالو کر رہی تھی مجھے لگا کہ جیسے کوئی گڑبڑ تھی میں نے بھی فالو کیا چند منٹ بعد انا کی گاڑی رکی تھی ڈرائیور شاید کچھ فوٹو اسٹیٹ کرانے گیا تھا تبھی یہ لڑکی اپنی گاڑی سے نکل کر انا کی گاڑی کے پاس جا رکی تھی ہاتھ میں کوئی چیز تھی نجانے کیوں مجھے لگا کہ جیسے کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے میں بھی

قدرے فاصلے سے چلتا اس لڑکی کے عقب میں چند قدم کے فاصلے پر جا کھڑا ہوا تھا پہلے تو یہ لڑکی انا کو دھمکاتی رہی اور پھر اس نے ہاتھ میں تھامی بوتل کا ڈھکن کھولا تھا میں چونکا تھا مجھے لگا کہ کچھ غلط ہونے والا ہے میں فوراً لڑکی کی طرف بڑھا تھا اس نے بوتل میں موجود چیز انا کی طرف اچھالنا چاہی تھی ابھی کوشش کی تھی کہ میں نے عقب سے اس لڑکی کو دھکا دیا تھا بوتل میں موجود تیزاب اس لڑکی کے چہرے پر گرا تھا یہ لڑکی وہاں تڑپنے لگی تھی جبکہ گاڑی کے ادھ کھلے شیشے سے تیزاب کے محض چند قطرے ہی اندر گرے تھے۔'' ہاشم مصطفیٰ کے ساتھ آئے ہوئے ساتھی کو اپنا بیان ریکارڈ کرا رہا تھا کاشفہ کو ایمرجنسی میں لے جایا گیا تھا۔ واردات پر موجود اور لوگوں نے بھی معاملے کی تصدیق کر دی تھی مصطفیٰ کے ساتھی متحرک تھے۔

انا کے ہاتھوں پر محض چند قطرے گرے تھے باقی وہ ٹھیک تھی محض خوف اور صدمے سے دوچار تھی اسے گھر بھیج دیا گیا تھا جبکہ باقی یہ تینوں ہاشم اور ڈرائیور کے کام کرنے پر اسپتال آ گئے تھے۔

وہاں موجود سبھی لوگ اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ انا بچ گئی تھی جبکہ کاشفہ کی حالت از حد تشویش ناک تھی۔ یہ پولیس کیس تھا اگر مصطفیٰ نہ ہوتا تو یقیناً وہ لوگ بری طرح پھنس جاتے۔ ہاشم کے کالج فیلوز کا گروپ بھی آ گیا تھا انہوں نے بھی کالج کے گیٹ پر کاشفہ کی موجودگی کی تصدیق کرتے اپنا بیان ریکارڈ کرایا تھا۔ مصطفیٰ نے ان لوگوں کو ریلیکس ہو کر گھر جانے کا کہا اور خود کاشفہ کی فیملی سے رابطہ کرانے کی کوشش کی تو یہ جان کر از حد حیران ہوا کہ کاشفہ کوئی اور نہیں عبدالقیوم کی بیٹی اور عادلہ کی بہن تھی۔ مصطفیٰ شدید دھچکے کا شکار ہوا۔

عبدالقیوم کی ساری فیملی ہی اخلاقی لحاظ سے اس قدر زوال پذیر تھی کہ کوئی بھی ان کے شر سے نہیں بچا ہوا تھا۔ کیا باپ، کیا بہن اور کیا بھائی سبھی ایک ہی رستے پر تھے۔ مصطفیٰ پولیس کو ہدایات دیتے اور ڈاکٹرز سے بات کرتے خود بھی ولید کی طرف چلا آیا تھا۔ ہاشم کو بھی اس نے گھر جانے کا کہہ دیا تھا۔ وہ ولید کی طرف آیا تو سبھی لاؤنج میں جمع تھے آج افشاں بھی ادھر ہی موجود تھیں انا صبوحی بیگم کے ساتھ لگی شدت سے رو رہی تھی جبکہ وقار صاحب کا غم و صدمے سے برا حال تھا۔

ان کے نالج میں اب ساری کہانی آ ئی تھی بلکہ وہ کیا احسن نے ضیاء صاحب، صبوحی بیگم اور افشاں کو بھی ولید اور روشی نے سب بتا دیا تھا سب کے سامنے وقار صاحب صدمے سے پھٹ پڑے تھے لیکن مصطفیٰ کی آمد پر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

مصطفیٰ نے انا کی خیریت پوچھی۔ اس کے ہاتھوں پر جو قطرے گرے تھے اس سے اس کے دونوں ہاتھ کئی جگہوں سے جھلسے ہوئے تھے لیکن بروقت چہرے پر ہاتھ رکھ لینے سے اس کا چہرہ بچ گیا تھا۔ ولید لب بھینچے ایک طرف بیٹھا ہوا تھا جبکہ باقی سبھی حسب ضرورت اس کی دل جوئی کر رہے تھے۔ مصطفیٰ کو ولید کا یہ ٹھس انداز قطعی نہیں بھایا لیکن اب وہ اس معاملے میں مزید کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ کچھ دیر ان لوگوں میں بیٹھا انا کو تسلی دی تھی انا کافی حد تک خوف زدہ ہو گئی تھی سبھی اسے سنبھال رہے تھے۔

ساری صورت حال کا علم ہونے پر بہت زیادہ صدمہ تو صبوحی بیگم کو بھی تھا لیکن شوہر کی طرح وہ اس پر گرجی برسی نہ تھیں بلکہ پیار و محبت سے اس کی دل جوئی کر رہی تھیں مصطفیٰ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد رخصت ہو گیا تھا۔ روشی انا کو اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔ بہلا پھسلا کر دودھ پلا کر اسے نیند کی گولی دی تھی کچھ دیر بعد وہ سو گئی تھی۔ اس ساری خواری میں سارا دن نکل گیا تھا۔ وقار صاحب نے سبھی کو اپنے کمرے میں بلا لیا تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر ساری صورت حال جاننا چاہی تھی روشی اور ولید کو جو علم تھا سب کچھ بتایا وہ بہت دیر تک اپنی بے وقوف بیٹی کی عقل کو کوستے تاسف کا شکار ہوتے رہے تھے۔

''اب جبکہ ساری بات کھل چکی ہے تو میرا خیال ہے حماد والے رشتے پر نظر ثانی کر لینی چاہیے۔'' ضیاء صاحب نے فوراً دل کی بات کہی۔

''میں زبان دے چکا ہوں اب میں زبان دے کر پھرنے والوں میں سے نہیں ہوں ویسے بھی انا کو اس کی بے وقوفی کی سزا ملنی چاہیے۔'' ان کا انداز قطعی تھا۔

سب نے ایک دوسرے کو دیکھا' ضیاء صاحب نے سنجیدگی سے وقار کو دیکھا' ان کا انداز پرسوچ تھا جبکہ وقار صاحب کا انداز قطعی۔

سب کا خیال تھا کہ شہوار کو اب سب بتا دینا چاہیے ویسے بھی وہ اب کافی بہتر تھی اور اپنی اسٹڈی کی طرف توجہ دے رہی تھی دریہ بھی دو دن پہلے واپس انگلینڈ جا چکی تھی سبھی پرسکون اور مطمئن تھے۔

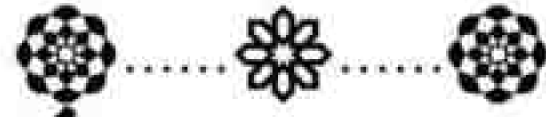
بابا صاحب نے اسے اپنے پاس بلایا۔ افشاں بھی وہیں موجود تھیں آج کل وہ دن کے اوقات میں یہیں پائی جاتی تھیں جبکہ رات کے وقت وہ ولید کی طرف چلی جاتی تھیں شہوار ان کی روٹین سے قطعی بے خبر تھی۔ رات کا وقت تھا مہر النساء بیگم اور مصطفیٰ بھی پاس تھا آج وہ دن

میں انا کی طرف گئی تھیں لیکن اب رات میں ادھر ہی تھیں۔
مصطفیٰ نے بات کا آغاز کیا تو شہوار الجھی اور پھر افشاں اور بابا صاحب نے بھی جب اسے سب کچھ بتایا تو وہ کئی ثانیوں تک بے یقینی کی کیفیت میں افشاں کو دیکھتی رہی تھی۔
''نہیں...... یہ نہیں ہوسکتا یہ بھلا کیسے ممکن ہے۔'' وہ یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھی لیکن سب نے جو حقائق بتائے وہ بھی نظر انداز کیے جانے والے نہ تھے وہ ایک دم رونے لگ گئی تھی۔ افشاں نے بہت محبت سے ساتھ لگا لیا تھا۔
وہ اسے اپنی ساری زندگی کے حالات بتاتی رہی تھیں بابا صاحب اپنا ماضی سناتے رہے تھے اور شہوار وہ عجیب سے غم کا شکار تھی۔ افشاں کے وجود سے اسے ماں کی محبت، شفقت اور ممتا ملی تھی وہ بھلا کیسے مان لیتی کہ وہ اس کی ماں نہ تھیں بلکہ اس کے حقیقی ماں باپ تو نجانے کب کے مر چکے تھے۔ اوپر سے ولید اس کا بھائی تھا حقیقی بھائی۔ ولید کے وجود میں اسے ہمیشہ ایک انسیت کا احساس ملا تھا لیکن وہ اس کا بھائی تھا یہ بھلا کیسے ممکن تھا۔
وہ رات شہوار پر بہت بھاری تھی کچھ دیر بعد وہ بابا صاحب کے کمرے سے واپس آئی لیکن باقی ساری رات اس کی بہت بری گزری تھی۔ مصطفیٰ اس کے پاس تھا اس کا دل بہلانے والا اسے سمجھانے والا۔ سب حالات بتا کر قائل کرنے والا اور پھر جب اسے یقین آنے لگا تو دل میں نئے درد جاگنے لگے تھے وہ کتنی بدنصیب تھی اسے ماں باپ میں سے کسی کا بھی سایہ نصیب نہ ہوا اور بھائی جیسی نعمت ہونے کے باوجود وہ زندگی کے ہر مقام پر بے نام و نشان ہونے کے طعنے سہتی رہی تھی اور اپنے خاندان میں پلنے کے باوجود وہ اپنے خاندان کے لیے ایک اجنبی بن کر رہی تھی۔ ہر ایک کے لیے ایک سوالیہ نشان۔ وہ ساری رات اپنے مرے ہوئے والدین کو یاد کر کے روتی رہی تھی۔ اسے عبدالقیوم جیسے شیطان صفت لوگوں سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی جن لوگوں کی ہوس نے اس کا سارا گھر اجاڑ ڈالا تھا۔ اس کے دل میں افشاں ان کے لیے عقیدت کا گہرا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا انہوں نے اپنی ساری زندگی اس کی خاطر تیاگ دی تھی۔
ایک گھر، شوہر اور بیٹی ہونے کے باوجود انہوں نے ایک لمبا ہجر کاٹا تھا اور ولید اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر اپنے بھائی کے پاس پہنچ جائے۔ اس نے ہمیشہ خواہش کی تھی کہ کاش اس کا کوئی بھائی ہوتا جو ہر قسم کے سرد و گرم میں اس کی پناہ گاہ بن جاتا اور آج اسے بھائی مل گیا تھا۔ وہ رات اس کے لیے بڑی اذیت ناک تھی۔ مصطفیٰ کی محبت، تسلی دلاسے کچھ بھی تو کام نہیں آ رہا تھا۔ اس رات کی صبح بڑی عجیب سی تھی وہ بمشکل صبح کا انتظار کر پائی تھی چھ بجتے ہی اس نے مصطفیٰ سے ولید سے ملنے کا کہا' مصطفیٰ اس کی بے قراری سمجھ سکتا تھا اس نے انکار نہ کیا۔ اسی طرح وہ گھر والوں کی اجازت سے افشاں کے ہمراہ اسے لے کر ولید کی طرف آ گیا تھا وہ لوگ ابھی ناشتے کی تیاریوں میں تھے۔ ان لوگوں کو اس قدر صبح آتے دیکھ کر چونکے تھے۔ مصطفیٰ ولید کو پہلے ہی کال کر چکا تھا وہ لاؤنج میں ہی موجود تھا باقی سب بھی وہیں آ گئے تھے۔
شہوار بڑے بے اختیار انداز میں ولید کی طرف بڑھی لیکن قریب جا کر رک گئی تھی غم زدہ ولید بھی تھا۔
''بھائی......'' وہ پکاری تو ولید نے خود آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا اور بھائی کی قربت پاتے ہی وہ ٹوٹ کر بکھری تھی۔
اسے بچپن سے لے کر اب تک کے تمام دکھ رلا گئے تھے تمام حسرتیں دل و دماغ کے دروازوں پر دستک دینے لگی تھیں۔ اور پھر وہ ٹوٹ کر روئی بھی اتنا زیادہ کہ افشاں کو خود آگے بڑھ کر اسے ولید سے جدا کرنا پڑا تھا۔ ولید کی آنکھیں نم ناک تھیں مصطفیٰ بھی افسردہ تھا اور وہاں موجود باقی سبھی لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
''بس صبر کرو بیٹا۔ جو بیت گیا اسے بھول جاؤ تم اب بھی میری بیٹی ہو میری روشی کی طرح، میری دعا ہے اللہ اب ہمیں کسی بھی غم سے دور رکھے' آمین۔'' افشاں اس کا سر تھپتھپا کر اسے سنبھال رہی تھیں اور وہ سسکیاں بھرتے ہلکورے لیتے جسم سے بس روئے جا رہی تھی۔

❁......❀......❁

کاشفہ کی طبیعت اب بہتر تھی لیکن اس کا چہرہ تیزاب گرنے سے جھلس گیا تھا جس کی وجہ سے ڈاکٹرز نے اسے مسلسل ٹرینکولائزر کے زیر اثر رکھا تھا عادلہ اس کے پاس آ چکی تھی عادلہ عجیب سی کیفیت میں تھی۔ کاشفہ کو جب بھی ہوش آتا وہ چیخنے چلانے لگتی تھی وہ انا کو گالیوں سے نوازتے بدزبانی کرنے لگتی تھی۔ مصطفیٰ نے شہوار کو انا کی طرف ہی چھوڑ دیا تھا تبھی اسے کاشفہ والے سانحہ کا علم ہوا تو وہ حیران ہوئی تھی۔
''اتنا کچھ ہوا اور مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔'' وہ شکوہ کناں ہوئی۔
''تمہاری طبیعت کے پیش نظر کسی نے ذکر نہیں کیا ہوگا۔'' انا نے اسے تسلی دی' وہ دونوں اس وقت انا کے کمرے میں تھیں۔
''کتنی عجیب سی بات ہے مجھے تو لگتا ہے کہ میں اب بھی کوئی خواب دیکھ رہی ہوں آنکھ کھلے گی تو سب کچھ بدلا ہوا ہوگا۔''

''مجھے بھی جب سب حقیقت کا علم ہوا تو ایسا ہی لگا تھا۔'' انا نے بھی کہا تو شہوار نے اسے بغور دیکھا۔ وہ بڑی پژمردہ اور رنجیدہ سی تھی۔
''اب تو سب کو ساری بات کا علم ہو چکا ہوگا؟'' انا نے محض سر ہلایا۔
''انکل کا کیا ری ایکشن ہے؟''
''بہت خفا ہیں مجھے تو دیکھ کر رخ موڑ لیتے ہیں بات کرنا تو دور کی بات ہے۔'' شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ولی کو تم لوگوں نے بتایا تھا نا؟'' کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا تو شہوار نے اثبات میں سر ہلایا۔
''ہمارا خیال تھا کہ اس طرح تم جو خود کو سزا دینے پر تلی ہوئی ہو اس میں کمی آ جائے گی لیکن ولی بھائی تو اور زیادہ ضد پر اتر آئے ہیں۔''
''یہ سب میرا قصور ہے میری بے وقوفی سے سزا تو مجھے ملنی ہی تھی۔''
''مجھے کاشفہ پر بہت ترس آ رہا ہے اور کتنی حیرت کی بات ہے یہ کاشفہ ایاز کی بہن نکلی یہ تو سارا خاندان ہی اخلاقی لحاظ سے انتہائی زوال پذیر تھا ماں باپ کیا اولاد تک اس روش پر تھی۔'' انا خاموش رہی تھی تو شہوار نے اس کے ہاتھ تھام کر اس کے ہاتھ کی پشت پر بنے آبلوں کو دیکھا سرخ و سفید ہاتھوں پر یہ آبلے بڑے تکلیف دہ تاثر دے رہے تھے۔
''سب ٹھیک ہو جائے گا شکر ہے اللہ نے تمہیں بچا لیا اور اپنے ہی دام میں شکاری آ گیا۔'' انا خاموش رہی اور شہوار نے بہت نرمی سے اس کے ہاتھوں پر آئنٹمنٹ لگانا شروع کیا۔ وہ پچھلے دو دن سے انا ہی کی طرف تھی افشاں اور ولی اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے مصطفیٰ بھی رات میں چکر لگاتا تھا۔ دونوں سہیلیوں کو ایک دوسرے سے باتیں کرنے کا دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقع ملا تو کسی نے مداخلت نہ کی تھی۔ ویسے بھی سب چاہ رہے تھے کہ دونوں زندگی کے جس جس بھنور میں پھنسی ہوئی ہیں کہہ سن کر جی کا بوجھ ہلکا کرتے بہت جلد اس سے باہر نکل آئیں۔



وہ لوگ آج سہیل کی طرف انوائیٹ تھے۔ شاہزیب صاحب، زہرہ پھپو، محسن انکل اور مہر النساء بیگم کے ساتھ ساتھ عائشہ اور صبا ان کے شوہر بھی تھے لائبہ کی جگہ عباس آیا تھا مصطفیٰ کام میں بزی تھا۔ وہ نہیں آ سکا تھا اور شہوار گھر میں لائبہ کے ساتھ رک گئی تھی۔
خواتین کا اندرونی کمرے میں بیٹھنے کا انتظام تھا جبکہ مرد حضرات کا بیٹھک میں فیضان صاحب مہمانوں کو ویلکم کرتے وقت موجود نہ تھے۔ شاہزیب صاحب کو عجیب سا لگا تھا انہوں نے سہیل سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ ریفریشمنٹ کا سامان لینے نکلے ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ گھر آ گئے تھے ابوبکر بھی انوائٹڈ تھا۔ ان کا چہرہ بہت سنجیدہ تھا انہوں نے سامان کچن میں پہنچا کر خود بیٹھک کا رخ کیا۔ سہیل اور ابوبکر مہمانوں کے ساتھ مصروف گفتگو تھے ان کو آتے دیکھ کر سبھی چونکے تھے۔
''یہ ماموں جان ہیں۔'' سہیل نے تعارف کرایا تو سبھی گرم جوشی سے ملے تھے۔ جبکہ شاہزیب صاحب نے بہت سنجیدگی سے ان سے مصافحہ کیا تھا۔ وہ الجھے الجھے سے تھے۔
فیضان صاحب سب سے محو گفتگو ہو گئے تھے شاہزیب صاحب بھی شامل گفتگو تھے۔ اندرونی کمرے میں رابعہ صبا اور عائشہ میں گھری ہوئی تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی مل چکی تھیں لیکن اس بار ملنا کسی اور نوعیت کا تھا۔ زہرہ کو بھی رابعہ پسند آئی تھی۔ بھابی سب کو ہینڈل کر رہی تھیں۔
مہر النساء بیگم رابعہ کے لیے کچھ سوٹ، جیولری، کاسمیٹک اور بھی نجانے کیا کچھ لائی تھیں۔ باہر مردوں میں شادی کی ڈیٹ فائنل ہوئی تو ان خواتین نے حسب ضرورت سلامی دی تھی۔ ماں جی نے رابعہ کو کنگن پہنائے تھے۔ کھانے کے کچھ دیر بعد گفتگو ہوئی اور پھر ان لوگوں نے رخصت چاہی تھی۔ فیضان صاحب ان لوگوں کو خود گاڑی تک رخصت کرنے گئے تھے۔ سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے ہوا تھا۔
وہ لوگ گھر واپس آئے تو سیدھے بابا صاحب کے پاس آ رکے تھے۔ مہر النساء بیگم اور زہرہ وہاں کا حال احوال سنانے لگ گئی تھیں جبکہ شاہزیب صاحب سنجیدہ تھے۔
''کیا بات ہے تم بہت خاموش ہو؟'' دونوں خواتین چلی گئیں تو بابا صاحب نے بیٹے کو دیکھا۔
''نجانے کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ میں سہیل کے ماموں سے پہلے کہیں مل چکا ہوں یا دیکھ چکا ہوں۔''
''ہو سکتا ہے کاروباری سلسلے میں تم ہزاروں لوگوں سے ملتے ہو۔''
''نہیں وہ اتنی بڑی کاروباری شخصیت نہیں ہیں پیشے کے لحاظ سے وہ چھوٹا موٹا کاروبار دوست کے ساتھ شراکت داری کی بنیاد پر کرتے

ہیں اور ساتھ معلم ہیں۔''
''ہوسکتا ہے کہیں دیکھا ہو لیکن یاد نہ آ رہا ہو۔'' وہ مسکرائے۔
''ویسے اخلاقی لحاظ سے بہت اچھے انسان تھے دو ماہ بعد کی تاریخ رکھی ہے شہوار بیٹی کے ایگزامز ہیں وہ بھی اس دوران کمپلیٹ ہو جائیں گے۔'' وہ خوش دلی سے کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
باہر لڑکیوں نے عباس کو گھیر رکھا تھا اور خوب رونق لگا رکھی تھی۔
''دیکھیں ماں جی اس بار بھائی نے چن کر لڑکی تلاش کی ہے اگلے پچھلے سارے گلے شکوے ختم کر دیے ہیں۔'' عائشہ کو ذاتی لحاظ سے رابعہ بہت پسند آئی تھی۔
''ماشاء اللہ ہے بھی تو چندے ماہتاب بالکل شہوار کا پرتو لگی ہے مجھے تو۔'' زہرہ پھپو نے بھی کہا تو مہر النساء بیگم چونکیں۔
''ہاں مجھے بھی وہ کچھ شہوار جیسی ہی لگی تھی۔''
''شاید اس لیے کہ وہ انہی کی طرح سادہ اور دھیمے مزاج کی مالک ہیں۔'' صبا نے بھی تبصرہ کیا۔
''اور اس دفعہ ایک تگڑا سا نیگ تیار رکھیے گا چھوٹی موٹی چیز پر ہم نہیں ماننے والے۔'' لائبہ نے بھی دونوں بہنوں کے درمیان میں بیٹھے مسکراتے عباس کو کہا۔
''خالی نیگ کوئی اور بھی چیز مانگ لو مسکراہٹ نہیں دیکھ رہی تم لوگ ایسی مسکراہٹ ہو تو انسان کچھ زیادہ ہی مانگے۔'' سجاد بھائی نے بھی اکسایا۔ سبھی عباس کو خوب تنگ کر رہے تھے شہوار بھی ان میں آ بیٹھی تھی۔
''کتنے مزے کی بات ہے ہم دونوں اپنی جیٹھانی بیاہ کر لائیں گے۔'' شہوار نے کہا تو لائبہ ہنسی۔
''آفاق کو تو سچ مچ ایک ماں مل جائے گی۔'' صبا نے بھی لقمہ دیا تو مہر النساء بیگم مسکرائی۔
''اللہ میرے بچے کے نصیب اچھے کرے جب تمہارے بابا نے دریہ کا کہا تو میرا دل ہولا تھا لیکن رابعہ سے مل کر پہلا خیال ہی آفاق کا آیا تھا یقیناً یہ لڑکی آفاق کو سنبھال لے گی۔''
''ان شاء اللہ۔'' زہرہ پھپو نے بھی کہا تو سبھی نے آمین کہا۔ رات گئے تک محفل جمی رہی تھی خوب رونق لگی ہوئی تھی ایک عرصے بعد اس گھر میں پھر سے خوشی کے قہقہے گونج رہے تھے۔ رات گئے مصطفیٰ لوٹا تھا اسے بھی سب نے گھسیٹ لیا تھا وہ بھی ان میں شامل ہو گیا تھا۔ صبا اور عائشہ تالیاں بجاتے گیت گانے لگی تھیں لائبہ اور شہوار بھی ان کا ساتھ دے رہی تھیں۔

ڈھولک میں تال ہے پائل میں چھن چھن
گھونگھٹ میں گوری ہے، سہرے میں ساجن
جہاں بھی یہ جائیں بہاریں ہی چھائیں
خوشیاں ہی پائیں میرے دل نے دعا دی ہے
میرے بھائی کی شادی ہے
ہمارے بھائی کی شادی ہے

صبا اور عائشہ کا تو مارے خوشی کے برا حال تھا دونوں کے چہروں سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ ماں جی اور زہرہ پھپو بھی برابر ساتھ دے رہی تھیں۔ مصطفیٰ نے ہنستی مسکراتی شہوار کو دیکھا تو دل میں ایک گہری طمانیت کا احساس جاگا۔
''آج تو ہمارے عباس بھائی کے دل کی وہ کیفیت ہوگی۔'' سجاد بھائی نے محبت سے عباس کے گلے میں بانہیں ڈالی۔

گل تر ارنگ چرا لائے ہیں گلزاروں میں

سجاد نے تان اڑائی تو سبھی نے ہو ہا کا شور مچاتے خوب رنگ جمایا۔
''سجاد بھائی تو بڑے چھپے رستم ہیں۔'' صبا نے بے انتہا خوشی سے کہا۔

جل رہا ہوں بھری برسات کی پھواروں میں

عباس کی طرف سب نے بہت شرارت سے دیکھا تو عباس جھینپ کر رہ گیا۔
''بھئی یاد رکھیں یہ عباس بھائی کی رابعہ بھابی کے لیے دلی پکار ہے۔''

''بلے بھئی بلے۔'' مصطفیٰ نے بھی عباس کا کندھا تھپکا۔
''دیکھو بھئی مجھے گانا پورا کرنے دیں اب درمیان میں کوئی نہیں بولے گا ورنہ عباس بھائی ناراض ہو جائیں گے۔'' سجاد نے شرارتی نظروں سے عباس کو دیکھتے حاضرین کو کہا۔
''آپ اپنی سریلی آواز میں اپنے فن کو جاری رکھیں بھائی جان۔'' عائشہ نے شرارت کی پھر سب ہنسے تھے۔
مجھ سے کترا کر نکل جائے جان حیا
دل کی لو دیکھ رہا ہوں تیرے رخساروں میں
مجھ کو نفرت سے نہیں پیار سے مطلوب کرو
میں تو شامل ہوں محبت کے گناہ گاروں میں
''اوئے ہوئے۔'' عباس بھائی کا خوب ریکارڈ لگا تھا۔ مصطفیٰ نے سجاد کی کمر تھپتھپائی تھی۔
''آپ اتنے زیادہ پرجوش مت ہوں ابھی آپ کی بھی باری ہے۔ سجاد بھائی تو اپنا فن دکھا چکے ہیں۔ اب آپ دکھائیں۔'' عائشہ نے مصطفیٰ کو بھی گھسیٹا۔ شہوار نے بھی پرشوق نظروں سے دیکھا۔
''نہ بھئی سجاد بھائی کی طرح میں کوئی سنگر و نگر نہیں ہوں۔''
''لیکن بھائی کی شادی طے ہوئی ہے اسی خوشی میں گانا تو ہوگا۔'' سبھی نے کورس میں کہا۔ ماں جی اور زہرہ پھپھو کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔
''بھئی مجھے کوئی شاعری واعری نہیں آتی۔''
''چلیں بیگم کو ساتھ ملا لیں اس کو تو آتی ہوگی۔'' لائبہ نے شرارت سے دونوں کو دیکھا تو شہوار بھی جھینپی۔
''مجھے تو بس ایک ہی غزل آتی ہے قتیل شفائی کی۔'' سب کے پرزور اصرار پر شہوار نے کہا تو سب اس کے سر ہوگئے۔
''جو آتا ہے وہی سنا دیں شرط ہے کہ سنانا ضرور ہے۔''
لاکھ پردوں میں رہوں بھید میرے کھولتی ہے۔
شاعری سچ بولتی ہے۔
شہوار نے آواز اٹھائی تو سبھی نے بے اختیار تالیاں پیٹ ڈالی تھی۔
''یاد رکھیں مصطفیٰ بھائی پہلی بار آپ کی بیگم صاحبہ یوں برملا سب کے سامنے آپ سے بازبان شاعری اظہار محبت فرما رہی ہیں۔'' عائشہ نے تو خوب شرارت کی تھی۔ سبھی ہنس دیے تھے۔ مصطفیٰ کی آنکھوں میں شہوار کے لیے محبتوں کا ایک جہاں آباد ہو گیا تھا۔
''اگر تم لوگ مجھے ایسے تنگ کرو گی تو میں نہیں سناؤں گی۔'' اس نے عائشہ کو آنکھیں دکھائی۔
''نہیں بھئی تم جاری رکھو کوئی کچھ نہیں بولے گا۔'' سجاد نے حوصلہ افزائی کی۔
تیرا اصرار کہ چاہت کا کبھی اظہار نہ ہو
واقف اس غم سے میرا حلقہ احباب نہ ہو
تو مجھے ضبط کے صحراؤں میں کیوں رہتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے۔
''ارے واقعی مصطفیٰ بھائی نے اتنی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔'' عائشہ کی چونچ بھلا کیسے بند رہ سکتی تھی ایک بار پھر زبردست قہقہے پڑے۔
''خبردار کسی نے میری بیٹی کو ستایا تو۔'' ماں جی نے فوراً شہوار کی طرف داری کی، سب نے پھر حوصلہ افزائی کی تو اس نے پھر بولنا شروع کیا۔
شہوار کا بولنے کا انداز بہت اچھا تھا سبھی ایک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔
یہ بھی کیا بات ہے کہ چھپ چھپ کر تجھے پیار کروں
سب کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ مچلی تھی لیکن سبھی ضبط کر گئے تھے۔
اگر کوئی پوچھ ہی بیٹھے تو میں انکار کروں
''شوہر ہیں تمہارے انکار کیوں کرو گی بھلا؟'' وہ عائشہ ہی کیا جو مان جائے شہوار تو ایک دم سرخ پڑ گئی تھی۔

''تم ان کی پرواہ مت کرو بس بولو۔''مصطفیٰ نے اسے حوصلہ دلایا تو وہ ہنس دی۔
وقت کی ہر بات کو دنیا کی نظر تولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے
''در پردہ تم پر چوٹ کی ہے شہوار نے۔''لائبہ بھابی نے بھی عائشہ پر چوٹ کی تھی جو وہ سر جھٹک کر اڑا گئی تھی۔
میں نے اس فکر میں کاٹیں کئی راتیں کئی دن
میرے شعروں میں تیرا نام نہ آئے لیکن
جب تیری آنکھ میری سانس میں رس گھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے
سب کے چہروں پر بڑی دل آویز مسکراہٹ تھی۔ اس بند پر زبردست تالیاں بجائیں تھیں۔
''یہ سب کچھ آپ کو سنایا جا رہا ہے۔''صبا نے مصطفیٰ کے کان میں سرگوشی کی تھی مصطفیٰ ہنسا تھا۔
بہت عرصے بعد اسے یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا بلکہ شہوار کا یہ پراعتماد انداز، یہ الفاظ یہ خوب صورتی سب کچھ بہت شدت سے اٹریکٹ کر رہا تھا۔
تیرے جلوؤں کا اثر تو میرے ایک ایک غزل
تو میرے جسم کا سایہ ہے تو یوں کترا کے نہ چل
پردہ داری تو خود اپنا بھرم کھولتی ہے
شاعری سچ بولتی ہے
زبردست تالیوں نے شہوار کے اس انتخاب پر داد دی تھی۔
''زبردست چوائس۔''عباس بھائی نے بھی خوب سراہا۔ مصطفیٰ نے بھی دل کھول کر داد دی۔
''بس ثابت ہوا کہ کم بولنے والے جب بولتے ہیں تو خوب بولتے ہیں۔''سجاد نے بھی سراہا' لائبہ نے شہوار کی کمر تھپکی' عائشہ اور صبا نے شرارتی نظروں سے دیکھا تھا۔
''اب مصطفیٰ بھائی کی باری ہے جھوٹ نہیں، کچھ بھی سنائیں کوئی سونگ نہ سہی اپنی بیگم کی طرح زبان شاعری ہی دل کا احوال کہہ دیں لیکن سنانا ضرور ہے۔''عائشہ نے اعلان کیا اور مصطفیٰ سوچنے لگا۔
''اک بار کہو تم میری ہو۔''مصطفیٰ نے کہا تو سبھی نے خوب ہلا مچایا۔
''یہ مصطفیٰ بھائی ہی ہیں نا۔''عائشہ نے آنکھیں پٹپٹائی۔
کوئی ساجن ہو، کوئی پیارا ہو
کوئی دیپک ہو، کوئی تارا ہو
جب جیون رات اندھیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو
مصطفیٰ کی نگاہیں شہوار کی طرف اٹھی اور پھر اس کے سرخیاں چھلکاتے رخ زیبا پر جیسے ثبت سی ہو گئی تھی۔ اور شہوار کی نگاہیں بار حیا سے جھک گئی تھیں۔ سب کی دبی دبی ہنسی لیکن جیسے مصطفیٰ کو کوئی پرواہ ہی نہ تھی۔
جب ساون بادل چھائے ہوں
جب بھاگن پھول کھلائے ہوں
جب چندا روپ لٹاتا ہو
جب سورج روپ نہاتا ہو
یا شام نے بستی گھیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

”زبردست یار تم نے تو کمال کر دیا، محفل ہی لوٹ لی۔“ عباس بھائی نے ایک دم داد دیتے ہوئے کہا اور مصطفیٰ نے بڑے اسٹائل میں کورنش بجالاتے تسلیمات کہا۔

ہاں دل کا دامن پھیلا ہے
کیوں گوری کا دل میلا ہے
ہم کب تک پیت کے دھوکے میں
تم کب تک دور جھروکے میں
کب دید سے دل کو سیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

لفظوں کا انتخاب اور لب ولہجہ سب کچھ اس قدر دلنشیں تھا کہ شہوار خود مبہوت ہوئے دیکھے گئی تھی۔

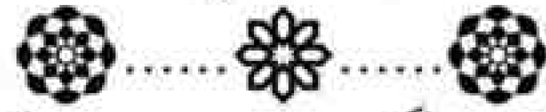
کیا جھگڑا سود خسارے کا
یہ کاج نہیں بنجارے کا
سب سونا روپا لے جائے
سب دنیا دنیا لے جائے
تم ایک مجھے بہتیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

خوب صورت آواز میں مصطفیٰ نے اختتام کیا تھا۔ سبھی نے دل کھول کر داد دی تھی۔

”جی اوئے میرے بھائی تم نے تو دل ہی لوٹ لیا۔“ سجاد بھائی کون سا کم تھے اپنے انداز میں داد دی تھی۔

سبھی خوش تھے پر جوش تھے۔ دل میں محبتوں کا سمندر لیے ایک دوسرے کی خوشیوں میں ہنستے مسکراتے چہرے سبھی عباس کو اب فورس کر رہے تھے کہ اب وہ کچھ گنگنائے اور عباس مسلسل دامن بچا رہا تھا۔

ماں جی مسکراتی جھلملاتی نگاہوں سے سب کو دیکھتے دل ہی دل میں اپنی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔



دونوں اپنے اپنے ایگزیمز کی تیاریوں میں لگ گئی تھیں جبکہ گھر والے شادی کی تیاریوں میں تھے انا مضمحل افسردہ اور سب کچھ ہوتے دیکھ رہی تھی۔ انا بڑی مشکل سے خود کو مجتمع کرتے سارا فوکس بکس کی طرف کرنے میں کامیاب ہوئی تھی اور دلجمعی سے تیاری کر رہی تھی۔ اکثر شہوار آجاتی تھی تو دونوں مل کر تیاری کرتی تھیں۔ یا پھر انا اس کی طرف چلی جاتی تھی۔ اس دوران کیا کچھ ہوا تھا قطعی بے خبر تھیں۔ آنے والے دنوں میں بس شہوار کے ذریعے انا کو اتنا علم ہوا تھا کہ مصطفیٰ نے بابا صاحب سے ولید کے سلسلے میں کوئی بات کی تھی اور اس کے بعد بابا صاحب نے اپنی بیٹی، انا کے والدین اور ولید کو بلوایا تھا کافی دیر بحث ہوتی رہی تھی اور اس کے بعد فیصلہ کیا ہوا تھا کسی کو کوئی خبر نہ تھی نتیجتاً انا کی طرف تیاریوں کا سلسلہ رک گیا تھا۔

دونوں پرسکون انداز میں اپنے پیپرز دے رہی تھیں۔ اس دوران انا کو معلوم ہوا کہ کاشفہ اب پہلے سے بہتر تھی عادلہ اسے ڈسچارج کروا کر اپنے گھر لے جا چکی تھی مزید کیا ہوا تھا علم نہ تھا۔ وہ دونوں تو بس کتابوں، جرنلز، نوٹس میں ہی سر کھپائے ہوئے تھیں۔ دن رات کی محنت رنگ لائی تھی۔ دونوں کے ایگزیمز بہت اچھے ہوئے تھے۔ اس دن شہوار انا کے ساتھ ہی گھر آ گئی تھی آج کل وہ ایک دوسرے کے گھر آجاتی تھیں اور پھر بعد میں ڈرائیور پک کر لیتا تھا۔ دونوں بہت ریلیکس ہو کر لوٹی تھیں روشی نے ان کو مزیدار سی چائے پلائی تھی۔

”اب شادی کی تیاریوں میں جت جاؤ تم دونوں کی وجہ سے ابھی کچھ بھی نہیں کر پائے ہم۔“ روشی نے خوش دلی سے کہا تو انا کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ شہوار نے اسے دیکھا اور ایک گہرا سانس لیا۔

”رات پھپو کی کال آئی تھی بتا رہی تھیں حماد بھی اسی ہفتے میں واپس لوٹ رہا ہے۔“ اس نئی خبر پر انا کے چہرے کا رنگ مزید زرد ہوا۔

”میں نے احسن سے کہہ دیا ہے کہ آج رات وہ ہمیں ڈنر کرائیں گے تم مصطفیٰ بھائی کو بھی کہہ دو وہ آج رات فری رہیں۔“ روشی نے الٹیمیٹ دیا تھا تو شہوار نے سر ہلایا۔

باقی وقت اچھا گزرا تھا رات کو سبھی ڈنر کے لیے تیار ہو گئے تھے بڑے نہیں جا رہے تھے بس روشی احسن، انا ولید اور شہوار تھے مصطفیٰ کو آفس سے ہی سیدھا ہوٹل پہنچنا تھا۔ وہ پانچوں ایک ہی گاڑی میں گھر سے نکلے تھے۔ تینوں خواتین پیچھے تھیں ولید گاڑی ڈرائیور کر رہا تھا اور احسن فرنٹ سیٹ پر تھا۔

''قسم ہے جتنے دنوں انا کے ایگزامز رہے تھے روشی میڈم نے گھر پر کرفیو لگا رکھا تھا اب اللہ اللہ کر کے خیر سے چھوٹے ہیں ہم۔'' احسن نے بیوی کو چھیڑا۔

''تو اور کیا کرتی پہلے آپ نے اسے ہولا کر رکھا ہوا ہے اتنا سا منہ نکل آیا ہے۔ انکل کا غصہ کم تھا کیا جو باقی سب بھی ہاتھ میں لٹھ لیے اس کے پیچھے پڑ گئے تھے کم از کم اسے سکون سے ایگزیمز تو دینے دیتے۔'' روشی نے بھنا کر کہا تو شہوار ہنس دی۔ ویسے بھی روشی کو سارا غصہ ولید پر تھا جواب بھی لاتعلق سا بنا ہوا تھا جبکہ انا خاموش تھی۔

وہ لوگ ڈنر ہال میں جلدی پہنچ گئے تھے کچھ دیر بعد مصطفیٰ نے بھی ان کو جوائن کر لیا تھا۔ بہت خوش گپیوں میں انہوں نے کھانا کھایا تھا۔ انا زیادہ تر خاموش تھی اور ولید کا انداز انا کے علاوہ باقی سب کے ساتھ بہت خوش گوار تھا اور انا کو یہ بات بہت تکلیف دے رہی تھی وہ اس کی طرف اب تو نگاہ بھی نہ ڈالتا تھا۔

''اب کیا ارادے ہیں بھئی۔''، مصطفیٰ نے بیگم کو دیکھا جو اتنے دنوں سے کبھی ادھر اور کبھی ادھر گھوم رہی تھی اور گھر میں بھی جو وقت ہوتا تھا بس کتابوں میں گم رہتی تھی مصطفیٰ بھی اس سے بات کرنے کو جیسے ترس گیا تھا۔

''کل آپ کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی آج ادھر ہی رکوں گی۔'' انا بھی یہی چاہتی تھی شہوار نے کہہ دیا تو مصطفیٰ نے گھورا۔

''تمہیں مجھ پر ترس نہیں آرہا۔'' آواز دھیمی تھی۔

''ایک رات کی ہی تو بات ہے مصطفیٰ بھائی رکنے دیں نا۔'' انا نے بھی سفارش کی، مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''چلو دیکھ لیتے ہیں ایک رات اور سہی۔''، مصطفیٰ نے سرد آہ بھری تو شہوار ہنس دی۔

''تم بھی آج ہماری طرف ہی چلو کافی دن ہو گئے ہیں اکٹھے بیٹھے ہوئے۔'' ولید نے کہا تو مصطفیٰ نے کچھ سوچا اور پھر سر ہلا دیا۔ وہ لوگ کافی دیر تک باہر رہے تھے۔ ایک عرصے بعد شہوار بہت کھل کر ہر چیز سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ انجوائے کر رہی تھی ورنہ جب بھی باہر نکلتی تھی ایاز کا ہیولا ہر وقت آسیب کی طرح سر پر مسلط رہتا تھا۔

''عباس بھائی کی شادی کی تیاریاں بہت زور و شور سے ہو رہی ہیں گھر میں صبا اور عائشہ ہر وقت متحرک رہتی ہیں ہر وقت رونق سی لگی رہتی ہے۔'' روشی کے پوچھنے پر کہ شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچی ہیں شہوار تفصیل سے بتا رہی تھی اور انا کا دل سرد خانے میں مقید ہوتا جا رہا تھا۔ کاش وہ کسی سے کہہ سکتی کہ اس کے دل کی کیا کیفیت تھی۔

ولید نے تو اب پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا اور وقار صاحب نجانے وہ اس کے ایگزیمز کو لے کر اس کے ساتھ نرم ہوئے تھے مصطفیٰ کے بابا صاحب سے ملنے کے بعد سے وہ اس سے اب سرد مہری سے پیش نہیں آئے تھے۔ نجانے بابا صاحب نے ان سے کیا کہا تھا۔ شہوار کو علم نہ تھا اور روشی سے وہ پوچھ نہیں سکتی تھی۔ وہ عجیب سی کیفیت میں تھی۔

وہ لوگ گھر آ چکے تھے مصطفیٰ ولید اور احسن ولید کے کمرے میں براجمان تھے۔ بڑے لوگ سو چکے تھے وہ تینوں لاؤنج میں خوش گپیوں میں لگی ہوئی تھیں روشی اور شہوار کی اپنی باتیں تھیں اور انا وہ محض ان کو سنتی رہی تھی۔

''لائبہ بھابی تو آفاق کے ساتھ ساتھ چھوٹے کے ساتھ بزی رہتی ہیں صبا اور عائشہ وارن کر چکی ہیں کہ ایگزیمز کے بعد ان کے ساتھ مل کر شادی کی تیاریاں دیکھنی ہیں۔''

''ہاں پھپھو بھی کہہ رہی تھیں کہ جو کافی کام ہیں جو دیکھنے والے ہیں میری تو طبیعت ایسی ہے کہ میں بھاگ دوڑ نہیں کر سکتی پھپھو خود ہی دیکھ رہی ہیں سب کچھ۔'' دونوں بس یہی باتیں کر رہی تھیں انا کا دل ایک دم بھر آیا تو وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔

''ارے......ارے کیا ہوا؟'' روشی پریشان ہوئی۔

''تم لوگ میرے سامنے اس قسم کا ذکر مت کیا کرو۔'' روشی نے شہوار کو دیکھ کر گہرا سانس لیا۔ انا روتی رہی اور پھر چہرہ صاف کر کے اس نے دونوں کو دیکھا دونوں سنجیدہ تھیں۔

''کیا یہ شادی رک نہیں سکتی۔'' اس کے لہجے میں آس و امید تھی۔

''عباس بھائی کی شادی۔'' روشی نے جیسے بھولپن کی حد کردی تھی۔ انا نے خفگی سے دیکھا تو اس نے ہاتھ تھاما۔
''ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں انکل کا بس ایک ہی موقف ہے وہ زبان دے چکے ہیں اور اپنی زبان سے نہیں ہٹ سکتے۔ دوسری طرف مصطفیٰ کی پھوپو ہیں وہ بھی اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی ویسے بھی ولید بھائی تو اب تمہارا نام بھی نہیں سننا چاہتے۔'' روشی کی صاف گوئی نے انا کے وجود میں جیسے نشتر اتار دیے تھے۔
''میں شرمندہ ہوں سب سے معافی مانگ چکی ہوں بابا، ماما، احسن بھائی، ماموں جان سب سے اب تو سب کو اصل حقیقت کا پتا بھی چل چکا ہے اب بھی مجھے ہی سب قصوار سمجھتے ہیں کیا؟'' وہ بہت مایوس ہوئی تھی۔ دونوں خاموش رہی تھیں انا خود ہی اپنے آنسو صاف کرتے تیزی سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔
''ویسے انا کے ساتھ بہت زیادتی ہو رہی ہے ولید بھائی سے بات کروں گی ایسے نہیں ہونا چاہیے۔'' شہوار نے دکھ سے کہا جبکہ روشی خاموش رہی۔
کچھ دیر بعد روشی نے گیسٹ روم کو شہوار لوگوں کے لیے کھول دیا تھا مصطفیٰ بھی تھکا ہوا تھا وہ کمرے میں آتے ہی لیٹ گیا۔
''میں آتی ہوں آپ ویٹ کریں ذرا۔'' شہوار کمرے میں سے جانے لگی تو مصطفیٰ نے تعجب سے دیکھا۔
''اب کدھر کی تیاری ہے۔''
''ولی بھائی سے بات کرنی ہے بس ابھی آتی ہوں۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی جبکہ پیچھے مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ ولید کے کمرے میں آئی تو وہ بھی بستر پر لیٹ چکا تھا اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔
''آپ سونے لگے تھے۔'' اس نے محض سر ہلایا تھا۔ شہوار مسکراتی ہوئی ولید کے پاس آ بیٹھی۔
''ایک بات کہنی تھی آپ سے۔'' ولید نے سنجیدگی سے دیکھا۔
''آپ کی بابا صاحب سے کیا بات ہوئی تھی؟''
''کیوں؟''
''مجھے کوئی کچھ بھی نہیں بتاتا جس سے پوچھتی ہوں ٹال جاتا ہے دیکھیں مجھے صاف صاف بتائیں آپ سب کیا کرنا چاہتے ہیں۔''
''کچھ نہیں کرنا چاہ رہے ہم لوگ۔'' شہوار نے سنجیدگی سے بھائی کو دیکھا۔
''انا بہت ڈسٹرب ہے اس کا اتنا بڑا جرم تو نہیں کہ آپ انا کا مسئلہ بنالیں۔ پلیز آپ اسے معاف کر دیں۔''
''ڈونٹ وری میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔''
''تو پھر آپ انا سے شادی کرلیں نا پلیز میری خاطر۔'' وہ انا اور بھائی دونوں کی محبت میں مجبور تھی ولید نے گھورا۔
''شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں تمہاری دوست نے انگوٹھی اٹھا کر میرے منہ پر ماردی اور اب اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہو کر معافی مانگ لی اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مصطفیٰ کی پھپو کی بھی خاندان میں ایک عزت ہے اور ادھر انکل بھی اپنی زبان کے پابند ہیں جو جیسا ہو رہا ہے ہونے دو بجائے اس کے اپنی دوست کی جذباتیت کو دیکھتے تم مجھے آ کر سمجھاؤ بلکہ جا کر اسے سمجھاؤ کہ جو ہو رہا ہے ہونے دے۔''
''آپ کو ذرا دکھ نہیں ہو رہا۔'' اس نے بہت دکھ سے پوچھا۔
''دکھ کیسا؟'' ولید سنجیدہ ہوا۔
''کیا آپ کے دل میں کبھی بھی انا کے لیے کوئی احساس پیدا نہ ہوا تھا۔''
''بے وقوف لوگوں کی خاطر میں دل کے عارضے پالنے کا قائل نہیں ہوں میں پریکٹیکل بندہ ہوں میرے پاس ان فالتو کاموں کے لیے کوئی وقت نہیں۔'' سنجیدہ انداز تھا۔
شہوار نے بہت دکھ سے ولید کو دیکھا اور پھر بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ولید نے اسے نہیں روکا تھا۔ وہ کمرے سے نکلی تو بہت افسردگی سے مسکراتے بستر پر آ بیٹھی تھی۔
''یہ چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔'' مصطفیٰ نے فوراً نوٹ کیا۔
''مجھے ولید بھائی سے ایسی سنگ دلی کی امید نہ تھی۔'' وہ بہت دکھی ہوئی۔
''میں اتنی محبت سے ان کے پاس گئی تھی اس مان کے ساتھ کہ وہ میری بات نہیں ٹالیں گے لیکن انہوں نے تو مجھ سے سیدھے منہ بات

نہیں کی اتنے عرصہ بعد مجھے ایک بھائی جیسا مان ملا ہے اتنے ارمان تھے میرے دل میں لیکن وہ تو اتنے روڈ اور سنجیدہ ہو رہے ہیں کہ میرا دل ہی ٹوٹ گیا۔'' بات کرتے کرتے اس نے آخر میں باقاعدہ رونا شروع کر دیا اور مصطفیٰ نے سنجیدگی سے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھنا شروع کر دیا۔

''کیا ہوا ہے آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔'' آنسو صاف کرتے اس نے مصطفیٰ کا انداز دیکھا تو پوچھا انداز شکایتی تھا۔

''سوچ رہا ہوں تم دونوں دوستیں بہت ہی بے وقوف ہو۔'' شہوار کے چہرے پر بے وقوف کہنے پر ایک دم سرخی چھائی۔

''ولید انا کے ساتھ جو کر رہا ہے بالکل ٹھیک کر رہا ہے انا کی شادی جہاں ہو رہی ہے چپ چاپ ہونے دو خوامخواہ روڑے اٹکانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' ڈانٹنے والا قطعی انداز تھا۔

''آپ ولید بھائی کا ساتھ مت دیں وہ غلط کر رہے ہیں انا ولید بھائی کی ہی دلہن بنتی کتنی خواہش تھی میری۔''

''سونے کا ارادہ ہے یا ساری رات اپنی دوست کا غم منانا ہے۔'' مصطفیٰ نے لیٹتے ہوئے اس پر چوٹ کی۔

وہ کلس کر رہ گئی اور غصے کے اظہار کے طور پر اپنا تکیہ اٹھا کر بالکل کنارے رکھ کر مصطفیٰ کی طرف سے کروٹ بدل کر لیٹ گئی تھی۔ مصطفیٰ نے اسے دیکھا تو مسکرا دیا۔

''اس طرح مجھ سے دور لیٹ کر نیند آ جائے گی۔'' اسے چھیڑا۔

''میری نیند کسی کی پابند نہیں۔'' اس نے غصے سے کہا۔

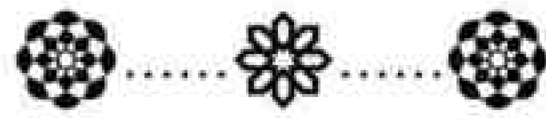
''سوچ لو۔'' مصطفیٰ نے ہونٹ دانت تلے دبا کر مسکراتے ہوئے کہا تو شہوار نے پلٹ کر دیکھا۔ مصطفیٰ ہنس رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر شہوار کو بازو کے حصار میں لے لیا۔

''اتنے دنوں تو تم بالکل کتابوں کی قید سے آزاد ہو کر میرے قریب آئی ہو جانتی ہو کتنا زیادہ صبر کیا ہے میں نے۔''

''زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں...... یہ آپ کے گھر میں آپ کا ذاتی کمرہ نہیں ہے۔'' وہ اب بھی ناراض ناراض سی تھی۔

''چلو وعدہ اپنا موڈ درست کرو میں ولید سے بات کروں گا۔'' مصطفیٰ کو اس کے ناراض ناراض چہرے پر ترس آ گیا تھا۔ شہوار کے چہرے پر ایک دم رونق آ گئی تھی۔

''آپ ان کو سمجھایئے گا......انا کے لیے قائل کرنا ہے پلیز۔'' وہ پھر وہی موضوع شروع کر چکی تھی مصطفیٰ نے مسکرا کر ایک گہرا سانس لیا۔



بابا صاحب اپنے ماہانہ چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس آئے تھے شاہزیب صاحب ساتھ تھے واپسی پر بابا صاحب نے عباس کے سسرال جانے کی فرمائش کی تو شاہزیب صاحب نے ڈرائیور کو رابعہ کے گھر کی طرف جانے کا کہا۔ بابا صاحب اپنی طبیعت کے سبب نہیں جا سکے تھے سو اب چلے آئے تھے۔ ان لوگوں نے سہیل یا کسی کو بھی اطلاع نہ دی تھی۔ ڈرائیور نے گاڑی روکی تو شاہزیب صاحب بابا صاحب کو سہارا دیتے رابعہ کے گھر کے طرف چل دیے تھے۔ انہوں نے گھر کے دروازے پر دستک دی تھی اور چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا تھا۔ فیضان صاحب اپنے سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے۔

''چوہدری حیات علی۔'' ان کے لبوں سے نکلا تھا۔ چونکے تو چوہدری حیات علی بھی تھے اور شاہزیب صاحب بھی۔



کاشفہ پر پھر سے جنون طاری تھا وہ بھی گھر سے نکلی تھی وہ کچھ دوستوں سے ملنے گئی تھی لیکن دوستوں کی طرف سے اس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا اس نے اسے پاگل کر دیا تھا۔ وہ گھر لوٹ آئی تھی لیکن عادلہ کی جان مصیبت میں آ چکی تھی۔ نشے کی عادت نے اس کی طبیعت کو بہت بگاڑ دیا تھا۔ اوپر سے اپنی شکل کا بگڑ جانا وہ سارے گھر میں چیختی چلاتی چیزیں توڑتی پھر رہی تھی۔

''میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گی میں سب کو قتل کر دوں گی میں ولید اور انا کو جان سے مار دوں گی۔'' وہ مغلظات بکے جا رہی تھی۔

عادلہ حیرت سے گنگ مکافات عمل کا یہ مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل میں عجیب سا خوف بیٹھنے لگا تو اس نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا تھا کافی دیر تک سارے گھر میں کاشفہ کے چیخنے چلانے اور چیزیں توڑنے کی آوازیں گونجتی رہی اور پھر ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔

عادلہ گم صم اپنے کمرے میں بیٹھی تھی دو تین گھنٹے گزرے تو وہ حالات کا جائزہ لینے کمرے سے نکلی تھی اور کاشفہ کو ہر جگہ دیکھتے نہ پا کر الجھتی

ہوئی وہ کچن کی طرف آئی تھی اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور حلق سے بے اختیار چیخیں بلند ہونے لگی تھیں۔
کاشفہ نے اپنا بایاں ہاتھ کاٹ لیا تھا کچن کے فرش پر چاقو گرا ہوا تھا اور سارے فرش پر سرخ خون بہہ رہا تھا۔ عادلہ چیختے چلاتے ہوئے کچن کے دروازے پر گر گئی تھی۔ مکافات عمل کے سلسلے میں لگنے والا یہ زخم سب سے کاری تھا۔



''یہ فیضان صاحب ہیں۔'' بیٹھک میں آ کر شاہزیب صاحب بابا صاحب اور فیضان صاحب کا تعارف کرا رہے تھے۔
بابا صاحب گم صم سے تھے اور فیضان صاحب نڈھال۔ بابا صاحب کے ماضی سے جھانکتا توانا، مضبوط، چہرہ اب وقت کی گرد میں دب کر کچھ رنگ بدل چکا تھا چہرے پر داڑھی تھی وہ شاید نہ پہچان پاتے جو شاہزیب صاحب تعارف نہ کراتے۔
''فیضان، تم میرے فیضان ہونا۔'' بابا صاحب کے لہجے میں یقین تھا۔ شاہزیب صاحب چونکے۔
''شاہزیب یہ فیضان ہے میرا فیضان۔'' بابا صاحب بضد تھے جبکہ شاہزیب صاحب ششدر۔ وہ بابا صاحب کو سمجھانا چاہتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ عبدالقیوم نے خود اعتراف کیا تھا کہ سکندر کو مار کر نہر میں ڈلا دیا گیا تھا وہ سکندر تو مر چکا تھا جوان کا فیضان تھا لیکن وہ بابا صاحب کو نہ جھٹلا سکے تھے۔
شہوار کے باپ کے آئی ڈی کارڈ میں جو تصویر تھی وہ یقیناً اسی سکندر کی تھی جو اب فیضان کے روپ میں ان کے سامنے تھا اگر چہرے پر داڑھی نہ ہوتی تو وہ فوراً پہچان لیتے لیکن وہ سکندر تو مر چکا تھا اور یہ فیضان کہاں سے آ گیا تھا۔
''بابا صاحب یہ کیسے ممکن ہے۔'' وہ پکارے تھے جبکہ بابا صاحب ہر چیز فراموش کیے فیضان کے چہرے پر اپنا لرزتا ہاتھ رکھ کر اس کے قریب ہوئے تھے۔
''میں یہ چہرہ یہ رخسار یہ آنکھیں نہیں بھول سکتا، یہ میرا بیٹا ہے۔'' وہ لرزتی آواز میں کہہ رہے تھے اور فیضان صاحب کی آنکھوں میں نمی آ ٹھہری تھی۔ وہ ایک عرصہ سے ان سے موجود ہر رشتے کو جھٹلاتے رہے تھے لیکن آج ان کی بے قرار اور تڑپ دیکھ کر دل پسیجا تھا۔
''تم میرے بیٹے ہونا، میرے فیضان۔'' وہ بہت تڑپ کر پوچھ رہے تھے۔
فیضان صاحب کو لگا کہ اگر اب کے انہوں نے انکار کیا تو وہ شاید عمر بھر خود کو معاف نہ کر سکیں۔ ساری عمر انہوں نے اس رشتے کو جھٹلایا تھا انکار کیا تھا لیکن اس بار انکار نہ کر پائے تھے۔ غیر مرئی انداز میں ان کی گردن اثبات میں ہلی تھی۔ بابا صاحب اس حرکت کو دیکھ کر ساکت ہو گئے تھے۔
''ہاں بابا جان میں ہی آپ کا وہ بدبخت فیضان ہوں جس کے ماضی کا ایک نام سکندر بھی تھا۔''

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

قسط نمبر 42

بہت ہیں خواب مگر خواب ہی سے کیا ہوگا
ہمارے بیچ جو حائل ہے، وہ حقیقت ہے
سمجھ رہے تھے مسافر قیام کو منزل
خبر نہیں تھی کہ آگے بھی ایک ہجرت ہے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

دریہ کی اصل حقیقت سامنے آنے پر مصطفیٰ شدید اشتعال کا مظاہرہ کرتا ہے جبکہ دیگر گھر والے بھی شہوار کے نقصان کا اسے ذمہ دار ٹھہراتے ہیں ایسے میں شاہزیب صاحب اس کے باپ سے بات کرکے اسے واپس بھیج کر معاملے کو ختم کرادیتے ہیں۔ دوسری طرف شہوار کو دریہ کی اصل حقیقت سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔ ہادیہ اور ابوبکر کی رخصتی کی تاریخ طے کرنے پر گھر والے ہادیہ کے گھر پر موجود ہوتے ہیں۔ ایسے میں عباس ہادیہ کی آپی کو چھوڑنے ان کے گھر تک جاتا ہے ہادیہ کی آپی رابعہ کو دیکھ کر چونک جاتی ہیں اور اس کے متعلق استفسار کرتی ہیں لیکن ثریا بیگم کی زبانی رابعہ کے متعلق جان کر انہیں مایوسی ہوتی ہے۔ فیضان اور ثریا بیگم رابعہ کو تمام حقائق سے آگاہ کردیتے ہیں رابعہ فیضان ماموں کے روپ میں اپنے باپ کو دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے جبکہ دیگر رشتوں کو کھودینے کا دکھ اسے افسردہ کردیتا ہے۔ بیگم عبدالقیوم جوان بیٹے کی موت کے صدمے سے ڈھے جاتی ہیں ان کی ذہنی حالت اس قدر متاثر ہوتی ہے کہ انہیں مینٹل اسپتال میں داخل کرانا پڑتا ہے دوسری طرف عبدالقیوم بھی پولیس کی گرفت میں آجاتا ہے ایسے میں کاشفہ ایک مرتبہ پھر بدلے کی آگ میں جلتی انا پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس دوران بھی انا بچنے میں کامیاب ہوجاتی ہے انا اور ولید کے درمیان سرد مہری بڑھتی جاتی ہے۔ جبکہ حماد کی وطن واپسی اور انا کے ایگزامز کے فوراً بعد شادی کی ڈیٹ فکس کردی جاتی ہے یہ تمام صورت حال انا کے لیے مزید پریشانی کا سبب بنتی ہے گھر والوں کے سامنے انا کی تمام سچائی اور کاشفہ کا دھمکی آمیز رویہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے لیکن وقار صاحب حماد کے رشتے کو لے کر اپنے فیصلے میں ردوبدل کرنے پر تیار نہیں ہوتے ہیں۔ مصطفیٰ کی محبت واپنائیت کے سنگ شہوار بھی زندگی کی طرف راغب ہونے لگتی ہے ایسے میں عباس اور رابعہ کی شادی کی تاریخ طے ہونے پر وہ سب گھر والوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں شامل ہوکر اپنا غم بھولنے کی کوشش میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ جب ہی مصطفیٰ اسے تابندہ بوا کی اصل حقیقت سے آگاہ کرتا ہے شہوار یہ سب جان کر ششدر رہ جاتی ہے اور اپنے بھائی ولید سے ملنے کے لیے اصرار کرتی ہے دوسری طرف تابندہ بی شہوار کے ساتھ اسی شفقت آمیز رویے سے پیش آتی ہیں۔ ولید سے ملنے کے بعد شہوار اسے انا کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرتی اسے معاف کردینے کا کہتی ہے لیکن ولید اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہیں ہوتا ایسے میں شہوار مصطفیٰ سے بات کرکے تمام حالات کو بہتر طور پر سنبھالنے کا کہتی ہے جبکہ مصطفیٰ بابا صاحب سے بات کرنے کا ارادہ کرتے اسے تسلی دیتا ہے۔ بابا صاحب ماضی کے تمام حقائق سے اپنے بچوں کو آگاہ کرتے اپنے بیٹے فیضان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا بتاتے ہیں جس پر تمام گھر والے بابا صاحب کا ساتھ دیتے ہیں اور ان کے ہر فیصلے پر راضی ہوجاتے ہیں۔ کاشفہ ہر طرح سے مایوس ہونے کے بعد خود اپنی ذات کو نقصان پہنچا بیٹھتی ہے اور عادلہ جگہ جگہ خون کے نشان دیکھ کر خوف زدہ ہوجاتی ہے عبدالقیوم کے گرفتار ہونے کی خبر پڑھ کر فیضان صاحب کو رب کی طرف سے انصاف مل جاتا ہے وہیں بابا صاحب رابعہ سے ملنے ان کے گھر آتے ہیں اور وہاں اپنے بیٹے فیضان کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں دوسری طرف فیضان صاحب بھی ان کے گلے لگ کر تمام حقیقت کا اعتراف کرلیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



باباصاحب کی پتلیاں سکڑی اوران کولگا کہ جیسے ان کی حرکت قلب بند ہوجائے گی۔ ان کے اعصاب کھنچ گئے اور حواس نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ ساکت سے فیضان کے بازوؤں میں جھول گئے تھے۔

''باباصاحب۔'' شاہزیب اور فیضان دونوں نے تڑپ کران کوسنبھالا۔

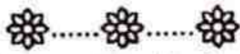
باباصاحب اسپتال میں تھے ان کا دل اچانک ملنے والا یہ دھچکا برداشت نہیں کرپایا تھا۔ ان کی ساری اولاد ان کے گرد جمع تھی۔ شاہزیب صاحب فی الحال خاموش تھے۔ کبھی باباصاحب کی اس اچانک خراب ہوجانے والی طبیعت کولے کر پریشان تھے۔ شام تک طبیعت سنبھلی تو انہوں نے فیضان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی' شاہزیب صاحب کے ساتھ وہ بھی اسپتال میں ہی تھے۔

سبھی نے چونک کر فیضان صاحب کودیکھا تھا جو شاہزیب صاحب کے ساتھ باباصاحب کے کمرے میں جارہے تھے۔ باباصاحب فیضان کودیکھ کر ایک دفعہ پھر بکھرے تھے۔ باباصاحب کی آنکھوں میں اشک ندامت اور فیضان صاحب کی آنکھوں میں اشک شرمندگی تھے۔ فیضان صاحب نے خود پر بیتنے والی قیامت بیان کی تھی۔ اگلی صبح باباصاحب ڈسچارج ہوئے لیکن گھر پہنچنے پر گھروالوں کوشاہزیب صاحب نے جب سب کچھ بتایا تو وہ بھی حیرت زدہ تھے۔ شہوار بے یقین تھی۔ اس کا باپ زندہ تھا۔ وہ جو ہمیشہ رشتوں کے لیے ترستی رہی تھی اب ایک دم ایک کے بعد ایک رشتے کوزندہ پاکر وہ تو جیسے ساکت سی ہوگئی تھی۔ فیضان صاحب مسلسل ساتھ تھے۔

''میں بہت بدنصیب ہوں میری اولاد میری بزدلی کی بھینٹ چڑھ گئی اور میں کچھ بھی نہ کرسکا۔'' باباصاحب ایک بار پھر پچھتاؤں کی زد پر تھے۔

''آپ کا بھلا کیا قصور آپ نے تو ہرممکن کوشش کی شاید قدرت کو ہی یہ سب منظور نہ تھا۔'' زہرہ پھوپو نے باباصاحب کا حوصلہ بڑھانا چاہا تو فیضان صاحب ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کے نحیف وکمزور ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''خطاکار تو پھر میں ہوں باباصاحب آپ تو کئی بار مجھ سے ملنے آئے تھے میں ہی بدنصیب تھا جو اپنا ظرف بڑا نہ کرسکا آپ نے تو مجھے میرا حق دلانا چاہا تھا معاشرے میں جینے کے لیے سہارا دینا چاہا تھا میں نے ہی ہر بار آپ کونامراد لوٹایا، یہ نہیں تھا کہ میرے دل میں آپ کے لیے کوئی بھی احساس یا جذبہ نہ تھا میں تو بس اس خوف میں جیتا رہا کہ کہیں آپ کا خاندان مجھے ایک گالی سمجھ کر رد نہ کردے میں اپنی ذات کے وقار اور قناعت میں جیتا رہا اور کبھی نہ سوچا کہ آپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔'' زندگی میں پہلی بار فیضان صاحب نے اپنے دل کا درد اپنے باپ کے سامنے بیان کیا تھا وہاں موجود بھی لوگ گم صم سے تھے اور باباصاحب وہ ایک بار پھر ندامت کے گہرے سمندر میں گھر گئے تھے۔



وہ عجیب سا دن تھا مصطفیٰ کل سے آفس کے کام کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی تھا۔ فیضان صاحب کے ہاں جب باباصاحب کی طبیعت خراب ہوئی تو وہ انہیں شاہزیب صاحب کے ہمراہ فوراً اسپتال لے آئے تھے۔ سہیل کو فیضان صاحب نے کال کرکے مختصراً صورت حال سے آگاہ کردیا تھا اور کل سے وہ اب تک ان لوگوں کے ساتھ ہی تھے۔ باباصاحب کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی مگر اب ایسی بھی نہ تھی کہ وہ بہت دیر تک باتوں میں لگے رہتے وہ آرام کرنے لگے تو فیضان صاحب سب کے ساتھ لاؤنج میں آبیٹھے۔ وہ ابھی باقاعدہ طور پر کسی سے متعارف نہ ہوئے تھے۔ بس اپنے بارے میں ہی سب کو بتایا تھا۔ خود پر بیتنے والی کہانی سنائی تھی۔ شاہزیب صاحب ایک ایک کرکے ان کو سب سے متعارف کرارہے تھے سب کا بتاتے بتاتے جب شہوار کی باری آئی تو وہ ساکت ہوگئے۔ کتنا عجیب لمحہ تھا وہ ایک باپ سے اس کی بیٹی کومتعارف کرانے والے تھے جس کے وجود سے وہ باپ قطعی بے خبر تھا۔

''شہوار بیٹا ادھر آؤ۔'' شہوار جو اس سارے عرصے میں بمشکل خود پر قابو پائے ہوئے تھی رورو کر البتہ چہرہ سرخی مائل ہوگیا تھا شاہزیب صاحب کے پکارنے پر ان کے پاس آرکی تھی۔

"یہ شہوار ہے ہماری بہو۔" انہوں نے شہوار کے سر پر ہاتھ رکھ کر فیضان صاحب کے سامنے کیا تو وہ کئی پل تک ساکت رہے' شہوار کی سرخی مائل آنکھیں اور کپکپاتے ہونٹ شہوار کے وجود میں انہیں کوئی جیتا جاگتا وجود دکھائی دیا تو چونکے۔

"لالہ رخ......" ان کے لب ہلے اور شہوار دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو شاہزیب صاحب نے بہت محبت سے اسے ساتھ لگالیا۔ وہ اس وقت شہوار کی کیفیت سمجھ سکتے تھے جبکہ فیضان صاحب الجھے تھے۔

"فیضان بھائی دل تھام کر رکھیے گا آپ کے لیے ہمارے پاس کچھ ایسی خوش خبری ہے کہ آپ شاید سن کر حواس باختہ ہوجائیں۔" زہرہ پھوپو نے نم آنکھوں سے قریب آ کر کہا تو انہوں نے حیرت سے دیکھا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"کہانی طویل ہے سنانے میں وقت لگے گا بس یہ سمجھ لیں کہ اس وقت آپ کے سامنے جو بچی کھڑی ہے وہ کوئی اور نہیں آپ کی اپنی حقیقی بیٹی عائشہ ہے۔" شاہزیب صاحب نے بازو سے تھام کر شہوار کو فیضان صاحب کے سامنے کیا۔

"کیا......!" ان کی آنکھیں پھٹی اور وہ حیرت سے گنگ رہ گئے جبکہ شہوار کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ اور فیضان صاحب وہ تو حیرت سے گنگ نت نئے انکشافات ہوتے دیکھ رہے تھے اور جب ساری کہانی کھلی تو وہ بے قرار سے ہوگئے۔

ایک بیٹی ان کی آنکھوں کے سامنے رہی تھی لیکن اپنے باقی دونوں بچوں کے لیے وہ کیسے تڑپتے رہے تھے وہ نہیں بتا سکتے تھے۔ شہوار کو سینے سے لگایا تو گویا سینے میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ ایک طویل ہجر آبلہ پا چلتے گزارا تھا۔ وہ تو بیٹی کے ساتھ ساتھ بیٹے کا سن کر ہی بے چین ہوگئے تھے۔ شہوار تو آج جیسے زندگی بھر کا سکون محسوس کررہی تھی۔ اسے اپنا وجود بہت معتبر سا لگنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ نہ صرف باپ جیسی گھنی چھایا تھی بلکہ بھائی جیسا توانا وجود بھی تھا وہ جتنا بھی خوش ہوتی کم تھا۔

"مجھے اپنے بچے سے ابھی ملنا ہے کہاں رہتے ہیں افشاں اور اس کی فیملی مجھے ابھی لے چلیں۔" وہ جب تک بے خبر تھے تو پروا نہ تھی اور اب جب سب جان لینے کے بعد حقیقت کھلی تو کیسے دور رہ سکتے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر ان تک پہنچ جاتے۔ ولید اور دیگر گھر والے فیضان صاحب کے وجود سے قطعی بے خبر تھے۔ فیضان صاحب کے وجود کی کہانی تو ابھی ان لوگوں کو ہی پتا چلی تھی۔

"ہم آپ کو ان کی طرف لے چلتے ہیں۔" شاہزیب صاحب نے تسلی دی تو وہ بے چینی سے وہاں جانے کے منتظر ہوگئے۔ شہوار کو انہوں نے بدستور سینے سے لگا رکھا تھا اور وہ بھی صدیوں کی ترسی ہوئی ایک پل کو بھی باپ سے جدا ہونے کو تیار نہ تھی۔ وہ جس وقت ولید کی طرف پہنچے دوپہر ہوگئی تھی۔ شہوار نے ولید کو پہلے ہی کال کرکے گھر آنے کا کہہ دیا تھا وہ لوگ وہاں پہنچے تو سبھی موجود تھے۔

شہوار کے ساتھ چلتے ہوئے وہ جب اندر داخل ہوئے تو ضیاء صاحب کے ساتھ وہاں موجود افشاں سکندر کو دیکھ کر ساکت رہ گئے تھیں۔

"سکندر......" ان کے لب ہلے اور فیضان صاحب نے بھی افشاں، ضیاء، وقار اور صبوحی سب کو پہچان لیا تھا۔ پہچان تو ان لوگوں نے بھی لیا تھا لیکن وہ سب حیرت زدہ تھے۔

"مرنے والا زندہ کیسے ہوسکتا ہے۔" وہ پریشان تھے۔ ایک بار پھر وہی کہانی دہرائی گئی۔ کبھی بے قرار سے ملنے' گلے شکوے، ماضی کو دہرایا جارہا تھا۔

فیضان صاحب ولید سے مل کر کئی لمحوں تک ساکت رہے اور ولید بھی حیرت سے گنگ تھا' اس کا باپ زندہ تھا کیسی انہونی ہوئی تھی یہ، دل یقین کرنے پر آمادہ ہی نہ تھا لیکن سامنے کھڑا وجود ایک حقیقت تھا۔ اگر صبوحی وقار ضیاء اور افشاں پہچان نہ چکے ہوتے تو وہ ماننے سے انکار کردیتا۔ لیکن انکار کرتا بھی تو کیسے وہ اپنے وجود سے کیسے منکر ہوجاتا کہ اس کے وجود کی شباہت اس کے باپ کے وجود سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ آج تو جیسے انکشافات کا دن تھا۔ ایک کے بعد ایک انکشاف ہو رہا تھا۔ انا حیرت سے گنگ اس پل پل بدلتی صورت حال کو دیکھ رہی تھی۔ فیضان صاحب نے کال کرکے سہیل کو رابعہ اور باقی سب کو لے کر ضیاء کی طرف آنے کا کہا تھا۔ ولید نے ایڈریس سمجھایا لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ کچھ دیر بعد فیضان صاحب ان سب کو جس وجود سے

ملوانے والے ہیں وہ کون ہے۔ فیضان صاحب نے سب کو اپنی کہانی تو سنادی تھی لیکن رابعہ کی اصلیت کے بارے میں نہ بتا سکے تھے لیکن اب ان لوگوں سے کچھ بھی چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

سہیل، ثریا بیگم اور بھابی کے ہمراہ رابعہ وہاں آئی تو فیضان صاحب نے خود آگے بڑھ کر اپنی بیٹی کو سب کے سامنے لا کھڑا کیا۔ سبھی نے الجھ کر دیکھا۔

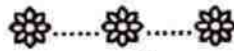
"یہ رابعہ ہے میری اور لالہ رخ کی بیٹی۔" انہوں نے بہت سنجیدگی سے کہا۔ سبھی چونکے تھے خصوصاً ولید اور شہوار۔

"لیکن یہ تو سہیل کی بہن ہے۔" شاہزیب صاحب نے حیرت سے کہا۔

"اس کی حقیقت بھی آپ کو بتادیتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ جہاں لالہ رخ اور میرے باقی دونوں بچے مجھ سے بچھڑ گئے تھے وہیں معجزاتی طور پر میری بچی رابعہ بچ گئی تھی اور نہ زندہ بچ گئی تھی بلکہ میرے زندہ رہنے کی آس اور امید بھی میری یہ بچی۔" ان کے الفاظ پر سبھی نے الجھ کر رابعہ کو دیکھا۔

اور پھر اس کے بعد انہوں نے وہ سب بتادیا جس کی وجہ سے رابعہ ان کی بجائے ثریا بیگم کی بیٹی کہلائے جانے پر مجبور ہوگئی تھی۔ عجیب سا منظر تھا اور عجیب سی صورت حال، رابعہ تو اتنے سارے رشتے ایک دم مل جانے پر بے حد پرجوش سی ہوگئی تھی۔ ولید اور شہوار کا بھی مارے خوشی کے برا حال تھا۔ سب کچھ کھل چکا تھا سبھی خوش و پرسکون تھے۔ اب کوئی راز راز نہ رہا تھا۔ لیکن سبھی کے دل و دماغ میں سوالات گردش کررہے تھے۔

"آخر وہ مرنے والے بچے کون تھے؟"



مصطفیٰ واپس لوٹا تو ایک نئی صورت حال دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فیضان صاحب نہ صرف زندہ تھے بلکہ ان کی دوسری بیٹی رابعہ بھی زندہ تھی۔ مصطفیٰ کے کیس میں یہ ایک نیا ٹرن آیا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان تمام لوگوں کو بتاؤں جو مجھ پر طنز کرتے تھے میرا مذاق اڑایا کرتے تھے میری کردار کشی کرتے تھے لیکن میں کوئی بے نام و نشان نہیں ہوں میرے پاس بھی وہ سب رشتے ہیں باپ، بھائی، بہن وہ سب رشتے جو انسان کی پہچان بنتے ہیں اس کا فخر ہوتے ہیں۔" شہوار بہت خوش تھی اس کی خوشی اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر ہورہی تھی۔

فیضان صاحب رات فی الحال بابا صاحب کی خاطر مصطفیٰ وہیں رک گئے تھے رابعہ اور ولید بھی ہمراہ تھے۔

بابا صاحب بے انتہا خوش تھے اور ان کو خوش دیکھ کر باقی سب گھر والے بھی۔ مصطفیٰ تو یہ نئی سچویشن دیکھ کر حیرت زدہ بھی تھا اور خوش بھی اور شہوار اس سے تو جیسے خوشی سنبھالے نہیں جارہی تھی۔ مصطفیٰ کے سامنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔

مصطفیٰ نے مسکرا کر محبت سے دیکھا۔ آج شہوار کے چہرے کی سرخی اور رونق دیکھنے والی تھی۔ مصطفیٰ فیضان صاحب اور رابعہ سے بھی ملا تھا۔ رابعہ تو متوقع سسرال میں اس طرح آمد پر جھینپی جھینپی سی تھی صبا اور لائبہ کے نرغے میں وہ کافی مظلوم اور لاچارسی لگ رہی تھی۔ سبھی ایک جگہ جمع تھے بڑے البتہ بابا صاحب کے کمرے میں تھے۔

"اچھا سچ سچ بتائیں بھابی عباس بھائی نے آپ کو کس طرح پٹایا تھا۔" عائشہ کے لہجے میں از حد شرارت تھی۔

"دیکھو، بھئی کوئی بھی میری بہن کو کچھ نہیں کہے گا ورنہ......!" شہوار نے فوراً رابعہ کا دفاع کیا۔

"لو جی مینڈکی کو بھی زکام ہوگیا۔" صبا نے گھورا۔

"یہ مینڈکی کس کو کہا ہے۔" شہوار نے فوراً برا مانا۔

"دیکھیں مصطفیٰ بھائی ہم تو شہوار کو بھلی مانس سی مخلوق سمجھتے تھے لیکن یہ تو اچھی خاصی حاضر جواب ہوچکی ہے۔" صبا نے بھائی کے سامنے دہائی دی۔

"تمہارے بھائی کی محبت کا اثر ہے۔" شہوار نے دونوں کو گھورا اور مصطفیٰ کے پاس سے اٹھ کر رابعہ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"ان سے ذرا بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں میں آپ کے ساتھ ہوں۔" اس نے رابعہ کو تسلی دی۔ مصطفیٰ ہنس دیا تھا سبھی سجاد بھائی عباس بھائی کا ہاتھ تھامے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ عباس سے رابعہ کا یہ ڈائریکٹ سامنا تھا اور نہ ان لوگوں کے ہاں

آنے کے بعد وہ زیادہ تر شہوار و گھر والوں کے ہمراہ ہی رہی تھی۔
''لو جی صدر محفل حاضر خدمت ہیں اب جلدی سے بھابی صاحبہ کے پہلو میں جگہ خالی کی جائے تاکہ عزت مآب بیٹھنے کا شرف حاصل کرسکیں۔'' سجاد بھائی پر شرارت سوار ہوئی جبکہ باقی سب نے تالیاں بجا کر داد دی۔ عباس بھائی کی آمد سے ایک دم رونق سی ہوگئی تھی۔ جبکہ عباس کی آمد کے بعد تو رابعہ حقیقتاً پریشان ہوئی تھی۔
وہ اتنے سارے لوگوں میں اس ماحول کی عادی نہ تھی دونوں ہتھیلیاں پسینے سے تر ہونے لگی تھیں۔ سجاد نے عباس کو اس کے سامنے لاکھڑا کیا اور اب رابعہ کے پہلو میں بٹھانے پر بضد تھا۔ رابعہ کے دائیں بائیں شہوار اور لائبہ نے نشست جمارکھی تھی۔ شہوار تو اٹھنے پر راضی نہ ہوئی، تاہم لائبہ نے کچھ نخرے دکھائے مگر جگہ خالی کردی۔ عباس رابعہ کے دائیں طرف بیٹھا تو سبھی نے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ہوہا کیا۔

بڑی آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے

صبا نے اپنی شرارتی آواز میں شعر داغا تو سبھی بے اختیار ہنس دیے۔
''مجھے نہیں بیٹھنا یہاں۔'' رابعہ شہوار کے کان میں منمنائی۔
''یہ کیا کھسر پھسر ہورہی ہے۔'' صبا نے فوراً نوٹ کیا۔
''تم سے مطلب۔'' شہوار نے فوراً کہا۔
''ہیں...... زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں آج بہن کیا مل گئی ہے تم نے تو آنکھیں ماتھے پر رکھ لی، یہ مت بھولو تم اس سے پہلے لڑکے والوں کی طرف سے تھی۔'' عائشہ کو جواب ہضم نہ ہوا سو فوراً ٹوکا تو شہوار ہنس دی۔
''لیکن آج سے میں لڑکی والی ہوں۔'' شہوار کے تو آج رنگ ہی نرالے تھے۔
مصطفیٰ کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا ایک صوفے پر وہ ولید کے ہمراہ بیٹھا سب انجوائے کررہا تھا۔
''دیکھ رہے ہیں بھائی اپنی بیگم کے تیور۔'' صبا نے بھی دہائی دی۔
''بھئی تم اتنے سارے بے چاری رابعہ بھابی کو گھیر کر بیٹھ گئے ہو اب میری معصوم سی بیگم اپنی بہن کا دفاع بھی نہ کرے۔''
''اوہ......!'' سب نے گھورا تو شہوار نے منہ چڑا دیا۔
''اچھا سب چھوڑیں عباس بھائی رابعہ بھابی نے تو نہیں بتایا آپ بتائیں آپ کو یہ سب کیسا لگ رہا ہے آئی مین ان کو کزن کی حیثیت سے اور شہوار کی بہن پاکر۔'' سجاد بھائی نے بڑے مہذب انداز میں ہاتھ کا مائیک بنا کر عباس کے سامنے کرتے ہوئے کہا تو سب نے ہنس کر دیکھا۔ عباس نے ایک مسکراتی نگاہ اپنے پہلو میں مہکتے وجود پر ڈالی اور پھر مسکرا کر کہا۔
''بہت اچھا۔''
''بس اتنا مختصر جواب۔'' سجاد بھائی کو مایوسی ہوئی۔
''تو کیا اس ایونٹ پر میں پوری غزل کہہ دوں۔'' عباس نے گھورا۔
''کہہ بھی سکتے ہیں۔'' ''دیکھیں بھئی وہ کیا کہتے ہیں کہ رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے اور دستور بھی۔'' یہاں سب کے سب انتہائی شرارت پر آمادہ تھے سجاد کے جواب پر عباس ہنس دیا۔
''ویسے ایک دو غزل تو ضروری ہونی چاہیے اس خاص موقع کی مناسبت سے۔'' سجاد کا اصرار بڑھا۔
''بھئی مجھ کو تو معاف رکھو مجھے کوئی غزل وزل نہیں آتی۔'' عباس نے انکار کیا۔
''یہ تو زیادتی ہے رابعہ بھابی کیا سوچتی ہوں گی کہ وہ پہلی بار ہمارے گھر آئی ہیں اور آپ نے ان کی شان میں کچھ اظہار بھی نہیں فرمایا۔'' عائشہ بھی سجاد کا ساتھ دینے کو فوراً میدان میں کودی۔
''دیکھو بھئی اگر زیادہ تنگ کیا میری بہن کو تو میں ماں جی کو بلالوں گی۔'' رابعہ بے حد کنفیوژ ہورہی تھی سو شہوار نے آنکھیں دکھائیں۔

رابعہ کا تمام اعتماد آج تو جیسے پانی کا بلبلا بن کر رہ گیا تھا۔ وہ ازحد گھبرا رہی تھی۔ عباس نے ایک بہت پرسکون اور اطمینان بھری نگاہ رابعہ پر ڈالی تبھی رابعہ نے بھی نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ عباس کے چہرے پر اطمینان، اعتماد بھری مسکراہٹ محبت وخوشی کی چمک ودرخشی تھی۔ وہ ایک پل کو مبہوت ہوئی تھی۔ عائشہ کی شرارتی نگاہوں سے بھلا یہ ایک پل کیسے چھپ سکتا تھا۔

سب سے نظر بچا کر وہ مجھ کو کچھ ایسے دیکھتا
ایک دفعہ تو رک گئی گردش ماہ و سال بھی

وہ شرارت سے گنگنائی تھی۔

رابعہ نے جھینپ کر سر جھکایا جبکہ عباس کے وجود میں ایک سرشاری سے لہرائی تھی۔ وہ بہت اطمینان سے پھیل کر بیٹھا تھا۔

''تو تمہیں کیا مسئلہ ہے۔'' بہن کو دیکھا وہ شرارت سے ہنس رہی تھی۔

''یہ سب بہت بدتمیز ہیں آپ میرے ساتھ چلیں ادھر رہیں تو یہ ایسے ہی درگت بناتے رہیں گے۔'' شہوار نے رابعہ کا ہاتھ تھام کر کھڑا کیا۔

''یہ تو فاؤل ہے۔'' صبا اور عائشہ فوراً چلائیں۔

''یہ تھک چکی ہیں کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔'' شہوار نے فوراً بہانہ بنایا' رابعہ نے سر ہلایا تو وہ سب کے ہوہا اور شور مچانے کے باوجود شہوار رابعہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''یہ سب کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔'' شہوار نے اپنے کمرے میں لا کر بستر پر بیٹھنے کے بعد کہا تو رابعہ محض مسکرائی تھی۔

''میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے یہ اتنے سارے رشتے بالکل اچانک یوں اس طرح مل جائیں گے پہلے ولید بھائی ملے اور پھر اب آپ اور بابا میں بہت خوش ہوں لگتا ہے جیسے زندگی کے تمام غم مٹ گئے ہوں۔'' واقعی اس کا خوشی سے برا حال تھا۔

''میں خود حیران ہوں کچھ دن پہلے تک تو میں خود اپنے اصل رشتے کے بارے میں بے خبر تھی جب بابا نے اصل حقیقت بتائی تو میں حیران رہ گئی تھی ایک دم اچانک سے کوئی ماموں کا رشتہ باپ کے رشتے میں بدل جائے حیرانی تو ہوتی ہے نا لیکن سب حقائق ایسے تھے کہ میں سوال اٹھا ہی نہیں سکی۔ تب دل میں اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ ساتھ ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانے والی ماں کا خیال آیا تھا ان سب پر ہونے والے ظلم پر میں کتنے دنوں تک پرملال رہی تھی لیکن سوچا ہی نہ تھا کہ یوں اچانک مجھے ایک دم سے بہن اور بھائی مل جائیں گے اور وہ بھی سگے۔''

''ہماری زندگی میں یہ بڑا فلمی سا ٹریک ہے کاش یہ رشتے مجھے بہت پہلے سے مل چکے ہوتے آپ نے تو پھر ایک گھر ایک فیملی میں ایک نام کے ساتھ زندگی گزاری ہے جبکہ مجھے تو کچھ علم ہی نہ تھا کہ تابندہ امی نے جو بتایا وہی میرے لیے سچ تھا لیکن جستجو ہوتی تھی کہ کاش میں سب جان سکوں اپنے اصل تک پہنچ سکوں اور آج میری یہ خواہش مکمل ہو گئی۔'' رابعہ کا ہاتھ تھام کر وہ پھر بہت خوشی سے کہہ رہی تھی۔

''میں خود کچھ دن پہلے تک ہر بات سے بے خبر تھی کہ میرے اصل والدین کون ہیں اور پھر جب بابا نے وہ سب بتایا میں تو خود گم صم ہو گئی پھر جو احساس تھا وہ بس یہی تھا کہ میرے والدین نے بہت دکھوں سے بھری زندگی گزاری ہے۔'' شہوار ہلکا سا مسکرائی۔

''عباس بھائی بہت اچھے انسان ہیں بہت کائنڈ اور محبت کرنے والے عادلہ ان کا انتخاب تھی لیکن میں جانتی ہوں عادلہ کے ساتھ انہوں نے ایک پل بھی خوشی کا نہیں گزارا تھا آفاق کی آمد بھی عادلہ کو نہ بدل سکی اور پھر انہوں نے طلاق لے لی اس خاندان میں طلاق پہلا واقعہ تھا سو ہر کوئی عباس بھائی اور آفاق کے معاملے میں بہت کانشس تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آپ ان کی وائف بن رہی ہیں مجھے یقین ہے آپ آفاق اور عباس بھائی کی زندگی کی ہر محرومی دور کر دیں گی۔'' بہن کا ہاتھ تھام کر شہوار نے خلوص دل سے کہا تو رابعہ مسکرا دی۔



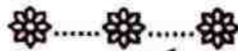
عادلہ زخمی کاشفہ کو ایمبولینس میں فوراً اسپتال لے کر بھاگی تھی۔ وہ تنہا ساری بھاگ دوڑ کر رہی تھی یہ خودکشی کا کیس تھا عادلہ

اکیلی سارے کرائسز سے گزر رہی تھی۔ پچھلے تین دن سے کاشفہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی۔ کلائی کاٹنے سے اس کا بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا۔ ڈاکٹرز ٹریٹمنٹ دے رہے تھے لیکن امید کی کوئی کرن نہ تھی۔ وہ ساری رات عادلہ نے جو کبھی اللہ کے سامنے بھی نہ گڑگڑائی تھی اس نے رو رو کر کاشفہ کی زندگی کی بھیک مانگی تھی لیکن اگلی صبح کی سپیدی پھیلتے ہی ڈاکٹر نے اسے جب وہ خبر سنائی تو وہ ساکت رہ گئی تھی۔

''ایم سوری شی از ڈیڈ۔'' اسے نہیں علم تھا کہ اس کے بعد کیا کیا ہوتا رہا۔

وہ جب کاشفہ کی ڈیڈ باڈی لے کر گھر پہنچی تو وہاں کاشفہ کی میت پر رونے والا اس کے سوا کوئی نہ تھا پولیس کے علاوہ چند ارد گرد کے لوگ تھے۔ باپ جیل میں تھا اور ماں مینٹل اسپتال میں۔ وہ اپنی حرماں نصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ جو رونق محفل تھی آج حالات کی گردش نے سب کچھ چھین لیا تھا۔ اس کے باپ کو پولیس کی طرف سے بیٹی کے جنازے میں شرکت کی اجازت مل گئی تھی رشتے دار تو تھے نہیں جو تھے کبھی کسی سے شاید واسطہ بھی نہ پڑا تھا۔ دوست احباب وقت کی گردش کا شکار ہو گئے تھے اس کو تسلی دلاسہ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ کوئی کندھا ایسا نہ تھا جس پر سر رکھ کر وہ سسک سکتی۔ اور عبدالقیوم کو پولیس نے عادلہ سے ملنے نہیں دیا تھا۔ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کو دور سے دیکھ کر تڑپتے رہے تھے بہن کا جنازہ اٹھا تو وہ نیم جاں سی ہو گئی تھی۔ آج مکافات عمل تھا۔

اس کے خاندان کو وہی مل رہا تھا جو انہوں نے کبھی دوسروں کو دیا تھا۔ باپ کو بیٹی کے جنازے کے بعد واپس پولیس لے گئی تھی اور وہ اس رات اپنے اونچے عالی شان گھر میں بالکل تنہا دو ملازموں کے آسرے زندگی کا ایک نیا رنگ دیکھ رہی تھی۔



مصطفیٰ کی کال آئی تھی اس نے بتایا تھا کہ کاشفہ نے خودکشی کرلی ہے کاشفہ کا ایسا عبرت ناک انجام سن کر ولید تو کیا ہر کوئی گم صم ہو گیا تھا۔ عبدالقیوم نے اپنی زندگی ظلم و ستم کرنے اور غلط کاموں میں گزار دی تھی اور آخر کار وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا بیوی پاگل خانے اور اولاد تباہ و برباد ہو چکی تھی مقام عبرت تھا سب کے لیے۔ آنے والے دنوں میں ہر کوئی اس واقعے کو لے کر کئی دن تک افسردہ رہا۔ انا خود بے یقین تھا اس نے سنا کہ کاشفہ کی شکل بگڑ چکی ہے لیکن وہ خودکشی کرلے گی ایسا تو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا۔

کاشفہ سے لاکھ نفرت سہی لیکن اس کا یہ انجام سب کو دکھی کر گیا تھا۔ انا گم صم تھی۔ ولید اس دن ان کی طرف آیا تو وہ لان کی سیڑھیوں پر افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے گاڑی سے نکلتے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔ ولید کو جب سے اپنے باپ اور بہن کی خبر ملی تھی وہ تب سے ان کے ساتھ ہی زیادہ تر رہ رہا تھا بابا صاحب کی خواہش تھی کہ فیضان صاحب ولید اور رابعہ ان کے ساتھ ہی قیام کریں۔ لیکن فیضان صاحب کی خود دار طبیعت ابھی یہ قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ باپ کو باپ کی حیثیت سے قبول کرنا اور بات تھی لیکن ان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے قیام کرنا اور بات تھی۔ وہ ابھی بھی خود کو ان کی دولت جائیداد اور وراثت میں حصہ دار نہیں سمجھتے تھے جبکہ بابا صاحب کی خواہش تھی کہ وہ ان کے ساتھ حویلی میں چل کر رہیں۔ بابا صاحب کی طبیعت اب بہتر تھی ایک عرصے بعد وہ خود کو بہت توانا اور مضبوط محسوس کرنے لگے تھے وہ واپس حویلی جانا چاہتے تھے فیضان صاحب اور ان کے بچوں کے ہمراہ۔ ابھی تک فیضان ان کی خواہش پر رابعہ سمیت شاہزیب صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے۔ ولید بھی زیادہ تر ادھر ہی پایا جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ ادھر کسی کام سے آیا تھا انا کو دیکھ کر وہ لان کی سیڑھیوں کی طرف آ گیا۔

''کیسی ہو؟'' بہت عرصے بعد ولید بہت نارمل انداز میں انا سے براہ راست مخاطب ہوا تھا۔ انا حیرت کا شکار ہوئی تھی اس نے اثبات میں سر ہلایا تو ولید مسکرا دیا۔

''کیا کررہی ہو آج کل۔'' اس کا انداز دوستانہ تھا۔ انا کنفیوژ ہونے لگی۔

''کچھ نہیں فائنل ایئر کی کلاسز اسٹارٹ ہونے والی ہیں تو اسی کی تیاری میں ہوں۔''

''گڈ..... شہوار بھی بتا رہی تھی ایک دو دن میں کلاسز اسٹارٹ ہو رہی ہیں۔'' انا نے محض سر ہلایا۔ تبھی اندر سے روشی وہاں چلی آئی۔

''آپ تو ہمیں بھول ہی گئے ہیں کتنے دنوں بعد چکر لگا رہے ہیں۔'' وہ یقیناً گاڑی کی آواز سن کر باہر آئی تھی سلام دعا کے بعد شکوہ کیا۔ ولید محض مسکرا دیا۔

''پاگل ہو، میں کیوں بھولوں گا تم سب کو، بس وہاں سبھی کا اصرار ہے کہ ادھر رہوں تو رکنا پڑ رہا ہے۔'' ولید نے محبت سے روشی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس نے منہ بنالیا۔

''تو آپ چلے جائیں گے وہاں ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے۔'' لہجے میں افسردگی تھی۔

''بابا صاحب کو ایک عرصے بعد بیٹے کی صورت دکھائی دی ہے ان کا بس چلے تو وہ ایک پل کو بھی ہمیں خود سے جدا نہ کریں یہ تو بس بابا کی خودداری ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے رہنے پر آمادہ نہیں ہو رہے۔'' ولید اور روشی بھی وہیں انا کے ساتھ ہی سیڑھیوں پر ٹک گئے تھے۔ انا خاموشی سے دونوں کو سن رہی تھی۔

''فرض کریں آپ کے والد اپنے باپ کی بات مان لیتے ہیں تو یقیناً آپ بھی ان کے ساتھ ہی جائیں گے نا۔'' روشی نے پوچھا تو ولید مسکرا دیا۔

''نہیں ہمیشہ کے لیے تو نہیں جاؤں گا ادھر بھی آتا رہوں گا۔'' روشی نے افسردگی سے دیکھا تو ولید نے مسکرا کر اس کا سر تھپتھپایا۔

''پریشان نہیں ہوتے، میں آتا رہوں گا۔'' روشی نے محض سر ہلایا افسردہ تو انا بھی تھی۔ وہ یہاں تھا تو روز دکھائی دیتا تھا اور اب پتا نہیں دکھائی دے گا بھی کہ نہیں۔

''باقی سب لوگ کدھر ہیں اور بابا کہاں ہیں۔''

''بابا کمرے میں ہیں اور باقی اپنے اپنے کاموں پر کچھ کھائیں گے؟'' روشی نے جواب دے کر پوچھا تو ولید نے سر ہلا دیا۔

''ہاں چائے پلا دو۔''

''میں بنا کر لاتی ہوں۔'' روشی اٹھ کر چلی گئی تو ولید نے انا کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر گہری سنجیدگی کا عکس تھا۔

''کہاں تک پہنچی تمہاری شادی کی تیاری۔'' ولید کا انداز نارمل تھا۔ انا نے بہت کرب سے دیکھا۔ اسے ولید سے ایسے سوال کی قطعی توقع نہ تھی۔ اسے لگا کہ جیسے اس کے زخم ایک بار پھر سے ہرے ہوگئے ہیں۔

''کیا ہوا؟'' انا کے چہرے پر گہرے دکھ کی کیفیت دیکھ کر ایک پل کو ولید بھی نادم ہوا تھا۔ انا کھڑی ہوگئی۔ وہ بہت پشیمان تھی اور رنجیدہ بھی ایسے میں ولید کا یہ سوال اسے اور زیادہ دکھی کر گیا تھا۔

''ایم سوری تمہیں شاید برا لگا۔'' ولید بھی اس کے مقابل کھڑا ہوگیا۔

''میں کئی بار ایکسیوز کر چکی ہوں آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے کیا......؟'' اس کے لہجے میں دکھ و ندامت تھی ولید تو چند پل کے لیے اپنی جگہ جم سا گیا۔

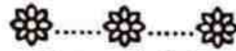
''میں نے بہت غلط کیا آپ کے ساتھ آپ پر شک کرتی رہی میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں لیکن کاشفہ چاہتی تھی کہ میں ایسا کروں میں نے وہ سب کاشفہ کی بلیک میلنگ میں آ کر کیا تھا۔'' وہ دکھ سے سر جھکائے کہہ رہی تھی اور ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اوکے اسے بھول جاؤ یار۔'' ولید کا انداز ایک دم نارمل ہوا تھا۔ مسکرا کر کہا تو انا نے حیرت سے دیکھا۔

''آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے کیا؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''میں تم سے خفا نہیں ہوں بس تھوڑا بہت غصہ تھا رہ گئی کاشفہ اس کی اصلیت وہ سب کے سامنے ہے اس نے جو بویا وہ کاٹ لیا اور آخر کار موت اس کا مقدر بن گئی مجھے اس کی اس قدر اذیت ناک موت پر بہت دکھ ہے، بحیثیت انسان میں افسردہ بھی ہوں لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے ہم۔'' ولید نے حوصلہ افزا نگاہوں سے انا کو دیکھا تو اس کے چہرے کی رنگت میں کچھ امید کی کرن جاگی تھی۔

''آپ واقعی مجھ سے خفا نہیں ہیں نا......؟'' وہ پھر یقین دہانی چاہ رہی تھی۔
''کیا کسی اسٹامپ پیپر پر لکھ کر دوں۔'' مسکرا کر کہا تو وہ مسکرا دی۔ آج بہت دنوں بعد اسے لگا کہ وہ مسکرائی ہے۔
''حماد سے میری بات ہوئی تھی کافی خوش ہے وہ آج کل میں واپس آرہا ہے بابا صاحب کہہ رہے تھے کہ عباس بھائی کی شادی کے ساتھ ہی پھوپو شادی کرنا چاہتی ہیں تاکہ ولیمہ کا فنکشن ایک ساتھ انجام پذیر ہو۔'' ولید نے فوراً بات پلٹی تو انا کا رنگ ایک دم اڑا تھا۔ اس کے چہرے کی تمام جوت ایک دم بجھ گئے تھے۔
''ویسے حماد کافی اچھا انتخاب ہے تمہارے ساتھ بہت سوٹ کرے گا۔'' وہ یہ سب کہتے ہوئے انا کو بے حد برا لگا۔ اس کا چہرہ ایک دم تاریک سا ہوگیا جبکہ ولید مسکرا رہا تھا۔ انا دکھ سے ولید کو دیکھ رہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ولید جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے یا محض اسے تنگ کر رہا ہے۔ وہ بس ولید کو دیکھ رہی تھی کہ روشی چائے کے لوازمات سے سجی ہوئی ٹرے اٹھائے ادھر چلی آئی۔
''چائے تیار ہے میں نے سوچا لان میں ہی بیٹھ کر پیتے ہیں۔'' وہ چائے کی ٹرے لیے لان کی گھاس کی طرف بڑھی اور پھر اس نے ٹرے گھاس پر رکھ دی۔
''آجاؤ تم دونوں کباب بھی فرائی کیے ہیں میں نے ولید بھائی کو تو بہت پسند ہیں نا۔'' وہ دونوں کو کہہ رہی تھی۔
''آجاؤ تم بھی تمہارے ساتھ مل کر بیٹھ کر چائے پیے بھی عرصہ بیت گیا ہے اسی بہانے کچھ اچھا وقت گزار لیتے ہیں ہم بھی۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا جبکہ انا کو لگا کہ وہ جان بوجھ کر اسے ستا رہا ہے۔ وہ کہہ کر روشی کی طرف بڑھا جبکہ انا گم صم سی کھڑی دکھ سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔



ابوبکر کی شادی تھی فیضان صاحب رابعہ کے ہمراہ سہیل کی طرف آگئے تھے ولید چند دن سے ضیاء صاحب کی طرف تھا رابعہ ایک دن پہلے ہی ہادیہ کی طرف چلی گئی تھی۔ بارات ابوبکر کے اپارٹمنٹ سے جانی تھی وہ لوگ تیار ہو کر ابوبکر کے اپارٹمنٹ میں ہی چلے آئے تھے شہوار نے بھی عباس بھائی کے ہمراہ ہادیہ کی طرف سے آنے کا وعدہ کیا تھا جبکہ فیضان صاحب نے ولید کو بھی بلوالیا تھا وہ بھی ابوبکر کی طرف آ گیا تھا۔ وہ سب ابوبکر سے ملے تھے امجد خان بھی بمعہ فیملی موجود تھا۔ امجد خان کو دیکھ کر فیضان چونکے تھے انہیں یہ شکل دیکھی بھالی لگی تھی۔
''امجد خان تم......!'' امجد خان کافی ایکٹیو اور پالش انسان لگ رہا تھا۔
''آپ سکندر احمد ہیں نا......؟'' امجد خان بھی ان کو پہچان گیا تھا۔
''ہاں۔'' انہوں نے سر ہلایا۔ ''میں خود بھی ملنا چاہتا تھا لیکن میں ایک جگہ ٹک ہی نہیں رہا تھا آفس کے سلسلے میں کبھی یہاں تو کبھی وہاں جانا پڑ رہا تھا آپ کو زندہ دیکھ کر اور سب بچوں کو زندہ پا کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' امجد خان واقعی بہت خوش لگ رہا تھا۔
''آپ ابوبکر کے کیا لگتے ہیں۔'' انہوں نے پوچھا۔
''بیٹا ہے میرا۔'' وہ حیران ہوئے ابوبکر کے ساتھ امجد خان کا نام جانتے ہوئے بھی وہ کبھی اندازہ نہ لگا سکے تھے کہ یہ وہی امجد خان ہوگا۔
''بس میری دوسری شادی کے بعد حالات کچھ ایسے ہوئے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے تھے میرا بیٹا بہت غصیلا اور خوددار ہے بس ایک دن بغیر کچھ کہے سنے گھر سے نکل گیا تھا اور جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ میں بہت تڑپا ہوں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آخر کار مجھے میرے بیٹے سے ملوا دیا۔'' فیضان صاحب ساری کہانی سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔
''ابوبکر سہیل کا دوست ہے سہیل اور اس کی والدہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے گھر نے مجھے پناہ دی اور پھر مجھے اور میری بیٹی کو زندہ رہنے کی لگن دی۔'' فیضان صاحب اپنی یہاں موجودگی کا سبب بتانے کے ساتھ ساتھ انہیں اور بھی بہت کچھ بتاتے گئے اپنے متعلق ماضی سے متعلق ابوبکر کے بارے میں اور وہ سب کچھ جو ان کے ساتھ بیتا تھا۔
''آپ مصطفیٰ کو کیسے جانتے ہیں۔'' امجد خان مسکرایا۔

"آپ کو یاد ہو شاید آخری بار جب ہماری بات ہوئی تھی تو میں نے بتایا تھا کہ میں نے پولیس میں اپلائی کیا ہوا ہے حوالدار کے طور پر میں سلیکٹ ہوا تھا پھر لگن تھی اپنی تعلیم جاری رکھتے مختلف امتحانات پاس کرتے آج اس مقام پر ہوں کہ مصطفیٰ شاہزیب صاحب جیسے لوگوں کا رائٹ ہینڈ ہوں، میں پہلے ڈی آئی جی شاہزیب صاحب کا رائٹ ہینڈ ہوتا تھا اور پھر جب سے مصطفیٰ صاحب نے پولیس فورس جوائن کی ہے میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں میرا تعلق اسپیشل پولیس فورس سے ہے۔"

"اوہ......!" فیضان صاحب کو امجد خان کو اس قدر کامیاب دیکھ کر حقیقی خوشی حاصل ہوئی تھی۔

"لیکن مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آپ نے دوسری شادی کیوں کی۔" فیضان صاحب کے سوال پر امجد خان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ایک لمبی کہانی ہے پھر کبھی سناؤں گا فی الحال تو مہمانوں کو دیکھ لیتے ہیں۔" بارات کی روانگی کا وقت قریب تھا سو فیضان صاحب بھی خاموش ہو گئے تھے بارات ہال میں جانی تھی شام کا وقت تھا۔

ہادیہ کے گھر والوں کی طرف سے بڑا زبردست ریسیپشن دیا گیا تھا۔ ہادیہ دلہن بن کر بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ہادیہ کے پاس اس کی آپی جان بھی آئی ہوئی تھیں اماں بی کے ہمراہ ہمیشہ کی طرح وہ اس بار بھی ہادیہ کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں ہادیہ برائیڈل روم میں تھی اور وہ دونوں خواتین بھی اس کے ساتھ وہاں موجود تھیں۔ رابعہ کے ساتھ ان کی سلام دعا تو تھی ہی لیکن شہوار بھی عباس بھائی کے ہمراہ آئی تو رابعہ اسے بھی ہادیہ کے پاس ہی لے آئی تھی رابعہ نے آپی جان سے ملایا تو وہ شہوار کو دیکھ کر چونک گئی تھیں۔

"یہ تمہاری بہن ہے۔" وہ بار بار شہوار کو دیکھ رہی تھیں انہیں یقین نہیں آرہا تھا رابعہ نے ہنس کر بتایا کہ شہوار اس کی بہن ہے حقیقی بہن۔ آپی جان کے چہرے پر عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ انہوں نے ساتھ بیٹھی اماں بی سے کچھ کہا تو وہ بھی چونکی تھیں۔ شہوار کچھ دیر بیٹھ کر رابعہ کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔

"اماں بی اس بچی کو دیکھ کر نجانے کیوں ہر بار میرے اندر عجیب سی بے کلی پیدا ہونے لگتی ہے اور اب یہ نئی بچی......" ان کے لہجے میں آزردگی تھی اماں بی نے ہاتھ تھام کر دلاسہ دیا۔

"تمہارا وہم ہو سکتا ہے۔" انہوں نے کہا تو آپی جان افسردہ سی مسکرادیں۔

"تمہاری رابعہ سے کب سے دوستی ہے۔" انہوں نے پوچھا تو ہادیہ چونکی۔

"کافی پرانی دوستی ہے کالج لائف سے ہم ساتھ ہی ہیں۔"

"اور اس نے آج جس لڑکی کو ملوایا ہے یہ بتا رہی تھی کہ یہ اس کی بہن ہے۔"

"ہاں بڑی فلمی سی کہانی ہے رابعہ کی بھی بچپن سے ہی یہ سب بہن بھائی آپس میں بچھڑ گئے تھے ان کے والد بھی کسی بہت بڑے گھرانے کے بیٹے تھے لیکن خاندان سے جدا ہو گئے تھے کافی عرصے بعد والد اپنے خاندان سے ملے تو ان کو اولاد مل گئی۔ رابعہ کو تو پتا ہی نہیں تھا کہ اس کے اصل والد کون ہیں ابوبکر کے جو دوست ہیں ان کی والدہ نے ہی پالا پوسا تو ان کی ہی بیٹی کہلاتی تھی یہ تو اب جا کر اسے علم ہوا ہے کہ وہ جن کو ماموں سمجھ رہی تھی وہی اس کے حقیقی والد ہیں۔" کہانی ایسی تھی کہ آپی جان چونکی تھیں۔

"کیا نام ہے رابعہ کے والد صاحب کا؟"

"فیضان......"

"فیضان......" آپی جان نے یہ نام زیر لب دہرایا چہرے پر شدید الجھن تھی۔ ان کی یادداشت میں یہ نام کہیں بھی نہ تھا۔

"اس دن رات میں جن کے ساتھ آپ کو گھر بھجوایا تھا نا وہی رابعہ کے فیاسی ہیں اور اب تایا زاد بھی رابعہ کی ان سے شادی ہو رہی ہے۔" آپی جان نے سر ہلایا۔

وہ ہادیہ سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہ رہی تھیں۔ سوالات کا ایک ریلا تھا جو امڈتا چلا آرہا تھا لیکن ہادیہ کے پاس کچھ اور خواتین آگئی تھیں اور وہ اپنے سوالات کو اندر ہی دبا کر بیٹھ گئی تھیں۔ اماں بی ان کی کیفیت سمجھ رہی تھیں لیکن کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ نکاح تو

ہو چکا تھا کچھ دیر بعد کھانے کا دور چلا تھا مرد وخواتین کا سیٹنگ ارینج منٹ الگ الگ تھا خواتین کا ہال اوپر تھا جبکہ مرد حضرات کا نیچے تاہم قریبی احباب اوپر نیچے آ جارہے تھے۔ مصطفیٰ بھی امجد خان کے انوائٹ کرنے پرآیا تھا۔لیکن یہاں آ کر اسے علم ہوا کہ شہوار اور دیگر لوگ جس کی شادی پرآئے ہیں وہ امجد خان کا ہی بیٹا ہے۔اس وقت کھانے کے بعد وہ اور عباس اوپرآ گئے تھے۔ شہوار اور رابعہ ثریا بیگم اور بھابی کے ہمراہ ہادیہ کی والدہ اور دیگر خواتین میں بیٹھی ہوئی تھیں۔کھانا کھایا جاچکا تھا سو اب خواتین ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔

''کیا خیال ہے واپسی کا کیا پروگرام ہے؟'' مصطفیٰ نے شہوار سے پوچھا۔

''ابھی تو رخصتی میں کافی دیر ہے۔'' شہوار نے کہا۔جبکہ عباس رابعہ کو دیکھ رہا تھا۔نک سک سی تیار عام حالات میں دکھائی دینے والی رابعہ سے قطعی ایک مختلف روپ میں خوب صورت لباس اور میک اپ سے بجی سنوری وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔عباس سے صرف سلام دعا ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد وہ مسلسل رخ موڑے بھابی سے باتیں کرتی رہی تھی۔

''آپ ہمارے ساتھ چلیں گی کیا؟'' شہوار نے رابعہ سے واپسی کا پروگرام پوچھا۔

''نہیں ہادیہ کہہ رہی تھی کہ میں اس کے ساتھ چلوں گی امی اور بھابی بھی ابوبکر والے اپارٹمنٹ میں آج رات رکیں گی تو یقیناً مجھے بھی وہیں جانا ہوگا، کل ولیمہ ہے اس کے بعد جیسا بابا کہیں گے وہیں چلی جاؤں گی۔'' اس نے تفصیلاً بتایا تو شہوار نے سر ہلا دیا۔

''بابا صاحب تو دو تین دن بعد حویلی جارہے ہیں ان کی خواہش ہے کہ شادی حویلی سے ہی ہو، ہوسکتا ہے دو تین دن بعد آپ لوگ بھی حویلی شفٹ ہوجائیں اور میری طرح آپ کی رخصتی بھی یقیناً حویلی سے ہی ہوگی۔'' شہوار نے چھیڑا تو عباس کے سامنے رخصتی کے الفاظ پر رابعہ جھینپی تھی۔

کچھ دیر بعد ابوبکر کچھ لوگوں کی ہمراہی میں اوپرآ گیا تھا اب رسم کے مطابق سلامی اور تحائف وغیرہ کا سلسلہ چلنا تھا۔ہادیہ کو بھی وہیں اسٹیج پر لے جایا گیا تھا اب زیادہ تر لوگ اسٹیج کی طرف ہی متوجہ تھے۔شہوار اور مصطفیٰ بڑے ریلیکس موڈ میں کرسیوں پر براجمان آپس میں بات چیت کررہے تھے عباس بھی رابعہ اور شہوار کے درمیان خالی چیئر پر ٹک گیا تھا۔جبکہ بھابی کی توجہ اسٹیج کی طرف تھی اور ثریا بیگم کیدر رنگ بڑھنے کے سبب اٹھ کر برائیڈل روم کی طرف چلی گئی تھیں۔

''کیا بات ہے میں نوٹ کررہا ہوں جب سے ہمارا نیا ریلیشن دریافت ہوا ہے آپ نے تو لفٹ کرانا ہی چھوڑ دیا ہے۔'' عباس نے دھیمے سے پوچھا تو رابعہ نے سر اٹھا کر دیکھا عباس مسکرا کر دیکھ رہا تھا آنکھوں میں مسکراہٹ ضرور تھی لیکن ساتھ میں ان کہے سے جذبات کی فرمائش بھی تھی وہ فوراً نظریں جھکا گئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے ہلکی سی آواز میں کہا۔

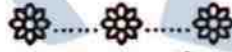
''ہمارے لیے یہ سب کچھ ابھی بہت نیا نیا سا ہے پہلے بابا (فیضان صاحب) سے اپنے حقیقی تعلق کا علم ہونا اور پھر ایک دم ان کا آپ کے خاندان سے تعلق ظاہر ہونا اور ساتھ ہی بہن بھائی کا ملنا ذہن آہستہ آہستہ ہی قبول کرتا ہے نا۔'' وہ پُراعتماد تھی سو اس نے نرمی کے ساتھ وضاحت کی۔

''ویسے آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں معمول سے ہٹ کر دل کے کافی قریب قریب سی۔'' وہ جھینپ سی گئی۔اس نے کن انکھیوں سے عباس کے دوسری طرف بیٹھے شہوار اور مصطفیٰ کو دیکھا نجانے وہ اتنے ہی بے خبر تھے یا جان بوجھ کر بے خبر ہونے کی ایکٹنگ کررہے تھے ان کی توجہ اس کے بجائے اسٹیج کی طرف تھی جبکہ عباس بہت ریلیکس موڈ میں بیٹھا ہوا تھا بات کرنے کا انداز دھیما ضرور تھا لیکن نظرانداز کیا جانے والا نہیں تھا۔

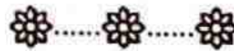
''میں سوچ رہا تھا کہ اب چند ہی دن رہ گئے ہیں ہماری شادی میں بھی کل عائشہ اور لائبہ کہہ رہی تھیں کہ کسی دن رابعہ کو ساتھ لے جا کر شادی کا جوڑا پسند کرادو زیور وغیرہ تو ماں جی کا ہیڈک ہے البتہ برائیڈل ڈریس مجھ پر چھوڑا گیا ہے۔آپ بتائیں کب چل رہی ہیں میرے ساتھ۔'' عباس نے موضوع ہی ایسا چھیڑ دیا تھا کہ وہ ایک دم کنفیوژ ہوگئی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں پتا میں اس قسم کی شاپنگ کی عادی نہیں۔''

''ہاں میں تو جیسے بڑا عادی ہوں نا۔'' عباس نے ہنس کر کہا تو وہ شرمندہ ہوگئی۔
''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' اسے لگا کہ جیسے عباس کو برا لگا ہو۔
''پھر کس دن چل رہی ہیں میرے ساتھ۔'' عباس نے کہا تو اس نے شہوار کی طرف دیکھا وہ اسٹیج پر موجود دلہا دلہن پر کمنٹس پاس کررہی تھی۔ دونوں میاں بیوی ان کی طرف سے مکمل طور پر بے خبر تھے حتیٰ کہ بھابی بھی نظرانداز کررہی تھیں۔
''ڈونٹ وری ان پر بھی ایسا وقت آیا تھا سو کچھ نہیں کہتے۔'' عباس نے بار بار اس کا بھابی اور شہوار وغیرہ کی طرف دیکھنا نوٹ کیا تو ہنس کر کہا۔
''یہ لوگ بہت عقل مند ہیں کچھ نہیں کہیں گے۔'' رابعہ محض مسکرائی تھی۔ اس کے علاوہ عباس کچھ اور بھی کہہ رہا تھا رابعہ محض مسکراتی ہوئی اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔



گھر آ کر بھی وہ بہت مضمحل سی تھی۔ اماں بی نے ان کو بہت دلاسہ دیا کہ یہ تمہارا وہم ہوگا لیکن ان کا دل تھا کہ اس کو کسی بھی پل کوئی قرار نہ تھا۔ وہ سب لوگ جو عرصہ دراز سے مر مٹ چکے ہوں اور اب اچانک ان کی یاد ستانے لگے یہ بھلا کیسے ممکن تھا وہ تو سب کو رو دھو کر بھلا چکی تھیں۔
وہ رات بڑی عجیب سی تھی۔ سوچ سوچ کر ماضی کو یاد کرتے کرتے ان کے اعصاب شل ہونے لگے تھے تو اگلے دن تک ان کو شدید بخار نے آلیا تھا۔ اماں بی نے ان کو بخار میں پھنکتا دیکھا تو تشویش کا شکار ہوئی تھیں انہوں نے قریبی ڈاکٹر سے میڈیسن لا دی تھی۔ خود تو وہ کہیں باہر نکلتی نہ تھیں اور نہ ہی آتی جاتی تھیں بس ہادیہ لوگوں سے ہی تعلقات استوار تھے باقی تو ساری دنیا تیاگ تھی۔ اماں بی حتی المقدور ان کی دل جوئی کرتی رہی تھیں۔ ان کو بخار دو دن رہا اور پھر وہ ٹھیک ہوگئی تھیں لیکن اندر کی بے کلی تھی کہ کسی پل بھی چین نہ تھا۔ اگلے دن انہوں نے ہادیہ کا نمبر ملایا۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے دل کی بات کہہ دی۔
''مجھے تمہاری دوست رابعہ سے ملنا ہے نجانے کیوں جب سے اس سے اور اس کی بہن سے ملی ہوں دل کو عجیب سی بے چینی لگی ہوئی ہے۔''
''آپی جان خیریت ہے نا۔'' دوسری طرف ہادیہ پریشان ہوگئی تھی۔
''ہاں سب خیر ہے لیکن میرا دل بہت بے چین ہے۔''
''آپ کہتی ہیں تو میں آپ کی طرف آجاتی ہوں۔''
''نہیں تمہیں خوامخواہ زحمت ہوگی بس مجھے اپنی دوست کا نمبر دے دو۔'' جواباً ہادیہ نے رابعہ کا نمبر لکھوادیا کچھ دیر بات ہوئی اور پھر انہوں نے کال بند کردی۔ انہوں نے اپنے سامنے لکھے نمبر کو دیکھا اور پھر کچھ سوچا تھا۔ ان کے چہرے پر فیصلہ کن کیفیت تھی۔



وہ کالج سے لوٹی تو ولید اسے دیکھ کر مسکرایا۔
''اچھا ہوا تم خود آگئیں ورنہ تمہیں کالج سے پک کرنا پڑتا۔'' اس نے ناسمجھی سے پہلے ولید اور پھر روشی کو دیکھا روشی نگاہیں چرا گئی جبکہ ولید مسکرادیا۔
''کیوں؟''
''مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے شہوار کی کافی منت سماجت کے بعد وہ راضی ہوئی ہے تم بھی ساتھ چلو پلیز۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔
''لیکن آپ کی شاپنگ میں میرا کیا کام؟''
''کیوں تم کوئی اچھا مشورہ بھی نہیں دے سکتیں کیا؟'' ولید ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔
''وہ تو ٹھیک ہے لیکن جینٹس کی شاپنگ کا مجھے خاص کوئی تجربہ نہیں۔'' وہ جو مارے بندھے ولید سے مخاطب ہوئی تھی سنجیدگی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں، شہوار بھی ہوگی تم دونوں مشورہ دینا۔'' ولید نے کہا تو اس نے روشی کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا گئی۔ انا کو یہ سب بڑا تکلیف دہ لگ رہا تھا۔ ولید کا رویہ اس کے ساتھ بہت بہتر ہو گیا تھا بلکہ پہلے جیسا ہی ہو گیا تھا لیکن وہ خود تو اسی اذیت میں گھری ہوئی تھی جہاں کسی بھی پل چین نہ تھا۔

''میں چینج کرلوں۔'' بادل نخواستہ اسے ہامی بھرنا پڑی۔ ''میں آتی ہوں۔'' ولید نے سر ہلایا۔

''آپ جو بھی کر رہے ہیں بالکل اچھا نہیں کر رہے، سچ کہہ رہی ہوں بہت بُری طرح پٹیں گے......'' وہ لاؤنج سے نکلی تو روشی کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی تو ساکت رہ گئی۔

''ہائے کیا کہا ہے میں نے، پہلے تم سب کو گلہ تھا کہ میرا رویہ انا کے ساتھ ٹھیک نہیں اور جبکہ میں نے خود پہل کرتے اپنا رویہ تبدیل کرلیا ہے بالکل پہلے جیسا ہو رہا ہوں تو تم سب کو اعتراض ہو رہا ہے۔''

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔'' روشی کی آواز میں کافی غصہ سنائی دیا تو جواباً ولید نے ایک جاندار سا قہقہہ لگایا تھا۔ انا کا دل جل کر راکھ ہونے لگا وہ تیزی سے وہاں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ نجانے ولید نے کیا کہا تھا لیکن ولید کا یہ رویہ اسے اور زیادہ تکلیف سے دوچار کر رہا تھا، وہ اس سے بہت زیادہ خفا و ناراض تھا لیکن اب ایک دم اس کا رویہ بدل گیا تھا۔

کمرے میں آئی تو آنکھیں آنسوؤں سے جلنے لگی تھیں۔ اس نے سوچا کہ وہ اب نہیں روئے گی، اپنا دل نہیں جلائے گی جو جیسا ہو رہا ہے سزا کے طور پر قبول کرے گی لیکن دل تھا کہ کسی بھی پل قرار و چین نہ تھا۔ وہ خود کو سنبھالتی بمشکل تیار ہوئی تھی۔ سی گرین لائٹ سا ڈریس پہنے وہ بالکل سادہ سی اور کافی مضمحل سی لگ رہی تھی۔ وہ بیگ اور چادر لے کر باہر آئی تو روشی اور ولید دونوں دھیمے لہجے میں کچھ ڈسکس کر رہے تھے اسے دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئے، ولید نے اسے بغور دیکھا۔ سی گرین لباس میں اداس افسردہ سی آنکھیں وہ چند پل کے لیے ساکت رہ گیا، بڑا سوگوار سا حسن...... وہ یک ٹک دیکھے گیا، انا نے ناگواری سے رخ بدلا تو وہ مسکرایا۔

''او کے چلتے ہیں ہم...... واپسی پر ادھر ہی ڈراپ کردوں گا۔'' وہ روشی کو کہہ رہا تھا۔

آج کل وہ مصطفیٰ کی طرف قیام پذیر تھا۔ اب تو اس کے رنگ ڈھنگ انداز و اطوار ہر چیز بدلی ہوئی تھی۔ بابا صاحب نے نئی گاڑی دلائی تھی، وہ اس کے ساتھ باہر آئی تو نئی گاڑی دیکھ کر چونکی۔

''بابا صاحب کی طرف سے گفٹ ملا ہے، آج ہی شوروم سے نکلوا کر لایا ہوں۔ سوچا تمہارے ساتھ پہلا سفر انجوائے کروں۔'' وہ بتا رہا تھا اور آخری الفاظ تو انا کو جلا کر خاکستر کر گئے تھے۔ اس نے بہت شکوہ بھری نگاہوں سے ولید کو دیکھا لیکن اس نے مسکرا کر اس کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

''پلیز ہیو یور سیٹ میم۔'' انا نے لب بھینچ لیے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس پلٹ جائے لیکن دل پر جبر کرتے وہ بیٹھ گئی، ولید نے گاڑی گیٹ سے نکالی۔ وہ بالکل چپ چاپ ساکت سی بیگ کے اسٹریپ سے کھیلتی باہر دیکھ رہی تھی۔

''کیسی لگی تمہیں یہ گاڑی؟'' اس نے پوچھا۔

''اچھی ہے۔'' وہ مختصراً کہہ کر پھر خاموش ہوگئی تھی باقی کا سفر خاموشی سے کٹا تھا۔ وہ اس وقت چونکی جب ولید نے ایک شاندار سے ہوٹل کی پارکنگ کی طرف رخ کیا اور پھر کچھ پل بعد اس نے گاڑی روکی۔

''ہم تو شاید شاپنگ کے لیے نکلے تھے نا؟'' اس نے سنجیدگی سے ولید کو جتانا چاہا تو وہ ہنس دیا۔

''یس آف کورس۔'' انا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے مسکرا کر وضاحت کی۔

''اصل میں پیٹ میں چوہوں کا میچ چل رہا ہے تم بھی کالج سے لوٹی ہو یقیناً تمہیں بھی بھوک لگی ہوگی اور میں اتنا بے مروت تو نہیں کہ شاپنگ کروالوں اور کھلاؤں، پلاؤں کچھ نہیں سوڈیئر انا صاحبہ...... پہلا کام پیٹ پوجا پھر کوئی کام دوجا۔'' ولید کا موڈ واقعی بہت خوش گوار تھا۔ انا نے حیرت سے دیکھا۔

''لیکن مجھے بھوک نہیں۔'' اس نے ٹالنا چاہا۔

''تو ایکس کیوز پلیز کم ان۔'' اگنیشن سے چابی کھینچ کر اس نے قطعی بے پروائی سے کہا' انا کا دل جلنے لگا۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی' یہ سب بڑا عجیب سا لگ رہا تھا اور دل سے ہوک بھی اٹھ رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ہوٹل کے اندر داخل ہوئی۔ ولید نے اس کے لیے خود کرسی کھینچ کر بیٹھنے کو کہا' ولید کا ہر ہر انداز نا قابل فہم تھا۔

''میری گاڑی کی خوشی میں یہ لنچ قبول کرلو۔'' انا نے سنجیدگی سے دیکھا' ولید کے چہرے پر جیسے مسکراہٹ چپک سی گئی تھی۔ وہ زندگی میں شاید پہلی بار اسے اس قدر خوش گوار موڈ میں دیکھ رہی تھی۔

''کیا کھاؤ گی؟'' مینو کارڈ اسے تھماتے اس نے پوچھا تو انا کے تیور بدلے۔

''جب لنچ آپ کروا رہے ہیں تو جو مرضی کھلا دیں کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس کا لہجہ تیکھا ہوا تو ولید ہنس دیا۔

''اوکے جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ واقعی مینو کارڈ کو پڑھنے لگا۔ انا کا جی چاہا کہ اٹھ کر یہاں سے چلی جائے لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب ولید کے سامنے مضبوط رہے گی کسی بھی قسم کے بچگانہ رویے کا مظاہرہ نہیں کرے گی۔ ولید نے تین چار آئٹمز سلیکٹ کیے تھے دونوں کی پسند کو ملحوظ خاطر رکھا تھا اس نے۔ کھانا سرو ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔

''آپ تو اپنی فیملی سے مل جانے پر بہت خوش ہوں گے نا۔'' اس نے پوچھا تو ولید مسکرایا۔

''آف کورس' بابا صاحب چاہتے ہیں کہ ہم سب ان کے ساتھ حویلی شفٹ ہو جائیں لیکن بابا (فیضان) ابھی نہیں مان رہے لیکن بابا صاحب کی ضد ہے کہ رابعہ کی شادی حویلی سے ہوگی۔ دیکھیں کون کس کو مناتا ہے' بابا نے ساری زندگی خودداری میں گزاری ہے اور اس عمر میں آکر وہ کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتے لیکن مجھے لگتا ہے کہ بابا صاحب کی ضد اور خواہش کے سامنے ان کی یہ خودداری بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکے گی۔'' ولید نے بھی سنجیدگی سے بتایا۔

''آپ واقعی چاہتے ہیں کہ انکل آپ کے خاندان میں چلے جائیں؟''

''میں بس یہ جانتا ہوں کہ میرے والد کے ساتھ ماضی میں جو زیادتیاں ہوئیں ان کا ازالہ ہو جائے۔ بے شک انہوں نے بابا صاحب کو والد کے طور پر قبول کرلیا ہے لیکن جائیداد دولت کسی میں بھی وہ حصہ دار نہیں بننا چاہتے لیکن میں سمجھتا ہوں یہ سب ان کا حق ہے۔ مصطفیٰ کی فیملی کو میں ایک عرصہ سے جانتا ہوں مجھے علم ہے ان سب کے دل بہت فراخ اور محبت کے لیے دل نرم ہیں اور بابا صاحب کی ضد کے سامنے بابا بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکیں گے۔ میں بس ہر حال میں اپنی بہنوں اور اپنے باپ کو سیکیورڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' ولید کا موقف اچھا تھا' انا نے سر ہلایا۔

''تو پھر اب آپ اپنے والد صاحب کے ساتھ حویلی میں رہا کریں گے؟'' اس نے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

''ابھی تک تو کچھ ڈیسائیڈ نہیں کیا' وقار انکل چاہتے ہیں کہ میں ابھی بھی اسی طرح ان کا بزنس ورک دیکھوں اور شاہزیب انکل چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ عباس و سجاد بھائی کے ساتھ مل کر کام کروں' دیکھو کیا کرتا ہوں۔'' ولید نے کندھے اچکائے۔

''تو پھر آپ کس کے ساتھ کام کریں گے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ابھی تو میں پرانی روٹین ہی نبھا رہا ہوں' نیکسٹ دیکھیں کیا کرتا ہوں فی الحال تو کچھ بھی فیصلہ نہیں کیا۔'' ولید کندھے اچکا کر کہا' کھانا سرو کردیا گیا تھا۔

دونوں نے کھانا کھایا...... کھانا کھاتے ہوئے انا کا موڈ کچھ بہتر ہو گیا تھا۔ کھانے کے دوران شہوار کی کال آئی تھی وہ سب شاپنگ سینٹر پہنچ چکے تھے اور اب ولید کا پوچھ رہی تھی' ولید نے کچھ دیر میں پہنچنے کا کہا۔ وہ لوگ وہاں پہنچے تو وہاں شہوار' صبا' عائشہ کے علاوہ شائستہ بھابی بھی تھیں اور تو اور رابعہ کے علاوہ عباس بھائی بھی تھے سبھی گرم جوشی سے ملے تھے۔

''پھوپو کہہ رہی تھیں کہ بس آج ساری شاپنگ فائنل کرلیں۔'' شہوار نے بتایا تو انا کا چہرہ بجھ سا گیا اور جب شاپنگ کا دور چلا تو انا کے حقیقتاً ہاتھوں کے طوطے اڑے تھے۔

وہ جو سمجھ رہی تھی کہ یہ سب لوگ رابعہ کی شاپنگ کے لیے آئے ہیں تو خیال غلط تھا۔ رابعہ کے علاوہ شائستہ بھابی اس کے لیے بھی شاپنگ کر رہی تھیں اور ہر چیز اس کی پسند سے لینا چاہ رہی تھیں' ان کا ارادہ تو آج برائیڈل ڈریس بھی خریدنے کا تھا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اتنے سارے لوگ' ان کی باتیں اس کا دماغ مفلوج ہو رہا تھا۔ ولید بہت خوش تھا وہ تو شاید

اپنی شاپنگ بھول بھال گیا تھا یا پھر محض انا کو ساتھ لانا مقصد تھا۔ انا کو لگ رہا تھا کہ سب بہت غلط ہو رہا ہے۔ شائستہ بھابی ہر چیز میں اس کی رائے لے رہی تھیں بلکہ وہ کیا ہر کوئی اس کی رائے کو مقدم جان رہا تھا حتیٰ کی ولید بھی۔

رابعہ کنفیوژ تھی لیکن خوش تھی۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی ایسے میں عباس کا ساتھ اور اس کے چھوٹے موٹے جملے خوشی سے رابعہ کا چہرہ دمک رہا تھا۔ انا بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھی ان لوگوں نے نجانے کیا کیا خریدا تھا اور کیا کیا نہیں وہ تو حواس گم اور خطا اوسان لیے سب کے ساتھ تھی۔ اللہ اللہ کر کے ان سب کی شاپنگ ختم ہوئی تو انا نے گھر جانے کی ضد شروع کردی تھی۔ وہ سب لوگ شاپنگ کے بعد کچھ کھانے پینے کے موڈ میں تھے جبکہ اس کا موڈ قطعی آف ہو چکا تھا۔ ولید کو اس کے موڈ کا اندازہ ہو رہا تھا جو وہ بمشکل بحال کیے ہوئے تھی وہ سب کے اصرار کے باوجود اسے لے کر گاڑی کی طرف بڑھ آیا۔

''یہ میرے ساتھ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے' کیا تھا یہ سب آپ تو اپنی شاپنگ کا کہہ کر مجھے ساتھ لائے تھے لیکن یہاں تو......'' اس کا ضبط بس یہاں تک ہی تھا ولید نے جیسے ہی گاڑی ڈرائیو کی وہ پھٹ پڑی' ولید نے سنجیدگی سے دیکھا۔

''یہ لوگ تمہیں کئی دن سے ساتھ چلنے کا کہہ رہی تھیں لیکن تم مان ہی نہیں رہی تھیں۔ کل شائستہ بھابی نے مجھ سے بات کی تو میں نے کہہ دیا' تمہیں ساتھ لے آؤں گا۔'' ولید کا انداز نارمل تھا' انا نے بہت دکھ سے اسے دیکھا۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے مجھے چیٹ کرتے ہوئے' بہانے سے مجھے لے کر آئے ہیں۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''لو میں کیوں شرم کروں' بھابی بے چاری پریشان تھیں میں نے اس طرح ذرا ہیلپ کردی ہے ان کی۔''

''نہیں کرنی مجھے یہ شادی...... سب کو صاف علم ہو گیا ہے کہ میں یہ سب کیوں کر رہی تھی' اس کے باوجود آپ سب لوگ مجھے تنگ کر رہے ہیں۔'' ولید نے بہت اطمینان سے اس کی بات سنی۔

''جو ہونا تھا ہو چکا ہم سب نے صورت حال سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔ کاشفہ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے' سب کچھ کلیئر ہے لیکن اس سب سے زیادہ کلیئر صورت یہ ہے کہ وقار انکل کا کہنا ہے کہ وہ زبان دے کر پھرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ رہ گئی تمہاری رضامندی انہیں تمہاری خواہش سے زیادہ اپنی عزت پیاری ہے۔ اگر سنجیدگی کے ساتھ ان کا موقف دیکھا جائے تو وہ غلط نہیں ہیں۔ حماد کے گھر والوں کی بھی کوئی عزت ہے' خاندان بھر میں بات پھیل چکی ہے اور اب جبکہ شادی میں دن بھی بہت کم رہ گئے ہیں تو ایسے میں انکل کو بیٹی کی خواہش سے زیادہ دونوں خاندانوں کی عزت کا خیال ہے۔'' انا بے یقینی سے ولید کو سن رہی تھی۔ وہ تو ولید کے بدلے رویوں سے نجانے کیا کیا سوچنے لگی تھی اور اب۔

''اور یہ جو آپ کا بدلتا ہوا رویہ ہے کیا یہ سب بھی ڈرامہ ہے؟'' اس کے لہجے میں بے یقینی و تلخی تھی۔ ولید نے اس کو بغور دیکھا' چہرے پر عجیب سی اذیت بھری کیفیت تھی۔ اس وقت وہ بہت زیادہ قابل رحم لگ رہی تھی۔

''میں ڈرامہ نہیں کر رہا' میرے دل میں تمہارے لیے کوئی کدورت و بدگمانی نہیں ہے اب۔ تم میری بہت اچھی دوست تھی اور رہوگی۔'' ولید نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر دوسرے ہاتھ کی گرفت میں لیتے نرمی سے کہا تو انا کو لگا کہ اس کے سر پر گاڑی کی چھت آ گری ہو۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے' انا کو لگ رہا تھا کہ اطراف میں جیسے آکسیجن کی ایک دم شدید کمی ہو گئی ہے۔ وہ تو نجانے کیا کیا سمجھنے لگی تھی۔ وہ ولید کا اچھا رویہ دیکھ کر خوش گمانیوں کے حصار میں جکڑنے لگی تھی لیکن ولید نے تو گویا بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

''میں آپ سے کئی بار معافی مانگ چکی ہوں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ آپ میرے لیے کیا ہیں آپ بے خبر نہیں ہیں' اس کے باوجود آپ یہ سب ہونے دیں گے۔'' وہ لحہ بہ لحہ مدھم ہوتی آواز کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ ایک پل کو تو اس قدر واضح اور صاف اظہار پر ولید کا دل رکا تھا لیکن اگلے ہی پل اس پر حواس غالب آ گئے تھے۔

''ایم سوری انا......'' ولید نگاہیں پھیر گیا۔ انا کو لگا کہ جیسے ایک دم فضا میں ساری آکسیجن ختم ہو گئی ہو۔ وہ لڑکی ہونے کے باوجود دل کی بات کہنے سے باز نہیں آئی تھی اور ولید...... اس نے بے یقینی سے ولید کو دیکھا تھا۔ ولید کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری ہو چکا تھا۔ انا نے ولید کی گرفت سے اپنے ہاتھ نکالا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی بے جان ہو کر گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر ڈھے جائے گی لیکن وہ اپنی عزت نفس اور وقار کھو جانے کے بعد اب ولید کے سامنے مزید بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔

اس کے لاکھ ضبط کرنے کے باوجود چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں بنتی چلی گئی تھیں وہ چہرہ موڑ کر دوسری طرف رخ پھیر گئی تھی۔ ولید اس کا ایک ایک انداز نوٹ کررہا تھا' اس کے اندر شدید تاسف نے سر اٹھایا تھا اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر لب دانتوں تلے دبالیا۔ وہ دیکھ رہا تھا وہ رو رہی ہے لیکن انا کا وجود بالکل ساکت تھا۔ اس نے ایک بار پھر انا کو دیکھا اس کے چہرے پر انا کے لیے تشویش پھیل رہی تھی۔

''اناتم......'' کچھ توقف کے بعد اس نے پکارا تو انا کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی تھی۔

''مجھے گھر جانا ہے پلیز مجھے گھر ڈراپ کردیں۔'' انداز بہت اجنبی سا تھا۔ وہ رو نہیں رہی تھی لیکن اس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا اس کے بعد ولید کے اندر اتنی ہمت نہ ہوگی کہ وہ اسے مخاطب کرتا' اس نے اسے دیکھتے گاڑی آگے بڑھادی تھی۔

❀......❀......❀

وہ گھر آئی تو بہت عجیب سی کیفیت میں تھی۔ گھر میں سبھی موجود تھے وہ بمشکل خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ گھر آتے ہی وہ کمرے میں گھس گئی۔ روشی کو اس کے رویے سے تشویش لاحق ہوئی تھی۔ اس نے انا کو ڈسٹرب کرنے کی بجائے ولید کو کال ملائی اور ادھر سے جو سننے کو ملا تھا روشانے کا جی چاہ کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''بہت بُرا کررہے ہیں آپ انا کے ساتھ' میں سچ کہہ رہی ہوں' بہت پچھتائیں گے آپ۔'' غصے سے کہہ کر اس نے کال بند کردی۔ روشی انا کے کمرے میں آئی تو وہ بہت دل گرفتہ سی قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھیں متورم۔ روشی کو شدید تاسف نے آلیا۔ انا نے اسے دیکھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''کیا ہوا؟'' روشی اس کے پاس ہی قالین پر بیٹھ گئی۔ انا نے خاموشی سے روشی کو دیکھا۔ اس وقت وہ سخت بکھری ہوئی اور آزردہ سی لگ رہی تھی۔

''مجھے لگتا تھا کہ جیسے میرا اقرار ولید کا رویہ بدل دے گا اور آج میں اپنی انا اپنا وقار سب کچھ اس کے قدموں میں ڈال آئی لیکن وہ......'' وہ ایک پل کو رکی تھی انا کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں پھر جگہ بنانے لگیں تھیں۔

''وہ مجھے ایک دوست سے زیادہ درجہ دینے کو تیار ہی نہیں۔ میں جانتی ہوں وہ ابھی بھی کاشفہ والے واقعے کو لے کر انا کا مسئلہ بنائے ہوئے ہے۔ بظاہر اس نے مجھے معاف کردیا ہے لیکن وہ اس واقعے کو بھولا نہیں' میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن اسے مجھ سے محبت تو کیا انسیت تک نہیں۔'' وہ روشی کا ہاتھ جکڑ کر شدت سے روئی تھی۔ روشی نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی' وہ چاہتا ہے میں پچھتاؤں ساری عمر اس کے سامنے بھیگ مانگوں لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں اب خود کو مزید ارزاں نہیں کروں گی' تمہارا تو وہ بھائی ہے تم سب اسی کی فیور کرتے ہو۔ تم سب کے نزدیک میں قصوروار تھی تو ٹھیک ہے میں سزا بھگتوں گی میں حماد سے شادی کرلوں گی اور کہہ دینا اپنے چہیتے بھائی سے کہ میں اس سے شدید نفرت کرتی ہوں شدید ترین نفرت......'' وہ اندر کا غبار نکال رہی کر رو رہی تھی۔ ولید کو کوس رہی تھی اور روشی وہ گہرا سانس لیتے بس اسے اندر کا غبار نکالتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے پاس تسلی کے لیے کوئی لفظ نہ تھے ماسوائے چپ رہنے کے۔

❀......❀......❀

لالہ رخ تڑپ رہی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر اپنے گھر اپنے بچوں کے پاس پہنچ جائے لیکن وہ بالکل بے بس تھی۔ وہ جن لوگوں کو اپنا مددگار سمجھ رہی تھی اب وہی لوگ اس کو اپنے دشمن لگ رہے تھے۔ وہ لوگ اس کے گھر لانے کی بجائے دھوکے سے ایک ایسی جگہ لے آئے تھے جہاں ان جیسے اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ وہ عجیب سے لوگ تھے اور کوئی نہ کوئی مرد وعورت چلا آتا اور اس کی خوب صورتی اس کے حسن وجوانی کو بازاری نظروں سے ٹٹولنے لگتا تھا۔ لالہ رخ سخت خوف زدہ ہوگئی تھی' اسے اب اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کن لوگوں میں پھنس گئی ہے۔ یہاں آکر ان دونوں میاں بیوی کی اصلیت کھل کر سامنے آئی تھی۔ یہ دونوں میاں بیوی خانہ بدوش تھے' کبھی یہاں اور کبھی وہاں' یہ لوگ مختلف قسم کی وارداتوں اور غلط کاموں میں ملوث تھے۔ کبھی کوئی بچہ اٹھا کر بیچ دیا یا کبھی کوئی چوری کرلی لیکن اس بار ایک حسین وجمیل عورت کو دیکھ کر ان لوگوں نے ایک مختلف پلاننگ کی تھی۔

وہ عورت چند دن پہلے ہی اس علاقے میں آئی تھی اور کام کے غرض سے اس جگہ لگی تھی اور پھر اس دن وہ کھانا لے کر آئی تو

لالہ رخ کا حسن دیکھ کر چونکی تھی۔ اس نے اپنے شوہر سے بات کی اور شوہر فوراً آمادہ ہوگیا تھا اور پھر ان دونوں نے مل کر لالہ رخ کو وہاں سے نکال لیا اور اسی رات اپنا مختصر سا سامان لے کر وہ اپنی رہائش سے بھی بھاگ نکلے تھے۔ لالہ رخ ان سے کہتی رہی کہ وہ اسے اس کے گھر جانے دیں اور وہ دونوں میاں بیوی اسے تسلیاں دیتے رہے کہ جیسے ہی حالات نارمل ہوتے ہیں وہ اسے جانے دیں گے اور پھر لالہ رخ ان کے جال میں مکمل طور پر پھنس گئی۔ اس بار وہ اس کا سودا کرنا چاہتے تھے لیکن گاہک انہیں اپنی مرضی کا نہیں مل رہا تھا۔ ان دونوں نے اسے ایک بوسیدہ سے کمرے میں بند کررکھا تھا جہاں بس ایک وقت اس کو کھانا پہنچادیا جاتا تھا۔ لالہ رخ کو اپنی جان سے زیادہ اپنی عزت کی فکر پڑ گئی تھی، پھر بچوں کے خیال سے جان سوکھنے لگتی تھی اور پھر اس دن وہ عورت آئی تھی۔

''ہم نے سودا کردیا ہے تیرا رات کو کچھ آدمی تجھے لینے آئیں گے۔ آرام وسکون سے ہمارے ساتھ تعاون کرے گی تو ٹھیک ورنہ بے ہوش کرکے باندھ کر ڈال دیں گے ان کے آگے تجھے۔'' کاروباری انداز تھا۔ لالہ رخ شدت سے رو پڑی تھی۔

''کیوں کررہے ہو تم میرے ساتھ ایسا، تم جانتی ہو میں ایک مظلوم عورت تھی۔ اپنے بچوں کے لیے دن رات تڑپ رہی، میں نے تم لوگوں پر اعتبار کیا اور تم نے میری بے بسی کا فائدہ اٹھایا تمہیں اللہ کا واسطہ ہے مجھ پر رحم کرو جانے دو مجھے۔''

''زیادہ بک بک نہ کر، آرام سے رہ، رات کو لینے آوں گی ذہن تیار کرلے اپنا۔'' اس شقی القلب عورت پر کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ وہ کہہ کر اس کے سامنے کھانا رکھ کر چلی گئی تھی اور لالہ رخ وہ تو عجیب سے عذاب میں گھر گئی تھی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ عورت اس کے تعاقب میں چلی آرہی ہے۔ وہ ماہیٔ بے آب کی مانند تڑپ رہی تھی لیکن نجات کا کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔ وہ سارا دن اللہ سے دعائیں مانگتی رہی، نجات کا رستہ ڈھونڈتی رہی لیکن کچھ بھی نہ ہوسکا تھا روتے سسکتے وہ وقت آپہنچا جب ان ظالم میاں بیوی نے اس کے روتے بلکتے وجود کو ان دو مردوں کے حوالے کردیا تھا۔



رابعہ سہیل کی طرف تھی اسے ایک کال آئی تھی۔ وہ کال کرنے والی ہستی کا تعارف جان کر حیران ہوئی تھی اور پھر جب انہوں نے اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ اور بھی چونکی، اس نے اپنا ایڈریس لکھوادیا تھا۔

اگلے دن وہ آگئی تھیں اس کے ساتھ اماں ہی تھیں۔ ثریا اور بھابی کا ان سے پہلے ہی تعارف تھا وہ ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

''مجھے رابعہ کے بارے میں بات کرنی ہے۔'' رابعہ ان کے لیے چائے بنانے چلی گئی تو انہوں نے ثریا بیگم سے کہا۔

''میں نے جب بھی رابعہ کو دیکھا مجھے نجانے کیوں لگا کہ جیسے اس سے کوئی بہت قریبی رشتہ ہے کوئی کشش ہے جو مجھے اس کی طرف کھینچتی ہے۔ آج میں روک نہیں پائی خود کو یہاں تک پہنچنے سے۔'' انہوں نے تمہید باندھی، ثریا بیگم چونکی تھیں تاہم خاموش رہیں۔

''مجھے ہادیہ سے پتا چلا کہ رابعہ آپ کی حقیقی بیٹی نہیں......''

''جی میرے بھائی کی بیٹی ہے۔'' انہوں نے رسانیت سے کہا۔

''لیکن ہادیہ بتارہی تھی کہ یہ آپ کے حقیقی بھائی نہیں ہیں۔'' انہوں نے کہا تو ثریا بیگم مزید الجھیں۔

''لیکن اپنوں سے بڑھ کر ثابت ہوئے ہیں۔'' ان کے لہجے میں فیضان صاحب کے لیے ازحد مان اور احترام تھا۔ ''لیکن آپ یہ سب کیوں جاننا چاہتی ہیں؟'' ثریا بیگم نے استفسار کیا تو ان کا چہرہ بجھ گیا۔

''ہادیہ کی شادی والے دن رابعہ کی چھوٹی بہن سے ملاقات ہوئی تھی، دونوں بہنیں ماشاء اللہ بہت پیاری ہیں۔'' انہوں نے افسردگی سے کہا۔

''میری بھی بڑی بیٹی کا نام رابعہ تھا۔'' انہوں نے مزید بتایا تو ثریا بیگم مسکرائیں۔

''لیکن پھر وہ مجھ سے بچھڑ گئی سنا ہے مرگئی تھی بے چاری۔'' ان کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی در آئی تھی۔

''اوہ......'' ثریا بیگم کو شدید دکھ ہوا۔

"لیکن رابعہ کو دیکھتی ہوں تو لگتا ہے جیسے میری بیٹی پھر سے زندہ ہوگئی ہے۔ رابعہ نے اس دن اپنی چھوٹی بہن سے ملوایا تو لگا کہ جیسے رابعہ کے بعد اب عائشہ بھی زندہ ہو کر میرے سامنے آ گئی ہے۔" ثریا بیگم چونکیں۔

"عائشہ کون؟"

"میری چھوٹی بیٹی کا نام تھا۔" ثریا بیگم کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

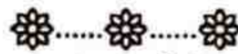
"لیکن وہ بے چاری بھی اللہ کو پیاری ہوگئی تھی۔"

"کیا نام ہے آپ کا؟" ثریا بیگم نے اپنی آواز کی لرزش خود بھی محسوس کی تھی۔

"لالہ رخ......"

آپی جان کے ہونٹوں سے یہ نام ایک تڑپ بن کر نکلا تھا اور ثریا بیگم وہ پھٹی پھٹی آنکھیں لیے اپنے اردگرد اس نام کی بازگشت سن رہی تھیں۔

"لالہ رخ......لالہ رخ......لالہ رخ......"



فیضان بابا صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے فون کر کے بلوایا تھا۔

"لگتا ہے تم نے ابھی تک اپنے باپ کو معاف نہیں کیا۔" بابا صاحب کے لہجے میں آزردگی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں بابا صاحب۔"

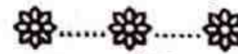
"تو پھر میری بات مان کیوں نہیں لیتے یہ کاغذات رکھ لو بیٹا......ایک عرصے سے اس امانت کا بوجھ لیے زندہ ہوں۔ تم چاہتے ہو کہ کل قیامت والے دن تمہارے باپ کو جہنم میں ڈال دیا جائے۔" وہ دکھی تھے فیضان صاحب تاسف کا شکار ہوئے۔

"میں ایسا کچھ بھی نہیں چاہتا' میں نہیں چاہتا کہ دولت وجائیداد کو لے کر آپ کی باقی اولاد میں سے کسی کو اعتراض ہو اور لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے۔ میں اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں یقین جانیے مجھے کسی بھی چیز کی طلب نہیں۔" باپ کا ہاتھ تھام کر یقین دلانا چاہا۔

"تو ٹھیک ہے تم یہ کاغذات رکھ لو میری باقی اولاد کو کوئی اعتراض نہیں بلکہ یہ جائیداد تو عرصہ دراز سے میں نے نکال کر الگ کردی تھی سبحان نے ضد کی تھی اور تمہارے بہتر مستقبل کو دیکھتے میں نے اسے سونپ دیا تھا لیکن تمہارے حق سے کبھی غافل نہ ہوا تھا۔ سبحان منع کرتا رہتا تھا لیکن تمہارے نام بینک میں رقم جمع کرواتا رہتا تھا اور پھر سبحان چلا گیا لیکن تب بھی میں چاہتا تھا کہ تم میرے پاس آ جاؤ لیکن تم نہ مانے' تمہاری اولاد کو دیکھا تو سوچا وقت کے ساتھ ساتھ تم قائل ہو جاؤ گے تو یہ حصہ تمہاری اولاد کو دے دوں گا لیکن پھر وہ حادثہ ہوگیا اور میں جیتے جی مرگیا۔" بابا صاحب رونے لگے تھے' فیضان صاحب نے بہت محبت سے ان کو بازوؤں میں لے کر سمیٹ لیا تھا۔

"تمہیں اپنے بیٹے کی حیثیت سے ہر جگہ متعارف کروانا چاہتا ہوں' تمہاری اولاد کو جائز حق دینا چاہتا ہوں۔ بیٹا انکار مت کرنا' اپنے باپ کی آخری خواہش سمجھ کر قبول کرلو۔" بابا صاحب کا انداز بہت زیادہ التجائیہ تھا' فیضان صاحب نے ایک گہرا سانس لیتے ان کے سامنے سر خم کردیا۔

"جیسے آپ کی خواہش بابا صاحب۔" اور بابا صاحب نے خوشی سے نہال ہوتے بیٹے کو سینے سے لگا لیا تھا۔



اس کا رونا دھونا ان دونوں میاں بیوی کے کسی کام نہ آیا نتیجتاً رات کے وقت وہ ان کی گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ ایک گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور دوسرا اس کے ساتھ بیک سیٹ پر بیٹھا مسلسل اس پر اپنی نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ ان کی گفتگو سے لالہ رخ کو اندازہ ہوا تھا وہ اسے کسی عورت کے پاس لے کر جا رہے تھے جو عورتوں سے مختلف قسم کا دھندا کرواتی تھی۔ ابھی انہیں سفر کرتے چند منٹ ہی گزرے تھے جب ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" پچھلے سیٹ پر بیٹھے شخص نے پوچھا تو فرنٹ سیٹ پر بیٹھا شخص بار بار اگنیشن میں چابی گھمانے لگا تھا۔

''پتا نہیں کیا ہوا ہے ایک دم ہی گاڑی بند ہوگئی ہے۔''
''اتر کر دیکھو شاید انجن میں کوئی مسئلہ ہوگیا ہو۔'' پچھلی سیٹ والے نے مشورہ دیا تھا۔
لالہ رخ کے بہتے آنسو بھی ٹھٹھر گئے تھے وہ جو چادر میں چہرہ چھپائے خود کو دروازے سے لگائے خوف سے کانپ رہی تھی اس نے چادر کی اوٹ سے دیکھا۔ گاڑی ایک سنسان اور تاریک سڑک پر رکی ہوئی تھی۔ یہ شہر کا کون سا علاقہ تھا لالہ رخ شناخت نہ کرپائی تھی لیکن وہ چوکنا ہوگئی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا شخص باہر نکل کر گاڑی کا بونٹ اٹھا کر انجن چیک کررہا تھا۔
''کچھ پتا چلا کہ کیا ہوا؟'' ساتھ والے نے اونچی آواز میں پوچھا تھا۔
''نہیں' اندھیرا ہے ٹارچ بھی نہیں ہے کچھ پتا نہیں چل رہا۔'' دوسری طرف سے اونچی آواز میں جواب ملا تھا۔
دونوں کچھ دیر کے لیے لالہ رخ سے غافل ہوگئے تھے اور پھر لالہ رخ کے ساتھ بیٹھا شخص خود بھی اتر کر گاڑی کا انجن دیکھنے لگا تھا ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ گاڑی میں اچانک کوئی بڑا فالٹ ہوا ہے جو رک گئی ہے اور اسٹارٹ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ چند پل مزید سرکے تو لالہ رخ کے حواس کام کرنے لگے۔ اس نے دیکھا اس کے دوسری طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندھیری رات میں دور دور تک سڑک تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شاید قدرت اس کا ساتھ دینے پر آمادہ تھی وہ لوگ اس کی وجہ سے کسی سے مدد لینے کو بھی تیار نہ تھے کہ کہیں وہ چیخنے چلانے نہ لگ جائے۔
لالہ رخ نے خود کو سیٹ پر گرالیا تھا اور آہستہ آہستہ سرکتے وہ کھلے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ قدرت کی طرف سے ملنے والے اس موقع کو ضرور آزمائے گی اگر کامیاب ہوگئی تو ٹھیک ورنہ اپنی بدقسمتی پر وہ رو دھو تو رہی تھی۔ وہ آہستہ سے گاڑی سے نکلی تھی' وہ دونوں گاڑی کا انجن چیک کررہے تھے اس کی طرف سے اپنے مسئلے میں الجھ کر شاید کچھ دیر کے لیے بے پروا ہوگئے تھے۔ لالہ رخ اسی طرح کھردری سڑک پر رینگتے گاڑی کے عقب سے ہوتے پچھلی طرف بڑھی تھی' سڑک کے دوسری طرف کوئی گلہ تھا۔ وہ اسی طرح سانس روکے رینگتے ہوئے اس کی طرف بڑھی اور پھر سڑک سے اٹھ کر وہ اندھادھند اندر کی طرف بھاگی تھی۔ انجن پر جھکے دونوں آدمی چونکے تھے۔
''ارے دیکھو وہ عورت بھاگ رہی ہے۔'' وہ دونوں حواس باختہ ہوگئے تھے۔ وہ دونوں اس کے عقب میں بھاگے تھے۔
لالہ رخ کے اندر نجانے کہاں سے اتنی طاقت آسمائی تھی کہ وہ بجلی کی تیزی سے سمت کا تعین کیے بغیر بھاگتی جارہی تھی۔ وہ دونوں آدمی اس کے پیچھے تھے' بھاگتے بھاگتے وہ ایک گلی میں گھس گئی تھی' وہ دونوں آدمی مسلسل پیچھے تھے وہ ایک گھر کے سامنے دروازے کے دونوں طرف بنے گھروں میں سے ایک میں چھپ گئی تھی۔ وہ دونوں آدمی بھاگتے ہوئے آگے چلے گئے تھے۔ لالہ رخ دم سادھے بیٹھی رہی تھی' اس کے کپڑوں پر گندگی لگ گئی تھی لیکن اسے قطعی پروا نہ تھی۔ چند پل گزرے تھے اسے تسلی ہوگئی تھی کہ وہ آدمی کافی آگے جاچکے ہیں اس نے گھر کا دروازہ بجانا شروع کردیا تھا اور بار بار خوف زدہ نظروں سے اطراف میں بھی دیکھ رہی تھی۔
''کون ہے بھئی آدھی رات کو کون آگیا ہے؟'' کچھ دیر بعد کسی خاتون کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔
''پلیز دروازہ کھولیں پلیز......'' اس کے لہجے میں خوف تھا' بے بسی تھی۔
''کون ہو تم؟'' اب کی بار چونک کر پوچھا گیا تھا۔
''پلیز دروازہ کھول دیں۔'' وہ بار بار عقب میں اور اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو لالہ رخ اندھادھند اندر گھسی تھی۔ دروازہ کھولنے والی خاتون بھی خوف زدہ ہوگئی تھی' لالہ رخ نے اندر گھس کر دروازہ بند کردیا تھا۔
''ارے کون ہو تم...... کیوں اندر گھسی آرہی ہو؟'' وہ خاتون ایک دم گھبرا کر چیخی تھیں۔
''پلیز گھبرائیں نہیں' میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی' وہ لوگ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں' پلیز مجھے تھوڑی دیر کے لیے رکنے دیں پھر میں چلی جاؤں گی۔'' وہ بتاتے بتاتے رو پڑی تھی' خاتون نے حیران ہوکر دیکھا۔
''گھر سے بھاگی ہو کیا؟'' غصے سے پوچھا تو اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔
''نہ...... نہیں...... پلیز میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں میں کوئی غلط عورت نہیں ہوں میں کچھ دیر میں چلی جاؤں گی۔'' لالہ رخ

سیدہ لوبا سجاد

میرا نام سیدہ لوبا سجادہ ہے ضلع لودھراں کی تحصیل کہروڑپکا سے تعلق ہے۔ میں نے ایم اے اردو' بی ایڈ کیا ہے۔ہم تین بہن ہیں بھائی کوئی نہیں۔نئی نئی ڈشز ٹرائی کرنا' بکس پڑھنا اور شاعری کرنا میرا شوق ہے۔ خامیاں خوبیاں تو سب میں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہیں۔امی کے مطابق بہت بھلکڑ ہوں بعض چیزیں ایسی سنبھال کے رکھتی ہوں کہ مجھے ہی نہیں ملتیں (ویسے انہوں نے یہ الفاظ کافی عزت سے کہے تھے)۔اچھی راز دار ہوں جس سے دوستی رکھتی ہوں تو خلوص سے رکھتی ہوں۔احمد میرا پیارا بھائی (آنٹی کا بیٹا) کہتا ہے خامی کوئی نہیں ساری خوبیاں ہیں۔مجھے میری خامی یہ لگتی ہے کہ میں ایک جگہ سے کئی بار دھوکا کھا کر بھی اعتبار کرلیتی ہوں۔9th کلاس سے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا۔4 جون کے گرم دن میں پیدا ہوئی اور مزے کی بات یہ ہے کہ بیس سال تک ہر سال میری برتھ ڈے پر طوفانی بارش آتی تھی اب شکر ہے سکون ہے اور دو تین سال سے بس کیک کاٹتی ہوں۔ بہت سی کتابیں پڑھی ہیں جن میں مجھے "پیر کامل' کوئی لمحہ گلاب" طاہر لاہوتی بہت پسند ہیں۔ہاشم ندیم اور علیم الحق حقی کے تو ہر ناول ہی بہترین ہوتے ہیں (میں مرد رائٹرز کے ناولز زیادہ پڑھتی ہوں)۔شاعری کا تو بہت سوق ہے ناصر کاظمی میرے پسندیدہ شاعر ہیں' باقی جو بھی اچھا لکھے وہی پسند ہے۔

روتے ہوئے خاتون کے قدموں میں جھک گئی تھی' وہ خاتون بھی ساکت ہوگئی تھی۔

"کون ہے خالہ؟" اندر سے ایک اور ینگ سی عورت بھی ادھر آگئی تھی دونوں کو دیکھ کر الجھی تھی۔

"پتا نہیں کہتی ہے کچھ لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں کچھ دیر میں چلی جائے گی۔"

"خالہ نکالیں اسے میرے گھر سے یقیناً کوئی چور ڈاکو ہوگی ابھی خود گھسی ہے ساتھ میں پورا گروپ ہوگا۔" وہ ینگ سی عورت تو اور بھی زیادہ خوف زدہ ہوگئی تھی۔

"نہیں پلیز میں کوئی ایسی ویسی عورت نہیں ہوں پلیز میرا اعتبار کریں میں بس پناہ لینے کے لیے ادھر آئی ہوں ابھی کچھ دیر میں چلی جاتی ہوں۔" وہ دوسری عورت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رونے لگی تھی' دونوں خواتین نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"آپ نے دروازہ ہی کیوں کھولا تھا نجانے کون ہے کیا مقاصد ہیں' گھر میں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی ہے بھی نہیں۔" وہ عورت پہلی خاتون سے الجھ رہی تھی جبکہ لالہ رخ وہیں پر بیٹھ کر رو رہی تھی۔

"شکل سے کافی مظلوم لگ رہی ہے۔"

"شکلوں کا اعتبار کون کرے آج کل تو اچھے بھلے شریف لوگ گھروں میں گھس جاتے ہیں۔" وہ ابھی بھی مشکوک تھی جبکہ لالہ رخ دروازے کے ساتھ لگی زمین پر بیٹھی سسکتی رہی تھی' کچھ دیر اسی حالت میں گزری تھی۔

"پانی پیوگی؟" پہلی خاتون نے پوچھا تو اس نے ہاں میں سر ہلا دیا تھا۔انہوں نے پانی لاکر اسے دیا تو وہ ایک ہی سانس میں پی گئی تھی۔دونوں خواتین اسے کچھ نہیں کہہ رہی تھیں بس خاموشی سے دیکھ رہی تھیں' کچھ وقت مزید سرکا تو لالہ رخ سنبھل چکی تھی۔ دونوں خواتین کو بھی شاید اس پر اعتبار آچکا تھا وہ اندر سے چارپائی گھسیٹ لائی تھیں اور اسے بیٹھنے کو کہا تھا۔

"کہاں سے آئی ہو تم...... اور کون لوگ ہیں جو تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟" پہلی خاتون نے پوچھا تھا۔لالہ رخ کے آنسو اپنی مظلومیت کا سوچتے پھر بہنے لگے تھے۔آنسوؤں کے درمیان ہی اس نے مختصر خود پر بیتنے والی ساری کتھا سنا ڈالی تھی' دونوں خواتین نے بے یقینی سے دیکھا تھا۔

لالہ رخ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ انہوں نے یقین کیا ہے یا نہیں وہ تو بس کچھ وقت عزت کے ساتھ اس چار دیواری میں گزارنا چاہتی تھی۔رات بھر وہ دونوں خواتین اس سے مختلف سوالات کرتی رہی تھیں اور وہ اپنے اوپر بیتنے والی قیامت کا احوال سناتی رہی تھی۔صبح ہوئی تو لالہ رخ نے وہاں سے نکلنے کا قصد کیا تھا۔

''سنو ہوسکتا ہے وہ لوگ اردگرد ہی ہوں ابھی مت جاؤ' میں باہر دیکھ کر آتی ہوں تم آرام سے ادھر بیٹھی رہو۔'' بڑی عمر کی خاتون کو جیسے اس پر یقین آ گیا تھا انہوں نے روک لیا تھا اور لالہ رخ رک گئی تھی۔ اچھی طرح صبح کا سویرا پھیلا تو وہ خاتون باہر نکلی تھیں' وہ برقع پہنتی تھیں اور کچھ دیر بعد وہ لوٹی تھیں۔

''خاص طور پر تو کچھ دکھائی نہیں دیا بس بڑی سڑک کے کنارے جیسی گاڑی تم نے بتائی ہے وہ ابھی بھی کھڑی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ آدمی بھی اردگرد ہی ہوں۔'' لالہ رخ پھر سہم گئی تھی۔

''فکر نہیں کرو میں ناشتا بناتی ہوں' کھاؤ پیو حالات بہتر ہوتے ہیں تو چلی جانا۔'' وہ برقع اتار کر اندر کی طرف چلی گئی تھیں۔ یہ ایک بہت ہی پرانا گھر تھا' دو کمرے تھے ایک کچن اور ایک باتھ روم' ان لوگوں کے اصرار پر اس نے ناشتا کرلیا تھا۔

صبح دوپہر اور دوپہر شام میں ڈھلنے لگی تو گھر میں ایک درمیانی عمر کا مرد داخل ہوا تھا' وہ اسے دیکھ کر چونکا تھا بڑی عمر والی خاتون اس آدمی کو لے کر ایک الگ کمرے میں گھس گئی تھیں پھر وہ آدمی آیا تھا اور اس سے مختلف سوالات کرتا رہا تھا۔ پتا نہیں وہ مطمئن ہوا تھا کہ نہیں البتہ خواتین کی نسبت اس نے زیادہ شکوک وشبہات کا اظہار نہیں کیا تھا۔

وہ رات بھی عجیب سی تھی۔ اتنی راتوں کی بے خوابی تھی رات گئے اسے نیند آ گئی تھی۔ وہ غافل ہو کر سوئی تھی اور کسی نے جگایا بھی نہ تھا اور وہ اگلے دن چڑھے تک سوتی رہی تھی۔ اگلے دن دوپہر کو اٹھی تو خاتون نے اسے ناشتا لا دیا تھا۔

''یہ میری بھتیجی کا گھر ہے اس کا شوہر باہر ہوتا ہے بچے کی ولادت کے سبب میں آج کل ادھر رکی ہوئی ہوں۔ یہ جو تم سے کل ملے تھے یہ میرے شوہر تھے اسکول ماسٹر ہیں کہہ رہے تھے کہ تم بے فکر ہو کر یہاں رہو۔''

لالہ رخ نے سر ہلا دیا تھا' وہ مزید چند دن وہاں رہی تھی پھر ایک رات برقع پہنا کر وہ خاتون اور اس کے شوہر اسے اپنے گھر میں لے آئے تھے۔ ان خاتون کے شوہر اس کے دیئے گئے ایڈریس پر گئے تھے اور واپس آ کر جو خبر انہوں نے دی تھی وہ لالہ رخ کو پاگل کردینے کو کافی تھی۔ لالہ رخ کے گھر کو آگ لگ چکی تھی اس رات سب کچھ جل کر تباہ ہو گیا تھا اور اس کے بچے بھی اس آگ میں جل کر خاک بن گئے تھے۔ افشاں کے بارے میں بس اتنا پتا چل سکا تھا کہ مرنے والی ایک خاتون دو بچیاں اور ایک بچہ تھا۔

لالہ رخ سمجھ گئی تھی کہ افشاں اور اس کی بچی بھی اس کے بچوں سمیت مرگئی ہے۔ وہ کسی طرح ضیاء تک پہنچنا چاہتی تھی لیکن ضیاء باہر واپس جاچکا تھا۔ ماسٹر صاحب نے اپنے طور پر پتا کیا تھا ہمایوں بھی ملک چھوڑ چکا تھا۔ کیس پولیس کی تحویل میں تھا لیکن پیروی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ لالہ رخ کئی دن تک پاگلوں کی طرح روتی رہی ان دونوں میاں بیوی کی کوئی اولاد نہ تھی دونوں اس کے دکھ پر دکھی تھے۔ دونوں اس کا بیٹی کی طرح خیال رکھ رہے تھے۔ لالہ رخ خود باہر جانا چاہتی تھی لیکن انہوں نے روک لیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ باہر ابھی بھی بہت سے لوگ اس کے تعاقب میں ہوں گے بہتر ہے وہ بھی گم نام ہی رہے۔ حالات بہتر ہوں گے تو وہ خود ہی اسے لے کر تھانے جائیں گے۔

وقت کب رکا تھا وقت کا تو کام ہی چلتے رہنا تھا۔ لالہ رخ کا صدمہ ایسا تھا کہ شاید ہی بھر پاتا۔ وہ جب تک سنبھلی ماسٹر صاحب فوت ہوگئے تھے اور لالہ رخ جو ان خاتون کو اماں بی کہنے لگی تھی وہ اپنا دکھ بھول کر ان کو سنبھالنے لگ گئی تھی۔ خالہ بی نے سب سے اسے اپنی بھانجی کہہ کر متعارف کروا رکھا تھا اور خالہ بی کا چند ایک رشتہ داروں کے علاوہ اس دنیا میں اور کوئی تھا بھی نہیں۔ سب کی اپنی اپنی زندگی تھی کون کسی کے لیے اتنی دیر رکتا۔

لالہ رخ کا تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ شوہر اور ایک بیٹی کو ہمایوں کے آدمی قتل کرچکے تھے' گھر کو آگ لگادی گئی تھی افشاں اس کی بچی اور اس کے اپنے دونوں بچے جل گئے تھے اب وہ واپس جاتی تو کس کے پاس؟ افشاں کا پرانا گھر بند تھا۔ وہ کس کے پاس جاتی اور کس لیے۔ اس کے پاس اب بچا بھی کیا تھا۔ دنیا کے اصل رنگ کو اس نے بہت قریب سے دیکھا تھا' زندہ رہنے کی لگن اور خواہش جیسے ختم ہوگئی تھی اب تو بس سانس کی ڈور کو نبھانا تھا سو وہ سب کچھ بھلا کر خود کو کسی کال کوٹھڑی میں بند کرتے زندہ رہنے کا طریقہ سیکھ گئی تھی۔ وہ اماں بی کا سہارا بن گئی تھی اور اماں بی اس کے دکھوں کا مداوا۔ خود کو مصروف رکھنے کے لیے محلے کے بچوں کو پڑھانا شروع کردیا تھا ان میں ایک ہادیہ بھی تھی ایک پیاری سی گول مٹول سی بچی۔

ہادیہ میں انہیں اپنی رابعہ دکھائی دیتی تھی۔ ہادیہ سے انہیں خاص انسیت پیدا ہوگئی تھی۔ وہ تھانے پولیس ہمایوں ہر طرح کے جھمیلوں کو بھلا کر خود کو مصروف کر چکی تھیں۔ یہاں کوئی بھی ان کی حقیقت نہیں جانتا تھا سو وہ لالہ رخ سے آپی جان بن گئی تھیں۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ماہ و سال بیتتے چلے گئے تو ان کے وجود پر بھی نشان ثبت ہوتے گئے لیکن لالہ رخ کے حسین سراپے کی وہ دلکشی وہ رعنائی سوز اور وقار میں ڈھل کر انمی اور بھی پروقار بنا گئی تھی۔

ہادیہ کے گھر والے وہاں سے شفٹ ہوگئے تھے لیکن ہادیہ کبھی کبھار ملنے آجاتی تو انہیں لگتا کہ ان کی پیاسی ممتا سیراب ہونے لگی ہے اور پھر بہت سالوں بعد انہیں وہ چہرہ دکھائی دیا تھا۔ نام بھی رابعہ تھا لیکن باپ کا نام مختلف تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کے بچے مر چکے ہیں لیکن رابعہ کو دیکھ کر دل میں خوش گمانیاں سی پیدا ہونے لگی تھیں۔ ہوسکتا ہے رابعہ اور سکندر زندہ ہوں اس خانہ بدوش عورت نے اس سے جھوٹ بولا ہو لیکن ان کی رابعہ اور اس رابعہ میں بے پناہ مماثلت ہونے کے باوجود وہ اس سے کچھ بھی نہ پوچھ سکی تھیں۔ وہ دوسری بار ملیں تو دل اور بے قرار ہوا تھا اور پھر تیسری بار رابعہ کے ساتھ اس کی بہن شہوار بھی تھی انہیں لگا کہ جیسے شہوار ان کی ننھی عائشہ ہو۔

شہوار کا رنگ و روپ نین نقوش سبھی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ دونوں میں کچھ نہ کچھ مماثلت ہے لیکن وہ پھر دل پر پتھر رکھ گئی تھیں لیکن ہادیہ کی زبانی رابعہ کے حقیقی باپ کا سن کر وہ چونکی تھیں۔ سکندر کا ماضی کیا تھا وہ کون تھا انہیں کبھی خبر نہ ہوئی تھی بس ایک بار سکندر نے یہ ضرور بتایا تھا کہ وہ سبحان احمد کا لے پالک بیٹا ہے۔ وہ کس خاندان سے تھا کون تھا کبھی جاننے کی جستجو ہی نہ کی تھی اور اب سب جان کر وہ رہ نہیں پائی تھیں۔ نجانے انہیں کیوں لگ رہا تھا کہ رابعہ اور شہوار کے والد اور ان کے سکندر میں کوئی قدر مشترک ضرور ہے بس یہی کشش ان کو یہاں تک کھینچ لائی تھی اور آج وہ ثریا بیگم اور رابعہ کے سامنے اپنی گزری زندگی کا حرف حرف سنا رہی تھیں۔



ثریا بیگم نے فیضان صاحب کو کال کی اور فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔ ساتھ میں ولید اور شہوار کو بھی لانے کا کہا تھا۔ انہوں نے ولید کو کال کی تھی کچھ دیر بعد ولید آ گیا تھا ولید اور شہوار کے ہمراہ وہ سہیل کی طرف چلے آئے تھے لیکن وہاں آ کر تو جیسے ایک قیامت ان کی منتظر تھی۔

"دیکھیں تو سہی فیضان......! کون آیا ہے؟" وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے تھے ثریا بیگم نے آنسوؤں سے بھیگی آواز میں کہتے ایک وجود کو ان کے سامنے کیا تھا اور لالہ رخ اور فیضان کو لگا کہ جیسے ان کے اطراف میں ہزاروں بم پھٹ گئے ہوں۔

"لالہ رخ......" وہ پکارے تھے۔

"سکندر......" وہ سسکی اور ان کے عقب میں کھڑے ولید اور شہوار دونوں اپنی جگہ پتھر بن گئے تھے۔ لالہ رخ کو بازوؤں کے حصار میں لے کر روتی رابعہ کا وجود ایک لہراتی ڈال بن گیا تھا۔



مصطفیٰ حیران تھا اگر لالہ رخ زندہ تھیں مرنے والی افشاں بھی نہ تھیں تینوں بچے بھی زندہ تھے تو پھر وہ مرنے والی عورت اور تینوں بچے کون تھے؟ ایسا سوال تھا کہ سبھی الجھے ہوئے تھے۔ لالہ رخ کو مصطفیٰ کی طرف لے آئے تھے اماں بی بھی ساتھ تھیں سبھی وہاں جمع تھے صبوحی افشاں وقار ضیاء ثریا بیگم اور بھی نجانے کون کون، کہانی ہی کچھ ایسی تھی جو سنتا حیران ہوتا۔ ایک بکھرا ہوا، خاندان آج ایک مرکز پر جمع ہوا تھا اور فیضان اس بکھرے ہوئے خاندان کا وہ ٹوٹا ہوا تارا تھا جو سالوں سے اپنے مدار سے ٹوٹ کر خلا کی وسعتوں میں چکر کاٹ رہا تھا وہ ٹوٹا ہوا تارا اپنے مدار سے کیا آ کے ملا تھا گویا سبھی افراد ان تک آ پہنچے تھے۔

لالہ رخ بے یقین تھی بے یقین تو فیضان ولید شہوار اور رابعہ بھی تھے۔ وہ سب ایک دوسرے کے لیے مر چکے تھے اور کہیں نہ کہیں زندگی کے مدارج طے کر رہے تھے اور آج سب اکٹھے تھے۔

بابا صاحب اپنے بیٹے کے خاندان کو پھر سے آباد دیکھ کر ایک دم نہال ہوگئے تھے۔ وہ پھر سے اپنے اندر زندگی کی حرارت محسوس کرنے لگے تھے۔ انہوں نے دل کھول کر صدقہ و خیرات کیا تھا۔

مصطفیٰ نے امجد خان کو بلوالیا تھا' امجد خان لالہ رخ سے مل کر حیران ہوا تھا۔
"یہ کیسے ممکن ہے سر! لالہ رخ زندہ ہے تو پھر وہ عورت اور تینوں بچے کون تھے؟" وہ خود بھی حیرت زدہ تھا۔
"اللہ بہتر جانتا ہے لیکن آج ایک بات پر یقین اور بھی پختہ ہوگیا کہ جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی بھی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ لالہ رخ اور اس کے سارے خاندان کو ہمایوں نے ختم کرنا چاہا تھا اور اپنی طرف سے کر بھی چکا تھا لیکن قدرت نے کیسے کیسے انداز میں اور کن کن لوگوں کے توسط سے لالہ رخ اور اس کے شوہر اور بچوں کی حفاظت کی تھی۔" امجد خان حیرت سے ساکت تھا۔
"تمہیں میں نے ان مرنے والوں' بچوں اور عورت کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ حاصل کرنے کو کہا تھا۔"
"جی سر......! میں نے بہت کوشش کی تھی کہ کسی طرح وہ رپورٹس مل جائیں لیکن نہیں مل سکی۔"
"کیوں؟"
"لاشیں اس قدر جل چکی تھیں کہ ثبوت اکٹھے کرنا ناممکن سی بات تھی پھر بھی پوسٹ مارٹم کے بعد جو رپورٹ بنی تھی وہ شکوک وشبہات پر مبنی تھی میں پھر پتا کرتا ہوں شاید کچھ اصل حقائق مل جائیں' اب تو میں بھی اس کیس کے اصل سرے تک پہنچنا چاہتا ہوں آخر ہمیں بھی تو پتا چلے کہ وہ مرنے والے کون تھے؟" مصطفیٰ نے پرسوچ نظروں سے امجد خان کو دیکھا۔
"کچھ دن پہلے میں نے آپ کے بیٹے کی شادی اٹینڈ کی۔" مصطفیٰ نے پرسوچ لہجے میں کہا تو امجد خان نے سر ہلایا۔ وہ دونوں لالہ رخ سے ملنے کے بعد ڈرائنگ روم میں آگئے تھے اور تب سے مسلسل اسی کیس کو ڈسکس کررہے تھے۔
"آپ نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ آپ کا ایک بیٹا بھی ہے اور آپ نے دو شادیاں کررکھی ہیں۔"
"ایم سوری سر...... لیکن یہ بہت ذاتی سا سوال ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی اپنی ذاتیات کو ڈسکس نہیں کیا۔" مصطفیٰ نے سر ہلایا۔
"آپ نے جب مجھے یہ فائل دی تھی تو کہا تھا کہ اس کیس سے اور ہمایوں سے متعلق معلومات کو اکٹھا کرنے کے پیچھے کچھ خاص وجوہات تھیں۔ میں نے وجوہات کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے کہا تھا کہ وقت آنے پر بتاؤں گا' میں اب وہ سب وجوہات جاننا چاہتا ہوں۔" امجد نے ایک گہرا سانس لیا۔
"سب سے پہلی وجہ یہ تھی کہ میں لالہ رخ کی والدہ کے ملازمین کی اولاد میں شمار ہوتا تھا اور جب ان کی ناگہانی حادثاتی موت کے بارے میں کئی ماہ بعد سنا تو میں پریشان ہوگیا تھا۔ ان کے شوہر غائب تھے جس سے بھی ملا کچھ اور ہی سننے کو ملا پھر کیس کا رخ ضیاء صاحب اور ان کی بیگم افشاں کی طرف بھی جاتا تھا جو کیس درج تھا اس کے مطابق جلنے والی افشاں اور لالہ رخ کے دو بچے تھے لیکن بعض لوگوں کے خیال میں اس کیس کے پیچھے سکندر صاحب کا ہاتھ ہے جبکہ ضیاء صاحب کی طرف سے جو کیس دائر کیا گیا تھا اس کے مطابق یہ سارا کیا دھرا ہمایوں کا تھا۔ مختلف پوائنٹس تھے جو ملے تھے پھر ان کی روشنی میں جائزہ لیا تو جو جو معلومات حاصل ہوئیں وہ سب اس فائل میں درج تھیں جو آپ کو دی تھی لیکن سب سے زیادہ اہم وجہ جو اس کیس میں انوالو ہونے کا سبب بنی تھی وہ میری بیوی اور میرے بچوں کا غائب ہوجانا تھا۔" امجد خان نے کہا تو مصطفیٰ چونکا۔
"کیا مطلب؟"

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

پھر سن رہا ہوں گزرے زمانے کی چاپ کو
بھولا ہوا تھا دیر سے میں اپنے آپ کو
رہتے ہیں کچھ ملول سے چہرے پڑوس میں
اتنا نہ تیز کیجئے ڈھولک کی تھاپ کو

السلام علیکم!
مزاج بخیر۔
آج جب ٹوٹا ہوا تارا ناول مکمل ہو چکا ہے تو اس کی آخری قسط لکھتے ہوئے میری عجیب سی کیفیت ہے۔
اس ناول کو مکمل ہونے میں تقریباً ۴۴ ماہ لگے ہیں۔ ان ۴۴ ماہ میں جہاں میرے اس ناول کے کرداروں کی زندگی میں مختلف نشیب و فراز آئے وہیں میری اپنی ذاتی زندگی میں بھی بہت سی تبدیلیاں رونماء ہوئی ہیں۔
یہ ناول ۲۰۱۲ء کے نومبر میں شروع ہوا تھا۔ جب میں نے اس کو لکھنا شروع کیا تو مجھے قطعی اندازہ نہ تھا کہ یہ اتنا طویل ناول ہو جائے گا۔ میرا خیال تھا کہ کم از کم ۲۰، ۲۵ اقساط ہوں گی لیکن اس ناول کے پلاٹ نے ایسا الجھایا کہ کسی اور طرف دھیان ہی نہ رہا۔ زندگی میں اور بھی مصروفیات تھیں لیکن چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اس ناول کے بارے میں ہی ذہن الجھا رہتا۔ اب اگلی قسط میں یہ لکھنا ہے، اس طرح کرنا ہے۔ میں ان ۴۴ ماہ تک اس ناول کے ساتھ رہی ہوں۔ دن رات، صبح شام...... اور بس یہی کوشش رہی کہ ناول بہت ٹاپ پر جانا چاہیے۔
کافی پرانی بات ہے تب لوگ صرف ریڈیو بہت سنا کرتے تھے تب ایک دن ایک پروگرام میں فرمائشی غزل کا سلسلہ چل رہا تھا۔ کہیں سے چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا کی فرمائش آئی تھی۔ غزل چلی اور ہم نے سنی۔ میری سس (بشریٰ) کہتی ہے سمیرا اس پر ایک کہانی بن سکتی ہے۔ بس وہیں بیٹھے بیٹھے کہانی بن گئی۔
وقت کے ساتھ ساتھ ہم اس کہانی پر ڈسکشن کرتی رہتی تھیں۔ اب یہ ہوگا، فلاں وہ ہوگا لیکن میرے پاس یہ ریٹن فارم میں نہیں تھا۔ پھر میرا پبلشنگ کیریئر شروع ہوا، بشریٰ نے کئی بار کہا کہ یہ ناول لکھو مگر میں ٹالتی رہی کہ میں اس کو محض دو تین اقساط میں نبٹا کر پلاٹ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بہت سے ناولز چھپے۔ بہت سا وقت گزرا...... لوگوں نے بہت عزت دی، محبت، شہرت ملی...... پھر ایک مقام آیا کہ مجھے لگا کہ اب اس ناول پر لکھنے کا وقت آچکا ہے۔ اور پھر میں نے اس پر کام کرنا شروع کیا۔ آپ قارئین بہنوں نے میرے اس سفر میں میرا بہت ساتھ دیا۔ جس کے لئے میں تہہ دل سے آپ کی مشکور ہوں۔
اس ناول کے دوران زندگی میں بہت سی مصروفیات دامن گیر رہیں۔ اپنی اکیڈمی کی مصروفیات (جو کہ شادی کے بعد ختم ہو چکی ہیں)، ۲۰۱۳ء میں بھائی اور بہن کی شادی ہوئی (ماشاءاللہ دونوں کے اب دو دو بیٹیاں ہیں) لاسٹ ایئر مئی میں میری اپنی شادی ہوئی۔ اپنے گھریلو مسائل و مصروفیات۔ بہت بار ایسا ہوا کہ میں قسط نہ لکھ پاتی تھی اور پھر طاہر بھائی کی کال آتی تو بڑی مشکل سے وقت نکال کر کچھ نہ کچھ لکھنا پڑتا۔

اس ناول میں، میں نے ایک ایک لفظ بہت دل، محنت و محبت سے دل لگا کر لکھا ہے اور خاص کر صرف آپ قارئین بہنوں کے لئے لکھا ہے...... میں نے جب یہ لکھنا شروع کیا تھا تو یقین تھا کہ اس کو ایک بہت زبردست ناول بنانا ہے اس کے لئے میں نے اول و آخر کوشش کی...... یہ ایک تخیلاتی کہانی ضرور تھی لیکن میں نے اس میں ہمیشہ کوشش کی کہ حقیقت کا تاثر برقرار رہے۔ جب کوئی پڑھنے بیٹھے تو اسے ماورائی باتیں نہ لگیں۔ اپنی پہنچ سے دور کردار نہ دکھیں، بلکہ ہر ممکن کوشش کی کہ یہ کہانی سب کے جذبات و احساسات کی ترجمان بن جائے۔ جو بھی پڑھے اسے اپنی فیلنگز اس میں دکھائی دے۔ اس میں، میں کہاں تک کامیاب رہی اس کا پتا مجھے ہر ماہ آپ سب بہنوں کے فیڈ بیک سے چلتا رہا۔ تنقید، تعریف ہر پہلو کو میں نے بہت غور سے پڑھا اور نوٹ کیا اور پھر کہانی لکھتے ہوئے اُس کو ذہن میں بھی رکھا۔ میں نے اول روز سے جو کہانی کا پلاٹ بنایا تھا آخر تک وہی رہا لیکن آپ قارئین بہنوں کی آراء کی روشنی میں اس کہانی کو سنوارا ضرور ہے۔

آج کل سوشل میڈیا نے بہت ترقی کرلی ہے خصوصاً فیس بک پر تو چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی تعریف و تنقید اور بحث و مباحثہ چلتا رہتا ہے۔ اس کہانی کے ایک ایک پوائنٹ پر بات ہوتی تھی، ایک ایک کردار کو ڈسکس کیا جاتا تھا۔ یہ سوشل میڈیا یہ ہماری صلاحیتوں کو پرکھنے کا ایسا مقام ہے جہاں بے تحاشا تعریف ہے تو اسی حساب سے تنقید بھی۔ فیس بک پر اس ناول کی ایک ایک قسط پر نہ صرف ہر ماہ تبصرے چلتے رہے بلکہ قارئین کی آراء نے بھی مجھے متاثر کیا۔ ذاتی تنقید کا بھی سامنا رہا...... فیس بک پر اس کا گروپ بنانے والوں میں ایک بہت ہی پیاری دوست میرب عباسی (تازیہ عباسی) ہے...... اس کے علاوہ لبنیٰ خالد، سدرہ مرتضیٰ، فہمیدہ انجم، رابعہ (روشنی روشانے) آمنہ نور، پری اصبار، مہر ڈاہری، حنا مہر، شہنی خان اور بھی بہت ساری بہنیں جن کی محبتیں اور اصلاحی تنقید شاملِ حال رہی ہیں...... اور میں ان سب کے تعاون اور محبتوں کی مقروض ہوں۔

اب بات کرتی ہوں ناول کی۔ اس ناول کا مرکزی کردار سکندر یا فیضان تھا جو کہ اس ناول کا ٹوٹا ہوا تارا تھا جسے بابا صاحب نے بچپن میں ہی خود سے جدا کردیا تھا اور یہ وجود اجنبیوں کی زندگی میں اپنی زندگی کے مدارج طے کرتا رہا۔

یہ تین جنریشنز پر مشتمل کہانی تھی ولید یا شہوار لوگوں کا حال، لالہ رخ اور سکندر کی زندگی کے اتار چڑھاؤ پر مبنی ماضی اور بابا صاحب کے خواب کی کہانی...... یہ کہانی بابا صاحب کے خواب سے شروع ہوئی تھی اور اس ساری کہانی نے اس خواب کی حقیقت تک کی تلاش کی کوشش کو اپنے اندر سمو کر لوگوں کے سامنے لانے کی کوشش کی تھی۔ زندگی میں سبھی سے بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں بابا صاحب سے بھی ہوئی اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ضمیر کی خلش کا شکار ہوتے رہے...... اور یہی خلش ان کو خواب بن کر ڈرانے لگی۔

سکندر جس نے حقیقی رشتے نہیں دیکھے تھے اس ساری کہانی میں سب سے زیادہ اسی نے Suffar کیا اور اپنے سب رشتوں کو کھو دیا...... لالہ رخ ایک مثبت کردار تھا سب سے کم میں نے اسی کردار پر لکھا لیکن سب سے زیادہ اٹریکٹو ماضی کا یہی کردار تھا جس کی وجہ سے سکندر کی زندگی میں آنے والے مصائب تھے جو سب کو بکھیر کر رکھ گئے۔

مصطفیٰ، ولید، شہوار، انا یہ سب حال کے کردار تھے اور سب کے محبوب بھی...... کبھی شہوار نے سب کو بہت تنگ کیا تو کبھی انا نے سب کو اریٹیٹ کیا اور کہیں ولید نے سب سے مہذبانہ انداز میں گالیاں کھائیں لیکن یہی کردار اس کہانی کو ایک مضبوط پلاٹ فراہم کرنے کا سبب بنے۔

اس کہانی میں، میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ کوئی بھی کردار نظر انداز نہ ہو، چاہے وہ نیگیٹو کردار ہو یا پازیٹو، ہیرو کا ہو ولن کا، ہیروئن ہو یا کوئی اولڈ کردار میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ سبھی کے ساتھ انصاف کروں...... یہ ایک خاندانی کہانی تھی۔ اس میں، میں نے کزنز شپ پر لکھا لیکن کوشش کی کہ کہیں بھی کوئی عامیانہ پن نہ ہو وہی ہو جو حقیقت ہو، ہلکا پھلکا انداز گفتگو رکھا۔

اس کہانی میں میرے سب سے زیادہ فیورٹ جو کردار تھے وہ ولید اور انا کے تھے اور سب سے زیادہ نظر انداز ہونے والا کردار انا کا تھا میری شادی سے پہلے تک یہ کردار بہت اچھا چل رہا تھا لیکن میری شادی کے بعد میں کچھ ایسی الجھی کہ اس کردار کے ساتھ کئی مقام پر زیادتی ہوئی مجھ سے...... اور اس کے ساتھ ساتھ ولید کے کردار کے ساتھ زیادتی ہوئی۔ لیکن لاسٹ تک میں نے کوشش کی کہ ان کے ساتھ ہونے والی وہ لاشعوری زیادتی کا ازالہ ہو جائے...... اس میں کہاں تک کامیاب رہی ہوں یہ آپ نے بتانا ہے۔

یہ کوئی رومینٹک ناول نہ تھا اور اس ناول میں، میں اپنے رائٹنگ اسٹائل سے ہٹ کر لکھنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے کوشش کی کہ اس ناول میں رومینس صرف فیل ہو، سب کی محبت، خلوص، چاہت میں اور کہانی کے پلاٹ میں لیکن دکھائی نہ دے۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ ناول اگر بہت زیادہ رومینٹک ہوتا تو بہت کامیاب رہتا لیکن اس بات نے مجھے چیلنج دیا تھا کہ اگر کہانی میں رومینس کو بہت کھول کر (ولگر پن جیسا کہ آج کل بہت سے ناولز میں بہت سی رائٹرز لکھ بھی رہی ہیں) بیان نہ کروں تو کیا میری یہ کہانی کامیاب نہیں ہوگی؟

لیکن قارئین کی آراء نے مجھے احساس دلایا کہ میری یہ کوشش کامیاب رہی ہے۔ یہ میرا دوسرا طویل ترین ناول ہے۔ (پہلا یہ چاہتیں، یہ شدتیں جو کہ ۳۵ اقساط پر مشتمل تھا) اس ناول سے مجھے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ اس کا اختتام لکھ چکی ہوں، اب یہ ناول آپ کو کیسا لگا اس کا فیڈ بیک آپ نے دینا ہے۔ میں کامیاب رہی یا ناکام صرف کسی ایک قسط کو پڑھ کر فیصلہ نہیں کرنا بلکہ مکمل ناول کی روشنی میں اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کرنا ہے۔

میں آپ سب کی محبتوں کی بہت مقروض ہوں۔ کوشش کروں گی کہ اس ناول کے بعد اسٹاپ نہ لوں اور ایک اور اچھا سا پلاٹ لے کر آپ کے سامنے آؤں۔ آج کل طبیعت خراب رہتی ہے۔ میرے لئے خصوصی طور پر دعا کیجیے گا۔

ایک بار پھر میری کامیابیوں میں سب سے زیادہ حصہ آپ کا ہے۔ امید ہے آپ سب کو یہ ناول پسند آیا ہوگا۔ اس ناول کے بارے میں اپنا فیڈ بیک ضرور دیجئے گا۔ میں آپ کی ہر طرح کی آراء کی منتظر رہوں گی۔

آپ کی محبتوں کی متلاشی آپ کی دعاؤں کی طالب

سمیرا شریف طور

❀......❀......❀

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

بابا صاحب کے کمزور اعصاب اپنے بیٹے کے مل جانے کی خوشی سنبھال نہیں پاتے جب ہی ایک دم نڈھال سے ہوجاتے ہیں فوری علاج کے بعد ان کی طبیعت سنبھل جاتی ہے۔ دوسری طرف فیضان بھی شہوار کے روپ میں اپنی بیٹی سے مل کر بے حد خوش ہوتے ہیں اور ولید سے ملنے کی خاطر سب گھر والوں کے ساتھ افشاں اور ضیاء کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ سکندر کو اپنے سامنے پاکر سب دنگ رہ جاتے ہیں ولید کے لیے بھی یہ صورت حال بہت حیرت انگیز ہوتی ہے ایسے میں فیضان اپنی بیٹی رابعہ کو بھی وہیں بلا لیتے ہیں اور اس کا تعارف سب سے کراتے ہیں اس طرح رابعہ پر بھی بہت سے نئے رشتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ شہوار اپنی بہن رابعہ کو پاکر بے حد مسرور ہوتی ہے رابعہ ایک نئی حیثیت سے بابا صاحب سے ملنے گھر پہنچتی ہے اور وہاں اس کا والہانہ خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ عباس کے لیے بھی یہ ساری صورت حال خوش گوار ہوتی ہے۔ ہادیہ اور ابوبکر کی شادی میں فیضان کی ملاقات امجد خان سے ہوتی ہے جو کہ ابوبکر کے باپ کی حیثیت سے وہاں موجود تھا وہ سکندر اور ان کے بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ ہادیہ کی آپی رابعہ اور شہوار کو شادی میں دیکھ کر چونک جاتی ہیں اور رابعہ کے والد فیضان کا جان کر افسردہ ہوجاتی ہیں لیکن پھر ہادیہ سے رابعہ کا نمبر لے کر بالمشافہ ملاقات کی غرض سے ثریا بیگم کے پاس جاتی ہے اور انہیں ماضی سے آگاہ کرتے اپنی اولاد کے بچھڑنے اور رابعہ سے مماثلت کا بتاتی ہیں ثریا بیگم لالہ رخ کے یوں اچانک سامنے آنے پر دنگ رہ جاتی ہیں۔ کاشفہ ہر طرف سے مایوس ہوکر خودکشی کرلیتی ہے ڈاکٹر اس کی جان بچانے میں ناکام رہتے ہیں عادلہ کے لیے بہن کی موت ایک کڑا مرحلہ ہوتا ہے اور گھر کی تنہائی اس کے لیے عجیب اذیت کا سبب بنتی ہے۔ انا اپنے گزشتہ رویوں کی معافی ولید سے مانگ کر موجودہ صورت حال کو درست کرنا چاہتی ہے تاکہ اس کی شادی حماد سے نہ ہوسکے اس غرض سے وہ ولید پر اپنے جذبات کا اظہار کرکے مدد طلب کرتی ہے لیکن ولید کے رویے کی لاتعلقی اسے توڑ دیتی ہے اپنی ذات کا مان کھوکر وہ آنے والے حالات اور سزا کے لیے خود کو تیار کرلیتی ہے جبکہ روشی بھی اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کرپاتی۔ مصطفیٰ امجد خان کی دوسری شادی اور ابوبکر کو بیٹے کے روپ میں دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے ثریا بیگم لالہ رخ کی موجودگی میں فیضان کو بلوا کر تمام خاندان کو ایک جگہ جمع کردیتی ہیں جبکہ رابعہ اپنی ماں کو پاکر حیرت و انبساط کا شکار ہوجاتی ہے۔

〈اب آگے پڑھیے〉



افشاں' خالہ کو اپنے ہمراہ لے آئی تھیں' ان کی بہو ساجدہ بھی ہمراہ تھی جبکہ بیٹے کو باقاعدہ علاج کے لیے ہسپتال داخل کروادیا تھا اور دونوں بچوں کو اچھے اسکول میں داخلہ مل گیا تھا۔ خالہ بی ان سب لوگوں سے مل کر بہت خوش تھیں دوسری طرف لالہ رخ اماں بی کو اپنے ساتھ لائی تھیں۔ وہ لوگ چند دن شہر میں رہے تھے اور پھر بابا صاحب' فیضان' لالہ رخ' اماں بی' ثریا بیگم اور بھابی کے ہمراہ حویلی روانہ ہوگئے تھے۔ سہیل کچھ ضروری امور کی وجہ سے رک گیا تھا جبکہ رابعہ کو سب نے شاپنگ کا بہانہ بنا کر روک لیا تھا۔ باقی ان سب نے شادی کے نزدیک گاؤں جانا تھا' ولید بھی کبھی مصطفیٰ کی طرف تو کبھی ضیاء صاحب کی طرف پایا جاتا تھا۔

شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں' انا نے بھی رونا چھوڑ کر اپنے دل کو مار کر حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔

حماد پاکستان آچکا تھا تاہم انا کی اس سے نہ ہی ملاقات ہوئی تھی اور نہ ہی فون پر رابطہ ہوا تھا۔

افشاں' صبوحی کے ساتھ مل کر شادی کی تیاریوں میں پیش پیش تھیں۔ انا اپنے کمرے سے باہر آئی تو روشی' صبوحی اور افشاں اچھا خاصا بکھیڑا پھیلائے بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ خالہ بی پاس ہی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ افشاں نے اسے دیکھا تو مسکرا کر اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔

"باباصاحب کے ہاں رسم ہے لڑکی والوں کی طرف سے شادی بیاہ کا سارا خرچ لڑکے والے اٹھاتے ہیں تاکہ لڑکی والوں پر بوجھ نہ بنے انہوں نے تمہاری بری کا سارا سامان بھیجا ہے ایک دفعہ دیکھ لو۔" انہوں نے زرق برق چمکتے دمکتے خوب صورت ملبوسات اور دیگر اشیاء کی طرف اشارہ کرتے اسے کہا تو اس نے سنجیدگی سے سبھی کچھ دیکھا تھا۔

"کمی تو ہم بھی کوئی نہیں رکھیں گے ماشاءاللہ سے ایک ہی بیٹی ہے ہماری جو کچھ بھی کریں کم ہیں۔" صبوحی بیگم نے بھی محبت سے بیٹی کو دیکھ کر کہا۔

"ویسے انا ہر چیز کی کوالٹی اعلیٰ پائے کی ہے بہت عمدہ ذوق رکھتے ہیں یار..... تمہارے سسرالی تو۔" روشی نے بھی چھیڑا لیکن انا کے چہرے کے زاویوں میں قطعی فرق نہ پڑا تھا۔

"یہ سامان کون دے کر گیا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"زہرہ بہن خود آئی تھیں۔" افشاں نے بتایا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"تم کالج گئی ہوئی تھیں انہیں اور بھی کام تھے کچھ دیر بیٹھی اور پھر چلی گئیں۔" روشی نے مزید اضافہ کیا۔

"بس اللہ ساتھ خیریت کے وقت لائے میرے تو بہت سارے ارمان ہیں۔" صبوحی بیگم کے لہجے میں خالص ماؤں والی محبت تھی انا نے لب بھینچ لیے تھے تبھی ولید وہاں چلا آیا تھا۔ وہ آج کل مصطفیٰ کی طرف تھا سلام دعا کے بعد وہ روشی کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"یہ سب کیا پھیلاوا پھیلا رکھا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے انا کو دیکھتے بہن سے پوچھا۔

"انا کی سسرال سے سامان آیا تھا بس وہی دیکھ رہے ہیں۔" روشی نے مسکرا کر کہا ولید نے انا کو دیکھا اس کا چہرہ ایک دم لو دینے لگا تھا۔

"آپ کدھر گم ہیں دو دن بعد چکر لگا رہے ہیں؟" کپڑوں کو سمیٹتے روشی نے پوچھا تو وہ مسکرایا۔

"گم کہاں ہونا ہے؟ میری بہن اور دو عدد کزنز کی شادی ہیں۔ عباس بھائی کی شادی میں چند دن ہی باقی ہیں وہاں تو خوب تیاریاں ہو رہی ہیں سب کو میں ہی نظر آ رہا ہوں ڈرائیور کے طور پر کبھی یہاں تو کبھی وہاں۔"

"یعنی خوب موجیں ہو رہی ہیں۔" روشی ہنسی۔

"شہوار کو ہی لے آتے بیٹا...... دو دن سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی ٹھیک ہے نا وہ......؟" افشاں کو آج بھی شہوار سے وہی لگاؤ تھا ہر دوسرے دن اس سے ملنے جاتی تھیں۔ مصروفیات کے سبب دو دن سے نہیں جا سکی تھیں تو اب پوچھ لیا تھا۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک ہے پھوپو زہرہ کی طرف گئی ہوئی ہے۔" میں نے ساتھ چلنے کو کہا تھا کہہ رہی تھی کہ شام میں رابعہ اور مصطفیٰ کے ساتھ آئے گی۔" انا کو دیکھ کر کہا تو انا کو لگا کہ جیسے اس کا خون جلنے لگا ہو۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں؟" روشی نے دیکھ کر پوچھا۔

"کھانا کھالوں کالج سے آنے کے بعد کچھ نہیں کھایا تھا۔" وہ کہہ کر وہاں سے نکل گی۔ کچن میں ساجدہ تھیں اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"آپ کیوں کام کر رہی ہیں صغریٰ کہاں ہے؟"

"اسے افشاں باجی نے کچن کے لیے کچھ سامان لانے بھیجا ہے میں فارغ ہی تھی سوچا کوئی کام ہی دیکھ لوں۔" مسکرا کر کہا۔

"آپ کے شوہر تو اب کافی امپرو کر رہے ہیں آج بھی میں نے وارڈ کا چکر لگایا تھا فزیشن نے کافی امید دلائی

ہے کہ کچھ ماہ بعد ان شاء اللہ وہ سہارے سے چلنے کے قابل ہوجائیں گے۔'' وہ اس کے ہسپتال میں ہی ایڈمٹ تھے انا ان کا خاص خیال رکھ رہی تھی۔ ساجدہ اور خالہ بی بہت مشکور تھیں اس کی۔

''ویسے اتنے سال بعد علاج کروایا جارہا ہے اس وجہ سے کافی پرابلمز ہورہی ہیں اگر وقت پر علاج ہوجاتا تو اتنے مسائل نہ ہوتے۔'' ساجدہ نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''علاج کہاں سے کرواتے، بڑی مشکل سے پیٹ کا ایندھن میسر ہوجاتا تھا تو یہ بھی بڑی بات تھی، اللہ بھلا کرے افشاں باجی کا وہ جب سے لوٹی ہیں ان کے علاج کے لیے کوششیں کرنے لگی تھیں ورنہ ہم غریب لوگ کہاں اتنے مہنگے مہنگے علاج کرواتے۔'' ساجدہ کی آواز میں گزرے وقت کا دکھ تھا۔ انا نے ایک گہرا سانس لیتے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ڈونٹ وری اب ہم سب ساتھ ہیں تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ ہم لوگ آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔'' اس نے دلاسہ دیا تو ساجدہ نے آنکھوں میں درآنے والی نمی دوپٹے کے پلو سے صاف کی۔

''جلدی سے کھانا دیں بہت بھوک لگی ہے۔'' ساجدہ کا دھیان بٹانے کو اس نے جلدی مچائی۔ ساجدہ نے بھی فوراً کھانا نکال کر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

ساجدہ کھانا دے کر کچن سے نکل گئی تھیں۔ وہ ابھی کھانا کھا رہی تھی جب ولید کچن میں داخل ہوا۔

''لگتا ہے میرا آنا تمہیں اچھا نہیں لگا؟'' ولید نے کرسی کے پاس رکتے ہوئے کہا تو انا کو لگا جیسے اس کے تن بدن میں آگ ہی لگ گئی ہو۔

''بڑی خوش فہمیاں ہیں اپنے بارے میں۔'' اس نے تلخی سے کہا، ولید تک دم ہنس دیا۔

''غلط فہمیاں نہیں کہہ سکتیں تم۔'' انا نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ یہ سب جان بوجھ کر کر رہا ہے اسے ٹیز کرنے کے لیے۔

''کچھ چاہیے؟'' ولید کے ہونٹوں پر موجود عجیب سی مسکراہٹ کو نظرانداز کرتے اس نے غصے سے پوچھا۔

''تم کیا دے سکتی ہو مجھے؟'' انا کو لگا کہ جیسے ولید اس کا مذاق اڑا رہا ہو اس نے ضبط سے لب بھینچ لیے۔

''ویسے بھی تم اس گھر میں اب چند دن کی مہمان ہو پھر تم اپنے حماد کے ساتھ رخصت ہوجاؤ گی ایسے میں تم سے کچھ مانگتا میں اچھا تو نہیں لگوں گا۔'' ولید نے مسکرا کر کہا۔ حماد کے ذکر پر انا کا جی چاہا کہ سامنے رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر ولید کے سر پر دے مارے۔

''حماد سے ملاقات ہوئی تھی کافی خوش لگ رہا ہے۔ بڑے جوش و خروش سے شادی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔'' ولید کا انداز اب بھی جی جلانے والا تھا۔

''ظاہر ہے شادی ہے اس کی وہ خوش تو ہوگا ہی۔'' وہ اب ولید کو خود پر کوئی بھی بات بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی، ولید ہنس دیا۔

''دیٹس گریٹ، تم میں یہ چینج بہت اچھا لگ رہا ہے آئی لائک اٹ۔'' اپنی طرف سے تو اس نے ولید کو شرمندہ کرنا چاہا تھا لیکن ولید کے جواب پر وہ کلس کر رہ گئی۔

''جب انسان اپنی مرضی اور پسند سے شادی کررہا ہو تو یقیناً وہ خوش بھی ہوتا ہے۔'' وہ ولید کے سامنے کچھ دن پہلے اپنی انا اور وقار کو ایک طرف رکھ کر اظہار کرچکی تھی اس کے بعد ولید نے جو جواب دیا تھا وہ اپنی جگہ مجرم بن گئی تھی اور اب اس نے سوچ لیا تھا دل کے جذبات کا خون ہو ہی رہا ہے تو پھر وہ کیوں اپنی نظروں سے گرے۔ جب صلیب پر چڑھنا

ملے ہے تو پھر پورے وقار کے ساتھ سب کچھ برداشت کرے گی چاہے اس کو اپنے دل کے ہی ٹکڑے کرنے پڑیں۔
''ویری نائس۔'' ولید مسکرایا۔
انا کو لگا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہے' اس نے سختی سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔ اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچا' برتن اٹھا کر سنک میں رکھے اور اپنے لیے چائے کا پانی چولہے رکھ دیا۔
''میرے لیے بھی ایک کپ چائے پلیز۔'' ولید نے اسے برتن چولہے پر چڑھاتے دیکھ کر کہا۔
ولید وہاں مسلسل موجود تھا اسے اس کی موجودگی سے الجھن اور پریشانی ہو رہی تھی لیکن وہ صبر کرنے پر مجبور تھی۔ اس نے ولید کے کپ میں چائے ڈال کر اس کے قریب آ کر چائے کا کپ اسے تھمایا۔
''شکریہ۔'' ولید نے کپ تھام لیا۔ ''ویسے تم چائے بہت اچھی بناتی ہو' میں اب جب بھی اس گھر میں آیا کروں گا تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے کو بہت مس کیا کروں گا۔'' ولید کے الفاظ پر انا ساکت رہ گئی۔ وہ جو بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھال رہی تھی پھر بکھرنے لگی۔ اس نے خود پر ضبط کرتے کچھ کہے بغیر باہر کی طرف قدم بڑھادیئے تھے۔
''رکو تو سہی......'' ولید فوراً اس کے سامنے آیا تھا۔ انا کے ہاتھ میں موجود کپ سے چائے چھلکی تھی اس نے بہت غصے سے ولید کو دیکھا۔
''سوری ڈیئر!'' ولید نے مسکرا کر کہا تو انا غصے سے دیکھ کر سائیڈ سے نکل کر باہر لان کی طرف آ گئی ولید بھی ساتھ ساتھ تھا۔
''مانا کہ تم میں یہ چینج اچھا لگ رہا ہے لیکن ایسی بھی کیا بے مروتی کہ تم سیدھے منہ بات کرنے پر ہی آمادہ نہیں۔'' وہ سیڑھیوں پر جا کر بیٹھی تو ولید نے بھی ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔ انا نے کپ سائیڈ پر پٹخا اور بہت غصے سے ولید کو دیکھا۔
''کیا چاہتے ہیں آپ؟'' اس کا انداز دوٹوک تھا۔
''بھئی ہم اچھے دوست ہیں کیا ہم اچھے انداز میں بات چیت بھی نہیں کر سکتے۔'' ولید نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا۔ انا سلگ اٹھی' اس کا ضبط بالکل جواب دے چکا تھا۔
''نہیں ہیں ہم اچھے دوست......'' اس کے انداز میں قطعیت تھی۔
''اس دن آپ کی گاڑی میں آپ کے سامنے میں نے نہ صرف اپنی انا کو ختم کرتے اپنے وقار کو ملیامیٹ کیا تھا بلکہ اس دن میں نے اپنے دل میں موجود انمول جذبوں کی بھی تذلیل کروائی تھی۔ آپ ضیاء ماموں کی بیٹے تھے میں آپ سے اس رشتے ناتے انسیت ولگاؤ محسوس کرتی تھی اب آپ کا ان سے کوئی خونی رشتہ نہیں اس لیے میرا بھی آپ سے کوئی رشتہ نہیں۔'' وہ تلخی سے بڑی شدت سے سچائی رد کر رہی تھی۔
''لیکن انا......'' ولید نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے انگلی اٹھا کر اسے روک دیا۔
''میں نے ماضی میں جو غلطیاں کیں مجھے ان کا ادراک ہے۔ میں ان پر شرمندہ بھی ہوں اور معافی بھی مانگ چکی ہوں۔ آپ کا اور میرا اس سے بڑھ کر اب کوئی رشتہ نہیں' کبھی جو تھا وہ اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ میں حماد سے شادی کر رہی ہوں اور اس رشتے کو قبول بھی کر رہی ہوں تو آپ کو اب کیا مسئلہ ہے' کیوں بار بار میرے سامنے آتے ہیں بلکہ مجھے آپ سے کچھ بھی لینا دینا نہیں ہے۔'' وہ جو بات کرتے کرتے ہر بار آخر میں جذباتی ہو کر رونے لگتی تھی اس بار قطعی مختلف انداز میں بڑے حوصلے اور اعتماد کے ساتھ ولید کو سپاٹ نظروں سے دیکھتے اس نے یہ سب کہا تھا۔
''تم مجھ سے اس دن والی باتوں کو لے کر بہت خفا ہو نا؟'' اس کی اتنی ساری باتوں کے جواب میں ولید نے یہ کہا تو انا استہزائیہ ہنسی ہنس دی۔

''بڑی خوش فہمی ہے آپ کو اپنے بارے میں۔'' اس نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ ''ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ خفا اپنوں سے ہوا جاتا ہے اور میرا اور آپ کا ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ میں آپ سے خفگی کا اظہار کروں۔''

''لیکن تمہارا ری ایکشن تو کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔'' ولید نے طنز سے جتایا اس نے غصے سے دیکھا۔ اس کا تن من جلنے لگا تھا' وہ غصے سے اٹھی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے جاتی ولید نے اس کا ہاتھ تھام لیا' اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ایم سوری' تم میری وجہ سے اس دن ہرٹ ہوئیں لیکن تم جانتی ہو اب ایسا کچھ بھی ممکن نہ تھا۔ تم جو چاہتی تھیں میں جانتا ہوں تم کو دکھ ہوا تھا لیکن انا تم......''

''بس......'' انا نے غصے سے کہتے اپنا ہاتھ کھینچا۔ ''مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی اور پلیز آئندہ میرے سامنے مت آیئے گا' میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' بہت غصے سے کہہ کر تیزی سے وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیتے اسے جاتے دیکھا تھا۔



رات کو شہوار انا کی طرف آئی تو ساتھ رابعہ بھی تھی ولید ابھی تک اُدھر ہی تھا۔ مصطفیٰ ساتھ آیا تھا۔ مصطفیٰ ولید کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا گیا جبکہ رابعہ روشی کے ساتھ گپ شپ میں لگ گئی تھی۔ شہوار انا کے ساتھ اوپر ٹیرس پر چلی آئی تھی۔ انا گم صم سی تھی' شہوار نے اسے دیکھا۔ انا کے لیے وہ خود بھی افسردہ تھی۔

''ایک کام کروگی۔'' دونوں کے درمیان موجود خاموشی کو انا نے توڑا تو شہوار نے اسے دیکھا۔

''تم اپنے بھائی کو ہمارے ہاں آنے سے منع کردو۔''

''کیوں؟'' شہوار نے حیرت سے دیکھا۔

''تم میری دوست ہو لیکن ان سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں۔ ماضی میں جو بھی رشتہ تھا وہ ماضی کا حصہ بن چکا ہے' میں نہیں چاہتی وہ ہمارے گھر آیا کریں۔''

''لیکن کیوں؟''

''یہ تو اپنے بھائی سے ہی پوچھنا' میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ میں بڑی مشکل سے اپنے تمام حوصلوں کو مجتمع کرتے اس شادی کے لیے خود کو تیار کرپائی ہوں اور یہ شخص ہر بار میرے سامنے آکر اپنی طنزیہ اور دل چیر دینے والی باتوں سے میرے زخموں کو کریدنے لگتا ہے اور میں ہر بار پلِ صراط کے عمل سے گزرتی ہوں۔ میں اپنی غلطیوں کی سزا جھیلنے کو تیار ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارا بھائی بار بار آکر میرے زخموں کو کریدے۔''

''اوہ......'' شہوار سب سمجھ گئی تھی۔ اس نے انا کا ہاتھ پکڑا۔

''میں تمہاری تکلیف کا اندازہ کرسکتی ہوں کاش میں کچھ کرسکتی۔ میں نے کئی بار ولید بھائی سے بات کی لیکن وہ اس موضوع پر بات ہی نہیں کرنا چاہتے اور باقی لوگ وہ سب اس طرح شو کررہے ہیں کہ جیسے کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ کبھی کبھار تو میرا دل چاہتا ہے کہ بابا صاحب کے پاس جاؤں اور ان سے ڈائریکٹ بات کروں۔'' شہوار کے لہجے میں انا کے لیے محبت اور خلوص تھا۔ انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''جو ہونا تھا ہوچکا' میں نے خود ولید سے بات کی تھی۔'' وہ کچھ پل کو رکی تھی' شہوار نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''پھر کیا کہا انہوں نے؟'' جواباً انا نے ولید کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو سنادی' شہوار نے بے یقینی سے سنا تھا۔

''مجھے یقین نہیں ہے ولید بھائی اتنے سنگ دل کیسے ہوسکتے ہیں؟'' انا خاموش رہی۔

''بخشوں گی نہیں میں اب انہیں، تم نے جو کچھ بھی کہا ان کی محبت میں کہا اور وہ بھلا کیسے ایسا رویہ اختیار کر سکتے ہیں؟ حماد سے رشتہ ہونا بڑوں کا فیصلہ تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس رشتے پر نظر ثانی نہیں ہو سکتی تھی لیکن ان سب نے اس بات کو اپنی عزت کا مسئلہ بنالیا ہے اور بس۔'' شہوار کو ایک دم شدید غصہ آیا تھا۔

''جو بھی ہے وہ سب ایک طرف اتنے صاف اور واضح انکار کے بعد ولید بھائی کو اب تمہیں کو یوں تنگ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے ان پر وہ کیسے اتنے بے حس ہو سکتے ہیں؟'' اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور بس نہیں چل رہا تھا کہ ولید سامنے ہو تو وہ اس سے لڑ پڑے۔

''جو بھی ہے تم ان کو منع کر دو میں شادی کو قبول کر چکی ہوں، ٹھیک ہے ابھی یہ سب بہت مشکل لگ رہا ہے۔ اپنے جذبات واحساسات سب پر قابو پانا بھی بہت تکلیف دہ ہے لیکن میں ولید کے بار بار سامنے آ جانے پر اس دہری اذیت سے چھٹکارا چاہتی ہوں، پلیز تم سمجھ سکتی ہو میں کس اذیت سے گزر رہی ہوں۔'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تو شہوار اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ اس نے بہت محبت سے انا کو ساتھ لگا کر جذباتی سہارا دیا اور انا شہوار کا سہارا پا کر اور بھی ٹوٹ کر بکھری تھی۔



شہوار ولید کے کمرے میں آئی تو دونوں کسی بات کو لے کر اچھا خاصا مسکرا رہے تھے۔ شہوار کو دیکھ کر دونوں سنبھلے تھے۔ مصطفیٰ نے شہوار کو دیکھا وہ کھا جانے والی نظروں سے ولید کو گھور رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو ولید نے بھی دیکھا۔

''مجھے آپ سے ایسی بے حسی کی قطعی امید نہ تھی۔'' مصطفیٰ کے سوال کو نظر انداز کیے وہ ولید کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، دونوں نے حیران ہو کر دیکھا۔

''کیا، کیا ہے میں نے؟'' ولید نے حیران ہو کر شعلہ جوالہ بنی بہن کو دیکھا۔

''جب آپ انا کو صاف انکار کر چکے ہیں تو بار بار اسے یوں ٹینز کرنے کا کیا مطلب ہے؟'' اس نے غصے سے پوچھا۔ ولید کو ایک پل میں سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا یعنی انا شہوار کے سامنے دل کے دکھڑے بیان کر چکی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا جبکہ مصطفیٰ ناسمجھی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری عقل مند دوست کے دماغ کا کچھ علاج کر رہا ہوں اس میں ٹینز کرنے کی تو بات نہیں۔'' ولید کا انداز بڑا مطمئن تھا، شہوار کے تن بدن میں آگ سی لگی تھی۔

''آپ اتنے بے حس اور سنگ دل ہو سکتے ہیں میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ آپ کو ذرا بھی رحم نہیں آ رہا انا پر، اس نے جو کچھ کیا آپ کی محبت میں بے بس ہو کر کیا تھا۔ ٹھیک ہے اس نے آپ کے معاملے میں بے اعتباری دکھائی تھی لیکن بعد میں وہ سنبھل بھی گئی تھی، اس کے بعد وہ اتنی بڑی سزا کی مستحق تو نہیں تھی۔ آپ سب مل کر اس کے ساتھ جو کر رہے ہیں وہ اسے زندہ درگور کرنے کے لیے کافی ہے۔ اوپر سے آپ کا یہ ظالمانہ رویہ وہ تو وقت سے پہلے ہی مر جائے گی۔'' شہوار کے لہجے میں انا کے لیے ترحم، محبت، پروا تھی جبکہ ولید کے لیے غصہ اور ملامت تھی۔

''اتنی نازک مزاج نہیں ہے تمہاری دوست کہ اتنی جلدی مر جائے۔ ابھی تو میں نے اسے ایسا کچھ بھی نہیں کہا جو تم اس کی سفارشی بن کر چلی آئی ہو۔'' ولید پر تو شہوار کی کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تھا وہ تو الٹا ہی بولنے لگا تھا۔ شہوار کو ولید کے رویے نے ازحد تکلیف دی تھی۔

''کیا بات ہے کچھ مجھے بھی تو بتاؤ؟'' غصے سے شہوار کو ولید کو گھورتے پا کر مصطفیٰ نے پوچھا۔

''بہتر ہے ان سے ہی پوچھئے ویسے بھی آپ کے یارِ غار ہیں آپ کب ان کی حرکتوں سے بے خبر ہوں گے۔'' وہ تو مصطفیٰ پر بھی چڑھ دوڑی تھی اور پھر انگلی اٹھا کر ولید کو دیکھا۔
''ایک بات یاد رکھیے گا اب کی بار مجھے آپ کی کوئی شکایت ملی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ میں سیدھا بابا صاحب' امی (لالہ رخ) اور ابو (فیضان) کے پاس جاؤں گی پھر نبٹ لیں گے وہ آپ سے اچھی طرح۔'' غصے سے کہہ کر وہ جس آندھی طوفان کی طرح آئی تھی اسی طرح واپس چلی گئی تھی۔ مصطفیٰ نے سوالیہ نظروں سے ولید کو دیکھا تو وہ محض مسکرا دیا۔
''مسکرانے سے کام نہیں چلے گا شہوار کیوں خفا ہو رہی تھی آرام وسکون سے بتاؤ مجھے۔'' مصطفیٰ کا انداز صاف اور دو ٹوک تھا' ولید ہنس دیا۔



وہ تینوں گھر آئے تو بھی شہوار مصطفیٰ سے خفا خفا سی تھی۔ مصطفیٰ نے کئی بار اسے پکارا' متوجہ کیا لیکن وہ صاف نظر انداز کر گئی تھی۔ مصطفیٰ کمرے میں آیا تو بھی وہ سونے کی ایکٹنگ کرنے لگ گئی تھی۔
''میں جانتا ہوں تم جاگ رہی ہو اس لیے اب آرام وسکون سے اٹھ کر میری بات سنو۔'' مصطفیٰ نے اس کے پاس نیم دراز ہوتے آنکھوں سے بازو ہٹا کر کہا تو شہوار نے غصے سے آنکھیں کھولیں۔
''بات نہیں کریں مجھ سے آپ نے مجھے بہت ناامید کیا ہے۔''
''یار...... یہ اچھی رہی تمہاری تو...... قصور تمہارے بھائی کا ہے اور تم الزام مجھے دے رہی ہو۔''
''وہ جو کچھ بھی کرتے رہے ہیں آپ سے چھپا ہوا تو نہیں ہوگا نا۔''
''وہ اب ہر بات مجھے بتانے سے تو رہا' میں اس معاملے میں قطعی بے خبر ہوں یار۔'' شہوار کے جواب میں مصطفیٰ نے رسانیت سے کہا۔ شہوار اٹھ کر بیٹھ گئی' چہرے کے زاویے ابھی بھی بگڑے ہوئے تھے۔
''انا بہت اذیت میں ہے' کتنی تکلیف دہ بات ہے ایک انسان اس قدر گلٹی فیل کر رہا ہے۔ سب سے شرمندہ ہے معافیاں مانگ رہا ہے' اس کے باوجود اسے سزا دی جارہی ہے۔ ولید بھائی کو کیا کہوں یہاں تو سب بڑے اپنے فیصلوں سے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں' عزت وانا کا مسئلہ بنالیا ہے اور ولید بھائی میں ان کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' آخر میں اس کی آواز رندھ گئی تو وہ رونے لگی تھی۔
''ارے...... ارے تم کیوں اس قدر کانشس ہو رہی ہو بھلا تمہارا اس میں کیا قصور۔'' مصطفیٰ نے اسے ساتھ لگایا تو وہ اور زیادہ آنسو بہانے لگی۔
''میں آج انا کے سامنے اس قدر شرمندگی محسوس کر رہی تھی کہ حد نہیں۔ ولید میرے بھائی ہیں انا کے سامنے ان کے بہت سے اعمال کی جواب دہ ہوں' ولید بھائی کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انا نے ان سے نہ صرف معافی مانگی تھی بلکہ صاف لفظوں میں ان سے محبت کا اظہار بھی کر دیا تھا اور وہ اس قدر بے حس ہیں کہ صاف انکار کر دیا تھا۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔
''جو کچھ ہو رہا ہے انا کو سمجھانے کے لیے یہی کافی تھا لیکن تمہارے بھائی کی ضد کے سامنے ہم بھی بے بس ہیں۔''
''آپ ان کے دوست ہیں ان کو سمجھانے کی کوشش تو کر سکتے تھے' ہونے کو تو ابھی بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچ لیا ہے میں صبح بابا صاحب سے بات کروں گی امی اور ابو سے بھی۔ میں ولید بھائی کی سنگ دلی کی وجہ سے انا کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔'' اس کا انداز اٹل تھا' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے شہوار کے دو ٹوک انداز کو دیکھا اور پھر کچھ سوچتے اس نے شہوار کو دیکھا تھا جس کے رخساروں پر بہتے آنسو اس کی انا سے محبت کے

گواہ تھے۔
''اچھا بات سنو۔'' مصطفیٰ کا انداز پرسوچ تھا' شہوار کے آنسو صاف کرتے مصطفیٰ مسکرا کر اس کے قریب ہوا۔
''تمہیں کچھ بتانا ہے۔'' شہوار کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے دھیمے لہجے میں کہا تو شہوار نے سوالیہ نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔



امجد خان نے پرانے ریکارڈ سے جو رپورٹ حاصل کی تھی وہ مصطفیٰ کو پیش کردی۔ مصطفیٰ وہ رپورٹ دیکھ کر الجھ کر رہ گیا تھا' مرنے والی عورت' اس کا بچہ اور دونوں بچیاں سب کی رپورٹ کے مطابق وہ ایک ہی خاندان کا حصہ تھے۔ وہ عورت ان بچوں کی سگی ماں تھی' پرانے ریکارڈ سے جو جو حقائق سامنے آئے تھے وہ بہت نامکمل سے تھے چونکہ اس وقت اس کیس کی پیروی کرنے والا سوائے ضیاء صاحب کے (وہ بھی چند دن تک) کوئی نہ تھا اور ضیاء صاحب نے بھی شاید پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہ دیکھی تھی ورنہ وہ اتنا عرصہ ایک تکلیف دہ اذیت میں نہ گزارتا' خیر مصطفیٰ بذات خود ان حقائق کی جانچ پڑتال کروا رہا تھا۔

عبدالقیوم ماضی کا ہمایوں جیل میں تھا اس کا کیس عدالت میں چل رہا تھا اس کی منقولہ اور غیر منقولہ سب جائیداد فی الحال حکومت کی تحویل میں تھی۔ اس کے گھر کو بھی خالی کروالیا تھا' عبدالقیوم کی بیٹی عادلہ مکمل طور پر خالی ہاتھ ہوچکی تھی۔ دولت' جائیداد' گھر بار ہر چیز ہاتھ سے نکل گئی تھی اسے مجبوراً ہاسٹل میں پناہ لینا پڑی تھی۔ مکافات عمل کا یہ سلسلہ بڑا اذیت ناک تھا۔ ظلم کے ہاتھ پیر نہیں ہوتے' زبان بھی نہیں ہوتی لیکن آخر کار انجام میں وہ چیختا چلاتا ہے' احتجاج کرتا ہے اور اس کی آواز سن لی جاتی ہے۔

عادلہ سوچ کی گہرائیوں میں غرق تھی' وہ اپنے تمام دوست احباب منہ بولے تمام رشتہ داروں کے پاس پناہ لینے کے لیے گئی تھی لیکن کوئی بھی اسے منہ لگانے کو تیار نہ تھا۔ دوست احباب کنارہ کشی اختیار کرگئے تھے اور نام نہاد رشتہ دار وہ بھی چڑھتے ہوئے سورج کے پجاری نکلے تھے۔ وہ عادلہ جس نے بڑے نازوں سے زندگی گزاری تھی اب زندگی کا اصل روپ دیکھا تو حقیقت میں اسے ''رب'' یاد آیا تھا۔ باپ پر مقدمہ چل رہا تھا' ماں پاگل خانہ میں تھی اور بہن بھائی اس دنیا سے رخصت ہوچکے تھے۔ اس کے پاس ڈگری تھی لیکن اب قسمت ساتھ نہ تھی اسے ایک مقامی اسکول میں ایک ٹیچر کی جاب ملی تھی وہ بھی ایک پرانی دوست کے توسط سے جسے شاید اس کے حالات پر ترس آ گیا تھا اور وہ ملنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔

زندگی کے روز و شب گزارتے اسے اپنا چند سال کا بیٹا اب شدت سے یاد آتا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ عباس کے گھر جائے اور اپنے بیٹے سے مل لے لیکن وہ مارے خوف کے کہیں نہیں جارہی تھی۔ اس کا سارا دم خم ماضی کا قصہ بن چکا تھا۔ اس کا باپ سب اعترافات کرچکا تھا سب جرائم قبول کرچکا تھا۔ جرائم کی ایک طویل فہرست تھی' لالہ رخ اور فیضان کے علاوہ اس کے مظالم پر گواہی دینے والے بہت سے لوگ تھے نجانے کون کون کہاں کہاں سے نکل آیا تھا۔ ایاز کے ڈھائے ہوئے مظالم بھی باپ کے کھاتے میں تھے۔ اس دن بھی وہ باپ سے ملنے جیل آئی تھی۔ عبدالقیوم کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی' شاید وہ بھی پچھتاوؤں کی منزل طے کررہا تھا' باپ کی حالت دیکھ کر وہ شدت سے روئی تھی۔

''ہمارے ساتھ آپ نے بہت بُرا کیا ڈیڈ..... آپ نہ ہماری اچھی تربیت کرسکے اور نہ ہی خود کو اس احتساب سے بچا سکے۔ کاش میں آپ کی کوئی مدد کرسکتی۔ بہت بُرا کیا آپ نے اپنے ساتھ بھی اور ہمارے ساتھ بھی۔'' باپ اس کے الفاظ پر خاموش رہا وہ کچھ دیر باپ کی حالت پر ماتم کناں رہی اور پھر وہاں سے نکل آئی تھی۔ وہ ذہنی امراض (پاگل

خانہ) کی عمارت میں آئی تو اس کی ماں اپنے مخصوص بستر پر بیٹھی ہوئی تھی بال بکھرے ہوئے اور پاؤں زنجیروں میں قید تھے۔ وہ عادلہ کو دیکھ کر ایک دم متوجہ ہوئی تھی۔

''ایاز آ گیا...... میرا ایاز آ گیا......'' انہوں نے عادلہ کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ اس کی ماں کے ذہن میں صرف ایاز تھا اور باقی سب کچھ محو ہو چکا تھا۔

''وہ تو کب کا آ کر اس دنیا سے بھی جا چکا ہے بلکہ وہ کیا آپ کی کاشی بھی اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔'' عادلہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر رو دی تھی۔ وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی شکوے شکایتیں نجانے کیا کیا کرتی رہی تھی' وہاں سے لوٹی تو عصر کا وقت تھا۔

اس کے دل کو عجیب سی بے چینی لگی ہوئی تھی وہ گھٹن سے بھرا ہاسٹل کا کمرا اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وقت کا پہیہ الٹا چل جائے اور وہ سب کچھ سدھار دے۔ عباس کے ساتھ شادی شدہ زندگی کو بالکل اسی طرح گزارے جس طرح عباس اور اس کے خاندان کی خواہش تھی وہ زندگی جس میں اس کا بیٹا تھا اور خوشیوں کی ریل پیل تھی۔ جنہیں اپنی ناعاقبت اندیشی کے سبب وہ اپنے ہاتھوں سے کھو چکی تھی۔ اسے عباس سے کی جانے والی اپنی تمام تر زیادتیاں یاد آنے لگیں تو وہ سسک اٹھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے خالی تھی اور عباس......

نجانے دل میں کیا سمائی کہ وہ رکشے میں بیٹھ کر عباس کے گھر کی طرف چلی آئی تھی۔ عباس کے عالی شان گھر کے سامنے رکشہ رکا تو وہ چونکی۔ اس گھر کو وہ اپنے غرور اور دولت کے نشے میں چُور ہو کر ٹھوکر مار کر چلی گئی تھی اور آج وہ اس گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ چوکیدار وہی پرانا تھا' عادلہ اس گھر کی پرانی مالکوں میں سے تھی اس نے عادلہ کو دیکھ کر سلام کیا تو ہمیشہ اپنے کروفر میں ملازمین کو کبھی نہ پلٹ کر دیکھنے والی عورت نے مسکرا کر جواب دیا۔

''مجھے اندر جانا ہے۔'' رکشے والے کو کچھ دیر میں آنے کا کہہ کر اس نے چوکیدار کو کہا تو وہ الجھا۔ عادلہ عرصے بعد اس گھر کی دہلیز پر آئی تھی وہ اندر اطلاع کر کے اجازت طلب کرتا تو شاید عادلہ کو بُرا لگتا اور ویسے ہی جانے دیتا تو نجانے کیا ردعمل ہوتا۔ اس نے کچھ سوچا اور پھر اسے جانے دیا۔

عادلہ اندر آئی تو وہاں ایک محفل آباد تھی' لاؤنج میں سبھی لوگ موجود تھے وہ دروازے پر ہی رک گئی تھی۔ اندر عائشہ اور صبا دو تین ملازماؤں کے ہمراہ ڈھیروں ملبوسات اور اشیاء پھیلائے ان کی پیکنگ میں مصروف تھیں۔ مہرالنساء بیگم صوفے پر براجمان تھیں ساتھ زہرہ پھوپو اور شائستہ بھی تھیں۔ لائبہ لاؤنج میں کھلنے والے دوسرے دروازے سے وہاں داخل ہوئی تھی عادلہ کی نگاہ اٹھی تو وہ حیران ہوئی لائبہ کے ہمراہ رابعہ تھی۔ رابعہ نے آفاق کو اٹھا رکھا تھا' عادلہ کی ساری حسیات اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں' وہ ایک عرصہ بعد اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ عادلہ کے دل میں بے شمار محبتوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔

''ماں جی خوش ہو جائیں' رابعہ نے آتے ہی اس چھٹکو پر نجانے کیا جادو کر دیا ہے ہر وقت ماما ماما کہتے اس کی گود میں چڑھا رہتا ہے۔'' لائبہ نے قریب آ کر کہا تو رابعہ جھینپ گئی تھی۔

''بچے تو محبت کے بھوکے ہوتے ہیں' جہاں سے محبت ملی اسی کے ہو گئے۔ ماشاء اللہ سے ہماری رابعہ محبت بھی تو بہت کرتی ہے۔'' زہرہ پھوپو نے بھی ہنس کر کہا۔

''اماں جی اچھی طرح دیکھ لیں کہیں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی یہ نہ ہو کہ وہاں جا کر آپ کہیں کہ یہ کمی رہ گئی' وہ کمی رہ گئی ہے۔'' صبا نے پیکنگ کرتے کہا۔

''ابھی دو دن باقی ہیں گاؤں جانے میں کچھ رہ بھی گیا تو ہم کر لیں گے۔'' زہرہ پھوپو نے تسلی دی تبھی رابعہ سے

بات کرتے لائبہ پلٹی اور اس کی نگاہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی عادلہ پر ٹھہری تھی پہلے تو نگاہ میں حیرت ابھری اور پھر ناگواری۔

''عادلہ بھابی......!'' لائبہ کی آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ سبھی نے پلٹ کر ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دروازے کی طرف دیکھا اور عادلہ کو دیکھ کر سبھی حیرت زدہ ہوئیں تھیں۔ عادلہ دروازے کی اوٹ سے نکل کر اندر کی طرف بڑھی تو سبھی نے حیرت سے اور سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ شہوار جو کچھ دیر پہلے کالج سے لوٹی تھی لباس بدل کر سیدھا لاؤنج میں آئی تھی لیکن اندر کا منظر دیکھ کر نہ صرف حیران ہوئی بلکہ عادلہ کی یہاں موجودگی پر چونکی بھی تھی۔

''کیوں آئی ہو تم یہاں؟'' ماں جی کا انداز بہت کرخت تھا۔

''مجھے بس اپنے بیٹے سے ملنا ہے۔'' عادلہ کے لہجے میں ماضی کا ایک عکس بھی نہ تھا وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''کون سا بیٹا؟'' ماں جی کے لہجے میں تحکم تھا۔ ''وہی بیٹا جسے تم بڑے کروفر سے یہاں پھینک کر چلی گئی تھیں۔''

''میں غلطی پر تھی میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ آپ سب کے ساتھ بھی بہت زیادتیاں کی ہیں لیکن پلیز مجھے ایک بار میرے بیٹے سے ملنے دیں۔'' اس نے ماں جی کے سامنے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ اس کی نگاہیں رابعہ کے کندھے سے لگے آفاق پر تھیں۔

''رابعہ تم آفاق کو لے کر یہاں سے جاؤ۔'' ماں جی نے رابعہ کو حکم دیا تو رابعہ فوراً چلی گئی۔

''پلیز ایک بار ملنے دیں وہ میرا بیٹا ہے مجھے اس سے ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

''وہ ہمارا پوتا ہے لڑکی...... تمہارا اس خاندان اور ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہارے باپ نے ماضی میں جو کچھ کیا ہے وہ کیس تو عدالت میں چل رہا ہے لیکن تم نے ہمیں جو ذہنی اذیتیں دی تھیں اس کا بدلہ لینے لگ گئے تو بہت برا ہوگا تمہارے ساتھ۔ آفاق ہمارا وارث ہے اس کی طرف غلط نگاہ سے بھی دیکھا تو اس خاندان کے سب مرد غیرت اور عزت کے اصول بھول کر تمہیں تمہارا انجام یاد دلا دیں گے۔ ہم تمہیں اس گھر سے نہیں نکال رہے لیکن بہتر ہے کہ تم خود عزت کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ ورنہ......'' ماں جی سارا لحاظ و مروت بھول گئی تھیں عادلہ سسک سسک کر روئی تھی سبھی لوگ خاموش تھے۔

عادلہ کچھ دیر وہاں رکی اور پھر بڑی شکستہ سی وہاں سے چلی گئی تھی۔ مہرالنساء بیگم تو خاصا تپ چکی تھیں انہوں نے چوکیدار کو بلا کر اس کی اچھی خاصی کلاس لی تھی۔

''عادلہ جیسی عورتوں کا کوئی بھروسہ نہ تھا جس کا باپ اتنا بڑا کرمنل تھا اس کی بیٹی سے بُرے سے بُرے عمل کی توقع کی جاسکتی تھی۔ کیا پتا وہ گھر میں گھس کر پسٹل کے زور پر آفاق کو چھین کر لے جاتی تو......ایسی عورتوں سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔'' ان کے دل میں اور بھی نجانے کون کون سے وسوسے آرہے تھے وہ عادلہ کے اندر ہونے والی تبدیلی سے بے خبر تھیں ان کے ذہن میں تو ماضی کی بدتمیز، ہر حد تک جانے والی کرپٹ عادلہ کی شبیہہ تھی۔

شام تک یہی موضوع زیر بحث رہا تھا۔ ماں جی تو سخت خوف زدہ تھیں۔ شام کے بعد مرد حضرات گھر آئے تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا عباس بھی وہیں موجود تھے سب نے خاموشی سے سنا تھا۔

''آپ ملنے دیتیں نجانے اب وہ کیا کرے ایسی لڑکیوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔'' شاہزیب صاحب نے سارا معاملہ سن کر کہا۔

''خوامخواہ ملنے دیتی جگر کا ٹکڑا اپنا کر پال رہے ہیں ہم آفاق کو میں تو اپنے بچے پر ایسی عورت کی پرچھائیں بھی نہ اب پڑنے دوں۔ مجھے اس عورت کا سلوک نہیں بھولتا کبھی اس نے بچے کو سینے سے نہ لگایا۔ ایسا سلوک تو لوگ

جانوروں سے بھی نہیں کرتے جیسا اس نے آفاق کے ساتھ کیا تھا۔ اب ممتا جاگ گئی جب اس کی ضرورت تھی تب تو کہتی تھی کہ کسی یتیم خانے میں چھوڑ دو اس سے نہیں پالے جاتے ایسے بچے۔'' ماں جی کو ماضی نہیں بھولا تھا' سبھی خاموش ہو گئے تھے۔ عباس خاموشی سے اٹھا' وہ باہر آیا تو لائبہ سے پوچھا۔

''آفاق کہاں ہے؟''

''رابعہ کے پاس اس کے کمرے میں ہے۔'' رابعہ آج کل شہوار کے شادی سے پہلے والے کمرے میں ٹھہری ہوئی تھی۔ عباس سر ہلاتا اُدھر آیا تھا' ناک کر کے دروازہ کھولا تو رابعہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ آفاق کو تھپک تھپک کر سلا رہی تھی' عباس کو دیکھ کر بستر کے کنارے سے کھڑی ہو گئی اس نے دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمایا تھا۔

''سو گیا آفاق؟''

''جی۔'' عباس نے قریب آ کر سوئے ہوئے بیٹے کی پیشانی چومی اور پھر سیدھا ہو کر قریب کھڑی رابعہ کو دیکھا۔

''شکریہ۔'' سنجیدگی سے کہا تو رابعہ نے چونک کر دیکھا' انداز سوالیہ تھا۔

''آپ نے جس طرح آتے ہی آفاق کی ذمہ داری لے لی ہے وہ قابل ستائش ہے۔ میں آفاق کے سلسلے میں پریشان تھا وہ چلتا پھرتا ہے' باتیں کرتا ہے بہت حساس ہے۔ پتا نہیں کیا ری ایکشن دیتا ماں جی کے علاوہ وہ لائبہ بھابی کے سب سے زیادہ قریب رہا ہے ایسے میں آپ کو قبول کرنا' میں پریشان تھا۔''

''بچے تو محبت کے بھوکے ہوتے ہیں' تھوڑی سی توجہ' کچھ محبت اور بے پناہ چاہت جس سے مل جائے اس کے ہو جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ اتنا پیارا بچہ ہے یہ تو' جو دیکھے توجہ دینے پر مجبور ہو جائے۔'' آفاق کو دیکھتے رابعہ نے مسکرا کر کہا تو عباس مسکرا دیا۔

''مجھے عادلہ کی آمد کی خبر مل گئی ہے' میں حیران ہوں وہ عورت اب کیا چاہتی ہے۔ میں آفاق کو لے کر ہمیشہ کانشس رہا ہوں رابعہ...... میں چاہتا ہوں شادی کے بعد آپ اسے حقیقی ماں کی سی محبت دیجیے گا ورنہ میرا بیٹا بکھر کر رہ جائے گا۔''

''آپ کو یہ سب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' یہ سب میرا فرض ہے میں اس کو خوش اسلوبی سے نبھانے کی کوشش کروں گی۔'' عباس رابعہ کو دیکھ کر مسکرایا۔

''شکریہ۔'' رابعہ محض مسکرائی تھی۔ عباس اس سے اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا اور وہ مسکرا کر اس کو سن رہی تھی۔



امجد خان بے شک ملازم کی اولاد تھا لیکن تعلیم کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ وہ دل لگا کر پڑھتا رہا تھا میٹرک کے بعد مختلف جگہ اپلائی کیا تھا۔ چھوٹی موٹی جابز کرتا رہا تھا۔ گلناز امجد خان کی ماموں زاد تھی کم عمری میں ہی شادی ہو گئی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد بیٹا پیدا ہوا تھا جب وہ لوگ لالہ رخ کو لے کر سکندر کے پاس پہنچے تھے ان کا بیٹا ابوبکر ایک سال کا تھا۔ لالہ رخ کی والدہ کے ان کے خاندان پر بہت احسانات تھے' امجد خان والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ لالہ رخ کے حویلی چھوڑنے کے ایک سال بعد اس نے ماں باپ کو بھی بلوا لیا تھا۔ اس کی جاب پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایک معمولی کانسٹیبل کے طور پر ہوئی تھی لیکن وہ اپنی محنت اور قابلیت کے سبب اپنی تعلیم کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ لالہ رخ سے بھی کبھی کبھار رابطہ ہو جاتا تھا' کچھ عرصہ پہلے اس کی شفٹنگ راجن پور کے پسماندہ علاقہ میں ہو گئی تھی۔ بیوی بچے ساتھ تھے' وقت کے ساتھ اس کے بڑے دو بیٹے اور پھر ایک بیٹی تھی۔ اس کا بڑا بیٹا اسلام آباد میں زیر تعلیم تھا' جاب شفٹنگ کی وجہ سے اس نے بیٹے کو وہیں ہاسٹل میں ہی ڈلوا دیا تھا۔ چھوٹے بچے ابھی بہت چھوٹے تھے' دوسرے بیٹے کو مقامی

اسکول میں داخل کروادیا تھا۔ اس کی بیوی ایک بار پھر امید سے تھی' ڈلیوری میں چند ماہ باقی تھے جب ڈیپارٹمنٹ میں کچھ جابز نکلی تھیں اس نے بھی اپلائی کرلیا تھا۔ امتحان ہوا تو وہ کامیاب ٹھہرا تھا' ٹریننگ کے لیے اسے اسلام آباد بھجوادیا گیا تھا۔ پیچھے بیوی بچے اکیلے تھے' چھ ماہ کی ٹریننگ تھی۔ گلناز بہت سمجھدار اور باشعور عورت تھی لیکن انجان جگہ اور انجان لوگوں میں رہنا عجیب مشکل سا کام تھا۔ امجد خان نے ان کو کرائے پر گھر لے کر رکھا ہوا تھا۔ ٹریننگ کی وجہ سے وہ ان سب کو ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا' دونوں ماں باپ گزرے وقت میں دنیا سے چل بسے تھے وہ دو ماہ بعد صرف دو دن گھر آسکا تھا۔ اسے گلناز کچھ پریشان دکھائی دی تھی لیکن اس کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ ٹال گئی تھی۔

اعلیٰ جاب اور عہدہ حاصل کرنا امجد خان کا خواب تھا اور گلناز اس کے کسی بھی خواب کے رستے میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ اس کی ڈلیوری کے دن نزدیک تھے' راجن پور میں امجد خان کے ڈیپارٹمنٹ کا ایک شخص اور اس کی بیوی ان کی خبر گیری کرلیا کرتے تھے۔ گلناز کے ہاں بیٹی نے جنم لیا تھا اس شخص اور اس کی بیوی نے کافی تعاون کیا تھا اور تبھی گلناز مزید پریشان ہوگئی تھی اس نے محسوس کیا تھا کہ امجد خان اس شخص کو ان کی خبر گیری کا کہہ کر تو چلا گیا تھا لیکن یہ شخص کوئی اچھا انسان نہ تھا' وہ شخص جب جی چاہتا گھر میں گھس آتا تھا۔ نت نئی فرمائشیں اور باتیں' گلناز اس اجنبی جگہ اور انجان لوگوں میں بڑی مشکل سے دن گزار رہی تھی وہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ لالہ رخ کا فون نمبر موجود تھا ایک دو بار اس سے بات ہوئی تھی تو اس نے لالہ رخ سے سب کہہ دیا تھا جواباً لالہ رخ نے اسے محتاط رہنے کا کہا تھا۔ لالہ رخ نے اسے بتایا کہ کس طرح ہمایوں نے انہیں ڈھونڈ نکالا ہے اور پریشان کردیا ہے۔ اس کے باوجود لالہ رخ نے اسے کہا تھا کہ اگر زیادہ پریشانی والی بات ہے تو وہ اس کے پاس آجائے جب تک امجد خان کی ٹریننگ نہیں ہوجاتی وہ بچوں سمیت اس کے پاس رہ سکتی ہے۔ لالہ رخ نے اپنے پرانے اور نئے دونوں گھروں کا ایڈریس لکھوادیا تھا' کچھ دن مزید سرکے تو ایک عجیب سی بات ہوئی تھی۔

اس کی بیٹی کی طبیعت بہت خراب تھی وہ کافی دنوں سے بیمار تھی وہ مجبوراً امجد خان کے بتائے ہوئے شخص اور اس کی بیوی کی مدد لینے پر مجبور تھی اس کی بیوی اچھی عورت تھی وہ اس کے ساتھ ہسپتال چلی گئی تھی۔ سردیوں کی پیدائش تھی بچی کو نمونیا ہوگیا تھا ڈاکٹر نے دو دن ہسپتال میں رکھنے کو کہا تھا۔ وہ دو دن گلناز کے لیے بڑے تکلیف دہ تھے اس شخص کی نوازشیں اور مہربانیاں وہ پتا نہیں کیسے برداشت کررہی تھی۔ اگلے دن شام کے وقت ان کو ڈسچارج کردیا گیا تھا' بچی اب بہتر تھی۔ اس نے بچی کی طبیعت کی اطلاع بذریعہ خط امجد خان کو بھجوادی تھی جواباً اس کا خط بھی ملا تھا کہ ٹریننگ کا شیڈول بہت سخت ہے' چھٹی ملنا مشکل ہے۔ اب ٹریننگ مکمل ہوگی تو گھر آسکے گا تب تک وہ اپنا اور بچوں کا خیال رکھے۔

رات کا پہر تھا' بچی کو سلا کر گلناز کی ابھی آنکھ ہی لگی تھی جب گھر کا دروازہ بجنے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر آئی اس نے پوچھا تو پتا چلا وہ ہی شخص ہے' وہ حیران ہوئی بھلا رات کے اس پہر یہ شخص کیا کرنے آیا ہے۔

''بھابی ہم لوگ آپ اور بچوں کی خیریت پوچھنے آئے ہیں۔'' وہ شش و پنج میں تھی جب دروازے کے دوسری طرف سے کہا گیا تھا۔ گلناز کو تھوڑا سا سکون ہوا یعنی وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس نے دروازہ کھول دیا تھا وہ اندر داخل ہوا تو گلناز نے اس کے عقب میں دیکھا' وہ وردی میں ملبوس تھا۔

''بھابی کدھر ہیں؟''

''وہ تو گھر پر ہی ہے میں آفس سے لوٹا تو سوچا ادھر سے گزر رہا ہوں آپ اور بچوں کی خیریت پوچھ لوں۔'' اس نے کہا تو گلناز چونکی' اس کے چہرے کے تیور بدلے تھے۔ وہ چار بچوں کی ماں تھی اتنا تجربہ ضرور ہوچکا تھا کہ تنہا مرد رات

کے اس پہر کسی تنہا عورت کے گھر میں یوں چلا آئے تو کیا کچھ ہوسکتا ہے۔

''آپ کو اس وقت اُدھر نہیں آنا چاہیے تھا۔'' گلناز نے ازحد ناگواری سے کہا تھا۔ ''آپ کو علم ہے میں تنہا عورت اس وقت گھر میں اکیلی ہوتی ہوں' محلے والے پہلے ہی میرے بارے میں مشکوک رہتے ہیں۔ میں لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتی' آپ براہ کرم اس وقت یہاں سے جاسکتے ہیں۔'' اس نے بہت صاف لہجے اور رکھائی میں کہا تھا۔

''ارے آپ تو غصہ ہی کرگئیں' میں تو بس خیریت پوچھنے آیا تھا۔'' وہ کھسیا گیا تھا۔

''خیریت ہی پوچھنی تھی تو دن کی روشنی میں آتے۔'' گلناز کا انداز بے لچک تھا۔

''غصہ کیوں کرتی ہیں' بھلائی کا تو کوئی زمانہ ہی نہیں۔ امجد صاحب نے کہا تھا تو میں ان کی مروت میں سب کرتا ہوں ورنہ کون ہے جو اس زمانے میں کسی غیر کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کرے۔'' جواباً وہ بھی غصہ کرگیا تھا۔ گلناز الجھی تھی' وہ شخص واپس جانے کی بجائے صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''ایک گلاس پانی پلادیں پھر چلا جاتا ہوں۔'' گلناز کو اس کا انداز بہت عجیب سا لگا تھا وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹی اور ایک طرف بنے چھوٹے سے کچن میں آئی۔ وہ ابھی گلاس میں پانی نکال کر پلٹی تھی جب ہی وہ شخص کچن کے دروازے کے پاس کھڑا تھا۔

''آپ اُدھر کیوں آ گئے میں پانی لا رہی تھی نا؟'' گلناز کا لہجہ لڑکھڑایا تھا لیکن پھر فوراً خود پر قابو پائے غصے سے کہا تھا۔

''پانی کی کس کو طلب ہے تم جانتی ہو مجھے یہاں کیا چیز کھینچ کر لاتی ہے۔'' وہ شخص فوراً اپنی اوقات میں آیا تھا۔

''ہاں اچھی طرح جانتی ہوں' تم ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکلو۔ بہت برداشت کرلیا میں نے تمہیں' تم میرے گھر سے نکلو ورنہ میں شور مچادوں گی۔'' گلناز گلا اس ایک طرح چیخ کر چلائی تھی۔

''شور مچاؤ گی تو اپنا ہی نقصان کرو گی' لوگوں کو کیا جواب دو گی میں تو اُدھر آتا جاتا رہتا ہوں' لوگ تو کہیں گے کہ تم نے خود مجھے بلوایا ہے۔'' گلناز کا رنگ لٹھے کی مانند سفید ہوا تھا۔

''مجھے ترس آتا ہے تمہاری نیک سیرت بیوی پر' کس قدر گھٹیا انسان ہو تم۔'' وہ دکھ سے بس یہی کہہ سکی تھی۔

''دیکھو تمہارا شوہر یہاں نہیں ہے کیوں اتنی خوب صورت جوانی یوں برباد کررہی ہو' میرے ساتھ تعاون کرو فائدے میں رہو گی۔'' وہ شخص خباثت پر اتر آیا تھا۔ گلناز کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس شخص کو مار مار کر یہاں سے نکال دے۔

''تم یہاں سے دفع ہوجاؤ۔'' اس نے کہا تو وہ شخص اس کی طرف بڑھا تھا۔

''اتنے ماہ سے تم پر محنت کررہا ہوں' وقت اور پیسہ ضائع کررہا ہوں ایسے کیسے دفعہ ہوجاؤں' عرصہ بعد تو اتنا اچھا موقع ملا ہے۔'' وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔ گلناز مارے خوف کے کچن کی اندرونی دیوار سے جالگی تھی۔ وہ شخص جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔

گلناز نے اپنے بچاؤ کے لیے اردگرد دیکھا اور پھر اس کی نگاہ برتنوں والی ٹوکری پر پڑی تھی' اس نے تیزی سے وہاں سے کفگیر اٹھایا تھا اور اپنی طرف بڑھتے شخص کے سر پر دے مارا تھا۔ وہ شخص بلبلا کر پیچھے ہٹا تھا۔ اس شخص کے سر سے خون بہہ نکلا تھا' گلناز نے یہ موقع غنیمت جانا تھا' وہ اندھادھند ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ سردی کے موسم کے سبب بچے اور وہ خود ایک ہی کمرے میں سو رہے تھے اس نے کمرے میں گھس کر کنڈی لگائی تھی اور دروازے سے

ٹیک لگا کر تھر تھر کانپ رہی تھی۔ باہر سے اس شخص کے کراہنے اور بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔
''میں تمہیں جیل کروادوں گا۔ تم جانتی نہیں میری پہنچ کہاں تک ہے' تم نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے اب تم دیکھنا میں تمہارا کیا حشر کرتا ہوں۔'' وہ دھمکیاں دے رہا تھا۔
کچھ دیر تک اس کی آوازیں آتی رہی تھیں اور پھر گھر میں خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ رات گلناز کے لیے عجیب قیامت خیز تھی۔ وہ ساری رات روتے سسکتے اس نے وہ فیصلہ کیا تھا۔ فجر کی نماز پڑھ کرابھی اندھیرا ہی تھا کہ اس نے بچوں کو اٹھایا اور ضروری اشیاء لی اور ایک کپڑوں کا بیگ تیار کیا اور صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے اپنے گھر کے دروازے پر تالا لگا کر وہ گھر چھوڑ دیا تھا۔ اسے جلد ہی ایک تانگہ مل گیا تھا جس نے اسے ریلوے اسٹیشن پہنچا دیا تھا۔ وہ اکیلی عورت حالات کی ستائی ہوئی تھی۔ بچوں کا ساتھ تھا وہ خوف زدہ بھی تھی لیکن ہمت کرتے اس نے وہ ٹرین کا سفر کیا تھا۔ کئی گھنٹوں پر مشتمل وہ سفر اس کی زندگی کا تنہا سفر تھا جو وہ امجد خان کے بغیر کر رہی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ منزل پر پہنچتے ہی اگلے دن امجد خان کو خط لکھ کر سب حالات سے آگاہ کردے گی۔
رات گئے ان کا سفر ختم ہوا تھا' اس کے بعد اس نے اسٹیشن سے تانگہ لیا تھا' وہ سکندر اور لالہ رخ کے پاس آ گئی تھی۔ لالہ رخ نے اسے نئے اور پرانے دونوں گھروں کا ایڈریس دے رکھا تھا' پرانے گھر میں وہ کئی بار آ چکی تھی لیکن ہر بار امجد خان ہمراہ ہوتا تھا لیکن اس بار تنہا تھی اس لیے ایڈریس اس کے بہت کام آیا تھا۔ تانگے والے نے اسے گھر کے سامنے اتارا تھا لیکن بدقسمتی سے گھر کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔ گلناز پریشان ہوگئی تھی' تانگے والا ابھی سامان اترنے کا انتظار کر رہا تھا گلناز نے کچھ سوچتے اسے دوسرے گھر کا ایڈریس سمجھاتے وہاں اتارنے کو کہا تھا۔ تانگے والی نے اسے دوسرے گھر اتار دیا تھا' گھر کے اندر روشنی ہو رہی تھی گلناز کے اندر سکون سا اترا تھا۔ اس نے سامان اور بچوں کو اتروا کر تانگے والے کو فارغ کیا تھا اور خود گھر کی طرف بڑھی تھی۔ وہ لالہ رخ کا یہ گھر پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اس نے دستک کے لیے داخلی دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا' وہ سوئی ہوئی دونوں بچیوں اور بیگ کو سنبھالتی بچے کو لیے گھر میں داخل ہوئی تھی لیکن وہاں تو اور ہی ماجرا تھا جہاں داخل ہوتے ہی دو آدمیوں نے اسے کھینچ لیا تھا۔
''تمہارا کیا خیال ہے تم بھاگ کر واپس آؤ گی تو ہم یہاں سے چلے گئے ہوں گے۔ پکڑو اس کو سنبھالو رسیوں سے باندھ دو اب بھاگنے نہ پائے۔'' وہ کئی آدمی تھے۔ گلناز تو اس افتاد پر خوف زدہ ہوگئی تھی۔ وہ تو پہلے ہی عجیب سے حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچی تھی لیکن اس نئی صورت حال نے اسے مزید خوف زدہ کر دیا تھا۔
کچھ اور آدمی آ گئے تھے ان سب نے مل کر اس کے چیخنے چلانے کے باوجود اسے اور اس کے بیٹے کو ایک جگہ کرسی کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیا تھا۔ اس کی دونوں بیٹیاں اس کے پاس ہی زمین پر گری چیخ رہی تھیں' سامان باہر دروازے پر ہی رہ گیا تھا۔ وہ بین کر رہی تھی ان کو صورت حال سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ...... وہ نہیں ہے جو سمجھا جا رہا ہے لیکن کسی نے مہلت ہی نہ دی تھی۔ انہوں نے اس پر اور بچوں پر پیٹرول چھڑکا تھا' ایک شخص نے آگ دکھائی اور پھر چیخیں تھیں...... آہیں تھیں۔ شعلے تھے...... آگ تھی' تپش تھی...... یوں آگ نے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔



مصطفیٰ خود اس کیس کی پڑتال کر رہا تھا' سالوں پرانا ریکارڈ نکالا گیا تھا' اس نے بذات خود اس جگہ کا معائنہ کیا تھا۔ وہ گھر جلا تھا اس کے مکین جل کر راکھ کا ڈھیر ہوئے تھے لیکن بہت سی باقیات بھی بچی تھیں جو بعد کے لیے ثبوت کے طور پر پیش کی جاسکتی تھیں جن میں ایک چھوٹی سی ڈائری تھی جس پر مختلف ایڈریسز درج تھے۔ یہ شاید فون کی ڈائری تھی'

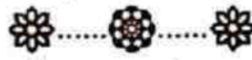
بوسیدہ سے کاغذات گھر کے بیرونی دروازے پر سے ہی مل گئے تھے اور پھر وہ ریکارڈ میں رکھ دی گئی تھی۔ یہ ڈائری اتنی اہم نہ تھی کہ اس کی جانچ پڑتال کی جاتی۔ مصطفیٰ نے وہ ڈائری بغور دیکھی تھی اور پھر اس پر درج تمام ایڈریسز کی چھان بین کروائی تو الجھا تھا' ایڈریسز کے علاوہ چند ایک فون نمبر بھی تھے۔ مصطفیٰ نے امجد خان کو بلوا بھیجا تھا' اس نے وہ ڈائری اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ امجد خان ڈائری دیکھ کر چونکا تھا۔

''یہ ڈائری آپ کو کہاں سے ملی؟''

''یہ ڈائری مجھے فیضان چچا اور لالہ رخ چچی کے کیس والی فائل سے ملی ہے۔'' امجد خان نے چہرے پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''یہ...... یہ ڈائری تو میری بیوی کے پاس ہوتی تھی لیکن یہ یہاں کیسے پہنچی؟''

''آپ کو مجھے اپنی بیوی اور بچوں کے بارے میں ڈیٹیل میں سب بتانا ہوگا امجد صاحب! مجھے لگ رہا ہے کہ اس کیس میں ان لوگوں کی موجودگی ایک بہت بڑا راز ہے۔'' امجد خان نے سر ہلایا اور پھر اس نے اپنے بارے میں بتانا شروع کردیا تھا۔



امجد خان چھ ماہ کی ٹریننگ کے بعد لوٹا تو گھر پر تالا لگا ہوا تھا اور مالک مکان از حد غصے میں تھا۔ امجد خان حیرت زدہ تھا' مالک مکان کو کرایہ ادا کرکے اس نے جیسے تیسے مطمئن کیا اور خود اس آدمی کے پاس آیا تھا جسے اس نے اپنی غیر موجودگی میں اپنے گھر اور گھر والوں کی خبر گیری کرنے کو کہہ رکھا تھا۔ وہ شخص تو بھرا بیٹھا تھا' اس نے گلناز کے متعلق وہ وہ الزامات لگائے کہ دونوں کا جھگڑا ہوگیا تھا۔ اس آدمی کے کہنے کے مطابق گلناز کے کسی اور مرد سے ناجائز تعلقات قائم ہوگئے تھے جس کی اسے خبر ہوگئی تھی اور پھر ایک رات وہ اس کی بچی کی خبر گیری کرنے گیا تو دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ دونوں کو برا بھلا کہا تھا جواباً گلناز شرمندہ ہونے کے بجائے دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر اسے نہ صرف زدوکوب کیا تھا بلکہ غلط نتائج کی دھمکیاں بھی دی تھیں۔ وہ رات کو چلا گیا تھا اور اگلی صبح گلناز اس آدمی اور بچوں سمیت غائب ہوچکی تھی۔ امجد خان یہ سب ماننے کو تیار نہ تھا' اس نے مختلف رشتہ داروں کے ہاں فون کیے تھے گلناز اور بچے کہیں بھی نہ تھے۔ امجد خان کو گلناز پر پختہ یقین تھا جو دن گزرنے کے ساتھ ساتھ متزلزل ہونے لگا تھا۔ اس نے چند دن گلناز کو تلاش کیا لیکن گلناز کا کوئی اتا پتا نہ مل سکا تھا۔

اس کو ٹریننگ کے بعد صرف چند چھٹیاں ملی تھیں اسے فوراً جوائننگ کرنا تھی۔ وہ نوکری پر چلا گیا تھا اور پھر کچھ عرصہ بعد اسے سکندر اور لالہ رخ والے سانحہ کی خبر ہوئی تو وہ وہاں آیا تھا۔ عجیب سے حالات تھے' کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی اس کی اپنی جاب تھی گلناز کی طرف سے بھی پریشانی تھی۔ وہ کچھ عرصہ تک اپنی پریشانیوں میں گھرا رہا تھا۔ گلناز کو ملنا تھا نہ وہ ملی تھی' بچے بھی غائب تھے وہ اب رفتہ رفتہ اس شخص کی سنائی ہوئی کہانی پر یقین کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ کچھ عرصہ مزید بیتا وہ اب اپنی جاب میں مستحکم تھا۔

اس نے گلناز کو بھول کر اپنی زندگی کو ایک نیا موڑ دینا چاہا اور شادی کرلی تھی اس کا بیٹا ابوبکر بہت چیخا' چلایا جواباً سوتیلی ماں اور ابوبکر کے درمیان حالات کشیدہ رہنے لگے تھے۔ گلناز کی وجہ سے وہ بعض اوقات ابوبکر سے بھی برگشتہ ہوجاتا تھا۔ دوسری بیوی سے اللہ نے اسے اولاد دی تو وہ گلناز کی بے وفائی کو مکمل طور پر بھلا چکا تھا لیکن لالہ رخ والے کیس پر وہ مسلسل کام کررہا تھا' اس نے بہت سے حقائق جمع کرلیے تھے لیکن کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ وقت کا کام تھا گزرنا وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ابوبکر حالات سے برگشتہ ہوکر گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ امجد خان کے لیے اپنی جاب'

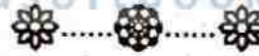
بیوی بچے اور گھریلو ذمہ داریاں تھیں۔ اسے چلے جانے والے لوگ شدت سے یاد آتے تھے لیکن اس نے خود کو پتھر بنالیا تھا۔ گلناز کے خاندان والے اس کی بتائی گئی کہانی پر یقین کرنے پر آمادہ نہ تھے سو ان سے بھی عرصہ دراز سے قطعی تعلقی تھی اور پھر عرصہ بعد ابوبکر خود آیا تھا ان کے پاس اپنی شادی کا کارڈ لے کر وہ بھی نادم تھے شرمندہ تھے۔ بیٹے کو فوراً قبول کرلیا لیکن گلناز اور باقی تینوں بچے ابھی شدت سے یاد آتے تھے جنہیں وہ دل پر پتھر رکھ کر بھول جانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔



مصطفیٰ نے ساری کہانی سنی اور پھر افسردگی میں ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''مجھے نجانے کیوں لگ رہا ہے امجد صاحب...... وہ عورت اور تینوں بچے وہ آپ کے ہی اہل خانہ تھے۔'' امجد خان کا رنگ ایک دم زرد ہوا تھا۔

''عبدالقیوم کی نشان دہی پر جو ملوث لوگ تھے ان کی فہرست کے مطابق وہ لوگ کرائے کے غنڈے تھے جن میں صرف دو گرفتار ہوسکے ہیں' باقی کچھ مر کھپ گئے ہیں اور کچھ روپوش ہیں جو گرفتار ہوئے ہیں ان کے بیانات کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ عورت جو تینوں بچوں کے ہمراہ اس گھر میں اس رات داخل ہوئی تھی اس کے پاس بیگ تھا جسے ایک آدمی اٹھا کر اپنے گھر لے گیا تھا' جس میں کپڑے اور قیمتی زیور اور روپے تھے۔ وہ عورت ان کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ لالہ رخ نہیں ہے بلکہ اس کی رشتہ دار ہے۔ اب صرف ایک ہی حل ہے آپ کا اور آپ کے بیٹے ابوبکر کا ڈی این اے ٹیسٹ لیا جائے اور پھر اسے اس پرانی پوسٹ مارٹم رپورٹ سے میچ کیا جائے۔ میری دعا ہے کہ جیسا میں سوچ رہا ہوں ویسا کچھ نہ ہو آپ پلیز ہمت کریں۔'' امجد خان کے نڈھال سے انداز پر مصطفیٰ نے کندھا تھپتھپا کر تسلی دینا چاہی تھی۔ امجد خان تب بھی ساکت و خاموش رہا تھا۔



مصطفیٰ گھر آیا تو اس نے حویلی کال کی اور لالہ رخ سے بات کروانے کو کہا تھا۔ لالہ رخ فون پر آئیں تو مصطفیٰ نے سلام دعا اور حال چال دریافت کرنے کے بعد ڈائریکٹ پوچھا تھا۔

''آپ ماضی میں کسی گلناز نامی خاتون کو جانتی ہیں؟''

''گلناز......'' لالہ رخ نے کچھ سوچا۔

''امجد خان کی بیوی کا نام تھا گلناز۔'' مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''مجھے اس سلسلے میں آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے' کیا یہ ممکن ہے آپ اس سلسلے میں چچا جان کے ساتھ شہر آجائیں۔''

''خیریت ہے نا بیٹا؟''

''جی' آپ کے کیس کے سلسلے میں کچھ کارروائی رہتی ہے جس کے سلسلے میں آپ کا اور چچا جان کا شامل ہونا بہت ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے' میں آپ کے چچا سے بات کرتی ہوں۔''

''شکریہ' کل تک تشریف لے آئیے گا' بہت ایمرجنسی ہے۔'' مصطفیٰ نے کہہ کر ایک دو اور باتوں کے بعد کال بند کردی تھی اور کچھ سوچتے اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا' یہ کیس اب تقریباً تکمیل کے مراحل میں تھا۔



عبدالقیوم کے کیس کی عدالتی کارروائی پر فیضان اور لالہ رخ شہر پہنچے تو مصطفیٰ کے کہنے پر سیدھا کورٹ چلے آئے تھے۔ وہاں ضیاء صاحب اور افشاں بیگم بھی موجود تھے شاید ان کو بھی عدالت نے گواہی کے لیے بلا رکھا تھا۔ کورٹ میں تین چار گھنٹوں کی کارروائی چلی تھی۔ ہتھکڑیوں میں جکڑا عبدالقیوم لالہ رخ کو دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا' وہیں فیضان کو دیکھ کر اس کا رنگ بالکل بدل گیا تھا۔ عبدالقیوم کا کیس اس کے مخالف چل رہا تھا' گواہی دینے والے بہت سے لوگ تھے۔ امجد خان سے لے کر لالہ رخ تک' بڑی دیر تک عدالتی کارروائی چلی تھی۔ سب نے اپنے اپنے بیانات قلم بند کروائے تھے' ابوبکر بھی امجد خان کے ہمراہ تھا۔ عدالتی کارروائی کے اختتام کے بعد مصطفیٰ ان سب کو لے کر گھر آ گیا تھا۔ ضیاء صاحب اور افشاں بیگم بھی ساتھ تھے' امجد اور ابوبکر بھی۔ مصطفیٰ بھی وہیں چلا آیا تھا' گھر کے کچھ اور افراد بھی آ گئے تھے۔

''آپ نے بتایا تھا کہ آپ جب دوبارہ اس گھر کے سامنے پہنچی تو وہاں سے کسی عورت اور بچوں کے رونے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور پھر گھر کو آگ لگادی گئی۔ کیا آپ نے خود اپنی آنکھوں سے وہ سب ہوتے دیکھا تھا' مطلب اس عورت کی شکل دیکھی تھی۔'' مصطفیٰ نے افشاں سے پوچھا تو انہوں نے گہرا سانس لیا۔

''اتنا پرانا واقعہ ہے لیکن اتنا ہی خوفناک کہ میں بھول نہیں سکتی۔ میں نے صرف بچوں کے چلانے اور عورت کی فریاد کرنے کی آوازیں سنی تھیں' میں نے عورت کی شکل نہیں دیکھی تھی۔'' افشاں نے صاف گوئی سے کہا تو مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر لالہ رخ کو دیکھا۔

''ہمیں آپ سے گلناز کے بارے میں جاننا ہے' جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ گلناز امجد خان صاب کی پہلی بیوی تھیں اور ابوبکر ان کا سب سے بڑا بیٹا لیکن بعد کے حالات ایسے ہوئے کہ ان کی وائف اور باقی بچے کہیں غائب ہو گئے تھے یہ ان کو بہت تلاش کرتے رہے ہیں لیکن کچھ سراغ نہ مل سکا۔'' لالہ رخ نے سنجیدگی سے مصطفیٰ کی بات سنی تھی۔

''باقی گلناز کے بارے میں آپ کو اچھی طرح امجد خان بتا دیتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے امجد خان کو اشارہ کیا۔ اس کے بعد امجد خان نے وہ تمام واقعات سنا دیئے تھے جو اسے ٹریننگ کی دوران اور پھر بعد میں پیش آئے تھے' لالہ رخ نے حیرت کے ساتھ وہ سب سنا تھا۔

''جھوٹ بولتا تھا وہ شخص تم جس شخص کو گلناز اور گھر کی خیر خبر رکھنے کا کہہ کر گئے تھے وہ خود ہی دھوکے باز شیطان فطرت انسان تھا۔ اپنی نیک سیرت بیوی ہونے کے باوجود وہ گلناز کو تنگ کرتا رہا تھا' تمہاری جاب اور شوق دیکھتے گلناز تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سو وہ سب برداشت کر رہی تھی لیکن مجھے اس نے سب حالات کے بارے میں بتایا تھا میں نے اسے کئی بار کہا تھا کہ وہ میرے پاس آ جائے۔'' لالہ رخ نے سب بتایا تو کئی ثانیے تک وہاں موجود ہر شخص گم صم ہو گیا تھا۔

''گلناز تو ایک نیک سیرت اور باوقار عورت تھی وہ ہمیشہ اپنے شوہر کی وفادار رہنے والی تھی۔ وہ کوئی غلط حرکت کر ہی نہیں سکتی۔ امجد خان اس شخص نے تمہیں بھڑکایا تھا اور تم اس کی باتوں میں آ کر اپنی بیوی پر شک کرتے رہے۔'' لالہ رخ نے بہت دکھ سے کہا تو امجد خان نے ایک گہرا سانس لیا۔

''میں نے اول تو شک نہیں کیا تھا لیکن جس طرح گلناز اور بچے مسلسل غائب تھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے دل میں ملال آتا چلا گیا۔ اس میں میں بھی بے قصور ہوں' حالات ہی کچھ ایسے رہے تھے کہ میں کیا کوئی بھی شخص ہوتا وہ شاید آخر میں جا کر یہی سوچتا۔''

''بس ثابت ہوا کہ گلناز اس شخص کی وجہ سے پریشان تھی اور اگر کہیں گئی بھی تھی تو وجہ وہی شخص تھا۔'' افشاں نے بھی

اپنی رائے دی۔

''کل تک ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ مل جائے گی اس کے بعد پوسٹ مارٹم کی رپورٹس کے ساتھ ان کا جائزہ لیا جائے گا اس کے بعد ہی اب کوئی حتمی رائے دی جاسکتی ہے لیکن جہاں تک میری آبزرویشن ہے مجھے حقائق کو دیکھتے اندازہ ہورہا ہے اس رات اس گھر میں داخل ہونے والی عورت اور بچے یہی تھے اور وہ بدقسمتی سے ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔'' مصطفیٰ نے کہا تو سب نے افسردگی سے امجد خان کو دیکھا تھا۔

امجد خان کا چہرہ گہرے دکھ اور ملال کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ یہی کیفیت ابوبکر کی بھی تھی تاہم سبھی خاموش تھے۔ ضیاء صاحب اور افشاں بیگم کچھ دیر مزید بیٹھتے کے بعد رخصت ہوگئے تھے۔ امجد اور ابوبکر بھی چلا گیا تو باقی لوگ کافی دیر تک انہی حالات کو ڈسکس کرتے رہے تھے۔

لالہ رخ اس ساری بھاگ دوڑ سے تھک گئی تھیں وہ ذہنی طور پر کشیدگی محسوس کررہی تھیں۔ وہ اندرونی کمرے میں آرام کرنے کی غرض سے لیٹیں تو سکندر بھی چلے آئے تھے۔ گزرے وقت کو ان دونوں نے اتنی بار دہرایا تھا کہ اب یہ نئی صورت حال سن کر دونوں ہی افسردہ تھے۔

''میں گلناز اور اس کے بچوں کو لے کر بہت افسردہ ہوں بے چاری نہایت ابتر حالات کا شکار ہو کر وہاں تک پہنچی تھی اور ان ظالموں نے اسے آگ میں دھکیل دیا۔'' لالہ رخ کا دل غم سے نڈھال تھا۔

''دعا کرو وہ گلناز نہ ہو کوئی اور ہو میرا تو دل ماننے کو تیار نہیں۔''

''اللہ کرے.....'' لالہ رخ نے افسردگی سے کہا۔

''قدرت نے ہمیں بہت آزمائشوں کے بعد ملایا ہے ہم سب ایک دوسرے کے لیے مرچکے تھے لیکن اللہ کی حکمت کہ کس کس طرح ہمیں پھر سے ایک کردیا۔ دعا ہے کہ امجد خان کا خاندان بھی مل جائے جیسا ہم سوچ رہے ہیں ویسا کچھ نہ ہو۔'' لالہ رخ کا ہاتھ تھام کر تسلی دیتے ہوئے کہا تو لالہ رخ نے افسردگی سے آمین کہا تھا' سکندر نے لالہ رخ کو دیکھا۔

لالہ رخ پر وقت اثر انداز ہوا تھا لیکن وہ آج بھی ویسی ہی تھی اس کے حسن کی تابناکی اور وجود کی جگمگاہٹیں آج بھی دل افروز تھیں۔

''میں نے زندگی کا شاید ہی کوئی موقع ہو جب آپ کو یاد نہ کیا ہو۔ گزری ہوئی رفاقت پر افسردہ نہ ہوا ہوں۔'' لالہ رخ کا ہاتھ تھام کر محبت سے کہا تو لالہ رخ نے افسردگی سے اپنے محبوب شوہر کو دیکھا۔

''سب نے اپنی اپنی جگہ ہجر کا ایک لمبا بن باس کاٹا ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ میرے بچے زندہ سلامت ہیں۔ میں آپ سب کے لیے بہت تڑپی ہوں' پہروں آنسو بہائے ہیں' دل زخمی ہوجاتا تھا اس سوچ کے ساتھ ہی کہ میرے بچے اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ میرے اندر زندہ رہنے کی لگن خواہش سب ختم ہوچکیں تھیں لیکن اب اپنی جوان ہنستی مسکراتی اولاد کو دیکھتی ہوں تو دل میں سکون سا اترنے لگتا ہے۔'' لالہ رخ نے کہا تو سکندر نے مسکرا کر بیوی کو دیکھا۔

''ہمارے بچے بہت سمجھدار ہیں' مختلف مقامات پر رہنے اور پرورش پانے کے باوجود وہ بگڑے نہیں ہیں بلکہ زندگی کا شعور رکھتے ہیں۔'' فیضان نے کہا تو لالہ رخ نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

''افشاں کہہ رہی تھیں کہ ہم کل ان کی طرف چکر لگائیں' جب سے آپ ملے ہیں کسی اور کا ہوش ہی نہیں تھا۔ میں خود بھی ان سب کی طرف جانا چاہتی ہوں۔ صبوحی' افشاں' ضیاء اور وقار بھائی وہ تو ہمارے محسن ہیں آج کے دور میں بھلا کون کسی کے لیے اتنا کچھ کرتا ہے جتنا کچھ ضیاء بھائی اور افشاں نے ہمارے لیے کیا ہے۔ میرے بیٹے کو اپنا نام دیا بلکہ

تحفظ تک فراہم کیا اور افشاں ان کا احسان تو عمر بھر نہ بھلا سکوں۔ انہوں نے تو ساری زندگی میری بیٹی کے لیے وقف کردی تھی۔"

"ہاں بالکل' افشاں کی عظمت کا قائل ہو چکا ہوں میں تو' بغیر کسی لالچ کے ہمارے بچوں کو دونوں میاں بیوی نے جس طرح سنبھالا ہے شاید ہی کوئی ایسا کر پاتا۔ ہم کل ضرور ان کی طرف جائیں گے۔" محبت سے بیوی کی ہاں میں ہاں ملاتے کہا تو لالہ رخ نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔



مصطفیٰ کے پاس ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ آ چکی تھی لیبارٹری میں پوسٹ مارٹم رپورٹ سے میچ ہونے کے بعد جو حقائق اس کے پاس آئے تھے۔ انہیں دیکھ کر مصطفیٰ کئی لمحوں تک گم صم رہا تھا۔ نتائج اکٹھے کرتے ایک رائے قائم کرنا اور بات تھی لیکن اب ان نتائج کا رزلٹ سامنے آیا تھا تو دل افسردہ سا تھا۔ مصطفیٰ نے امجد خان اور ان کے بیٹے کو بلا کر رپورٹ ان کو دکھائی تو کبھی کسی بھی واقعے پر دل چھوٹا نہ کرنے والا امجد خان شدت سے رو دیا تھا آنسو تو ابوبکر کے بھی بہہ رہے تھے لیکن امجد خان کے آنسوؤں کی روانی میں کوئی اور ہی احساس تھا۔ اپنی نیک' پارسا بیوی پر شک کرنا کتنا تکلیف دہ عمل تھا جبکہ آج حقیقت کچھ اور ہی نکلی تھی۔ ابوبکر باپ کو دلاسہ دے رہا تھا' مصطفیٰ بھی ساتھ تھا لیکن امجد خان زندگی میں پہلی بار اس قدر شدت سے ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

ابوبکر امجد خان کو گھر لے آیا تھا' مصطفیٰ کو بھی عدالت میں کچھ ضروری کام تھا وہ ادھر چلا گیا تھا' عبدالقیوم کے کیس کے سلسلے میں عدالت میں کچھ ضروری کاغذات جمع کروانے تھے وہ سب کر کے وہ گھر چلا آیا تو شہوار اور رابعہ فیضان اور لالہ رخ کے ہمراہ ضیاء صاحب کی طرف جانے کے لیے تیار تھے لیکن گلناز اور بچوں کے متعلق سن کر افسردہ ہو گئے تھے۔ فیضان صاحب نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا تو وہ تیار ہو گیا۔

وہ لوگ عجیب غم و خوشی کی کیفیت میں گھرے ضیاء صاحب کی طرف پہنچے تھے۔ صبوحی اور افشاں لالہ رخ سے ملیں تو کتنی دیر تک گلے لگائے رکھا تھا' خالہ بی بھی بہت گرم جوشی سے ملی تھیں۔ لالہ رخ نے انا اور روشی کو خصوصی طور پر پیار کیا تھا۔ پرانی باتیں چلیں تو موضوع گفتگو نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا' ہنسی مذاق' قہقہے' افسردگیاں......

"ہماری ماؤں کے درمیان کتنی محبت رہی ہے ماضی میں۔ ماما بتا رہی تھیں احسن بھائی کی سالگرہ تھی تب روشی بہت چھوٹی سی تھی بھی ماما نے ان کو احسن بھائی کے لیے مانگ لیا تھا۔" انا نے روشی کو دیکھ کر کہا تو وہ ہنسی۔

"پھوپو نے نہ صرف بہو منتخب کی تھی بلکہ اس وقت اکلوتا داماد بھی سلیکٹ کر لیا تھا۔" وہ سبھی ان کے پاس ہی ذرا فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھیں انا کے کہنے پر روشی نے بھی کہا تو انا چونکی' شہوار کے لیے یہ اطلاع نئی تھی۔

"بلکہ پھوپو کا تو پکا ارادہ تھا کہ اگر ان کے اور بچے ہوتے تو وہ ان کی شادیاں بھی آپس میں ہی کریں گی۔" روشی نے مزے سے کہا تو انا سنجیدہ ہو گئی۔

"کیا فائدہ' یوں رشتے طے کرنے کا بڑے ہو کر جب بچوں کا مزاج اور سوچ بدلتی ہے تو بہت کچھ بکھر جاتا ہے پھر......" وہ افسردہ تھی۔ روشی اور شہوار نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

ولید آج بھی ادھر ہی تھا احسن' مصطفیٰ اور ولید سبھی ضیاء صاحب' وقار صاحب اور فیضان صاحب کے ساتھ بیٹھ کر عبدالقیوم والے کیس کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔

"ہم لوگ کل واپس جا رہے ہیں رابعہ اور شہوار بھی ساتھ جائیں گی' آپ سب بھی ساتھ چلیں نا۔ ہماری تو خواہش ہے کہ عباس اور رابعہ کی شادی کی طرح انا کی رخصتی بھی حویلی سے ہی ہو۔" لالہ رخ صبوحی بیگم سے کہہ رہی تھیں انا کے

کان کھڑے ہوگئے۔
"یہ تو مناسب نہیں لگتا' عباس کی شادی میں ہم سب شامل ہوں گے دو تین دن کا فرق ہے شادی میں پھر یہاں سب انتظامات ہو چکے ہیں رخصتی تو ہم لوگ یہاں سے ہی کروائیں گے۔" صبوحی بیگم نے کہا۔
"اللہ ساتھ خیریت کے سب کچھ کروائے' ایک عرصہ بعد اتنی خوشیوں کا موسم دیکھنے کو ملے گا۔" افشاں بیگم نے بھی خلوص دل سے کہا۔
"انتظامات تو سب مکمل ہیں' ماشاء اللہ سے۔" وہ تینوں خواتین شادی کے معاملات کو ہی ڈسکس کررہی تھیں' انا خاموشی سے اٹھ کر وہاں سے نکلی تو شہوار نے اسے بغور دیکھا تھا۔ اس نے رابعہ اور روشی کو کچھ کہا اور پھر خود بھی انا کے پیچھے چلی آئی تھی۔
"کیا ہوا ادھر کیوں آ گئیں؟"
"بس ویسے ہی۔"
"حماد سے بات ہوئی۔"
"نہیں۔"
"میں نے ولید بھائی سے بات کی تھی۔" انا نے حیران ہو کر دیکھا۔
"انہوں نے پھر ایسی ویسی کوئی بات تو نہیں کی نا؟" انا نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"اب کریں گے بھی نہیں۔"
"میں نے اچھی خاصی برین واشنگ کردی ہے ویسے تو مصطفیٰ سے بھی لڑی ہوں وہ بھی کہہ رہے تھے کہ وہ ان کو سمجھائیں گے اب وہ تم سے ایسی ویسی کوئی بات نہیں کریں گے۔" انا نے محض سر ہلایا۔
"انا دیکھو اب تم یہ سب قبول کرچکی ہو تو سب کچھ خوشی خوشی قبول کرو۔ مجھے یقین ہے تم شادی کے بعد بہت خوش رہوگی۔" شہوار نے کہا تو انا محض مسکرائی تھی' اس کی مسکراہٹ میں اذیت سی تھی۔
"اگر دل کو مار کر حالات سے سمجھوتہ کرلینا' خوشی کا نام ہے تو ہاں میں بہت خوش ہوں' میں نے اپنے والدین کو بہت اذیت پہنچائی ہے اور اگر آج میں یہ سب برداشت کررہی ہوں تو صرف اور صرف اپنے والدین کی عزت کی خاطر ورنہ......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر لب بھینچ گئی۔
"ڈونٹ وری' سب ٹھیک ہوجائے گا۔" شہوار نے تسلی دی تو اس نے محض سر ہلایا۔



امجد خان کی فیملی کا سن کر سبھی افسردہ تھے' سبھی اس کے ہاں جا کر تعزیت کرکے آئے تھے۔ اب اس بات میں کوئی شک وشبہ والی گنجائش نہیں رہی تھی کہ مرنے والی عورت اور بچے کون تھے۔ لالہ رخ اور فیضان بطور خاص امجد خان کے پاس گئے تھے۔
سانحہ تو برسوں پہلے بیتا تھا لیکن تکلیف واذیت تو اب محسوس ہورہی تھی' ابوبکر بھی افسردہ تھا۔ شاہزیب صاحب نے خصوصی طور پر تسلی تشفی دی تھی' بابا صاحب نے بھی حویلی سے کال کرکے امجد خان سے تعزیت کی تھی۔ اس سے اگلے دن سب کو حویلی کے لیے روانہ ہونا تھا۔ ولید کی بہن کی شادی تھی وہ بھی مصروف تھا سبھی کے ساتھ وہ بھی حویلی جارہا تھا۔ وہ ضروری ساز وسامان لینے گھر آیا تو انا گم صم سی لان میں بیٹھی دکھائی دی' وہ اسی طرف چلا آیا تھا۔
"السلام علیکم!" انا نے اسے دیکھا اور محض سر ہلایا تھا۔

''تمہیں علم تو ہے کہ رابعہ کی شادی حویلی سے ہی ہو رہی ہے چلو گی ساتھ۔''
''نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''کیوں؟''
''میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر وہاں سے چل دی تو ولید بھی ساتھ ساتھ ہولیا۔
''یوں کہو نا کہ اپنی شادی کی وجہ سے نہیں جانا چاہ رہی ہو۔'' انا نے ایک اجنبی نگاہ ولید پر ڈالی۔
''سنا ہے رخصت ہو کر تم بھی حویلی ہی آؤ گی۔'' انا نے حیران ہو کر دیکھا اسے ایسے کسی بھی پروگرام کا علم نہ تھا۔
''پھوپو بتا رہی تھیں کہ حسب روایت وہ یہ شادی بھی حویلی میں ہی کریں گی۔ وہیں سے بارات شہر آئے گی اور تمہیں رخصت کروا کر واپس گاؤں لے جاؤں گی اس کے بعد تم لوگ جہاں مرضی رہو تم لوگوں کی مرضی۔'' ولید کے الفاظ پر وہ الجھ گئی تھی۔ حویلی جانے کا مطلب شادی کے بعد مسلسل ولید سے سامنا' ایک مسلسل اذیت...... ایک لایعنی سوچوں کا سلسلہ جس سے وہ چھٹکارا نہیں حاصل کر پا رہی تھی۔
''مصطفی اور شہوار کے نکاح اور شادی کی تقریب کے دوران تم گاؤں جا چکی ہو گاؤں کے اور ان لوگوں کے حویلی کے رہن سہن سے تم باخبر رہی ہو سنا ہے پھوپو وغیرہ کا تمہیں بڑا لمبا چوڑا پروٹوکول دینے کا ارادہ ہے۔'' انا نے بہت غصے سے ولید کو دیکھا تھا۔
''آپ کا ان سب باتوں سے آخر کیا مطلب ہے' کیا چاہتے ہیں آپ؟'' اس کا انداز بہت دوٹوک اور قطعی تھا' ایک پل کو ولید نے اسے بغور دیکھا اور مسکرا دیا۔
''میں تو کچھ نہیں چاہتا بس نیک خواہشات رکھتا ہوں آخر کو اتنا پرانا تعلق رہا ہے تو حق بنتا ہے تمہارا۔'' ولید کے الفاظ پر انا بھک سے اڑی تھی۔
''شٹ اپ۔'' وہ بہت غصے سے بولی۔
''بھاڑ میں جائیں آپ اور آپ کی یہ سو کالڈ نیک خواہشات' آپ جیسا اذیت پسند انسان تو میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔ حیرت کے ساتھ ساتھ مجھے دکھ بھی ہو رہا ہے جب آپ مجھے صاف لفظوں میں انکار کر چکے ہیں تو پھر بار بار میرے سامنے آ کر مجھے یوں زچ کرنے کا کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ بہت غصے سے چلائی تھی' ولید ایک پل کو حیران ہوا تھا۔
''میں تو بس تمہارا حوصلہ بڑھانا......'' ولید نے کچھ کہنا چاہا جب انا نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔
''مجھے آپ کی کسی بھی ہمدردی اور رحم کی ضرورت نہیں' آئندہ خبردار میرے سامنے آ کر مجھے کچھ کہا تو میں بھی پرانے تعلق کی وجہ سے یہ سب برداشت کر رہی ہوں ورنہ......'' ولید ہنسا تو انا کا پارہ ایک دم شدید ہائی ہو گیا۔
''تم تو مائنڈ ہی کر گئی ہو میں تو تمہارے فائدے کی ٹپس دے رہا تھا۔''
''نہیں چاہیے مجھے آپ کی کوئی ٹپس' میں سچ کہہ رہی ہوں اگر آپ نے اب مجھے ایک لفظ بھی کہا تو انکل سے (لالہ رخ) اور آنٹی سے آپ کی شکایت کر دوں گی۔''
''ہائے' کیا کہو گی؟'' انا نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔
''یہی کہ میں تمہیں اچھے اچھے مشورے دے رہا ہوں اور شادی سے متعلق بریفنگ دے رہا ہوں۔'' ولید کا انداز تپانے والا تھا اور انا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کچھ کر بیٹھے۔ ''خیر وہ سب ایک طرف تم نے شہوار سے میری شکایت کیوں کی؟ شادی سے تم نے انکار کیا تھا حماد کو تم درمیان میں لائی تھیں محترمہ! میں نے تو بزرگوں کے فیصلے کا احترام کیا

ہے بس ان کو مزید ذہنی ٹینشن سے بچایا ہے میں نے، تمہیں تو میرا احسان مند ہونا چاہیے نہ کہ ہر دوسرے بندے کے سامنے مظلوم بن کر میری شکایتیں کرتی پھرو۔'' انا نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ولید کے سامنے اپنے دلی جذبات کو آشکار کر کے وہ اتنی بڑی غلطی کر گئی ہے وہ تو نجانے کس امید میں اس سے حال دل کہہ بیٹھی تھی اسے علم نہیں تھا کہ ولید اسے یوں خوار کرے گا۔ وہ اب اس گھڑی کو پچھتا رہی تھی جس گھڑی جذبات میں آ کر وہ ولید کے سامنے کمزور پڑ گئی تھی۔

''مجھے نہیں پتا تھا آپ اس قدر بے رحم، سنگ دل اور مطلب پرست انسان ہیں، کاش...... کاش!'' وہ اسے دیکھ کر لب بھینچ کر وہاں سے تیزی سے چلی گئی تھی۔ ولید نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھ کر کندھے اچکائے تھے۔



حویلی میں اچھی خاصی رونق لگی ہوئی تھی۔ رابعہ کی شادی پہلے ہوئی تھی اس کے چند دن بعد انا کی شادی تھی۔ البتہ ولیمہ بابا صاحب کی خواہش کے مطابق شہر میں ہونا تھا اور حماد، عباس اور مصطفیٰ کا جواب تک پینڈنگ تھا تینوں ویسے ایک ساتھ طے پائے تھے۔ بابا صاحب بہت خوش تھے، عرصہ بعد ان کا دل ایک ان دیکھے بوجھ سے آزاد ہو کر سانس لے رہا تھا۔ انہوں نے فیضان، لالہ رخ، رابعہ، ولید اور شہوار سب کو سارے خاندان میں ایک نئی حقیقت اور رشتے سے متعارف کروایا تھا۔ اب ماضی میں ایسے رشتے موجود نہ تھے جو ان کے کسی عمل پر ردعمل ظاہر کرتے اور جو تھے ان کی انہیں پروا نہ تھی ان کے بچے ان سے خوش تھے فیضان اور اس کے بچوں کو کھلے دل سے قبول کیا تھا۔ بابا صاحب تو گویا نئے سرے سے جی اٹھے تھے۔ شہوار کی شادی انہوں نے خود کروائی تھی لیکن تب وہ شہوار سے اپنے اصل رشتے سے باخبر نہ تھے لیکن اب رابعہ سے اپنے رشتے سے وہ نہ صرف باخبر تھے بلکہ وہ اب اس شادی میں ہر طرح کی خوشی پوری کرنا چاہتے تھے۔

مہمانوں کی ایک طویل لسٹ تھی۔ وہ جب سے حویلی لوٹے تھے شادی کے انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ حویلی میں مہمانوں نے آنا شروع کر دیا تو حویلی کی رونقیں ایک دم بڑھ گئیں تھیں۔ بابا صاحب خود کو بہت تروتازہ اور جوان محسوس کر رہے تھے۔

اگلے دن شاہزیب صاحب بھی آ گئے تھے، باقی اہل خانہ تو پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ دونوں پھوپیاں ان کے بچے، چچا دیگر رشتہ دار ایک لمبا چوڑا خاندان تھا، رابعہ کو مایوں بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں محدود ہو کر رہ گئی تھی، باقی گھر والوں سے ماسوائے خواتین کے اس کا سخت پردہ تھا۔ مہندی کا فنکشن کمبائن تھا ایک دن گیپ اور اس سے اگلے دن بارات تھی۔ ہادیہ بطور خاص حویلی آئی ہوئی تھی، ان کی طرف سے ساجدہ اور ان کے علاوہ باقی سب مہندی کے فنکشن کے لیے آئے تھے۔

''میں نے شہوار کی شادی کا فنکشن مس کر دیا تھا لیکن رابعہ کی شادی تو ضرور اٹینڈ کرنی تھی۔'' وہ لائبہ کی طبیعت کے بارے میں پوچھنے پر ہنس کر بتانے لگی تھی۔ شہوار کی شادی کی طرح اس بار بھی مہندی کا انتظام ہال کمرے میں کیا گیا تھا۔ ساجدہ بھابی رابعہ کو سجانے سنوارنے میں پیش پیش تھیں۔

''شہوار کی شادی میں سبھی نے بہت انجوائے کیا تھا تمہیں یاد ہو گا روشانے کہ جب شہوار کا نکاح تھا اور ہم سب ہال میں بیٹھیں مہندی لگا رہی تھیں شہوار کا آرڈر تھا کہ کوئی بھی لڑکا ادھر نہیں آئے گا لیکن سب لڑکوں نے ایک دم ہلہ بول دیا تھا اور پھر بڑی مشکل سے نکال کر لا پائی تھیں ہم۔'' شائستہ رابعہ کو مہندی کے فنکشن کے لیے تیار کرتے کرتے اسے ماضی کے واقعات بھی سنا رہی تھی۔

''ہائے اس کا مطلب ہے یہاں دلہن کو بہت تنگ کیا جاتا ہے۔'' رابعہ واقعی اندر سے خوف زدہ ہوگئی تھی۔ شہوار کی شادی وہ دیکھ چکی تھی لیکن نکاح اٹینڈ نہیں کیا تھا۔

''تم دیکھنا ذرا باہر لڑکوں نے کیسے بھنگڑے کا انتظام کیا ہے۔''

''عباس بھائی کی شادی پر تو سبھی دل کے ارمان نکالیں گے دیکھنا ذرا۔'' لائبہ نے بھی لقمہ دیا۔

کھانے کے بعد باہر ڈھول بجنے کی آواز سنائی دی تو سبھی ایک دم پُر جوش ہوگئے تھے سبھی لڑکے باہر حویلی کے سامنے اکٹھے ہوگئے تھے۔ لڑکیاں اندر اپنی اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں شہوار نے اس موقع کے لیے زرد اور سبز رنگ کے امتزاج والی ہلکے پھلکے کام والی ساڑھی بنوائی تھی۔ وہ ساڑھی پہن کر اس کی فال درست کررہی تھی جب مصطفیٰ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ شائستہ بھابی سے میک اپ اس نے پہلے ہی کروالیا تھا' شہر سے چند بیوٹیشنز لڑکیاں آئی ہوئی تھیں دن میں اس نے مہندی لگوائی تھی۔ وہ اس وقت سولہ سنگھار کیے قیامت ڈھارہی تھی۔ مصطفیٰ تو ایک پل کو اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔ ہمیشہ سادہ سے حلیے میں رہنے والی شہوار اس وقت غضب ڈھارہی تھی۔

''ماشاء اللہ' آج تو رنگ ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔'' مصطفیٰ نے قریب آتے مبہوت سے انداز میں کہا تو شہوار جھینپی۔

''اب ایسی بھی بات نہیں۔'' اس نے مصطفیٰ کے تیور دیکھتے ٹالنا چاہا۔

''یہ ذرا آئینے میں دیکھ کر بتاؤ ذرا یہ تمہی ہو یا تم سا کوئی اور ہے۔'' اسے کندھوں سے پکڑ کر آئینے کے سامنے کرتے مصطفیٰ نے کہا تو شہوار کنفیوژ ہوگئی۔

''یار اس وقت تم تو وہ لگ رہی ہو جسے شاعر دیکھ کر کہتے ہیں......

حسن کو چاند جوانی کو کنول کہتے ہیں

تیری صورت نظر آئے تو غزل کہتے ہیں......''

''زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں آئی سمجھ' وقت کم ہے آپ بھی جلدی سے تیار ہوجائیں۔'' شہوار نے مسکراہٹ ضبط کرتے سنجیدہ ہوتے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

''پولیس والا میں ہوں تھانیدارنی تم بن رہی ہو' ذرا اِدھر آؤ تو سہی بغور دیکھ تو لوں۔'' ہاتھ تھام کر قریب کرنا چاہا تو شہوار ہنس کر پیچھے ہوئی۔

''آج آپ کو کیا ہوگیا ہے؟'' مصطفیٰ کے تیور عجیب سے تھے اس نے پہلو بچاتے کہا تو مصطفیٰ نے اسے خود کے قریب کرتے اس کی پشت پر بکھرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے بڑی مخمور نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''تمہارا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔'' شہوار ہنس دی تھی دونوں ہاتھ مصطفیٰ کے سینے پر رکھ کر پیچھے ہٹی۔

''آپ کے کپڑے میں نے واش روم میں لٹکا دیئے ہیں مجھے رابعہ کو بھی دیکھنا ہے آپ جلدی سے تیار ہوکر آجائیں رابعہ بہت کنفیوژ ہورہی تھی۔''

''کیا ہے یار!'' شہوار کے یوں پہلو بچانے پر مصطفیٰ بدمزہ ہوا تھا' شہوار ہنس دی تھی۔

''پولیس افسر صاحب کو اول تو رومینس کے لیے ٹائم ہی نہیں ملتا اور اگر ملتا ہے تو وہ بھی بے وقت' مجھے سبھی بلانے آچکی ہیں بس کمرے سے نکلنے ہی والی تھی۔'' وہ جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔ اس نے ہلکی سی ہیل پہن رکھی تھی بال ایک کیچر میں جکڑ کر پشت پر کھلے چھوڑ دیئے تھے' اس نے بہت زیادہ میک اپ اور بہت زیادہ جیولری استعمال نہیں کی تھی بس ہلکے پھلکے انداز میں بہت ڈیسنٹ لگ رہی تھی۔

''او کے۔'' مصطفیٰ واش روم میں گھس گیا' وہ تیار تھی باہر آئی تو تقریباً سبھی تیار تھیں وہ رابعہ کے کمرے میں آئی وہاں کافی رونق تھی۔ وہ زرد لباس میں بہت ہلکی سی لپ اسٹک اور پھولوں کی جیولری سجائے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''ماشاء اللہ! عباس بھائی تو گئے آج کام سے۔'' بہن کے پاس جا کر اسے بغور دیکھتے اس نے سراہا تھا رابعہ مزید جھینپی تھی۔

''یار یہ بھی تمہاری ہی بہن ہے' کہہ رہی ہے کہ سب کے سامنے نہیں جائے گی۔'' لائبہ نے شہوار کو بتایا تو اس نے رابعہ کو دیکھا وہ واقعی بہت کنفیوژ ہو رہی تھی۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا ہم سب آپ کے پاس ہوں گی ڈونٹ وری۔''

''لیکن میں اس قسم کے فنکشنز کی عادی نہیں ہوں۔''

''یہاں کوئی بھی لڑکی عادی نہیں ہوتی ہر کوئی اپنی شادی پر پہلا پہلا تجربہ کرتی ہے۔'' شائستہ بھابی نے لقمہ دیا۔

''لڑکے سبھی تیار ہو گئے ہیں وہ اب اندر آنا چاہ رہے ہیں۔'' رمشاء نے آ کر اطلاع دی۔

''ہماری دلہن بھی تیار ہے' پہلے وہ لوگ عباس بھائی کو ہال میں لے جائیں گے پھر ہم لوگ رابعہ کو لے کر آئیں گے۔'' شائستہ نے پروگرام بتایا' تبھی عائشہ اور صبا بھی وہیں آ گئی تھیں۔

''ماشاء اللہ آج تو عباس بھائی کی سج دھج دیکھنے والی ہے۔'' صبا نے بتایا۔

''ہماری دلہن بھی کسی سے کم نہیں۔'' شہوار نے کہا تو سبھی ہنسی تھیں۔

''واقعی یہ تو سورج چاند کی جوڑی بن گئی۔'' عائشہ نے بھی کہا۔ کچھ دیر بعد ان سب کو دلہن کو باہر لے جانے کا عندیہ ملا تو سبھی کنفیوژ سی رابعہ کے اردگرد ہو گئی تھیں سبھی کے جھرمٹ میں وہ ہال کمرے میں لائی گئی تھی۔ ہال کمرے میں مردوں میں صرف خاندان کے ہی لڑکے تھے جبکہ خواتین خاصی تعداد میں تھیں۔ اسے لا کر عباس کے پہلو میں صوفے پر بٹھا دیا گیا تھا۔

رسم کا آغاز مہر النساء بیگم اور دوسری طرف لالہ رخ نے کیا تھا۔ مہندی کی رسم بڑوں کی موجودگی کے سبب سنجیدگی سے سرانجام پائی تھی۔ بڑے مہندی لگا کر چلے گئے تو ینگ جنریشن کو ایک دم چھوٹ مل گئی تھی۔ سبھی لڑکیاں ڈھولک لے کر عباس اور رابعہ کے سامنے قالین پر آ بیٹھی تھیں۔

''عباس بھائی آپ کی آزادی کی آخری رات ہو گی کل کے بعد پرسوں آپ کو رابعہ بھابی کی قید میں دے دیا جائے گا سو آج دل کھول کر انجوائے کر لو۔'' سارایہ نے اونچی آواز میں کہا تو وہاں کا ماحول ایک دم زعفران بن گیا۔

''تمہیں کیا پتا عباس بھائی تو اس قید پر بھی جی جان سے فدا ہونے کو تیار ہیں' باہر باقاعدہ بھنگڑا ڈال کر آئے ہیں۔'' آفاق نے بھی ''توا'' ریکارڈ لگایا تھا' عباس جھینپ گیا۔

''جان بوجھ کر گھسیٹ رہے تھے تم اس کو بھنگڑا کب کہتے ہیں۔''

''ہم نے سوچا کہ بعد میں رابعہ بھابی کے اشاروں پر تو ناچنا ہی ہے' ہمارے سامنے بھی ناچ لیں۔'' سبھی لڑکیاں ہنس دی تھیں۔ بیک گراؤنڈ میں ''آئی مہندی کی یہ رات' لائی خوشیوں کی بارات'' کا ریکارڈ بج رہا تھا۔

''ویسے عباس بھائی اور مصطفیٰ دونوں ہی بہت لکی ہیں خاندان کی سب سے خاص لڑکیاں ان کا مقدر بنی ہیں۔'' زبیر بھائی نے بھی سراہا۔

''چلو بھئی اس بار لڑکوں کو بھرپور موقع ملنا ہے جتنا بھی فارم میں آنا چاہتے ہیں آ جائیں پھر کوئی نہ کہے کہ ہم نے شادی میں اپنے ارمان پورے نہیں کیے۔'' عائشہ نے آواز لگائی تو سبھی لڑکے ایک دم پرجوش ہو گئے تھے۔

''سب سے پہلے تو دلہن کے چہرے کی رونمائی کروائی جائے۔'' مصطفیٰ جو عباس کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا۔

''نہ بھئی رخصتی تک تو اب یہ چہرہ پردے میں ہی رہے گا۔'' رابعہ جو لمبے سے گھونگھٹ کی اوٹ میں تھی وہ اندر ہی اندر کنفیوژ ہو رہی تھی جبکہ ان سب کو شرارت سوجھ رہی تھی۔

''مصطفیٰ اپنے نکاح والا بدلہ لینا چاہ رہا ہے...... ہے نا مصطفیٰ۔'' کسی کزن نے کہا تو سبھی ہنس دیے۔

''بدلہ کیسا' بھئی ہمارے دلہے کے بھی کچھ ارمان ہیں۔'' مصطفیٰ نے بھائی کا دفاع کیا۔

''لیکن ہم تو رخصتی تک اپنی دلہن کا چہرہ کسی کو بھی نہیں دکھانے والے۔'' شہوار نے فوراً کہا۔

''مائنڈ اٹ' آپ محترمہ لڑکے والوں کی طرف سے ہیں۔'' سجاد نے بھی دھاوا بولا۔

''لیکن میں تو لڑکی کی بہن پہلے ہوں باقی سب بعد میں۔''

''عباس بھائی یاد رکھیں پرسوں ان محترمہ کو نیگ لینے والوں کی لسٹ سے خارج کر دینا ہے۔'' آفاق نے بھی شرارت کی تھی۔

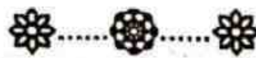
''یہ بھی یاد رکھیں کل لڑکی والوں کی طرف سے مجھ سے ہی سامنا ہوگا لمبی چوڑی ڈیل کے بعد بھی دلہن نہیں دیں گے ہم۔'' شہوار نے بھی ڈرانا چاہا تھا' سبھی ہنس دیئے تھے۔

وہاں ایک ہنگامہ تھا قہقہے تھے خوشیاں تھیں' ایک عرصہ بعد بابا صاحب کی حویلی میں زندگی اپنے جوبن پر تھی تبھی سب کی پرجوش فرمائش پر زاہد بھائی اور مختلف لڑکیوں نے خوب صورت سا بھنگڑا پیش کیا تھا۔

ایک میرا رنگ گلابی تے اوتے نین نشیلے میرے
او میری انکھ نے شرارت کیتی کہ شہر وچ رولا پے گیا

شاؤٹ اچھا تھا لڑکوں نے مصطفیٰ اور سجاد کو بھی گھسیٹ لیا تھا اور پھر اس کے بعد لڑکوں نے وہ وہ کرتب پیش کیے کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

''ہوہا......'' کی آوازوں سے حویلی کے در و دیوار گونجنے لگے' شاہزیب صاحب نے ہی آخر وقت گزرنے کا احساس دلاتے یہ محفل برخاست کروائی تھی۔



انا کی شہوار کو کال آئی تھی۔ اس نے رات کی تقریب کے بارے میں بتایا تو اس نے سنجیدگی سے سنا تھا۔ وہ خاصی افسردہ اور مضمحل سی لگ رہی تھی' شہوار کے دل کو کچھ ہوا تھا لیکن وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کال بند ہوئی تو وہ افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ کمرے میں آیا تو وہ کپڑے گود میں لیے اداسی کا مجسمہ بنی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' مصطفیٰ نے پوچھا تو اس نے ایک گہرا سانس لیتے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''کچھ نہیں۔'' مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا اس میں موبائل تھا۔

''کس کی کال تھی؟''

''انا کی۔'' وہ بستر پر دراز ہو گیا۔

''اب کیا ہوا' خیریت؟''

''انا کے ساتھ یہ سب مل کر جو کر رہے ہیں اچھا نہیں ہو رہا' ایک لڑکی ذات کے جذبات و احساسات پر اتنا بوجھ مت ڈالیں کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔''

"کیوں کیا کہہ دیا اس نے؟"

"بہت زیادہ ایموشنل ہورہی ہے' ولید بھائی بہت زیادتی کررہے ہیں اس کے ساتھ آپ نے مجھے پابند نہ کردیا ہوتا تو میں ضرور انا کے پاس جا کر اس سے بات کرتی یہ سب نہ ہونے دیتی جو اب ہورہا ہے۔"

"بھئی ہم کیا کرسکتے ہیں؟ تمہارے بھائی کی ضد ہے ویسے بھی شادی دلوں کے معاملات ہوتے ہیں اب اسے جو مناسب لگا وہ کررہا ہے کیا کرسکتے ہیں۔" مصطفیٰ نے پھر ہری جھنڈی دکھائی۔

"دس از ناٹ فیئر' میں سچ کہہ رہی ہوں اگر انا کو زیادہ پریشان کیا گیا تو میں پھر کسی بھی وعدے کا لحاظ نہیں کروں گی اور رہ گئے ولید بھائی ان کو تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گی۔" مصطفیٰ ہنسا۔

"بھئی یہ تو تمہارا اور تمہارے بھائی کا معاملہ ہے جو مرضی کرو۔" شہوار نے اسے غصے سے دیکھا۔

"ہر وقت آپ کے ساتھ سر جوڑے رکھتے ہیں آپ ان سے کم تو نہیں۔"

"بھئی میری پیاری سی بیگم مجھ ناتواں پر اتنا نزلہ کیوں گرا رہی ہیں۔" مصطفیٰ نے ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے غصے سے ہاتھ جھٹک دیا۔

"آپ ان کو سمجھا سکتے تھے نہ کہ ان کی بے وقوفی میں ان کا ساتھ دیتے۔ ایک دفعہ حالات ٹھیک ہوجائیں پھر دیکھوں گی آپ کو بھی اور ان کو بھی۔" وہ غصے سے کہہ کر بستر سے کھڑی ہوگئی۔

"او کے دیکھ لینا لیکن اس وقت تو کچھ دیر بیٹھو۔" مصطفیٰ نے اسے جانے کے لیے قدم بڑھاتے دیکھا تو کہا۔

"امی نے بلوایا ہے ان کی بات سن لوں تو آتی ہوں۔" وہ کپڑے ایک طرف پر رکھتے کہہ کر پلٹی۔

"اچھا ایک کپ چائے بنوا کر بھجوادو' کچھ دیر سوؤں گا پھر اٹھا دینا۔" شہوار سر ہلا کر چلی گئی۔ مصطفیٰ نے اسے مسکرا کر جاتے دیکھا اور پھر ولید کے متوقع حشر کا سوچتے ہنس دیا تھا۔

❁......❁......❁

آج رابعہ کی بارات تھی' انا ساجدہ کے ساتھ گھر میں ہی رک گئی تھی خالہ بی تو گھر پر تھیں انا کا وقت اچھا گزر رہا تھا' روشی بھی پل پل کی رپورٹ دے رہی تھی وہ اچھی خاصی تصاویر بنا کر واٹس اپ کرتی جارہی تھی۔ انا فنکشن میں نہ ہونے کے باوجود ہر پل سے آگاہ ہورہی تھی۔

ایسے میں ولید کے مختلف لوگوں کی ساتھ مختلف پوز دیکھ کر اس کا دل ڈوبا' ولید اپنی شاندار وجاہت کے ساتھ ساری محفل میں نمایاں تھا۔ ولید کی تصویر کو دیکھتے انا کے اندر شدید اکھاڑ پچھاڑ شروع ہوئی تو وہ کمرے میں بند ہوکر شدت سے روئی تھی۔ وہ دعاؤں پر یقین رکھتی تھی لیکن اس نے جتنی بھی دعائیں مانگی تھیں وہ سب رد کردی گئی تھیں شاید ورنہ ولید تو اس کی طلب تھا۔ اس کے دل کی اولین خواہش' شدید تمنا...... اس نے تو ہوش سنبھالتے ہی اپنے اردگرد یہی نام سنا تھا اور جب دیکھا تھا وہ دل ہار گئی تھی پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی کہ مصداق اس نے دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ اپنی محبت میں جنونی تھی' بہت شدت پسند تھی۔ شکی تھی لیکن اس نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ ولید اس سے چھن جائے' کاش وہ وقت کا پہیہ الٹا سکتی۔ وہ نجانے کب تک روتی رہی تھی کہ اچانک موبائل بجنے لگا تو چونکی' اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا ان نون نمبر تھا اس نے اپنا چہرہ صاف کیا اور کال پک کی۔

"ہیلو۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"انا بات کررہی ہیں۔" اجنبی مردانہ آواز تھی وہ الجھی۔

"آپ کون؟" اس اجنبی آواز پر وہ کچھ بھی نہ سمجھ پائی تھی۔

''حماد بات کر رہا ہوں۔'' انا کو لگا کہ جیسے اس کا سارا وجود ایک دم ساکت ہو گیا ہو۔
''ہیلو......'' اس کی طرف سے خاموشی پر اس نے پکارا تو انا نے خود کو سنبھالا۔
''جی بول رہی ہوں۔'' وہ جب سے پاکستان لوٹا تھا یہ پہلی کال تھی لیکن حماد کا نمبر تو اور تھا جو پاکستان سے جانے سے پہلے وہ استعمال کیا کرتا تھا لیکن یہ نمبر......
''مجھے پتا چلا ہے آپ اس شادی سے ناخوش ہیں۔''
''جی......؟'' انا ایک دم خوف زدہ ہوئی۔
''آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں آپ کو پسند کرتا تھا لیکن آپ کو کسی نے بھی یہ حق نہیں دیا تھا کہ آپ میرے جذبات سے کھیلتیں۔ میں بہت فیئر ہو کر آپ کی طرف بڑھا تھا لیکن آپ نے میرے ساتھ بہت غلط کیا ہے' آپ ولید سے محبت کرتی تھیں تو بتایا ہوتا میں خود اپنے والدین کو انکار کر دیتا۔'' دوسری طرف تو وہ جیسے ایک دم اسٹارٹ ہوا اور پھر سب کہتا چلا گیا تھا۔
''دیکھیں حماد! ایسی کوئی بات نہیں وہ سب یک طرفہ تھا میں تو اب......'' انا نے کچھ کہنا چاہا تھا حالات کو قابو کرنا چاہا تھا۔
''جھوٹ مت بولیں' میں اپنے والدین کی وجہ سے مجبور ہو گیا ہوں یہ شادی کرنے کے لیے' میں تو بہت خوش تھا مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ ایک دھوکے باز لڑکی میری زندگی کا حصہ بننے جا رہی ہے۔'' دوسری طرف تو جیسے وہ کچھ سننے پر تیار ہی نہ تھا۔ انا جو پہلے ہی حالات و واقعات کو لے کر از حد ڈسٹرب تھی ایک دم پھٹ پڑی تھی۔
''عجیب انسان ہیں آپ پہلے میری بات تو سن لیں۔''
''کیا سنوں؟ آپ کے جھوٹ پر مبنی ڈائیلاگز۔''
''شٹ اپ۔'' انا کا دماغ گھوم گیا۔
''جو جی میں آتا ہے سمجھتے پھریں' مائی فٹ' میں ابھی آزاد ہوں آپ کی پابند نہیں ہوں کہ آپ کو تاویلیں دیتی پھروں۔'' غصے سے کہہ کر اس نے جھٹ سے کال بند کی اور سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔
''مائی گاڈ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔'' اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا تبھی پھر موبائل بجا تھا وہی نمبر تھا اس نے لب بھینچے کال پک کی تھی۔
''سنئے انا صاحبہ! انسان میں اتنی ہمت ضرور ہونی چاہیے کہ سچ کا مقابلہ کر سکے۔ آپ نے مجھے دھوکہ دیا ہے اور آپ نے میرے ساتھ قطعی اچھا نہیں کیا' کاش......کاش......'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بکواس کرتا انا نے پھر کال کاٹ دی تھی۔ اس کے دماغ کا ٹمپریچر ایک دم ہائی ہوا تھا وہ اٹھ کر اندھیرے کمرے میں ٹہلنے لگ گئی ابھی وہ ٹہل رہی تھی کہ ایک بار پھر موبائل بجا اس نے دیکھا وہی نمبر تھا انا نے غصے سے موبائل کو گھورا تھا۔
کال بیل بج بج کر خاموش ہو گئی تھی ابھی وہ کھڑکی کے پاس آ کر رکی تھی کہ بیل پھر بجی تھی' انا نے بہت غصے سے موبائل کو دیکھے بنا آگے بڑھ کر موبائل اٹھا کر ریس کا بٹن دبا کر موبائل کان سے لگالیا تھا۔
''مسٹر حماد! تم جو سمجھتے ہو سمجھتے رہو ہاں میں ہوں دھوکے باز لڑکی' کیا کر لو گے تم مجھ سے شادی سے انکار کر دو گے تو جاؤ کر وا نکار رہ گیا ولید اس کی میری زندگی میں جو بھی حیثیت تھی میں اس کے بارے میں تمہیں کسی بھی قسم کی کوئی بھی کلیرفیکیشن دینے کی پابند نہیں ہوں۔ میری طرف سے تم سب جاؤ بھاڑ میں' مائی فٹ......'' بہت غصے سے کہہ کر اس نے موبائل کان سے ہٹا کر آف کا بٹن کلک کرنا چاہا تو ٹھٹک گئی۔ ٹچ اسکرین پر جھلملاتے نام نے ایک دم اس کے

حواس سلب کیے تھے۔

''ولید......'' اس نے زیرلب دہرایا اور ڈرتے ڈرتے موبائل کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو انا......ہیلو......انا سن رہی ہو......انا'' وہ بلاشبہ ولید ہی تھا۔ انا کو لگا وہ منوں کے حساب سے شرمندگی کے بھاری بوجھ تلے دب گئی ہو۔

''انا میں ولید بول رہا ہوں، سن رہی ہو نا'' اور انا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اس نے کال کاٹ دی تھی، نہ صرف کال کاٹی تھی بلکہ موبائل بھی آف کر دیا تھا۔

وہ جو کر چکی تھی وہ بہت زیادہ تھا، شرمندگی پہ شرمندگی......اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خود کو ایک دم شوٹ کر دے لیکن اس کے اختیار میں کچھ بھی نہ تھا سوائے رونے دھونے کے اور وہ یہ کام خوش اسلوبی سے کر سکتی تھی اس نے خود کو بستر پر گرا لیا تھا اور تکیے میں منہ چھپا کر وہ ایک بار پھر شدت سے رو دی تھی۔



''کیا ہوا......؟'' مصطفیٰ نے ولید کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ پلٹا تھا، مصطفیٰ کو دیکھ کر مسکرایا۔

''کچھ نہیں دوست کو کال کر رہا تھا مگر نمبر بند جا رہا ہے؟'' مسکرا کر کہتے موبائل پاکٹ میں ڈالا۔

''تم تیار نہیں ہوئے ابھی تک؟'' مصطفیٰ نے اسے اسی طرح صبح والے لباس میں دیکھ کر پوچھا جبکہ وہ اچھی طرح ڈریس اپ تھا۔ آج عباس کی بارات اور رخصتی تھی اس کے بعد انا کی شادی کے بعد سب کا ولیمہ کے فنکشن ایک ساتھ تھا۔ بابا صاحب نے مصطفیٰ کو بطور خاص بلوا کر بتایا تھا کہ اس کا ولیمہ بھی ساتھ ہوگا، وہ ولیمہ جو اس کے ساتھ اچانک پیش آ جانے والے حادثے کے سبب کینسل ہو گیا تھا اور پھر بعد میں پینڈنگ ہوتا چلا گیا تھا۔ ولیمہ شہر میں ہونا تھا تاکہ وہ تمام احباب جو گاؤں نہیں آ سکتے وہ شہر کے فنکشن میں شرکت ضرور کر سکیں۔

''بس تیار ہونے ہی جا رہا تھا۔'' ولید نے عجلت سے کہا۔

''اچھا بات سنو۔'' دونوں ساتھ چلتے رکے تھے، مصطفیٰ کا انداز پرسوچ تھا۔

''شہوار بہت ناراض ہو رہی تھی۔''

''کیوں؟''

''وجہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' مصطفیٰ نے تادیبی انداز میں دیکھا تو ولید مسکرایا۔ ''صبح اس نے انا کو کال کی تھی ویسے تو اس کا ہر وقت انا سے رابطہ ہے لیکن مجھ سے کئی بار الجھ چکی ہے، کہہ رہی تھی کہ میں تمہیں سمجھاؤں جو ہو رہا ہے اچھا نہیں ہو رہا۔ انا بہت زیادہ پوزیسو ہو رہی ہے یہ نہ ہو وہ کوئی غلط قدم اٹھا لے۔'' ولید نے سنجیدگی سے سنا اور مسکرا دیا۔

''ڈونٹ وری، وہ جتنی بھی ایموشنل ہو جائے کچھ غلط نہیں کرے گی۔'' مصطفیٰ نے گھورا۔

''زیادہ اوور کانفیڈنٹ ہونے کی ضرورت نہیں، آخر کار وہ ایک لڑکی ہے آخر کب تک برداشت کر سکتی ہے۔ ویسے بھی میں سمجھ رہا ہوں کہ وہ کچھ زیادہ ہی سزا جھیل چکی ہے اب یہ سب اس کے لیے کچھ زیادہ ہی ہو رہا ہے۔''

''اوکے تمہارا کیا خیال ہے اب کیا کیا جائے؟'' ولید نے بظاہر سنجیدگی لیکن طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''تمہیں انا سے ایکسکیوز کر لینا چاہیے۔''

''ایکسکیوز تو اب اس سے صرف ایک بار ہی ہوگا اس سے پہلے تو قطعی نہیں۔'' مصطفیٰ نے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔

''اوکے، جیسے تمہاری مرضی لیکن اگر شہوار نے اس دوران ایسا ویسا کچھ کہہ دیا تو پھر مجھے سرزنش مت دینا۔'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور ہاں' چچا جان بلارہے تھے تمہیں۔''

''کب؟''

''کچھ دیر پہلے تیار ہوکر بابا صاحب کے ساتھ پنڈال (جس جگہ بارات کے لیے بیٹھنے کا انتظام تھا) کی طرف جارہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ تمہیں بھی لے کر اسی طرف آ جاؤں۔''

''میں چینج کر کے ادھر ہی جانے والا تھا' تم چلو میں بھی آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر تیزی سے اس کمرے کی طرف چل دیا' جہاں آج کل اس کا قیام تھا۔

بارات کا انتظام بہت اچھے انداز میں کیا گیا تھا۔ شہر سے ایونٹ آرگنائزر کو بلایا گیا تھا ذرا بھی فیل نہیں ہورہا تھا کہ ایک گاؤں میں شادی ہورہی ہے' بہت اچھا سیٹ اپ تھا سارا۔ خواتین اور مرد حضرات کے لیے علیحدہ علیحدہ بیٹھنے کے انتظامات تھے۔ عباس دلہا بن کر بہت جچ رہا تھا' آفاق شہ بالا بنا تھا۔ بارات تین بجے پہنچی تھی' نکاح اور کھانے کے بعد گاؤں کے رسم ورواج کے مطابق سلامی' تحائف اور مختلف رسومات کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔

شام کے بعد تک رخصتی کا عمل سرانجام دیا گیا تھا۔ لالہ رخ جو ساری عمر اولاد کے لیے ترستی رہی تھی' بیٹی کی رخصتی کے وقت پھوٹ پھوٹ کر رودی تھیں۔ ثریا بیگم جنہوں نے ہمیشہ ماں بن کر رابعہ کو پالا تھا وہ بھی غم زدہ تھیں۔ سہیل اور ولید بھائی بن کر بہن کو گاڑی تک لائے تھے اور فیضان صاحب جو ساری عمر رابعہ کے ساتھ گزارنے کے باوجود بھی اسے باپ کی طرح پیار نہ کرسکے تھے' نم آنکھیں لیے بیٹی کو رخصت ہوتے دیکھ رہے تھے۔ بابا صاحب بھی دکھی تھے لیکن غم زدہ بیٹے کو سینے سے لگا کر انہوں نے تسلی دی۔ فیضان صاحب کو لگا کہ آبلہ پائی کا سفر جیسے آج مکمل طور پر اختتام پذیر ہوگیا ہے۔ باپ کے سینے سے لگ کر وہ ایک دم پُرسکون ہوگئے تھے۔ رابعہ کا بڑے پُرجوش انداز میں خیر مقدم کیا گیا تھا۔ شہوار اور باقی سبھی لوگ بارات کے ساتھ ہی واپس آگئے تھے اور گھر آ کر شہوار اب دلہا والوں کی پارٹی کا ممبر بن چکی تھی سب کہہ رہے تھے کہ یہ فاؤل ہے لیکن وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔ مصطفیٰ اسے یوں مکمل طور پر اعتماد کے ساتھ زندگی کے رنگ کشید تے ہنستے مسکراتے اور خوشی سے بھرپور قہقہے لگاتے دیکھ کر ایک دم مطمئن سا ہوگیا تھا اس نے شہوار کے مزاج کے بہت سے رنگ دیکھے تھے جس میں سب سے گہرا رنگ افسردگی' غم اور ناامیدی کا تھا لیکن اب جو شہوار تھی وہ پُراعتماد تھی' بہت پُرجوش' حاضر جواب اور خوشیوں کے لمحات کو انجوائے کرنے والی۔

مصطفیٰ قدم قدم پر اس کے ساتھ دے رہا تھا اور یہی اعتماد اور محبت کا احساس شہوار کے انگ انگ سے چھلک کر اسے بہت خوب صورت' باوقار اور معتبر بنارہا تھا۔ رابعہ کو مختلف رسموں سے گزار کر لاؤنج میں لاکر بٹھادیا گیا تھا۔ سب نے خوب ہنگامہ مچا رکھا تھا' بڑوں کو ایک طرف بٹھادیا گیا اور سب میدان میں کود پڑے' دلہا دلہن کو خوب ستایا جارہا تھا۔

''سچ سچ بتائیں عباس بھائی کیسا فیل کررہے ہیں؟'' عائشہ سب سے آگے تھی۔

''بالکل ویسا جیسا بقرعید کے موقع پر قربانی کا جانور فیل کرتا ہے۔'' سہیل نے جملہ پاس کیا تو سب لڑکوں نے ہوہا مچادی تھی۔

''تم سب بہت بدتمیز ہو' خبردار اب کسی نے مداخلت کی تو......'' عائشہ نے وارن کیا۔

''سن لیں آفاق بھائی' عائشہ بھابی آپ کو بدتمیز کہہ رہی ہیں۔'' عدیل نے بی جمالو کا کردار ادا کیا تھا جواباً عائشہ نے کھینچ کر تھپڑ اس کے کندھے پر دے مارا تھا جس کے بعد وہ ادھم مچا رہا تھا۔

''چلیں عباس بھائی میرے سوال کا جواب دیں۔''

''بہت اچھا۔'' عباس نے اپنے پہلو میں بیٹھے وجود کو دیکھ کر کہا تو لڑکوں نے وسلنگ کر کے پھر شور مچایا۔

''توبہ یہ لڑکے تو......'' ماریہ اور رمشاء کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔
''سر کرکے لائے ہیں وہ بھی ڈنکے کی چوٹ پر' خوش کیوں نہ ہوں دل کی مراد بر آئی ہے۔'' لائبہ نے بھی جملہ کسا تھا' رابعہ کنفیوژ ہوچکی تھی۔ شہوار اور شائستہ اسے برابر تسلیاں دے رہی تھیں۔
''اچھا ہم سب کے نیگ نکالیں اتنی اچھی پیاری سی دلہن آپ کے حوالے کررہے ہیں' کچھ حق تو ہمارا بھی بنتا ہے۔'' صبا بھائی کا گھٹنا پکڑ کر بیٹھ گئی۔
''یار اتنے دنوں سے تم لوگوں نے نیگ کے نام پر میری جیبیں خالی کروادی ہیں' اب کس قسم کا نیگ باقی رہ گیا ہے۔'' عباس نے دہائی دی۔
''یہ رسم ہوتی ہے وہ تو دینا ہی ہوگا۔'' عائشہ بھی ساتھ بولی۔
''لو جی یہ نیگ نہ ہوا جگا ٹیکس ہوگیا۔''
''زیادہ بڑکیں مت ماریں' نیگ تو دینا ہی ہوگا۔'' لائبہ بھی ساتھ آ بیٹھی۔
''اچھا ایسا ہے کہ ادھار کرلیتے ہیں اتنا لمبا سفر کرکے آئے ہیں سبھی تھکے ہوئے ہیں' کل بات کریں گے۔'' عباس بھی ان کو ستا رہا تھا' ان سب نے شور مچادیا تو مہرالنساء بیگم کو خود میدان میں کودنا پڑا تھا انہوں نے سب کو نیگ دیا' بہنوں' بھابیوں' کزنز سب کو تب کہیں جاکر ان سب نے محفل برخاست کی تھی۔ رابعہ کو شہوار اور لائبہ عباس کے سجے سجائے کمرے میں لے آئی تھیں' رابعہ بہت ہی کنفیوژ تھی۔
''ڈونٹ وری عباس بھائی' بہت اچھے ہیں۔ بہت مخلص اور ہمدرد' آپ ان کے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔'' شہوار نے تسلی دی تو رابعہ کی ہتھیلیاں بھیگنے لگی تھیں۔

وہ لوگ لیٹ گھر پہنچے تھے' پہلے مصطفیٰ کی طرف گئے تھے کچھ دیر وہاں رکے پھر گھر لوٹ آئے تھے۔ روشی تو بہت تھکی ہوئی تھی وہ آتے ہی کمرے میں چلی گئی تھی۔ افشاں اور ضیاء صاحب بھی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وقار صاحب اور احسن بھی سونے چل دیئے تھے' ساجدہ نے بتایا تھا کہ انا اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔ وہ سارا دن کمرے میں بند رہی تھی دوپہر اور رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا صبوحی بیگم اس کے کمرے کی طرف چلی آئی تھیں' دروازہ کھلا ہوا تھا کمرہ بالکل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہوں نے لائٹس آن کیں تو انا منہ کے بل بستر پر دراز تھی' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے سر کے نیچے تکیہ رکھنا چاہا تو انہیں محسوس ہوا کہ انا کا جسم گرم ہے۔ انہوں نے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھا' نبض چیک کی تو پتا چلا کہ وہ تو شدید قسم کے بخار کے زیراثر تھی۔
''انا......'' انہوں نے پکارا تو انا نے ذرا آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور پھر پلکیں موند لی تھیں۔
''آپ لوگ آگئے۔'' کراہتی آواز تھی۔
''ہاں ابھی لوٹے ہیں اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے' تمہیں اتنا شدید ٹمپریچر ہے' کال کردیتیں ہم جلدی گھر آجاتے۔''
''میں ٹھیک ہوں ماما۔'' وہ بمشکل بولی تھی۔ صبوحی بیگم کو محسوس ہوا کہ بخار کے ساتھ ساتھ وہ شدید نقاہت سے بھی دوچار ہے۔
''خاک ٹھیک ہو' اتنا تیز بخار ہے ساجدہ بتارہی تھی کہ کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔ بیٹا ہم گھر پر نہیں تھے کم ازکم تم کال کردیتیں یا ڈاکٹر کے پاس ساجدہ کے ساتھ چلی جاتی اب اس قدر ٹمپریچر ہے نجانے کب سے اس حالت میں ہو۔'' وہ

فکر مندی سے اس کو سیدھا کر کے محبت سے اس کی پیشانی چوم کر کھڑی ہوگئی تھیں۔انہوں نے کچن میں آ کر انا کے لیے چائے بنائی تھی۔بسکٹ اور میڈیسن لے کر اس کے پاس آ گئی تھیں۔
انا کو زبردستی چائے اور بسکٹ دے کر میڈیسن کھلائی تھی،میڈیسن کھا کر وہ غنودگی میں چلی گئی تھی۔وہ کمرے میں جانے کی بجائے انا کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگ گئی تھیں۔بیٹی کچھ دن میں پرائی ہونے والی تھی۔انا کو دیکھتے ان کا دل بھر آیا تو انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چومی اور اس کے سکھ اور خوشیوں کے لیے ڈھیر ساری دعا کی تھیں۔

❀......❀......❀

عباس کمرے میں داخل ہوا تو رابعہ بہت ریز رو انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔
''السلام علیکم۔''عباس نے سلام کیا تو رابعہ نے محض سر ہلایا تھا۔
اس کا دوپٹہ اس انداز میں سیٹ تھا کہ ایک طرح سے ہلکے سے گھونگھٹ کا گمان ہوتا تھا۔ان سب لوگوں نے عباس کو ستانے کے لیے گھر لا کر بھی عباس کو اس کا چہرہ دیکھنے نہیں دیا تھا بلکہ ایک بڑی سی چادر میں چھپائے رکھا تھا اور وہ بڑی سی چادر کمرے میں آ کر اتری تھی۔کچھ دیر بعد عباس رابعہ کے سامنے بستر پر بیٹھا تھا تو رابعہ کے پورے وجود میں ایک عجیب سی سنسنی خیز لہر دوڑ گئی تھی۔
''سنا ہے بہت خوب صورت لگ رہی تھیں آپ؟''عباس نے کہا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر گھونگھٹ الٹ دیا تھا۔
رابعہ ایک دم سر جھکا گئی تھی اور عباس مبہوت سا بیٹھا رابعہ کے خوب صورت نین نقوش کو اس قدر خوب صورتی اور مشاقی سے سجا سنورا دیکھ کر ساکت ہوگیا تھا۔یہ وہ لڑکی تھی جس سے پہلی ملاقات لڑتے جھگڑتے ہوئی تھی بڑی سی چادر اوڑھے اس کے آفس میں کام کرنے والی یہ رابعہ نہ صرف کزن تھی بلکہ اب بیوی کی حیثیت سے ان کے بیڈ روم میں تھی۔عباس نے بہت نرمی سے اس کا گداز ہاتھ تھاما تو علم ہوا کہ دوسری طرف وہ گھبراہٹ کا شکار تھی۔عباس مسکرا دیا۔
''خوش ہیں؟''عباس نے پوچھا تو مختلف رنگوں سے سجی آنکھیں تھوڑا سا اوپر اٹھا کر عباس کو دیکھا تھا چہرے پر رنگوں کا نمایاں عکس نظر آ رہا تھا۔
''میں تو بہت خوش ہوں آپ جانتی ہیں رابعہ آپ میرے لیے اس گوہر نایاب کی طرح ہیں جو اگر مجھے نہ ملتا تو مجھے اپنی زندگی نامکمل سی لگتی۔''عباس کے انگ انگ سے خوشی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔
''محبت دنیا کا بہت بڑا سچ ہے اور یہ محبت مجھے آپ کی ذات سے ہوئی ہے میں دعویٰ کرتا ہوں نہ لمبے چوڑے وعدے کرتا ہوں لیکن یقین دلاتا ہوں کہ ہم دونوں بہت خوش رہیں گے میں آپ کو بہت خوش رکھوں گا۔''عباس نے کہا تو رابعہ کے چہرے پر خوب صورت مسکراہٹ پھیلی تھی۔
''کچھ کہیں گی نہیں۔''ہاتھ کو نرمی سے دبا کر پوچھا تو وہ جھینپی۔
''کیا؟''
''کوئی اچھی سی بات۔''
''آپ نے تو کہہ دی......''
''لیکن اب آپ کی باری ہے۔''وہ مسکرائی۔
''میں کوشش کروں گی کہ اس یقین کو قائم رکھنے میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دوں۔''مختصر سا جملہ تھا لیکن یہ جملہ عباس کے لیے بہت خاص تھا۔عباس نے بہت محبت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے دبائے تھے۔
''اجازت ہے نا۔''عباس نے پاکٹ میں سے ایک مخملی کیس نکال کر اس میں سے ایک خوب صورت سا لاکٹ اور

چین نکال کر رابعہ کو دیکھا اور رابعہ وہ پلکوں کی چلمن گرا گئی تھی۔

انا کو شدید بخار تھا شہوار کو علم ہوا تو وہ ملنے آ گئی تھی انا گم صم سی تھی اس کی چپ اسے بہت فیل ہوئی تھی گھر واپس آ کر اس نے ولید کا نمبر ڈائل کیا۔

''آپ نے انا کو کچھ کہا ہے؟'' سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو دوسری طرف ولید چونکا۔

''کیا ہوا؟''

''انا کو شدید بخار ہے آج سے پہلے میں نے اسے اتنا افسردہ اور ناامید نہیں دیکھا مجھے یقین ہے آپ نے ہی کچھ کہا ہے اسے۔''

''لو تمہاری دوست کو اگر چھینک بھی آ جائے تو الزام مجھ پہ آئے گا یا اچھی رہی تمہاری وہ تو آل ٹائم جذباتی لڑکی ہے اب مجھے کیا پتا اسے کیا ہو گیا ہے؟'' دوسری طرف سے وہ بھی خفا ہوا۔

''تو پھر وہ ایسے ری ایکٹ کیوں کر رہی ہے میں اسے اچھا بھلا چھوڑ کر گئی تھی وہ شادی کو لے کر پازیٹیو بھی ہو گئی تھی لیکن اب آنٹی بتا رہی تھیں کہ وہ بخار کی حالت میں نجانے کیا کیا کہتی رہی تھی وہ یہ شادی ہی نہیں کرنا چاہتی وہ آپ سے بھی نفرت کرتی ہے اور حماد سے بھی آنٹی بہت پریشان ہیں۔''

''اب مجھے کیا پتا وہ ایسے ری ایکٹ کیوں کر رہی ہے؟'' دوسری طرف ولید کا وہی انداز تھا۔

''او کے دیکھیں اب اس کی شادی کے دن قریب ہیں محتاط رہیے گا وہ بہت کنفیوژ ہو رہی ہے اگر اس نے جذباتیت میں ایسا ویسا کچھ کر لیا تو پھر ہمیں یا خود کو الزام مت دیجیے گا۔'' شہوار نے کہہ کر کال بند کر دی تھی۔ وہ انا کے بارے میں حقیقتاً بہت پریشان تھی خصوصاً صبوحی بیگم خود بھی پریشان تھیں اور انہوں نے اس سے انا کی پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے بظاہر لاعلمی کا اظہار کیا لیکن اندر ہی اندر اندازہ ہو رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں ولید کا ہاتھ ضرور ہوگا اور اب ولید سے بات کرنے کے بعد وہ مزید الجھ گئی تھی۔



انا بستر پر لیٹی ہوئی تھی اس کا بخار بڑھتا ہی جا رہا تھا گھر میں مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی ایسے میں اسے بخار میں بستر پر دراز دیکھ کر سبھی خیر خیریت پوچھ رہے تھے۔ کل اس کی مہندی تھی اور پرسوں بارات۔ وہ عجیب سا مضمحل اور سوگوار حسن لیے اپنے بستر پر دراز تھی۔

''لڑکی سب کی شادی ہوتی ہے کوئی تمہاری طرح جوگ نہیں لیتا اٹھو کھاؤ پیئو سب ہیں انجوائے کرو، شادی کے یہ دن پھر نہیں آنے والے۔'' اس کی سوگواریت پر روشانے نے اسے پمپ کرنا چاہا تھا لیکن انا بغیر کوئی رسپانس دیے لیٹی رہی تھی۔ دوپہر کے وقت ولید کی کال آئی تو وہ کتنی دیر تک موبائل کو پکڑے ساکت سی رہی تھی۔

''ہیلو۔'' کال ریسیو کرنے پر کان سے لگا کر بھی وہ خاموش رہی تو دوسری طرف سے ولید نے کہا۔

''ہیلو انا۔'' اس نے پھر پکارا تو انا نے ایک گہرا سانس لیا۔

''سن رہی ہوں۔'' اس کا انداز سپاٹ تھا۔

''شکر ہے خبر ملی ہے کہ تم شدید بخار میں پھنک رہی ہو اب کیسی طبیعت ہے۔'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''بہتر ہوں۔'' اس نے اسی مخصوص سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔

''بالکل اب تو بہتر ہو جانا چاہیے پرسوں تمہاری بارات ہے ویسے حماد سے میری بات ہوئی تھی کافی خوش لگ رہا

ہے۔شادی کی رسموں کو خوب انجوائے کررہا ہے تم بھی انجوائے کرو یار۔“ ولید کے الفاظ پر انا کو لگا کہ جیسے اس کا دل جھلس کر راکھ ہوگیا ہو۔

”یہ لو امی (لالہ رخ) بات کرنا چاہتی ہیں ان سے بات کرلو۔“ ولید نے کہہ کر موبائل لالہ رخ کو تھما دیا۔
”کیسی ہو انا بیٹا۔“ سلام دعا کے بعد انہوں نے پوچھا تو وہ مضمحل سے انداز میں مسکرائی۔
”ٹھیک ہوں آنٹی۔“
”مجھے شہوار سے علم ہوا تھا کہ تمہیں بخار ہے اپنا خیال رکھو بیٹا خوش رہو ہمیں تو بہت فریش سی بہو چاہیے۔“ انہوں نے لاڈ سے کہا۔ انداز میں انا کے لیے بے پناہ محبت اور چاہت تھی انا محض مسکرائی تھی تبھی ولید کی آواز گونجی تھی۔
”امی مجھے دیں ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ اور پھر موبائل ولید کے پاس تھا۔
”سنو تمہارے لیے حماد صاحب کی طرف سے ایک پیغام ہے۔“ ولید کے الفاظ پر وہ چپ رہی تھی۔
”وہ تمہیں بار بار کالز کررہا ہے تم اس کی کالز پک نہیں کررہیں وہ کہہ رہا تھا کہ اگر میری تم سے بات ہو تو تمہیں کہہ دو کہ اس کی کال پک کرو۔“ انا نے موبائل کان سے ہٹایا اور کال کاٹ دی تھی۔ کبھی یہ آواز اسے جینے کا سبب لگتی تھی اور اب اس نے موبائل بند کر کے ایک طرف ڈال دیا تھا۔
ان لوگوں کی طرف مہمانوں کی آمد ہوچکی تھی رات تک شہوار کے گھر والوں کی طرف سے بھی سبھی لڑکیاں اور دیگر لوگ آگئے تھے پھر خوب رونق لگی تو اسے بھی بستر چھوڑ کر ان سب کے درمیان بیٹھنا پڑا تھا۔ وہ حماد سے شادی کے لیے ذہنی طور پر خود کو تیار کرچکی تھی لیکن جس طرح اس نے کال کر کے اسے ولید کا حوالہ دیتے وہ سب کہا تھا اس کے دل سے خواہشوں و خوابوں کی خوشنما تتلیاں پھر سے اڑ گئی تھیں۔

وہ نہ تو خوش کن لمحات کا تصور کرسکتی تھی اور نہ ہی اب سوچنے کے لیے کچھ بچا تھا ولید کا کردار کھل کر سامنے آ گیا تھا۔

وہ محض اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ ولید چاہتا ہے کہ وہ اس کے سامنے روئے، گڑگڑائے اور توجہ کی بھیک مانگے لیکن اب جو بھی تھا حماد کی اس کال کے بعد اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جیسا بھی ہے یہ جوا اسے کھیلنا ہے۔ ولید کے سامنے اسے مزید تماشا نہیں بننا تھا اور حماد...... حماد کے ساتھ شادی اب اپنی انا اور وقار کی جنگ ساری زندگی لڑنا تھی، رات بڑی ہنگامہ خیز رہی تھی دونوں طرف مہمان تھے۔ ڈھولک، گانے، ہنسی مذاق شہوار کے گھر والے رات ادھر ہی رک گئے تھیں۔ اگلے دن متوقع رسم کی تیاری کے لیے وہ اپنے گھروں کو سدھاری تھیں اور انا نے بھی دوبارہ بستر سنبھالنے کے بجائے خود کو بحال کرنے کا سوچتے حالات کے دھارے پر بہنے دیا تھا۔ انا اپنا موبائل بند کر کے الماری میں رکھ چکی تھی زہرہ پھوپو کی فیملی گاؤں شفٹ ہوچکی تھی اور بقول سبھی کے وہیں سے بارات آنی تھی سو شہوار کی فیملی ہی ساری رسمیں کرنے ان کی طرف آرہے تھے۔
رات مہندی کا فنکشن تھا روشی کے ساتھ وہ پارلر چلی گئی تھی۔ وہ سارا وقت اس کا پارلر میں گزرا تھا۔ خوب صورت تو وہ پہلے ہی بہت تھی تھوڑی سی اضافی محنت نے اس کے روپ کو اور بھی نکھار دیا تھا۔ شام کو واپسی ہوئی تھی مہندی پارلر والی نے لگادی تھی۔ عشاء کے بعد روشی اس کے ہاتھ پاؤں دیکھ کر ایک دم چیخی تھی۔
”اف انا تمہارے ہاتھوں پر کتنا زبردست رنگ آیا ہے، کتنے پیارے لگ رہے ہیں تمہارے ہاتھ پاؤں۔“ وہ تو ایک دم لٹو ہوگئی تھی انا مضمحل سے انداز میں محض مسکرائی تھی۔ شہوار کی فیملی والے مہندی لے کر آرہے تھے۔ روشی کے کہنے پر اس نے زہرہ پھوپو کی طرف سے بھیجا گیا لباس اور دیگر لوازمات زیب تن کرلیے تھے۔ وہ سنجیدہ و افسردہ تھی لیکن اس کے باوجود اس کے سوگوار حسن میں دل موہ لینے والی کشش تھی۔ سبھی سراہ رہے تھے۔ عباس اور رابعہ بھی ساتھ

آئے تھے۔ رابعہ دلہنوں والے سراپے میں عباس کے ساتھ خوب جچ رہی تھی۔ جو بھی ان کا کپل دیکھتا خوب سراہ رہا تھا۔ شہوار اور رابعہ ہر رسم میں پیش پیش تھیں۔ انا ان دونوں بہنوں کے خلوص اور محبت پر دل سے مشکور ہوئی تھی۔ وہ رات بھی بہت خوش گوار تھی۔ انا کو شہوار اور رابعہ نے ہر وقت الجھائے رکھا تھا اسے کچھ اور سوچنے ہی نہ دیا تھا۔ شہوار نے بتایا تھا کہ وہ لوگ صبح گاؤں کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور پھر بارات کے ساتھ سبھی آئیں گے۔ ہنگاموں اور خوشیوں سے سجی وہ رات گزری تو اگلا دن شروع ہوا تھا ہر کوئی مصروف تھا۔ وقار صاحب، احسن اور ضیاء صاحب میرج ہال کے انتظامات میں مصروف تھے اور خواتین گھریلو ذمہ داریوں میں الجھی ہوئی تھیں بارات کی ٹائمنگ تین چار بجے کی تھی۔

12 بجے کے بعد احسن نے اسے پارلر چھوڑ دیا تھا اور وہیں سے سیدھے میرج ہال جانا تھا انا کا موبائل مسلسل بند تھا۔ پارلر سے اسے احسن نے ہی پک کیا تھا وہ میرج ہال پہنچی تو ابھی بارات نہیں آئی تھی۔ دلہن بن کر اس پر جو روپ اور نکھار آیا تھا ہر دیکھنے والی نگاہ مبہوت سی ہو گئی تھی جیسے ہی صبوحی بیگم نے اسے دیکھا۔ ان کی نگاہ بھر آئی تھی۔ چہیتی بیٹی آج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پرائی ہو جانے والی تھی۔ افشاں اور روشانے بھی افسردہ افسردہ سی تھیں لیکن انا کے خیال سے خود کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ مغرب سے ذرا پہلے بارات کی آمد کا شور اٹھا تھا۔ روشی اس کے پاس آئی تھی۔

''آؤ بارات دیکھتے ہیں۔'' اس نے برائیڈل روم کی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''مجھے نہیں دیکھنی۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔ روشانے کو کچھ اور لڑکیاں بلا کر لے گئی تھیں ایک دو لڑکیوں کے ساتھ وہ برائیڈل روم میں اکیلی تھی وہ لڑکیاں بھی کھڑکی سے باہر بارات دیکھنے لگی تھیں۔

''ارے زبردست دلہا کتنا ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہے یار۔'' صبوحی بیگم کی جان پہچان میں سے کچھ لڑکیاں تھیں۔

''ڈریسنگ بھی کیا کمال کی ہے۔''

''بارات کے ساتھ نظر آنے والے سبھی لڑکے گڈ لکنگ ہیں یار۔'' وہ آپس میں باتیں کر رہی تھیں یہ کمنٹس پاس کرتے وہ کھلکھلا کر ہنس بھی رہی تھیں۔

''سنا تھا بارات گاؤں سے آئی ہے لیکن یہ تو کہیں سے بھی گاؤں سے آئی بارات نہیں لگ رہی۔'' وہ لڑکیاں کمنٹس پاس کر رہی تھیں اور انا خاموشی سے سر جھکائے ان کو سن رہی تھی۔ بارات کی آمد بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ شہوار اس سے ملنے فوراً پہنچی اور پھر اسے دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔

''ماشاء اللہ۔'' اس نے بے اختیار کہا۔

''یار تم تو بہت ہی پیاری لگ رہی ہو اتنی حسین تو میں بھی اپنی شادی پر نہیں لگ رہی تھی۔'' اس نے ایک دم فرط محبت سے انا کا رخسار چوما۔

''رئیلی تمہارا دلہا بھی بہت پیارا لگ رہا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی انا نے محض مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ شہوار کے علاوہ باقی لڑکیاں بھی وہیں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ کچھ دیر وہیں بیٹھی تھیں اور پھر ہال میں چلی گئی تھیں نکاح کا شور بلند ہوا تو انا چونکی۔ اس کا دل بڑے عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا تھا نکاح کا رجسٹر لے کر آنے والوں میں احسن اور ضیاء ماموں تھے۔ انہوں نے انا کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کا سر خود بخود جھک گیا تھا۔

احسن نے اس کے سامنے نکاح کا رجسٹر رکھا تھا۔ اس کے اردگرد کافی لوگ تھے صبوحی بیگم بھی وہیں آ گئی تھیں۔ احسن نے دستخط کرنے والی جگہ پر انگلی رکھی تھی نکاح نامے کی دوسری سائیڈ کور تھی اور احسن کا ہاتھ دلہا کے دستخط والی جگہ پر اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ وہ کچھ دیکھ ہی نہیں سکی تھی ضیاء صاحب نے اسے قلم تھمایا تھا۔ انا کے پاس روشی بیٹھ گئی تھی دوسری طرف افشاں بھی آ گئی تھیں قلم تھامے بغیر کسی پر توجہ دیے وہ قلم کو گھور رہی تھی۔

"انا بیٹی دستخط کرو نا۔" ماموں کا ہاتھ اس کے سر پر مسلسل تھا۔ اس کے لب بھینچ کر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی بازی ہارنے جارہی تھی۔
اس نے گم صم انداز میں دستخط کردیے تھے۔ اگلے صفحات پر بھی جہاں جہاں ماموں کہتے رہے اس نے بن دیکھے گم انداز میں دستخط کیے تھے۔ جیسے ہی دستخط ہوئے تھے ضیاء صاحب نے اسے سینے سے لگالیا تھا۔ وہ رونا چاہتی تھی پھوٹ پھوٹ کردل کھول کر لیکن آنسو تھے کہ نکل ہی نہیں رہے تھے ضیاء ماموں نے اسے چیک تھمایا تھا۔
"یہ تمہارے حق مہر کی رقم ہے۔"
احسن بھائی نے بھی نم آنکھوں سے بہن کو ساتھ لگالیا تھا وہ لوگ وہاں سے چلے گئے تو صبوحی بیگم اسے ساتھ لگا کر بے اختیار رودی تھیں۔ روشی خود بھی آنکھوں میں آنسو لیے ہوئے تھی اس نے صبوحی بیگم کو انا سے جدا کیا اور پھر وہ ان کو لے کر باہر چلی گئی تھی۔ عجیب افسردہ سا منظر تھا۔ ایک لڑکی نے تو ماحول کی افسردگی دیکھتے باقاعدہ گانا شروع کردیا تھا۔
بابل کی دعائیں لیتی جا' جا تجھ کو سکھی سنسار ملے......
نکاح کے بعد کھانے کا دور چلا اس کے بعد دلہا کے ساتھ مختلف رسمیں ہوتی رہی تھیں بارات چونکہ واپس گاؤں جانا تھی سو جلدی جلدی مچادی گئی تھی دلہن کو دلہا کے ساتھ بٹھا کر مووی یا تصاویر بنانے والا سلسلہ ادھورا رہ گیا تھا انا کا دل عجیب سے انداز میں گھبرا رہا تھا۔ اس نے روشی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تھا اس کا ہاتھ شدید گرم تھا۔
"لگتا ہے تمہیں پھر بخار ہورہا ہے۔" روشانے کو تشویش لاحق ہوئی تھی۔ رخصتی کے وقت ماں باپ اور گھر والوں سے ملتے اس کی طبیعت ایک دم بگڑی تھی۔ اتنے دنوں کی شدید ٹینشن تھی یا رخصت ہونے کا صدمہ تھا۔ وہ چند منٹ کے لیے اپنے حواس پر قابو نہ رکھ پائی تھی۔ سبھی ایک دم پریشان ہوئے تھے۔ رخصتی کے وقت وہ نیم جاں سی تھی۔ گاڑی میں بٹھا کر شہوار ساتھ بیٹھ گئی تھی فرنٹ سیٹ پر رابعہ اور عباس بھائی تھے دلہا نے علیحدہ گاڑی میں آنا تھا۔ خوشیوں کا وہ بھرپور دن بڑے غم زدہ انداز میں سرانجام پایا تھا۔

❋......❋......❋

طویل سفر تھا حویلی پہنچتے پہنچتے ایک بج گیا تھا دلہن شدید تھک چکی تھی۔ مختلف رسموں کا طویل سلسلہ تھا جسے موقوف کرتے دلہن کی خرابی طبیعت کے سبب اسے فوراً اس کے سجے سجائے کمرے میں پہنچادیا گیا تھا۔ شہوار، رابعہ، شائستہ بھابی پھوپو اور دیگر کزنز پیش پیش تھیں۔ شہوار دوران سفر اس کا کافی برین واش کرچکی تھی سو حویلی پہنچ کر انا کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ گھبراہٹ اور پریشانی البتہ اپنی جگہ پر تھی آنے والے وقت کا خوف اور لمحوں کا حساب۔
"کچھ نہیں ہوگا تم بس کانفیڈنٹ رہنا، ہمارے دلہا میاں اب اتنے بھی خونخوار نہیں ہیں تمہاری اتنی پیاری شکل دیکھ کر تو وہ ویسے بھی اپنے حواس کھو بیٹھیں گے۔" شہوار نے مطمئن کرنا چاہا۔ وہ محض مسکرادی تھی۔
اسے اپنے لباس، حلیے سے سخت وحشت ہورہی تھی جی چاہ رہا تھا کہ سب کچھ ایک دم اتار پھینکے لیکن ہائے رے یہ دنیاداری۔ شہوار اور رابعہ آخری لمحوں تک اس کے پاس رہی تھیں اور اس کا دل بہلاتی رہی تھیں ڈھائی بجے کے قریب دلہا صاحب اپنے کمرے میں آرہے ہیں کا شور بلند ہوا تو انا کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ اسے یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ جب سے حماد پاکستان آیا تھا ایک بار بھی اس نے ملنے کوشش نہیں کی تھی اور ایک کال کی بھی تھی تو انا کے دل سے خوش گمانیوں کی ساری تتلیاں اڑادی تھیں۔ رخصتی کے بعد سے لے کر اب تک ایک بار بھی اس نے دلہا کا ذکر سننا تو دور کی بات حماد صاحب کا نام تک نہیں سنا تھا نجانے اب کیا ہونے والا تھا۔
انا کو رہ رہ کر حماد کی فون پر کہی باتیں یاد آنے لگیں تو اس کا حلق خشک ہونے لگا وہ جو ساری عمر کسی اور کے خواب

دیکھتی رہی تھی آج کسی اور کے نام پر کسی اور کے لیے سجی سنوری اس کی سیج کو رونق بخش رہی تھی۔ انا کا جی چاہ رہا تھا کہ اس دوغلے پن پر دل کھول کر روئے لیکن ماحول جگہ اور صورت حال ایسی تھی کہ وہ دل پر بند باندھ رہی تھی۔

''چلو جی ہم تو چلتے ہیں اب تم جانو اور تمہارے دلہا صاحب۔'' شہوار نے شرارت سے کہا اور جھک کر اس کا گال چوم لیا۔

''بیسٹ آف لک ڈیئر بھابی جان۔'' رابعہ نے بھی بہت محبت سے کہا تھا۔ انا کا وجود ہولے ہولے لرزنے لگا تھا۔ شہوار نے اس کے ماتھے کی بندیا درست کی تھی لباس ٹھیک کر کے اسے اچھی اور نیک خواہشات سونپ کر رابعہ کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔ انا ساکت وصامت سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کا دل بند ہوتا جا رہا تھا۔ گھبراہٹ، پریشانی، الجھن اور شدید وسوسے وہ آنکھیں بند کر کے اللہ کو یاد کرنے لگی تھی۔ وہ پورے دل سے اللہ کو یاد کر رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا..... انا کا سر جھکا تھا۔ اس کی بند آنکھیں کچھ اور شدت سے بند ہوئی تھیں۔ آنے والا چلتا ہوا اس کے سامنے بستر پر بیٹھا اور اس کے جھکے سر کو دیکھ کر مسکرایا تھا آنے والے کے کلون کی مہک سے۔ انا کا دل گھبرا رہا تھا لیکن اس نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے دلہا صاحب نے اس کا ہاتھ تھاما تھا انا کو لگا جیسے اس کا پورا وجود کانپ اٹھا ہو۔ وہ اس کا ہاتھ دھیرے دھیرے سہلا رہا تھا۔ لمس کی نرمی اور ہاتھ کی گرمی انا کا دل مزید ڈوبا تھا۔ ہاتھ کو چھوڑ کر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھاما تو انا کی لرزتی پلکیں کچھ اور سختی سے ایک دوسرے سے ہمکنار ہوئی تھیں۔ اس کے پاس موجود شخص کا لمس بول رہا تھا۔

''اب اتنا بھی ڈریکولا نہیں ہوں کہ تم آنکھیں کھولنے سے ہی انکار کر دو۔'' ہنس کر کہا گیا۔ انا جس کا سارا وجود کان بنا ہوا تھا ایک دم چونکی تھی۔

''یہ آواز۔''

''سنا تھا بہت حسین لگ رہی ہو ایک نظر دیکھ کر ہی جھٹ سے گروں گا اور پٹ سے بے ہوش ہو جاؤں گا۔'' مزید کہا گیا تھا لہجے میں ہنسی کی آمیزش تھی انا نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں کھولی تھیں اور اگلے ہی پل اس کی کھلی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھی اس کے سامنے کوئی اور نہیں ولید تھا۔ وہ ولید جس کے اس وقت یہاں موجود ہونے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''آ..... آپ.....!'' وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئی تھی۔ جھٹکے سے ولید کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

''کیسا لگا یہ سرپرائز۔'' وہ مسکراہٹ لیے پوچھ رہا تھا۔ انا نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں لیکن یہ دھوکا نہیں حقیقت تھی۔ ولید مجسم اس کے سامنے تھا۔

''آ..... آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟'' وہ جو سمجھ رہی تھی اس پر یقین کرنے کو تیار نہ تھی ایک منٹ بھی ضائع کیے بغیر وہ تیزی سے بستر سے اتری اور پھنکاری تھی۔

''تو اور کہاں جاتا؟'' ولید نے ہنس کر کہا تو انا کا جی چاہا کہ کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اس کی آنکھیں اس منظر پر یقین کرنے کو تیار نہ تھیں۔

''آپ اس قدر گر سکتے ہیں میں نے سوچا بھی نہ تھا آپ کی ہمت کیسے ہوئی ہے یہاں آنے کی۔''

''انا.....'' ولید ایک پل کو رکا۔

''خبردار میرا نام بھی لیا تو..... آپ اب تک میرے ساتھ جو کرتے آئے ہیں میں نے سب کچھ سہہ لیا لیکن اب آپ کی اس گھٹیا حرکت پر خاموش نہیں رہوں گی آپ کی ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی میں شور مچا دوں گی اگر آپ

یہاں سے نہ نکلے تو......!'' وہ تو ایک دم مرد مار والی کیفیت میں آئی تھی۔

''اوہ تم جو سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے میں ہی تمہارا شوہر نامدار ہوں، میری تم سے شادی......!'' ولید کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کیا سمجھ رہی ہے اس نے ہنس کر اسے بتانا چاہا تھا۔

''شٹ اپ!'' اس نے ایک دم بھڑک کر ولید کو پیچھے دھکیلا تھا۔

''خبردار میرے ساتھ کوئی جھوٹ بولا تو میری شادی حماد سے ہوئی ہے اور آپ محض مجھے تکلیف دینے کے لیے اس قدر گھٹیا پن پر بھی اتر سکتے ہیں ناقابل یقین لیکن مجھے اتنا کمزور مت سمجھیں شرافت سے اس کمرے سے باہر نکل جائیں ورنہ میں شور مچا مچا کر سب کو اکٹھا کرلوں گی۔'' وہ تو بھڑک کر پھٹ پڑی تھی۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا تھا اسے اپنا یہ سرپرائز بہت مہنگا پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ گزرتے دنوں میں اس انا کے ساتھ جو رویہ رکھا تھا ایسے میں انا کا یہ ری ایکشن کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا لیکن ویسا نہ تھا جیسا وہ سوچ رہا تھا وہ تو بپھری ہوئی شیرنی بن بیٹھی تھی۔

''انا کول ڈاؤن یار سن میں تمہیں ساری سچویشن سمجھاتا ہوں۔'' خود کا توازن بحال کرتے وہ انا کی طرف بڑھا تو ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

''دور رہیں مجھ سے۔'' وہ چیخی تھی۔ ولید اپنی جگہ رک گیا تھا۔

''مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی' آپ میرے ساتھ جو کچھ کر چکے ہیں اس کے بعد تو میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی آپ انتہائی برے انسان ہیں ذرا بھی لحاظ نہیں کہ اس وقت آپ کس کے سامنے کیا کہہ رہے ہیں۔'' وہ غصے سے کہہ کر دروازے کی طرف پلٹی تو ولید ایک دم چونکا تھا۔ انا اگر باہر جاتی تو مطلب یہ تھا کہ سبھی بڑوں کو خبر ہو جاتی۔

''ارے انا رکو پلیز۔'' وہ فوراً اس کے رستے میں حائل ہوا۔

''میرے رستے سے ہٹ جائیں ورنہ نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔ میں مر جاؤں گی لیکن آپ کی کسی بھی گھٹیا پلاننگ کا حصہ نہیں بنوں گی۔'' وہ دھاڑی۔

''شٹ اپ۔'' ولید نے سختی سے کہا تو انا نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

''تم آرام وسکون سے میری بات سن لو تو بہتر ہوگا۔'' ولید نے خود پر قابو پاتے نرمی سے کہا تو انا کے تنے اعصاب میں ذرا فرق نہ پڑا تھا۔

''بات ساری یہ ہے کہ ہم سب مل کر تمہیں تنگ کر رہے تھے حماد پاکستان لوٹا ہی نہیں وہ ابھی بھی ملک سے باہر ہے بلکہ جب سب کے سامنے تمہارا منگنی توڑ دینے والا قدم اور پھر حماد سے رشتہ جوڑنے والی ڈیمانڈ آئی تو بات بابا صاحب تک بھی پہنچی تھی اور پھر انہوں نے مجھے طلب کر لیا تھا مجھے تم پر غصہ ضرور تھا لیکن اب اتنا بھی کم فہم نہیں تھا کہ تم سے ہاتھ دھو بیٹھتا سو اپنی مشروط ہاں کے ساتھ میں نے بابا صاحب کو پازیٹیو جواب دے دیا تھا اس طرح تم سے میرا رشتہ طے پا گیا لیکن شرط یہ تھی کہ تمہیں نہیں بتایا جائے گا اور اس سلسلے میں سب نے میری مدد کی تھی۔ سب نے تمہیں یہ باور کرایا کہ حماد سے تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ جبکہ حماد تمہارا مجھ سے رشتہ طے ہو جانے پر ڈس ہارٹ ہوا تھا لیکن جب ساری صورت حال کا اسے علم ہوا تو اس نے خود کو سنبھال لیا تھا تمہاری شادی کسی اور سے نہیں صرف مجھ سے ہوئی ہے تمہیں آخر تک اس بات سے بے خبر رکھنا یہ سب پلاننگ تھا یار۔'' انا حیرت اور بے یقینی سے سن رہی تھی۔

''اتنی بڑی پلاننگ۔'' وہ نڈھال سی بستر کے کنارے گری تھی۔ ولید ایک دم گھبرا گیا تھا۔

''دیکھو اب بے ہوش ہونے کا پروگرام اگر ہے تو پلیز ملتوی کر دو۔'' انا نے بہت غصے سے اسے دیکھا۔

''تمہاری وجہ سے پہلے ہی مجھے بہت سی صلواتیں اور گالیاں سننے کو مل رہی ہیں۔'' ولید نے بے چارگی سے کہا تو انا بے اختیار ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو دی۔

''ارے یہ کیا کررہی ہو پلیز چپ کر جاؤ اگر کسی کو خبر بھی ہوگئی تو میری بابا صاحب سے شامت پکی۔'' وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل قالین پر بیٹھ کر منتوں پر اتر آیا تھا۔ اس نے انا کے ہاتھ ہٹانا چاہے تھے لیکن اس نے سختی سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

''آپ بہت برے انسان ہیں۔ میں مرتی رہی، تڑپتی رہی اور آپ مجھے......!'' وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تو ولید کو پہلی بار اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

''ایم سوری یار، مجھے یہ تھا کہ تمہیں جب ساری صورت حال کا علم ہوگا تو یقیناً تم بہت خوش ہوگی۔''

''میرا دل کررہا ہے خود کو شوٹ کرلوں، ساری دنیا میں میرا تماشا بنایا تھا حماد کا نام لے لے کر مجھے ملامت کرتے رہے ایک پل ایک لمحے کو بھی ذہنی اذیت سے چھٹکارہ نہ مل سکا تھا مجھے اور اوپر سے آپ کو ہمیشہ کے لیے کھودینے کا دکھ۔'' ولید نے بے چارگی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ جی بھر کر رو رہی تھی۔ اتنے دنوں کا غبار تھا جو اب بہہ رہا تھا اس نے پتا نہیں ولید کی بات کا یقین کیا تھا یا نہیں لیکن اسے رونے کا موقع ضرور ملا تھا۔ کچھ دیر تک خوب رونے کے بعد اس نے سر اٹھایا تو میک اپ کا ستیاناس ہو چکا تھا اور اس کی شکل دیکھ کر ولید کی ہنسی چھوٹی تھی۔

''مائی گاڈ، بالکل بھوتنی لگ رہی ہو تم۔'' شادی کی رات شاید یہ دنیا کا واحد دلہا تھا جو اپنی دلہن کی تعریف اس انداز میں کررہا تھا۔ انا کا پارہ ہائی ہوا تھا۔ غصے سے ولید کو دیکھ کر جھٹکے سے اٹھی تھی۔ سامنے ہی ڈریسنگ ٹیبل تھی جس کے قد آور آئینے میں اس کی شبیہہ لہرائی تھی اسے دیکھ کر وہ ایک دم شاکڈ ہوئی تھی اور پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تھی۔ ولید نے چند پل اسے دیکھا اور پھر سائیڈ پر رکھے ٹشو کا رول اٹھا کر اس کے زبردستی ہاتھ ہٹا کر اس کا چہرہ صاف کیا تو انا نے لب بھینچے بہت غصے سے اسے دیکھا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم بہت خفا ہو لیکن اگر تم یہ بھول بھال کر مجھے کچھ اور کہنے کا موقع دو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔'' ولید کا انداز اب بھی غیر سنجیدہ تھا۔ انا کو پھر رونا آنے لگا تھا۔

''مجھے آپ کی کسی بھی بات کا یقین نہیں میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔'' بھاری کام والے دوپٹے سے بار بار چہرہ صاف کرتے اس نے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ میں اب بھی جھوٹ بول رہا ہوں۔''

''آپ میرے ساتھ پچھلے دنوں جو کچھ کرچکے ہیں اس کے بعد میں کیا ہر کوئی یہی کہے گا۔'' وہ غصے سے کہہ کر دوبارہ دروازے کی طرف لپکی تھی دروازے کے ہینڈل پر ابھی ہاتھ ہی رکھا تھا کہ ولید نے ایک دم اس کو پکڑ کر رخ اپنی طرف کرلیا تھا۔

''تمہیں اس بات پر شک ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں تو میں ابھی تمہاری کسی سے بات کرادیتا ہوں پھر تو تمہیں یقین آجائے گا نا۔''

''مجھے کیا پتا آپ کس کو کال کررہے ہیں آپ پیچھے ہٹیں میں خود پتا کرلوں گی۔'' اپنا ہاتھ چھڑا کر ولید کو گھورتے وہ اپنے حلیے اور صورت حال کی پروا کیے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔ وہ اس حویلی میں شہوار کی شادی اور نکاح پر آئی تھی لیکن اس کے باوجود باہر نکل کر اسے سمجھ نہیں آیا کہ اب کدھر جائے۔ ولید نے اسے باہر نکلتے دیکھ کر فوراً شہوار کو کال ملائی تھی۔

''جلدی سے کمرے میں آؤ مصطفیٰ کو بھی ساتھ لے آؤ۔'' فوراً یہ کہہ کر وہ انا کی طرف لپکا تھا جو اس دوران سیڑھیوں کی طرف بڑھ چکی تھی ولید کا کمرہ اوپر والے حصے میں تھا۔

وہ اگر نیچے پہنچ جاتی تو مطلب سارے گھر والوں کو خبر ہو جاتی تھی ولید بھاگ کر اس کے رستے میں آیا تھا۔

''ہم یہ مذاکرات کمرے میں بیٹھ کر آرام وسکون سے طے کر سکتے ہیں۔''

''آپ کو یہ سارا ڈرامہ شروع کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا مجھے کیا پتا آپ کے اس ڈرامے میں کون کون شامل ہے میرے نزدیک تو اب سارے ہی دھوکے باز، فراڈی اور ڈرامے باز ہیں۔'' انا کا انداز بے لچک تھا۔ ولید نے بہت ضبط سے انا کو دیکھا تھا تبھی شہوار اور مصطفیٰ آتے دکھائی دیے تو اس نے کچھ سکون محسوس کیا انا بھی ان کو آتے دیکھ کر مزید تن گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' دونوں نے فوراً قریب آ کر پریشانی سے پوچھا۔

''ان محترمہ کو یقین ہی نہیں آ رہا کہ ان کی شادی حماد سے نہیں بلکہ مجھ سے ہوئی ہے۔'' ولید نے بتایا تو مصطفیٰ کی ہنسی چھوٹی تھی اور شہوار نے بہت خفگی سے دیکھا تھا۔

''دیکھ لیا اس سارے ڈرامے کا انجام، میں نے کتنا سمجھایا تھا۔'' اس نے کہا تو انا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''یعنی تم بھی اس ڈرامے میں اپنے بھائی کے ساتھ تھی۔'' شہوار نے چارگی سے دیکھا تو انا نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا۔ یعنی وہ واقعی کتنی بے وقوف تھی سبھی اس کے جذبات سے کھیلتے رہے اور وہ اپنا تماشا خود بنواتی رہی۔

''پلیز اس کو کمرے میں تو لے جائیں نا۔'' ولید کو نیچے سے کسی کے آنہ جانے کی تشویش لاحق تھی۔ شہوار ولید کو غصے سے دیکھ کر انا کو بڑی مشکل سے دوبارہ کمرے میں لے جانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ کمرے میں آ کر ایک دفعہ پھر ساری صورت حال سمجھائی گئی تھی۔ مصطفیٰ نے ثبوت کے طور پر آج کے فنکشن کی ساری تصاویر دکھائی تھیں بلکہ اس نے نکاح نامے کی بھی ایک پک بنا رکھی تھی جس پر ولید سائن کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ نکاح کے بعد بھی نکاح کی چند تصاویر تھیں جہاں ولید کے سائن کے نیچے انا کے اپنے سائن تھے۔

''میں اس سارے ڈرامے میں ان کے ساتھ نہیں ہوں ان کو سمجھاتی رہی ہوں مصطفیٰ سے پوچھ لو مجھے خود چند دن پہلے علم ہوا تو ولید بھائی سے کتنا خفا ہوئی تھی۔'' شہوار اپنی صفائیاں دے رہی تھی۔ انا کو اتنے سارے ثبوت دیکھ کر یقین آ گیا تھا اور آخر میں مصطفیٰ نے اس کی احسن سے بھی بات کرا دی تھی۔ سب لوگ ڈرامہ کر سکتے تھے لیکن اس معاملے میں احسن جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

''ولید کا کہنا تھا کہ تمہیں تھوڑی بہت سزا تو ضرور ملنی چاہیے تا کہ آئندہ تم اس پر شک نہ کر سکو اور کسی بھی کاشفہ جیسی لڑکی کی باتوں پر یقین نہ کر سکو سو اس نے یہ پلان بنایا تھا اور ہم سب اس کا ساتھ دینے پر مجبور تھے حماد سے ہم نے ایکسکیوز کر لیا تھا وہ صورت حال سمجھ گیا تھا تمہاری شادی حماد سے نہیں ولید سے ہوئی ہے۔'' یہ احسن بھائی کے الفاظ تھے۔ باقی دنیا تو جھوٹ بول سکتی تھی لیکن ایک بھائی نہیں، انا نے بہت غصے سے ولید کو دیکھا تھا۔ شہوار اور مصطفیٰ کے بار بار ایکسکیوز کرنے پر اس نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

''اگر میں ٹینشن میں کچھ کر لیتی یا میرا ہارٹ فیل ہو جاتا ان کا کیا جانا تھا۔'' اس نے ولید کو خفگی سے دیکھا اور شہوار سے شکوہ کیا۔

''اسی لیے تو تم سے فون پر رابطہ رکھا ہوا تھا تمہاری طرف سے بے خبر نہیں تھا میں۔'' ولید نے کہا تو اس نے غصے سے دیکھا۔

''ہاں جتنی پروا تھی اندازہ ہوگیا ہے مجھے اور وہ حماد بن کر کالز بھی یقیناً آپ کرتے رہے تھے۔'' وہ اب روبرو ولید سے مخاطب تھی۔

''کیا کرتا تم اتنی آسانی سے بے وقوف بن رہی تھی تو سوچا کچھ انجوائے منٹ اور سہی۔'' ولید نے پھر چڑایا تھا مصطفیٰ اور شہوار ہنس دیے تھے۔

''لگتا ہے آج رات لڑ جھگڑ کر گزارنی ہے دیکھو یار اب ان محترمہ کو کیسے ہینڈل کرنا ہے خود سوچو ہمیں نہیں بلوانا اب ورنہ نیچے سے بڑوں کی پوری فوج لے کر آئیں گے ہم۔ اپنے مسائل خود حل کرو ہمیں تو سخت نیند آ رہی ہے۔'' مصطفیٰ نے کہا اور شہوار کا ہاتھ پکڑ کر اسے لے گیا تھا۔ ولید نے دروازہ بند کیا اور اس بار حفظ ماتقدم کے طور پر لاک بھی کر دیا تھا۔ انا اسی طرح تنے تنے سے اعصاب لیے بیٹھی ہوئی تھی۔

''او کے سیز فائر۔'' ولید نے اس کے سامنے بیٹھتے مسکرا کر کہا تو اس نے گھور کر دیکھا۔

''اس طرح کے تیور دکھاؤ گی تو میں تو ڈر کے مارے ہی فوت ہو جاؤں گا ویسے بھی رو دھو کر چہرے کا ستیاناس مار چکی ہو۔'' ولید نے کہا تو انا کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ اس وقت دلہن کے روپ میں ولید کے سامنے ہے۔ احسن سے بات کر لینے کے بعد اسے یقین آ گیا تھا کہ اس کی شادی ولید سے ہی ہوئی ہے اس کے تنے تنے اعصاب ایک خوش گوار احساس کی لپیٹ میں آ کر ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ اس نے دوپٹے کے پلو سے ہی اپنا چہرہ رگڑا تھا۔

''یہ لے لو۔'' ولید نے اسے ٹشو دیے تو اس نے خاموشی سے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا چہرہ صاف کیا تھا۔ آئی میک کافی حد تک دھل گیا کاجل نے چہرے پر رنگ بکھیرا تھا۔ باقی چہرہ کچھ نارمل ہی تھا اس نے چہرہ صاف کرتے اپنی صورت کو کچھ اور نارمل بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس کام سے فارغ ہوئی تو کچھ سمجھ نہ آئی کہ اب کیا کرے۔ لڑ بھی لیا تھا شکوے شکایتیں بھی سب ہوگئی تھیں شہوار اور مصطفیٰ بھی آ کر سب معاملہ کلیئر کر گئے احسن سے بھی بات ہوگئی تھی جو جو باتیں تھیں سب کلیئر تھیں اب کیا کرنا تھا۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی تھی ولید چل کر خود اس کے پاس آ رکا تھا۔ ولید کے شاندار سراپے میں اس کا رویا رویا متورم وجود جیسے چھپ سا گیا تھا۔

''ہاں بھئی اب کیا ارادہ ہے؟'' مسکرا کر پوچھا تو انا کا سر ایک دم جھکا تھا۔

اس وقت دل و دماغ میں بس یہی احساس حاوی تھا کہ وہ ولید کی دلہن بنی اس کے سامنے ہے آئینے میں نظر آتا دونوں کا عکس بھرپور تھا انا کے دل کی دھڑکنیں مچلی تھیں۔

''چلو آؤ صلح کر لیتے ہیں۔'' ولید نے کہا تو انا کا سارا وجود ایک نئے احساس سے اجاگر ہوا تھا۔

''آج ہماری شادی کی رات ہے باقی کی لڑائی کل۔'' گمبھیر لہجے میں کہا تو انا کسمسائی۔

''میں جان بوجھ کر نہیں لڑ رہی تھی آپ سے لڑنے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی لیکن جب آپ مجھے اگنور کرتے ہیں اور مجھے ایٹی ٹیوڈز دکھاتے ہیں تو میرا دل کرتا ہے آپ سے بہت لڑوں آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ میرے لیے کیا ہیں لیکن اس کے باوجود آپ نے یہ سب کیا میں واقعی مر جاتی تو......'' وہ اس وقت سنجیدہ تھی اور شکوہ کرتی انا ولید کو اس قدر اچھی لگی تھی کہ اس نے ایک دم اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''ایم سوری......ایم سوری فار ایوری تھنگ۔'' ولید کے گمبھیر لہجے میں کچھ تھا جو وہ ایک عرصے سے اس کی ذات میں تلاشتی رہی تھی۔

ولید کے لمس میں محبت کی گرمی تھی چاہت کی نرمی تھی اور انا وہ تو جیسے آج بن مانگے ہی سب کچھ پا کر ایک دم شانت سی ہوگئی تھی۔



شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں ان تینوں کے ولیمے کا ریسپشن تھا۔ تینوں دلہا حضرات چہرے پر خوش کن مسکراہٹ لیے مہمانوں کو ویلکم کررہے تھے اور تینوں دلہنیں اسٹیج پر بیٹھیں لوگوں کی داد و تحسین حاصل کررہی تھیں۔ بیک گراؤنڈ میں میوزک چل رہا تھا۔

جنم جنم ساتھ چلنا یونہی
قسم تمہیں قسم
آ کے ملنا یونہی
اک جان ہو بھلے اور بدن ہوں جدا
میری ہو کے ہمیشہ ہی رہنا
کبھی نہ کہنا الوداع
میری صبح ہو تمہی
اور تمہی شام ہو
تمہی درد ہو، تمہی آرام ہو
میری دعاؤں سے آتی ہے بس یہ صدا
میری ہو کے ہمیشہ ہی رہنا
کبھی نہ کہنا الوداع

بابا صاحب اپنے بہو اور بیٹے کے ساتھ بہت ہی خوش و خرم انداز میں بڑے اعتماد کے ساتھ سبھی لوگوں سے ان کو متعارف کرارہے تھے۔ آج ان کے تین چہیتے پوتوں کی دعوت ولیمہ تھی۔ وہ بہت خوش تھے ان کی آج ساری اولاد ان کے ساتھ تھی ان کو اب کوئی خواب تنگ نہیں کرتا تھا۔ ان کے ذہن پر اب کوئی بوجھ نہ تھا۔ ان کا ضمیر اب مطمئن تھا۔ وہ بہت خوش باش انداز میں اپنے بیٹے فیضان اور بہو لالہ رخ کو قریبی حلقہ احباب سے ملوا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی خوف اور کوئی ملال نہ تھا ان کے مدار سے جو تارا ٹوٹ کر خلا کی وسعتوں میں کہیں کھو گیا تھا وہ ان سے آ ملا تھا اور اس بار دوبارہ کھونے کا کوئی خدشہ بھی نہ تھا۔ ان کا یہ ٹوٹا ہوا تارا ان کا بیٹا فیضان حیات علی تھا۔



وہ تینوں کپلز اسٹیج پر بیٹھے اسٹیج کو رونقیں بخش رہے تھے خاندان کے سبھی لڑکے لڑکیاں ان کے گرد جمع تھے۔ قہقہے تھے، خوشیاں تھیں رونقیں تھیں، لالہ رخ نے اپنے تینوں بچوں کو دیکھا تھا ان کے مسکراتے چہرے تھے۔ شہوار کی طرف جھک کر کچھ کہتا مصطفیٰ اور شہوار کے رخساروں پر پھوٹتی شفق رابعہ کا ہاتھ بڑے اعتماد سے تھام کر ایک کزن کے کیمرے کا مرکز بنے عباس اور رابعہ اور انا کی گھوریوں اور نخریلی اداؤں کو نظر انداز کرتا ولید، سبھی بہت پیارے لگ رہے تھے۔ ان کے دل سے ان سب کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں۔

ان کے آشیانے کے یہ تینوں پھول آج اس خاندان کا حصہ بن چکے تھے۔ ایک بہت بھرپور منظر تھا۔ دلکش ہنستے مسکراتے چہروں سے سجا یہ منظر ان کے دل کی رونقیں بڑھا رہا تھا انہوں نے مسکرا کر اپنے محبوب شوہر کو دیکھا تھا۔ وہ بھی شاید انہی جیسے جذبات لیے اسی منظر میں کھوئے ہوئے تھے ان دو کھوئے ہوئے لوگوں نے ساری عمر اذیت و تکلیف کی زندگی گزاری تھی اپنی اپنی جگہ اولاد سے جدائی کا درد سہا تھا لیکن آج ان کا آشیانہ پھر سمٹ چکا تھا۔ ان کے یہ

خواب اپنے انجام کی طرف گامزن تھے اور یہ دونوں ایک عمر کا طویل ہجر کاٹنے کے بعد پھر سے ایک جان تھے کبھی نہ بچھڑنے کے لیے۔ فیضان نے بہت محبت اور گرم جوشی سے محبوب بیوی کا ہاتھ تھام کر دبایا تھا۔ اس دباؤ میں دوبارہ کبھی نہ بچھڑنے کا عندیہ تھا جواباً لالہ رخ نے ایک مسکراہٹ اپنے محبوب شوہر کی نظر کی تھی یہ احساس تھا کہ وہ ہمیشہ اسی محبت کے حصار میں رہنا چاہتی تھیں۔



ولیمے کے بعد سبھی شاہزیب صاحب کے گھر میں جمع تھے وقار صاحب اور ضیاء صاحب اپنی اہل خانہ کے ساتھ ہی اُدھر ہی تھے خوب رونق لگی ہوئی تھی فوٹو سیشن ہو رہا تھا۔ تینوں دلہنیں ایک ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں اور تینوں دلہا حضرات ہمراہ تھے۔ فیملی فوٹو سیشن ہو رہا تھا۔ سبھی لوگ اس سیشن میں حصہ لے رہے تھے۔ کیمرے والے کو رخصت کرنے کے بعد وہ سبھی کزنز پارٹی میں گھر گئے تھے بزرگوں کی اپنی محفل جم چکی تھی۔

''بے چاری انا کو تو سبھی نے خوب بے وقوف بنایا تھا یہ شادی یادگار رہے گی دلہن صاحبہ آخری لمحے تک شادی کس سے ہو رہی ہے کے بارے میں بے خبر تھیں۔'' عائشہ ریکارڈ لگا رہی تھی۔

''یادگار کیا بلکہ ریکارڈ میں رہے گی۔'' لائبہ نے ہنس کر کہا تو انا جھینپی۔ اس نے ولید کو دیکھا وہ مصطفیٰ کے ساتھ بیٹھا

سروے

ہر بار کی طرح اس بار بھی عید کی خوشیوں میں آپ کو شریک کرنے کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا گیا ہے سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں:۔

☆ سسرال والوں کی جانب سے آنے والی پہلی عیدی پر آپ کے تاثرات کیا تھے؟

☆ عید کے دن کی کوئی خاص بات جو آپ کو بے حد پسند ہو نیز عید کے دن آپ کے معمولات کیا ہوتے ہیں؟

☆ خواتین کے ہار سنگھار ہمیشہ تاخیر کا سبب بنتے ہیں ایسے میں آپ کہاں جانے کے جھٹ پٹ تیار ہو جاتی ہیں اور کہاں تاخیر کا مظاہرہ کرتی ہیں؟

☆ عید کی شاپنگ کے لیے آپ شوہر یا بھائی وغیرہ کی جیب کیسے خالی کراتی ہیں؟

☆ رمضان المبارک میں کن تسبیحات وظائف کو اپنا معمول بناتی ہیں؟

☆ گھریلو امور میں عید کی تیاری کے حوالے سے کون سا کام آپ کے سپرد کیا جاتا ہے گھر کی آرائش و زیبائش، کوکنگ یا کچھ اور......؟

☆ عید کے پہناوں پر آپ کی پسند (پسندیدہ لباس)؟

☆ عید کی شاپنگ عموماً کس کے ساتھ جا کر کرتی ہیں؟

☆ کوئی سب سے یادگار چاند رات جس کا حسن فسوں خیز آج بھی سحر میں مبتلا کر دے؟

☆ عید کی تیاری کے لیے کوئی ٹپ (میک اپ ڈش) طریقہ کار وغیرہ۔

❖ تمام بہنیں ان سوالات کے جوابات 8 جون تک ارسال کر دیں۔ ای میل کے لیے ایڈریس یہ ہے۔

info@aanchal.com.pk

کوئی بات کررہا تھا۔ آج ان کی شادی کو چوتھا دن تھا شادی کے چوتھے دن ولیمہ تھا۔ اور گزارے دن انا کی زندگی کے سب سے یادگار دن تھے۔ ولید جس سے اسے ہزار شکوے تھے شکایتیں تھیں گلے تھے وہ اب سب رفع ہوچکے تھے۔ بحیثیت شوہر اس نے ولید کا جو روپ دیکھا تھا وہ انتہائی خوب صورت تھا بے حد محبت کرنے والا اور پروا کرنے والا انسان جس کی سوچ محبت ڈائیلاگز میں کہہ دینے کا نام نہیں بلکہ محبت عمل مانگتی ہے۔

وہ محبت کو لفظوں میں ضائع کرنے کا قائل نہ تھا وہ محبت کو محبوب کے ساتھ بانٹ کر شیئر کرکے اس کی کیئر اس کی ذات کو اپنے ہونے کا افتخار بخش کر بلندیوں کو چھو لینے کی سوچ کا قائل تھا۔ وہ جان چکی تھی ولید اس سے بہت محبت کرتا تھا وہ محبت جو وہ شک کی نظر سے دیکھتی رہی تھی وہی محبت تو ولید کا غرور تھی اس کی ذات کا فخر تھی اور انا جیسی جذباتی لڑکی اس کی محبت کو اپنے جذباتی پن میں نہ سمجھ پائی تھی اور اب اسے ولید کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہر طرف ولید، ولید اور بس ولید ہی تھا۔ ولید نے اسے یوں مسلسل اپنی طرف دیکھتے پاکر بھنویں سکیڑ کر "کیا ہے" پوچھا تو اس نے مسکرا کر نفی میں گردن ہلاتے دوسروں کی طرف توجہ دی تھی۔

"بھئی ان کے تو خوب مزے ہیں بابا صاحب نے تینوں کو بیرون ملک ہنی مون کی آفر کی ہے بلکہ سارے اخراجات وہی ادا کریں گے۔" سجاد بھائی نے ہنس کر بتایا۔

"پھر کس جگہ جارہے ہو تم لوگ۔" صبا نے شہوار سے پوچھا۔

"ابھی جگہ ڈیسائیڈ نہیں ہوئی مصطفیٰ کو چھٹیاں مل جائیں پھر ان کے مطابق پروگرام سیٹل کریں گے۔" شہوار نے بتایا۔

"پھر تو سمجھو ہنی مون گیا ہاتھ سے مصطفیٰ بھائی کو چھٹیاں نہیں ملنے والیں۔"

"نہیں انہوں نے وعدہ کیا ہے وہ چھٹیاں لے لیں گے اور ہم سب اکٹھے جائیں گے جہاں بھی گئے۔"

"زبردست...... بیسٹ آف لک۔" سبھی نے خوش دلی سے کہا تھا' کافی دیر تک محفل جمی رہی تھی۔ انا رابعہ والے کمرے میں آگئی تھی۔ وہ لوگ سیدھا میرج ہال سے یہاں پہنچے تھے فوٹو سیشن کے بعد کچھ دیر آرام کی غرض سے کمرے میں آئی تھی' وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی جب ولید بھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"کیا سوچا جارہا ہے۔" ولید نے عقب سے آکر اس کے گرد بازو حمائل کرتے کندھے پر ٹھوڑی ٹکا کر آئینے میں اسے دیکھا۔

"میں سوچ رہی ہوں آپ کتنے خوش قسمت ہیں آپ کو مجھ جیسی لڑکی ملی۔" اس کے انداز میں شرارت تھی' ولید نے گھورا۔

"کیوں بھئی تم میں ایسی کیا خوبی ہے؟"

"دیکھیں نا' آپ پر مرنے والی آپ کے لیے کسی بھی حد تک چلی جانے والی لڑکی دنیا میں کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔" وہ چھیڑ رہی تھی۔

"محبت تو وہ کاشفہ بھی کرتی تھی۔" ولید نے جواباً چھیڑا۔ انا کا حلق تک کڑوا ہوگیا تھا۔

"نام مت لیں' اس چڑیل کا۔" ولید ہنس دیا۔ ہاتھ سے پکڑ کر بستر پر لا بٹھایا تھا۔

"خوش ہونا؟" بغور دیکھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" مسکرا کر جواباً دیکھا' ولید نے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے تھے۔

"جب ہم کسی کی پروا کرتے ہیں اس کی اداسی آنکھوں کی نمی اس کی مسکراہٹ کی کمی ہمیں محسوس ہونے لگے اور ہم

بے چین ہو جائیں تو یہ بھی محبت ہوتی ہے۔ محبت ضروری نہیں الفاظ کا پیراہن پہنا کر پیش کی جائے محبت تو محسوس کرنے اور دل سے دل تک کے سفر کو کہتے ہیں۔" ولید نے کہا تو وہ مسکرائی۔

"ان گزرے دنوں میں جو حویلی میں آپ کے ساتھ گزرے ہیں وہ میری زندگی کے سب سے قیمتی دن ہیں اور ان گزرے لمحوں میں میں نے جانا ہے کہ آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ مجھے اپنے ہونے پر فخر ہونے لگتا ہے اور یہ احساس اور بھی معتبر کر دیتا ہے کہ آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرے ہیں۔" وہ ولید کے سینے پر سر رکھ کر وہ سب کہہ رہی تھی جو اس کے دل میں تھا اور ولید اس نے جواباً اسے کچھ کہنے کی بجائے بہت محبت سے سمیٹتے اس کی روشن چمکتی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے تھے۔

اس لمس میں بے پناہ وارفتگی تھی
جوش تھا
محبت تھی اور احساس تھا
اور انا ایک دم مطمئن سی ہو کر آنکھیں موند گئی تھی۔



تین سال بعد......

انا کے نمبر پر بار بار کال آ رہی تھی۔

"ہم کچھ دیر میں پہنچ رہے ہیں ایم سوری ایک پیشنٹ آ گیا تھا جی شہوار بھی میرے ساتھ ہے......بس پلیز تھوڑی دیر......" کال بند کر کے اس نے شہوار کو دیکھا جو مسکرا کر اپنا کوٹ اتار کر دوپٹہ درست کر رہی تھی۔ "بھائی کی کال تھی۔"

"یس......عیسیٰ نے سارے گھر والوں کو تنگ کر رکھا ہے خفا ہو رہے تھے کہ کب گھر پہنچ رہے ہیں روشی کے بھی کئی فون آ چکے ہیں۔" اس نے جلدی جلدی سامان سمیٹتے بتایا تھا اور پھر گھنٹی بجا کر نرس کو بلوایا تھا۔

"ہم گھر جا رہے ہیں کوئی بھی مسئلہ ہو ڈاکٹر حامد اور ڈاکٹر فرح موجود ہیں وہ ڈیل کر لیں گی۔" نرس نے سر ہلا دیا تھا۔ دونوں اپنا اپنا بیگ موبائل اور دیگر چیزیں سمیٹ کر باہر نکلیں تو گاڑی موجود تھی۔

"آج اس سیزیرین کے کیس نے تو ڈرا ہی ڈالا تھا۔"

"لیکن اللہ کا شکر ہے ماں اور بچے دونوں کی جان بچ گئی۔" شہوار نے بھی کہا تھا وہ دونوں اپنا ایک چھوٹا سا ہسپتال چلا رہی تھیں۔ یہ ہسپتال ایک سال پہلے بابا صاحب نے بنوا کر دیا تھا۔

"زیب النساء ہسپتال۔" انہوں نے اپنی بیگم کے نام پر بنوایا تھا اور اس کا چارج شہوار اور انا کے ہاتھوں میں تھا جہاں کچھ اور ڈاکٹر اور پیرامیڈیکل اسٹاف بھی تھا۔ دونوں نے فائنل ائر اور ہاؤس جاب کے بعد اپنا ہسپتال جوائن کر لیا تھا۔ انا شہوار کے ہمراہ ہی اوپر والے پورشن میں رہائش پذیر تھی جبکہ بابا صاحب لالہ رخ فیضان ثریا بیگم اور ان کی بہو کے ہمراہ حویلی میں رہتے تھے سہیل بھائی واپس باہر جا چکے تھے۔ انا اور شہوار دونوں کا ایک ایک بیٹا تھا روشانے کی بیٹی پیدا ہوئی تھی جو اب تین سال کی تھی۔ رابعہ کی بھی بیٹی تھی لائبہ کے دو بیٹے ہو گئے تھے۔ ولید شاہزیب صاحب کے ہمراہ مل کر بزنس کر رہا تھا جس میں احسن کے ساتھ اس کی پارٹنر شپ تھی عبدالقیوم کا کیس تقریباً ایک سال تک کورٹ میں چلا تھا اور پھر اسے پھانسی ہو گئی تھی۔

مصطفیٰ کی بھرپور کوششوں کی بدولت لالہ رخ کو اپنی تمام جائیداد مل چکی تھی جو انہوں نے مختلف رفاہی کاموں کے لیے وقف کر دی تھی۔ عادلہ اپنے جیسے کسی مرد سے شادی کر کے ملک چھوڑ کر جا چکی تھی۔ ابوبکر بھی ہادیہ کے ہمراہ باہر

شفٹ ہوگیا تھا سبھی لوگ اپنی اپنی زندگی میں اچھی طرح سیٹل تھے۔
آج روشانے کی بیٹی کی تیسری سال گرہ تھی، وہ انا کو بار بار کال کررہی تھی۔ انا نے بیٹے کا نام لالہ رخ کی پسند پر عیسیٰ رکھا تھا۔ عیسیٰ ولید کا بچپن میں نام تھا جو اسے بہت پسند آیا تھا جبکہ شہوار کے بیٹے کا نام عمر تھا جو مصطفیٰ کی پسند سے رکھا گیا تھا۔ وہ دونوں گھر پہنچیں تو سبھی تیار ان کے منتظر تھے۔
"یار کتنی دیر کردی ہے معلوم بھی تھا کہ آج احسن کی طرف جانا ہے۔" ولید نے دونوں کو آتے دیکھ کر کہا تو دونوں مسکرائی تھیں۔
"بالکل علم تھا لیکن ایمرجنسی کیس آ گیا تھا۔" شہوار نے بتایا۔
"مصطفیٰ آ گئے ہیں کیا؟" شہوار اپنے کمرے میں جاتے جاتے پلٹی تھی۔
"نہیں کال آئی تھی کہ وہ لیٹ ہوجائیں گے آفس سے سیدھا وہیں پہنچ جائیں گے۔" رابعہ نے بتایا تھا وہ سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔ ان دونوں کی غیر موجودگی میں رابعہ اور لائبہ عیسیٰ اور عمر کو بھی سنبھال لیتی تھی۔ اس کے علاوہ بچوں کے لیے علیحدہ سے گورنس رکھی ہوئی تھی۔ رابعہ نے عیسیٰ کو تیار کر رکھا تھا عمر بھی تیار تھا۔ وہ دونوں بھی جلدی جلدی تیار ہوئی تھیں۔ وہ لوگ روشی کی طرف پہنچے تو وہاں خوب رونق لگی ہوئی تھی۔
اچھی خاصی گیدرنگ تھی، روشانے کی بیٹی آ بگینے بہت پیاری بچی تھی۔ گول مٹول سی سفید فراک پہنے اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔ نانا نانی اسے دیکھ کر واری صدقے جارہے تھے۔ صبوحی بیگم اور وقار صاحب بھی خوش تھے، ہر کسی آنکھ کا تارا تھی یہ ننھی سی آ بگینے۔
"بہت دیر کی آنے میں، فائن ہوگا آپ لوگوں پر؟" روشانے نے کہا تو وہ ہنس دی۔
شاہزیب صاحب کے علاوہ باقی سبھی افراد آئے تھے۔ بڑے تو اپنی محفل جما کر بیٹھ گئے تھے جبکہ یہ سب ایک طرف لان میں جہاں سال گرہ کا ارینجمنٹ کیا گیا تھا اسی طرف چلے آئے تھے کچھ دیر بعد آفس لباس میں مصطفیٰ بھی وہیں آ گیا تھا۔
آ بگینے نے کیک کاٹا تو بڑوں سے زیادہ ننھے ننھے بچے پُرجوش تھے آفاق چھ سال کا بچہ تھا، ان بچوں میں سب سے سینئر اور سینئر ہونے کا رعب بھی دکھاتا تھا۔ کھانے کے بعد خوش گپیوں کا دور چلا تھا۔ دوست احباب کچھ دیر بعد رخصت ہوگئے تھے۔ رات گئے تک ان لوگوں کی محفل جمی رہی تھی، صبوحی بیگم اور وقار صاحب نے ان سب کو زبردستی روک لیا تھا۔ بچے ماؤں کی گود میں ہی سو گئے تھے جنہیں ساجدہ باجی اٹھا کر اندر کمروں لٹا آئی تھیں۔ ساجدہ باجی کے شوہر کافی بہتر ہوچکے تھے وہ لاٹھی کے سہارے اب چلتے پھرتے تھے۔ ساجدہ باجی اور ان کے شوہر صبوحی بیگم کے ہمراہ ان کے بوتیک میں ہوتے تھے اس گھر میں آ کر یہ لوگ بہت خوش تھے۔
"آج بہت دنوں بعد یوں محفل جمی ہے، کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔" روشانے نے کہا۔ سبھی بے فکر ہوکر لان کی کرسیوں پر براجمان تھے ساجدہ باجی ان سب کو چائے دے گئی تھی۔
"بالکل، ایسی چھوٹی موٹی گیدرنگ ہوتی رہنی چاہیے، مل بیٹھنے کا بہانہ ہی سہی ورنہ عام روٹین میں تو فرصت ہی نہیں ملتی کسی سے ملنے ملانے کو۔" شہوار نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔
"آنٹی کتنے دنوں سے حویلی بلا رہی ہیں، ہسپتال سے فرصت ہی نہیں ملتی وہ لوگ بھی عیسیٰ کے لیے اداس ہو رہے ہیں بلکہ انکل تو چاہ رہے تھے کہ عیسیٰ کو ان کے پاس ہی چھوڑ دوں لیکن عیسیٰ میرے بغیر رہتا نہیں ہے نا۔" انا نے کہا تو ولید ہنس دیا۔

''بیٹے کا نام کیوں بدنام کررہی ہو تم کب اس کے بغیر رہتی ہو نجانے ہسپتال میں کیسے وقت گزار لیتی ہو۔''
''ہاں تو ماؤں سے زیادہ بچوں کے لیے اور کوئی بھی اتنا کانشس نہیں ہوسکتا۔'' شہوار نے بھی کہا۔
''چلو مل کر پروگرام بناتے ہیں آؤٹنگ ہی سہی میں بھی ایک کیس نبٹالوں پھر فارغ ہوں چکر لگالیتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔
''اوکے تم پروگرام بناؤ ہم سب چلیں گے۔'' عباس بھائی نے بھی اوکے کردیا تھا' وہ سبھی اپنی اپنی بیگمات کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے' ہنسی مذاق' قہقہے سبھی کچھ تھا۔
''عباس بھائی ہامی بھریں تو میں آبگینے کی منگنی ابھی کرنے کو تیار ہوں ویسے بھی مجھے آفاق بہت پسند ہے۔'' کسی بات کے جواب میں روشانے نے کہا تو عباس نے ہنس کردیکھا۔
''بھئی میں تو بچپن کے رشتوں کے حق میں نہیں ہوں۔''
''کیوں بھئی میں اور احسن آپ کو سمدھی کے طور پر پسند نہیں آئے کیا؟'' اس نے فوراً کہا تھا' انداز میں شرارت تھی سبھی ہنس رہے تھے۔
''ایسی بات نہیں آبگینے تو بہت ہی پیاری بچی ہے لیکن میں قبل از وقت ایسے کسی بھی فیصلے کے حق میں نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں اس سے بچوں کے ذہن متاثر ہوتے ہیں۔'' عباس سنجیدہ ہوا۔
''بھئی مجھے اپنی پھوپو کا تجربہ ہے' ہمارا رشتہ انہوں نے ہی جوڑا تھا بلکہ انا اور ولید بھائی کا بھی انہوں نے ہی کیا تھا۔ مجھے یقین ہے ہم کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ بیٹھے بٹھائے آپ کو اتنی پیاری سی بہو مل رہی ہے جو ہماری انا کی ہی طرح نخریلی' حساس اور ذہین بھی ہے۔'' انا سمیت سبھی ہنس دیئے تھے' انا جھینپ گئی تھی آبگینے واقعی اسی کا پرتو تھی۔
''سوچ لیں عباس بھائی بیٹھے بٹھائے رشتہ مل رہا ہے ناشکری مت کریں۔'' سجاد نے چھیڑا تھا' وہ ہنس دیئے۔
''چلیں بات ذہن نشین کرلیتے ہیں لیکن قبل از وقت کچھ بھی نہیں کہوں گا۔''
''مبارک ہو روشی! بیٹھے بٹھائے رشتہ طے کرلیا ہے تم نے تو۔'' شہوار ہنسی۔
''تم لوگ بھی طے کرلو ویسے عباس بھائی نے ابھی باقاعدہ ہاں نہیں کی۔'' انا نے ولید کو دیکھا اس کے وجود کی دلکشی آج بھی اسی طرح برقرار تھی۔
مصطفیٰ کے ساتھ باتیں کرتا وہ بہت اٹریکٹو اور دلکش لگ رہا تھا۔ ولید نے اسے اپنی طرف متوجہ پاکر بھنوئیں اچکائی تھیں اور انا نے مسکرا کر نفی میں سر ہلاتے شہوار کی طرف رخ موڑا تھا اور اس سے کوئی بات کرنے لگ گئی تھی' وہاں موجود ماحول بہت مکمل تھا۔
سبھی بے فکری کی زندگی جیتے بہت خوش تھے۔ ان کے قہقہوں میں زندگی تھی' جوش تھا اور محبت تھی۔ وہ محبت جس نے ان سب کے دلوں کا باندھ رکھا تھا جو ان کو بکھرنے نہیں دیتی تھی اور دور اُفق پر ایک تارا مکمل تھا۔

(ختم شد)

